كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

"یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نورانیت کی طرف نکال لائیں"

بفضلہ تعالیٰ تمام تفسیروں سے اعلیٰ تفسیر

تفسیر ابن کثیر

جلد سوم

راس المفسرین

حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیرؒ

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

تفسیر ابن کثیر
۱۵
پارہ نمبر
چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر سورة بنی اسرائیل

فضیلت سورۂ بنی اسرائیل : ☆☆ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف اور سورہ مریم سب سے پہلے، سب سے بہتر اور بڑی فضیلت والی ہیں- مسند احمد میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نفلی روزے کبھی تو اس طرح پے در پے لگا تار رکھتے چلے جاتے کہ ہم اپنے دل میں کہتے شاید حضور ﷺ یہ پورا مہینہ روزوں ہی میں گزار دیں گے اور کبھی کبھی بالکل ہی نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم سمجھ لیتے کہ شاید آپ اس مہینے میں روزے رکھیں گے ہی نہیں- اور آپ کی عادت مبارک تھی کہ ہر رات سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر پڑھا کرتے تھے-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۱﴾

بڑے مہربان اور سب سے زیادہ رحم کرنے والے معبود برحق کے نام سے شروع ○

پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے اس لئے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں- یقیناً اللہ ہی خوب سننے دیکھنے والا ہے ○

سرگزشت معراج: ☆☆ (آیت:۱) اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کی عزت وعظمت اور اپنی پاکیزگی وقدرت بیان فرماتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے- اس جیسی قدرت کسی میں نہیں- وہی عبادت کے لائق اور صرف وہی ساری مخلوق کی پرورش کرنے والا ہے- وہ اپنے بندے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ایک ہی رات کے ایک حصے میں مکے شریف کی مسجد سے بیت المقدس کی مسجد تک لے گیا- جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانے سے انبیاء کرام علیہم السلام کا مرکز رہا- اسی لئے تمام انبیاء علیہم السلام وہیں آپ کے پاس جمع کئے گئے اور آپ نے وہیں ان سب کی امامت کی- جو اس امر کی دلیل ہے کہ امام اعظم اور رئیس مقدم آپ ہی ہیں- صلوات اللہ و سلامہ علیہ و علیھم اجمعین اس مسجد کے اردگرد ہم نے برکت دے رکھی ہے- پھل پھول، کھیت باغات وغیرہ سے- یہ اس لئے کہ ہمارا ارادہ اپنے اس محترم رسول ﷺ کو اپنی زبردست نشانیاں دکھانے کا تھا جو آپ نے اس رات ملاحظہ فرمائیں- اللہ تعالیٰ اپنے بندوں، مومنوں، کافروں، یقین رکھنے والوں اور انکار کرنے والوں سب کی باتیں سننے والا ہے اور سب کو دیکھ رہا ہے- ہر ایک کو وہی دے گا جس کا وہ مستحق ہے- دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی- معراج کی بابت بہت سی حدیثیں ہیں جو اب بیان ہو رہی ہیں-

صحیح بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ معراج والی رات جب کہ کعبۃ اللہ شریف سے آپ کو بلوایا گیا، آپ کے پاس تین فرشتے آئے- اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی کی جائے، اس وقت آپ بیت اللہ شریف میں سوئے ہوئے تھے- ان میں سے ایک جو سب سے آگے تھا، اس نے پوچھا کہ یہ ان سب میں سے کون ہیں؟ درمیان والے نے جواب دیا کہ یہ ان سب میں بہتر ہیں- تو سب سے اخیر والے نے کہا- پھر ان کو لے چلو- بس اس رات تو اتنا ہی ہوا- پھر آپ نے انہیں نہ دیکھا- دوسری
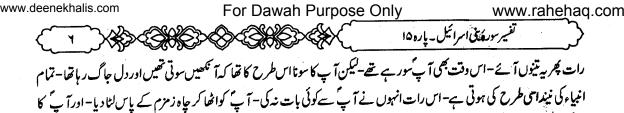
رات پھر یہ تینوں آئے - اس وقت بھی آپ سو رہے تھے - لیکن آپ کا سونا اس طرح کا تھا کہ آنکھیں سوتی تھیں اور دل جاگ رہا تھا - تمام انبیاء کی نیند اسی طرح کی ہوتی ہے - اس رات انہوں نے آپ سے کوئی بات نہ کی - آپ کو اٹھا کر چاہ زمزم کے پاس لٹا دیا - اور آپ کا سینہ گردن تک خود جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے چاک کیا - اور سینے اور پیٹ کی تمام چیزیں نکال کر انہیں اپنے ہاتھ سے زمزم کے پانی سے دھویا - جب خوب پاک صاف کر چکے تو آپ کے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جس میں سونے کا ایک بڑا پیالہ تھا جو حکمت وایمان سے پر تھا - اس سے آپ کے سینے کو اور گلے کی رگوں کو پر کر دیا گیا - پھر سینے کو سی دیا گیا - پھر آپ کو آسمان دنیا کی طرف لے چڑھے - وہاں کے دروازوں میں سے ایک دروازے کو کھٹکھٹایا - فرشتوں نے پوچھا کہ کون ہو؟ آپ نے فرمایا - ''جبرئیل'' - پوچھا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ ''فرمایا میرے ساتھ محمد ہیں'' (ﷺ) پوچھا کیا آپ کو بلوایا گیا ہے؟ جواب دیا کہ ''ہاں'' - سب بہت خوش ہوئے اور مرحبا کہتے ہوئے آپ کو لے گئے -

آسمانی فرشتے بھی کچھ نہیں جانتے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کیا کچھ کرنا چاہتا ہے جب تک کہ انہیں معلوم نہ کرایا جائے - آپ نے آسمان دنیا پر حضرت آدم علیہ السلام کو پایا - جبرئیل علیہ السلام نے تعارف کرایا کہ یہ آپ کے والد حضرت آدم علیہ السلام ہیں - انہیں سلام کیجئے - آپ نے سلام کیا - حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا مرحبا کہی اور فرمایا ''آپ میرے بہت ہی اچھے بیٹے ہیں'' - وہاں دو نہریں جاری دیکھ کر آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ نہریں کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ''نیل اور فرات کا عنصر'' - پھر آپ کو آسمان میں لے چلے - آپ نے ایک اور نہر دیکھی جس پر لولو اور موتیوں کے بالا خانے تھے جسے آپ کے پروردگار نے آپ کے لئے خاص طور پر بنا رکھا ہے - پھر آپ کو تیسرے آسمان پر لے گئے - وہاں کے فرشتوں سے بھی وہی سوال جواب وغیرہ ہوئے جو آسمان اول پر اور دوسرے آسمان پر ہوئے تھے - پھر آپ کو چوتھے آسمان پر چڑھایا گیا - ان فرشتوں نے بھی اسی طرح پوچھا اور جواب پایا وغیرہ - پھر پانچویں آسمان پر چڑھائے گئے - وہاں بھی وہی کہا سنا گیا - پھر چھٹے پر' پھر ساتویں آسمان پر گئے - وہاں بھی یہی بات چیت ہوئی - ہر آسمان پر وہاں کے نبیوں سے ملاقاتیں ہوئیں جن کے نام حضور ﷺ نے بتائے جن میں سے مجھے یہ یاد ہیں کہ دوسرے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام' چوتھے آسمان میں حضرت ہارون' پانچویں والے کا نام مجھے یاد نہیں - چھٹے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام' ساتویں میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ - علیہ و علی سائر الانبیاء صلوات اللہ و سلامہ جب آپ یہاں سے بھی اونچے چلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا'' الٰہی میرا خیال تھا کہ مجھ سے بلند تو کسی کو نہ کرے گا'' - اب آپ اس بلندی پر پہنچے جس کا علم اللہ ہی کو ہے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور اللہ تعالیٰ آپ سے بہت ہی نزدیک ہوا - بقدر دو کمان کے بلکہ اس سے کم فاصلے پر - پھر اللہ کی طرف سے آپ کی جانب وحی کی گئی - جس میں آپ کی امت پر ہر دن رات میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں - جب آپ وہاں سے اترے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو روکا اور پوچھا کہ کیا حکم ملا؟ فرمایا ''دن رات میں پچاس نمازوں کا'' - کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا - ''یہ آپ کی امت کی طاقت سے باہر ہے - آپ واپس جایئے اور کمی کی طلب کیجئے'' - آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا کہ گویا آپ ان سے مشورہ لے رہے ہیں - ان کا بھی اشارہ پایا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو کیا حرج ہے؟ آپ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف گئے اور اپنی جگہ ٹھہر کر دعا کی کہ الٰہی ہمیں تخفیف عطا ہو - میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی - پس اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں - پھر آپ واپس لوٹے - حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو پھر روکا اور یہ سن کر فرمایا - ''جاؤ اور کم کراؤ'' - آپ پھر گئے - پھر کم ہوئیں یہاں تک کہ آخر میں پانچ رہ گئیں - حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی فرمایا کہ دیکھو میں بنی اسرائیل میں اپنی عمر گزار کر آیا ہوں - انہیں اس سے بھی کم حکم تھا لیکن پھر بھی وہ بے طاقت ثابت ہوئے اور اسے

چھوڑ بیٹھے- آپ کی امت تو ان سے بھی ضعیف ہے' جسم کے اعتبار سے بھی اور دل' بدن' آنکھ' کان کے اعتبار سے بھی- آپ پھر جائیے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی طلب کیجئے- آپ نے پھر حسب عادت حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا- حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو پھر اوپر لے گئے- آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ ''اے اللہ میری امت کے جسم' دل' کان' آنکھیں اور بدن کمزور ہیں- ہم سے اور بھی تخفیف کر''- اسی وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ آپ نے جواب دیا لبیك و سعدیك- فرمایا ''سن میری باتیں بلتی نہیں' جو میں نے اب مقرر کیا ہے' یہی میں ام الکتاب میں لکھ چکا ہوں- یہ پانچ ہیں پڑھنے کے اعتبار سے اور پچاس ہیں ثواب کے اعتبار سے''- جب آپ واپس آئے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہو سوال منظور ہوا؟ آپ نے فرمایا ''ہاں کمی ہوگئی یعنی پانچ کا ثواب پچاس کا مل گیا' ہر نیکی کا ثواب دس گنا عطا فرمایا جانے کا وعدہ ہو گیا''- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کا تجربہ کر چکا ہوں- انہوں نے اس سے بھی ہلکے احکام کو ترک کر دیا تھا- آپ پھر جائیے اور پروردگار سے کمی طلب کیجئے- رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ اے کلیم اللہ' میں گیا آیا اب تو مجھے کچھ شرم سی محسوس ہوتی ہے- آپ نے فرمایا ''اچھا پھر تشریف لے جائیے- بسم اللہ کیجئے'' اب جب آپ جاگے تو آپ مسجد الحرام میں ہی تھے- صحیح بخاری شریف میں یہ حدیث کتاب التوحید میں ہے اور صفتہ النبی ﷺ میں بھی ہے-

یہ روایت شریک بن عبداللہ بن ابونمر سے مروی ہے لیکن انہوں نے اضطراب کر دیا ہے بوجہ اپنی کمزوری حافظہ کے بالکل ٹھیک ضبط نہیں رکھا- ان احادیث کے آخر میں اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ- بعض اسے واقعہ خواب بیان کرتے ہیں شاید اس جملے کی بنا پر جو اس کے آخر میں وارد ہے- واللہ اعلم- حافظ ابوبکر بیہقی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کے اس جملے کو جس میں ہے کہ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ قریب ہوا اور اتر آیا بس بقدر دو کمان کے ہو گیا بلکہ اور نزدیک- شریک نامی راوی کی وہ زیادتی بتاتے ہیں جس میں وہ منفرد ہیں- اسی لئے بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ نے اس رات اللہ عزوجل کو دیکھا- لیکن حضرت عائشہ' حضرت ابن مسعود' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم ان آیتوں کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا- یہی زیادہ صحیح ہے اور امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان بالکل حق ہے- اور روایت میں ہے کہ جب آپ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ نور ہے- میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ اور روایت میں ہے کہ میں نے نور دیکھا ہے- یہ جو سورہ النجم میں ہے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی یعنی پھر وہ نزدیک ہوا اور اتر آیا- اس سے مراد حضرت جبرئیل ہیں جیسے کہ ان تینوں بزرگ صحابیوں رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بیان ہے- صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے تو کوئی اس آیت کی اس تفسیر میں ان کا مخالف نظر نہیں آتا-

مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میرے پاس براق لایا گیا- جو گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا تھا جو ایک ایک قدم اتنی اتنی دور رکھتا تھا جتنی دور اس کی نگاہ پہنچے- میں اس پر سوار ہوا' وہ مجھے لے چلا' میں بیت المقدس پہنچا اور اسی کنڈے میں اسے باندھ دیا جہاں انبیاء علیہ السلام باندھا کرتے تھے پھر میں نے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کی- جب وہاں سے نکلا تو جبرئیل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن میں شراب لائے اور ایک میں دودھ- میں نے دودھ کو پسند کر لیا- جبرئیل نے فرمایا' تم فطرت تک پہنچ گئے- پھر اوپر والی حدیث کی طرح آسمان اول پر پہنچنا' اس کا کھلوانا' فرشتوں کا دریافت کرنا' جواب پانا' ہر آسمان پر اسی طرح ہونا بیان ہے- پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جنہوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر کی- دوسرے آسمان پر حضرت یحیٰی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہونے کا ذکر ہے جو دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی تھے- ان دونوں نے بھی آپ کو مرحبا کہا اور دعائے خیر دی- پھر تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جنہیں آدھا حسن دیا گیا ہے' آپ نے بھی مرحبا کہا نیک دعا کی- پھر

چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جن کی بابت فرمان الٰہی ہے وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ہم نے اسے اونچی جگہ اٹھالیا ہے۔ پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی' چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور سے تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں مگر جو آج گئے' ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آنے کی۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے' جس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے اور جس کے پھل مٹکے جیسے۔ اسے امر الٰہی نے ڈھک رکھا تھا۔ اس خوبی کا کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ پھر وحی ہونے کا اور پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا اور بمشورہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس جا جا کر کمی کرا کرا کر پانچ تک پہنچنے کا بیان ہے۔ اس میں ہر بار کے سوال پر پانچ کی کمی کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آخر میں آپ سے فرمایا گیا' جو نیکی کا ارادہ کرے گو وہ عمل میں نہ آئے تاہم اسے ایک نیکی کا ثواب مل جاتا ہے اور اگر کر لے تو دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور گناہ کے صرف ارادے سے گناہ نہیں لکھا جاتا اور کر لینے سے ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے (مسلم) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس رات آپ کو اسرا بیت اللہ سے بیت المقدس تک ہوا' اسی رات معراج بھی ہوئی اور یہی حق ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ براق کی لگام بھی تھی اور زین بھی تھی جب وہ سواری کے وقت کسمسایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا' کیا کر رہا ہے؟ واللہ تجھ پر آپ ﷺ سے پہلے آپ سے زیادہ بزرگ شخص کوئی سوار نہیں ہوا۔ پس براق پسینہ پسینہ ہو گیا۔ آپؐ فرماتے ہیں' جب مجھے میرے رب عزوجل کی طرف چڑھایا گیا تو میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ اور چھیل رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو جواب دیا گیا کہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزت وآبرو کے درپے رہتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے کہ معراج والی رات جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرا تو میں نے انہیں وہاں نماز میں کھڑا پایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے مسجد اقصیٰ کے نشانات پوچھے' آپؐ نے بتانے شروع کئے ہی تھے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے' آپؐ بجا ارشاد فرما رہے ہیں اور سچے ہیں۔ میری گواہی ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دیکھ رکھا تھا۔

مسند بزار میں ہے آپؐ فرماتے ہیں کہ میں سویا ہوا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور میرے دونوں شانوں کے درمیان ہاتھ رکھ دیا۔ پس میں کھڑا ہو کر ایک درخت میں بیٹھ گیا جس میں پرندوں کے مکان جیسے تھے۔ ایک میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹھ گئے۔ وہ درخت پھول گیا اور اونچا ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھو لیتا۔ میں تو اپنی چادر ٹھیک کر رہا تھا لیکن میں نے دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سخت تواضع اور فروتنی کے عالم میں ہیں تو میں جان گیا کہ اللہ کی معرفت کے علم میں یہ مجھ سے افضل ہیں۔ آسمان کا ایک دروازہ میرے لئے کھولا گیا۔ میں نے ایک زبردست عظیم الشان نور دیکھا جو حجاب میں تھا اور اس کے اس طرف یاقوت اور موتی تھے۔ پھر میری جانب بہت کچھ وحی کی گئی۔

دلائل بیہقی میں ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہؓ کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور آپ کی پیٹھ کو انگلی سے اشارہ کیا آپ ان کے ساتھ ایک درخت کی جانب چلے جس میں پرندوں کے گھونسلے جیسے تھے الخ اس میں یہ بھی ہے کہ جب ہماری طرف نور اترا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تو بیہوش ہو کر گر پڑے الخ پھر میری جانب وحی کی گئی کہ نبی اور بادشاہ بننا چاہتے ہو؟ یا نبی اور بندہ بننا چاہتے ہو اور جنتی؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسی طرح تواضع سے گرے ہوئے مجھے اشارے سے فرمایا کہ تواضع اختیار کرو تو میں نے جواب دیا کہ الٰہی میں نبی اور بندہ بننا منظور کرتا ہوں۔ اگر یہ روایت صحیح ہو جائے تو ممکن ہے کہ یہ واقعہ معراج کے سوا اور ہو کیونکہ

اس میں نہ بیت المقدس کا ذکر ہے نہ آسمان پر چڑھنے کا واللہ اعلم۔ بزار کی ایک روایت میں ہے حضور ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا لیکن یہ روایت غریب ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ براق نے جب حضرت جبرئیلؑ کی بات سنی اور پھر وہ آپ کو سوار کرا کر لے چلا تو آپؐ نے راستے کے ایک کنارے پر ایک بڑھیا کو دیکھا۔ پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ چلے چلئے۔ پھر آپ نے چلتے چلتے دیکھا کہ کوئی راستے سے یکسو ہے اور آپ کو بلا رہی ہے۔ پھر آپؐ آگے بڑھے تو دیکھا کہ اللہ کی ایک مخلوق ہے اور با آواز بلند کہہ رہی ہے السلام علیك یا اول السلام علیك یا اخر السلام علیك یا حاشر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا' جواب دیجئے آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ پھر دوبارہ ایسا ہی ہوا۔ پھر تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا یہاں تک کہ آپؐ بیت المقدس پہنچے۔ وہاں آپ کے سامنے پانی شراب اور دودھ پیش کیا گیا۔ آپ نے دودھ لے لیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ آپؐ نے راز فطرت پالیا۔ اگر آپؐ پانی کا برتن لے کر پی لیتے تو آپؐ کی امت غرق ہو جاتی اور اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ کی امت بہک جاتی۔ پھر آپؐ کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپؐ کے زمانے تک کے تمام انبیاء بھیجے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی امامت کرائی اور اس رات نماز سب نے آپؐ کی اقتداء میں پڑھی۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا راستے کے کنارے جس بڑھیا کو آپؐ نے دیکھا تو وہ گویا یہ دکھایا گیا کہ دنیا کی عمر اب صرف اتنی ہی باقی ہے جیسے اس بڑھیا کی عمر اور جس کی آواز پر آپؐ توجہ کرنے والے تھے' وہ دشمن رب ابلیس تھا اور جن کی سلام کی آوازیں آپؐ نے سنیں' وہ ابراہیمؑ موسیٰ اور عیسیٰ تھے' علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اس میں بھی بعض الفاظ میں غرابت و نکارت ہے واللہ اعلم۔

اور روایت میں ہے کہ جب میں براق پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں چلا تو ایک جگہ انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ یہیں اتر کر نماز ادا کیجئے۔ جب میں نماز پڑھ چکا تو فرمایا۔ جانتے ہو کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ یہ طیبہ (یعنی مدینہ) ہے۔ یہی ہجرت گاہ ہے۔ پھر ایک اور جگہ مجھ سے نماز پڑھوائی اور فرمایا یہ طور سینا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا۔ پھر ایک اور جگہ نماز پڑھوا کر فرمایا۔ یہ بیت اللحم ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر میں بیت المقدس پہنچا۔ وہاں تمام انبیاء جمع ہوئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے امام بنایا۔ میں نے ان کی امامت کی۔ پھر مجھے آسمان کی طرف چڑھا لے گئے۔ پھر آپؐ کا ایک ایک آسمان پر پہنچنا' وہاں پیغمبروں سے ملنا مذکور ہے۔ فرماتے ہیں' جب میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا تو مجھے ایک نورانی ابر نے ڈھک لیا' میں اسی وقت سجدے میں گر پڑا۔ پھر آپؐ پر پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور کم ہونا وغیرہ کا بیان ہے۔ آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیان میں ہے کہ میری امت پر تو صرف دو نمازیں مقرر ہوئی تھیں لیکن وہ انہیں بھی نہ بجا لائے۔ آپؐ پھر پانچ سے بھی کمی چاہنے کے لئے گئے تو فرمایا گیا کہ میں نے تو آسمان و زمین کی پیدائش والے دن ہی تجھ پر اور تیری امت پر یہ پانچ نمازیں مقرر کر دی تھیں۔ یہ پڑھنے میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس ہیں پس تو اور تیری امت اس کی حفاظت کرنا۔ آپؐ فرماتے ہیں اب مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ کا یہی آخری حکم ہے۔ پھر جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو آپؐ نے مجھے پھر واپس لوٹنے کا مشورہ دیا لیکن چونکہ میں معلوم کر چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حتمی حکم ہے اس لئے میں پھر اللہ کے پاس نہ گیا۔

ابن ابی حاتم میں بھی معراج کے واقعہ کی مطول حدیث ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب آپ بیت المقدس کی مسجد کے پاس اس دروازے پر پہنچے جسے باب محمد کہا جاتا ہے (ﷺ) وہیں ایک پتھر تھا جسے حضرت جبرئیل نے اپنی انگلی لگائی تو اس میں سوراخ ہو گیا۔ وہیں آپؐ نے براق کو باندھا اور مسجد پر چڑھ گئے۔ بیچوں بیچ پہنچ جانے کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا' آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ آرزو کی ہے کہ وہ آپ کو حوریں دکھائے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں۔ کہا! آیئے وہ یہ ہیں۔ سلام کیجئے۔ وہ صخرہ کے بائیں جانب بیٹھی ہوئیں تھیں۔ میں

نے وہاں پہنچ کر انہیں سلام کیا ۔ سب نے میرے سلام کا جواب دیا ۔ میں نے پوچھا تم سب کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم نیک سیرت خوبصورت حوریں ہیں' ہم بیویاں ہیں اللہ کے ان پرہیز گار بندوں کی جو نیکو کار ہیں ۔ جو گناہوں کے میل کچیل سے دور ہیں ۔ جو پاک کر کے ہمارے پاس لائے جائیں گے ۔ پھر نہ نکالے جائیں گے' ہمارے پاس ہی رہیں گے' کبھی جدا نہ ہوں گے' ہمیشہ زندہ رہیں گے کبھی نہ مریں گے ۔ میں ان کے پاس سے چلا آیا ۔ وہیں لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے اور ذرا سی دیر میں بہت سے آدمی جمع ہو گئے ۔ موذن نے اذان کہی ۔ تکبیر ہوئی اور ہم سب کھڑے ہو گئے ۔ منتظر تھے کہ امامت کون کرائے گا؟ جو جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کر دیا ۔ میں نے انہیں نماز پڑھائی ۔ جب فارغ ہوا تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا' جانتے بھی ہو کن کو آپ نے نماز پڑھائی؟ میں نے کہا' نہیں فرمایا آپ کے پیچھے آپ کے یہ سب مقتدی اللہ کے پیغمبر تھے ۔ جنہیں اللہ تعالیٰ مبعوث فرما چکا ہے' پھر میرا ہاتھ تھام کر آسمان کی طرف لے چلے پھر بیان ہے کہ آسمانوں کے دروازے کھلوائے ۔ فرشتوں نے سوال کیا ۔ جواب پا کر دروازے وغیرہ کھولے ۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ۔ انہوں نے فرمایا ''میرے بیٹے اور نیک نبی کو مرحبا ہو'' ۔ اس میں چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کرنے کا ذکر بھی ہے ۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملنے اور ان کے بھی وہی فرمانے کا ذکر ہے جو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا تھا ۔ پھر مجھے وہاں سے بھی اونچا لے گئے ۔ میں نے ایک نہر دیکھی' جس میں لولو' یاقوت اور ابرجد کے جام تھے اور بہترین خوش رنگ سبز پرند تھے ۔ میں نے کہا' ''یہ تو نہایت ہی نفیس پرند ہیں'' جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ''ہاں ان کے کھانے والے ان سے بھی اچھے ہیں'' پھر فرمایا ''معلوم بھی ہے یہ کون سی نہر ہے''؟ میں نے کہا ''نہیں'' فرمایا ''وہ نہر کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا فرما رکھی ہے'' اس میں سونے چاندی کے آبخورے تھے جو یاقوت و زمرد سے جڑاؤ تھے ۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا' میں نے ایک سونے کا پیالہ لے کر پانی بھر کر پیا تو وہ شہد سے بھی زیادہ میٹھا تھا اور مشک سے بھی زیادہ خوشبودار تھا ۔ جب میں اس سے بھی اوپر پہنچا تو ایک نہایت خوش رنگ بادل نے مجھے آ گھیرا جس میں مختلف رنگ تھے ۔ جبرئیل علیہ السلام نے تو مجھے چھوڑ دیا اور میں اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑا ۔ پھر پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا بیان ہے ۔ پھر آپ واپس ہوئے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو کچھ نہ فرمایا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو سمجھا بجھا کر واپس طلب تخفیف کے لئے بھیجا الغرض اسی طرح آپ کا بار بار آنا' بادل میں ڈھک جانا' دعا کرنا' تخفیف ہونا' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتے ہوئے آنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بیان کرنا یہاں تک کہ پانچ نمازوں کا رہ جانا بیان وغیرہ ہے ۔

آپ فرماتے ہیں پھر مجھے جبرئیل لے کر نیچے اترے ۔ میں نے ان سے پوچھا کہ جس آسمان پر میں پہنچا' وہاں کے فرشتوں نے خوشی ظاہر کی ۔ ہنس ہنس کر مسکراتے ہوئے مجھ سے ملے بجز ایک فرشتے کہ کہ اس نے میرے سلام کا جواب تو دیا مجھے مرحبا بھی کہا لیکن مسکرائے نہیں ۔ یہ کون ہیں؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ۔ ''وہ مالک ہیں ۔ جہنم کے داروغہ ہیں ۔ اپنے پیدا ہونے سے لے کر آج تک وہ ہنسے ہی نہیں اور قیامت تک ہنسیں گے بھی نہیں کیونکہ ان کی خوشی کا یہی ایک بڑا موقعہ تھا'' ۔ واپسی میں قریشیوں کے ایک قافلے کو دیکھا جو غلہ لادے جا رہا تھا ۔ اس میں ایک اونٹ تھا جس پر ایک سفید اور ایک سیاہ بورا تھا ۔ جب آپ اس کے قریب سے گزرے تو وہ چمک گیا اور مڑ گیا اور گر پڑا اور لنگڑا ہو گیا آپ اس طرح اپنی جگہ پہنچا دیئے گئے ۔ صبح ہوتے ہی آپ نے اپنے اس معراج کا ذکر لوگوں سے کیا ۔ مشرکوں نے جب یہ سنا تو وہ سیدھے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے' لو تمہارے پیغمبر صاحب تو کہتے ہیں کہ وہ آج کی ایک ہی رات میں مہینہ بھر کے فاصلے کے مقام تک ہو آئے ۔ آپؓ نے جواب دیا کہ اگر فی الواقع آپؐ نے یہ فرمایا ہو تو آپ سچے ہیں ۔ ہم تو اس سے بھی بڑی بات میں آپ کو سچا جانتے ہیں ۔ ہم مانتے ہیں کہ آپ کو آن کی آن میں آسمان سے خبریں پہنچتی ہیں ۔ مشرکوں نے

حضور ﷺ سے کہا کہ آپ اپنی سچائی کی کوئی علامت بھی آپ پیش کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا' ہاں میں نے راستے میں فلاں فلاں جگہ قریش کا قافلہ دیکھا - ان کا ایک اونٹ جس پر سفید وسیاہ رنگ کے دو بورے ہیں' وہ ہمیں دیکھ کر بھڑکا' گھوما اور چکر کھا کر گر پڑا اور ٹانگ ٹوٹ گئی - جب وہ قافلہ آیا' لوگوں نے ان سے جا کر پوچھا کہ راستے میں کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی؟ انہوں نے کہا ہاں ہوئی - فلاں اونٹ فلاں جگہ اس طرح گرا وغیرہ - کہتے ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اسی تصدیق کی وجہ سے انہیں صدیق کہا گیا ہے - رضی اللہ عنہ - پھر آپ سے لوگوں نے سوال کیا کہ آپ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی ہے - ان کے حلیے تو بیان کیجئے - آپؐ نے فرمایا ہاں' موسیٰ تو گندم گوں رنگ کے ہیں' جیسے ازدعمان کے آدمی ہوتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام درمیانہ قد کے کچھ سرخی مائل رنگ کے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان کے لبوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں - اس سیاق میں بھی عجائب وغرائب ہیں -

مسند احمد میں ہے' حطیم میں سویا ہوا تھا اور روایت میں حجر میں سویا ہوا تھا کہ آنے والا آیا - ایک نے درمیان والے سے کہا اور وہ میرے پاس آیا اور یہاں سے یہاں تک چاک کر ڈالا یعنی گلے کے پاس سے ناف تک - پھر مندرجہ بالا حدیثوں کے مطابق بیان ہے - اس میں ہے کہ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میں نے سلام کیا - آپؑ نے جواب دیا اور فرمایا ''نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ہو'' - جب میں وہاں سے آگے بڑھ گیا تو آپؑ رو دیئے - پوچھا گیا کیسے روئے؟ جواب دیا کہ اس لئے کو جو بچہ میرے بعد نبی بنا کر بھیجا گیا' اس کی امت بہ نسبت میری امت کے جنت میں زیادہ تعداد میں جائے گی - اس میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس چار نہریں دیکھیں - دو ظاہر اور دو باطن میں - جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا' آپ نے مجھے بتلایا کہ باطنی تو جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری نیل وفرات ہیں - پھر میری جانب بیت المعمور بلند کیا گیا - پھر میرے پاس شراب کا' دودھ کا اور شہد کا برتن آیا - میں نے دودھ کا برتن لے لیا - فرمایا' یہ فطرت ہے جس پر تو ہے اور تیری امت - اس میں ہے کہ جب پانچ نمازیں ہی رہ گئیں اور پھر بھی کلیم اللہ نے واپسی کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا' میں تو اپنے رب سے سوال کرتے کرتے شرما گیا - اب میں راضی ہوں اور تسلیم کر لیتا ہوں -

اور روایت میں ہے کہ میرے گھر کی چھت کھول دی گئی - میں اس وقت مکہ میں تھا الخ - اس میں ہے کہ جب میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ آسمان دنیا پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں جن کے دائیں بائیں بڑی بڑی جماعت ہے' وہ داہنی جانب دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں اور ہنسنے لگتے ہیں اور جب بائیں جانب نگاہ اٹھتی ہے تو رو دیتے ہیں - میں نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ اور ان کے دائیں بائیں کون ہیں؟ فرمایا یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ ان کی اولاد ہے - دائیں جانب والے جنتی ہیں اور بائیں طرف والے جہنمی ہیں - انہیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور انہیں دیکھ کر رنجیدہ - اس روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چھٹے آسمان پر ملاقات ہوئی - اس میں ہے کہ ساتویں آسمان سے میں اور اونچا پہنچایا گیا - مستوی میں پہنچ کر میں نے قلموں کے لکھنے کی آوازیں سنیں - اس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے میں طلب تخفیف کے لئے گیا تو اللہ نے آدھی معاف فرما دیں - پھر گیا' پھر آدھی معاف ہوئی' پھر گیا تو پانچ مقرر ہوئیں - اس میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ سے ہو کر میں جنت میں پہنچایا گیا - جہاں سچے موتیوں کے خیمے تھے اور جہاں کی مٹی مشک خالص تھی - یہ پوری حدیث صحیح بخاری شریف کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے اور ذکر بنی اسرائیل میں بھی ہے اور بیان حج میں اور احادیث انبیاء میں بھی ہے - امام مسلم نے صحیح مسلم کتاب الایمان میں بھی وارد فرمائی ہے - مسند احمد میں عبداللہ بن شقیق رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو کم ازکم ایک بات تو ضرور پوچھ لیتا - آپ نے دریافت فرمایا' کیا بات؟ کہا یہی کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' یہ تو میں نے آپ سے پوچھا تھا - آپ

نے جواب دیا کہ میں نے اسے نور دیکھا۔ میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ اور روایت میں ہے کہ وہ نور ہے میں اسے کہاں سے دیکھ سکتا ہوں؟ ایک روایت میں ہے میں نے نور دیکھا۔ بخاری مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب میں نے معراج کے واقعہ کا لوگوں سے ذکر کیا اور قریش نے مجھے جھٹلایا میں اس وقت حطیم میں کھڑا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میری نگاہوں کے سامنے لا دیا اور اسے بالکل ظاہر کر دیا۔ اب جو نشانیاں وہ مجھ سے پوچھتے تھے میں دیکھتا جاتا تھا اور بتاتا جاتا تھا۔ بیہقی میں ہے کہ بیت المقدس میں آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی۔ اس میں ہے کہ جب واپس آ کر آپ نے لوگوں میں یہ قصہ بیان فرمایا تو بہت سے لوگ فتنے میں پڑ گئے۔ جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ کفار قریش کی جماعت اسی وقت دوڑی بھاگی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچی اور کہنے لگے لو اور سنو آج تو تمہارے ساتھی ایک عجیب خبر سنا رہے ہیں کہتے ہیں ایک ہی رات میں وہ بیت المقدس سے ہو کر بھی آ گئے۔ آپ نے فرمایا اگر وہ فرماتے ہیں تو سچ ہے۔ واقعی ہو آئے ہیں انہوں نے کہا یعنی تم اسے بھی مانتے ہو کہ رات کو جائے اور صبح سے پہلے ملک شام سے واپس مکہ پہنچ جائے؟ آپ نے فرمایا اس سے بھی زیادہ بڑی بات کو میں اس سے بہت پہلے سے مانتا چلا آیا ہوں۔ یعنی میں مانتا ہوں کہ ان کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں اور وہ ان تمام میں سچے ہیں۔ اسی وقت سے آپ کا لقب ابوبکر صدیق ہوا۔ رضی اللہ عنہ۔

مسند احمد میں ہے حضرت زر بن حبیش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اس وقت آپ معراج کا واقعہ بیان فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہم چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے دونوں صاحب اندر نہیں گئے میں نے یہ سنتے ہی کہا غلط ہے رسول اللہ ﷺ اندر گئے بلکہ اس رات آپ نے وہاں نماز بھی پڑھی۔ آپ نے فرمایا تیرا کیا نام ہے میں تجھے جانتا تو ہوں لیکن نام یاد نہیں پڑتا۔ میں نے کہا میرا نام زر بن حبیش ہے۔ فرمایا تم نے یہ بات کیسے معلوم کر لی؟ میں نے کہا یہ تو قرآن کی خبر ہے۔ آپ نے فرمایا جس نے قرآن سے بات کہی اس نے نجات پائی۔ پڑھیے وہ کون سی آیت ہے تو میں نے سبحان الذی کی یہ آیت پڑھی۔ آپ نے فرمایا اس میں کس لفظ کے معنی ہیں کہ حضور ﷺ نے وہاں نماز ادا کی؟ ورنہ آپ نے اس رات وہاں نماز نہیں پڑھی اور اگر پڑھ لیتے تو تم پر اسی طرح وہاں کی نماز لکھ دی جاتی جس طرح بیت اللہ کی ہے۔ واللہ وہ دونوں براق پر ہی رہے یہاں تک کہ آسمان کے دروازے ان کے لئے کھل گئے پس جنت دوزخ دیکھ لی اور آخرت کے وعدے کی اور تمام چیزیں بھی۔ پھر ویسے کے ویسے ہی لوٹ آئے۔ پھر آپ خوب ہنسے اور فرمانے لگے مزہ تو یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہاں آپ نے براق باندھا کہ کہیں بھاگ نہ جائے۔ حالانکہ عالم الغیب والشہادہ رب عالم نے اسے آپ کے لئے مسخر کیا تھا۔ میں نے پوچھا کیوں جناب یہ براق کیا ہے؟ کہا ایک جانور ہے سفید رنگ لانبے قد کا جو ایک ایک قدم اتنی اتنی دور رکھتا ہے جتنی دور نگاہ کام کرے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محض انکار سے وہ روایتیں جن میں بیت المقدس کی نماز کا ثبوت ہے وہ مقدم ہیں (واللہ اعلم)

حافظ ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب دلائل النبوۃ میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے آپ سے معراج کے واقعہ کے ذکر کی درخواست کی تو آپ نے پہلے تو یہی آیت سبحان الذی کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ میں عشا کے بعد مسجد میں سویا ہوا تھا جو ایک آنے والے نے آ کر مجھے جگایا۔ میں اٹھ بیٹھا لیکن کوئی نظر نہ پڑا۔ ہاں کچھ جانور سا نظر آیا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا اور برابر دیکھتا ہوا مسجد کے باہر چلا گیا تو مجھے ایک عجیب جانور نظر پڑا۔ ہمارے جانوروں میں سے تو اس کے کچھ مشابہ خچر ہے ہلتے ہوئے اور اوپر کو اٹھے ہوئے کانوں والا تھا اس کا نام براق ہے۔ مجھ سے پہلے کے انبیاء بھی اسی پر سوار ہوتے رہے۔ میں اس پر سوار ہو کر چلا ہی تھا کہ میری دائیں جانب

سے کسی نے آواز دی کہ محمد میری طرف دیکھ' میں تجھ سے کچھ پوچھوں گا۔ لیکن نہ میں نے جواب دیا نہ ٹھہرا۔ پھر جو ذرا اور آگے بڑھا تو بائیں طرف سے بھی آواز آئی لیکن میں وہاں بھی نہ ٹھہرا نہ دیکھا نہ جواب دیا۔ پھر کچھ آگے گیا کہ ایک عورت دنیا بھر کی زینت کئے ہوئے بانہیں کھولے کھڑی ہوئی ہے' اس نے مجھے اسی طرح آواز کی کہ میں کچھ دریافت کرنا چاہتی ہوں لیکن میں نے نہ اس کی طرف التفات کیا نہ ٹھہرا۔ پھر آپ کا بیت المقدس پہنچنا' دودھ کا برتن لینا اور جبرئیل کے فرمان سے خوش ہو کر دو دفعہ تکبیر کہنا ہے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا۔ آپؐ کے چہرہ پر فکر کیسا ہے؟ میں نے وہ دونوں واقعے راستے کے بیان کئے تو آپؐ نے فرمایا کہ پہلا شخص تو یہود تھا۔ اگر آپ اسے جواب دیتے یا وہاں ٹھہرتے تو آپ کی امت یہود ہو جاتی ۔ دوسرا نصرانیوں کا دعوت دینے والا تھا۔ وہاں اگر آپ ٹھہرتے اور اس سے باتیں کرتے تو آپ کی امت نصرانی ہو جاتی ۔ اور وہ عورت جو تھی وہ دنیا تھی اگر آپ اسے جواب دیتے یا وہاں ٹھہرتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دے کر گمراہ ہو جاتی ۔ پھر میں اور جبرئیل بیت المقدس میں گئے۔ ہم دونوں نے دو دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر ہمارے سامنے معراج لائی گئی جس سے بنی آدم کی روحیں چڑھتی ہیں۔ دنیا نے ایسی اچھی چیز کبھی نہیں دیکھی' تم نہیں دیکھتے کہ مرنے والے کی آنکھیں آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہیں۔ یہ اسی سیڑھی کو دیکھتے ہوئے تعجب کے ساتھ۔ ہم دونوں اوپر چڑھ گئے۔ میں نے اسماعیل نامی فرشتے سے ملاقات کی جو آسمان دنیا کا سردار ہے' جس کے ہاتھ تلے ستر ہزار فرشتے ہیں' جن میں سے ہر ایک فرشتے کے ساتھ اس کے لشکری فرشتوں کی تعداد ایک لاکھ ہے۔ فرمان الٰہی ہے' تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا' پوچھا گیا کون ہے؟ کہا جبرئیل' پوچھا گیا آپ کے ساتھ اور کون ہیں؟ بتلایا کہ محمد ہیں (ﷺ) کہا گیا کہ کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں' وہاں میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا' اسی ہیئت میں جس میں وہ اس دن تھے جس دن اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ ان کی اصلی صورت پر۔ ان کے سامنے ان کی اولاد کی روحیں پیش کی جاتی ہیں۔ نیک لوگوں کی روحوں کو دیکھ کر فرماتے ہیں' پاک روح ہے اور جسم بھی پاک ہے۔ اسے علیین میں لے جاؤ اور بدکاروں کی روحوں کو دیکھ فرماتے ہیں' خبیث روح ہے' جسم بھی خبیث ہے۔ اسے سجین میں لے جاؤ۔ کچھ ہی چلا ہوں گا جو میں نے دیکھا کہ خوان لگے ہوئے ہیں جن پر نہایت نفیس گوشت بھنا ہوا ہے اور دوسری جانب اور خوان لگے ہوئے ہیں جن پر بدبودار' سڑا' بسا گوشت رکھا ہوا ہے' کچھ لوگ ہیں جو عمدہ گوشت کے تو پاس بھی نہیں آتے اور اس سڑے ہوئے گوشت کو کھا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا جبرئیل علیہ السلام یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا کہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کی رغبت کرتے تھے۔

پھر میں کچھ اور چلا تو کچھ اور لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ اونٹ کی طرح کے ہیں' ان کے منہ پھاڑ پھاڑ کر فرشتے انہیں اس گوشت کے لقمے دے رہے ہیں جو ان کے دوسرے راستے سے واپس نکل جاتا ہے' وہ چیخ چلا رہے ہیں اور اللہ کے سامنے عاجزی کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا جبرئیل علیہ السلام' یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناحق کھا جایا کرتے تھے' جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں' وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ ضرور بھڑکتی ہوئی جہنم کی آگ میں جائیں گے۔ میں کچھ دور اور چلا جو دیکھا کہ کچھ عورتیں اپنے سینوں کے بل ادھر لٹکی ہوئی ہیں اور ہائے وائے کر رہی ہیں۔ میرے پوچھنے پر جواب ملا کہ یہ آپ کی امت کی زناکار عورتیں ہیں۔ میں کچھ دور اور گیا تو دیکھا کہ کچھ لوگوں کے پیٹ بڑے بڑے گھڑوں جیسے ہیں۔ جب وہ اٹھنا چاہتے ہیں' گر گر پڑتے ہیں اور بار بار کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ قیامت قائم نہ ہو۔ فرعونی جانوروں سے وہ روندے جاتے ہیں اور اللہ کے سامنے آہ وزاری کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا' یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا' یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے' سود خور ان لوگوں کی طرح ہی

کھڑے ہوں گے، جنہیں شیطان نے باؤلا بنا رکھا ہو- میں کچھ دور اور چلا تو دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے پہلو سے گوشت کاٹ کاٹ کر فرشتے انہی کو کھلا رہے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ جس طرح اپنے بھائی کا گوشت اپنی زندگی میں کھاتا رہا' اب بھی کھا- میں نے پوچھا' جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا' یہ آپ کی امت کے عیب جو اور آوازہ کش لوگ ہیں-

پھر ہم دوسرے آسمان پر چڑھے تو میں نے وہاں ایک نہایت ہی حسین شخص کو دیکھا جو اور حسین لوگوں پر وہی فضیلت رکھتا ہے جو فضیلت چاند کو ستاروں پر ہے' میں نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ آپ کے بھائی حضور یوسف علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ ہیں- میں نے انہیں سلام کیا جس کا جواب انہوں نے دیا- پھر ہم تیسرے آسمان کی طرف چڑھے اسے کھلوایا- وہاں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو دیکھا- ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ آدمی تھے- میں نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے مجھے جواب دیا' پھر میں چوتھے آسمان کی طرف چڑھا- وہاں حضرت ادریس علیہ السلام کو پایا جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مکان پر اٹھالیا ہے' میں نے سلام کیا- انہوں نے جواب دیا' پھر پانچویں آسمان کی طرف چڑھا' وہاں حضرت ہارون علیہ السلام تھے جن کی آدھی داڑھی سفید تھی اور آدھی سیاہ اور بہت لمبی داڑھی تھی' قریب قریب ناف تک- میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سوال کیا' انہوں نے بتایا کہ یہ اپنی قوم کے ہر دلعزیز حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں- ان کے ساتھ ان کی قوم کی جماعت ہے' انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب دیا' پھر میں چھٹے آسمان کی طرف چڑھا- وہاں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی- آپ کا گندم گوں رنگ تھا- بال بہت تھے- اگر دو کرتے بھی پہن لیں تو بال ان سے گزر جائیں- آپ فرمانے لگے' لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس ان سے بڑے مرتبے کا ہوں- حالانکہ یہ مجھ سے بڑے مرتبے کے ہیں- جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کرنے پر مجھے سلام ہوا کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کرنے پر مجھے سلام ہوا کہ آپ حضرت موسیٰ ابن عمران علیہ السلام ہیں- آپ کے پاس بھی آپ کی قوم کے لوگ تھے- آپ نے بھی میرے سلام کا جواب دیا پھر میں ساتویں آسمان کی طرف چڑھا- وہاں میں نے اپنے والد حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کو اپنی پیٹھ بیت المعمور سے لگائے ہوئے بیٹھا دیکھا- آپ بہت ہی بہتر آدمی ہیں- دریافت کرنے پر مجھے آپ کا نام بھی معلوم ہوا- میں نے سلام کیا آپ نے جواب دیا- میں نے اپنی امت کو نصفا نصف دیکھا- نصف کے تو سفید بگلے جیسے کپڑے تھے اور نصف کے سخت سیاہ کپڑے تھے- میں بیت المعمور میں گیا- میرے ساتھ ہی سفید کپڑے والے سب گئے اور دوسرے جن کے خاکی کپڑے تھے' وہ سب روک دیئے گئے ہیں وہ بھی خیر پر- پھر ہم سب نے وہاں نماز ادا کی اور وہاں سے سب باہر آئے- اس بیت المعمور میں ہر دن ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں لیکن جو ایک دن پڑھ گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آتی-

پھر میں سدرۃ المنتہیٰ کی جانب بلند کیا گیا' جس کا ہر ایک پتہ اتنا بڑا تھا کہ میری ساری امت کو ڈھانک لے- اس میں سے ایک نہر جاری تھی جس کا نام سلسبیل ہے- پھر اس میں سے دو چشمے پھوٹے- ایک نہر کوثر' دوسرا نہر رحمت- میں نے اس میں غسل کیا- میرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے- پھر میں جنت کی طرف چڑھایا گیا- وہاں میں نے ایک حور دیکھی- اس سے پوچھا تو کس کی ہے؟ اس نے کہا' حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی- وہاں میں نے نہ بگڑنے والے پانی کی اور مزہ متغیر نہ ہونے والے دودھ کی اور بے نشہ لذیذ شراب اور صاف ستھرے شہد کی نہریں دیکھیں- اس کے انار بڑے بڑے ڈولوں کے برابر تھے- اس کے پرند تمہارے ان بختی اونٹوں جیسے تھے- بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خیال تک گزرا- پھر میرے سامنے جہنم پیش کی گئی جہاں غضب الٰہی ناراضگی الٰہی تھی- اس میں اگر پتھر اور لوہا ڈالا جائے تو وہ اسے بھی کھا

جائے ۔ پھر میرے سامنے سے وہ بند کر دی گئی ۔ میں پھر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیا گیا اور مجھے ڈھانپ لیا پس میرے اور اس کے درمیان صرف بقدر دو کمانوں کے فاصلہ رہ گیا بلکہ اور قریب اور سدرۃ المنتہیٰ کے ہر ایک پتے پر فرشتہ آ گیا اور مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں اور فرمایا کہ تیرے لئے ہر نیکی کے عوض دس ہیں تو جب کسی نیکی کا ارادہ کرے گا گو بجا نہ لائے تاہم نیکی لکھ لی جائے گی اور جب بجا بھی لائے تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور برائی کے محض ارادے پر تغیر کئے ہوئے کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر کر لی تو صرف ایک ہی برائی شمار ہو گی ۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنے اور آپ کے مشورے سے جانے اور کمی ہونے کا ذکر ہے جیسے کہ بیان گزر چکا ۔ آخر جب پانچ رہ گئیں تو فرشتے نے ندا کی کہ میرا فریضہ پورا ہو گیا ۔ میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی اور انہیں ہر نیکی کے بدلے اسی جیسی دس نیکیاں دیں ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپسی پر اب کی مرتبہ بھی مجھے پھر واپس جانے کا مشورہ دیا لیکن میں نے کہا کہ اب تو جاتے ہوئے مجھے کچھ شرم سی محسوس ہوتی ہے ۔ پھر آپ نے صبح کو مکے میں ان عجائبات کا ذکر کیا کہ میں اس شب بیت المقدس پہنچا' آسمانوں پر چڑھایا گیا اور یہ یہ دیکھا ۔ اس پر ابوجہل بن ہشام کہنے لگا' لو تعجب کی بات سنو ۔ اونٹوں کو مارتے پیٹتے ہم تو بیت المقدس مہینہ بھر میں پہنچیں اور مہینہ بھر ہی واپسی میں لگ جائے ۔ یہ کہتے ہیں دو ماہ کی مسافت ایک ہی رات میں طے کر آئے ۔ آپ نے فرمایا' سنو جاتے وقت میں نے تمہارے قافلے کو فلاں جگہ دیکھا تھا اور آتے وقت مجھے وہ عقبہ میں ملا ۔ سنو اس میں فلاں فلاں شخص ہے' فلاں اس رنگ کے اونٹ پر ہے اور اس کے پاس یہ یہ اسباب ہے ۔ ابوجہل نے کہا' خبریں تو تو دے رہا ہے' دیکھئے کیسی نکلیں؟ اس پر ان میں سے ایک شخص نے کہا' میں بیت المقدس کا حال تم سب سے زیادہ جانتا ہوں ۔ اس کی عمارت کا حال' اس کی شکل وصورت' پہاڑ سے اس کی نزدیکی وغیرہ ۔ پس رسول اللہ ﷺ سے حجاب دور کر دیئے گئے اور جیسے ہم گھر میں بیٹھے گھر کی چیزوں کو دیکھتے ہیں' اسی طرح آپؐ کے سامنے بیت المقدس کر دیا گیا ۔ آپ فرمانے لگے ۔ اس کی بناوٹ اس طرح کی ہے ۔ اس کی ہیئت اس طرح کی ہے ۔ وہ پہاڑ سے اس قدر نزدیک ہے وغیرہ ۔ اس نے کہا بے شک آپ سچ فرماتے ہیں ۔ پھر اس نے کفار کے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا ۔ محمد ﷺ اپنی بات میں سچے ہیں یا کچھ ایسے ہی الفاظ کہے ۔ یہ روایت اور بھی بہت سی کتابوں میں ہے ۔ ہم نے باوجود اس کی غربت اور نکارت اور ضعف کے اس لئے بیان کیا ہے کہ اس میں اور احادیث کے بہت سے شواہد ہیں اور اس لئے بھی کہ بیہقی میں ہے ۔

حضرت یزید بن ابی حکیم کہتے ہیں' میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' پوچھا کہ حضور ﷺ آپ کی امت میں ایک شخص جنہیں سفیان ثوری کہا جاتا ہے ۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں ۔ میں نے پھر اور راویوں کے نام بیان کر کے پوچھا کہ وہ آپ کی حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کو ایک رات معراج ہوئی آپ نے آسمان میں دیکھا الخ ۔ آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے ۔ میں نے کہا حضور ﷺ! آپ کی امت کے لوگ آپ کی طرف سے معراج والے واقعے میں بہت سی عجیب وغریب باتیں بیان کرتے ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں وہ باتیں قصہ کہنے والوں کی ہیں ۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ہم نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ اپنے معراج کی کیفیت تو بیان فرمایئے ۔ آپؐ نے فرمایا! سنو میں نے اپنے اصحابؓ کو مکہ میں عشا کی نماز دیر سے پڑھائی ۔ پھر جبرئیل علیہ السلام میرے پاس سفید رنگ کا ایک جانور لائے ۔ گدھے سے اونچا اور خچر سے اونچا اور مجھ سے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جایئے ۔ اس نے کچھ سختی کی تو آپ نے اس کا کان مروڑا اور مجھے اس پر سوار کرا دیا ۔ اس میں مدینے میں نماز پڑھنے کا' پھر مدین میں اس درخت کے پاس نماز پڑھنے کا ذکر ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام ٹھہرے تھے ۔ پھر بیت اللحم میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تولد ہوئے تھے ۔ پھر بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا' وہاں سخت پیاس لگنے کا اور دودھ اور شہد کے برتن آنے کا اور

پیٹ بھر کر دودھ پینے کا ذکر ہے - فرماتے ہیں - وہیں ایک شیخ تکیہ لگائے بیٹھے تھے جنہوں نے کہا' یہ فطرت تک پہنچ گئے اور راہ یافتہ ہوئے - پھر ہم ایک وادی پر آئے جہاں جہنم کو میں نے دیکھا جو سخت دہکتے ہوئے انگارے کی طرح تھی - پھر لوٹتے ہوئے فلاں جگہ قریش کا قافلہ ہمیں ملا جو اپنے کسی گم شدہ اونٹ کی تلاش میں تھا - میں نے انہیں سلام کیا - بعض لوگوں نے میری آواز بھی پہچان لی اور آپس میں کہنے لگے' یہ آواز تو بالکل محمد کی ہے (ﷺ) پھر صبح سے پہلے میں اپنے اصحاب کے پاس مکہ شریف پہنچ گیا -

میرے پاس ابوبکر آئے (رضی اللہ عنہ) اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ آپ رات کو کہاں تھے؟ جہاں جہاں خیال پہنچا' میں نے سب جگہ تلاش کیا لیکن آپؐ نہ ملے - میں نے کہا' میں تو رات بیت المقدس ہو آیا' کہا' وہ تو یہاں سے مہینہ بھر کے فاصلے پر ہے - اچھا وہاں کے کچھ نشانات بیان فرمائیے - اسی وقت وہ میرے سامنے کر دیا گیا گویا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں - اب جو بھی مجھ سے سوال ہوتا' میں دیکھ کر جواب دے دیتا - پس ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' میری گواہی ہے کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں - لیکن کفار قریش باتیں بنانے لگے کہ ابن ابی کبشہ کو دیکھو' کہتا پھرتا ہے کہ ایک ہی رات میں بیت المقدس ہو آیا - آپ نے فرمایا' سنو میں تمہیں ایک نشان بتاؤں' تمہارے قافلے کو میں نے فلاں مقام پر دیکھا - ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جسے فلاں شخص لے آیا - اب وہ اتنے فاصلے پر ہیں - ایک منزل ان کی فلاں جگہ ہو گی - دوسری فلاں جگہ اور وہ فلاں دن یہاں پہنچیں گے - ان کے قافلے میں سب سے پہلے گندمی رنگ کا اونٹ ہے جس پر سیاہ جھول پڑی ہوئی ہے اور دو سیاہ بوریاں اسباب کی دونوں طرف لدی ہوئی ہیں - جب وہ دن آیا جو دن اس کے قافلے کے واپس پہنچنے کا حضور ﷺ نے بیان فرمایا تھا' دوپہر کو لوگ دوڑے بھاگے شہر کے باہر گئے کہ دیکھیں یہ سب باتیں سچ ہیں؟ تو دیکھا کہ قافلہ آ رہا ہے اور واقعی وہی اونٹ آگے ہے - یہی روایت اور کتابوں میں بہت مطول بھی مروی ہے اور اس میں بہت باتیں منکر بھی ہیں - مثلاً بیت اللحم میں آپ کا نماز ادا کرنا اور کا بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کرنا وغیرہ -

ابن عباسؓ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب آپ معراج والی رات جنت میں تشریف لے گئے تو ایک طرف سے پیروں کی چاپ کی آواز آئی آپؐ نے پوچھا' جبرئیل یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ موذن ہیں - آپؐ نے واپس آ کر فرمایا بلال تو تم نجات پا چکے - میں نے اس اس طرح دیکھا - اس میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بوقت ملاقات فرمایا - نبی امی کو مرحبا ہو - حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے' لانبے قد کے' کانوں تک یا کانوں سے قدرے اونچے بال والے تھے - اس میں ہے کہ ہر نبی نے آپ کو پہلے سلام کیا - جہنم کے ملاحظہ کے وقت آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ مردار کھا رہے ہیں - پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی غیبت گو تھے) وہیں آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا جو خود آگ جیسا سرخ ہو رہا تھا - آنکھیں ٹیڑھی ترچھی تھیں - پوچھا یہ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہی ہے جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو مار ڈالا تھا -

مسند احمد میں ہے کہ جب آپ کو بیت المقدس پہنچا کر وہاں سے واپس لا کر ایک ہی رات میں مکہ شریف پہنچا دیا گیا اور آپؐ نے یہ خبر لوگوں کو سنائی' بیت المقدس کے نشان بتائے' ان کے قافلے کی خبر دی تو بعض لوگ یہ کہہ کر کہ ہم ایسی باتوں میں انہیں سچا نہیں مان سکتے' اسلام سے پھر گئے - پھر یہ ابوجہل کے ہمراہ قتل کئے گئے - ابوجہل کہنے لگا کہ یہ ہمیں شجرۃ الزقوم سے ڈرا رہا ہے' لاؤ کھجور اور مکھن لاؤ اور تمرق کر لو یعنی ملا کر کھا لو اور آپ نے اس رات دجال کو اس کی اصلی صورت میں دیکھا اور آنکھوں کا دیکھنا نہ کہ خواب میں دیکھنا - حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا - دجال کی شبیہہ آپؐ نے بیان فرمائی' وہ بھدا' خبیث' چندھا ہے اور اس کی ایک آنکھ ایسی قائم ہے جیسے تارا اور بال ایسے ہیں جیسے کسی درخت کی گھنی شاخیں - حضرت عیسیٰؑ کا وصف آپ نے اس طرح بیان فرمایا کہ

وہ سفید رنگ، گھنگھریالے بالوں والے درمیانے قد کے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے مضبوط اور قوی آدمی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تو بالکل ہو بہو مجھ جیسے تھے، الخ۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مالک کو بھی جو جہنم کے داروغہ ہیں، دیکھا۔ ان نشانیوں میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائیں۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے چچازاد بھائی نے آیت قرآن فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ پڑھی جس کی تفسیر حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ اس طرح کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کے ہونے میں تو شک نہ کر۔ ہم نے اسے یعنی موسیٰ کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا۔ یہ روایت صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔اور سند سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں، شب معراج میں ایک مقام سے مجھے نہایت ہی اعلیٰ اور مست خوشبو کی مہک آنے لگی۔ میں نے پوچھا کہ یہ خوشبو کیسی ہے؟ جواب ملا کہ فرعون کی لڑکی کی مشاطہ اور اس کی اولاد کے محل کی۔ فرعون کی شہزادی کو کنگھی کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے اتفاقاً کنگھی گر پڑی تو اس کی زبان سے بے ساختہ بسم اللہ نکل گیا۔ اس پر شہزادی سے اس نے کہا، اللہ تو میرے باپ ہی ہیں؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ اللہ وہ ہے جو مجھے اور تجھے اور خود فرعون کو روزیاں دیتا ہے۔ اس نے کہا، اچھا تو میرے باپ کے سوا کسی اور کو اپنا رب مانتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں ہاں میرا تیرا اور تیرے باپ سب کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس نے اپنے باپ سے کہلوایا۔ وہ سخت غضبناک ہوا اور اسی وقت اسے برسر دربار بلوا بھیجا اور کہا، کیا تو میرے سوا کسی اور کو اپنا رب مانتی ہے؟ اس نے کہا، میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بلندیوں اور بزرگیوں والا ہے۔

فرعون نے اسی وقت حکم دیا کہ تانبے کی جو گائے بنی ہوئی ہے، اسے خوب تپایا جائے اور جب وہ بالکل آگ جیسی ہو جائے تو اس کے بچوں کو ایک ایک کر کے اس میں ڈال دیا جائے۔ آخر میں خود اسے بھی اسی طرح ڈال دیا جائے۔ چنانچہ وہ گرم کی گئی۔ جب آگ جیسی ہو گئی تو حکم دیا کہ اس کے بچوں کو ایک ایک کر کے اس میں ڈالنا شروع کرو۔ اس نے کہا، بادشاہ ایک درخواست میری منظور کر، وہ یہ کہ میری اور میرے ان بچوں کی ہڈیاں ایک ہی جگہ ڈال دینا۔ اس نے کہا کہ اچھا تیرے کچھ حقوق ہمارے ذمہ ہیں۔ اس لئے یہ منظور ہے۔ جب سب بچے اس میں ڈال دیئے گئے اور سب جل کر راکھ ہو گئے تو سب سے چھوٹے کی باری آئی جو ماں کی چھاتی سے لگا ہوا دودھ پی رہا تھا۔ فرعون کے سپاہیوں نے اسے گھسیٹا تو اس نیک بندی کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بچے کو اسی وقت زبان دے دی اور اس نے با آواز بلند کہا اماں جان! افسوس نہ کرو، اماں جان ذرا بھی پس و پیش نہ کرو۔ حق پر جان دینا ہی سب سے بڑی نیکی ہے چنانچہ انہیں صبر آ گیا۔ اسے بھی اس میں ڈال دیا اور آخر میں ان بچوں کی ماں کو بھی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ خوشبو کی مہکیں اسی کے جنتی محل سے آ رہی ہیں۔ آپ نے اس واقعہ کے ساتھ ہی بیان فرمایا کہ چار چھوٹے بچوں نے گہوارے ہی میں بات چیت کی، ایک تو یہی بچہ اور ایک وہ بچہ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی شہادت دی تھی اور ایک وہ بچہ جس نے حضرت جریج ولی اللہ کی پاک دامنی کی شہادت دی تھی اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔ اس روایت کی سند بے عیب ہے۔

اور روایت میں ہے کہ معراج والی رات کی صبح مجھے یقین تھا کہ جب میں یہ ذکر لوگوں سے کروں گا تو وہ مجھے جھٹلائیں گے چنانچہ آپ ایک طرف غمگین ہو کر بیٹھ گئے۔ اسی وقت آپ کے پاس دشمن رب ابوجہل گزرا اور پاس بیٹھ کر بطور مذاق کہنے لگا، کہیئے کوئی نئی بات ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہے۔ اس نے کہا کیا؟ آپ نے فرمایا، رات کو مجھے سیر کرائی گئی، اس نے پوچھا، کہاں تک پہنچے؟ فرمایا بیت المقدس تک، کہا اور صبح کو پھر یہاں موجود بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اب اس موذی کے دل میں خیال آیا کہ اس وقت انہیں جھٹلانا اچھا نہیں۔ ایسا نہ ہو

کہ لوگوں کے مجمع میں پھر یہ بات نہ کہیں- اس لئے اس نے کہا' کیوں صاحب اگر میں ان سب لوگوں کو جمع کر لوں تو سب کے سامنے بھی آپ یہی کہیں گے؟ آپ نے فرمایا' کیوں نہیں؟ سچی باتیں چھپانے کی نہیں ہوتیں- اسی وقت اس نے ہانک لگائی کہ اے بنی کعب بن لوی کی اولاد والو آؤ- سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے پاس آ کر بیٹھ گئے تو اس ملعون نے کہا' اب اپنی قوم کے ان لوگوں کے سامنے وہ بات بیان کرو جو مجھ سے کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا' ہاں سنو! مجھے اس رات سیر کرائی گئی- سب نے پوچھا کہاں تک گئے؟ آپ نے فرمایا بیت المقدس تک- لوگوں نے کہا' اچھا اور پھر صبح کو ہم میں موجود ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں- اب تو کسی نے تالیاں پیٹنی شروع کر دیں' کوئی تعجب کے ساتھ اپنا ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھ کر بیٹھ رہا اور سخت حیرت کے ساتھ انہوں نے بالاتفاق آپ کو جھوٹا سمجھا' پھر کچھ دیر کے بعد کہنے لگے' اچھا تم وہاں کی کیفیت اور جو نشانات ہم پوچھیں بتا سکتے ہو؟ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو بیت المقدس ہو آئے تھے اور وہاں کے چپے چپے سے واقف تھے' آپ نے فرمایا' پوچھو کیا پوچھتے ہو؟ وہ پوچھنے لگے' آپ بتلانے لگے- فرماتے ہیں' بعض ایسے باریک سوال انہوں نے کئے کہ ذرا مجھے گھبراہٹ سی ہونے لگی- اسی وقت مسجد میرے سامنے کر دی گئی- اب میں دیکھتا جاتا تھا اور بتاتا جاتا تھا- بس یوں سمجھو کہ عقیل کے گھر کے پاس ہی مسجد تھی یا عقال کے گھر کے پاس- یہ اس لئے کہ بعض اوصاف مجھے مسجد کے یاد نہیں رہے تھے- آپ کے ان نشانات کے بتلانے کے بعد سب کہنے لگے' حضور ﷺ نے اوصاف تو صاف صاف اور ٹھیک ٹھیک بتائے- اللہ کی قسم ایک بات میں بھی غلطی نہیں کی- یہ حدیث نسائی وغیرہ میں بھی موجود ہے- بیہقی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے کہ جب حضور ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو ساتویں آسمان پر ہے- جو چیز چڑھے وہ یہیں تک پہنچتی ہے- پھر یہاں سے اٹھالی جاتی ہے اور جو اترے وہ یہیں تک اترتی ہے' پھر یہاں سے لے لی جاتی ہے- اس درخت پر سونے کی ٹڈیاں چھپ رہی تھیں- حضور ﷺ کو پانچ وقت کی نمازیں سورہ بقرہ کے آخر کی آیتیں دی گئیں اور یہ کہ آپ کی امت میں سے جو شرک نہ کرے گا' اس کے کبیرہ گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے- مسلم وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے-

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معراج کی مطول حدیث بھی مروی ہے جس میں غرابت ہے- حسن بن عرفہ نے اپنے مشہور جزء میں اسے وارد کیا ہے- حضرت ابوظبیان کہتے ہیں' ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابوعبیدہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے- آپ کے پاس محمد بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے تو حضرت محمد بن سعد نے ابوعبیدہ سے کہا' تم نے معراج کی بابت جو کچھ اپنے والد صاحب سے سنا ہو' سناؤ انہوں نے کہا نہیں' آپ ہی سنایئے جو آپ نے اپنے والد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہو- پس آپ نے روایت بیان کرنی شروع کی- اس میں یہ بھی ہے کہ جب براق اونچائی پر چڑھتا' اس کے ہاتھ پاؤں برابر کے ہو جاتے- اس طرح جب نیچے کی طرف اترتا تب بھی برابر ہی رہتے جس سے سوار کو تکلیف نہ ہو- ہم ایک صاحب کے پاس سے گزرے جو طویل قامت' سیدھے بالوں والے' گندمی رنگ کے تھے' ایسے ہی جیسے ازدشنوہ قبیلے کے آدمی ہوتے ہیں- وہ باآواز بلند کہہ رہے تھے کہ تو نے اس کا اکرام کیا اور اسے فضیلت عطا فرمائی- ہم نے انہیں سلام کیا' انہوں نے جواب دیا تو پوچھا کہ جبرئیل یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ احمد ہیں (ﷺ) انہوں نے فرمایا' نبی امی عربی کو مرحبا ہو' جس نے اپنے رب کی رسالت پہنچائی اور اپنی امت کی خیر خواہی کی- پھر ہم لوٹے- میں نے پوچھا جبرئیل علیہ السلام یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا' یہ موسیٰ بن عمران ہیں علیہ الصلوۃ والسلام- میں نے کہا اور یہ ایسے لفظوں سے باتیں کس سے کر رہے تھے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ سے آپ کے بارے میں- میں نے کہا' اللہ سے اور اس آواز سے؟ فرمایا ہاں' اللہ کو ان کی تیزی معلوم ہے- پھر ہم ایک درخت کے پاس سے نکلے جس کے پھل چراغوں جیسے تھے- اس کے نیچے ایک بزرگ شیخ

بیٹھے ہوئے تھے' جن کے پاس بہت سے چھوٹے بچے تھے- حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا- چلو اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سلام کرو- ہم نے وہاں پہنچ کر انہیں سلام کیا' جواب پایا' جبرئیل علیہ السلام سے آپ نے میری نسبت پوچھا' انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کے لڑکے احمد علیہ السلام ہیں' تو آپ نے فرمایا مرحبا ہو نبی امی کو' جس نے اپنے رب کی پیغمبری پوری کی اور اپنی امت کی خیر خواہی کی- میرے خوش نصیب بیٹے آج رات آپ کی ملاقات اپنے پروردگار سے ہونے والی ہے- آپ کی امت سب سے آخر امت ہے اور سب سے کمزور بھی ہے- خیال رکھنا ایسے ہی کام ہوں جو ان پر آسان رہیں-

پھر ہم مسجد اقصیٰ پہنچے- میں نے اتر کر براق کو اسی حلقے میں باندھا جس میں اور انبیاء باندھا کرتے تھے- پھر مسجد میں گیا- وہاں میں نے نبیوں کو پہچانا- کوئی نماز میں کھڑا ہے' کوئی رکوع میں ہے' کوئی سجدے میں- پھر میرے پاس شہد کا' دودھ کا برتن لایا گیا- میں نے دودھ کا برتن لے کر پی لیا- جبرئیل علیہ السلام نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا' رب محمد ﷺ کی قسم تو فطرت کو پہنچ گیا- پھر نماز کی تکبیر ہوئی اور میں نے ان سب کو نماز پڑھائی- پھر ہم واپس لوٹ آئے- اس کی اسناد غریب ہے- اس میں بھی غرائب ہیں مثلاً انبیاء کا آپ کی شناخت کا سوال' پھر آپ کا ان کے پاس سے جانے کے بعد ان کی معرفت کا سوال وغیرہ- حالانکہ صحیح احادیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلے ہی آپ کو بتلا دیا کرتے تھے کہ یہ فلاں نبی ہیں تا کہ سلام پہچان کے بعد ہو پھر اس میں ہے کہ انبیاء سے ملاقات بیت المقدس کی مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہی ہوئی- حالانکہ صحیح روایتوں میں ہے کہ ان سے ملاقات آسمانوں پر ہوئی- پھر آپ دوبارہ اترتے ہوئے واپسی میں بیت المقدس کی مسجد میں آئے- وہ سب بھی آپ کے ساتھ تھے اور یہاں آپ نے انہیں نماز پڑھائی پھر براق پر سوار ہو کر مکے شریف واپس آئے واللہ اعلم-

مسند احمد میں ابن مسعود کی روایت سے ہے کہ میں شب معراج ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملا- وہاں قیامت کے قائم ہونے کے خاص وقت کی بابت مذاکرہ ہوا- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لاعلمی ظاہر کی تو کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھو- انہوں نے بھی بے خبری ظاہر کی- پھر طے ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر رکھو' آپ نے فرمایا' اس کے صحیح وقت کا علم تو بجز اللہ کے کسی کو نہیں' ہاں یہ تو مجھ سے فرمایا گیا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے' اس وقت میرے ساتھ دو چھڑیاں ہوں گی' وہ مجھے دیکھتے ہی سیسے کی طرف گھلنے لگے گا' آخر میری وجہ سے اللہ اسے ہلاک کرے گا- پھر تو درخت پتھر بھی بول اٹھیں گے کہ اے مسلمان دیکھ یہاں میرے نیچے ایک کافر چھپا ہوا ہے- آ اور اسے قتل کر- پس اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کرے گا- لوگ ٹھنڈے دلوں اپنے شہروں اور وطنوں میں لوٹ جائیں گے- اسی زمانے میں یاجوج ماجوج نکلیں گے جو ہر او نچائی سے کودتے پھاندتے آئیں گے- جو چیز پائیں گے' غارت کر دیں گے' جو پانی دیکھیں گے' پی جائیں گے' آخر لوگ تنگ آ کر مجھ سے شکایت کریں گے' میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا- اللہ ان سب کو ایک ساتھ ہی ہلاک کر دے گا لیکن زمین پر ان لاشوں کے تعفن کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہو جائے گا- اس وقت اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا' جو ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی- مجھے یہ خوب معلوم ہے کہ اس کے بعد ہی فوراً قیامت آ جائے گی جیسے پورے دن کی حمل والی ہو کہ نہ جانے صبح فارغ ہو جائے یا رات ہی کو-

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جس رات مسجد حرام سے بیت المقدس کی مسجد تک پہنچایا گیا' اس رات آپ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان تھے جو جبرئیل علیہ السلام دائیں اور میکائیل علیہ السلام بائیں سے آپ کو اڑا لے گئے یہاں تک کہ آپ آسمان کی بلندیوں تک پہنچے- لوٹتے ہوئے آپ نے ان کی تسبیحیں بھی مع اور تسبیحوں کے سنیں- یہ روایت اسی سورت کی آیت تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ الخ کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ- مسند میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جابیہ

میں تھے' بیت المقدس کی فتح کا ذکر ہوا آپ نے حضرت کعب سے پوچھا کہ تمہارے خیال میں مجھے وہاں کس جگہ نماز پڑھنی چاہئے۔ انہوں نے فرمایا مجھ سے پوچھتے ہو تو میں تو کہوں گا' صخرہ کے پیچھے نماز پڑھئے تا کہ بیت المقدس آپ کے سامنے رہے۔ آپ نے فرمایا تم نے وہی یہودیت کی مشابہت کی۔ میں تو اس جگہ نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے پڑھی ہے۔ پس آپ نے آگے بڑھ کر قبلہ کی طرف نماز ادا کی۔ بعد از ادائے نماز آپ نے صخرہ کے آس پاس سے تمام کوڑا اسمیٹا اور اپنی چادر میں باندھ کر باہر پھینکنا شروع کیا اور اوروں نے بھی آپ کا ہاتھ بٹایا۔ پس آپ نے نہ تو صخرہ کی ایسی تعظیم کی جیسے یہود کرتے تھے کہ نماز بھی اسی کے پیچھے پڑھتے تھے بلکہ اسی کو قبلہ بنا رکھا تھا۔ چونکہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بھی اسلام سے پہلے یہودی تھے' اسی لئے آپ نے ایسی رائے پیش کی تھی جسے خلیفۃ المسلمین نے ٹھکرا دیا اور نہ آپ نے نصرانیوں کی طرح صخرہ کی اہانت کی کہ انہوں نے تو اسے کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ بنا رکھا تھا۔ بلکہ آپ نے خود اس کے آس پاس سے کوڑا اٹھا کر پھینکا۔ یہ بالکل اس حدیث کے مشابہ ہے جس میں ہے کہ نہ تو قبروں پر بیٹھو نہ ان کی طرف نماز ادا کرو۔

سرگزشت معراج کا تسلسل: ☆☆ ایک طویل روایت معراج کی بابت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غرب والی بھی مروی ہے' اس میں ہے کہ جبرئیل اور میکائیل آپ کے پاس آئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے میکائیل علیہ السلام سے کہا کہ میرے پاس زمزم کے پانی کا طشت بھر لاؤ کہ ان میں ان کے دل کو پاک کروں اور ان کے سینے کو کھول دوں پھر آپ کا پیٹ چاک کیا اور اسے تین بار دھویا اور تینوں مرتبہ حضرت میکائیل علیہ السلام کے لائے ہوئے پانی کے طشت سے اسے دھویا اور آپ کے سینے کو کھول دیا' سب غل وغش دور کر دیا اور علم وحلم' ایمان و یقین سے اسے پر کیا' اسلام اس میں بھر دیا اور آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت لگا دی۔ اور ایک گھوڑے پر بٹھا کر آپ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام لے چلے۔ دیکھا کہ ایک قوم ہے' ادھر کھیتی کاٹتی' ادھر بڑھ جاتی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ اللہ کی راہ کے مجاہد ہیں جن کی نیکیاں سات سات سو تک بڑھتی ہیں' جو خرچ کریں' اس کا بدلہ پاتے ہیں' اللہ تعالیٰ بہترین رازق ہے۔ پھر آپ کا گزر اس قوم پر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے ہر بار ٹھیک ہو جاتے اور پھر کچلے جاتے۔ دم بھر کی انہیں مہلت نہ ملتی تھی۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ فرض نمازوں کے وقت ان کے سر بھاری ہو جایا کرتے تھے۔

پھر کچھ لوگوں کو میں نے دیکھا کہ ان کے پیچھے دھجیاں لٹک رہی ہیں اور اونٹ اور جانوروں کی طرح کانٹوں اور جہنمی درخت چر چگ رہے اور جہنم کے پتھر اور انگارے کھا رہے ہیں' میں نے کہا یہ کیسے لوگ ہیں؟ فرمایا اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دینے والے۔ اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ پھر میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے سامنے ایک ہنڈیا میں تو صاف ستھرا گوشت ہے' دوسری میں خبیث سڑا بھسا گندہ گوشت ہے' یہ اس اچھے گوشت سے تو روک دیئے گئے ہیں اور اس بدبودار بدمزہ سڑے ہوئے گوشت کو کھا رہے ہیں' میں نے سوال کیا' یہ کس گناہ کے مرتکب ہیں؟ جواب ملا کہ یہ وہ مرد ہیں جو اپنی حلال بیویوں کو چھوڑ کر حرام عورتوں کے پاس رات گزارتے تھے۔ اور وہ عورتیں ہیں جو اپنے حلال خاوندوں کو چھوڑ کر اوروں کے ہاں رات گزارتی تھیں۔ پھر آپ نے دیکھا کہ راستے میں ایک لکڑی ہے کہ ہر کپڑے کو پھاڑ دیتی ہے اور ہر چیز کو زخمی کر دیتی ہے۔ پوچھا یہ کیا؟ فرمایا یہ آپ کے ان امتیوں کی مثال ہے جو راستے روک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر اس آیت کو پڑھا وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ الخ یعنی ہر ہر راستے پر لوگوں کو خوفزدہ کرنے اور راہ حق سے روکنے کے لیے نہ بیٹھا کرو۔ الخ پھر دیکھا کہ ایک شخص بہت بڑا ڈھیر جمع کئے ہوئے ہے جسے اٹھا نہیں سکتا' پھر بھی وہ اور بڑھا رہا ہے۔ پوچھا' جبرئیل علیہ السلام یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے اوپر لوگوں کے حقوق اس قدر ہیں کہ وہ ہرگز ادا نہیں کر سکتا تا

ہم وہ اور حقوق چڑھا رہا ہے اور امانتیں لے رہا ہے۔

پھر آپؐ نے ایک جماعت کو دیکھا جن کی زبان اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ ادھر کٹے ادھر درست ہو گئے پھر کٹ گئے یہی حال برابر جاری ہے۔ پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ فتنے کے واعظ اور خطیب ہیں۔ پھر دیکھا کہ ایک چھوٹے سے پتھر کے سوراخ میں سے ایک بڑا بھاری بیل نکل رہا ہے پھر وہ لوٹنا چاہتا ہے لیکن نہیں جا سکتا۔ پوچھا جبرئیل علیہ السلام یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ وہ شخص ہے جو کوئی بڑا بول بولتا تھا۔ اس پر نادم تو ہوتا تھا لیکن لوٹا نہیں سکتا تھا۔ پھر آپ ایک وادی میں پہنچے۔ وہاں نہایت نفیس خوش گوار ٹھنڈی ہوا اور دل خوش کن معطر خوشبودار راحت وسکون کی مبارک صدائیں سن کر آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہ جنت کی آواز ہے وہ کہہ رہی ہے کہ یا اللہ مجھ سے اپنا وعدہ پورا کر۔ میرے بالا خانے ریشم موتی مونگے سونا چاندی جام کٹورے اور پانی دودھ شراب وغیرہ وغیرہ نعمتیں بہت زیادہ ہو گئیں۔ اسے اللہ کی طرف سے جواب ملا کہ ہر ایک مسلمان مومن مرد وعورت جو مجھے اور میرے رسولوں کو مانتا ہو نیک عمل کرتا ہو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو میرے برابر کسی کو نہ سمجھتا ہو وہ سب تجھ میں داخل ہوں گے۔ سن! جس کے دل میں میرا ڈر ہے وہ ہر خوف سے محفوظ ہے۔ جو مجھ سے سوال کرتا ہے وہ محروم نہیں رہتا۔ جو مجھے قرض دیتا ہے۔ میں اسے بدلہ دیتا ہوں جو مجھ پر توکل کرتا ہے میں اسے کفایت کرتا ہوں میں سچا معبود ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ میرے وعدے خلاف نہیں ہوتے مومن نجات یافتہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ بابرکت ہے جو سب سے بہتر خالق ہے۔ یہ سن کر جنت نے کہا بس میں خوش ہو گئی۔ پھر آپ ایک دوسری وادی میں پہنچے جہاں نہایت بری اور بھیانک مکروہ آوازیں آ رہی تھیں اور سخت بدبو تھی۔ آپ نے اس کی بابت بھی جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا انہوں نے بتلایا کہ یہ جہنم کی آواز ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ اے اللہ مجھ سے اپنا وعدہ پورا کر اور مجھے وہ دے میرے طوق وزنجیر میرے شعلے اور گرمائی میرا تھور اور لہو پیپ میرے عذاب اور سزا کے سامان بہت وافر ہو گئے ہیں میرا گہراؤ بہت زیادہ ہے میری آگ بہت تیز ہے۔ مجھے وہ دے جس کا وعدہ مجھ سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر مشرک وکافر خبیث منکر بے ایمان مرد وعورت تیرے لئے ہے۔ یہ سن کر جہنم نے اپنی رضامندی ظاہر کی۔

آپؐ پھر چلے۔ یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے اتر کر صخرہ میں اپنے گھوڑے کو باندھا اندر جا کر فرشتوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ فراغت کے بعد انہوں نے پوچھا کہ جبرئیل یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا محمد ﷺ ہیں۔ انہوں نے کہا آپ کی طرف بھیجا گیا؟ فرمایا ہاں سب نے مرحبا کہا کہ بہترین بھائی اور بہت ہی اچھے خلیفہ ہیں اور بہت اچھائی اور عزت سے آئے ہیں۔ پھر آپ کی ملاقات نبیوں کی روحوں سے ہوئی۔ سب نے اپنے پروردگار کی ثنا بیان کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا اور مجھے بہت بڑا ملک دیا اور میری امت کو ایسی فرمانبردار بنایا کہ ان کی اقتداء کی جاتی ہے اسی نے مجھے آگ سے بچالیا اور اسے میرے لئے ٹھنڈک اور سلامتی بنا دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ ہی کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھ سے کلام کیا۔ میرے دشمنوں کو آل فرعون کو ہلاک کیا بنی اسرائیل کو میرے ہاتھوں نجات دی میری امت میں ایسی جماعت رکھی جو حق کی ہادی اور حق کے ساتھ عدل کرنے والی تھی۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کرنی شروع کی کہ الحمدللہ اللہ نے مجھے عظیم الشان ملک دیا مجھے زبور کا علم دیا میرے لئے لوہا نرم کر دیا پہاڑوں کو مسخر کر دیا اور پرندوں کو بھی جو میرے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے تھے مجھے حکمت اور پرزور کلام عطا فرمایا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ثنا خوانی شروع کی کہ الحمدللہ اللہ نے ہواؤں کو میرے تابع کر دیا اور شیاطین کو بھی کہ وہ میرے فرمان کے ماتحت بڑے بڑے محلات اور نقشے اور برتن وغیرہ بناتے تھے۔ اس نے مجھے جانوروں کی گفتگو کے سمجھنے کا علم فرمایا۔ ہر چیز میں مجھے فضیلت دی انسانوں کے

جنوں کے' پرندوں کے لشکر میرے ماتحت کر دیئے اور اپنے بہت سے مومن بندوں پر مجھے فضیلت دی اور مجھے وہ سلطنت دی جو میرے بعد کسی کے لائق نہیں اور وہ بھی ایسی جس میں پاکیزگی ہی پاکیزگی تھی اور کوئی حساب نہ تھا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنی شروع کی کہ اس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا اور میری مثال حضرت آدم علیہ السلام کی سی کی۔ جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا تھا کہ ہو جا اور وہ ہو گئے تھے۔ اس نے مجھے کتاب وحکمت' تورات وانجیل سکھائی میں مٹی کا پرند بناتا۔ پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ بحکم الٰہی زندہ پرند بن کر اڑ جاتا۔ میں بچپن کے اندھوں کو اور جذامیوں کو بحکم الٰہی اچھا کر دیتا تھا' مردے اللہ کی اجازت سے زندہ ہو جاتے تھے۔ مجھے اس نے اٹھالیا' مجھے پاک صاف کر دیا' مجھے اور میری والدہ کو شیطان سے بچالیا۔ ہم پر شیطان کا کچھ دخل نہ تھا۔

اب جناب رسول آخر الزماں ﷺ نے فرمایا' تم سب نے تو اللہ کی تعریفیں بیان کر لیں' اب میں کرتا ہوں۔ اللہ ہی کے لئے حمد وثنا ہے جس نے مجھے رحمت للعالمین بنا کر اپنی تمام مخلوق کے لیے ڈرانے اور خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا' مجھ پر قرآن کریم نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ میری امت کو تمام اور امتوں سے افضل بنایا جو کہ اوروں کی بھلائی کے لئے بنائی گئی ہے۔ اسے بہترین امت بنایا۔ انہی کو اول کی اور آخر کی امت بنایا۔ میرا سینہ کھول دیا' میرے بوجھ دور کر دیئے' میرا ذکر بلند کر دیا اور مجھے شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا بنایا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا' انہی وجوہ سے آنحضرت محمد ﷺ تم سب سے افضل ہیں۔

امام ابوجعفر رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں شروع کرنے والے آپ ہیں یعنی بروز قیامت شفاعت آپ ہی سے شروع ہو گی' پھر آپ کے سامنے تین ڈھکے ہوئے برتن پیش کئے گئے پانی کے برتن میں سے آپ نے تھوڑا سا پی کر واپس کر دیا۔ پھر دودھ کا برتن لے کر آپ نے پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ پھر شراب کا برتن لایا گیا تو آپ نے اس کے پینے سے انکار کر دیا کہ میں شکم سیر ہو چکا ہوں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا' یہ آپ کی امت پر حرام کر دی جانے والی ہے اور اگر آپ اسے پی لیتے تو آپ کی امت میں سے آپ کے تابعدار بہت ہی کم ہوتے۔ پھر آپ کو آسمان کی طرف چڑھایا گیا' دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا' یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا محمد ہیں (ﷺ)۔ پوچھا گیا کیا آپ کی طرف بھیج دیا گیا؟ فرمایا ہاں' انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اس بھائی اور خلیفہ کو خوش رکھے یہ بڑے اچھے بھائی اور نہایت عمدہ خلیفہ ہیں۔ اس وقت دروازہ کھول دیا گیا۔ آپؐ نے دیکھا کہ ایک شخص ہیں پوری پیدائش کے' عام لوگوں کی طرح ان کی پیدائش میں کوئی نقصان نہیں' ان کے دائیں ایک دروازہ ہے جہاں سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی ہے اور بائیں جانب ایک دروازہ ہے جہاں سے خبیث ہوا آ رہی ہے۔ داہنی طرف کے دروازے کو دیکھ کر ہنس دیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور بائیں طرف کے دروازے کو دیکھ کر رو دیتے ہیں اور غمگین ہو جاتے ہیں میں نے کہا جبرئیل علیہ السلام' یہ شیخ پوری پیدائش والے کون ہیں؟ جن کی خلقت میں کچھ بھی نہیں گھٹا۔ اور یہ دونوں دروازے کیسے ہیں؟ جواب ملا کہ یہ آپ کے والد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ دائیں جانب جنت کا دروازہ ہے۔ اپنی جنتی اولاد کو دیکھ کر خوش ہو کر ہنس دیتے ہیں اور بائیں جانب جہنم کا دروازہ ہے۔ آپ اپنی دوزخی اولاد کو دیکھ کر رو دیتے ہیں اور غمگین ہو جاتے ہیں۔

پھر دوسرے آسمان کی طرف چڑھے۔ اسی طرح کے سوال جواب کے بعد دروازہ کھلا۔ وہاں آپ نے دو جوانوں کو دیکھا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام ہیں۔ یہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں۔ پھر اسی طرح تیسرے آسمان پر پہنچے۔ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو پایا جنہیں حسن میں اور لوگوں پر وہی فضیلت تھی جو چاند کو باقی ستاروں پر۔ پھر چوتھے آسمان پر اسی طرح پہنچے۔ وہاں حضرت ادریس علیہ السلام کو پایا جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مکان پر چڑھالیا ہے۔ پھر آپ پانچویں آسمان

پر بھی انہی سوالات و جوابات کے بعد پہنچے - دیکھا کہ ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں - ان کے آس پاس کچھ لوگ ہیں جو ان سے باتیں کر رہے ہیں - پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم میں ہر دلعزیز تھے اور یہ لوگ بنی اسرائیل ہیں - پھر اسی طرح چھٹے آسمان پر پہنچے - حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا - آپؐ کے ان سے بھی آگے نکل جانے پر وہ رو دیئے - دریافت کرنے پر سبب یہ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل میری نسبت یہ سمجھتے تھے کہ تمام اولاد آدم میں اللہ کے پاس سب سے زیادہ بزرگ میں ہوں لیکن یہ ہیں میرے خلیفہ جو دنیا میں ہیں اور میں آخرت میں ہوں - خیر صرف یہی ہوتے تو بھی چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن ہر نبی کے ساتھ ان کی امت ہے -

پھر آپ اسی طرح ساتویں آسمان پر پہنچے - وہاں ایک صاحب کو دیکھا جن کی داڑھی میں کچھ سفید بال تھے - وہ جنت کے دروازے پر ایک کرسی لگائے بیٹھے ہوئے ہیں - ان کے پاس کچھ اور لوگ بھی ہیں - بعض کے چہرے تو روشن ہیں اور بعض کے چہروں پر کچھ کم چمک ہے بلکہ رنگ میں کچھ اور بھی ہے - یہ لوگ اٹھے اور نہر میں ایک غوطہ لگایا جس سے رنگ قدرے نکھر گیا پھر دوسری نہر میں نہائے - کچھ اور نکھر گئے پھر تیسری میں غسل کیا - بالکل روشن سفید چہرے ہو گئے - آ کر دوسروں کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے اور انہی جیسے ہو گئے - آپ کے سوال پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ یہ آپ کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، روئے زمین پر سفید بال سب سے پہلے ان ہی کے نکلے - یہ سفید منہ والے وہ ایماندار لوگ ہیں جو برائیوں سے بالکل بچے رہے اور جن کے چہروں کے رنگ میں کچھ کدورت تھی، یہ وہ لوگ ہیں جن سے نیکیوں کے ساتھ کچھ بدیاں بھی سرزد ہو گئی تھیں - ان کی توبہ پر اللہ تعالیٰ مہربان ہو گیا - اول نہر اللہ کی رحمت ہے، دوسری نعمت ہے، تیسری شراب طہور کی نہر ہے جو جنتیوں کی خاص شراب ہے -

پھر آپؐ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو آپ سے کہا گیا کہ آپ ہی کی سنتوں پر جو پابندی کرے وہ یہاں تک پہنچایا جاتا ہے، اس کی جڑ سے پاکیزہ پانی کی، صاف ستھرے دودھ کی، لذیذ بے نشہ شراب کی اور صاف شہد کی نہریں جاری تھیں - اس درخت کے سائے میں کوئی سوار اگر ستر سال بھی چلا جائے تاہم اس کا سایہ ختم نہیں ہوتا - اس کا ایک ایک پتہ اتنا بڑا ہے کہ ایک ایک امت کو ڈھانپ لے - اللہ تعالیٰ کے نور نے اسے چاروں طرف سے ڈھک رکھا تھا اور پرند کی شکل کے فرشتوں نے اسے چھپا لیا تھا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت میں وہاں تھے - اس وقت اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ سے باتیں کیں فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ آپ نے گزارش کی کہ اے اللہ تو نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور انہیں بڑا ملک دیا، موسیٰ علیہ السلام سے تو نے باتیں کیں، داؤد علیہ السلام کو تو نے عظیم الشان سلطنت دی اور ان کے لئے لوہا نرم کر دیا، سلیمان علیہ السلام کو تو نے بادشاہت دی، جنات، انسان، شیاطین، ہوائیں ان کے تابع فرمان کیں اور وہ بادشاہت دی جو کسی کے لائق ان کے سوا نہیں - عیسیٰ علیہ السلام کو تو نے تورات و انجیل سکھائی - اپنے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرنے والا اور مردوں کو جلانے والا بنایا، انہیں اور ان کی والدہ کو شیطان رجیم سے بچایا کہ اسے ان پر کوئی دخل نہ تھا، میری نسبت فرمان ہو - رب العالمین عزوجل نے فرمایا، تو میرا خلیل ہے، توراۃ میں میں نے تجھے خلیل الرحمٰن کا لقب دیا ہے - تجھے تمام لوگوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، تیرا سینہ کھول دیا ہے، تیرا بوجھ اتار دیا ہے، تیرا ذکر بلند کر دیا ہے - جہاں میرا ذکر آئے، وہاں تیرا ذکر بھی ہوتا ہے اور تیری امت کو میں نے سب امتوں سے بہتر بنایا ہے جو لوگوں کے لئے ظہور میں لائی گئی ہے - تیری امت کو بہترین امت بنایا ہے، تیری ہی امت کو اولین اور آخرین بنایا ہے - ان کا خطبہ جائز نہیں جب تک وہ تیرے بندے اور رسول ہونے کی شہادت نہ دے لیں - میں نے تیری امت میں ایسے لوگ بنائے ہیں جن کے دل میں الکتاب ہے - تجھے از روئے پیدائش سب سے اول کیا اور از روئے بعثت کے سب سے آخر کیا اور از روئے فیصلہ کے بھی سب سے اول کیا، تجھے میں نے سات ایسی آیتیں دیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں جو تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملیں، تجھے میں نے اپنے عرش تلے سے سورہ بقرہ کے خاتمے کی آیتیں

دیں جو تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' میں نے تجھے کوثر عطا فرمائی اور میں نے تجھے اسلام کے آٹھ حصے دیئے - اسلام' ہجرت' جہاد' نماز' صدقہ' رمضان کے روزے' نیکی کا حکم' برائی سے روک اور میں نے تجھے شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا بنایا - پس آپ فرمانے لگے' مجھے میرے رب نے چھ باتوں کی فضیلت مرحمت فرمائی - کلام کی ابتدا اور اس کی انتہا دی - جامع باتیں دیں - تمام لوگوں کی طرف خوشخبری دینے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا - میرے دشمن مجھ سے مہینہ بھر کی راہ پر ہوں' وہیں سے اس کے دل میں میرا رعب ڈال دیا گیا - میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں ہوئیں - میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو بنائی گئی -

پھر آپ پر پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا اور بہ مشورہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تخفیف طلب کرنے کا اور آخر میں پانچ رہ جانے کا ذکر ہے - جیسے کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے - پس پانچ رہیں اور ثواب پچاس کا جس سے آپ بہت ہی خوش ہوئے - جاتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت تھے اور آتے وقت نہایت نرم اور سب سے بہتر - اور کتاب کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اسی آیت سُبْحَانَ الَّذِیْ کی تفسیر میں آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا - یہ بھی واضح رہے کہ اس لمبی حدیث کا ایک راوی ابو جعفر رازی بہ ظاہر حافظہ کے کچھ ایسے اچھے نہیں معلوم ہوتے - اس کے بعض الفاظ میں سخت غرابت اور بہت زیادہ نکارت ہے - انہیں ضعیف بھی کہا گیا ہے اور صرف انہی کی روایت والی حدیث قابل توجہ ہے - ایک اور بات یہ ہے کہ خواب والی حدیث کا کچھ حصہ بھی اس میں آ گیا ہے - اور یہ بھی ممکن ہے کہ بہت سی احادیث کا مجموعہ ہو یا خواب یا معراج کے سوا کے واقعہ کی اس میں روایت ہو - واللہ اعلم - بخاری و مسلم کی ایک روایت میں آپ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلیہ بیان کرنا وغیرہ بھی مروی ہے -

صحیح مسلم کی حدیث میں حطیم میں آپ سے بیت المقدس کے سوالات کئے جانے اور پھر اس کے ظاہر ہو جانے کا واقعہ بھی ہے' اس میں بھی ان تینوں نبیوں سے ملاقات کرنے کا اور ان کے حلیہ کا بیان ہے اور یہ بھی کہ آپ نے انہیں نماز میں کھڑا پایا - آپ نے مالک' خازن جہنم کو بھی دیکھا اور انہوں نے ہی ابتداءً آپ سے سلام کیا - بیہقی وغیرہ میں کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام ہانی کے مکان پر سوئے ہوئے تھے - آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہو گئے تھے - وہیں سے آپ کو معراج ہوئی - پھر امام حاکم نے بہت لمبی حدیث بیان فرمائی ہے جس میں درجوں کا اور فرشتوں وغیرہ کا ذکر ہے - اللہ کی قدرت سے تو کوئی چیز بعید نہیں بشرطیکہ وہ روایت صحیح ثابت ہو جائے - امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ اس روایت کو بیان کر کے فرماتے ہیں کہ مکے شریف سے بیت المقدس تک جانے اور معراج کے بارے میں اس حدیث میں پوری کفایت ہے لیکن اس روایت کو بہت ائمہ حدیث نے مرسل بیان کیا ہے واللہ اعلم -

اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سنئے - بیہقی میں ہے کہ جب صبح کے وقت لوگوں سے حضور ﷺ نے اس بات کا ذکر کیا تو بہت سے لوگ مرتد ہو گئے جو اس سے پہلے باایمان اور تصدیق کرنے والے تھے' پھر حضرت صدیقؓ کے پاس ان کا جانا اور آپ کا سچا ماننا اور صدیق لقب پانا مروی ہے - خود حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معراج میرے ہی مکان سے کرائی گئی ہے - اس رات آپ نماز عشا کے بعد میرے مکان پر ہی آرام فرما تھے - آپ بھی سو گئے اور ہم سب بھی - صبح سے کچھ ہی پہلے ہم نے حضور علیہ السلام کو جگایا - پھر آپ کے ساتھ ہی ہم نے صبح کی نماز ادا کی تو آپ نے فرمایا' اے ام ہانی میں نے تمہارے ساتھ ہی عشا کی نماز ادا کی اور اب صبح کی نماز میں بھی تمہارے ساتھ ہی ہوں - اس درمیان میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بیت المقدس پہنچایا اور میں نے وہاں نماز بھی پڑھی - ایک راوی کلبی متروک ہے اور بالکل ساقط ہے لیکن اسے ابو یعلی میں اور سند سے خوب تفصیل سے روایت کیا ہے - طبرانی میں حضرت ام ہانیؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ شب معراج میرے ہاں سوئے ہوئے تھے - میں نے رات کو آپ کی ہر چند تلاش کی لیکن نہ پایا' ڈر تھا کہ کہیں قریشیوں نے

کوئی دھوکا نہ کیا۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے لے چلے۔ دروازے پر ایک جانور تھا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے اونچا تھا۔ مجھے اس پر سوار کیا۔

پھر مجھے بیت المقدس پہنچایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھایا۔ وہ اخلاق میں اور صورت شکل میں بالکل میرے مشابہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا۔ لانبے قد کے سیدھے بالوں کے ایسے تھے جیسے ازدشنوہ کے قبیلے کے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دکھایا۔ درمیانہ قد' سفید سرخی مائل رنگ بالکل ایسے جیسے عروہ بن مسعود ثقفی ہیں۔ دجال کو دکھایا ایک آنکھ اس کی بالکل مٹی ہوئی تھی ایسا تھا جیسے قطن بن عبدالعزی۔ یہ فرما کر فرمایا کہ اچھا اب میں جاتا ہوں۔ جو کچھ دیکھا ہے' وہ قریش سے بیان کرتا ہوں۔ میں نے آپ کا دامن تھام لیا اور عرض کیا' اللہ آپ اپنی قوم میں اس خواب کو بیان نہ کریں۔ وہ آپ کو جھٹلائیں گے' آپ کی بات ہرگز نہ مانیں گے اور اگر بس چلا تو آپ کی بے ادبی کریں گے۔ لیکن آپؐ نے جھٹکا مار کر اپنا دامن میرے ہاتھ سے چھڑا لیا اور سیدھے قریش کے مجمع میں پہنچ کر ساری باتیں بیان فرما دیں۔ جبیر بن مطعم کہنے لگا' بس حضرت آج ہمیں معلوم ہو گیا' اگر آپ سچے ہوتے تو ایسی بات ہم میں بیٹھ کر نہ کہتے۔ ایک شخص نے کہا کیوں حضرت؟ راستے میں ہمارا فلاں قافلہ بھی ملا تھا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اور ان کا ایک اونٹ کھو گیا تھا جس کی تلاش کر رہے تھے۔ کسی نے کہا اور فلاں قبیلے والوں کے اونٹ بھی راستے میں ملے؟ آپؐ نے فرمایا' وہ بھی ملے تھے' فلاں جگہ تھے۔ ان میں ایک سرخ رنگ اونٹنی تھی جس کا پاؤں ٹوٹ گیا تھا۔ ان کے پاس ایک بڑے پیالے میں پانی تھا۔ جسے میں نے بھی پیا۔ انہوں نے کہا' اچھا ان کے اونٹوں کی گنتی بتاؤ۔ ان میں چرواہے کون کون تھے۔ یہ بھی بتاؤ؟ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے قافلہ آپ کے سامنے کر دیا۔ آپؐ نے ساری گنتی بھی بتا دی اور چرواہوں کے نام بھی بتا دیئے۔ ایک چرواہا ان میں ابن ابی قحافہ تھا اور یہ بھی فرما دیا کہ کل صبح کو وہ ثنیہ پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ اس وقت اکثر لوگ بطور آزمائش ثنیہ جا پہنچے۔ دیکھا کہ واقعی قافلہ آ گیا۔ ان سے پوچھا کہ تمہارا اونٹ گم ہو گیا تھا؟ انہوں نے کہا درست ہے' گم ہو گیا تھا۔ دوسرے قافلے والوں سے پوچھا تمہاری کسی سرخ رنگ اونٹنی کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یہ بھی صحیح ہے۔ پوچھا' کیا تمہارے پاس بڑا پیالہ پانی کا بھی تھا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' ہاں اللہ کی قسم اسے تو میں نے خود رکھا تھا اور ان میں سے نہ کسی نے اسے پیا نہ وہ پانی گرایا گیا۔ بے شک محمد ﷺ سچے ہیں۔ یہ آپ پر ایمان لائے اور اس دن سے ان کا نام صدیق رکھا گیا۔

"فصل" ان تمام احادیث کی واقفیت کے بعد جن میں صحیح بھی ہیں' حسن بھی ہیں' ضعیف بھی ہیں' کم از کم اتنا تو ضرور معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ کا مکے شریف سے بیت المقدس تک لے جانا ہوا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ صرف ایک ہی مرتبہ ہوا ہے۔ گو راویوں کی عبارتیں اس باب میں مختلف الفاظ سے ہیں۔ گو ان میں کمی بیشی بھی ہے' یہ کوئی بات نہیں اور سوائے انبیاء علیہم السلام کے خطا سے پاک ہے کون؟ بعض لوگوں نے ہر ایسی روایت کو ایک الگ واقعہ کہا ہے اور اس کے قائل ہوئے ہیں کہ یہ واقعہ کئی بار ہوا لیکن یہ لوگ بہت دور نکل گئے اور بالکل انوکھی بات کہی اور نہ جانے کی جگہ چلے گئے اور پھر بھی مطلب حاصل نہ ہوا۔ متاخرین میں سے بعض نے ایک اور ہی توجیہہ پیش کی ہے اور اس پر انہیں بڑا ناز ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ تو آپ کو مکے سے صرف بیت المقدس تک کی سیر ہوئی۔ ایک مرتبہ مکے سے آسمانوں پر چڑھائے گئے اور ایک مرتبہ مکے سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے آسمانوں تک۔ لیکن یہ قول بھی بعید از قیاس اور بالکل غریب ہے۔ سلف میں سے تو اس کا کوئی قائل نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو خود آنحضرت ﷺ خود ہی اسے کھول کر بیان فرما دیتے اور راوی آپ سے اس کے بار بار ہونے کی روایت بیان کرتے۔

بقول حضرت زہری معراج کا یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے کا ہے۔ عروہ بھی یہی کہتے ہیں۔ سدی کہتے ہیں' چھ ماہ پہلے کا ہے۔ لہذا حق بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جاگتے میں نہ کہ خواب میں مکہ شریف سے بیت المقدس تک کی اسرا کرائی گئی۔ اس وقت آپ براق پر سوار تھے۔ مسجد قدس کے دروازے پر آپ نے براق کو باندھا' وہاں جا کر اس کے قبلہ رخ تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر معراج لائے گئے جو درجوں والی ہے اور بطور سیڑھی کے ہے۔ اس سے آپ آسمان دنیا پر چڑھائے گئے۔ پھر ساتوں آسمانوں پر پہنچائے گئے۔ ہر آسمان کے مقربین الٰہی سے ملاقاتیں ہوئیں' انبیاء علیہم السلام سے ان کے منازل و درجات کے مطابق سلام علیک ہوئی۔ چھٹے آسمان میں کلیم اللہ علیہ السلام سے اور ساتویں میں خلیل اللہ علیہ السلام سے ملے۔ پھر ان سے بھی آگے بڑھ گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی سائر الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام۔ یہاں تک کہ آپ مستوی میں پہنچے جہاں قضا و قدر کی قلموں کی آوازیں آپ نے سنیں۔ سدرۃ المنتہی کو دیکھا جس پر عظمت ربی چھا رہی تھی۔ سونے کی ٹڈیاں اور طرح طرح کے رنگ وہاں پر نظر آ رہے تھے۔ فرشتے چاروں طرف سے اسے گھیرے ہوئے تھے۔ وہیں پر آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا جن کے چھ سو پر تھے۔ وہیں آپ نے رف رف سبز رنگ کا دیکھا جس نے آسمان کے کناروں کو ڈھک رکھا تھا۔ بیت المعمور کی زیارت کی جو خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ کے زمینی کعبے کے ٹھیک اوپر آسمانوں پر ہے' یہی آسمانی کعبہ ہے۔ خلیل اللہ علیہ السلام اس سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت ربانی کے لئے جاتے ہیں مگر جو آج گئے' پھر ان کی باری قیامت تک نہیں آتی۔ آپ نے جنت دوزخ دیکھی۔ یہیں اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض کر کے پھر تخفیف کر دی اور پانچ رکھیں جو خاص اس کی رحمت تھی۔ اس سے نماز کی بزرگی اور فضیلت بھی صاف طور پر ظاہر ہے۔ پھر آپؐ واپس بیت المقدس کی طرف اترے اور آپ کے ساتھ ہی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اترے۔ وہاں آپؐ نے ان سب کو نماز پڑھائی جب کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ ممکن ہے وہ اس دن کی صبح کی نماز ہو۔ ہاں بعض حضرات کا قول ہے کہ امامت انبیاء آپ نے آسمانوں میں کی۔ لیکن صحیح روایات سے بہ ظاہر یہ واقعہ بیت المقدس کا معلوم ہوتا ہے۔

گو بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جاتے ہوئے آپ نے یہ نماز پڑھائی لیکن ظاہر یہ ہے کہ آپ نے واپسی میں امامت کرائی۔ اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ جب آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے آپ کی ملاقات ہوتی ہے تو آپ ہر ایک کی بابت حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہیں؟ اگر بیت المقدس میں ہی ان کی امامت آپ نے کرائی ہوئی ہوتی تو اب چنداں اس سوال کی ضرورت نہیں رہتی۔ دوسرے یہ کہ سب سے پہلے اور سب سے بڑی غرض تو بلندی پر جناب باری تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا تھا تو بہ ظاہر یہی بات سب پر مقدم تھی۔ جب یہ ہو چکا اور آپ پر اور آپ کی امت پر اس رات میں جو فریضہ نماز مقرر ہونا تھا' وہ بھی ہو چکا' اب آپ کو اپنے بھائیوں کے ساتھ جمع ہونے کا موقع ملا اور ان سب کے سامنے آپ کی بزرگی اور فضیلت ظاہر کرنے کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اشارے سے آپ نے امام بن کر انہیں نماز پڑھائی۔ پھر بیت المقدس سے بذریعہ براق آپ واپس رات کو اندھیرے اور صبح کے کچھ ہی اجالے کے وقت مکہ شریف پہنچ گئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اب یہ جو مروی ہے کہ آپؐ کے سامنے دودھ اور شہد یا دودھ اور شراب یا دودھ اور پانی پیش کیا گیا یا چاروں ہی چیزیں' اس کی بابت روایتوں میں یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ بیت المقدس کا ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ آسمانوں کا ہو لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی جگہ یہ چیز آپ کے سامنے پیش ہوئی ہو اس لئے کہ جیسے کسی آنے والے کے سامنے بطور مہمانی کے کچھ چیز رکھی جاتی ہے' اسی طرح یہ تھا واللہ اعلم۔

معراج جسمانی تھی یا روحانی ؟: ☆☆ پھر اس میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ معراج آپؐ کے جسم وروح سمیت کرائی گئی تھی صرف روحانی طور پر؟ اکثر علماء کرام تو یہی فرماتے ہیں کہ جسم وروح سمیت آپ کو معراج ہوئی اور ہوئی بھی جاگتے میں نہ کہ بطور خواب کے۔ ہاں اس کا انکار نہیں کہ حضور علیہ السلام کو پہلے خواب میں یہی چیزیں دکھائی گئی ہوں۔ آپ خواب میں جو کچھ ملاحظہ فرماتے' اسے اسی طرح پھر واقعہ میں جاگتے ہوئے بھی ملاحظہ فرما لیتے ۔اس کی بڑی دلیل ایک تو یہ ہے کہ اس واقعہ کے بیان فرمانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکیزگی بیان فرمائی ہے۔اس اسلوب بیان کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے بعد کی بات کوئی بڑی اہم ہے۔ اگر یہ واقعہ خواب کا مانا جائے تو خواب میں ایسی باتیں دیکھ لینا اتنا اہم نہیں کہ اس کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ پہلے سے بطور احسان اور بطور اظہار قدرت اپنی تسبیح بیان کرے۔ پھر اگر یہ واقعہ خواب کا ہی تھا تو کفار اس طرح جلدی سے آپ کی تکذیب نہ کرتے' ایک شخص اپنا خواب اور خواب میں دیکھی ہوئی عجائب چیزیں بیان کر رہا ہے یا کرے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بھڑ بھڑا کر آ جائیں اور سنتے ہی سختی سے انکار کرنے لگیں۔ پھر جو لوگ کہ اس سے پہلے آپؐ پر ایمان لا چکے تھے اور آپؐ کی رسالت کو قبول کر چکے تھے' کیا وجہ ہے کہ وہ واقعہ معراج کو سن کر اسلام سے پھر جاتے ہیں؟ اس سے بھی ظاہر ہے کہ آپؐ نے خواب کا قصہ بیان نہیں فرمایا تھا۔ پھر قرآن کے لفظ بِعَبْدِہٖ پر غور کیجئے۔ عبد کا اطلاق روح اور جسم دونوں کے مجموعے پر آتا ہے۔ پھر اسری بعبدہ لیلا کا فرمانا اس چیز کو اور صاف کر دیتا ہے کہ وہ اپنے بندے کو رات کے تھوڑے سے حصے میں لے گیا۔ اس دیکھنے کو لوگوں کی آزمائش کا سبب آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ میں فرمایا گیا ہے۔ اگر یہ خواب ہی تھا تو اس میں لوگوں کی ایسی بڑی کون سی آزمائش تھی جسے مستقل طور پر بیان فرمایا جاتا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آنکھوں کا دیکھنا تھا جو رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا (بخاری) خود قرآن فرماتا ہے مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی نہ تو نگاہ بہکی نہ بھٹکی۔ ظاہر ہے کہ بصر یعنی نگاہ انسان کی ذات کا ایک وصف ہے نہ کہ صرف روح کا پھر براق کی سواری کا لایا جانا اور اس سفید چمکیلے جانور پر سوار کرا کر آپ کو لے جانا بھی اس کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ جاگنے کا اور جسمانی ہے ورنہ صرف روح کے لئے سواری کی ضرورت نہیں واللہ اعلم۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ معراج صرف روحانی تھی نہ کہ جسمانی ۔ چنانچہ محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان کا یہ قول مروی ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جسم غائب نہیں ہوا تھا بلکہ روحانی معراج تھی۔ اس قول کا انکار نہیں کیا گیا کیونکہ حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الخ آیت اتری ہے۔ اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی نسبت خبر دی ہے کہ انہوں نے فرمایا' میں نے خواب میں تیرا ذبح کرنا دیکھا ہے۔ اب تو سوچ لے کیا دیکھتا ہے؟ پھر یہی حال رہا۔ پس ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر وحی جاگتے میں بھی آتی ہے اور خواب میں بھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں اور دل جاگتا رہتا ہے واللہ اعلم۔ اس میں سے کون سی سچی بات تھی؟ آپؐ گئے اور آپؐ نے بہت سی باتیں دیکھیں۔ جس حال میں بھی آپؐ تھے سوتے یا جاگتے سب حق اور سچ ہے۔ یہ تو تھا محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ کا قول۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی بہت کچھ تردید کی ہے اور ہر طرح اسے رد کیا ہے اور اسے خلاف ظاہر قرار دیا ہے کہ الفاظ قرآنی کے سراسر خلاف یہ قول ہے۔ پھر اس کے خلاف بہت سی دلیلیں پیش کی ہیں جن میں سے چند ہم نے بھی اوپر بیان کر دی ہیں واللہ اعلم۔

فائدہ: ☆☆ ایک نہایت عمدہ اور بہت زبردست فائدہ اس بیان میں اس روایت سے ہوتا ہے جو حافظ ابونعیم اصبہانی کتاب دلائل النبوۃ میں لائے ہیں کہ جب دحیہ بن خلیفہ کو رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کے پاس بطور قاصد کے اپنے نامہ مبارک کے ساتھ بھیجا' یہ گئے' پہنچے اور عرب تاجروں کو جو ملک شام میں تھے' ہرقل نے جمع کیا۔ ان میں ابوسفیان صخر بن حرب تھا اور اس کے ساتھی مکے کے دوسرے کافر بھی تھے۔ پھر اس

نے ان سے بہت سے سوالات کئے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں۔ ابوسفیان کی اول سے آخر تک یہی کوشش رہی کہ کسی طرح حضور ﷺ کی برائی اور حقارت اس کے سامنے کرے تا کہ بادشاہ کے دل کا میلان آنحضرت ﷺ کی طرف نہ ہو۔ وہ خود کہتا ہے کہ میں صرف اس خوف سے غلط باتیں کرنے اور تہمتیں دھرنے سے باز رہا کہ کہیں میرا کوئی جھوٹ اس پر کھل نہ جائے۔ پھر تو یہ میری بات کو جھٹلا دے گا اور بڑی ندامت ہوگی۔ اسی وقت دل میں خیال آ گیا اور میں نے کہا' بادشاہ سلامت سنئے' میں ایک واقعہ بیان کروں جس سے آپ پر یہ بات کھل جائے گی کہ محمد (ﷺ) بڑے جھوٹے آدمی ہیں۔ سنئے ایک دن وہ کہنے لگا کہ اس رات وہ مکے سے چلا اور آپ کی اس مسجد میں یعنی بیت المقدس کی مسجد قدس میں آیا اور پھر واپس صبح سے پہلے مکہ پہنچ گیا۔ میری یہ بات سنتے ہی بیت المقدس کا لاٹ پادری جو شاہ روم کی اس مجلس میں اس کے پاس بڑی عزت سے بیٹھا تھا' فوراً ہی بول اٹھا کہ یہ بالکل سچ ہے۔ مجھے اس رات کا علم ہے۔ قیصر نے تعجب خیز نظر سے اس کی طرف دیکھا اور ادب سے پوچھا' جناب کو کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا' سنئے میری عادت تھی اور یہ کام میں نے اپنے متعلق کر رکھا تھا کہ جب تک مسجد شریف کے تمام دروازے اپنے ہاتھ سے بند نہ کرلوں' سوتا نہ تھا۔ اس رات میں دروازے بند کرنے کو کھڑا ہوا۔ سب دروازے اچھی طرح بند کر دیئے لیکن ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا۔ میں نے ہر چند زور لگایا لیکن کواڑ اپنی جگہ سے سرکا بھی نہیں' میں نے اسی وقت اپنے آدمیوں کو آواز دی۔ وہ آئے ہم سب نے مل کر طاقت لگائی لیکن سب کے سب ناکام رہے۔ بس یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا ہم کسی پہاڑ کو اس کی جگہ سے سرکانا چاہتے ہیں لیکن اس کا پہیہ تک بھی تو نہیں ہلا۔ میں نے بڑھئی بلوائے۔ انہوں نے دیکھا۔ بہت ترکیبیں کیں' کوششیں کیں لیکن وہ بھی ہار گئے اور کہنے لگے صبح پر اکھٹے چنانچہ وہ دروازہ اس شب یونہی رہا۔ دونوں کواڑ بالکل کھلے رہے۔ صبح ہی جب میں اسی دروازے کے پاس گیا تو دیکھا کہ اس کے پاس کونے میں جو چٹان پتھر کی تھی اس میں ایک سوراخ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں رات کو کسی نے کوئی جانور باندھا ہے۔ اس کے اثر اور نشان موجود تھے۔ میں سمجھ گیا اور میں نے اسی وقت اپنی جماعت سے کہا کہ آج کی رات ہماری یہ مسجد کسی نبی کے لئے کھلی رکھی گئی اور اس نے یہاں ضرور نماز ادا کی ہے۔ یہ حدیث بہت لمبی ہے۔

''فائدہ'' حضرت ابوالخطاب عمر بن دحیہ اپنی کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معراج کی حدیث وارد کر کے اس کے متعلق نہایت عمدہ کلام کر کے پھر فرماتے ہیں' معراج کی حدیث متواتر ہے۔ حضرت عمر بن خطاب' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابوذر' حضرت مالک بن صعصعہ' حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابوسعید' حضرت ابن عباس' حضرت شداد بن اوس' حضرت ابی بن کعب' حضرت عبدالرحمٰن بن قرظ' حضرت ابوحبہ' حضرت ابولیلیٰ' حضرت عبداللہ بن عمرو' حضرت جابر' حضرت حذیفہ' حضرت بریدہ' حضرت ابوایوب' حضرت ابوامامہ' حضرت سمرہ بن جندب' حضرت ابوالحمراء' حضرت صہیب رومی' حضرت ام ہانی' حضرت عائشہ اور حضرت اسماء وغیرہ سے مروی ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان میں سے بعض نے تو اسے مطول بیان کیا ہے اور بعض نے مختصر۔ گو ان میں سے بعض روایتیں سنداً صحیح نہیں لیکن بالجملہ صحت کے ساتھ واقعہ معراج ثابت ہے اور مسلمان اجماعی طور پر اس کے قائل ہیں۔ ہاں بے شک زندیق اور ملحد لوگ اس کے منکر ہیں۔ وہ اللہ کے نورانی چراغ کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ پوری روشنی کے ساتھ چمکتا ہوا ہی رہے گا گو کافروں کو برا لگے۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝۲ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا کہ تم میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا ○ اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ چڑھا لیا تھا' وہ تو ہمارا بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا ○

طوفان نوح کے بعد: ☆☆ (آیت:۲-۳) آنحضرت ﷺ کے معراج کے واقعہ کے بیان کے بعد اپنے پیغمبر کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بیان فرماتا ہے۔ قرآن کریم میں عموماً یہ دونوں بیان ایک ساتھ آئے ہیں۔ اسی طرح تورات اور قرآن کا بیان بھی ملا جلا ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ کی کتاب کا نام تورات ہے۔ وہ کتاب بنی اسرائیل کے لئے ہادی تھی۔ انہیں حکم ہوا تھا کہ اللہ کے سوا کسی اور کو ولی اور مددگار اور معبود نہ سمجھیں۔ ہر ایک نبی اللہ کی توحید لے کر آتا رہا ہے۔ پھر انہیں کہا جاتا ہے کہ اے ان بزرگوں کی اولاد جنہیں ہم نے اپنے اس احسان سے نوازا تھا کہ طوفان نوحؑ کی عالمگیر ہلاکت سے انہیں بچا لیا اور اپنے پیارے نبی حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر چڑھا لیا تھا' تمہیں اپنے بڑوں کی طرح ہماری شکر گزاری کرنی چاہئے۔ دیکھو میں نے تمہاری طرف اپنے آخری رسول حضرت محمد کو بھیجا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت نوحؑ چونکہ کھاتے پیتے اور پہنتے غرض ہر وقت اللہ کی حمد و ثنا بیان فرماتے رہتے تھے' اس لئے آپ کو شکر گزار بندہ کہا گیا۔ مسند احمد وغیرہ میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے بہت ہی خوش ہوتا ہے جو نوالہ کھائے تو اللہ کا شکر بجا لائے اور پانی کا گھونٹ پئے تو اللہ کا شکر ادا کرے۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے رہتے۔ شفاعت والی لمبی حدیث جو بخاری وغیرہ میں ہے' اس میں ہے کہ جب لوگ طلب شفاعت کے لئے حضرت نوح نبی علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو ان سے کہیں گے کہ زمین والوں کی طرف آپ ہی پہلے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شکر گزار بندہ رکھا ہے۔ آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کیجئے الخ۔

لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝

ہم نے بنو اسرائیل کے لئے ان کی کتاب میں صاف صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دو بار فساد برپا کرو گے اور تم بڑی زبردست زیادتیاں کرنے لگو گے ○ ان دونوں وعدوں میں سے پہلے کے آتے ہی ہم تمہارے مقابلہ پر اپنے ان بندوں کو اٹھا کھڑا کریں گے جو بڑے ہی لڑاکا ہوں گے۔ پس وہ تمہارے گھروں کے اندر تک پھیل پڑیں گے' اللہ کا یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا ○

پیشین گوئی: ☆☆ (آیت:۴-۶) جو کتاب بنی اسرائیل پر اتری تھی' اس میں ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے ہی سے خبر دے دی تھی کہ وہ زمین پر دو مرتبہ سرکشی کریں گے اور سخت فساد برپا کریں گے پس یہاں پر قضینا کے معنی مقرر کر دینا اور پہلے ہی سے خبر دے دینا کے ہیں۔ جیسے آیت وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ میں یہی معنی ہیں۔ پس ان کے پہلے فساد کے وقت ہم نے اپنی مخلوق میں سے ان لوگوں کو ان پر مسلط کیا جو بڑے ہی لڑنے والے' سخت جان اور ساز و سامان سے پورے لیس تھے۔ وہ ان پر چھا گئے' ان کے شہر چھین لئے' لوٹ مار کر کے ان کے گھروں تک کو خالی کر کے بے خوف و خطر واپس چلے گئے' اللہ کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ جالوت کا لشکر تھا۔ پھر اللہ نے بنی اسرائیل کی مدد کی اور یہ حضرت طالوت کی بادشاہت میں پھر لڑے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ موصل کے بادشاہ سنجاریب اور اس کے لشکر نے ان پر فوج کشی کی تھی۔ بعض کہتے ہیں بابل کا بادشاہ بخت نصر چڑھ آیا تھا۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَ
جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴿۶﴾ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ
وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ
وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا
عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿۷﴾ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ
عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿۸﴾
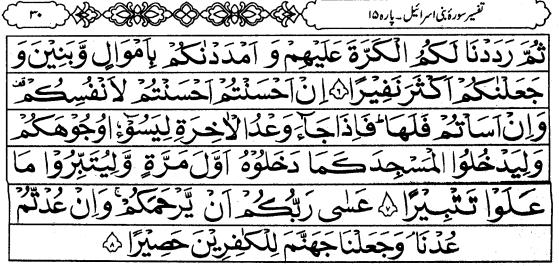
پھر ہم ان پر تمہارا غلبہ پھیریں گے اور مال اولاد سے تمہاری مدد فرمائیں گے اور تمہیں بڑے جتھے والا کر دیں گے ○ اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے ہی فائدے کے لیے اچھے کام کرو گے اور اگر تم نے برائیاں کیں تو بھی اپنے ہی لیئے - پھر جب دوسرا وعدہ آئے گا تو وہ تمہارے منہ بگاڑ دیں گے اور پہلی دفعہ کی طرح پھر اسی مسجد میں گھس جائیں گے اور جس جس چیز پر قابو پائیں گے' توڑ پھوڑ کر جڑ سے اکھاڑ دیں گے ○ تمہارا رب تو اس بات پر ہے کہ تم پر رحم کرے' ہاں اگر تم پھر بھی وہی کرنے لگے تو ہم بھی دوبارہ ایسا ہی کریں گے ہم نے منکروں کا قید خانہ جہنم کو بنا رکھا ہے ○

ابن ابی حاتم نے یہاں پر ایک عجیب وغریب قصہ نقل کیا ہے کہ کس طرح اس شخص نے بتدریج ترقی کی تھی - اولاً یہ ایک فقیر تھا - پڑا رہتا تھا اور بھیک مانگ کر گزارہ کرتا تھا - پھر تو بیت المقدس تک اس نے فتح کر لیا اور وہاں پر بنی اسرائیل کو بے دریغ قتل کیا - ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں ایک مطول مرفوع حدیث بیان کی ہے جو محض موضوع ہے اور اس کے موضوع ہونے میں کسی کو ذرا سا بھی شک نہیں ہو سکتا - تعجب ہے کہ باوجود اس قدر وافر علم کے حضرت امام صاحب نے یہ حدیث وارد کر دی - ہمارے استاد شیخ حافظ علامہ ابوالحجاج مزی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے اور کتاب کے حاشیہ پر لکھ بھی دیا ہے - اس باب میں بنی اسرائیلی روایتیں بھی بہت سی ہیں لیکن ہم انہیں وارد کر کے بے فائدہ اپنی کتاب کو طول دینا نہیں چاہتے کیونکہ ان میں سے بعض تو موضوع ہیں اور بعض گو ایسی نہ ہوں لیکن بحمد اللہ ہمیں ان روایتوں کی کوئی ضرورت نہیں - کتاب اللہ نے ہمیں ان چیزوں کا محتاج نہیں رکھا - مطلب صرف اس قدر ہے کہ بنی اسرائیل کی سرکشی کے وقت اللہ نے ان کے دشمن ان پر مسلط کر دیئے جنہوں نے انہیں خوب مزہ چکھایا' بری طرح درگت بنائی' ان کے بال بچوں کو تہ تیغ کیا' انہیں اس قدر ذلیل کیا کہ ان کے گھروں تک میں گھس کر ان کا ستیاناس کیا اور ان کی سرکشی کی پوری سزا دی - انہوں نے بھی ظلم وزیادتی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی - عوام تو عوام انہوں نے تو نبیوں کے گلے کاٹے تھے' علماء کو سر بازار قتل کیا تھا - بخت نصر ملک شام پر غالب آیا - بیت المقدس کو ویران کر دیا - وہاں کے باشندوں کو قتل کیا پھر دمشق پہنچا یہاں دیکھا کہ ایک سخت پتھر پر خون جوش مار رہا ہے - پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہم نے تو اسے باپ دادوں سے اسی طرح دیکھا ہے - یہ خون برابر ابلتا رہتا ہے - ٹھہرتا نہیں - اس نے وہیں پر قتل عام شروع کر دیا - ستر ہزار مسلمان وغیرہ اس کے ہاتھوں یہاں پہ قتل ہوئے - پس وہ خون ٹھہر گیا - اس نے علماء اور حفاظ کو اور تمام شریف اور ذی عزت لوگوں کو بیدردی سے قتل کیا - ان میں کوئی بھی حافظ تورات نہ بچا - پھر قید کرنا شروع کیا - ان قیدیوں میں نبی زادے بھی تھے - غرض ایک لرزہ خیز ہنگامہ ہوا لیکن چونکہ صحیح روایتوں سے بلکہ صحت کے قریب والی روایتوں سے بھی تفصیلات نہیں ملتی' اس لئے ہم نے انہیں چھوڑ دیا ہے واللہ اعلم -

پھر فرماتا ہے' نیکی کرنے والا دراصل اپنے لئے ہی بھلا کرتا ہے اور برائی کرنے والا حقیقت میں اپنا ہی برا کرتا ہے جیسے ارشاد ہے - مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا جو شخص نیک کام کرے' وہ اس کے اپنے لئے ہے اور جو برائی کرے' اس کا بوجھ بھی اسی پر

ہے۔ پھر جب دوسرا وعدہ اور پھر بنی اسرائیل نے اللہ کی نافرمانیوں پر کھلے عام کمر کس لی اور بیبا کی اور بے حیائی کے ساتھ ظلم کرنے شروع کر دیئے تو پھر ان کے دشمن چڑھ دوڑے کہ وہ ان کی شکلیں بگاڑ دیں اور بیت المقدس کی مسجد جس طرح پہلے انہوں نے اپنے قبضے میں کر لی تھی' اب پھر دوبارہ کر لیں اور جہاں تک بن پڑے' ہر چیز کا ستیاناس کر دیں چنانچہ یہ بھی ہو کر رہا۔ تمہارا رب تو ہے ہی رحم و کرم کرنے والا اور اس سے نا امیدی ناز یبا ہے' بہت ممکن ہے کہ پھر سے دشمنوں کو پست کر دے۔ ہاں یہ یاد رہے کہ ادھر تم نے سر اٹھایا' ادھر ہم نے تمہارا سر کچلا۔ ادھر تم نے فساد مچایا' ادھر ہم نے تمہیں برباد کیا۔ یہ تو ہوئی دنیوی سزا۔ ابھی آخرت کی زبردست اور غیر فانی سزا باقی ہے۔ جہنم کافروں کا قید خانہ ہے جہاں سے نہ وہ نکل سکیں نہ چھوٹ سکیں نہ بھاگ سکیں۔ ہمیشہ کے لئے ان کا اوڑھنا بچھونا یہی ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' پھر بھی انہوں نے سر اٹھایا اور بالکل فرمان الٰہی کو چھوڑا اور مسلمانوں سے ٹکرا گئے تو اللہ تعالیٰ نے امت محمد ﷺ کو ان پر غالب کیا اور انہیں ذلیل ہو کر جزیہ دینا پڑا۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿۹﴾ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۰﴾ ع ۱۰

یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں' اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے ○ اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے' ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○

بہترین راہنما قرآن حکیم ہے: ☆☆ (آیت:۹-۱۰) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی پاک کتاب کی تعریف میں فرماتا ہے کہ یہ قرآن بہترین راہ کی طرف رہبری کرتا ہے۔ ایماندار جو ایمان کے مطابق فرمان نبویؐ پر عمل بھی کریں' انہیں یہ بشارتیں سناتا ہے کہ ان کے لئے اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔ انہیں بے شمار ثواب ملے گا۔ اور جو ایمان سے خالی ہیں' انہیں یہ قرآن قیامت کے دن کے دردناک عذابوں کی خبر دیتا ہے جیسے فرمان ہے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ انہیں المناک عذابوں کی خبر پہنچا دے۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ﴿۱۱﴾ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ ۖ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ﴿۱۲﴾

انسان برائی کی دعائیں مانگنے لگتا ہے بالکل اس کی اپنی بھلائی کی دعا کی طرح' انسان ہے ہی بڑا جلد باز ○ ہم نے رات اور دن کو اپنی قدرت کے نشان بنائے ہیں۔ رات کی نشانی کو تو ہم نے بے نور کر دیا ہے اور دن کی نشانی کو منور دکھانے والی بنائی ہے تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور اس لئے بھی کہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو۔ اور ہر ہر چیز کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان فرما دیا ہے ○

بددعا اور انسان: ☆☆ (آیت:۱۱) یعنی انسان کبھی کبھی دل گیر اور ناامید ہو کر اپنی سخت غلطی سے خود اپنے لئے برائی کی دعا مانگنے لگتا ہے۔ کبھی اپنے مال و اولاد کے لئے بددعا کرنے لگتا ہے۔ کبھی موت کی' کبھی ہلاکت کی' کبھی بربادی اور لعنت کی۔ لیکن اس کا اللہ اس پر خود اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ ادھر وہ دعا کرے' ادھر وہ قبول فرما لے تو ابھی ہلاک ہو جائے۔ حدیث میں بھی ہے کہ اپنی جان و مال کے لئے بد

دعا نہ کرو ایسا نہ ہو کہ کسی قبولیت کی ساعت میں کوئی ایسا بد کلمہ زبان سے نکل جائے - اس کی وجہ صرف انسان کی اضطرابی حالت اور ان کی جلد بازی ہے یہ ہے ہی جلد باز - حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقعہ پر حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ابھی پیروں تلے روح نہیں پہنچی تھی کہ آپ نے کھڑے ہونے کا ارادہ کیا' روح سر کی طرف سے آ رہی تھی' ناک تک پہنچی تو چھینک آئی' آپ نے کہا' الحمدللہ - تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَرْحَمُكَ رَبُّكَ یا اٰدَمُ اے آدم تجھ پر تیرا رب رحم کرے - جب آنکھوں تک پہنچی تو آنکھیں کھول کر دیکھنے لگے - جب اور نیچے کے اعضاء میں پہنچی تو خوشی سے اپنے آپ کو دیکھنے لگے - ابھی پیروں تک نہیں پہنچی جو چلنے کا ارادہ کیا لیکن نہ چل سکے تو دعا کرنے لگے کہ اے اللہ رات سے پہلے روح آ جائے -

دن اور رات کے فوائد : ☆☆ (آیت :۱۲) اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے دو کا یہاں بیان فرماتا ہے کہ دن رات اس نے الگ الگ طرح کے بنائے - رات آرام کے لئے' دن تلاش معاش کے لئے کہ اس میں کام کاج کرو' صنعت و حرفت کرو' سیر و سفر کرو - رات دن کے اختلاف سے دنوں کی' جمعوں کی' مہینوں کی' برسوں کی گنتی معلوم کر سکو تا کہ لین دین میں' معاملات میں' قرض میں' مدت میں' عبادت کے کاموں میں سہولت اور پہچان ہو جائے - اگر ایک ہی وقت رہتا تو بڑی مشکل ہو جاتی - سچ ہے اگر اللہ چاہتا تو ہمیشہ رات ہی رات رکھتا - کوئی اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ دن کر دے اور اگر وہ ہمیشہ دن ہی دن رکھتا تو کس کی مجال تھی کہ رات لا دے؟ یہ نشانات قدرت سننے دیکھنے کے قابل ہیں - یہ اسی کی رحمت ہے کہ رات سکون کے لئے بنائی اور دن تلاش معاش کے لئے - ان دونوں کو ایک دوسرے کے پیچھے لگا تار آنے والے بنایا تا کہ شکر و نصیحت کا ارادہ رکھنے والے کامیاب ہو سکیں - اسی کے ہاتھ رات دن کا اختلاف ہے - وہ رات کا پردہ دن پر اور دن کا نقاب رات پر چڑھا دیتا ہے - سورج چاند اسی کی ماتحتی میں ہے - ہر ایک اپنے مقررہ وقت پر چل پھر رہا ہے - وہ اللہ غالب اور غفار ہے - صبح کا چاک کرنے والا ہے - اسی نے رات کو سکون والی بنایا ہے اور سورج چاند کو مقرر کیا ہے - یہ اللہ عزیز و حلیم کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے - رات اپنے اندھیرے سے اور چاند کے ظاہر ہونے سے پہچانی جاتی ہے اور دن روشنی سے اور سورج کے چڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے - سورج چاند دونوں ہی روشن اور منور ہیں لیکن ان میں بھی پورا تفاوت رکھا کہ ہر ایک پہچان لیا جا سکے - سورج کو بہت روشن اور چاند کو نورانی اسی نے بنایا ہے - منزلیں اسی نے مقرر کی ہیں تا کہ حساب اور سال معلوم رہیں - اللہ کی یہ پیدائش حق ہے الخ - قرآن میں ہے' لوگ تجھ سے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں' کہہ دے کہ وہ لوگوں کے لئے اوقات ہیں اور حج کے لئے بھی الخ - رات کا اندھیرا ہٹ جاتا ہے - دن کا اجالا آ جاتا ہے - سورج دن کی علامت ہے - چاند رات کا نشان ہے - اللہ تعالیٰ نے چاند کو کچھ سیاہی والا پیدا کیا ہے - پس رات کی نشانی چاند کو بہ نسبت سورج کے ماند کر دیا ہے اس میں ایک طرح کا دھبہ رکھ دیا ہے - ابن الکواء نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ چاند میں یہ چھائیں کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا' اس کا بیان اس آیت میں ہے کہ ہم نے رات کے نشان یعنی چاند میں سیاہ دھندلکا ڈال دیا اور دن کا نشان خوب روشن ہے - یہ چاند سے زیادہ منور اور چاند سے بہت بڑا ہے' دن رات کو دو نشانیاں مقرر کر دی ہیں - پیدائش ہی ان کی اسی طرح کی ہے -

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾

ہم نے ہر انسان کی برائی بھلائی کو اس کے گلے لگا دیا ہے - اور بروز قیامت ہم اس کے سامنے اس کا نامہ اعمال نکالیں گے جسے وہ اپنے روبرو کھلا ہوا پائے گا ○

لے خود ہی اپنی کتاب آپ ہی پڑھ لے' آج تو تو آپ ہی اپنا خود حساب لینے کو کافی ہے ○

انسان کے اعمال: ☆☆ (آیت: ۱۳-۱۴) اوپر کی آیتوں میں زمانے کا ذکر کیا جس میں انسان کے اعمال ہوتے ہیں اب یہاں فرمایا ہے کہ اس کا جو عمل ہوتا ہے' بھلا ہو یا برا' وہ اس پر چپک جاتا ہے۔ بدلہ ملے گا۔ نیکی کا نیک' بدی کا بد' خواہ وہ کتنی ہی کم مقدار میں کیوں نہ ہو؟ جیسے فرمان ہے' ذرہ برابر کی خیر اور اتنی ہی شر ہر شخص قیامت کے دن دیکھ لے گا۔ اور جیسے فرمان ہے' دائیں اور بائیں جانب وہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ کوئی بات منہ سے نکلے' وہ اسی وقت لکھ لیتے ہیں۔ اور جگہ ہے وَاِنَّ عَلَيۡكُمۡ لَحٰفِظِيۡنَ الخ تم پر نگہبان ہیں جو بزرگ ہیں اور لکھنے والے ہیں۔ تمہارے ہر ہر فعل سے باخبر ہیں۔ اور آیت میں ہے' تمہیں صرف تمہارے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ اور جگہ ہے' ہر برائی کرنے والے کو سزا دی جائے گی۔ مقصود یہ ہے کہ ابن آدم کے چھوٹے بڑے' ظاہر و باطن' نیک و بد اعمال' صبح شام' دن رات برابر لکھے جا رہے ہیں۔

مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں البتہ ہر انسان کی شامت عمل اس کی گردن میں ہے۔ ابن لہیعہ فرماتے ہیں یہاں تک کہ شگون لینا بھی' لیکن اس حدیث کی یہ تفسیر غریب ہے واللہ اعلم۔

اس کے اعمال کے مجموعے کی کتاب قیامت کے دن یا اس کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی یا بائیں میں۔ نیکوں کے دائیں ہاتھ میں اور بروں کے بائیں ہاتھ میں کھلی ہوئی ہوگی کہ وہ بھی پڑھ لے اور دوسرے بھی دیکھ لیں۔ اس کی تمام عمر کے کل عمل اس میں لکھے ہوئے ہوں گے۔ جیسے فرمان ہے يُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ الخ اس دن انسان اپنے تمام اگلے پچھلے اعمال سے خبردار کر دیا جائے گا۔ انسان تو اپنے معاملے میں خود ہی حجت ہے گو وہ اپنی بے گناہی کے کتنے ہی بہانے پیش کر دے۔ اس وقت اس سے فرمایا جائے گا کہ تو خوب جانتا ہے کہ تجھ پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اس میں وہی لکھا گیا ہے جو تو نے کیا ہے۔ اس وقت چونکہ بھولی بسری چیزیں بھی یاد آ جائیں گی' اس لئے درحقیقت کوئی عذر پیش کرنے کی گنجائش نہ رہے گی۔ پھر سامنے کتاب ہے جو پڑھ رہا ہے خواہ وہ دنیا میں ان پڑھ ہی تھا لیکن آج ہر شخص اسے پڑھ لے گا۔ گردن کا ذکر خاص طریقے پر اس لئے کیا کہ وہ ایک مخصوص حصہ ہے۔ اس میں جو چیز لٹکا دی گئی ہو' چپک گئی' ضروری ہو گئی' شاعروں نے بھی اسی خیال کو ظاہر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے' بیماری کا متعدی ہونا کوئی چیز نہیں' فال کوئی چیز نہیں' ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار ہے۔ اور روایت میں ہے کہ ہر انسان کا شگون اس کے گلے کا ہار ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ ہر دن کے عمل پر مہر لگ جاتی ہے۔ جب مومن بیمار پڑتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں' اے اللہ تو نے فلاں کو تو روک لیا ہے' اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے اس کے جو عمل تھے' وہ برابر لکھے جاؤ یہاں تک کہ میں اسے تندرست کر دوں یا فوت کر دوں۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں طائر سے مراد عمل ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اے ابن آدم تیرے دائیں بائیں فرشتے بیٹھے ہیں' صحیفے کھلے رکھے ہیں' داہنی جانب والا نیکیاں اور بائیں طرف والا بدیاں لکھ رہا ہے۔ اب تجھے اختیار ہے' نیکی کر یا بدی' کم کر یا زیادہ' تیری موت پر یہ دفتر لپیٹ دیئے جائیں گے اور تیری قبر میں تیری گردن میں لٹکا دیئے جائیں گے۔ قیامت کے دن کھلے ہوئے تیرے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے اور تجھ سے کہا جائے گا' لے اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے اور تو ہی حساب اور انصاف کر لے۔ اللہ کی قسم وہ بڑا ہی عادل ہے جو تیرا معاملہ تیرے ہی سپرد کر رہا ہے۔

مَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴿۱۵﴾

جوراہ راست حاصل کرلے وہ خود اپنے ہی بھلے کے لئے راہ یافتہ ہوتا ہے اور جو بھٹک جائے اس کا بوجھ بار اسی کے اوپر ہے کوئی بوجھ والا کسی اور کا بوجھ اپنے اوپر نہ لادے گا - ہماری عادت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں ○

اچھے یا برے اعمال انسان کے اپنے لیے ہیں: ☆☆ (آیت:۱۵) جس نے راہ راست اختیار کی حق کی اتباع کی نبوت کی مانی اس کے اپنے حق میں اچھائی ہے اور جو حق سے ہٹا صحیح راہ سے پھر اس کا وبال اسی پر ہے کوئی کسی کے گناہ میں پکڑا نہ جائے گا - ہر ایک کا عمل اسی کے ساتھ ہے - کوئی نہ ہوگا جو دوسرے کا بوجھ بٹائے اور جگہ قرآن میں ہے وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ اور آیت میں ہے وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ یہ ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے جنہیں انہوں نے بہکا رکھا تھا - لہٰذا ان دونوں مضمونوں میں کوئی نفی کا پہلو نہ سمجھا جائے اس لئے کہ گمراہ کرنے والوں پر ان کے گمراہ کرنے کا بوجھ ہے نہ کہ ان کے بوجھ ہلکے کئے جائیں گے اور ان پر لادے جائیں گے - ہمارا عادل اللہ ایسا نہیں کرتا - پھر اپنی ایک اور رحمت بیان فرماتا ہے کہ وہ رسول ﷺ کے پہنچنے سے پہلے کسی امت کو عذاب نہیں کرتا - چنانچہ سورہ تبارک میں ہے کہ دوزخیوں سے داروغے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والے نہیں آئے تھے؟ وہ جواب دیں گے بے شک آئے تھے لیکن ہم نے انہیں سچا نہ جانا انہیں جھٹلا دیا اور صاف کہہ دیا کہ تم تو یونہی بک رہے ہو سرے سے یہ بات ہی ان ہونی ہے کہ اللہ کسی پر کچھ اتارے - اسی طرح جب یہ لوگ جہنم کی طرف کشاں کشاں پہنچائے جا رہے ہوں گے اس وقت بھی داروغے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے جو تمہارے رب کی آیتیں تمہارے سامنے پڑھتے ہوں اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں یقیناً آئے لیکن کلمہ عذاب کافروں پر ٹھیک اترا اور آیت میں ہے کفار جہنم میں پڑے چیخ رہے ہوں گے کہ اے اللہ ہمیں اس سے نکال تو ہم اپنے قدیم کرتوت چھوڑ کر اب نیک اعمال کریں گے - تو ان سے کہا جائے گا کہ کیا میں نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی؟ تم اگر نصیحت حاصل کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے اور میں نے تم میں اپنے رسول بھی بھیجے تھے جنہوں نے خوب آگاہ کر دیا تھا - اب تو عذاب برداشت کرو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں - الغرض اور بھی بہت آیتوں سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر رسول بھیجے کسی کو جہنم میں نہیں بھیجتا -

صحیح بخاری میں آیت إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ کی تفسیر میں ایک لمبی حدیث مروی ہے جس میں جنت دوزخ کا کلام ہے - پھر ہے کہ جنت کے بارے میں اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہ کرے گا اور وہ جہنم کے لئے ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا جو اس میں ڈال دی جائے گی جہنم کہتی رہے گی کہ کیا ابھی اور زیادہ ہے؟ اس کی بابت علما کی ایک جماعت نے بہت کچھ کلام کیا ہے دراصل یہ جنت کے بارے میں ہے اس لئے کہ وہ دار فضل ہے اور جہنم دار عدل ہے اس میں بغیر عذر توڑے بغیر حجت ظاہر کئے کوئی داخل نہ کیا جائے گا - اس لئے حفاظ حدیث کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ راوی کو اس میں الٹا یاد رہ گیا اور اس کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے جس میں اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ دوزخ پر نہ ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا - اس وقت وہ کہے گی بس بس اور اس وقت بھر جائے گی اور چاروں طرف سے سمٹ جائے گی - اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کرے گا - ہاں جنت کے لئے ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا -

باقی رہا یہ مسئلہ کہ کافروں کے جو نابالغ چھوٹے بچے بچپن میں مر جاتے ہیں اور جو دیوانے لوگ ہیں اور نیم بہرے اور جو ایسے زمانے میں گزرے ہیں جس وقت زمین پر کوئی رسول یا دین کی صحیح تعلیم نہیں ہوتی اور انہیں دعوت اسلام نہیں پہنچتی اور جو بالکل بڈھے حواس باختہ ہوں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ اس بارے میں شروع سے اختلاف چلا آ رہا ہے - ان کے بارے میں جو حدیثیں ہیں وہ میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں پھر ائمہ کا کلام بھی مختصراً ذکر کروں گا اللہ تعالیٰ مدد کرے -

پہلی حدیث مسند احمد میں ہے' چار قسم کے لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے گفتگو کریں گے ایک تو بالکل بہرا آدمی جو کچھ بھی نہیں سنتا اور دوسرا بالکل احمق پاگل آدمی جو کچھ بھی نہیں جانتا' تیسرے بالکل بڈھا پھوس آدمی جس کے حواس درست نہیں' چوتھے وہ لوگ جو ایسے زمانوں میں گزرے ہیں جن میں کوئی پیغمبر یا اس کی تعلیم موجود نہ تھی۔ بہرا تو کہے گا' اسلام آیا لیکن میرے کان میں کوئی آواز نہیں پہنچی' دیوانہ کہے گا کہ اسلام آیا لیکن میری حالت تو یہ تھی کہ بچے مجھ پر مینگنیاں پھینک رہے تھے اور بالکل بڈھے بے حواس آدمی کہیں گے کہ اسلام آیا لیکن میرے ہوش وحواس ہی درست نہ تھے جو میں سمجھ سکتا' رسولوں کے زمانوں کا اوران کی تعلیم کو موجود نہ پانے والوں کا قول ہوگا کہ نہ رسول آئے نہ میں نے حق پایا پھر میں کیسے عمل کرتا؟ اللہ تعالیٰ ان کی طرف پیغام بھیجے گا کہ اچھا جاؤ جہنم میں کود جاؤ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر وہ فرماں برداری کرلیں اور جہنم میں کود پڑیں تو جہنم کی آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جائے گی۔ اور روایت میں ہے کہ جو کود پڑیں گے' ان پر تو سلامتی اور ٹھنڈک ہو جائے گی اور جو رکیں گے' انہیں حکم عدولی کے باعث گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ابن جریر میں اس حدیث کے بیان کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان بھی ہے کہ اگر تم چاہو تو اس کی تصدیق میں کلام اللہ کی آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ الخ پڑھ لو۔

دوسری حدیث ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ابوحمزہ مشرکوں کے بچوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ گنہگار نہیں جو دوزخ میں عذاب کئے جائیں اور نیکوکار بھی نہیں کہ جنت میں بدلہ دیئے جائیں۔

تیسری حدیث ابویعلی میں ہے کہ ان چاروں کے عذر سن کر جناب باری فرمائے گا کہ اوروں کے پاس تو میں اپنے رسول بھیجتا تھا لیکن تم سے میں آپ کہتا ہوں کہ جاؤ اس جہنم میں چلے جاؤ جہنم میں سے بھی فرمان برداری سے ایک گردن اونچی ہوگی اس فرمان کو سنتے ہی وہ لوگ جو نیک طبع ہیں فوراً دوڑ کر اس میں کود پڑیں گے اور جو بدباطن ہیں' وہ کہیں گے' اللہ پاک ہم اسی سے بچنے کے لئے تو یہ عذر معذرت کر رہے تھے اللہ فرمائے گا جب تم خود میری نہیں مانتے تو میرے رسولوں کی کیا مانتے' اب تمہارے لئے فیصلہ یہی ہے کہ تم جہنمی ہو اور ان فرمانبرداروں سے کہا جائے گا کہ تم بے شک جنتی ہو تم نے اطاعت کرلی۔

چوتھی حدیث مسند حافظ ابویعلی موصلی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کی اولاد کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہے۔ پھر مشرکین کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہے' تو کہا گیا یا رسول اللہ انہوں نے کوئی عمل تو نہیں کیا' آپ نے فرمایا ہاں لیکن اللہ انہیں بخوبی جانتا ہے۔

پانچویں حدیث۔ حافظ ابوبکر احمد بن عمر بن عبدالخالق بزار رحمتہ اللہ علیہ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل جاہلیت اپنے بوجھ اپنی کمروں پر لادے ہوئے آئیں گے اور اللہ کے سامنے عذر کریں گے کہ نہ ہمارے پاس تیرے رسول پہنچے نہ ہمیں تیرا کوئی حکم پہنچا اگر ایسا ہوتا تو ہم جی کھول کر مان لیتے اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اچھا اب اگر حکم کروں تو مان لو گے؟ وہ کہیں گے ہاں ہاں بے شک بلا چون وچرا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا' اچھا جاؤ جہنم کے پاس جا کر اس میں داخل ہو جاؤ' یہ چلیں گے یہاں تک کہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اب جو اس کا جوش اور اس کی آواز اور اس کے عذاب دیکھیں گے تو واپس آ جائیں گے اور کہیں گے اے اللہ ہمیں اس سے تو بچا لے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' دیکھو تم اقرار کر چکے ہو کہ میری فرمانبرداری کرو گے' پھر یہ نافرمانی کیوں؟ وہ کہیں گے اچھا اب اسے مان لیں گے اور کر

گزریں گے چنانچہ ان سے مضبوط عہد و پیمان لئے جائیں گے پھر یہی حکم ہوگا' یہ جائیں گے اور پھر خوفزدہ ہو کر واپس لوٹیں گے اور کہیں گے اے اللہ ہم تو ڈر گئے ہم سے تو اس فرمان پر کاربند نہیں ہوا جاتا ۔ اب جناب باری فرمائے گا' تم نافرمانی کر چکے اب جاؤ ذلت کے ساتھ جہنمی بن جاؤ ۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر پہلی مرتبہ ہی یہ بحکم الٰہی اس میں کود جاتے تو آتش دوزخ ان پر سرد پڑ جاتی اور ان کا ایک رواں بھی نہ جلاتی ۔ امام بزار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس حدیث کا متن معروف نہیں ۔ ایوب سے صرف عباد ہی روایت کرتے ہیں اور عباد سے صرف ریحان بن سعید ہی روایت کرتے ہیں ۔ میں کہتا ہوں اسے ابن حبان نے ثقہ بتلایا ہے ۔ یحییٰ بن معین اور نسائی کہتے ہیں' ان میں کوئی ڈر خوف کی بات نہیں ۔ ابوداؤد نے ان سے روایت نہیں کی ۔ ابو حاتم کہتے ہیں' یہ شیخ ہیں ۔ ان میں کوئی حرج نہیں ۔ ان کی حدیثیں لکھائی جاتی ہیں اور ان سے دلیل نہیں لی جاتی ۔

چھٹی حدیث ۔ امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمتہ اللہ علیہ روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے خالی زمانے والے اور مجنوں اور بچے اللہ کے سامنے آئیں گے ۔ ایک کہے گا میرے پاس تیری کتاب پہنچی ہی نہیں' مجنوں کہے گا میں بھلائی برائی کی تمیز ہی نہیں رکھتا' بچہ کہے گا میں نے سمجھ بوجھ کا' بلوغت کا زمانہ پایا ہی نہیں ۔ اسی وقت ان کے سامنے آگ شعلے مارنے لگے گی ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اسے ہٹا دو تو جو لوگ آئندہ نیکی کرنے والے تھے وہ تو اطاعت گزار ہو جائیں گے اور جو اس عذر کے ہٹ جانے کے بعد بھی نافرمانی کرنے والے تھے وہ رک جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا' جب تم میری ہی براہ راست نہیں مانتے تو میرے پیغمبروں کی کیا مانتے ؟

ساتویں حدیث ۔ انہی تین شخصوں کے بارے میں اوپر والی حدیثوں کی طرح ۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ جہنم کے پاس پہنچیں گے تو اس میں سے ایسے شعلے بلند ہوں گے کہ یہ سمجھ لیں گے کہ یہ تو ساری دنیا کو جلا کر بھسم کر دیں گے' دوڑتے ہوئے واپس لوٹ آئیں گے ۔ پھر دوبارہ یہی ہوگا ۔ اللہ عزوجل فرمائے گا' تمہاری پیدائش سے پہلے ہی تمہارے اعمال کی مجھے خبر تھی ۔ میں نے علم ہوتے ہوئے تمہیں پیدا کیا تھا ۔ اسی علم کے مطابق تم ہو ۔ اے جہنم انہیں دبوچ لے چنانچہ اسی وقت آگ انہیں لقمہ بنا لے گی ۔

آٹھویں حدیث ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ان کے اپنے قول سمیت پہلے بیان ہو چکی ہے ۔ صحیحین میں آپ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے کہ بکری کے صحیح سالم بچے کے کان کاٹ دیا کرتے ہیں ۔ لوگوں نے کہا' حضور ﷺ اگر وہ بچپن میں ہی مر جائے تو ؟ آپؐ نے فرمایا! اللہ کو ان کے اعمال کی صحیح اور پوری خبر تھی ۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ مسلمان بچوں کی کفالت جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد ہے ۔ صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد' یکسو مخلص بنایا ہے ۔ ایک روایت میں اس کے ساتھ ہی مسلمان کا لفظ بھی ہے ۔

نویں حدیث ۔ حافظ ابوبکر برقانی اپنی کتاب المستخرج علی البخاری میں روایت لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے ۔ لوگوں نے با آواز بلند دریافت کیا کہ مشرکوں کے بچے بھی ؟ آپؐ نے فرمایا! مشرکوں کے بچے بھی ۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ مشرکوں کے بچے اہل جنت کے خادم بنائے جائیں گے ۔

دسویں حدیث ۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے پوچھا یا رسولؐ اللہ جنت میں کون کون جائیں گے ؟ آپؐ نے فرمایا! نبی اور شہید بچے اور زندہ درگور کئے ہوئے بچے ۔ علماء میں سے بعض کا مسلک تو یہ ہے کہ ان کے بارے میں ہم توقف کرتے ہیں' خاموش ہیں' ان کی دلیل بھی گزر چکی ۔ بعض کہتے ہیں یہ جنتی ہیں ان کی دلیل معراج والی وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری شریف میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے اس خواب میں ایک شیخ کو ایک جنتی درخت تلے دیکھا، جن کے پاس بہت سے بچے تھے- سوال پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے پاس یہ بچے مسلمانوں کی اور مشرکوں کی اولاد ہیں' لوگوں نے کہا حضور ﷺ مشرکین کی اولاد بھی؟ آپ نے فرمایا' ہاں مشرکین کی اولاد بھی- بعض علماء فرماتے ہیں' یہ دوزخی ہیں کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں- بعض علماء کہتے ہیں' ان کا امتحان قیامت کے میدانوں میں ہو جائے گا- اطاعت گزار جنت میں جائیں گے- اللہ اپنے سابق علم کا اظہار کر کے پھر انہیں جنت میں پہنچائے گا اور بعض بوجہ اپنی نافرمانی کے جو اس امتحان کے وقت ان سے سرزد ہوگی اور اللہ تعالیٰ اپنا پہلا علم آشکارا کر دے گا' اس وقت انہیں جہنم کا حکم ہوگا- اس مذہب سے تمام حدیثیں اور مختلف دلیلیں جمع ہو جاتی ہیں اور پہلے کی حدیثیں جو ایک دوسری کو تقویت پہنچاتی ہیں' اس معنی کی کئی ایک ہیں-

شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمتہ اللہ علیہ نے یہی مذہب اہل سنت والجماعت کا نقل فرمایا ہے اور اسی کی تائید امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الاعتقاد میں کی ہے- اور بھی بہت سے محققین علما اور پرکھ والے حافظوں نے یہی فرمایا ہے- شیخ ابوعمر بن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ ضمری نے امتحان کی بعض روایتیں بیان کر کے لکھا ہے' اس بارے کی حدیثیں قوی نہیں ہیں اور ان سے حجت ثابت نہیں ہوتی اور اہل علم ان کا انکار کرتے ہیں اس لئے کہ آخرت دار جزا ہے دار عمل نہیں ہے اور نہ دار امتحان ہے- اور جہنم میں جانے کا حکم بھی تو انسانی طاقت سے باہر کا حکم ہے اور اللہ کی یہ عادت نہیں- امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول کا جواب بھی سن لیجئے اس بارے جو حدیثیں ہیں' ان میں سے بعض تو بالکل صحیح ہیں- جیسے کہ ائمہ علماء نے تصریح کی ہے- بعض حسن ہیں اور بعض ضعیف بھی ہیں لیکن وہ بوجہ صحیح اور حسن حدیثوں کے قوی ہو جاتی ہیں- اور جب یہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ حدیثیں حجت و دلیل کے قابل ہو گئیں- اب رہا امام صاحب کا یہ فرمان کہ آخرت دار عمل اور دار امتحان نہیں' وہ دار جزا ہے' یہ بے شک صحیح ہے لیکن اس سے اس کی نفی کیسے ہو گئی کہ قیامت کے مختلف میدانوں کی پیشیوں میں جنت دوزخ میں داخلے سے پہلے کوئی حکم احکام دیئے جائیں گے- شیخ ابوالحسن اشعری رحمتہ اللہ علیہ نے تو مذہب اہلسنت والجماعت کے عقائد میں بچوں کے امتحان کو داخل کیا ہے- مزید براں آیت قرآن يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ اس کی کھلی دلیل ہے کہ منافق و مومن کی تمیز کے لئے پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کا حکم ہوگا- صحاح کی حدیثوں میں ہے کہ مومن تو سجدہ کر لیں گے اور منافق الٹے منہ پیٹھ کے بل گر پڑیں گے- صحیحین میں اس شخص کا قصہ بھی ہے جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا کہ وہ اللہ سے وعدے وعید کرے گا سوا اس سوال کے اور کوئی سوال نہ کرے گا- اس کے پورا ہونے کے بعد وہ اپنے قول قرار سے پھر جائے گا اور ایک اور سوال کر بیٹھے گا وغیرہ- آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ابن آدم تو بڑا ہی عہد شکن ہے- اچھا جا جنت میں چلا جا-

پھر امام صاحب کا یہ فرمانا کہ انہیں ان کی طاقت سے خارج بات کا یعنی جہنم میں کود پڑنے کا حکم کیسے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا- یہ بھی صحت حدیث میں کوئی روک پیدا نہیں کر سکتا- خود امام صاحب اور تمام مسلمان مانتے ہیں کہ پل صراط پر سے گزرنے کا حکم سب کو ہوگا جو جہنم کی پیٹھ پر ہوگا اور تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا- مومن اس پر سے اپنی نیکیوں کے اندازے سے گزر جائیں گے- بعض مثل بجلی کے' بعض مثل ہوا کے' بعض مثل گھوڑوں کے' بعض مثل اونٹوں کے' بعض مثل بھاگنے والوں کے' بعض مثل پیدل چلنے والوں کے' بعض گھٹنوں کے بل سرک سرک کر' بعض کٹ کٹ کر جہنم میں پڑیں گے- پس جب یہ چیز وہاں ہے تو انہیں جہنم میں کود پڑنے کا حکم تو اس سے کوئی بڑا نہیں بلکہ یہ اس سے بڑا اور بہت بھاری ہے- اور سنئے' حدیث میں ہے کہ دجال کے ساتھ آگ اور باغ ہوگا- شارع علیہ السلام نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ جسے آگ دیکھ رہے ہیں' اس میں سے پئیں وہ ان کے لئے ٹھنڈک اور

سلامتی کی چیز ہے- پس یہ اس واقعہ کی صاف نظیر ہے- اور لیجئے بنواسرائیل نے جب گوسالہ پرستی کی اس کی سزا میں اللہ نے حکم دیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں' ایک ابر نے آ کر انہیں ڈھانپ لیا اب جو تلوار چلی تو صبح ہی صبح' ابر پھٹنے سے پہلے ان میں سے ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے تھے- بیٹے نے باپ کو اور باپ نے بیٹے کو قتل کیا' کیا یہ حکم اس حکم سے کم تھا؟ کیا اس کا عمل نفس پر گراں نہیں؟ پھر تو اس کی نسبت بھی کہہ دینا چاہئے تھے کہ اللہ کسی نفس کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا-

ان تمام بحثوں کے صاف ہونے کے بعد اب سنئے- مشرکین کے بچپن میں مرے ہوئے بچوں کی بابت بھی بہت سے اقوال ہیں- ایک یہ کہ یہ سب جنتی ہیں ان کی دلیل وہی معراج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مشرکوں اور مسلمانوں کے بچوں کو آنحضرت ﷺ کا دیکھنا ہے اور دلیل ان کی مسند کی وہ روایت ہے جو پہلے گزر چکی کہ آپؐ نے فرمایا' بچے جنت میں ہیں- ہاں امتحان ہونے کی جو حدیثیں گزریں وہ ان میں سے مخصوص ہیں- پس جن کی نسبت رب العالمین کو معلوم ہے کہ وہ مطیع اور فرمانبردار ہیں' ان کی روحیں عالم برزخ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس ہیں اور مسلمانوں کے بچوں کی روحیں بھی اور جن کی نسبت اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ قبول کرنے والی نہیں' ان کا امر اللہ کے سپرد ہے وہ قیامت کے دن جہنمی ہوں گے- جیسے کہ احادیث امتحان سے ظاہر ہے- امام اشعری نے اسے اہل سنت سے نقل کیا ہے اب کوئی تو کہتا ہے کہ یہ مستقل طور پر جنتی ہیں کوئی کہتا ہے یہ اہل جنت کے خادم ہیں- گو ایسی حدیث داؤد طیالسی میں ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے واللہ اعلم-

دوسرا قول یہ ہے کہ مشرکوں کے بچے بھی اپنے باپ دادوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے جیسے کہ مسند وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ وہ اپنے باپ دادوں کے تابعدار ہیں- یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا بھی کہ باوجود بے عمل ہونے کے؟ آپ نے فرمایا وہ کیا عمل کرنے والے تھے' اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے- ابوداؤد میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کی اولاد کی بابت سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا وہ اپنے باپ دادوں کے ساتھ ہیں- میں نے کہا مشرکوں کی اولاد؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے باپ دادوں کے ساتھ ہیں- میں نے کہا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی عمل کیا ہو؟ آپ نے فرمایا وہ کیا کرتے' یہ اللہ کے علم میں ہے-

مسند کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں ان کا رونا پیٹنا اور چیخنا چلانا بھی تجھے سنا دوں- امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے روایت لائے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول خدا ﷺ سے اپنے ان دو بچوں کی نسبت سوال کیا جو جاہلیت کے زمانے میں فوت ہوئے تھے' آپؐ نے فرمایا وہ دونوں دوزخ میں ہیں' جب آپؐ نے دیکھا کہ یہ بات انہیں بہت بھاری پڑی ہے تو آپؐ نے فرمایا' اگر تم ان کی جگہ دیکھ لیتیں تو تم خود ان سے بےزار ہو جاتیں- حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا' اچھا جو بچہ آپ سے ہوا تھا؟ آپؐ نے فرمایا' سنو مومن اور ان کی اولاد جنتی ہیں اور مشرک اور ان کی اولاد جہنمی- پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کی اتباع ایمان کے ساتھ کی' ہم ان کی اولاد انہی کے ساتھ ملا دیں گے- یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد میں محمد بن عثمان راوی مجہول الحال ہیں اور ان کے شیخ زاذان نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں پایا واللہ اعلم-

ابوداؤد میں حدیث ہے' زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کردہ شدہ دوزخی ہیں- ابوداؤد میں یہ سند حسن مروی ہے حضرت سلمہ بن قیس اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں اپنے بھائی کو لئے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ حضور ﷺ ہماری ماں جاہلیت کے زمانے میں مرگئی ہیں' وہ صلہ رحمی کرنے والی اور مہمان نواز تھیں' ہماری ایک نابالغ بہن انہوں نے زندہ دفن کر دی تھی- آپؐ نے

فرمایا' ایسا کرنے والی اور جس کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے' دونوں دوزخی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اسلام کو پالے اور اسے قبول کرلے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ان کے بارے میں توقف کرنا چاہئے۔ کوئی فیصلہ کن بات یکطرفہ نہ کہنی چاہئے' ان کا اعتماد آپؐ کے اس فرمان پر ہے کہ ان کے اعمال کا صحیح اور پورا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ بخاری میں ہے کہ مشرکوں کی اولاد کے بارے میں جب آپؐ سے سوال ہوا تو آپؐ نے انہی لفظوں میں جواب دیا تھا۔ بعض بزرگ کہتے ہیں کہ یہ اعراف میں رکھے جائیں گے۔ اس قول کا بھی نتیجہ یہی ہے کہ یہ جنتی ہیں اس لئے کہ اعراف کوئی رہنے سہنے کی جگہ نہیں۔ یہاں والے بالآخر جنت میں ہی جائیں گے۔ جیسے کہ سورۂ اعراف کی تفسیر میں ہم اس کی تفسیر کر آئے ہیں واللہ اعلم۔ یہ تو تھا اختلاف مشرکوں کی اولاد کے بارے میں لیکن مومنوں کی نابالغ اولاد کے بارے میں تو علما کا بلا اختلاف یہی قول ہے کہ وہ جنتی ہیں۔ جیسے کہ حضرت امام احمدؒ کا قول ہے اور یہی لوگوں میں مشہور بھی ہے اور ان شاء اللہ عزوجل ہمیں بھی یہی امید ہے۔ لیکن بعض علماء سے منقول ہے کہ وہ ان کے بارے میں توقف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب بچے اللہ کی مرضی اور اس کی چاہت کے ماتحت ہیں۔ اہل فقہ اور اہلحدیث کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے۔ مؤطا مالک کی ابواب القدر کی حدیثوں میں بھی کچھ اسی جیسا ہے گو امام مالک کا کوئی فیصلہ اس میں نہیں۔ لیکن بعض متاخرین کا قول ہے کہ مسلمان بچے تو جنتی ہیں اور مشرکوں کے بچے مشیت الٰہی کے ماتحت ہیں۔ ابن عبدالبر نے اس بات کو اسی وضاحت سے بیان کیا ہے لیکن یہ قول غریب ہے۔ کتاب التذکرہ میں امام قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے واللہ اعلم۔ اس بارے میں ان بزرگوں نے ایک حدیث یہ بھی وارد کی ہے کہ انصاریوں کے ایک بچے کے جنازے میں حضور ﷺ کو بلایا گیا تو ماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا' اس بچے کو مرحبا ہو۔ یہ تو جنت کی چڑیا ہے' نہ برائی کا کوئی کام کیا نہ اس زمانے کو پہنچا' تو آپؐ نے فرمایا' اس کے سوا کچھ اور بھی اے عائشہ؟ سنو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت اور جنتیوں کو مقرر کر دیا ہے حالانکہ وہ اپنے باپ کی پیٹھ میں تھے۔ اسی طرح اس نے جہنم کو پیدا کیا ہے اور اس میں جلنے والے پیدا کئے ہیں حالانکہ وہ ابھی اپنے باپ کی پیٹھ میں ہیں۔ مسلم اور سنن کی یہ حدیث ہے۔

چونکہ یہ مسئلہ صحیح دلیل بغیر ثابت نہیں ہو سکتا اور لوگ اپنی بے علمی کے باعث بغیر ثبوت شارع کے اس میں کلام کرنے لگے ہیں' اس لئے علماء کی ایک جماعت نے اس میں کلام کرنا ہی ناپسند رکھا ہے۔ ابن عباس' قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق اور محمد بن حنفیہ وغیرہ کا مذہب یہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو منبر پر خطبے میں فرمایا تھا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس امت کا کام ٹھیک ٹھاک رہے گا جب تک کہ یہ بچوں کے بارے میں اور تقدیر کے بارے میں کچھ کلام نہ کریں گے (ابن حبان) امام ابن حبان کہتے ہیں' مراد اس سے مشرکوں کے بچوں کے بارے میں کلام نہ کرنا ہے۔ اور کتابوں میں یہ روایت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے قول سے موقوفاً مروی ہے۔

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَـٰهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾

جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے خوش حال لوگوں کو کوئی حکم دیتے ہیں' وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر بات ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اسے تہ و بالا کر دیتے ہیں ○

تقدیر اور ہمارے اعمال: ☆☆ (آیت:۱۶) مشہور قرات تو اَمَرْنَا ہے۔ اس امر سے مراد تقدیری امر ہے جیسے اور آیت میں ہے اَتٰهَا اَمْرُنَا یعنی وہاں ہمارا مقرر کردہ امر آ جاتا ہے رات کو یا دن کو۔ یاد رہے کہ اللہ برائیوں کا حکم نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ فحش کاریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے مستحق عذاب ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ ہم انہیں اپنی اطاعت کے احکام کرتے ہیں' وہ

برائیوں میں لگ جاتے ہیں- پھر ہمارا سزا کا قول ان پر راست آجاتا ہے- جن کی قرات اَمَّرْنَا ہے وہ کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہاں کے سردار ہم بدکاروں کو بنا دیتے ہیں- وہ وہاں اللہ کی نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ عذاب الٰہی انہیں اس بستی سمیت تہس نہس کر دیتا ہے- جیسے فرمان ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا الخ ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم رکھے ہیں- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یعنی ہم ان کے دشمن بڑھا دیتے ہیں' وہاں سرکشوں کی زیادتی کر دیتے ہیں- مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے' بہتر مال جانور ہے جو زیادہ بچے دینے والا ہو یا راستہ ہے جو کھجور کے درختوں سے گھرا ہوا ہو- بعض کہتے ہیں یہ تناسب ہے جیسے کہ آپ کا قول ہے گناہ والیاں نہ کہ اجر پانے والیاں-

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾

ہم نے نوح کے بعد بھی بہت سی قومیں ہلاک کر دیں' تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار اور خوب دیکھنے بھالنے والا ہے ○ جس کا ارادہ صرف اس جلدی والی دنیا ہی کا ہو' اسے ہم یہاں جس قدر جس کے لئے چاہیں' سردست دیتے ہیں بالآخر اس کے لئے ہم جہنم مقرر کر دیتے ہیں' جہاں وہ برے حالوں دھتکارا ہوا داخل ہوگا ○ اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور جیسی کوشش اس کے لئے ہونی چاہئے وہ کرتا بھی ہو اور وہ با ایمان' پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں پوری قدر دانی کی جائے گی ○

آل قریش سے خطاب: ☆☆ (آیت: ۱۷) اے قریشیو! ہوش سنبھالو- میرے اس بزرگ رسول کی تکذیب کر کے بے خوف نہ ہو جاؤ- تم سے پہلے نوح علیہ السلام کے بعد کے لوگوں کو دیکھو کہ رسولوں کی تکذیب نے ان کا نام ونشان مٹا دیا- اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نوح سے پہلے کے حضرت آدم علیہ السلام تک کے لوگ دین اسلام پر تھے- پس تم اے قریشیو! کچھ ان سے زیادہ ساز و سامان اور گنتی اور طاقت والے نہیں ہو' باوجود اس کے تم اشرف الرسل خاتم الانبیاء کو جھٹلا رہے ہو- پس تم عذاب اور سزا کے زیادہ لائق ہو- اللہ تعالیٰ پر اپنے کسی بندے کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں- خیر و شر سب اس پر ظاہر ہے کھلا چھپا سب وہ جانتا ہے ہر عمل کو خود دیکھ رہا ہے-

طالب دنیا کی چاہت: ☆☆ (آیت: ۱۸-۱۹) کچھ ضروری نہیں کہ طالب دنیا کی ہر ایک چاہت پوری ہی ہو' جس کا جو ارادہ اللہ پورا کرنا چاہے کر دے لیکن ہاں ایسے لوگ آخرت میں خالی ہاتھ رہ جائیں گے- یہ تو وہاں جہنم کے گڑھے میں گھرے ہوئے ہوں گے' نہایت برے حال میں ذلت و خواری میں ہوں گے- کیونکہ یہاں انہوں نے یہی کیا تھا' فانی کو باقی پر' دنیا کو آخرت پر ترجیح دی تھی اس لئے وہاں رحمت الٰہی سے دور ہیں- مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو' یہ اس کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہ ہو' اسے وہی جمع کرتا رہتا ہے جس کے پاس اپنی گرہ کی عقل بالکل نہ ہو- ہاں جو صحیح طریقے سے طالب دار آخرت ہو جائے اور آخرت میں کام آنے والی نیکیاں سنت کے مطابق کرتا رہے اور اس کے دل میں بھی ایمان' تصدیق اور یقین ہو' عذاب و ثواب کے وعدے صحیح جانتا ہو' اللہ رسول کو مانتا ہو' ان کی کوشش قدر دانی سے دیکھی جائے گی' نیک بدلہ ملے گا-

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾
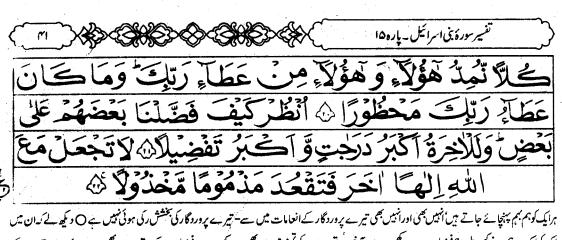
ہر ایک کو ہم بہم پہنچائے جاتے ہیں انہیں بھی اور انہیں بھی تیرے پروردگار کے انعامات میں سے۔ تیرے پروردگار کی بخشش رکی ہوئی نہیں ہے ○ دیکھ لے کہ ان میں ایک کو ایک پر ہم نے کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت تو درجوں کی تمیز میں اور بھی بڑھ کر ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے ○ اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا کہ آخرش تو برے حالوں بے کس ہو کر بیٹھ رہے ○

حق دار کو حق دیا جاتا ہے: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) یعنی ان دونوں قسم کے لوگوں کو ایک وہ جن کا مطلب صرف دنیا ہے۔ دوسرے وہ جو طالب آخرت ہیں دونوں قسم کے لوگوں کو ہم بڑھاتے رہتے ہیں جس میں بھی وہ ہیں' یہ تیرے رب کی عطا ہے' وہ ایسا متصرف اور حاکم ہے جو کبھی ظلم نہیں کرتا۔ مستحق سعادت کو سعادت اور مستحق شقاوت کو شقاوت دے دیتا ہے۔ اس کے احکام کوئی رد نہیں کر سکتا' اس کے رد کئے ہوئے کو کوئی دے نہیں سکتا' اس کے ارادوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ تیرے رب کی نعمتیں عام ہیں نہ کسی کے روکے رکیں نہ کسی کے ہٹائے ہٹیں وہ نہ کم ہوتی ہیں نہ گھٹتی ہیں۔ دیکھ لو کہ دنیا میں ہم نے انسانوں کے کیسے مختلف درجے رکھے ہیں' ان میں امیر بھی ہیں فقیر بھی ہیں' درمیانہ حالت میں بھی ہیں' اچھے بھی ہیں' برے بھی ہیں اور درمیانہ درجے کے بھی۔ کوئی بچپن میں مرتا ہے' کوئی بوڑھا بڑا ہو کر' کوئی اس کے درمیان۔ آخرت درجوں کے اعتبار سے دنیا سے بھی بڑھی ہوئی ہے' کچھ تو طوق و زنجیر پہنے ہوئے جہنم کے گڑھوں میں ہوں گے' کچھ جنت کے درجوں میں ہوں گے' بلند و بالا بالا خانوں میں' نعمت و راحت' سرور و خوشی میں' پھر خود جنتیوں میں بھی درجوں کا تفاوت ہوگا' ایک ایک درجے میں زمین و آسمان کا سا تفاوت ہوگا۔ جنت میں ایسے ایک سو درجے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ بلند درجوں والے اہل علیین کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم کسی چمکتے ستارے کو آسمان کی اونچائی پر دیکھتے ہو۔ پس آخرت درجوں اور فضیلتوں کے اعتبار سے بہت بڑی ہے۔ طبرانی میں ہے' جو بندہ دنیا میں جو درجہ چڑھنا چاہے گا اور اپنی خواہش میں کامیاب ہو جائے گا' وہ آخرت کا درجہ گھٹا دے گا جو اس سے بہت بڑا ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔

فاقہ اور انسان: ☆☆ (آیت: ۲۲) یہ خطاب ہر ایک مکلف سے ہے۔ آپ کی تمام امت کو حق تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے' اللہ کی مدد ہٹ جائے گی۔ جس کی عبادت کرو گے' اسی کے سپرد کر دیئے جاؤ گے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نفع نقصان کا مالک نہیں' وہ واحد لاشریک ہے۔ مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جسے فاقہ پہنچے اور وہ لوگوں سے اسے بند کروانا چاہے' اس کا فاقہ بند نہ ہوگا اور جو اللہ سے اس کی بابت دعا کرے' اللہ اس کے پاس تونگری بھیج دے گا یا تو جلدی یا دیر سے۔ یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی میں ہے۔ ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن صحیح غریب بتلاتے ہیں۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا

اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾

تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرنا' اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا ○ اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھے رہنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر ایسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے ○

اٹل فیصلے' محکم حکم: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) یہاں قضی معنی میں حکم فرمانے کے ہے- تاکیدی حکم الٰہی جو کبھی ٹلنے والا نہیں' یہی ہے کہ عبادت اللہ ہی کی ہو اور والدین کی اطاعت میں سرمو فرق نہ آئے- ابی ابن کعب' ابن مسعود اور ضحاک بن مزاحم کی قرات میں قضی کے بدلے وصی ہے- یہ دونوں حکم ایک ساتھ جیسے یہاں ہیں ایسے ہی اور بھی بہت سی آیتوں میں ہیں- جیسے فرمان ہے اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا بھی احسان مندرہ- خصوصاً ان کے بڑھاپے کے زمانے میں ان کا پورا ادب کرنا' کوئی بری بات زبان سے نہ نکالنا یہاں تک کہ ان کے سامنے اف بھی نہ کرنا' نہ کوئی ایسا کام کرنا جو انہیں برا معلوم ہو' اپنا ہاتھ ان کی طرف بے ادبی سے نہ بڑھانا بلکہ ادب' عزت اور احترام کے ساتھ ان سے بات چیت کرنا' نرمی اور تہذیب سے گفتگو کرنا' ان کی رضامندی کے کام کرنا' دکھ نہ دینا' ستانا نہیں' ان کے سامنے تواضع' عاجزی' فروتنی اور خاکساری سے رہنا' ان کے لئے ان کے بڑھاپے میں' ان کے انتقال کے بعد دعائیں کرتے رہنا' خصوصاً یہ دعا کہ الٰہی ان پر رحم کر جیسے رحم سے انہوں نے میرے بچپن کے زمانے میں میری پرورش کی- ہاں ایمانداروں کو کافروں کے لئے دعا کرنا منع ہو گئی ہے گو وہ باپ ہی کیوں نہ ہوں؟

ماں باپ سے سلوک و احسان کے احکام کی حدیثیں بہت سی ہیں- ایک روایت میں ہے کہ آپ ؐ نے منبر پر چڑھتے ہوئے تین دفعہ آمین کہی جب آپ ؐ سے وجہ دریافت کی گئی تو آپ ؐ نے فرمایا میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا اے نبی اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس تیرا ذکر ہو اور اس نے تجھ پر درود بھی نہ پڑھا ہو- کہئے آمین' چنانچہ میں نے آمین کہی- پھر فرمایا' اس شخص کی ناک بھی اللہ تعالیٰ خاک آلود کرے جس کی زندگی میں ماہ رمضان آیا اور چلا بھی گیا اور اس کی بخشش نہ ہوئی- آمین کہئے' چنانچہ میں نے اس پر بھی آمین کہی- پھر فرمایا اللہ اسے بھی برباد کرے جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے ایک کو پالیا اور پھر بھی ان کی خدمت کر کے جنت میں نہ پہنچ سکا- کہئے آمین' میں نے کہا آمین-

مسند احمد کی حدیث میں ہے جس نے کسی مسلمان ماں باپ کے یتیم بچہ کو پالا اور کھلایا پلایا یہاں تک کہ وہ بے نیاز ہو گیا' اس کے لئے یقیناً جنت واجب ہے اور جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا' اللہ اسے جہنم سے آزاد کرے گا' اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم سے آزاد ہو گا- اس حدیث کی ایک سند میں ہے' جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو پالیا' پھر بھی دوزخ میں گیا' اللہ اسے اپنی رحمت سے دور کرے- مسند احمد کی ایک روایت میں یہ تینوں چیزیں ایک ساتھ بیان ہوئی ہیں یعنی گردن آزاد کرنا' خدمت والدین اور پرورش یتیم- ایک روایت میں ماں باپ کی نسبت یہ بھی ہے کہ اللہ اسے دور کرے اور اسے برباد کرے الخ-

ایک روایت میں تین مرتبہ اس کے لئے یہ بددعا ہے۔ ایک روایت میں حضور ﷺ کا نام سن کر درود نہ پڑھنے والے اور ماہ رمضان میں بخشش اللہ سے محروم رہ جانے والے اور ماں باپ کی خدمت اور رضامندی سے جنت میں نہ پہنچنے والے کے لئے خود حضور ﷺ کا یہ بددعا کرنا منقول ہے۔ ایک انصاری نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ میرے ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی ان کے ساتھ میں کوئی سلوک کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا' ہاں چار سلوک۔

(۱) ان کے جنازے کی نماز۔

(۲) ان کے لئے دعا و استغفار۔

(۳) ان کے وعدوں کو پورا کرنا۔

(۴) ان کے دوستوں کی عزت کرنا اور وہ صلہ رحمی جو صرف ان کی وجہ سے ہو' یہ ہے وہ سلوک جو ان کی موت کے بعد بھی تو ان کے ساتھ کرسکتا ہے (ابوداؤد' ابن ماجہ) ایک شخص نے آ کر حضور ﷺ سے کہا' یارسول اللہ ﷺ میں جہاد کے ارادے سے آپ کی خدمت میں خوشخبری لے کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیری ماں ہے؟ اس نے کہا ہاں فرمایا! جا اسی کی خدمت میں لگا رہ' جنت اسی کے پیروں کے پاس ہے۔ دوبارہ سہ بارہ اس نے مختلف مواقع پر اپنی یہی بات دہرائی اور یہی جواب حضور ﷺ نے بھی دہرایا (نسائی' ابن ماجہ وغیرہ) فرماتے ہیں' اللہ تمہیں تمہارے باپوں کی نسبت وصیت فرماتا ہے' اللہ تمہیں تمہاری ماؤں کی نسبت وصیت فرماتا ہے۔ پچھلے جملے کو تین بار بیان فرما کر فرمایا' اللہ تمہیں تمہارے قرابت داروں کی بابت وصیت کرتا ہے سب سے زیادہ نزدیک والا پھر اس کے پاس والا (ابن ماجہ' مسند احمد) فرماتے ہیں' دینے والے کا ہاتھ اونچا ہے اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ سے اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے پھر جو اس کے بعد ہو' اسی طرح درجہ بدرجہ (مسند احمد) بزار کی مسند میں ضعیف سند سے مروی ہے کہ ایک صاحب اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے طواف کرا رہے تھے حضور ﷺ سے دریافت کرنے لگے کہ اب تو میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا ایک شمہ بھی نہیں اس کی سند میں حسن بن ابوجعفر ضعیف ہے واللہ اعلم۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِىْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝

جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے تمہارا رب بخوبی جانتا ہے' اگر تم نیک ہو تو وہ تو رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے ○ رشتے داروں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو اور اسراف اور بے جا خرچ سے بچو ○ بے جا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے ○ اور اگر تجھے ان سے منہ پھیر لینا پڑے' اپنے رب کی اس رحمت کی جستجو میں جس کی تو امید رکھتا ہے تو بھی تجھے چاہئے کہ عمدگی اور نرمی سے انہیں سمجھا دے ○

گناہ اور استغفار: ☆☆ (آیت: ۲۵) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے جلدی میں اپنے ماں باپ کے ساتھ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جسے وہ اپنے نزدیک عیب کی اور گناہ کی بات نہیں سمجھتے چونکہ ان کی نیت بخیر ہوتی ہے اس لئے اللہ ان پر رحمت کرتا ہے' جو ماں باپ کا فرمانبردار' نمازی ہو' اس کی خطائیں اللہ کے ہاں معاف ہیں' کہتے ہیں کہ اَوَّابِیۡنَ وہ لوگ ہیں جو مغرب وعشا کے درمیان نوافل پڑھیں۔ بعض کہتے ہیں جو ضحیٰ کی نماز ادا کرتے رہیں' جو ہر گناہ کے بعد توبہ کر لیا کریں۔ جو جلدی سے بھلائی کی طرف لوٹ آیا کریں۔ تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے خلوص دل سے استغفار کر لیا کریں۔ عبید کہتے ہیں جو برابر ہر مجلس سے اٹھتے ہوئے یہ دعا پڑھ لیا کریں۔ اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلِیۡ مَآ اَصَبۡتُ فِیۡ مَجۡلِسِیۡ ھٰذَا ابن جریر فرماتے ہیں' اولیٰ قول یہ ہے کہ جو گناہ سے توبہ کر لیا کریں۔ معصیت سے طاعت کی طرف آ جایا کریں۔ اللہ کی ناپسندیدگی کے کاموں کو ترک کر کے اس کی رضامندی اور پسندیدگی کے کام کرنے لگیں۔ یہی قول بہت ٹھیک ہے کیونکہ لفظ اواب مشتق ہے ادب سے اور اس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں جیسے عرب کہتے ہیں اب فلان اور جیسے قرآن میں ہے اِنَّ اِلَیۡنَآ اِیَابَھُمۡ ان کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ جب سفر سے لوٹتے تو فرماتے اٰئِبُوۡنَ تَآئِبُوۡنَ عَابِدُوۡنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوۡنَ لوٹنے والے' توبہ کرنے والے' عبادتیں کرنے والے' اپنے رب کی ہی تعریفیں کرنے والے۔

ماں باپ سے حسن سلوک کی تاکید: ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۸) ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کا حکم دے کر اب قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ حدیث میں ہے: اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ سے پھر جو زیادہ قریب ہو اور جو زیادہ قریب ہو اور حدیث میں ہے جو اپنے رزق کی اور اپنی عمر کی ترقی چاہتا ہو' اسے صلہ رحمی کرنی چاہئے۔ بزار میں ہے' اس آیت کے اترتے ہی رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو بلا کر فدک عطا فرمایا۔ اس حدیث کی سند صحیح نہیں۔ اور واقعہ بھی کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ یہ آیت مکیہ ہے اور اس وقت تک باغ فدک حضور ﷺ کے قبضے میں نہ تھا۔ ۶ ھ میں خیبر فتح ہوا تب باغ فدک آپ کے قبضے میں آیا۔ پس یہ قصہ اس پر پورا نہیں اترتا۔ مساکین اور مسافرین کی پوری تفسیر سورہ برات میں گزر چکی ہے یہاں دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ خرچ کا حکم کر کے پھر اسراف سے منع فرماتا ہے۔ نہ تو انسان کو بخیل ہونا چاہئے نہ مسرف بلکہ درمیانہ درجہ رکھے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَالَّذِیۡنَ اِذَآ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا الخ' یعنی ایماندار اپنے خرچ میں نہ تو حد سے گزرتے ہیں نہ بالکل ہاتھ روک لیتے ہیں۔ پھر اسراف کی برائی بیان فرماتا ہے کہ ایسے لوگ شیطان جیسے ہیں۔ تبذیر کہتے ہیں غیر حق میں خرچ کرنے کو۔ اپنا کل مال بھی اگر راہ اللہ دے دے تو یہ تبذیر واسراف نہیں اور غیر حق میں تھوڑا سا بھی دے تو مبذر ہے۔ بنو تمیم کے ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا' یارسول اللہ ﷺ میں مالدار آدمی ہوں اور اہل وعیال' کنبے قبیلے والا ہوں تو مجھے بتایئے کہ میں کیا روش اختیار کروں؟ آپؐ نے فرمایا اپنے مال کی زکوٰۃ الگ کر اس سے تو پاک صاف ہو جائے گا۔ اپنے رشتے داروں سے سلوک کر' سائل کا حق پہنچا تا رہ اور پڑوسی اور مسکین کا بھی۔ اس نے کہا حضور ﷺ اور تھوڑے الفاظ میں پوری بات سمجھا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا' قرابت داروں' مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کر اور بے جا خرچ نہ کر۔ اس نے کہا حَسۡبِیَ اللّٰہُ اچھا حضور ﷺ جب میں آپ کے قاصد کو زکوٰۃ ادا کر دوں تو اللہ ورسول کے نزدیک میں بری ہو گیا؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں جب تو نے میرے قاصد کو دے دیا تو تو بری ہو گیا اور تیرے لئے جو اجر ثابت ہو گیا' اب جو اسے بدل ڈالے' اس کا گناہ اس کے ذمے ہے۔ یہاں فرمان ہے کہ اسراف اور بیوقوفی اور اللہ کی اطاعت کے ترک اور نافرمانی کے ارتکاب کی وجہ سے مسرف لوگ شیطان کے بھائی بن جاتے ہیں۔ شیطان میں یہی بدخصلت ہے کہ وہ رب کی نعمتوں کا ناشکرا' اس کی اطاعت کا تارک' اسی کی نافرمانی اور مخالفت کا عامل ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ان قرابت داروں' مسکینوں

'مسافروں میں سے کوئی بھی تجھ سے کچھ سوال کر بیٹھے اور اس وقت تیرے ہاتھ تلے کچھ نہ ہو اور اس وجہ سے تجھے ان سے منہ پھیر لینا پڑے تو بھی جواب نرم دے کہ بھائی جب اللہ ہمیں دے گا' ان شاء اللہ ہم آپ کے حق نہ بھولیں گے وغیرہ۔

وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُومًا مَّحۡسُورًا ﴿۲۹﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَن يَشَآءُ وَيَقۡدِرُ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ بِعِبَادِهِۦ خَبِيرًۢا بَصِيرًا ﴿۳۰﴾

ع ۸

اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دیا کر کہ پھر ملامت کیا ہوا اور پچھتاتا ہوا بیٹھ جائے ○ یقیناً تیرا رب جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی' یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر اور خوب دیکھنے والا ہے ○

میانہ روی کی تعلیم: ☆☆ (آیت: ۲۹-۳۰) حکم ہو رہا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنی میانہ روش رکھو' نہ بخیل بنو' نہ مسرف۔ ہاتھ گردن سے نہ باندھ لو یعنی بخیل نہ بنو کہ کسی کو نہ دو۔ یہودیوں نے بھی اسی محاورے کو استعمال کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ان پر اللہ کی لعنتیں نازل ہوں کہ یہ اللہ کو بخیلی کی طرف منسوب کرتے تھے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کریم و وہاب پاک اور بہت دور ہے۔ پس بخل سے منع کر کے پھر اسراف سے روکتا ہے کہ اتنا کھل نہ کھیلو کہ اپنی طاقت سے زیادہ دے ڈالو۔ پھر ان دونوں حکموں کا سبب بیان فرماتا ہے کہ بخیلی سے تو ملامتی بن جاؤ گے ہر ایک کی انگلی اٹھے گی کہ یہ بڑا بخیل ہے' ہر ایک دور ہو جائے گا کہ یہ محض بے فیض آدمی ہے۔ جیسے زہیر نے اپنے معلقہ میں کہا ہے وَمَنۡ كَانَ ذَامَالٍ وَّيَبۡخَلُ بِمَالِهٖ عَلٰى قَوۡمِهٖ يُسۡتَغۡنَ عَنۡهُمۡ وَيُذۡمَمۡ یعنی جو مالدار ہو کر بخیلی کرے' لوگ اس سے بے نیاز ہو کر اس کی برائی کرتے ہیں۔ پس بخیلی کی وجہ سے انسان برا بن جاتا ہے اور لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے' ہر ایک اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور جو حد سے زیادہ خرچ کر گزرتا ہے' وہ تھک کر بیٹھ جاتا ہے اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہتا۔ ضعیف اور عاجز ہو جاتا ہے جیسے کوئی جانور جو چلتے چلتے تھک جائے۔ اور راستے میں اڑ جائے لفظ حَسِيۡرٌ سورہ تبارک میں بھی آیا ہے۔ پس یہ بطور لف ونشر کے ہے۔

صحیحین کی حدیث میں ہے' بخیل اور سخی کی مثال ان دو شخصوں جیسی ہے جن پر دو لوہے کے جبے ہوں' سینے سے گلے تک' سخی تو جوں جوں خرچ کرتا ہے' اس کی کڑیاں ڈھیلی ہوتی جاتی ہیں اور اس کے ہاتھ کھلتے جاتے ہیں اور وہ جبہ بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی پوریوں تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے اثر کو مٹاتا ہے اور بخیل جب کبھی خرچ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے جبے کی کڑیاں اور سمٹ جاتی ہیں۔ وہ ہر چند اسے وسیع کرنا چاہتا ہے لیکن اس میں کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ صحیحین میں ہے کہ آپ نے حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا' اللہ کی راہ میں خرچ کرتی رہ' جمع نہ رکھا کر ورنہ اللہ بھی روک لے گا' بند باندھ کر روک نہ لیا کر ورنہ پھر اللہ بھی رزق کا منہ بند کر لے گا۔ ایک اور روایت میں ہے' شمار کر کے نہ رکھا کر ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گنتی کر کے روک لے گا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تو راہ اللہ میں خرچ کیا کر' اللہ تعالیٰ تجھے دیتا رہے گا۔ صحیحین میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ہر صبح دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں' ایک دعا کرتا ہے کہ الٰہی سخی کو بدلہ دے اور دوسرا دعا کرتا ہے کہ بخیل کا مال تلف کر۔ مسلم شریف میں ہے صدقے خیرات سے کسی کا مال نہیں گھٹتا اور ہر سخاوت کرنے والے کو اللہ ذی عزت کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ کے حکم کی وجہ سے دوسروں سے عاجزانہ برتاؤ کرے اللہ اسے بلند درجے کا کر دیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے طمع سے بچو' اسی نے تم سے اگلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے' طمع کا پہلا حکم یہ ہوتا ہے کہ بخیلی کرو' انہوں نے بخیلی کی پھر اس نے انہیں صلہ رحمی توڑنے کو کہا انہوں نے یہ بھی کیا پھر فسق و فجور کا حکم دیا یہ اس پر بھی کاربند

ہوئے۔ بیہقی میں ہے جب انسان خیرات کرتا ہے ستر شیطانوں کے جبڑے ٹوٹ جاتے ہیں۔ مسند کی حدیث میں ہے' درمیانہ خرچ رکھنے والا کبھی فقیر نہیں ہوتا۔ پھر فرماتا ہے کہ رزق دینے والا' کشادگی کرنے والا' تنگی میں ڈالنے والا' اپنی مخلوق میں اپنی حسب منشا ہیر پھیر کرنے والا' جسے چاہے غنی اور جسے چاہے فقیر کرنے والا' اللہ ہی ہے۔ ہر بات میں اس کی حکمت ہے' وہی اپنی حکمتوں کا علیم ہے' وہ خوب جانتا ہے اور دیکھتا ہے کہ مستحق امارت کون ہے اور مستحق فقیری کون ہے؟ حدیث قدسی میں ہے میرے بعض بندے وہ ہیں کہ فقیری ہی کے قابل ہیں اگر میں انہیں امیر بنادوں تو ان کا دین تباہ ہو جائے اور میرے بعض بندے ایسے بھی ہیں جو امیری کے لائق ہیں اگر میں انہیں فقیر بنادوں تو ان کا دین بگڑ جائے۔ ہاں یہ یاد رہے کہ بعض لوگوں کے حق میں امیری اللہ کی طرف سے ڈھیل کے طور پر ہوتی ہے اور بعضوں کے لئے فقیری بطور عذاب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں سے بچائے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾

مفلسی کے خوف سے اپنی اولادوں کو نہ مار ڈالا کرو' ان کو اور تم کو ہم ہی روزیاں دیتے ہیں' یقیناً ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے ○ خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے ○

قتل اولاد کی مذمت: ☆☆ (آیت:۳۱) دیکھو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہ نسبت ان کے ماں باپ کے بھی زیادہ مہربان ہے۔ ایک طرف ماں باپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنا مال اپنے بچوں کو بطور ورثے کے دو اور دوسری جانب فرماتا ہے کہ انہیں مار نہ ڈالا کرو۔ جاہلیت کے لوگ نہ تو لڑکیوں کو ورثہ دیتے تھے نہ ان کا زندہ رکھنا پسند کرتے تھے بلکہ دختر کشی ان کی قوم کا ایک عام رواج تھا۔ قرآن اس نافرجام رواج کی تردید کرتا ہے کہ یہ خیال کس قدر بودا ہے کہ انہیں کھلائیں گے کہاں سے؟ کسی کی روزی کسی کے ذمہ نہیں۔ سب کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ سورہ انعام میں فرمایا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ فقیری اور تنگدستی کے خوف سے اپنی اولاد کی جان نہ لیا کرو۔ تمہیں اور انہیں روزیاں دینے والے ہم ہیں۔ ان کا قتل جرم عظیم اور گناہ کبیرہ ہے۔ خطا کی دوسری قرات خطاء ہے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا' یارسول اللہ ﷺ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی اکیلے نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے۔ میں نے کہا اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے زناکاری کرے۔

کبیرہ گناہوں سے ممانعت: ☆☆ (آیت:۳۲) زناکاری اور اس کے اردگرد کی تمام سیاہ کاریوں سے قرآن روک رہا ہے زنا کو شریعت نے کبیرہ اور بہت سخت گناہ بتایا ہے وہ بدترین طریقہ اور نہایت بری راہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک نوجوان نے زناکاری کی اجازت آپؐ سے چاہی لوگ اس پر جھک پڑے کہ چپ رہ کیا کر رہا ہے' کیا کہہ رہا ہے۔ آپؐ نے اسے اپنے قریب بلا کر فرمایا' بیٹھ جا' جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا' کیا تو اس کام کو اپنی ماں کے لئے پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا' نہیں اللہ کی قسم نہیں یارسول اللہ ﷺ مجھے آپ پر اللہ فدا کرے' ہرگز نہیں۔ آپؐ نے فرمایا' پھر سوچ لے کہ کوئی اور کیسے پسند کرے گا؟ آپ نے فرمایا اچھا تو اسے اپنی بیٹی کے لئے پسند کرتا ہے؟ اس نے اسی طرح تاکید سے انکار کیا۔ آپؐ نے فرمایا' ٹھیک اسی طرح کوئی بھی اسے اپنی بیٹیوں کے لئے پسند نہیں کرتا' اچھا اپنی بہن کے لئے اسے تو پسند

کرے گا؟ اس نے اسی طرح انکار کیا، آپؐ نے فرمایا اسی طرح دوسرے بھی اپنی بہنوں کے لئے اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ بتا کیا تو چاہے گا کہ کوئی تیری پھوپھی سے ایسا کرے؟ اس نے اسی سختی سے انکار کیا۔ آپؐ نے فرمایا اسی طرح کوئی اور بھی اسے اپنی پھوپھی کے لئے نہ چاہے گا، اچھا اپنی خالہ کے لئے؟ اس نے کہا، ہرگز نہیں، فرمایا اسی طرح اور سب لوگ بھی۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر دعا کی کہ الٰہی اس کے گناہ بخش، اس کے دل کو پاک کر، اسے عصمت والا بنا۔ پھر تو یہ حالت تھی کہ یہ نوجوان کسی کی طرف نظر بھی نہ اٹھاتا۔ ابن ابی الدنیا میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، شرک کے بعد کوئی گناہ زنا کاری سے بڑھ کر نہیں کہ آدمی اپنا نطفہ کسی ایسے رحم میں ڈالے جو اس کیلئے حلال نہیں۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۗ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُورًا ﴿۳۳﴾

اور کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے، ہرگز ناحق قتل نہ کرنا، اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے، ہم نے اس کے وارثوں کو غلبہ اور طاقت دے رکھی ہے۔ پس اسے چاہئے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ کرے، بے شک وہ مدد کیا گیا ہے ○

ناحق قتل: ☆☆ (آیت: ۳۳) بغیر حق شرعی کے کسی کو قتل کرنا حرام ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے جو مسلمان اللہ کے واحد ہونے کی اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو، اس کا قتل تین باتوں کے سوا حلال نہیں۔ یا تو اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا شادی شدہ ہو اور پھر زنا کیا ہو یا دین کو چھوڑ کر جماعت کو چھوڑ دیا ہو۔ سنن میں ہے ساری دنیا کا فنا ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مومن کے قتل سے زیادہ آسان ہے۔ اگر کوئی شخص ناحق دوسرے کے ہاتھوں قتل کیا گیا ہے تو اس کے وارثوں کو اللہ تعالیٰ نے قاتل پر غالب کر دیا ہے۔ اسے قصاص لینے اور دیت لینے اور بالکل معاف کر دینے میں سے ایک کا اختیار ہے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کریمہ کے عموم سے حضرت معاویہؓ کی سلطنت پر استدلال کیا ہے کہ وہ بادشاہ بن جائیں گے اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی آپ ہی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی مظلومی کے ساتھ شہید کئے گئے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طلب کرتے تھے کہ ان سے قصاص لیں اس لئے کہ یہ بھی اموی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اموی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں ذرا ڈھیل کر رہے تھے۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطالبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ تھا کہ ملک شام ان کے سپرد کر دیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تاوقتیکہ آپ قاتلان عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ دیں، میں ملک شام کو آپ کی زیر حکومت نہ کروں گا چنانچہ آپ نے مع کل اہل شام کے بیعت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انکار کر دیا۔ اس جھگڑے نے طول پکڑا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے حکمران بن گئے۔

معجم طبرانی میں یہ روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رات کی گفتگو میں ایک دفعہ فرمایا کہ آج میں تمہیں ایک بات سناتا ہوں نہ تو وہ ایسی پوشیدہ ہے نہ ایسی علانیہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو کچھ کیا گیا، اس وقت میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ یکسوئی اختیار کر لیں واللہ اگر آپ کسی پتھر میں بھی چھپے ہوئے ہوں گے تو نکال لئے جائیں گے لیکن انہوں نے میری نہ مانی۔ اب ایک اور سنو اللہ کی قسم معاویہ تم پر بادشاہ ہو جائیں گے اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے جو مظلوم مار ڈالا جائے، ہم اس کے وارثوں کو غلبہ اور طاقت دیتے ہیں۔ پھر انہیں قتل کے بدلے میں قتل میں حد سے نہ گزرنا چاہئے الخ، سنو یہ قریشی تو تمہیں فارس و روم کے

طریقوں پر آمادہ کر دیں گے اور سنو تم پر نصاریٰ اور یہود اور مجوسی کھڑے ہو جائیں گے اس وقت جس نے معروف کو تھام لیا' اس نے نجات پا لی اور جس نے چھوڑ دیا اور افسوس کہ تم چھوڑنے والوں میں سے ہی ہو تو مثل ایک زمانے والوں کے ہوؤ گے کہ وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں ہلاک ہو گئے۔ اب فرمایا ولی کو قتل کے بدلے میں حد سے نہ گزر جانا چاہئے کہ وہ قتل کے ساتھ مثلہ کرے۔ کان' ناک کاٹے یا قاتل کے سوا اور سے بدلہ لے۔ ولی مقتول شریعت' غلبے اور مقدرت کے لحاظ سے ہر طرح مدد کیا گیا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴿٣٤﴾ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٣٥﴾

یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ بجز اس طریقے کے جو بہت ہی بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی بلوغت کو پہنچ جائے اور وعدے پورے کیا کرو' کیونکہ قول و قرار کی باز پرس ہونے والی ہے ○ اور جب ناپنے لگو تو بھرپور پیمانے سے ناپو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو' یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے ○

یتیم کا مال: ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۵) یتیم کے مال میں بدنیتی سے ہیر پھیر نہ کرو' ان کے مال ان کی بلوغت سے پہلے صاف کر ڈالنے کے ناپاک ارادوں سے بچو۔ جس کی پرورش میں یہ یتیم بچے ہوں' اگر وہ خود مالدار ہے تب تو اسے ان یتیموں کے مال سے بالکل الگ رہنا چاہئے اور اگر وہ فقیر محتاج ہے تو خیر بقدر معروف کھا لے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' حضور ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا' میں تجھے بہت کمزور دیکھ رہا ہوں اور تیرے لئے وہی پسند فرماتا ہوں جو خود اپنے لئے چاہتا ہوں۔ خبردار کبھی دو شخصوں کا والی نہ بننا اور نہ کبھی یتیم کے مال کا متولی بننا۔ پھر فرماتا ہے' وعدہ وفائی کیا کرو' جو وعدے وعید جو لین دین ہو جائے اس کی پاسبانی کرو' اس کی بابت قیامت کے دن جواب دہی ہو گی۔ ناپ پیمانہ پورا پورا بھر کر دیا کرو۔ لوگوں کو ان کی چیز گھٹا کر کم نہ دو۔ قسطاس کی دوسری قرات قسطاس بھی ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے بغیر پاسنگ کی صحیح وزن بتانے والی سیدھی ترازو سے بغیر ڈنڈی مارے تولا کرو' دونوں جہان میں تم سب کے لئے یہی بہتری ہے دنیا میں بھی یہ تمہارے لین دین کی رونق ہے اور آخرت میں بھی یہ تمہارے چھٹکارے کی دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اے تاجرو تمہیں ان دو چیزوں کو سونپا گیا ہے جن کی وجہ سے تم سے پہلے کے لوگ برباد ہو گئے یعنی ناپ تول' نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی حرام پر قدرت رکھتے ہوئے صرف خوف الٰہی سے اسے چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں اسے اس سے بہتر چیز عطا فرمائے گا۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾

جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ' کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے ○ زمین میں اکڑ کر نہ چلا کر کہ نہ تو

تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے O ان سب کاموں کی برائی تیرے رب کے نزدیک سخت ناپسند ہے O

بلاتحقیق فیصلہ نہ کرو: ☆☆ (آیت: ۳۶) یعنی جس بات کا علم نہ ہو اس میں زبان نہ ہلاؤ- بغیر علم کے کسی کی عیب جوئی اور بہتان بازی نہ کرو- جھوٹی شہادتیں نہ دیتے پھرو- بن دیکھے نہ کہہ دیا کرو کہ میں نے دیکھا' نہ بے سنے سننا بیان کرو' نہ بے علمی پر اپنا جاننا بیان کرو- کیونکہ ان تمام باتوں کی جواب دہی اللہ کے ہاں ہوگی- غرض وہم وخیال اور گمان کے طور پر کچھ کہنا منع ہو رہا ہے- جیسے فرمان قرآن ہے اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ کہ زیادہ گمان سے بچو- بعض گمان گناہ ہیں- حدیث میں ہے' گمان سے بچو' گمان بدترین جھوٹی بات ہے- ابو داؤد کی حدیث میں ہے انسان کا یہ تکیہ کلام بہت ہی برا ہے کہ لوگ خیال کرتے ہیں- اور حدیث میں ہے بدترین بہتان یہ ہے کہ انسان جھوٹ موٹ کوئی خواب گھڑ لے اور صحیح حدیث میں ہے' جو شخص ایسا خواب از خود گھڑ لے' قیامت کے دن اسے یہ تکلیف دی جائے گی کہ وہ دو جو کے درمیان گرہ لگائے اور یہ اس سے ہرگز نہیں ہونا- قیامت کے دن آنکھ' کان' دل سب سے باز پرس ہوگی' سب کو جواب دہی کرنی ہو گی- یہاں تِلْكَ کی جگہ اُولٰٓئِكَ کا استعمال ہے- عرب میں یہ استعمال برابر جاری ہے یہاں تک کہ شاعروں کے شعروں میں بھی-

تکبر کے ساتھ چلنے کی ممانعت: ☆☆ (آیت: ۳۷-۳۸) اکڑ کر' اترا کر' تکبر کے ساتھ چلنے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو منع فرماتا ہے- یہ عادت سرکش اور مغرور لوگوں کی ہے- پھر اسے نیچا دکھانے کے لئے فرماتا ہے کہ گو کتنے ہی بلند سر ہو کر چلو لیکن پہاڑ کی بلندی سے پست ہی رہو گے اور گو کیسے ہی کھٹ پٹ کرتے ہوئے پاؤں مار مار کر چلو لیکن زمین کو پھاڑنے سے رہے- بلکہ ایسے لوگوں کا حال برعکس ہوتا ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص چادر جوڑے میں اتراتا ہوا چلا جا رہا تھا جو وہیں زمین میں دھنسا دیا گیا جو آج تک دھنستا ہوا چلا جا رہا ہے- قرآن میں قارون کا قصہ موجود ہے کہ وہ مع اپنے محلات کے زمین دوز کر دیا گیا- ہاں تواضع' نرمی' فروتنی اور عاجزی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے- وہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے اور لوگ اسے جلیل القدر سمجھتے ہیں اور تکبر کرنے والا اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں وہ ذلیل وخوار ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے کتوں اور سوروں سے بھی زیادہ حقیر جانتے ہیں- امام ابوبکر بن ابی الدنیا رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب الخمول والتواضع میں لائے ہیں کہ ابن الاہیم دربار منصور میں جا رہا تھا ریشمی جبہ پہنے ہوئے تھا اور پنڈلیوں کے اوپر سے اسے دوہرا سلوایا تھا کہ نیچے سے قبا بھی دکھائی دیتی رہے اور اکڑتا اینڈتا جا رہا تھا-

حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ نے اسے اس حالت میں دیکھ کر فرمایا افوہ نک چڑھا' بل کھایا' رخساروں پھولا' اپنے ڈنڈ بازو دیکھتا' اپنے تئیں تولتا' سمتوں کے ذکر وشکر کو بھولا' رب کے احکام کو چھوڑے ہوئے' حق اللہ کو توڑا' دیوانوں کی چال چلتا' عضو عضو میں کسی کی دی ہوئی نعمت رکھتا' شیطان کی لعنت کا مارا ہوا دیکھو جا رہا ہے- ابن الاہیم نے سن لیا اور اسی وقت لوٹ آیا اور عذر بہانہ کرنے لگا- آپ نے فرمایا' مجھ سے معذرت کیا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ سے توبہ کر اور اسے ترک کر- کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا الخ- عابد بختری رحمتہ اللہ علیہ نے آل علی میں سے ایک شخص کو اکڑتے ہوئے چلتا دیکھ کر فرمایا' اے شخص جس نے تجھے یہ اکرام دیا ہے' اس کی روش ایسی نہ تھی- اس نے اسی وقت توبہ کر لی- ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ایسے شخص کو دیکھ کر فرمایا کہ شیطان کے یہی بھائی ہوتے ہیں- حضرت خالد بن معدان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' لوگو اکڑ اکڑ کر چلنا چھوڑو اس لئے کہ انسان ----- (اصل عربی میں کچھ عبارت غائب ہے) اس کا ہاتھ اس کے باقی جسم سے (ابن ابی الدنیا)- ابن ابی الدنیا میں حدیث ہے کہ جب میری امت غرور اور تکبر کی چال چلنے لگے گی اور فارسیوں اور رومیوں کو اپنی خدمت میں لگائے گی تو اللہ تعالیٰ ایک کو ایک پر مسلط کر دے گا- سَيِّئُهٗ کی دوسری

قرات سَیِّئُہٗ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ جن جن کاموں سے ہم نے تمہیں روکا ہے' یہ سب کام نہایت برے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ ہیں۔ یعنی اپنی اولاد کو قتل نہ کرو سے لے کر اکڑ کر نہ چلو تک کے تمام کام۔ اور سیئۃ کی قرات پر مطلب یہ ہے کہ وَ قَضٰی رَبُّکَ سے یہاں تک جو حکم احکام اور جو ممانعت اور روک بیان ہوئی' اس میں جن برے کاموں کا ذکر ہے' وہ سب اللہ کے نزدیک مکروہ کام ہیں۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے یہی توجیہہ بیان فرمائی ہے۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

یہ بھی منجملہ اس وحی کے ہے جو تیری جانب رب نے حکمت سے اتاری ہے' تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنانا کہ ملامت خوردہ اور راندہ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے ○ کیا بیٹوں کے لئے تو اللہ نے تمہیں چھانٹ لیا اور خود اپنے لئے فرشتوں کو لڑکیاں بنا لیں؟ بے شک تم بہت بڑا بول بول رہے ہو ○ ہم نے تو اس قرآن میں ہر ہر طرح بیان فرما دیا کہ لوگ سمجھ جائیں لیکن اس پر بھی انہیں تو نفرت ہی بڑھتی رہتی ہے ○

ذلیل کن عادتیں: ☆☆ (آیت:۳۹) یہ احکام ہم نے دیئے ہیں۔ سب بہترین اوصاف ہیں اور جن باتوں سے ہم نے روکا ہے' وہ بڑی ذلیل خصلتیں ہیں۔ ہم یہ سب باتیں تیری طرف بذریعہ وحی کے نازل فرما رہے ہیں کہ تو لوگوں کو حکم دے اور منع کرے۔ دیکھ میرے ساتھ کسی کو معبود نہ ٹھہرانا ورنہ وہ وقت آئے گا کہ خود اپنے تئیں ملامت کرنے لگے گا اور اللہ کی طرف سے بھی ملامت ہوگی بلکہ تمام اور مخلوق کی طرف سے بھی اور تو ہر بھلائی سے دور کر دیا جائے گا۔ اس آیت میں بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت سے خطاب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں۔

مجرمانہ سوچ پر تبصرہ: ☆☆ (آیت:۴۰) ملعون مشرکوں کی تردید ہو رہی ہے کہ یہ تم نے خوب تقسیم کی ہے کہ بیٹے تمہارے اور بیٹیاں اللہ کی۔ جو تمہیں ناپسند' جن سے تم جلو کڑھو بلکہ زندہ درگور کر دو' انہیں اللہ کے لئے ثابت کرو۔ اور آیتوں میں بھی ان کا یہ کمینہ پن بیان ہوا ہے کہ یہ کہتے ہیں اللہ رحمان کی اولاد ہے حقیقتاً ان کا یہ قول نہایت ہی برا ہے بہت ممکن ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائے' زمین شق ہو جائے' پہاڑ چورا چورا ہو جائیں کہ یہ اللہ رحمان کی اولاد ٹھہرا رہے ہیں حالانکہ اللہ کو یہ کسی طرح لائق ہی نہیں۔ زمین و آسمان کی کل مخلوق اس کی غلام ہے۔ سب اس کے شمار میں ہیں اور گنتی میں اور ایک ایک اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا پیش ہونے والا ہے۔

دلائل کے ساتھ ہدایت: ☆☆ (آیت:۴۱) اس پاک کتاب میں ہم نے تمام مثالیں کھول کھول کر بیان فرما دی ہیں۔ وعدے وعید صاف طور پر مذکور ہیں تا کہ لوگ برائیوں سے اور اللہ کی نافرمانیوں سے بچیں۔ لیکن تاہم ظالم لوگ تو حق سے نفرت رکھنے اور اس سے دور بھاگنے میں ہی بڑھ رہے ہیں۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

کہہ دے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ اب تک تو مالک عرش کی جانب راہ ڈھونڈ نکالتے ○ جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے وہ پاک اور بالاتر، بہت دور اور بہت بلند ہے ○ ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے سب اسی کی تسبیح کر رہے ہیں ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو- ہاں یہ صحیح ہے کہ تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے ○

لوگو عقل کے ناخن لو: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۳) جو مشرک اللہ کے ساتھ اوروں کی بھی عبادت کرتے ہیں اور انہیں شریک الہ مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہی کی وجہ سے ہم قرب الٰہی حاصل کر سکتے ہیں ان سے کہو کہ اگر تمہارا یہ گمان فاسد کچھ بھی جان رکھتا ہوتا اور اللہ کے ساتھ واقعی کوئی ایسے معبود ہوتے کہ وہ جسے چاہیں قرب الٰہی دلوا دیں اور جس کی جو چاہیں سفارش کر دیں تو خود وہ معبود ہی اس کی عبادت کرتے- اس کا قرب ڈھونڈتے- پس تمہیں صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے نہ اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ دوسرے معبود کی کوئی ضرورت کہ اللہ میں اور تم میں وہ واسطہ بنے- اللہ کو یہ واسطے سخت ناپسند اور مکروہ معلوم ہوتے ہیں اور ان سے وہ انکار کرتا ہے- اپنے تمام نبیوں رسولوں کی زبان سے اس سے منع فرماتا ہے- اس کی ذات ظالموں کے بیان کردہ اس وصف سے بالکل پاک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں- ان آلودگیوں سے ہمارا مولا پاک ہے وہ احد اور صمد ہے وہ ماں باپ اور اولاد سے پاک ہے اس کی جنس کا کوئی نہیں-

سبحان العلی الاعلی: ☆☆ (آیت: ۴۴) ساتوں آسمان و زمین اور ان میں بسنے والی کل مخلوق اس کی قدوسیت، تسبیح، تنزیہ، تعظیم، جلالت، بزرگی، بڑائی پاکیزگی اور تعریف بیان کرتی ہے اور مشرکین جو نکمے اور باطل اوصاف ذات الٰہی کے لئے مانتے ہیں ان سے یہ تمام مخلوق برات کا اظہار کرتی ہے اور اس کی الوہیت اور ربوبیت میں اسے واحد اور لاشریک مانتی ہے- ہر ہستی اللہ کی توحید کی زندہ شہادت ہے- ان نالائق لوگوں کے اقوال سے مخلوق تکلیف میں ہے- قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے زمین دھنس جائے پہاڑ ٹوٹ جائیں-

طبرانی میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان سے جبرائیل و میکائیل مسجد اقصیٰ تک شب معراج میں لے گئے- جبرئیل آپ کے دائیں تھے اور میکائیل بائیں- آپؐ کو ساتوں آسمان تک اڑا لے گئے- وہاں سے آپ لوٹے آپؐ فرماتے ہیں کہ میں نے بلند آسمانوں میں بہت سی تسبیحوں کے ساتھ یہ تسبیح سنی کہ سَبَّحَتِ السَّمٰوَاتُ الْعُلٰى مِنْ ذِى الْمُهَابَةِ مُشْفِقَاتِ الذِّى الْعُلُوِّ بِمَا عَلَا سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْاَعْلٰى سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى مخلوق میں سے ہر ایک چیز اس کی پاکیزگی اور تعریف بیان کرتی ہے- لیکن اے لوگو! تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے اس لئے کہ وہ تمہاری زبان میں نہیں- حیوانات نباتات جمادات سب اس کی تسبیح خواں ہیں-

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ کھانا کھاتے میں کھانے کی تسبیح ہم سنتے رہتے تھے- ابوذر والی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی مٹھی میں چند کنکریاں لیں میں نے خود سنا کہ وہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح اللہ کی تسبیح کر رہی تھیں- اسی طرح

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں بھی ۔ یہ حدیث صحیح میں اور مسندوں میں مشہور ہے ۔ کچھ لوگوں کو حضور ﷺ نے اپنی اونٹنیوں اور جانوروں پر سوار کھڑے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ سواری سلامتی کے ساتھ لو اور پھر اچھائی سے چھوڑ دیا کرو' راستوں اور بازاروں میں اپنی سواریوں کو لوگوں سے باتیں کرنے کی کرسیاں نہ بنالیا کرو ۔ سنو بہت سی سواریاں اپنے سواروں سے بھی زیادہ ذکر اللہ کرنے والی اور ان سے بھی بہتر افضل ہوتی ہیں ۔ (مسند احمد) سنن نسائی میں ہے کہ حضور ﷺ نے مینڈک کے مار ڈالنے کو منع فرمایا اور فرمایا اس کا بولنا اللہ کی تسبیح ہے ۔ اور حدیث میں ہے کہ لا الہ الا اللہ کا کلمہ اخلاص کہنے کے بعد ہی کسی کی نیکی قابل قبول ہوتی ہے ۔ الحمدللہ کلمہ شکر ہے اس کا نہ کہنے والا ناشکرا ہے ۔ اللہ اکبر زمین و آسمان کی فضا بھر دیتا ہے ۔ سبحان اللہ کا کلمہ مخلوق کی تسبیح ہے ۔ اللہ نے کسی مخلوق کو تسبیح اور نماز کے اقرار سے باقی نہیں چھوڑا ۔ جب کوئی لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرا بندہ مطیع ہوا اور مجھے سونپا ۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی طیالسی جبہ پہنے ہوئے جس میں ریشمی کف اور ریشمی گھنڈیاں تھیں' آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس شخص کا ارادہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ چرواہوں کے لڑکوں کو اونچا کرے اور سرداروں کے لڑکوں کو ذلیل کرے ۔ آپ کو غصہ آ گیا اور اس کا دامن گھسیٹتے ہوئے فرمایا کہ تجھے میں جانوروں کا لباس پہنے ہوئے تو نہیں دیکھتا؟ پھر حضور ﷺ واپس چلے آئے اور بیٹھ کر فرمانے لگے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے بچوں کو بلا کر فرمایا کہ میں تمہیں بطور وصیت کے دو حکم دیتا ہوں اور دو ممانعت ۔ ایک تو میں تمہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے منع کرتا ہوں ۔ دوسرے تکبر سے روکتا ہوں اور پہلے حکم تو تمہیں یہ کرتا ہوں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے رہو اس لئے کہ اگر آسمان اور زمین اور ان میں کی تمام چیزیں ترازو کے پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسرے میں صرف یہی کلمہ ہو تو بھی یہی کلمہ وزنی رہے گا ۔ سو اگر تمام آسمان و زمین ایک حلقہ بنا دیئے جائیں اور ان پر اس کو رکھ دیا جائے تو وہ انہیں پاش پاش کر دے' دوسرا حکم میرا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ پڑھنے کا ہے کہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کی وجہ سے ہر ایک کو رزق دیا جاتا ہے ۔ ابن جریر میں ہے کہ آپ نے فرمایا' آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ حضرت نوح علیہ اسلام نے اپنے لڑکے کو کیا حکم دیا ۔ فرمایا کہ پیارے بچے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سبحان اللہ کہا کرو ۔ یہ کل مخلوق کی تسبیح ہے اور اسی سے مخلوق کو روزی دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہر چیز اس کی تسبیح و حمد بیان کرتی ہے اس کی اسناد بوجہ اودی راوی کے ضعیف ہے ۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ستون' درخت' دروازوں کی چولیں' ان کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز' پانی کی کھڑ کھڑاہٹ یہ سب اللہ کی تسبیح ہے اللہ فرماتا ہے کہ ہر چیز حمد و ثنا کے بیان میں مشغول ہے ۔ ابراہیم کہتے ہیں' طعام بھی تسبیح خوانی کرتا ہے سورہ حج کی آیت بھی اس کی شہادت دیتی ہے ۔ اور مفسرین کہتے ہیں کہ ہر ذی روح چیز تسبیح خواں ہے جیسے حیوانات اور نباتات ۔

ایک مرتبہ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ کے پاس خوان آیا تو ابو یزید قاشی نے کہا کہ اے ابوسعید کیا یہ خوان بھی تسبیح گو ہے آپ نے فرمایا' ہاں تھا ۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک تر لکڑی کی صورت میں تھا' تسبیح گو تھا' جب کٹ کر سوکھ گیا تسبیح جاتی رہی ۔ اس قول کی تائید میں اس حدیث سے بھی مدد لی جاسکتی ہے کہ حضور ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہیں فرماتے ہیں انہیں عذاب کیا جا رہا ہے اور کسی بڑی چیز میں نہیں' ایک تو پیشاب کے وقت پردے کا خیال نہیں کرتا تھا' اور دوسرا چغل خور تھا ۔ پھر آپ نے ایک تر ٹہنی لے کر اس کے دو ٹکڑے کر کے دو قبروں پر گاڑ دیئے اور فرمایا کہ شاید جب تک یہ خشک نہ ہوں' ان کے عذاب میں تخفیف رہے (بخاری و مسلم) اس سے بعض علماء نے کہا ہے کہ جب تک یہ تر رہیں گی' تسبیح پڑھتی رہیں گی' جب خشک ہو جائیں گی' تسبیح بند ہو جائے گی واللہ اعلم ۔ اللہ تعالیٰ حلیم و غفور ہے اپنے گنہگاروں کو سزا کرنے میں جلدی نہیں کرتا' تاخیر کرتا ہے' ڈھیل دیتا ہے پھر بھی اگر کفر و فسق پر اڑا رہے تو اچانک عذاب مسلط کر دیتا ہے ۔ صحیحین میں ہے' اللہ

تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب مواخذہ کرتا ہے تو نہیں چھوڑتا - دیکھو قرآن میں ہے کہ جب تیرا رب کسی بستی کے لوگوں کو ان کے مظالم پر پکڑتا ہے تو پھر ایسی ہی پکڑ ہوتی ہے الخ اور آیت میں ہے کہ بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے مہلت دی پھر آخرش پکڑ لیا - اور آیت میں ہے وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ الخ ہاں جو گناہوں سے رک جائے ان سے ہٹ جائے توبہ کرے تو اللہ بھی اس پر رحم اور مہربانی کرتا ہے - جیسے آیت قرآن میں ہے جو شخص برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر استغفار کرے تو تو اللہ کو بخشنے والا اور مہربان پائے گا - سورہ فاطر کے آخر کی آیتوں میں یہی بیان ہے -

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

تو جب قرآن پڑھتا ہے ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایک پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں ○ اور ان کے دلوں پر ہم پردے ڈال دیتے ہیں کہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ اور جب تو صرف اللہ ہی کا ذکر اس کی توحید کے ساتھ اس قرآن میں کرتا ہے تو وہ روگردانی کرتے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں ○

کفار کا ایک نفسیاتی تجزیہ: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۶) فرماتا ہے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت ان کے دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں کوئی اثر ان کے دلوں تک نہیں پہنچتا - وہ حجاب انہیں چھپا لیتا ہے یہاں مستور ساتر کے معنی میں ہے جیسے میمون اور مشؤم معنی میں یامن اور شائم کے ہیں - وہ پردے گو بہ ظاہر نظر نہ آئیں لیکن ہدایت میں اور ان میں وہ حد فاصل ہو جاتے ہیں - مسند ابو یعلی موصلی میں ہے کہ سورہ تبت یدا کے اترنے پر عورت ام جمیل شور مچاتی دھاری دار پتھر ہاتھ میں لئے یہ کہتی ہوئی آئی کہ اس مذمم کو ہم ماننے والے نہیں ہمیں اس کا دین ناپسند ہے ہم اس کے فرمان کے مخالف ہیں - اس وقت رسول کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تھے - کہنے لگے حضور ﷺ یہ آ رہی ہے اور آپ کو دیکھ لے گی - آپ نے فرمایا بے فکر رہو - یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی اور آپ نے اس سے بچنے کے لئے تلاوت قرآن شروع کر دی - یہی آیت تلاوت فرمائی - وہ آئی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھنے لگی کہ میں نے سنا ہے تمہارے نبی ﷺ نے میری ہجو کی ہے آپ نے فرمایا نہیں رب کعبہ کی قسم تیری کوئی ہجو حضور ﷺ نے نہیں کی وہ یہ کہتی ہوئی لوٹی کہ تمام قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی لڑکی ہوں - اکنہ کنان کی جمع ہے - اس پردے نے ان کے دلوں کو ڈھک رکھا ہے جس سے یہ قرآن سمجھ نہیں سکتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے جس سے وہ قرآن اس طرح سن نہیں سکتے کہ انہیں فائدہ پہنچے - اور جب تو قرآن میں اللہ کی وحدانیت کا ذکر پڑھتا ہے تو یہ بے طرح بھاگ کھڑے ہوتے ہیں - نفور جمع ہے نافر کی جیسے قاعد کی جمع قعود آتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ مصدر بغیر فعل ہو واللہ اعلم - جیسے اور آیت میں ہے کہ اللہ واحد کے ذکر سے بے ایمانوں کے دل اچاٹ ہو جاتے ہیں - مسلمانوں کا لا الہ الا اللہ کہنا مشرکوں پر بہت گراں گزرتا تھا - ابلیس اور اس کا لشکر اس سے بہت چڑتا تھا - اس کے دبانے کی پوری کوشش کرتا تھا لیکن اللہ کا ارادہ ان کے برخلاف اسے بلند کرنے اور عزت دینے اور پھیلانے کا تھا - یہی وہ کلمہ ہے کہ اس کا قائل فلاح پاتا ہے - اس کا عامل مدد دیا جاتا ہے - دیکھ لو

اس جزیرے کے حالات تمہارے سامنے ہیں کہ یہاں سے وہاں تک یہ پاک کلمہ پھیل گیا ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد شیطانوں کا بھاگنا ہے گو بات یہ ٹھیک ہے اللہ کے ذکر سے اذان سے تلاوت قرآن سے شیطان بھاگتا ہے لیکن اس آیت کی یہ تفسیر کرنا غرابت سے خالی نہیں ۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰٓی اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۴۸﴾

اسے سننے کے وقت ان کی نیتوں سے ہم خوب آگاہ ہیں ۔ جب یہ تیری طرف کان لگائے ہوئے ہوتے ہیں تب بھی اور جب یہ مشورہ کرتے ہیں تب بھی جب کہ یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم تو اس کی تابعداری میں لگے ہوئے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے ○ دیکھو تو سہی کہ تیری کیا کیا مثالیں بیان کرتے پھرتے ہیں اور بہک رہے ہیں ۔ اب تو راہ پانا ان کے بس میں نہیں رہا ○

سرداران کفر کا المیہ : ☆☆ (آیت: ۴۷-۴۸) سرداران کفر جو آپس میں باتیں بناتے تھے وہ آنحضرت ﷺ کو پہنچائی جا رہی ہیں کہ آپ تو تلاوت میں مشغول ہوتے ہیں یہ چپکے چپکے کہا کرتے ہیں کہ اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ یہ تو ایک انسان ہے جو کھانے پینے کا محتاج ہے ۔ گو یہ لفظ اسی معنی میں شعر میں بھی ہے اور امام ابن جریرؒ نے اسی کو ٹھیک بھی بتلایا ہے لیکن ہے یہ غور طلب ۔ ان کا ارادہ اس موقع پر اس کہنے سے یہ تھا کہ خود یہ جادو میں مبتلا ہے کوئی ہے جو اسے اس موقع پر کچھ پڑھا جاتا ہے ۔ کافر لوگ طرح طرح کے وہم آپ کی نسبت ظاہر کرتے تھے کوئی کہتا آپ شاعر ہیں کوئی کہتا کاہن ہیں کوئی مجنوں بتلاتا کوئی جادوگر وغیرہ ۔ اس لئے فرماتا ہے کہ دیکھو یہ کیسے بہک رہے ہیں کہ حق کی جانب آ ہی نہیں سکتے ۔ سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ ابوسفیان بن حرب ابوجہل بن ہشام اخنس بن شریق رات کے وقت اپنے اپنے گھروں سے کلام اللہ شریف حضور ﷺ کی زبانی سننے کے لئے نکلے ۔ آپ اپنے گھر میں رات کو نماز پڑھ رہے تھے ۔ یہ لوگ آ کر چپ چاپ چھپ کر ادھر ادھر بیٹھ گئے ۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی رات کو سنتے رہے فجر ہوتے وقت یہاں سے چلے اتفاقاً راستے میں سب کی آپس میں ملاقات ہو گئی ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے اب سے یہ حرکت نہ کرنا ورنہ اور لوگ تو بالکل اسی کے ہو جائیں گے ۔ لیکن رات کو پھر یہ تینوں آ گئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر قرآن سننے میں رات گزاری ۔ صبح واپس چلے راستے میں مل گئے پھر سے کل کی باتیں دوہرائیں اور آج پختہ ارادہ کیا کہ اب سے ایسا کام ہرگز کوئی نہ کرے گا ۔ تیسری رات پھر یہی ہوا اب کے انہوں نے کہا آؤ عہد کر لیں کہ اب نہیں آئیں گے چنانچہ قول وقرار کر کے جدا ہوئے ۔

صبح کو اخنس اپنی لاٹھی سنبھالے ابوسفیان کے گھر پہنچا اور کہنے لگا ابوحنظلہ مجھے بتاؤ تمہاری اپنی رائے آنحضرت ﷺ کی بابت کیا ہے؟ اس نے کہا ابوثعلبہ جو آیتیں قرآن کی میں نے سنی ہیں ان میں سے بہت سی آیتوں کا تو مطلب میں جان گیا لیکن بہت سی آیتوں کی مراد مجھے معلوم نہیں ہوئی ۔ اخنس نے کہا واللہ میرا بھی یہی حال ہے ۔ یہاں سے ہو کر اخنس ابوجہل کے پاس پہنچا ۔ اس سے بھی یہی سوال کیا اس نے کہا سنئے ۔ شرافت وسرداری کے بارے میں ہمارا بنو عبد مناف سے مدت کا جھگڑا چلا آتا ہے انہوں نے کھلایا تو ہم نے بھی کھلانا شروع کر دیا ۔ انہوں نے سواریاں دیں تو ہم نے بھی انہیں سواریوں کے جانور دیئے ۔ انہوں نے لوگوں کے ساتھ سلوک کئے اور ان انعامات میں ہم نے بھی ان سے پیچھے رہنا پسند نہ کیا ۔ اب جب کہ تمام باتوں میں وہ اور ہم برابر رہے اس دوڑ میں جب وہ بازی لے جا نہ سکے تو جھٹ سے

انہوں نے کہہ دیا کہ ہم میں نبوت ہے' ہم میں ایک شخص ہے جس کے پاس آسمانی وحی آتی ہے' اب بتاؤ اس کو ہم کیسے مان لیں؟ واللہ نہ اس پر ہم ایمان لائیں گے نہ کبھی اسے سچا کہیں گے۔ اسی وقت اخنس اسے چھوڑ کر چل دیا۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾

کہنے لگے کہ کیا جب کہ ہم ہڈیاں اور مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش میں پھر دوبارہ اٹھا کر کھڑے کر دیئے جائیں گے؟ ○ جواب دے کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا کوئی اور ایسی خلقت جو تمہارے دلوں میں بہت ہی سخت معلوم ہو ○ اب یہ پوچھیں گے کہ کون ہے جو دوبارہ ہماری زندگی لوٹائے؟ تو جواب دے کہ وہی اللہ جس نے تمہیں اول بار پیدا کیا' اس پر وہ اپنے سر ہلا ہلا کر تجھ سے دریافت کریں گے کہ اچھا یہ ہے کب؟ تو جواب دے کہ کیا عجب کہ وہ قریب ہی آن لگی ہو؟ ○ جس دن وہ تمہیں بلائے گا' تم اس کی تعریف کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے اور گمان کرنے لگو گے کہ تمہارا رہنا بہت ہی تھوڑا ہوا ○

سب دوبارہ پیدا ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۲) کافر جو قیامت کے قائل نہ تھے اور مرنے کے بعد کے جینے کو محال جانتے تھے' وہ بطور انکار پوچھا کرتے تھے کہ کیا ہم جب ہڈی اور مٹی ہو جائیں گے' غبار بن جائیں گے' کچھ نہ رہیں گے' بالکل مٹ جائیں گے' پھر بھی نئی پیدائش سے پیدا ہوں گے؟ سورہ نازعات میں ان منکروں کا قول بیان ہوا ہے کہ کیا ہم مرنے کے بعد الٹے پاؤں زندگی میں لوٹائے جائیں گے؟ اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ ہماری ہڈیاں بھی گل سڑ گئی ہوں؟ بھئی یہ تو بڑے ہی خسارے کی بات ہے۔ سورہ یٰسین میں ہے کہ یہ ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے بیٹھ گیا اور اپنی پیدائش کو فراموش کر گیا۔ الخ۔ پس انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ ہڈیاں تو کیا تم خواہ پتھر بن جاؤ خواہ لوہا بن جاؤ۔ خواہ اس سے بھی زیادہ سخت چیز بن جاؤ مثلاً پہاڑ یا زمین یا آسمان بلکہ تم خود موت ہی کیوں نہ بن جاؤ' اللہ پر تمہارا جلانا مشکل نہیں' جو چاہو ہو جاؤ' دوبارہ اٹھو گے ضرور۔ حدیث میں ہے کہ بھیڑیئے کی صورت میں موت کو قیامت کے دن جنت و دوزخ کے درمیان لایا جاتا ہے اور دونوں سے کہا جائے گا کہ اسے پہچانتے ہو؟ سب کہیں گے ہاں' پھر اسے وہیں ذبح کر دیا جائے گا اور منادی ہو جائے گی کہ اے جنتیو اب دوام ہے موت نہیں اور اے جہنمیو! اب ہمیشہ قیام ہے' موت نہیں۔

یہاں فرمان ہے کہ یہ پوچھتے ہیں کہ اچھا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں یا پتھر اور لوہا ہو جائیں گے یا جو ہم چاہیں اور جو بڑی سے بڑی سخت چیز ہو' وہی ہم ہو جائیں تو یہ تو بتلاؤ کہ کس کے اختیار میں ہے کہ اب ہمیں پھر سے اس زندگی کی طرف لوٹا دے؟ ان کے اس سوال اور بے جا اعتراض کے جواب میں تو انہیں سمجھا کہ تمہیں لوٹانے والا تمہارا سچا خالق اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے جب کہ تم کچھ نہ تھے پھر اس پر دوسری بار کی پیدائش کیا گراں ہے بلکہ بہت آسان ہے تم خواہ کچھ بھی بن جاؤ۔ یہ جواب چونکہ لاجواب ہے' بھونچکے تو ہو جائیں گے لیکن پھر بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئیں گے' بدعقیدگی نہ چھوڑیں گے اور بطور مذاق سر ہلاتے ہوئے کہیں گے کہ اچھا یہ ہوگا کب؟

سچے ہو تو وقت کا تعین کر دو۔ بے ایمانوں کا یہ شیوہ ہے کہ وہ جلدی مچاتے رہتے ہیں۔ ہاں ہے تو وہ وقت قریب ہی' تم اس کے لئے انتظار کر لو' غفلت نہ برتو اس کے آنے میں کوئی شک نہیں' آنے والی چیز کو آئی ہوئی سمجھا کرو۔ اللہ کی ایک آواز کے ساتھ ہی تم زمین سے نکل کھڑے ہو گے۔ ایک آنکھ جھپکانے کی دیر بھی تو نہ لگے گی۔ اللہ کے فرمان کے ساتھ ہی تم سے میدان محشر پر ہو جائے گا۔ قبروں سے اٹھ کر اللہ کی تعریفیں کرتے ہوئے اس کے احکام کی بجا آوری میں کھڑے ہو جاؤ گے۔ حمد کے لائق وہی ہے' تم اس کے حکم سے اور ارادے سے باہر نہیں ہو۔ حدیث میں ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ کہنے والوں پر ان کی قبر میں کوئی وحشت نہیں ہو گی گویا کہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ قبروں سے اٹھ رہے ہیں' اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ کہیں گے کہ اللہ کی حمد ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ سورہ فاطر کی تفسیر میں یہ بیان آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

اس وقت تمہارا یقین ہو گا کہ تم بہت ہی کم مدت دنیا میں رہے گویا صبح یا شام' کوئی کہے گا دس دن' کوئی کہے گا ایک دن' کوئی سمجھے گا ایک ساعت ہی۔ سوال پر یہی کہیں گے کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ہی اور اس پر قسمیں کھائیں گے۔ اسی طرح دنیا میں بھی اپنے جھوٹ پر قسمیں کھاتے رہے تھے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

میرے بندوں سے کہہ دے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا رہتا ہے' بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ○ تمہارا رب تم سے بہ نسبت تمہارے بھی بہت زیادہ جاننے والا ہے' وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کر دے چاہے تمہیں سزا دے۔ ہم نے تجھے ان کا ذمہ دار ٹھہرا کر نہیں بھیجا ○ آسمان وزمین میں جو بھی ہیں' تیرا رب سب کو بخوبی جانتا ہے' ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر بہتری اور برتری دے رکھی ہے۔ داؤد کو زبور ہم نے ہی عطا فرمائی ہے ○

مسلمانو ایک دوسرے کا احترام کرو: ☆☆ (آیت: ۵۳) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ مومن بندوں سے فرما دیں کہ وہ اچھے لفظوں اور بہتر فقروں اور تہذیب سے کلام کرتے رہیں ورنہ شیطان ان کے آپس میں سر پھٹول اور برائی ڈلوا دے گا۔ لڑائی جھگڑے شروع ہو جائیں گے۔ وہ انسان کا دشمن ہے۔ گھات میں لگا رہتا ہے' اسی لئے حدیث میں مسلمان بھائی کی طرف کسی ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی حرام ہے کہ کہیں شیطان اسے لگا نہ دے اور یہ جہنمی نہ بن جائے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد۔ حضور ﷺ نے لوگوں کے ایک مجمع میں فرمایا کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں' کوئی کسی پر ظلم وستم نہ کرے' کوئی کسی کو بے عزت نہ کرے پھر آپ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' تقویٰ یہاں ہے۔ جو دو شخص آپس میں دینی دوست ہوں' پھر ان میں جدائی ہو جائے' اسے ان میں سے جو بیان کرے وہ بیان کرنے والا برا ہے۔ وہ بدتر ہے۔ وہ نہایت شریر ہے (مسند)

افضل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام: ☆☆ (آیت:۵۴-۵۵) تمہارا رب تم سے بخوبی واقف ہے وہ ہدایت کے مستحق لوگوں کو بخوبی جانتا ہے۔ وہ جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے اپنی اطاعت کی توفیق دیتا ہے اور اپنی جانب جھکا لیتا ہے۔ اسی طرح جسے چاہے بداعمالی پر پکڑ لیتا ہے اور سزا دیتا ہے۔ ہم نے تجھے ان کا ذمہ دار نہیں بنایا' تیرا کام صرف ہوشیار کر دینا ہے' تیری ماننے والے جنتی ہوں گے اور نہ ماننے والے دوزخی بنیں گے۔ زمین و آسمان کے تمام انسان' جنات' فرشتوں کا اسے علم ہے۔ ہر ایک کے مراتب کا اسے علم ہے' ایک کو ایک پر فضیلت ہے۔ نبیوں میں بھی درجے ہیں' کوئی کلیم اللہ ہے' کوئی بلند درجہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبیوں میں فضیلتیں قائم نہ کیا کرو اس سے مطلب صرف تعصب اور نفس پرستی سے اپنے طور پر فضیلت قائم کرنا ہے نہ یہ کہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ فضیلت سے بھی انکار جو فضیلت جس نبی کی از روئے دلیل ثابت ہو جائے گی' اس کا ماننا واجب ہے۔

مانی ہوئی بات ہے کہ تمام انبیا سے رسول افضل ہیں اور رسولوں میں پانچ اولوالعزم رسول سب سے افضل ہیں جن کا نام سورۃ احزاب کی آیت میں ہے یعنی محمد' نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ' صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین۔ سورہ شوریٰ کی آیت شَرَعَ لَكُمْ الخ میں بھی ان پانچوں کے نام موجود ہیں۔ جس طرح یہ سب چیزیں ساری امت مانتی ہے' اسی طرح بغیر اختلاف کے یہ بھی ثابت ہے کہ ان میں بھی سب سے افضل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا کہ مشہور ہے' ہم نے اس کے دلائل اور جگہ تفصیل سے بیان کئے ہیں واللہ الموفق۔ پھر فرماتا ہے ہم نے داؤد پیغمبر علیہ السلام کو زبور دی۔ یہ بھی ان کی فضیلت اور شرف کی دلیل ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن اتنا آسان کر دیا گیا تھا کہ جانور پر زین کسی جائے' اتنی سی دیر میں آپ قرآن پڑھ لیا کرتے تھے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝۵۶ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝۵۷

کہہ دے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو' انہیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں ○ جنہیں یہ لوگ پکارتے رہتے ہیں' خود وہ اپنے رب کی نزدیکی کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے' وہ خود اس کی رحمت کی امیدواری میں لگے رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف زدہ ہو رہے ہیں' بات بھی یہی ہے کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے ○

وسیلہ یا قرب الٰہی: ☆☆ (آیت:۵۶-۵۷) اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرنے والوں سے کہئے کہ تم انہیں خوب پکار کر دیکھ لو کہ آیا وہ تمہارے کچھ بھی کام آ سکتے ہیں؟ نہ ان کے بس کی یہ بات ہے کہ مشکل کشائی کریں نہ یہ بات کہ اسے کسی اور پر ٹال دیں وہ محض بے بس ہیں' قادر اور طاقت والا صرف اللہ واحد ہی ہے۔ مخلوق کا خالق اور سب کا حکمران وہی ہے۔ یہ مشرک کہا کرتے تھے کہ ہم فرشتوں' مسیح اور عزیر کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کے معبود تو خود اللہ کی نزدیکی کی جستجو میں ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جن جنات کی یہ مشرکین پرستش کرتے تھے' وہ خود مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن یہ اب تک اپنے کفر پر جمے ہوئے ہیں۔ اس لئے انہیں خبردار کیا گیا کہ تمہارے معبود خود اللہ کی طرف جھک گئے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' یہ جن فرشتوں کی ایک قسم سے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت مریم علیہ

السلام' حضرت عزیر علیہ السلام' سورج' چاند' فرشتے سب قرب اللہ کی تلاش میں ہیں - ابن جریر فرماتے ہیں' ٹھیک مطلب یہ ہے کہ جن جنوں کو یہ پوجتے تھے' آیت میں وہی مراد ہیں کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام وغیرہ کا زمانہ تو گزر چکا تھا اور فرشتے پہلے ہی سے عابد اللہ تھے تو مراد یہاں بھی جنات ہیں - وسیلہ کے معنی قربت و نزدیکی کے ہیں جیسے کہ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے - یہ سب بزرگ اسی دھن میں ہیں کہ کون اللہ سے زیادہ نزدیکی حاصل کر لے؟ وہ اللہ کی رحمت کے خواہاں اور اس کے عذاب سے ترساں ہیں - حقیقت میں بغیر ان دونوں باتوں کے عبادت نامکمل ہے - خوف گناہوں سے روکتا ہے اور امید اطاعت پر آمادہ کرتی ہے - درحقیقت اس کے عذاب ڈرنے کے لائق ہیں - اللہ ہمیں بچائے -

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

جتنی بھی بستیاں ہیں' ہم قیامت کے دن سے پہلے پہلے یا تو انہیں ہلاک کر دینے والے ہیں یا سخت تر سزا دینے والے ہیں - یہ تو کتاب میں لکھا جا چکا ہے ○ ہمیں نشانات کے نازل کرنے سے روک صرف اسی کی ہے کہ اگلے لوگ انہیں جھٹلا چکے ہیں - ہم نے ثمودیوں کو بطور نشان کے اونٹنی دی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا' ہم تو لوگوں کو صرف دھمکانے کے لئے ہی نشانات بھیجتے ہیں ○

(آیت:۵۸) وہ نوشتہ جو لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے' وہ حکم جو جاری کر دیا گیا ہے' اس کا بیان اس آیت میں ہے کہ گنہگاروں کی بستیاں یقیناً ویران کر دی جائیں گی یا ان کے گناہوں کی وجہ سے تباہی کے قریب ہو جائیں گی' اس میں ہماری جانب سے کوئی ظلم نہ ہوگا بلکہ ان کے اپنے کرتوت کا خمیازہ ہوگا' ان کے اعمال کا وبال ہوگا' رب کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے سرکشی کرنے کا پھل ہوگا -

عجیب و غریب مانگ: ☆☆ (آیت:۵۹) حضور ﷺ کے زمانے کے کافروں نے آپ سے کہا کہ حضرت آپؐ کے پہلے کے انبیاء میں سے بعض کے تابع ہوا تھی' بعض مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے' وغیرہ - اب اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم بھی آپؐ پر ایمان لائیں تو آپؐ اس صفا پہاڑ کو سونے کا کر دیجئے - ہم آپ کی سچائی کے قائل ہو جائیں گے - آپؐ پر وحی آئی کہ اگر آپؐ کی بھی یہی خواہش ہو تو میں اس پہاڑ کو ابھی سونے کا بنا دیتا ہوں لیکن یہ خیال رہے کہ اگر پھر بھی یہ ایمان نہ لائے تو اب انہیں مہلت نہ ملے گی - فی الفور عذاب آ جائے گا اور تباہ کر دیئے جائیں گے - اور اگر آپ کو انہیں تاخیر دینے اور سوچنے کا موقع دینا منظور ہے تو میں ایسا کروں - آپؐ نے فرمایا' الٰہی میں انہیں باقی رکھنے میں ہی خوش ہوں - مسند میں اتنا اور بھی ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ باقی کی اور پہاڑیاں یہاں سے کھسک جائیں تا کہ ہم یہاں کھیتی باڑی کر سکیں - الخ اس پر یہ آیت نازل ہوئی -

اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے دعا مانگی جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا آپؐ کا پروردگار آپؐ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپؐ چاہیں تو صبح کو ہی یہ پہاڑ سونے کا ہو جائے گا لیکن اگر پھر بھی ان میں سے کوئی ایمان نہ لایا تو اسے وہ سزا ہوگی جو اس سے پہلے کسی کو نہ

ہوئی ہو اور اگر آپ کا ارادہ ہو تو میں ان پر توبہ اور رحمت کے دروازے کھلے چھوڑ دوں - آپ نے دوسری شق اختیار کی - مسند ابو یعلی میں ہے کہ آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الخ جب اتری تو تعمیل ارشاد کے لئے جبل ابی قبیس پر چڑھ گئے اور فرمانے لگے' اے بنی عبد مناف میں تمہیں ڈرانے والا ہوں - قریش یہ آواز سنتے ہی جمع ہو گئے پھر کہنے لگے' سنئے آپ نبوت کے مدعی ہیں - سلیمان نبی علیہ السلام کے تابع ہوا تھی' موسیٰ نبی علیہ السلام کے تابع دریا ہو گیا تھا' عیسیٰ نبی علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے - تو بھی نبی ہے اللہ سے کہہ کہ یہ پہاڑ یہاں سے ہٹوا کر زمین قابل زراعت بنا دے تا کہ ہم کھیتی باڑی کریں - یہ نہیں تو ہمارے مردوں کی زندگی کی دعا اللہ سے کر کہ ہم اور وہ مل کر بیٹھیں اور ان سے باتیں کریں - یہ بھی نہیں تو اس پہاڑ کو سونے کا بنوا دے کہ ہم جاڑے اور گرمیوں کے سفر سے نجات پائیں اسی وقت آپؐ پر وحی اترنی شروع ہو گئی اس کے خاتمے پر آپؐ نے فرمایا! اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم نے جو کچھ مجھ سے طلب کیا تھا' مجھے اس کے ہو جانے میں اور اس بات میں کہ دروازہ رحمت میں چلے جاؤ اختیار دیا گیا کہ ایمان اسلام کے بعد تم رحمت الٰہی سمیٹ لو یا تم یہ نشانات دیکھ لو لیکن پھر نہ مانو تو گمراہ ہو جاؤ اور رحمت کے دروازے تم پر بند ہو جائیں تو میں تو ڈر گیا اور میں نے در رحمت کا کھلا ہونا ہی پسند کیا - کیونکہ دوسری صورت میں تمہارے ایمان نہ لانے پر تم پر وہ عذاب اترتے جو تم سے پہلے کسی پر نہ اترے ہوں - اس پر یہ آیتیں اتریں اور آیت وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ نازل ہوئی - یعنی آیتوں کے بھیجنے اور منہ مانگے معجزوں کے دکھانے سے ہم عاجز تو نہیں بلکہ یہ ہم پر بہت آسان ہے جو تیری قوم چاہتی ہے' ہم انہیں دکھا دیتے لیکن اس صورت میں ان کے نہ ماننے پر پھر ہمارے عذاب نہ رکتے - اگلوں کو دیکھ لو کہ اسی میں برباد ہوئے - چنانچہ سورہ مائدہ میں ہے کہ میں تم پر دستر خوان اتار رہا ہوں لیکن اس کے بعد جو کفر کرے گا اسے ایسی سزا دی جائے گی جو اس سے پہلے کسی کو نہ ہوئی ہو - ثمودیوں کو دیکھو کہ انہوں نے ایک خاص پتھر میں سے اونٹنی کا نکلنا طلب کیا - حضرت صالح علیہ السلام کی دعا پر وہ نکلی لیکن وہ نہ مانے بلکہ اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں' رسول کو جھٹلاتے رہے جس پر انہیں تین دن کی مہلت ملی اور آخر غارت کر دیئے گئے - ان کی یہ اونٹنی بھی اللہکی وحدانیت کی ایک نشانی تھی اور اس کے رسول کی صداقت کی علامت تھی لیکن ان لوگوں نے پھر بھی کفر کیا' اس کا پانی بند کیا 'بالآخر اسے قتل کر دیا' جس کی پاداش میں اول سے لے کر آخر تک سب مار ڈالے گئے اور اللہ غالب کی پکڑ میں آ گئے - آیتیں صرف دھمکانے کے لئے ہوتی ہیں کہ وہ عبرت و نصیحت حاصل کر لیں -

مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کوفے میں زلزلہ آیا تو آپ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم اس کی جانب جھکو' تمہیں فوراً اس کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے - حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مدینہ شریف میں کئی بار جھٹکے محسوس ہوئے تو آپ نے فرمایا' واللہ تم نے ضرور کوئی نئی بات کی ہے دیکھو اگر اب ایسا ہوا تو میں تمہیں سخت سزائیں کروں گا - متفق علیہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا! سورج چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان میں کسی کی موت و حیات سے گرہن نہیں لگتا بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے بندوں کو خوفزدہ کر دیتا ہے' جب تم یہ دیکھو تو ذکر اللہ' دعا اور استغفار کی طرف جھک پڑو - اے امت محمد! واللہ اللہ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں کہ اس کے لونڈی غلام زنا کاری کریں - اے امت محمد! واللہ جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے -

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا ۟﴿۶۰﴾ ع

یاد کر جبکہ ہم نے تجھ سے فرما دیا کہ تیرے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے جو نمائش ہم نے تجھے دکھائی تھی وہ لوگوں کیلئے صاف آزمائش ہی تھی اور اسی طرح وہ درخت بھی جس سے قرآن میں اظہار نفرت کیا گیا ہے ہم انہیں ڈرا رہے ہیں لیکن یہ انہیں اور بڑی سرکشی میں بڑھا رہا ہے ○

مقصد معراج: ☆☆ (آیت: ۶۰) اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے رسول علیہ السلام کو تبلیغ دین کی رغبت دلا رہا ہے اور آپؐ کے بچاؤ کی ذمہ داری لے رہا ہے کہ سب لوگ اسی کی قدرت تلے ہیں وہ سب پر غالب ہے سب اس کے ماتحت ہیں وہ ان سب سے تجھے بچاتا رہے گا۔ جو ہم نے تجھے دکھایا وہ لوگوں کی ایک صریح آزمائش ہے۔ یہ دکھانا معراج والی رات تھا جو آپؐ کی آنکھوں نے دیکھا۔ ملعون (نفرتی) درخت سے مراد زقوم کا درخت ہے۔ بہت سے تابعین اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ دکھانا آنکھ کا دکھانا تھا مشاہدہ جو شب معراج میں دکھایا گیا تھا۔ معراج کی حدیثیں پوری تفصیل کے ساتھ اس سورت کے شروع میں بیان ہو چکی ہیں۔ یہ بھی گزر چکا ہے کہ معراج کے واقعہ کو سن کے بہت سے مسلمان مرتد ہو گئے اور حق سے پھر گئے کیونکہ ان کی عقل میں یہ نہ آیا تو اپنی جہالت سے اسے جھوٹا جانا اور دین کو چھوڑ بیٹھے۔ ان کے برخلاف کامل ایمان والے اپنے یقین میں اور بڑھ گئے اور ان کے ایمان اور مضبوط ہو گئے۔ ثابت قدمی اور استقلال میں زیادہ ہو گئے۔ پس اس واقعہ کو لوگوں کی آزمائش اور ان کے امتحان کا ذریعہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کر دیا۔

حضور ﷺ نے جب خبر دی اور قرآن میں آیت اتری کہ دوزخیوں کو زقوم کا درخت کھلایا جائے گا اور آپؐ نے اسے دیکھا بھی تو کافروں نے اسے سچ نہ مانا اور ابوجہل ملعون مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا' لاؤ کھجور اور مکھن لاؤ اور اس کا زقوم کر دیعنی دونوں کو ملا دو اور خوب شوق سے کھاؤ بس یہی زقوم ہے پھر اس خوراک سے گھبرانے کے کیا معنی؟ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد بنو امیہ ہیں لیکن یہ قول بالکل ضعیف اور غریب ہے۔ پہلے قول کے قائل وہ تمام مفسر ہیں جو اس آیت کو معراج کے بارے میں مانتے ہیں۔ جیسے ابن عباسؓ مسروق' ابو مالک' حسن بصری وغیرہ۔ سہل بن سعید کہتے ہیں' حضور ﷺ نے فلاں قبیلے والوں کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح ناچتے ہوئے دیکھا اور آپ کو اس سے بہت رنج ہوا۔ پھر انتقال تک آپؐ پوری ہنسی سے ہنستے ہوئے نہیں دکھائی دیئے۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ (ابن جریر) لیکن یہ سند بالکل ضعیف ہے۔ محمد بن حسن بن زبالہ متروک ہے اور ان کے استاد بھی بالکل ضعیف ہیں۔ خود امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے کہ مراد اس سے شب معراج ہے اور شجرۃ الزقوم ہے کیونکہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔ ہم کافروں کو اپنے عذابوں وغیرہ سے ڈرا رہے ہیں لیکن وہ اپنی ضد' تکبر' ہٹ دھرمی اور بے ایمانی میں اور بڑھ رہے ہیں۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ قَالَ ءَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ﴿٦١﴾ قَالَ أَرَءَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِى كَرَّمْتَ عَلَىَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَٰمَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُۥٓ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُورًا ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُم بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْأَمْوَٰلِ وَالْأَوْلَٰدِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَٰنُ إِلَّا غُرُورًا ﴿٦٤﴾

جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے کیا' وہ کہنے لگا کہ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟ ○ اچھا دیکھ لے اسے تو نے مجھ پر بزرگی تو دی ہے لیکن اگر مجھے بھی قیامت تک تو نے ڈھیل دی تو میں اس کی اولاد کو بجز بہت تھوڑے لوگوں کے اپنے بس میں کرلوں گا ○ ارشاد ہوا کہ جا ان میں سے جو بھی تیرا تابعدار ہو جائے گا تو تم سب کی سزا جہنم ہے جو پورا بدلہ ہے ○ ان میں سے جسے بھی تو اپنی آواز سے بہکا سکے' بہکا لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالا اور ان کے مال اور اولاد میں ان سے اپنا بھی ساجھا لگا اور انہیں دل بہلاوے دیا کر' ان سے شیطان کے جتنے بھی وعدے ہوتے ہیں' سب کے سب سراسر فریب دھوکا ہے ○

ابلیس کی قدیمی دشمنی: ☆☆ (آیت:۶۱-۶۲) ابلیس کی قدیمی عداوت سے انسان کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ وہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا کھلا دشمن تھا- اس کی اولاد برابر اسی طرح تمہاری دشمن ہے' سجدے کا حکم سن کر سب فرشتوں نے تو سر جھکا دیا لیکن اس نے تکبر جتایا اسے حقیر سمجھا اور صاف انکار کر دیا کہ ناممکن ہے کہ میرا سر کسی مٹی سے بنے ہوئے کے سامنے جھکے' میں اس سے کہیں افضل ہوں' میں آگ ہوں- یہ خاک ہے- پھر اس کی ڈھٹائی دیکھئے کہ اللہ جل وعلیٰ کے دربار میں گستاخانہ لہجے سے کہتا ہے کہ اچھا اسے اگر تو نے مجھ پر فضیلت دی تو کیا ہوا میں بھی اس کی اولاد کو برباد کر کے ہی چھوڑوں گا' سب کو اپنا تابعدار بنالوں گا اور بہکا دوں گا' بس تھوڑے سے میرے پھندے سے چھوٹ جائیں گے باقی سب کو غارت کر دوں گا-

شیطانی آواز کا بہکاوا: ☆☆ (آیت:۶۳-۶۴) ابلیس نے اللہ سے مہلت چاہی' اللہ تعالیٰ نے منظور فرما لی اور ارشاد ہوا کہ وقت معلوم تک مہلت ہے تیری اور تیرے تابعداروں کی برائیوں کے بدلے جہنم ہے جو پوری سزا ہے- اپنی آواز سے جسے تو بہکا سکے بہکا لے یعنی گانے اور تماشوں سے انہیں بہکاتا پھر- جو بھی اللہ کی نافرمانی کی طرف بلانے والی صدا ہو وہ شیطانی آواز ہے- اسی طرح تو اپنے پیادے اور سوار لے کر جس پر تجھ سے حملہ ہو سکے حملہ کر لے- رجل جمع ہے راجل کی جیسے رکب جمع ہے راکب کی اور صحب جمع ہے صاحب کی- مطلب یہ ہے کہ جس قدر تجھ سے ہو سکے' ان پر اپنا تسلط اور اقتدار جما- یہ امر قدری ہے نہ کہ حکم- شیطانوں کی یہی خصلت ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کو بھڑکاتے اور بہکاتے رہتے ہیں' انہیں گناہوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں- اللہ کی معصیت میں جو سواری پر ہو اور پیدل ہو وہ شیطانی لشکر میں ہے ایسے جن بھی ہیں اور انسان بھی ہیں جو اس کے مطیع ہیں- جب کسی پر آوازیں اٹھائی جائیں تو عرب کہتے ہیں اَجْلَبَ فُلَانٌ عَلٰی فُلَانٍ آپ کا یہ فرمان کہ گھوڑ دوڑ میں جلب نہیں وہ بھی اسی سے ماخوذ ہے آپ کا یہ فرمان کہ گھوڑ دوڑ میں جلب نہیں' وہ بھی اسی سے ماخوذ ہے- جلبہ کا اشتقاق بھی اسی سے ہے یعنی آوازوں کا بلند ہونا- ان کے مال اور اولاد میں بھی تو شریک رہ یعنی اللہ کی نافرمانیوں میں ان کا مال خرچ کرا' سود خوری ان سے کرا' برائی سے مال جمع کریں اور حرام کاریوں میں خرچ کریں' حلال جانوروں کو اپنی خواہش سے حرام قرار دیں وغیرہ- اولاد میں شرکت یہ ہے مثلاً زناکاری جس سے اولاد ہو' جو اولاد بچپن میں بوجہ بے وقوفی ان کے ماں باپ نے زندہ درگور کر دی ہو یا مار ڈالی ہو یا اسے یہودی نصرانی مجوسی وغیرہ بنا دیا ہو- اولادوں کے نام عبدالحارث' عبدشمس اور عبدفلاں رکھا ہو- غرض کسی صورت میں بھی شیطان کو اس میں داخل کیا ہو یا اس کو ساتھ کیا ہو یہی شیطان کی شرکت ہے- صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو ایک طرف موحد پیدا کیا پھر شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا اور حلال چیزیں حرام کر دیں-

صحیحین میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں سے جو اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے' یہ پڑھ لے اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا یعنی یا اللہ تو ہمیں شیطان سے بچا اور اسے بھی جو تو ہمیں عطا فرمائے- تو اگر اس میں کوئی بچہ اللہ کی طرف سے ٹھہر جائے گا تو اسے ہرگز ہرگز کبھی بھی شیطان کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا- پھر فرماتا ہے کہ جا تو انہیں دھوکے کے جھوٹے وعدے دیا کر' چنانچہ قیامت کے دن یہ خود کہے گا کہ اللہ کے وعدے تو سب سچے تھے اور میرے وعدے سب غلط تھے-

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿٦٥﴾ رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾
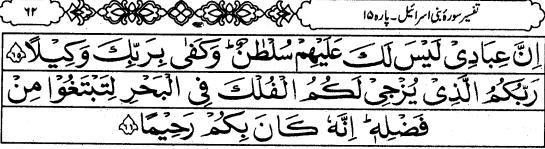
میرے سچے بندوں پر تیرا کوئی قابو اور بس نہیں' تیرا رب کارسازی کرنے والا کافی ہے ○ تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لئے دریا میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو' بے شک وہ تمہارے اوپر بہت ہی مہربان ہے ○

(آیت:۶۵) پھر فرماتا ہے کہ میرے مومن بندے میری حفاظت میں ہیں' میں انہیں شیطان رجیم سے بچاتا رہوں گا۔ اللہ کی وکالت' اس کی حفاظت' اس کی نصرت' اس کی تائید' بندوں کو کافی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مومن اپنے شیطان پر اس طرح قابو پالیتا ہے جیسے وہ شخص جو کسی جانور کو لگام چڑھائے ہوئے ہو۔

آسانیاں ہی آسانیاں: ☆☆ (آیت:۶۶) اللہ تعالیٰ اپنا احسان بتاتا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی آسانی اور سہولت کے لئے اور ان کی تجارت وسفر کے لئے دریاؤں میں کشتیاں چلادی ہیں' اس کے فضل وکرم' لطف ورحم کا ایک نشان یہ بھی ہے کہ تم دور دراز ملکوں میں جا آسکتے ہو اور خاص فضل یعنی اپنی روزیاں حاصل کرسکتے ہو۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾

سمندر میں مصیبت پہنچتے ہی جنہیں پکارتے تھے سب کو گم کر جاتے ہیں۔ صرف وہی اللہ باقی رہ جاتا ہے پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو' انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ○ تو کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کے کسی کنارے میں دھنسا دے یا تم پر پتھراؤ کی آندھی بھیج دے۔ پھر تم اپنے لئے کسی نگہبان کو نہ پاسکو ○

مصیبت ختم ہوتے ہی شرک: ☆☆ (آیت:۶۷) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ بندے مصیبت کے وقت تو خلوص کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف جھکتے ہیں اور اس سے دلی دعائیں کرنے لگتے ہیں اور جہاں وہ مصیبت اللہ تعالیٰ نے ٹال دی' یہ آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ فتح مکہ کے وقت جب کہ ابو جہل کا لڑکا عکرمہ حبشہ جانے کے ارادے سے بھاگا اور کشتی میں بیٹھ کر چلا' اتفاقاً کشتی طوفان میں پھنس گئی' باد مخالف کے جھونکے اسے پتے کی طرح ہلانے لگے اس وقت کشتی میں جتنے کفار تھے' سب ایک دوسرے سے کہنے لگے' اس وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی کچھ کام نہیں آنے کا' اسی کو پکارو۔ عکرمہ کے دل میں اسی وقت خیال آیا کہ جب تری میں صرف وہی کام کرسکتا ہے تو ظاہر ہے کہ خشکی میں بھی وہی کام آسکتا ہے۔ الٰہی میں نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس آفت سے بچالیا تو میں سیدھا جا کر محمد ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا اور یقیناً وہ مجھ پر مہربانی اور رحم وکرم فرمائیں گے صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ سمندر سے پار ہوتے ہی وہ سیدھے رسول کریم ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا پھر تو اسلام کے پہلوان ثابت ہوئے رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ پس فرماتا ہے کہ سمندر کی اس مصیبت کے وقت تو اللہ کے سوا سب کو بھول جاتے ہو لیکن پھر اس کے ہٹتے ہی اللہ کی توحید ہٹا دیتے ہو اور دوسروں سے التجائیں کرنے لگتے ہو۔ انسان ہے ہی ایسا ناشکرا کہ نعمتوں کو بھلا بیٹھتا ہے بلکہ منکر ہو جاتا ہے ہاں جسے اللہ بچا لے اور توفیق خیر دے۔

اظہار قدرت واختیار: ☆☆ (آیت:۶۸) رب العالمین لوگوں کو ڈرا رہا ہے کہ جو تری میں تمہیں ڈبو سکتا تھا' وہ خشکی میں دھنسانے کی قدرت بھی رکھتا ہے پھر وہاں تو صرف اسی کو پکارنا اور یہاں اس کے ساتھ اوروں کو شریک کرنا' یہ کس قدر نا انصافی ہے؟ وہ تو تم پر پتھروں کی بارش بھی برسا کر ہلاک کر سکتا ہے جیسے لوطیوں پر ہوئی تھی۔ جس کا بیان خود قرآن میں کئی جگہ ہے۔ سورہ تبارک میں فرمایا کہ کیا تمہیں اس اللہ کا ڈر نہیں جو آسمانوں میں ہے کہ کہیں وہ تمہیں زمین میں نہ دھنسا دے کہ یکا یک زمین جنبش کرنے لگے۔ کیا تمہیں آسمانوں والے اللہ کا خوف نہیں کہ کہیں وہ تم پر پتھر نہ برسا دے؟ پھر جان لو کہ ڈرانے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس وقت تم نہ اپنا مددگار پاؤ گے' نہ دستگیر' نہ وکیل' نہ کارساز' نہ نگہبان' نہ پاسبان۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿٧٠﴾

ع ۷ / ۱۰

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں پھر دوبارہ دریا کے سفر میں لے آئے اور تم پر تیز و تند ہواؤں کے جھونکے بھیج دے اور تمہارے کفر کے باعث تمہیں ڈبو دے پھر تم اپنے لئے ہم پر اس کا دعویٰ کرنے والا کسی کو نہ پاؤ گے ○ یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی ○

سمندر ہو یا صحرا ہر جگہ اسی کا اقتدار ہے: ☆☆ (آیت:۶۹) ارشاد ہو رہا ہے کہ اے منکرو سمندر میں تم میری توحید کے قائل ہوئے باہر آ کر پھر انکار کر گئے تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ پھر تم دوبارہ دریائی سفر کرو اور باد تند کے تھپیڑے تمہاری کشتی کو ڈگمگا دیں اور آخر ڈبو دیں اور تمہیں تمہارے کفر کا مزہ آ جائے پھر تو کوئی مددگار کھڑا نہ ہو' نہ کوئی ایسا مل سکے کہ ہم سے تمہارا بدلہ لے۔ ہمارا پیچھا کوئی نہیں کر سکتا' کس کی مجال کہ ہمارے فعل پر انگلی اٹھائے۔

انسان پر اللہ کے انعامات: ☆☆ (آیت:۷۰) سب سے اچھی پیدائش انسان کی ہے جیسے فرمان ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ہم نے انسان کو بہترین صفت پر پیدا کیا ہے۔ وہ اپنے پیروں پر سیدھا کھڑا ہو کر صحیح چال چلتا ہے' اپنے ہاتھوں سے تمیز کے ساتھ اپنی غذا کھاتا ہے اور حیوانات ہاتھ پاؤں سے چلتے ہیں منہ سے چارہ چگتے ہیں۔ پھر اسے سمجھ بوجھ دی ہے جس سے نفع نقصان' بھلائی برائی سوچتا ہے۔ دینی دنیوی فائدہ معلوم کر لیتا ہے۔ اس کی سواری کے لئے خشکی میں جانور' چوپائے' گھوڑے' خچر' اونٹ وغیرہ اور تری کے سفر کے لئے اسے کشتیاں بنانی سکھا دیں۔ اسے بہترین خوشگوار اور خوش ذائقہ کھانے پینے کی چیزیں دیں' کھیتیاں ہیں' پھل ہیں' گوشت ہے

دودھ ہیں اور بہترین بہت سی ذائقے دار لذیذ مزیدار چیزیں۔ پھر عمدہ مکانات رہنے کو اچھے خوشنما لباس پہننے کو قسم قسم کے رنگ برنگ کے۔ یہاں کی چیزیں وہاں اور وہاں کی چیزیں یہاں لے جانے لے آنے کے اسباب اس کے لئے مہیا کر دیئے اور مخلوق میں سے عموماً ہر ایک پر اسے برتری بخشی۔

اس آیۂ کریمہ سے اس امر پر استدلال کیا گیا ہے کہ انسان فرشتوں سے افضل ہے۔ حضرت زید بن اسلم کہتے ہیں کہ فرشتوں نے کہا الٰہی تو نے اولاد آدم کو دنیا دے رکھی ہے کہ وہ کھاتے پیتے ہیں اور موج مزے کر رہے ہیں تو تو اس کے بدلے ہمیں آخرت میں ہی عطا فرما کیونکہ ہم اس دنیا سے محروم ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم اس کی نیک اولاد کو جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اس کے برابر میں ہرگز نہ کروں گا جسے میں نے کلمہ کن سے پیدا کیا ہے۔ یہ روایت مرسل ہے۔ لیکن اور سند سے متصل بھی مروی ہے۔ ابن عساکر میں ہے کہ فرشتوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی تو نے پیدا کیا اور بنو آدم کا خالق بھی تو ہی ہے انہیں تو کھانا پانی دے رہا ہے کپڑے لتے وہ پہنتے ہیں نکاح شادیاں وہ کرتے ہیں سواریاں ان کے لئے ہیں راحت آرام انہیں حاصل ہے ان میں سے کسی چیز کے حصے دار ہم نہیں۔ خیر یہ اگر دنیا میں ان کے لئے ہے تو یہ چیزیں آخرت میں تو ہمارے لئے کر دے۔ اس کے جواب میں جناب باری نے فرمایا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور اپنی روح جس میں میں نے پھونکی ہے اسے میں اس جیسا نہ کروں گا جسے میں نے کہہ دیا کہ ہو جاؤ وہ ہو گیا۔ طبرانی میں ہے قیامت کے دن ابن آدم سے زیادہ بزرگ اللہ کے ہاں کوئی نہ ہوگا۔ پوچھا گیا کہ فرشتے بھی نہیں؟ فرمایا فرشتے بھی نہیں وہ تو مجبور ہیں جیسے سورج چاند۔ یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے پیشوا سمیت بلائیں گے پھر جن کا بھی عمل نامہ دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا وہ تو شوق سے اپنا نامہ اعمال پڑھنے لگیں گے اور ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہ کیے جائیں گے ○ اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستے سے بہت ہی بھٹکا ہوا رہے گا ○

الکتاب ہی ہدایت و امام ہے: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۲) امام سے مراد یہاں نبی ہیں۔ ہر امت قیامت کے دن اپنے نبی کے ساتھ بلائی جائے گی جیسے اس آیت میں ہے وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ الخ ہر امت کا رسول ہے پھر جب ان کے رسول آئیں گے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ حساب کیا جائے گا۔ بعض سلف کا قول ہے کہ اس میں اہل حدیث کی بہت بڑی بزرگی ہے اس لئے کہ ان کے امام آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ ابن زید کہتے ہیں مراد یہاں امام سے کتاب اللہ ہے جو ان کی شریعت کے بارے میں اتری تھی۔ ابن جریر اس تفسیر کو بہت پسند فرماتے ہیں اور اسی کو مختار کہتے ہیں۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں مراد اس سے ان کی کتابیں ہیں۔ ممکن ہے کتاب سے مراد یا تو احکام کی کتاب اللہ ہو یا نامہ اعمال۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے مراد عمل نامہ لیتے ہیں۔ ابو العالیہ حسن ضحاک بھی یہی کہتے ہیں اور یہی زیادہ ترجیح والا قول ہے جیسے فرمان اللہ ہے وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ہر چیز کا ہم نے ظاہر کتاب میں احاطہ کر لیا ہے اور آیت میں ہے وَوُضِعَ الْكِتٰبُ الخ کتاب یعنی نامہ اعمال درمیان میں رکھ دیا جائے گا اس وقت تو دیکھے گا کہ گنہگار لوگ اس کی تحریر سے خوفزدہ ہو رہے ہوں گے۔ الخ اور آیت میں ہے ہر امت کو تو گھٹنوں کے بل گری ہوئی دیکھے گا۔

ہرامت اپنے نامہ اعمال کی جانب بلائی جارہی ہوگی' آج تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ہے ہماری کتاب جو تم پر حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گی جو کچھ تم کرتے رہے ہم برابر لکھتے رہتے تھے۔

یہ یاد رہے کہ یہ تفسیر پہلی تفسیر کے خلاف نہیں ایک طرف نامہ اعمال ہاتھ میں ہوگا دوسری جانب خود نبی سامنے موجود ہوگا۔ جیسے فرمان ہے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ زمین اپنے رب کے نور سے چمکنے لگے گی نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا اور نبیوں اور گواہوں کو موجود کر دیا جائے گا اور آیت میں ہے فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَابِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا یعنی کیا کیفیت ہوگی اس وقت جب کہ ہرامت کا ہم گواہ لائیں گے اور تجھے ان تمام پر گواہ کر کے لائیں گے۔ لیکن مراد یہاں امام سے نامہ اعمال ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ جن کے دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا وہ تو اپنی نیکیاں فرحت وسرور' خوشی اور راحت سے پڑھنے لگیں گے بلکہ دوسروں کو دکھاتے اور پڑھواتے پھریں گے۔ اسی کا مزید بیان سورہ الحاقہ میں ہے۔ فتیل سے مراد لمبا تاگا ہے جو کھجور کی گٹھلی کے بیچ میں ہوتا ہے۔ بزار میں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو بلوا کر اس کا عمل نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' اس کا جسم بڑھ جائے گا' چہرہ چمکنے لگے گا' سر پر چمکتے ہوئے ہیروں کا تاج رکھ دیا جائے گا' یہ اپنے گروہ کی طرف بڑھے گا اسے اس حال میں آتا دیکھ کر وہ سب آرزو کرنے لگیں گے کہ الٰہی ہمیں بھی یہ عطا فرما اور ہمیں اس میں برکت دے' وہ آتے ہی کہے گا کہ خوش ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک کو یہی ملنا ہے۔ لیکن کافر کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ اس کا جسم بڑھ جائے گا' اسے دیکھ کر اس کے ساتھی کہنے لگیں گے' اس سے اللہ کی پناہ یا اس کی برائی سے پناہ۔ اللہ اسے ہمارے پاس نہ لا۔ وہیں وہ آجائے گا یہ کہیں گے اللہ اسے رسوا کر' یہ جواب دے گا اللہ تمہیں غارت کرے' تم میں سے ہر شخص کے لئے یہی الٰہی مار ہے۔ اس دنیا میں جس نے اللہ کی آیتوں سے' اس کی کتاب سے' اس کی راہ ہدایت سے چشم پوشی کی وہ آخرت میں سچ مچ رسوا ہوگا اور دنیا سے بھی زیادہ راہ بھولا ہوا ہوگا۔ (عِيَاذًا بِاللّٰهِ)

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْــــًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

یہ لوگ تو تجھے اس وحی سے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے' بہکا دینا چاہ رہے تھے کہ تو اس کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ گھڑا لے۔ تب تو تجھے یہ لوگ اپنا دلی دوست بنا لیتے ○ اگر ہم خود تجھے ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ تو ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتا ○ پھر تو ہم بھی تجھے دوہرا عذاب تو دنیا کا کرتے اور دوہرا ہی موت کا بھی۔ پھر تو تو اپنے لئے ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار بھی نہ پاتا ○

(آیت: ۷۳-۷۵) مکار و فجار کی چالاکیوں سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے رسول کو بچاتا رہا' آپ کو معصوم اور ثابت قدم ہی رکھا خود ہی آپ کا ولی و ناصر رہا' اپنی ہی حفاظت اور صیانت میں ہمیشہ آپ کو رکھا' آپ کی تائید اور نصرت برابر کرتا رہا' آپ کے دین کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کر دیا' آپ کے مخالفین کے بلند بانگ ارادوں کو پست کر دیا' مشرق سے مغرب تک آپ کا کلمہ پھیلا دیا۔ اسی کا بیان ان دونوں آیتوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر قیامت تک بے شمار درود وسلام بھیجتا رہے آمین۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع ۸

یہ تو تیرے قدم اس سرزمین سے اکھاڑنے ہی لگے تھے کہ تجھے اس سے نکال دیں۔ پھر تو یہ بھی تیرے بعد بہت ہی کم ٹھہرنا پاتے O جیسا دستور ان کا جو تجھ سے پہلے رسول ہم نے بھیجے۔ تو ہمارے دستور میں کبھی ردوبدل نہ پائے گا O

وطنی عصبیت اور یہودی: ☆☆ (آیت: ۷۶-۷۷) کہتے ہیں کہ یہودیوں نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ آپ کو ملک شام چلا جانا چاہئے وہی نبیوں کا وطن ہے اس شہر مدینہ کو چھوڑ دینا چاہئے اس پر یہ آیت اتری۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لئے کہ یہ آیت مکی ہے اور مدینے میں آپ کی رہائش اس کے بعد ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ تبوک کے بارے میں یہ آیت اتری ہے یہودیوں کے کہنے سے کہ شام جو نبیوں کی اور محشر کی زمین ہے آپ کو وہیں رہنا چاہئے اگر آپ سچے پیغمبر ہیں تو وہاں چلے جائیں آپ نے انہیں ایک حد تک سچا سمجھا۔ غزوہ تبوک سے آپ کی نیت یہی تھی۔ لیکن تبوک پہنچتے ہی سورۂ بنی اسرائیل کی آیتیں اتریں اس کے بعد کہ سورت ختم کر دی گئی تھی وَاِنْ كَادُوْا سے تَحْوِيْلًا تک اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدینے کی واپسی کا حکم دیا اور فرمایا وہیں آپ کی موت وزیست اور وہیں سے دوبارہ اٹھ کر کھڑا ہونا ہے۔

لیکن اس کی سند بھی غور طلب ہے اور صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ بھی ٹھیک نہیں اور تبوک کا غزوہ یہود کے کہنے سے نہ تھا بلکہ اللہ کا فرمان موجود ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ جو کفار تمہارے اردگرد ہیں ان سے جہاد کرو۔ اور آیت میں ہے کہ جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اللہ رسول کے حرام کردہ کو حرام نہیں سمجھتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے ایسے اہل کتاب سے راہ اللہ میں جہاد کرو یہاں تک کہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ دینا منظور کر لیں۔ اور اس غزوے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے جو اصحاب جنگ موتہ میں شہید کر دیئے گئے تھے ان کا بدلہ لیا جائے واللہ اعلم۔ اور اگر مندرجہ بالا واقعہ صحیح ہو جائے تو اسی پر وہ حدیث محمول کی جائے گی جس میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں مکہ مدینہ اور شام میں قرآن نازل ہوا ہے۔ ولید تو اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ شام سے مراد بیت المقدس ہے لیکن شام سے مراد تبوک کیوں نہ لیا جائے جو بالکل صاف اور بہت درست ہے واللہ اعلم۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کافروں کا وہ ارادہ ہے جو انہوں نے مکے سے جلاوطن کرنے کے بارے میں کیا تھا چنانچہ یہی ہوا بھی کہ جب انہوں نے آپ کو نکالا پھر یہ بھی وہاں زیادہ مدت نہ گزار سکے اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی آپ کو غالب کیا۔ ڈیڑھ سال ہی گزرا تھا کہ بدر کی لڑائی بغیر کسی تیاری اور اطلاع کے اچانک ہو گئی اور وہیں کافروں کا اور کفر کا دھڑ ٹوٹ گیا ان کے شریف و رئیس تہ تیغ ہوئے ان کی شان و شوکت خاک میں مل گئی ان کے سردار قید میں آ گئے۔ پس فرمایا کہ یہی عادت پہلے سے جاری ہے سابقہ رسولوں کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ کفار نے جب انہیں تنگ کیا اور دیس نکالا دیا پھر وہ بھی بچ نہ سکے عذاب اللہ نے انہیں غارت اور بے نشان کر دیا۔ ہاں چونکہ ہمارے پیغمبر رسول رحمت تھے اس لئے کوئی آسمانی عام عذاب ان کافروں پر نہ آیا۔ جیسے فرمان ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ یعنی تیری موجودگی میں اللہ انہیں عذاب نہ کرے گا۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾

نماز کو قائم رکھو آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی' یقیناً فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہوا ہے ○ رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کر۔ یہ زیادتی تیرے لئے ہے۔ عنقریب تیرا رب تجھے مقام محمود میں کھڑا کرے گا ○

اوقات صلوٰۃ کی نشاندہی: ☆☆ (آیت:۷۸-۷۹) نمازوں کو وقتوں کی پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ دلوک سے مراد غروب ہے یا زوال ہے۔ امام ابن جریر زوال کے قول کو پسند فرماتے ہیں اور اکثر مفسرین کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' میں نے حضور ﷺ کی اور آپ کے ساتھ ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جنہیں آپ نے چاہا دعوت کی' کھانا کھا کر سورج ڈھل جانے کے بعد آپ میرے ہاں سے چلے' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' چلو یہی وقت دلوک شمس کا ہے۔ پس پانچوں نمازوں کا وقت اس آیت میں بیان ہو گیا۔ غسق سے مراد اندھیرا ہے جو کہتے ہیں کہ دلوک سے مراد غروب ہے' ان کے نزدیک ظہر' عصر' مغرب' عشا کا بیان تو اس میں ہے اور فجر کا بیان وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ میں ہے۔ حدیث سے بہ تواتر اقوال وافعال آنحضرت ﷺ سے پانچوں نمازوں کے اوقات ثابت ہیں اور مسلمان بحمد اللہ اب تک اس پر ہیں' ہر پچھلے زمانے کے لوگ اگلے زمانے والوں سے برابر لیتے چلے آتے ہیں۔ جیسے کہ ان مسائل کے بیان کی جگہ اس کی تفصیل موجود ہے والحمد للہ۔

صبح کی تلاوت قرآن پر دن اور رات کے فرشتے آتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ تنہا شخص کی نماز پر جماعت کی نماز پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ صبح کی نماز کے وقت دن اور رات کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں۔ اسے بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' تم قرآن کی اس آیت کو پڑھ لو وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ الخ۔ صحیحین میں ہے کہ رات کے اور دن کے فرشتے تم میں برابر پے درپے آتے رہتے ہیں' صبح کی اور عصر کی نماز کے وقت ان کا اجتماع ہو جاتا ہے تم میں جن فرشتوں نے رات گزاری' وہ جب چڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے باوجودیکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کے پاس پہنچے تو انہیں نماز میں پایا اور واپس آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ چوکیدار فرشتے صبح کی نماز میں جمع ہوتے ہیں پھر یہ چڑھ جاتے ہیں اور وہ ٹھہر جاتے ہیں۔ ابن جریر کی ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کے نزول فرمانے اور اس ارشاد فرمانے کا ذکر کیا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے استغفار کرے اور میں اسے بخشوں' کوئی ہے کہ مجھ سے سوال کرے اور میں اسے دوں' کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی ہے پس اس وقت پر اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کو تہجد کی نماز کا حکم فرماتا ہے' فرضوں کا تو حکم ہے ہی۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ فرض نماز کے بعد کون سی نماز افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا! رات کی نماز۔ تہجد کہتے ہیں نیند کے بعد کی نماز کو۔ لغت میں مفسرین کی تفسیروں میں اور حدیث میں یہ موجود ہے' آپؐ کی عادت بھی یہی تھی کہ سو کر اٹھتے پھر تہجد پڑھتے۔ جیسے کہ اپنی جگہ بیان موجود ہے۔ ہاں حسن بصریؒ کا قول ہے کہ جو نماز عشا کے بعد ہو ممکن ہے کہ اس سے بھی مراد سو جانے کے بعد ہو۔ پھر فرمایا یہ زیادتی تیرے لئے ہے۔ بعض تو کہتے

ہیں تہجد کی نماز اوروں کے برخلاف صرف حضور ﷺ پر فرض تھی - بعض کہتے ہیں یہ خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ آپؐ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف تھے اور امتیوں کی اس نماز کی وجہ سے ان کے گناہ دور ہو جاتے ہیں - ہمارے اس حکم کی بجا آوری پر ہم تجھے اس جگہ کھڑا کریں گے کہ جہاں کھڑا ہونے پر تمام مخلوق آپؐ کی تعریفیں کرے گی اور خود خالق اکبر بھی - کہتے ہیں کہ مقام محمود پر قیامت کے دن آپؐ اپنی امت کی شفاعت کے لئے جائیں گے تاکہ اس دن کی گھبراہٹ سے آپ انہیں راحت دیں -

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' لوگ ایک ہی میدان میں جمع کئے جائیں گے پکارنے والا اپنی آواز انہیں سنائے گا آنکھیں کھل جائیں گی' ننگے پاؤں' ننگے بدن ہوں گے جیسے کہ پیدا کئے گئے تھے' سب کھڑے ہوں گے کوئی بھی بغیر اجازت الٰہی بات نہ کر سکے گا - آواز آئے گی' اے محمد ﷺ! آپ کہیں گے لَبَّیْكَ وَ سَعْدَیْكَ - اے اللہ تمام بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے' برائی تیری جانب سے نہیں' راہ یافتہ وہی ہے جسے تو ہدایت بخشے' تیرا غلام تیرے سامنے موجود ہے' وہ تیری ہی مدد سے قائم ہے' وہ تیری ہی جانب جھکنے والا ہے - تیری پکڑ سے سوائے تیرے دربار کے اور کوئی جائے پناہ نہیں' تو برکتوں اور بلندیوں والا ہے - اے رب البیت تو پاک ہے - یہ ہے مقام محمود جس کا ذکر اللہ عزوجل نے اس آیت میں کیا ہے -

مقام محمود کا تعارف: ☆☆ پس یہ مقام مقام شفاعت ہے - قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے زمین سے آپ باہر آئیں گے - اور سب سے پہلے شفاعت آپ ہی کریں گے - اہل علم کہتے ہیں کہ یہی مقام محمود ہے جس کا وعدہ اللہ کریم نے اپنے رسول مقبول سے کیا ہے (ﷺ) بے شک حضور ﷺ کو بہت سی بزرگیاں ایسی ملیں گی جن میں کوئی آپ کی برابری کا نہیں - سب سے پہلے آپ ہی کی قبر کی زمین شق ہوگی اور آپؐ سواری پر سوار محشر کی طرف جائیں گے' آپ کا ایک جھنڈا ہوگا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سب کے سب اس کے نیچے ہوں گے' آپؐ کو حوض کوثر ملے گا جس پر سب سے زیادہ لوگ وارد ہوں گے - بہت بڑی شفاعت آپ کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے فیصلوں کے لئے آئے اور یہ اس کے بعد ہوگی کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام' حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ہو آئیں اور سب انکار کر دیں - پھر آپ کے پاس آئیں گے اور آپ اس کے لئے تیار ہوں گے جیسے کہ اس کی حدیثیں مفصل آ رہی ہیں ان شاء اللہ -

آپ ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جن کی بابت حکم ہو چکا ہوگا کہ انہیں جہنم کی طرف لے جائیں پھر وہ آپ کی شفاعت سے واپس لوٹا دیئے جائیں گے - سب سے پہلے آپ ہی کی امت کے فیصلے کئے جائیں گے - آپؐ ہی اپنی امت سمیت سب سے پہلے پل صراط سے پار ہوں گے' آپ ہی جنت میں لے جانے کے پہلے سفارشی ہوں گے - جیسے کہ صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے - صور کی حدیث میں ہے کہ تمام مومن آپ ہی کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے - سب سے پہلے آپ جنت میں جائیں گے اور آپ کی امت اور امتوں سے پہلے جائے گی - آپ کی شفاعت سے کم درجے کے جنتی اعلیٰ اور بلند درجے پائیں گے - آپ ہی صاحب وسیلہ ہیں جو جنت کی سب سے اعلیٰ منزل ہے جو آپ کے سوا کسی اور کو نہیں ملنے کی - یہ صحیح ہے کہ بحکم الٰہی گنہگاروں کی شفاعت فرشتے بھی کریں گے' نبی بھی کریں گے مومن بھی کریں گے لیکن حضور ﷺ کی شفاعت جس قدر لوگوں کے بارے میں ہوگی' ان کی گنتی کا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں' اس میں کوئی آپ کے مثل اور برابر نہیں - کتاب السیرت کے آخر میں باب الخصائص میں میں نے اسے خوب تفصیل سے بیان کیا ہے والحمد للہ -

اب مقام محمود کے بارے کی حدیثیں سنیئے - اللہ ہماری مدد کرے - بخاری میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لوگ

قیامت کے دن گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی کہ اے فلاں ہماری شفاعت کیجئے' اے فلاں ہماری شفاعت کیجئے یہاں تک کہ شفاعت کی انتہا محمد ﷺ کی طرف ہوگی - پس یہی وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا - ابن جریر میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' سورج بہت نزدیک ہوگا یہاں تک کہ پسینہ آدھے کانوں تک پہنچ جائے گا' اسی حالت میں لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے' وہ صاف انکار کر دیں گے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں گے آپ یہی جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں پھر حضرت محمد ﷺ سے کہیں گے آپ مخلوق کی شفاعت کے لئے چلیں گے یہاں تک کہ جنت کے دروازے کا کنڈا تھام لیں گے پس اس دن اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر پہنچائے گا -

بخاری کی اس روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اہل محشر سب کے سب اس وقت آپ کی تعریفیں کریں گے - بخاری میں ہے جو شخص اذان سن کر اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ الخ پڑھ لے' اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہے - مسند احمد میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' قیامت کے دن میں نبیوں کا امام اور ان کا خطیب اور ان کا سفارشی ہوں گا - میں یہ کچھ بطور فخر کے نہیں کہتا - اسے ترمذی بھی لائے ہیں اور حسن صحیح کہا ہے - ابن ماجہ میں بھی یہ ہے - حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں قرآن کو سات قراتوں پر پڑھنے کا بیان ہے اس کے آخر میں ہے کہ میں نے کہا الٰہی میری امت کو بخش' الٰہی میری امت کو بخش' تیسری دعا میں نے اس دن کے لئے اٹھا رکھی ہے' جس دن تمام مخلوق میری طرف رغبت کرے گی' یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام بھی -

مسند احمد میں ہے کہ مومن قیامت کے دن جمع ہوں گے پھر ان کے دل میں خیال ڈالا جائے گا کہ ہم کسی سے کہیں کہ وہ ہماری سفارش کر کے ہمیں اس جگہ سے آرام دے' پس سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے آدمؑ آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' آپ کے لئے اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا' آپ کو تمام چیزوں کے نام بتائے' آپ اپنے رب کے پاس ہماری سفارش لے جایئے تاکہ ہمیں اس جگہ سے راحت ملے' حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں آپ کو اپنا گناہ یاد آ جائے گا اور اللہ تعالیٰ سے شرمانے لگیں گے - فرمائیں گے' تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ - وہ اللہ کے پہلے رسول ہیں جنہیں زمین والوں کی طرف اللہ پاک نے بھیجا' یہ آئیں گے یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے کہ میں اس کے لائق نہیں ہوں آپ کو بھی اپنی خطا یاد آئے گی کہ اللہ سے وہ سوال کیا تھا جس کا آپ کو علم نہ تھا - پس اپنے پروردگار سے شرما جائیں گے اور فرمائیں گے تم ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے پاس جاؤ' وہ آپ کے پاس آئیں گے' آپ فرمائیں گے' میں اس قابل نہیں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ' ان سے اللہ نے کلام کیا ہے اور انہیں تورات دی ہے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے لیکن وہ کہیں گے مجھ میں اتنی قابلیت کہاں؟ پھر آپ اس قتل کا ذکر کریں گے جو بغیر کسی مقتول کے معاوضے کے آپ نے کر دیا تھا - پس بوجہ اس کے اللہ سے شرمانے لگیں گے اور کہیں گے تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے' اس کا کلمہ اور اس کی روح ہے - وہ یہاں آئیں گے لیکن آپ فرمائیں گے میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں' تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ جن کے اول آخر تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں -

پس وہ سب میرے پاس آئیں گے' میں کھڑا ہوں گا - اپنے رب سے اجازت چاہوں گا' جب اسے دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا - جب تک اللہ کو منظور ہوگا میں سجدے میں ہی رہوں گا پھر فرمایا جائے گا' اے محمد سر اٹھایئے' کہئے' سنا جائے گا' شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی' مانگئے' دیا جائے گا' پس میں سر اٹھاؤں گا اور اللہ کی وہ تعریفیں کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا - پھر میں سفارش پیش کروں گا' میرے

لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی' میں انہیں جنت میں پہنچا آؤں گا' پھر دوبارہ جناب باری میں حاضر ہو کر اپنے رب کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑوں گا' جب تک وہ چاہے مجھے سجدے میں ہی رہنے دے گا پھر کہا جائے گا کہ اے محمد ﷺ سر اٹھاؤ' کہو' سنا جائے گا' سوال کر دیا جائے گا' شفاعت کر' قبول ہو گی۔ پس میں سر اٹھا کر اپنے رب کی وہ حمد بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں بھی جنت میں پہنچا آؤں گا۔

پھر تیسری مرتبہ لوٹوں گا اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک وہ چاہے' اسی حالت میں پڑا رہوں گا پھر فرمایا جائے گا کہ محمد ﷺ سر اٹھا' بات کر' سنی جائے گی' سوال کر' عطا فرمایا جائے گا' سفارش کر' قبول کی جائے چنانچہ میں سر اٹھا کر وہ حمد بیان کر کے جو مجھے وہی سکھائے گا' سفارش کروں گا پھر چوتھی بار واپس آؤں گا اور کہوں گا باری تعالیٰ اب تو صرف وہی باقی رہ گئے ہیں جنہیں قرآن نے روک لیا ہے۔ فرماتے ہیں' جہنم میں سے وہ بھی شخص نکل آئے گا جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ کہا اور اس کے دل میں گیہوں کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو پھر وہ لوگ بھی دوزخ سے نکالے جائیں گے جنہوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ کہا ہو اور ان کے دل میں ایک ذرے جتنا ایمان ہو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

مسند احمد میں ہے آپؐ فرماتے ہیں میری امت پل صراط سے گزر رہی ہو گی' میں وہیں کھڑا دیکھ رہا ہوں گا کہ میرے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے اور فرمائیں گے' اے محمد ﷺ انبیاء کی جماعت آپ سے کچھ مانگتی ہے۔ وہ سب آپ کے لئے جمع ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ تمام امتوں کو جہاں بھی چاہے' الگ الگ کر دے' اس وقت وہ سخت غم میں ہیں' تمام مخلوق پسینوں میں گویا لگام چڑھا دی گئی ہے۔ مومن پر تو وہ مثل زکام کے ہے لیکن کافر پر تو موت کا ڈھانپ لینا ہے۔ آپ فرمائیں گے کہ ٹھہرو' میں آتا ہوں پس آپ جائیں گے عرش تلے کھڑے رہیں گے اور وہ عزت و آبرو ملے گی کہ کسی برگزیدہ فرشتے اور کسی بھیجے ہوئے نبی رسول کو نہ ملی ہو' پھر اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کرے گا کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور کہو کہ آپ سر اٹھائیے' مانگئے ملے گا' سفارش کیجئے' قبول ہو گی پس مجھے اپنی امت کی شفاعت ملے گی کہ ہر ننانوے میں سے ایک نکال لاؤں میں بار بار اپنے رب عزوجل کی طرف آتا جاتا رہوں گا اور ہر بار سفارش کروں گا یہاں تک کہ جناب باری مجھ سے ارشاد فرمائے گا کہ اے محمد (ﷺ) جاؤ مخلوق الٰہی میں سے جس نے ایک دن بھی خلوص کے ساتھ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ کی گواہی دی ہو اور اسی پر مرا ہو' اسے بھی جنت میں پہنچا آؤ۔

مسند احمد میں ہے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اس وقت ایک شخص کچھ کہہ رہا تھا' انہوں نے بھی کچھ کہنے کی اجازت مانگی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دی۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ جو کچھ یہ پہلا شخص کہہ رہا ہے' وہی بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کہیں گے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپ فرماتے ہیں' مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ زمین پر جتنے درخت اور کنکر ہیں' ان کی گنتی کے برابر لوگوں کی شفاعت میں کروں گا۔ پس اے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو تو اس کی امید ہو اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ناامید ہوں؟

مسند احمد میں ہے کہ ملیکہ کے دونوں لڑکے رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے' ہماری ماں' ہمارے والد کی بڑی ہی عزت کرتی تھیں' بچوں پر بڑی مہربانی اور شفقت کرتی تھیں' مہمانداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتی تھیں۔ ہاں انہوں نے جاہلیت کے زمانے میں اپنی زندہ لڑکیاں درگور کر دی تھیں' آپ نے فرمایا' پھر وہ جہنم میں پہنچی۔ وہ دونوں ملول خاطر ہو کر لوٹے تو آپ نے حکم دیا کہ انہیں واپس بلا لاؤ۔ وہ

لوٹے اور ان کے چہروں پر خوشی تھی کہ اب حضور ﷺ کوئی اچھی بات سنائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا' سنو میری ماں اور تمہاری ماں دونوں ایک ساتھ ہی ہیں۔ ایک منافق یہ سن کر کہنے لگا کہ اس سے اس کی ماں کو کیا فائدہ؟ ہم اس کے پیچھے جاتے ہیں۔ ایک انصاری جو حضور ﷺ سے سب سے زیادہ سوالات کرنے کا عادی تھا' کہنے لگا' یا رسول اللہ ﷺ کیا اس کے یا ان دونوں کے بارے میں آپ سے اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ کیا ہے؟ آپ سمجھ گئے کہ اس نے کچھ سنا ہے' فرمانے لگے' نہ میرے رب نے چاہا نہ مجھے اس بارے میں کوئی طمع دی۔

سنو میں قیامت کے دن مقام محمود پر پہنچایا جاؤں گا' انصاری نے کہا' وہ کیا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا' یہ اس وقت جب کہ تمہیں ننگے بدن بے ختنہ لایا جائے گا۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میرے خلیل کو کپڑے پہناؤ۔ پس دو چادریں سفید رنگ کی پہنائی جائیں گی اور آپ عرش کی طرف منہ کئے بیٹھ جائیں گے پھر میرا لباس لایا جائے گا میں ان کی دائیں طرف اس جگہ کھڑا ہوں گا کہ تمام اگلے پچھلے لوگ رشک کریں گے اور کوثر سے لے کر حوض تک ان کے لئے کھول دیا جائے گا' منافق کہنے لگے پانی کے جاری ہونے کے لئے تو مٹی اور کنکر لازمی ہیں۔ آپ نے فرمایا' اس کی مٹی مشک ہے اور کنکر موتی ہیں۔ اس نے کہا ہم نے تو کبھی ایسا نہیں سنا۔ اچھا پانی کے کنارے درخت بھی ہونے چاہئیں' انصاری نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا وہاں درخت بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا' ہاں سونے کی شاخوں والے۔ منافق نے کہا' آج جیسی بات تو ہم نے کبھی نہیں سنی۔ اچھا درختوں میں پتے اور پھل بھی ہونے چاہئیں۔ انصاری نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا ان درختوں میں پھل بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا' ہاں قسم قسم کے جواہر' اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہوگا اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ ایک گھونٹ بھی جس نے اس میں سے پی لیا' وہ کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا اور جو اس سے محروم رہ گیا' وہ پھر کبھی آسودہ نہ ہوگا۔

ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ عزوجل شفاعت کی اجازت دے گا' پس روح القدس حضرت جبرئیل علیہ السلام کھڑے ہوں گے' پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کھڑے ہوں گے' پھر حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ علیہما السلام کھڑے ہوں گے' پھر چوتھے تمہارے نبی حضرت محمد ﷺ کھڑے ہوں گے آپ سے زیادہ کسی کی شفاعت نہ ہوگی' یہی مقام محمود ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ میں اپنی امت سمیت ایک ٹیلے پر کھڑا ہوں گا' مجھے اللہ تعالیٰ سبز رنگ کا حلہ پہنائے گا' پھر مجھے اجازت دی جائے گی اور جو کچھ کہنا چاہوں گا کہوں گا' یہی مقام محمود ہے۔ مسند احمد میں ہے' قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور مجھے ہی سب سے پہلے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی' میں اپنے آگے پیچھے' دائیں بائیں دیکھ کر اپنی امت کو اور امتوں میں پہچان لوں گا' کسی نے پوچھا حضور ﷺ اور ساری امتیں جو حضرت نوحؑ کے وقت تک کی ہوں گی' ان سب میں سے آپ خاص اپنی امت کیسے پہچان لیں گے؟ آپؐ نے فرمایا' وضو کے اثر سے' ان کے ہاتھ پاؤں منہ چمک رہے ہوں گے ان کے سوا اور کوئی ایسا نہ ہوگا اور میں انہیں یوں پہچان لوں گا کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے اور نشان یہ ہے کہ ان کی اولادیں ان کے آگے آگے چل پھر رہی ہوں گی۔ مسند احمد میں ہے حضور علیہ السلام کے پاس گوشت لایا گیا اور شانے کا گوشت چونکہ آپ کو زیادہ مرغوب تھا وہی آپ کو دیا گیا۔ آپ اس میں سے گوشت توڑ توڑ کر کھانے لگے اور فرمایا قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا' آواز دینے والا انہیں سنائے گا۔ نگاہیں اوپر کو چڑھ جائیں گی سورج بالکل نزدیک ہو جائے گا اور لوگ ایسی سختی اور رنج و غم میں مبتلا ہو جائیں گے جو نا قابل برداشت ہے' اس وقت وہ آپس میں کہیں گے کہ دیکھو تو سہی' ہم سب کس مصیبت میں مبتلا ہیں چلو کسی سے کہہ کر اسے سفارشی بنا کر اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجیں۔ چنانچہ مشورہ سے طے ہوگا اور لوگ حضرت آدم علیہ السلام

کے پاس جائیں گے اور کہیں گے' آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے' آپ میں اپنی روح پھونکی ہے' اپنے فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دے کے ان سے سجدہ کرایا ہے' آپ کیا ہماری خستہ حالی ملاحظہ نہیں فرما رہے؟ آپ پروردگار سے شفاعت کیجئے۔ حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ میرا رب آج اس قدر غضبناک ہو رہا ہے کہ کبھی اس سے پہلے ایسا غضبناک نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد کبھی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک درخت سے روکا تھا لیکن مجھ سے نافرمانی ہو گئی۔ آج تو مجھے خود اپنا خیال لگا ہوا ہے' نفسا نفسی لگی ہوئی ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

لوگ وہاں سے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے نوح علیہ السلام آپ کو زمین والوں کی طرف سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا۔ آپ کا نام اس نے شکر گزار بندہ رکھا۔ آپ ہمارے لئے اپنے رب کے پاس شفاعت کیجئے' دیکھئے تو ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام جواب دیں گے کہ آج تو میرا پروردگار اس قدر غضبناک ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا غصے ہوا نہ اس کے بعد کبھی ایسا غصے ہو گا۔ میرے لئے ایک دعا تھی جو میں نے اپنی قوم کے خلاف مانگ لی مجھے تو آج اپنی پڑی ہے' نفسا نفسی لگ رہی ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے' آپ نبی اللہ ہیں' آپ خلیل اللہ ہیں' کیا آپ ہماری یہ بپتا نہیں دیکھتے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج میرا رب سخت غضبناک ہے کہ نہ تو اس سے پہلے کبھی ایسا ناراض ہوا نہ اس کے بعد کبھی اس سے زیادہ غصے میں آئے گا' پھر آپ اپنے جھوٹ یاد کر کے نفسانفسی کرنے لگیں گے اور فرمائیں گے' میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ علیہ السلام آپ اللہ کے رسول ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت اور اپنے کلام سے نوازا ہے' آپ ہمارے پروردگار کے پاس ہماری شفاعت لے جایئے دیکھئے تو کیسی سخت آفت میں ہیں؟ آپ فرمائیں گے' آج تو میرا رب سخت ناراض ہے' ایسا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا ناراض نہیں ہوا اور نہ کبھی اس کے بعد ایسا ناراض ہو گا' میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک انسان کو مار ڈالا تھا' نفسی نفسی تم مجھے چھوڑو۔ کسی اور سے کہو تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے' اے عیسیٰ علیہ السلام آپ رسول اللہ اور کلمتہ اللہ اور روح اللہ ہیں جو مریم علیہ السلام کی طرف بھیجی گئی' بچپن میں گہوارے میں ہی آپ نے بولنا شروع کر دیا تھا' جایئے ہمارے رب سے ہماری شفاعت کیجئے' خیال تو فرمایئے کہ ہم کس قدر بے چین ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ آج جیسا غصہ تو نہ پہلے تھا نہ بعد میں ہو گا' نفسی نفسی' آپ اپنے کسی گناہ کا ذکر نہ کریں گے۔ فرمائیں گے' تم کسی اور ہی کے پاس جاؤ۔ دیکھو میں بتاؤں تم سب محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ سب حضور ﷺ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے محمد ﷺ آپ رسول اللہ ہیں' آپ خاتم الانبیا ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ ہماری شفاعت کیجئے دیکھئے دیکھئے تو ہم کیسی سخت بلاؤں میں گھرے ہوئے ہیں پھر میں کھڑا ہوں گا اور عرش تلے آ کر اپنے رب عزوجل کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد وثنا کے وہ الفاظ کھولے گا جو مجھ سے پہلے کسی اور پر نہیں کھلے تھے۔ پھر مجھ سے فرمایا جائے گا' اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ' مانگو' تمہیں ملے گا' شفاعت کرو منظور ہو گی۔ میں اپنا سر سجدے سے اٹھاؤں گا اور کہوں گا میرے پروردگار میری امت' میرے رب میری امت' الٰہی میری امت پس مجھ سے فرمایا جائے گا جاؤ اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب نہیں' جنت میں لے جاؤ انہیں جنت کے داہنی طرف کے دروازے سے پہنچاؤ لیکن اور تمام دروازوں سے بھی انہیں روک نہیں۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے' جنت کی دو چوکھٹوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور حمیر میں یا مکہ اور بصریٰ میں۔ یہ حدیث

صحیحین میں بھی ہے۔ مسلم شریف میں ہے قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار میں ہوں' اس دن سب سے پہلے میری قبر کی زمین شق ہو گی' میں ہی پہلا شفیع ہوں اور پہلا شفاعت قبول کیا گیا۔ ابن جریر میں ہے کہ حضور ﷺ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا' یہ شفاعت ہے۔ مسند احمد میں ہے' مقام محمود وہ مقام ہے' جس میں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

عبدالرزاق میں ہے کہ قیامت کے دن کھال کی طرح اللہ تعالیٰ زمین کو کھینچ لے گا یہاں تک کہ ہر شخص کے لئے صرف اپنے دونوں قدم ٹکانے کی جگہ ہی رہے گی' سب سے پہلے مجھے طلب کیا جائے گا حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ رحمٰن تبارک وتعالیٰ کے دائیں طرف ہوں گے' اللہ کی قسم اس سے پہلے اسے اس نے نہیں دیکھا۔ میں کہوں گا کہ باری تعالیٰ اس فرشتے نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے تو میری طرف بھیج رہا تھا اللہ تعالیٰ عزوجل فرمائے گا' اس نے سچ کہا' اب میں یہ کہہ کر شفاعت کروں گا کہ اے اللہ تیرے بندوں نے زمین کے مختلف حصوں میں تیری عبادت کی ہے' آپ فرماتے ہیں یہی مقام محمود ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

دعا کیا کر کہ اے میرے پروردگار مجھے جہاں لے جا' اچھی طرح لے جا اور جہاں سے نکال اچھی طرح نکال اور میرے لئے اپنے پاس سے غلبہ اور امداد مقرر فرما دے ○ اعلان کر دے کہ حق آ چکا اور باطل نابود ہو گیا' یقیناً باطل تھا بھی نابود ہونے والا ○

حکم ہجرت: ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۱) مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ مکہ شریف میں تھے پھر آپ کو ہجرت کا حکم ہوا اور یہ آیت اتری۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفار مکہ نے مشورہ کیا کہ آپ کو قتل کر دیں یا نکال دیں یا قید کر لیں پس اللہ کا یہی ارادہ ہوا کہ اہل مکہ کو ان کی بداعمالیوں کا مزہ چکھا دے۔ اس نے اپنے پیغمبر ﷺ کو مدینے جانے کا حکم فرمایا۔ یہی اس آیت میں بیان ہو رہا ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' داخل ہونا مدینے میں اور مکے سے نکلنا یہی قول سب سے زیادہ مشہور ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سچائی کے داخلے سے مراد موت ہے اور سچائی سے نکلنے سے مراد موت کے بعد کی زندگی ہے اور اقوال بھی ہیں لیکن زیادہ صحیح پہلا قول ہی ہے۔ امام ابن جریر بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ پھر حکم ہوا کہ غلبے اور مدد کی دعا ہم سے کرو۔ اس دعا پر اللہ تعالیٰ نے فارس اور روم کا ملک اور عزت دینے کا وعدہ فرما لیا اتنا تو حضور ﷺ معلوم کر چکے تھے کہ بغیر غلبے کے دین کی اشاعت اور زور ناممکن ہے اس لئے اللہ تعالیٰ سے مدد و غلبہ طلب کیا تا کہ کتاب اللہ اور حدود اللہ' فرائض شرع اور قیام دین آپ کر سکیں۔ یہ غلبہ بھی اللہ کی ایک زبردست رحمت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ایک دوسرے کو کھا جاتا۔ ہر زور آور کمزور کا شکار کر لیتا۔ سلطانا نصیرا سے مراد کھلی دلیل بھی ہے لیکن پہلا قول پہلا ہی ہے اس لئے کہ حق کے ساتھ غلبہ اور طاقت بھی ضروری چیز ہے تا کہ مخالفین حق دبے رہیں' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے لوہے کے اتارنے کے احسان کو قرآن میں خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ سلطنت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بہت سی ان برائیوں کو روک دیتا ہے جو صرف قرآن سے نہیں رک سکتی تھیں۔ یہ بالکل واقعہ ہے بہت سے لوگ ہیں کہ قرآن کی نصیحتیں' اس کے وعدے وعید ان کو بدکاریوں سے نہیں ہٹا سکتے۔ لیکن اسلامی طاقت سے مرعوب ہو کر وہ برائیوں سے رک جاتے ہیں۔ پھر کافروں کی گوشمالی کی جاتی ہے کہ اللہ کی جانب سے حق آ چکا' سچائی اتر آئی' جس میں کوئی

شک وشبہ نہیں، قرآن ایمان، نفع دینے والا، سچا علم منجانب اللہ آ گیا، کفر برباد و غارت اور بے نام و نشان ہو گیا، وہ حق کے مقابلہ میں بے دست و پا ثابت ہوا، حق نے باطل کا دماغ پاش پاش کر دیا اور وہ نابود اور بے وجود ہو گیا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکے میں آئے بیت اللہ کے آس پاس تین سو ساٹھ بت تھے، آپ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے انہیں کچوکے دے رہے تھے اور یہی آیت پڑھتے تھے اور فرماتے جاتے تھے، حق آ چکا، باطل نہ دوبارہ آ سکتا ہے نہ لوٹ سکتا ہے۔ ابو یعلی میں ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ مکے میں آئے، بیت اللہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت تھے جن کی پوجا پاٹ کی جاتی تھی آپ نے فوراً حکم دیا کہ ان سب کو اوندھے منہ گرا دو پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

یہ قرآن جو ہم نازل فرما رہے ہیں، مومنوں کے لئے تو سراسر شفا اور رحمت ہے، ہاں ظالموں کو بجز نقصان کے اور کوئی زیادتی نہیں ہوتی ۝

قرآن حکیم شفا ہے: ☆☆ (آیت:۸۲) اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کی بابت جس میں باطل کا شائبہ بھی نہیں، فرماتا ہے کہ وہ ایمانداروں کے دلوں کی تمام بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ شک، نفاق، شرک، ٹیڑھ پن اور باطل کی لگاوٹ سب اس سے دور ہو جاتی ہے۔ ایمان، حکمت، بھلائی، رحمت نیکیوں کی رغبت اس سے حاصل ہوتی ہے۔ جو بھی اس پر ایمان و یقین لائے، اسے سچ سمجھ کر اس کی تابعداری کرے، یہ اسے اللہ کی رحمت کے نیچے لا کھڑا کرتا ہے۔ ہاں جو ظالم و جابر ہو جو اس سے انکار کرے، وہ اللہ سے اور دور ہو جاتا ہے۔ قرآن سن کر اس کا کفر اور بڑھ جاتا ہے پس یہ آفت خود کافر کی طرف سے اس کے کفر کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ قرآن کی طرف سے، وہ تو سراسر رحمت و شفا ہے چنانچہ اور آیت قرآن میں ہے قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ الخ کہہ دے کہ یہ ایمانداروں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمانوں کے کانوں میں پردے ہیں اور ان کی نگاہوں پر پردہ ہے یہ تو دور دراز سے آوازیں دیئے جاتے ہیں۔

اور آیت میں ہے وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ الخ جہاں کوئی سورت اتری کہ ایک گروہ نے پوچھنا شروع کیا کہ تم میں سے کس کو اس نے ایمان میں بڑھایا؟ سنو ایمان والوں کے تو ایمان بڑھ جاتے ہیں اور وہ ہشاش بشاش ہو جاتے ہیں ہاں جن کے دلوں میں بیماری ہے ان کی گندگی پر گندگی بڑھ جاتی ہے اور مرتے دم تک کفر پر قائم رہتے ہیں۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ الغرض مومن اس پاک کتاب کو سن کر نفع اٹھاتا ہے، اسے حفظ کرتا ہے، اسے یاد کرتا ہے، اس کا خیال رکھتا ہے۔ بے انصاف لوگ نہ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں، نہ اسے حفظ کرتے ہیں، نہ اس کی نگہبانی کرتے ہیں، اللہ نے اسے شفا اور رحمت صرف مومنوں کے لئے بنایا ہے۔

وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ ع ۷

انسان پر جب بھی ہم اپنی نعمت انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب بھی اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے ۝ کہہ دو کہ ہر شخص اپنے اپنے طریقے پر عامل ہے، جو پوری ہدایت کے راستے پر ہیں انہیں تمہارا رب ہی بخوبی جاننے والا ہے ۝ یہ لوگ تجھ سے روح کی بابت سوال کرتے

ہیں تو جواب دے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی کم ہے ○

انسانی فطرت میں خیر و شر موجود ہے : ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۴) خیر و شر' برائی بھلائی جو انسان کی فطرت میں ہیں' قرآن کریم ان کو بیان فرما رہا ہے۔ مال' عافیت' فتح' رزق' نصرت' تائید' کشادگی' آرام پاتے ہی نظریں پھیر لیتا ہے۔ اللہ سے دور ہو جاتا ہے گویا اسے کبھی برائی پہنچی ہی نہیں۔ اللہ سے کروٹ بدل لیتا ہے گویا کبھی کی جان پہچان ہی نہیں اور جہاں مصیبت' تکلیف دکھ درد' آفت حادثہ پہنچا اور یہ نا امید ہوا' سمجھ لیتا ہے کہ اب بھلائی' عافیت' راحت' آرام ملنے ہی کا نہیں۔

قرآن کریم اور جگہ ارشاد فرماتا ہے وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِ نْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ انسان کو راحتیں دے کر جوں ہی ہم نے واپس لے لیں تو یہ محض مایوس اور ناشکرا بن گیا اور جہاں مصیبتوں کے بعد ہم نے عافیتیں دیں' یہ پھول گیا' گھمنڈ میں آ گیا اور ہانک لگانے لگا کہ بس اب برائیاں مجھ سے دور ہو گئیں۔ فرماتا ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی طرز پر' اپنی طبیعت پر' اپنی نیت پر' اپنے دین اور طریقے پر عامل ہے تو لگے رہیں۔ اس کا علم کہ فی الواقع راہ راست پر کون ہے' صرف اللہ ہی کو ہے۔ اس میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنے مسلک پر گو کاربند ہوں اور اسے اچھا سمجھ رہے ہوں لیکن اللہ کے پاس جا کر کھلے گا کہ جس راہ پر وہ تھے' وہ کیسی خطرناک تھی۔ جیسے فرمان ہے کہ بے ایمانوں سے کہہ دو کہ اچھا ہے اپنی جگہ اپنے کام کرتے جاؤ الخ' بدلے کا وقت یہ نہیں' قیامت کا دن ہے' نیکی بدی کی تمیز اس دن ہو گی' سب کو بدلے ملیں گے' اللہ پر کوئی امر پوشیدہ نہیں۔

(آیت: ۸۵) بخاری وغیرہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ مدینے کے کھیتوں میں جا رہے تھے آپ کے ہاتھ میں لکڑی تھی میں آپ کے ہمراہ تھا۔ یہودیوں کے ایک گروہ نے آپ کو دیکھ کر آپس میں کانا پھوسی شروع کی کہ آؤ ان سے روح کی بابت سوال کریں۔ کوئی کہنے لگا اچھا' کسی نے کہا مت پوچھو' کوئی کہنے لگے تمہیں اس سے کیا نتیجہ؟ کوئی کہنے لگا' شاید کوئی جواب ایسا دیں جو تمہارے خلاف ہو۔ جانے دو نہ پوچھو۔ آخر وہ آئے اور حضرتؐ سے سوال کیا اور آپؐ اپنی لکڑی پر ٹیک لگا کر ٹھہر گئے میں سمجھ گیا کہ وحی اتر رہی ہے خاموش کھڑا رہ گیا اس کے بعد آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ اس سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے حالانکہ پوری صورت مکی ہے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مکے کی اتری ہوئی آیت سے ہی اس موقعہ پر مدینے کے یہودیوں کو جواب دینے کی وحی ہوئی ہو یا یہ کہ دوبارہ یہی آیت نازل ہوئی ہو۔ مسند احمد کی روایت سے بھی اس آیت کا مکے میں اترنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قریشیوں نے یہودیوں سے درخواست کی کہ کوئی مشکل سوال بتاؤ کہ ہم ان سے پوچھیں۔ انہوں نے سوال سمجھایا۔ اس کے جواب میں یہ آیت اتری تو یہ سرکش کہنے لگے' ہمیں بڑا علم ہے' تورات ہمیں ملی ہے اور جس کے پاس تورات ہو' اسے بہت سی بھلائی مل گئی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا الخ یعنی اگر تمام سمندروں کی سیاہی بن جائے اور اس سے کلمات الٰہی لکھنے شروع کئے جائیں تو یہ روشنائی سب خشک ہو جائے گی اور اللہ کے کلمات باقی رہ جائیں گے تو پھر تم اس کی مدد میں ایسے ہی اور بھی لاؤ۔ عکرمہؒ نے یہودیوں کے سوال پر اس آیت کا اترنا اور ان کے اس مکروہ قول پر دوسری آیت وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ الخ' کا اترنا بیان فرمایا ہے یعنی روئے زمین کے درختوں کی قلمیں اور روئے زمین کے سمندروں کی روشنائی اور ان کے ساتھ ہی ساتھ ایسے ہی اور سمندر بھی ہوں تب بھی اللہ کے کلمات پورے نہیں ہو سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ توراۃ کا علم جو جہنم سے بچانے والا ہے' بڑی چیز ہے لیکن

اللہ کے علم کے مقابلہ میں بہت تھوڑی چیز ہے۔

امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ مکے میں یہ آیت اتری کہ تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو مدینے کے علماء یہود آپؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم نے سنا ہے آپ یوں کہتے ہیں کہ تمہیں تو بہت ہی کم علم عطا فرمایا گیا ہے اس سے مراد آپ کی قوم ہے یا ہم؟ آپ نے فرمایا تم بھی اور وہ بھی۔ انہوں نے کہا' سنو خود قرآن میں پڑھتے ہو کہ ہم کو تورات ملی ہے اور یہ بھی قرآن میں ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم الٰہی کے مقابلے میں یہ بھی بہت کم ہے۔ ہاں بے شک تمہیں اللہ نے اتنا علم دے رکھا ہے کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو تمہیں بہت کچھ نفع ملے اور یہ آیت اتری وَلَوْاَنَّ مَافِی الْاَرضِ الخ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ یہودیوں نے حضور ﷺ سے روح کی بابت سوال کیا کہ اسے جسم کے ساتھ عذاب کیوں ہوتا ہے؟ وہ تو اللہ کی طرف سے ہے چونکہ اس بارے میں کوئی آیت وحی آپ پر نہیں اتری تھی آپؐ نے انہیں کچھ نہ فرمایا' اسی وقت آپؐ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہ آیت اتری یہ سن کر یہودیوں نے کہا' آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ آپؐ نے فرمایا' جبرئیل اللہ کی طرف سے یہ فرمان لائے وہ کہنے لگے وہ تو ہمارا دشمن ہے اس پر آیت قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ الخ نازل ہوئی یعنی جبرئیل کے دشمن کا دشمن اللہ ہے اور ایسا شخص کافر ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں' ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد ایک ایسا عظیم الشان فرشتہ ہے جو تمام مخلوق کے برابر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کا ایک فرشتہ ایسا بھی ہے کہ اگر اس سے ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کو ایک لقمہ بنانے کو کہا جائے تو وہ بنالے اس کی تسبیح یہ ہے سُبْحَانَكَ حَیْثُ کُنْتَ الٰہی تو پاک ہے جہاں بھی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور ہر زبان پر ستر ہزار لغت ہیں وہ ان تمام زبانوں سے ہر بولی میں اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ اس کی ہر ایک تسبیح سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اور فرشتوں کے ساتھ اللہ کی عبادت میں قیامت تک اڑتا رہتا ہے۔ یہ اثر بھی عجیب و غریب ہے واللہ اعلم۔

سہیلی کی روایت میں تو ہے کہ اس کے ایک لاکھ سر ہیں۔ اور ہر سر میں ایک لاکھ منہ ہیں اور ہر منہ میں ایک لاکھ زبانیں ہیں جن سے مختلف بولیوں میں وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا رہتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے فرشتوں کی وہ جماعت ہے جو انسانی صورت پر ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ وہ فرشتے ہیں کہ اور فرشتوں کو تو وہ دیکھتے ہیں لیکن اور فرشتے انہیں نہیں دیکھتے۔ پس وہ فرشتوں کے لئے ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے لئے یہ فرشتے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہیں جواب دے کہ روح امر ربی ہے یعنی اس کی شان سے ہے' اس کا علم صرف اسی کو ہے' تم میں سے کسی کو نہیں تمہیں جو علم ہے وہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے پس وہ بہت ہی کم ہے۔ مخلوق کو صرف وہی معلوم ہے جو اس نے انہیں معلوم کرایا ہے۔ خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں آرہا ہے کہ جب یہ دونوں بزرگ کشتی پر سوار ہو رہے تھے' اس وقت ایک چڑیا کشتی کے تختے پر بیٹھ کر اپنی چونچ پانی میں ڈبو کر اڑ گئی تو جناب خضرؑ نے فرمایا' اے موسیٰ میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا علم اللہ کے علم کے سامنے ایسا اور اتنا ہی ہے جتنا یہ چڑیا اس سمندر سے لے اڑی۔ (اوکما قال)

بقول سہیلی بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہیں ان کے سوال کا جواب نہیں دیا کیونکہ ان کا سوال ضد کرنے اور نہ ماننے کے طور پر تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جواب ہو گیا۔ مراد یہ ہے کہ روح شریعت الٰہی میں سے ہے' تمہیں اس میں نہ جانا چاہئے۔ تم جان رہے ہو کہ اس کے پہچاننے کی کوئی طبعی اور علمی راہ نہیں بلکہ وہ شریعت کی جہت سے ہے پس تم شریعت کو قبول کر لو لیکن ہمیں تو یہ طریقہ خطرے سے خالی نظر نہیں آتا واللہ اعلم۔

پھر سہیلی نے اختلاف علماء بیان کیا ہے کہ روح نفس ہی ہے یا اس کے سوا۔ اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ روح جسم میں مثل ہوا کے جاری ہے اور نہایت لطیف چیز ہے جیسے کہ درختوں کی رگوں میں پانی چڑھتا ہے اور جو روح فرشتہ ماں کے پیٹ کے بچے میں پھونکتا ہے وہ جسم کے ساتھ ملتے ہی نفس بن جاتی ہے اور جسم کی مدد سے وہ اچھی بری صفتیں اپنے اندر حاصل کر لیتی ہے یا تو ذکر اللہ کے ساتھ مطمئن ہونے والی ہو جاتی ہے یا برائیوں کا حکم کرنے والی بن جاتی ہے مثلاً پانی درخت کی حیات ہے اس کے درخت سے ملنے کے باعث وہ ایک خاص بات اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے مثلاً انگور پیدا ہوئے پھر ان کا پانی نکالا گیا یا شراب بنائی گئی پس وہ اصلی پانی اب جس صورت میں آیا' اب اسے اصلی پانی نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح اب جسم کے اتصال کے بعد روح کو اعلیٰ روح نہیں کہا جا سکتا اسی طرح اسے نفس بھی نہیں کہا جا سکتا یہ کہنا بھی بطور انجام کو پہچاننے کے ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ روح نفس اور مادہ کی اصل ہے اور نفس اس سے اور اس کے بدن کے ساتھ کے اتصال سے مرکب ہے۔ پس روح نفس ہے لیکن ایک وجہ سے نہ کہ تمام وجوہ سے۔ بات تو یہ دل کو لگتی ہے لیکن حقیقت کا علم اللہ ہی کو ہے۔ لوگوں نے اس بارے میں بہت کچھ کہا ہے اور بڑی بڑی مستقل کتابیں اس پر لکھی ہیں۔ اس مضمون پر بہترین کتاب حافظ ابن مندہ کی کتاب ''الروح'' ہے۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

اگر ہم چاہیں تو جو وحی تیری طرف ہم نے اتاری ہے' سب سلب کر لیں پھر تجھے اس کے لئے ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی بھی میسر نہ آ سکے ○ یہ تو صرف تیرے رب کا رحم و کرم ہے' یقین مان کہ تجھ پر اس کا بڑا ہی فضل ہے ○ اعلان کر دے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں ○ ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لئے ہر طرح ہیر پھیر سے تمام مثالیں بیان کر دی ہیں مگر تاہم اکثر لوگ ناشکری سے باز نہیں آتے ○

قرآن اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم: ☆☆ (آیت: ۸۶-۸۹) اللہ تعالیٰ اپنے زبردست احسان اور عظیم الشان نعمت کو بیان فرما رہا ہے جو اس نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ پر انعام کیا ہے یعنی آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی جس میں کہیں سے بھی کسی وقت باطل کی آمیزش ناممکن ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس وحی کو سلب بھی کر سکتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' آخر زمانے میں ایک سرخ ہوا چلے گی شام کی طرف سے یہ اٹھے گی اس وقت قرآن کے ورقوں میں سے اور حافظوں کے دلوں میں سے قرآن سلب ہو جائے گا۔ ایک حرف بھی باقی نہیں رہے گا پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ پھر اپنا فضل و کرم اور احسان بیان کر کے فرماتا ہے' کہ اس قرآن کریم کی بزرگی ایک یہ بھی ہے کہ تمام مخلوق اس کے مقابلے سے عاجز ہے۔ کسی کے بس میں اس جیسا کلام نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ بے مثل' بے نظیر' بے شریک ہے' اسی طرح اس کا

کلام مثال سے' نظیر سے' اپنے جیسے سے پاک ہے۔ ابن اسحاق نے وارد کیا ہے کہ یہودی آئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ ہم بھی اسی جیسا کلام بنا لاتے ہیں پس یہ آیت اتری لیکن ہمیں اس کے ماننے میں تامل ہے اس لئے کہ یہ سورت مکیہ ہے اور اس کا کل بیان قریشیوں سے ہے' وہی مخاطب ہیں اور یہود کے ساتھ مکے میں آپ کا اجتماع نہیں ہوا' مدینے میں ان سے میل ہوا واللہ اعلم۔

ہم نے اس پاک کتاب میں ہر قسم کی دلیلیں بیان فرما کر حق کو واضح کر دیا ہے اور ہر بات کو شرح وبسط سے بیان فرما دیا ہے باوجود اس کے بھی اکثر لوگ حق کی مخالفت کر رہے ہیں اور حق کو دھکے دے رہے ہیں اور اللہ کی ناشکری میں لگے ہوئے ہیں۔

وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

ع ۹

کہنے لگے ہم تو تجھ پر ایمان لانے کے نہیں تاوقتیکہ تو ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دے ○ یا خود تیرے اپنے لئے ہی کوئی باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اور اس کے درمیان تو بہت سی نہریں جاری کر دکھائے ○ یا تو آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے جیسے کہ تیرا گمان ہے یا تو خود اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کر دے ○ یا تیرے اپنے لئے کوئی سونے کا گھر ہو جائے یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھ جانے کا بھی اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک کہ تو ہم پر کوئی کتاب نہ اتار لائے جسے ہم آپ پڑھ لیں' تو جواب دے کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک انسان ہی ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں ○

قریش کے امراء کی آخری کوشش: ☆☆ (آیت: ۹۰-۹۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ اور ابوسفیان بن حرب اور بنی عبدالدار قبیلے کے دو شخص اور ابوالبختری بنی اسد کا اور اسود بن مطلب بن اسد اور زمعہ بن اسود اور ولید بن مغیرہ اور ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن ابی امیہ اور امیہ بن خلف اور عاص بن وائل اور نبیہ اور منبہ سہمی حجاج کے لڑکے' یہ سب یا ان میں سے کچھ سورج کے غروب ہو جانے کے بعد کعبۃ اللہ کے پیچھے جمع ہوئے اور کہنے لگے' بھئی کسی کو بھیج کر محمد (ﷺ) کو بلوا لو اور اس سے کہہ سن کر آج فیصلہ کر لو تا کہ کوئی عذر باقی نہ رہے چنانچہ قاصد گیا اور خبر دی کہ آپ کی قوم کے اشراف لوگ جمع ہوئے ہیں اور آپ کو یاد کیا ہے۔

چونکہ حضور ﷺ کو ان لوگوں کا ہر وقت خیال رہتا تھا' آپ کے جی میں آئی کہ بہت ممکن ہے اللہ نے انہیں صحیح سمجھ دے دی ہو اور یہ راہ راست پر آ جائیں اس لئے آپ فوراً ہی تشریف لائے۔ قریشیوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہا' سنئے آج ہم آپ پر حجت پوری کر دیتے ہیں تا کہ پھر ہم پر کسی قسم کا الزام نہ آئے اسی لئے ہم نے آپ کو بلوایا ہے واللہ کسی نے اپنی قوم کو اس مصیبت میں نہیں ڈالا ہو گا جو مصیبت تو نے ہم پر کھڑی کر رکھی ہے' تم ہمارے باپ دادوں کو گالیاں دیتے ہو' ہمارے دین کو برا کہتے ہو' ہمارے بزرگوں کو بیوقوف بناتے ہو' ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو' تم نے ہم میں تفریق ڈال دی' لڑائیاں کھڑی کر دیں واللہ آپ نے ہمیں کسی برائی کے پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی' اب

صاف صاف سن لیجئے اور سوچ سمجھ کر جواب دیجئے اگر آپ کا ارادہ ان تمام باتوں سے مال جمع کرنے کا ہے تو ہم موجود ہیں ہم خود آپ کو اس قدر مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ کے برابر ہم میں سے کوئی مالدار نہ ہو اور اگر آپ کا ارادہ اس سے یہ ہے کہ آپ ہم پر سرداری کریں تو لو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں ہم آپؐ کی سرداری کو تسلیم کرتے ہیں اور آپؐ کی تابعداری منظور کرتے ہیں۔ اگر آپؐ بادشاہت کے طالب ہیں تو بخدا ہم آپ کی بادشاہت کا اعلان کر دیتے ہیں اور اگر واقعی آپ کے دماغ میں کوئی فتور ہے' کوئی جن آپ کو ستا رہا ہے تو ہم موجود ہیں' دل کھول کر رقمیں خرچ کر کے تمہارا علاج معالجہ کریں گے یہاں تک کہ آپ کو شفا ہو جائے یا ہم معذور سمجھ لئے جائیں۔

یہ سب سن کر سردار رسولاں شفیع پیغمبراں ﷺ نے جواب دیا کہ سنو بحمد اللہ مجھے کوئی دماغی عارضہ یا خلل آسیب نہیں نہ میں اپنی اس رسالت کی وجہ سے مالدار بننا چاہتا ہوں نہ کسی سرداری کی طمع ہے نہ بادشاہ بننا چاہتا ہوں بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تم سب کی طرف اپنا رسول برحق بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں خوشخبریاں سنا دوں اور ڈرا دھمکا دوں' میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے' تمہاری سچی خیر خواہی کی' تم اگر قبول کر لو گے تو دونوں جہان میں نصیب دار بن جاؤ گے اور اگر نا منظور کر دو گے تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ جناب باری تعالیٰ شانہ مجھ میں اور تم میں سچا فیصلہ فرما دے (او کما قال)

اب سرداران قوم نے کہا کہ محمد (ﷺ) اگر آپ کو ہماری ان باتوں میں سے ایک بھی منظور نہیں تو اب اور سنو یہ تو خود تمہیں بھی معلوم ہے کہ ہم سے زیادہ تنگ شہر کسی اور کا نہیں' ہم سے زیادہ کم مال کوئی قوم نہیں' ہم سے زیادہ پیٹ پیٹ کر بہت کم روزی حاصل کرنے والی بھی کوئی قوم نہیں تو آپ اپنے رب سے جس نے آپ کو اپنی رسالت دے کر بھیجا ہے' دعا کیجئے کہ یہ پہاڑ یہاں سے ہٹا لے تاکہ ہمارا علاقہ کشادہ ہو جائے' شہروں شہروں کو وسعت ہو جائے اس میں نہریں' چشمے اور دریا جاری ہو جائیں جیسے کہ شام اور عراق میں ہیں اور یہ بھی دعا کیجئے کہ ہمارے باپ دادے زندہ ہو جائیں اور ان میں قصی بن کلاب ضرور ہو وہ ہم میں ایک بزرگ اور سچا شخص تھا ہم اس سے پوچھ لیں گے وہ آپ کی بابت جو کہہ دے گا' ہمیں اطمینان ہو جائے گا اگر آپ نے یہ کر دیا تو ہمیں آپ کی رسالت پر ایمان آ جائے گا اور ہم آپ کی دل سے تصدیق کرنے لگیں گے اور آپ کی بزرگی کے قائل ہو جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا' میں ان چیزوں کے ساتھ نہیں بھیجا گیا۔ ان میں سے کوئی کام میرے بس کا نہیں۔ میں تو اللہ کی باتیں تمہیں پہنچانے کے لئے آیا ہوں۔ تم قبول کر لو' دونوں جہان میں خوش رہو گے۔ نہ قبول کرو گے تو میں صبر کروں گا۔ اللہ کے حکم پر منتظر رہوں گا یہاں تک کہ پروردگار عالم مجھ میں اور تم میں فیصلہ فرما دے۔ انہوں نے کہا' اچھا یہ بھی نہ سہی' لیجئے ہم خود آپ کے لئے ہی تجویز کرتے ہیں آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ کوئی فرشتہ آپ کے پاس بھیجے جو آپ کی باتوں کی سچائی اور تصدیق کر دے' آپ کی طرف سے ہمیں جواب دے اور اس سے کہہ کر آپ اپنے لئے باغات اور خزانے اور سونے چاندی کے محل بنوا لیجئے تاکہ خود آپ کی حالت تو سنور جائے' بازاروں میں چلنا پھرنا' ہماری طرح تلاش معاش میں نکلنا یہ تو چھوٹ جائے۔ یہ اگر ہو جائے تو ہم مان لیں گے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی عزت ہے اور آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا' نہ میں یہ کروں نہ اپنے رب سے یہ طلب کروں نہ اس کے ساتھ میں بھیجا گیا۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بشیر و نذیر بنایا ہے بس اور کچھ نہیں۔ تم اگر مان لو تو دونوں جہان میں اپنا بھلا کرو گے اور نہ مانو نہ سہی میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا پروردگار میرے اور تمہارے درمیان کیا فیصلہ کرتا ہے؟ انہوں نے کہا اچھا پھر ہم کہتے ہیں کہ جاؤ اپنے رب سے کہہ کر ہم پر آسمان گرا دو تم تو کہتے ہی ہو کہ اگر اللہ چاہے تو ایسا کر دے تو پھر ہم کہتے ہیں بس کر دو ڈھیل نہ کرو' آپؐ نے فرمایا یہ اللہ کے اختیار کی بات ہے جو وہ چاہے کرے جو نہ چاہے نہ کرے۔ مشرکین نے کہا' سنئے کیا اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہم تیرے پاس اس وقت بیٹھیں گے اور تجھ سے یہ چیزیں طلب کریں گے

اور اس قسم کے سوالات کریں گے تو چاہئے تھا کہ وہ تجھے پہلے سے مطلع کر دیتا اور یہ بھی بتا دیتا کہ تجھے کیا جواب دینا چاہئے اور جب ہم تیری نہ مانیں تو وہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا۔ سنئے ہم نے تو سنا ہے کہ آپ کو یہ سب کچھ یمامہ کا ایک شخص رحمان نامی ہے' وہ سکھا جاتا ہے' اللہ کی قسم ہم تو رحمان پر ایمان لانے کے نہیں۔ ناممکن ہے کہ ہم اسے مانیں ہم نے آپ سے سبکدوشی حاصل کر لی جو کچھ کہنا سننا تھا' کہہ سن چکے اور آپ نے ہماری واجبی اور انصاف کی بات بھی نہیں مانی اب کان کھول کر ہوشیار ہو کر سن لیجئے کہ ہم آپ کو اس حالت میں آزاد نہیں رکھ سکتے اب یا تو ہم آپ کو ہلاک کر دیں گے یا آپ ہمیں تباہ کر دیں' کوئی کہنے لگا' ہم تو فرشتوں کو پوجتے ہیں جو اللہ کی بیٹیاں ہیں کسی نے کہا جب تک تو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے فرشتوں کو کھلم کھلا ہمارے پاس نہ لائے' ہم ایمان نہ لائیں گے۔

پھر مجلس برخاست ہوئی۔ عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم جو آپ کی پھوپھی حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب کا لڑکا تھا' آپ کے ساتھ ہو لیا اور کہنے لگا کہ یہ تو بڑی ناانصافی کی بات ہے کہ قوم نے جو کہا' وہ بھی آپ نے منظور نہ کیا' پھر جو طلب کیا' وہ بھی آپؐ نے پورا نہ کیا' پھر جس چیز سے آپؐ انہیں ڈراتے تھے وہ مانگا' وہ بھی آپؐ نے نہ کیا' اب تو اللہ کی قسم میں آپ پر ایمان لاؤں گا ہی نہیں جب تک کہ آپ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ کر کوئی کتاب نہ لائیں اور چار فرشتے اپنے ساتھ اپنے گواہ بنا کر نہ لائیں۔ حضور ﷺ ان تمام باتوں سے سخت رنجیدہ ہوئے۔ گئے تو آپؐ بڑے شوق سے تھے کہ شاید قوم کے سردار میری کچھ مان لیں لیکن جب ان کی سرکشی اور ایمان سے دوری آپؐ نے دیکھی' بڑے ہی مغموم ہو کر واپس اپنے گھر آئے (ﷺ)۔ بات یہ ہے کہ ان کی یہ تمام باتیں بطور کفر و عناد اور بطور نیچا دکھانے اور لاجواب کرنے کے تھیں ورنہ اگر ایمان لانے کے لئے نیک نیتی سے یہ سوالات ہوتے تو بہت ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں یہ معجزے دکھا دیتا چنانچہ حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر آپ کی چاہت ہو تو جو یہ مانگتے ہیں' میں دکھا دوں لیکن یہ یاد رہے کہ اگر پھر بھی ایمان نہ لائے تو انہیں وہ عبرتناک سزائیں دوں گا جو کسی کو نہ دی ہوں۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں ان پر توبہ کی قبولیت کا اور رحمت کا دروازہ کھلا رکھوں آپؐ نے دوسری بات پسند فرمائی۔ اللہ اپنے نبی رحمت اور نبی توبہ پر درود و سلام بہت بہت نازل فرمائے۔ اسی بات اور اسی حکمت کا ذکر آیت وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ الخ میں اور آیت وَقَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ يَاۡكُلُ الطَّعَامَ الخ' میں بھی ہے کہ یہ سب چیزیں ہمارے بس میں ہیں' سب ممکن ہے لیکن اسی وجہ سے کہ ان کے ظاہر ہو جانے کے بعد ایمان نہ لانے والوں کو پھر ہم نہیں چھوڑا کرتے۔ ہم ان نشانات کو روک رکھتے ہیں اور ان کفار کو ڈھیل دے رکھی ہے اور ان کا آخر ٹھکانا جہنم بنا رکھا ہے۔

پس ان کا سوال تھا کہ ریگستان عرب میں نہریں چل پڑیں' دریا ابل پڑیں وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی کام بھی اس قادر و قیوم اللہ پر بھاری نہیں' سب کچھ اس کی قدرت تلے اور اس کے فرمان تلے ہے۔ لیکن وہ بخوبی جانتا ہے کہ یہ ازلی کافران معجزوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لانے کے۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِيۡنَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ وَلَوۡ جَآءَتۡهُمۡ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ یعنی جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے' انہیں باوجود تمام تر معجزات دیکھ لینے کے بھی ایمان نصیب نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ المناک عذابوں کا معائنہ نہ کر لیں۔ وَلَوۡ اَنَّنَا الخ میں فرمایا کہ اے نبی ان کی خواہش کے مطابق اگر ہم ان پر فرشتے بھی نازل فرمائیں اور مردے بھی ان سے باتیں کر لیں اور اتنا ہی نہیں بلکہ غیب کی تمام چیز کھلم کھلا ان کے سامنے ظاہر کر دیں تو بھی یہ کافر بغیر مشیت الٰہی ایمان لانے کے نہیں۔ ان میں سے اکثر جہالت کے پتلے ہیں۔ اپنے لیے دریا طلب کرنے کے بعد انہوں نے کہا' اچھا آپ ہی کے لیے باغات اور نہریں ہو جائیں۔ پھر کہا کہ اچھا یہ بھی نہ سہی' یہ تو آپ کہتے ہی ہیں کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا' ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا تو اب آج ہی ہم پر اس کے ٹکڑے گرا دیجئے چنانچہ انہوں نے خود بھی اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کی کہ الٰہی اگر یہ سب کچھ تیری جانب سے ہی برحق

ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ الخ۔

شعیب علیہ السلام کی قوم نے بھی یہی خواہش کی تھی جس بنا پر ان پر سائبان کے دن کا عذاب اترا۔ لیکن چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ رحمتہ للعالمین اور نبی التوبہ تھے' آپؐ نے اللہ سے دعا کی کہ وہ انہیں ہلاکت سے بچالے۔ ممکن ہے یہ نہیں تو ان کی اولادیں ہی ایمان قبول کر لیں۔ توحید اختیار کر لیں' اور شرک چھوڑ دیں۔ آپ کی یہ آرزو پوری ہوئی عذاب نہ اترا' خود ان میں سے بھی بہت سوں کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی یہاں تک کہ عبداللہ بن امیہ جس نے آخر میں حضرتؐ کے ساتھ جا کر آپ کو باتیں سنائی تھیں اور ایمان نہ لانے کی قسمیں کھائیں تھیں' وہ بھی اسلام کے جھنڈے تلے آئے (رضی اللہ عنہ)۔ زخرف سے مراد سونا ہے بلکہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں لفظ مِنْ ذَهَبٍ ہے۔ کفار کا اور مطالبہ یہ تھا کہ تیرے لئے سونے کا گھر ہو جائے یا ہمارے دیکھتے ہوئے تو سیڑھی لگا کر آسمان پر پہنچ جائے اور وہاں سے کوئی کتاب لائے جو ہر ایک کے نام کی الگ الگ ہو راتوں رات ان کے سرہانے وہ پرچے پہنچ جائیں ان پر ان کے نام لکھے ہوئے ہوں' اس کے جواب میں حکم ہوا کہ ان سے کہہ دو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے آگے کسی کی کچھ نہیں چلتی وہ اپنی سلطنت اور مملکت کا تنہا مالک ہے' جو چاہے کرے جو نہ چاہے نہ کرے' تمہاری منہ مانگی چیز ظاہر کرے نہ کرے یہ اس کے اختیار کی بات ہے۔ میں تو صرف اللہ کا پیغام پہنچانے والا رسول ہوں' میں نے اپنا فرض ادا کر دیا' احکام الٰہی تمہیں پہنچا دیئے' اب جو تم نے مانگا وہ اللہ کے بس کی بات ہے نہ کہ میرے بس کی۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں بطحا مکہ کی بابت مجھ سے فرمایا گیا کہ اگر تم چاہو تو میں اسے سونے کا بنادوں میں نے گزارش کی کہ نہیں اللہ میری تو یہ چاہت ہے کہ ایک روز پیٹ بھرا رہوں اور دوسرے روز بھوکا رہوں' بھوک میں تیری طرف جھکوں' تضرع اور زاری کروں اور بکثرت تیری یاد کروں۔ بھرے پیٹ ہو جاؤں تو تیری حمد کروں' تیرا شکر بجالاؤں۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝۹۴ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝۹۵

لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکنے کے بعد ایمان سے روکنے والی صرف یہی چیز رہی کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ نے ایک انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجا؟ ○ تو جواب دے کہ اگر زمین پر فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے ○

فکری مغالطے اور کفار: ☆☆ (آیت: ۹۴-۹۵) اکثر لوگ ایمان سے اور رسولوں کی تابعداری سے اسی بنا پر رک گئے کہ انہیں یہ سمجھ نہ آیا کہ کوئی انسان بھی رسول اللہ بن سکتا ہے وہ اس پر سخت تر متعجب ہوئے اور آخر انکار کر بیٹھے اور صاف کہہ گئے کہ کیا ایک انسان ہماری رہبری کرے گا؟ فرعون اور اس کی قوم نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان کیسے لائیں' خصوصاً اس صورت میں کہ ان کی ساری قوم ہماری ماتحتی میں ہے۔ یہی اور امتوں نے اپنے زمانے کے نبیوں سے کہا تھا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو' سوا اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم ہمیں اپنے بڑوں کے معبودوں سے بہکا رہے ہو اچھا لاؤ کوئی زبردست ثبوت پیش کرو۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم اور انسانوں میں سے رسولوں کے بھیجنے کی وجہ کو بیان فرماتا ہے اور اس حکمت کو ظاہر فرماتا ہے کہ

اگر فرشتے رسالت کا کام انجام دیتے تو نہ ان کے پاس تم بیٹھ اٹھ سکتے نہ ان کی باتیں پوری طرح سے سمجھ سکتے۔ انسانی رسول چونکہ تمہارے ہی ہم جنس ہوتے ہیں' تم ان سے خلا ملا رکھ سکتے ہو' ان کی عادات واطوار دیکھ سکتے ہو اور مل جل کر ان سے اپنی زبان میں تعلیم حاصل کر سکتے ہو' ان کا عمل دیکھ کر خود سیکھ سکتے ہو جیسے فرمان ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ الخ اور آیت میں ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ اور آیت میں ہے كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ الخ مطلب سب کا یہی ہے کہ یہ تو اللہ کا زبردست احسان ہے کہ اس نے تم میں سے ہی اپنے رسول بھیجے کہ وہ آیات الٰہی تمہیں پڑھ کر سنائیں' تمہارے اخلاق پاکیزہ کریں اور تمہیں کتاب وحکمت سکھائیں اور جن چیزوں سے تم بے علم تھے' وہ تمہیں عالم بنا دیں۔ پس تمہیں میری یاد کی کثرت کرنی چاہیے تاکہ میں بھی تمہیں یاد کروں' تمہیں میری شکر گزاری کرنی چاہیے اور ناشکری سے بچنا چاہیے۔ یہاں فرماتا ہے کہ اگر زمین کی آبادی فرشتوں کی ہوتی تو بے شک ہم کسی آسمانی فرشتے کو ان میں رسول بنا کر بھیجتے۔ چونکہ تم خود انسان ہو' ہم نے اسی مصلحت سے انسانوں میں سے ہی اپنے رسول بنا کر تم میں بھیجے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿٩٦﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿٩٧﴾

کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا بس ہے' وہ اپنے بندوں سے خوب آگاہ اور بخوبی دیکھنے والا ہے ○ اللہ جس کی رہنمائی کر دے' وہ تو راہ یاب ہے' اور جسے وہ راہ سے کھو دے' ناممکن ہے کہ تو اس کا رفیق اس کے سوا کسی اور کو پائے' ایسے لوگوں کا ہم بروز قیامت اوندھے منہ حشر کریں گے درآنحالیکہ وہ اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے' ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا' جب کبھی وہ ہلکی ہونے لگے گی' ہم ان پر اسے بھڑکا دیں گے ○

صداقت رسالت پر اللہ کی گواہی: ☆☆ (آیت:۹۶) میری سچائی پر میں اور گواہ کیوں ڈھونڈوں؟ اللہ کی گواہی کافی ہے۔ میں اگر اس کی پاک ذات پر تہمت باندھتا ہوں تو وہ آپ مجھ سے انتقام لے گا۔ چنانچہ قرآن کی سورہ الحاقہ میں بیان ہے کہ اگر یہ پیغمبر زبردستی کوئی بات ہمارے سر چپکا دیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ تھام کر اس کی گردن اڑا دیتے اور ہمیں اس سے کوئی نہ روک سکتا۔ پھر فرمایا کہ کسی بندے کا حال اللہ سے مخفی نہیں' وہ انعام واحسان' ہدایت ولطف کے قابل لوگوں کو اور گمراہی اور بدبختی کے قابل لوگوں کو بخوبی جانتا ہے۔

میدان حشر کا ایک ہولناک منظر: ☆☆ (آیت:۹۷) اللہ تعالیٰ اس بات کو بیان فرماتا ہے کہ تمام مخلوق میں تصرف صرف اسی کا ہے' اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا' اس کے راہ دکھائے ہوئے کو کوئی بہکا نہیں سکتا' نہ اس کے بہکائے ہوئے کی کوئی دستگیری کر سکتا ہے' اس کا ولی اور مرشد کوئی نہیں بن سکتا۔ ہم انہیں اوندھے منہ میدان قیامت (محشر کے مجمع) میں لائیں گے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ سے سوال ہوا' یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا' جس نے پیروں پر چلایا ہے' وہ سر کے بل بھی چلا سکتا ہے۔ یہ حدیث بخاری ومسلم میں بھی ہے۔

مسند میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے بنی غفار قبیلے کے لوگو! سچ کہو اور قسمیں نہ کھاؤ' صادق مصدوق پیغمبر نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے کہ لوگ تین قسم کے بنا کر حشر میں لائے جائیں گے ایک فوج تو کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے والی'

ایک چلنے اور دوڑنے والی' ایک وہ جنہیں فرشتے اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم کے سامنے جمع کریں گے۔ لوگوں نے کہا' دو قسمیں تو سمجھ میں آ گئیں لیکن یہ چلنے اور دوڑنے والے سمجھ میں نہیں آئے آپ نے فرمایا' سواریوں پر آفت آ جائے گی یہاں تک کہ ایک انسان اپنا ہرا بھرا باغ دے کر پالان والی اونٹنی خریدنا چاہے گا لیکن نہ مل سکے گی۔ یہ اس وقت نابینا ہوں گے' بے زبان ہوں گے' کچھ بھی نہ سن سکیں گے غرض مختلف حال ہوں گے اور گناہوں کی شامت میں گناہوں کے مطابق گرفتار کئے جائیں گے۔ دنیا میں حق سے اندھے' بہرے اور گونگے بنے رہے آج سخت احتیاج والے دن سچ مچ اندھے' بہرے گونگے بنا دیئے گئے۔ ان کا اصلی ٹھکانا' گھوم پھر کر آنے اور رہنے سہنے بسنے ٹھہرنے کی جگہ جہنم قرار دی گئی۔ وہاں کی آگ جہاں مدہم پڑنے کو آئی اور بھڑکا دی گئی' سخت تیز کر دی گئی۔ جیسے فرمایا فَذُوقُوا فَلَنْ نَّزِيدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا یعنی اب سزا برداشت کرو۔ سوائے عذاب کے کوئی چیز تمہیں زیادہ نہ دی جائے گی۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

یہ سب ہماری آیتوں سے کفر کرنے اور اس کہنے کا بدلہ ہے کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزے ہو جائیں گے' پھر ہم نئی پیدائش میں اٹھا کھڑے کئے جائیں گے ○ کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ جس اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے' وہ ان جیسوں کی پیدائش پر پورا قادر ہے؟ اسی نے ان کے لئے ایسا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جو شک و شبہ سے یکسر خالی ہے' لیکن ناانصاف لوگ ناشکرے بنے بغیر رہتے ہی نہیں ○

بوسیدہ ہڈیاں پھر توانا ہوں گی: ☆☆ (آیت: ۹۸-۹۹) فرمان ہے کہ اوپر جن منکروں کو جس سزا کا ذکر ہوا ہے' وہ اسی کے قابل تھے' وہ ہماری دلیلوں کو جھوٹ سمجھتے تھے اور قیامت کے قائل ہی نہ تھے اور صاف کہتے تھے کہ بوسیدہ ہڈیاں ہو جانے کے بعد' مٹی کے ریزوں سے مل جانے کے بعد' ہلاک اور برباد ہو چکنے کے بعد کا دوبارہ جی اٹھنا تو عقل کے باہر ہے۔

پس ان کے جواب میں قرآن نے اس کی ایک یہ دلیل پیش کی کہ اس زبردست قدرت کے مالک نے آسمان و زمین کو بغیر کسی چیز کے اول بار بلا نمونہ پیدا کیا جس کی قدرت ان بلند و بالا' وسیع اور سخت مخلوق کی ابتدائی پیدائش سے عاجز نہیں۔ کیا وہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہو جائے گا؟ آسمان و زمین کی پیدائش تو تمہاری پیدائش سے بہت بڑی ہے۔ وہ ان کے پیدا کرنے میں نہیں تھکا' کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے سے بے اختیار ہو جائے گا؟ کیا آسمان و زمین کا خالق انسانوں جیسے اور پیدا نہیں کر سکتا؟ بے شک کر سکتا ہے' اس کا وصف ہے کہ وہ خلاق ہے' وہ علیم ہے' وہ قدرتوں والا ہے' جس چیز کی نسبت فرما دے کہ ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتی ہے اس کا حکم ہی چیز کے وجود کے لئے کافی وافی ہے۔ وہ انہیں قیامت کے دن دوبارہ کی نئی پیدائش میں ضرور اور قطعاً پیدا کرے گا۔ اس نے ان کے اعادہ کی' ان کے قبروں سے نکل کھڑے ہونے کی' مدت مقرر کر رکھی ہے۔ اس وقت یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔ یہاں کی قدرے تاخیر صرف معینہ وقت کو پورا کرنے کے لئے ہے۔ افسوس کس قدر واضح دلائل کے بعد بھی لوگ کفر و ضلالت کو نہیں چھوڑتے۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۠ (۱۰۰) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا (۱۰۱)

کہہ دے کہ اگر بالفرض تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک بن جاؤ تو تم تو اس وقت بھی اس کے خرچ ہو جانے کے خوف سے اس میں بخیلی کرتے' انسان ہے ہی تنگ دل ○ ہم نے موسیٰ کو نو معجزے بالکل صاف صاف عطا فرمائے۔ تو آپ ہی بنی اسرائیل سے پوچھ لے کہ جب وہ ان کے پاس پہنچا تو فرعون بولا کہ اے موسیٰ میرے خیال میں تو تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے ○

انسانی فطرت کا نفسیاتی تجزیہ: ☆☆ (آیت:۱۰۰) انسانی طبیعت کا خاصہ بیان ہو رہا ہے کہ رحمت الٰہی جیسی نہ کم ہونے والی چیزوں پر بھی اگر یہ قابض ہو جائے تو وہاں بھی اپنی بخیلی اور تنگ دلی نہ چھوڑے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اگر ملک کے کسی حصے کے یہ مالک ہو جائیں تو کسی کو ایک کوڑی پرکھنے کو نہ دیں۔ پس یہ انسانی طبیعت ہے۔ ہاں جو اللہ کی طرف سے ہدایت کئے جائیں اور توفیق خیر دیئے جائیں' وہ اس بدخصلت سے نفرت کرتے ہیں' وہ سخی اور دوسروں کا بھلا کرنے والے ہوتے ہیں۔ انسان بڑا ہی جلد باز ہے' تکلیف کے وقت لڑکھڑا جاتا ہے اور راحت کے وقت پھول جاتا ہے اور دوسروں کے فائدہ سے اپنے ہاتھ روکنے لگتا ہے' ہاں نمازی لوگ اس سے بری ہیں الخ۔ ایسی آیتیں قرآن میں اور بھی بہت سی ہیں۔ اس سے اللہ کے فضل و کرم' اس کی بخشش و رحم کا پتہ بھی چلتا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ دن رات کا خرچ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں لاتا۔ ابتدا سے اب تک کے خرچ نے بھی اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں کی۔

نو معجزے: ☆☆ (آیت:۱۰۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو ایسے معجزے ملے جو آپ کی نبوت کی صداقت اور نبوت پر کھلی دلیل تھی۔ لکڑی' ہاتھ' قحط سالی' دریا' طوفان' ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک اور خون۔ یہ تھیں تفصیل وار آیتیں۔ محمد بن کعب کا قول ہے کہ یہ معجزے یہ ہیں: ہاتھ کا چمکیلا بن جانا۔ لکڑی کا سانپ ہو جانا اور پانچ وہ جن کا بیان سورہ اعراف میں ہے اور مالوں کا مٹ جانا اور پتھر۔ ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ یہ معجزے آپ کا ہاتھ' آپ کی لکڑی' قحط سالیاں' پھلوں کی کمی' طوفان' ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک اور خون ہیں۔ یہ قول زیادہ ظاہر' بہت صاف' بہتر اور قوی ہے۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے ان میں سے قحط سالی اور پھلوں کی کمی کو ایک گن کر نواں معجزہ آپ کی لکڑی کا جادو گروں کے سانپوں کو کھا جانا بیان کیا ہے۔ لیکن ان تمام معجزوں کے باوجود فرعونیوں نے تکبر کیا اور اپنی گنہگاری پر اڑے رہے باوجودیکہ دل یقین لا چکا تھا مگر ظلم و زیادتی کر کے کفر و انکار پر جم گئے۔ اگلی آیتوں سے ان آیتوں کا ربط یہ ہے کہ جیسے آپ کی قوم آپ سے معجزے طلب کرتی ہے' ایسے ہی فرعونیوں نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معجزے طلب کئے جو ظاہر ہوئے لیکن انہیں ایمان نصیب نہ ہوا آخرش ہلاک کر دیئے گئے۔

اسی طرح اگر آپ کی قوم بھی معجزوں کے آ جانے کے بعد کافر رہی تو پھر مہلت نہ ملے گی اور معاً تباہ و برباد کر دی جائے گی۔ خود فرعون نے معجزے دیکھنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیا۔ پس یہاں جن نو نشانیوں کا بیان ہے یہ وہی ہیں اور ان ہی کا بیان وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ سے قَوْمًا فٰسِقِيْنَ تک میں ہے ان آیتوں میں لکڑی کا اور ہاتھ کا ذکر موجود ہے اور باقی آیتوں کا بیان سورہ

اعراف میں ہے۔ ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت سے معجزے دیئے تھے مثلاً آپ کی لکڑی کے لگنے سے ایک پتھر میں سے بارہ چشموں کا جاری ہو جانا' بادل کا سایہ کرنا' من وسلویٰ کا اترنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب نعمتیں بنی اسرائیل کو مصر کے شہر چھوڑنے کے بعد ملیں پس ان معجزوں کو یہاں اس لئے بیان نہیں فرمایا کہ وہ فرعونیوں نے نہیں دیکھے تھے یہاں صرف ان نو معجزوں کا ذکر کیا جو فرعونیوں نے دیکھے تھے اور انہیں جھٹلایا تھا۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا' چل تو ذرا۔ اس نبی سے ان کے قرآن کی اس آیت کے بارے میں پوچھ لیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ نو آیات کیا ملی تھیں؟ دوسرے نے کہا' نبی نہ کہہ' سن لیا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ اب دونوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا' آپ نے فرمایا' یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' چوری نہ کرو' زنا نہ کرو' کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو' جادو نہ کرو' سود نہ کھاؤ' بے گناہ لوگوں کو پکڑ کر بادشاہ کے دربار میں نہ لے جاؤ کہ اسے قتل کرا دو اور پاک دامن عورتوں پر بہتان نہ باندھو یا فرمایا جہاد سے نہ بھاگو۔ اور اے یہودیو! تم پر خاص کر یہ حکم بھی تھا کہ ہفتے کے دن زیادتی نہ کرو اب تو وہ بے ساختہ آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے اور کہنے لگے ہماری گواہی ہے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا' پھر تم میری تابعداری کیوں نہیں کرتے؟ کہنے لگے حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ میری نسل میں نبی ضرور ہیں اور ہمیں خوف ہے کہ آپ کی تابعداری کے بعد یہود ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔ ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں لیکن ہے ذرا مشکل کام اس لئے کہ اس کے راوی عبداللہ بن سلمہ کے حافظے میں قدرے قصور ہے اور ان پر جرح بھی ہے' ممکن ہے نو کلمات کا شبہ نو آیات سے انہیں ہو گیا ہو اس لئے کہ یہ تورات کے احکام ہیں فرعون پر حجت قائم کرنے والی یہ چیزیں نہیں واللہ اعلم۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝۱۰۲ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ۝۱۰۳ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ۝۱۰۴ؕ

موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان وزمین کے پروردگار ہی نے یہ معجزے دکھانے سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں' اے فرعون میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو یقیناً برباد و ہلاک کیا گیا ہے ○ آخر فرعون نے پختہ ارادہ کر لیا کہ انہیں اس سرزمین سے ہی اکھیڑ دے تو ہم نے خود اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا ○ ازاں بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرما دیا کہ اس سرزمین پر تم رہو سہو۔ ہاں جب آخرت کا وعدہ آئے گا' ہم تم سب کو سمیٹ اور لپیٹ کر لے آئیں گے ○

(آیت: ۱۰۲-۱۰۴) اسی لئے فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون یہ تو تجھے بھی معلوم ہے کہ یہ سب معجزے سچے ہیں اور ان میں سے ایک ایک میری سچائی کی جیتی جاگتی دلیل ہے میرا خیال ہے کہ تو ہلاک ہونا چاہتا ہے' اللہ کی لعنت تجھ پر اترا ہی چاہتی ہے' تو مغلوب ہوگا اور تباہی کو پہنچے گا مثبور کے معنی ہلاک ہونے کے اس شعر میں بھی ہیں۔

اذا جار الشیطان فی سنن الغی و من مال میله مثبور

یعنی شیطان کے دوست ہلاک شدہ ہیں - عَلِمۡتَ کی دوسری قرات عَلِمۡتُ تے کے زبر کے بدلے تے کے پیش سے بھی ہے لیکن جمہور کی قرات تے کے زبر سے ہی ہے - اور اسی معنی کو وضاحت سے اس آیت میں بیان فرماتا ہے وَ جَحَدُوۡا بِہَا وَ اسۡتَیۡقَنَتۡہَاۤ اَنۡفُسُہُمۡ الخ یعنی جب ان کے پاس ہماری ظاہر اور بصیرت افروز نشانیاں پہنچ چکیں تو وہ بولے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے - یہ کہہ کر منکرین انکار کر بیٹھے حالانکہ ان کے دلوں میں یقین آ چکا تھا لیکن صرف ظلم و زیادتی کی راہ سے نہ مانے الخ - الغرض یہ صاف بات ہے کہ جن نو نشانیوں کا ذکر ہوا ہے یہ عصا' ہاتھ' قحط سالی' پھلوں کی کم پیداواری' ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک اور دم (خون) تھیں - جو فرعون اور اس کی قوم کے لئے اللہ کی طرف سے دلیل و برہان تھیں اور آپ کے معجزے تھے جو آپ کی سچائی اور اللہ کے وجود پر دلائل تھے' ان نو نشانیوں سے مراد وہ احکام نہیں جو اوپر کی حدیث میں بیان ہوئے کیونکہ وہ فرعون اور فرعونیوں پر حجت نہ تھے بلکہ ان پر حجت ہونے اور ان احکام کے بیان ہونے کے درمیان کوئی مناسبت ہی نہیں - یہ وہم صرف عبداللہ بن سلمہ راوی حدیث کی وجہ سے لوگوں کو پیدا ہوا اس کی بعض باتیں واقعی قابل انکار ہیں واللہ اعلم -

بہت ممکن ہے کہ ان دونوں یہودیوں نے دس کلمات کا سوال کیا ہو اور راوی کو نو آیتوں کا وہم رہ گیا ہو - فرعون نے ارادہ کیا کہ انہیں جلاوطن کر دیا جائے - پس ہم نے خود اسے مچھلیوں کا لقمہ بنایا اور اس کے تمام ساتھیوں کو بھی - اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمادیا کہ اب زمین تمہاری ہے رہو سہو' کھاؤ پیو - اس آیت میں حضور ﷺ کو بھی زبردست بشارت ہے کہ مکہ آپ کے ہاتھوں فتح ہوگا - حالانکہ سورت مکیہ ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی واقع میں ہوا بھی اسی طرح کہ اہل مکہ نے آپ کو مکہ شریف سے نکال دینا چاہا جیسے قرآن نے آیت وَاِنۡ کَادُوۡا لَیَسۡتَفِزُّوۡنَکَ الخ میں بیان فرمایا ہے - پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو غالب کیا اور مکے کا مالک بنا دیا اور فاتحانہ حیثیت سے آپ بعد از جنگ مکے میں آئے اور یہاں اپنا قبضہ کیا اور پھر اپنے حلم و کرم سے کام لے کر مکے کے مجرموں کو اور اپنے جانی دشمنوں کو عام طور پر معافی عطا فرمادی' (صلی اللہ علیہ وسلم) - اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی اسرائیل جیسی ضعیف قوم کو زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا تھا اور فرعون جیسے سخت اور متکبر بادشاہ کے مال' زمین' پھل' کھیتی اور خزانوں کا مالک کر دیا - جیسے آیت وَ اَوۡرَثۡنٰہَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الخ میں بیان ہوا ہے - یہاں بھی فرماتا ہے کہ فرعون کی ہلاکت کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اب تم یہاں رہو سہو' قیامت کے وعدے کے دن تم اور تمہارے دشمن سب ہمارے سامنے اکٹھے لائے جاؤ گے' ہم تم سب کو جمع کر لائیں گے -

وَ بِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰہُ وَ بِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا
وَّ نَذِیۡرًا ﴿۱۰۵﴾ وَ قُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰہُ لِتَقۡرَاَہٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ
وَّ نَزَّلۡنٰہُ تَنۡزِیۡلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلۡ اٰمِنُوۡا بِہٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ
اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِہٖۤ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ
سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ۙ وَّ یَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿۱۰۸﴾
وَ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ یَبۡکُوۡنَ وَ یَزِیۡدُہُمۡ خُشُوۡعًا ﴿۱۰۹﴾

ہم نے اس قرآن کو راستی سے اتارا اور یہ بھی راستی سے اترا' ہم نے تجھے صرف خوشخبری سنانے والا اور دھمکانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لئے اتارا ہے کہ تم اسے بہ مہلت لوگوں کو سناؤ اور ہم نے خود بھی اسے بتدریج نازل فرمایا ○ کہہ دے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ' جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے' ان

کے پاس تو جب بھی اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں ○ اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے ہمارے رب کا وعدہ بلاشک وشبہ پورا ہوکر رہنے والا ہی ہے ○ وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کی عاجزی اور خشوع وخضوع اور بڑھا دیتا ہے ○

قرآن کریم کی صفات عالیہ: ☆☆ (آیت: ۱۰۵-۱۰۶) ارشاد ہے کہ قرآن حق کے ساتھ نازل ہوا' یہ سراسر حق ہی ہے- اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ اسے نازل فرمایا ہے- اس کی حقانیت پر وہ خود شاہد ہے اور فرشتے بھی گواہ ہیں' اس میں وہی ہے جو اس نے آپ اپنی دانست کے ساتھ اتارا ہے' اس کے تمام حکم احکام اور نہی وممانعت اسی کی طرف سے ہے' حق والے نے حق کے ساتھ اسے اتارا اور یہ حق کے ساتھ ہی تجھ تک پہنچا' نہ راستے میں کوئی باطل اس میں ملا نہ باطل کی یہ شان کہ اس سے مخلوط ہو سکے- یہ بالکل محفوظ ہے' کمی زیادتی سے یکسر پاک ہے' پوری طاقت والے امانتدار فرشتے کی معرفت نازل ہوا ہے جو آسمانوں میں ذی عزت اور وہاں کا سردار ہے- تیرا کام مومنوں کو خوشی سنانا اور کافروں کو ڈرانا ہے- اس قرآن کو ہم نے لوح محفوظ سے بیت العزۃ پر نازل فرمایا جو آسمان اول میں ہے- وہاں سے متفرق تھوڑا تھوڑا کر کے واقعات کے مطابق تئیس برس میں دنیا پر نازل ہوا- اس کی دوسری قرات فَرَّقْنٰهُ ہے یعنی ایک ایک آیت کر کے تفسیر اور تفصیل اور تبیین کے ساتھ اتارا ہے کہ تو اسے لوگوں کو بہ سہولت پہنچا دے اور آہستہ آہستہ انہیں سنا دے' ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا ہے-

سماعت قرآن عظیم کے بعد: ☆☆ (آیت: ۱۰۷-۱۰۹) فرمان ہے کہ تمہارے ایمان پر صداقت قرآن موقوف نہیں' تم مانو یا نہ مانو- قرآن فی نفسہ کلام اللہ اور بے شک برحق ہے- اس کا ذکر تو ہمیشہ سے قدیم کتابوں میں چلا آ رہا ہے- جو اہل کتاب صالح اور عامل کتاب اللہ ہیں' جنہوں نے اگلی کتابوں میں کوئی تحریف وتبدیلی نہیں کی' وہ تو اس قرآن کو سنتے ہی بے چین ہو کر شکریہ کا سجدہ کرتے ہیں کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے ہماری موجودگی میں اس رسول کو بھیجا اور اس کلام کو نازل فرمایا- اپنے رب کی قدرت کاملہ پر اس کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں- جانتے تھے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے' غلط نہیں ہوتا- آج وہ وعدہ پورا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں' اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس کے وعدے کی سچائی کا اقرار کرتے ہیں- خشوع وخضوع' فروتنی اور عاجزی کے ساتھ روتے' گڑگڑاتے' اللہ کے سامنے اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں- ایمان وتصدیق اور کلام اللہ اور رسول اللہ کی وجہ سے وہ ایمان واسلام میں' ہدایت وتقویٰ میں' ڈر اور خوف میں اور بڑھ جاتے ہیں- یہ عطف صفت کا صفت پر ہے- سجدے کا سجدے پر نہیں-

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

ع ۱۲

کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر' جس نام سے بھی پکارو' تمام اچھے نام اسی کے ہیں' نہ تو تو اپنی نماز بہت بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پوشیدہ بلکہ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کر لے ○ اور یہ کہتا رہ کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک وساجھی رکھتا ہے- نہ وہ ایسا حقیر کہ اس کا کوئی حمایتی ہو اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ ○

رحمٰن یا رحیم؟ : ☆☆ (آیت: ۱۱۰-۱۱۱) کفار اللہ کی رحمت کی صفت کے منکر تھے‘ اس کا نام رحمان نہیں سمجھتے تھے تو جناب باری تعالیٰ اپنے نفس کے لئے اس نام کو ثابت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہی نہیں کہ اللہ کا نام اللہ ہو‘ رحمٰن ہو یا رحیم اور بس ان کے سوا بھی بہت سے بہترین اور احسن نام اس کے ہیں - جس پاک نام سے چاہو‘ اس سے دعائیں کرو - سورہ حشر کے آخر میں بھی اپنے بہت سے نام اس کے بیان فرمائے ہیں - ایک مشرک نے حضور ﷺ سے سجدے کی حالت میں یا رحمٰن یا رحیم سن کر کہا کہ لیجئے یہ موحد ہیں - دو معبودوں کو پکارتے ہیں - اس پر یہ آیت اتری - پھر فرماتا ہے اپنی نماز کو بہت اونچی آواز سے نہ پڑھو - اس آیت کے نزول کے وقت حضور ﷺ مکے میں پوشیدہ تھے جب صحابہؓ کو نماز پڑھاتے اور بلند آواز سے اس میں قرأت پڑھتے تو مشرکین قرآن کو‘ اللہ کو‘ رسول کو گالیاں دیتے اس لئے حکم ہوا کہ اس قدر بلند آواز سے پڑھنے کی ضرورت نہیں کہ مشرکین سنیں اور گالیاں بکیں - ہاں ایسا آہستہ بھی نہ پڑھنا کہ آپ کے ساتھی بھی نہ سن سکیں بلکہ درمیانی آواز سے قرات کیا کرو - پھر جب آپ ہجرت کر کے مدینے پہنچے تو یہ تکلیف جاتی رہی اب جس طرح چاہیں پڑھیں - مشرکین جہاں قرآن کی تلاوت شروع ہوتی تو بھاگ کھڑے ہوتے - اگر کوئی سننا چاہتا تو ان کے خوف کے مارے چھپ چھپا کر‘ بچ بچا کر کچھ سن لیتا - لیکن جہاں مشرکوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے انہیں سخت ایذا دہی شروع کی اب اگر بہت بلند آواز کریں تو ان کی چڑ اور ان کی گالیوں کا خیال اور اگر بہت پست کر لیں تو وہ جو چھپے لکے کان لگائے بیٹھے ہیں وہ محروم‘ اس لئے درمیانی آواز سے قرات کرنے کا حکم ہوا -

الغرض نماز کی قرات کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے - مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی نماز میں پست آواز سے قرات پڑھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ با آواز بلند قرات پڑھا کرتے تھے - حضرت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ آہستہ کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اپنے رب سے سرگوشی ہے وہ میری حاجات کا علم رکھتا ہے تو فرمایا کہ یہ بہت اچھا ہے - حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا شیطان کو بھگاتا ہوں اور سوتوں کو جگاتا ہوں تو آپ سے بھی فرمایا گیا‘ بہت اچھا ہے لیکن جب یہ آیت اتری تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قدرے بلند آواز کرنے کو اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قدرے پست آواز کرنے کو فرمایا گیا - ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں‘ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے‘ اسی طرح ثوری اور مالک ہشام بن عروہ سے‘ وہ اپنے باپ سے‘ وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں‘ آپؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہی قول حضرت مجاہد حضرت سعید بن جبیر‘ حضرت ابوعیاض‘ حضرت مکحول‘ حضرت عروہ بن زبیر رحمہم اللہ کا بھی ہے - مروی ہے کہ بنو تمیم قبیلے کا ایک اعرابی جب بھی حضور ﷺ نماز سے سلام پھیرتے‘ یہ دعا کرتا کہ الٰہی مجھے اونٹ عطا فرما مجھے اولاد دے پس یہ آیت اتری -

ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت تشہد کے بارے میں نازل ہوئی ہے - یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ نہ تو ریا کاری کرو نہ عمل چھوڑو - یہ بھی نہ کرو کہ علانیہ تو عمدہ کر کے پڑھو اور خفیہ برا کر کے پڑھو - اہل کتاب پوشیدہ پڑھتے اور اسی درمیان کوئی فقرہ بہت بلند آواز سے چیخ کر زبان سے نکالتے اس پر سب ساتھ مل کر شور مچا دیتے تو ان کی موافقت سے ممانعت ہوئی اور جس طرح اور لوگ چھپاتے تھے‘ اس سے بھی روکا گیا پھر اس کے درمیان کا راستہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا جو حضور ﷺ نے مسنون فرمایا ہے - اللہ کی حمد کرو جس میں تمام تر کمالات اور پاکیزگی کی صفتیں ہیں - جس کے تمام تر بہترین نام ہیں جو تمام تر نقصانات سے پاک ہے - اس کی اولاد نہیں‘ اس کا شریک نہیں‘ وہ واحد ہے‘ احد ہے‘ صمد ہے‘ نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد‘ نہ اس کی جنس کا کوئی اور‘ نہ وہ ایسا حقیر کہ کسی کی حمایت کا محتاج ہو یا وزیر و مشیر کی

اسے حاجت ہو بلکہ تمام چیزوں کا خالق مالک صرف وہی ہے سب کا مدبر مقدر وہی ہے اسی کی مشیت تمام مخلوق میں چلتی ہے وہ وحدہ لاشریک لہ ہے نہ اس کی کسی سے بھائی بندی ہے نہ وہ کسی کی مدد کا طالب ہے۔ تو ہر وقت اس کی عظمت، جلالت، کبریائی، بڑائی اور بزرگی بیان کرتا رہ۔ اور مشرکین جو تہمتیں اس پر باندھتے ہیں، تو ان سے اس کی ذات کی بزرگی بڑائی اور پاکیزگی بیان کرتا رہ۔ یہود و نصاریٰ تو کہتے تھے کہ اللہ کی اولاد ہے مشرکین کہتے تھے لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَ لَکَ تَمْلِکُہٗ وَ مَا مَلَکَ یعنی ہم حاضر باش غلام ہیں۔ الٰہی تیرا کوئی شریک نہیں لیکن جو خود تیری ملکیت میں ہیں، تو ہی ان کا اور ان کی ملکیت کا مالک ہے۔ صابی اور مجوسی کہتے تھے کہ اگر اولیاء اللہ نہ ہوں تو اللہ سارے انتظام آپ نہیں کر سکتا۔ اس پر یہ آیت اتری اور ان سب باطل پرستوں کی تردید کر دی گئی۔

نبی کریم ﷺ اپنے گھر کے تمام چھوٹے بڑے لوگوں کو یہ آیت سکھایا کرتے تھے۔ آپ نے اس آیت کا نام آیت العزیعنی عزت والی آیت رکھا ہے۔ بعض آثار میں ہے کہ جس گھر میں رات کو یہ آیت پڑھی جاوے، اس گھر میں کوئی آفت یا چوری نہیں ہو سکتی واللہ اعلم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ نکلا میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا یا آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ راہ چلتے ایک شخص کو آپ نے دیکھا، نہایت ردی حالت میں ہے، اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا حضور ﷺ بیماریوں اور نقصانات نے میری یہ درگت کر رکھی ہے آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں کچھ وظیفہ بتا دوں کہ یہ دکھ بیماری سب کچھ جاتی رہے؟ اس نے کہا ہاں ہاں یا رسول اللہ ﷺ ضرور بتلائیے احد اور بدر میں آپ کے ساتھ نہ ہونے کا افسوس میرا جاتا رہے گا اس پر آپ ہنس پڑے اور فرمایا تو بدری اور احدی صحابہؓ کے مرتبے کو کہاں سے پا سکتا ہے تو ان کے مقابلے میں محض خالی ہاتھ اور بے سرمایہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ انہیں جانے دیجئے آپ مجھے بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا، ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یوں کہو تَوَکَّلْتُ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ الْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا الخ میں نے یہ وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا، چند دن گزرے تھے کہ میری حالت بہت ہی سنور گئی حضور ﷺ نے مجھے دیکھا اور پوچھا، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا، ان کلمات کی وجہ سے اللہ کی طرف سے برکت ہے جو آپ نے مجھے سکھائے تھے۔ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے متن میں بھی نکارت ہے۔ اسے حافظ ابو یعلی اپنی کتاب میں لائے ہیں واللہ اعلم۔

تفسیر سورة کهف

(تفسیر سورۃ کہف) اس سورت کی فضیلت کا بیان خصوصاً اس کی اول آخر کی دس آیتوں کی فضیلت کا بیان اور یہ کہ یہ سورت فتنہ دجال سے محفوظ رکھنے والی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابی نے اس سورت کی تلاوت شروع کی ان کے گھر میں ایک جانور تھا اس نے اچھلنا بدکنا شروع کر دیا صحابیؓ نے جو غور سے دیکھا تو انہیں سائبان کی طرح کا ایک بادل نظر پڑا جس نے ان پر سایہ کر رکھا تھا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا آپؐ نے فرمایا پڑھتے رہو یہ ہے وہ سکینہ جو اللہ کی طرف سے قرآن کی تلاوت پر نازل ہوتا ہے۔ صحیحین میں بھی یہ روایت ہے یہ صحابی حضرت اسید بن حضیر تھے رضی اللہ عنہ۔ جیسے کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ جس شخص نے سورہ کہف کے شروع کی دس آیتیں حفظ کر لیں، وہ فتنہ دجال سے بچا لیا گیا۔ ترمذی میں تین آیتوں کا بیان ہے۔ مسلم میں آخری دس آیتوں کا ذکر ہے نسائی میں دس آیتوں کو مطلق بیان کیا گیا ہے۔ مسند احمد میں ہے، جو شخص اس سورہ کہف کا اول و آخر پڑھ لے، اس کے لئے اس کے پاؤں سے سر تک نور ہوگا اور ساری سورت کو پڑھے، اسے زمین سے آسمان تک کا نور ملے

گا-ایک غریب سند سے ابن مردویہ میں ہے کہ جمعہ کے دن جو شخص سورہ کہف پڑھ لے اس کے پیر کے تلووں سے لے کر آسمان کی بلندی تک کا نور ملے گا جو قیامت کے دن خوب روشن ہوگا اور دوسرے جمعہ تک کے اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے-اس حدیث کے مرفوع ہونے میں نظر ہے زیادہ اچھا تو اس کا موقوف ہونا ہی ہے- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے سورۂ کہف جمعہ کے دن پڑھ لی اس کے پاس سے لے کر بیت اللہ شریف تک نورانیت ہو جاتی ہے-مستدرک حاکم میں مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے سورہ کہف جمعہ کے دن پڑھی اس کے لئے وہ جمعہ کے درمیان تک نور کی روشنی رہتی ہے- بیہقی میں ہے کہ جس نے سورۂ کہف اسی طرح پڑھی جس طرح نازل ہوئی ہے اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا-حافظ ضیاء مقدسی کی کتاب المختارہ میں ہے جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کر لے گا وہ آٹھ دن تک ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رہے گا یہاں تک کہ اگر دجال بھی اس عرصہ میں نکلے تو وہ اس سے بھی بچا دیا جائے گا-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ﴿۱﴾ قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَ یُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ﴿۲﴾ مَّاکِثِیۡنَ فِیۡہِ اَبَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّ یُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ٭﴿۴﴾ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّ لَا لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا ﴿۵﴾

اللہ مہربان رحم والے کے نام سے شروع ○

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اتارا اور اس میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی ○ بلکہ تمام ٹھیک ٹھاک رکھا تاکہ اپنے پاس کی سخت سزا سے ہوشیار کر دے اور ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبریاں سنا دے کہ ان کے لئے بہترین بدلے ہیں ○ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ○ اور ان لوگوں کو بھی ڈرا دے جو کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے ○ درحقیقت نہ تو خود انہیں اس کا علم ہے نہ ان کے باپ دادوں کو یہ تو تہمت بڑی بری ہے جو ان کے منہ نکل رہی ہے نرا جھوٹ بک رہے ہیں ○

مستحق تعریف قرآن مجید: ☆☆ (آیت:۱-۵) ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ ہر امر کے شروع اور اس کے خاتمے پر اپنی تعریف و حمد کرتا ہے- ہر حال میں وہ قابل حمد اور لائق ثنا اور سزاوار تعریف ہے اول آخر مستحق حمد فقط اسی کی ذات والا صفات ہے-اس نے اپنے نبی کریم ﷺ پر قرآن کریم نازل فرمایا جو اس کی بہت بڑی نعمت ہے جس سے اللہ کے تمام بندے اندھیروں سے نکل کر نور کی طرف آ سکتے ہیں اس نے اس کتاب کو ٹھیک ٹھاک اور سیدھی اور راست رکھا ہے جس میں کوئی کجی کوئی کسر کوئی کمی نہیں صراط مستقیم کی رہبر واضح جلی صاف اور واضح ہے- بدکاروں کو ڈرانے والی نیک کاروں کو خوشخبریاں سنانے والی معتدل سیدھی مخالفوں منکروں کو خوفناک عذابوں کی خبر دینے والی یہ کتاب ہے جو عذاب اللہ کی طرف کے ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ایسے عذاب کہ نہ اس کے سے عذاب کسی کے نہ اس کی سی پکڑ کسی کی-ہاں جو اس پر یقین کرے ایمان لائے نیک عمل کرے اسے یہ کتاب اجر عظیم کی خوشی سناتی ہے-جس ثواب کو پائندگی اور دوام ہے وہ جنت انہیں

ملے گی جس میں کبھی فنا نہیں جس کی نعمتیں غیر فانی ہیں۔ اور انہیں بھی یہ عذابوں سے آگاہ کرتا ہے جو اللہ کی اولاد ٹھہراتے ہیں جیسے مشرکین مکہ کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے۔

مشرکین کے سوالات: ☆☆ بے علمی اور جہالت کے ساتھ منہ سے بول پڑتے ہیں یہ تو یہ ان کے بڑے بھی ایسی باتیں بے علمی سے کہتے رہے۔ کلمتہ کا نصب تمیز کی بنا پر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے کَبُرَتْ کَلِمَتُهُمْ هٰذِهٖ کَلِمَةً اور کہا گیا ہے کہ یہ تعجب کے طور پر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے اَعْظِمْ بِکَلِمَتِهِمْ کَلِمَةً جیسے کہا جاتا ہے اَکْرِمْ بِزَیْدٍ رَجُلًا بعض بصریوں کا یہی قول ہے۔ مکہ کے بعض قاریوں نے اسے کلمتہ پڑھا ہے جیسے کہا جاتا ہے عَظُمَ قَوْلُكَ وَ کَبُرَ شَانُكَ جمہور کی قرات پر تو معنی بالکل ظاہر ہیں کہ ان کے اس کلمے کی برائی اور اس کا نہایت ہی برا کلمہ ہونا بیان ہو رہا ہے جو محض بے دلیل ہے' صرف کذب و افترا ہے اسی لئے فرمایا کہ محض جھوٹ بکتے ہیں۔ اس سورت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ قریشیوں نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابو معیط کو مدینے کے یہودی علماء کے پاس بھیجا کہ تم جا کر محمد (ﷺ) کی بابت کل حالات ان سے بیان کرو ان کے پاس اگلے انبیاء کا علم ہے ان سے پوچھو ان کی آپ کی بابت کیا رائے ہے؟ یہ دونوں مدینے گئے احبار مدینہ سے ملے حضور ﷺ کے حالات و اوصاف بیان کئے آپ کی تعلیم کا ذکر کیا اور کہا کہ تم ذی علم ہو بتاؤ ان کی نسبت کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا دیکھو ہم تمہیں ایک فیصلہ کن بات بتاتے ہیں تم جا کر ان سے تین سوالات کرو اگر جواب دے دیں تو ان کے سچے ہونے میں کچھ شک نہیں بے شک وہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور اگر جواب نہ دے سکیں تو ان کے جھوٹا ہونے میں بھی کوئی شک نہیں پھر جو تم چاہو کرو۔ ان سے پوچھو' اگلے زمانے میں جو نوجوان چلے گئے تھے' ان کا واقعہ بیان کرو۔ وہ ایک عجیب واقعہ ہے۔ اور اس شخص کے حالات دریافت کرو جس نے تمام زمین کا گشت لگایا تھا مشرق مغرب ہو آیا تھا۔ اور روح کی ماہیت دریافت کرو اگر بتا دے تو اسے نبی مان کر اس کی اتباع کرو اور اگر نہ بتا سکے تو وہ شخص جھوٹا ہے جو چاہو کرو۔ یہ دونوں وہاں سے واپس آئے اور قریشیوں سے کہا' لو بھئی آخری اور انتہائی فیصلے کی بات انہوں نے بتا دی ہے۔ اب چلو حضرت ﷺ سے سوالات کریں چنانچہ یہ سب آپ کے پاس آئے اور تینوں سوالات کئے۔ آپ نے فرمایا' تم کل آؤ' میں تمہیں جواب دوں گا لیکن ان شاء اللہ کہنا بھول گئے پندرہ دن گزر گئے نہ آپ پر وحی آئی نہ اللہ کی طرف سے ان باتوں کا جواب معلوم کرایا گیا۔ اہل مکہ جوش میں آ گئے اور کہنے لگے کہ لیجئے صاحب کل کا وعدہ تھا' آج پندرھواں دن ہے لیکن وہ بتا نہیں سکے ادھر آپ کو دوہرا غم ستانے لگا قریشیوں کو جواب نہ ملنے پر ان کی باتیں سننے کا اور وحی کے بند ہو جانے کا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے سورہ کہف نازل ہوئی اسی میں ان شاء اللہ نہ کہنے پر آپ کو ڈانٹا گیا ان نوجوانوں کا قصہ بیان کیا گیا' اس سیاح کا ذکر کیا گیا اور آیت وَ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ الخ میں روح کی بابت جواب دیا گیا۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿۸﴾ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾

پس اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو کیا تو ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالے گا؟○ روئے زمین پر جو کچھ ہے' ہم نے اسے زمین کی رونق کا

باعث بنایا ہے کہ ہم انہیں آزمالیں کہ ان میں سے کون نیک اعمال والا ہے ○ اس پر جو کچھ ہے' ہم اسے ایک ہموار صاف میدان کر ڈالنے والے ہیں ○ کیا تو اپنے خیال میں غار اور کتبے والوں کو ہماری نشانیوں میں سے کوئی بہت عجیب نشانی سمجھ رہا ہے؟ ○

مشرکین کی گمراہی پر افسوس نہ کرو: ☆☆ (آیت:۶-۸) مشرکین جو آپ سے دور بھاگتے تھے' ایمان نہ لاتے تھے اس پر جو رنج وافسوس آپ کو ہوتا تھا' اس پر اللہ تعالیٰ آپ کی تسلی کر رہا ہے جیسے اور آیت میں ہے کہ ان پر اتنا رنج نہ کر' اور جگہ ہے ان پر اتنے غمگین نہ ہو' اور جگہ ہے' ان کے ایمان نہ لانے سے اپنے کو ہلاک نہ کر۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ یہ اس قرآن پر ایمان نہ لائیں تو تو اپنی جان کو روگ نہ لگا لے' اس قدر غم وغصہ' رنج وافسوس نہ کر' نہ گھبرا' نہ دل تنگ ہو اپنا کام کئے جا۔ تبلیغ میں کوتاہی نہ کر۔ راہ یافتہ اپنا بھلا کریں گے۔ گمراہ اپنا برا کریں گے۔ ہر ایک کا عمل اس کے ساتھ ہے۔ پھر فرماتا ہے' دنیا فانی ہے اس کی زینت زوال والی ہے' آخرت باقی ہے' اس کی نعمت دوامی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دنیا میٹھی اور سبز رنگ ہے' اللہ تعالیٰ اس میں تمہیں خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ پس دنیا سے اور عورتوں سے بچو' بنو اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کا ہی تھا۔ یہ دنیا ختم ہونے والی اور خراب ہونے والی ہے' اجڑنے والی اور غارت ہونے والی ہے' زمین ہموار صاف رہ جائے گی جس پر کسی قسم کی روئیدگی بھی نہ ہوگی۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ کیا لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم غیر آباد بنجر زمین کی طرف پانی کو لے چلتے ہیں اور اس میں سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جسے وہ خود کھاتے ہیں اور ان کے چوپائے بھی۔ کیا پھر بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ زمین اور زمین پر جو ہیں' سب فنا ہونے والے اور اپنے مالک حقیقی کے سامنے پیش ہونے والے ہیں۔ پس تو کچھ بھی ان سے سنے' انہیں کیسے ہی حال میں دیکھے' مطلق افسوس اور رنج نہ کر۔

اصحاب کہف: ☆☆ (آیت:۹) اصحاب کہف کا قصہ اجمال کے ساتھ بیان ہو رہا ہے پھر تفصیل کے ساتھ بیان ہوگا فرماتا ہے کہ وہ واقعہ ہماری قدرت کے بے شمار واقعات میں سے ایک نہایت معمولی واقعہ ہے۔ اس سے بڑے بڑے نشان روزمرہ تمہارے سامنے ہیں آسمان وزمین کی پیدائش' رات دن کا آنا جانا' سورج چاند کی اطاعت گزاری وغیرہ قدرت کی ان گنت نشانیاں ہیں جو بتلا رہی ہیں کہ اللہ کی قدرت بے انداز ہے' وہ ہر چیز پر قادر ہے' اس پر کوئی کام مشکل نہیں' اصحاب کہف سے تو کہیں زیادہ تعجب خیز اور اہم نشان قدرت تمہارے سامنے دن رات موجود ہیں' کتاب وسنت کا جو علم میں نے تجھے عطا فرمایا ہے' وہ اصحاب کہف کی شان سے کہیں زیادہ ہے۔ بہت سی حجتیں میں نے اپنے بندوں پر اصحاب کہف سے زیادہ واضح کر دی ہیں۔ کہف کہتے ہیں پہاڑی غار کو۔ وہیں یہ نوجوان چھپ گئے تھے۔

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ﴿۱۲﴾

ان چند نوجوانوں نے جب غار میں آرام کیا تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لئے راہ یابی کو آسان کر دے ○ پس ہم نے ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سال تک اسی غار میں پردے ڈال دیئے ○ پھر ہم نے انہیں اٹھا کھڑا کیا کہ ہم یہ معلوم کرلیں کہ دونوں گروہ میں سے اس انتہائی مدت کو جو انہوں نے گزاری' کس نے زیادہ یاد رکھی ہے؟ ○

''رقیم'' یا تو ایلہ کے پاس کی وادی کا نام ہے یا ان کی اس جگہ کی عمارت کا نام ہے یا کسی آبادی کا نام ہے یا اس پہاڑ کا نام ہے اس پہاڑ کا نام نجلوس بھی آیا ہے غار کا نام حیزوم کہا گیا ہے اور ان کے کتے کا نام حمران بتایا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' سارے قرآن کو میں جانتا ہوں لیکن لفظ حنان اور لفظ اواہ اور لفظ رقیم کو۔ مجھے نہیں معلوم کہ رقیم کتاب کا نام ہے یا کسی بنا کا۔ اور روایت میں آپ سے مروی ہے کہ وہ کتاب ہے۔ سعید کہتے ہیں کہ یہ پتھر کی ایک لوح تھی جس پر اصحاب کہف کا قصہ لکھ کر غار کے دروازے پر اسے لگا دیا گیا تھا۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں' قرآن میں ہے کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ پس آیت کے ظاہری الفاظ تو اس کی تائید کرتے ہیں اور یہی امام ابن جریرؒ کا مختار قول ہے کہ رقیم فعیل کے وزن پر مرقوم کے معنی میں ہے جیسے مقتول قتیل اور مجروح جریح واللہ اعلم۔

یہ نوجوان اپنے دین کے بچاؤ کے لئے اپنی قوم سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے کہ کہیں وہ انہیں دین سے بہکا نہ دیں ایک پہاڑ کے غار میں گھس گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی ہمیں اپنی جانب سے رحمت عطا فرما' ہمیں اپنی قوم سے چھپائے رکھ' ہمارے اس کام میں اچھائی کا انجام کر۔ حدیث کی ایک دعا میں ہے کہ الٰہی جو فیصلہ تو ہمارے حق میں کرے' اسے انجام کے لحاظ سے بھلا کر۔ مسند میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دعا میں عرض کرتے کہ اے اللہ ہمارے تمام کاموں کا انجام اچھا کر اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذابوں سے بچا لے۔ یہ غار میں جا کر جو پڑ کر سوئے تو برسوں گزر گئے پھر ہم نے انہیں بیدار کیا ایک صاحب درہم لے کر بازار سے سودا خریدنے چلے' جیسے کہ آگے آ رہا ہے۔ یہ اس لئے کہ انہیں وہاں کتنی مدت گزری' اسے دونوں گروہوں میں سے کون زیادہ یاد رکھنے والا ہے؟ اسے ہم بھی معلوم کریں۔ امد کے معنی عدد یعنی گنتی کے ہیں اور کہا گیا ہے کہ غایت کے معنی میں بھی یہ لفظ آیا ہے جیسے کہ عرب کے شاعروں نے اپنے شعروں میں اسے غایت کے معنی میں باندھا ہے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳ وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝۱۴

ہم ان کا صحیح واقعہ تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں' یہ چند نوجوان اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی ○ ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جب کہ یہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکاریں اگر ایسا ہو تو ہم نے نہایت ہی غلط بات کہی ○

اصحاب کہف کا قصہ : ☆☆ (آیت: ۱۳-۱۴) یہاں سے تفصیل کے ساتھ اصحاب کہف کا قصہ شروع ہوتا ہے کہ یہ چند نوجوان تھے جو دین حق کی طرف مائل ہوئے اور ہدایت پر آ گئے قریش میں بھی یہی ہوا تھا کہ جوانوں نے تو حق کی آواز پر لبیک کہی تھی لیکن بجز چند کے اور بوڑھے لوگ اسلام کی طرف جرات سے مائل نہ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض کے کانوں میں بالے تھے یہ متقی' مومن اور راہ یافتہ نوجوانوں کی جماعت تھی اپنے رب کی وحدانیت کو مانتے تھے' اس کی توحید کے قائل ہو گئے تھے اور روز بروز ایمان و ہدایت میں بڑھ رہے تھے۔ یہ اور اس جیسی اور آیتوں اور حدیثوں سے استدلال کر کے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ محدثین کرام کا مذہب ہے کہ ایمان میں زیادتی

ہوتی ہے۔اس میں مرتبے ہیں یہ کم وبیش ہوتا رہتا ہے۔یہاں ہے ہم نے انہیں ہدایت میں بڑھا دیا اور جگہ ہے وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى الخ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھ جاتی ہے الخ اور آیت میں ہے فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا الخ ایمان والوں کے ایمان کو بڑھاتی ہے الخ۔اور جگہ ارشاد ہے لِیَزْدَادُوْۤا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ تا کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ایمان میں اور بڑھ جائیں۔اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

مذکور ہے کہ یہ لوگ مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین پر تھے واللہ اعلم۔لیکن بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام کے زمانے سے پہلے کا واقعہ ہے اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر یہ لوگ نصرانی ہوتے تو یہود اس قدر توجہ سے نہ ان کے حالات معلوم کرتے نہ معلوم کرنے کی ہدایت کرتے۔حالانکہ یہ بیان گزر چکا ہے قریشیوں نے اپنا وفد مدینے کے یہود کے علماء کے پاس بھیجا تھا کہ تم ہمیں کچھ ایسی باتیں بتلاؤ کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی آزمائش کرلیں تو انہوں نے کہا کہ تم اصحاب کہف کا اور ذوالقرنین کا واقعہ آپؐ سے دریافت کرو اور روح کے متعلق سوال کرو پس معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی کتاب میں ان کا ذکر تھا اور انہیں اس واقعہ کا علم تھا جب یہ ثابت ہوا تو یہ ظاہر ہے کہ یہود کی کتاب نصرانیت سے پہلے کی ہے واللہ اعلم۔پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں قوم کی مخالفت پر صبر عطا فرمایا اور انہوں نے قوم کی کچھ پرواہ نہ کی بلکہ وطن اور راحت و آرام کو بھی چھوڑ دیا۔بعض سلف کا بیان ہے کہ یہ لوگ رومی بادشاہ کی اولاد اور روم کے سردار تھے۔ایک مرتبہ قوم کے ساتھ عید منانے گئے تھے اس زمانے کے بادشاہ کا نام دقیانوس تھا بڑا سخت اور سرکش شخص تھا۔سب کو شرک کی تعلیم کرتا اور سب سے بت پرستی کراتا تھا۔

هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

یہ ہے ہماری قوم جس نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ان کی الوہیت کی یہ کوئی صاف دلیل کیوں پیش نہیں کرتے اللہ پر جھوٹ افترا باندھنے والے سے زیادہ ظالم کون ہے؟ ○ جب کہ تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے اور معبودوں سے کنارہ کش ہوگئے تو اب تم کسی غار میں جا بیٹھو تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے لئے تمہارے کام میں سہولت مہیا کردے گا ○

(آیت:۱۵-۱۶) یہ نوجوان جو اپنے باپ دادوں کے ساتھ اس میلے میں گئے تھے انہوں نے جب وہاں یہ تماشا دیکھا تو ان کے دل میں خیال آیا کہ بت پرستی محض لغو اور باطل چیز ہے عبادتیں اور ذبیحے صرف اللہ کے نام پر ہونے چاہئیں جو آسمان وزمین کا خالق مالک ہے پس یہ لوگ ایک ایک کر کے یہاں سے سرکنے لگے ایک درخت تلے جا کر ان میں سے ایک صاحب بیٹھ گئے دوسرے بھی یہیں آگئے اور بیٹھ گئے تیسرے بھی آئے چوتھے بھی آئے غرض ایک ایک کر کے سب یہیں جمع ہوگئے حالانکہ ایک دوسرے میں تعارف نہ تھا لیکن ایمان کی روشنی نے ایک دوسرے کو ملا دیا۔حدیث شریف میں ہے کہ روحیں بھی ایک جمع شدہ لشکر ہیں جو روز ازل میں تعارف والی ہیں وہ یہاں مل جل کر رہتی ہیں اور جو وہیں انجان رہیں ان کا یہاں بھی ان میں اختلاف رہتا ہے (بخاری ومسلم)

عرب کہا کرتے ہیں کہ جنسیت ہی میل جول کی علت ہے۔اب سب خاموش تھے ایک کو ایک سے ڈر تھا کہ اگر میں اپنے مافی الضمیر

کو بتا دوں گا تو یہ دشمن ہو جائیں گے کسی کو دوسرے کی نسبت اطلاع نہ تھی کہ وہ بھی اس کی طرح قوم کی اس احمقانہ اور مشرکانہ رسم سے بے زار ہے۔ آخر ایک دانا اور جری نوجوان نے کہا کہ دوستو کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے کہ لوگوں کے اس عام شغل کو چھوڑ کر تم ان سے یکسو ہو کر یہاں آ بیٹھے ہو میرا تو جی چاہتا ہے کہ ہر شخص اس بات کو ظاہر کر دے جس کی وجہ سے اس نے قوم کو چھوڑا ہے۔ اس پر ایک نے کہا' بھائی بات یہ ہے کہ مجھے تو اپنی قوم کی یہ رسم ایک آنکھ نہیں بھاتی جب کہ آسمان و زمین کا اور ہمارا تمہارا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر ہم اس کے سوا دوسرے کی عبادت کیوں کریں؟ یہ سن کر دوسرے نے کہا اللہ کی قسم یہی نفرت مجھے یہاں لائی ہے تیسرے نے بھی یہی کہا جب ہر ایک نے یہی وجہ بیان کی تو سب کے دل میں محبت کی ایک لہر دوڑ گئی اور یہ سب روشن خیال موحد آپس میں سچے دوست اور ماں جائے بھائیوں سے بھی زیادہ ایک دوسرے کے خیر خواہ بن گئے۔ آپس میں اتحاد و اتفاق ہو گیا۔

اب انہوں نے ایک جگہ مقرر کر لی وہیں اللہ واحد کی عبادت کرنے لگے رفتہ رفتہ قوم کو بھی پتہ چل گیا وہ ان سب کو پکڑ کر اس ظالم مشرک بادشاہ کے پاس لے گئے اور شکایت پیش کی بادشاہ نے ان سے پوچھا' انہوں نے نہایت دلیری سے اپنی توحید اور اپنا مسلک بیان کیا بلکہ بادشاہ اور اہل دربار اور کل دنیا کو اس کی دعوت دی' دل مضبوط کر لیا اور صاف کہہ دیا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمان و زمین کا مالک و خالق ہے۔ ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور کو معبود بنائیں ہم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ اس کے سوا کسی اور کو پکاریں اس لئے کہ شرک نہایت باطل چیز ہے ہم اس کام کو کبھی نہیں کرنے کے۔ یہ نہایت ہی بے جابات اور لغو حرکت اور جھوٹی راہ ہے۔ یہ ہماری قوم مشرک ہے اللہ کے سوا دوسروں کی پکار اور ان کی عبادت میں مشغول ہے جس کی کوئی دلیل یہ پیش نہیں کر سکتے' پس یہ ظالم اور کاذب ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کی اس صاف گوئی اور حق گوئی سے بادشاہ بہت بگڑا انہیں دھمکایا ڈرایا اور حکم دیا کہ ان کے لباس اتار لو اور اگر یہ باز نہ آئیں گے تو میں انہیں سخت سزا دوں گا۔ اب ان لوگوں کے دل اور مضبوط ہو گئے لیکن یہ انہیں معلوم ہو گیا کہ یہاں رہ کر ہم دینداری پر قائم نہیں رہ سکتے اس لئے انہوں نے قوم' وطن' دیس اور رشتے کنبے کو چھوڑنے کا ارادہ پختہ کر لیا۔ یہی حکم بھی ہے کہ جب انسان دین کا خطرہ محسوس کرے' اس وقت ہجرت کر جائے۔ حدیث میں ہے کہ انسان کا بہترین مال ممکن ہے کہ بکریاں ہوں جنہیں لے کر دامن کوہ میں اور مرغزاروں میں رہے سہے اور اپنے دین کے بچاؤ کی خاطر بھاگتا پھرے۔ پس ایسے حال میں لوگوں سے الگ تھلگ ہو جانا امر مشروع ہے۔ ہاں اگر ایسی حالت نہ ہو' دین کی بربادی کا خوف نہ ہو تو پھر جنگلوں میں نکل جانا مشروع نہیں کیونکہ جمعہ جماعت کی فضیلت ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ جب یہ لوگ دین کے بچاؤ کے لئے اتنی اہم قربانی پر آمادہ ہو گئے تو ان پر رب کی رحمت نازل ہوئی۔ فرما دیا گیا کہ ٹھیک ہے جب تم ان کے دین سے الگ ہو گئے تو بہتر ہے کہ جسموں سے بھی ان سے جدا ہو جاؤ۔ جاؤ تم کسی غار میں پناہ حاصل کرو تم پر تمہارے رب کی رحمت کی چھاؤں ہو گی وہ تمہیں تمہارے دشمن کی نگاہوں سے چھپا لے گا اور تمہارے کام میں آسانی اور راحت مہیا فرمائے گا۔ پس یہ لوگ موقعہ پا کر یہاں سے بھاگ نکلے اور پہاڑ کے غار میں چھپ رہے۔

بادشاہ اور قوم نے ہر چند ان کی تلاش کی لیکن کوئی پتہ نہ چلا اللہ نے ان کے غار کو اندھیرے میں چھپا دیا۔ دیکھئے یہی بلکہ اس سے بہت زیادہ تعجب خیز واقعہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ پیش آیا۔ آپ مع اپنے رفیق خاص یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غار ثور میں جا چھپے مشرکین نے بہت کچھ دوڑ دھوپ کی' تگ و دو میں کوئی کمی نہ کی لیکن حضرت ﷺ انہیں باوجود پوری تلاش اور سخت کوشش کے نہ ملے اللہ نے ان کی بینائی چھین لی' آس پاس سے گزرتے تھے' آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے تھے' حضرت ﷺ موجود ہیں اور انہیں دکھائی نہیں دیتے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پریشان حال ہو کر عرض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اگر کسی نے اپنے پیر کی

طرف بھی نظر ڈال لی تو ہم دیکھ لئے جائیں گے۔ آپؐ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ ابوبکران دو کے ساتھ تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ اگر تم میرے نبی کی امداد نہ کرو تو کیا ہوا؟ جب کافروں نے اسے نکال دیا' میں نے خود اس کی امداد کی جب کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے سکون اس پر نازل فرمایا اور ایسے لشکر سے اس کی مدد کی جسے تم نہ دیکھ سکتے تھے آخر اس نے کافروں کی بات پست کر دی اور اپنا کلمہ بلند فرمایا۔ اللہ عزت و حکمت والا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ واقعہ اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی عجیب تر اور انوکھا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان نو جوانوں کو قوم اور بادشاہ نے پالیا۔ جب غار میں انہیں دیکھ لیا تو کہا' بس ہم تو خود ہی یہی چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے اس کا منہ ایک دیوار سے بند کر دیا کہ یہیں مرجائیں لیکن یہ قول تامل طلب ہے۔ قرآن کا فرمان ہے کہ صبح شام ان پر دھوپ آتی جاتی ہے وغیرہ واللہ اعلم۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ
وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ
ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

ع ۵

تو دیکھے گا کہ آفتاب بوقت طلوع ان کے غار سے دائیں جانب کو جھک جاتا ہے اور بوقت غروب ان کی بائیں جانب سے کترا جاتا ہے اور وہ اس غار کی کشادہ جگہ میں ہیں یہ ہے قدرت اللہ کی نشانیوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کی رہبری فرمائے' وہ راہ راست پر ہے اور جسے گمراہ کر دے ناممکن ہے کہ تو اس کا کوئی کارساز رہنما پاسکے ○

غار اور سورج کی شعائیں: ☆☆ (آیت: ۱۷) یہ دلیل ہے اس امر کی کہ اس غار کا منہ شمال رخ ہے۔ سورج کے طلوع کے وقت ان کے دائیں جانب دھوپ کی چھاؤں جھک جاتی ہے۔ پس دوپہر کے وقت وہاں بالکل دھوپ نہیں رہتی۔ سورج کی بلندی کے ساتھ ہی ایسی جگہ سے شعاعیں دھوپ کی کم ہوتی جاتی ہیں اور سورج کے ڈوبنے کے وقت دھوپ ان کے غار کی طرف اس کے دروازے کے شمال رخ سے جاتی ہے مشرق کی جانب سے۔ علم ہیئت کے جاننے والے اسے خوب سمجھ سکتے ہیں۔ جنہیں سورج چاند اور ستاروں کی چال کا علم ہے۔ اگر غار کا دروازہ مشرق رخ ہوتا تو سورج کے غروب کے وقت وہاں دھوپ بالکل نہ جاتی اور اگر قبلہ رخ ہوتا تو سورج کے طلوع کے وقت دھوپ نہ پہنچتی اور نہ غروب کے وقت پہنچتی اور نہ سایہ دائیں بائیں جھکتا اور اگر دروازہ مغرب رخ ہوتا تو بھی سورج نکلنے کے وقت اندر دھوپ نہ جاسکتی بلکہ زوال کے بعد اندر پہنچتی اور پھر برابر مغرب تک رہتی۔ پس ٹھیک بات وہی ہے جو ہم نے بیان کی فللہ الحمد۔ تقرضھم کے معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ترک کرنے اور چھوڑ دینے کے کئے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں یہ تو بتا دیا تاکہ ہم اسے سوچیں سمجھیں اور یہ نہیں بتایا کہ وہ غار کس شہر کے کس پہاڑ میں ہے اس لئے کہ ہمیں اس سے کوئی فائدہ نہیں' نہ اس سے کسی شرعی مقصد کا حصول ہوتا ہے۔ پھر بھی بعض مفسرین نے اس میں تکلیف اٹھائی ہے کوئی کہتا ہے وہ ایلہ کے قریب ہے' کوئی کہتا ہے نینویٰ کے پاس ہے' کوئی کہتا ہے روم میں ہے' کوئی کہتا ہے بلقا میں ہے۔ اصل علم اللہ ہی کو ہے۔ وہ کہاں ہے اگر اس میں کوئی دینی مصلحت یا ہمارا کوئی مذہبی فائدہ ہوتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیں بتا دیتا اپنے رسول ﷺ کی زبانی بیان کرا دیتا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تمہیں جو جو کام اور چیزیں جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی تھیں' ان میں سے ایک بھی ترک کئے بغیر میں نے بتا دی ہیں پس

اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت بیان فرمادی اور اس کی جگہ نہیں بتائی - فرمادیا کہ سورج کے طلوع کے وقت ان کے غار سے وہ دائیں جانب جھک جاتا ہے اور غروب کے وقت انہیں بائیں طرف چھوڑ دیتا ہے وہ اس سے فراخی میں ہیں انہیں دھوپ کی تپش نہیں پہنچتی ورنہ ان کے بدن اور کپڑے جل جاتے - یہ اللہ کی ایک نشانی ہے کہ رب نے انہیں اس غار میں پہنچایا جہاں انہیں زندہ رکھا دھوپ بھی پہنچے ہوا بھی جائے چاندنی بھی رہے تاکہ نہ نیند میں خلل آئے نہ نقصان پہنچے - فی الواقع اللہ کی طرف سے یہ بھی کامل نشان قدرت ہے - ان نوجوانوں موحدوں کی ہدایت خود اللہ نے کی تھی یہ راہ راست پاچکے تھے کسی کے بس میں نہ تھا کہ انہیں گمراہ کر سکے اور اس کے برعکس جسے وہ راہ نہ دکھائے اس کا ہادی کوئی نہیں -

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

تو خیال کرے گا کہ وہ بیدار ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں - خود ہم ہی انہیں دائیں بائیں کروٹیں دلا دیا کرتے ہیں ان کا کتا بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے اگر تو جھانک کر انہیں دیکھنا چاہے تو ضرور الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو اور ان کی دہشت و رعب سے تو پر کر دیا جائے ○

ایک آنکھ بند ایک کھلی: ☆☆ (آیت: ۱۸) یہ سو رہے ہیں لیکن دیکھنے والا انہیں بیدار سمجھتا ہے کیونکہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں - مذکور ہے کہ بھیڑیا جب سوتا ہے تو ایک آنکھ بند رکھتا ہے ایک کھلی ہوتی ہے - پھر اسے بند کر کے اسے کھول دیتا ہے چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے

يَنَام باحُدى مُقْلَتَيهِ وَ يَتَّقِى بِأُخرَى الرَّزَايَا فَهُوَ يَقْظَانٌ نَائِم

جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں اور دشمنوں سے بچانے کے لئے تو اللہ نے نیند میں بھی ان کی آنکھیں کھلی رکھی ہیں اور زمین نہ کھا جائے کروٹیں گل نہ جائیں اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں کروٹیں بدلوا دیتا ہے کہتے ہیں سال بھر میں دو مرتبہ کروٹ بدلتے ہیں - ان کا کتا بھی انگنائی میں دروازے کے پاس مٹی میں چوکھٹ کے قریب بطور پہریدار کے بازو زمین پر ٹکائے ہوئے بیٹھا ہوا ہے دروازے کے باہر اس لئے ہے کہ جس گھر میں کتا تصویر جنبی اور کافر شخص ہو اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے - جیسے کہ ایک حسن حدیث میں وارد ہوا ہے - اس کتے کو بھی اسی حالت میں نیند آ گئی ہے - سچ ہے بھلے لوگوں کی صحبت بھی بھلائی پیدا کرتی ہے دیکھئے نا اس کتے کی کتنی شان ہوگئی کہ کلام اللہ میں اس کا ذکر آیا - کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی کا یہ شکاری کتا پلا ہوا تھا - ایک قول یہ بھی ہے کہ بادشاہ کے باورچی کا یہ کتا تھا - چونکہ وہ بھی ان کے ہم مسلک تھے ان کے ساتھ ہجرت میں تھے ان کا کتا ان کے پیچھے لگ گیا تھا واللہ اعلم -

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں حضرت ذبیح اللہ کے بدلے جو مینڈھا ذبح ہوا اس کا نام جریر تھا - حضرت سلیمان علیہ السلام کو جس ہدہد نے ملکہ سبا کی خبر دی تھی اس کا نام عنفز تھا اور اصحاب کہف کے اس کتے کا نام قطیر تھا اور بنی اسرائیل نے جس بچھڑے کی پوجا شروع کی تھی اس کا نام مہوت تھا - حضرت آدم علیہ السلام بہشت بریں سے ہند میں اترے تھے حضرت حوا جدہ میں ابلیس دشت بیسان میں اور سانپ اصفہان میں - ایک قول ہے کہ اس کتے کا نام حمران تھا - نیز اس کتے کے رنگ میں بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن ہمیں حیرت ہے کہ اس سے کیا نتیجہ؟ کیا فائدہ؟ کیا ضرورت؟ بلکہ عجب نہیں کہ ایسی بحثیں ممنوع ہوں - اس لئے کہ یہ تو آنکھیں بند کر کے پتھر پھینکنا ہے بے دلیل زبان کھولنا ہے - پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں وہ رعب دیا ہے کہ کوئی انہیں دیکھ ہی نہیں سکتا - یہ اس لئے کہ لوگ ان کا تماشہ نہ بنالیں کوئی

جرات کر کے ان کے پاس نہ چلا جائے' کوئی انہیں ہاتھ نہ لگا سکے وہ آرام اور چین سے جب تک حکمت الٰہی مقتضی ہے' باآرام سوتے رہیں- جو انہیں دیکھتا ہے' مارے رعب کے کلیجہ تھرتھرا جاتا ہے- اسی وقت الٹے پیروں واپس لوٹتا ہے' انہیں نظر بھر کر دیکھنا بھی ہر ایک کے لئے محال ہے-

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝۱۹ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۲۰

اسی طرح ہم نے انہیں جگا کر اٹھا دیا کہ آپس میں پوچھ گچھ کر لیں' ایک کہنے والے نے کہا کہ کیوں بھئی تم کتنی دیر ٹھہرے رہے' انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم' کہنے لگے تمہارے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے' اب تو تم اپنے میں سے کسی کو اپنی یہ چاندی دے کر شہر بھیجو- وہ خوب دیکھ بھال لے کہ شہر کا کون سا کھانا پاکیزہ تر ہے- پھر اسی میں سے تمہارے کھانے کے لئے لے آئے اسے چاہئے کہ بہت احتیاط اور نرمی برتے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے ○ اگر یہ کافر تم پر غلبہ پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے یا تمہیں پھر اپنے دین میں لوٹا لیں گے اور پھر تو تمہیں ہرگز فلاح نہیں ہونے کی ○

موت کے بعد زندگی: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۰) ارشاد ہوتا ہے کہ جیسے ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں سلا دیا تھا' اسی طرح اپنی قدرت سے انہیں جگا دیا- تین سو نو سال تک سوتے رہے لیکن جب جاگے بالکل ویسے ہی تھے جیسے سوتے وقت تھے' بدن بال کھال سب اصلی حالت میں تھے- بس جیسے سوتے وقت تھے' ویسے ہی اب بھی تھے- کسی قسم کا کوئی تغیر نہ تھا آپس میں کہنے لگے کہ کیوں جی ہم کتنی مدت سوتے رہے؟ تو جواب ملا کہ ایک دن بلکہ اس سے بھی کم کیونکہ صبح کے وقت یہ سو گئے تھے اور اس وقت شام کا وقت تھا اس لئے انہیں یہی خیال ہوا- لیکن پھر خود انہیں خیال ہوا کہ ایسا تو نہیں اس لئے انہوں نے ذہن لڑانا چھوڑ دیا اور فیصلہ کن بات کہہ دی کہ اس کا صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے- اب چونکہ بھوک پیاس معلوم ہو رہی تھی' اس لئے انہوں نے بازار سے سودا منگوانے کی تجویز کی- دام ان کے پاس تھے- جن میں سے کچھ راہ اللہ خرچ کئے تھے کچھ موجود تھے- کہنے لگے کہ اسی شہر میں کسی کو دام دے کر بھیج دو وہ وہاں سے کوئی پاکیزہ چیز کھانے پینے کی لائے یعنی عمدہ اور بہتر چیز جیسے آیت وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَازَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی پاک نہ ہوتا اور آیت میں ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وہ فلاح پا گیا جس نے پاکیزگی کی- زکوٰۃ کو بھی زکوٰۃ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مال کو طیب و طاہر کر دیتی ہے- دوسرا قول یہ ہے کہ مراد بہت سارا کھانا لانے سے ہے جیسے کھیتی کے بڑھ جانے کے وقت عرب کہتے ہیں زکا الزرع اور جیسے شاعر کا قول ہے۔

قَبَائِلُنَا سَبْعٌ وَّ اَنْتُمْ ثَلَاثَةٌ وَالسَّبْعُ اَزْكٰى مِنْ ثَلَاثٍ وَّ اَطْيَب

پس یہاں بھی یہ لفظ زیادتی اور کثرت کے معنی میں ہے لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے اس لئے کہ اصحاب کہف کا مقصد اس قول سے حلال چیز کا لانا تھا- خواہ وہ زیادہ ہو یا کم- کہتے ہیں کہ جانے والے کو بہت احتیاط برتنی چاہئے' آنے جانے اور سودا خریدنے میں ہوشیاری سے کام لے

جہاں تک ہو سکے لوگوں کی نگاہوں میں نہ چڑھے دیکھو ایسا نہ ہو کوئی معلوم کر لے۔ اگر انہیں علم ہو گیا تو پھر خیر نہیں۔ دقیانوس کے آدمی اگر تمہاری جگہ کی خبر پا گئے تو وہ طرح طرح کی سخت سزائیں تمہیں دیں گے کہ یا تو تم ان سے گھبرا کر دین حق چھوڑ کر پھر سے کافر بن جاؤ یا یہ کہ وہ انہی سزاؤں میں تمہارا کام ہی ختم کر دیں۔ اگر تم ان کے دین میں جا ملے تو سمجھ لو کہ تم نجات سے دست بردار ہو گئے پھر تو اللہ کے ہاں کا چھٹکارا تمہارے لئے محال ہو جائے گا۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

ہم نے اسی طرح لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک و شبہ نہیں، جب کہ وہ اپنے امر میں آپس میں اختلاف کر رہے تھے۔ کہنے لگے ان کے غار پر ایک عمارت بنا لو ان کا رب ہی ان کے حال کا زیادہ عالم ہے، جن لوگوں نے ان کے بارے میں غلبہ پایا وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان کے آس پاس مسجد بنا لیں گے ○

دوبارہ جینے کی حجت: ☆☆ (آیت:۲۱) ارشاد ہے کہ اسی طرح ہم نے اپنی قدرت سے لوگوں کو ان کے حال پر آگاہ کر دیا تا کہ اللہ کے وعدے اور قیامت کے آنے کی سچائی کا انہیں علم ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے کے وہاں موجود لوگوں کو قیامت کے آنے میں کچھ شکوک پیدا ہو چلے تھے۔ ایک جماعت تو کہتی تھی کہ فقط روحیں دوبارہ جی اٹھیں گی۔ جسم کا اعادہ نہ ہو گا پس اللہ تعالیٰ نے صدیوں بعد اصحاب کہف کو جگا کر قیامت کے ہونے اور جسموں کے دوبارہ جینے کی حجت واضح کر دی ہے اور عینی دلیل دے دی۔

مذکور ہے کہ جب ان میں سے ایک صاحب دام لے کر سودا خریدنے کو غار سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کی دیکھی ہوئی ایک چیز نہیں، سارا نقشہ بدلا ہوا ہے اس شہر کا نام افسوس تھا۔ زمانے گزر چکے تھے، بستیاں بدل چکی تھیں، صدیاں بیت گئی تھیں اور یہ تو اپنے نزدیک یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ہمیں یہاں پہنچے ایک آدھ دن گزرا ہے۔ یہاں انقلاب زمانہ اور کا اور ہو چکا تھا جیسے کسی نے کہا ہے ؎

اَمَّا الدِّيَارُ فَاِنَّهَا كَدِيَارِهِمْ   وَاَرٰى رِجَالَ الْحَيِّ غَيْرَ رِجَالِهِ

گھر گو انہی جیسے ہیں لیکن قبیلے کے لوگ تو سب اور ہی ہیں اس نے دیکھا کہ نہ تو شہر کی کوئی چیز اپنے حال پر ہے نہ شہر کا کوئی بھی رہنے والا جان پہچان کا ہے، نہ یہ کسی کو جانیں نہ انہیں اور کوئی پہچانے۔ تمام عام خاص اور ہی ہیں۔ یہ اپنے دل میں حیران تھا۔ دماغ چکرا رہا تھا کہ کل شام ہم اس شہر کو چھوڑ کر گئے ہیں یہ دفعتاً ہو کیا گیا؟ ہر چند سوچتا تھا کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر خیال کرنے لگا کہ شاید میں مجنوں ہو گیا ہوں یا میرے حواس ٹھکانے نہیں رہے یا مجھے کوئی مرض لگ گیا ہے یا میں خواب میں ہوں۔ لیکن فوراً ہی یہ خیالات ہٹ گئے مگر کسی بات پر تسلی نہ ہو سکی اس لئے ارادہ کر لیا کہ مجھے سودا لے کر اس شہر کو جلد چھوڑ دینا چاہیے۔ ایک دکان پر جا کر اسے دام دیئے اور سودا کھانے پینے کا طلب کیا۔ اس نے اس سکے کو دیکھ کر سخت تر تعجب کا اظہار کیا اپنے پڑوسی کو دیا کہ دیکھنا یہ سکہ کیا ہے؟ کب کا ہے؟ کس زمانے کا ہے؟ اس نے دوسرے کو دیا اس سے کسی اور نے دیکھنے کو مانگ لیا۔ الغرض وہ تو ایک تماشہ بن گیا ہر زبان سے یہی نکلنے لگا کہ اس نے کسی پرانے زمانے کا خزانہ پایا ہے اس میں سے یہ لایا ہے اس سے پوچھو یہ کہاں کا ہے؟ کون ہے؟ یہ سکہ کہاں سے پایا؟

چنانچہ لوگوں نے اسے گھیر لیا مجمع لگا کر کھڑے ہو گئے اور اوپر تلے ٹیڑھے ترچھے سوالات شروع کر دیئے اس نے کہا میں تو اسی شہر کے رہنے والوں میں سے ہوں، کل شام کو میں یہاں سے گیا ہوں، یہاں کا بادشاہ دقیانوس ہے۔ اب تو سب نے قہقہہ لگا کر کہا، بھئی یہ تو کوئی پاگل آدمی ہے۔ آخر اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا اس سے سوالات ہوئے اس نے تمام حال کہہ سنایا اب ایک طرف بادشاہ اور دوسرے سب لوگ متحیر، ایک طرف سے خود ششدر و حیران۔ آخر سب لوگ ان کے ساتھ ہوئے۔ اچھا ہمیں اپنے اور ساتھی دکھاؤ اور اپنا غار بھی دکھا دو۔ یہ انہیں لے کر چلے غار کے پاس پہنچ کر کہا تم ذرا ٹھہرو میں پہلے انہیں جا کر خبر کر دوں۔ ان کے الگ ہٹتے ہی اللہ تعالیٰ نے ان پر بے خبری کے پردے ڈال دیئے۔ انہیں نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں گیا؟ اللہ نے پھر اس راز کو مخفی کر لیا۔ ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ یہ لوگ مع بادشاہ کے گئے۔ ان سے ملے، سلام علیک ہوئی، بغل گیر ہوئے، یہ بادشاہ خود مسلمان تھا، اس کا نام تندوسیس تھا، اصحاب کہف ان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور محبت و انسیت سے ملے جلے، باتیں کیں، پھر واپس جا کر اپنی اپنی جگہ جا لیٹے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں فوت کر لیا رحمہم اللہ اجمعین واللہ اعلم۔ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حبیب بن مسلمہ کے ساتھ ایک غزوے میں تھے، وہاں انہوں نے روم کے شہروں میں ایک غار دیکھا جس میں ہڈیاں تھیں، لوگوں نے کہا یہ ہڈیاں اصحاب کہف کی ہیں آپ نے فرمایا تین سو سال گزر چکے کہ ان کی ہڈیاں کھوکھلی ہو کر مٹی ہو گئیں (ابن جریر) پس فرماتا ہے کہ جیسے ہم نے انہیں انوکھی طرز پر سلایا اور بالکل انوکھے طور پر جگایا، اسی طرح بالکل نرالے طرز پر اہل شہر کو ان کے حالات سے مطلع فرمایا تاکہ انہیں اللہ کے وعدوں کی حقانیت کا علم ہو جائے اور قیامت کے ہونے میں اور اس کے برحق ہونے میں انہیں کوئی شک نہ رہے۔ اس وقت وہ آپس میں سخت مختلف تھے، لڑ جھگڑ رہے تھے، بعض قیامت کے قائل تھے، بعض منکر تھے پس اصحاب کہف کا ظہور منکروں پر حجت اور ماننے والوں کے لئے دلیل بن گیا۔ اب اس بستی والوں کا ارادہ ہوا کہ ان کے غار کا منہ بند کر دیا جائے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ جنہیں سرداری حاصل تھی، انہوں نے ارادہ کیا کہ ہم تو ان کے اردگرد مسجد بنالیں گے۔ امام ابن جریر ان لوگوں کے بارے میں دو قول نقل کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں سے مسلمانوں نے یہ کہا تھا، دوسرے یہ کہ یہ قول کفار کا تھا واللہ اعلم۔ لیکن بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قائل کلمہ گو تھے ہاں یہ اور بات ہے کہ ان کا یہ کہنا اچھا تھا یا برا؟ تو اس بارے میں صاف حدیث موجود ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور اولیا کی قبروں کو مسجدیں بنالیا جو انہوں نے کیا، اس سے آپ اپنی امت کو بچانا چاہتے تھے۔ اسی لئے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں جب حضرت دانیال کی قبر عراق میں پائی تو حکم فرمایا کہ اسے پوشیدہ کر دیا جائے اور جو رقعہ ملا ہے جس میں بعض لڑائیوں وغیرہ کا ذکر ہے، اسے دفن کر دیا جائے۔

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَ يَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڨ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾

ع ۵ ۱۵

کچھ لوگ تو کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا، کچھ کہیں گے کہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ نشانہ دیکھے بغیر پتھر چلا دینے کی طرح، کچھ کہیں

گے کہ وہ سات ہیں اور ان کا کتا آٹھواں ہے' تو کہہ دے کہ میرا پروردگار ان کی تعداد کو بخوبی جاننے والا ہے۔ انہیں بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں۔ پس تو ان کے مقدمے میں صرف سرسری گفتگو ہی کر اور ان میں سے کسی سے ان کے بارے میں پوچھ گچھ بھی نہ کر ○

اصحاب کہف کی تعداد: ☆☆ (آیت:۲۲) لوگ اصحاب کہف کی گنتی میں کچھ کا کچھ کہا کرتے تھے۔ تین قسم کے لوگ تھے۔ چوتھی گنتی بیان نہیں فرمائی۔ دو پہلے کے اقوال کو تو ضعیف کر دیا کہ یہ اٹکل کے تکے ہیں' بے نشانے کے پتھر ہیں کہ اگر کہیں لگ جائیں تو کمال' نہیں' نہ لگیں تو زوال نہیں۔ ہاں تیسرا قول بیان فرما کر سکوت اختیار فرمایا۔ تردید نہیں کی یعنی سات وہ آٹھواں ان کا کتا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہی بات صحیح اور واقع میں یونہی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر بہتر یہی ہے کہ علم الٰہی کی طرف اسے لوٹا دیا جائے ایسی باتوں میں باوجود کوئی صحیح علم نہ ہونے کے غور و خوض کرنا عبث ہے۔ جس بات کا علم ہو جائے' منہ سے نکالے ورنہ خاموش رہے۔

اس گنتی کا صحیح علم بہت کم لوگوں کو ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں انہیں میں سے ہوں۔ میں جانتا ہوں وہ سات تھے حضرت عطا خراسانی رحمتہ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے اور یہی ہم نے پہلے لکھا تھا۔ ان میں کے بعض تو بہت ہی کم عمر تھے۔ عنفوان شباب میں تھے۔ یہ لوگ دن رات اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے' روتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہتے تھے۔ مروی ہے کہ یہ نو تھے۔ ان میں سے جو سب سے بڑے تھے ان کا نام مکسلمین تھا۔ اسی نے بادشاہ سے باتیں کی تھیں اور اسے اللہ واحد کی عبادت کی دعوت دی تھی۔ باقی کے نام یہ ہیں فخشلمین' تملیخ' مطونس' کشطونس' بیرونس' دنیموس' بطونس اور قابوس۔ ہاں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح روایت یہی ہے کہ یہ سات شخص تھے آیت کے ظاہری الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ شعیب جبائی کہتے ہیں' ان کے کتے کا نام حمران تھا لیکن ان ناموں کی صحت میں نظر ہے واللہ اعلم۔ ان میں کی بہت سی چیزیں اہل کتاب سے لی ہوئی ہیں۔ پھر اپنے نبی ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ آپ ان کے بارے میں زیادہ بحث مباحثہ نہ کریں۔ یہ ایک نہایت ہی ہلکا کام ہے جس میں کوئی بڑا فائدہ نہیں اور نہ ان کے بارے میں کسی سے دریافت کیجئے کیونکہ عموماً وہ اپنے دل سے جوڑ کر کہتے ہیں کوئی صحیح اور سچی دلیل ان کے ہاتھوں میں نہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کے سامنے بیان فرمایا ہے' یہ جھوٹ سے پاک ہے' شک و شبہ سے دور ہے' قابل ایمان و یقین ہے بس یہی حق ہے اور سب سے مقدم ہے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا ○ مگر ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لینا' اور جب بھی بھولے اپنے پروردگار کی یاد کر لیا کرنا اور کہتے رہنا کہ مجھے پوری امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کے قریب کی بات کی رہبری کرے ○

ان شاء اللہ کہنے کا حکم: ☆☆ (آیت:۲۴) اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ختم المرسلین نبی کو ارشاد فرماتا ہے کہ جس کسی کام کو کل کرنا چاہو تو یوں نہ کہہ دیا کرو کہ کل کروں گا بلکہ اس کے ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لیا کرو کیونکہ کل کیا ہو گا۔ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ علام الغیوب اور تمام چیزوں پر قادر صرف وہی ہے۔ اس کی مدد طلب کر لیا کرو۔ صحیحین میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی نوے بیویاں تھیں۔ ایک روایت میں ہے سو تھیں۔ ایک میں ہے' بہتر تھیں تو آپؑ نے ایک بار کہا کہ آج رات میں ان سب کے پاس جاؤں گا ہر عورت کو بچہ ہو گا تو سب اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اس وقت فرشتے نے کہا ان شاء اللہ کہہ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہ کہا اپنے
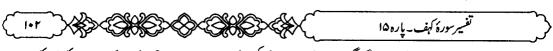
ارادے کے مطابق وہ سب بیویوں کے پاس گئے مگر سوائے ایک بیوی کے کسی کے ہاں بچہ نہ ہوا اور جس ایک کے ہاں ہوا بھی' وہ بھی آدھے جسم کا تھا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر وہ ان شاء اللہ کہہ لیتے تو یہ ارادہ ان کا پورا ہوتا اور ان کی حاجت روائی ہو جاتی۔ اور یہ سب بچے جوان ہو کر اللہ کی راہ کے مجاہد بنتے۔

اسی سورت کی تفسیر کے شروع میں اس آیت کا شان نزول بیان ہو چکا ہے کہ جب آپ سے اصحاب کہف کا قصہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں کل تمہیں جواب دوں گا ان شاء اللہ نہ کہا اس بنا پر پندرہ دن تک وحی نازل نہ ہوئی۔ اس حدیث کو پوری طرح ہم نے اس سورت کی تفسیر کے شروع میں بیان کر دیا ہے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ پھر بیان فرماتا ہے کہ جب بھول جائے تب اپنے رب کو یاد کر یعنی ان شاء اللہ کہنا اگر موقعہ پر یاد نہ آیا تو جب یاد آئے کہہ لیا کر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو حلف کھائے کہ اسے پھر بھی انشاء اللہ کہنے کا حق ہے گو سال بھر گزر چکا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کلام میں یا قسم میں ان شاء اللہ کہنا بھول گیا تو جب بھی یاد آئے کہہ لے گو کتنی ہی مدت گزر چکی ہو اور گو اس کا خلاف بھی ہو چکا ہو۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ اب اس پر قسم کا کفارہ نہیں رہے گا اور اسے قسم توڑنے کا اختیار رہے۔ یہی مطلب اس قول کا امام بن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور یہی بالکل ٹھیک ہے اسی پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام محمول کیا جا سکتا ہے ان سے اور حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مراد ان شاء اللہ کہنا بھول جانا ہے۔ اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ یہ مخصوص ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ' دوسرا کوئی تو اپنی قسم کے ساتھ ہی متصل طور پر انشاء اللہ کہے تو معتبر ہے۔ یہ بھی ایک مطلب ہے کہ جب کوئی بات بھول جاؤ تو اللہ کا ذکر کرو کیونکہ بھول شیطانی حرکت ہے اور ذکر الٰہی یاد کا ذریعہ ہے۔ پھر فرمایا کہ تجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کیا جائے کہ تجھے اس کا علم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کر اور اس کی طرف توجہ کرتا کہ وہ تجھے ٹھیک بات اور ہدایت والی راہ بتا اور دکھا دے۔ اور بھی اقوال اس بارے میں مروی ہیں واللہ اعلم۔

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿٢٥﴾
قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ
حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾

وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے بلکہ نو سال اور زیادہ گزارے ○ تو کہہ دے کہ اللہ ہی کو ان کے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم ہے' آسمانوں اور زمینوں کا غیب صرف اسی کو حاصل ہے' وہ کیا ہی اچھا دیکھنے سننے والا ہے۔ سوائے اللہ کے ان کا کوئی مددگار نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا ○

اصحاب کہف کتنا سوئے؟: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۶) اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو اس مدت کی خبر دیتا ہے جو اصحاب کہف نے اپنے سونے کے زمانے میں گزاری کہ وہ مدت سورج کے حساب سے تین سو سال کی تھی اور چاند کے حساب سے تین سو نو سال کی تھی۔ فی الواقع شمسی اور قمری سال میں سو سال پر تین سال کا فرق پڑتا ہے اسی لئے تین سو الگ بیان کر کے پھر نو الگ بیان کئے۔

پھر فرماتا ہے کہ جب تجھ سے ان کے سونے کی مدت دریافت کی جائے اور تیرے پاس اس کا کچھ علم نہ ہو اور نہ اللہ نے تجھے واقف
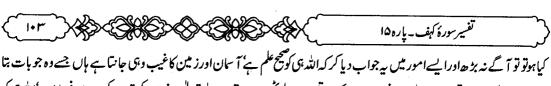
کیا ہوتو تو آگے نہ بڑھ اور ایسے امور میں یہ جواب دیا کر کہ اللہ ہی کو صحیح علم ہے' آسمان اور زمین کا غیب وہی جانتا ہے ہاں جسے وہ جو بات بتا دے' وہ جان لیتا ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ تین سو سال ٹھہرے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے' اللہ ہی کو اس کا پورا علم ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی معنی کی قرات مروی ہے۔ لیکن قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول تامل طلب ہے اس لئے کہ اہل کتاب کے ہاں شمسی سال کا رواج ہے اور وہ تین سو سال مانتے ہیں تین سو نو کا ان کا قول نہیں اگر ان ہی کا قول نقل ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ اور نو سال زیادہ کئے۔ بظاہر تو یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کی خبر دے رہا ہے نہ کہ کسی کا قول بیان فرماتا ہے' یہی اختیار امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کی روایت اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات دونوں منقطع ہیں۔ پھر شاذ بھی ہیں' جمہور کی قرأت وہی ہے جو قرآن میں ہے۔ پس وہ شاذ دلیل کے قابل نہیں واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اور ان کی آواز کو خوب سن رہا ہے' ان الفاظ میں تعریف کا مبالغہ ہے' ان دونوں لفظوں میں مدح کا مبالغہ ہے یعنی وہ خوب دیکھنے سننے والا ہے۔ ہر موجود چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر آواز کو سن رہا ہے' کوئی کام' کوئی کلام اس سے مخفی نہیں' کوئی اس سے زیادہ سننے دیکھنے والا نہیں۔ سب کے عمل دیکھ رہا ہے' سب کی باتیں سن رہا ہے' خلق کا خالق' امر کا مالک وہی ہے۔ کوئی اس کے فرمان کو رد نہیں کر سکتا۔ اس کا کوئی وزیر اور مددگار نہیں' نہ کوئی شریک اور مشیر ہے۔ وہ ان تمام کمیوں سے پاک ہے' تمام نقصانات سے دور ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ
لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ
مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ
وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ
وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ
وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

تیری جانب جو تیرے رب کی کتاب کی وحی کی گئی ہے' اسے پڑھتا رہ' اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں' تو اس کے سوا ہرگز ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہ پائے گا ○ اپنے تئیں انہی کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے رہتے ہیں اور اسی کے چہرے کے ارادہ رکھتے ہیں۔ خبردار تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں کہ دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جا' دیکھ اس کا کہنا نہ ماننا۔ جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے ○

تلاوت وتبلیغ: ☆☆ (آیت: ۲۷-۲۸) اللہ کریم اپنے رسول ﷺ کو اپنے کلام کی تلاوت اور اس کی تبلیغ کی ہدایت کرتا ہے' اس کے کلمات کو نہ کوئی بدل سکے نہ ٹال سکے نہ ادھر ادھر کر سکے' سمجھ لے کہ اس کے سوائے جائے پناہ نہیں' اگر تلاوت وتبلیغ چھوڑ دی تو پھر بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے کہ اے رسولؐ جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اترا ہے' اس کی تبلیغ کرتا رہا اگر نہ کی تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا لوگوں کے شر سے اللہ تجھے بچائے رکھے گا۔ اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ الخ یعنی اللہ تعالیٰ تجھ سے تیرے منصب کی بابت قیامت کے دن ضرور سوال کرے گا۔ اللہ کا ذکر' اس کی تسبیح' حمد' بڑائی اور بزرگی بیان کرنے والوں کے پاس بیٹھا رہا کر جو صبح شام یاد الٰہی میں

لگے رہتے ہیں خواہ وہ فقیر ہوں خواہ امیر' خواہ رزیل ہوں خواہ شریف' خواہ قوی ہوں خواہ ضعیف۔

قریش نے حضور ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ چھوٹے لوگوں کی مجلس میں نہ بیٹھا کریں جیسے بلالؓ عمارؓ صہیبؓ خبابؓ ابن مسعودؓ وغیرہ۔ اور ہماری مجلسوں میں بیٹھا کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی درخواست رد کرنے کا حکم فرمایا جیسے اور آیت میں ہے وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ الخ یعنی صبح شام یاد الٰہی کرنے والوں کو اپنی مجلس سے نہ ہٹا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ہم چھ شخص غریب غرباء حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے سعد بن ابی وقاص' ابن مسعود' قبیلہ ہذیل کا ایک شخص' بلال اور دو آدمی اور اتنے میں معزز مشرکین آئے اور کہنے لگے انہیں اپنی مجلس میں اس جرات کے ساتھ نہ بیٹھنے دو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حضور ﷺ کے جی میں کیا آیا؟ جو اس وقت آیت وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ اتری۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک واعظ قصہ گوئی کر رہا تھا جو حضور ﷺ تشریف لائے وہ خاموش ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا' تم بیان کئے چلے جاؤ۔ میں تو صبح کی نماز سے لے کر آفتاب کے نکلنے تک اسی مجلس میں بیٹھا رہوں تو اپنے لئے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔ اور حدیث میں ہے' آپؐ فرماتے ہیں کہ میں ایسی مجلس میں بیٹھ جاؤں' یہ مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ ذکر اللہ کرنے والوں کے ساتھ صبح کی نماز سے سورج نکلنے تک بیٹھ جانا مجھے تو تمام دنیا سے زیادہ پیارا ہے اور نماز عصر کے بعد سے سورج کے غروب ہونے تک اللہ کا ذکر کرنا مجھے آٹھ غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ پیارا ہے گو وہ غلام اولاد اسماعیل سے گراں قدر اور قیمتی کیوں نہ ہوں گو ان میں سے ایک ایک کی دیت بارہ بارہ ہزار کی ہو تو مجموعی قیمت چھیانوے ہزار کی ہوئی۔ بعض لوگ چار غلام بتاتے ہیں لیکن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' واللہ حضور ﷺ نے آٹھ غلام فرمائے ہیں۔ بزار میں ہے کہ حضور ﷺ آئے ایک صاحب سورہ کہف کی قرات کر رہے تھے آپؐ کو دیکھ کر خاموش ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا' یہی ان لوگوں کی مجلس ہے جہاں اپنے نفس کو روک کر رکھنے کا مجھے حکم الٰہی ہوا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ یا تو سورہ حج کی وہ تلاوت کر رہے تھے یا سورہ کہف کی۔ مسند احمد میں ہے' فرماتے ہیں' ذکر اللہ کے لئے جو مجلس جمع ہو' نیت بھی ان کی بخیر ہو تو آسمان سے منادی ندا کرتا ہے' کہ اٹھو اللہ نے تمہیں بخش دیا' تمہاری برائیاں بھلائیوں سے بدل گئیں۔ طبرانی میں ہے کہ جب یہ آیت اتری' آپ اپنے کسی گھر میں تھے' اسی وقت ایسے لوگوں کی تلاش میں نکلے۔ کچھ لوگوں کو ذکر اللہ میں پایا جن کے بال بکھرے ہوئے تھے' کھالیں خشک تھیں' بمشکل ایک ایک کپڑا انہیں حاصل تھا فوراً ان کی مجلس میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے' اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ رکھے ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے حکم ہوا ہے۔ پھر فرماتا ہے ان سے تیری آنکھیں تجاوز نہ کریں' ان یاد الٰہی کرنے والوں کو چھوڑ کر مالداروں کی تلاش میں نہ لگ جانا جو دین سے برگشتہ ہیں' جو عبادت سے دور ہیں' جن کی برائیاں بڑھ گئی ہیں جن کے اعمال حماقت کے ہیں' تو ان کی پیروی نہ کرنا' ان کے طریقے کو پسند نہ کرنا' ان پر رشک بھری نگاہیں نہ ڈالنا' ان کی نعمتیں للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھنا۔ جیسے فرمان ہے وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ الخ ہم نے انہیں جو دنیوی عیش و عشرت دے رکھی ہے' یہ صرف ان کی آزمائش کے لئے ہے۔ تو للچائی ہوئی نگاہوں سے انہیں نہ دیکھنا' دراصل تیرے رب کے پاس کی روزی بہتر اور بہت باقی ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

اعلان کردے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف کا ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے۔ جو چاہے کفر کرے' ظالموں کے لئے ہم نے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گی' اگر وہ فریاد رسی چاہیں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے جیسا ہوگا۔ جو چہرے بھون دے گا' بڑا ہی برا پانی ہے' اور بڑی بری آرام گاہ (دوزخ) ہے ○

جہنم کی دیواریں: ☆☆ (آیت:۲۹) جو کچھ میں اپنے رب کے پاس سے لایا ہوں وہی حق صدق اور سچائی ہے۔ شک وشبہ سے بالکل خالی۔ اب جس کا جی چاہے مانے نہ چاہے نہ مانے۔ نہ ماننے والوں کے لئے آگ جہنم تیار ہے جس کی چاردیواری کے جیل خانے میں یہ بے بس ہوں گے۔ حدیث میں ہے کہ جہنم کی چاردیواری کی وسعت چالیس چالیس سال کی راہ کی ہے (مسند احمد) اور خود وہ دیواریں بھی آگ کی ہیں اور روایت میں ہے' سمندر بھی جہنم ہے پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا' واللہ نہ اس میں جاؤں جب تک بھی زندہ رہوں اور نہ اس کا کوئی قطرہ مجھے پہنچے۔ مہل کہتے ہیں غلیظ پانی کو جیسے زیتون کے تیل کی تلچھٹ اور جیسے خون اور پیپ جو بے حد گرم ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک مرتبہ سونا پگھلایا جب وہ پانی جیسا ہو گیا اور جوش مارنے لگا فرمایا مہل کی مشابہت اس میں ہے۔ جہنم کا پانی بھی سیاہ ہے وہ خود بھی سیاہ ہے' جہنمی بھی سیاہ ہیں۔ مہل سیاہ رنگ' بدبودار' غلیظ' گندی' سخت گرم چیز ہے چہرے کے پاس جاتے ہی کھال جھلس دیتی ہے' منہ جلا دیتی ہے۔

مسند احمد میں ہے' کافر کے منہ کے پاس جاتے ہی اس کے چہرے کی کھال جھلس کر اس میں آپڑے گی۔ قرآن میں ہے' وہ پیپ پلائے جائیں گے بمشکل ان کے حلق سے اترے گی۔ چہرے کے پاس آتے ہی کھال جل کر گر پڑے گی' پیتے ہی آنتیں کٹ جائیں گی ان کی ہائے وائے شور غل پر یہ پانی ان کو پینے کو دیا جائے گا۔ بھوک کی شکایت پر زقوم کا درخت دیا جائے گا جس سے ان کی کھالیں اس طرح جسم چھوڑ کر اتر جائیں گی کہ ان کا پہچاننے والا ان کھالوں کو دیکھ کر بھی پہچان لے' پھر پیاس کی شکایت پر سخت گرم کھولتا ہوا پانی ملے گا جو منہ کے پاس پہنچتے ہی تمام گوشت کو بھون ڈالے گا۔ ہائے کیا برا پانی ہے۔ یہ وہ گرم پانی پلایا جائے گا' ان کا ٹھکانہ' ان کی منزل' ان کا گھر' ان کی آرام گاہ بھی نہایت بری ہے۔ جیسے اور آیت میں اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا وہ بڑی بری جگہ اور بے حد کٹھن منزل ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣٠﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾

یقیناً جو لوگ ایمان لائیں' نیک اعمال کریں ہم تو کسی نیک عمل کرنے والے کا ثواب ضائع نہیں کرتے ○ ان کے لئے ہمیشگی والی جنتیں ہیں۔ ان کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ وہاں یہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز رنگ نرم وباریک اور موٹے ریشم کے لباس پہنیں گے۔ وہاں تختوں کے اوپر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے' کیا خوب بدلہ ہے' اور کس قدر عمدہ آرام گاہ ہے ○

سونے کے کنگن اور ریشمی لباس: ☆☆ (آیت:۳۰-۳۱) اوپر برے لوگوں کا حال اور انجام بیان فرمایا اب نیکوں کا آغاز وانجام بیان

ہو رہا ہے یہ اللہ رسول اور کتاب کے ماننے والے نیک عمل کرنے والے ہوتے ہیں' ان کے لئے ہمیشگی والی دائمی جنتیں ہیں' ان کے بالا خانوں کے اور باغات کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں- انہیں زیورات خصوصاً سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے- ان کا لباس وہاں خالص ریشم کا ہوگا نرم باریک اور نرم موٹے ریشم کا لباس ہوگا' یہ باآرام شاہانہ شان سے مسندوں پر جو تختوں پر ہوں گے' تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے- کہا گیا ہے کہ لیٹنے اور چار زانوں بیٹھنے کا نام بھی اتکا ہے' ممکن ہے یہی مراد یہاں بھی ہو چنانچہ حدیث میں ہے' میں اتکا کر کے کھانا نہیں کھاتا- اس میں بھی یہی دو قول ہیں اَرَآئِك جمع ہے اَرِیْكَة کی' تخت' چھپر کھٹ وغیرہ کو کہتے ہیں- کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور کتنی ہی اچھی اور آرام دہ جگہ ہے برخلاف دوزخیوں کے کہ ان کے لیے بری سزا اور بری جگہ ہے- سورہ فرقان میں بھی انہیں دونوں گروہ کا اسی طرح مقابلہ کا بیان ہے-

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

انہیں ان دو شخصوں کی مثال بھی سنا دے جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگوروں کے دے رکھے تھے جنہیں کھجوروں کے درختوں سے ہم نے گھیر رکھا تھا اور دونوں کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی ○ دونوں باغ اپنا پھل خوب لاتے تھے اس میں کوئی کمی نہ تھی ہم نے ان باغوں کے درمیان نہر جاری کر رکھی تھی ○ الغرض اس کے پاس میوے تھے' ایک دن اس نے باتوں ہی باتوں میں اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور جتھے کے اعتبار سے بھی زیادہ عزت والا ہوں ○ یہ اپنے باغ میں گیا اور تھا اپنی جان پر ظلم کرنے والا' کہنے لگا کہ میں خیال نہیں کر سکتا کہ کسی وقت بھی یہ برباد ہو جائے ○ اور نہ میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال کرتا ہوں اور اگر بالفرض میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقیناً میں اس لوٹنے کی جگہ اس سے بھی زیادہ بہتر پاؤں گا ○

فخر و غرور: ☆☆ (آیت: ۳۲-۳۶) چونکہ اوپر مسکین مسلمانوں اور مالدار کافروں کا ذکر ہوا تھا' یہاں ان کی ایک مثال بیان کی جاتی ہے کہ دو شخص تھے جن میں سے ایک مالدار تھا' انگوروں کے باغ' ارد گرد کھجوروں کے درخت' درمیان میں کھیتی' درخت پھلدار' بیلیں ہری' کھیتی سر سبز پھل پھول بھرپور' نقصان کسی قسم کا نہیں' ادھر ادھر نہریں جاری تھیں- اس کے پاس ہر وقت طرح طرح کی پیداوار موجود' مالدار شخص- اس کی دوسری قرات ثمر بھی ہے یہ جمع ہے ثُمْرَة کی جیسے خَشْبَة کی جمع خُشُبٌ- الغرض اس نے ایک دن اپنے ایک دوست سے فخر و غرور کرتے ہوئے کہا کہ میں مال میں' عزت و اولاد میں' جاہ و حشم میں' نوکر چاکر میں تجھ سے زیادہ حیثیت والا ہوں' ایک فاجر شخص کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ دنیا کی یہ چیزیں اس کے پاس بکثرت ہوں- یہ اپنے باغ میں گیا اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا یعنی تکبر' اکڑ' انکار قیامت اور کفر کرتا ہوا- اس قدر مست تھا

کہ اس کی زبان سے نکلا کہ ناممکن ہے میری یہ لہلہاتی کھیتیاں' یہ پھلدار درخت' یہ جاری نہریں' یہ سرسبز بیلیں کبھی فنا ہو جائیں- حقیقت میں یہ اس کی کم عقلی' بے ایمانی اور دنیا کی حرستی اور اللہ کے ساتھ کفر کی وجہ تھی- اسی لئے کہہ رہا ہے کہ میرے خیال سے تو قیامت آنے والی نہیں- اور اگر بالفرض آئی بھی تو ظاہر ہے کہ اللہ کا میں پیارا ہوں ورنہ وہ مجھے اس قدر مال ومتاع کیسے دے دیتا؟ تو وہاں بھی وہ مجھے اس سے بھی بہتر عطا فرمائے گا- جیسے اور آیت میں ہے وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی اگر میں لوٹایا گیا تو وہاں میرے لئے اور اچھائی ہو گی- اور آیت میں ارشاد ہے اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا یعنی تو نے اسے بھی دیکھا جو تو کر رہا ہے ہماری آیتوں سے کفر اور باوجود اس کے اس کی تمنا یہ ہے کہ مجھے قیامت کے دن بھی بکثرت مال واولاد ملے گی' یہ اللہ کے سامنے دلیری کرتا ہے اور اللہ پر باتیں بناتا ہے- اس آیت کا شان نزول عاص بن وائل ہے جیسے کہ اپنے موقعہ پر آئے گا ان شاء اللہ-

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰي رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاۗءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَاۗؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾

اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کیا تو اس اللہ سے کفر کرتا ہے؟ جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفے سے' پھر تجھے پورا آدمی بنا دیا ○ لیکن میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے- میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں گا ○ تو اپنے باغ میں جاتے وقت کیوں نہیں کہتا کہ اللہ کا چاہا ہونے والا ہے- کوئی طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد سے' اگر چہ تو مجھے مال واولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے ○ مگر بہت ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے اس باغ سے بھی بہتر دے اور اس پر آسمانی عذاب بھیج دے تو یہ چٹیل اور پھسلنا میدان بن جائے ○ یا اس کا پانی خشک ہو جائے اور تیرے بس میں نہ رہے کہ تو اسے ڈھونڈ لائے ○

احسان فراموشی مترادف کفر ہے: ☆☆ (آیت: ۳۷-۴۱) اس کافر مالدار کو جو جواب اس مومن مفلس نے دیا اس کا بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح اس نے وعظ وپند کی' ایمان ویقین کی ہدایت کی اور گمراہی اور غرور سے ہٹانا چاہا فرمایا کہ تو اللہ کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے انسانی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل ملے جلے پانی سے جاری رکھی جیسے آیت کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ الخ میں ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ تم تو مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا- تم اس کی ذات کا' اس کی نعمتوں کا انکار کیسے کر سکتے ہو؟ اس کی نعمتوں کے' اس کی قدرتوں کے بے شمار نمونے خود تم میں اور تم پر موجود ہیں- کون نادان ایسا ہے جو نہ جانتا ہو کہ وہ پہلے کچھ نہ تھا اللہ نے اسے موجود کر دیا- وہ خود بخود اپنے ہونے پر قادر نہ تھا اللہ نے اس کا وجود پیدا کیا- پھر وہ انکار کے لائق کیسے ہو گیا؟ اس کی توحید الوہیت سے کون انکار کر سکتا ہے-

میں تو تیرے مقابلے میں کھلے الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ میرا رب وہی اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے میں اپنے رب کے ساتھ مشرک بننا ناپسند کرتا ہوں۔ پھر اپنے ساتھی کو نیک رغبت دلانے کے لئے کہتا ہے کہ اپنی لہلہاتی ہوئی کھیتی اور ہرے بھرے میووں سے لدے باغ کو دیکھ کر تو اللہ کا شکر کیوں نہیں کرتا؟ کیوں مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ نہیں کہتا؟ اسی آیت کو سامنے رکھ کر بعض سلف کا مقولہ ہے کہ جسے اپنی اولاد یا مال یا حال پسند آئے' اسے یہ کلمہ پڑھ لینا چاہئے۔ ابو یعلی موصلی میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں' جس بندے پر اللہ اپنی کوئی نعمت انعام فرمائے' اہل وعیال ہوں' دولتمندی ہو' فرزند ہوں' پھر وہ اس کلمہ کو کہہ لے تو اس میں کوئی آنچ نہ آئے گی سوائے موت کے پھر آپ اس آیت کی تلاوت کرتے۔ حافظ ابوالفتح کہتے ہیں' یہ حدیث صحیح نہیں۔

مسند احمد میں ہے' حضور ﷺ نے فرمایا' کیا میں تمہیں جنت کا ایک خزانہ بتادوں؟ وہ خزانہ لا حول ولا قوة الا بالله کہنا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے میرے اس بندے نے مان لیا اور اپنا معاملہ میرے سپرد کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پھر پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا' صرف لاحول نہیں بلکہ وہ جو سورہ کہف میں ہے یعنی مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پھر فرمایا کہ اس نیک شخص نے کہا کہ مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ مجھے آخرت کے دن اس سے بہتر نعمتیں عطا فرمائے اور تیرے اس باغ کو جسے تو ہیشگی والا سمجھے بیٹھا ہے' تباہ کر دے۔ آسمان سے اس پر عذاب بھیج دے۔ زور کی بارش آندھی کے ساتھ آئے۔ تمام کھیت اور باغ اجڑ جائیں۔ سوکھی صاف زمین رہ جائے گویا کہ کبھی یہاں کوئی چیز اگی ہی نہ تھی۔ یا اس کی نہروں کا پانی دھنسا دے۔ غور مصدر ہے معنی میں غائر کے بطور مبالغے کے لایا گیا ہے۔

وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ ع ۱۲ ۱۷

اس کے سارے پھل گھیر لئے گئے۔ پس وہ اپنے اس خرچ پر جو اس نے اس میں کیا تھا' اپنے ہاتھ ملنے لگا اور وہ باغ تو اوندھا الٹا پڑا ہوا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ کاش کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرتا ○ اس کی حمایت میں کوئی جماعت نہ اٹھی کہ اللہ سے اس کا کوئی بچاؤ کرتی اور نہ وہ خود ہی بدلہ لینے والا بن سکا ○ یہیں سے ثابت ہے کہ اختیارات اس اللہ تعالیٰ ہیشگی والے کے ہی ہیں۔ وہ ثواب دینے کے اور انجام کے اعتبار سے بہت ہی بہتر ہے ○

کف افسوس: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۴) اس کا کل مال' کل پھل غارت ہو گیا۔ وہ مومن اسے جس بات سے ڈرا رہا تھا' وہی ہو کر رہی۔ اب تو وہ اپنے مال کی بربادی پر کف افسوس ملنے لگا اور آرزو کرنے لگا کہ کاش کہ میں اللہ کے ساتھ مشرک نہ بنتا۔ جن پر فخر کرتا تھا' ان میں سے کوئی اس وقت کام نہ آیا' فرزند قبیلہ سب رہ گیا۔ فخر وغرور سب مٹ گیا نہ اور کوئی کھڑا ہوا نہ خود میں ہی کوئی ہمت ہوئی۔ بعض لوگ هُنَالِكَ پر وقف کرتے ہیں اور اسے پہلے جملے کے ساتھ ملا لیتے ہیں یعنی وہاں وہ اپنا انتقام نہ لے سکا اور بعض مُنْتَصِرًا پر آیت کر کے آگے سے نئے جملے کی ابتدا کرتے ہیں وَلَايَةُ کی دوسری قرات وِلَايَةُ بھی ہے۔ پہلی قرات پر مطلب یہ ہوا کہ ہر مومن و کافر اللہ ہی کی طرف رجوع کرنے والا ہے' اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں' عذاب کے وقت کوئی بھی سوائے اس کے کام نہیں آ سکتا جیسے فرمان ہے فَلَمَّا

رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ الخ یعنی ہمارے عذاب دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لاتے ہیں اور اس سے پہلے جنہیں ہم اللہ کے شریک ٹھہرایا کرتے تھے' ان سے انکار کرتے ہیں۔ اور جیسے کہ فرعون نے ڈوبتے وقت کہا تھا کہ میں اس اللہ پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں شامل ہوتا ہوں اس وقت جواب ملا کہ اب ایمان قبول کرتا ہے؟ اس سے پہلے تو نافرمان رہا اور مفسدوں میں شامل رہا۔ واؤ کے کسر کی قرأت پر یہ معنی ہوئے کہ وہاں حکم صحیح طور پر اللہ ہی کے لئے ہے۔ لِلّٰهِ الْحَقِّ کی دوسری قرات قاف کے پیش سے بھی ہے کیونکہ یہ اَلْوَلَایَةُ کی صفت ہے جیسے فرمان ہے اَلْمُلْكُ یَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ الخ میں ہے بعض لوگ قاف کا زیر پڑھتے ہیں ان کے نزدیک یہ صفت ہے حق تعالیٰ کی۔ جیسے اور آیت میں ہے ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ الخ اسی لئے پھر فرماتا ہے کہ جو اعمال صرف اللہ ہی کے لئے ہوں' ان کا ثواب بہت ہوتا ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی وہ بہت بہتر ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کر جیسے کہ پانی جسے ہم آسمان سے اتارتے ہیں اس سے زمین کو روئیدگی ملتی ہے ○ پھر آخر کار وہ چورا ہو جاتی ہے جسے ہوائیں اڑائے لئے پھرتی ہیں' اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ مال و اولاد تو دنیا کی زندگی کی ہی زینت ہے ○ ہاں البتہ باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک از روئے ثواب کے اور آئندہ کی اچھی توقع کے بہت ہی عمدہ ہیں ○

حیات وموت کا نقشہ : ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۶) دنیا اپنے زوال' فنا' خاتمے اور بربادی کے لحاظ سے مثل آسمانی بارش کے ہے جو زمین کے دانوں وغیرہ سے ملتی ہے اور ہزار ہا پودے لہلہانے لگتے ہیں۔ تروتازگی اور زندگی کے آثار ہر چیز پر ظاہر ہونے لگتے ہیں لیکن کچھ دنوں کے گزرتے ہی وہ سوکھ ساکھ کر چورا چورا ہو جاتے ہیں اور ہوائیں انہیں دائیں بائیں اڑائے پھرتی ہیں۔ اس حالت پر جو اللہ قادر تھا' وہ اس حالت پر بھی قادر ہے۔ عموماً دنیا کی مثال بارش سے بیان فرمائی جاتی ہے جیسے سورہ یونس کی آیت اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ میں اور جیسے سورہ زمر کی آیت اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً الخ میں۔ اور جیسے سورہ حدید کی آیت اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا الخ میں صحیح حدیث میں بھی ہے۔ دنیا سبز رنگ میٹھی ہے الخ۔ پھر فرماتا ہے کہ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔ جیسے فرمایا ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ الخ انسان کے لئے خواہشوں کی محبت مثلاً عورتیں' بیٹے' خزانے وغیرہ مزین کر دی گئی ہے۔ اور آیت میں ہے اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ الخ تمہارے مال' تمہاری اولادیں فتنہ ہیں اور اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔ یعنی اس کی طرف جھکنا' اس کی عبادت میں مشغول رہنا دنیا طلبی سے بہتر ہے۔ اسی لئے یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ باقیات صالحات ہر لحاظ سے عمدہ چیز ہے۔ مثلاً پانچوں وقت کی نمازیں اور سبحان اللہ و الحمدللہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ اور الحمدللہ اور اللہ اکبر اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھے ہوئے

تھے جو موذن پہنچا آپ نے پانی منگوایا ایک برتن میں قریب تین پاؤ کے پانی آیا' آپ نے وضو کر کے فرمایا حضور علیہ السلام نے اسی طرح وضو کر کے فرمایا' جو میرے اس وضو جیسا وضو کر کے ظہر کی نماز ادا کرے تو صبح سے لے کر ظہر تک کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر عصر میں بھی اسی طرح نماز پڑھ لی تو ظہر سے عصر تک کے تمام گناہ معاف' پھر مغرب کی نماز پڑھی تو عصر سے مغرب تک کے گناہ معاف۔ پھر عشا کی نماز پڑھی تو مغرب سے عشا تک کے گناہ معاف پھر رات کو وہ سو رہا صبح اٹھ کر نماز فجر ادا کی تو عشا سے لے کے صبح تک کے گناہ معاف۔ یہی وہ نیکیاں ہیں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ لوگوں نے پوچھا یہ تو ہوئیں نیکیاں اب اے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ بتلایئے کہ باقیات صالحات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' باقیات صالحات یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد عمارہ رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ بتاؤ باقیات صالحات کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ نماز اور روزہ۔ آپ نے فرمایا' تم نے صحیح جواب نہیں دیا انہوں نے کہا' زکوٰۃ اور حج' فرمایا ابھی جواب ٹھیک نہیں ہوا۔ سنو! وہ پانچ کلمے ہیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا تو آپ نے بجز الحمد للہ کے اور چار کلمات بتلائے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ بجز لاحول کے اور چاروں کلمات بتلاتے ہیں۔

حسن رحمتہ اللہ علیہ اور قتادہ رحمتہ اللہ علیہ بھی ان ہی چاروں کلمات کو باقیات صالحات بتلاتے ہیں۔ ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' رسول ﷺ نے فرمایا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ یہ ہیں باقیات صالحات۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' قیات صالحات کی کثرت کرو پوچھا گیا وہ کیا ہیں؟ فرمایا ملت' پوچھا گیا وہ کیا ہے یا رسولؐ اللہ؟ آپؐ نے فرمایا' تکبیر تہلیل' تسبیح اور الحمد للہ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (احمد) سالم بن عبداللہ کے مولی عبداللہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھے حضرت سالم رحمتہ اللہ علیہ نے محمد بن کعب قرظی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس کسی کام کے لئے بھیجا تو انہوں نے کہا سالم سے کہہ دینا کہ فلاں قبر کے پاس کے کونے میں مجھ سے ملاقات کریں مجھے ان سے کچھ کام ہے چنانچہ دونوں کی وہاں ملاقات ہوئی سلام علیک ہوا تو سالم نے پوچھا' کچھ کے نزدیک باقیات صالحات کیا ہیں؟ انہوں نے فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اور سُبْحَانَ اللّٰہِ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ سالم نے کہا' یہ آخری کلمہ آپ نے اس میں کب سے بڑھایا؟ قرظی نے کہا' میں تو ہمیشہ سے اس کلمے کو شمار کرتا ہوں دو تین بار یہی سوال جواب ہوا تو حضرت محمد بن کعب نے فرمایا' کیا تمہیں اس کلمے سے انکار ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں انکار ہے۔ کہا' سنو میں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے انہوں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے' جب مجھے معراج کرائی گئی' میں نے آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا' آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ محمد ﷺ ہیں۔ انہوں نے مجھے مرحبا اور خوش آمدید کہا اور فرمایا آپ اپنی امت سے فرما دیجئے کہ وہ جنت میں اپنے لئے بہت کچھ باغات لگالیں' اس کی مٹی پاک ہے' اس کی زمین کشادہ ہے' میں نے پوچھا' وہاں باغات لگانے کی کیا صورت ہے؟ فرمایا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ بکثرت پڑھیں۔

مسند احمد میں نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات عشا کی نماز کے بعد حضور ﷺ ہمارے پاس آئے آسمان کی طرف دیکھ کر نظریں نیچی کر لیں ہمیں خیال ہوا کہ شاید آسمان میں کوئی نئی بات ہوئی ہے پھر آپ نے فرمایا میرے بعد جھوٹ بولنے اور ظلم کرنے والے بادشاہ ہوں گے جو ان کے جھوٹ کو تسلیم کرے اور ان کے ظلم میں ان کی طرفداری کرے' وہ مجھ سے نہیں اور نہ میں اس کا

ہوں۔ اور جوان کے جھوٹ کو نہ بچائے اور ان کے ظلم میں ان کی طرفداری نہ کرے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ لوگو! سن رکھو سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ یہ باقیات صالحات یعنی باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔ مسند میں ہے آپ نے فرمایا واہ واہ پانچ کلمات ہیں اور نیکی کے ترازو میں بے حد وزنی ہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ اور وہ بچہ جس کے انتقال پر اس کا باپ طلب اجر کے لیے صبر کرے۔ واہ واہ پانچ چیزیں ہیں، جوان کا یقین رکھتا ہوا اللہ سے ملاقات کرے، وہ قطعاً جنتی ہے۔ اللہ پر، قیامت کے دن پر، جنت و دوزخ پر، مرنے کے بعد کے جی اٹھنے پر اور حساب پر ایمان رکھے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سفر میں تھے کسی جگہ اترے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ چھری لاؤ کھیلیں۔ حسان بن عطیہ کہتے ہیں، میں نے اس وقت کہا کہ یہ آپ نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا واقعی میں نے غلطی کی سنو اسلام لانے کے بعد سے لے کر آج تک میں نے کوئی کلمہ اپنی زبان سے ایسا نہیں نکالا جو میرے لئے لگام بن جائے بجز اس ایک کلمے کے پس تم لوگ اسے یاد سے بھلا دو اور اب جو میں کہہ رہا ہوں، اسے یاد رکھو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب لوگ سونے چاندی کے جمع کرنے میں لگ جائیں، تم اس وقت ان کلمات کو بکثرت پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الثُّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَ الْعَزِیْمَۃَ عَلَی الرُّشْدِ وَ اَسْئَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ وَ اَسْئَلُکَ حُسْنَ عِبَادَتِکَ وَ اَسْئَلُکَ قَلْبًا سَلِیْمًا وَ اَسْئَلُکَ لِسَانًا صَادِقًا وَ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَ اَسْتَغْفِرُکَ لِمَا تَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ یعنی اے اللہ میں تجھ سے اپنے کام کی ثابت قدمی اور نیکی کے کام کا پورا قصد اور تیری نعمتوں کی شکر گزاری کی توفیق طلب کرتا ہوں اور تجھ سے دعا ہے کہ تو مجھے سلامتی والا دل اور سچی زبان عطا فرما، تیرے علم میں جو بھلائی ہے، میں اس کا خواستگار ہوں اور تیرے علم میں جو برائی ہے، میں اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں، پروردگار ہر اس برائی سے میری توبہ ہے جو تیرے علم میں ہو بے شک غیب داں صرف تو ہی ہے۔ حضرت سعید بن جنادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل طائف میں سے سب سے پہلے میں نبی اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں اپنے گھر سے صبح ہی صبح چل کھڑا ہوا، اور عصر کے وقت منیٰ میں پہنچ گیا پہاڑ پر چڑھا پھر اترا پھر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا، اسلام قبول کیا، آپ نے مجھے سورہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور سورہ اِذَا زُلْزِلَتِ سکھائی اور یہ کلمات تعلیم فرمائے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ فرمایا، یہ ہیں باقی رہنے والی نیکیاں۔

اس سند سے مروی ہے کہ جو شخص رات کو اٹھے، وضو کرے، کلی کرے پھر سو سو بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھے اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں بجز قتل و خون کے کہ وہ معاف نہیں ہوتا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، باقیات صالحات ذکر اللہ ہے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ تَبَارَکَ اللّٰہُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ہے اور روزہ، نماز، حج، صدقہ، غلاموں کی آزادی، جہاد، صلہ رحمی اور کل نیکیاں یہ سب باقیات صالحات ہیں جن کا ثواب جنت والوں کو جب تک آسمان و زمین ہیں، ملتا رہتا ہے۔ فرماتے ہیں پاکیزہ کلام بھی اسی میں داخل ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کل اعمال صالحہ اسی میں داخل ہیں۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ بھی اسے مختار بتلاتے ہیں۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّنْ نَجْعَلَ لَكُمْ مَوْعِدًا ﴿٤٨﴾

جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین کو تو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا اور تمام لوگوں کا ہم حشر کریں گے ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے ○ سب کے سب تیرے رب کے سامنے صف بستہ حاضر کئے جائیں گے یقیناً ہم تمہیں اسی طرح لائے جس طرح تمہیں اول مرتبہ ہم نے پیدا کیا تھا لیکن تم تو اسی خیال میں رہے کہ ہم تمہارے لئے کوئی وعدہ گاہ کرنے ہی کے نہیں ○

سب کے سب میدان حشر میں: ☆☆ (آیت:۴۷-۴۸) اللہ تعالیٰ قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر فرما رہا ہے اور جو تعجب خیز بڑے بڑے کام اس دن ہوں گے ان کا ذکر کر رہا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا' پہاڑ اڑ جائیں گے گو تمہیں جمے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن اس دن تو بادلوں کی طرح تیزی سے چل رہے ہوں گے۔ آخر روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے' زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے گی جس میں کوئی اونچ نیچ تک باقی نہ رہے گی' نہ اس میں کوئی مکان ہوگا نہ چھپر' ساری مخلوق بن آڑ کے اللہ کے بالکل سامنے روبرو ہوگی۔ کوئی بھی مالک سے کسی جگہ چھپ نہ سکے گا' کوئی جائے پناہ یا سر چھپانے کی جگہ نہ ہوگی۔ کوئی درخت' پتھر' گھانس پھونس دکھائی نہ دے گا۔ تمام اول و آخر کے لوگ جمع ہوں گے' کوئی چھوٹا بڑا غیر حاضر نہ ہوگا۔ تمام اگلے پچھلے اس مقرر دن جمع کئے جائیں گے۔ اس دن سب لوگ حاضر شدہ ہوں گے اور سب موجود ہوں گے۔ تمام لوگ اللہ کے سامنے صف بستہ پیش ہوں گے' روح اور فرشتے صفیں باندھے ہوئے کھڑے ہوں گے' کسی کو بات کرنے کی بھی تاب نہ ہوگی بجز ان کے جنہیں اللہ رحمان اجازت دے اور وہ بات بھی معقول کہیں پس یا تو سب کی ایک ہی صف ہوگی یا کئی صفوں میں ہوں گے جیسے ارشاد قرآن ہے' تیرا رب آئے گا اور فرشتے صف بہ صف۔ وہاں منکرین قیامت کو سب کے سامنے ڈانٹ ڈپٹ ہوگی کہ دیکھو جس طرح ہم نے تمہیں اول بار پیدا کیا تھا' اسی طرح دوسری بار پیدا کر کے اپنے سامنے کھڑا کر لیا اس سے پہلے تو تم اس کے قائل نہ تھے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ع

نامہ اعمال درمیان میں رکھ دیئے جائیں گے پس تو دیکھے گا کہ گنہگار اس کی تحریر سے خوفزدہ ہو رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے ہائے ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے؟ جس نے کوئی چھوٹا بڑا بغیر گھیرے باقی ہی نہیں چھوڑا' جو کچھ انہوں نے کیا تھا' سب موجود پائیں گے' تیرا رب کسی پر ظلم و ستم نہ کرے گا ○

(آیت:۴۹) نامہ اعمال سامنے کر دیئے جائیں گے جس میں ہر چھوٹا بڑا' کھلا چھپا عمل لکھا ہوا ہوگا اپنی بداعمالیوں کو دیکھ دیکھ کر گنہگار خوف و حیرت زدہ ہو جائیں گے اور افسوس و رنج سے کہیں گے کہ ہائے ہم نے اپنی عمر کیسی غفلت میں بسر کی' افسوس بدکرداریوں میں لگے رہے اور دیکھو تو اس کتاب نے ایک معاملہ بھی ایسا نہیں چھوڑا جسے لکھا نہ ہو چھوٹے بڑے تمام گناہ اس میں لکھے ہوئے ہیں۔ طبرانی میں ہے کہ غزوہ حنین سے فارغ ہو کر ہم چلے' ایک میدان میں منزل کی (ٹھہرے)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہم سے فرمایا' جاؤ جسے کوئی لکڑی' کوئی کوڑا' کوئی گھانس پھونس مل جائے' لے آؤ ہم سب ادھر ادھر ہو گئے چپٹیاں' چھال' لکڑی' پتے کانٹے' درخت جھاڑ جھنکاڑ جو ملا لے آئے۔ ڈھیر لگ گیا تو آپ نے فرمایا دیکھ رہے ہو؟ اسی طرح گناہ جمع ہو کر ڈھیر لگ جاتا ہے' اللہ سے ڈرتے رہو' چھوٹے بڑے گناہوں سے بچو کیونکہ سب لکھے جا رہے ہیں اور شمار کئے جا رہے ہیں جو خیر و شر' بھلائی برائی جس کسی نے کی ہوگی' اسے موجود پائے گا جیسے يَوْمَ تَجِدُ الخ اور آیت يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ الخ اور آیت يَوْمَ تُبْلَى الخ میں ہے تمام چھپی ہوئی باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہر بدعہد کے

لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا اس کی بدعہدی کے مطابق جس سے اس کی پہچان ہو جائے۔اور حدیث میں ہے کہ یہ جھنڈا اس کی رانوں کے پاس ہوگا اور اعلان ہوگا کہ یہ فلاں بن فلاں کی بدعہدی ہے۔تیرا رب ایسا نہیں کہ مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم کرے ہاں البتہ درگزر کرنا' معاف فرما دینا' عفو کرنا یہ اس کی صفت ہے۔ہاں بدکاروں کو اپنی قدرت وحکمت اور عدل وانصاف سے وہ سزا بھی دیتا ہے' جہنم گنہگاروں اور نافرمانوں سے بھر جائے پھر کافروں اور مشرکوں کے سوا اور مومن گنہگار چھوٹ جائیں گے۔اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بھی ناانصافی نہیں کرتا' نیکیوں کو بڑھاتا ہے' گناہوں کو برابر ہی رکھتا ہے۔عدل کا ترازو اس دن سامنے ہوگا کسی کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ ہوگی الخ۔

مسند احمد میں ہے' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مجھے روایت پہنچی کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے جو وہ بیان کرتے ہیں' میں نے اس حدیث کو خاص ان سے سننے کے لئے ایک اونٹ خریدا سامان کس کر سفر کیا مہینہ بھر کے بعد شام میں ان کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں میں نے دربان سے کہا جاؤ خبر کرو کہ جابر دروازے پر ہے انہوں نے پوچھا کیا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ؟ میں نے کہا جی ہاں۔یہ سنتے ہی جلدی کے مارے چادر سنبھالتے ہوئے جھٹ سے باہر آ گئے اور مجھے لپٹ گئے معانقہ سے فارغ ہو کر میں نے کہا' مجھے یہ روایت پہنچی کہ آپ نے قصاص کے بارے میں کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے تو میں نے چاہا کہ خود آپ سے میں وہ حدیث سن لوں اس لئے یہاں آیا اور سنتے ہی سفر شروع کر دیا اس خوف سے کہ کہیں اس حدیث کے سننے سے پہلے میں مر نہ جاؤں یا آپ کو موت نہ آ جائے' اب آپ سنائیے وہ حدیث کیا ہے؟ آپ نے فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن اپنے تمام بندوں کا اپنے سامنے حشر کرے گا' ننگے بدن' بے ختنہ' بے سروسامان پھر انہیں ندا کرے گا جسے دور نزدیک والے سب یکساں سنیں گے فرمائے گا کہ میں مالک ہوں' میں بدلے دلوانے والا ہوں۔کوئی جہنمی اس وقت تک جہنم میں نہ جائے گا جب تک اس کا جو حق کسی جنتی کے ذمہ ہو' میں نہ دلوا دوں اور نہ کوئی جنتی جنت میں داخل ہو سکتا ہے جب تک اس کا حق جو جہنمی پر ہے' میں نہ دلوا دوں گو ایک تھپڑ ہی ہو۔ہم نے کہا حضور ﷺ یہ حق کیسے دلوائے جائیں گے حالانکہ ہم سب تو وہاں ننگے پاؤں' ننگے بدن بے مال واسباب ہوں گے آپؐ نے فرمایا' ہاں اس دن حق نیکیوں اور برائیوں سے ادا کئے جائیں گے۔اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگ دار بکری نے مارا ہے تو اس سے بھی اس کو بدلہ دلوایا جائے گا اس کے اور بھی بہت سے شواہد ہیں جنہیں ہم نے بالتفصیل آیت وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ الخ کی تفسیر میں اور آیت اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا الخ کی تفسیر میں بیان کئے ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

ہم نے سب فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کے سامنے سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کر لیا' یہ جنوں میں سے تھا۔اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی' کیا پھر بھی تم

اسے اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بنا رہے ہو؟ حالانکہ وہ تم سب کا دشمن ہے' ایسے ظالموں کا بہت برا بدلہ ہے ○ میں نے انہیں آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت موجود نہیں رکھا تھا اور نہ خود ان کی اپنی پیدائش میں اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا زور بازو بنانے والا بھی نہیں ○

محسن کو چھوڑ کر دشمن سے دوستی: ☆☆ (آیت:۵۰-۵۱) بیان ہو رہا ہے کہ ابلیس تمہارا بلکہ تمہارے اصلی باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی قدیمی دشمن رہا ہے اپنے خالق و مالک کو چھوڑ کر تمہیں اس کی بات نہ ماننی چاہئے۔ اللہ کے احسان و اکرام' اس کے لطف و کرم کو دیکھو کہ اسی نے تمہیں پیدا کیا' تمہیں پالا پوسا پھر اسے چھوڑ کر اس کے بلکہ اپنے بھی دشمن کو دوست بنانا کس قدر خطرناک غلطی ہے؟ اس کی پوری تفسیر سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے تمام فرشتوں کو بطور ان کی تعظیم اور تکریم کے ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سب نے حکم برداری کی لیکن چونکہ ابلیس بد اصل تھا' آگ سے پیدا شدہ تھا' اس نے انکار کر دیا اور فاسق بن گیا۔ فرشتوں کی پیدائش نورانی تھی۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں' ابلیس شعلے مارنے والی آگ سے اور آدم علیہ السلام اس سے جس کا بیان تمہارے سامنے کر دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ ہر چیز اپنی اصلیت پر آ جاتی ہے اور وقت پر برتن میں جو ہو وہی ٹپکتا ہے۔ گو ابلیس فرشتوں کے سے اعمال کر رہا تھا' انہی کی مشابہت کرتا تھا اور اللہ کی رضامندی میں دن رات مشغول تھا' اسی لئے ان کے خطاب میں یہ بھی آ گیا لیکن یہ سنتے ہی وہ اپنی اصلیت پر آ گیا' تکبر اس کی طبیعت میں سما گیا اور صاف انکار کر بیٹھا اس کی پیدائش ہی آگ سے تھی جیسے اس نے خود کہا کہ تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اسے مٹی سے۔ ابلیس کبھی بھی فرشتوں میں سے نہ تھا وہ جنات کی اصل ہے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام انسان کی اصل ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ یہ جنات ایک قسم تھی فرشتوں کی جو تیز آگ سے پیدا کئے گئے تھے اس کا نام حارث تھا۔ جنت کا داروغہ تھا اس جماعت کے سوا اور فرشتے نوری تھے جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے تھی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ابلیس شریف فرشتوں میں سے تھا اور بزرگ قبیلے کا تھا' جنتوں کا داروغہ تھا' آسمان دنیا کا بادشاہ تھا' زمین کا بھی سلطان تھا' اس سے کچھ اس کے دل میں گھمنڈ آ گیا تھا کہ وہ تمام اہل آسمان سے شریف ہے' وہ گھمنڈ بڑھتا جا رہا تھا اس کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو تھا پس اس کے اظہار کے لئے حضرت آدمؑ کو سجدے کرنے کا حکم ہوا تو اس کا گھمنڈ ظاہر ہو گیا از روئے تکبر کے صاف انکار کر دیا اور کافروں میں جا ملا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' وہ جن تھا یعنی جنت کا خازن تھا جیسے لوگوں کو شہروں کی طرف نسبت کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں مکی' مدنی' بصری' کوفی۔ یہ جنت کا خازن آسمان دنیا کے کاموں کا مدبر تھا یہاں کے فرشتوں کا رئیس تھا۔ اس معصیت سے پہلے وہ ملائکہ میں داخل تھا لیکن زمین پر رہتا تھا۔ سب فرشتوں سے زیادہ کوشش سے عبادت کرنے والا اور سب سے زیادہ علم والا تھا اسی وجہ سے پھول گیا تھا۔ اس کے قبیلے کا نام جن تھا آسمان و زمین کے درمیان آمد و رفت رکھتا تھا۔ رب کی نافرمانی سے غضب میں آ گیا اور شیطان رجیم بن گیا اور ملعون ہو گیا۔ پس متکبر شخص سے توبہ کی امید نہیں ہو سکتی۔ ہاں تکبر نہ ہو اور کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے ناامید نہ ہونا چاہئے۔ کہتے ہیں کہ یہ تو جنت کے اندر کام کاج کرنے والوں میں تھا۔ سلف کے اور بھی اس بارے میں بہت سے آثار مروی ہیں لیکن یہ اکثر و بیشتر بنی اسرائیلی ہیں صرف اس لئے نقل کئے گئے ہیں کہ نگاہ سے گزر جائیں۔ اللہ ہی کو ان کے اکثر کا صحیح حال معلوم ہے۔ ہاں بنی اسرائیل کی روایتیں وہ تو قطعاً قابل تردید ہیں جو ہمارے ہاں کے دلائل کے خلاف ہوں۔ بات یہ ہے کہ ہمیں تو قرآن کافی وافی ہے ہمیں اگلی کتابوں کی باتوں کی کوئی ضرورت نہیں ہم ان سے محض بے نیاز ہیں اس لئے کہ وہ تبدیلی' ترمیم' کمی بیشی سے خالی نہیں۔ بہت سی بناوٹی چیزیں ان میں داخل ہو گئی ہیں اور ایسے لوگ ان میں نہیں پائے جاتے

جو اعلیٰ درجہ کے حافظ ہوں کہ میل کچیل دور کر دیں کھرا کھوٹا پرکھ لیں' زیادتی اور باطل کے ملانے والوں کی دال نہ گلنے دیں۔ جیسے کہ اللہ رحمن نے اس امت میں اپنے فضل وکرم سے ایسے امام اور علماء اور سادات اور بزرگ اور متقی اور پاکباز اور حفاظ پیدا کیے ہیں جنہوں نے حدیثوں کو جمع کیا' تحریر کیا۔ صحیح' حسن' ضعیف منکر' متروک' موضوع سب کو الگ الگ کر دکھایا یا گھڑنے والوں' بنانے والوں' جھوٹ بولنے والوں کو چھانٹ کر الگ کھڑا کر دیا تاکہ ختم المرسلین سید العالمین ﷺ کا پاک اور متبرک کلام محفوظ رہ سکے اور باطل سے بچ سکے اور کسی کا بس نہ چلے کہ آپ کے نام سے جھوٹ کو رواج دے لے اور باطل کو حق میں ملا دے۔ پس ہماری دعا ہے کہ اس کل طبقہ پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و رضامندی نازل فرمائے اور ان سب سے خوش رہے آمین! آمین! اللہ انہیں جنت الفردوس نصیب فرمائے اور یقیناً ان کا منصب اسی لائق ہے رضی اللہ عنہم وارضاہم۔ الغرض ابلیس اطاعت الٰہی سے نکل گیا۔ پس تمہیں چاہئے کہ اپنے دشمن سے دوستی نہ کرو اور مجھے چھوڑ کر اس سے تعلق نہ جوڑو۔ ظالموں کو بڑا برا بدلہ ملے گا۔ یہ مقام بھی بالکل ایسا ہی ہے جیسے سورہ یٰسین میں قیامت کا' اس کی ہولناکیوں کا اور نیک و بدلوگوں کے نتیجوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ اے مجرمو! تم آج کے دن الگ ہو جاؤ۔ الخ۔

اللہ کے سوا سب ہی بے اختیار ہیں : ☆☆ جنہیں تم اللہ کے سوا الٰہ بنائے ہوئے ہو وہ سب تم جیسے ہی میرے غلام ہیں۔ کسی چیز کی ملکیت انہیں حاصل نہیں۔ زمین و آسمان کی پیدائش میں میں نے انہیں شامل نہیں رکھا تھا بلکہ اس وقت وہ موجود بھی نہ تھے۔ تمام چیزوں کو صرف میں نے ہی پیدا کیا ہے۔ سب کی تدبیر صرف میرے ہی ہاتھ ہے۔ میرا کوئی شریک' وزیر' مشیر' نظیر نہیں۔ جیسے اور آیت میں فرمایا قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ الخ' جن جن کو تم اپنے گمان میں کچھ سمجھ رہے ہو' سب کو ہی سوا اللہ کے پکار کر دیکھ لو۔ یاد رکھو انہیں آسمان و زمین میں کسی ایک ذرے کے برابر بھی اختیارات حاصل نہیں' نہ ان کا ان میں کوئی ساجھا ہے نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ نہ ان میں سے کوئی شفاعت کر سکتا ہے' جب تک اللہ کی اجازت نہ ہو جائے الخ مجھے یہ لائق نہیں نہ اس کی ضرورت کہ کسی کو خصوصاً گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو اور مددگار بناؤں۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ ع ۷ / ۱۹

جس دن وہ فرمائے گا کہ تمہارے خیال میں جو جو میرے شریک تھے انہیں پکارو! یہ پکاریں گے لیکن ان میں سے کوئی بھی جواب نہ دے گا ہم ان کے درمیان ہلاکت کا سامان کر دیں گے ○ گنہگار جہنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں لیکن اس سے بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے ○

مشرک قیامت کو شرمندہ ہوں گے : ☆☆ (آیت: ۵۲-۵۳) تمام مشرکوں کو قیامت کے دن شرمندہ کرنے کے لئے سب کے سامنے کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو پکارو جنہیں تم دنیا میں پکارتے رہے تاکہ وہ تمہیں آج کے دن کی مصیبت سے بچا لیں وہ پکاریں گے لیکن کہیں سے کوئی جواب نہ پائیں گے جیسے اور آیت میں ہے وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى الخ ہم تمہیں اسی طرح تنہا تنہا لائے جیسے کہ ہم نے تمہیں اول بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دے رکھا تھا' تم وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے آج تو ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان شریکوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھتے جنہیں تم اللہ کے شریک ٹھہرائے ہوئے تھے اور جن کی شفاعت کا یقین کئے ہوئے تھے تمہارے اور ان کے

درمیان میں تعلقات ٹوٹ گئے اور تمہارے گمان باطل ثابت ہو چکے اور آیت میں ہے وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَآئَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو پکارو یہ پکاریں گے لیکن وہ جواب نہ دیں گے الخ اسی مضمون کو آیت وَمَنْ اَضَلُّ سے دو آیتوں تک بیان فرمایا ہے۔

سورہ مریم میں ارشاد ہے کہ انہوں نے اپنی عزت کے لئے اللہ کے سوا اور بہت سے معبود بنا رکھے ہیں لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا وہ تو سب ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے اور الٹے ان کے دشمن بن جائیں گے۔ ان میں اور ان کے معبودان باطل میں ہم آڑ، حجاب اور ہلاکت کا گڑھا بنادیں گے تاکہ یہ ان سے اور وہ ان سے نہ مل سکیں۔ نیک راہ اور گمراہ الگ الگ رہیں، جہنم کی یہ وادی انہیں آپس میں ملنے نہ دے گی۔ کہتے ہیں یہ وادی لہو اور پیپ کی ہوگی، ان میں آپس میں اس دن دشمنی ہو جائے گی۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس سے ہلاکت ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہنم کی کوئی وادی بھی ہو یا اور کوئی فاصلے کی وادی ہو۔ مقصود یہ ہے کہ ان عابدوں کو وہ معبود جواب تک نہ دیں گے نہ یہ آپس میں ایک دوسرے سے مل سکیں گے۔ کیونکہ ان کے درمیان ہلاکت ہوگی اور ہولناک امور ہوں گے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے، مراد یہ ہے کہ مشرکوں اور مسلمانوں میں ہم آڑ کر دیں گے جیسے آیت وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَتَفَرَّقُونَ اور آیت يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ اور آیت وَامْتَازُوا الْيَوْمَ الخ اور آیت وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ اَشْرَكُوا الخ وغیرہ میں ہے۔ یہ گنہگار جہنم دیکھ لیں گے۔ ستر ہزار لگاموں میں وہ جکڑی ہوئی ہوگی ہر ایک لگام پر ستر ستر ہزار فرشتے ہوں گے دیکھتے ہی سمجھ لیں گے کہ ہمارا قید خانہ یہی ہے۔ داخلے کے بغیر داخلے سے بھی زیادہ رنج و غم اور مصیبت و الم شروع ہو جائے گا۔ عذاب کا یقین عذاب سے پہلے کا عذاب ہے لیکن کوئی چھٹکارے کی راہ نہ پائیں گے، کوئی نجات کی صورت نظر نہ آئے گی۔ حدیث میں ہے کہ پانچ ہزار سال تک کافر اسی تھرتھری میں رہے گا کہ جہنم اس کے سامنے اور اس کا کلیجہ قابو سے باہر ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾

ہم نے تو اس قرآن میں ہر ہر طریقے سے تمام کی تمام مثالیں لوگوں کے لئے بیان کر دی ہیں، لیکن انسان تمام چیزوں سے زیادہ جھگڑالو ہے ○

ہر بات صاف صاف کہہ دی گئی: ☆☆ (آیت: ۵۴) انسانوں کے لئے ہم نے اس اپنی کتاب میں ہر بات کا بیان خوب کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تاکہ لوگ راہ حق سے نہ بہکیں، ہدایت کی راہ سے نہ بھٹکیں لیکن باوجود اس بیان، اس فرقان کے پھر بھی بجز راہ یافتہ لوگوں کے اور تمام کے تمام راہ نجات سے ہٹے ہوئے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک رات کو رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کے مکان میں آئے اور فرمایا تم سوئے ہوئے ہو نماز میں نہیں ہو؟ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ ہیں وہ جب ہمیں اٹھانا چاہتا ہے اٹھا بٹھا تا ہے۔ آپ یہ سن کر بغیر کچھ فرمائے لوٹ گئے لیکن اپنے زانوں پر ہاتھ مارتے ہوئے یہ فرماتے ہوئے جا رہے تھے کہ انسان تمام چیزوں سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ

قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ‌ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِيُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَـقَّ‌ وَاتَّخَذُوۡۤا اٰيٰتِىۡ وَمَاۤ اُنۡذِرُوۡا هُزُوًا ﴿۵۶﴾

لوگوں کے پاس ہدایت آ چکنے کے بعد انہیں ایمان لانے اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے صرف اسی چیز نے روکا کہ اگلے لوگوں کا سا معاملہ انہیں بھی پیش آئے یا ان کے سامنے کھلم کھلا عذاب آ موجود ہو جائے ○ ہم تو اپنے رسولوں کو صرف اس لئے ہی بھیجتے ہیں کہ وہ خوشخبریاں سنا دیں اور ڈرا دیں' کافر لوگ جھوٹی باتوں کو سند بنا کر جھگڑے کر کے چاہتے ہیں کہ اس سے حق کو لڑکھڑا دیں۔ وہ میری آیتوں اور جس چیز سے ڈرایا جائے' اسے مذاق میں اڑاتے ہیں ○

عذاب الٰہی کے منتظر کفار: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۶) اگلے زمانے کے اور اس وقت کے کافروں کی سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ حق واضح ہو چکنے کے بعد بھی اس کی تابعداری سے رکے رہتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اللہ کے عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ کسی نے تمنا کی کہ آسمان ہم پر گر پڑے' کسی نے کہا کہ لا جو عذاب لا سکتا ہے لے آ۔ قریش نے بھی کہا الٰہی اگر یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب ہمیں کر۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اے نبی ہم تو تجھے مجنوں جانتے ہیں اور اگر فی الواقع تو سچا نبی ہے تو ہمارے سامنے فرشتے کیوں نہیں لاتا؟ وغیرہ وغیرہ پس عذاب اللہ کے انتظار میں رہتے ہیں اور اس کے معائنہ کے درپے رہتے ہیں۔ رسولوں کا کام تو صرف مومنوں کو بشارتیں دینا اور کافروں کو ڈرا دینا ہے۔ کافر لوگ ناحق کی حجتیں کر کے حق کو اپنی جگہ سے پھسلا دینا چاہتے ہیں لیکن ان کی یہ چاہت کبھی پوری نہیں ہوگی حق ان کی باطل باتوں سے دبنے والا نہیں۔ یہ میری آیتوں اور ڈراوے کی باتوں کو خالی مذاق ہی سمجھ رہے ہیں اور اپنی بے ایمانی میں بڑھ رہے ہیں۔

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡهَا وَنَسِىَ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ‌ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَفِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا‌ ؕ وَاِنۡ تَدۡعُهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى فَلَنۡ يَّهۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الۡغَفُوۡرُ ذُو الرَّحۡمَةِ‌ ؕ لَوۡ يُؤَاخِذُهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا لَعَجَّلَ لَهُمُ الۡعَذَابَ‌ ؕ بَلْ لَّهُمۡ مَّوۡعِدٌ لَّنۡ يَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖ مَوۡئِلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلۡكَ الۡقُرٰٓى اَهۡلَكۡنٰهُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا وَجَعَلۡنَا لِمَهۡلِكِهِمۡ مَّوۡعِدًا ﴿۵۹﴾ ع ۸ ۲۰

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے۔ وہ پھر بھی منہ موڑے رہے اور جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھا ہے اسے بھول جائے' بے شک ہم نے ان کے دلوں پر اس کی سمجھ سے پردے ڈال رکھے ہیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے' گو تو انہیں ہدایت کی طرف بلاتا رہے لیکن یہ کبھی بھی ہدایت نہیں پانے کے ○ تیرا پروردگار بہت ہی بخشش والا اور مہربانی والا ہے' وہ اگر ان کے اعمال کی سزا میں پکڑے تو بے شک انہیں جلد ہی عذاب کرے بلکہ ان کیلئے ایک وعدے کی گھڑی مقرر ہے جس سے وہ سرکنے کی جگہ ہی نہیں پائیں گے۔ یہ ہیں وہ بستیاں جو ہم نے ان کے مظالم کی بنا پر غارت کر دیں' ان کی تباہی کی

بھی ہم نے ایک معیاد مقرر کر رکھی تھی ○

بدترین شخص کون ہے؟: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۹) فی الحقیقت اس سے بڑھ کر پاپی کون ہے جس کے سامنے اس کے پالنے پوسنے والے کا کلام پڑھا جائے اور وہ اس کی طرف التفات تک نہ کرے اس سے مانوس نہ ہو بلکہ منہ پھیر کر انکار کر جائے اور جو بدعملیاں اور سیاہ کاریاں اس سے پہلے کی ہیں انہیں بھی فراموش کر جائے۔ اس ڈھٹائی کی سزا یہ ہوتی ہے کہ دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں پھر قرآن و بیان کا سمجھنا نصیب نہیں ہوتا' کانوں میں گرانی ہو جاتی ہے' بھلی بات کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ اب لاکھ دعوت ہدایت دو لیکن راہ یابی مشکل و محال ہے۔ اے نبی تیرا رب بڑا ہی مہربان بہت اعلیٰ رحمت والا ہے اگر وہ گنہگاروں کی سزا جلدی ہی کر ڈالا کرتا تو زمین پر کوئی جاندار باقی نہ بچتا وہ لوگوں کے ظلم سے درگزر کر رہا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ پکڑے گا ہی نہیں۔ یاد رکھو وہ سخت عذابوں والا ہے یہ تو اس کا حلم ہے' پردہ پوشی ہے' معافی ہے تا کہ گمراہی والے راہ راست پر آ جائیں' گناہوں والے توبہ کر لیں اور اس کے دامن رحمت کو تھام لیں۔ لیکن جس نے اس حلم سے فائدہ نہ اٹھایا اور اپنی سرکشی پر جما رہا تو اس کی پکڑ کا دن قریب ہے جو اتنا سخت دن ہو گا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے' حمل گر جائیں گے اس دن کوئی جائے پناہ نہ ہو گی' کوئی چھٹکارے کی صورت نہ ہو گی۔ یہ ہیں تم سے پہلے کی امتیں کہ وہ بھی تمہاری طرح کفر و انکار میں پڑ گئیں اور آخرش مٹادی گئیں۔ ان کی ہلاکت کا مقررہ وقت آ پہنچا اور وہ تباہ و برباد ہو گئیں۔ پس اے منکرو! تم بھی ڈرتے رہو تم اشرف الرسل اعظم ہی کو ستا رہے ہو اور انہیں جھٹلا رہے ہو حالانکہ اگلے کفار سے تم قوت و طاقت میں' سامان و اسباب میں بہت کم ہو۔ میرے عذابوں سے ڈرو' میری باتوں سے نصیحت پکڑو۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

جب کہ موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا' میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچوں' گو مجھے سالہا سال چلنا پڑے ○ جب وہ دونوں وہاں پہنچے جہاں دونوں دریا کے ملنے کی جگہ تھی' وہاں اپنی مچھلی بھول گئے جس نے دریا میں سرنگ جیسا اپنا راستہ بنا لیا ○ جب یہ دونوں وہاں سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ لا ہمارا ناشتہ دے۔ ہمیں تو اپنے اس سفر سے سخت تکلیف اٹھانی پڑی ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ کا ایک بندہ: ☆☆ (آیت: ۶۰-۶۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا گیا کہ اللہ کا ایک بندہ دو دریا ملنے کی جگہ ہے اس کے پاس وہ علم ہے جو تمہیں حاصل نہیں آپ نے اسی وقت ان سے ملاقات کرنے کی ٹھان لی اب اپنے ساتھی سے فرماتے ہیں کہ میں تو وہاں پہنچے بغیر دم نہ لوں گا۔ کہتے ہیں' یہ دو سمندر ایک تو بحیرہ فارس مشرقی اور دوسرا بحیرہ روم مغربی ہے۔ یہ جگہ طنجہ کے پاس مغرب کے شہروں کے آخر میں ہے واللہ اعلم۔ تو فرماتے ہیں کہ گو مجھے قرنوں تک چلنا پڑے کوئی حرج نہیں۔ کہتے ہیں کہ قیس کے لغت میں برس کو حقب کہتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں' حقب سے مراد اسی برس ہیں۔

مجاہد رحمتہ اللہ علیہ ستر برس کہتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ بتلاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ اپنے ساتھ نمک چڑھی ہوئی ایک مچھلی لے لیں جہاں وہ گم ہو جائے' وہیں ہمارا وہ بندہ ملے گا۔ یہ دونوں مچھلی کو ساتھ لئے چلے مجمع البحرین میں پہنچ

گئے وہاں نہر حیات تھی وہیں دونوں لیٹ گئے اس نہر کے پانی کے چھینٹے مچھلی پر پڑے' مچھلی ہلنے جلنے لگ گئی۔ آپ کے ساتھی حضرت یوشع علیہ السلام کی زنبیل میں یہ مچھلی رکھی ہوئی تھی اور وہ سمندر کے کنارے تھا۔ مچھلی نے سمندر کے اندر کود جانے کے لئے جست لگائی اور حضرت یوشع کی آنکھ کھل گئی مچھلی ان کے دیکھتے ہوئے پانی میں گئی اور پانی میں سیدھا سوراخ ہوتا چلا گیا۔ پس جس طرح زمین میں سوراخ اور سرنگ بن جاتی ہے' اسی طرح پانی میں جہاں سے وہ گئی سوراخ ہو گیا' ادھر ادھر پانی کھڑا ہو گیا اور وہ سوراخ بالکل کھلا ہوا رہا۔ پتھر کی طرح پانی میں چھید ہو گیا' جہاں جس پانی کو لگتی ہوئی وہ مچھلی گئی' وہاں کا وہ پانی پتھر جیسا ہو گیا اور پورا سوراخ بنتا چلا گیا۔ محمد بن اسحاق مرفوعاً لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس بات کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ پانی اس طرح ابتدائے دنیا سے نہیں جما سوائے اس مچھلی کے چلے جانے کی جگہ کے اردگرد کے پانی کے۔ یہ نشان مثل سوراخ زمین کے برابر موسیٰ علیہ السلام کے واپس پہنچنے تک باقی ہی رہے۔ اس نشان کو دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' اسی کی تلاش میں تو ہم تھے۔ جب مچھلی کو بھول کر یہ دونوں آگے بڑھے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایک کا کام دونوں ساتھیوں کی طرف منسوب ہوا ہے۔ بھولنے والے صرف یوشع تھے جیسے کہ اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ یعنی ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ حالانکہ دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ لولو اور مرجان صرف کھاری پانی میں سے نکلتے ہیں جب وہاں سے ایک مرحلہ اور طے کر گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی سے ناشتہ طلب کیا اور سفر کی تکلیف بھی بیان کی یہ تکلیف مقصود سے آگے نکل آنے کے بعد ہوئی۔ اس پر آپ کے ساتھی کو مچھلی کا چلا جانا یاد آیا اور کہا جس چٹان کے پاس ہم ٹھہرے تھے' اس وقت میں مچھلی بھول گیا اور آپ سے ذکر کرنا بھی شیطان نے یاد سے ہٹا دیا۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات اَنْ اَذْکُرَلَہٗ ہے فرماتے ہیں کہ اس مچھلی نے تو عجیب وغریب طور پر پانی میں اپنی راہ پکڑی۔ اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا لو اور سنو اسی جگہ کی تلاش میں ہم تھے۔ تو وہ دونوں اپنے اسی راستے پر اپنے نشانات قدم کے کھوج پر واپس لوٹے۔ وہاں ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس کی رحمت اور اپنے پاس کا علم عطا فرما رکھا تھا۔ یہ حضرت خضر ہیں۔ (علیہ السلام)۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ حضرت نوف کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام سے ملنے والے موسیٰ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' وہ دشمن اللہ جھوٹا ہے ہم سے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے انہوں نے سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر بنی اسرائیل میں خطبہ کر رہے تھے جو آپ سے سوال ہوا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں' تو چونکہ آپ نے اس کے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ اللہ جانے اس لئے رب کو یہ کلمہ ناپسند آیا اسی وقت وحی آئی کہ ہاں مجمع البحرین میں ہمارا ایک بندہ ہے جو تجھ سے بھی زیادہ عالم ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' پھر پروردگار میں اس تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ حکم ہوا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لو اسے توشے دان میں ڈال لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے' وہیں وہ مل جائیں گے۔ تو آپ اپنے ساتھ اپنے ساتھی یوشع بن نون علیہ السلام کو لے کر چلے' پتھر کے پاس پہنچ کر اپنے سر اس پر رکھ کر دو گھڑی سو رہے۔ مچھلی اس توشے دان میں تڑپی اور کود کر اس سے نکل گئی سمندر میں ایسی گئی جیسے کوئی سرنگ لگا کر زمین میں اتر گیا ہو پانی کا چلنا بہنا اللہ تعالیٰ نے موقوف کر دیا اور طاق کی طرح وہ سوراخ باقی رہ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جاگے تو آپ کے ساتھی یہ ذکر آپ سے کرنا بھول گئے اسی وقت وہاں سے چل پڑے' دن پورا ہونے کے بعد رات بھر چلتے رہے صبح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکان اور بھوک محسوس ہوئی اللہ نے جہاں جانے کا حکم دیا تھا'

جب تک وہاں سے آگے نہ نکل گئے' تکان کا نام تک نہ تھا اب اپنے ساتھی سے کھانا مانگا اور تکلیف بیان کی۔

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾

اس نے جواب دیا کہ کیا آپ نے دیکھا بھی؟ جب کہ ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے' وہیں تو مچھلی بھول گیا تھا' دراصل شیطان نے ہی مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں' اس مچھلی نے تو ایک انوکھے طور پر دریا میں اپنا راستہ کر لیا ○ موسیٰ نے کہا' یہ ہی تھا جس کی تلاش میں ہم تھے چنانچہ وہیں سے اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے واپس لوٹے ○ پس ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس کی خاص رحمت عطا فرما رکھی تھی اور اسے اپنے پاس سے خاص علم سکھا رکھا تھا ○

(آیت: ۶۳-۶۵) اس وقت آپ کے ساتھی نے فرمایا کہ پتھر کے پاس جب ہم نے آرام لیا تھا' وہیں اسی وقت مچھلی تو میں بھول گیا اور اس کے ذکر کو بھی شیطان نے بھلا دیا اور اس مچھلی نے تو سمندر میں عجیب طور پر اپنی راہ نکال لی۔ مچھلی کے لئے سرنگ بن گئی اور ان کے لئے حیرت کا باعث بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' اسی کی تو تلاش تھی۔ چنانچہ اپنے نشان قدم دیکھتے ہوئے دونوں واپس ہوئے اسی پتھر کے پاس پہنچے دیکھا کہ ایک صاحب کپڑوں میں لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں آپ نے سلام کیا۔ اس نے کہا! تعجب ہے آپ کی سرزمین میں یہ سلام کہاں؟ آپ نے فرمایا میں موسیٰ ہوں۔ انہوں نے پوچھا! کیا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ آپ نے فرمایا' ہاں اور میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے وہ سکھائیں جو بھلائی آپ کو اللہ کی طرف سے سکھائی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا! موسیٰ علیہ السلام آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے اس لئے کہ مجھے جو علم ہے وہ آپ کو نہیں اور آپ کو جو علم ہے وہ مجھے نہیں' اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جداگانہ علم عطا فرما رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ میں صبر کروں گا اور آپ کے کسی فرمان کی نافرمانی نہ کروں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اچھا اگر تم میرا ساتھ چاہتے ہو تو مجھ سے خود کسی بات کا سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں آپ تمہیں اس کی بابت خبردار کروں۔

اتنی باتیں طے کر کے دونوں ساتھ چلے دریا کے کنارے ایک کشتی تھی ان سے اپنے ساتھ لے جانے کی بات چیت کرنے لگے انہوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ لئے دونوں کو سوار کر لیا۔ کچھ ہی دور چلے ہوں گے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ خضر علیہ السلام چپ چاپ کشتی کے تختے کلہاڑے سے توڑ رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' یہ کیا؟ ان لوگوں نے تو ہمارے ساتھ احسان کیا بغیر کرایہ لئے کشتی میں سوار کیا اور آپ نے اس کے تختے توڑنے شروع کر دیئے جس سے تمام اہل کشتی ڈوب جائیں یہ تو بڑا ہی ناخوش گوار کام کرنے لگے۔ اسی وقت حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا' دیکھو میں نے تو تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام معذرت کرنے لگے کہ خطا ہو گئی بھولے سے پوچھ بیٹھا معاف فرمائیے اور سختی نہ کیجئے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' واقعی یہ پہلی غلطی بھول سے ہی تھی۔ فرماتے ہیں کشتی کے ایک تختے پر ایک چڑیا آ بیٹھی اور سمندر میں چونچ ڈال کر پانی لے کر اڑ گئی اس وقت حضرت

خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا' میرے اور تیرے علم نے اللہ کے علم میں سے اتنا ہی کم کیا ہے جتنا پانی سے سمندر میں سے اس چڑیا کی چونچ نے کم کیا ہے۔ اب کشتی کنارے لگی اور ساحل پر دونوں چلنے لگے جو حضرت خضر علیہ السلام کی نگاہ چند کھیلتے ہوئے بچوں پر پڑی ان میں سے ایک بچے کا سر پکڑ حضرت خضر علیہ السلام نے اس طرح مروڑ دیا کہ اسی وقت اس کا دم نکل گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے اور فرمانے لگے' بغیر کسی قتل کے اس بچے کو آپ نے ناحق مار ڈالا؟ آپ نے بڑا ہی منکر کام کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا' دیکھو اسی کو میں نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا کہ تمہاری ہماری نبھ نہیں سکتی اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے سے زیادہ سختی کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' اچھا اب اگر میں کوئی سوال کر بیٹھوں تو بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا یقیناً اب آپ معذور ہو گئے۔

چنانچہ پھر دونوں ہمراہ چلے ایک بستی والوں کے پاس پہنچے ان سے کھانا مانگا لیکن انہوں نے ان کی مہمانداری سے صاف انکار کر دیا وہیں ایک دیوار دیکھی جو جھک گئی تھی اور گرنے کے قریب تھی اسی وقت حضرت خضرؑ نے ہاتھ لگا کر اسے ٹھیک اور درست کر دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا خیال تو فرمائیے' ہم یہاں آئے' ان لوگوں سے کھانا طلب کیا' انہوں نے نہ دیا' مہمان نوازی کے خلاف کیا' ان کا یہ کام تھا' آپ ان سے اجرت لے سکتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا' یہ ہے مجھ میں اور تم میں جدائی اب میں تمہیں ان کاموں کی اصلیت بتلا دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کاش کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر سے کام لیتے تو ان دونوں کی اور بھی بہت سی باتیں ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں وَكَانَ وَرَآئَهُمْ کے بدلے وَكَانَ اَمَامَهُمْ ہے اور سَفِينَةٍ کے بعد صَالِحَةٍ کا لفظ بھی ہے اور وَ اَمَّا الْغُلَامُ کے بعد فَكَانَ كَافِرًا کے لفظ بھی ہیں۔ اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے اس میں ہے کہ اس پتھر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام رک گئے وہیں ایک چشمہ تھا جس کا نام نہر حیات تھا اس کا پانی جس چیز کو لگ جاتا' وہ زندہ ہو جاتی تھی۔ اس میں چڑیا کے پانی لینے کے بعد خضر کا یہ قول منقول ہے کہ میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا علم اللہ کے علم میں اتنا ہی ہے جتنا اس چڑیا کی چونچ کا پانی اس سمندر کے مقابلے میں الخ۔

صحیح بخاری شریف کی ایک اور حدیث میں ہے' حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ان کے پاس تھا آپ نے فرمایا کہ جس کو جو سوال کرنا ہو کر لے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے' کوفے میں ایک واعظ ہیں جن کا نام نوف ہے پھر پوری حدیث بیان کی جیسا کہ اوپر گزری۔ اس میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس خطبہ سے آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور دل نرم پڑ گئے تھے جب آپ جانے لگے تو ایک شخص آپ کے پاس پہنچا اور اس نے سوال کیا کہ روئے زمین پر آپ سے زیادہ علم والا بھی کوئی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں' اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عتاب کیا کیونکہ انہوں نے اللہ کی طرف علم کو نہ لوٹایا۔ اس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نشان طلب کیا تو ارشاد ہوا کہ ایک مری ہوئی مچھلی اپنے ساتھ رکھ لو جس جگہ اس میں روح پڑ جائے' وہیں پر آپ کی اس شخص سے ملاقات ہو گی۔ چنانچہ آپ نے مچھلی لی زنبیل میں رکھ لی اور اپنے ساتھی سے کہا' آپ کا صرف اتنا ہی کام ہے کہ جہاں یہ مچھلی آپ کے پاس سے چلی جائے' وہاں آپ مجھے خبر کر دینا انہوں نے کہا یہ تو بالکل آسان سی بات ہے۔ ان کا نام یوشع بن نون تھا۔ لفتہ سے یہی مراد ہے۔ یہ دونوں بزرگ تر جگہ میں ایک درخت تلے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نیند آ گئی تھی اور حضرت یوشع جاگ رہے تھے جو مچھلی کود گئی انہوں نے خیال کیا کہ جگانا تو ٹھیک نہیں جب آنکھ کھلے گی' ذکر کر دوں گا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ پانی میں جانے کے وقت جو سوراخ ہو گیا تھا' اسے راوی حدیث عمرو نے اپنے انگوٹھے اور اس کے پاس کی دونوں انگلیوں کا حلقہ کر کے دکھایا کہ اس طرح کا تھا جیسے پتھر میں ہوتا ہے۔ واپسی پر حضرت خضرؑ سمندر کے کنارے سبز گدی بچھائے ملے ایک چادر میں لپٹے ہوئے تھے اس کا

ایک سرا تو دونوں پیروں کے نیچے رکھا ہوا تھا اور دوسرا کنارہ سر تلے تھا- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلام پر آپ نے منہ کھولا- اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کے ہاتھ میں تورات موجود ہے وحی آسمان سے آ رہی ہے کیا یہ بس نہیں؟ اور میرا علم آپ کے لائق بھی نہیں اور نہ میں آپ کے علم کے قابل ہوں- اس میں ہے کہ کشتی کا تختہ توڑ کر آپ نے ایک تانت سے باندھ دیا تھا- پہلی دفعہ کا آپ کا سوال تو بھولے سے ہی تھا' دوسری مرتبہ کا بطور شرط کے تھا' ہاں تیسری بار کا سوال قصداً علیحدگی کی وجہ سے تھا- اس میں ہے کہ لڑکوں میں ایک لڑکا تھا کافر ہوشیار اسے حضرت خضرؑ نے لٹا کر چھری سے ذبح کر دیا ایک قرات میں زَاكِيَةً مُّسْلِمَةً بھی ہے وَرَآئَهُمْ کی قرات اَمَامَهُمْ بھی ہے اس ظالم بادشاہ کا نام اس میں ہدو بن بدو ہے اور جس بچے کو قتل کیا گیا تھا اس کا نام جیسور تھا کہتے ہیں کہ اس لڑکے کے بدلے ان کے ہاں ایک لڑکی ہوئی- ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ کر رہے تھے اور فرمایا کہ اللہ کو اور اس کے امر کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا- الخ- یہ نوف کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کے لڑکے تھے ان کا قول تھا کہ جس موسیٰ کا ان آیتوں میں ذکر ہے' یہ موسیٰ بن میشا تھے- اور روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری تعالیٰ سے سوال کیا کہ الٰہی اگر تیرے بندوں میں مجھ سے بڑا عالم کوئی ہو تو مجھے آگاہ فرما اس میں ہے کہ نمک چڑھی ہوئی مچھلی آپ نے اپنے ساتھ رکھی تھی- اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا' تم یہاں کیوں آئے؟ آپ کو تو ابھی بنی اسرائیل میں ہی مشغول کار رہنا ہے اس میں ہے کہ چھپی ہوئی باتیں حضرت خضرؑ کو معلوم کرائی جاتی تھیں تو آپ نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ ٹھہر نہیں سکتے کیونکہ آپ تو ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے اور مجھے راز پر اطلاع ہوتی ہے چنانچہ شرط ہو گئی کہ گو آپ کیسا ہی خلاف دیکھیں لیکن لب نہ ہلائیں جب تک کہ حضرت خضر خود نہ بتلائیں- کہتے ہیں کہ یہ کشتی تمام کشتیوں سے مضبوط' عمدہ' بہتر اور اچھی تھی وہ بچہ ایک بے مثل بچہ تھا بڑا حسین' بڑا ہوشیار بڑا ہی طرار' حضرت خضرؑ نے اسے پکڑ کر پتھر سے اس کا سر کچل کر اسے مار ڈالا- حضرت موسیٰ خوف خدا سے کانپ اٹھے کہ ننھا سا پیارا بے گناہ بچہ اس بے دردی سے بغیر کسی سبب کے حضرت خضر نے جان سے مار ڈالا- دیوار گرتی ہوئی دیکھ کر ٹھہر گئے پہلے تو اسے باقاعدہ گرایا اور پھر بہ آرام چننے بیٹھے- حضرت موسیٰ علیہ السلام اکتا گئے کہ بیٹھے بٹھائے اچھا دھندا لے بیٹھے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس دیوار کے نیچے کا خزانہ صرف علم تھا-

اور روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم مصر پر غالب آ گئی اور یہاں آ کر وہ با آرام رہنے سہنے لگے تو حکم الٰہی ہوا کہ انہیں اللہ کے احسانات یاد دلاؤ- آپ خطبے کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کے احسانات بیان کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ نعمتیں عطا فرمائیں' آل فرعون سے اس نے تمہیں نجات دی' تمہارے دشمنوں کو غارت اور غرق کر دیا پھر تمہیں ان کی زمین کا مالک کر دیا' تمہارے نبی سے باتیں کیں' اسے اپنے لئے پسند فرمالیا' اس پر اپنی محبت ڈال دی' تمہاری تمام حاجتیں پوری کیں' تمہارے نبی تمام زمین والوں سے افضل ہیں' اس نے تمہیں توراۃ عطا فرمائی- الغرض پورے زوروں سے اللہ کی بے شمار اور ان گنت نعمتیں انہیں یاد دلائیں- اس پر ایک بنی اسرائیلی نے کہا فی الواقع بات یہی ہے اے نبی اللہ کیا زمین پر آپ سے زیادہ علم والا بھی کوئی ہے؟ آپ نے بے ساختہ فرمایا کہ نہیں ہے- اسی وقت جناب باری تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا کہ ان سے کہو کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اپنا علم کہاں کہاں رکھتا ہوں؟ بے شک سمندر کے کنارے پر ایک شخص ہے جو تجھ سے بھی زیادہ عالم ہے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ ان کو میں دیکھ لوں' وحی ہوئی کہ اچھا سمندر کے کنارے جاؤ وہاں تمہیں ایک مچھلی ملے گی اسے لے لو اپنے ساتھی کو سونپ دو پھر سمندر کے کنارے چل دو جہاں تو مچھلی کو بھول جائے اور وہ تجھ سے گم ہو جائے' وہیں تو میرے اس نیک بندے کو پائے گا- حضرت موسیٰ علیہ السلام جب چلتے چلتے تھک گئے تو اپنے ساتھی سے جو ان کا غلام تھا' مچھلی کے

بارے میں سوال کیا' اس نے جواب دیا کہ جس پتھر کے پاس ہم ٹھہرے تھے' وہیں میں مچھلی کو بھول گیا اور تجھ سے ذکر کرنا شیطان نے بالکل بھلا دیا' میں نے دیکھا کہ مچھلی تو گویا سرنگ بناتی ہوئی دریا میں جارہی ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ سن کر بڑا ہی تعجب ہوا' جب لوٹ کر وہاں آئے تو دیکھا کہ مچھلی نے پانی میں جانا شروع کیا ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنی لکڑی سے پانی کو چیرتے ہوئے اس کے پیچھے ہو لئے مچھلی جہاں سے گزرتی تھی' اس کے دونوں طرف کا پانی پتھر بن جاتا تھا اس سے بھی اللہ کے نبی سخت متعجب ہوئے- اب مچھلی ایک جزیرے میں آپ کو لے گئی الخ - ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حر بن قیس میں اختلاف تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے یہ صاحب کون تھے- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان تھا کہ یہ خضر تھے اسی وقت ان کے پاس سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بلا کر اپنا اختلاف بیان کیا- انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی وہ حدیث بیان کی جو تقریباً اوپر گزر چکی ہے- اس میں سائل کے سوال کے لفظ یہ ہیں کہ کیا آپ اس شخص کا ہونا بھی جانتے ہیں جو آپ سے زیادہ علم والا ہو؟

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰٓ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝٦٦ قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝٦٧ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِۦ خُبْرًا ۝٦٨ قَالَ سَتَجِدُنِىٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ صَابِرًا وَلَآ أَعْصِى لَكَ أَمْرًا ۝٦٩ قَالَ فَإِنِ ٱتَّبَعْتَنِى فَلَا تَسْـَٔلْنِى عَن شَىْءٍ حَتَّىٰٓ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝٧٠

ع ۱۱

اس سے موسیٰ نے کہا کہ کیا میں آپ کی تابعداری کروں کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے ○ اس نے کہا' آپ میرے ساتھ ہرگز ہرگز صبر نہیں کر سکتے ○ اور جس چیز کو آپ نے اپنے علم میں نہ لیا ہو اس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ ○ موسیٰ نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور کسی بات میں میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا ○ اس نے کہا' اچھا اگر آپ میرے ساتھ ہی چلنے پر اصرار کرتے ہیں تو یاد رہے کسی چیز کی نسبت مجھ سے کچھ نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کی نسبت کوئی ذکر نہ سناؤں ○

شوق تعلیم و تعلم : ☆☆ (آیت:۶۶-۷۰) یہاں اس گفتگو کا ذکر ہو رہا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے درمیان ہوئی تھی- حضرت خضر اس علم کے ساتھ مخصوص کئے گئے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ تھا- اور حضرت موسیٰ کے پاس وہ علم تھا' جس سے حضرت خضرؑ بے خبر تھے' پس حضرت موسیٰ علیہ السلام ادب سے اور اس لئے کہ حضرت خضر کو مہربان کر لیں' ان سے سوال کرتے ہیں' شاگرد کو اسی طرح ادب کے ساتھ اپنے استاد سے دریافت کرنا چاہئے' پوچھتے ہیں کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ کے ساتھ رہوں آپ کی خدمت کرتا رہوں اور آپ سے علم حاصل کروں جس سے مجھے نفع پہنچے اور میرے عمل نیک ہو جائیں- حضرت خضر اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ تم میرا ساتھ نہیں نبھا سکتے' میرے کام آپ کو اپنے علم کے خلاف نظر آئیں گے' میرا علم آپ کو نہیں اور آپ کو جو علم ہے' وہ اللہ نے مجھے نہیں سکھایا' پس میں اپنی ایک الگ خدمت پر مقرر ہوں اور آپ الگ خدمت پر- ناممکن ہے کہ آپ اپنی معلومات کے خلاف میرے افعال دیکھیں اور پھر صبر کر سکیں- اور واقعہ میں آپ اس حال میں معذور بھی ہیں- کیونکہ باطنی حکمت اور مصلحت آپ کو معلوم نہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ ان پر مطلع فرما دیا کرتا ہے- اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ جو کچھ کریں گے' میں اسے صبر سے برداشت کرتا رہوں گا کسی

بات میں آپ کا خلاف نہ کروں گا۔

پھر حضرت خضر علیہ السلام نے ایک شرط پیش کی کہ اچھا کسی چیز کے بارے میں تم مجھ سے سوال نہ کرنا میں جو کہوں' وہ سن لینا تم اپنی طرف سے کسی سوال کی ابتدا نہ کرنا۔ ابن جریر میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ رب العالمین عزوجل سے سوال کیا کہ تجھے اپنے تمام بندوں سے زیادہ پیارا کون ہے؟ جواب ملا کہ جو ہر وقت میری یاد میں رہے اور مجھے نہ بھلائے۔ پوچھا کہ تمام بندوں میں سے سب سے زیادہ اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہے؟ فرمایا جو حق کے ساتھ فیصلے کرے اور خواہش کے پیچھے نہ پڑے۔ دریافت کیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا وہ عالم جو زیادہ علم کی جستجو میں رہے' ہر ایک سے سیکھتا رہے کہ ممکن ہے کوئی ہدایت کا کلمہ مل جائے اور ممکن ہے کوئی بات گمراہی سے نکلنے کی ہاتھ لگ جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر دریافت کیا کہ کیا زمین میں تیرا کوئی بندہ مجھ سے بھی زیادہ عالم ہے؟ فرمایا ہاں' پوچھا وہ کون؟ فرمایا خضرؑ فرمایا میں اسے کہاں تلاش کروں؟ فرمایا دریا کے کنارے پتھر کے پاس جہاں سے مچھلی بھاگ کھڑی ہو۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی جستجو میں چلے۔ پھر وہ ہوا جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ اسی پتھر کے پاس دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ سمندروں کے ملاپ کی جگہ جہاں سے زیادہ پانی کہیں بھی نہیں۔ چڑیا نے چونچ میں پانی لیا تھا۔

فَانْطَلَقَا ۔ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ خضرؑ نے اس کے تختے توڑ دیئے۔ موسیٰ نے کہا' کیا تو اسے توڑ رہا ہے۔ پھر تو کشتی والے سب ڈوب جائیں گے۔ تو تو بڑی بری منکر چیز لایا۔ خضرؑ نے جواب دیا کہ میں نے تو پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔ موسیٰؑ نے جواب دیا کہ میری بھول پر مجھے نہ پکڑ اور مجھے اپنے کام میں تنگی میں نہ ڈال۔

شرائط طے ہو گئیں: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۳) دونوں میں جب شرط طے ہو گئی کہ تو سوال نہ کرنا جب تک میں خود ہی اس کی حکمت تجھ پر ظاہر نہ کروں تو دونوں ایک ساتھ چلے۔ پہلے مفصل روایتیں گزر چکی ہیں کہ کشتی والوں نے انہیں پہچان کر بغیر کرایہ لئے سوار کر لیا تھا جب کشتی چلی اور بیچ سمندر میں پہنچی تو حضرت خضرؑ نے ایک تختہ اس کا اکھیڑ ڈالا پھر اسے اوپر سے ہی جوڑ دیا یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ سے صبر نہ ہو سکا۔ شرط کو بھول گئے اور جھٹ سے کہنے لگے کہ یہ کیا واہیات ہے۔ لِتُغْرِقَ کا لام لام عاقبت ہے۔ لام تعلیل نہیں ہے جیسے شاعر کے اس قول میں لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَ ابْنُوْا لِلْخَرَابِ یعنی ہر پیدا شدہ جاندار کا انجام موت ہے اور ہر بنائی ہوئی عمارت کا انجام اجڑنا ہے۔ امرا کے معنی منکر اور عجیب کے ہیں۔ یہ سن کر حضرت خضرؑ نے انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا کہ تم نے اپنی شرط کا خلاف کیا۔ میں تو تم سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ تمہیں ان باتوں کا علم نہیں' تم خاموش رہنا مجھ سے نہ کچھ کہنا نہ سوال کرنا۔ ان کاموں کی مصلحت و حکمت اللہ مجھے معلوم کراتا ہے اور تم سے یہ چیزیں مخفی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کی کہ اس بھول کو معاف کرو اور مجھ پر سختی نہ کرو' پہلے جو لمبی حدیث مفصل واقعہ کی

بیان ہوئی ہے اس میں ہے کہ یہ پہلا سوال فی الواقع بھول چوک سے ہی تھا۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک لڑکے کو پایا۔ خضرؑ نے اسے مار ڈالا۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا تو نے ایک پاک جان کو بغیر کسی قصاص کے مار ڈالا؟ بے شک تو تو بڑی بری چیز لایا۔

حکمت الٰہی کے مظاہر: ☆☆ (آیت:۷۴) فرمان ہے کہ اس واقعہ کے بعد دونوں صاحب ایک ساتھ چلے ایک بستی میں چند بچے کھیلتے ہوئے ملے ان میں سے ایک بہت ہی تیز طرار' نہایت خوبصورت' چالاک اور بھلا لڑکا تھا۔ اس کو پکڑ کر حضرت خضرؑ نے اس کا سر توڑ دیا یا تو پتھر سے یا ہاتھ سے ہی گردن مروڑ دی بچہ اسی وقت مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے اور بڑے سخت لہجے میں کہا' یہ کیا واہیات ہے؟ چھوٹے بے گناہ بچے کو بغیر کسی شرعی سبب کے مار ڈالنا۔ یہ کون سی بھلائی ہے؟ بے شک تم نہایت منکر کام کرتے ہو۔

الحمدللہ تفسیر محمدی کا پندرھواں پارہ ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔

پارہ نمبر ۱۶

چند اہم مضامین کی فہرست

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿٧٦﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿٧٧﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾

وہ کہنے لگے کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ہمراہ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکتے ○ موسیٰ نے جواب دیا' اگر اب اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا - یقیناً تم میری طرف سے معذرت کو پہنچ چکے ○ پھر دونوں چلے ایک گاؤں والوں کے پاس آ کر ان سے کھانا طلب کرنے لگے انہوں نے ان کی مہمانداری سے صاف انکار کر دیا - دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرنا ہی چاہتی تھی - اس نے اسے ٹھیک ٹھاک اور درست کر دیا' موسیٰ کہنے لگے' اگر تم چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے ○ وہ کہنے لگے' بس یہ جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان - اب میں تجھے ان باتوں کی اصلیت بھی بتا دوں گا جن پر تجھ سے صبر نہ ہو سکا ○

موسیٰ علیہ السلام کی بے صبری: ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۶) حضرت خضرؑ نے اس دوسری مرتبہ اور زیادہ تاکید سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی منظور کی ہوئی شرط کے خلاف کرنے پر تنبیہ فرمائی - اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس بار اور ہی راہ اختیار کی اور فرمانے لگے' اچھا اب کی دفعہ اور جانے دو اب اگر میں آپ پر اعتراض کروں تو مجھے آپ اپنے ساتھ نہ رہنے دینا یقیناً آپ بار بار مجھے متنبہ فرماتے رہے اور اپنی طرف سے آپ نے کوئی کمی نہیں کی - اب اگر قصور کروں تو سزا پاؤں - ابن جریر میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی یاد آ جاتا اور اس کے لئے آپ دعا کرتے تو پہلے اپنے لئے کرتے - ایک روز فرمانے لگے' ہم پر اللہ کی رحمت ہو اور موسیٰ پر کاش کہ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ اور بھی ٹھہرتے اور صبر کرتے تو اور یعنی بہت سی تعجب خیز باتیں معلوم ہوتیں - لیکن انہوں نے تو یہ کہہ کر چھٹی لے لی کہ اب اگر پوچھوں تو ساتھ چھوٹ جائے - میں اب زیادہ تکلیف میں آپ کو ڈالنا نہیں چاہتا -

ایک اور انوکھی بات: ☆☆ (آیت: ۷۷-۷۸) دو دفعہ کے اس واقعہ کے بعد پھر دونوں صاحب مل کر چلے ایک بستی میں پہنچے - مروی ہے وہ بستی ایک تھی - یہاں کے لوگ بڑے ہی بخیل تھے - انتہا یہ کہ دو بھوکے مسافروں کے طلب کرنے پر انہوں نے روٹی کھلانے سے بھی صاف انکار کر دیا - وہاں دیکھتے ہیں کہ ایک دیوار گرنا ہی چاہتی ہے' جگہ چھوڑ چکی ہے' جھک پڑی ہے - دیوار کی طرف ارادے کی اسناد بطور استعارہ کے ہے - اسے دیکھتے ہی یہ کمر کس کر لگ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے مضبوط کر دیا اور بالکل درست کر دیا - پہلے حدیث بیان ہو چکی ہے کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے لوٹا دیا - خم ٹھیک ہو گیا اور دیوار درست بن گئی - اس وقت پھر کلیم اللہ علیہ السلام بول اٹھے کہ سبحان اللہ ان لوگوں نے تو ہمیں کھانے تک کو نہ پوچھا بھلا مانگنے پر بھاگ گئے - اب جو تم نے ان کی یہ مزدوری کر دی' اس پر کچھ اجرت کیوں

نہ لے لی جو بالکل ہمارا حق تھا۔ اس وقت وہ بندہ رحمان بول اٹھے لو صاحب اب مجھ میں اور آپ میں حسب معاہدہ خود جدائی ہوگئی۔ کیونکہ بچے کے قتل پر آپ نے سوال کیا تھا اس وقت جب میں نے آپ کو اس غلطی پر متنبہ کیا تھا تو آپ نے خود ہی کہا تھا کہ اب اگر کسی بات کو پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ سے الگ کر دینا۔ اب سنو! جن باتوں پر آپ نے تعجب سے سوال کیا اور برداشت نہ کر سکے ان کی اصلی حکمت آپ پر ظاہر کئے دیتا ہوں۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾

کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے رہتے تھے۔ میں نے اس میں کچھ توڑ پھوڑ کرنے کا ارادہ کر لیا کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو جبراً ضبط کر لیتا تھا ○ اور اس نوجوان کے ماں باپ ایماندار تھے ہمیں خوف ہوا کہ کہیں یہ انہیں اپنی سرکشی اور کفر سے عاجز و پریشان نہ کر دے ○ اس لئے ہم نے چاہا کہ انہیں ان کا پروردگار اس کے بدلے اس سے بہتر پاکیزگی والا اور اس سے زیادہ محبت و پیار والا بچہ عنایت فرمائے ○

اللہ کی مصلحتوں کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۷۹) بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کے انجام سے حضرت خضرؑ کو مطلع کر دیا تھا اور انہیں جو حکم ملا تھا' وہ انہوں نے کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس راز کا علم نہ تھا اس لئے بہ ظاہر اسے خلاف سمجھ کر اس پر انکار کرتے تھے لہذا حضرت خضرؑ نے اب اصل معاملہ سمجھا دیا۔ فرمایا کہ کشتی کو عیب دار کرنے میں تو یہ مصلحت تھی کہ اگر صحیح سالم ہوتی تو آگے چل کر ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر ایک اچھی کشتی کو ظلماً چھین لیتا تھا۔ جب اسے وہ ٹوٹی پھوٹی دیکھے گا تو چھوڑ دے گا اگر یہ ٹھیک ٹھاک اور ثابت ہوتی تو ساری کشتی ہی ان مسکینوں کے ہاتھ سے چھن جاتی اور ان کی روزی کمانے کا یہی ایک ذریعہ تھا جو بالکل جاتا رہتا۔ مروی ہے کہ اس کشتی کے مالک چند یتیم بچے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں' اس بادشاہ کا نام حدد بن بدد تھا۔ بخاری شریف کے حوالے سے یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔ تورات میں ہے کہ یہ عیص بن اسحاق کی نسل سے تھا تورات میں جن بادشاہوں کا صریح ذکر ہے ان میں ایک یہ بھی ہے واللہ اعلم۔

اللہ کی رضا اور انسان: ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۱) پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس نوجوان کا نام جیسور تھا۔ حدیث میں ہے کہ اس کی جبلت میں ہی کفر تھا۔ حضرت خضر فرماتے ہیں کہ بہت ممکن تھا کہ اس بچے کی محبت اس کے ماں باپ کو بھی کفر کی طرف مائل کر دے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس کی پیدائش سے اس کے ماں باپ بہت خوش ہوئے تھے اور اس کی ہلاکت سے وہ بہت غمگین ہوئے حالانکہ اس کی زندگی ان کے لئے ہلاکت تھی۔ پس انسان کو چاہئے کہ اللہ کی قضا پر راضی رہے۔ رب انجام کو جانتا ہے اور ہم اس سے غافل ہیں۔ مومن جو کام اپنے لئے پسند کرتا ہے' اس کی اپنی پسند سے وہ اچھا ہے جو اللہ اس کے لئے پسند فرماتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مومن کے لئے جو اللہ کے فیصلے ہوتے ہیں' وہ سراسر بہتری اور عمدگی والے ہی ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی بہت ممکن ہے کہ ایک کام تم اپنے لئے برا اور ضرر والا سمجھتے ہو اور وہی دراصل تمہارے لئے بھلا اور مفید ہو۔ حضرت خضر فرماتے ہیں کہ ہم نے چاہا کہ اللہ انہیں

ایسا بچہ دے جو بہت پرہیز گار ہو اور جس پر ماں باپ کو زیادہ پیار ہو۔ یا یہ کہ جو ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک ہو۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس لڑکے کے بدلے اللہ نے ان کے ہاں ایک لڑکی دی۔ مروی ہے کہ اس بچے کے قتل کے وقت اس کی والدہ کے حمل سے ایک مسلمان لڑکا تھا اور وہ حاملہ تھیں۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ۗ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۗ ﴿۸۲﴾ ع ۱۲

دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے۔ ان کے باپ بڑے نیک شخص تھے' تو تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں یتیم اپنی جوانی کی عمر میں آ کر اپنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں' میں نے اپنی رائے اور اختیار سے کوئی کام نہیں کیا' یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا ○

اللہ کی حفاظت کا ایک انداز: ☆☆ (آیت: ۸۲) اس آیت سے ثابت ہوا کہ بڑے شہر پر بھی قریہ کا اطلاق ہو سکتا ہے کیونکہ پہلے حَتّٰۤى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ فرمایا تھا اور یہاں فى المدينة فرمایا۔ اسی طرح مکہ شریف کو بھی قریہ کہا گیا ہے۔ فرمان ہے وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِىَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِىْٓ اَخْرَجَتْكَ۔ اور آیت میں مکہ اور طائف دونوں شہروں کو قریہ فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ اس دیوار کو درست کر دینے میں مصلحت الٰہی یہ تھی کہ یہ اس شہر کے دو یتیموں کی تھی اس کے نیچے ان کا مال دفن تھا۔ ٹھیک تفسیر تو یہی ہے گو یہ بھی مروی ہے کہ وہ علمی خزانہ تھا۔ بلکہ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ جس خزانے کا ذکر کتاب اللہ میں ہے' یہ خالص سونے کی تختیاں تھیں جن پر لکھا ہوا تھا کہ تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر کا قائل ہوتے ہوئے اپنی جان کو محنت و مشقت میں ڈال رہا ہے اور رنج و غم برداشت کر رہا ہے۔ تعجب ہے کہ جو جہنم کے عذابوں کا ماننے والا ہے' پھر بھی ہنسی کھیل میں مشغول ہے۔ تعجب ہے کہ موت کا یقین رکھتے ہوئے غفلت میں پڑا ہوا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ عبارت ان تختیوں پر لکھی ہوئی تھی لیکن اس میں ایک راوی بشر بن منذر ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ مصیصہ کے قاضی تھے ان کی حدیث میں وہم ہے۔

سلف سے بھی اس بارے میں بعض آثار مروی ہیں۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ سونے کی تختی تھی جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد قریب قریب مندرجہ بالا نصیحتیں اور آخر میں کلمہ طیبہ تھا۔ عمر مولیٰ غفرہ سے بھی تقریباً یہی مروی ہے۔ امام جعفر بن محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس میں ڈھائی سطریں تھیں پوری تین نہ تھیں' الخ مذکور ہے کہ یہ دونوں یتیم بوجہ اپنے ساتویں دادا کی نیکیوں کے محفوظ رکھے گئے تھے۔ جن بزرگوں نے یہ تفسیر کی ہے' وہ بھی پہلی تفسیر کے خلاف نہیں کیونکہ اس میں بھی ہے کہ یہ علمی باتیں سونے کی تختی پر لکھی ہوئی تھیں اور ظاہر ہے کہ سونے کی تختی خود مال ہے اور بہت بڑی رقم کی چیز ہے واللہ اعلم۔

والدین کے سبب اولاد پر رحم: ☆☆ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی نیکیوں کی وجہ سے اس کے بال بچے بھی دنیا اور آخرت میں اللہ کی مہربانی حاصل کر لیتے ہیں۔ جیسے قرآن و حدیث میں صراحتاً مذکور ہے دیکھئے آیت میں ان کی کوئی صلاحیت بیان

نہیں ہوئی ہاں ان کے والد کی نیک بختی اور نیک عملی بیان ہوئی ہے - اور پہلے گزر چکا کہ یہ باپ جس کی نیکی کی وجہ سے ان کی حفاظت ہوئی' یہ ان بچوں کا ساتواں دادا تھا واللہ اعلم - آیت میں ہے تیرے رب نے چاہا' یہ اسناد اللہ کی طرف اس لئے کی گئی ہے کہ جوانی تک پہنچانے پر بجز اس کے اور کوئی قادر نہیں - دیکھئے بچے کے بارے میں اور کشتی کے بارے میں ارادے کی نسبت اپنی طرف کی گئی ہے فَاَرَدْنَا اور فَاَرَدْتُّ کے لفظ ہیں واللہ اعلم - پھر فرماتے ہیں کہ دراصل یہ تینوں باتیں جنہیں تم نے خطرناک سمجھا سراسر رحمت تھیں - کشتی والوں کو گو قدرے نقصان ہوا لیکن اس سے پوری کشتی بچ گئی - بچے کے مرنے کی وجہ سے گو ماں باپ کو رنج ہوا لیکن ہمیشہ کے رنج اور عذاب اللہ سے بچ گئے اور پھر نیک بدلہ ہاتھوں ہاتھ مل گیا - اور یہاں اس نیک شخص کی اولاد کا بھلا ہوا - یہ کام میں نے اپنی خوشی سے نہیں کئے بلکہ احکام الٰہی بجا لایا - اس سے بعض لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت پر استدلال کیا ہے اور پوری بحث پہلے گزر چکی ہے اور لوگ کہتے ہیں' یہ رسول تھے - ایک قول ہے' یہ فرشتے تھے لیکن اکثر بزرگوں کا فرمان ہے کہ یہ ایک ولی اللہ تھے -

امام ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ ان کا نام بلیا بن ملکان بن خالغ بن عاجر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام تھا - ان کی کنیت ابوالعباس ہے - لقب خضر ہے - امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ یہ شہزادے تھے - یہ اور ابن صلاح تو قائل ہیں کہ وہ اب تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے - گو بعض حدیثوں میں بھی یہ ذکر آیا ہے لیکن ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں سب سے زیادہ مشہور حدیث اس بارے میں وہ ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تعزیت کے لئے آپ تشریف لائے تھے لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے - اکثر محدثین وغیرہ اس کے برخلاف ہیں اور وہ حیات خضر کے قائل نہیں - ان کی ایک دلیل آیت قرآنی وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ہے یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے کسی کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی - اور دلیل آنحضرت ﷺ کا غزوہ بدر میں یہ فرمانا ہے کہ الٰہی اگر میری یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین میں تیری عبادت پھر نہ کی جائے گی - ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے اور اسلام قبول کرتے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ملتے کیونکہ حضور ﷺ تمام جن وانس کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے - آپ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام زندہ (زمین پر) ہوتے تو انہیں بھی بجز میری تابعداری کے چارہ نہ تھا - آپ اپنی وفات سے کچھ دن پہلے فرماتے ہیں کہ آج جو زمین پر ہیں' ان میں سے ایک بھی آج سے لے کر سو سال پر باقی نہیں رہے گا - ان کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل ہیں - مسند احمد میں ہے کہ حضرت خضر کو خضر اس لئے کہا گیا کہ وہ سفید رنگ سوکھی گھاس پر بیٹھ گئے تھے یہاں تک کہ اس کے نیچے سے سبزہ اگ آیا - اور ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آپ خشک زمین پر بیٹھ گئے تھے اور پھر وہ لہلہانے لگی -

الغرض حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب یہ گتھی سلجھا دی اور ان کاموں کی اصل حکمت بیان کر دی تو فرمایا کہ یہ تھے وہ راز جن کے آشکارا کرنے کے لئے آپ جلدی کر رہے تھے - چونکہ پہلے شوق و مشقت زیادہ تھی' اس لئے لفظ لم تستطع کہا اور اب بیان کر دینے کے بعد وہ بات نہ رہی اس لئے لفظ لَمْ تَسْطِعْ کہا - یہی صفت آیت فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا میں ہے یعنی یاجوج ماجوج نہ اس دیوار پر چڑھ سکے اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکے - پس چڑھنے میں تکلیف بہ نسبت سوراخ کرنے کے کم ہے اس لئے ثقیل کا مقابلہ ثقیل سے اور خفیف کا مقابلہ خفیف سے کیا گیا اور لفظی اور معنوی مناسبت قائم کر دی واللہ اعلم - حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کا ذکر ابتدا قصہ میں تو تھا لیکن پھر نہیں اس لئے کہ مقصود صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنا تھا - حدیثوں میں ہے کہ آپ کے یہ ساتھی حضرت یوشع بن نون تھے - یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی

اسرائیل کے والی بنائے گئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آب حیات پی لیا تھا اس لئے انہیں ایک کشتی میں بٹھا کر بیچ سمندر کے چھوڑ دیا وہ کشتی یونہی ہمیشہ تک موجوں کے تلاطم میں رہے گی یہ بالکل ضعیف ہے کیونکہ اس واقعہ کے راویوں میں ایک تو حسن ہے جو متروک ہے دوسرا اس کا باپ ہے جو غیر معروف ہے۔ یہ واقعہ سنداً ٹھیک نہیں۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾

تجھ سے ذوالقرنین کا واقعہ یہ لوگ دریافت کر رہے ہیں تو کہہ دے کہ میں ان کا تھوڑا سا حال تمہیں پڑھ سناتا ہوں ○ ہم نے اسے اس زمین میں قوت عطا فرمائی تھی اور اسے ہر چیز کے سامان بھی عنایت کر دیئے تھے ○

کفار کے سوالات کے جوابات: ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۴) پہلے گزر چکا ہے کہ کفار مکہ نے اہل کتاب سے کہلوایا تھا کہ ہمیں کچھ ایسی باتیں بتلاؤ جو ہم محمد (ﷺ) سے دریافت کریں اور ان کے جواب آپ سے نہ بن پڑیں۔ تو انہوں نے سکھایا تھا کہ ایک تو ان سے اس شخص کا واقعہ پوچھو جس نے روئے زمین کی سیاحت کی تھی دوسرا سوال ان سے ان نوجوانوں کی نسبت کرو جو بالکل لاپتہ ہو گئے ہیں اور تیسرا سوال ان سے روح کی بابت کرو۔ ان کے ان سوالوں کے جواب میں یہ سورۂ کہف نازل ہوئی۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضور ﷺ سے ذوالقرنین کا قصہ دریافت کرنے کو آئی تھی۔ تو آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا کہ تم اس لئے آئے ہو۔ پھر آپ نے وہ واقعہ بیان فرمایا۔ اس میں ہے کہ وہ ایک رومی نوجوان تھا اسی نے اسکندریہ بنایا۔ اسے ایک فرشتہ آسمان تک چڑھا لے گیا تھا اور دیوار تک لے گیا تھا اس نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے منہ کتوں جیسے تھے وغیرہ۔ لیکن اس میں بہت طول ہے اور بے کار ہے اور ضعف ہے اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ دراصل یہ بنی اسرائیل کی روایات ہیں۔ تعجب ہے کہ امام ابوزرعہ رازی جیسے علامہ زماں نے اسے اپنی کتاب دلائل نبوت میں مکمل وارد کیا ہے۔ فی الواقع یہ ان جیسے بزرگ سے تو تعجب خیز چیز ہی ہے۔ اس میں جو ہے کہ یہ رومی تھا یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اسکندر ثانی البتہ رومی تھا وہ قیلیس مقدونی کا لڑکا ہے جس سے روم کی تاریخ شروع ہوتی ہے اور سکندر اول تو بقول ازرقی وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ اس نے آپ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی بناء کے بعد طواف بیت اللہ کیا ہے۔ آپ پر ایمان لایا تھا آپ کا تابعدار بنا تھا انہی کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اور سکندر ثانی کا وزیر ارسطاطالیس مشہور فلسفی تھا واللہ اعلم۔ اسی نے مملکت روم کی تاریخ لکھی یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے تھا اور سکندر اول جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانے میں تھا جیسے کہ ازرقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ بنایا تو اس نے آپ کے ساتھ طواف کیا تھا اور اللہ کے نام بہت سی قربانیاں کی تھیں۔ ہم نے بفضلہ ان کے بہت سے واقعات اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں ذکر کر دیئے ہیں۔

وہبؒ کہتے ہیں یہ بادشاہ تھے چونکہ ان کے سر کے دونوں طرف تانبا رہتا تھا اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا گیا یہ وجہ بھی بتلائی گئی ہے کہ یہ روم اور فارس دونوں کا بادشاہ تھا۔ بعض کا قول ہے کہ فی الواقع اس کے سر کے دونوں طرف کچھ سینگ سے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کے نیک بندے تھے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا۔ یہ لوگ مخالف ہو گئے اور ان کے سر کے ایک جانب اس قدر مارا کہ یہ شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا قوم نے پھر سر کے دوسری طرف اسی

قدر مارا جس سے یہ پھر مر گئے اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ یہ مشرق سے مغرب تک سیاحت کر آئے تھے اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا گیا ہے۔ ہم نے اسے بڑی سلطنت دے رکھی تھی۔ ساتھ ہی قوت لشکر آلات حرب سب کچھ ہی دے رکھا تھا۔ مشرق سے مغرب تک اس کی سلطنت تھی' عرب عجم سب اس کے ماتحت تھے۔ ہر چیز کا اسے علم دے رکھا تھا۔ زمین کے ادنیٰ اعلیٰ نشانات بتلا دیئے تھے۔ تمام زبانیں جانتے تھے۔ جس قوم سے لڑائی ہوتی' اس کی زبان بول لیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا' کیا تم کہتے ہو کہ ذوالقرنین نے اپنے گھوڑے ثریا سے باندھے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ یہ فرماتے ہیں تو سنئے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' ہم نے اسے ہر چیز کا سامان دیا تھا۔ حقیقت میں اس بات میں حق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے اس لئے بھی کہ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ کو جو کچھ کہیں لکھا ملتا تھا' روایت کر دیا کرتے تھے گو وہ جھوٹ ہی ہو۔ اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ کعب کا کذب تو بارہا سامنے آچکا ہے یعنی خود تو جھوٹ نہیں گھڑتے تھے لیکن جو روایت ملتی گو بے سند ہو' بیان کرنے سے نہ چوکتے اور یہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کی روایات جھوٹ سے' خرافات سے' تحریف سے' تبدیل سے محفوظ نہ تھیں۔ بات یہ ہے کہ ہمیں ان اسرائیلی روایت کی طرف التفات کرنے کی بھی کیا ضرورت؟ جب کہ ہمارے ہاتھوں میں اللہ کی کتاب اور اس کے پیغمبر ﷺ کی سچی اور صحیح احادیث موجود ہیں۔

افسوس انہی بنی اسرائیلی روایات نے بہت سی برائی مسلمانوں میں ڈال دی اور بڑا فساد پھیل گیا۔ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ نے اس بنی اسرائیلی روایت کے ثبوت میں قرآن کی اس آیت کا آخری حصہ جو پیش کیا ہے' یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں کیونکہ یہ تو بالکل ظاہر بات ہے کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اور ثریا پر پہنچنے کی طاقت نہیں دی۔ دیکھئے بلقیس کے حق میں بھی قرآن نے یہی الفاظ کہے ہیں وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اسے ہر چیز دی گئی تھی۔ اس سے بھی مراد صرف اسی قدر ہے کہ بادشاہوں کے ہاں عموماً جو ہوتا ہے' وہ سب اس کے پاس بھی تھا' اسی طرح حضرت ذوالقرنین کو اللہ نے تمام راستے اور ذرائع مہیا کر دیئے تھے کہ وہ اپنی فتوحات کو وسعت دیتے جائیں اور زمین سرکشوں اور کافروں سے خالی کراتے جائیں اور اس کی توحید کے ساتھ موحدین کی بادشاہت دنیا پر پھیلائیں اور اللہ والوں کی حکومت جمائیں۔ ان کاموں میں جن اسباب کی ضرورت پڑتی ہے' وہ سب رب عزوجل نے حضرت ذوالقرنین کو دے رکھے تھے واللہ اعلم۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ مشرق و مغرب تک کیسے پہنچ گئے؟ آپ نے فرمایا' سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو ان کے لئے مسخر کر دیا تھا اور تمام اسباب انہیں مہیا کر دیئے تھے اور پوری قوت و طاقت دے دی تھی۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾

وہ ایک راہ کے درپے ہو گیا ○ یہاں تک کہ سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا۔ اسے ایک دلدل کے چشمے میں غروب ہوتا ہوا پایا اور اس چشمے کے پاس ایک قوم کو بھی پایا۔

ہم نے فرما دیا کہ اے ذوالقرنین یا تو تو انہیں تکلیف پہنچائے یا ان کے بارے میں تو کوئی بہترین روش اختیار کرے ○ جواب دیا کہ جو ظلم کرے گا' اسے تو ہم بھی اب سزا دیں گے- پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اسے پھر سے سخت تر عذاب کرے گا- ہاں جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرے' اس کے لئے تو بدلے میں بھلائی ہی ہے' اور ہم اسے اپنے کام میں بھی آسانی ہی کہیں گے ○

ذوالقرنین کا تعارف: ☆☆ (آیت: ۸۵-۸۸) ذوالقرنین ایک راہ لگ گئے- زمین کی ایک سمت یعنی مغربی جانب کوچ کر دیا- جو نشانات زمین پر تھے ان کے سہارے چل کھڑے ہوئے- جہاں تک مغربی رخ چل سکتے تھے' چلتے رہے یہاں تک کہ اب سورج کے غروب ہونے کی جگہ تک پہنچ گئے- یہ یاد رہے کہ اس سے مراد آسمان کا وہ حصہ جہاں سورج غروب ہوتا ہے' نہیں کیونکہ وہاں تک تو کسی کا جانا ناممکن ہے- ہاں اس رخ جہاں تک زمین پر جانا ممکن ہے' حضرت ذوالقرنین پہنچ گئے- اور یہ جو بعض قصے مشہور ہیں کہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ سے بھی آپ تجاوز کر گئے اور سورج مدتوں ان کی پس پشت غروب ہوتا رہا' یہ بے بنیاد باتیں ہیں اور عموماً اہل کتاب کی خرافات ہیں اور ان میں سے بھی بددینوں کی گھڑنت ہیں اور محض دروغ بے فروغ ہیں-

الغرض جب انتہائے مغرب کی سمت پہنچ گئے تو یہ معلوم ہوا کہ گویا بحر محیط میں سورج غروب ہو رہا ہے جو بھی کسی سمندر کے کنارے کھڑا ہو کر سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھے گا تو بہ ظاہر یہی منظر اس کے سامنے ہوگا کہ گویا سورج پانی میں ڈوب رہا ہے- حالانکہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اور اس سے الگ کبھی نہیں ہوتا حَمِئَة یا تو مشتق ہے حماة سے یعنی چکنی مٹی- آیت قرآنی وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ اس کا بیان گزر چکا ہے- یہی مطلب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سن کر حضرت نافع نے سنا کہ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے' تم ہم سے زیادہ قرآن کے عالم ہو لیکن میں تو کتاب میں دیکھتا ہوں کہ وہ سیاہ رنگ مٹی میں غائب ہو جاتا تھا- ایک قرات میں فِي عَيْنٍ حَامِيَةٍ ہے یعنی گرم چشمے میں غروب ہونا پایا- یہ دونوں قرأتیں مشہور ہیں اور دونوں درست ہیں خواہ کوئی سی قرات پڑھے اور ان کے معنی میں بھی کوئی تفاوت نہیں کیونکہ سورج کی نزدیکی کی وجہ سے پانی' گرم ہو اور وہاں کی مٹی کے سیاہ رنگ کی وجہ سے اس کا پانی کیچڑ جیسا ہو- حضور ﷺ نے ایک مرتبہ سورج کو غروب ہوتے دیکھ کر فرمایا' اللہ کی بھڑکی آگ میں اگر اللہ کے حکم سے اس کی سوزش کم نہ ہو جاتی تو یہ تو زمین کی تمام چیزوں کو جھلس ڈالتا- اس کی صحت میں نظر ہے بلکہ مرفوع ہونے میں بھی بہت ممکن ہے کہ یہ عبداللہ بن عمرو کا اپنا کلام ہو اور ان دو تھیلوں کی کتابوں سے لیا گیا ہو جو انہیں یرموک سے ملے تھے واللہ اعلم-

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ کہف کی یہی آیت تلاوت فرمائی تو آپ نے عَيْنٍ حَامِيَةٍ پڑھا- اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم تو حَمِئَةٍ پڑھتے ہیں- حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا' آپ کس طرح پڑھتے ہیں' انہوں نے جواب دیا جس طرح آپ نے پڑھا- اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' میرے گھر میں قرآن کریم نازل ہوا ہے- حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آدمی بھیجا کہ بتلاؤ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ تورات میں اس کے متعلق کچھ ہے؟ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اسے عربیت والوں سے پوچھنا چاہئے' وہی اس کے پورے عالم ہیں- ہاں تورات میں تو میں یہ پاتا ہوں کہ وہ پانی اور مٹی میں یعنی کیچڑ میں چھپ جاتا ہے اور مغرب کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا- یہ سب قصہ سن کر ابن حاضر نے کہا' اگر میں اس وقت ہوتا تو آپ کی تائید میں تبع کے وہ دو شعر پڑھ دیتا جس میں اس نے ذوالقرنین کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ مشرق و مغرب تک پہنچا کیونکہ اللہ نے اسے ہر قسم کے سامان مہیا فرمائے تھے اس نے دیکھا کہ سورج سیاہ مٹی جیسے کیچڑ میں غروب ہوتا نظر آتا ہے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

پوچھا اس شعر میں تین لفظ ہیں خلب' ثاط اور حرمد- ان کے کیا معنی ہیں؟ مٹی' کیچڑ اور سیاہ- اسی وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام سے یا کسی اور شخص سے فرمایا' یہ جو کہتے ہیں لکھ لو-

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سورہ کہف کی تلاوت حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ نے سنی اور جب آپ نے حَمِئَة پڑھا- تو کہا کہ واللہ جس طرح تورات میں ہے' اسی طرح پڑھتے ہوئے میں نے آپ ہی کو سنا' تورات میں بھی یہی ہے کہ وہ سیاہ رنگ کیچڑ میں ڈوبتا ہے- وہیں ایک شہر تھا جو بہت بڑا تھا اس کے بارہ ہزار دروازے تھے اگر وہاں شوروغل نہ ہو تو کیا عجب کہ ان لوگوں کو سورج کے غروب ہونے کی آواز تک آئے- وہاں ایک بہت بڑی امت کو آپ نے بستا ہوا پایا- اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں پر بھی انہیں غلبہ دیا اب ان کے اختیار میں تھا کہ یہ ان پر جبر وظلم کریں یا ان میں عدل وانصاف کریں- اس پر ذوالقرنین نے اپنے عدل وایمان کا ثبوت دیا اور عرض کیا کہ جو اپنے کفر وشرک پر اڑا رہے گا' اسے تو ہم سزا دیں گے قتل وغارت سے یا یہ کہ تانبے کے برتن کو گرم آگ کر کے اس میں ڈال دیں گے کہ وہیں اس کا مرنڈا ہو جائے یا یہ کہ سپاہیوں کے ہاتھوں انہیں بدترین سزائیں کرائیں گے واللہ اعلم- اور پھر جب وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اسے سخت تر اور دردناک عذاب کرے گا- اس سے قیامت کے دن کا بھی ثبوت ہوتا ہے- اور جو ایمان لائے' ہماری توحید کی دعوت قبول کر لے' اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت سے دست برداری کر لے' اسے اللہ اپنے ہاں بہترین بدلہ دے گا اور خود ہم بھی اس کی عزت افزائی کریں گے اور بھلی بات کہیں گے-

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۙ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾

پھر وہ اور راہ کے پیچھے لگا ○ یہاں تک کہ جب سورج نکلنے کی جگہ تک پہنچا' اسے ایک ایسی قوم پر نکلتا پایا کہ ان کے لئے ہم نے اس سے اور کوئی پردہ اور اوٹ نہیں بنائی ○ واقعہ ایسا ہی ہے' ہم نے اس کے آس پاس کی کل خبروں کا احاطہ کر رکھا ہے ○

ایک وحشی صفت بستی : ☆☆ (آیت: ۸۹-۹۱) ذوالقرنین مغرب سے واپس مشرق کی طرف چلے- راستے میں جو قومیں ملتیں' اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کی انہیں دعوت دیتے- اگر وہ قبول کر لیتے تو بہت اچھا ورنہ ان سے لڑائی ہوتی اور اللہ کے فضل سے وہ ہارتے- آپ انہیں اپنا ماتحت کر کے وہاں کے مال ومویشی اور خادم وغیرہ لے کر آگے کو چلتے- بنی اسرائیلی خبروں میں ہے کہ یہ ایک ہزار چھ سو سال تک زندہ رہے- اور برابر زمین پر دین الٰہی کی تبلیغ میں رہے ساتھ ہی بادشاہت بھی پھیلتی رہی- جب آپ سورج نکلنے کی جگہ تک پہنچے وہاں دیکھا کہ ایک بستی آباد ہے لیکن وہاں کے لوگ بالکل نیم وحشی جیسے ہیں- نہ وہ مکانات بناتے ہیں نہ وہاں کوئی درخت ہے سورج کی دھوپ سے پناہ دینے والی کوئی چیز وہاں انہیں نظر نہ آئی- ان کے رنگ سرخ تھے ان کے قد پست تھے عام خوراک ان کی مچھلی تھی-

حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' سورج کے نکلنے کے وقت وہ پانی میں چلے جایا کرتے تھے اور غروب ہونے کے بعد جانوروں کی طرح ادھر ادھر ہو جایا کرتے تھے- قتادہ کا قول ہے کہ وہاں تو کچھ اگتا نہ تھا سورج کے نکلنے کے وقت وہ پانی میں چلے جاتے اور زوال کے بعد دور دراز اپنی کھیتیوں وغیرہ میں مشغول ہو جاتے- سلمہ کا قول ہے کہ ان کے کان بڑے بڑے تھے ایک اوڑھ لیتے' ایک بچھا لیتے- قتادہ

رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں' یہ وحشی حبشی تھے۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ وہاں کبھی کوئی مکان یا دیوار یا احاطہ نہیں بنا سورج کے نکلنے کے وقت یہ لوگ پانی میں گھس جاتے۔ وہاں کوئی پہاڑ بھی نہیں۔ پہلے کسی وقت ان کے پاس ایک لشکر پہنچا تو انہوں نے ان سے کہا کہ دیکھو سورج نکلتے وقت باہر نہ ٹھہرنا۔ انہوں نے کہا نہیں ہم تو رات ہی رات یہاں سے چلے جائیں گے لیکن یہ تو بتاؤ کہ یہ ہڈیوں کے چمکیلے ڈھیر کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا یہاں پہلے ایک لشکر آیا تھا۔ سورج کے نکلنے کے وقت وہ یہیں ٹھہرا رہا سب مر گئے یہ ان کی ہڈیاں ہیں یہ سنتے ہی وہ وہاں سے واپس ہو گئے۔ پھر فرماتا ہے کہ ذوالقرنین کی' اس کے ساتھیوں کی کوئی حرکت کوئی گفتار اور رفتار ہم پر پوشیدہ نہ تھی۔ گو اس کا لاؤ لشکر بہت تھا زمین کے ہر حصے پر پھیلا ہوا تھا۔ لیکن ہمارا علم زمین و آسمان پر حاوی ہے۔ ہم سے کوئی چیز مخفی نہیں۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓي اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۭ﴿۹۶﴾

وہ پھر ایک سفر کے سامان میں لگا ○ یہاں تک کہ جب دو دیواروں کے درمیان پہنچا' ان دونوں کے ادھر اس نے ایک ایسی قوم پائی جو بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھی ○ انہوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین یاجوج ماجوج اس ملک میں بڑے بھاری فسادی ہیں تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ سرمایہ اکٹھا کر دیں؟ اس شرط پر کہ آپ ہم میں اور ان میں کوئی دیوار بنا دیں ○ اس نے جواب دیا کہ میرے اختیار میں میرے پروردگار نے جو کر رکھا ہے' وہی بہتر ہے۔ تم صرف اپنی قوت و طاقت سے میری مدد کرو ○ میں تم میں اور ان میں مضبوط حجاب بنا دیتا ہوں۔ مجھے لوہے کی چادریں لا دو' یہاں تک کے جب ان دونوں پہاڑوں کے درمیان یہ دیوار برابر کر دی تو حکم دیا کہ آگ تیز جلاؤ تاوقتیکہ لوہے کی ان چادروں کو بالکل آگ کر دیا تو فرمایا میرے پاس لاؤ۔ اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دوں ○

یاجوج اور ماجوج: ☆☆ (آیت: ۹۲-۹۶) اپنے شرقی سفر کو ختم کر کے پھر ذوالقرنین وہیں مشرق کی طرف ایک راہ چلے۔ دیکھا کہ دو پہاڑ ہیں جو ملے ہوئے ہیں لیکن ان کے درمیان ایک گھاٹی ہے جہاں سے یاجوج ماجوج نکل کر ترکوں پر تباہی ڈالا کرتے ہیں' انہیں قتل کرتے ہیں' کھیت باغات تباہ کرتے ہیں' بال بچوں کو بھی ہلاک کرتے ہیں اور سخت فساد برپا کرتے رہتے ہیں۔ یاجوج' ماجوج بھی انسان ہیں جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث سے ثابت ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ عزوجل حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے آدم آپ لبیک و سعدیک کے ساتھ جواب دیں گے حکم ہوگا' آگ کا حصہ الگ کر' پوچھیں گے کتنا حصہ؟ حکم ہوگا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں' یہی وہ وقت ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا تم میں دو امتیں ہیں کہ وہ جن میں ہوں انہیں کثرت کو پہنچا دیتی ہیں یعنی یاجوج ماجوج۔

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں ایک عجیب بات لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے خاص پانی کے چند قطرے جو مٹی میں گرے تھے' انہی سے یاجوج ماجوج پیدا کیئے گئے ہیں گویا وہ حضرت حوا اور حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے نہیں بلکہ صرف نسل آدم علیہ السلام سے ہیں۔لیکن یہ یاد رہے کہ یہ قول بالکل ہی غریب ہے نہ اس پر عقلی دلیل ہے نہ نقلی اور ایسی باتیں جو اہل کتاب سے پہنچتی ہیں' وہ ماننے کے قابل نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان کے ہاں کے ایسے قصے ملاوٹی اور بناوٹی ہوتے ہیں واللہ اعلم۔مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکے تھے سام' حام اور یافث۔سام کی نسل سے کل عرب ہیں اور حام کی نسل سے کل حبشی ہیں اور یافث کی نسل سے کل ترک ہیں۔بعض علماء کا قول ہے کہ یاجوج ماجوج ترکوں کے اس جداعلیٰ یافث کی ہی اولاد ہیں' انہیں ترک اس لئے کہا گیا ہے کہ انہیں بہ وجہ ان کے فساد اور شرارت کے انسانوں کی دیگر آبادی کے پس پشت پہاڑوں کی آڑ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے ذوالقرنین کے سفر کے متعلق اور اس دیوار کے بنانے کے متعلق اور یاجوج ماجوج کے جسموں' ان کی شکلوں اور ان کے کانوں وغیرہ کے متعلق وہب بن منبہ سے ایک بہت لمبا چوڑا واقعہ اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے جو علاوہ عجیب وغریب ہونے کے صحت سے دور ہے۔ابن ابی حاتم میں بھی ایسے بہت سے واقعات درج ہیں لیکن سب غریب اور غیر صحیح ہیں۔ان پہاڑوں کے درے میں ذوالقرنین نے انسانوں کی ایک آبادی پائی جو بوجہ دنیا کے دیگر لوگوں سے دوری کے اور ان کی اپنی مخصوص زبان کے اوروں کی بات بھی تقریباً نہیں سمجھ سکتے تھے۔ان لوگوں نے ذوالقرنین کی قوت وطاقت' عقل وہنر کو دیکھ کر درخواست کی کہ اگر آپ رضامند ہوں تو ہم آپ کے لئے بہت سا مال جمع کر دیں اور آپ ان پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی کو کسی مضبوط دیوار سے بند کر دیں تا کہ ہم ان فسادیوں کی روزمرہ کی ان تکالیف سے بچ جائیں۔اس کے جواب میں حضرت ذوالقرنین نے فرمایا' مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں اللہ کا دیا سب کچھ میرے پاس موجود ہے اور وہ تمہارے مال سے بہت بہتر ہے۔یہی جواب حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملکہ سبا کے قاصدوں کو دیا گیا تھا۔ ذوالقرنین نے اپنے اس جواب کے بعد فرمایا کہ ہاں تم اپنی قوت وطاقت اور کام کاج سے میرا ساتھ دو تو میں تم میں اور ان میں ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دیتا ہوں۔زُبَر جمع ہے زُبْرَۃ کی۔ذوالقرنین فرماتے ہیں کہ لوہے کے ٹکڑے اینٹوں کی طرح کے میرے پاس لاؤ۔جب یہ ٹکڑے جمع ہو گئے تو آپ نے دیوار بنانی شروع کرا دی اور وہ لمبائی چوڑائی میں اتنی ہو گئی کہ تمام جگہ گھر گئی اور پہاڑ کی چوٹی کے برابر پہنچ گئی۔اس کے طول وعرض اور موٹائی کی ناپ میں بہت سے مختلف اقوال ہیں۔

جب یہ دیوار بالکل بن گئی تو حکم دیا کہ اب اس کے چوطرف آگ بھڑکاؤ۔جب وہ لوہے کی دیوار بالکل انگارے جیسی سرخ ہو گئی تو حکم دیا کہ اب پگھلا ہوا تانبا لاؤ اور ہر طرف سے اس کے اوپر بہا دو چنانچہ یہ بھی کیا گیا۔پس ٹھنڈی ہو کر یہ دیوار بہت ہی مضبوط اور پختہ ہو گئی اور دیکھنے میں ایسی معلوم ہونے لگی جیسے کوئی دھاری دار چادر ہو۔ابن جریر میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے وہ دیوار دیکھی ہے آپ نے فرمایا کیسی ہے؟ اس نے کہا دھاری دار چادر جیسی' جس میں سرخ وسیاہ دھاریاں ہیں تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے۔خلیفہ واثق نے اپنے زمانے میں اپنے امیروں کو ایک وافر لشکر اور بہت سا سامان دے کر روانہ کیا تھا کہ وہ اس دیوار کی خبر لائیں یہ لشکر دو سال سے زیادہ سفر میں رہا اور ملک در ملک پھرتا ہوا آخرش اس دیوار تک پہنچا دیکھا کہ لوہے اور تانبے کی دیوار ہے اس میں ایک بہت بڑا نہایت پختہ عظیم الشان دروازہ بھی اسی کا ہے جس پر منوں کے وزنی قفل لگے ہوئے ہیں اور جو مال مسالہ دیوار کا بچا ہوا ہے' وہ وہیں پر ایک برج میں رکھا ہوا ہے جہاں پہرہ چوکی مقرر ہے۔دیوار بے حد بلند ہے کتنی ہی کوشش کی جائے لیکن اس پر چڑھنا ناممکن ہے اس سے ملا ہوا پہاڑیوں کا سلسلہ دونوں طرف برابر چلا گیا ہے اور بھی بہت سے عجائب وغرائب امور

دیکھے جوانہوں نے واپس آ کر خلیفہ کی خدمت میں عرض کیے۔

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾

پس نہ تو ان میں اس دیوار کے اوپر چڑھنے کی طاقت ہے اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے ہیں ○ کہا کہ یہ صرف میرے رب کی مہربانی ہے ہاں جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اسے زمین دوز کر دے گا' بے شک میرے رب کا وعدہ سچا اور حق ہے ○ اس دن ہم انہیں آپس میں ایک دوسرے میں دھنستے ہوئے چھوڑ دیں گے اور صور پھونک دیا جائے گا۔ پس سب کو اکٹھا کر کے ہم جمع کر لیں گے ○

دیوار بنا دی گئی: ☆☆ (آیت: ۹۷-۹۹) اس دیوار پر نہ تو چڑھنے کی طاقت یاجوج ماجوج کو ہے نہ وہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے ہیں کہ وہاں سے نکل آئیں۔ چونکہ چڑھنا بہ نسبت توڑنے کے زیادہ آسان ہے۔ اسی لئے چڑھنے میں مَا اسْطَاعُوْ کا لفظ لائے اور توڑنے میں مَا اسْتَطَاعُوْا کا لفظ لائے۔ غرض نہ تو وہ چڑھ کر آ سکتے ہیں نہ سوراخ کر کے۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' ہر روز یاجوج ماجوج اس دیوار کو کھودتے ہیں یہاں تک کہ قریب ہوتا ہے کہ سورج کی شعاع ان کو نظر آ جائیں چونکہ دن گزر جاتا ہے اس لئے ان کے سردار کا حکم ہوتا ہے کہ اب بس کرو کل آ کر توڑ دیں گے لیکن جب وہ دوسرے دن آتے ہیں تو اسے پہلے دن سے زیادہ مضبوط پاتے ہیں۔ قیامت کے قریب جب ان کا نکلنا اللہ کو منظور ہو گا تو یہ کھودتے ہوئے جب دیوار کو چھلکے جیسی کر دیں گے تو ان کا سردار کہے گا اب چھوڑ دو کل ان شاء اللہ اسے توڑ ڈالیں گے پس انشاء اللہ کہہ لینے کی برکت سے دوسرے دن جب وہ آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے۔ ویسی ہی پائیں گے فوراً گرا دیں گے اور باہر نکل پڑیں گے۔ تمام پانی چاٹ جائیں گے لوگ تنگ آ کر قلعوں میں پناہ گزیں ہو جائیں گے۔ یہ اپنے تیر آسمان کی طرف چلائیں گے اور مثل خون آلود تیروں کے ان کی طرف لوٹائے جائیں گے تو یہ کہیں گے زمین والے سب دب گئے آسمان والوں پر بھی ہم غالب آ گئے اب ان کی گردنوں میں گلٹیاں نکلیں گی اور سب کے سب بحکم الٰہی اسی وبا سے ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ زمین کے جانوروں کی خوراک ان کے جسم و خون ہوں گے جس سے وہ خوب موٹے تازے ہو جائیں گے۔ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ بھی اسے لائے ہیں اور فرمایا ہے یہ روایت غریب ہے سوائے اس سند کے مشہور نہیں۔ اس کی سند بہت قوی ہے لیکن اس کا متن نکارت سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ آیت کے ظاہری الفاظ صاف ہیں کہ نہ وہ چڑھ سکتے ہیں نہ سوراخ کر سکتے ہیں کیونکہ دیوار نہایت مضبوط' بہت پختہ اور سخت ہے۔

کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یاجوج ماجوج روزانہ اسے چاٹتے ہیں اور بالکل چھلکے جیسی کر دیتے ہیں' پھر کہتے ہیں چلو کل توڑ دیں گے۔ دوسرے دن آتے ہیں تو جیسی اصل میں تھی' ویسی ہی پاتے ہیں آخر دن وہ بہ الہام الٰہی جاتے وقت ان شاء اللہ کہیں گے دوسرے دن جو آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے' ویسی ہی پائیں گے اور توڑ ڈالیں گے۔ بہت ممکن ہے کہ انہی کعب سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی ہو پھر بیان کی ہو اور کسی راوی کو وہم ہو گیا ہو اور اس نے آنحضرت ﷺ کا فرمان سمجھ کر اسے مرفوعاً بیان کر دیا ہو واللہ اعلم۔ یہ جو ہم

کہہ رہے ہیں اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جو مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نیند سے بیدار ہوئے چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور فرماتے جاتے تھے۔ لا الہ الا اللہ عرب کی خرابی کا وقت قریب آ گیا' آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اتنا سوراخ ہو گیا پھر آپؐ نے اپنی انگلیوں سے حلقہ بنا کر دکھایا اس پر ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم بھلے لوگوں کی موجودگی میں بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب خبیث لوگوں کی کثرت ہو جائے۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔ ہاں بخاری شریف میں راویوں کے ذکر میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں۔ مسلم میں ہے' اور بھی اس کی سند میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو بہت ہی کم پائی گئی ہیں۔

مثلاً زہری کی روایت عروہ سے حالانکہ یہ دونوں بزرگ تابعی ہیں اور چار عورتوں کا آپس میں ایک دوسرے سے روایت کرنا پھر چاروں عورتیں صحابیہ رضی اللہ عنہم۔ پھر ان میں بھی دو حضور علیہ السلام کی بیویوں کی لڑکیاں اور دو آپ کی بیویاں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ بزار میں یہی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (مترجم کہتا ہے اس تکلف کی اور ان مرفوع حدیثوں کے متعلق اس قول کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہم آیت قرآن اور ان صحیح مرفوع حدیثوں کے درمیان بہت آسانی سے یہ تطبیق دے سکتے ہیں کہ کوئی ایسا سوراخ نہیں کر سکتے جس میں سے نکل آئیں۔ پتلی کر دینا یا حلقے کے برابر سوراخ کر دینا اور بات ہے' جو مقصود ذوالقرنین کا اس دیوار کے بنانے سے تھا' وہ بفضلہ حاصل ہے کہ نہ وہ اوپر سے اتر سکیں نہ توڑ کر یا سوراخ کر کے نکل سکیں اور اسی کی خبر آیت میں ہے اور اس کے خلاف کوئی حدیث نہیں واللہ اعلم۔ مترجم) اس دیوار کو بنا کر ذوالقرنین اطمینان کا سانس لیتے ہیں اور اللہ کا شکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لوگو یہ بھی رب کی رحمت ہے کہ اس نے ان شریروں کی شرارت سے مخلوق کو اب امن دے دیا ہاں جب اللہ کا وعدہ آ جائے گا تو اس کا ڈھیر ہو جائے گا۔ یہ زمین دوز ہو جائے گی۔ مضبوطی کچھ کام نہ آئے گی۔ اونٹنی کا کوہان جب اس کی پیٹھ سے ملا ہوا ہو تو عرب میں اسے نَاقَة دَكَّاءُ کہتے ہیں۔ قرآن میں اور جگہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پہاڑ پر رب نے تجلی کی تو وہ پہاڑ زمین دوز ہو گیا وہاں بھی لفظ جَعَلَهٗ دَكًّا ہے۔ پس قریب قیامت یہ دیوار پاش پاش ہو جائے گی اور ان کے نکلنے کا راستہ بن جائے گا۔ اللہ کے وعدے اٹل ہیں' قیامت کا آنا یقینی ہے۔ اس دیوار کے ٹوٹتے ہی یہ لوگ نکل پڑیں گے اور لوگوں میں گھسنے جائیں گے' اپنوں بیگانوں کی تمیز اٹھ جائے گی۔ یہ واقعہ دجال کے آ جانے کے بعد قیامت کے قیام سے پہلے ہوگا۔ اس کا پورا بیان آیت حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ۔

جب صور پھونکا جائے گا: ☆☆ اس کے بعد صور پھونکا جائے گا اور سب جمع ہو جائیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن انسان جن سب خلط ملط ہو جائیں گے۔ بنی خزارہ کے ایک شیخ کا بیان ابن جریر میں ہے کہ جب جن انسان آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں گے' اس وقت ابلیس کہے گا کہ میں جاتا ہوں' معلوم کرتا ہوں کہ یہ کیا بات ہے؟ مشرق کی طرف بھاگے گا لیکن وہاں فرشتوں کی جماعتوں کو دیکھ کر رک جائے گا اور لوٹ کر مغرب کو پہنچے گا' وہاں بھی یہی رنگ دیکھ کر دائیں بائیں بھاگے گا لیکن چاروں طرف سے فرشتوں کا محاصرہ دیکھ کر ناامید ہو کر چیخ وپکار شروع کر دے گا' اچانک اسے ایک چھوٹا سا راستہ دکھائی دے گا اپنی ساری ذریات کو لے کر اس میں چل پڑے گا آگے جا کر دیکھے گا کہ دوزخ بھڑک رہی ہے ایک داروغہ جہنم اس سے کہے گا کہ اے موذی خبیث کیا اللہ نے تیرا مرتبہ نہیں بڑھایا تھا؟ کیا تو جنتیوں میں نہ تھا؟ یہ کہے گا آج ڈانٹ ڈپٹ کیوں کرتے ہو؟ آج تو چھٹکارے کا راستہ بتاؤ میں عبادت اللہ کے لئے تیار ہوں اگر حکم ہو تو اتنی

اور ایسی عبادت کروں کہ روئے زمین پر کسی نے نہ کی ہو۔ داروغہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ تیرے لئے ایک فریضہ مقرر کرتا ہے وہ خوش ہو کر کہے گا میں اس کے حکم کی بجا آوری کے لئے پوری مستعدی سے موجود ہوں۔ حکم ہو گا کہ یہی کہ تم سب جہنم میں چلے جاؤ۔ اب یہ خبیث ہکا بکا رہ جائے گا وہیں فرشتہ اپنے پر سے اسے اور اس کی تمام ذریت کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دے گا۔ جہنم انہیں لے کر آ دبوچے گی اور ایک مرتبہ تو وہ جھلائے گی کہ تمام مقرب فرشتے اور تمام نبی رسول گھٹنوں کے بل اللہ کے سامنے عاجزی میں گر پڑیں گے۔ طبرانی میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' یاجوج ماجوج حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اگر وہ چھوڑ دیئے جائیں تو دنیا کی معاش میں فساد ڈال دیں' ایک ایک اپنے پیچھے ہزار ہزار بلکہ زیادہ چھوڑ کر مرتا ہے پھر ان کے سوا تین امتیں اور ہیں تاویل' مارس اور منسک۔ یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر اور ضعیف ہے۔

نسائی میں ہے کہ ان کی بیویاں بچے ہیں ایک ایک اپنے پیچھے ہزار ہزار بلکہ زیادہ چھوڑ کر مرتا ہے۔ پھر فرمایا اور پھونک دیا جائے گا جیسے حدیث میں ہے کہ وہ ایک قرن ہے جس میں صور پھونک دیا جائے گا پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے۔ جیسے کہ لمبی حدیث بیان ہو چکی ہے۔ اور بھی بہت سی حدیثوں سے اس کا ثبوت ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں میں کیسے چین اور آرام سے بیٹھوں؟ صور والا فرشتہ صور کو منہ سے لگائے ہوئے پیشانی جھکائے ہوئے کان لگائے ہوئے منتظر بیٹھا ہے کہ کب حکم ہو اور میں پھونک دوں۔ لوگوں نے پوچھا حضور ﷺ پھر ہم کیا کہیں؟ فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا پھر فرماتا ہے' ہم سب کو حساب کے لئے جمع کریں گے۔ سب کا حشر ہمارے سامنے ہو گا جیسے سورہ واقعہ میں ہے کہ اگلے پچھلے سب کے سب مقرر دن کے وقت اکٹھے کئے جائیں گے۔ اور آیت میں ہے وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ہم سب کو جمع کریں گے۔ ایک بھی تو باقی نہ بچے گا۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ ع

اس دن ہم جہنم کو بھی کافروں کے سامنے لاکھڑا کر دیں گے ○ جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور (امر حق) سن بھی نہیں سکتے تھے ○ کیا کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں میرے سوا وہ میرے غلاموں کو اپنا حمایتی بنالیں گے؟ سنو ہم نے تو ان کفار کی مہمانی کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے ○

جہنم کو دیکھ کر: ☆☆ (آیت: ۱۰۰-۱۰۲) کافر جہنم میں جانے سے پہلے جہنم کو اور اس کے عذاب کو دیکھ لیں گے اور یہ یقین کر کے کہ وہ اسی میں داخل ہونے والے ہیں' داخل ہونے سے پہلے ہی جلنے کڑھنے لگیں گے' غم و رنج' ڈر خوف کے مارے گھلنے لگیں گے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جہنم کو قیامت کے دن گھسیٹ کر لایا جائے گا جس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی۔ ہر ایک لگام پر ستر ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ یہ کافر دنیا کی ساری زندگی میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو بے کار کئے بیٹھے رہے' نہ حق دیکھا نہ حق سنا' نہ مانا نہ عمل کیا۔ شیطان کا ساتھ دیا اور رحمان کے ذکر سے غفلت برتی۔ اللہ کے احکام اور ممانعت کو پس پشت ڈالے رہے۔ یہی سمجھتے رہے کہ ان کے جھوٹے معبود ہی انہیں سارا نفع پہنچائیں گے اور کل سختیاں دور کریں گے۔ محض غلط خیال ہے بلکہ وہ تو ان کی عبادت کے بھی منکر ہو جائیں گے اور ان کے دشمن بن کر کھڑے ہوں گے۔ ان کافروں کی منزل تو جہنم ہی ہے جو ابھی سے تیار ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝

پوچھ لے کہ اگر تم کہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ باعتبار اعمال کے سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ ○ وہ ہیں جن کی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بے کار ہو گئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں ○ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں سے اور اس کی ملاقات سے کفر کیا تو ان کے تمام اعمال غارت ہو گئے۔ پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے ○ حال یہ ہے کہ ان کا بدلہ جہنم ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو مذاق میں اڑایا ○

عبادت واطاعت کا طریقہ: ☆☆ (آیت:۱۰۳-۱۰۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے صاحبزادے مصعب نے سوال کیا کہ کیا اس آیت سے مراد خارجی ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ مراد اس سے یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کو جھٹلایا اور نصرانیوں نے جنت کو سچا نہ جانا اور کہا کہ وہاں کھانا پینا کچھ نہیں۔ خارجیوں نے اللہ کے وعدے کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیا۔ پس حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ خارجیوں کو فاسق کہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں اس سے مراد خارجی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے یہ آیت یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار کو شامل ہے اسی طرح خارجیوں کا حکم بھی اس میں ہے کیونکہ آیت عام ہے۔ جو بھی اللہ کی عبادت و اطاعت اس طریقے سے بجالائے جو طریقہ اللہ کو پسند نہیں تو گو وہ اپنے اعمال سے خوش ہو اور سمجھ رہا ہو کہ میں نے آخرت کا توشہ بہت کچھ جمع کر لیا ہے میرے نیک اعمال اللہ کے پسندیدہ ہیں اور مجھے ان پر اجر و ثواب ضرور ملے گا لیکن اس کا یہ گمان غلط ہے۔ اس کے اعمال مقبول نہیں بلکہ مردود ہیں اور وہ غلط گمان شخص ہے۔ آیت مکی ہے اور ظاہر ہے کہ مکے میں یہود و نصاریٰ مخاطب نہ تھے۔ اور خارجیوں کا تو اس وقت تک وجود بھی نہ تھا۔ پس ان بزرگوں کا یہی مطلب ہے کہ آیت کے عام الفاظ ان سب کو اور ان جیسے اور سب کو شامل ہیں۔

جیسے سورہ غاشیہ میں ہے کہ قیامت کے دن بہت سے چہرے ذلیل و خوار ہوں گے جو دنیا میں بہت محنت کرنے والے بلکہ اعمال سے تھکے ہوئے تھے اور سخت تکلیفیں اٹھائے ہوتے تھے آج وہ باوجود ریاضت و عبادت کے جہنم واصل ہوں گے اور بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دئے جائیں گے۔ اور آیت میں ہے وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ان تمام کئے کرائے اعمال کو ہم نے آگے بڑھ کر ردی اور بے کار کر دیا۔ اور آیت میں ہے کافروں کے اعمال کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی پیاسا ریت کے تودے کو پانی کا دریا سمجھ رہا ہو لیکن جب پاس آتا ہے تو ایک بوند بھی پانی کی نہیں پاتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے طور پر عبادت ریاضت تو کرتے رہے اور دل میں بھی سمجھتے رہے کہ ہم بہت کچھ نیکیاں کر رہے ہیں اور وہ مقبول اور پسندیدہ اللہ ہیں لیکن چونکہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق نہ تھیں نبیوں کے فرمان کے مطابق نہ تھیں اس لئے بجائے مقبول ہونے کے مردود ہو گئیں اور بجائے محبوب ہونے کے مغضوب ہو گئے۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے رہے۔ اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت کے تمام تر ثبوت ان کے سامنے تھے لیکن انہوں نے آنکھیں

بند کر لیں اور مانے ہی نہیں - ان کا نیکی کا پلڑا بالکل خالی رہے گا - بخاری شریف کی حدیث میں ہے قیامت کے دن ایک موٹا تازہ بڑا بھاری آدمی آئے گا لیکن اللہ کے نزدیک اس کا وزن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا پھر آپ نے فرمایا اگر تم چاہو اس آیت کی تلاوت کر لو فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا-

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے بہت زیادہ کھانے پینے والے موٹے تازے انسان کو قیامت کے دن اللہ کے سامنے لایا جائے گا لیکن اس کا وزن اناج کے ایک دانے کے برابر بھی نہ ہوگا - پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی - بزار میں ہے ایک قریشی کافر اپنے حلے میں اتراتا ہوا حضور ﷺ کے سامنے سے گزرا تو آپ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ ان میں سے ہے جن کا کوئی وزن قیامت کے دن اللہ کے پاس نہ ہوگا - مرفوع حدیث کی طرح حضرت کعب کا قول بھی مروی ہے - یہ بدلہ ہے ان کے کفر اللہ کی آیتوں اور اس کے رسولوں کو ہنسی مذاق میں اڑانے کا - اور ان کے نہ ماننے بلکہ انہیں جھٹلانے کا -

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کئے یقیناً ان کے لئے جنت الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے ○ جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے جس جگہ کو بدلنے کا کبھی بھی ان کا ارادہ ہی نہ ہوگا ○

جنت الفردوس کا تعارف: ☆☆ (آیت: ۱۰۷-۱۰۸) اللہ پر ایمان رکھنے والے اس کے رسولوں کو سچا ماننے والے ان کی باتوں پر عمل کرنے والے بہترین جنتوں میں ہوں گے - صحیحین میں ہے کہ جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس کا سوال کرو - یہ سب سے اعلیٰ سب سے عمدہ جنت ہے اسی سے اور جنتوں کی نہریں بہتی ہیں - یہی ان کا مہمان خانہ ہوگی - یہ یہاں ہمیشہ کے لئے رہیں گے - نہ نکالے جائیں نہ نکلنے کا خیال آئے نہ اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہ وہ وہاں کے رہنے سے گھبرائیں کیونکہ ہر طرح کے اعلیٰ عیش مہیا ہیں - ایک پر ایک رحمت مل رہی ہے - روز بروز رغبت و محبت انس والفت بڑھتی جا رہی ہے اس لئے نہ طبیعت اکتاتی ہے نہ دل بھرتا ہے بلکہ روز شوق بڑھتا ہے اور نئی نعمت ملتی ہے -

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع

کہہ دے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لائیں ○ اعلان کر دے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں ہاں میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود

ہے تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرتا رہے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے O

اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کا شمار ناممکن : ☆☆ (آیت:۱۰۹) حکم ہوتا ہے کہ اللہ کی عظمت سمجھانے کے لئے دنیا میں اعلان کر دیجئے کہ اگر روئے زمین کے سمندروں کی سیاہی بن جائے اور پھر الٰہی کلمات الٰہی قدرتوں کے اظہار الٰہی باتیں الٰہی حکمتیں لکھنی شروع کی جائیں تو یہ تمام سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن اللہ کی تعریفیں ختم نہ ہوں گی۔ گو پھر ایسے ہی دریا لائے جائیں اور پھر لائے جائیں اور پھر لائے جائیں لیکن ناممکن کہ اللہ کی قدرتیں اس کی حکمتیں اس کی دلیلیں ختم ہو جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فرمان ہے وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ یعنی روئے زمین کے درختوں کی قلمیں بن جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہیاں بن جائیں پھر ان کے بعد سات سمندر اور بھی لائے جائیں لیکن ناممکن ہے کہ کلمات اللہ پورے لکھ لئے جائیں۔ اللہ کی عزت اور حکمت اس کا غلبہ اور قدرت وہی جانتا ہے۔ تمام انسانوں کا علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔ تمام درختوں کی قلمیں گھس گھس کر ختم ہو جائیں تمام سمندروں کی سیاہیاں نبڑ جائیں لیکن کلمات الٰہی ویسے ہی رہ جائیں گے جیسے تھے وہ ان گنت ہیں بے شمار ہیں۔ کون ہے جو اللہ کی صحیح اور پوری قدر و عزت جان سکے؟ کون ہے جو اس کی پوری ثنا و صفت بجالا سکے؟ بے شک ہمارا رب ویسا ہی ہے جیسا وہ خود فرما رہا ہے۔ بے شک ہم جو تعریفیں اس کی کریں وہ ان سب سے سوا ہے اور ان سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ یاد رکھو جس طرح ساری زمین کے مقابلے پر ایک رائی کا دانہ ہے اسی طرح جنت کی اور آخرت کی نعمتوں کے مقابل تمام دنیا کی نعمتیں ہیں۔

سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم : ☆☆ (آیت:۱۱۰) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ یہ سب سے آخری آیت ہے جو حضور ﷺ پر اتری۔ حکم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں سے فرمائیں کہ میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں تم بھی انسان ہو اگر مجھے جھوٹا جانتے ہو تو لاؤ اس قرآن جیسا ایک قرآن تم بھی بنا کر پیش کر دو۔ دیکھو میں کوئی غیب داں تو نہیں تم نے مجھ سے ذوالقرنین کا واقعہ دریافت کیا اصحاب کہف کا قصہ پوچھا تو میں نے ان کے صحیح واقعات تمہارے سامنے بیان کر دیئے جو نفس الامر کے مطابق ہیں۔ اگر میرے پاس اللہ کی وحی نہ آتی تو میں ان گذشتہ واقعات کو جس طرح وہ ہوئے ہیں تمہارے سامنے کس طرح بیان کر سکتا؟ سنو تمام تر وحی کا خلاصہ یہ ہے کہ تم موحد بن جاؤ۔ شرک کو چھوڑ دو۔ میری دعوت یہی ہے جو بھی تم میں سے اللہ سے مل کر اجر و ثواب لینا چاہتا ہو اسے شریعت کے مطابق عمل کرنے چاہئیں اور شرک سے بالکل بچنا چاہئے۔ ان دونوں رکنوں کے بغیر کوئی عمل اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں خلوص ہو اور مطابقت سنت ہو۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ بہت سے نیک کاموں میں باوجود مرضی رب کی تلاش کے میرا ارادہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ میری نیکی دیکھیں تو میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ خاموش رہے اور یہ آیت اتری یہ حدیث مرسل ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ ایک شخص نماز روزہ صدقہ خیرات حج زکوٰۃ کرتا ہے اللہ کی رضامندی بھی ڈھونڈتا ہے اور لوگوں میں نیک نامی اور بڑائی بھی۔ آپ نے فرمایا اس کی کل عبادت اکارت ہے اللہ تعالیٰ شرک سے بیزار ہے جو اس کی عبادت میں اور نیت بھی کرے تو اللہ تعالیٰ فرما دیتا ہے کہ یہ سب اسی دوسرے کو دے دو مجھے اس کی کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم حضور ﷺ کے پاس باری باری آتے رات گزارتے کبھی آپ کو کوئی کام ہوتا تو فرما دیتے ایسے لوگ بہت زیادہ تھے ایک شب ہم آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے رسول مقبول ﷺ تشریف لائے اور فرمایا یہ کیا کھسر پھسر کر رہے ہو؟ ہم نے جواب دیا یا رسول اللہ ہماری توبہ ہے ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے اور دل ہمارے خوفزدہ

تھے- آپؐ نے فرمایا' میں تمہیں اس سے بھی زیادہ دہشت ناک بات بتاؤں؟ وہ پوشیدہ شرک ہے کہ انسان دوسرے انسان کو دکھانے کے لئے نماز پڑھے-

مسند احمد میں ہے' ابن غنم کہتے ہیں' میں اور حضرت ابو درداء جابیہ کی مسجد میں گئے وہاں' ہمیں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے بائیں ہاتھ سے تو انہوں نے میرا داہنا ہاتھ تھام لیا اور اپنے دائیں ہاتھ سے حضرت ابو درداء کا بایاں ہاتھ تھام لیا اور اسی طرح ہم تینوں وہاں سے باتیں کرتے ہوئے نکلے- آپ فرمانے لگے' دیکھو اگر تم دونوں یا تم میں سے جو بھی زندہ رہا تو ممکن ہے اس وقت کو بھی وہ دیکھ لے کہ حضورﷺ کی زبان سے قرآن سیکھا ہوا بھلا آدمی حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنے والا اور ہر حکم کو مناسب جگہ رکھنے والا آئے اور اس کی قدر و منزلت لوگوں میں ایسی ہو جیسی مردہ گدھے کے سر کی- ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ اور حضرت عوف بن مالک آ گئے اور بیٹھتے ہی حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' لوگو مجھے تو تم پر سب سے زیادہ اس کا ڈر ہے جو میں نے رسول کریمﷺ سے سنا ہے یعنی پوشیدہ خواہش اور شرک کا- اس پر حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اللہ معاف فرمائے' ہم سے آنحضرتﷺ نے فرمایا ہے کہ اس بات سے شیطان مایوس ہو گیا ہے کہ اس جزیرہ عرب میں اس کی عبادت کی جائے- ہاں پوشیدہ شہوات تو یہی خواہش کی چیزیں عورتیں وغیرہ ہیں لیکن یہ شرک ہماری سمجھ میں تو نہیں آیا جس سے آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں-

حضرت شداد رضی اللہ عنہ فرمانے لگے' اچھا بتاؤ تو ایک آدمی دوسروں کے دکھانے کے لئے نماز' روزہ' صدقہ' خیرات کرتا ہے- اس کا حکم تمہارے نزدیک کیا ہے؟ کیا اس نے شرک کیا؟ سب نے جواب دیا' بے شک ایسا شخص مشرک ہے- آپ نے فرمایا' میں نے خود رسول اللہﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص دکھاوے کے لئے نماز پڑھے وہ مشرک ہے' جو دنیا کو دکھانے کے لئے روزے رکھے وہ مشرک ہے' جو لوگوں میں اپنی سخاوت جتانے کے لئے صدقہ خیرات کرے وہ بھی مشرک ہے' اس پر حضرت عوف بن مالک نے کہا کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسے اعمال میں جو اللہ کے لئے ہو' اللہ اسے قبول فرما لے اور جو دوسرے کے لئے ہوا سے رد کر دے- حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا یہ ہرگز نہیں ہونے کا- میں نے رسول اللہﷺ سے سنا ہے کہ جناب باری عزوجل کا ارشاد ہے کہ میں سب سے بہتر حصے والا ہوں جو بھی میرے ساتھ کسی عمل میں دوسرے کو شریک کرے' میں اپنا حصہ بھی اسی دوسرے کے سپرد کر دیتا ہوں- اور نہایت بے پرواہی سے جز کل سب کو چھوڑ دیتا ہوں- اور روایت میں ہے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ایک دن رونے لگے' ہم نے پوچھا' حضرت آپ کیسے رو رہے ہیں فرمانے لگے ایک حدیث یاد آ گئی اور اس نے رلا دیا- میں نے رسول اللہﷺ سے سنا ہے مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ ڈر شرک اور پوشیدہ شہوت کا ہے- میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہﷺ کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرے گی؟ آپؐ نے فرمایا ہاں سنو وہ سورج چاند' پتھر' بت کو نہ پوجے گی بلکہ اپنے اعمال میں ریاکاری کریں گے- پوشیدہ شہوت یہ ہے کہ صبح روزے سے ہے اور کوئی خواہش سامنے آئی' روزہ چھوڑ دیا (ابن ماجہ' مسند احمد)

رسول اللہﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے میں تمام شریکوں سے بہتر ہوں- میرے ساتھ جو بھی کسی کو شریک کرے' میں اپنا حصہ بھی اسی کو دے دیتا ہوں- اور روایت میں ہے کہ جو شخص کسی عمل میں میرے ساتھ دوسرے کو ملا لے' میں اس سے بری ہوں اور اس کا وہ پورا عمل اس غیر کے لئے ہی ہے- ایک اور حدیث میں ہے' مجھے تمہاری نسبت سب سے زیادہ ڈر چھوٹے شرک کا ہے لوگوں نے پوچھا' وہ چھوٹا شرک کیا ہے؟ فرمایا ریاکاری- قیامت کے دن ریاکاروں کو جواب ملے گا کہ جاؤ جن کے لئے عمل کئے تھے' انہی

کے پاس جزا مانگو۔ دیکھو پاتے بھی ہو؟

ابوسعید بن ابوفضالہ انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو جمع کرے گا' جس دن کے آنے میں کوئی شک شبہ نہیں' اس دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ جس نے اپنے جس عمل میں اللہ کے ساتھ دوسرے کو ملایا ہو' اسے چاہئے کہ اپنے اس عمل کا بدلہ اس دوسرے سے مانگ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ ساجھے سے بہت ہی بے نیاز ہے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' ریاکار کو عذاب بھی سب کو دکھا کر ہوگا اور نیک اعمال لوگوں کو سنانے والے کو عذاب بھی سب کو سنا کر ہوگا (مسند احمد) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے' اپنے نیک اعمال اچھالنے والے کو اللہ تعالیٰ ضرور رسوا کرے گا' اس کے اخلاق بگڑ جائیں گے اور وہ لوگوں کی نگاہوں میں حقیر و ذلیل ہوگا۔ یہ بیان فرما کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رونے لگے (مسند احمد) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ہے' قیامت کے دن انسان کے نیک اعمال کے مہر شدہ صحیفے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ جناب باری عزوجل فرمائے گا' اسے پھینک دو' اسے قبول کرو' اسے قبول کرو' اسے پھینک دو۔ اس وقت فرشتے عرض کریں گے کہ اے اللہ تبارک وتعالیٰ جہاں تک ہمارا علم ہے ہم تو اس شخص کے اعمال نیک ہی جانتے ہیں جواب ملے گا کہ جن کو میں پھینکوا رہا ہوں' یہ وہ اعمال ہیں جن میں صرف میری ہی رضامندی مطلوب نہ تھی بلکہ ان میں ریاکاری تھی۔ آج میں تو صرف ان اعمال کو قبول کروں گا جو صرف میرے لئے ہی کئے گئے ہوں (بزار)۔

ارشاد ہے کہ جو دکھاوے سناوے کے لئے کھڑا ہوا ہو وہ جب تک نہ بیٹھے اللہ کے غصے اور غضب میں ہی رہتا ہے۔ ابویعلی کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص لوگوں کے دیکھتے ہوئے تو ٹھہر ٹھہر کر اچھی کر کے نماز پڑھے اور تنہائی میں بری طرح جلدی جلدی بے دلی سے ادا کرے' اس نے اپنے پروردگار عزوجل کی توہین کی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس آیت کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کی آخری آیت بتاتے ہیں لیکن یہ قول اشکال سے خالی نہیں کیونکہ سورہ کہف پوری کی پوری مکے شریف میں نازل ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد مدینے میں برابر دس سال تک قرآن کریم اترتا رہا تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہو کہ یہ آیت آخری ہے یعنی کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں ہوئی اس میں جو حکم ہے۔ وہ آخر تک بدلا نہیں گیا۔ اس کے بعد کوئی ایسی آیت نہیں اتری جو اس میں تبدیلی وتغیر کرے واللہ اعلم۔ ایک بہت ہی غریب حدیث حافظ ابوبکر بزار رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب میں لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص آیت مَنْ كَانَ يَرْجُوْا الخ' کو رات کے وقت پڑھے گا' اللہ تعالیٰ اسے اتنا بڑا نور عطا فرمائے گا جو عدن سے مکے شریف تک پہنچے۔

الحمدللہ سورہ کہف کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة مریم

(تفسیر سورۃ مریم) اسی سورت کے شروع کی آیتیں حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے شاہ حبش کے دربار میں بادشاہ کے درباریوں کے سامنے تلاوت فرمائی تھیں۔ (مسند احمد اور سیرت محمد بن اسحاق)

بہت ہی مہربان، بہت ہی رحم والے اللہ کے نام سے شروع ○
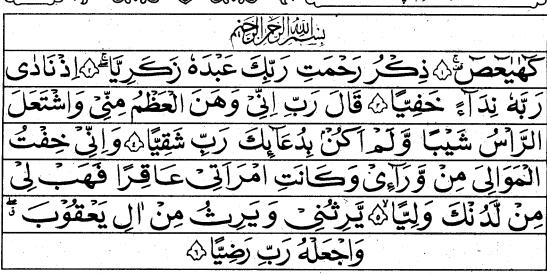
کھیعص ○ یہ ہے تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی ○ جب کہ اس نے اپنے رب سے خفیہ خفیہ دعا کی تھی ○ کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں بودی ہوگئی ہیں اور بڑھاپے کی وجہ سے میرے سر سے سفید بالوں کے شعلے اٹھ رہے ہیں لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا ○ مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت داروں کا ڈر ہے میری بیوی بھی بانجھ ہے تو تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما ○ جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی جانشین ہو۔ اور میرے رب تو اسے اپنا مقبول بندہ بنالے ○

دعا اور قبولیت: ☆☆ (آیت: ۱-۶) اس سورت کے شروع میں جو پانچ حروف ہیں، انہیں حروف مقطعہ کہا جاتا ہے۔ ان کا تفصیلی بیان ہم سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔ اب حضرت زکریا نبی علیہ السلام پر جو لطف الٰہی نازل ہوا، اس کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ ایک قرات میں زکریاء ہے۔ یہ لفظ مد سے بھی ہے اور قصر سے بھی۔ دونوں قرائتیں مشہور ہیں۔ آپ بنو اسرائیل کے زبردست رسول تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے، آپ بڑھئی کا پیشہ کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ رب سے خفیہ دعا کرتے ہیں لیکن اس وجہ سے کہ لوگوں کے نزدیک یہ انوکھی دعا تھی، کوئی سنتا تو خیال کرتا کہ لو بڑھاپے میں اولاد کی چاہت ہوئی ہے۔ اور یہ وجہ بھی تھی کہ پوشیدہ دعا اللہ کو زیادہ پیاری ہوتی ہے اور قبولیت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ متقی دل کو بخوبی جانتا ہے اور آہستگی کی آواز کو پوری طرح سنتا ہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ جو شخص اپنے والوں کی پوری نیند کے وقت اٹھے اور پوشیدگی سے اللہ کو پکارے کہ اے میرے پروردگار، اے میرے پالنہار، اے میرے رب! اللہ تعالیٰ اسی وقت جواب دیتا ہے کہ لبیک میں موجود ہوں، میں تیرے پاس ہوں۔ دعا میں کہتے ہیں کہ الٰہی میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں، میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں، میرے سر کے بالوں کی سیاہی اب تو سفیدی سے بدل گئی ہے یعنی ظاہری اور پوشیدگی کی تمام طاقتیں زائل ہوگئی ہیں، اندرونی اور بیرونی ضعف نے گھیر لیا ہے۔ میں تیرے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں گیا، تجھ کریم سے جو مانگا تو نے عطا فرمایا۔ مَوَالِیَ کو کسائی نے مَوَالِیَ پڑھا ہے۔ مراد اس سے عصبہ ہیں۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ بن عفان سے خِفتُ کو خَفَّتُ پڑھنا مروی ہے یعنی میرے بعد میرے والے بہت کم ہیں۔ پہلی قرات پر مطلب یہ ہے کہ چونکہ میری اولاد نہیں اور جو میرے رشتے دار ہیں، ان سے مجھے خوف ہے کہ مبادا یہ کہیں میرے بعد کوئی برا تصرف نہ کر دیں تو تو مجھے اولاد عنایت فرما جو میرے بعد میری نبوت سنبھالے۔ یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ آپ کو اپنے مال املاک کے ادھر ادھر ہو جانے کا خوف تھا۔ انبیاء علیہم السلام اس سے بہت

پاک ہیں- ان کا مرتبہ اس سے بہت سوا ہے کہ وہ اس لئے اولاد مانگیں کہ اگر اولاد نہ ہوئی تو میرا ورثہ دور کے رشتے داروں میں چلا جائے گا-

دوسرے یہ ظاہر یہ بھی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جو عمر بھر اپنی ہڈیاں پیل کر بڑھئی کا کام کر کے اپنا پیٹ اپنے ہاتھ کے کام سے پالتے رہے' ان کے پاس ایسی کون سی بڑی رقم تھی کہ جس کے ورثے کے لئے اس قدر پس و پیش ہوتا کہ کہیں یہ دولت ہاتھ سے نکل نہ جائے- انبیاء علیہم السلام تو یوں بھی ساری دنیا سے زیادہ مال سے بے رغبت اور دنیا کے زاہد ہوتے ہیں- تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ صحیحین میں کئی سندوں سے حدیث ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہمارا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑیں' سب صدقہ ہے- ترمذی میں صحیح سند سے مروی ہے کہ ہم جماعت انبیاء ہیں ہمارا ورثہ نہیں بٹا کرتا- پس ثابت ہوا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ فرمان کہ مجھے بیٹا دے جو میرا وارث ہو' اس سے مطلب ورثہ نبوت ہے نہ کہ مالی ورثہ- اسی لئے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو- جیسے فرمان ہے کہ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ سلیمان داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے- یعنی نبوت کے وارث ہوئے نہ کہ مال کے- ورنہ مال میں اور اولاد بھی شریک ہوتی ہے- تخصیص نہیں ہوتی- چوتھی وجہ یہ بھی ہے اور یہ بھی معقول وجہ ہے کہ اولاد کا وارث ہونا تو عام ہے' سب میں ہے' تمام مذہبوں میں ہے' پھر کوئی ضرورت نہ تھی کہ حضرت زکریاؑ اپنی دعا میں یہ وجہ بیان فرماتے- اس سے صاف ثابت ہے کہ وہ ورثہ کوئی خاص ورثہ تھا اور وہ نبوت کا وارث بننا تھا- پس ان تمام وجوہ سے ثابت ہے کہ اس سے مراد ورثہ نبوت ہے- جیسے کہ حدیث میں ہے ہم جماعت انبیاء کا ورثہ نہیں بٹتا' ہم جو چھوڑ جائیں صدقہ ہے- مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مراد ورثہ علم ہے- حضرت زکریا علیہ السلام اولاد یعقوبؑ میں تھے- ابوصالح رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ وہ بھی اپنے بڑوں کی طرح نبی بنے- حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' نبوت اور علم کا وارث بنے- سدی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے' میری اور آل یعقوب علیہ السلام کی نبوت کا وارث بنے- زید بن اسلم بھی یہی فرماتے ہیں- ابوصالح کا قول یہ بھی ہے کہ میرے مال کا اور خاندان حضرت یعقوب علیہ السلام کی نبوت کا وہ وارث ہو-

عبدالرزاق میں حدیث ہے کہ اللہ تعالٰی زکریا علیہ السلام پر رحم کرے' بھلا انہیں وراثت مال سے کیا غرض تھی؟ اللہ تعالٰی لوط علیہ السلام پر رحم کرے وہ کسی مضبوط قلعے کی تمنا کرنے لگے- ابن جریر میں ہے کہ آپ نے فرمایا' میرے بھائی زکریا پر اللہ کا رحم ہو' کہنے لگے الٰہی مجھے اپنے پاس سے والی عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے- لیکن یہ سب حدیثیں مرسل ہیں جو صحیح حدیثوں کا معارضہ نہیں کر سکتیں واللہ اعلم- اور اے اللہ اسے اپنا پسندیدہ غلام بنا لے اور ایسا دین دار' دیانتدار بنا کہ تیری محبت کے علاوہ تمام مخلوق بھی اس سے محبت کرے' اس کا دین اور اخلاق ہر ایک پسندیدگی اور پیار کی نظر سے دیکھے-

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝۷ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝۸ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝۹

اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحیٰی ہے- ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا ○ زکریا کہنے لگے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ میری بیوی بانجھ اور میں خود بڑھاپے کے انتہائی ضعف کو پہنچ چکا ہوں ○ ارشاد ہوا کہ وعدہ اسی طرح ہو چکا' تیرے رب نے فرما دیا ہے کہ مجھ پر

تو یہ بالکل آسان ہے۔ تو خود جب کہ کچھ نہ تھا' میں تجھے پیدا کر چکا ہوں ۝

دعا قبول ہوئی: ☆☆ (آیت:۷) حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوتی ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ آپ ایک بچے کی خوشخبری سن لیں جس کا نام یحییٰ ہے جیسے اور آیت هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ الخ' میں حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اپنے پاس سے بہترین اولاد عطا فرما تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔ فرشتوں نے انہیں آواز دی اور وہ اس وقت کی نماز کی جگہ میں نماز میں کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے کلمے کی بشارت دیتا ہے جو سردار ہوگا اور پاکباز ہوگا اور نبی ہوگا اور پورے نیک کار اعلیٰ درجے کے بھلے لوگوں میں سے ہوگا۔ یہاں فرمایا کہ ان سے پہلے اس نام کا کوئی اور انسان نہیں ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مشابہ کوئی اور نہ ہوگا یہی معنی سَمِيًّا کے آیت هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا میں ہیں۔ یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ اس سے پہلے کسی بانجھ عورت سے ایسی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت زکریاؑ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ آپ کی بیوی صاحبہ بھی شروع عمر سے بے اولاد تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہما السلام نے بھی بچے کے ہونے کی بشارت سن کر بے حد تعجب کیا تھا لیکن ان کے تعجب کی وجہ ان کا بے اولاد ہونا اور بانجھ ہونا نہ تھی۔ بلکہ بہت زیادہ بڑھاپے میں اولاد کا ہونا یہ تعجب کی وجہ تھی اور حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں تو اس پورے بڑھاپے تک کوئی اولاد ہوئی ہی نہ تھی اس لئے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے اس انتہائی بڑھاپے میں تم اولاد کی خبر کیسے دے رہے ہو؟ ورنہ اس سے تیرہ سال پہلے آپ کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوئے تھے آپ کی بیوی صاحبہ نے بھی اس خوشخبری کو سن کر تعجب سے کہا تھا کہ کیا اس بڑھے ہوئے بڑھاپے میں میرے ہاں اولاد ہو گی؟ ساتھ ہی میرے میاں بھی غایت درجے کے بوڑھے ہیں۔ یہ تو سخت تر تعجب خیز چیز ہے۔ یہ سن کر فرشتوں نے کہا تھا کہ کیا تمہیں امر الٰہی سے تعجب ہے؟ اے ابراہیم کے گھرانے والو تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں۔ اللہ تعریفوں اور بزرگیوں والا ہے۔

بشارت قبولیت سن کر: ☆☆ (آیت:۸-۹) حضرت زکریا علیہ السلام اپنی دعا کی قبولیت اور اپنے ہاں لڑکا ہونے کی بشارت سن کر خوشی اور تعجب سے کیفیت دریافت کرنے لگے کہ بظاہر اسباب تو یہ امر مستبعد اور ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ دونوں جانب سے حالت محض ناامیدی کی ہے۔ بیوی بانجھ جس سے اب تک اولاد نہیں ہوئی' میں بوڑھا اور بے حد بوڑھا' جس کی ہڈیوں میں اب تو گودا بھی نہیں رہا' خشک ٹہنی جیسا ہو گیا ہوں' گھر والی بھی بڑھیا پھوس ہو گئی ہے' پھر ہمارے ہاں اولاد کیسے ہوگی؟ غرض رب العالمین سے کیفیت بوجہ تعجب و خوشی دریافت کی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں تمام سنتوں کو جانتا ہوں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر عصر میں پڑھتے تھے یا نہیں؟ اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس لفظ کو عَتِيًّا پڑھتے تھے یا عَسِيًّا (احمد) فرشتے نے جواب دیا کہ یہ تو وعدہ ہو چکا' اسی حالت میں اسی بیوی سے تمہارے ہاں لڑکا ہوگا۔ اللہ کے ذمے یہ کام مشکل نہیں۔ اس سے زیادہ تعجب والا اور اس سے بڑی قدرت والا کام تو تم خود دیکھ چکے ہو اور وہ خود تمہارا وجود ہے جو کچھ نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے بنا دیا۔ پس جو تمہاری پیدائش پر قادر تھا' وہ تمہارے ہاں اولاد دینے پر بھی قادر ہے۔ جیسے فرمان ہے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا یعنی یقیناً انسان پر اس کے زمانے کا ایسا وقت بھی گزرا ہے جس میں وہ کوئی قابل ذکر چیز ہی نہ تھا۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ
ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝۱۰ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى
اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝۱۱

کہنے لگے میرے پروردگار میرے لئے کوئی علامت مقرر فرما دے ارشاد ہوا کہ تیرے لئے علامت یہ ہے کہ باوجود بھلا چنگا ہونے کے تو تین راتوں تک کسی شخص سے بول چال نہ سکے گا ○ اب زکریا اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آ کر انہیں اشارہ کرتے ہیں کہ تم صبح شام اللہ کی تسبیح بیان کیا کرو ○

تشفی قلب کے لیے ایک اور مانگ: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) حضرت زکریا علیہ السلام اپنے مزید اطمینان اور تشفی قلب کے لئے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اس بات پر کوئی نشان ظاہر فرما جیسے کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے مردوں کے جی اٹھنے کے دیکھنے کی تمنا اسی لئے ظاہر فرمائی تھی تو ارشاد ہوا کہ تو گونگا نہ ہو گا بیمار نہ ہو گا لیکن تیری زبان لوگوں سے باتیں نہ کر سکے گی تین دن رات تک یہی حالت رہے گی۔ یہی ہوا بھی کہ تسبیح، استغفار، حمد وثنا وغیرہ پر تو زبان چلتی تھی لیکن لوگوں سے بات نہ کر سکتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ سَوِیًّا کے معنی پے درپے کے ہیں یعنی مسلسل برابر، تین شبانہ روز تمہاری زبان دنیوی باتوں سے رکی رہے گی۔ پہلا قول بھی آپ ہی سے مروی ہے اور جمہور کی تفسیر بھی یہی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے چنانچہ سورہ آل عمران میں اس کا بیان بھی گزر چکا ہے کہ علامت طلب کرنے پر فرمان ہوا کہ تین دن تک تم صرف اشاروں کنایوں سے لوگوں سے باتیں کر سکتے ہو۔ ہاں اپنے رب کی یاد بکثرت کرو اور صبح شام اس کی پاکیزگی بیان کیا کرو۔ پس ان تین دن رات میں آپ کسی انسان سے کوئی بات نہیں کر سکتے تھے ہاں اشاروں سے اپنا مطلب سمجھا دیا کرتے تھے لیکن یہ نہیں کہ آپ گونگے ہو گئے ہوں۔ اب آپ اپنے حجرے سے جہاں جا کر تنہائی میں اپنے ہاں اولاد ہونے کی دعا کی تھی، باہر آئے اور جو نعمت اللہ نے آپ پر انعام کی تھی اور جس تسبیح وذکر کا آپ کو حکم ہوا تھا، وہی قوم کو بھی حکم دیا لیکن چونکہ بول نہ سکتے تھے، اس لئے انہیں اشاروں سے سمجھایا یا زمین پر لکھ کر انہیں سمجھا دیا۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾

ع ۱۵

اے یحییٰ! میری کتاب کو قوت کے ساتھ مضبوطی سے تھام لے اور ہم نے اسے لڑکپن ہی سے دانائی عطا فرما دی ○ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی بھی، وہ پرہیزگار شخص تھا ○ اور اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا۔ وہ گردن کش اور گنہگار نہ تھا ○ اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے ○

پیدائش یحییٰ علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۵) بمطابق بشارت الٰہی حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تورات سکھا دی جو ان میں پڑھی جاتی تھی اور جس کے احکام نیک لوگ اور انبیاء دوسروں کو بتلاتے تھے اس وقت ان کی عمر بچپن کی ہی تھی اسی لئے اپنی اس انوکھی نعمت کا بھی ذکر کیا کہ بچہ بھی دیا اور اسے آسمانی کتاب کا عالم بھی بچپن سے ہی کر دیا اور حکم دے دیا کہ حرص، اجتہاد، کوشش اور قوت کے ساتھ کتاب اللہ سیکھ لے۔ ساتھ ہی ہم نے اسے اسی کم عمری میں فہم وعلم، قوت وعزم، دانائی اور حلم عطا فرمایا نیکیوں کی طرف بچپن سے ہی جھک گئے اور کوشش وخلوص کے ساتھ اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت میں لگ گئے۔ بچے آپ سے کھیلنے کو کہتے تھے مگر یہ جواب پاتے تھے کہ ہم کھیل کے لئے پیدا نہیں کئے گئے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا وجود حضرت زکریا علیہ السلام کے لئے

ہماری رحمت کا کرشمہ تھا جس پر بجز ہمارے اور کوئی قادر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ واللہ میں نہیں جانتا کہ حنان کا مطلب کیا ہے لغت میں محبت' شفقت' رحمت وغیرہ کے معنی میں یہ آتا ہے۔ بہ ظاہر یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اسے بچپن سے ہی حکم دیا اور اسے شفقت ومحبت اور پاکیزگی عطا فرمائی۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص جہنم میں ایک ہزار سال تک یا حنان یا منان پکارتا رہے گا۔ پس ہر میل کچیل سے' ہر گناہ اور معصیت سے آپ بچے ہوئے تھے۔ صرف نیک اعمال آپ کی عمر کا خلاصہ تھا آپ گناہوں سے اور اللہ کی نافرمانیوں سے یکسو تھے۔ ساتھ ہی ماں باپ کے فرمانبردار' اطاعت گزار اور ان کے ساتھ نیک سلوک تھے' کبھی کسی بات میں ماں باپ کی مخالفت نہیں کی' کبھی ان کے فرمان سے باہر نہیں ہوئے' کبھی ان کی روک کے بعد کسی کام کو نہیں کیا' کوئی سرکشی' کوئی نافرمانی کی خو آپ میں نہ تھی۔ ان اوصاف جمیلہ اور خصائل حمیدہ کے بدلے تینوں حالتوں میں آپ کو اللہ کی طرف سے امن وامان اور سلامتی ملی۔ یعنی پیدائش والے دن' موت والے دن اور حشر والے دن۔ یہی تینوں جگہیں گھبراہٹ کی اور انجان ہوتی ہیں۔ انسان ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی ایک نئی دنیا دیکھتا ہے جو اس کی آج تک کی دنیا سے عظیم الشان اور بالکل مختلف ہوتی ہے۔ موت والے دن اس مخلوق سے واسطہ پڑتا ہے جس سے حیات میں کبھی بھی واسطہ نہیں پڑا نہ انہیں کبھی دیکھا۔ محشر والے دن بھی علی ہذا القیاس اپنے تئیں ایک بہت بڑے مجمع میں جو بالکل نئی چیز ہے' دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ پس ان تینوں وقتوں میں اللہ کی طرف سے حضرت یحیٰی علیہ السلام کو سلامتی ملی۔

ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' تمام لوگ قیامت کے دن کچھ نہ کچھ گناہ لے کر جائیں گے سوائے حضرت یحیٰی علیہ السلام کے۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ آپ نے گناہ تو کیا' قصد گناہ بھی کبھی نہیں کیا۔ یہ حدیث مرفوعاً اور دو سندوں سے بھی مروی ہے لیکن وہ دونوں سندیں بھی ضعیف ہیں واللہ اعلم۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت یحیٰی علیہ السلام سے فرمانے لگے آپ میرے لئے استغفار کیجئے آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام نے جواب دیا آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے تو آپ ہی اپنے اوپر سلام کہا اور آپ پر خود اللہ نے سلام کہا۔ اب ان دونوں نے ہی اللہ کی فضیلت ظاہر کی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾

اس کتاب میں مریم کا بھی واقعہ بیان کر' جب کہ وہ اپنے گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک مشرقی مکان میں آئیں ○ اور ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا۔ پھر ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو بھیجا اور وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا ○ یہ کہنے لگیں' میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو کچھ بھی اللہ ترس ہے ○ اس نے جواب دیا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں ○

ناممکن کو ممکن بنانے پہ قادر اللہ تعالیٰ : ☆☆ (آیت: ۱۶-۱۹) اوپر حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا اور یہ بیان فرمایا گیا تھا کہ وہ اپنے پورے بڑھاپے تک بے اولاد رہے ان کی بیوی کو کچھ ہوا ہی نہ تھا بلکہ اولاد کی صلاحیت ہی نہ تھی اس پر اللہ نے اس عمر میں ان کے ہاں

اپنی قدرت سے اولاد عطا فرمائی‘ حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے جو نیک کار اور وفا شعار تھے۔ اس کے بعد اس سے بھی بڑھ کر اپنی قدرت کا نظارہ پیش کرتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ بیان کرتا ہے کہ وہ کنواری تھیں۔ کسی مرد کا ہاتھ تک انہیں نہ لگا تھا اور بے مرد کے اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے انہیں اولاد عطا فرمائی‘ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا فرزند انہیں دیا جو اللہ کے برگزیدہ پیغمبر اور روح اللہ اور کلمتہ اللہ تھے۔ پس چونکہ ان دو قصوں میں پوری مناسبت ہے اسی لئے یہاں بھی اور سورہ آل عمران میں بھی اور سورہ انبیا میں بھی ان دونوں کو متصل بیان فرمایا۔ تاکہ بندے اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت اور عظیم الشان سلطنت کا معائنہ کر لیں۔

حضرت مریم علیہا السلام عمران کی صاحبزادی تھیں حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل میں سے تھیں۔ بنو اسرائیل میں یہ گھرانہ طیب وطاہر تھا۔ سورہ آل عمران میں آپ کی پیدائش وغیرہ کا مفصل بیان گزر چکا ہے۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ کو بیت المقدس کی مسجد قدس کی خدمت کے لئے دنیوی کاموں سے آزاد کر دیا تھا۔ اللہ نے یہ نذر قبول فرمائی اور حضرت مریم کی نشوونما بہترین طور سے کی اور آپ اللہ کی عبادت میں‘ ریاضت میں اور نیکیوں میں مشغول ہو گئیں۔ آپ کی عبادت و ریاضت‘ زہد و تقویٰ زبان زد عام ہو گیا۔ آپ اپنے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کی پرورش و تربیت میں تھیں۔ جو اس وقت کے بنی اسرائیلی نبی تھے۔ تمام بنی اسرائیل دینی امور میں انہی کے تابع فرمان تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام پر حضرت مریم علیہا السلام کی بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں خصوصاً یہ کہ جب کبھی آپ ان کے عبادت خانے میں جاتے‘ نئی قسم کے بے موسم پھل وہاں موجود پاتے۔ دریافت کیا کہ مریم یہ کہاں سے آئے؟ جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے‘ وہ ایسا قادر ہے کہ جسے چاہے بے حساب روزیاں عطا فرمائے۔ اب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ حضرت مریم کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کرے جو منجملہ پانچ اولوالعزم پیغمبروں کے ایک ہیں۔ آپ مسجد قدس کے مشرقی جانب گئیں یا تو بوجہ کپڑے آنے کے یا کسی اور سبب سے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب پر بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ ہونا اور حج کرنا فرض کیا گیا تھا لیکن چونکہ مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا بیت المقدس سے مشرق کی طرف گئی تھیں جیسے فرمان الٰہی ہے‘ اس وجہ سے ان لوگوں نے مشرق رخ نمازیں شروع کر دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت گاہ کو انہوں نے از خود قبلہ بنا لیا۔ مروی ہے کہ جس جگہ آپ گئی تھیں‘ وہ جگہ یہاں سے دور اور بے آباد تھی۔ کہتے ہیں کہ وہاں آپ کا کھیت تھا‘ جسے پانی پلانے کے لئے آپ گئی تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہیں حجرہ بنا لیا تھا کہ لوگوں سے الگ تھلگ عبادت اللہ میں فراغت کے ساتھ مشغول رہیں واللہ اعلم۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش: ☆☆ جب یہ لوگوں سے دور ہو گئیں اور ان میں اور آپ میں حجاب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس اپنے امین فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا وہ پوری انسانی شکل میں آپ پر ظاہر ہوئے۔ یہاں روح سے مراد یہی بزرگ فرشتے ہیں۔ جیسے آیت قرآن نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ الخ ‘ میں ہے۔

ابی بن کعب کہتے ہیں کہ روز ازل میں جب کہ ابن آدم کی تمام روحوں سے اللہ کی الوہیت کا اقرار لیا گیا تھا‘ ان روحوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح بھی تھی‘ اسی روح کو بصورت انسان اللہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ اسی روح نے آپ سے باتیں کیں اور آپ کے جسم میں حلول کر گئی۔ لیکن یہ قول علاوہ غریب ہونے کے بالکل ہی منکر ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ بنی اسرائیلی قول ہو۔ آپ نے جب اس تنہائی کے مکان میں ایک غیر شخص کو دیکھا تو یہ سمجھ کر کہ کہیں یہ کوئی برا آدمی نہ ہو‘ اسے اللہ کا خوف دلایا کہ اگر تو پرہیزگار ہے تو خوف الٰہی کر‘ میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں۔ اتنا پتہ تو آپ کو ان کے بشرے سے چل گیا تھا کہ یہ کوئی بھلا انسان ہے۔ اور یہ جانتی تھیں کہ نیک شخص کو اللہ کا ڈر اور خوف کافی ہے۔ فرشتے نے آپ کا خوف و ہراس‘ ڈر اور گھبراہٹ دور کرنے کے لئے صاف کہہ دیا کہ اور کوئی گمان نہ کرو میں تو اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ

ہوں- کہتے ہیں کہ اللہ کا نام سن کر حضرت جبرئیل علیہ السلام کانپ اٹھے اور اپنی صورت پر آ گئے اور کہہ دیا کہ میں اللہ کا قاصد ہوں- اس لئے اللہ نے مجھے بھیجا ہے کہ وہ تجھے ایک پاک نفس فرزند عطا کرنا چاہتا ہے لِاَهَبَ کی دوسری قرات یَهَبَ ہے- ابو عمرو بن علا جو ایک مشہور و معروف قاری ہیں- ان کی یہی قرات ہے- دونوں قراتوں کی توجیہ اور مطلب بالکل صاف ہے اور دونوں میں استلزام بھی ہے-

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

کہنے لگیں، بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار ہوں ○ اس نے کہا بات تو یہی ہے، لیکن تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ وہ مجھ پر بہت ہی آسان ہے، ہم تو اسے لوگوں کے لئے ایک نشان بنا دیں گے اور اپنی خاص رحمت، یہ تو ایک طے شدہ بات ہے ○

(آیت: ۲۰-۲۱) یہ سن کر مریم صدیقہ علیہا السلام کو اور تعجب ہوا کہ سبحان اللہ مجھے بچہ کیسے ہو گا؟ میرا تو نکاح ہی نہیں ہوا اور برائی کا مجھے تصور تک نہیں ہوا- میرے جسم پر کسی انسان کا کبھی ہاتھ ہی نہیں لگا- میں بدکار نہیں پھر میرے ہاں اولاد کیسی؟ ''بغیا'' سے مراد زنا کار ہے- جیسے حدیث میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے کہ مَهْرُ الْبَغِيِّ زانیہ کی خرچی حرام ہے- فرشتے نے آپ کے تعجب کو یہ فرما کر دور کرنا چاہا کہ یہ سب سچ ہے لیکن اللہ اس پر قادر ہے کہ بغیر خاوند کے اور بغیر کسی اور بات کے بھی اولاد دے دے- وہ جو چاہے ہو جاتا ہے- اللہ تعالیٰ اس بچے کو اور اس واقعہ کو اپنے بندوں کی تذکیر کا سبب بنا دے گا- یہ قدرت الٰہی کی ایک نشانی ہو گی تا کہ لوگ جان لیں کہ وہ خالق ہر طرح کی پیدائش پر قادر ہے- آدم علیہ السلام کو بغیر عورت مرد کے پیدا کیا، حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا- باقی تمام انسانوں کو مرد و عورت سے پیدا کیا سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بغیر مرد کے صرف عورت سے ہی پیدا ہوئے-

پس تقسیم کی یہ چار ہی صورتیں ہو سکتی تھیں جو سب پوری کر دی گئیں اور اپنی کمال قدرت اور عظیم سلطنت کی مثال قائم کر دی- فی الواقع نہ اس کے سوا کوئی معبود نہ پروردگار- اور یہ بچہ اللہ کی رحمت بنے گا، رب کا پیغمبر ہو گا، اللہ کی عبادت کی دعوت اس کی مخلوق کو دے گا- جیسے اور آیت میں ہے کہ فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمے کی خوش خبری سناتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہو گا جو دنیا اور آخرت میں آبرودار ہو گا اور ہو گا بھی اللہ کا مقرب وہ گہوارے میں ہی بولنے لگے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی- اور صالح لوگوں میں سے ہو گا یعنی بچپن اور بڑھاپے میں اللہ کے دین کی دعوت دے گا-

مروی ہے کہ حضرت مریم نے فرمایا کہ خلوت اور تنہائی کے موقعہ پر مجھ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولتے تھے اور مجمع میں اللہ کی تسبیح بیان کرتے تھے- یہ حال اس وقت کا ہے جب کہ آپ میرے پیٹ میں تھے- پھر فرماتا ہے کہ یہ کام علم اللہ میں مقدر اور مقرر ہو چکا ہے- وہ اپنی قدرت سے یہ کام پورا کر کے ہی رہے گا- بہت ممکن ہے کہ یہ قول بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ہو- اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ فرمان الٰہی آنحضرت ﷺ سے ہو- اور مراد اس سے روح کا پھونک دینا ہو- جیسے فرمان ہے کہ عمران کی بیٹی مریم باعصمت بیوی تھیں- ہم نے اس میں روح پھونکی تھی- اور آیت میں ہے وہ باعصمت عورت جس میں ہم نے اپنی روح پھونک دی- پس اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ تو ہو کر ہی رہے گا اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ کر چکا ہے واللہ اعلم-

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾

پس وہ حمل سے ہوگئیں اور اسی وجہ سے یکسو ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئیں ○ پھر دردزہ اسے ایک کھجور کے تنے کے نیچے لے آیا' اور بیساختہ زبان سے نکل گیا کہ کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہو جاتی ○

مریم علیہا السلام اور حضرت جبرئیل علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۲۲-۲۳) مروی ہے کہ جب آپ فرمان الٰہی تسلیم کر چکیں اور اس کے آگے گردن جھکا دی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماری- جس سے انہیں بحکم الٰہی حمل ٹھہر گیا اب تو سخت گھبرائیں اور یہ خیال کلیجہ مسوسنے لگا کہ میں لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ لاکھ اپنی برات پیش کروں لیکن اس انوکھی بات کو کون مانے گا؟ اسی گھبراہٹ میں آپ تھیں' کسی سے یہ واقعہ بیان نہیں کیا تھا' ہاں جب آپ اپنی خالہ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کے پاس گئیں تو وہ آپ سے معانقہ کر کے کہنے لگیں بچی اللہ کی قدرت سے اور تمہارے خالو کی دعا سے میں اس عمر میں حاملہ ہو گئی ہوں- آپ نے فرمایا خالہ جان میرے ساتھ یہ واقعہ گزرا اور میں بھی اپنے تئیں اسی حالت میں پاتی ہوں چونکہ یہ گھرانہ نبی کا گھرانہ تھا- وہ قدرت الٰہی پر اور صداقت مریم پر ایمان لائیں- اب سے یہ حالت تھی کہ جب کبھی یہ دونوں پاک عورتیں ملاقات کرتیں تو خالہ صاحبہ یہ محسوس فرماتیں کہ گویا ان کا بچہ بھانجی کے بچے کے سامنے جھکتا ہے اور اس کی عزت کرتا ہے- ان کے مذہب میں یہ جائز بھی تھا اسی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اور آپ کے والد نے آپ کو سجدہ کیا تھا- اور اللہ نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا- لیکن ہماری شریعت میں یہ تعظیم اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہوگئی اور کسی دوسرے کو سجدہ کرنا حرام ہو گیا کیونکہ یہ تعظیم الٰہی کے خلاف ہے- اس کی جلالت کے شایان شان نہیں-

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام خالہ زاد بھائی تھے- دونوں ایک ہی وقت حمل میں تھے- حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ اکثر حضرت مریم سے فرماتی تھیں کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا بچہ تیرے بچے کے سامنے سجدہ کرتا ہے- امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اللہ نے آپ کے ہاتھوں اپنے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیا اور مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بھلا چنگا کر دیا- جمہور کا قول تو یہ ہے کہ آپ نو مہینے تک حمل میں رہے- عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں آٹھ ماہ تک- اسی لئے آٹھ ماہ کے حمل کا بچہ عموماً زندہ نہیں رہتا- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حمل کے ساتھ ہی بچہ ہو گیا- یہ قول غریب ہے- ممکن ہے آپ نے آیت کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا ہو کیونکہ حمل کا الگ ہونے کا اور دردزہ کا ذکر ان آیتوں میں ''ف'' کے ساتھ ہے' اور ''ف'' تعقیب کے لئے آتی ہے- لیکن تعقیب ہر چیز کی اس کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے عام انسانوں کی پیدائش کا حال آیت قرآن وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ الخ میں ہوا ہے کہ ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا پھر اسے بصورت نطفہ رحم میں ٹھہرایا پھر نطفے کو پھٹکی بنایا- پھر اس پھٹکی کو لوتھڑا بنایا- پھر اس لوتھڑے میں ہڈیاں پیدا کیں- یہاں بھی دو جگہ ''ف'' ہے اور ہے بھی تعقیب کے لئے لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ان دو حالتوں میں چالیس دن کا فاصلہ ہوتا ہے-

قرآن کریم کی اور آیت میں ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً الخ کیا تو نے نہیں

دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برساتا ہے۔ پس زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ پانی برسنے کے بہت بعد سبزہ اگتا ہے۔ حالانکہ ''ف'' یہاں بھی ہے۔ پس تعقیب ہر چیز کی اس چیز کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ سیدھی سی بات تو یہ ہے کہ مثل عادت عورتوں کے آپ نے حمل کا زمانہ پورا گزارا۔ مسجد میں ہی مسجد کے خادم ایک صاحب اور تھے جن کا نام یوسف نجار تھا۔ انہوں نے جب حضرت مریم علیہا السلام کا یہ حال دیکھا تو دل میں کچھ شک سا پیدا ہوا لیکن حضرت مریم کے زہد و اتقا' عبادت و ریاضت' اللہ ترسی اور حق بینی کو خیال کرتے ہوئے انہوں نے یہ برائی دل سے دور کرنی چاہی لیکن جوں جوں دن گزرتے گئے حمل کا اظہار ہوتا گیا اب تو خاموش نہ رہ سکے۔ ایک دن باادب کہنے لگے کہ مریم میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں ناراض نہ ہونا بھلا بغیر بیج کے کسی درخت کا ہونا' بغیر دانے کے کھیت کا ہونا' بغیر باپ کے بچے کا ہونا ممکن بھی ہے؟ آپ ان کے مطلب کو سمجھ گئیں اور جواب دیا کہ یہ سب ممکن ہے سب سے پہلے جو درخت اللہ تعالیٰ نے اگایا' وہ بغیر بیج کے تھا۔ سب سے پہلے جو کھیتی اللہ نے اگائی' وہ بغیر دانے کے تھی۔ سب سے پہلے اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا' وہ بے باپ کے تھے بلکہ بے ماں کے بھی' ان کی تو سمجھ میں آ گیا اور حضرت مریم کو اور اللہ کی قدرت کو نہ جھٹلا سکے۔ اب حضرت صدیقہ نے جب دیکھا کہ قوم کے لوگ ان پر تہمت لگا رہے ہیں تو آپ ان سب کو چھوڑ چھاڑ کر دور دراز چلی گئیں۔

امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جب حمل کے حالات ظاہر ہو گئے' قوم نے پھبتیاں پھینکنی' آوازے کسنے اور باتیں بنانی شروع کر دیں اور حضرت یوسف نجار جیسے صالح شخص پر یہ تہمت اٹھائی تو آپ ان سب سے کنارہ کش ہو گئیں۔ نہ کوئی انہیں دیکھے نہ آپ کسی کو دیکھیں۔ جب دردزہ اٹھا تو آپ ایک کھجور کے درخت کی جڑ میں آ بیٹھیں۔ کہتے ہیں کہ یہ خلوت خانہ بیت المقدس کے مشرقی جانب کا حجرہ تھا۔ یہ بھی قول ہے کہ شام اور مصر کے درمیان جب آپ پہنچ چکی تھیں' اس وقت بچہ ہونے کا درد شروع ہوا۔ اور قول ہے کہ بیت المقدس سے آپ آٹھ میل چلی گئی تھیں اس بستی کا نام بیت اللحم تھا۔ پہلے معراج کے واقعہ کے بیان میں ایک حدیث گزری ہے جس میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ بھی بیت اللحم تھا واللہ اعلم۔ مشہور بات بھی یہی ہے اور نصرانیوں کا تو اس پر اتفاق ہے اور اس حدیث میں بھی ہے اگر یہ صحیح ہو۔ اس وقت آپ موت کی تمنا کرنے لگیں کیونکہ دین کے فتنے کے وقت یہ تمنا بھی جائز ہے۔ جانتی تھیں کہ کوئی انہیں سچ نہ کہے گا۔ ان کے بیان کردہ واقعہ کو ہر شخص گھڑنت سمجھے گا۔ دنیا آپ کو پریشان کر دے گی اور عبادت واطمینان میں خلل پڑے گا۔ ہر شخص برائی سے یاد کرے گا اور لوگوں پر برا اثر پڑے گا۔ تو فرمانے لگیں کاش کہ میں اس حالت سے پہلے ہی اٹھا لی جاتی بلکہ کاش کہ میں پیدا ہی نہ کی جاتی۔ اس قدر شرم وحیا دامن گیر ہوئی کہ آپ نے اس تکلیف پر موت کو ترجیح دی اور تمنا کی کہ کاش کہ میں کھوئی ہوئی اور یاد سے اتری ہوئی چیز ہو جاتی کہ نہ کوئی یاد کرے نہ ڈھونڈے نہ ذکر کرے۔ حدیثوں میں موت مانگنے کی ممانعت وارد ہے۔ ہم نے ان روایتوں کو آیت تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا الخ' کی تفسیر میں بیان کر دیا ہے۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا ﴿۲۴﴾
وَهُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا ﴿۲۵﴾
فَكُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَقَرِّیْ عَیْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ
فَقُوْلِیْۤ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا ۚ﴿۲۶﴾

اتنے میں اسے نیچے سے ہی آواز دی کہ آزردہ خاطر نہ ہو۔ تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے ○ اور اس درخت کھجور کے تنے کو اپنی

طرف ہلاؤ تو یہ تیرے سامنے تروتازہ پکی کھجوریں گرادے گا ○ اب چین سے کھاپی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ اگر تجھے کوئی انسان نظر پڑ جائے تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ رحمان کے نام کا روزہ مان رکھا ہے۔ میں آج کسی شخص سے بات نہ کروں گی ○

مریم علیہا السلام اور معجزات: ☆☆ (آیت: ۲۴-۲۶) مِنْ تَحْتِهَا کی دوسری قرات مَنْ تَحْتَهَا بھی ہے۔ یہ خطاب کرنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو پہلا کلام وہی تھا جو آپ نے اپنی والدہ کی برأت و پاکدامنی میں لوگوں کے سامنے کیا تھا۔ اس وادی کے نیچے کے کنارے سے اس گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ تشفی دی تھی۔ یہ قول بھی کہا گیا ہے کہ یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہی کہی تھی۔ آواز آئی کہ غمگین نہ ہو۔ تیرے قدموں تلے تیرے رب نے صاف شفاف شیریں پانی کا چشمہ جاری کر دیا ہے یہ پانی تم پی لو۔ ایک قول یہ ہے کہ اس چشمے سے مراد خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ چنانچہ اس پانی کے ذکر کے بعد ہی کھانے کا ذکر ہے کہ کھجور کے اس درخت کو ہلاؤ اس میں سے تروتازہ کھجوریں جھڑیں گی وہ کھاؤ۔ کہتے ہیں یہ درخت سوکھا پڑا ہوا تھا اور یہ قول بھی ہے کہ پھل دار تھا۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ درخت کھجوروں سے خالی تھا لیکن آپ کے ہلاتے ہی اس میں سے قدرت الٰہی سے کھجوریں جھڑنے لگیں، کھانا پینا سب کچھ موجود ہو گیا اور اجازت بھی دے دی۔ فرمایا کھاپی اور دل کو مسرور رکھ۔

حضرت عمرو بن میمون کا فرمان ہے کہ نفاس والی عورتوں کے لئے تر کھجوروں سے اور خشک کھجوروں سے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔ ایک حدیث میں ہے، کھجور کے درخت کا اکرام کرو۔ یہ اسی مٹی سے پیدا ہوا ہے جس سے آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اس کے سوا اور کوئی درخت نر مادہ مل کر نہیں پھلتا۔ عورتوں کو ولادت کے وقت تر کھجوریں کھلاؤ نہ ملیں تو خشک ہی سہی کوئی درخت اس سے بڑھ کر اللہ کے پاس مرتبے والا نہیں۔ اسی لئے اس کے نیچے حضرت مریم علیہ السلام کو اتارا یہ حدیث بالکل منکر ہے۔ تُسَاقِطْ کی دوسری قرات تَسَّاقَطْ اور تُسْقِطْ بھی ہے۔ مطلب تمام قراتوں کا ایک ہی ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ کسی سے بات نہ کرنا اشارے سے سمجھا دینا کہ میں آج روزے سے ہوں۔ یا تو مراد یہ ہے کہ ان کے روزے میں کلام ممنوع تھا یا یہ کہ میں نے بولنے سے ہی روزہ رکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو شخص آئے۔ ایک نے تو سلام کیا دوسرے نے نہ کیا آپ نے پوچھا اس کی کیا وجہ؟ لوگوں نے کہا اس نے قسم کھائی ہے کہ آج یہ کسی سے بات نہ کرے گا آپ نے فرمایا اسے توڑ دے، سلام کلام شروع کر، یہ تو صرف حضرت مریم علیہا السلام کے لئے ہی تھا کیونکہ اللہ کو آپ کی صداقت و کرامت ثابت کرنا منظور تھی اس لئے اسے عذر بنا دیا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں تو آپ نے کہا میں کیسے نہ گھبراؤں، خاوند والی میں نہیں، کسی کی ملکیت کی لونڈی باندی میں نہیں، مجھے دنیا نہ کہے گی کہ یہ بچہ کیسے ہوا؟ میں لوگوں کے سامنے کیا جواب دے سکوں گی؟ کون سا عذر پیش کر سکوں گی؟ ہائے کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی کاش کہ میں نسیا منسیا ہو گئی ہوتی۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا، اماں آپ کو کسی سے بولنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ ان سب سے نبٹ لوں گا۔ آپ تو انہیں صرف یہ سمجھا دینا کہ آج سے آپ نے چپ رہنے کی نذر کر لی ہے۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۝۲۷ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝۲۸ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۗ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝۲۹

اب حضرت عیسیٰ کو لئے ہوئے وہ اپنی قوم کے پاس آئیں' سب کہنے لگے' مریم تو نے بڑی بری حرکت کی ○ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی ○ مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا' سب کہنے لگے کہ لو بھلا ہم گود کے بچے سے باتیں کیسے کریں؟ ○

تقدس مریم اور عوام : ☆☆ (آیت: ۲۷-۲۹) حضرت مریم علیہ السلام نے اللہ کے اس حکم کو بھی تسلیم کر لیا اور اپنے بچے کو گود میں لئے ہوئے لوگوں کے پاس آئیں- دیکھتے ہی ہر ایک انگشت بدنداں رہ گیا اور ہر منہ سے نکل گیا کہ مریم تو نے تو بڑا ہی برا کام کیا- نوف بکالی کہتے ہیں کہ لوگ حضرت مریم کی جستجو میں نکلے تھے لیکن اللہ کی شان کہیں انہیں کھوج ہی نہ ملا- راستے میں ایک چرواہا ملا اس سے پوچھا کہ ایسی ایسی عورت کو تو نے کہیں اس جنگل میں دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں- لیکن میں نے رات کو ایک عجیب بات یہ دیکھی ہے کہ میری یہ تمام گائیں اس وادی کی طرف سجدے میں گر گئیں- میں نے تو اس سے پہلے کبھی ایسا واقعہ دیکھا نہیں- اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اس طرف ایک نور نظر آ رہا تھا- وہ اس کی نشان دہی پر جا رہے تھے جو سامنے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو لئے ہوئے آتی دکھائی دے گئیں انہیں دیکھ کر آپ وہیں اپنے بچے کو گود میں لئے ہوئے بیٹھ گئیں- ان سب نے آپ کو گھیر لیا اور باتیں بنانے لگے- ان کا یہ کہنا کہ اے ہارون کی بہن' اس سے مراد یہ ہے کہ آپ حضرت ہارون کی نسل سے تھیں یا آپ کے گھرانے میں ہارون نامی ایک صالح شخص تھا اور اسی کی سی عبادت و ریاضت حضرت مریم صدیقہ کی تھی- اس لئے انہیں ہارون کی بہن کہا گیا- کوئی کہتا ہے ہارون نامی ایک بدکار شخص تھا' اس لئے لوگوں نے طعن کی راہ سے انہیں اس کی بہن کہا-

ان سب اقوال سے بڑھ کر غریب قول ایک یہ بھی ہے کہ آپ حضرت ہارون و موسیٰ کی وہی سگی بہن ہیں جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیٹی میں ڈال کر دریا میں چھوڑا تھا تو ان سے کہا تھا کہ تم اس طرح اس کے پیچھے پیچھے کنارے کنارے جاؤ کہ کسی کو خیال بھی نہ گزرے- یہ قول تو بالکل غلط معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے آپ کے بعد صرف ختم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی نبی ہوئے ہیں- چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے' آپ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم سے سب سے زیادہ قریب میں ہوں اس لئے کہ مجھ میں اور ان کے درمیان میں اور کوئی نبی نہیں گزرا- پس اگر محمد بن کعب قرظی کا یہ قول کہ آپ حضرت ہارون کی سگی بہن تھیں' ٹھیک ہو تو یہ ماننا پڑے گا کہ آپ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام سے بھی پہلے تھے کیونکہ قرآن کریم میں موجود ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں- ملاحظہ ہو آیت اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی الخ ان آیتوں میں حضرت داؤد کا واقعہ اور آپ کا جالوت کو قتل کرنا بیان ہوا ہے اور لفظ موجود ہیں کہ یہ موسیٰ کے بعد کا واقعہ ہے- انہیں جو غلطی لگی ہے' اس کی وجہ تورات کی عبارت ہے' جس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ مع بنی اسرائیل کے دریا سے پار ہو گئے اور فرعون مع اپنی قوم کے ڈوب مرا' اس وقت مریم بنت عمران نے جو موسیٰ اور ہارون کی بہن تھیں' دف پر اللہ کے شکر کے ترانے بلند کئے' آپ کے ساتھ اور عورتیں بھی تھیں- اس عبارت سے قرظی رحمتہ اللہ علیہ نے سمجھ لیا کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں حالانکہ یہ محض غلط ہے- ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام بھی مریم ہو لیکن یہ کہ یہی مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں' اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ یہ محض ناممکن ہے- ہو سکتا ہے کہ نام دونوں کا ایک ہو' ایک نام پر دوسرے نام رکھے جاتے ہیں- بنی اسرائیل میں تو عادت تھی کہ وہ اپنے نبیوں ولیوں کے نام پر اپنے نام رکھتے تھے-

مسند احمد میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے نجران بھیجا- وہاں مجھ سے بعض نصرانیوں نے پوچھا کہ تم یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ پڑھتے ہو حالانکہ موسیٰ علیہ السلام تو عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے گزرے ہیں مجھ سے تو کوئی جواب بن نہ پڑا

جب میں مدینے واپس آیا اور حضور ﷺ سے یہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا' تم نے انہیں اسی وقت کیوں نہ جواب دے دیا کہ وہ لوگ اپنے اگلے نبیوں اور نیک لوگوں کے نام پر اپنے اور اپنی اولادوں کے نام برابر رکھا کرتے تھے۔

صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ اسے حسن صحیح غریب بتلاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت کعب نے کہا تھا کہ یہ ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون نہیں اس پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انکار کیا تو آپ نے کہا کہ اگر تم نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا ہو تو ہمیں منظور ہے ورنہ تاریخی طور پر تو ان کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ یہ سن کر مائی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاموش ہو گئیں۔ اس تاریخ میں ہمیں قدرے تامل ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت مریم علیہ السلام کا گھرانہ اوپر سے ہی نیک صالح اور دیندار تھا اور یہ دینداری برابر گویا وراثتاً چلی آ رہی تھی۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں اور بعض گھرانے اس کے خلاف بھی ہوتے ہیں کہ اوپر سے نیچے تک سب بد ہی بد۔ یہ ہارون بڑے بزرگ آدمی تھے اس وجہ سے بنی اسرائیل میں ہارون نام رکھنے کا عام طور پر عام شوق ہو گیا تھا یہاں تک مذکور ہے کہ جس دن حضرت ہارون کا جنازہ نکلا ہے تو آپ کے جنازے میں اسی ہارون نام کے چالیس ہزار آدمی تھے۔ الغرض وہ لوگ ملامت کرنے لگے کہ تم سے یہ برائی کیسے سرزد ہو گئی تم تو نیک کوکھ کی بچی ہو' ماں باپ دونوں صالح' سارا گھرانہ پاک پھر تم نے یہ کیا حرکت کی؟ قوم کی یہ کڑوی کسیلی باتیں سن کر حسب فرمان آپ نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس سے پوچھ لو۔ ان لوگوں کو تاؤ پر تاؤ آیا کہ دیکھو کیا ڈھٹائی کا جواب دیتی ہے گویا ہمیں پاگل بنا رہی ہے۔ بھلا گود کے بچے سے ہم کیا پوچھیں گے؟ اور وہ ہمیں کیا بتائے گا؟

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے ○ اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے۔ جہاں بھی میں ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی میں زندہ ہوں ○ اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں کیا ○ اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن اور جس دن کہ میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا' سلام ہی سلام ہے ○

(آیت: ۳۰-۳۳) اتنے میں بن بلائے آپ بول اٹھے کہ لوگو! میں اللہ کا ایک غلام ہوں۔ سب سے پہلا کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہی ہے۔ اللہ کی تنزیہہ اور تعظیم بیان کی اور اپنی غلامی اور بندگی کا اعلان کیا' اللہ کی ذات کو اولاد سے پاک بتلایا بلکہ ثابت کر دیا کیونکہ اولاد غلام نہیں ہوتی پھر اپنی نبوت کا اظہار کیا کہ مجھے اس نے کتاب دی ہے اور مجھے اپنا نبی بنایا ہے۔ اس میں اپنی والدہ کی برأت بیان کی بلکہ دلیل بھی دے دی کہ میں تو اللہ کا پیغمبر ہوں' رب نے مجھے اپنی کتاب بھی عنایت فرما دی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب لوگ آپ کی والدہ ماجدہ سے باتیں بنا رہے تھے آپ اس وقت دودھ پی رہے تھے جسے چھوڑ کر بائیں کروٹ سے ہو کر ان کی طرف توجہ فرما کر یہ جواب دیا۔ کہتے ہیں اس قول کے وقت آپ کی انگلی اٹھی ہوئی تھی اور ہاتھ مونڈھے تک اونچا تھا۔ عکرمہ تو فرماتے ہیں مجھے کتاب دی اس کا مطلب

یہ ہے کہ دینے کا ارادہ ہو چکا ہے یہ پورا ہو کر رہے گا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' اسی وقت آپ کو کتاب یاد تھی' سب سیکھے ہوئے ہی پیدا ہوئے تھے۔ لیکن اس قول کی سند ٹھیک نہیں۔ میں جہاں بھی ہوں' لوگوں کو بھلائی سکھانے والا' انہیں نفع پہنچانے والا ہوں۔

ایک عالم اپنے سے بڑے عالم سے ملے اور دریافت کیا کہ مجھے اپنے کس عمل کے اعلان کی اجازت ہے' فرمایا بھلی بات کہنے اور بری بات کے روکنے کی اس لئے کہ یہی اصل دین ہے اور یہی انبیاء اللہ کا ورثہ ہے یہی کام ان کے سپرد ہوتا رہا۔ پس جماعتی مسئلہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس عام برکت سے مراد بھلائی کا حکم اور برائی سے روکنا ہے۔ جہاں بیٹھتے اٹھتے' آتے جاتے یہ شغل برابر جاری رہتا۔ کبھی اللہ کی باتیں پہنچانے سے نہ رکتے۔ فرماتے ہیں' مجھے حکم ملا ہے کہ زندگی بھر تک نماز و زکوٰۃ کا پابند رہوں۔ یہی حکم ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملا۔ ارشاد ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں لگا رہ۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ اس نے مجھ پر یہ دونوں کام میری زندگی کے آخری لمحے تک لکھ دیئے ہیں۔ اس سے تقدیر کا ثبوت اور منکرین تقدیر کی تردید بھی ہو جاتی ہے۔ رب کی اطاعت کے اس حکم کے ساتھ ہی مجھے اپنی والدہ کی خدمت گزاری کا بھی حکم ملا ہے۔ عموماً قرآن میں یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ بیان ہوتی ہیں جیسے آیت وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور آیت اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ میں۔ اس نے مجھے گردن کش نہیں بنایا کہ میں اس کی عبادت سے یا والدہ کی اطاعت سے سرکشی اور تکبر کروں اور بد بخت بن جاؤں۔ کہتے ہیں جبار و شقی وہ ہے جو غصے میں آ کر خونریزی کر دے۔

فرماتے ہیں' ماں باپ کا نافرمان وہی ہوتا ہے جو بد بخت اور گردن کش ہو۔ بدخلق وہی ہوتا ہے جو اکڑنے والا اور منافق ہو۔ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے معجزوں کو دیکھ کر ایک عورت تعجب سے کہنے لگی' مبارک ہے وہ پیٹ جس میں تو نے پرورش پائی اور مبارک ہے وہ سینہ جس نے تجھے دودھ پلایا۔ آپ نے جواب دیا' مبارک ہے وہ جس نے کتاب اللہ کی تلاوت کی' پھر تابعداری کی اور سرکش اور بد بخت نہ بنا۔ پھر فرماتے ہیں' میری پیدائش کے' موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے دن میں مجھ پر سلامتی ہے' اس سے بھی آپ کی عبودیت اور منجملہ مخلوق کے ایک مخلوق الٰہی ہونا ثابت ہو رہا ہے کہ آپ مثل انسانوں کے عدم سے وجود میں آئے۔ پھر موت کا مزہ بھی چکھیں گے۔ پھر قیامت کے دن دوبارہ اٹھیں گے بھی۔ لیکن ہاں یہ تینوں موقعے خوب سخت اور کٹھن ہیں۔ آپ پر آسان اور سہل ہوں گے۔ نہ کوئی گھبراہٹ ہو گی نہ پریشانی بلکہ امن چین اور سراسر سلامتی ہی سلامتی۔ صَلَوٰةُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِ۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٣٥﴾ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٣٧﴾

یہ ہے صحیح واقعہ عیسیٰ ابن مریم کا' یہی ہے وہ حق بات جس میں لوگ شک شبہ میں مبتلا ہیں ○ اولاد اللہ کے لائق ہی نہیں۔ وہ تو بالکل پاک ذات ہے' وہ تو جب کسی کام کے سرانجام کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا۔ وہ اسی وقت ہو جاتا ہے ○ میرا اور تم سب کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم سب اسی کی عبادت کیا کرو'

یہی سیدھی راہ ہے ○ پھر یہ فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے پس کافروں کے لئے ویل ہے اس بڑے دن کے آجانے سے ○

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں مختلف اقوال: ☆☆ (آیت:۳۴-۳۷) اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرماتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں جن جن لوگوں کا اختلاف تھا' ان میں جو بات صحیح تھی' وہ اتنی ہی تھی جتنی ہم نے بیان فرما دی۔ قول کی دوسری قرات قول بھی ہے۔ ابن مسعود کی قرات میں قَالَ الْحَقَّ ہے۔ قول کا رفع زیادہ ظاہر ہے جیسے اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ الخ میں۔ یہ بیان فرما کر کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور اس کے بندے' پھر اپنے نفس کی پاکیزگی بیان فرماتا ہے کہ اللہ کی شان سے گری ہوئی بات ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ یہ جاہل عالم جو افواہیں اڑا رہے ہیں' ان سے اللہ تعالیٰ پاک اور دور ہے' وہ جس کام کو کرنا چاہتا ہے اسے سامان اسباب کی ضرورت نہیں پڑتی' فرما دیتا ہے کہ ہو جا اسی وقت وہ کام اسی طرح ہو جاتا ہے۔ ادھر حکم ہوا' ادھر چیز تیار موجود۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَاللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک مثل آدم علیہ السلام کے ہے کہ اسے مٹی سے بنا کر فرمایا ہو جا' اسی وقت وہ ہو گیا۔ یہ بالکل سچ ہے اور اللہ کا فرمان تجھے اس میں کسی قسم کا شک نہ کرنا چاہئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا کہ میرا اور تم سب کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم سب اسی کی عبادت کرتے رہو۔ سیدھی راہ جسے میں اللہ کی جانب سے لے کر آیا ہوں یہی ہے۔ اس کی تابعداری کرنے والا ہدایت پر ہے اور اس کا خلاف کرنے والا گمراہی پر ہے۔ یہ فرمان بھی آپ کا ماں کی گود سے ہی تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے بیان اور حکم کے خلاف بعد والوں نے لب کشائی کی اور ان کے بارے میں مختلف پارٹیوں کی شکل میں یہ لوگ بٹ گئے۔ چنانچہ یہود نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ ولدالزنا ہیں' اللہ کی لعنتیں ان پر ہوں کہ انہوں نے اللہ کے ایک بہترین رسول پر بدترین تہمت لگائی اور کہا کہ ان کا یہ کلام وغیرہ سب جادو کے کرشمے تھے۔ اسی طرح نصاریٰ بہک گئے کہنے لگے کہ یہ تو خود اللہ ہے یہ کلام اللہ کا ہی ہے۔ کسی نے کہا یہ اللہ کا لڑکا ہے' کسی نے کہا تین خداؤں میں سے ایک ہے' ہاں ایک جماعت نے واقعہ کے مطابق کہا کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں یہی قول صحیح ہے۔ اہل اسلام کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہی ہے اور یہی تعلیم الٰہی ہے۔

کہتے ہیں کہ بنو اسرائیل کا مجمع جمع ہوا اور اپنے میں سے انہوں نے چار ہزار آدمی چھانٹے' ہر قوم نے اپنا اپنا ایک عالم پیش کیا یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھ جانے کے بعد کا ہے۔ یہ لوگ آپس میں متنازع ہوئے ایک تو کہنے لگا' یہ خود اللہ تھا جب تک اس نے چاہا' زمین پر رہا' جسے چاہا مارا' جسے چاہا جلایا' پھر آسمان پر چلا گیا' اس گروہ کو یعقوبیہ کہتے ہیں لیکن اور تینوں نے اسے جھٹلایا اور کہا تو نے جھوٹ کہا اب دو نے تیسرے سے کہا' اچھا تو کہہ تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہ اللہ کے بیٹے تھے اس جماعت کا نام نسطوریہ پڑا۔ دو جو رہ گئے انہوں نے کہا تو نے بھی غلط کہا ہے۔ پھر ان دو میں سے ایک نے کہا تم کہو' اس نے کہا میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ تین میں سے ایک ہیں ایک تو اللہ جو معبود ہے۔ دوسرے یہی جو معبود ہیں۔ تیسرے ان کی والدہ جو معبود ہیں۔ یہ اسرائیلیہ گروہ ہوا اور یہی نصرانیوں کے بادشاہ تھے ان پر اللہ کی لعنتیں۔ چوتھے نے کہا تم سب جھوٹے ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول تھے اللہ ہی کا کلمہ تھے اور اس کے پاس کی بھیجی ہوئی روح۔ یہ لوگ مسلمان کہلائے اور یہی سچے تھے ان میں سے جس کے تابع جو تھے' وہ اسی کے قول پر ہو گئے اور آپس میں خوب اچھلے۔ چونکہ سچے اسلام والے ہر زمانے میں تعداد میں کم ہوتے ہیں' ان پر یہ ملعون چھا گئے' انہیں دبا لیا انہیں مارنا پیٹنا اور قتل کرنا

شروع کر دیا۔

اکثر مورخین کا بیان ہے کہ قسطنطین بادشاہ نے تین بار عیسائیوں کو جمع کیا آخری مرتبہ کے اجتماع میں ان کے دو ہزار ایک سو ستر علماء جمع ہوئے تھے لیکن یہ سب آپس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مختلف الخیال تھے' سو کچھ کہتے تو ستر اور ہی کچھ کہتے' پچاس کچھ اور ہی کہہ رہے تھے ساٹھ کا عقیدہ کچھ اور ہی تھا' ہر ایک کا خیال دوسرے سے ٹکرا رہا تھا سب سے بڑی جماعت تین سو آٹھ کی تھی بادشاہ نے اس طرف کثرت دیکھ کر کثرت کا ساتھ دیا۔ مصلحت ملکی اسی میں تھی کہ اس کثیر گروہ کی طرفداری کی جائے لہذا اس کی پالیسی نے اسے اسی طرف متوجہ کر دیا۔ اور اس نے باقی کے سب لوگوں کو نکلوا دیا اور ان کے لئے امانت کبریٰ کی رسم ایجاد کی جو دراصل سب سے زیادہ بدترین خیانت ہے۔ اب مسائل شرعیہ کی کتابیں ان علماء سے لکھوائیں اور بہت سی رسومات ملکی اور ضروریات شہری کو شرعی صورت میں داخل کر لیا۔ بہت سی نئی نئی باتیں ایجاد کیں اور اصلی دین مسیحی کی صورت کو مسخ کر کے ایک مجموعہ مرتب کرایا اور اسے لوگوں میں قانوناً رائج کر دیا اور اس وقت سے دین مسیحی یہی سمجھا جانے لگا۔ جب اس پر ان سب کو رضامند کر لیا تو اب چاروں طرف کلیسا' گرجے اور عبادت خانے بنوانے اور وہاں ان علماء کو بٹھانے اور ان کے ذریعے سے اس اپنی نو مولود مسیحیت کو پھیلانے کی کوشش میں لگ گیا۔ شام میں' جزیرہ میں' روم میں' تقریباً بارہ ہزار ایسے مکانات اس کے زمانے میں تعمیر کرائے گئے اس کی ماں ہیلانہ نے جس جگہ سولی گڑھی ہوئی تھی' وہاں ایک قبہ بنوا دیا اور اس کی باقاعدہ پرستش شروع ہو گئی۔ اور سب نے یقین کر لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھ گئے حالانکہ ان کا یہ قول غلط ہے اللہ نے اپنے اس معزز بندے کو اپنی جانب آسمان پر چڑھا لیا ہے۔ یہ ہے عیسائی مذہب کے اختلاف کی ہلکی سی مثال۔ ایسے لوگ جو اللہ پر جھوٹ افترا باندھیں' اس کی اولادیں اور شریک و حصہ دار ثابت کریں گو وہ دنیا میں مہلت پالیں لیکن اس عظیم الشان دن ان کی ہلاکت انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی اور برباد ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو گو جلدی عذاب نہ کرے لیکن بالکل چھوڑتا بھی نہیں۔

صحیحین کی حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے لیکن جب اس کی پکڑ نازل ہوتی ہے تو پھر کوئی جائے پناہ باقی نہیں رہتی یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے آیت قرآن وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ تلاوت فرمائی۔ یعنی تیرے رب کی پکڑ کا طریقہ ایسا ہی ہے جب وہ کسی ظلم سے آلودہ بستی کو پکڑتا ہے۔ یقین مانو کہ اس کی پکڑ نہایت المناک اور بہت سخت ہے۔ بخاری و مسلم کی اور حدیث میں ہے کہ ناپسند باتوں کو سن کر صبر کرنے والا اللہ سے زیادہ کوئی نہیں۔ لوگ اس کی اولاد بتلاتے ہیں اور وہ انہیں روزیاں دے رہا ہے اور عافیت بھی۔ خود قرآن فرماتا ہے۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ بہت سی بستیوں والے وہ ہیں جن کے ظالم ہونے کے باوجود میں نے انہیں ڈھیل دی پھر پکڑ لیا آخر لوٹنا تو میری ہی جانب ہے۔ اور آیت میں ہے کہ ظالم لوگ اپنے اعمال سے اللہ کو غافل نہ سمجھیں' انہیں جو مہلت ہے' وہ اس دن تک ہے جس دن آنکھیں اوپر کو چڑھ جائیں گی۔ یہی فرمان یہاں بھی ہے کہ ان پر اس بہت بڑے دن کی حاضری نہایت سخت دشوار ہو گی۔

صحیح حدیث میں ہے' جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ ایک ہے' وہی معبود برحق ہے' اس کے سوا لائق عبادت اور کوئی نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا تھا اور اس کے پاس کی بھیجی ہوئی روح ہیں اور یہ کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے۔ اس کے خواہ کیسے ہی اعمال ہوں' اللہ اسے ضرور جنت میں پہنچائے گا۔

أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَٰكِنِ الظَّٰلِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾ ع ۲۵

کیا خوب دیکھنے سننے والے ہوں گے اس دن جب کہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے لیکن آج تو یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ○ تو انہیں اس رنج وافسوس کے دن کا ڈر سنا دے۔ جب کہ کام انجام کو پہنچا دیا جائے گا اور یہ لوگ غفلت اور بے ایمانی میں ہی رہ جائیں گے ○ خود زمین کے اور تمام زمین والوں کے وارث ہم ہی ہوں گے اور سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹا کر لائے جائیں گے ○

قیامت کا دن دوزخیوں کے لیے یوم حسرت: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۰) ارشاد ہے کہ گو آج دنیا میں یہ کفار آنکھیں بند کئے ہوئے اور کانوں میں روئی ٹھونسے ہوئے ہیں لیکن قیامت کے دن ان کی آنکھیں خوب روشن ہو جائیں گی اور کان بھی خوب کھل جائیں گے۔ جیسے فرمان الٰہی ہے وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا الخ' کاش کہ تو دیکھتا جب یہ گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے شرمسار سرنگوں کھڑے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ الٰہی ہم نے دیکھا سنا الخ۔ پس اس دن نہ دیکھنا کام آئے نہ سننا نہ حسرت وافسوس کرنا نہ واویلا کرنا۔ اگر یہ لوگ اپنی آنکھوں اور اپنے کانوں سے دنیا میں کام لے کر دین اللہ کو مان لیتے تو آج انہیں حسرت وافسوس نہ کرنا پڑتا اس دن آنکھیں کھولیں گے اور آج اندھے بہرے بنے پھرتے ہیں' نہ ہدایت کو طلب کرتے ہیں نہ دیکھتے ہیں' نہ بھلی باتیں سنتے ہیں نہ مانتے ہیں۔ مخلوق کو اس حسرت والے دن سے خبردار کر دیجئے جب کہ تمام کام فیصل کر دیئے جائیں گے' جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔ اس حسرت وندامت کے دن سے یہ آج غافل ہو رہے ہیں بلکہ ایمان ویقین بھی نہیں رکھتے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں چلے جانے کے بعد موت کو ایک بھیڑیئے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا پھر اہل جنت سے پوچھا جائے گا کہ اسے جانتے ہو؟ وہ دیکھ کر کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے۔ دوزخیوں سے بھی یہی سوال ہوگا اور وہ بھی یہی جواب دیں گے۔ اب حکم ہوگا اور موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور ندا کر دی جائے گی کہ اہل جنت تمہارے لئے ہمیشہ موت نہیں اور اہل جہنم تمہارے لئے بھی اب ہمیشہ کے لیے موت نہیں۔ پھر حضور ﷺ نے یہی آیت وَأَنذِرْهُمْ الخ تلاوت فرمائی۔ اور آپ نے اشارہ کیا اور فرمایا' اہل دنیا غفلت دنیا میں ہیں (مسند امام احمد)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک واقعہ مطول بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ ہر شخص اپنے دوزخ اور جنت کے گھر کو دیکھ رہا ہوگا وہ دن ہی حسرت وافسوس کا ہے' جہنمی اپنے جنتی گھر کو دیکھ رہا ہوگا اور اس سے کہا جاتا ہوگا کہ اگر تم عمل کرتے تو تمہیں یہ جگہ ملتی وہ حسرت وافسوس کرنے لگیں گے ادھر جنتیوں کو ان کا جہنم کا گھر دکھا کر فرمایا جائے گا کہ اگر اللہ کا احسان تم پر نہ ہوتا تو تم یہاں ہوتے۔ اور روایت میں ہے کہ موت کو ذبح کر کے جب ہمیشہ کے لیے کی آواز لگا دی جائے گی' اس وقت جنتی تو اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر اللہ نہ بچائے تو مارے خوشی کے مر جائیں اور جہنمی اس قدر رنجیدہ ہو کر چیخیں گے کہ اگر موت ہوتی تو ہلاک ہو جائیں۔ پس اس آیت کا یہی مطلب ہے یہ وقت حسرت کا بھی ہوگا اور کام کے خاتمے کا وقت بھی یہی ہوگا۔ پس یوم الحسرت بھی قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

چنانچہ اور آیت میں ہے اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِىْ جَنْۢبِ اللّٰهِ الخ۔ پھر بتایا کہ خالق و مالک متصرف اللہ ہی ہے۔ سب اسی کی ملکیت ہے اور سب کو فنا ہے باقی صرف اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ ہی ہے' ملکیت اور تصرف کا سچا دعویدار بجز اس کے کوئی نہیں' تمام خلق کا وارث حاکم وہی ہے' اس کی ذات ظلم سے پاک ہے۔ شاہ اسلام امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے عبدالحمید بن عبدالرحمن کو کوفے میں خط لکھا' جس میں لکھا حمد و صلوٰۃ کے بعد' اللہ نے روز اول سے ہی ساری مخلوق پر فنا لکھ دی ہے۔ سب کو اس کی طرف پہنچنا ہے' اس نے اپنی نازل کردہ اس سچی کتاب میں جسے اپنے علم سے محفوظ کئے ہوئے ہے اور جس کی نگہبانی اپنے فرشتوں سے کرا رہا ہے' لکھ دیا ہے کہ زمین کا اور اس کے اوپر جو ہیں' ان کا وارث وہی ہے اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے۔

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَآءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِىْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّىْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾

اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کر' بے شک وہ بڑی راستی والے پیغمبر تھے ○ جب کہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا آپ ان کی پوجا کیوں کر رہے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں؟ نہ آپ کو کچھ بھی فائدہ پہنچا سکیں ○ میرے مہربان باپ' آپ دیکھئے میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں تو آپ میری ہی مانئے' میں بالکل سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہبری کروں گا ○ میرے ابا آپ شیطان کی پرستش سے باز آ جائیں' شیطان تو رحم و کرم والے اللہ کا بڑا ہی نافرمان ہے ○ ابا جی مجھے خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں آپ پر کوئی اللہ کا عذاب نہ آ پڑے کہ آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں ○

بتوں کی پوجا: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۵) مشرکین مکہ جو بت پرست ہیں اور اپنے تئیں خلیل اللہ کا متبع خیال کرتے ہیں' ان کے سامنے اے نبی ﷺ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیجئے۔ اس سچے نبی نے اپنے باپ کی بھی پرواہ نہ کی اور اس کے سامنے بھی حق کو واضح کر دیا اور اسے بت پرستی سے روکا۔ صاف کہا کہ کیوں ان بتوں کی پوجا پاٹ کر رہے ہو جو نہ نفع پہنچا سکیں نہ ضرر۔ فرمایا کہ میں بے شک آپ کا بچہ ہوں لیکن الٰہی علم جو میرے پاس ہے آپ کے پاس نہیں' آپ میری اتباع کیجئے میں آپ کو راہ راست دکھاؤں گا' برائیوں سے بچا کر بھلائیوں میں پہنچا دوں گا۔ ابا جی یہ بت پرستی تو شیطان کی تابعداری ہے وہی اس کی راہ سمجھاتا ہے اور وہی اس سے خوش ہوتا ہے جیسے سورہ یٰسین میں ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ الخ' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے انسانو! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور آیت میں ہے اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا الخ' یہ لوگ تو عورتوں کو پکارتے ہیں اور اللہ کو چھوڑتے ہیں دراصل یہ سرکش شیطان کے پکارنے والے ہیں۔

آپ نے فرمایا شیطان اللہ کا نافرمان ہے' مخالف ہے' اس کی فرمانبرداری سے تکبر کرنے والا ہے' اسی وجہ سے راندہ درگاہ ہوا ہے اگر تو نے بھی اس کی اطاعت کی تو وہ اپنی حالت پر بھی پہنچا دے گا۔ ابا جان آپ کے اس شرک و عصیان کی وجہ سے مجھے تو خوف ہے کہ کہیں آپ پر

اللہ کا کوئی عذاب نہ آجائے اور آپ شیطان کے دوست اور اس کے ساتھی نہ بن جائیں اور اللہ کی مدد اور اس کا ساتھ آپ سے چھوٹ نہ جائے۔ دیکھو شیطان خود بے کس و بے بس ہے اس کی تابعداری آپ کو بری جگہ پہنچا دے گی۔ جیسے فرمان باری ہے۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ [2] یعنی یہ یقینی اور قسمیہ بات ہے کہ تجھ سے پہلے کی امتوں کی طرف بھی ہم نے رسول بھیجے لیکن شیطان نے ان کی بداعمالیاں انہیں مزین کر کے دکھلائیں اور وہی ان کا ساتھی بن گیا لیکن کام کچھ نہ آیا اور قیامت کے دن عذاب الیم میں پھنس گئے۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾

اس نے جواب دیا کہ اے ابراہیم کیا تو ہمارے معبودوں سے روگردانی کر رہا ہے؟ سن اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مار ڈالوں گا' جا ایک مدت دراز تک مجھ سے الگ رہ ○ کہا اچھا تم پر سلام ہو' میں تو اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا' وہ مجھ پر حد درجے مہربان ہے ○ میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو' انہیں بھی سب کو چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے پروردگار کو ہی پکارتا رہوں گا' مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگنے میں محروم نہ رہوں گا ○

باپ کی ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی: ☆☆ (آیت:۴۶-۴۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس طرح سمجھانے پر ان کے باپ نے جو جہالت کا جواب دیا' وہ بیان ہو رہا ہے کہ اس نے کہا ابراہیم تو میرے معبودوں سے بیزار ہے' ان کی عبادت سے تجھے انکار ہے' اچھا سن رکھ' اگر تو اپنی اس حرکت سے باز نہ آیا اور انہیں برا کہتا رہا اور ان کی عیب جوئی اور انہیں گالیاں دینے سے نہ رکا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ مجھے تو تکلیف نہ دے' نہ مجھ سے کچھ کہہ۔ یہی بہتر ہے کہ تو سلامتی کے ساتھ مجھ سے الگ ہو جائے ورنہ میں تجھے سخت سزا دوں گا۔ مجھ سے تو تو اب ہمیشہ کے لئے گیا گزرا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا' اچھا خوش رہو' میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی کیونکہ آپ میرے والد ہیں بلکہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو نیک توفیق دے اور آپ کے گناہ بخشے۔ مومنوں کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ وہ جاہلوں سے بھڑتے نہیں جیسے کہ قرآن میں ہے وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا جاہلوں سے جب ان کا خطاب ہوتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ سلام اور آیت میں ہے لغو باتوں سے وہ منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے ساتھ' تمہارے اعمال تمہارے ساتھ تم پر سلام ہو۔ ہم مجھے اس سے اپنی دعا کی قبولیت کی امید ہے۔ اسی وعدے کے مطابق آپ ان کے لئے بخشش طلب کرتے رہے۔ شام کی ہجرت کے بعد بھی' جاہلوں کے درپے نہیں ہوتے۔ پھر فرمایا کہ میرا رب میرے ساتھ بہت مہربان ہے' اسی کی مہربانی ہے کہ مجھے ایمان و اخلاص کی ہدایت کی۔ مسجد حرام بنانے کے بعد بھی' آپ کے ہاں اولاد ہو جانے کے بعد بھی' آپ کہتے رہے کہ الٰہی مجھے' میرے ماں باپ کو اور تمام ایمان والوں کو حساب کے قائم ہونے کے دن بخش دے۔ آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ مشرکوں کے لئے استغفار نہ کرو۔ آپ ہی کی اقتداء میں پہلے پہلے مسلمان بھی ابتداءِ اسلام کے زمانے میں اپنے قرابت دار مشرکوں کے لئے طلب بخشش کی دعائیں کرتے

رہے آخر آیت نازل ہوئی کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام قابل اتباع ہیں لیکن اس بات میں ان کا فعل اس قابل نہیں۔ اور آیت میں فرمایا مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ الخ، یعنی نبی کو اور ایمانداروں کو مشرکوں کے لئے استغفار نہ کرنا چاہئے الخ اور فرمایا کہ ابراہیم کا یہ استغفار صرف اس بناء پر تھا کہ آپ اپنے والد سے اس کا وعدہ کر چکے تھے لیکن جب آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بری ہو گئے۔ ابراہیم تو بڑے ہی اللہ دوست اور علم والے تھے۔ پھر فرماتے ہیں کہ میں تم سب سے اور تمہارے ان تمام معبودوں سے الگ ہوں۔ میں صرف اللہ واحد کا عابد ہوں اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا میں فقط اسی سے دعائیں اور التجائیں کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں اپنی دعاؤں میں محروم نہ رہوں گا۔ واقعہ بھی یہی ہے اور یہاں پر لفظ عسیٰ یقین کے معنوں میں ہے اس لئے کہ آپ آنحضرت ﷺ کے بعد سید الانبیاء ہیں (علیہ السلام)۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۚ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾

جب ابراہیم ان سب کو اور اللہ کے سوا ان کے سب معبودوں کو چھوڑ چکے تو ہم نے انہیں اسحاق و یعقوب عطا فرمائے اور دونوں کو نبی بنا دیا ○ اور ان سب کو ہم نے اپنی بہت سی رحمتیں عطا فرمائیں اور ہم نے ان کے ذکر جمیل کو بلند درجے کا کر دیا ○

لاتعلق ہونے کا اعلان: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۰) خلیل اللہ علیہ السلام ماں باپ کو رشتے کنبے کو قوم و ملک کو دین اللہ پر قربان کر چکے سب سے یک طرف ہو گئے اپنی برأت اور علیحدگی کا اعلان کر دیا تو اللہ نے ان کی نسل جاری کر دی آپ کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام ہوئے اور حضرت اسحاق کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام ہوئے۔ جیسے فرمان ہے وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً اور آیت میں ہے وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ یعنی اسحاق کے پیچھے یعقوب پس حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد تھے جیسے سورہ بقرہ کی آیت اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ الخ، میں صاف لفظ ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بچوں سے پوچھا کہ تم سب میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسی اللہ کی جس کی عبادت آپ کرتے ہیں اور آپ کے والد ابراہیم اسماعیل اور اسحاق علیہ السلام۔ پس یہاں مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کی نسل جاری رکھی بیٹا دیا بیٹے کے ہاں بیٹا دیا اور دونوں نبی بنا کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد آپ کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام بھی نبی بنائے گئے تھے ان کا ذکر یہاں نہیں کیا اس لئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کے وقت خلیل الرحمٰن علیہ السلام زندہ نہ تھے۔ یہ دونوں نبوتیں یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام کی نبوت آپ کی زندگی میں آپ کے سامنے تھی اس لئے اس احسان کا ذکر بیان فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ سے جب سوال ہوا کہ سب سے بہتر شخص کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا یوسف نبی اللہ بن یعقوب نبی اللہ بن اسحاق نبی اللہ بن ابراہیم نبی اللہ و خلیل اللہ۔ اور حدیث میں ہے کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ ہم نے انہیں اپنی بہت ساری رحمتیں دیں اور ان کا ذکر خیر اور ثنا جمیل کو دنیا میں ان کے بعد بلندی کے ساتھ باقی رکھا یہاں تک کہ ہر مذہب والے ان کے گن گاتے ہیں۔ فَصَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

اس قرآن میں موسیٰ کا ذکر بھی کر جو چنا ہوا اور رسول اور نبی تھا ○ ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور راز گوئی کرتے ہوئے ہم نے اسے قریب کر لیا ○ اور اپنی خاص مہربانی سے اسے اس کے بھائی کو نبی بنا کر عطا فرمایا ○

خلوص موسیٰ علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۵۱-۵۳) اپنے خلیل علیہ السلام کا بیان فرما کر اب اپنے کلیم علیہ السلام کا بیان فرماتا ہے۔ مُخْلَصًا کی دوسری قرات مُخْلِصًا بھی ہے۔ یعنی وہ بااخلاص عبادت کرنے والے تھے۔ مروی ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اے روح اللہ ہمیں بتائیے مخلص شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا' جو محض اللہ کے لئے عمل کرے' اسے اس بات کی چاہت نہ ہو کہ لوگ میری تعریفیں کریں۔ دوسری قرات میں مُخْلَصًا ہے یعنی اللہ کے چیدہ اور برگزیدہ بندے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے فرمان باری ہے اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ آپ اللہ کے نبی اور رسول تھے' پانچ بڑے بڑے جلیل القدر الوالعزم رسولوں میں سے ایک آپ ہیں یعنی نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ اور محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم وعلی سائر الانبیاء اجمعین۔ ہم نے انہیں مبارک پہاڑ طور کی دائیں جانب سے آواز دی اور سرگوشی کرتے ہوئے اپنے قریب کر لیا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ آگ کی تلاش میں طور کی طرف یہاں آگ دیکھ کر بڑھے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں' اس قدر قریب ہو گئے کہ قلم کی آواز سننے لگے۔ مراد اس سے تورات لکھنے کی قلم ہے۔ سدی کہتے ہیں' آسمان میں گئے اور کلام باری سے مشرف ہوئے۔ کہتے ہیں انہی باتوں میں یہ فرمان بھی ہے کہ اے موسیٰ جب کہ میں تیرے دل کو شکر گزار اور تیری زبان کو اپنا ذکر کرنے والی بنادوں اور تجھے ایسی بیوی دوں جو نیکی کے کاموں میں تیری معاون ہو تو سمجھ لے کہ میں نے تجھ سے کوئی بھلائی اٹھا نہیں رکھی اور جسے میں یہ چیزیں نہ دوں' سمجھ لے کہ اسے کوئی بھلائی نہیں ملی۔ ان پر ایک مہربانی ہم نے یہ بھی کی کہ ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر ان کی امداد کے لئے ان کے ساتھ کر دیا جیسے کہ آپ کی چاہت اور دعا تھی فرمایا تھا وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ الخ اور آیت میں ہے قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى موسیٰ تیرا سوال ہم نے پورا کر دیا۔ آپ کی دعا کے لفظ یہ بھی وارد ہیں فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ الخ' ہارون کو بھی رسول بنا الخ' کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ بہتر دعا اور اس سے بڑھ کر شفاعت کسی نے کسی کی دنیا میں نہیں کی۔ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔ صَلَوٰةُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِمَا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

اس کتاب میں اسماعیل کا واقعہ بھی بیان کر' وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا اور تھا بھی رسول اور نبی ○ وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز اور زکوۃ کا حکم دیتا رہتا تھا اور تھا بھی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول ○

ابوالحجاز علیہ السلام : ☆☆ (آیت:۵۴-۵۵) حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام کا ذکر خیر بیان ہو رہا ہے آپ سارے حجاز کے باپ ہیں جو نذر اللہ کے نام کی مانتے تھے' جو عبادت کرنے کا ارادہ کرتے تھے' پوری ہی کرتے تھے۔ ہر حق ادا کرتے تھے ہر وعدے کی وفا کرتے تھے۔ ایک شخص سے وعدہ کیا کہ میں فلاں جگہ آپ کو ملوں گا' وہاں آپ آ جانا۔ حسب وعدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام وہاں گئے لیکن وہ شخص نہیں آیا تھا۔ آپ اس کے انتظار میں وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ایک دن رات پورا گزر گیا اب اس شخص کو یاد آیا' اس نے آ کر دیکھا کہ آپ وہیں انتظار میں ہیں پوچھا کہ کیا آپ کل سے یہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا جب وعدہ ہو چکا تھا تو پھر میں آپ کے آئے بغیر کیسے ہٹ سکتا تھا اس نے معذرت کی کہ میں بالکل بھول گیا تھا۔ سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ تو کہتے ہیں یہیں انتظار میں ہی آپ کو ایک سال کامل گزر چکا تھا۔ ابن شوزب کہتے ہیں' وہیں مکان کر لیا تھا۔ عبداللہ بن ابوالحما کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے میں نے آپ سے کچھ تجارتی لین دین کیا تھا' میں چلا گیا اور یہ کہہ گیا کہ آپ یہیں ٹھہریئے۔ میں ابھی واپس آتا ہوں پھر مجھے خیال ہی نہ رہا وہ دن گزرا وہ رات گزری دوسرا دن گھر گزر گیا تیسرے دن مجھے خیال آیا تو دیکھا آپ وہیں تشریف فرما ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھ کو مشقت میں ڈال دیا میں آج تین دن سے یہیں تمہارا انتظار کرتا رہا۔ (خرائطی)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس وعدے کا ذکر ہے جو آپ نے بوقت ذبح کیا تھا کہ ابا جی آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ چنانچہ فی الواقع آپ نے وعدے کی وفا کی اور صبر و برداشت سے کام لیا۔ وعدے کی وفا نیک کام ہے اور وعدہ خلافی بہت بری چیز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے' ایمان والو! وہ باتیں زبان سے کیوں نکالتے ہو جن پر خود عمل نہیں کرتے اللہ کے نزدیک یہ بات نہایت ہی غضبناک کی ہے کہ تم وہ کہو جو نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' منافق کی تین نشانیاں ہیں باتوں میں جھوٹ' وعدہ خلافی' امانت میں خیانت۔ ان آفتوں سے مومن الگ تھلگ ہوتے ہیں یہی وعدے کی سچائی حضرت اسماعیل علیہ السلام میں تھی اور یہی پاک صفت جناب محمد مصطفیٰ ﷺ میں بھی تھی۔ کبھی کسی سے کسی وعدے کے خلاف آپ نے نہیں کیا۔

آپ نے ایک مرتبہ ابوالعاص بن ربیع کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے مجھ سے جو بات کی' سچی کی اور جو وعدہ اس نے مجھ سے کیا پورا کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تخت خلافت نبویؐ پر قدم رکھتے ہی اعلان کر دیا کہ جس سے نبی کریم ﷺ نے جو وعدہ کیا ہو' میں اس کے پورا کرنے کے لئے تیار ہوں اور حضور علیہ السلام پر جس کا قرض ہو' میں اس کی ادائیگی کے لئے موجود ہوں۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور عرض کیا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو میں تجھے تین لپیں بھر کر دوں گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب بحرین کا مال آیا تو آپ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوا کر فرمایا' لو لپ بھر لو۔ آپ کی لپ میں پانچ سو درہم آئے حکم دیا کہ تین لپوں کے پندرہ سو درہم لے لو۔ پھر حضرت اسماعیلؑ کا رسول نبی ہونا بیان فرمایا۔ حالانکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا صرف نبی ہونا بیان فرمایا گیا ہے اس سے آپ کی فضیلت اپنے بھائی پر ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے اللہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پسند فرمایا الخ۔

پھر آپ کی مزید تعریف بیان ہو رہی ہے کہ آپ اللہ کی اطاعت پر صابر تھے اور اپنے گھرانے کو بھی یہی حکم فرماتے رہتے تھے۔ یہی فرمان اللہ تعالیٰ کا آنحضرت ﷺ کو ہے وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا الخ' اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم کرتا رہ اور خود بھی اس پر مضبوطی سے عامل رہ۔ اور آیت میں ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا الخ' اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور

اپنے اہل وعیال کواس آگ سے بچالو جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر‘ جہاں عذاب کرنے والے فرشتے رحم سے خالی‘ زورآور اور بڑے سخت ہیں۔ ناممکن ہے کہ اللہ کے حکم کا وہ خلاف کریں بلکہ جوان سے کہا گیا ہے‘ اسی کی تابعداری میں مشغول ہیں۔ پس مسلمانوں کو حکم الٰہی ہو رہا ہے کہ اپنے گھر بار کو اللہ کی باتوں کی ہدایت کرتے رہیں‘ گناہوں سے روکتے رہیں یونہی بے تعلیم نہ چھوڑیں کہ وہ جہنم کا لقمہ بن جائیں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں‘ اس مرد پر اللہ کا رحم ہو جو رات تہجد پڑھنے کے لئے اپنے بستر سے اٹھتا ہے پھر اپنی بیوی کو اٹھاتا ہے اور اگر وہ نہیں اٹھتی تو اس کے منہ پر پانی چھڑک کر اسے نیند سے بیدار کرتا ہے‘ اس عورت پر بھی اللہ کی رحمت ہو جو رات کو تہجد پڑھنے کے لئے اٹھتی ہے۔ پھر اپنے میاں کو جگاتی ہے اور وہ نہ جاگے تو اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا ڈالتی ہے (ابوداؤد‘ ابن ماجہ) آپ کا فرمان ہے کہ جب انسان رات کو جاگے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے اور دونوں دو رکعت بھی نماز کی ادا کرلیں تو اللہ کے ہاں اللہ کا ذکر کرنے والے مردوں عورتوں میں دونوں کے نام لکھ لئے جاتے ہیں (ابوداؤد‘ نسائی‘ ابن ماجہ)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾

اس کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کر۔ وہ بھی نیک کردار پیغمبر تھا ○ ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا ○ یہی ہیں وہ انبیاء جن پر اللہ نے فضل وکرم کیا‘ جو اولاد آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں چڑھالیا تھا اور اولاد ابراہیم ویعقوب سے اور ہماری طرف سے راہ یافتہ اور ہمارے پسندیدہ لوگوں میں سے ان کے سامنے جب اللہ رحمان کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی تھی‘ یہ سجدہ کرتے اور روتے گڑگڑاتے گر پڑتے تھے ○

حضرت ادریس علیہ السلام کا تعارف: ☆☆ (آیت:۵۶-۵۷) حضرت ادریس علیہ السلام کا بیان ہورہا ہے کہ آپ سچے نبی تھے‘ اللہ کے خاص بندے تھے۔ آپ کو ہم نے بلند مکان پر اٹھالیا۔ صحیح حدیث کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے کہ چوتھے آسمان میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کی۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے ایک عجیب وغریب اثر وارد کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ کل اولاد آدم کے نیک اعمال کے برابر صرف تیرے نیک اعمال میں اپنی طرف ہر روز چڑھاتا ہوں۔ اس پر آپ کو خیال آیا کہ آپ عمل میں اور سبقت کریں جب آپ کے پاس آپ کا دوست فرشتہ آیا تو آپ نے اس سے ذکر کیا میرے پاس یوں وحی آئی ہے اب تم ملک الموت سے کہو کہ وہ میری موت میں تاخیر کریں تو میں نیک اعمال میں اور بڑھ جاؤں اس فرشتے نے آپ کو اپنے پروں میں بٹھا کر آسمان پر چڑھادیا جب چوتھے آسمان پر آپ پہنچے تو ملک الموت تو دیکھا فرشتے نے آپ سے حضرت ادریس علیہ السلام کی بابت سفارش کی تو ملک الموت نے فرمایا‘ وہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا یہ ہیں میرے بازو پر بیٹھے ہوئے آپ نے فرمایا سبحان اللہ مجھے یہاں اس آسمان پر اس کی روح کے قبض کرنے کا حکم ہورہا ہے چنانچہ اسی وقت ان کی روح قبض کرلی گئی۔ یہ ہیں اس آیت کے معنی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ

کعب رحمتہ اللہ علیہ کا یہ بیان اسرائیلیات میں سے ہے اور اس کے بعض میں نکارت ہے واللہ اعلم۔ یہی روایت اور سند سے ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے بذریعہ اس فرشتے کو پچھوایا تھا کہ میری عمر کتنی باقی ہے؟ اور روایت میں ہے کہ فرشتے کے اس سوال پر ملک الموت نے جواب دیا کہ میں دیکھ لوں دیکھ کر فرمایا صرف ایک آنکھ کی پلک کے برابر اب جو فرشتہ اپنے پر تلے دیکھتا ہے تو حضرت ادریس علیہ السلام کی روح پرواز ہو چکی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ درزی تھے سوئی کے ایک ایک ٹانکے پر سبحان اللہ کہتے۔ شام کو ان سے زیادہ نیک عمل آسمان پر کسی کے نہ چڑھتے مجاہد رحمتہ اللہ علیہ تو کہتے۔ شام کو ان سے زیادہ نیک عمل آسمان پر کسی کے نہ چڑھتے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ تو کہتے ہیں حضرت ادریس علیہ السلام آسمانوں پر چڑھا لئے گئے۔ آپ مرے نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بے موت اٹھا لئے گئے اور وہیں انتقال فرما گئے۔ حسن رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں بلند مکان سے مراد جنت ہے۔

انبیاء کی جماعت کا ذکر: ☆☆ (آیت: ۵۸) فرمان الٰہی ہے کہ یہ ہے جماعت انبیاء یعنی جن کا ذکر اس سورت میں ہے یا پہلے گزرا ہے یا بعد میں آئے گا۔ یہ لوگ اللہ کے انعام یافتہ ہیں۔ پس یہاں شخصیت سے جنس کی طرف استطراد ہے۔ یہ ہیں اولاد آدم سے یعنی حضرت ادریس صلوات اللہ وسلامہ علیہ اور اولاد سے ان کی جو حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کرا دیئے گئے تھے اس سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ ہیں۔ اور ذریت ابراہیم علیہ السلام سے مراد حضرت اسحاق حضرت یعقوب حضرت اسماعیل ہیں اور ذریت اسرائیل سے مراد حضرت موسیٰ حضرت ہارون حضرت زکریا حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ ہیں علیہم السلام۔ یہی قول ہے حضرت سدی رحمتہ اللہ علیہ اور ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا۔ اسی لئے ان کے نسب جداگانہ بیان فرمائے گئے کہ گو اولاد آدم میں سب ہیں مگر ان میں بعض وہ بھی ہیں جو ان بزرگوں کی نسل سے نہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ تھے کیونکہ حضرت ادریس تو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے۔ میں کہتا ہوں یہ ظاہر یہی ٹھیک ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اوپر کی نسب میں اللہ کے پیغمبر حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ ہاں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت ادریس بنی اسرائیلی نبی ہیں۔

یہ کہتے ہیں کہ معراج والی حدیث میں حضرت ادریس کا بھی حضور ﷺ سے یہ کہنا مروی ہے کہ مرحبا ہو نبی صالح اور بھائی صالح کو مرحبا ہو۔ تو بھائی صالح کہا نہ کہ صالح ولد جیسے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت آدم علیہما السلام نے کہا تھا۔ مروی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے کے ہیں آپ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ لا الہ الا اللہ کے قائل اور معتقد بن جاؤ پھر جو چاہو کرو لیکن انہوں نے اس کا انکار کیا اللہ عزوجل نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ ہم نے اس آیت کو جنس انبیا کے لئے قرار دیا ہے۔ اس کی دلیل سورہ انعام کی وہ آیتیں ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یونس علیہ السلام وغیرہ کا ذکر اور تعریف کرنے کے بعد فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ [2] یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی۔ تو بھی ان کی ہدایت کی اقتدا کر۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ نبیوں میں سے بعض کے واقعات ہم نے بیان کر دیئے ہیں اور بعض کے واقعات تم تک پہنچے ہی نہیں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کیا سورہ ص میں سجدہ ہے آپ نے فرمایا ہاں پھر اسی آیت کی تلاوت کر کے فرمایا تمہارے نبی ﷺ کو ان کی اقتداء کا حکم کیا گیا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام

بھی مقتدا نبیوں میں سے ہیں۔ فرمان ہے کہ ان پیغمبروں کے سامنے جب کلام اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں تو اس کے دلائل و براہین کو سن کر خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان مانتے ہوئے روتے گڑگڑاتے سجدے میں گر پڑتے تھے اسی لئے اس آیت پر سجدہ کرنے کا حکم علماء کا متفق علیہ مسئلہ ہے تا کہ ان پیغمبروں کی اتباع اور اقتدا ہو جائے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ مریم کی تلاوت کی اور جب اس آیت پر پہنچے تو سجدہ کیا پھر فرمایا سجدہ تو کیا لیکن وہ رونا کہاں سے لائیں؟ (ابن ابی حاتم اور ابن جریر)

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ﴿۶۰﴾

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے۔ سو ان کا نقصان ان کے آگے آئے گا○ بجز ان کے جو توبہ کر لیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرا سی بھی حق تلفی نہ کی جائے گی○

حدود الٰہی کے محافظ: ☆☆ (آیت:۵۹-۶۰) نیک لوگوں کا خصوصاً انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کیا جو حدود الٰہی کے محافظ' نیک اعمال کے نمونے' بدیوں سے بچتے تھے۔ اب برے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کے بعد کے زمانے والے ایسے ہوئے کہ وہ نمازوں تک سے بے پرواہ بن گئے اور جب نماز جیسے فریضے کی اہمیت کو بھلا بیٹھے تو ظاہر ہے کہ اور واجبات کی وہ کیا پرواہ کریں گے؟ کیونکہ نماز تو دین کی بنیاد ہے اور تمام اعمال سے افضل و بہتر ہے۔ یہ لوگ نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے دنیا کی زندگی پر اطمینان سے ریجھ گئے' انہیں قیامت کے دن سخت خسارہ ہوگا بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔ نماز کے ضائع کرنے سے مراد یا تو اسے بالکل ہی چھوڑ بیٹھنا ہے۔ اسی لئے امام احمد رحمتہ اللہ علیہ اور بہت سے سلف خلف کا مذہب ہے کہ نماز کا تارک کافر ہے یہی ایک قول حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا بھی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ بندے کے اور شرک کے درمیان نماز کا چھوڑنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ہم میں اور ان میں فرق نماز کا ہے جس نے نماز چھوڑ دی' وہ کافر ہو گیا۔ اس مسئلہ کو بسط سے بیان کرنے کا یہ مقام نہیں۔ یا نماز کے ترک سے مراد نماز کے وقتوں کی صحیح طور پر پابندی کا نہ کرنا ہے کیونکہ ترک نماز تو کفر ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ قرآن کریم میں نماز کا ذکر بہت زیادہ ہے' کہیں نمازوں میں سستی کرنے والوں کے عذاب کا بیان ہے' کہیں نماز کی مداومت کا فرمان ہے' کہیں محافظت کا۔ آپ نے فرمایا' ان سے مراد وقتوں میں سستی نہ کرنا اور وقتوں کی پابندی کرنا ہے۔ لوگوں نے کہا ہم تو سمجھتے تھے کہ اس سے مراد نمازوں کا چھوڑ دینا اور نہ چھوڑنا ہے۔ آپ نے فرمایا' یہ تو کفر ہے۔ حضرت مسروق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' پانچوں نمازوں کی حفاظت کرنے والا غافلوں میں نہیں لکھا جاتا' ان کا ضائع کرنا اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے اور ان کا ضائع کرنا' ان کے وقتوں کی پابندی نہ کرنا ہے۔ خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ اس سے مراد سرے سے نماز چھوڑ دینا نہیں بلکہ نماز کے وقت کو ضائع کر دینا ہے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ بدترین لوگ قریب بہ قیامت آئیں گے جب کہ اس امت کے صالح لوگ باقی نہ رہے ہوں گے اس وقت یہ لوگ جانوروں کی طرح کودتے پھاندتے پھریں گے۔

عطا بن ابورباح رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ آخری زمانے میں ہوں گے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ

اس امت کے لوگ ہوں گے جو چوپایوں اور گدھوں کی مانند راستوں میں اچھل کود کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے جو آسمان میں ہے بالکل نہ ڈریں گے اور نہ لوگوں سے شرمائیں گے۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا' یہ ناخلف لوگ ساٹھ سال کے بعد ہوں گے جو نمازوں کو ضائع کر دیں گے اور شہوت رانیوں میں لگ جائیں گے اور قیامت کے دن خمیازہ بھگتیں گے۔ پھر ان کے بعد وہ نالائق لوگ آئیں گے جو قرآن کی تلاوت تو کریں گے لیکن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا۔ یاد رکھو' قاری تین قسم کے ہوتے ہیں۔ مومن' منافق اور فاجر۔ راوی حدیث حضرت ولید سے جب ان کے شاگرد نے اس کی تفصیل پوچھی تو آپ نے فرمایا' ایماندار تو اس کی تصدیق کریں گے۔ نفاق والے اس پر عقیدہ نہ رکھیں گے اور فاجر اس سے اپنی شکم پری کرے گا۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ حضرت مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اصحاب صفہ کے لئے جب کچھ خیرات بھجواتیں تو کہہ دیتیں کہ بربری مرد وعورت کو نہ دینا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ یہی وہ ناخلف ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔ محمد بن کعب قرظی کا فرمان ہے کہ مراد اس سے مغرب کے بادشاہ ہیں جو بدترین بادشاہ ہیں۔

حضرت کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اللہ کی قسم میں منافقوں کے وصف قرآن کریم میں پاتا ہوں۔ یہ نشے پینے والے' نمازیں چھوڑنے والے' شطرنج چوسر وغیرہ کھیلنے والے' عشاء کی نمازوں کے وقت سو جانے والے' کھانے پینے میں مبالغہ اور تکلف کر کے پیٹو بن کر کھانے والے' جماعتوں کو چھوڑنے والے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مسجدیں ان لوگوں سے خالی نظر آتی ہیں اور بیٹھکیں بارونق بنی ہوئی ہیں۔ ابواشہب عطاردی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی آئی کہ اپنے ساتھیوں کو ہوشیار کر دے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشوں سے باز رہیں' جن کے دل خواہشوں کے پھیر میں رہتے ہیں' میں ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیتا ہوں۔ جب کوئی بندہ شہوت میں اندھا ہو جاتا ہے تو سب سے ہلکی سزا میں اسے یہ دیتا ہوں کہ اپنی اطاعت سے اسے محروم کر دیتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے' مجھے اپنی امت پر دو چیزوں کا بہت ہی خوف ہے ایک تو یہ کہ لوگ جھوٹ کے اور بناؤ کے اور شہوت کے پیچھے پڑ جائیں گے اور نمازوں کو چھوڑ بیٹھیں گے دوسرے یہ کہ منافق لوگ دنیا دکھاوے کو قرآن کے عامل بن کر سچے مومنوں سے لڑیں جھگڑیں گے۔ غَیًّا کے معنی خسران اور نقصان اور برائی کے ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ غَیٌّ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جو بہت گہری ہے اور نہایت سخت عذابوں والی' اس میں خون پیپ بھرا ہوا ہے۔ ابن جریر میں ہے' لقمان بن عامر فرماتے ہیں' میں حضرت ابوامامہ صدی بن عجلان باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے التماس کی کہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی حدیث مجھے سنائیے۔ آپ نے فرمایا' سنو حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر دس اوقیہ کے وزن کا کوئی پتھر جہنم کے کنارے سے جہنم میں پھینکا جائے تو وہ پچاس سال تک تو جہنم کی تہہ میں نہیں پہنچ سکتا۔ پھر وہ غی اور اثام میں پہنچے گا۔ غی اور اثام جہنم کے نیچے کے دو کنویں ہیں جہاں جہنمیوں کا لہو پیپ جمع ہوتا ہے۔ غی کا ذکر آیت فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا میں ہے اور اثام کا ذکر آیت یَلْقَ اَثَامًا میں ہے اس حدیث کو فرمان رسول سے روایت کرنا منکر ہے اور یہ حدیث سند کی رو سے بھی غریب ہے۔ پھر فرماتا ہے' ہاں جو ان کاموں سے توبہ کرے یعنی نمازوں کی سستی اور خواہش نفسانی کی پیروی چھوڑ دے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لے گا' اس کی عاقبت سنوار دے گا' اسے جہنم سے بچا کر جنت میں پہنچائے گا' توبہ اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو معاف کرا دیتی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے بے گناہ۔ یہ لوگ جو نیکیاں کریں' ان کے اجر انہیں ملیں گے کسی ایک نیکی کا ثواب کم نہ ہوگا۔ توبہ سے پہلے کے

گناہوں پر کوئی پکڑ نہ ہوگی- یہ ہے کرم اس کریم کا اور یہ ہے حلم اس حلیم کا کہ توبہ کے بعد اس گناہ کو بالکل مٹا دیتا ہے ناپید کر دیتا ہے- سورہ فرقان میں گناہوں کا ذکر فرما کر ان کی سزاؤں کا بیان کر کے پھر استثنا کیا اور فرمایا کہ اللہ غفور و رحیم ہے-

جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣ الَّتِیۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَیۡبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِیًّا ﴿۶۱﴾ لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِیۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِیًّا ﴿۶۲﴾ تِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِیۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِیًّا ﴿۶۳﴾

ہیشگی والی جنتوں میں جن کا غائبانہ وعدہ اللہ مہربان نے اپنے بندوں سے کیا' بے شک اس کا وعدہ آنے والا ہی ہے ○ وہ لوگ وہاں کوئی لغویات نہ سنیں گے صرف سلام ہی سلام سنیں گے- ان کے لئے وہاں صبح شام ان کا رزق ہوگا ○ یہ ہے جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں سے انہیں بناتے ہیں جو متقی ہوں ○

اللہ تعالیٰ کے وعدے برحق ہیں: ☆☆ (آیت: ۶۱-۶۳) جن جنتوں میں گناہوں سے توبہ کرنے والے داخل ہوں گے' یہ جنتیں ہمیشہ والی ہوں گی جن کا غائبانہ وعدہ ان سے ان کا رب کر چکا ہے ان جنتوں کو انہوں نے دیکھا نہیں لیکن تاہم دیکھنے سے بھی زیادہ انہیں ان پر یقین وایمان ہے' بات بھی یہی ہے کہ اللہ کے وعدے اٹل ہوتے ہیں وہ حقائق ہیں جو سامنے آ کر ہی رہیں گے- نہ اللہ وعدہ خلافی کرے نہ وعدے کو بدلے یہ لوگ وہاں ضرور پہنچائے جائیں گے اور اسے ضرور پائیں گے- مَاْتِیًّا کے معنی اٰتِیًا کے بھی آتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ جہاں ہم جائیں' وہ ہمارے پاس آ ہی گیا- جیسے کہتے ہیں' مجھ پر پچاس سال آئے یا میں پچاس سال کو پہنچا- مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہوتا ہے- ناممکن ہے کہ ان جنتوں میں کوئی لغو اور ناپسندیدہ کلام ان کے کانوں میں پڑے- صرف مبارک سلامت کی دھوم ہوگی- چاروں طرف سے اور خصوصاً فرشتوں کی پاک زبانی یہی مبارک صدائیں کان میں گونجتی رہیں گی- جیسے سورہ واقعہ میں ہے لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡهَا لَغۡوًا وَّلَا تَاۡثِیۡمًا اِلَّا قِیۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا وہاں کوئی بیہودہ اور خلاف طبع سخن نہ سنیں گے بجز سلام اور سلامتی کے- یہ استثنا منقطع ہے- صبح شام پاک' طیب' عمدہ خوش ذائقہ روزیاں بلا تکلف و تکلیف بے مشقت و زحمت چلی آئیں گی- لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ جنت میں بھی دن رات ہوں گے نہیں بلکہ ان انوار سے ان وقتوں کو جنتی پہچان لیں گے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہیں-

چنانچہ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی' ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے روشن اور نورانی ہوں گے- نہ وہاں انہیں تھوک آئے گا نہ ناک آئے گی نہ پیشاب پاخانہ- ان کے برتن اور فرنیچر سونے کے ہوں گے ان کا بخور خوشبودار اگر ہوگا ان کے پسینے مشک بو ہوں گے ہر ایک جنتی مرد کی دو بیویاں تو ایسی ہوں گی کہ ان کے پنڈے کی صفائی سے ان کی پنڈلیوں کی نلی کا گودا تک باہر سے نظر آئے- ان سب جنتوں میں نہ تو کسی کو کسی سے عداوت ہوگی نہ بغض سب ایک دل ہوں گے- کوئی اختلاف باہم دیگر نہ ہوگا- صبح شام اللہ کی تسبیح میں گزریں گے- حضور ﷺ فرماتے ہیں' شہید لوگ اس وقت جنت کی ایک نہر کے کنارے جنت کے دروازے کے پاس سرخ رنگ قبوں میں ہیں- صبح شام روزی پہنچائے جاتے ہیں (مسند) پس صبح و شام باعتبار دنیا کے ہے- وہاں رات نہیں بلکہ ہر وقت نور کا سماں ہے پردے گر جانے اور دروازے بند ہو جانے سے اہل جنت وقت شام کو اور اسی طرح پردوں کے ہٹ جانے اور دروازوں کے کھل جانے سے صبح کے وقت کو جان لیں گے- ان دروازوں کا کھلنا بند ہونا بھی جنتیوں کے اشاروں اور حکموں پر ہو

گا۔ یہ دروازے بھی اس قدر صاف شفاف آئینہ نما ہیں کہ باہر کی چیزیں اندر سے نظر آئیں۔ چونکہ دنیا میں دن رات کی عادت تھی' اس لئے جو وقت جب چاہیں گے پائیں گے۔ چونکہ عرب صبح شام ہی کھانا کھانے کے عادی تھے' اس لئے جنتی رزق کا وقت بھی وہی بتایا گیا ہے ورنہ جنتی جو چاہیں جب چاہیں موجود پائیں گے۔ چنانچہ ایک غریب منکر حدیث میں ہے کہ صبح شام کا کیا ٹھیک ہے رزق تو بے شمار ہر وقت موجود ہے لیکن اللہ کے دوستوں کے پاس ان اوقات میں حوریں آئیں گی جن میں ادنیٰ درجے کی وہ ہوں گی جو صرف زعفران سے پیدا کی گئی ہیں۔ یہ نعمتوں والی جنتیں انہیں ملیں گی جو ظاہر' باطن اللہ کے فرمانبردار تھے' جو غصہ پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے تھے' جن کی صفتیں قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کے شروع میں بیان ہوئی ہیں اور فرمایا گیا ہے کہ یہی وارث فردوس بریں ہیں جن کے لئے دوامی طور پر جنت الفردوس اللہ نے لکھ دی ہے (اللہ اے اللہ ہمیں بھی تو اپنی رحمت کاملہ سے فردوس بریں میں پہنچا' آمین)

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ ع ۱۵

ہم بغیر تیرے رب کے حکم کے اتر نہیں سکتے' ہمارے آگے پیچھے اور ان کے درمیان کی کل چیزیں اسی کی ملکیت میں ہیں' تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ○ آسمانوں کا' زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب وہی ہے۔ تو اسی کی بندگی کیا کر اور اس کی عبادت پر جم جا' کیا تیرے علم میں اس کا ہم نام ہم پلہ کوئی اور بھی ہے؟ ○

جبرئیل علیہ السلام کی آمد میں تاخیر کیوں؟: ☆☆ (آیت: ۶۴-۶۵) صحیح بخاری شریف میں ہے آنحضرت رسول مقبول ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا' آپ جتنا آتے ہیں' اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟ اس کے جواب میں یہ آیت اتری ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں بہت تاخیر ہوگئی جس سے حضور ﷺ غمگین ہوئے۔ پھر آپ یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ روایت ہے کہ بارہ دن یا اس سے کچھ کم تک نہیں آئے تھے۔ جب آئے تو حضور ﷺ نے کہا' اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟ مشرکین تو کچھ اور ہی اڑانے لگے تھے اس پر یہ آیت اتری۔ پس گویا یہ آیت سورہ والضحیٰ کی آیت جیسی ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن تک ملاقات نہ ہوئی تھی جب ملاقات ہوئی تو آپؐ نے فرمایا میرا شوق تو بہت ہی بے چین کئے ہوئے تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا' اس سے کسی قدر زیادہ شوق خود مجھے آپ کی ملاقات کا تھا لیکن میں اللہ کے حکم کا مامور اور پابند ہوں وہاں سے جب بھیجا جاؤں تب ہی آ سکتا ہوں ورنہ نہیں' اسی وقت یہ وحی نازل ہوئی۔ لیکن یہ روایت غریب ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنے میں دیر لگائی پھر جب آئے تو حضور ﷺ نے رک جانے کی وجہ دریافت کی آپؐ نے جواب دیا کہ جب لوگ ناخن نہ کتروائیں' انگلیاں اور پوریاں صاف نہ رکھیں' مونچھیں پست نہ کرائیں' مسواک نہ کریں تو ہم کیسے آ سکتے ہیں؟ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

مسند امام احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا' مجلس درست اور ٹھیک ٹھاک کر لو آج وہ فرشتہ آ رہا ہے جو آج سے پہلے زمین پر کبھی نہیں آیا۔ ہمارے آگے پیچھے کی تمام چیزیں اسی اللہ کی ہیں یعنی دنیا اور آخرت اور اس کے درمیان کی یعنی دونوں نفخوں کے درمیان کی چیزیں بھی اسی کی تملیک کی ہیں۔ آنے والے امور آخرت اور گزر چکے ہوئے امور دنیا اور دنیا

آخرت کے درمیان کے امور سب اسی کے قبضے میں ہیں۔ تیرا رب بھولنے والا نہیں اس نے آپ کو اپنی یاد سے فراموش نہیں کیا نہ اس کی یہ صفت۔ جیسے فرمان وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی قسم ہے چاشت کے وقت کی اور رات کی جب وہ ڈھانپ لے نہ تو تیرا رب تجھ سے دستبردار ہے نہ ناخوش۔

ابن ابی حاتم میں ہے' آپ فرماتے ہیں جو کچھ اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جو حرام کر دیا حرام ہے اور جس سے خاموش رہا وہ عافیت ہے تم اللہ کی عافیت کو قبول کر لو اللہ کسی چیز کا بھولنے والا نہیں پھر آپ نے یہی جملہ تلاوت فرمایا۔ آسمان وزمین اور ساری مخلوق کا خالق' مالک' مدبر' متصرف وہی ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے کسی حکم کو ٹال سکے۔ تو اسی کی عبادتیں کئے چلا جا اور اسی پر جما رہ۔ اس کے مثیل' شبیہ' ہم نام' ہم پلہ کوئی نہیں۔ وہ بابرکت ہے وہ بلندیوں والا ہے اس کے نام میں تمام خوبیاں ہیں جل جلالہ۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾

انسان کہہ رہا ہے جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ ○ کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا ○ تیرے پروردگار کی قسم' ہم انہیں اور شیطانوں کو جمع کر کے ضرور ضرور جہنم کے اردگرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کر دیں گے ○ ہم پھر ہر ہر گروہ سے انہیں الگ نکال کھڑا کریں گے جو اللہ رحمٰن سے بہت اکڑے اکڑے پھرتے تھے ○ ہم انہیں بھی خوب جانتے ہیں جو جہنم کے داخلے کے پورے سزاوار ہیں ○

منکرین قیامت کی سوچ: ☆☆ (آیت: ۶۶) بعض منکرین قیامت' قیامت کا آنا اپنے نزدیک محال سمجھتے تھے اور موت کے بعد کا جینا ان کے خیال میں ناممکن تھا وہ قیامت کا اور اس دن کی دوسری اور نئے سرے کی زندگی کا حال سن کر سخت تعجب کرتے تھے جیسے قرآن کا فرمان ہے وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ الخ' یعنی اگر تجھے تعجب ہے تو ان کا یہ قول ہی تعجب سے خالی نہیں کہ یہ کیا' ہم جب مر کر مٹی ہو جائیں گے' پھر ہم نئی پیدائش میں پیدا کئے جائیں گے؟ سورہ یٰسین میں فرمایا' کیا انسان اسے نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا پھر وہ ہم سے صاف صاف جھگڑا کرنے لگا اور ہم پر ہی باتیں بنانے لگا اور اپنی پیدائش کو بھلا کر کہنے لگا کہ ان ہڈیوں کو جو سڑ گل گئی ہیں' کون زندہ کر دے گا؟

(آیت: ۶۷-۷۰) تو جواب دے کہ انہیں وہ خالق حقیقی زندہ کرے گا جس نے انہیں اول بار پیدا کیا تھا وہ ہر ایک اور ہر طرح کی پیدائش سے پورا باخبر ہے۔ یہاں بھی کافروں کے اسی اعتراض کا ذکر ہے کہ ہم مر کر' پھر زندہ ہو کر کیسے کھڑے ہو سکتے ہیں؟ جواباً فرمایا جا رہا ہے کہ کیا اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کچھ نہ تھا اور ہم نے اسے پیدا کر دیا۔ شروع پیدائش کا قائل اور دوسری پیدائش کا منکر؟ جب کچھ نہ تھا تب تو اللہ اسے کچھ کر دینے پر قادر تھا اور اب جب کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہو گیا' کیا اللہ قادر نہیں کہ اسے پھر سے پیدا کر دے؟ پس ابتدائے آفرینش دلیل ہے دوبارہ کی پیدائش پر۔ جس نے ابتدا کی ہے وہی اعادہ کرے گا اور اعادہ بہ نسبت ابتدا کے ہمیشہ آسان ہوا

کرتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' مجھے ابن آدم جھٹلا رہا ہے اور اسے یہ لائق نہ تھا' مجھے ابن آدم ایذا دے رہا ہے اور اسے یہ بھی لائق نہیں اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے میری ابتدا کی' اعادہ نہ کرے گا حالانکہ ظاہر ہے کہ ابتدا بہ نسبت اعادہ کے مشکل ہوتی ہے اور اس کا مجھے ایذا دینا یہ ہے کہ کہتا ہے میری اولاد ہے حالانکہ میں احد ہوں' صمد ہوں' نہ میرے ماں باپ نہ اولاد' نہ میری جنس کا کوئی اور۔ مجھے اپنی ہی قسم ہے کہ میں ان سب کو جمع کروں گا اور جن جن شیطانوں کی یہ لوگ میرے سوا عبادت کرتے تھے' انہیں بھی میں جمع کروں گا' پھر انہیں جہنم کے سامنے لاؤں گا جہاں گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے جیسے فرمان ہے وَتَرٰی کُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ہر امت کو تو دیکھے گا کہ گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ قیام کی حالت میں ان کا حشر ہوگا۔ جب تمام اول وآخر جمع ہو جائیں گے تو ہم ان میں سے بڑے بڑے مجرموں اور سرکشوں کو الگ کر لیں گے' ان کے رئیس وامیر اور بدیوں وبرائیوں کے پھیلانے والے ان کے یہ پیشوا' انہیں شرک وکفر کی تعلیم دینے والے' انہیں اللہ کے گناہوں کی طرف مائل کرنے والے علیحدہ کر لئے جائیں گے جیسے فرمان ہے حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا الخ' جب وہاں سب جمع ہو جائیں گے تو پچھلے اگلوں کی بابت کہیں گے کہ الٰہی انہی لوگوں نے ہمیں بہکا رکھا تھا تو انہیں دگنا عذاب کر الخ۔ پھر خبر کا خبر پر عطف ڈال کر فرماتا ہے کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ سب سے زیادہ عذابوں کا اور دائمی عذابوں کا اور جہنم کی آگ کا سزاوار کون کون ہے؟ جیسے دوسری آیت میں ہے کہ فرمائے گا لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ہر ایک کے لئے دوہرا عذاب ہے لیکن تم علم سے کورے ہو۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾
ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾

تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے' یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی فیصل شدہ امر ہے ○ پھر ہم پرہیزگاروں کو تو بچا لیں گے اور نافرمانوں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے ○

جہنم میں دخول یا ورود؟: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۲) مسند امام احمد بن حنبل کی ایک غریب حدیث میں ہے' ابوسمیہ فرماتے ہیں جس ورود کا اس آیت میں ذکر ہے' اس بارے میں ہم میں اختلاف ہوا کوئی کہتا تھا مومن اس میں داخل نہ ہوں گے' کوئی کہتا تھا داخل تو ہوں گے لیکن پھر بہ سبب اپنے تقویٰ کے نجات پا جائیں گے میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مل کر اس بات کو دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' وارد تو سب ہوں گے۔ اور روایت میں ہے کہ داخل تو سب ہوں گے ہر ایک نیک بھی اور ہر ایک بد بھی لیکن مومنوں پر وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی بن جائے گی جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر تھی یہاں تک کہ اس ٹھنڈک کی شکایت خود آگ کرنے لگے گی پھر ان متقی لوگوں کا وہاں سے چھٹکارا ہو جائے گا۔ خالد بن معدان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے' کہیں گے کہ اللہ نے تو فرمایا تھا کہ ہر ایک پر جہنم وارد ہونے والا ہے اور ہمارا ورود تو ہوا ہی نہیں تو ان سے فرمایا جائے گا کہ تم وہیں سے گزر کر تو آ رہے ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت آگ ٹھنڈی کر دی تھی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار اپنی بیوی صاحبہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے جو رونے لگے آپ کی اہلیہ صاحبہ بھی رونے لگیں تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کیسے روئیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو روتا دیکھ کر۔ آپ نے فرمایا مجھے تو آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ الخ' یاد آ گئی اور رونا آ گیا۔ مجھے کیا معلوم کہ میں نجات پاؤں گا یا نہیں؟ اس وقت آپ بیمار تھے۔ حضرت ابومیسرہ رحمتہ

اللہ علیہ جب رات کو اپنے بستر ے پر سونے کے لئے جاتے تو رونے لگتے اور زبان سے بے ساختہ نکل جاتا کہ کاش کہ میں پیدا ہی نہ ہوتا۔

ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ آخر اس رونے دھونے کی وجہ کیا ہے؟ تو فرمایا یہی آیت ہے۔ یہ تو ثابت ہے کہ وہاں جانا ہوگا اور یہ نہیں معلوم کہ نجات بھی ہوگی یا نہیں؟ ایک بزرگ شخص نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ ہمیں جہنم پر سے گزرنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا' ہاں یقیناً معلوم ہے۔ پھر پوچھا' کیا یہ بھی جانتے ہو کہ وہاں سے پار ہو جاؤ گے؟ انہوں نے فرمایا' اس کا کوئی علم نہیں' پھر ہمارے لئے ہنسی خوشی کیسی؟ یہ سن کر جب سے لے کر موت کی گھڑی تک ان کے ہونٹوں پر ہنسی نہیں آئی - نافع بن ارزق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس بارے میں مخالف تھا کہ یہاں ورود سے مراد داخل ہونا ہے تو آپ نے دلیل میں آیت قرآن اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ پیش کر کے فرمایا' دیکھو یہاں ورود سے مراد داخل ہونا ہے یا نہیں؟ پھر آپ نے دوسری آیت تلاوت فرمائی يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ اور فرمایا بتلاؤ فرعون اپنی قوم کو جہنم میں لے جائے گا یا نہیں؟ پس اب غور کرو کہ ہم اس میں داخل تو ضرور ہوں گے اب نکلیں گے بھی یا نہیں؟ غالباً تجھے تو اللہ نہ نکالے گا اس لئے کہ تو اس کا منکر ہے یہ سن کر نافع کھسیانہ ہو کر ہنس دیا۔ یہ نافع خارجی تھا اس کی کنیت ابو راشد تھی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے سمجھاتے ہوئے آیت وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا بھی پڑھی تھی۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ پہلے بزرگ لوگوں کی ایک دعا یہ بھی تھی کہ اَللّٰهُمَّ اَخْرِجْنِيْ مِنَ النَّارِ سَالِمًا وَّاَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ غَانِمًا اے اللہ مجھے جہنم سے صحیح سالم نکال لے اور جنت میں ہنسی خوشی پہنچا دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوداؤد طیالسی میں یہ بھی مروی ہے کہ اس کے مخاطب کفار ہیں۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ ظالم لوگ ہیں' اسی طرح ہم اس آیت کو پڑھتے تھے' یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نیک بد سب وارد ہوں گے۔ دیکھو فرعون اور اس کی قوم کے لئے اور گنہگاروں کے لئے بھی ورود کا لفظ دخول کے معنی میں خود قرآن کریم کی دو آیتوں میں وارد ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' وارد تو سب ہوں گے' پھر گزر اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوگا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پل صراط سے سب کو گزرنا ہوگا۔ یہی آگ کے پاس کھڑا ہونا ہے۔ اب بعض تو بجلی کی طرح گزر جائیں گے' بعض ہوا کی طرح' بعض پرندوں کی طرح' بعض تیز رفتار گھوڑوں کی طرح' بعض تیز رفتار اونٹوں کی طرح' بعض تیز چال والے پیدل انسان کی طرح یہاں تک کہ سب سے آخر جو مسلمان اس سے پار ہوگا' یہ وہ ہوگا جس کے صرف پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا' گرتا پڑتا نجات پائے گا' پل صراط پھسلنی چیز ہے جس پر ببول جیسے اور گوکھرو جیسے کانٹے ہیں دونوں طرف فرشتوں کی صفیں ہوں گی جن کے ہاتھوں میں جہنم کے آنکس ہوں گے جن سے پکڑ پکڑ کر لوگوں کو جہنم میں دھکیل دیں گے الخ - حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوگا۔ پہلا گروہ تو بجلی کی طرح آن کی آن میں پار ہو جائے گا' دوسرا گروہ ہوا کی طرح جائے گا' تیسرا تیز رفتار گھوڑوں کی طرح' چوتھا تیز رفتار جانور کی طرح فرشتے ہر طرف سے دعائیں کر رہے ہوں گے کہ اے اللہ سلامت رکھ الٰہی بچا لے۔

صحیحین کی بہت سی مرفوع حدیثوں میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جہنم اپنی پیٹھ پر تمام لوگوں کو جما لے گی جب سب نیک و بد جمع ہو جائیں گے تو حکم باری ہوگا کہ اپنے والوں کو تو پکڑ لے اور جنتیوں کو چھوڑ دے اب جہنم سب برے لوگوں کا نوالہ کر جائے گی وہ برے لوگوں کو اس طرح جانتی پہچانتی ہے جس طرح تم اپنی اولاد کو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ مومن صاف بچ

جائیں گے۔ سنو جہنم کے داروغوں کے قد ایک سو سال کی راہ کے ہیں ان میں سے ہر ایک کے پاس گرز ہیں ایک مارتے ہیں تو سات لاکھ آدمیوں کا چورا ہو جاتا ہے۔ مسند میں ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا مجھے اپنے رب کی ذات پاک سے امید ہے کہ بدر اور حدیبیہ کے جہاد میں جو ایمان دار شریک تھے‘ ان میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا یہ سن کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا‘ یہ کیسے؟ قرآن تو کہتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک اس پر وارد ہونے والا ہے تو آپ نے اس کے بعد کی دوسری آیت پڑھ دی کہ متقی لوگ اس سے نجات پا جائیں گے اور ظالم لوگ اسی میں رہ جائیں گے۔ صحیحین میں ہے کہ جس کے تین بچے فوت ہو گئے ہوں‘ اسے آگ نہ چھوئے گی مگر صرف قسم پوری ہونے کے طور پر۔ اس سے مراد یہی آیت ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بخار چڑھا ہوا تھا جس کی عیادت کے لئے رسول مقبولﷺ ہمارے ساتھ تشریف لے چلے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جناب باری عزوجل کا فرمان ہے کہ یہ بخار بھی ایک آگ ہے۔ میں اپنے مومن بندوں کو اس میں اس لئے مبتلا کرتا ہوں کہ یہ جہنم کی آگ کا بدلہ ہو جائے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہی فرما کر پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہﷺ نے فرمایا‘ جو شخص سورہ قل ھو اللہ احد دس مرتبہ پڑھ لے‘ اس کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پھر تو ہم بہت سے محل بنا لیں گے۔ آپ نے جواب دیا اللہ کے پاس کوئی کمی نہیں وہ بہتر سے بہتر اور بہت سے بہت دینے والا ہے۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں ایک ہزار آیتیں پڑھ لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے نبیوں‘ صدیقوں‘ شہیدوں اور صالحوں میں لکھ لیں گے‘ فی الواقع ان کا ساتھ بہترین ساتھیوں کا ساتھ ہے۔ اور جو شخص کسی تنخواہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی خوشی کے لئے مسلمان لشکروں کی ان کی پشت کی طرف سے حفاظت کرنے کے لئے پہرہ دے‘ وہ اپنی آنکھ سے بھی جہنم کی آگ کو نہ دیکھے گا مگر صرف قسم پوری کرنے کے لئے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے‘ تم میں سے ہر ایک اس پر وارد ہونے والا ہے۔ اللہ کی راہ میں اس کا ذکر کرنا‘ خرچ کرنے سے بھی سات سو گنا زیادہ اجر رکھتا ہے اور روایت میں ہے سات ہزار گنا۔ ابوداؤد میں ہے کہ نماز‘ روزہ اور ذکر اللہ کی راہ کے خرچ پر سات سو گنا درجہ رکھتے ہیں۔

قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد اس آیت سے گزرنا ہے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں‘ مسلمان تو پل صراط سے گزر جائیں گے اور مشرک جہنم میں جائیں گے۔ حضورﷺ فرماتے ہیں‘ اس دن بہت سے مرد عورت اس پر سے پھسل پڑیں گے۔ اس کے دونوں کنارے فرشتوں کی صف بندی ہو گی جو اللہ سے سلامتی کی دعائیں کر رہے ہوں گے۔ یہ تو اللہ کی قسم ہے جو پوری ہو کر رہے گی اس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے ذمے لازم کر چکا ہے۔ پل صراط پر جانے کے بعد پرہیزگار تو پار ہو جائیں گے۔ ہاں کافر گنہگار اپنے اپنے اعمال کے مطابق نجات پائیں گے جیسے عمل ہوں گے‘ اتنی دیر وہاں لگ جائے گی۔ پھر نجات یافتہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی سفارش کریں گے۔ ملائکہ شفاعت کریں گے اور انبیاء بھی۔ پھر بہت سے لوگ تو جہنم میں سے اس حالت میں نکلیں گے کہ آگ انہیں کھا چکی ہو گی مگر چہرے کی سجدہ کی جگہ بچی ہوئی ہو گی۔ پھر اپنے اپنے باقی ایمان کے حساب سے دوزخ سے نکالے جائیں گے جن کے دلوں میں بقدر دینار کے ایمان ہو گا‘ وہ اول نکلیں گے‘ پھر اس سے کم والے‘ پھر اس سے کم والے یہاں تک کہ رائی کے دانے کے برابر ایمان والے‘ پھر اس سے کم والے‘ پھر اس سے بھی کمی والے‘ پھر وہ جس نے اپنی پوری عمر میں لا الہ الا اللہ کہہ دیا ہو گو کچھ بھی نیکی نہ کی ہو۔ پھر تو جہنم میں وہی رہ جائیں گے جن پر ہمیشہ اور دوام لکھا جا چکا ہے۔ یہ تمام خلاصہ ہے ان حدیثوں کا جو صحت کے ساتھ آ چکی ہیں۔ پس پل صراط پر جانے کے بعد نیک لوگ پار ہو جائیں گے اور بد لوگ کٹ کٹ کر جہنم میں گر پڑیں گے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾

جب ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں' بتاؤ ہم تم دونوں جماعتوں میں سے کس کا مرتبہ زیادہ ہے؟ اور کس کی مجلس شاندار ہے ○ ہم تو ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو غارت کر چکے ہیں جو ساز و سامان اور نام و نمود میں ان سے بہت بڑھ چڑھ کر تھیں ○

کثرت مال فریب زندگی: ☆☆ (آیت: ۷۳-۷۴) اللہ کی صاف' صریح آیتوں سے پروردگار کے دلیل و برہان والے کلام سے کفار کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا وہ ان سے منہ موڑ لیتے ہیں' دیدے پھیر لیتے ہیں اور اپنی ظاہری شان و شوکت سے انہیں مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں' بتاؤ کس کے مکانات پرتکلف ہیں اور کس کی بیٹھکیں سجی ہوئی ہیں اور آباد اور بارونق ہیں؟ پس ہم جو کہ مال و دولت و شان و شوکت' عزت و آبرو میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں' ہم اللہ کے پیارے ہیں؟ یا یہ جو کہ چھپے پھرتے ہیں' کھانے پینے کو نہیں پاتے۔ کہیں ارقم بن ابوارقم کے گھر میں چھپتے ہیں۔ کہیں اور ادھر ادھر بھاگے پھرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے۔ کافروں نے کہا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو اسے پہلے ہم مانتے یا یہ؟ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی یہی کہا تھا کہ اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ تیرے ماننے والے تو سب غریب محتاج لوگ ہیں ہم تیرے تابعدار نہیں بن سکتے۔ اور آیت میں ہے کہ اسی طرح انہیں دھوکہ لگ رہا ہے اور کہہ اٹھتے ہیں کہ کیا یہی وہ اللہ کے پیارے بندے ہیں جنہیں اللہ نے ہم پر فضیلت دی ہے؟ پھر ان کے اس مغالطے کا جواب دیا کہ ان سے پہلے ان سے بھی ظاہرداری میں بڑھے ہوئے اور مالداری میں آگے نکلے ہوئے لوگ تھے لیکن ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہم نے انہیں تہس نہس کر دیا۔ ان کی مجلسیں' ان کے مکانات' ان کی قومیں' ان کی مالداریاں ان سے سوا تھیں شان و شوکت میں' ٹیپ ٹاپ میں' تکلفات میں امارت اور شرافت میں ان سے کہیں زیادہ تھے۔ ان کے تکبر اور عناد کی وجہ سے ہم نے ان کا بھس اڑا دیا۔ غارت اور برباد کر دیا۔ فرعونیوں کو دیکھ لو ان کے باغات' ان کی نہریں' ان کی کھیتیاں' ان کے شاندار مکانات اور عالیشان محلات اب تک موجود ہیں اور وہ غارت کر دیئے گئے مچھلیوں کا لقمہ بن گئے۔ مقام سے مراد مسکن اور نعمتیں ہیں۔ ''ندی'' سے مراد مجلسیں اور بیٹھکیں ہیں۔ عرب میں بیٹھکوں اور لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں کو نادی اور ندی کہتے ہیں جیسے آیت وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ میں ہے یہی ان مشرکین کا قول تھا کہ ہم بہ اعتبار دنیا کے تم سے بہت بڑھے ہوئے ہیں لباس میں' مال میں' متاع میں' صورت شکل میں' ہم تم سے افضل ہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

کہہ دے کہ جو گمراہی میں ہوتا ہے' اللہ رحمان اس کو خوب لمبا کھینچ لے جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو دیکھ لیں جن کا وعدہ دیئے جاتے ہیں یعنی عذاب یا قیامت کو'اس وقت ان کو صحیح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑے مرتبے والا ہے اور کس کا جتھا کمزور ہے ○ راہ یافتہ لوگوں کی ہدایت اللہ تعالیٰ بڑھاتا رہتا ہے' باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور انجام کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہیں ○

مشرکوں سے مباہلہ: ☆☆ (آیت: ۷۵) ان کافروں کو جو تمہیں ناحق پر اور اپنے تئیں حق پر سمجھ رہے ہیں اور اپنی خوش حالی اور فارغ البالی پر اطمینان کئے بیٹھے ہوئے ہیں' ان سے کہہ دیجئے کہ گمراہوں کی رسی دراز ہوتی ہے' انہیں اللہ کی طرف سے ڈھیل دی جاتی ہے جب تک کہ قیامت نہ آ جائے یا ان کی موت نہ آ جائے۔ اس وقت انہیں پورا پتہ چل جائے گا کہ فی الواقع برا شخص کون تھا اور کس کے ساتھی کمزور تھے۔ دنیا تو ڈھلتی چڑھتی چھاؤں ہے نہ خود اس کا اعتبار نہ اس کے سامان اسباب کا۔ یہ تو اپنی سرکشی میں بڑھتے ہی رہیں گے۔ گویا اس آیت میں مشرکوں سے مباہلہ ہے۔ جیسے یہودیوں سے سورۂ جمعہ میں مباہلہ کی آیت ہے کہ آؤ ہمارے مقابلہ میں موت کی تمنا کرو۔ اسی طرح سورہ آل عمران میں مباہلے کا ذکر ہے کہ جب تم اپنے خلاف دلیلیں سن کر بھی عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کے مدعی ہو تو آؤ بال بچوں سمیت میدان میں جا کر جھوٹے پر لعنت اللہ پڑنے کی دعا کریں۔ پس نہ تو مشرکین مقابلے پر آئے نہ یہود کی ہمت پڑی نہ نصرانی مرد میدان بنے۔

گمراہوں کی گمراہی میں ترقی: ☆☆ (آیت: ۷۶) جس طرح گمراہوں کی گمراہی بڑھتی رہتی ہے' اسی طرح ہدایت والوں کی ہدایت بڑھتی رہتی ہے جیسے فرمان ہے کہ جہاں کوئی سورت اترتی ہے' بعض لوگ کہنے لگتے ہیں' تم میں سے کسے اس نے ایمان میں زیادہ کر دیا؟ الخ باقیات صالحات کی پوری تفسیر ان ہی لفظوں کی تشریح میں سورہ کہف میں گزر چکی ہے۔ یہاں فرماتا ہے کہ یہی پائیدار نیکیاں جزا اور ثواب کے لحاظ سے اور انجام اور بدلے کے لحاظ سے نیکوں کے لئے بہتر ہیں۔ عبدالرزاق میں ہے کہ ایک دن حضور ﷺ ایک خشک درخت تلے بیٹھے ہوئے تھے اس کی شاخ پکڑ کر ہلائی تو سوکھے پتے جھڑنے لگے آپؐ نے فرمایا' دیکھو اسی طرح انسان کے گناہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنے سے جھڑ جاتے ہیں۔ اے ابو درداء ان کا ورد رکھ اس سے پہلے کہ وہ وقت آئے کہ تو انہیں نہ کہہ سکے' یہی باقیات صالحات ہیں' یہی جنت کے خزانے ہیں۔ اس کو سن کر حضرت ابو درداء کا یہ حال تھا کہ اس حدیث کو بیان فرما کر فرماتے کہ واللہ میں تو ان کلمات کو پڑھتا ہی رہوں گا کبھی ان سے زبان نہ روکوں گا گو لوگ مجھے مجنوں کہنے لگیں۔ ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث دوسری سند سے ہے۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾

کیا تو نے اسے بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہا کہ مجھے تو مال و اولاد ضرور ہی دی جائے گی ○ کیا وہ غیب کو جھانک آیا ہے؟ یا اللہ کا کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ ○ ہرگز نہیں' یہ جو بھی کہہ رہا ہے' ہم اسے ضرور لکھ لیں گے اور اس کے لئے عذاب بڑھائے چلے جائیں گے۔ یہ جن چیزوں کی کہہ رہا ہے' اسے ہم اس کے بعد لے لیں گے اور یہ بالکل اکیلا ہی ہمارے سامنے حاضر ہو گا ○

عیار مقروض اور حضرت خبابؓ: ☆☆ (آیت: ۷۷-۸۰) حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں لوہار تھا اور میرا

کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمے تھا میں اس سے تقاضا کرنے کو گیا تو اس نے کہا میں تو تیرا قرض اس وقت تک ادا نہ کروں گا جب تک کہ تو حضرت محمد ﷺ کی تابعداری سے نہ نکل جائے میں نے کہا' میں تو یہ کفر اس وقت تک بھی نہیں کر سکتا کہ تو مر کر دوبارہ زندہ ہو۔ اس کافر نے کہا' بس تو پھر یہی رہی' جب میں مرنے کے بعد زندہ ہوں گا تو ضرور مجھے میرا مال اور میری اولاد بھی ملے گی' وہیں تیرا قرض بھی ادا کر دوں گا تو آ جانا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (بخاری و مسلم) دوسری روایت میں ہے کہ میں نے مکے میں اس کی تلوار بنائی تھی' اس کی اجرت میری ادھار تھی۔ فرماتا ہے کہ کیا اسے غیب کی خبر مل گئی؟ یا اس نے اللہ رحمٰن سے کوئی قول و قرار لے لیا؟ اور روایت میں ہے کہ اس پر میرے بہت سے درہم بطور قرض کے چڑھ گئے تھے اس لئے مجھے جو جواب دیا' میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا اس پر یہ آیتیں اتریں۔ اور روایت میں ہے کہ کئی ایک مسلمانوں کا قرض اس کے ذمے تھا ان کے تقاضوں پر اس نے کہا کہ کیا تمہارے دین میں یہ نہیں کہ جنت میں سونا چاندی' ریشم' پھل پھول وغیرہ ہوں گے؟ ہم نے کہا ہاں ہے تو کہا بس تو یہ چیزیں مجھے ضرور ملیں گی میں وہیں تم سب کو دے دوں گا۔ پس یہ آیتیں فَرْدًا تک اتریں۔ وَلَدًا کی دوسری قرات واؤ کے پیش سے بھی ہے معنی دونوں کے ایک ہی ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زبر سے تو مفرد کے معنی میں ہے اور پیش سے جمع کے معنی میں ہے۔ قیس قبیلے کا یہی لغت ہے واللہ اعلم۔

اس مغرور کو جواب ملتا ہے کہ کیا اسے غیب پر اطلاع ہے؟ اسے آخرت کے اپنے انجام کی خبر ہے جو یہ قسمیں کھا کر کہہ رہا ہے؟ یا اس نے اللہ سے کوئی قول و قرار عہد و پیمان لیا ہے یا اس نے اللہ کی توحید مان لی ہے؟ کہ اس کی وجہ سے اسے دخول جنت کا یقین ہو؟ چنانچہ آیت قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا میں اللہ کی وحدانیت کے کلمے کا قائل ہو جانا ہی مراد لیا گیا ہے۔ پھر اس کے کلام کی تاکید کے ساتھ نفی کی جاتی ہے۔ اور اس کے خلاف موکد بیان ہو رہا ہے کہ اس کا یہ غرور کا کلمہ بھی ہمارے ہاں لکھا جا چکا ہے اس کا کفر بھی ہم پر روشن ہے۔ دار آخرت میں تو اس کے لئے عذاب ہی عذاب ہے جو ہر وقت بڑھتا رہے گا۔ اسے مال و اولاد وہاں بھی ملنا تو کجا' اس کے برعکس دنیا کا مال و متاع اور اولاد و کنبہ بھی اس سے چھین لیا جائے گا اور وہ تن تنہا ہمارے حضور میں پیش ہوگا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں وَنَرِثُه' مَاعِنْدَه ہے۔ اس کی جمع جتھا اور اس کے عمل ہمارے قبضے میں ہیں۔ یہ تو خالی ہاتھ سب کچھ چھوڑ چھاڑ ہمارے سامنے پیش ہوگا۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ تَـــؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾

ع ۱۷ ۵ ۸

انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں کہ وہ ان کے لئے باعث عزت ہوں لیکن ایسا ہرگز ہونا نہیں ○ وہ تو ان کی پوجا سے منکر ہو جائیں گے اور الٹے ان کے دشمن بن جائیں گے ○ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم کافروں کے پاس شیطانوں کو بھیجتے ہیں جو انہیں خوب ہی اکساتے رہتے ہیں ○ تو ان کے بارے میں جلدی نہ کر' ہم تو خود ہی ان کے لئے مدت شماری کر رہے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کے سوا معبود: ☆☆ (آیت: ۸۱-۸۴) کافروں کا خیال ہے کہ ان کے اللہ کے سوا اور معبود ان کے حامی و مددگار ہوں گے۔ غلط

خیال ہے بلکہ محال ہے بلکہ معاملہ اس کے برعکس اور بالکل برعکس ہے۔ ان کی پوری محتاجی کے دن یعنی قیامت میں یہ صاف منکر ہو جائیں گے اور اپنے عابدوں کے دشمن بن کر کھڑے ہوں گے۔ جیسے فرمایا' ان سے بڑھ کر بدراہ اور گم کردہ راہ کون ہے جو اللہ کو چھوڑ انہیں پکار رہا ہے۔ جو قیامت تک جواب نہ دے سکیں' ان کی دعا سے بالکل غافل ہوں اور روز محشر ان کے دشمن بن جائیں اور ان کی عبادت کا بالکل انکار کر جائیں۔ کَلَّا کی دوسری قرات کُلًّا بھی ہے۔ خود یہ کفار بھی اس دن اللہ کے سوا اوروں کی پوجا پاٹ کا انکار کر جائیں گے۔ یہ سب عابد و معبود جہنمی ہوں گے' ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے۔ وہ اس پر' یہ اس پر لعنت و پھٹکار کرے گا' ہر ایک دوسرے پر ڈالے گا' ایک دوسرے کو برا کہے گا' سخت تر جھگڑے پڑیں گے' سارے تعلقات کٹ جائیں گے' ایک دوسرے کے کھلے دشمن ہو جائیں گے مدد تو کہاں مروت تک نہ ہو گی۔ معبود عابدوں کے لئے اور عابد معبودوں کے لئے بلائے بے درماں حسرت بے پایاں ہو جائیں گے۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ ان کافروں کو ہر وقت شیاطین نافرمانیوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں' مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے ہیں' آرزو میں بڑھاتے رہتے ہیں' طغیان اور سرکشی میں آگے کرتے رہتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ ذکر رحمٰن سے منہ موڑنے والے شیطان کے حوالے ہو جاتے ہیں۔ تو جلدی نہ کر' ان کے لئے کوئی بددعا نہ کر' ہم نے خود عمداً انہیں ڈھیل دے رکھی ہے انہیں بڑھتا رہنے دے آخر وقت مقررہ پر دبوچ لئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے' انہیں تو کچھ یونہی سی ڈھیل ہے جس میں یہ اپنے گناہوں میں بڑھے چلے جا رہے ہیں آخر سخت عذابوں کی طرف بے بسی کے ساتھ جا پڑیں گے تم فائدہ حاصل کر لو لیکن یاد رکھو کہ تمہارا اصلی ٹھکانا دوزخ ہی ہے۔ ہم ان کے سال' مہینے' دن اور وقت شمار کر رہے ہیں ان کے سانس بھی ہمارے گنے ہوئے ہیں مقررہ وقت پورا ہوتے ہی عذابوں میں پھنس جائیں گے۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾

جس دن ہم پرہیزگاروں کو اللہ رحمٰن کی طرف بطور مہمان کے جمع کریں گے ○ اور گنہگاروں کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے ○ کسی کو شفاعت کا اختیار نہ ہو گا سوائے ان کے جنہوں نے اللہ کی طرف سے کوئی قول قرار لے لیا ہے ○

اللہ تعالیٰ کے معزز مہمان: ☆☆ (آیت: ۸۵-۸۷) جو لوگ اللہ کی باتوں پر ایمان لائے' پیغمبروں کی تصدیق کی' اللہ کی فرمانبرداری کی' گناہوں سے بچے رہے' پروردگار کا ڈر دل میں رکھا' وہ اللہ کے ہاں بطور معزز مہمانوں کے جمع ہوں گے۔ نورانی سانڈنیوں کی سواری پر آئیں گے اور الٰہی مہمان خانے میں بہ عزت داخل کئے جائیں گے۔ ان کے برخلاف بے ترس' گنہگار' رسولوں کے دشمن دھکے کھا کھا کر اوندھے منہ گھسٹتے ہوئے پیاس کے مارے زبان نکالے ہوئے جبراً قہراً جہنم کے پاس جمع کئے جائیں گے۔ اب بتلاؤ کہ کون مرتبے والا اور کون اچھے ساتھیوں والا ہے؟ مومن اپنی قبر سے منہ اٹھا کر دیکھے گا کہ اس کے سامنے ایک حسین خوبصورت شخص پاکیزہ پوشاک پہنے' خوشبو سے مہکتا چمکتا دمکتا چہرہ لئے کھڑا ہے پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گا آپ نے پہچانا نہیں میں تو آپ کے نیک اعمال کا مجسمہ ہوں آپ کے عمل نورانی حسین اور مہکتے ہوئے تھے' آئیے اب آپ کو میں اپنے کندھوں پر چڑھا کر بہ عزت و اکرام محشر میں لے چلوں گا کیونکہ دنیا کی زندگی میں میں آپ پر سوار رہا ہوں۔ پس مومن اللہ کے پاس سواری پر سوار جائے گا۔ ان کی سواری کے لئے نورانی اونٹ بھی مہیا ہوں گے۔ یہ سب ہنسی خوشی آبرو

عزت کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' وفد کا یہ دستور ہی نہیں کہ وہ پیدل آئے۔ یہ متقی حضرات ایسی نورانی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے کہ مخلوق کی نگاہوں میں ان سے بہتر کوئی سواری کبھی نہیں آئی ان کے پالان سونے کے ہوں گے یہ جنت کے دروازوں تک ان ہی سواریوں پر جائیں گے۔ ان کی نکیلیں زبرجد کی ہوں گی۔ ایک مرفوع روایت میں ہے لیکن حدیث بہت ہی غریب ہے۔

ابن ابی حاتم کی روایت ہے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' میں نے اس آیت کی تلاوت کی اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ وفد تو سواری پر سوار آیا کرتا ہے آپ نے فرمایا قسم اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ پارسا لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور اسی وقت سفید رنگ نورانی پر دار اونٹنیاں اپنی سواری کے لئے موجود پائیں گے' جن پر سونے کے پالان ہوں گے' جن کے پیروں سے نور بلند ہو رہا ہوگا' جو ایک ایک قدم اتنی دور رکھیں گی جہاں تک نگاہ کام کرے۔ یہ ان پر سوار ہو کر ایک جنتی درخت کے پاس پہنچیں گے جہاں سے دو نہریں جاری دیکھیں گے ایک کا پانی پئیں گے جس سے ان کے دلوں کے میل دور ہو جائیں گے دوسری میں غسل کریں گے جس سے ان کے جسم نورانی ہو جائیں گے اور بال جم جائیں گے۔ اس کے بعد نہ کبھی ان کے بال الجھیں نہ پنڈے میلے ہوں ان کے چہرے چمک اٹھیں گے اور یہ جنت کے دروازے پر پہنچیں گے۔ سرخ یاقوت کا حلقہ سونے کے دروازے پر ہوگا جسے یہ کھٹکھٹائیں گے نہایت سریلی آواز اس سے نکلے گی اور حوروں کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے خاوند آ گئے۔ خازن جنت آئیں گے اور دروازے کھولیں گے جنتی ان کے نورانی جسموں اور شگفتہ چہروں کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑنا چاہیں گے لیکن وہ فوراً کہہ اٹھے گا کہ میں تو آپ کا تابع ہوں' آپ کا حکم بردار ہوں اب ان کے ساتھ یہ چلیں گے۔ ان کی حوریں تاب نہ لا سکیں گی اور خیموں سے نکل کر ان سے چمٹ جائیں گی اور کہیں گی کہ آپ ہمارے سرتاج ہیں ہمارے محبوب ہیں میں ہمیشہ آپ کی والی ہوں جو موت سے دور ہوں' میں نعمتوں والی ہوں کہ کبھی میری نعمتیں ختم نہ ہوں گی' میں خوش رہنے والی ہوں کہ کبھی نہ روٹھوں گی' میں یہیں رہنے والی ہوں کہ کبھی آپ سے دور نہ ہوؤں گی یہ اندر داخل ہوں گے دیکھیں گے کہ سو سو گز بلند بالا خانے ہیں' لولو اور موتیوں پر زرد سرخ سبز رنگ کی دیواریں سونے کی ہیں۔ ہر دیوار ایک دوسرے کی ہم شکل ہے' ہر مکان میں ستر تخت ہیں ہر تخت پر ستر حوریں ہیں ہر حور پر ستر جوڑے ہیں تاہم ان کی کمر جھلک رہی ہے ان کے جماع کی مقدار دنیا کی پوری ایک رات کے برابر ہوگی۔ صاف شفاف پانی کی' خالص دودھ کی جو جانوروں کے تھن سے نہیں نکلا' بہترین خوش ذائقہ بے ضرر شراب طہور کی جسے کسی انسان نے نہیں' نچوڑا عمدہ خالص شہد کی جو مکھیوں کے پیٹ سے نہیں نکلا' نہریں بہہ رہی ہوں گی پھلدار درخت میووں سے لدے ہوئے جھوم رہے ہوں گے چاہے کھڑے کھڑے میوے توڑ لیں چاہے بیٹھے بیٹھے چاہے لیٹے لیٹے۔ سبز و سفید پرند اڑ رہے ہیں جس کا گوشت کھانے کو جی چاہا' وہ خود بخود حاضر ہو گیا جہاں کا گوشت کھانا چاہا کھا لیا اور پھر وہ قدرت اللہ سے زندہ چلا گیا۔ چاروں طرف سے فرشتے آ رہے ہیں اور سلام کہہ رہے ہیں اور بشارتیں سنا رہے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو۔ یہی وہ جنت ہے جس کی تم خوشخبریاں دیئے جاتے رہے اور آج اس کے مالک بنا دیئے گئے ہو۔ یہ ہے بدلہ تمہارے نیک اعمال کا جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ ان کی حوروں میں سے اگر کسی کا ایک بال بھی زمین پر ظاہر کر دیا جائے تو سورج کی روشنی ماند پڑ جائے۔ یہ حدیث تو مرفوع بیان ہوئی ہے لیکن تعجب نہیں کہ یہ موقوف ہی ہو جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے قول سے بھی مروی ہے واللہ اعلم۔

ٹھیک اس کے برعکس گنہگار لوگ اوندھے منہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے' جانوروں کی طرح دھکے دے کر جہنم کی طرف جمع کئے

جائیں گے اس وقت پیاس کے مارے ان کی حالت بری ہو رہی ہوگی۔ کوئی ان کی شفاعت کرنے والا ان کے حق میں ایک بھلا لفظ نکالنے والا نہ ہوگا۔ مومن تو ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے لیکن یہ بدنصیب اس سے محروم ہیں۔ یہ خود کہیں گے کہ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ہمارا کوئی سفارشی نہیں نہ سچا دوست ہے۔ ہاں جنہوں نے اللہ سے عہد لے لیا ہے یہ استثنا منقطع ہے۔ مراد اس عہد سے اللہ کی توحید کی گواہی اور اس پر استقامت ہے یعنی صرف اللہ کی عبادت دوسروں کی پوجا سے برات مدد کی اس سے امید تمام آرزوؤں کے پورا ہونے کی اسی سے آس۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان موحدین نے اللہ کا وعدہ حاصل کر لیا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس سے میرا عہد ہے وہ کھڑا ہو جائے۔ لوگوں نے کہا حضرت ہمیں بھی وہ بتا دیجئے آپ نے فرمایا یوں کہو اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَاِنِّیْ اَعْهَدُ اِلَيْكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اَنَّكَ اِنْ تَكِلْنِیْ اِلٰی عَمَلٍ يُّقَرِّبُنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَ يُبَاعِدُنِیْ مِنَ الْخَيْرِ وَ اِنِّیْ لَآ اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَكَ عَهْدًا تُؤَدِّيْهِ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ اور روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے خَآئِفًا مُّسْتَجِيْرًا مُّسْتَغْفِرًا رَّاهِبًا رَاغِبًا اِلَيْكَ (ابن ابی حاتم)

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

ان کا قول تو یہ ہے کہ اللہ رحمٰن نے بھی اولاد اختیار کی ہے ○ یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لائے ہو ○ قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑوں کے ریزے ریزے ہو جائیں ○ کہ تم اللہ رحمٰن کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے ہو ○ شان رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے ○ آسمان و زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں ○ ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح گن بھی رکھا ہے ○ یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اکیلے اس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں ○

عیسیٰ علیہ السلام کا تعارف: ☆☆ (آیت: ۸۸-۹۵) اس مبارک سورت کے شروع میں اس بات کا ثبوت گزر چکا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے باپ کے بغیر اپنے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا کیا ہے۔ اس لئے یہاں ان لوگوں کی نادانی بیان ہو رہی ہے جو آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ جس سے ذات اللہ پاک ہے۔ ان کے قول کو بیان فرمایا پھر فرمایا' یہ بڑی بھاری بات ہے اِدًّا اور اَدًّا اور اٰدًّا تینوں لغت ہیں لیکن مشہور اِدًّا ہے۔ ان کی یہ بات اتنی بری ہے کہ آسمان کپکپا کر ٹوٹ پڑے اور زمین جھٹکے لے لے کر پھٹ جائے اس لئے کہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت جانتے ہیں' ان میں رب کی توحید سمائی ہوئی ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ ان بدکار بے سمجھ انسانوں نے اللہ کی ذات پر تہمت باندھی ہے نہ اس کی جنس کا کوئی نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد نہ اس کا کوئی شریک نہ اس جیسا کوئی۔ تمام مخلوق اس کی وحدانیت کی شاہد ہے۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کی توحید پر دلالت کرنے والا ہے۔ اللہ کے

ساتھ شرک کرنے والوں کے شرک سے ساری مخلوق کانپ اٹھتی ہے۔قریب ہوتا ہے کہ انتظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔شرک کے ساتھ کوئی نیکی کارآمد نہیں ہوتی۔کیا عجب کہ اس کے برعکس توحید کے ساتھ کے گناہ کل کے کل اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔

جیسے کہ حدیث میں ہے' اپنے مرنے والوں کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت کی تلقین کرو۔موت کے وقت جس نے اسے کہہ لیا' اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا' حضور ﷺ جس نے زندگی میں کہہ لیا' فرمایا! اس کے لئے اور زیادہ واجب ہو گئی۔قسم اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ زمین وآسمان اور ان کی اور ان کے درمیان کی اور ان کے نیچے کی تمام چیزیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دوسرے پلڑے میں رکھی جائے تو وہ ان سب سے وزن میں بڑھ جائے۔اسی کی مزید دلیل وہ حدیث ہے جس میں توحید کے ایک چھوٹے سے پرچے کا گناہوں کے بڑے بڑے دفتروں سے وزنی ہو جانا آیا ہے واللہ اعلم۔پس ان کا یہ مقولہ اتنا بد ہے جسے سن کر آسمان بوجہ اللہ کی عظمت کے کانپ اٹھے اور زمین بوجہ غضب کے پھٹ جائے اور پہاڑ پاش پاش ہو جائیں۔حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے دریافت کرتا ہے کہ کیا آج کوئی ایسا شخص بھی تجھ پر چڑھا جس نے اللہ کا ذکر کیا ہو؟ وہ خوشی سے جواب دیتا ہے کہ ہاں۔پس پہاڑ بھی باطل اور جھوٹ بات کو اور بھلی بات کو کرتے ہیں دیگر کلام نہیں کرتے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب زمین کو اور اس کے درختوں کو پیدا کیا تو ہر درخت ابن آدم کو پھل پھول اور نفع دیتا تھا مگر جب زمین پر رہنے والے لوگوں نے اللہ کے لئے اولاد کا لفظ بولا تو زمین ہل گئی اور درختوں میں کانٹے پڑ گئے۔کعب کہتے ہیں' ملائکہ غضبناک ہو گئے اور جہنم زور شور سے بھڑک اٹھی۔مسند احمد میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ لوگوں کی ایذا دہندہ باتوں پر اللہ سے زیادہ صابر کوئی نہیں لوگ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں' اس کی اولادیں مقرر کرتے ہیں اور وہ انہیں عافیت دے رہا ہے' روزیاں پہنچا رہا ہے' برائیاں ان سے ٹالتا رہتا ہے۔پس ان کی اس بات سے کہ اللہ کی اولاد ہے' زمین وآسمان اور پہاڑ تک تنگ ہیں۔اللہ کی عظمت وشان کے لائق نہیں کہ اس کے ہاں اولاد ہو۔اس کے لڑکے لڑکیاں ہوں اس لئے کہ تمام مخلوق اس کی غلامی میں ہے اس کی جوڑ کا یا اس جیسا کوئی اور نہیں۔زمین وآسمان میں جو ہیں' سب اس کے زیر فرمان اور حاضر باش غلام ہیں۔وہ سب کا آقا' سب کا پالنہار' سب کی خبر لینے والا ہے۔سب کی گنتی اس کے پاس ہے سب کو اس کے علم نے گھیر رکھا ہے سب اس کی قدرت کے احاطے میں ہیں۔ہر مرد وعورت چھوٹے بڑے کی اسے اطلاع ہے شروع پیدائش سے ختم دنیا تک کا اسے علم ہے۔اس کا کوئی مددگار نہیں نہ اس کا شریک وساجھی۔ہر ایک بے یار ومددگار اس کے سامنے قیامت کے روز پیش ہونے والا ہے ساری مخلوق کے فیصلے اس کے ہاتھ میں' وہی وحدہ لاشریک لہٗ سب کے حساب کتاب چکائے گا جو چاہے گا کرے گا۔عادل ہے ظالم نہیں' کسی کی حق تلفی اس کی شان سے بعید ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝۹۷ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝۹۸

ع ۶

بے شک جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے شائستہ اعمال کئے ہیں' ان کے لئے اللہ رحمٰن محبت پیدا کر دے گا۔ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں بہت ہی آسان کر دیا ہے۔تو اس کے ذریعے سے پرہیزگاروں کو خوشخبری دے دے اور جھگڑالو اکھڑ لوگوں کو ڈرا دے ○ ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتیں تباہ کر دی ہیں' کیا ان

میں سے ایک کی بھی آہٹ تو پاتا ہے یا ان کی آواز کی بھنک بھی تیرے کان میں پڑتی ہے؟○

اللہ تعالیٰ کا امین فرشتہ : ☆☆ (آیت: ۹۶-۹۸) فرمان ہے کہ جن کے دلوں میں توحید رچی ہوئی ہے اور جن کے اعمال میں سنت کا نور ہے' ضروری بات ہے کہ ہم اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کر دیں گے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت رکھتا ہوں' تو بھی اس سے محبت رکھ۔ اللہ کا یہ امین فرشتہ بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے' پھر آسمانوں میں ندا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں انسان سے محبت رکھتا ہے اے فرشتو! تم بھی اس سے محبت رکھو چنانچہ کل آسمانوں کے فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کی مقبولیت زمین پر اتاری جاتی ہے اور جب کسی بندے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اس سے میں ناخوش ہوں تو بھی اس سے عداوت رکھ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس کے دشمن بن جاتے ہیں پھر آسمانوں میں ندا کر دیتے ہیں کہ فلاں دشمن رب ہے تم سب اس سے بیزار رہنا چنانچہ آسمان والے اس سے بگڑ بیٹھتے ہیں۔ پھر وہی غضب اور ناراضگی زمین پر نازل ہوتی ہے۔ (بخاری مسلم وغیرہ)

مسند احمد میں ہے کہ جو بندہ اپنے مولا کی مرضی کا طالب ہو جاتا ہے اور اس کی خوشی کے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے تو اللہ عزوجل جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ مجھے خوش کرنا چاہتا ہے۔ سنو میں اس سے خوش ہو گیا میں نے اپنی رحمتیں اس پر نازل کرنی شروع کر دیں پس حضرت جبرئیل علیہ السلام ندا کرتے ہیں کہ فلاں پر رحمت الٰہی ہو گئی۔ پھر حاملان عرش بھی یہی منادی کرتے ہیں۔ پھر ان کے پاس والے غرض ساتوں آسمانوں میں یہ آواز گونج جاتی ہے۔ پھر زمین پر اس کی مقبولیت اترتی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے ایسی ہی ایک اور حدیث بھی مسند احمد میں غرابت والی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ محبت اور شہرت کسی کی برائی یا بھلائی کے ساتھ آسمانوں سے اللہ کی جانب سے اترتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں اسی قسم کی حدیث کے بعد آنحضرت ﷺ کا اس آیت قرآنی کو پڑھنا بھی مروی ہے۔ پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ نیک عمل کرنے والے ایمانداروں سے اللہ خود محبت کرتا ہے اور زمین پر بھی ان کی محبت اور مقبولیت اتاری جاتی ہے۔ مومن ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ ان کا ذکر خیر ہوتا ہے اور ان کی موت کے بعد بھی ان کی بہترین شہرت باقی رہتی ہے۔ مصرم بن حبان کہتے ہیں کہ جو بندہ سچے اور مخلص دل سے اللہ کی طرف جھکتا ہے' اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں کو اس کی طرف جھکا دیتا ہے وہ اس سے محبت اور پیار کرنے لگتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے بندہ جو بھلائی برائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کی چادر اوڑھا دیتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کروں گا کہ تمام لوگوں میں میری نیکی کی شہرت ہو جائے اب وہ عبادت الٰہی کی طرف جھک پڑا۔ جب دیکھو نماز میں مسجد میں سب سے اول آئے اور سب کے بعد جائے اسی طرح سات ماہ اسے گزر گئے لیکن اس نے جب بھی سنا یہی سنا کہ لوگ اسے ریاکار کہتے ہیں اس نے یہ حالت دیکھ کر اب اپنے جی میں عہد کر لیا کہ میں صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے عمل کروں گا کسی عمل میں تو نہ بڑھا لیکن خلوص کے ساتھ اعمال شروع کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں ہر شخص کی زبان سے نکلنے لگا کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص پر رحم فرمائے اب تو وہ واقعی اللہ والا بن گیا ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ ابن جریر میں ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن یہ قول درست نہیں اس لئے کہ یہ پوری سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے ہجرت کے بعد اس سورت کی کسی آیت کا نازل ہونا ثابت نہیں اور جو اثر امام صاحب نے وارد کیا ہے وہ سنداً بھی صحیح نہیں واللہ اعلم۔ ہم نے اس قرآن کو اے نبی تیری زبان میں یعنی عربی زبان میں بالکل آسان کر کے نازل فرمایا ہے جو فصاحت و بلاغت والی بہترین زبان ہے تاکہ تو انہیں جو اللہ کا خوف رکھتے ہیں' دلوں میں ایمان اور ظاہر میں نیک اعمال رکھتے ہیں' الٰہی

بشارتیں سنادے اور جو حق سے ہٹے ہوئے' باطل پر مٹے ہوئے' استقامت سے دور' خود بینی میں مخمور' جھگڑالو' جھوٹے' اندھے' بہرے' فاسق' فاجر' ظالم' گنہگار' بدکردار ہیں انہیں ربانی پکڑ سے اور اس کے عذابوں سے متنبہ کردے جیسے قریش کے کفار وغیرہ۔ بہت سی امتوں کو جنہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا تھا' نبیوں کا انکار کیا تھا' ہم نے ہلاک کردیا۔ جن میں سے ایک بھی باقی نہیں بچا۔ ایک کی آواز بھی دنیا میں نہیں رہی۔ رکز کے لفظی معنی ہلکی اور دھیمی آواز کے ہیں۔ الحمدللہ سورہ مریم کی تفسیر ختم ہوئی۔ اب سورہ طٰہٰ کی تفسیر شروع ہوگی ان شاءاللہ والحمدللہ۔

تفسیر سورة طه

(تفسیر سورۃ طٰہٰ) امام الائمہ حضرت محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب التوحید میں حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ایک ہزار سال پہلے سورہ طٰہٰ اور سورہ یٰسین کی تلاوت فرمائی جسے سن کر فرشتے کہنے لگے' وہ امت بہت ہی خوش نصیب ہے جس پر یہ کلام نازل ہوگا۔ وہ زبانیں یقیناً مستحق مبارکباد ہیں جن سے کلام الٰہی کے یہ الفاظ ادا ہوں گے۔ یہ روایت غریب ہے اور اس میں نکارت بھی ہے اور اس کے راوی ابراہیم بن مہاجر اور ان کے استاد پر جرح بھی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ ۝١ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝٢ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝٣ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝٤ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝٥ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝٦ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝٧ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۝٨

بخشش اور مہربانی کرنے والے اللہ کے نام سے شروع

طٰہٰ ○ ہم نے تجھ پر یہ قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے ○ بلکہ اس کی نصیحت کے لئے جو اللہ سے ڈرتا ہے ○ اس کا اتارنا اس کی طرف سے ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے ○ جو رحمٰن ہے' جو عرش پر قائم ہے ○ جس کی ملکیت آسمان و زمین کی اور ان دونوں کے درمیان کی اور کرہ خاک کے نیچے کی ہر ایک چیز ہے ○ اگر تو اونچی بات کہے تو وہ تو ہر ایک پوشیدگی کو اور پوشیدہ سے پوشیدہ چیز کو بھی بخوبی جانتا ہے ○ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' بہترین نام اسی کے ہیں ○

علم قرآن سب سے بڑی دولت ہے: ☆☆ (آیت: ۱-۸) سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں سورتوں کے اول حروف مقطعات کی تفسیر پوری طرح بیان ہو چکی ہے جسے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ گو یہ بھی مروی ہے کہ مراد طٰہٰ سے اے شخص ہے کہتے ہیں کہ یہ نبطی کلمہ ہے۔ کوئی کہتا ہے معرب ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ نماز میں ایک پاؤں زمین پر ٹکاتے اور دوسرا اٹھا لیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری یعنی طٰہٰ یعنی زمین پر دونوں پاؤں ٹکا دیا کر۔ ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تجھے مشقت و تکلیف میں ڈال دیں۔ کہتے ہیں کہ جب قرآن پر عمل حضور ﷺ نے اور آپ کے صحابہؓ نے شروع کردیا تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ لوگ تو اچھی خاصی مصیبت میں پڑ گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ یہ پاک قرآن تمہیں مشقت میں ڈالنے کو نہیں اترا بلکہ یہ نیکوں کے لئے عبرت ہے' یہ الٰہی علم

ہے- جسے یہ ملا اسے بہت بڑی دولت مل گئی- چنانچہ بخاری ومسلم میں ہے کہ جس کے ساتھ اللہ کا ارادہ بھلائی کا ہو جاتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے-

حافظ ابو القاسم طبرانی رحمتہ اللہ علیہ ایک مرفوع صحیح حدیث لائے ہیں کہ قیامت کے دن جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے فرمانے کے لئے اپنی کرسی پر اجلاس فرمائے گا تو علماء سے فرمائے گا کہ میں نے اپنا علم اور اپنی حکمت تمہیں اسی لئے عطا فرمائی تھی کہ تمہارے تمام گناہوں کو بخش دوں اور کچھ پرواہ نہ کروں کہ تم نے کیا کیا ہے؟ پہلے لوگ اللہ کی عبادت کے وقت اپنے آپ کو رسیوں میں لٹکا لیا کرتے تھے- اللہ تعالیٰ نے یہ مشقت اپنے اس کلام پاک کے ذریعہ آسان کر دی اور فرمادیا کہ یہ قرآن تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا جیسے فرمان ہے' جس قدر آسانی سے پڑھا جائے پڑھ لیا کرو' یہ قرآن شقاوت اور بدبختی کی چیز نہیں بلکہ رحمت ونور اور دلیل جنت ہے- یہ قرآن نیک لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں خوف الٰہی ہے' تذکرہ وعظ وہدایت ورحمت ہے- اسے سن کر اللہ کے نیک انجام بندے حلال حرام سے واقف ہو جاتے ہیں اور اپنے دونوں جہان سنوار لیتے ہیں- یہ قرآن تیرے رب کا کلام ہے اسی کی طرف سے نازل شدہ ہے جو ہر چیز کا خالق مالک رازق قادر ہے- جس نے زمین کو نیچی اور کثیف بنایا ہے اور جس نے آسمان کو اونچا اور لطیف بنایا ہے- ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی راہ ہے اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ بھی پانچ سو سال کا ہے-

حضرت عباس والی حدیث امام ابن ابی حاتم نے اسی آیت کی تفسیر میں وارد کی ہے- وہ رحمٰن اللہ اپنے عرش پر مستوی ہے اس کی پوری تفسیر سورہ اعراف میں گزر چکی ہے یہاں وارد کرنے کی ضرورت نہیں- سلامتی والا طریقہ یہی ہے کہ آیات واحادیث صفات کو بطریق سلف صالحین ان کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہی مانا جائے بغیر کیفیت طلبی کے اور بغیر تحریف وتشبیہ اور تعطیل وتمثیل کے- تمام چیزیں اللہ کی ہی ملک ہیں- اسی کے قبضے اور ارادے اور چاہت تلے ہیں- وہی سب کا خالق' مالک' الہ اور رب ہے کسی کو اس کے ساتھ کسی طرح کی شرکت نہیں- ساتویں زمین کے نیچے بھی جو کچھ ہے سب اسی کا ہے- کعب کہتے ہیں اس زمین کے نیچے پانی ہے پانی کے نیچے پھر زمین ہے پھر اس کے نیچے پانی ہے اسی طرح مسلسل پھر اس کے نیچے ایک پتھر ہے اس کے نیچے ایک فرشتہ ہے اس کے نیچے ایک مچھلی ہے جس کے دونوں بازو عرش تک ہیں اس کے نیچے ہوا' خلا اور ظلمت ہے یہیں تک انسان کا علم ہے باقی اللہ جانے-

حدیث میں ہے ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے سب سے اوپر کی زمین مچھلی کی پشت پر ہے جس کے دونوں بازو آسمان سے ملے ہوئے ہیں یہ مچھلی ایک پتھر پر ہے وہ پتھر فرشتے کے ہاتھ میں ہے دوسری زمین ہواؤں کا خزانہ ہے- تیسری میں جہنم کے پتھر ہیں چوتھی میں جہنم کی گندھک ہے پانچویں میں جہنم کے سانپ ہیں چھٹی میں جہنمی بچھو ہیں ساتویں میں دوزخ ہے وہیں ابلیس جکڑا ہوا ہے ایک ہاتھ آگے ہے ایک پیچھے ہے جب اللہ چاہتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہے یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور اس کا فرمان رسول ﷺ سے ہونا بھی غور طلب ہے- مسند ابو یعلی میں ہے' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہم غزوہ تبوک سے لوٹ رہے تھے گرمی سخت تڑاخے کی پڑ رہی تھی دو دو چار چار آدمی منتشر ہو کر چل رہے تھے' میں لشکر کے شروع میں تھا' اچانک ایک شخص آیا اور سلام کر کے پوچھنے لگا' تم میں سے کون محمد ہیں؟ صلی اللہ علیہ وسلم- میں اس کے ساتھ ہو گیا میرے ساتھی آگے بڑھ گئے- جب لشکر کے درمیان کا حصہ آیا تو اسی میں حضور ﷺ تھے میں نے اسے بتلایا کہ یہ ہیں حضور ﷺ سرخ رنگ کی اونٹنی پر سوار ہیں سر پر بوجہ دھوپ کے کپڑا ڈالے ہوئے ہیں وہ آپ کی سواری کے پاس گیا اور نکیل تھام کر عرض کرنے لگا کہ آپ ہی محمد ہیں؟ (ﷺ) آپ نے جواب دیا کہ ہاں' اس نے کہا' میں چند باتیں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں جنہیں زمین والوں میں سے بجز ایک دو آدمیوں کے اور کوئی نہیں جانتا- آپ نے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو

پوچھ لو- اس نے کہا بتایئے انبیاء اللہ سوتے بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا ان کی آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے- اس نے کہا بجا ارشاد ہوا- اب یہ فرمایئے کہ کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی تو باپ کی شباہت پر ہوتا ہے کبھی ماں کی؟ آپ نے فرمایا سنو مرد کا پانی سفید اور غلیظ ہے اور عورت کا پانی پتلا ہے جو پانی غالب آ گیا اسی پر شبیہ جاتی ہے- اس نے کہا یہ بھی بجا ارشاد ہوا- اچھا یہ بھی فرمایئے بچے کے کون سے اعضا مرد کے پانی سے بنتے ہیں اور کون سے عورت کے پانی سے؟ فرمایا مرد کے پانی سے ہڈیاں رگ اور پٹھے اور عورت کے پانی سے گوشت خون اور بال- اس نے کہا یہ بھی صحیح جواب ملا- اچھا یہ بتلایئے کہ اس زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا ایک مخلوق ہے- کہا ان کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا زمین- کہا اس کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا پانی- کہا پانی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا اندھیرا- کہا اس کے نیچے؟ فرمایا ہوا- کہا ہوا کے نیچے؟ فرمایا تر مٹی- کہا اس کے نیچے؟ آپؐ کے آنسو نکل آئے اور ارشاد فرمایا کہ مخلوق کا علم تو یہیں تک پہنچ کر ختم ہو گیا- اب خالق کو ہی اس کے آگے کا علم ہے- اے سوال کرنے والے اس کی بابت تو جس سے سوال کر رہا ہے وہ تجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں- اس نے آپ کی صداقت کی گواہی دی- آپؐ نے فرمایا اسے پہچانا بھی؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو ہی پورا علم ہے آپؐ نے فرمایا' یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے- یہ حدیث بھی بہت ہی غریب ہے اور اس میں جو واقعہ ہے' بڑا ہی عجیب ہے اس کے راویوں میں قاسم بن عبدالرحمٰن کا تفرد ہے جنہیں امام یحییٰ بن معین رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ کسی چیز کے برابر نہیں- امام ابوحاتم رازی بھی انہیں ضعیف کہتے ہیں- امام ابن عدی فرماتے ہیں' یہ معروف شخص نہیں- اور اس حدیث میں خلط ملط کر دیا ہے- اللہ ہی جانتا ہے کہ جان بوجھ کر ایسا کیا ہے یا ایسی ہی کسی سے لی ہے- اللہ وہ ہے جو ظاہر و باطن' اونچ نیچ' چھوٹی بڑی سب کچھ جانتا ہے-

جیسے فرمان ہے کہ اعلان کر دے کہ اس قرآن کو اس نے نازل فرمایا ہے جو آسمان و زمین کے اسرار سے واقف ہے جو غفور و رحیم ہے- ابن آدم خود جو چھپائے اور جو اس پر خود پر بھی چھپا ہوا ہو اللہ کے پاس کھلا ہوا ہے- اس کے عمل کو اس کے علم سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ جانتا ہے- تمام گذشتہ موجودہ اور آئندہ مخلوق کا علم اس کے پاس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا علم- سب کی پیدائش اور مار کر جلانا بھی اس کے نزدیک ایک شخص کی پیدائش اور اس کی موت کے بعد کی دوسری بار کی زندگی کے مثل ہے- تیرے دل کے خیالات کو اور جو خیالات نہیں آتے' ان کو بھی وہ جانتا ہے- تجھے زیادہ سے زیادہ آج کے پوشیدہ اعمال کی خبر ہے اور اسے تو تم کل کیا چھپاؤ گے ان کا بھی علم ہے- ارادے ہی نہیں بلکہ وسوسے بھی اس پر ظاہر ہیں- کئے ہوئے عمل اور جو کرے گا' وہ عمل اس پر ظاہر ہیں- وہی معبود برحق ہے اعلیٰ صفتیں اور بہترین نام اسی کے ہیں- سورہ اعراف کی تفسیر کے آخر میں اسماء حسنیٰ کے متعلق حدیثیں گزر چکی ہیں-

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۹ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝۱۰ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝۱۱ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۲ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝۱۳ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝۱۴

تجھے موسیٰ کا قصہ بھی معلوم ہے ○ جب کہ اس نے آگ دیکھ کر اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ذرا سی دیر ٹھہر جاؤ مجھے آگ دکھائی دی ہے، بہت ممکن ہے کہ میں اس کا کوئی انگارا تمہارے پاس لاؤں یا آگ کے پاس سے راستے کی اطلاع پاؤں ○ جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! ○ یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دے کیونکہ تو پاک میدان طویٰ میں ہے ○ میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے۔ اب جو وحی کی جائے اسے کان لگا کر سن ○ بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ لائق عبادت میرے سوا اور کوئی نہیں۔ تو میری ہی عبادت کرتا رہ اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ ○

آگ کی تلاش: ☆☆ (۹-۱۰) یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آپ اس مدت کو پوری کر چکے تھے جو آپ کے اور آپ کے خسر صاحب کے درمیان طے ہوئی تھی اور آپ اپنے اہل و عیال کو لے کر دس سال سے زیادہ عرصے کے بعد اپنے وطن مصر کی طرف جا رہے تھے۔ سردی کی رات تھی راستہ بھول گئے تھے۔ پہاڑوں کی گھاٹیوں کے درمیان اندھیرا تھا' ابر چھایا ہوا تھا ہر چند چقماق سے آگ نکالنا چاہی لیکن اس سے بالکل آگ نہ نکلی ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو دائیں جانب کے پہاڑ پر کچھ آگ دکھائی دی تو بیوی صاحبہ سے فرمایا' اس طرف آگ سی نظر آ رہی ہے میں جاتا ہوں کہ وہاں سے کچھ انگارے لے آؤں تا کہ تم سینک تاپ کر لو اور کچھ روشنی بھی ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کوئی آدمی مل جائے جو راستہ بھی بتا دے۔ بہرصورت راستے کا پتہ یا آگ مل ہی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۴) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو اس مبارک میدان کے دائیں جانب کے درختوں کی طرف سے آواز آئی کہ اے موسیٰ۔ میں تیرا رب ہوں۔ تو جوتیاں اتار دے یا تو اس لئے یہ حکم ہوا کہ آپ کی جوتیاں گدھے کے چمڑے کی ہیں یا اس لئے کہ تعظیم کرانی مقصود تھی۔ جیسے کہ کعبے جانے کے وقت لوگ جوتیاں اتار کر جاتے ہیں یا اس لئے کہ اس بابرکت جگہ پر پاؤں پڑیں اور بھی وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔ طویٰ اس وادی کا نام تھا یا یہ مطلب کہ اپنے قدم اس زمین سے ملا دو یا یہ مطلب کہ یہ زمین کئی کئی بار پاک کی گئی ہے اور اس میں برکتیں بھر دی گئی ہیں اور بار بار دہرائی گئی ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح پہلا قول ہی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِذْ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى میں نے تجھے اپنا برگزیدہ کر لیا ہے دنیا میں سے تجھے منتخب کر لیا ہے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے تجھے ممتاز فرما رہا ہوں اس وقت کے روئے زمین کے تمام لوگوں سے تیرا مرتبہ بڑھا رہا ہوں۔ کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا' جانتے بھی ہو کہ میں نے تجھے اور تمام لوگوں میں سے مختار اور پسندیدہ کر کے تجھے شرف ہمکلامی کیوں بخشا؟ آپ نے جواب دیا الٰہی مجھے اس کی وجہ معلوم نہیں' فرمایا گیا اس لئے کہ تیری طرح اور کوئی میری طرف نہیں جھکا۔ اب تو میری وحی کو کان لگا کر دھیان دھر کر سن۔ میں ہی معبود ہوں کوئی اور نہیں' یہی پہلا فریضہ ہے تو صرف میری ہی عبادت کئے چلے جانا۔ کسی اور کی کسی قسم کی عبادت نہ کرنا' میری یاد کے لئے نمازیں قائم کرنا' میری یاد کا یہ بہترین اور افضل ترین طریقہ ہے یا یہ مطلب کہ جب میں یاد آؤں نماز پڑھو۔ جیسے حدیث میں ہے کہ تم میں سے اگر کسی کو نیند آ جائے یا غفلت ہو جائے تو جب یاد آ جائے نماز پڑھ لے کیونکہ فرمان الٰہی ہے میری یاد کے وقت نماز قائم کرو۔ صحیحین میں ہے جو شخص سوتے میں یا بھول میں نماز کا وقت گزار دے' اس کا کفارہ یہی ہے کہ یاد آتے ہی نماز پڑھ لے' اس کے سوا اور کفارہ نہیں۔

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿۱۵﴾

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ﴿۱۶﴾

قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو ○ اب اس کے یقین سے تجھے کوئی ایسا شخص روک

نہ دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو ورنہ ہلاک ہو جائے گا ○

(آیت: ۱۵-۱۶) قیامت یقیناً آنے والی ہے ممکن ہے میں اس کے وقت کے صحیح علم کو ظاہر نہ کروں - ایک قرات میں اَخْفِیْھَا کے بعد مِنْ نَفْسِی کے لفظ بھی ہیں کیونکہ اللہ کی ذات سے کوئی چیز مخفی نہیں یعنی اس کا علم بجز اپنے کسی کو نہیں دوں گا - پس روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں ہوا جسے قیامت کے قائم ہونے کا مقررہ وقت معلوم ہو - یہ وہ چیز ہے کہ اگر ہو سکے تو خود میں اپنے سے بھی اسے چھپا دوں لیکن رب سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے - چنانچہ یہ ملائکہ سے پوشیدہ ہے انبیاء اس سے بے علم ہیں - جیسے فرمان ہے قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ زمین و آسمان والوں میں سے سوائے اللہ واحد کے کوئی اور غیب دان نہیں - اور آیت میں ہے قیامت زمین و آسمان پر بھاری پڑ رہی ہے وہ اچانک آ جائے گی یعنی اس کا علم کسی کو نہیں - ایک قرات میں اَخْفِیْھَا ہے - ورقہ فرماتے ہیں مجھے حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ نے اسی طرح پڑھایا ہے اس کے معنی ہیں اَظْھَرَھَا اس دن ہر عامل کو اپنے عمل کا بدلہ دیا جائے گا خواہ ذرہ برابر نیکی ہو خواہ بدی ہو اپنے کرتوت کا بدلہ اس دن ضرور ملنا ہے - پس کسی کو بھی بے ایمان لوگ بہکا نہ دیں - قیامت کے منکر دنیا کے مفتوں مولا کے نافرمان خواہش کے غلام کسی اللہ کے بندے کے اس پاک عقیدے میں اسے تزلزل پیدا نہ کرنے پائیں - اگر وہ اپنی چاہت میں کامیاب ہو گئے تو یہ غارت ہوا اور نقصان میں پڑا -

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوسٰى ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْاُولٰى ﴿۲۱﴾

اے موسیٰ تیرے اس دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ○ جواب دیا کہ یہ میری لکڑی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے میں اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑ لیا کرتا ہوں اور بھی اس میں مجھے بہت سے فائدے کام کے ہیں ○ فرمایا اے موسیٰ! اسے ہاتھ سے نیچے ڈال دے ○ ڈالتے ہی وہ تو سانپ بن کر دوڑنے لگی ○ فرمایا بے خوف ہو کر پکڑ لے - ہم اسے اسی پہلی ہی صورت میں دوبارہ لا دیں گے ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات ملے: ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک بہت بڑے اور صاف کھلے معجزے کا ذکر ہو رہا ہے جو بغیر اللہ کی قدرت کے ناممکن اور جو غیر نبی کے ہاتھ پر بھی ناممکن - طور پہاڑ پر دریافت ہو رہا ہے کہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ یہ سوال اس لئے تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گھبراہٹ دور ہو جائے - یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سوال بطور تقریر کے ہے یعنی تیرے ہاتھ میں لکڑی ہی ہے یہ جیسی کچھ ہے تجھے معلوم ہے اب یہ جو ہو جائے گی وہ دیکھ لینا - اس سوال کے جواب میں کلیم اللہ عرض کرتے ہیں یہ میری اپنی لکڑی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں یعنی چلنے میں مجھے یہ سہارا دیتی ہے اس سے میں اپنی بکریوں کا چارہ درخت سے جھاڑ لیتا ہوں - ایسی لکڑیوں میں ذرا مڑا ہوا لوہا لگا لیا کرتے ہیں تاکہ پتے پھل آسانی سے اتر آئیں اور لکڑی ٹوٹے بھی نہیں - اور بھی بہت سے فوائد اس میں ہیں - ان فوائد کے بیان میں بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہی لکڑی رات کے وقت روشن چراغ بن جاتی تھی - دن کو جب آپ سو جاتے تو یہی لکڑی آپ کی بکریوں کی رکھوالی کرتی جہاں کہیں سایہ دار جگہ نہ ہوتی آپ اسے گاڑ دیتے یہ خیمے کی طرح آپ پر سایہ کرتی وغیرہ وغیرہ -

لیکن بظاہر یہ قول بنی اسرائیل کا افسانہ معلوم ہوتا ہے ورنہ پھر آج اسے بصورت سانپ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قدر کیوں گھبراتے؟ وہ تو اس لکڑی کے عجائبات دیکھتے چلے آتے تھے۔ پھر بعضوں کا قول ہے کہ دراصل یہ لکڑی حضرت آدم علیہ السلام کی تھی۔ کوئی کہتا ہے یہی لکڑی قیامت کے قریب دابۃ الارض کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ کہتے ہیں اس کا نام ماشا تھا۔ اللہ ہی جانے ان اقوال میں کہاں تک جان ہے؟

لاٹھی اژدھا بن گئی: ☆☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی کا لکڑی ہونا جتا کر انہیں بخوبی بیدار اور ہوشیار کر کے حکم ملا کہ اسے زمین پر ڈال دو۔ زمین پر پڑتے ہی وہ ایک زبردست اژدھے کی صورت میں پھنپھناتی ہوئی لگی ادھر ادھر چلنے پھرنے بلکہ دوڑنے بھاگنے لگی۔ ایسا خوفناک اژدھا اس سے پہلے کسی نے دیکھا ہی نہ تھا۔ اس کی تو یہ حالت تھی کہ ایک درخت سامنے آ گیا تو یہ اسے ہضم کر گیا۔ ایک پتھر کی چٹان راستے میں آ گئی تو اس کا لقمہ بنا گیا۔ یہ حال دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام الٹے پاؤں بھاگے۔ آواز دی گئی کہ موسیٰ پکڑ لے لیکن ہمت نہ پڑی پھر فرمایا موسیٰ علیہ السلام ڈرنہیں' پکڑ لے۔ پھر بھی جھجک باقی رہی تیسری مرتبہ فرمایا تو ہمارے امن میں ہے اب ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا۔ کہتے ہیں فرمان اللہ کے ساتھ ہی آپ نے لکڑی زمین پر ڈال دی پھر ادھر ادھر آپ کی نگاہ ہوگئی اب جو نظر ڈالی بجائے لکڑی کے ایک خوفناک اژدھا دکھائی دیا جو اس طرح چل پھر رہا ہے جیسے کسی کی جستجو میں ہو۔ گابھن اونٹنی جیسے بڑے بڑے پتھروں کو آسمان سے باتیں کرتے ہوئے اونچے اونچے درختوں کو ایک لقمے میں ہی پیٹ میں پہنچا رہا ہے' آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی ہیں۔ اس ہیبت ناک خونخوار اژدھے کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سہم گئے اور پیٹھ موڑ کر زور سے بھاگے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی یاد آ گئی تو شرما کر ٹھہر گئے وہیں آواز آئی کہ موسیٰ لوٹ کر وہیں آ جاؤ جہاں تھے آپ لوٹے لیکن نہایت خوفزدہ تھے۔ تو حکم ہوا کہ اپنے داہنے ہاتھ سے اسے تھام لو کچھ بھی خوف نہ کرو ہم اسے اس کی اسی اگلی حالت میں لوٹا دیں گے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام صوف کا کمبل اوڑھے ہوئے تھے جسے ایک کانٹے سے انکا رکھا تھا آپ نے اسی کمبل کو اپنے ہاتھ پر لپیٹ کر اس ہیبت ناک اژدھے کو پکڑنا چاہا فرشتے نے کہا موسیٰ علیہ السلام اگر اللہ تعالیٰ اسے کاٹنے کا حکم دے دے تو کیا تیرا یہ کمبل بچا سکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں لیکن یہ حرکت مجھ سے بہ سبب میرے ضعف کے سرزد ہوگئی میں ضعیف اور کمزور ہی پیدا کیا گیا ہوں۔ اب دلیری کے ساتھ کمبل ہٹا کر ہاتھ بڑھا کر اس کے سر کو تھام لیا اسی وقت وہ اژدھا پھر لکڑی بن گیا جیسے پہلے تھا۔ اس وقت جب کہ آپ اس گھاٹی پر چڑھ رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں یہ لکڑی تھی جس پر ٹیک لگائے ہوئے تھے' اسی حال میں آپ نے پہلے دیکھا تھا اسی حالت پر اب ہاتھ میں بصورت عصا موجود تھا۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ﴿٢٣﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي ﴿٢٩﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿٣١﴾ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿٣٣﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾

اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ڈال لے تو وہ سفید چمکتا ہوا ہو کر نکلے گا لیکن بغیر کسی عیب اور روگ کے یہ ہے دوسرا معجزہ ○ یہ اس لئے کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھانا چاہتے ہیں ○ تو فرعون کی طرف جا۔ اس نے بڑی ڈنڈ (بغاوت) مچا رکھی ہے ○ کہنے لگا' میرے پروردگار میرا سینہ میرے لئے کھول دے ○ اور میرے کام کو مجھ پر آسان کر دے ○ اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے ○ تا کہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں ○ اور میرا وزیر میرے کنبے میں سے کر دے ○ یعنی میرے بھائی ہارون کو ○ تو اس سے میری کمر کس دے ○ اور اسے میرا شریک کار کر دے ○ تا کہ ہم دونوں بکثرت تیری تسبیح بیان کریں ○ اور بکثرت تیری یاد کریں ○ بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے بھالنے والا ہے ○

معجزات کی نوعیت: ☆☆ (آیت: ۲۳-۳۵) حضرت موسیٰؑ کو دوسرا معجزہ دیا جاتا ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ڈال کر پھر اسے نکال لو تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا روشن بن کر نکلے گا۔ یہ نہیں کہ برص کی سفیدی ہو یا کوئی بیماری اور عیب ہو۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے جب ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چراغ کی طرح روشن نکلا جس سے آپ کا یہ یقین کہ آپ اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے ہیں' اور بڑھ گیا۔ یہ دونوں معجزے یہیں اسی لئے ملے تھے کہ آپ اللہ کی ان زبردست نشانیوں کو دیکھ کر یقین کر لیں۔

فرعون کے سامنے کلمہ حق: ☆☆ پھر حکم ہوا کہ فرعون نے ہماری بغاوت پر کمر کس لی ہے' اس کے پاس جا کر اسے سمجھاؤ۔ وہب رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قریب ہونے کا حکم دیا یہاں تک کہ آپ اس درخت کے تنے سے لگ کر کھڑے ہو گئے' دل ٹھہر گیا' خوف و خطر دور ہو گیا۔ دونوں ہاتھ اپنی لکڑی پر ٹکا کر سر جھکا کر گردن خم کر کے باادب ارشاد الٰہی سننے لگے تو فرمایا گیا کہ ملک مصر کے بادشاہ فرعون کی طرف ہمارا پیغام لے کر جاؤ' یہیں سے تم بھاگ کر آئے ہو اس سے کہو کہ وہ ہماری عبادت کرے' کسی کو شریک نہ بنائے' بنو اسرائیل کے ساتھ سلوک و احسان کرے' انہیں تکلیف اور ایذا نہ دے۔ فرعون بڑا باغی ہو گیا ہے' دنیا کا مفتون بن کر آخرت کو فراموش کر بیٹھا ہے اور اپنے پیدا کرنے والے کو بھول گیا ہے' تو میری رسالت لے کر اس کے پاس جا میرے کان اور میری آنکھیں تیرے ساتھ ہیں میں تجھے دیکھتا بھالتا اور تیری باتیں سنتا سنتا رہوں گا۔ میری مدد تیرے پاس ہو گی میں نے اپنی طرف سے تجھے حجتیں عطا فرما دی ہیں اور تجھے قوی اور مضبوط کر دیا ہے تو اکیلا ہی میرا پورا لشکر ہے۔ اپنے ایک ضعیف بندے کی طرف تجھے بھیج رہا ہوں جو میری نعمتیں پا کر پھول گیا ہے اور میری پکڑ کو بھول گیا ہے' دنیا میں پھنس گیا اور غرور و تکبر میں دھنس گیا ہے۔ میری ربوبیت سے بیزار' میری الوہیت سے برسرپیکار ہے۔ مجھ سے آنکھیں پھیر لی ہیں دیدے بدل لئے ہیں۔ میری پکڑ سے غافل ہو گیا ہے۔ میرے عذابوں سے بے خوف ہو گیا ہے۔ مجھے اپنی عزت کی قسم' اگر میں اسے ڈھیل دینا نہ چاہتا تو آسمان اس پر ٹوٹ پڑتے زمین اسے نگل جاتی دریا اسے ڈبو دیتے لیکن چونکہ وہ میرے مقابلے کا نہیں' ہر وقت میرے بس میں ہے میں اسے ڈھیل دیئے ہوئے ہوں اور اس سے بے پرواہی برت رہا ہوں۔ میں ہوں بھی ساری مخلوق سے بے پرواہ' حق تو یہ ہے کہ بے پروائی صرف میری ہی صفت ہے۔ تو میری رسالت ادا کر' اسے میری عبادت کی ہدایت کر' اسے توحید و اخلاص کی دعوت دے' میری نعمتیں یاد دلا۔ میرے عذابوں سے دھمکا' میرے غضب سے ہوشیار کر دے۔ جب میں غصہ کر بیٹھتا ہوں تو امن نہیں ملتا۔ اسے نرمی سے سمجھا تا کہ نہ ماننے کا عذر ٹوٹ جائے۔

میری بخشش کی' میرے کرم و رحم کی اسے خبر دے۔ کہہ دے کہ اب بھی اگر میری طرف جھکے گا تو میں تمام بداعمالیوں سے قطع نظر کر لوں گا۔ میری رحمت میرے غضب سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ خبردار اس کا دنیوی ٹھاٹھ دیکھ کر رعب میں نہ آ جانا اس کی چوٹی میرے ہاتھ میں ہے اس کی زبان چل نہیں سکتی اس کے ہاتھ اٹھ نہیں سکتے اس کی آنکھ پھڑک نہیں سکتی اس کا سانس چل نہیں سکتا جب تک میری اجازت نہ ہو۔ اسے سمجھا کہ میری مان لے تو میں بھی مغفرت سے پیش آؤں گا۔ چار سو سال اسے سرکشی کرتے' میرے بندوں پر ظلم ڈھاتے' میری عبادت

سے لوگوں کو روکتے گزر چکے ہیں- تاہم نہ میں نے اس پر بارش بند کی نہ پیداوار روکی نہ بیمار ڈالا نہ بوڑھا کیا نہ مغلوب کیا- اگر چاہتا ظلم کے ساتھ ہی پکڑ لیتا لیکن میرا حلم بہت بڑھا ہوا ہے- تو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر اس سے پوری طرح جہاد کر اور میری مدد پر بھروسہ رکھ میں اگر چاہوں تو اپنے لشکروں کو بھیج کر اس کا بھیجا نکال دوں- لیکن اس بے بنیاد بندے کو دکھانا چاہتا ہوں کہ میری جماعت کا ایک بھی روئے زمین کی طاقتوں پر غالب آ سکتا ہے- مدد میرے اختیار میں ہے- دنیوی جاہ وجلال کی تو پرواہ نہ کرنا بلکہ آنکھ بھر کر دیکھنا بھی نہیں- میں اگر چاہوں تو تمہیں اتنا دے دوں کہ فرعون کی دولت اس کے پاسنگ میں بھی نہ آ سکے لیکن میں اپنے بندوں کو عموماً غریب ہی رکھتا ہوں تا کہ ان کی آخرت سنوری رہے یہ اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ میرے نزدیک قابل اکرام نہیں بلکہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ دونوں جہان کی نعمتیں آنے والے جہان میں جمع مل جائیں- میرے نزدیک بندے کا کوئی عمل اتنا وقعت والا نہیں جتنا زہد اور دنیا سے دوری- میں اپنے خاص بندوں کو سکینت اور خشوع وخضوع کا لباس پہنا دیتا ہوں ان کے چہرے سجدوں کی چمک سے روشن ہو جاتے ہیں- یہی سچے اولیا اللہ ہوتے ہیں- ان کے سامنے ہر ایک کو باادب رہنا چاہیے- اپنی زبان اور دل کو ان کا تابع رکھنا چاہئے- سن لے! میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والا گویا مجھے لڑائی کا اعلان دیتا ہے- تو کیا مجھ سے لڑنے کا ارادہ رکھنے والا کبھی سرسبز ہو سکتا ہے؟ میں نے قہر کی نظر سے اسے دیکھا اور اس کا تہس نہس ہوا- میرے دشمن مجھ پر غالب نہیں آ سکتے' میرے مخالف میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے- میں اپنے دوستوں کی آپ مدد کرتا ہوں' انہیں دشمنوں کا شکار نہیں ہونے دیتا- دنیا و آخرت میں انہیں سرخرو رکھتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا بچپن کا زمانہ فرعون کے گھر میں بلکہ اس کی گود میں گزارا تھا جوانی تک ملک مصر میں اسی کی بادشاہت میں ٹھہرے رہے تھے پھر ایک قبطی بے ارادہ آپ کے ہاتھ سے مر گیا تھا جس سے آپ یہاں سے بھاگ نکلے تھے تب سے لے کر آج تک مصر کی صورت نہیں دیکھی تھی- فرعون ایک سخت دل' بد خلق' اکھڑ مزاج' آوارہ انسان تھا غرور اور تکبر اتنا بڑھ گیا تھا کہ کہتا تھا کہ میں اللہ کو جانتا ہی نہیں- اپنی رعایا سے کہتا تھا کہ تمہارا رب میں ہی ہوں- ملک و مال میں' دولت ومتاع میں لاؤ لشکر اور کروفر میں کوئی روئے زمین پر اس کے مقابلے کا نہ تھا-

موسیٰ علیہ السلام کی دعائیں: ☆☆ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسے ہدایت کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرا سینہ کھول دے اور میرے کام میں آسانی پیدا کر دے- اگر تو آپ میرا مددگار نہ بنا تو یہ سخت بار میرے کمزور کندھے نہیں اٹھا سکتے- اور میری زبان کی گرہ کھول دے- چونکہ آپ کے بچپن کے زمانے میں آپ کے سامنے کھجور اور انگارے رکھے گئے تھے' آپ نے انگارہ لے کر منہ میں رکھ لیا تھا' اس لئے زبان میں لکنت ہو گئی تھی تو دعا کی کہ میرے زبان کی گرہ کھل جائے- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ادب کو دیکھئے کہ بقدر حاجت سوال کرتے ہیں یہ نہیں عرض کرتے کہ میری زبان بالکل صاف ہو جائے بلکہ دعا یہ کرتے ہیں کہ گرہ کھل جائے تا کہ لوگ میری بات سمجھ لیں- انبیاء علیہم السلام اللہ سے صرف حاجت روائی کے مطابق ہی عرض کرتے ہیں' آگے نہیں بڑھتے- چنانچہ آپ کی زبان میں پھر بھی کچھ کسر رہ گئی تھی جیسے کہ فرعون نے کہا تھا کہ کیا میں بہتر ہوں یا یہ؟ جو فرومایہ ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا- حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ایک گرہ کھلنے کی دعا تھی جو پوری ہوئی- اگر پوری کی دعا ہوتی تو وہ بھی پوری ہوتی- آپ نے صرف اسی قدر دعا کی تھی کہ آپ کی زبان ایسی کر دی جائے کہ لوگ آپ کی بات سمجھ لیا کریں-

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ڈر تھا کہ کہیں وہ الزام قتل رکھ کر قتل نہ کر دیں اس کی دعا کی جو قبول ہوئی- زبان میں اٹکاؤ تھا اس کی بابت دعا کی کہ اتنی صاف ہو جائے کہ لوگ بات سمجھ لیں یہ دعا بھی پوری ہوئی- دعا کی کہ ہارون کو بھی نبی بنا دیا جائے یہ بھی پوری

ہوئی ۔ حضرت محمد بن کعب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ان کے ایک رشتے دار آئے اور کہنے لگے' یہ تو بڑی کمی ہے کہ تم بولنے میں غلط بول جاتے ہو ۔ آپ نے فرمایا' بھتیجے کیا میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ؟ کہا' ہاں سمجھ میں تو آ جاتی ہے' کہا بس یہی کافی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ سے یہی اور اتنی ہی دعا کی تھی ۔ پھر اور دعا کی کہ میری خارجی اور ظاہری امداد کے لئے میرا وزیر بنا دے اور ہو بھی وہ میرے کنبے میں سے ۔ یعنی میرے بھائی ہارون کو نبوت عطا فرما ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اسی وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی نبوت عطا فرمائی گئی ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عمرے کے لئے جاتے ہوئے کسی اعرابی کے ہاں مقیم تھیں کہ سنا ایک شخص پوچھتا ہے کہ دنیا میں کس بھائی نے اپنے بھائی کو سب سے زیادہ نفع پہنچایا ہے؟ اس سوال پر سب خاموش ہو گئے اور کہہ دیا کہ ہمیں اس کا علم نہیں ۔ اس نے کہا اللہ کی قسم مجھے اس کا علم ہے ۔ صدیقہ فرماتی ہیں' میں نے اپنے دل میں کہا' دیکھو یہ شخص کتنی بے جا جسارت کرتا ہے' بغیر ان شاء اللہ کے قسم کھا رہا ہے ۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ' اس نے جواب دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ اپنے بھائی کو اپنی دعا سے نبوت دلوائی ۔ میں بھی یہ سن کر دنگ رہ گئی اور دل میں کہنے لگی' بات تو سچ کہی' فی الواقع اس سے زیادہ کوئی بھائی اپنے بھائی کو نفع نہیں پہنچا سکتا ۔ اللہ نے سچ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پاس بڑے آبرودار تھے ۔ اس دعا کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ میری کمر مضبوط ہو جائے ۔ تا کہ ہم تیری تسبیح اچھی طرح بیان کریں ۔ ہر وقت تیری پاکیزگی بیان کرتے رہیں ۔ اور تیری یاد بکثرت کریں ۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' بندہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کرنے والا اسی وقت ہوتا ہے جب کہ وہ بیٹھتے اٹھتے اور لیٹتے ذکر اللہ میں مشغول رہے ۔ تو ہمیں دیکھتا ہے' یہ تیرا رحم و کرم ہے کہ تو نے ہمیں برگزیدہ کیا' ہمیں نبوت عطا فرمائی اور ہمیں اپنے دشمن فرعون کی طرف اپنا نبی بنا کر اس کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ۔ تیرا شکر ہے اور تیرے ہی لئے تمام تعریفیں سزاوار ہیں ۔ تیری ان نعمتوں پر ہم تیرے شکر گزار ہیں ۔

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِىْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۭ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۣ

جناب باری تعالیٰ نے فرمایا' موسیٰ تیرے سوالات پورے کر دیئے گئے ○ ہم نے تو تجھ پر ایک بار اور بھی بڑا احسان کیا ہے ○ جب کہ ہم نے تیری ماں کو وہ الہام کیا جو کیا جانا تھا ○ کہ تو اسے صندوق میں بند کر کے دریا میں چھوڑ دے تو دریا اسے کنارے لا ڈالے گا اور میرا اور خود اس کا دشمن اسے لے لے گا ۔ اور میں نے اپنی طرف کی خاص محبت و مقبولیت تجھ پر ڈال دی' تا کہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے ○ جب کہ تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اگر تم کہو تو میں اسے بتا دوں جو اس کی نگہبانی کرے' اس تدبیر سے ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچایا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو' تو نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا' اس پر بھی ہم نے تجھے بچا لیا غرض ہم نے تجھے اچھی طرح آزما لیا ○

موسیٰ علیہ السلام کا بچپن : ☆☆(آیت:۳۶-۴۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمام دعائیں قبول ہوئیں اور فرما دیا گیا کہ تمہاری درخواست منظور ہے- اس احسان کے ساتھ ہی اور احسان کا بھی ذکر کر دیا گیا کہ ہم نے تجھ پر ایک مرتبہ اور بھی بڑا احسان کیا ہے- پھر اس واقعہ کو مختصر طور پر یاد دلایا کہ ہم نے تیرے بچپن کے وقت تیری ماں کی طرف وحی بھیجی جس کا ذکر اب تم سے ہو رہا ہے- تم اس وقت دودھ پیتے بچے تھے تمہاری والدہ کو فرعون اور فرعونیوں کا کھٹکا تھا کیونکہ اس سال وہ بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر رہا تھا- اس خوف کے مارے وہ ہر وقت کانپتی رہتی تھیں تو ہم نے وحی کی کہ ایک صندوق بنالو دودھ پلا کر بچے کو اس میں لٹا کر دریائے نیل میں اس صندوق کو چھوڑ دو چنانچہ وہ یہی کرتی رہیں ایک رسی اس میں باندھ رکھی تھی جس کا ایک سرا اپنے مکان سے باندھ لیتی تھیں' ایک مرتبہ باندھ رہی تھیں جو رسی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور صندوق کو پانی کی موجیں بہالے چلیں اب تو کلیجہ تھام کر رہ گئی اس قدر غمزدہ ہوئی کہ صبر ناممکن تھا' راز فاش کر دیتیں' لیکن ہم نے دل مضبوط کر دیا صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا' آل فرعون نے اسے اٹھا لیا کہ جس غم سے وہ بچنا چاہتے تھے' جس صدمے سے وہ محفوظ رہنا چاہتے تھے' وہ ان کے سامنے آ جائے- جس کی شمع حیات کو بجھانے کے لئے وہ بے گناہ معصوموں کا قتل عام کر رہے تھے' وہ انہی کے تیل سے انہی کے ہاں روشن ہو اور اللہ کے ارادے بے روک پورے ہو جائیں- ان کا دشمن انہی کے ہاتھوں پلے انہی کا کھائے ان کے ہاں تربیت پائے-

خود فرعون اور اس کی اہلیہ محترمہ نے جب بچے کو دیکھا' رگ رگ میں محبت سما گئی لے کر پرورش کرنے لگے- آنکھوں کا تارا سمجھنے لگے شاہزادوں کی طرح ناز و نعمت سے پلنے لگے شاہی دربار میں رہنے لگے- اللہ نے اپنی محبت تجھ پر ڈال دی گو فرعون تیرا دشمن تھا لیکن رب کی بات کون بدلے؟ اللہ کے ارادے کو کون ٹالے؟ فرعون پر ہی کیا منحصر ہے' جو دیکھتا آپ کا والا و شیدا بن جاتا یہ اس لئے تھا کہ تیری پرورش میری نگاہ کے سامنے ہو شاہی خوراکیں کھا عزت و وقعت کے ساتھ رہ- فرعون والوں نے صندوقچہ اٹھا لیا کھولا بچے کو دیکھا پالنے کا ارادہ کیا لیکن آپ کسی دایہ کا دودھ دباتے ہی نہیں بلکہ منہ میں ہی نہیں لیتے- بہن جو صندوق کو دیکھتی بھالتی کنارے کنارے آ رہی تھی وہ بھی موقعہ پر پہنچ گئیں کہنے لگیں کہ آپ اگر اس کی پرورش کی تمنا کرتے ہیں اور معقول اجرت بھی دیتے ہیں تو میں ایک گھرانہ بتاؤں جو اسے محبت سے پالے اور خیر خواہانہ برتاؤ کرے- سب نے کہا ہم تیار ہیں آپ انہیں لئے ہوئے اپنی والدہ کے پاس پہنچیں جب بچہ ان کی گود میں ڈال دیا گیا' آپ نے جھٹ سے منہ لگا کر دودھ پینا شروع کیا جس سے فرعون کے ہاں بڑی خوشیاں منائی گئیں اور بہت کچھ انعام و اکرام دیا گیا- تنخواہ مقرر ہو گئی اپنے ہی بچے کو دودھ پلاتیں اور تنخواہ اور انعام بھی اور عزت و اکرام بھی پاتیں دنیا بھی ملے- دین بھی بڑھے- اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے کام کو کرے اور نیک نیتی سے کرے' اس کی مثال ام موسیٰ کی مثال ہے کہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلائے اور اجرت بھی لے- پس یہ بھی ہماری کرم فرمائی ہے کہ ہم نے تجھے تیری ماں کی گود میں واپس کیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غم و رنج جاتا رہے- پھر تمہارے ہاتھ سے ایک فرعونی قبطی مار ڈالا گیا تو بھی ہم نے تمہیں بچا لیا فرعونیوں نے تمہارے قتل کا ارادہ کر لیا تھا' راز فاش ہو چکا تھا تمہیں یہاں سے نجات دی تم بھاگ کھڑے ہوئے- مدین کے کنویں پر جا کر تم نے دم لیا- وہیں ہمارے ایک نیک بندے نے تمہیں بشارت سنائی کہ اب کوئی خوف نہیں ان ظالموں سے تم نے نجات پالی- تجھے ہم نے بطور آزمائش اور بھی بہت سے فتنوں میں ڈالا-

حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا اب تو دن ڈوبنے کو ہے واقعات زیادہ ہیں پھر سہی چنانچہ میں نے دوسری صبح پھر سوال کیا تو آپ نے فرمایا' سنو فرعون کے دربار میں ایک دن اس بات کا ذکر چھڑا کہ اللہ کا وعدہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے یہ تھا کہ ان کی اولاد میں انبیاء اور بادشاہ ہوں گے

چنانچہ بنواسرائیل اس کے آج تک منتظر ہیں اور انہیں یقین ہے کہ مصر کی سلطنت پھر ان میں جائے گی۔ پہلے تو ان کا خیال تھا کہ یہ وعدہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بابت تھا لیکن ان کی وفات تک جب کہ یہ وعدہ پورا نہیں ہوا تو وہ اب عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ ان میں اپنے ایک پیغمبر کو بھیجے گا جن کے ہاتھوں انہیں سلطنت بھی ملے گی اور ان کی قومی و مذہبی ترقی ہوگی۔ یہ باتیں کر کے انہوں نے مجلس مشاورت قائم کی کہ اب کیا کیا جائے جس سے آئندہ کے اس خطرے سے محفوظ رہ سکیں۔ آخر اس جلسے میں قرارداد منظور ہوئی کہ پولیس کا ایک محکمہ قائم کیا جائے مدت گزر گئی تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ اس طرح تو بنی اسرائیل بالکل فنا ہو جائیں گے اور جو ذلیل خدمتیں ان سے لی جاتی ہیں' جو بیگاریں ان جو شہر کا گشت لگاتا رہے اور بنی اسرائیل میں جو نرینہ اولاد ہو' اسے اسی وقت سرکار میں پیش کیا جائے اور ذبح کر دیا جائے۔ لیکن جب ایک سے وصول ہو رہی ہیں' سب موقوف ہو جائیں گی' اس لئے اب تجویز ہوا کہ ایک سال ان کے بچوں کو چھوڑ دیا جائے اور ایک سال ان کے لڑکے قتل کر دیئے جائیں۔ اس طرح موجودہ بنی اسرائیلیوں کی تعداد بھی نہ بڑھے گی اور نہ اتنی کم ہو جائے گی کہ ہمیں اپنی خدمت گزاری کے لئے بھی نہ مل سکیں۔ جتنے بڈھے دو سال میں مریں گے' اتنے بچے ایک سال میں پیدا ہو جائیں گے۔ جس سال قتل موقوف تھا' اس سال تو حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال قتل عام بچوں کا جاری تھا' اس برس حضرت موسیٰ علیہ السلام تولد ہوئے۔ آپ کی والدہ کی اس وقت کی گھبراہٹ اور پریشانی کا کیا پوچھنا؟ بے اندازہ تھی۔ ایک فتنہ تو یہ تھا۔ چنانچہ یہ خطرہ اس وقت دفع ہو گیا جب کہ اللہ کی وحی ان کے پاس آئی کہ ڈر خوف نہ کر ہم اسے تیری طرف پھر لوٹائیں گے اور اسے اپنا رسول بنائیں گے۔ چنانچہ بحکم اللہ آپ نے اپنے بچے کو صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا جب صندوق نظروں سے اوجھل ہو گیا تو شیطان نے دل میں وسوسے ڈالنے شروع کئے کہ افسوس اس سے تو یہی بہتر تھا کہ میرے سامنے ہی اسے ذبح کر دیا جاتا تو میں اسے خود ہی کفناتی دفناتی تو سہی لیکن اب تو میں نے آپ اسے مچھلیوں کا شکار بنایا۔ یہ صندوق یونہی بہتا ہوا خاص فرعونی گھاٹ سے جا لگا وہاں اس وقت محل کی لونڈیاں موجود تھی انہوں نے اس صندوق کو اٹھا لیا اور ارادہ کیا کہ کھول کر دیکھیں لیکن پھر ڈر گئیں کہ ایسا نہ ہو کہ چوری کا الزام لگے یونہی مقفل صندوق ملکہ فرعون کے پاس پہنچا دیا۔ وہ بادشاہ ملکہ کے سامنے کھولا گیا تو اس میں سے چاند جیسی صورت کا ایک چھوٹا سا معصوم بچہ نکلا جسے دیکھتے ہی فرعون کی بیوی صاحبہ کا دل محبت کے جوش سے اچھلنے لگا۔

ادھر ام موسیٰ کی حالت غیر ہو گئی سوائے اپنے اس پیارے بچے کے خیال کے دل میں اور کوئی تصور ہی نہ تھا۔ ادھر ان قصائیوں کو جو حکومت کی طرف سے بچوں کے قتل کے محکمے کے ملازم تھے' معلوم ہوا تو وہ اپنی چھریاں تیز کئے ہوئے بڑھے اور ملکہ سے تقاضا کیا کہ بچہ انہیں سونپ دیں تا کہ وہ اسے ذبح کر ڈالیں۔ یہ دوسرا فتنہ تھا آخر ملکہ نے جواب دیا کہ ٹھہرو میں خود بادشاہ سے ملتی ہوں اور اس بچے کو طلب کرتی ہوں اگر وہ مجھے دے دیں تو خیر ورنہ تمہیں اختیار ہے۔ چنانچہ آپ آئیں اور بادشاہ سے کہا کہ یہ بچہ تو میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا اس خبیث نے کہا' بس تم ہی اس سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔ میری ٹھنڈک وہ کیوں ہونے لگا؟ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تدابیر اعلیٰ اور محروم ہدایت فرعون: ☆☆ رسول اللہ ﷺ بہ حلف بیان فرماتے ہیں کہ اگر وہ بھی کہہ دیتا کہ ہاں بے شک وہ میری آنکھوں کی بھی ٹھنڈک ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ضرور راہ راست دکھا دیتا جیسا کہ اس کی بیوی صاحبہ مشرف بہ ہدایت ہوئی لیکن اس نے خود اس سے محروم رہنا چاہا اللہ نے بھی اسے محروم کر دیا۔ الغرض فرعون کو جوں توں راضی رضامند کر کے اس بچے کے پالنے کی اجازت لے کر آپ آئیں اب محل کی جتنی دایہ تھیں' سب کو جمع کیا' ایک ایک کی گود میں بچہ دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کا دودھ آپ پر حرام کر دیا آپ نے کسی کا دودھ منہ میں لیا ہی نہیں۔ اس سے ملکہ گھبرائیں' کہ یہ تو بہت ہی برا ہوا یہ پیارا بچہ یونہی ہلاک ہو جائے گا۔ آخر سوچ کر حکم دیا کہ انہیں باہر لے جاؤ' ادھر ادھر تلاش کرو اور اگر کسی کا دودھ یہ معصوم قبول کرے تو اسے بہ منت سونپ دو۔ باہر بازاروں میں میلہ سا لگ گیا ہر شخص

اس سعادت سے مالا مال ہونا چاہتا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا - آپ کی والدہ نے اپنی بڑی صاحبزادی آپ کی بہن کو باہر بھیج رکھا تھا کہ وہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ وہ اس مجمع میں موجود تھیں اور تمام واقعات دیکھ سن رہی تھیں جب یہ لوگ عاجز آ گئے تو آپ نے فرمایا' اگر تم کہو تو میں ایک گھرانہ ایسا بتلاؤں جو اس کی نگہبانی کرے اور ہو بھی اس کا خیر خواہ - یہ کہنا تھا کہ لوگوں کو شک ہوا کہ ضرور یہ لڑکی اس بچے کو جانتی ہے اور اس کے گھر کو بھی پہچانتی ہے - اے ابن جبیر یہ تھا تیسرا فتنہ - لیکن اللہ نے لڑکی کو سمجھ دے دی اور اس نے جھٹ سے کہا کہ بھلا تم اتنا نہیں سمجھے کون بدنصیب ایسا ہوگا جو اس بچے کی خیر خواہی یا پرورش میں کمی کرے جو بچہ ہماری ملکہ کا پیارا ہے - کون نہ چاہے گا کہ یہ ہمارے ہاں پلے تاکہ انعام واکرام سے اس کا گھر بھر جائے - یہ سن کر سب کی سمجھ میں آ گیا اسے چھوڑ دیا اور کہا بتا تو کون سی دایہ اس کے لئے تجویز کرتی ہے؟ اس نے کہا' میں ابھی لائی' دوڑی ہوئی گئیں اور والدہ کو یہ خوش خبری سنائی' والدہ صاحب بہمہ شوق وامید آئیں' اپنے پیارے بچے کو گود میں لیا' اپنا دودھ منہ میں دیا بچے نے پیٹ بھر کر پیا اسی وقت شاہی محلات میں یہ خوشخبری پہنچائی گئی ملکہ کا حکم ہوا کہ فوراً اس دایہ کو اور بچے کو میرے پاس لاؤ جب ماں بیٹا پہنچے تو اپنے سامنے دودھ پلوایا اور یہ دیکھ کر کہ بچہ اچھی طرح دودھ پیتا ہے' بہت ہی خوش ہوئیں اور فرمانے لگیں کہ دائی اماں مجھے اس بچے سے وہ محبت ہے جو دنیا کی کسی اور چیز سے نہیں تم یہیں محل میں رہو اور اس بچے کی پرورش کرو-

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ صاحبہ کے سامنے اللہ کا وعدہ تھا انہیں یقین کامل تھا اس لئے آپ ذرا رکیں اور فرمایا کہ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اپنے گھر کو اور اپنے بچوں کو چھوڑ کر یہاں رہوں - اگر آپ چاہتی ہیں تو یہ بچہ میرے سپرد کر دیں میں اسے اپنے گھر لے جاتی ہوں ان کی پرورش میں کوئی کوتاہی نہ کروں گی ملکہ صاحبہ نے مجبوراً اس بات کو بھی مان لیا اور آپ اسی دن خوشی خوشی اپنے بچے کو لئے ہوئے گھر آ گئیں - اس بچے کی وجہ سے اس محلے کے بنو اسرائیل بھی فرعونی مظالم سے رہائی پا گئے - جب کچھ زمانہ گزر گیا تو بادشاہ بیگم نے حکم بھیجا کہ کسی دن میرے بچے کو میرے پاس لاؤ ایک دن مقرر ہو گیا تمام ارکان سلطنت اور درباریوں کو حکم ہوا کہ آج میرا بچہ میرے پاس آئے گا - تم سب قدم قدم پر اس کا استقبال کرو اور دھوم دھام سے نذریں دیتے ہوئے اسے میرے محل سرائے تک لاؤ - چنانچہ جب سواری روانہ ہوئی' وہاں سے لے کر محل سرائے سلطانی تک برابر تحفے تحائف نذریں اور ہدیئے پیش کش ہوتے رہے اور بڑے ہی عزت واکرام کے ساتھ آپ یہاں پہنچے تو خود بیگم نے بھی خوشی خوشی بہت بڑی رقم پیش کی اور بڑی خوشی منائی گئی - پھر کہنے لگی کہ میں تو اسے بادشاہ کے پاس لے جاؤں گی وہ بھی اسے انعام اکرام دیں گے' لے گئیں اور بادشاہ کی گود میں لٹا دیا - حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی داڑھی پکڑ کر زور سے گھسیٹی - فرعون کھٹک گیا اور اس کے درباریوں نے کہنا شروع کیا کہ کیا عجب یہی وہ لڑکا ہو آپ اسے فوراً قتل کرا دیجئے -

اے ابن جبیر یہ تھا چوتھا فتنہ - ملکہ بیتاب ہو کر بول اٹھیں' اے بادشاہ کیا ارادہ کر رہے ہو؟ آپ اسے مجھے دے چکے ہیں میں اسے اپنا بیٹا - بنا چکی ہوں - بادشاہ نے کہا یہ سب ٹھیک ہے لیکن دیکھو تو اس نے تو آتے ہی داڑھی پکڑ کر مجھے نیچا کر دیا گویا یہی میرا گرانے والا اور مجھے تاخت وتاراج کرنے والا ہے - بیگم صاحبہ نے فرمایا' بادشاہ بچوں کو ان چیزوں کی کیا تمیز؟ سنو میں ایک فیصلہ کن بات بتلاؤں اس کے سامنے دو انگارے آگ کے سرخ رکھ دو اور دو موتی آبدار چمکتے ہوئے رکھ دو پھر دیکھو یہ کیا اٹھاتا ہے اگر موتی اٹھا لے تو سمجھنا کہ اس میں عقل ہے اور اگر آگ کے انگارے تھام لے تو سمجھ لینا کہ عقل نہیں جب عقل وتمیز نہیں تو اس کی داڑھی پکڑ لینے پر اتنے لمبے خیالات کر کے اس کی جان کے دشمن بن جانا کون سی دانائی کی بات ہے؟ چنانچہ یہی کیا گیا دونوں چیزیں آپ کے سامنے رکھی گئیں آپ نے دہکتے ہوئے انگارے اٹھا لئے اسی وقت وہ چھین لئے کہ ایسا نہ ہو ہاتھ جل جائیں اب فرعون کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور اس کا بولا ہوا رخ ٹھیک ہو گیا - حق تو یہ ہے کہ اللہ کو جو کام کرنا مقصود ہوتا ہے' اس کے قدرتی اسباب مہیا ہو ہی جاتے ہیں - حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دربار فرعون میں فرعون کے خاص محل میں فرعون کی

بیوی کی گود میں ہی پرورش ہوتی رہی - یہاں تک کہ آپ اچھی عمر کو پہنچ گئے اور بالغ ہو گئے -

اب تو فرعونیوں کے جو مظالم اسرائیلیوں پر ہو رہے تھے' ان میں بھی کمی ہو گئی تھی سب امن و امان سے تھے - ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک فرعونی اور ایک اسرائیلی کی لڑائی ہو رہی تھی اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی آپ کو سخت غصہ آیا اس لئے کہ اس وقت وہ فرعونی اس بنی اسرائیلی کو دبوچے ہوئے تھا آپ نے اسے ایک مکا مارا' اللہ کی شان مکا لگتے ہی وہ مر گیا یہ تو لوگوں کو عموماً معلوم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیلیوں کی طرف داری کرتے ہیں لیکن لوگ اس کی وجہ اب تک یہی سمجھتے تھے کہ چونکہ آپ نے انہی میں دودھ پیا ہے' اس لئے ان کے طرفدار ہیں اصلی راز کا علم تو صرف آپ کی والدہ کو تھا اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کو بھی معلوم کرا دیا ہو - اسے مردہ دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہے وہ بہکانے والا اور کھلا دشمن ہے -

پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگے کہ باری تعالیٰ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو معاف فرما - پروردگار نے بھی آپ کی اس خطا سے درگزر فرما لیا وہ تو غفور و رحیم ہے ہی - چونکہ قتل کا معاملہ تھا' آپ پھر بھی خوفزدہ ہی رہے' تاک جھانک میں رہے کہ کہیں معاملہ کھل تو نہیں گیا - ادھر فرعون کے پاس شکایت ہوئی کہ ایک قبطی کو کسی بنی اسرائیلی نے مار ڈالا ہے فرعون نے حکم جاری کر دیا کہ واقعہ کی پوری تحقیق کرو قاتل کی تلاش کر کے پکڑ لاؤ اور گواہ بھی پیش کرو اور جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں اسے بھی قتل کر دو - پولیس نے ہر چند تفتیش کی لیکن قاتل کا کوئی سراغ نہ ملا - اتفاق کی بات کہ دوسرے ہی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر کہیں جا رہے تھے کہ دیکھا وہی بنی اسرائیلی شخص ایک دوسرے فرعونی سے جھگڑ رہا ہے - موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی وہ دہائی دینے لگا لیکن اس نے یہ محسوس کیا کہ شاید موسیٰ علیہ السلام اپنے کل کے فعل سے نادم ہیں - حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس کا یہ بار بار کا جھگڑنا اور فریاد کرنا برا معلوم ہوا اور کہا تم تو بڑے لڑاکا ہو یہ فرما کر اس فرعونی کو پکڑنا چاہا لیکن اس اسرائیلی بزدل نے سمجھا کہ شاید آپ چونکہ مجھ پر ناراض ہیں' مجھے ہی پکڑنا چاہتے ہیں -

حالانکہ اس کا یہ صرف بزدلانہ خیال تھا آپ تو اسی فرعونی کو پکڑنا چاہتے تھے اور اسے بچانا چاہتے تھے لیکن خوف و ہراس کی حالت میں بیساختہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے کہ کل تو نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا' کیا آج مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے؟ یہ سن کر وہ فرعونی اسے چھوڑ بھاگا' دوڑا گیا اور سرکاری سپاہ کو اس واقعہ کی خبر کر دی فرعون کو بھی قصہ معلوم ہوا - اسی وقت جلادوں کو حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر قتل کر دو - یہ لوگ شارع عام سے آپؑ کی جستجو میں چلے - ادھر ایک بنی اسرائیلی نے راستہ کاٹ کر نزدیک کے راستے سے آ کر موسیٰ علیہ السلام کو خبر کر دی - اے ابن جبیر یہ ہے پانچواں فتنہ - حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سنتے ہی مٹھیاں بند کر کے مصر سے بھاگ کھڑے ہوئے نہ کبھی پیدل چلے تھے نہ کبھی کسی مصیبت میں پھنسے تھے شہزادوں کی طرح لاڈ چاؤ میں پلے تھے نہ راستے کی خبر تھی نہ کبھی سفر کا اتفاق پڑا تھا رب پر بھروسہ کر کے یہ دعا کر کے کہ الٰہی مجھے سیدھی راہ لے چلنا' چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ مدین کی حدود میں پہنچے -

یہاں دیکھا کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں وہیں دو لڑکیوں کو دیکھا کہ اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں پوچھا کہ تم ان کے ساتھ اپنے جانوروں کو پانی کیوں نہیں پلا لیتیں؟ الگ کھڑی ہوئی انہیں کیوں روک رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس بھیڑ میں ہمارے بس کی بات نہیں کہ اپنے جانوروں کو پانی پلائیں ہم تو جب یہ لوگ پانی پلا چکتے ہیں' ان کا بقیہ اپنے جانوروں کو پلا دیا کرتی ہیں آپ فوراً آگے بڑھے اور ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا - چونکہ بہت جلد پانی کھینچا' آپ بہت قوی آدمی تھے سب سے پہلے ان کے جانوروں کو سیر کر دیا - یہ اپنی بکریاں لے کر اپنے گھر روانہ ہوئیں اور آپ ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے اور اللہ سے دعا کرنے لگے کہ پروردگار میں تیری تمام تر مہربانیوں کا محتاج ہوں - یہ دونوں لڑکیاں جب اپنے والد کے پاس پہنچیں تو انہوں نے کہا' آج کیا بات ہے کہ تم وقت سے پہلے ہی

آ گئیں اور بکریاں بھی خوب آسودہ اور شکم سیر معلوم ہوتی ہیں۔ تو ان بچیوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا آپ نے حکم دیا کہ تم میں سے ایک ابھی چلی جائے اور انہیں میرے پاس بلا لائے' وہ آئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے والد صاحب کے پاس لے گئیں انہوں نے سرسری ملاقات کے بعد واقعہ پوچھا تو آپ نے سارا قصہ کہہ سنایا اس پر وہ فرمانے لگے' اب کوئی ڈر کی بات نہیں آپ ان ظالموں سے چھوٹ گئے۔ ہم لوگ فرعون کی رعایا نہیں نہ ہم پر اس کا کوئی دباؤ ہے اسی وقت ایک لڑکی نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جی انہوں نے ہمارا کام کر دیا ہے اور یہ ہیں بھی قوت والے امانت دار شخص کیا اچھا ہو کہ آپ انہیں اپنے ہاں مقرر کر لیجئے کہ یہ اجرت پر ہماری بکریاں چرا لایا کریں۔ باپ کو غیرت اور غصہ آ گیا اور پوچھا بیٹی تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ قوی اور امین ہیں؟ بچی نے جواب دیا کہ قوت تو اس وقت معلوم ہوئی جب انہوں نے ہماری بکریوں کے لئے پانی نکالا اتنے بڑے ڈول کو اکیلے ہی کھینچتے تھے اور بڑی پھرتی اور ہر پن سے۔ امانت داری یوں معلوم ہوئی کہ میری آواز سن کر انہوں نے نظر اونچی کی اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ میں عورت ہوں' پھر نیچی گردن کر کے میری باتیں سنتے رہے' واللہ آپ کا پورا پیغام پہنچانے تک انہوں نے نگاہ اونچی نہیں کی۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے رہو مجھے دور سے راستہ بتا دیا کرنا۔ یہ بھی دلیل ہے ان کی رب ترسی اور امانت داری کی۔ باپ کی غیرت وحمیت بھی رہ گئی بچی کی طرف سے بھی دل صاف ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت دل میں سما گئی۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمانے لگے' میرا ارادہ ہے کہ اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک میرے ہاں کا کام کاج کرتے رہیں ہاں اگر دس سال تک کریں تو اور بھی اچھا ہے ان شاء اللہ آپ دیکھ لیں گے کہ میں بھلا آدمی ہوں۔ چنانچہ یہ معاملہ طے ہو گیا اور اللہ کے پیغمبر علیہ السلام نے بجائے آٹھ سال کے دس سال پورے کئے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' پہلے مجھے یہ معلوم نہ تھا اور ایک نصرانی عالم مجھ سے یہ پوچھ بیٹھا تھا تو میں اسے کوئی جواب نہ دے سکا' پھر جب میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا اور آپ نے جواب دیا تو میں نے اس سے ذکر کیا' اس نے کہا تمہارے استاد بڑے عالم ہیں۔ میں نے کہا' ہاں ہیں ہی۔ اب موسیٰ علیہ السلام اس مدت کو پوری کر کے اپنی اہلیہ صاحبہ کو لئے ہوئے یہاں سے چلے پھر وہ واقعات ہوئے جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے آگ دیکھی' گئے' اللہ سے کلام کیا' لکڑی کا اژدہا بننا' ہاتھ کا نورانی بننا' ملاحظہ کیا' نبوت پائی' فرعون کی طرف بھیجے گئے تو قتل کے واقعہ کے بدلے کا اندیشہ ظاہر فرمایا اس سے اطمینان حاصل کر کے زبان کی گرہ کشائی کی طلب کی۔ اس کو حاصل کر کے اپنے بھائی ہارون کی ہمدردی اور شرکت کار چاہی۔ یہ بھی حاصل کر کے لکڑی لئے ہوئے شاہ مصر کی طرف چلے۔

ادھر حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس وحی پہنچی کہ اپنے بھائی کی موافقت کریں اور ان کا ساتھ دیں۔ دونوں بھائی ملے اور فرعون کے دربار میں پہنچے۔ اطلاع کرائی بڑی دیر میں اجازت ملی' گئے فرعون پر ظاہر کیا کہ ہم اللہ کے رسول بن کر تیرے پاس آئے ہیں اب جو سوال وجواب ہوئے وہ قرآن میں موجود ہیں۔ فرعون نے کہا اچھا تم چاہتے کیا ہو؟ اور واقعہ قتل یاد دلایا جس کا عذر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا جو قرآن میں موجود ہے اور کہا' ہمارا ارادہ یہ ہے کہ تو ایمان لا اور ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے رہائی دے۔ اس نے انکار کیا اور کہا کہ اگر سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ آپ نے اسی وقت اپنی لکڑی زمین پر ڈال دی وہ زمین پر پڑتے ہی ایک زبردست خوفناک اژدھے کی صورت میں منہ پھاڑے کچلیاں نکالے فرعون کی طرف لپکا مارے خوف کے فرعون تخت سے کود گیا اور بھاگتا ہوا عاجزی سے فریاد کرنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ اسے پکڑ لو۔ آپ نے ہاتھ لگایا' اور اسی وقت لاٹھی اپنی اصلی حالت میں آ گئی۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ بغیر کسی مرض کے داغ کے چمکتا ہوا نکلا جسے دیکھ کر وہ حیران ہو گیا آپ نے پھر ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ اپنی اصلی حالت میں تھا۔ اب فرعون نے اپنے درباریوں کی طرف دیکھ کر کہا کہ تم نے دیکھا' یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے

ملک سے نکال باہر کریں اور تمہارے ملک پر قابض ہو کر تمہارے طریقے مٹا دیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں آپ کی نبوت ماننے سے بھی انکار ہے اور آپ کا کوئی مطالبہ بھی ہم پورا نہیں کر سکتے بلکہ ہم اپنے جادوگروں کو تمہارے مقابلہ کے لئے بلا رہے ہیں جو تمہارے اس جادو پر غالب آ جائیں گے چنانچہ یہ لوگ اپنی کوششوں میں مشغول ہو گئے تمام ملک سے جادوگروں کو بڑی عزت سے بلوایا جب سب جمع ہو گئے تو انہوں نے پوچھا کہ اس کا جادو کس قسم کا ہے؟ فرعون والوں نے کہا' لکڑی کا سانپ بنا دیتا ہے انہوں نے کہا' اس میں کیا ہے؟ ہم لکڑیوں کی رسیوں کے وہ سانپ بنائیں گے کہ روئے زمین پر ان کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔ لیکن ہمارے لئے انعام مقرر ہو جانا چاہئے فرعون نے ان سے قول وقرار کیا کہ انعام کیسا؟ میں تو تمہیں اپنا مقرب خاص اور درباری بنا لوں گا اور تمہیں نہال نہال کر دوں گا جو مانگو گے پاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ عید والے دن دن چڑھے فلاں میدان میں مقابلہ ہوگا۔ مروی ہے کہ ان کی یہ عید عاشورا کے دن تھی۔

اس دن تمام لوگ صبح ہی صبح اس میدان میں پہنچ گئے کہ آج چل کر دیکھیں گے کہ کون غالب آتا ہے؟ ہم تو جادوگروں کے کمال کے قائل ہیں وہی غالب آئیں گے اور ہم انہی کی مانیں گے۔ مذاق سے اس بات کو بدل کر کہتے تھے کہ چلو انہی دونوں جادوگروں کے مطیع بن جائیں گے اگر وہ غالب رہیں۔ میدان میں آ کر جادوگروں نے انبیاء اللہ سے کہا کہ لو اب بتاؤ' تم پہلے اپنا جادو ظاہر کرتے ہو یا ہم ہی شروع کریں؟ آپ نے فرمایا تم ہی ابتدا کرو تا کہ تمہارے ارمان پورے ہوں اب انہوں نے اپنی لکڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈالیں وہ سب سانپ اور بلائیں بن کر اللہ کے نبیوں کی طرف دوڑیں جس سے خوفزدہ ہو کر آپ پیچھے ہٹنے لگے اس وقت اللہ کی وحی آئی کہ آپ اپنی لکڑی زمین پر ڈال دیجئے آپ نے ڈال دی وہ ایک خوفناک بھیانک عظیم الشان اژدہا بن کر ان کی طرف دوڑا یہ لکڑیاں رسیاں سب گڈمڈ ہو گئیں اور وہ ان سب کو نگل گیا۔ جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں یہ تو سچ مچ اللہ کی طرف کا نشان ہے' جادو میں یہ بات کہاں؟ چنانچہ سب نے اپنے ایمان کا اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ کے رب پر ایمان لائے اور ان دونوں بھائیوں کی نبوت' ہمیں تسلیم ہے۔ ہم اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ فرعون اور فرعونیوں کی کمر ٹوٹ گئی' رسوا ہوئے' منہ کالے پڑ گئے' ذلت کے ساتھ خاموش ہو گئے۔ خوف کے گھونٹ پی کر چپ ہو گئے۔ ادھر یہ ہو رہا تھا' ادھر فرعون کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سگے بچے کی طرح پالا تھا' بے قرار بیٹھی تھیں اور اللہ سے دعائیں مانگ رہی تھیں کہ اللہ عزوجل اپنے نبی کو غالب کرے فرعونیوں نے بھی اس حال کو دیکھا تھا لیکن انہوں نے خیال کیا کہ اپنے خاوند کی طرفداری میں ان کا یہ حال ہے یہاں سے ناکام واپس جانے پر فرعون نے بے ایمانی پر کمر باندھ لی۔ اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں بہت سے نشانات ظاہر ہوئے۔ جب کبھی کوئی پکڑ آ جاتی' یہ گھبرا کر بلکہ گڑگڑا کر وعدہ کرتا کہ اچھا اس مصیبت کے ہٹ جانے پر میں بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ کر دوں گا لیکن جب عذاب ہٹ جاتا پھر منکر بن کر سرکشی پر آ جاتا اور کہتا تیرا رب اس کے سوا کچھ اور بھی کر سکتا ہے؟ چنانچہ ان پر طوفان آیا۔ ٹڈیاں آئیں' جوئیں آئیں' مینڈک آئے' خون آیا' اور بھی بہت سی صاف صاف نشانیاں دیکھیں۔ جہاں آفت آئی' دوڑا وعدہ کیا' جہاں وہ ٹل گئی' مکر گیا اور اکڑ گیا۔ اب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ آپ راتوں رات انہیں لے کر روانہ ہو گئے۔

صبح فرعونیوں نے دیکھا کہ رات کو سارے بنی اسرائیل چلے گئے ہیں فرعون سے کہا' اس نے سارے ملک میں احکام بھیج کر ہر طرف سے فوجیں جمع کیں اور بہت بڑی جمعیت کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ راستے میں جو دریا پڑتا تھا' اس کی طرف اللہ کی وحی پہنچی کہ تجھ پر جب میرے بندے موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی پڑے تو انہیں راستہ دے دینا۔ تجھ میں بارہ راستے ہو جائیں کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے الگ

الگ اپنی راہ لگ جائیں- پھر جب یہ پار ہو جائیں اور فرعونی آ جائیں تو تو مل جانا اور ان میں سے ایک کو بھی بے ڈبوئے نہ چھوڑنا- موسیٰ علیہ السلام جب دریا پر پہنچے دیکھا کہ وہ موجیں مار رہا ہے پانی چڑھا ہوا ہے شور اٹھ رہا ہے گھبرا گئے اور لکڑی مارنا بھول گئے دریا بے قرار یوں تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو' اس کے کسی حصے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام لکڑی مار دیں اور اسے خبر نہ ہو تو عذاب اللہ میں بہ سبب اللہ کی نافرمانی کے پھنس جائے- اتنے میں فرعون کا لشکر بنی اسرائیل کے سر پر جا پہنچا یہ گھبرا گئے اور کہنے لگے لو موسیٰ ہم تو پکڑ لئے گئے اب آپ وہ کیجئے جو اللہ کا آپ کو حکم ہے یقیناً نہ تو اللہ جھوٹا ہے نہ آپ-

آپ نے فرمایا مجھ سے تو یہ فرمایا گیا ہے کہ جب تو دریا پر پہنچے گا' وہ تجھے بارہ راستے دے دے گا' تو گزر جانا- اسی وقت یاد آیا کہ لکڑی مارنے کا حکم ہوا ہے- چنانچہ لکڑی ماری ادھر فرعونی لشکر کا اول حصہ بنی اسرائیل کے آخری حصے کے پاس آ چکا تھا کہ دریا خشک ہو گیا اور اس میں راستے نمایاں ہو گئے اور آپ اپنی قوم کو لئے ہوئے اس میں بے خطر اتر گئے اور با آرام جانے لگے جب یہ نکل چکے فرعونی سپاہ ان کے تعاقب میں دریا میں اتری جب یہ سارا لشکر اس میں اتر گیا تو فرمان اللہ کے مطابق دریا رواں ہو گیا اور سب کو بہ یک وقت غرق کر دیا- بنو اسرائیل اس واقعہ کو اپنی آنکھوں دیکھ رہے تھے تاہم انہوں نے کہا کہ اے رسول اللہ ہمیں کیا خبر کہ فرعون بھی مرا یا نہیں؟ آپ نے دعا کی اور دریا نے فرعون کی بے جان لاش کو کنارے پر پھینک دیا- جسے دیکھ کر انہیں یقین کامل ہو گیا کہ ان کا دشمن مع اپنے لاؤ لشکر کے تباہ ہو گیا-

فرعون سے نجات کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانیاں: ☆☆ اب یہاں سے آگے چلے تو دیکھا کہ ایک قوم اپنے بتوں کی مجاور بن کر بیٹھی ہے تو کہنے لگے اے اللہ کے رسول' ہمارے لئے بھی کوئی معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناراض ہو کر کہا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو الخ' تم نے اتنی بڑی عبرتناک نشانیاں دیکھیں- ایسے اہم واقعات سنے لیکن اب تک نہ عبرت ہے نہ غیرت- یہاں سے آگے بڑھ کر ایک منزل پر آپ نے قیام کیا اور یہاں اپنے خلیفہ اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بنا کر قوم سے فرمایا کہ میری واپسی تک ان کی فرمانبرداری کرتے رہنا میں اپنے رب کے پاس جا رہا ہوں- تیس دن کا اس کا وعدہ ہے- چنانچہ قوم سے الگ ہو کر وعدے کی جگہ پہنچ کر تیس دن رات کے روزے پورے کر کے اللہ سے باتیں کرنے کا دھیان پیدا ہوا لیکن یہ سمجھ کر کہ روزوں کی وجہ سے منہ سے بھبکا نکل رہا ہو گا' تھوڑی سی گھانس لے کر آپ نے چبالی- اللہ تعالیٰ نے باوجود علم کے دریافت فرمایا کہ ایسا کیوں کیا؟ آپ نے جواب دیا' صرف اس لئے کہ تجھ سے باتیں کرتے وقت میرا منہ خوشبودار ہو- اللہ تعالیٰ نے فرمایا' کیا تجھے معلوم نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بو مجھے مشک وعنبر کی خوشبو سے زیادہ اچھی لگتی ہے؟ اب تو دس روزے اور رکھ پھر مجھ سے کلام کرنا- آپ نے روزے رکھنا شروع کر دیئے- قوم پر تیس دن جب گزر گئے اور حسب وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ لوٹے تو وہ غمگین رہنے لگے-

حضرت ہارون علیہ السلام نے ان میں خطبہ کیا اور فرمایا کہ جب تم مصر سے چلے تھے تو قبطیوں کی رقمیں تم میں سے بعض پر ادھار تھیں اسی طرح ان کی امانتیں بھی تمہارے پاس رہ گئی ہیں یہ ہم انہیں واپس تو کرنے کے نہیں لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ ہماری ملکیت میں رہیں اس لئے تم ایک گہرا گڑھا کھود دو اور جو اسباب برتن بھانڈا' زیور سونا چاندی وغیرہ ان کا تمہارے پاس ہے سب اس میں ڈالو پھر آگ لگا دو- چنانچہ یہی کیا گیا ان کے ساتھ سامری نامی ایک شخص تھا یہ گائے بچھڑے پوجنے والوں میں سے تھا بنی اسرائیل میں سے نہ تھا لیکن بوجہ پڑوسی ہونے کے اور فرعون کی قوم میں سے نہ ہونے کے یہ بھی ان کے ساتھ وہاں سے نکل آیا تھا اس نے کسی نشان سے کچھ مٹھی میں اٹھا لیا تھا- حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا' تو بھی اسے ڈال دے اس نے جواب دیا کہ یہ تو اس کے اثر سے ہے جو تمہیں دریا سے پار کرا لے گیا- خیر میں اسے ڈال دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ اس سے وہ بن جائے جو میں چاہتا ہوں- آپ نے دعا کی اور اس

نے اپنی مٹھی میں جو تھا' اسے ڈال دیا اور کہا میں چاہتا ہوں اس کا ایک بچھڑا بن جائے۔ قدرت اللہ سے اس گڑھے میں جو تھا' وہ ایک بچھڑے کی صورت میں ہو گیا جو اندر سے کھوکھلا تھا اس میں روح نہ تھی لیکن ہوا اس کے پیچھے کے سوراخ سے جا کر منہ سے نکلتی تھی اس سے ایک آواز پیدا ہوتی تھی۔

بنو اسرائیل نے پوچھا' سامری یہ کیا ہے؟ اس بے ایمان نے کہا' یہی تمہارا سب کا رب ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول گئے اور دوسری جگہ رب کی تلاش میں چلے گئے۔ اس بات نے بنی اسرائیل کے کئی فرقے کر دیئے۔ ایک فرقے نے تو کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے تک ہم اس کی بابت کوئی بات طے نہیں کر سکتے ممکن ہے یہی اللہ ہو تو ہم اس کی بے ادبی کیوں کریں؟ اور اگر یہ رب نہیں ہے تو موسیٰ علیہ السلام کے آتے ہی حقیقت کھل جائے گی۔ دوسری جماعت نے کہا' محض واہیات ہے یہ شیطانی حرکت ہے ہم اس لغویت پر مطلقاً ایمان نہیں رکھتے' نہ یہ ہمارا رب نہ ہمارا اس پر ایمان۔ ایک پاجی فرقے نے دل سے اسے مان لیا اور سامری کی بات پر ایمان لائے مگر بہ ظاہر اس کی بات کو جھٹلایا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے اسی وقت سب کو جمع کر کے فرمایا کہ لوگو! یہ اللہ کی طرف سے تمہاری آزمائش ہے تم اس جھگڑے میں کہاں پھنس گئے تمہارا رب تو رحمٰن ہے تم میری اتباع کرو اور میرا کہنا مانو۔ انہوں نے کہا آخر اس کی کیا وجہ کہ تیس دن کا وعدہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے ہیں اور آج چالیس دن ہونے کو آئے لیکن اب تک لوٹے نہیں۔ بعض بیوقوفوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ان سے ان کا رب خطا کر گیا اب یہ اس کی تلاش میں ہوں گے۔ ادھر دس روزے اور پورے ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کو بتایا گیا کہ آپ کے بعد آپ کی قوم کا اس وقت کیا حال ہے؟ آپ اسی وقت رنج وافسوس اور غم و غصے کے ساتھ واپس لوٹے اور یہاں آ کر قوم سے بہت کچھ کہا سنا اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر گھسیٹنے لگے غصے کی زیادتی کی وجہ سے تختیاں بھی ہاتھ سے پھینک دیں۔ پھر اصل حقیقت معلوم ہو جانے پر آپ نے اپنے بھائی سے معذرت کی ان کے لئے استغفار کیا اور سامری کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے کے پاؤں تلے سے میں نے ایک مٹھی اٹھالی یہ لوگ اسے نہ پہچان سکے اور میں نے جان لیا تھا میں نے وہی مٹھی اس آگ میں ڈال دی تھی میری رائے میں یہی بات آئی۔ آپ نے فرمایا' جا اس کی سزا دنیا میں تو یہ ہے کہ تو یہی کہتا رہے کہ "ہاتھ لگانا نہیں" پھر ایک وعدے کا وقت ہے جس کا ٹلنا ناممکن ہے اور تیرے دیکھتے ہوئے ہم تیرے اس معبود کو جلا کر اس کی خاک بھی دریا میں بہا دیں گے۔ چنانچہ آپ نے یہی کیا' اس وقت بنی اسرائیل کو یقین آ گیا کہ واقعی وہ اللہ نہ تھا۔ اب وہ بڑے نادم ہوئے اور سوائے ان مسلمانوں کے جو حضرت ہارون علیہ السلام کے ہم عقیدہ رہے تھے' باقی کے لوگوں نے عذر معذرت کی اور کہا کہ اے نبی اللہ' اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول دے' جو وہ فرمائے گا' ہم بجالائیں گے تاکہ ہماری یہ زبردست خطا معاف ہو جائے۔

آپ نے بنی اسرائیل کے اس گروہ میں سے ستر لوگوں کو چھانٹ کر علیحدہ کیا اور توبہ کے لئے چلے وہاں زمین پھٹ گئی اور آپ کے سب ساتھی اس میں اتار دیئے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فکر لاحق ہوا کہ میں بنی اسرائیل کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ گریہ وزاری شروع کی اور دعا کی کہ اللہ اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی مجھے اور ان سب کو ہلاک کر دیتا ہمارے بیوقوفوں کے گناہ کے بدلے تو ہمیں ہلاک نہ کر۔ آپ تو ان کے ظاہر کو دیکھ رہے تھے اور اللہ کی نظریں ان کے باطن پر تھیں ان میں ایسے بھی تھے جو بہ ظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے لیکن دراصل دلی عقیدہ ان کا اس بچھڑے کے رب ہونے پر تھا ان ہی منافقین کی وجہ سے سب کو تہ زمین کر دیا گیا تھا۔ نبی اللہ کی اس آہ وزاری پر رحمت الٰہی جوش میں آئی اور جواب ملا کہ یوں تو میری رحمت سب پر چھائے ہوئے ہے لیکن میں اسے ان کے نام ہبہ کروں گا جو متقی پرہیزگار ہوں' زکوٰۃ

کے ادا کرنے والے ہوں' میری باتوں پر ایمان لائیں اور میرے اس رسول و نبی کی اتباع کریں جس کے اوصاف وہ اپنی کتابوں میں لکھے پاتے ہیں یعنی تورات و انجیل میں۔

حضرت کلیم اللہ علیہ صلوات اللہ نے عرض کی کہ یاالٰہی میں نے اپنی قوم کے لئے توبہ طلب کی' تو نے جواب دیا کہ تو اپنی رحمت کو ان کے ساتھ کر دے گا جو آگے آنے والے ہیں پھر اللہ مجھے بھی تو اپنے اسی رحمت والے نبی کی امت میں پیدا کرتا۔ رب العالمین نے فرمایا' سنو ان کی توبہ اس وقت قبول ہوگی کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیں نہ باپ بیٹے کو دیکھے نہ بیٹا باپ کو چھوڑے آپس میں گتھ جائیں اور ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ بنو اسرائیل نے یہی کیا اور جو منافق لوگ تھے' انہوں نے بھی سچے دل سے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی جو بچ گئے تھے' وہ بھی بخشے گئے' جو قتل ہوئے وہ بھی بخش دیئے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اب یہاں سے بیت المقدس کی طرف چلے' توراۃ کی تختیاں اپنے ساتھ لیں اور انہیں احکام اللہ سنائے جو ان پر بہت بھاری پڑے اور انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ ایک پہاڑ ان کے سروں پر معلق کھڑا کر دیا گیا' وہ مثل سائبان کے سروں پر تھا اور ہر دم ڈر تھا کہ اب گرا' انہوں نے اب اقرار کیا اور تورات قبول کر لی پہاڑ ہٹ گیا۔ اس پاک زمین پر پہنچے جہاں کلیم اللہ انہیں لے جانا چاہتے تھے دیکھا کہ وہاں ایک بڑی طاقتور زبردست قوم کا قبضہ ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے نہایت نامردی سے کہا کہ یہاں تو بڑی زور آور قوم ہے ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں یہ نکل جائیں تو ہم شہر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ تو یونہی نامردی اور بزدلی ظاہر کرتے رہے ادھر اللہ تعالیٰ نے ان سرکشوں میں سے دو شخصوں کو ہدایت دے دی وہ شہر سے نکل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں آ ملے اور انہیں سمجھانے لگے کہ تم ان کے جسموں اور تعداد سے مرعوب نہ ہو جاؤ یہ لوگ بہادر نہیں ان کے دل گردے کمزور ہیں تم آگے تو بڑھو ان کے شہر کے دروازے میں گئے اور ان کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہوئے یقیناً تم ان پر غالب آ جاؤ گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دونوں شخص جنہوں نے بنی اسرائیل کو سمجھایا اور انہیں دلیر بنایا' خود بنی اسرائیل میں سے ہی تھے واللہ اعلم۔ لیکن ان کے سمجھانے بجھانے اللہ کے حکم ہو جانے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعدے نے بھی ان پر کوئی اثر نہ کیا بلکہ انہوں نے صاف کورا جواب دے دیا کہ جب تک یہ لوگ شہر میں ہیں' ہم تو یہاں سے اٹھنے کے بھی نہیں' موسیٰ علیہ السلام' تو آپ اپنے رب کو اپنے ساتھ لے کر چلا جا اور ان سے لڑ بھڑ لے' ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں' اب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا آپ کے منہ سے ان بزدلوں اور ناقدروں کے حق میں بددعا نکل گئی اور آپ نے ان کا نام فاسق رکھ دیا۔ اللہ کی طرف سے بھی ان کا یہی نام مقرر ہو گیا اور انہیں اسی میدان میں قدرتی طور پر قید کر دیا گیا۔ چالیس سال انہیں یہیں گزر گئے کہیں قرار نہ تھا' اسی بیابان میں پریشانی کے ساتھ بھٹکتے پھرتے تھے' اسی میدان قید میں ان پر ابر کا سایہ کر دیا گیا اور من و سلویٰ اتار دیا گیا کپڑے نہ پھٹتے تھے نہ میلے ہوتے تھے۔ ایک چوکونہ پتھر رکھا ہوا تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لکڑی ماری تو اس میں سے بارہ نہریں جاری ہو گئیں ہر طرف سے تین تین لوگ چلتے چلتے آگے بڑھ جاتے تھک کر مقام کر دیتے صبح اٹھتے تو دیکھتے کہ وہ پتھر وہیں ہے جہاں کل تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی تو فرمایا کہ اس فرعونی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اگلے دن کے قتل کی خبر رسانی کی تھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ۔ کیونکہ قبطی کے قتل کے وقت سوائے اس بنی اسرائیلی ایک شخص کے جو قبطی سے لڑ رہا تھا' وہاں کوئی اور نہ تھا۔

اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت گڑے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ تھام کر حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئے اور ان سے کہا' آپ کو یاد ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہم سے اس شخص کا حال بیان فرمایا تھا جس نے

حضرت موسیٰ کے قتل کے راز کو کھولا تھا؟ بتاؤ وہ بنی اسرائیلی شخص تھا یا فرعونی؟ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' بنی اسرائیلی سے اس فرعونی نے سنا' پھر اس نے جا کر حکومت سے کہا اور خود اس کا شاہد بنا (سنن کبری نسائی) یہی روایت اور کتابوں میں بھی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے کلام سے بہت تھوڑا سا حصہ مرفوع بیان کیا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آپ نے بنو اسرائیل میں سے کسی سے یہ روایت لی ہو کیونکہ ان سے روایتیں لینا مباح ہیں یا تو آپ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی یہ روایت سنی ہو گی اور ممکن ہے کسی اور سے سنی ہو واللہ اعلم۔ میں نے اپنے استاد شیخ حافظ ابوالحجاج مزی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی یہی سنا ہے۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڏ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰي ﴿٤٠﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾

پھر تو کوئی سال تک مدین کے لوگوں میں ٹھہرا رہا پھر تقدیر الٰہی کے مطابق اے موسیٰ تو آیا ○ اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لئے پسند فرما لیا ○ اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیاں ہمراہ لئے ہوئے جا' خبردار میرے ذکر میں سستی نہ کرنا ○ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ اس نے بڑی سرکشی کی ہے ○ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ وہ سمجھ لے یا ڈر جائے ○

موسیٰ علیہ السلام فرار کے بعد: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جناب باری عزوجل فرما رہا ہے کہ تم فرعون سے بھاگ کر مدین پہنچے یہاں سسرال مل گئی اور شرط کے مطابق ان کی بکریاں برسوں تک چراتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اندازے اور اس کے مقررہ وقت پر تم اس کے پاس پہنچے۔ اس رب کی کوئی چاہت ناکام نہیں رہتی' کوئی فرمان نہیں ٹوٹتا' اس کے وعدے کے مطابق اس کے مقررہ وقت پر تمہارا اس کے پاس پہنچنا لازمی امر تھا۔ یہ بھی مطلب ہے کہ تم اپنی قدر و عزت کو پہنچے یعنی رسالت و نبوت ملی۔ میں نے تمہیں اپنا برگزیدہ پیغمبر بنا لیا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا' آپ نے تو لوگوں کو مشقت میں ڈال دیا انہیں جنت سے نکال دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا' آپ کو اللہ نے اپنی رسالت سے ممتاز فرمایا اور اپنے لئے پسند فرمایا اور تورات عطا فرمائی کیا اس میں آپ نے یہ نہیں پڑھا کہ میری پیدائش سے پہلے یہ سب مقدر ہو چکا تھا؟ کہا ہاں۔ الغرض حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل میں غلبہ پا گئے۔ میری دی ہوئی دلیل اور معجزے لے کر تو اور تیرا بھائی دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ میری یاد میں غفلت نہ کرنا' تھک کر بیٹھ نہ رہنا۔ چنانچہ فرعون کے سامنے دونوں ذکر اللہ میں لگے رہتے تاکہ اللہ کی مدد ان کا ساتھ دے' انہیں قوی اور مضبوط بنا دے اور فرعون کی شوکت ٹال دے۔

چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ میرا پورا اور سچا بندہ وہ ہے جو دشمن سے لڑائی کے وقت بھی میری یاد کرتا ہے۔ فرعون کے پاس تم میرا پیغام لے کر پہنچو اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے۔ اللہ کی نافرمانیوں پر دلیر ہو گیا ہے بہت پھول گیا ہے اور اپنے خالق مالک کو بھول گیا ہے۔ اس سے گفتگو نرم کرنا۔ دیکھو فرعون کس قدر برا ہے۔ حضرت موسیٰ کس قدر بھلے ہیں لیکن حکم یہ ہو رہا ہے کہ نرمی سے سمجھانا۔ حضرت یزید رقاشی رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کو پڑھ کر فرماتے یَا مَنْ يَّتَحَبَّبُ اِلٰى مَنْ يُّعَادِيْهِ - فَكَيْفَ مَنْ يَّتَوَلَّاهُ وَ يُنَادِيْهِ یعنی اے وہ اللہ جو دشمنوں

سے بھی محبت اور نرمی کرتا ہے۔ تیرا کیسا کچھ پاکیزہ برتاؤ ہوتا' اس کے ساتھ جو تجھ سے محبت کرتا ہو اور تجھے پکارا کرتا ہو۔ حضرت وہب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نرم گفتگو کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس سے کہنا کہ میرے غضب و غصے سے میری مغفرت و رحمت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں نرم بات کہنے سے اللہ کی وحدانیت کی طرف دعوت دینا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو جائے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس سے کہنا کہ تیرا رب ہے' تجھے مر کر اللہ کے وعدے پر پہنچنا ہے جہاں جنت دوزخ دونوں ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اسے میرے دروازے پر لا کھڑا کرو۔ الغرض تم اس سے نرمی اور آرام سے گفتگو کرنا تاکہ اس کے دل میں تمہاری باتیں بیٹھ جائیں جیسے فرمان اللہ ہے اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ یعنی اپنے رب کی راہ کی دعوت انہیں حکمت اور اچھے وعظ سے دے اور انہیں بہترین طریقے سے سمجھا بجھا دے تاکہ وہ سمجھ لے اور اپنی ضلالت و ہلاکت سے ہٹ جائے یا اپنے اللہ سے ڈرنے لگے اور اس کی اطاعت و عبادت کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جیسے فرمان ہے لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّذَّکَّرَ اَوۡ اَرَادَ شُکُوۡرًا یہ نصیحت اس کے لئے ہے جو عبرت حاصل کر لے یا شکر گزار بن جائے۔ پس عبرت حاصل کرنے سے مراد برائیوں سے اور خوف کی چیز سے ہٹ جانا اور ڈر سے مراد اطاعت کی طرف مائل ہو جانا ہے۔

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس کی ہلاکت کی دعا نہ کرنا جب تک کہ اس کے تمام عذر ختم نہ ہو جائیں۔ زید بن عمرو بن فیل کے یا امیہ بن صلت کے شعروں میں ہے کہ اے اللہ تو وہ ہے جس نے اپنے فضل و کرم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہہ کر باغی فرعون کی طرف بھیجا کہ اس سے پوچھو تو کہ کیا اس آسمان کو بے ستون کے تو نے تھام رکھا ہے؟ اور تو نے ہی اسے بنایا ہے؟ اور کیا تو نے ہی اس کے درمیان روشن سورج کو چڑھایا ہے جو اندھیرے کو اجالے سے بدل دیتا ہے ادھر صبح کے وقت وہ نکلا' ادھر دنیا سے ظلمت دور ہوئی۔ بھلا بتلا تو کہ مٹی میں سے دانے نکالنے والا کون ہے؟ اور اس میں بالیاں پیدا کرنے والا کون ہے؟ کیا ان تمام نشانیوں سے بھی تو اللہ کو نہیں پہچان سکتا؟

قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ یَّفۡرُطَ عَلَیۡنَاۤ اَوۡ اَنۡ یَّطۡغٰی ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیۡ مَعَکُمَاۤ اَسۡمَعُ وَ اَرٰی ﴿۴۶﴾ فَاۡتِیٰہُ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّکَ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ وَ لَا تُعَذِّبۡہُمۡ ؕ قَدۡ جِئۡنٰکَ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡہُدٰی ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡنَاۤ اَنَّ الۡعَذَابَ عَلٰی مَنۡ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ﴿۴۸﴾

دونوں نے کہا کہ اے ہمارے رب ہمیں تو خوف ہے کہ کہیں فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ نہ جائے ○ جواب ملا کہ تم مطلقاً خوف نہ کرو۔ میں خود تمہارے ساتھ ہوں۔ سنتا دیکھتا رہوں گا ○ تم اس کے پاس جا کر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر ہیں۔ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ ان کی سزائیں موقوف کر' ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشان لے کر آئے ہیں' دراصل سلامتی اسی کے لئے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے ○ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے' اسی کے لئے عذاب ہیں ○

اللہ کے سامنے اظہار بے بسی: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۸) اللہ کے ان دونوں پیغمبروں نے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہوئے اپنی کمزوری کی شکایت رب کے سامنے کی کہ ہمیں خوف ہے کہ فرعون کہیں ہم پر کوئی ظلم نہ کرے اور بدسلوکی سے پیش نہ آئے۔ ہماری آواز کو دبانے کے لئے

جلدی سے ہمیں کسی مصیبت میں مبتلا نہ کردے اور ہمارے ساتھ ناانصافی سے پیش نہ آئے۔ رب العٰلمین کی طرف سے ان کی تشفی کردی گئی۔ ارشاد ہوا کہ اس کا کچھ خوف نہ کھاؤ میں خود تمہارے ساتھ ہوں تمہاری اور اس کی بات چیت سنتا رہوں گا اور تمہارا حال دیکھتا رہوں گا۔ کوئی بات مجھ پر مخفی نہیں رہ سکتی۔ اس کی چوٹی میرے ہاتھ میں ہے وہ بغیر میری اجازت کے سانس بھی تو نہیں لے سکتا۔ میرے قبضے سے کبھی باہر نہیں نکل سکتا۔ میری حفاظت ونصرت، تائید ومدد تمہارے ساتھ ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں دعا کی کہ مجھے وہ دعا تعلیم فرمائی جائے جو میں فرعون کے پاس جاتے ہوئے پڑھ لیا کروں تو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا تعلیم فرمائی ھیا شراھیا جس کے معنی عربی میں اَنَا الْحَیُّ قَبْلَ کُلِّ شَیْئٍ وَّالْحَیُّ بَعْدَ کُلِّ شَیْءٍ یعنی میں ہی ہوں سب سے پہلے زندہ اور سب سے بعد بھی زندہ۔ پھر انہیں بتلایا گیا کہ یہ فرعون کو کیا کہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، یہ گئے دروازے پر ٹھہرے، اجازت مانگی، بڑی دیر کے بعد اجازت ملی۔ محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں پیغمبر دو سال تک روزانہ صبح شام فرعون کے ہاں جاتے رہے، دربانوں سے کہتے رہے کہ ہم دونوں پیغمبروں کی آمد کی خبر بادشاہ سے کرو۔ لیکن فرعون کے ڈر کے مارے کسی نے خبر نہ کی۔ دو سال کے بعد ایک روز اس کے ایک بے تکلف دوست نے جو بادشاہ سے ہنسی، دل لگی بھی کرلیا کرتا تھا، کہا کہ آپ کے دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے اور ایک عجیب مزے کی بات کہہ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آپ کے سوا اس کا کوئی اور رب ہے اور اس کے رب نے اسے آپ کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے کہا۔ کیا میرے دروازے پر وہ ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ حکم دیا کہ اندر بلالو۔ چنانچہ آدمی گیا اور دونوں پیغمبر دربار میں آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، میں رب العالمین کا رسول ہوں، فرعون نے آپ کو پہچان لیا کہ یہ تو موسیٰ علیہ السلام ہے۔

سدی رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ آپ مصر میں اپنے ہی گھر ٹھہرے تھے۔ ماں نے اور بھائی نے پہلے تو آپ کو پہچانا نہیں گھر میں جو پکا تھا، وہ مہمان سمجھ کر ان کے پاس لا رکھا۔ اس کے بعد پہچانا۔ سلام کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس بادشاہ کو اللہ کی طرف بلاؤں اور تمہاری نسبت فرمان ہوا ہے کہ تم میری تائید کرو۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا، پھر بسم اللہ کیجئے۔ رات کو دونوں صاحب بادشاہ کے ہاں گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لکڑی سے کواڑ کھٹکھٹائے۔ فرعون آگ بگولا ہو گیا کہ اتنا بڑا دلیر آدمی کون آ گیا جو یوں بے ساختہ دربار کے آداب کے خلاف اپنی لکڑی سے مجھے ہوشیار کر رہا ہے۔ درباریوں نے کہا، حضرت کچھ نہیں، یونہی ایک مجنوں آدمی ہے۔ کہتا پھرتا ہے کہ میں رسول ہوں۔ فرعون نے حکم دیا کہ اسے میرے سامنے پیش کرو۔ چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام کو لئے ہوئے آپ اس کے پاس گئے۔ اور اس سے فرمایا کہ ہم اللہ کے رسول ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے انہیں سزائیں نہ کر۔ ہم رب العالمین کی طرف سے اپنی رسالت کی دلیلیں اور معجزے لے کر آئے ہیں اگر تو ہماری بات مان لے تو تجھ پر اللہ کی طرف سے سلامتی نازل ہوگی۔ رسول کریم ﷺ نے بھی جو خط شاہ روم ہرقل کے نام لکھا تھا، اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد یہ مضمون تھا کہ یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے شاہ روم ہرقل کے نام ہے، جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو۔ اس کے بعد یہ کہ تم اسلام قبول کرلو تو سلامت رہو گے اللہ تعالیٰ دوہرا اجر عنایت فرمائے گا۔

مسیلمہ کذاب نے صادق ومصدوق ختم المرسلین ﷺ کو ایک خط لکھا تھا جس میں تحریر تھا کہ یہ اللہ کے رسول مسیلمہ کی جانب سے خدائے رسول محمد کے نام آپ پر سلام ہو، میں نے آپ کو شریک کار کرلیا ہے شہری آپ کے لئے اور دیہاتی میرے لئے۔ یہ قریشی تو بڑے ہی

ظالم لوگ ہیں۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے اسے لکھا کہ یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام ہے۔ سلام ہو ان پر جو ہدایت کی تابعداری کریں۔ سن لے زمین اللہ کی ملکیت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بناتا ہے' انجام کے لحاظ سے بھلے لوگ وہ ہیں جن کے دل خوف الٰہی سے پر ہوں۔ الغرض پیغمبر اللہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون سے یہی کہا کہ سلام ان پر ہے جو ہدایت کے پیرو ہوں۔ پھر فرماتا ہے کہ ہمیں بذریعہ وحی الٰہی یہ بات معلوم کرائی گئی ہے کہ عذاب کے لائق صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ کے کلام کو جھٹلائیں اور اللہ کی باتوں کے ماننے سے انکار کر جائیں جیسے اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى جو شخص سرکشی کرے اور دنیا کی زندگانی پر ریجھ کر اسی کو پسند کر لے' اس کا آخری ٹھکانا جہنم ہی ہے۔ اور آیتوں میں ہے کہ میں تمہیں شعلے مارنے والی آگ جہنم سے ڈرا رہا ہوں جس میں صرف وہ بدبخت داخل ہوں گے جو جھٹلائیں اور منہ موڑ لیں۔ اور آیتوں میں ہے کہ اس نے نہ تو مان کر دیا نہ نماز ادا کی بلکہ دل سے منکر رہا اور کام فرمان کے خلاف کئے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾

فرعون نے پوچھا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ ○ جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص شکل عنایت فرمائی پھر راہ سجھا دی ○ اس نے کہا' یہ بتاؤ اگلے زمانے والوں کا حال کیا ہونا ہے؟ ○ جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں موجود ہے' نہ تو میرا رب غلطی کرے نہ بھولے ○

مکالمات موسیٰ علیہ السلام اور فرعون: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۲) چونکہ یہ نابہنجار یعنی فرعون مصر وجود باری تعالیٰ کا منکر تھا' پیغام رب کلیم اللہ کی زبانی سن کر وجود خالق کے انکار کے طور پر سوال کرنے لگا کہ تمہارا بھیجنے والا اور تمہارا رب کون ہے؟ میں تو اسے نہیں جانتا نہ اسے مانتا ہوں۔ بلکہ میری دانست میں تو تم سب کا رب میرے سوا اور کوئی نہیں۔ اللہ کے سچے رسول علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شخص کو اس کا جوڑا عطا فرمایا ہے۔ انسان کو بصورت انسان' گدھے کو اس کی صورت پر' بکری کو ایک علیحدہ صورت پر پیدا فرمایا ہے ہر ایک کو اس کی مخصوص صورت میں بنایا ہے۔ ہر ایک کی پیدائش نرالی شان سے درست کر دی ہے۔ انسانی پیدائش کا طریقہ الگ ہے' چوپائے الگ صورت میں ہیں' درندے الگ وضع میں ہیں۔ ہر ایک کے جوڑے کی ہیئت ترکیبی علیحدہ ہے۔ کھانا پینا' کھانے پینے کی چیزیں' جوڑے سب الگ الگ اور ممتاز و مخصوص ہیں۔ ہر ایک کا انداز مقرر کر کے پھر اس کی ترکیب اسے بتلا دی ہے۔ عمل' اجل' رزق مقدر اور مقرر کر کے اسی پر لگا دیا ہے' نظام کے ساتھ ساری مخلوق کا کارخانہ چل رہا ہے۔ کوئی اس سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ خلق کا خالق' تقدیروں کا مقرر کرنے والا' اپنے ارادے پر مخلوق کی پیدائش کرنے والا ہی ہمارا رب ہے۔ یہ سب سن کر اس بے سمجھ نے پوچھا کہ اچھا تو پھر ان کا کیا حال ہونا ہے جو ہم سے پہلے تھے اور اللہ کی عبادت کے منکر تھے؟ اس سوال کو اس نے اہمیت کے ساتھ کیا۔ لیکن اللہ کے پیغمبر علیہ السلام نے ایسا جواب دیا کہ عاجز ہو گیا۔ فرمایا! ان سب کا علم میرے رب کو ہے لوح محفوظ میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں۔ جزا سزا کا دن مقرر ہے۔ نہ وہ غلط کرے کہ کوئی چھوٹا بڑا اس کی پکڑ سے چھوٹ جائے نہ وہ بھولے کہ مجرم اس کی گرفت سے رہ جائیں۔ اس کا علم تمام چیزوں کو اپنے میں

گھیرے ہوئے ہے۔ اس کی ذات بھول چوک سے پاک ہے۔ نہ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہ علم کے بعد بھول جانے کا اس کا وصف' وہ کمی علم کے نقصان سے' وہ بھول کے نقصان سے پاک ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۵۴﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾

اسی نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا ہے' اور اس میں تمھارے لئے راستے چلا دیئے ہیں اور آسمان سے پانی بھی وہی برساتا ہے' پھر برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں ○ تم خود کھاؤ اور اپنے چوپاؤں کو بھی چراؤ' کچھ شک نہیں کہ اس میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ○ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اس میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے ○ ہم نے اسے اپنی سب نشانیاں دکھا دیں لیکن پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا ○

اللہ رب العزت کا تعارف: ☆☆ (آیت:۵۳) موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سوال کے جواب میں اوصاف اللہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسی اللہ نے زمین کو لوگوں کے لئے فرش بنایا ہے۔ مَهْدًا کی دوسری قرات مِهَادًا ہے۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے بطور فرش کے بنا دیا ہے کہ تم اس پر قرار کئے ہوئے ہو' اسی پر سوتے بیٹھتے رہتے سہتے ہو۔ اس نے زمین میں تمہارے چلنے پھرنے اور سفر کرنے کے لئے راہیں بنا دی ہیں تا کہ تم راستہ نہ بھولو اور منزل مقصود تک بہ آسانی پہنچ سکو۔ وہی آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس کی وجہ سے زمین سے ہر قسم کی پیداوار اگاتا ہے۔ کھیتیاں' باغات' میوے' قسم قسم کے ذائقے دار کہ تم خود کھا لو اور اپنے جانوروں کو چارہ بھی دو۔

(آیت:۵۴-۵۶) تمہارا کھانا اور میوے تمہارے جانوروں کا چارا' خشک اور تر سب اسی سے اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ جن کی عقلیں صحیح سالم ہیں' ان کے لئے تو قدرت کی یہ تمام نشانیاں دلیل ہیں اللہ کی الوہیت' اس کی وحدانیت اور اس کے وجود پر۔ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا فرمایا ہے تمہاری ابتدا اسی سے ہے اس لئے کہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اسی سے ہوئی ہے اسی میں تمہیں پھر لوٹنا ہے۔ مر کر اسی میں دفن ہونا ہے۔ اسی سے پھر قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے۔ ہماری پکار پر ہماری تعریفیں کرتے ہوئے اٹھو گے اور یقین کر لو گے کہ تم بہت ہی تھوڑی دیر رہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اسی زمین پر تمہاری زندگی گزرے گی' مر کر بھی اسی میں جاؤ گے۔ پھر اسی میں سے نکالے جاؤ گے۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت کے دفن کے بعد اس کی قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے پہلی بار فرمایا مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ دوسری لپ ڈالتے ہوئے فرمایا وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ تیسری بار فرمایا وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ الغرض فرعون کے سامنے دلیلیں آ چکیں' اس نے معجزے اور نشان دیکھ لئے لیکن سب کا انکار اور تکذیب کرتا رہا' کفر' سرکشی' ضد اور تکبر سے باز نہ آیا جیسے فرمان ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا یعنی باوجودیکہ ان کے دلوں میں یقین ہو چکا تھا لیکن تاہم از راہ ظلم و زیادتی انکار سے باز نہ آئے۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾

کہنے لگا کہ اے موسیٰ! کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے زور سے ہمارے ملک سے باہر نکال دے؟ ○ تو ہم بھی تیرے مقابلے میں اسی جیسا جادو ضرور لائیں گے۔ تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ گاہ مقرر کر لے کہ نہ ہم اس کا خلاف کریں نہ تو' صاف میدان میں مقابلہ ہو ○ جواب دیا کہ وعدہ زینت اور جشن کے دن کا ہے۔ لوگ دن چڑھے ہی جمع ہو جائیں ○ پس فرعون لوٹ گیا اور اس نے اپنے داؤ گھات جمع کئے ○ پھر آ گیا۔ موسیٰ نے ان سے کہا' تمہاری شامت آ چکی۔ اللہ پر جھوٹ افترا نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذابوں سے ملیا میٹ کر دے' یاد رکھو وہ کبھی کامیاب نہ ہو گا جس نے تہمت باندھی ○ پس یہ لوگ اپنے آپس کے مشوروں میں مختلف رائے ہو گئے اور چھپ کر چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے ○

فرعون کے ساحر اور موسیٰ علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ لکڑی کا سانپ بن جانا' ہاتھ کا روشن ہو جانا وغیرہ دیکھ کر فرعون نے کہا کہ یہ تو جادو ہے اور تو جادو کے زور سے ہمارا ملک چھیننا چاہتا ہے۔ تو تو مغرور نہ ہو جا۔ ہم بھی اس جادو میں تیرا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ دن اور جگہ مقرر ہو جائے اور مقابلہ ہو جائے۔ ہم بھی اس دن اس جگہ آ جائیں اور تو بھی' ایسا نہ ہو کہ کوئی نہ آئے۔ کھلے میدان میں سب کے سامنے ہار جیت کھل جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' مجھے منظور ہے اور میرے خیال سے تو اس کے لئے تمہاری عید کا دن مناسب ہے۔ کیونکہ وہ فرصت کا دن ہوتا ہے سب آ جائیں گے اور دیکھ کر حق و باطل میں تمیز کر لیں گے۔ معجزے اور جادو کا فرق سب پر ظاہر ہو جائے گا۔ وقت دن چڑھے کا رکھنا چاہیے تا کہ جو کچھ میدان میں آئے' سب دیکھ سکیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ان کی زینت اور عید کا دن عاشورے کا دن تھا۔ یہ یاد رہے کہ انبیاء علیہ السلام ایسے موقعوں پر کبھی پیچھے نہیں رہتے۔ ایسا کام کرتے ہیں جس سے حق صاف واضح ہو جائے اور ہر ایک پرکھ لے۔ اسی لئے آپ نے ان کی عید کا دن مقرر کیا اور وقت دن چڑھے کا بتایا اور صاف ہموار میدان مقرر کیا کہ جہاں سے ہر ایک دیکھ سکے اور جو باتیں ہوں وہ بھی سن سکے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے مہلت چاہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکار کیا۔ اس پر وحی اتری کہ مدت مقرر کر لو۔ فرعون نے چالیس دن کی مہلت مانگی جو منظور کی گئی۔

مقابلہ اور نتیجہ: ☆☆ (۶۰-۶۲) جب کہ مقابلہ کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ دن' وقت اور جگہ بھی ٹھہر گئی تو فرعون نے ادھر ادھر سے جادوگروں کو جمع کرنا شروع کیا۔ اس زمانے میں جادو کا بہت زور تھا اور بڑے بڑے جادوگر موجود تھے۔ فرعون نے عام طور سے حکم جاری کر دیا تھا کہ تمام ہوشیار جادوگروں کو میرے پاس بھیج دو۔ مقررہ وقت تک تمام جادوگر جمع ہو گئے۔ فرعون نے اسی میدان میں اپنا تخت نکلوایا۔ اس پر بیٹھا تمام امراء وزراء اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے رعایا سب جمع ہو گئی جادوگروں کی صفیں پرا باندھے تخت کے آگے کھڑی ہو گئیں۔

فرعون نے ان کی کمر ٹھونکنی شروع کی اور کہا' دیکھو آج اپنا وہ ہنر دکھاؤ کہ دنیا میں یادگار رہ جائے - جادوگروں نے کہا کہ اگر ہم بازی لے جائیں تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ کہا کیوں نہیں؟ میں تو تمہیں اپنا خاص درباری بنالوں گا - ادھر سے کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تبلیغ شروع کی کہ دیکھو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو ورنہ شامت اعمال برباد کردے گی - لوگوں کی آنکھوں میں خاک نہ جھونکو کہ درحقیقت کچھ نہ ہو اور تم اپنے جادو سے بہت کچھ دکھا دو - اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں جو فی الواقع کسی چیز کو پیدا کر سکے - یادرکھو ایسے جھوٹے بہتانی لوگ فلاح نہیں پاتے - یہ سن کر ان میں آپس میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں-

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

کہنے لگے' ہیں تو یہ دونوں جادوگر ہی اور ان کا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کریں اور تمہارے بہترین مذہب کو برباد کریں ○ تو تم بھی اپنی کوئی تدبیر اٹھا نہ رکھو - پھر صف بندی کر کے آجاؤ' جو آج غالب آگیا وہی بازی لے گیا ○

(آیت:۶۳-۶۴) بعض تو سمجھ گئے اور کہنے لگے یہ کلام جادوگروں کا نہیں یہ تو سچ مچ اللہ کے رسول ہیں - بعضوں نے کہا نہیں بلکہ یہ جادوگر ہیں' مقابلہ کرو - یہ باتیں بہت ہی احتیاط اور راز سے کی گئیں - اِنْ هٰذٰنِ کی دوسری قرات اِنَّ هٰذَيْنِ بھی ہے مطلب اور معنی دونوں قراتوں کا ایک ہی ہے - اب باآواز بلند کہنے لگے کہ یہ دونوں بھائی سیانے اور پہنچے ہوئے جادوگر ہیں - اس وقت تک تو تمہاری ہوا بندھی ہوئی ہے بادشاہ کا قرب نصیب ہے مال و دولت قدموں تلے لوٹ رہا ہے لیکن آج اگر یہ بازی لے گئے تو ظاہر ہے کہ ریاست ان ہی کی ہو جائے گی' تمہیں ملک سے نکال دیں گے' عوام ان کے ماتحت ہو جائیں گے' ان کا زور بند بندھ جائے گا' یہ بادشاہت چھین لیں گے اور ساتھ ہی تمہارے مذہب کو ملیا میٹ کر دیں گے - بادشاہت' عیش و آرام سب چیزیں تم سے چھن جائیں گی - شرافت' عقلمندی' ریاست سب ان کے قبضے میں آجائے گی تم یونہی بھٹے بھونتے رہ جاؤ گے - تمہارے اشراف ذلیل ہو جائیں گے' امیر فقیر بن جائیں گے ساری رونق اور بہار جاتی رہے گی - بنی اسرائیل جو تمہارے لونڈی غلام بنے ہوئے ہیں' یہ سب ان کے ساتھ ہو جائیں گے اور تمہاری حکومت پاش پاش ہو جائے گی - تم سب اتفاق کرلو - ان کے مقابلے میں صف بندی کر کے اپنا کوئی فن باقی نہ رکھو' جی کھول کر ہوشیاری اور دانائی سے اپنے جادو کے زور سے اسے دبالو - ایک ہی دفعہ ہر استاد اپنی کاری گری دکھا دے تا کہ میدان ہمارے جادو سے پر ہو جائے دیکھو اگر وہ جیت گیا تو یہ ریاست اسی کی ہو جائے گی اور اگر ہم غالب آگئے تو تم سن چکے ہو کہ بادشاہ ہمیں اپنا مقرب اور دربار خاص کے اراکین بنا دے گا -

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ

مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْاؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍؕ وَ لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ﴿۷۰﴾

کہنے لگے کہ موسیٰ یا تو پہلے ڈال یا ہم اول ڈالنے والے بن جائیں ○ جواب دیا کہ نہیں تم ہی پہلے ڈالو اب تو موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں بوجہ ان کے جادو کے دوڑ بھاگ رہی ہیں ○ تو موسیٰ اپنے دل ہی دل میں ڈرنے لگے ○ ہم نے فرمایا' کچھ خوف نہ کر' یقیناً تو ہی غالب رہے گا○ تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے' اسے ڈال دے کہ ان کی تمام کاریگری کو وہ نگل جائے' انہوں نے جو کچھ بنایا ہے' یہ صرف جادوگروں کے کرتب ہیں' اور جادوگر کہیں بھی جائے' کامیاب نہیں ہوتا ○ اب تو تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے اور پکار اٹھے کہ ہم تو ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر ایمان لا چکے ○

مقابلہ شروع ہوا: ☆☆ (آیت: ۶۵-۷۰) جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب بتاؤ' تم اپنا وار پہلے کرتے ہو یا ہم پہل کریں؟ اس کے جواب میں اللہ کے پیغمبر نے فرمایا' تم ہی پہلے اپنے دل کی بھڑاس نکال لو تا کہ دنیا دیکھ لے کہ تم نے کیا کیا؟ اور پھر اللہ نے تمہارے کئے کو کس طرح مٹا دیا؟ اسی وقت انہوں نے اپنی لکڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں- کچھ ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا وہ سانپ بن کر چل پھر رہی ہیں اور میدان میں دوڑ بھاگ رہی ہیں- کہنے لگے فرعون کے اقبال سے غالب ہم ہی رہیں گے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر کے انہیں خوفزدہ کر دیا اور جادو کے زبردست کرتب دکھا دیئے- یہ لوگ بہت زیادہ تھے- ان کی پھینکی ہوئی رسیوں اور لاٹھیوں سے اب سارا کا سارا میدان سانپوں سے پر ہو گیا وہ آپس میں گڈمڈ کر کے اوپر تلے ہونے لگے- اس منظر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف زدہ کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ ان کے کرتب کے قائل ہو جائیں اور اس باطل میں پھنس جائیں- اسی وقت جناب باری نے وحی نازل فرمائی کہ اپنے داہنے ہاتھ کی لکڑی کو میدان میں ڈال دو' ہراساں نہ ہو- آپ نے حکم کی تعمیل کی- اللہ کے حکم سے یہ لکڑی ایک زبردست بے مثال اژدہا بن گئی جس کے پیر بھی تھے اور سر بھی تھا' کچلیاں اور دانت بھی تھے- اس نے سب کے دیکھتے سارے میدان کو صاف کر دیا- اس نے جادوگروں کے جتنے کرتب تھے' سب کو ہڑپ کر لیا- اب سب پر حق واضح ہو گیا' معجزے اور جادو میں تمیز ہو گئی' حق و باطل میں پہچان ہو گئی- سب نے جان لیا کہ جادوگروں کی بناوٹ میں اصلیت کچھ بھی نہ تھی- فی الواقع جادوگر کوئی چال چلیں لیکن اس میں غالب نہیں آ سکتے-

ابن ابی حاتم میں حدیث ہے' ترمذی میں بھی موقوفاً اور مرفوعاً مروی ہے کہ جادوگر کو جہاں پکڑو' مار ڈالو- پھر آپ نے یہی جملہ تلاوت فرمایا- یعنی جہاں پایا جائے' امن نہ دیا جائے- جادوگروں نے جب یہ دیکھا' انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کام انسانی طاقت سے خارج ہے وہ جادو کے فن میں ماہر تھے' بیک نگاہ پہچان گئے کہ واقعی یہ اس اللہ کا کام ہے جس کے فرمان اٹل ہیں جو کچھ وہ چاہے' اس کے حکم سے ہو جاتا ہے- اس کے ارادے سے مراد جدا نہیں- اس کا اتنا کامل یقین انہیں ہو گیا کہ اسی وقت اسی میدان میں سب کے سامنے بادشاہ کی موجودگی میں وہ اللہ کے سامنے سربسجود ہو گئے اور پکار اٹھے کہ ہم رب العالمین پر یعنی ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے پروردگار پر ایمان لائے- سبحان اللہ صبح کے وقت کافر اور جادوگر تھے اور شام کو پاکباز مومن اور راہ اللہ کے شہید تھے- کہتے ہیں کہ ان کی تعداد اسی ہزار تھی یا ستر ہزار کی یا کچھ اوپر تیس ہزار کی یا انیس ہزار کی یا پندرہ ہزار کی یا بارہ ہزار کی- یہ بھی مروی ہے کہ یہ ستر تھے- صبح جادوگر' شام کو شہید- مروی ہے کہ جب یہ سجدے میں گرے' اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت دکھا دی- اور انہوں نے اپنی منزلیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں-

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ
عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ
خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ
عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰي مَا جَاۗءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ
وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ
الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ
مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾
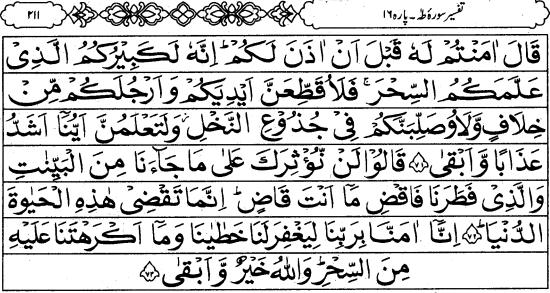
پاؤں الٹے سیدھے کٹوا کر تم سب کو کھجور کے تنوں میں سولی پر لٹکوا دوں گا اور تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور دیرپا ہے ○ انہوں نے جواب دیا کہ ناممکن ہے کہ ہم تجھے ترجیح دیں ان دلیلوں پر جو ہمارے سامنے آ چکیں اور اس اللہ پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ اب تو تو جو کچھ کرنے والا ہے' کر گزر' تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے' وہ اسی دینوی زندگی میں ہی ہے ○ ہم اس لالچ سے اپنے پروردگار پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطائیں معاف فرما دے اور جو کچھ تو نے ہم سے زبردستی کرایا ہے' وہ تو جادو ہے' اللہ ہی بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے ○

نتیجہ موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا گواہ بنا: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۳) شان الٰہی دیکھئے' چاہئے تو یہ تھا کہ فرعون اب راہ راست پر آ جاتا۔ جن کو اس نے مقابلے کے لئے بلوایا تھا' وہ عام مجمع میں ہارے۔ انہوں نے اپنی ہار مان لی اپنے کرتوت کو جادو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ معجزہ تسلیم کر لیا۔ خود وہ ایمان لائے جو مقابلے کے لئے بلوائے گئے تھے۔ مجمع عام میں سب کے سامنے بے جھجک انہوں نے دین حق کو قبول کر لیا۔ لیکن یہ اپنی شیطنیت میں اور بڑھ گیا اور اپنی قوت و طاقت دکھانے لگا لیکن بھلا حق والے مادی طاقتوں کو سمجھتے ہی کیا ہیں؟ پہلے تو جادوگروں کے اس مسلم گروہ سے کہنے لگا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر ایمان کیوں لائے؟ پھر ایسا بہتان باندھا جس کا جھوٹ ہونا بالکل واضح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تو تمہارے استاد ہیں انہی سے تم نے جادو سیکھا ہے۔ تم سب آپس میں ایک ہی ہو' مشورہ کر کے' ہمیں تاراج کرنے کے لئے تم نے پہلے انہیں بھیجا پھر اس کے مقابلے میں خود آئے اور اپنے اندرونی سمجھوتے کے مطابق سامنے ہار گئے اور اسے جتا دیا اور پھر اس کا دین قبول کر لیا تا کہ تمہاری دیکھا دیکھی میری رعایا بھی اس چکر میں پھنس جائے مگر تمہیں اپنی اس سازباز کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا۔ میں الٹی سیدھی طرف سے تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تم کو کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا اور اس بری طرح تمہاری جان لوں گا کہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔ اسی بادشاہ نے سب سے پہلے یہ سزا دی ہے۔ تم جو اپنے تئیں ہدایت پر اور مجھے اور میری قوم کو گمراہی پر سمجھتے ہو' اس کا حال بھی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دائمی عذاب کس پر آتا ہے؟ اس دھمکی کا ان کے دلوں پر الٹا اثر ہوا وہ اپنے ایمان میں کمال بن گئے اور نہایت بے پرواہی سے جواب دیا کہ اس ہدایت و یقین کے مقابلے میں جو ہمیں اب اللہ کی طرف سے حاصل ہوا ہے' ہم تیرا مذہب کسی طرح قبول کرنے والے نہیں نہ تجھے ہم اپنے سچے خالق مالک کے سامنے کوئی چیز سمجھیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ قسم ہو یعنی اس اللہ کی قسم جس نے ہمیں اولاً پیدا کیا ہے' ہم ان واضح دلیلوں پر تیری گمراہی کو ترجیح دے ہی نہیں سکتے خواہ تو ہمارے ساتھ کچھ ہی کر لے۔ مستحق عبادت وہ ہے جس نے ہمیں بنایا نہ کہ تو جو خود اسی کا بنایا ہوا ہے۔ تجھے جو کرنا ہو' اس میں کمی نہ کر' تو تو ہمیں اسی

وقت تک سزائیں دے سکتا ہے جب تک ہم اس دنیا کی حیات کی قید میں ہیں ہمیں یقین ہے کہ اس کے بعد ابدی راحت اور غیر فانی خوشی و مسرت نصیب ہوگی۔ ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں ہمیں امید ہے کہ وہ ہمارے اگلے قصوروں سے درگزر فرما لے گا بالخصوص یہ قصور جو ہم سے اللہ کے سچے نبی کے مقابلے پر جادو بازی کرنے کا سرزد ہوا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' فرعون نے بنی اسرائیل کے چالیس بچے لے کر انہیں جادوگروں کے سپرد کیا تھا کہ انہیں جادو کی پوری تعلیم دو۔ اب یہ لڑکے یہ مقولہ کہہ رہے ہیں کہ تو نے ہم سے جبراً جادوگری کی خدمت لی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید رحمتہ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا ہمارے لئے بہ نسبت تیرے اللہ بہت بہتر ہے اور دائمی ثواب دینے والا ہے۔ نہ ہمیں تیری سزاؤں سے ڈر نہ تیرے انعام کی لالچ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت واطاعت کی جائے۔ اسی کے عذاب دائمی ہیں اور سخت خطرناک ہیں' اگر اس کی نافرمانی کی جائے۔ پس فرعون نے بھی ان کے ساتھ یہ کیا۔ سب کے ہاتھ پاؤں الٹی سیدھی طرف سے کاٹ کر سولی پر چڑھا دیا۔ وہ جماعت جو سورج کے نکلنے کے وقت کافر تھی' وہی جماعت سورج ڈوبنے سے پہلے مومن اور شہید تھی (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾

بات یہی ہے کہ جو بھی گنہگار بن کر اللہ کے ہاں جائے گا' اس کے لئے دوزخ ہے' جہاں نہ موت ہوگی اور نہ زندگی ○

ایمان یافتہ جادوگروں پر فرعون کا عتاب: ☆☆ (آیت:۷۴) بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جادوگروں نے ایمان قبول فرما کر فرعون کو جو نصیحتیں کیں' انہیں میں یہ آیتیں بھی ہیں۔ اسے اللہ کے عذابوں سے ڈرا رہے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا لالچ دلا رہے ہیں کہ گنہگاروں کا ٹھکانا جہنم ہے جہاں موت تو کبھی آنے ہی کی نہیں لیکن زندگی بھی بڑی ہی مشقت والی موت سے بدتر ہوگی۔ جیسے فرمان ہے لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا الخ' یعنی نہ تو موت ہی آئے گی نہ عذاب ہلکے ہوں گے' کافروں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ اور آیتوں میں ہے وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الخ' یعنی اللہ کی نصیحتوں سے بے فیض وہی رہے گا جو ازلی بدبخت ہو' جو آخر کار بڑی سخت آگ میں گرے گا جہاں نہ تو موت آئے نہ چین کی زندگی نصیب ہو۔ اور آیت میں ہے کہ جہنم میں جھلستے ہوئے کہیں گے کہ اے داروغہ دوزخ تم دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں موت ہی دے دے لیکن وہ جواب دے گا کہ نہ تم مرنے والے ہو نہ نکلنے والے۔

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾

اور جو بھی اس کے پاس ایمان دار ہو کر جائے گا اور اس نے اعمال بھی نیک کئے ہوں گے اس کے لئے بلند و بالا درجے ہیں ○ ہیشگی والی جنتیں جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے' یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاک رہے ○

(آیت:۷۵-۷۶) مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اصلی جہنمی تو جہنم میں ہی پڑے رہیں گے نہ وہاں انہیں موت آئے نہ آرام کی زندگی ملے ہاں ایسے لوگ بھی ہوں گے جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جہاں وہ جل کر

کوئلہ ہو جائیں گے جان نکل جائے گی پھر شفاعت کی اجازت کے بعد ان کا چورا نکالا جائے گا اور جنت کی نہروں کے کناروں پر بکھیر دیا جائے گا اور جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ ان پر پانی ڈالو تو جس طرح تم نے نہر کے کنارے کے کھیت کے دانوں کو اگتے ہوئے دیکھا ہے اسی طرح وہ اگیں گے۔ یہ سن کر ایک شخص کہنے لگا حضور ﷺ نے مثال تو ایسی دی ہے گویا آپ کچھ زمانہ جنگل میں گزار چکے ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ خطبے میں اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ نے یہ فرمایا تھا۔ اور جو اللہ سے قیامت کے دن ایمان اور عمل صالح کے ساتھ جا ملا اسے اونچے بالا خانوں والی جنت ملے گی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جنت کے سو درجوں میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں، سب سے اوپر جنت الفردوس ہے اسی سے چاروں نہریں جاری ہوتی ہیں اس کی چھت رحمٰن کا عرش ہے۔ اللہ سے جب جنت مانگو تو جنت الفردوس کی دعا کیا کرو۔ (ترمذی وغیرہ)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ کہا جاتا تھا کہ جنت کے سو درجے ہیں ہر درجے کے پھر سو درجے ہیں دو درجوں میں اتنی دوری ہے جتنی آسمان وزمین میں۔ ان میں یاقوت اور موتی ہیں اور زیور بھی۔ ہر جنت میں امیر ہے جس کی فضیلت اور سرداری کے دوسرے قائل ہیں۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ اعلیٰ علیین والے ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے تم لوگ آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا، پھر یہ بلند درجے تو نبیوں کے لئے ہی مخصوص ہوں گے؟ فرمایا سنو اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے۔ نبیوں کو سچا جانا۔ سنن کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ انہی میں سے ہیں۔ اور کتنے ہی اچھے مرتبے والے ہیں۔ یہ جنتیں ہیشگی کی اقامت کی ہیں جہاں یہ ہمیشہ ابدالآباد رہیں گے۔ جو لوگ اپنے نفس پاک رکھیں، گناہوں سے، خباثت سے، گندگی سے، شرک و کفر سے دور رہیں، اللہ واحد کی عبادت کرتے رہیں، رسولوں کی اطاعت میں عمر گزار دیں، ان کے لئے یہی قابل رشک مقامات اور قابل صد مبارکباد انعام ہیں رَزَقَنَا اللّٰهُ اِيَّاهَا۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

ہم نے موسیٰ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل اور ان کے لئے دریا میں خشک راستہ بنا لے۔ پھر نہ تجھے کسی کے آ پکڑنے کا خطرہ نہ ڈر ○ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا۔ پھر تو دریا نے ان سب کو جیسا کچھ چھپا لینا چاہئے تھا، چھپا لیا ○ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور سیدھا رستہ نہ دکھایا ○

بنی اسرائیل کی ہجرت اور فرعون کا تعاقب: ☆☆ (آیت: ۷۷-۷۹) چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان کو بھی فرعون نے ٹال دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر کے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دے، اس لئے جناب باری نے آپ کو حکم فرمایا کہ آپ راتوں رات ان کی بے خبری میں تمام بنی اسرائیل کو چپ چاپ لے کر یہاں سے چلے جائیں جیسے کہ اس کا تفصیلی بیان قرآن کریم میں اور بہت سی جگہ پر ہوا ہے۔ چنانچہ حسب ارشاد آپ نے بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر یہاں سے ہجرت کی صبح جب فرعونی جاگے

اور سارے شہر میں ایک بنی اسرائیلی نہ دیکھا' فرعون کو اطلاع دی' وہ مارے غصے کے چکر کھا گیا اور ہر طرف منادی دوڑا دیئے کہ لشکر جمع ہو جائیں اور دانت پیس پیس کر کہنے لگا کہ اس مٹھی بھر جماعت نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے آج ان سب کو تہہ تیغ کر دوں گا۔ سورج نکلتے ہی لشکر آ موجود ہوا اسی وقت خود سارے لشکر کو لے کر ان کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ بنی اسرائیل دریا کے کنارے پہنچے ہی تھے جو فرعونی لشکر انہیں دکھائی دے گیا گھبرا کر اپنے نبی سے کہنے لگے' لو حضرت اب کیا ہوتا ہے سامنے دریا ہے پیچھے فرعونی ہیں۔ آپ نے جواب دیا' گھبرانے کی کوئی بات نہیں' میری مدد پر خود میرا رب ہے' وہ ابھی مجھے راہ دکھا دے گا۔ اسی وقت وحی الٰہی آئی کہ موسیٰ دریا پر اپنی لکڑی مارو' وہ ہٹ کر تمہیں راستہ دے دے گا۔

چنانچہ آپ نے یہ کہہ کر لکڑی ماری کہ اے دریا بحکم اللہ تو ہٹ جا۔ اسی وقت اس کا پانی پتھر کی طرح ادھر ادھر جم گیا اور بیچ میں راستے نمایاں ہو گئے۔ ادھر ادھر پانی مثل بڑے بڑے پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا اور تیز اور خشک ہواؤں کے جھونکوں نے راستوں کو بالکل سوکھی زمین کے راستوں کی طرح کر دیا۔ نہ تو فرعون کی پکڑ کا خوف رہا نہ دریا میں ڈوب جانے کا خطرہ رہا۔ فرعون اور اس کے لشکری یہ حال دیکھ رہے تھے۔ فرعون نے حکم دیا کہ انہی راستوں سے تم بھی پار ہو جاؤ۔ چیختا کودتا مع تمام لشکر کے ان ہی راہوں میں اتر پڑا ان کے اترتے ہی پانی کو بہنے کا حکم ہو گیا اور چشم زدن میں تمام فرعونی ڈبو دیئے گئے۔ دریا کی موجوں نے انہیں چھپا لیا۔ یہاں جو فرمایا کہ انہیں اس چیز نے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا۔ یہ اس لئے کہ یہ مشہور و معروف ہے نام لینے کی ضرورت نہیں یعنی دریا کی موجوں نے۔ اسی جیسی آیت وَالْمُؤْتَفِکَۃَ اَھْوٰی فَغَشّٰھَا مَاغَشّٰی ہے یعنی قوم لوط کی بستیوں کو بھی اسی نے دے پٹکا تھا۔ پھر ان پر جو تباہی آئی' سو آئی۔ عرب کے اشعار میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ الغرض فرعون نے اپنی قوم کو بہکا دیا اور راہ راست انہیں نہ دکھائی۔ جس طرح دنیا میں انہیں اس نے آگے بڑھ کر دریا برد کیا۔ اسی طرح آگے ہو کر قیامت کے دن انہیں جہنم میں جا جھونکے گا جو بدترین جگہ ہے۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ وَوٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ﴿۸۰﴾ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ ۚ وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی ﴿۸۱﴾ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ﴿۸۲﴾

اے بنی اسرائیل! دیکھو ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے کوہ طور کی داہنی طرف کا وعدہ کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا ○ تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ روزی کھاؤ اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہو گا' اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے' وہ یقیناً تباہ ہوا ○ ہاں بے شک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں ایمان لائیں' نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی رہیں ○

احسانات کی یاد دہانی: ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۲) اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو بڑے بڑے احسان کئے تھے' انہیں یاد دلا رہا ہے۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ انہیں ان کے دشمنوں سے نجات دی اور اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے دشمنوں کو ان کے دیکھتے ہوئے دریا میں ڈبو دیا۔ ایک بھی ان میں سے باقی نہ بچا۔ جیسے فرمان ہے وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ یعنی ہم نے تمہارے دیکھتے ہوئے فرعونیوں

کوڈبودیا- صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینے کے یہودیوں کو عاشورے کے دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس کا سبب دریافت فرمایا انہوں نے جواب دیا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر کامیاب کیا تھا- آپؐ نے فرمایا' پھر تو ہمیں بہ نسبت تمہارے ان سے زیادہ قرب ہے چنانچہ آپؐ نے مسلمانوں کو اس دن کے روزے کا حکم دیا- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کو کوہ طور کی دائیں جانب کا وعدہ دیا- آپؑ وہاں گئے اور پیچھے سے بنو اسرائیل نے گؤسالہ پرستی شروع کر دی- جس کا بیان ابھی آگے آئے گا ان شاءاللہ تعالیٰ- اسی طرح ایک احسان ان پر یہ کیا کہ من وسلویٰ کھانے کو دیا- اس کا پورا بیان سورہ بقرہ وغیرہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے- من ایک میٹھی چیز تھی جو ان کے لئے آسمان سے اترتی تھی اور سلویٰ ایک قسم کے پرند تھے جو بہ حکم الٰہی ان کے سامنے آجاتے تھے یہ بقدر ایک دن کی خوراک کے انہیں لے لیتے تھے- ہماری یہ دی ہوئی روزی کھاؤ' اس میں حد سے نہ گزر جاؤ حرام چیز یا حرام ذریعہ سے اسے نہ طلب کرو- ورنہ میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب اترے یقین مانو کہ وہ بدبخت ہو گیا- حضرت شغی بن مانع رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک اونچی جگہ بنی ہوئی ہے جہاں سے کافر کو جہنم میں گرایا جاتا ہے تو زنجیروں کی جگہ تک چالیس سال میں پہنچتا ہے' یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ وہ گڑھے میں گر پڑا- ہاں جو بھی اپنے گناہوں سے میرے سامنے توبہ کرے' میں اس کی توبہ قبول فرماتا ہوں-

دیکھو بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی' ان کی توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بخش دیا- غرض جس کفر و شرک' گناہ و معصیت پر کوئی ہو' پھر وہ اسے بخوف الٰہی چھوڑ دے' اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے' ہاں دل میں ایمان ہو اور اعمال صالحہ بھی کرتا ہو اور ہو بھی راہ راست پر' شکی نہ ہو' سنت رسولؐ اور جماعت صحابہؓ کی روش پر ہو- اس میں ثواب جانتا ہو' یہاں پر ثم کا لفظ خبر کی خبر پر ترتیب کرنے کے لئے آیا ہے- جیسے فرمان ہے- ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا- وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ-

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾

موسیٰ تجھے اپنی قوم سے غافل کر کے کون سی چیز جلدی لے آئی؟ ○ کہا کہ وہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی پیچھے ہیں اور میں نے اے رب تیری طرف جلدی اس لئے کی کہ تو خوش ہو جا ○ فرمایا' ہم نے تیری قوم کو تیرے پیچھے آزمائش میں ڈال دیا اور انہیں سامری نے بہکا دیا ہے ○ پس موسیٰ سخت ناراض ہو کر افسوس ناکی کے ساتھ واپس لوٹا اور کہنے لگا کہ اے میری قوم والو! کیا تم سے تمہارے پروردگار نے نیک وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا اس کی مدت تمہیں لمبی معلوم ہوئی؟ بلکہ تمہارا ارادہ ہی یہ ہے کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب نازل ہو ○

بنی اسرائیل کا دریا پار جانا: ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دریا پار کر کے نکل گئے تو ایک جگہ پہنچے جہاں کے

لوگ اپنے بتوں کے مجاور بن کر بیٹھے ہوئے تھے تو بنی اسرائیل کہنے لگے' موسیٰ ہمارے لئے بھی ان کی طرح کوئی معبود مقرر کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا تم بڑے جاہل لوگ ہو۔ یہ تو برباد شدہ لوگ ہیں اور ان کی عبادت بھی باطل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تیس روزوں کا حکم دیا۔ پھر دس بڑھا دیئے گئے۔ پورے چالیس ہو گئے' دن رات روزے سے رہتے تھے۔ اب آپ جلدی سے طور کی طرف چلے۔ بنی اسرائیل پر اپنے بھائی ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کیا وہاں جب پہنچے تو جناب باری نے اس جلدی کی وجہ دریافت فرمائی۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ بھی طور کے قریب ہی ہیں آ رہے ہیں میں نے جلدی کی ہے کہ تیری رضامندی حاصل کرلوں اور اس میں بڑھ جاؤں۔

موسیٰ علیہ السلام کے بعد پھر شرک : ☆☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے چلے آنے کے بعد تیری قوم میں نیا فتنہ برپا ہوا اور انہوں نے گئو سالہ پرستی شروع کر دی ہے۔ اس بچھڑے کو سامری نے بنایا اور انہیں اس کی عبادت میں لگا دیا ہے۔ اسرائیلی کتابوں میں ہے کہ سامری کا نام بھی ہارون تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمانے کے لئے تورات کی تختیاں لکھ لی گئی تھیں۔ جیسے فرمان ہے وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ الخ' ہم نے اس کے لئے تختیوں میں ہر شے کا تذکرہ اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تھی اور کہہ دیا کہ اسے مضبوطی سے تھام لو اور اپنی قوم سے بھی کہو کہ اس پر عمدگی سے عمل کریں۔ میں تمہیں عنقریب فاسقوں کا انجام دکھا دوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اپنی قوم کے مشرکانہ فعل کا علم ہوا تو سخت رنج ہوا اور غم و غصے میں بھرے ہوئے وہاں سے واپس قوم کی طرف چلے کہ دیکھو ان لوگوں نے اللہ کے انعامات کے باوجود ایسے سخت احمقانہ اور مشرکانہ فعل کا ارتکاب کیا۔ غم و اندوہ' رنج و غصہ آپ کو بہت آیا۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

ع ۱۳

تم نے میرے وعدے کا خلاف کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدے کا خلاف نہیں کیا بلکہ ہم پر جو زیورات قوم کے لاد دیئے گئے تھے انہیں ہم نے ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیئے ○ پھر اسنے لوگوں کے لئے ایک بچھڑا نکال کھڑا کیا یعنی بچھڑے کا بت جس کی گائے کی سی آواز بھی تھی۔ پھر کہنے لگے کہ یہی تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ کا بھی' لیکن موسیٰ بھول گیا ہے ○ کیا یہ گمراہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے کسی برے بھلے کا اختیار رکھتا ہے ○

(آیت: ۸۷-۸۹) واپس آتے ہی کہنے لگے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تم سے تمام نیک وعدے کئے تھے' تمہارے ساتھ بڑے بڑے سلوک و انعام کئے لیکن ذرا سے وقفے میں تم اللہ کی نعمتوں کو بھلا بیٹھے بلکہ تم نے وہ حرکت کی جس سے اللہ کا غضب تم پر اتر پڑا۔ تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کا مطلق لحاظ نہ رکھا۔ اب بنی اسرائیل معذرت کرنے لگے کہ ہم نے یہ کام اپنے اختیار سے نہیں کیا' بات یہ ہے کہ جو زیور فرعونیوں کے ہمارے پاس مستعار لئے ہوئے تھے' ہم نے بہتر یہی سمجھا کہ انہیں پھینک دیں چنانچہ ہم نے سب کے سب

بطور پرہیزگاری کے پھینک دیئے۔ ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت ہارون علیہ السلام نے ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ جلا کر ان سے فرمایا کہ وہ زیور سب اس میں ڈال دو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ سب زیور ایک جا ہو جائیں اور پگھل کر ڈلا بن جائے۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام آ جائیں جیسا وہ فرمائیں' کیا جائے۔ سامری نے اس میں وہ مٹھی ڈال دی جو اس نے اللہ کے قاصد کے نشان سے بھری تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا' آیئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ میری خواہش قبول فرما لے آپ کو کیا خبر تھی' آپ نے دعا کی۔ اس نے خواہش یہ کی کہ اس کا ایک بچھڑا بن جائے جس میں سے بچھڑے کی سی آواز بھی نکلے چنانچہ وہ بن گیا اور بنی اسرائیل کے فتنے کا باعث ہو گیا۔ پس فرمان ہے کہ اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام ایک مرتبہ سامری کے پاس سے گزرے' تو وہ اس بچھڑے کو ٹھیک ٹھاک کر رہا تھا آپ نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا وہ چیز بنا رہا ہوں جو نقصان دے اور نفع نہ دے۔ آپ نے دعا کی الٰہی خود اسے ایسا ہی کر دے اور آپ وہاں سے تشریف لے گئے۔ سامری کی دعا سے یہ بچھڑا بنا اور آواز نکالنے لگا۔ بنی اسرائیل بہکاوے میں آ گئے اور اس کی پرستش شروع کر دی اس کی آواز پر یہ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑتے اور دوسری آواز پر سجدے سے سر اٹھاتے۔ یہ گروہ دوسرے مسلمانوں کو بھی بہکانے لگا کہ دراصل اللہ یہی ہے۔ موسیٰ بھول کر کہیں اور اس کی جستجو میں چل دیئے ہیں' وہ یہ کہنا بھول گئے کہ تمہارا رب یہی ہے۔ یہ لوگ مجاور بن کر اس کے اردگرد بیٹھ گئے۔ ان کے دلوں میں اس کی محبت رچ گئی۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ سامری اپنے سچے اللہ کو اور اپنے پاک دین اسلام کو بھول بیٹھا۔ ان کی بیوقوفی دیکھئے کہ یہ اتنا نہیں دیکھتے کہ وہ بچھڑا تو محض بے جان چیز ہے۔ ان کی کسی بات کا نہ تو جواب دے نہ سنے' نہ دنیا و آخرت کی کسی بات کا اسے اختیار نہ کوئی نفع نقصان اس کے ہاتھ میں۔ آواز جو نکلتی تھی' اس کی وجہ بھی صرف یہ تھی کہ پیچھے کے سوراخ میں سے ہوا گزر کر منہ کے راستے نکلتی تھی۔ اسی کی آواز آتی تھی۔ اس بچھڑے کا نام انہوں نے بہ موت رکھ چھوڑا تھا۔ ان کی دوسری حماقت دیکھئے کہ چھوٹے گناہ سے بچنے کے لئے بڑا گناہ کر لیا۔ فرعونیوں کی امانتوں سے آزاد ہونے کے لئے شرک شروع کر دیا۔ یہ تو وہی مثال ہوئی کہ کسی عراقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کپڑے پر اگر مچھر کا خون لگ جائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا' ان عراقیوں کو دیکھو' بنت رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر کو تو قتل کر دیں اور مچھر کے خون کے مسئلے پوچھتے پھریں؟

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾

ہارون نے اس سے پہلے ان سے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم والو اس بچھڑے سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے تمہارا حقیقی پروردگار تو اللہ رحمان ہی ہے پس تم سب میری تابعداری کرو اور میری بات مانتے چلے جاؤ ○ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ کی واپسی تک تو ہم اسی کے مجاور بنے بیٹھے رہیں گے ○

بنی اسرائیل اور ہارون علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۹۰-۹۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں ہر چند سمجھایا بجھایا کہ دیکھو فتنے میں نہ پڑو۔ اللہ رحمٰن کے سوا اور کسی کے سامنے نہ جھکو۔ وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے' سب کا اندازہ مقرر کرنے والا وہی ہے' وہی عرش مجید کا مالک ہے' وہی جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ تم میری تابعداری اور حکم برداری کرتے رہو۔ جو میں کہوں وہ

بجالاؤ، جس سے روکوں رک جاؤ۔ لیکن ان سرکشوں نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی سن کر تو خیر ہم مان لیں گے۔ تب تک تو ہم اس کی پرستش چھوڑتے نہیں۔ چنانچہ لڑنے اور مرنے مارنے کے واسطے تیار ہو گئے۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾

موسیٰ کہنے لگے اے ہارون! انہیں گمراہ ہوتا ہوا دیکھتے ہوئے تجھے کس چیز نے روکا تھا؟ ○ کہ تو میرے پیچھے پیچھے آ جاتا' کیا تو بھی میرے فرمان کا نافرمان بن بیٹھا؟ ○ ہارون کہنے لگے' اے میرے ماں جائے بھائی' میری داڑھی اور سر نہ پکڑ' مجھے تو صرف یہ خیال دامن گیر ہوا کہ کہیں آپ یہ نہ فرمائیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا پاس نہ کیا ○ موسیٰ نے پوچھا کہ سامری تیرا کیا حال ہے؟ ○ اس نے جواب دیا کہ مجھے وہ چیز دکھائی دی جو انہیں دکھائی نہیں دی تو میں نے اللہ کے بھیجے ہوئے کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی۔ اسے اس میں ڈال دیا۔ میرے دل نے ہی یہ بات میرے لئے بنادی ○

کوہ طور سے واپسی اور بنی اسرائیل کی حرکت پہ غصہ: ☆☆ (آیت:۹۲-۹۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت غصے اور پورے غم میں لوٹے تھے' تختیاں زمین پر دے ماریں اور اپنے بھائی ہارون کی طرف غصے سے بڑھ گئے اور ان کے سر کے بال تھام کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے۔ اس کا تفصیلی بیان سورۂ اعراف کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور وہیں وہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ سننا دیکھنے کے مطابق نہیں۔ آپ نے اپنے بھائی اور اپنے جانشین کو ملامت کرنی شروع کی کہ اس بت پرستی کے شروع ہوتے ہی تو نے مجھے خبر کیوں نہ کی؟ کیا جو کچھ میں تجھے کہہ گیا تھا' تو بھی اس کا مخالف بن بیٹھا؟ میں تو صاف کہہ گیا تھا کہ میری قوم میں میری جانشینی کر۔ اصلاح کے درپے رہ اور مفسدوں کی نہ مان۔ حضرت ہارون نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ اے میرے ماں جائے بھائی' یہ صرف اس لئے (کہا) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زیادہ رحم اور محبت آئے ورنہ باپ الگ الگ نہ تھے۔ باپ بھی ایک ہی تھے۔ دونوں سگے بھائی تھے۔ آپ عذر پیش کرتے ہیں کہ جی میں تو میرے بھی آئی تھی کہ آپ کے پاس آ کر آپ کو اس کی خبر کروں لیکن پھر خیال آیا کہ انہیں تنہا چھوڑنا مناسب نہیں۔ کہیں آپ مجھ پر نہ بگڑ بیٹھیں کہ انہیں تنہا کیوں چھوڑ دیا؟ اور اولاد یعقوب میں یہ جدائی کیوں ڈال دی؟ اور جو میں کہہ گیا تھا' اس کی نگہبانی کیوں نہ کی؟ بات یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام میں جہاں اطاعت کا پورا مادہ تھا' وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عزت بھی بہت کرتے تھے اور ان کا بہت ہی لحاظ رکھتے تھے۔

گائے پرست سامری اور بچھڑا: ☆☆ (آیت:۹۵-۹۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا کہ تو نے یہ فتنہ کیوں اٹھایا؟ یہ شخص باجرو کا رہنے والا تھا' اس کی قوم گائے پرست تھی۔ اس کے دل میں گائے کی محبت گھر کئے ہوئے تھی۔ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا۔ اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ ایک روایت میں ہے' یہ کرمانی تھا۔ ایک روایت میں ہے' اس کی بستی کا نام سامرا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ جب فرعون کی ہلاکت کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تو میں نے ان کے گھوڑے کے ٹاپ تلے کی

تھوڑی سی مٹی اٹھالی - اکثر مفسرین کے نزدیک مشہور بات یہی ہے - حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور موسیٰ علیہ السلام کو لے کر چڑھنے لگے تو سامری نے دیکھ لیا اس نے جلدی سے ان کے گھوڑے کے سم تلے کی مٹی اٹھالی - حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جبرئیل علیہ السلام آسمان تک لے گئے اللہ تعالیٰ نے تورات لکھی حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم کی تحریر کی آواز سن رہے تھے لیکن جب آپ کو آپ کی قوم کی مصیبت معلوم ہوئی تو نیچے اتر آئے اور اس بچھڑے کو جلا دیا - لیکن اس اثر کی سند غریب ہے - اسی خاک کی چٹکی یا مٹھی کو اس نے بنی اسرائیل کے جمع کردہ زیوروں کے جلنے کے وقت ان میں ڈال دی - جو بصورت بچھڑا بن گئے اور چونکہ بیچ میں خلا تھا' وہاں سے ہوا گھستی تھی اور اس سے آواز نکلتی تھی - حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھتے ہی اس کے دل میں خیال گزرا تھا کہ میں اس کے گھوڑے کے ٹاپوں تلے کی مٹی اٹھالوں میں جو چاہوں گا' وہ اس مٹی کے ڈالنے سے بن جائے گا اس کی انگلیاں اسی وقت سوکھ گئی تھیں - جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ ان کے پاس فرعونیوں کے زیورات رہ گئے اور فرعونی ہلاک ہو گئے اور یہ اب ان کو واپس نہیں ہو سکتے تو غمزدہ ہونے لگے - سامری نے کہا' دیکھو اس کی وجہ سے تم پر مصیبت نازل ہوئی ہے اسے جمع کر کے آگ لگا دو جب وہ جمع ہو گئے اور آگ سے پگھل گئے تو اس کے جی میں آئی کہ وہ خاک اس پر ڈال دے اور اسے بچھڑے کی شکل میں بنا لے چنانچہ یہی ہوا اور اس نے کہہ دیا کہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا رب یہی ہے - یہی وہ جواب دے رہا ہے کہ میں نے اسے ڈال دیا اور میرے دل نے یہی ترکیب مجھے اچھی طرح سمجھا دی -

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

کہا' اچھا جا دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہی ہے کہ تو کہتا رہے کہ ہاتھ نہ لگانا اور ایک اور بھی وعدہ تیرے ساتھ ہے جو تیرے بارے میں کبھی بھی خلاف نہ کیا جائے گا' اور اب تو اپنے اس اللہ کو بھی دیکھ لینا جس کا تو اعتکاف کئے ہوئے تھا' کہ ہم اسے جلا کر دریا میں ریزہ ریزہ اڑا دیں گے ○ اصل بات یہی ہے کہ تم سب کا معبود برحق صرف اللہ ہی ہے کہ اس کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں - اس کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے ○

(آیت: ۹۷-۹۸) کلیم اللہ نے فرمایا' تو نے نہ لینے کی چیز کو ہاتھ لگایا تیری سزا دنیا میں یہی ہے کہ اب نہ تو تو کسی کو ہاتھ لگا سکے نہ کوئی اور تجھے ہاتھ لگا سکے - باقی سزا تیری قیامت کو ہو گی جس سے چھٹکارا محال ہے - ان کے بقایا اب تک یہی کہتے ہیں کہ نہ چھونا - اب تو اپنے معبود کا حشر بھی دیکھ لے جس کی عبادت پر اوندھا پڑا ہوا تھا کہ ہم اسے جلا کر راکھ کر دیتے ہیں چنانچہ وہ سونے کا بچھڑا اس طرح جل گیا جیسے خون اور گوشت والا بچھڑا جلے - پھر اس کی راکھ کو تیز ہوا میں دریا میں ذرہ ذرہ کر کے اڑا دیا - مروی ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کی عورتوں کے زیور جہاں تک اس کے بس میں تھے' لئے' ان کا بچھڑا بنایا جسے حضرت موسیٰؑ نے جلا دیا اور دریا میں اس کی خاک بہا دی جس نے بھی اس کا پانی پیا' اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اس سے سارے گئو سالہ پرست معلوم ہو گئے اب انہوں نے توبہ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہماری توبہ کیسے قبول ہو گی؟ حکم ہوا کہ ایک دوسرے کو قتل کرو - اس کا پورا بیان پہلے گزر چکا ہے - پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارا معبود یہ نہیں' مستحق عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ ہے - باقی تمام جہان اس کا محتاج ہے اور اس کے ماتحت ہے' وہ ہر چیز کا عالم ہے - اس کے علم نے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے - ہر چیز کی گنتی اسے معلوم ہے' ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں' ہر پتے کا اور ہر دانے کا اسے علم ہے بلکہ اس کے

پاس کی کتاب میں وہ لکھا ہوا موجود ہے۔ زمین کے تمام جانداروں کو روزیاں وہی پہنچاتا ہے' سب کی جگہ اسے معلوم ہے' سب کچھ کھلی اور واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ علم الٰہی محیط کل اور سب کو حاوی ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾

اسی طرح ہم تیرے سامنے پہلے کی ہو چکی ہوئی وارداتیں بیان فرما رہے ہیں' یقیناً ہم تو تجھے اپنے پاس سے نصیحت عطا فرما چکے ہیں ○ اس سے جو منہ پھیر لے گا' وہ یقیناً قیامت کے دن اپنا بھاری بوجھ لادے ہوئے ہوگا ○ جس میں ہمیشہ ہی رہے گا' ان کیلئے قیامت کے دن بڑا برا بوجھ ہے ○ جس دن صور پھونک دیا جائے گا اور گنہگاروں کو ہم اس دن نیلی پیلی آنکھوں کے کر کے گھیر لائیں گے' آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے کہ ہم تو صرف دس دن ہی رہے ○ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں' اس کی حقیقت سے باخبر ہم ہی ہیں جب کہ ان میں سب سے زیادہ اچھی راہ والا کہہ رہا ہوگا کہ تم تو صرف ایک ہی دن رہے ○

سب سے اعلیٰ کتاب: ☆☆ (آیت:۹۹-۱۰۱) فرمان ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اصلی رنگ میں آپ کے سامنے بیان ہوا ایسے ہی اور بھی حالات گزشتہ آپ کے سامنے ہم ہو بہو بیان فرما رہے ہیں۔ ہم نے تو آپ کو قرآن عظیم دے رکھا ہے جس کے پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا کیونکہ آپ حکمت وحمد والے ہیں۔ کسی نبی کو کوئی کتاب اس سے زیادہ کمال والی اور اس سے زیادہ جامع اور اس سے زیادہ بابرکت نہیں ملی۔ ہر طرح سب سے اعلیٰ کتاب یہی کلام اللہ شریف ہے جس میں گذشتہ کی خبریں' آئندہ کے امور اور ہر کام کے طریقے مذکور ہیں۔ اسے نہ ماننے والا' اس سے منہ پھیرنے والا' اس کے احکام سے بھاگنے والا' اس کے سوا کسی اور میں ہدایت کو تلاش کرنے والا گمراہ ہے اور جہنم کی طرف جانے والا ہے۔ قیامت کو وہ اپنا بوجھ آپ اٹھائے گا اور اس میں دب جائے گا اس کے ساتھ جو بھی کفر کرے' وہ جہنمی ہے' کتابی ہو یا غیر کتابی' عجمی ہو یا عربی' اس کا منکر جہنمی ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ میں تمہیں بھی ہوشیار کرنے والا ہوں اور جسے بھی یہ پہنچے۔ پس اس کا متبع ہدایت والا اور اس کا مخالف ضلالت وشقاوت والا۔ جو یہاں برباد ہوا' وہ وہاں دوزخی بنا۔ اس عذاب سے اسے نہ تو کبھی چھٹکارا حاصل ہو نہ بچ سکے' برا بوجھ ہے جو اس پر اس دن ہوگا۔

صور کیا ہے؟ ☆☆ (آیت:۱۰۲-۱۰۴) رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک قرن ہے جو پھونکا جائے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ اس کا دائرہ بقدر آسمانوں اور زمینوں کے ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام اسے پھونکیں گے اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا' میں کیسے آرام حاصل کروں حالانکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور کا لقمہ بنا لیا ہے' پیشانی جھکا دی ہے اور انتظار میں ہے کہ کب حکم دیا جائے۔ لوگوں نے کہا' پھر حضور ﷺ ہم کیا پڑھیں؟ فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا اس وقت تمام لوگوں کا حشر ہوگا' مارے ڈر اور گھبراہٹ کے گنہگاروں کی آنکھیں ٹیڑھی ہو رہی ہوں گی۔ ایک دوسرے سے پوشیدہ

کہہ رہے ہوں گے کہ دنیا میں تو ہم بہت ہی کم رہے - زیادہ سے زیادہ شاید دس دن وہاں گزرے ہوں گے - ہم ان کی اس رازداری کی گفتگو کو بھی بخوبی جانتے ہیں جب کہ ان میں سے بڑا عاقل اور کامل انسان کہے گا کہ میاں دن بھی کہاں کے؟ ہم تو صرف ایک دن ہی دنیا میں رہے - غرض کفار کو دنیا کی زندگی ایک سپنے کی طرح معلوم ہوگی - اس وقت وہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ صرف ایک ساعت ہی دنیا میں تم تو ٹھہرے ہوں گے - چنانچہ اور آیت میں ہے اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ الخ ہم نے تمہیں عبرت حاصل کرنے کے قابل عمر بھی دی تھی - پھر ہوشیار کرنے والے بھی تمہارے پاس آ چکے تھے - اور آیتوں میں ہے کہ اس سوال پر کہ تم کتنا عرصہ زمین پر گزار آئے؟ ان کا جواب ہے ایک دن بلکہ اس سے بھی کم - فی الواقع دنیا ہے بھی آخرت کے مقابلے میں ایسی ہی - لیکن اگر اس بات کو پہلے سے باور کر لیتے تو اس فانی کو اس باقی پر اس تھوڑی کو اس بہت پر پسند نہ کرتے بلکہ آخرت کا سامان اس دنیا میں کرتے -

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝

تجھ سے پہاڑوں کی نسبت سوال کرتے ہیں - سو تو کہہ دے کہ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا ○ اور زمین کو بالکل ہموار صاف میدان کر چھوڑے گا ○ جس میں تو نہ کہیں موڑ توڑ دیکھے گا نہ اونچ نیچ ○ جس دن پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے جس میں کوئی کجی نہ ہوگی اللہ رحمٰن کے سامنے تمام آوازیں پست ہو جائیں گی سوائے کھسر پھسر کے تجھے کچھ بھی سنائی نہ دے گا ○

پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ ☆☆ (آیت: ۱۰۵-۱۰۸) لوگوں نے پوچھا کہ قیامت کے دن یہ پہاڑ باقی رہیں گے یا نہیں؟ ان کا سوال نقل کر کے جواب دیا جاتا ہے کہ یہ ہٹ جائیں گے اور مٹ جائیں گے، چلتے پھرتے نظر آئیں گے اور آخر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے - زمین صاف چٹیل، ہموار میدان کی صورت میں ہو جائے گی - قاع کے معنی ہموار صاف میدان ہے - صفصفا اسی کی تاکید ہے اور صفصف کے معنی بغیر روئیدگی کی زمین کے بھی ہیں لیکن پہلے معنی زیادہ اچھے ہیں اور دوسرے معنی مرادی اور لازمی ہیں - نہ اس میں کوئی وادی رہے گی نہ ٹیلہ نہ اونچان رہے گی نہ نیچائی - ان دہشت ناک امور کے ساتھ ہی ایک آواز دینے والا آواز دے گا جس کی آواز پر ساری مخلوق لگ جائے گی دوڑتی ہوئی حسب فرمان ایک طرف چلی جا رہی ہوگی نہ ادھر ادھر ہوگی نہ ٹیڑھی بانکی چلے گی کاش کہ یہی روش دنیا میں رکھتے اور اللہ کے احکام کی بجا آوری میں مشغول رہتے - لیکن آج کی یہ روش بالکل بے سود ہے - اس دن تو خوب دیکھتے سنتے بن جائیں گے اور آواز کے ساتھ فرماں برداری کریں گے - اندھیری جگہ حشر ہوگا - آسمان لپیٹ لیا جائے گا، ستارے جھڑ پڑیں گے، سورج چاند مٹ جائے گا، آواز دینے والے کی آواز پر سب چل کھڑے ہوں گے - اس ایک میدان میں ساری مخلوق جمع ہوگی مگر اس غضب کا سناٹا ہوگا کہ آداب بارگاہ الٰہی کی وجہ سے ایک آواز نہ اٹھے گی - بالکل سکون و سکوت ہوگا صرف پیروں کی چاپ ہوگی اور کانا پھوسی - چل کر جا رہے ہوں گے تو پیروں کی چاپ تو لا محالہ ہونی ہی ہے اور با اجازت رب کبھی کبھی کسی کسی حال میں بولیں گے بھی - لیکن چلنا بھی باادب اور بولنا بھی باادب - جیسے ارشاد ہے يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ - یعنی جس دن وہ میرے سامنے حاضر ہوں گے، کسی کی مجال نہ ہوگی کہ بغیر میری اجازت کے زبان کھول لے - بعض نیک ہوں گے اور بعض بد ہوں گے -

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾

اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رحمٰن حکم دے اور اس بات کو پسند فرمائے ○ جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے' اسے اللہ ہی جانتا ہے۔مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا ○ تمام چہرے اس زندہ اور خبر گیراں اللہ کے سامنے کمال عاجزی سے جھکے ہوئے ہیں' یقیناً وہ برباد ہوا جس نے ظلم لاد لیا ○ اور جو نیک اعمال کرے اور ہو بھی ایمان دار' نہ اسے بے انصافی کا کھٹکا ہو گا نہ حق تلفی کا ○

نوعیت شفاعت اور روز قیامت : ☆☆ (آیت:۱۰۹-۱۱۲) قیامت کے دن کسی کی مجال نہ ہو گی کہ دوسرے کے لئے شفاعت کرے ہاں جسے اللہ اجازت دے' نہ آسمان کے فرشتے بے اجازت کسی کی سفارش کر سکیں نہ اور کوئی بزرگ بندہ۔سب کو خود خوف لگا ہو گا بے اجازت کسی کی سفارش نہ ہو گی۔فرشتے اور روح صف بستہ کھڑے ہوں گے بے اجازت رب کوئی لب نہ کھول سکے گا۔خود سید الناس اکرم الناس رسول اللہ ﷺ بھی عرش تلے اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے اللہ کی خوب حمد وثنا کریں گے دیر تک سجدے میں پڑے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اے محمد (ﷺ) اپنا سر اٹھاؤ' کہو تمہاری بات سنی جائے گی شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی پھر حد مقرر ہو گی آپ ان کی شفاعت کر کے جنت میں لے جائیں گے پھر لوٹیں گے پھر یہی ہو گا چار مرتبہ یہی ہو گا۔صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی سائر الانبیاء۔اور حدیث میں ہے کہ حکم ہو گا کہ جہنم سے ان لوگوں کو بھی نکال لاؤ جن کے دل میں ایک مثقال ایمان ہو۔پس بہت سے لوگوں کو نکال لائیں گے پھر فرمائے گا جس کے دل میں آدھا مثقال ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ۔جس کے دل میں بقدر ایک ذرے کے ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ۔جس کے دل میں اس سے بھی کم اس سے بھی کم' اس سے بھی کم ایمان ہو' اسے بھی جہنم سے آزاد کرو' الخ۔اس نے تمام مخلوق کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے' مخلوق اس کے علم کا احاطہ کر ہی نہیں سکتی۔

جیسے فرمان ہے' اس کے علم میں سے صرف وہی معلوم کر سکتے ہیں جو وہ چاہے۔تمام مخلوق کے چہرے عاجزی' پستی' ذلت ونرمی کے ساتھ اس کے سامنے پست ہیں اس لئے کہ وہ موت وفوت سے پاک ہے' ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہنے والا ہے' وہ نہ سوئے نہ اونگھے۔خود اپنے آپ قائم رہنے والا اور ہر چیز کو اپنی تدبیر سے قائم رکھنے والا ہے۔سب کی دیکھ بھال' حفاظت اور سنبھال وہی کرتا ہے وہ تمام کمالات رکھتا ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے' بغیر رب کی مرضی کے نہ پیدا ہو سکے نہ باقی رہ سکے۔جس نے یہاں ظلم کئے ہوں گے' وہ وہاں برباد ہو گا۔کیونکہ ہر حق دار کو اللہ تعالیٰ اس دن اس کے حق دلوائے گا یہاں تک کہ بے سینگ کی بکری کو سینگ والی بکری سے بھی بدلہ دلوایا جائے گا۔حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل فرمائے گا' مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم' کسی ظالم کے ظلم کو میں اپنے سامنے سے گزرنے نہ دوں گا۔صحیح حدیث میں ہے لوگو! ظلم سے بچو۔ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن کر آئے گا اور سب سے بڑھ کر نقصان یافتہ وہ ہے جو اللہ سے شرک کرتا ہوا مرا وہ تباہ برباد ہوا اس لئے کہ شرک ظلم عظیم ہے۔ظالموں کا بدلہ بیان فرما کر متقیوں کا ثواب بیان ہو رہا ہے کہ نہ ان کی برائیاں بڑھائی جائیں نہ ان کی نیکیاں گھٹائی جائیں۔گناہ کی زیادتی اور نیکی کی کمی سے وہ بے کھٹکے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

اسی طرح ہم نے تجھ پر عربی قرآن نازل فرمایا ہے اور طرح طرح سے اس میں ڈر کا بیان سنایا ہے تا کہ لوگ پرہیز گار بن جائیں یا ان کے دل میں یہ سوچ سمجھ تو پیدا کرے ○ پس اللہ تعالیٰ عالی شان والا سچا اور حقیقی بادشاہ ہے تو قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کر اس سے پہلے کہ تیری طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری کی جائے۔ ہاں یہ دعا کرتا رہ کہ پروردگار میرا علم بڑھا تا رہ ○

وعدہ حق' وعید حق: ☆☆ (آیت: ۱۱۳-۱۱۴) چونکہ قیامت کا دن آنا ہی ہے اور اس دن نیک و بد اعمال کا بدلہ ملنا ہی ہے' لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لئے ہم نے بشارت والا اور دھمکانے والا اپنا پاک کلام عربی صاف زبان میں اتارا تا کہ ہر شخص سمجھ سکے اور اس میں گونا گوں طور پر لوگوں کو ڈرایا' طرح طرح سے ڈراوے سنائے۔ تا کہ لوگ برائیوں سے بچیں' بھلائیوں کے حاصل کرنے میں لگ جائیں یا ان کے دلوں میں غور و فکر' نصیحت و پند پیدا ہو' اطاعت کی طرف جھک جائیں' نیک کاموں کی کوشش میں لگ جائیں۔ پس پاک اور برتر ہے وہ اللہ جو حقیقی شہنشاہ ہے' دونوں جہاں کا تنہا مالک ہے' وہ خود حق ہے' اس کا وعدہ حق ہے' اس کی وعید حق ہے' اس کے رسول حق ہیں' جنت دوزخ حق ہے' اس کے سب فرمان اور اس کی طرف سے جو ہو' سراسر عدل و حق ہے' اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ آگاہ کئے بغیر کسی کو سزا دے وہ سب کے عذر کاٹ دیتا ہے کسی کے شبہ کو باقی نہیں رکھتا' حق کو کھول دیتا ہے پھر سرکشوں کو عدل کے ساتھ سزا دیتا ہے۔ جب ہماری وحی اتر رہی ہو' اس وقت تم ہمارے کلام کو پڑھنے میں جلدی نہ کرو پہلے پوری طرح سن لیا کرو۔ جیسے سورہ قیامت میں فرمایا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ الخ' یعنی جلدی کر کے بھول جانے کے خوف سے وحی اترتے ہوئے ساتھ ہی ساتھ اسے نہ پڑھنے لگو اس کا آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے تلاوت کرانا ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس پڑھنے کے تابع ہو جائیں پھر اس کا سمجھا دینا بھی ہمارے ذمے ہے۔

حدیث میں ہے کہ پہلے آپ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے جس میں آپ کو دقت ہوتی تھی جب یہ آیت اتری' آپ اس مشقت سے چھوٹ گئے اور اطمینان ہو گیا کہ وحی الٰہی جتنی نازل ہو گی' مجھے یاد ہو جایا کرے گی۔ ایک حرف بھی نہ بھولوں گا کیونکہ اللہ کا وعدہ ہو چکا۔ یہی فرمان یہاں ہے کہ فرشتے کی قرات چپکے سے سنو۔ جب وہ پڑھ چکے پھر تم پڑھو اور مجھ سے اپنے علم کی زیادتی کی دعا کیا کرو۔ چنانچہ آپ نے دعا کی اللہ نے قبول کی اور وفات تک علم میں بڑھتے ہی رہے (ﷺ)۔ حدیث میں ہے کہ وحی برابر پے در پے آتی رہی یہاں تک کہ جس دن آپ فوت ہونے کو تھے' اس دن بھی بکثرت وحی اتری۔ ابن ماجہ کی حدیث میں حضور ﷺ کی یہ دعا منقول ہے اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِىْ بِمَا عَلَّمْتَنِىْ وَ عَلِّمْنِىْ مَا يَنْفَعُنِىْ وَ زِدْنِىْ عِلْمًا وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور آخر میں یہ الفاظ زیادہ ہیں وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۤئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ

الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾

ہم نے آدم کو پہلے ہی تاکیدی حکم دے دیا تھا لیکن وہ بھول گیا ہم نے اس کا کوئی قصد نہیں پایا○ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے کیا اس نے صاف انکار کر دیا○ تو ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم! یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے خیال رکھنا ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے کہ تو مشقت میں پڑ جائے○ یہاں تو تجھے یہ آرام ہے کہ نہ تو تو بھوکا ہو نہ ننگا○

انسان کو انسان کیوں کہا جاتا ہے؟ ☆☆ (آیت: ۱۱۵-۱۱۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' انسان کو انسان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسے جو حکم سب سے پہلے فرمایا گیا' یہ اسے بھول گیا- مجاہد اور حسن فرماتے ہیں' اس حکم کو حضرت آدم علیہ السلام نے چھوڑ دیا-

پھر حضرت آدم علیہ السلام کی شرافت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے- سورہ بقرہ' سورہ اعراف' سورہ حجر اور سورہ کہف میں شیطان کے سجدہ نہ کرنے والے واقعہ کی پوری تفسیر بیان ہو چکی ہے اور سورہ ص میں بھی اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ- ان تمام سورتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا' پھر ان کی بزرگی کے اظہار کے لئے فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کے حکم کا اور ابلیس کی مخفی عداوت کے اظہار کا بیان ہوا ہے اس نے تکبر کیا اور حکم الٰہی کا انکار کر دیا- اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو سمجھا دیا گیا کہ دیکھ یہ تیرا اور تیری بیوی حضرت حوا علیہا السلام کا دشمن ہے اس کے بہکاوے میں نہ آ جانا ورنہ محروم ہو کر جنت سے نکال دیئے جاؤ گے اور سخت مشقت میں پڑ جاؤ گے- روزی کی تلاش کی محنت سر پڑ جائے گی- یہاں تو بے محنت و مشقت روزی پہنچ رہی ہے- یہاں تو ناممکن ہے کہ بھوکے رہو- ناممکن ہے کہ ننگے رہو' اس اندرونی اور بیرونی تکلیف سے بچے ہوئے ہو- پھر یہاں نہ پیاس کی گرمی اندرونی طور سے ستائے نہ دھوپ کی تیزی کی گرمی بیرونی طور پر پریشان کرے اگر شیطان کے بہکاوے میں آ گئے تو یہ راحتیں چھین لی جائیں گی اور ان کے مقابل کی تکلیفیں سامنے آ جائیں گی- لیکن شیطان نے اپنے جال میں انہیں پھانس لیا اور مکاری سے انہیں اپنی باتوں میں لے لیا قسمیں کھا کھا کر انہیں اپنی خیر خواہی کا یقین دلا دیا-

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾

اور نہ تو تو یہاں پیاسا ہو نہ دھوپ سے تکلیف اٹھا○ لیکن شیطان نے اسے وسوسہ ڈالا' کہنے لگا کہ کیا میں تجھے دائمی زندگی کا درخت اور وہ بادشاہت بتلاؤں کہ جو کبھی پرانی نہ ہو○ چنانچہ ان دونوں نے اس درخت سے کچھ کھا لیا تو ان پر اپنے پردے کی چیزیں کھل گئیں اب بہشت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو بہک گیا○ پھر اسے اس کے رب نے نوازا اس کی طرف توجہ فرمائی اور اس کی رہنمائی کی○

(آیت: ۱۱۹-۱۲۲) پہلے ہی سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان سے فرما دیا تھا کہ جنت کے تمام میوے کھانا لیکن اس درخت کے نزدیک بھی نہ جانا- مگر شیطان نے انہیں اس قدر پھسلایا کہ آخر کار یہ اس درخت میں سے کھا بیٹھے- اس نے دھوکہ کرتے ہوئے ان سے کہا کہ جو اس درخت کو کھا لیتا ہے' وہ ہمیشہ یہیں رہتا ہے- صادق و مصدوق آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے تلے سوار سو سال تک چلا جائے گا لیکن تاہم وہ ختم نہ ہو گا- اس کا نام شجرۃ الخلد ہے (مسند احمد و ابوداؤد طیالسی)-

دونوں نے درخت میں سے کچھ کھایا ہی تھا جو لباس اتر گیا اور اعضاء ظاہر ہو گئے - ابن ابی حاتم میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو گندمی رنگ کا لمبے قد وقامت والا زیادہ بالوں والا بنایا تھا - کھجور کے درخت جتنا قد تھا ممنوع درخت کو کھاتے ہی لباس چھن گیا - اپنے ستر کو دیکھتے ہی مارے شرم کے ادھر ادھر چھپنے لگے ایک درخت میں بال الجھ گئے، جلدی سے چھٹانے کی کوشش کر رہے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے آدم کیا مجھ سے بھاگ رہا ہے؟ کلام رحمٰن سن کر ادب سے عرض کیا کہ الٰہی مارے شرمندگی کے سر چھپانا چاہتا ہوں - اچھا اب یہ تو فرما دے کہ توبہ اور رجوع کے بعد بھی جنت میں پہنچ سکتا ہوں؟ جواب ملا کہ ہاں -

یہی معنی ہیں اللہ کے اس فرمان کے آدم نے اپنے رب سے چند کلمات لے لئے جس کی بنا پر اللہ نے اسے پھر سے اپنی مہربانی میں لے لیا - یہ روایت منقطع ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے - جب حضرت آدم علیہ السلام وحضرت حوا علیہا السلام سے لباس چھن گیا تو اب جنت کے درختوں کے پتے اپنے جسم پر چپکانے لگے - ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، انجیر کے پتوں سے اپنا آپ چھپانے لگے - اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے راہ راست سے ہٹ گئے - لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے پھر ان کی رہنمائی کی - توبہ قبول فرمائی اور اپنے خاص بندوں میں شامل کر لیا - صحیح بخاری شریف وغیرہ میں ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام میں گفتگو ہوئی - حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے آپ نے اپنے گناہ کی وجہ سے تمام انسانوں کو جنت سے نکلوا دیا اور انہیں مشقت میں ڈال دیا - حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا، اے موسیٰ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت سے اور اپنے کلام سے ممتاز فرمایا آپ مجھے اس بات پر الزام دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے پہلے ہی مقدر اور مقرر کر لیا تھا - پس حضرت آدم علیہ السلام نے اس گفتگو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کر دیا - اور روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا اور آپ میں آپ کی روح اس نے پھونکی تھی اور آپ کے سامنے اپنے فرشتوں کو سجدہ کرایا تھا اور آپ کو اپنی جنت میں بسایا تھا - حضرت آدم علیہ السلام کے اس جواب میں یہ بھی مروی ہے کہ اللہ نے آپ کو وہ تختیاں دیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا اور سرگوشی کرتے ہوئے آپ کو قریب کر لیا - بتلاؤ اللہ نے تورات کب لکھی تھی؟ جواب دیا، آپ سے چالیس سال پہلے، پوچھا، کیا اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہ بھول گیا، کہا ہاں - فرمایا پھر تم مجھے اس امر کا الزام کیوں دیتے ہو؟ جو میری تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا -

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى ﴿۱۲۶﴾

فرمایا تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو اب تمہارے پاس جب کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے

نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا ○ ہاں جو میری یاد سے روگردانی کرے اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے ○ وہ کہے گا اے اللہ مجھے تو نے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا ○ جواب ملے گا کہ اسی طرح ہونا چاہئے تھا۔ تو نے میری آئی ہوئی آیتوں سے غفلت برتی آج تیری بھی مطلقاً خبر نہ لی جائے گی ○

ایک دوسرے کے دشمن: ☆☆ (آیت: ۱۲۳-۱۲۶) حضرت آدم علیہ السلام و حوا علیہا السلام اور ابلیس لعین سے اسی وقت فرما دیا گیا کہ تم سب جنت سے نکل جاؤ۔ سورہ بقرہ میں اس کی پوری تفسیر گزر چکی ہے۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ یعنی اولاد آدم اور اولاد ابلیس۔ تمہارے پاس میرے رسول اور میری کتابیں آئیں گی۔ میری بتائی ہوئی راہ کی پیروی کرنے والے نہ تو دنیا میں رسوا ہوں گے نہ آخرت میں ذلیل ہوں گے۔ ہاں حکموں کے مخالف میرے رسول کی راہ کے تارک دوسری راہوں پہ چلنے والے دنیا میں بھی تنگ رہیں گے اطمینان اور کشادہ دلی میسر نہ ہوگی اپنی گمراہی کی وجہ سے تنگیوں میں ہی رہیں گے گو بہ ظاہر کھانے پینے پہننے اوڑھنے رہنے سہنے کی فراخی ہو لیکن دل میں یقین و ہدایت نہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ شک و شبے اور تنگی اور قلت میں ہی مبتلا رہیں گے۔ بدنصیب رحمت الٰہی سے محروم خیر سے خالی۔ کیونکہ اللہ پر ایمان نہیں اس کے وعدوں کا یقین نہیں مرنے کے بعد کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں اللہ کے ساتھ بدگمان ہیں گئی ہوئی چیز کو آنے والی نہیں سمجھتے۔ خبیث روزیاں ہیں گندے عمل ہیں قبر تنگ و تاریک ہے۔ وہاں اس طرح دبوچا جائے گا کہ دائیں پسلیاں بائیں میں اور بائیں طرف کی دائیں طرف میں گھس جائیں گی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مومن کی قبر ہرا بھرا سرسبز باغیچہ ہے ستر ہاتھ کی کشادہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا چاند اس میں ہے خوب نور اور روشنی پھیل رہی ہے جیسے چودھویں رات کا چاند چڑھا ہوا ہو اس آیت کا شان نزول معلوم ہے کہ میرے ذکر سے منہ پھیرنے والوں کی معیشت تنگ ہے اس سے مراد کافر کی قبر میں اس پر عذاب ہے۔ اللہ کی قسم اس پر ننانوے اژدہے مقرر کئے جاتے ہیں ہر ایک کے سات سات سر ہوتے ہیں جو اسے قیامت تک ڈستے رہتے ہیں۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا بالکل منکر ہے ایک عمدہ سند سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ یہ قیامت کے دن اندھا بنا کر اٹھایا جائے گا سوائے جہنم کے کوئی چیز اسے نظر نہ آئے گی۔ نابینا ہوگا اور میدان حشر کی طرف چلایا جائے گا اور جہنم کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ یعنی ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ اندھے گونگے بہرے بنا کر حشر میں لے جائیں گے ان کا اصلی ٹھکانا دوزخ ہے۔ یہ کہیں گے کہ میں تو دنیا میں آنکھوں والا خوب دیکھتا بھالتا تھا پھر مجھے اندھا کیوں کر دیا گیا؟ جواب ملے گا کہ یہ بدلہ ہے اللہ کی آیتوں سے منہ موڑ لینے کا اور ایسا ہو جانے کا گویا خبر ہی نہیں۔ پس آج ہم بھی تیرے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے کہ جیسے تو ہماری یاد سے اتر گیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا آج ہم انہیں ٹھیک اسی طرح بھلا دیں گے جیسے انہوں نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔ پس یہ برابر کا اور عمل کی طرح کا بدلہ ہے۔ قرآن پر ایمان رکھتے ہوئے اس کے احکام کا عامل ہوتے ہوئے کسی شخص سے اگر اس کے الفاظ حفظ سے نکل جائیں تو وہ اس وعید میں داخل نہیں۔ اسکے لئے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے جذامی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا (مسند احمد)

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع ۷ / ۱۲ / ۱۶

ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ہر اس شخص کو جو حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے' بے شک آخرت کا عذاب نہایت ہی سخت اور بہت دیرپا ہے ○ کیا ان کی رہبری اس بات نے بھی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی بستیاں ہلاک کردی ہیں جن کے رہنے سہنے کی جگہ یہ چل پھر رہے ہیں ○

دنیا کی سزائیں: ☆☆ (آیت: ۱۲۷) جو حدود الٰہی کی پرواہ نہ کریں' اللہ کی آیتوں کو جھٹلائیں' انہیں ہم اسی طرح دنیا و آخرت کے عذابوں میں مبتلا کرتے ہیں خصوصاً آخرت کا عذاب تو بہت ہی بھاری ہے اور وہاں کوئی نہ ہوگا جو بچا سکے۔ دنیا کے عذاب نہ تو سختی میں اس کے مقابلے کے ہیں نہ مدت میں وہ دائمی اور نہایت المناک ہیں۔ ملاعنہ کرنے والوں کو سمجھاتے ہوئے رسول مقبول ﷺ نے یہی فرمایا تھا کہ دنیا کی سزا آخرت کے عذابوں کے مقابلے میں بہت ہی ہلکی اور ناچیز ہے۔

ویرانوں سے عبرت حاصل کرو: ☆☆ (آیت: ۱۲۸) جو لوگ تجھے نہیں مان رہے اور تیری شریعت کا انکار کر رہے ہیں' کیا وہ اس بات سے بھی عبرت حاصل نہیں کرتے کہ ان سے پہلے جنہوں نے یہ ڈھنگ نکالے تھے' ہم نے انہیں تباہ و برباد کردیا؟ آج ان کی ایک آنکھ جھپکتی ہوئی اور ایک سانس چلتا ہوا اور ایک زبان بولتی ہوئی باقی نہیں بچی' ان کے بلند و بالا' پختہ اور خوبصورت' کشادہ اور زینت دار محل ویران کھنڈر پڑے ہوئے ہیں جہاں سے ان کی آمدورفت رہتی ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾

یقیناً اس میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اگر تیرے رب کی بات پہلے ہی سے مقرر شدہ اور وقت معین کردہ نہ ہوتا تو ابھی ہی عذاب آ چمٹتا ○ پس ان کی باتوں پر صبر کر اور اپنے پروردگار کی تسبیح اور تعریف بیان کرتا رہ سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے رات کے مختلف وقتوں میں بھی اور دن کے حصوں میں بھی تسبیح کرتا رہ۔ بہت ممکن ہے کہ تو راضی ہو جائے ○

(آیت: ۱۲۹-۱۳۰) اگر یہ عقلمند ہوتے تو یہ سامان عبرت ان کے لئے بہت کچھ تھا۔ کیا یہ زمین میں چل پھر کر قدرت کی ان نشانیوں پر دل سے غور و فکر نہیں کرتے؟ کیا کانوں سے ان کے دردناک فسانے سن کر عبرت حاصل نہیں کرتے؟ کیا ان کی اجڑی ہوئی بستیاں دیکھ کر بھی آنکھیں نہیں کھولتے؟ یہ آنکھوں کے ہی اندھے نہیں بلکہ دل کے بھی اندھے ہیں۔ سورہ الم السجدہ میں بھی مندرجہ بالا آیت جیسی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ بات مقرر کر چکا ہے کہ جب تک بندوں پر اپنی حجت ختم نہ کردے' انہیں عذاب نہیں کرتا۔ ان کے لئے اس نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے اسی وقت ان کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ادھر گناہ کرتے' ادھر پکڑ لئے جاتے۔ تو ان کی تکذیب پر صبر کر ان کی بے ہودہ باتوں پر برداشت کر۔ تسلی رکھ یہ میرے قبضے سے باہر نہیں۔ سورج نکلنے سے پہلے سے مراد تو نماز فجر ہے اور سورج ڈوبنے سے پہلے سے مراد نماز عصر ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ہم ایک مرتبہ رسول مقبول ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا کہ تم عنقریب اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو بغیر مزاحمت اور تکلیف کے دیکھ رہے ہو پس اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج غروب ہونے سے پہلی کی نماز کی پوری طرح حفاظت کرو۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا' ان دونوں وقتوں کی نماز پڑھنے والا آگ میں نہ جائے گا۔ مسند اور سنن میں ہے کہ

آپ نے فرمایا' سب سے ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہے جو دو ہزار برس کی راہ تک اپنی ہی اپنی ملکیت دیکھے گا سب سے دور کی چیز بھی اس کے لئے ایسی ہی ہوگی جیسے سب سے نزدیک کی اور سب سے اعلیٰ منزل والے تو دن میں دو دو دفعہ دیدار الٰہی کریں گے۔

پھر فرماتا ہے' رات کے وقتوں میں بھی تہجد پڑھا کر۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد مغرب وعشاء کی نماز ہے۔ اور دن کے وقتوں میں بھی اللہ کی پاکیزگی بیان کیا کر۔ تاکہ اللہ کے اجر وثواب سے تو خوش ہو جائے۔ جیسے فرمان ہے کہ عنقریب تیرا اللہ تجھے وہ دے گا کہ تو خوش ہو جائے۔ صحیح حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنتیو! وہ کہیں گے لبیک ربنا وسعدیک۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' کیا تم خوش ہو گئے؟ وہ کہیں گے اے اللہ ہم بہت ہی خوش ہیں تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں۔ پھر کیا وجہ کہ ہم راضی نہ ہوں۔ جناب باری ارحم الراحمین فرمائے گا' لو میں تمہیں ان سب سے افضل چیز دیتا ہوں۔ پوچھیں گے' اے اللہ اس سے افضل چیز کیا ہے؟ فرمائے گا میں تمہیں اپنی رضامندی دیتا ہوں کہ اب کسی وقت بھی میں تم سے ناخوش نہ ہوؤں گا۔ اور حدیث میں ہے کہ جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا' وہ اسے پورا کرنے والا ہے' کہیں گے اللہ کے سب وعدے پورے ہوئے۔ ہمارے چہرے روشن ہیں ہماری نیکیوں کا پلہ گراں رہا ہمیں دوزخ سے ہٹا دیا گیا جنت میں داخل کر دیا گیا اب کون سی چیز باقی ہے؟ اسی وقت حجاب اٹھ جائیں گے اور دیدار الٰہی ہو گا۔ اللہ کی قسم اس سے بہتر اور کوئی نعمت نہ ہوگی۔ یہی زیادتی ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿۱۳۱﴾ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَٱلْعَٰقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ﴿۱۳۲﴾

اپنی نگاہیں ہرگز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آرائش دنیا کی دے رکھی ہیں تاکہ انہیں اس میں آزمالیں۔ تیرے رب کا دیا ہوا ہی بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے ○ اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جمارہ' ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں' آخر میں بول بالا پرہیزگاری ہی کا ہے ○

شکر یا تکبر؟ ☆☆ (آیت:۱۳۱-۱۳۲) ان کفار کی دنیوی زینت اور ان کی ٹیپ ٹاپ کو تو حسرت بھری نگاہوں سے نہ دیکھ' یہ تو ذرا سی دیر کی چیزیں ہیں۔ یہ صرف ان کی آزمائش کے لئے انہیں یہاں ملی ہیں کہ دیکھیں شکر وتواضع کرتے ہیں یا ناشکری اور تکبر کرتے ہیں؟ حقیقتاً شکر گزاروں کی کمی ہے۔ ان کے مالداروں کو جو کچھ ملا ہے' اس سے تجھے تو بہت ہی بہتر نعمت ملی ہے۔ ہم نے تجھے سات آیتیں دی ہیں جو دہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظیم عطا فرما رکھا ہے' پس اپنی نظریں ان کے دنیوی ساز وسامان کی طرف نہ ڈال۔ اسی طرح اے پیغمبر اللہ ﷺ آپ کے لئے اللہ کے پاس جو مہمانداری ہے' اس کی نہ تو کوئی انتہا ہے اور نہ اس وقت کوئی اس کے بیان کی طاقت رکھتا ہے۔ تجھے تیرا پروردگار اس قدر دے گا کہ تو راضی رضامند ہو جائے گا۔ اللہ کی دین بہتر اور باقی ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلا کیا تھا اور ایک بالا خانے میں مقیم تھے حضرت عمرؓ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ آپ ایک کھردرے بوریے پر لیٹے ہوئے ہیں۔ چمڑے کا ایک ٹکڑا ایک طرف رکھا تھا اور کچھ مشکیں لٹک رہی تھیں۔ یہ بے سروسامانی کی حالت دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے حضور ﷺ نے دریافت کیا کیوں رو دیئے؟ جواب دیا کہ حضور ﷺ قیصر وکسریٰ کس قدر عیش وعشرت میں ہیں اور آپ باوجود ساری مخلوق میں سے اللہ کے برگزیدہ ہونے کے کس حالت میں

ہیں؟ آپؐ نے فرمایا! اے خطاب کے بیٹے' کیا اب تک تم شک میں ہی ہو؟ ان لوگوں کی اچھائیوں نے دنیا میں ہی جلدی کر لی ہے- پس رسول اللہ ﷺ باوجود قدرت اور دسترس کے دنیا سے نہایت ہی بے رغبت تھے- جو ہاتھ لگتا اسے راہ اللہ دے دیتے اور اپنے لئے ایک پیسہ بھی نہ بچا رکھتے-

ابن ابی حاتم میں حضور ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے تو تم پر سب سے زیادہ خوف اس وقت کا ہے کہ دنیا تمہارے قدموں میں اپنا تمام ساز و سامان ڈال دے گی- اپنی برکتیں تم پر الٹ دے گی الغرض کفار کو زینت کی زندگی اور دنیا صرف ان کی آزمائش کے لئے دی جاتی ہے- اپنے گھرانے کے لوگوں کو نماز کی تاکید کرو تاکہ وہ عذاب الٰہی سے بچ جائیں' خود بھی پابندی کے ساتھ اس کی ادائیگی کرو- اپنے آپ کو اور اپنی اہل و عیال کو جہنم سے بچالو- حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت مبارک تھی کہ رات کو جب تہجد کیلئے اٹھتے تو اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور اسی آیت کی تلاوت فرماتے- ہم تجھ سے رزق کے طالب نہیں- نماز کی پابندی کر لو اللہ ایسی جگہ سے روزی پہنچائے گا جو خواب و خیال میں بھی نہ ہو- اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے لئے چھٹکارا کر دیتا ہے اور بے شان و گمان جگہ سے روزی پہنچاتا ہے- تمام جنات اور انسان صرف عبادت الٰہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں- رزاق اور زبردست قوتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے- فرماتا ہے' ہم خود تمام مخلوق کے روزی رساں ہیں- ہم تمہیں طلب کی تکلیف نہیں دیتے- حضرت ہشام کے والد صاحب جب امیر امراء کے مکانوں پر جاتے اور ان کا ٹھاٹھ دیکھتے تو واپس اپنے مکان پر آکر اسی آیت کی تلاوت فرماتے اور کہتے میرے کنبے والو! نماز کی حفاظت کرو' نماز کی پابندی کرو- اللہ تم پر رحم فرمائے گا- ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضور ﷺ کو کوئی تنگی ہوتی تو اپنے گھر کے سب لوگوں کو فرماتے' اے میرے گھر والو' نمازیں پڑھو' نمازیں قائم رکھو- تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی طریقہ رہا ہے کہ اپنی ہر گھبراہٹ اور ہر کام کے وقت نماز شروع کر دیتے- ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ کی قدسی حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے ابن آدم! میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا' میں تیرا سینہ امیری اور بے پرواہی سے پر کر دوں گا' تیری فقیری اور حاجت کو دور کر دوں گا اور اگر تو نے یہ نہ کیا تو میں تیرا دل اشغال سے بھر دوں گا اور تیری فقیری بند ہی نہ کروں گا- ابن ماجہ شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جس نے اپنے تمام غور و فکر اور قصد و خیال کو اکٹھا کر کے آخرت کا خیال باندھ لیا اور اسی میں مشغول ہو گیا' اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی تمام پریشانیوں سے محفوظ کر لے گا اور جس نے دنیا کی فکریں پال لیں' یہاں کے غم مول لے لئے' اللہ کو اس کی مطلقاً پرواہ نہ رہے گی خواہ کسی حیرانی میں ہلاک ہو جائے- اور روایت میں ہے کہ دنیا کے غموں میں ہی' اسی کی فکروں میں ہی گھل جانے والے کے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ پریشانیاں ڈال دے گا اور اس کی فقیری اس کی آنکھوں کے سامنے کر دے گا اور دنیا اتنی ہی ملے گی جتنی مقدر میں ہے اور جو اپنے دل کا مرکز آخرت کو بنالے گا' اپنی نیت وہی رکھے گا' اللہ تعالیٰ اسے ہر کام کا اطمینان نصیب فرمادے گا- اس کے دل کو سیر اور شیر بنا دے گا اور دنیا اس کے قدموں کی ٹھوکروں میں آیا کرے گی- پھر فرمایا دنیا و آخرت میں نیک انجام پرہیز گار لوگ ہی ہیں- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ گویا ہم عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں- وہاں ہمارے سامنے ابن طالب کے باغ کی تر کھجوریں پیش کی گئی ہیں- میں نے اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ دنیا میں بھی انجام کے لحاظ سے ہمارا ہی پلہ گراں رہے گا اور بلندی اور اونچائی ہم کو ہی ملے گی اور ہمارا دین پاک صاف' طیب و طاہر' کامل و مکمل ہے-

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع ۷ / ۱۷

کہتے ہیں کہ یہ نبی ہمارے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں لاتا؟ کیا ان کے پاس اگلی کتابوں کی واضح دلیل نہیں پہنچی؟ ○ اگر ہم اس سے پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یقیناً یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری آیتوں کی تابعداری کرتے۔ اس سے پہلے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے ○ کہہ دے کہ ہر ایک انجام کا منتظر ہے پس تم بھی انتظار میں رہو! ابھی ابھی قطعاً جان لو گے کہ راہ راست والے کون ہیں اور کون راہ یافتہ ہیں؟ ○

قرآن حکیم سب سے بڑا معجزہ: ☆☆ (آیت: ۱۳۳-۱۳۵) کفار یہ بھی کہا کرتے تھے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ نبی اپنی سچائی کا کوئی معجزہ ہمیں نہیں دکھاتے؟ جواب ملتا ہے کہ یہ ہے قرآن کریم جو اگلی کتابوں کی خبر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نبی امی ﷺ پر اتارا ہے۔ جو نہ لکھنا جانیں نہ پڑھنا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ دیکھ لو اس میں اگلے لوگوں کے حالات ہیں اور بالکل ان کتابوں کے مطابق جو اللہ کی طرف سے اس سے پہلے نازل شدہ ہیں۔ قرآن ان سب کا نگہبان ہے۔ چونکہ اگلی کتابیں کمی بیشی سے پاک نہیں رہیں' اس لئے قرآن اترا ہے کہ ان کی صحت و غیر صحت کو ممتاز کر دے۔ سورہ عنکبوت میں کافروں کے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہر قسم کے معجزات کے ظاہر کرنے پر قادر ہے' میں تو صرف تنبیہ کرنے والا رسول ہوں۔ میرے قبضے میں کوئی معجزہ نہیں لیکن کیا انہیں یہ معجزہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے جو ان کے سامنے برابر تلاوت کی جارہی ہے جس میں ہر یقین والے کیلئے رحمت و عبرت ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہر نبی کو ایسے معجزے ملے کہ انہیں دیکھ کر لوگ ان کی نبوت پر ایمان لے آئے۔ لیکن مجھے جیتا جاگتا زندہ اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ دیا گیا ہے یعنی اللہ کی یہ کتاب قرآن مجید جو بذریعہ وحی مجھ پر اتری ہے۔ پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن تمام نبیوں کے تابعداروں سے میرے تابعدار زیادہ ہوں گے۔ یہ یاد رہے کہ یہاں رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ بیان ہوا ہے اس سے یہ مطلب نہیں کہ آپ کے معجزے اور تھے ہی نہیں۔ علاوہ اس پاک اور معجز قرآن کے آپؐ کے ہاتھوں اس قدر معجزات سرزد ہوئے ہیں جو گنتی میں نہیں آ سکتے۔ لیکن ان تمام بے شمار معجزوں سے بڑھ چڑھ کر آپؐ کا سب سے اعلیٰ معجزہ یہ قرآن کریم ہے۔ اگر اس محترم ختم المرسلین آخری پیغمبر علیہ السلام کو بھیجنے سے پہلے ہی ہم ان نہ ماننے والوں کو اپنے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو ان کا یہ عذر باقی رہ جاتا کہ اگر ہمارے سامنے کوئی پیغمبر آتا' کوئی وحی الٰہی نازل ہوتی تو ہم ضرور اس پر ایمان لاتے اور اس کی تابعداری اور فرماں برداری میں لگ جاتے اور اس ذلت و رسوائی سے بچ جاتے۔ اس لئے ہم نے ان کا یہ عذر بھی کاٹ دیا۔ رسول بھیج دیا' کتاب نازل فرمادی' انہیں ایمان نصیب نہ ہوا' عذابوں کے مستحق بن گئے اور عذر بھی دور ہو گئے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ایک کیا ہزاروں آیتیں اور نشانات دیکھ کر بھی انہیں ایمان نہیں آنے کا۔ ہاں جب عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے' اس وقت ایمان لائیں گے لیکن وہ محض بے سود ہے۔

جیسے فرمایا' ہم نے یہ پاک اور بہتر کتاب نازل فرمادی ہے جو بابرکت ہے' تم اسے مان لو اور اس کی فرماں برداری کرو تو تم پر رحم کیا جائے گا الخ۔ یہی مضمون آیت وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ الخ' میں ہے کہ کہتے ہیں کہ رسول کی آمد پر ہم مومن بن جائیں گے معجزہ دیکھ کر ایمان قبول کر لیں گے لیکن ہم ان کی سرشت سے واقف ہیں یہ تمام آیتیں دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ ادھر ہم ادھر تم منتظر ہیں۔ ابھی حال کھل جائے گا کہ راہ مستقیم پر کون ہے؟ حق کی طرف کون چل رہا ہے؟ عذابوں کو دیکھتے ہی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہی میں مبتلا تھا۔ گھبراؤ نہیں۔ ابھی ابھی جان لو گے کہ کذاب و شریر کون تھا؟ یقیناً مسلمان راہ راست پر ہیں اور غیر مسلم اس سے ہٹے ہوئے ہیں۔

سورہ طٰہٰ کی تفسیر اللہ کے فضل و کرم سے ختم ہوئی۔ اور اسی کے ساتھ تفسیر محمدی کا سولھواں پارہ بھی ختم ہوا' فالحمد للہ۔

تفسیر ابن کثیر
۱۷
پارہ نمبر
چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر سورۃ الانبیاء

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل، سورہ کہف، سورۂ مریم، سورۂ طٰہٰ اور سورۂ انبیا علیہ السلام عتاق اول سے ہیں اور یہی تلادی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۱﴾ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۲﴾ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۳﴾

رحم وکرم والے اللہ کے نام سے شروع ○

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا۔ پھر بھی وہ بے خبری میں منہ پھیرے ہوئے ہیں ○ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نئی نصیحت آتی ہے، اسے وہ کھیل کود میں ہی سنتے ہیں ○ ان کے دل بالکل غافل ہوتے ہیں، ان ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں کہ یہ تم ہی جیسا انسان ہے، پھر کیا وجہ ہے جو تم آنکھوں دیکھے جادو میں آ جاتے ہو؟ ○

قیامت سے غافل انسان: ☆☆ (آیت: ۱-۳) اللہ تعالیٰ عزوجل لوگوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔ پھر بھی لوگوں کی غفلت میں کمی نہیں آئی نہ وہ اس کے لئے کوئی تیاری کر رہے ہیں جو انہیں کام آئے۔ بلکہ دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایسے مشغول اور منہمک ہو رہے ہیں کہ قیامت سے بالکل غافل ہو گئے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ امر الٰہی آ گیا اب کیوں جلدی مچا رہے ہو؟ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ الخ، قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا الخ۔ ابونواس شاعر کا ایک شعر ٹھیک اسی معنی کا یہ ہے۔

اَلنَّاسُ فِيْ غَفَلَاتِهِمْ وَ رُحَى الْمَنِيَّةِ تُطْحَنُ

''موت کی چکی زور زور سے چل رہی ہے اور لوگ غفلتوں میں پڑے ہوئے ہیں۔''

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک صاحب مہمان بن کر آئے۔ انہوں نے بڑے اکرام اور احترام سے انہیں اپنے ہاں اتارا اور ان کے بارے میں رسول کریم ﷺ سے بھی سفارش کی۔ ایک دن یہ بزرگ مہمان ان کے پاس آئے اور کہنے لگے رسول اللہ ﷺ نے مجھے فلاں وادی عطا فرما دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بہترین زمین کا ایک ٹکڑا میں آپؓ کے نام کر دوں کہ آپؓ کو بھی فارغ البالی رہے اور آپؓ کے بعد آپؓ کے بال بچے بھی آسودگی سے گزر کریں۔ حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ بھائی مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ آج ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے کہ ہمیں تو دنیا کڑوی معلوم ہونے لگی ہے۔ پھر آپ نے یہی اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ کی تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد کفار قریش اور انہی جیسے اور کافروں کی بابت فرماتا ہے کہ یہ لوگ کلام اللہ اور وحی الٰہی

کی طرف کان ہی نہیں لگاتے ۔ یہ تازہ اور نیا آیا ہوا ذکر دل لگا کر سنتے ہی نہیں ۔ اس کان سنتے ہیں' اس کان اڑا دیتے ہیں ۔ دل ہنسی کھیل میں مشغول ہیں ۔ بخاری شریف میں ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تمہیں اہل کتاب کی کتابوں کی باتوں کے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے تو کتاب اللہ میں بہت کچھ ردوبدل کر لیا' تحریف اور تبدیلی کر لی' کمی زیادتی کر لی اور تمہارے پاس تو اللہ کی اتاری ہوئی خالص کتاب موجود ہے جس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہونے پائی ۔ یہ لوگ کتاب اللہ سے بے پرواہی کر رہے ہیں اپنے دلوں کو اس کے اثر سے خالی رکھنا چاہتے ہیں ۔ بلکہ یہ ظالم اوروں کو بھی بہکاتے ہیں کہتے ہیں کہ اپنے جیسے ایک انسان کی ماتحتی تو ہم نہیں کر سکتے ۔ تم کیسے لوگ ہو کہ دیکھتے بھالتے جادو کو مان رہے ہو؟ یہ ناممکن ہے کہ ہم جیسے آدمی کو اللہ تعالیٰ رسالت اور وحی کے ساتھ مختص کر دے' پھر تعجب ہے کہ لوگ باوجود علم کے اس کے جادو میں آ جاتے ہیں؟

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٤﴾ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿٥﴾ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾

پیغمبر نے کہا' میرا پروردگار ہر اس بات کو جو آسمان و زمین میں ہے' بخوبی جانتا ہے ○ وہ بہت ہی سننے والا اور پورا دانا ہے ۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ قرآن پراگندہ خیالات کا مجموعہ ہے بلکہ اس نے ازخود اسے گھڑ لیا ہے بلکہ وہ شاعر ہے' ورنہ ہمارے سامنے یہ کوئی ایسا نشان لائے جیسے کہ اگلے پیغمبر بھیجے گئے تھے ○ ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے اجاڑیں' سب ایمان سے خالی تھیں' تو کیا اب یہ ایمان لائیں گے؟ ○

(آیت:۴-۶) ان بدکرداروں کے جواب میں جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ یہ جو بہتان باندھتے ہیں ان سے کہئے کہ جو خدا آسمان و زمین کی تمام باتیں جانتا ہے جس پر کوئی بات پوشیدہ نہیں' اس نے اس پاک کلام قرآن کریم کو نازل فرمایا' اس میں اگلی پچھلی تمام خبروں کا موجود ہونا ہی دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا اتارنے والا عالم الغیب ہے ۔ وہ تمہاری سب باتوں کا سننے والا اور تمہارے تمام حالات کا علم رکھنے والا ہے ۔ پس تمہیں اس کا ڈر رکھنا چاہئے ۔ پھر کفار کی ضد' ناسمجھی اور کٹ حجتی بیان فرما رہا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خود حیران ہیں ۔ کسی بات پر جم نہیں سکتے ۔ کبھی کلام اللہ کو جادو کہتے ہیں تو کبھی شاعری کہتے ہیں ۔ کبھی پراگندہ اور بے معنی باتیں کہتے ہیں اور کبھی آنحضرت ﷺ کا ازخود گھڑ لیا ہوا بتاتے ہیں ۔ خیال کرو کہ اپنے کسی قول پر بھروسہ نہ رکھنے والا' جو زبان پر چڑھے' بک دینے والا بھی مستقل مزاج کہلانے کا مستحق ہے؟ کبھی کہتے تھے' اچھا اگر یہ سچا نبی ہے تو حضرت صالح علیہ السلام کی طرح کوئی اونٹنی لے آتا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کا کوئی معجزہ دکھاتا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی معجزہ ظاہر کرتا ۔ بے شک اللہ ان چیزوں پر قادر تو ضرور ہے لیکن اگر ظاہر ہوئیں اور پھر بھی یہ اپنے کفر سے نہ ہٹے تو عادت الٰہی کے تحت عذاب الٰہی میں پکڑ لئے جائیں گے اور پیس دئے جائیں گے ۔ عموماً اگلے لوگوں نے یہی کہا اور ایمان نصیب نہ ہوا اور غارت کر دیئے گئے ۔ اسی طرح یہ بھی ایسے معجزے طلب کر رہے ہیں ۔ اگر ظاہر ہوئے تو ایمان نہ لائیں گے اور تباہ ہو جائیں گے ۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ الخ' جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ گو تمام تر معجزے دیکھ لیں' ایمان قبول نہ کریں گے ۔ ہاں عذاب الیم کے معائنہ کے بعد تو فوراً تسلیم کر لیں گے لیکن وہ محض بے سود ہے ۔ بات بھی یہی ہے کہ

انہیں ایمان لانا ہی نہ تھا اور نہ حضور ﷺ کے بیشمار معجزات روز مرہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ بلکہ آپ کے یہ معجزے دیگر انبیاء علیہم السلام سے بہت زیادہ ظاہر اور کھلے ہوئے تھے۔ ابن ابی حاتم کی ایک بہت ہی غریب روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مجمع مسجد میں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ اتنے میں عبداللہ بن سلول منافق آیا۔ اپنی گدی بچھا کر' اپنا تکیہ لگا کر وجاہت سے بیٹھ گیا۔ تھا بھی گورا چٹا' بڑھ بڑھ کر فصاحت کے ساتھ باتیں بنانے والا کہنے لگا ابوبکر تم حضور ﷺ سے کہو کہ آپ کوئی نشان ہمیں دکھائیں جیسے کہ آپ سے پہلے کے انبیاء نشانات لائے تھے مثلاً موسیٰ علیہ السلام تختیاں لائے' داؤد علیہ السلام زبور لائے' صالح علیہ السلام اونٹنی لائے' عیسیٰ علیہ السلام انجیل لائے اور آسمانی دستر خوان۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے۔ اتنے میں حضور ﷺ گھر سے نکلے تو آپؓ نے دوسرے صحابہؓ سے فرمایا کہ حضور ﷺ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور اس منافق کی فریاد دربار رسالت میں پہنچاؤ۔ آپ نے ارشاد فرمایا' سنو میرے لئے کھڑے نہ ہو جایا کرو۔ صرف اللہ ہی کے لئے کھڑے ہوا کرو۔ صحابہؓ نے کہا' حضور ﷺ ہمیں اس منافق سے بڑی ایذا پہنچتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا' ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے فرمایا کہ باہر جاؤ اور لوگوں کے سامنے اپنے ان فضائل کو ظاہر کرو اور ان نعمتوں کا بیان کرو جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی ہیں۔ میں ساری دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں' مجھے حکم ہوا ہے کہ میں جنات کو بھی پیغام الٰہی پہنچا دوں۔ مجھے میرے رب نے اپنی پاک کتاب عنایت فرمائی ہے حالانکہ محض بے پڑھا ہوں۔ میرے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ میرا نام اذان میں رکھا ہے۔ میری مدد فرشتوں سے کرائی ہے۔ مجھے اپنی امداد و نصرت عطا فرمائی ہے۔ رعب میرا میرے آگے آگے کر دیا ہے۔ مجھے حوض کوثر عطا فرمایا ہے جو قیامت کے دن تمام اور حوضوں سے بڑا ہوگا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے مقام محمود کا وعدہ دیا ہے۔ اس وقت جب کہ سب لوگ حیران و پریشان سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔ مجھے اللہ نے اس پہلے گروہ میں چنا ہے جو لوگوں سے نکلے گا۔ میری شفاعت سے میری امت کے ستر ہزار شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے۔ مجھے غلبہ اور سلطنت عطا فرمائی ہے۔ مجھے جنت نعیم کا وہ بلند و بالا اعلیٰ بالا خانہ ملے گا کہ اس سے اعلیٰ منزل کسی کی نہ ہوگی۔ میرے اوپر صرف وہ فرشتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ میرے اور میری امت کے لئے غنیمتوں کے مال حلال کئے گئے حالانکہ مجھ سے پہلے وہ کسی کے لئے حلال نہ تھے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاۗءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝

تجھ سے پہلے بھی جتنے پیغمبر ہم نے بھیجے' سبھی مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی اتارتے تھے۔ پس تم اہل کتاب سے پوچھ لو اگر خود تمہیں علم نہ ہو تو ○ ہم نے انہیں ایسے جسم نہ بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے ○ پھر ہم نے ان سے کئے ہوئے سب وعدے سچے کئے۔ انہیں اور جن جن کو ہم نے چاہا' نجات عطا فرمائی اور حد سے نکل جانے والوں کو غارت کر دیا ○

مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کی بشریت کے منکر تھے: ☆☆ (آیت: ۷-۹) چونکہ مشرکین اس کے منکر تھے کہ انسانوں میں سے کوئی انسان اللہ کا رسول ہو‘ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے اس عقیدے کی تردید کرتا ہے- فرماتا ہے‘ تجھ سے پہلے جتنے رسول آئے‘ سب انسان ہی تھے ان میں ایک بھی فرشتہ نہ تھا جیسے دوسری آیت میں ہے وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى یعنی تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے اور ان کی طرف وحی نازل فرمائی‘ سب شہروں کے رہنے والے انسان ہی تھے- اور آیت میں ہے قُلۡ مَا كُنۡتُ بِدۡعًا مِّنَ الرُّسُلِ یعنی کہہ دے کہ میں کوئی نیا اور انوکھا اور سب سے پہلا رسول تو ہوں ہی نہیں- ان کافروں سے پہلے کے کفار نے بھی نبیوں کے نہ ماننے کا یہی حیلہ اٹھایا تھا جسے قرآن نے بیان فرمایا کہ انہوں نے کہا تھا اَبَشَرٌ يَّهۡدُوۡنَنَا انسان ہمارا رہبر ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ اچھا تم اہل علم سے یعنی یہودیوں اور نصرانیوں سے اور دوسرے گروہ سے پوچھ لو کہ ان کے پاس انسان ہی رسول بنا کر بھیجے گئے تھے یا فرشتے؟ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ انسانوں کے پاس انہی جیسے انسانوں کو رسول بنا کر بھیجتا ہے تاکہ لوگ ان کے پاس بیٹھ اٹھ سکیں ان کی تعلیم حاصل کر سکیں اور ان کی باتیں سن سمجھ سکیں- کیا وہ اگلے پیغمبر سب کے سب ایسے جسم کے نہ تھے جو کھانے پینے کی حاجت نہ رکھتے ہوں- بلکہ وہ کھانے پینے کے محتاج تھے-

جیسے فرمان ہے وَمَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمۡ لَيَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ يَمۡشُوۡنَ فِی الۡاَسۡوَاقِ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے‘ وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں آمدورفت بھی کرتے تھے یعنی وہ سب انسان تھے انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے اور کام کاج‘ بیوپار‘ تجارت کے لئے بازاروں میں بھی آنا جانا رکھتے تھے- پس یہ بات ان کی پیغمبری کے منافی نہیں- جیسے مشرکین کا قول تھا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ يَاۡكُلُ الطَّعَامَ وَيَمۡشِیۡ فِی الۡاَسۡوَاقِ الخ‘ یعنی یہ رسول کیسا ہے جو کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں آتا جاتا ہے- اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترتا کہ وہ بھی اس کے ساتھ اس کے دین کی تبلیغ کرتا‘ اچھا یہ نہیں تو اسے کسی خزانے کا مالک کیوں نہیں کر دیا جاتا یا اسے کوئی باغ ہی دے دیا جاتا جس سے یہ بافراغت کھا پی تو لیتا- الخ‘ اسی طرح اگلے پیغمبر بھی دنیا میں نہ رہے آئے اور گئے جیسے فرمان ہے وَمَا جَعَلۡنَا لِبَشَرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ الۡخُلۡدَ یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے کسی انسان کو دوام نہیں بخشا- ان کے پاس البتہ وحی اللہ آتی رہی- فرشتہ اللہ کے حکم احکام پہنچا دیا کرتا تھا- پھر رب کا جو وعدہ ان سے تھا‘ وہ سچا ہو کر رہا یعنی ان کے مخالفین بوجہ اپنے ظلم کے تباہ ہو گئے- اور وہ نجات پا گئے ان کے تابعدار بھی کامیاب ہوئے- اور حد سے گزر جانے والوں کو یعنی نبیوں کے جھٹلانے والوں کو اللہ نے ہلاک کر دیا-

ع ۱۰

لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ كِتٰبًا فِيۡهِ ذِكۡرُكُمۡ‌ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰﴾ وَكَمۡ قَصَمۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ كَانَتۡ ظَالِمَةً وَّاَنۡشَاۡنَا بَعۡدَهَا قَوۡمًا اٰخَرِيۡنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّاۤ اَحَسُّوۡا بَاۡسَنَاۤ اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا يَرۡكُضُوۡنَ ؕ‏ ﴿۱۲﴾ لَا تَرۡكُضُوۡا وَارۡجِعُوۡۤا اِلٰى مَاۤ اُتۡرِفۡتُمۡ فِيۡهِ وَمَسٰكِنِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوۡا يٰوَيۡلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتۡ تِّلۡكَ دَعۡوٰٮهُمۡ حَتّٰى جَعَلۡنٰهُمۡ حَصِيۡدًا خٰمِدِيۡنَ ﴿۱۵﴾

یقیناً ہم نے تمہاری جانب کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔ کیا پھر بھی تم عقلمندی نہیں کرتے ○ اور بہت سی بستیاں ہم نے تباہ کر دیں جو ستم گار تھیں اور ان کے بعد ہم نے اور جماعتیں پیدا کر دیں ○ جب انہوں نے ہمارے عذاب کا احساس کر لیا تو لگے اس سے بھاگنے ○ بھاگ دوڑ نہ کرو اور جہاں تمہیں آسودگی دی گئی تھی وہیں لوٹو اور اپنے مکانات کی طرف جاؤ تا کہ تم سے سوال تو کر لیا جائے ○ کہنے لگے ہائے خرابی ہماری بے شک تھے تو ہم ستم گار ○ پھر تو ان کا یہی قول رہا یہاں تک کہ ہم نے انہیں جڑ سے کٹے ہوئے اور بجھے پڑے ہوئے کر دیا ○

قدر ناشناس لوگ: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۵) اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اس کی قدر و منزلت پر رغبت دلانے کے لئے فرماتا ہے کہ ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف اتاری ہے جس میں تمہاری بزرگی ہے' تمہارا دین' تمہاری شریعت اور تمہاری باتیں ہیں پھر تعجب ہے کہ تم اس اہم نعمت کی قدر نہیں کرتے اور اس اتنی بڑی شرافت والی کتاب سے غفلت برت رہے ہو۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ الخ' تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے یہ نصیحت ہے اور تم اس کے بارے میں ابھی ابھی سوال کئے جاؤ گے۔

پھر فرماتا ہے ہم نے بہت سی بستیوں کے ظالموں کا چورا کر دیا ہے اور آیت میں ہے' ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد بھی بہت سی بستیاں ہلاک کر دیں۔ اور آیت میں ہے' کتنی ایک بستیاں ہیں جو پہلے بہت عروج پر اور انتہائی رونق پر تھیں لیکن پھر وہاں کے لوگوں کے ظلم کی بناء پر ہم نے ان کا چورا کر دیا' بھس اڑا دیا۔ آبادی ویرانی سے اور رونق سنسان سناٹے میں بدل گئی۔ ان کی ہلاکت کے بعد اور لوگوں کو ان کا جانشین بنا دیا ایک قوم کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری یونہی آتی رہیں۔ جب ان لوگوں نے عذابوں کو آتا دیکھ لیا' یقین ہو گیا کہ اللہ کے نبی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق اللہ کے عذاب آ گئے تو اس وقت گھبرا کر راہ فرار ڈھونڈنے لگے۔ لگے ادھر ادھر دوڑ دھوپ کرنے۔ اب بھاگو دوڑو نہیں بلکہ اپنے محلات میں اور اپنے عیش و عشرت کے سامانوں میں پھر آ جاؤ تا کہ تم سے سوال جواب تو ہو جائے کہ تم نے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا بھی کیا یا نہیں؟ یہ فرمان بطور ڈانٹ ڈپٹ کے اور انہیں ذلیل و حقیر کرنے کے ہو گا۔ اس وقت یہ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے۔ صاف کہیں گے کہ بے شک ہم ظالم تھے لیکن اس وقت کا اقرار بالکل بے نفع ہے۔ پھر تو یہ اقراری ہی رہیں گے یہاں تک کہ ان کا ناس ہو جائے اور ان کی آواز دبا دی جائے اور یہ مسل دیئے جائیں۔ ان کا چلنا پھرنا' آنا جانا' بولنا چالنا سب یک قلم بند ہو جائے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾

ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کچھ ہنسی کھیل کرنے کے لئے نہیں بنایا ○ اگر ہم یونہی کھیل تماشے کا ہی ارادہ کرتے تو ہم اسے اپنے پاس سے ہی بنا لیتے لیکن ہم کرنے والے ہی نہیں ○ بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں۔ سچ جھوٹ کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے' تم جو باتیں بناتے ہو وہ تمہارے لئے باعث خرابی ہیں ○ آسمانوں اور زمین میں جو ہے' اسی اللہ کا ہے' جو اس کے پاس ہیں' وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں ○ دن

رات تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور ذرا سی بھی کاہلی نہیں کرتے ۝

آسمان وزمین کوئی کھیل تماشہ نہیں: ☆☆ (آیت:۱۶-۲۰) آسمان وزمین کو اللہ تعالیٰ نے عدل سے پیدا کیا ہے تاکہ بروں کو سزا اور نیکوں کو جزا دے۔ اس نے انہیں بے کار اور کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ اور آیت میں اس مضمون کے ساتھ ہی بیان ہے کہ یہ گمان تو کفار کا ہے جن کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے۔ دوسری آیت کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اگر ہم کھیل تماشا ہی چاہتے تو اسے بنا لیتے۔ ایک معنی یہ ہیں کہ اگر ہم عورت کرنا چاہتے۔ لھو کے معنی اہل یمن کے نزدیک بیوی کے بھی آتے ہیں۔ یعنی ہم اگر بیوی بنانا چاہتے تو حورعین میں سے جو ہمارے پاس ہے کسی کو بنا لیتے۔ ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اگر ہم اولاد چاہتے۔ لیکن یہ دونوں معنے آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ بیوی کے ساتھ ہی اولاد ہے۔ جیسے فرمان ہے لَوْ اَرَادَاللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا الخ یعنی اگر اللہ کو یہی منظور ہوتا کہ اس کی اولاد ہو تو اپنی مخلوق میں سے کسی اعلیٰ درجے کی مخلوق کو یہ منصب عطا فرماتا لیکن وہ اس بات سے پاک اور بہت دور ہے اس کی توحید اور غلبہ کے خلاف ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ پس وہ مطلق اولاد سے پاک ہے نہ عیسیٰؑ اس کا بیٹا ہے نہ عزیزؑ۔ نہ فرشتے اس کی لڑکیاں ہیں۔ ان عیسائیوں یہودیوں اور کفار مکہ کی ان لغو باتوں اور تہمت سے اللہ واحد قہار پاک ہے اور بلند ہے۔ ان کنا فاعلین میں ان کو نافیہ کہا گیا ہے یعنی ہم یہ کرنے والے ہی نہ تھے۔ بلکہ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ ان نفی کے لئے ہی ہے۔

فرشتوں کا تذکرہ: ☆☆ ہم حق کو واضح کرتے ہیں اسے کھول کر بیان کرتے ہیں جس سے باطل دب جاتا ہے ٹوٹ کر چورا ہو جاتا ہے اور فوراً ہٹ جاتا ہے۔ وہ ہے بھی اسی لائق وہ ٹھہر نہیں سکتا نہ جم سکتا ہے نہ دیر تک قائم رہ سکتا ہے۔ اللہ کے لئے جو لوگ اولادیں ٹھہرا رہے ہیں ان کے اس واہی قول کی وجہ سے ان کے لئے ویل ہے انہیں پوری خرابی ہے۔ پھر ارشاد فرماتا ہے کہ جن فرشتوں کو تم اللہ کی لڑکیاں کہتے ہو ان کا حال سنو اور اللہ کی الوہیت کی عظمت دیکھو آسمان وزمین کی ہر چیز اسی کی ملکیت میں ہے۔ فرشتے اس کی عبادت میں مشغول ہیں۔ ناممکن ہے کہ کسی وقت سرکشی کریں۔ نہ حضرت مسیح کو بندہ اللہ ہونے سے شرم نہ فرشتوں کو اللہ کی عبادت سے عار نہ ان میں سے کوئی تکبر کرے یا عبادت سے جی چرائے اور جو کوئی ایسا کرے تو ایک وقت آ رہا ہے کہ وہ اللہ کے سامنے میدان محشر میں سب کے ساتھ ہو گا اور اپنا کیا بھرے گا۔ یہ بزرگ فرشتے اس کی عبادت سے تھکتے بھی نہیں گھبراتے بھی نہیں سستی اور کاہلی ان کے پاس بھی نہیں پھٹکتی۔ دن رات اللہ کی فرماں برداری میں اس کی عبادت میں اس کی تسبیح واطاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ نیت اور عمل دونوں موجود ہیں۔ اللہ کی کوئی نافرمانی نہیں کرتے نہ کسی فرمان کی تعمیل سے رکتے ہیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے مجمع میں تھے جو فرمایا لوگو! جو میں سنتا ہوں کیا تم بھی سنتے ہو؟ سب نے جواب دیا کہ حضرت ﷺ ہم تو کچھ بھی نہیں سن رہے۔ آپؐ نے فرمایا میں آسمانوں کی چرچراہٹ سن رہا ہوں اور حق تو یہ ہے کہ اسے چرچرانا ہی چاہئے اس لئے کہ اس میں ایک بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جہاں کسی نہ کسی فرشتے کا سر سجدے میں نہ ہو۔ عبداللہ بن حارث بن نوفل فرماتے ہیں میں حضرت کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس وقت میں چھوٹی عمر کا تھا میں نے ان سے اس آیت کا مطلب پوچھا کہ بولنا چالنا اللہ کا پیغام لے کر جانا عمل کرنا یہ بھی انہیں تسبیح سے نہیں روکتا؟ میرے اس سوال پر چونکنے ہو کر آپؒ نے فرمایا یہ بچہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا بنو عبدالمطلب میں سے ہے۔ آپؒ نے میری پیشانی چوم لی اور فرمایا پیارے بچے تسبیح ان فرشتوں کے لئے ایسی ہی ہے جیسے ہمارے لئے سانس لینا۔ دیکھو چلتے پھرتے بولتے چالتے تمہارا سانس برابر آتا جاتا رہتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں کی تسبیح ہر وقت جاری رہتی ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾
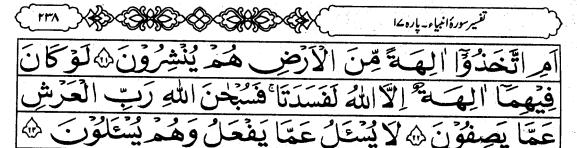
ان لوگوں نے جنہیں معبود بنا رکھا ہے' کیا وہ مردوں کو زمین سے زندہ کر دیتے ہیں؟ ○ اگر آسمان وزمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور معبود بھی ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ عرش کا رب اور ہر اس وصف سے پاک ہے جو یہ مشرک بیان کرتے ہیں ○ کوئی نہیں جو اس سے باز پرس کر سکے اور اس کے سوا کوئی نہیں جس سے باز پرس نہ کی جاتی ہو ○

سب تہمتوں سے بلند اللہ جل شانہ: ☆☆ (آیت: ۲۱-۲۳) شرک کی تردید ہو رہی ہے کہ جن جن کو تم اللہ کے سوا پوج رہے ہو' ان میں ایک بھی ایسا نہیں جو مردوں کو جلا سکے۔ کسی میں یا سب میں مل کر بھی یہ قدرت نہیں' پھر انہیں اس قدرت والے کے برابر ماننا یا ان کی بھی عبادت کرنا کس قدر ناانصافی ہے؟ پھر فرماتا ہے سنو! اگر یہ مان لیا جائے کہ فی الواقع بہت سے معبود ہیں تو لازم آئے گا کہ زمین و آسمان تباہ و برباد ہو جائیں جیسے فرمان ہے مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ الخ' اللہ کی اولاد نہیں' نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوقات کو لئے پھرتا اور ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا' اللہ تعالیٰ ان کے بیان کردہ اوصاف سے مبرا اور منزہ ہے۔

یہاں فرمایا' اللہ تعالیٰ مالک عرش ان کے کہے ہوئے ردی اوصاف سے یعنی لڑکے لڑکیوں سے پاک ہے۔ اسی طرح شریک اور ساجھی سے' مثل اور ساتھی سے بھی بلند و بالا ہے۔ ان کی یہ سب تہمتیں ہیں جن سے اللہ کی ذات برتر ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ علی الاطلاق شہنشاہ حقیقی ہے' اس پر کوئی حاکم نہیں۔ سب اس کے غلبے اور قہر تلے ہیں۔ نہ تو اس کے حکم کا کوئی تعاقب کر سکے۔ نہ اس کے فرمان کو کوئی ٹال سکے۔ اس کی کبریائی اور عظمت وجلال اور حکومت علم اور حکمت لطف اور رحمت بے پایاں ہے۔ کسی کو اس کے آگے دم مارنے کی مجال نہیں۔ سب پست اور عاجز ہیں لاچار اور بے بس ہیں۔ کوئی نہیں جو چوں کرے' کوئی نہیں جو اس کے سامنے بول سکے کوئی نہیں جسے چوں چرا کا اختیار ہو جو اس سے پوچھ سکے کہ یہ کام کیوں کیا' ایسا کیوں ہوا؟ وہ چونکہ تمام خلق کا خالق ہے' سب کا مالک ہے' اسے اختیار ہے جس سے جو چاہے سوال کرے' ہر ایک کے اعمال کی وہ باز پرس کرے گا۔ جیسے فرمان ہے فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ الخ' تیرے رب کی قسم ہم ان سب سے سوال کریں گے ہر اس فعل سے جو انہوں نے کیا۔ وہی ہے کہ جو اس کی پناہ میں آ گیا' سب شر سے بچ گیا اور کوئی نہیں جو اس کے مجرم کو پناہ دے سکے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

کیاان لوگوں نے اللہ کے سوااور معبود بنار کھے ہیں؟ ان سے کہہ دو کہ لاؤ اپنی دلیل پیش کرو' یہ ہے میرے ساتھ والوں کی دلیل اور مجھ سے اگلوں کی دلیل' بات یہ ہے کہ ان میں کے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے - اسی وجہ سے منہ موڑے ہوئے ہیں ○ تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا' اس کی طرف بھی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں - پس تم سب میری ہی عبادت کرو ○

حق سے غافل مشرک: ☆☆ (آیت:۲۴-۲۵) ان لوگوں نے اللہ کے سوا جن جن کو معبود بنا رکھا ہے' ان کی عبادت پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اور ہم جس اللہ کی عبادت کر رہے ہیں' اس میں سچے ہیں - ہمارے ہاتھوں میں اعلیٰ تر دلیل کلام الٰہی موجود ہے اور اس سے پہلے کی تمام الہامی کتابیں اسی کی دلیل میں با آواز بلند شہادت دیتی ہیں جو توحید کی موافقت میں اور کافروں کی خود پرستی کے خلاف میں ہیں - جو کتاب جس پیغمبر پر اتری' اس میں یہ بیان موجود رہا کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں لیکن اکثر مشرک حق سے غافل ہیں اور ربانی باتوں سے منکر ہیں - تمام رسولوں کو توحید کی ہی تلقین ہوتی رہی - فرمان ہے وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ الخ' تجھ سے پہلے جو انبیاء گزرے ہیں' تو آپ پوچھ لے کہ ہم نے ان کے لئے اپنے سوا اور کوئی معبود مقرر کیا تھا کہ وہ اس کی عبادت کرتے ہوں؟ اور آیت میں ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ہم نے ہر امت میں اپنا پیغمبر بھیجا جس نے لوگوں میں اعلان کیا کہ تم سب ایک اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے الگ رہو - پس انبیاء کی شہادت بھی یہی ہے اور خود فطرت اللہ بھی اسی کی شاہد ہے - اور مشرکین کی کوئی دلیل نہیں - ان کی ساری حجتیں بیکار ہیں اور ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے -

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۱۹

مشرک لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے' غلط ہے - اللہ پاک ہے' بلکہ وہ سب اس کے ذی عزت بندے ہیں ○ کسی بات میں اللہ پر پیش دستی نہیں کرتے بلکہ اس کے فرمان پر کاربند ہیں ○ وہ ان کے آگے پیچھے کے تمام امور سے واقف ہے - وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو - وہ تو خود ہیبت الٰہی سے لرزاں و ترساں ہیں ○ ان میں سے اگر کوئی بھی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں لائق عبادت ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں' ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں ○

خشیت الٰہی: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۹) کفار مکہ کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں - ان کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے اللہ پاک فرماتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے' فرشتے اللہ تعالیٰ کے بزرگ بندے ہیں' بڑی بڑائیوں والے ہیں اور ذی عزت ہیں - قولاً اور فعلاً ہر وقت اطاعت الٰہی میں مشغول ہیں - نہ تو کسی امر میں اس سے آگے بڑھیں نہ کسی بات میں اس کے فرمان کا خلاف کریں بلکہ جو وہ فرمائے دوڑ کر اس کی بجا آوری کرتے ہیں - اللہ کے علم میں گھرے ہوئے ہیں اس پر کوئی بات پوشیدہ نہیں - آگے پیچھے' دائیں بائیں کا

اسے علم ہے ذرے ذرے کا وہ دانا ہے۔ یہ پاک فرشتے بھی اتنی مجال نہیں رکھتے کہ اللہ کے کسی مجرم کی اللہ کے سامنے اس کی مرضی کے خلاف سفارش کے لئے لب ہلا سکیں۔ جیسے فرمان ہے مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ وہ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش اس کے پاس لے جا سکے؟ اور آیت میں ہے وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَہٗ یعنی اس کے پاس کسی کی شفاعت اس کی اپنی اجازت کے بغیر چل نہیں سکتی۔ اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ فرشتے اور اللہ کے مقرب بندے کل کے کل خشیت الٰہی سے ہیبت رب سے لرزاں وترساں رہا کرتے ہیں۔ ان میں سے جو بھی الوہیت کا دعویٰ کرے ہم اسے جہنم واصل کر دیں، ظالموں سے ہم ضرور انتقام لے لیا کرتے ہیں۔ یہ بات بطور شرط ہے اور شرط کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کا وقوع بھی ہو۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ خاص بندگان الٰہی میں سے کوئی ایسا ناپاک دعویٰ کرے اور ایسی سخت سزا بھگتے۔ اسی طرح کی آیت قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ اور لَئِنْ اَشْرَکْتَ الخ ہے۔ پس نہ تو رحمٰن کی اولاد نہ نبی کریم ﷺ سے شرک ممکن۔

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا
فَفَتَقْنٰھُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾
وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِھِمْ وَجَعَلْنَا فِیْھَا فِجَاجًا
سُبُلًا لَّعَلَّھُمْ یَھْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّھُمْ
عَنْ اٰیٰتِھَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَالشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ؕ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

کیا کافر لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان وزمین منہ بند ملے جلے تھے۔ پھر ہم نے انہیں کھول کر جدا جدا کیا' اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا' کیا یہ لوگ پھر بھی یقین نہیں کرتے ○ اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنا دیئے تا کہ وہ مخلوق کو ہلا نہ سکے اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں بنا دیں تا کہ وہ ہدایت حاصل کریں ○ آسمان کو محفوظ چھت بھی ہم نے ہی بنایا ہے' لیکن لوگ اس کی قدرت کے نمونوں پر دھیان ہی نہیں دھرتے ○ وہی اللہ ہے جس نے رات اور دن' سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے' ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں ○

زبردست غالب: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۳) اللہ تعالیٰ اس بات کو بیان فرماتا ہے کہ اس کی قدرت پوری ہے اور اس کا غلبہ زبردست ہے۔ فرماتا ہے کہ جو کافر اللہ کے سوا اوروں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں' کیا انہیں اتنا بھی علم نہیں کہ تمام مخلوق کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے اور سب چیز کا نگہبان بھی وہی ہے پھر اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت تم کیوں کرتے ہو؟ ابتدا میں زمین وآسمان ملے جلے ایک دوسرے سے پیوست تہ بہ تہ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں الگ الگ کیا زمینوں کو نیچے' آسمانوں کو اوپر فاصلے سے اور حکمت سے قائم کیا۔ سات زمینیں پیدا کیں اور سات ہی آسمان بنائے۔ زمین اور پہلے آسمان کے درمیان جوف اور خلا رکھا۔ آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے پیداوار اگائی۔ ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی۔ کیا یہ تمام چیزیں جن میں سے ہر ایک صانع کی خود مختاری' قدرت اور وحدت پر دلالت کرتی ہے' اپنے سامنے موجود پاتے ہوئے بھی یہ لوگ اللہ کی عظمت کے قائل ہو کر شرک کو نہیں چھوڑتے؟

فَفِیْ کُلِّ شَیْئٍ لَّہٗ اٰیَۃٌ　　تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

یعنی ہر چیز میں اللہ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت کا نشان موجود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ پہلے رات تھی یا دن؟ تو آپ نے فرمایا کہ پہلے زمین و آسمان ملے جلے تہہ بہ تہہ تھے تو ظاہر ہے کہ ان میں اندھیرا ہوگا اور اندھیرے کا نام ہی رات ہے تو ثابت ہوا کہ رات پہلے تھی۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا' تم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کرو اور جو وہ جواب دیں' مجھ سے بھی کہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' زمین و آسمان سب ایک ساتھ تھے۔ نہ بارش برستی تھی نہ پیداوار اگتی تھی' جب اللہ تعالیٰ نے ذی روح مخلوق پیدا کی تو آسمان کو پھاڑ کر اس میں سے پانی برسایا اور زمین کو چیر کر اس میں پیداوار اگائی۔ جب سائل نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ جواب بیان کیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے' آج مجھے اور بھی یقین ہوگیا کہ قرآن کے علم میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی بڑھے ہوئے ہیں۔ میرے جی میں کبھی خیال آتا تھا کہ ایسا تو نہیں ابن عباسؓ کی جرات بڑھ گئی ہو؟ لیکن آج وہ وسوسہ دل سے جاتا رہا۔ آسمان کو پھاڑ کر سات آسمان بنائے۔ زمین کے مجموعے کو چیر کر سات زمینیں بنائیں۔

مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر میں یہ بھی ہے کہ یہ ملے ہوئے تھے یعنی پہلے ساتوں آسمان ایک ساتھ تھے اور اسی طرح ساتوں زمینیں بھی ملی ہوئی تھیں پھر جدا جدا کر دی گئیں۔ حضرت سعید رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر ہے کہ یہ دونوں پہلے ایک ہی تھے۔ پھر الگ الگ کر دیئے گئے۔ زمین و آسمان کے درمیان خلا رکھ دی گئی' پانی کو تمام جانداروں کی اصل بنا دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے کہا' حضور ﷺ جب میں آپ کو دیکھتا ہوں میرا جی خوش ہو جاتا ہے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں آپ ہمیں تمام چیزوں کی اصلیت سے خبردار کر دیں۔ آپ نے فرمایا' ابو ہریرہؓ تمام چیزیں پانی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ پھر میں نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا' لوگوں کو سلام کیا کرو اور کھانا کھلایا کرو اور صلہ رحمی کرتے رہو اور رات کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں' تم تہجد کی نماز پڑھا کرو تاکہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ زمین کو جناب باری عزوجل نے پہاڑوں کی میخوں سے مضبوط کر دیا تاکہ وہ ہل جل کر لوگوں کو پریشان نہ کرے' مخلوق کو زلزلے میں نہ ڈالے۔ زمین کی تین چوتھائیاں تو پانی میں ہیں اور صرف چوتھائی حصہ سورج اور ہوا کے لئے کھلا ہوا ہے۔ تاکہ لوگ آسمان کو اور اس کے عجائبات کو بچشم خود ملاحظہ کر سکیں۔ پھر زمین میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے راہیں بنا دیں کہ لوگ باآسانی اپنے سفر طے کر سکیں اور دور دراز ملکوں میں بھی پہنچ سکیں۔

شان الٰہی دیکھئے' اس حصے اور اس ٹکڑے کے درمیان بلند پہاڑی حائل ہے۔ یہاں سے وہاں پہنچنا بظاہر سخت دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن قدرت الٰہی خود اس پہاڑ میں راستہ بنا دیتی ہے کہ یہاں کے لوگ وہاں اور وہاں کے یہاں پہنچ جائیں اور اپنے کام کاج پورے کر لیں۔ آسمان کو زمین پر مثل قبے کے بنا دیا جیسے فرمان ہے کہ ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں بنایا اور ہم وسعت اور کشادگی والے ہیں۔ فرماتا ہے' قسم آسمان کی اور اس کی بناوٹ کی۔ ارشاد ہے' کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے سروں پر آسمان کو کس کیفیت کا بنایا ہے اور کس طرح زینت دے رکھی ہے اور لطف یہ ہے کہ اتنے بڑے آسمان میں کوئی سوراخ تک نہیں؟ بنا کہتے ہیں' قبے اور خیمے کے کھڑا کرنے کو جیسے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اسلام کی بنائیں پانچ ہیں جیسے پانچ ستون پر کوئی قبہ یا خیمہ کھڑا ہوا ہو۔ پھر آسمان جو مثل چھت کے ہے' یہ ہے بھی محفوظ' بلند پہرے چوکی والا کہ کہیں سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلند و بالا' اونچا اور صاف ہے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ یہ آسمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' رکی ہوئی موج ہے۔ یہ روایت سنداً غریب ہے۔

لیکن لوگ اللہ کی ان زبردست نشانیوں سے بھی بے پرواہ ہیں- جیسے فرمان ہے' آسمان وزمین کی بہت سی نشانیاں ہیں جو لوگوں کی نگاہوں تلے ہیں لیکن پھر بھی وہ ان سے منہ موڑے ہوئے ہیں- کوئی غور وفکر نہیں کرتے کبھی نہیں سوچتے کہ کتنا پھیلا ہوا' کتنا بلند' کس قدر عظیم الشان یہ آسمان ہمارے سروں پر بغیر ستون کے اللہ تعالیٰ نے قائم کر رکھا ہے- پھر اس میں کس خوبصورتی سے ستاروں کا جڑاؤ ہو رہا ہے' ان میں بھی کوئی ٹھہرا ہوا ہے' کوئی چلتا پھرتا ہے- پھر سورج کی چال مقرر ہے- اس کی موجودگی دن ہے اس کا نہ نظر آنا رات ہے- پورے آسمان کا چکر صرف ایک دن رات میں سورج پورا کر لیتا ہے- اس کی چال کو' اس کی تیزی کو بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا- یوں قیاس آرائیاں اور اندازے کرنا اور بات ہے- بنی اسرائیل کے عابدوں میں سے ایک نے اپنی تیس سال کی مدت عبادت پوری کر لی مگر جس طرح اور عابدوں پر تیس سال کی عبادت کے بعد ابر کا سایہ ہو جایا کرتا تھا' اس پر نہ ہوا تو اس نے اپنی والدہ سے یہ حال بیان کیا- اس نے کہا' بیٹے تم نے اپنی اس عبادت کے زمانے میں کوئی گناہ کر لیا ہوگا؟ اس نے کہا' اماں ایک بھی نہیں- کہا پھر تم نے کسی گناہ کا پورا قصد کیا ہوگا جواب دیا کہ ایسا بھی مطلقاً نہیں ہوا- ماں نے کہا بہت ممکن ہے کہ تم نے آسمان کی طرف نظر کی ہو اور غور وتدبر کے بغیر ہی ہٹا لی ہو- عابد نے جواب دیا ایسا تو برابر ہوتا رہا فرمایا بس یہی سبب ہے- پھر اپنی قدرت کاملہ کی بعض نشانیاں بیان فرماتا ہے کہ رات اور اس کے اندھیرے کو دیکھو- دن اور اس کی روشنی پر نظر ڈالو- پھر ایک کے بعد دوسرے کا بڑھنا دیکھو- سورج چاند کو دیکھو- سورج کا نور ایک مخصوص نور ہے اور اس کا آسمان' اس کا زمانہ' اس کی حرکت' اس کی چال علیحدہ ہے- چاند کا نور الگ ہے' فلک الگ ہے' چال الگ ہے' انداز اور ہے- ہر ایک اپنے اپنے فلک میں گویا تیرتا پھرتا ہے اور حکم الٰہی کی بجا آوری میں مشغول ہے- جیسے فرمان ہے' وہی صبح کا روشن کرنے والا ہے- وہی رات کو پرسکون بنانے والا ہے- وہی سورج چاند کا انداز مقرر کرنے والا ہے- وہی ذی عزت' غلبے والا اور ذی علم علم والا ہے-

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝۳۴ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝۳۵

تجھ سے پہلے کے کسی انسان کو بھی ہم نے دوام اور ہمیشگی نہیں دی' کیا اگر تو مر گیا تو وہ ہمیشہ کے لئے رہ جائیں گے؟ ○ ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے- ہم بطریق امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں' تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

خضر علیہ السلام مر چکے ہیں: ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۵) جتنے لوگ ہوئے' سب کو ہی موت ایک روز ختم کرنے والی ہے- تمام روئے زمین کے لوگ موت سے ملنے والے ہیں- ہاں رب کی جلال واکرام والی ذات ہمیشگی اور دوام والی ہے- اسی آیت سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ حضرت خضرؑ مر گئے- یہ غلط ہے کہ وہ اب تک زندہ ہوں کیونکہ وہ بھی انسان ہی تھے ولی ہوں یا نبی ہوں یا رسول ہوں' تھے تو انسان ہی- ان کفار کی یہ آرزو کتنی ناپاک ہے کہ تم مر جاؤ- تو کیا یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ایسا تو محض ناممکن ہے دنیا میں تو چل چلاؤ لگ رہا ہے- کسی کو بجز ذات باری کے دوام نہیں- کوئی آگے ہے کوئی پیچھے- پھر فرمایا موت کا ذائقہ ہر ایک کو چکھنا پڑے گا- حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ میری موت کے آرزومند ہیں تو کیا اس بارے میں میں ہی اکیلا ہوں؟ یہ وہ ذائقہ نہیں جو کسی کو چھوڑ دے- پھر فرماتا ہے' بھلائی برائی سے' سکھ دکھ سے' مٹھاس کڑواہٹ سے' کشادگی تنگی سے ہم اپنے بندوں کو آزما لیتے ہیں تا کہ شکر گزار اور ناشکرا' صابر اور ناامید

کھل جائے۔ صحت و بیماری، تونگری، فقیری، سختی، نرمی، حلال، حرام، ہدایت، گمراہی، اطاعت، معصیت یہ سب آزمائشیں ہیں، اس میں بھلے برے کھل جاتے ہیں۔ تمہارا سب کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے۔ اس وقت جو جیسا تھا کھل جائے گا۔ بروں کو سزا، نیکوں کو جزا ملے گی۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۶ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝۳۷

یہ منکر تجھے جب بھی دیکھتے ہیں، مخول میں اڑانے لگتے ہیں کہ کیا یہی وہ ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی سے ذکر کیا کرتا ہے؟ اور وہ خود ہی رحمٰن کی یاد کے بالکل ہی منکر ہیں ○ انسان کی جبلت میں جلد بازی رکھی گئی ہے، میں تمہیں اپنی نشانیاں ابھی ابھی دکھاؤں گا۔ تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو ○

جلد باز انسان: ☆☆ (آیت: ۳۶-۳۷) ابوجہل وغیرہ کفار قریش آنحضرت ﷺ کو دیکھتے ہی ہنسی مذاق شروع کر دیتے اور آپؐ کی شان میں بے ادبی کرنے لگتے۔ کہنے لگتے کہ لو میاں دیکھ لو یہی ہیں جو ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں تمہارے بزرگوں کو بیوقوف بتاتے ہیں۔ ایک تو ان کی یہ سرکشی ہے۔ دوسرے یہ کہ خود ذکر رحمٰن کے منکر ہیں۔ اللہ کے منکر، رسول اللہؐ کے منکر۔ اور آیت میں ان کے اسی کفر کا بیان کر کے فرمایا گیا ہے اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا یعنی وہ تو کہتے ہم جمے رہے ورنہ اس نے تو ہمیں ہمارے پرانے معبودوں سے برگشتہ کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ خیر انہیں عذاب کے معائنہ سے معلوم ہو جائے گا کہ گمراہ کون تھا؟ انسان بڑا ہی جلد باز ہے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کی پیدائش کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا شروع کیا۔ شام کے قریب جب ان میں روح پھونکی گئی، سر، آنکھ اور زبان میں جب روح آ گئی تو کہنے لگے، الٰہی مغرب سے پہلے ہی میری پیدائش مکمل ہو جائے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں، تمام دنوں میں بہتر و افضل دن جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اسی میں داخل جنت ہوئے اسی میں وہاں سے اتارے گئے، اسی میں قیامت قائم ہوگی، اسی دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت جو بندہ نماز میں ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو کچھ طلب کرے، اللہ اسے عطا فرماتا ہے۔ آپؐ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کر کے بتلایا کہ وہ ساعت بہت تھوڑی سی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مجھے معلوم ہے کہ وہ ساعت کون سی ہے وہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پھر آپؐ نے یہی آیت پڑھی۔ پہلی آیت میں کافروں کی بدبختی کا ذکر کر کے اس کے بعد ہی انسانی عجلت کا ذکر اس حکمت سے ہے کہ گویا کافروں کی سرکشی سنتے ہی مسلمان کا انتقامی جذبہ بھڑک اٹھتا ہے اور وہ جلد بدلہ لینا چاہتا ہے اس لئے کہ انسانی جبلت میں ہی جلد بازی ہے۔ لیکن عادت الٰہیہ ہے کہ وہ ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھانے والا ہی ہوں کہ عاصیوں پر کس طرح سختی ہوتی ہے۔ میرے نبیؐ کو مذاق میں اڑانے والوں کی کس طرح کھال ادھڑتی ہے۔ تم ابھی ہی دیکھ لو گے۔ جلدی نہ مچاؤ، دیر ہے اندھیر نہیں، مہلت ہے بھول نہیں۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٣٩﴾ بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٤١﴾ قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَٰنِ ۗ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿٤٢﴾ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِنْ دُونِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِنَّا يُصْحَبُونَ ﴿٤٣﴾

کہتے ہیں کہ اگر سچے ہوتو بتادو کہ یہ وعدہ کب ہے؟ ○ کاش کہ یہ کافر جانتے کہ اس وقت نہ تو یہ کافر آگ کو اپنے چہروں سے ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی کمروں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○ ہاں ہاں وعدے کی گھڑی ان کے پاس اچانک آجائے گی اور انہیں ہکابکا کر دے گی۔ نہ تو یہ لوگ اسے ٹال سکیں گے اور نہ ذرا سی بھی مہلت دیئے جائیں گے ○ تجھ سے پہلے کے رسولوں کے ساتھ بھی ہنسی مذاق کیا گیا۔ پس ہنسی کرنے والوں پر ہی وہ چیز الٹ پڑی جس کی ہنسی کر رہے تھے ○ پوچھ تو کہ اللہ کے سوا دن رات تمہاری حفاظت کون کرتا ہے؟ بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے ٹال مٹول کرنے والے ہیں ○ کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود ہیں جو انہیں مصیبتوں سے بچالیں، کوئی بھی خود اپنی مدد کی طاقت بھی نہیں رکھتا اور نہ کوئی ہماری طرف سے رفاقت کیا جاتا ہے ○

خود عذاب کے طالب لوگ: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۰) عذاب الٰہی کو قیامت کے آنے کو یہ لوگ چونکہ محال جانتے تھے اس لئے جرأت سے کہتے تھے کہ بتلاؤ تو سہی، تمہارے یہ ڈراوے کب پورے ہوں گے۔ انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ تم اگر سمجھ دار ہوتے اور اس دن کی ہولناکیوں سے آگاہ ہوتے تو جلدی نہ مچاتے۔ اس وقت عذاب الٰہی اوپر تلے سے اوڑھنا بچھونا بنے ہوئے ہوں گے، طاقت نہ ہوگی کہ آگے پیچھے سے الٰہی عذاب ہٹا سکو، گندھک کا لباس ہوگا جس میں آگ لگی ہوئی ہوگی اور کھڑے جل رہے ہوں گے، ہر طرف سے جہنم گھیرے ہوئے ہوگی۔ کوئی نہ ہوگا جو مدد کو اٹھے۔ جہنم اچانک دبوچ لے گی۔ اس وقت ہکے بکے رہ جاؤ گے، مبہوت اور بیہوش ہو جاؤ گے۔ حیران و پریشان ہو جاؤ گے۔ کوئی حیلہ نہ ملے گا کہ اسے دفعہ کرو، اس سے بچ جاؤ اور نہ ایک ساعت کی ڈھیل اور مہلت ملے گی۔

انبیاء کی تکذیب کافروں کا شیوہ ہے: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۳) اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمہیں جو ستایا جارہا ہے، مذاق میں اڑایا جاتا ہے اور جھوٹا کہا جاتا ہے، اس پر پریشان نہ ہونا، کافروں کی یہ پرانی عادت ہے۔ اگلے نبیوں کے ساتھ بھی انہوں نے یہی کیا جس کی وجہ سے آخرش عذابوں میں پھنس گئے۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا تجھ سے پہلے کے انبیاء بھی جھٹلائے گئے اور انہوں نے اپنے جھٹلائے جانے پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی۔ اللہ کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں تمہارے پاس رسولوں کی خبریں آچکی ہیں۔ پھر اپنی نعمت بیان فرماتا ہے کہ وہ تم سب کی حفاظت دن رات اپنی ان آنکھوں سے کر رہا ہے جو نہ کبھی تھکیں نہ سوئیں۔ من الرحمن کا معنی رحمٰن کے بدلے یعنی رحمٰن کے سوا ہیں۔ عربی شعروں میں بھی من بدل کے معنی میں ہے۔ اسی ایک احسان پر کیا موقوف ہے۔ یہ کفار تو اللہ کے ہر ہر احسان کی ناشکری کرتے ہیں بلکہ اس کی نعمتوں کے منکر اور ان سے منہ پھیرنے

والے ہیں۔ پھر بطور انکار کے ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرماتا ہے کہ کیا ان کے معبود جو اللہ کے سوا ہیں' انہیں اپنی حفاظت میں رکھتے ہیں؟ یعنی وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ ان کا یہ گمان محض غلط ہے۔ بلکہ ان کے معبودان باطل خود اپنی مدد و حفاظت کے بھی مالک نہیں۔ بلکہ وہ ہم سے بچ بھی نہیں سکتے۔ ہماری جانب سے کوئی خبر ان کے ہاتھوں میں نہیں۔ ایک معنے اس جملے کے یہ بھی ہیں کہ نہ تو وہ کسی کو بچا سکیں نہ خود بچ سکیں۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۗ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۗ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿٤٧﴾

بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو فائدوں پر فائدے دیئے یہاں تک کہ ان کی مدت عمر گزر گئی۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں' اب کیا وہی غالب ہیں ○ کہہ دے کہ میں تمہیں اللہ کی وحی کے ساتھ آگاہ کر رہا ہوں۔ بہرے لوگ بات نہیں سنتے جب کہ انہیں آگاہ کیا جائے ○ اگر انہیں تیرے رب کے کسی عذاب کی بھانپ بھی لگ جائے تو پکار اٹھتے ہیں۔ ہائے ہماری خرابی یقیناً ہم گنہگار تھے ○ ہم درمیان میں لا رکھیں گے عدل کی ترازو کو قیامت کے دن۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا' ایک رائی کے دانے کے برابر جو عمل ہوگا' ہم اسے لا حاضر کریں گے' اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے ○

ذلت و رسوائی کے مارے لوگ: ☆☆ (آیت: ۴۴-۴۷) کافروں کے کینے کی اور اپنی گمراہی پر جم جانے کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ انہیں کھانے پینے کو ملتا رہا۔ لمبی لمبی عمریں ملیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ ہمارے کرتوت اللہ کو پسند ہیں۔ اس کے بعد انہیں نصیحت کرتا ہے کہ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے کافروں کی بستیوں کی بستیاں بوجہ ان کے کفر کے ملیامیٹ کر دیں۔ اس جملے کے اور بھی بہت سے معنی کئے گئے ہیں جو سورہ رعد میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ لیکن زیادہ ٹھیک معنی یہی ہیں جیسے فرمایا وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى الخ' ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں ہلاک کیں اور اپنی نشانیاں ہیر پھیر کر کے تمہیں دکھا دیں تا کہ لوگ اپنی برائیوں سے باز آ جائیں۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے ایک معنے یہ بھی بیان کئے ہیں کہ ہم کفر پر اسلام کو غالب کرتے چلے آئے ہیں۔ کیا تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں پر غالب کر دیا اور کس طرح جھٹلانے والی اگلی امتوں کو اس نے ملیامیٹ کر دیا اور اپنے مومنوں کو نجات دے دی۔ کیا اب بھی یہ لوگ اپنے تئیں غالب ہی سمجھ رہے ہیں؟ نہیں نہیں بلکہ یہ مغلوب ہیں' ذلیل ہیں' رذیل ہیں' نقصان میں ہیں' بربادی کے ماتحت ہیں۔ میں تو اللہ کی طرف کا مبلغ ہوں' جن جن عذابوں سے تمہیں خبردار کر رہا ہوں' یہ اپنی طرف سے نہیں ہے بلکہ اللہ کا کہا ہوا ہے۔ ہاں جن کی آنکھیں اللہ نے اندھی کر دی ہیں' جن کے دل و دماغ بند کر دیئے ہیں' انہیں یہ اللہ کی باتیں سود مند نہیں پڑتیں۔ بہروں کو آگاہ کرنا بے کار ہے کیونکہ وہ تو سنتے ہی نہیں۔ ان گنہگاروں پر اک ادنیٰ سا بھی عذاب آ جائے تو واویلا کرنے لگتے ہیں اور اس وقت بے ساختہ اپنے قصور کا اقرار کر لیتے ہیں۔ قیامت کے دن عدل کی ترازو قائم کی جائے گی۔ یہ ترازو ایک ہی ہوگی لیکن چونکہ جو اعمال اس میں

تولے جائیں گے' وہ بہت سے ہوں گے' اس اعتبار سے لفظ جمع لائے۔ اس دن کسی پر کسی طرح کا ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حساب لینے والا خود اللہ ہے جو اکیلا ہی تمام مخلوق کے حساب کے لئے کافی ہے۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی وہاں موجود ہو جائے گا۔

اور آیت میں فرمایا' تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا' فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ الخ' اللہ تعالیٰ ایک رائی کے دانے برابر بھی ظلم نہیں کرتا نیکی کو بڑھاتا ہے اور اس کا اجر اپنے پاس سے بہت بڑا عنایت فرماتا ہے۔ حضرت لقمان رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی وصیتوں میں اپنے بیٹے سے فرمایا تھا' بچے ایک رائی کے دانے برابر بھی جو عمل ہو خواہ وہ پتھر میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں' وہ اللہ اسے لائے گا' وہ بڑا ہی باریک بین اور باخبر ہے۔ صحیحین میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں' میزان میں وزن دار ہیں اور اللہ کو بہت پیارے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میری امت کے ایک شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اہل محشر کے سامنے اپنے پاس بلائے گا اور اس کے گناہوں کے ایک کم ایک سو دفتر اس کے سامنے کھولے جائیں گے جہاں تک نگاہ کام کرے' وہاں تک کا ایک ایک دفتر ہوگا پھر اس سے جناب باری دریافت فرمائے گا کہ کیا تجھے اپنے کئے ہوئے ان گناہوں میں سے کسی کا انکار ہے؟ میری طرف سے جو محافظ فرشتے تیرے اعمال لکھنے پر مقرر تھے' انہوں نے تجھ پر کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ یہ جواب دے گا کہ الٰہی نہ انکار کی گنجائش ہے نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ظلماً لکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اچھا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ یا کوئی نیکی ہے؟ وہ گھبرایا ہوا کہے گا' الٰہی کوئی نہیں۔ پروردگار عالم فرمائے گا' کیوں نہیں؟ بے شک تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے اور آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا اب ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا جس میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے پیش کرو۔ وہ کہے گا' الٰہی یہ پرچہ ان دفتروں کے مقابلے میں کیا کرے گا؟ جناب باری فرمائے گا تجھ پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اب تمام کے تمام دفتر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور وہ پرچہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو اس پرچے کا وزن ان تمام دفتروں سے بڑھ جائے گا۔ یہ جھک جائے گا اور وہ اونچے ہو جائیں گے اور اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔ ابن ماجہ اور ترمذی میں بھی روایت ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن جب ترازوئیں رکھی جائیں گی پس ایک شخص کو لایا جائے گا اور ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور جو کچھ اس پر شمار کیا گیا ہے' وہ بھی رکھا جائے گا تو وہ پلڑا جھک جائے گا اور اسے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ ابھی اس نے پیٹھ پھیری ہی ہوگی جو اللہ کی طرف سے ایک آواز دینے والا فرشتہ آواز دے گا اور کہے گا جلدی نہ کرو۔ ایک چیز اس کی باقی رہ گئی ہے پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہوگا وہ اس شخص کے ساتھ ترازو کے پلڑے میں رکھا جائے گا اور یہ پلڑا نیکی کا جھک جائے گا۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ میرے غلام ہیں جو مجھے جھٹلاتے بھی ہیں' میری خیانت بھی کرتے ہیں' میری نافرمانی بھی کرتے ہیں اور میں بھی انہیں مارتا پیٹتا ہوں اور برا بھلا بھی کہتا ہوں۔ اب فرمایئے' میرا ان کا کیا حال ہوگا؟ آپ نے فرمایا ان کی خیانت' نافرمانی' جھٹلانا وغیرہ جمع کیا جائے گا اور تیرا مارنا پیٹنا برا کہنا بھی۔ اگر تیری سزا ان کی خطاؤں کے برابر ہوئی تو تو چھوٹ گیا نہ عذاب نہ ثواب ہاں اگر تیری سزا کم رہی تو تجھے اللہ کا فضل و کرم ملے گا اور اگر تیری سزا ان کے کرتوتوں سے بڑھ گئی تو تجھ سے اس بڑھی ہوئی سزا کا انتقام لیا جائے گا۔ یہ سن کر وہ صحابیؓ رونے لگے اور چیخنا شروع کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا' اسے کیا ہو گیا؟ کیا اس نے قرآن کریم میں یہ نہیں پڑھا؟ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ الخ یہ سن کر اس صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ ان معاملات کو سن کر تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے ان تمام غلاموں کو آزاد کر دوں۔ آپ گواہ رہئے۔ یہ سب راہ اللہ میں آزاد ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٠﴾

یہ بالکل سچ ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فیصلے کرنے والی نورانی اور پرہیز گاروں کے لئے وعظ و پند والی کتاب عطا فرمائی تھی ○ جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے خوف کھاتے ہیں اور قیامت کا کھٹکا رکھنے والے ہیں ○ اور یہ نصیحت و برکت والا قرآن بھی ہم ہی نے نازل فرمایا ہے' کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو؟ ○

کتاب النور: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۰) ہم پہلے بھی اس بات کو جتا چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کا ذکر اکثر ملا جلا آتا ہے اور اسی طرح توراۃ اور قرآن کا ذکر بھی عموماً ایک ساتھ ہی ہوتا ہے- فرمان سے مراد کتاب یعنی تورات ہے جو حق و باطل' حرام و حلال میں فرق کرنے والی تھی- اسی سے جناب موسیٰ علیہ السلام کو مدد ملی- کل کی کل آسمانی کتابیں حق و باطل' ہدایت و گمراہی' بھلائی برائی' حلال حرام میں جدائی کرنے والی ہوتی ہیں- ان سے دلوں میں نورانیت' اعمال میں حقانیت' اللہ کا خوف و خشیت' ڈر اور رجوع اللہ کی طرف حاصل ہوتا ہے- اسی لئے فرمایا کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے یہ کتاب اللہ نصیحت و پند اور نور و روشنی ہے- پھر ان متقیوں کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اپنے اللہ سے غائبانہ ڈرتے رہتے ہیں- جیسے جنتیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ و رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور جھکنے والا دل رکھتے ہیں- اور آیت میں ہے جو لوگ اپنے رب کا غائبانہ ڈر رکھتے ہیں' ان کے لئے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے- ان متقیوں کا دوسرا وصف یہ ہے کہ یہ قیامت کا کھٹکا رکھتے ہیں- اس کی ہولناکیوں سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں- پھر فرماتا ہے کہ اس قرآن عظیم کو بھی ہم نے ہی نازل فرمایا ہے جس کے آس پاس بھی باطل نہیں آ سکتا- جو حکمتوں اور تعریفوں والے اللہ کی طرف سے اترا ہے- افسوس کیا اس قدر وضاحت و حقانیت' صداقت و نورانیت والا قرآن بھی اس قابل ہے کہ تم اس سے منکر بنے رہو؟

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٤﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٦﴾

یقیناً ہم نے ابراہیم کو چھٹپنے (بچپن) میں ہی ان کی راہ یابی دے رکھی تھی اور ہم اس کے احوال سے بخوبی باخبر تھے ○ جب کہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا

کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہوئے ہیں ○ کیا؟ سب نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے ○ آپ نے فرمایا' پھر تو تم آپ اور تمہارے باپ دادا بھی سب یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا رہے ○ کہنے لگے' کیا آپ ہمارے پاس سچ مچ حق لائے ہیں؟ ○ یا یونہی کھلی بازی کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا' نہیں نہیں درحقیقت تم سب کا پروردگار تو وہ ہے جو آسمان وزمین کا مالک ہے' جس نے انہیں پیدا کیا ہے' میں تو اسی بات کا گواہ اور قائل ہوں ○

یہودی روایتوں سے بچو: ☆☆ (آیت:۵۱-۵۶) فرمان ہے کہ خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بچپن سے ہی ہدایت عطا فرمائی تھی- انہیں اپنی دلیلیں الہام کی تھیں اور بھلائی سمجھائی تھی- جیسے اور آیت میں ہے وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ یہ ہیں ہماری زبردست دلیلیں جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دی تھیں تاکہ وہ اپنی قوم کو قائل کر سکیں- یہ جو قصے مشہور ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دودھ پینے کے زمانے میں ہی انہیں ان کے والد نے ایک غار میں رکھا تھا جہاں سے مدتوں بعد وہ باہر نکلے اور مخلوقات الٰہی پر خصوصاً چاند تاروں وغیرہ پر نظر ڈال کر اللہ کو پہچانا' یہ سب بنی اسرائیل کے افسانے ہیں- قاعدہ یہ ہے کہ ان میں سے جو واقعہ اس کے مطابق ہو جو حق ہمارے ہاتھوں میں ہے یعنی کتاب وسنت' وہ تو سچا ہے اور قابل قبول ہے اس لئے کہ وہ صحت کے مطابق ہے اور جو خلاف ہو' وہ مردود ہے- اور جس کی نسبت ہماری شریعت خاموش ہو' موافقت ومخالفت کچھ نہ ہو گو اس کا روایت کرنا بقول اکثر مفسرین جائز ہے لیکن نہ تو ہم اسے سچا کر سکتے ہیں نہ غلط- ہاں یہ ظاہر ہے کہ وہ واقعات ہمارے لئے کچھ سند نہیں نہ ان میں ہمارا کوئی دینی نفع ہے اگر ایسا ہوتا تو ہماری جامع ونافع' کامل وشامل شریعت اس کے بیان میں کوتاہی نہ کرتی- ہمارا اپنا مسلک تو اس تفسیر میں یہ رہا ہے کہ ہم ایسی بنی اسرائیلی روایتوں کو وارد نہیں کرتے کیونکہ اس میں سوائے وقت ضائع کرنے کے کوئی نفع نہیں ہاں نقصان کا احتمال زیادہ ہے- کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ بنی اسرائیل میں روایت کی جانچ پڑتال کا مادہ ہی نہ تھا وہ سچ جھوٹ میں تمیز کرنا جانتے ہی نہ تھے ان میں جھوٹ سرایت کر گیا تھا جیسے کہ ہمارے حفاظ ائمہ نے تشریح کی ہے-

غرض یہ ہے کہ آیت میں اس امر کا بیان ہے کہ ہم نے اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہدایت بخشی تھی اور ہم جانتے تھے کہ وہ اس کے لائق ہے- بچپنے میں ہی آپ نے اپنی قوم کی غیر اللہ پرستی کو ناپسند فرمایا اور نہایت جرأت سے اس کا سخت انکار کیا اور قوم سے برملا کہا کہ ان بتوں کے اردگرد مجمع لگا کر کیا بیٹھے ہو؟ حضرت اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ راہ سے گزر رہے تھے جو دیکھا کہ شطرنج باز لوگ بازی کھیل رہے ہیں- آپ نے یہی تلاوت فرما کر فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے ہاتھ میں جلتا ہوا انگارا لے لے یہ اس شطرنج کے مہروں کے لینے سے اچھا ہے- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس کھلی دلیل کا جواب ان کے پاس کیا تھا جو دیتے؟ کہنے لگ کہ یہ تو پرانی روش ہے' باپ دادوں سے چلی آتی ہے- آپ نے فرمایا' واہ یہ بھی کوئی دلیل ہوئی؟ ہمارا اعتراض جو تم پر ہے' وہی تمہارے اگلوں پر ہے- ایک گمراہی میں تمہارے بڑے مبتلا ہوں اور تم بھی اس میں مبتلا ہو جاؤ تو وہ بھلائی بننے سے رہی میں کہتا ہوں' تم اور تمہارے باپ دادا سبھی راہ حق سے برگشتہ ہو گئے ہو اور کھلی گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہو- اب تو ان کے کان کھڑے ہوئے کیونکہ انہوں نے اپنے عقل مندوں کی توہین دیکھی اپنے باپ دادوں کی نسبت نہ سننے والے کلمات سنے' اپنے معبودوں کی حقارت ہوتی ہوئی دیکھی تو گھبرا گئے اور کہنے لگے' ابراہیم کیا واقعی تم ٹھیک کہہ رہے ہو یا مذاق کر رہے ہو؟ ہم نے تو ایسی بات کبھی نہیں سنی- آپ کو تبلیغ کا موقعہ ملا اور صاف اعلان کیا کہ رب تو صرف خالق آسمان وزمین ہی ہے' تمام چیزوں کا خالق ومالک وہی ہے- تمہارے یہ معبود کسی ادنیٰ سی چیز کے بھی نہ خالق ہیں نہ مالک' پھر معبود ومسجود کیسے ہو گئے؟ میری گواہی ہے کہ خالق ومالک اللہ ہی لائق عبادت ہے نہ اس کے سوا کوئی رب نہ معبود-

اللہ کی قسم میں تمہارے ان معبودوں کا علاج تمہارے پیٹھ پھیر کر جا چکنے کے بعد ضرور کروں گا ○ پھر تو ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہاں صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا۔ یہ بھی اس لئے کہ وہ سب اس کی طرف ہی لوٹیں ○ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے ○ بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے تو سنا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے ○
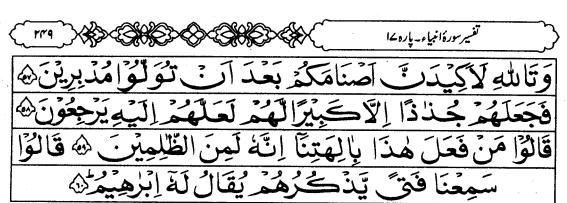
کفر سے بیزاری طبیعت میں اضمحلال پیدا کرتی ہے: ☆☆ (آیت: ۵۷-۶۰) دوں گا۔ عید کے ایک آدھ دن پیشتر آپ کے والد نے آپ سے کہا کہ پیارے بیٹے تم ہمارے ساتھ ہماری عید میں چلو تاکہ تمہیں ہمارے) اوپر ذکر گزرا کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بت پرستی سے روکا اور جذبہ توحید میں آ کر آپ نے قسم کھالی کہ میں تمہارے ان بتوں کا ضرور کچھ نہ کچھ علاج کروں گا۔ اسے بھی قوم کے بعض افراد نے سنا۔ ان کی عید کا دن جو مقرر تھا' حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم اپنی رسوم عید ادا کرنے کے لئے باہر جاؤ گے' میں تمہارے بتوں کو ٹھیک کر دوں گا۔ عید کے ایک آدھ دن پیشتر آپ کے والد نے آپ سے کہا کہ پیارے بیٹے تم ہمارے ساتھ ہماری عید میں چلو تاکہ تمہیں ہمارے دین کی اچھائی اور رونق معلوم ہو جائے۔

چنانچہ یہ آپ کو لے چلا کچھ دور جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم گر پڑے اور فرمانے لگے' ابا میں بیمار ہو گیا۔ باپ آپ کو چھوڑ کر مراسم کفر بجا لانے کے لئے آگے بڑھ گئے اور لوگ جو راستے سے گزرتے' آپ سے پوچھتے کیا بات ہے' راستے پر کیسے بیٹھے ہو؟ جواب دیتے کہ میں بیمار ہوں۔ جب عام لوگ نکل گئے اور بڈھے بڑے لوگ رہ گئے تو آپ نے فرمایا' تم سب کے چلے جانے کے بعد آج میں تمہارے معبودوں کی مرمت کر دوں گا۔ آپ نے جو فرمایا کہ میں بیمار ہوں تو واقعی آپ اس دن کے اگلے دن قدرے علیل بھی تھے۔ جب کہ وہ لوگ چلے گئے تو میدان خالی پا کر آپ نے اپنا ارادہ پورا کیا اور بڑے بت کو چھوڑ کر تمام بتوں کا چورا کر دیا۔ جیسے اور آیتوں میں اس کا تفصیلی بیان موجود ہے کہ اپنے ہاتھ سے ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس بڑے بت کے باقی رکھنے میں حکمت و مصلحت یہ تھی کہ اولاً ان لوگوں کے ذہن میں خیال جائے کہ شاید اس بڑے اللہ نے ان چھوٹے معبود کو غارت کر دیا ہو گا۔ کیونکہ اسے غیرت معلوم ہوئی ہو گی کہ مجھ بڑے کے ہوتے ہوئے یہ چھوٹے الوہیت کے لائق کیسے ہو گئے۔ چنانچہ اس خیال کی پختگی ان کے ذہنوں میں قائم کرنے کے لئے آپ نے کلہاڑا بھی اس کی گردن پر رکھ دیا تھا۔ جیسے کہ مروی ہے۔ جب یہ مشرکین اپنے میلے سے واپس آئے تو دیکھا کہ ان کے سارے معبود منہ کے بل اوندھے گرے ہوئے ہیں۔ اور اپنی حالت سے وہ بتا رہے ہیں کہ وہ محض بے جان' بے نفع و نقصان' ذلیل و حقیر چیز ہیں۔ اور گویا اپنی اس حالت سے اپنے پجاریوں کی بے وقوفی پر وہ مہر لگا رہے تھے۔ لیکن ان بیوقوفوں پر الٹا اثر ہوا کہنے لگے' یہ کون ظالم شخص تھا جس نے ہمارے معبودوں کی ایسی اہانت کی؟ اس وقت جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ کلام سنا تھا' انہیں خیال آ گیا اور کہنے لگے' وہ نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے' اسے ہم نے اپنے ان معبودوں کی مذمت کرتے ہوئے سنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو پڑھتے اور فرماتے' جو نبی آیا جوان۔ جو عالم بنا جوان۔ شان الٰہی دیکھئے جو مقصد حضرت خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ

کا تھا' وہ اب پورا ہو رہا ہے۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

سب نے کہا' اچھا اسے مجمع میں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے لاؤ تا کہ سب دیکھیں ○ کہنے لگے' اے ابراہیم کیا تو نے ہی ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ ○ آپ نے جواب دیا بلکہ اس کام کو ان کے اس بڑے نے کیا ہے۔ تم اپنے معبودوں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے چالتے ہوں ○

(آیت: ۶۱-۶۳) قوم کے یہ لوگ مشورہ کرتے ہیں کہ آؤ سب کو جمع کرو اور اسے بلاؤ اور پھر اس کی سزا دو۔ حضرت خلیل اللہ یہی چاہتے تھے کہ کوئی ایسا مجمع ہو اور میں اس میں ان کی غلطیاں ان پر واضح کروں اور ان میں توحید کی تبلیغ کروں اور انہیں بتلاؤں کہ یہ کیسے ظالم و جاہل ہیں کہ ان کی عبادتیں کرتے ہیں جو نفع و نقصان کے مالک نہیں بلکہ اپنی جان کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ چنانچہ مجمع ہوا۔ سب چھوٹے بڑے آ گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ملزم کی حیثیت سے موجود ہوئے اور آپ سے سوال ہوا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ لغو حرکت تم نے کی ہے؟ اس پر آپ نے انہیں قائل معقول کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ کام تو ان کے اس بڑے بت نے کیا ہے اور اس کی طرف اشارہ کیا جسے آپ نے توڑا نہ تھا۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ اپنے ان معبودوں سے ہی کیوں دریافت نہیں کرتے کہ تمہارے ٹکڑے اڑانے والا کون ہے؟ اس سے مقصود خلیل اللہ علیہ السلام کا یہ تھا کہ یہ لوگ خود بخود ہی سمجھ لیں کہ یہ پتھر کیا بولیں گے؟ اور جب وہ اتنے عاجز ہیں تو یہ لائق عبادت کیسے ٹھہر سکتے ہیں؟ چنانچہ یہ مقصد بھی آپ کا بفضل الٰہی پورا ہوا اور یہ دوسری ضرب بھی کاری لگی۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ خلیل الٰہی نے تین جھوٹ بولے ہیں۔ دو تو راہ اللہ میں ایک تو ان کا یہ فرمانا کہ ان بتوں کو ان کے بڑے نے توڑا ہے۔ دوسرا یہ فرمانا کہ میں بیمار ہوں۔ اور ایک مرتبہ حضرت سارہ کے ساتھ سفر میں تھے' اتفاق سے ایک ظالم بادشاہ کی حدود سے آپ گزر رہے تھے' آپ نے وہاں منزل کی تھی۔ کسی نے بادشاہ کو خبر کر دی کہ ایک مسافر کے ساتھ بہترین عورت ہے اور وہ اس وقت ہماری سلطنت میں ہے۔ بادشاہ نے جھٹ سپاہی بھیجا کہ وہ حضرت سارہ کو لے آئے۔ اس نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا' میری بہن ہے اس نے کہا اسے بادشاہ کے دربار میں بھیجو' آپ حضرت سارہ کے پاس گئے اور فرمایا سنو' اس ظالم نے تمہیں طلب کیا ہے اور میں تمہیں اپنی بہن بتا چکا ہوں' اگر تم سے بھی پوچھا جائے تو یہی کہنا اس لئے کہ دین کے اعتبار سے تم میری بہن ہو' روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مسلمان نہیں۔ یہ کہہ کر آپ چلے آئے حضرت سارہ رحمتہ اللہ علیہ وہاں سے چلیں آپ نماز میں کھڑے ہو گئے۔ جب حضرت سارہ کو اس ظالم نے دیکھا اور ان کی طرف لپکا' اسی وقت اللہ کے عذاب نے اسے پکڑ لیا ہاتھ پاؤں اینٹھ گئے گھبرا کر عاجزی سے کہنے لگا اے نیک عورت اللہ سے دعا کر کہ وہ مجھے چھوڑ دے میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔ آپ نے دعا کی۔ اسی وقت وہ اچھا ہو گیا لیکن اچھا ہوتے ہی اس نے پھر قصد کیا اور آپ کو پکڑنا چاہا۔ وہیں پھر عذاب اللہ آ پہنچا اور یہ پہلی دفعہ سے زیادہ سخت پکڑ لیا گیا پھر عاجزی کرنے لگا۔ غرض تین دفعہ پے در پے یہی ہوا۔ تیسری دفعہ چھوٹتے ہی اس نے اپنے

قریب کے ملازم کو آواز دی اور کہا تو میرے پاس کسی انسان عورت کو نہیں لایا بلکہ شیطانہ کو لایا ہے۔ جا اسے نکال اور ہاجرہ کو اس کے ساتھ کر دے۔ اسی وقت آپ وہاں سے نکال دی گئیں اور حضرت ہاجرہ آپ کے حوالے کی گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی آہٹ پاتے ہی نماز سے فراغت حاصل کی اور دریافت فرمایا کہ کہو کیا گزری؟ آپ نے فرمایا اللہ نے اس کافر کے مکر کو اسی پر لوٹا دیا اور ہاجرہ میری خدمت کے لئے آ گئیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان فرما کر فرماتے کہ یہ ہیں تمہاری اماں اے آسمانی پانی کے لڑکو۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾

پس یہ لوگ اپنے دلوں میں قائل ہو گئے اور کہنے لگے واقعی ظالم تو تم ہی ہو ○ پھر سر ڈال کر کچھ سوچ ساچ کر باوجود قائل ہو جانے کے کہنے لگے کہ یہ تو تجھے بھی معلوم ہے کہ یہ بولنے چالنے والے نہیں ○ خلیل اللہ نے اسی وقت فرمایا افسوس کہ تم ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ بھی نفع پہنچا سکیں نہ نقصان ○ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو کیا تمہیں اتنی سی عقل بھی نہیں؟ ○ کہنے لگے کہ اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو ہم نے فرما دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی پڑ جا اور ابراہیم کے لئے سلامتی اور آرام کی چیز بن جا ○ گو انہوں نے ابراہیم کا برا چاہا لیکن ہم نے انہیں ہی نقصان پانے والا کر دیا ○

اپنی حماقت سے پریشان کافر: ☆☆ (آیت:۶۴-۶۷) بیان ہو رہا ہے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کی باتیں سن کر انہیں خیال تو پیدا ہو گیا اپنے تئیں اپنی بیوقوفی پر ملامت کرنے لگے سخت ندامت اٹھائی اور آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے بڑی غلطی کی۔ اپنے معبودوں کے پاس کسی کو حفاظت کے لئے نہ چھوڑا اور چل دیئے۔ پھر غور و فکر کر کے بات بنائی کہ آپ جو کچھ ہم سے کہتے ہیں کہ ان سے ہم پوچھ لیں کہ تمہیں کس نے توڑا ہے تو کیا آپ کو علم نہیں کہ یہ بت بے زبان ہیں؟ عاجزی حیرت اور انتہائی لاجوابی کی حالت میں انہیں اس بات کا اقرار کرنا پڑا۔ اب حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو خاصا موقعہ مل گیا اور آپ فوراً فرمانے لگے کہ بے زبان بے نفع وضرر چیز کی عبادت کیسی؟ تم کیوں اس قدر بے سمجھ ہو رہے ہو؟ تف ہے تم پر اور تمہارے ان جھوٹے معبودوں پر۔ آہ کس قدر ظلم و جہل ہے کہ ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے اور اللہ واحد کو چھوڑ دیا جائے؟ یہی تھیں وہ دلیلیں جن کا ذکر پہلے ہوا تھا کہ ہم نے ابراہیم کو وہ دلیلیں سکھا دیں جن سے قوم حقیقت تک پہنچ جائے۔

آگ گلستان بن گئی: ☆☆ (آیت:۶۸-۷۰) یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان دلیل سے عاجز آ جاتا ہے تو یا نیکی اسے گھسیٹ لیتی ہے یا بدی غالب آ جاتی ہے۔ یہاں ان لوگوں کو ان کی بدبختی نے گھیر لیا اور دلیل سے عاجز آ کر قائل معقول ہو کر لگے اپنے دباؤ کا مظاہرہ کرنے۔

آپس میں مشورہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال کر اس کی جان لے لو تا کہ ہمارے ان معبودوں کی عزت رہے۔ اس بات پر سب نے اتفاق کر لیا اور لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں یہاں تک کہ بیمار عورتیں بھی نذر مانتی تھیں تو یہی کہ اگر انہیں شفا ہو جائے تو ابراہیم علیہ السلام کے جلانے کو لکڑیاں لائیں گی زمین میں ایک بہت بڑا اور بہت گہرا گڑھا کھود الکڑیوں سے اسے پر کیا اور انبار کھڑا کر کے اس میں آگ لگائی روئے زمین پر کبھی اتنی بڑی آگ دیکھی نہیں گئی۔ جب آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اس کے پاس جانا محال ہو گیا اب گھبرائے کہ خلیل اللہ کو آگ میں ڈالیں کیسے؟ آخر ایک کردی فارسی اعرابی کے مشورے سے جس کا نام ہیزن تھا ایک منجنیق تیار کرائی گئی کہ اس میں بٹھا کر جھولا کر پھینک دو۔ مروی ہے کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت زمین میں دھنسا دیا اور قیامت تک وہ اندر اترتا جاتا ہے۔ جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا آپ نے فرمایا حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے پاس بھی جب یہ خبر پہنچی کہ تمام عرب لشکر جرار لے کر آپ کے مقابلے کے لئے آرہے ہیں تو آپ نے بھی یہی پڑھا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب آپ کو آگ میں ڈالنے لگے تو آپ نے فرمایا الٰہی تو آسمانوں میں اکیلا معبود ہے اور توحید کے ساتھ تیرا عابد زمین پر صرف میں ہی ہوں۔ مروی ہے کہ جب کافر آپ کو باندھنے لگے تو آپ نے فرمایا الٰہی تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تیری ذات پاک ہے تمام حمد وثنا تیرے ہی لئے سزاوار ہے۔ سارے ملک کا تو اکیلا ہی مالک ہے کوئی بھی تیرا شریک وساجھی نہیں۔ حضرت شعیب جبائی فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر صرف سولہ سال کی تھی واللہ اعلم۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے سامنے آسمان وزمین کے درمیان ظاہر ہوئے اور فرمایا کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے جواب دیا تم سے تو کوئی حاجت نہیں البتہ اللہ تعالیٰ سے حاجت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بارش کا داروغہ فرشتہ کان لگائے ہوئے تیار تھا کہ کب اللہ کا حکم ہو اور میں اس آگ پر بارش برسا کر اسے ٹھنڈی کر دوں لیکن براہ راست حکم الٰہی آگ کو ہی پہنچا کہ میرے خلیل پر تو سلامتی اور ٹھنڈک بن جا۔ فرماتے ہیں کہ اس حکم کے ساتھ ہی روئے زمین کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ حضرت کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس دن دنیا بھر میں آگ سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جوتیاں تو آگ نے جلا دیں لیکن آپ کے ایک رونگٹے کو بھی آگ نہیں لگی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آگ کو حکم ہوا کہ وہ خلیل اللہ علیہ السلام کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر آگ کو صرف ٹھنڈا ہونے کا ہی حکم ہوتا تو پھر ٹھنڈک بھی آپ کو ضرر پہنچاتی۔ اس لئے ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ ٹھنڈک کے ساتھ ہی سلامتی بن جا۔ ضحاک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑا گڑھا بہت ہی گہرا کھودا تھا اور اسے آگ سے پر کیا تھا ہر طرف آگ کے شعلے نکل رہے تھے اس میں خلیل اللہ کو ڈال دیا لیکن آگ نے آپ کو چھوا تک نہیں یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اسے بالکل ٹھنڈا کر دیا۔ مذکور ہے کہ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے آپ کے منہ پر سے پسینہ پونچھ رہے تھے بس اس کے سوا آپ کو آگ نے کوئی تکلیف نہیں دی۔

سدی فرماتے ہیں سایہ یا فرشتہ اس وقت آپ کے ساتھ تھا۔ مروی ہے کہ آپ اس میں چالیس یا پچاس دن رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس زمانے میں جو راحت وسرور حاصل تھا ویسا اس سے نکلنے کے بعد حاصل نہیں ہوا کیا اچھا ہوتا کہ میری ساری زندگی اسی میں گزرتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے سب سے اچھا کلمہ جو کہا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے زندہ صحیح سالم نکلے اس وقت آپ کو اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے دیکھ کر آپ کے والد نے کہا ابراہیم تیرا رب بہت ہی بزرگ اور بڑا ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس دن جو جانور نکلا وہ آپ کی آگ کو بجھانے کی کوشش کرتا رہا سوائے گرگٹ کے۔ حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے اور اسے فاسق کہا

ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک نیزہ دیکھ کر ایک عورت نے سوال کیا کہ یہ کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ آپ نے فرمایا گرگٹوں کو مار ڈالنے کے لئے، حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اس وقت تمام جانور اس آگ کو بجھا رہے تھے سوائے گرگٹ کے یہ اور پھونک رہا تھا۔ پس آپ نے اس کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ان کا مکر ہم نے ان پر الٹ دیا۔ کافروں نے اللہ کے نبی علیہ السلام کو نیچا کرنا چاہا اللہ نے انہیں نیچا دکھایا۔ حضرت عطیہ عوفی کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں جلائے جانے کا تماشا دیکھنے کے لئے ان کافروں کا بادشاہ بھی آیا تھا۔ ادھر خلیل اللہ کو آگ میں ڈالا جاتا ہے ادھر آگ میں سے ایک چنگاری اڑتی ہے اور اس کافر بادشاہ کے انگوٹھے پر آ پڑتی ہے اور وہیں کھڑے کھڑے سب کے سامنے اس طرح اسے جلا دیتی ہے جیسے روئی جل جائے۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ۙ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰۗىِٕثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ۙ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ۧ

ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس زمین کی طرف لے چلے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکت رکھی تھی ○ اور ہم نے اسے اسحاق عطا فرمایا اور یعقوب اور زیادہ دیا' اور ہر ایک کو ہم نے نیک کار کیا ○ اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہبری کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکوۃ کے دینے کی وحی کی' اور وہ سب کے سب ہمارے عبادت گذار بندے تھے ○ ہم نے لوط کو بھی حکمت و علم دیا اور اسے اسی بستی سے نجات دی جہاں کے لوگ گندے کاموں میں مبتلا تھے اور تھے بھی بدترین گنہگار ○ اور ہم نے لوط کو اپنی مہربانیوں میں داخل کر لیا' بے شک وہ نیک کار لوگوں میں سے تھا ○

ہجرت خلیل اللہ علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۵) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے خلیل کو کافروں کی آگ سے بچا کر شام کے مقدس ملک میں پہنچا دیا۔ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' تمام میٹھا پانی شام کے صخرہ کے نیچے سے نکلتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' آپ کو عراق کی سرزمین سے اللہ نے نجات دی۔ اور شام کے ملک میں پہنچایا۔ شام ہی نبیوں کا ہجرت کدہ رہا۔ زمین میں سے جو گھٹتا ہے وہ شام میں بڑھتا ہے اور شام کی کمی فلسطین میں زیادتی ہوتی ہے۔ شام ہی محشر کی سرزمین ہے۔ یہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے' یہیں دجال قتل کیا جائے گا۔ بقول کعب آپ حران کی طرف گئے تھے۔ یہاں آ کر آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں کے بادشاہ کی لڑکی اپنی قوم کے دین سے بیزار ہے اور اس سے نفرت رکھتی ہے بلکہ ان کے اوپر طعنہ زنی کرتی ہے تو آپ نے ان سے اس قرار پر نکاح کر لیا کہ وہ آپ کے ساتھ ہجرت کر کے یہاں سے نکل چلے۔ انہی کا نام حضرت سارہ ہے رضی اللہ عنہا۔ یہ روایت غریب ہے اور مشہور یہ ہے کہ حضرت سارہ

آپ کے چچا کی صاحبزادی تھیں اور آپ کے ساتھ ہی ہجرت کر کے چلی آئی تھیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ ہجرت مکے شریف میں ختم ہوئی۔ مکے ہی کی نسبت جناب باری فرماتا ہے کہ یہ اللہ کا پہلا گھر ہے جو برکت وہدایت والا ہے جس میں علاوہ اور بہت سی نشانیوں کے مقام ابراہیم بھی ہے۔ اس میں آجانے والا امن وسلامتی میں آجاتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اسحاق دیا اور یعقوب کا عطیہ بھی کیا۔ یعنی لڑکا اور پوتا جیسے فرمان ہے فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ چونکہ خلیل اللہ علیہ السلام کے سوال میں ایک لڑکے ہی کی طلب تھی دعا کی تھی' کہ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی اور لڑکے کے ہاں بھی لڑکا دیا جو سوال سے زائد تھا اور سب کو نیکوکار بنایا۔ ان سب کو دنیا کا مقتدا اور پیشوا بنا دیا کہ بحکم اللہ خلق اللہ کو راہ اللہ کی دعوت دیتے رہے۔ ان کی طرف ہم نے نیک کاموں کی وحی فرمائی۔ اس عام بات پر عطف ڈال کر پھر خاص باتیں یعنی نماز اور زکوٰۃ کا بیان فرمایا اور ارشاد ہوا کہ وہ علاوہ ان نیک کاموں کے حکم کے خود بھی ان نیکیوں پر عامل تھے۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ لوط بن ہاران بن آزر علیہ السلام۔ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور آپ کی تابعداری میں آپ ہی کے ساتھ ہجرت کی تھی جیسے کلام اللہ شریف میں ہے فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ الخ' حضرت لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے اور فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں پس اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت وعلم عطا فرمایا اور وحی نازل فرمائی اور نبیوں کے پاک زمرے میں داخل کیا۔ اور سدوم اور اس کے آس پاس کی بستیوں کی طرف آپ کو بھیجا۔ انہوں نے نہ مانا۔ مخالفت پر کمر بستگی کر لی۔ جس کے باعث عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور فنا کر دیئے گئے' جن کی بربادی کے واقعات اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز میں کئی جگہ بیان ہوئے ہیں۔ یہاں فرمایا کہ ہم نے انہیں بدترین کام کرنے والے فاسقوں کی بستی سے نجات دے دی۔ اور چونکہ وہ اعلیٰ نیکوکار تھے' ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾

نوح کے اس وقت کو یاد کیجئے جب کہ اس نے اس سے پہلے دعا کی' ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی بے چینی سے نجات دی ○ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے ان پر ہم نے اس کی مدد کی' یقیناً وہ برے لوگ تھے۔ پس ہم نے ان سب کو ڈبو دیا ○

نوح علیہ السلام کی دعا: ☆☆ (آیت: ۷۶-۷۷) نوح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم نے ستایا۔ تکلیفیں دیں تو آپؑ نے اللہ کو پکارا کہ باری تعالیٰ میں عاجز آ گیا ہوں' تو میری مدد فرما۔ زمین پر ان کافروں میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ رکھ ورنہ یہ تیرے بندوں کو بہکائیں گے اور ان کی اولادیں بھی ایسی ہی فاجر و کافر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو اور مومنوں کو نجات دی اور آپ کی اہل کو بھی سوائے ان کے جن کے نام برباد ہونے والوں میں آ گئے تھے۔ آپ پر ایمان لانے والوں کی بہت ہی کم مقدار تھی۔ قوم کی سختی' ایذا دہی اور تکلیف سے رب عالم نے اپنے نبی کو بچا لیا۔ ساڑھے نو سو سال تک آپ ان میں رہے اور انہیں دین اسلام کی طرف بلاتے رہے مگر سوائے چند لوگوں کے اور سب اپنے شرک وکفر سے باز نہ آئے بلکہ آپ کو سخت ایذائیں دیں اور ایک دوسرے کو اذیت دینے کے لیے بھڑکاتے رہے۔ ہم نے ان کی مدد فرمائی اور عزت وآبرو کے ساتھ کفار کی ایذا رسانیوں سے چھٹکارا دیا اور ان برے لوگوں کو ٹھکانے لگا دیا اور نوح علیہ السلام کی دعا کے مطابق روئے زمین پر ایک بھی کافر نہ بچا۔ سب ڈبو دیئے گئے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

داؤد اور سلیمان کو یاد کیجئے جب کہ وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریاں اس میں چر چگ گئی تھیں' ان کے فیصلے میں ہم موجود تھے ○ اور ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا' ہاں ہر ایک کو ہم نے حکمت وعلم دے رکھا تھا اور داؤد کے تابع ہم نے پہاڑ کر دیئے تھے جو تسبیح کرتے تھے اور پرند بھی۔ ہم کرنے والے ہی تھے ○ اور ہم نے اسے تمہارے لئے لباس بنانے کی کاریگری سکھائی تا کہ لڑائی کے ضرر سے تمہارا بچاؤ ہو' کیا اب بھی تم شکر گزار بنو گے؟ ○

ایک ہی مقدمہ میں داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے مختلف فیصلے: ☆☆ (آیت: ۷۸-۸۰) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ کھیتی انگور کی تھی جس کے خوشے لٹک رہے تھے نفشت کے معنی ہیں رات کے وقت جانوروں کے چرنے کے اور دن کے وقت چرنے کو عربی میں ھمل کہتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس باغ کو بکریوں نے بگاڑ دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ کیا کہ باغ کے نقصان کے بدلے یہ بکریاں باغ والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ سن کر عرض کی کہ اے نبی اللہ علیہ السلام' اس کے سوا بھی فیصلے کی کوئی صورت ہے؟ آپ نے فرمایا' وہ کیا؟ جواب دیا کہ بکریاں باغ والے کے حوالے کر دی جائیں۔ وہ ان سے فائدہ اٹھاتا رہے اور باغ بکری والے کو دے دیا جائے۔ یہ اس میں انگور کی بیلوں کی خدمت کرے یہاں تک کہ بیلیں ٹھیک ٹھاک ہو جائیں۔ انگور لگیں اور پھر اسی حالت پر آ جائیں جس پر تھے تو باغ والے کو اس کا باغ سونپ دے اور باغ والا اسے اس کی بکریاں سونپ دے۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ ہم نے اس جھگڑے کا صحیح فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ سن کر بکریوں والے اپنا سا منہ لے کر صرف کتوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے واپس جا رہے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر دریافت کیا کہ تمہارا فیصلہ کیا ہوا؟ انہوں نے خبر دی تو آپ نے فرمایا' اگر میں اس جگہ ہوتا تو یہ فیصلہ نہ دیتا بلکہ کچھ اور فیصلہ کرتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے انہیں بلوایا اور پوچھا کہ بیٹے تم کیا فیصلہ کرتے؟ آپ نے وہی اوپر والا فیصلہ سنایا۔ حضرت مسروق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ان بکریوں نے خوشے اور پتے سب کھا لئے تھے۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کے خلاف حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دیا کہ ان لوگوں کی بکریاں باغ والوں کو دے دی جائیں اور یہ باغ انہیں سونپا جائے جب تک باغ اپنی اسی اصلی حالت پر آئے تب تک بکریوں کے بچے اور ان کا دودھ اور ان کا کل نفع باغ والوں کا۔ پھر ہر ایک کو ان کی چیز سونپ دی جائے۔ قاضی شریح رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بھی ایک ایسا ہی جھگڑا آیا تھا تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر دن کو بکریوں نے نقصان پہنچایا ہے تو کوئی معاوضہ نہیں۔ اور اگر رات کو نقصان پہنچایا ہے تو بکریوں والے ضامن ہیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اونٹنی کسی باغ میں چلی گئی اور وہاں باغ کا بڑا نقصان کیا تو

رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ باغ والوں پر دن کے وقت کی حفاظت ہے اور جو نقصان جانوروں سے رات کو ہو اس کا جرمانہ جانور والوں پر ہے۔ اس حدیث میں علتیں نکالی گئی ہیں اور ہم نے کتاب الاحکام میں اللہ کے فضل سے اس کی پوری تفصیل بیان کر دی ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ایاس بن معاویہ رحمتہ اللہ علیہ سے جب کہ قاضی بننے کی درخواست کی گئی تو وہ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آئے اور رو دیئے۔ پوچھا گیا کہ اے ابوسعید آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا' مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ اگر قاضی نے اجتہاد کیا' پھر بھی غلطی کی' وہ جہنمی ہے اور جو خواہش نفس کی طرف جھک گیا' وہ بھی جہنمی ہے' ہاں جس نے اجتہاد کیا اور صحت پر پہنچ گیا' وہ جنت میں پہنچا' حضرت حسن یہ سن کر فرمانے لگے' سنو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی قضا کا ذکر فرمایا ہے' ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام اعلیٰ منصب ہوتے ہیں۔ ان کے قول سے ان لوگوں کی باتیں رد ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف تو بیان فرمائی ہے لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کی مذمت بیان نہیں فرمائی۔ پھر فرمانے لگے' سنو تین باتوں کا عہد اللہ تعالیٰ نے قاضیوں سے لیا ہے' ایک تو یہ کہ وہ منصفین شرع دنیوی نفع کی وجہ سے بدل نہ دیں' دوسرے یہ کہ اپنے دلی ارادوں اور خواہشوں کے پیچھے نہ پڑ جائیں۔ تیسرے یہ کہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی اے داؤد ہم نے تجھے زمین کا خلیفہ بنایا ہے تو لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلے کرتا رہ خواہش کے پیچھے نہ پڑ کہ راہ اللہ سے بہک جائے۔ اور جگہ ارشاد ہے فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ لوگوں سے نہ ڈرو مجھی سے ڈرتے رہا کرو۔ اور فرمان ہے وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا میری آیتوں کو معمولی نفع کی خاطر بیچ نہ دیا کرو۔ میں کہتا ہوں انبیاء علیہم السلام کی معصومیت میں اور ان کی منجانب اللہ ہر وقت تائید ہوتے رہنے میں تو کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ رہے اور لوگ تو صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب حاکم اجتہاد اور کوشش کرے' پھر صحت تک بھی پہنچ جائے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور جب پوری کوشش کے بعد بھی غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ حضرت ایاس رحمتہ اللہ علیہ کو جو وہم تھا کہ باوجود پوری جدوجہد کے بھی خطا کر جائے تو دوزخی ہے' یہ غلط ہے واللہ اعلم۔

سنن کی اور حدیث میں ہے' قاضی تین قسم کے ہیں۔ ایک جنتی دو دوزخی جس نے حق کو معلوم کر لیا اور اسی سے فیصلہ کیا' وہ جنتی۔ اور جس نے جہالت کے ساتھ فیصلہ کیا' وہ جہنمی اور جس نے حق کو جانتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ دیا' وہ بھی جہنمی۔ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعے کے قریب ہی وہ قصہ ہے جو مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دو عورتیں تھیں جن کے ساتھ ان کے دو بچے بھی تھے بھیڑیا آ کر ایک بچے کو اٹھا لے گیا اب ہر ایک دوسری سے کہنے لگی کہ تیرا بچہ گیا اور جو ہے' وہ میرا بچہ ہے آخر یہ قصہ داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے بڑی عورت کو ڈگری دے دی کہ یہ بچہ تیرا ہے یہ یہاں سے نکلیں راستے میں حضرت سلیمان علیہ السلام تھے آپ نے دونوں کو بلایا اور فرمایا' چھری لاؤ۔ میں اس لڑکے کے دو ٹکڑے کر کے آدھا آدھا ان دونوں کو دے دیتا ہوں اس پر بڑی تو خاموش ہو گئی لیکن چھوٹی نے ہائے واویلا شروع کر دی کہ اللہ آپ پر رحم کرے آپ ایسا نہ کیجئے یہ لڑکا اسی بڑی کا ہے اسی کو دے دیجئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام معاملے کو سمجھ گئے اور لڑکا چھوٹی عورت کو دلا دیا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

امام نسائی رحمتہ اللہ علیہ نے اس پر باب باندھا ہے کہ حاکم کو جائز ہے کہ اپنا فیصلہ اپنے دل میں رکھ کر حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے اس کے خلاف کچھ کہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ ابن عساکر میں ہے کہ ایک خوبصورت عورت سے ایک رئیس نے ملنا چاہا لیکن عورت نے نہ مانا اسی

طرح تین اور شخصوں نے بھی اس سے بدکاری کا ارادہ کیا لیکن وہ باز رہی۔ اس پر وہ رو سا خار کھا گئے اور آپس میں اتفاق کر کے حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں جا کر سب نے گواہی دی کہ وہ عورت اپنے کتے سے ایسا کام کراتی ہے چاروں کے متفقہ بیان پر حکم ہو گیا کہ اسے رجم کر دیا جائے۔ اسی شام کو حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ حاکم بنے اور چار لڑکے ان لوگوں کی طرح آپ کے پاس اس مقدمے کو لائے اور ایک عورت کی نسبت یہی کہا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا' ان چاروں کو الگ الگ کر دو پھر ایک کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا کہ اس کتے کا رنگ کیسا تھا؟ اس نے کہا سیاہ۔ پھر دوسرے کو تنہا بلایا' اس سے بھی یہی سوال کیا اس نے کہا سرخ۔ تیسرے نے کہا خاکی۔ چوتھے نے کہا سفید۔ آپ نے اسی وقت فیصلہ دیا کہ عورت پر یہ نری تہمت ہے اور ان چاروں کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس بھی یہ واقعہ بیان کیا گیا۔ آپ نے اسی وقت فی الفوران چاروں امیروں کو بلایا اور اسی طرح الگ الگ ان سے اس کتے کے رنگ کی بابت سوال کیا۔ یہ گڑبڑا گئے۔ کسی نے کچھ کہا۔ کسی نے کچھ کہا۔ آپ کو ان کا جھوٹ معلوم ہو گیا اور حکم فرمایا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔

پھر بیان ہو رہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو وہ نورانی گلا عطا فرمایا گیا تھا اور آپ ایسی خوش آوازی اور خلوص کے ساتھ زبور پڑھتے تھے کہ پرند بھی اپنی پرواز چھوڑ کر تھم جاتے تھے اور اللہ کی تسبیح بیان کرنے لگتے تھے۔ اسی طرح پہاڑ بھی۔ ایک روایت میں ہے کہ رات کے وقت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت قرآن کریم کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ ان کی میٹھی' رسیلی اور خلوص بھری آواز سن کر ٹھہر گئے اور دیر تک سنتے رہے' پھر فرمانے لگے کہ یہ تو آل داؤد کی آوازوں کی شیرینی دیئے گئے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمانے لگے یا رسول اللہ ﷺ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور ﷺ میری قرات سن رہے ہیں تو میں اور اچھی طرح پڑھتا۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿٨١﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٨٢﴾

ہم نے تیز و تند ہواؤں کو سلیمان کے تابع کر دیا جو اس کے فرمان کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھیں جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی' اور ہم ہر چیز سے باخبر اور دانا ہیں ○ اسی طرح بہت سے شیاطین ہم نے اس کے تابع کیے تھے جو اس کے فرمان سے غوطے لگاتے تھے اور اس کے سوا بھی بہت کام کرتے تھے' ان کے نگہبان ہم ہی تھے ○

حضرت ابو عثمان نہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے تو کسی بہتر سے بہتر باجے کی آواز میں بھی وہ مزہ نہیں پایا جو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز میں تھا۔ پس اتنی خوش آواز کو حضور ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کا ایک حصہ قرار دیا۔ اب سمجھ لیجئے کہ خود داؤد علیہ السلام کی آواز کیسی ہو گی۔ پھر اپنا ایک اور احسان بتاتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہیں بنانی ہم نے سکھا دی تھیں۔ آپ کے زمانے سے پہلے بغیر کنڈلوں اور بغیر حلقوں کی زرہ بنتی تھیں کنڈلوں دار اور حلقوں والی زرہیں آپ نے ہی بنائیں۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا کہ وہ بہترین زرہ تیار کریں اور ٹھیک انداز سے ان میں حلقے

بنائیں- یہ زرہیں میدان جنگ میں کام آتی تھیں- پس یہ نعمت وہ تھی جس پر لوگوں کو اللہ کی شکر گزاری کرنی چاہئے- ہم نے زور آور ہوا کو حضرت سلیمانؑ کے تابع کر دیا تھا جو انہیں ان کے فرمان کے مطابق برکت والی زمین یعنی ملک شام میں پہنچا دیتی تھی- ہمیں ہر چیز کا علم ہے- آپؑ اپنے تخت پر مع اپنے لاؤ' لشکر اور سامان اسباب کے بیٹھ جاتے تھے- پھر جہاں جانا چاہتے' ہوا آپ کو آپ کے فرمان کے مطابق گھڑی بھر میں وہاں پہنچا دیتی- تخت کے اوپر سے پرند پر کھول کر آپ پر سایہ ڈالتے جیسے فرمان ہے فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ الخ- یعنی ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا کہ جہاں پہنچنا چاہتے' ان کے حکم کے مطابق اسی طرف نرمی سے لے چلتی- صبح شام مہینہ مہینہ بھر کی راہ کو طے کر لیتی-

حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چھ ہزار کرسی لگائی جاتی آپ کے قریب مومن انسان بیٹھتے ان کے پیچھے مومن جن ہوتے پھر آپ کے حکم سے سب پر پرند سایہ کرتے پھر حکم کرتے تو ہوا آپ کو لے چلتی (علیہ السلام)- عبداللہ بن عبید بن عمیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو حکم دیتے' وہ مثل بڑے تودے کے جمع ہو جاتی گویا پہاڑ ہے پھر اس کے سب سے بلند مکان پر فرش افروز ہونے کا حکم دیتے پھر پردار گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے فرش پر چڑھ جاتے پھر ہوا کو حکم دیتے وہ آپ کو بلندی پر لے جاتی آپ اس وقت سر نیچا کر لیتے دائیں بائیں بالکل نہ دیکھتے اس میں آپ کی تواضع اور اللہ کی شکر گزاری مقصود ہوتی تھی- کیونکہ آپ کو اپنی فروتنی کا علم تھا- پھر جہاں آپ حکم دیتے' وہیں ہوا آپ کو اتار دیتی- اسی طرح سرکش جنات بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے قبضے میں کر دیئے تھے جو سمندروں میں غوطے لگا کر موتی اور جواہر وغیرہ نکال لایا کرتے تھے- اور بھی بہت سے کام کاج کرتے تھے جیسے فرمان ہے وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ الخ' ہم نے سرکش جنوں کو ان کا ماتحت کر دیا تھا جو معمار تھے اور غوطہ خور اور ان کے علاوہ اور شیاطین بھی ان کے ماتحت تھے جو زنجیروں میں بندھے رہتے تھے اور ہم ہی سلیمان کے حافظ و نگہبان تھے- کوئی شیطان انہیں برائی نہ پہنچا سکتا تھا بلکہ سب کے سب ان کے ماتحت فرماں بردار اور تابع تھے- کوئی ان کے قریب بھی نہ پھٹک سکتا تھا- آپ کی حکمرانی ان پر چلتی تھی- جسے چاہتے قید کر لیتے- جسے چاہتے آزاد کر دیتے- اسی کو فرمایا کہ اور جنات تھے جو جکڑے رہا کرتے تھے-

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

ایوب کی اس حالت کو یاد کرو جب کہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا- مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ○ تو ہم نے اس کی سن لی اور جو دکھ انہیں تھا' اسے دور کر دیا اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے بلکہ ان کے ساتھ ویسے ہی اور' اپنی خاص مہربانی سے تاکہ سچے بندوں کے لئے سبب نصیحت ہو ○

آزمائش اور مصائب ایوب علیہ السلام : ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۴) حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیفوں کا بیان ہو رہا ہے جو مالی جسمانی اور اولاد پر مشتمل تھیں ان کے بہت سے قسم قسم کے جانور تھے' کھیتیاں باغات وغیرہ تھے' اولاد' بیویاں' لونڈیاں' غلام' جائیداد اور مال ومتاع سبھی کچھ اللہ کا دیا موجود تھا- اب جو رب کی طرف ان پر آزمائش آئی تو ایک سرے سے سب کچھ فنا ہوتا گیا یہاں تک کہ جسم میں بھی جذام پھوٹ پڑا- دل اور زبان کے سوا سارے جسم کا کوئی حصہ اس مرض سے محفوظ نہ رہا- یہاں تک کہ آس پاس والے کراہت کرنے لگے شہر کے ایک ویران کونے میں آپ کو سکونت اختیار کرنی پڑی- سوائے آپ کی ایک بیوی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اور کوئی آپ کے

پاس نہ رہا اس مصیبت کے وقت سب نے کنارہ کر لیا۔ یہی ایک تھیں جو ان کی خدمت کرتی تھیں ساتھ ہی محنت مزدوری کر کے پیٹ پالنے کو بھی لایا کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے سچ فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت امتحان نبیوں کا ہوتا ہے پھر صالح لوگوں کا پھر ان سے نیچے کے درجے والوں کا پھر ان سے کم درجے والوں کا۔ اور روایت میں ہے کہ ہر شخص کا امتحان اس کے دین کے انداز سے ہوتا ہے اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہے امتحان بھی سخت تر ہوتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام بڑے ہی صابر تھے یہاں تک کہ صبر ایوب زبان زد عام ہے۔

یزید بن میسرہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جب آپ کی آزمائش شروع ہوئی' اہل وعیال مر گئے' مال فنا ہو گیا' کوئی چیز ہاتھ تلے باقی نہ رہی' آپ اللہ کے ذکر میں اور بڑھ گئے' کہنے لگے' اے تمام پالنے والوں کے پالنے والے' تو نے مجھ پر بڑے احسان کئے' مال دیا' اولاد دی' اس وقت میرا دل بہت مشغول تھا' اب تو نے سب کچھ لے کر میرے دل کو ان فکروں سے پاک کر دیا۔ اب میرے دل میں اور تجھ میں کوئی حائل نہ رہا اگر میرا دشمن ابلیس تیری اس مہربانی کو جان لیتا تو وہ مجھ پر بہت ہی حسد کرتا۔ ابلیس لعین اس قول سے اور اس وقت کی اس حمد سے جل بھن کر رہ گیا۔ آپ کی دعاؤں میں یہ بھی دعا تھی کہ اللہ تو نے جب مجھے تونگر اور اولاد اور اہل وعیال والا بنا رکھا تھا' تو تو خوب جانتا ہے کہ اس وقت میں نے نہ کبھی غرور و تکبر کیا نہ کبھی کسی پر ظلم وستم کیا۔ میرے پروردگار تجھ پر روشن ہے کہ میرا نرم و گرم بستر تیار ہوتا اور میں راتوں کو تیری عبادتوں میں گزارتا اور اپنے نفس کو اس طرح ڈانٹ دیتا کہ تو اس لئے پیدا نہیں کیا گیا تیری رضامندی کی طلب میں میں اپنی راحت و آرام کو ترک کر دیا کرتا۔ (ابن ابی حاتم) اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ایک بہت لمبا قصہ ہے جسے بہت سے پچھلے مفسرین نے بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن اس میں غرابت ہے اور اس کے طول کی وجہ سے ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ مدتوں تک آپ ان بلاؤں میں مبتلا رہے۔

حضرت حسن اور قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' سات سال اور کئی ماہ آپ بیماری میں مبتلا رہے بنو اسرائیل کے کوڑے پھینکنے کی جگہ آپ کو ڈال رکھا تھا۔ بدن میں کیڑے پڑ گئے تھے پھر اللہ نے آپ پر رحم وکرم کیا' تمام بلاؤں سے نجات دی' اجر دیا اور تعریفیں کیں۔ وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ پورے تین سال آپ اس تکلیف میں رہے۔ سارا گوشت جھڑ گیا تھا۔ صرف ہڈیاں اور چمڑہ رہ گیا تھا آپ راکھ میں پڑے رہتے تھے صرف ایک آپ کی بیوی صاحبہ تھیں جو آپ کے پاس تھیں جب زیادہ زمانہ گزر گیا تو ایک روز عرض کرنے لگیں کہ اے نبی اللہ علیہ السلام آپ خدا سے دعا کیوں نہیں کرتے کہ وہ اس مصیبت کو ہم پر سے ٹال دے۔ آپ فرمانے لگے' ستر ستر برس تک اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت و عافیت میں رکھا تو اگر ستر سال تک میں اس حالت میں رہوں اور صبر کروں تو یہ بھی بہت کم ہے اس پر بیوی صاحبہ کانپ اٹھیں آپ شہر میں جاتیں تیرا میرا کام کاج کرتیں اور جو ملتا' وہ لے آتیں اور آپ کو کھلاتیں پلاتیں۔

آپ کے دو دوست اور دلی خیر خواہ دوست تھے انہیں فلسطین میں جا کر شیطان نے خبر دی کہ تمہارا دوست سخت مصیبت میں مبتلا ہے تم جاؤ ان کی خبر گیری کرو اور اپنے ہاں کی کچھ شراب اپنے ساتھ لے جاؤ وہ پلا دینا اس سے انہیں شفا ہو جائے گی چنانچہ یہ دونوں آئے حضرت ایوب علیہ السلام کی حالت دیکھتے ہی ان کے آنسو نکل آئے بلبلا کر رونے لگے آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے یاد دلایا تو آپ خوش ہوئے انہیں مرحبا کہا وہ کہنے لگے اے جناب آپ شاید کچھ چھپاتے ہوں گے اور ظاہر اس کے خلاف کرتے ہوں گے؟ آپ نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا' اللہ خوب جانتا ہے کہ میں کیا چھپاتا تھا اور کیا ظاہر کرتا تھا۔ میرے رب نے مجھے اس میں مبتلا کیا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ میں صبر کرتا ہوں یا بے صبری؟ وہ کہنے لگے اچھا ہم آپ کے واسطے دوا لائے ہیں آپ اسے پی لیجئے شفا ہو جائے گی یہ شراب ہے۔ ہم اپنے ہاں سے لائے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ سخت غضبناک ہوئے اور فرمانے لگے' تمہیں شیطان خبیث لایا ہے تم سے کلام کرنا' تمہارا کھانا پینا مجھ پر حرام ہے۔ یہ دونوں آپ کے پاس سے چلے گئے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کی بیوی صاحبہ نے ایک گھر والوں کی روٹیاں پکائیں ان کا ایک بچہ سویا ہوا تھا تو انہوں نے اس بچے کے حصے کی ٹکیا انہیں دے دی یہ لے کر حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آئیں' آپ نے کہا یہ آج کہاں سے لائیں؟ انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا- آپ نے فرمایا' ابھی ابھی واپس جاؤ ممکن ہے بچہ جاگ گیا ہو اور اسی ٹکیا کی ضد کرتا ہو اور رو رو کر سارے گھر کو پریشان کرتا ہو- آپ روٹی واپس لے کر چلیں ان کی ڈیوڑھی میں ایک بکری بندھی ہوئی تھی اس نے زور سے آپ کو ٹکر ماری آپ کی زبان سے نکل گیا' دیکھو ایوب کیسے غلط خیال والے ہیں- پھر اوپر گئیں تو دیکھا واقعی بچہ جاگا ہوا ہے اور ٹکیا کے لئے مچل رہا ہے اور گھر بھر کا ناک میں دم کر رکھا ہے یہ دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلا کہ اللہ ایوب پر رحم کرے اچھے موقعہ پر پہنچی ٹکیا دے دی اور واپس لوٹیں راستے میں شیطان بہ صورت طبیب ملا اور کہنے لگا کہ تیرے خاوند سخت تکلیف میں ہیں مرض پر مدتیں گزر گئیں تم انہیں سمجھاؤ فلاں قبیلے کے بت کے نام پر ایک مکھی مار دیں شفا ہو جائے گی پھر توبہ کر لیں- جب آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو ان سے یہ کہا' آپ نے فرمایا' شیطان خبیث کا جادو تجھ پر چل گیا- میں اگر تندرست ہو گیا تو تجھے سو کوڑے لگاؤں گا- ایک دن آپ حسب معمول تلاش معاش میں نکلیں گھر گھر پھر آئیں لیکن کہیں کام نہ لگا مایوس ہو گئیں شام کو پلٹتے وقت حضرت ایوب علیہ السلام کی بھوک کا خیال آیا تو آپ نے اپنے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر ایک امیر لڑکی کے ہاتھ فروخت کر دی اس نے آپ کو بہت کچھ کھانے پینے کا اسباب دیا جسے لے کر آپ آئیں حضرت ایوب علیہ السلام نے پوچھا یہ آج اتنا سارا اور اتنا اچھا کھانا کیسے مل گیا؟ فرمایا میں نے ایک امیر گھر کا کام کر دیا تھا- آپ نے کھا لیا دوسرے روز بھی اتفاق سے ایسا ہی ہوا اور آپ نے اپنے بالوں کی دوسری لٹ کاٹ کر فروخت کر دی اور کھانا لے آئیں آج بھی یہی کھانا دیکھ کر آپ نے فرمایا' واللہ میں ہرگز نہ کھاؤں گا جب تک تو مجھے یہ نہ بتا دے کہ یہ کیسے لائی؟ اب آپ نے اپنا دوپٹا سر سے اتار دیا دیکھا کہ سر کے بال سب کٹ چکے ہیں اس وقت سخت گھبراہٹ اور بے چینی ہوئی اور اللہ سے دعا کی کہ مجھے ضرر پہنچا اور تو سب سے زیادہ رحیم ہے-

حضرت نوف کہتے ہیں کہ جو شیطان حضرت ایوب علیہ السلام کے پیچھے پڑا تھا' اس کا نام مسبوط تھا- حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی صاحبہ عموماً آپ سے عرض کیا کرتی تھیں کہ اللہ سے دعا کرو- لیکن آپ نہ کرتے تھے یہاں تک کہ ایک دن بنو اسرائیل کے کچھ لوگ آپ کے پاس سے نکلے اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگے' اس شخص کو یہ تکلیف ضرور کسی نہ کسی گناہ کی وجہ سے ہے اس وقت بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ دعا نکل گئی- حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے- ایک دن وہ ملنے کے لئے آئے- لیکن جسم کی بدبو کی وجہ سے قریب نہ آ سکے- دور ہی سے کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر اس شخص میں بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت میں نہ ڈالتا- اس بات نے حضرت ایوب علیہ السلام کو وہ صدمہ پہنچایا جو آج تک آپ کو کسی چیز سے نہ ہوا تھا- اس وقت کہنے لگے' الٰہی کوئی رات مجھ پر ایسی نہیں گزری کہ کوئی بھوکا شخص میرے علم میں ہو اور میں نے پیٹ بھر لیا ہو' پروردگار اگر میں اپنی اس بات میں تیرے نزدیک سچا ہوں تو میری تصدیق فرما- اسی وقت آسمان سے آپ کی تصدیق کی گئی اور وہ دونوں سن رہے تھے- پھر فرمایا' پروردگار کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے پاس ایک سے زائد کپڑے ہوں اور میں نے کسی ننگے کو نہ دیئے ہوں- اگر میں اس میں سچا ہوں تو تو میری تصدیق آسمان سے کر اس پر بھی آپ کی تصدیق ان کے سنتے ہوئے کی گئی- پھر یہ دعا کرتے ہوئے سجدے میں گر پڑے کہ اے اللہ میں تو اب سجدے سے سر نہ اٹھاؤں گا جب تک کہ تو مجھ سے ان تمام مصیبتوں کو دور نہ کر دے جو مجھ پر نازل ہوئی ہیں- چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی- اور اس سے پہلے کہ آپ سر اٹھائیں' تمام تکلیفیں اور بیماریاں آپ سے دور ہو گئیں جو آپ پر اتری تھیں-

ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام اٹھارہ برس تک بلاؤں میں گھرے رہے پھر ان کے دو

دوستوں کے آنے کا اور بدگمانی کرنے کا ذکر ہے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میری تو یہ حالت تھی کہ راستہ چلتے دو شخصوں کو جھگڑتا دیکھتا اور ان میں سے کسی کو قسم کھاتے سن لیتا تو گھر آ کر اس کی طرف سے آپ کفارہ ادا کر دیتا کہ ایسا نہ ہو کہ اس نے اللہ کا نام ناحق لیا ہو۔ آپ اپنی اس بیماری میں اس قدر رنڈھال ہو گئے تھے کہ آپ کی بیوی صاحبہ آپ کے ہاتھ تھام کر پاخانہ پیشاب کے لئے لے جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ کو حاجت تھی۔ آپ نے آواز دی لیکن انہیں آنے میں دیر لگی آپ کو سخت تکلیف ہوئی اسی وقت آسمان سے ندا آئی کہ اے ایوب اپنی ایڑی زمین پر مارو اسی پانی کو پی بھی لو اور اسی سے نہا بھی لو۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا بالکل غریب ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے جنت کا حلہ نازل فرما دیا جسے پہن کر آپ یکسو ہو کر بیٹھ گئے جب آپ کی بیوی آئیں اور آپ کو نہ پہچان سکیں تو آپ سے پوچھنے لگیں' اے اللہ کے بندے یہاں ایک بیمار بیکس و بے بس تھے تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیا ہوئے؟ کہیں انہیں بھیڑیئے نہ کھا گئے ہوں یا کتے نہ لے گئے ہوں۔ تب آپ نے فرمایا نہیں نہیں وہ بیمار ایوب میں ہی ہوں۔ بیوی صاحبہ کہنے لگیں' اے شخص تو مجھ دکھیا عورت سے ہنسی کر رہا ہے اور مجھے بنا رہا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں' مجھے اللہ نے شفا دے دی اور یہ رنگ روپ بھی۔ آپ کا مال آپ کو واپس دیا گیا آپ کی اولاد وہی آپ کو واپس ملی اور ان کے ساتھ ہی ویسی ہی اور بھی۔ وحی میں یہ خوشخبری بھی آپ کو سنا دی گئی تھی اور فرمایا گیا تھا کہ قربانی کرو اور استغفار کرو۔ تیرے اپنوں نے تیرے بارے میں میری نافرمانی کر لی تھی۔ اور روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو عافیت عطا فرمائی' آسمان سے سونے کی ٹڈیاں ان پر برسائیں جنہیں لے کر آپ نے اپنے کپڑے میں جمع کرنی شروع کر دیا تو آواز دی گئی کہ اے ایوب کیا تو اب تک آسودہ نہیں ہوا؟ آپ نے جواب دیا کہ اے میرے پروردگار تیری رحمت سے آسودہ کون ہو سکتا ہے؟ پھر فرماتا ہے' ہم نے اسے اس کے اہل عطا فرمائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو فرماتے ہیں' وہی لوگ واپس کئے گئے۔ آپ کی بیوی کا نام رحمت تھا۔ یہ قول اگر آیت سے سمجھا گیا ہے تو یہ بھی دور از کار امر ہے اور اگر اہل کتاب سے لیا گیا ہے تو وہ تصدیق و تکذیب کے قابل چیز نہیں۔ ابن عساکر نے ان کا نام اپنی تاریخ میں ''لیا'' بتایا ہے۔ یہ منشا بن یوسف بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی بیٹی ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت لیا حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی' حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ہیں جو شفیعہ کی زمین میں آپ کے ساتھ تھیں۔ مروی ہے کہ آپ سے فرمایا گیا کہ تیری اہل سب جنت میں ہے تو کہہ تو میں ان سب کو یہاں دنیا میں لا دوں اور کہو تو وہیں رہنے دوں اور دنیا میں ان کا عوض دوں۔ آپ نے دوسری بات پسند فرمائی۔ پس آخرت کا اجر اور دنیا کا بدلہ دونوں آپ کو ملا۔ یہ سب کچھ ہماری رحمت کا ظہور تھا۔ اور ہمارے سچے عابدوں کے لئے نصیحت و عبرت تھی۔ آپ اہل بلا کے پیشوا تھے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ مصیبتوں میں پھنسے ہوئے لوگ اپنے لئے آپ کی ذات میں عبرت دیکھیں۔ بے صبری سے ناشکری نہ کرنے لگیں اور لوگ انہیں اللہ کے برے بندے نہ سمجھیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام صبر کا پہاڑ' ثابت قدمی کا نمونہ تھے۔ اللہ کے لکھے پر' اس کے امتحان پر' انسان کو صبر و برداشت کرنی چاہئے۔ نہ جانے قدرت در پردہ اپنی کیا کیا حکمتیں دکھا رہی ہے۔

وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْکِفْلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰہُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّہُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۶﴾

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل' یہ سب صابر لوگ تھے ○ ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا' یہ لوگ سب نیک تھے ○

ذوالکفل نبی نہیں بزرگ تھے: ☆☆ (آیت:۸۵-۸۶) حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے فرزند تھے۔سورہ مریم میں ان کا واقعہ بیان ہو چکا ہے۔حضرت ادریس علیہ السلام کا بھی ذکر گزر چکا ہے۔ذوالکفل بظاہر تو نبی ہی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ نبیوں کے ذکر میں ان کا نام آیا ہے اور لوگ کہتے ہیں یہ نبی نہ تھے بلکہ ایک صالح شخص تھے اپنے زمانے کے بادشاہ تھے بڑے ہی عادل اور بامروت۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ اس میں توقف کرتے ہیں واللہ اعلم۔مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ایک نیک بزرگ تھے جنہوں نے اپنے زمانے کے نبی سے عہد و پیمان کئے اور ان پر قائم رہے۔قوم میں عدل وانصاف کیا کرتے تھے۔مروی ہے کہ جب حضرت یسع علیہ السلام بہت بوڑھے ہو گئے تو ارادہ کیا کہ میں اپنی زندگی میں ہی ان کو خلیفہ مقرر کر دوں اور دیکھ لوں کہ وہ کیسے عمل کرتا ہے؟ لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ تین باتیں جو شخص منظور کرے میں اسے خلافت سونپتا ہوں۔دن بھر روزے سے رہے رات رات بھر قیام کرے اور کبھی بھی غصے نہ ہو۔کوئی اور تو کھڑا نہ ہوا ایک شخص جسے لوگ بہت ہلکے درجے کا سمجھتے تھے کھڑا ہوا اور کہنے لگا میں اس شرط کو پوری کر دوں گا آپ نے پوچھا یعنی تو دنوں میں روزے سے رہے گا اور راتوں کو تہجد پڑھتا رہے گا اور غصہ نہ کرے گا؟ اس نے کہا ہاں۔یسع علیہ السلام نے فرمایا اچھا اب کل سہی۔ دوسرے روز بھی آپ نے اسی طرح مجلس میں عام سوال کیا لیکن اس شخص کے سوا کوئی اور کھڑا نہ ہوا۔چنانچہ انہی کو خلیفہ بنا دیا گیا۔اب شیطان نے چھوٹے چھوٹے شیاطین کو اس بزرگ کے بہکانے کے لئے بھیجنا شروع کیا۔مگر کسی کی کچھ نہ چلی۔

ابلیس خود چلا دوپہر کو قیلولے کے لئے آپ لیٹے ہی تھے جو خبیث نے کنڈیاں پیٹنی شروع کر دیں آپ نے دریافت فرمایا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہنا شروع کیا کہ میں ایک مظلوم ہوں فریادی ہوں میری قوم مجھے ستا رہی ہے۔میرے ساتھ انہوں نے یہ کیا یہ کیا اب جو لمبا قصہ سنانا شروع کیا تو کسی طرح ختم ہی نہیں کرتا نیند کا سارا وقت اسی میں چلا گیا اور حضرت ذوالکفل دن رات میں بس صرف اسی وقت ذرا سی دیر کے لئے سوتے تھے۔آپ نے فرمایا اچھا شام کو آنا۔میں تمہارا انصاف کر دوں گا۔اب شام کو آپ جب فیصلے کرنے لگے ہر طرف اسے دیکھتے ہیں لیکن اس کا کہیں پتہ نہیں یہاں تک کہ خود جا کر ادھر ادھر بھی تلاش کیا مگر اسے نہ پایا۔دوسری صبح کو بھی وہ نہ آیا پھر جہاں آپ دوپہر کو دو گھڑی آرام کرنے کے ارادے سے لیٹے جو یہ خبیث آ گیا اور دروازہ ٹھونکنے لگا آپ نے کھول دیا اور فرمانے لگے میں نے تو تم سے شام کو آنے کو کہا تھا منتظر رہا لیکن تم نہ آئے۔وہ کہنے لگا حضرت کیا بتاؤں جب میں نے آپ کی طرف آنے کا ارادہ کیا تو وہ کہنے لگے تم نہ جاؤ ہم تمہارا حق ادا کر دیتے ہیں میں رک گیا پھر انہوں نے اب انکار کر دیا اور بھی کچھ لمبے چوڑے واقعات بیان کرنے شروع کر دیئے اور آج کی نیند بھی کھوئی۔اب شام کو پھر انتظار کیا لیکن نہ اسے آنا تھا نہ آیا۔

تیسرے دن آپ نے آدمی مقرر کیا کہ دیکھو کوئی دروازے پر نہ آنے پائے مارے نیند کے میری حالت غیر ہو رہی ہے۔آپ ابھی لیٹے ہی تھے جو وہ مردود پھر آ گیا۔چوکیدار نے اسے روکا۔یہ ایک طاق میں سے اندر گھس گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔آپ نے اٹھ کر پہرے دار سے کہا کہ دیکھو میں نے تمہیں ہدایت کر دی تھی پھر بھی اپنے دروازے کے اندر کسی کو آنے دیا اس نے کہا نہیں میری طرف سے کوئی نہیں آیا۔اب جو غور سے آپ نے دیکھا تو دروازے کو بند پایا۔اور اس شخص کو اندر موجود پایا۔آپ پہچان گئے کہ یہ شیطان ہے اس وقت شیطان نے کہا اے ولی اللہ میں تجھ سے ہارا نہ تو نے رات کا قیام ترک کیا نہ تو اس نوکر پر ایسے موقعہ پر غصے ہوا پس اللہ نے ان کا نام ذوالکفل رکھا۔اس لئے کہ جن باتوں کی انہوں نے کفالت لی تھی انہیں پورا کر دکھایا۔(ابن ابی حاتم) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی کچھ تفسیر کے ساتھ یہ قصہ مروی ہے اس میں ہے کہ بنو اسرائیل کے ایک قاضی نے بوقت مرگ کہا تھا کہ میرے بعد میرا عہدہ کون سنبھالتا

ہے؟ اس نے کہا' میں چنانچہ ان کا نام ذوالکفل ہوا- اس میں ہے کہ شیطان جب ان کے آرام کے وقت آیا' پہرے والوں نے روکا' اس نے اس قدر غل مچایا کہ آپ جاگ گئے' دوسرے دن بھی یہی کیا' تیسرے دن بھی یہی کیا- اب آپ اس کے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہوئے کہ میں تیرے ساتھ چل کر تیرا حق دلواتا ہوں لیکن راستے میں سے وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ کھڑا ہوا-

حضرت اشعری نے منبر پر فرمایا کہ ذوالکفل نبی نہ تھا بنواسرائیل کا ایک صالح شخص تھا جو ہر روز سو نمازیں پڑھتا تھا اس کے بعد انہوں نے اس قسم کی عبادتوں کا ذمہ اٹھایا- اس لئے انہیں ذوالکفل کہا گیا- ایک منقطع روایت میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے بھی یہ منقول ہے- ایک غریب حدیث مسند امام احمد بن حنبل میں ہے اس میں کفل کا ایک واقعہ بیان ہے ذوالکفل نہیں کہا گیا- بہت ممکن ہے یہ کوئی اور صاحب ہوں واقعہ اس حدیث میں یہ ہے کہ کفل نامی ایک شخص تھا جو کسی گناہ سے بچتا نہ تھا ایک مرتبہ اس نے ایک عورت کو ساٹھ دینار دے کر بدکاری کے لئے آمادہ کیا جب اپنا ارادہ پورا کرنے کے لئے تیار ہوا تو وہ عورت رونے اور کانپنے لگی- اس نے کہا' میں نے تجھ پر کوئی زبردستی تو کی نہیں' پھر رونے اور کانپنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا' میں نے ایسی کوئی نافرمانی آج تک اللہ تعالیٰ کی نہیں کی اس وقت میری محتاجی نے مجھے یہ برا دن دکھایا ہے- کفل نے کہا' تو ایک گناہ پر اس قدر پریشان ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے تو نے کبھی ایسا نہیں کیا؟ اسی وقت اسے چھوڑ کر اس سے الگ ہو گیا اور کہنے لگا' جا یہ دینار میں نے تجھے بخشے- قسم اللہ کی آج سے میں کسی قسم کی اللہ کی نافرمانی نہ کروں گا- شان الٰہی اسی رات اس کا انتقال ہوتا ہے- صبح لوگ دیکھتے ہیں کہ اس کے دروازے پر قدرتی حروف سے لکھا ہوا تھا کہ اللہ نے کفل کو بخش دیا-

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

ذوالنون کو یاد کر جب کہ وہ غصے سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے تنگ نہ پکڑیں گے- پھر تو اندھیریوں کے اندر سے پکار اٹھے کہ اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں ظالموں میں ہو گیا ○ تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی- ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیا کرتے ہیں ○

یونس علیہ السلام اور ان کی امت: ☆☆ (آیت: ۸۷-۸۸) یہ واقعہ یہاں بھی مذکور ہے اور سورۂ صافات میں بھی ہے اور سورہ نون میں بھی ہے- یہ پیغمبر حضرت یونس بن متی علیہ السلام تھے انہیں موصل کے علاقے کی بستی نینوا کی طرف نبی بنا کر اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا- آپ نے اللہ کی راہ کی دعوت دی لیکن قوم ایمان نہ لائی- آپ وہاں سے ناراض ہو کر چل دیئے اور ان لوگوں سے کہنے لگے کہ تین دن میں تم پر عذاب الٰہی آ جائے گا- جب انہیں اس بات کی تحقیق ہو گئی اور انہوں نے جان لیا کہ انبیاء علیہم السلام جھوٹے نہیں ہوتے تو یہ سب کے سب چھوٹے بڑے مع اپنے جانوروں اور مویشیوں کے جنگل میں نکل کھڑے ہوئے- بچوں کو ماؤں سے جدا کر دیا اور بلک بلک کر نہایت گریہ زاری سے جناب باری تعالیٰ میں فریاد شروع کر دی ادھر ان کی آہ و بکا' ادھر جانوروں کی بھیانک صدا غرض رحمت الٰہی متوجہ ہو گئی- عذاب اٹھا لیا گیا جیسے فرمان ہے فَلَوْلَا كَانَتْ الخ' یعنی عذابوں کی تحقیق کے بعد کے ایمان نے کسی کو نفع نہیں دیا سوائے قوم یونس کے کہ ان کے ایمان کی وجہ سے ہم نے ان پر سے عذاب ہٹا لئے اور دنیا کی رسوائی سے انہیں بچا لیا اور موت تک کی مہلت دے دی-

حضرت یونس علیہ السلام یہاں سے چل کر ایک کشتی میں سوار ہوئے آگے جا کر طوفان کے آثار نمودار ہوئے قریب تھا کہ کشتی ڈوب جائے' مشورہ یہ ہوا کہ کسی آدمی کو دریا میں ڈال دینا چاہئے کہ وزن کم ہو جائے قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام کا نکلا لیکن کسی نے آپ کو دریا میں ڈالنا پسند نہ کیا' دوبارہ قرعہ اندازی ہوئی آپ ہی کا نام نکلا' تیسری مرتبہ پھر قرعہ ڈالا اب کی مرتبہ بھی آپ ہی کا نام نکلا چنانچہ خود قرآن میں ہے فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ اب کے حضرت یونس علیہ السلام خود کھڑے ہو گئے' کپڑے اتار کر دریا میں کود پڑے۔ بحر اخضر سے بحکم الٰہی ایک مچھلی پانی کاٹتی ہوئی آئی اور آپ کو لقمہ کر گئی۔ لیکن بحکم الٰہی نہ آپ کی ہڈی ٹوٹی نہ جسم کو کچھ نقصان پہنچایا۔ آپ اس کے لئے غذا نہ تھے بلکہ اس کا پیٹ آپ کے لئے قید خانہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ کی نسبت مچھلی کی طرف کی گئی۔ عربی میں مچھلی کو نون کہتے ہیں۔ آپ کا غضب وغصہ آپ کی قوم پر تھا۔ خیال یہ تھا کہ اللہ آپ کو تنگ نہ پکڑے گا۔ پس یہاں نَقْدِرَ کے یہی معنی حضرت ابن عباس' مجاہد' ضحاک رحمہم اللہ وغیرہ نے کئے ہیں امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اس کی تائید آیت وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت عطیہ عوفی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ معنی کئے ہیں کہ ہم اس پر مقدر نہ کریں گے قَدَرَ اور قَدَّرَ دونوں لفظ ایک معنی میں بولے جاتے ہیں اس کی سند میں عربی کے شعر کے علاوہ آیت فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ ان اندھیریوں میں پھنس کر اب یونس علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔ سمندر کے تلے کا اندھیرا' پھر مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا' پھر رات کا اندھیرا' یہ اندھیرے سب جمع تھے۔ آپ نے سمندر کی تہہ کی کنکریوں کی تسبیح سنی اور خود بھی تسبیح کرنی شروع کی۔ آپ مچھلی کے پیٹ میں جا کر پہلے تو سمجھے کہ میں مر گیا پھر پیر کو ہلایا تو یقین ہوا کہ میں زندہ ہوں۔ وہیں سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے' بارالٰہی' میں نے تیرے لئے اس جگہ کو مسجد بنایا جسے اس سے پہلے کسی نے جائے سجود نہ بنایا ہوگا۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' چالیس دن آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔

ابن جریر میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کے قید کا ارادہ کیا تو مچھلی کو حکم دیا کہ آپ کو نگل لے لیکن اس طرح کہ نہ ہڈی ٹوٹے نہ جسم پر خراش آئے جب آپ سمندر کی تہہ میں پہنچے تو وہاں تسبیح سن کر حیران رہ گئے وحی آئی کہ یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح ہے چنانچہ آپ نے بھی تسبیح اللہ شروع کر دی۔ اسے سن کر فرشتوں نے کہا کہ بارالٰہی یہ آواز تو بہت دور کی اور بھتکمزور ہے۔ کس کی ہے؟ ہم تو نہیں پہچان سکے۔ جواب ملا کہ یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے۔ اس نے میری نافرمانی کی میں نے اسے مچھلی کے پیٹ کے قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ انہوں نے کہا پروردگار ان کے نیک اعمال تو دن رات کے ہر وقت چڑھتے ہی رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش قبول فرمائی اور مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو کنارے پر اگل دے۔ تفسیر ابن کثیر کے ایک نسخے میں یہ روایت بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا' کسی کو لائق نہیں کہ وہ اپنے تئیں یونس بن متی سے افضل کہے۔ اللہ کے اس بندے نے اندھیریوں میں اپنے رب کی تسبیح بیان کی ہے۔ اوپر جو روایت گزری' اس کی وہی ایک سند ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' جب حضرت یونس علیہ السلام نے یہ دعا کی تو یہ کلمات عرش کے اردگرد گھومنے لگے فرشتے کہنے لگے بہت دور دراز کی یہ آواز ہے لیکن کان اس سے پہلے اس سے آشنا ضرور ہیں' آواز بہت ضعیف ہے۔ جناب باری نے فرمایا' کیا تم نے پہچانا نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں' فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے۔ فرشتوں نے کہا' وہی یونس جس کے پاک عمل قبول شدہ ہر روز تیری طرف چڑھتے تھے اور جن کی دعائیں تیرے پاس مقبول تھیں۔ الٰہی جیسے وہ آرام کے وقت نیکیاں کرتا تھا' تو اس مصیبت کے وقت اس پر رحم کر' اسی وقت اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو بغیر کسی تکلیف کے کنارے پر اگل دے۔

استغفار موجب نجات ہے: ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور غم سے نجات دے دی۔ ان اندھیروں سے نکال دیا۔

اسی طرح ہم ایمانداروں کو نجات دیا کرتے ہیں- وہ مصیبتوں میں گھر کر ہمیں پکارتے ہیں اور ہم ان کی دستگیری فرما کر تمام مشکلیں آسان کر دیتے ہیں- خصوصاً جو لوگ اس دعائے یونس کو پڑھیں- سید الانبیاء رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مسند احمد' ترمذی وغیرہ میں ہے' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں مسجد میں گیا' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں تھے- میں نے سلام کیا آپ نے مجھے بغور دیکھا اور میرے سلام کا جواب نہ دیا میں نے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے آ کر شکایت کی آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا- ان سے واقعہ کہا کہ آپ نے ایک مسلمان بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا؟ آپ نے فرمایا' نہ یہ آئے نہ انہوں نے سلام کیا نہ یہ کہ میں نے انہیں جواب نہ دیا ہو- اس پر میں نے قسم کھائی تو آپ نے بھی میرے مقابلے میں قسم کھالی پھر کچھ خیال کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے توبہ واستغفار کیا اور فرمایا ٹھیک ہے- آپ نکلے تھے لیکن میں اس وقت اپنے دل سے وہ بات کہہ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی- واللہ مجھے جب وہ یاد آتی ہے میری آنکھوں پر ہی نہیں بلکہ میرے دل پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے-

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میں آپ کو اس کی خبر دیتا ہوں' رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر کیا ہی تھا جو ایک اعرابی آ گیا اور آپ کو اپنی باتوں میں مشغول کر لیا یہ وقت گزر گیا اب حضور ﷺ وہاں سے اٹھے اور مکان کی طرف تشریف لے چلے میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا جب آپ گھر کے قریب پہنچ گئے' مجھے ڈر لگا کہ کہیں آپ اندر نہ چلے جائیں اور میں رہ نہ جاؤں تو میں نے زور زور سے زمین پر پاؤں مار مار کر چلنا شروع کیا میری جوتیوں کی آہٹ سن کر آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ابو اسحاق؟ میں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں ہوں- آپ نے فرمایا' کیا بات ہے؟ میں نے کہا حضور ﷺ آپ نے اول دعا کا ذکر کیا پھر وہ اعرابی آ گیا اور آپ کو مشغول کر لیا آپ نے فرمایا ہاں ہاں وہ دعا حضرت ذوالنون علیہ السلام کی تھی جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ سنو جو بھی مسلمان جس کسی معاملے میں جب کبھی اپنے رب سے یہ دعا کرے' اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرماتا ہے- ابن ابی حاتم میں ہے' جو بھی حضرت یونس علیہ السلام کی اس دعا کے ساتھ دعا کرے' اس کی دعا ضرور قبول کی جائے گی- ابو سعید فرماتے ہیں' اسی آیت میں اس کے بعد ہی فرمان ہے ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں- ابن جریر میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' اللہ کا وہ نام جس سے وہ پکارا جائے تو قبول فرمالے اور جو مانگا جائے' وہ عطا فرمائے' وہ حضرت یونس بن متی کی دعا میں ہے-

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے کہا' یا رسول اللہ' وہ حضرت یونس کے لئے ہی خاص تھی یا تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے' فرمایا ان کے لئے خاص اور تمام مسلمانوں کے لئے عام- جو بھی یہ دعا کرے- کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی- اسے غم سے چھڑایا اور اسی طرح ہم مومنوں کو چھڑاتے ہیں- پس جو بھی اس دعا کو کرے' اس سے اللہ کا قبولیت کا وعدہ ہو چکا ہے- ابن ابی حاتم میں ہے' کثیر بن سعید فرماتے ہیں' میں نے امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ابو سعید اللہ کا وہ اسم اعظم کہ جب اس کے ساتھ اس سے دعا کی جائے' اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اور جب اس کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرمائے' کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ برادر زادے' کیا تم نے قرآن کریم میں اللہ کا یہ فرمان نہیں پڑھا؟ پھر آپ نے یہی دو آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا بھتیجے یہی اللہ کا وہ اسم اعظم ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے وہ قبول فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ اس سے مانگا جائے وہ عطا فرماتا ہے-

وَزَكَرِيَّآ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾
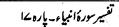
زکریا کو یاد کر جب کہ اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے تنہا نہ چھوڑ ○ تو سب سے بہتر وارث ہے۔ ہم نے اس کی دعا کو قبول فرما کر اسے یحییٰ عطا فرمایا اور ان کی بیوی کو ان کے لئے بھلا چنگا کر دیا' یہ بزرگ لوگ نیکیوں کی طرف دوڑا کرتے تھے اور ہمیں لالچ' طمع اور ڈر خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے پوری عاجزی کرنے والے تھے ○

دعا اور بڑھاپے میں اولاد : ☆☆ (آیت:۸۹-۹۰) اللہ تعالیٰ حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے دعا کی کہ مجھے اولاد ہو جو میرے بعد نبی بنے۔ سورہ مریم میں اور سورہ آل عمران میں یہ واقعہ تفصیل سے ہے آپ نے یہ دعا لوگوں سے چھپا کر تھی۔ مجھے تنہا نہ چھوڑ یعنی بے اولاد۔ دعا کے بعد اللہ تعالیٰ کی ثنا کی جیسے کہ اس دعا کے لائق تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی بیوی صاحبہ کو جنہیں بڑھاپے تک کوئی اولاد نہ ہوئی تھی' اولاد کے قابل بنا دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں' ان کی طول زبانی بند کر دی۔ بعض کہتے ہیں' ان کے اخلاق کی کمی پوری کر دی۔ لیکن الفاظ قرآن کے قریب پہلا معنی ہی ہے۔ یہ سب بزرگ نیکیوں کی طرف اور اللہ کی فرمانبرداری کی طرف بھاگ دوڑ کرنے والے تھے۔ اور لالچ اور ڈر سے اللہ سے دعائیں کرنے والے تھے اور سچے مومن' رب کی باتیں ماننے والے' اللہ کا خوف رکھنے والے' تواضع انکساری اور عاجزی کرنے والے' اللہ کے سامنے اپنی فروتنی ظاہر کرنے والے تھے۔

مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا' لوگو میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کی پوری ثنا وصفت بیان کرتے رہنے کی اور لالچ اور خوف سے دعائیں مانگنے کی اور دعاؤں میں خشوع وخضوع کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ دیکھو اللہ عزوجل نے حضرت زکریا علیہ السلام کے گھرانے کی یہی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۡ ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

ع ۱۸

اور وہ پاک دامن بیوی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی' ہم نے آپ ان میں اپنے پاس کی روح پھونک دی اور خود انہیں اور ان کے لڑکے کو تمام جہان کے لئے نشان قدرت کر دیا ○ یہ ہے تم سب کا دین۔ ایک ہی دین اور میں تم سب کا پروردگار۔ پس تم میری ہی عبادت کرو ○ لوگوں نے آپ اپنے دین میں فرقہ

بندیاں کرلیں، سب کے سب ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں ○ جو بھی نیک عمل کرے اور ہو بھی وہ مومن تو اس کی کوشش کی بے قدری نہیں، ہم تو اس کے لکھ لینے والے ہیں ○

بلاشوہر اولاد: ☆☆ (آیت:۹۱) حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا قصہ بیان ہو رہا ہے۔ قرآن کریم میں عموماً حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے قصے کے ساتھ ہی ان کا قصہ بیان ہوتا رہا ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں میں پورا ربط ہے۔ حضرت زکریا پورے بڑھاپے کے عالم میں آپ کی بیوی صاحبہ جوانی سے گزری ہوئی اور پوری عمر کی بے اولاد ان کے ہاں اولاد عطا فرمائی۔ اس قدرت کو دکھا کر پھر محض عورت کو بغیر شوہر کے اولاد عطا فرمانا یہ اور قدرت کا کمال ظاہر کرتا ہے۔ سورہ آل عمران اور سورہ مریم میں بھی یہی ترتیب ہے مراد عصمت والی عورت سے حضرت مریم ہیں جیسے فرمان ہے وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا الخ یعنی عمران کی لڑکی مریم جو پاکدامن تھیں، انہیں اور ان کے لڑکے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی بے نظیر قدرت کا نشان بنایا کہ مخلوق کو اللہ کی ہر طرح کی قدرت اور اس کے پیدائش پر وسیع اختیارات اور صرف اپنے ارادے سے چیزوں کا بنانا معلوم ہو جائے۔ عیسیٰ علیہ السلام قدرت الٰہی کی ایک علامت تھے جنات کے لئے بھی اور انسان کے لئے بھی۔

تمام شریعتوں کی روح توحید: ☆☆ (آیت:۹۲-۹۴) فرمان ہے کہ تم سب کا دین ایک ہی ہے۔ اوامر و نواہی کے احکام تم سب میں یکساں ہیں هٰذِهٖ اسم ہے اِنَّ کا اور اُمَّتُكُمْ خبر ہے اور اُمَّةً وَّاحِدَةً حال ہے۔ یعنی یہ شریعت جو بیان ہوئی، تم سب کی متفق علیہ شریعت ہے۔ جس کا اصلی مقصود توحید الٰہی ہے جیسے آیت يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ سے فَاتَّقُوْنِ تک ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، ہم انبیاء کی جماعت ایسے ہے جیسے ایک باپ کے فرزند کہ دین سب کا ایک ہے یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت اگرچہ احکامات شرع مختلف ہیں۔ جیسے فرمان قرآن ہے وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ہر ایک کی راہ اور طریقہ ہے۔ پھر لوگوں نے اختلاف کیا بعض اپنے نبیوں پر ایمان لائے اور بعض نہ لائے۔ قیامت کے دن سب کا لوٹنا ہماری طرف ہے، ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، نیکوں کو نیک بدلہ اور بروں کو بری سزا۔ جس کے دل میں ایمان ہو اور جس کے اعمال نیک ہوں، اس کے اعمال اکارت نہ ہوں گے۔ جیسے فرمان ہے اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا نیک کام کرنے والوں کا اجر ہم ضائع نہیں کرتے۔ ایسے اعمال کی قدر دانی کرتے ہیں، ایک ذرے کے برابر ہم ظلم روا نہیں رکھتے، تمام اعمال لکھ لیتے ہیں، کوئی چیز چھوڑتے نہیں۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾

جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا، اس پر لازم ہے کہ وہاں کے لوگ پھر کر نہیں آنے والے ○ یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے دوڑے آئیں ○ اور سچا وعدہ قریب آ لگے۔ اس وقت کافروں کی نگاہیں اچانک اوپر کی طرف ہی پھٹی رہ جائیں، ہائے افسوس ہم تو اس حال سے غافل تھے بلکہ فی

الواقع ہم قصوروار تھے ○

یافث کی اولاد: ☆☆ (آیت: ۹۵-۹۷) ہلاک شدہ لوگوں کا دنیا کی طرف پھر پلٹنا محال ہے۔ یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ ان کی توبہ مقبول نہیں۔ لیکن پہلا قول اولیٰ ہے۔ یاجوج ماجوج نسل آدم سے ہیں۔ بلکہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے یافث کی اولاد میں سے ہیں جن کی نسل ترک ہے۔ یہ بھی انہی کا ایک گروہ ہے۔ یہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار کے باہر ہی چھوڑ دیئے گئے تھے۔ آپ نے دیوار بنا کر فرمایا تھا کہ یہ میرے رب کی رحمت ہے۔ اللہ کے وعدے کے وقت اس کا چورا چورا ہو جائے گا۔ میرے رب کا وعدہ حق ہے الخ' یاجوج ماجوج قرب قیامت کے وقت وہاں سے نکل آئیں گے اور زمین میں فساد مچا دیں گے۔ ہر اونچی جگہ کو عربی میں حدب کہتے ہیں۔ ان کے نکلنے کے وقت ان کی یہی حالت ہوگی تو اس خبر کو اس طرح بیان کیا جیسے سننے والا اپنی آنکھوں دیکھ رہا ہے اور واقع میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی خبر کس کی ہوگی؟ جو غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔ ہو چکی ہوئی اور ہونے والی باتوں سے آگاہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے لڑکوں کو اچھلتے کودتے' کھیلتے دوڑتے' ایک دوسروں کی چٹکیاں بھرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا' اسی طرح یاجوج ماجوج آئیں گے۔ بہت سی حدیثوں میں ان کے نکلنے کا ذکر ہے۔

(۱) مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' یاجوج ماجوج کھولے جائیں گے اور وہ لوگوں کے پاس پہنچیں گے جیسے اللہ عزوجل کا فرمان ہے وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ وہ چھا جائیں گے اور مسلمان اپنے شہروں اور قلعوں میں سمٹ آئیں گے اپنے جانوروں کو بھی وہیں لے لیں گے اور اپنا پانی انہیں پلاتے رہیں گے یاجوج ماجوج جس نہر سے گزریں گے' اس کا پانی صفاچٹ کر جائیں گے یہاں تک کہ اس میں خاک اڑنے لگے گی ان کی دوسری جماعت جب وہاں پہنچے گی تو وہ کہے گی شاید اس میں کسی زمانے میں پانی ہوگا۔ جب یہ دیکھیں گے کہ اب زمین پر کوئی نہ رہا اور واقع میں سوائے ان مسلمانوں کے جو اپنے شہروں اور قلعوں میں پناہ گزیں ہوں گے' کوئی اور وہاں ہوگا بھی نہیں تو یہ کہیں گے کہ اب زمین والوں سے تو ہم فارغ ہو گئے آؤ آسمان والوں کی خبر لیں۔ چنانچہ ان میں کا ایک شریر اپنا نیزہ گھما کر آسمان کی طرف پھینکے گا قدرت الٰہی سے وہ خون آلود ہو کر ان کے پاس گرے گا یہ بھی ایک قدرتی آزمائش ہوگی اب ان کی گردنوں میں گٹھلی ہو جائے گی اور اسی وبا میں یہ سارے کے سارے ایک ساتھ ایک دم مر جائیں گے ایک بھی باقی نہ رہے گا سارا شور وغل ختم ہو جائے گا۔ مسلمان کہیں گے' کوئی ہے جو اپنی جان ہم مسلمانوں کے لئے ہتھیلی پر رکھ کر شہر کے باہر جائے اور ان دشمنوں کو دیکھے کہ کس حال میں ہیں؟ چنانچہ ایک صاحب اس کے لئے تیار ہو جائیں گے اور اپنے تئیں قتل شدہ سمجھ کر راہ اللہ میں مسلمانوں کی خدمت کے لئے نکل کھڑے ہوں گے دیکھیں گے کہ سب کا ڈھیر لگ رہا ہے سارے ہلاک شدہ پڑے ہوئے ہیں یہ اسی وقت ندا کرے گا کہ مسلمانو خوش ہو جاؤ اللہ نے خود تمہارے دشمنوں کو غارت کر دیا یہ ڈھیر پڑا ہوا ہے۔ اب مسلمان باہر آئیں گے اور اپنے مویشیوں کو بھی لائیں گے ان کے لئے چارہ بجز ان کے گوشت کے اور کچھ نہ ہوگا یہ ان کا گوشت کھا کھا کر خوب موٹے تازے ہو جائیں گے۔

(۲) مسند احمد میں ہے حضور ﷺ نے ایک دن صبح ہی صبح دجال کا ذکر کیا اس طرح پر کہ ہم سمجھے' شاید وہ ان درختوں کی آڑ میں ہے اور اب نکلا ہی چاہتا ہے' آپ فرمانے لگے' مجھے دجال سے زیادہ خوف تم پر اور چیز کا ہے۔ اگر دجال میری موجودگی میں نکلا تو میں آپ اس سے نمٹ لوں گا ورنہ تم میں سے ہر شخص اس سے بچے۔ میں تمہیں اللہ کی امان میں دے رہا ہوں۔ وہ جواں عمر' الجھے ہوئے بالوں والا' کانا اور ابھری ہوئی آنکھ والا ہے۔ وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں گھومے گا۔ اے بندگان رب تم ثابت قدم رہنا۔ ہم نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ وہ کتنا ٹھہرے گا؟۔

آپ نے فرمایا چالیس دن ایک دن مثل ایک برس کے ایک دن مثل ایک مہینے کے ایک دن مثل ایک جمعہ کے اور باقی دن معمولی دنوں جیسے۔ ہم نے پوچھا یارسول اللہ جو دن سال بھر کے برابر ہوگا اس میں ہمیں یہی پانچ نمازیں کافی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا نہیں تم اپنے اندازے سے وقت پر نماز پڑھتے رہا کرنا۔ ہم نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ اس کی رفتار کیسی ہوگی؟ فرمایا جیسے بادل کہ ہوا انہیں ادھر سے ادھر بھگائے لئے جاتی ہو۔ ایک قبیلے کے پاس جائے گا انہیں اپنی طرف بلائے گا وہ اس کی مان لیں گے آسمان کو حکم دے گا کہ ان پر بارش برسائے زمین سے کہے گا کہ ان کے لئے پیداوار اگائے ان کے جانوران کے پاس موٹے تازے بھرے پیٹ لوٹیں گے۔ ایک قبیلے کے پاس جا کر اپنے تئیں منوانا چاہے گا وہ انکار کر دیں گے یہ وہاں سے نکلے گا تو ان کے تمام مال اس کے پیچھے لگ جائیں گے وہ بالکل خالی ہاتھ رہ جائیں گے وہ غیر آباد جنگلوں میں جائے گا اور زمین سے کہے گا اپنے خزانے اگل دے۔ وہ اگل دے گی اور سارے خزانے اس کے پیچھے ایسے چلیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے۔ یہ بھی دکھائے گا کہ ایک شخص کو تلوار سے ٹھیک دو ٹکڑے کرا دے گا اور ادھر ادھر دور دراز پھینکوا دے گا پھر اس کا نام لے کر آواز دے گا تو وہ زندہ چلتا پھرتا اس کے پاس آ جائے گا یہ اسی حال میں ہوگا جو اللہ عزوجل حضرت مسیح ابن مریم کو اتارے گا آپ دمشق کی مشرقی طرف سفید منارے کے پاس اتریں گے اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے آپ اس کا پیچھا کریں گے اور مشرقی باب لد کے پاس اسے پا کر قتل کر دیں گے پھر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی طرف اللہ کی وحی آئے گی کہ میں اپنے ایسے بندوں کو بھیجتا ہوں جن سے لڑنے کی تم میں تاب و طاقت نہیں میرے بندوں کو طور کی طرف سمیٹ لے جا۔ پھر جناب باری یاجوج ماجوج کو بھیجے گا جیسے فرمایا وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ان سے تنگ آ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی جناب باری میں دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر گٹھلی کی بیماری بھیجے گا جو ان کی گردن میں نکلے گی سارے کے سارے اوپر تلے ایک ساتھ ہی مر جائیں گے تب عیسیٰ علیہ السلام مع مومنوں کے آئیں گے دیکھیں گے کہ تمام زمین ان کی لاشوں سے پٹی پڑی ہے اور ان کی بدبو سے کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ آپ پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے پرند بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر اللہ جانے کہاں پھینک آئیں گے؟ کعب رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں مہیل میں یعنی سورج کے طلوع ہونے کی جگہ میں انہیں پھینک آئیں گے۔ پھر چالیس دن تک تمام زمین پر متواتر پیہم مسلسل بارش برسے گی۔ زمین دھل دھلا کر ہتھیلی کی طرح صاف ہو جائے گی۔ پھر بحکم الٰہی اپنی برکتیں اگا دے گی اس دن ایک جماعت کی جماعت ایک انار سے سیر ہو جائے گی اور اس کے چھلکے تلے سایہ حاصل کرے گی۔ ایک اونٹنی کا دودھ لوگوں کی ایک جماعت کو اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کو اور ایک بکری کا دودھ ایک گھرانے کو کافی ہوگا۔ پھر ایک پاکیزہ ہوا چلے گی جو مسلمانوں کی بغلوں تلے سے نکل جائے گی اور ان کی روح قبض ہو جائے گی پھر روئے زمین پر بدترین شریر لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح کودتے ہوں گے انہی پر قیامت قائم ہوگی۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن کہتے ہیں۔

(۳) مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ کو ایک بچھو نے کاٹ کھایا تھا تو آپ اپنی انگلی پر پٹی باندھے ہوئے خطبے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا تم کہتے ہو اب دشمن نہیں ہیں لیکن تم تو دشمنوں سے جہاد کرتے ہی رہو گے یہاں تک کہ یاجوج ماجوج آئیں۔ وہ چوڑے چہرے والے چھوٹی آنکھوں والے ان کے چہرے تہ بہ تہ ڈھالوں جیسے ہوں گے۔

(۴) یہ روایت سورہ اعراف کی تفسیر کے آخر میں بیان کر دی گئی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ معراج والی رات ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے روز قیامت کا مذاکرہ شروع ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے علم سے انکار کر دیا اسی طرح

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی۔ ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اس کے واقع ہونے کے وقت کو تو بجز اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ ہاں مجھ سے میرے اللہ نے یہ تو فرمایا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے۔ اس کے ساتھ دو ٹہنیاں ہوں گی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا یہاں تک کہ اللہ اسے ہلاک کر دے جب کہ وہ مجھے دیکھے یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی پکار اٹھیں گے کہ اے مسلم یہ ہے میرے سایہ تلے کافر۔ آ اور اسے قتل کر۔ پس اللہ انہیں ہلاک کرے گا اور لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اس وقت یاجوج ماجوج نکلیں گے جو ہر اونچائی سے پھدکتے آئیں گے جو پائیں گے تباہ کر دیں گے' پانی جتنا پائیں گے' پی جائیں گے۔ لوگ پھر تنگ آ کر اپنے وطنوں میں محصور ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ شکایت کریں گے تو میں پھر اللہ سے دعا کروں گا' اللہ انہیں غارت کر دے' ساری زمین پر ان کی بدبو پھیل جائے گی پھر بارش برسے گی اور پانی کا بہاؤ ان کے سڑے ہوئے جسموں کو گھسیٹ کر دریا برد کر دے گا۔ میرے رب نے مجھ سے فرما دیا ہے کہ جب یہ سب کچھ ظہور میں آ جائے گا' پھر تو قیامت کا ہونا ایسا ہی ہے جیسے پورے دنوں حمل والی عورت کا وضع حمل ہونا کہ گھر والوں کو فکر ہوتی ہے کہ صبح بچہ ہوا یا شام ہوا' دن کو ہوا یا رات کو ہوا۔ (ابن ماجہ)۔

اس کی تصدیق کلام اللہ شریف کی اس آیت میں موجود ہے۔ اس بارے میں حدیثیں بکثرت ہیں اور آثار سلف بھی بہت ہیں۔ کعب رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یاجوج ماجوج کے نکلنے کے وقت وہ دیوار کو کھودیں گے یہاں تک کہ ان کی کدالوں کی آواز پاس والے بھی سنیں گے۔ رات ہو جائے گی۔ ان میں سے ایک کہے گا کہ اب صبح آتے ہی اسے توڑ ڈالیں گے اور نکل کھڑے ہوں گے۔ صبح یہ آئیں گے تو جیسی کل تھی ویسی ہی آج بھی پائیں گے الغرض یونہی ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ کو ان کا نکلنا جب منظور ہوگا تو ایک شخص کی زبان سے نکلے گا کہ ہم کل ان شاء اللہ اسے توڑ دیں گے۔ اب جو آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے ویسی ہی پائیں گے تو کھود کر توڑ یں گے اور باہر نکل آئیں گے۔ ان کا پہلا گروہ بحیرہ کے پاس سے نکلے گا۔ سارا پانی پی جائے گا۔ دوسرا آئے گا تو کیچڑ بھی چاٹ جائے گا۔ تیسرا آئے گا تو کہے گا شاید یہاں کسی وقت پانی ہوگا؟ لوگ ان سے بھاگ بھاگ کر ادھر ادھر چھپ جائیں گے۔ جب انہیں کوئی بھی نظر نہ پڑے گا تو یہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے وہاں سے وہ خون آلود ان کی طرف واپس آئیں گے تو یہ فخر کریں گے کہ ہم زمین والوں پر اور آسمان والوں پر غالب آ گئے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ان کے لیے بددعا کریں گے کہ اللہ ہم میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں اور زمین پر ہمارا چلنا پھرنا بھی ضروری ہے تو ہمیں جس طریقے سے چاہے' ان سے نجات دے تو اللہ ان کو طاعون میں مبتلا کرے گا' گلٹیاں نکل آئیں گی اور سارے کے سارے مر جائیں گے پھر ایک قسم کے پرند آئیں گے جو اپنی چونچ میں انہیں لے کر سمندر میں پھینک آئیں گے پھر اللہ تعالیٰ نہر حیات جاری کر دے گا جو زمین کو دھو کر پاک صاف کر دے اور زمین اپنی برکتیں نکال دے گی ایک انار ایک گھرانے کو کافی ہوگا اچانک ایک شخص آئے گا اور ندا کرے گا کہ ذوالسویقتین نکل آیا ہے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سات آٹھ سو لشکریوں کا طلایہ بھیجیں گے۔ یہ ابھی راستے میں ہی ہوں گے کہ یمنی پاک ہوا نہایت لطافت سے چلے گی۔ جو تمام مومنوں کی روح قبض کرے گی پھر تو روئے زمین پر ردی کھدی لوگ رہ جائیں گے جو چوپایوں جیسے ہوں گے ان پر قیامت قائم ہوگی اس وقت قیامت اس قدر قریب ہوگی جیسے پورے دنوں کی گھوڑی جو جننے کے قریب ہو اور گھوڑی والا اس کے آس پاس گھوم رہا ہو کہ کب بچہ ہو۔ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ یہ بیان فرما کر فرمانے لگے' اب جو شخص میرے اس قول اور اس علم کے بعد بھی کچھ کہے' اس نے تکلف کیا۔ کعب رحمتہ اللہ علیہ کا یہ واقعہ بیان کرنا بہترین واقعہ ہے کیونکہ اس کی شہادت صحیح حدیثوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس زمانے میں بیت اللہ شریف کا حج بھی کریں گے۔

چنانچہ مسند امام احمد میں یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے کہ آپ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد یقیناً بیت اللہ کا حج کریں گے۔ یہ حدیث بخاری میں بھی ہے۔ جب یہ ہولناکیاں' جب یہ زلزلے' جب یہ بلائیں اور آفتیں آ جائیں گی تو اس وقت قیامت بالکل قریب آ جائے گی اسے دیکھ کر کافر کہنے لگیں گے' یہ نہایت سخت دن ہے۔ ان کی آنکھیں پھٹ جائیں گی اور کہنے لگیں گے' ہائے ہم تو غفلت میں ہی رہے۔ ہائے ہم نے اپنا آپ بگاڑا۔ گناہوں کا اقرار اور اس پر شرمسار ہوں گے لیکن اب بے سود ہے۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ
لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَاۤءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾
لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا
يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

تم اور اللہ کے سوا جن جن کی تم عبادت کرتے ہو' سب دوزخ کا ایندھن بنو گے' تم سب دوزخ میں جانے والے ہو ○ اگر یہ سچے معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے' سب کے سب اسی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ وہ وہاں چلا رہے ہوں گے اور وہاں کچھ بھی نہ سن سکیں گے ○ جن کے لئے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی ٹھہر چکی ہے' وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے ○ وہ تو دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے' اور اپنی من مانی چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ○ وہ بڑی گھبراہٹ بھی انہیں غمگین نہ کر سکے گی اور فرشتے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے' یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے رہے ○

جہنم کی ہولناکیاں: ☆☆ (آیت: ۹۸-۱۰۳) بت پرستوں سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اور تمہارے بت جہنم کی آگ کی لکڑیاں بنو گے جیسے فرمان ہے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔ حبشی زبان میں حطب کو حصب کہتے ہیں یعنی لکڑیاں۔ بلکہ ایک قرات میں بجائے حصب کے حطب ہے۔ تم سب عابد و معبود جہنمی ہو اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے۔ اگر یہ سچے معبود ہوتے تو کیوں آگ میں جلتے؟ یہاں تو پرستار اور پرستش کئے جانے والے سب ابدی طور پر دوزخی ہو گئے۔ وہ الٹی سانس میں چیخیں گے۔ جیسے فرمان ہے لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ وہ سیدھی الٹی سانسوں سے چیخیں گے اور چیخوں کے سوا ان کے کان میں اور کوئی آواز نہ پڑے گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب صرف مشرک جہنم میں رہ جائیں گے' انہیں آگ کے صندوقوں میں قید کر دیا جائے گا جن میں آگ کے سریے ہوں گے ان میں سے ہر ایک کو یہی گمان ہو گا کہ جہنم میں اس کے سوا اور کوئی نہیں پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (ابن جریر)۔ حسنٰی سے مراد رحمت و سعادت ہے۔ جہنمیوں کا اور ان کے عذابوں کا ذکر کر کے اب نیک لوگوں کا اور ان کی جزاؤں کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ لوگ باایمان تھے ان کے نیک اعمال کی وجہ سے سعادت ان کے استقبال کو تیار تھی جیسے فرمان ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ نیکوں کے لئے نیک اجر ہے اور زیادتی اجر بھی۔ فرمان ہے هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ نیکی کا بدلہ نیک ہی ہے۔ ان کے دنیا کے اعمال نیک تھے تو آخرت میں ثواب اور نیک بدلہ ملا' عذاب سے بچے اور رحمت رب سے سرفراز ہوئے۔ یہ جہنم سے دور کر دیئے گئے کہ اس کی آہٹ تک نہیں

سنتے نہ جہنمیوں کا جلناوہ سنتے ہیں۔ پل صراط پر دوزخیوں کو زہریلے ناگ ڈستے ہیں اور یہ وہاں ہائے ہائے کرتے ہیں۔ جنتی لوگوں کے کان بھی اس دردناک آواز سے ناآشنا رہیں گے۔ اتنا ہی نہیں کہ خوف ڈر سے یہ الگ ہو گئے بلکہ ساتھ ہی راحت و آرام بھی حاصل کر لیا۔ من مانی چیزیں موجود۔ دوامی کی راحت بھی حاضر۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک رات اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا' میں اور عمر اور عثمان اور زبیر اور طلحہ اور عبدالرحمٰن انہی لوگوں میں سے ہوں یا حضرت سعد کا نام لیا رضی اللہ عنہم۔ اتنے میں نماز کی تکبیر ہوئی تو آپ چادر گھسیٹتے وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا پڑھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہو گئے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی ایسے ہی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہی لوگ اولیاء اللہ ہیں' بجلی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ پل صراط سے پار ہو جائیں گے اور کافر وہیں گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔ بعض کہتے ہیں' اس سے مراد وہ بزرگان دین ہیں جو اللہ والے تھے' شرک سے بیزار تھے لیکن ان کے بعد لوگوں نے ان کی مرضی کے خلاف ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی تھی جیسے حضرت عزیرؑ حضرت مسیحؑ فرشتے' سورج' چاند' حضرت مریم وغیرہ۔ عبداللہ بن زبعری آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا' تیرا خیال ہے کہ اللہ نے آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اتاری ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو کیا سورج' چاند' فرشتے' عزیرؑ عیسیٰؑ سب کے سب ہمارے بتوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے؟ اس کے جواب میں آیت وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ اتری اور آیت اِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ نازل ہوئی۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے' حضور ﷺ ایک دن ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نضر بن حارث آیا۔ اس وقت مسجد میں اور قریشی بھی بہت سارے تھے۔ نضر بن حارث رسول اللہ ﷺ سے باتیں کر رہا تھا لیکن وہ لاجواب ہو گیا تو آپ نے آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ سے لَا يَسْمَعُونَ تک تلاوت فرمائی۔ جب آپ اس مجلس سے چلے گئے تو عبداللہ بن زبعری آیا لوگوں نے اس سے کہا' آج نضر بن حارث نے باتیں کیں لیکن بری طرح چت ہوئے اور حضرت یہ فرماتے ہوئے چلے گئے اس نے کہا اگر میں ہوتا تو انہیں جواب دیتا کہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں' یہود عزیرؑ کو نصرانی مسیحؑ کو تو کیا یہ سب بھی جہنم میں جلیں گے؟ سب کو یہ جواب بہت پسند آیا۔ جب حضور ﷺ سے اس کا ذکر آیا تو آپؐ نے فرمایا' جس نے اپنی عبادت کرائی' وہ عابدوں کے ساتھ جہنم میں ہے۔ یہ بزرگ اپنی عبادتیں نہیں کراتے تھے بلکہ یہ لوگ تو انہیں نہیں شیطان کو پوج رہے ہیں' اسی نے انہیں ان کی عبادت کی راہ بتائی ہے۔ آپ کے جواب کے ساتھ ہی قرآنی جواب اس کے بعد کی آیت ان الذین سبقت میں اترا تو جن نیک لوگوں کی جاہلوں نے پرستش کی تھی' وہ اس سے مستثنیٰ ہو گئے۔ چنانچہ قرآن میں ہے وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْ اِلٰهٌ مِّنْ دُونِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ الخ یعنی ان میں سے جو اپنی معبودیت اوروں سے منوانی چاہے' اس کا بدلہ جہنم ہے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ اور آیت وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا الخ' اتری کہ اس بات کے سنتے ہی وہ لوگ متعجب ہو گئے اور کہنے لگے' ہمارے معبود اچھے یا وہ۔ یہ تو صرف دھینگا مشتی ہے اور یہ لوگ جھگڑالو ہی ہیں وہ ہمارا انعام یافتہ بندہ تھا۔ اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنایا تھا۔ اگر ہم چاہیں تو تمہارے جانشین فرشتوں کو کر دیں۔ حضرت عیسیٰؑ نشان قیامت ہیں۔ ان کے ہاتھ سے جو معجزات صادر ہوئے' وہ شبہ والی چیزیں نہیں' وہ قیامت کی دلیل ہیں۔ تجھے اس میں کچھ شک نہ کرنا چاہئے۔ میری مانتا چلا جا' یہی صراط مستقیم ہے۔ ابن زبعری کی جرأت کو دیکھئے' خطاب اہل مکہ سے ہے اور ان کی تصویروں اور پتھروں کے لئے کہا گیا ہے جنہیں وہ سوائے اللہ کے پوجا کرتے تھے نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ پاک نفس کے لئے جو غیر اللہ کی عبادت سے روکتے تھے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' لفظ ما جو یہاں ہے' وہ عرب میں ان کے لئے آتا ہے جو بے جان اور بے عقل ہوں۔ یہ ابن زبعری اس کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ بڑے مشہور شاعر تھے۔ پہلے انہوں نے مسلمانوں کی دل کھول کر دھول اڑائی تھی لیکن مسلمان ہونے کے بعد بڑی معذرت کی۔

موت کی گھبراہٹ‘ نفخہ کی گھبراہٹ‘ لوگوں کی جہنم کے داخلے کے وقت کی گھبراہٹ‘ اس گھڑی کی گھبراہٹ جبکہ جہنم پر ڈھکن ڈھک دیا جائے گا‘ جب کہ موت کو دوزخ جنت کے درمیان ذبح کیا جائے گا‘ غرض کسی اندیشے کا نزول ان پر نہ ہوگا‘ وہ ہر غم وہراس سے دور ہوں گے‘ پورے مسرور ہوں گے‘ خوش ہوں گے اور ناخوشی سے کوسوں الگ ہوں گے۔ فرشتوں کے پرے کے پرے ان سے ملاقاتیں کر رہے ہوں گے اور انہیں ڈھارس دیتے ہوئے کہتے ہوں گے کہ اسی دن کا وعدہ تم سے کیا گیا تھا‘ اس وقت تم قبروں سے اٹھنے کے دن کے منتظر رہو۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝

جس دن ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے۔ مثل لپیٹنے کتاب کے لکھے ہوئے پر‘ جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی‘ اسی طرح دوبارہ کریں گے‘ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے ہی رہیں گے ○

اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں تمام کائنات: ☆☆ (آیت:۱۰۴) یہ قیامت کے دن ہوگا جب ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے۔ جیسے فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی تھی‘ جانی ہی نہیں۔ تمام زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ بخاری شریف میں ہے‘ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں‘ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمینوں کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں‘ ساتوں آسمانوں کو اور وہاں کی کل مخلوق کو‘ ساتوں زمینوں کو اور اس کی کل کائنات کو اللہ تعالیٰ اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹ لے گا۔ وہ اس کے ہاتھ میں ایسے ہوں گے جیسے رائی کا دانہ۔ سجل سے مراد کتاب ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ مراد یہاں ایک فرشتہ ہے۔ جب کسی کا استغفار چڑھتا ہے تو وہ کہتا ہے‘ اسے نور لکھ لو۔ یہ فرشتہ نامہ اعمال پر مقرر ہے۔ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی کتاب کو اور کتابوں کے ساتھ لپیٹ کر اسے قیامت کے لئے رکھ دیتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ نام ہے اس صحابی کا جو حضور ﷺ کا کاتب وحی تھا۔ لیکن یہ روایت ثابت نہیں‘ اکثر حفاظ حدیث نے ان سب کو موضوع کہا ہے۔ خصوصاً ہمارے استاد حافظ کبیر ابوالحجاج مزی رحمتہ اللہ علیہ نے۔

میں نے اس حدیث کو ایک الگ کتاب میں لکھا ہے۔ امام ابوجعفر بن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث پر بہت ہی انکار کیا ہے اور اس کی خوب تردید کی اور فرمایا ہے کہ سجل نام کا کوئی صحابی ہے ہی نہیں۔ حضور ﷺ کے تمام کاتبوں کے نام مشہور و معروف ہیں کسی کا نام سجل نہیں۔ فی الواقع امام صاحب نے صحیح اور درست فرمایا یہ بڑی وجہ ہے اس حدیث کے منکر ہونے کی۔ بلکہ یہ بھی یاد رہے کہ جس نے اس صحابیؓ کا ذکر کیا ہے‘ اس نے اسی حدیث پر اعتماد کر کے ذکر کیا ہے جب یہ ثابت ہی نہیں تو پھر ان کا ذکر سرتاپا غلط ٹھہرا۔ صحیح یہی ہے کہ سجل سے مراد صحیفہ ہے جیسے کہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور لغتاً بھی یہی بات ہے۔ پس فرمان ہے‘ جس دن ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے مثل لپیٹنے کتاب کے لکھے ہوئے کے۔ لام یہاں پر معنے میں علیٰ کے ہے جیسے تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ میں لام معنی میں علیٰ ہے۔ لغت میں اس کی اور نظیریں بھی ہیں واللہ اعلم۔ یہ یقیناً ہو کر رہے گا۔ اس دن اللہ تعالیٰ نئے سرے سے مخلوق کو پہلے کی طرح پیدا کرے گا۔ جو ابتدا پر قادر تھا‘ وہ اعادہ پر بھی اس سے زیادہ قادر ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اس کے وعدے اٹل ہوتے ہیں۔ وہ نہ کبھی بدلیں نہ ان میں تضاد ہو۔ وہ تمام چیزوں پر قادر ہے۔ وہ اسے پورا اور ثابت کر کے ہی رہے گا۔ حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر اپنے ایک وعظ میں فرمایا‘ تم لوگ اللہ کے سامنے جمع ہونے والے ہو۔ ننگے پیر‘ ننگے بدن‘ بے ختنے جیسے ہم نے پہلی بار پیدا کیا‘ اسی طرح دوبارہ لوٹائیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے جسے ہم پورا کر کے رہیں گے۔ الخ‘

(بخاری) سب چیزیں نیست ونابود ہو جائیں گی۔ پھر بنائی جائیں گی۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿۱۰۵﴾ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۷﴾

ہم زبور میں پند ونصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہو کر ہی رہیں گے ○ عبادت گزار بندوں کے لئے تو اس میں کفایت ہے ○ ہم نے تجھے تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے ○

سچا فیصلہ: ☆☆ (آیت: ۱۰۵-۱۰۷) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جس طرح آخرت میں دے گا' اسی طرح دنیا میں بھی انہیں ملک و مال دیتا ہے' یہ اللہ کا حتمی وعدہ اور سچا فیصلہ ہے جیسے فرمان اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ الخ' زمین اللہ کی ہے۔ جسے چاہتا ہے' اس کا وارث بناتا ہے' انجام کار پرہیز گاروں کا حصہ ہے۔ اور فرمان ہے' ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی دنیا میں اور آخرت میں مدد فرماتے ہیں۔ اور فرمان ہے' تم میں سے ایمان داروں اور نیک لوگوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں غالب بنائے گا جیسے کہ ان سے اگلوں کو بنایا اور ان کے لئے ان کے دین کو قوی کر دے گا جس سے وہ خوش ہے۔ اور فرمایا کہ یہ شرعیہ اور قدریہ کتابوں میں مرقوم ہے' یقیناً ہو کر ہی رہے گا۔ زبور سے مراد بقول سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ تورات' انجیل اور قرآن ہے۔ مجاہد کہتے ہیں' زبور سے مراد کتاب ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں' زبور اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتری تھی۔ ذکر سے مراد یہاں پر تورات ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ذکر سے مراد قرآن ہے۔ سعید فرماتے ہیں وہ ہے' جو آسمانوں میں ہے یعنی اللہ کے پاس کی ام الکتاب۔ جو سب سے پہلی کتاب ہے یعنی لوح محفوظ۔ یہ بھی مروی ہے کہ زبور اور وہ آسمانی کتابیں جو پیغمبروں پر نازل ہوئیں اور ذکر سے مراد پہلی کتاب یعنی لوح محفوظ۔ فرماتے ہیں' توراۃ' زبور اور علم الٰہی میں پہلے ہی یہ فیصلہ ہو گیا تھا کہ امت محمدؐ زمین کی بادشاہ بنے گی اور نیک ہو کر جنت میں جائے گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین سے مراد جنت کی زمین ہے۔ ابو درداء فرماتے ہیں' صالح لوگ ہم ہی ہیں۔ مراد اس سے باایمان لوگ ہیں۔ اس قرآن میں جو نبی آخر الزماں ﷺ پر اتارا گیا ہے' پوری نصیحت وکفایت ہے ان کے لئے جو ہمارے عبادت گزار بندے ہیں۔ جو ہماری مانتے ہیں۔ اپنی خواہش کو ہمارے نام پر قربان کر دیتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اپنے اس نبی کو رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجا ہے پس اس نعمت کی شکر گزاری کرنے والا دنیا و آخرت میں شادماں ہے اور ناقدری کرنے والا دونوں جہاں میں برباد و ناشاد ہے۔ جیسے ارشاد ہے کہ کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہوں نے نعمت الٰہی کی ناشکری کی اور اپنی قوم کو غارت کر دیا۔ اس قرآن کی نسبت فرمایا کہ یہ ایمان والوں کے لئے ہدایت وشفا ہے' بے ایمان بہرے اندھے ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک موقعہ پر اصحاب رسول اللہ ﷺ نے عرض کی کہ حضور ﷺ ان کافروں کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا! میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور حدیث میں ہے' آپ فرماتے ہیں میں تو صرف رحمت و ہدایت ہوں۔ اور روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ مجھے ایک قوم کی ترقی اور دوسری کے تنزل کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ ابو جہل نے کہا' اے قریشیو! محمدؐ یثرب میں چلا گیا ہے۔ اپنے طلایئے کے لشکر ادھر ادھر تمہاری جستجو میں بھیج رہا ہے۔ دیکھو ہوشیار رہنا وہ بھوکے شیر کی طرح تاک میں ہے۔ وہ خار کھائے ہوئے ہے کیونکہ تم نے اسے نکال دیا ہے۔ واللہ اس کے جادوگر بے مثال ہیں۔ میں تو اسے یا اس

کے ساتھیوں میں سے جس کسی کو دیکھتا ہوں تو مجھے ان کے ساتھ شیطان نظر آتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ اوس اور خزرج ہمارے دشمن ہیں۔ اس دشمن کو ان دشمنوں نے پناہ دی ہے۔ اس پر مطعم بن عدی کہنے لگے' ابوالحکم سنو! تمہارے اس بھائی سے جسے تم نے اپنے ملک سے جلاوطن کر دیا ہے' میں نے کسی کو زیادہ سچا اور زیادہ وعدے کا پورا کرنے والا نہیں پایا' اب جب کہ ایسے بھلے آدمی کے ساتھ تم یہ بدسلوکی کر چکے ہو تو اب تو اسے چھوڑو' تمہیں چاہئے اس سے بالکل الگ تھلگ رہو۔ اس پر ابوسفیان بن حارث کہنے لگا' نہیں تمہیں اس پر پوری سختی کرنی چاہئے۔ یاد رکھو اگر اس کے طرفدار تم پر غالب آ گئے تو تم کہیں کے نہ رہو گے' وہ رشتہ دیکھیں گے نہ کنبہ' میری رائے میں تو تمہیں مدینے والوں کو تنگ کر دینا چاہئے کہ یا تو وہ محمدؐ کو نکال دیں اور وہ بیک بینی دو گوش تن تنہا رہ جائے یا ان مدینے والوں کا صفایا کر دینا چاہئے۔ اگر تم تیار ہو جاؤ تو میں مدینے کے کونے کونے پر لشکر بٹھادوں گا اور انہیں ناکوں چنے چبوادوں گا۔ جب حضورﷺ کو یہ باتیں پہنچیں تو آپ نے فرمایا' اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں ہی انہیں قتل وغارت کروں گا اور قید کر کے پھر احسان کر کے چھوڑوں گا' میں رحمت ہوں' میرا بھیجنے والا اللہ ہے۔ وہ مجھے اس دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ اپنے دین کو دنیا پر غالب نہ کر دے۔ میرے پانچ نام ہیں۔ محمد' احمد' ماحی یعنی میری وجہ سے اللہ کفر کو مٹا دے گا' حاشر اس لیے کہ لوگ میرے قدموں پر جمع کئے جائیں گے اور عاقب۔

مسند احمد میں ہے' حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدائن میں تھے۔ بسا اوقات احادیث رسول کا مذاکرہ رہا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت حذیفہ حضرت سلمان کے پاس آئے تو حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اے حذیفہ ایک دن رسول اللہﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا کہ جسے میں نے غصے میں برا بھلا کہہ دیا ہو یا اس پر لعنت کر دی ہو تو سمجھ لو کہ میں بھی تم جیسا ایک انسان ہی ہوں۔ تمہاری طرح مجھے بھی غصہ آ جاتا ہے۔ ہاں البتہ میں چونکہ رحمت للعالمین ہوں تو میری دعا ہے کہ اللہ میرے ان الفاظ کو بھی ان لوگوں کے لئے موجب رحمت بنا دے۔ رہی یہ بات کہ کفار کے لئے آپ رحمت کیسے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن جریر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ مومنوں کے لئے تو آپ دنیا اور آخرت میں رحمت تھے اور غیر مومنوں کے لئے آپ دنیا میں رحمت تھے کہ وہ زمین میں دھنسائے جانے سے' آسمان سے پتھر کے برسائے جانے سے بچ گئے۔ جیسے کہ اگلی امتوں کے منکروں پر یہ عذاب آئے۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۷

کہہ دے کہ میری تو ساری وحی کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے' تو کیا تم بھی اس کے تسلیم کرنے والے ہو؟ ○ پھر اگر یہ منہ موڑ لیں تو کہہ دے کہ میں نے تو تمہیں یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے' مجھے مطلقاً علم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے ○ وہ قریب ہے یا دور ہے؟ البتہ اللہ تعالیٰ تو کھلی اور ظاہر

بات کو بھی جانتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اُسے بھی جانتا ہے۔ مجھے اس کا بھی علم نہیں۔ ممکن ہے یہ تمہاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک کا فائدہ ہو ○ نبی نے کہا' اے رب انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما' ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں میں جو تم بیان کیا کرتے ہو ○

جلد یا بدیر حق غالب ہوگا: ☆☆ (آیت: ۱۰۸-۱۱۲) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ مشرکوں سے فرما دیں کہ میری جانب یہی وحی کی جاتی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے۔ تم سب بھی اسے تسلیم کرلو۔ اور اگر تم میری بات پہ یقین نہیں کرتے تو ہم تم جدا ہیں' تم ہمارے دشمن ہو ہم تمہارے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اگر یہ جھٹلائیں تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے' تم میرے اعمال سے بری ہو اور میں تمہارے کرتوتوں سے بے زار ہوں۔ اور آیت میں ہے وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ یعنی اگر تجھے کسی قوم سے خیانت و بدعہدی کا اندیشہ ہو تو عہد توڑ دینے کی انہیں فوراً خبر دے دو۔ اسی طرح یہاں بھی ہے کہ اگر تم علیحدگی اختیار کرو تو ہمارے تمہارے تعلقات منقطع ہیں۔ یقین مانو کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے' وہ پورا ہونے والا تو ضرور ہے۔ اب خواہ ابھی ہو' خواہ دیر سے اس کا خود مجھے علم نہیں۔ ظاہر و باطن کا عالم اللہ ہی ہے۔ جو تم ظاہر کرو اور جو چھپاؤ' اسے سب کا علم ہے۔ بندوں کے کل اعمال ظاہر اور پوشیدہ اس پر آشکارا ہیں۔ چھوٹا بڑا' کھلا عمل چھپا سب کچھ وہ جانتا ہے۔ ممکن ہے اس کی تاخیر بھی تمہاری آزمائش ہو اور تمہیں تمہاری زندگانی تک نفع دینا ہو۔ انبیاء علیہم السلام کو جو دعا تعلیم ہوئی تھی کہ اے اللہ ہم میں اور ہماری قوم میں تو سچا فیصلہ کر اور تو ہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ حضور ﷺ کو بھی اسی قسم کی دعا کا حکم ہوا۔ حضور ﷺ جب کبھی کسی غزوے میں جاتے تو دعا کرتے کہ میرے رب تو سچا فیصلہ فرما۔ ہم اپنے مہربان رب سے ہی مدد طلب کرتے ہیں کہ وہ تمہارے جھوٹ افتراؤں کو ہم سے ٹالے۔ اس میں ہمارا مددگار وہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سورہ انبیاء ختم ہوئی۔

تفسیر سورہ حج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ﴿۱﴾ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰی وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰی وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ﴿۲﴾

سب سے زیادہ مہربان بہت رحم والے اللہ کے نام سے ○

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہا کرو' قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے ○ جس دن تم اسے دیکھ لوگے' ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے۔ اور تو دیکھے گا کہ لوگ متوالے دکھائی دیں گے حالانکہ درحقیقت وہ متوالے نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے ○

دعوت تقویٰ: ☆☆ (آیت: ۱-۷) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تقوے کا حکم فرماتا ہے۔ اور آنے والے دہشت ناک امور سے ڈرا رہا ہے خصوصاً قیامت کے زلزلے سے۔ اس سے مراد یا تو وہ زلزلہ ہے جو قیامت کے قائم ہونے کے درمیان آئے گا۔ جیسے فرمان ہے اِذَا زُلْزِلَتِ

الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا الخ' زمین خوب اچھی طرح جھنجھوڑ دی جائے گی۔ اور فرمایا وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً الخ' یعنی زمین اور پہاڑ اٹھا کر باہم ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔ اور فرمان ہے اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا الخ' یعنی جب کہ زمین بڑے زور سے ہلنے لگے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ صور کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب آسمان و زمین کو پیدا کر چکا تو صور کو پیدا کیا' اسے حضرت اسرافیل کو دیا' وہ اسے منہ میں لئے ہوئے آنکھیں اوپر کو اٹھائے ہوئے عرش کی جانب دیکھ رہے ہیں کہ کب حکم الٰہی ہو اور وہ صور پھونک دیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا' یا رسول اللہ صور کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا ایک پھونکنے کی چیز ہے۔ بہت بڑی' جس میں تین مرتبہ پھونکا جائے گا پہلا نفخہ گھبراہٹ کا ہو گا' دوسرا بیہوشی کا۔

تیسرا اللہ کے سامنے کھڑا ہونے کا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم ہو گا۔ وہ پھونکیں گے جس سے کل زمین و آسمان والے گھبرا اٹھیں گے سوائے ان کے جنہیں اللہ چاہے۔ بغیر رکے' بغیر سانس لئے بہت دیر تک برابر اسے پھونکتے رہیں گے۔ اسی پہلے صور کا ذکر آیت وَمَا یَنْظُرُ ھٰۤؤُلَاۤءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَھَا مِنْ فَوَاقٍ میں ہے۔ اس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ زمین کپکپانے لگے گی۔ جیسے فرمان ہے یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ الخ' جب کہ زمین لرزنے لگے گی اور یکے بعد دیگر زبردست جھٹکے لگیں گے' دل دھڑکنے لگیں گے' زمین کی وہ حالت ہو جائے گی جو کشتی کی طوفان میں اور گرداب میں ہوتی ہے یا جیسے کوئی قندیل عرش میں لٹک رہی ہو جسے ہوائیں چاروں طرف جھلا رہی ہوں۔ آہ یہی وقت ہو گا کہ دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے' شیاطین بھاگنے لگیں گے زمین کے کناروں تک پہنچ جائیں گے لیکن وہاں سے فرشتوں کی مار کھا کر لوٹ آئیں گے' لوگ ادھر ادھر حیران پریشان بھاگنے دوڑنے لگیں گے' ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگیں گے اسی لئے اس دن کا نام قرآن نے یَوْمَ التَّنَادِ رکھا۔ اسی وقت زمین ایک طرف سے دوسری طرف تک پھٹ جائے گی۔ اس وقت کی گھبراہٹ کا اندازہ نہیں ہو سکتا اب آسمان میں انقلابات ظاہر ہوں گے۔ سورج چاند بے نور ہو جائے گا۔ ستارے جھڑنے لگیں گے اور کھال ادھڑنے لگے گی۔ زندہ لوگ یہ سب کچھ دیکھ رہے ہوں گے ہاں مردہ لوگ اس سے بے خبر ہوں گے۔ آیت قرآن فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ میں جن لوگوں کا استثنا کیا گیا ہے کہ وہ بیہوش نہ ہوں گے۔ اس سے مراد شہید لوگ ہیں۔ یہ گھبراہٹ زندوں پر ہو گی شہدا اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور روزیاں پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے شر سے نجات دے گا اور انہیں پر امن رکھے گا یہ عذاب الٰہی صرف بدترین مخلوق کو ہو گا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ اس سورت کی شروع کی آیتوں میں بیان فرماتا ہے۔ یہ حدیث طبرانی' ابن جریر' ابن ابی حاتم وغیرہ میں ہے اور بہت مطول ہے اس حصے کو نقل کرنے سے یہاں مقصود یہ ہے کہ اس آیت میں جس زلزلے کا ذکر ہے' یہ قیامت سے پہلے ہو گا اور قیامت کی طرف اس کی اضافت بوجہ قرب اور نزدیکی کے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے اشراط الساعہ وغیرہ واللہ اعلم۔ یا اس سے مراد وہ زلزلہ ہے جو قیام قیامت کے بعد میدان محشر میں ہو گا جب کہ لوگ قبروں سے نکل کر میدان میں جمع ہوں گے' امام ابن جریر اسے پسند فرماتے ہیں اس کی دلیل میں بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

حضور ﷺ ایک سفر میں تھے آپ کے اصحاب ؓ تیز تیز چل رہے تھے جو آپ نے با آواز بلند ان دونوں آیتوں کی تلاوت کی' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان میں آواز پڑتے ہی وہ سب اپنی سواریاں لے کر آپ کے اردگرد جمع ہو گئے کہ شاید آپ کچھ اور فرمائیں گے آپؐ نے فرمایا' جانتے ہو یہ کون سا دن ہو گا؟ یہ وہ دن ہو گا جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو فرمائے گا کہ اے آدم جہنم کا حصہ نکال' وہ کہیں گے الٰہی کتنوں میں سے کتنے؟ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم کے لئے اور ایک جنت کے لئے۔ یہ سنتے ہی صحابہؓ کے دل دہل گئے' چپ لگ گئی۔ آپؐ نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ ''غم نہ کرو' خوش ہو جاؤ' عمل کرتے رہو' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے'

تمہارے ساتھ مخلوق کی وہ تعداد ہے کہ جس کے ساتھ ہوا سے بڑھا دے یعنی یاجوج ماجوج اور بنی آدم میں سے جو ہلاک ہو گئے اور ابلیس کی اولاد' اب صحابہ کی گھبراہٹ کم ہوئی تو آپ نے فرمایا' عمل کرتے رہو اور خوشخبری سنو۔ اس کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے' تم تو اور لوگوں کے مقابلے پر ایسے ہی ہو جیسے اونٹ کے پہلو کا یا جانور کے ہاتھ کا داغ۔ اسی روایت کی اور سند میں ہے کہ یہ آیت حالت سفر میں اتری۔ اس میں ہے کہ صحابہؓ حضور ﷺ کا وہ فرمان سن کر رونے لگے آپ نے فرمایا' قریب قریب رہو اور ٹھیک ٹھاک رہو۔ ہر نبوت سے پہلے جاہلیت کا زمانہ رہا ہے وہی اس گنتی کو پوری کر دے گا ورنہ منافقوں سے وہ گنتی پوری ہوگی۔ اس میں ہے کہ آپ نے فرمایا' مجھے تو امید ہے کہ اہل جنت کی چوتھائی صرف تم ہی ہو گے یہ سن کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ اکبر کہا' ارشاد ہوا کہ عجب نہیں کہ تم تہائی ہو۔ اس پر انہوں نے پھر تکبیر کہی آپ نے فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ تم ہی نصفا نصف ہو گے انہوں نے پھر تکبیر کہی۔ راوی کہتے ہیں مجھے یاد نہیں کہ پھر آپ نے دو تہائیاں بھی فرمائیں یا نہیں؟۔ اور روایت میں ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی میں مدینے کے قریب پہنچ کر آپ نے تلاوت آیت شروع کی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جنوں اور انسانوں سے جو ہلاک ہوئے اور روایت میں ہے کہ تم تو ایک ہزار اجزا میں سے ایک جز ہی ہو۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پکارے گا' وہ جواب دیں گے لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَ سَعْدَيْكَ پھر آواز آئے گی کہ اللہ تجھے حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے جہنم کا حصہ نکال۔ پوچھیں گے کہ الٰہی کتنا؟ حکم ہوگا' ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے۔ اس وقت حاملہ کے حمل گر جائیں گے' بچے بوڑھے ہو جائیں گے' لوگ حواس باختہ ہو جائیں گے۔ کسی نشے سے نہیں بلکہ اللہ کے عذابوں کی سختی کی وجہ سے۔ یہ سن کر صحابہ کے چہرے متغیر ہو گئے تو آپ نے فرمایا' یاجوج ماجوج میں سے نوسو ننانوے اور تم میں سے ایک۔ تم تو ایسے ہو جیسے سفید رنگ بیل کے چند سیاہ بال جو اس کے پہلو میں ہوں یا مثل چند سفید بالوں کے جو سیاہ رنگ بیل کے پہلو میں ہوں۔ پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تمام اہل جنت کی گنتی میں تمہاری گنتی چوتھے حصے کی ہوگی ہم نے اس پر تکبیر کہی پھر فرمایا آدھی تعداد میں سب اور' اور آدھی تعداد صرف تمہاری۔ اور روایت میں ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضور ﷺ پھر وہ ایک خوش نصیب ہم میں سے کون ہوگا؟ جب کہ حالت یہ ہے۔ اور روایت میں ہے کہ تم اللہ کے سامنے ننگے پیروں' ننگے بدن' بے ختنہ حاضر کئے جاؤ گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا' حضور ﷺ مرد عورتیں ایک ساتھ؟ ایک دوسرے پر نظریں پڑیں گی؟ آپ نے فرمایا' عائشہؓ وہ وقت نہایت سخت اور خطرناک ہوگا (بخاری و مسلم) مسند احمد میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا دوست اپنے دوست کو قیامت کے دن یاد کرے گا؟ آپ نے فرمایا عائشہ تین موقعوں پر کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔ اعمال کے تول کے وقت جب تک کہ کمی زیادتی نہ معلوم ہو جائے۔ اعمال ناموں کے اڑائے جانے کے وقت جب تک دائیں بائیں ہاتھ میں نہ آ جائیں۔ اس وقت جب کہ جہنم میں سے ایک گردن نکلے گی جو گھیر لے گی اور سخت غیظ و غضب میں ہوگی اور کہے گی' میں تین قسم کے لوگوں پر مسلط کی گئی ہوں ایک تو وہ لوگ جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے رہتے ہیں' دوسرے وہ جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور ہر سرکش ضدی متکبر پر' پھر تو وہ انہیں سمیٹ لے گی اور چن چن کر اپنے پیٹ میں پہنچا دے گی۔ جہنم پر پل صراط ہوگی جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہوگی۔ اس پر آنکس اور کانٹے ہوں گے۔ جسے اللہ چاہے پکڑ لے گی۔ اس پر سے گزرنے والے مثل بجلی کے ہوں گے' مثل آنکھ جھپکنے کے' مثل ہوا کے' مثل تیز رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کے۔ فرشتے ہر طرف کھڑے دعائیں کرتے ہوں گے کہ اللہ سلامتی دے' اللہ بچا دے پس بعض تو بالکل صحیح سالم گزر جائیں گے' بعض کچھ چوٹ کھا کر بچ جائیں گے' بعض اوندھے منہ جہنم میں گریں گے۔ قیامت کے آثار میں اور اس کی ہولناکیوں میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ جن کی جگہ اور ہے۔ یہاں فرمایا قیامت کا زلزلہ نہایت خطرناک ہے' بہت سخت ہے' نہایت مہلک ہے' دل دہلانے والا اور کلیجہ اڑانے والا ہے۔ زلزلہ رعب و گھبراہٹ کے وقت دل کے ہلنے کو کہتے ہیں جیسے آیت میں ہے کہ اس میدان جنگ میں مومنوں کو بتلا کیا گیا اور سخت

جھنجھوڑ دیئے گئے۔ جب تم اسے دیکھو گے یہ ضمیر شان کی قسم سے ہے' اسی لئے اس کے بعد اس کی تفسیر ہے کہ اس سختی کی وجہ سے دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور حاملہ کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ لوگ بدحواس ہو جائیں گے۔ ایسے معلوم ہوں گے جیسے کوئی نشے میں بدمست ہو رہا ہو۔ دراصل وہ نشے میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کے عذابوں کی سختی نے انہیں بے ہوش کر رکھا ہوگا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۙ﴿۳﴾ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۴﴾

بعض لوگ اللہ کے بارے میں باتیں بناتے ہیں اور وہ بھی بے علمی کے ساتھ سرکش شیطان کی ماتحتی میں ○ جس پر قضائے الٰہی لکھ دی گئی ہے کہ جو کوئی اس کی رفاقت کرے گا وہ اسے گمراہ کر دے گا اور آگ کے عذاب کی طرف اسے لے چلے گا ○

ازلی مردہ لوگ: ☆☆ (آیت: ۳-۴) جو لوگ موت کے بعد کی زندگی کے منکر ہیں اور اللہ کو اس پر قادر ہی نہیں مانتے اور فرمان الٰہی سے ہٹ کر' نبیوں کی تابعداری کو چھوڑ کر' سرکش انسانوں اور جنوں کی ماتحتی کرتے ہیں' ان کی جناب باری تعالیٰ تردید فرما رہا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ جتنے بدعتی اور گمراہ لوگ ہیں' وہ حق سے منہ پھیر لیتے ہیں' باطل کی اطاعت میں لگ جاتے ہیں۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو چھوڑ دیتے ہیں اور گمراہ سرداروں کی ماننے لگتے ہیں' ان کی رائے خواہش پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ ان کے پاس کوئی صحیح علم نہیں ہوتا۔ یہ جس کی مانتے ہیں' وہ تو ازلی مردود ہے' اپنی تقلید کرنے والوں کو وہ بہکاتا رہتا ہے اور آخر ش انہیں عذابوں میں پھانس دیتا ہے جو جہنم کی جلانے والی آگ کے ہیں۔ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں اتری ہے۔ اس خبیث نے کہا تھا کہ ذرا بتلاؤ تو اللہ تعالیٰ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا۔ اس کے اس سوال سے آسمان لرز اٹھا اور اس کی کھوپڑی اڑ گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک یہودی نے ایسا ہی سوال کیا تھا۔ اسی وقت آسمانی کڑاکے نے اسے ہلاک کر دیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۵﴾

لوگو! تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں کوئی شک ہے تو سوچو تو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو صورت دیا گیا تھا اور بے نقشہ تھا۔ یہ ہم تم پر ظاہر کر دیتے ہیں اور ہم جسے چاہیں ایک ٹھہرائے ہوئے وقت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں۔ پھر تمہیں بچپن کی حالت میں

دنیا میں لاتے ہیں۔ پھر تا کہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو تم میں سے بعض تو وہ ہیں جو فوت کر لئے جاتے ہیں اور بعض ناکارہ عمر کی طرف پھر سے لوٹا دیئے جاتے ہیں کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد پھر بےخبر ہو جائے تو دیکھتا ہے کہ زمین بنجر اور خشک ہے۔ پھر جب ہم اس پر بارشیں برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی رونق دار نباتات اگاتی ہے ○

پہلی پیدائش دوسری پیدائش کی دلیل : ☆☆ (آیت: ۵) مخالفین اور منکرین قیامت کے سامنے دلیل بیان کی جاتی ہے کہ اگر تمہیں دوسری بار کی زندگی سے انکار ہے تو ہم اس کی دلیل میں تمہاری پہلی دفعہ کی پیدائش تمہیں یاد دلاتے ہیں۔ تم اپنی اصلیت پر غور کر کے دیکھو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے بنایا ہے یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو جن کی نسل تم سب ہو۔ پھر تم سب کو ذلیل پانی کے قطروں سے پیدا کیا ہے جس نے پہلے خون بستہ کی شکل اختیار کی' پھر گوشت کا ایک لوتھڑا بنا' چالیس دن تک تو نطفہ اپنی شکل میں بڑھتا ہے پھر بحکم الٰہی اس میں خون کی سرخ پھٹکی پڑتی ہے پھر چالیس دن کے بعد وہ ایک گوشت کے ٹکڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس میں کوئی صورت وشبیہ نہیں ہوتی پھر اللہ تعالیٰ اسے صورت عنایت فرماتا ہے۔ سر' ہاتھ' سینہ' پیٹ' رانیں' پاؤں اور کل اعضا بنتے ہیں۔ کبھی اس سے پہلے ہی حمل ساقط ہو جاتا ہے کبھی اس کے بعد بچہ گر پڑتا ہے یہ تو تمہارے مشاہدے کی بات ہے اور کبھی ٹھہر جاتا ہے۔ جب اس لوتھڑے پر چالیس دن گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اسے ٹھیک ٹھاک اور درست کر کے اس میں روح پھونک دیتا ہے اور جیسے اللہ کی چاہت ہو' خوبصورت' بدصورت' مرد' عورت بنا دیا جاتا ہے۔ رزق' اجل' نیکی' بدی اسی وقت لکھ دی جاتی ہے۔

صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس رات تک جمع ہوتی ہے۔ پھر چالیس دن تک خون بستہ کی صورت رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کے لوتھڑے کی پھر فرشتے کو چار چیزیں لکھ دینے کا حکم دے کر بھیجا جاتا ہے رزق' عمل' اجل' شقی یا سعید ہونا لکھ لیا جاتا ہے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ عبداللہ فرماتے ہیں' نطفے کے رحم میں ٹھہرتے ہی فرشتہ پوچھتا ہے کہ الٰہی یہ مخلوق ہو گا یا نہیں؟ اگر انکار ہوا تو وہ جمتا ہی نہیں۔ خون کی شکل میں رحم اسے خارج کر دیتا ہے اور اگر حکم ملا کہ اس کی پیدائش کی جائے گی تو فرشتہ دریافت کرتا ہے کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی؟ نیک ہو گا یا بد؟ اجل کیا ہے؟ اثر کیا ہے؟ کہاں مرے گا؟ پھر نطفے سے پوچھا جاتا ہے' تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے اللہ' پوچھا جاتا ہے رازق کون ہے؟ کہتا ہے اللہ پھر فرشتے سے کہا جاتا ہے' تو جا اور اصل کتاب میں دیکھ لے وہیں اس کا سارا حال مل جائے گا پھر وہ پیدا کیا جاتا ہے لکھی ہوئی زندگی گزارتا ہے مقدر کا رزق پاتا ہے مقررہ جگہ چلتا پھرتا ہے پھر موت آتی ہے اور دفن کیا جاتا ہے جہاں دفن ہونا مقدر ہے۔ پھر حضرت عامر رحمتہ اللہ علیہ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ مضغہ ہونے کے بعد چوتھی پیدائش کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور ذی روح بنتا ہے۔

حضرت حذیفہ بن اسید کی مرفوع روایت میں ہے کہ چالیس پینتالیس دن جب نطفے پر گزر جاتے ہیں تو فرشتہ دریافت کرتا ہے کہ یہ دوزخی ہے یا جنتی؟ جو جواب دیا جاتا ہے لکھ لیتا ہے پھر پوچھتا ہے لڑکا ہو گا یا لڑکی؟ جو جواب ملتا ہے لکھ لیتا ہے پھر عمل اور اثر اور رزق اور اجل لکھی جاتی ہے اور صحیفہ لپیٹ لیا جاتا ہے جس میں نہ کمی ممکن ہے نہ زیادتی۔ پھر بچہ ہو کر دنیا میں تولد ہوتا ہے نہ عقل ہے نہ سمجھ' کمزور ہے اور تمام اعضاء ضعیف ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بڑھاتا رہتا ہے ماں باپ کو مہربان کر دیتا ہے۔ دن رات انہیں اس کی فکر رہتی ہے تکلیفیں اٹھا کر پرورش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پروان چڑھاتا ہے۔ یہاں تک کہ عنفوان جوانی کا زمانہ آتا ہے۔ خوبصورت تنومند ہو جاتا ہے۔ بعض تو جوانی میں ہی چل بستے ہیں' بعض بوڑھے پھوس ہو جاتے ہیں۔ کہ پھر سے عقل وخرد کھو بیٹھتے ہیں اور بچوں کی طرح ضعیف ہو جاتے ہیں' حافظہ' فہم' فکر سب میں فتور پڑ جاتا ہے' علم کے بعد بےعلم ہو جاتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ الخ' اللہ نے

تمہیں کمزوری میں پیدا کیا پھر زور دیا پھر اس قوت وطاقت کے بعد ضعف اور بڑھاپا آیا' جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے پورے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔ مسند حافظ ابو یعلی موصلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بچہ جب تک بلوغت کو نہ پہنچے' اس کی نیکیاں اس کے باپ کے یا ماں باپ کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں اور برائی نہ اس پر ہوتی ہے نہ ان پر۔ بلوغت پر پہنچتے ہی قلم اس پر چلنے لگتا ہے اس کے ساتھ کے فرشتوں کو اس کی حفاظت کرنے اور اسے درست رکھنے کا حکم مل جاتا ہے جب وہ اسلام میں ہی چالیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تین بلاؤں سے نجات دے دیتا ہے جنون سے' جذام سے اور برص سے' جب اسے اللہ کے دین پر پچاس سال گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں تخفیف کر دیتا ہے۔ جب وہ ساٹھ سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی کے کاموں کی طرف اس کی طبیعت کا پورا میلان کر دیتا ہے اور اسے اپنی طرف راغب کر دیتا ہے۔ جب وہ ستر برس کا ہو جاتا ہے تو آسمانی فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب وہ اسی برس کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں تو لکھتا ہے لیکن برائیوں سے تجاوز فرما لیتا ہے۔ جب وہ نوے برس کی عمر کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے اور اس کے گھرانے والوں کے لئے اسے سفارشی اور شفیع بنا دیتا ہے۔ وہ اللہ کے ہاں امین اللہ کا خطاب پاتا ہے اور زمین میں اللہ کے قیدیوں کی طرح رہتا ہے۔ جب بہت بڑی ناکارہ عمر کو پہنچ جاتا ہے جب کہ علم کے بعد بے علم ہو جاتا ہے تو جو کچھ وہ اپنی صحت اور ہوش کے زمانے میں نیکیاں کیا کرتا تھا سب اس کے نامۂ اعمال میں برابر لکھی جاتی ہیں اور اگر کوئی برائی اس سے ہوگئی تو وہ نہیں لکھی جاتی۔

یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس میں سخت نکارت ہے باوجود اس کے اسے امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ اپنی مسند میں لائے ہیں موقوفاً بھی اور مرفوعاً بھی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے از فرمان رسول اللہ ﷺ۔ پھر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی دوسری سند سے مرفوعاً یہی وارد کی ہے۔ حافظ ابو بکر بن بزار رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسے بہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث مرفوع میں بیان کیا ہے (اور مسلمانوں پر رب کی مہربانی کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اللہ ہماری عمر میں نیکی کے ساتھ برکت دے آمین)۔ مردوں کے زندہ کر دینے کی ایک دلیل یہ بیان کر کے پھر دوسری دلیل بیان فرماتا ہے کہ چٹیل میدان' بے روئیدگی کی خشک اور سخت زمین کو ہم آسمانی پانی سے لہلہاتی اور تر و تازہ کر دیتے ہیں' طرح طرح کے پھل پھول' میوے دانے وغیرہ کے درختوں سے سرسبز ہو جاتی ہے' قسم قسم کے درخت اگ آتے ہیں اور جہاں کچھ نہ تھا' وہاں سب کچھ ہو جاتا ہے' مردہ زمین ایک دم زندگی کے کشادہ سانس لینے لگتی ہے جس جگہ ڈر لگتا تھا' وہاں اب راحت روح اور نور عین' سرور قلب موجود ہو جاتا ہے۔ قسم قسم کے طرح طرح کے میٹھے کھٹے' خوش ذائقہ' مزیدار' رنگ روپ والے پھل اور میووں سے لدے ہوئے خوبصورت چھوٹے بڑے درخت جھوم جھوم کر بہار کا لطف دکھانے لگتے ہیں۔ یہی وہ مردہ زمین ہے جو کل تک خاک اڑا رہی تھی۔ آج دل کا سرور اور آنکھوں کا نور بن کر اپنی زندگی کی جوانی کا مزہ دے رہی ہے۔ پھولوں کے چھوٹے چھوٹے پودے دماغ کو مخزن عطار بنا دیتے ہیں' دور سے نسیم کے ہلکے ہلکے جھونکے کتنے خوشگوار معلوم ہوتے ہیں۔ فسبحان اللہ و بحمدہ۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝

یہ اس لئے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ مردوں کو جلاتا ہے اور وہ ہر ہر چیز قدرت رکھنے والا ہے ○ اور یہ کہ قیامت قطعاً آنے والی ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں اور

یقیناً اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا ○

(آیت:۶-۷) سچ ہے خالق ومدبر اپنی چاہت کے مطابق کرنے والا خودمختار حاکم حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے- وہی مردوں کا زندہ کرنے والا ہے اور اس کی نشانی مردہ زمین کا زندہ ہونا مخلوق کی نگاہوں کے سامنے ہے- وہ ہر انقلاب پر' ہر قلب ماہیت پر قادر ہے' جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے' جس کام کا ارادہ کرتا ہے فرماتا ہے' ہو جا پھر ناممکن ہے کہ وہ کہتے ہی ہو نہ جائے- یاد رکھو قیامت قطعاً بلاشک وشبہ آنے والی ہی ہے اور قبروں کے مردوں کو وہ قدرت والا اللہ زندہ کر کے اٹھانے والا ہے' وہ عدم سے وجود میں لانے پر قادر تھا اور ہے اور رہے گا- سورہ یٰسین میں بھی بعض لوگوں کے اس اعتراض کا ذکر کر کے انہیں ان کی پہلی پیدائش یاد دلا کر قائل کیا گیا ہے ساتھ ہی سبز درخت سے آگ پیدا کرنے کی قلب ماہیت کو بھی دلیل میں پیش فرمایا گیا ہے اور آیتیں بھی اس بارے میں بہت سی ہیں-

حضرت لقیط بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابورزین عقیلی کی کنیت سے مشہور ہیں' ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ہم لوگ سب کے سب قیامت کے دن اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھیں گے؟ اور اس کی مخلوق میں اس دیکھنے کی مثال کوئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا! کیا تم سب کے سب چاند کو یکساں طور پر نہیں دیکھتے؟ ہم نے کہا ہاں' فرمایا' پھر اللہ تو بہت بڑی عظمت والا ہے- آپؐ نے پھر پوچھا: حضور ﷺ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی بھی کوئی مثال دنیا میں ہے؟ جواب ملا کہ کیا ان جنگلوں سے تم نہیں گزرے جو غیر آباد ویران پڑے ہوں' خاک اڑ رہی ہو' خشک مردہ ہو رہے ہوں پھر تم دیکھتے ہو کہ وہی ٹکڑا سبزے سے اور قسم قسم کے درختوں سے ہرا بھرا زندہ نو پید ہو جاتا ہے بارونق بن جاتا ہے اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور مخلوق میں یہی دیکھی ہوئی مثال اس کا کافی نمونہ اور ثبوت ہے (ابوداؤد وغیرہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جو اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور قیامت قطعاً بے شبہ آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے دوبارہ زندہ کرے گا وہ یقیناً جنتی ہے-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۸ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۹ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۰ع

بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں ○ اپنا بازو موڑنے والا بن کر اس لئے کہ راہ اللہ سے بہکا دے اسے دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور قیامت کے دن بھی ہم اسے جہنم میں جلنے کا عذاب چکھائیں گے ○ ان اعمال کی وجہ سے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے تھے- یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ○

گمراہ جاہل مقلد لوگ: ☆☆ (آیت:۸-۱۰) چونکہ اوپر کی آیتوں میں گمراہ جاہل مقلدوں کا حال بیان فرمایا تھا' یہاں ان کے مرشدوں اور پیروں کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ وہ بے عقلی اور بے دلیلی سے صرف رائے' قیاس اور خواہش نفسانی سے اللہ کے بارے میں کلام کرتے رہتے ہیں- حق سے اعراض کرتے ہیں' تکبر سے گردن پھیر لیتے ہیں' حق کو قبول کرنے سے بے پرواہی کے ساتھ انکار کر جاتے ہیں جیسے فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کھلے معجزوں کو دیکھ کر بھی بے پرواہی کی اور نہ مانا- اور آیت میں ہے' جب ان سے اللہ کی وحی کی تابعداری کو کہا جاتا ہے اور رسول اللہ ؐ کے فرمان کی طرف بلایا جاتا ہے تو تو دیکھے گا کہ اے رسول ﷺ یہ منافق تجھ سے دور چلے جایا کرتے

ہیں۔ سورہ منافقون میں ارشاد ہوا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اور اپنے لئے رسول اللہ ﷺ سے استغفار کرواؤ تو وہ اپنے سر گھما کر گھمنڈ میں آ کر بے نیازی سے انکار کر جاتے ہیں۔ حضرت لقمان رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ لوگوں سے اپنے رخسار نہ پھلا دیا کر یعنی اپنے تئیں بڑا سمجھ کر ان سے تکبر نہ کر۔ اور آیت میں ہے ہماری آیتیں سن کر یہ تکبر سے منہ پھیر لیتا ہے۔ لِيُضِلَّ کا لام یا تو لام عاقبت ہے یا لام تعلیل ہے اس لئے کہ بسا اوقات اس کا مقصود دوسروں کو گمراہ کرنا نہیں ہوتا۔ اور ممکن ہے کہ اس سے مراد معاند اور انکار ہی ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ ہم نے اسے ایسا بدخلق اس لئے بنا دیا ہے کہ یہ گمراہوں کا سردار بن جائے۔ اس کے لئے دنیا میں بھی ذلت وخواری ہے جو اس کے تکبر کا بدلہ ہے۔ یہ یہاں تکبر کر کے بڑا بننا چاہتا تھا ہم اسے اور چھوٹا کر دیں گے یہاں بھی اپنی چاہت میں ناکام اور بے مراد رہے گا۔ اور آخرت کے دن بھی جہنم کی آگ کا لقمہ ہوگا۔ اسے بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ یہ تیرے اعمال کا نتیجہ ہے اللہ کی ذات ظلم سے پاک ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اسے پکڑ لو اور گھسیٹ کر جہنم میں لے جاؤ اور اس کے سر پر آگ جیسے پانی کی دھار بہاؤ۔ لے اب اپنی عزت اور تکبر کا بدلہ لیتا جا۔ یہی وہ ہے جس سے عمر بھر شک وشبہ میں رہا۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک دن میں وہ ستر ستر مرتبہ آگ میں جل کر بھرتا ہو جائے گا پھر زندہ کیا جائے گا پھر جلایا جائے گا (اعاذنا اللہ)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایک کنارے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں' اگر کوئی نفع مل گیا تو دلچسپی لینے لگتے ہیں' اور اگر کوئی آفت آ گئی تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں' انہوں نے دونوں جہان کا نقصان اٹھا لیا' واقعی یہ کھلا نقصان ہے ○ اللہ کے سوا انہیں پکارا کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکیں نہ نفع' یہی تو دور دراز کی گمراہی ہے ○ اسے پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے بہت ہی قریب ہے' یقیناً برے والی ہیں (دوست) اور برے ساتھی ○

شک کے مارے لوگ: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۳) حرف کے معنی شک کے' ایک طرف کے ہیں۔ گویا وہ دین کے ایک کنارے کھڑے ہو جاتے ہیں فائدہ ہوا تو پھولے نہیں سماتے' نقصان دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے' اعراب ہجرت کر کے مدینے پہنچتے تھے اب اگر بال بچے ہوئے' جانوروں میں برکت ہوئی تو کہتے یہ دین بڑا اچھا ہے اور اگر نہ ہوئے تو کہتے یہ دین تو نہایت برا ہے۔ ابن ابی حاتم میں آپ ہی سے مروی ہے کہ اعراب حضور ﷺ کے پاس آتے' اسلام قبول کرتے' واپس جا کر اگر اپنے ہاں بارش پانی پاتے' جانوروں میں' گھر بار میں برکت دیکھتے تو اطمینان سے کہتے' بڑا اچھا دین ہے اور اگر اس کے خلاف دیکھتے تو جھٹ سے بک دیتے کہ اس دین میں سوائے نقصان کے اور کچھ نہیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ بروایت عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایسے

لوگ بھی تھے جو مدینے پہنچتے ہی اگر ان کے ہاں لڑکا ہوتا یا ان کی اونٹنی بچہ دیتی تو انہیں راحت ہوئی تو خوش ہو جاتے اور اس دین کی تعریفیں کرنے لگتے اور اگر کوئی بلا مصیبت آ گئی' مدینے کی ہوا موافق نہ آئی' گھر میں لڑکی پیدا ہو گئی' صدقے کا مال میسر نہ ہوا تو شیطانی وسوسے میں آ جاتے اور صاف کہہ دیتے کہ اس دین میں تو مشکل ہی مشکل ہے۔

عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ یہ حالت منافقوں کی ہے' دنیا اگر مل گئی تو دین سے خوش ہیں' جہاں نہ ملی یا کوئی امتحان آ گیا' فوراً پلہ جھاڑ لیا کرتے ہیں' مرتد کافر ہو جاتے ہیں۔ یہ پورے بدنصیب ہیں دنیا و آخرت دونوں برباد کر لیتے ہیں' اس سے زیادہ اور بربادی کیا ہوتی؟ جن ٹھاکروں' بتوں اور بزرگوں سے یہ مدد مانگتے ہیں' جن سے فریاد کرتے ہیں' جن کے پاس اپنی حاجتیں لے جاتے ہیں' جن سے روزیاں مانگتے ہیں' وہ تو محض عاجز ہیں' نفع نقصان ان کے ہاتھ ہی نہیں۔ سب سے بڑی گمراہی یہی ہے۔ دنیا میں بھی ان کی عبادت سے نقصان' نفع سے پیشتر ہی ہو جاتا ہے۔ اور آخرت میں ان سے جو نقصان پہنچے گا اس کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ یہ بت تو ان کے نہایت برے والی اور نہایت برے ساتھی ثابت ہوں گے یا یہ مطلب کہ ایسا کرنے والے خود بہت ہی بد اور بڑے ہی برے ہیں۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ اچھی ہے واللہ اعلم۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿١٤﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿١٥﴾ وَكَذَٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ﴿١٦﴾

ایمان اور نیک اعمال والوں کو اللہ تعالیٰ لہریں لیتی ہوئی نہروں والی جنتوں میں لے جائے گا' اللہ جو ارادہ کرے اسے کر کے ہی رہتا ہے ○ جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد دونوں جہان میں نہ کرے گا' وہ اونچائی پر ایک رسا باندھ کر اپنے حلق میں پھندا پھانس لے۔ پھر دیکھ لے کہ اس کی چالاکیوں سے کیا وہ بات ہٹ جاتی ہے جو اسے تڑپا رہی ہے؟ ○ ہم نے اسی طرح اس قرآن کو واضح آیتوں میں اتارا ہے' جسے اللہ چاہے ہدایت نصیب فرماتا ہے ○

یقین کے مالک لوگ: ☆☆ (آیت:۱۴) برے لوگوں کا بیان کر کے بھلے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کے دلوں میں یقین کا نور ہے اور جن کے اعمال میں سنت کا ظہور ہے' بھلائیوں کے خواہاں برائیوں سے گریزاں ہیں۔ یہ بلند محلات میں عالی درجات میں ہوں گے کیونکہ یہ راہ یافتہ ہیں۔ ان کے علاوہ سب لوگ حواس باختہ ہیں۔ اب جو چاہے کرے' جو چاہے رکھے دھرے۔

مخالفین نبی ﷺ ہلاک ہوں: ☆☆ (آیت:۱۵-۱۶) یعنی جو یہ جان رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی مدد نہ دنیا میں کرے گا نہ آخرت میں وہ یقین مانے کہ اس کا یہ خیال محض خیال ہے۔ آپ کی مدد ہو کر ہی رہے گی چاہے ایسا شخص اپنے غصے میں ہار ہی جائے بلکہ اسے چاہیے کہ اپنے مکان کی چھت میں رسی باندھ کر اپنے گلے میں پھندا ڈال کر اپنے تئیں ہلاک کر دے۔ ناممکن ہے کہ وہ چیز یعنی اللہ کی مدد اس کے نبی کے لئے نہ آئے گو یہ جل جل کر مر جائیں مگر ان کی خیال آرائیاں غلط ثابت ہو کر ہی رہیں گی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی سمجھ

کے خلاف ہو کر ہی رہے گا' ربانی امداد آسمان سے نازل ہو گی- ہاں اگر اس کے بس میں ہو تو ایک رسی لٹکا کر آسمان پر چڑھ جائے اور اس اترتی ہوئی مدد آسمانی کو کاٹ دے- لیکن پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے اور اس میں انکی پوری بے بسی اور نامرادی کا ثبوت ہے کہ اللہ اپنے دین کو' اپنی کتاب کو' اپنے نبی کو ترقی دے گا ہی چونکہ یہ لوگ اسے دیکھ نہیں سکتے اس لئے انہیں چاہئے کہ یہ مرجائیں' اپنے تئیں ہلاک کر ڈالیں- جیسے فرمان ہے اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا الخ' ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی مدد کرتے ہی ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی-

یہاں فرمایا کہ یہ پھانسی پر لٹک کر دیکھ لے کہ شان محمدی کو کس طرح کم کر سکتا ہے؟ اپنے سینے کی آگ کو کس طرح بجھا سکتا ہے؟ اس قرآن کو ہم نے اتارا ہے جس کی آیتیں الفاظ اور معنی کے لحاظ سے بہت ہی واضح ہیں' اللہ کی طرف سے اس کے بندوں پر یہ حجت ہے- ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ ہے' اس کی حکمت وہی جانتا ہے- کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا- وہ سب کا حاکم ہے' وہ رحمتوں والا' عدل والا' غلبے والا' حکمت والا' عظمت والا اور علم والا ہے- کوئی اس پر مختار نہیں' جو چاہے کرے' سب سے حساب لینے والا وہی ہے اور وہ بھی بہت جلد-

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالصّٰبِـِٕيۡنَ وَالنَّصٰرٰى وَالۡمَجُوۡسَ وَالَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡصِلُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسۡجُدُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ وَالنُّجُوۡمُ وَالۡجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيۡرٌ مِّنَ النَّاسِؕ وَكَثِيۡرٌ حَقَّ عَلَيۡهِ الۡعَذَابُؕ وَمَنۡ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّكۡرِمٍؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يَشَآءُ ؕ ﴿۱۸﴾

ایمان دار اور یہودی اور صابی اور نصرانی اور مجوسی اور مشرکین ان سب کے درمیان قیامت کے دن خود اللہ تعالٰی فیصلے کر دے گا' اللہ تعالٰی ہر چیز پر گواہ ہے ○ کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمان والے اور سب زمین والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی' ہاں بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب کا مقولہ ثابت ہو چکا ہے' جسے رب ذلیل کر دے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں' اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○

مختلف مذہبوں کا فیصلہ روز قیامت ہو گا: ☆☆ (آیت:۱۷) صابئین کا بیان مع اختلاف سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے- یہاں فرماتا ہے کہ ان مختلف مذہب والوں کا فیصلہ قیامت کے دن صاف ہو جائے گا- اللہ تعالٰی ایمان والوں کو جنت دے گا اور کفار کو جہنم واصل کرے گا- سب کے اقوال' افعال' ظاہر باطن اللہ پر عیاں ہیں-

چاند' سورج' ستارے سب سجدہ ریز: ☆☆ (آیت:۱۸) مستحق عبادت صرف وہی لاشریک اللہ ہے- اس کی عظمت کے سامنے ہر چیز سر جھکائے ہوئے ہے خواہ بخوشی خواہ بے خوشی- ہر چیز کا سجدہ اپنی وضع میں ہے- چنانچہ قرآن نے سائے کا دائیں بائیں اللہ کے سامنے سربسجود ہونا بھی آیت اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ الخ میں بیان فرمایا ہے- آسمانوں کے فرشتے' زمین کے حیوان' انسان جنات' پرند

چرند سب اس کے سامنے سربسجود ہیں اور اس کی تسبیح اور حمد کر رہے ہیں- سورج' چاند' ستارے بھی اس کے سامنے سجدے میں گرے ہوئے ہیں- ان تینوں چیزوں کو الگ اس لئے بیان کیا گیا کہ بعض لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں حالانکہ وہ خود اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں- اسی لئے فرمایا' سورج چاند کو سجدے نہ کرو' اسے سجدے کرو جو ان کا خالق ہے- صحیحین میں ہے رسول خدا ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے- آپ نے جواب دیا اللہ کو علم ہے اور اس کے نبی ﷺ کو' آپ نے فرمایا یہ عرش کے تلے جا کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے پھر اس سے اجازت طلب کرتا ہے' وقت آ رہا ہے کہ اس سے ایک دن کہہ دیا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا- سنن ابی داؤد' نسائی' ابن ماجہ اور مسند احمد میں گرہن کی حدیث میں ہے کہ سورج چاند اللہ کی مخلوق ہے' وہ کسی کی موت پیدائش سے گرہن میں نہیں آتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کسی پر تجلی ڈالتا ہے تو وہ اس کے سامنے جھک جاتا ہے-

ابوالعالیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' سورج' چاند اور کل ستارے غروب ہو کر سجدے میں جاتے ہیں اور اللہ سے اجازت مانگ کر داہنی طرف سے لوٹ کر پھر اپنے مطلع میں پہنچتے ہیں- پہاڑوں اور درختوں کا سجدہ ان کے سائے کا دائیں بائیں پڑنا ہے- ایک شخص نے نبی ﷺ سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں- میں جب سجدے میں گیا تو وہ درخت بھی سجدے میں گیا اور میں نے سنا کہ وہ اپنے سجدے میں یہ پڑھ رہا تھا اَللّٰھُمَّ اکْتُبْ لِیْ بِھَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَّضَعْ عَنِّیْ بِھَا وِزْرًا وَّ اجْعَلْھَا لِیْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَّتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَھَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ- یعنی اے اللہ اس سجدے کی وجہ سے میرے لئے اپنے پاس اجر و ثواب لکھ اور میرے گناہ معاف فرما اور میرے لئے اسے ذخیرہ آخرت کر اور اسے قبول فرما جیسے کہ تو نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام کا سجدہ قبول فرمایا تھا- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ پھر میں نے دیکھا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے سجدے کی آیت پڑھی' سجدہ کیا اور یہی دعا آپ نے اپنے اس سجدے میں پڑھی جسے میں سن رہا تھا (ترمذی وغیرہ)- تمام حیوانات بھی اسے سجدہ کرتے ہیں- چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اپنے جانور کی پیٹھ کو اپنا منبر نہ بنا لیا کرو' بہت سی سواریاں اپنے سوار سے زیادہ اچھی ہوتی ہیں اور زیادہ ذکر اللہ کرنے والی ہوتی ہیں اور اکثر انسان بھی اپنی خوشی سے عبادت الٰہی بجا لاتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں' ہاں وہ بھی ہیں جو اس سے محروم ہیں' تکبر کرتے ہیں' سرکشی کرتے ہیں' اللہ جسے ذلیل کرے اسے عزیز کون کر سکتا ہے؟ رب فاعل خود مختار ہے-

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا یہاں ایک شخص ہے جو اللہ کے ارادوں اور اس کی مشیت کو نہیں مانتا- آپ نے اسے فرمایا اے شخص بتا تیری پیدائش اللہ تعالیٰ نے تیری چاہت کے مطابق کی یا اپنی؟ اس نے کہا اپنی چاہت کے مطابق- فرمایا یہ بھی بتا کہ جب تو چاہتا ہے مریض ہو جاتا ہے یا جب اللہ چاہتا ہے؟ اس نے کہا جب وہ چاہتا ہے- پوچھا پھر تجھے شفا تیری چاہت سے ہوتی ہے یا اللہ کے ارادے سے؟ جواب دیا اللہ کے ارادے سے- فرمایا اچھا یہ بھی بتا کہ اب وہ جہاں چاہے گا تجھے لے جائے گا یا جہاں تو چاہے گا؟ کہا جہاں وہ چاہے- فرمایا پھر کیا بات باقی رہ گئی؟ سن اگر تو اس کے خلاف جواب دیتا تو واللہ میں تیرا سر اڑا دیتا-

مسلم شریف میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں' جب انسان سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہٹ کر رونے لگتا ہے کہ افسوس ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا اس نے سجدہ کر لیا- جنتی ہو گیا' میں نے انکار کر دیا جہنمی بن گیا- حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ سورہ حج کو اور تمام سورتوں پر یہ فضیلت ملی کہ اس میں دو آیتیں سجدے کی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں اور جو ان دونوں پر سجدہ نہ کرے' اسے چاہئے کہ اسے پڑھے ہی نہیں- (ترمذی وغیرہ)-

امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ حدیث قوی نہیں لیکن امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول قابل غور ہے کیونکہ اس کے راوی ابن لہیعہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی سماعت کی اس میں تصریح کر دی ہے اور ان پر بڑی جرح وتدلیس کی ہے جو اس سے اٹھ جاتی ہے۔ ابوداؤد میں فرمان رسالت مآب ﷺ ہے کہ سورہ حج کو قرآن کی اور سورتوں پر یہ فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ امام ابوداؤد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس سند سے تو یہ حدیث مستند نہیں لیکن اور سند سے یہ مستند بھی بیان کی گئی ہے مگر صحیح نہیں۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیبیہ میں اس سورت کی تلاوت کی اور دو بار سجدہ کیا اور فرمایا' اسے ان دو سجدوں سے فضیلت دی گئی ہے۔ (ابوبکر بن عدی) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے پورے قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے' تین سورہ مفصل میں' دو سورہ حج میں۔ (ابن ماجہ وغیرہ) پس یہ سب روایتیں اس بات کو پوری طرح مضبوط کر دیتی ہیں۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾

ع ۱۲

یہ دونوں اپنے رب کے بارے میں اختلاف کرنے والے ہیں۔ پس کافروں کیلئے تو آگ کے کپڑے بیونت کر کے کاٹے جائیں گے' اور ان کے سروں کے اوپر سے سخت گرم پانی کا تریڑا بہایا جائے گا ○ جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھالیں گلا دی جائیں گی ○ اور ان کی سزا کیلئے لوہے کے ہتھوڑے ہیں ○ یہ جب بھی وہاں سے وہاں کے غم سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے' وہیں لوٹا دیئے جائیں گے' جلنے کا عذاب چکھتے رہو ○

مومن وکافر کی مثال: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۲) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ یہ آیت حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے مقابلے میں بدر کے دن جو دو کافر آئے تھے اور عتبہ اور اس کے دو ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے۔ (صحیحین) صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' قیامت کے دن میں سب سے پہلے اللہ کے سامنے اپنی حجت ثابت کرنے کے لئے گھٹنوں کے بل گر جاؤں گا۔ حضرت قیس فرماتے ہیں انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ بدر کے دن یہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے آئے تھے علی اور حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبیدہ اور شیبہ اور عتبہ اور ولید۔ اور قول ہے کہ مراد مسلمان اور اہل کتاب ہیں۔ اہل کتاب کہتے تھے' ہمارا نبی تمہارے نبی سے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے اس لئے ہم اللہ سے بہ نسبت تمہارے زیادہ قریب ہیں' مسلمان کہتے تھے کہ ہماری کتاب تمہاری کتاب کا فیصلہ کرتی ہے اور ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اس لئے تم سے ہم اولیٰ ہیں۔ پس اللہ نے اسلام کو غالب کیا اور یہ آیت اتری۔

قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مراد اس سے سچا ماننے والے اور جھٹلانے والے ہیں۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس آیت میں مومن وکافر کی مثال ہے جو قیامت میں مختلف تھے۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مراد جنت دوزخ کا قول ہے۔ دوزخ کی مانگ تھی کہ مجھے سزا کی چیز بنا اور جنت کی آرزو تھی کہ مجھے رحمت بنا۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کا قول ان تمام اقوال کو شامل ہے اور بدر کا واقعہ بھی اس کے ضمن میں آ سکتا ہے۔ مومن اللہ کے دین کا غلبہ چاہتے تھے اور کفار نور ایمان کے بجھانے' حق کو پست کرنے اور باطل کے ابھارنے کی

فکر میں تھے۔ ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ بھی اس کو مختار بتلاتے ہیں اور یہ ہے بھی بہت اچھا چنانچہ اس کے بعد ہی ہے کہ کفار کے لئے آگ کے ٹکڑے الگ الگ مقرر کر دیئے جائیں گے۔ یہ تانبے کی صورت میں ہوں گے جو بہت ہی حرارت پہنچاتا ہے۔ پھر اوپر سے گرم ابلتے ہوئے پانی کا تریڑا ڈالا جائے گا۔ جس سے آنتیں اور چربی گھل جائے گی اور کھال بھی جھلس کر جھڑ جائے گی۔ ترمذی میں ہے کہ اس گرم آگ جیسے پانی سے ان کی آنتیں وغیرہ پیٹ سے نکل کر پیروں پر گر پڑیں گی۔ پھر جیسے تھے ویسے ہو جائیں گے پھر یہی ہوگا۔ عبداللہ بن سری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' فرشتہ اس ڈولچے کو اس کے کڑوں سے تھام کر لائے گا اس کے منہ میں ڈالنا چاہے گا یہ گھبرا کر منہ پھیر لے گا۔ تو فرشتہ اس کے ماتھے پر لوہے کا ہتھوڑا مارے گا جس سے اس کا سر پھٹ جائے گا وہیں سے اس گرم آگ پانی کو ڈالے گا جو سیدھا پیٹ میں پہنچے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ان ہتھوڑوں میں سے جن سے دوزخیوں کی کٹائی ہوگی' اگر ایک زمین پر لا کر رکھ دیا جائے تو تمام انسان اور جنات مل کر بھی اسے اٹھا نہیں سکتے۔ (مسند) آپ فرماتے ہیں اگر وہ کسی بڑے پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ جہنمی اس سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ پھر جیسے تھے ویسے ہی کر دیئے جائیں گے۔ اگر عساق کا جو جہنمیوں کی غذا ہے' ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام اہل دنیا بدبو کے مارے ہلاک ہو جائیں (مسند احمد) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس کے لگتے ہی ایک ایک عضو بدن جھڑ جائے گا اور ہائے وائے کا غل مچ جائے گا۔ جب کبھی وہاں سے نکل جانا چاہیں گے وہیں لوٹا دیئے جائیں گے۔

حضرت سلمان فرماتے ہیں جہنم کی آگ سخت سیاہ بہت اندھیرے والی ہے اس کے شعلے بھی روشن نہیں نہ اس کے انگارے روشنی والے ہیں' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت زید رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے' جہنمی اس میں سانس بھی نہ لے سکیں گے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' واللہ انہیں چھوٹنے کی تو آس ہی نہیں رہے گی' پیروں میں بوجھل بیڑیاں ہیں' ہاتھوں میں مضبوط ہتھکڑیاں ہیں۔ ہاں آگ کے شعلے انہیں اس قدر اونچا کر دیتے ہیں کہ گویا باہر نکل جائیں گے لیکن پھر فرشتوں کے ہاتھوں سے گرز کھا کر تہہ میں اتر جاتے ہیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ اب جلنے کا مزہ چکھو۔ جیسے فرمان ہے' ان سے کہا جائے گا کہ اس آگ کا عذاب برداشت کرو جسے آج تک جھٹلاتے رہے۔ زبانی بھی اور اپنے اعمال سے بھی۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا إِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿٢٤﴾

ایمان والوں اور نیک کام والوں کو اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے درختوں تلے سے نہریں لہریں لے رہی ہیں۔ جہاں وہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سچے موتی بھی' وہاں ان کا لباس خالص ریشم ہوگا ○ پاکیزہ بات کی رہنمائی کر دی گئی اور قابل صد تعریف راہ کی ہدایت کر دی گئی ○

جنت کے محلات و باغات: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) اوپر جہنمیوں کا' ان کی سزاؤں کا' ان کے طوق و زنجیر کا' ان کے جلنے جھلنے کا' ان کے آگ کے لباس کا ذکر کر کے اب جنت کا' وہاں کی نعمتوں کا اور وہاں کے رہنے والوں کا حال بیان فرما رہا ہے۔ اللہ ہمیں اپنی سزاؤں سے بچائے اور جزاؤں سے نوازے آمین۔ فرماتا ہے ایمان اور نیک عمل کے بدلے جنت ملے گی جہاں کے محلات اور باغات کے چاروں طرف پانی کی نہریں لہریں مار رہی ہوں گی جہاں چاہیں گے' وہیں خود بخود ان کا رخ ہو جایا کرے گا۔ سونے کے زیوروں سے سجے ہوئے ہوں

گے موتیوں میں تل رہے ہوں گے۔ متفق علیہ حدیث میں ہے' مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جنت میں ایک فرشتہ ہے جس کا نام بھی مجھے معلوم ہے' وہ اپنی پیدائش سے مومنوں کے لئے زیور بنا رہا ہے اور قیامت تک اسی کام میں رہے گا۔ اگر ان میں سے ایک کنگن بھی دنیا میں ظاہر ہو جائے تو سورج کی روشنی اسی طرح جاتی رہے جس طرح اس کے نکلنے سے چاند کی روشنی جاتی رہتی ہے۔ دوزخیوں کے کپڑوں کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یہاں بہشتیوں کے کپڑوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ نرم چمکیلے ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے۔ جیسے سورہ دہر میں ہے کہ ان کے لباس سبز ریشمی ہوں گے' چاندی کے کنگن ہوں گے اور شراب طہور کے جام پر جام پی رہے ہوں گے۔ یہ ہے تمہاری جزا اور یہ ہے تمہاری بارآور سعی کا نتیجہ۔ صحیح حدیث میں ہے' ریشم تم نہ پہنو' جو اسے دنیا میں پہن لے گا' وہ آخرت کے دن اس سے محروم رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جو اس دن ریشمی لباس سے محروم رہا' وہ جنت میں نہ جائے گا۔ کیونکہ جنت والوں کا یہی لباس ہے۔ ان کو پاک بات سکھا دی گئی۔ جیسے فرمان ہے تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ایماندار بحکم الٰہی جنت میں جائیں گے جہاں ان کا تحفہ آپس میں سلام ہو گا۔ اور آیت میں ہے' ہر دروازے سے فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور سلام کر کے کہیں گے تمہارے صبر کا کیا ہی اچھا انجام ہوا۔ اور جگہ فرمایا لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيمًا اِلَّا قِيلًا سَلٰمًا سَلٰمًا وہاں کوئی لغو بات اور رنج دینے والی بات نہ سنیں گے بجز سلام اور سلامتی کے۔ پس انہیں وہ مکان دے دیا گیا جہاں صرف دل لبھانے والی آوازیں اور سلام ہی سلام سنتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے' وہاں مبارک سلامت کی آوازیں ہی آئیں گی برخلاف دوزخیوں کے کہ ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ سنتے ہیں۔ جھڑکے جاتے ہیں اور سرزنش کی جا رہی ہے کہ ایسے عذاب برداشت کرو وغیرہ۔ اور انہیں وہ جگہ دی گئی کہ یہ نہال نہال ہو گئے اور بیساختہ ان کی زبانوں سے اللہ کی حمد ادا ہونے لگی۔ کیونکہ بیشمار بے نظیر رحمتیں پا لیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جیسے بے قصد و بے تکلف سانس آتا جاتا رہتا ہے اسی طرح بہشتیوں کو تسبیح و حمد کا الہام ہو گا۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ طیب کلام سے مراد قرآن کریم ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ' ہے' حدیث کے ورد اور اذکار ہیں اور صراط حمید سے مراد اسلامی راستہ ہے۔ یہ تفسیر بھی پہلی تفسیر کے خلاف نہیں واللہ اعلم۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾

جن لوگوں نے کفر کیا اور راہ اللہ سے روکنے لگے اور اس حرمت والی مسجد سے بھی جسے ہم نے تمام لوگوں کے لئے مساوی کر دیا ہے' وہیں کے رہنے والے ہوں یا باہر کے ہوں' جو بھی ظلم کے ساتھ وہاں الحاد کا ارادہ کرے' ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے ○

مسجد الحرام سے روکنے والے: ☆☆ (آیت: ۲۵) اللہ تعالیٰ کافروں کے اس فعل کی تردید کرتا ہے جو وہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے تھے۔ وہاں انہیں احکام حج ادا کرنے سے باز رکھتے تھے باوجود اس کے اولیاء اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ اولیاء اللہ وہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا ڈر ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر مدینے شریف کا ہے۔ جیسے سورہ بقرہ کی آیت يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ الخ' میں ہے۔ یہاں فرمایا کہ باوجود کفر کے پھر یہ بھی فعل ہے کہ راہ اللہ سے اور مسجد حرام سے مسلمانوں کو روکتے ہیں جو درحقیقت اس کے اہل ہیں۔ یہی ترتیب اس آیت کی ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ الخ' یعنی ان کی صفت یہ ہے کہ ان کے دل ذکر اللہ سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ مسجد حرام جو اللہ نے سب کے لئے یکساں طور پر باحرمت بنائی ہے۔ مقیم' مسافر کے حقوق میں کوئی کمی زیادتی

نہیں رکھی۔ اہل مکہ بھی مسجد حرام میں اتر سکتے ہیں اور باہر والے بھی۔ وہاں کی منزلوں میں وہاں کے باشندے اور بیرونی ممالک کے لوگ سب ایک ہی حق رکھتے ہیں۔ اس مسئلے میں امام شافعی امام اسحاق بن راہویہ نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی موجودگی میں اختلاف کیا۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ تو فرمانے لگے مکے کی حویلیاں ملکیت میں لائی جاسکتی ہیں ورثے میں بٹ سکتی ہیں اور کرائے پر بھی دی جاسکتی ہیں۔ دلیل یہ دی کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کل آپ مکے میں اپنے ہی مکان میں اتریں گے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ عقیل نے ہمارے لئے کون سی حویلی چھوڑی ہے؟

پھر فرمایا کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور نہ مسلمان کافر کا۔ اور دلیل یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر وہاں جیل خانہ بنایا تھا۔ طاؤس اور عمرو بن دینار بھی اس مسئلے میں امام صاحب کے ہم نوا ہیں۔ امام اسحاق بن راہویہ اس کے خلاف کہتے ہیں کہ وہ ورثے میں بٹ نہیں سکتے نہ کرائے پر دیئے جاسکتے ہیں۔ سلف میں سے ایک جماعت یہی کہتی ہے مجاہدؒ اور عطاؒ کا یہی مسلک ہے۔ اس کی دلیل ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے حضرت علقمہ بن فضلہ فرماتے ہیں حضور ﷺ کے زمانے میں صدیقی اور فاروقی خلافت میں مکے کی حویلیاں آزاد اور بے ملکیت کہی جاتی رہیں اگر ضرورت ہوتی تو رہتے ورنہ اوروں کو بسنے کے لئے دے دیتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نہ تو مکے شریف کے مکانوں کا بیچنا جائز ہے نہ ان کا کرایہ لینا حضرت عطا بھی حرم میں کرایہ لینے کو منع کرتے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکے شریف کے گھروں کے دروازے رکھنے سے روکتے تھے کیونکہ صحن میں حاجی لوگ ٹھہرا کرتے تھے۔ سب سے پہلے گھر کا دروازہ سہیل بن عمرو نے بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت انہیں حاضری کا حکم بھیجا انہوں نے آ کر کہا مجھے معاف فرمایا جائے۔ میں سوداگر شخص ہوں میں نے ضرورتاً یہ دروازے بنائے ہیں تاکہ میرے جانور میرے بس میں رہیں۔ آپ نے فرمایا پھر خیر ہم اسے تیرے لئے جائز رکھتے ہیں۔ اور روایت میں حکم فاروقی ان الفاظ میں مروی ہے کہ اے اہل مکہ اپنے مکانوں کے دروازے نہ رکھو تاکہ باہر کے لوگ جہاں چاہیں ٹھہریں۔ عطا فرماتے ہیں شہری اور غیر وطنی ان میں برابر ہیں جہاں چاہیں اتریں۔ عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں مکے شریف کے گھروں کا کرایہ کھانے والا اپنے پیٹ میں آگ بھرنے والا ہے۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے ان دونوں کے درمیان کا مسلک پسند فرمایا یعنی ملکیت کو اور ورثے کو تو جائز بتایا ہاں کرائے کو ناجائز کہا ہے اس سے دلیلوں میں جمع ہو جاتی ہے واللہ اعلم۔

بالحاد میں "با" زائد ہے جیسے تَنۡبُتُ بِالدُّهۡنِ میں۔ اور اعشیٰ کے شعر ضَمِنَتۡ بِرِزۡقِ عِيَالِنَا اَرۡمَاحُنَا الخ یعنی ہمارے گھرانے کی روزیاں ہمارے نیزوں پر موقوف ہیں الخ اور شاعروں کے اشعار میں "با" کا ایسے موقعوں پر زائد آنا مستعمل ہوا ہے لیکن اس سے بھی عمدہ بات یہ ہے کہ ہم کہیں کہ یہاں کا فعل يَهُمُّ کے معنی کا متضمن ہے اس لئے "با" کے ساتھ متعدی ہوا ہے۔ الحاد سے مراد کبیرہ شرمناک گناہ ہے۔ بِظُلۡمٍ سے مراد قصداً ہے۔ تاویل کی رو سے نہ ہونا ہے۔ اور معنی شرک کے غیر اللہ کی عبادت کے بھی کئے گئے ہیں۔ یہ بھی مطلب ہے کہ حرم میں اللہ کے حرام کئے ہوئے کام کو حلال سمجھ لینا جیسے گناہ قتل بے جا ظلم وستم وغیرہ ایسے لوگ دردناک عذابوں کے سزاوار ہیں۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو بھی یہاں برا کام کرے۔ یہ حرم شریف کی خصوصیت ہے کہ غیر وطنی لوگ جب کسی بدکام کا ارادہ بھی کرلیں تو بھی انہیں سزا ہوتی ہے چاہے عملاً اسے نہ کریں۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص عدن میں ہو اور حرم میں الحاد و ظلم کا ارادہ رکھتا ہو تو بھی اللہ اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائے گا۔ حضرت شعبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس نے تو اس کو مرفوع بیان کیا تھا لیکن میں اسے مرفوع نہیں کرتا۔ اس کی اور سند بھی ہے جو صحیح ہے اور موقوف ہونا بہ نسبت مرفوع ہونے کے زیادہ ٹھیک ہے۔ عموماً قول

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے واللہ اعلم۔ اور روایت میں ہے' کسی پر برائی کے صرف ارادے سے برائی نہیں لکھی جاتی۔ لیکن اگر دور دراز مثلاً عدن میں بیٹھ کر بھی یہاں کے کسی شخص کے قتل کا ارادہ کرے تو اللہ اسے دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ہاں یا نہیں کہنے پر یہاں قسمیں کھانا بھی الحاد میں داخل ہے۔ سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اپنے خادم کو یہاں گالی دینا بھی الحاد میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے' امیر شخص کا یہاں آ کر تجارت کرنا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مکے میں اناج کا بیچنا۔ حبیب بن ابو ثابت فرماتے ہیں' گراں فروشی کے لئے اناج کو یہاں روک رکھنا۔

ابن ابی حاتم میں بھی فرمان رسول ﷺ سے یہی منقول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ آیت عبداللہ بن انیس کے بارے میں اتری ہے۔ اسے حضور ﷺ نے ایک مہاجر اور ایک انصار کے ساتھ بھیجا تھا۔ ایک مرتبہ ہر ایک اپنے اپنے نسب نامے پر فخر کرنے لگا۔ اس نے غصے میں آ کر انصاری کو قتل کر دیا اور مکے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور دین اسلام چھوڑ بیٹھا تو مطلب یہ ہوگا کہ جو الحاد کے بعد مکہ کی پناہ لے۔ ان آثار سے گو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کام الحاد میں سے ہیں لیکن حقیقتاً یہ ان سب سے زیادہ اہم بات ہے بلکہ اس سے بڑی چیز پر اس میں تنبیہ ہے۔ اسی لئے جب ہاتھی والوں نے بیت اللہ شریف کی خرابی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیج دیئے جنہوں نے ان پر کنکریاں پھینک کر ان کا بھس اڑا دیا اور وہ دوسروں کے لئے باعث عبرت بنا دیئے گئے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک لشکر اس بیت اللہ کے غزوے کے ارادے سے آئے گا۔ جب وہ بیدا میں پہنچیں گے تو سب کے سب مع اول و آخر کے دھنسا دیئے جائیں گے الخ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ہیں' آپ یہاں الحاد کرنے سے بچیں۔ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ یہاں ایک قریشی الحاد کرے گا۔ اس کے گناہ اگر تمام جن وانس کے گناہوں سے تولے جائیں تو بھی بڑھ جائیں۔ دیکھو خیال رکھو۔ تم وہی نہ بن جانا (مسند احمد) اور روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ نصیحت آپ نے انہیں حطیم میں بیٹھ کر کی تھی۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَالْقَآىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾

جب کہ ہم نے ابراہیم کو کعبے کے مکان کی جگہ مقرر کر دی اس شرط پر کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف' قیام رکوع' سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھنا ○ لوگوں میں حج کی منادی کر دے۔ لوگ تیرے پاس پاپیادہ بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی۔ دور دراز کی تمام راہوں سے آ جائیں گے ○

مسجد حرام کی اولین بنیاد توحید ہے: ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۷) یہاں مشرکین کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ گھر جس کی بنیاد اول دن سے اللہ کی توحید پر رکھی گئی ہے' تم نے اس میں شرک جاری کر دیا۔ اس گھر کے بانی خلیل اللہ علیہ السلام ہیں سب سے پہلے آپ نے ہی اسے بنایا۔ آنحضور ﷺ سے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ حضور ﷺ سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ فرمایا مسجد حرام۔ میں نے کہا پھر؟ فرمایا بیت المقدس۔ میں نے کہا ان دونوں کے درمیان کس قدر مدت کا فاصلہ ہے؟ فرمایا چالیس سال کا۔ اللہ کا فرمان ہے اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا دو آیتوں تک۔ اور آیت میں ہے ہم نے ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام سے وعدہ لیا کہ میرے گھر کو

پاک رکھنا الخ' بیت اللہ شریف کی بناء کا کل ذکر ہم پہلے لکھ چکے ہیں اس لئے یہاں دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں فرمایا اسے صرف میرے نام پر بنا اور اسے پاک رکھ یعنی شرک وغیرہ سے اور اسے خاص کر دے ان کے لئے جو موحد ہیں۔ طواف وہ عبادت ہے جو ساری زمین پر بجز بیت اللہ کے میسر ہی نہیں نہ جائز ہے۔ پھر طواف کے ساتھ نماز کو ملایا۔ قیام' رکوع' سجدے کا ذکر فرمایا۔ اس لئے کہ جس طرح طواف اس کے ساتھ مخصوص ہے۔ نماز کا قبلہ بھی یہی ہے۔ ہاں اس حالت میں کہ انسان کو معلوم نہ ہو یا جہاد میں ہو یا سفر میں ہو نفل نماز پڑھ رہا ہو تو بے شک قبلے کی طرف منہ نہ ہونے کی حالت میں بھی نماز ہو جائے گی واللہ اعلم۔

اور یہ حکم ملا کہ اس گھر کے حج کی طرف تمام انسانوں کو بلا۔ مذکور ہے کہ آپ نے اس وقت عرض کی کہ باری تعالیٰ! میری آواز ان تک کیسے پہنچے گی؟ جواب ملا کہ آپ کے ذمے صرف پکارنا ہے' آواز پہنچانا میرے ذمے ہے۔ پس آپ نے مقام ابراہیم پر یا صفا پہاڑی پر یا ابو قبیس پہاڑ پر کھڑے ہو کر ندا کی کہ لوگو! تمہارے رب نے اپنا ایک گھر بنایا ہے پس تم اس کا حج کرو۔ پہاڑ جھک گئے اور آپ کی آواز ساری دنیا میں گونج گئی۔ یہاں تک کہ باپ کی پیٹھ میں اور ماں کے پیٹ میں جو تھے انہیں بھی سنائی دی۔ ہر پتھر' درخت اور ہر اس شخص نے جس کی قسمت میں حج کرنا لکھا تھا' باآواز بلند لبیک پکارا' بہت سے سلف سے یہ منقول ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا پیدل لوگ بھی آئیں گے اور سواریوں پر سوار بھی آئیں گے۔ اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ جسے طاقت ہو اس کے لئے پیدل حج کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے اس لئے کہ پہلے پیدل والوں کا ذکر ہے پھر سواروں کا' تو ان کی طرف توجہ زیادہ ہوئی اور ان کی ہمت کی قدردانی کی گئی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میری یہ تمنا باقی رہ گئی کہ کاش کہ میں پیدل حج کرتا۔ اس لئے کہ فرمان الٰہی میں پیدل والوں کا ذکر ہے۔ لیکن اکثر بزرگوں کا قول ہے کہ سواری پر افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے باوجود کمال قدرت وقوت کے پاپیادہ حج نہیں کیا تو سواری پر حج کرنا حضور ﷺ کی پوری اقتدا ہے۔ پھر فرمایا' دور دراز سے حج کے لئے آئیں گے۔ خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا بھی یہی تھی کہ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ لوگوں کے دلوں کو الٰہی تو ان کی طرف متوجہ کر دے۔ آج دیکھ لو وہ کون سا مسلمان ہے جس کا دل کعبے کی زیارت کا مشتاق نہ ہو؟ اور جس کے دل میں طواف کی تمنائیں تڑپ نہ رہی ہوں۔ (اللہ ہمیں نصیب فرمائے)

لِّیَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ وَیَذۡکُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِیۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ ۚ فَکُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِیۡرَ ﴿۲۸﴾

اپنے فائدے کے حاصل کرنے کو آ جائیں اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں' پس تم آپ بھی اسے کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ ○

دنیا اور آخرت کے فائدے: ☆☆ (آیت:۲۸) دنیا اور آخرت کے فوائد حاصل کرنے کے لیے آئیں۔ اللہ کی رضا کے ساتھ ہی دنیاوی مفاد' تجارت وغیرہ کا بھی فائدہ اٹھائیں۔ جیسے فرمایا لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ الخ' موسم حج میں تجارت کرنا ممنوع نہیں۔ مقررہ دنوں سے مراد ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے' کسی دن کا عمل اللہ کے نزدیک ان دنوں کے عمل سے افضل نہیں' لوگوں نے پوچھا جہاد بھی نہیں؟ فرمایا جہاد بھی نہیں بجز اس مجاہد کے عمل کے جس نے اپنا جان و مال راہ اللہ میں قربان کر دیا ہو (صحیح بخاری) میں نے اس حدیث کو اس کی تمام سندوں کے ساتھ ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ ایک روایت

میں ہے' کسی دن کا عمل اللہ کے نزدیک ان دنوں سے بڑا اور پیارا نہیں پس تم ان دس دنوں میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَللّٰهُ اَکْبَرُ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بکثرت پڑھا کرو۔ انہی دس دنوں کی قسم وَلَيَالٍ عَشْرٍ کی آیت میں ہے۔ بعض سلف کہتے ہیں وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ سے بھی مراد یہی دن ہیں۔ ابوداؤد میں ہے حضور ﷺ ان دنوں میں روزے سے رہا کرتے تھے۔ بخاری شریف میں ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں بازار میں آتے اور تکبیر پکارتے' بازار والے بھی آپ کے ساتھ تکبیریں پڑھنے لگتے۔ ان ہی دس دنوں میں عرفے کا دن ہے جس دن کے روزے کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ گذشتہ اور آئندہ دو سال کے گناہ اس سے معاف ہو جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم شریف) ان ہی دس دنوں میں قربانی کا دن یعنی بقرہ عید کا دن ہے جس کا نام اسلام میں حج اکبر کا دن ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے نزدیک یہ سب دنوں سے افضل ہے۔ الغرض سارے سال میں ایسی فضیلت کے دن اور نہیں۔

جیسے کہ حدیث شریف میں ہے' یہ دس دن رمضان شریف کے آخری دس دنوں سے بھی افضل ہیں۔ کیونکہ نماز روزہ صدقہ وغیرہ جو رمضان کے اس آخری عشرہ میں ہوتا ہے' وہ سب ان دنوں میں بھی ہوتا ہے مزید برآں ان میں فریضہ حج ادا ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رمضان شریف کے آخری دس دن افضل ہیں کیونکہ انہی میں لیلۃ القدر ہے جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ تیسرا قول درمیانہ ہے کہ دن تو یہ افضل اور راتیں رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کی افضل ہیں۔ اس قول کے مان لینے سے مختلف دلائل میں جمع ہو جاتی ہے واللہ اعلم۔

اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ کی تفسیر میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ قربانی کا دن اور اس کے بعد کے تین دن ہیں۔ حضرت ابن عمر اور ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے اور ایک روایت سے امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ بقرہ عید اور اس کے بعد کے دو دن۔ اور ایام معدودات سے بقرہ عید اور اس کے بعد کے تین دن۔ اس کی اسناد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک صحیح ہیں۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور اس کی اور اس سے پہلے کے قول کی تائید فرمان باری عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے مراد جانوروں کی قربانی کے وقت اللہ کا نام لینا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ عرفے کا دن' بقرہ عید کا دن اور اس کے بعد کا ایک دن ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب یہی ہے۔ حضرت اسلم زید بن سے مروی ہے کہ مراد یوم عرفہ' یوم نحر اور ایام تشریق ہیں۔ بهيمة الانعام سے مراد اونٹ' گائے اور بکری ہیں۔ جیسے سورہ انعام کی آیت ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ میں مفصل موجود ہے۔ پھر فرمایا' اسے خود کھاؤ اور محتاجوں کو کھلاؤ۔ اس سے بعض لوگوں نے دلیل لی ہے کہ قربانی کا گوشت کھانا واجب ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ اکثر بزرگوں کا مذہب ہے کہ یہ رخصت ہے یا استحباب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے جب قربانی کی تو حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت کا ایک ٹکڑا نکال کر پکا لیا جائے۔ پھر آپ نے وہ گوشت کھایا اور شوربا پیا۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں اسے پسند کرتا ہوں کہ قربانی کا گوشت قربانی کرنے والا کھالے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے۔

ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرک لوگ اپنی قربانیوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت دی گئی۔ اب جو چاہے کھائے جو چاہے نہ کھائے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرک لوگ اپنی قربانیوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کو اس گوشت کے کھانے کی اجازت دی گئی۔ اب جو چاہے کھائے' جو چاہے نہ کھائے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت عطار رحمتہ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہاں کا

یہ حکم وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا کی طرح ہے یعنی جب تم احرام سے فارغ ہو جاؤ تو شکار کھیلو ۔ اور سورہ جمعہ میں فرمان ہے فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ ۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں حکم ہے شکار کرنے کا اور زمین میں روزی تلاش کرنے کے لئے پھیل جانے کا لیکن یہ حکم وجوبی اور فرضی نہیں' اسی طرح اپنی قربانی کے گوشت کو کھانے کا حکم بھی ضروری اور واجب نہیں ۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قربانی کے گوشت کے دو حصے کر دیئے جائیں ۔ ایک حصہ خود قربانی کرنے والے کا' دوسرا حصہ فقیر فقرا کا ۔ بعض کہتے ہیں تین حصے کرنے چاہئیں ۔ تہائی اپنا' تہائی ہدیہ دینے کے لئے اور تہائی صدقہ کرنے کے لئے ۔ پہلے قول والے اوپر کی آیت کی سند لاتے ہیں اور دوسرے قول والے آیت وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ کو دلیل میں پیش کرتے ہیں ۔ اس کا پورا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ سے مطلب وہ بے بس انسان ہے جو احتیاج ہونے پر بھی سوال سے بچتا ہو ۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جو دست سوال دراز نہ کرتا ہو' بیمار ہو' کم بینائی والا ہو ۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف ادا کریں ○

احکام حج: ☆☆ (آیت:۲۹) پھر وہ احرام کھول ڈالیں' سر منڈوالیں' کپڑے پہن لیں' ناخن کٹوا ڈالیں وغیرہ احکام حج پورے کر لیں ۔ نذریں پوری کر لیں ۔ حج کی قربانی کی اور جو ہو ۔ پس جو شخص حج کے لئے نکلا' اس کے ذمے طواف بیت اللہ' طواف صفا و مروہ' عرفات کے میدان میں جانا' مزدلفے کی حاضری' شیطانوں کو کنکر مارنا وغیرہ سب کچھ لازم ہے' ان تمام احکام کو پورے کریں اور صحیح طور پر بجالائیں اور بیت اللہ شریف کا طواف کریں جو یوم النحر کو واجب ہے ۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حج کا آخری کام طواف ہے ۔ حضور ﷺ نے بھی کیا ۔ جب آپ دس ذی الحجہ کو منیٰ کی طرف واپس آئے تو سب سے پہلے شیطانوں کو سات سات کنکریاں ماریں ۔ پھر قربانی کی پھر سر منڈوایا پھر لوٹ کر بیت اللہ آ کر طواف بیت اللہ کیا ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیحین میں مروی ہے کہ لوگوں کو حکم کیا گیا ہے کہ ان کا آخری کام طواف بیت اللہ ہو ۔ ہاں البتہ حائضہ عورتوں کو رعایت کر دی گئی ہے ۔ بیت العتیق کے لفظ سے استدلال کر کے فرمایا گیا ہے کہ طواف کرنے والے کو حطیم بھی اپنے طواف کے اندر لے لینا چاہئے ۔ اس لئے کہ وہ بھی اصل بیت اللہ شریف میں سے ہے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بناء میں یہ داخل تھا ۔ گو قریش نے نیا بناتے وقت اسے باہر چھوڑ دیا لیکن اس کی وجہ بھی خرچ کی کمی تھی نہ کہ اور کچھ ۔ اس لئے حضور ﷺ نے حطیم کے پیچھے سے طواف کیا اور فرما بھی دیا کہ حطیم بیت اللہ شریف میں داخل ہے ۔ اور آپ نے دونوں شامی رکنوں کو ہاتھ نہیں لگایا نہ بوسہ دیا کیونکہ وہ بناء ابراہیم کے مطابق پورے نہیں ۔ اس آیت کے اترنے کے بعد حضور ﷺ نے حطیم کے پیچھے سے طواف کیا ۔ پہلے اسی طرح کی عمارت تھی کہ یہ اندر تھا ۔ اسی لئے اسے پرانا گھر کہا گیا ۔ یہی سب سے پہلا بیت اللہ ہے اور وجہ یہ بھی ہے کہ یہ طوفان نوحؑ میں سلامت رہا ۔ اور یہ بھی وجہ ہے کہ کوئی سرکش اس پر غالب نہیں آسکا ۔ یہ ان سب کی دستبرد سے آزاد ہے ۔ جس نے بھی اس سے برا قصد کیا وہ تباہ ہوا ۔ اللہ نے اسے سرکشوں کے تسلط سے آزاد کر لیا ہے ۔ ترمذی میں اسی طرح کی ایک مرفوع حدیث بھی ہے جو حسن غریب ہے اور ایک اور سند سے مرسلاً بھی مروی ہے ۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

یہ ہے اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے اس کے اپنے لئے اس کے رب کے پاس بہتری ہے اور تمہارے لئے چوپائے جانور حلال کر دیئے گئے ہیں بجز ان کے جو تمہارے سامنے بیان کئے گئے ہیں۔ پس تمہیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہئے اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرنا چاہئے ○ اللہ کی توحید کو مانتے ہوئے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے، سنو اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا تو گویا آسمان سے گر پڑا۔ اب اسے یا تو پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز کی جگہ پھینک دے گی ○

بت پرستی کی گندگی سے دور رہو: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۱) فرماتا ہے یہ تو تھے احکام حج اور ان پر جو جزا ملتی ہے اس کا بیان۔ اب اور سنو۔ جو شخص حرمات الٰہی کی عزت کرے یعنی گناہوں سے اور حرام کاموں سے بچے ان کے کرنے سے اپنے تئیں روکے اور ان سے بھاگتا رہے اس کے لئے اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ جس طرح نیکیوں کے کرنے پر اجر ہے اسی طرح برائیوں کے چھوڑنے پر بھی ثواب ہے۔ مکہ حج، عمرہ بھی حرمات الٰہی ہیں۔ تمہارے لئے چوپائے سب حلال ہیں ہاں جو حرام تھے وہ تمہارے سامنے بیان ہو چکے ہیں۔ یہ جو مشرکوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام نام رکھ چھوڑے ہیں یہ اللہ نے نہیں بتلائے۔ اللہ کو جو حرام کرنا تھا بیان فرما چکا جیسے مردار جانور بوقت ذبح بہا ہوا خون، سور کا گوشت، اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کیا ہوا، گلا گھٹا ہوا وغیرہ۔ تمہیں چاہئے کہ بت پرستی کی گندگی سے دور ہو۔ ''من'' یہاں پر بیان جنس کے لئے ہے اور جھوٹی بات سے بچو۔ اس آیت میں شرک کے ساتھ جھوٹ کو ملا دیا جیسے آیت قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ الخ، یعنی میرے رب نے گندے کاموں کو حرام کر دیا خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ۔ اور گناہ کو اور سرکشی کو اور بے علمی کے ساتھ اللہ پر باتیں بنانے کو۔ اسی میں جھوٹی گواہی بھی داخل ہے۔ صحیحین میں ہے، حضور ﷺ نے پوچھا کیا میں تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ بتاؤں؟ صحابہؓ نے کہا ارشاد ہو، فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، پھر تکیے سے الگ ہٹ کر فرمایا اور جھوٹ بولنا اور جھوٹی شہادت دینا، اسے بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش کہ آپ اب نہ فرماتے۔ مسند احمد میں حضور ﷺ نے اپنے خطبے میں کھڑے ہو کر تین بار فرمایا، جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر کر دی گئی۔ پھر آپؐ نے مندرجہ بالا فقرہ تلاوت فرمایا۔ اور روایت میں ہے کہ صبح کی نماز کے بعد آپؐ نے کھڑے ہو کر یہ فرمایا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان بھی مروی ہے، اللہ کے دین کو خلوص کے ساتھ تھام لو، باطل سے ہٹ کر حق کی طرف آ جاؤ، اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والوں میں نہ بنو۔ پھر مشرک کی تباہی کی مثال بیان فرمائی کہ جیسے کوئی آسمان سے گر پڑے۔ پس یا تو اسے پرند ہی اچک لے جائیں گے یا ہوا کسی ہلاکت کے دور دراز گڑھے میں پہنچا دے گی۔ چنانچہ کافر کی روح کو لے کر جب فرشتے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے۔ اور وہیں سے وہ پھینک دی جاتی ہے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ یہ حدیث پوری تفصیل کے ساتھ سورہ ابراہیم میں گزر چکی ہے۔ سورۂ انعام میں ان مشرکوں کی ایک اور مثال بیان فرمائی ہے۔ یہ اس کی مثل کے ہے جسے شیطان باؤلا بنا دے الخ۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

یہ سن لیا اور سنو اللہ کی نشانیوں کی جو عزت و حرمت کرے اس کے دل کی پرہیز گاری کی وجہ سے یہ ہے ○

قربانی کے جانور اور حجاج: ☆☆ (آیت: ۳۲-۳۳) اللہ کے شعائر کی جن میں قربانی کے جانور بھی شامل ہیں، حرمت و عزت بیان ہو رہی ہے کہ احکام الٰہی پر عمل کرنا اللہ کے فرمان کی توقیر کرنا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یعنی قربانی کے جانوروں کو فربہ اور عمدہ کرنا۔ ابو امامہ بن سہل کا بیان ہے کہ ہم قربانی کے جانوروں کو پال کر انہیں فربہ اور عمدہ کرتے تھے۔ تمام مسلمانوں کا یہی دستور تھا (بخاری شریف) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کے دو سیاہ رنگ کے جانوروں کے خون سے ایک سفید رنگ جانور کا خون اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ (مسند احمد، ابن ماجہ) پس اگر چہ اور رنگت کے جانور بھی جائز ہیں لیکن سفید رنگ کے جانور افضل ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے دو مینڈھے چت کبرے بڑے بڑے سینگوں والے اپنی قربانی میں ذبح کئے۔ ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ایک مینڈھا بڑا سینگ والا چت کبرا ذبح کیا جس کے منہ پر آنکھوں کے پاس اور پیروں پر سیاہ رنگ تھا۔ (سنن) امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے دو مینڈھے بہت موٹے تازے، چکنے، چت کبرے، خصی ذبح کئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ہم قربانی کے لئے جانور خریدتے وقت اس کی آنکھوں کو اور کانوں کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا کریں۔ اور آگے سے کٹے ہوئے کان والے، پیچھے سے کٹے ہوئے کان والے، لمبائی میں چرے ہوئے کان والے یا سوراخ دار کان والے کی قربانی نہ کریں (احمد، اہل سنن) اسے امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ صحیح کہتے ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ نے سینگ ٹوٹے ہوئے اور کان کٹے ہوئے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے۔ اس کی شرح میں حضرت سعید بن میسب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جب کہ آدھا یا آدھے سے زیادہ کان یا سینگ نہ ہو۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں، اگر اوپر سے کسی جانور کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو تو اسے عربی میں قصما کہتے ہیں اور جب نیچے کا حصہ ٹوٹا ہوا ہو تو اسے عضب کہتے ہیں۔ اور حدیث میں لفظ عضب ہے۔ اور کان کا کچھ حصہ کٹ گیا ہو تو اسے بھی عربی میں عضب کہتے ہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایسے جانور کی قربانی گو جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں، جائز ہی نہیں۔ (بہ ظاہر یہی قول مطابق حدیث ہے) امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اگر سینگ سے خون جاری ہے تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے واللہ اعلم۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ چار قسم کے عیب دار جانور قربانی میں جائز نہیں کانا جانور جس کا بھینگا پن ظاہر ہو اور وہ بیمار جانور جس کی بیماری کھلی ہوئی ہو اور وہ لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور وہ دبلا پتلا مریل جانور جو گودے بغیر کا ہو گیا ہو۔ (احمد و اہل سنن) اسے امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ صحیح کہتے ہیں۔ یہ عیوب وہ ہیں جن سے جانور گھٹ جاتا ہے۔ اس کا گوشت ناقص ہو جاتا ہے اور بکریاں چرتی چگتی رہتی ہیں اور یہ بوجہ اپنی کمزوری کے چارہ پورا نہیں پاتا۔ اسی لئے اسی حدیث کے مطابق امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک اس کی قربانی ناجائز ہے۔ ہاں بیمار جانور کے بارے میں جس کی بیماری خطرناک درجے کی نہ ہو، بہت کم ہو، امام صاحب کے دونوں قول ہیں۔

ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا بالکل سینگ کٹے جانور، سینگ ٹوٹے جانور، اور کانے جانور سے اور بالکل کمزور جانور سے جو ہمیشہ ہی ریوڑ کے پیچھے رہ جاتا ہو بوجہ کمزوری کے یا بوجہ زیادہ عمر ہو جانے کے اور لنگڑے جانور سے، پس ان کل عیوب والے جانوروں کی قربانی ناجائز ہے۔ ہاں اگر قربانی کے لئے صحیح سالم بے عیب جانور مقرر کر دینے کے بعد اتفاقاً اس میں کوئی ایسی بات آ جائے مثلاً لولا لنگڑا وغیرہ ہو جائے تو حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی قربانی بلاشبہ جائز ہے، امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسند احمد میں حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے قربانی کے لئے

جانور خریدا اس پر ایک بھیڑیئے نے حملہ کیا اور اس کی ران کا بوٹا توڑ لیا۔ میں نے حضور ﷺ سے واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا' تم اسی جانور کی قربانی کر سکتے ہو۔ پس خریدتے وقت جانور کا فربہ ہونا' تیار ہونا' بے عیب ہونا چاہئے جیسے حضور ﷺ کا حکم ہے کہ آنکھ کان دیکھ لیا کرو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نہایت عمدہ اونٹ قربانی کے لئے نامزد کیا۔ لوگوں نے اس کی قیمت تین سو اشرفی لگائی تو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے بیچ دوں اور اس کی قیمت سے اور جانور بہت سے خرید لوں اور انہیں راہ للہ قربان کروں آپ نے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ اسی کو فی سبیل اللہ ذبح کرو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' قربانی کے اونٹ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ محمد بن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' عرفات میں ٹھہرنا اور مزدلفہ اور رمی جمار اور سر منڈوانا اور قربانی کے اونٹ یہ سب شعائر اللہ ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ان سب سے بڑھ کر بیت اللہ شریف ہے۔

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾

ان میں تمہارے لئے ایک مقرر وقت تک کا فائدہ ہے۔ پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ خانہ کعبہ ہے ○

(آیت: ۳۳) پھر فرماتا ہے' ان جانوروں کے بالوں میں اون میں تمہارے لئے فوائد ہیں' ان پر تم سوار ہوتے ہو' ان کی کھالیں تمہارے لئے کار آمد ہیں' یہ سب ایک مقررہ وقت تک یعنی جب تک اسے راہ اللہ نامزد نہیں کیا۔ ان کا دودھ پیو' ان سے نسلیں حاصل کرو' جب قربانی کے لئے مقرر کر دیا پھر وہ اللہ کی چیز ہو گیا۔ اور بزرگ کہتے ہیں اگر ضرورت ہو تو اب بھی سواری کی اجازت ہے۔ صحیحین میں ہے کہ ایک شخص کو اپنی قربانی کا جانور ہانکتے ہوئے دیکھ کر آپؐ نے فرمایا' اس پر سوار ہو جاؤ' اس نے کہا حضور ﷺ میں اسے قربانی کی نیت کا کر چکا ہوں۔ آپ نے دوسری یا تیسری بار فرمایا افسوس بیٹھ کیوں نہیں جاتا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' جب ضرورت اور حاجت ہو تو سوار ہو جایا کرو۔ ایک شخص کی قربانی کی اونٹنی نے بچہ دیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے حکم دیا کہ اس کو دودھ پیٹ بھر کر پی لینے دے۔ پھر بھی اگر بچ رہے تو خیر تو اپنے کام میں لا اور قربانی والے دن اسے اور اس بچے کو دونوں کو بنام الٰہی ذبح کر دے۔ پھر فرماتا ہے' ان کی قربان گاہ بیت اللہ شریف ہے۔ جیسے فرمان ہے هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ اور آیت میں وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ بیت العتیق کے معنی اس سے پہلے ابھی بیان ہو چکے ہیں فالحمد للہ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' بیت اللہ کا طواف کرنے والا احرام سے حلال ہو جاتا ہے۔ دلیل میں یہی آیت تلاوت فرمائی۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٣٥﴾

ہر ہر امت کے لئے ہم نے عبادت کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر نام اللہ لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں' سمجھ لو کہ تم سب کا معبود

برحق صرف ایک ہی ہے۔ تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ' اے نبی عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دے O انہیں جب اللہ کا ذکر کیا جائے' ان کے دل تھرا جاتے ہیں۔ انہیں جو برائی پہنچے' اس پر صبر کرتے ہیں' نمازوں کی حفاظت واقامت کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے' وہ بھی دیتے رہتے ہیں O

قربانی ہر امت پر فرض قرار دی گئی: ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۵) فرمان ہے کہ کل امتوں میں ہر مذہب میں ہر گروہ کو ہم نے قربانی کا حکم دیا تھا۔ ان کے لئے ایک دن عید کا مقرر تھا۔ وہ بھی اللہ کے نام ذبیحہ کرتے تھے۔ سب کے سب مکے شریف میں اپنی قربانیاں بھیجتے تھے۔ تا کہ قربانی کے چوپائے جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام ذکر کریں۔ حضور علیہ السلام کے پاس بھی دو مینڈھے چت کبرے بڑے سینگوں والے لائے گئے۔ آپ نے انہیں لٹا کر ان کی گردن پر پاؤں رکھ کر بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا۔

مسند احمد میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا' تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت' پوچھا ہمیں اس میں کیا ملتا ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ دریافت کیا اور ''اون'' کا کیا حکم ہے؟ فرمایا' ان کے ہر روئیں کے بدلے ایک نیکی۔ اسے امام ابن ماجہ رحمتہ اللہ علیہ بھی لائے ہیں۔ تم سب کا اللہ ایک ہے گو شریعت کے بعض احکام ادل بدل ہوتے رہے لیکن توحید میں' اللہ کی یگانگت میں' کسی رسول کو' کسی نیک امت کو اختلاف نہیں ہوا۔ سب اللہ کی توحید' اسی کی عبادت کی طرف تمام جہان کو بلاتے رہے۔ سب پر اول وحی یہی نازل ہوتی رہی۔ پس تم سب اس کی طرف جھک جاؤ' اس کے ہو کر رہو' اس کے احکام کی پابندی کرو' اس کی اطاعت میں استحکام کرو۔ جو لوگ مطمئن ہیں' جو متواضع ہیں' جو تقوے والے ہیں' جو ظلم سے بیزار ہیں' مظلومی کی حالت میں بدلہ لینے کے خوگر نہیں' مرضی مولا' رضائے رب پر راضی ہیں' انہیں خوشخبریاں سنا دیں' وہ مبارک باد کے قابل ہیں۔ جو ذکر اللہ سنتے ہیں' دل نرم اور خوف الٰہی سے پر کر کے رب کی طرف جھک جاتے ہیں' کٹھن کاموں پر صبر کرتے ہیں' مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' واللہ اگر تم نے صبر و برداشت کی عادت نہ ڈالی تو تم برباد کر دیئے جاؤ گے۔ وَالْمُقِيْمِي کی قرأت اضافت کے ساتھ تو جمہور کی ہے۔ لیکن ابن سمیفع نے وِالْمُقِيْمِيْنَ پڑھا ہے اور الصَّلٰوۃ کا زبر پڑھا ہے۔ امام حسن نے پڑھا تو ہے نون کے حذف اور اضافت کے ساتھ لیکن الصَّلٰوۃ کا زبر پڑھا ہے اور فرماتے ہیں کہ نون کا حذف یہاں پر بوجہ تخفیف کے ہے کیونکہ اگر بوجہ اضافت مانا جائے تو اس کا زیر لازم ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ بوجہ قرب کے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ فریضہ الٰہی کے پابند ہیں اور اللہ کا حق ادا کرنے والے ہیں اور اللہ کا دیا ہوا دیتے رہتے ہیں۔ اپنے گھرانے کے لوگوں کو' فقیروں محتاجوں کو اور تمام مخلوق کو جو بھی ضرورت مند ہوں' سب کے ساتھ سلوک واحسان سے پیش آتے ہیں۔ اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ منافقوں کی طرح نہیں کہ ایک کام کریں تو ایک کو چھوڑیں۔ سورہ براۃ میں بھی یہی صفتیں بیان فرمائی ہیں اور وہیں پوری تفسیر بھی بحمد اللہ ہم کر آئے ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے نشانات مقرر کر دیئے ہیں ان میں تمہیں نفع ہے۔ پس انہیں کھڑا نام اللہ پڑھ کر نحر کرو' پھر جب ان کے پہلو زمین

سے لگ جائیں تو اسے خود بھی کھاؤ اور مسکین سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے چوپایوں کو تمہارا ماتحت کر رکھا ہے کہ تم شکر گزاری کرو○

شعائر اللہ کیا ہیں؟ ☆☆ (آیت:۳۶) یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے جانور پیدا کئے اور انہیں اپنے نام پر قربان کرنے اور اپنے گھر بطور قربانی کے پہنچانے کا حکم فرمایا اور انہیں شعائر اللہ قرار دیا اور حکم فرمایا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ الخ' نہ تو اللہ کی ان عظمت والے نشانات کی بے ادبی کرو نہ حرمت والے مہینوں کی گستاخی کرو۔ لہٰذا ہر اونٹ' گائے جو قربانی کے لئے مقرر کر دیا جائے' وہ بدن میں داخل ہے۔ گو بعض لوگوں نے صرف اونٹ کو ہی بدن کہا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اونٹ تو ہے ہی' گائے بھی اس میں شامل ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس طرح اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے قربان ہو سکتا ہے' اسی طرح گائے بھی۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم شریف میں روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اونٹ میں سات شریک ہو جائیں اور گائے میں بھی سات آدمی شرکت کر لیں۔ امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ تو فرماتے ہیں ان دونوں جانوروں میں دس دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ مسند احمد اور سنن نسائی میں ایسی حدیث بھی آئی ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا' ان جانوروں میں تمہارا اخروی نفع ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' بقرہ عید والے دن انسان کا کوئی عمل اللہ کے نزدیک قربانی سے زیادہ پسندیدہ نہیں۔ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں' کھروں اور بالوں سمیت انسان کی نیکیوں میں پیش کیا جائے گا۔ یاد رکھو قربانی کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں پہنچ جاتا ہے۔ پس ٹھنڈے دل سے قربانیاں کرو (ابن ماجہ' ترمذی)۔ ابو حاتم رحمتہ اللہ علیہ تو قرض اٹھا کر بھی قربانی کیا کرتے تھے اور لوگوں کے دریافت کرنے پر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اس میں تمہارا بھلا ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں! کسی خرچ کا فضل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہ نسبت اس خرچ کے جو بقرہ عید والے دن کی قربانی پر کیا جائے ہرگز افضل نہیں۔ (دار قطنی) پس اللہ فرماتا ہے تمہارے لئے ان جانوروں میں ثواب ہے' نفع ہے' ضرورت کے وقت دودھ پی سکتے ہو' سوار ہو سکتے ہو۔ پر ان کی قربانی کے وقت اپنا نام پڑھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں نے عید الاضحیٰ کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی' نماز سے فراغت پاتے ہی آپؐ کے سامنے مینڈھا لایا گیا جسے آپؐ نے بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھ کر ذبح کیا پھر کہا الٰہی یہ میری طرف سے ہے اور میری امت میں سے جو قربانی نہ کر سکے' اس کی طرف سے ہے (احمد' داؤد' ترمذی) فرماتے ہیں عید والے دن آپ کے پاس دو مینڈھے لائے گئے' انہیں قبلہ رخ کر کے آپ نے وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَه وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُّحَمَّدٍ وَّ اُمَّتِهٖ پڑھ کر بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر ذبح کر ڈالا۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ دو مینڈھے موٹے تازے تیار عمدہ بڑے سینگوں والے چت کبرے خریدتے' جب نماز پڑھ کر خطبے سے فراغت پاتے' ایک جانور آپ کے پاس لایا جاتا' آپ وہیں عید گاہ میں ہی خود اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کرتے اور فرماتے' اللہ تعالیٰ یہ میری ساری امت کی طرف سے ہے جو بھی توحید و سنت کا گواہ ہے پھر دوسرا جانور حاضر کیا جاتا جسے ذبح کر کے فرماتے یہ محمد ﷺ اور آل محمد کی طرف سے ہے پھر دونوں کا گوشت مسکینوں کو بھی دیتے اور آپ اور آپؐ کے گھر والے بھی کھاتے۔ (احمد' ابن ماجہ)

صَوَآفَّ کے معنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونٹ کو تین پیروں پر کھڑا کر کے اس کا بایاں ہاتھ باندھ کر بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ

اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ پڑھ کر اسے نحر کرنے کے کئے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کو قربان کرنے کے لئے بٹھایا ہے تو آپ نے فرمایا' اسے کھڑا کر دے اور اس کا پیر باندھ کر اسے نحر کر یہی سنت ہے ابوالقاسم ﷺ کی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ اونٹ کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کر کے ہی نحر کرتے تھے (ابوداؤد) حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلیمان بن عبدالملک سے فرمایا تھا کہ بائیں طرف سے نحر کیا کرو۔ حجتہ الوداع کا بیان کرتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر کئے آپؐ کے ہاتھ میں حربہ تھا جس سے آپ زخمی کر رہے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں صوافن ہے یعنی کھڑے کر کے پاؤں باندھ کر۔ صواف کے معنی خالص کے بھی کئے گئے ہیں یعنی جس طرح جاہلیت کے زمانے میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتے صرف اللہ واحد کے نام پر ہی قربانیاں کرو۔ پھر جب یہ زمین پر گر پڑیں یعنی نحر ہو جائیں ٹھنڈے پڑ جائیں' تو خود کھاؤ' اوروں کو بھی کھلاؤ' نیزہ تھے' تم نہ کرو' مارتے ہی ٹکڑے کاٹنے شروع نہ کرو جب تک روح نہ نکل جائے اور ٹھنڈا نہ پڑ جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ روحوں کے نکالنے میں جلدی نہ کرو۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ سلوک کرنا لکھ دیا ہے' دشمنوں کو میدان جنگ میں قتل کرتے وقت بھی نیک سلوک رکھو اور جانوروں کو ذبح کرتے' وقت بھی اچھی طرح سے نرمی کے ساتھ ذبح کرو' چھری تیز کر لیا کرو اور جانور کو تکلیف نہ دیا کرو۔ فرمان ہے کہ جانور میں جب تک جان ہے اور اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے' اس کا کھانا حرام ہے (احمد' ابوداؤد' ترمذی)

پھر فرمایا! اسے خود کھاؤ۔ بعض سلف تو فرماتے ہیں' یہ کھانا مباح ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مستحب ہے اور لوگ کہتے ہیں واجب ہے۔ اور مسکینوں کو بھی دو۔ خواہ وہ گھروں میں بیٹھنے والے ہوں خواہ در بدر سوال کرنے والے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ قانع تو وہ ہے جو صبر سے گھر میں بیٹھا رہے اور معتر وہ ہے جو ادھر ادھر آئے جائے لیکن سوال نہ کرے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قانع وہ ہے جو صرف سوال پر بس کرے اور معتر وہ ہے جو سوال تو نہ کرے لیکن اپنی عاجزی و مسکینی کا اظہار کرے۔ یہ بھی مروی ہے کہ قانع وہ ہے جو مسکین ہو۔ آنے جانے والا اور معتر سے مراد دوست اور ناتواں لوگ اور وہ پڑوسی جو گو مالدار ہوں لیکن تمہارے ہاں جو آئے جائے' اسے وہ دیکھتے ہوں۔ وہ بھی ہیں جو طمع رکھتے ہوں اور وہ بھی جو امیر فقیر موجود ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قانع سے مراد اہل مکہ ہیں۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ قانع سے مراد تو سائل ہے کیونکہ وہ اپنا ہاتھ سوال کے لئے دراز کرتا ہے اور معتر سے مراد وہ جو ہیرے پھیرے کرے کہ کچھ مل جائے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنے چاہئیں تہائی اپنے کھانے کو' تہائی دوستوں کے دینے کو' تہائی صدقہ کرنے کو۔

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں نے تمہیں قربانی کے گوشت کو جمع کر رکھنے سے منع فرما دیا تھا کہ تین دن سے زیادہ تک نہ روکا جائے اب میں اجازت دیتا ہوں کہ کھاؤ جمع کرو جس طرح چاہو۔ اور روایت میں ہے کہ کھاؤ جمع کرو اور صدقہ کرو۔ اور روایت میں ہے کھاؤ اور کھلاؤ اور راہ للہ دو۔ بعض لوگ کہتے ہیں' قربانی کرنے والا آدھا گوشت آپ کھائے اور باقی آدھا صدقہ کر دے کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے' خود کھاؤ اور محتاج فقیر کو کھلاؤ اور حدیث میں بھی ہے کہ کھاؤ' جمع ذخیرہ کرو اور راہ للہ دو۔ اب جو شخص اپنی قربانی کا سارا گوشت خود ہی کھا جائے تو ایک قول یہ بھی ہے کہ اس پر کچھ حرج نہیں۔ بعض کہتے ہیں' اسی پردیسی ہی قربانی یا اس کی قیمت کی ادائیگی ہے بعض کہتے ہیں آدھی قیمت دے۔ بعض آدھا گوشت' بعض کہتے ہیں اس کے اجزا میں سے چھوٹے سے چھوٹے جز کی قیمت اس کے ذمے ہے باقی معاف ہے۔ کھال کے بارے میں مسند احمد میں حدیث ہے کہ کھاؤ اور فی اللہ دو اور اس کے چمڑوں سے فائدہ اٹھاؤ لیکن انہیں بیچو نہیں۔ بعض علماء نے بیچنے کی رخصت دی ہے۔ بعض کہتے ہیں' غریبوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ (مسئلہ)

براء بن عازب کہتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' سب سے پہلے ہمیں اس دن نماز عید ادا کرنی چاہئے پھر لوٹ کر قربانیاں کرنی چاہئیں جو ایسا کرے اس نے سنت کی ادائیگی کی۔ اور جس نے نماز سے پہلے ہی قربانی کرلی اس نے گویا اپنے والوں کے لئے گوشت جمع کرلیا اسے قربانی سے کوئی لگاؤ نہیں (بخاری ومسلم) اسی لئے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ قربانی کا اول وقت اس وقت ہوتا ہے جب سورج نکل آئے اور اتنا وقت گزر جائے کہ نماز ہولے اور دو خطبے ہولیں۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے بعد کا اتنا وقت بھی کہ امام ذبح کرلے۔ کیونکہ صحیح مسلم میں ہے' امام جب تک قربانی نہ کرے' تم قربانی نہ کرو۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک تو گاؤں والوں پر عید کی نماز ہی نہیں اس لئے کہتے ہیں کہ وہ طلوع فجر کے بعد ہی قربانی کرسکتے ہیں ہاں شہری لوگ جب تک امام نماز سے فارغ نہ ہولے' قربانی نہ کریں واللہ اعلم۔

پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف عید والے دن ہی قربانی کرنا مشروع ہے اور قول ہے کہ شہر والوں کے لئے تو یہی ہے کیونکہ یہاں قربانیاں آسانی سے مل جاتی ہیں لیکن گاؤں والوں کے لئے عید کا دن اور اس کے بعد کے ایام تشریق۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دسویں اور گیارھویں تاریخ سب کے لئے قربانی کی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عید کے بعد کے دو دن اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عید کا دن اور اس کے بعد کے تین دن جو ایام تشریق کے ہیں۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہی ہے کیونکہ حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ایام تشریق سب قربانی کے ہیں (احمد' ابن حبان) کہا گیا ہے کہ قربانی کے دن ذی الحجہ کے خاتمہ تک ہیں لیکن یہ قول غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اسی وجہ سے ہم نے ان جانوروں کو تمہارا فرماں بردار اور زیر اثر کر دیا ہے کہ جب تم چاہو سواری لو' جب چاہو دودھ نکال لو' جب چاہو ذبح کر کے گوشت کھالو۔ جیسے سورہ یٰسین میں اَلَمْ یَرَوْا سے اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ تک بیان ہوا ہے۔ یہی فرمان یہاں ہے کہ اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرو اور ناشکری ناقدری نہ کرو۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۷

اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیز گاری پہنچتی ہے' اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع کر دیا ہے کہ تم اس کی رہنمائی کے شکریئے میں اس کی برائیاں بیان کرو' نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دے ○

قربانی پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو: ☆☆ (آیت: ۳۷) ارشاد ہوتا ہے کہ قربانیوں کے وقت اللہ کا نام بڑائی سے لیا جائے۔ اسی لئے قربانیاں مقرر ہوئی ہیں کہ خالق رازق اسے مانا جائے نہ کہ قربانیوں کے گوشت وخون سے اللہ کو کوئی نفع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری مخلوق سے غنی اور کل بندوں سے بے نیاز ہے۔ جاہلیت کی بیوقوفیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ قربانی کے جانور کا گوشت اپنے بتوں کے سامنے رکھ دیتے تھے اور ان پر خون کا چھینٹا دیتے تھے۔ یہ بھی دستور تھا کہ بیت اللہ شریف پر قربانی کے خون چھڑکتے' مسلمان ہو کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کرنے کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت اتری کہ اللہ تو تقوے کو دیکھتا ہے۔ اسی کو قبول فرماتا ہے اور اسی پر بدلہ عنایت فرماتا ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا نہ اس کی نظریں تمہارے مال پر ہیں بلکہ اس کی نگاہیں تمہارے دلوں پر اور تمہارے اعمال پر ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ خیرات' صدقہ سائل کے ہاتھ میں پڑے' اس سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے' قربانی

کے جانور کے خون کا قطرہ زمین پر ٹپکے اس سے پہلے اللہ کے ہاں پہنچ جاتا ہے اس کا بھی مطلب یہی ہے کہ خون کا قطرہ الگ ہوتے ہی قربانی مقبول ہو جاتی ہے واللہ اعلم۔

عامر شعبیؒ سے قربانی کی کھالوں کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا اللہ کو گوشت وخون نہیں پہنچتا' اگر چاہو بیچ دو' اگر چاہو خود رکھ لو' اگر چاہو راہ للہ دے دو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے قبضے میں دیا ہے کہ تم اللہ کے دین اور اس کی شریعت کی راہ پا کر اس کی مرضی کے کام کرو اور نا مرضی کے کاموں سے رک جاؤ اور اس کی عظمت و کبریائی بیان کرو۔ جو لوگ نیک کار ہیں' حدود اللہ کے پابند ہیں' شریعت کے عامل ہیں' رسولوں کی صداقت تسلیم کرتے ہیں' وہ مستحق مبارکباد اور لائق خوشخبری ہیں۔

(مسئلہ) امام ابوحنیفہؒ' مالکؒ' ثوریؒ کا قول ہے کہ جس کے پاس نصاب زکوٰۃ جتنا مال ہو' اس پر قربانی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ شرط بھی ہے کہ وہ اپنے گھر میں مقیم ہو۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ جسے وسعت ہو اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ اس روایت میں غرابت ہے اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ اسے منکر بتاتے ہیں۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ برابر دس سال تک ہر سال قربانی کرتے رہے (ترمذی)

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ قربانی واجب و فرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور کوئی فرضیت نہیں۔ یہ بھی روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی تمام امت کی طرف سے قربانی کی۔ پس وجوب ساقط ہو گیا۔ حضرت ابوشریحہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ یہ دونوں بزرگ قربانی نہیں کرتے تھے اس ڈر سے کہ لوگ ان کی اقتدا کریں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں قربانی سنت کفایہ ہے جب کہ محلے میں سے یا گلی میں سے یا گھر میں سے کسی ایک نے کر لی باقی سب نے ایسا نہ کیا۔ اس لئے کہ مقصود صرف شعار کا ظاہر کرنا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں فرمایا' ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی ہے اور عتیرہ ہے جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ وہی جسے تم رجبیہ کہتے ہو۔ اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اپنے پورے گھر کی طرف سے ایک بکری راہ اللہ ذبح کر دیا کرتے تھے اور خود بھی کھاتے' اوروں کو بھی کھلاتے۔ پھر لوگوں نے اس میں وہ کر لیا جو تم دیکھ رہے ہو۔ (ترمذی ابن ماجہ) حضرت عبداللہ بن ہشام اپنی اور اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کیا کرتے تھے۔ (بخاری)

اب قربانی کے جانور کی عمر کا بیان ملاحظہ ہو۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نہ ذبح کرو مگر مسنہ بجز اس صورت کے کہ وہ تم پر بھاری پڑ جائے تو پھر بھیڑ کا بچہ بھی چھ ماہ کا ذبح کر سکتے ہو۔ زہری تو کہتے ہیں کہ جزعہ یعنی چھ ماہ کا کوئی جانور قربانی میں کام ہی نہیں آ سکتا اور اس کے بالمقابل اوزاعی کا مذہب ہے کہ ہر جانور کا جزعہ کافی ہے لیکن یہ دونوں قول افراط و تفریط والے ہیں' جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اونٹ' گائے' بکری تو وہ جائز ہے جو ثنی ہو اور بھیڑ کا چھ ماہ کا بھی جائز ہے۔ اونٹ تو ثنی ہوتا ہے جب پانچ سال پورے کر کے چھٹے میں لگ جائے اور گائے جب دو سال پورے کر کے تیسرے میں لگ جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تین گزار کر چوتھے میں لگ گئی ہو اور بکری کا ثنی وہ ہے جو دو سال گزار چکا ہو اور جذعہ کہتے ہیں اسے جو سال بھر کا ہو گیا ہو۔ اور کہا گیا ہے جو دس ماہ کا ہو۔ ایک قول ہے جو آٹھ ماہ کا ہو۔ ایک قول ہے جو چھ ماہ کا ہو۔ اس سے کم مدت کا کوئی قول نہیں' اس سے کم عمر والے کو حمل کہتے ہیں۔ جب تک کہ اس کی پیٹھ پر بال کھڑے ہوں اور بال

لیٹ جائیں اور دونوں جانب جھک جائیں تو اسے جذع کہا جاتا ہے واللہ اعلم۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ﴿۳۹﴾

ع ۵ / ۱۲

سن رکھو یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ تعالیٰ ہٹا دے گا' کوئی خیانت کرنے والا ناشکرا اللہ کو ہرگز پسند نہیں ○ جن مسلمانوں سے کافر جنگ کر رہے ہیں' انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں' بے شک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے ○

(آیت:۳۸) اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے خبر دے رہا ہے کہ جو اس کے بندے اس پر بھروسہ رکھیں' اس کی طرف جھکتے رہیں' انہیں وہ اپنی امان نصیب فرماتا ہے۔ شریروں کی برائیاں' دشمنوں کی بدیاں خود ہی ان سے دور کر دیتا ہے۔ اپنی مدد ان پر نازل فرماتا ہے' اپنی حفاظت میں انہیں رکھتا ہے۔ جیسے فرمان ہے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ یعنی کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں؟ اور آیت میں ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ الخ' جو اللہ پر بھروسہ رکھے' اللہ آپ اسے کافی ہے الخ' دغاباز اور ناشکرے اللہ کی محبت سے محروم ہیں۔ اپنے عہد و پیمان پورے نہ کرنے والے اللہ کی نعمتوں کے منکر اللہ کے پیار سے دور ہیں۔

حکم جہاد صادر ہوا: ☆☆ (آیت:۳۹) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' جب حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب مدینے سے بھی نکالے جانے لگے اور کفار مکے سے چڑھ دوڑے تب جہاد کی اجازت کی یہ آیت اتری۔ بہت سے سلف سے منقول ہے کہ جہاد کی یہ پہلی آیت ہے جو قرآن میں اتری۔ اسی سے بعض بزرگوں نے استدلال کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ جب آنحضرت ﷺ نے مکے شریف سے ہجرت کی' ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے نکلا کہ افسوس ان کفار نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کو وطن سے نکالا۔ یقیناً یہ تباہ ہوں گے۔ پھر یہ آیت اتری تو صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جان لیا کہ جنگ ہو کر رہے گی۔ اللہ اپنے مومن بندوں کی مدد پر قادر ہے۔ اگر چاہے تو بے لڑے بھڑے انہیں غالب کر دے لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے' اسی لئے حکم دیا کہ ان کفار کی گردنیں مارو الخ۔ اور آیت میں ہے فرمایا قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ الخ ان سے لڑو' اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور رسوا کرے گا اور ان پر تمہیں غالب کرے گا اور مومنوں کے حوصلے نکالنے کا موقع دے گا کہ ان کے کلیجے ٹھنڈے ہو جائیں۔ ساتھ ہی جسے چاہے گا' توفیق توبہ دے گا۔ اللہ علم و حکمت والا ہے۔ اور آیت میں ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ الخ' یعنی کیا تم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تو وہ کھل کر سامنے نہیں آئے جو مجاہد ہیں' اللہ رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی سے دوستی اور یگانگت نہیں کرتے' سمجھ لو کہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ اور آیت میں ہے' کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک مجاہدین اور صابرین دوسروں سے ممتاز نہیں ہوئے۔ اور آیت میں فرمایا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَ نَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ہم تمہیں یقیناً آزمائیں گے یہاں تک کہ تم میں سے غازی اور صبر کرنے والے ہمارے سامنے نمایاں ہو جائیں۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ پھر فرمایا اللہ ان کی امداد پر قادر ہے۔ اور یہی ہوا بھی کہ اللہ نے اپنے لشکر کو دنیا پر غالب کر دیا۔ جہاد کو شریعت نے جس وقت مشروع فرمایا' وہ وقت بھی اس کے لئے بالکل مناسب اور نہایت ٹھیک تھا۔

یہ وہ ہیں جنہیں بلا وجہ ان کے گھروں سے نکالا گیا۔ صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسروں سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ویران کر دی جاتیں جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے O

(آیت: ۴۰) جب تک حضور ﷺ مکے میں رہے مسلمان بہت ہی کمزور تھے تعداد میں بھی دس کے مقابلے میں ایک بمشکل بیٹھتا۔ چنانچہ جب لیلتہ العقبہ میں انصاریوں نے رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تو انہوں نے کہا کہ اگر حضور ﷺ حکم دیں تو اس وقت منٰی میں جتنے مشرکین جمع ہیں ان پر شبخون ماریں۔ لیکن آپ نے فرمایا مجھے ابھی اس کا حکم نہیں دیا گیا۔

یہ یاد رہے کہ یہ بزرگ صرف اسی (۸۰) سے کچھ اوپر تھے۔ جب مشرکوں کی بغاوت بڑھ گئی جب وہ سرکشی میں حد سے گزر گئے حضور ﷺ کو سخت ایذائیں دیتے دیتے اب آپ کے قتل کرنے کے درپے ہو گئے آپ کو جلاوطن کرنے کے منصوبے گانٹھنے لگے اسی طرح صحابہ کرامؓ پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑ دیئے۔ بیک بنی و دوگوش وطن مال اسباب اپنوں غیروں کو چھوڑ کر جہاں جس کا موقعہ بنا گھبرا کر چل دیا کچھ تو حبشہ پہنچے کچھ مدینے گئے۔ یہاں تک کہ خود آفتاب رسالت کا طلوع بھی مدینے شریف میں ہوا۔ اہل مدینہ محمدیؐ جھنڈے تلے جوش وخروش سے جمع ہوئے۔ لشکری صورت مرتب ہو گئی۔ کچھ مسلمان ایک جھنڈے تلے دکھائی دینے لگے قدم ٹکانے کی جگہ مل گئی۔ اب دشمنان دین سے جہاد کے احکام نازل ہوئے تو پس سب سے پہلے یہی آیت اتری۔ اس میں بیان فرمایا گیا کہ یہ مسلمان مظلوم ہیں۔ ان کے گھربار ان سے چھین لئے گئے ہیں بے وجہ گھر سے بے گھر کر دیئے گئے ہیں مکے سے نکال دیئے گئے مدینے میں بے سروسامانی میں پہنچے ان کا کوئی جرم بجز اس کے سوا نہ تھا کہ صرف اللہ کے پرستار تھے رب کو ایک مانتے تھے اپنا پروردگار صرف اللہ کو جانتے تھے۔ یہ استثنا منقطع ہے گو مشرکین کے نزدیک تو یہ امر اتنا بڑا جرم ہے جو ہرگز کسی صورت سے معافی کے قابل نہیں۔ فرمان ہے یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ الخ تمہیں اور ہمارے رسول کو صرف اس بنا پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو جو تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ خندق والوں کے قصے میں فرمایا وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ یعنی دراصل ان کا کوئی قصور نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ غالب مہربان ذی احسان پر ایمان لائے تھے۔ مسلمان صحابہؓ خندق کھودتے ہوئے اپنے رجز میں کہہ رہے تھے۔

لَا هُمَّ لَوْ لَآ اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا　　وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاَنْزِلَنْ　سَكِيْنَةً　عَلَيْنَا　　وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّا قَيْنَا
اِنَّ الْاُوْلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا　　اِذَآ　اَرَادُوْ　فِتْنَةً　اَبَيْنَا

خود رسول اللہ ﷺ بھی ان کی موافقت میں تھے اور قافیہ کا آخری حرف آپ بھی ان کے ساتھ ادا کرتے اور اَبَینَا کہتے ہوئے خوب بلند آواز کرتے - پھر فرماتا ہے اگر اللہ تعالٰی ایک کا علاج دوسرے سے نہ کرتا' اگر ہر سیر پر سوا سیر نہ ہوتا تو زمین میں شر فساد مچ جاتا - ہر قوی ہر کمزور کو نگل جاتا - عیسائی عابدوں کے چھوٹے عبادت خانوں کو صوامع کہتے ہیں - ایک قول یہ بھی ہے کہ صابی مذہب کے لوگوں کے عبادت خانوں کا نام ہے اور بعض کہتے ہیں مجوسیوں کے آتش کدوں کو صوامع کہتے ہیں - مقاتل کہتے ہیں یہ وہ گھر ہیں جو راستوں پر ہوتے ہیں - بِیَعٌ ان سے بڑے مکانات ہوتے ہیں یہ بھی نصرانیوں کے عابدوں کے عبادت خانے ہوتے ہیں - بعض کہتے ہیں یہ یہودیوں کے کنیسا ہیں - صلوات کے بھی ایک معنی تو یہی کئے گئے ہیں - بعض کہتے ہیں' مراد گرجا ہیں - بعض کا قول ہے' صابی لوگوں کا عبادت خانہ - راستوں پر جو عبادت کے گھر اہل کتاب کے ہوں' انہیں صلوات کہا جاتا ہے اور مسلمانوں کے ہوں انہیں مساجد - فِیهَا کی ضمیر کا مرجع مساجد ہے اس لئے کہ سب سے پہلے یہی لفظ ہے - یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ سب جگہیں ہیں یعنی تارک الدنیا لوگوں کے صوامع' نصرانیوں کے بیع' یہودیوں کے صلوات اور مسلمانوں کی مسجدیں' جن میں نام اللہ خوب لیا جاتا ہے -

بعض علماء کا بیان ہے کہ اس آیت میں اقل سے اکثر کی طرف کی ترقی کی صنعت رکھی گئی ہے - پس سب سے زیادہ آباد' سب سے بڑا عبادت گھر جہاں کے عابدوں کا قصد صحیح' نیت نیک' عمل صالح ہے' وہ مسجدیں ہیں - پھر فرمایا اللہ اپنے دین کے مددگاروں کا خود مددگار ہے - جیسے فرمان ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ الخ' یعنی اگر اے مسلمانو! تم اللہ کے دین کی امداد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا' کفار پر افسوس ہے اور ان کے اعمال غارت ہیں - پھر اپنے دو وصف بیان فرمائے' قوی ہونا کہ ساری مخلوق کو پیدا کر دیا عزت والا ہونا کہ سب اس کے ماتحت - ہر ایک اس کے سامنے ذلیل و پست' سب اس کی مدد کے محتاج - وہ سب سے بے نیاز' جسے وہ مدد دے وہ غالب' جس پر سے اس کی مدد ہٹ جائے وہ مغلوب - فرماتا ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ الخ' یعنی ہم نے تو پہلے سے ہی اپنے رسولوں سے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کی یقینی طور پر مدد کی جائے گی اور یہ کہ ہمارا لشکر ہی غالب آئے گا - اور آیت میں ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ الخ' اللہ کہہ چکا ہے کہ میں اور میرا رسول غالب ہیں - بیشک اللہ تعالٰی قوت و عزت والا ہے -

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں ادا کریں اور زکوتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں' تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے ○

پابندی احکامات کی تاکید: ☆☆ (آیت:۴۱) حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں' یہ آیت ہمارے بارے میں اتری ہے - ہم بے سبب خارج از وطن کئے گئے تھے - پھر ہمیں اللہ نے سلطنت دی - ہم نے نماز و روزہ کی پابندی کی' بھلے احکام دیئے اور برائی سے روکنا جاری کیا - پس یہ آیت میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں ہے - ابوالعالیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مراد اس سے اصحابؓ رسول ہیں - خلیفہ رسول حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے خطبے میں اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا' اس میں صرف بادشاہوں کا بیان ہی نہیں بلکہ بادشاہ رعایا دونوں کا بیان ہے - بادشاہ پر تو یہ ہے کہ حقوق الٰہی تم سے برابر لے' اللہ کے حق کی کوتاہی کے بارے میں تمہیں پکڑے

اور ایک کا حق دوسرے سے دلوائے اور جہاں تک ممکن ہو تمہیں صراط مستقیم سمجھاتا رہے۔ تم پر اس کا یہ حق ہے کہ ظاہر و باطن' خوشی اس کی اطاعت گزاری کرو۔ عطیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی آیت کا مضمون آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ میں ہے۔ کاموں کا انجام اللہ کے ہاتھ ہے۔ عمدہ نتیجہ پرہیزگاروں کا ہوگا۔ ہر نیکی کا بدلہ اسی کے ہاں ہے۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾

اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں تو ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور عاد اور ثمود ○ اور قوم ابراہیم اور قوم لوط اور مدین والے بھی اپنے اپنے نبیوں کو جھٹلا چکے ہیں' موسیٰ بھی جھٹلائے جا چکے ہیں تو میں نے کافروں کو یونہی سی مہلت دی۔ پھر انہیں دھر دبایا' پھر میرا عذاب کیسا ہوا؟ ○ بہت سی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہہ و بالا کر دیا اس لئے کہ وہ ظالم تھے۔ پس وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی پڑی ہیں اور بہت سے آباد کنویں بے کام پڑے ہیں اور بہت سے پکے اور بلند محل ویران پڑے ہیں ○

کافروں کی حجت بازی بہت پرانی بیماری ہے: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۵) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ منکروں کا انکار آپ کے ساتھ کوئی نئی چیز نہیں۔ نوح علیہ السلام سے لے کر موسیٰ علیہ السلام تک کے کل انبیاء کا انکار کفار برابر کرتے چلے آئے ہیں۔ دلائل سامنے تھے' حق سامنے تھا لیکن منکروں نے مان کر نہ مانا۔ میں نے کافروں کو مہلت دی کہ یہ سوچ سمجھ لیں۔ اپنے انجام پر غور کر لیں۔ لیکن جب وہ اپنی نمک حرامی سے باز نہ آئے تو آخر کار میرے عذابوں میں گرفتار ہوئے۔ دیکھ لے کہ میری پکڑ کیسی بے پناہ ثابت ہوئی کس قدر دردناک انجام ہوا۔ سلف سے منقول ہے کہ فرعون کے ربانی دعوے اور اللہ کی پکڑ کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر ظالم کو ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب پکڑتا ہے تو چھٹکارا نہیں ہوتا پھر آپؐ نے آیت وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ تلاوت کی پھر فرمایا کہ کئی ایک بستیوں والے ظالموں کو جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی' ہم نے غارت کر دیا جن کے محلات کھنڈر بنے پڑے ہیں' اوندھے گرے ہوئے ہیں' ان کی منزلیں ویران ہو گئیں' ان کی آبادیاں ویران ہو گئیں' ان کے کنویں خالی پڑے ہیں' جو کل تک آباد تھے' آج خالی ہیں' ان کے چونہ گچ محل جو دور سے سفید چمکتے ہوئے دکھائی دیتے تھے' جو بلند و بالا اور پختہ تھے' وہ آج ویران پڑے ہیں' وہاں الو بول رہے ہیں' ان کی مضبوطی انہیں نہ بچا سکی' ان کی خوبصورتی اور پائیداری بیکار ثابت ہوئی۔ رب کے عذاب نے تہس نہس کر دیا۔ جیسے فرمان ہے اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ یعنی گو تم چونہ گچ پکے قلعوں میں محفوظ ہو لیکن موت وہاں بھی تمہیں چھوڑنے کی نہیں۔

کیا وہ خود زمین میں چلے پھرے نہیں یا کبھی غور و فکر بھی نہیں کیا کہ کچھ عبرت حاصل ہوتی؟۔ امام ابن ابی الدنیا کتاب التفکر والاعتبار میں روایت لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اے موسیٰ لوہے کی نعلین پہن کر لوہے کی لکڑی لے کر زمین میں چل پھر کر آثار و عبرت کو دیکھ۔ وہ ختم نہ ہوں گے یہاں تک کہ تیری لوہے کی جوتیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور لوہے کی لکڑی بھی ٹوٹ
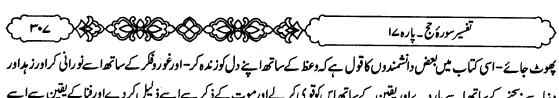
پھوٹ جائے- اسی کتاب میں بعض دانشمندوں کا قول ہے کہ وعظ کے ساتھ اپنے دل کو زندہ کر- اور غور وفکر کے ساتھ اسے نورانی کر اور زہد اور دنیا سے بچنے کے ساتھ اسے مار دے اور یقین کے ساتھ اس کو قوی کر لے اور موت کے ذکر سے اسے ذلیل کر دے اور فنا کے یقین سے اسے صبر دے' دنیا کی مصیبتیں اس کے سامنے رکھ کر اس کی آنکھیں کھول دے' زمانے کی تنگی اسے دکھا کر اسے دہشت ناک بنا دے' دنوں کے الٹ پھیر اسے سمجھا کر بیدار کر دے- گذشتہ واقعات سے اسے عبرتناک بنا- اگلوں کے قصے اسے سنا کر ہوشیار رکھ- ان کے شہروں میں اور ان کی سوانح میں اسے غور وفکر کرنے کا عادی بنا- اور دیکھ کہ گنہگاروں کے ساتھ اس کا معاملہ کیا ہوا' کس طرح وہ لوٹ پوٹ کر دیئے گئے؟

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾

ع ۱۲

کیا انہوں نے زمین میں سیر وسیاحت نہیں کی؟ جو ان کے دل ان باتوں کے سمجھنے والے ہوتے یا کانوں سے ہی ان واقعات کو سن لیتے بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں ○ عذاب کو تجھ سے جلدی طلب کر رہے ہیں- اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہیں ٹالنے کا ہاں البتہ تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے ○ بہت سی ناانصافی کرنے والوں کی بستیوں کو میں نے ڈھیل دی- پھر آخر ش انہیں پکڑ لیا- میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ○

(آیت:۴۶) پس یہاں بھی یہی فرمان ہے کہ اگلوں کے واقعات سامنے رکھ کر دلوں کو سمجھدار بناؤ' ان کی ہلاکت کے سچے افسانے سن کر عبرت حاصل کرو- سن لو آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سب سے برا اندھاپن دل کا ہے گو آنکھیں صحیح سالم موجود ہوں- دل کے اندھے پن کی وجہ سے نہ تو عبرت حاصل ہوتی ہے نہ خیر وشر کی تمیز ہوتی ہے- ابو محمد بن جیارہ اندلسی نے جن کا انتقال ۵۱۷ھ میں ہوا ہے' اس مضمون کو اپنے چند اشعار میں خوب نبھایا ہے- وہ فرماتے ہیں- اے وہ شخص جو گناہوں میں لذت پا رہا ہے' کیا اپنے بڑھاپے اور اپنے نفس کی برائی سے بھی تو بے خبر ہے؟ اگر نصیحت اثر نہیں کرتی تو کیا دیکھنے سننے سے بھی عبرت حاصل نہیں ہوتی؟ سن لے' آنکھیں اور کان اپنا کام نہ کریں تو اتنا برا نہیں جتنا برا یہ ہے کہ واقعات سے سبق نہ حاصل کیا جائے- یاد رکھ نہ تو دنیا باقی رہے گی نہ آسمان نہ سورج نہ چاند- گو جی نہ چاہے مگر دنیا سے تم کو ایک روز بادل ناخواستہ کوچ کرنا ہی پڑے گا- کیا امیر ہو' کیا غریب' کیا شہری ہو یا دیہاتی-

ذرا صبر' عذاب کا شوق پورا ہوگا: ☆☆ (آیت:۴۷-۴۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے فرما رہا ہے کہ یہ ملحد' کفار اللہ کو' اس کے رسول کو اور قیامت کے دن کو جھٹلانے والے تجھ سے عذاب طلب کرنے میں جلدی کر رہے ہیں کہ جلد ان عذابوں کو کیوں نہیں برپا کر دیا جاتا جن سے ہمیں ہر وقت ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے- چنانچہ وہ اللہ سے بھی کہتے تھے کہ الٰہی اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے

سنگ باری کریا اور کسی طرح کا دردناک عذاب بھیج - کہتے تھے کہ حساب کے دن سے پہلے ہی ہمارا معاملہ صاف کر دے- اللہ فرماتا ہے' یاد رکھو اللہ کا وعدہ اٹل ہے- قیامت اور عذاب آ کر ہی رہیں گے- اولیاء اللہ کی عزت اور اعداء اللہ کی ذلت یقینی اور ہو کر رہنے والی ہے- اصمعی کہتے ہیں' میں ابو عمرو بن علاء کے پاس تھا کہ عمرو بن عبید آیا اور کہنے لگا کہ اے ابو عمرو کیا اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا خلاف کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں' اس نے اسی وقت عذاب کی ایک آیت تلاوت کی- اس پر آپ نے فرمایا' کیا تو عجمی ہے؟ سن' عرب میں وعدہ کا یعنی اچھی بات سے وعدہ خلافی کو برا فعل سمجھا جاتا ہے لیکن ایعاد کا یعنی سزا کے احکام کا ردوبدل یا معافی بری نہیں سمجھی جاتی بلکہ وہ کرم و رحم سمجھا جاتا ہے- دیکھو شاعر کہتا ہے۔

فانی و ان اوعدته او وعدته لمحلف ایعادی و منجز موعدی

میں کسی کو سزا کا کہوں یا اس سے انعام کا وعدہ کروں- تو یہ تو ہو سکتا ہے کہ میں اپنی دھمکی کے خلاف کر جاؤں بلکہ قطعاً ہرگز سزا نہ دوں لیکن اپنا وعدہ تو ضرور پورا کر کے ہی رہوں گا- الغرض سزا کا وعدہ کر کے سزا نہ کرنا یہ وعدہ خلافی نہیں- لیکن رحمت و انعام کا وعدہ کر کے پھر روک لینا یہ بری صفت ہے' جس سے اللہ کی ذات پاک ہے- پھر فرماتا ہے کہ ایک ایک دن اللہ کے نزدیک تمہارے ہزار ہزار سال کے برابر ہے- یہ بہ اعتبار اس کے حلم اور بردباری کے ہے کیونکہ اسے علم ہے کہ وہ ہر وقت ان کی گرفت پر قادر ہے اس لئے عجلت کیا ہے؟ گو کتنی ہی مہلت مل جائے' گو کتنی ہی رسی دراز ہو جائے لیکن جب چاہے گا' سانس لینے کی بھی مہلت نہ دے گا اور پکڑ لے گا- اسی لئے اس کے بعد ہی فرمان ہوتا ہے' بہت سی بستیوں کے لوگ ظلم پر کمر کسے ہوئے تھے' میں نے بھی ان سے چشم پوشی کر رکھی تھی جب مست ہو گئے تو اچانک گرفت کر لی- سب مجبور ہیں' سب کو میرے ہی سامنے حاضر ہونا ہے' سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے- ترمذی وغیرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فقراء مسلمان مالدار مسلمانوں سے آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے یعنی پانچ سو برس پہلے-

اور روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا آدھے دن کی مقدار کیا ہے؟ فرمایا' کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا ہاں' تو یہی آیت سنائی- یعنی اللہ کے ہاں ایک دن ایک ہزار سال کا ہے- ابوداؤد کی کتاب الملاحم کے آخر میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ میری امت کو آدھے دن تک تو ضرور موخر رکھے گا- حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا' آدھا دن کتنے عرصے کا ہوا؟ آپ نے فرمایا پانچ سو سال کا- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو پڑھ کر فرمانے لگے' یہ ان دنوں میں سے جن میں اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا (ابن جریر)۔

بلکہ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الرد علی الجہمیہ میں اس بات کو کھلے لفظ میں بیان کیا ہے- مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ آیت مثل آیت يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ الخ' کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کام کی تدبیر آسمان سے زمین کی طرف کرتا ہے' پھر اس کی طرف چڑھ جاتا ہے- ایک ہی دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی ہے- امام محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ ایک نومسلم اہل کتاب سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو چھ دن میں پیدا کیا ہے اور ایک دن تیرے رب کے نزدیک مثل ایک ہزار سال کے ہے جو تم گنتے ہو- اللہ نے دنیا کی اجل چھ دن کی کی ہے- ساتویں دن قیامت ہے اور ایک ایک دن مثل ہزار ہزار سال کے ہے پس چھ دن تو گزر گئے اور اب تم ساتویں دن میں ہو- اب تو بالکل اس حاملہ کی طرح ہے جو پورے دنوں میں ہو اور نہ جانے کب بچہ ہو جائے-

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾

اعلان کردے کہ لوگو! میں تمہیں کھلم کھلا چوکنا کرنے والا ہی ہوں ○ پس جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ہیں' ان ہی کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ○ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو پست کرنے کے درپے رہتے ہیں' وہی دوزخی ہیں ○

اطاعت الٰہی سے روکنے والوں کا حشر: ☆☆ (آیت:۴۹-۵۱) چونکہ کفار عذاب مانگا کرتے تھے اور ان کی جلدی مچاتے رہتے تھے' ان کے جواب میں اعلان کرایا جا رہا ہے کہ لوگو میں تو اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ تمہیں رب کے عذابوں سے جو تمہارے آگے ہیں' چوکنا کردوں' تمہارا حساب میرے ذمے نہیں- عذاب اللہ کے بس میں ہے' چاہے اب لائے' چاہے دیر سے لائے- مجھے کیا معلوم کہ تم میں سے کس کی قسمت میں ہدایت ہے اور کون اللہ کی رحمت سے محروم رہنے والا ہے- چاہت اللہ کی ہی پوری ہونی ہے' حکومت اسی کے ہاتھ ہے' مختار اور کرتا دھرتا وہی ہے- کسی کو اس کے سامنے چوں و چرا کی مجال نہیں' وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے- میری حیثیت تو صرف ایک آگاہ کرنے والے کی ہے- جن کے دلوں میں یقین و ایمان ہے اور اس کی شہادت ان کے اعمال سے بھی ثابت ہے' ان کے کل گناہ معافی کے لائق ہیں اور ان کی کل نیکیاں قدر دانی کے قابل ہیں- رزق کریم سے مراد جنت ہے- جو لوگ اوروں کو بھی راہ اللہ سے' اطاعت رسول ﷺ سے روکتے ہیں' وہ جہنمی ہیں- سخت عذابوں اور تیز آگ کے ایندھن ہیں' اللہ ہمیں بچائے- اور آیت میں ہے کہ ایسے کفار کو ان کے فساد کے بدلے عذاب پر عذاب ہیں-

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾

ہم نے تجھ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا' اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا' شیطان نے اس کی آرزو میں کچھ ملا دیا' پس شیطان کی ملاوٹ کو اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے- پھر اپنی باتیں پکی کر دیتا ہے' اللہ تعالیٰ دانا اور باحکمت ہے ○ یہ اس لئے کہ شیطانی ملاوٹ کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں- بے شک گنہگار لوگ دور دراز کی مخالفت میں ہیں ○ اور اس لئے بھی کہ جنہیں علم عطا فرمایا گیا ہے' وہ یقین کرلیں کہ یہ تیرے رب ہی کی طرف سے سراسر حق ہی ہے' پھر وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں' یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان داروں

کو راہ راست کی طرف رہبری کرنے والا ہی ہے ○

شیطان کا تصرف غلط ہے: ☆☆ (آیت:۵۲-۵۴) یہاں پر اکثر مفسرین نے غرانیق کا قصہ نقل کیا ہے اور یہ بھی کہ اس واقعہ کی وجہ سے اکثر مہاجرین حبش یہ سمجھ کر کہ مشرکین مکہ اب مسلمان ہو گئے واپس مکے آ گئے- لیکن یہ روایت ہر سند سے مرسل ہے- کسی صحیح سند سے مسند مروی نہیں واللہ اعلم- چنانچہ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ شریف میں سورہ النجم کی تلاوت فرمائی- جب یہ آیتیں آپ پڑھ رہے تھے اَفَرَءَ یْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی تو شیطان نے آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ ڈالے کہ تلك الغرانيق العلى و ان شفاعتهم ترتجى پس مشرکین خوش ہو گئے کہ آج تو حضور ﷺ نے ہمارے معبودوں کی تعریف کی جو اس سے پہلے آپ نے کبھی نہیں کی چنانچہ ادھر حضورؐ نے سجدہ کیا' ادھر وہ سب بھی سجدے میں گر پڑے- اس پر یہ آیت اتری- اسے ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے' یہ مرسل ہے- مسند بزار میں بھی اس کے ذکر کے بعد ہے کہ صرف اسی سند سے ہی یہ متصلاً مروی ہے صرف امیہ بن خالد ہی اسے وصل کرتے ہیں- وہ مشہور ثقہ ہیں- یہ صرف طریق کلبی سے ہی مروی ہے- ابن ابی حاتم نے اسے دو سندوں سے لیا ہے لیکن دونوں مرسل ہیں- ابن جریر میں بھی مرسل ہے-

قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں' مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتے ہوئے حضور ﷺ کو اونگھ آ گئی اور شیطان نے آپ کی زبان پر ڈالا وان شفاعتها لترتجى و انها لمع الغرانيق العلى نکلوا دیا- مشرکین نے ان لفظوں کو پکڑ لیا اور شیطان نے یہ بات پھیلا دی- اس پر یہ آیت اتری اور اسے ذلیل ہونا پڑا- ابن ابی حاتم میں ہے کہ سورۂ انجم نازل ہوئی اور مشرکین کہہ رہے تھے کہ اگر یہ شخص ہمارے معبودوں کا اچھے لفظوں میں ذکر کرے تو ہم اسے اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑ دیں مگر اس کا تو یہ حال ہے کہ یہود و نصاریٰ اور جو لوگ اس کے دینی مخالف ہیں' ان سب سے زیادہ گالیوں اور برائی سے ہمارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے- اس وقت حضور ﷺ پر اور آپ کے اصحابؓ پر سخت مصائب توڑے جا رہے تھے- آپ کو ان کی ہدایت کی لالچ تھی- جب سورہ نجم کی تلاوت آپؐ نے شروع کی اور وَلَهُ الْاُنْثٰی تک پڑھا تو شیطان نے بتوں کے ذکر کے وقت یہ کلمات ڈال دیئے وانهن لهن الغرانيق العلى و ان شفاعتهن لهى التى ترتجى یہ شیطان کی مقفی عبارت تھی- ہر مشرک کے دل میں یہ کلمے بیٹھ گئے اور ایک ایک کو یاد ہو گئے یہاں تک کہ یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت محمد ﷺ نے سورہ نجم کے خاتمے پر سجدہ کیا تو سارے مسلمان اور مشرکین بھی سجدے میں گر پڑے' ہاں ولید بن مغیرہ چونکہ بہت ہی بوڑھا تھا' اس لئے اس نے ایک مٹھی مٹی کی بھر کر اونچی لے جا کر اس کو اپنے ماتھے سے لگا لیا- اب ہر ایک کو تعجب معلوم ہونے لگا کیونکہ حضور ﷺ کے ساتھ دونوں فریق سجدے میں شامل تھے- مسلمانوں کو تعجب تھا کہ یہ لوگ ایمان تو لائے نہیں' یقین نہیں' ہمارے ساتھ حضور ﷺ کے سجدے پر سجدہ انہوں نے کیسے کیا؟ شیطان نے جو الفاظ مشرکوں کے کانوں میں پھونکے تھے' وہ مسلمانوں نے سنے ہی نہ تھے- ادھر ان کے دل خوش ہو رہے تھے کیونکہ شیطان نے اس طرح آواز ملائی کہ مشرکین اس میں کوئی تمیز ہی نہیں کر سکتے تھے- وہ تو سب کو اسی یقین پر پکا کر چکا تھا کہ خود حضور ﷺ نے اسی سورت کی ان دونوں آیتوں کو تلاوت فرمایا ہے- پس دراصل مشرکین کا سجدہ اپنے بتوں کو تھا- شیطان نے اس واقعہ کو اتنا پھیلا دیا کہ مہاجرین حبشہ کے کانوں میں بھی یہ بات پہنچی- عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جب سنا کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں بلکہ انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور ولید بن مغیرہ سجدہ نہ کر سکا تو اس نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر اس پر سر ٹکا لیا' مسلمان اب پورے امن اور اطمینان سے ہیں تو انہوں نے وہاں سے واپسی کی ٹھانی اور خوشی خوشی مکے پہنچے- ان کے پہنچنے سے پہلے شیطان کے ان

الفاظ کی قلعی کھل چکی تھی اللہ نے ان الفاظ کو ہٹا دیا تھا اور اپنا کلام محفوظ کر دیا تھا - یہاں مشرکین کی آتش عداوت اور بھڑک اٹھی تھی اور انہوں نے مسلمانوں پر نئے مصائب کے بادل برسانے شروع کر دیئے تھے - یہ روایت بھی مرسل ہے - بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی یہ روایت ہے - امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ بھی اسے اپنی سیرت میں لائے ہیں - لیکن یہ سندیں مرسلات اور منقطعات ہیں واللہ اعلم -

امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ سب کچھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے کلام سے اسی طرح کی روایتیں وارد کی ہیں - پھر خود ہی ایک سوال وارد کیا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ کے بچاؤ کا ذمہ دار محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے تو ایسی بات کیسے واقع ہو گئی - پھر بہت سے جواب دیئے ہیں جن میں ایک لطیف جواب یہ بھی ہے کہ شیطان نے یہ الفاظ لوگوں کے کانوں میں ڈالے اور انہیں وہم ڈالا کہ یہ الفاظ حضور ﷺ کے منہ سے نکلے ہیں حقیقت میں ایسا نہ تھا یہ صرف شیطانی حرکت تھی نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی آواز واللہ اعلم - اور بھی اسی قسم کے بہت سے جواب متکلمین نے دیئے ہیں - قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے بھی شفا میں اسے چھیڑا ہے اور ان کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ کا اپنا فرمان اس بات کا ثبوت ہے کہ شیطان کا تصرف نبی اکرمؐ پر ناممکن ہے مگر جب کہ وہ آرزو کرتا ہے الخ' اس میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرمائی گئی ہے کہ آپ اس میں پریشان خاطر نہ ہوں' اگلے نبیوں رسولوں پر بھی ایسے اتفاقات آئے - بخاری میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ اس کی آرزو میں جب نبی بات کرتا ہے تو شیطان اس کی بات میں بول شامل کر دیتا ہے - پس شیطان کے ڈالے ہوئے کو باطل کر کے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو محکم کرتا ہے - مجاہد کہتے ہیں 'تَمَنّٰی' کا معنی قال کے ہیں امنیتہ کے معنی قراء تہ کے ہیں - الا امانی کا مطلب یہ ہے کہ پڑھتے ہیں' لکھتے نہیں - بغوی رحمتہ اللہ علیہ اور اکثر مفسرین کہتے ہیں تمنی کے معنی تلا کے ہیں یعنی جب کتاب اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اس کی تلاوت میں کچھ ڈال دیتا ہے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں شاعر نے کہا ہے -

تمنی کتاب اللہ اول لیلتھہ   واخرھا لاقی حمام المقادر

یہاں بھی لفظ تمنی پڑھنے کے معنی میں ہے - ابن جریر کہتے ہیں' یہ قول بہت قریب کی تاویل والا ہے - نسخ کے حقیقی معنی لغتاً ازالہ اور رفع کے یعنی ہٹانے اور مٹا دینے کے ہیں یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ شیطان کے القا کو باطل کر دیتا ہے - جبرئیل علیہ السلام بحکم الٰہی شیطان کی زیادتی کو مٹا دیتے ہیں اور اللہ کی آیتیں مضبوط رہ جاتی ہیں - اللہ تعالیٰ تمام کاموں کا جاننے والا ہے' کوئی مخفی بات بھی' کوئی راز بھی اس پر پوشیدہ نہیں - وہ حکیم ہے - اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں - یہ اس لئے کہ جن کے دلوں میں شک' شرک' کفر اور نفاق ہے' ان کے لئے یہ فتنہ بن جائے چنانچہ مشرکین نے اسے اللہ کی طرف سے مان لیا حالانکہ وہ الفاظ شیطانی تھے - لہٰذا مریض دل والوں سے مراد منافق ہیں اور سخت دل والوں سے مراد مشرک ہیں - یہ بھی قول ہے کہ مراد یہود ہیں - ظالم حق سے بہت دور نکل گئے ہیں - وہ سیدھے راستے سے گم ہو گئے ہیں - اور جنہیں صحیح علم دیا گیا ہے جس سے وہ حق و باطل میں تمیز کر لیتے ہیں' انہیں اس بات کے بالکل حق ہونے کا اور منجانب اللہ ہونے کا صحیح یقین ہو جائے اور وہ کامل الایمان بن جائیں اور سمجھ لیں کہ بے شک یہ اللہ کا کلام ہے جبھی تو اس قدر اس کی حفاظت' صیانت اور نگہداشت ہے کہ کسی جانب سے' کسی طریق سے اس میں باطل کی آمیزش نہیں ہو سکتی - حکیم وحمید اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے - پس ان کے دل تصدیق سے پر ہو جاتے ہیں' جھک کر رغبت سے متوجہ ہو جاتے ہیں - اللہ تعالیٰ ایمان داروں کی رہبری دنیا میں حق اور ہدایت کی طرف کرتا ہے' صراط مستقیم سجھا دیتا ہے اور آخرت میں عذابوں سے بچا کر بلند درجوں میں پہنچاتا ہے اور نعمتیں نصیب فرماتا ہے -

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥٧﴾
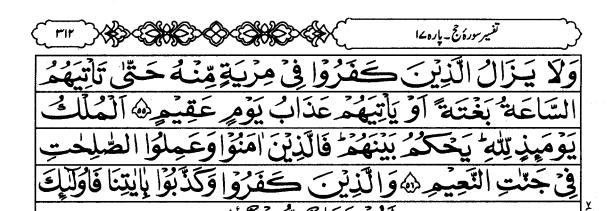
کافر اس وحی اللہ میں ہمیشہ شک وشبہ ہی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اچانک ان کے سروں پر قیامت آ جائے یا ان کے پاس اس دن کا عذاب آ جائے جو خیر سے خالی ہے ○ اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہت ہوگی - وہی ان میں فیصلے فرمائے گا' ایمان اور نیک عمل والے تو نعمتوں سے بھرپور جنتوں میں ہوں گے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو نہ مانا تھا' ان کے لئے ذلیل کرنے والے عذاب ہی ہوں گے ○

کافروں کے دل سے شک وشبہ نہیں جائے گا: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۷) یعنی کافروں کو جو شک وشبہ اللہ کی اس وحی یعنی قرآن میں ہے' وہ ان کے دلوں سے نہیں جائے گا - شیطان یہ غلط گمان قیامت تک ان کے دلوں سے نہ نکلنے دے گا - قیامت اور اس کے عذاب ان کے پاس ناگہاں آ جائیں گے - اس وقت یہ محض بے شعور ہوں گے جو مہلت انہیں مل رہی ہے' اس سے یہ مغرور ہو گئے ہیں - جس قوم کے پاس اللہ کے عذاب آئے' اسی حالت میں آئے کہ وہ ان سے نڈر بلکہ بے پرواہ ہو گئے تھے - اللہ کے عذابوں سے غافل وہی ہوتے ہیں جو پورے فاسق اور علانیہ مجرم ہوں یا انہیں بے خبر دن کا عذاب پہنچے جو دن ان کے لئے منحوس ثابت ہوگا - بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد یوم بدر ہے اور بعض نے کہا ہے' مراد اس سے قیامت کا دن ہے - یہی قول صحیح ہے گو بدر کا دن بھی ان کے لئے عذاب الٰہی کا دن تھا - اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہت ہوگی - جیسے اور آیت میں ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کا مالک ہے - اور آیت میں ہے' اس دن رحمٰن کا ہی ملک ہوگا اور وہ دن کافروں پر نہایت ہی گراں گزرے گا - فیصلے خود اللہ کرے گا - جن کے دلوں میں اللہ پر ایمان' رسول کی صداقت اور ایمان کے مطابق جن کے اعمال تھے' جن کے دل اور عمل میں موافقت تھی' جن کی زبانیں دل کی مانند تھیں' وہ جنت کی نعمتوں میں مالا مال ہوں گے جو نعمتیں نہ فنا ہوں نہ گھٹیں نہ بگڑیں نہ کم ہوں - جن کے دلوں میں حقانیت سے کفر تھا' جو حق کو جھٹلاتے تھے' نبیوں کے خلاف کرتے تھے' اتباع حق سے تکبر کرتے تھے' ان کے تکبر کے بدلے انہیں ذلیل کرنے والے عذاب ہوں گے - جیسے فرمان ہے إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ جو لوگ میری عبادتوں سے سرکشی کرتے ہیں' وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے -

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٥٨﴾ لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿٥٩﴾ ذَٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنصُرَنَّهُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿٦٠﴾

اور جن لوگوں نے راہ اللہ میں ترک وطن کیا' پھر وہ شہید کر دیئے گئے یا اپنی موت مر گئے' اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بہترین روزیاں عطا فرمائے گا' اور بے شک اللہ تعالیٰ البتہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ○ انہیں اللہ تعالیٰ ایسی جگہ پہنچائے گا کہ وہ اس سے راضی راضی ہو جائیں گے' بے شک اللہ تعالیٰ علم اور بردباری والا ہے ○ بات یہی ہے اور جس نے بدلہ لیا' اسی کے برابر جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا' پھر اگر اس سے زیادتی کی جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ خود اس کی مدد فرمائے گا' بے شک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا' بخشنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا بہترین رزق پانے والے لوگ : ☆☆ (آیت:۵۸-۶۰) یعنی جو شخص اپنا وطن' اپنے اہل و عیال' اپنے دوست احباب چھوڑ کر اللہ کی رضا مندی کے لئے اس کی راہ میں ہجرت کر جائے' اس کے رسول کی اور اس کے دین کی مدد کے لئے پہنچے پھر وہ میدان جہاد میں دشمن کے ہاتھوں شہید کیا جائے یا بے لڑے بھڑے اپنی قضا کے ساتھ اپنے بستر پر اسے موت آ جائے' اسے بہت بڑا اجر اور زبردست ثواب اللہ کی طرف سے ہے۔ جیسے ارشاد ہے وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ یعنی جو شخص اپنے گھر اور دیس کو چھوڑ کر اللہ رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے' پھر اسے موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے طے ہو چکا۔ ان پر اللہ کا فضل ہو گا۔ انہیں جنت کی روزیاں ملیں گی جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اللہ تعالیٰ بہترین رازق ہے۔ انہیں پروردگار جنت میں پہنچائے گا جہاں یہ خوش خوش ہوں گے جیسے فرمان ہے کہ جو ہمارے مقربوں میں سے ہے' اس کے لئے راحت اور خوشبودار پھول اور نعمتوں بھرے باغات ہیں۔ ایسے لوگوں کو راحت و رزق اور جنت ملے گی۔ اپنی راہ کے سچے مہاجروں کو' اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کو' اپنی نعمتوں کے مستحق لوگوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ وہ بڑے حلم والا ہے' بندوں کے گناہ معاف فرماتا ہے' ان کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے' ان کی ہجرت کو قبول کرتا ہے' ان کے توکل کو خوب جانتا ہے۔ جو لوگ راہ الٰہی میں شہید ہوں' مہاجر ہوں یا نہ ہوں' وہ رب کے پاس زندگی اور روزی پاتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا الخ' اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ نہ سمجھو وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں' روزیاں دیئے جاتے ہیں۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں جو بیان ہو چکیں۔ پس فی سبیل اللہ شہید ہونے والوں کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہے۔ اس آیت سے اور اسی بارے کی حدیثوں سے بھی۔

حضرت شرجیل بن سمط فرماتے ہیں کہ روم کے ایک قلعے کے محاصرے پر ہمیں مدت گزر چکی اتفاق سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو فرمانے لگے' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' جو شخص راہ الٰہی کی تیاری میں مر جائے تو اس کا اجر اور رزق برابر اللہ کی طرف سے ہمیشہ اس پر جاری رہتا ہے اور وہ فتنے میں ڈالنے والوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر تم چاہو تو آیت والذین ھاجروا الخ' پڑھ لو۔ حضرت ابو قبیل اور ربیعہ بن سیف مغافری کہتے ہیں' ہم رودس کے جہاد میں تھے ہمارے ساتھ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے دو جنازے ہمارے پاس سے گزرے جن میں ایک شہید تھا' دوسرا اپنی موت مرا تھا لوگ شہید کے جنازے پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا' حضرت یہ شہید ہیں اور یہ دوسرے شہادت سے محروم ہیں۔ آپ نے فرمایا' واللہ مجھے تو دونوں باتیں برابر ہیں۔ خواہ اس کی قبر میں سے اٹھوں خواہ اس کی میں سے۔ سنو کتاب اللہ میں ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اور روایت میں ہے کہ آپ مرے ہوئے کی قبر پر ہی ٹھہرے رہے اور فرمایا تمہیں اور کیا چاہئے جنت' جگہ اور روزی عمدہ۔ اور روایت میں ہے کہ آپ اس وقت امیر تھے۔ یہ آخری آیت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس چھوٹے سے لشکر کے بارے میں اتری ہے جن سے مشرکین کے ایک لشکر نے باوجود ان کے رک جانے کے حرمت کے مہینے میں لڑائی کی۔ اللہ نے مسلمانوں کی امداد فرمائی اور مخالفین کو نیچا دکھایا۔ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا' بخشنے والا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

یہ اس لئے کہ اللہ رات کو دن میں پہنچاتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے اور بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ○ یہ سب اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہی ہے اور بے شک اللہ ہی بلندی والا اور کبریائی والا ہے ○

اس پر کوئی حاکم نہیں: ☆☆ (آیت:۶۱-۶۲) اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ خالق اور متصرف صرف وہی ہے اپنی ساری مخلوق میں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ فرمان ہے قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ الخ الٰہی تو ہی مالک الملک ہے۔ جسے چاہے ملک دے۔ جس سے چاہے لے لے جسے چاہے عزت کا جھولا جھلائے جسے چاہے در در سے بھیک منگائے ساری بھلائیاں تیرے ہی ہاتھ ہیں تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ دن کو رات میں رات کو دن میں تو ہی لے جاتا ہے۔ زندے کو مردے سے مردے کو زندے سے تو ہی نکالتا ہے۔ جسے چاہتا ہے بے حساب روزیاں پہنچاتا ہے۔ پس کبھی کے دن بڑے راتیں چھوٹی کبھی کی راتیں بڑی دن چھوٹے جیسے گرمیوں اور جاڑوں میں ہوتا ہے۔ بندوں کی تمام باتیں اللہ سنتا ہے ان کی تمام حرکات وسکنات دیکھتا ہے کوئی حال اس پر پوشیدہ نہیں۔ اس کا کوئی حاکم نہیں بلکہ کوئی چوں وچرا بھی اس کے سامنے نہیں کرسکتا۔ وہی سچا معبود ہے۔ عبادتوں کے لائق اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ زبردست غلبے والا بڑی شان والا وہی ہے۔ جو چاہتا ہے ہوتا ہے۔ جو نہیں چاہتا ناممکن کہ وہ ہو جائے۔ ہر شخص اس کے سامنے فقیر ہر ایک اس کے آگے عاجز۔ اس کے سوا جسے لوگ پوجیں وہ باطل کوئی نفع نقصان کسی کے ہاتھ نہیں وہ بلندیوں والا عظمتوں والا ہے۔ ہر چیز اس کے ماتحت اس کے زیر حکم اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کے سوا کوئی رب نہ اس سے کوئی بڑا نہ اس پر کوئی غالب۔ وہ تقدس والا وہ عزت وجلالت والا ظالموں کی کہی ہوئی تمام نکمی باتوں سے پاک سب خوبیوں والا تمام نقصانات سے دور۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

ع ۷ ۱۵

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے۔ پس زمین سرسبز ہو جاتی ہے بے شک اللہ تعالیٰ لطف کرنے والا باخبر ہے ○ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے اور یقیناً اللہ وہی ہے بے نیاز تعریفوں والا ○ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے بس میں کر دی ہیں اور اس کے فرمان سے

پانی میں چلتی ہوئی کشتیاں بھی؟ وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اس کی پروانگی (اجازت) بغیر گر نہ پڑے بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت و نرمی کرنے والا اور مہربان ہے ○ اسی نے تمہیں جلایا ہے۔ پھر وہی تمہیں مار ڈالے گا۔ پھر وہی تمہیں زندہ کر دے گا' بے شک انسان البتہ ناشکرا ہے ○

قدرت اور غلبہ الٰہی کا اظہار: ☆☆ (آیت: ۶۳-۶۶) اپنی عظیم الشان قدرت اور زبردست غلبے کو بیان فرما رہا ہے کہ سوکھی غیر آباد مردہ زمین پر اس کے حکم سے ہوائیں بادل لاتی ہیں' جو پانی برساتا ہے اور زمین آباد لہلہاتی ہوئی سرسبز ہو جاتی ہے گویا جی اٹھتی ہے۔ یہاں پر ''ف'' تعقیب کے لئے ہے۔ ہر چیز کی تعقیب اسی کے انداز سے ہوتی ہے۔ نطفے کا علقہ ہونا' پھر علقے کا مضغہ ہونا جہاں بیان فرمایا ہے' وہاں بھی ''ف'' آئی ہے اور ہر دو صورت میں چالیس دن کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی مذکور ہے کہ حجاز کی بعض زمینیں ایسی بھی ہیں کہ بارش کے ہوتے ہی معاً سرخ و سبز ہو جاتی ہیں فاللہ اعلم۔ زمین کے گوشوں میں اور اس کے اندر جو کچھ ہے' سب اللہ کے علم میں ہے۔ ایک ایک دانہ اس کی دانست میں ہے۔ پانی وہیں پہنچتا ہے اور وہ اگ آتا ہے۔ جیسے حضرت لقمان رحمتہ اللہ علیہ کے قول میں ہے کہ اے بچے اگرچہ کوئی چیز رائی کے دانے برابر ہو چاہے کسی چٹان میں ہو یا آسمان میں یا زمین میں' اللہ اسے ضرور لائے گا۔ اللہ تعالیٰ پاکیزہ اور باخبر ہے۔ ایک اور آیت میں ہے' زمین و آسمان کی ہر پوشیدہ چیز کو اللہ ظاہر کر دے گا۔ ایک آیت میں ہے' ہر پتے کے جھڑنے کا' ہر دانے کا جو زمین کے اندھیروں میں ہو' ہر تر و خشک چیز کا اللہ کو علم ہے اور وہ کھلی کتاب میں ہے۔ ایک اور آیت میں ہے' کوئی ذرہ آسمان و زمین میں اللہ سے پوشیدہ نہیں' کوئی چھوٹی بڑی چیز ایسی نہیں جو ظاہر کتاب میں نہ ہو۔ امیہ بن ابو اصلت یا زید بن عمرو بن نفیل کے قصیدے میں ہے ۔

وَقُوْلَا لَهٗ مَنْ يُّنْبِتُ الْحَبَّ فِي الثَّرٰى ۔۔۔ فَيُصْبِحَ مِنْهُ الْبَقْلُ يَهْتَزُّ رَابِيَا

وَ يُخْرِجَ مِنْهُ حَبَّهٗ فِيْ رُؤُسِهٖ ۔۔۔ فَفِيْ ذَاكَ اٰيَاتٌ لِّمَنْ كَانَ وَاعِيَا

''اے میرے دونوں پیغمبرو! تم اس سے کہو کہ مٹی میں سے دانے کون نکالتا ہے کہ درخت پھوٹ کر جھومنے لگتا ہے اور اس کے سرے پر بالی نکل آتی ہے۔ عقل مند کے لئے تو اس میں قدرت کی ایک چھوڑ کئی نشانیاں موجود ہیں۔''

تمام کائنات کا مالک وہی ہے۔ وہ ہر ایک سے بے نیاز ہے۔ ہر ایک اس کے سامنے فقیر اور اس کی بارگاہ عالی کا محتاج ہے۔ سب انسان اس کے غلام ہیں۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ کل حیوانات' جمادات' کھیتیاں' باغات اس نے تمہارے فائدے کے لئے تمہاری ماتحتی میں دے رکھے ہیں۔ آسمان و زمین کی چیزیں تمہارے لئے سرگرداں ہیں۔ اس کا احسان و فضل و کرم ہے کہ اسی کے حکم سے کشتیاں تمہیں ادھر سے ادھر لے جاتی ہیں۔ تمہارے مال و متاع ان کے ذریعے یہاں سے وہاں پہنچتے ہیں۔ پانی کو چیرتی ہوئی' موجوں کو کاٹتی ہوئی بحکم الٰہی ہواؤں کے ساتھ کشتیاں تمہارے نفع کے لئے چل رہی ہیں۔ یہاں کی ضرورت کی چیزیں وہاں سے' وہاں کی یہاں سے برابر پہنچتی رہتی ہیں۔ وہ خود آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر گر نہ پڑے ورنہ ابھی وہ حکم دے تو یہ زمین پر آ رہے اور تم سب ہلاک ہو جاؤ۔

انسانوں کے گناہوں کے باوجود اللہ ان پر رافت و شفقت بندہ نوازی اور غلام پروری کر رہا ہے۔ جیسے فرمان ہے وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مُغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ الخ 'لوگوں کے گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ ان پر صاحب مغفرت ہے۔ ہاں بیشک وہ سخت عذابوں والا بھی ہے۔ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ وہی تمہیں فنا کرے گا۔ وہی پھر دوبارہ پیدا کرے گا۔ جیسے فرمایا كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ الخ' تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اسی نے تمہیں زندہ کیا پھر وہی تمہیں مار ڈالے گا پھر دوبارہ زندہ کر دے گا۔ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ایک اور آیت میں ہے قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ الخ' اللہ ہی تمہیں جلاتا (زندہ کرتا) ہے' پھر وہی تمہیں مار ڈالے گا' پھر تمہیں قیامت والے دن جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں جمع کرے گا۔ اور جگہ فرمایا وہ کہیں گے کہ الٰہی

تو نے ہمیں دو دفعہ مارا اور دو دفعہ جلایا - پس کلام کا مطلب یہ ہے کہ ایسے خدا کے ساتھ تم دوسروں کو شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ دوسروں کی عبادت اس کے ساتھ کیسے کرتے ہو؟ پیدا کرنے والا فقط وہی' روزی دینے والا صرف وہی' مالک ومختار فقط وہی - تم کچھ نہ تھے' اس نے تمہیں پیدا کر دیا - پھر تمہاری موت کے بعد پھر سے پیدا کرے گا یعنی قیامت کے دن - انسان بڑا ہی ناشکرا اور بے قدرا ہے -

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾

ہر امت کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جسے وہ بجا لانے والے ہیں - پس انہیں اس امر میں تجھ سے جھگڑا نہ کرنا چاہئے - تو اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو بلا تا رہ' یقیناً تو ٹھیک ہدایت پر ہی ہے ○ پھر بھی اگر یہ لوگ تجھ سے الجھنے لگیں تو تو کہہ دینا کہ تمہارے اعمال سے اللہ بخوبی واقف ہے ○ بے شک تمہارے سب کے اختلاف کا فیصلہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ آپ کر دے گا ○

مناسک کے معنی: ☆☆ (آیت: ۶۷-۶۹) اصل میں عربی زبان میں منسک کا لفظی ترجمہ وہ جگہ ہے جہاں انسان جانے آنے کی عادت ڈال لے - احکام حج کی بجا آوری کو اسی لئے مَنَاسِكَ کہا جاتا ہے کہ لوگ بار بار وہاں جاتے ہیں اور ٹھہرتے ہیں - منقول ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ ہر امت کے پیغمبر کے لئے ہم نے شریعت مقرر کی ہے' اس امر میں لوگ نہ لڑیں' سے مراد یہ مشرک لوگ ہیں اور اگر مراد ہر امت کے بطور قدرت کے ان کے افعال کا تقرر کرنا ہے جیسے سورہ بقرہ میں فرمان ہے کہ ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جدھر وہ متوجہ ہوتا ہے' یہاں بھی ہے کہ وہ اس کے بجا لانے والے ہیں تو ضمیر کا اعادہ بھی خود ان پر ہی ہے یعنی یہ اللہ کی قدرت اور ارادے سے کر رہے ہیں ان کے جھگڑنے سے تو بد دل نہ ہو اور حق سے نہ ہٹ - اپنے رب کی طرف بلا تا رہ اور اپنی ہدایت واستقامت پر مکمل یقین رکھ - یہی راستہ حق سے ملانے والا ہے - کامیابی سے ہمکنار کرنے والا ہے - جیسے فرمایا ہے وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ الخ' خبردار کہیں یہ لوگ تجھے اللہ کی آیتوں کے تیرے پاس پہنچ جانے پر بھی ان سے روک نہ دیں' اپنے رب کے راستے کی دعوت عام برابر دیتا رہ - اس کے بعد بھی اگر کوئی حق قبول کرنے سے جائے تو اس سے کنارہ اختیار کیجئے اور کہہ دے کہ اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے - جیسے کئی جگہ اسی مضمون کو دہرایا ہے - ایک اور جگہ ہے کہ اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو ان سے کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے' تم میرے اعمال سے بری ہو میں تمہارے کرتوت سے بیزار ہوں - پس یہاں بھی ان کے کان کھول دیئے کہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے' وہ تمہاری ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت کو بھی جانتا ہے اور وہی ہم تم میں کافی شاہد ہے - قیامت کے دن ہم تم میں فیصلہ اللہ آپ کر دے گا اور اس وقت سارے اختلافات مٹ جائیں گے - جیسے فرمان ہے تو اسی کی دعوت دیتا رہ اور ہمارے حکم پر ثابت قدم رہ اور کسی کی خواہش کے پیچھے نہ لگ اور صاف اعلان کر دے کہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب پر میرا ایمان ہے -

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾

کیا تجھے اتنا بھی علم نہیں کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے' یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں محفوظ ہے' اللہ تعالیٰ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے ○

کمال علم' رب کی شان: ☆☆ (آیت: ۷۰) رب کے کمال علم کا بیان ہو رہا ہے کہ زمین وآسمان کی ہر چیز اس کے علم کے احاطہ میں ہے' ایک ذرہ بھی اس سے باہر نہیں۔ کائنات کے وجود سے پہلے ہی کائنات کا علم اسے تھا بلکہ اس نے لوح محفوظ میں لکھوا دیا تھا۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا' مخلوق کی تقدیر لکھی۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ' اس نے دریافت کیا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا جو کچھ ہونے والا ہے پس قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا۔ اسے قلم نے قلمبند کر لیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سو سال کی راہ میں اللہ نے لوح محفوظ کو پیدا کیا اور مخلوق کی پیدائش سے پہلے جب کہ اللہ تعالیٰ عرش پر تھا' قلم کو لکھنے کا حکم دیا اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا میرا علم جو مخلوق کے متعلق قیامت تک کا ہے۔ پس قلم چل پڑا اور قیامت تک کے ہونے والے امور جو علم الٰہی میں تھے' اس نے لکھ لئے۔ پس اسی کو اپنے نبی ﷺ سے اس آیت میں فرما رہا ہے کہ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمان و زمین کی ہر ایک چیز کا میں عالم ہوں۔ پس یہ اس کا کمال علم ہے کہ چیز کے وجود سے پہلے اسے معلوم ہے بلکہ لکھ بھی لیا ہے اور وہ سب یونہی واقع میں ہونے والا ہے۔ اللہ کو بندوں کے تمام اعمال کا علم ان کے عمل سے پہلے ہے' وہ جو کچھ کرتے ہیں' اس کرنے سے پہلے اللہ جانتا تھا۔ ہر فرماں بردار اور نافرمان اس کے علم میں تھا اور اس کی کتاب میں لکھا ہوا تھا اور ہر چیز اس کے علمی احاطے کے اندر ہی اندر تھی اور یہ امر اللہ پر مشکل بھی نہ تھا۔ سب کتاب میں تھا اور رب پر بہت ہی آسان۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝۷۱ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۷۲

اللہ کے سوا انہیں پوج رہے ہیں جس کی کوئی ربانی دلیل نازل نہیں ہوئی نہ وہ خود ہی اس کا کوئی علم رکھتے ہیں' ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ○ جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی کھلی ہوئی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو تو کافروں کے چہروں پر ناخوشی کے صاف آثار پہچان لیتا ہے' وہ تو قریب ہوتے ہیں کہ ہماری آیتیں سنانے والوں پر حملہ کر بیٹھیں' کہہ دے کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ ناخوشی کی خبر دوں؟ وہ آگ ہے' جس کا وعدہ اللہ نے کافروں سے کر رکھا ہے' اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ○

شیطان کی تقلید: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۲) بلاسند بغیر دلیل کے اللہ کے سوا دوسرے کی پوجا پاٹ' عبادت و بندگی کرنے والوں کا جہل و کفر بیان فرماتا ہے کہ شیطانی تقلید اور باپ دادا کی دیکھا دیکھی کے سوا نہ کوئی نقلی دلیل ان کے پاس ہے نہ عقلی۔ چنانچہ اور آیت میں ہے وَمَنْ

یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ الخ جو بھی اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو بے دلیل پکارے' اس سے اللہ خود باز پرس کر لے گا' ناممکن ہے کہ ایسے ظالم چھٹکارا پا جائیں- یہاں بھی فرمایا کہ ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں کہ اللہکے کسی عذاب سے انہیں بچالے- ان پر خدا کے پاک کلام کی آیتیں' صحیح دلیلیں' واضح حجتیں جب پیش کی جاتی ہیں تو ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے- اللہ کی توحید' رسولوں کی اتباع کو صاف طور پر بیان کیا تو انہیں سخت غصہ آیا' ان کی شکلیں بدل گئیں' تیوریوں پر بل پڑنے لگے' آستینیں چڑھنے لگیں- اگر بس چلے تو زبان کھینچ لیں- ایک لفظ حقانیت کا زمین پر نہ آنے دیں- اسی وقت گلا گھونٹ دیں- ان سچے خیر خواہوں کی' اللہ کے دین کے مبلغوں کی برائیاں کرنے لگتے ہیں- زبانیں ان کے خلاف چلنے لگتی ہیں اور ممکن ہو تو ہاتھ بھی ان کے خلاف اٹھنے میں نہیں رکتے-

فرمان ہوتا ہے کہ نبی ﷺ ان سے کہہ دو کہ ایک طرف تو تم جو دکھ ان اللہ کے دین کے متوالوں کو پہنچانا چاہتے ہو' اسے وزن کرو دوسری طرف اس دکھ کا وزن کر لو جو تمہیں یقیناً تمہارے کفر و انکار کی وجہ سے پہنچنے والا ہے- پھر دیکھو کہ بدترین چیز کون سی ہے؟ وہ آتش دوزخ اور وہاں کے طرح طرح کے عذاب یا جو تکلیف تم ان سچے موحدوں کو پہنچانا چاہتے ہو؟ گو یہ بھی تمہارے ارادے ہی ارادے ہیں- اب تم ہی سمجھ لو کہ جہنم کیسی بری جگہ ہے؟ کس قدر ہولناک ہے؟ کس قدر ایذا دہندہ ہے؟ اور کتنی مشکل والی جگہ ہے؟ یقیناً وہ نہایت ہی بدترین جگہ اور بہت ہی خوفناک مقام ہے جہاں راحت و آرام کا نام بھی نہیں-

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔـا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے- ذرا کان لگا کر سن تو لو' اللہ کے سوا جن جن کو تم پکار رہے ہو' وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے' بڑا بودا ہے طلب کرنے والا اور بڑا بودا ہے وہ جس سے طلب کیا جا رہا ہے O انہوں نے اللہ کے مرتبے کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں' اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور و قوت والا اور غالب و زبردست ہے O

کم عقل پجاری: ☆☆ (آیت: ۷۳-۷۴) اللہ کے ماسوا جن کی عبادت کی جاتی ہے' ان کی کمزوری اور ان کے پجاریوں کی کم عقلی بیان ہو رہی ہے کہ اے لوگو! یہ جاہل جس جس کی بھی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں' رب کے ساتھ یہ جو شرک کرتے ہیں' ان کی ایک مثال نہایت عمدہ اور بالکل واقعہ کے مطابق بیان ہو رہی ہے- ذرا توجہ سے سنو کہ ان کے تمام کے تمام بت ٹھاکر وغیرہ جنہیں یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں جمع ہو جائیں اور ایک مکھی بنانا چاہیں تو سارے عاجز آ جائیں گے اور ایک مکھی بھی پیدا نہ کر سکیں گے- مسند احمد کی حدیث قدسی میں فرمان الٰہی ہے' اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح کسی کو بنانا چاہتا ہے- اگر واقعہ میں کسی کو یہ قدرت حاصل ہے تو ایک ذرہ' ایک مکھی یا ایک دانہ اناج کا ہی خود بنا دے-

بخاری و مسلم میں الفاظ یوں ہیں کہ وہ ایک ذرہ یا ایک جو ہی بنا دیں- اچھا اور بھی ان کے معبودان باطل کی کمزوری اور ناتوانی سنو کہ یہ ایک مکھی کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے- وہ ان کا حق' ان کی چیز ان سے چھینے چلی جا رہی ہے یہ بے بس ہیں یہ بھی تو نہیں کر سکتے کہ اس سے اپنی

چیز ہی واپس لے لیں بھلا مکھی جیسی حقیر اور کمزور مخلوق سے بھی جو اپنا حق نہ لے سکے اس سے بھی زیادہ کمزور بودا ضعیف ناتوان بے بس اور گرا پڑا کوئی اور ہوسکتا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' طالب سے مراد بت اور مطلوب سے مراد مکھی ہے- امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور ظاہر لفظوں سے بھی یہی ظاہر ہے- دوسرا مطلب یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ طالب سے مراد عابد اور مطلوب سے مراد اللہ کے سوا اور معبود- اللہ کی قدر و عظمت ہی ان کے دلوں میں نہیں رچی- اگر ایسا ہوتا تو اتنے بڑے توانا اللہ کے ساتھ ایسی ذلیل مخلوق کو کیوں شریک کر لیتے- جو مکھی اڑانے کی بھی قدرت نہیں رکھتی جیسے مشرکین قریش کے بت تھے- اللہ اپنی قدرت وقوت میں یکتا ہے تمام چیزیں بے نمونہ' سب سے پہلی پیدائش میں اس نے پیدا کر دی ہیں کسی ایک سے بھی مدد لیے بغیر پھر سب کو ہلاک کر کے دوبارہ اس سے بھی زیادہ آسانی سے پیدا کرنے پر قادر ہے- وہ بڑی مضبوط پکڑ والا' ابتدا اور اعادہ کرنے والا' رزق دینے والا اور بے انداز قوت رکھنے والا ہے- سب کچھ اس کے سامنے پست ہے کوئی اس کے ارادے کو بدلنے والا' اس کے فرمان کو ٹالنے والا' اس کی عظمت اور سلطنت کا مقابلہ کرنے والا نہیں- وہ واحد وقہار ہے-

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٧٥﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٧٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٧٧﴾ۚ

فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسولوں کو اللہ ہی چھانٹ لیتا ہے' بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ○ وہ بخوبی جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے' اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں ○ اے ایمان والو! رکوع سجدہ کرتے رہو اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ○

منصب نبوت کا حقدار کون؟ ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۶) اپنی مقرر کردہ تقدیر کے جاری کرنے اور اپنی مقرر کردہ شریعت کو اپنے رسول ﷺ تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ جس فرشتے کو چاہتا ہے مقرر کر لیتا ہے- اسی طرح لوگوں میں سے بھی پیغمبری کی خلعت سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے- بندوں کے سب اقوال سنتا ہے' ایک ایک بندہ اور اس کے اعمال اس کی نگاہ میں ہیں- وہ بخوبی جانتا ہے کہ منصب نبوت کا مستحق کون ہے؟ جیسے فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ رب ہی کو علم ہے کہ منصب رسالت کا صحیح طور پر اہل کون ہے؟ رسولوں کے آگے پیچھے کا اللہ کو علم ہے' کیا اس تک پہنچا' کیا اس نے پہنچایا' سب اس پر ظاہر و باہر ہے- جیسے فرمان ہے عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا یعنی الخ' وہ غیب کا جاننے والا ہے اپنے غیب کا کسی پر اظہار نہیں کرتا- ہاں جس پیغمبر کو وہ پسند فرمائے' اس کے آگے پیچھے پہرے مقرر کر دیتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دئے اور اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے جو ان کے پاس ہے اور ہر چیز کی گنتی تک اس کے پاس شمار ہو چکی ہے- پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے رسولوں کا نگہبان ہے جو انہیں کہا سنا جاتا ہے' اس پر خود گواہ ہے' خود ہی ان کا حافظ ہے اور ان کا مددگار بھی ہے- جیسے فرمان ہے يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ الخ' اے رسول ﷺ جو کچھ تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے اترا ہے پہنچا دے- اگر ایسا نہ کیا تو حق رسالت ادا نہ ہوگا- تیرا بچاؤ اللہ

کے ذمے ہے الخ۔

سورۂ حج کو دو سجدوں کی فضیلت حاصل ہے: ☆☆ (آیت: ۷۷) اس دوسرے سجدے کے بارے میں دو قول ہیں۔ پہلے سجدے کی آیت کے موقعہ پر ہم نے وہ حدیث بیان کر دی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سورہ حج کو دو سجدوں سے فضیلت دی گئی۔ جو یہ سجدے نہ کرے وہ یہ پڑھے ہی نہیں''۔ پس رکوع، سجدہ، عبادت اور بھلائی کا حکم کر کے فرماتا ہے۔

وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۷۸﴾

اور راہ اللہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسے جہاد کا اس کا حق ہے' اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی' دین تمہارے باپ ابراہیم کا' اسی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اس قرآن سے پہلے اور اس میں بھی تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم اور تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ' پس تمہیں چاہئے کہ نمازیں قائم رکھو اور زکوتیں ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو' وہی تمہارا ولی اور مالک ہے' پس کیا ہی اچھا مالک ہے؟ اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے؟

امت مسلمہ کو سابقہ امتوں پر فضیلت: ☆☆ (آیت: ۷۸) اپنے مال و جان اور اپنی زبان سے راہ اللہ میں جہاد کرو اور حق جہاد ادا کرو۔ جیسے حکم دیا ہے کہ اللہ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے' اسی نے تمہیں برگزیدہ اور پسندیدہ کر لیا ہے۔ اور امتوں پر تمہیں شرافت و کرامت' عزت و بزرگی عطا فرمائی۔ کامل رسول اور کامل شریعت سے تمہیں سربرآوردہ کیا' تمہیں آسان' سہل اور عمدہ دین دیا۔ وہ احکام تم پر نہ رکھے' وہ سختی تم پر نہ کی' وہ بوجھ تم پر نہ ڈالے جو تمہارے بس کے نہ ہوں جو تم پر گراں گزریں' جنہیں تم بجا نہ لا سکو۔ اسلام کے بعد سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ تاکید والا رکن نماز ہے اسے دیکھئے گھر میں آرام سے بیٹھے ہوئے ہوں تو چار رکعتیں فرض اور پھر اگر سفر ہو تو وہ بھی دو ہی رہ جائیں اور خوف میں تو حدیث کے مطابق صرف ایک ہی رکعت' وہ بھی سواری پر ہو تو اور پیدل ہو تو رو بہ قبلہ ہو تو اور دوسری طرف توجہ ہو تو۔ اسی طرح یہی حکم سفر کی نفل نماز کا ہے کہ جس طرف سواری کا منہ ہو' پڑھ سکتے ہیں۔

پھر نماز کا قیام بھی بوجہ بیماری کے ساقط ہو جاتا ہے۔ مریض بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹے لیٹے ادا کر لے۔ اسی طرح اور فرائض اور واجبات کو دیکھو کہ کس قدر ان میں اللہ تعالیٰ نے آسانیاں رکھی ہیں۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے' میں یک طرفہ اور بالکل آسانی والا دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو فرمایا تھا' تو خوشخبری سنانا نفرت نہ دلانا' آسانی کرنا سختی نہ کرنا۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی حدیثیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی یہی تفسیر کرتے ہیں کہ تمہارے دین میں کوئی تنگی و سختی نہیں۔ ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ملة کا نصب بہ نزع خفض ہے گویا اصل میں کملة ابیکم تھا اور ہو سکتا ہے کہ الزموا کو محذوف مانا جائے اور ملة کو اس کا مفعول قرار دیا جائے۔ اس صورت میں یہ اسی آیت کی طرح ہو جائے گا دینا قیما الخ' اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم

علیہ السلام سے بھی پہلے - کیونکہ ان کی دعا تھی کہ ہم دونوں باپ بیٹوں کو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو مسلمان بنا دے - لیکن امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول کچھ جچتا نہیں کہ پہلے سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے سے ہو' اس لئے کہ یہ تو بہت ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس امت کا نام اس قرآن میں مسلم نہیں رکھا - تو پہلے سے کے لفظ کے معنی یہ ہیں کہ پہلی کتابوں میں اور ذکر میں اور اس پاک اور آخری کتاب میں - یہی قول حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے اور یہی درست ہے - کیونکہ اس سے پہلے اس امت کی بزرگی اور فضیلت کا بیان ہے - ان کے دین کے آسان ہونے کا ذکر ہے -

پھر انہیں دین کی مزید رغبت دلانے کے لئے بتایا جا رہا ہے کہ یہ دین وہ ہے جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام لے کر آئے تھے - پھر اس امت کی بزرگی کے لئے اور انہیں مائل کرنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ تمہارا ذکر میری سابقہ کتابوں میں بھی ہے - مدتوں سے انبیاء کی آسمانی کتابوں میں تمہارے چرچے چلے آ رہے ہیں - سابقہ کتابوں کے پڑھنے والے تم سے خوب آگاہ ہیں - پس اس قرآن سے پہلے اور اس قرآن میں تمہارا نام مسلم ہے اور خود اللہ کا رکھا ہوا ہے - نسائی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص جاہلیت کے دعوے اب بھی کرے (یعنی باپ دادوں پر' حسب و نسب پر فخر کرے' دوسرے مسلمانوں کو کمینہ اور ہلکا خیال کرے) وہ جہنم کا ایندھن ہے - کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اگرچہ وہ روزے رکھتا ہو؟ اور نمازیں بھی پڑھتا ہو؟ آپ نے فرمایا' ہاں ہاں اگرچہ وہ روزے دار اور نمازی ہو - اللہ تعالیٰ نے جو نام تمہارے رکھے ہیں' انہی ناموں سے اپنے آپ کو منسوب کرو اور دوسرے مسلمانوں کو بھی پکارا کرو - یعنی مسلمین' مومنین اور عباداللہ - سورۂ بقرہ کی آیت یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا الخ' کی تفسیر میں ہم اس حدیث کو بیان کر چکے ہیں -

پھر فرماتا ہے' ہم نے تمہیں عادل' عمدہ' بہتر امت اس لئے بنایا ہے اور اس لئے تمام امتوں میں تمہاری عدالت کی شہرت کر دی ہے کہ تم قیامت کے دن اور لوگوں پر شہادت دو - تمام اگلی امتیں امت محمد ﷺ کی بزرگی اور فضیلت کا اقرار کریں گی کہ اس امت کو اور تمام امتوں پر سرداری حاصل ہے اس لئے ان کی گواہی ان پر معتبر مانی جائے گی - اس بارے میں کہ ان کے رسولوں نے پیغام الٰہی انہیں پہنچا دیا ہے' وہ تبلیغ کا فرض ادا کر چکے ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ اس امت پر شہادت دیں گے کہ آپ نے انہیں دین الٰہی پہنچا دیا اور حق رسالت ادا کر دیا - اس بابت جتنی حدیثیں ہیں اور اس بارے کی جتنی تفسیر ہے' وہ ہم سب کی سب سورہ بقرہ کے سترھویں رکوع کی آیت وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا الخ' کی تفسیر میں لکھ آئے ہیں - اس لئے یہاں اسے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں - وہیں دیکھ لی جائے - وہیں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت کا واقعہ بھی بیان کر دیا ہے -

پھر فرماتا ہے کہ اتنی بڑی عظیم الشان نعمت کا شکریہ تمہیں ضرور ادا کرنا چاہئے - جس کا طریقہ یہ ہے کہ جو اللہ کے فرائض تم پر ہیں انہیں شوق خوشی سے بجا لاؤ - خصوصاً نماز اور زکوٰۃ کا پورا خیال رکھو - جو کچھ اللہ نے واجب کیا ہے اسے دلی محبت سے بجا لاؤ اور جو چیزیں حرام کر دی ہیں اور ان کے پاس بھی نہ پھٹکو - پس نماز جو خالص رب کی ہے اور زکوٰۃ جس میں رب کی عبادت کے علاوہ مخلوق کے ساتھ احسان بھی ہے کہ امیر لوگ اپنے مال کا ایک حصہ فقیروں کو خوشی خوشی دیتے ہیں' ان کا کام چلتا ہے' دل خوش ہو جاتا ہے' اس میں بھی اللہ کی طرف سے بہت آسانی ہے' حصہ بھی کم ہے اور سال بھر میں ایک ہی مرتبہ - زکوٰۃ کے کل احکام سورہ توبہ کی آیت زکوٰۃ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ الخ' کی تفسیر میں ہم نے بیان کر دیئے ہیں - وہیں دیکھ لئے جائیں -

پھر حکم ہوتا ہے کہ اللہ پر پورا بھروسہ رکھو' اسی پر توکل کرو' اپنے تمام کاموں میں اس سے امداد طلب کیا کرو ہر وقت اعتماد اس پر رکھو

اسی کی تائید پر نظریں رکھو۔ وہ تمہارا مولیٰ ہے' تمہارا حافظ ہے' ناصر ہے' تمہیں تمہارے دشمنوں پر کامیابی عطا فرمانے والا ہے۔ وہ جس کا ولی بن گیا' اسے کسی اور کی ولایت کی ضرورت نہیں' سب سے بہتر والی وہی ہے' سب سے بہتر مددگار وہی ہے' تمام دنیا گو دشمن ہو جائے لیکن وہ سب پر قادر ہے اور سب سے زیادہ قوی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت وہیب بن ورد سے مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے' اے ابن آدم اپنے غصے کے وقت تو مجھے یاد کر لیا کر۔ میں بھی اپنے غضب کے وقت تجھے معاف فرما دیا کروں گا۔ اور جن پر میرا عذاب نازل ہو گا' میں تجھے ان میں سے بچا لوں گا۔ برباد ہونے والوں کے ساتھ تجھے برباد نہ کروں گا۔ اے ابن آدم جب تجھ پر ظلم کیا جائے تو صبر وضبط سے کام لے' مجھ پر نگاہیں رکھ' میری مدد پر بھروسہ رکھ' میری امداد پر راضی رہ' یاد رکھ میں تیری مدد کروں یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ تو آپ اپنی مدد کرے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں بھلائیوں کی توفیق دے۔ اپنی امداد نصیب فرمائے۔ آمین) واللہ اعلم۔

الحمد للہ سورۂ حج کی تفسیر ختم ہوئی۔

اور اسی کے ساتھ اللہ کے فضل وکرم سے سترھویں پارے کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر سورۃ المومنون

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ﴿۴﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ﴿۶﴾

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع ○

یقیناً ایمان داروں نے نجات حاصل کر لی ○ جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں ○ جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں ○ جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں ○ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ بجز اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے۔ یقیناً یہ ملامتیوں میں سے نہیں ہیں ○

دس آیتیں اور جنت کی ضمانت: ☆☆ (آیت:۱-۶) نسائی' ترمذی' مسند احمد میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی اترتی تو ایک ایسی میٹھی میٹھی' بھینی بھینی' ہلکی ہلکی سی آواز آپ کے پاس سنی جاتی جیسے شہد کی مکھیوں کے اڑنے کی بھنبھناہٹ کی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ یہی حالت طاری ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وحی اتر چکی تو آپ نے قبلے کی طرف متوجہ ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھی کہ اے اللہ تو ہمیں زیادہ کر' کم نہ کر' ہمارا اکرام کر' اہانت نہ کر' ہمیں انعام عطا فرما' محروم نہ رکھ۔ ہمیں دوسروں کے مقابلے میں فضیلت دے۔ ہم پر دوسروں کو پسند نہ فرما۔ ہم سے خوش ہو جا اور ہمیں خوش کر دے۔ عربی کے الفاظ یہ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَکْرِمْنَا وَلَا تُھِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَ اٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا وَارْضَ عَنَّا وَاَرْضِنَا پھر فرمایا مجھ پر دس آیتیں اتری ہیں' جو ان پر جم گیا' وہ جنتی ہو گیا۔ پھر آپ نے مندرجہ بالا دس آیتیں تلاوت فرمائیں۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں کیونکہ اس کا راوی صرف یونس بن سلیم ہے جو محدثین کے نزدیک معروف نہیں۔ نسائی میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضور ﷺ کے عادات و اخلاق کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا پھر ان آیتوں کی یحافظون تک تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا یہی حضرت ﷺ کے اخلاق تھے۔

مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن پیدا کی اور اس میں درخت وغیرہ اپنے ہاتھ سے لگائے تو اسے دیکھ کر فرمایا' کچھ بول۔ اس نے یہی آیتیں تلاوت کیں جو قرآن میں نازل ہوئیں۔ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی اور دوسری چاندی کی ہے۔ فرشتے اس میں جب داخل ہوئے' کہنے لگے واہ واہ یہ تو بادشاہوں کی جگہ ہے۔ اور روایت میں ہے اس کا گارہ مشک کا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ اس میں وہ وہ چیزیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی دل میں سمائیں۔ اور روایت میں ہے کہ جنت نے جب ان آیتوں کی تلاوت کی تو جناب باری نے فرمایا' مجھے اپنی بزرگی اور جلال کی قسم' تجھ میں بخیل ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔ اور حدیث میں ہے کہ اس کی ایک اینٹ سفید موتی کی ہے اور دوسری سرخ یاقوت کی اور تیسری سبز زبرجد کی' اس کا گارہ مشک کا ہے' اس کی گھاس زعفران ہے۔ اس روایت کے آخر میں ہے کہ اس حدیث کو بیان فرما کر حضور ﷺ نے آیت وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ پڑھی۔

الغرض فرمان ہے کہ مومن مراد کو پہنچ گئے وہ سعادت پا گئے - انہوں نے نجات پالی - ان مومنوں کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں خوف الٰہی رکھتے ہیں - خشوع اور سکون کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں - دل حاضر رکھتے ہیں - نگاہیں نیچی ہوتی ہیں - بازو جھکے ہوئے ہوتے ہیں - محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے - لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان کی نگاہیں نیچی ہو گئیں سجدے کی جگہ سے اپنی نگاہ نہیں ہٹاتے تھے - اور یہ بھی مروی ہے کہ جائے نماز سے ادھر ادھر ان کی نظر نہیں جاتی تھی اگر کسی کو اس کے سوا عادت پڑ گئی ہو تو اسے چاہئے کہ اپنی نگاہیں نیچی کر لے - ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ بھی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ایسا کیا کرتے تھے پس یہ خضوع وخشوع اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس کا دل فارغ ہو خلوص حاصل ہو اور نماز میں پوری دلچسپی ہو اور تمام کاموں سے زیادہ اسی میں دل لگتا ہو - چنانچہ حدیث شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مجھے خوشبو اور عورتیں زیادہ پسند ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے (نسائی) ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے نماز کے وقت اپنی لونڈی سے کہا کہ پانی لاؤ نماز پڑھ کر راحت حاصل کروں تو سننے والوں کو ان کی یہ بات گراں گزری - آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے - اے بلال اٹھو اور نماز کے ساتھ ہمیں راحت پہنچاؤ -

مومنوں کے اوصاف: ☆☆ پھر اور وصف بیان ہوا کہ وہ باطل' شرک' گناہ اور ہر ایک بیہودہ اور بے فائدہ قول وعمل سے بچتے ہیں - جیسے فرمان ہے وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا وہ لغویات سے بزرگانہ گزر جاتے ہیں وہ برائی اور بے سود کاموں سے اللہ کی روک کی وجہ سے رک جاتے ہیں - اور ان کا یہ وصف ہے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ادا کرتے ہیں - اکثر مفسرین یہی فرماتے ہیں لیکن اس میں ایک بات یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت ہجرت کے دوسرے سال میں ہوتی ہے پھر مکی آیت میں اس کا بیان کیسے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل زکوٰۃ تو مکہ میں ہی واجب ہو چکی تھی ہاں اس کی مقدار' مال کا نصاب وغیرہ یہ سب احکام مدینے میں مقرر ہوئے - دیکھئے سورہ انعام بھی مکیہ ہے اور اس میں یہی زکوٰۃ کا حکم موجود ہے وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ یعنی کھیتی کے کٹنے والے دن اس کی زکوٰۃ ادا کر دیا کرو - ہاں یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ مراد زکوٰۃ سے یہاں نفس کو شرک وکفر کے میل کچیل سے پاک کرنا ہو - جیسے فرمان ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا الخ' جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا' اس نے فلاح پالی - اور جس نے اسے خراب کر لیا' وہ نامراد ہوا - یہی ایک قول آیت وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ الخ میں بھی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں دونوں زکوتیں ایک ساتھ مراد لی جائیں - یعنی زکوٰۃ نفس بھی اور زکوٰۃ مال بھی - فی الواقع مومن کامل وہی ہے جو اپنے نفس کو بھی پاک رکھے اور اپنے مال کی بھی زکوٰۃ دے واللہ اعلم -

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

اس کے سوا جو اور ڈھونڈیں' وہی حد سے تجاوز کر جانے والے ہیں ○ جو اپنی امانتوں اور وعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کیا کرتے ہیں ○ یہی وارث ہیں ○ جو فردوس کے وارث ہوں گے' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے ○

(آیت: ۷-۱۱) پھر اور وصف بیان فرمایا کہ وہ سوائے اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے دوسری عورتوں سے اپنے نفس کو دور رکھتے ہیں۔ یعنی حرام کاری سے بچتے ہیں۔ زنا' لواطت وغیرہ سے اپنے تئیں بچاتے ہیں۔ ہاں ان کی بیویاں جو اللہ نے ان پر حلال کی ہیں اور جہاد میں ملی ہوئی لونڈیاں جو ان پر حلال ہیں' ان کے ساتھ ملنے میں ان پر کوئی ملامت اور حرج نہیں۔ جو شخص ان کے سوا دوسرے طریقوں سے یا کسی دوسرے سے خواہش پوری کرے' وہ حد سے گزر جانے والا ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے غلام کو لے لیا اور اپنی سند میں یہی آیت پیش کی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے صحابہ کے سامنے اس معاملے کو پیش کیا۔ صحابہؓ نے فرمایا' اس نے غلط معنی مراد لئے' اس پر فاروق اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اس غلام کا سر منڈوا کر جلا وطن کر دیا اور اس عورت سے فرمایا' اس کے بعد تو ہر مسلمان پر حرام ہے لیکن یہ اثر منقطع ہے اور ساتھ ہی غریب بھی ہے۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے اسے سوہ مائدہ کی تفسیر کے شروع میں وارد کیا ہے لیکن اس کے وارد کرنے کی موزوں جگہ یہی تھی۔ اسے عام مسلمانوں پر حرام کرنے کی وجہ اس کے ارادے کے خلاف اس کے ساتھ معاملہ کرنا تھا واللہ اعلم۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے موافقین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنا خاص پانی نکال ڈالنا حرام ہے کیونکہ یہ بھی ان دونوں حلال صورتوں کے علاوہ ہے اور مشت زنی کرنے والا شخص بھی حد سے آگے گزر جانے والا ہے۔ امام حسن بن عرفہ نے اپنے مشہور جز میں ایک حدیث وارد کی ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سات قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ اور نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ انہیں عالموں کے ساتھ جمع کرے گا۔ اور انہیں سب سے پہلے جہنم میں جانے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل کرے گا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ توبہ کر لیں۔ توبہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ مہربانی سے رجوع فرماتا ہے۔ ایک تو ہاتھ سے نکاح کرنے والا یعنی مشت زنی کرنے والا۔ اور اغلام بازی کرنے اور کرانے والا۔ اور نشے باز' شراب کا عادی اور اپنے ماں باپ کو مارنے پیٹنے والا یہاں تک کہ وہ چیخ و پکار کرنے لگیں۔ اور اپنے پڑوسیوں کو ایذا پہنچانے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت بھیجنے لگیں۔ اور اپنی پڑوسن سے بدکاری کرنے والا لیکن اس میں ایک راوی مجہول ہے واللہ اعلم۔

اور وصف ہے کہ وہ اپنی امانتیں اور اپنے وعدے پورے کرتے ہیں امانت میں خیانت نہیں کرتے بلکہ امانت کی ادائیگی میں سبقت کرتے ہیں۔ وعدے پورے کرتے ہیں۔ اس کے خلاف عادتیں منافقوں کی ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے خلاف کرے۔ (۳) جب امانت دیا جائے خیانت کرے۔ پھر اور وصف بیان فرمایا کہ وہ نمازوں کی ان کے اوقات پر حفاظت کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' نماز کو وقت پر ادا کرنا۔ پوچھا گیا پھر؟ فرمایا ماں باپ سے سلوک کرنا۔ پوچھا گیا پھر؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا (بخاری و مسلم) حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' وقت' رکوع' سجدہ وغیرہ کی حفاظت مراد ہے۔ ان آیات پر دوبارہ نظر ڈالو۔ شروع میں بھی نماز کا بیان ہوا اور آخر میں بھی نماز کا بیان ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ نماز سب سے افضل ہے۔

حدیث شریف میں ہے' سیدھے رہو اور تم ہرگز احاطہ نہ کر سکو گے۔ جان لو کہ تمہارے تمام اعمال میں بہترین عمل نماز ہے۔ دیکھو وضو کی حفاظت صرف مومن ہی کر سکتا ہے۔ ان سب صفات کو بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ یہی لوگ وارث ہیں۔ جو جنت الفردوس کے دائمی وارث ہوں گے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے اللہ سے جب جنت مانگو' جنت الفردوس مانگو۔ وہ سب سے اعلیٰ اور اوسط جنت ہے۔ وہیں سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں اسی کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔

(صحیحین) فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک کی دو دو جگہیں ہیں۔ ایک منزل جنت میں' ایک جہنم میں' جب کوئی دوزخ میں گیا تو اس کی منزل کے وارث جنتی بنتے ہیں۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جنتی تو اپنی جنت کی جگہ سنوار لیتا ہے اور جہنم کی جگہ ڈھا دیتا ہے۔ اور دوزخی اس کے خلاف کرتا ہے۔ کفار جو عبادت کے لئے پیدا کئے گئے تھے' انہوں نے عبادت ترک کر دی تو ان کے لئے جو انعامات تھے' وہ ان سے چھین کر سچے مومنوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ اسی لئے انہیں وارث کہا گیا۔ صحیح مسلم میں ہے' کچھ مسلمان پہاڑوں کے برابر گناہ لے کر آئیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر ڈال دے گا اور انہیں بخش دے گا۔ اور سند سے مروی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک ایک یہودی یا نصرانی دے گا کہ یہ تیرا فدیہ ہے جہنم سے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے جب یہ حدیث سنی تو راوی حدیث ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم دی انہوں نے تین مرتبہ قسم کھا کر حدیث کو دہرا دیا۔ اسی جیسی آیت یہ بھی ہے۔ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا اسی جیسی آیت یہ بھی ہے۔ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا فردوس رومی زبان میں باغ کو کہتے ہیں۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ اس باغ کو جس میں انگور کی بیلیں ہوں واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

یقیناً ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے ○ پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا ○ پھر نطفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا۔ پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا۔ پھر گوشت کے ٹکڑے میں ہم نے ہڈیاں پیدا کر دیں۔ پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا۔ پھر ایک اور ہی پیدائش میں پیدا کر دیا' برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے اچھی پیدائش کرنے والا ہے ○ اس کے بعد پھر تم سب یقیناً مر جانے والے ہو ○ پھر قیامت کے دن بلاشبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے ○

انسان کی پیدائش مرحلہ وار: ☆☆ (آیت:۱۲-۱۶) اللہ تعالیٰ انسانی پیدائش کی ابتدا بیان کرتا ہے کہ اصل آدم مٹی سے ہے جو کیچڑ کی اور بجنے والی مٹی کی صورت میں تھی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے پانی سے ان کی اولاد پیدا ہوئی۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کر کے پھر انسان بنا کر زمین پر پھیلا دیا۔ مسند میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک کی ایک مٹھی سے پیدا کیا جسے تمام زمین پر سے لیا تھا۔ پس اسی اعتبار سے اولاد آدم کے رنگ وروپ مختلف ہوئے۔ کوئی سرخ ہے' کوئی سفید ہے' کوئی سیاہ ہے' کوئی اور رنگ کا ہے۔ ان میں نیک ہیں اور بد بھی ہیں۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ میں ضمیر کا مرجع جنس انسان کی طرف ہے جیسے ارشاد ہے وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ اور آیت میں ہے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ پس انسان کے لئے ایک مدت معین تک اس کی ماں کا رحم ہی ٹھکانا ہوتا ہے جہاں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ پھر نطفے کی جو ایک اچھلنے والا پانی ہے' جو مرد کی پیٹھ سے اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے' شکل بدل

کر سرخ رنگ کی بوٹی کی شکل میں بدل جاتا ہے' پھر اسے گوشت کے ایک ٹکڑے کی صورت میں بدل دیا جاتا ہے جس میں کوئی شکل اور کوئی خط نہیں ہوتا- پھر ان میں ہڈیاں بنادیں سر ہاتھ' پاؤں' ہڈی' رگ' پٹھے وغیرہ بنائے- پیٹھ کی ہڈی بنائی-

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' انسان کا تمام جسم سڑ گل جاتا ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے- اسی سے پیدا کیا جاتا ہے اور اسی سے ترکیب دی جاتی ہے- پھر ان ہڈیوں کو وہ گوشت پہناتا ہے- تاکہ وہ پوشیدہ اور قوی رہیں- پھر اس میں روح پھونکتا ہے جس سے وہ ہلنے جلنے چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے اور ایک جاندار انسان بن جائے- دیکھنے کی' سننے کی' سمجھنے کی اور حرکت وسکون کی قدرت عطا فرماتا ہے- وہ بابرکت اللہ سب سے اچھی پیدائش کا پیدا کرنے والا ہے- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب نطفے پر چار مہینے گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو تین تین اندھیریوں میں اس میں روح پھونکتا ہے- یہی معنی ہے کہ ہم پھر اسے دوسری ہی پیدائش میں پیدا کرتے ہیں یعنی دوسری قسم کی اس پیدائش سے مراد روح کا پھونکا جانا ہے- پس ایک حالت سے دوسری اور دوسری سے تیسری کی طرف ماں کے پیٹ میں ہی ہیر پھیر ہونے کے بعد بالکل ناسمجھ بچہ پیدا ہوتا ہے- پھر وہ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ جوان بن جاتا ہے- پھر ادھیڑ پن آتا ہے- پھر بوڑھا ہو جاتا ہے- پھر بالکل ہی بڈھا ہو جاتا ہے- الغرض روح کا پھونکا جانا اور پھر ان انقلابات کا آنا شروع ہو جاتا ہے واللہ اعلم-

صادق ومصدوق آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی ہے- پھر چالیس دن تک وہ خون بستہ کی صورت میں رہتا ہے- پھر چالیس دن تک وہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور بحکم تعالیٰ چار باتیں لکھ لی جاتی ہیں- روزی' اجل' عمل اور نیک یا بد برا یا بھلا ہونا پس قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں کہ ایک شخص جنتی کا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت سے صرف ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کا وہ لکھا غالب آجاتا ہے اور خاتمہ کے وقت دوزخی کام کرنے لگتا ہے اور اسی پر مرتا ہے اور جہنم رسید ہوتا ہے- اسی طرح ایک انسان برے کام کرتے کرتے دوزخ سے ہاتھ بھر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے لیکن پھر تقدیر کا لکھا آگے بڑھ جاتا ہے اور جنت کے اعمال پر خاتمہ ہو کر داخل فردوس بریں ہو جاتا ہے- (بخاری ومسلم وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' نطفہ جب رحم میں پڑتا ہے تو وہ ہر ہر بال اور ناخن کی جگہ پہنچ جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد اس کی شکل جمے ہوئے خون جیسی ہو جاتی ہے- مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ اپنے اصحاب سے باتیں بیان کر رہے تھے کہ ایک یہودی آگیا تو کفار قریش نے اس سے کہا' یہ نبوت کے دعوے دار ہیں' اس نے کہا' اچھا' میں ان سے ایک سوال کرتا ہوں جسے نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا- آپ کی مجلس میں آکر بیٹھ کر پوچھتا ہے کہ بتاؤ انسان کی پیدائش کس چیز سے ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا' مرد وعورت کے نطفے سے- مرد کا نطفہ غلیظ اور گاڑھا ہوتا ہے- اس سے ہڈیاں اور پٹھے بنتے ہیں اور عورت کا نطفہ رقیق اور پتلا ہوتا ہے- اس سے گوشت اور خون بنتا ہے- اس نے کہا- آپؐ سچے ہیں اگلے نبیوں کا بھی یہی قول ہے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب نطفے کو رحم میں چالیس دن گزر جاتے ہیں تو ایک فرشتہ آتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے کہ اے اللہ یہ نیک ہوگا یا بد؟ مرد ہوگا یا عورت؟ جو جواب ملتا ہے' وہ لکھ لیتا ہے اور عمل' عمر اور نرمی گرمی سب کچھ لکھ لیتا ہے پھر دفتر لپیٹ لیا جاتا ہے- اس میں پھر کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں رہتی- بزار کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' کہ اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جو عرض کرتا ہے' اے اللہ' اب نطفہ ہے' اے اللہ اب لوتھڑا ہے' اے اللہ اب گوشت کا ٹکڑا ہے- جب جناب باری اسے پیدا کرنا چاہتا ہے وہ پوچھتا ہے اللہ مرد ہو یا

عورت- شقی ہو یا سعید رزق کیا ہے؟ اجل کیا ہے؟ اس کا جواب دیا جاتا ہے اور یہ سب چیزیں لکھ لی جاتی ہیں-

ان سب باتوں اور اتنی کامل قدرتوں کو بیان فرما کر فرمایا کہ سب سے اچھی پیدائش کرنے والا اللہ برکتوں والا ہے- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے اپنے رب کی موافقت چار باتوں میں کی ہے جب یہ آیت اتری کہ ہم نے انسان کو بجتی مٹی سے پیدا کیا ہے تو بے ساختہ میری زبان سے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ نکلا اور وہی پھر اترا- زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول کریم ﷺ اوپر والی آیتیں لکھوار ہے تھے اور ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ تک لکھوا چکے تو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے ساختہ کہا فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اسے سن کر اللہ کے نبی ﷺ ہنس دیئے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا' یا رسول اللہ ﷺ آپ کیسے ہنسے- آپؐ نے فرمایا' اس آیت کے خاتمے پر بھی یہی ہے- اس حدیث کی سند کا ایک راوی جابر جعفی ہے جو بہت ہی ضعیف ہے اور یہ روایت بالکل منکر ہے- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتب وحی مدینے میں تھے نہ کہ مکے میں- حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ بھی مدینے کا واقعہ ہے اور یہ آیت مکے میں نازل ہوئی ہے پس مندرجہ بالا روایت بالکل منکر ہے واللہ اعلم- اس پہلی پیدائش کے بعد تم مرنے والے ہو پھر قیامت کے دن دوسری دفعہ پیدا کئے جاؤ گے پھر حساب کتاب ہو گا خیر و شر کا بدلہ ملے گا-

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے ہیں اور ہم مخلوقات سے غافل نہیں ہیں ○

آسمان کی پیدائش مرحلہ وار: ☆☆ (آیت:۱۷) انسان کی پیدائش کا ذکر کر کے آسمانوں کی پیدائش کا بیان ہو رہا ہے- جن کی بناوٹ انسانی بناوٹ سے بہت بڑی' بہت بھاری اور بہت بڑی صنعت والی ہے- سورہ الم تجدہ میں بھی اسی کا بیان ہے- جسے حضور ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز کی اول رکعت میں پڑھا کرتے تھے- وہاں پہلے آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر ہے پھر انسانی پیدائش کا بیان ہے- پھر قیامت کا اور سزا و جزا کا ذکر ہے وغیرہ- سات آسمانوں کے بنانے کا ذکر کیا ہے- جیسے فرمان ہے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ساتوں آسمان اور سب زمینیں اور ان کی سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں- کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اوپر تلے ساتوں آسمانوں کو بنایا-

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی جیسی زمینیں- اس کا حکم ان کے درمیان نازل ہوتا ہے تا کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور تمام چیزوں کو اپنے وسیع علم سے گھیرے ہوئے ہے- اللہ اپنی مخلوق سے غافل نہیں- جو چیز زمین میں جائے' جو زمین سے نکلے' اللہ کے علم میں ہے- آسمان سے جو اترے اور جو آسمان کی طرف چڑھے' وہ جانتا ہے- جہاں بھی تم ہو' وہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے ایک ایک عمل کو وہ دیکھ رہا ہے- آسمان کی بلند و بالا چیزیں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں پہاڑوں کی چوٹیاں' سمندروں' میدانوں' درختوں کی اسے خبر ہے- درختوں کا کوئی پتہ نہیں گرتا جو اس کے علم میں نہ ہو- کوئی دانہ زمین کی اندھیریوں میں ایسا نہیں جاتا جسے وہ نہ جانتا ہو- کوئی تر خشک چیز ایسی نہیں جو کھلی کتاب میں نہ ہو-

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖۗ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَیْهَا وَعَلَی الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع
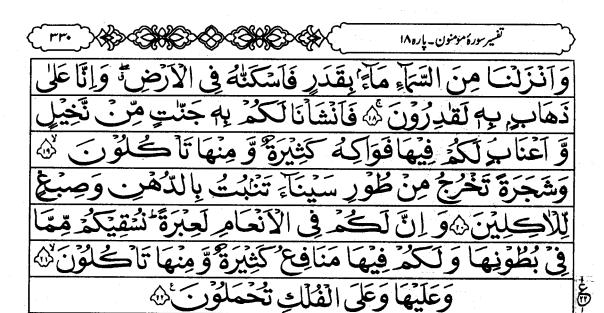
ہم ایک صحیح انداز سے آسمان سے پانی برساتے ہیں- پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں ○ اسی پانی کے ذریعہ سے ہم تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیتے ہیں کہ تمہارے لئے ان میں بہت سے میوے ہوتے ہیں- انہی میں سے تم کھاتے بھی ہو ○ اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے' جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن ہے ○ تمہارے لئے چوپایوں میں بھی بڑی بھاری عبرت ہے' ان کے پیٹوں میں سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں- اور بھی بہت سے نفع تمہارے لئے ان میں ہیں- ان میں سے بعض بعض کو تم کھاتے بھی ہو ○ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو ○

آسمان سے نزول بارش: ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۲) اللہ تعالیٰ کی یوں تو بے شمار اور ان گنت نعمتیں ہیں- لیکن چند بڑی بڑی نعمتوں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے کہ وہ آسمان سے بقدر حاجت وضرورت بارش برساتا ہے- نہ تو بہت زیادہ کہ زمین خراب ہو جائے اور پیداوار گل سڑ جائے- نہ بہت کم کہ پھل اناج وغیرہ پیدا ہی نہ ہو بلکہ اس انداز ے سے کہ کھیتی سرسبز رہے باغات ہرے بھرے رہیں- حوض' تالاب' نہریں ندیاں' نالے' دریا بہہ نکلیں' نہ پینے کی کمی ہو نہ پلانے کی- یہاں تک کہ جس جگہ زیادہ بارش کی ضرورت ہوتی ہے' زیادہ ہوتی ہے اور جہاں کم کی ضرورت ہوتی ہے' کم ہوتی ہے اور جہاں کی زمین اس قابل ہی نہیں ہوتی' وہاں پانی نہیں برستا لیکن ندیوں اور نالوں کے ذریعہ وہاں قدرت برساتی پانی پہنچا کر وہاں کی زمین کو سیراب کر دیتی ہے- جیسے کہ مصر کے علاقے کی زمین جو دریائے نیل کی تری سے سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے- اسی پانی کے ساتھ سرخ مٹی کھنچ کر جاتی ہے جو حبشہ کے علاقہ میں ہوتی ہے- وہاں کی بارش کے ساتھ وہ مٹی بہہ کر پہنچتی ہے جو زمین پر ٹھہر جاتی ہے اور زمین قابل زراعت ہو جاتی ہے ورنہ وہاں کی شور زمین کھیتی باڑی کے قابل نہیں- سبحان اللہ اس لطیف وخبیر' غفور ورحیم اللہ کی کیا کیا قدرتیں اور حکمتیں ہیں- زمین میں اللہ پانی کو ٹھہرا دیتا ہے- زمین میں اس کو چوس لینے اور جذب کر لینے کی قابلیت اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتا ہے تاکہ دانوں کو اور گٹھلیوں کو اندر ہی اندر وہ پانی پہنچا دے- پھر فرماتا ہے' ہم اس کے لے جانے اور دور کر دینے پر یعنی نہ برسانے پر بھی قادر ہیں- اگر چاہیں شور سنگلاخ زمین پر پہاڑوں اور بیکار بنوں میں برسا دیں- اگر چاہیں پانی کو کڑوا کر دیں نہ پینے کے قابل رہے نہ پلانے کے نہ کھیت اور باغات کے مطلب کا رہے نہ نہانے دھونے کے مقصد کا- اگر چاہیں زمین میں وہ قوت ہی نہ رکھیں کہ وہ پانی کو جذب کر لے چوس لے بلکہ پانی اوپر ہی اوپر تیرتا پھرے یہ بھی ہمارے اختیار میں ہے کہ ایسی دور دراز جھیلوں میں پانی پہنچا دیں کہ تمہارے لئے بیکار ہو جائے- اور تم کوئی فائدہ اس سے نہ اٹھا سکو- یہ خاص اللہ کا فضل وکرم اور اس کا لطف ورحم ہے کہ وہ بادلوں سے میٹھا' عمدہ' ہلکا اور خوش ذائقہ پانی برساتا ہے- پھر اسے زمین میں پہنچاتا ہے اور ادھر ادھر ریل پیل کر دیتا ہے کھیتیاں الگ پکتی ہیں- باغات الگ تیار ہوتے ہیں- خود پیتے ہو- اپنے

جانوروں کو پلاتے ہو۔ نہاتے دھوتے ہو۔ پاکیزگی اور ستھرائی حاصل کرتے ہو فالحمدللہ۔

آسمانی بارش سے رب العالمین تمہارے لئے روزیاں اگاتا ہے لہلہاتے ہوئے کھیت ہیں کہیں سرسبز باغ ہیں جو خوشنما اور خوش منظر ہونے کے علاوہ مفید اور فیض والے ہیں۔ کھجور انگور جو اہل عرب کا دل پسند میوہ ہے اور اسی طرح ہر ملک والوں کے لئے الگ الگ طرح طرح کے میوے اس نے پیدا کر دیئے ہیں۔ جن کے حصول کے عوض اللہ کی شکر گزاری بھی کسی کے بس کی نہیں۔ بہت میوے تمہیں اس نے دے رکھے ہیں جن کی خوبصورتی بھی تم دیکھتے ہو اور ان کے ذائقے سے بھی کھا کر فائدہ اٹھاتے ہو۔ پھر زیتون کے درخت کا ذکر فرمایا' طور سینا وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات چیت کی تھی اور اس کے اردگرد کی پہاڑیاں۔ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جو ہرا اور درختوں والا ہو ورنہ اسے جبل کہیں گے' طور نہیں کہیں گے۔ پس طور سینا میں جو درخت زیتون پیدا ہوتا ہے' اس میں سے تیل نکلتا ہے جو کھانے والوں کو سالن کا کام دیتا ہے۔ حدیث میں ہے' زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ' وہ مبارک درخت میں سے نکلتا ہے (احمد) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں ایک صاحب عاشورے کی شب کو مہمان بن کر آئے تو آپ ؓ نے انہیں اونٹ کی سری اور زیتون کھلایا اور فرمایا' یہ اس مبارک درخت کا تیل ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے کیا ہے۔ پھر چوپایوں کا ذکر ہو رہا ہے اور ان سے جو فوائد انسان اٹھا رہے ہیں' ان نعمتوں کا اظہار ہو رہا ہے کہ ان کا دودھ وہ پیتے ہیں' ان کا گوشت کھاتے ہیں' ان کے بالوں اور اون سے لباس وغیرہ بناتے ہیں۔ ان پر سوار ہوتے ہیں۔ ان پر اپنا سامان اسباب لادتے ہیں اور دور دراز تک پہنچتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتے تو وہاں تک پہنچنے میں جان آدھی رہ جاتی۔ بیشک اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربانی اور رحمت والا ہے۔ جیسے فرمان ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَھُمْ الخ' یاد نہیں دیکھتے کہ خود ہم نے انہیں چوپایوں کا مالک بنا رکھا ہے کہ یہ ان کے گوشت کھائیں۔ ان پر سواریاں لیں اور طرح طرح کے نفع حاصل کریں۔ کیا اب بھی ان پر ہماری شکر گزاری واجب نہیں؟ یہ خشکی کی سواریاں ہیں۔ پھر تری کی سواریاں' کشتی جہاز وغیرہ الگ ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۲۵﴾

یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم تقویٰ نہیں رکھتے؟ ○ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے۔ یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے' اگر اللہ ہی کو منظور ہوتا تو کسی فرشتے کو اتارتا۔ ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانوں میں سنا ہی نہیں ○ یقیناً اس شخص کو جنون ہے۔ پس تم اسے ایک وقت مقرر تک ڈھیل دو ○

نوح علیہ السلام اور متکبر وڈیرے: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۵) نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بشیر و نذیر بنا کر ان کی قوم کی طرف مبعوث

فرمایا۔ آپ نے ان میں جا کر پیغام ربانی پہنچایا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہاری عبادت کا حقدار کوئی نہیں۔ تم اللہ کے سوا اس کے ساتھ دوسروں کو پوجتے ہوئے اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ قوم کے بڑوں نے اور سرداروں نے کہا' یہ تو تم جیسا ہی ایک انسان ہے۔ نبوت کا دعویٰ کر کے تم سے بڑا بننا چاہتا ہے سرداری حاصل کرنے کی فکر میں ہے۔ بھلا انسان کی طرف وحی کیسے آتی؟ اللہ کا ارادہ نبی بھیجنے کا ہوتا تو کسی آسمانی فرشتے کو بھیج دیتا۔ یہ تو ہم نے کیا ہمارے باپ دادوں نے بھی نہیں سنا کہ انسان اللہ کا رسول بن جائے۔ یہ تو کوئی دیوانہ شخص ہے کہ ایسے دعوے کرتا ہے اور ڈینگیں مارتا ہے۔ اچھا خاموش رہو۔ دیکھ لو۔ ہلاک ہو جائے گا۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۸﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾

نوح نے دعا کی اے میرے پالنے والے'ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر ○ تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا جب ہمارا حکم آ جائے اور تنور ابل پڑے تو تو ہر قسم کا ایک ایک جوڑا اس میں رکھ لے اور اپنے اہل کو بھی مگر ان میں سے جس کی بابت ہماری بات پہلے گزر چکی ہے۔ خبردار جن لوگوں نے ظلم کیا ہے'اس کے بارے میں مجھ سے کچھ کلام نہ کرنا' وہ تو سب ڈبوئے جائیں گے ○ جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر باطمینان بیٹھ جاؤ تو کہنا کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہی ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی ○ اور کہنا کہ اے میرے رب' مجھے بابرکت اتارنا اتار اور تو ہی بہتر اتارنے والا ہے۔ یقیناً اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور ہم بے شک آزمائش کرنے والے ہیں ○

نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم: ☆☆ (آیت: ۲۶-۳۰) جب نوح علیہ السلام ان سے تنگ آ گئے اور مایوس ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے پروردگار' میں لاچار ہو گیا ہوں' میری مدد فرما۔ جھٹلانے والوں پر مجھے غالب کر۔ اسی وقت فرمان ربانی آیا کہ کشتی بناؤ اور خوب مضبوط چوڑی چکلی۔ اس میں ہر قسم کا ایک ایک جوڑا رکھ لو۔ حیوانات' نباتات' پھل وغیرہ وغیرہ اور اسی میں اپنے اہل کو بھی بٹھا لو مگر جس پر اللہ کی طرف سے ہلاکت سبقت کر چکی ہے۔ جو ایمان نہیں لائے۔ جیسے آپ کی قوم کے کافر اور آپ کا لڑکا اور آپ کی بیوی واللہ اعلم۔ اور جب تم عذاب آسمانی بصورت بارش اور پانی آتا دیکھ لو' پھر مجھ سے ان ظالموں کی سفارش نہ کرنا۔ پھر ان پر رحم نہ کرنا نہ ان کے ایمان کی امید رکھنا۔ بس پھر تو یہ سب غرق ہو جائیں گے اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہو گا۔ اس کا پورا قصہ سورہ ہود کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ اس لئے ہم نہیں دہراتے۔ جب تو اور تیرے ساتھی مومن کشتی پر سوار ہو جاؤ تو کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے

ہمیں ظالموں سے نجات دی۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ نے تمہاری سواری کے لئے کشتیاں اور چوپائے بنائے ہیں تاکہ تم سواری لے کر اپنے رب کی نعمت کو مانو اور سوار ہو کر کہو کہ وہ اللہ پاک ہے جس نے ان جانوروں کو ہمارا تابع بنا دیا ہے حالانکہ ہم میں خود اتنی طاقت نہ تھی۔ بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہی کہا اور فرمایا آؤ اس میں بیٹھ جاؤ' اللہ کے نام کے ساتھ اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔ پس شروع چلنے کے وقت بھی اللہ کو یاد کیا اور جب وہ ٹھہرنے لگی تب بھی اللہ کو یاد کیا اور دعا کی کہ الٰہی مجھے مبارک منزل پر اتارنا اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ اس میں یعنی مومنوں کی نجات اور کافروں کی ہلاکت میں انبیا کی تصدیق کی نشانیاں ہیں۔ اللہ کی الوہیت کی علامتیں ہیں۔ اس کی قدرت' اس کا علم اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ یقیناً رسولوں کو بھیج کر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش اور ان کا پورا امتحان کر لیتا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾

ان کے بعد ہم نے اور بھی امتیں پیدا کیں ○ پھر ان میں خود ان میں سے ہی رسول بھی بھیجے کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تم کیوں نہیں ڈرتے؟ ○ سرداران قوم نے جواب دیا جو کفر کرتے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انہیں دنیوی زندگی میں خوش حال کر رکھا تھا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے۔ تمہاری ہی خوراک یہ بھی کھاتا ہے اور تمہارے پینے کا پانی ہی یہ بھی پیتا ہے ○ اگر تم نے اپنے جیسے ہی انسان کی تابعداری کر لی تو بے شک تم سخت خسارے والے ہو ○ کیا یہ تمہیں اس بات سے دھمکاتا ہے کہ جب تم مر کر صرف خاک اور ہڈی رہ جاؤ گے تو تم پھر زندہ کئے جاؤ گے؟ نہیں نہیں ○ دور اور بہت دور ہے وہ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو ○

عاد و ثمود کا تذکرہ: ☆☆ (آیت: ۳۱-۳۶) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ حضرت نوح نبی علیہ السلام کے بعد بھی بہت سی امتیں آئیں۔ جیسے عاد جو ان کے بعد آئی یا ثمود قوم جن پر چیخ کا عذاب آیا تھا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے' ان میں بھی اللہ کے رسول علیہ السلام آئے۔ اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کی تعلیم دی۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا' مخالفت کی' اتباع سے انکار کیا' محض اس بنا پر کہ یہ انسان ہیں۔ قیامت کو بھی نہ مانا' جسمانی حشر کے منکر بن گئے۔

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

یہ تو صرف زندگانی دنیا ہی ہے۔ ہم مرتے جیتے رہتے ہیں' یہ نہیں کہ ہم پھر بھی اٹھائے جائیں ○ یہ تو وہ شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لیا ہے۔ ہم تو اس پر یقین لانے والے نہیں ہیں ○ نبی نے دعا کی کہ پروردگار ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر ○ جواب ملا کہ یہ تو بہت ہی جلد اپنے کئے پر پچھتانے لگیں گے ○ بالآخر عدل کے تقاضے کے مطابق انہیں چیخ نے پکڑ لیا اور ہم نے انہیں کوڑا کرکٹ کر ڈالا' پس ظالموں کے لئے دوری ہوجیو ○ ان کے بعد ہم نے اور بھی بہت سی امتیں پیدا کیں ○ نہ تو کوئی امت اپنی اجل سے آگے بڑھی اور نہ پیچھے رہی ○

(آیت:۳۷-۴۱) اور کہنے لگے کہ یہ بالکل دور از قیاس ہے۔ بعثت ونشر' حشر و قیامت کوئی چیز نہیں۔ اس شخص نے یہ سب باتیں از خود گھڑلی ہیں۔ ہم ایسی فضول باتوں کے ماننے والے نہیں۔ نبی علیہ السلام نے دعا کی اور ان پر مدد طلب کی۔ اسی وقت جواب ملا کہ تیری ناموافقت ابھی ابھی ان پر عذاب بن کر برسے گی اور یہ آٹھ آٹھ آنسو روئیں گے۔ آخر ایک زبردست چیخ اور بے پناہ چنگھاڑ کے ساتھ سب تلف کر دیئے گئے اور وہ مستحق بھی اسی کے تھے۔ تیز وتند آندھی اور پوری طاقت ور ہوا کے ساتھ ہی فرشتے کی دل دہلانے والی خوفناک آواز نے انہیں پارہ پارہ کر دیا' وہ ہلاک اور تباہ ہو گئے' بھوسہ بن کر اڑ گئے۔ صرف مکانات کے کھنڈران گئے گزرے ہوئے لوگوں کی نشاں دہی کے لئے رہ گئے۔ وہ کوڑے کرکٹ کی طرح ناچیز محض ہو گئے۔ ایسے ظالموں کے لئے دوری ہے۔ ان پر رب نے ظلم نہیں کیا بلکہ انہی کا کیا ہوا تھا جو ان کے سامنے آیا۔

پس اے لوگو! تمہیں بھی رسول ﷺ کی مخالفت سے ڈرنا چاہئے۔

اکثریت ہمیشہ بدکاروں کی رہی: ☆☆ (آیت:۴۲-۴۳) ان کے بعد بھی بہت سی امتیں اور مخلوق آئی جو ہماری پیدا کردہ تھی۔ ان کی پیدائش سے پہلے ان کی اجل جو قدرت نے مقرر کی تھی' اسے اس نے پوری کیا۔ نہ تقدیم ہوئی نہ تاخیر۔ پھر ہم نے پے در پے لگا تار رسول بھیجے۔ ہر امت میں پیغمبر آیا۔ اس نے لوگوں کو پیغام اللہ پہنچایا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو' اس کے ماسوا کسی کی پوجا نہ کرو۔ بعض راہ راست پر آ گئے اور بعض پر کلمہ عذاب راست آ گیا۔

تمام امتوں کی اکثریت نبیوں کی منکر رہی جیسے سورہ یٰسین میں فرمایا یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ افسوس ہے بندوں پر۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

پھر ہم نے لگا تار رسول بھیجے' جس امت کے پاس اس کا رسول آیا' اس نے جھٹلایا۔ پس ہم نے ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیا اور انہیں افسانہ بنا دیا' ان لوگوں کو دوری ہے جو ایمان قبول نہیں کرتے ○ پھر ہم نے موسیٰ کو اور اس کے بھائی کو اپنی آیتوں اور ظاہر غلبے کے ساتھ بھیجا ○ فرعون اور اس کے لشکروں کی طرف پس انہوں نے تکبر کیا اور تھے ہی وہ سرکش لوگ ○ کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں؟ حالانکہ خود ان کی قوم بھی ہماری ماتحت ہے ○ پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا۔ آخر وہ بھی ہلاک شدہ لوگوں میں مل گئے ○ ہم نے تو موسیٰ کو کتاب بھی دے رکھی تھی کہ لوگ راہ راست پر آ جائیں ○

(آیت: ۴۴) ان کے پاس جو رسول آیا' انہوں نے اسے مذاق میں اڑایا۔ ہم نے یکے بعد دیگرے سب کو غارت اور فنا کر دیا وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ نوح علیہ السلام کے بعد بھی ہم نے کئی ایک بستیاں تباہ کر دیں۔ انہیں ہم نے پرانے افسانے بنا دیا' وہ نیست و نابود ہو گئے اور قصے ان کے باقی رہ گئے۔ بے ایمانوں کے لئے رحمت سے دوری ہے۔

دریا برد فرعون: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور قوم فرعون کے پاس پوری دلیلوں اور زبردست معجزوں کے ساتھ بھیجا۔ لیکن انہوں نے بھی سابقہ کافروں کی طرح اپنے نبیوں کی تکذیب و مخالفت کی۔ اور سابقہ کفار کی طرح یہی کہا کہ ہم اپنے جیسے انسانوں کی نبوت کے قائل نہیں۔ ان کے دل بھی بالکل ان جیسے ہی ہو گئے۔ بالآخر ایک ہی دن میں ایک ساتھ سب کو اللہ تعالیٰ نے دریا برد کر دیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات ملی۔ دوبارہ مومنوں کے ہاتھوں کافر ہلاک کئے گئے۔ جہاد کے احکام اترے۔ اس طرح عام عذاب سے کوئی امت فرعون اور قوم فرعون یعنی قبطیوں کے بعد ہلاک نہیں ہوئی۔ ایک اور آیت میں فرمان ہے' گذشتہ امتوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عنایت فرمائی جو لوگوں کے لئے بصیرت و ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

ہم نے ابن مریم کو اور اس کی والدہ کو ایک نشانی بنایا اور ان دونوں کو بلند صاف قرار والی اور جاری پانی والی جگہ میں پناہ دی ○ اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں ○ یقیناً تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے اور میں ہی تم سب کا رب ہوں۔ پس تم مجھ سے ڈرتے رہا کرو ○

ربوہ کے معنی: ☆☆ (آیت: ۵۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم کو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کی ایک زبردست نشانی بنایا۔ آدمؑ کو مرد و عورت بغیر پیدا کیا۔ حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا' عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کیا۔ بقیہ تمام انسانوں کو مرد و عورت سے پیدا کیا۔ رَبْوَۃٍ کہتے ہیں' بلند زمین کو جو ہری اور پیداوار کے قابل ہو۔ وہ جگہ گھانس پانی والی' ترو تازہ اور ہری بھری تھی۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس غلام اور نبی کو اور ان کی والدہ کو جو اللہ کی بندی اور لونڈی تھیں جگہ دی تھی۔ وہ جاری پانی والی صاف ستھری ہموار زمین تھی۔ کہتے ہیں' یہ ٹکڑا مصر کا تھا یا دمشق کا یا فلسطین کا۔ رَبْوَۃٍ ریتلی زمین کو بھی کہتے ہیں چنانچہ ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ تیرا انتقال ربوہ میں ہوگا۔ وہ ریتلی زمین میں فوت ہوئے۔ ان تمام اقوال میں زیادہ قریب قول وہ ہے کہ مراد اس سے نہر ہے جیسے اور آیت میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا تیرے رب نے تیرے قدموں تلے ایک جاری نہر بہا دی ہے۔ پس یہ مقام بیت المقدس کا مقام ہے تو گویا اس آیت کی تفسیر یہ آیت ہے اور قرآن کی تفسیر اولاً قرآن سے پھر حدیث سے پھر آثار سے کرنی چاہئے۔

اکل حلال کی فضیلت: ☆☆ (آیت: ۵۱-۵۲) اللہ تعالیٰ اپنے تمام انبیاء علیہم السلام کو حکم فرماتا ہے کہ وہ حلال لقمہ کھائیں اور نیک اعمال بجا لایا کریں۔ پس ثابت ہوا کہ لقمہ حلال عمل صالح کا مددگار ہے۔ پس انبیاء نے سب بھلائیاں جمع کر لیں۔ قول و فعل دلالت' نصیحت سب انہوں نے سمیٹ لی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے سب بندوں کی طرف سے نیک بدلے دے۔ یہاں کوئی رنگ مزہ بیان نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ حلال چیزیں کھاؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے بننے کی اجرت میں سے کھاتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے' کوئی نبی ایسا نہیں جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ لوگوں نے پوچھا' آپ سمیت؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں میں بھی چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اور حدیث میں ہے حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کا کھایا کرتے تھے۔

صحیحین کی حدیث میں ہے اللہ کو سب سے زیادہ پسند روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ قیام داؤد علیہ السلام کا قیام ہے۔ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز تہجد پڑھتے تھے اور چھٹا حصہ سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے ایک دن نہ رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں کبھی پیٹھ نہ دکھاتے۔ ام عبداللہ بنت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ شام کے وقت بھیجا تاکہ آپ اس سے اپنا روزہ افطار کریں دن کا آخری حصہ تھا اور دھوپ کی تیزی تھی تو آپؐ نے قاصد کو واپس کر دیا کہ اگر تیری بکری کا ہوتا تو خیر اور بات تھی۔ انہوں نے پیغام بھیجا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے یہ دودھ اپنے مال سے خرید کیا ہے۔ پھر آپؐ نے پی لیا۔ دوسرے دن مائی صاحبہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ اس گرمی میں میں نے دودھ بھیجا۔ بہت دیر سے بھیجا تھا۔ آپ نے میرے قاصد کو واپس کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں مجھے یہی فرمایا گیا ہے۔ انبیاء صرف حلال کھاتے ہیں اور صرف نیک عمل کرتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے' آپؐ نے فرمایا لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے' وہ صرف پاک کو ہی قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے کہ اے رسولو! پاک چیز کھاؤ اور نیک کام کرو۔ میں تمہارے اعمال کا عالم ہوں۔ یہی حکم ایمان والوں کو دیا کہ اے ایماندارو جو حلال چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں' انہیں کھاؤ۔ پھر آپؐ نے ایک شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے' پراگندہ بالوں والا'

غبار آلود چہرے والا ہوتا ہے لیکن کھانا' پینا' پہننا حرام کا ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر اے رب اے رب کہتا ہے لیکن ناممکن ہے کہ اس کی دعا قبول فرمائی جائے۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کو حسن غریب بتلاتے ہیں۔ پھر فرمایا' اے پیغمبرو! تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے ایک ہی ملت ہے یعنی اللہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کی عبادت کی طرف دعوت دینا۔ اسی لئے اسی کے بعد فرمایا کہ میں تمہارا رب ہوں۔ پس مجھ سے ڈرو۔ سورۂ انبیاء میں اس کی تفسیر وتشریح ہو چکی ہے اُمَّةً وَّاحِدَةً پر نصب حال ہونے کی وجہ ہے۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر انہوں نے خود ہی اپنے امر کے اپنے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لئے۔ ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے' اسی پر اترا رہا ہے ○ پس تو بھی انہیں ان کی غفلت میں ہی کچھ مدت پڑا رہنے دے ○ کیا یہ یوں سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جو بھی ان کے مال واولاد بڑھا رہے ہیں ○ وہ ان کے لئے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں' نہیں نہیں بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں ○

(آیت:۵۳-۵۶) جن امتوں کی طرف حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے تھے' انہوں نے اللہ کے دین کے ٹکڑے کر دیئے اور جس گمراہی پر اڑ گئے' اسی پر نازاں وفرحاں ہو گئے اس لئے کہ اپنے نزدیک اسی کو ہدایت سمجھ بیٹھے۔ پس بطور ڈانٹ کے فرمایا' انہیں ان کے بھکنے بھٹکنے میں ہی چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ ان کی تباہی کا وقت آ جائے۔ کھانے پینے دیجئے' مست و بے خود ہونے دیجئے۔ ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا۔ کیا یہ مغرور یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو مال واولاد انہیں دے رہے ہیں' وہ ان کی بھلائی اور نیکی کی وجہ سے ان کے ساتھ سلوک کر رہے ہیں؟ ہرگز نہیں یہ تو انہیں دھوکا لگا ہے۔ یہ اس سے سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جیسے یہاں خوش حال ہیں۔ وہاں بھی بے سزا رہ جائیں گے۔ یہ محض غلط ہے۔ جو کچھ انہیں دنیا میں ہم دے رہے ہیں' وہ تو صرف ذرا سی دیر کی مہلت ہے لیکن یہ بے شعور ہیں۔ یہ لوگ اصل تک پہنچے ہی نہیں۔ جیسے فرمان ہے۔ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ الخ' تجھے ان کے مال واولاد دھوکے میں نہ ڈالیں اللہ کا ارادہ تو یہ ہے کہ اس سے انہیں دنیا میں عذاب کرے۔ اور آیت میں ہے' یہ ڈھیل صرف اس لئے دی گئی ہے کہ وہ اپنے گناہوں میں اور بڑھ جائیں۔ اور جگہ ہے مجھے اور اس بات کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دے۔ ہم انہیں اس طرح بتدریج پکڑیں گے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہو۔ اور آیتوں میں فرمایا ہے ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا یعنی مجھے اور اسے چھوڑ دے جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے اور بہ کثرت مال دیا ہے اور ہمہ وقت موجود فرزند دیئے ہیں اور سب طرح کا سامان اس کے لئے مہیا کر دیا ہے پھر اسے ہوس ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں' ہرگز نہیں وہ ہماری باتوں کا مخالف ہے۔ اور آیت میں ہے وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا الخ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہیں مجھ سے قربت نہیں دے سکتیں۔ مجھ سے قریب تو وہ ہے جو ایماندار اور نیک عمل ہو۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یہی اللہ کا شکر ہے پس تم انسانوں کو مال اور اولاد سے نہ پرکھو بلکہ انسان کی کسوٹی ایمان اور نیک عمل ہے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے اخلاق بھی تم میں اسی طرح تقسیم کئے ہیں جس طرح روزیاں تقسیم فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا تو اسے بھی دیتا ہے جس سے محبت رکھے اور اسے بھی دیتا ہے جس سے محبت نہ رکھے۔ ہاں دین صرف اسی کو دیتا ہے جس سے

پوری محبت رکھتا ہو۔ پس جسے اللہ دین دے سمجھو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو جائے۔ اور بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے بےفکر نہ ہو جائیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایذاؤں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا دھوکے بازی ظلم وغیرہ سنو جو بندہ حرام مال حاصل کرے اس کے خرچ میں برکت نہیں ہوتی۔ اس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ جو چھوڑ کر جاتا ہے وہ اس کا جہنم کا توشہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا ہاں برائی کو بھلائی سے رفع کرتا ہے۔ خبیث خبیث کو نہیں مٹاتا۔

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾

یقیناً جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں ○ اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ○ اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ○ اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کپکپاتے رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ یہی ہیں جو جلدی جلدی بھلائیاں حاصل کر رہے ہیں اور یہی ہیں جو ان کی طرف دوڑ جانے والے ہیں ○

مومن کی تعریف: ☆☆ (آیت: ۵۷-۶۱) فرمان ہے کہ احسان اور ایمان کے ساتھ ہی ساتھ نیک اعمال اور پھر اللہ کی ہیبت سے تھرتھرانا اور کانپتے رہنا یہ ان کی صفت ہے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن نیکی اور خوف الٰہی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ منافق برائی کے ساتھ نڈر اور بےخوف ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شرعی اور فطری آیات اور نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں جیسے حضرت مریم علیہا السلام کا وصف بیان ہوا ہے کہ وہ اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کا یقین رکھتی تھیں اللہ کی قدرت قضا اور شرع کا انہیں کامل یقین تھا۔ اللہ کے ہر امر کو وہ محبوب رکھتے ہیں اللہ کے منع کردہ ہر کام کو وہ ناپسند رکھتے ہیں۔ ہر خبر کو وہ سچ مانتے ہیں۔ وہ موحد ہوتے ہیں۔ شرک سے بیزار رہتے ہیں اللہ کو واحد اور بےنیاز جانتے ہیں اسے بے اولاد اور بیوی کے بغیر مانتے ہیں بےنظیر اور بےکفو سمجھتے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اللہ کے نام پر خیراتیں کرتے ہیں لیکن خوف زدہ رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو قبول نہ ہوئی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جن سے زنا چوری اور شراب خواری ہو جاتی ہے لیکن ان کے دل میں خوف الٰہی ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اے صدیق کی لڑکی یہ وہ نہیں بلکہ یہ وہ ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں صدقے کرتے ہیں لیکن قبول نہ ہونے سے ڈرتے ہیں یہی ہیں جو نیکیوں میں سبقت کرتے ہیں (ترمذی) اس آیت کی دوسری قرات یَاْتُوْنَ مَا اَتَوْا بھی ہے یعنی کرتے ہیں جو کرتے ہیں لیکن دل ان کے ڈرتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ابو عاصم گئے آپ نے مرحبا کہا اور کہا برابر آتے کیوں نہیں ہو؟ جواب دیا اس لئے کہ کہیں آپ کو تکلیف نہ ہو۔ لیکن آج میں ایک آیت کے الفاظ کی تحقیق کے لئے حاضر ہوا ہوں یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا ہیں یا یَاْتُوْنَ مَا اَتَوْا ہیں؟ آپ نے فرمایا کیا ہونا تمہارے لئے زیادہ مناسب ہے؟ میں نے کہا آخر کے الفاظ اگر ہوں تو گویا میں نے ساری دنیا پالی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ خوشی مجھے ہوگی۔ آپ نے فرمایا۔ پھر تم خوش ہو جاؤ۔ بخدا میں نے اسی طرح انہی الفاظ کو پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو سنا ہے۔ اس کا ایک راوی اسماعیل بن مسلم مکی ضعیف ہے۔ ساتوں مشہور قراتوں اور جمہور کی قرات میں وہی ہے جو موجودہ قرآن میں ہے اور معنی کی

رو سے بھی زیادہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہیں سابق قرار دیا ہے اور اگر دوسری قرأت کو لیں تو یہ سابق نہیں بلکہ۔ واللہ اعلم۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

ہم کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے۔ ان کے اوپر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا ○ بلکہ ان کے دل اس طرف سے غفلت میں ہیں اور ان کے لئے اس کے سوا بھی بہت سے اعمال ہیں ○ جنہیں وہ کرنے والے ہیں ○ یہاں تک کہ ہم نے ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیا تو وہ گریہ وزاری کرنے لگے۔ آج مت چلاؤ یقیناً تم ہمارے مقابلہ پر مدد نہ کئے جاؤ گے ○ میری آیتیں تو تمہارے سامنے پڑھی جایا کرتی تھیں۔ پھر بھی تم اپنی ایڑیوں کے بل الٹے بھاگتے تھے ○ اکڑتے اینٹھتے' افسانہ گوئی کرتے' اسے چھوڑ دیتے تھے ○

آسان شریعت: ☆☆ (آیت:۶۲-۶۷) اللہ تعالیٰ نے شریعت آسان رکھی ہے۔ ایسے احکام نہیں دیئے جو انسانی طاقت سے خارج ہوں۔ پھر قیامت کے دن وہ ان کے اعمال کا حساب لے گا جو سب کے سب کتابی صورت میں لکھے ہوئے موجود ہوں گے۔ یہ نامہ اعمال صحیح صحیح طور پر ان کا ایک ایک عمل بتا دے گا۔ کسی طرح کا ظلم کسی پر نہ کیا جائے گا۔ کوئی نیکی کم نہ ہوگی ہاں اکثر مومنوں کی برائیاں معاف کر دی جائیں گی۔ لیکن مشرکوں کے دل قرآن سے بہکے اور بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس کے سوا ان کی اور بداعمالیاں بھی ہیں جیسے شرک وغیرہ جسے یہ دھڑلے سے کر رہے ہیں۔ تاکہ ان کی برائیاں انہیں جہنم سے دور نہ رہنے دیں۔ چنانچہ وہ حدیث گزر چکی جس میں فرمان ہے کہ انسان نیکی کے کام کرتے کرتے جنت سے صرف ہاتھ بھر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے جو اس پر تقدیر کا لکھا غالب آ جاتا ہے اور بداعمالیاں شروع کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہنم واصل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے آسودہ حال دولت مند لوگوں پر عذاب الٰہی آ پڑتا ہے تو اب وہ فریاد کرنے لگتے ہیں۔ سورہ مزمل میں فرمان ہے کہ مجھے اور ان مالدار جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیجئے انہیں کچھ مہلت اور دیجئے ہمارے پاس بیڑیاں بھی ہیں اور جہنم بھی ہے اور گلے میں اٹکنے والا کھانا ہے اور دردناک سزا ہے۔ اور آیت میں ہے وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ یعنی ہم نے ان سے پہلے اور بھی بہت سی بستیوں کو تباہ کر دیا اس وقت انہوں نے واویلا شروع کیا جب کہ وہ محض بے سود تھا۔ یہاں فرماتا ہے' آج تم کیوں شور مچا رہے ہو؟ کیوں فریاد کر رہے ہو؟ کوئی بھی تمہیں آج کام نہیں آ سکتا' تم پر عذاب الٰہی آ پڑے۔ اب چیخنا چلانا سب بے سود ہے۔ کون ہے جو میرے عذابوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کر سکے؟

پھر ان کا ایک بڑا گناہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ میری آیتوں کے منکر تھے۔ انہیں سنتے تھے اور ٹال جاتے تھے' بلائے جاتے تھے لیکن انکار کر دیتے تھے' توحید کا انکار کرتے تھے' شرک پر عقیدہ رکھتے تھے۔ حکم تو بلند و برتر اللہ ہی کا چلتا ہے۔ مُسْتَكْبِرِيْنَ حال ہے' ان کے حق سے ہٹنے اور حق کا انکار کرنے سے۔ آیت ہے کہ یہ اس وقت تکبر کرتے تھے اور حق اور اہل حق کو حقیر سمجھتے تھے۔ اس معنی کی رو سے یہ کہ ضمیر کا مرجع یا

تو حرم ہے یعنی مکہ کہ یہ اس میں بیہودہ بکواس لکھتے تھے یا قرآن ہے جسے یہ مذاق میں اڑاتے تھے۔ کبھی شاعری کہتے تھے' کبھی کہانت وغیرہ یا خود آنحضرت ﷺ ہیں کہ راتوں کو بیکار بیٹھے ہوئے اپنے گپ شپ میں حضور ﷺ کو کبھی شاعر کہتے' کبھی کاہن کہتے' کبھی جادوگر کہتے' کبھی جھوٹا کہتے' کبھی مجنوں بتلاتے۔ حالانکہ حرم اللہ کا گھر ہے' قرآن اللہ کا کلام ہے حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جنہیں اللہ نے اپنی مدد پہنچائی اور مکے پر قابض کیا۔ ان مشرکین کو وہاں سے ذلیل و پست کر کے نکالا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ لوگ بیت اللہ کی وجہ سے فخر کرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ اولیاء اللہ ہیں حالانکہ یہ خیال محض وہم تھا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مشرکین قریش بیت اللہ پر فخر کرتے تھے۔ اپنے تئیں اس کا مہتمم اور متولی بتلاتے تھے حالانکہ نہ اسے آباد کرتے تھے نہ اس کا صحیح ادب کرتے تھے۔

امام ابن ابی حاتم رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں پر بہت کچھ لکھا ہے۔ حاصل سب کا یہی ہے۔

اَفَلَمۡ یَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ یَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۶۸﴾ اَمۡ لَمۡ یَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلۡ جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَ اَكۡثَرُهُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ ﴿۷۰﴾ وَ لَوِ اتَّبَعَ الۡحَقُّ اَهۡوَآءَهُمۡ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَنۡ فِیۡهِنَّ ؕ بَلۡ اَتَیۡنٰهُمۡ بِذِكۡرِهِمۡ فَهُمۡ عَنۡ ذِكۡرِهِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۱﴾

کیا انہوں نے اس بات میں غور و فکر ہی نہیں کیا یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آیا تھا ○ یا انہوں نے اپنے پیغمبر کو پہچانا نہیں کہ اس کے منکر ہو رہے ہیں ○ یا یہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے؟ بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لایا ہے ہاں ان میں کے اکثر حق سے چڑنے والے ہیں ○ اگر حق ہی ان کی خواہشوں کا پیرو ہو جائے تو زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز درہم برہم ہو جائے' حق تو یہ ہے کہ ہم نے انہیں ان کی نصیحت پہنچا دی ہے لیکن اپنی نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں ○

قرآن کریم سے فرار: ☆☆ (آیت: ۶۸-۷۱) اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس فعل پر اظہار کر رہا ہے جو وہ قرآن کے نہ سمجھنے اور اس میں غور و فکر نہ کرنے میں کر رہے تھے اور اس سے منہ پھیر لیتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ رب العزت نے ان پر اپنی وہ پاک اور برتر کتاب نازل فرمائی تھی جو کسی نبی پر نہیں اتاری گئی' یہ سب سے اکمل' اشرف اور افضل کتاب ہے۔ ان کے باپ دادے جاہلیت میں مرے تھے جن کے ہاتھوں میں کوئی آسمانی کتاب نہ تھی۔ ان میں کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا۔ تو انہیں چاہئے تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی مانتے' کتاب اللہ کی قدر کرتے اور دن رات اس پر عمل کرتے جیسے کہ ان میں کے سمجھ داروں نے کیا کہ وہ مسلمان متبع رسول ہو گئے اور اپنے اعمال سے اللہ کو راضی رضامند کر دیا۔ افسوس کفار نے عقلمندی سے کام نہ لیا۔ قرآن کی متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑ کر ہلاک ہو گئے۔ کیا یہ لوگ محمد ﷺ کو جانتے نہیں؟ کیا آپ کی صداقت' امانت' دیانت انہیں معلوم نہیں؟ آپ تو انہی میں پیدا ہوئے' انہی میں پلے' انہی میں بڑے ہوئے پھر کیا وجہ ہے کہ آج اسے جھوٹا کہنے لگے جسے اس سے پہلے سچا کہتے تھے دو غلے ہو رہے ہیں۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شاہ حبش نجاشی رحمتہ اللہ علیہ سے سر دربار یہی فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡكَ نے ہم میں ایک رسول بھیجا ہے' جس کا نسب' جس کی صداقت' جس کی امانت ہمیں خوب معلوم تھی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ سے بوقت جنگ میدان میں یہی فرمایا تھا۔ ابو سفیان صخر بن حرب

نے شاہ روم سے یہی فرمایا تھا جب کہ سر دربار اس نے ان سے اور ان کے ساتھیوں سے پوچھا تھا- حالانکہ اس وقت تک وہ مسلمان بھی نہیں تھے لیکن انہیں آپ کی صداقت' امانت' دیانت' سچائی اور نسب کی عمدگی کا اقرار کرنا پڑا- کہتے تھے کہ اسے جنون ہے یا اس نے قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے حالانکہ بات اس طرح نہیں- حقیقت صرف یہ ہے کہ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں- یہ قرآن پر نظریں نہیں ڈالتے اور جو زبان پر آتا ہے' بک دیتے ہیں- قرآن تو وہ کلام ہے جس کی مثل اور نظیر سے ساری دنیا عاجز آ گئی- باوجود سخت مخالفت کے اور باوجود پوری کوشش اور انتہائی مقابلے کے کسی سے نہ بن پڑا کہ اس جیسا قرآن خود بنالیتا یا سب کی مدد لے کر اس جیسی ایک ہی سورت بنالاتا- یہ تو سراسر حق ہے اور انہیں حق سے چڑ ہے پچھلا جملہ حال ہے- اور ہوسکتا ہے کہ خبر یہ مستانفہ ھوواللہ اعلم-

مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص سے فرمایا' مسلمان ہو جا اس نے کہا اگرچہ مجھے یہ ناگوار ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ ناگوار ہو- ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کو راستے میں ملا- آپ نے اس سے فرمایا' اسلام قبول کر اسے یہ برا محسوس ہوا- اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا- آپ نے فرمایا' دیکھو اگر تم کسی غیر آباد خطرناک غلط راستے پر چلے جا رہے ہو اور تمہیں ایک شخص ملے جس کے نام نسب سے جس کی سچائی اور امانت داری سے تم بخوبی واقف ہو' وہ تم سے کہے کہ اس راستے پر چلو جو وسیع' آسان' سیدھا اور صاف ہے' بتاؤ تم اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلو گے یا نہیں؟ اس نے کہا ہاں ضرور- آپ نے فرمایا بس تو یقین مانو قسم اللہ کی تم اس دنیوی سخت دشوار گزار اور خطرناک راہ سے بھی زیادہ بری راہ پر ہو اور میں تمہیں سیدھی راہ کی دعوت دیتا ہوں میری مان لو- مذکور ہے کہ ایک اور ایسے ہی شخص سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا' جب کہ اس نے دعوت اسلام کا برا منایا کہ بتا تو' اگر تیرے دو ساتھی ہوں' ایک تو سچا امانت دار دوسرا جھوٹا خیانت پیشہ' بتاؤ تو تم کس سے محبت کرو گے؟ اس نے کہا سچے امین سے فرمایا اسی طرح تم لوگ اپنے رب کے نزدیک ہو- حق سے مراد بقول سدی رحمتہ اللہ علیہ خود اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اگر انہی کی مرضی کے مطابق شریعت مقرر کرتا تو زمین و آسمان بگڑ جاتے جیسے اور آیت میں ہے کہ کافروں نے کہا' ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے شخص کے اوپر یہ قرآن کیوں نہ اترا؟ اس کے جواب میں فرمان ہے کہ کیا اللہ کی رحمت کی تقسیم ان کے ہاتھوں میں ہے؟ اور آیت میں ہے کہ اگر رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک یہ ہوتے تو یہ اپنی بخیلی کی وجہ سے دنیا کو ترسا دیتے اور آیت میں ہے کہ اگر انہیں ملک کے کسی حصہ کا مالک بنا دیا گیا ہوتا تو یہ تو کسی کو ایک کوڑی بھی نہ پرکھاتے- پس ان آیتوں میں جناب باری تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ انسانی دماغ مخلوق کے انتظام کی قابلیت میں نااہل ہے- یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ اس کی صفتیں' اس کے فرمان' اس کے افعال' اس کی شریعت' اس کی تقدیر' اس کی تدبیر تمام مخلوق کو حاوی ہے اور تمام مخلوق کی حاجت برآری اور ان کی مصلحت کے مطابق ہے- اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ پالنہار ہے- پھر فرمایا' اس قرآن کو ان کی نصیحت کے لئے ہم لائے اور یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں-

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ ﴿٧٤﴾ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِم مِّن ضُرٍّ لَّلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٥﴾

کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے؟ یاد رکھ کہ تیرے رب کی اجرت بہت ہی بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر روزی رساں ہے ○ یقیناً تو تو انہیں راہ راست کی طرف بلا

رہا ہے ○ بیشک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے' وہ سیدھے راستے سے مڑ جانے والے ہیں ○ اگر ہم ان پر رحم فرمائیں اور ان کی تکلیفیں دور کر دیں تو یہ تو اپنی سرکشی میں جم کر اور بہکنے لگیں ○

(آیت: ۷۲-۷۵) پھر ارشاد ہے کہ تو تبلیغ قرآن پر ان سے کوئی اجرت نہیں مانگتا- تیری نظریں اللہ پر ہیں- وہی تجھے اس کا اجر دے گا- جیسے فرمایا' جو بدلہ میں تم سے مانگوں' وہ بھی تمہیں ہی دیا' میں تو اجر کا طالب صرف اللہ سے ہی ہوں- ایک آیت میں ہے حضور ﷺ کو حکم ہوا کہ اعلان کر دو کہ نہ میں کوئی بدلہ چاہتا ہوں نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں- اور جگہ ہے' کہہ دے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں چاہتا- صرف قرابت داری کی محبت کا خواہاں ہوں- سورہ یٰسین میں ہے کہ شہر کے دور کے کنارے سے جو شخص دوڑا ہوا آیا' اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! نبیوں کی اطاعت کرو جو تم سے کسی اجر کے خواہاں نہیں- یہاں فرمایا' وہی بہترین رزاق ہے- تو لوگوں کو صحیح راہ کی طرف بلا رہا ہے-

مسند امام احمد میں ہے' حضور ﷺ سوئے ہوئے تھے جو دو فرشتے آئے ایک آپ کی پائنتیوں میں بیٹھا' دوسرا سر کی طرف' پہلے نے دوسرے سے کہا' ان کی اور دوسروں کی امت کی مثالیں بیان کرو اس نے کہا ان کی مثال ان مسافروں کے قافلے کی مثل ہے جو ایک بیابان چٹیل میدان میں تھے ان کے پاس نہ توشہ تھا نہ دانہ پانی' نہ آگے بڑھنے کی قوت نہ پیچھے ہٹنے کی طاقت- حیران تھے کہ کیا ہو گا اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک بھلا آدمی ایک شریف انسان عمدہ لباس پہنے ہوئے آ رہا ہے اس نے آتے ہی ان کی گھبراہٹ اور پریشانی دیکھ کر ان سے کہا کہ اگر تم میرا کہا مانو اور میرے پیچھے چلو تو میں تمہیں پھلوں سے لدے ہوئے باغوں اور پانی سے بھرے ہوئے حوضوں پر پہنچا دوں- سب نے اس کی بات مان لی اور اس نے انہیں فی الواقع ہرے بھرے تر و تازہ باغوں اور جاری چشموں میں پہنچا دیا- یہاں ان لوگوں نے بے روک ٹوک کھایا پیا اور آسودہ حالی کی وجہ سے موٹے تازے ہو گئے- ایک دن اس نے کہا' دیکھو میں تمہیں اس ہلاکت و افلاس سے بچا کر یہاں لایا اور اس فارغ البالی میں پہنچایا- اب اگر تم میری مانو تو میں تمہیں اس سے بھی اعلیٰ باغات اور اس سے طیب جگہ اور اس سے بھی زیادہ لہر دار نہروں کی طرف لے چلوں اس پر ایک جماعت تو تیار ہو گئی اور انہوں نے کہا ہم آپ کے ساتھ ہیں لیکن دوسری جماعت نے کہا' ہمیں اور زیادہ کی ضرورت نہیں- یہیں رہ پڑے-

ابو یعلی موصلی میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں میں تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹ کر تمہاری کمریں پکڑ پکڑ کر جہنم سے روک رہا ہوں- لیکن تم پرنالوں اور برساتی کیڑوں کی طرح میرے ہاتھوں سے چھوٹ چھوٹ کر آگ میں گر رہے ہو' کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہیں چھوڑ دوں؟ سنو میں تو حوض کوثر پر بھی تمہارا پیشوا اور میر سامان ہوں- وہاں تم اکا دکا اور گروہ گروہ بن کر میرے پاس آؤ گے- میں تمہیں تمہاری نشانیوں' علامتوں اور ناموں سے پہچان لوں گا جیسے کہ ایک نو وارد انجان آدمی اپنے اونٹوں کو دوسروں کے اونٹوں سے تمیز کر لیتا ہے- میرے دیکھتے ہوئے تم میں سے بعض کو بائیں طرف والے عذاب کے فرشتے پکڑ کر لے جانا چاہیں گے تو میں جناب باری تعالیٰ میں عرض کروں گا کہ الٰہی یہ میری قوم کے' میری امت کے لوگ ہیں- پس جواب دیا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں نکالیں تھیں؟ یہ تو آپ کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل لوٹتے ہی رہتے- میں انہیں بھی پہچان لوں گا جو قیامت کے دن اپنی گردن پر بکری لئے ہوئے آئے گا جو بکری چیخ رہی ہو گی وہ میرا نام لے کر آوازیں دے رہا ہو گا لیکن میں اس سے صاف کہہ دوں گا کہ میں اللہ کے سامنے تجھے کچھ کام نہیں آ سکتا میں نے تو اللہ کی باتیں پہنچا دی تھیں- اسی طرح کوئی ہو گا جو اونٹ کو لئے ہوئے آئے گا جو بلبلا رہا ہو گا- ندا کرے گا کہ اے محمد ﷺ اے محمد ﷺ! میں کہہ دوں گا کہ میں اللہ کے ہاں تیرے لئے کچھ اختیار نہیں رکھتا میں نے تو حق بات تمہیں پہنچا دی تھی- بعض آئیں

گے جن کی گردن پر گھوڑا سوار ہوگا جو ہنہنا رہا ہو گا وہ بھی مجھے آواز دے گا اور میں یہی جواب دوں گا۔ بعض آئیں گے اور مشکیں لادے ہوئے پکاریں گے یا محمد ﷺ یا محمد ﷺ! میں کہوں گا تمہارے کسی معاملہ سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں تو تم تک حق بات پہنچا چکا تھا۔ امام علی بن مدینی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس حدیث کی سند ہے تو حسن لیکن اس کا ایک راوی حفص بن حمید مجہول ہے لیکن امام یحییٰ بن ابی معین نے اسے صالح کہا ہے اور نسائی اور ابن حبان نے بھی اسے ثقہ کہا ہے۔ آخرت کا یقین نہ رکھنے والے راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں جب کوئی شخص سیدھی راہ سے ہٹ گیا تو عرب کہتے ہیں نَکَبَ فُلَانٌ عَنِ الطَّرِیْقِ۔ ان کے کفر کی پختگی بیان ہو رہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سے سختی کو ہٹا دے' انہیں قرآن سنا اور سمجھا بھی دے تو بھی یہ اپنے کفر و عناد سے سرکشی اور تکبر سے باز نہ آئیں گے۔ جو کچھ نہیں ہوا' وہ جب ہوگا تو کس طرح ہوگا' اس کا علم اللہ کو ہے۔ اس لئے اور جگہ ارشاد فرمادیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان میں بھلائی دیکھتا تو ضرور انہیں اپنے احکام سناتا اگر انہیں سناتا بھی تو وہ منہ پھیرے ہوئے اس سے گھوم جاتے یہ تو جہنم کے سامنے کھڑے ہو کر ہی یقین کریں گے اور اس وقت کہیں گے کاش کہ ہم لوٹا دیئے جاتے اور رب کی باتوں کو نہ جھٹلاتے اور یقین مند ہو جاتے۔ اس سے پہلے جو چھپا تھا' وہ اب کھل گیا بات یہ ہے کہ اگر یہ لوٹا بھی دیئے جائیں تو پھر سے منع کردہ کاموں کی طرف لوٹ آئیں گے۔ پس یہ وہ بات ہے جو ہوگی نہیں لیکن اگر ہو تو کیا ہو؟ اسے اللہ جانتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لَوْ سے جو جملہ قرآن کریم میں ہے' وہ کبھی واقع ہونے والا نہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٧٦﴾ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾

ہم نے انہیں عذاب میں بھی پکڑا۔ تاہم یہ لوگ نہ تو اپنے پروردگار کے سامنے جھکے اور نہ ہی عاجزی اختیار کی ○ یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا تو اسی وقت فوراً مایوس ہو گئے ○ وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے' مگر تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو ○

جرائم کی سزا پانے کے باوجود نیک نہ بن سکے: ☆☆ (آیت: ۷۶-۷۸) فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں ان کی برائیوں کی وجہ سے سختیوں اور مصیبتوں میں بھی مبتلا کیا لیکن تاہم نہ تو انہوں نے اپنا کفر چھوڑا نہ اللہ کی طرف جھکے بلکہ کفر و ضلالت پر اڑے رہے۔ نہ ان کے دل نرم ہوئے نہ یہ سچے دل سے ہماری طرف متوجہ ہوئے نہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا الخ ہمارا عذاب دیکھ کر یہ ہماری طرف عاجزی سے کیوں نہ جھکے؟ بات یہ ہے کہ ان کے دل سخت ہو گئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس آیت میں اس قحط سالی کا ذکر ہے جو قریشیوں پر حضور ﷺ کے نہ ماننے کے صلے میں آئی تھی۔ جس کی شکایت لے کر ابو سفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تھے اور آپ کو اللہ کی قسمیں دے کر رشتے داریوں کے واسطے دلا کر کہا تھا کہ ہم تو اب لید اور خون کھانے لگے ہیں۔ (نسائی) صحیحین میں ہے کہ قریش کی شرارتوں سے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ نے ان پر بددعا کی تھی کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں سات سال کی قحط سالی آئی تھی' ایسے ہی قحط سے الٰہی تو ان پر میری مدد فرما۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ کو قید کر دیا گیا' ایک نوعمر شخص نے کہا' میں آپ کو جی بہلانے کے لئے کچھ اشعار سناؤں؟ تو آپ نے فرمایا ''اس وقت ہم عذاب الٰہی میں ہیں اور قرآن نے ان کی شکایت کی ہے جو ایسے وقت بھی اللہ کی طرف نہ

جھکیں'۔ پھر آپ نے تین روزے برابر رکھے ان سے سوال کیا گیا کہ یہ بیچ میں افطار کئے بغیر کے روزے کیسے؟ تو جواب دیا کہ ایک نئی چیز ادھر سے ہوئی یعنی قید تو ایک نئی چیز ہم نے کی یعنی زیادتی عبادت۔ یہاں تک کہ حکم الٰہی آ پہنچا اچانک وقت آ گیا اور جس عذاب کا وہم وگمان بھی نہ تھا وہ آ پڑا تو تمام خیر سے مایوس ہو گئے' آس ٹوٹ گئی اور حیرت زدہ رہ گئے۔ اللہ کی نعمتوں کو دیکھو۔ اس نے کان دیئے' آنکھیں دیں' دل دیا' عقل وفہم عطا فرمائی کہ غور وفکر کر سکو۔ اللہ کی وحدانیت کو' اس کے اختیار کو سمجھ سکو۔ لیکن جیسے جیسے نعمتیں بڑھیں' شکر کم ہوئے۔ جیسے فرمان ہے تو گو حرص کر لیکن ان میں سے اکثر بے ایمان ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٧٩﴾ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٨١﴾ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَٰذَا مِنْ قَبْلُ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨٣﴾

وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے ○ یہ وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے اور رات دن کے ردوبدل کا مختار بھی وہی ہے۔ کیا تم کو سمجھ بوجھ نہیں؟ ○ بلکہ ان لوگوں نے بھی ویسی ہی بات کہی جو اگلے کہتے چلے آئے ○ کہ کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے' کیا پھر بھی ہم کھڑے کئے جانے والے ہیں؟ ○ ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے ہی سے یہ وعدہ ہوتا چلا آیا ہے' کچھ نہیں یہ تو صرف اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں ○

(آیت: ۷۹-۸۳) پھر اپنی عظیم الشان سلطنت اور قدرت کا بیان فرما رہا ہے کہ اس نے مخلوق کو پیدا کر کے وسیع زمین پر پھیلا دیا ہے پھر قیامت کے دن بکھرے ہوؤں کو سمیٹ کر اپنے پاس جمع کرے گا۔ اب بھی اسی نے پیدا کیا ہے پھر بھی وہی جلائے گا' کوئی چھوٹا بڑا آگے پیچھے کا باقی نہ بچے گا۔ وہی بوسیدہ اور کھوکھلی ہڈیوں کا زندہ کرنے والا اور لوگوں کو مار ڈالنے والا ہے' اسی کے حکم سے دن چڑھتا ہے رات آتی ہے۔ ایک ہی نظام کے مطابق ایک کے بعد ایک آتا جاتا ہے' نہ سورج چاند سے آگے نکلے نہ رات دن پر سبقت کرے کیا تم میں اتنی بھی عقل نہیں کہ اتنے بڑے نشانات دیکھ کر اپنے اللہ کو پہچان لو؟ اور اس کے غلبے اور اس کے علم کے قائل بن جاؤ۔ بات یہ ہے کہ اس زمانہ کے کافر ہوں یا گذشتہ زمانوں کے' ان کے سب کے دل یکساں ہیں۔ زبانیں بھی ایک ہی ہیں وہی بکواس جو گذشتہ لوگوں کی تھی' وہی ان کی ہے کہ مر کر مٹی ہو جانے اور صرف بوسیدہ ہڈیوں کی صورت میں باقی رہ جانے کے بعد بھی دوبارہ پیدا کئے جائیں' یہ سمجھ سے باہر ہے۔ ہم سے بھی یہی کہا گیا' ہمارے باپ دادوں کو بھی اس سے دھمکایا گیا لیکن ہم نے تو کسی کو مر کر زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ ہمارے خیال میں تو یہ صرف بکواس ہے۔

دوسری آیت میں ہے کہ انہوں نے کہا' کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے' اس وقت بھی پھر زندہ کئے جائیں گے؟ جناب باری نے فرمایا' جسے تم ان ہونی بات سمجھ رہے ہو' وہ تو ایک آواز کے ساتھ ہو جائے گی اور ساری دنیا اپنی قبروں سے نکل کر ایک میدان میں ہمارے سامنے آ جائے گی۔ سورہ یٰسین میں بھی یہ اعتراض اور جواب ہے کہ کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے نطفے سے پیدا کیا۔ پھر وہ ضدی جھگڑالو بن بیٹھا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور ہم پر اعتراض کرتے ہوئے مثالیں دینے لگا کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون جلائے گا؟ اے نبی ﷺ تم انہیں جواب دو کہ انہیں نئے سرے سے وہ اللہ پیدا کرے گا جس نے انہیں اول بار پیدا کیا ہے اور جو ہر چیز کی پیدائش کا عالم ہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٨٧﴾

پوچھ تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو○ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی' کہہ دے کہ پھر تم نصیحت کیوں حاصل نہیں کرتے؟○ دریافت کر کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟○ بلا تامل جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے' کہہ دے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟○

اللہ تعالیٰ ہی معبود واحد ہے: ☆☆ (آیت: ۸۴-۸۷) اللہ تعالیٰ جل وعلا اپنی وحدانیت' خالقیت' تصرف اور ملکیت کا ثبوت دیتا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ معبود برحق صرف وہی ہے- اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرنی چاہئے- وہ واحد اور لاشریک ہے پس اپنے محترم رسول اللہ ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان مشرکین سے دریافت فرمائیں تو وہ صاف لفظوں میں اللہ کے رب ہونے کا اقرار کریں گے اور اس میں کسی کو شریک نہیں بتائیں گے- آپ انہی کے جواب کو لے کر انہیں قائل کریں کہ جب خالق و مالک صرف اللہ ہے' اس کے سوا کوئی نہیں' پھر معبود بھی تنہا وہی کیوں نہ ہو؟ اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کیوں کی جائے؟ واقعہ یہی ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو بھی مخلوق اللہ اور مملوک الٰہی جانتے تھے لیکن انہیں مقربان الٰہی سمجھ کر اس نیت سے ان کی عبادت کرتے تھے کہ وہ ہمیں بھی مقرب بارگاہ الٰہی بنا دیں گے- پس حکم ہوتا ہے کہ زمین اور زمین کی تمام چیزوں کا خالق و مالک کون ہے؟ اس کی بابت ان مشرکوں سے سوال کرو- ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اب تم پھر ان سے کہو کہ کیا اب بھی تم اس اقرار کے بعد بھی تم اتنا نہیں سمجھتے کہ عبادت کے لائق بھی وہی ہے کیونکہ خالق ورزاق وہی ہے- پھر پوچھو کہ اس بلند و بالا آسمان کا' اس کی مخلوق کا خالق کون ہے؟ جو عرش جیسی زبردست چیز کا رب ہے- جو مخلوق کی چھت ہے جیسے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''اللہ کی شان بہت بڑی ہے اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح ہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے قبے کی طرح بنا کر بتایا'' (ابوداؤد)

ایک اور حدیث میں ہے ''ساتوں آسمان' زمین اور ان کی کل مخلوق کرسی کے مقابلے پر ایسی ہے جیسے کسی چٹیل میدان میں کوئی حلقہ پڑا ہو اور کرسی اپنی تمام چیزوں سمیت عرش کے مقابلے میں بھی ایسی ہی ہے''- بعض سلف سے منقول ہے کہ عرش کی ایک جانب سے دوسری جانب کی دوری پچاس ہزار سال کی مسافت کی ہے- اور ساتویں زمین سے اس کی بلندی پچاس ہزار سال کی مسافت کی ہے- عرش کا نام عرش اس کی بلندی کی وجہ سے ہی ہے- کعب احبار سے مروی ہے کہ آسمان عرش کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کوئی قندیل آسمان و زمین کے درمیان ہو- مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آسمان و زمین بمقابلہ عرش الٰہی ایسے ہیں جیسے کوئی چھلا کسی چٹیل وسیع میدان میں پڑا ہو- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' عرش کی قدر وعظمت کا کوئی بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے صحیح اندازہ نہیں کر سکتا- بعض سلف کا قول ہے کہ عرش سرخ رنگ یاقوت کا ہے- اس آیت میں عرش عظیم کہا گیا ہے اور اس سورت کے آخر میں عرش کریم کہا گیا ہے یعنی بہت بڑا اور بہت حسن و خوبی والا- پس لمبائی' چوڑائی' وسعت' عظمت' حسن و خوبی میں وہ بہت ہی اعلیٰ و بالا ہے- اسی لئے لوگوں نے اسے یاقوت سرخ کہا ہے- ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ تمہارے رب کے پاس رات دن کچھ نہیں' اس کے عرش کا نور اس کے چہرے کے نور سے ہے- الغرض اس سوال کا جواب بھی وہ یہی دیں گے کہ آسمان اور عرش کا رب اللہ ہے- تو تم کہو کہ پھر تم اس کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے کہ اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کیوں کر رہے ہو؟

کتاب التفکر والاعتبار میں امام ابوبکر ابن ابی الدنیا ایک حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عموماً اس حدیث کو بیان فرمایا کرتے تھے کہ "جاہلیت کے زمانے میں ایک عورت پہاڑ کی چوٹی پر اپنی بکریاں چرایا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا ایک مرتبہ اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا کہ اماں جان تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ اس نے کہا اللہ نے۔ کہا میرے والد کو کس نے پیدا کیا؟ کہا اللہ نے۔ پوچھا مجھے کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا اللہ نے۔ بچہ نے پوچھا اور ان آسمانوں کو؟ اس نے کہا اللہ نے۔ پوچھا اور زمین کو؟ اس نے جواب دیا اللہ نے' پوچھا اور ان پہاڑوں کو اماں کس نے بنایا ہے؟ ماں نے جواب دیا ان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پوچھا اور ان ہماری بکریوں کا خالق کون ہے؟ ماں نے کہا اللہ ہی ہے۔ اس نے کہا' سبحان اللہ اللہ کی اتنی بڑی شان ہے؟ بس اس قدر عظمت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی سما گئی کہ وہ تھرتھر کانپنے لگا اور پہاڑ سے گر پڑا اور جان اللہ کے سپرد کر دی۔ اس کا ایک راوی ذرا ٹھیک نہیں واللہ اعلم۔

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

پوچھ کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ ہے جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا۔ اگر تم جانتے ہو تو بتلا دو O یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے' کہہ دے کہ پھر تم کدھر سے جادو کر دیئے جاتے ہو؟ O حق یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا ہے اور یہ بے شک جھوٹے ہیں O

(آیت: ۸۸-۹۰) دریافت کرو کہ تمام ملک کا مالک' ہر چیز کا مختار کون ہے؟ حضور ﷺ کی قسم عموماً ان لفظوں میں ہوتی تھی کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور جب کوئی تاکیدی قسم کھاتے تو فرماتے اس کی قسم جو دلوں کا مالک اور ان کا پھیرنے والا ہے۔ پھر یہ بھی پوچھ کہ وہ کون ہے جو سب کو پناہ دے اور اس کی دی ہوئی پناہ کو کوئی توڑ نہ سکے اور اس کے مقابلے پر کوئی پناہ دے نہ سکے' کسی کی پناہ کا وہ پابند نہیں۔ یعنی اتنا بڑا سید و مالک کہ تمام خلق' ملک' حکومت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ بتاؤ وہ کون ہے؟ عرب میں دستور تھا کہ سردار قبیلہ اگر کسی کو پناہ دے دے تو سارا قبیلہ اس کا پابند ہے لیکن قبیلے میں سے کوئی کسی کو اپنی پناہ میں لے لے تو سردار پر اس کی پابندی نہیں۔ پس یہاں اللہ کی عظمت و سلطنت بیان ہو رہی ہے کہ وہ قادر مطلق' حاکم کل ہے۔ اس کا ارادہ کوئی بدل نہیں سکتا۔ اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا۔ اس سے کوئی باز پرس کر نہیں سکتا۔ اس کی چاہت کے بغیر پتہ ہل نہیں سکتا۔ وہ سب سے باز پرس کر لے لیکن کسی کی مجال نہیں کہ اس سے کوئی سوال کر سکے۔ اس کی عظمت' اس کی کبریائی' اس کا غلبہ' اس کا دباؤ' اس کی قدرت' اس کی عزت' اس کی حکمت' اس کا عدل بے پایاں اور بے مثل ہے۔ سب مخلوق اس کے سامنے عاجز' پست اور لاچار ہے۔ رب ساری مخلوق کی باز پرس کرنے والا ہے۔ اس سوال کا جواب بھی ان کے پاس اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ وہ اقرار کریں کہ اتنا بڑا بادشاہ' ایسا خود مختار اللہ واحد ہی ہے۔ کہہ دے کہ پھر تم پر کیا ٹپکی پڑی ہے؟ ایسا کون سا جادو تم پر ہو گیا ہے کہ باوجود اس اقرار کے پھر بھی دوسروں کی پرستش کرتے ہو؟ ہم تو ان کے سامنے حق واضح کر چکے۔ توحید ربوبیت کے ساتھ ساتھ توحید الوہیت بیان کر دی۔ صحیح دلیلیں اور صاف باتیں پہنچا دیں اور ان کا غلط گو ہونا ظاہر کر دیا کہ یہ شریک بنانے میں جھوٹے ہیں اور ان کا جھوٹ خود ان کے اقرار سے ظاہر و باہر ہے۔ جیسے کہ سورت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ کے سوا دوسروں کے پکارنے کی کوئی سند نہیں۔ صرف باپ دادا کی تقلید پر ضد ہے۔ اور وہ یہی کہتے بھی تھے کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی پر پایا اور ہم ان کی تقلید نہیں چھوڑیں گے۔

نہ تو اللہ نے اولاد لی ہے نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لئے لئے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر بلند ہونا چاہتا' جو اوصاف یہ بتلاتے ہیں ان سے اللہ نرالا ہے ○ وہ غائب' حاضر کا جاننے والا ہے اور جو شرک یہ کرتے ہیں اس سے بالاتر ہے ○
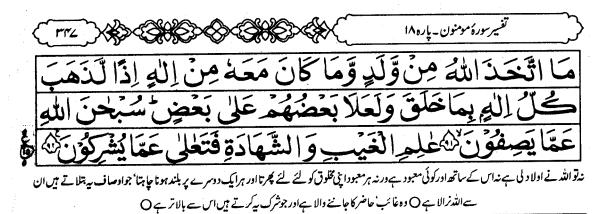
وہ ہر شان میں بے مثال ہے: ☆☆ (آیت: ۹۱-۹۲) اللہ تعالیٰ اس سے اپنی برتری بیان فرما رہا ہے کہ اس کی اولاد ہو یا اس کا شریک ہو۔ ملک میں' تصرف میں' عبادت کا مستحق ہونے میں وہ یکتا ہے۔ نہ اس کی اولاد ہے نہ اس کا شریک ہے۔ اگر مان لیا جائے کہ کئی ایک معبود ہیں تو ہر ایک اپنی مخلوق کا مستقل مالک ہونا چاہئے تو موجودات میں نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ حالانکہ کائنات کا انتظام مکمل ہے' عالم علوی اور عالم سفلی' آسمان و زمین وغیرہ کمال ربط کے ساتھ اپنے اپنے مقررہ کام میں مشغول ہیں۔ دستور سے ایک انچ ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ پس معلوم ہوا کہ ان سب کا خالق و مالک اللہ ایک ہی ہے نہ کہ متفرق کئی ایک۔ اور بہت سے اللہ مان لینے کی صورت میں یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر ایک دوسرے کو پست و مغلوب کرنا اور خود غالب اور طاقتور ہونا چاہے گا اگر غالب آ گیا تو مغلوب اللہ نہ رہا۔ اگر غالب نہ آیا تو وہ خود معبود نہیں۔ پس یہ دونوں دلیلیں بتا رہی ہیں کہ اللہ ایک ہی ہے۔

متکلمین کے طور پر اس دلیل کو دلیل تمانع کہتے ہیں۔ ان کی تقریر یہ ہے کہ اگر دو معبود مانے جائیں یا اس سے زیادہ پھر ایک تو ایک جسم کی حرکت کا ارادہ کرلے اور دوسرا اس کے سکون کا ارادہ کرے' اب اگر دونوں کی مراد حاصل نہ ہو تو دونوں ہی عاجز ٹھہرے اور جب عاجز ٹھہرے تو معبود نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ واجب عاجز نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ دونوں کی مراد پوری ہو کیونکہ ایک کے خلاف دوسرے کی چاہت ہے۔ تو دونوں کی مراد کا حاصل ہونا محال ہے۔ اور یہ محال لازم ہوا ہے اس وجہ سے کہ دو یا دو سے زیادہ معبود فرض کئے گئے تھے۔ پس یہ تعدد میں باطل ہو گیا۔ اب رہی تیسری صورت یعنی یہ کہ ایک کی چاہت پوری ہو اور ایک کی نہ ہو تو جس کی پوری ہوئی' وہ تو غالب اور واجب رہا اور جس کی پوری نہ ہوئی' وہ مغلوب اور ممکن ہوا۔ کیونکہ واجب کی صفت یہ نہیں کہ وہ مغلوب ہو تو اس صورت میں بھی معبودوں کی کثرت تعداد باطل ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ معبود ایک ہے۔ وہ ظالم سرکش' حد سے گزر جانے والے مشرک جو اللہ کی اولاد ٹھہراتے ہیں اور اس کے شریک بتاتے ہیں' ان کے ان بیان کردہ اوصاف سے ذات اللہ بلند و بالا' برتر و منزہ ہے۔ وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو مخلوق سے پوشیدہ ہے۔ اور اسے بھی جو مخلوق پر عیاں ہے۔ پس وہ ان تمام شرکا سے پاک ہے' جسے منکر اور مشرک شریک اللہ بتاتے ہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

تو دعا کیا کر کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ دکھائے جس کا وعدہ انہیں دیا جارہا ہے ۞ تو اے رب تو مجھے ان ظالموں کے گروہ میں نہ کرنا ۞ ہم جو کچھ وعدے انہیں دے رہے ہیں، سب کو تجھے دکھا دینے پر یقیناً قادر ہیں ۞ برائی کو اس طریقے سے دور کر جو سراسر بھلائی والا ہو، جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں، ہم بخوبی واقف ہیں ۞ اور دعا کر کہ اے میرے پروردگار، میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں ۞ اور اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ ئیں ۞

برائی کے بدلے اچھائی: ☆☆ (آیت: ۹۳-۹۸) سختیوں کے اترنے کے وقت کی دعا تعلیم ہو رہی ہے کہ اگر تو ان بدکاروں پر عذاب لائے اور میں ان میں موجود ہوں تو مجھے ان عذابوں سے بچالینا- مسند احمد اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی دعاؤں میں یہ جملہ بھی ہوتا تھا کہ الٰہی جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اٹھالے- اللہ تعالیٰ اس کی تعلیم دینے کے بعد فرماتا ہے کہ ہم ان عذابوں کو تجھے دکھا دینے پر قادر ہیں- جو ان کفار پر ہماری جانب سے اترنے والے ہیں- پھر وہ بات سکھائی جاتی ہے جو تمام مشکلوں کی دوا اور دفع کرنے والی ہے اور وہ یہ کہ برائی کرنے والے سے بھلائی کی جائے- تاکہ اس کی عداوت محبت سے اور نفرت الفت سے بدل جائے- جیسے ایک اور آیت میں بھی ہے کہ بھلائی سے دفع کر تو جانی دشمن دلی دوست بن جائے گا- لیکن یہ کام انہی سے ہوسکتا ہے جو صبر کرنے والے ہوں- یعنی اس حکم کی تعمیل اور اس صفت کی تحصیل صرف ان لوگوں سے ہوسکتی ہے جو لوگوں کی تکلیف کو برداشت کر لینے کے عادی ہو جائیں- اور گو وہ برائی کریں لیکن یہ بھلائی کرتے جائیں- یہ وصف انہی لوگوں کا ہے جو بڑے نصیب دار ہوں- دنیا اور آخرت کی بھلائی جن کی قسمت میں ہو-

شیطان سے بچنے کی دعائیں: ☆☆ انسان کی برائی سے بچنے کی بہترین ترکیب بتا کر پھر شیطان کی برائی سے بچنے کی ترکیب بتائی جاتی ہے کہ اللہ سے دعا کرو کہ وہ تمہیں شیطان سے بچالے- اس لئے کہ اس کے فن فریب سے بچنے کا ہتھیار تمہارے پاس سوائے اس کے اور نہیں- وہ سلوک و احسان سے بس میں نہیں آنے کے- استعاذہ کے بیان میں ہم لکھ آئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَ نَفْخِهٖ وَ نَفْثِهٖ پڑھا کرتے تھے- اور میں پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے کسی کام میں حائل ہو اور وہ میرے پاس پہنچ جائے- پس ہر ایک کام کے شروع میں اللہ کا ذکر شیطان کی شمولیت کو روک دیتا ہے- کھانا پینا، جماع، ذبح وغیرہ کل کاموں کے شروع کرنے سے پہلے اللہ کا ذکر کرنا چاہئے- ابوداؤد میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی ایک دعا یہ بھی تھی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَدَمِ وَمِنَ الْغَرَقِ وَ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِی الشَّيْطٰنُ عِنْدَ الْمَوْتِ اے اللہ میں تجھ سے بڑے بڑھاپے سے اور دب کر مر جانے سے اور ڈوب کر مر جانے سے پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی کہ موت کے وقت شیطان مجھ کو بہکاوے- مسند احمد میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ ایک دعا سکھاتے تھے کہ نیند اچاٹ ہو جانے کے مرض کو دور کرنے کے لئے ہم سوتے وقت پڑھا کریں بِسْمِ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَ عِقَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستور تھا کہ اپنی اولاد میں سے جو ہوشیار ہوتے، انہیں یہ دعا سکھا دیا کرتے اور جو چھوٹے ناسمجھ ہوتے، یاد نہ کر سکتے، ان کے گلے میں اس دعا کو لکھ کر لٹکا دیتے- ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے، امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن غریب بتاتے ہیں-

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے اے میرے پروردگار مجھے واپس لوٹا دے ○ کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کر لوں۔ ہرگز ایسا نہیں ہونے کا' یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے' ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک ○

بعد از مرگ: ☆☆ (آیت:۹۹-۱۰۰) بیان ہو رہا ہے کہ موت کے وقت کفار اور بدترین گنہگار سخت نادم ہوتے ہیں اور حسرت و افسوس کے ساتھ آرزو کرتے ہیں کہ کاش کہ ہم دنیا کی طرف لوٹائے جائیں تاکہ ہم نیک اعمال کر لیں۔ لیکن اس وقت یہ امید فضول' یہ آرزو لاحاصل ہے۔ چنانچہ سورہ منافقون میں فرمایا' جو ہم نے دیا ہے' ہماری راہ میں دیتے رہو' اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے اس وقت وہ کہے کہ الٰہی ذرا سی مہلت دے دے تو میں صدقہ وخیرات کر لوں اور نیک بندہ بن جاؤں لیکن اجل آ چکنے کے بعد کسی کو مہلت نہیں ملتی' تمہارے تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ خبردار ہے۔ اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں مثلاً یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ سے مِنْ رَّسُوْلٍ تک اور یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ سے تَعْمَلُ تک اور وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ سے مُوْقِنُوْنَ تک اور وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا سے لَكٰذِبُوْنَ تک اور وَتَرَی الظّٰلِمِیْنَ سے مِّنْ سَبِیْلٍ تک اور آیت قَالُوْا رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا اور اس کے بعد کی آیت وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا الخ وغیرہ۔

ان آیتوں میں بیان ہوا ہے کہ ایسے بدکار لوگ موت کو دیکھ کر قیامت کے دن اللہ کے سامنے کی پیشی کے وقت جہنم کے سامنے کھڑے ہو کر دنیا میں واپس آنے کی تمنا کریں گے اور نیک اعمال کرنے کا وعدہ کریں گے۔ لیکن ان وقتوں میں ان کی طلب پوری نہ ہو گی۔ یہ تو وہ کلمہ ہے جو بہ مجبوری ایسے آڑے وقتوں میں ان کی زبان سے نکل ہی جاتا ہے اور یہ بھی کہ یہ کہتے ہیں مگر کرنے کے نہیں اگر دنیا میں واپس لوٹائے بھی جائیں تو عمل صالح کر کے نہیں دینے کے۔ بلکہ ویسے ہی رہیں گے جیسے پہلے رہے تھے۔ یہ تو جھوٹے اور لپاڑیئے ہیں۔ کتنا مبارک وہ شخص ہے جو اس زندگی میں نیک عمل کر لے اور کیسے بدنصیب یہ لوگ ہیں کہ آج نہ انہیں مال و اولاد کی تمنا ہے نہ دنیا اور زینت دنیا کی خواہش ہے۔ صرف یہ چاہتے ہیں کہ دو روز کی زندگی اور ہو جائے تو کچھ نیک اعمال کر لیں لیکن تمنا بیکار' آرزو بے سود' خواہش بے جا۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان کی تمنا پر انہیں اللہ ڈانٹ دے گا اور فرما دے گا کہ یہ بھی تمہاری بات ہے۔ عمل اب بھی نہیں کرو گے۔ حضرت علا بن زیاد رحمتہ اللہ علیہ کیا ہی عمدہ بات فرماتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں' تم یوں سمجھ لو کہ میری موت آ چکی تھی لیکن میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے چند روز کی مہلت دے دی جائے تاکہ میں نیکیاں کر لوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' کافر کی اس امید کو یاد رکھو اور خود زندگی کی گھڑیاں اطاعت الٰہی میں بسر کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جب کافر اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اپنا جہنم کا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب مجھے لوٹا دے۔ میں توبہ کر لوں گا اور نیک اعمال کرتا رہوں گا۔ جواب ملتا ہے کہ جتنی عمر تجھے دی گئی تھی' تو ختم کر چکا پھر اس کی قبر اس پر سمٹ جاتی ہے اور تنگ ہو جاتی ہے اور سانپ بچھو چمٹ جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ گنہگاروں پر ان کی قبریں بڑی مصیبت کی جگہیں ہوتی ہیں۔ ان کی قبروں میں انہیں کالے ناگ ڈستے رہتے ہیں۔ جن میں سے ایک بہت بڑا اس کے سرہانے ہوتا ہے اور ایک اتنا ہی بڑا پاؤں کی طرف ہوتا ہے وہ سر کی طرف سے ڈسنا اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہ پیروں کی طرف سے کاٹنا اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ بیچ کی جگہ آ کر دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پس یہ ہے وہ برزخ جہاں یہ قیامت تک رہیں گے۔ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ کے معنی کئے گئے ہیں کہ ان کے آگے برزخ ایک حجاب اور آڑ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان۔ وہ نہ تو صحیح طور پر دنیا میں ہیں کہ کھائیں پئیں نہ آخرت میں ہیں کہ اعمال کے

پورے بدلے میں آ جائیں۔ بلکہ بیچ ہی بیچ میں ہیں۔ پس اس آیت میں ظالموں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ انہیں عالم برزخ میں بھی بڑے بھاری عذاب ہوں گے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ان کے آگے جہنم ہے۔ جیسے کہ اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ان کے آگے بہت سخت عذاب ہے برزخ کا۔ قبر کا یہ عذاب ان پر قیامت کے قائم ہونے تک برابر جاری رہے گا۔ جیسے حدیث میں ہے کہ وہ اس میں برابر عذاب میں رہے گا یعنی زمین میں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

پس جب کہ صور پھونک دیا جائے گا' اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے نہ آپس کی پوچھ گچھ ○ جن کی ترازو کا پلہ بھاری ہو گیا' وہ تو نجات والے ہو گئے ○ اور جن کی ترازو کا پلہ ہلکا ہو گیا' یہ ہیں وہ جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا جو ہمیشہ کے لئے جہنم واصل ہوئے ○ ان کے چہروں کو آگ جھلستی رہے گی اور وہ وہاں بد شکل بنے ہوئے ہوں گے ○

قبروں سے اٹھنے کے بعد: ☆☆ (آیت: ۱۰۱-۱۰۴) جب جی اٹھنے کا صور پھونکا جائے گا اور لوگ اپنی قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے' اس دن نہ تو رشتے ناتے باقی رہیں گے نہ کوئی کسی سے پوچھے گا' نہ باپ کو اولاد پر شفقت ہو گی نہ اولاد باپ کا غم کھائے گی۔ عجب آپا دھاپی ہو گی۔ جیسے فرمان ہے کہ کوئی دوست کسی دوست سے ایک دوسرے کو دیکھنے کے باوجود کچھ نہ پوچھے گا۔ صاف دیکھے گا کہ قریبی شخص ہے' مصیبت میں ہے' گناہوں کے بوجھ سے دب رہا ہے لیکن اس کی طرف التفات تک نہ کرے گا۔ نہ کچھ پوچھے گا بلکہ آنکھ پھیر لے گا۔ جیسے خود قرآن میں ہے کہ ''اس دن آدمی اپنے بھائی سے' اپنی ماں سے' اپنے باپ سے' اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے بھاگتا پھرے گا''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اگلوں پچھلوں کو جمع کرے گا۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ جس کسی کا کوئی حق کسی دوسرے کے ذمے ہو' وہ آئے اور اس سے اپنا حق لے جائے۔ تو اگرچہ کسی کا کوئی حق اپنے باپ کے ذمے یا اپنی اولاد کے ذمے یا اپنی بیوی کے ذمے ہو' وہ بھی خوش ہوتا ہوا اور دوڑتا ہوا آئے گا اور اپنے حق کے تقاضے شروع کرے گا۔[1] جیسے اس آیت میں ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ جو چیز اسے ناخوش کرے وہ مجھے بھی ناخوش کرتی ہے اور جو چیز اسے خوش کرے وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے۔ قیامت کے روز سب رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے لیکن میرا نسب میرا سبب میری رشتے داری نہ ٹوٹے گی'' ۔ اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے اسے ناراض کرنے والی اور اسے ستانے والی چیزیں مجھے ناراض کرنے والی اور مجھے تکلیف پہنچانے والی ہیں''۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے منبر پر فرمایا ''لوگوں کا کیا حال ہے کہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کا رشتہ بھی آپ کی قوم کو کوئی فائدہ نہ دے گا۔ بخدا میرا رشتہ دنیا میں اور آخرت میں ملا ہوا ہے۔ اے لوگو! میں تمہارا میر ساماں ہوں جب تم آؤ گے ایک شخص کہے گا کہ یا رسول

اللہ ﷺ میں فلاں بن فلاں ہوں- میں جواب دوں گا کہ ہاں نسب تو میں نے پہچان لیا لیکن تم لوگوں نے میرے بعد بدعتیں ایجاد کی تھیں اور ایڑیوں کے بل مرتد ہو گئے تھے"- مسند امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہم نے کئی سندوں سے یہ روایت وارد کی ہے کہ جب آپ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کیا تو فرمایا کرتے تھے' واللہ مجھے اس نکاح سے صرف یہ غرض تھی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہر سبب ونسب قیامت کے دن کٹ جائے گا مگر میرا نسب اور سبب- یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے ان کا مہر از روئے تعظیم و بزرگی چالیس ہزار مقرر کیا تھا- ابن عساکر میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "کل رشتے ناتے اور سسرالی تعلقات بجز میرے ایسے تعلقات کے' قیامت کے دن کٹ جائیں گے"- ایک اور حدیث میں ہے کہ "میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جہاں میرا نکاح ہوا ہے اور جس کا نکاح میرے ساتھ ہوا ہے' وہ سب جنت میں بھی میرے ساتھ رہیں تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی"- جس کی ایک نیکی بھی گناہوں سے بڑھ گئی' وہ کامیاب ہو گیا- جہنم سے آزاد اور جنت میں داخل ہو گیا' اپنی مراد کو پہنچ گیا اور جس سے ڈرتا تھا' اس سے بچ گیا- اور جس کی برائیاں بھلائیوں سے بڑھ گئیں' وہ ہلاک ہوئے' نقصان میں آ گئے- حضور ﷺ فرماتے ہیں "قیامت کے دن ترازو پر ایک فرشتہ مقرر ہو گا جو ہر انسان کو لا کر ترازو کے پاس بیچوں بیچ کھڑا کرے گا- پھر نیکی بدی تولی جائے گی- اگر نیکی بڑھ گئی تو بہ آواز بلند اعلان کرے گا کہ فلاں بن فلاں نجات پا گیا- اب اس کے بعد ہلاکت اس کے پاس بھی نہیں آئے گی اور اگر بدی بڑھ گئی تو ندا کرے گا اور سب کو سنا کر کہے گا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہلاک ہوا- اب وہ بھلائی سے محروم ہو گیا"- اس کی سند ضعیف ہے- داؤد ابن حجر راوی ضعیف و متروک ہے- ایسے لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے- دوزخ کی آگ ان کے منہ جھلس دے گی' چہروں کو جلا دے گی' کمر کو سلگا دے گی- یہ بے بس ہوں گے آگ کو ہٹا نہ سکیں گے- حضور ﷺ فرماتے ہیں "پہلے ہی شعلے کی لپٹ ان کا سارا گوشت پوست ہڈیوں سے الگ کر کے ان کے قدموں میں ڈال دے گی' وہ وہاں بدشکل ہوں گے' دانت نکلے ہوئے ہوں گے' ہونٹ اوپر چڑھا ہوا اور نیچے گرا ہوا ہو گا- اوپر کا ہونٹ تو تالو تک پہنچا ہوا ہو گا اور نیچے کا ہونٹ ناف تک آ جائے گا"-

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

کیا میری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ پھر بھی تم انہیں جھٹلاتے تھے ○ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی واقعی ہم تھے ہی گمراہ ○ اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نجات دے اگر اب بھی ہم ایسا ہی کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں ○

مکمل آگاہی کے بعد بھی محروم ہدایت: ☆☆ (آیت: ۱۰۵-۱۰۷) کافروں کو ان کے کفر اور گناہوں پر اور ایمان نہ لانے پر قیامت کے دن جو ڈانٹ ڈپٹ ہو گی' اس کا بیان ہو رہا ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تمہاری طرف رسول بھیجے تھے- تم پر کتابیں نازل فرمائی تھیں تمہارے شک وشبے زائل کر دیئے تھے تمہاری کوئی حجت باقی نہیں رکھی تھی- جیسے فرمان ہے کہ تاکہ لوگوں کا عذر رسولوں کے آنے کے بعد باقی نہ رہے اور فرمایا- ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں کرتے- ایک اور آیت میں ہے' جب جہنم میں کوئی جماعت جائے گی' اس سے وہاں کے داروغے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آگاہ کرنے والے آئے نہ تھے؟ اس وقت یہ حرماں نصیب

لوگ اقرار کریں گے کہ بیشک تیری حجت پوری ہوگئی تھی لیکن ہم اپنی بدقسمتی اور سخت دلی کے باعث درست نہ ہوئے۔ اپنی گمراہی پر اڑ گئے اور راہ راست پر نہ چلے۔ الٰہی اب تو ہمیں پھر دنیا کی طرف بھیج دے اگر اب ایسا کریں تو بیشک ہم ظالم ہیں اور مستحق سزا ہیں۔ جیسے فرمان ہے فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا فَهَلۡ اِلٰى خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِيۡلٍ ہمیں اپنی تقصیروں کا اقرار ہے کیا اب کسی طرح بھی چھٹکارے کی راہ مل سکتی ہے؟ لیکن جواب دیا جائے گا کہ اب سب راہیں بند ہیں۔ دار عمل فنا ہو گیا اب دار جزا ہے۔ توحید کے وقت شرک کیا اب پچھتانے سے کیا حاصل؟

قَالَ اخۡسَـُٔـوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ۝۱۰۸ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡ عِبَادِىۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَـنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ ۝۱۰۹ فَاتَّخَذۡتُمُوۡهُمۡ سِخۡرِيًّا حَتّٰۤى اَنۡسَوۡكُمۡ ذِكۡرِىۡ وَكُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَكُوۡنَ ۝۱۱۰ اِنِّىۡ جَزَيۡتُهُمُ الۡيَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا ۙ اَنَّهُمۡ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ۝۱۱۱

اللہ تعالیٰ فرمائے گا' پھٹکارے ہوئے یہیں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو ○ میرے بندوں کی ایک جماعت تھی جو برابر یہی کہتی رہی کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لا چکے ہیں تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما تو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے ○ لیکن تم انہیں مذاق میں ہی اڑاتے رہے یہاں تک کہ ان کے پیچھے تم میری یاد بھلا بیٹھے اور تم ان سے مخول ہی کرتے رہے ○ میں نے آج انہیں ان کے اس صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ وہ خاطر خواہ اپنی مراد کو پہنچ چکے ہیں ○

ناکام آرزو: ☆☆ (آیت:۱۰۸-۱۱۱) کافر جب جہنم سے نکلنے کی آرزو کریں گے تو انہیں جواب ملے گا کہ اب تو تم اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو گے۔ خبردار اب یہ سوال مجھ سے نہ کرنا۔ آہ یہ کلام رحمٰن ہو گا جو جہنمیوں کو ہر خیر سے مایوس کر دے گا۔ (اللہ ہمیں بچائے۔ اے رحمتوں والے اللہ ہمیں اپنے رحم کے دامن میں چھپا لے اور اپنی ڈانٹ ڈپٹ اور غصے سے بچالے' آمین) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنمی پہلے تو داروغہ جہنم کو بلائیں گے' چالیس سال تک اسے پکارتے رہیں گے لیکن کوئی جواب نہ پائیں گے۔ چالیس برس کے بعد جواب ملے گا کہ تم یہیں پڑے رہو۔ ان کی پکار کی نہ تو کوئی وقعت داروغہ جہنم کے پاس ہوگی نہ اللہ جل وعلا کے پاس۔ پھر براہ راست اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے اور کہیں گے کہ الٰہی ہم اپنی بدبختی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ ہم اپنی گمراہی میں ڈوب گئے الٰہی اب تو ہمیں یہاں سے نجات دے۔ اگر اب بھی ہم یہی برے کام کریں تو جو چاہے سزا کرنا۔ اس کا جواب انہیں دنیا کی دگنی عمر تک نہ دیا جائے گا۔ پھر فرمایا جائے گا کہ رحمت سے دور ہو کر' ذلیل وخوار ہو کر اسی دوزخ میں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔ اب یہ محض مایوس ہو جائیں گے اور گدھوں کی طرح چلاتے اور شور مچاتے جلتے بھنتے رہیں گے۔

اس وقت ان کے چہرے بدل جائیں گے' صورتیں مسخ ہو جائیں گی یہاں تک کہ بعض مومن شفاعت کی اجازت لے کر آئیں گے لیکن یہاں کسی کو نہیں پہچانیں گے۔ جہنمی انہیں دیکھ کر کہیں گے کہ میں فلاں ہوں لیکن یہ جواب دیں گے کہ غلط ہے ہم تمہیں نہیں پہچانتے۔ اب دوزخی لوگ اللہ کو پکاریں گے اور وہ جواب پائیں گے جو اوپر مذکور ہوا پھر دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور یہ وہیں سڑتے رہیں گے۔ انہیں شرمندہ اور پشیمان کرنے کے لئے ان کا ایک زبردست گناہ پیش کیا جائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے بندوں کا مذاق اڑاتے تھے اور ان کی دعاؤں پر دل لگی کرتے تھے۔ وہ مومن اپنے رب سے بخشش ورحمت طلب کرتے تھے۔ اسے ارحم الراحمین کہہ کر پکارتے تھے۔

لیکن یہ اسے ہنسی میں اڑاتے تھے اور ان کے بغض میں ذکر رب چھوڑ بیٹھتے تھے اور ان کی عبادتوں اور دعاؤں پر ہنستے تھے۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ الخ یعنی گنہگار ایمانداروں سے ہنستے تھے اور انہیں مذاق میں اڑاتے تھے۔ اب ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے اپنے ایماندار صبر گزار بندوں کو بدلہ دے دیا ہے وہ سعادت' سلامت' نجات وفلاح پاچکے ہیں اور پورے کامیاب ہو چکے ہیں۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾

اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ تم زمین میں بہ اختیار برسوں کی گنتی کے کس قدر رہے؟ ○ وہ کہیں گے ایک دن یا ایک دن سے بھی کم' گنتی گننے والوں سے بھی پوچھ لیجئے ○ اللہ تعالیٰ فرمائے گا فی الواقع تم وہاں بہت ہی کم رہے ہو ○ اے کاش تم اسے پہلے ہی سے جان لیتے؟ کیا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بے کار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے؟ ○ اللہ تعالیٰ سچا بادشاہ ہے۔ وہ بڑی بلندی والا ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی بزرگ عرش کا مالک ہے ○

مختصر زندگی طویل گناہ : ☆☆ (آیت:۱۱۲-۱۱۶) بیان ہو رہا ہے کہ دنیا کی تھوڑی سی عمر میں یہ بدکاریوں میں مشغول ہو گئے اگر نیکوکار رہتے تو اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ ان نیکیوں کا بڑا اجر پاتے۔ آج ان سے سوال ہوگا کہ تم دنیا میں کس قدر رہے؟ جواب دیں گے کہ بہت ہی کم ایک دن یا اس سے بھی کم حساب دان لوگوں سے دریافت کر لیا جائے۔ جواب ملے گا کہ اتنی مدت ہو یا زیادہ لیکن واقع میں وہ آخرت کی مدت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے اگر تم اسی کو جانتے ہوتے تو اس فانی کو اس جاودانی پر ترجیح نہ دیتے اور برائی کر کے اس تھوڑی سی مدت میں اس قدر خدا کو ناراض نہ کر دیتے۔ وہ ذرا سا وقت اگر صبر وضبط سے اطاعت الٰہی میں بسر کر دیتے تو آج راج تھا۔ خوشی ہی خوشی تھی۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب جنتی دوزخی اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے تو جناب باری عزوجل مومنوں سے پوچھے گا کہ تم دنیا میں کتنی مدت رہے؟ وہ کہیں گے یہی کوئی ایک آدھ دن۔ اللہ فرمائے گا' پھر تو تم بہت ہی اچھے رہے کہ اتنی سی دیر کی نیکیوں کا یہ بدلہ پایا کہ میری رحمت' رضامندی اور جنت حاصل کر لی جہاں ہمیشگی ہے۔ پھر جہنمیوں سے یہی سوال ہوگا' وہ بھی اتنی ہی مدت بتائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہاری تجارت بڑی گھاٹے والی ہوئی کہ اتنی سی مدت میں تم نے میری ناراضگی' غصہ اور جہنم خرید لیا' جہاں تم ہمیشہ پڑے رہو گے۔ کیا تم لوگ یہ سمجھے ہوئے ہو کہ تم بیکار' بے قصد وارادہ پیدا کئے گئے ہو؟ کوئی حکمت تمہاری پیدائش میں نہیں؟ محض کھیل کے طور پر تمہیں پیدا کر دیا گیا ہے؟ کہ مثل جانوروں کے تم اچھلتے کودتے پھرو؟ ثواب عذاب کے مستحق نہ ہو؟ یہ گمان غلط ہے تم عبادت کے لئے' اللہ کے حکموں کی بجا آوری کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ کیا تم یہ خیال کر کے نشچنت ہو گئے ہو کہ تمہیں ہماری طرف لوٹنا ہی نہیں؟ یہ بھی غلط خیال ہے۔ جیسے فرمایا اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ مہمل چھوڑ دیئے جائیں گے؟ اللہ کی ذات اس سے بلند وبرتر ہے

کہ وہ کوئی عبث کام کرے' بیکار بنائے' بگاڑے وہ سچا بادشاہ اس سے پاک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ عرش عظیم کا مالک ہے جو تمام مخلوق پر مثل چھت کے چھایا ہوا ہے۔ وہ بہت بھلا اور عمدہ ہے۔ خوش شکل اور نیک منظر ہے۔ جیسے فرمان ہے ''زمین میں ہم نے ہر جوڑا عمدہ پیدا کر دیا ہے''۔

خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے آخری خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو تم بیکار اور عبث پیدا نہیں کئے گئے اور تم مہمل چھوڑ نہیں دیئے گئے۔ یاد رکھو وعدے کا ایک دن ہے جس میں خود اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے اور حکم فرمانے کے لئے نازل ہوگا۔ وہ نقصان میں پڑا' اس نے خسارہ اٹھایا' وہ بے نصیب اور بد بخت ہو گیا' وہ محروم اور خالی ہاتھ رہا جو اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا اور جنت سے روک دیا گیا' جس کی چوڑائی مثل کل زمینوں اور آسمانوں کے ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کل قیامت کے دن عذاب الٰہی سے وہ بچ جائے گا' جس کے دل میں اس دن کا خوف آج ہے اور جو اس فانی دنیا کو اس باقی آخرت پر قربان کر رہا ہے اس تھوڑے کو اس بہت کے حاصل کرنے کے لئے بے تکان خرچ کر رہا ہے اور اپنے اس خوف کو امن سے بدلنے کے اسباب مہیا کر رہا ہے؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم سے گذشتہ لوگ ہلاک ہوئے جن کے قائم مقام اب تم ہو؟ اسی طرح تم بھی مٹا دیئے جاؤ گے اور تمہارے بدلے آئندہ آنے والے آئیں گے یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ ساری دنیا سمٹ کر اس خیر الوارثین کے دربار میں حاضری دے گی۔

لوگو! خیال تو کرو کہ تم دن رات اپنی موت سے قریب ہو رہے ہو اور اپنے قدموں اپنی گور کی طرف جا رہے ہو' تمہارے پھل پک رہے ہیں' تمہاری امیدیں ختم ہو رہی ہیں' تمہاری عمریں پوری ہو رہی ہیں۔ تمہاری اجل نزدیک آ گئی ہے' تم زمین کے گڑھوں میں دفن کر دیئے جاؤ گے' جہاں نہ کوئی بستر ہوگا نہ تکیہ۔ دوست احباب چھوٹ جائیں گے' حساب کتاب شروع ہو جائے گا' اعمال سامنے آ جائیں گے جو چھوڑ آئے' وہ دوسروں کا ہو جائے گا۔ جو آگے بھیج چکے' اسے سامنے پاؤ گے' نیکیوں کے محتاج ہو گے' بدیوں کی سزائیں بھگتو گے۔ اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو' اس کی باتیں سامنے آ جائیں' اس سے پہلے موت تم کو اچک لے جائے گی۔ اس سے پہلے جواب دہی کے لئے تیار ہو جاؤ' اتنا کہا تھا کہ رونے کے غلبہ نے آواز بلند کر دی۔ منہ پر چادر کا کونہ ڈال کر رونے لگے اور حاضرین کی بھی آہ وزاری شروع ہو گئی۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک بیمار شخص جسے کوئی جن ستا رہا تھا' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے اَفَحَسِبْتُمْ سے سورت کے ختم تک کی آیتیں اس کے کان میں تلاوت فرمائیں' وہ اچھا ہو گیا۔ جب نبی ﷺ سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا۔ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا تھا؟ آپ نے بتا دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا' تم نے یہ آیتیں اس کے کان میں پڑھ کر اسے جلا دیا (صحت مند کر دیا)۔ واللہ ان آیتوں کو اگر کوئی با ایمان اور با یقین شخص کسی پہاڑ پر پڑھے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے۔ ابو نعیم نے روایت کی ہے کہ ہمیں رسول کریم ﷺ نے ایک لشکر میں بھیجا اور حکم فرمایا کہ ہم صبح شام اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ پڑھتے رہیں۔ ہم نے برابر اس کی تلاوت دونوں وقت جاری رکھی۔ الحمد للہ ہم سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' میری امت کا ڈوبنے سے بچاؤ' کشتیوں میں سوار ہونے کے وقت یہ کہنا ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْحَقِّ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

ع ۶

جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں' پس اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے' بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں O تو دعا کرتا رہ کہ اے میرے رب تو بخش اور رحم کر اور تو سب مہربانوں سے بہتر مہربانی والا ہے O

دلائل کے ساتھ مشرک کا موحد ہونا: ☆☆ (آیت: ۱۱۷-۱۱۸) مشرکوں کو اللہ واحد ڈرا رہا ہے اور بیان فرما رہا ہے کہ ان کے پاس ان کے شرک کی کوئی دلیل نہیں- یہ جملہ معترضہ ہے اور جواب شرط فَاِنَّمَا والے جملے کے ضمن میں ہے یعنی اس کا حساب اللہ کے ہاں ہے- کافر اس کے پاس کامیاب نہیں ہو سکتے - وہ نجات سے محروم رہ جاتے ہیں- ایک شخص سے رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تو کس کس کو پوجتا ہے؟ اس نے کہا اللہ اور فلاں فلاں کو- آپ نے دریافت کیا کہ ان میں سے ایسا کسے جانتا ہے کہ تیری مصیبتوں میں تجھے کام آئے ؟ اس نے کہا' صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کو- آپ نے فرمایا' جب کام آنے والا وہی ہے تو پھر اس کے ساتھ ان دوسروں کی عبادت کی کیا ضرورت؟ کیا تیرا خیال ہے کہ وہ اکیلا تجھے کافی نہ ہوگا؟ اس نے کہا یہ تو نہیں کہہ سکتا البتہ ارادہ یہ ہے کہ اوروں کی عبادت کر کے اس کا پورا شکر بجا لا سکوں- آپ نے فرمایا- سبحان اللہ! علم کے ساتھ یہ بے علمی؟ جانتے ہو اور پھر انجان بنے جاتے ہو؟ اب کوئی جواب بن نہ پڑا- چنانچہ وہ مسلمان ہو جانے کے بعد کہا کرتے تھے' مجھے حضور ﷺ نے قائل کر دیا- یہ حدیث مرسل ہے- ترمذی میں مسنداً بھی مروی ہے- پھر ایک دعا تعلیم فرمائی گئی- غفر کے معنی جب وہ مطلق ہو تو گناہوں کو مٹا دینے اور انہیں لوگوں سے چھپا دینے کے آتے ہیں- اور رحمت کے معنی صحیح راہ پر قائم رکھنے اور اچھے اقوال و افعال کی توفیق دینے کے ہوتے ہیں-

الحمدللہ سورہ مومنون کی تفسیر ختم ہوئی-

تفسیر سورة النور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱﴾ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

اللہ رحمان و رحیم کے نام سے شروع O

یہ ہے وہ سورت جسے ہم نے نازل فرمایا ہے اور مقرر کر دی ہے اور جس میں ہم نے کھلے احکام اتارے ہیں تا کہ تم یاد رکھو O زنا کار عورت و مرد میں سے ہر ایک دسو

کوڑے لگاؤ۔ ان پر اللہ کی شریعت کی حد جاری کرتے ہوئے تمہیں ہرگز ترس نہ کھانا چاہئے اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہئے ○

مسئلہ رجم: ☆☆ (آیت: ۱-۲) اس بیان سے کہ ہم نے اس سورت کو نازل فرمایا ہے اس سورت کی بزرگی اور ضرورت کو ظاہر کرنا ہے۔ لیکن اس سے یہ مقصود نہیں کہ اور سورتیں ضروری اور بزرگی والی نہیں۔ فَرَضْنٰھَا کے معنی مجاہد و قتادہ رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بیان کئے ہیں کہ حلال و حرام امر و نہی اور حدود وغیرہ کا اس میں بیان ہے۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسے ہم نے تم پر اور تمہارے بعد والوں پر مقرر کر دیا ہے۔ اس میں صاف صاف کھلے کھلے روشن احکام بیان فرمائے ہیں تا کہ تم نصیحت و عبرت حاصل کرو احکام خدا کو یاد رکھو اور پھر ان پر عمل کرو۔ پھر زنا کاری کی شرعی سزا بیان فرمائی۔ زنا کار یا تو کنوارہ ہو گا یعنی کنوارا یا شادی شدہ ہو گا یعنی وہ جو حریت بلوغت اور عقل کی حالت میں نکاح شرعی کے ساتھ کسی عورت سے ملا ہو۔ پس کنوارا جس کا نکاح ابھی نہیں ہوا وہ اگر زنا کر بیٹھے تو اس کی حد وہی ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی یعنی سو کوڑے۔ اور جمہور علما کے نزدیک اسے ایک سال کی جلاوطنی بھی دی جائے گی۔ ہاں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ یہ جلاوطنی امام کی رائے پر ہے اگر وہ چاہے دے چاہے نہ دے۔ جمہور کی دلیل تو بخاری مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ دو اعرابی رسول خدا ﷺ کے پاس آئے ایک نے کہا یا رسول اللہ میرا بیٹا اس کے ہاں ملازم تھا وہ اس کی بیوی سے زنا کر بیٹھا میں نے اس کے فدیے میں ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دی۔ پھر میں نے علما سے دریافت کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے بیٹے پر شرعی سزا سو کوڑوں کی ہے اور ایک سال کی جلاوطنی اور اس کی بیوی پر رجم یعنی سنگ ساری ہے۔ آپ نے فرمایا سنو! میں تم میں اللہ کی کتاب کا صحیح فیصلہ کرتا ہوں۔ لونڈی اور بکریاں تو تجھے واپس دلوادی جائیں گی اور تیرے بچے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اے انیس تو اس کی بیوی کا بیان لے۔ یہ حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص تھے۔ اگر وہ اپنی سیاہ کاری کا اقرار کرے تو تو اسے سنگسار کر دینا۔ چنانچہ اس بیوی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اقرار کیا اور انہیں رجم کر دیا گیا رضی اللہ عنہا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کنوارے پر سو کوڑوں کے ساتھ ہی سال بھر تک کی جلاوطنی بھی ہے اور اگر شادی شدہ ہے تو وہ تو رجم کر دیا جائے گا۔ چنانچہ موطا مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی۔ اس کتاب اللہ میں رجم کرنے کے حکم کی آیت بھی تھی جسے ہم نے تلاوت کی یاد کیا اس پر عمل بھی کیا۔ خود حضور ﷺ کے زمانے میں بھی رجم ہوا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خدا کے اس فریضے کو جسے اللہ نے اپنی کتاب میں اتارا چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں۔ کتاب اللہ میں رجم کا حکم مطلق حق ہے اس پر جو زنا کرے اور شادی شدہ ہو خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو۔ جب کہ اس کے زنا پر شرعی دلیل ہو یا حمل ہو یا اقرار ہو۔ یہ حدیث صحیحین میں اس سے ہی مطول ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ رجم یعنی سنگساری کا مسئلہ ہم قرآن میں نہیں پاتے قرآن میں صرف کوڑے مارنے کا حکم ہے۔ یاد رکھو خود رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے قرآن میں جو نہ تھا عمر نے لکھ دیا تو میں آیت رجم کو اسی طرح لکھ دیتا جس طرح نازل ہوئی تھی۔ یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے اپنے خطبے میں رجم کا ذکر کیا اور فرمایا رجم ضروری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد ہے خود حضور ﷺ نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ اگر لوگوں کے اس کہنے کا کھٹکا نہ ہوتا کہ عمر نے کتاب اللہ میں زیادتی کی جو اس میں نہ تھی تو میں کتاب اللہ کے ایک طرف آیت رجم لکھ دیتا۔ عمر بن خطاب عبداللہ بن عوف اور فلاں اور فلاں کی شہادت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رجم

کیا اور ہم نے بھی رجم کیا۔ یاد رکھو تمہارے بعد ایسے لوگ آنے والے ہیں جو رجم کو اور شفاعت کو اور عذاب قبر کو جھٹلائیں گے اور اس بات کو بھی کہ کچھ لوگ جہنم سے اس کے بعد نکالے جائیں گے کہ وہ کوئلے ہو گئے ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رجم کے حکم کے انکار کرنے کی ہلاکت سے بچنا۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ بھی اسے لائے ہیں اور اسے صحیح کہا ہے۔

ابو یعلی موصلی میں ہے کہ لوگ مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ آپ نے فرمایا ہم قرآن میں پڑھتے تھے کہ شادی شدہ مرد یا عورت جب زنا کاری کریں تو انہیں ضرور رجم کر دو۔ مروان نے کہا پھر تم نے اس آیت کو قرآن میں کیوں نہ لکھا؟ فرمایا سنو! ہم میں جب اس کا ذکر چلا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں تمہاری تشفی کر دیتا ہوں۔ ایک شخص نبی اللہ ﷺ کے پاس آیا اس نے آپ سے ہی ذکر کیا اور رجم کا بیان کیا۔ کسی نے کہا یا رسول ﷺ اللہ آپ رجم کی آیت لکھ لیجئے۔ آپ نے فرمایا اب تو میں اسے لکھ نہیں سکتا یا اسی کے مثل۔ یہ روایت نسائی میں بھی ہے پس ان سب احادیث سے ثابت ہوا کہ رجم کی آیت پہلے لکھی ہوئی تھی پھر تلاوت میں منسوخ ہو گئی اور حکم باقی رہا واللہ اعلم۔ خود آنحضرت ﷺ نے اس شخص کی بیوی کے رجم کا حکم دیا جس نے اپنے ملازم سے بدکاری کرائی تھی۔ اسی طرح حضور ﷺ نے ماعز رضی اللہ عنہ کو اور ایک غامدیہ عورت کو رجم کرایا۔ ان سب واقعات میں یہ مذکور نہیں کہ رجم کے پہلے آپ نے انہیں کوڑے بھی لگوائے ہوں۔ بلکہ ان سب صحیح اور صاف احادیث میں صرف رجم کا ذکر ہے کسی میں بھی کوڑوں کا بیان نہیں۔ اسی لئے جمہور علماء اسلام کا یہی مذہب ہے۔ ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ' مالک رحمتہ اللہ علیہ' شافعی رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں پہلے اسے کوڑے مارنے چاہئیں۔ پھر رجم کرنا چاہئے تاکہ قرآن و حدیث دونوں پر عمل ہو جائے جیسے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب آپ کے پاس سراجہ لائی گئی جو شادی شدہ عورت تھی اور زنا کاری میں آئی تھی تو آپ نے جمعرات کے دن تو اسے کوڑے لگوائے اور جمعہ کے دن سنگسار کرا دیا اور فرمایا کہ کتاب اللہ پر عمل کر کے میں نے کوڑے پٹوائے اور سنت رسول اللہؐ پر عمل کر کے سنگسار کرایا۔ مسند احمد' سنن اربعہ اور مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری بات لے لو' میری بات لے لو' اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ نکال دیا۔ کنوارا کنواری کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے اور سال بھر کی جلاوطنی اور شادی شدہ شادی شدہ کے ساتھ کرے تو رجم۔

پھر فرمایا خدا کے حکم کے ماتحت اس حد کے جاری کرنے میں تمہیں ان پر ترس اور رحم نہ کھانا چاہئے۔ دل کا رحم اور چیز ہے اور وہ تو ضرور ہو گا لیکن حد کے جاری کرنے میں امام کا سزا میں کمی کرنا اور سستی کرنا بری چیز ہے۔ جب امام یعنی سلطان کے پاس کوئی ایسا واقعہ جس میں حد ہو پہنچ جائے تو اسے چاہئے کہ حد جاری کرے اور اسے نہ چھوڑے۔ حدیث میں ہے آپس میں حدود سے درگزر کرو' جو بات مجھ تک پہنچی اور اس میں حد ہو تو وہ تو واجب اور ضروری ہو گئی۔ اور حدیث میں ہے کہ حد کا زمین میں قائم ہونا زمین والوں کے لئے چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔ یہ بھی قول ہے کہ ترس کھا کر مار کو نرم نہ کر دو بلکہ درمیانہ طور پر کوڑے لگاؤ' یہ بھی نہ ہو کہ ہڈی توڑ دو۔ تہمت لگانے والے کی حد کے جاری کرنے کے وقت اس کے جسم پر کپڑے ہونے چاہئیں۔ ہاں زانی پر حد کے جاری کرنے کے وقت کپڑے نہ ہوں۔ یہ قول حضرت حماد بن ابو سلیمان رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ اسے بیان فرما کر آپ نے یہی جملہ وَلَا تَأْخُذْكُمْ الخ' پڑھا تو حضرت سعید بن ابی عروبہ نے پوچھا یہ حکم میں ہے۔ کہا ہاں حکم میں ہے اور کوڑوں میں یعنی حد کے قائم کرنے میں اور سخت چوٹ مارنے میں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لونڈی نے جب زنا کیا تو آپ نے اس کے پیروں پر اور کمر پر کوڑے مارے تو حضرت نافع نے اسی آیت کا یہ جملہ تلاوت کیا کہ اللہ کی حد کے جاری کرنے میں تمہیں ترس نہ آنا چاہئے تو آپ نے فرمایا کیا تیرے نزدیک میں نے اس پر کوئی ترس کھایا ہے؟ سنو اللہ نے اس کے مار ڈالنے کا حکم نہیں دیا' نہ یہ فرمایا ہے کہ اس کے سر پر کوڑے مارے جائیں۔ میں نے اسے طاقت سے کوڑے لگائے ہیں اور پوری سزا دی ہے۔

پھر فرمایا اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہے تو تمہیں اس حکم کی بجا آوری کرنی چاہیے اور زانیوں پر حدیں قائم کرنے میں پہلو تہی نہ کرنی چاہئے۔ اور انہیں ضرب بھی شدید مارنی چاہئے لیکن ہڈی توڑنے والی نہیں۔ تاکہ وہ اپنے اس گناہ سے باز رہیں اور ان کی یہ سزا دوسروں کے لئے بھی عبرت بنے۔ رحم بری چیز نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ میں بکری کو ذبح کرتا ہوں لیکن میرا دل دکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس رحم پر بھی تجھے اجر ملے گا۔ پھر فرماتا ہے ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا مجمع ہونا چاہئے تاکہ سب کے دل میں ڈر بیٹھ جائے اور زانی کی رسوائی بھی ہو تاکہ اور لوگ اس سے رک جائیں۔ اسے علانیہ سزا دی جائے‘ مخفی طور پر مار پیٹ کر نہ چھوڑا جائے۔ ایک شخص اور اس سے زیادہ بھی ہو جائیں تو جماعت ہو گئی اور آیت پر عمل ہو گیا۔ اسی کو لے کر امام محمد کا مذہب ہے کہ ایک شخص بھی طائفہ ہے۔ عطار رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دو ہونے چاہئیں۔ سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں چار ہوں۔ زہری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں تین یا تین سے زیادہ۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں چار اور اس سے زیادہ کیونکہ زنا میں چار سے کم گواہ نہیں ہیں چار ہوں یا اس سے زیادہ۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ربیعہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں پانچ ہوں۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک دس۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک جماعت ہو۔ تاکہ نصیحت‘ عبرت اور سزا ہو۔ نصر بن علقمہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس جماعت کی موجودگی کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ ان لوگوں کے لئے جن پر حد جاری کی جا رہی ہے دعاء مغفرت و رحمت کریں۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ٘ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ۝۳

زانی مرد بجز زانیہ یا مشرکہ عورت کے اور سے زنا کاری نہیں کر سکتا اور زنا کار عورت بھی بجز زانی یا مشرک مرد کے اور سے بدکاری نہیں کرتی‘ ایمان والوں پر یہ حرام کر دیا گیا ○

زانی اور زانیہ اور اخلاقی مجرم: ☆☆ (آیت:۳) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ زانی سے زنا کاری پر رضامند وہی عورت ہوتی ہے جو بدکار ہو یا مشرکہ ہو۔ کہ وہ اس برے کام کو عیب ہی نہیں سمجھتی۔ ایسی بدکار عورت سے وہی مرد ملتا ہے جو اسی جیسا بدچلن ہو یا مشرک ہو جو اس کی حرمت کا قائل ہی نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہ سند صحیح مروی ہے کہ یہاں نکاح سے مراد جماع ہے یعنی زانیہ عورت سے زنا کار یا مشرک مرد ہی زنا کرتا ہے۔ یہی قول مجاہد‘ عکرمہ‘ سعید بن جبیر‘ عروہ بن زبیر‘ ضحاک‘ مکحول‘ مقاتل بن حیان اور بہت سے بزرگ مفسرین رحمہم اللہ عنہم سے مروی ہے۔ مومنوں پر یہ حرام ہے یعنی زنا کاری کرنا اور زانیہ عورتوں سے نکاح کرنا یا عفیفہ اور پاک دامن عورتوں کو ایسے زانیوں کے نکاح میں دینا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بدکار عورتوں سے نکاح کرنا مسلمانوں پر حرام ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ یعنی مسلمانوں کو جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہئے ان میں یہ تینوں اوصاف ہونے چاہئیں وہ پاک دامن ہوں۔ وہ بدکار نہ ہوں۔ نہ چوری چھپے برے لوگوں سے میل ملاپ کرنے والی ہوں۔ یہی تینوں وصف مردوں میں بھی ہونے کا بیان کیا گیا ہے۔ اسی لئے امام احمد رحمتہ اللہ کا فرمان ہے کہ نیک اور پاک دامن مسلمان کا نکاح بدکار عورت سے صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لے ہاں بعد از توبہ عقد نکاح درست ہے۔ اسی طرح بھولی بھالی پاک دامن‘ عفیفہ عورتوں کا نکاح زانی اور بدکار لوگوں سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔ جب تک وہ سچے دل سے اپنے اس ناپاک فعل سے توبہ نہ کر لے۔ کیونکہ فرمان خداوندی ہے کہ یہ مومنوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔ ایک شخص نے ام مہزول نامی ایک بدکار عورت سے نکاح کر لینے کی اجازت آنحضرت ﷺ سے طلب کی تو آپ نے یہی آیت پڑھ

سنائی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کی طلب اجازت پر یہ آیت اتری۔

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک صحابی جن کا نام مرثد بن ابومرثد تھا یہ مکہ سے مسلمان قیدیوں کو اٹھا لایا کرتے تھے اور مدینے پہنچا دیا کرتے تھے۔ عناق نامی ایک بدکار عورت مکے میں رہا کرتی تھی۔ جاہلیت کے زمانے میں ان کا اس عورت سے تعلق تھا۔ حضرت مرثد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں ایک قیدی کو لانے کے لئے مکہ شریف گیا۔ میں ایک باغ کی دیوار کے نیچے پہنچا۔ رات کا وقت تھا' چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ اتفاق سے عناق آ پہنچی اور مجھے دیکھ لیا بلکہ پہچان بھی لیا اور آواز دے کر کہا کیا مرثد ہے؟ میں نے کہا ہاں مرثد ہوں۔ اس نے بڑی خوشی ظاہر کی اور مجھ سے کہنے لگی چل رات میرے ہاں گزارنا۔ میں نے کہا عناق اللہ تعالیٰ نے زناکاری حرام کردی ہے۔ جب وہ مایوس ہو گئی تو اس نے مجھے پکڑوانے کے لئے غل مچانا شروع کیا کہ اے خیمے والو ہوشیار ہو جاؤ دیکھو چور آ گیا ہے۔ یہی ہے جو تمہارے قیدیوں کو چرا کر لے جایا کرتا ہے۔ لوگ جاگ اٹھے اور آٹھ آدمی میرے پکڑنے کو میرے پیچھے دوڑے۔ میں مٹھیاں بند کر کے خندق کے راستے بھاگا اور ایک غار میں جا چھپا۔ یہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی پیچھے غار پر آ پہنچے لیکن میں انہیں نہ ملا۔ یہ وہیں پیشاب کرنے کو بیٹھے واللہ ان کا پیشاب میرے سر پر آ رہا تھا۔ لیکن اللہ نے انہیں اندھا کر دیا۔ ان کی نگاہیں مجھ پر نہ پڑیں۔ ادھر ادھر دیکھ بھال کر واپس چلے گئے۔ میں نے کچھ دیر گزار کر جب یہ یقین کر لیا کہ وہ پھر سو گئے ہوں گے تو یہاں سے نکلا پھر مکے کی راہ لی اور وہیں پہنچ کر اس مسلمان قیدی کو اپنی کمر پر چڑھایا اور وہاں سے لے بھاگا۔ چونکہ وہ بھاری بدن کے تھے۔ میں جب اذخر میں پہنچا تو تھک گیا' میں نے انہیں کمر سے اتارا' ان کے بندھن کھول دیئے اور آزاد کر دیا۔ اب اٹھاتا چلاتا مدینے پہنچ گیا۔ چونکہ عناق کی محبت میرے دل میں تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ میں اس سے نکاح کر لوں۔ آپ خاموش ہو رہے۔ میں نے دوبارہ یہی سوال کیا پھر بھی آپ خاموش رہے اور یہ آیت اتری۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اے مرثد زانیہ سے نکاح زانی یا مشرک ہی کرتا ہے تو اس سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دے۔ امام ابوداؤد اور نسائی بھی اسے اپنی سنن کی کتاب النکاح میں لائے ہیں۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے زانی جس پر کوڑے لگ چکے ہوں وہ اپنے جیسے سے ہی نکاح کر سکتا ہے۔

مسند امام احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جو جنت میں نہ جائیں گے اور جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں (۳) اور دیوث۔ اور تین قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) ہمیشہ کا نشے کا عادی (۳) اور راہ خدا دے کر احسان جتانے والا۔ مسند میں ہے آپ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے (۱) ہمیشہ کا شرابی۔ (۲) ماں باپ کا نافرمان۔ (۳) اور اپنے گھر والوں میں خباثت کو برقرار رکھنے والا۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے جنت میں کوئی دیوث نہیں جائے گا۔ ابن ماجہ میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے پاک صاف ہو کر ملنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ پاک دامن عورتوں سے نکاح کرے جو لونڈیاں نہ ہوں۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ دیوث کہتے ہیں بے غیرت شخص کو۔ نسائی میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے اپنی بیوی سے بہت ہی محبت ہے لیکن اس میں یہ عادت ہے کہ کسی ہاتھ کو واپس نہیں لوٹاتی۔ آپ نے فرمایا طلاق دے دے اس نے کہا مجھے تو صبر نہیں آنے کا۔ آپ نے فرمایا پھر جا اس سے فائدہ اٹھا۔ لیکن یہ حدیث ثابت نہیں اس کا راوی عبدالکریم قوی نہیں۔ دوسرا راوی اس کا ہارون ہے جو اس سے قوی ہے مگر ان کی روایت مرسل ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ یہی روایت مسند میں مروی ہے لیکن امام نسائی رحمتہ اللہ علیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ مسند کرنا خطا ہے اور صواب یہی ہے کہ یہ مرسل ہے۔ یہ حدیث کی اور کتابوں میں اور سندوں سے بھی مروی ہے۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ تو اسے منکر کہتے ہیں۔ امام ابن قتیبہ رحمتہ اللہ علیہ اس کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ جو کہا ہے کہ وہ کسی چھونے والے کے ہاتھ کو لوٹاتی نہیں اس سے مراد بے حد سخاوت ہے کہ وہ کسی سائل سے انکار ہی نہیں کرتی۔ لیکن اگر یہی مطلب ہوتا تو حدیث میں بجائے لَامِسٍ کے لفظ کے مُلْتَمِسٍ کا لفظ ہونا چاہئے تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی خصلت ایسی معلوم ہوتی تھی نہ یہ کہ وہ برائی کرتی تھی کیونکہ اگر یہی عیب اس میں ہوتا تو پھر آنحضرت ﷺ اس صحابی رضی اللہ عنہ کو اس کے رکھنے کی اجازت نہ دیتے کیونکہ یہ تو دیوثی ہے۔ جس پر سخت وعید آئی ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ خاوند کو اس کی عادت ایسی لگی ہو اور اس کا اندیشہ ظاہر کیا ہو تو آپ نے مشورہ دیا کہ پھر طلاق دے دو لیکن جب اس نے کہا کہ مجھے اس سے بہت ہی محبت ہے تو آپ نے بسانے کی اجازت دے دی کیونکہ محبت تو موجود ہے۔ اسے ایک خطرے کے صرف وہم پر توڑ دینا ممکن ہے کوئی برائی پیدا کر دے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ الغرض زانیہ عورتوں سے پاک دامن مسلمانوں کو نکاح منع ہے ہاں جب وہ توبہ کر لیں تو نکاح حلال ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ایک ایسی ہی واہی عورت سے میرا برا تعلق تھا۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں توبہ کی توفیق دی تو میں چاہتا ہوں کہ اس سے نکاح کر لوں لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ زانی ہی زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں اس آیت کا یہ مطلب نہیں تم اس سے اب نکاح کر سکتے ہو جاؤ اگر کوئی گناہ ہو تو میرے ذمے۔ حضرت یحییٰ سے جب یہ ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہے اس کے بعد کی آیت وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ سے۔ امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٥﴾

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو' یہ فاسق لوگ ہیں ○ ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں' تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے ○

تہمت لگانے والے مجرم: ☆☆ (آیت: ۴-۵) جو لوگ کسی عورت پر یا کسی مرد پر زنا کاری کی تہمت لگائیں اور ثبوت نہ دے سکیں۔ تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں گے ہاں اگر شہادت پیش کر دیں تو حد سے بچ جائیں گے اور جن پر جرم ثابت ہوا ہے ان پر حد جاری کی جائے گی۔ اگر شہادت نہ پیش کر سکے تو اسی کوڑے بھی لگیں گے اور آئندہ کے لئے ہمیشہ ان کی شہادت غیر مقبول رہے گی اور وہ عادل نہیں بلکہ فاسق سمجھے جائیں گے۔ اس آیت میں جن لوگوں کو مخصوص اور مستثنیٰ کر دیا ہے تو بعض تو کہتے ہیں کہ یہ استثنا صرف فاسق ہونے سے ہے یعنی بعد از توبہ وہ فاسق نہیں رہیں گے۔ بعض کہتے ہیں نہ فاسق رہیں گے نہ مردود الشہادۃ بلکہ پھر ان کی شہادت بھی لی جائے گی۔ ہاں حد جو ہے وہ توبہ سے کسی طرح ہٹ نہیں سکتی۔ امام مالک احمد اور شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب تو یہ ہے کہ توبہ سے شہادت کا مردود ہونا اور فسق ہٹ جائے گا۔ سید التابعین حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ اور سلف کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے لیکن امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف فسق دور ہو جائے گا لیکن شہادت قبول نہیں ہو سکتی۔ بعض اور لوگ بھی یہی کہتے ہیں۔ شعبی اور ضحاک کہتے ہیں کہ اگر اس نے اس

بات کا اقرار کر لیا کہ اس نے بہتان باندھا تھا اور پھر توبہ بھی پوری کی تو اس کی شہادت اس کے بعد مقبول ہے واللہ اعلم۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۞

جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ بجز خود ان کی اپنی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ وہ سچوں میں سے ہیں ○ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ○ اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا خاوند جھوٹ بولنے والوں میں ہے ○ اور پانچویں دفعہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند سچوں میں ہو ○ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا اور اللہ توبہ کا قبول کرنے والا باحکمت ہے ○

لعان سے مراد: ☆☆ (آیت: ۶-۱۰) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ رب العالمین نے ان خاوندوں کے لئے جو اپنی بیویوں کی نسبت ایسی بات کہہ دیں چھٹکارے کی صورت بیان فرمائی ہے کہ جب وہ گواہ پیش نہ کر سکیں تو لعان کر لیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ امام کے سامنے آ کر وہ اپنا بیان دے جب شہادت نہ پیش کر سکے تو حاکم اسے چار گواہوں کے قائم مقام چار قسمیں دے گا اور یہ قسم کھا کر کہے گا کہ وہ سچا ہے جو بات کہتا ہے وہ حق ہے۔ پانچویں دفعہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت۔ اتنا کہتے ہی امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک اس کی عورت اس سے بائن ہو جائے گی اور ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔ یہ مہر ادا کر دے گا اور اس عورت پر زنا ثابت ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ عورت بھی سامنے ملاعنہ کرے تو حد اس پر سے ہٹ جائے گی یہ بھی چار مرتبہ حلفیہ بیان دے گی کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گی کہ اگر وہ سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اس نکتہ کو بھی خیال میں رکھیئے کہ عورت کے لئے غضب کا لفظ کہا گیا اس لئے کہ عموماً کوئی مرد نہیں چاہتا کہ وہ اپنی بیوی کو خواہ مخواہ تہمت لگائے اور اپنے تئیں بلکہ اپنے کنبے کو بھی بدنام کرے عموماً وہ سچا ہی ہوتا ہے اور اپنے صدق کی بنا پر ہی وہ معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی لئے پانچویں مرتبہ میں اس سے یہ کہلوایا گیا کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر خدا کا غضب آئے۔ پھر غضب والے وہ ہوتے ہیں جو حق کو جان کر پھر اس سے روگردانی کریں۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو ایسی آسانیاں تم پر نہ ہوتیں بلکہ تم پر مشقت اترتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمایا کرتا ہے گو کیسے ہی گناہ ہوں اور گو کسی وقت بھی توبہ ہو۔ وہ حکیم ہے اپنی شرع میں اپنے حکموں میں اپنی ممانعت میں۔ اس آیت کے بارے میں جو روایتیں ہیں وہ بھی سن لیجئے۔ مسند احمد میں ہے جب یہ آیت اتری تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصار کے سردار ہیں کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ آیت اسی طرح اتاری گئی ہے؟ آپ نے فرمایا انصار یو سنتے نہیں ہو؟ یہ تمہارے سردار کیا کہہ رہے ہیں؟

انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ درگزر فرمائیے یہ صرف ان کی بڑھی چڑھی غیرت کا باعث ہے اور کچھ نہیں۔ ان کی غیرت کا یہ حال ہے کہ انہیں کوئی بیٹی دینے کی جرات نہیں کرتا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ یہ تو میرا ایمان ہے کہ یہ حق ہے لیکن اگر میں کسی کو اس کے پاؤں پکڑے ہوئے دیکھ لوں تو بھی میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتا یہاں تک کہ میں چار گواہ لاؤں تب تک تو وہ اپنا کام پورا کر لے گا۔ اس بات کو ذرا سی ہی دیر ہوئی ہوگی کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے یہ ان تین شخصوں میں سے ایک ہیں جن کی توبہ قبول ہوئی تھی اپنے کھیتوں سے رات کو گو واپس آئے اور دیکھا کہ ان کی بیوی کے پاس ایک غیر مرد ہے خود آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں۔ صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ سے یہ ذکر کیا آپ کو بہت برا معلوم ہوا اور طبیعت پر نہایت ہی شاق گزرا۔

سب انصار جمع ہو گئے اور کہنے لگے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی وجہ سے ہم اس آفت میں مبتلا کئے گئے مگر اس صورت میں کہ رسول اللہ ﷺ ہلال بن امیہ کو تہمت کی حد لگائیں اور اس کی شہادت کو مردود ٹھہرائیں۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے واللہ میں سچا ہوں اور مجھے خدائے تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا چھٹکارا کر دے گا۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں دیکھتا ہوں کہ میرا کلام آپ کی طبیعت پر بہت گراں گزرا۔ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے خدا کی قسم ہے میں سچا ہوں' اللہ خوب جانتا ہے۔ لیکن چونکہ گواہ پیش نہیں کر سکتے تھے قریب تھا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں حد مارنے کو فرماتے اتنے میں وحی اترنا شروع ہوئی۔ صحابہ آپ کے چہرے کو دیکھ کر علامت سے پہچان گئے کہ اس وقت وحی نازل ہو رہی ہے۔ جب اتر چکی تو آپ نے حضرت ھلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا اے ھلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ! خوش ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کشادگی اور چھٹی نازل فرما دی۔ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے الحمد للہ مجھے خدائے رحیم کی ذات سے یہی امید تھی۔ پھر آپ نے حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کو بلوایا اور ان دونوں کے سامنے آیت ملاعنہ پڑھ کر سنائی اور فرمایا دیکھو آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے سخت ہے۔ ہلال فرمانے لگے یا رسول اللہ میں بالکل سچا ہوں۔ اس عورت نے کہا حضور ﷺ یہ جھوٹ کہہ رہا ہے آپ نے حکم دیا کہ اچھا لعان کرو۔ تو ہلال کو کہا گیا کہ اس طرح چار قسمیں کھاؤ اور پانچویں دفعہ یوں کہو حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب چار بار کہہ چکے اور پانچویں بار کی نوبت آئی تو آپ سے کہا گیا کہ ھلال! اللہ سے ڈر جا۔ دنیا کی سزا آخرت کے عذابوں سے بہت ہلکی ہے' یہ پانچویں بار تیری زبان سے نکلتے ہی تجھ پر عذاب واجب ہو جائے گا۔ تو آپ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ قسم خدا کی جس طرح اللہ نے مجھے دنیا کی سزا سے میری صداقت کی وجہ سے بچایا اسی طرح آخرت کے عذاب سے بھی میری سچائی کی وجہ سے میرا رب مجھے محفوظ رکھے گا۔ پھر پانچویں دفعہ کے الفاظ بھی زبان سے ادا کر دیئے۔

اب اس عورت سے کہا گیا کہ تو چار دفعہ قسمیں کھا کہ یہ جھوٹا ہے جب وہ چاروں قسمیں کھا چکی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے پانچویں دفعہ کے اس کلمہ کے کہنے سے روکا اور جس طرح حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سمجھایا گیا تھا اس سے بھی فرمایا تو اسے کچھ خیال پیدا ہوا گیا۔ رکی جھجکی زبان کو سنبھالا قریب تھا کہ اپنے قصور کا اقرار کر لے لیکن پھر کہنے لگی میں ہمیشہ کے لئے اپنی قوم کو رسوا نہیں کرنے کی۔ پھر کہہ دیا کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر خدا کا غضب نازل ہو۔ پس آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں جدائی کرا دی اور حکم دے دیا کہ اسے جو اولاد ہو وہ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب نہ کی جائے۔ نہ اسے حرام کی اولاد کہا جائے۔ جو اس بچے کو حرامی کہے یا اس عورت پر تہمت رکھے وہ حد لگایا جائے گا۔ یہ بھی فیصلہ دیا کہ اس کا کوئی نان نفقہ اس کے خاوند پر نہیں کیونکہ جدائی کر دی گئی ہے۔ نہ طلاق ہوئی ہے نہ خاوند کا انتقال ہوا ہے اور فرمایا دیکھو اگر یہ بچہ سرخ سفید رنگ موٹی پنڈلیوں والا پیدا ہو تو اسے ہلال کا سمجھنا اور اگر وہ پتلی پنڈلیوں والا سیاہی مائل رنگ کا پیدا ہو تو اس شخص کا سمجھنا جس کے ساتھ اس پر الزام قائم کیا گیا ہے۔ جب بچہ ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ اس بری صفت پر تھا جو الزام کے

حقانیت کی نشانی تھی- اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ مسئلہ قسموں پر طے شدہ نہ ہوتا تو میں اس عورت کو قطعاً حد لگاتا- یہ صاحبزادے بڑے ہوکر مصر کے والی بنے تھے اور ان کی نسبت ان کی ماں کی طرف تھی- (ابوداؤد)

اس حدیث کے اور بھی بہت سے شاہد ہیں- بخاری شریف میں بھی یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ شریک بن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی گئی تھی- اور حضور ﷺ کے سامنے جب حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تھا گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگے گی- حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یارسول ﷺ اللہ ایک شخص اپنی بیوی کو برے کام پر دیکھ کر گواہ ڈھونڈھنے جائے؟ لیکن آنحضرت ﷺ یہی فرماتے رہے- اس میں یہ بھی ہے کہ دونوں کے سامنے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے- کیا تم میں سے کوئی توبہ کر کے اپنے جھوٹ سے ہٹتا ہے؟ اور روایت میں ہے کہ پانچویں دفعہ آپ نے کسی سے کہا کہ اس کا منہ بند کردو پھر اسے نصیحت کی- اور فرمایا خدا کی لعنت سے ہر چیز ہلکی ہے- اسی طرح اس عورت کے ساتھ کیا گیا-

سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لعان کرنے والے مرد وعورت کی نسبت مجھ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ان میں جدائی کرادی جائے؟ یہ واقعہ ہے حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت کا- مجھ سے تو اس کا جواب کچھ نہ بن پڑا تو میں اپنے مکان سے چل کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منزل پر آیا- اور ان سے یہی مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ سب سے پہلے یہ بات فلاں بن فلاں نے دریافت کی تھی کہ یارسول اللہ ﷺ کوئی شخص اپنی عورت کو کسی برے کام پر پائے تو اگر زبان سے نکالے تو بھی بڑی بے شرمی کی بات ہے اور اگر خاموش رہے تو بھی بڑی بے غیرتی کی خاموشی ہے- آپ سن کر خاموش ہو رہے- پھر وہ آیا اور کہنے لگا حضور ﷺ میں نے جو سوال جناب سے کیا تھا افسوس وہی واقعہ میرے ہاں پیش آیا- پس اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی یہ آیتیں نازل فرمائیں- آپ نے دونوں کو پاس بلا کر ایک ایک کو الگ الگ نصیحت کی- بہت کچھ سمجھایا لیکن ہر ایک نے اپنا سچا ہونا ظاہر کیا پھر دونوں نے آیت کے مطابق قسمیں کھائیں اور آپ نے ان میں جدائی کرادی- ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ کا ایک مجمع شام کے وقت جمعہ کے دن مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انصاری نے کہا جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو پائے تو اگر وہ اسے مارڈالے تو تم اسے مارڈالو گے اور اگر زبان سے نکالے تو تم شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے اسی کو کوڑے لگاؤ گے اور اگر یہ اندھیر دیکھ کر خاموش ہو کر بیٹھ رہے تو یہ بڑی بے غیرتی اور بڑی بے حیائی ہے- واللہ اگر میں صبح تک زندہ رہا تو آنحضرت ﷺ سے اس کی بابت دریافت کروں گا- چنانچہ اس نے انہی لفظوں میں حضور ﷺ سے پوچھا اور دعا کی کہ یا اللہ اس کا فیصلہ نازل فرما- پس آیت لعان اتری اور سب سے پہلے یہی شخص اس میں مبتلا ہوا- اور روایت میں ہے کہ حضرت عویمر نے حضرت عاصم بن عدی سے کہا کہ ذرا جاکر رسول اللہ ﷺ سے دریافت تو کرو کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو پائے تو کیا کرے؟ ایسا تو نہیں کہ وہ قتل کرے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا؟ چنانچہ عاصم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ اس سوال سے بہت ناراض ہوئے- جب عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصم سے ملے تو پوچھا کہو تم نے حضور ﷺ سے دریافت کیا؟ اور آپ نے کیا جواب دیا؟ عاصم نے کہا تم نے مجھ سے کوئی اچھی خدمت نہیں لی افسوس میرے اس سوال پر رسول اللہ ﷺ نے عیب پکڑا اور برا مانا- عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اچھا میں خود جاکر آپ سے دریافت کرتا ہوں- یہاں آئے تو حکم نازل ہو چکا تھا چنانچہ لعان کے بعد عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اب اگر میں اسے اپنے گھر لے جاؤں تو گویا میں نے اس پر جھوٹ تہمت باندھی تھی- پس آپ کے حکم سے پہلے ہی اس عورت کو جدا کردیا- پھر سے لعان کرنے والوں کا یہی طریقہ مقرر ہوگیا-

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ عورت حاملہ تھی اور ان کے خاوند نے اس سے انکار کیا کہ یہ حمل ان سے ہوا- اس لئے یہ بچہ اپنی ماں کی

طرف منسوب ہوتا رہا پھر مسنون طریقہ یوں جاری ہوا کہ یہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور ماں اس کی وارث ہوگی- ایک مرسل اور غریب حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اگر تمہارے ہاں ایسی واردات ہو تو کیا کرو گے؟ دونوں نے کہا گردن اڑا دیں گے' ایسے وقت چشم پوشی وہی کر سکتے ہیں جو دیوث ہوں- اس پر یہ آیتیں اتریں- ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلا لعان مسلمانوں میں ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان ہوا تھا-

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾

جو لوگ یہ بہت بڑا طوفان باندھ لائے ہیں یہ بھی تم میں سے ہی ایک گروہ ہے' تم اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو' بلکہ یہ تو تمہارے حق میں بہتر ہے' ہاں ان میں سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا اس نے آپ کمایا ہے' اور ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کا سرانجام دیا ہے اس کے لئے عذاب بھی بہت ہی بڑا ہے ○

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی پاکیزگی کی شہادت: ☆☆ (آیت: ۱۱) اس آیت سے لے کر دسویں آیت تک ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جب کہ منافقین نے آپ پر بہتان باندھا تھا جس پر خدا کو بہ سبب قرابت داری رسول ﷺ غیرت آئی اور یہ آیتیں نازل فرمائیں تا کہ رسول اللہ ﷺ کی آبرو پر حرف نہ آئے- ان بہتان بازوں کی ایک پارٹی تھی- اس لعنتی کام میں سب سے پیش پیش عبداللہ بن ابی بن سلول تھا جو تمام منافقوں کا گرو گھنٹال تھا- اس بے ایمان نے ایک ایک کان میں بنا بنا کر اور مصالحہ چڑھا چڑھا کر یہ باتیں خوب گھڑ گھڑ کر پہنچائی تھیں- یہاں تک کہ بعض مسلمانوں کی زبان بھی کھلنے لگی تھی اور یہ چہ میگوئیاں قریب قریب مہینے بھر تک چلتی رہیں- یہاں تک کہ قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اس واقعے کا پورا بیان صحیح احادیث میں موجود ہے- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ سفر میں جانے کے وقت آپ اپنی بیویوں کے نام کا قرعہ ڈالتے اور جس کا نام نکلتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے- چنانچہ ایک غزوے کے موقعہ پر میرا نام نکلا- میں آپ کے ساتھ چلی' یہ واقعہ پردے کی آیتیں اترنے کے بعد کا ہے- میں اپنے ہودج میں بیٹھی رہتی اور جب قافلہ کہیں اترتا تو میرا ہودج اتار لیا جاتا- میں اسی میں بیٹھی رہتی جب قافلہ چلتا یونہی ہودج رکھ دیا جاتا- ہم گئے آنحضرت ﷺ غزوے سے فارغ ہوئے' واپس لوٹے' مدینے کے قریب آ گئے رات کو چلنے کی آواز لگائی گئی' میں قضاء حاجت کے لئے نکلی اور لشکر کے پڑاؤ سے دور جا کر میں نے قضاء حاجت کی- پھر واپس لوٹی' لشکر گاہ کے قریب آ کر میں نے اپنے گلے کو ٹٹولا تو ہار نہ پایا- میں واپس اس کے ڈھونڈنے کے لئے چلی اور تلاش کرتی رہی- یہاں یہ ہوا کہ لشکر نے کوچ کر دیا جو لوگ میرا ہودج اٹھاتے تھے انہوں نے یہ سمجھ کر کہ میں حسب عادت اندر ہی ہوں- ہودج اٹھا کر اوپر رکھ دیا اور چل پڑے- یہ بھی یاد رہے کہ اس وقت تک عورتیں نہ کچھ ایسا کھاتی پیتی تھیں نہ وہ بھاری بدن کی بوجھل تھیں- تو میرے ہودج کے اٹھانے والوں کو میرے ہونے نہ ہونے کا مطلق پتہ نہ چلا- اور میں اس وقت اوائل عمر کی تو تھی ہی-

الغرض بہت دیر کے بعد مجھے میرا ہار ملا جب میں یہاں پہنچی تو کسی آدمی کا نام ونشان بھی نہ تھا نہ کوئی پکارنے والا' نہ جواب دینے والا' میں اپنے نشان کے مطابق وہیں پہنچی' جہاں ہمارا اونٹ بٹھایا گیا تھا اور وہیں انتظار میں بیٹھ گئی تا کہ آپ جب آگے چل کر میرے نہ ہونے کی

خبر پائیں گے تو مجھے تلاش کرنے کے لئے یہیں آئیں گے۔ مجھے بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی۔ اتفاق سے حضرت صفوان بن معطل سلمی ذکوانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو لشکر کے پیچھے رہے تھے اور پچھلی رات کو چلے تھے، صبح کی روشنی میں یہاں پہنچ گئے۔ ایک سوتے ہوئے آدمی کو دیکھ کر خیال آنا ہی تھا۔ غور سے دیکھا تو چونکہ پردے کے حکم سے پہلے مجھے انہوں نے دیکھا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی پہچان گئے اور با آواز بلند ان کی زبان سے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیۡهِ رَاجِعُوۡنَ نکلا۔ ان کی آواز سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی اور میں اپنی چادر سے اپنا منہ ڈھانپ کر سنبھل بیٹھی۔ انہوں نے جھٹ اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اس کے ہاتھ پر اپنا پاؤں رکھا میں اٹھی اور اونٹ پر سوار ہو گئی۔ انہوں نے اونٹ کو کھڑا کر دیا اور بھگاتے ہوئے لے چلے۔ قسم خدا کی نہ وہ مجھ سے کچھ بولے نہ میں نے ان سے کوئی کلام کیا نہ سوائے اِنَّا لِلّٰهِ کے میں نے ان کے منہ سے کوئی کلمہ سنا۔ دوپہر کے قریب ہم اپنے قافلے سے مل گئے۔ پس اتنی سی بات کا ہلاک ہونے والوں نے بتنگڑ بنالیا۔ ان کا سب سے بڑا اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والا عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔

مدینے آتے ہی میں بیمار پڑ گئی اور مہینے بھر تک بیماری میں گھر ہی میں رہی، نہ میں نے کچھ سنا، نہ کسی نے مجھ سے کہا۔ جو کچھ غل غپاڑہ لوگوں میں ہو رہا تھا میں اس سے محض بے خبر تھی۔ البتہ میرے جی میں یہ خیال بسا اوقات گزرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی مہر و محبت میں کمی کی کیا وجہ ہے؟ بیماری میں عام طور پر جو شفقت حضور ﷺ کو میرے ساتھ ہوتی تھی اس بیماری میں وہ بات نہ پاتی تھی۔ مجھے رنج تو بہت تھا مگر کوئی وجہ معلوم نہ تھی۔ پس آنحضرت ﷺ تشریف لاتے سلام کرتے اور دریافت فرماتے طبیعت کیسی ہے؟ اور کوئی بات نہ کرتے اس سے مجھ بڑا صدمہ ہوتا مگر بہتان بازوں کی تہمت سے میں بالکل غافل تھی۔

اب سنئے اس وقت تک گھروں میں پاخانے نہیں ہوتے تھے اور عرب کی قدیم عادت کے مطابق ہم لوگ میدان میں قضاء حاجت کے لئے جایا کرتے تھے۔ عورتیں عموماً رات کو جایا کرتی تھیں۔ گھروں میں پاخانے بنانے سے عام طور پر نفرت تھی۔ حسب عادت میں ام مسطح بنت ابی رہم بن عبدالمطلب بن عبدالمناف کے ساتھ قضا حاجت کے لئے چلی۔ اس وقت میں بہت ہی کمزور ہو رہی تھی۔ یہ ام مسطح میرے والد صاحب رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں، ان کی والدہ صخر بن عامر کی لڑکی تھیں، ان کے لڑکے کا نام مسطح بن اثاثہ بن عباد بن عبدالمطلب تھا۔ جب ہم واپس آنے لگے تو حضرت ام مسطح کا پاؤں چادر کے دامن میں الجھا اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ مسطح غارت ہو۔ مجھے بہت برا لگا اور میں نے کہا تم نے بہت برا کلمہ بولا، توبہ کرو، تم اسے گالی دیتی ہو جس نے جنگ بدر میں شرکت کی۔ اس وقت ام مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بھولی بیوی آپ کو کیا معلوم؟ میں نے کہا کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا وہ بھی ان لوگوں میں ہے جو آپ کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی میں ان کے سر ہو گئی کہ کم از کم مجھ سے سارا واقعہ تو کہو۔ اب انہوں نے بہتان باز لوگوں کی تمام کارستانیاں مجھے سنائیں۔ میرے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، رنج و غم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹ پڑا، مارے صدمے کے میں تو اور بیمار ہو گئی۔ بیمار تو پہلے سے ہی تھی، اس خبر نے تو نڈھال کر دیا، جوں توں کر کے گھر پہنچی۔ اب صرف یہ خیال تھا کہ میں اپنے میکے جا کر اور اچھی طرح معلوم تو کر لوں کہ کیا واقعی میری نسبت ایسی افواہ پھیلائی گئی ہے؟ اور کیا کیا مشہور کیا جا رہا ہے؟ اتنے میں رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے، سلام کیا اور دریافت فرمایا کہ کیا حال ہے؟ میں نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو اپنے والد صاحب کے ہاں ہو آؤں۔ آپ نے اجازت دے دی، میں یہاں آئی، اپنی والدہ سے پوچھا کہ اماں جان لوگوں میں کیا باتیں پھیل رہی ہیں؟ انہوں نے فرمایا بیٹی یہ تو نہایت معمولی بات ہے تم اتنا اپنا دل بھاری نہ کرو کسی شخص کی اچھی بیوی جو اسے محبوب ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں وہاں ایسی باتوں کا کھڑا ہونا تو لازمی امر ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا واقعی لوگ میری نسبت ایسی افواہیں اڑا رہے ہیں؟ اب تو مجھے غم و رنج نے اس قدر گھیرا کہ بیان سے باہر ہے۔ اس وقت سے جو رونا شروع ہوا واللہ ایک دم بھر

کے لئے میرے آنسو نہیں تھے' میں سر ڈال کر روتی رہتی۔ کس کا کھانا پینا' کس کا سونا بیٹھنا' کہاں کی بات چیت' غم و رنج اور رونا ہے اور میں ہوں۔ ساری رات اسی حالت میں گزری کہ آنسو کی لڑی نہ تھمی دن کو بھی یہی حال رہا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا' وحی میں دیر ہوئی' خدا کی طرف سے آپ کو کوئی بات معلوم نہ ہوئی تھی' اس لئے آپ نے ان دونوں حضرات سے مشورہ کیا کہ آپ مجھے الگ کر دیں یا کیا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو صاف کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کی اہل پر کوئی برائی نہیں جانتے۔ ہمارے دل ان کی عفت' عزت اور شرافت کی گواہی دینے کے لئے حاضر ہیں۔ ہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ خدا کی طرف سے آپ پر کوئی تنگی نہیں' عورتیں ان کے سوا بھی بہت ہیں۔ اگر آپ گھر کی خادمہ سے پوچھیں تو آپ کو صحیح واقعہ معلوم ہو سکتا ہے۔ آپ نے اسی وقت گھر کی خادمہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا اور ان سے فرمایا کہ عائشہ کی کوئی بات شک وشبہ والی کبھی بھی دیکھی ہو تو بتاؤ۔ بریرہ نے کہا اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے ان سے کوئی بات کبھی اس قسم کی نہیں دیکھی۔ ہاں صرف یہ بات ہے کہ کم عمری کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے کہ کبھی کبھی گندھا ہوا آٹا یونہی رکھا رہتا ہے اور سو جاتی ہیں تو بکری آ کر کھا جاتی ہے اس کے سوا میں نے ان کا کوئی قصور کبھی نہیں دیکھا۔ چونکہ کوئی ثبوت اس واقعہ کا نہ ملا اس لئے اسی دن رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا کون ہے؟ جو مجھے اس شخص کی ایذاؤں سے بچائے جس نے مجھے ایذائیں پہنچاتے پہنچاتے اب تو میری گھر والیوں میں بھی ایذائیں پہنچانا شروع کر دی ہیں۔ واللہ میں جہاں تک جانتا ہوں مجھے اپنی گھر والیوں میں سوائے بھلائی کے کوئی چیز معلوم نہیں' جس شخص کا نام یہ لوگ لے رہے ہیں میری دانست تو اس کے متعلق بھی سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں وہ میرے ساتھ ہی گھر میں آتا تھا۔

یہ سنتے ہی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے یا رسول اللہ! میں موجود ہوں اگر وہ قبیلہ اوس کا شخص ہے تو ابھی ہم اس کی گردن تن سے الگ کرتے ہیں اور اگر وہ ہمارے خزرج بھائیوں سے ہے تو بھی آپ جو حکم دیں ہمیں اس کی تعمیل میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ سن کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے یہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔ تھے تو یہ بڑے نیک بخت مگر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس وقت کی گفتگو سے انہیں اپنے قبیلے کی حمیت آ گئی اور ان کی طرف داری کرتے ہوئے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگے نہ تو تو اسے قتل کرے گا نہ اس کے قتل پر تو قادر ہے اگر وہ تیرے قبیلے کا ہوتا تو تو اس کا قتل کیا جانا کبھی پسند نہ کرتا۔ یہ سن کر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے ہوتے تھے کہنے لگے اے سعد بن عبادہ تم جھوٹ کہتے ہو ہم اسے ضرور مار ڈالیں گے آپ منافق آدمی ہیں کہ منافقوں کی طرف داری کر رہے ہیں۔ اب ان کی طرف سے ان کا قبیلہ اور ان کی طرف سے ان کا قبیلہ ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گیا اور قریب تھا کہ اوس وخزرج کے یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑ پڑیں۔ حضور ﷺ نے منبر پر سے ہی انہیں سمجھانا اور چپ کرانا شروع کیا یہاں تک کہ دونوں طرف خاموشی ہو گئی۔ حضور ﷺ بھی چپکے ہو رہے یہ تو تھا وہاں کا واقعہ۔ میرا حال یہ تھا کہ یہ سارا دن بھی رونے میں ہی گزرا۔ میرے اس رونے نے میرے ماں باپ کے بھی ہوش گم کر دیئے تھے۔ وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ رونا میرا کلیجہ پھاڑ دے گا۔ دونوں حیرت زدہ مغموم بیٹھے ہوئے تھے اور مجھے رونے کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا' اتنے میں انصار کی ایک عورت آئیں اور وہ بھی میرے ساتھ رونے لگیں۔ ہم یونہی بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک رسول کریم ﷺ تشریف لائے اور سلام کر کے میرے پاس بیٹھ گئے۔ قسم خدا کی جب سے یہ بہتان بازی ہوئی تھی آج تک رسول خدا ﷺ میرے پاس کبھی نہیں بیٹھے تھے۔ مہینہ بھر گزر گیا تھا کہ حضور ﷺ کی یہی حالت تھی۔ کوئی وحی نہیں آئی تھی کہ فیصلہ ہو سکے۔ آپ نے بیٹھتے ہی اول تو تشہد پڑھا پھر اما بعد

فرما کر فرمایا کہ اے عائشہ تیری نسبت مجھے یہ خبر پہنچی ہے۔ اگر تو واقعی پاک دامن ہے تو اللہ تعالیٰ تیری پاکیزگی ظاہر فرما دے گا اور اگر فی الحقیقت تو کسی گناہ میں آلودہ ہوگئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کر اور توبہ کر' بندہ جب گناہ کر کے اپنے گناہ کے اقرار کے ساتھ خدا کی طرف جھکتا ہے اور اس سے معافی طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ آپ اتنا فرما کر خاموش ہو گئے یہ سنتے ہی میرا رونا دھونا سب جاتا رہا۔ آنسو تھم گئے یہاں تک کہ میری آنکھوں میں آنسو کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔

میں نے اول تو اپنے والد سے درخواست کی کہ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو آپ ہی جواب دیجئے لیکن انہوں نے فرمایا کہ واللہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں حضور ﷺ کو کیا جواب دوں؟ اب میں نے اپنی والدہ کی طرف دیکھا اور ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے لیکن انہوں نے بھی یہی کہا کہ میں نہیں سمجھ سکتی کہ میں کیا جواب دوں؟ آخر میں نے خود ہی جواب دینا شروع کیا۔ میری عمر کچھ ایسی بڑی تو نہ تھی اور نہ مجھے زیادہ قرآن حفظ تھا۔ میں نے کہا۔ آپ سب نے ایک بات سنی اسے آپ نے دل میں بٹھا لیا اور گویا سچ سمجھ لیا۔ اب اگر میں کہوں گی کہ میں اس سے بالکل بری ہوں اور خدا خوب جانتا ہے کہ واقع میں اس سے بالکل بری ہوں لیکن تم لوگ نہیں مانو گے۔ ہاں اگر میں کسی امر کا اقرار کرلوں حالانکہ خدا کو خوب علم ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں تو تم ابھی مان لو گے' میری اور تمہاری مثال تو بالکل حضرت ابو یوسف علیہ السلام کا یہ قول ہے فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ پس صبر ہی اچھا ہے جس میں شکایت کا نام ہی نہ ہو اور تم جو باتیں بناتے ہو ان میں اللہ ہی میری مدد کرے' اتنا کہہ کر میں نے کروٹ پھیر لی اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ قسم بخدا مجھے یقین تھا کہ چونکہ میں پاک ہوں اللہ تعالیٰ میری برات اپنے رسول ﷺ کو ضرور معلوم کرا دے گا لیکن یہ تو میرے شان گمان میں بھی نہ تھا کہ میرے بارے میں قرآن کی آیتیں نازل ہوں۔ میں اپنے آپ کو اس سے بہت کم تر جانتی تھی کہ میرے بارے میں کلام خدا کی آیتیں اتریں۔ ہاں مجھے زیادہ سے زیادہ یہ خیال ہوتا تھا کہ ممکن ہے خواب میں اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو میری برات دکھا دے۔ واللہ ابھی تو نہ رسول ﷺ اپنی جگہ سے ہٹے تھے اور نہ گھر والوں میں سے کوئی گھر کے باہر نکلا تھا کہ حضور ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہوگئی۔ اور چہرہ پر وہی آثار ظاہر ہوئے جو وحی کے وقت ہوتے تھے اور پیشانی سے پسینے کی پاک بوندیں ٹپکنے لگیں۔ سخت جاڑوں میں بھی وحی کے نزول کی یہی کیفیت ہوا کرتی تھی' جب وحی اتر چکی تو ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا چہرہ ہنسی سے شگفتہ ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا! عائشہ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہاری برات نازل فرما دی۔ اسی وقت میری والدہ نے فرمایا بچی حضور ﷺ کے سامنے کھڑی ہو جاؤ میں نے جواب دیا کہ واللہ نہ تو میں آپ کے سامنے کھڑی ہوؤں گی اور نہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی تعریف کروں گی اسی نے میری برات اور پاکیزگی نازل فرمائی ہے۔ پس اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ سے لے کر دس آیتوں تک نازل ہوئیں۔

ان آیتوں کے اترنے کے بعد اور میری پاک دامنی ثابت ہو چکنے کے بعد اور اس شر کے پھیلانے میں حضرت مسطح بن اثاثہ بھی شریک تھے اور انہیں میرے والد صاحب ان کی محتاجی اور ان کی قرابت داری کی وجہ سے ہمیشہ کچھ دیتے رہتے تھے۔ اب انہوں نے کہا جب اس شخص نے میری بیٹی پر تہمت باندھنے میں حصہ لیا تو اب میں اس کے ساتھ کچھ بھی سلوک نہ کروں گا۔ اس پر آیت وَلَا يَاْتَلِ اُولُو الْفَضْلِ الخ' نازل ہوئی یعنی تم میں سے جو لوگ بزرگی اور وسعت والے ہیں انہیں نہ چاہیے کہ قرابت داروں مسکینوں اور خدا کی راہ کے مہاجروں سے سلوک کرنے کی قسم کھا بیٹھیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ یہ بخشش والا اور مہربانی والا خدا تمہیں بخش دے؟ اسی وقت اس کے جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قسم خدا کی میں تو خدا کی بخشش کا خواہاں ہوں۔ چنانچہ اسی وقت سے حضرت مسطح رحمتہ اللہ علیہ کا

وظیفہ جاری کر دیا اور فرمایا کہ واللہ اب عمر بھر تک اس میں کمی یا کوتاہی نہ کروں گا۔ میرے اس واقعہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی جو آپ کی بیوی صاحبہ تھیں دریافت فرمایا تھا۔ یہی بیوی صاحبہ تھیں جو حضور کی تمام بیویوں میں میرے مقابلے کی تھیں لیکن یہ اپنی پرہیز گاری اور دین داری کی وجہ سے صاف بچ گئیں اور جواب دیا کہ حضور ﷺ میں تو سوائے بہتری کے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتی۔ میں اپنے کانوں کو اور اپنی نگاہ کو محفوظ رکھتی ہوں۔ گو انہیں ان کی بہن حمنہ بنت جحش نے بہت کچھ بہلاوے بھی دیئے بلکہ لڑ لڑ پڑیں لیکن انہوں نے اپنی زبان سے میری برائی کا کوئی کلمہ نہیں نکالا۔ ہاں ان کی بہن نے تو زبان کھول دی اور میرے بارے میں ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوگئی۔

یہ روایت بخاری مسلم وغیرہ حدیث کی بہت سی کتابوں میں ہے۔ ایک سند سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اپنے اس خطبے میں یہ بھی فرمایا تھا کہ جس شخص کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ سفر حضر میں میرے ساتھ رہا' میری عدم موجودگی میں کبھی میرے گھر نہیں آیا۔ اس میں ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں جو صاحب کھڑے ہوئے انہی کے قبیلے میں ام مسطح تھیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ یہ پھسلیں اور انہوں نے اپنے بیٹے مسطح کو کوسا' میں نے منع کیا پھر پھسلیں' پھر کوسا' میں نے پھر روکا۔ پھر الجھیں' پھر کوسا تو میں نے انہیں ڈانٹنا شروع کیا۔ اس میں ہے کہ اسی وقت سے مجھے بخار چڑھ آیا۔ اس میں ہے کہ میری والدہ کے گھر پہنچانے کے لئے میرے ساتھ حضور ﷺ نے ایک غلام کر دیا تھا۔ میں جب وہاں پہنچی تو میرے والد اوپر کے گھر میں تھے۔ تلاوت قرآن میں مشغول تھے اور والدہ نیچے کے مکان میں تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی میری والدہ نے دریافت فرمایا آج کیسے آنا ہوا؟ تو میں نے تمام بپتا کہہ سنائی لیکن میں نے دیکھا کہ انہیں یہ بات نہ کوئی انوکھی بات معلوم ہوئی نہ اتنا صدمہ اور رنج ہوا جس کی توقع مجھے تھی۔

اس میں ہے کہ میں نے والدہ سے پوچھا کیا میرے والد صاحب کو بھی اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں' میں نے کہا اور رسول خدا ﷺ تک بھی یہ بات پہنچی ہے؟ جواب دیا کہ ہاں۔ اب تو مجھے پھوٹ پھوٹ کر رونا آنے لگا یہاں تک کہ میری آواز اوپر میرے والد صاحب کے کان میں بھی پہنچی وہ جلدی سے نیچے آئے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ میری والدہ نے کہا کہ انہیں اس تہمت کا علم ہو گیا ہے جو ان پر لگائی گئی ہے۔ یہ سن کر اور میری حالت دیکھ کر میرے والد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے اور مجھ سے کہنے لگے بیٹی میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ ابھی اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ چنانچہ میں واپس چلی گئی۔ یہاں میرے پیچھے گھر کی خادمہ سے بھی میری بابت رسول اللہ ﷺ نے اور لوگوں کی موجودگی میں دریافت فرمایا جس پر اس نے جواب دیا کہ میں عائشہ میں کوئی برائی نہیں دیکھتی بجز اس کے کہ وہ آٹا گندھا ہوا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوتی ہیں' بے خبری سے سو جاتی ہیں۔ بسا اوقات آٹا بکریاں کھا جاتی ہیں۔ بلکہ اسے بعض لوگوں نے بہت ڈانٹا ڈپٹا بھی کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ سچ بات جو ہو بتا دے' اس پر بہت سختی کی لیکن اس نے کہا واللہ ایک سنار خالص سونے میں جس طرح کوئی عیب کسی طرح تپا تپا کر بھی بتا نہیں سکتا۔ اسی طرح میں صدیقہ پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتی۔ جب اس شخص کو یہ اطلاع پہنچی جنہیں بدنام کیا جا رہا تھا تو اس نے کہا قسم خدا کی میں نے تو آج تک کسی عورت کا بازو بھی کھولا ہی نہیں۔ بالآخر یہ خدا کی راہ میں شہید ہوئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس عصر کی نماز کے بعد تشریف لائے تھے۔ اس وقت میری ماں اور میرے باپ میرے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور وہ انصاریہ عورت جو آئی تھیں وہ دروازے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے مجھے نصیحت شروع کی اور مجھ سے حقیقت حال دریافت کی تو میں نے کہا ہائے کیسی بے شرمی کی بات ہے؟ اس عورت کا بھی تو خیال نہیں؟ اس میں ہے کہ میں نے بھی خدا کی حمد و ثنا کے بعد جواب دیا تھا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ میں نے اس وقت ہر چند حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام تلاش

کیا لیکن واللہ وہ زبان پر نہ چڑھا اس لئے میں نے ابو یوسف کہہ دیا - اس میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے وحی کے اترنے کے بعد مجھے خوش خبری سنائی واللہ اس وقت میرا غم بھرا غصہ بہت ہی بڑھ گیا تھا - میں نے اپنے ماں باپ سے بھی کہا تھا کہ میں اس معاملے میں تمہاری بھی شکر گزار نہیں - تم سب نے ایک بات سنی لیکن نہ تم نے انکار کیا نہ تمہیں ذرا غیرت آئی - اس میں ہے کہ اس قصے کو زبان پر لانے والے حمنہ بنت جحش، مسطح، حسان بن ثابت اور عبداللہ بن ابی منافق تھے - یہ سب کا سرغنہ تھا اور یہی زیادہ تر لگاتا بجھاتا تھا -

اور حدیث میں ہے کہ میرے عذر کی یہ آیتیں اترنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں اور ایک عورت کو تہمت کی حد لگائی یعنی حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش کو - ایک روایت میں ہے کہ جب مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے اوپر تہمت لگنے کا علم ہوا اور یہ بھی پتہ چلا کہ اس کا علم آپ کے والد اور حضور ﷺ کو ہو چکا ہے تو آپ بیہوش ہو کر گر پڑیں - جب ذرا ہوش میں آئیں تو سارا جسم تپ رہا تھا اور زور کا بخار چڑھا ہوا تھا اور کانپ رہی تھیں - آپ کی والدہ نے اسی وقت لحاف اوڑھا دیا - اور رسول خدا ﷺ آئے پوچھا یہ کیا حال ہے؟ میں نے کہا جاڑے سے بخار چڑھا ہے - آپ نے فرمایا شاید اس خبر کو سن کر یہ حال ہو گیا ہو گا؟ جب آپ کے عذر کی آیتیں اتریں اور آپ نے انہیں سن کر فرمایا کہ یہ اللہ کے فضل سے ہے نہ کہ آپ کے فضل سے - تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم رسول ﷺ خدا سے اس طرح کہتی ہو؟ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں -

اب آیتوں کا مطلب سنئے جو لوگ جھوٹ بہتان گھڑی ہوئی بات لے آئے اور وہ ہیں بھی زیادہ' اسے تم اے آل ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ انجام کے لحاظ سے دین دنیا میں وہ تمہارے لئے بھلا ہے - دنیا میں تمہاری صداقت ثابت ہو گی آخرت میں بلند مراتب ملیں گے - حضرت عائشہ کی برات قرآن کریم میں نازل ہو گی جس کے آس پاس بھی باطل نہیں آ سکتا - یہی وجہ تھی کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اماں صاحبہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے آخری وقت آئے تو فرمانے لگے ام المومنین آپ خوش ہو جائیے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ رہیں اور حضور ﷺ محبت سے پیش آتے رہے اور حضور ﷺ نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا اور آپ کی برات آسمان سے نازل ہوئی - ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت زینب اپنے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میرا نکاح آسمان سے اترا - اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میری پاکیزگی کی شہادت قرآن میں آسمان سے اتری جب کہ صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے اپنی سواری پر بٹھالائے تھے - حضرت زینب نے پوچھا یہ تو بتاؤ جب تم اس اونٹ پر سوار ہوئی تھیں تو تم نے کیا کلمات کہے تھے؟ آپ نے فرمایا حَسۡبِیَ اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ اس پر وہ بول اٹھیں کہ تم نے مومنوں کا کلمہ کہا تھا -

پھر فرمایا جس جس نے پاک دامن صدیقہ پر تہمت لگائی ہے ہر ایک کو بڑا عذاب ہو گا اور جس نے اس کی ابتدا اٹھائی ہے' جو اسے ادھر ادھر پھیلاتا رہا ہے' اس کے لئے سخت تر عذاب ہیں - اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول ملعون ہے - ٹھیک قول یہی ہے گو کسی کسی نے کہا کہ مراد اس سے حسان ہیں لیکن یہ قول ٹھیک نہیں - چونکہ یہ قول بھی ہے اس لئے ہم نے اسے بیان کر دیا ورنہ اس کے بیان میں بھی چنداں نفع نہیں کیونکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بڑے بزرگ صحابہ میں سے ہیں - ان کی بہت سی فضیلتیں اور بزرگیاں احادیث میں موجود ہیں - یہی تھے جو کافر شاعروں کی ہجو کے شعروں کا اللہ کے نبی ﷺ کی طرف سے جواب دیتے تھے - انہی سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم کفار کی مذمت بیان کرو جبرئیل علیہ السلام تمہارے ساتھ ہیں - حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آئے - حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں عزت کے ساتھ بٹھایا - حکم دیا کہ ان کے لئے گدی بچھا دو' جب وہ واپس چلے گئے تو میں نے کہا کہ آپ انہیں کیوں آنے دیتی ہیں؟ ان کے آنے سے کیا فائدہ؟ خدائے تعالیٰ تو

فرماتا ہے کہ ان میں سے جو تہمت کا والی ہے اس کے لئے بڑا عذاب ہے تو مائی صاحبہ نے فرمایا اندھا ہونے سے بڑا عذاب اور کیا ہوگا یہ نابینا ہو گئے تھے۔ تو فرمایا شاید یہی عذاب عظیم ہو۔

پھر فرمایا تمہیں نہیں خبر؟ یہی تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کافروں کے ہجو والے اشعار کا جواب دینے پر مقرر تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت حضرت عائشہ کی مدح میں شعر پڑھا تھا کہ آپ پاک دامن، بھولی، تمام اوچھے کاموں سے، غیبت اور برائی سے پرہیز کرنے والی ہیں تو آپ نے فرمایا تم تو ایسے نہ تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں مجھے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعروں سے زیادہ اچھے اشعار نظر نہیں آتے اور میں جب کبھی ان شعروں کو پڑھتی ہوں تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ حسان جنتی ہیں۔ وہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کو خطاب کر کے اپنے شعروں میں فرماتے ہیں تو نے محمد ﷺ کی ہجو کی ہے۔ جس کا میں جواب دیتا ہوں اور اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے پاؤں گا۔ میرے باپ دادا اور میری عزت آبرو سب محمد ﷺ پر سے قربان ہے، میں ان سب کو فنا کر کے بھی تمہاری بد زبانیوں کے مقابلے سے ہٹ نہیں سکتا۔ تجھ جیسا شخص جو میرے نبی ﷺ کے کف پا کی ہمسری بھی نہیں کر سکتا حضور ﷺ کی ہجو کرے؟ یاد رکھو کہ تم جیسے بد حضور ﷺ جیسے نیک پر فدا ہیں۔ جب تم نے حضور ﷺ کی ہجو کی ہے تو اب میری زبان سے جو تیز دھار دار بے عیب تلوار سے بھی تیز ہے، بچ کر تم کہاں جاؤ گے؟ ام المومنین سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لغو کلام نہیں؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں لغو کلام تو شاعروں کی وہ بکواس ہے جو عورتوں وغیرہ کے بارے میں ہوتی ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کیا قرآن میں نہیں کہ اس تہمت میں بڑا حصہ لینے والے کے لئے برا عذاب ہے؟ فرمایا ہاں لیکن کیا جو عذاب انہیں ہوا بڑا نہیں؟ آنکھیں ان کی جاتی رہیں، تلوار ان پر اٹھی، وہ تو کہیے حضرت صفوان رک گئے ورنہ عجب نہیں کہ ان کی نسبت یہ بات سن کر انہیں قتل ہی کر ڈالتے۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

اسے سنتے ہی مومن مردوں عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی؟ اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا صریح بہتان ہے ○ وہ اس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اور جب گواہ نہیں لائے تو یہ بہتان باز لوگ یقیناً اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں ○

اخلاق و آداب کی تعلیم: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۳) ان آیتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ مومنوں کو ادب سکھاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں جو کلمات منہ سے نکالے وہ ان کی شایان شان نہ تھے بلکہ انہیں چاہئے تھا کہ یہ کلام سنتے ہی اپنی شرعی ماں کے ساتھ کم از کم وہ خیال کرتے جو اپنے نفسوں کے ساتھ کرتے، جب کہ وہ اپنے تئیں بھی ایسے کام کے لائق نہ پاتے تو شان ام المومنین کو اس سے بہت اعلیٰ اور بالا جانتے۔ ایک واقعہ بھی بالکل اسی طرح کا ہوا تھا۔ حضرت ابو ایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی بیوی صاحبہ ام ایوب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا آپ نے وہ بھی سنا جو حضرت عائشہ کی نسبت کہا جا رہا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور یہ یقیناً جھوٹ ہے۔ ام ایوب تم ہی بتاؤ کیا تم کبھی ایسا کر سکتی ہو؟ انہوں نے کہا نعوذ باللہ ناممکن۔ آپ نے فرمایا پس حضرت عائشہ تو تم سے کہیں افضل اور بہتر

ہیں- پس جب آیتیں اتریں تو پہلے تو بہتان بازوں کا ذکر ہوا یعنی حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا پھر ان آیتوں میں ذکر ہوا- حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی صاحبہ کی اس بات چیت کا جو اوپر مذکور ہوئی- یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ مقولہ حضرت ابی بن کعب کا تھا (رضی اللہ عنہ)- الغرض مومنوں کو صاف باطن رہنا چاہئے- اور اچھے خیال کرنے چاہئیں- بلکہ زبان سے بھی ایسے واقعہ کی تردید اور تکذیب کر دینی چاہئے- اس لئے کہ جتنا کچھ واقعہ گزرا اس میں شک شبہ کی گنجائش بھی نہ تھی- ام المومنین رضی اللہ عنہا کھلم کھلا سواری پر دن دیہاڑے بھرے لشکر میں پہنچتی ہیں- خود پیغمبر خدا ﷺ موجود ہیں اگر خدانخواستہ خاکم بدہن کوئی بھی ایسی بات ہوتی تو یہ اس طرح کھلے بندوں عام مجمع میں نہ آتے بلکہ خفیہ اور پوشیدہ طور پر شامل ہو جاتے جو کسی کو کانوں کان خبر تک نہ پہنچے- پس صاف ظاہر ہے کہ بہتان بازوں کی زبان نے جو قصہ گھڑا وہ محض جھوٹ بہتان اور افترا ہے- جس سے انہوں نے اپنے ایمان اور اپنی عزت کو غارت کیا- پھر فرمایا کہ ان بہتان بازوں نے جو کچھ کہا اپنی سچائی پر چار گواہ واقعہ کے کیوں پیش نہیں کیے؟ اور جب کہ یہ گواہ پیش نہ کر سکیں تو شرعاً خدا کے نزدیک وہ جھوٹے ہیں- فاسق و فاجر ہیں-

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖۗ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتا تو یقیناً تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے تھے اس بارے میں تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا ○ اب کہ تم اسے اپنی زبانوں سے نقل در نقل کرنے لگے اور اپنے منہ سے وہ بات نکالنے لگے جس کی تمہیں مطلق خبر نہ تھی گو تم اسے ہلکی بات سمجھتے رہے لیکن اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی ○

اللہ کا فضل نہ ہوتا تو عذاب آ جاتا: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۵) فرمان ہے کہ اے وہ لوگو! جنہوں نے صدیقہ کی بابت اپنی زبانوں کو بری حرکت دی اگر خدائے تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا کہ وہ دنیا میں تمہاری توبہ قبول کر لے اور آخرت میں تمہیں تمہارے ایمان کی وجہ سے معاف فرما دے تو جس بہتان میں تم نے اپنی زبانیں ہلائیں اس میں تمہیں بڑا بھاری عذاب ہوتا- یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جن کے دلوں میں ایمان تھا لیکن رواداری میں کچھ کہہ گئے تھے جیسے حضرت مسطح' حضرت حسان' حضرت حمنہ رضی اللہ عنہم- لیکن جن کے دل ایمان سے خالی تھے جو اس طوفان کے اٹھانے والے تھے جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول وغیرہ منافقین یہ لوگ اس حکم میں نہیں- کیونکہ نہ اس کے پاس ایمان تھا نہ عمل صالح- یہ بھی یاد رہے کہ جس بدی پر جو وعید ہے وہ اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب توبہ نہ ہو اور اس کے مقابلہ میں اس جیسی یا اس سے بڑی نیکی نہ ہو- جب کہ تم اس بات کو پھیلا رہے تھے اس سے سن کر اس سے کہی اور اس نے سن کر دوسرے سے کہی- حضرت عائشہ کی قرات میں اِذْ تَلِقُوْنَہ ہے یعنی جب کہ تم اس جھوٹ کی اشاعت کر رہے تھے- پہلی قرات جمہور کی ہے- اور یہ قرات ان کی ہے جنہیں اس آیت کا زیادہ علم تھا اور تم وہ بات زبان سے نکالتے تھے جس کا تمہیں علم نہ تھا- تم گو اس کلام کو ہلکا سمجھتے رہے لیکن دراصل خدا کے نزدیک وہ بڑا بھاری کلام تھا- کسی مسلمان عورت کی نسبت ایسی تہمت جرم عظیم ہے- پھر اللہ کے رسول ﷺ کی زوجہ مطہرہ کے اوپر ایسا کلمہ سمجھ لو کہ کتنا بڑا کبیرہ

گناہ ہوا؟ اسی لئے رب کی غیرت اپنے نبی ﷺ کی وجہ سے جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر خاتم الانبیاء سید المرسلین ﷺ کی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی ثابت فرمائی- ہر نبی علیہ السلام کی بیوی کو اللہ تعالیٰ نے اس بے حیائی سے دور رکھا ہے پس کیسے ممکن تھا کہ تمام نبیوں کی بیویوں سے افضل اور ان کی سردار' تمام نبیوں سے افضل اور تمام اولاد آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بیوی اس میں آلودہ ہوں- حاشا وکلا- پس تم گو اس کلام کو بے وقعت سمجھو لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے- صحیحین میں ہے کہ انسان بعض مرتبہ خدا کی ناراضگی کا کوئی کلمہ کہہ گزرتا ہے جس کی کوئی وقعت اس کے نزدیک نہیں ہوتی لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم کے اتنے نیچے کے طبقے میں پہنچ جاتا ہے کہ جتنی نیچی زمین آسمان سے ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ نیچا ہوتا ہے-

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾

تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں' اے اللہ تو پاک ہے- یہ تو بہت بڑا بہتان اور تہمت ہے ○ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسا کام نہ کرنا اگر تم سچے مومن ہو ○ اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آیتیں بیان فرما رہا ہے- اور اللہ علم و حکمت والا ہے ○ جو لوگ مسلمانوں میں برائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں' ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں' اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے ○

پہلے تحقیق کرو پھر بولو: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۸) پہلے تو نیک گمانی کا حکم دیا- یہاں دوسرا حکم دے رہا ہے- بھلے لوگوں کی شان میں کوئی برائی کا کلمہ بغیر تحقیق ہرگز نہ نکالنا چاہیے- برے خیالات' گندے الزامات اور شیطانی وسوسوں سے دور رہنا چاہئے- کبھی ایسے کلمات زبان سے نہ نکالنے چاہئیں' گو دل میں کوئی ایسا وسوسہ شیطانی پیدا بھی ہو تو زبان قابو میں رکھنی چاہیے- حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے درگزر فرما لیا ہے جب تک وہ زبان سے نہ کہیں یا عمل میں نہ لائیں (بخاری و مسلم) تمہیں چاہئے تھا کہ ایسے بے ہودہ کلام کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ ہم ایسی لغوبات سے اپنی زبان نہیں بگاڑتے- ہم سے یہ بے ادبی نہیں ہو سکتی کہ اللہ کے خلیل اور اس کے رسول ﷺ کی بیوی صاحبہ کی نسبت کوئی ایسی لغوبات کہیں' اللہ کی ذات پاک ہے- دیکھو خبردار آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ ہو ورنہ ایمان کے ضبط ہونے کا اندیشہ ہے- ہاں اگر کوئی شخص ایمان سے ہی کورا ہو تو وہ تو بے ادب' گستاخ اور بھلے لوگوں کی اہانت کرنے والا ہوتا ہی ہے- احکام شرعیہ کو اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے- وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے واقف ہے- اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا-

برائی کی تشہیر نہ کرو: ☆☆ (آیت:۱۹) یہ تیسری تنبیہ ہے کہ جو شخص کوئی ایسی بات سنے' اسے اس کا پھیلانا حرام ہے- جو ایسی بری خبروں کو اڑاتے پھرتے ہیں' دنیوی سزا یعنی حد بھی لگے گی اور اخروی سزا یعنی عذاب جہنم بھی ہوگا- اللہ عالم ہے- تم بے علم ہو- پس تمہیں اللہ کی

طرف تمام امور لوٹانے چاہئیں۔ حدیث شریف میں ہے، بندگان رب کو ایذا نہ دو انہیں عار نہ دلاؤ۔ ان کی خفیہ باتوں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیوب ٹٹولے گا۔ اللہ اس کے عیبوں کے پیچھے پڑ جائے گا اور اسے یہاں تک رسوا کرے گا کہ اس کے گھر والے بھی اسے بری نظر سے دیکھنے لگیں گے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

ع ۱۰ / ۸

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے اور یہ بھی کہ اللہ بڑی شفقت رکھنے والا مہربان ہے ○ اے ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ جو شخص شیطانی قدموں کی پیروی کرے تو وہ تو بے حیائی اور برائی کے کاموں کا ہی حکم کرے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہے، کر دیتا ہے۔ اللہ سب سننے والا سب جاننے والا ہے ○

شیطانی راہوں پر مت چلو: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) یعنی اگر اللہ کا فضل وکرم لطف ورحم نہ ہوتا تو اس وقت کوئی اور ہی بات ہو جاتی مگر اس نے توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرمالی۔ پاک ہونے والوں کو بذریعہ حد شرعی کے پاک کر دیا۔ شیطانی طریقوں پر، شیطانی راہوں میں نہ چلو اس کی باتیں نہ مانو۔ وہ تو برائی کا، بدی کا، بدکاری کا، بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ پس تمہیں اس کی باتیں ماننے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اس کے عمل سے بچنا چاہئے۔ اس کے وسوسوں سے دور رہنا چاہئے۔ اللہ کی ہر نافرمانی میں قدم شیطان کی پیروی ہے۔ ایک شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں نے فلاں چیز کھانے کی قسم کھالی ہے۔ آپ نے فرمایا' یہ شیطان کا بہکاوا ہے' اپنی قسم کا کفارہ دے دو اور اسے کھالو۔ ایک شخص نے حضرت شعبیؒ سے کہا کہ میں نے اپنے بچے کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے فرمایا' یہ شیطانی حرکت ہے ایسا نہ کرو اس کے بدلے ایک بھیڑ ذبح کردو۔

ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' ایک مرتبہ میرے اور میری بیوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ وہ بگڑ کر کہنے لگیں کہ ایک دن وہ یہودیہ ہے اور ایک دن نصرانیہ ہے اور اس کے تمام غلام آزاد ہیں' اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ میں نے آ کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' یہ شیطانی حرکت ہے۔ زینب بنت ام سلمہ جو اس وقت سب سے زیادہ دینی سمجھ رکھنے والی عورت تھیں' انہوں نے بھی یہی فتویٰ دیا اور عاصم بن عمرو کی بیوی نے بھی یہی بتایا۔ پھر فرماتا ہے' اگر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو تم میں سے ایک بھی اپنے آپ کو شرک وکفر' برائی اور بدی سے نہ بچا سکتا۔ یہ رب کا احسان ہے کہ وہ تمہیں توبہ کی توفیق دیتا ہے' پھر تم پر مہربانی سے رجوع کرتا ہے اور تمہیں پاک صاف بنا دیتا ہے۔ اللہ جسے چاہے پاک کرتا ہے اور جسے چاہے ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتیں سننے والا' ان کے احوال کو جاننے والا ہے۔ ہدایت یاب اور گمراہ سب اس کی نگاہ میں ہیں اور اس میں بھی اس حکیم مطلق کی بے پایاں حکمت ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ
وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ
أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾

تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں و مسکینوں اور مہاجروں کو راہ اللہ دینے سے قسم نہ کھا لینی چاہئے بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہئے' کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف فرما دے؟ اللہ قصوروں کا معاف فرمانے والا مہربان ہے ○

دولت مند افراد سے خطاب: ☆☆ (آیت:۲۲) تم میں سے جو کشادہ روزی والے' صاحب مقدرت ہیں' صدقہ اور احسان کرنے والے ہیں' انہیں اس بات کی قسم نہ کھانی چاہئے کہ وہ اپنے قرابت داروں' مسکینوں' مہاجروں کو کچھ دیں گے ہی نہیں۔ اس طرح انہیں متوجہ فرما کر پھر اور نرم کرنے کے لئے فرمایا کہ ان کی طرف سے کوئی قصور بھی سرزد ہو گیا ہو تو انہیں معاف کر دینا چاہئے۔ ان سے کوئی ایذا یا برائی پہنچی ہو تو ان سے درگزر کر لینا چاہئے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حلم و کرم اور لطف و رحم ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو بھلائی کا ہی حکم دیتا ہے۔

یہ آیت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری ہے جب کہ آپ نے حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کسی قسم کا سلوک کرنے سے قسم کھالی تھی کیونکہ بہتان صدیقہؓ میں یہ بھی شامل تھے۔ جیسے کہ پہلے کی آیتوں کی تفسیر میں یہ واقعہ گزر چکا تو جب حقیقت اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دی' ام المومنینؓ بری ہو گئیں' مسلمانوں کے دل روشن ہو گئے' مومنوں کی توبہ قبول ہو گئی' تہمت رکھنے والوں میں سے بعض کو حد شرعی لگ چکی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق کو حضرت مسطح کی طرف متوجہ فرمایا جو آپؓ کی خالہ صاحبہ کے فرزند تھے اور مسکین شخص تھے۔ حضرت صدیق ہی ان کی پرورش کرتے رہتے تھے۔ یہ مہاجر تھے لیکن اس بارے میں اتفاقیہ زبان کھل گئی تھی' انہیں تہمت کی حد لگائی گئی تھی۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت مشہور تھی۔ کیا اپنے' کیا غیر سب کے ساتھ آپ کا سلوک عام تھا۔ آیت کے یہ خصوصی الفاظ حضرت الصدیق رضی اللہ عنہ کے کان میں پڑے کہ کیا تم بخشش الٰہی کے طالب نہیں ہو؟ آپ کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ ہاں قسم ہے اللہ کی' ہماری تو عین چاہت ہے کہ اللہ ہمیں بخشے اور اسی وقت سے مسطح کو جو کچھ دیا کرتے تھے' جاری کر دیا۔ گویا ان آیتوں میں ہمیں تلقین ہوئی کہ جس طرح ہم چاہتے ہیں کہ ہماری تقصیریں معاف ہو جائیں' ہمیں چاہئے کہ دوسروں کی تقصیروں سے بھی درگزر کر لیا کریں۔ یہ بھی خیال میں رہے کہ جس طرح آپ نے پہلے یہ فرمایا تھا کہ واللہ میں اس کے ساتھ کبھی بھی سلوک نہ کروں گا۔ اب عہد کیا کہ واللہ میں اس سے کبھی بھی اس کا مقررہ روزینہ نہ روکوں گا۔ سچ ہے صدیق صدیق ہی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ
وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ
اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾

جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی باایمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں' وہ دنیا اور آخرت میں معلون ہیں اور ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے ○ جب کہ ان کے

مقابلے میں ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے ○ اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ حق و انصاف کے ساتھ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ظاہر کرنے والا ہے ○

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے گستاخ پر اللہ کی لعنت : ☆☆ (آیت :۲۳-۲۵) جب کہ عام مسلمان عورتوں پر طوفان اٹھانے والوں کی سزا یہ ہے تو انبیاء کی بیویوں پر جو مسلمانوں کی مائیں ہیں' بہتان باندھنے والوں کی سزا کیا ہوگی؟ اور خصوصاً اس بیوی پر جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا - علماء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ ان آیتوں کے نزول کے بعد بھی جو شخص مائی صاحبہ کو اس الزام سے یاد کرے' وہ کافر ہے کیونکہ اس نے قرآن پاک کے خلاف کیا - آپ کی اور ازواج مطہراتؓ کے بارے میں صحیح قول یہی ہے کہ وہ بھی مثل صدیقہ کے ہیں - واللہ اعلم - فرماتا ہے کہ ایسے موذی بہتان پرداز دنیا اور آخرت میں لعنت الٰہی کے مستحق ہیں - جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ الخ' یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں' ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لئے رسوا کرنے والے عذاب تیار ہیں - بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مخصوص ہے - ابن عباس رضی اللہ عنہ یہی فرماتے ہیں - سعید بن جبیر' مقاتل بن حیان رحمہم اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے - ابن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت عائشہؓ سے یہ نقل کیا ہے لیکن پھر جو تفصیل وار روایت لائے ہیں' اس میں آپ پر تہمت لگنے' حضور ﷺ پر وحی آنے اور اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر ہے لیکن آپ کے ساتھ اس حکم کے مخصوص ہونے کا ذکر نہیں پس سبب نزول گو خاص ہو لیکن حکم عام رہتا ہے - ممکن ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے قول کا بھی یہی مطلب ہو - واللہ اعلم -

بعض بزرگ فرماتے ہیں' کل ازواج مطہرات کا تو یہ حکم ہے لیکن اور مومنہ عورتوں کا یہ حکم نہیں - ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت سے تو مراد حضور ﷺ کی بیویاں ہیں کہ اہل نفاق جو اس تہمت میں تھے' سب راندہ درگاہ ہوئے' لعنتی ٹھہرے اور غضب الٰہی کے مستحق بن گئے - اس کے بعد عام مومنہ عورتوں پر بدکاری کا بہتان باندھنے والوں کے حکم میں آیت وَالَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَاۡتُوۡا الخ' اتری - پس انہیں کوڑے لگیں گے - اگر انہوں نے توبہ کی تو توبہ تو قبول ہے لیکن گواہی ان کی ہمیشہ تک غیر معتبر رہے گی -

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ سورۂ نور کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ آیت تو حضور ﷺ کی بیویوں کے بارے میں اتری ہے - ان بہتان بازوں کی توبہ بھی قبول نہیں - اس آیت میں ابہام ہے - اور چار گواہ نہ لا سکنے کی آیت عام ایمان دار عورتوں پر تہمت لگانے والوں کے حق میں ہے' ان کی توبہ مقبول ہے - یہ سن کر اکثر لوگوں کا ارادہ ہوا کہ آپ کی پیشانی چوم لیں - کیونکہ آپ نے نہایت ہی عمدہ تفسیر کی تھی - ابہام سے مراد یہ ہے کہ ہر پاک دامن عورت کی شان میں حرمت تہمت عام ہے اور ایسے سب لوگ ملعون ہیں - حضرت عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ہر ایک بہتان باز اس حکم میں شامل ہے لیکن حضرت عائشہؓ بطور اولیٰ ہیں - امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ بھی عموم ہی کو پسند فرماتے ہیں' اور یہی صحیح بھی ہے اور عموم کی تائید میں یہ حدیث بھی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں' سات گناہوں سے بچو جو مہلک ہیں' پوچھا گیا وہ کیا کیا ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا' جادو' کسی کو بلاوجہ مار ڈالنا' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' جہاد سے بھاگنا' پاک دامن بھولی مومنہ پر تہمت لگانا - (بخاری و مسلم) اور حدیث میں ہے' پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے والے کی سو سال کی نیکیاں غارت ہیں -

اعضاء کی گواہی : ☆☆ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ جنت میں سوائے نمازیوں کے اور کوئی نہیں بھیجا جاتا تو وہ کہیں گے' آؤ ہم بھی انکار کر دیں چنانچہ اپنے شرک کا یہ انکار کر دیں گے - اسی وقت ان کے منہ پر مہر لگ جائے گی اور ہاتھ

پاؤں گواہی دینے لگیں گے اور اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' کافروں کے سامنے جب ان کی بداعمالیاں پیش کی جائیں گے تو وہ انکار کر جائیں گے اور اپنی بے گناہی بیان کرنے لگیں گے تو کہا جائے گا' یہ ہیں تمہارے پڑوسی' یہ تمہارے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔ یہ کہیں گے' یہ سب جھوٹے ہیں تو کہا جائے گا کہ اچھا خود تمہارے کنبے قبیلے کے لوگ موجود ہیں۔ یہ کہہ دیں گے' یہ بھی جھوٹے ہیں تو کہا جائے گا۔ اچھا تم قسمیں کھاؤ' یہ قسمیں کھالیں گے' پھر اللہ انہیں گونگا کر دے گا اور خود ان کے ہاتھ پاؤں ان کی بداعمالیوں کی گواہی دیں گے۔ پھر انہیں جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ہنس دیئے اور فرمانے لگے۔ جانتے ہو' میں کیوں ہنسا؟ ہم نے کہا اللہ ہی جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا' بندہ قیامت کے دن اپنے رب سے جو حجت بازی کرے گا' اس پر یہ کہے گا کہ الٰہی کیا تو نے مجھے ظلم سے نہیں روکا تھا؟ اللہ فرمائے گا ہاں۔ تو یہ کہے گا بس آج جو گواہ میں سچا مانوں' اسی کی شہادت میرے بارے میں معتبر مانی جائے۔ اور وہ گواہ سوا میرے اور کوئی نہیں۔ اللہ فرمائے گا' اچھا یونہی سہی' تو ہی اپنا گواہ رہ۔ اب منہ پر مہر لگ جائے گی اور اعضاء سے سوال ہوگا تو وہ سارے عقدے کھول دیں گے۔ اس وقت بندہ کہے گا' تم غارت ہو جاؤ' تمہیں بربادی آئے' تمہاری طرف سے ہی تو میں لڑ جھگڑ رہا تھا (مسلم)

قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے' اے ابن آدم تو خود اپنی بداعمالیوں کا گواہ ہے' تیرے کل جسم کے اعضاء تیرے خلاف بولیں گے' ان کا خیال رکھ' اللہ سے پوشیدگی اور ظاہری میں ڈرتا رہ۔ اس کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہیں' اندھیرا اس کے سامنے روشنی کی مانند ہے۔ چھپا ہوا اس کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ اللہ کے ساتھ نیک گمانی کی حالت میں مرو۔ اللہ ہی کے ساتھ ہماری قوتیں ہیں۔ یہاں دین سے مراد حساب ہے۔ ⑥ جمہور کی قرأت میں حق کا زبر ہے کیونکہ وہ دین کی صفت ہے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے حق پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہ لغت ہے لفظ اللہ کی۔ ابی بن کعب کے مصحف میں یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ الْحَقُّ دِیْنَهُمْ بعض سلف سے پڑھنا مروی ہے۔ اس وقت جان لیں گے کہ اللہ کے وعدے وعید حق ہیں۔ اس کا حساب عدل والا ہے' ظلم سے دور ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ ع ۳

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں' اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہیں' ایسے پاک لوگوں کے متعلق جو کچھ بکواس بہتان باز کر رہے ہیں' وہ اس سے بالکل بے لگاؤ ہیں' ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ○ اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام کر لو' یہی تمہارے لئے سراسر بہتری ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○

بھلی بات کے حق دار بھلے لوگ ہی ہیں: ☆☆ (آیت: ۲۶) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسی بری بات برے لوگوں کے لئے ہے۔ بھلی بات کے حقدار بھلے لوگ ہوتے ہیں۔ یعنی اہل نفاق نے صدیقہؓ پر جو تہمت باندھی اور ان کی شان میں جو بدالفاظی کی' اس

کے لائق وہی ہیں اس لئے کہ وہی بد ہیں اور خبیث ہیں۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ پاک ہیں اس لئے وہ پاک کلموں کے لائق ہیں وہ ناپاک بہتان سے بری ہیں۔ یہ آیت بھی حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جو ہر طرح طیب ہیں ناممکن ہے کہ ان کے نکاح میں اللہ کسی ایسی عورت کو دے جو خبیثہ ہو۔ خبیثہ عورتیں تو خبیث مردوں کے لائق ہوتی ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ یہ لوگ ان تمام تہمتوں سے پاک ہیں جو دشمنان رب باندھ رہے ہیں۔ انہیں ان کی بدکلامیوں سے جو رنج وایذا پہنچی وہ بھی ان کے لئے باعث مغفرت گناہ بن جائے گی۔ اور یہ چونکہ حضور ﷺ کی بیوی ہیں جنت عدن میں بھی آپؐ کے ساتھ ہی رہیں گی۔

ایک مرتبہ اسیر بن جابر حضرت عبداللہ کے پاس آ کر کہنے لگے آج تو میں نے ولید بن عقبہ سے ایک نہایت ہی عمدہ بات سنی تو حضرت عبداللہ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ مومن کے دل میں پاک بات اترتی ہے اور وہ اس کے سینے میں آ جاتی ہے پھر وہ اسے زبان سے بیان کرتا ہے وہ بات چونکہ بھلی ہوتی ہے بھلے سننے والے اسے اپنے دل میں بٹھا لیتے ہیں اور اسی طرح بری بات برے لوگوں کے دلوں سے سینوں تک اور وہاں سے زبانوں تک آتی ہے برے لوگ اسے سنتے ہیں اور اپنے دل میں بٹھاتے ہیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ جو شخص بہت سی باتیں سنے پھر ان میں جو سب سے خراب ہو اسے بیان کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی بکریوں والے سے ایک بکری مانگے وہ اسے کہے کہ جا اس ریوڑ میں سے تجھے جو پسند ہو لے لے یہ جائے اور ریوڑ کے کتے کا کان پکڑ کر لے جائے۔ اور حدیث میں ہے حکمت کا کلمہ مومن کی گم گشتہ دولت ہے جہاں سے پائے لے لے۔

شرعی آداب: ☆☆ (آیت:۲۷) شرعی ادب بیان ہو رہا ہے کہ کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت مانگو جب اجازت ملے جاؤ پہلے سلام کرو۔ اگر پہلی دفعہ کی اجازت طلبی پر جواب نہ ملے تو پھر اجازت مانگو۔ تین مرتبہ اجازت چاہو اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو لوٹ جاؤ۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

اگر وہاں تمہیں کوئی بھی نہ ملے تو بھی پروانگی (اجازت) ملے بغیر اندر نہ جاؤ اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ ہی جاؤ۔ یہی بات تمہارے لئے زیادہ ستھرائی والی ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ خوب جانتا ہے ○ ہاں غیر آباد گھروں میں جہاں تمہارا کوئی فائدہ یا اسباب ہو جانے میں تم پر کوئی گناہ نہیں تم جو کچھ بھی ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اللہ سب کچھ جانتا ہے ○

(آیت:۲۸-۲۹) صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ تین دفعہ اجازت مانگی۔ جب کوئی نہ بولا تو آپ واپس لوٹ گئے۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا دیکھو عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنا چاہتے ہیں۔ انہیں بلا لو لوگ گئے۔ دیکھا تو وہ چلے گئے ہیں۔ واپس کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر دی۔ دوبارہ جب حضرت ابو

موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا' آپ واپس کیوں چلے گئے تھے؟ جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ تین دفعہ اجازت چاہنے کے بعد بھی اگر اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جاؤ۔ میں نے تین بار اجازت چاہی جب جواب نہ آیا تو میں اس حدیث پر عمل کر کے واپس لوٹ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اس پر کسی گواہ کو پیش کرو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ آپ وہاں سے اٹھ کر انصار کے ایک مجمع میں پہنچے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا اور فرمایا کہ تم میں سے کسی نے اگر حضور ﷺ کا یہ حکم سنا ہو تو میرے ساتھ چل کر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہہ دے۔ انصار نے کہا' یہ مسئلہ تو عام ہے۔ بیشک حضور ﷺ نے فرمایا ہے' ہم سب نے سنا ہے۔ ہم اپنے سب سے نو عمر لڑکے کو تیرے ساتھ کر دیتے ہیں' یہی گواہی دے آئیں گے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا کہ میں نے بھی حضور ﷺ سے یہی سنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت افسوس کرنے لگے کہ بازاروں کے لین دین نے مجھے اس مسئلہ سے غافل رکھا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت مانگی۔ فرمایا السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں وعلیک السلام ورحمتہ اللہ تو کہہ دیا لیکن ایسی آواز سے کہ آپ نہ سنیں۔ چنانچہ تین بار یہی ہوا۔ حضور ﷺ سلام کرتے۔ آپ جواب دیتے لیکن اس طرح کہ حضور ﷺ سنیں نہیں۔ اس کے بعد آپ وہاں سے واپس لوٹ چلے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پیچھے لپکے ہوئے آئے اور کہنے لگے یا رسول ﷺ اللہ' آپ کی تمام آوازیں میرے کانوں میں پہنچ رہی تھیں۔ میں نے ہر سلام کا جواب بھی دیا لیکن اس خیال سے کہ آپ کی دعائیں بہت ساری لوں اور زیادہ برکت حاصل کروں کہ جواب اس طرح نہ دیا کہ آپ کو سنائی دے' اب آپ چلئے۔ تشریف رکھئے چنانچہ حضور ﷺ گئے۔ انہوں نے آپ کے سامنے کشمش لا کر رکھی۔ آپؐ نے نوش فرمائیں اور فارغ ہو کر فرمانے لگے۔ تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا۔ فرشتے تم پر رحمت بھیج رہے ہیں' تمہارے ہاں روزے داروں نے روزہ کھولا۔

اور روایت میں ہے کہ جس وقت حضور ﷺ نے سلام کیا اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آہستہ جواب دیا تو ان کے لڑکے حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت کیوں نہیں دیتے؟ آپؓ نے فرمایا' خاموش رہو' دیکھو حضور ﷺ دوبارہ سلام کہیں گے' ہمیں دوبارہ آپ کی دعا ملے گی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہاں جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی ایک چادر پیش کی جسے آپؐ نے جسم مبارک پر لپیٹ لی پھر ہاتھ اٹھا کر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعا کی کہ اے اللہ' سعد بن عبادہ کی آل پر اپنے درود و رحمت نازل فرما۔ پھر حضور ﷺ نے وہیں کھانا تناول فرمایا۔ جب واپس جانے کا ارادہ کیا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گدھے پر پالان کس لائے۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لئے پیش کیا اور اپنے لڑکے قیس سے کہا' تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ جاؤ۔ یہ ساتھ چلے مگر حضور ﷺ نے ان سے فرمایا' قیس آؤ تم بھی سوار ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا۔ حضور ﷺ مجھ سے تو یہ نہ ہو سکے گا۔ آپ نے فرمایا دو باتوں میں سے ایک تمہیں ضرور کرنی ہو گی یا تو میرے ساتھ اس جانور پر سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ۔ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپس جانا منظور کر لیا۔

یہ یاد رہے کہ اجازت مانگنے والا گھر کے دروازے کے بالمقابل کھڑا نہ رہے بلکہ دائیں بائیں قدرے کھسک کے کھڑا رہے۔ کیونکہ ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ جب کسی کے ہاں جاتے تو اس کے دروازے کے بالکل سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ ادھر یا ادھر قدرے دور ہو کر زور سے سلام کہتے۔ اس وقت تک دروازوں پر پردے بھی نہیں ہوتے تھے۔ حضور ﷺ کے مکان کے دروازے کے سامنے ہی کھڑے ہو کر ایک شخص نے اجازت مانگی تو آپ نے اسے تعلیم دی کہ نظر نہ پڑے' اسی لئے تو اجازت مقرر کی گئی ہے۔ پھر دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر

آواز دینے کے کیا معنی؟ یا تو ذرا سا ادھر ہو جاؤ یا ادھر۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر کوئی تیرے گھر میں تیری اجازت کے بغیر جھانکنے لگے اور تو اسے کنکر مارے جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھے کوئی گناہ نہ ہوگا۔

حضرت جابرؓ ایک مرتبہ اپنے والد مرحوم کے قرضے کی ادائیگی کے فکر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دروازہ کھٹکانے لگے تو آپؐ نے پوچھا' کون صاحب ہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''میں''۔ آپؐ نے فرمایا ''میں میں''۔ گویا آپؐ نے اس کہنے کو ناپسند فرمایا کیونکہ ''میں'' کہنے سے یہ تو معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون ہے جب تک کہ نام یا مشہور کنیت نہ بتائی جائے۔ ''میں'' تو ہر شخص اپنے لئے کہہ سکتا ہے۔ پس اجازت طلبی کا اصلی مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ اِسْتِئْذَانُ اِسْتِنَاسُ ایک ہی بات ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی قرأت تھی اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی۔ لیکن یہ بہت غریب ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے مصحف میں حَتّٰی تُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَهْلِهَا وَ تَسْتَاْذِنُوْا ہے۔ صفوانؓ بن امیہ جب مسلمان ہو گئے' ایک مرتبہ کلدہ بن حنبل کو آپ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ آپ اس وقت وادی کے اونچے حصے میں تھے۔ یہ سلام کئے بغیر اور اجازت لئے بغیر ہی آپ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ۔ اور کہو السلام علیکم۔ کیا میں آؤں؟ اور حدیث میں ہے قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص آپ کے گھر آیا اور کہنے لگا میں اندر آ جاؤں؟ آپ نے اپنے غلام سے فرمایا' جاؤ اور اسے اجازت مانگنے کا طریقہ سکھاؤ کہ پہلے تو سلام کرے۔ پھر دریافت کرے۔ اس شخص نے یہ سن لیا اور اسی طرح سلام کر کے اجازت چاہی آپؐ نے اجازت دے دی اور وہ اندر گئے۔ ایک اور حدیث میں ہے' آپؐ نے اپنی خادمہ سے فرمایا تھا (ترمذی) اور حدیث میں ہے' کلام سے پہلے سلام ہونا چاہئے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ترمذی میں موجود ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آ رہے تھے لیکن دھوپ کی تاب نہ لا سکے تو ایک قریشی کی جھونپڑی کے پاس پہنچ کر فرمایا' السلام علیکم کیا میں اندر آ جاؤں؟ اس نے کہا سلامتی سے آ جاؤ' آپ نے پھر یہی کہا اس نے پھر یہی جواب دیا۔ آپ کے پاؤں جل رہے تھے' کبھی اس قدم پر سہارا لیتے' کبھی اس قدم پر' فرمایا یوں کہو کہ آ جاؤ۔ اس نے کہا۔ آ جاؤ۔ اب آپ اندر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ کے پاس چار عورتیں گئیں۔ اجازت چاہی کہ کیا ہم آ جائیں؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں تم میں جو اجازت کا طریقہ جانتی ہو۔ اسے کہو کہ وہ اجازت لے۔ تو ایک عورت نے پہلے سلام کیا پھر اجازت مانگی۔ حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی۔ پھر یہی آیت پڑھ کر سنائی۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اپنی ماں اور بہنوں کے پاس بھی جانا ہو تو ضرور اجازت لے لیا کرو۔ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک عورت نے رسول کریم ﷺ سے کہا کہ میں بعض دفعہ گھر میں اس حالت میں ہوتی ہوں کہ اگر میرے باپ بھی آ جائیں یا میرا اپنا لڑکا بھی اس وقت آ جائے تو مجھے برا معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ حالت ایسی نہیں ہوتی کہ اس وقت کسی کی بھی نگاہ مجھ پر پڑے تو میں ناخوش نہ ہوؤں۔ اور گھر والوں میں سے کوئی آ ہی جاتا ہے۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ تین آیتیں ہیں کہ لوگوں نے ان پر عمل چھوڑ رکھا ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ فرماتا ہے تم میں سب سے زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو سب سے زیادہ خوف الٰہی رکھتا ہو۔ اور لوگوں کا خیال یہ ہے کہ سب سے بڑا وہ ہے جو سب سے زیادہ امیر ہو۔ اور ادب کی آیتیں بھی لوگ چھوڑے بیٹھے ہیں۔ حضرت عطار حمتہ اللہ علیہ نے پوچھا۔ میرے گھر میں میری یتیم بہنیں ہیں جو ایک ہی گھر میں رہتی ہیں اور میں ہی انہیں پالتا ہوں۔ کیا ان کے پاس جانے کے لئے بھی مجھے اجازت کی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں ضرور اجازت طلب کیا کرو۔ میں نے دوبارہ یہی سوال کیا کہ شاید کوئی رخصت کا پہلو نکل آئے لیکن آپ نے فرمایا' کیا تم انہیں ننگا دیکھنا پسند کرو گے؟ میں نے کہا نہیں' فرمایا پھر ضرور اجازت مانگا کرو۔ میں نے پھر یہی سوال دوہرایا تو آپ نے فرمایا' کیا تو اللہ کا حکم مانے گا یا نہیں؟ میں نے کہا' ہاں مانوں گا۔ آپ نے فرمایا پھر بغیر اطلاع ہرگز ان کے پاس بھی نہ جاؤ۔ حضرت

طاؤس رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں- محرمات ابدیہ پر ان کی عریانی کی حالت میں نظر پڑ جائے' اس سے زیادہ برائی میرے نزدیک اور کوئی نہیں- ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اپنی ماں کے پاس بھی گھر میں بغیر اطلاع کے نہ جاؤ- عطار حمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ بیوی کے پاس بھی بغیر اجازت کے نہ جائے؟ فرمایا یہاں اجازت کی ضرورت نہیں- یہ قول بھی محمول ہے اس پر کہ اس سے اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں لیکن تاہم اطلاع ضرور ہونی چاہئے- ممکن ہے وہ اس وقت ایسی حالت میں ہو کہ وہ نہیں چاہتی کہ خاوند بھی اس حالت پر اسے دیکھے-

حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ میرے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب میرے پاس گھر میں آتے تو کھنگھار کر آتے- کبھی بلند آواز سے دروازے کے باہر کسی سے باتیں کرنے لگتے تاکہ گھر والوں کو آپ کے آنے کی اطلاع ہو جائے چنانچہ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے تَسْتَاْنِسُوْا کے معنی بھی یہی کئے ہیں کہ کھنگھار دینا' تھوک دینا وغیرہ- امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مستحب ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جانا چاہے' باہر سے ہی کھنگھار دے یا جوتیوں کی آہٹ سنا دے- ایک حدیث میں ہے کہ سفر سے رات کے وقت بغیر اطلاع گھر آ جانے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے- کیونکہ اس سے گویا گھر والوں کی خیانت کا پوشیدہ طور پر ٹٹولنا ہے- آپ ایک مرتبہ ایک سفر سے صبح کے وقت آئے تو حکم دیا کہ بستی کے پاس لوگ اتریں تاکہ مدینے میں خبر مشہور ہو جائے- شام کو اپنے گھروں میں جانا- اس لئے کہ اس اثناء میں عورتیں اپنی صفائی ستھرائی کر لیں- اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا' سلام تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس کا طریقہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' سبحان اللہ یا الحمد للہ یا اللہ اکبر بلند آواز سے کہہ دینا یا کھنگھار دینا جس سے گھر والے معلوم کر لیں کہ فلاں آ رہا ہے- حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین بار کی اجازت اس لئے مقرر کی ہے کہ پہلی دفعہ میں تو گھر والے معلوم کر لیں کہ فلاں ہے- دوسری دفعہ میں وہ سنبھل جائیں اور ہوشیار ہو جائیں- تیسری مرتبہ میں اگر وہ چاہیں اجازت دیں' چاہیں منع کر دیں- جب اجازت نہ ملے' پھر دروازے پر ٹھہرا رہنا برا ہے- لوگوں کو اپنے کام اور اشغال ایسے ضروری ہوتے ہیں کہ وہ اس وقت اجازت نہیں دے سکتے- مقاتل بن حیان فرماتے ہیں' جاہلیت کے زمانے میں سلام کا دستور نہ تھا ایک دوسرے سے ملتے تھے لیکن سلام نہ کرتے تھے- کسی کے ہاں جاتے تھے تو اجازت نہیں لیتے تھے- یونہی جا دھمکے- پھر کہہ دیا کہ میں آ گیا ہوں- تو بسا اوقات یہ گھر والے پر گراں گزرتا- ایسا بھی ہوتا کہ وہ اپنے گھر میں بھی ایسے حال میں ہوتا کہ اسے اس کا آنا بہت برا لگتا- اللہ تعالیٰ نے یہ تمام برے دستور اچھے آداب سکھا کر بدل دیئے- اسی لئے فرمایا کہ یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے- اس میں مکان والے کو' آنے والے کو دونوں کو راحت ہے- یہ چیزیں تمہاری نصیحت اور خیر خواہی کی ہیں- اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو بے اجازت اندر نہ جاؤ- کیونکہ یہ دوسرے کی ملک میں تصرف کرنا ہے جو ناجائز ہے- مالک مکان کو حق ہے اگر وہ چاہے اجازت دے' چاہے روک دے- اگر تمہیں کہا جائے' لوٹ جاؤ تو تمہیں واپس چلے جانا چاہئے- اس میں برا ماننے کی بات نہیں بلکہ یہ تو بڑا ہی پیارا طریقہ ہے- بعض مہاجرین رضی اللہ عنہم اجمعین افسوس کیا کرتے تھے کہ ہمیں اپنی پوری عمر میں اس آیت پر عمل کرنے کا موقعہ نہیں ملا کہ کوئی ہم سے کہتا' لوٹ جاؤ اور ہم اس آیت کے ماتحت وہاں سے واپس ہو جاتے- اجازت نہ ملنے پر دروازے پر ٹھہرے رہنا بھی منع فرما دیا- اللہ تمہارے عملوں سے باخبر ہے- یہ آیت اگلی آیت سے مخصوص ہے- اس میں ان گھروں میں بلا اجازت جانے کی رخصت ہے جہاں کوئی نہ ہو اور وہاں اس کا کوئی سامان وغیرہ ہو- جیسے کہ مہمان خانہ وغیرہ- یہاں جب پہلی مرتبہ اجازت مل گئی' پھر ہر بار کی اجازت ضروری نہیں- تو گویا یہ آیت پہلی آیت سے استثنا ہے- اسی طرح کے ایسے ہی تاجروں کے گودام مسافر خانے وغیرہ ہیں- اور اول بات زیادہ ظاہر ہے- واللہ اعلم- زیدؒ کہتے ہیں مراد اس سے بیت الشعر ہے-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں' یہی ان کے لئے پاکیزگی ہے' لوگ جو کچھ کریں اللہ سب سے خبردار ہے ○

حرام چیزوں پر نگاہ نہ ڈالو: ☆☆ (آیت:۳۰) حکم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کا دیکھنا میں نے حرام کر دیا ہے' ان پر نگاہیں نہ ڈالو۔ حرام چیزوں سے آنکھیں نیچی کر لو۔ اگر بالفرض اچانک نظر پڑ جائے تو بھی دوبارہ یا نظر بھر کر نہ دیکھو۔ صحیح مسلم میں ہے' حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے اچانک نگاہ پڑ جانے کی بابت پوچھا تو آپؐ نے فرمایا' اپنی نگاہ فوراً ہٹا لو۔ نیچی نگاہ کرنا یا ادھر ادھر دیکھنے لگ جانا' اللہ کی حرام کردہ چیز کو نہ دیکھنا آیت کا مقصود ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ نے فرمایا۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نظر پر نظر نہ جماؤ' اچانک جو پڑ گئی وہ تو معاف ہے' قصداً معاف نہیں۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا' راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔ لوگوں نے کہا' حضور ﷺ کام کاج کے لئے وہ تو ضروری ہے۔ آپؐ نے فرمایا' اچھا تو راستوں کا حق ادا کرتے رہو۔ انہوں نے کہا وہ کیا؟ فرمایا' نیچی نگاہ رکھنا' کسی کو ایذا نہ دینا' سلام کا جواب دینا' اچھی باتوں کی تعلیم کرنا' بری باتوں سے روکنا۔ آپؐ فرماتے ہیں' چھ چیزوں کے تم ضامن ہو جاؤ' میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔ بات کرتے ہوئے جھوٹ نہ بولو۔ امانت میں خیانت نہ کرو۔ وعدہ خلافی نہ کرو۔ نظر نیچی رکھو۔ ہاتھوں کو ظلم سے بچائے رکھو۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

صحیح بخاری میں ہے' جو شخص زبان اور شرمگاہ کو اللہ کے فرمان کے ماتحت رکھے' میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ عبیدہ کا قول ہے کہ جس چیز کا نتیجہ نافرمانی رب ہو' وہ کبیرہ گناہ ہے چونکہ نگاہ پڑنے کے بعد دل میں فساد کھڑا ہوتا ہے' اس لئے شرمگاہ کو بچانے کے لئے نظریں نیچی رکھنے کا فرمان ہوا۔ نظر بھی ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ پس زنا سے بچنا بھی ضروری ہے اور نگاہ نیچی رکھنا بھی ضروری ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے۔ محرمات کو نہ دیکھنے سے دل پاک ہوتا ہے اور دین صاف ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنی نگاہ حرام چیزوں پر نہیں ڈالتے' اللہ ان کی آنکھوں میں نور بھر دیتا ہے۔ اور ان کے دل بھی نورانی کر دیتا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں' جس کی نظر کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑ جائے' پھر وہ اپنی نگاہ ہٹا لے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک ایسی عبادت اسے عطا فرماتا ہے جس کی لذت وہ اپنے دل میں پاتا ہے۔ اس حدیث کی سندیں تو ضعیف ہیں مگر یہ رغبت دلانے کے بارے میں ہے۔ اور ایسی حدیثوں میں سند کی اتنی زیادہ دیکھ بھال نہیں ہوتی۔ طبرانی میں ہے کہ یا تو تم اپنی نگاہیں نیچی رکھو گے اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو گے اور اپنے منہ سیدھے رکھو گے یا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں بدل دے گا۔ (اعاذنا اللہ من کل عذابہ) فرماتے ہیں' نظر ابلیسی تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جو شخص خوف الٰہی سے اپنی نگاہ روک رکھے' اللہ اس کے دل میں ایسا نور ایمان پیدا کر دیتا ہے کہ اسے مزہ آنے لگتا ہے۔ لوگوں کا کوئی عمل اللہ پر پوشیدہ نہیں۔ وہ آنکھوں کی خیانت کو' دل کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' ابن آدم کے ذمے اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جسے وہ لامحالہ پالے گا' آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے' زبان کا زنا بولنا ہے' کانوں کا زنا سننا ہے' ہاتھوں کا زنا تھامنا ہے' پیروں کا زنا چلنا ہے' دل خواہش' تمنا اور آرزو کرتا ہے' پھر شرمگاہ تو سب کو سچا کر دیتی ہے یا سب کو جھوٹا بنا دیتی ہے۔ (رواہ البخاری تعلیقاً)

اکثر سلف لڑکوں کو گھورا گھاری سے بھی منع کرتے تھے۔ اکثر ائمہ صوفیہ نے اس بارے میں بہت کچھ سختی کی ہے۔ اہل علم کی جماعت نے اس کو مطلق حرام کہا ہے اور بعضوں نے اسے کبیرہ گناہ فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر آنکھ قیامت کے دن روئے گی مگر وہ آنکھ

جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کے دیکھنے سے بند رہے اور وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں جاگتی رہے اور وہ آنکھ جو خوف الٰہی سے رو دے۔ گو اس میں سے آنسو صرف مکھی کے سر کے برابر ہی نکلا ہو۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَاۗءِ

مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنے مل جول کی عورتوں کے یا اپنے غلاموں کے یا ایسے نوکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں۔

مومنہ عورتوں کو تاکید: ☆☆ (آیت:۳۱) یہاں اللہ تعالیٰ مومنہ عورتوں کو چند حکم دیتا ہے تاکہ ان کے باغیرت مردوں کو تسکین ہو اور جاہلیت کی بری رسمیں نکل جائیں۔ مروی ہے کہ اسماء بنت مرشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان بنو حارثہ کے محلے میں تھا۔ ان کے پاس عورتیں آتی تھیں اور دستور کے مطابق اپنے پیروں کے زیور' سینے اور بال کھولے ہوئے آیا کرتی تھیں۔ حضرت اسماء نے کہا' یہ کیسی بری بات ہے؟ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ پس حکم ہوتا ہے کہ مسلمان عورتوں کو بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھنی چاہئیں۔ سوا اپنے خاوند کے کسی کو بہ نظر شہوت نہ دیکھنا چاہئے۔ اجنبی مردوں کی طرف تو دیکھنا ہی حرام ہے خواہ شہوت سے ہو خواہ بغیر شہوت کے۔ ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما بیٹھی تھیں کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ یہ واقعہ پردے کی آیتیں اترنے کے بعد کا ہے۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ پردہ کرلو۔ انہوں نے کہا' یارسول اللہ وہ تو نابینا ہیں۔ نہ ہمیں دیکھیں گے نہ پہچانیں گے۔ آپؐ نے فرمایا' تم تو نابینا نہیں ہو کہ اس کو نہ دیکھو؟ ہاں بعض علماء نے بے شہوت نظر کو حرام نہیں کہا۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ عید والے دن حبشی لوگوں نے مسجد میں ہتھیاروں کے کرتب شروع کئے اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ نے اپنے پیچھے کھڑا کرلیا۔ آپ دیکھ رہی تھیں یہاں تک کہ جی بھر گیا اور تھک کر چلی گئیں۔ عورتوں کو بھی اپنی عصمت کا بچاؤ چاہئے' بدکاری سے دور رہیں' اپنا آپ کسی کو نہ دکھائیں۔ اجنبی غیر مردوں کے سامنے اپنی زینت کی کسی چیز کو ظاہر نہ کریں ہاں جس کا چھپانا ممکن ہی نہ ہو اس کی اور بات ہے جیسے چادر اور اوپر کا کپڑا وغیرہ جن کا پوشیدہ رکھنا عورتوں کے لئے ناممکنات سے ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد چہرہ' پہنچوں تک کے ہاتھ اور انگوٹھی

ہے-لیکن ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ یہی زینت کے وہ محل ہیں جن کے ظاہر کرنے سے شریعت نے ممانعت کر دی-

جب کہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں یعنی بالیاں' ہار' پاؤں کا زیور وغیرہ-فرماتے ہیں زینت دو طرح کی ہے-ایک تو وہ جسے خاوند ہی دیکھے جیسے انگوٹھی اور کنگن اور دوسرے زینت وہ جسے غیر بھی دیکھیں جیسے اوپر کا کپڑا- زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی آیت میں جن رشتہ داروں کا ذکر ہے' ان کے سامنے تو کنگن' دوپٹہ' بالیاں کھل جائیں تو حرج نہیں لیکن اور لوگوں کے سامنے صرف انگوٹھیاں ظاہر ہو جائیں تو پکڑ نہیں-اور روایت میں انگوٹھیوں کے ساتھ ہی پیر کے خلخال کا بھی ذکر ہے-ہوسکتا ہے کہ مَا ظَھَرَ مِنْھَا کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے منہ اور پہنچوں سے کی ہو- جیسے ابوداؤد میں ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں' کپڑے باریک پہنے ہوئے تھیں تو آپ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا جب عورت بلوغت کو پہنچ جائے تو سوا اس کے اور اس کے یعنی چہرے کے اور پہنچوں کے اس کا کوئی عضو دکھانا ٹھیک نہیں-لیکن یہ مرسل ہے- خالد بن دریک رحمتہ اللہ علیہ اسے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا مائی صاحبہ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں-واللہ اعلم-

عورتوں کو چاہئے کہ اپنے دوپٹوں سے یا اور کپڑے سے بکل مالیں تا کہ سینہ اور گلے کا زیور چھپا رہے- جاہلیت میں اس کا بھی رواج نہ تھا-عورتیں اپنے سینوں پر کچھ نہیں ڈالتیں تھیں-بسا اوقات گردن اور بال' چوٹی' بالیاں وغیرہ صاف نظر آتی تھیں-ایک اور آیت میں ہے' اے نبی ﷺ اپنی بیویوں سے اپنی بیٹیوں سے' اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادریں اپنے اوپر لٹکا لیا کریں تا کہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں-خمر خمار کی جمع ہے-خمار کہتے ہیں ہر اس چیز کو جو ڈھانپ لے- چونکہ دوپٹہ سر کو ڈھانپ لیتا ہے' اس لئے اسے بھی خمار کہتے ہیں-پس عورتوں کو چاہئے کہ اپنی اوڑھنی سے یا کسی اور کپڑے سے اپنا گلا اور سینہ بھی چھپائے رکھیں-حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر رحم فرمائے جنہوں نے شروع شروع ہجرت کی تھی کہ جب یہ آیت اتری' انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے- بعض نے اپنے تہبد کے کنارے کاٹ کر ان سے سر ڈھک لیا-ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس عورتوں نے قریش عورتوں کی فضیلت بیان کرنی شروع کی تو آپؓ نے فرمایا' ان کی فضیلت کی قائل میں بھی ہوں لیکن واللہ میں نے انصار کی عورتوں سے افضل عورتیں نہیں دیکھیں-ان کے دلوں میں جو کتاب اللہ کی تصدیق اور اس پر کامل ایمان ہے' وہ بے شک قابل قدر ہے-

سورہ نور کی آیت وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ جب نازل ہوئی اور ان کے مردوں نے گھر میں جا کر یہ آیت انہیں سنائی' اسی وقت ان عورتوں نے اس پر عمل کر لیا اور صبح کی نماز میں وہ آئیں تو سب کے سروں پر دوپٹے موجود تھے-گویا ڈول رکھے ہوئے ہیں-اس کے بعد ان مردوں کا بیان فرمایا جن کے سامنے عورت ہو سکتی ہے اور بغیر بناؤ سنگھار کے ان کے سامنے شرم و حیاء کے ساتھ آ جا سکتی ہے گو ظاہری بعض زینت کی چیزوں پر بھی ان کی نظر پڑ جائے-سوائے خاوند کے کہ اس کے سامنے تو عورت اپنا پورا بناؤ سنگھار زیب و زینت کرے گو چچا اور ماموں بھی ذی محرم ہیں لیکن ان کا نام یہاں اس لئے نہیں لیا گیا کہ ممکن ہے وہ اپنے بیٹوں کے سامنے ان کے محاسن بیان کریں-اس لئے ان کے سامنے بغیر دوپٹے کے نہ آنا چاہئے- پھر فرمایا' تمہاری عورتیں یعنی مسلمان عورتوں کے سامنے بھی اس زینت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں-اہل ذمہ کی عورتوں کے سامنے اس لئے رخصت نہیں دی گئی کہ بہت ممکن ہے وہ اپنے مردوں میں ان کی خوبصورتی اور زینت کا ذکر کریں- گو مومن عورتوں سے بھی یہ خوف ہے مگر شریعت نے چونکہ اسے حرام قرار دیا ہے' اس لئے مسلمان عورتیں تو ایسا نہ کریں گی لیکن ذمی کافروں کی عورتوں کو اس سے کون سی چیز روک سکتی ہے؟ بخاری و مسلم میں ہے کہ کسی عورت کو جائز نہیں۔ کہ دوسری عورت سے مل کر اس کے

اوصاف اپنے خاوند کے سامنے اس طرح بیان کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض مسلمان عورتیں حمام میں جاتی ہیں ان کے ساتھ مشرکہ عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ سنو کسی مسلمان عورت کو حلال نہیں کہ وہ اپنا جسم کسی غیر مسلمہ عورت کو دکھائے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ بھی اَوْ نِسَآءِ ھِنَّ کی تفسیر میں فرماتے ہیں' مراد اس سے مسلمان عورتیں ہیں تو ان کے سامنے وہ زینت ظاہر کر سکتی ہے جو اپنے ذی محرم رشتے داروں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے۔ یعنی گلا' بالیاں اور ہار۔ پس مسلمان عورت کو ننگے سر کسی مشرکہ عورت کے سامنے ہونا جائز نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب صحابہ بیت المقدس پہنچے تو ان کی بیویوں کے لئے دایہ یہودیہ اور نصرانیہ عورتیں ہی تھیں۔ پس اگر یہ ثابت ہو جائے تو محمول ہو گا ضرورت پر یا ان عورتوں کی ذلت پر۔ پھر اس میں غیر ضروری جسم کا کھلنا بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔ ہاں مشرکہ عورتوں میں جو لونڈیاں باندیاں ہوں' وہ اس حکم سے خارج ہیں۔ بعض کہتے ہیں' غلاموں کا بھی یہی حکم ہے۔

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس انہیں دینے کے لیے ایک غلام لے کر آئے۔ حضرت فاطمہؓ اسے دیکھ کر اپنے آپ کو اپنے دوپٹے میں چھپانے لگیں۔ لیکن چونکہ کپڑا چھوٹا تھا' سر ڈھانپتی تھیں تو پیر کھل جاتے تھے اور پیر ڈھانپتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا بیٹی کیوں تکلیف کرتی ہو' میں تو تمہارا والد ہوں اور یہ تمہارا غلام ہے۔ ابن عساکر کی روایت میں ہے' اس غلام کا نام عبداللہ بن مسعدہ تھا۔ یہ فرازی تھے۔ سخت سیاہ فام۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں پرورش کر کے آزاد کر دیا تھا۔ صفین کی جنگ میں یہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت مخالف تھے۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا۔ تم میں سے جس کسی کا مکاتب غلام ہو جس سے یہ شرط ہو گئی ہو کہ اتنا اتنا روپیہ دے دے تو تو آزاد' پھر اس کے پاس اتنی رقم بھی جمع ہو گئی ہو تو چاہئے کہ اس سے پردہ کرے۔ پھر بیان فرمایا کہ نوکر چاکر کام کاج کرنے والے ان مردوں کے سامنے جو مردانگی نہیں رکھتے' عورتوں کی خواہش جنہیں نہیں۔ اس مطلب کے ہی وہ نہیں' ان کا حکم بھی ذی محرم مردوں کا ہے یعنی ان کے سامنے بھی اپنی ایسی زینت کے اظہار میں مضائقہ نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سست ہو گئے ہیں' عورتوں کے کام کے ہی نہیں۔ لیکن وہ مخنث اور ہیجڑے جو بدزبان اور برائی کے پھیلانے والے ہوتے ہیں' ان کا یہ حکم نہیں۔ جیسے کہ بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک ایسا ہی شخص حضور ﷺ کے گھر آیا تھا۔ چونکہ اسے اسی آیت کے ماتحت آپ کی ازواج مطہرات نے سمجھا' اسے منع نہ کیا تھا۔ اتفاق سے اسی وقت رسول اللہ ﷺ آ گئے۔ اس وقت وہ حضرت ام سلمہ کے بھائی عبداللہ سے کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب طائف کو فتح کرائے گا تو میں تجھے غیلان کی لڑکی دکھاؤں گا کہ آتے ہوئے اس کے پیٹ پر چار شکنیں پڑتی ہیں اور واپس جاتے ہوئے آٹھ نظر آتی ہیں۔ اسے سنتے ہی حضور ﷺ نے فرمایا' خبردار ایسے لوگوں کو ہرگز نہ آنے دیا کرو۔ اس سے پردہ کر لو۔ چنانچہ اسے مدینے سے نکال دیا گیا۔ بیداء میں یہ رہنے لگا۔ وہاں سے جمعہ کے روز آ جاتا اور لوگوں سے کھانے پینے کو کچھ لے جاتا۔ چھوٹے بچوں کے سامنے ہونے کی اجازت ہے جو اب تک عورتوں کے مخصوص اوصاف سے واقف نہ ہوں۔ عورتوں پر ان کی للچائی ہوئی نظریں نہ پڑتی ہوں۔ ہاں جب وہ اس عمر کو پہنچ جائیں کہ ان میں تمیز آ جائے' عورتوں کی خوبیاں ان کی نگاہوں میں جچنے لگیں' خوبصورت بدصورت کا فرق معلوم کر لیں۔ پھر ان سے بھی پردہ ہے گو وہ پورے جوان نہ بھی ہوئے ہوں۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے' اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تا کہ تم نجات پاؤ ○

(آیت:۳۱) صحیحین میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا' لوگو عورتوں کے پاس جانے سے بچو' پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ دیور جیٹھ؟ آپ نے فرمایا وہ تو موت ہے۔ پھر فرمایا کہ عورتیں اپنے پیروں کو زمین پر زور زور سے مار کر نہ چلیں۔ جاہلیت میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ زور سے پاؤں زمین پر رکھ کر چلتی تھیں تا کہ پیر کا زیور بجے۔ اسلام نے اس سے منع فرما دیا۔ پس عورت کو ہر ایک ایسی حرکت منع ہے جس سے اس کا کوئی چھپا ہوا سنگھار کھل سکے۔ پس اسے گھر سے عطر اور خوشبو لگا کر باہر نکلنا بھی ممنوع ہے۔ ترمذی میں ہے کہ ہر آنکھ زانیہ ہے۔ عورت جب عطر لگا کر' پھول پہن کر' مہکتی ہوئی مردوں کی کسی مجلس کے پاس سے گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ ہے۔ ابو داؤد میں ہے کہ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک عورت خوشبو سے مہکتی ہوئی ملی۔ آپؓ نے اس سے پوچھا' کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے کہا' ہاں' فرمایا کیا تم نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا' ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے حبیب ابو القاسم ﷺ سے سنا ہے کہ جو عورت اس مسجد میں آنے کے لئے خوشبو لگائے' اس کی نماز نامقبول ہے جب تک کہ وہ لوٹ کر جنابت کی طرح غسل نہ کر لے۔ ترمذی میں ہے کہ اپنی زینت کو غیر جگہ ظاہر کرنے والی عورت کی مثال قیامت کے اس اندھیرے جیسی ہے جس میں نور نہ ہو۔ ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں عورتوں کو راستے میں ملے جلے چلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا' عورتو! تم ادھر ادھر ہو جاؤ۔ تمہیں بیچ راہ میں نہ چلنا چاہئے۔ یہ سن کر عورتیں دیوار سے لگی لگی چلنے لگیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے دیواروں سے رگڑتے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے مومنو! میری بات پر عمل کرو' ان نیک صفتوں کو لے لو۔ جاہلیت کی بدخصلتوں سے رک جاؤ۔ پوری فلاح اور نجات اور کامیابی اسی کے لئے ہے جو اللہ کا فرماں بردار ہو۔ اس کے منع کردہ کاموں سے رک جاتا ہو۔ اللہ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾

تم میں سے جو مرد عورت مجرد ہوں' ان کا نکاح کر دیا کرو اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں کا بھی اور اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے امیر بنا دے گا' اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

نکاح اور شرم وحیا کی تعلیم: ☆☆ (آیت:۳۲-۳۴) اس میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام بیان فرما دیئے ہیں اولاً نکاح کا۔ علماء کی جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص نکاح کی قدرت رکھتا ہو' اس پر نکاح کرنا واجب ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہو' اسے نکاح کر لینا چاہئے۔ نکاح نظر کو نیچی رکھنے والا' شرمگاہ کو بچانے والا ہے اور جسے طاقت نہ ہو وہ لازمی طور پر روزے رکھے۔ یہی اس کے لئے خصی ہونا ہے (بخاری ومسلم) سنن میں ہے' آپ فرماتے ہیں' زیادہ اولاد جن سے ہونے کی امید ہو' ان سے نکاح کرو تا کہ نسل بڑھے' میں تمہارے ساتھ اور امتوں میں فخر کرنے والا ہوں۔ ایک روایت میں ہے یہاں تک کہ کچے گرے ہوئے بچے کی گنتی کے ساتھ بھی۔

ایامی جمع ہے ایم کی- جوہریؒ کہتے ہیں اہل لغت کے نزدیک بے بیوی کا مرد اور بے خاوند کی عورت کو ''ایم'' کہتے ہیں خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو- پھر مزید رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر وہ مسکین بھی ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل وکرم سے مالدار بنا دے گا خواہ وہ آزاد ہوں خواہ وہ غلام ہوں- صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے' تم نکاح کے بارے میں اللہ کا حکم مانو' وہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے گا- ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' امیری کو نکاح میں طلب کرو- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تین قسم کے لوگوں کی مدد کا اللہ کے ذمے حق ہے- نکاح کرنے والا جو حرام کاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے' وہ لکھت لکھ دینے والا غلام جس کا ارادہ ادائیگی کا ہو' وہ غازی جو اللہ کی راہ میں نکلا ہو- (ترمذی وغیرہ)

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٣﴾

ان لوگوں کو پاک دامن رہنا چاہیے جو اپنا نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل وکرم سے مالدار بنا دے' تمہارا غلاموں میں سے جو کوئی کچھ تمہیں دے کر آزادگی کی تحریر کرانی چاہے تو تم ایسی تحریر انہیں کر دیا کرو- اگر تم کو ان میں کوئی بھلائی نظر آتی ہو اور اللہ نے جو مال تمہیں دے رکھا ہے' اس میں سے انہیں بھی دو- تمہاری جو لونڈیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں' انہیں دنیا کی زندگی کے فائدے کی غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو' اور جو انہیں مجبور کر دے تو اللہ اس پر جبر کے بعد بخش دینے والا اور مہربانی کرنے والا ہے ○

اسی کی تائید میں وہ روایت ہے' جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کا نکاح ایک عورت سے کرا دیا جس کے پاس سوائے تہمد کے اور کچھ نہ تھا یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی اس کے پاس سے نہیں نکلی تھی- اس فقیری اور مفلسی کے باوجود آپ نے اس کا نکاح کرا دیا اور مہر یہ ٹھہرایا کہ جو قرآن اسے یاد ہے' اپنی بیوی کو یاد کرا دے- یہ اسی بنا پر کہ نظریں اللہ کے فضل وکرم پر تھیں کہ وہ مالک انہیں وسعت دے گا اور اتنی روزی پہنچائے گا کہ اسے اور اس کی بیوی کو کفایت ہو- ایک حدیث اکثر لوگ وارد کیا کرتے ہیں کہ فقیری میں بھی نکاح کیا کرو- اللہ تمہیں غنی کر دے گا' میری نگاہ سے تو یہ حدیث نہیں گزری- نہ کسی قوی سند سے نہ ضعیف سند سے- اور نہ ہمیں ایسی لاپتہ روایت کی اس مضمون میں کوئی ضرورت ہے کیونکہ قرآن کی اس آیت اور ان حدیثوں میں یہ چیز موجود ہے- فالحمدللہ- پھر حکم دیا کہ جنہیں نکاح کا مقدور نہیں' وہ حرام کاری سے بچے- حضور ﷺ فرماتے ہیں' اے جوان عمر کے لوگو' تم میں سے جو نکاح کی وسعت رکھتے ہوں' وہ نکاح کر لیں' یہ نگاہ کو نیچی کرنے والا' شرمگاہ کو بچانے والا ہے اور جسے اس کی طاقت نہ ہو' وہ اپنے ذمے روزوں کا رکھنا ضروری کر لے- یہی اس کے لئے خصی ہونا ہے- یہ آیت مطلق ہے اور سورہ نساء کی آیت اس سے خاص ہے یعنی یہ فرمان وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا پس لونڈیوں سے نکاح

کرنے سے صبر کرنا بہتر ہے- اس لئے کہ اس صورت میں اولاد پر غلامی کا حرف آتا ہے- عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مرد کسی عورت کو دیکھے اور اس کے دل میں خواہش پیدا ہو' اسے چاہئے کہ اگر اس کی بیوی موجود ہو تو اس کے پاس چلا جائے ورنہ اللہ کی سلطنت میں نظریں ڈالے اور صبر کرے یہاں تک کہ سلطنت اسے غنی کر دے-

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (۳۴) ع ۸

ہم نے تمہاری طرف کھلی اور روشن آیتیں اتار دی ہیں اور ان لوگوں کی کہاوتیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ○

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے فرماتا ہے جو غلاموں کے مالک ہیں کہ اگر ان کے غلام ان سے اپنی آزادگی کی بابت کوئی تحریر کرنی چاہیں تو وہ انکار نہ کریں- غلام اپنی کمائی سے وہ مال جمع کر کے اپنے آقا کو دے دے گا اور آزاد ہو جائے گا- اکثر علماء فرماتے ہیں یہ حکم ضروری نہیں' فرض و واجب نہیں بلکہ بطور استحباب کے اور خیر خواہی کے ہے- آقا کو اختیار ہے کہ غلام جب کوئی ہنر جانتا ہو اور وہ کہے کہ مجھ سے اسی قدر روپیہ لے لو اور مجھے آزاد کر دو تو اسے اختیار ہے- خواہ اس قسم کا معاہدہ کرے یا نہ کرے- علماء کی ایک اور جماعت آیت کے ظاہری الفاظ کو لے کر کہتی ہے کہ آقا پر واجب ہے کہ جب اس کا غلام اس سے اپنی آزادگی کی بابت تحریر چاہے' وہ اس کی بات کو قبول کر لے- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام سیرین نے جو مالدار تھا' ان سے درخواست کی کہ مجھ سے میری آزادی کی کتابت کر لو- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا' دربار فاروقی میں مقدمہ گیا' آپ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا اور ان کے نہ ماننے پر کوڑے لگوائے اور یہی آیت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ انہوں نے تحریر لکھوا دی- (بخاری)

عطار رحمتہ اللہ علیہ سے دونوں قول مروی ہیں- امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا پہلا قول یہی تھا لیکن نیا قول یہ ہے کہ واجب نہیں- کیونکہ حدیث میں ہے' مسلمان کا مال بغیر اس کی دلی خوشی کے حلال نہیں- امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ واجب نہیں- میں نے نہیں سنا کہ کسی امام نے کسی آقا کو مجبور کیا ہو کہ وہ اپنے غلام کی آزادگی کی تحریر کر دے اللہ کا یہ حکم بطور اجازت کے ہے نہ کہ بطور وجوب کے- یہی قول امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے- امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مختار قول وجوب کا ہے- خیر سے مراد امانت داری' سچائی' مال اور مال کے حاصل کرنے پر قدرت وغیرہ ہے- حضور ﷺ فرماتے ہیں' اگر تم اپنے ان غلاموں میں جو تم سے مکاتبت کرنا چاہیں' مال کے کمانے کی صلاحیت دیکھو تو ان کی اس خواہش کو پوری کرو ورنہ نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ لوگوں پر اپنا بوجھ ڈالیں گے یعنی ان سے سوال کریں گے اور رقم پوری کرنا چاہیں گے- اس کے بعد فرمایا ہے کہ انہیں اپنے مال میں سے کچھ دو- یعنی جو رقم ٹھیر چکی ہے اس میں سے کچھ معاف کر دو- چوتھائی یا تہائی یا آدھا یا کچھ حصہ-

یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ مال زکوٰۃ سے ان کی مدد کرو' آقا بھی اور دوسرے مسلمان بھی اسے مال زکوٰۃ دیں تاکہ وہ مقررہ رقم پوری کر کے آزاد ہو جائے- پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ جن تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ پر برحق ہے' ان میں سے ایک یہ بھی ہے لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام ابو امیہ نے مکاتبہ کیا تھا جب وہ اپنی رقم کی پہلی قسط لے کر آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ' اپنی اس رقم میں دوسروں سے بھی مدد طلب کرو' اس نے جواب دیا کہ امیر المومنین آپ آخری قسط تک تو مجھے ہی محنت کرنے دیجئے- فرمایا'

نہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ کے اس فرمان کو ہم چھوڑ نہ بیٹھیں کہ انہیں اللہ کا وہ مال دو جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے۔ پس یہ پہلی قسطیں تھیں جو اسلام میں ادا کی گئیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ شروع شروع میں آپ نہ کچھ دیتے تھے نہ معاف فرماتے تھے کیونکہ خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو آخر میں یہ رقم پوری نہ کر سکے تو میرا دیا ہوا مجھے ہی واپس آ جائے۔ ہاں آخری قسطیں ہوتیں تو جو چاہتے اپنی طرف سے معاف کر دیتے۔ ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ چوتھائی چھوڑ دو لیکن صحیح یہی ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اپنی لونڈیوں سے زبردستی بدکاریاں نہ کراؤ۔ جاہلیت کے بدترین طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنی لونڈیوں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ زناکاری کرائیں اور وہ رقم اپنے مالکوں کو دیں۔ اسلام نے آ کر اس بد رسم کو توڑا۔ منقول ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کے بارے میں اتری ہے' وہ ایسا ہی کرتا تھا تا کہ روپیہ بھی ملے' لونڈی زادوں سے شان ریاست بھی بڑھے۔ اس کی لونڈی کا نام معاذہ تھا۔ اور روایت میں ہے اس کا نام مسیکہ تھا۔ اور یہ بدکاری سے انکار کرتی تھی۔ جاہلیت میں تو یہ کام چلتا رہا یہاں تک کہ اسے ناجائز اولاد بھی ہوئی لیکن اسلام لانے کے بعد اس نے انکار کر دیا۔ اس پر اس منافق نے اسے زدوکوب کیا۔ پس یہ آیت اتری۔ مروی ہے کہ بدر کا ایک قریشی قیدی عبداللہ ابن ابی کے پاس تھا' وہ چاہتا تھا کہ اس کی لونڈی سے ملے' لونڈی بوجہ اپنے اسلام کے حرام کاری سے بچتی تھی۔ عبداللہ کی خواہش تھی کہ یہ اس قریشی سے ملے' اس لئے اسے مجبور کرتا تھا اور مارتا پیٹتا تھا۔ پس یہ آیت اتری۔

اور روایت میں ہے کہ یہ سردار منافقین اپنی اس لونڈی کو اپنے مہمانوں کی خاطر تواضع کے لئے بھیج دیا کرتا تھا۔ اسلام کے بعد اس لونڈی سے جب یہ ارادہ کیا گیا تو اس نے انکار کر دیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی یہ مصیبت بیان کی۔ حضرت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار محمدیؐ میں یہ بات پہنچائی۔ آپ نے حکم دیا کہ اس لونڈی کو اس کے ہاں نہ بھیجو۔ اس نے لوگوں میں غل مچانا شروع کیا کہ دیکھو محمد ﷺ ہماری لونڈیوں کو چھین آپؐ نے حکم دیا کہ اس لونڈی کو اس کے ہاں نہ بھیجو۔ اس نے لوگوں میں غل مچانا شروع کیا کہ دیکھو محمد ﷺ ہماری لونڈی کو چھین لیتا ہے اس پر یہ آسمانی حکم اترا۔ ایک روایت میں ہے کہ مسیکہ اور معاذ دو لونڈیاں دو شخصوں کی تھیں جو ان سے بدکاری کراتے تھے۔ اسلام کے بعد مسیکہ اور اس کی ماں نے آ کر حضور ﷺ سے شکایت کی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ لونڈیاں پاک دامنی کا ارادہ کریں' اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اگر ان کا ارادہ یہ نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں کیونکہ اس وقت واقعہ یہی تھا۔ اس لئے یوں فرمایا گیا۔ پس اکثریت اور غلبہ کے طور پر یہ فرمایا گیا ہے' کوئی قید اور شرط نہیں ہے۔ اس سے غرض ان کی یہ تھی کہ مال حاصل ہو' اولادیں ہوں جو لونڈیاں غلام بنیں۔ حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگانے کی اجرت' بدکاری کی اجرت' کاہن کی اجرت سے منع فرما دیا۔ ایک اور روایت میں ہے' زنا کی خرچی اور پچھنے لگانے والی کی قیمت اور کتے کی قیمت خبیث ہے۔

پھر فرماتا ہے' جو شخص ان لونڈیوں پر جبر کرے تو انہیں تو اللہ بوجہ ان کی مجبوری کے بخش دے گا اور ان کے مالکوں کو جنہوں نے ان پر دباؤ' زور' زبردستی ڈالی تھی' انہیں پکڑ لے گا۔ اس صورت میں یہی گنہگار رہیں گے۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں رحیم کے بعد وَإِثْمُهُنَّ عَلٰى مَنْ أَكْرَهَهُنَّ ہے۔ یعنی اس حالت میں جبر اور زبردستی کرنے والوں پر گناہ ہے۔ مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا سے' بھول سے اور جن کاموں پر وہ مجبور کر دیئے جائیں' ان پر زبردستی کی جائے' ان سے درگزر فرمایا ہے۔ ان احکام کو تفصیل وار بیان کرنے کے بعد فرمان ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے پاک کلام قرآن کریم کی یہ روشن و واضح آیات تمہارے سامنے بیان فرما دیں' اگلے لوگوں کے واقعات بھی تمہارے سامنے آ چکے کہ ان کی مخالفت حق کا انجام کیا اور کیسا ہوا؟ وہ ایک افسانہ بنا دیئے گئے اور آنے والوں کے لئے ایک عبرتناک واقعہ بنا دیئے گئے کہ متقی ان سے عبرت حاصل کریں اور اللہ کی نافرمانیوں سے بچیں۔ حضرت علی رضی اللہ

عنہ فرماتے تھے' قرآن میں تمہارے اختلافات کے فیصلے موجود ہیں۔ تم سے پہلے زمانہ کے لوگوں کی خبریں موجود ہیں۔ بعد میں ہونے والے امور کے احوال کا بیان ہے۔ یہ مفصل ہے' بکواس نہیں۔ اسے جو بھی بے پرواہی سے چھوڑے گا' اسے اللہ برباد کر دے گا اور جو اس کے سوا دوسری کتاب میں ہدایت تلاش کرے گا' اسے اللہ گمراہ کر دے گا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ

اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا' اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو ○

مدبر کائنات نور ہی نور ہے: ☆☆ (آیت: ۳۵) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اللہ ہادی ہے' آسمان والوں اور زمین والوں کا۔ وہی ان دونوں میں سورج چاند اور ستاروں کی تدبیر کرتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' نور اللہ ہدایت ہے۔ ابن جریر اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں' اس کے نور کی مثال یعنی اس کا نور رکھنے والے مومن کی مثال جس کے سینے میں ایمان و قرآن ہے' اس کی مثال اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ اولاً اپنے نور کا ذکر کیا' پھر مومن کی نورانیت کا کہ اللہ پر ایمان رکھنے والے کے نور کی مثال بلکہ حضرت ابی اس کو اس طرح پڑھتے تھے مَثَلُ نُوْرِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ ابن عباس کا اس طرح پڑھنا بھی مروی ہے كَذٰلِكَ نُوْرُ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ بعض کی قرات میں اَللّٰهُ نُوَّرَ ہے یعنی اس نے آسمان وزمین کو نورانی بنا دیا ہے۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اسی کے نور سے آسمان وزمین روشن ہیں۔

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ﴿۳۵﴾

اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو۔ وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی' خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے گو اسے مطلقاً آگ لگی ہی نہ ہو' نور پر نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے' لوگوں کے سمجھانے کو یہ مثالیں اللہ بیان فرما رہا ہے' اللہ ہر چیز کے حال سے بخوبی واقف ہے ○

سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ جس دن اہل طائف نے رسول اللہ ﷺ کو بہت ایذا پہنچائی تھی' آپ نے اپنی دعا میں فرمایا تھا اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَصَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَ ان يَّحِلَّ بِيْ غَضَبُكَ اَوْ يَنْزِلَ بِيْ سَخَطِكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ اس دعا میں ہے کہ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ میں آ رہا ہوں جو اندھیروں کو روشن کر دیتا ہے اور جس پر دنیا و آخرت کی صلاحیت موقوف ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے' حضور ﷺ رات کو تہجد کے لئے اٹھتے' تب یہ فرماتے کہ الٰہی تیرے ہی لئے سب تعریف سزاوار ہے' تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا نور ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' تمہارے رب کے ہاں رات اور دن نہیں' اس کے چہرے کے نور کی وجہ سے اس کے عرش کا نور ہے۔

نُوْرِہٖ کی ضمیر کا مرجع بعض کے نزدیک تو لفظ اللہ ہی ہے یعنی اللہ کی ہدایت جو مومن کے دل میں ہے' اس کی مثال یہ ہے اور بعض کے نزدیک مومن ہے جس پر سیاق کلام کی دلالت ہے یعنی مومن کے دل کے نور کی مثال مثل طاق کے ہے- جیسے فرمان ہے کہ ایک شخص ہے جو اپنے رب کی دلیل اور ساتھ ہی شہادت لئے ہوئے ہے پس مومن کے دل کی صفائی کو بلور کے فانوس سے مشابہت دی اور پھر قرآن اور شریعت سے جو مدد اسے ملتی رہتی ہے' اس کو زیتون کے اس تیل سے تشبیہ دی جو خود صاف شفاف' چمکیلا اور روشن ہے- پس طاق اور طاق میں چراغ اور وہ بھی روشن چراغ- یہودیوں نے اعتراضاً کہا تھا کہ اللہ کا نور آسمانوں کے پار کیسے ہوتا ہے؟ تو مثال دے کر سمجھایا گیا کہ جیسے فانوس کے شیشے سے روشنی- پس فرمایا کہ اللہ آسمان وزمین کا نور ہے- مشکوٰۃ کے معنی گھر کے طاق کے ہیں- یہ مثال اللہ نے اپنی فرمانبرداری کی دی ہے اور اپنی اطاعت کو نور فرمایا ہے- پھر اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں- مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حبشہ کے لغت میں اسے طاق کہتے ہیں- بعض کہتے ہیں' ایسا طاق جس میں کوئی اور سوراخ وغیرہ نہ ہو- فرماتے ہیں اسی میں قندیل رکھی جاتی ہے- پہلا قول زیادہ قوی ہے یعنی قندیل رکھنے کی جگہ- چنانچہ قرآن میں بھی ہے کہ اس میں چراغ ہے- پس مصباح سے مراد نور ہے یعنی قرآن اور ایمان جو مسلمان کے دل میں ہوتا ہے- سدی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں' چراغ مراد ہے-

پھر فرمایا یہ روشنی جس میں بہت ہی خوبصورتی ہے' یہ صاف قندیل میں ہے' یہ مومن کے دل کی مثال ہے- پھر وہ قندیل ایسی ہے جیسے موتی جیسا چمکیلا روشن ستارہ- اس کی دوسری قرات درّی اور درّی بھی ہے- یہ ماخوذ ہے دَرْءٌ سے جس کے معنی دفع کے ہیں- جب کوئی ستارہ ٹوٹتا ہے' اس وقت وہ بہت روشن ہوتا ہے اور جو ستارے غیر معروف ہیں' انہیں بھی عرب دراری کہتے ہیں- مطلب چمکدار اور روشن ستارہ ہے جو خوب ظاہر ہو اور بڑا ہو- پھر اس چراغ میں تیل بھی مبارک درخت زیتون کا ہو- زَیْتُوْنَۃٍ کا لفظ بدل ہے' عطف بیان ہے- پھر وہ زیتون کا درخت بھی نہ مشرقی ہے کہ اول دن سے اس پر دھوپ آجائے- اور نہ مغربی ہے کہ غروب سورج سے پہلے اس پر سے سایہ ہٹ جائے بلکہ وسط جگہ میں ہے- صبح سے شام تک سورج کی صاف روشنی میں رہے-

پس اس کا تیل بھی بہت صاف' چمک دار اور معتدل ہوتا ہے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ وہ درخت میدان میں ہے- کوئی درخت' پہاڑ' غار یا کوئی اور چیز اسے چھپائے ہوئے نہیں ہے- اس وجہ سے اس درخت کا تیل بہت صاف ہوتا ہے- عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبح سے شام تک کھلی ہوا اور صاف دھوپ اسے پہنچتی رہتی ہے کیونکہ وہ کھلے میدان میں درمیان کی جگہ ہے- اسی وجہ سے اس کا تیل بہت پاک صاف اور روشن چمک دار ہوتا ہے اور اسے نہ مشرقی کہہ سکتے ہیں نہ مغربی- ایسا درخت بہت سرسبز اور کھلا ہوتا ہے- پس جیسے یہ درخت آفتوں سے بچا ہوا ہوتا ہے' اسی طرح مومن فتنوں سے محفوظ ہوتا ہے- اگر کسی فتنے کی آزمائش میں پڑتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھتا ہے- پس اسے چار صفتیں قدرت دے دیتی ہے (۱) بات میں سچ (۲) حکم میں عدل (۳) بلا پر صبر (۴) نعمت پر شکر- پھر وہ اور تمام انسانوں میں ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی زندہ جو مردوں میں ہو- حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اگر یہ درخت دنیا میں زمین پر ہوتا تو ضرور تھا کہ مشرقی ہو یا مغربی لیکن یہ تو نور خدا کی مثال ہے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ مثال ہے نیک مرد کی جو نہ یہودی ہے نہ نصرانی- ان سب اقوال میں بہترین قول پہلا قول ہے کہ وہ درمیانہ زمین میں ہے کہ صبح سے شام تک بے روک ہوا اور دھوپ پہنچتی ہے کیونکہ چاروں طرف سے کوئی آڑ نہیں تو لامحالہ ایسے درخت کا تیل بہت زیادہ صاف ہوگا اور لطیف اور چمکدار ہوگا-

اسی لئے فرمایا کہ خود وہ تیل اتنا لطیف ہے کہ گویا بغیر جلائے روشنی دے- نور پر نور ہے- یعنی ایمان کا نور' پھر اس پر نیک اعمال کا نور- خود زیتون کا تیل روشن' پھر وہ جل رہا ہے اور روشنی دے رہا ہے پس اسے پانچ نور حاصل ہو جاتے ہیں' اس کا کلام نور ہے' اس کا عمل نور ہے

اس کا آنا نور ہے اس کا جانا نور ہے اور اس کا آخری ٹھکانا نور ہے یعنی جنت۔ کعب رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ مثال ہے رسول اللہ ﷺ کی کہ آپ کی نبوت اس قدر ظاہر ہے کہ گو آپ زبانی نہ بھی فرمائیں تاہم لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ جیسے یہ زیتون کہ بغیر روشن کئے روشن ہے۔ تو دونوں یہاں جمع ہیں۔ ایک زیتون کا ایک آگ کا۔ ان کے مجموعے سے روشنی حاصل ہوئی۔ اسی طرح نور قرآن اور نور ایمان جمع ہو جاتے ہیں اور مومن کا دل روشن ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے پسند فرمائے اپنی ہدایت کی راہ لگا دیتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو ایک اندھیرے میں پیدا کیا۔ پھر اس دن ان پر اپنا نور ڈالا۔ جسے وہ نور پہنچا اس نے راہ پائی اور جو محروم رہا وہ گمراہ ہوا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم کے مطابق چل کر خشک ہو گیا۔ (مسند وغیرہ)

اللہ تعالیٰ نے مومن کے دل کی ہدایت کی مثال نور سے دے کر پھر فرمایا کہ اللہ یہ مثالیں لوگوں کے سمجھنے کے لئے بیان فرما رہا ہے۔ اس کے علم میں بھی کوئی اس جیسا نہیں وہ ہدایت و ضلالت کے ہر مستحق کو بخوبی جانتا ہے۔ مسند کی ایک حدیث میں ہے دلوں کی چار قسمیں ہیں۔ ایک تو صاف اور روشن۔ ایک غلاف دار اور بندھا ہوا۔ ایک الٹا اور اوندھا۔ ایک پھرا ہوا الٹا سیدھا۔ پہلا دل تو مومن کا دل ہے جو نورانی ہوتا ہے۔ اور دوسرا دل کافر کا دل ہے اور تیسرا دل منافق کا دل ہے کہ اس نے جانا پھر انجان ہو گیا۔ پہچان لیا پھر منکر ہو گیا۔ چوتھا دل وہ دل ہے جس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی ہے۔ ایمان کی مثال تو اس میں ترکاری کے درخت کی مانند ہے کہ اچھا پانی اسے بڑھا دیتا ہے اور اس میں نفاق کی مثال دمثل پھوڑے کے ہے کہ خون پیپ اسے ابھار دیتا ہے۔ اب ان میں سے جو غالب آ گیا وہ اس دل پر چھا جاتا ہے۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ﴿۳۶﴾

ان گھروں میں جن کے ادب و احترام کا اور نام الٰہی وہاں لئے جانے کا حکم ربانی ہے وہاں صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ○

مومن کے دل سے مماثلت: ☆☆ (آیت: ۳۶) مومن کے دل کی اور اس میں جو ہدایت و علم ہے اس کی مثال اوپر والی آیت میں اس روشن چراغ سے دی تھی جو شیشہ کی ہانڈی میں ہو اور صاف زیتون کے روشن تیل سے جل رہا ہو۔ اس لئے یہاں اس کی جگہ بیان فرمائی کہ ان کی موجودگی مسجدوں میں ہو جو سب سے زیادہ بہترین اور محبوب الٰہی جگہ ہیں۔ جہاں اس کی عبادت کی جاتی ہے اور اس کی توحید بیان کی جاتی ہے۔ جن کی نگہبانی اور پاک صاف رکھنے کا اور بیہودہ اقوال و افعال سے بچانے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اَنْ تُرْفَعَ کے معنی اس میں بیہودگی نہ کرنے کے ہیں۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد اس سے یہی مسجدیں ہیں جن کی تعمیر آبادی ادب اور پاکیزگی کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ کعب رحمتہ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ زمین پر مسجدیں میرا گھر ہیں جو بھی باوضو میرے گھر پر میری ملاقات کے لئے آئے گا میں اس کی عزت کروں گا ہر اس شخص پر جس سے ملنے کے لئے کوئی اس کے گھر آئے حق ہے کہ وہ اس کی تکریم کرے (تفسیر ابن ابی حاتم) مسجدوں کے بنانے اور ان کا ادب احترام کرنے انہیں خوشبودار اور پاک صاف رکھنے کے بارے میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جنہیں بحمد اللہ میں نے ایک مستقل کتاب میں لکھا ہے یہاں بھی ان میں سے تھوڑی بہت وارد کرتا ہوں اللہ مدد کرے اسی پر ہمارا بھروسہ اور توکل ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کی نیت سے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسی جیسا گھر جنت میں بناتا ہے (بخاری و مسلم) فرماتے ہیں نام اللہ کے ذکر کئے جانے کے لئے جو شخص

مسجد بنائے' اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔ (ابن ماجہ) حضور ﷺ نے حکم دیا کہ محلوں میں مسجدیں بنائی جائیں اور پاک صاف اور خوشبودار رکھی جائیں (ترمذی وغیرہ)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے' لوگوں کے لئے مسجدیں بناؤ جہاں انہیں جگہ ملے لیکن سرخ یا زرد رنگ سے بچو تاکہ لوگ فتنے میں نہ پڑیں۔ (بخاری شریف) ایک ضعیف سند سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب تک کسی قوم نے اپنی مسجدوں کو ٹیپ ٹاپ والا' نقش و نگار اور رنگ و روغن والا نہ بنایا' ان کے اعلام برے نہیں ہوئے (ابن ماجہ) اس کی سند ضعیف ہے۔ آپ فرماتے ہیں' مجھے مسجدوں کو بلند و بالا اور پختہ بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ ابن عباسؓ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ تم یقیناً مسجدوں کو مزین' منقش اور رنگ دار کرو گے جیسے کہ یہود و نصاریٰ نے کیا (ابوداؤد) فرماتے ہیں' قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ لوگ مسجدوں کے بارے میں آپس میں ایک دوسرے پر فخر و غرور نہ کرنے لگیں (ابوداؤد وغیرہ) ایک شخص مسجد میں اپنے اونٹ کو ڈھونڈتا ہوا آیا اور کہنے لگا' کوئی جو مجھے میرے سرخ رنگ اونٹ کا پتہ دے۔ آپ نے بددعا کی کہ اللہ کرے تجھے نہ ملے۔ مسجدیں تو جس مطلب کے لئے بنائی گئی ہیں' اسی کام کے لئے ہیں (مسلم) حضور ﷺ نے مسجدوں میں خرید و فروخت' تجارت کرنے سے اور وہاں اشعار کے گائے جانے سے منع فرمادیا ہے (احمد وغیرہ)

فرمان ہے کہ جسے مسجد میں خرید فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب کسی کو گم شدہ جانور مسجد میں تلاش کرتا ہوا پاؤ تو کہو کہ اللہ کرے نہ ملے۔ (ترمذی) ارشاد ہے' بہت سی باتیں مسجد کے لائق نہیں' مسجد کو راستہ نہ بنایا جائے' مسجد میں ہتھیار نہ نکالے جائیں۔ مسجد میں تیر کمان پر نہ لگایا جائے' نہ تیر پھیلائے جائیں نہ کچا گوشت لایا جائے' نہ یہاں حد ماری جائے' نہ یہاں باتیں اور قصے کہے جائیں' نہ اسے بازار بنایا جائے (ابن ماجہ)

فرمان ہے کہ ہماری مسجدوں سے اپنے بچوں کو' دیوانوں کو' خرید فروخت کو' لڑائی جھگڑے کو اور بلند آواز سے بولنے کو اور حد جاری کرنے کو اور تلواروں کے ننگی کرنے کو روکو۔ ان کے دروازوں پر وضو وغیرہ کی جگہ بناؤ اور جمعہ کے دن انہیں خوشبو سے مہکا دو (ابن ماجہ) اس کی سند ضعیف ہے۔ بعض علماء نے ضرورت کے بغیر مسجدوں کو گزرگاہ بنانا مکروہ کہا ہے۔ ایک اثر میں ہے کہ جو شخص بغیر نماز پڑھے مسجد سے گزر جائے' فرشتے اس پر تعجب کرتے ہیں۔ ہتھیاروں اور تیروں سے جو منع فرمایا' یہ اس لئے کہ مسلمان وہاں بکثرت جمع ہوتے ہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے لگ جائے۔ اسی لئے حضور ﷺ کا حکم ہے کہ کوئی تیر یا نیزہ لے کر گزرے تو اسے چاہئے کہ اس کا پھل اپنے ہاتھ میں رکھے تاکہ کسی کو ایذا نہ پہنچے۔ کچا گوشت لانا اس لئے منع ہے کہ خوف ہے اس میں سے خون نہ ٹپکے جیسے کہ حائضہ عورت کو بھی اسی وجہ سے مسجد میں آنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ مسجد میں حد لگانا اور قصاص لینا اس لئے منع کیا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو' وہ شخص مسجد کو نجس کر دے۔ بازار بنانا اس لئے منع ہے کہ وہ خرید و فروخت کی جگہ ہے اور مسجد میں یہ دونوں باتیں منع ہیں۔ کیونکہ مسجدیں ذکر اللہ اور نماز کی جگہ ہیں۔ جیسے کہ حضور ﷺ نے اس اعرابی سے فرمایا تھا جس نے مسجد کے کسی گوشے میں پیشاب کر دیا تھا کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنیں بلکہ وہ اللہ کے ذکر اور نماز کی جگہ ہے۔ پھر اس کے پیشاب پر ایک بڑا ڈول پانی کا بہانے کا حکم دیا۔ دوسری حدیث میں ہے' اپنے بچوں کو اپنی مسجدوں سے روکو اس لئے کہ کھیل کود ہی ان کا کام ہے اور مسجد میں یہ مناسب نہیں۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی بچے کو مسجد میں کھیلتا ہوا دیکھ لیتے تو اسے کوڑے سے پیٹتے اور عشا کی نماز کے بعد مسجد میں کسی کو نہ رہنے دیتے۔ دیوانوں کو بھی مسجدوں سے روکا گیا کیونکہ وہ بے عقل ہوتے ہیں اور لوگوں کے مذاق کا ذریعہ ہوتے ہیں اور مسجد اس تماشے کے لائق نہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ ان کی نجاست وغیرہ کا خوف ہے۔ بیع و شرا سے روکا گیا کیونکہ وہ ذکر اللہ سے مانع ہے۔ جھگڑوں کی مصلاحتی مجلس منعقد کرنے سے اس لئے منع کر دیا گیا کہ اس میں آوازیں بلند ہوتی ہیں ایسے الفاظ بھی نکل

جاتے ہیں جو آداب مسجد کے خلاف ہیں۔

اکثر علماء کا قول ہے کہ فیصلے مسجد میں نہ کئے جائیں اسی لئے اس جملے کے بعد بلند آواز سے منع فرمایا۔ سائب بن یزید کندی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''میں مسجد میں کھڑا تھا کہ اچانک مجھ پر کسی نے کنکر پھینکا' میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے مجھ سے فرمانے لگے' جاؤ ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ' جب میں آپ کے پاس انہیں لایا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا۔ تم کون ہو؟ یا پوچھا ''کہ تم کہاں کے ہو''؟ انہوں نے کہ ''ہم طائف کے رہنے والے ہیں'' ۔ آپ نے فرمایا' اگر تم یہاں کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا تم مسجد نبویؐ میں اونچی اونچی آوازوں سے بول رہے ہو (بخاری) ایک شخص کی اونچی آواز سن کر جناب فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا۔ ''جانتا بھی ہے کہ تو کہاں ہے''؟ (نسائی) اور مسجد کے دروازوں پر وضو کرنے اور پاکیزگی حاصل کرنے کی جگہ بنانے کا حکم دیا۔ مسجد نبوی کے قریب ہی کنویں تھے جن میں سے پانی کھینچ کر پیتے تھے اور وضو اور پاکیزگی حاصل کرتے تھے۔ اور جمعہ کے دن اسے خوشبو دار کرنے کا حکم ہوا کیونکہ اس دن لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابو یعلی موصلی میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعہ کے دن مسجد نبویؐ کو مہکا دیا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جماعت کی نماز انسان کی اکیلی نماز پر جو گھر میں یا دوکان پر پڑھی جائے' پچیس درجے زیادہ ثواب رکھتی ہے' یہ اس لئے کہ جب وہ اچھی طرح وضو کر کے صرف نماز کے ارادے سے چلتا ہے تو ہر ایک قدم کے اٹھانے پر اس کا ایک درجہ بڑھتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور جب نماز پڑھ چکتا ہے' پھر جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ رہے' فرشتے اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ الٰہی اس پر اپنی رحمت نازل فرما اور اس پر رحم کر۔ اور جب تک جماعت کے انتظار میں رہے' نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ دار قطنی میں ہے' مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا نہیں ہوتی۔

سنن میں ہے' اندھیروں میں مسجد جانے والوں کو خوشخبری سنا دو کہ انہیں قیامت کے دن پورا پورا نور ملے گا۔ یہ بھی مستحب ہے کہ مسجد میں جانے والا پہلے اپنا داہنا قدم رکھے اور یہ دعا پڑھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مسجد میں آتے' یہ کہتے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فرمان ہے کہ جب کوئی شخص یہ پڑھتا ہے' شیطان کہتا ہے' میرے شر سے یہ تمام دن کے لئے محفوظ ہو گیا۔ مسلم میں حضور ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ تم میں سے جب کوئی مسجد میں جانا چاہے' یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ الٰہی میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور جب مسجد سے باہر جائے' یہ کہے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ پروردگار تو میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو اللہ کے نبی ﷺ پر سلام بھیجے۔ پھر اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھے اور جب مسجد سے نکلے تو نبی اللہ ﷺ پر سلام بھیج کر اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِيْ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ جب آپ مسجد میں آتے تو درود پڑھ کر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھتے اور جب مسجد سے نکلتے تو درود کے بعد اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ پڑھتے۔ اس حدیث کی سند متصل نہیں۔ الغرض یہ اور ان جیسی اور بہت سی حدیثیں اس آیت کے متعلق ہیں جو مسجد اور احکام مسجد کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اور آیت میں ہے' تم ہر مسجد میں اپنا منہ سیدھا رکھو۔ اور خلوص کے ساتھ صرف اللہ کو پکارو۔ ایک اور آیت میں ہے کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ اس کا نام ان میں لیا جائے یعنی کتاب اللہ کی تلاوت کی جائے۔ صبح و شام وہاں اس اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ آصال جمع ہے اصیل کی' شام کے وقت کو اصیل کہتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جہاں کہیں قرآن میں تسبیح کا لفظ ہے' وہاں مراد نماز ہے۔ پس یہاں مراد صبح کی اور عصر کی نماز ہے۔ پہلے پہلے یہی دو نمازیں فرض ہوئی تھیں پس وہی یاد دلائی گئیں۔ ایک قرات میں یَسبَّحُ ہے اور اس قرات پر آصال پر پورا وقف ہے اور رِجَالٌ سے پھر دوسری بات شروع ہے گویا کہ وہ مفسر ہے فاعل محذوف کے لئے۔ تو گویا کہا گیا کہ وہاں تسبیح کون کرتے ہیں؟ تو جواب دیا گیا کہ ایسے لوگ' اور یُسَبِّحُ کی قرات پر رِجَالٌ فاعل ہے تو وقف فاعل کے بیان کے بعد چاہئے۔ کہتے ہیں' رِجَالٌ صا اشارہ ہے ان کے بہترین مقاصد اور ان کی پاک نیتوں اور اعلیٰ کاموں کی طرف' یہ اللہ کے گھروں کے آباد رکھنے والے ہیں۔ اس کی عبادت کی جگہیں ان سے زینت پاتی ہیں' توحید اور شکر گزاری کرنے والے ہیں۔ جیسے فرمان ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ الخ' یعنی مومنوں میں ایسے بھی مرد ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کئے تھے' انہیں پورے کر دکھایا۔ ہاں عورتوں کے لئے تو مسجد کی نماز سے افضل گھر کی نماز ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' عورت کی نماز اپنے گھر میں بہتر ہے' اس کے حجرے کی نماز سے اور اس کے حجرے کی نماز سے اس کے اندر والے کمرے کی نماز افضل ہے۔ مسند میں ہے کہ عورتوں کی بہترین مسجد گھر کے اندر کا کونا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا' حضور ﷺ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کرنا بہت پسند کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا' یہ مجھے بھی معلوم ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ تیری اپنے گھر کی نماز صحن کی نماز سے اور حجرے کی نماز گھر کی نماز سے اور گھر کی کوٹھڑی کی نماز حجرے کی نماز سے افضل ہے۔ اور محلے کی مسجد سے افضل گھر کی نماز ہے اور محلے کی مسجد کی نماز میری مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ یہ سن کر مائی صاحبہ نے اپنے گھر کے بالکل انتہائی حصے میں ایک جگہ کو بطور مسجد کے مقرر کر لیا اور آخری گھڑی تک وہیں نماز پڑھتی رہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ہاں البتہ عورتوں کے لئے بھی مسجد میں مردوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ضرور ہے۔ بشرطیکہ مردوں پر اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں اور نہ خوشبو لگا کر نکلیں۔ صحیح حدیث میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو (بخاری و مسلم وغیرہ) ابوداؤد میں ہے کہ عورتوں کے لئے ان کے گھر افضل ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ وہ خوشبو استعمال کر کے نہ نکلیں۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آپ نے عورتوں سے فرمایا' جب تم میں سے کوئی مسجد آنا چاہے تو خوشبو کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ صحیحین میں ہے کہ مسلمان عورتیں صبح کی نماز میں آتی تھیں' پھر وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی چلی جاتی تھیں اور بوجہ رات کے اندھیرے کے وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ عورتوں نے یہ جو نئی باتیں نکالیں ہیں' اگر رسول اللہ ﷺ ان باتوں کو پا لیتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔ (بخاری و مسلم)۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت ذکر اللہ سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی ○ اس ارادے سے کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے بلکہ اپنے فضل سے اور کچھ زیادتی بھی

عطا فرمائے اللہ جسے چاہے بے شمار روزیاں دیتا ہے ○

(آیت: ۳۷-۳۸) ایسے لوگ جنہیں خرید فروخت یاد الٰہی سے نہیں روکتی۔ جیسے ارشاد ہے ایمان والو! مال و اولاد تمہیں ذکر اللہ سے غافل نہ کر دے۔ سورہ جمعہ میں ہے کہ جمعہ کی اذان سن کر ذکر اللہ کی طرف چل پڑو اور تجارت چھوڑ دو۔ مطلب یہ ہے کہ ان نیک لوگوں کو دنیا اور متاع دنیا' آخرت اور ذکر اللہ سے غافل نہیں کر سکتی' انہیں آخرت اور آخرت کی نعمتوں پر یقین کامل ہے اور انہیں ہمیشہ رہنے والا سمجھتے ہیں اور یہاں کی چیزوں کو فانی جانتے ہیں' اس لئے انہیں چھوڑ کر اس طرف توجہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو' اس کی محبت کو' اس کے احکام کو مقدم کرتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ تجارت پیشہ حضرات کو اذان سن کر اپنے کام کاج چھوڑ کر مسجد کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا' یہ لوگ انہی میں سے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔

ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سوداگری یا تجارت کروں اگر چہ اس میں مجھے ہر دن تین سو اشرفیاں ملتی ہوں لیکن میں نمازوں کے وقت یہ سب چھوڑ کر ضرور چلا جاؤں گا' میرا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تجارت کرنا حرام ہے بلکہ یہ ہے کہ ہم میں یہ وصف ہونا چاہئے جو اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ سالم بن عبداللہ نماز کے لئے جا رہے تھے۔ دیکھا کہ مدینہ شریف کے سوداگر اپنی اپنی دوکانوں پر کپڑے ڈھک کر نماز کے لئے گئے ہوئے ہیں اور کوئی بھی دوکان پر موجود نہیں تو یہی آیت پڑھی اور فرمایا یہ انہی میں سے ہیں جن کی تعریف جناب باری نے فرمائی ہے۔ اس بات کا سلف میں یہاں تک خیال تھا کہ ترازو اٹھائے تول رہے ہیں اور اذان کان میں پڑی تو ترازو رکھ دی اور مسجد کی طرف چل دیئے۔ فرض نماز با جماعت مسجد میں ادا کرنے کا انہیں عشق تھا۔ وہ نماز کے اوقات کی' ارکان اور آداب کی حفاظت کے ساتھ نمازوں کے پابند تھے۔ یہ اس لئے کہ دلوں میں خوف الٰہی تھا' قیامت کا آنا برحق جانتے تھے' اس دن کی خوفناکی سے واقف تھے کہ سخت تر گھبراہٹ اور کامل پریشانی اور بے حد الجھن کی وجہ سے آنکھیں پتھرا جائیں گی' دل اڑ جائیں گے' کلیجے دہل جائیں گے۔ جیسے فرمان ہے کہ میرے نیک بندے میری محبت کی بنا پر مسکینوں' یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہیں محض اللہ کی رضاجوئی کے لئے کھلا رہے ہیں' ہمارا مقصد تم سے شکریہ طلب کرنے یا بدلہ لینے کا نہیں۔ ہمیں تو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر ہے جب کہ لوگ مارے رنج و غم کے منہ بسورے ہوئے اور تیوریاں بدلے ہوئے ہوں گے۔ پس اللہ ہی انہیں اس دن کی مصیبتوں سے نجات دے گا اور انہیں تر و تازگی' بشاشت' ہنسی خوشی اور راحت و آرام سے ملا دے گا۔ اور ان کے صبر کے بدلے انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔

یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان کی نیکیاں مقبول ہیں' ان کی برائیاں معاف ہیں' ان کے ایک ایک اعمال کا بہترین بدلہ مع زیادتی اور فضل الٰہی کے انہیں ضرور ملنا ہے۔ جیسے فرمان ہے' اللہ تعالیٰ بقدر ایک ذرے کے بھی ظلم نہیں کرتا۔ اور آیت میں ہے' نیکی دس گنا کر دی جاتی ہے۔ اور آیت میں ہے' جو اللہ کو اچھا قرض دے گا' اسے اللہ تعالیٰ بڑھا چڑھا کر زیادہ سے زیادہ کر کے دے گا۔ فرمان ہے یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وہ بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہے۔ یہاں فرمان ہے' وہ جسے چاہے بے حساب دیتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک مرتبہ دودھ لایا گیا' آپ نے اپنی مجلس کے ساتھیوں میں سے ہر ایک کو پلانا چاہا مگر سب روزے سے تھے۔ اس لئے آپ ہی کے پاس پھر سے برتن آیا۔ آپ نے یہی آیت یَخَافُوۡنَ سے پڑھی اور پی لیا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' قیامت کے دن جب کہ اول و آخر سب جمع ہوں گے' اللہ تعالیٰ ایک منادی کو حکم دے گا جو با آواز بلند ندا کرے گا' جسے تمام اہل محشر سنیں گے کہ آج سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ بزرگ کون ہے؟ پھر فرمائے گا' وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جنہیں لین دین اور تجارت ذکر الٰہی سے روکتا نہ تھا پس وہ کھڑے ہو جائیں گے اور وہ بہت ہی کم ہوں گے' سب

سے پہلے انہیں حساب سے فارغ کر دیا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں' ان کی نیکیوں کا اجر یعنی جنت بھی انہیں ملے گی اور مزید فضل الٰہی یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے ان کے ساتھ احسان کئے ہوں گے' وہ مستحق شفاعت ہوں گے۔ ان سب کی شفاعت کا منصب انہیں حاصل ہو جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَـيْــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّـجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ ع

کافروں کے اعمال مثل اس چمکتی ہوئی ریت کے ہیں جو چٹیل میدانوں میں ہو جسے پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا۔ ہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے جو اس کا حساب پورا پورا چکا دیتا ہے' اللہ بہت جلد حساب کر دینے والا ہے O یا مثل ان اندھیریوں کے ہے جو نہایت گہرے سمندر کی تہہ میں ہوں جسے اوپر تلے کی موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو۔ پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں' الغرض اندھیریاں ہیں جو اوپر تلے پے در پے ہیں' جب اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی غالباً نہ دیکھ سکے' بات یہ ہے کہ جسے اللہ ہی نور نہ دے' اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہوتی O

دو قسم کے کافر: ☆☆ (آیت: ۳۹-۴۰) یہ دو مثالیں ہیں اور دو قسم کے کافروں کی ہیں۔ جیسے سورہ بقرہ کے شروع میں دو مثالیں دو قسم کے منافقوں کی بیان ہوئی ہیں۔ ایک آگ کی ایک پانی کی۔ اور جیسے کہ سورہ رعد میں ہدایت وعلم کی جو انسان کے دل میں جگہ پکڑ جائے۔ ایسی ہی دو مثالیں آگ اور پانی کی بیان ہوئی ہیں۔ دونوں سورتوں میں ان آیتوں کی تفسیر کامل گزر چکی ہے۔ فالحمد للہ۔ یہاں پہلی مثال تو ان کافروں کی ہے جو کفر کی طرف دوسروں کو بھی بلاتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں حالانکہ وہ سخت گمراہ ہیں۔ ان کی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی پیاسے کو جنگل میں دور سے ریت کا چمکتا ہوا تو دہ دکھائی دیتا ہے اور وہ اسے پانی کا موج دریا سمجھ بیٹھتا ہے۔ قِیْعَۃٌ جمع ہے قَاعٌ کی جیسے جار کی جمع ہے جیرہ۔ اور قاع واحد بھی ہوتا ہے اور جمع قیعان ہوتی ہے جیسے جار کی جمع جیران ہے۔ معنی اس کے چٹیل وسیع پھیلے ہوئے میدان کے ہیں۔ ایسے ہی میدانوں میں سراب نظر آیا کرتے ہیں۔ دوپہر کے وقت بالکل یہی معلوم ہوتا ہے کہ پانی کا وسیع دریا لہریں لے رہا ہے۔ جنگل میں جو پیاسا ہو' پانی کی تلاش میں اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور اسے پانی سمجھ کر جان توڑ کوشش کر کے وہاں تک پہنچتا ہے لیکن حیرت وحسرت سے اپنا منہ لپیٹ لیتا ہے' دیکھتا ہے کہ وہاں پانی کا قطرہ چھوڑ نام ونشان بھی نہیں۔ اسی طرح یہ کفار ہیں کہ اپنے دل میں سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ اعمال کئے ہیں' بہت سی بھلائیاں جمع کر لی ہیں لیکن قیامت والے دن دیکھیں گے کہ ایک نیکی بھی ان کے پاس نہیں یا تو ان کی بدنیتی سے وہ غارت ہو چکی ہے یا شرع کے مطابق نہ ہونے سے وہ برباد ہو گئی ہے۔ غرض ان کے یہاں پہنچنے سے پہلے ان کے کام جہنم رسید ہو چکے ہیں یہاں یہ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے ہیں۔

حساب کتاب کے موقعہ پر اللہ خود موجود ہے اور وہ ایک ایک عمل کا حساب لے رہا ہے اور کوئی عمل ان کا قابل ثواب نہیں نکلتا۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ یہودیوں سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے رہے؟ وہ جواب دیں گے کہ اللہ کے بیٹے عزیر

کی- کہا جائے گا کہ جھوٹے ہو- اللہ کا کوئی بیٹا نہیں- اچھا بتاؤ اب کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے اللہ ہم بہت پیاسے ہو رہے ہیں ہمیں پانی پلوایا جائے تو ان سے کہا جائے گا کہ دیکھو وہ کیا نظر آ رہا ہے؟ تم وہاں کیوں نہیں جاتے؟ اب انہیں دور سے جہنم ایسی نظر آئے گی جیسے دنیا میں سراب ہوتا ہے جس پر جاری پانی کا دھوکہ ہوتا ہے یہ وہاں جائیں گے اور دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے- یہ تو جہل مرکب والوں کی مثال تھی- اب جہل بسیط والوں کی مثال سنئے جو کورے مقلد تھے اپنی گرہ کی عقل مطلق نہیں رکھتے تھے مندرجہ بالا مثال والے آئمہ کفر کی کوری تقلید کرتے تھے اور آنکھیں بند کئے ان کی آواز پر لگے ہوئے تھے کہ ان کی مثال گہرے سمندر کی تہہ کے اندھیروں جیسی ہے جسے اوپر سے تہہ بہ تہہ موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو اور پھر اوپر سے ابر ڈھانکے ہوئے ہوں- یعنی اندھیرے پر اندھیرا ہو- یہاں تک کہ ہاتھ کو ہاتھ بھی سجھائی نہ دیتا ہو- یہی حال ان سفلے جاہل کافروں کا ہے کہ نرے مقلد ہیں یہاں تک کہ جس کی تقلید کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اسے بھی صحیح طور پر نہیں پہچانتے' اس کا بھی حق یا ناحق پر ہونا انہیں معلوم نہیں- کوئی ہے جس کی تقلید کر رہے ہیں لیکن معلوم نہیں کہ وہ انہیں کہاں لے جا رہا ہے؟ چنانچہ مثلاً کہا جاتا ہے کہ کسی جاہل سے پوچھا گیا' کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا ان کے ساتھ جا رہا ہوں- پوچھنے والے نے پھر دریافت کیا کہ یہ کہاں جا رہے ہیں؟ اس نے کہا مجھے تو معلوم نہیں- پس جیسے اس سمندر پر موجیں اٹھ رہی ہیں' اسی طرح کافر کے دل پر' اس کے کانوں پر' اس کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں- جیسے فرمان ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگا دی ہے-

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ الخ' تو نے انہیں دیکھا جنہوں نے خواہش پرستی شروع کر رکھی ہے اور اللہ نے انہیں علم پر بہکا دیا ہے اور ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے- ابی بن کعب فرماتے ہیں ایسے لوگ پانچ اندھیروں میں ہوتے ہیں (۱) کلام (۲) عمل (۳) جانا (۴) آنا اور (۵) انجام- سب اندھیروں میں ہیں- جسے اللہ اپنے نور کی طرف ہدایت نہ کرے' وہ نورانیت سے خالی رہ جاتا ہے- جہالت میں مبتلا رہ کر ہلاکت میں پڑ جاتا ہے- جیسے فرمایا مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ جسے اللہ گمراہ کرے' اس کے لئے کوئی ہادی نہیں ہوتا- یہ اس کے مقابل ہے جو مومنوں کی مثال کے بیان میں فرمایا تھا کہ اللہ اپنے نور کی ہدایت کرتا ہے جسے چاہے- اللہ تعالیٰ عظیم و کریم سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں میں نور پیدا کر دے اور ہمارے دائیں بائیں بھی نور عطا فرمائے اور ہمارے نور کو بڑھا دے اور اسے بہت بڑا اور زیادہ کرے آمین-

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۴۲﴾

کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان و زمین کی کل مخلوق اور پر پھیلائے اڑنے والے کل پرند اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں' ہر ایک کی نماز اور تسبیح اسے معلوم ہے' لوگ جو کچھ کریں اس سے اللہ بخوبی واقف ہے ○ زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے' اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے ○

ہر ایک تسبیح خوان ہے : ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۲) کل کے کل انسان' جنات' فرشتے اور حیوان یہاں تک کہ جمادات بھی اللہ کی تسبیح کے بیان میں مشغول ہیں- ایک اور جگہ ہے کہ ساتوں آسمان اور سب زمینیں اور ان میں جو ہیں' سب اللہ کی پاکیزگی کے بیان میں مشغول ہیں- اپنے پروں سے اڑنے والے پرند بھی اپنے رب کی عبادت اور پاکیزگی کے بیان میں مشغول ہیں- ان سب کو جو جو تسبیح لائق تھی' اللہ نے انہیں

سکھا دی ہے' سب کو اپنی عبادت کے مختلف جداگانہ طریقے سکھا دیئے ہیں اور اللہ پر کوئی کام مخفی نہیں۔ وہ عالم کل ہے۔ حاکم' متصرف' مالک' مختار کل' معبود حقیقی' آسمان و زمین کا بادشاہ صرف وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اس کے حکموں کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔ قیامت کے دن سب کو اسی کے سامنے حاضر ہونا ہے' وہ جو چاہے گا' اپنی مخلوقات میں حکم فرمائے گا۔ برے لوگ برا بدلہ پائیں گے۔ نیک نیکیوں کا پھل حاصل کریں گے۔ خالق مالک وہی ہے۔ دنیا اور آخرت کا حاکم حقیقی وہی ہے اور اسی کی ذات لائق حمد و ثنا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ ؕ یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے۔ پھر انہیں ملاتا ہے۔ پھر انہیں تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ پھر تو دیکھتا ہے کہ ان کے درمیان میں سے مینہ برستا ہے' وہی آسمان کی جانب سے اولوں کے پہاڑوں میں سے اولے برساتا ہے۔ پھر جنہیں چاہے ان کے پاس انہیں برسائے اور جن سے چاہے ان سے انہیں ہٹا دے' بادل ہی سے نکلنے والی بجلی کی چمک ایسی ہوتی ہے کہ گویا اب آنکھوں کی روشنی لے چلی ○ اللہ ہی دن اور رات کو رد و بدل کرتا رہتا ہے' آنکھوں والوں کے لئے تو اس میں یقیناً بڑی بڑی عبرتیں ہیں ○

بادل مرحلہ وار : ☆☆ (آیت: ۴۳-۴۴) پتلے دھوئیں جیسے بادل اول اول تو قدرت الٰہی سے اٹھتے ہیں پھر مل جل کر وہ جسیم ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے اوپر جم جاتے ہیں پھر ان میں سے بارش برستی ہے۔ ہوائیں چلتی ہیں' زمین کو قابل بناتی ہیں' پھر ابر کو اٹھاتی ہیں' پھر انہیں ملاتی ہیں' پھر وہ پانی سے بھر جاتے ہیں' پھر برس پڑتے ہیں۔ پھر آسمان سے اولوں کے برسانے کا ذکر ہے۔ اس جملے میں پہلا من ابتداء غایت کا ہے۔ دوسرا تبعیض کا۔ تیسرا بیان جنس کا۔ یہ اس تفسیر کی بنا پر ہے کہ آیت کے معنی یہ کئے جائیں کہ اولوں کے پہاڑ آسمان پر ہیں۔ اور جن کے نزدیک یہاں پہاڑ کا لفظ ابر کے لئے ہی بطور کنایہ ہے' ان کے نزدیک من ثانیہ بھی ابتداء غایت کے لئے ہے لیکن وہ پہلے کا بدل ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد کے جملے کا یہ مطلب ہے کہ بارش اور اولے جہاں اللہ برسانا چاہے' وہاں اس کی رحمت سے برستے ہیں اور جہاں نہ چاہے نہیں برستے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اولوں سے جن کی چاہے کھیتیاں اور باغات خراب کر دیتا ہے اور جن پر مہربانی فرمائے' انہیں بچا لیتا ہے۔ پھر بجلی کی چمک کی قوت بیان ہو رہی ہے کہ قریب ہے' وہ آنکھوں کی روشنی کھو دے۔ دن رات کا تصرف بھی اسی کے قبضے میں ہے جب چاہتا ہے دن کو چھوٹا اور رات کو بڑی کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے' رات کو چھوٹی کر کے دن کو بڑا کر دیتا ہے۔ یہ تمام نشانیاں ہیں جو قدرت قادر کو ظاہر کرتی ہیں' اللہ کی عظمت کو آشکارا کرتی ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش' رات دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

تمام کے تمام چلنے پھرنے والے جانداروں کو اللہ ہی نے پانی سے پیدا کیا ہے' ان میں سے بعض تو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں' بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں' بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں' اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ بلا شک وشبہ ہم نے روشن اور واضح آیتیں اتار دی ہیں۔ اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور رسول پر اور فرمانبردار ہوئے۔ پھر ان میں سے ایک فرقہ اس کے بعد بھی پھر جاتا ہے' یہ ایمان والے ہیں ہی نہیں ○ جب یہ اس بات کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے جھگڑے چکا دے تو بھی ان کی ایک جماعت منہ موڑنے والی بن جاتی ہے ○

ایک ہی پانی اور مختلف اجناس کی پیدائش: ☆☆ (آیت:۴۵) اللہ تعالیٰ اپنی کامل قدرت اور زبردست سلطنت کا بیان فرماتا ہے کہ اس نے ایک ہی پانی سے طرح طرح کی مخلوق پیدا کر دی ہے۔ سانپ وغیرہ کو دیکھو جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ انسان اور پرند کو دیکھو' ان کے دو پاؤں ہوتے ہیں جن پر چلتے ہیں۔ حیوانوں اور چوپاؤں کو دیکھو' وہ چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ وہ بڑا قادر ہے' جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے' جو نہیں چاہتا' ہر گز نہیں ہو سکتا' وہ قادر کل ہے۔

(آیت:۴۶) یہ حکمت بھرے احکام' یہ روشن مثالیں اس قرآن کریم میں اللہ ہی نے بیان فرمائی ہیں۔ عقلمندوں کو ان کے سمجھنے کی توفیق دی ہے۔ رب جسے چاہے اپنی سیدھی راہ پر لگائے۔

منافق کی زبان اور' دل اور: ☆☆ (آیت:۴۷-۴۸) منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ زبان سے تو ایمان واطاعت کا اقرار کرتے ہیں لیکن دل سے اس کے خلاف ہیں۔ عمل کچھ ہے' قول کچھ ہے۔ اس لئے کہ دراصل ایمان دار نہیں۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص بادشاہ کے سامنے بلوایا جائے اور وہ نہ جائے' وہ ظالم ہے اور ناحق پر ہے۔ جب انہیں ہدایت کی طرف بلایا جاتا ہے' قرآن وحدیث کے ماننے کو کہا جاتا ہے تو یہ منہ پھیر لیتے ہیں اور تکبر کرنے لگتے ہیں جیسے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ سے صُدُوْدًا تک کی آیتوں میں بیان گزر چکا ہے۔ ہاں اگر انہیں شرعی فیصلے میں اپنا نفع نظر آتا ہو تو لمبے لمبے کلمے پڑھتے ہوئے گردن ہلاتے ہوئے ہنسی خوشی چلے آئیں گے اور جب معلوم ہو جائے کہ شرعی فیصلے ان کی طبعی خواہش کے خلاف ہیں' دنیوی مفاد کے خلاف ہیں تو حق کی طرف مڑ کر دیکھیں گے بھی نہیں۔ پس ایسے لوگ پکے کافر

ہیں- اس لئے کہ تین حال سے خالی نہیں یا تو یہ کہ ان کے دلوں میں ہی بے ایمانی گھر کر گئی ہے یا انہیں دین الٰہی کی حقانیت میں شکوک ہیں یا خوف ہے کہ کہیں اللہ اور رسول ان کا حق نہ مارلیں' ان پر ظلم وستم کریں گے اور یہ تینوں صورتیں کفر کی ہیں- اللہ ان میں سے ہر ایک کو جانتا ہے' جو جیسا باطن میں ہے' اس کے پاس وہ ظاہر ہے-

دراصل یہی لوگ جابر ہیں' ظالم ہیں' اللہ اور رسول اللہ اس سے پاک ہیں- حضور ﷺ کے زمانے میں ایسے کافر جو ظاہر میں مسلمان تھے' بہت سے تھے انہیں جب اپنا مطلب قرآن وحدیث میں نکلتا نظر آتا تو خدمت نبویؐ میں اپنے جھگڑے پیش کرتے اور جب انہیں دوسروں سے مطلب براری نظر آتی تو سرکار محمد ﷺ میں آنے سے صاف انکار کر جاتے- پس یہ آیت اتری اور حضور ﷺ نے فرمایا' جن دو شخصوں میں کوئی جھگڑا ہو اور وہ اسلامی حکم کے مطابق فیصلے کی طرف بلایا جائے اور وہ اس سے انکار کرے' وہ ظالم ہے اور ناحق پر ہے- یہ حدیث غریب ہے-

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿٥٢﴾

ع ۱۰/۱۲

ہاں اگر انہی کو حق پہنچتا ہو تو مطیع وفرماں بردار ہو کر ان کی طرف چلے آتے ہیں ○ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟ یا یہ شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا انہیں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی نہ کر دیں' بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ خود ہی بڑے بے انصاف ہیں ○ ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا' یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ○ جو بھی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریں' خوف الٰہی رکھیں اور اس کے عذابوں سے ڈرتے رہیں' وہی نجات پانے والے ہیں ○

(آیت: ۴۹-۵۲) پھر سچے مومنوں کی شان بیان ہوتی ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے سوا کسی تیسری چیز کو داخل دین نہیں سمجھتے- وہ تو قرآن وحدیث سنتے ہیں' اس کی دعوت کی ندا کان میں پڑتے ہی صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا- یہ کامیاب بامراد اور نجات یافتہ لوگ ہیں- حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بدری صحابی ہیں' انصاری ہیں' انصاروں کے ایک سردار ہیں' انہوں نے اپنے بھتیجے جنادہ بن امیہ سے بوقت انتقال فرمایا کہ آ' مجھ سے سن لو کہ تمہارے ذمے کیا ہے؟ سننا اور ماننا سختی میں بھی' آسانی میں بھی' خوشی میں بھی' ناخوشی میں بھی' اس وقت بھی جب کہ تیرا حق دوسرے کو دیا جا رہا ہو' اپنی زبان کو عدل اور سچائی کے ساتھ سیدھی رکھ- کام کے اہل لوگوں سے کام کو نہ چھینیں- ہاں اگر کسی کھلی نافرمانی کا وہ حکم دیں تو نہ ماننا- کتاب اللہ کے خلاف کوئی بھی کہے' ہرگز نہ ماننا- کتاب اللہ کی پیروی میں لگے رہنا- ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام بغیر اللہ کی اطاعت کے نہیں اور بہتری جو کچھ ہے وہ جماعت کی' اللہ کی'

اس کے رسول کی، خلیفتہ المسلمین کی اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسلام کا مضبوط کڑا اللہ کی وحدانیت کی گواہی، نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور مسلمانوں کے بادشاہ کی اطاعت ہے۔ جو احادیث و آثار کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اللہ کی اطاعت کے بارے میں اور مسلمان بادشاہوں کی ماننے کے بارے میں مروی ہیں، وہ اس کثرت سے ہیں کہ سب یہاں کسی طرح بیان ہو ہی نہیں سکتیں۔ جو شخص اللہ اور رسول کا تابع فرمان بن جائے، جو حکم ملے بجالائے، جس چیز سے روک دیں، رک جائے، جو گناہ ہو جائے، اس سے خوف کھاتا رہے، آئندہ کے لئے اس سے بچتا رہے، ایسے لوگ تمام بھلائیوں کو سمیٹنے والے اور تمام برائیوں سے بچ جانے والے ہیں۔ دنیا اور آخرت میں وہ نجات یافتہ ہیں۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

بڑی پختگی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ آپ کا حکم ہوتے ہی یہ نکل کھڑے ہوں گے، کہہ دے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ۔ تمہاری اطاعت کی حقیقت معلوم ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے ○ کہہ دے کہ اللہ کا حکم مانو، رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا ہے اور تم پر اس کی جواب وہی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے، ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو، سنو رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے ○

مکار منافق: ☆☆ (آیت: ۵۳-۵۴) اہل نفاق کا حال بیان ہو رہا ہے کہ وہ پیغمبر رب ﷺ کے پاس آ کر اپنی ایمانداری اور خیر خواہی جتاتے ہوئے قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم جہاد کے لئے تیار بیٹھے ہیں بلکہ بے قرار ہیں، آپ کے حکم کی دیر ہے، فرمان ہوتے ہی گھر بار بال بچے چھوڑ کر میدان جنگ میں پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ان سے کہہ دو کہ قسمیں نہ کھاؤ۔ تمہاری اطاعت کی حقیقت تو روشن ہے۔ زبانی ڈینگیں بہت ہیں، عملی حصہ صفر ہے۔ تمہاری قسموں کی حقیقت بھی معلوم ہے، دل میں کچھ ہے۔ زبان پر کچھ ہے جتنی زبان مومن ہے، اتنا ہی دل کافر ہے۔ یہ قسمیں صرف مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ ان قسموں کو تو یہ لوگ ڈھال بنائے ہوئے ہیں۔ تم سے ہی نہیں بلکہ کافروں کے سامنے بھی ان کی موافقت اور ان کی امداد کی قسمیں کھاتے ہیں لیکن اتنے بزدل ہیں کہ ان کا ساتھ خاک بھی نہیں دے سکتے۔ اس جملے کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تمہیں تو معقول اور پسندیدہ اطاعت کا شیوہ چاہئے نہ کہ قسمیں کھانے اور ڈینگیں مارنے کا۔ تمہارے سامنے مسلمان موجود ہیں۔ دیکھو نہ وہ قسمیں کھاتے ہیں نہ بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے ہیں ہاں کام کے وقت سب سے آگے نکل آتے ہیں اور فعلی حصہ بڑھ چڑھ کر لیتے ہیں۔ اللہ پر کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں، وہ اپنے بندوں کے ایک ایک عمل سے باخبر ہے۔ ہر عاصی اور مطیع اس پر ظاہر ہے۔ ہر ایک کے باطن پر بھی اس کی نگاہیں ویسی ہی ہیں جیسی ظاہر پر گو تم ظاہر کچھ کرو لیکن وہ باطن پر بھی آگاہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی یعنی قرآن اور حدیث کی اتباع کرو اگر تم اس سے منہ موڑ لو اسے چھوڑ دو تو تمہارے اس

گناہ کا وبال میرے نبی ﷺ پر نہیں‘ اس کے ذمے تو صرف پیغام الٰہی پہنچانا اور ادائے امانت کر دینا ہے۔ تم پر وہ ہے جس کے ذمے دار تم ہو یعنی قبول کرنا‘ عمل کرنا وغیرہ۔ ہدایت صرف اطاعت رسول میں ہے اس لئے کہ صراط مستقیم کا داعی وہی ہے‘ جو صراط مستقیم اس اللہ تک پہنچاتی ہے‘ جس کی سلطنت تمام زمین و آسمان ہے۔ رسول ﷺ کے ذمے صرف پہنچا دینا ہی ہے۔ سب کا حساب ہمارے ذمے ہے۔ جیسے فرمان ہے فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ الخ‘ تو صرف ناصح و واعظ ہے۔ انہیں نصیحت کر دیا کر‘ تو ان کا وکیل یا داروغہ نہیں۔

وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعیاؑ نبی کی طرف وحی الٰہی آئی کہ تو بنی اسرائیل کے مجمع میں کھڑا ہو جا۔ میں تیری زبان سے جو چاہوں گا‘ نکلواؤں گا چنانچہ آپ کھڑے ہوئے تو آپ کی زبان سے بہ حکم الٰہی یہ خطبہ بیان ہوا۔ اے آسمان سن‘ اے زمین خاموش رہ‘ اللہ تعالیٰ ایک شان پوری کرنا اور ایک امر کی تدبیر کرنا چاہتا ہے جسے وہ پورا کرنے والا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جنگلوں کو آباد کر دے‘ ویرانے کو بسا دے‘ صحراؤں کو سرسبز بنا دے‘ فقیروں کو غنی کر دے‘ چرواہوں کو سلطان بنا دے‘ ان پڑھوں میں سے ایک امی کو نبی بنا کر بھیجے‘ جو نہ بدگو ہو‘ نہ بد اخلاق ہو‘ نہ بازاروں میں شور و غل کرنے والا ہو‘ اتنا مسکین صفت اور متواضع ہو کہ اس کے دامن کی ہوا سے چراغ بھی نہ بجھے جس کے پاس سے وہ گزرا ہو۔ اگر وہ سوکھے بانسوں پر پیر رکھ کر چلے تو بھی چرچراہٹ کسی کے کان میں نہ پہنچے۔ میں اسے بشیر و نذیر بنا کر بھیجوں گا‘ وہ زبان کا پاک ہوگا‘ اندھی آنکھیں اس کی وجہ سے روشن ہو جائیں گی‘ بہرے کان اس کے باعث سننے لگیں گے‘ غلاف والے دل اس کی برکت سے کھل جائیں گے۔ ہر ایک بھلے کام سے میں اسے سنوا دوں گا۔ ہر ایک خلق کریم سے میں اسے سرفراز فرماؤں گا۔ سکینت اس کا لباس ہوگی‘ نیکی اس کا وطیرہ ہوگا‘ تقویٰ اس کا ضمیر ہوگا۔ حکمت اس کی باتیں ہوں گی‘ صدق و وفا اس کی طبیعت ہوگی‘ عفو و درگزر کرنا اور عمدگی و بھلائی چاہنا اس کی خصلت ہوگی۔ حق اس کی شریعت ہوگا‘ عدل اس کی سیرت ہوگی‘ ہدایت اس کی امام ہوگی‘ اسلام اس کی ملت ہوگا‘ احمد اس کا نام ہوگا۔ (ﷺ) گمراہی کے بعد اس کی وجہ سے میں ہدایت پھیلا دوں گا‘ جہالت کے بعد علم چمک اٹھے گا‘ پستی کے بعد اس کی وجہ سے ترقی ہوگی۔ نادانی اس کی ذات سے دانائی میں بدل جائے گی۔ کمی زیادتی سے بدل جائے گی‘ فقیری کو اس کی وجہ سے میں امیری سے بدل دوں گا۔ اس کی ذات سے جدا جدا لوگوں کو میں ملا دوں گا‘ فرقت کے بعد الفت ہوگی‘ انتشار کے بعد اتحاد ہوگا‘ اختلاف کے بعد اتفاق ہوگا۔ مختلف دل‘ جداگانہ خواہشیں ایک ہو جائیں گی‘ بیشمار بندگان رب ہلاکت سے بچ جائیں گے۔ اس کی امت کو میں تمام امتوں سے بہتر کر دوں گا جو لوگوں کے نفع کے لئے ہوگی‘ بھلائیوں کا حکم کرنے والی‘ برائیوں سے روکنے والی ہوگی۔ موحد‘ مومن‘ مخلص ہوں گے‘ اللہ کے جتنے رسول علیہم السلام اللہ کی طرف سے جو کچھ لائے ہیں‘ یہ سب کو مانیں گے‘ کسی کے منکر نہ ہوں گے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں‘ اللہ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور ملک کا حاکم بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو حاکم بنایا تھا جو

ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جمادے گا جسے ان کے لئے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا کہ میری عبادت کرتے رہیں گے۔ میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے' اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں' وہ یقیناً فاسق ہی ہیں ○

عروج اسلام لازم ہے: ☆☆ (آیت:۵۵) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرما رہا ہے کہ آپ کی امت کو زمین کا مالک بنادے گا' لوگوں کا سردار بنادے گا' ملک ان کی وجہ سے آباد ہوگا' بندگان رب ان سے دل شاد ہوں گے۔ آج یہ لوگوں سے لرزاں وترساں ہیں' کل یہ باامن واطمینان ہوں گے' حکومت ان کی ہوگی' سلطنت ان کے ہاتھوں میں ہوگی۔ الحمدللہ یہی ہوا بھی۔ مکہ' خیبر' بحرین' جزیرہ عرب اور یمن تو خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی موجودگی میں فتح ہو گیا۔ ہجر کے مجوسیوں نے جزیہ دے کر ماتحتی قبول کر لی' شام کے بعض حصوں کا بھی یہی حال ہوا۔ شاہ روم ہرقل نے تحفے تحائف روانہ کئے۔ مصر کے والی نے بھی خدمت اقدس میں تحفے بھیجے' اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے' عمان کے شاہوں نے بھی یہی کیا اور اس طرح اپنی اطاعت گزاری کا ثبوت دیا۔ حبشہ کے بادشاہ اصحمہ رحمتہ اللہ علیہ تو مسلمان ہی ہو گئے اور ان کے بعد جو والی حبشہ ہوا' اس نے بھی سرکار محمد ﷺ میں عقیدت مندی کے ساتھ تحائف روانہ کئے۔ پھر جب کہ اللہ تعالیٰ رب العزت نے اپنے محترم رسول ﷺ کو اپنی مہمانداری میں بلوالیا' آپ کی خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سنبھالی' جزیرہ عرب کی حکومت کو مضبوط اور مستقل بنایا اور ساتھ ہی ایک جرار لشکر سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپہ سالاری میں بلاد فارس کی طرف بھیجا جس نے وہاں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا کفر کے درختوں کو چھانٹ دیا اور اسلامی پودے ہر طرف لگا دیئے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ وغیرہ امراء کے ماتحت شام کے ملکوں کی طرف لشکر اسلام کے جاں بازوں کو روانہ فرمایا انہوں نے بھی یہاں محمدی جھنڈا بلند کیا اور صلیبی نشان اوندھے منہ گرائے۔ پھر مصر کی طرف مجاہدین کا لشکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرداری میں روانہ فرمایا۔ بصریٰ' دمشق' حران وغیرہ کی فتوحات کے بعد آپ بھی راہی ملک بقا ہوئے اور بہ الہام الٰہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے فاروق کے زبردست زورآور ہاتھوں میں سلطنت اسلام کی باگیں دے گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ آسمان تلے کسی نبی کے بعد ایسے پاک خلیفوں کا دور نہیں ہوا۔ آپ کی قوت طبیعت' آپ کی نیک سیرت' آپ کے عدل کا کمال' آپ کی رب ترسی کی مثال دنیا میں آپ کے بعد تلاش کرنا محض بے سود اور بالکل لاحاصل ہے۔ تمام ملک شام' پورا علاقہ مصر' اکثر حصہ فارس آپ کی خلافت کے زمانے میں فتح ہوا' سلطنت کسریٰ کے ٹکڑے اڑ گئے' خود کسریٰ کو منہ چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہ ملی' کامل ذلت واہانت کے ساتھ بھاگتا پھرا۔ قیصر کو فنا کر دیا۔ نام مٹا دیا۔ شام کی سلطنت سے دست بردار ہونا پڑا۔ قسطنطنیہ میں جا کر منہ چھپایا۔ ان سلطنتوں کی صدیوں کی دولت اور جمع کئے ہوئے بے شمار خزانے ان بندگان رب نے اللہ کے نیک نفس اور مسکین خصلت بندوں پر خرچ کئے اور اللہ کے وہ وعدے پورے ہوئے جو اس نے حبیب اکرم ﷺ کی زبان سے کہلوائے تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا دور آتا ہے اور مشرق ومغرب کی انتہا تک اللہ کا دین پھیل جاتا ہے ربانی لشکر ایک طرف اقصی مشرق تک اور دوسری طرف انتہاء مغرب تک پہنچ کر دم لیتے ہیں۔ اور مجاہدین کی آب دار تلواریں اللہ کی توحید کو دنیا کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں پہنچا دیتی ہیں۔ اندلس' قبرص' قیروان وسبتہ یہاں تک کہ چین تک آپ کے زمانے میں فتح ہوئے۔ کسریٰ قتل کر دیا گیا۔ اس کا ملک تو ایک طرف نام ونشان تک کھود کر پھینک دیا گیا اور ہزار ہا برس کے آتش کدے بجھا دیئے گئے اور ہر اونچے ٹیلے سے

صدائے اللہ اکبر آنے لگی- دوسری جانب مدائن' عراق' خراسان' اھواز سب فتح ہو گئے- ترکوں سے جنگ عظیم ہوئی آخران کا بڑا بادشاہ خاقان خاک میں ملا' ذلیل وخوار ہوا اور زمین کے مشرقی اور مغربی کونوں نے اپنے خراج بارگاہ خلافت عثانی میں پہنچوائے- حق تو یہ ہے کہ مجاہدین کی ان جانبازیوں میں جان ڈالنے والی چیز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاوت قرآن کی برکت تھی آپ کو قرآن سے کچھ ایسا شغف تھا جو بیان سے باہر ہے- قرآن کے جمع کرنے' اس کے حفظ کرنے' اس کی اشاعت کرنے' اس کے سنبھالنے میں جو نمایاں خدمتیں خلیفہ ثالث سے نمایاں ہوئیں' وہ یقیناً عدیم المثال ہیں-

آپ کے زمانے کو دیکھو اور اللہ کے رسول ﷺ کی اس پیش گوئی کو دیکھو کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میرے لئے زمین سمیٹ دی گئی یہاں تک کہ میں نے مشرق ومغرب دیکھ لی عنقریب میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک اس وقت مجھے دکھائی گئی ہے-[1] (مسلمانو! رب کے اس وعدے کو' پیغمبر کی اس پیش گوئی کو دیکھو پھر تاریخ کے اوراق پلٹو اور اپنی گذشتہ عظمت وشان کو دیکھو آؤ نظریں ڈالو کہ آج تک اسلام کا پرچم بحمد اللہ بلند ہے اور مسلمان ان مجاہدین کرام کی مفتوح زمینوں میں شاہانہ حیثیت سے چل پھر رہے ہیں- اللہ اور اس کے رسول سچے ہیں- مسلمانو! حیف اور صد حیف اس پر جو قرآن وحدیث کے دائرے سے باہر نکلے' حسرت اور صد حسرت اس پر جو اپنے آبائی ذخیرے کو غیر کے حوالے کرے- اپنے آباؤ اجداد کے خون کے قطروں سے خریدی ہوئی چیز کو اپنی نالائقیوں اور بے دینیوں سے غیر کی بھینٹ چڑھاوے اور سکھ سے بیٹھا' لیٹا رہے- اللہ ہمیں کامل ایمان عطا کر' اللہ ہمیں سچا ذوق دے- اللہ ہمیں اسلامی سپاہ بنا' اللہ ہمیں اپنے لشکر کی توفیق دے- اللہ ہمیں اپنا لشکری بنالے آمین آمین)

حضور ﷺ فرماتے ہیں' لوگوں کا کام بھلائی سے جاری رہے گا یہاں تک کہ ان میں بارہ خلیفے ہوں گے' پھر آپ نے ایک جملہ آہستہ بولا جو راوی حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سن نہ سکے تو انہوں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا' انہوں نے بیان کیا کہ یہ فرمایا ہے' یہ سب کے سب قریشی ہوں گے (مسلم) آپ نے یہ بات اس شام کو بیان فرمائی تھی جس دن حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رجم کیا گیا تھا- پس معلوم ہوا کہ ان بارہ خلیفوں کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ وہ خلیفے نہیں جو شیعوں نے سمجھ رکھے ہیں کیونکہ شیعوں کے اماموں میں تو بہت سے وہ بھی ہیں جنہیں خلافت وسلطنت کا کوئی حصہ بھی پوری عمر میں نہیں ملا تھا اور یہ بارہ خلفاء ہوں گے' سب کے سب قریشی ہوں گے' حکم میں عدل کرنے والے ہوں گے' ان کی بشارت اگلی کتابوں میں بھی ہے اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ یہ سب کے سب یکے بعد دیگرے ہوں گے بلکہ ان کا ہونا یقینی ہے خواہ پے در پے کچھ ہوں خواہ متفرق زمانوں میں کچھ ہوں- چنانچہ چاروں خلیفے تو بالترتیب ہوئے اول ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' پھر علی رضی اللہ عنہ ان کے بعد پھر سلسلہ ٹوٹ گیا پھر بھی ایسے خلیفہ ہوئے اور ممکن ہے آگے چل کر بھی ہوں ان کے صحیح زمانوں کا علم اللہ ہی کو ہے ہاں اتنا یقینی ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی انہی بارہ میں سے ہوں گے جن کا نام حضور ﷺ کے نام سے' جن کی کنیت حضور ﷺ کی کنیت سے مطابق ہو گی' تمام زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جیسے کہ وہ ظلم وناانصافی سے بھر گئی ہو گی- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے' میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر کاٹ کھانے والا ملک ہو جائے گا- ابو العالیہؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم دس سال تک مکے میں رہے' اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف دنیا کو دعوت دیتے رہے لیکن یہ زمانہ پوشیدگی کا ڈر' خوف کا اور بے اطمینانی کا تھا' جہاد کا حکم نہیں آیا تھا- مسلمان بے حد کمزور تھے اس کے بعد ہجرت کا حکم ہوا- مدینے پہنچے اب جہاد کا حکم ملا- جہاد شروع

ہوا- دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا- اہل اسلام بہت خائف تھے- خطرے سے کوئی وقت خالی نہیں جاتا تھا' صبح شام صحابہؓ ہتھیاروں سے آراستہ رہتے تھے- ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے کہا' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم اسی طرح خوف زدہ ہی رہیں گے؟ یارسول اللہ ﷺ کیا ہماری زندگی کی کوئی گھڑی بھی اطمینان سے نہیں گزرے گی؟ یارسول ﷺ کیا ہتھیار اتار کر بھی ہمیں کبھی آسودگی کا سانس لینا میسر آئے گا؟ آپ نے پورے سکون سے فرمایا' کچھ دن اور صبر کرلو پھر تو اس قدر امن واطمینان ہو جائے گا کہ پوری مجلس میں' بھرے دربار میں' چوکڑی بھر کر آرام سے بیٹھے ہوئے رہو گے' ایک کے پاس کیا' کسی کے پاس بھی کوئی ہتھیار نہ ہوگا کیونکہ کامل امن وامان پورا اطمینان ہوگا- اسی وقت یہ آیت اتری- پھر تو اللہ کے نبی جزیرہ عرب پر غالب آ گئے عرب میں بھی کوئی کافر نہ رہا- مسلمانوں کے دل خوف سے خالی ہو گئے اور ہتھیار ہر وقت لگائے رہنے ضروری نہ رہے- پھر یہی امن وراحت کا دور دورہ حضور ﷺ کے زمانے کے بعد بھی تین خلافتوں تک رہا یعنی ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے تک- پھر مسلمان ان جھگڑوں میں پڑ گئے جو رونما ہوئے پھر خوف زدہ رہنے لگے اور پہرے دار' چوکیدار' داروغے وغیرہ مقرر کئے اپنی حالتوں کو متغیر کیا تو متغیر ہو گئے-

بعض سلف سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی حقانیت کے بارے میں اس آیت کو پیش کیا- براءبن عازب کہتے ہیں' جس وقت یہ آیت اتری ہے' اس وقت ہم انتہائی خوف اور اضطراب کی حالت میں تھے جیسے فرمان ہے- وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ الخ' یعنی وہ وقت بھی تھا کہ تم بے حد کمزور اور تھوڑے تھے اور قدم قدم اور دم دم پر خوف زدہ رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعداد بڑھادی' تمہیں قوت وطاقت عنایت فرمائی اور امن وامان دیا- پھر بیان فرمایا کہ جیسے ان سے پہلے کے لوگوں کو اس نے زمین کا مالک کر دیا تھا جیسے کہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ بہت ممکن ہے بلکہ بہت ہی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے اور تمہیں ان کا جانشین بنادے- اور آیت میں ہے وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ یعنی ہم نے ان پر احسان کرنا چاہا جو زمین بھر میں سب سے زیادہ ضعیف اور ناتوان تھے-

پھر فرمایا کہ ان کے دین کو جو اللہ کا پسندیدہ ہے' جمادے گا- اور اسے قوت وطاقت دے گا- حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بطور وفد آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا' کیا تو نے حیرہ دیکھا ہے- اس نے جواب دیا کہ میں حیرہ کو نہیں جانتا- ہاں نام سنا ہے' آپ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اللہ تعالیٰ میرے اس دین کو کامل طور پر پھیلائے گا یہاں تک کہ امن وامان ہو جائے گا کہ حیرہ سے ایک سانڈنی سوار عورت تنہا نکلے گی اور وہ بیت اللہ تک پہنچ کر طواف سے فارغ ہو کر واپس ہوگی' نہ خوف زدہ ہوگی نہ ہی اس کے ساتھ محافظ ہوگا- یقین مان کہ کسریٰ بن ھرمز شاہ ایران کے خزانے فتح ہوں گے- حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعجب سے پوچھا' کیا شاہ ایران کسریٰ بن ھرمز کے خزانے مسلمانوں کی فتوحات میں آئیں گے؟ آپ نے فرمایا' ہاں ہاں اسی کسریٰ بن ھرمز کے- سنو اس قدر مال بڑھ جائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا- حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اب تم دیکھ لو کہ فی الواقع حیرہ سے عورتیں بغیر کسی کی پناہ کے آتی جاتی ہیں- اس پیشین گوئی کو پورا ہوتے ہوئے ہم نے دیکھ لیا- دوسری پیشین گوئی تو میری نگاہوں کے سامنے پوری ہوئی' کسریٰ کے خزانے فتح کرنے والوں میں خود موجود تھا اور تیسری پیش گوئی بھی یقیناً پوری ہو کر رہے گی کیونکہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے- مسند احمد میں حضور ﷺ کا فرمان ہے' اس امت کو ترقی اور بڑھوتری کی مدد اور دین کی اشاعت کی بشارت دو' ہاں جو شخص آخرت کا عمل دنیا کے حاصل کرنے کے لئے کرے' وہ جان لے کہ آخرت میں اسے کوئی حصہ نہ ملے گا-

پھر فرماتا ہے کہ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ مسند میں ہے' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک گدھے پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان صرف پالان کی لکڑی تھی آپ نے میرے نام سے مجھے آواز دی میں نے لبیک وسعدیک کہا' پھر تھوڑی سی دیر چلنے کے بعد اسی طرح مجھے پکارا اور میں نے بھی اسی طرح جواب دیا۔ آپ نے فرمایا' جانتے ہو اللہ کا حق اپنے بندوں پر کیا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے' آپ نے فرمایا' بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر تھوڑی سی دیر چلنے کے بعد مجھے پکارا اور میں نے جواب دیا تو آپ نے فرمایا جانتے ہو جب بندے کا اللہ حق ادا کریں تو اللہ کے ذمے بندوں کا حق کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہی پورا علم ہے' آپ نے فرمایا' یہ کہ انہیں عذاب نہ کرے (صحیحین) پھر فرمایا' اس کے بعد جو منکر ہو جائے' وہ یقیناً فاسق ہے۔ یعنی اس کے بعد بھی جو میری فرمانبرداری چھوڑ دے' اس نے میری حکم عدولی کی اور یہ گناہ سخت اور بہت بڑا ہے۔ شان الٰہی دیکھو' جتنا جس زمانے میں اسلام کا زور رہا' اتنی ہی مدد اللہ کی ہوئی' صحابہ اپنے ایمان میں بڑھے ہوئے تھے' فتوحات میں بھی سب سے آگے نکل گئے' جوں جوں ایمان کمزور ہوتا گیا' دنیوی حالت' سلطنت وشوکت بھی گرتی گئی۔ صحیحین میں ہے' میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ برسرحق رہے گی اور وہ غالب اور نڈر رہے گی' ان کے مخالف ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے' قیامت تک یہ اسی طرح رہے گی۔

اور روایت میں ہے یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے گا۔ ایک اور روایت میں ہے' یہاں تک کہ یہی جماعت سب سے آخر دجال سے جہاد کرے گی اور حدیث میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے تک یہ لوگ کافروں پر غالب رہیں گے۔ یہ سب روایتیں صحیح ہیں اور ایک ہی مطلب سب کا ہے۔

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ

ع ۷ / ۱۲

نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری میں لگے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے O یہ خیال تو کبھی بھی نہ کرنا کہ منکر لوگ زمین میں ادھر ادھر بھاگ کر ہمیں ہرا دینے والے ہیں' ان کا اصلی ٹھکانہ تو جہنم ہے' جو یقیناً بہت ہی برا ٹھکانا ہے O ایمان والو! تم سے تمہاری ملکیت کے غلاموں کو اور انہیں بھی جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں' اپنے آنے کی تین وقتوں میں اجازت حاصل کرنی ضروری ہے' نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔

صلوٰۃ اور حسن سلوک کی ہدایات: ☆☆ (آیت: ۵۶-۵۷) اللہ تعالیٰ اپنے باایمان بندوں کو صرف اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے کہ اسی کے لئے نمازیں پڑھتے رہو۔ اور ساتھ ہی اس کے بندوں کے ساتھ احسان وسلوک کرتے رہو۔ ضعیفوں' مسکینوں' فقیروں کی خبر گیری کرتے

رہو- مال میں سے ربانی حق یعنی زکوٰۃ نکالتے رہو- اور ہر امر میں اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو' جس بات کا وہ حکم فرمائے' بجالاؤ' جس امر سے وہ روکیں' رک جاؤ- یقین جانو کہ اللہ کی رحمت کے حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے- چنانچہ اور آیت میں ہے اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ یہی لوگ ہیں جن پر ضرور ضرور اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے- اے نبی ﷺ یہ گمان نہ کرنا کہ آپ کو جھٹلانے والے اور آپ کو نہ ماننے والے ہم پر غالب آ جائیں گے یا ادھر ادھر بھاگ کر ہمارے بے پناہ عذابوں سے بچ جائیں گے- ہم تو ان کا اصلی ٹھکانا جہنم میں مقرر کر چکے ہیں جو نہایت بری جگہ ہے- قرارگاہ کے اعتبار سے بھی اور بازگشت کے اعتبار سے بھی-

ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

یہ تینوں وقت تمہاری خلوت اور پردے کے ہیں' ان وقتوں کے ماسوا نہ تو تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر' تم سب آپس میں ایک دوسرے کے پاس بکثرت آنے جانے والے ہو ہی' اللہ تعالیٰ یوں ہی کھول کھول کر اپنے احکام تم سے بیان فرما رہا ہے اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمت والا ہے ○ تم میں کے بچے بھی جب بلوغت کو پہنچ جائیں تو جس طرح ان سے پہلے کے بڑے لوگ اجازت مانگ لیا کرتے ہیں' انہیں بھی اجازت مانگ کر آنا چاہیے' اللہ تعالیٰ تم سے اسی طرح اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے' اللہ ہی علم وحکمت والا ہے ○

گھروں میں اجازت کے بغیر داخل نہ ہوں: ☆☆ (آیت: ۵۸-۵۹) اس آیت میں قریبی رشتے داروں کو بھی حکم ہو رہا ہے کہ وہ بھی اجازت حاصل کر کے آیا کریں- اس سے پہلے کی اس سورت کی شروع کی آیت میں جو حکم تھا' وہ اجنبیوں کے لئے تھا- پس فرماتا ہے کہ تین وقتوں میں غلاموں کو بلکہ نابالغ بچوں کو بھی اجازت مانگنی چاہیے- صبح کی نماز سے پہلے کیونکہ وہ سونے کا وقت ہوتا ہے- اور دوپہر کو جب کہ انسان دو گھڑی راحت حاصل کرنے کے لئے عموماً اپنے گھر میں بالائی کپڑے اتار کر سوتا ہے اور عشا کی نماز کے بعد کیونکہ وہ بھی بال بچوں کے ساتھ سونے کا وقت ہے- پس تین وقتوں میں نہ جانے انسان بے فکری سے اپنے گھر میں کس حالت میں ہو؟ اس لئے گھر کے لونڈی' غلام اور چھوٹے بچے بھی بے اطلاع ان وقتوں میں چپ چاپ نہ گھس آئیں- ہاں ان خاص وقتوں کے علاوہ انہیں آنے کے لئے اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کا آنا جانا تو ضروری ہے' بار بار کے آنے جانے والے ہیں' ہر وقت کی اجازت طلبی ان کے لئے اور نیز تمہارے لئے بڑی حرج کی چیز ہو گی- ایک حدیث میں ہے کہ بلی نجس نہیں وہ تو تمہارے گھروں میں تمہارے آس پاس گھومنے پھرنے والی ہے- حکم تو یہی ہے اور عمل اس پر بہت کم ہے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' تین آیتوں پر عموماً لوگوں نے عمل چھوڑ رکھا ہے- ایک تو یہی آیت اور ایک سورہ نساء کی آیت وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اور ایک سورہ حجرات کی آیت اِنَّ اَكْرَمَكُمْ الخ' شیطان لوگوں پر چھا گیا اور انہیں ان آیتوں پر عمل کرنے سے غافل کر دیا' گویا ان پر ایمان ہی نہیں- میں نے تو اپنی اس لونڈی سے بھی کہہ رکھا ہے کہ ان تینوں وقتوں میں بے اجازت ہرگز نہ آئے- پہلی آیت میں تو ان تین وقتوں میں لونڈی غلاموں اور نابالغ بچوں کو بھی اجازت لینے کا حکم ہے دوسری آیت میں

ورثے کی تقسیم کے وقت جو قرابت دار اور یتیم مسکین آ جائیں انہیں بنام الٰہی کچھ دے دینے اور ان سے نرمی سے بات کرنے کا حکم ہے اور تیسری آیت میں حسب نسب پر فخر نہ کرنے بلکہ قابل اکرام خوف الٰہی کے ہونے کا ذکر ہے۔

حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا' کیا یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے؟ آپ نے فرمایا' ہرگز نہیں۔ اس نے کہا' پھر لوگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ فرمایا' اللہ سے توفیق طلب کرنی چاہئے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس آیت پر عمل کے ترک کی ایک بڑی وجہ مال داری اور فراخی ہے۔ پہلے تو لوگوں کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ اپنے دروازوں پر پردے لٹکا لیتے یا کشادہ گھر کئی کئی الگ الگ کمروں والے ہوتے تو بسا اوقات لونڈی غلام بے خبری میں چلے آتے اور میاں بیوی مشغول ہوتے تو آنے والے بھی شرما جاتے اور گھر والوں پر بھی شاق گزرتا اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کشادگی دی' کمرے جداگانہ بن گئے' دروازے باقاعدہ لگ گئے' دروازوں پر پردے پڑ گئے تو محفوظ ہوگئے حکم الٰہی کی مصلحت پوری ہوگئی اس لئے اجازت کی پابندی اٹھ گئی اور لوگوں نے اس میں سستی اور غفلت شروع کر دی۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی تین وقت ایسے ہیں کہ انسان کو ذرا فرصت ہوتی ہے' گھر میں ہوتا ہے اللہ جانے کس حالت میں ہو اس لئے لونڈی غلاموں کو بھی اجازت کا پابند کر دیا کیونکہ اسی وقت میں عموماً لوگ اپنی گھر والیوں سے ملتے ہیں تاکہ نہا دھو کر با آرام گھر سے نکلیں اور نمازوں میں شامل ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے لئے کچھ کھانا پکایا لوگ بلا اجازت ان کے گھر میں جانے لگے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' یا رسول اللہ' یہ تو نہایت بری بات ہے کہ غلام بے اجازت گھر میں آ جائے ممکن ہے' میاں بیوی ایک ہی کپڑے میں ہوں۔ پس یہ آیت اتری۔ اس آیت کے منسوخ نہ ہونے پر اس آیت کے خاتمے کے الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں کہ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں بیان کرتا ہے اور اللہ علیم وحکیم ہے۔ ہاں جب بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو پھر انہیں تین وقتوں کے علاوہ اور وقتوں میں بھی اجازت لینی چاہئے۔ چھوٹے بچوں کو گھر میں اپنے ماں باپ کے پاس جانے کے لئے بھی ان تین وقتوں میں جن کا بیان اوپر گزرا اجازت مانگنی ضروری ہے لیکن بعد از بلوغت تو ہر وقت اطلاع کر کے ہی جانا چاہئے۔ جیسے کہ اور بڑے لوگ اجازت مانگ کر آتے ہیں خواہ اپنے ہوں خواہ پرائے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

بوڑھی بڑی عورتیں جنہیں نکاح کی امید وخواہش ہی نہ رہی ہو وہ اگر اپنے کپڑے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں' لیکن تاہم اگر اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے بہت افضل ہے' اللہ ہے سنتا جانتا ○

(آیت: ۶۰) جو بڑھیا عورتیں اس عمر کو پہنچ جائیں کہ نہ اب انہیں مرد کی خواہش رہے نہ نکاح کی' توقع حیض بند ہو جائے' عمر سے اتر جائیں تو ان پر پردے کی وہ پابندیاں نہیں جو اور عورتوں پر ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ سے یہ آیت مستثنیٰ ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایسی عورتوں کو اجازت ہے کہ وہ برقعہ اور چادر اتار دیا کریں صرف دوپٹے میں اور

کرتے پاجامے میں رہیں۔ آپ کی قرات بھی اَنْ یَّضَعْنَ مِنْ ثِیَابِھِنَّ ہے۔ مراد اس سے دوپٹے کے اوپر کی چادر ہے۔ تو بڑھیا عورتیں جب کہ موٹا چوڑا دوپٹہ اوڑھے ہوئے ہوں انہیں اس کے اوپر اور چادر ڈالنا ضروری نہیں۔ لیکن مقصود اس سے بھی اظہار زینت نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ سے جب اس قسم کے سوالات عورتوں نے کئے تو آپ نے فرمایا' تمہارے لئے بناؤ سنگھار بیشک حلال اور طیب ہے لیکن غیر مردوں کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے نہیں۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ جب بالکل بڑھیا پھوس ہو گئیں تو آپ نے اپنے غلام کے ہاتھوں اپنے سر کے بالوں میں مہندی لگوائی جب ان سے اس کا سوال کیا گیا تو فرمایا' میں ان عمر رسیدہ عورتوں میں ہوں جنہیں خواہش نہیں رہی۔ آخر میں فرمایا' گو چادر کا نہ لینا ان بڑی بوڑھی عورتوں کے لئے جائز تو ہے مگر تاہم افضل یہی ہے کہ چادروں اور برقعوں میں ہی رہیں۔ اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۶۱

اندھے پر' لنگڑے پر' بیمار پر اور خود تم پر مطلقاً کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھالو یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے مالک تم ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھالو۔ تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ تم سب ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ' پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے والوں کو سلام کرلیا کرو۔ دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ' یوں ہی اللہ تعالیٰ کھول کھول کر تم سے اپنے احکام بیان فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھ لو ○

جہاد میں شمولیت کی شرائط: ☆☆ (آیت:۶۱) اس آیت میں جس حرج کے نہ ہونے کا ذکر ہے اس کی بابت حضرت عطاء وغیرہ تو فرماتے ہیں' مراد اس سے اندھے لولے لنگڑے کا جہاد میں نہ آنا ہے۔ جیسے کہ سورہ فتح میں ہے تو یہ لوگ اگر جہاد میں شامل نہ ہوں تو ان پر بوجہ ان کے معقول شرعی عذر کے کوئی حرج نہیں۔ سورۂ براء میں ہے لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ بوڑھے بڑوں پر اور بیماروں پر اور مفلسوں پر جب کہ وہ تہہ دل سے دین الٰہی کے اور رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ ہوں' کوئی حرج نہیں بھلے؟۔ لوگوں پر کوئی سرزنش نہیں اللہ غفور و رحیم ہے۔ ان

پر بھی اسی طرح کوئی حرج نہیں جو سواری نہیں پاتے اور تیرے پاس آتے ہیں تو تیرے پاس سے بھی انہیں سواری نہیں مل سکتی۔ حضرت سعد رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں' لوگ اندھوں لولہوں' لنگڑوں اور بیماروں کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج جانتے تھے کہ ایسا نہ ہو' وہ کھا نہ سکیں اور ہم زیادہ کھالیں یا اچھا اچھا کھالیں تو اس آیت میں انہیں اجازت ملی کہ اس میں تم پر کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ کراہت کر کے بھی ان کے ساتھ کھانے کو نہیں بیٹھتے تھے یہ جاہلانہ عادتیں شریعت نے اٹھا دیں۔

مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لوگ ایسے لوگوں کو اپنے باپ بھائی بہن وغیرہ قریبی رشتہ داروں کے ہاں پہنچا آتے تھے کہ وہ وہاں کھالیں یہ لوگ اس سے عار کرتے کہ ہمیں اوروں کے گھر لے جاتے ہیں اس پر یہ آیت اتری سدی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انسان جب اپنے بہن بھائی وغیرہ کے گھر جاتا' وہ نہ ہوتے اور عورتیں کوئی کھانا انہیں پیش کرتیں تو یہ اسے نہیں کھاتے تھے کہ مرد تو ہیں نہیں نہ ان کی اجازت ہے۔ تو جناب باری تعالیٰ نے اس کے کھالینے کی رخصت عطا فرمائی۔ یہ جو فرمایا کہ خود تم پر بھی حرج نہیں یہ تو ظاہر ہی تھا۔ اس کا بیان اس لئے کیا گیا کہ اور چیز کا اس پر عطف ہو اور اس کے بعد کا بیان اس حکم میں برابر ہو۔ بیٹوں کے گھروں کا بھی یہی حکم ہے گو لفظوں میں بیان نہیں آیا لیکن ضمناً ہے بلکہ اسی آیت سے استدلال کر کے بعضوں نے کہا ہے کہ بیٹے کا مال بمنزلہ باپ کے مال کے ہے۔

مسند اور سنن میں کئی سندوں سے حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ اور جن لوگوں کے نام آئے ہیں' ان سے استدلال کر کے بعض نے کہا ہے کہ قرابت داروں کا نان ونفقہ بعض کا بعض پر واجب ہے جیسے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب کا مشہور مقولہ ہے۔ جس کی کنجیاں تمہاری ملکیت میں ہیں اس سے مراد غلام اور داروغے ہیں کہ وہ اپنے آقا کے مال سے حسب ضرورت و دستور کھا پی سکتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جنگ میں جاتے تو ہر ایک کی چاہت یہی ہوتی کہ ہم بھی آپ کے ساتھ جائیں۔ جاتے ہوئے اپنے خاص دوستوں کو اپنی کنجیاں دے جاتے اور ان سے کہہ دیتے کہ جس چیز کے کھانے کی تمہیں ضرورت ہو' ہم تمہیں رخصت دیتے ہیں لیکن تاہم یہ لوگ اپنے تئیں امین سمجھ کر اور اس خیال سے کہ مبادا ان لوگوں نے بادل ناخواستہ اجازت دی ہو' کسی کھانے پینے کی چیز کو نہ چھوتے اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

پھر فرمایا کہ تمہارے دوستوں کے گھروں سے بھی کھالینے میں تم پر کوئی پکڑ نہیں جب کہ تمہیں علم ہو کہ وہ اس سے برا نہ مانیں گے اور ان پر یہ شاق نہ گزرے گا۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' تو جب اپنے دوست کے ہاں جائے تو بلا اجازت اس کے کھانے کو کھالینے کی رخصت ہے۔ پھر فرمایا تم پر ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے میں اور جدا جدا ہو کر کھانے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اتری یعنی ایمان والو ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ تو صحابہؓ نے آپس میں کہا کہ کھانے پینے کی چیزیں بھی مال ہیں تو ہمیں یہ بھی حلال نہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ کھائیں چنانچہ وہ اس سے بھی رک گئے اس پر یہ آیت اتری۔ اسی طرح تنہا خوری سے بھی کراہت کرتے تھے جب تک کوئی ساتھی نہ ہو' کھاتے نہیں تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں دونوں باتوں کی اجازت دی یعنی دوسروں کے ساتھ کھانے کی اور تنہا کھانے کی۔ قبیلہ بنو کنانہ کے لوگ خصوصیت سے اس مرض میں مبتلا تھے' بھوکے ہوتے تھے لیکن جب تک ساتھ کھانے والا کوئی نہ ہو' کھاتے نہ تھے۔ سواری پر سوار ہو کر ساتھ کھانے والے کی تلاش میں نکلتے تھے پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تنہا کھانے کی رخصت نازل فرما کر جاہلیت کی اس سخت رسم کو مٹا دیا۔ اس آیت میں گو تنہا کھانے کی رخصت ہے لیکن یہ یاد رہے کہ لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا افضل ہے اور زیادہ برکت بھی اسی میں ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر کہا' یا رسول اللہ ﷺ ہم کھاتے تو ہیں لیکن آسودگی حاصل نہیں ہوتی آپ نے فرمایا' شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے؟ جمع ہو کر ایک ساتھ بیٹھ کر اللہ کا نام لے کر کھاؤ تو تمہیں برکت دی جائے گی۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "مل کر کھاؤ تنہا نہ کھاؤ برکت مل بیٹھنے میں ہے"۔ پھر تعلیم ہوئی کہ گھروں میں سلام کر کے جایا کرو۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ جب تم گھر میں جاؤ تو اللہ کا سکھایا ہوا بابرکت بھلا سلام کہا کرو۔ میں نے تو آزمایا ہے کہ یہ سراسر برکت ہے۔ ابن طاؤس رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' تم میں سے جو گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کہے۔ حضرت عطار رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ واجب ہے؟ فرمایا مجھے تو یاد نہیں کہ اس کے وجوب کا قائل کوئی ہو لیکن ہاں مجھے تو یہ بہت ہی پسند ہے کہ جب بھی گھر میں جاؤ' سلام کر کے جاؤ میں تو اسے کبھی نہیں چھوڑتا' ہاں یہ اور بات ہے کہ بھول جاؤں۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جب مسجد میں جاؤ تو کہو' اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ اور جب اپنے گھر میں جاؤ تو اپنے بال بچوں کو سلام کرو اور جب کسی ایسے گھر میں جاؤ جہاں کوئی نہ ہو تو اس طرح کہو اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ یہ بھی مروی ہے کہ یوں کہو بِسْمِ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ یہی حکم دیا جا رہا ہے ایسے وقتوں میں تمہارے سلام کا جواب اللہ کے فرشتے دیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مجھے نبی ﷺ نے پانچ باتوں کی وصیت کی ہے فرمایا ہے اے انس! کامل وضو کر و تمہاری عمر بڑھے گی۔ جو میرا امتی ملے' سلام کرو' نیکیاں بڑھیں گی' گھر میں سلام کر کے جایا کرو گھر کی خیریت بڑھے گی۔ ضحیٰ کی نماز پڑھتے رہو تم سے اگلے لوگ جو اللہ والے بن گئے تھے' ان کا یہی طریقہ تھا۔ اے انس! چھوٹوں پر رحم کر' بڑوں کی عزت و توقیر کر تو قیامت کے دن میرا ساتھی ہو گا۔ پھر فرماتا ہے' یہ دعائے خیر ہے جو اللہ کی طرف سے تمہیں تعلیم کی گئی ہے برکت والی اور عمدہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے تو التحیات قرآن سے ہی سیکھی ہے نماز کی التحیات یوں ہے اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوٰتُ الطَّيِّبٰتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اسے پڑھ کر نمازی کو اپنے لئے دعا کرنی چاہئے۔ پھر سلام پھیر دے۔ انہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً صحیح مسلم شریف میں اس کے سوا بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ اس سورت کے احکام کا ذکر کر کے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سامنے اپنے واضح احکام' مفید فرمان کھول کھول کر اسی طرح بیان فرمایا کرتا ہے تا کہ وہ غور و فکر کریں' سوچیں سمجھیں اور عقل مندی حاصل کریں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾

با ایمان لوگ تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر یقین رکھتے ہیں اور جب کسی ایسے معاملہ میں جس میں لوگوں کو جمع ہونے کی ضرورت ہو نبی کے ساتھ ہوتے

ہیں تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں کہیں نہیں جاتے' جو لوگ ایسے موقع پر تجھ سے اجازت لے لیتے ہیں حقیقت' میں یہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں' پس جب ایسے لوگ تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے اجازت طلب کریں تو تو ان میں سے جسے چاہے اجازت دے دیا کر اور ان کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا مانگا کر' بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

رخصت پر بھی اجازت مانگو: ☆☆ (آیت:۶۲) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ایک ادب اور بھی سکھاتا ہے کہ جیسے آتے ہوئے اجازت مانگ کر آتے ہو' ایسے ہی جانے کے وقت بھی میرے نبیؐ سے اجازت مانگ کر جاؤ۔ خصوصاً ایسے وقت جب کہ مجمع ہو اور کسی ضروری امر پر مجلس ہوئی ہو مثلاً نماز جمعہ ہے یا نماز عید ہے یا جماعت ہے یا کوئی مجلس شوریٰ ہے تو ایسے موقعوں پر جب تک حضور ﷺ سے اجازت نہ لے لو' ہرگز ادھر ادھر نہ جاؤ' مومن کامل کی ایک نشانی یہ بھی ہے۔ پھر اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ جب یہ اپنے کسی ضروری کام کے لئے آپ سے اجازت چاہیں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیا کریں اور ان کے لئے طلب بخشش کی دعائیں بھی کرتے رہیں۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے' جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں جائے تو اہل مجلس کو سلام کر لیا کرے اور جب وہاں سے آنا چاہے تو بھی سلام کر لیا کرے۔ آخری دفعہ کا سلام پہلی مرتبہ کے سلام سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام صاحب نے اسے حسن فرمایا ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾

تم اللہ کے نبی کے بلانے کو ایسا معمولی بلاوا نہ کر لو جیسے آپس میں ایک کا ایک کو ہوتا ہے' تم میں سے انہیں اللہ خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر چپکے سے سرک جاتے ہیں' سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انہیں کوئی دکھ کی مار نہ پڑے ○

آپ ﷺ کو پکارنے کے آداب: ☆☆ (آیت:۶۳) لوگ حضور ﷺ کو جب بلاتے تو آپ کے نام یا کنیت سے معمولی طور پر جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے۔ آپ کو بھی پکار لیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس گستاخی سے منع فرمایا کہ نام نہ لو بلکہ یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہہ کر پکارو۔ تاکہ آپ کی بزرگی اور عزت و ادب کا پاس رہے۔ اسی کے مثل آیت لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ہے۔ اور جیسی آیت لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ ہے یعنی ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ آپ کے سامنے اونچی اونچی آوازوں سے نہ بولو جیسے کہ بے تکلفی سے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو' اگر ایسا کیا تو سب اعمال غارت ہو جائیں گے اور پتہ بھی نہ چلے گا۔ یہاں تک کہ فرمایا' جو لوگ تجھے حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں' ان میں سے اکثر بے عقل ہیں' اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم خود ان کے پاس آ جاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا۔ پس یہ سب آداب سکھائے گئے کہ آپ سے خطاب کس طرح کریں' آپ سے بات چیت کس طرح کریں' آپ کے سامنے کس طرح بولیں چالیں بلکہ پہلے پہلے تو آپ سے سرگوشیاں کرنے کے لئے صدقہ کرنے کا بھی حکم تھا۔

ایک مطلب تو اس آیت کا یہ ہوا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کو تم اپنی دعاؤں کی طرح نہ سمجھو' آپ کی دعا تو

مقبول مستجاب ہے- خبردار کبھی ہمارے نبی کو تکلیف نہ دینا- کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے منہ سے کوئی کلمہ نکل جائے تو تہس نہس ہو جاؤ- اس سے اگلے جملے کی تفسیر میں مقاتل بن حیان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جمعہ کے دن خطبے میں بیٹھا رہنا منافقوں پر بہت بھاری پڑتا تھا اور مسجد میں آ جانے اور خطبہ شروع ہو جانے کے بعد کوئی شخص بغیر آنحضرت ﷺ کی اجازت کے نہیں جا سکتا تھا- جب کسی کو کوئی ایسی ہی ضرورت ہوتی تو اشارے سے آپ سے اجازت چاہتا اور آپ اجازت دے دیتے اس لئے کہ خطبے کی حالت میں بولنے سے جمعہ باطل ہو جاتا ہے تو یہ منافق آڑ ہی آڑ میں نظریں بچا کر سرک جاتے تھے-

سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جماعت میں جب یہ منافق ہوتے تو ایک دوسرے کی آڑ ہی آڑ لے کر بھاگ جاتے- اللہ کے پیغمبر سے اور اللہ کی کتاب سے ہٹ جاتے' صف سے نکل جاتے' مخالفت پر آمادہ ہو جاتے- جو لوگ امر رسولؐ' سنت رسولؐ' فرمان رسولؐ' طریقہ رسولؐ اور شرع رسول ﷺ کے خلاف کریں وہ سزایاب ہوں گے- انسان کو اپنے اقوال و افعال رسول اللہ ﷺ کی سنتوں اور احادیث سے ملانے چاہئیں' جو موافق ہوں اچھے ہیں' جو موافق نہ ہوں مردود ہیں- بخاری و مسلم میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' جو ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو' وہ مردود ہے- ظاہر یا باطن میں جو بھی شریعت محمدیہ ﷺ کے خلاف کرے' اس کے دل میں کفر و نفاق' بدعت و برائی کا بیج بو دیا جاتا ہے یا اسے سخت عذاب ہوتا ہے- یا تو دنیا میں ہی قتل' قید' حد وغیرہ جیسی سزائیں ملتی ہیں یا آخرت میں عذاب اخروی ملے گا-

مسند احمد میں حدیث ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی- جب وہ روشن ہوئی تو پتنگوں اور پروانوں کا اجتماع ہو گیا اور وہ دھڑا دھڑ اس میں گرنے لگے- اب یہ انہیں ہر چند روک رہا ہے لیکن وہ ہیں کہ شوق سے اس میں گرے جاتے ہیں اور اس شخص کے روکنے سے نہیں رکتے- یہی حالت میری اور تمہاری ہے کہ تم آگ میں گرنا چاہتے ہو اور میں تمہیں اپنی بانہوں میں لپیٹ لپیٹ کر اس سے روک رہا ہوں کہ آگ میں نہ گھسو' آگ سے بچو لیکن تم میری نہیں مانتے اور اس آگ میں گھسے چلے جا رہے ہو- یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے-

أَلَآ إِنَّ لِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَآ أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌۢ ﴿٦٤﴾

ع ۹ ۱۵

آگاہ ہو جاؤ کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے' سب اللہ ہی کا ہے' جس روش پر تم ہو وہ اسے بخوبی جانتا ہے اور جس دن یہ سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے' اس دن ان کو ان کے کئے سے وہ خبردار کر دے گا' اللہ سب کچھ جاننے والا ہے ○

ہر ایک اس کے علم میں ہے: ☆☆ (آیت: ۶۴) مالک زمین و آسمان' عالم غیب و حاضر' بندوں کے چھپے کھلے اعمال کا جاننے والا اللہ ہی ہے- قَدْ یَعْلَمُ میں قد تحقیق کے لئے ہے جیسے اس سے پہلے کی آیت قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ میں- اور جیسے قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ میں- اور جیسے قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ میں اور جیسے قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ میں اور جیسے قَدْ نَرٰی میں- اور جیسے موذن کہتا ہے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ تو فرماتا ہے کہ جس حال پر تم ہو' جن اعمال و عقائد پر تم ہو' اللہ پر خوب روشن ہے- آسمان و زمین کا ایک ذرہ بھی اللہ پر پوشیدہ نہیں- جو عمل تم کرو' جو حالت تمہاری ہو' اس اللہ پر عیاں ہے- کوئی ذرہ اس سے چھپا ہوا نہیں- ہر چھوٹی بڑی چیز کتاب مبین میں محفوظ ہے- بندوں کے تمام خیر و شر کا عالم ہے' کپڑوں میں ڈھک جاؤ- چھپ لک کر کچھ کرو' ہر پوشیدہ اور ہر ظاہر اس پر یکساں ہے- سرگوشیاں اور بلند آواز کی باتیں اس کے کانوں

نیں ہیں- تمام جانداروں کا روزی رساں وہی ہے- ہر ایک جاندار کے ہر حال کو جاننے والا وہی ہے اور سب کچھ لوح محفوظ میں پہلے سے ہی درج ہے- غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں ان کے سوا کوئی اور نہیں جانتا- خشکی تری کی ہر ہر چیز کو وہ جانتا ہے- کسی پتے کا جھڑنا اس کے علم سے باہر نہیں' زمین کے اندھیروں کے اندر کا دانہ اور کوئی تر خشک چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو-

اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں- جب مخلوق اللہ کی طرف لوٹائی جائے گی' اس وقت ان کے سامنے ان کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور بدی پیش کر دی جائے گی- تمام اگلے پچھلے اعمال دیکھ لے گا- اعمال نامہ کو ڈرتا ہوا دیکھے گا اور اپنی پوری سوانح عمری اس میں پا کر حیرت زدہ ہو کر کہے گا کہ یہ کیسی کتاب ہے' جس نے بڑی تو بڑی کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی نہیں چھوڑی' جو جس نے کیا تھا' وہ وہاں موجود پائے- الحمدللہ سورۂ نور کی تفسیر ختم ہوئی-

تفسیر سورة الفرقان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾

بڑے مہربان بہت ہی رحمت والے اللہ کے نام سے شروع ○

بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا تا کہ وہ تمام لوگوں کے لئے آگاہ کرنے والا بن جائے ○ اسی اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی' وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا' نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس کا ساجھی ہے- ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا ہے ○

(آیت:۱-۲) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا بیان فرماتا ہے تاکہ لوگوں پر اس کی بزرگی عیاں ہو جائے کہ اس نے اس پاک کلام کو اپنے بندے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا ہے- سورۂ کہف کے شروع میں بھی اپنی حمد اسی انداز سے بیان کی ہے- یہاں اپنی ذات کا بابرکت ہونا بیان فرمایا اور یہی وصف بیان کیا- یہاں لفظ نَزَّلَ فرمایا جس سے بار بار بکثرت اترنا ثابت ہوتا ہے- جیسے فرمان ہے وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ پس پہلی کتابوں کو لفظ اَنْزَلَ سے اور اس آخری کتاب کو لفظ نَزَّلَ سے تعبیر فرماتا ہے- اسی لئے ہے کہ پہلی کتابیں ایک ساتھ اترتی رہیں اور قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت اترتا رہا- کبھی کچھ آیتیں' کبھی کچھ سورتیں' کبھی کچھ احکام- اس میں ایک بڑی حکمت یہ بھی تھی کہ لوگوں کو اس پر عمل مشکل نہ ہو اور خوب یاد ہو جائے اور مان لینے کے لئے دل کھل جائے- جیسے کہ اسی سورت میں فرمایا ہے کہ کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ قرآن کریم اس نبی پر ایک ساتھ کیوں نہ اترا؟ جواب دیا گیا ہے کہ اس طرح اس لئے اترا کہ اس کے ساتھ تیری دل جمعی رہے اور ہم نے ٹھہرا ٹھہرا کر نازل فرمایا- یہ جو بھی بات بنائیں گے' ہم اس کا صحیح اور جچا تلا جواب دیں گے جو خوب مفصل ہو گا- یہی وجہ ہے کہ یہاں اس آیت میں اس کا نام فرقان رکھا- اس لئے کہ یہ حق و باطل میں' ہدایت و گمراہی میں فرق کرنے والا ہے' اس سے بھلائی برائی میں' حلال و حرام میں تمیز ہوتی ہے- قرآن کریم کی یہ پاک صفت بیان فرما کر جس پر

قرآن اترا' ان کی ایک پاک صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ خاص اس کی عبادت میں لگے رہنے والے ہیں' اس کے مخلص بندے ہیں۔ یہ وصف سب سے اعلیٰ وصف ہے' اسی لئے بڑی بڑی نعمتوں کے بیان کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کا یہی وصف بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسے معراج کے موقعہ پر فرمایا۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ اور جیسے اپنی خاص عبادت نماز کے موقعہ پر فرمایا وَّاَنَّہٗ لَمَّاقَامَ عَبْدُاللّٰہِ اور جب بندۂ اللہ یعنی حضرت محمد ﷺ اللہ کی عبادت کرنے کھڑے ہوتے ہیں' یہی وصف قرآن کریم کے اترنے اور آپ کے پاس بزرگ فرشتے کے آنے کے اکرام کے بیان کرنے کے موقعہ پر بیان فرمایا۔

پھر ارشاد ہوا کہ اس پاک کتاب کا آپ کی طرف اترنا اس لئے ہے کہ آپ تمام جہاں کے لئے آگاہ کرنے والے بن جائیں' ایسی کتاب جو سراسر حکمت و ہدایت والی ہے' جو مفصل' مبین اور محکم ہے۔ جس کے آس پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا' جو حکیم وحمید اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ آپ اس کی تبلیغ دنیا بھر میں کردیں' ہر سرخ وسفید کو' ہر دور و نزدیک والے کو اللہ کے عذابوں سے ڈرا دیں' جو بھی آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ہے' اس کی طرف آپ کی رسالت ہے۔ جیسے کہ خود حضور علیہ السلام کا فرمان ہے' میں تمام سرخ وسفید انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اور فرمان ہے' مجھے پانچ باتیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر نبی اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا لیکن میں تمام دنیا کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ خود قرآن میں ہے قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا اے نبی اعلان کردو کہ اے دنیا کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں۔ پھر فرمایا کہ مجھے رسول بنا کر بھیجنے والا مجھ پر یہ پاک کتاب اتارنے والا وہ اللہ ہے جو آسمان وزمین کا تنہا مالک ہے۔ جو جس کام کو کرنا چاہے' اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔ وہی مارتا اور جلاتا ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ ہر چیز اس کی مخلوق اور اس کی زیر پرورش ہے۔ سب کا خالق' مالک' رازق' معبود اور رب وہی ہے۔ ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا اور تدبیر کرنے والا وہی ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِھَۃً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِھِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنہیں اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کردہ شدہ ہیں یہ تو اپنی جان کے نقصان نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتے نہ موت وحیات کے اور دوبارہ جی اٹھنے کے وہ مالک ہیں ○

مشرکوں کی جہالت: ☆☆ (آیت:۳) مشرکوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ وہ خالق' مالک' قادر' مختار' بادشاہ کو چھوڑ کر ان کی عبادتیں کرتے ہیں جو ایک مچھر کا پر بھی نہیں بنا سکتے بلکہ وہ خود اللہ کے بنائے ہوئے اور اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بھی کسی نفع نقصان کے پہنچانے کے مالک نہیں چہ جائیکہ دوسرے کا بھلا کریں یا دوسرے کا نقصان کریں۔ یا دوسری کوئی بات کر سکیں وہ اپنی موت زیست کا یا دوبارہ جی اٹھنے کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ پھر اپنی عبادت کرنے والوں کی ان چیزوں کے مالک وہ کیسے ہو جائیں گے؟ بات یہی ہے کہ ان تمام کاموں کا مالک اللہ ہی ہے' وہ جلاتا اور مارتا ہے' وہی اپنی تمام مخلوق کو قیامت کے دن نئے سرے سے پیدا کرے گا۔ اس پر یہ کام مشکل نہیں ایک کا پیدا کرنا اور سب کو پیدا کرنا' ایک کو موت کے بعد زندہ کرنا اور سب کو کرنا اس پر یکساں اور برابر ہے۔ ایک آنکھ جھپکانے میں اس

کا حکم پورا ہو جاتا ہے صرف ایک آواز کے ساتھ تمام مری ہوئی مخلوق زندہ ہو کر اس کے سامنے ایک چٹیل میدان میں کھڑی ہو جائے گی۔ اور آیت میں فرمایا ہے صرف ایک دفعہ کی ایک آواز ہو گی کہ ساری مخلوق ہمارے سامنے حاضر ہو جائے گی' وہی معبود برحق ہے اس کے سوا نہ کوئی رب ہے نہ لائق عبادت ہے' اس کا چاہا ہوتا ہے اس کے چاہے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ ماں باپ سے' لڑکی لڑکوں سے' عدیل و بدیل سے وزیر و نظیر سے' شریک و سہیم سب سے پاک ہے۔ وہ احد ہے' صمد ہے' وہ لم یلد ولم یولد ہے' اس کا کفو کوئی نہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِنْ هَٰذَآ إِلَّآ إِفْكٌ افْتَرَىٰهُ وَأَعَانَهُۥ عَلَيْهِ قَوْمٌ ءَاخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَآءُو ظُلْمًا وَزُورًا ﴿٤﴾ وَقَالُوٓا أَسَٰطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِىَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٥﴾ قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِى يَعْلَمُ السِّرَّ فِى السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٦﴾

کافر کہنے لگے کہ یہ تو بس خود اسی کا گھڑا گھڑایا جھوٹ ہے جس پر اور لوگوں نے بھی اس کی ہمت افزائی کی ہے' دراصل یہ کافر بڑے ہی ظلم اور سرتاسر جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں ○ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو اگلوں کے افسانے ہیں جو اس نے لکھ رکھے ہیں۔ بس وہی صبح شام اس کے سامنے پڑھے جاتے ہیں ○ جواب دے کہ اسے تو اس اللہ نے اتارا ہے جو آسمان و زمین کی تمام پوشیدگیوں کو جانتا ہے' بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے ○

خود فریب مشرک : ☆☆ (آیت:۴-۶) مشرکین کی ایک جہالت اوپر کی آیتوں میں بیان ہوئی۔ جو ذات الٰہی کی نسبت تھی۔ یہاں دوسری جہالت بیان ہو رہی ہے جو ذات رسول ﷺ کی نسبت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو تو اس نے اوروں کی مدد سے خود ہی جھوٹ موٹ گھڑ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' یہ ان کا ظلم اور جھوٹ ہے جس کے باطل ہونے کا خود انہیں بھی علم ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں' وہ خود اپنی معلومات کے بھی خلاف کہتے ہیں۔ کبھی ہانک لگانے لگتے ہیں کہ اگلی کتابوں کے قصے اس نے لکھوا لئے ہیں۔ وہی صبح شام اس کی مجلس میں پڑھے جا رہے ہیں۔ یہ جھوٹ بھی وہ ہے جس میں کسی کو کوئی شک نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ صرف اہل مکہ ہی نہیں بلکہ دنیا جانتی ہے کہ ہمارے نبی امی تھے۔ نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا۔ چالیس سال کی نبوت سے پہلے کی زندگی آپ نے انہی لوگوں میں گزاری تھی اور وہ اس طرح کہ اتنی مدت میں ایک واقعہ بھی آپ کی زندگی کا یا ایک لمحہ بھی ایسا نہ تھا جس پر کوئی انگلی اٹھا سکے۔ ایک ایک وصف آپ کا وہ تھا جس پر زمانہ شیدا تھا' جس پر اہل مکہ رشک کرتے تھے۔ آپ کی عام مقبولیت اور محبوبیت' بلند اخلاقی اور خوش معاملگی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ہر ایک دل میں آپ کے لئے جگہ تھی۔ عام زبانیں آپ کو محمد ﷺ امین کے پیارے خطاب سے پکارتی تھیں۔ دنیا آپ کے قدموں تلے آنکھیں بچھاتی تھی۔ کون سا دل تھا جو محمد ﷺ کا گھر نہ ہو۔ کون سی آنکھ تھی جس میں احمد ﷺ کی عزت نہ ہو؟ کون سا مجمع تھا جس میں آپ کا ذکر خیر نہ ہو؟ کون وہ شخص تھا جو آپ کی بزرگی' صداقت' امانت' نیکی اور بھلائی کا قائل نہ ہو؟

پھر جب کہ اللہ کی بلند ترین عزت سے آپ معزز کئے گئے' آسمانی وحی کے آپ امین بنائے گئے تو صرف باپ دادوں کی روش کو پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر یہ بے وقوف بے پیندے لوٹے کی طرح لڑھک گئے' تھالی کے بینگن کی طرح ادھر سے ادھر ہو گئے' لگے باتیں بنانے اور عیب جوئی کرنے لیکن جھوٹ کے پاؤں کہاں؟ کبھی آپ کو شاعر کہتے' کبھی ساحر' کبھی مجنوں اور کبھی کذاب۔ حیران تھے کہ کیا کہیں

اور کس طرح اپنی جاہلانہ روش کو باقی رکھیں اور اپنے معبودان باطل کے جھنڈے اوندھے نہ ہونے دیں اور کس طرح ظلم کدۂ دنیا کو نور الٰہی سے نہ جگمگانے دیں؟ اب انہیں جواب ملتا ہے کہ قرآن کی سچی' حقائق پہ مبنی اور سچی خبریں اللہ کی دی ہوئی ہیں جو عالم الغیب ہے' جس سے ایک ذرہ پوشیدہ نہیں۔ اس میں ماضی کے بیان سبھی سچ ہیں۔ جو آئندہ کی خبر اس میں ہے' وہ بھی سچ ہے۔ اللہ کے سامنے ہو چکی ہوئی اور ہونے والی بات یکساں ہے۔ وہ غیب کو بھی اسی طرح جانتا ہے جس طرح ظاہر کو۔ اس کے بعد اپنی شان غفاریت کو اور شان رحم و کرم کو بیان فرمایا تاکہ بدلوگ بھی اس سے مایوس نہ ہوں' کچھ بھی کیا ہو اب بھی اس کی طرف جھک جائیں۔ توبہ کریں' اپنے کیے پر پچھتائیں۔ نادم ہوں۔ اور رب کی رضا چاہیں۔

رحمت رحیم کے قربان جایئے کہ ایسے سرکش و دشمن' اللہ و رسول پر بہتان باز' اس قدر ایذائیں دینے والے لوگوں کو بھی اپنی عام رحمت کی دعوت دیتا ہے اور اپنے کرم کی طرف انہیں بلاتا ہے۔ وہ اللہ کو برا کہیں' وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہیں' وہ کلام اللہ پر باتیں بنائیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کی طرف رہنمائی کرے' اپنے فضل و کرم کی طرف دعوت دے۔ اسلام اور ہدایت ان پر پیش کرے' اپنی بھلی باتیں ان کو سجھائے اور سمجھائے۔ چنانچہ اور آیت میں عیسائیوں کی تثلیث پرستی کا ذکر کر کے ان کی سزا کا بیان کرتے ہوئے فرمایا اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یہ لوگ کیوں اللہ سے توبہ نہیں کرتے؟ اور کیوں اس کی طرف جھک کر اس سے اپنے گناہوں کی معافی طلب نہیں کرتے؟ وہ تو بڑا ہی بخشنے والا اور بہت ہی مہربان ہے۔ مومنوں کو ستانے اور انہیں فتنے میں ڈالنے والوں کا ذکر کر کے سورۂ بروج میں فرمایا کہ اگر ایسے لوگ بھی توبہ کر لیں' اپنے برے کاموں سے ہٹ جائیں' باز آئیں تو میں بھی ان پر سے اپنے عذاب ہٹا لوں گا اور رحمتوں سے نواز دوں گا۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کیسے مزے کی بات بیان فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں' اللہ کے رحم و کرم کو دیکھو' یہ لوگ اس کے نیک چہیتے بندوں کو ستائیں' ماریں' پیٹیں' قتل کریں اور وہ انہیں توبہ کی طرف اور اپنے رحم و کرم کی طرف بلائے فسبحانہ ما اعظم شانہ۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۙ﴿۷﴾ اَوْ یُلْقٰۤی اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾

کہنے لگے کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے' اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا بن جاتا ○ یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا جس میں سے یہ کھاتا' یہ ظالم کہنے لگے کہ تم تو ایسے آدمی کے پیچھے ہو لیے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے ○

مشرکین کی حماقتیں: ☆☆ (آیت: ۷-۸) اس حماقت کو ملاحظہ فرمایئے کہ رسول کی رسالت کے انکار کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کھانے پینے کا محتاج کیوں ہے؟ اور بازاروں میں تجارت اور لین دین کے لئے آتا جاتا کیوں ہے؟ اس کے ساتھ ہی کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا کہ وہ اس کے دعوے کی تصدیق کرتا اور لوگوں کو اس کے دین کی طرف بلاتا اور عذاب الٰہی سے آگاہ کرتا۔ فرعون نے بھی یہی کہا تھا کہ فَلَوْلَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ الخ' اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے؟ یا اس کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتے

کیوں نہیں اتارے گئے۔ چونکہ دل ان تمام کافروں کے یکساں ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے کے کفار نے بھی کہا کہ اچھا یہ نہیں تو اسے کوئی خزانہ ہی دے دیا جاتا کہ یہ خود بہ آرام اپنی زندگی بسر کرتا اور دوسروں کو بھی دیتا یا اس کے ساتھ کوئی چلتا پھرتا باغ ہوتا کہ یہ اپنے کھانے پینے سے تو بے فکر ہو جاتا۔ بیشک یہ سب کچھ اللہ کے لیے آسان ہے لیکن سردست ان سب چیزوں کے نہ دینے میں بھی حکمت ہے۔ یہ ظالم مسلمانوں کو بھی بہکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم تو ایک ایسے شخص کے پیچھے لگ لئے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝

خیال تو کر کہ یہ لوگ تیری نسبت کیسی کیسی باتیں بناتے پھرتے ہیں جس سے خود ہی بہک رہے ہیں اور کسی طرح راہ پر نہیں آ سکتے ○ اللہ تو ایسا بابرکت ہے کہ اگر چاہے تجھے بہت سے ایسے باغات عنایت فرما دے جو ان کے کہے ہوئے باغ سے بہت ہی بہتر ہوں۔ جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہوں اور تجھے بہت سے پختہ محل بھی دے دے ○ بات یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں اور قیامت کے جھٹلانے والوں کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی دوزخ تیار کر رکھی ہے ○

(آیت: ۹-۱۱) دیکھو تو سہی کہ کیسی بے بنیاد باتیں بناتے ہیں' کسی ایک بات پر جم ہی نہیں سکتے' ادھر ادھر کروٹیں لے رہے ہیں۔ کبھی جادوگر کہہ دیا تو کبھی جادو کیا ہوا بتا دیا' کبھی شاعر کہہ دیا' کبھی جن کا سکھایا ہوا کہہ دیا' کبھی کذاب کہا۔ کبھی مجنون۔ حالانکہ یہ سب باتیں محض غلط ہیں اور ان کا غلط ہونا اس سے بھی واضح ہے کہ خود ان میں تضاد ہے۔ کسی ایک بات پر خود ان مشرکین کا اعتماد نہیں۔ گھڑتے ہیں۔ پھر چھوڑتے ہیں۔ پھر گھڑتے ہیں۔ پھر بدلتے ہیں۔ کسی ٹھیک بات پر جمتے ہی نہیں۔ جدھر متوجہ ہوتے ہیں' راہ بھولتے ہیں اور ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ حق تو ایک ہوتا ہے۔ اس میں تضاد اور تعارض نہیں ہو سکتا۔ ناممکن ہے کہ یہ لوگ ان بھول بھلیوں سے نکل سکیں۔ بیشک اگر رب چاہے تو جو یہ کافر کہتے ہیں' اس سے بہتر اپنے نبی ﷺ کو دنیا میں ہی دے دے۔ وہ بڑی برکتوں والا ہے۔ پتھر سے بنے ہوئے گھر کو عرب قصر کہتے ہیں خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا ہو۔ حضور ﷺ سے تو جناب باری تعالیٰ کی جانب سے فرمایا گیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو زمین کے خزانے اور یہاں کی کنجیاں آپ کو دے دی جائیں اور اس قدر دنیا کا مالک بنا کر دیا جائے کہ کسی اور کو اتنی ملی نہ ہو' ساتھ ہی آخرت کی آپ کی تمام نعمتیں جوں کی توں برقرار رہیں لیکن آپ نے اسے پسند نہ فرمایا اور جواب دیا کہ نہیں میرے لئے تو سب کچھ آخرت میں ہی جمع ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں' یہ صرف تکبر' عناد' ضد اور ہٹ کے طور پر کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ان کا کہا ہوا ہو جائے تو یہ مسلمان ہو جائیں گے۔ اس وقت پھر اور کچھ حیلہ بہانہ ٹٹول نکالیں گے۔ ان کے دل میں تو یہ خیال جما ہوا ہے کہ قیامت ہونے کی نہیں۔ اور ایسے لوگوں کے لئے ہم نے بھی عذاب الیم تیار کر رکھا ہے جو ان کی برداشت سے باہر ہے' جو بھڑکانے اور سلگانے والی' جھلس دینے والی تیز آگ کا ہے۔ ابھی تو جہنم ان سے سو سال کے فاصلے پر ہو گی۔ جب ان کی نظریں اس پر اور ان کی نگاہیں ان پر پڑیں گی' وہیں جہنم پیچ و تاب کھائے گی اور جوش و خروش سے آوازیں نکالے گی۔ جسے یہ بدنصیب سن لیں گے اور ان کے ہوش و حواس خطا ہو جائیں گے' ہوش جاتے رہیں گے' ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔

اِذَا رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ سَمِعُوۡا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيۡرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَاۤ اُلۡقُوۡا مِنۡهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيۡنَ دَعَوۡا هُنَالِكَ ثُبُوۡرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدۡعُوا الۡيَوۡمَ ثُبُوۡرًا وَّاحِدًا وَّادۡعُوۡا ثُبُوۡرًا كَثِيۡرًا ﴿۱۴﴾

جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی یہ اس کا غصے سے جھنجھلانا اور چلانا سننے لگیں گے ○ اور جب کہ یہ جہنم کی کسی تنگ وتاریک جگہ میں مشکیں کس کر پھینک دیئے جائیں گے تو وہاں اپنے لئے موت ہی موت پکاریں گے ○ آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کا پکارو ○

(آیت:۱۲-۱۴) پھر فرمایا کہ جہنم ان بدکاروں پر دانت پیس رہی ہوگی اور غصے کے مارے بل کھا رہی ہوگی اور شور مچا رہی ہوگی کہ کب ان کفار کا نوالہ بناؤں؟ اور کب ان ظالموں سے انتقام لوں؟ سورۂ تبارک میں ہے' جب یہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو دور ہی سے اس کی خوفناک آوازیں سنیں گے اور وہ ایسی بھڑک رہی ہوگی کہ ابھی ابھی مارے جوش کے پھٹ پڑے گی- ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جو شخص میرا نام لے کر میرے ذمے وہ بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو اور جو شخص اپنے ماں باپ کے سوا دوسروں کو اپنا ماں باپ کہے اور جو غلام اپنے آقا کے سوا اور کی طرف اپنی غلامی کی نسبت کرے' وہ جہنم کی دونوں آنکھوں کے درمیان اپنا ٹھکانا بنا لے- لوگوں نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ' کیا جہنم کی بھی آنکھیں ہیں؟ آپ نے فرمایا' ہاں کیا تم نے اللہ کے کلام کی یہ آیت نہیں سنی اِذَا رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ الخ' ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ربیع وغیرہ کو ساتھ لئے ہوئے کہیں جا رہے تھے راستے میں لوہار کی دکان آئی' آپ وہاں ٹھہر گئے اور لوہا جو آگ میں تپایا جا رہا تھا' اسے دیکھنے لگے حضرت ربیع کا تو برا حال ہو گیا عذاب الٰہی کا نقشہ آنکھوں تلے پھر گیا- قریب تھا کہ بیہوش ہو کر گر پڑیں- اس کے بعد آپ فرات کے کنارے گئے وہاں آپ نے تنور کو دیکھا کہ اس کے بیچ میں آگ شعلے مار رہی ہے- بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ آیت نکل گئی اسے سنتے ہی حضرت ربیع بے ہوش ہو کر گر پڑے' چارپائی پر ڈال کر آپ کو گھر پہنچایا گیا' صبح سے لے کر دوپہر تک حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس بیٹھے رہے اور چارہ جوئی کرتے رہے لیکن حضرت ربیع کو ہوش نہ آیا- ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب جہنمی کو جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا' جہنم چیخے گی اور ایک ایسی جھرجھری لے گی کہ کل اہل محشر خوف زدہ ہو جائیں گے- اور روایت میں ہے کہ بعض لوگوں کو جب دوزخ کی طرف لے چلیں گے' دوزخ سمٹ جائے گی' اللہ تعالیٰ مالک و رحمٰن اس سے پوچھے گا' یہ کیا بات ہے؟ وہ جواب دے گی کہ اے اللہ یہ تو اپنی دعاؤں میں تجھ سے جہنم سے پناہ مانگا کرتا تھا' آج بھی پناہ مانگ رہا ہے- اللہ تعالیٰ کو رحم آ جائے گا' حکم ہوگا' اسے چھوڑ دو- کچھ اور لوگوں کو لے چلیں گے' وہ کہیں گے پروردگار ہمارا گمان تو تیری نسبت یہ نہ تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر تم کیا سمجھ رہے تھے؟ یہ کہیں گے یہی کہ تیری رحمت ہمیں چھپا لے گی' تیرا اکرم ہمارے شامل حال ہوگا' تیری وسیع رحمت ہمیں اپنے دامن میں لے لے گی- اللہ تعالیٰ ان کی آرزو بھی پوری کرے گا اور حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کو بھی چھوڑ دو- کچھ اور لوگ گھسٹتے ہوئے آئیں گے انہیں دیکھتے ہی جہنم ان کی طرف شور مچاتی ہوئی بڑھے گی اور اس طرح جھرجھری لے گی کہ تمام مجمع محشر خوفزدہ ہو جائے گا-

حضرت عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ جب جہنم مارے غصے کے تھرتھرائے گی اور شور وغل اور چیخ پکار اور جوش وخروش شروع کرے گی' اس وقت تمام مقرب فرشتے اور ذی رتبہ انبیا کانپنے لگیں گے یہاں تک کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور کہنے لگیں گے' اے اللہ میں آج تجھ سے صرف اپنی جان کا بچاؤ چاہتا ہوں اور کچھ نہیں مانگتا- یہ لوگ جہنم کے ایسے تنگ وتاریک مکان میں ٹھونس دیئے جائیں گے جیسے بھالا کسی سوراخ میں- اور روایت میں حضور ﷺ سے اس آیت کی بابت سوال ہونا اور آپ کا یہ فرمانا مروی

ہے کہ جیسے کیل دیوار میں بمشکل گاڑی جاتی ہے' اس طرح ان دوزخیوں کو ٹھونسا جائے گا۔ یہ اس وقت خوب جکڑے ہوئے ہوں گے۔ بال بال بندھا ہوا ہوگا۔ وہاں وہ موت کو' فوت کو' ہلاکت کو' حسرت کو پکارنے لگیں گے۔ ان سے کہا جائے گا' ایک موت کو کیوں پکارتے ہو؟ صد ہا ہزار ہا موتوں کو کیوں نہیں پکارتے؟ مسند احمد میں ہے' سب سے پہلے ابلیس کو جہنمی لباس پہنایا جائے گا یہ اسے اپنی پیشانی پر رکھ کر پیچھے سے گھسیٹتا ہوا اپنی ذریت کو پیچھے لگائے ہوئے موت وہلاکت کو پکارتا ہوا دوڑتا پھرے گا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی اولاد بھی سب حسرت وافسوس' موت و غارت کو پکار رہی ہوگی۔ اس وقت ان سے یہ کہا جائے گا۔ ثبور سے مراد موت' ہلاکت' ویل' حسرت' خسارہ' بربادی وغیرہ ہے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا فرعون! میں تو سمجھتا ہوں کہ تو مٹ کر برباد ہو کر ہی رہے گا۔ شاعر بھی لفظ ثبور کو ہلاکت و بربادی کے معنی میں لائے ہیں۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ كَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾

پوچھ تو کہ کیا یہ بہتر ہے یا وہ ہمیشگی والی جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے جو ان کا بدلہ ہے اور ان کے لوٹنے کی اصلی جگہ ہے ○ وہ جو چاہیں گے ان کے لئے وہاں موجود ہوگا ہمیشہ رہنے والے' یہ تو تیرے رب کے ذمے وعدہ ہے جس کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے ○

ابدی لذتیں اور مسرتیں: ☆☆ (آیت:۱۵-۱۶) اوپر بیان فرمایا' ان بدکاروں کا جو ذلت وخواری کے ساتھ اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے اور سر کے بل وہاں پھینک دیئے جائیں گے۔ بندھے بندھائے ہوں گے اور تنگ وتاریک جگہ ہوں گے' نہ چھوٹ سکیں نہ حرکت کر سکیں' نہ بھاگ سکیں نہ نکل سکیں۔ پھر فرماتا ہے' بتلاؤ یہ اچھے ہیں یا وہ جو دنیا میں گناہوں سے بچتے رہے' اللہ کا ڈر دل میں رکھتے رہے اور آج اس کے بدلے اپنے اصلی ٹھکانے پہنچ گئے یعنی جنت میں جہاں من مانی نعمتیں' ابدی لذتیں' دائمی مسرتیں ان کے لئے موجود ہیں۔ عمدہ کھانے' اچھے بچھونے' بہترین سواریاں' پرتکلف لباس' بہتر بہتر مکانات' بنی سنوری پاکیزہ حوریں' راحت افزا منظر' ان کے لئے مہیا ہیں' جہاں تک کسی کی نگاہیں تو کہاں خیالات بھی نہیں پہنچ سکتے۔ نہ ان راحتوں کے بیانات کسی کان میں پہنچے۔ پھر ان کے کم ہو جانے' خراب ہو جانے' ٹوٹ جانے' ختم ہو جانے کا بھی کوئی خطرہ نہیں اور نہ ہی وہاں سے نکالے جائیں نہ وہ نعمتیں کم ہوں۔ لازوال' بہترین زندگی' ابدی رحمت' دوامی کی دولت انہیں مل گئی اور ان کی ہوگئی۔ یہ رب کا احسان وانعام ہے جو ان پر ہوا اور جس کے یہ مستحق تھے۔ رب کا وعدہ ہے جو اس نے اپنے ذمے کر لیا ہے جو ہو کر رہنے والا ہے جس کا عدم ایفا ناممکن ہے' جس کا غلط ہونا محال ہے۔ اس سے اس کے وعدے کے پورا کرنے کا سوال کرو' اس سے جنت طلب کرو' اسے اس کا وعدہ یاد دلاؤ۔ یہ بھی اس کا فضل ہے کہ اس کے فرشتے اس سے دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ رب العالمین مومن بندوں سے جو تیرا وعدہ ہے' اسے پورا کر اور انہیں جنت عدن میں لے جا۔ قیامت کے دن مومن کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار تیرے وعدے کو سامنے رکھ کر ہم عمل کرتے رہے آج تو اپنا وعدہ پورا کر۔ یہاں پہلے دوزخیوں کا ذکر کر کے پھر سوال کے بعد جنتیوں کا ذکر ہوا۔ سورۂ صافات میں جنتیوں کا ذکر کر کے پھر سوال کے بعد دوزخیوں کا ذکر ہوا کہ کیا یہی بہتر ہے یا زقوم کا درخت جسے ہم نے ظالموں کے لئے فتنہ بنا رکھا ہے جو جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے' جس کے پھل ایسے بدنما ہیں جیسے سانپ کے پھن' دوزخی اسے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھرنا پڑے گا' پھر کھولتا ہوا گرم پانی پیپ وغیرہ سے ملا جلا پینے کو دیا جائے گا پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ انہوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا اور بے تحاشا ان کے پیچھے لپکنا شروع کر دیا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

جس دن اللہ تعالیٰ انہیں اور سوائے اللہ کے جنہیں یہ پوجتے رہے انہیں جمع کر کے پوچھے گا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا یا یہ خود ہی راہ سے گم ہو گئے؟ ○ وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ذات ہے۔ خود ہمیں ہی یہ زیبا نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے' بات یہ ہے کہ تو نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو آسودگیاں عطا فرمائیں یہاں تک کہ وہ نصیحت بھلا بیٹھے' یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے ○ تو انہوں نے تو تمہیں تمہاری باتوں میں جھوٹا کہا' اب نہ تو تم میں عذابوں کے پھیرنے کی طاقت ہے نہ مدد کرنے کی' تم میں سے جس جس نے ظلم کیا ہے' ہم اسے سخت عذاب چکھائیں گے ○

عیسیٰ علیہ السلام سے سوالات: ☆☆ (آیت: ۱۷-۱۹) بیان ہو رہا ہے کہ مشرک جن جن کی عبادتیں اللہ کے سوا کرتے رہے' قیامت کے دن انہیں ان کے سامنے ان پر عذاب کے علاوہ زبانی سرزنش بھی کی جائے گی تاکہ وہ نادم ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتے جن جن کی عبادت ہوئی تھیں سب موجود ہوں گے اور ان کے عابد بھی۔ سب اسی مجمع میں حاضر ہوں گے۔ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ ان معبودوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں سے اپنی عبادت کرنے کو کہا تھا؟ یا یہ از خود ایسا کرنے لگے؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہی سوال ہوگا۔ جس کا وہ جواب دیں گے کہ میں نے انہیں ہرگز اس بات کی تعلیم نہیں دی۔ یہ جیسا کہ تجھ پر خوب روشن ہے' میں نے تو انہیں وہی کہا تھا جو تو نے مجھ سے کہا تھا کہ عبادت کے لائق فقط اللہ ہی ہے۔ یہ سب معبود جو اللہ کے سوا تھے اور اللہ کے سچے بندے تھے اور شرک سے بیزار تھے' جواب دیں گے کہ کسی مخلوق کو' ہم کو یا ان کو یہ لائق ہی نہ تھا کہ تیرے سوا کسی اور کی عبادت کریں' ہم نے ہرگز انہیں اس شرک کی تعلیم نہیں دی۔ خود ہی انہوں نے اپنی خوشی سے دوسروں کی پوجا شروع کر دی تھی' ہم ان سے اور ان کی عبادتوں سے بیزار ہیں۔ ہم ان کے شرک سے بری الذمہ ہیں۔ ہم تو خود تیرے عابد ہیں۔ پھر کیسے ممکن تھا کہ معبودیت کے منصب پر آ جاتے؟ یہ تو ہمارے لائق ہی نہ تھا' تیری ذات اس سے بہت پاک اور برتر ہے کہ کوئی تیرا شریک ہو۔

چنانچہ اور آیت میں صرف فرشتوں سے اس سوال جواب کا ہونا بھی بیان ہوا ہے۔ نَتَّخِذَ کی دوسری قرائت نُتَّخَذَ بھی ہے یعنی یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا تھا' نہ یہ ہمارے لائق تھا کہ لوگ ہمیں پوجنے لگیں اور تیری عبادت چھوڑ دیں۔ کیونکہ ہم تو خود تیرے بندے ہیں' تیرے در کے بھکاری ہیں۔ مطلب دونوں صورتوں میں قریب قریب ایک ہی ہے۔ ان کے بہکنے کی وجہ ہماری سمجھ میں تو یہ آتی ہے کہ انہیں عمریں ملیں' بہت کھانے پینے کو ملتا رہا' بدمستی میں بڑھتے گئے یہاں تک کہ جو نصیحت رسولوں کی معرفت پہنچی تھی' اسے بھلا دیا۔ تیری عبادت سے اور سچی توحید سے ہٹ گئے۔ یہ لوگ تھے ہی بے خبر' ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑے۔ تباہ و برباد ہو گئے۔ بُوْرًا سے مطلب ہلاک والے ہی ہیں۔

جیسے ابن زبعری نے اپنے شعر میں اس لفظ کو اس معنی میں باندھا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ ان مشرکوں سے فرمائے گا' لو اب تو تمہارے یہ معبود خود تمہیں جھٹلا رہے ہیں' تم تو انہیں اپنا سمجھ کر اس خیال سے کہ یہ تمہیں اللہ کے مقرب بنا دیں گے' ان کی پوجا پاٹ کرتے رہے' آج یہ تم سے کوسوں دور بھاگ رہے ہیں' تم سے یکسو ہو رہے ہیں اور بیزاری ظاہر کر رہے ہیں۔ جیسے ارشاد ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ' یعنی اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا ایسوں کا پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی چاہت پوری نہ کر سکیں بلکہ وہ تو ان کی دعا سے محض غافل ہیں اور محشر والے دن یہ سب ان سب کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادتوں کے صاف منکر ہو جائیں گے۔ پس قیامت کے دن یہ مشرکین نہ تو اپنی جانوں سے عذاب اللہ ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی مدد کر سکیں گے نہ کسی کو اپنا مددگار پائیں گے۔ تم میں سے جو بھی اللہ واحد کے ساتھ شرک کرے' ہم اسے زبردست اور نہایت سخت عذاب کریں گے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع ۱۱ / ۱۷

ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے' سب کے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے' ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا' کیا تم صبر کرو گے؟ تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے ○

(آیت: ۲۰) کافر جو اس بات پر اعتراض کرتے تھے کہ نبی کو کھانے پینے اور تجارت بیوپار سے کیا مطلب؟ اس کا جواب ہو رہا ہے کہ اگلے سب پیغمبر بھی انسانی ضرورتیں رکھتے تھے' کھانا پینا ان کے ساتھ بھی لگا ہوا تھا۔ بیوپار تجارت اور کسب معاش وہ بھی کیا کرتے تھے۔ یہ چیزیں نبوت کے خلاف نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ عزوجل اپنی عنایت خاص سے انہیں وہ پاکیزہ اوصاف' نیک خصائل' عمدہ اقوال' مختار افعال' ظاہر دلیلیں' اعلیٰ معجزے دیتا ہے کہ ہر عقل سلیم والا' ہر دانا بینا مجبور ہو جاتا ہے کہ ان کی نبوت کو تسلیم کرے اور ان کی سچائی کو مان لے۔ اسی آیت جیسی اور آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا الخ' ہے۔ یعنی تجھ سے پہلے بھی جتنے نبی آئے' سب شہروں میں رہنے والے انسان ہی تھے۔ اور آیت میں ہے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ الخ' ہم نے انہیں ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانے پینے سے وہ آزاد ہوں۔ ہم تو تم میں سے ایک کی آزمائش ایک ایک سے کر لیا کرتے ہیں تاکہ فرمانبردار اور نافرمان ظاہر ہو جائیں۔ صابر اور غیر صابر معلوم ہو جائیں۔ تیرا رب دانا' بینا ہے' خوب خوب جانتا ہے کہ مستحق نبوت کون ہے؟ جیسے فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ منصب رسالت کی اہلیت کس میں ہے؟ اسے اللہ ہی بخوبی جانتا ہے۔ اسی کو اس کا بھی علم ہے کہ مستحق ہدایت کون ہیں؟ اور کون نہیں؟ چونکہ اللہ کا ارادہ بندوں کا امتحان لینے کا ہے' اس لئے نبیوں کو عموماً معمولی حالت میں رکھتا ہے ورنہ اگر انہیں بکثرت دنیا دیتا تو ان کے مال کے لالچ میں بہت سے ان کے ساتھ ہو جاتے تو پھر سچے جھوٹے مل جاتے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں خود تجھے اور تیری وجہ سے اور لوگوں کو آزمانے والا ہوں۔ مسند میں ہے' آپ فرماتے ہیں' اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلتے رہتے اور صحیح حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نبی اور بادشاہ بننے میں اور نبی اور بندہ بننے میں اختیار دیا گیا تو آپ نے بندہ اور نبی بننا پسند فرمایا۔ فَصَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

الحمد للہ!!! تفسیر محمدی کا اٹھارہواں پارہ پورا ہوا۔

تفسیر ابن کثیر

۱۹
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

جنہیں ہماری ملاقات کی توقع نہیں' انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے؟ یا ہم اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ لیتے؟ ان لوگوں نے اپنے تئیں آپ ہی بہت بڑا سمجھ رکھا ہے اور سخت سرکشی کر لی ہے ○ جس دن یہ فرشتوں کو دیکھ لیں گے اس دن ان گنہگاروں کو کوئی خوشی نہ ہو گی اور کہیں گے کہ یہ محروم ہی محروم کئے گئے ○ انہوں نے جو جو اعمال کئے تھے' ہم نے ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا ○ البتہ اس دن جنتیوں کا ٹھکانا بھی بہت بہتر ہو گا اور خواب گاہ بھی عمدہ ہو گی ○

تصدیق نبوت کے لئے احمقانہ شرائط: ☆☆ (آیت: ۲۱-۲۴) کافر لوگ انکار نبوت کا ایک بہانہ یہ بھی بناتے تھے کہ اگر اللہ کو کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو کسی فرشتے کو کیوں نہ بھیجا؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ وہ ایک بہانہ یہ بھی کرتے تھے کہ لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ یعنی جب تک خود ہمیں وہ دیا جائے جو رسولوں کو دیا گیا ہے' ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے- مطلب یہ ہے کہ جس طرح نبیوں کے پاس اللہ کی طرف سے فرشتہ وحی لے کر آتا ہے' ہمارے پاس بھی آئے- اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا مطالبہ یہ ہو کہ فرشتوں کو دیکھ لیں- خود فرشتے آ کر ہمیں سمجھائیں اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کی تصدیق کریں تو ہم آپ کو نبی مان لیں گے- جیسے اور آیت میں ہے کہ کفار نے کہا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِیْلًا یعنی تو اللہ کو لے آ' فرشتوں کو بنفس نفیس ہمارے پاس لے آ- اس کی پوری تفسیر سورۂ سبحان میں گزر چکی ہے- یہاں بھی ان کا یہی مطالبہ بیان ہوا ہے کہ یا تو ہمارے اوپر فرشتے اتریں یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں- یہ بات اس لئے ان کے منہ سے نکلی کہ یہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگے تھے اور ان کا غرور حد سے بڑھ گیا تھا- ان کی ایمان لانے کی نیت نہ تھی- یہاں بھی ان کا یہی مطالبہ بیان ہوا ہے کہ یا تو ہمارے اوپر فرشتے اتریں یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں- جیسے فرمان ہے وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ الخ اگر ہم ان پر فرشتوں کو بھی اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے' اس وقت کی اور بھی تمام چیزیں ہم ان کے سامنے کر دیتے جب بھی انہیں ایمان لانا نصیب نہ ہوتا-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' فرشتوں کو یہ دیکھیں گے لیکن اس وقت ان کے لئے ان کا دیکھنا کچھ سودمند نہ ہو گا- اس سے مراد سکرات موت کا وقت ہے جب کہ فرشتے کافروں کے پاس آتے ہیں اور اللہ کے غضب اور جہنم کی آگ کی خبر انہیں سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خبیث نفس' تو خبیث اور ناپاک جسم میں تھا' اب گرم ہواؤں' گرم پانی اور نامبارک سایوں کی طرف چل- وہ نکلنے سے کتراتی ہے اور بدن میں چھپتی پھرتی ہے' اس پر فرشتے ان کے چہروں پر اور ان کی کمروں پر ضربیں مارتے ہیں- جیسے فرمان ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ الخ یعنی کاش کہ تو ظالموں کو ان کی سکرات کے وقت دیکھتا جب کہ فرشتے انہیں مارنے کے لئے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہوں گے اور

کہہ رہے ہوں گے کہ اپنی جانیں نکالو آج تمہیں ذلت کے عذاب چکھنے پڑیں گے۔ کیونکہ تم اللہ تعالیٰ سے متعلق ناحق الزامات تراشتے تھے۔ اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔ مومنوں کا حال ان کے بالکل برعکس ہوگا' وہ اپنی موت کے وقت خوشخبریاں سنائے جاتے ہیں اور ابدی مسرتوں کی بشارتیں دیئے جاتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ الخ جنہوں نے اللہ کو اپنا رب کہا اور مانا' پھر اس پر جمے رہے' ان کے پاس ہمارے فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو' ان جنتوں میں جانے کی خوشی مناؤ جن کا تمہیں وعدہ دیا جاتا رہا۔ ہم تمہارے والی ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی' تم جو کچھ چاہو گے' پاؤ گے اور جس چیز کی خواہش کرو گے' موجود ہو جائے گی' بخشنے والے مہربان اللہ کی طرف سے یہ تمہاری میزبانی ہوگی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں' اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی تو اللہ تعالیٰ کے رحم اور رحمت کی طرف چل جو تجھ سے ناراض نہیں۔ سورۂ ابراہیم کی آیت یُثَبِّتُ اللّٰہُ الخ کی تفسیر میں یہ سب حدیثیں مفصل بیان ہو چکی ہیں۔

بعض نے کہا ہے' مراد اس سے قیامت کے دن فرشتوں کا دیکھنا ہو سکتا ہے کہ دونوں موقعوں پر فرشتوں کا دیکھنا مراد ہو' اس میں ایک قول کی دوسرے قول سے نفی نہیں کیونکہ دونوں موقعوں پر ہر نیک و بد فرشتوں کو دیکھیں گے' مومنوں کو رحمت و رضوان کی خوشخبری کے ساتھ فرشتوں کا دیدار ہوگا اور کافروں کو لعنت و پھٹکار اور عذابوں کی خبروں کے ساتھ' فرشتے اس وقت ان کافروں سے صاف کہہ دیں گے کہ اب فلاح و بہبود تم پر حرام ہے۔ حِجْرٌ کے لفظی معنی روک ہیں چنانچہ قاضی جب کسی کو اس کی مفلسی یا حماقت یا بچپن کی وجہ سے مال کے تصرف سے روک دے تو کہتے ہیں حَجَرَ الْقَاضِیْ عَلٰی فُلَانٍ۔ حطیم کو بھی حجر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ طواف کرنے والوں کو اپنے اندر طواف کرنے سے روک دیتا ہے بلکہ اس کے باہر سے طواف کیا جاتا ہے۔ عقل کو بھی عربی میں حجر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ بھی انسانوں کو برے کاموں سے روک دیتی ہے۔ پس فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ جو خوش خبریاں مومنوں کو اس وقت ملتی ہیں' اس سے تم محروم ہو۔ یہ معنی تو اس بنا پر ہیں کہ اس جملے کو فرشتوں کا قول کہا جائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مقولہ اس وقت کافروں کا ہوگا' وہ فرشتوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ اللہ کرے تم ہم سے آڑ میں رہو' تمہیں ہمارے پاس آنا نہ ملے۔ گو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں لیکن دور کے معنی ہیں۔ بالخصوص اس وقت کہ جب اس کے خلاف وہ تفسیر جو ہم نے اوپر بیان کی اور سلف سے مروی ہے۔ البتہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول ایسا مروی ہے لیکن انہی سے صراحت کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ یہ قول فرشتوں کا ہوگا' واللہ اعلم۔ پھر قیامت کے دن' اعمال کے حساب کے وقت ان کے اعمال غارت اور اکارت ہو جائیں گے۔ یہ جنہیں اپنی نجات کا ذریعہ سمجھے ہوئے تھے' وہ بیکار ہو جائیں گے کیونکہ یا تو وہ خلوص والے نہ تھے یا سنت کے مطابق نہ تھے۔ اور جو عمل ان دونوں سے یا ان میں سے ایک چیز سے خالی ہو' وہ اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ اس لئے کافروں کے نیک اعمال بھی مردود ہیں۔ ہم نے ان کے اعمال کا ملاحظہ کیا اور ان کو مثل بکھرے ہوئے ذروں کے کر دیا کہ وہ سورج کی شعاعیں جو کسی سوراخ میں سے آ رہی ہوں' ان میں نظر تو آتے ہیں لیکن کوئی انہیں پکڑنا چاہے تو ہاتھ نہیں آتے۔ جس طرح پانی جو زمین پر بہا دیا جائے وہ پھر ہاتھ نہیں آ سکتا یا غبار جو ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ یا درختوں کے پتوں کا چورا جو ہوا میں بکھر گیا ہو یا راکھ اور خاک جو اڑتی پھرتی ہو۔ اسی طرح ان کے اعمال ہیں جو محض بیکار ہو گئے۔ ان کا کوئی ثواب ان کے ہاتھ نہیں لگے گا۔ اس لئے کہ یا تو ان میں خلوص نہ تھا یا شریعت کی مطابقت نہ تھی یا دونوں وصف نہ تھے۔ پس جب یہ عالم و عادل حاکم حقیقی کے سامنے پیش ہوئے تو محض نکمے ثابت ہوئے اسی لئے اسے ردی اور نہ ہاتھ لگنے والی چیز سے تشبیہ دی گئی۔ جیسے اور جگہ ہے مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ اَعْمَالُھُمْ کَرَمَادِ اِشْتَدَّتْ بِہِ الرِّیْحُ الخ کافروں کے اعمال کی مثال راکھ جیسی ہے جسے تیز ہوا اڑا

دے۔ انسان کی نیکیاں بعض بدیوں سے بھی ضائع ہو جاتی ہیں جیسے صدقہ خیرات کہ وہ احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے ضائع ہو جاتا ہے۔ جیسے فرمان ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَ الۡاَذٰی پس ان کے اعمال میں سے آج یہ کسی عمل پر قادر نہیں اور آیت میں ان کے اعمال کی مثال اس ریت کے ٹیلے سے دی گئی جو دور سے مثل دریا کے لہریں مارتا ہوا دکھائی دیتا ہے' جسے دیکھ کر پیاسا آدمی پانی سمجھتا ہے لیکن پاس آتا ہے تو امید ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کی تفسیر بھی اللہ کے فضل سے گزر چکی ہے۔

پھر فرمایا کہ ان کے مقابلے میں جنتیوں کی بھی سن لو کیونکہ یہ دونوں فریق برابر کے نہیں۔ جنتی تو بلند درجوں میں' اعلیٰ بالا خانوں میں امن وامان' راحت وآرام کے ساتھ عیش وعشرت میں ہوں گے۔ مقام اچھا' منظر دل پسند' ہر راحت موجود' ہر دل خوش کن چیز سامنے' جگہ اچھی' مکان طیب' منزل مبارک' سونے بیٹھنے' رہنے سہنے کا آرام' برخلاف اس کے جہنمی دوزخ کے نیچے کے طبقوں میں جکڑ بند' اوپر نیچے دائیں بائیں آگ' حسرت' افسوس' رنج' غم' پھکنا' جلنا' بے قرار' جگر سوز' مقام بد' بری منزل' خوفناک منظر' عذاب سخت۔ نیک لوگوں کے جن کے دل میں ایمان تھا' اعمال مقبول ہوئے' اچھی جزائیں دی گئیں' بدلے ملے۔ جہنم سے بچے' جنت کے وارث و مالک بنے۔ پس یہ جو تمام بھلائیوں کو سمیٹ بیٹھے اور وہ جو ہر نیکی سے محروم رہے' کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ پس نیکوں کی سعادت بیان فرما کر بدوں کی شقاوت پر تنبیہ کر دی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی ساعت ایسی بھی ہو گی کہ جنتی اپنی حوروں کے ساتھ دن دو پہر کو آرام فرمائیں اور جہنمی شیطانوں کے ساتھ جکڑے ہوئے دو پہر کو گھبرائیں۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ آدھے دن میں بندوں کے حساب سے فارغ ہو جائے گا۔ پس جنتیوں کے لئے دو پہر کے سونے کا وقت جنت میں ہو گا اور دوزخیوں کا جہنم میں۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مجھے معلوم ہوا ہے کہ کس وقت جنتی جنت میں جائیں گے اور جہنمی جہنم میں۔ یہ وہ وقت ہو گا جب یہاں دنیا میں دو پہر کا وقت ہوتا ہے کہ لوگ اپنے گھروں کو دو گھڑی آرام حاصل کرنے کی غرض سے لوٹتے ہیں۔ جنتیوں کا یہ قیلولہ جنت میں ہو گا۔ مچھلی کی کلیجی انہیں پیٹ بھر کر کھلائی جائے گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ دن آدھا ہوا اس سے بھی پہلے جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں قیلولہ کریں گے' پھر آپ نے یہی آیت پڑھی اور آیت ثُمَّ اِنَّ مَرۡجِعَهُمۡ لَا اِلَی الۡجَحِیۡمِ بھی پڑھی۔ جنت میں جانے والے صرف ایک مرتبہ جناب باری کے سامنے پیش ہوں گے' یہی آسانی سے حساب لینا ہے۔ پھر یہ جنت میں جا کر دو پہر کا آرام کریں گے۔ جیسے فرمان اللہ ہے فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیۡنِهٖ فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا وَّیَنۡقَلِبُ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا یعنی جس شخص کو اپنا عمل نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا' اس سے بہت آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے والوں کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا۔ اس کا قیام اور منزل بہتر ہے۔

صفوان بن محرز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن دو شخصوں کو لایا جائے گا۔ ایک تو وہ جو ساری دنیا کا بادشاہ تھا۔ اس سے حساب لیا جائے گا تو اس کی پوری عمر میں ایک نیکی بھی نہ نکلے گی۔ پس اسے جہنم کے داخلے کا حکم ملے گا۔ پھر دوسرا شخص آئے گا جس نے ایک کمبل میں دنیا گزاری تھی۔ جب اس سے حساب لیا جائے گا تو یہ کہے گا کہ اے اللہ میرے پاس دنیا میں تھا ہی کیا جس کا حساب لیا جائے گا؟ اللہ فرمائے گا۔ یہ سچا ہے اسے چھوڑ دو۔ اسے جنت میں جانے کی اجازت دی جائے گی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد دونوں کو بلایا جائے گا تو جہنمی بادشاہ تو مثل سوختہ کوئلے کے ہو گیا ہو گا۔ اس سے پوچھا جائے گا' کہو کس حال میں ہو' یہ کہے گا نہایت برے حال میں اور نہایت خراب جگہ میں ہوں۔ پھر جنتی کو بلایا جائے گا' اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہو گا۔ اس سے پوچھا جائے گا' کہو کیسی گزرتی ہے؟ یہ کہے گا' الحمدللہ بہت اچھی اور نہایت بہتر جگہ میں ہوں۔ اللہ فرمائے گا' جاؤ اپنی اپنی جگہ پھر چلے جاؤ۔ حضرت سعید صواف رحمتہ اللہ علیہ کا بیان
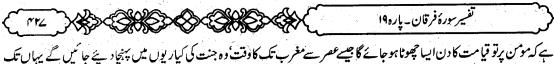
ہے کہ مومن پر تو قیامت کا دن ایسا چھوٹا ہو جائے گا جیسے عصر سے مغرب تک کا وقت' وہ جنت کی کیاریوں میں پہنچا دیئے جائیں گے یہاں تک کہ اور مخلوق کے حساب ہو جائیں۔ پس جنتی بہتر ٹھکانے والے اور عمدہ جگہ والے ہوں گے۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿٢٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾

جس دن آسمان بادل پر پھٹ جائے گا اور فرشتے لگاتار اتریں گے ○ اس دن صحیح طور پر ملک صرف رحمان کا ہی ہو گا۔ یہ دن کافروں پر بڑا بھاری ہو گا ○ اس دن ستم گر شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا' ہائے کاش کہ میں نے رسول کی راہ لی ہوتی ○ ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست بنایا ہوا نہ ہوتا ○ اس نے مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی' شیطان تو انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے ○

<u>فیصلوں کا دن:</u> ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۹) قیامت کے دن جو ہولناک امور ہوں گے' ان میں سے ایک آسمان کا پھٹ جانا اور نورانی ابر کا نمودار ہونا بھی ہے جس کی روشنی سے آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی۔ پھر فرشتے اتریں گے اور میدان محشر میں تمام انسان کو گھیر لیں گے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں میں فیصلے کے لئے تشریف لائے گا۔ جیسے فرمان ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ الخ یعنی کہ انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بادلوں میں آئیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو سب انسانوں اور کل جنات کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا۔ تمام جانور' چوپائے' درندے' پرندے اور کل مخلوق وہاں ہو گی۔ پھر آسمان پھٹے گا اور اس کے فرشتے اتریں گے جو تمام مخلوق کو دو طرف سے گھیر لیں گے اور وہ گنتی میں بہت زیادہ ہوں گے۔ پھر دوسرا آسمان پھٹے گا اور اس کے فرشتے اتریں گے جو تمام مخلوق کو دو طرف سے گھیر لیں گے اور وہ گنتی میں بہت زیادہ ہوں گے' پھر تیسرا آسمان شق ہو گا' اس کے فرشتے بھی دونوں آسمانوں کے فرشتے مل کر زمین کی مخلوق سے بھی زیادہ ہوں گے۔ سب کو گھیر کر کھڑے ہو جائیں گے۔ پھر اسی طرح چوتھا' پھر پانچواں' پھر چھٹا' ساتواں' پھر ہمارا رب عزوجل ابر کے سائے میں تشریف لائے گا' اس کے اردگرد بزرگ تر پاک فرشتے ہوں گے جو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کی کل مخلوق سے زیادہ ہوں گے۔ ان پر سینگوں جیسے نشان ہوں گے' وہ اللہ کے عرش کے نیچے اللہ کی تسبیح وتہلیل وتقدس بیان کریں گے' ان کے تلوے سے لے کر ٹخنے تک کا فاصلہ پانچ سو سال کا راستہ ہو گا اور ٹخنے سے گھٹنے تک کا بھی اتنا ہی۔ اور گھٹنے سے ناف تک کا بھی اتنا ہی فاصلہ ہو گا۔ اور ناف سے گردن تک کا بھی اتنا ہی فاصلہ ہو گا اور گردن سے کان کی لو تک بھی اتنا ہی فاصلہ ہو گا اور اس کے اوپر سے سر تک کا بھی اتنا ہی فاصلہ ہو گا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ قیامت کا نام يَوْمَ التَّلَاقِ اسی لئے ہے کہ اس میں زمین و آسمان والے ملیں گے۔ انہیں دیکھ کر پہلے تو محشر والے سمجھ لیں گے کہ ہمارا اللہ آیا۔

لیکن فرشتے سمجھا دیں گے۔ وہ آنے والا ہے ابھی تک نازل نہیں ہوا۔ پھر جب کہ ساتوں آسمانوں کے فرشتے آ جائیں گے' اللہ

تعالیٰ اپنے عرش پر تشریف لائے گا جسے آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے جن کے ٹخنے سے گھٹنے تک ستر سال کا راستہ ہے اور ران اور مونڈھے کے درمیان بھی ستر سال کا راستہ ہے' ہر فرشتہ دوسرے سے علیحدہ اور جداگانہ ہے' ہر ایک کی ٹھوڑی سینے سے لگی ہوئی ہے اور زبان پر سُبحَان الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ کا وظیفہ ہے۔ ان کے سروں پر ایک پھیلی ہوئی چیز ہے جیسے سرخ شفق' اس کے اوپر عرش ہوگا۔ اس میں راوی علی بن زید بن جدعان ہیں جو ضعیف ہیں۔ اور بھی اس حدیث میں بہت سی خامیاں ہیں۔ صور کی مشہور حدیث میں بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

اور آیت میں ہے کہ اس دن ہو پڑنے والی ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ کر روئی کی طرح ہو جائے گا۔ اور اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے اور اس دن تیرے رب کا عرش آٹھ فرشتے لئے ہوئے ہوں گے۔ شہر بن حوشبؒ کہتے ہیں' ان میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوگی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ اے اللہ تو پاک ہے' تو قابل ستائش وتعریف ہے۔ باوجود علم کے پھر بھی بردباری برتنا تیرا وصف ہے جس پر ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں۔ اور چار کی تسبیح یہ ہوگی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ اے اللہ تو پاک ہے اور اپنی تعریفوں کے ساتھ ہے' تیرے ہی لئے سب تعریف ہے کہ تو باوجود قدرت کے معاف فرماتا رہتا ہے۔ ابوبکر بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عرش کو اترتا دیکھ کر اہل محشر کی آنکھیں پھٹ جائیں گی' جسم کانپ اٹھیں گے' دل لرز جائیں گے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت اللہ عزوجل مخلوق کی طرف اترے گا تو درمیان میں ستر ہزار پردے ہوں گے' بعض نور کے' بعض ظلمت کے۔ اس ظلمت میں سے ایک ایسی آواز نکلے گی جس سے دل پاش پاش ہو جائیں گے۔ شاید ان کی یہ روایت انہی دو تھیلیوں میں سے لی ہوئی ہوگی' واللہ اعلم۔

اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہت ہوگی جیسے فرمان ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ الخ آج ملک کس کے لئے ہے؟ صرف اللہ غالب وقہار کے لئے۔ صحیح حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور زمینوں کو اپنے دوسرے ہاتھ میں لے لے گا' پھر فرمائے گا میں مالک ہوں' میں فیصلہ کرنے والا ہوں' زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر کرنے والے کہاں ہیں؟ وہ دن کفار پر بڑا بھاری پڑا ہوگا۔ اسی کا بیان اور جگہ بھی ہے کہ کافروں پر وہ دن بہت گراں گزرے گا۔ ہاں مومنوں کو اس دن مطلق گھبراہٹ یا پریشانی نہ ہوگی۔ حضور ﷺ سے کہا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ پچاس ہزار سال کا دن تو بہت ہی دراز ہوگا۔ آپ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مومن پر تو وہ ایک وقت کی فرض نماز سے بھی ہلکا اور آسان ہوگا۔ پیغمبر علیہ السلام کے طریقے اور آپ کے لائے ہوئے کھلے حق سے ہٹ کر' رسول ﷺ کی راہ کے سوا دوسری راہوں پہ چلنے والے اس دن بڑے ہی نادم ہوں گے اور حسرت وافسوس کے ساتھ اپنے ہاتھ چبائیں گے۔ گو اس کا نزول عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں ہو یا کسی اور کے بارے میں لیکن حکم کے اعتبار سے یہ ہر ایسے ظالم کو شامل ہے۔ جیسے فرمان ہے يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ پوری دو آیتوں تک۔ پس ہر ظالم قیامت کے دن پچھتائے گا' اپنے ہاتھوں کو چبائے گا اور آہ وزاری کر کے کہے گا' کاش کہ میں نے نبی کی راہ اپنائی ہوتی۔ کاش کہ میں نے فلاں کی عقیدت مندی نہ کی ہوتی جس نے مجھے راہ حق سے گم کر دیا۔ امیہ بن خلف کا اور اس کے بھائی ابی بن خلف کا بھی یہی حال ہوگا اور ان کے سوا اور بھی ایسے لوگوں کا یہی حال ہوگا۔ کہے گا کہ اس نے مجھے ذکر یعنی قرآن سے بیگانہ کر دیا حالانکہ وہ مجھ تک پہنچ چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' شیطان انسان کو رسوا کرنے والا ہے' وہ اسے ناحق کی طرف بلاتا ہے اور حق سے ہٹا دیتا ہے۔

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾
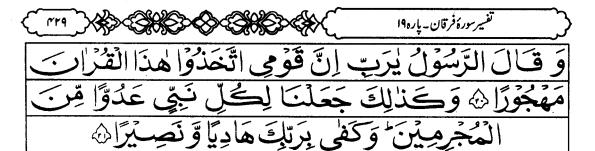
رسول کہے گا کہ اے میرے پروردگار' بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا○ اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بعض گنہگاروں کو بنا دیا ہے' تیرا رب ہی ہدایت کرنے والا ہے اور مدد کرنے والا کافی ہے○

شکایت نبوی ﷺ ☆☆ (آیت ۳۰-۳۱) قیامت والے دن اللہ کے سچے رسول آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی امت کی شکایت جناب باری تعالیٰ میں کریں گے کہ نہ یہ لوگ قرآن کی طرف مائل تھے نہ رغبت سے قبولیت کے ساتھ سنتے تھے بلکہ اوروں کو بھی اس کے سننے سے روکتے تھے جیسے کہ کفار کا مقولہ خود قرآن میں ہے کہ وہ کہتے تھے لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور وغل کرو- یہی اس کا چھوڑ رکھنا تھا- نہ اس پر ایمان لاتے تھے' نہ اسے سچا جانتے تھے' نہ اس پر غور وفکر کرتے تھے' نہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے' نہ اس پر عمل تھا' نہ اس کے احکام کو بجا لاتے تھے' نہ اس کے منع کردہ کاموں سے رکتے تھے بلکہ اس کے سوا اور کلاموں میں مشغول ومنہمک رہتے تھے جیسے شعر اشعار' غزلیات' باجے گاجے' راگ راگنیاں' اسی طرح اور لوگوں کے کلام سے دلچسپی لیتے تھے اور ان پر عامل تھے' یہی اسے چھوڑ دینا تھا- ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کریم ومنان جو ہر چیز پر قادر ہے' ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے ناپسندیدہ کاموں سے دست بردار ہو جائیں اور اس کے پسندیدہ کاموں کی طرف جھک جائیں- وہ ہمیں اپنے کلام کی سمجھ دے اور دن رات اس پر عمل کرنے کی ہدایت دے' جس سے وہ خوش ہو' وہ کریم ووہاب ہے-

پھر فرمایا' جس طرح اے نبیؑ آپ کی قوم میں قرآن کو نظرانداز کر دینے والے لوگ ہیں' اسی طرح اگلی امتوں میں بھی ایسے لوگ تھے جو خود کفر کر کے دوسروں کو اپنے کفر میں شریک کار کرتے تھے اور اپنی گمراہی کے پھیلانے کی فکر میں لگے رہتے تھے- جیسے فرمان ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا الخ یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن شیاطین وانسان بنا دیئے ہیں-

پھر فرمایا' جو رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کرے' کتاب اللہ پر ایمان لائے' اللہ کی وحی پر یقین کرے' اس کا ہادی اور ناصر خود اللہ تعالیٰ ہے- مشرکوں کی جو خصلت اوپر بیان ہوئی' اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کو ہدایت پر نہ آنے دیں اور آپ مسلمانوں پر غالب رہیں- اس لئے قرآن نے فیصلہ کیا کہ یہ نامراد ہی رہیں گے- اللہ اپنے بندوں کو خود ہدایت کرے گا- اور مسلمانوں کی خود مدد کرے گا- یہ معاملہ اور ایسوں کا مقابلہ کچھ تجھ سے ہی نہیں' تمام اگلے نبیوں کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے-

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ع ۱۴

کافر کہنے لگے کہ اس پر قرآن سارا کا سارا ایک ساتھ ہی کیوں نہ اتارا گیا؟ اسی طرح ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا تا کہ اس سے ہم تیرا دل قوی کریں' ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر اکر ہی پڑھ سنایا ہے ○ یہ تیرے پاس جو کوئی مثال لائیں گے' ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ توجیہہ تجھے بتا دیں گے ○ جو لوگ اپنے منہ کے بل جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے وہی بدتر مکان والے اور گمراہ تر راستے والے ہیں ○

قرآن حکیم مختلف اوقات میں کیوں اترا؟ ☆☆ (آیت ۳۲-۳۴) کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ جیسے توریت' انجیل' زبور وغیرہ ایک ساتھ پیغمبروں پر نازل ہوتی رہیں' یہ قرآن ایک ہی دفعہ آنحضرت ﷺ پر نازل کیوں نہ ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہاں واقعی یہ متفرق طور پر اترا ہے' بیس برس میں نازل ہوا ہے' جیسے جیسے ضرورت پڑتی گئی' جو جو واقعات ہوتے رہے' احکام نازل ہوتے گئے تا کہ مومنوں کا دل جما رہے۔ ٹھہر ٹھہر کر احکام اترے تا کہ ایک دم عمل مشکل نہ ہو پڑے' وضاحت کے ساتھ بیان ہو جائے۔ سمجھ میں آ جائے۔ تفسیر بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتی رہے۔ ہم ان کے کل اعتراضات کا صحیح اور سچا جواب دیں گے جو ان کے بیان سے بھی زیادہ واضح ہوگا۔ جو کمی یہ بیان کریں گے' ہم ان کی تسلی کر دیں گے۔ صبح شام' رات دن' سفر حضر میں بار بار اس نبی ﷺ کی عزت اور اپنے خاص بندوں کی ہدایت کے لئے ہمارا کلام ہمارے نبی کی پوری زندگی تک اترتا رہا۔ جس سے حضور ﷺ کی بزرگی اور فضیلت بھی ظاہر ہوتی رہی لیکن دوسرے انبیاء علیہ السلام پر ایک ہی مرتبہ سارا کلام اترا مگر اس بہترین نبی ﷺ سے اللہ تبارک وتعالیٰ بار بار خطاب کرتا رہا تا کہ اس قرآن کی عظمت بھی آشکار ہو جائے' اس لیے یہ اتنی لمبی مدت میں نازل ہوا۔ پس نبی ﷺ بھی سب نبیوں میں اعلیٰ اور قرآن بھی سب کلاموں میں بالا۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ قرآن کو دونوں بزرگیاں ملیں۔ یہ ایک ساتھ لوح محفوظ سے ملاء اعلیٰ میں اترا۔ لوح محفوظ سے پورے کا پورا دنیا کے آسمان تک پہنچا۔ پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' سارا قرآن ایک دفعہ ہی لیلتہ القدر میں دنیا کے آسمان پر نازل ہوا۔ پھر بیس سال تک زمین پر اترتا رہا۔ پھر اس کے ثبوت میں آپ نے آیت وَلَا يَأْتُونَكَ الخ اور آیت وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ الخ تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد کافروں کی جو درگت قیامت کے روز ہونے والی ہے' اس کا بیان فرمایا کہ بدترین حالت اور قبیح تر ذلت میں ان کا حشر جہنم کی طرف ہوگا۔ یہ اوندھے منہ گھسیٹے جائیں گے۔ یہی برے ٹھکانے والے اور سب سے بڑھ کر گمراہ ہیں۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کافروں کا حشر منہ کے بل کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا' جس نے انہیں پیر کے بل چلایا ہے' وہ سر کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾

بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنا دیا ○ اور کہہ دیا کہ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جو ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے

ہیں۔ پھر ہم نے انہیں بالکل ہی پامال کر دیا○ قوم نوح نے بھی جب رسولوں کو جھوٹا کہا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا۔ اور لوگوں کے لئے انہیں نشان عبرت بنا دیا۔ ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب مہیا کر رکھے ہیں○ اور عادیوں اور ثمودیوں اور کنوے والوں کو اور ان کے درمیان کی بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا○ ہم نے ہر ایک کے سامنے مثالیں بیان کیں۔ پھر ہر ایک کو بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا○

انبیاء سے دشمنی کا خمیازہ: ☆☆ (آیت: ۳۵-۳۹) اللہ تعالیٰ مشرکین کو اور آپ کے مخالفین کو اپنے عذابوں سے ڈرا رہا ہے کہ تم سے پہلے کے جن لوگوں نے میرے نبیوں کی نہ مانی' ان سے دشمنی کی' ان کی مخالفت کی' میں نے انہیں تہس نہس کر دیا۔ فرعونیوں کا حال تم سن چکے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا لیکن انہوں نے نہ مانا جس کے باعث اللہ کا عذاب آ گیا اور سب ہلاک کر دیئے گئے۔ اس واسطے یہاں رسل جمع کر کے کہا گیا۔ اور یہ اس لیے بھی کہ اگر بالفرض ان کی طرف تمام رسول بھی بھیجے جاتے تو بھی یہ سب کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو نوح علیہ السلام نبی کے ساتھ کیا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے گئے تھے بلکہ ان کے پاس تو صرف حضرت نوح علیہ اسلام ہی آئے تھے جو ساڑھے نو سو سال تک ان میں رہے' ہر طرح انہیں سمجھایا بجھایا لیکن سوائے معدودے چند کے کوئی ایمان نہ لایا۔ اس لئے اللہ نے سب کو غرق کر دیا۔ سوائے ان کے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے۔ ایک بنی آدم روئے زمین پر نہ بچا۔ لوگوں کے لئے ان کی ہلاکت باعث عبرت بنا دی گئی۔ جیسے فرمان ہے کہ پانی کی طغیانی کے وقت ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر لیا تا کہ تم اسے اپنے لئے باعث عبرت بناؤ اور کشتی کو ہم نے تمہارے لئے اس طوفان سے نجات پانے اور لمبے لمبے سفر طے کرنے کا ذریعہ بنا دیا تا کہ تم اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ اس نے عالمگیر طوفان سے تمہیں بچا لیا اور ایماندار اور ایمان داروں کی اولاد میں رکھا۔ عادیوں اور ثمودیوں کا قصہ تو بارہا بیان ہو چکا ہے جیسے کہ سورۂ اعراف وغیرہ میں اَصۡحٰبُ الرَّسِّ کی بابت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ یہ ثمودیوں کی ایک بستی والے تھے۔

وَلَقَدۡ اَتَوۡا عَلَى الۡقَرۡيَةِ الَّتِىۡۤ اُمۡطِرَتۡ مَطَرَ السَّوۡءِ‌ؕ اَفَلَمۡ يَكُوۡنُوۡا يَرَوۡنَهَا‌ ۚ بَلۡ كَانُوۡا لَا يَرۡجُوۡنَ نُشُوۡرًا ﴿۴۰﴾

یہ لوگ اس بستی کے پاس سے بھی آتے جاتے ہیں جن پر بری طرح بارش برسائی گئی۔ کیا یہ پھر بھی اسے دیکھتے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ انہیں مر کر جی اٹھنے کا عقیدہ ہی نہیں○

(آیت: ۴۰) عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ فلیج والے تھے جن کا ذکر سورۂ یاسین میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ آذربائی جان کے ایک کنویں کے پاس ان کی بستی تھی۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں' انہیں کنوئیں والے اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں ڈال دیا تھا۔ ابن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ' محمد بن کعب رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ایک سیاہ فام غلام سب سے اول جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کی طرف اپنا نبی بھیجا تھا لیکن ان بستی والوں میں سے بجز اس کے کوئی بھی ایمان نہ لایا بلکہ انہوں نے اللہ کے نبیؑ کو ایک غیر آباد کنویں میں' ویران میدان میں ڈال دیا اور اس کے منہ پر ایک بڑی بھاری چٹان رکھ دی کہ یہ وہیں مر جائیں۔ یہ غلام جنگل میں جاتا' لکڑیاں کاٹ کر لاتا' انہیں بازار میں فروخت کرتا اور روٹی وغیرہ خرید کر کنوئیں پر آتا' اس پتھر کو سرکا دیتا۔ یہ ایک رسی میں لٹکا کر روٹی اور پانی اس پیغمبر علیہ السلام کے پاس پہنچا دیتا جسے وہ کھا پی لیتے۔ مدتوں تک یونہی ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ گیا' لکڑیاں کاٹیں' چنیں' جمع کیں' گٹھڑی باندھی' اتنے میں نیند کا غلبہ ہوا' سو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس

پر نیند ڈال دی' سات سال تک وہ سوتا رہا۔ سات سال کے بعد آنکھ کھلی' انگڑائی لی اور کروٹ بدل کر پھر سو رہا۔ سات سال کے بعد پھر آنکھ کھلی تو اس نے اپنی لکڑیوں کی گٹھڑی اٹھائی اور شہر کی طرف چلا۔ اسے یہی خیال تھا کہ ذرا سی دیر کے لئے سو گیا تھا۔ شہر میں آ کر لکڑیاں فروخت کیں' حسب عادت کھانا خریدا اور وہیں پہنچا۔ دیکھتا ہے کہ کنواں تو وہاں ہے ہی نہیں۔ بہت ڈھونڈا لیکن نہ ملا۔ درحقیقت اس عرصہ میں یہ ہوا تھا کہ قوم کے دل ایمان کی طرف راغب ہوئے' انہوں نے جا کر اپنے نبی کو کنوئیں سے نکالا۔ سب کے سب ایمان لائے' پھر نبیؑ فوت ہو گئے۔ نبی علیہ السلام بھی اپنی زندگی میں اسی حبشی غلام کو تلاش کرتے رہے لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔ پھر اسی نبی علیہ السلام کے انتقال کے بعد یہ شخص اپنی نیند سے جگایا گیا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' پس یہ حبشی غلام ہے جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا۔ یہ روایت مرسل ہے اور اس میں غرابت ونکارت ہے اور شاید ادراج بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

اس روایت کو ان اصحاب رس پر چسپاں بھی نہیں کر سکتے اس لئے کہ یہاں تو مذکور ہے کہ انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ ہاں یہ ایک توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ تو ہلاک کر دیئے۔ پھر ان کی نسلیں ٹھیک ہو گئیں اور انہیں ایمان کی توفیق ملی۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اصحاب رس وہی ہے جن کا ذکر سورۂ بروج میں ہے جنہوں نے خندقیں کھدوائی تھیں۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ اور بھی ان کے درمیان بہت سی امتیں آئیں جو ہلاک کر دی گئیں۔ ہم نے ان سب کے سامنے اپنا کلام بیان کر دیا تھا' دلیلیں پیش کر دی تھیں' معجزے دکھائے تھے' عذر ختم کر دیئے تھے' پھر سب کو غارت اور برباد کر دیا۔ جیسے فرمان ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد کی بھی بہت سی بستیاں ہم نے غارت کر دیں۔ قرن کہتے ہیں امت کو۔ جیسے فرمان ہے کہ ان کے بعد ہم نے بہت سی قرن یعنی امتیں پیدا کیں۔ قرن کی مدت بعض کے نزدیک ایک سو بیس سال ہے۔ کوئی کہتا ہے سو سال' کوئی کہتا ہے اسی سال' کوئی کہتا ہے چالیس سال' اور بھی بہت سے قول ہیں۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ایک زمانہ والے ایک قرن ہیں۔ جب وہ سب مر جائیں تو دوسرا قرن شروع ہوتا ہے جیسے بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ سدوم نامی بستی کے پاس سے تو یہ عرب برابر گزرتے رہتے ہیں۔ یہیں لوطی آباد تھے۔ جن پر زمین الٹ دی گئی اور آسمان سے پتھر برسائے گئے اور برا مینہہ ان پر برسا' جو سنگلاخ پتھروں کا تھا۔ یہ دن رات وہاں سے آمد ورفت رکھتے ہیں۔ پھر بھی عقلمندی کو کام میں نہیں لیتے۔ یہ بستیاں تو تمہاری گزرگاہ پر ہیں' ان کے واقعات مشہور ہیں۔ کیا تم انہیں نہیں دیکھتے؟ یقیناً دیکھتے ہو لیکن عبرت کی آنکھیں ہی نہیں کہ سمجھ سکو۔ اور غور کرو اپنی بدکاریوں کی وجہ سے وہ اللہ کے عذابوں کا شکار ہو گئے۔ پس انہیں اڑا دیا گیا' بے نشان کر دیئے گئے۔ بری طرح دھجیاں بکھیر دی گئیں۔ اسے سوچے تو وہ جو قیامت کا قائل ہو۔ لیکن انہیں کیا عبرت حاصل ہو گی جو قیامت ہی کے منکر ہیں' دوبارہ زندگی کو ہی محال جانتے ہیں۔

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَھٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

تمہیں جب کبھی دیکھتے ہیں تو تم سے مسخرا پن کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہیں جنہیں اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے ○ وہ تو کہئے کہ ہم جمے رہے ورنہ انہوں نے تو ہمیں بہکا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ دی تھی' یہ جب عذابوں کو دیکھیں گے تو انہیں صاف معلوم ہو جائے گا کہ پوری طرح راہ سے بھٹکا ہوا کون تھا؟ ○ کیا تو نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے؟ کیا تو اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہے؟ ○ کیا تو اسی خیال میں ہے کہ ان میں کے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ وہ تو نرے چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ○

انبیاء کا مذاق: ☆☆ (آیت ۴۱-۴۴) کافر لوگ اللہ کے برتر و بہتر پیغمبر حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو دیکھ کر ہنسی مذاق اڑاتے تھے' عیب جوئی کرتے تھے اور آپ میں نقصان بتلاتے تھے- یہی حالت ہر زمانے کے کفار کی اپنے نبیوں کے ساتھ رہی- جیسے فرمان ہے- وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ تجھ سے پہلے کے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا- کہنے لگے' وہ تو کہئے کہ ہم جمے رہے ورنہ اس رسول نے تو ہمیں بہکانے میں کوئی کمی نہ رکھی تھی- اچھا انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ہدایت پر یہ کہاں تک تھے؟ عذاب کو دیکھتے ہی آنکھیں کھل جائیں گی- اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے خواہش پرستی شروع کر رکھی ہے' نفس و شیطان جس چیز کو اچھی ظاہر کرتا ہے' یہ بھی اسے اچھی سمجھنے لگتے ہیں- بھلا ان کا ذمہ دار تو کیسے ٹھہر سکتا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی سفید گول مول پتھر کو دیکھا' اسی کے سامنے جھکنے اور سجدے کرنے لگے' اس سے اچھا کوئی نظر پڑ گیا تو اس کے سامنے جھک گئے اور اول کو چھوڑ دیا- پھر فرماتا ہے' یہ تو چوپایوں سے بھی بدتر ہیں' نہ ان کے کان ہیں نہ دل ہیں- چوپائے تو خیر قدرتاً آزاد ہیں لیکن یہ جو عبادت کے لئے پیدا کئے گئے تھے' یہ ان سے بھی زیادہ بہک گئے بلکہ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے- اور قیام حجت کے بعد' رسولوں کے پہنچ چکنے کے بعد بھی اللہ کی طرف نہیں جھکتے' اس کی توحید اور رسول ﷺ کی رسالت کو نہیں مانتے-

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿٤٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿٤٧﴾

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے سائے کو کس طرح پھیلا دیا ہے' اگر چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا ہی کر دیتا' پھر ہم نے آفتاب کو اس کا رہنما بنایا ○ پھر ہم نے اسے سہج سہج اپنی طرف کھینچ لیا ○ وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لئے پردہ بنایا اور نیند کو راحت بنایا اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت ○

اگر وہ چاہے تو رات دن میں نہ بدلے: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۷) اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت پر دلیلیں بیان ہو رہی ہیں کہ مختلف اور متضاد چیزوں کو وہ پیدا کر رہا ہے- سائے کو وہ بڑھاتا ہے- کہتے ہیں کہ یہ وقت صبح صادق سے لے کر سورج کے نکلنے تک کا ہے' اگر وہ چاہتا تو اسے ایک ہی حالت پر رکھ دیتا- جیسے فرمان ہے کہ اگر وہ رات ہی رات رکھے تو کوئی دن نہیں کر سکتا اور اگر دن ہی دن کرے تو کوئی رات نہیں لا سکتا- اگر سورج نہ نکلتا تو سائے کا حال ہی معلوم نہ ہوتا- ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' سائے کے پیچھے دھوپ' دھوپ کے پیچھے سایہ' یہ بھی قدرت کا انتظام ہے- پھر سہج سہج ہم اسے یعنی سائے کو یا سورج کو اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں- ایک گھٹتا جاتا ہے تو دوسرا بڑھتا جاتا ہے اور یہ انقلاب سرعت سے عمل میں آتا ہے- کوئی جگہ سائے دار باقی نہیں رہتی- صرف گھروں کے چھپڑوں کے اور درختوں کے نیچے سایہ رہ جاتا ہے اور ان کے بھی اوپر دھوپ کھلی ہوئی ہوتی ہے- آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کر کے ہم اسے اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں-

اسی نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا ہے کہ وہ تمہارے وجود پر چھا جاتی ہے اور اسے ڈھانپ لیتی ہے جیسے فرمان ہے قسم ہے رات کی جب کہ ڈھانپ لے اسی نے نیند کو سبب راحت وسکون بنایا ہے کہ اس وقت حرکت موقوف ہو جاتی ہے اور دن بھر کے کام کاج سے جو تھکن چڑھ گئی تھی وہ اس آرام سے اتر جاتی ہے۔ بدن کو اور روح کو راحت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر دن کو اٹھ کھڑے ہوتے ہو پھیل جاتے ہو اور روزی کی تلاش میں لگ جاتے ہو۔ جیسے فرمان ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے رات دن مقرر کر دیا ہے کہ تم سکون وآرام بھی حاصل کرلو اور اپنی روزیاں بھی تلاش کرو۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ڮ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

وہی ہے جو باران رحمت سے پہلے خوشخبری دینے ولی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں ○ تاکہ اس کے ذریعہ سے مردہ شہر کو زندہ کر دیں اور اسے ہم اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلاتے ہیں ○ بے شک ہم نے اسے ان کے درمیان طرح طرح سے ہیر پھیر کر لیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں لیکن پھر بھی اکثر لوگوں نے سوائے ناشکری کے مانا نہیں ○

بارش سے پہلے بارش کی خوش خبری: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۰) اللہ تعالیٰ اپنی ایک اور قدرت کا بیان فرما رہا ہے کہ وہ بارش سے پہلے بارش کی خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے۔ ان ہواؤں میں رب نے بہت سے خواص رکھے ہیں۔ بعض بادلوں کو پراگندہ کر دیتی ہیں' بعض انہیں اٹھاتی ہیں' بعض انہیں لے چلتی ہیں' بعض خنک اور بھیگی ہوئی چل کر لوگوں کو باران رحمت کی طرف متوجہ کر دیتی ہیں۔ بعض اس سے پہلے زمین کو تیار کر دیتی ہیں' بعض بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں اور انہیں بوجھل کر دیتی ہیں۔ آسمان سے ہم پاک صاف پانی برساتے ہیں کہ وہ پاکیزگی کا آلہ بنے۔ یہاں طہور ایسا ہی ہے جیسا سحور اور وجور وغیرہ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ فعول معنی میں فاعل کے ہے یا یہ مبالغہ کے لئے مبنی ہے یا متعدی کے لئے۔ یہ سب اقوال لغت اور حکم کے اعتبار سے مشکل ہیں۔ پوری تفصیل کے لائق یہ مقام نہیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت ثابت بنانی رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوالعالیہ رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ بارش کے زمانہ میں نکلا۔ بصرے کے راستے اس وقت بڑے گندے ہو رہے تھے' آپ نے ایسے راستہ پر نماز ادا کی۔ میں نے آپ کو توجہ دلائی تو آپ نے فرمایا' اسے آسمان کے پاک پانی نے پاک کر دیا۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اسے پاک اتارا ہے۔ اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ بیر بضاعہ سے وضو کرلیں؟ یہ ایک کنواں ہے جس میں گندگی اور کتوں کے گوشت پھینکے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ پانی پاک ہے۔ اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے اسے وارد کیا ہے۔ امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ عبدالملک بن مروان کے دربار میں ایک مرتبہ پانی کا ذکر چھڑا تو خالد بن یزید نے کہا' بعض پانی آسمان کے ہوتے ہیں' بعض پانی وہ ہوتے ہیں جسے بادل سمندر سے پیتا ہے اور

اسے گرج' کڑک اور بجلی میٹھا کر دیتی ہے لیکن اس سے زمین میں پیداوار نہیں ہوتی - ہاں آسمانی پانی سے پیداوار اگتی ہے - عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' آسمان کے پانی کے ہر قطرہ سے چارہ گھاس وغیرہ پیدا ہوتا ہے یا سمندر میں لولو اور موتی پیدا ہوتے ہیں یعنی فِی الْبَرِّ بُرٌّ وَّ فِی الْبَحْرِ دَرٌّ زمین میں گیہوں اور سمندر میں موتی - پھر فرمایا کہ اسی سے ہم غیر آباد بنجر' خشک زمین کو زندہ کر دیتے ہیں' وہ لہلہانے لگتی ہے اور تر و تازہ ہو جاتی ہے - جیسے فرمان ہے فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ الخ علاوہ مردہ زمین کے زندہ ہو جانے کے' یہ پانی حیوانوں اور انسانوں کے پینے میں آتا ہے' ان کے کھیتوں اور باغات کو پلایا جاتا ہے - جیسے فرمان ہے کہ وہ اللہ وہی ہے جو لوگوں کی کامل ناامیدی کے بعد ان پر بارشیں برساتا ہے اور آیت میں ہے کہ اللہ کے آثار رحمت کو دیکھو کہ کس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے - پھر فرماتا ہے' ساتھ ہی میری قدرت کا ایک نظارہ یہ بھی دیکھو کہ ابر اٹھتا ہے' گرجتا ہے لیکن جہاں میں چاہتا ہوں' برستا ہے' اس میں بھی حکمت و حجت ہے -

بارش اللہ کے حکم سے: ☆☆ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ کوئی سال کسی سال کے کم و بیش بارش کا نہیں لیکن اللہ جہاں چاہے برسائے' جہاں سے چاہے پھیرے - پس چاہئے تھا کہ ان نشانات کو دیکھ کر اللہ کی ان زبردست حکمتوں کو اور قدرتوں کو سامنے رکھ کر اس بات کو بھی مان لیتے کہ بیشک ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور یہ بھی جان لیتے کہ بارشیں ہمارے گناہوں کی شامت سے بند کر دی جاتی ہیں تو ہم گناہ چھوڑ دیں لیکن ان لوگوں نے ایسا نہ کیا بلکہ ہماری نعمتوں پر اور ناشکری کی - ایک مرسل حدیث ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ میں بادل کی نسبت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں - حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا' بادلوں پر جو فرشتہ مقرر ہے' وہ یہ ہے' آپ ان سے جو چاہیں' دریافت فرما لیں - اس نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تو اللہ کا حکم آتا ہے کہ فلاں فلاں شہر میں اتنے اتنے قطرے برساؤ ہم تعمیل ارشاد کر دیتے ہیں - بارش جیسی نعمت کے وقت اکثر لوگوں کے کفر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارش برسائے گئے - چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ بارش برس چکنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' لوگو جانتے ہو' تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا' اللہ اور اس کا رسول خوب جاننے والا ہے' آپ نے فرمایا' سنو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' میرے بندوں میں سے بہت سے میرے ساتھ مومن ہو گئے اور بہت سے کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ بارش ہم پر برسی ہے' وہ تو میرے ساتھ ایمان رکھنے والے اور ستاروں سے کفر کرنے والے ہوئے اور جنہوں نے کہا کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کے اثر سے پانی برسایا گیا' انہوں نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لائے -

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾

اگر ہم چاہتے تو ہر ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے ○ پس تو کافروں کا کہنا نہ مان اور حکم الٰہی ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کر ○

النبی کل عالم علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۵۱-۵۲) اگر رب چاہتا تو ہر ہر بستی میں ایک ایک نبی بھیج دیتا لیکن اس نے تمام دنیا کی طرف صرف ایک ہی نبی بھیجا ہے اور پھر اسے حکم دے دیا ہے کہ قرآن کا وعظ سب کو سنا دے - جیسے فرمان ہے کہ میں اس قرآن سے تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے' ہوشیار کر دوں اور ان تمام جماعتوں میں سے جو بھی اس سے کفر کرے' اس کے وعدے کی جگہ جہنم ہے - اور فرمان ہے کہ تو مکے والوں کو اور چاروں طرف کے لوگوں کو آگاہ کر دے - اور آیت میں ہے کہ اے نبی' آپ کہہ دیجئے کہ اے تمام لوگو میں تم سب کی طرف رسول ﷺ بن کر آیا ہوں - بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے' میں سرخ و سیاہ سب کی طرف بھیجا گیا ہوں - بخاری و مسلم کی اور حدیث میں ہے

کہ تمام انبیا اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے رہے اور میں عام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں- پھر فرمایا' کافروں کا کہنا نہ ماننا اور اس قرآن کے ساتھ ان سے بہت بڑا جہاد کرنا- جیسے ارشاد ہے- یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ یعنی اے نبی کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کرتے رہو-

وَھُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ ھٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ ھٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَھُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِھْرًا ؕ وَکَانَ رَبُّکَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾

وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملار کھے ہیں- یہ ہے میٹھا اور مزے دار اور یہ ہے کھاری' کڑوا' اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب اور مضبوط اوٹ کر دی ○ وہ ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا' پھر اسے نسب والا اور سسرالی رشتوں والا کر دیا' تیرا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے ○

(آیت:۵۳-۵۴) اسی رب نے پانی کو دو طرح کا کر دیا ہے- میٹھا اور کھاری- نہروں' چشموں اور کنووں کا پانی عموماً شیریں' صاف اور خوش ذائقہ ہوتا ہے- بعض ٹھہرے ہوئے سمندروں کا پانی کھاری اور بدمزہ ہوتا ہے- اللہ کی اس نعمت پر بھی شکر کرنا چاہئے کہ اس نے میٹھے پانی کی چاروں طرف ریل پیل کر دی تاکہ لوگوں کو نہانے دھونے اور اپنے کھیت اور باغات کو پانی دینے میں آسانی رہے' مشرقوں اور مغربوں میں محیط سمندر کھارے پانی کے اس نے بہا دیئے جو ٹھہرے ہوئے ہیں' ادھر ادھر بہتے نہیں لیکن موجیں مار رہے ہیں' تلاطم پیدا کر رہے ہیں' بعض میں مدوجزر ہے- ہر مہینے کی ابتدائی تاریخوں میں تو ان میں زیادتی اور بہاؤ ہوتا ہے- پھر چاند کے گھٹنے کے ساتھ وہ گھٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں اپنی حالت پر آ جاتا ہے پھر جہاں چاند چڑھا' یہ بھی چڑھنے لگا- چودہ تاریخ تک برابر چاند کے ساتھ چڑھتا رہا- پھر اترنا شروع ہوا' ان تمام سمندروں کو اسی اللہ نے پیدا کیا ہے' وہ پوری اور زبردست قدرت والا ہے- کھاری اور گرم پانی گو پینے کے کام نہیں آتا لیکن ہواؤں کو صاف کر دیتا ہے جس سے انسانی زندگی ہلاکت میں نہ پڑے- اس میں جو جانور مر جاتے ہیں' ان کی بدبو دنیا والوں کو ستا نہیں سکتی اور کھاری پانی کے سبب سے اس کی ہوا صحت بخش اور اس کا مردہ پاک طیب ہوتا ہے- آنحضرت ﷺ سے جب سمندر کے پانی کی نسبت سوال ہوا کہ کیا ہم اس سے وضو کر لیں؟ تو آپ نے فرمایا' اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے- مالک' شافعی اور اہل سنن رحمتہ اللہ علیہم نے اسے روایت کیا ہے اور اسناد بھی صحیح ہے-

پھر اس کی اس قدرت کو دیکھو کہ محض اپنی طاقت سے اور اپنے حکم سے ایک کو دوسرے سے جدا رکھا ہے- نہ کھارا میٹھے میں مل سکے نہ میٹھا کھارے میں مل سکے- جیسے فرمان ہے مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ بَیْنَھُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ الخ اس نے دونوں سمندر جاری کر دیئے ہیں کہ دونوں مل جائیں اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب قائم کر دیا ہے کہ حد سے نہ بڑھیں- پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کے منکر ہو؟ اور آیت میں ہے' کون ہے وہ جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں جگہ جگہ دریا جاری کر دیئے اس پر پہاڑ قائم کر دیئے اور دو سمندروں کے درمیان اوٹ کر دی؟ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بات یہ ہے کہ ان مشرکین کے اکثر لوگ بے علم ہیں- اس نے انسان کو ضعیف نطفے سے پیدا کیا ہے- پھر اسے ٹھیک ٹھاک اور برابر بنایا ہے- اور اچھی پیدائش میں پیدا کر کے پھر اسے مرد یا عورت بنایا- پھر اس کے لئے نسب کے رشتے دار بنا دیئے- پھر کچھ مدت بعد سسرالی رشتے قائم کر دیئے- اتنے بڑے قادر اللہ کی قدرتیں تمہارے سامنے ہیں-

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَي الْـحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَۨا ﴿۵۸﴾

اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ تو انہیں کوئی نفع دے سکیں نہ کوئی نقصان پہنچا سکیں' کافر تو ہے ہی اپنے رب کی طرف پیٹھ کرنے والا ○ ہم نے تو تجھے خوش خبری اور ڈرسنانے والا نبی بنا کر بھیجا ہے ○ کہہ دے کہ میں قرآن کے پہنچانے پر تم سے کسی بدلے کو نہیں چاہتا مگر جو شخص اپنے رب کی طرف راہ پکڑنا چاہے ○ اس ہمیشہ زندہ اللہ پر توکل کر جسے کبھی موت نہیں اور اس کی تعریف کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتا رہ' وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے ○

آبائی گمراہی: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۸) مشرکوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ وہ بت پرستی کرتے ہیں اور بلا دلیل وحجت ان کی پوجا کرتے ہیں جو نہ نفع کے مالک نہ نقصان کے- صرف باپ دادوں کی دیکھا دیکھی نفسانی خواہشات سے ان کی محبت وعظمت اپنے دل میں جمائے ہوئے ہیں اور اللہ ورسول ﷺ سے دشمنی اور مخالفت رکھتے ہیں- شیطانی لشکر میں شامل ہو گئے ہیں اور الٰہی لشکر کے مخالف ہو گئے ہیں لیکن یاد رکھیں کہ انجام کار غلبہ اللہ والوں کو ہی ہوگا- یہ خواہ مخواہ ان کی طرف سے سینہ سپر ہو رہے ہیں' انجام کار مومنوں کے ہی ہاتھ رہے گا- دنیا وآخرت میں ان کا پروردگار ان کی امداد کرے گا- ان کفار کو تو شیطان صرف اللہ کی مخالفت پر ابھار دیتا ہے- اور کچھ نہیں- سچے اللّٰہی عداوت ان کے دل میں ڈال دیتا ہے' شرک کی محبت بٹھا دیتا ہے' یہ الٰہی احکام سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں-

پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں مومنوں کو خوشخبری سنانے والا اور کفار کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے- اطاعت گزاروں کو جنت کی بشارت دیجئے اور نافرمانوں کو جہنم کے عذابوں سے مطلع فرما دیجئے- لوگوں میں عام طور پر اعلان کر دیجئے کہ میں اپنی تبلیغ کا بدلہ' اپنے وعظ کا معاوضہ تم سے نہیں چاہتا- میرا ارادہ سوائے اللہ کی رضامندی کی تلاش کے اور کچھ نہیں- میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم میں سے جو راہ راست پر آنا چاہے' اس کے سامنے صحیح راستہ نمایاں کر دوں- اے پیغمبر ﷺ اپنے تمام کاموں میں اس اللہ پر بھروسہ رکھئے' جو ہمیشہ اور دوام والا ہے' جو موت وفوت سے پاک ہے' جو اول وآخر وظاہر وباطن اور ہر چیز کا عالم ہے- جو دائم' باقی' سرمدی' ابدی' حی وقیوم ہے' جو ہر چیز کا مالک اور رب ہے' اس کو اپنا ماویٰ وملجا ٹھہرا لے- اسی کی ذات ایسی ہے کہ اس پر توکل کیا جائے' ہر گھبراہٹ میں اسی کی طرف جھکا جائے- وہ کافی ہے' وہی ناصر ہے' وہی موید ومظفر ہے- جیسے فرمان ہے يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ اے نبیؐ جو کچھ آپ کی طرف آپؐ کے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے' اسے پہنچا دیجئے- اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے حق رسالت ادا نہیں کیا- آپ بے فکر رہئے- اللہ آپؐ کو لوگوں کے برے ارادوں سے بچا لے گا- ایک مرسل حدیث میں ہے کہ مدینے کی کسی گلی میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کرنے لگے تو آپؐ نے فرمایا' اے سلمان مجھے سجدہ نہ کر' سجدے کے لائق وہ ہے جو ہمیشہ کی زندگی والا ہے- جس پر کبھی موت نہیں (ابن ابی حاتم) اور اس کی تسبیح وحمد بیان کرتا رہ- چنانچہ حضور ﷺ اس کی تعمیل میں فرمایا کرتے تھے- سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ مراد اس سے یہ ہے کہ عبادت اللہ ہی کی کر' توکل صرف اسی کی ذات پر کر- جیسے فرمان ہے' مشرق ومغرب کا رب

وہی ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔تو اسی کو اپنا کارساز سمجھ۔اور جگہ ہے فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اسی کی عبادت کر اسی پر بھروسہ رکھ۔اور آیت میں ہے اعلان کر دے کہ اسی رحمان کے ہم بندے ہیں اور اسی پر ہمارا کامل بھروسہ ہے۔اس پر بندوں کے سب اعمال ظاہر ہیں کوئی ایک ذرہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔کوئی پراسرار بات بھی اس سے مخفی نہیں۔

الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾

ع ۱۶

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کے اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دن میں ہی پیدا کر دیا۔ پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا وہ رحمٰن ہے۔تو اس کے بارے میں کسی خبردار سے پوچھ لے ○ ان سے جب بھی کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں رحمٰن ہے کیا؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دے دے ان کا تو بدکنا ہی بڑھتا ہے ○

(آیت:۵۹-۶۰) وہی تمام چیزوں کا خالق ہے مالک وقابض ہے وہی ہر جاندار کا روزی رساں ہے اس نے اپنی قدرت وعظمت سے آسمان وزمین جیسی زبردست مخلوق کو صرف چھ دن میں پیدا کر دیا ہے پھر عرش پر قرار پکڑا ہے۔کاموں کی تدبیروں کا انجام اسی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور تدبیر کا مرہون ہے۔اس کا فیصلہ اعلیٰ اور اچھا ہی ہوتا ہے۔جو ذات الٰہ کا عالم ہو اور صفات الٰہ سے آگاہ ہو اس سے اس کی شان دریافت کر لے۔یہ ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات کی پوری خبرداری رکھنے والے اس کی ذات سے پورے واقف آنحضرت ﷺ ہی تھے جو دنیا اور آخرت میں تمام اولاد آدم کے علی الاطلاق سردار تھے۔جو ایک بات بھی اپنی طرف سے نہیں کہتے تھے بلکہ جو فرماتے تھے وہ فرمودہ الٰہ ہی ہوتا تھا۔آپؐ نے جو جو صفتیں اللہ کی بیان کیں سب برحق ہیں آپؐ نے جو خبریں دیں سب سچ ہیں سچے امام آپ ہی ہیں تمام جھگڑوں کا فیصلہ آپ ہی کے حکم سے کیا جاسکتا ہے جو آپ کی بات بتلائے وہ سچا جو آپ کے خلاف کہے وہ مردود خواہ کوئی بھی ہو۔اللہ کا فرمان واجب الاذعان کھلے طور سے صادر ہو چکا ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ الخ تم اگر کسی چیز میں جھگڑو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ۔ اور فرمان ہے وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَىْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ تم جس چیز میں بھی اختلاف کرو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے۔اور فرمان ہے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا الخ تیرے رب کی باتیں جو خبروں میں سچی اور حکم وممانعت میں عدل کی ہیں پوری ہو چکیں۔یہ بھی مروی ہے کہ مراد اس سے قرآن ہے۔مشرکین اللہ کے سوا اوروں کو سجدے کرتے تھے ان سے جب رحمان کو سجدہ کرنے کو کہا جاتا تھا تو کہتے تھے کہ ہم رحمان کو نہیں جانتے۔وہ اس سے منکر تھے کہ اللہ کا نام رحمان ہے۔جیسے حدیبیہ والے سال حضور ﷺ نے صلح نامہ کے کاتب سے فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھ۔تو مشرکین نے کہا نہ ہم رحمان کو جانیں نہ رحیم کو ہمارے رواج کے مطابق بسمك اللهم لکھ۔اس کے جواب میں یہ آیت اتری قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ کہہ دے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس نام سے اسے چاہو پکارو اس کے بہت سے بہترین نام ہیں وہی اللہ ہے وہی رحمٰن ہے۔پس مشرکین کہتے تھے کہ کیا صرف تیرے کہنے سے ہم ایسا مان لیں؟ الغرض وہ اور نفرت میں بڑھ گئے۔برخلاف مومنوں کے کہ وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو رحمان ورحیم ہے اسی کو عبادت کے لائق

سمجھتے ہیں اور اسی کے لئے سجدے کرتے ہیں- علماء رحمتہ اللہ علیہم کا اتفاق ہے کہ سورہ فرقان کی اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ مشروع ہے جیسے کہ اس کی جگہ اس کی تفصیل موجود ہے- واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم-

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَاۗءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝۶۱ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝۶۲

بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں آفتاب بنایا اور منور مہتاب بھی ○ اسی نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا- اس شخص کی نصیحت کے لئے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر گزاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہو ○

اللہ تعالیٰ کی رفعت وعظمت : ☆☆ (آیت:۶۱-۶۲) اللہ تعالیٰ کی بڑائی' عظمت' قدرت' رفعت کو دیکھو کہ اس نے آسمان میں برج بنائے' اس سے مراد یا تو بڑے بڑے ستارے ہیں یا چوکیداری کے برج ہیں- پہلا قول زیادہ ظاہر ہے اور ہو سکتا ہے کہ بڑے بڑے ستاروں سے مراد بھی یہی برج ہوں- اور آیت میں ہے' آسمان دنیا کو ہم نے ستاروں کے ساتھ مزین بنایا- سراج سے مراد سورج ہے جو چمکتا رہتا ہے اور مثل چراغ کے ہے- جیسے فرمان ہے وَ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّ هَّاجًا اور ہم نے روشن چراغ یعنی سورج بنایا اور چاند بنایا جو منور اور روشن ہے دوسرے نور سے جو سورج کے سوا ہے- جیسے فرمان ہے اس نے سورج کو روشن بنایا اور چاند کو نور بنایا- حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا الخ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر تلے سات آسمان پیدا کئے اور ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا- دن رات کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اس کی قدرت کا نظام ہے- یہ جاتا ہے- وہ آتا ہے- اس کا جانا' اس کا آنا ہے- جیسے فرمان ہے- اس نے تمہارے لئے سورج چاند پے در پے آنے جانے والے بنائے ہیں- اور جگہ ہے' رات دن کو ڈھانپ لیتی ہے اور جلدی جلدی اسے طلب کرتی آتی ہے- نہ سورج چاند سے آگے بڑھ سکے نہ رات دن سے سبقت لے سکے- اسی سے اس کے بندوں کو اس کی عبادتوں کے وقت معلوم ہوتے ہیں- رات کا فوت شدہ عمل دن میں پورا کر لیں- دن کا رہ گیا ہوا عمل رات کو ادا کر لیں- صحیح حدیث شریف میں ہے' اللہ تعالیٰ رات کو اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے تا کہ دن کا گنہگار توبہ کر لے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات کا گنہگار توبہ کر لے- حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ضحیٰ کی نماز میں بڑی دیر لگا دی- سوال پر فرمایا کہ رات کا میرا وظیفہ کچھ باقی رہ گیا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے پورا یا قضا کر لوں- پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی- خِلْفَةً کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مختلف یعنی دن روشن' رات تاریک' اس میں اجالا' اس میں اندھیرا' یہ نورانی اور وہ ظلماتی -

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝۶۳ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝۶۴ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝۶۵ اِنَّهَا سَاۗءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝۶۶

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

رحمان کے سچے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے ○ اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں ○ اور جو یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے دوزخ کے عذاب پرے ہی پرے رکھ کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے ○ وہ جائے قرار اور مقام دونوں کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے ○ اور جو خرچ کے وقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل راہ ہوتی ہے ○

مومنوں کا کردار: ☆☆ (آیت: ۶۳-۶۷) اللہ کے مومن بندوں کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ وہ زمین پر سکون' وقار کے ساتھ' تواضع' عاجزی' مسکینی اور فروتنی سے چلتے پھرتے ہیں۔ تکبر' تجبر' فساد اور ظلم وستم نہیں کرتے۔ جیسے حضرت لقمان رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے لڑکے سے فرمایا تھا کہ اکڑ کر نہ چلا کر۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تصنع اور بناوٹ سے کمر جھکا کر بیماروں کی طرح قدم قدم چلنا' یہ تو ریا کاروں کا کام ہے کہ وہ اپنے تئیں لوگوں کو دکھانے کے لئے اور دنیا کی نگاہیں اپنی طرف اٹھانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ آنحضرت کی عادت اس کے بالکل برعکس تھی۔ آپ کی چال ایسی تھی کہ گویا آپ کسی اونچائی سے اتر رہے ہیں اور گویا کہ زمین آپ کے لئے لپٹی جا رہی ہے۔ سلف صالحین نے بیماروں کی سی تکلف والی چال کو مکروہ فرمایا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ بہت آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تو کچھ بیمار ہے؟ اس نے کہا' نہیں۔ آپ نے فرمایا' پھر یہ کیا چال ہے؟ خبردار جواب اس طرح چلا تو کوڑے کھائے گا۔ طاقت کے ساتھ جلدی جلدی چلا کرو۔ پس یہاں مراد تسکین اور وقار کے ساتھ شریفانہ چال چلنا ہے نہ کہ ضعیفانہ اور مریضانہ۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب نماز کے لئے آؤ تو دوڑ کر نہ آؤ بلکہ تسکین کے ساتھ آؤ۔ جو جماعت کے ساتھ مل جائے' ادا کر لو اور جو فوت ہو جائے' پوری کر لو۔[۳] امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں نہایت ہی عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ مومنوں کی آنکھیں اور ان کے کان اور ان کے اعضاء جھکے ہوئے اور رکے ہوئے رہتے ہیں یہاں تک کہ گنوار اور بے وقوف لوگ انہیں بیمار سمجھ لیتے ہیں حالانکہ وہ بیمار نہیں ہوتے بلکہ خوف الٰہی سے جھکے جاتے ہیں ویسے پورے تندرست ہیں لیکن دل اللہ کے خوف سے پر ہیں۔ آخرت کا علم' دنیا طلبی سے اور یہاں کے ٹھاٹھ سے انہیں روکے ہوئے ہے۔ یہ قیامت کے دن کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے' جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا' اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ انہیں دنیا میں کھانے پینے وغیرہ کا غم لگا رہتا تھا' نہیں نہیں اللہ کی قسم دنیا کا کوئی غم ان کے پاس بھی نہیں پھٹکتا تھا۔ ہاں انہیں آخرت کا کھٹکا ہر وقت لگا رہتا تھا۔ جنت کے کسی کام کو وہ بھاری نہیں سمجھتے تھے۔ ہاں جہنم کا خوف انہیں رلاتا رہتا تھا۔ جو شخص اللہ کے خوف دلانے سے بھی خوف نہ کھائے' اس کا نفس حسرتوں کا مالک ہے' جو شخص کھانے پینے کو ہی اللہ کی نعمت سمجھے' وہ کم علم ہے اور عذابوں میں پھنسا ہوا ہے۔ پھر اپنے نیک بندوں کا اور وصف بیان فرمایا کہ جب جاہل لوگ ان سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو یہ بھی ان کی طرح جہالت پر نہیں اتر آتے بلکہ درگزر کر لیتے ہیں۔ معاف فرما دیتے ہیں اور سوائے بھلی بات کے گندی باتوں سے اپنی زبان آلودہ نہیں کرتے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جوں جوں دوسرا آپ پر تیز ہوتا آپ اتنے ہی نرم ہوتے۔ یہی وصف قرآن کریم کی اس آیت میں بیان ہوا ہے وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ مومن لوگ بیہودہ باتیں سن کر منہ پھیر لیتے ہیں۔

ایک حسن سند سے مسند احمد میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی شخص نے دوسرے کو برا بھلا کہا لیکن اس نے پلٹ کر جواب دیا کہ تجھ پر سلام ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' تم دونوں کے درمیان فرشتہ موجود تھا' وہ تیری طرف سے گالیاں دینے والے کو جواب دیتا تھا۔ وہ جو گالی تجھے دیتا تھا' فرشتہ کہتا تھا یہ نہیں بلکہ تو' اور جب تو کہتا تھا تجھ پر سلام تو فرشتہ کہتا تھا' اس پر نہیں بلکہ تجھ پر' تو ہی سلامتی کا پورا حق دار ہے۔ پس فرمان ہے کہ یہ اپنی زبان کو گندی نہیں کرتے' برا کہنے والوں کو برا نہیں کہتے' سوائے بھلے کلمے کے زبان سے اور کوئی لفظ نہیں نکالتے۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' دوسرا ان پر ظلم کرے' یہ صلح اور برداشت کرتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ دن اس طرح گزارتے ہیں کہ ان کی کڑوی کسیلی سن لیتے ہیں' رات کو جس حالت میں گزارتے ہیں' اس کا بیان اگلی آیت میں ہے۔

فرماتا ہے کہ رات اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں بسر ہوتی ہے' بہت کم سوتے ہیں' صبح کو استغفار کرتے ہیں' کروٹیں بستروں سے الگ رہتی ہیں' دلوں میں خوف الٰہی ہوتا ہے' امید رحمت ہوتی ہے اور راتوں کی گھڑیوں کو الٰہی کی عبادتوں میں گزارتے ہیں۔ دعائیں مانگتے ہیں کہ الٰہی عذاب جہنم ہم سے دور رکھ وہ تو دائمی اور لازمی عذاب ہے۔ جیسے کہ شاعر نے اللہ کی شان بتائی ہے کہ اِنْ یُّعَذِّبْ یَکُنْ غَرَامًا وَ اِنْ یُّعْطِ جَزِیْلًا فَاِنَّهٗ لَا یُبَالِیْ یعنی اس کے عذاب بھی سخت اور لازمی اور ابدی' اور اس کی عطا اور انعام بھی بے حد' ان گنت اور بے حساب۔ جو چیز آئے اور ہٹ جائے' وہ غرام نہیں۔ غرام وہ ہے جو آنے کے بعد ہٹنے اور دور ہونے کا نام ہی نہ لے۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ عذاب جہنم تاوان ہے جو کافران نعمت سے لیا جائے گا۔ انہوں نے اللہ کے دیئے کو اس کی راہ میں نہیں لگایا۔ لہذا آج اس کا تاوان یہ بھرنا پڑے گا کہ جہنم کو پر کر دیں۔ وہ بری جگہ ہے' بدمنظر ہے' تکلیف دہ ہے' مصیبت ناک ہے۔

حضرت مالک بن حارث کا بیان ہے کہ جب دوزخی کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنی مدت تک وہ نیچے ہی نیچے چلا جائے گا' اس کے بعد جہنم کے ایک دروازے پر اسے روک دیا جائے گا اور کہا جائے گا' آپ بہت پیاسے ہو رہے ہوں گے' لو ایک جام تو نوش کر لو۔ یہ کہہ کر انہیں کالے ناگ اور زہریلے بچھوؤں کے زہر کا ایک پیالہ پلایا جائے گا جس کے پیتے ہی ان کی کھالیں الگ جھڑ جائیں گی' بال الگ ہو جائیں گے' رگیں الگ جا پڑیں گی' ہڈیاں جدا جدا ہو جائیں گی۔ حضرت عبید بن عمیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جہنم میں گڑھے ہیں' کنویں ہیں۔ ان میں سانپ ہیں جیسے بختی اونٹ اور بچھو ہیں جیسے خچر' جب کسی جہنمی کو جہنم میں ڈالا جاتا ہے تو وہ وہاں سے نکل کر آتے اور انہیں لپٹ جاتے ہیں۔ ہونٹوں پر' سروں پر اور جسم کے اور حصوں پر ڈستے اور ڈنک مارتے ہیں جس سے ان کے سارے بدن میں زہر پھیل جاتا ہے اور پھکنے لگتے ہیں۔ سارے سر کی کھال جھلس کر گر پڑتی ہے۔ پھر وہ سانپ چلے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جہنمی ایک ہزار سال تک جہنم میں چلاتا رہے گا۔ یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ تب اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمائے گا' جاؤ دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آ کر دیکھیں گے کہ سب جہنمی برے حال' سر جھکائے آہ وزاری کر رہے ہیں۔ جا کر جناب باری میں خبر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' پھر جاؤ فلاں فلاں جگہ یہ شخص ہے۔ جاؤ اور اسے لے آؤ۔ آپ بحکم الٰہی جائیں گے اور اسے لا کر اللہ کے سامنے کھڑا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ تو کیسی جگہ ہے؟ یہ جواب دے گا کہ الٰہی ٹھہرنے کی بھی بری جگہ اور سونے بیٹھنے کی بھی بدترین جگہ ہے۔ اللہ فرمائے گا' اچھا اب اسے اس کی جگہ واپس لے جاؤ' تو یہ گڑگڑائے گا۔ عرض کرے گا کہ اے میرے ارحم الراحمین اللہ جب کہ تو نے مجھے اس سے باہر نکالا تو تیری ذات ایسی نہیں کہ پھر مجھے اس میں داخل کر دے' مجھے تو تجھ سے رحم و کرم کی ہی امید ہے۔ الٰہی بس اب مجھ پر کرم فرما۔ جب تو نے مجھے جہنم سے نکالا تو میں خوش ہو گیا تھا کہ اب تو اس میں نہ ڈالے گا۔ اس مالک ورحمٰن ورحیم اللہ کو بھی رحم آ جائے گا اور فرمائے گا' اچھا میرے بندے کو چھوڑ دو۔

پھران کا ایک اور وصف بیان ہوتا ہے کہ نہ تو وہ مسرف ہیں نہ بخیل ہیں' نہ بے جا خرچ کرتے ہیں' نہ ضروری اخراجات میں کوتاہی کرتے ہیں بلکہ درمیانہ روی سے کام لیتے ہیں' نہ ہی ایسا کرتے ہیں کہ اپنے والوں کو' اہل وعیال کو بھی تنگ رکھیں۔ نہ ایسا کرتے ہیں کہ جو ہو سب لٹا دیں۔ اسی کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ فرماتا ہے وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً الخ یعنی نہ تو اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ اور نہ انہیں بالکل ہی چھوڑ دے۔ مسند احمد میں فرمان رسولؐ ہے کہ اپنی گزران میں درمیانہ روی کرنا انسان کی سمجھ داری کی دلیل ہے اور حدیث میں ہے' جو افراط وتفریط سے بچتا ہے' وہ کبھی فقیر ومحتاج نہیں ہوتا۔ بزار کی حدیث میں ہے کہ امیری میں' فقیری میں' عبادت میں درمیانہ روی بڑی ہی بہتر اور احسن چیز ہے۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' راہ الٰہی میں کتنا ہی چاہو دو اس کا نام اسراف نہیں ہے۔ حضرت ایاس بن معاویہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جہاں کہیں تو حکم الٰہی سے آگے بڑھ جائے وہی اسراف ہے۔ اور بزرگوں کا قول ہے' اللہ کی نافرمانی کا خرچ اسراف کہلاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾

اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہو وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتے نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی یہ کام کرے' وہ اپنے اوپر سخت وبال لاوے گا O اسے قیامت کے دن دوہرا عذاب کیا جائے گا اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہے گا O سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں' ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے' اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے O اور جو شخص توبہ کرلے اور نیک عمل کرے وہ تو حقیقتاً اللہ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے O

سب سے بڑا گناہ؟ ☆☆ (آیت: ۶۸-۷۱) حضور ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' تیرا اللہ کے ساتھ شرک کرنا حالانکہ اسی اکیلے نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اس نے کہا' اس سے کم؟ فرمایا تیرا اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ تو اسے کھلائے گا کہاں سے؟ پوچھا اس کے بعد؟ فرمایا تیرا اپنے پڑوس کی کسی عورت سے بدکاری کرنا۔ پس اس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ یہ حدیث بخاری ومسلم وغیرہ میں موجود ہے اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ باہر جانے لگے۔ تنہا تھے' میں بھی ساتھ ہولیا۔ آپؐ ایک اونچی جگہ بیٹھ گئے' میں آپؐ سے نیچے بیٹھ گیا اور اس تنہائی کے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر حضور ﷺ سے وہ سوالات کئے جو اوپر مذکور ہوئے۔ حجتہ الوداع میں حضور ﷺ نے فرمایا' چار گناہوں سے بہت بچو۔ اللہ کے ساتھ کا شرک' کسی حرمت والے نفس کا قتل' زناکاری اور چوری۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا' زنا کی بابت

تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا' وہ حرام ہے اور قیامت تک حرام ہے آپ نے فرمایا ہاں سنو انسان کا اپنی پڑوس کی عورت سے زنا کرنا دوسری دس عورتوں کے زنا سے بھی بدتر ہے۔ پھر آپ نے پوچھا چوری کی نسبت کیا کہتے ہو؟ انہوں نے یہی جواب دیا کہ وہ حرام ہے خدا و رسول اسے حرام قرار دے چکے ہیں آپ نے فرمایا سنو دس جگہ کی چوری بھی اتنی بری نہیں جیسی پڑوس کی ایک جگہ کی چوری۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ شرک کے بعد اس سے بڑا گناہ کوئی نہیں کہ انسان اپنا نطفہ اس رحم میں ڈالے جو اس کے لئے حلال نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ بعض مشرکین حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا حضرت آپ کی دعوت اچھی ہے سچی ہے لیکن ہم نے تو شرک بھی کیا ہے' قتل بھی کیا ہے' زنا کاریاں بھی کی ہیں اور یہ سب کام بکثرت کئے ہیں تو فرمایئے ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ اس پر یہ آیت اتری اور آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا بھی نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تمہیں اس سے منع فرماتا ہے کہ تم خالق کو چھوڑ مخلوق کی عبادت کرو اور اس سے بھی منع فرماتا ہے کہ اپنے کتے کو تو پالو اور اپنے بچے کو قتل کر ڈالو۔ اور اس سے بھی منع فرماتا ہے کہ اپنی پڑوسن سے بدکاری کرو۔ اثام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ یہی وہ وادیاں ہیں جن میں زانیوں کو عذاب کیا جائے گا۔ اس کے معنی عذاب و سزا کے بھی آتے ہیں۔ حضرت لقمان حکیم رحمتہ اللہ علیہ کی نصیحتوں میں ہے کہ اے بچے' زنا کاری سے بچنا۔ اس کے شروع میں ڈر خوف ہے اور اس کا انجام ندامت و حسرت ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ غی اور اثام دوزخ کے دو کنوئیں ہیں۔ اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔ اثام کے معنی بدلے کے بھی مروی ہیں اور یہی ظاہر آیت کے مشابہ بھی ہے۔ اور گویا اس کے بعد کی آیت اسی بدلے اور سزا کی تفسیر ہے کہ اسے بار بار عذاب کیا جائے گا اور سختی کی جائے گی اور ذلت کے دائمی عذابوں میں پھنس جائے گا۔ اللهم احفظنا ان کاموں کے کرنے والے کی سزا تو بیان ہو چکی مگر اس سزا سے وہ بچ جائیں گے جو دنیا ہی میں اس سے توبہ کر لیں۔ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کی توبہ بھی قبول ہے جو آیت سورۂ نسا میں ہے۔ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا الخ وہ اس کے خلاف نہیں گو وہ مدنی آیت ہے لیکن وہ مطلق ہے تو وہ محمول کی جائے گی ان قاتلوں پر جو اپنے اس فعل سے توبہ نہ کریں اور یہ آیت ان قاتلوں کے بارے میں ہے جو توبہ کریں۔ پھر مشرکوں کی بخشش نہ ہونے کا بیان فرمایا ہے اور صحیح حدیثوں سے بھی قاتل کی توبہ کی مقبولیت ثابت ہے جیسے اس شخص کا قصہ جس نے ایک سو قتل کئے تھے۔ پھر توبہ کی اور اس کی توبہ قبول ہوئی وغیرہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیاں اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دیتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے گناہ کے کام کئے تھے۔ اسلام میں آنے کے بعد نیکیاں کیں تو اللہ نے ان گناہ کے کاموں کے بدلے نیکیوں کی توفیق عنایت فرمائی۔ اس آیت کی تلاوت کے وقت آپ ایک عربی شعر پڑھتے تھے جس میں احوال کے تغیر کا بیان ہے جیسے گرمی سے ٹھنڈک۔ عطا بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں' یہ دنیا کا ذکر ہے کہ انسان کی بری خصلت کو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے نیک عادت سے بدل دیتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ بتوں کی پرستش کے بدلے خدائے تعالیٰ کی عبادت کی توفیق انہیں ملی۔ مومنوں سے لڑنے کی بجائے کافروں سے جہاد کرنے لگے' مشرکہ عورتوں سے نکاح کی بجائے مومنہ عورتوں سے نکاح کئے۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' گناہ کے بدلے ثواب کے عمل کرنے لگے۔ شرک کے بدلے توحید و اخلاص ملا۔ بدکاری کے بدلے پاکدامنی حاصل ہوئی۔ کفر کے بدلے اسلام ملا۔ ایک معنی تو اس آیت کے یہ ہوئے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ خلوص کے ساتھ ان کی جو توبہ تھی' اس سے خوش ہو کر اللہ عز و جل نے ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیا۔ یہ اس لئے کہ توبہ کے بعد جب کبھی انہیں اپنے گذشتہ گناہ یاد آتے تھے' انہیں ندامت ہوتی تھی' یہ غمگین ہو جاتے تھے' شرمانے لگتے تھے اور استغفار کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے گناہ اطاعت سے بدل گئے گو وہ ان کے نامۂ اعمال میں گناہ کے طور پر لکھے ہوئے تھے لیکن قیامت کے دن وہ سب نیکیاں بن جائیں گی جیسے کہ احادیث و آثار میں ثابت ہے۔ حضور ﷺ

فرماتے ہیں' میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جو سب سے آخر جہنم سے نکلے گا اور سب سے آخر جنت میں جائے گا۔ یہ ایک وہ شخص ہو گا جسے اللہ کے سامنے لایا جائے گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اس کے بڑے بڑے گناہوں کو چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے گناہوں کی نسبت اس سے باز پرس کرو چنانچہ اس سے سوال ہو گا کہ فلاں دن تو نے فلاں کام کیا تھا؟ فلاں دن فلاں گناہ کیا تھا؟ یہ ایک کا بھی انکار نہ کر سکے گا۔ اقرار کرے گا۔ آخر میں کہا جائے گا کہ تجھے ہم نے ہر گناہ کے بدلے نیکی دی۔ اب تو اس کی باچھیں کھل جائیں گی اور کہے گا اے میرے پروردگار' میں نے اور بھی بہت سے اعمال کئے تھے جنہیں یہاں پا نہیں رہا۔ یہ فرما کر حضور ﷺ اس قدر ہنسے کہ آپ کے مسوڑھے دیکھے جانے لگے (مسلم) آپ فرماتے ہیں کہ جب انسان سوتا ہے تو فرشتہ شیطان سے کہتا ہے' مجھے اپنا صحیفہ جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہیں' دے' وہ دیتا ہے تو ایک ایک نیکی کے بدلے دس دس گناہ وہ اس کے صحیفے سے مٹا دیتا ہے اور انہیں نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ پس تم میں سے جو بھی سونے کا ارادہ کرے وہ چونتیس دفعہ اللہ اکبر کہے اور تینتیس دفعہ الحمد للہ کہے اور تینتیس دفعہ سبحان اللہ کہے۔ یہ مل کر سو مرتبہ ہو گئے۔ (طبرانی)

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں' انسان کو قیامت کے دن نامہ اعمال دیا جائے گا' وہ پڑھنا شروع کرے گا تو اوپر ہی اس کی برائیاں درج ہوں گی جنہیں پڑھ کر یہ کچھ ناامید سا ہونے لگے گا' اسی وقت اس کی نظر نیچے کی طرف پڑے گی تو اپنی نیکیاں لکھی ہوئی پائے گا جس سے کچھ ڈھارس بندھے گی۔ اب دوبارہ اوپر کی طرف دیکھے گا تو وہاں کی برائیوں کو بھی بھلائیوں سے بدلا ہوا پائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' بہت سے لوگ اللہ کے سامنے آئیں گے جن کے پاس بہت کچھ گناہ ہوں گے' پوچھا گیا کہ وہ کون سے لوگ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جنتی جنت میں چار قسم کے جائیں گے۔ متقین یعنی پرہیزگاری کرنے والے۔ پھر شاکرین یعنی شکر الٰہی کرنے والے۔ پھر خائفین یعنی خوف اللہ رکھنے والے۔ پھر اصحاب یمین یعنی دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پانے والے۔ پوچھا گیا کہ انہیں اصحاب یمین کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب دیا اس لئے کہ انہوں نے نیکیاں بدیاں سب کی تھیں۔ ان کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ ملے' اپنی بدیوں کا ایک ایک حرف پڑھ کر یہ کہنے لگے کہ الٰہی ہماری نیکیاں کہاں ہیں؟ یہاں تو سب بدیاں لکھی ہوئی ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان بدیوں کو مٹا دے گا اور ان کے بدلے نیکیاں لکھ دے گا' انہیں پڑھ کر خوش ہو کر اب تو یہ دوسروں سے کہیں گے کہ آؤ ہمارے اعمال نامے دیکھو۔ جنتیوں میں اکثر یہی لوگ ہوں گے۔ امام علی بن حسین زین العابدین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' برائیوں کو بھلائیوں سے بدلنا آخرت میں ہو گا۔ مکحول رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخشے گا اور انہیں نیکیوں میں بدل دے گا۔ حضرت مکحول نے ایک مرتبہ حدیث بیان کی کہ ایک بہت بوڑھے ضعیف آدمی جن کی بھنویں آنکھوں پر آ گئی تھیں' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں ایک ایسا شخص ہوں جس نے کوئی غداری' کوئی گناہ' کوئی بدکاری باقی نہیں چھوڑی۔ میرے گناہ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر تمام انسانوں پر تقسیم ہو جائیں تو سب کے سب غضب الٰہی میں گرفتار ہو جائیں۔ کیا میری بخشش کی بھی کوئی صورت ہے؟ کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کلمہ پڑھ لیا کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ تو آپؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ تیری تمام برائیاں' گناہ' بدکاریاں سب کچھ معاف فرما دے گا بلکہ جب تک تو اس پر قائم رہے گا' اللہ تعالیٰ تیری برائیاں بھلائیوں میں بدل دے گا۔ اس نے پھر پوچھا' حضور ﷺ میرے چھوٹے بڑے گناہ سب صاف ہو جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں ہاں سب کے سب' پھر تو وہ شخص خوشی خوشی واپس جانے لگا اور تکبیر و تہلیل پکارتا ہوا لوٹ گیا۔ رضی اللہ عنہ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابوفروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر حضور ﷺ ہو کر عرض کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے سارے ہی گناہ کئے ہوں' جو جی میں آیا ہو' پورا

کیا ہو' کیا ایسے شخص کی توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا تم مسلمان ہو گئے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں' آپؐ نے فرمایا' اب نیکیاں کرو 'برائیوں سے بچو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بھی نیکیوں میں بدل دے گا۔ اس نے کہا میری غداریاں اور بدکاریاں بھی؟ آپؐ نے فرمایا ہاں 'اب وہ اللہ اکبر کہتا ہوا واپس چلا گیا (طبرانی) ایک عورت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور دریافت فرمایا کہ مجھ سے بدکاری ہو گئی۔ اس سے بچہ ہو گیا' میں نے اسے مار ڈالا۔ اب کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ اب نہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو سکتی ہیں نہ اللہ کے ہاں تیری بزرگی ہو سکتی ہے۔ تیرے لئے توبہ ہرگز نہیں' وہ روتی پیٹتی واپس چلی گئی۔ صبح کی نماز حضور ﷺ کے ساتھ پڑھ کر میں نے یہ واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا' تو نے اس سے بہت ہی بری بات کہی۔ کیا تو ان آیتوں کو قرآن میں نہیں پڑھتا وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ سے اِلَّا مَنْ تَابَ تک۔ مجھے بڑا ہی رنج ہوا اور میں لوٹ کر اس عورت کے پاس پہنچا۔ اور اسے یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ وہ خوش ہو گئی اور اسی وقت سجدے میں گر پڑی اور کہنے لگی' اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے لئے چھٹکارے کی صورت پیدا کر دی (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا پہلا فتویٰ سن کر وہ حسرت و افسوس کے ساتھ یہ کہتی ہوئی واپس چلی کہ ہائے ہائے یہ اچھی صورت کیا جہنم کے لئے بنائی گئی تھی؟

اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس عورت کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے۔ تمام مدینہ اور ایک ایک گلی چھان ماری لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ اتفاق سے رات کو وہ عورت پھر آئی۔ تب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں صحیح مسئلہ بتلایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس نے اللہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس نے میرے لئے چھٹکارے کی صورت بنائی اور میری توبہ کو قبول فرمایا۔ یہ کہہ کر اس کے ساتھ جو لونڈی تھی' اسے آزاد کر دیا' اس لونڈی کی ایک لڑکی بھی تھی اور سچے دل سے توبہ کر لی۔ پھر فرماتا ہے اور اپنے عام لطف و کرم' فضل و رحم کی خبر دیتا ہے کہ جو بھی اللہ کی طرف جھکے اور اپنی سیاہ کاریوں پر نادم ہو کر توبہ کرے' اللہ اس کی سنتا ہے۔ قبول فرماتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ الخ جو برا عمل کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے' پھر اللہ سے استغفار کرے' وہ اللہ کو غفور و رحیم پائے گا۔ اور جگہ ارشاد ہے اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ الخ کیا انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ توبہ کا قبول فرمانے والا ہے؟ اور آیت میں ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ الخ میرے ان بندوں سے جو گنہگار ہیں' کہہ دیجئے کہ وہ میری رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ یعنی توبہ کرنے والا محروم نہیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لغویت پر ان کا گزر ہوتا ہے تو بزرگانہ طور پر گزر جاتے ہیں ○ اور جب انہیں ان کے رب کے کلام کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے ○ اور یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولادوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا ○

عبادالرحمان کے اوصاف: ☆☆ (آیت:۷۲-۷۴) عبادالرحمٰن کے اور نیک اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے

یعنی شرک نہیں کرتے' بت پرستی سے بچتے ہیں' جھوٹ نہیں بولتے' فسق وفجور نہیں کرتے' کفر سے الگ رہتے ہیں' لغواور باطل کاموں سے پرہیز کرتے ہیں' گانا نہیں سنتے' مشرکوں کی عیدیں نہیں مناتے' خیانت نہیں کرتے' بری مجلسوں میں نشست نہیں رکھتے' شرابیں نہیں پیتے۔ شراب خانوں میں نہیں جاتے' اس کی رغبت نہیں کرتے۔ حدیث میں بھی ہے کہ سچے مومن کو چاہئے' اس دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر دور شراب چل رہا ہو اور یہ بھی مطلب ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ صحیحین میں ہے' حضور ﷺ نے فرمایا' کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ بتادوں؟ تین دفعہ یہی فرمایا' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' ہاں یارسول ﷺ' آپ نے فرمایا' اللہ کے ساتھ شرک کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' اس وقت تک آپ تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے' اب اس سے الگ ہو کر فرمانے لگے' سنو اور جھوٹی بات کہنا' سنو اور جھوٹی گواہی دینا' اسے بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم اپنے دل میں کہنے لگے کہ کاش رسول ﷺ اب خاموش ہو جاتے۔ زیادہ ظاہر لفظوں سے تو یہ ہے کہ وہ جھوٹ کے پاس نہیں جاتے۔ اللہ کے ان بزرگ بندوں کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ قرآن کی آیتیں سن کر ان کے دل دہل جاتے ہیں' ان کے ایمان اور توکل بڑھ جاتے ہیں بخلاف کفار کے کہ ان پر کلام الٰہی کا اثر نہیں ہوتا' وہ اپنی بداعمالیوں سے باز نہیں رہتے' نہ اپنا کفر چھوڑتے' نہ سرکشی وطغیانی اور جہالت وضلالت سے باز آتے ہیں۔ ایمان والوں کے ایمان' بڑھ جاتے ہیں۔ اور بیمار دل والوں کی گندگی ابھر آتی ہے۔ پس کافر اللہ کی آیتوں سے بہرے اور اندھے ہو جاتے ہیں۔ ان مومنوں کی حالت ان کے برعکس ہے' نہ یہ حق سے بہرے ہیں نہ حق سے اندھے ہیں۔ سنتے ہیں' سمجھتے ہیں' نفع حاصل کرتے ہیں' اپنی اصلاح کرتے ہیں' ایسے بہت سے لوگ ہیں جو پڑھتے تو ہیں لیکن اندھا پن' بہرا پن نہیں چھوڑتے۔ حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ ایک شخص آتا ہے اور وہ دوسروں کو سجدے میں پاتا ہے لیکن اسے نہیں معلوم کہ کس آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا ہے؟ تو کیا وہ بھی ان کے ساتھ سجدہ کرلے؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی یعنی سجدہ نہ کرے اس لئے کہ اس نے نہ سجدے کی آیت پڑھی نہ سنی نہ سوچی تو مومن کو کوئی کام اندھادھند نہ کرنا چاہئے جب تک اس کے سامنے کسی چیز کی حقیقت نہ ہو' اسے شامل نہ ہونا چاہئے۔

پھر ان بزرگ بندوں کی ایک دعا بیان ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں کہ ان کی اولادیں بھی ان کی طرح رب کی فرماں بردار' عبادت گزار' موحد اور غیر مشرک ہوں تاکہ دنیا میں بھی اس نیک اولاد سے ان کا دل ٹھنڈا رہے اور آخرت میں بھی یہ انہیں اچھی حالت میں دیکھ کر خوش ہوں۔ اس دعا سے ان کی غرض خوبصورتی اور جمال کی نہیں بلکہ نیکی اور خوش خلقی کی ہے۔ مسلمان کی سچی خوشی اسی میں ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو' دوست احباب کو اللہ کا فرماں بردار دیکھے۔ وہ ظالم نہ ہوں' بدکار نہ ہوں۔ سچے مسلمان ہوں۔ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر ایک صاحب فرمانے لگے' ان آنکھوں کو مبارک باد ہو جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی زیارت کی ہے' کاش کہ ہم بھی حضور ﷺ کو دیکھتے اور تمہاری طرح فیض صحبت حاصل کرتے۔ اس پر حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناراض ہوئے تو نفیر کہتے ہیں' مجھے تعجب معلوم ہوا کہ اس بات میں تو کوئی برائی نہیں۔ پھر یہ خفا کیوں ہو رہے ہیں؟ اتنے میں حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس چیز کی آرزو کرتے ہیں جو قدرت نے انہیں نہیں دی' اللہ ہی کو علم ہے کہ یہ اگر اس وقت ہوتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ واللہ وہ لوگ بھی تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے جنہوں نے نہ آپ کی تصدیق کی نہ تابعداری کی اور اوندھے منہ جہنم میں گئے' تم اللہ کا یہ احسان نہیں مانتے کہ اللہ نے تمہیں اسلام میں اور مسلمان گھروں میں پیدا کیا۔ پیدا ہوتے ہی تمہارے کانوں میں اللہ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پڑی اور ان بلاؤں سے تم بچالئے گئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئی تھیں۔ حضور ﷺ تو ایسے زمانے میں مبعوث ہوئے تھے جس وقت دنیا کی اندھیر نگری اپنی انتہا پر تھی۔ اس وقت دنیا والوں کے نزدیک بت پرستی سے بہتر کوئی مذہب نہ تھا۔ آپ فرقان لے کر آئے۔ حق وباطل میں تمیز کی۔ باپ بیٹے جدا ہو گئے۔ مسلمان اپنے باپ دادوں' بیٹوں' پوتوں' دوست احباب کو کفر پر دیکھتے۔ ان سے انہیں کوئی محبت پیار نہیں

ہوتا تھا بلکہ کڑھتے تھے کہ یہ جہنمی ہیں۔ اسی لئے ان کی دعائیں ہوتی تھیں کہ ہمیں ہماری اولاد اور بیویوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما کیونکہ کفار کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوتی تھیں۔ اس دعا کا آخر یہ ہے کہ ہمیں لوگوں کا رہبر بنادے کہ ہم انہیں نیکی کی تعلیم دیں' لوگ بھلائی میں ہماری اقتدا کریں۔ ہماری اولاد ہماری راہ چلے تاکہ ثواب بڑھ جائے اور ان کی نیکیوں کا باعث بھی ہم بن جائیں۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین چیزیں۔ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے یا علم جس سے اس کے بعد نفع اٹھایا جائے یا صدقہ جاریہ۔

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٧٥﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾ ع ۱۷

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بلند بالا خانے دیئے جائیں گے جہاں انہیں دعا سلام پہنچایا جائے گا ○ اس میں یہ ہمیشہ رہیں گے' وہ بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے ○ کہہ دے' اگر تمہاری دعا التجا نہ ہوتی تو میرا رب تو تمہاری مطلق پرواہ نہ کرتا' تم تو جھٹلا چکے۔ اب عنقریب اس کی سزا تمہیں چمٹ جانے والی ہوگی ○

مومنوں کے اعمال اور اللہ تعالیٰ کے انعامات: ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۷) مومنوں کی پاک صفتیں' ان کے بھلے اقوال' عمدہ افعال بیان فرما کر ان کا بدلہ بیان ہو رہا ہے کہ انہیں جنت ملے گی۔ جو بلند تر جگہ ہے اس وجہ سے کہ یہ ان اوصاف پر جمے رہے۔ وہاں ان کی عزت ہو گی' اکرام ہوگا' ادب تعظیم ہوگی۔ احترام اور توقیر ہوگی۔ ان کے لئے سلامتی ہے۔ ان پر سلامتی ہے۔ ہر ہر دروازہ جنت سے فرشتے حاضر خدمت ہوتے ہیں اور سلام کر کے کہتے ہیں کہ تمہارا انجام بہتر ہو گیا کیونکہ تم صبر کرنے والے تھے۔ یہ وہاں ہمیشہ رہیں گے' نہ نکلیں نہ نکالے جائیں' یہ نعمتیں کم ہوں' نہ راحتیں فنا ہوں۔ یہ سعید بخت ہیں' جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے رہنے سہنے' راحت و آرام کرنے کی جگہ بڑی سہانی' پاک' صاف' طیب و طاہر ہے' دیکھنے میں خوش منظر' رہنے میں آرام دہ۔ اللہ نے اپنی مخلوق کو اپنی عبادت اور تسبیح و تہلیل کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر مخلوق یہ نہ بجالائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہایت حقیر ہے۔ ایمان کے بغیر انسان ناکارہ محض ہے۔ اگر اللہ کو کافروں کی چاہت ہوتی تو وہ انہیں بھی اپنی عبادت کی طرف جھکا دیتا لیکن اللہ کے نزدیک یہ کسی گنتی میں ہی نہیں۔ کافرو تم نے جھٹلایا۔ اب تم نہ سمجھو کہ بس معاملہ ختم ہو گیا۔ نہیں اس کا وبال تمہارے ساتھ ہی ساتھ ہے۔ دنیا اور آخرت میں تم برباد ہو گے اور عذاب الٰہی تم سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی بدر کے دن کفار کی ہزیمت اور شکست تھی جیسے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے مروی ہے قیامت کے دن کی سزا ابھی باقی ہے۔

الحمدللہ کہ سورۂ فرقان کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمدللہ

تفسیر سورۃ الشعرآء

مالکؒ کی روایت کردہ تفسیر میں اس کا نام سورۂ جامعہ ہے۔حروف مقطعہ کی بحث سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں گزر چکی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾ اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَۃً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُہُمۡ لَہَا خٰضِعِیۡنَ ﴿۴﴾ وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ مُحۡدَثٍ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہُ مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۵﴾ فَقَدۡ کَذَّبُوۡا فَسَیَاۡتِیۡہِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۶﴾ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الۡاَرۡضِ کَمۡ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ ﴿۷﴾

معبود برحق، بخشش وکرم کرنے والے نام سے شروع

یہ آیتیں روشن کتاب کی ہیں ○ ان کے ایمان نہ لانے پر شاید تو اپنی جان کھودے گا ○ اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسا نشان اتارتے کہ جس کے سامنے ان کی گردنیں خم ہوجائیں ○ ان کے پاس رحمان کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آئی' یہ اسی سے روگردانی کرنے والے بن گئے ○ ان لوگوں نے جھٹلایا ہے' اب ان کے پاس جلدی سے اس کی خبریں آجائیں گی جس کے ساتھ مسخراپن کر رہے ہیں ○ کیا انہوں نے زمین پر نظریں نہیں ڈالیں کہ ہم نے اس میں ہر طرح کے نفیس جوڑے کس قدر اگائے ہیں؟ ○

تعارف قرآن حکیم: ☆☆ (آیت:۱-۷) پھر فرمان ہے کہ یہ آیتیں قرآن مبین کی ہیں جو بہت واضح' بالکل صاف اور حق و باطل' بھلائی برائی کے درمیان فیصلہ اور فرق کرنے والا ہے۔ان لوگوں کے ایمان نہ لانے سے آپ رنجیدہ خاطر اور غمگین نہ ہوں۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُكَ عَلَيۡهِمۡ حَسَرٰتٍ تو ان کے ایمان نہ لانے پر حسرت وافسوس نہ کر۔اور آیت میں ہے فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ الخ کہیں ایسا تو نہیں کہ تو ان کے پیچھے اپنی جان گنوادے۔چونکہ ہماری یہ چاہت ہی نہیں کہ لوگوں کو ایمان پر زبردستی کریں' اگر یہ ہم چاہتے تو کوئی ایسی چیز آسمان سے اتارتے کہ یہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے مگر ہم تو ان کا اختیاری ایمان طلب کرتے ہیں۔اور آیت میں ہے وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِي الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِيۡعًا الخ اگر تیرا رب چاہے تو روئے زمین کے تمام لوگ مومن ہو جائیں۔ کیا تو لوگوں پر جبر کرے گا جب تک کہ وہ مومن نہ ہو جائیں۔اور آیت میں ہے' اگر تیرا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا۔یہ اختلاف دین ومذہب بھی اس کا مقرر کیا ہوا ہے اور اس کی حکمت کو ظاہر کرنے والا ہے' اس نے رسول بھیج دیئے' کتابیں اتار دیں' اپنی دلیل و حجت قائم کر دی' انسان کو ایمان لانے نہ لانے میں مختار کر دیا۔اب جس راہ پر وہ چاہے لگ جائے۔جب کبھی کوئی آسمانی کتاب نازل ہوئی' بہت سے لوگوں نے اس سے منہ موڑ لیا۔باوجود تیری پوری آرزو کے اکثر لوگ بے ایمان ہی رہیں گے۔سورہ یاسین میں فرمایا' بندوں پر افسوس ہے' ان کے پاس جو بھی رسول آیا' انہوں نے اس کا مذاق اڑایا۔اور آیت میں ہے' ہم نے پے درپے پیغمبر بھیجے لیکن جس امت کے

پاس ان کا رسول آیا اس نے اپنے رسول کو جھٹلانے میں کمی نہ کی۔ یہاں بھی اس کے بعد ہی فرمایا کہ نبی آخر الزماں کی قوم نے بھی اسے جھٹلایا ہے۔ انہیں بھی اس کا بدلہ عنقریب مل جائے گا۔ ان ظالموں کو بہت جلدی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس راہ ڈالے گئے ہیں؟ پھر اپنی شان و شوکت' قدرت و عظمت' عزت و رفعت بیان فرماتا ہے کہ جس کے پیغام اور جس کے قاصد کو تم جھوٹا کہہ رہے ہو' وہ اتنا بڑا قادر و قیوم ہے کہ اسی ایک نے ساری زمین بنائی ہے اور اس میں جاندار اور بے جان چیزیں پیدا کی ہیں۔ کھیت' پھل' باغ و بہار سب اسی کا پیدا کردہ ہے۔ شعبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' لوگ زمین کی پیداوار ہیں' ان میں جو جنتی ہیں' وہ کریم ہیں اور جو دوزخی ہیں' وہ کنجوس ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۸ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝۹

بے شک اس میں یقیناً نشانی ہے' اور ان میں کے اکثر لوگ مومن نہیں ہیں ○ اور تیرا رب یقیناً وہی غالب اور مہربان ہے ○

(آیت: ۸-۹) اس میں قدرت خالق کی بہت سی نشانیاں ہیں کہ اس نے پھیلی ہوئی زمین کو اور اونچے آسمان کو پیدا کر دیا۔ باوجود اس کے بھی اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے بلکہ الٹا اس کے نبیوں کو جھوٹا کہتے ہیں' اس کی کتابوں کو نہیں مانتے' اس کے حکموں کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس کے منع کردہ کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ بیشک تیرا رب ہر چیز پر غالب ہے' اس کے سامنے مخلوق عاجز ہے۔ ساتھ ہی وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے' نافرمانوں کے عذاب میں جلدی نہیں کرتا' تاخیر اور ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ اپنے کرتوتوں سے باز آجائیں لیکن پھر بھی جب وہ راہ راست پر نہیں آتے تو انہیں سختی سے پکڑ لیتا ہے اور ان سے پورا انتقام لیتا ہے ہاں جو توبہ کرے اور اس کی طرف جھکے اور اس کا فرمانبردار ہو جائے' وہ اس پر اس کے ماں باپ سے بھی زیادہ رحم و کرم کرتا ہے۔

وَاِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۰ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ۝۱۱ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ۝۱۲ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ۝۱۳ وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝۱۴ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝۱۵ فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۶ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ؕ ۝۱۷

جب کہ تیرے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ تو گنہگار لوگوں کے پاس جا ○ قوم فرعون کے پاس کیا وہ پرہیزگاری نہ کریں گے؟ ○ کہنے لگے کہ میرے پروردگار مجھے تو خوف ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلانے نہ لگیں ○ میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے۔ میری زبان چل نہیں رہی۔ تو تو ہارون کی طرف بھی وحی بھیج ○ اور ان کا مجھ پر میرے ایک قصور کا دعویٰ بھی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے مار نہ ڈالیں ○ جناب باری نے فرمایا' ہرگز ایسا نہ ہوگا تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ۔ ہم خود سننے والے تمہارے ساتھ ہیں ○ تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں ○ کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے ○

موسیٰ علیہ السلام اور اللہ جل شانہ کے مکالمات: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۷) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور اپنے رسول اور اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو جو حکم دیا تھا' اسے بیان فرما رہا ہے کہ طور کے دائیں طرف سے آپ کو آواز دی' آپ سے سرگوشیاں کیں' آپ کو اپنا رسول علیہ السلام اور برگزیدہ بنایا اور آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا جو ظلم پر کمربستہ تھے۔ اور اللہ کا ڈر اور پرہیز گاری نام کو بھی ان میں نہیں رہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی چند کمزوریاں جناب باری تعالیٰ کے سامنے بیان کیں جو عنایت الٰہی سے دور کر دی گئیں جیسے سورہ طٰہٰ میں آپ کے سوالات پورے کر دیئے گئے۔ یہاں آپ کے عذر یہ بیان ہوئے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ میرا سینہ تنگ ہے' میری زبان لکنت والی ہے' ہارون کو بھی میرے ساتھ نبی بنا دیا جائے اور میں نے ان ہی میں سے ایک قبطی کو بلاقصور مار ڈالا تھا جس وجہ سے میں نے مصر چھوڑا' اب جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ مجھ سے بدلہ نہ لے لیں۔ جناب باری نے جواب دیا کہ کسی بات کا کھٹکا نہ رکھو۔ ہم تیرے بھائی کو تیرا ساتھی بنا دیتے ہیں اور تمہیں روشن دلیل دیتے ہیں۔ وہ لوگ تمہیں کوئی ایذا نہ پہنچا سکیں گے' میرا وعدہ ہے کہ تم کو غالب کروں گا۔ تم میری آیتیں لے کر جاؤ تو سہی' میری مدد تمہارے ساتھ رہے گی' میں تمہاری ان کی سب باتیں سنتا رہوں گا۔

جیسے فرمان ہے' میں تم دونوں کے ساتھ ہوں' سنتا دیکھتا رہوں گا۔ میری حفاظت' میری مدد' میری نصرت وتائید تمہارے ساتھ ہے۔ تم فرعون کے پاس جاؤ اور اس پر اپنی رسالت کا اظہار کرو۔ جیسے دوسری آیت میں ہے کہ اس سے کہو کہ ہم دونوں میں سے ہر ایک اللہ کا فرستادہ ہے۔ فرعون سے کہا کہ تو ہمارے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دے۔ وہ اللہ کے مومن بندے ہیں' تو نے انہیں اپنے غلام بنا رکھا ہے اور ان کی حالت زبوں کر رکھی ہے' ذلت کے ساتھ ان سے اپنے کام لیتا ہے اور انہیں عذابوں میں جکڑ رکھا ہے۔ اب انہیں آزاد کر دے۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾

فرعون کہنے لگا کہ کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن کے زمانہ میں اپنے ہاں نہیں پالا تھا؟ اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہم میں نہیں گزارے؟ ○ پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں ہے ○ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ میں نے اس کام کو اس وقت کیا تھا جب کہ میں راہ بھولے ہوئے لوگوں میں سے تھا ○ پھر تم سے خوف کھا کر میں تم میں سے بھاگ گیا۔ پھر مجھے میرے رب نے حکم وعلم عطا فرمایا اور مجھے اپنے پیغمبروں میں سے کر دیا ○ مجھ پر تیرا کیا یہی وہ احسان ہے جسے جتا کر

اس کے بدلے تو بنی اسرائیل کو اپنی غلامی میں رکھنا چاہتا ہے؟ ○ فرعون نے کہا' رب العالمین کون ہے؟ ○ حضرت موسیٰ نے فرمایا' وہ آسمانوں زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے' اگر تم یقین رکھنے والے ہو ○ فرعون اپنے اردگرد والوں سے کہنے لگا کہ کیا تم سن نہیں رہے؟ ○

(آیت: ۱۸-۲۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس پیغام کو فرعون نے نہایت حقارت سے سنا - اور آپ کو ڈانٹ کر کہنے لگا کہ کیا تو وہی نہیں کہ ہم نے تجھے اپنے ہاں پالا - مدتوں تک تیری خبر گیری کرتے رہے - اس احسان کا بدلہ تو نے یہ دیا کہ ہم میں سے ایک شخص کو مار ڈالا اور ہماری ناشکری کی - جس کے جواب میں حضرت کلیم اللہ علیہ صلوات اللہ نے فرمایا' یہ سب باتیں نبوت سے پہلے کی ہیں جب کہ میں خود بے خبر تھا - حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں بجائے مِنَ الضَّآلِّیْنَ کے مِنَ الْجَاهِلِیْنَ ہے - حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساتھ ہی فرمایا کہ پھر وہ پہلا حال جاتا رہا' دوسرا دور آیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول بنا کر تیری طرف بھیجا' اب اگر تو میرا کہا مانے گا تو سلامتی پائے گا اور میری نافرمانی کرے گا تو ہلاک ہوگا - اس خطا کے بعد جب کہ میں تم میں سے بھاگ گیا' اس کے بعد اللہ کا یہ فضل مجھ پر ہوا - اب پرانے قصے یاد نہ کر - میری آواز پر لبیک کہہ - سن اگر ایک مجھ پر تو نے احسان کیا ہے تو میری قوم کی قوم پر تو نے ظلم و تعدی کی ہے - ان کو بری طرح غلام بنا رکھا ہے' کیا میرے ساتھ کا سلوک اور ان کے ساتھ کی یہ سنگدلی اور بدسلوکی برابر برابر ہو جائے گی؟

(آیت: ۲۳-۲۵) چونکہ فرعون نے اپنی رعیت کو بہکا رکھا تھا اور انہیں یقین دلا دیا تھا کہ معبود اور رب صرف میں ہی ہوں' میرے سوا کوئی نہیں' اس لئے ان سب کا عقیدہ یہی تھا - جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں رب العالمین کا رسول علیہ السلام ہوں تو اس نے کہا کہ رب العالمین ہے کیا چیز؟ مقصد یہی تھا کہ میرے سوا کوئی رب ہے ہی نہیں - تو جو کہہ رہا ہے' محض غلط ہے - چنانچہ اور آیت میں ہے کہ اس نے پوچھا - فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ اس کے جواب میں کلیم اللہ نے فرمایا - جس نے ہر ایک کی پیدائش کی ہے اور جو سب کا ہادی ہے - یہاں پر یہ یاد رہے کہ بعض منطقیوں نے یہاں ٹھوکر کھائی ہے اور کہا ہے کہ فرعون کا سوال اللہ کی ماہیت سے تھا' یہ محض غلط ہے اس لئے کہ ماہیت کو تو جب پوچھتا جب کہ پہلے وجود کا قائل ہوتا - وہ تو سرے سے اللہ کے وجود کا منکر تھا - اپنے اسی عقیدے کو ظاہر کرتا تھا اور ایک ایک کو یہی عقیدہ گھونٹ گھونٹ کر پلا رہا تھا گو اس کے خلاف دلائل و براہین اس کے سامنے کھل گئے تھے -

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾

حضرت موسیٰ نے فرمایا' وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار ہے ○ فرعون کہنے لگا' لوگو تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے' یہ تو یقیناً دیوانہ ہے ○ حضرت موسیٰ نے فرمایا' وہی مشرق و مغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو ○

(آیت: ۲۶-۲۸) پس اس کے اس سوال پر کہ رب العالمین کون ہے؟ حضرت کلیم اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ وہ جو سب کا خالق ہے' سب کا مالک ہے' سب پر قادر ہے' سب کا معبود ہے' یکتا ہے' اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں - عالم علوی آسمان اور اس کی مخلوق عالم سفلی زمین اور اس کی کائنات سب اسی کی پیدا کی ہوئی ہے - ان کے درمیان کی چیزیں ہوا' پرند وغیرہ سب اس کے سامنے ہیں اور اس کے عبادت گزار ہیں - اگر تمہارے دل یقین کی دولت سے محروم نہیں' اگر تمہاری نگاہیں روشن ہیں تو رب العالمین کے یہ اوصاف اس کی ذات کے ماننے

کے لئے کافی ہیں۔ یہ سن کر فرعون سے چونکہ کوئی جواب نہ بن سکا' اس لئے بات کو مذاق میں ڈالنے کے لئے' لوگوں کو اپنے سکھائے بتائے ہوئے عقیدے پر جمانے کے لئے ان کی طرف دیکھ کر کہنے لگا' لو اور سنو' یہ میرے سوا کسی اور کو ہی خدا مانتا ہے؟ تعجب کی بات ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی اس بے التفاتی سے گھبرائے نہیں اور وجود الٰہی کے اور دلائل بیان کرنے شروع کر دیئے کہ وہ تم سب کا اور تمہارے اگلوں کا مالک اور پروردگار ہے۔ آج اگر تم فرعون کو اللہ مانتے ہو تو ذرا اسے تو سوچو کہ فرعون سے پہلے جہان والوں کا اللہ کون تھا؟ اس کے وجود سے پہلے آسمان و زمین کا وجود تھا تو ان کا موجد کون تھا؟ بس وہی میرا رب ہے۔ وہی تمام جہانوں کا رب ہے۔ اسی کا بھیجا ہوا میں ہوں۔ فرعون دلائل کی اس بارش کی تاب نہ لا سکا۔ کوئی جواب بن نہ پڑا تو کہنے لگا اسے چھوڑو۔ یہ تو کوئی پاگل آدمی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے سوا دوسرے کو رب کیوں مانتا۔ کلیم اللہ نے پھر بھی اپنی دلیلوں کو جاری رکھا' اس کے لغو کلام سے بے تعلق ہو کر فرمانے لگے کہ سنو میرا اللہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اور وہی میرا رب ہے۔ وہ سورج چاند ستارے مشرق سے چڑھاتا ہے۔ مغرب کی طرف اتارتا ہے۔ اگر فرعون اپنے الٰہی دعوے میں سچا ہے تو ذرا ایک دن اس کا خلاف کر کے دکھا دے یعنی انہیں مغرب سے نکالے اور مشرق کو لے جائے۔ یہی بات خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے زمانے کے بادشاہ سے بوقت مناظرہ کہی تھی۔ پہلے تو اللہ کا وصف بیان کیا کہ وہ جلاتا مارتا ہے لیکن اس بے وقوف نے جب کہ اس وصف کا اللہ کے ساتھ مختص ہونے کا انکار کیا اور کہنے لگا' یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں تو آپ نے باوجود اسی دلیل میں بہت سی گنجائش ہونے کے اس سے بھی واضح دلیل اس کے سامنے رکھی کہ اچھا میرا رب مشرق سے سورج نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال' اب تو اس کے حواس گم ہو گئے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی تابڑ توڑ ایسی واضح اور روشن دلیلیں سن کر فرعون کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ سمجھ گیا کہ اگر ایک میں نے نہ مانا تو کیا؟ یہ واضح دلیلیں ان سب لوگوں پر تو اثر کر جائیں گی۔ اس لئے اب اپنی قوت کو کام میں لانے کا ارادہ کر لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرانے دھمکانے لگا جیسے آگے رہا ہے۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾

ع ۲

فرعون کہنے لگا' سن لے اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں ڈال دوں گا ○ موسیٰ کہنے لگا اگرچہ میں تیرے پاس کوئی ظاہر چیز لے آؤں؟ ○ فرعون نے کہا' اگر تو سچوں میں ہے تو اسے پیش کر ○ آپ نے اسی وقت اپنی لکڑی ڈال دی جو اچانک کھلم کھلا زبردست اژدہا بن گئی ○ اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ بھی اسی وقت ہر دیکھنے والے کو سفید چمکیلا نظر آنے لگا ○ فرعون اپنے آس پاس کے سرداروں سے کہنے لگا بھئی یہ تو کوئی بڑا دانا جادوگر ہے ○ یہ تو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے شہر سے ہی نکال دے۔ بتاؤ اب تم کیا حکم دیتے ہو ○ ان سب نے کہا' آپ اسے اور اس کے بھائی کو تو چھوڑ یئے اور تمام شہروں میں مجمع

کرنے والے بھیج دیجئے ○ جو آپ کے پاس تمام ذی علم جادوگروں کو لے آئیں ○

فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا مباحثہ: ☆☆ (آیت: ۲۹-۳۷) جب مباحثے میں فرعون ہارا' دلیل و بیان میں غالب نہ آ سکا تو قوت و طاقت کا مظاہرہ کرنے لگا اور سطوت و شوکت سے حق کو دبانے کا ارادہ کیا اور کہنے لگا کہ موسیٰ میرے سوا کسی اور کو معبود بنائے گا تو جیل میں سڑا سڑا کر تیری جان لے لوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی چونکہ وعظ و نصیحت تو کر ہی چکے تھے' آپ نے بھی ارادہ کیا کہ میں بھی اسے اور اس کی قوم کو دوسری طرح قائل کروں تو فرمانے لگے کیوں جی میں اگر اپنی سچائی پر کسی ایسے معجزے کا اظہار کروں کہ تمہیں بھی قائل ہونا پڑے تب؟ فرعون سوا اس کے کیا کر سکتا تھا کہ کہا اچھا' اگر سچا ہے تو پیش کر۔ آپ نے سنتے ہی اپنی لکڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی ہی' اسے زمین پر ڈال دیا۔ بس اس کا زمین پر گرنا تھا کہ وہ ایک اژدھے کی شکل بن گئی۔ اور اژدھا بھی بہت بڑا تیز کچلیوں والا' ہیبت ناک' ڈراؤنی اور خوفناک شکل والا' منہ پھاڑے ہوئے پھنکارتا ہوا۔ ساتھ ہی اپنے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا نکلا۔ فرعون کی قسمت چونکہ ایمان سے خالی تھی' ایسے واضح معجزے دیکھ کر بھی اپنی بدبختی پر اڑا رہا اور تو کچھ بن نہ پڑا' اپنے ساتھیوں اور درباریوں سے کہنے لگا' بھئی یہ تو بڑا جادوگر نکلا۔ پس اپنے والوں کو اس نے روکنا چاہا کہ کہیں وہ اسے معجزہ نہ سمجھ لیں۔ ان سے کہنے لگا کہ یہ تو جادو کے کرشمے ہیں۔ بیشک اتنا تو میں بھی مان گیا کہ یہ اپنے فن جادوگری میں استاد کامل ہے۔ پھر انہیں حضرت موسیٰ کی دشمنی پر آمادہ کرنے کے لئے ایک اور بات بنائی کہ یہ ایسے ہی شعبدے دکھا دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لے گا۔ اور جب کچھ لوگ اس کے ساتھی ہو جائیں گے تو یہ علم بغاوت بلند کر دے گا۔ پھر تمہیں مغلوب کر کے اس ملک میں اپنا قبضہ کر لے گا۔ لو اس کے استیصال کی کوشش ابھی سے کرنی چاہئے۔ بتلاؤ تمہاری رائے کیا ہے؟۔ قدرت اللہ کی دیکھو کہ فرعونیوں سے اللہ نے وہ بات کہلوائی جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عام تبلیغ کا موقعہ ملے اور لوگوں پر حق واضح ہو جائے۔ یعنی جادوگروں کو مقابلہ کے لئے بلوانا۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۳۸﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿۴۳﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿۴۴﴾

پھر ایک مقررہ دن کے وعدے پر تمام جادوگر جمع کئے گئے ○ اور عام لوگوں سے بھی کہہ دیا گیا کہ تم بھی مجمع میں حاضر ہو جاؤ گے؟ ○ تا کہ اگر جادوگر غالب آ جائیں تو ہم ان ہی کی پیروی کریں ○ جادوگر آ کر فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ ○ فرعون نے کہا' بڑی خوشی سے بلکہ ایسی صورت میں تم میرے خاص درباری بن جاؤ گے ○ حضرت موسیٰ نے جادوگروں سے فرمایا' جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے' ڈال دو ○ انہوں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں ڈال دیں اور کہنے لگے' عزت فرعون کی قسم' ہم یقیناً یقیناً غالب ہی رہیں گے ○

مناظرہ کے بعد مقابلہ: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۴) مناظرہ زبانی ہو چکا- اب مناظرہ عملاً ہو رہا ہے- اس مناظرہ کا ذکر سورۂ اعراف' سورہ طٰہٰ اور اس سورت میں ہے- قبطیوں کا ارادہ اللہ کے نور کے بجھانے کا تھا اور اللہ کا ارادہ اس کی نورانیت کے پھیلانے کا تھا- پس اللہ کا ارادہ غالب رہا- ایمان وکفر کا مقابلہ جب کبھی ہوا' ایمان کفر پر غالب ہی رہا- اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر غالب کرتا ہے' باطل کا سر پھٹ جاتا ہے اور لوگوں کے باطل ارادے ہوا میں اڑ جاتے ہیں- حق آ جاتا ہے' باطل بھاگ کھڑا ہوتا ہے- یہاں بھی یہی ہوا- ہر اک شہر میں سپاہی بھیجے گئے- چاروں طرف سے بڑے بڑے نامی گرامی جادوگر جمع کئے گئے جو اپنے فن میں کامل اور استاد زمانہ تھے- کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد بارہ یا پندرہ یا سترہ یا انیس یا کچھ اوپر تیس یا اسی ہزار کی یا اس سے کم وبیش تھی- صحیح تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے' ان تمام کے استاد اور سردار چار شخص تھے- سابورہ' عاذور' حطحط اور مصفی- چونکہ سارے ملک میں شور مچ چکا تھا' چاروں طرف سے لوگوں کے غول کے غول وقت مقررہ سے پہلے مصر میں جمع ہو گئے- چونکہ یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ رعیت اپنے بادشاہ کے مذہب پر ہوتی ہے- سب کی زبان سے یہی نکلتا تھا کہ جادوگروں کے غلبہ کے بعد ہم تو ان کی راہ لگ جائیں گے- یہ کسی کی زبان سے نہ نکلا کہ جس طرف حق ہوگا' ہم اسی طرف ہو جائیں گے- اب موقعہ پر فرعون مع اپنے جاہ و حشم کے نکلا- تمام امراء اور رؤسا ساتھ تھے- لشکر' فوج' پلٹن ہمراہ تھی' جادوگروں کو اپنے دربار میں اپنے سامنے بلوایا- جادوگروں نے بادشاہ سے عہد لینا چاہا- اس لئے کہا کہ جب ہم غالب آ جائیں تو بادشاہ ہمیں اپنے انعامات سے محروم تو نہیں رکھیں گے؟ فرعون نے جواب دیا- واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے- نہ صرف انعام بلکہ میں تو تمہیں اپنے خاص رؤسا میں شامل کرلوں گا اور تم ہمیشہ میرے پاس اور میرے ساتھ ہی رہا کرو گے- تم میرے مقرب بن جاؤ گے- میری تمام تر توجہ تمہاری ہی طرف رہے گی- وہ خوشی خوشی میدان کی طرف چل دیئے- وہاں جا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے- بولو' تم پہلے اپنی استادی دکھاتے ہو یا ہم دکھائیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا- نہیں تم ہی پہلے اپنی بھڑاس نکال لو تا کہ تمہارے دل میں کوئی ارمان نہ رہ جائے؟ یہ جواب پاتے ہی انہوں نے اپنی چھڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں اور کہنے لگے' فرعون کی عزت سے ہمارا ہی غلبہ رہے گا-

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ۚ

اب حضرت موسیٰ نے بھی اپنی لکڑی میدان میں ڈال دی جس نے اسی وقت ان کے بنے بنائے کھلونوں کو نگلنا شروع کر دیا ○ یہ دیکھتے ہی جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے ○ اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو اللہ رب العالمین پر ایمان لائے ○ یعنی موسیٰ اور ہارون کے رب پر ○ فرعون کہنے لگا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر ایمان لا چکے- یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا سردار ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے- سو تمہیں ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا- قسم ہے میں بھی تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے طور پر کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا ○

(آیت:۴۵-۴۸) جیسے جاہل عوام جب کسی کام کو کرتے ہیں تو کہتے ہیں یہ فلاں کے ثواب سے۔ سورہ اعراف میں ہے جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ انہیں ہیبت میں ڈال دیا اور بڑا بھاری جادو ظاہر کیا۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ ان کی لاٹھیاں اور رسیاں ان کے جادو سے ہلتی جلتی معلوم ہونے لگیں۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ میں جو لکڑی تھی اسے میدان میں ڈال دیا جس نے سارے میدان میں ان کی جو کچھ نظر بندیوں کی چیزیں تھیں سب کو ہضم کر لیا۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور باطل دب گیا اور ان کا کیا کرایا سب غارت ہو گیا۔ یہ کوئی ہلکی سی بات اور تھوڑی سی دلیل نہ تھی۔ جادوگر تو اسے دیکھتے ہی مسلمان ہو گئے کہ ایک شخص اپنے استادانِ فن کے مقابلے میں آتا ہے اس کا حال جادوگروں کا سا نہیں۔ وہ کوئی بات نہیں کرتا۔ یقیناً ہمارا صرف نگاہوں کا فریب جادو ہے اور اس کے پاس الٰہی معجزہ ہے۔ وہ تو اسی وقت وہیں کے وہیں اللہ کے سامنے سجدے میں گر گئے اور اسی مجمع میں سب کے سامنے اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لا چکے۔ پھر اپنا قول اور واضح کرنے کے لئے یہ بھی ساتھ ہی کہہ دیا کہ رب العالمین سے ہماری مراد وہ رب ہے جسے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اپنا رب کہتے ہیں۔ اتنا بڑا معجزہ اس قدر انقلاب فرعون نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن ملعون کی قسمت میں ایمان نہ تھا۔ پھر بھی آنکھیں نہ کھلیں اور دشمن جاں ہو گیا اور اپنی طاقت سے حق کو کچلنے لگا اور کہنے لگا کہ ہاں میں جان گیا موسیٰ تم سب کا استاد تھا۔ اسے تم نے پہلے سے بھیج دیا۔ پھر تم بظاہر مقابلہ کرنے کے لئے آئے اور باطنی مشورے کے مطابق میدان ہار گئے اور اس کی بات مان گئے۔ پس تمہارا یہ مکر کھل گیا۔

جرات و ہمت والے کامل ایمان لوگ: ☆☆ (آیت:۴۹) سبحان اللہ کیسے کامل الایمان لوگ تھے حالانکہ ابھی ہی ایمان میں آئے تھے لیکن ان کے صبر و ثبات کا کیا کہنا۔ فرعون جیسا ظالم و جابر حاکم پاس کھڑا ڈرا دھمکا رہا ہے اور وہ نڈر اور بے خوف ہو کر اس کی منشا کے خلاف جواب دے رہے ہیں حجاب کفر دل سے دور ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے سینہ ٹھونک کر مقابلے پر آ گئے ہیں اور مادی طاقتوں سے بالکل مرعوب نہیں ہوتے۔ ان کے دلوں میں یہ بات جم گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس اللہ کا دیا ہوا معجزہ ہے کسب کیا ہوا جادو نہیں۔ اسی وقت حق کو قبول کیا۔ فرعون آگ بگولہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ تم نے تو مجھے کوئی چیز ہی نہ سمجھا۔ مجھ سے باغی ہو گئے۔ مجھ سے پوچھا بھی نہیں اور موسیٰ کی مان لی۔ یہ کہہ کر پھر اس خیال سے کہ کہیں حاضرین مجلس پر ان کے ہار جانے بلکہ پھر مسلمان ہو جانے کا اثر نہ پڑے۔ اس نے انہیں ذلیل سمجھا۔ ایک بات بنائی اور کہنے لگا کہ ہاں تم سب اس کے شاگرد ہو اور یہ تمہارا استاد ہے۔ تم سب خورد ہو اور یہ تمہارا بزرگ ہے۔ تم سب کو اسی نے جادو سکھایا ہے۔ اس مکابرہ کو دیکھو یہ صرف فرعون کی بے ایمانی اور دغابازی تھی ورنہ اس سے پہلے نہ جادوگروں نے حضرت کلیم اللہ کو دیکھا تھا نہ اللہ کے رسول علیہ السلام ان کی صورت سے آشنا تھے۔ پیغمبر رب تو جادو جانتے ہی نہ تھے کسی کو کیا سکھاتے؟ عقل مندی کے خلاف یہ بات کہہ کر پھر دھمکانا شروع کیا اور اپنی ظالمانہ روش پر اتر آیا کہنے لگا میں تمہارے سب کے ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹ دوں گا اور تمہیں ٹنڈے منڈے بنا کر پھر سولی دوں گا کسی ایک کو بھی اس سزا سے نہ چھوڑوں گا۔

قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝

انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں۔ ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ہی ○ اس بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان والے بنے ہیں۔ ہمیں امید پڑتی ہے کہ ہمارا

رب ہماری سب خطائیں معاف فرمادے ○ ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو نکال لے چل ○ تم سب پیچھا کیا جاؤ گے ○ فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دیا کہ یقیناً یہ گروہ بہت ہی کم تعداد ہے ○

(آیت: ۵۰-۵۱) سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ راجاجی اس میں حرج ہی کیا ہے؟ جوتم سے ہو سکے' کر گزرو۔ ہمیں مطلق پرواہ نہیں۔ ہمیں تو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے' ہمیں اسی سے صلہ لینا ہے۔ جتنی تکلیف تو ہمیں دے گا' اتنا اجر وثواب ہمارا رب ہمیں عطا فرمائے گا۔ حق پر مصیبت سہنا بالکل معمولی بات ہے جس کا ہمیں مطلق خوف نہیں۔ ہماری تو اب یہی ایک آرزو ہے کہ ہمارا رب ہمارے اگلے گناہوں پر ہماری پکڑ نہ کرے۔ جو مقابلہ تو نے ہم سے کرایا ہے' اس کا وبال ہم پر سے ہٹ جائے اور اس کے لئے ہمارے پاس سوائے اس کے کوئی وسیلہ نہیں کہ ہم سب سے پہلے اللہ والے بن جائیں۔ ایمان میں سبقت کریں۔ اس جواب پر وہ اور بھی بگڑا اور ان سب کو اس نے قتل کرادیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(آیت: ۵۲-۵۴) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا بہت سارا زمانہ ان میں گزارا۔ اللہ کی آیتیں ان پر واضح کردیں لیکن ان کا سر نیچا نہ ہوا' ان کا تکبر نہ ٹوٹا' ان کی بد دماغی میں کوئی فرق نہ آیا۔ تو اب سوا اس کے کوئی چیز باقی نہ رہی کہ ان پر عذاب الٰہی آجائے اور یہ غارت ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی وحی آئی کہ راتوں رات بنی اسرائیلیوں کو لے کر میرے حکم کے مطابق چل دو۔ بنو اسرائیل نے اس موقع پر قبطیوں سے بہت سے زیور بطور عاریت کے لئے اور چاند چڑھنے کے وقت چپ چاپ چل دیئے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس رات چاند گرہن تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے راستے میں دریافت فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟ بنو اسرائیل کی ایک بڑھیا نے قبر بتلا دی۔ آپ نے تابوت یوسف اپنے ساتھ اٹھالیا۔ کہا گیا ہے کہ خود آپ نے ہی اسے اٹھایا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت تھی کہ بنی اسرائیل جب یہاں سے جانے لگیں تو آپ کا تابوت اپنے ہمراہ لیتے جائیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کسی اعرابی کے ہاں مہمان ہوئے۔ اس نے آپ کی بڑی خاطر تواضع کی۔ واپسی میں آپؐ نے فرمایا' کبھی ہم سے مدینے میں بھی مل لینا' کچھ دنوں بعد اعرابی آپؐ کے پاس آیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا' کچھ چاہئے؟ اس نے کہا ہاں۔ ایک تو اونٹنی دیجئے مع ہودج کے اور ایک بکری دیجئے جو دودھ دیتی ہو۔ آپؐ نے فرمایا۔ افسوس تو نے بنی اسرائیل کی بڑھیا جیسا سوال نہ کیا۔ صحابہ علیہ السلام نے پوچھا' وہ واقعہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' جب حضرت کلیم اللہ بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ بھول گئے۔ ہزار کوشش کی لیکن راہ نہیں ملی۔ آپ نے لوگوں کو جمع کر کے پوچھا' یہ کیا اندھیر ہے؟ تو علما بنو اسرائیل نے کہا' بات یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آخری وقت ہم سے عہد لیا تھا کہ جب ہم مصر سے چلیں تو آپ کے تابوت کو بھی یہاں سے اپنے ساتھ لیتے جائیں۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون جانتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تربت کہاں ہے؟ سب نے انکار کردیا کہ ہم نہیں جانتے۔ ہم میں سے سوائے ایک بڑھیا کے اور کوئی بھی آپ کی قبر سے واقف نہیں۔ آپ نے اس بڑھیا کے پاس آدمی بھیج کر اس سے کہلوایا کہ مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر دکھا۔ بڑھیا نے کہا' ہاں دکھاؤں گی لیکن پہلے اپنے حق لے لوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جنت میں آپ کا ساتھ مجھے میسر ہو۔ آپ پر اس کا یہ سوال بہت بھاری پڑا۔ اسی وقت وحی آئی کہ اس کی بات مان لو اور اس کی شرط منظور کرلو۔ اب وہ آپ کو ایک جھیل کے پاس لے گئی جس کے پانی کا رنگ بھی متغیر ہو گیا تھا۔ کہا کہ اس کا پانی نکال ڈالو۔ جب پانی نکال ڈالا اور زمین نظر آنے لگی تو کہا' اب یہاں کھودو۔ کھودنا شروع ہوا تو قبر ظاہر ہوگئی' اسے ساتھ رکھ لیا' اب جو چلنے لگے تو راستہ صاف نظر آنے لگا اور سیدھی راہ لگ گئے۔ لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے بلکہ زیادہ قریب تو یہ ہے کہ یہ موقوف ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔ یہ لوگ تو اپنے راستے لگ گئے۔ ادھر فرعون اور فرعونیوں کی صبح کے وقت جو آنکھ کھلتی ہے تو چوکیدار' غلام وغیرہ کوئی نہیں۔ سخت پیچ وتاب کھانے لگے اور

مارے غصے کے سرخ ہو گئے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل تورات کو سب کے سب فرار ہو گئے ہیں تو اور بھی سناٹا چھا گیا۔ اسی وقت اپنے لشکر جمع کرنے لگا۔ سب کو جمع کر کے ان سے کہنے لگا کہ یہ بنی اسرائیل کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

اور اس پر یہ ہمیں سخت غضب ناک کر رہے ہیں ○ اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں ان سے خطرہ رکھنے والے ○ بالآخر ہم نے انہیں باغات سے اور چشموں سے خزانوں سے ○ اور اچھے اچھے مقامات سے نکال باہر کیا ○ اسی طرح ہوا اور ہم نے ان تمام چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا ○

(آیت: ۵۵-۵۹) محض ذلیل، کمین اور قلیل لوگ ہیں۔ ہر وقت ان سے ہمیں کوفت ہوتی رہتی ہے تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ اور پھر ہر وقت ہمیں ان کی طرف سے دغدغہ ہی لگا رہتا ہے یہ معنی حَاذِرُوْنَ کی قرات پر ہیں، سلف کی ایک جماعت نے اسے حَذِرُوْنَ بھی پڑھا ہے یعنی ہم ہتھیار بند ہیں۔ میں ارادہ کر چکا ہوں کہ اب انہیں ان کی سرکشی کا مزہ چکھا دوں۔ ان سب کو ایک ساتھ گھیر گھار کر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دوں، اللہ کی شان! یہی بات اسی پر لوٹ پڑی اور وہ معہ اپنی قوم اور لاؤلشکر کے بیک وقت ہلاک ہوا۔ لعنة الله عليه و علی من تبعه۔ جناب باری کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ اپنی طاقت اور کثرت کے گھمنڈ پر بنی اسرائیل کے تعاقب میں انہیں نیست و نابود کرنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے، اس بہانے ہم نے انہیں ان کے باغات، چشموں، نہروں، خزانوں اور بارونق مکانوں سے خارج کیا اور جہنم واصل کیا۔ وہ اپنے بلند و بالا شوکت و شان والے محلات، ہرے بھرے باغات، جاری نہریں، خزانے، سلطنت، ملک، تخت و تاج، جاہ و مال سب چھوڑ کر بنی اسرائیل کے پیچھے مصر سے نکلے۔ اور ہم نے ان کی یہ تمام چیزیں بنی اسرائیل کو دلوا دیں جو آج تک پست حال تھے۔ ذلیل و نادار تھے۔ چونکہ ہمارا ارادہ ہو چکا تھا کہ ہم ان کمزوروں کو ابھاریں اور ان گرے پڑے لوگوں کو برسر ترقی لائیں اور انہیں پیشوا اور وارث بنا دیں، وہ ارادہ ہم نے پورا کیا۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾

ع ۱۷ / ۸

پس فرعونی سورج نکلتے نکلتے بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے ○ جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے بس اب

تو ہم پکڑ لئے گئے ○ موسیٰ نے فرمایا' ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ یقین مانو کہ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے جو مجھے ابھی ابھی راہ دکھا دے گا ○ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنی لکڑی مار۔ اسی وقت دریا پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ پانی کا مثل بڑے سارے پہاڑ کے ہوگیا ○ اور ہم نے اسی جگہ دونوں کو نزدیک لا کھڑا کر دیا ○ اور موسیٰ کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی ○ پھر اور سب دوسروں کو ڈبو دیا ○ یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے' اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان والے نہیں ○ اور بے شک تیرا رب بڑا ہی غالب ومہربان ہے ○

فرعون اور اس کا لشکر غرق دریا ہوگیا: ☆☆ (آیت: ۶۰-۶۸) فرعون اپنے تمام لاؤلشکر اور تمام رعایا کو مصر اور بیرون مصر کے لوگوں کو' اپنے والوں کو اور اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر بڑے طمطراق اور ٹھاٹھ سے بنی اسرائیل کو تہس نہس کرنے کے ارادے سے چلا۔ بعض کہتے ہیں' ان کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کرگئی تھی۔ ان میں سے ایک لاکھ تو صرف سیاہ رنگ گھوڑوں پر سوار تھے لیکن یہ خبر اہل کتاب کی ہے جو تامل طلب ہے۔ کعبؒ سے تو مروی ہے کہ آٹھ لاکھ ایسے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ہمارا تو خیال ہے کہ یہ سب بنی اسرائیل کی مبالغہ آمیز روایتیں ہیں۔ اتنا تو قرآن سے ثابت ہے کہ فرعون اپنی کل جماعت کو لے کر چلا مگر قرآن نے ان کی تعداد بیان نہیں فرمائی نہ اس کا علم ہمیں کچھ نفع دینے والا ہے۔ طلوع آفتاب کے وقت ان کے پاس یہ پہنچ گیا۔ کافروں نے مومنوں کو اور مومنوں نے کافروں کو دیکھ لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا کہ موسیٰ اب بتاؤ' کیا کریں۔ پکڑ لئے گئے' آگے بحر قلزم ہے۔ پیچھے فرعون کا ٹڈی دل لشکر ہے' نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ ظاہر ہے کہ نبی' غیر نبی کا ایمان یکساں نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت ٹھنڈے دل سے جواب دیتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں' تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچ سکتی' میں اپنی رائے سے تمہیں لے کر نہیں نکلا بلکہ احکم الحاکمین کے حکم سے تمہیں لے کر چلا ہوں۔ وہ وعدہ خلاف نہیں۔ ان کے اگلے حصے پر حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ انہی کے ساتھ حضرت یوشع بن نون تھے یا آل فرعون کا مومن شخص تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام لشکر کے آخری حصہ میں تھے۔ گھبراہٹ کے مارے اور راہ نہ ملنے کی وجہ سے سارے بنو اسرائیل ہکا بکا ہو کر ٹھہر گئے اور اضطراب کے ساتھ جناب کلیم اللہ علیہ السلام سے دریافت فرمانے لگے کہ اسی راہ چلنے کا اللہ کا حکم تھا؟ آپ نے فرمایا' ہاں۔ اتنی دیر میں تو فرعون کا لشکر سر پر آ پہنچا۔ اسی وقت پروردگار کی وحی آئی کہ اے نبی علیہ السلام اس دریا پر اپنی لکڑی مارو۔ اور پھر میری قدرت کا کرشمہ دیکھو۔ آپ نے لکڑی ماری جس کے لگتے ہی بحکم الٰہی پانی پھٹ گیا' اس پریشانی کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دعا مانگی' وہ ابن ابی حاتم میں ان الفاظ سے مروی ہے۔ یَا مَنْ کَانَ قَبْلَ کُلِّ شَیْءٍ الْمُکَوِّنُ لِکُلِّ شَیْءٍ وَ الْکَائِنُ بَعْدَ کُلِّ شَیْءٍ اِجْعَلْ لَّنَا مَخْرَجاً یہ دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منہ سے نکلی ہی تھی کہ اللہ کی وحی آئی کہ دریا پر اپنی لکڑی مارو۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس رات اللہ تعالیٰ نے دریا کی طرف پہلے ہی سے وحی بھیج دی تھی کہ جب میرے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام آئیں اور تجھے لکڑی ماریں تو تو ان کی بات سننا اور ماننا' پس سمندر میں رات بھر تلاطم رہا۔ اس کی موجیں ادھر ادھر سر ٹکراتی پھریں کہ نہ معلوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کب اور کدھر سے آجائیں اور مجھے لکڑی ماردیں۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے خبر نہ لگے اور میں ان کی حکم بجا آوری نہ کرسکوں۔ جب بالکل کنارے پہنچ گئے تو آپ کے ساتھی حضرت یوشع بن نون رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''اے نبی اللہ علیہ السلام! اللہ کا آپ کو کیا حکم ہے''؟

آپ نے فرمایا ''یہی کہ میں سمندر پر اپنی لکڑی ماروں''۔ انہوں نے کہا۔ ''پھر کیا دیر ہے''؟ چنانچہ آپ نے لکڑی مار کر فرمایا ''اللہ کے حکم سے تو پھٹ اور مجھے چلنے کا راستہ دے دے''۔ اسی وقت وہ پھٹ گیا' راستے بیچ میں صاف نظر آنے لگے اور اس کے آس پاس پانی بطور پہاڑ کے کھڑا ہوگیا۔ اس میں بارہ راستے نکل آئے بنو اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے۔ پھر قدرت الٰہی سے ہر دو فریق کے درمیان جو پہاڑ حائل تھا' اس میں طاق سے بن گئے تاکہ ہر ایک دوسرے کو سلامت روی سے آتا ہوا دیکھے۔ پانی مثل دیواروں کے ہوگیا اور ہوا کو حکم

ہوا اس نے درمیان سے پانی کو اور زمین کو خشک کر کے راستے صاف کر دیئے پس اس خشک راستے سے آپ مع اپنی قوم کے بے کھٹکے جانے لگے۔ پھر فرعونیوں کو اللہ تعالیٰ نے دریا سے قریب کر دیا۔ پھر موسیٰ بنو اسرائیل اور سب کو نجات مل گئی۔ اور باقی سب کافروں کو ہم نے ڈبو دیا۔ نہ ان میں سے کوئی بچا نہ ان میں سے کوئی ڈوبا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ فرعون کو جب بنو اسرائیل کے بھاگ جانے کی خبر ملی تو اس نے ایک بکری ذبح کی اور کہا اس کی کھال اترے اس سے پہلے میرے چھ لاکھ لشکر جمع ہو جانا چاہئے۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام بھاگم بھاگ دریا کے کنارے جب پہنچ گئے تو دریا سے فرمانے لگے تو پھٹ جا۔ کہیں ہٹ جا اور ہمیں جگہ دے دے اس نے کہا یہ کیا تکبر کی باتیں کر رہے ہو؟ کیا میں اس سے پہلے بھی کبھی پھٹا ہوں؟ اور ہٹ کر کسی انسان کو جگہ دی ہے جو تجھے دوں گا؟ آپ کے ساتھ جو بزرگ شخص تھے انہوں نے کہا "اے نبی اللہ علیہ السلام کیا یہی راستہ اور یہی جگہ اللہ کی بتلائی ہوئی ہے"؟ آپ نے فرمایا "ہاں یہی" انہوں نے کہا "پھر نہ تو آپ جھوٹے ہیں نہ آپ سے غلط فرمایا گیا ہے" آپ نے دوبارہ یہی کہا لیکن پھر بھی کچھ نہ ہوا۔ اس بزرگ شخص نے دوبارہ بھی یہی سوال جواب کیا۔ اسی وقت وحی اتری کہ سمندر پر اپنی لکڑی مار۔ اب آپ کو خیال آیا اور لکڑی ماری۔ لکڑی لگتے ہی سمندر نے راستہ دے دیا۔ بارہ راہیں ظاہر ہو گئیں۔ ہر فرقہ اپنے راستے کو پہچان گیا اور اپنی راہ پہ چل دیا اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے بہ اطمینان تمام چل دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل کو لے کر پار نکل گئے اور فرعونی ان کے تعاقب میں سمندر میں آ گئے کہ اللہ کے حکم سے سمندر کا پانی جیسا تھا ویسا ہو گیا اور سب کو ڈبو دیا۔ جب سب سے آخری بنی اسرائیلی نکلا اور سب سے آخری قبطی سمندر میں آ گیا۔ اسی وقت جناب باری تعالیٰ کے حکم سے سمندر کا پانی ایک ہو گیا اور سارے کے سارے قبطی ایک ایک کر کے ڈبو دیئے گئے۔ اس میں بڑی عبرتناک نشانی ہے کہ کس طرح گنہگار برباد ہوتے ہیں اور نیک کردار شاد ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اکثر لوگ ایمان جیسی دولت سے محروم ہیں۔ بیشک تیرا رب عزیز و رحیم ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾

انہیں ابراہیم کا واقعہ بھی سنا دو ○ جب کہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ ○ انہوں نے جواب دیا کہ بتوں کی ہم تو برابر ان کے مجاور بنے بیٹھے رہتے ہیں ○ آپ نے فرمایا تم انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ سنتے بھی ہیں؟ یا تمہیں نفع یا نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟ ○ انہوں نے کہا یہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے پایا ○ آپ نے فرمایا کچھ خبر بھی ہے؟ جنہیں تم پوج رہے ہو ○ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا ○ وہ سب میرے دشمن ہیں بجز سچے اللہ کے جو تمام جہان کا پالن ہار ہے ○

ابراہیم علیہ السلام علامت توحید پرستی: ☆☆ (آیت: ۶۹-۷۷) تمام موحدوں کے باپ اللہ کے بندے اور رسول اور خلیل حضرت ابراہیم علیہ افضل التحیہ والتسلیم کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ حضور ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ اپنی امت کو یہ واقعہ سنا دیں۔ تاکہ وہ اخلاص، توکل

اور اللہ واحد کی عبادت اور شرک اور مشرکین سے بیزاری میں آپ کی اقتدا کریں۔ آپ اول دن سے اللہی توحید پر قائم تھے اور آخر دن تک اسی توحید پر جمے رہے۔ اپنی قوم سے اور اپنے باپ سے فرمایا کہ یہ بت پرستی کیا کر رہے ہو؟۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو پرانے وقت سے ان بتوں کی مجاوری اور عبادت کرتے چلے آتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی اس غلطی کو ان پر واضح کر کے ان کی غلط روش بے نقاب کرنے کے لئے ایک بات اور بھی بیان فرمائی کہ تم جو ان سے دعائیں کرتے ہو اور دور' نزدیک سے انہیں پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری پکار سنتے ہیں؟۔ یا جس نفع کے حاصل کرنے کے لئے تم انہیں بلاتے ہو' وہ نفع تمہیں وہ پہنچا سکتے ہیں؟ یا اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو کیا وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں؟۔ اس کا جواب جو قوم کی طرف سے ملا' وہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے معبود ان کاموں میں سے کسی کام کو نہیں کر سکتے۔ انہوں نے صاف کہا کہ ہم تو اپنے بڑوں کی تقلید کی وجہ سے بت پرستی پر جمے ہوئے ہیں۔

اس کے جواب میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ان سے اور ان کے معبودان باطل سے اپنی برات اور بیزاری کا اعلان کر دیا۔ صاف فرما دیا کہ تم اور تمہارے معبودوں سے میں بیزار ہوں جن کی تم اور تمہارے باپ دادا پرستش کرتے رہے۔ ان سب سے میں بیزار ہوں۔ وہ سب میرے دشمن ہیں' میں صرف سچے رب العالمین کا پرستار ہوں' میں موحد مخلص ہوں۔ جاؤ تم سے اور تمہارے معبودوں سے جو ہو سکے' کر لو۔ حضرت نوح نبی علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا' تم اور تمہارے سارے معبود مل کر اگر میرا کچھ بگاڑ سکتے ہوں تو کمی نہ کرو۔ حضرت ہود علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا' میں تم سے اور اللہ کے سوا تمہارے خدا کے سوا باقی معبودوں سے بیزار ہوں۔ تم سب اگر مجھے کچھ نقصان پہنچا سکتے ہو تو جاؤ پہنچا لو۔ میرا بھروسہ اپنے رب کی ذات پر ہے' تمام جاندار اس کے ماتحت ہیں' وہ سیدھی راہ والا ہے۔ اسی طرح خلیل الرحمٰن علیہ صلوات الرحمٰن نے فرمایا کہ میں تمہارے معبودوں سے بالکل نہیں ڈرتا۔ ڈر تو تمہیں میرے رب سے رکھنا چاہئے جو سچا اللہ ہے۔ آپ نے اعلان کر دیا تھا کہ جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ' مجھ میں' تم میں عداوت ہے۔ میں اے باپ تجھ سے اور تیری قوم سے اور تیرے معبودوں سے بری ہوں' صرف اپنے رب سے میری آرزو ہے کہ وہ مجھے راہ راستے دکھلائے۔ اسی کو یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو انہوں نے کلمہ بنا لیا۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾

جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے ○ وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے ○ اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے ○ اور وہ مجھے مار ڈالے گا' پھر زندہ کر دے گا ○ اور جس سے مجھے امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزا میں میرے گناہوں کو بخش دے گا ○

خلیل اللہ کی تعریف : ☆☆ (آیت: ۷۸-۸۲) حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اپنے رب کی صفتیں بیان فرماتے ہیں کہ میں تو ان اوصاف والے رب کا ہی عابد ہوں۔ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کروں گا۔ پہلا وصف یہ کہ وہ میرا خالق ہے۔ اسی نے اندازہ مقرر کیا ہے اور وہی مخلوقات کی اس کی طرف رہبری کرتا ہے۔ دوسرا وصف یہ کہ وہ ہادی حقیقی ہے' جسے چاہتا ہے' اپنی راہ مستقیم پر چلاتا ہے' جسے چاہتا ہے' اسے غلط راہ پر لگا دیتا ہے۔ تیسرا وصف میرے رب کا یہ ہے کہ وہ رزاق ہے' آسمان و زمین کے تمام اسباب اسی نے مہیا کئے ہیں۔ بادلوں کا اٹھانا' پھیلانا' ان سے بارش کا برسانا' اس سے زمین کو زندہ کرنا' پھر پیداوار کا اگانا اسی کا کام ہے۔ وہی میٹھا اور پیاس بجھانے والا

پانی ہمیں دیتا ہے اور اپنی اور مخلوق کو بھی غرض کھلانے پلانے والا وہی ہے۔ ساتھ ہی بیماری تندرستی بھی اسی کے ہاتھ ہے۔ لیکن خلیل اللہ علیہ السلام کا کمال ادب دیکھئے کہ بیماری کی نسبت تو اپنی طرف کی اور شفا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ گو بیماری بھی اسی کی قضا وقدر ہے اور اسی کی بنائی ہوئی چیز ہے۔ یہی لطافت سورہ فاتحہ کی دعا میں بھی ہے کہ انعام وہدایت کی اسناد تو رب العالم کی طرف کی ہے اور غضب کے فاعل کو حذف کر دیا ہے اور ضلالت بندے کی طرف منسوب کر دی ہے۔ سورہ جن میں جنات کا قول بھی ملاحظہ ہو جہاں انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ زمین والی مخلوق کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے ساتھ ان کے رب نے بھلائی کا ارادہ کیا ہے؟ یہاں بھی بھلائی کی نسبت رب کی طرف کی گئی اور برائی کے ارادے میں یہ نسبت ظاہر نہیں کی گئی۔ اسی طرح کی یہ آیت ہے کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو میری شفاء پر بجز اس اللہ کے اور کوئی قادر نہیں۔ دوا میں تاثیر پیدا کرنا بھی اسی کے بس کی چیز ہے۔ موت وحیات پر قادر بھی وہی ہے۔ ابتدا' انتہا اسی کے ہاتھ ہے' اسی نے پہلی پیدائش کی ہے' وہی دوبارہ لوٹائے گا۔ دنیا اور آخرت میں گناہوں کی بخشش پر بھی وہی قادر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے' کرتا ہے۔ غفور ورحیم وہی ہے۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾

اے اللہ مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں میں ملا دے ○ اور میرا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھ ○ اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے ○ اور میرے باپ کو بخش دے۔ یقیناً وہ گمراہوں میں تھا ○ اور جس دن کہ لوگ دوبارہ جلائے جائیں مجھے رسوا نہ کر ○ جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی ○ لیکن فائدے والا وہی ہوگا جو اللہ کے سامنے بے عیب دل لے کر جائے ○

حکم سے کیا مراد ہے؟ ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۹) حکم سے مراد علم' عقل' کتاب الٰہی اور نبوت ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مجھے یہ چیزیں عطا فرما کر دنیا اور آخرت میں نیک لوگوں میں شامل رکھ۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے' رسول کریم ﷺ نے بھی آخری وقت میں دعا مانگی تھی کہ الٰہی اعلیٰ رفیقوں میں ملا دے' تین بار یہی دعا کی۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کی یہ دعا بھی مروی ہے اَللّٰهُمَّ اَحْیِنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَمِتْنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ غَیْرَ خَزَایَا وَلَا مُبَدِّلِیْنَ یعنی اے اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ اور مسلمانی کی حالت میں ہی موت دے اور نیکوں میں ملا دے۔ درآنحالیکہ نہ رسوائی ہو نہ تبدیلی۔ پھر اور دعا کرتے ہیں کہ میرے بعد بھی میرا ذکر خیر لوگوں میں جاری رہے۔ لوگ نیک باتوں میں میری اقتدا کرتے رہیں اللہ تعالیٰ نے بھی ان کا ذکر پچھلی نسلوں میں باقی رکھا۔ ہر ایک آپ پر سلام بھیجتا ہے۔ اللہ کسی نیک بندے کی نیکی اکارت نہیں کرتا۔ ایک جہان ہے جن کی زبانیں آپ کی تعریف وتوصیف سے تر ہیں۔ دنیا میں بھی اللہ نے انہیں اونچائی اور بھلائی دی۔ عموماً ہر مذہب وملت کے لوگ خلیل اللہ علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ میرا یہ ذکر جمیل جہاں دنیا میں باقی رہے' وہاں آخرت میں بھی میں جنتی بنایا جاؤں۔ اور الٰہی میرے گمراہ باپ کو بھی معاف فرما۔ لیکن اپنے کافر باپ

کے لئے یہ استغفار کرنا ایک وعدے پر تھا۔ جب آپ پر اس کا دشمن اللہ ہونا کھل گیا کہ وہ کفر پر ہی مرا تو آپ کے دل سے اس کی عزت ومحبت جاتی رہی اور استغفار کرنا بھی ترک کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام بڑے صاف دل اور بردبار تھے۔ ہمیں بھی جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روش پر چلنے کا حکم ملا ہے وہیں یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اس بات میں ان کی پیروی نہ کرنا۔ پھر دعا کرتے ہیں کہ مجھے قیامت کے دن کی رسوائی سے بچا لینا۔ جب کہ تمام اگلی پچھلی مخلوق زندہ ہو کر ایک میدان میں کھڑی ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد سے ملاقات ہو گی۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کا منہ ذلت سے اور گرد وغبار سے آلودہ ہو رہا ہے اور روایت میں ہے کہ اس وقت آپ جناب باری تعالیٰ میں عرض کریں گے کہ پروردگار تیرا مجھ سے قول ہے کہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرے گا۔ اللہ فرمائے گا' سن لے' جنت تو کافر پر قطعاً حرام ہے اور روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو اس حالت میں دیکھ کر فرمائیں گے کہ دیکھ میں تجھے نہیں کہہ رہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر' باپ جواب دے گا کہ اچھا اب نہ کروں گا۔

آپ اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے کہ پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اس دن مجھے رسوا نہ فرمائے گا۔ اب اس سے بڑھ کر اور رسوائی کیا ہو گی کہ میرا باپ اس طرح رحمت سے دور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے خلیل علیہ السلام' میں نے تو جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ پھر فرمائے گا' ابراہیم دیکھ تیرے پیروں تلے کیا ہے؟ آپ دیکھیں گے کہ ایک بدصورت بجو کیچڑ پانی میں لتھڑا کھڑا ہے جس کے پاؤں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ حقیقتاً یہی ان کے والد ہوں گے جو اس صورت میں کر دیئے گئے اور اپنی مقررہ جگہ پہنچا دیئے گئے۔ اس دن انسان اگر اپنا فدیہ مال سے ادا کرنا چاہے' گو دنیا بھر کے خزانے دے دے لیکن بے سود ہے' نہ اس دن اولاد فائدہ دے گی' تمام اہل زمین کو اپنے بدلے میں دینا چاہے پھر بھی لاحاصل۔ اس دن نفع دینے والی چیز ایمان' اخلاص اور شرک اور اہل شرک سے بیزاری ہے' جس کا دل صالح ہو یعنی شرک وکفر کے میل کچیل سے صاف ہو' اللہ کو سچا جانتا ہو' قیامت کو یقینی مانتا ہو' دوبارہ کے جی اٹھنے پر ایمان رکھتا ہو' اللہ کی توحید کا قائل اور عامل ہو' نفاق وغیرہ سے دل مریض نہ ہو' بلکہ ایمان واخلاص اور نیک عقیدے سے دل صحیح اور تندرست ہو' بدعتوں سے نفرت رکھتا ہو اور سنت سے اطمینان اور الفت رکھتا ہو۔

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾ وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِن دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾

پرہیزگاروں کے لئے جنت بالکل نزدیک لا دی جائے گی ○ اور گمراہ لوگوں کے لئے جہنم ظاہر کر دی جائے گی ○ اور ان سے پوچھا جائے گا کہ جن کی تم پوجا کرتے رہے' وہ کہاں ہیں؟ ○ جو اللہ کے سوا تھے' کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں؟ یا کوئی بدلہ لے سکتے ہیں؟ ○ اب تو وہ سب اور کل گمراہ لوگ جہنم میں اوپر تلے ڈال دیئے جائیں گے ○

نیک لوگ اور جنت: ☆☆ (آیت: ۹۰-۹۴) جن لوگوں نے نیکیاں کیں تھیں' برائیوں سے بچے تھے' جنت اس دن ان کے پاس ہی ان کے سامنے ہی زیب وزینت کے ساتھ موجود ہو گی۔ اور سرکشوں کے لئے اسی طرح جہنم ظاہر ہو گی۔ اس میں سے ایک گردن نکل کھڑی ہو گی جو گنہگاروں کی طرف غضبناک تیوروں سے نظر ڈالے گی۔ اور اس طرح شور مچائے گی کہ دل اڑ جائیں گے۔ اور مشرکوں سے ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرمایا جائے گا کہ تمہارے معبودان باطل جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے تھے' کہاں ہیں۔ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کرتے ہیں؟ یا خود اپنی ہی مدد کر

سکتے ہیں؟ نہیں نہیں بلکہ عابد و معبود سب دوزخ میں الٹے لٹک رہے ہیں اور جل بھن رہے ہیں۔ تابع و متبوع سب اوپر تلے جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔

وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿۹۵﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿۹۶﴾ تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۹۷﴾ إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۹۸﴾ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۲﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۳﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰۴﴾

اور ابلیس کے تمام کے تمام لشکر بھی ○ وہاں آپس میں لڑتے جھگڑتے ہوئے کہیں گے ○ کہ قسم اللہ کی یقیناً ہم تو کھلی غلطی پر تھے ○ جب کہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے ○ اور ہمیں تو سوا ان بدکاروں کے کسی اور نے گمراہ نہیں کیا تھا ○ اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں ○ اور نہ کوئی سچا غم خوار دوست ○ اگر کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ پھر جانا ملتا تو ہم تو پکے سچے مومن بن جاتے ○ یہ ماجرا یقیناً ایک زبردست نشان ہے' ان میں کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ○ یقیناً تیرا پروردگار ہی غالب مہربان ہے۔

(آیت: ۹۵-۱۰۴) ساتھ ہی ابلیس کے کل لشکری بھی اول سے لے کر آخر تک۔ وہاں سفلے لوگ بڑے لوگوں سے جھگڑیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے زندگی بھر تمہاری مانی۔ آج تم ہمیں عذابوں سے کیوں نہیں چھڑاتے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم ہی بالکل گمراہ تھے' راہ سے دور ہو گئے تھے کہ تمہارے احکام ربانی احکام کے مثل سمجھ بیٹھے تھے۔ اور رب العالمین کے ساتھ ہی تمہاری بھی عبادت کرتے رہے گویا تمہیں رب کے برابر سمجھے ہوئے تھے۔ افسوس ہمیں اس غلط اور خطرناک راہ پر مجرموں نے لگائے رکھا۔ اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں رہا۔ آپس میں پوچھیں گے کہ کیا کوئی ہمارا شفیع ہے؟ جو ہماری شفاعت کرے یا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ کہ ہم دوبارہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں؟ اور وہاں جا کر اب تک کے کئے ہوئے اعمال کے خلاف عمل کریں۔ جہاں ہمارا کوئی سفارشی ہمیں نظر نہیں آتا' وہاں کوئی قریبی سچا دوست بھی نہیں دکھائی دیتا کہ وہی ہماری ہمدردی و غمخواری کرے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر کسی صالح شخص سے ہماری دوستی ہوتی تو وہ آج ضرور ہمیں نفع دیتا اور اگر کوئی ہمارا دلی محب ہوتا تو وہ ضرور ہماری شفاعت کے لئے آگے بڑھتا اور اگر ہمیں پھر سے دنیا میں جانا ملتا تو ہم آپ اپنے ان بد اعمال کا تدارک کر لیتے' اپنے رب کی ہی مانتے اور اسی کی عبادتیں کرتے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ یہ بدبخت ازلی اگر دوبارہ بھی دنیا میں لائے جائیں تو وہی بداعمالیاں پھر سے شروع کر دیں۔ سورۂ ص میں بھی ان جہنمیوں کے جھگڑے کا بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کا یہ جھگڑا یقیناً ہو گا۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو کچھ فرمایا اور جو دلیلیں انہیں دیں اور ان پر توحید کی وضاحت کی' اس میں یقیناً اللہ کی الوہیت پر اور اس کی یکتائی پر صاف برہان موجود ہے لیکن پھر بھی اکثر لوگ ایمان سے محروم ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تیرا پالنہار پروردگار پورے غلبے اور قوت والا ساتھ ہی بخشش و رحم والا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١١٥﴾

قوم نوح نے بھی نبیوں کو جھٹلایا۔ جب کہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ کیا تمہیں اللہ کا خوف نہیں؟ ○ سنو میں تمہاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں ○ تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور میری ماننی چاہئے ○ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا' میرا بدلہ تو صرف رب العالمین کے ہاں ہے ○ پس تم اللہ کا خوف رکھو اور میری فرمانبرداری کرو ○ قوم نے جواب دیا کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں؟ تیری تابعداری تو سفلے لوگوں کی ہے ○ آپ نے فرمایا' مجھے کیا خبر کہ وہ پہلے کیا کرتے رہے؟ ○ ان کا حساب تو صرف میرے رب کے ذمے ہے' اگر تمہیں شعور ہو تو ○ میں ایمانداروں کو دھکے دینے والا نہیں ○ میں تو صاف طور پر ڈرا دینے والا ہوں ○

بت پرستی کا آغاز: ☆☆ (آیت: ۱۰۵-۱۱۰) زمین پر سب سے پہلے جب بت پرستی شروع ہوئی اور لوگ شیطانی راہوں پر چلنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم رسولوں کے سلسلے کو حضرت نوح علیہ السلام سے شروع کیا جنہوں نے آ کر لوگوں کو اللہ کے عذابوں سے ڈرایا اور اس کی سزاؤں سے انہیں آگاہ کیا لیکن وہ اپنے ناپاک کرتوتوں سے باز نہ آئے' غیر اللہ کی عبادت نہ چھوڑی بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کو جھوٹا کہا' ان کے دشمن بن گئے اور ایذا رسانی کے درپے ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا جھٹلانا گویا تمام پیغمبروں سے انکار کرنا تھا۔ اس لئے آیت میں فرمایا گیا کہ قوم نوحؑ نے نبیوں کو جھٹلایا۔

حضرت نوح لیہ السلام نے پہلے تو انہیں اللہ کا خوف کرنے کی نصیحت کی کہ تم جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو' اللہ کے عذاب کا تمہیں ڈر نہیں؟ اس طرح توحید کی تعلیم کے بعد اپنی رسالت کی تلقین کی اور فرمایا' میں تمہاری طرف اللہ کا رسول علیہ السلام بن کر آیا ہوں اور میں امانت دار بھی ہوں' اس کا پیغام ہو بہو جو ہے وہی تمہیں سنا رہا ہوں۔ پس تمہیں اپنے دلوں کو اللہ کے ڈر سے پر رکھنا چاہئے اور میری تمام باتوں کو بلا چون و چرا مان لینا چاہیے۔ اور سنو' میں تم سے اس تبلیغ و رسالت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا مقصد اس سے صرف یہی ہے کہ میرا رب مجھے اس کا بدلہ اور ثواب عطا فرمائے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ میری سچائی' میری خیر خواہی تم پر خوب روشن ہے۔ ساتھ ہی میری دیانت داری اور امانت داری بھی تم پر واضح ہے۔

ہدایت طبقاتی عصبیت سے پاک ہے: ☆☆ (آیت: ۱۱۱-۱۱۵) قوم نوح نے رسول اللہؑ کو جواب دیا کہ چند سفلے اور چھوٹے لوگوں نے تیری بات مانی ہے' ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ان رذیلوں کا ساتھ دیں اور تیری مان لیں۔ اس کے جواب میں اللہ کے رسول علیہ السلام نے جواب دیا' یہ میرا فرض نہیں کہ کوئی حق قبول کرنے کو آئے تو میں اس سے اس کی قوم اور پیشہ دریافت کرتا پھروں۔ اندرونی حالات پر اطلاع

رکھنا' حساب لینا اللہ کا کام ہے۔ افسوس تمہیں اتنی سمجھ بھی نہیں۔ تمہاری اس چاہت کو پوری کرنا میرے اختیار سے باہر ہے کہ میں ان مسکینوں سے اپنی محفل خالی کرا لوں۔ میں تو اللہ کی طرف سے ایک آگاہ کر دینے والا ہوں' جو بھی مانے' وہ میرا اور جو نہ مانے' وہ خود ذمہ دار۔ شریف ہو یا رذیل ہو' امیر ہو یا غریب ہو' جو میری مانے' میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

انہوں نے کہا کہ اے نوح اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تجھے سنگسار کر دیا جائے گا ○ آپ نے کہا' اے میرے پروردگار' میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ○ پس تو مجھ میں اور ان میں کوئی قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے باایمان ساتھیوں کو نجات دے ○ چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو کھچا کھچ بھری ہوئی کشتی میں سوار کرا کر نجات دے دی ○ بعد ازاں باقی کے تمام لوگوں کو ہم نے ڈبو دیا ○ یقیناً اس میں بہت بڑی عبرت ہے' ان میں کے اکثر لوگ ایمان لانے والے تھے بھی نہیں ○ اور بے شک تیرا پروردگار البتہ وہی ہے زبردست رحم والا۔ عادیوں نے بھی رسول کو جھٹلایا ○ جب کہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کہ کیا تمہیں ڈر نہیں؟ ○

تذکرۂ نوح علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۱۱۶-۱۲۲) لمبی مدت تک جناب نوح علیہ السلام ان میں رہے' دن رات چھپے کھلے انہیں راہ الٰہی کی دعوت دیتے رہے لیکن جوں جوں آپ علیہ السلام اپنی نیکی میں بڑھتے گئے' وہ اپنی بدی میں سوا ہوتے گئے۔ بالآخر زور باندھتے باندھتے صاف کہہ دیا کہ اگر اب ہمیں اپنے دین کی دعوت دی تو ہم تجھ پر پتھراؤ کر کے تیری جان لے لیں گے۔ آپ کے ہاتھ بھی جناب باری میں اٹھ گئے' قوم کی تکذیب کی شکایت آسمان کی طرف بلند ہوئی۔ اور آپ نے فتح کی دعا کی۔ فرمایا کہ الٰہی میں مغلوب اور عاجز ہوں' میری مدد کر۔ میرے ساتھ میرے ساتھیوں کو بھی بچا لے۔ پس جناب باری عزوجل نے آپ کی دعا قبول کی۔ انسانوں جانوروں اور سامان اسباب سے کھچا کھچ بھری ہوئی کشتی میں سوار ہو جانے کا حکم دے دیا۔ یقیناً یہ واقعہ بھی عبرت آموز ہے لیکن تاہم اکثر لوگ بے یقین ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رب بڑے غلبے والا ہے لیکن وہ مہربان بھی بہت ہے۔

ہود علیہ السلام اور ان کی قوم: ☆☆ (آیت: ۱۲۳-۱۲۴) حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے عادیوں کو جو احقاف کے رہنے والے تھے' اللہ کی طرف بلایا' احقاف ملک یمن میں حضرموت کے پاس ریتیلی پہاڑیوں کے قریب ہے۔ ان کا زمانہ نوح علیہ السلام کے بعد کا ہے۔ سورہ اعراف میں بھی ان کا ذکر گزر چکا ہے کہ انہیں قوم نوح کا جانشین بنایا گیا اور انہیں بہت کچھ کشادگی اور وسعت دی گئی۔ ڈیل ڈول دیا' بڑی قوت و طاقت دی۔ پورے مال' اولاد' کھیت اور باغات' پھل اور اناج دیا۔ بکثرت دولت اور زر' بہت سی نہریں اور چشمے جا بجا دیئے۔ الغرض ہر طرح کی آسائش اور آسانی مہیا کی لیکن رب کی تمام نعمتوں کی ناقدری کرنے والے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والوں

نے اپنے نبی کو جھٹلایا۔ یہ انہی میں سے تھے۔ نبی نے انہیں سمجھایا، بجھایا، ڈرایا، دھمکایا۔

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِیْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳۵﴾

میں تمہارا امانت دار معتبر پیغمبر ہوں ○ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ○ میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ میرا ثواب تو تمام جہان کے پروردگار کے پاس ہی ہے ○ کیا تم ایک ایک ٹیلے پر بے فائدہ بطور کھیل تماشے کے نشانات لگا رہے ہو؟ ○ اور بڑی صنعت والے مضبوط محل تعمیر کر رہے ہو گویا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو گے ○ اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سختی اور ظلم سے پکڑتے ہو ○ اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو ○ اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہاری امداد کی جنہیں تم جانتے ہو ○ اس نے تمہاری مدد کی مال سے اور اولاد سے ○ باغات سے اور چشموں سے ○ مجھے تو تمہاری نسبت بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ○

(آیت: ۱۲۵۔۱۳۵) اپنا رسول ہونا ظاہر فرمایا۔ اپنی اطاعت اور اللہ کی عبادت، وحدانیت کی دعوت دی جیسے کہ نوح علیہ السلام نے دی تھی۔ اپنا بے لاگ ہونا، طالب دنیا نہ ہونا بیان فرمایا، اپنے خلوص کا بھی ذکر کیا۔ یہ جو فخر و ریا کے طور پر اپنے مال برباد کرتے تھے اور اونچے اونچے مشہور ٹیلوں پر اپنی قوت کے اور مال کے اظہار کے لیے بلند و بالا علامتیں بناتے تھے، اس فعل عبث سے انہیں ان کے نبی حضرت ہود علیہ السلام نے روکا کیونکہ اس میں بے کار دولت کا کھونا، وقت کا برباد کرنا اور مشقت اٹھانا ہے جس سے دین و دنیا کا کوئی فائدہ نہ مقصود ہوتا ہے نہ متصور۔ بڑے بڑے پختہ اور بلند برج اور مینار بناتے تھے جس کے بارے میں ان کے نبیؑ نے نصیحت کی کہ کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ یہیں ہمیشہ رہو گے، محبت دنیا نے تمہیں آخرت بھلا دی ہے لیکن یاد رکھو تمہاری یہ چاہت بے سود ہے۔ دنیا زائل ہونے والی ہے، تم خود فنا ہونے والے ہو۔ ایک قرأت میں كَاَنَّكُمْ خَلَدُوْنَ ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب مسلمانوں نے غوطہ میں محلات اور باغات کی تعمیر اعلیٰ پیمانے پر ضرورت سے زیادہ شروع کر دی تو حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے دمشق کے رہنے والو! سنو۔ لوگ سب جمع ہو گئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی، تم خیال نہیں کرتے کہ تم نے وہ جمع کرنا شروع کر دیا جسے تم کھا نہیں سکتے۔ تم نے وہ مکانات بنانے شروع کر دیئے جو تمہارے رہنے سہنے کے کام نہیں آتے، تم نے وہ دور دراز کی آرزوئیں کرنی شروع کر دیں جو پوری ہونی محال ہیں۔ کیا تم بھول گئے، تم سے اگلے لوگوں نے بھی جمع جتھا کر کے سنبھال سنبھال کر رکھا تھا۔ بڑے اونچے اونچے پختہ اور مضبوط محلات تعمیر کئے تھے۔ بڑی بڑی آرزوئیں باندھی تھیں لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دھوکے میں رہ گئے، ان کی پونجی برباد ہو گئی، ان کے مکانات اور بستیاں اجڑ گئیں۔ عادیوں کو دیکھو کہ عدن سے لے کر عمان تک ان کے گھوڑے اور اونٹ تھے لیکن آج وہ کہاں ہیں؟ ہے کوئی ایسا بے وقوف کہ قوم عاد کی میراث کو دو درہموں کے بدلے بھی خریدے۔

ان کے مال ومکانات کا بیان فرما کر ان کی قوت وطاقت کا بیان فرمایا کہ بڑے سرکش' متکبر اور سخت لوگ تھے۔ نبی اللہ علیہ صلوات اللہ نے انہیں اللہ سے ڈرنے اور اپنی اطاعت کرنے کا حکم دیا کہ عبادت رب کی کرو' اطاعت اس کے رسول کی کرو۔ پھر وہ نعمتیں یاد دلائیں جو اللہ نے ان پر انعام کی تھیں جنہیں وہ خود جانتے تھے۔ مثلاً چوپائے' جانور اور اولاد' باغات اور دریا۔ پھر اپنا اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر تم نے میری تکذیب کی اور میری مخالفت پر جمے رہے تو تم پر عذاب الٰہی برس پڑیں گے۔ لالچ اور ڈر دونوں دکھائے لیکن بے سود رہے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

ع ۷ ۱۸ ۱۱

انہوں نے کہا کہ آپ وعظ کہیں یا وعظ کہنے والوں میں نہ ہوں' ہم پر یکساں ہے ○ یہ تو پرانے لوگوں کا دین ہے۔ ہم ہرگز آفت زدہ نہیں ہونے والے ○ چونکہ عادیوں نے حضرت ہود کو جھٹلا دیا' اس لئے ہم نے انہیں تباہ کر دیا ○ یقیناً اس میں نشان ہے اور ان میں کے اکثر بے ایمان تھے ○ بے شک تیرا رب وہی ہے غالب مہربان ○

موثر بیانات بھی بے اثر: ☆☆ (آیت: ۱۳۶-۱۴۰) حضرت ہود علیہ السلام کے موثر بیانات نے اور آپ کی رغبت اور ڈر بھرے خطبوں نے قوم پر کوئی اثر نہیں کیا اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ آپ ہمیں وعظ سنائیں یا نہ سنائیں' نصیحت کریں یا نہ کریں' ہم تو اپنی روش کو چھوڑ نہیں سکتے۔ ہم آپ کی بات مان کر اپنے معبودوں سے دست بردار ہو جائیں' یہ یقیناً محال ہے۔ ہمارے ایمان سے آپ مایوس ہو جائیں' ہم آپ کی نہیں ماننے والے۔ فی الواقع کافروں کا یہی حال ہے کہ انہیں سمجھانا بے سود رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخر الزماںؐ سے بھی یہی فرمایا کہ ان ازلی کفار پر آپؐ کی نصیحت مطلق اثر نہیں کرے گی' یہ نصیحت کرنے اور ہوشیار کر دینے کے بعد بھی ویسے ہی رہیں گے جیسے پہلے تھے' یہ تو قدرتی طور پر ایمان سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ جن پر تیرے رب کی بات صادق آنے والی ہے' انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے والا۔ خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ کی دوسری قرات خَلْقُ الْاَوَّلِيْنَ بھی ہے یعنی جو باتیں تو ہمیں کہتا ہے' یہ تو اگلوں کی کہی ہوئی ہیں جیسے قریشیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جو صبح شام تمہارے سامنے پڑھی جاتی ہیں' یہ ایک بہتان ہے جسے تو نے گھڑ لیا ہے اور کچھ لوگ اپنے طرفدار کر لئے ہیں۔ مشہور قرأت کی بنا پر معنی یہ ہوئے کہ جس پر ہم ہیں' وہی ہمارے پرانے باپ دادوں کا مذہب ہے۔ ہم تو الٰہی کی راہ چلیں گے اور اسی روش پر رہیں گے' جئیں گے' پھر مر جائیں گے۔ جیسے وہ مر گئے۔ یہ محض لاف ہے کہ پھر ہم اللہ کے ہاں زندہ کئے جائیں گے۔ یہ بھی غلط ہے کہ ہمیں عذاب کیا جائے گا۔ آخرش ان کی تکذیب اور مخالفت کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ سخت تیز وتند آندھی ان پر بھیجی گئی اور یہ برباد کر دیئے گئے۔ یہی عاد اولیٰ تھے جنہیں ارم ذات العماد بھی کہا گیا ہے۔ یہ ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی نسل میں سے تھے۔ عمد میں یہ رہتے تھے۔ ارم حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے کا نام ہے نہ کہ کسی شہر کا۔ گو بعض لوگوں سے یہ بھی مروی ہے لیکن اس کے قائل بنی اسرائیل ہیں۔ ان سے سن سنا کر اوروں نے بھی یہی کہہ دیا۔ حقیقت میں اس کی کوئی مضبوط دلیل نہیں۔ اسی لئے قرآن نے ارم کا ذکر کرتے ہی فرمایا ہے کہ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ان جیسا اور کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔

اگر اس سے مراد شہر ارم ہوتا تو یوں فرمایا جاتا کہ اس جیسا اور کوئی شہر بنایا نہیں گیا۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَکْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ الخ عادیوں نے زمین میں تکبر کیا اور نعرہ لگایا کہ ہم سے بڑھ کر قوت والا کون ہے؟ کیا وہ اسے بھی بھول گئے کہ ان کا پیدا کرنے والا ان سے زیادہ قوی ہے۔ دراصل انہیں ہماری آیتوں سے انکار تھا۔ یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان پر صرف بیل کے نتھنے کے برابر ہوا چھوڑی گئی تھی جس نے ان کا' ان کے شہروں کا' ان کے مکانات کا نام ونشان مٹا دیا۔ جہاں سے گزر گئی' صفایا کر دیا۔ شائیں شائیں کرتی تمام چیزوں کا ستیاناس کرتی چلی تھی۔ تمام قوم کے سر الگ ہو گئے اور دھڑ الگ ہو گئے۔ عذاب الٰہی کو ہوا کی صورت میں آتا دیکھ کر قلعوں میں' محلات میں' محفوظ مکانات میں گھس گئے تھے' زمین میں گڑھے کھود کھود کر آدھے آدھے جسم ان میں ڈال کر محفوظ ہوئے تھے لیکن بھلا عذاب الٰہی کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ وہ ایک منٹ کے لئے بھی کسی کو مہلت اور دم لینے دیتا ہے؟ سب چٹ پٹ کر دیئے گئے اور اس واقعہ کو بعد میں آنے والوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا گیا' ان میں سے پھر بھی اکثر لوگ بے ایمان ہی رہے۔ اللہ کا غلبہ اور رحم دونوں مسلم تھے۔

کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٥﴾

ثمودیوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا ○ ان کے بھائی صالح نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ ○ میں تمہاری طرف اللہ کا امانت دار پیغمبر ہوں ○ تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا کرو۔ میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو بس پروردگار عالم پر ہی ہے ○

صالح علیہ السلام اور قوم ثمود: ☆☆ (آیت: ۱۴۱-۱۴۵) اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول حضرت صالح علیہ السلام کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ آپ اپنی قوم ثمود کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے' یہ لوگ عرب تھے۔ حجر نامی شہر میں رہتے تھے جو وادی القری اور ملک شام کے درمیان ہے۔ یہ عادیوں کے بعد اور ابراہیمیوں سے پہلے تھے۔ شام کی طرف جاتے ہوئے آپ کا اس جگہ سے گزرنے کا بیان سورۂ اعراف کی تفسیر میں پہلے گزر چکا ہے۔ انہیں ان کے نبی نے اللہ کی طرف بلایا کہ یہ اللہ کی توحید کو مانیں اور حضرت صالح علیہ السلام کی رسالت کا اقرار کریں لیکن انہوں نے بھی انکار کیا اور اپنے کفر پر جمے رہے' اللہ کے پیغمبر کو جھوٹا کہا۔ باوجود اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت سننے کی پرہیزگاری اختیار نہ کی۔ باوجود رسول امین کی موجودگی کے راہ ہدایت اختیار نہ کی۔ حالانکہ نبی کا صاف اعلان تھا کہ میں اپنا کوئی بوجھ تم پر ڈال نہیں رہا۔ میں تو اس رسالت کی تبلیغ کے اجر کا صرف اللہ تعالیٰ سے خواہاں ہوں' اس کے بعد اللہ کی نعمتیں انہیں یاد دلائیں۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿١٤٦﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٤٧﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٥١﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿١٥٢﴾

کیا ان چیزوں میں جو یہاں ہیں' تم امن کے ساتھ چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ ○ یعنی ان باغوں اور ان چشموں ○ اور ان کھیتوں اور ان کھجوروں کے باغوں میں جن کے

شگوفے بوجھ کے مارے ٹوٹے پڑتے ہیں O اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر پر تکلف مکانات بنا رہے ہو O پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O بے باک حد سے گزر جانے والوں کی اطاعت سے باز آ جاؤ O جو ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے O

صالح علیہ السلام کی باغی قوم: ☆☆ (آیت: ۱۴۶-۱۵۲) حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم میں وعظ فرما رہے ہیں' انہیں اللہ کی نعمتیں یاد دلا رہے ہیں اور اس کے عذابوں سے متنبہ فرما رہے ہیں کہ وہ اللہ جو تمہیں یہ کشادہ روزیاں دے رہا ہے' جس نے تمہارے لئے باغات اور چشمے' کھیتیاں اور پھل پھول مہیا فرما دیئے ہیں' امن چین سے تمہاری زندگی کے ایام پورے کر رہا ہے' تم اس کی نافرمانیاں کر کے انہی نعمتوں میں اور اسی امن و امان میں نہیں چھوڑے جا سکتے - ان باغات اور ان دریاؤں میں' ان کھیتوں' ان کھجوروں کے باغات میں جن کے خوشے کھجوروں کی زیادتی کے مارے بوجھل ہو رہے ہیں اور جھکے پڑتے ہیں' جن میں تہہ بہ تہہ تر کھجوریں بھرپور لگ رہی ہیں' جو نرم خوش نما میٹھی اور خوش ذائقہ کھجوروں سے لدے ہوئے ہیں' تم اللہ کی نافرمانیاں کر کے ان کو بہ آرام ہضم نہیں کر سکتے - اللہ نے تمہیں اس وقت جن مضبوط اور پر تکلف بلند اور عمدہ گھروں میں رکھ چھوڑا ہے' اللہ کی توحید اور میری رسالت سے انکار کے بعد یہ بھی قائم نہیں رہ سکتے - افسوس تم اللہ کی نعمت کی قدر نہیں کرتے' اپنا وقت اپنا روپیہ بے جا برباد کر کے یہ نقش و نگار والے مکانات' پہاڑوں میں بہ تصنع و تکلف صرف بڑائی اور ریاکاری کے لئے اپنی عظمت اور قوت کے مظاہرے کے لئے تراش رہے ہو جس میں کوئی نفع نہیں بلکہ اس کا وبال تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ پس تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور میری اتباع کرنی چاہئے۔ اپنے خالق' رازق' منعم' محسن کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری اور اس کی توحید کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جانا چاہئے۔ جس کا نفع تمہیں دنیا اور آخرت میں ملے' تمہیں اس کا شکر ادا کرنا چاہئے' اس کی تسبیح و تہلیل کرنی چاہئے' صبح شام اس کی عبادت کرنی چاہئے۔ تمہیں اپنے ان موجودہ سرداروں کی ہرگز نہ ماننی چاہئے۔ یہ تو حدود اللہ سے تجاوز کر گئے ہیں۔ توحید کو' اتباع کو بھلا بیٹھے ہیں۔ زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں' نافرمانی' گناہ' فسق و فجور پر خود لگے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی کی طرف بلا رہے ہیں اور حق کی موافقت اور اتباع کر کے اصلاح کی کوشش نہیں کرتے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾

وہ بولے پس بجز اس کے نہیں کہ تو تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا جائے O تو تو ہم جیسا ہی انسان ہے' اگر تو سچوں سے ہے تو کوئی معجزہ لے آ O

نبی کا اپنے آپ سے تقابل: ☆☆ (آیت: ۱۵۳-۱۵۴) ثمودیوں نے اپنے نبی کو جواب دیا کہ تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ گو ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ تو مخلوق میں سے ہے اور اس کی دلیل میں عربی کا ایک شعر بھی پیش کیا جاتا ہے لیکن ظاہر معنی پہلے ہی ہیں۔ اسی کے ساتھ انہوں نے کہا' تو تو ہم جیسا ایک انسان ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم میں سے تو کسی پر وحی نہ آئے اور تجھ پر آ جائے۔ کچھ نہیں۔ یہ صرف بناوٹ ہے' ایک خود ساختہ ڈرامہ ہے' محض جھوٹ اور صاف طوفان ہے۔ اچھا ہم کہتے ہیں' اگر تو واقعی سچا نبی ہے تو کوئی معجزہ دکھا' اس وقت ان کے چھوٹے بڑے سب جمع تھے اور یک زبان ہو کر سب نے معجزہ طلب کیا تھا۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا

فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

ع ۹ ۱۲

آپؑ نے فرمایا' یہ ہے اونٹنی - پانی پینے کی ایک باری اس کی اور ایک مقرر دن کی باری پانی پینے کی تمہاری ○ خبردار اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک بڑے بھاری دن کا عذاب تمہاری گرفت کر لے گا ○ پھر بھی انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں - پھر تو پشیمان ہو گئے - اور عذاب نے انہیں آ دبو چا بے شک اس میں عبرت ہے' اور ان میں کے اکثر لوگ مومن نہ تھے ○ اور بے شک تیرا رب بڑا زبردست اور مہربان ہے ○

(آیت: ۱۵۵-۱۵۹) آپ نے پوچھا کہ تم کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا' یہ سامنے جو پتھر کی بڑی ساری چٹان ہے' یہ ہمارے دیکھتے ہوئے پھٹے اور اس میں سے ایک گابھن اونٹنی اس اس رنگ کی اور ایسی ایسی نکلے - آپ نے فرمایا' اچھا اگر میں رب سے دعاء کروں اور وہ یہی معجزہ میرے ہاتھوں تمہیں دکھا دے' پھر تو تمہیں میری نبوت کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہو گا؟ سب نے پختہ وعدہ کیا - قول و قرار کیا کہ ہم سب ایمان لائیں گے اور آپؑ کی نبوت مان لیں گے - آپ بہت جلد یہ معجزہ دکھائیں - آپ نے اسی وقت نماز شروع کر دی - پھر اللہ عزوجل سے دعا کی' اسی وقت وہ پتھر پھٹا اور اسی طرح کی ایک اونٹنی ان کے دیکھتے ہوئے اس میں سے نکلی - کچھ لوگ تو حسب اقرار مومن ہو گئے لیکن اکثر لوگ پھر بھی کافر کے کافر رہے - آپ نے فرمایا' اب سنو ایک دن یہ پانی پئے گی اور ایک دن پانی کی باری تمہاری مقرر رہے گی - اب تم میں سے کوئی اسے برائی نہ پہنچائے ورنہ بدترین عذاب تم پر اتر پڑے گا - ایک عرصے تک تو وہ رکے رہے - اونٹنی ان میں رہی - چارہ چگتی اور اپنی باری والے دن پانی پیتی - اس دن یہ لوگ اس کے دودھ سے ہی سیر ہو جاتے - لیکن ایک مدت کے بعد ان کی بدبختی نے انہیں آ گھیرا' ان میں کے ایک بڑے ملعون نے اونٹنی کے مار ڈالنے کا ارادہ کر لیا اور کل اہل شہر اس کے موافق ہو گئے چنانچہ اس کی کوچیں کاٹ کر اسے مار ڈالا جس کے نتیجے میں انہیں سخت ندامت اور پشیمانی اٹھانی پڑی - عذاب اللہ نے انہیں دفعتہً آن دبوچا - ان کی زمینیں ہلا دی گئیں اور ایک چیخ سے سب کے سب ہلاک کر دیئے گئے - دل اڑ گئے' کلیجے پاش پاش ہو گئے اور وہم و گمان بھی جس چیز کا نہ تھا' وہ آن پڑا' اول تا آخر سب غارت ہو گئے اور دنیا جہان کے لئے یہ خوفناک واقعہ عبرت افزا ہو گیا - اتنی بڑی نشانی اپنی آنکھوں دیکھ کر بھی ان میں سے اکثر لوگوں کو ایمان لانا نصیب نہ ہوا - اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ غالب ہے اور وہ رحیم بھی ہے -

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾
وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾
اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ
لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا
لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾
قَالَ اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

قوم لوط نے بھی نبیوں کو جھٹلایا ○ ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم خوف الٰہی نہیں رکھتے؟ ○ میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں ○ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے جو تمام جہان کا رب ہے ○ کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو؟ ○ اور تمہاری جن عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری جوڑ بنایا ہے' چھوڑ دیتے ہو؟ بات یہ ہے کہ تم لوگ ہو ہی حد سے گزر جانے والے ○ انہوں نے جواب دیا کہ اے لوط اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً نکال دیا جائے گا ○ آپ نے فرمایا' میں تو تمہارے کام سے سخت ناخوش ہوں ○

لوط علیہ السلام اور ان کی قوم: ☆☆ (آیت ۱۶۰-۱۶۴) اب اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بیان فرما رہا ہے۔ ان کا نام لوط بن ہاران بن آزر تھا۔ یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات میں بہت بڑی امت کی طرف بھیجا تھا۔ یہ لوگ سدوم اور اس کے پاس بستے تھے۔ بالآخر یہ بھی اللہ کے عذابوں میں پکڑے گئے۔ سب کے سب ہلاک ہوئے اور ان کی بستیوں کی جگہ ایک جھیل سڑے ہوئے گندے کھاری پانی کی باقی رہ گئی۔ یہ اب تک بھی بلاد غور میں مشہور ہے جو کہ بیت المقدس اور کرک وشوبک کے درمیان ہے۔ ان لوگوں نے بھی رسول اللہ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ آپ نے انہیں اللہ کی معصیت چھوڑنے اور اپنی تابعداری کرنے کی ہدایت کی۔ اپنا رسول ہو کر آنا ظاہر کیا۔ انہیں اللہ کے عذابوں سے ڈرایا' اللہ کی باتیں مان لینے کو فرمایا۔ اعلان کر دیا کہ میں تمہارے پیسے ٹکے کا محتاج نہیں' میں صرف اللہ واسطے تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ تم اپنے اس خبیث فعل سے باز آؤ یعنی عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے حاجت روائی کرنے سے رک جاؤ لیکن انہوں نے اللہ کے رسول علیہ السلام کی نہ مانی بلکہ ایذائیں پہنچانے لگے۔

ہم جنس پرستی کا شکار: ☆☆ (آیت: ۱۶۵-۱۶۸) لوط نبی علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کی خاص بدکرداری سے روکا کہ تم مردوں کے پاس شہوت سے نہ آؤ۔ ہاں اپنی حلال بیویوں سے اپنی خواہش پوری کرو جنہیں اللہ نے تمہارے لئے جوڑا بنا دیا ہے۔ رب کی مقررہ حدوں کا ادب واحترام کرو۔ اس کا جواب ان کے پاس یہی تھا کہ اے لوط علیہ السلام اگر تو باز نہ آیا تو ہم تجھے جلاوطن کر دیں گے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان پاکباز لوگوں کو تو الگ کر دو۔ یہ دیکھ کر آپ نے ان سے بیزاری اور دست برداری کا اعلان کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں تمہارے اس برے کام سے ناراض ہوں' میں اسے پسند نہیں کرتا' میں اللہ کے سامنے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع ۹ (۱۶) ۱۲

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

میرے پروردگار مجھے اور میرے گھرانے کو اس وبال سے بچا لے جو یہ کرتے ہیں ○ پس ہم نے اسے اور اس کے متعلقین کو سب کو بچا لیا ○ بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہو گئی ○ پھر ہم نے باقی کے اور سب کو ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا' پس بہت ہی برا مینہ تھا جو ڈرائے گئے

ہوئے لوگوں پر برسا ○ یہ ماجرا بھی سراسر عبرت ہے' ان میں کے بھی اکثر مسلمان نہ تھے ○ بے شک تیرا پروردگار وہی ہے غلبے والا مہربانی والا ○ ایکہ والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ○ جب کہ ان سے شعیب نے کہا کہ کیا تمہیں ڈر خوف نہیں؟ ○

(آیت:۱۶۹-۱۷۵) پھر اللہ سے ان کے لئے بددعا کی اور اپنی اور اپنے گھرانے کی نجات طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو نجات دی مگر آپ کی بیوی نے اپنی قوم کا ساتھ دیا اور انہی کے ساتھ تباہ ہوئی۔ جیسے کہ سورۂ اعراف' سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں بالتفصیل بیان گزر چکا ہے۔ آپ اپنے والوں کو لے کر اللہ کے فرمان کے مطابق اس بستی سے چل کھڑے ہوئے۔ حکم تھا کہ آپ کے نکلتے ہی ان پر عذاب آئے گا۔ اس وقت پلٹ کر ان کی طرف دیکھنا بھی نہیں۔ پھر ان سب پر عذاب برسا اور سب برباد کر دیئے گئے۔ ان پر آسمان سے سنگ باری ہوئی۔ اور ان کا انجام بد ہوا۔ یہ بھی عبرتناک واقعہ ہے۔ ان میں سے بھی اکثر بے ایمان تھے۔ رب کے غلبے میں' اس کے رحم میں کوئی شک نہیں۔

شعیب علیہ السلام: ☆☆ (آیت:۱۷۶-۱۸۰) یہ لوگ مدین کے رہنے والے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی ان ہی میں سے تھے' آپ کو ان کا بھائی صرف اس لئے نہیں کہا گیا کہ اس آیت میں ان لوگوں کی نسبت ایکہ کی طرف کی ہے جسے یہ لوگ پوجتے تھے۔ ایکہ ایک درخت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے اور نبیوں کو ان کی امتوں کا بھائی فرمایا گیا' انہیں ان کا بھائی نہیں کہا گیا ورنہ یہ لوگ بھی انہی کی قوم میں سے تھے۔ بعض لوگ جن کے ذہن کی رسائی اس نکتے تک نہیں ہوئی' وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ آپ کی قوم میں سے نہ تھے اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کا بھائی نہیں فرمایا گیا۔ یہ اور ہی قوم تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کی طرف بھی بھیجے گئے تھے اور ان لوگوں کی طرف بھی۔ بعض کہتے ہیں' ایک تیسری امت کی طرف بھی آپ کی بعثت ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ کسی نبی کو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ نہیں بھیجا سوائے حضرت شعیب علیہ السلام کے کہ ایک مرتبہ انہیں مدین والوں کی طرف بھیجا اور ان کی تکذیب کی وجہ سے انہیں ایک چنگھاڑ کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ اور دوبارہ انہیں ایکہ والوں کی طرف بھیجا اور ان کی تکذیب کی وجہ سے ان پر سائے والے دن کا عذاب آیا اور وہ برباد ہوئے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس کے راویوں میں ایک راوی اسحاق بن بشر کاہلی ہے جو ضعیف ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اصحاب رس اور اصحاب ایکہ قوم شعیب ہے۔ اور ایک بزرگ فرماتے ہیں' اصحاب ایکہ اور اصحاب مدین ایک ہی ہیں۔ واللہ اعلم۔ ابن عساکر میں ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ قوم مدین اور اصحاب ایکہ دو قومیں ہیں۔ ان دونوں امتوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا تھا لیکن یہ حدیث غریب ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں کلام ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ موقوف ہی ہو۔ صحیح امر یہی ہے کہ یہ دونوں ایک ہی امت ہیں۔ دونوں جگہ ان کے وصف الگ الگ بیان ہوئے ہیں مگر وہ ایک ہی ہے۔ اس کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ دونوں قصوں میں حضرت شعیب علیہ السلام کا وعظ ایک ہی ہے۔ دونوں کو ناپ تول صحیح کرنے کا حکم دیا ہے۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٧٩﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٨٠﴾ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾

میں تمہاری طرف امانت دار اور رسول ہوں ○ تو تم اللہ کا خوف کھاؤ اور میری فرمانبرداری کرو ○ میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا' میرا اجر تمام جہان کے پالنے والے کے پاس ہے ○ ناپ پورا بھرا کرو' کم دینے والوں میں شمولیت نہ کرو ○ اور سیدھی صحیح ترازو سے تولا کرو ○ لوگوں کو ان کی چیزیں کمی سے نہ دو اور بے باکی کے ساتھ زمین پر فساد مچاتے نہ پھرو ○ اس اللہ کا خوف رکھو جس نے خود تمہیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا ہے ○

ڈنڈی مار قوم : ☆☆ (آیت: ۱۸۱-۱۸۴) حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو ناپ تول درست کرنے کی ہدایت کر رہے ہیں۔ ڈنڈی مارنے اور ناپ تول میں کمی کرنے سے روکتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب کسی کو کوئی چیز ناپ کر دو تو پورا پیمانہ بھر کر دو' اس کے حق سے کم نہ کرو۔ اسی طرح دوسرے سے جب لو تو زیادہ لینے کی کوشش اور تدبیر نہ کرو۔ یہ کیا کہ لینے کے وقت پورا لو اور دینے کے وقت کم دو؟ لین دین دونوں صاف اور پورا رکھو۔ ترازو اچھی رکھو جس میں تول صحیح آئے۔ بٹے بھی پورے رکھو۔ تول میں عدل کرو' ڈنڈی نہ مارو' کم نہ تولو۔ کسی کو اس کی چیز کم نہ دو۔ کسی کی راہ نہ مارو۔ چوری چکاری لوٹ مار' غارتگری' رہزنی سے بچو۔ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر' خوف زدہ کر کے ان سے مال نہ لوٹو۔ اس اللہ کے عذابوں کا خوف رکھو جس نے تمہیں اور سب اگلوں کو پیدا کیا ہے۔ جو تمہارا اور تمہارے بڑوں کا رب ہے یہی لفظ آیت وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا میں بھی اسی معنی میں ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

کہنے لگے تو تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا جاتا ہے ○ اور تو تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اور ہم تو تجھے جھوٹ بولنے والوں میں سے ہی سمجھتے ہیں ○ اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے ○ کہا کہ میرا رب خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو ○ چونکہ انہوں نے اسے جھٹلایا تو انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا' وہ بڑے بھاری دن کا عذاب تھا ○ یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے۔ اور ان میں سے اکثر مسلمان نہ تھے ○ اور یقیناً تیرا پروردگار البتہ وہی ہے غلبے والا مہربانی والا ○

مشرکین کی وہی حماقتیں : ☆☆ (آیت: ۱۸۵-۱۹۱) ثمودیوں نے جو جواب اپنے نبی کو دیا تھا' وہی جواب ان لوگوں نے بھی اپنے رسولوں کو دیا کہ تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ تیری عقل ٹھکانے نہیں رہی۔ تو ہم جیسا ہی انسان ہے اور ہمیں تو یقین ہے کہ تو جھوٹا آدمی ہے۔ اللہ نے تجھے نہیں بھیجا۔ اچھا تو اگر اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دے۔ آسمانی عذاب ہم پر لے آ۔ جیسے قریشیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ہم تو تجھ پر ایمان لانے کے نہیں جب تک کہ تو عرب کی اس ریتیلی زمین میں دریا نہ بہا دے' یہاں تک کہا کہ یا تو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے جیسے کہ تیرا خیال ہے یا تو اللہ تعالیٰ کو یا فرشتوں کو کھلم کھلا لے آئے۔ اور آیت میں ہے کہ انہوں نے کہا الٰہی اگر یہ تیرے پاس سے ہے اور حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے۔ اسی طرح ان جاہل کافروں نے کہا کہ تو ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا

دے۔ رسول علیہ السلام نے جواب دیا کہ اللہ کو تمہارے اعمال بخوبی معلوم ہیں۔ جس لائق تم ہو وہ خود کر دے گا۔ اگر تم اس کے نزدیک آسمانی عذاب کے قابل ہو تو بلا تاخیر تم پر آسمانی عذاب آ جائے گا‘ اللہ ظالم نہیں کہ بے گناہوں کو سزا دے۔

بالآخر جس قسم کا عذاب یہ مانگ رہے تھے‘ اسی قسم کا عذاب ان پر آیا۔ انہیں سخت گرمی محسوس ہوئی‘ سات دن تک گویا زمین ابلتی رہی۔ کسی جگہ کسی سایے میں ٹھنڈک یا راحت میسر نہ ہوئی‘ تڑپ اٹھے‘ بیقرار ہو گئے‘ سات دن کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک سیاہ بادل ان کی طرف چلا آ رہا ہے‘ وہ آ کر ان کے سروں پر چھا گیا‘ یہ سب گرمی اور حرارت سے زچ ہو گئے تھے۔ اس کے نیچے جا بیٹھے۔ جب سارے کے سارے اس کے سائے میں پہنچ گئے‘ وہیں بادل میں سے آگ برسنے لگی۔ ساتھ ہی زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگی اور اس زور کی ایک آواز آئی جس سے ان کے دل پھٹ گئے‘ جان نکل گئی اور سارے کے سارے بہ یک آن تباہ و ویران ہو گئے۔ اس دن کے سائبان والے سخت عذاب نے ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ سورۂ اعراف میں تو فرمایا گیا ہے کہ ایک زلزلے کے ساتھ ہی یہ سب ہلاک ہو گئے۔ سورۂ ہود میں بیان ہوا ہے کہ ان کی تباہی کا باعث ایک خطرناک دل شکن چیخ تھی اور یہاں بیان ہوا کہ انہیں سائبان کے دن کے عذاب نے قابو کر لیا تو تینوں مقامات پر تینوں عذابوں کا ایک ایک کر کے ذکر اس مقام کی عبارت کی مناسبت کی وجہ سے ہوا ہے۔ سورۂ اعراف میں ان کی اس خباثت کا ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو دھمکایا تھا کہ اگر تم ہمارے دین میں نہ آئے تو ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو شہر بدر کر دیں گے۔ چونکہ وہاں نبی کے دل کو ہلانے کا ذکر تھا‘ اس لئے عذاب بھی ان کے جسموں کو مع دلوں کے ہلا دینے والے یعنی زلزلے اور جھٹکے کا ذکر ہوا۔ سورۂ ہود میں ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے نبی کو بطور مذاق کے کہا تھا کہ آپ تو بڑے بردبار اور بھلے آدمی ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ بڑے بکی بکواسی اور برے آدمی ہیں تو وہاں عذاب میں چیخ اور چنگھاڑ کا بیان ہوا۔ یہاں چونکہ ان کی آرزو آسمان کے ٹکڑے کے گرنے کی تھی تو عذاب کا ذکر بھی سائبان نما ابر کے ٹکڑے سے ہوا۔ فسبحانہ ما اعظم شانہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ سات دن تک وہ گرمی پڑی کہ الامان والحفیظ‘ کہیں ٹھنڈک کا نام نہیں تھا‘ تلملا اٹھے۔ اس کے بعد ایک ابر اٹھا اور امڈا۔ اس کے سائے میں ایک شخص پہنچا اور وہاں راحت اور ٹھنڈک پا کر اس نے دوسروں کو بلایا۔ جب سب جمع ہو گئے تو ابر پھٹا اور اس میں سے آگ برسی۔ یہ بھی مروی ہے کہ ابر جو بطور سائباں کے تھا‘ ان کے جمع ہوتے ہی ہٹ گیا اور سورج سے ان پر آگ برسی۔ جس نے ان سب کا بھرتا بنا دیا۔ محمد بن کعب قرظی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں‘ اہل مدین پر تینوں عذاب آئے‘ شہروں میں زلزلہ آیا جس سے خائف ہو کر حدود شہر سے باہر آ گئے۔ باہر جمع ہوتے ہی گھبراہٹ‘ پریشانی اور بے کلی شروع ہو گئی تو وہاں سے بھگدڑ مچی لیکن شہر میں جانے سے ڈرے۔ وہیں دیکھا کہ ایک ابر کا ٹکڑا ایک جگہ ہے‘ ایک اس کے نیچے گیا اور اس کی ٹھنڈک محسوس کر کے سب کو آواز دی کہ یہاں آ جاؤ‘ یہاں جیسی ٹھنڈک اور تسکین تو کبھی دیکھی ہی نہیں۔ یہ سنتے ہی سب اس کے نیچے جمع ہو گئے کہ اچانک ایک چیخ کی آواز آئی جس سے کلیجے پھٹ گئے اور سب کے سب مر گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ سخت گرج‘ کڑک اور گرمی شروع ہوئی جس سے سانس گھٹنے لگے اور بے چینی حد کو پہنچ گئی۔ گھبرا کر شہر چھوڑ کر میدان میں جمع ہو گئے۔ یہاں بادل آیا جس کے نیچے ٹھنڈک اور راحت حاصل کرنے کے لئے سب جمع ہوئے۔ وہیں آگ برسی اور سب جل بھن گئے۔ یہ تھا سائبان والے بڑے بھاری دن کا عذاب جس نے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔ یقیناً یہ واقعہ سراسر عبرت اور قدرت الٰہی کی ایک زبردست نشانی ہے۔ ان میں سے اکثر بے ایمان تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بد بندوں سے انتقام لینے میں غالب ہے‘ کوئی اسے مغلوب نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے نیک بندوں پر مہربان ہے۔ انہیں بچا لیا کرتا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾

بے شک وشبہ یہ قرآن رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے ○ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے ○ تیرے دل پر اترا ہے تا کہ تو آگاہ کر دینے والوں میں سے ہو جائے ○ صاف عربی زبان میں ہے ○

مبارک کتاب: ☆☆ (آیت:۱۹۲-۱۹۵) سورت کی ابتدا میں قرآن کریم کا ذکر آیا تھا۔ وہی ذکر پھر تفصیلاً بیان ہو رہا ہے کہ یہ مبارک کتاب قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔ روح الامین سے مراد حضرت جبرئیلؑ ہیں جن کے واسطے سے یہ وحی سرور رسل علیہ السلام پر اتری ہے۔ جیسے فرمان ہے۔ قل من کان عدو الجبریل یعنی اس قرآن کو بحکم الٰہی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تیرے دل پر نازل فرمایا ہے' یہ قرآن اگلی تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ یہ فرشتہ ہمارے ہاں ایسا مکرم ہے کہ اس کا دشمن ہمارا دشمن ہے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جس سے روح الامین بولے' اسے زمین نہیں کھاتی۔ اس بزرگ با مرتبہ فرشتے نے جو فرشتوں کا سردار ہے' تیرے دل پر اس پاک اور بہتر کلام الٰہی کو نازل فرمایا ہے جو ہر طرح کے میل کچیل سے' کمی زیادتی سے' نقصان اور کجی سے پاک ہے۔ تا کہ تو اللہ کے مخالفین کو' گنہگاروں کو اللہ کی سزا سے بچاؤ کرنے کی رہبری کر سکے۔ اور تابع فرمان لوگوں کو اللہ کی مغفرت و رضوان کی خوشخبری پہنچا سکے۔ یہ کھلی فصیح عربی زبان میں ہے۔ تا کہ ہر شخص سمجھ سکے' پڑھ سکے۔ کسی کا عذر باقی نہ رہے اور ہر ایک پر قرآن کریم اللہ کی حجت بن جائے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے نہایت فصاحت سے ابر کے اوصاف بیان کئے جسے سن کر صحابہؓ کہہ اٹھے کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ تو کمال درجے کی فصیح و بلیغ زبان بولتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' بھلا میری زبان ایسی پاکیزہ کیوں نہ ہوگی۔ قرآن بھی تو میری زبان میں اترا ہے۔ فرمان ہے بلسان عربی مبین۔ امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' وحی عربی میں اتری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کے لئے ان کی زبان میں ترجمہ کر دیا۔ قیامت کے دن سریانی زبان ہوگی۔ ہاں جنتیوں کی زبان عربی ہوگی (ابن ابی حاتم)

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

اگلے نبیوں کی کتابوں میں بھی اس قرآن کا مذکور ہے ○ کیا انہیں یہ نشان کافی نہیں کہ حقانیت قرآن کو تو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں ○ اگر ہم اسے کسی عجمی شخص پر نازل فرماتے ○ اور وہ ان کے سامنے اس کی تلاوت کرتا تو یہ اسے باور کرنے والے نہ ہوتے ○

بشارت و تصدیق یافتہ کتاب: ☆☆ (آیت:۱۹۶-۱۹۹) فرماتا ہے کہ اللہ کی اگلی کتابوں میں بھی [illegible] اور آخری اللہ کے کلام کی پیشین گوئی اور اس کی تصدیق وصفت موجود ہے۔ اگلے نبیوں نے بھی اس کی بشارت دی ہے۔ یہاں تک کہ ان تمام نبیوں کے آخری نبی جن کے بعد حضور علیہ السلام تک اور کوئی نبی نہ تھا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو جمع کر کے جو خطبہ دیتے ہیں' اس میں فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جو اگلی کتابوں کو سچا بتانے کے ساتھ ہی آنے والے رسول حضرت محمد ﷺ کی

بشارت تمہیں سناتا ہوں- زبور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کا نام ہے' یہاں زبر کا لفظ کتابوں کے معنی میں ہے- جیسے فرمان ہے- وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ جو کچھ یہ کر رہے ہیں' سب کتابوں میں تحریر ہے-

پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ سمجھیں اور ضد اور تعصب نہ کریں تو قرآن کی حقانیت پر یہی دلیل کیا کم ہے کہ خود بنی اسرائیل کے علماء اسے مانتے ہیں- ان میں سے جو حق گو اور بے تعصب ہیں وہ توراۃ کی ان آیتوں کا لوگوں پر کھلے عام ذکر کر رہے ہیں جن میں حضور ﷺ کی بعثت' قرآن کا ذکر اور آپ کی حقانیت کی خبر ہے- حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان جیسے حق گو حضرات نے دنیا کے سامنے توراۃ و انجیل کی وہ آیتیں رکھ دیں جو حضور ﷺ کی شان والاشان کو ظاہر کرنے والی تھیں-

اس کے بعد کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس فصیح و بلیغ' جامع و بالغ' حق کلام کو ہم کسی عجمی پر نازل فرماتے' پھر بھی کوئی شک ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ ہمارا کلام ہے- مگر مشرکین قریش اپنے کفر اور اپنی سرکشی میں اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اس وقت بھی وہ ایمان نہ لاتے- جیسے فرمان ہے کہ اگر آسمان کا دروازہ بھی ان کے لئے کھول دیا جاتا اور یہ خود چڑھ جاتے' تب بھی یہی کہتے' ہمیں نشہ پلا دیا گیا ہے- ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے- اور آیت میں ہے' اگر ان کے پاس فرشتے آ جاتے اور مردے بول اٹھتے' تب بھی انہیں ایمان نصیب نہ ہوتا- ان پر عذاب کا کلمہ ثابت ہو چکا' عذاب ان کا مقدر ہو چکا اور ہدایت کی راہ مسدود کر دی گئی-

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِي قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۲۰۰ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۲۰۱ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۰۲ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝۲۰۳ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۲۰۴ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝۲۰۵ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝۲۰۶ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝۲۰۷ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝۲۰۸ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۲۰۹

اسی طرح ہم نے گنہگاروں کے دلوں میں اس انکار کو لا رکھا ہے ○ وہ جب تک دردناک عذابوں کا ملاحظہ نہ کر لیں' ایمان نہ لائیں گے ○ پس وہ عذاب تو ان کے پاس ناگہاں آ جائے گا' انہیں اس کا شعور بھی نہ ہوگا ○ اس وقت کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی؟ ○ کیا یہ ہمارے عذابوں کی جلدی مچا رہے ہیں؟ ○ اچھا یہ بھی بتلا دو کہ اگر ہم نے انہیں کئی سال بھی فائدہ اٹھانے دیا ○ پھر انہیں وہ عذاب آ لگا جس سے یہ دھمکائے جاتے تھے ○ تو جو کچھ بھی یہ برتتے رہے' اس میں سے کچھ بھی انہیں فائدہ نہ پہنچا سکے گا ○ ہم نے جس بستی کو ہلاک کیا ہے' اسی حال میں کہ اس کے ڈرانے والے تھے ○ نصیحت کرنے کے لئے ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں ○

کفر و انکار: ☆☆ (آیت: ۲۰۰-۲۰۹) تکذیب و کفر' انکار و عدم تسلیم کو ان مجرموں کے دل میں بٹھا دیا ہے- یہ جب تک عذاب اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں' ایمان نہیں لائیں گے- اس وقت اگر ایمان لائے بھی تو محض بے سود ہوگا' ان پر لعنت برس چکی ہوگی- برائی مل چکی ہو گی- نہ پچھتانا کام آئے نہ معذرت نفع دے- عذاب الٰہی آئیں گے اور اچانک ان کی بے خبری میں ہی آ جائیں گے- اس وقت ان کی تمنائیں اگر ذرا سی بھی مہلت پائیں تو نیک بن جائیں' بے سود ہوں گی- ایک انہی پر کیا موقوف ہے' ہر ظالم' فاجر' فاسق' کافر' بدکار عذاب کو

دیکھتے ہی سیدھا ہو جاتا ہے۔ نادم ہوتا ہے' توبہ تلا کرتا ہے مگر سب لاحاصل۔

فرعون ہی کو دیکھئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لئے بددعا کی جو قبول ہوئی' عذاب کو دیکھ کر ڈوبتے ہوئے کہنے لگا کہ اب میں مسلمان ہوتا ہوں لیکن جواب ملا کہ یہ ایمان بے سود ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں ہے کہ ہمارا عذاب دیکھ کر ایمان کا اقرار کیا۔ پھر ان کی ایک اور بدبختی بیان ہو رہی ہے کہ وہ اپنے نبیوں سے کہتے تھے' اگر سچے ہو تو عذاب الٰہی لاؤ۔ اگرچہ ہم انہیں مہلت دیں اور کچھ دنوں تک کچھ مدت تک انہیں عذاب سے بچائے رکھیں۔ پھر ان کے پاس ہمارا مقررہ عذاب آ جائے۔ ان کا حال' ان کی نعمتیں' ان کی جاہ و حشمت' غرض کوئی چیز انہیں ذرا سا بھی فائدہ نہیں دے سکتی۔ اس وقت تو یہی معلوم ہوگا کہ شاید ایک صبح یا ایک شام ہی دنیا میں رہے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے یَوَدُّ اَحَدُهُمْ الخ ان میں سے ہر ایک کی چاہت ہے کہ وہ ہزار ہزار سال جئے لیکن اتنی عمر بھی اللہ کے عذاب ہٹا نہیں سکتی۔ یہی یہاں بھی فرمایا ہے کہ اسباب ان کے کچھ کام نہ آئیں گے' الٹا عذاب میں مبتلا ہوتے وقت ان کی تمام طاقتیں اور اسباب یونہی رکھے کے رکھے رہ جائیں گے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ کافر کو قیامت کے دن لایا جائے گا' پھر آگ میں ایک غوطہ دلوا کر پوچھا جائے گا کہ تو نے کبھی راحت بھی اٹھائی ہے تو کہے گا اللہ کی قسم میں نے کبھی کوئی راحت نہیں دیکھی اور ایک اس شخص کو لایا جائے گا جس نے پوری عمر واقعی کوئی راحت چکھی ہی نہ ہو۔ اسے جنت کی ہوا کھلا کر لایا جائے گا اور سوال ہوگا کہ کیا تو نے عمر بھر کبھی کوئی برائی دیکھی ہے؟ تو وہ کہے گا ''اے اللہ تیری ذات پاک کی قسم میں نے کبھی کوئی زحمت نہیں اٹھائی''۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عموماً یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ جب تو اپنی مراد کو پہنچ گیا تو گویا تو نے کبھی کسی تکلیف کا نام بھی نہیں سنا۔

اللہ عزوجل اس کے بعد اپنے عدل کی خبر دیتا ہے کہ کبھی اس نے حجت ختم ہونے سے پہلے کسی امت کو ختم نہیں کیا۔ رسولوں کو بھیجتا ہے' کتابیں اتارتا ہے' خبریں دیتا ہے' ہوشیار کرتا ہے۔ پھر نہ ماننے والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ پس فرمایا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انبیاء کے بھیجنے سے پہلے ہی ہم نے کسی امت پر عذاب بھیج دیئے ہوں۔ ڈرانے والے بھیج کر' نصیحت کر کے' عذر ہٹا کر پھر نہ ماننے پر عذاب ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا' تیرا رب کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی بستیوں کی صدر بستی میں کسی رسول کو نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

اس قرآن کو شیطان نہیں لائے ○ نہ وہ اس کے قابل ہیں نہ انہیں اس کی طاقت ہے ○ بلکہ وہ تو سننے سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں ○

یہ کتاب عزیز: ☆☆ (آیت: ۲۱۰-۲۱۲) یہ کتاب عزیز جس کے آس پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا' جو حکیم و حمید اللہ کی طرف سے اتری ہے' جس کو روح الامین جو قوت و طاقت والے ہیں' لے کر آئے ہیں' اسے شیاطین نہیں لائے۔ پھر ان کے نہ لانے پر تین وجوہات بیان کی گئیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس کے لائق ہی نہیں۔ ان کا کام مخلوق کو بہکانا ہے نہ کہ راہ راست پر لانا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو اس کتاب کی شان ہے' ان کے سراسر خلاف ہے۔ یہ نور ہے' یہ ہدایت ہے' یہ برہان ہے۔ اور شیاطین ان تینوں چیزوں سے چڑتے ہیں' وہ ظلمت کے دلدار اور ضلالت کے ہیرو ہیں۔ وہ جہالت کے شیدا ہیں۔ پس اس کتاب میں اور ان میں تو تباین اور اختلاف ہے۔ کہاں وہ کہاں یہ؟ دوسری وجہ یہ کہ وہ جہاں اس کے اہل نہیں' وہاں ان میں اس کو اٹھانے اور لانے کی طاقت بھی نہیں۔ یہ تو وہ ذی عزت اور

مرتبے والا کلام ہے کہ اگر کسی بڑے سے بڑے پہاڑ پر بھی اترے تو اسے چکنا چور کر دے۔

پھر تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ تو اس کے نزول کے وقت ہٹا دیئے گئے تھے۔ انہیں تو سننا بھی نہیں ملا۔ تمام آسمان پر سخت پہرہ چوکی تھی' یہ سننے کے لئے چڑھتے تھے تو ان پر آگ برسائی جاتی تھی۔ اس کا ایک حرف سن لینا بھی ان کی طاقت سے باہر تھا۔ تاکہ اللہ کا کلام محفوظ طریقے پر ان کے نبی ﷺ کو پہنچے اور آپ کی وساطت سے مخلوق الٰہی کو پہنچے۔ جیسے سورۂ جن میں خود جنات کا مقولہ بیان ہوا ہے کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہرے چوکی سے بھرپور پایا اور جگہ جگہ شعلے متعین پائے' پہلے تو ہم بیٹھ کرا کا دکا بات اڑا لایا کرتے تھے لیکن اب تو کان لگاتے ہی شعلہ لپکتا ہے اور جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار کہ تو بھی سزا کے قابل بن جائے ○ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا دے ○ ان کے ساتھ فروتنی سے پیش آ جو بھی ایمان لانے والا ہو کر تیری تابعداری کرے ○ اگر یہ لوگ تیری نافرمانی کریں تو تو اعلان کر دے کہ میں ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم کر رہے ہو ○ اپنا پورا بھروسہ غالب مہربان اللہ پر رکھ ○ جو تجھے دیکھتا رہتا ہے جب کہ تو کھڑا ہوتا ہے ○ اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تیرا گھومنا پھرنا بھی ○ وہ بڑا ہی سننے والا اور خوب جاننے والا ہے ○

مستحق سزا لوگوں سے الگ ہو جاؤ: ☆☆ (آیت: ۲۱۳-۲۲۰) خود اپنے نبی ﷺ سے خطاب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ صرف میری ہی عبادت کر۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر' جو بھی ایسا کرے گا' وہ ضرور مستحق سزا ہے۔ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہوشیار کر دے کہ بجز ایمان کے کوئی چیز نجات دہندہ نہیں۔ پھر حکم دیتا ہے کہ موحد' متبع سنت لوگوں سے فروتنی کے ساتھ ملتا جلتا رہ۔ اور جو بھی میرے حکم نہ مانے' خواہ کوئی ہو' تو اس سے بے تعلق ہو جا۔ اور اپنی بیزاری کا اظہار کر دے۔ یہ خاص طور کی' خاص لوگوں کی تنبیہ عام لوگوں کی تنبیہ کے منافی نہیں کیونکہ یہ اس کا جز ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے' تو اس قوم کو ڈرا دے جن کے بڑے بھی ڈرائے نہیں گئے اور جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور آیت میں ہے۔ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا تاکہ تو مکے والوں کو اور اس کے اردگرد والوں کو سب کو ڈرائے۔ اور آیت میں ہے' تو اس قرآن سے انہیں ہوشیار کر دے جو اپنے رب کے پاس جمع ہونے سے خوف زدہ ہو رہے ہیں۔ دیگر آیت میں ارشاد فرمایا کہ تو اس قرآن سے پرہیزگاروں کو خوشخبری سنا دے اور سرکشوں کو ڈرا دے۔ اور آیت میں فرمایا۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ تاکہ میں اسی قرآن کے ساتھ تمہیں اور جسے بھی یہ پہنچے ڈرا دوں۔ اور فرمان ہے' اس کے ساتھ ان تمام فرقوں میں سے جو بھی کفر کرے' اس کی سزا جہنم ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے' اس کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اس امت میں سے جس کے کان میں میری رسالت کی بات پڑ جائے خواہ یہودی ہو یا نصرانی' پھر وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو ضرور وہ جہنم میں جائے گا۔ اس آیت کی تفسیر میں بہت سی حدیثیں ہیں۔ انہیں سن لیجئے۔

(۱) مسند احمد میں ہے' جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری تو آنحضرت ﷺ صفا پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اور یا صباحاہ کر کے آواز دی۔ لوگ جمع ہو گئے' جو نہیں آ سکتے تھے' انہوں نے اپنے آدمی بھیج دیئے۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا' اے اولاد عبدالمطلب! اے اولاد فہر! بتاؤ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر تمہارے دشمن کا لشکر پڑا ہوا ہے اور گھات میں ہے' موقعہ پاتے ہی تم سب کو قتل کر ڈالے گا تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے بیک زبان کہا کہ ہاں ہم آپ کو سچا ہی سمجھیں گے۔ اب آپؐ نے فرمایا' سن لو' میں تمہیں آنے والے سخت عذابوں سے ڈرانے والا ہوں۔ اس پر ابولہب ملعون نے کہا' تو ہلاک ہو جائے۔ یہی سنانے کے لیئے تو نے ہمیں بلایا تھا۔ اس کے جواب میں سورۂ تبت یدا اتری (بخاری ومسلم وغیرہ)

(۲) مسند احمد میں ہے' اس آیت کے اترتے ہی اللہ کے نبی ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے' اے فاطمہ بنت محمد ﷺ' اے صفیہ بنت عبدالمطلب سنو' میں تمہیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہیں آ سکتا۔ ہاں میرے پاس جو مال ہو' جتنا تم چاہو میں دینے کے لئے تیار ہوں (مسلم)

(۳) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس آیت کے اترتے ہی حضور ﷺ نے قریشیوں کو بلایا اور انہیں ایک ایک کر کے اور عام طور پر خطاب کر کے فرمایا' اے قریشیو! اپنی جانیں جہنم سے بچالو۔ اے کعب کے خاندان والو! اپنی جانیں آگ سے بچالو۔ اے ہاشم کی اولاد کے لوگو! اپنے آپ کو اللہ کے عذابوں سے چھڑوالو۔ اے عبدالمطلب کے لڑکو! اللہ کے عذابوں سے بچنے کی کوشش کرو۔ اے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت محمدؐ! اپنی جان کو دوزخ سے بچالے' قسم اللہ کی' میں اللہ کے ہاں کی کسی چیز کا مالک نہیں۔ بے شک تمہاری قرابت داری ہے جس کے دینوی حقوق میں ہر طرح ادا کرنے کو تیار ہوں۔ (مسلم وغیرہ) بخاری ومسلم میں بھی قدرے الفاظ کی تبدیلی سے یہ حدیث مروی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی فرمایا کہ میرے مال میں سے جو چاہو' مجھ سے طلب کر لو۔ ابو یعلی میں ہے کہ آپ نے فرمایا' اے قصی' اے ہاشم' اے عبدمناف کی اولاد! یاد رکھو میں ڈرانے والا ہوں اور موت بدلہ دینے والی ہے' اس کا چھاپہ پڑنے ہی والا ہے اور قیامت وعدہ گاہ ہے۔

(۴) مسند احمد میں ہے' حضور ﷺ پر یہ آیت اتری تو آپ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے جس کی چوٹی پر پتھر تھے' وہاں پہنچ کر آپؐ نے فرمایا' اے بنی عبدمناف! میں تو صاف چوکنا کر دینے والا ہوں' میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے دشمن کو دیکھا اور دوڑ کر اپنے عزیزوں کو ہشیار کرنے کے لئے آیا تا کہ وہ بچاؤ کر لیں' دور سے ہی اس نے غل مچانا شروع کر دیا کہ پہلے ہی خبردار ہو جائیں (مسلم' نسائی وغیرہ)

(۵) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل بیت کو جمع کیا' یہ تیس شخص تھے' جب یہ کھا پی چکے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا' کون ہے جو میرا قرض اپنے ذمے لے۔ اور میرے بعد میرے وعدے پورے کرے۔ وہ جنت میں بھی میرا ساتھی اور میری اہل میں میرا خلیفہ ہو گا۔ تو ایک شخص نے کہا' آپ تو ایک سمندر ہیں۔ آپ کے ساتھ کون کھڑا ہو سکتا ہے؟ تین دفعہ آپؐ نے فرمایا لیکن کوئی تیار نہ ہوا تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس کے لئے تیار ہوں (مسند احمد) ایک اور سند سے اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے بنو عبدالمطلب کو جمع کیا۔ یہ ایک جماعت کی جماعت تھی اور بڑے کھاؤ تھے۔ ایک ایک شخص ایک ایک بکری کا بچہ کھا جاتا تھا اور ایک بڑا بدھنا دودھ کا پی جاتا تھا۔ آپ نے ان سب کے کھانے کے لئے صرف تین پاؤ کے قریب کھانا پکوایا لیکن اللہ نے اسی میں اتنی برکت دی کہ سب پیٹ بھر کر کھا چکے اور خوب آسودہ ہو کر پی چکے لیکن نہ تو کھانے میں کمی نظر آتی تھی نہ پینے

کی چیز گھٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ پھر آپ نے فرمایا' اے اولاد عبدالمطلب! میں تمہاری طرف خصوصاً اور تمام لوگوں کی طرف عموماً نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس وقت تم ایک معجزہ بھی میرا دیکھ چکے ہو۔ اب تم میں سے کون تیار ہے کہ مجھ سے بیعت کرے۔ وہ میرا بھائی اور میرا ساتھی ہو گا لیکن ایک شخص بھی مجمع سے کھڑا نہ ہوا۔ سوا میرے اور میں اس وقت عمر کے لحاظ سے ان سب سے چھوٹا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تم بیٹھ جاؤ۔ تین مرتبہ آپ نے یہی فرمایا اور تینوں مرتبہ بجز میرے اور کوئی کھڑا نہ ہوا۔ تیسری مرتبہ آپ نے میری بیعت لی۔

امام بیہقی دلائل النبوۃ میں لائے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو آپ نے فرمایا' اگر میں اپنی قوم کے سامنے ابھی ہی اسے پیش کروں گا تو وہ نہ مانیں گے اور ایسا جواب دیں گے جو مجھ پر گراں گزرے۔ پس آپ خاموش ہو گئے' اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمانے لگے۔ حضرت ﷺ اگر آپ نے تعمیل ارشاد میں تاخیر کی تو ڈر ہے کہ آپ کو سزا ہوگی' اسی وقت آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا' مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا دوں' میں نے یہ خیال کر کے کہ اگر پہلے ہی سے ان سے کہا گیا تو یہ مجھے ایسا جواب دیں گے جس سے مجھے ایذا پہنچے' میں خاموش رہا لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تجھے عذاب ہوگا۔ تو اب اے علیؓ' تم ایک بکری ذبح کر کے گوشت پکا لو۔ اور کوئی تین سیر اناج بھی تیار کر لو اور ایک بدھنا دودھ کا بھی بھر لو۔ اور اولاد عبدالمطلب کو بھی جمع کر لو۔ میں نے ایسا ہی کیا اور سب کو دعوت دے دی۔ چالیس آدمی جمع ہوئے یا ایک آدھ کم یا ایک یا ایک آدھ زیادہ' ان میں آپ کے چچا بھی تھے۔ ابو طالب' حمزہ' عباس اور ابولہب کافر خبیث۔ میں نے سالن پیش کیا تو آپ نے اس میں سے ایک بوٹی لے کر کچھ کھائی۔ پھر اسے ہنڈیا میں ڈال دیا اور فرمایا' لو اللہ کا نام اور کھانا شروع کرو۔ سب نے کھانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ پیٹ بھر گئے لیکن اللہ کی قسم گوشت اتنا ہی تھا جتنا رکھتے وقت رکھا تھا' صرف ان کی انگلیوں کے نشانات تو تھے مگر گوشت کچھ بھی نہ گھٹا تھا۔ حالانکہ ان میں سے ایک ایک اتنا گوشت تو کھا لیتا تھا۔ پھر مجھ سے فرمایا' اے علی انہیں پلاؤ۔ میں وہ بدھنا لایا۔ سب نے باری باری شکم سیر ہو کر پیا اور خوب آسودہ ہو گئے لیکن دودھ بالکل کم نہیں ہوا۔ حالانکہ ان میں سے ایک ایک اتنا دودھ پی لیا کرتا تھا۔ اب حضورؐ نے کچھ فرمانا چاہا لیکن ابولہب جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا لو صاحب اب معلوم ہوا کہ یہ تمام جادوگری محض اس لئے تھی۔ چنانچہ مجمع اسی وقت اکھڑ گیا اور ہر ایک اپنی راہ لگ گیا اور حضورؐ کو نصیحت و تبلیغ کا موقعہ نہ ملا۔ دوسرے روز آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا' آج پھر اسی طرح ان سب کی دعوت کرو کیونکہ کل اس نے مجھے کچھ کہنے کا وقت ہی نہیں دیا۔ میں نے پھر اسی طرح کا انتظام کیا۔ سب کو دعوت دی۔ آئے۔ کھایا پیا پھر کل کی طرح آج بھی ابولہب نے کھڑے ہو کر وہی بات کہی اور اسی طرح سب تتر بتر ہو گئے۔ تیسرے دن پھر حضورؐ نے حضرت علیؓ سے یہی فرمایا۔ آج جب سب کھا پی چکے تو حضورؐ نے جلدی سے اپنی گفتگو شروع کر دی اور فرمایا' اے بنو عبدالمطلب! واللہ کوئی نوجوان شخص اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر بھلائی نہیں لایا جو میں تمہارے پاس لایا ہوں' میں دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں۔ اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا' اب بتاؤ تم میں سے کون میرے ساتھ اتفاق کرتا ہے اور کون میرا ساتھ دیتا ہے؟ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ہے کہ پہلے میں تمہیں اس کی راہ کی دعوت دوں' جو آج میری مان لے گا' وہ میرا بھائی ہوگا اور یہ درجے ملیں گے۔ لوگ سب خاموش ہو گئے لیکن حضرت علیؓ جو اس وقت اس مجمع میں سب سے کم عمر تھے اور دکھتی آنکھوں والے اور موٹے پیٹ والے اور بھری پنڈلیوں والے تھے' بول اٹھے' یا رسول اللہ اس امر میں آپ کی وزارت میں قبول کرتا ہوں۔ آپ نے میری گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے اور ایسی ایسی فضیلتوں والا ہے۔ تم اس کی سنو اور مانو۔ یہ سن کر وہ سب لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے لگے۔ لے اب تو اپنے بچے کی سن اور مان۔ لیکن اس کا راوی عبدالغفار بن قاسم بن ابی مریم متروک ہے' کذاب ہے اور ہے بھی شیعہ۔ ابن مدینی وغیرہ فرماتے ہیں' یہ حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا' دیگر ائمہ حدیث نے بھی اس کو ضعیف

لکھا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ اس دعوت میں صرف بکری کے ایک پاؤں کا گوشت پکا تھا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضورؐ خطبہ دینے لگے تو انہوں نے جھٹ سے کہہ دیا کہ آج جیسا جادو تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس پر سب خاموش ہو گئے۔ اس میں آپ کا خطبہ یہ ہے کہ کون ہے جو میرا قرض اپنے ذمہ لے اور میری اہل میں میرا خلیفہ بنے۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے۔ اور عباس بھی چپ تھے۔ صرف اپنے مال کے بخل کی وجہ سے۔ میں عباس کو خاموش دیکھ کر خاموش ہو رہا۔ آپؐ نے دوبارہ یہی فرمایا' دوبارہ بھی سب طرف خاموشی تھی۔ اب تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں بول پڑا۔ میں اس وقت ان سب سے گری پڑی حالت والا' چندھی آنکھوں والا' بڑے پیٹ والا اور بوجھل پنڈلیوں والا تھا۔ ان روایتوں میں جو حضورؐ کا فرمان ہے کہ کون میرا قرض اپنے ذمے لیتا ہے اور میری اہل کی میرے بعد حفاظت اپنے ذمے لیتا ہے؟ اس سے مطلب آپؐ کا یہ تھا کہ میں جب اس تبلیغ دین کو پھیلاؤں گا اور لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف بلاؤں گا تو سب کے سب میرے دشمن ہو جائیں گے اور مجھے قتل کر دیں گے۔ یہی کھٹکا آپ کو لگا رہا یہاں تک کہ یہ آیت اتری وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں کی ایذا رسانی سے بچالے گا۔ اس وقت آپؐ بے خطر ہو گئے۔ اس سے پہلے آپؐ اپنی پہرہ چوکی بٹھاتے تھے لیکن اس آیت کے اترنے کے بعد وہ بھی ہٹا دی۔ اس وقت فی الواقع تمام بنو ہاشم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ ایمان والا اور تصدیق ویقین والا کوئی نہ تھا۔

اسی لئے آپؐ نے ہی حضورؐ کے ساتھ کا اقرار کیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے کوہ صفا پر عام دعوت دی اور اور لوگوں کو توحید خالص کی طرف بلایا اور اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ ابن عساکر میں ہے' ایک مرتبہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مسجد میں بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے' فتوے دے رہے تھے' مجلس کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ہر ایک کی نگاہیں آپ کے چہرے پر تھیں اور شوق سے سن رہے تھے لیکن آپ کے لڑکے اور گھر کے آدمی آپس میں نہایت بے پرواہی سے اپنی باتوں میں مشغول تھے۔ کسی نے ابو درداءؓ کو اس طرف توجہ دلائی کہ اور سب لوگ تو دل سے آپ کی علمی باتوں میں دلچسپی لے رہے ہیں اور آپؐ کے اہل بیت اس سے بالکل بے پرواہ ہیں۔ وہ اپنی باتوں میں نہایت بے پرواہی سے مشغول ہیں تو آپ نے جواب میں فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' دنیا سے بالکل کنارہ کشی کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں اور ان پر سب سے زیادہ سخت اور بھاری ان کے قرابت دار ہوئے ہیں۔ اسی بارے میں آیت وَاَنۡذِرۡ سے تَعۡلَمُوۡنَ تک ہے۔

پھر فرماتا ہے' اپنے تمام امور میں اللہ ہی پر بھروسہ رکھو' وہی تمہارا حافظ و ناصر ہے' وہی تمہاری تائید کرنے والا اور تمہارے کلمے کو بلند کرنے والا ہے۔ اس کی نگاہیں ہر وقت تم پر ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا اپنے رب کے حکموں پر صبر کر۔ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ جب تو نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ ہم تمہارے رکوع وسجود دیکھتے ہیں۔ کھڑے ہو یا بیٹھے ہو یا کسی حالت میں ہو' ہماری نظروں میں ہو۔ یعنی تنہائی میں تو نماز پڑھے تو ہم دیکھتے ہیں اور جماعت سے پڑھے تو تو ہماری نگاہ کے سامنے ہوتا ہے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ حالت نماز میں آپ کو جس طرح آپ کے سامنے کی چیزیں دکھاتا تھا' آپ کے پیچھے کے مقتدی بھی آپ کی نگاہ میں رہتے تھے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے' حضورؐ فرمایا کرتے تھے' صفیں درست کرلیا کرو' میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا رہتا ہوں۔ ابن عباسؓ یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک نبی کی پیٹھ سے دوسرے نبی کی پیٹھ کی طرف منتقل ہونا برابر دیکھتے رہے ہیں یہاں تک کہ آپ بحیثیت نبی دنیا میں آئے۔ وہ اللہ اپنے بندوں کی باتیں خوب سنتا ہے' ان کی حرکات وسکنات کو خوب جانتا ہے۔ جیسے فرمایا وَمَا تَكُوۡنُ فِىۡ شَاۡنٍ الخ تو جس حالت میں ہو' تم جتنا قرآن پڑھو' تم جو عمل کرو' اس پر ہم شاہد ہیں۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿٢٢٣﴾ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿٢٢٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿٢٢٥﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿٢٢٦﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿٢٢٧﴾

ع ۱۱ ۱۵

کیا میں تمہیں بتلاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں ○ وہ ہر ایک جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں ○ اچٹتی ہوئی' سنی سنائی پہنچا دیتے ہیں اور ان میں کے اکثر جھوٹے ہیں ○ شاعروں کی پیروی وہی کرتے ہیں جو بہکے ہوئے ہوں ○ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک جنگل میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں ○ اور وہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں ○ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا اور اپنی مظلومی کے بعد انتقام لیا' جنہوں نے ظلم کیا ہے' وہ ابھی ابھی جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں ○

شیاطین اور جادوگر: ☆☆ (آیت: ۲۲۱-۲۲۷) مشرکین کہا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا لایا ہوا یہ قرآن برحق نہیں' اس نے اس کو خود گھڑ لیا ہے یا اس کے پاس جنوں کا کوئی سردار آتا ہے جو اسے یہ سکھا جاتا ہے- پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس اعتراض سے پاک کیا اور ثابت کیا کہ آپ جس قرآن کو لائے ہیں' وہ اللہ کا کلام ہے' اسی کا اتارا ہوا ہے- بزرگ امین طاقتور فرشتہ اسے لایا ہے- یہ کسی شیطان یا جن کی طرف سے نہیں' شیاطین تو تعلیم قرآن سے چڑتے ہیں' اس کی تعلیمات ان کے یکسر خلاف ہیں- انہیں کیا پڑی کہ ایسا پاکیزہ اور راہ راست پر لگانے والا قرآن وہ لائیں اور لوگوں کو نیک راہ بتائیں- وہ تو اپنے جیسے انسانی شیطانوں کے پاس آتے ہیں جو پیٹ بھر کر جھوٹ بولنے والے ہوں- بدکردار اور گنہگار ہوں- ایسے کاہنوں اور بدکاروں اور جھوٹے لوگوں کے پاس جنات اور شیاطین پہنچتے ہیں کیونکہ وہ بھی جھوٹے اور بداعمال ہیں- اچٹتی ہوئی کوئی ایک آدھ بات سنی سنائی پہنچاتے ہیں اور وہ ایک جو آسمان سے چھپے چھپائے سن لی تھی' سو جھوٹ اس میں ملا کر کاہنوں کے کان میں ڈال دی- انہوں نے اپنی طرف سے پھر بہت سی باتیں شامل کر کے لوگوں میں ڈینگیں مار دیں- اب ایک آدھ سچی بات تو سچی نکلی لیکن لوگوں نے ان کی اور سو جھوٹی باتیں بھی سچی مان لیں اور تباہ ہوئے- بخاری شریف میں ہے کہ لوگوں نے کاہنوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا' وہ کوئی چیز نہیں ہیں- لوگوں نے کہا' حضور کبھی کبھی تو ان کی کوئی بات کھری بھی نکل آتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں یہ وہی بات ہوتی ہے جو جنات آسمان سے اڑا لاتے ہیں اور ان کے کان میں کہہ کر جاتے ہیں- پھر اس کے ساتھ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہہ دیتے ہیں- صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ آسمان پر کرتا ہے تو فرشتے باادب اپنے پر جھکا دیتے ہیں- ایسی آواز آتی ہے جیسے کسی چٹان پر زنجیر بجائی جاتی ہو- جب وہ گھبراہٹ ان کے دلوں سے دور ہو جاتی ہے تو آپس میں دریافت کرتے ہیں کہ رب کا کیا حکم صادر ہوا؟ دوسرے جواب دیتے ہیں کہ حق نے یہ فرمایا اور وہ عالیشان اور بہت بڑی کبریائی والا ہے- کبھی کبھی امر الٰہی سے چوری چھپے سننے والے کسی جن کے کان میں بھنک پڑ جاتی ہے جو اس طرح ایک پر ایک ہو کر وہاں تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں- راوی حدیث حضرت سفیان نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں پھیلا کر اس پر دوسرا ہاتھ اس طرح دکھ کر انہیں ہلا

کر بتایا کہ اس طرح اب اوپر والا نیچے والے کو اور وہ اپنے سے نیچے والے کو وہ بات بتلا دیتا ہے یہاں تک کہ جادوگر اور کاہن کو وہ پہنچا دیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات پہنچاتے' اس سے پہلے شعلہ پہنچ جاتا ہے اور کبھی اس سے پہلے ہی وہ پہنچا دیتے ہیں۔ اس میں کاہن و جادو گر اپنے سو جھوٹ ملا کر مشہور کرتا ہے۔ چونکہ وہ ایک بات سچی نکلتی ہے۔ لوگ سب باتوں کو ہی سچا سمجھنے لگتے ہیں۔ ان تمام احادیث کا بیان آیت حَتّٰی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاءاللہ۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ فرشتے آسمانی امر کی بات چیت بادلوں پر کرتے ہیں جسے شیطان سن کر کاہنوں کو پہنچاتے ہیں اور وہ ایک سچ میں سو جھوٹ ملا لیتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے' کافر شاعروں کی تابعداری گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ عرب کے شاعروں کا دستور تھا' کسی کی مذمت اور ہجو میں کچھ کہہ ڈالتے تھے' لوگوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہو جاتی تھی اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ عرج میں جا رہے تھے' راستہ میں ایک شاعر شعر خوانی کرتا ہوا ملا۔ آپ نے فرمایا' اس شیطان کو پکڑ لو یا فرمایا روک لو۔ تم میں سے کوئی شخص خون اور پیپ سے اپنا پیٹ بھر لے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے اپنا پیٹ بھر لے۔ انہیں ہر جنگل کی ٹھوکریں کھاتے کسی نے نہیں دیکھا؟ ہر لغو میں یہ گھس جاتے ہیں۔ کلام کے ہر فن میں بولتے ہیں۔ کبھی کسی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں' کبھی کسی کی مذمت میں آسمان زمین سر پر اٹھاتے ہیں۔ جھوٹی تعریفیں' خوشامدانہ باتیں' جھوٹی برائیاں' گھڑی ہوئی بدیاں ان کے حصے میں آئی ہیں۔ یہ زبان کے بھانڈ ہوتے ہیں لیکن کام کے کاہل۔ ایک انصاری اور ایک دوسری قوم کے شخص نے ہجو کا مقابلہ کیا جس میں دونوں کی قوم کے بڑے بڑے لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ پس اس آیت میں یہی ہے کہ ان کا ساتھ دینے والے گمراہ لوگ ہیں۔ وہ وہ باتیں بکا کرتے ہیں جنہیں کسی نے کبھی کیا نہ ہو۔ اسی لئے علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ اگر کسی شاعر نے اپنے شعر میں کسی ایسے گناہ کا اقرار کیا ہو جس پر حد شرع واجب ہوتی ہو تو آیا وہ حد اس پر جاری کی جائے گی یا نہیں؟ دونوں طرف علماء گئے ہیں۔ واقعی وہ فخر و غرور کے ساتھ ایسی باتیں بک دیتے ہیں کہ میں نے یہ کیا اور وہ کیا حالانکہ نہ کچھ کیا ہو اور نہ ہی کر سکتے ہوں۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت نعمان بن عدی بن فضلہ کو بصرے کے شہر یسان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ وہ شاعر تھے' ایک مرتبہ اپنے شعروں میں کہا کہ کیا حسینوں کو یہ اطلاع نہیں ہوئی کہ ان کا محبوب یسان میں ہے جہاں ہر وقت شیشے کے گلاسوں میں دور شراب چل رہا ہے اور گاؤں کی بھولی لڑکیوں کے گانے اور ان کے رقص و سرود مہیا ہیں' ہاں اگر میرے کسی دوست سے ہو سکے تو اس سے بڑے اور بھرے ہوئے جام مجھے پلائے لیکن ان سے چھوٹے جام مجھے سخت ناپسند ہیں۔ اللہ کرے امیر المومنین کو یہ خبر نہ پہنچے ورنہ وہ برا مانیں گے اور سزا دیں گے۔ یہ اشعار سچ مچ حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچے۔ آپ سخت ناراض ہوئے اور اسی وقت آدمی بھیجا کہ میں نے تجھے تیرے عہدے سے معزول کیا۔ اور آپ نے ایک خط بھیجا جس میں بِسْمِ اللّٰهِ کے بعد حم کی تین آیتیں اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ تک لکھ کر پھر تحریر فرمایا کہ تیرے اشعار میں نے سنے' مجھے سخت رنج ہوا۔ میں تجھے تیرے عہدے سے معزول کرتا ہوں۔ چنانچہ اس خط کو پڑھتے ہی حضرت نعمان دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور باادب عرض کی' امیر المومنین واللہ نہ میں نے کبھی شراب پی' نہ ناچ رنگ اور گانا بجانا دیکھا سنا۔ یہ تو صرف شاعرانہ ترنگ تھی۔ آپؓ نے فرمایا' یہی میرا خیال ہے لیکن میری تو ہمت نہیں پڑتی کہ ایسے فحش گو شاعر کو کوئی عہدہ دوں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک بھی شاعر اپنے شعروں میں کسی جرم کے اعلان پر اگرچہ وہ قابل حد ہو تو حد نہیں لگائی جائے گی اس لئے کہ وہ جو کہتے ہیں سو کرتے نہیں' ہاں وہ قابل ملامت اور لائق سرزنش ضرور ہیں۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ پیٹ کو لہو پیپ سے بھر لینا اشعار سے بھر لینے سے بدتر ہے۔ مطلب یہ کہ رسول کریم ﷺ نہ تو شاعر ہیں' نہ ساحر ہیں' نہ کاہن ہیں' نہ مفتری ہیں۔ آپ کا ظاہر ہر حال میں آپ کی ان عیوب سے برأت کا بہت بڑا عادل گواہ ہے۔ جیسے فرمان ہے' تو ہم نے انہیں شعر گوئی سکھائی ہے نہ اس کے لائق ہے۔ یہ تو صرف نصیحت ہے اور قرآن مبین ہے۔ اور آیت میں ہے کہ یہ رسول کریم کا قول ہے۔ کسی شاعر کا نہیں۔ تم میں ایمان کی کمی ہے۔ یہ کسی کاہن کا قول نہیں۔ تم میں نصیحت ماننے کا مادہ کم ہے۔ یہ تو رب العالمین کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اس سورت میں بھی یہی فرمایا گیا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے اتری ہے۔ روح الامین نے تیرے دل پر نازل فرمائی ہے۔ عربی زبان میں ہے۔ اس لئے کہ تو لوگوں کو آگاہ کر دے۔ اسے شیاطین لے کر نہیں آئے' نہ یہ ان کے لائق ہے' نہ ان کے بس کی بات ہے' وہ تو اس کے سننے سے بھی الگ کر دیئے گئے ہیں۔ جو جھوٹے' مفتری اور بدکردار ہوتے ہیں' ان کے پاس شیاطین آتے ہیں جو اچٹتی ہوئی باتیں سن سنا کر ان کے کانوں میں آ کر ڈال جاتے ہیں۔ محض جھوٹ بولنے والے یہ خود ہوتے ہیں۔ شاعروں کی پشت پناہی اوباشوں کا کام ہے وہ تو ہر وادی میں سرگرداں رہتے ہیں زبانی باتیں بناتے ہیں' عمل سے کورے رہتے ہیں۔ اس کے بعد جو فرمان ہے' اس کا شان نزول یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت جس میں شاعروں کی مذمت ہے' جب اتری تو دربار رسولؐ کے شعرا حضرت حسان بن ثابت' حضرت عبداللہ بن رواحہ' حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ روتے ہوئے دربار نبی ﷺ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ ﷺ شاعروں کی تو یہ گت بنی اور ہم بھی شاعر ہیں۔ اسی وقت آپ نے یہ دوسری آیت تلاوت فرمائی کہ ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے تم ہو' ذکر اللہ کا بکثرت کرنے والے تم ہو' مظلوم ہو کر بدلہ لینے والے تم ہو' پس تم ان سے مستثنیٰ ہو (ابن ابی حاتم وغیرہ)۔

ایک روایت میں حضرت کعبؓ کا نام ایک روایت میں صرف حضرت عبداللہ کی اس شکایت پر کہ یارسولؐ اللہ شاعر تو میں بھی ہوں' اس دوسری آیت کا نازل ہونا مروی ہے لیکن ہے یہ قابل نظر۔ اس لئے کہ یہ سورت مکیہ ہے۔ شعراء انصار جتنے بھی تھے' وہ سب مدینے میں تھے' پھر ان کے بارے میں اس آیت کا نازل ہونا یقیناً محل غور ہوگا اور جو حدیثیں بیان ہوئیں' وہ مرسل ہیں۔ اس وجہ سے اعتماد نہیں بلکہ اگر کسی شاعر نے اپنی جاہلیت کے زمانے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھی اشعار کہے ہوں اور پھر وہ مسلمان ہو جائے' توبہ کرلے اور اس کے مقابلے میں ذکر اللہ بکثرت کرے' وہ بیشک اس برائی سے الگ ہے۔ حسنات سیات کو دور کر دیتی ہیں جب کہ اس نے مسلمانوں کو اور دین حق کو برا کہا تھا' وہ برا تھا لیکن جب اس نے ان کی مدح کی' وہ برائی اچھائی سے بدل گئی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن زبعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام سے پہلے حضورؐ کی ہجو بیان کی تھی لیکن اسلام کے بعد بڑی مدح بیان کی اور اپنے اشعار میں اس ہجو کا عذر بھی بیان کرتے ہوئے کہا۔ میں اس وقت شیطانی پنجہ میں پھنسا ہوا تھا۔ اسی طرح ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب باوجود آپؐ کا چچازاد بھائی ہونے کے آپؐ کا جانی دشمن تھا اور بہت ہی ہجو کیا کرتا تھا۔ جب مسلمان ہو گئے تو ایسے مسلمان ہوئے کہ دنیا بھر میں حضورؐ سے زیادہ محبوب انہیں کوئی نہ تھا۔ اکثر آپ کی مدح کیا کرتے تھے اور بہت ہی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابوسفیان صخر بن حرب جب مسلمان ہوا تو حضورؐ سے کہنے لگا' مجھے تین چیزیں عطا فرمائیے۔ ایک تو یہ کہ میرے لڑکے معاویہؓ کو اپنا کاتب بنا لیجئے۔ دوسرے مجھے کافروں سے جہاد کے لئے بھیجئے اور میرے ساتھ کوئی لشکر دیجئے تاکہ جس طرح کفر میں مسلمانوں سے لڑا کرتا تھا' اب اسلام میں کافروں کی خبر لوں۔ آپؐ نے دونوں باتیں قبول فرمالیں۔ ایک تیسری درخواست بھی کی جو قبول کی گئی۔ پس ایسے لوگ اس آیت کے حکم سے اس دوسری آیت سے الگ کر لئے گئے۔ ذکر اللہ خواہ وہ

اپنے شعروں میں بکثرت کریں خواہ اور طرح اپنے کلام میں' یقیناً وہ اگلے گناہوں کا بدلہ اور کفارہ ہے۔ اپنی مظلومی کا بدلہ لیتے ہیں۔ یعنی کافروں کی ہجو کا جواب دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسانؓ سے فرمایا تھا' ان کفار کی ہجو کرو۔ جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت کعب بن مالک شاعر نے جب شعراء کی برائی قرآن میں سنی تو حضورؐ سے عرض کیا' آپ نے فرمایا' تم ان میں نہیں ہو' مومن تو جس طرح اپنی جان سے جہاد کرتا ہے' اپنی زبان سے بھی جہاد کرتا ہے۔ واللہ تم لوگوں کے اشعار تو انہیں مجاہدین کے تیروں کی طرح چھید ڈالتے ہیں۔ پھر فرمایا' ظالموں کو اپنا انجام ابھی معلوم ہو جائے گا۔ انہیں عذر معذرت بھی کچھ کام نہ آئے گی۔ حضورؐ فرماتے ہیں' ظلم سے بچو۔ اس سے میدان قیامت میں اندھیروں میں رہ جاؤ گے۔ آیت عام ہے خواہ شاعر ہوں خواہ شاعر نہ ہوں سب شامل ہیں۔ حضرت حسنؓ نے ایک نصرانی کے جنازے کو جاتے ہوئے دیکھ کر یہی آیت تلاوت فرمائی تھی۔ آپ جب اس آیت کی تلاوت کرتے تو اس قدر روتے کہ ہچکی بندھ جاتی۔ روم میں جب حضرت فضالہ بن عبید تشریف لے گئے' اس وقت ایک صاحب نماز پڑھ رہے تھے۔ جب انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا' اس سے مراد بیت اللہ کی بربادی کرنے والے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل مکہ ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ مراد مشرک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آیت عام ہے۔ سب پر مشتمل ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت اپنی وصیت صرف دو سطروں میں لکھی۔ جو یہ تھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' یہ ہے وصیت ابوبکر بن ابی قحافہ کی۔ اس وقت کی جب کہ وہ دنیا چھوڑ رہے تھے۔ جس وقت کافر بھی مومن ہو جاتا ہے' فاجر بھی توبہ کر لیتا ہے۔ تب کاذب کو بھی سچا سمجھا جاتا ہے۔ میں تم پر اپنا خلیفہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بنا کر جا رہا ہوں۔ اگر وہ عدل کرے تو بہت اچھا اور میرا اپنا گمان بھی ان کے ساتھ یہی ہے اور اگر وہ ظلم کرے اور کوئی تبدیلی کر دے تو میں غیب نہیں جانتا۔ ظالموں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس لوٹنے کی جگہ وہ لوٹتے ہیں۔ سورۂ شعراء کی تفسیر بحمد اللہ ختم ہوئی۔

تفسیر سورة النمل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طٰسٓ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۱ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶

مہربانی اور کرم والے معبود کے نام سے

یہ آیتیں ہیں قرآن کی یعنی واضح اور روشن کتاب کی ○ ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے لئے ○ جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ○ جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے انہیں ان کے کرتوت زینت دار کر دکھائے ہیں۔ پس وہ بھٹکتے پھرتے ہیں ○ یہی لوگ ہیں جن کے لئے بری مار ہے اور آخرت میں بھی وہ سخت نقصان یافتہ ہیں ○ بے شک تجھے اللہ حکیم وعلیم کی طرف سے قرآن سکھایا جا رہا ہے ○

تفسیر سورۃ النمل: ☆☆ (آیت: ۱-۶) حروف مقطعہ جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں ان پر پوری طرح بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں کر چکے ہیں۔ یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم جو کھلی ہوئی واضح، روشن اور ظاہر کتاب ہے یہ اس کی آیتیں ہیں جو مومنوں کے لئے ہدایت وبشارت ہیں۔ کیونکہ وہی اس پر ایمان لاتے ہیں اس کی اتباع کرتے ہیں اسے سچا جانتے ہیں اس میں جو حکم احکام ہیں ان پر عمل کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو نمازیں صحیح طور پر پڑھتے ہیں فرضوں میں کمی نہیں کرتے اسی طرح فرض زکوٰۃ بھی، دار آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں، موت کے بعد کی زندگی اور جزا سزا کو بھی مانتے ہیں۔ جنت و دوزخ کو حق جانتے ہیں۔ چنانچہ اور آیت میں بھی ہے کہ ایمانداروں کے لئے تو یہ قرآن ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمانوں کے کان تو بہرے ہیں ان میں روئی دیئے ہوئے ہیں۔

اس سے خوشخبری پرہیزگاروں کو ہے اور بدکرداروں کو اس میں ڈراوا ہے۔ یہاں بھی فرماتا ہے کہ جو اسے جھٹلائیں اور قیامت کے آنے کو نہ مانیں، ہم بھی انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کی برائیاں انہیں اچھی لگنے لگتی ہیں۔ اسی میں وہ بڑھتے اور پھولتے پھلتے رہتے ہیں اور اپنی سرکشی اور گمراہی میں بڑھتے رہتے ہیں۔ ان کی نگاہیں اور دل الٹ جاتے ہیں۔ انہیں دنیا اور آخرت میں بدترین سزائیں ہوں گی اور قیامت کے دن تمام اہل محشر میں سب سے زیادہ خسارے میں یہی رہیں گے۔ بے شک آپ اے ہمارے نبیؐ ہم سے ہی قرآن لے رہے ہیں۔ ہم حکیم ہیں، امر ونہی کی حکمت کو بخوبی جانتے ہیں۔ علیم ہیں۔ چھوٹے بڑے تمام کاموں سے بخوبی خبردار ہیں۔ پس قرآن کی تمام خبریں بالکل صدق وصداقت والی ہیں۔ اور اس کے حکم احکام سب کے سب سراسر عدل اور انصاف والے ہیں۔ جیسے فرمان ہے وتمت کلمة ربك صدقا وعدلا۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝

یاد ہوگا جب کہ موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا، میں نے آگ دیکھی ہے، میں وہاں سے یا تو کوئی خبر لے کر آیا یا آگ کا سلگتا ہوا انگارا لے کر ابھی تمہارے پاس آ جاؤں گا تاکہ تم سینک تاپ کر لو ○ جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ بابرکت ہے وہ جو اس نور میں ہے اور برکت دیا گیا ہے وہ جو اس کے آس پاس ہے۔ تمام پاکی اس معبود برحق کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ○ موسیٰ سن! بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں غالب باحکمت ○ تو اپنی لکڑی ڈال دے، موسیٰ نے جب اسے ہلتی جلتی دیکھا اس طرح کہ گویا وہ بہت بڑا سانپ ہے تو منہ موڑے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا، اے موسیٰ خوف نہ کھا۔ میرے

حضور میں پیغمبر ڈرا نہیں کرتے ○

آگ لینے گئے، رسالت مل گئی: ☆☆ (آیت: ۷-۱۴) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد دلا رہا ہے کہ اللہ نے انہیں کس طرح بزرگ بنایا اور ان سے کلام کیا اور انہیں زبردست معجزے عطا فرمائے اور فرعون اور فرعونیوں کے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا لیکن ان کفار نے آپ کا انکار کیا' اپنے کفر وتکبر سے نہ ہٹے' آپ کی اتباع اور پیروی نہ کی۔ فرماتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی اہل کو لے کر چلے اور راستہ بھول گئے' رات آ گئی اور وہ بھی سخت اندھیرے والی۔ تو آپ نے دیکھا کہ ایک جانب سے آگ کا شعلہ سا دکھائی دیتا ہے۔ اپنی اہل سے فرمایا کہ تم تو یہیں ٹھہرو۔ میں اس روشنی کے پاس جاتا ہوں۔ کیا عجب کہ وہاں جو ہو' اس سے راستہ معلوم ہو جائے یا میں وہاں سے کچھ آگ لے آؤں کہ تم اس سے ذرا سینک تاپ کر لو۔ ایسا ہی ہوا بھی کہ آپ وہاں سے ایک بڑی خبر لائے اور بہت بڑا نور حاصل کیا۔ فرماتا ہے کہ جب وہاں پہنچے' اس منظر کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دیکھتے ہیں کہ ایک سرسبز درخت ہے۔ اس پر آگ لپٹ رہی ہے' شعلے تیز ہو رہے ہیں اور درخت کی سرسبزی اور بڑھ رہی ہے۔ اونچی نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ نور آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ فی الوقع وہ آگ نہ تھی بلکہ نور تھا۔ اور نور بھی رَبُّ الْعَالَمِيْنَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کا۔ حضرت موسیٰ متعجب تھے اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ یکا یک ایک آواز آتی ہے کہ اس نور میں جو ہے' وہ پاکی والا اور بزرگی والا ہے اور اس کے پاس جو فرشتے ہیں وہ بھی مقدس ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ سوتا نہیں اور نہ اسے سونا لائق ہے' وہ ترازو کو پست کرتا ہے اور اونچی کرتا ہے۔ رات کے کام اس کی طرف دن سے پہلے اور دن کے کام رات سے پہلے چڑھ جاتے ہیں۔ اس کا حجاب نور ہے یا آگ ہے۔ اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے چہرے کی تجلیاں ہر اس چیز کو جلا دیں جس پر اس کی نگاہ پہنچ رہی ہے یعنی کل کائنات کو۔

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَإِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ إِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾

ع ۱ ۱۴ ۱۶

لیکن جو لوگ ظلم کریں' پھر اس کے عوض نیکی کریں' اس برائی کے پیچھے' تو بھی میں بخشنے والا مہربان ہوں ○ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال۔ وہ سفید چمکیلا ہو کر نکلے گا بغیر کسی عیب کے' تو نو نشانیاں لے کر فرعون اور اس کی قوم کے طرف جا' یقیناً وہ بدکاروں کا گروہ ہے ○ جب ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والے ہمارے معجزے پہنچے تو وہ کہنے لگے' یہ تو صریح جادو ہے ○ انہوں نے ان کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے صرف ستم گاری اور تکبر کی بنا پر' پس دیکھ لے کہ ان فتنہ پرداز لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا ○

ابو عبیدہ رحمتہ اللہ علیہ راوی حدیث نے یہ حدیث بیان فرما کر یہی آیت تلاوت کی۔ یہ الفاظ ابن ابی حاتم کے ہیں اور اس کی اصل صحیح مسلم میں ہے۔ پاک ہے وہ اللہ جو تمام جہان کا پالنہار ہے۔ جو چاہتا ہے' کرتا ہے' مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے مشابہ نہیں۔ اس کی

مصنوعات میں سے کوئی چیز کسی کے احاطے میں نہیں- وہ بلند و بالا ہے- ساری مخلوق سے الگ ہے' زمین و آسمان اسے گھیر نہیں سکتے' وہ احد و صمد ہے' وہ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے- پھر خبر دی کہ خود اللہ تعالیٰ ان سے خطاب فرما رہا ہے- وہی اس وقت سرگوشیاں کر رہا ہے جو سب پر غالب ہے' سب اس کے ماتحت اور زیر حکم ہیں- وہ اپنے اقوال و افعال میں حکمت والا ہے- اس کے بعد جناب باری عزو جل نے حکم دیا کہ اے موسیٰ اپنی لکڑی کو زمین پر ڈال دو تا کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو کہ اللہ تعالیٰ فاعل و مختار ہے- وہ ہر چیز پر قادر ہے- موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد سنتے ہی لکڑی کو زمین پر گرایا- اسی وقت وہ ایک پھن اٹھائے پھنکارتا ہوا سانپ بن گئی اور بہت بڑے جسم کا سانپ' بڑی ڈراؤنی صورت' اس موٹاپے پر تیز تیز چلنے والا- ایسا جیتا جاگتا' چلتا پھرتا زبردست اژدہا دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام خوف زدہ ہو گئے- جان کا لفظ قرآن کریم میں ہے- یہ ایک قسم کے سانپ ہیں جو بہت تیزی سے حرکت کرنے والے اور کنڈلی لگانے والے ہوتے ہیں-

ایک حدیث میں ہے' رسول کریم ﷺ نے گھروں میں رہنے والے ایسے سانپوں کے قتل سے ممانعت فرمائی ہے- الغرض جناب موسیٰ علیہ السلام اسے دیکھ کر ڈرے اور دہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے اور منہ موڑ کر' پیٹھ پھیر کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے' ایسے دہشت زدہ تھے کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا- اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ موسیٰ ڈرو نہیں- میں تو تمہیں اپنا برگزیدہ رسول اور ذی عزت پیغمبر بنانا چاہتا ہوں- اس کے بعد استثناء منقطع ہے- اس آیت میں انسان کے لئے بہت بڑی بشارت ہے کہ جس نے بھی کوئی برائی کا کام کیا ہو' پھر وہ اس پر نادم ہو جائے' اس کام کو چھوڑ دے' توبہ کر لے' اللہ کی طرف جھک جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے- جیسے اور آیت میں ہے وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ الخ جو بھی توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور راہ راست پر چلے' میں اس کے گناہوں کا بخشنے والا ہوں- اور فرمان ہے وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ الخ جو شخص کسی برائی کا مرتکب ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھے' پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا-

اس مضمون کی آیتیں کلام الٰہی میں اور بھی بہت ساری ہیں- لکڑی کے سانپ بن جانے کے معجزے کے ساتھ ہی کلیم اللہ کو اور معجزہ دیا جاتا ہے کہ آپ جب بھی اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالیں گے تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہو کر نکلے گا- یہ دو معجزے ان نو معجزوں میں سے ہیں جن سے میں تیری وقتاً فوقتاً تائید کرتا رہوں گا تا کہ فاسق فرعون اور اس کی فاسق قوم کے دلوں میں تیری نبوت کا ثبوت جگہ پکڑ جائے- یہ نو معجزے وہ تھے جن کا ذکر آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ الخ میں ہے جس کی پوری تفسیر بھی اسی آیت کے تحت گزر چکی ہے- جب یہ واضح' ظاہر' صاف اور کھلے معجزے فرعونیوں کو دکھائے گئے تو وہ اپنی ضد میں آ کر کہنے لگے' یہ تو جادو ہے' لو ہم اپنے جادوگروں کو بلا لیتے ہیں- مقابلہ کر لو- اس مقابلہ میں اللہ نے حق کو غالب کیا اور یہ سب لوگ زیر ہو گئے مگر پھر بھی نہ مانے- گو دلوں میں اس کی حقانیت جم چکی تھی- لیکن ظاہر مقابلہ سے نہ ہٹے- صرف ظلم اور تکبر کی بناء پر حق کو جھٹلاتے رہے- اب تو دیکھ لے کہ ان مفسدوں کا انجام کس قدر حیرت ناک اور کیسا کچھ عبرت ناک ہوا؟ ایک ہی مرتبہ ایک ہی ساتھ سارے کے سارے دریا برد کر دیئے گئے- پس اس نبی آخر الزمان کے جھٹلانے والو! تم اس نبی کو جھٹلا کر مطمئن نہ بیٹھو- کیونکہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی اشرف و افضل ہیں- ان کی دلیلیں اور معجزے بھی ان کی دلیلوں اور معجزوں سے بڑے ہیں- خود آپ کا وجود' آپ کے عادات و اخلاق اور اگلی کتابوں کی اور اگلے نبیوں کی آپ کی نسبت بشارتیں اور ان سے اللہ کا عہد و پیمان یہ سب چیزیں آپ میں ہیں- پس تمہیں نہ مان کر نڈر اور بے خوف نہ رہنا چاہیے-

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

ہم نے یقیناً داؤد اور سلیمان کو علم دے رکھا تھا - دونوں نے کہا' تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے ○ داؤد کے وارث سلیمان ہوئے اور کہنے لگے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہم سب کچھ دیئے گئے ہیں' بے شک یہ بالکل کھلا ہوا فضل الٰہی ہے ○ سلیمان کے سامنے ان کے تمام لشکر جنات اور انسان اور پرندے جمع کئے گئے - ہر ہر قسم الگ الگ کھڑی کر دی گئی ○

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام پر خصوصی انعامات: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۷) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کی خبر دے رہا ہے جو اس نے اپنے بندے اور نبی حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام پر فرمائی تھیں کہ کس طرح دونوں جہان کی دولت سے انہیں مالا مال فرمایا - ان نعمتوں کے ساتھ ہی اپنے شکریئے کی بھی توفیق دی تھی - دونوں باپ بیٹے ہر وقت اللہ کی نعمتوں پر اس کی شکر گزاری کیا کرتے تھے اور اس کی تعریفیں بیان کرتے رہتے تھے - حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور ان پر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے' دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ نکتہ موجود ہے - پھر آپ نے یہی آیت لکھ کر لکھا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی' اس سے افضل نعمت اور کیا ہوگی - حضرت داؤد کے وارث حضرت سلیمان ہوئے' اس سے مراد مال کی وارثت نہیں بلکہ ملک و نبوت کی وراثت ہے - اگر مالی میراث مراد ہوتی تو اس میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کا نام نہ آتا کیونکہ حضرت داؤد کی سو بیویاں تھیں - انبیاء کے مال کی میراث نہیں بٹتی - چنانچہ سید الانبیاء علیہ السلام کا ارشاد ہے' ہم جماعت انبیاء ہیں' ہمارے ورثے نہیں بٹا کرتے - ہم جو کچھ چھوڑ جائیں - صدقہ ہے -

حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کی نعمتیں یاد کرتے ہیں - فرماتے ہیں' یہ پورا ملک اور یہ زبردست طاقت کہ انسان' جن' پرند سب تابع فرمان ہیں' پرندوں کی زبان بھی سمجھ لیتے ہیں' یہ خاص اللہ کا فضل و کرم ہے جو کسی انسان پر نہیں ہوا - بعض جاہلوں نے کہا ہے کہ اس وقت پرند بھی انسانی زبان بولتے تھے - یہ محض ان کی بے علمی ہے - بھلا سمجھو تو سہی - اگر واقعی یہی بات ہوتی تو پھر اس میں حضرت سلیمانؑ کی خصوصیت ہی کیا تھی جسے آپ اس فخر سے بیان فرماتے کہ ہمیں پرندوں کی زبان سکھا دی گئی - پھر تو ہر شخص پرند کی بولی سمجھتا اور حضرت سلیمانؑ کی خصوصیت جاتی رہتی - یہ محض غلط ہے - پرند اور حیوانات ہمیشہ سے ایسے ہی رہے - ان کی بولیاں بھی ایسی ہی رہیں - یہ خاص اللہ کا فضل تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہر چرند پرند کی زبان سمجھ لیتے تھے - ساتھ ہی یہ نعمت بھی حاصل ہوئی تھی کہ ایک بادشاہت میں جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے' سب حضرت سلیمان علیہ السلام کو قدرت نے مہیا کر دی تھیں - یہ تھا اللہ کا کھلا احسان آپ پر -

مسند امام احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام بہت ہی غیرت والے تھے - جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند کر جاتے - پھر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی - ایک مرتبہ آپ اسی طرح باہر تشریف لے گئے - تھوڑی دیر بعد ایک

بیوی صاحبہ کی نظر اٹھی تو دیکھتی ہیں کہ گھر کے بیچوں بیچ ایک صاحب کھڑے ہیں- حیران ہو گئیں اور دوسروں کو دکھایا- آپس میں سب کہنے لگیں' یہ کہاں سے آ گئے؟ دروازے بند ہیں' یہ داخل کیسے ہوئے؟ اس نے جواب دیا' وہ جسے کوئی روک اور دروازہ روک نہ سکے- وہ جو کسی بڑے سے بڑے کی مطلق پرواہ نہ کرے- حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے اور فرمانے لگے' مرحبا ہو مرحبا ہو- آپ ملک الموت ہیں- اسی وقت ملک الموت نے آپ کی روح قبض کی- سورج نکل آیا اور آپ پر دھوپ آ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت داؤد پر سایہ کریں- انہوں نے اپنے پر کھول کر ایسی گہری چھاؤں کر دی کہ زمین پر اندھیرا سا چھا گیا- پھر حکم دیا کہ ایک ایک کر کے اپنے سب پروں کو سمیٹ لو- حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا' یا رسول اللہ پرندوں نے پھر پر کیسے سمیٹے؟ آپؐ نے اپنا ہاتھ سمیٹ کر بتلایا کہ اس طرح- اس پر اس دن سرخ رنگ گدھ غالب آ گئے- حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جمع ہوا جس میں انسان' جن پرند سب تھے- آپ سے قریب انسان تھے- پھر جن تھے- پرند آپ کے سروں پر رہتے تھے- گرمیوں میں سایہ کر لیتے تھے- سب اپنے اپنے مرتبے پر قائم تھے- جس کی جو جگہ مقرر تھی' وہیں وہ رہتا-

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا' اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ' ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے ○ اس کی اس بات سے حضرت سلیمان مسکرا کر ہنس دیئے اور دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار' مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں اور میرے ماں باپ پر اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے- مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے ○

(آیت: ۱۸-۱۹) جب ان لشکروں کو لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام چلے' ایک جنگل پر گذر ہوا جہاں چیونٹیوں کا لشکر تھا- لشکر سلیمان کو دیکھ کر ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ جاؤ اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ- کہیں ایسا نہ ہو کہ لشکر سلیمان چلتا ہوا تمہیں روند ڈالے اور انہیں علم بھی نہ ہو- حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' اس چیونٹی کا نام حرمس تھا یہ بنو شعبان کے قبیلے سے تھی- تھی بھی لنگڑی بقدر بھیڑیئے کے اسے خوف ہوا کہ یہ سب روندی جائیں گی اور پس جائیں گی- یہ سن کر حضرت سلیمانؑ کو تبسم بلکہ ہنسی آ گئی اور اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اپنی ان نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنا الہام کر جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں مثلاً پرندوں اور حیوانوں کی زبان سکھا دینا وغیرہ- نیز جو نعمتیں تو نے میرے والدین پر انعام کی ہیں کہ وہ مسلمان مومن ہوئے وغیرہ- اور مجھے نیک عمل کرنے کی توفیق دے جن سے تو خوش ہو اور جب میری موت آ جائے تو مجھے اپنے نیک بندوں اور بلند رفقاء میں ملا دے جو تیرے دوست ہیں- مفسرین کا قول ہے کہ یہ وادی شام میں تھی- بعض اور جگہ بتاتے ہیں- یہ چیونٹی مثل مکھیوں کے پردار تھی- اور بھی اقوال ہیں- نوف بکالی کہتے ہیں' یہ بھیڑیئے کے برابر تھی- ممکن ہے اصل میں لفظ ذباب ہو یعنی مکھی کے برابر اور کاتب کی غلطی سے وہ ذیاب لکھ دیا گیا ہو یعنی بھیڑیا- حضرت سلیمانؑ چونکہ جانوروں کی

بولیاں سمجھتے تھے' اس کی بات کو بھی سمجھ گئے اور بے اختیار ہنسی آ گئی - ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام استسقاء کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی الٹی لیٹی ہوئی اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے دعا کر رہی ہے کہ اے اللہ ہم بھی تیری مخلوق ہیں' پانی برسنے کی محتاج ہمیں بھی ہے - اگر پانی نہ برسا تو ہم ہلاک ہو جائیں گی - یہ دعا اس چیونٹی کی سن کر آپ نے لوگوں میں اعلان کیا' لوٹ چلو - کسی اور ہی کی دعا سے تم پانی پلائے گئے - حضور فرماتے ہیں' نبیوں میں سے کسی نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا - انہوں نے چیونٹیوں کے سوراخ میں آگ لگانے کا حکم دے دیا - اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے پیغمبر محض ایک چونٹی کے کاٹنے پر تو نے ایک گروہ کے گروہ کو جو ہمارا تسبیح خواں تھا' ہلاک کر دیا - تجھے بدلہ لینا تھا تو اسی سے لیتا -

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيْدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهٗٓ أَوْ لَيَأْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢١﴾

آپ نے پرندوں کی دیکھ بھال کی اور فرمانے لگے' یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا؟ ○ میں اسے سخت تر سزا دوں گا' یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے کوئی معقول وجہ بیان کرے ○

ہدہد: ☆☆ (آیت ۲۰-۲۱) ہدہد فوج سلیمان میں مہندس کا کام کرتا تھا - وہ بتلاتا تھا کہ پانی کہاں ہے؟ زمین کے اندر کا پانی اسے اس طرح نظر آتا تھا جیسے کہ زمین کے اوپر کی چیز لوگوں کو نظر آتی ہے - جب سلیمان علیہ السلام جنگل میں ہوتے' اس سے دریافت فرماتے کہ پانی کہاں ہے؟ یہ بتا دیتا کہ فلاں جگہ ہے' اتنا نیچا ہے' اتنا اونچا ہے وغیرہ - حضرت سلیمانؑ اسی وقت جنات کو حکم دیتے اور کنواں کھود لیا جاتا - حضرت سلیمانؑ چاہتے تھے کہ ہدہد کو پانی کی تلاش کا حکم دیں - اتفاق سے وہ موجود نہ تھا - اس پر آپ نے فرمایا' آج ہدہد نظر نہیں آتا' کیا پرندوں میں کہیں وہ چھپ گیا جو مجھے نظر نہ آیا؟ یا واقع میں وہ حاضر ہی نہیں؟ -

ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر سن کر نافع بن ارزق خارجی نے اعتراض کیا تھا - یہ بکواسی ہر وقت حضرت عبداللہؓ کی باتوں پر بے جا اعتراضات کیا کرتا تھا - کہنے لگا - بس آج تو تم ہار گئے - حضرت عبداللہ نے فرمایا یہ کیوں؟ اس نے کہا' آپ جو یہ فرماتے ہیں کہ ہدہد زمین تلے کا پانی دیکھ لیتا تھا' یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے - ایک بچہ جال بچھا کر اسے مٹی سے ڈھک کر دانہ ڈال کر ہدہد کو شکار کر لیتا ہے' اگر وہ زمین کے اندر کا پانی دیکھتا ہے تو زمین کا اوپر کا جال اسے کیوں نہیں نظر آتا - آپ نے فرمایا' اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تو یہ سمجھ جائے گا کہ ابن عباسؓ لاجواب ہو گیا تو مجھے جواب کی ضرورت نہ تھی' سن جس وقت قضا آ جاتی ہے' آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور عقل جاتی رہتی ہے - نافع لاجواب ہو گیا اور کہنے لگا واللہ اب آپ پر اعتراض نہ کروں گا - حضرت عبداللہ برزی ایک ولی اللہ شخص تھے - پیر جمعرات کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے تھے - اسی سال کی عمر تھی - ایک آنکھ سے کانے تھے - سلیمان بن زید نے ان سے آنکھ کے جانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے اس کے بتانے سے انکار کر دیا - یہ بھی پیچھے پڑ گئے' مہینوں گذر گئے' نہ وہ بتاتے نہ یہ سوال چھوڑتے' آخر تنگ آ کر فرمایا' لو سن لو - میرے پاس لو لو خراسانی برزہ میں (جو دمشق کے پاس ایک شہر ہے) آئے اور مجھ سے کہا کہ میں انہیں برزہ کی وادی میں لے جاؤں' میں انہیں وہاں لے گیا - انہوں نے انگیٹھیاں نکالیں - بخور نکالے اور جلانے شروع کئے یہاں تک کہ تمام وادی خوشبو سے مہکنے لگی اور ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہو گئی لیکن بے پرواہی سے بیٹھے رہے - کسی سانپ کی طرف التفات تک نہ کرتے تھے - تھوڑی دیر میں ایک

سانپ آیا جو ہاتھ بھر کا تھا اور اس کی آنکھیں سونے کی طرح چمک رہی تھیں۔ یہ بہت ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے اللہ کا شکر ہے ہماری سال بھر کی محنت ٹھکانے لگی۔ انہوں نے اس سانپ کو لے کر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اپنی آنکھوں میں وہ سلائی پھیر لی' میں نے ان سے کہا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے ان سے منت سماجت کی۔ بہ مشکل وہ راضی ہوئے اور میری داہنی آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی۔ اب جو میں دیکھتا ہوں تو زمین مجھے ایک شیشے کی طرح معلوم ہونے لگی جیسی اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں' ایسی ہی زمین کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا' اچھا اب آپ ہمارے ساتھ ہی کچھ دور چلئے۔ میں نے منظور کر لیا۔ وہ باتیں کرتے ہوئے مجھے ساتھ لئے ہوئے چلے۔ جب میں بستی سے بہت دور نکل گیا تو دونوں نے مجھے دونوں طرف سے پکڑ لیا اور ایک نے اپنی انگلی ڈال کر میری آنکھ نکال لی اور اسے پھینک دیا۔ اور مجھے یونہی بندھا ہوا چھوڑ کر دونوں کہیں چل دیئے۔ اتفاقاً وہاں سے ایک قافلہ گزرا اور انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر رحم کھایا۔ قید و بند سے مجھے آزاد کیا اور میں چلا۔ آ یا یہ قصہ ہے میری آنکھ کے جانے کا۔ (ابن عساکر)

حضرت سلیمان کے اس ہدہد کا نام عنبر تھا۔ آپ فرماتے ہیں' اگر فی الواقع وہ غیر حاضر ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا' اس کے پَر نچوا دوں گا اور اس کو پھینک دوں گا کہ کیڑے مکوڑے کھا جائیں یا میں اسے حلال کر دوں گا۔ یا یہ کہ وہ اپنے غیر حاضر ہونے کی کوئی مقبول وجہ پیش کر دے۔ اتنے میں ہدہد آ گیا۔ جانوروں نے اسے خبر دی کہ آج تیری خیر نہیں۔ بادشاہ سلامت عہد کر چکے ہیں کہ وہ تجھے مار ڈالیں گے۔ اس نے کہا یہ بیان کرو کہ آپ کے الفاظ کیا تھے؟ انہوں نے بیان کئے تو خوش ہو کر کہنے لگا' پھر تو میں بچ جاؤں گا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' اس کے بچاؤ کی وجہ اس کا اپنی ماں کے ساتھ سلوک تھا۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾ إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾

کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آ کر اس نے کہا' میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ تجھے اس کی خبر ہی نہ تھی۔ میں سبا کی ایک سچی خبر تیرے پاس لایا ہوں ○ میں نے دیکھا کہ ان کی بادشاہت ایک عورت کر رہی ہے جسے ہر قسم کی چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے اور اس کا تخت بھی بڑی عظمت والا ہے ○

ہدہد کی غیر حاضری: ☆☆ (آیت: ۲۲-۲۳) ہدہد کی غیر حاضری کو تھوڑی سی دیر گذری تھی جو وہ آ گیا۔ اس نے کہا کہ اے نبی اللہ' جس بات کی آپ کو خبر بھی نہیں' میں اس کی ایک نئی خبر لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ میں سبا سے آ رہا ہوں اور پختہ یقینی خبر لایا ہوں۔ ان کے سبا حمیر تھے اور یہ یمن کے بادشاہ تھے۔ ایک عورت ان کی بادشاہت کر رہی ہے۔ اس کا نام بلقیس بنت شرجیل تھا۔ یہ سب کی ملکہ تھی۔ قتادہ کہتے ہیں۔ اس کی ماں جنیہ عورت تھی۔ اس کے قدم کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا۔

اور روایت میں ہے' اس کی ماں کا نام رفاعہ تھا۔ ابن جریج کہتے ہیں ''اس کے باپ کا نام ذی سرخ تھا اور ماں کا نام بلتعہ تھا۔ لاکھوں کا اس کا لشکر تھا''۔ اس کی بادشاہی ایک عورت کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے مشیر و وزیر تین سو بارہ شخص ہیں' ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ ہزار کی جمعیت ہے۔ اس کی زمین کا نام مارب ہے۔ یہ صنعاء سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہی قول قرین قیاس ہے۔ اس کا

اکثر حصہ مملکت یمن میں ہے۔ واللہ اعلم۔

ہر قسم کا دنیوی ضروری اسباب اسے مہیا ہے۔ اس کا نہایت ہی شاندار تخت ہے جس پر وہ جلوس کرتی ہے۔ سونے سے منڈھا ہوا ہے اور جڑاؤ اور مروارید کی کاریگری اس پر ہوئی ہے' یہ اسی ہاتھ اونچا تھا اور چالیس ہاتھ چوڑا تھا۔ چھ سو عورتیں ہر وقت اس کی خدمت میں کمربستہ رہتی تھیں۔ اس کا دیوان خاص جس میں یہ تخت تھے' بہت بڑا محل تھا۔ بلند و بالا' کشادہ اور فراخ' پختہ' مضبوط اور صاف جس کے مشرقی حصہ میں تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصے میں۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا۔ شیطان نے ان کے کام انہیں بھلے کر کے دکھلا کر صحیح راہ سے روک دیا ہے۔ پس وہ ہدایت پر نہیں آتے ○ کہ اسی اللہ کے لئے سجدے کریں جو آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو' وہ سب کچھ جانتا ہے ○ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے ○

(آیت: ۲۴-۲۶) اس محل کو اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابلہ کے طاق سے غروب ہوتا۔ اہل دربار صبح شام اسے سجدہ کر لیتے۔ راجا پرجا سب آفتاب پرست تھے۔ اللہ کا عابد ان میں ایک بھی نہ تھا۔ شیطان نے برائیاں انہیں اچھی کر دکھائی تھیں اور ان پر حق کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ وہ راہ راست پر آتے ہی نہ تھے۔ راہ راست یہ ہے کہ سورج چاند اور ستاروں کی بجائے صرف اللہ ہی کی ذات کو سجدے کے لائق مانا جائے۔

جیسے فرمان قرآن ہے کہ ''رات دن سورج چاند سب قدرت اللہ کی نشانیاں ہیں۔ تمہیں سورج کو چاند کو سجدہ نہ کرنا چاہئے۔ سجدہ صرف اسی اللہ کو کرنا چاہئے جو ان سب کا خالق ہے'' اَلَّا يَسْجُدُوْا کی ایک قرائت اَلَا يَا اسْجُدُوْا بھی ہے۔ یا کے بعد کا منادیٰ محذوف ہے یعنی اے میری قوم خبردار' سجدہ اللہ ہی کے لئے کرنا جو آسمان کی زمین کی ہر ہر پوشیدہ چیز سے باخبر ہے۔ خَبْءَ کی تفسیر پانی اور بارش اور پیداوار سے بھی کی گئی ہے۔ کیا عجب کہ ہدہد کی جس میں یہی صفت تھی' یہی مراد ہو۔ اور تمہارے ہر مخفی اور ظاہر کام کو بھی وہ جانتا ہے۔ کھلی چھپی بات اس پر یکساں ہے۔ وہی تنہا معبود برحق ہے' وہی عرش عظیم کا رب ہے۔ جس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ چونکہ ہدہد خیر کی طرف بلانے والا' ایک اللہ کی عبادت کا حکم دینے والا' اس کے سوا غیر کے سجدے سے روکنے والا تھا' اسی لئے اس کے قتل کی ممانعت کر دی گئی۔ مسند احمد' ابوداؤد' ابن ماجہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے چار جانوروں کا قتل منع فرمایا۔ چیونٹی' شہد کی مکھی' ہدہد اور صرد یعنی لٹورا۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۱۷
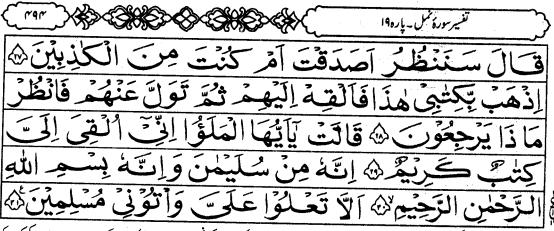
سلیمان نے کہا' اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے ○ میرے اس خط کو لے جا کر انہیں دے دے- پھر ان کے پاس سے ہٹ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں ○ وہ کہنے لگی اے سردارو میری طرف ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے ○ جو سلیمان کی طرف سے ہے اور جو بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع ہے ○ یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ ○

تحقیق شروع ہوگئی: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۱) ہدہد کی خبر سنتے ہی حضرت سلیمانؑ نے اس کی تحقیق شروع کر دی کہ اگر یہ سچا ہے تو قابل معافی ہے اور اگر جھوٹا ہے تو قابل سزا ہے- اسی سے فرمایا کہ میرا یہ خط بلقیس کو جو وہاں کی فرمانروا ہے' دے آ- اس خط کو چونچ میں لے کر یا پر سے بندھوا کر ہدہد اڑا- وہاں پہنچ کر بلقیس کے محل میں گیا- وہ اس وقت خلوت خانہ میں تھی- اس نے ایک طاق میں سے وہ خط اس کے سامنے رکھ دیا اور ادب کے ساتھ ایک طرف ہو گیا- اسے سخت تعجب معلوم ہوا' حیرت ہوئی اور ساتھ ہی کچھ خوف و دہشت بھی ہوئی- خط کو اٹھا کر مہر توڑ کر خط کھول کر پڑھا- اس کے مضمون سے واقف ہو کر اپنے امراء' وزراء' سرداروں اور رؤسا کو جمع کیا اور کہنے لگی کہ ایک باوقعت خط میرے سامنے ڈالا گیا ہے- اس خط کا باوقعت ہونا اس پر اس سے بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ ایک جانور اسے لاتا ہے' وہ ہوشیاری اور احتیاط سے پہنچاتا ہے- سامنے باادب رکھ کر ایک طرف ہو جاتا ہے تو جان گئی تھی کہ یہ خط مکرم ہے اور کسی باعزت شخص کا بھیجا ہوا ہے- پھر خط کا مضمون سب کو پڑھ سنایا کہ یہ خط حضرت سلیمانؑ کا ہے اور اس کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھا ہوا ہے- ساتھ ہی مسلمان ہونے اور تابع فرمان بننے کی دعوت ہے- اب سب نے پہچان لیا کہ یہ اللہ کے پیغمبر کا دعوت نامہ ہے اور ہم میں سے کسی میں ان کے مقابلے کی تاب و طاقت نہیں- پھر خط کی بلاغت' اختصار اور وضاحت نے سب کو حیران کر دیا کہ یہ مختصر سی عبارت بہت سی باتوں سے سوا ہے- دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے- علماء کرام کا مقولہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے کسی نے خط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی-

ایک غریب اور ضعیف حدیث ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپؐ نے فرمایا' میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں جو مجھ سے پہلے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے بعد کسی نبی پر نہیں اتری' میں نے کہا' حضور' وہ کون سی آیت ہے؟ آپؐ نے فرمایا' مسجد سے جانے سے پہلے ہی میں تجھے بتا دوں گا- اب آپ نکلنے لگے- ایک پاؤں مسجد سے باہر رکھ بھی دیا- میرے جی میں آیا' شاید آپ بھول گئے- اتنے میں آپؐ نے یہی آیت پڑھی- اور روایت میں ہے کہ جب تک یہ آیت نہیں اتری تھی' حضور ﷺ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ تحریر فرمایا کرتے تھے- جب یہ آیت اتری آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا شروع کیا- خط کا مضمون صرف اسی قدر تھا کہ میرے سامنے سرکشی نہ کرو' مجھے مجبور نہ کرو' میری بات مان لو' تکبر سے کام نہ لو' موحد' مخلص' مطیع بن کر میرے پاس چلی آؤ-

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۬ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اس نے کہا کہ اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو۔ میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو نہیں کیا کرتی ○ ان سب نے جواب دیا کہ ہم طاقت اور قوت والے سخت لڑنے بھڑنے والے ہیں' آگے آپ کو اختیار ہے۔ آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ ہمیں آپ کیا کچھ حکم فرماتی ہیں ○ اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے ذی عزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں' فی الواقع وہ اسی طرح کرتے تھے ○ میں انہیں ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں۔ پھر دیکھ لوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں ○

بلقیس کو خط ملا: ☆☆ (آیت: ۳۲-۳۵) بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط انہیں سنا کر ان سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ تم جانتے ہو' جب تک تم سے میں مشورہ نہ کرلوں' تم موجود نہ ہو تو میں چونکہ کسی امر کا فیصلہ تنہا نہیں کر لیتی' اس بارے میں بھی تم سے مشورہ طلب کرتی ہوں۔ بتاؤ کیا رائے ہے؟ سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ ہماری جنگی طاقت بہت کچھ ہے اور ہماری طاقت مسلم ہے۔ اس طرف سے تو اطمینان ہے۔ آگے جو آپ کا حکم ہو۔ ہم تابعداری کے لئے موجود ہیں۔ اس میں ایک حد تک سرداران لشکر نے لڑائی کی طرف اور مقابلے کی طرف رغبت دی تھی لیکن بلقیس چونکہ سمجھ دار عاقبت اندیش تھی اور ہدہد کے ہاتھوں خط کے ملنے کا ایک کھلا معجزہ دیکھ چکی تھی' یہ بھی معلوم کرلیا تھا کہ حضرت سلیمانؑ کی طاقت کے مقابلے میں میرا لاؤ و لشکر کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر لڑائی کی نوبت آئی تو علاوہ ملک کی بربادی کے میں بھی سلامت نہ رہ سکوں گی۔ اس لئے اس نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے کہا' بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی ملک کو فتح کرتے ہیں تو اسے برباد کر دیتے ہیں' اجاڑ دیتے ہیں۔

جناب باری نے بھی اس کی تصدیق فرمائی کہ فی الواقع یہ صحیح ہے۔ وہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اس نے جو ترکیب سوچی تھی کہ ایک چال چلے اور حضرت سلیمانؑ سے موافقت کرلے' صلح کرلے۔ وہ اس نے ان کے سامنے پیش کی۔ کہا کہ اس وقت تو میں ایک گراں بہا تحفہ انہیں بھیجتی ہوں۔ دیکھتی ہوں اس کے بعد وہ میرے قاصدوں سے کیا فرماتے ہیں؟ بہت ممکن ہے کہ وہ اسے قبول فرمالیں اور ہم آئندہ بھی انہیں یہ رقم بطور جزیئے کے بھیجتے رہیں اور انہیں ہم پر چڑھائی کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اسلام کی قبولیت میں اسی طرح اس نے ہدیئے بھیجنے میں نہایت دانائی سے کام لیا۔ وہ جانتی تھی کہ پیسہ روپیہ وہ چیز ہے کہ فولاد کو بھی نرم کر دیتا ہے۔ نیز اسے یہ بھی آزمانا تھا کہ دیکھیں وہ ہمارے اس مال کو قبول کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر قبول کرلیا تو سمجھ لو کہ وہ ایک بادشاہ ہیں۔ پھر ان سے مقابلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر واپس کر دیا تو ان کی نبوت میں شک نہیں۔ پھر مقابلہ سراسر بے سود بلکہ مضر ہے۔
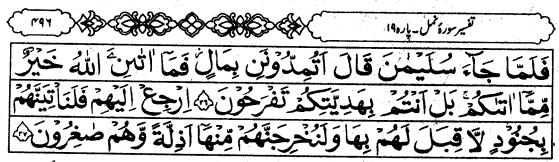
جب قاصد حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا' کیا تم مال سے مجھے تھپک دینا چاہتے ہو؟ مجھے تو میرے رب نے اس سے بہت بہتر دے رکھا ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے' پس تم ہی اپنے اس تحفے سے خوش رہو ○ جا ان کی طرف واپس لوٹ جا۔ ہم ان کے مقابلہ پر وہ لشکر لائیں گے جن کے سامنے پڑنے کی ان میں طاقت نہیں اور انہیں ہم ذلیل و پست کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے ○

(آیت:۳۶-۳۷) بلقیس نے بہت ہی گراں قدر تحفہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ سونا' موتی' جواہر وغیرہ سونے کی کثیر مقدار اینٹیں' سونے کے برتن وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں' کچھ بچے عورتوں کے لباس میں اور کچھ عورتیں لڑکوں کے لباس میں بھیجیں اور کہا کہ اگر انہیں وہ پہچان لے تو اسے نبی مان لینا چاہئے۔ جب یہ حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچے تو آپ نے سب کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ لڑکیوں نے تو برتن سے پانی بہا کر اپنے ہاتھ دھوئے اور لڑکوں نے برتن میں ہی ہاتھ ڈال کر پانی لیا۔ اس سے آپ نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ پہچان کر الگ الگ کر دیا کہ یہ لڑکیاں ہیں اور یہ لڑکے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس طرح پہچانا کہ لڑکیوں نے تو پہلے اپنے ہاتھ کے اندرونی حصہ کو دھویا اور لڑکوں نے ان کے برخلاف بیرونی حصے کو پہلے دھویا۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان میں سے ایک جماعت نے اس کے برخلاف ہاتھ کی انگلیوں سے شروع کر کے کہنی تک لے گئے۔ ان میں سے کسی میں نفی کا امکان نہیں' واللہ اعلم۔ یہ بھی مذکور ہے کہ بلقیس نے ایک برتن بھیجا تھا کہ اسے ایسے پانی سے پر کر دو جو نہ زمین کا ہو نہ آسمان کا تو آپ نے گھوڑے دوڑائے اور ان کے پسینوں سے وہ برتن بھر دیا۔ اس نے کچھ خرمہرے اور ایک لڑی بھیجی تھی۔ آپ نے انہیں لڑی میں پرو دیا۔ یہ سب اقوال عموماً بنی اسرائیل کی روایتوں سے لئے جاتے ہیں۔ اب اللہ ہی کو علم ہے کہ ان میں سے واقع میں کون سا ہوا یا کچھ بھی نہیں ہوا؟ البتہ بظاہر تو الفاظ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس رانی کے تحفے کی طرف مطلقاً التفات ہی نہیں کیا۔ اور اسے دیکھتے ہی فرمایا کہ کیا تم مجھے مالی رشوت دے کر شرک پر باقی رہنا چاہتے ہو؟ یہ محض ناممکن ہے۔ مجھے رب نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ ملک' مال' لاؤ لشکر سب میرے پاس موجود ہے۔ تم سے ہر طرح بہتر حالت میں میں ہوں۔ فالحمد للہ۔ تم ہی اپنے اس ہدیئے سے خوش رہو۔ یہ کام تم ہی کو سونپا کہ مال سے راضی ہو جاؤ اور تحفہ تمہیں جھکا دے۔ یہاں تو دو ہی چیزیں ہیں یا شرک چھوڑ دو یا تلوار روکو۔ یہ بھی کہا گیا ہے' اس سے پہلے کہ اس کے قاصد پہنچیں' حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا اور انہوں نے سونے چاندی کے ایک ہزار محل تیار کر دیئے۔ جس وقت قاصد پائے تخت میں پہنچے' ان محلات کو دیکھ کر ہوش جاتے رہے اور کہنے لگے' یہ بادشاہ تو ہمارے اس تحفے کو اپنی حقارت سمجھے گا۔ یہاں تو سونا مٹی کی وقعت بھی نہیں رکھتا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بادشاہوں کو یہ جائز ہے کہ بیرونی لوگوں کے لئے کچھ تکلفات کرے اور قاصدوں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرے۔ پھر آپ نے قاصدوں سے فرمایا کہ یہ ہدیئے انہیں کو واپس کرو اور ان سے کہہ دو' مقابلے کی تیاری کر لیں' یاد رکھو' میں وہ لشکر لے کر چڑھائی کروں گا کہ وہ سامنے آ ہی نہیں سکتے' انہیں ہم سے جنگ کرنے کی طاقت ہی نہیں۔ ہم انہیں ان کی سلطنت سے بیک بنی و دوگوش ذلت و حقارت کے ساتھ نکال دیں گے' ان کے تخت و تاج کو روند دیں گے۔ جب قاصد اس تحفے کو واپس لے کر پہنچے اور شاہی پیغام بھی سنا دیا' بلقیس کو آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا اور خود بھی اور تمام لشکر اور رعایا مسلمان ہو گئے اور اپنے لشکروں سمیت وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے' جب آپ نے اس کا یہ قصد

معلوم کیا تو بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۣ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

آپ نے فرمایا' اے سردارو تم میں سے کوئی ہے جو ان کے مسلمان ہو کر میرے پاس پہنچنے سے پہلے ہی اس کا تخت مجھے لا دے؟ ○ ایک سرکش جن کہنے لگا' آپ اپنی اس مجلس سے اٹھیں۔ اس سے پہلے ہی پہلے میں اسے آپ کے پاس لا دیتا ہوں' یقین مانئے کہ میں اس پر قادر ہوں اور ہوں بھی امانتدار ○ جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ وہ بول اٹھا کہ آپ پلک جھپکائیں۔ اس سے بھی پہلے میں اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں' جب آپ نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو فرمانے لگے یہی میرے رب کا فضل ہے تاکہ مجھے وہ آزمالے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری؟ شکر گزار اپنے ہی نفع کے لئے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پرواہ اور بزرگ ہے' غنی و کریم ہے ○

بلقیس کو دوبارہ پیغام نبوت ملا: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۰) جب قاصد پہنچتا ہے اور بلقیس کو دوبارہ پیغام نبوت پہنچتا ہے تو وہ سمجھ لیتی ہے اور کہتی ہے' واللہ یہ سچے پیغمبر ہیں اور پیغمبر کا مقابلہ کر کے کوئی پنپ نہیں سکتا۔ اسی وقت دوبارہ قاصد بھیجا کہ میں اپنی قوم کے سرداروں سمیت حاضر خدمت ہوتی ہوں تاکہ خود آپ سے مل کر دینی معلومات حاصل کروں اور آپ سے اپنی تشفی کر لوں۔ یہ کہلوا کر یہاں اپنا نائب ایک کو بنایا۔ سلطنت کے انتظامات اس کے سپرد کئے۔ اپنا لاجواب بیش قیمت جڑاؤ تخت جو سونے کا تھا' سات محلوں میں مقفل کیا اور اپنے نائب کو اس کی حفاظت کی خاص تاکید کی اور بارہ سردار جن میں سے ہر ایک کے تحت ہزاروں آدمی تھے' اپنے ساتھ لئے اور ملک سلیمان کی طرف چل دی۔ جنات قدم قدم' دم دم کی خبریں آپ کو پہنچاتے رہتے تھے' جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ قریب پہنچ چکی ہے تو آپ نے اپنے دربار میں جس میں جن وانس سب موجود تھے' فرمایا کوئی ہے جو اس کے تخت کو اس کے پہنچنے سے پہلے یہاں پہنچا دے؟ کیونکہ جب وہ یہاں آ جائیں گی اور اسلام میں داخل ہو جائیں گی' پھر اس کا مال ہم پر حرام ہو جائے گا۔ یہ سن کر ایک طاقتور سرکش جن جس کا نام کوزن تھا اور جو مثل ایک بڑے پہاڑ کے تھا' بول پڑا کہ اگر آپ مجھے حکم دیں تو آپ دربار برخواست کریں' اس سے پہلے میں لا دیتا ہوں۔ آپ لوگوں کے فیصلے کرنے اور جھگڑے چکانے اور انصاف دینے' صبح سے دوپہر تک دربار عام میں تشریف رکھا کرتے تھے۔ اس نے کہا' میں اس تخت کے اٹھا لانے کی طاقت رکھتا ہوں اور ہوں بھی امانت دار۔ اس میں کوئی چیز نہیں چراؤں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا' میں چاہتا ہوں اس سے بھی پہلے میرے پاس وہ پہنچ جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اللہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی اس تخت کے منگوانے سے غرض یہ تھی کہ اپنے ایک زبردست معجزے کا اور پوری طاقت کا ثبوت بلقیس کو دکھائیں کہ اس کا تخت جسے اس نے سات مقفل مکانوں میں رکھا تھا' وہ

اس کے آنے سے پہلے دربار سلیمانی میں موجود ہے (وہ غرض نہ تھی جو اوپر روایت قتادہ بیان ہوئی) حضرت سلیمان کے اس جلدی کے تقاضے کو سن کر جس کے پاس کتابی علم تھا' وہ بولا - ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ آصف تھے جو حضرت سلیمانؑ کے کاتب تھے - ان کے باپ کا نام برخیا تھا' یہ ولی اللہ تھے - اسم اعظم جانتے تھے - پکے مسلمان تھے - بنواسرائیل میں سے تھے - مجاہد کہتے ہیں - ان کا نام اسطوم تھا - بلیخ بھی مروی ہے' ان کا لقب ذوالنور تھا -

عبداللہ بن لھیعہ کا قول ہے' یہ خضر تھے لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے - انہوں نے کہا کہ آپ اپنی نگاہ دوڑایئے - جہاں تک پہنچے - نظر کیجئے - ابھی آپ دیکھ ہی رہے ہوں گے کہ میں اسے لادوں گا - پس حضرت سلیمانؑ نے یمن کی طرف جہاں اس کا تخت تھا' نظر کی - ادھر یہ کھڑے ہو کر وضو کر کے دعا میں مشغول ہوئے اور کہا یَاذُوالْجَلَالِ وَالْاِ کْرَام یا فرمایا یَااِلٰھَنَا وَاِلٰہُ کُلِّ شَیْءٍ اِلٰھًا وَّاحِدًا لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ ائْتِنِیْ بِعَرْشِھَا اسی وقت تخت بلقیس سامنے آ گیا - اتنی ذرا سی دیر میں یمن سے بیت المقدس میں وہ تخت پہنچ گیا اور لشکر سلیمان کے دیکھتے ہوئے زمین میں سے نکل آیا - جب سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنے سامنے موجود دیکھ لیا تو فرمایا' یہ صرف میرے رب کا فضل ہے کہ وہ مجھے آزمالے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری؟ جو شکر کرے' وہ اپنا ہی نفع کرتا ہے اور جو ناشکری کرے' وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے - اللہ تعالیٰ بندوں کی بندگی سے بے نیاز ہے اور خود بندوں سے بھی اس کی عظمت کسی کی محتاج نہیں - جیسے فرمان ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ الخ جو نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے اور جو برائی کرتا ہے' وہ اپنے لئے - اور جگہ ہے' جو نیکی کرتے ہیں' وہ اپنے لئے ہی اچھائی جمع کرتے ہیں - حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا' تم اور روئے زمین کے سب انسان بھی اگر اللہ سے کفر کرنے لگو تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑو گے - وہ غنی ہے اور حمید ہے - صحیح مسلم شریف میں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے پچھلے انسان' جنات بہتر سے بہتر اور نیک بخت سے نیک بخت ہو جائیں تو میرا ملک بڑھ نہیں جائے گا اور اگر سب کے سب بد بخت اور برے بن جائیں تو میرا ملک گھٹ نہیں جائے گا' یہ تو صرف تمہارے اعمال ہیں جو جمع ہوں گے اور تم کو ہی ملیں گے - جو بھلائی پائے تو اللہ کا شکر کرے اور جو برائی پائے تو صرف اپنے نفس کو ہی ملامت کرے -

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

ع ۱۲ ۱۸

حکم دیا کہ اس کے اس تخت میں کچھ پھیر بدل کر دو تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ راہ پا لیتی ہے یا ان میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے ○ پھر جب وہ آ گئی تو اس سے دریافت کیا گیا کہ کیا ایسا ہی تیرا بھی تخت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ گویا وہی ہے' ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے ○ اسے انہوں نے روک رکھا تھا جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتی رہی تھی' یقیناً وہ کافر لوگوں میں سے تھی ○ اس سے کہا گیا کہ محل میں چلی چلو' جسے دیکھ کر یہ سمجھ کر کہ یہ حوض ہے' اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ فرمایا یہ تو شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے۔ کہنے لگی میرے پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا' اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرماں بردار بنتی ہوں ○

بلقیس کا تخت آنے کے بعد: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۴) اس تخت کے آ جانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس میں قدرے تغیر و تبدل کر ڈالو۔ پس کچھ ہیرے جواہر بدل دیئے گئے۔ رنگ و روغن میں بھی تبدیلی کر دی گئی۔ نیچے اوپر سے بھی کچھ بدل دیا گیا۔ کچھ کمی زیادتی بھی کر دی گئی تا کہ بلقیس کی آزمائش کریں کہ وہ اپنے تخت کو پہچان لیتی ہے یا نہیں پہچان سکتی؟ جب وہ پہنچی تو اس سے کہا گیا کہ کیا تیرا تخت یہ ہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہو بہو اسی جیسا ہے۔ اس جواب سے اس کی دور بینی' عقلمندی' زیرکی' دانائی ظاہر ہے کہ دونوں پہلو سامنے رکھے۔ دیکھا کہ تخت بالکل میرے تخت جیسا ہے مگر بہ ظاہر اس کا یہاں پہنچنا ناممکن ہے تو اس نے بیچ کی بات کہی۔ حضرت سلیمان نے فرمایا' اس سے پہلے ہی ہمیں علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے۔ بلقیس کو اللہ کے سوا اوروں کی عبادت نے اور اس کے کفر نے توحید الٰہی سے روک دیا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا۔ اس سے پہلے کافروں میں سے تھی۔ لیکن پہلے قول کی تائید اس سے بھی ہو سکتی ہے کہ ملکہ نے قبول اسلام کا اعلان محل میں داخل ہونے کے بعد کیا ہے۔ جیسے عنقریب بیان ہو گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے ہاتھوں ایک محل بنوایا تھا جو صرف شیشے اور کانچ کا تھا اور اس کے نیچے پانی سے لبالب حوض تھا' شیشہ بہت ہی صاف شفاف تھا۔ آنے والا شیشے کا امتیاز نہیں کر سکتا تھا بلکہ اسے یہی معلوم ہوتا تھا کہ پانی ہی پانی ہے۔ حالانکہ اس کے اوپر شیشے کا فرش تھا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس صنعت سے غرض سلیمان علیہ السلام کی یہ تھی کہ آپ اس سے نکاح کرنا چاہتے تھے لیکن یہ سنا تھا کہ اس کی پنڈلیاں بہت خراب ہیں اور اس کے ٹخنے چوپایوں کے کھروں جیسے ہیں' اس کی تحقیق کے لئے آپ نے ایسا کیا تھا۔ جب یہاں آنے لگی تو پانی کے حوض کو دیکھ کر اپنے پائنچے اٹھائے' آپ نے دیکھ لیا کہ جو بات مجھے پہنچائی گئی ہے' غلط ہے۔ اس کی پنڈلیاں اور پیر بالکل انسانوں جیسے ہی ہیں۔ کوئی نئی بات یا بدصورتی نہیں۔ ہاں چونکہ بے نکاحی تھی' پنڈلیوں پر بال بڑے بڑے تھے۔ آپ نے استرے سے منڈوا ڈالنے کا مشورہ دیا لیکن اس نے کہا' اس کی برداشت مجھ سے نہ ہو سکے گی۔ آپ نے جنوں سے کہا' کوئی اور چیز بناؤ جن سے یہ بال جاتے رہیں۔ پس انہوں نے ہڑتال پیش کی۔ یہ دوا سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہی تلاش کی گئی۔ محل میں بلانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ملک سے' اپنے دربار سے' اپنی رونق سے' اپنے سامان سے' اپنے لطف و عیش سے' خود اپنے سے بڑی ہستی دیکھ لے اور اپنا جاہ و حشم نظروں سے گر جائے جس کے ساتھ ہی تکبر و تجبر کا خاتمہ بھی یقینی تھا۔ یہ جب اندر آنے لگی اور حوض کی حد پر پہنچی تو اسے لہلہاتا ہوا دریا سمجھ کر پائنچے اٹھائے۔ اسی وقت کہا گیا کہ آپ کو غلطی لگی۔ یہ تو شیشہ منڈھا ہوا ہے۔ آپ اسی کے اوپر سے بغیر قدم تر کئے آ سکتی ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچتے ہی اس کے کان میں آپ نے صدائے توحید ڈالی اور سورج پرستی کی مذمت سنائی۔ اس محل کو دیکھتے ہی' اس حقیقت پر نظر ڈالتے ہی' دربار کے ٹھاٹھ دیکھتے ہی اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ میرا ملک تو اس کے پاسنگ میں بھی نہیں۔ نیچے پانی ہے اور اوپر شیشہ ہے۔ بیچ میں تخت سلیمانی ہے۔ اوپر سے پرندوں کا سایہ ہے۔ جن و انس سب حاضر ہیں اور تابع فرمان۔ جب اسے توحید کی دعوت دی گئی تو بے دینوں کی طرح اس نے بھی زندیقانہ جواب دیا جس سے اللہ کی جناب میں گستاخی لازم آتی تھی۔ اسے سنتے ہی سلیمان

علیہ السلام اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور آپ کو دیکھ کر آپ کا سارا لشکر بھی - اب تو وہ بہت ہی نادم ہوئی - ادھر سے حضرت نے ڈانٹا کہ کیا کہہ دیا؟ اس نے کہا' مجھ سے غلطی ہوئی - اور اسی وقت رب کی طرف جھک گئی اور کہنے لگی اے اللہ میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اب میں حضرت سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئی - چنانچہ سچے دل سے مسلمان ہو گئی -

ابن ابی شیبہ میں یہاں پر ایک غریب اثر ابن عباسؓ سے وارد کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام جب تخت پر متمکن ہوتے تو اس کے پاس کی کرسیوں پر انسان بیٹھتے اور اس کے پاس والی کرسیوں پر جن بیٹھتے' پھر ان کے بعد شیاطین بیٹھتے' پھر ہوا اس تخت کو لے اڑتی اور معلق تھما دیتی - پھر پرندآ کر اپنے پروں سے سایہ کر لیتے' پھر آپ ہوا کو حکم دیتے اور وہ پرواز کر کے صبح صبح مہینے بھر کے فاصلے پر پہنچا دیتی - اسی طرح شام کو مہینے بھر کی دوری طے ہوتی - ایک مرتبہ اسی طرح آپ جا رہے تھے - پرندوں کی دیکھ بھال جو کی تو ہدہد کو غائب پایا - بڑے ناراض ہوئے اور فرمایا' کیا وہ جمگھٹے میں مجھے نظر نہیں پڑتا یا سچ مچ غیر حاضر ہے؟ اگر واقعی وہ غیر حاضر ہے تو اسے سخت سزا دوں گا بلکہ ذبح کر دوں گا - ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کر دے - ایسے موقعہ پر پرندوں کے پر نچوا کر آپ زمین پر ڈلوا دیتے تھے' کیڑے مکوڑے کھا جاتے تھے - اس کے بعد تھوڑی ہی دیر میں خود حاضر ہوتا ہے - اپنا سبا جانا اور وہاں کی خبر لانا بیان کرتا ہے - اپنی معلومات کی تفصیل سے آگاہ کرتا ہے - حضرت سلیمانؑ اس کی صداقت کی آزمائش کے لئے اسے ملکہ سبا کے نام ایک چٹھی دے کر دوبارہ بھیجتے ہیں جس میں ملکہ کو ہدایت ہوتی ہے کہ میری نافرمانی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ - اس خط کو دیکھتے ہی ملکہ کے دل میں اس خط کی اور اس کے لکھنے والے کی عزت سما جاتی ہے - وہ اپنے درباریوں سے مشورہ کرتی ہے - وہ اپنی قوت' طاقت' فوج' ٹھاٹھ بیان کر کے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تیار ہیں' صرف اشارے کی دیر ہے لیکن یہ برے وقت کو اور اپنی شکست کے انجام کو خیال کر کے اس ارادے سے باز رہتی ہے اور دوستی کا سلسلہ اس طرح شروع کرتی ہے کہ تحفے اور ہدیے حضرت سلیمانؑ کے پاس بھیجتی ہے - جسے سلیمان علیہ السلام واپس کر دیتے ہیں اور چڑھائی کی دھمکی دیتے ہیں - اب یہ اپنے ہاں سے چلتی ہے - جب قریب پہنچ جاتی ہے اور اس کے لشکر کی گرد کو سلیمان علیہ السلام دیکھ لیتے ہیں' تب فرماتے ہیں کہ اس کا تخت اٹھوا لاؤ - ایک جن کہتا ہے کہ بہتر میں ابھی لاتا ہوں - آپ یہاں سے اٹھیں - اس سے پہلے ہی پہلے اسے دیکھ لیجئے - آپ نے فرمایا' کیا اس سے بھی جلد ممکن ہے؟ اس پر یہ تو خاموش ہو گیا لیکن اللہ کے علم والے نے کہا' ابھی ایک آنکھ جھپکتے ہی - اتنے میں تو دیکھا کہ جس کرسی پر پاؤں رکھ کر حضرت سلیمانؑ تخت شاہی پر چڑھتے تھے' اسی کے نیچے سے بلقیس کا تخت نمایاں ہوا - آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا' لوگوں کو نصیحت کی اور اس میں کچھ تبدیلیاں کرنے کا حکم دیا - اس کے آتے ہی اس سے اس تخت کی بابت پوچھا تو اس نے کہا گویا وہی ہے - اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے دو چیزیں طلب کیں - ایک تو ایسا پانی جو نہ زمین سے نکلا ہو نہ آسمان سے برسا ہو - آپ کی عادت تھی کہ جب کچھ پوچھنے کی ضرورت پڑتی' اول انسانوں سے دریافت فرماتے پھر جنوں سے - پھر شیطانوں سے - اس سوال کے پورا ہونے کے بعد اس نے دوسرا سوال کیا' اللہ تعالیٰ کا رنگ کیسا ہے؟ اسے سن کر آپ اچھل پڑے اور اسی وقت سجدے میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ باری تعالیٰ اس نے ایسا سوال کیا کہ میں تو اسے تجھ سے دریافت ہی نہیں کر سکتا -

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ بے فکر ہو جاؤ - میں نے کفایت کر دی - آپ سجدے سے اٹھے اور فرمایا تو نے کیا پوچھا تھا - اس نے کہا - پانی کے بارے میں میرا سوال تھا جو آپ نے پورا کیا اور تو میں نے کچھ نہیں پوچھا - یہ خود اور اس کے سارے لشکری اس دوسرے سوال کو ہی بھول گئے - آپ نے لشکریوں سے بھی پوچھا کہ اس نے دوسرا سوال کیا کیا تھا؟ تو سب نے یہی جواب دیا کہ بجز پانی کے اس نے اور کوئی سوال نہیں کیا - شیطانوں کے دل میں خیال آیا کہ اگر سلیمان نے اسے پسند کر لیا اور اسے اپنے نکاح میں لے لیا اور اولاد بھی ہو گئی تو یہ

ہم سے ہمیشہ کے لئے گئے۔ اس لئے انہوں نے حوض بنایا۔ پانی سے پر کیا۔ اور اوپر سے بلور کا فرش بنا دیا اس صفت سے کہ دیکھنے والے کو وہ معلوم ہی نہ دے۔ وہ تو پانی ہی سمجھے جب بلقیس دربار میں آئی اور وہاں سے گذرنا چاہا تو پانی جان کر اپنے پائنچے اٹھا لئے' حضرت سلیمان نے پنڈلیوں کے بال دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ اسے زائل کرنے کی کوشش کرو تو کہا گیا کہ استرے سے منڈ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کا نشان مجھے ناپسند ہے۔ کوئی اور ترکیب بتاؤ۔ پس شیاطین نے طلا بنایا جس کے لگاتے ہی بال اڑ گئے۔ پس اول اول بال صفا طلا حضرت سلیمانؑ کے حکم سے ہی تیار ہوا ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس قصے کو نقل کر کے لکھا ہے' یہ کتنا اچھا قصہ ہے لیکن میں کہتا ہوں' بالکل منکر اور سخت غریب ہے۔ یہ عطا بن سائب کا وہم ہے جو اس نے ابن عباسؓ کے نام سے بیان کر دیا ہے۔ اور زیادہ قرین قیاس امر یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے دفاتر سے لیا گیا ہے جو مسلمانوں میں کعب اور وہب نے رائج کر دیا تھا۔ اللہ ان سے درگذر فرمائے۔ پس ان قصوں کا کوئی اعتماد نہیں۔ بنو اسرائیل تو جدت پسند اور جدت طراز تھے۔ بدل لینا' گھڑ لینا' کمی زیادتی کر لینا ان کی عادت میں داخل تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں اس نے ان کا محتاج نہیں رکھا۔ ہمیں وہ کتاب دی اور اپنے نبی کی زبانی وہ باتیں پہنچائیں جو نفع میں' وضاحت میں' بیان میں' ان کی باتوں سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہیں' ساتھ ہی بہت مفید اور نہایت احتیاط والی۔ فالحمدللہ۔

صرح کہتے ہیں محل کو۔ اور بلند اونچی عمارت کو۔ چنانچہ فرعون ملعون نے بھی اپنے وزیر ہامان سے یہی کہا تھا یٰھَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا یمن کے ایک خاص ممتاز اور بلند محل کا نام بھی صرح تھا۔ اس سے مراد ہر وہ بناء ہے جو محکم' مضبوط' استوار اور قوی ہو۔ یہ بنا بلور اور صاف شفاف شیشے سے بنائی گئی تھی۔ دومتہ الجندل میں ایک قلعہ ہے۔ اس کا نام بھی مارد ہے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ جب اس ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کی یہ رفعت' یہ عظمت' یہ شوکت' یہ سلطنت دیکھی اور اس میں غور وفکر کے ساتھ ہی حضرت سلیمان کی سیرت' ان کی نیکی اور ان کی دعوت سنی تو یقین آ گیا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اسی وقت مسلمان ہو گئی' اپنے اگلے شرک وکفر سے توبہ کر لی اور دین سلیمان کی مطیع بن گئی۔ اللہ کی عبادت کرنے لگی' جو خالق' مالک' متصرف اور مختار کل ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

یقیناً ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو۔ پھر بھی وہ دو فریق بن کر آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے ○ آپ نے فرمایا' اے میری قوم کے لوگو' تم نیکی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں مچا رہے ہو' تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کیوں نہیں کرتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○ وہ کہنے لگے۔ ہم تو تیری اور تیری ساتھیوں کی بدشگونی لے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہاری بدشگونی اللہ کے ہاں ہے بلکہ تم تو فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو ○

صالح علیہ السلام کی ضدی قوم: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۷) حضرت صالح جب اپنی قوم ثمود کے پاس آئے اور اللہ کی رسالت ادا کرتے ہوئے انہیں توحید کی دعوت دی تو ان میں دو فریق بن گئے۔ ایک جماعت مومنوں کی دوسرا گروہ کافروں کا۔ یہ آپس میں گتھ گئے جیسے

اور جگہ ہے کہ متکبروں نے عاجزوں سے کہا کہ کیا تم صالح کو رسول اللہ مانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کھلم کھلا ایمان لا چکے ہیں۔ انہوں نے کہا' بس تو ہم ایسے ہی کھلم کھلا کافر ہیں۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ بجائے رحمت طلب کرنے کے اور عذاب مانگ رہے ہو؟ تم استغفار کرو تا کہ نزول رحمت ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا تو یقین ہے کہ ہماری تمام مصیبتوں کا باعث تو ہے اور تیرے یہ ماننے والے۔ یہی فرعونیوں نے کلیم اللہ سے کہا تھا کہ جو بھلائیاں ہمیں ملتی ہیں' ان کے لائق تو ہم ہیں لیکن جو برائیاں پہنچتی ہیں' وہ سب تیری اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہیں۔

اور آیت میں ہے وَ اِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ الخ یعنی اگر انہیں کوئی بھلائی مل جاتی ہے تو کہتے ہیں' یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ تیری جانب سے ہے' تو کہہ دے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے یعنی اللہ کی قضا و قدر سے ہے۔ سورۂ یٰسین میں بھی کفار کا اپنے نبیوں کو یہی کہنا موجود ہے قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَیَّرۡنَا بِکُمۡ ہم تو آپ سے بدشگونی لیتے ہیں۔ اگر تم لوگ باز نہ رہے تو ہم تو تمہیں سنگسار کر دیں گے اور سخت تکلیف دیں گے۔ نبیوں نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو ہر وقت تمہارے وجود میں موجود ہے۔ یہاں ہے کہ حضرت صالحؑ نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو اللہ کے پاس ہے یعنی وہی تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ بلکہ تم تو فتنے میں ڈالے ہوئے لوگ ہو۔ تمہیں آزمایا جا رہا ہے' اطاعت سے بھی اور معصیت سے بھی اور باوجود تمہاری معصیت کے تمہیں ڈھیل دی جا رہی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے' اس کے بعد پکڑے جاؤ گے۔

وَکَانَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ تِسۡعَةُ رَهۡطٍ یُّفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا یُصۡلِحُوۡنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوۡا تَقَاسَمُوۡا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَاَهۡلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوۡلَنَّ لِوَلِیِّهٖ مَا شَهِدۡنَا مَهۡلِکَ اَهۡلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ وَمَکَرُوۡا مَکۡرًا وَّ مَکَرۡنَا مَکۡرًا وَّهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۰﴾ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ مَکۡرِهِمۡ ۙ اَنَّا دَمَّرۡنٰهُمۡ وَقَوۡمَهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلۡکَ بُیُوۡتُهُمۡ خَاوِیَةًۢ بِمَا ظَلَمُوۡا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنۡجَیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۳﴾

اس شہر میں نو سردار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے رہتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے ○ انہوں نے آپس میں بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد کیا کہ رات ہی کو صالح اور اس کے گھر والوں پر ہم چھاپہ ماریں گے اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم اس کی اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں ○ انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی اور وہ اسے سمجھتے ہی نہ تھے ○ اب دیکھ لے کہ ان کے مکر کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ کہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو غارت کر دیا ○ یہ ہیں ان کے مکانات جو ان کے ظلم کی وجہ سے اجڑے پڑے ہیں' جو لوگ علم رکھتے ہیں' ان کے لئے اس میں بڑا نشان ہے ○ ہم نے ان میں جو ایمان لائے تھے اور پرہیزگاری کرتے تھے' بال بال بچا لیا ○

اونٹنی کو مار ڈالا: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۳) ثمود کے شہر میں نو فسادی شخص تھے جن کی طبیعت میں اصلاح تھی ہی نہیں۔ یہی ان کے

رؤسا اور سردار تھے' انہی کے مشورے اور حکم سے اونٹنی کو مار ڈالا گیا تھا - ان کے نام یہ ہیں - رعی' رعم' ھرم' ھریم' داب' صواب' مطع' قدار بن سالف - یہی آخری شخص وہ ہے جس نے اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں - جس کا بیان آیت فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ اور آیت اِذِ انۢبَعَثَ اَشْقٰهَا میں ہے - یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے - سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح کا فساد ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے' جس میں ہے کہ بلا ضرورت سکے کو جو مسلمان میں رائج ہو' کاٹنا حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے - اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح کو اور اس کے گھرانے کو قتل کر ڈالو - اس پر سب نے حلف اٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کیے - لیکن یہ لوگ حضرت صالح تک پہنچیں اس سے پہلے عذاب الٰہی ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا - اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے' سارے ہی ایک ساتھ مر گئے - ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے خصوصاً جب انہوں نے حضرت صالح والی اونٹنی کو قتل کیا - اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی علیہ السلام کے قتل پر آمادہ ہوئے - مشورے کیے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اس کے بال بچوں اور اس کے والی وارثوں کو ہلاک کر دو اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر؟ اگر صالح نبی ہے تو وہ ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو - اس ارادے سے چلے - راہ میں ہی تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے - ان کے مشوروں میں جو اور جماعت شریک تھی' انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہوا اور واپس نہیں لوٹے تو یہ خبر لینے چلے - دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں' بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں - انہوں نے حضرت صالحؑ پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لئے نکلے لیکن ان کی قوم ہتھیار لگا کر آ گئی اور کہنے لگی' دیکھو اس نے تم سے کہا ہے کہ تین دن میں عذاب الٰہی تم پر آئے گا - تم یہ تین دن گذرنے دو - اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے اللہ کو اور ناراض کرو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کے کہاں جائے گا؟ چنانچہ وہ لوگ چلے گئے -

فی الواقع ان سے نبی اللہ حضرت صالح علیہ السلام نے صاف فرما دیا تھا کہ تم نے اللہ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم اب تین دن تک تو مزے اڑا لو' پھر اللہ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا - یہ لوگ حضرت صالحؑ کی زبانی یہ سب سن کر کہنے لگے' یہ تو اتنی مدت کہہ رہا ہے' آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں - جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی' اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے - انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز کو آئے' اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کر دو - جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آ رہی ہے - اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے - چٹان آ کر غار کے منہ پر اس طرح ٹھہر گئی کہ منہ بالکل بند ہو گیا - سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں یہ عذاب آیا - وہاں باقی والے وہیں ہلاک کر دیئے گئے' نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں -

حضرت صالحؑ اور باایمان لوگوں میں سے کسی کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں اللہ کے عذابوں میں گنوا دیں - انھوں نے مکر کیا - ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھا دیا - اور انہیں اس سے ذرا پہلے بھی مطلق علم نہ ہو سکا - انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے - یہ ہیں ان کی بستیاں جو سنسان پڑی ہیں' ان کے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہو گئے' ان کے بارونق شہر تباہ کر دیئے گئے - ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں - ہم نے ایمان دار متقیوں کو بال بال بچا لیا -

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾
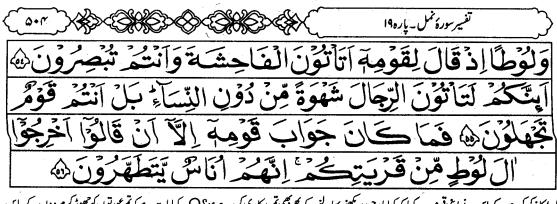
لوط کا ذکر کر جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا باوجود دیکھنے بھالنے کے پھر بھی تم بدکاری کر رہے ہو؟ ○ یہ کیا بات ہے کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت سے آتے ہو؟ حق یہ ہے کہ تم بڑی ہی نادانی کر رہے ہو ○ قوم کا جواب بجز اس کہنے کے اور کچھ نہ تھا کہ آل لوط کو اپنے شہر سے شہر بدر کر دو۔ یہ تو بڑی پاکبازی کر رہے ہیں ○

ہم جنسوں سے جنسی تعلق: ☆☆ (آیت:۵۴-۵۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان فرما رہا ہے کہ آپ نے اپنی امت یعنی اپنی قوم کو اس کے اس نالائق فعل پر جس کا فاعل ان سے پہلے کوئی نہ ہوا تھا یعنی اغلام بازی پر ڈرایا۔ تمام قوم کی یہ حالت تھی کہ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے شہوت رانی کر لیا کرتی تھیں۔ ساتھ ہی اتنے بے حیا ہو گئے تھے کہ اس پاجی فعل کو پوشیدہ کرنا بھی کچھ اتنا ضروری نہیں جانتے تھے۔ اپنے مجمعوں میں واہی فعل کرتے تھے۔ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ اپنی اس جہالت سے باز آؤ۔ تم تو ایسے گئے گذرے اور اتنے نادان ہوئے کہ شرعی پاکیزگی کے ساتھ ہی تم سے طبعی طہارت بھی جاتی رہی۔ جیسے دوسری آیت میں ہے اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ الخ کیا تم مردوں کے پاس آتے ہو اور عورتوں کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے جوڑے بنائے ہیں' چھوڑتے ہو؟ بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔ قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جب لوط اور لوط والے تمہارے اس فعل سے بیزار ہیں اور نہ وہ تمہاری مانتے ہیں' نہ تم ان کی۔ تو پھر ہمیشہ کی اس بحث تکرار کو ختم کیوں نہیں کر دیتے؟ لوط علیہ السلام کے گھرانے کو دیس نکالا دے کر ان کے روزمرہ کے کچوکوں سے نجات حاصل کر لو۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰي عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

پس ہم نے اسے اور اس کی اہل کو بجز اس کی بیوی کے سب کو بچا لیا۔ اس کا اندازہ تو باقی رہ جانے والوں میں ہم لگا ہی چکے تھے ○ اور ان پر ایک خاص قسم کی بارش برسا دی۔ پس ان دھمکائے ہوئے لوگوں پر بری بارش ہوئی ○ تو کہہ دے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ شریک ٹھہرا رہے ہیں ○

(آیت:۵۷-۵۸) جب کافروں نے پختہ ارادہ کر لیا اور اس پر جم گئے اور اجماع ہو گیا تو اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور اپنے پاک بندے حضرت لوطؑ کو اور ان کی اہل کو ان سے اور جو عذاب ان پر آئے' ان سے بچا لیا۔ ہاں آپ کی بیوی جو قوم کے ساتھ ہی تھی' وہ پہلے

سے ہی ان ہلاک ہونے والوں میں لکھی جا چکی تھی' وہ یہاں باقی رہ گئی اور عذاب کے ساتھ تباہ ہوئی کیونکہ یہ انہیں ان کے دین اور ان کے طریقوں میں مدد دیتی تھی۔ ان کی بداعمالیوں کو پسند کرتی تھی۔ اسی نے حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر قوم کو دی تھی۔ لیکن یہ خیال رہے کہ معاذ اللہ ان کی اس فحش کاری میں یہ شریک نہ تھی۔ اللہ کے نبی علیہ السلام کی بزرگی کے خلاف ہے کہ ان کی بیوی بدکار ہو۔ اس قوم پر آسمان سے پتھر برسائے گئے جن پر ان کے نام کندہ تھے' ہر ایک پر اسی کے نام کا پتھر آیا اور ایک بھی ان میں سے بچ نہ سکا۔ ظالموں سے اللہ کی سزا دور نہیں۔ ان پر حجت ربانی قائم ہو چکی تھی' انہیں ڈرایا اور دھمکایا جا چکا تھا' تبلیغ رسالت کافی طور پر ہو چکی تھی لیکن انہوں نے مخالفت میں' جھٹلانے میں اور اپنی بے ایمانی پر اڑنے میں کمی نہیں کی۔ نبی اللہ علیہ السلام کو تکلیفیں پہنچائیں بلکہ انہیں نکال دینے کا ارادہ کیا۔ اس وقت اس بدترین بارش نے یعنی سنگ باری نے انہیں فنا کر دیا۔

(آیت: ۵۹) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ کہیں کہ ساری تعریفوں کے لائق فقط اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ اسی نے اپنے بندوں کو اپنی بے شمار نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں۔ اس کی صفتیں عالی ہیں۔ اس کے نام بلند اور پاک ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیجیں جیسے انبیاء اور رسول۔ حمد وصلوۃ کا ساتھ ہی ذکر آیت سُبۡحٰنَ رَبِّكَ الخ میں بھی ہے۔ برگزیدہ بندوں سے مراد اصحاب رسولؐ ہیں اور خود انبیاء علیہم السلام بطور اولیٰ اس میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور ان کے تابعداروں کے بچا لینے اور مخالفین کے غارت کر دینے کی نعمت بیان فرما کر اپنی تعریفیں کرنے اور اپنے نیک بندوں پر سلام بھیجنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد بطور سوال کے مشرکوں کے اس فعل پر انکار کیا کہ وہ اللہ عزوجل کے ساتھ اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ پاک اور بری ہے۔

الحمدللہ! اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے پارہ انیس بھی تکمیل کو پہنچا۔

تفسیر ابن کثیر

۲۰
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

بھلا بتلاؤ تو کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیئے؟ ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہ اگا سکتے' کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ یہ لوگ اللہ کی برابری کا (جیسا) اوروں کو ٹھہراتے ہیں ○

اللہ کا ہمسر کوئی نہیں: ☆☆ (آیت: ۶۰) بیان کیا جا رہا ہے کل کائنات کا رچانے والا' سب کا پیدا کرنے والا' سب کو روزیاں دینے والا' سب کی حفاظتیں کرنے والا' تمام جہان کی تدبیر کرنے والا' صرف اللہ تعالیٰ ہے- ان بلند آسمانوں کو' ان چمکتے ستاروں کو' اسی نے پیدا کیا- اس بھاری بوجھل زمین کو' ان بلند چوٹیوں والے پہاڑوں کو' ان پھیلے ہوئے میدانوں کو اسی نے پیدا کیا ہے- کھیتیاں' باغات' پھل' پھول' دریا' سمندر' حیوانات' جنات' انسان' خشکی اور تری کے عام جاندار' اسی ایک کے بنائے ہوئے ہیں- آسمانوں سے پانی اتارنے والا ایک وہی ہے' اسے اپنی مخلوق کی روزی کا ذریعہ اسی نے بنایا ہے- باغات کھیت سب وہی اگاتا ہے جو خوش منظر ہونے کے علاوہ بے حد مفید ہوتے ہیں- خوش ذائقہ ہونے کے علاوہ زندگی کو قائم رکھنے والے ہوتے ہیں- تم میں سے' تمہارے معبودان باطل میں سے کوئی بھی نہ کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے' نہ کسی درخت کے اگانے کی- بس وہی خالق و رازق ہے' اللہ کی خالقیت اور اس کی روزی پہنچانے کی صفت کو مشرکین بھی مانتے تھے- جیسے دوسری آیت میں بیان ہوا ہے کہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ الخ یعنی اگر تو ان سے دریافت کرے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے- الغرض یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خالق کل صرف اللہ ہی ہے لیکن ان کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ عبادت کے وقت اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں-

باوجودیکہ جانتے ہیں کہ وہ نہ پیدا کرنے والے ہیں نہ روزی دینے والے- اور اس بات کا فیصلہ تو آسانی سے ہر عقلمند کر سکتا ہے کہ عبادت کے لائق وہی ہے جو خالق' مالک اور رازق ہے- اسی لئے یہاں اس آیت میں بھی سوال کیا کہ کیا معبود برحق کے ساتھ کوئی اور بھی عبادت کے لائق ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ مخلوق کو پیدا کرنے میں' مخلوق کی روزی مہیا کرنے میں کوئی اور بھی شریک ہے؟ چونکہ وہ مشرک خالق رازق صرف اللہ ہی کو مانتے تھے اور عبادت اوروں کی بھی کرتے تھے' اس لئے اور آیت میں فرمایا اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ الخ خالق اور غیر خالق یکساں نہیں ہیں- پھر تم خالق مخلوق کو کیسے ایک کر رہے ہو؟ یہ یاد رہے کہ ان آیات میں اَمَّنْ جہاں جہاں ہے' وہاں یہی معنی ہیں کہ ایک تو وہ جو ان تمام کاموں کو کر سکے اور ان پر قادر ہو' دوسرا وہ جس نے ان میں سے نہ تو کسی کام کو کیا ہو اور نہ کر سکتا ہو- کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ گو دوسری شق کو لفظوں میں بیان نہیں کیا لیکن طرز کلام اسے صاف کر دیتا ہے- اور آیت میں صاف صاف یہ بھی ہے کہ ءٰاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ کیا اللہ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک کرتے ہیں؟ آیت کے خاتمے پر فرمایا بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں- آیت اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ الخ بھی اسی جیسی آیت ہے یعنی ایک وہ شخص جو اپنے دل میں آخرت کا ڈر رکھ کر' اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو کر' راتوں کو نماز میں گزارتا ہو- یعنی وہ اس جیسا نہیں ہو سکتا جس کے اعمال ایسے نہ ہوں- ایک اور جگہ ہے عالم اور بے علم برابر نہیں- عقلمند ہی نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں- ایک وہ جس کا سینہ اسلام کے لئے کھلا ہوا ہو اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور ہدایت لئے ہو اور وہ اس جیسا نہیں جس کے دل میں اسلام کی طرف سے کراہت ہو اور سخت دل ہو- اللہ نے خود اپنی ذات کی نسبت فرمایا

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ الخ یعنی وہ جو مخلوق کی تمام حرکات وسکنات سے واقف ہو' تمام غیب کی باتوں کو جانتا ہو' اس کی مانند ہے جو کچھ بھی نہ جانتا ہو؟ بلکہ جس کی آنکھیں اور کان نہ ہوں جیسے تمہارے یہ بت ہیں۔ فرمان ہے وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الخ یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ ان سے کہہ ذرا ان کے نام تو مجھے بتاؤ۔ پس ان سب آیتوں کا بھی مطلب یہی ہے کہ اللہ نے اپنی صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ پھر خبر دی ہے کہ یہ صفات کسی میں نہیں۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

کیا وہ جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان روک بنا دی' کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے بلکہ ان میں سے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں ○

کائنات کے مظاہر اللہ تعالیٰ کی صداقت: ☆☆ (آیت:۶۱) زمین کو اللہ تعالیٰ نے ٹھہری ہوئی اور ساکن بنایا تاکہ دنیا با آرام اپنی زندگی بسر کر سکے اور اس پھیلے ہوئے فرش پر راحت پا سکے۔ جیسے اور آیت میں ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا الخ اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے ٹھہری ہوئی اور ساکن بنایا اور آسمان کو چھت بنایا۔ اس نے زمین پر پانی کے دریا بہا دیئے جو ادھر ادھر بہتے رہتے ہیں اور ملک ملک پہنچ کر زمین کو سیراب کرتے ہیں تاکہ زمین سے کھیت باغ وغیرہ اگیں۔ اس نے زمین کی مضبوطی کے لئے اس پر پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ وہ تمہیں متزلزل نہ کر سکے' ٹھہری رہے۔

اس کی قدرت دیکھو کہ ایک کھاری سمندر ہے اور دوسرا میٹھا ہے۔ دونوں بہہ رہے ہیں' بیچ میں کوئی روک' آڑ' پردہ حجاب نہیں لیکن قدرت نے ایک کو ایک سے الگ کر رکھا ہے۔ نہ کڑوا میٹھے میں مل سکے نہ میٹھا کڑوے میں۔ کھاری اپنے فوائد پہنچا تا رہے' میٹھا اپنے فائدے دیتا رہے۔ اس کا نتھرا ہوا' خوش ذائقہ' مسرور کن' خوش ہضم پانی لوگ پئیں' اپنے جانوروں کو پلائیں' کھیتیاں باڑیاں باغات وغیرہ میں یہ پانی پہنچائیں' نہائیں دھوئیں وغیرہ۔ کھاری پانی اپنے فوائد سے لوگوں کو سودمند کرے' یہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے تاکہ ہوا خراب نہ ہو اور اس آیت میں بھی ان دونوں کا بیان موجود ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ الخ یعنی ان دونوں سمندروں کا جاری کرنے والا اللہ ہی ہے اور اسی نے ان دونوں کے درمیان حد فاصل قائم کر رکھی ہے۔ یہاں یہ قدرتیں اپنی جتا کر پھر سوال کرتا ہے کہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے یہ کام کئے ہوں یا کر سکتا ہو' تاکہ وہ بھی لائق عبادت سمجھا جائے۔ اکثر لوگ محض بے علمی سے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ عبادتوں کے لائق صرف وہی ایک ہے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے' کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟ اور تمہیں زمین کے نائب بناتا ہے' کیا اللہ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہو ○

بے کسوں کا سہارا: ☆☆ (آیت: ۶۲) سختیوں اور مصیبتوں کے وقت پکارے جانے کے قابل اسی کی ذات ہے۔ بے کس بے بس لوگوں کا سہارا وہی ہے۔ گرے پڑے' بھولے بھٹکے' مصیبت زدہ اسی کو پکارتے ہیں۔ اسی کی طرف لو لگاتے ہیں۔ جیسے فرمایا کہ تمہیں جب سمندر کے طوفان زندگی سے مایوس کر دیتے ہیں تو تم اسی کو پکارتے ہو' اسی کی طرف گریہ وزاری کرتے ہو اور سب کو بھول جاتے ہو۔ اسی کی ذات ایسی ہے کہ ایک بے قرار وہاں پناہ لے سکتا ہے' مصیبت زدہ لوگوں کی مصیبت اس کے سوا کوئی بھی دور نہیں کر سکتا۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضورؐ! آپ کس چیز کی طرف ہمیں بلا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا' اللہ کی طرف' جو اکیلا ہے' جس کا کوئی شریک نہیں' جو اس وقت تیرے کام آتا ہے جب تو کسی بھنور میں پھنسا ہوا ہو۔ وہی ہے کہ جب تو جنگلوں میں راہ بھول کر اسے پکارے تو وہ تیری رہنمائی کر دے' تیرا کوئی کھو گیا ہو اور تو اس سے التجا کرے تو وہ اسے تجھ کو ملا دے۔ قحط سالی ہو گئی ہو اور تو اس سے دعائیں کرے تو وہ موسلا دھار مینہ تجھ پر برسا دے۔ اس شخص نے کہا' یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا' کسی کو برا نہ کہہ۔ نیکی کے کسی کام کو ہلکا اور بے وقعت نہ سمجھ خواہ اپنے مسلمان بھائی سے بہ کشادہ پیشانی ملنا ہی ہو۔ گو اپنے ڈول سے کسی پیاسے کو ایک گھونٹ پانی کا دینا ہی ہو اور اپنے تہمد کو آدھی پنڈلی تک رکھ۔ لمبائی میں زیادہ سے زیادہ ٹخنے تک۔ اس سے نیچے لٹکانے سے بچتا رہ۔ اس لئے کہ یہ فخر و غرور ہے جسے اللہ ناپسند کرتا ہے۔ (مسند احمد)

ایک روایت میں ان کا نام جابر بن سلیم ہے۔ اس میں ہے کہ جب میں حضورؐ کے پاس آیا' آپ ایک چادر سے گوٹ لگائے بیٹھے تھے جس کے پھندنے آپ کے قدموں پر گر رہے تھے' میں نے آ کر پوچھا کہ تم میں اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کون ہیں؟ آپ نے اپنے ہاتھ سے خود اپنی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں ایک گاؤں کا رہنے والا آدمی ہوں' ادب تمیز کچھ نہیں جانتا' مجھے کچھ احکام اسلام کی تعلیم دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کسی چھوٹی سی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھ' خواہ اپنے مسلمان بھائی سے خوش خلقی کے ساتھ ملاقات ہی ہو۔ اور اپنے ڈول میں سے کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں ذرا سا پانی ڈال دینا ہی ہو۔ اگر کوئی تیری کسی شرمناک بات کو جانتا ہو اور وہ تجھے شرمندہ کرے تو تو اسے اس کی کسی ایسی ہی بات کی عار نہ دلا تا کہ اجر تجھے ملے اور وہ گنہگار بن جائے۔ ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانے سے پرہیز کر کیونکہ یہ تکبر ہے جو اللہ کو پسند نہیں اور کسی کو بھی ہرگز گالی نہ دینا۔ فرماتے ہیں' یہ سننے کے بعد سے لے کر آج تک میں نے کبھی کسی انسان کو بلکہ کسی جانور کو بھی گالی نہیں دی۔ حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ سے کسی بیمار نے کہا' میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا' تم خود اپنے لئے دعا کرو' بے قرار کی بے قراری کے وقت کی دعا کو اللہ قبول فرماتا ہے۔

حضرت وہبؒ فرماتے ہیں' میں نے اگلی آسمانی کتاب میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' مجھے میری عزت کی قسم! جو شخص مجھ پر اعتماد کرے اور مجھے تھام لے تو میں اسے اس کے مخالفین سے بچا لوں گا اور ضرور بچا لوں گا چاہے آسمان و زمین وکل مخلوق اس کی مخالفت اور ایذا دہی پر تلے ہوں۔ اور جو مجھ پر اعتماد نہ کرے' میری پناہ میں نہ آئے تو میں اسے امن و امان سے چلتا پھرتا ہونے کے باوجود اگر چاہوں گا تو زمین میں دھنسا دوں گا۔ اور اس کی کوئی مدد نہ کروں گا۔ ایک بہت ہی عجیب واقعہ حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک خچر پر لوگوں کو دمشق سے زیدانی لے جایا کرتا تھا اور اسی کرایہ پر میری گذر بسر تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے خچر مجھ سے کرایہ پر لیا۔ میں نے اسے سوار کیا اور چلا' ایک جگہ جہاں دو راستے تھے جب وہاں پہنچے تو اس نے کہا' اس راہ پر چلو۔ میں نے کہا' میں اس سے واقف نہیں ہوں' سیدھی راہ یہی ہے۔ اس نے کہا نہیں' میں پوری طرح واقف ہوں' یہ بہت نزدیک کا راستہ ہے۔ میں اس کے کہنے پر اسی راہ پر چلا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک لق و دق بیابان میں ہم پہنچ گئے ہیں جہاں کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ نہایت خطرناک جنگل ہے' ہر طرف لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ میں سہم گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا' ذرا لگام تھام لو۔ مجھے یہاں اترنا ہے'

میں نے لگام تھام لی - وہ اترا اور اپنا تہمد اونچا کر کے' کپڑے ٹھیک کر کے' چھری نکال کر مجھ پر حملہ کیا - میں وہاں سے سرپٹ بھاگا لیکن اس نے میرا تعاقب کیا اور مجھے پکڑ لیا - میں اسے قسمیں دینے لگا لیکن اس نے خیال بھی نہ کیا - میں نے کہا' اچھا یہ خچر اور کل سامان جو میرے پاس ہے' تو لے لے اور مجھے چھوڑ دے - اس نے کہا' یہ تو میرا ہو ہی چکا لیکن میں تو تجھے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا - میں نے اسے اللہ کا خوف دلایا' آخرت کے عذابوں کا ذکر کیا لیکن اس چیز نے بھی اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ میرے قتل پر تلا رہا - اب میں مایوس ہو گیا اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس سے بہ منت التجا کی کہ تم مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دو - اس نے کہا' اچھا جلدی پڑھ لے - میں نے نماز شروع کی لیکن اللہ کی قسم میری زبان سے قرآن کا ایک حرف نہیں نکلتا تھا - یونہی ہاتھ باندھے دہشت زدہ کھڑا ہوا تھا اور وہ جلدی مچا رہا تھا' اسی وقت اتفاق سے یہ آیت میری زبان پر آ گئی اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ یعنی اللہ ہی ہے جو بے قرار کی بے قراری کے وقت کی دعا کو سنتا اور قبول فرماتا ہے اور بے بسی' بے کسی کو' سختی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے پس اس آیت کا زبان سے جاری ہونا تھا جو میں نے دیکھا کہ بیچوں بیچ جنگل میں سے ایک گھڑ سوار تیزی سے اپنا گھوڑا بھگائے نیزہ تانے ہماری طرف چلا آ رہا ہے اور بغیر کچھ کہے اس ڈاکو کے پیٹ میں اس نے اپنا نیزہ گھونپ دیا جو اس کے جگر کے آر پار ہو گیا - وہ اسی وقت بے جان ہو کر گر پڑا - سوار نے باگ موڑی اور جانا چاہا لیکن میں اس کے قدموں سے لپٹ گیا اور بہ التجا کہنے لگا' اللہ کے لئے یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا' میں اس کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبوروں' بے کسوں اور بے بسوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور مصیبت و آفت کو ٹال دیتا ہے - میں نے اللہ کا شکر کیا اور وہاں سے اپنا خچر اور مال لے کر صحیح سالم واپس لوٹا - رحمہ اللہ -

اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے ایک لشکر نے ایک جنگ میں کافروں سے شکست اٹھائی اور واپس لوٹے - ان میں ایک مسلمان جو بڑے سخی اور نیک تھے' ان کا گھوڑا جو بہت تیز رفتار تھا' راستے میں اڑ گیا - اس ولی اللہ نے بہت کوشش کی لیکن جانور نے قدم ہی نہ اٹھایا - آخر عاجز آ کر اس نے کہا' کیا بات ہے تو اڑ گیا - ایسے ہی موقعہ کے لئے تو میں نے تیری خدمت کی تھی اور تجھے پیار سے پالا تھا - گھوڑے کو اللہ نے زبان دی' اس نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ آپ میرا گھاس دانہ سائیس کو سونپ دیتے تھے' وہ اس میں سے چرا لیتا تھا' مجھے بہت کم کھانے کو دیتا تھا اور مجھ پر ظلم کرتا تھا - اللہ کے اس نیک بندے نے کہا' اب سے تجھے میں ہمیشہ اپنی گود میں ہی کھلایا کروں گا - جانور یہ سنتے ہی تیزی سے لپکا اور انہیں جائے امن تک پہنچا دیا - حسب وعدہ اب سے یہ بزرگ اپنے اس جانور کو اپنی گود میں ہی کھلایا کرتے تھے - لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی - انہوں نے کسی سے واقعہ کہہ دیا جس کی عام شہرت ہو گئی اور لوگ اس واقعہ کو سننے کے لئے ان کے پاس دور دور سے آنے لگے - شاہ روم کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے چاہا کہ کسی طرح انہیں اپنے شہر میں بلا لے - بہت کوششیں کی لیکن بے سود رہیں -

آخر میں اس نے ایک شخص کو بھیجا کہ کسی طرح حیلے بہانے سے انہیں بادشاہ تک پہنچا دے - یہ شخص پہلے مسلمان تھا - پھر مرتد ہو گیا تھا - یہ بادشاہ کے پاس سے یہاں آیا اور ان سے ملا - اپنا اسلام ظاہر کیا - توبہ کی اور نہایت نیک بن کر رہنے لگا یہاں تک کہ اس ولی اللہ کو اس پر پورا اعتماد ہو گیا اور اسے صالح اور دیندار سمجھ کر انہوں نے اس سے دوستی پیدا کر لی اور ساتھ ساتھ لے کر پھرنے لگے - اس نے اپنا پورا رسوخ جما کر اپنی ظاہر دینداری کے فریب میں انہیں پھنسا کر بادشاہ کو اطلاع دی کہ فلاں وقت دریا کے کنارے ایک مضبوط جری شخص کو بھیجو - میں انہیں لے کر وہاں آ جاؤں گا اور اس شخص کی مدد سے انہیں گرفتار کر لوں گا - یہاں سے انہیں فریب دے کر لے چلا اور اس جگہ پہنچایا - دفعتاً یہ شخص نمودار ہوا اور اس بزرگ پر حملہ کیا - ادھر سے اس مرتد نے حملہ کیا' اس نیک دل شخص نے اس وقت آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں اور دعا

کی کہ اے اللہ! اس شخص نے تیرے نام سے مجھے دھوکا دیا ہے۔ تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو جس طرح چاہے مجھے ان دونوں سے بچا لے۔ وہیں جنگل سے دو درندے دھاڑتے ہوئے آتے دکھائی دیئے اور ان دونوں شخصوں کو انہوں نے دبوچ لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے چل دیئے اور یہ اللہ کا بندہ امن و امان سے وہاں سے صحیح و سالم واپس تشریف لے آیا' رحمہ اللہ۔

اپنی اس شان رحمت کو بیان فرما کر پھر جناب باری کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ وہی تمہیں زمین کا جانشین بناتا ہے۔ ایک ایک کے پیچھے آ رہا ہے اور مسلسل سلسلہ چلا جا رہا ہے۔ جیسے فرمان اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ الخ اگر وہ چاہے تو تم سب کو یہاں سے فناہ کر دے اور کسی اور ہی کو تمہارا جانشین بنا دے جیسے کہ خود تمہیں دوسروں کا خلیفہ بنا دیا ہے۔ اور آیت میں ہے وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ الخ اس اللہ نے تمہیں زمینوں کا جانشین بنایا ہے اور تم میں سے ایک کو ایک پر درجوں میں بڑھا دیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی جو خلیفہ کہا گیا ہے' وہ اسی اعتبار سے کہ ان کی اولاد ایک دوسرے کی جانشین ہو گی۔ جیسے کہ آیت وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ الخ کی تفسیر میں تفصیل وار بیان گذر چکا ہے۔ اس آیت کے اس جملے سے بھی یہی مراد ہے کہ ایک کے بعد ایک' ایک زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ' ایک قوم کے بعد دوسری قوم۔ پس یہ اللہ کی قدرت ہے۔ اس نے یہ کیا کہ ایک مرے' ایک پیدا ہو۔

حضرت آدم کو پیدا کیا۔ ان سے ان کی نسل پھیلائی اور دنیا میں ایک ایسا طریقہ رکھا کہ دنیا والوں کی روزیاں اور ان کی زندگیاں تنگ نہ ہوں ورنہ سارے انسان ایک ساتھ شاید زمین میں بہت تنگی سے گزارہ کرتے اور ایک سے ایک کو نقصانات پہنچتے۔ پس موجودہ نظام الٰہی اس کی حکمت کا ثبوت ہے۔ سب کی پیدائش کا' موت کا' آنے جانے کا وقت اس کے نزدیک مقرر ہے۔ ایک ایک اس کے علم میں ہے' اس کی نگاہ سے کوئی اوجھل نہیں۔ وہ ایک دن ایسا بھی لانے والا ہے کہ ان سب کو ایک ہی میدان میں جمع کرے اور ان کے فیصلے کرے' نیکی بدی کا بدلہ دے۔ ان اپنی قدرتوں کو بیان فرما کر فرماتا ہے' کوئی ہے جو ان کاموں کو کر سکتا ہو؟ اور جب نہیں کر سکتا تو عبادت کے لائق بھی نہیں ہو سکتا۔ ایسی صاف دلیلیں بھی بہت کم سوچی جاتی ہیں اور ان سے بھی نصیحت بہت کم لوگ حاصل کرتے ہیں۔

اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۶۴﴾

کیا وہ جو تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبریاں دینے والی ہوائیں چلاتا ہے' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ جنہیں یہ شریک کرتے ہیں۔ ان سب سے اللہ تعالیٰ بلند و بالاتر ہے ○ کیا وہ جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے' پھر اسے لوٹائے گا اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزیاں دے رہا ہے' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ کہہ دے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ ○

ستاروں کے فوائد: ☆☆ (آیت: ۶۳-۶۴) آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ نے ایسی نشانیاں رکھ دی ہیں کہ خشکی اور تری میں جو راہ بھول جائے وہ انہیں دیکھ کر راہ راست اختیار کر لے۔ جیسے فرمایا کہ ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں' سمندروں میں اور خشکی میں انہیں دیکھ کر اپنا راستہ ٹھیک

کر لیتے ہیں بادل پانی بھرے برسیں اس سے پہلے ٹھنڈی اور بھینی ہوائیں وہ چلاتا ہے۔ جس سے لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ اب رب کی رحمت برسے گی۔ اللہ کے سوا ان کاموں کا کرنے والا کوئی نہیں نہ کوئی ان پر قادر ہے۔ تمام شریکوں سے وہ الگ ہے پاک ہے سب سے بلند ہے۔

قدرت کاملہ کا ثبوت: ☆☆ فرمان ہے کہ اللہ وہ ہے جو اپنی قدرت کاملہ سے مخلوقات کو بے نمونہ پیدا کر رہا ہے۔ پھر انہیں فناہ کر کے دوبارہ پیدا کرے گا۔ جب تم اسے پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر مان رہے ہو تو دوبارہ کی پیدائش جو اس کے لئے بہت آسان ہے اس پر قادر کیوں نہیں مانتے؟ آسمان سے بارش برسانا، زمین سے اناج اگانا اور تمہاری روزی کا سامان آسمان اور زمین سے پیدا کرنا اسی کا کام ہے جیسے سورۂ طارق میں فرمایا' پانی والے آسمان کی اور پھوٹنے والی زمین کی قسم۔

اور آیت میں ہے یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ الخ یعنی اللہ خوب جانتا ہے ہر اس چیز کو جو زمین میں سما جائے اور جو اس سے باہر اگ آئے۔ اور جو آسمان سے اترے اور جو اس پر چڑھے۔ پس آسمان سے مینہ برسانے والا' اسے زمین میں ادھر ادھر تک پہنچانے والا اور اس کی وجہ سے طرح طرح کے پھل' پھول' اناج' گھاس' پات' اگانے والا وہی ہے جو تمہاری اور تمہارے جانوروں کی روزیاں ہیں۔ یقیناً یہ تمام قسم کی چیزیں ایک صاحب عقل کے لئے اللہ کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ اپنی ان قدرتوں کو اور اپنے ان گراں بہا احسانوں کو بیان فرما کر فرمایا کہ اللہ کے ساتھ ان کاموں کا کرنے والا کوئی اور بھی ہے جس کی عبادت کی جائے؟ اگر تم اللہ کے سوا دوسروں کو معبود ماننے کے دعوے کو دلیل سے ثابت کر سکتے ہو تو وہ دلیل پیش کرو؟ لیکن چونکہ وہ محض بے دلیل ہیں' اس لیے دوسری آیت میں فرما دیا کہ اللہ کے ساتھ جو دوسرے کو بھی پوجے جس کی دلیل بھی اس کے پاس نہ ہو' وہ یقیناً کافر ہے اور نجات سے محروم ہے۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع ۸

کہہ دے کہ آسمانوں والوں میں سے زمین والوں میں سے کوئی بھی سوائے اللہ کے غیب کو نہیں جانتا اور انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھا کھڑے کئے جائیں گے؟ ○ بلکہ آخرت بارے میں ان کے علم ختم ہو چکے ہیں بلکہ یہ اس سے شک میں ہیں بلکہ یہ اس سے اندھے ہیں ○

اللہ کے سوا کوئی غیب داں نہیں: ☆☆ (آیت: ۶۵-۶۶) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ وہ سارے جہان کو معلوم کرا دیں کہ ساری مخلوق آسمان کی ہو یا زمین کی' غیب کے علم سے خالی ہے۔ بجز اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کے کوئی اور غیب کا جاننے والا نہیں۔ یہاں استثناء منقطع ہے یعنی سوائے اللہ کے کوئی انسان' جن' فرشتہ غیب داں نہیں۔ جیسے فرمان ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ یعنی غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الخ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے' وہی بارش برساتا ہے' وہی مادہ کے پیٹ کے بچے سے واقف ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا نہ کسی کو یہ خبر کہ وہ کہاں مرے گا؟ علیم وخبیر صرف اللہ ہی ہے۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔ مخلوق تو یہ بھی نہیں جانتی کہ قیامت کب آئے گی۔ آسمان اور زمینوں کے رہنے والوں میں سے ایک بھی واقف نہیں کہ قیامت کا وقت کون سا ہے؟ جیسے فرمان ہے ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ سب پر یہ علم مشکل ہے اور بوجھل ہے۔ وہ تو اچانک آ جائے گی۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے کہ جو کہے کہ حضور کل کی بات جانتے تھے' اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ پر بہتان عظیم باندھا اس لیے کہ اللہ فرماتا ہے کہ زمین وآسمان والوں میں سے کوئی بھی غیب کی بات جاننے والا نہیں۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تین فائدے رکھے ہیں۔ آسمان کی زینت' بھولے بھٹکوں کی رہبری اور شیطانوں کی مار۔ کسی اور بات کا ان کے ساتھ عقیدہ رکھنا اپنی رائے سے بات بنانا اور خود ساختہ تکلیف اور اپنی عاقبت کے حصہ کو کھونا ہے۔ جاہلوں نے ستاروں کے ساتھ علم نجوم کو متعلق رکھ کر فضول باتیں بنائی ہیں کہ اس ستارے کے وقت جو نکاح کرے' یوں ہوگا' فلاں ستارے کے موقعہ پر سفر کرنے سے یہ ہوتا ہے' فلاں ستارے کے وقت جو تولد ہوا' وہ ایسا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ان کی اس بکواس کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ہر ستارے کے وقت کوئی کالا' گورا' ٹھگنا' لمبا' خوبصورت' بدشکل' پیدا ہوتا ہی رہتا ہے۔ نہ کوئی جانور غیب جانے نہ کسی پرندے سے غیب حاصل ہو سکے' نہ ستارے غیب کی رہنمائی کریں۔ سنو! اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ آسمان وزمین کی کل مخلوق غیب سے بے خبر ہے۔ انہیں تو اپنے جی اٹھنے کا وقت بھی نہیں معلوم ہے (ابن ابی حاتم) سبحان اللہ حضرت قتادہ کا یہ قول کتنا صحیح' کس قدر مفید اور معلومات سے پر ہے۔

پھر فرماتا ہے' بات یہ ہے کہ ان کے علوم آخرت کے وقت کے جاننے سے قاصر ہیں۔ عاجز ہو گئے ہیں۔ ایک قرأت میں بَلِ ادّٰرَكَ ہے یعنی سب کے علم آخرت کا صحیح وقت نہ جاننے میں برابر ہیں۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ میرا اور تیرا دونوں کا علم اس کے جواب سے عاجز ہے۔ پس یہاں بھی فرمایا کہ آخرت سے ان کے علم غائب ہیں۔ چونکہ کفار اپنے رب سے جاہل ہیں اس لیے یہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ وہاں تک ان کے علم پہنچتے ہی نہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آخرت میں ان کو علم حاصل ہوگا لیکن بے سود ہے۔ جیسے اور جگہ ہے' جس دن یہ ہمارے پاس پہنچیں گے' بڑے ہی دانا و بینا ہو جائیں گے۔ لیکن آج ظالم کھلی گمراہی میں ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے کہ بلکہ یہ تو شک ہی میں ہیں' اس سے مراد کافر ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا الخ یہ لوگ اپنے رب کے سامنے صف بستہ پیش کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' ہم نے جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا' اب ہم تمہیں دوبارہ لے آئے ہیں لیکن تم تو یہی سمجھتے رہے کہ قیامت کوئی چیز ہی نہیں۔ مراد یہ ہے کہ تم میں سے کافر یہ سمجھتے رہے۔ پس مندرجہ بالا آیت میں بھی گو ضمیر جنس کی طرف لوٹتی ہے لیکن مراد کفار ہی ہیں اسی لیے آخر میں فرمایا کہ یہ تو اس سے اندھاپے میں ہیں' نابینا ہو رہے ہیں' آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

کافروں نے کہا کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی۔ کیا ہم پھر نکالے جائیں گے؟ ○ ہم اور ہمارے باپ دادوں کو بہت پہلے سے یہ وعدے

دیئے جاتے رہے۔ کچھ نہیں یہ تو صرف اگلوں کے افسانے ہیں ○ کہہ دے کہ زمین میں چل پھر کر ذرا دیکھو تو سہی کہ گنہگاروں کا کیسا انجام ہوا؟ ○ تو ان کے بارے میں غم نہ کر اور ان کے داؤ گھات سے تنگ دل نہ ہو ○

حیات ثانی کے منکر: ☆☆ (آیت: ۶۷-۷۰) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ منکرین قیامت کی سمجھ میں اب تک بھی نہیں آیا کہ مرنے اور سڑ گل جانے کے بعد' مٹی اور راکھ ہو جانے کے بعد ہم دوبارہ کیسے پیدا کئے جائیں گے؟ وہ اس پر سخت متعجب ہیں۔ کہتے ہیں کہ مدتوں سے اگلے زمانوں سے یہ سنتے تو چلے آتے ہیں لیکن ہم نے تو کسی کو مرنے کے بعد جیتا ہوا دیکھا نہیں۔ سنی سنائی باتیں ہیں' انہوں نے اپنے اگلوں سے' انہوں نے اپنے سے پہلے والوں سے سنیں۔ ہم تک پہنچیں لیکن سب عقل سے دور ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو جواب بتاتا ہے کہ ان سے کہو' ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ رسولوں کو جھوٹا جاننے والوں اور قیامت کو نہ ماننے والوں کا کیسا دردناک' حسرت ناک انجام ہوا؟ ہلاک اور تباہ ہو گئے اور نبیوں اور ایمان والوں کو اللہ نے بچا لیا۔ یہ نبیوں کی سچائی کی دلیل ہے۔ پھر اپنے نبیؐ کو تسلی دی کہ یہ تجھے اور میرے کلام کو جھٹلاتے ہیں لیکن تو ان پر افسوس اور رنج نہ کر۔ ان کے پیچھے اپنی جان کو روگ نہ لگا۔ یہ تیرے ساتھ جو روباہ بازیاں کر رہے ہیں اور جو چالیں چل رہے ہیں' ہمیں خوب علم ہے۔ تو بے فکر رہ۔ تجھے اور تیرے دین کو ہم اوج دینے والے ہیں۔ دنیا جہان پر تجھے ہم بلندی دیں گے۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝٧١ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ۝٧٢ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ۝٧٣ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝٧٤ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝٧٥

کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہے۔ اگر سچے ہو تو بتلا دو ○ جواب دے کہ شاید بعض وہ چیزیں جن کی تم جلدی مچا رہے ہو' تم سے بہت ہی قریب ہو گئی ہوں ○ یقیناً تیرا پروردگار تمام لوگوں پر بڑے ہی فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں ○ بے شک تیرا رب ان سب چیزوں کو بھی جانتا ہے جنہیں ان کے دل چھپا رہے ہیں اور جنہیں ظاہر کر رہے ہیں ○ آسمان وزمین کی کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ چیز بھی ایسی نہیں جو روشن اور کھلی کتاب میں نہ ہو ○

قیامت کے منکر: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۵) مشرک چونکہ قیامت کے آنے کے قائل تھے ہی نہیں' جرأت سے اسے جلدی طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر سچے ہو تو بتاؤ وہ کب آئے گی۔ جناب باری کی طرف سے بواسطہ رسول ﷺ جواب مل رہا ہے کہ ممکن ہے وہ بالکل ہی قریب آ گئی ہو۔ جیسے اور آیت میں ہے عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا اور جگہ ہے' یہ عذابوں کو جلدی طلب کر رہے ہیں اور جہنم تو کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ لکم کا لام ردف کے' عجل کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔ جیسے کہ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ کے تو انسانوں پر بہت ہی فضل وکرم ہیں' اس کی بے شمار نعمتیں ان کے پاس ہیں تاہم ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔ جس طرح تمام ظاہر

اموراس پر آشکار ہیں اسی طرح تمام باطنی امور بھی اس پر ظاہر ہیں۔ جیسے فرمایا سَوَآءٌ مِّنۡکُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَمَنۡ جَھَرَ بِہٖ الخ اور آیت میں ہے یَعۡلَمُ السِّرَّ وَ اَخۡفٰی اور آیت میں ہے اَلَا حِیۡنَ یَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِیَابَھُمۡ الخ مطلب یہی ہے کہ ہر ظاہر و باطن کا وہ عالم ہے۔ پھر بیان فرماتا ہے کہ ہر غائب و حاضر کا اسے علم ہے۔ وہ علام الغیوب ہے۔ آسمان و زمین کی تمام چیزیں خواہ تم کو ان کا علم ہو یا نہ ہو اللہ کے ہاں کھلی کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمان و زمین کی ہر ایک چیز کا اللہ عالم ہے۔ سب کچھ کتاب میں موجود ہے۔ اللہ پر یہ سب کچھ آسان ہے۔

اِنَّ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَکۡثَرَ الَّذِیۡ ھُمۡ فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۷۶﴾ وَ اِنَّہٗ لَھُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّکَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَھُمۡ بِحُکۡمِہٖ ۚ وَ ھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّکَ عَلَی الۡحَقِّ الۡمُبِیۡنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَ لَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ ﴿۸۰﴾ وَ مَاۤ اَنۡتَ بِھٰدِی الۡعُمۡیِ عَنۡ ضَلٰلَتِھِمۡ ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾

یقیناً یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے ان اکثر چیزوں کا فیصلہ کر رہا ہے جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں ○ اور یہ قرآن ایمان والوں کے لئے یقیناً ہدایت و رحمت ہے ○ تیرا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے سب فیصلے کر دے گا وہ بڑا ہی غالب اور دانا ہے ○ پس تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھ یقیناً تو سچے اور کھلے دین پر ہے ○ بے شک تو نہ مردوں کو سنا سکتا ہے اور نہ ان بہروں کو اپنی پکار سنا سکتا ہے جب کہ وہ پیٹھ پھیرے روگرداں جا رہے ہوں ○ اور نہ تو اندھوں کو ان کی گمراہی سے رہنمائی کر سکتا ہے تو صرف انہیں سنا سکتا ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر وہ فرمانبرداری کرنے والے ہو جاتے ہیں ○

حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا: ☆☆ (آیت: ۷۶-۸۱) قرآن پاک کی ہدایت بیان ہو رہی ہے کہ اس میں جہاں رحمت ہے وہاں فرقان بھی ہے اور بنی اسرائیل یعنی حاملان تورات و انجیل کے اختلافات کا فیصلہ بھی ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہودیوں نے منہ پھٹ بات اور نری تہمت رکھ دی تھی اور عیسائیوں نے انہیں ان کی حد سے آگے بڑھا دیا تھا۔ قرآن نے فیصلہ کیا اور افراط و تفریط کو چھوڑ کر حق بات بتا دی کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں ان کی والدہ نہایت پاکدامن ہیں۔ صحیح اور بالکل بے شک وشبہ بات یہی ہے۔ اور یہ قرآن مومنوں کے دل کی ہدایت ہے۔ اور ان کے لیے سراسر رحمت ہے۔ قیامت کے دن اللہ ان کے فیصلے کرے گا جو بدلہ لینے میں غالب ہے اور بندہ کے اقوال و افعال کا عالم ہے۔ تجھے اسی پر کامل بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ان پر تیرے رب کی بات صادق آ چکی ہے کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا۔ گو تو انہیں تمام معجزے دکھا دے۔ تو مردوں کو نفع دینے والی سماعت نہیں دے سکتا۔

اسی طرح یہ کفار ہیں کہ ان کے دلوں پر پردے ہیں ان کے کانوں میں بوجھ ہیں۔ یہ بھی قبولیت کا سننا نہیں سنیں گے۔ اور نہ تو بہروں

کو اپنی آواز سنا سکتا ہے جب کہ وہ پیٹھ موڑے منہ پھیرے جا رہے ہوں - اور تو اندھوں کو ان کی گمراہی میں رہنمائی بھی نہیں کر سکتا - تو صرف انہیں کو سنا سکتا ہے یعنی قبول صرف وہی کریں گے جو کان لگا کر سنیں اور دل لگا کر سمجھیں' ساتھ ہی ایمان و اسلام بھی ان میں ہو - رسولؐ کے ماننے والے ہوں' دین اللہ کے قائل و حامل ہوں -

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿۸۲﴾ ع ۱۶

جب ان کے اوپر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا تو ہم زمین سے ان کے لئے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرتا ہو گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے ○

دابۃ الارض: ☆☆ (آیت:۸۲) جس جانور کا یہاں ذکر ہے' یہ لوگوں کے بالکل بگڑ جانے اور دین حق کو چھوڑ بیٹھنے کے وقت آخر زمانے میں ظاہر ہو گا - جب کہ لوگوں نے دین حق کو بدل دیا ہو گا - بعض کہتے ہیں' یہ مکہ شریف سے نکلے گا' بعض کہتے ہیں اور کسی جگہ سے جس کی تفصیل ابھی آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ - وہ بولے گا' باتیں کرے گا اور کہے گا کہ لوگ اللہ کی آیتوں کا یقین نہیں کرتے تھے - ابن جریرؒ اسی کو مختار کہتے ہیں لیکن اس قول میں نظر ہے' واللہ اعلم - ابن عباسؓ کا قول ہے کہ وہ انہیں زخمی کرے گا - ایک روایت میں ہے کہ وہ یہ اور یہ دونوں کرے گا - یہ قول بہت اچھا ہے اور دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں' واللہ اعلم -

وہ احادیث و آثار جو دابۃ الارض کے بارے میں مروی ہیں - ان میں سے کچھ ہم یہاں بیان کرتے ہیں واللہ المستعان -

صحابہ کرامؓ ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے قیامت کا ذکر کر رہے تھے - رسول اللہ ﷺ عرفات سے آئے - ہمیں ذکر میں مشغول دیکھ کر فرمانے لگے کہ قیامت قائم نہ ہو گی کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو - سورج کا مغرب سے نکلنا' دھواں' دابۃ الارض' یاجوج ماجوج کا نکلنا' عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا ظہور اور دجال کا نکلنا اور مغرب' مشرق اور جزیرہ عرب میں تین خسف ہونا اور ایک آگ کا عدن سے نکلنا جو لوگوں کا حشر کرے گی - انہی کے ساتھ رات گزارے گی اور انہی کے ساتھ دوپہر کا سونا سوئے گی - (مسلم وغیرہ)

ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ دابۃ الارض تین مرتبہ نکلے گا' دور دراز کے جنگل سے ظاہر ہو گا اور اس کا ذکر شہر یعنی مکہ تک نہ پہنچے گا - پھر ایک لمبے زمانے کے بعد دوبارہ ظاہر ہو گا اور لوگوں کی زبانوں پر اس کا قصہ چڑھ جائے گا اور اس کا ذکر شہر یعنی مکہ تک نہ پہنچے گا پھر ایک لمبے زمانے کے بعد دوبارہ ظاہر ہو گا اور لوگوں کی زبانوں پر اس کا قصہ چڑھ جائے گا یہاں تک کہ مکہ میں بھی اس کی شہرت پہنچے گی - پھر جب لوگ اللہ کی سب سے زیادہ حرمت و عظمت والی مسجد حرام میں ہوں گے' اسی وقت اچانک دفعتاً دابۃ الارض انہیں وہیں دکھائی دے گا کہ رکن و مقام کے درمیان اپنے سر سے مٹی جھاڑ رہا ہو گا - لوگ اسے دیکھ کر ادھر ادھر ہونے لگیں گے - یہ مومنوں کی جماعت کے پاس جائے گا اور ان کے منہ کو مثل روشن ستارے کے منور کر دے گا - اس سے بھاگ کر نہ کوئی بچ سکتا ہے نہ چھپ سکتا ہے - یہاں تک کہ ایک شخص نماز شروع کر کے اس سے پناہ چاہے گا' یہ اس کے پیچھے سے آ کر کہے گا کہ اب نماز کو کھڑا ہوا ہے؟ پھر اس کی پیشانی پر نشان کر دے گا اور چلا جائے گا - اس کے ان نشانات کے بعد کافر' مومن کا صاف طور پر امتیاز ہو جائے گا یہاں تک کہ مومن کافر سے کہے گا کہ اے کافر! میرا حق ادا کر - اور کافر مومن سے کہے گا اے مومن! میرا حق دے - یہ روایت حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے - ایک روایت میں ہے کہ یہ

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے زمانے میں ہوگا جب کہ آپ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہوں گے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ سب سے پہلے جو نشانی ظاہر ہوگی وہ سورج کا مغرب سے نکلنا اور دابتہ الارض کا ضحیٰ کے وقت آ جانا ہے۔ ان دونوں میں سے جو پہلے ہوگا' اس کے بعد ہی دوسرا ہوگا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' آپؐ نے فرمایا' چھ چیزوں کی آمد سے پہلے ہی پہلے نیک اعمال کرلو۔ سورج کا مغرب سے نکلنا' دھویں کا آنا' دجال کا آنا' دابتہ الارض کا آنا' تم میں سے ہر ایک کا خاص امر اور عام امر۔ یہ حدیث اور سندوں سے دوسری کتابوں میں بھی ہے۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے' آپؐ فرماتے ہیں' دابتہ الارض کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی ہوگی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی۔ کافروں کی ناک پر لکڑی سے مہر لگائے گا اور مومنوں کے منہ انگوٹھی سے منور کردے گا یہاں تک کہ ایک دستر خوان پر بیٹھے ہوئے مومن کافر سب ظاہر ہوں گے۔ ایک اور حدیث میں جو مسند احمد میں ہے' مروی ہے کہ کافروں کی ناک پر انگوٹھی سے مہر کرے گا اور مومنوں کے چہرے لکڑی سے چمکا دے گا۔ ابن ماجہ میں حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ لے کر مکہ کے پاس کے ایک جنگل میں گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک خشک زمین ہے جس کے اردگرد ریت ہے۔ فرمانے لگے یہیں سے دابتہ الارض نکلے گا۔ ابن بریدہؓ کہتے ہیں' اس کے کئی سال بعد میں حج کے لیے نکلا تو مجھے لکڑی دکھائی دی جو میری اس لکڑی کے برابر تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس کے چار پیر ہوں گے' صفا کی کھڈ میں سے نکلے گا۔ اس قدر تیزی سے خروج کرے گا کہ جیسے کوئی بہت ہی تیز رفتار گھوڑا ہو لیکن تاہم تین دن میں اس کے جسم کا تیسرا حصہ بھی نہ نکلا ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب اس کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جیاد میں ایک چٹان ہے اس کے نیچے سے نکلے گا۔ میں اگر وہاں ہوتا تو میں تمہیں وہ چٹان دکھا دیتا۔ یہ سیدھا مشرق کی طرف جائے گا اور اس شور سے چلائے گا کہ ہر طرف اس کی آواز پہنچ جائے گی۔ پھر شام کی طرف جائے گا' وہاں بھی چیخ لگا کر پھر یمن کی طرف متوجہ ہوگا' یہاں بھی آواز لگا کر شام کے وقت مکہ سے چل کر صبح کو عسفان پہنچ جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا' پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر مجھے معلوم نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ مزدلفہ کی رات کو نکلے گا۔ حضرت عزیرؑ کے ایک کلام کی حکایت ہے کہ سدوم کے نیچے سے یہ نکلے گا۔ اس کے کلام کو سب سنیں گے' حاملہ کے حمل وقت سے پہلے گر جائیں گے' میٹھا پانی کڑوا ہو جائے گا' دوست دشمن بن جائیں گے' حکمت جل جائے گی' علم اٹھ جائے گا' نیچے کی زمین باتیں کرے گی۔ انسان کی وہ تمنائیں ہوں گی جو کبھی پوری نہ ہوں' ان چیزوں کی کوشش ہوگی جو کبھی حاصل نہ ہو۔ اس بارے میں کام کریں گے جسے کھائیں گے نہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اس کے جسم پر سب رنگ ہوں گے۔ اس کے دو سینگوں کے درمیان سوار کے لیے ایک فرسخ کی راہ ہوگی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ موٹے نیزے اور بھالے کی طرح ہوگا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں' اس کے بال ہوں گے' کھر ہوں گے' داڑھی ہوگی' دم نہ ہوگی۔ تین دن میں بمشکل ایک تہائی باہر آئے گا حالانکہ تیز گھوڑے کی چال چلتا ہوگا۔ ابو زبیرؒ کا قول ہے کہ اس کا سر بیل کے سر کے مشابہ ہوگا' آنکھیں خنزیر کی آنکھوں کے مشابہ ہوں گی۔ کان ہاتھی جیسے ہوں گے' سینگ کی جگہ اونٹ کی طرح ہوگی' شتر مرغ جیسی گردن ہوگی' شیر جیسا سینہ ہوگا' چیتے جیسا سینہ ہوگا' بلی جیسی کمر ہوگی' مینڈھے جیسی دم ہوگی' اونٹ جیسے پاؤں ہوں گے۔ ہر دو جوڑ کے درمیان بارہ گز کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ساتھ ہوگی' ہر مومن کی پیشانی پر اپنے عصائے موسوی سے نشانی کردے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا چہرہ منور ہو جائے گا اور ہر کافر کے چہرے پر خاتم سلیمانی سے نشانی لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا سارا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ اب تو اس طرح مومن کافر ظاہر ہو جائیں گے کہ خرید و فروخت کے وقت' کھانے پینے کے وقت لوگ ایک دوسرے کو اے مومن اور اے کافر کہہ کر بلائیں گے۔ دابتہ الارض ایک

ایک کا نام لے کر ان کو جنت کی خوشخبری یا جہنم کی بدخبری سنائے گا۔ یہی معنی و مطلب اس آیت کا ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۸۳﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۸۵﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۶﴾

جس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کے گروہ کو جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے گھیر گھار کر لائیں گے ○ پھر وہ سب کے سب الگ کر دیئے جائیں گے۔ جب سب کے سب آ پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے میری آیتوں کو باوجودیکہ تمہیں ان کا پورا علم نہ تھا' کیوں جھٹلایا اور یہ بھی بتلاؤ کہ تم کیا کچھ کرتے رہے؟ ○ بہ سبب اس کے کہ انہوں نے ظلم کیا تھا' ان پر بات جم جائے گی اور وہ کچھ بول نہ سکیں گے ○ کیا وہ دیکھ نہیں رہے کہ ہم نے رات کو اس لئے بنایا ہے کہ وہ اس میں آرام حاصل کریں اور دن کو ہم نے دکھلا دینے والا بنایا ہے' یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان و یقین رکھتے ہیں ○

باز پرس کے لمحات: ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۶) اللہ کی باتوں کو نہ ماننے والوں کا اللہ کے سامنے حشر ہوگا اور وہاں انہیں ڈانٹ ڈپٹ ہوگی تا کہ ان کی ذلت و حقارت ہو۔ ہر قوم میں سے ہر زمانے کے ایسے لوگوں کے گروہ الگ الگ پیش ہوں گے جیسے فرمان ہے اُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ ظالموں کو اور ان کے جوڑوں کو جمع کرو۔ اور جیسے فرمان ہے وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ جب کہ نفسوں کی جوڑیاں ملائی جائیں گی۔ یہ سب ایک دوسرے کو دھکے دیں گے۔ اول والے آخر والوں کو رد کریں گے۔ پھر سب کے سب جانوروں کی طرح ہنکا کر اللہ کے سامنے لائے جائیں گے۔ ان کے حاضر ہوتے ہی وہ منتقم حقیقی نہایت غصہ سے ان سے باز پرس کرے گا۔ یہ نیکیوں سے خالی ہاتھ ہوں گے۔ جیسے فرمایا فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ وَلَٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ یعنی نہ انہوں نے سچائی کی تھی' نہ نمازیں پڑھی تھیں بلکہ جھٹلایا تھا اور منہ موڑا تھا۔ پس ان پر حجت ثابت ہو جائے گی اور کوئی عذر نہ کر سکیں گے۔ جیسے فرمان ہے هَٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ یہ وہ دن ہے کہ بول نہ سکیں گے اور نہ کوئی معقول عذر پیش کر سکیں گے اور نہ غیر معقول معذرت کی اجازت پائیں گے۔ پس ان کے ذمہ بات ثابت ہو جائے گی۔ ششدر و حیران رہ جائیں گے۔ اپنے ظلم کا بدلہ خوب پائیں گے۔ دنیا میں ظالم تھے۔ اب جس کے سامنے کھڑے ہوں گے' وہ عالم الغیب ہے۔ کوئی بات بنائے نہ بنے گی۔

پھر اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے اور اپنی بلندی شان بتاتا ہے اور اپنی عظیم الشان سلطنت دکھاتا ہے جو کھلی دلیل ہے' اس کی اطاعت کی فرضیت پر اور اس کے حکموں کے بجالانے اور ان کے منع کردہ کاموں سے رکے رہنے کی ضرورت پر۔ اور اس کے نبیوں کو سچا ماننے کی اصلیت پر۔ کہ اس نے رات کو پرسکون بنایا تا کہ تم اس میں آرام حاصل کر لو اور دن بھر کی تھکان دور کر لو اور دن کو روشن بنایا تا کہ تم اپنی معاش کی تلاش کر لو' سفر تجارت کاروبار با آسانی کر سکو۔ یہ تمام چیزیں ایک مومن کے لیے تو کافی سے زیادہ دلیل ہیں۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

جس دن صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب آسمانوں والے اور زمین والے گھبرا اٹھیں گے مگر جسے اللہ چاہے' اور سارے کے سارے عاجز و پست ہو کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے ○ تو پہاڑوں کو اپنی جگہ جمے ہوئے خیال کر رہا ہے لیکن وہ بھی بادل کی طرح اڑتے پھریں گے ۔ یہ ہے صنعت اللہ کی جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے' جو کچھ تم کرتے ہو اس سے وہ باخبر ہے ○ جو شخص نیک عمل لائے گا' اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا' اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے ○ اور جو برائی لے کر آئیں گے' وہ اوندھے منہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے' صرف وہی بدلہ دیئے جاؤ گے جو کچھ کرتے رہے ○

جب صور پھونکا جائے گا: ☆☆ (آیت: ۸۷-۹۰) اللہ تعالیٰ قیامت کی گھبراہٹ اور بے چینی کو بیان فرما رہا ہے ۔ صور میں حضرت اسرافیل علیہ السلام بحکم الٰہی پھونک ماریں گے ۔ اس وقت زمین پر بدترین لوگ ہوں گے ۔ دیر تک نفخ پھونکتے رہیں گے جس سے سب پریشان حال ہو جائیں گے سوائے شہیدوں کے جو اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور روزیاں دیئے جاتے ہیں ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دن کسی شخص نے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا فرمایا کرتے ہیں کہ اتنے اتنے وقت تک قیامت آ جائے گی؟ آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ بطور تعجب کہا اور فرمانے لگے' سنو! اب تو جی چاہتا ہے کہ کسی سے کوئی حدیث بیان ہی نہ کروں ۔ میں نے یہ کہا تھا کہ عنقریب تم بڑی اہم باتیں دیکھو گے ۔ بیت اللہ خراب ہو جائے گا اور یہ ہو گا وہ ہو گا وغیرہ ۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ دجال میری امت میں چالیس ٹھہرے گا ۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال ۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائے گا ۔ وہ صورت شکل میں بالکل حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے ہوں گے ۔ آپ اسے ڈھونڈ نکالیں گے اور اسے ہلاک کر دیں گے ۔ پھر سات سال ایسے گزریں گے کہ دنیا بھر میں دو شخص ایسے نہ ہوں گے جن میں آپس میں بغض و عداوت ہو ۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک بھینی بھینی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے ہر مومن فوت ہو جائے گا ۔ ایک ذرے کے برابر بھی جس کے دل میں خیر یا ایمان ہو گا' اس کی روح بھی قبض ہو جائے گی ۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی پہاڑ کی کھوہ میں گھس گیا ہو گیا تو یہ ہوا وہیں جا کر اسے فناہ کر دے گی ۔ اب زمین پر صرف بدلوگ رہ جائیں گے جو پرندوں جیسے ہلکے اور چوپائیوں جیسے بے عقل ہوں گے ۔ ان میں بھلائی برائی کی تمیز اٹھ جائے گی ۔ ان کے پاس شیطان پہنچے گا اور کہے گا' تم شرماتے نہیں کہ ان بتوں کی پرستش چھوڑے بیٹھے ہو؟ یہ بت پرستی شروع کر دیں گے ۔ اللہ انہیں روزیاں پہنچاتا رہے گا اور خوش و خرم رکھے گا ۔ یہ اسی مستی میں ہوں گے جو صور پھونکنے کا حکم مل جائے گا ۔ جس کے کان میں آواز پڑی' وہیں دائیں بائیں لوٹنے لگا ۔ سب

سے پہلے اسے وہ شخص سنے گا جو اپنے اونٹوں کے لئے حوض ٹھیک ٹھاک کر رہا ہوگا۔ سنتے ہی بے ہوش ہو جائے گا اور سب لوگ بے ہوش ہونا شروع ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ مثل شبنم کے بارش برسائے گا جس سے لوگوں کے جسم اٹھنے لگیں گے۔ پھر دوبارہ نفخہ پھونکا جائے گا جس سے سب اٹھ کھڑے ہوں گے۔ وہیں آواز لگے گی کہ لوگو! اپنے رب کے پاس چلو۔ وہاں ٹھہرو۔ تم سے سوال و جواب ہوگا۔ پھر فرمایا جائے گا کہ آگ کا حصہ نکالو۔ پوچھا جائے گا کہ کتنوں میں سے کتنے؟ تو فرمایا جائے گا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے۔ یہ ہوگا وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے۔ یہ ہوگا وہ دن جب پنڈلی (تجلی رب) کی زیارت کرائی جائے گی۔ پہلا نفخ تو گھبراہٹ کا نفخ ہوگا' دوسرا بے ہوشی اور موت کا' تیسرا دوبارہ جی کر رب العالمین کے دربار میں پیش ہونے کا۔ اَتَوْهُ کی قراءت الف کی مد کے ساتھ بھی مروی ہے۔ ہر ایک ذلیل و خوار ہو کر' پست ولاچار ہو کر' بے بس اور مجبور ہو کر ماتحت اور محکوم ہو کر اللہ کے سامنے حاضر ہوگا۔ ایک سے بھی بن نہ پڑے گی کہ اس کی حکم عدولی کرے۔ جیسے فرمان ہے یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں بلائے گا اور تم اس کی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی فرمانبرداری کرو گے۔ اور آیت میں ہے کہ پھر جب وہ تمہیں زمین میں سے بلائے گا تو تم سب نکل کھڑے ہو گے۔

صور کی حدیث میں ہے کہ تمام روحیں صور کے سوراخ میں رکھی جائیں گی اور جب جسم قبروں سے اٹھ رہے ہوں گے' صور پھونک دیا جائے گا' روحیں اڑنے لگیں گی' مومنوں کی روحیں نورانی ہوں گی' کافروں کی روحیں اندھیرے اور ظلمت والی ہوں گی۔ رب العالمین خالق کل فرما دے گا کہ میرے جلال کی' میری عزت کی قسم ہے' ہر روح اپنے بدن میں چلی جائے۔ جس طرح زہر رگ و پے میں سرایت کرتا ہے' اس طرح روحیں اپنے جسموں میں پھیل جائیں گی اور لوگ اپنی اپنی جگہ سے سر جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ جیسے فرمایا کہ اس دن قبروں سے اس طرح جلدی نکلیں گے جس طرح اپنی عبادت گاہ کی طرف دوڑے بھاگے جاتے تھے۔ یہ بلند پہاڑ جنہیں تم گڑا ہوا اور جما ہوا دیکھ رہے ہو' یہ اس دن اڑتے بادلوں کی طرح ادھر ادھر پھیلے ہوئے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوئے دکھائی دیں گے۔ ریزہ ریزہ ہو کر یہ چلنے پھرنے لگیں گے اور آخر ریزہ ریزہ ہو کر بے نام و نشان ہو جائیں گے' زمین صاف ہتھیلی جیسی بغیر کسی اونچ نیچ کے ہو جائے گی۔ یہ ہے صفت اس صناع کی جس کی ہر صنعت حکمت والی' مضبوط' پختہ اور اعلیٰ ہے۔ جس کی اعلیٰ تر قدرت انسانی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ بندوں کے تمام اعمال خیر و شر سے واقف ہے' ہر ایک فعل کی سزا' جزا وہ ضرور دے گا۔ اس اختصار کے بعد تفصیل بیان فرمائی کہ نیکی' اخلاص' توحید لے کر جو آئے گا' وہ ایک کے بدلے دس پائے گا۔ اور اس دن کی گھبراہٹ سے نڈر رہے گا اور لوگ گھبراہٹ میں' عذاب میں ہوں گے۔ یہ امن میں ثواب میں ہوگا۔ بلند و بالا بالاخانوں میں راحت و اطمینان سے ہوگا۔ اور جس کی برائیاں ہی برائیاں ہوں یا جس کی برائیاں بھلائیوں سے زیادہ ہوں' اسے ان کا بدلہ ملے گا۔ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی۔ اکثر مفسرین سے مروی ہے کہ برائی سے مراد شرک ہے۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

ع ۷ / ۲

مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں جس نے اسے حرمت والا بنایا ہے۔ جس کی ملکیت ہر چیز پر ہے اور مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں ہو جاؤں ○ اور میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں۔ جو راہ راست پر آ جائے' وہ اپنے نفع کے لئے راہ راست پر آئے گا' اور جو بہک جائے تو تو کہہ دے کہ میں تو صرف ہوشیار کرنے والوں میں سے ہوں ○ کہہ دے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں' وہ عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا جنہیں تم خود پہچان لو گے' جو کچھ تم کرتے ہو اس سے تیرا رب غافل نہیں ○

اللہ تعالیٰ کا حکم اعلان: ☆☆ (آیت: ۹۱-۹۳) اللہ تعالیٰ اپنے نبی محترم ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ میں اس شہر مکہ کے رب کی عبادت کا اور اس کی فرمانبرداری کا مامور ہوں۔ جیسے ارشاد ہے کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین میں شک ہے تو ہوا کرے میں تو جن کی تم عبادت کر رہے ہو' ان کی عبادت ہرگز نہیں کروں گا۔ میں اسی اللہ کا عابد ہوں جو تمہاری موت زندگی کا مالک ہے۔ یہاں مکہ شریف کی طرف ربوبیت کی اضافت صرف بزرگی اور شرافت کے اظہار کے لئے ہے۔ جیسے فرمایا فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الخ انہیں چاہئے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں اوروں کی بھوک کے وقت آسودہ اور اوروں کے خوف کے وقت بے خوف کر رکھا ہے۔ یہاں فرمایا کہ اس شہر کو حرمت و عزت والا اس نے بنایا ہے۔ جیسے بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا کہ یہ شہر اسی وقت سے باحرمت ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ یہ اللہ کی حرمت دینے سے حرمت والا ہی رہے گا یہاں تک کہ قیامت آ جائے۔ نہ اس کے کانٹے کاٹے جائیں' نہ اس کا شکار خوف زدہ کیا جائے' نہ اس میں گری پڑی چیز کسی کی اٹھائی جائے ہاں جو پہچان کر مالک کو پہنچانا چاہے' اس کے لئے جائز ہے۔ اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔ یہ حدیث بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے جیسے کہ احکام کی کتابوں میں تفصیل موجود ہے' وللہ الحمد۔

پھر اس خاص چیز کی ملکیت ثابت کر کے اپنی عام ملکیت کا ذکر فرماتا ہے کہ ہر چیز کا رب اور مالک وہی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی مالک نہ معبود۔ اور مجھے یہ حکم بھی ملا ہے کہ میں موحد' مخلص' مطیع اور فرمانبردار ہو کر رہوں۔ اور مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کا کلام پڑھ کر سناؤں۔ جیسے فرمان ہے کہ ہم یہ آیتیں اور یہ حکمت والا ذکر تیرے سامنے تلاوت کرتے ہیں۔ اور آیت میں ہے' ہم تجھے موسیٰ اور فرعون کا صحیح واقعہ سناتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کا مبلغ ہوں' میں تمہیں جگا رہا ہوں' تمہیں ڈرا رہا ہوں۔ اگر میری مان کر راہ راست پر آ ؤ گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے اور اگر میری نہ مانی تو میں تو اپنے تبلیغ کے فرض کو ادا کر کے سبکدوش ہو گیا ہوں۔ اگلے رسولوں نے بھی یہی کیا تھا۔ اللہ کا کلام پہنچا کر اپنا دامن پاک کر لیا۔ جیسے فرمان ہے' تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے' حساب ہمارے ذمہ ہے۔ اور فرمایا' تو صرف ڈرا دینے والا ہے اور ہر چیز پر وکیل اللہ ہی ہے۔ اللہ کے لئے تعریف ہے جو بندوں کی بے خبری میں انہیں عذاب نہیں کرتا بلکہ پہلے اپنا پیغام پہنچاتا ہے' اپنی حجت تمام کرتا ہے' بھلا برا سمجھا دیتا ہے۔ ہم تمہیں ایسی آیتیں دکھائیں گے کہ تم خود قائل ہو جاؤ۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا الخ یعنی ہم انہیں خود ان کے نفسوں میں اور ان کے اردگرد ایسی نشانیاں دکھائیں گے کہ جن سے ان پر حق ظاہر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوت سے غافل نہیں بلکہ اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے' دیکھو لوگو! اللہ کو کسی چیز سے' اپنے کسی عمل سے غافل نہ جاننا۔ وہ ایک ایک مچھر سے' ایک ایک پتنگے سے اور ایک ایک ذرے سے باخبر ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ اگر وہ غافل ہوتا تو انسان کے قدموں کے نشان سے جنہیں ہوا مٹا دیتی ہے' غفلت کر جاتا لیکن وہ ان نشانات کا بھی حافظ اور عالم ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اکثر ان دو شعروں کو پڑھتے رہا کرتے تھے جو یا تو آپ کے ہیں یا کسی اور کے۔

اذا ما خلوت الدهر يوما فلا تقل خلوت ولكن قل علي رقيب

یعنی جب تو کسی وقت بھی خلوت اور تنہائی میں ہو تو اپنے آپ کو تنہا اور اکیلا نہ سمجھنا بلکہ اپنے اللہ کو وہاں حاضر ناظر جاننا۔ وہ ایک ساعت بھی کسی سے غافل نہیں، نہ کوئی مخفی اور پوشیدہ چیز اس کے علم سے باہر ہے۔

اللہ کے فضل و کرم سے سورۂ نمل کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة القصص

(تفسیر سورۂ القصص) مسند احمد میں حضرت معدی کربؒ سے مروی ہے کہ ہم حضرت عبداللہؓ کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ ہمیں سورۂ طسم سو آیتوں والی پڑھ کر سنائیں تو آپ نے فرمایا، مجھے تو یاد نہیں، تم حضرت خباب بن ارتؓ سے جا کر سنو جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے سکھائی ہے۔ چنانچہ ہم آپ کے پاس گئے اور آپ نے ہمیں یہ مبارک سورت پڑھ کر سنائی، رضی اللہ عنہ وارضاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى
وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى
الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ
اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴﴾ وَ
نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ
اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ
وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾

اللہ کے نام سے شروع جو بخشش کرنے والا مہربان ہے

یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی ○ ہم تیرے سامنے موسیٰ اور فرعون کا صحیح واقعہ بیان فرماتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ○ یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا اور ان کے ایک فرقے کو کمزور کر رکھا تھا۔ ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، بے شک وشبہ وہ تھا ہی مفسدوں میں سے ○ پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا۔ ہم نے انہیں ان کے وارث بنانے کا ارادہ کر لیا ○ اور یہ بھی کہ ہم انہیں زمین میں قدرت واختیار دیں اور فرعون اور ہامان اور لشکروں کو وہ دکھادیں جس سے وہ ڈر رہے تھے ○

(آیت: ۱-۳) حروف مقطعہ کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ یہ آیتیں ہیں واضح جلی روشن صاف اور کھلے قرآن کی۔ تمام کاموں کی اصلیت سب گذشتہ اور آئندہ کی خبریں اس میں ہیں اور سب سچی اور کھلی۔ ہم تیرے سامنے موسیٰ اور فرعون کا سچا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے، ہم تیرے سامنے بہترین واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس طرح کہ گویا تو اس کے ہونے کے وقت وہیں موجود تھا۔ فرعون ایک

متکبر' سرکش اور بد دماغ انسان تھا۔ اس نے لوگوں پر بری طرح قبضہ جما رکھا تھا اور انہیں آپس میں لڑوا لڑوا کر ان میں پھوٹ اور اختلاف ڈلوا کر انہیں کمزور کر کے خود ان پر جبر و تعدی کے ساتھ سلطنت کر رہا تھا۔ خصوصاً بنی اسرائیل کو تو اس ظالم نے نیست و نابود کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا حالانکہ مذہبی اعتبار سے اس وقت یہ سب میں اچھے تھے۔ اس نے انہیں بری طرح ذلیل کر رکھا تھا' تمام کمینے کام ان سے لیا کرتا تھا اور دن رات یہ بے چارے بیکار میں گھسیٹے جاتے تھے۔ اس پر بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا تھا۔ یہ ان کی نرینہ اولاد کو قتل کر ڈالتا تھا تاکہ یہ افرادی قوت سے محروم رہیں' قوت والے نہ ہو جائیں اور اس لئے بھی کہ یہ ذلیل و خوار رہیں اور اس لئے بھی کہ اسے ڈر تھا کہ ان میں سے ایک بچے کے ہاتھوں میری سلطنت تباہ ہونے والی ہے۔

بات یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام مصر کی حکومت میں سے مع اپنی بیوی صاحبہ حضرت سارہؓ کے جا رہے تھے اور یہاں کے سرکش بادشاہ نے حضرت سارہؓ کو لونڈی بنانے کے لئے آپ سے چھین لیا تھا جنہیں اللہ نے اس کافر سے محفوظ رکھا اور اسے آپ پر دست درازی کرنے کی قدرت ہی حاصل نہ ہوئی تو اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے بطور پیش گوئی فرمایا تھا کہ تیری اولاد میں سے ایک کی اولاد کے ایک لڑکے کے ہاتھوں ملک مصر اس قوم سے جاتا رہے گا اور ان کا بادشاہ اس کے سامنے ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گا۔ چونکہ بنی اسرائیل میں یہ روایت چلی آ رہی تھی اور ان کے درس میں ذکر ہوتا رہتا تھا جسے قبطی بھی سنتے تھے جو فرعون کی قوم کے تھے' انہوں نے دربار میں مخبری کی۔ جب سے فرعون نے یہ ظالمانہ اور سفاکانہ قانون بنا دیا کہ بنو اسرائیل کے بچے قتل کر دیئے جائیں اور ان کی بچیاں چھوڑ دی جائیں۔ لیکن رب کو جو منظور ہوتا ہے' وہ اپنے وقت پر ہو کر ہی رہتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ رہ گئے اور اللہ نے آپ کے ہاتھوں اس عادی سرکش کو ذلیل و خوار کیا' فالحمدللہ۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۗ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝۸ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹

ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ اسے دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت کوئی خوف معلوم ہو تو اسے دریا میں بہا دینا اور کوئی ڈر خوف یا رنج غم نہ کرنا۔ ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے اپنے پیغمبروں میں بنانے والے ہیں ○ آخر فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھا لیا کہ آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن ہوا اور ان کے رنج کا باعث بنے' کچھ شک نہیں کہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطا کار ○ فرعون کی بیوی نے کہا' یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو' بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے' یا ہم اسے اپنا ہی بیٹا بنا لیں۔ یہ لوگ کچھ شعور ہی نہ رکھتے تھے ○

بچوں کا قتل اور بنی اسرائیل: ☆☆ (آیت: ۷-۹) مروی ہے کہ جب بنی اسرائیل کے ہزار ہا بچے قتل ہو چکے تو قبطیوں کو اندیشہ ہوا کہ

اگر بنو اسرائیل ختم ہو گئے تو جتنے ذلیل کام اور بے ہودہ خدمتیں حکومت ان سے لے رہی ہے' کہیں ہم سے نہ لینے لگیں۔ تو دربار میں میٹنگ ہوئی اور یہ رائے قرار پائی کہ ایک سال مار ڈالے جائیں اور دوسرے سال قتل نہ کئے جائیں۔ حضرت ہارون اس سال تولد ہوئے جس سال بچوں کو قتل نہ کیا جانا تھا لیکن حضرت موسیٰ اس سال پیدا ہوتے ہیں جس سال بنی اسرائیل کے لڑکے عام طور پر تہہ تیغ ہو رہے تھے۔ عورتیں گشت کرتی رہتی تھیں اور حاملہ عورتوں کا خیال رکھتی تھیں۔ ان کے نام لکھ لئے جاتے تھے۔ وضع حمل کے وقت یہ عورتیں پہنچ جاتی تھیں۔ اگر لڑکی ہوئی ہے تو واپس چلی جاتی تھیں اور اگر لڑکا ہوتا تو فوراً جلادوں کو خبر کر دیتی تھیں۔ یہ لوگ تیز چھرے لئے ہوئے اسی وقت آ جاتے تھے اور ماں باپ کے سامنے ان کے بچوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چلے جاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جب آپ کا حمل ٹھہرا تو عام حمل کی طرح وہ ظاہر نہ ہوا اور جو عورتیں اس تحقیق پر مامور تھیں اور جتنی دایائیں آتی تھیں کسی کو حمل کا پتہ ہی نہ چلا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تولد بھی ہو گئے۔ آپ کی والدہ کو اب سخت دہشت ہونے لگی اور ہر وقت خوفزدہ رہنے لگیں اور اپنے بچے سے محبت بھی اتنی تھی کہ کسی ماں کو اپنے بچے سے اتنی نہ ہوئی ہوگی۔ ایک ماں پر ہی کیا موقوف ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ ایسا ہی بنایا تھا کہ جس کی نظر ان پر پڑ جاتی تھی' اس کے دل میں ان کی محبت بیٹھ جاتی تھی۔ جیسے جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي میں نے اپنی خصوصی محبت سے تمہیں نوازا۔ پس جب کہ والدہ موسیٰ ہر وقت کبیدہ خاطر' خوفزدہ اور رنجیدہ رہنے لگیں تو اللہ نے ان کے دل میں خیال ڈالا کہ اسے دودھ پلاتی رہے اور خوف کے موقعہ پر انہیں دریائے نیل میں بہا دے جس کے کنارے پر ہی آپ کا مکان تھا چنانچہ یہی کیا کہ ایک پیٹی کی وضع کا صندوق بنا لیا اس میں حضرت موسیٰ کو رکھ دیا۔ دودھ پلا دیا کرتیں اور اس میں سلا دیتیں۔ جہاں کوئی ایسا ڈراؤنا موقعہ آیا کہ اس صندوق کو دریا میں بہا دیتیں اور ایک ڈوری سے اسے باندھ رکھا تھا۔ خوف کے ٹل جانے کے بعد اسے کھینچ لیتیں۔

ایک مرتبہ ایک ایسا شخص گھر میں آنے لگا جس سے آپ کی والدہ صاحبہ کو بہت دہشت ہوئی' دوڑ کر بچے کو صندوق میں لٹا کر دریا میں بہا دیا اور جلدی اور گھبراہٹ میں ڈوری باندھنی بھول گئیں۔ صندوق پانی کی موجوں کے ساتھ زور سے بہنے لگا اور فرعون کے محل کے پاس سے گزرا تو لونڈیوں نے اسے اٹھا لیا اور فرعون کی بیوی کے پاس لے گئیں۔ راستے میں انہوں نے اسے ڈر کے مارے کھولا نہ تھا کہ ایسا نہ ہو کوئی تہمت ان پر لگ جائے جب فرعون کی بیوی کے پاس اسے کھولا گیا تو دیکھا کہ اس میں ایک نہایت خوبصورت نورانی چہرے والا صحیح سالم بچہ لیٹا ہوا ہے جسے دیکھتے ہی ان کا دل مہر و محبت سے بھر گیا اور اس بچہ کی پیاری شکل دل میں گھر کر گئی۔ اس میں بھی رب کی مصلحت تھی کہ فرعون کی بیوی کو راہ راست دکھائے اور فرعون کے سامنے اس کا ڈر لائے اور اسے اور اس کے غرور کو ڈھائے' تو فرماتا ہے کہ آل فرعون نے اس صندوقچہ کو اٹھا لیا اور انجام کار وہ ان کی دشمنی اور ان کے رنج و ملال کا باعث ہوا۔ محمد بن اسحاق وغیرہ فرماتے ہیں لِيَكُونَ کا لام' لام عاقبت ہے۔ لام تعلیل نہیں۔ اس لئے کہ ان کا ارادہ یہ نہ تھا بظاہر یہ ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے لیکن معنی کو دیکھتے ہوئے لام کو لام تعلیل سمجھنے میں بھی کوئی حرج نظر نہیں آتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس صندوقچے کا اٹھانے والا اس لئے ہی بنایا تھا کہ اللہ اسے ان کے لئے دشمن بنا دے اور ان کے رنج و غم کا باعث بنائے بلکہ اس میں ایک لطف یہ بھی ہے کہ جس سے وہ بچنا چاہتے تھے' وہ ان کے سر چڑھ گیا۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا گیا کہ فرعون' ہامان اور ان کے ساتھی خطا کار تھے۔ روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے قدریہ کو جو لوگ کہ تقدیر کے منکر ہیں' ایک خط میں لکھا کہ موسیٰ کے سابق علم میں فرعون کے دشمن اور اس کے لئے باعث رنج و غم تھے جیسے قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے لیکن تم کہتے ہو کہ اگر فرعون چاہتا تو موسیٰ اس کے مددگار اور دوست ہوتے۔

پھر فرماتا ہے کہ اس بچے کو دیکھتے ہی فرعون بد کا کہ ایسا نہ ہو کسی اسرائیلی عورت نے اسے پھینک دیا ہو اور کہیں یہ وہی نہ ہو جس کے قتل کرنے کے لئے میں ہزاروں بچوں کو فنا کر چکا ہوں۔ یہ سوچ کر اس نے انہیں بھی قتل کرنا چاہا لیکن اس کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی سفارش کی۔ فرعون کو اس کے ارادے سے روکا اور کہا اسے قتل نہ کیجئے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ آپ کی اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو مگر فرعون نے جواب دیا کہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو لیکن مجھے تو آنکھوں کی ٹھنڈک کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی شان دیکھئے۔ یہی ہوا حضرت آسیہؓ کو اللہ نے اپنا دین نصیب فرمایا اور حضرت موسیٰ کی وجہ سے انہوں نے ہدایت پائی اور اس متکبر کو اللہ نے اپنے نبی کے ہاتھوں ہلاک کیا۔ نسائی وغیرہ کے حوالے سے سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں حدیث فتون میں یہ قصہ پورا بیان ہو چکا ہے۔

حضرت آسیہؓ فرماتی ہیں' شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے۔ ان کی امید اللہ نے پوری کی۔ دنیا میں حضرت موسیٰ ان کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور آخرت میں جنت میں جانے کا۔ اور کہتی ہیں' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اسے اپنا بچہ بنا لیں۔ انہیں کوئی اولاد نہ تھی تو چاہا کہ حضرت موسیٰ کو متبنیٰ بنا لیں۔ ان میں سے کسی کو شعور نہ تھا کہ قدرت کس طرح پوشیدہ پوشیدہ اپنا ارادہ پورا کر رہی ہے۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓي اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا' قریب تھیں کہ اس واقعہ کو بالکل ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو ڈھارس نہ دیتے۔ یہ اس لئے کہ وہ یقین کرنے والوں میں رہے ○ موسیٰ کی والدہ نے ان کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا۔ تو وہ اسے دور ہی دور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس کا علم بھی نہ ہوا ○ ان کے پہنچنے سے پہلے ہم نے موسیٰ پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔ یہ کہنے لگیں کہ کیا میں تمہیں ایسا گھرانہ بتاؤں جو اس بچہ کو تمہارے لئے پرورش کرے اور ہوں بھی وہ اس بچے کے خیر خواہ ○ پس ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس پہنچایا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور آزردہ خاطر نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○

جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟ ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۳) موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب آپ کو صندوقچہ میں ڈال کر فرعونیوں کے خوف کی وجہ سے دریا میں بہا دیا تو بہت پریشان ہوئیں اور سوائے اللہ کے سچے رسول اور اپنے لخت جگر حضرت موسیٰ کے آپ کو کسی اور چیز کا خیال ہی نہ رہا' صبر و سکون جاتا رہا' دل میں بجز حضرت موسیٰ کی یاد کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا تھا۔ اگر اللہ کی طرف سے ان کی دلجمعی نہ کر دی جاتی تو وہ تو بے صبری میں راز فاش کر دیتیں۔ لوگوں سے کہہ دیتیں کہ اس طرح میرا بچہ ضائع ہو گیا۔ لیکن اللہ نے ان کا دل ٹھہرا دیا'

ڈھارس اور تسکین دے دی اور انہیں یقین کامل کرا دیا کہ تیرا بچہ تجھے ضرور مل جائے گا۔ والدہ موسیٰ نے اپنی بڑی بچی سے جو ذرا سمجھ دار تھیں' فرما دیا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظریں جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ۔ یہ دیکھو کیا انجام ہوتا ہے؟ مجھے بھی خبر کرنا۔ تو یہ دور سے اسے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجان پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ ان کا خیال رکھتی ہوئی اس کے ساتھ ساتھ جا رہی ہیں۔ فرعون کے محل تک پہنچتے ہوئے اور وہاں سے اس کی لونڈیوں کو اٹھاتے ہوئے تو آپ کی ہمشیرہ نے دیکھا۔ پھر وہیں باہر کھڑی رہ گئیں کہ شاید کچھ معلوم ہو سکے کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ وہاں یہ ہوا کہ جب حضرت آسیہ نے فرعون کو اس کے خونی ارادے سے باز رکھا اور بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا تو شاہی محل میں جتنی دایہ تھیں' سب کو بچہ دیا گیا۔ ہر ایک نے بشری محبت و پیار سے انہیں دودھ پلانا چاہا لیکن بحکم الٰہی حضرت موسیٰ نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا۔ آخر اپنی لونڈیوں کے ہاتھ باہر بھیجا کہ باہر کسی دایہ کو تلاش کرو اور جس کا دودھ یہ پئے' اسے لے آؤ۔ چونکہ رب العالمین کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ اپنی والدہ کے سوا کسی اور کا دودھ پئے اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اس بہانے حضرت موسیٰ اپنی ماں تک پہنچ جائیں۔ لونڈیاں جب آپ کو لے کر باہر نکلیں تو آپ کی بہن صاحبہ نے پہچان لیا لیکن ان پر ظاہر نہ کیا اور نہ انہیں خود کوئی پتہ چل سکا۔ آپ کی والدہ گو پہلے تو بہت پریشان تھیں لیکن اس کے بعد اللہ نے انہیں صبر و سکون دے دیا تھا اور وہ خاموش اور مطمئن تھیں۔ بہن نے انہیں کہا کہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ انہوں نے کہا' یہ بچہ کسی دائی کا دودھ نہیں پیتا' ہم اس کے لئے کسی اور دایہ کی تلاش میں ہیں۔ یہ سن کر ہمشیرہ کلیم اللہ نے فرمایا' اگر تم کہو تو میں ایک دائی کا پتہ دوں؟ ممکن ہے یہ بچہ ان کا دودھ پی لے۔ وہ اسے پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں۔ یہ سن کر انہیں کچھ شک گزرا کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی اصلیت سے اور اس کے ماں باپ سے واقف ہے۔ اسے گرفتار کر لیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کیا معلوم کہ وہ عورت اس کی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ اس نے فوراً جواب دیا' سبحان اللہ۔ کون نہ چاہے گا کہ شاہی دربار میں اس کی عزت ہو۔ انعام و اکرام کی خاطر کون اس بچہ سے ہمدردی نہ کرے گا؟ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا' یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے' اسے چھوڑ دیا اور کہا' اچھا چل اس کا مکان دکھا۔ یہ انہیں لے کر اپنے گھر آئیں اور اپنی والدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا' انہیں دیجئے۔ سرکاری آدمیوں نے انہیں دیا تو بچہ ان کا دودھ پینے لگا۔ فوراً یہ خبر حضرت آسیہؑ کو دی گئی۔ اسے سن کر آپ بہت خوش ہوئیں۔ انہیں اپنے محل میں بلوایا اور بہت کچھ انعام و اکرام دیا لیکن یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہی اس بچے کی والدہ ہیں۔ فقط اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پیا تھا' وہ ان سے بہت خوش ہوئیں۔ کچھ دنوں تک تو یونہی کام چلتا رہا۔ آخر کار ایک روز حضرت آسیہؓ نے فرمایا' میری خوشی ہے کہ تم محل میں ہی آ جاؤ۔ یہیں رہو سہو اور اسے دودھ پلاتی رہو۔ ام موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا' میں بال بچوں والی ہوں' میرے میاں بھی ہیں' میں انہیں اپنے گھر دودھ پلا دیا کروں گی۔ پھر آپ کے ہاں بھیج دیا کروں گی۔ یہی طے ہوا اور اسی پر فرعون کی بیوی بھی رضا مند ہو گئیں۔ ام موسیٰ کا خوف امن سے' فقیری امیری سے' بھوک آسودگی سے' دولت و عزت میں بدل گئی۔ روزانہ انعام و اکرام پاتیں۔ کھانا' کپڑا' شاہی طریق پر ملتا اور اپنے پیارے بچے کو اپنی گود میں پالتیں۔ ایک ہی رات یا ایک ہی دن یا ایک دن رات کے بعد اللہ نے اس کی مصیبت کو راحت سے بدل دیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنا کام دھندا کرے اور اس میں اللہ کا خوف اور میری سنتوں کا لحاظ کرے' اس کی مثال ام موسیٰ کی مثال ہے کہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلائے اور اجرت بھی لے۔ اللہ کی ذات پاک ہے۔ اسی کے ہاتھ میں تمام کام ہیں' اسی کا چاہا ہوا ہوتا ہے اور جس کام کو وہ نہ چاہے' ہرگز نہیں ہوتا۔ یقیناً وہ ہر اس شخص کی مدد کرتا ہے جو اس پر توکل کرے۔ اس کی فرماں برداری کرنے والے کا دستگیر وہی ہے۔ وہ اپنے نیک بندوں کے آڑے وقت کام آتا ہے اور ان کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے اور ان کی تنگی کو

فراخی سے بدلتا ہے- اور ہر رنج کے بعد راحت عطا فرماتا ہے- فسبحانہ مااعظم شانہ-

پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور اسے اپنے بچے کا صدمہ نہ رہے- اور وہ اللہ کے وعدوں کو بھی سچا سمجھے اور یقین مان لے کہ وہ ضرور نبی اور رسول بھی ہونے والا ہے' اب آپ کی والدہ اطمینان سے آپ کی پرورش میں مشغول ہوگئیں اور اسی طرح پرورش کی جس طرح ایک بلند درجہ نبی کی ہونی چاہئے- ہاں رب کی حکمتیں بے علموں کی نگاہ سے اوجھل رہتی ہیں- وہ اللہ کے احکام کی غایت کو اور فرمانبرداری کے نیک انجام کو نہیں سوچتے- ظاہری نفع نقصان کے پابند رہتے ہیں- اور دنیا پر ریجھے ہوئے ہوتے ہیں- انہیں یہ نہیں سوجھتا کہ ممکن ہے جسے وہ برا سمجھ رہے ہیں' اچھا ہو اور بہت ممکن ہے کہ جسے وہ اچھا سمجھ رہے ہیں' وہ برا ہو یعنی ایک کام برا جانتے ہوں مگر کیا خبر کہ اس میں قدرت نے کیا فوائد پوشیدہ رکھے ہیں-

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۗ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور پورے توانا ہوگئے' ہم نے انہیں حکمت وعلم عطا فرمایا' نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں ○ موسیٰ ایک ایسے وقت شہر میں آئے جب کہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے- یہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا- یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے' اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا' اس سے فریاد کی جس پر موسیٰ نے اس کے مکا مارا جس سے وہ مرگیا- موسیٰ کہنے لگے' یہ تو شیطانی کام ہے یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور سے بہکانے والا ہے ○ پھر دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما دے- اللہ نے اسے بخش دیا وہ بخشش اور مہربانی کرنے والا ہے ہی ○ کہنے لگا اے اللہ جیسے تو نے مجھ پر یہ کرم فرمایا' میں بھی اب ہرگز کسی گنہگار کا مددگار نہ بنوں گا ○

گھونسے سے موت: ☆☆ (آیت:۱۴-۱۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لڑکپن کا ذکر کر کے اب ان کی جوانی کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ اللہ نے انہیں حکمت وعلم عطا فرمایا یعنی نبوت دی- نیک لوگ ایسا ہی بدلہ پاتے ہیں- پھر اس واقعہ کا ذکر ہو رہا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر چھوڑنے کا باعث بنا اور جس کے بعد اللہ کی رحمت نے ان کا رخ کیا- یہ مصر چھوڑ کر مدین کی طرف چل دیئے- آپ ایک مرتبہ شہر میں آتے ہیں یا تو مغرب کے بعد یا ظہر کے وقت کہ لوگ کھانے پینے میں یا سونے میں مشغول ہیں- راستوں پہ آمد و رفت نہیں تھی تو دیکھتے ہیں کہ دو شخص

لڑ جھگڑ رہے ہیں- ایک اسرائیلی ہے' دوسرا قبطی ہے- اسرائیلی نے حضرت موسیٰ سے قبطی کی شکایت کی اور اس کا زور وظلم بیان کیا جس پر آپ کو غصہ آ گیا اور ایک گھونسہ اسے کھینچ مارا جس سے وہ اسی وقت مر گیا- موسیٰ گھبرا گئے اور کہنے لگے یہ تو شیطانی کام ہے اور شیطان دشمن اور گمراہ ہے اور اس کا دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہونا بھی ظاہر ہے- پھر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے لگے اور استغفار کرنے لگے- اللہ نے بھی بخش دیا' وہ بخشنے والا مہربان ہی ہے- اب کہنے لگے اے اللہ تو نے جو جاہ وعزت' بزرگی اور نعمت مجھے عطا فرمائی ہے' میں اسے سامنے رکھ کر وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی کسی نافرمان کی کسی امر میں موافقت اور امداد نہیں کروں گا-

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۭ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ڰ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾

صبح ہی صبح ڈرتے دبتے خبریں لینے کو شہر میں گئے کہ اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی' ان سے فریاد کر رہا ہے' موسیٰ نے اس سے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تو تو صریح بے راہ ہے ○ پھر جب اپنے اور اس کے دشمن کو پکڑنا چاہا تو وہ فریادی کہنے لگا کہ اے موسیٰ کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے' مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟ تو تو ملک بھر میں ظالم وسرکش ہونا ہی چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ ہی نہیں کہ ملاپ کرنے والوں میں سے ہو وے ○ شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ موسیٰ یہاں کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تو بہت جلد چلا جا مجھے اپنا سچا خیر خواہ مان ○

جسے بچایا اسی نے راز کھولا: ☆☆ (آیت: ۱۸-۱۹) موسیٰ علیہ السلام کے گھونسے سے قبطی مر گیا تھا' اس لئے آپ کی طبیعت پر گھبراہٹ تھی- شہر میں ڈرتے دبکتے آئے کہ دیکھیں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ کہیں راز کھل تو نہیں گیا؟ دیکھتے ہیں کہ کل والا اسرائیلی آج ایک اور قبطی سے لڑ رہا ہے- آپ کو دیکھتے ہی کل کی طرح آج بھی اس نے فریاد کی اور دہائی دینے لگا- آپ نے فرمایا' تم بڑے فتنہ آدمی ہو- یہ سنتے ہی وہ گھبرا گیا- جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس ظالم قبطی کو روکنے کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو یہ شخص اپنے کمینہ پن اور بزدلی سے سمجھ بیٹھا کہ آپ نے مجھے برا کہا ہے اور مجھے پکڑنا چاہتے ہیں- اپنی جان بچانے کے لئے شور مچانا شروع کر دیا کہ موسیٰ کیا جیسے تو نے کل ایک شخص کا خون کیا' آج میری جان بھی لینی چاہتا ہے؟ کل کا واقعہ صرف اسی کی موجودگی میں ہوا تھا اس لئے اب تک کسی کو پتہ نہ چلا تھا لیکن آج اس کی زبان سے اس قبطی کو پتہ چلا کہ یہ کام موسیٰ کا ہے- اس بزدل ڈرپوک نے یہ بھی ساتھ ہی کہا کہ تو زمین پر سرکش بن کر رہنا چاہتا ہے اور تیری طبیعت میں ہی صلح پسندی نہیں- قبطی یہ سن کر بھاگا دوڑا دربار فرعونی میں پہنچا اور وہاں مخبری کی- فرعون کی بددلی کی اب کوئی حد

نہ رہی اور فوراً سپاہی دوڑائے کہ موسیٰ کو لا کر پیش کریں۔

گمنام ہمدرد: ☆☆ (آیت:۲۰) اس آنے والے کو رجل کہا گیا۔ عربی میں رجل کہتے ہیں قدموں کو۔ اس نے جب دیکھا کہ سپاہ حضرت موسیٰ کے تعاقب میں جا رہی ہے تو یہ اپنے پاؤں میں تیزی سے دوڑا اور ایک قریب کے راستے سے نکل کر جھٹ سے آپ کو اطلاع دے دی کہ یہاں کے امیر امراء آپ کے قتل کے ارادے کر چکے ہیں' آپ شہر چھوڑ دیجئے۔ میں آپ کا بہی خواہ ہوں' میری مان لیجئے۔

فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلۡقَآءَ مَدۡيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىۡۤ اَنۡ يَّهۡدِيَنِىۡ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدۡيَنَ وَجَدَ عَلَيۡهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسۡقُوۡنَ وَوَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمُ امۡرَاَتَيۡنِ تَذُوۡدٰنِ‌ۚ قَالَ مَا خَطۡبُكُمَا‌ؕ قَالَتَا لَا نَسۡقِىۡ حَتّٰى يُصۡدِرَ الرِّعَآءُ‌ وَاَبُوۡنَا شَيۡخٌ كَبِيۡرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَىَّ مِنۡ خَيۡرٍ فَقِيۡرٌ ﴿۲۴﴾

ع ۸

پھر موسیٰ وہاں سے خوف زدہ ہو کر دیکھتے بھالتے نکل کھڑے ہوئے کہنے لگے اے پروردگار مجھے ظالموں کے گروہ سے بچا لے ○ اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنے لگے' مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے ○ مدین کے پانی پر جب آپ پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے اور دو عورتوں کو الگ کھڑی اپنے جانوروں کو روکتی ہوئی دیکھا' پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ وہ بولیں جب تک یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں' ہم پانی نہیں پلاتیں اور ہمارے والد بہت بڑی عمر کے بوڑھے ہیں ○ آپ نے خود ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ پھر سائے کی طرف ہٹ آئے اور کہنے لگے اے پروردگار' تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے' میں اس کا محتاج ہوں ○

موسیٰ علیہ السلام کا فرار: ☆☆ (آیت:۲۱-۲۴) فرعون اور فرعونیوں کے ارادے جب اس شخص کی زبانی آپ کو معلوم ہو گئے تو آپ وہاں سے تن تنہا چپ چاپ نکل کھڑے ہوئے۔ چونکہ اس سے پہلے کی زندگی کے ایام آپ کے شہزادوں کی طرح گزرے تھے' سفر بہت کڑا معلوم ہوا لیکن خوف و ہراس کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتے سیدھے چلے جا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے جا رہے تھے کہ اے اللہ! مجھے ان ظالموں سے یعنی فرعون اور فرعونیوں سے نجات دے۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہبری کے واسطے ایک فرشتہ بھیجا تھا جو گھوڑے پر آپ کے پاس آیا اور آپ کو راستہ دکھا گیا' واللہ اعلم۔ تھوڑی دیر میں آپ جنگلوں اور بیابانوں سے نکل کر مدین کے راستے پر پہنچ گئے تو خوش ہوئے اور فرمانے لگے' مجھے ذات باری سے امید ہے کہ وہ راہ راست پر ہی لے جائے گا۔ اللہ نے آپ کی یہ امید بھی پوری کی۔ اور آخرت کی سیدھی راہ نہ صرف بتائی بلکہ اوروں کو بھی سیدھی راہ بتانے والا بنایا۔ مدین کے پاس کنویں پر آئے تو دیکھا کہ چرواہے پانی کھینچ کھینچ کر اپنے اپنے جانوروں کو پلا رہے ہیں۔ وہیں آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ دو عورتیں اپنی بکریوں کو ان جانوروں کے ساتھ پانی پینے سے روک رہی ہیں تو آپ کو ان بکریوں پر اور ان عورتوں کی اس حالت پر کہ یہ بے چاریاں پانی نکال کر پلا نہیں سکتیں اور ان چرواہوں میں سے کوئی اس کا روادار نہیں کہ اپنے کھینچے ہوئے پانی میں سے ان کی بکریوں کو بھی پلا دے تو آپ کو رحم آیا ان سے دریافت فرمایا کہ تم اپنے جانوروں کو اس پانی سے

کیوں روک رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو پانی نکال نہیں سکتیں۔ جب یہ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تو بچا کھچا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلا دیں گی۔ ہمارے والد صاحب ہیں لیکن وہ بہت ہی بوڑھے ہیں۔

بکریوں کو پانی پلایا: ☆☆ آپ نے خود ہی ان جانوروں کو پانی کھینچ کر پلا دیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کنویں کے منہ کو ان چرواہوں نے ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا تھا۔ جس چٹان کو دس آدمی مل کر سرکا سکتے تھے' آپ نے تن تنہا اس پتھر کو ہٹا دیا اور ایک ہی ڈول نکالا تھا جس میں اللہ نے برکت دی اور ان دونوں لڑکیوں کی بکریاں شکم سیر ہو گئیں۔ اب آپ تھکے ہارے' بھوکے پیاسے ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے۔ مصر سے مدین پیدل بھاگے دوڑے آئے تھے' پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے' کھانے کو کچھ پاس تھا نہیں' درختوں کے پتے اور گھاس پھونس کھاتے رہے تھے۔ پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا اور گھاس کا سبز رنگ باہر سے نظر آ رہا تھا۔ آدھی کھجور سے بھی اس وقت آپ ترسے ہوئے تھے حالانکہ اس وقت کی ساری مخلوق سے زیادہ برگزیدہ اللہ کے نزدیک آپ تھے' صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دورات کا سفر کر کے میں مدین گیا اور وہاں کے لوگوں سے اس درخت کا پتہ پوچھا جس کے نیچے اللہ کے کلیم نے سہارا لیا تھا۔ لوگوں نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک سرسبز درخت ہے۔ میرا جانور بھوکا تھا۔ اس نے اس میں منہ ڈالا۔ پتے منہ میں لے کر بڑی دیر تک بدقت چباتا رہا لیکن آخر اس نے نکال ڈالے۔ میں نے کلیم اللہ کے لئے دعا کی اور وہاں سے واپس لوٹ آیا۔ اور روایت میں ہے کہ آپ اس درخت کو دیکھنے کو گئے تھے جس سے اللہ نے آپ سے باتیں کی تھیں جیسے کہ آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ سدی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں' یہ ببول کا درخت تھا۔ الغرض اس درخت تلے بیٹھ کر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے رب میں تیرے احسانوں کا محتاج ہوں۔ عطاء رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس عورت نے بھی آپ کی دعا سنی۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾

اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے' اس کی اجرت دیں' جب حضرت موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے' اب نہ ڈر تو نے ظالم قوم سے نجات پالی ○ ان دونوں میں سے ایک نے کہا' ابا جی آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجئے کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں' ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانتدار ہو ○

حضرت موسیٰ اور حضرت شعیب علیہما السلام کا معاہدہ: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۶) ان دونوں بچیوں کی بکریوں کو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی پلا دیا تو یہ اپنی بکریاں لے کر واپس اپنے گھر گئیں۔ باپ نے دیکھا کہ آج وقت سے پہلے یہ آ گئی ہیں تو دریافت فرمایا کہ آج کیا بات ہے؟ انہوں نے سچا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ نے اسی وقت ان دونوں میں سے ایک کو بھیجا کہ جاؤ اسے میرے پاس بلا لاؤ۔ وہ حضرت موسیٰ کے پاس آئیں اور جس طرح گھر گرہست پاک دامن عفیفہ عورتوں کا دستور ہوتا ہے' شرم و حیا سے اپنی چادر میں لپٹی ہوئی

پردے کے ساتھ چل رہی تھیں' منہ بھی چادر کے کنارے سے چھپائے ہوئے تھیں پھر اس دانائی اور صداقت کو دیکھئے کہ صرف یہی نہ کہا کہ میرے ابا آپ کو بلا رہے ہیں کیونکہ اس میں شبہ کی باتوں کی گنجائش تھی' صاف کہہ دیا کہ میرے والد آپ کو آپ کی مزدوری دینے کے لئے اور اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے بلا رہے ہیں جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلا کر ہمارے ساتھ کیا ہے۔ کلیم اللہ کو جو بھوکے پیاسے' تن تنہا مسافر اور بے خرچ تھے' یہ موقعہ غنیمت معلوم ہوا' یہاں آئے۔ انہیں ایک بزرگ سمجھ کر ان کے سوال پر سارا واقعہ بلا کم و کاست کہہ سنایا۔ انہوں نے دلجوئی کی اور فرمایا اب کیا خوف ہے؟ ان ظالموں کے ہاتھ سے آپ نکل آئے۔ یہاں ان کی حکومت نہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں' یہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام تھے جو مدین والوں کی طرف اللہ کے نبی بن کر آئے ہوئے تھے۔ یہ مشہور قول ہے۔

امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ اور بہت سے علماء یہ فرماتے ہیں۔ طبرانی کی ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی طرف سے ایلچی بن کر رسول کریم علیہ افضل الصلواۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا' شعیب کی قوم کو اور موسیٰ علیہ السلام کے سسرال والوں کو مرحبا ہو کہ تمہیں ہدایت کی گئی۔ بعض کہتے ہیں حضرت شعیب کے بھیجتے تھے' کوئی کہتا ہے کہ قوم شعیب کے ایک مومن مرد تھے۔ بعض کا قول ہے کہ شعیب علیہ السلام کا زمانہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے بہت پہلے کا ہے۔ ان کا قول قرآن میں اپنی قوم سے یہ مروی ہے وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ لوط کی قوم تم سے کچھ دور نہیں۔ اور یہ بھی بہت ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ بہت لمبا زمانہ ہے۔ تقریباً چار سو سال کا۔ جیسے اکثر مورخین کا قول ہے۔ ہاں بعض لوگوں نے اس مشکل کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت شعیبؑ کی بڑی لمبی عمر ہوئی تھی۔ ان کا مقصد غالباً اس اعتراض سے بچنا ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۲۸﴾ ع ۷

اس بزرگ نے کہا' میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں اس مہر پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاج کریں۔ ہاں اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کی طرف سے بطور احسان کے ہے' میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں' اللہ کو منظور ہے تو آگے چل کر آپ مجھے بھلا آدمی پائیں گے ○ موسیٰ نے کہا' خیر تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پختہ ہوگئی' میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں' مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو' ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں' اس پر اللہ گواہ اور کارساز ہے ○

ایک اور بات بھی خیال میں رہے کہ اگر یہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام ہی ہوتے تو چاہیئے تھا کہ قرآن میں اس موقع پر ان کا نام صاف لے دیا جاتا۔ ہاں البتہ بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ لیکن ان احادیث کی سندیں صحیح نہیں جیسے کہ ہم عنقریب وارد کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بنی اسرائیل کی کتابوں میں ان کا نام شیرون بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن مسعودؓ ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ بات اس وقت ثابت ہوتی جب کہ اس بارے میں کوئی خبر مروی ہوتی اور ایسا ہے نہیں۔ ان کی دونوں

صاحبزادیوں میں سے ایک نے باپ کو توجہ دلائی - یہ توجہ دلانے والی وہی صاحبزادی تھیں جو آپ کو بلانے کے لئے گئی تھی - کہا کہ انہیں آپ ہماری بکریوں کی چرائی پر رکھ لیجئے کیونکہ وہ کام کرنے والا اچھا ہوتا ہے جو قوی ہو اور امانتدار ہو - باپ نے پوچھا' بیٹی تم نے کیسے جان لیا کہ ان میں یہ دونوں وصف ہیں - بچی نے جواب دیا کہ دس قوی آدمی مل کر جس پتھر کو اس کنویں سے ہٹا سکتے تھے' انہوں نے تنہا اسے ہٹا دیا - اس سے ان کی قوت کا اندازہ بہ آسانی ہوسکتا ہے - ان کی امانت داری کا علم مجھے اس طرح ہوا کہ جب میں انہیں لے کر آپ کے پاس آنے لگی تو اس لئے کہ راستے سے ناواقف تھے' میں آگے ہولی - انہوں نے کہا' نہیں تم میرے پیچھے رہو اور جہاں راستہ بدلنا ہو' اس طرف کنکر پھینک دینا' میں سمجھ لوں گا مجھے اس راستے چلنا چاہئے - حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' تین شخصوں کی سی زیرکی' معاملہ فہمی' دانائی اور دور بینی کسی اور میں نہیں پائی گئی - حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کی دانائی جب کہ انہوں نے اپنے بعد خلافت کے لئے جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب کیا - حضرت یوسفؑ کے خریدنے والے مصری جنہوں نے بہ یک نظر حضرت یوسف کو پہچان لیا اور جا کر اپنی بیوی صاحبہ سے فرمایا کہ انہیں اچھی طرح رکھو - اور اس بزرگ کی صاحبزادی جنہوں نے حضرت موسیٰ کی نسبت اپنے باپ سے سفارش کی کہ انہیں اپنے کام پر رکھ لیجئے - یہ سنتے ہی اس بچی کے باپ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں اس مہر پر اپنی ان دو بچیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں کہ آپ آٹھ سال تک ہماری بکریاں چرائیں - ان دونوں کا نام صفورا اور اولیا تھا یا صفورا اور شرفا یا صفورا اولیا - اصحاب ابی حنیفہؒ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ جب کوئی شخص اس طرح کی بیع کرے کہ ان دو غلاموں میں سے ایک کو ایک سو کے بدلے فروخت کرتا ہوں اور خریدار منظور کر لے تو یہ بیع ثابت اور صحیح ہے - واللہ اعلم -

اس بزرگ نے کہا' آٹھ سال تو ضروری ہیں' اس کے بعد کے دو سال کا آپ کو اختیار ہے - اگر آپ اپنی خوشی سے دو سال تک اور بھی میرا کام کریں تو اچھا ہے ورنہ آپ پر لازمی نہیں - آپ دیکھیں گے کہ میں بدآدمی نہیں - آپ کو تکلیف نہ دوں گا - امام اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے استدلال کر کے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کہے میں فلاح چیز کو نقد دس پر اور ادھار بیس پر بیچتا ہوں تو یہ بیع صحیح ہے اور خریدار کو اختیار ہے کہ دس پر نقد لے' بیس پر ادھار لے - وہ اس حدیث کا بھی یہی مطلب لے رہے ہیں' جس میں ہے جو شخص دو بیع ایک بیع میں کرے' اس کے لئے کمی والی بیع ہے یا سود - لیکن ہے یہ مذہب غور طلب جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں - واللہ اعلم - اصحاب امام احمد رحمتہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ کھانے پینے اور کپڑے پر کسی کو مزدوری اور کام کاج پر لگا لینا درست ہے - اس کی دلیل میں ابن ماجہ کی ایک حدیث بھی ہے جو اس بات میں ہے کہ مزدور مقرر کرنا اس مزدوری پر کہ وہ پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا کرے گا - اس میں حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ طٰس کی تلاوت کی جب حضرت موسیٰ کے ذکر تک پہنچے تو فرمانے لگے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیٹ کے بھرنے اور اپنی شرم گاہ کو بچانے کے آٹھ سال یا دس سال کے لئے اپنے آپ کو ملازم کر لیا - اس حدیث کا ایک راوی مسلمہ بن علی خشنی ہے جو ضعیف ہے - یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے لیکن وہ سند بھی نظر سے خالی نہیں - کلیم اللہ نے بزرگ کی اس شرط کو قبول کر لیا اور فرمایا' ہم تم میں یہ طے شدہ فیصلہ ہے - مجھے اختیار ہوگا کہ خواہ دس سال پورے کروں یا آٹھ سال کے بعد چھوڑ دوں' آٹھ سال کے بعد آپ کا کوئی حق مزدوری مجھ پر لازم نہیں - ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے اس معاملہ پر گواہ کرتے ہیں - اسی کی کارسازی کافی ہے - تو گو دس سال پورا کرنا مباح ہے لیکن وہ فاضل چیز ہے - ضروری نہیں' ضروری آٹھ سال ہیں جیسے منیٰ کے آخری دو دن کے بارے میں اللہ کا حکم ہے اور جیسے کہ حدیث میں ہے' حضورؐ نے حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا' جو بکثرت روزے رکھا کرتے تھے کہ اگر تم سفر میں روزہ رکھو تو تمہیں اختیار ہے اور نہ رکھو تو تمہیں اختیار ہے باوجودیکہ دوسری دلیل سے رکھنا افضل ہے -

چنانچہ اس کی دلیل بھی آ چکی ہے کہ حضرت موسیٰ نے دس سال ہی پورے کئے۔ بخاری شریف میں ہے' سعید بن جبیر سے یہودیوں نے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ نے آٹھ سال پورے کئے یا دس سال؟ تو آپ نے فرمایا' مجھے خبر نہیں۔ پھر میں عرب کے بہت بڑے عالم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا' ان دونوں میں جو زیادہ اور پاک مدت تھی' وہی آپ نے پوری کی یعنی دس سال۔ اللہ تعالیٰ کے نبی جو کہتے ہیں' پورا کرتے ہیں۔ حدیث فتون میں ہے کہ سائل نصرانی تھا لیکن بخاری میں جو ہے وہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تھی تو جواب ملا کہ ان دونوں میں سے جو کامل اور مکمل مدت تھی۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضورؐ سے کسی نے یہ پوچھا' آپ نے جبرئیل سے پوچھا' جبرئیل نے اور فرشتے سے' یہاں تک کہ فرشتے نے اللہ سے۔ اللہ نے جواب دیا کہ دونوں میں ہی پاک اور پوری مدت یعنی دس سال۔ ایک حدیث میں ہے' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے سوال پر حضورؐ نے دس سال کی مدت کا پورا کرنا بتایا کہ یہ بھی فرمایا اگر تجھ سے پوچھا جائے کہ کون سی لڑکی سے حضرت موسیٰ نے نکاح کیا تھا تو جواب دینا کہ دونوں میں جو چھوٹی تھیں۔ اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے مدت دراز کو پورا کرنا بتایا۔ پھر فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصتی لے کر جانے لگے تو اپنی بیوی صاحبہ سے فرمایا کہ اپنے والد سے کچھ بکریاں لے لو جن سے ہمارا گزارہ ہو جائے۔ آپ نے اپنے والد سے سوال کیا جس پر انہوں نے وعدہ کیا کہ اس میں سے جتنی چت کبری بکریاں ہوں گی' سب تمہاری ہیں۔ حضرت موسیٰ نے بکریوں کے پیٹ پر اپنی لکڑی پھیری تو ہر ایک کو وہ دو تین تین بچے ہوئے اور سب کے سب چت کبرے جن کی نسل اب تک تلاش کرنے سے مل سکتی ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت شعیب کی سب بکریاں کالے رنگ کی خوب صورت تھیں۔ جتنے بچے ان کے اس سال ہوئے' سب کے سب بے عیب تھے اور بڑے بڑے بھرے بھرے ہوئے تھنوں والے اور زیادہ دودھ دینے والے۔ ان تمام روایتوں کا مدار عبداللہ بن لہیعہ پر ہے جو حافظہ کے اچھے نہیں اور ڈر ہے کہ یہ روایتیں مرفوع نہ ہوں۔ چنانچہ اور سند سے یہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ سب بکریوں کے بچے اس سال ابلق ہوئے سوائے ایک بکری کے۔ جن سب کو آپ لے گئے۔ علیہ السلام

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

جب حضرت موسیٰ نے مدت پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو کوہ طور کی طرف آگ دیکھی۔ اپنی بیوی سے کہنے لگے' ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارا لاؤں تا کہ تم سینک لو ○

دس سال حق مہر: ☆☆ (آیت:۲۹) پہلے یہ بیان گزر چکا کہ حضرت موسیٰ نے دس سال پورے کئے تھے۔ قرآن کے اس لفظ الاجل سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔ بلکہ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کا تو قول ہے کہ دس سال یہ' اور دس سال اور بھی گزرے۔ اس قول میں صرف یہ تنہا ہیں۔ واللہ اعلم۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال اور شوق پیدا ہوا کہ چپ چاپ وطن میں جاؤں اور اپنے گھر والوں سے مل آؤں چنانچہ آپ اپنی بیوی صاحبہ کو اور اپنی بکریوں کو لے کر وہاں سے چلے۔ رات کو بارش ہونے لگی اور سرد ہوائیں چلنے لگیں اور سخت اندھیرا ہو گیا۔ آپ ہر چند چراغ جلاتے تھے مگر روشنی نہیں ہوتی تھی۔ سخت متعجب اور حیران تھے۔ اتنے میں دیکھتے ہیں کہ کچھ دور آگ روشن ہے تو

اپنی اہلیہ صاحبہ سے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرو' وہاں کچھ روشنی دکھائی دیتی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں۔ اگر کوئی وہاں ہوا تو اس سے راستہ بھی دریافت کرلوں گا اس لئے کہ ہم راہ بھولے ہوئے ہیں۔ یا میں وہاں سے کچھ آگ لے آؤں گا جس سے تم تاپ لو اور جاڑے کا علاج ہو جائے۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۰ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝۳۱ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۳۲

جب وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے آواز دیئے گئے کہ اے موسیٰ یقیناً میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا پروردگار ○ اور یہ بھی آواز آئی کہ اپنی لکڑی ڈال دے' پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھن پھنا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس ہو گئے اور مڑ کر رخ بھی نہ کیا' ہم نے کہا اے موسیٰ آگے آ' ڈر مت یقیناً تو ہر طرح امن والا ہے ○ اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال' وہ بغیر کسی قسم کے روگ کے چمکتا ہوا نکلے گا بالکل سفید۔ اور خوف سے بچنے کے لئے اپنے بازو اپنی طرف ملا لے۔ پس یہ دونوں معجزے تیرے لئے تیرے رب کی طرف سے ہیں' فرعون اور اس کی جماعت کی طرف۔ یقیناً وہ سب کے سب بے حکم اور نافرمان لوگ ہیں ○

(آیت: ۳۰-۳۲) جب آپ وہاں پہنچے تو اس وادی کے دائیں جانب کے مغربی پہاڑ سے آواز سنائی دی۔ جیسے قرآن کی اور آیت میں ہے وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ آگ کے قصد سے قبلہ کی طرف چلے تھے اور مغربی پہاڑ آپ کے دائیں طرف تھا اور ایک سرسبز ہرے بھرے درخت میں آگ نظر آ رہی تھی جو پہاڑ کے دامن میں میدان کے متصل تھی۔ یہ وہاں جا کر اس حالت کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ ہرے اور سبز درخت میں سے آگ کے شعلے نکلتے دکھائی دیتے ہیں لیکن آگ کسی چیز میں جلتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی' اسی وقت اللہ کی طرف سے آواز آئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے اس درخت کو جس میں سے حضرت موسیٰ کو آواز آئی تھی' دیکھا ہے۔ وہ سرسبز و شاداب' ہرا بھرا درخت ہے جو چمک رہا ہے۔ بعض کہتے ہیں' یہ علیق کا درخت تھا' بعض کہتے ہیں عوسج کا درخت تھا اور آپ کی لکڑی بھی اسی درخت کی تھی۔ کلیم اللہ نے سنا کہ آواز آ رہی ہے کہ اے موسیٰ میں ہوں رب العالمین جو اس وقت تجھ سے کلام کر رہا ہوں۔ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ میرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں نہ میرے سوا کوئی رب ہے۔ میں اس سے پاک ہوں کہ کوئی مجھ جیسا ہو۔ مخلوق میں سے کوئی بھی میرا کوئی شریک' ساجھی' ساتھی نہیں۔ میں ہر طرح پاک اور نقصان سے دور ہوں۔ اسی ضمن میں فرمان ہوا کہ اپنی لکڑی زمین پر گرا دو اور میری قدرت اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ اور آیت میں ہے کہ پہلے دریافت فرمایا گیا' اے موسیٰ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ یہ میری لکڑی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑ لیتا ہوں اور دوسرے بھی میرے بہت سے کام اس سے نکلتے ہیں۔ اب مطلع فرما کر لکڑی کو لکڑی کا احساس دلا کر

کر پھر زمین پر اپنی کے ہاتھوں پھنکوائی۔ وہ زمین پر گرتے ہی ایک پھن اٹھائے پھنکارتا ہوا اژدہا بن کر ادھر ادھر فرانٹے بھرنے لگی۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ بولنے والا واقعی اللہ ہی ہے جو قادر مطلق ہے۔ وہ جس چیز کو جو فرما دے ٹل نہیں سکتا۔ سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں اس کا بیان بھی پورا گزر چکا ہے۔

اس خوفناک سانپ کو جو باوجود بہت بڑا اور بہت موٹا ہونے کے تیر کی طرح ادھر ادھر جا آ رہا تھا' منہ کھولتا تھا تو معلوم ہوتا تھا ابھی نگل جائے گا۔ جہاں سے گزرتا تھا' پتھر ٹوٹ جاتے تھے۔ اسے دیکھ کر حضرت موسیٰ سہم گئے اور دہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے۔ الٹے پیروں بھاگے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ وہیں اللہ کی طرف سے آواز آئی کہ موسیٰ ادھر آ' ڈر نہیں۔ تو میرے امن میں ہے۔ اب حضرت موسیٰ کا دل ٹھہر گیا۔ اطمینان سے بے خوف ہو کر وہیں اپنی جگہ آ کر باادب کھڑے ہو گئے۔ یہ معجزہ عطا فرما کر پھر دوسرا معجزہ یہ دیا کہ حضرت موسیٰ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالتے تو وہ چاند کی طرح چمکنے لگتا اور بہت بھلا معلوم ہوتا' یہ نہیں کہ کوڑھ کے داغ کی طرح سفید ہو جائے۔ یہ بھی بحکم الٰہی آپ نے وہیں کیا اور اپنے ہاتھ کو مثل چاند کے منور دیکھ لیا۔

پھر حکم دیا کہ تمہیں اس سانپ سے یا کسی گھبراہٹ' ڈر' خوف' رعب سے دہشت معلوم ہو تو اپنے بازو اپنے بدن سے ملا لو۔ ڈر خوف جاتا رہے گا اور یہ بھی ہے کہ جو شخص ڈر اور دہشت کے وقت اپنا ہاتھ اپنے دل پر اللہ کے اس فرمان کے ماتحت رکھ لے تو ان شاء اللہ اس کا ڈر خوف جاتا رہے گا۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتدا میں حضرت موسیٰ کے دل پر فرعون کا بہت خوف تھا۔ پھر آپ جب اسے دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَدْرَابِكَ فِی نَحْرِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ اے اللہ میں تجھے اس کے مقابلہ میں کرتا ہوں اور اس کی برائی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے رعب وخوف ہٹا لیا اور فرعون کے دل میں ڈال دیا۔ پھر تو اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ کو دیکھتے ہی اس کا پیشاب خطا ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں معجزے یعنی عصائے موسیٰ اور ید بیضا دے کر اللہ نے فرمایا کہ اب فرعون اور فرعونیوں کے پاس رسالت لے کر جاؤ اور بطور دلیل یہ معجزے پیش کرو اور ان فاسقوں کو اللہ کی راہ دکھاؤ۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

موسیٰ نے کہا' پروردگار میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا' اب مجھے دہشت ہے کہ وہ مجھے بھی قتل کر ڈالیں ○ اور میرا بھائی ہارون مجھ سے بہت زیادہ فصیح زبان والا ہے۔ تو اسے بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج کہ وہ سچا مانے۔ مجھے تو خوف ہے کہ وہ سب مجھے جھٹلا دیں گے ○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے۔ فرعونی تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے بہ سبب ہماری نشانیوں کے' تم دونوں اور تمہاری تابعداری کرنے والے ہی غالب رہیں گے ○

یاد ماضی: ☆☆ (آیت: ۳۳) یہ گزر چکا کہ حضرت ... فرعون سے خوف کھا کر اس کے شہر سے بھاگ نکلے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے وہیں

اسی کے پاس نبی بن کر جانے کو فرمایا تو آپ کو وہ سب یاد آ گئی اور عرض کرنے لگے کہ اے اللہ ان کے ایک آدمی کی جان میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی تو ایسا نہ ہو کہ وہ بدلے کا نام رکھ کر میرے قتل کے درپے ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ نے بچپن کے زمانے میں جب کہ آپ کے سامنے بطور تجربہ کے ایک آگ کا انگارہ اور ایک کھجور یا ایک موتی رکھا تھا تو آپ نے انگارہ پکڑ لیا تھا اور منہ میں ڈال لیا تھا۔ اس واسطے آپ کی زبان میں کچھ کسر رہ گئی تھی اور اسی لئے آپ نے اپنی زبان کی بابت اللہ سے دعا مانگی تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔ اس سے میرا بازو مضبوط کر' اور اسے میرے کام میں شریک کر' تا کہ نبوت و رسالت کا فریضہ ادا ہو' اور تیرے بندوں کو تیری کبریائی کی دعوت دے سکیں۔ یہاں بھی آپ کی یہی دعا منقول ہے کہ آپ نے فرمایا' میرے بھائی ہارون کو میرے ساتھ ہی اپنا رسول بنا کر بھیج ۔ وہ میرا معین و وزیر ہو جائے۔ وہ میری باتوں کو باور کرے تا کہ میرا بازو مضبوط رہے دل بڑھا ہوا رہے اور یہ بھی بات ہے کہ دو آوازیں بہ نسبت ایک آواز کے زیادہ مضبوط اور با اثر ہوتی ہیں۔ میں اکیلا رہا تو ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا نہ دیں اور ہارون ساتھ ہوا تو میری باتیں بھی لوگوں کو سمجھا دیا کرے گا۔ جناب باری ارحم الرحمین نے جواب دیا کہ تیری مانگ منظور ہے۔ ہم تیرے بھائی سے تجھ کو سہارا دیں گے اور اسے بھی تیرے ساتھ نبی بنا دیں گے۔

جیسے اور آیت میں ہے قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی موسیٰ تیرا سوال پورا کر دیا گیا۔ اور آیت میں ہے' ہم نے اپنی رحمت سے اسے' اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا دیا۔ اسی لیے بعض اسلاف کا فرمان ہے کہ کسی بھائی نے اپنے بھائی پر وہ احسان نہیں کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام پر کیا کہ اللہ سے دعا کر کے انہیں نبی بنوا دیا۔ یہ موسیٰ علیہ اسلام کی بڑی بزرگی کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی دعا بھی رد نہ کی۔ واقعی آپ اللہ کے نزدیک بڑے ہی مرتبے والے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم تم دونوں کو زبردست دلیلیں اور کامل حجتیں دیں گے' فرعونی تمہیں کوئی ایذا نہیں دے سکتے۔ کیونکہ تم میرا پیغام میرے بندوں کے نام پہنچانے والے ہو۔ ایسوں کو میں خود دشمنوں سے سنبھالتا ہوں۔ ان کا مددگار اور موید میں خود بن جاتا ہوں۔ انجام کار تم اور تمہارے ماننے والے ہی غالب آئیں گے۔ جیسے فرمان ہے' اللہ لکھ چکا ہے۔ میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ قوت والا' عزت والا ہے اور آیت میں ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا الخ ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں۔ ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے دیئے ہوئے غلبہ کی وجہ سے فرعونی تمہیں تکلیف نہ پہنچا سکیں گے اور ہماری دی ہوئی نشانیوں کی وجہ سے غلبہ صرف تمہیں ہی حاصل ہوگا۔ لیکن پہلے جو مطلب بیان ہوا' اس سے بھی یہی ثابت ہے تو اس کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰی رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

جب ان کے پاس موسیٰ ہمارے دیئے ہوئے کھلے معجزے لے کر پہنچے تو وہ کہنے لگے' یہ تو صرف گھڑا گھڑایا جادو ہے ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانوں میں کبھی یہ نہیں سنا O حضرت موسیٰ کہنے لگے' میرا رب خوب جانتا ہے جو اس کے پاس کی ہدایت لے کر آتا ہے اور جس کے لئے آخرت کا اچھا انجام ہوتا ہے' یقیناً

بے انصافوں کا بھلا نہ ہوگا ○

فرعونی قوم کا رویہ: ☆☆ (آیت ۳۶-۳۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام خلعت نبوت سے اور کلام الٰہی سے ممتاز ہو کر بحکم الٰہی مصر میں پہنچے اور فرعون اور فرعونیوں کی اللہ کی وحدت اور اپنی رسالت کی تلقین کے ساتھ ہی جو معجزے اللہ نے دیئے تھے انہیں دکھایا۔ سب کو مع فرعون کے یقین کامل ہو گیا کہ بیشک حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن مدتوں کا غرور اور پرانا کفر سر اٹھائے بغیر نہ رہا اور زبانیں دل کے خلاف کر کے کہنے لگے' یہ تو صرف مصنوعی جادو ہے۔

اب فرعونی اپنے دبدبے اور قوت وطاقت سے حق کے مقابلہ پر جم گئے اور اللہ کے نبیوں کا سامنا کرنے پر تل گئے اور کہنے لگے' کبھی ہم نے تو نہیں سنا کہ اللہ ایک ہے اور ہم تو کیا ہمارے اگلے باپ دادوں کے کان بھی آشنا نہیں تھے۔ ہم سب کے سب مع اپنے بڑوں چھوٹوں کے بہت سے معبودوں کو پوجتے رہے۔ یہ نئی باتیں لے کر کہاں سے آ گیا۔ کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ صلوات اللہ نے جواب دیا کہ مجھے اور تم کو اللہ خوب جانتا ہے' وہی ہم تم میں فیصلے کرے گا کہ ہم میں سے ہدایت پر کون ہے؟ اور کون نیک انجام ہے؟ اس کا علم بھی اللہ ہی کو ہے۔ وہ فیصلہ کر دے گا اور تم عنقریب دیکھ لو گے کہ اللہ کی تائید کس کا ساتھ دیتی ہے؟ ظالم یعنی مشرک کبھی خوش انجام اور رشاد کام نہیں ہوئے۔ وہ نجات سے محروم ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾

فرعون کہنے لگا' اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا۔ سن اے ہامان تو میرے لئے مٹی کو آگ سے پکوا پھر میرے لئے ایک محل تعمیر کر تو میں موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں اسے میں تو جھوٹوں میں سے ہی گمان کر رہا ہوں ○ اس نے اور اس کے لشکروں نے ناواجبی طریقے پر ملک میں تکبر کیا اور یہ سمجھ لیا کہ وہ ہماری جانب لوٹائے ہی نہ جائیں گے ○ بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا برد کر دیا' اب دیکھ لے کہ ان گنہگاروں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ اور ہم نے انہیں ایسے امام بنا دیئے کہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلائیں' اور روز قیامت مطلق مدد نہ کئے جائیں ○ ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے اپنی لعنت لگا دی' اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے ○

فرعونیوں کا انجام: ☆☆ (۳۸-۴۲) فرعون کی سرکشی اور اس کے الہامی دعوے کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو بے عقل بنا کر ان

سے دعویٰ منوالیا ۔ اس نے ان کمینوں کو جمع کر کے ہانک لگائی کہ تمہارا رب میں ہی ہوں ۔ سب سے اعلیٰ اور بلند تر ہستی میری ہی ہے' اسی بنا پر اللہ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذابوں میں پکڑ لیا اور دوسروں کے لیے اسے نشان عبرت بنایا ۔ ان کمینوں نے اسے اللہ مان کر اس کا دماغ یہاں تک بڑھا دیا کہ اس نے کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ڈانٹ کر کہا کہ سن رکھ' اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنایا تو میں تجھے قید میں ڈلوا دوں گا ۔ انہی سفلے لوگوں میں بیٹھ کر' اپنا دعویٰ انہیں منوا کر اپنے ہی جیسے اپنے خبیث وزیر ہامان سے کہتا ہے کہ تو ایک مینار بنا اور اس میں اینٹیں پکوا اور میرے لیے ایک بلند و بالا مینار بنا کہ میں جا کر جھانک لوں کہ واقع میں موسیٰ علیہ السلام کا کوئی اللہ ہے بھی یا نہیں ۔ گو مجھے اس کے دروغ گو ہونے کا علم تو ہے مگر میں اس کا جھوٹ تم سب پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں ۔ اسی کا بیان آیت یٰھَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا [1] میں بھی ہے ۔

چنانچہ ایک بلند مینار بنایا گیا کہ اس سے اونچا دنیا میں دیکھا نہیں گیا ۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف دعویٰ رسالت میں ہی جھوٹا جانتا تھا بلکہ یہ تو واحد باری تعالیٰ کا قائل ہی نہ تھا ۔ چنانچہ خود قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے اس نے کہا وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ رب العالمین ہے کیا؟ اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تو نے میرے سوا کسی کو اللہ جانا تو میں تجھے قید کر دوں گا ۔ اس آیت میں بھی ہے کہ اس نے اپنے درباریوں سے کہا' میرے' علم میں تو بجز (سوائے) میرے تمہارا اللہ کوئی اور نہیں ۔ جب اس کی اور اس کی قوم کی طغیانی اور سرکشی حد سے گزر گئی' اللہ کے ملک میں ان کے فساد کی کوئی انتہا نہ رہی' ان کے عقیدے کھوٹے پیسے جیسے ہو گئے' قیامت کے حساب کتاب کے بالکل منکر بن بیٹھے تو بالآخر اللہ کا عذاب ان پر پڑا اور رب نے انہیں تاک لیا اور بیج تک مٹا دیا ۔ سب کو اپنے عذاب میں پکڑ لیا اور ایک ہی دن ایک ہی وقت ایک ساتھ دریا برد کر دیا ۔ لوگو سوچ لو کہ ظالموں کا کیسا عبرتناک انجام ہوتا ہے؟ ہم نے انہیں دوزخیوں کا امام بنا دیا ہے کہ یہ لوگوں کو ان کاموں کی طرف بلاتے ہیں جن سے وہ اللہ کے عذابوں میں جلیں ۔ جو بھی ان کی روش پر چلا' اسے وہ جہنم میں لے گئے' جس نے بھی رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کو نہ مانا' وہ ان کی راہ پر ہے ۔ قیامت کے دن بھی ان کی کچھ نہ چلے گی ۔ کہیں سے انہیں کوئی امداد نہ پہنچے گی ۔ دونوں جہان میں یہ نقصان اور گھاٹے میں رہیں گے ۔ جیسے فرمان ہے اَھْلَکْنٰھُمْ فَلَا نَاصِرَ لَھُمْ ہم نے انہیں تہ و بالا کر دیا اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوا ۔ دنیا میں بھی یہ ملعون ہوئے ۔ اللہ کی' اس کے فرشتوں کی' اس کے نبیوں کی اور تمام نیک بندوں کی ان پر لعنت ہے ۔ جو بھی بھلا آدمی ان کا نام سنے گا' ان پر پھٹکار بھیجے گا ۔ دنیا میں بھی ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی قباحت والے ہوں گے ۔ جیسے فرمان ہے وَاُتْبِعُوْا فِیْ ھٰذِہٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یہاں بھی پھٹکار وہاں بھی لعنت ۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَآ اَھْلَکْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَھُدًی وَّرَحْمَةً لَّعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

ان اگلے زمانے والوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ کو ایسی کتاب عنایت فرمائی جو لوگوں کے لئے دلیل اور ہدایت و رحمت ہو کر آئی تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○

موسیٰ کو تورات کا انعام: ☆☆ (آیت: ۴۳) اس آیت میں ایک لطیف بات یہ ہے کہ فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد والی امتیں اس طرح عذاب آسمانی سے ہلاک نہیں ہوئیں بلکہ جس امت نے سرکشی کی' اس کی سرکشی کا بدلہ اسی زمانے کے نیک لوگوں کے ہاتھوں اللہ نے

اسے دلوایا۔ مومنین مشرکین سے جہاد کرتے رہے۔

جیسے فرمان باری ہے وَجَآءَ فِرۡعَوۡنُ وَمَنۡ قَبۡلَهٗ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتُ بِالۡخَاطِئَةِ الخ یعنی فرعون اور جو امتیں اس سے پہلے ہوئیں اور الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والے یعنی قوم لوط' یہ سب لوگ بڑے بڑے قصوروں کے مرتکب ہوئے اور اپنے اپنے زمانے کے رسولوں کی نافرمانیوں پر کمر کس لی تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بھی بڑی سخت پکڑ سے پکڑ لیا۔ اس گروہ کی ہلاکت کے بعد بھی اللہ کے انعام حضرت موسیٰ کلیم علیه من ربه افضل الصلوة والتسلیم پر نازل ہوتے رہے جن میں سے ایک بہت بڑے انعام کا ذکر یہاں ہے کہ انہیں تورات ملی۔ اس تورات کے نازل ہونے کے بعد کسی قوم کو آسمان کے یا زمین کے عام عذاب سے ہلاک نہیں کیا گیا سوائے اس بستی کے چند مجرموں کے جنہوں نے اللہ کی حرمت کے خلاف ہفتے کے دن شکار کھیلا تھا اور اللہ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا۔ یہ واقعہ بیشک حضرت موسیٰ کے بعد کا ہے۔ جیسے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان فرمایا ہے اور اس کے بعد ہی آپ نے اپنے قول کی شہادت میں یہی آیت وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا کی تلاوت فرمائی۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی قوم کو عذاب آسمانی یا زمینی سے ہلاک نہیں کیا۔ ایسے عذاب جتنے آئے' آپ سے پہلے ہی پہلے آئے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر تورات کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ وہ کتاب لوگوں کو اندھاپے سے' گمراہی سے نکالنے والی تھی اور حق کی ہدایت کرنے والی تھی اور رب کی رحمت تھی' نیک اعمال کی ہادی تھی۔ تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور نصیحت بھی۔ اور راہ راست پر آ جائیں۔

وَمَا كُنۡتَ بِجَانِبِ الۡغَرۡبِىِّ اِذۡ قَضَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسَى الۡاَمۡرَ وَمَا كُنۡتَ مِنَ الشّٰهِدِيۡنَ ۞ وَلٰـكِنَّاۤ اَنۡشَاۡنَا قُرُوۡنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيۡهِمُ الۡعُمُرُ ۚ وَمَا كُنۡتَ ثَاوِيًا فِىۡۤ اَهۡلِ مَدۡيَنَ تَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰـكِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ ۞ وَمَا كُنۡتَ بِجَانِبِ الطُّوۡرِ اِذۡ نَادَيۡنَا وَلٰـكِنۡ رَّحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰٮهُمۡ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ۞

طور کی مغربی جانب کہ ہم نے موسیٰ کو حکم احکام کی وحی پہنچائی تھی نہ تو تو موجود تھا اور نہ تو دیکھنے والوں میں سے تھا ○ لیکن ہم نے بہت سے زمانے پیدا کئے جن پر لمبی مدتیں گزر گئیں' اور نہ تو مدین کے رہنے والوں میں سے تھا کہ ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا بلکہ ہم ہی رسولوں کے بھیجنے والے رہے ○ اور نہ تو طور کی طرف تھا جب کہ ہم نے آواز دی بلکہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ایک رحمت ہے اس لئے کہ تو ان لوگوں کو ہوشیار کر دے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا' کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○

دلیل نبوت: ☆☆ (آیت ۴۴-۴۶) اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت کی دلیل دیتا ہے کہ ایک وہ شخص جو محض امی ہو' جس نے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو' جو اگلی کتابوں سے محض ناآشنا ہو' جس کی قوم کی قوم علمی مشاغل سے اور گزشتہ تاریخ سے بالکل بےخبر ہو' وہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ' کامل فصاحت و بلاغت کے ساتھ بالکل سچے' ٹھیک اور صحیح گزشتہ واقعات کو اس طرح بیان کرے جیسے کہ اس کے اپنے چشم دید ہوں اور جیسے کہ وہ خود ان کے ہونے کے وقت وہیں موجود ہو' کیا یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے تلقین کیا جاتا

ہے اور اللہ تعالیٰ خود اپنی وحی کے ذریعہ سے انہیں وہ تمام باتیں بتاتا ہے۔ حضرت مریم صدیقہؓ کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے بھی قرآن نے اس چیز کو پیش کیا ہے اور فرمایا ہے وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ الخ جب کہ وہ حضرت مریم کے پالنے کے لئے قلمیں ڈال کر فیصلے کر رہے تھے۔ اس وقت تو ان کے پاس موجود نہ تھا اور نہ تو اس وقت تھا جب کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے پس باوجود عدم موجودگی اور بے خبری کے آپ کا اس طرح اس واقعہ کو بیان کرنا کہ گویا اس وقت آپ وہیں موجود تھے اور آپ کے سامنے ہی تمام واقعات گزر رہے تھے' آپ کی نبوت کی کھری دلیل ہے اور صاف نشانی ہے اس امر پر کہ آپ وحی الٰہی سے یہ کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح نوح نبی کا واقعہ بیان فرما کر فرمایا تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ الخ یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم بذریعہ وحی کے تم تک پہنچا رہے ہیں' تو اور تیری ساری قوم اس وحی سے پہلے ان واقعات سے محض بے خبر تھی۔ اب صبر کے ساتھ دیکھتا رہ اور یقین مان کہ اللہ سے ڈرتے رہنے والے ہی نیک انجام ہوتے ہیں۔ سورۂ یوسف کے آخر میں بھی ارشاد ہوا ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم بذریعہ وحی کے تیرے پاس بھیج رہے ہیں۔ تو ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھا جب کہ برادران یوسفؑ نے اپنا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اپنی تدبیروں میں لگ گئے تھے۔ سورۂ طٰہٰ میں عام طور پر فرمایا كَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ اسی طرح ہم تیرے سامنے پہلے کی خبریں بیان فرماتے ہیں۔ پس یہاں بھی موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش' ان کی نبوت کی ابتداء وغیرہ اول سے آخر تک بیان فرما کر فرمایا کہ تم اے محمد ﷺ مغربی پہاڑ کی جانب جہاں کے مشرقی درخت میں سے جو وادی کے کنارے تھے' اللہ نے اپنے کلیم سے باتیں کیں' موجود نہ تھے بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعے آپ کو یہ سب معلومات کرائیں تاکہ یہ آپ کی نبوت کی ایک دلیل ہو جائے ان زمانوں پر جو مدتوں سے چلے آ رہے ہیں اور اللہ کی باتوں کو وہ بھول بھال چکے ہیں۔ اگلے نبیوں کی وحی ان کے ہاتھوں سے گم ہو چکی ہے اور نہ تو مدین میں رہتا تھا کہ وہاں کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کے حالات بیان کرتا جو ان میں اور ان کی قوم میں واقع ہوئے تھے۔ بلکہ ہم نے بذریعہ وحی کے تجھے یہ سب خبریں پہنچائیں اور تمام جہان کی طرف تجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ اور نہ تو طور کے پاس تھا جب کہ ہم نے آواز دی۔ نسائی شریف میں ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آواز دی گئی کہ اے امت محمدؐ تم اس سے پہلے کہ مجھ سے مانگو' میں نے تمہیں دے دیا اور اس سے پہلے کہ تم مجھ سے دعا کرو' میں قبول کر چکا۔ مقاتل رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیری امت کو جو ابھی باپ دادوں کی پیٹھ میں تھی' آواز دی کہ جب تو نبی بنا کر بھیجا جائے تو وہ تیری اتباع کریں۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی' یہی زیادہ مشابہ اور مطابق ہے کیونکہ اوپر بھی یہی ذکر ہے۔ اوپر عام طور پر بیان تھا۔ یہاں خاص طور سے ذکر کیا۔ جیسے اور آیت میں ہے وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ جب کہ تیرے پروردگار نے موسیٰ کو آواز دی۔ اور آیت میں ہے کہ وادی مقدس میں اللہ نے اپنے کلیم کو پکارا۔ اور آیت میں ہے کہ طور ایمن کی طرف سے ہم نے اسے پکارا اور سرگوشیاں کرتے ہوئے اسے اپنا قرب عطا فرمایا۔

وَلَوْلَا أَن تُصِيبَهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ انہیں ان کے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی تابعداری کرتے اور ایمان والوں میں سے ہو جاتے ○

(آیت: ۴۷) پھر فرماتا ہے کہ ان میں سے ایک واقعہ بھی نہ تیری حاضری کا ہے نہ تیرا چشم دید ہے بلکہ یہ اللہ کی وحی ہے جو وہ

اپنی رحمت سے تجھ پر نازل فرما رہا ہے اور یہ بھی اس کی رحمت ہے کہ تجھے اپنے بندوں کی طرف اپنا نبی بنا کر بھیجا کہ تو ان لوگوں کو آگاہ اور ہوشیار کر دے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ہدایت پائیں۔ اور اس لیے بھی کہ ان کی کوئی دلیل باقی نہ رہ جائے اور کوئی عذر ان کے ہاتھ میں نہ رہے' یہ اپنے کفر کی وجہ سے عذابوں کو آتا دیکھ کر یہ نہ کہہ سکیں کہ ان کے پاس کوئی رسول آیا ہی نہ تھا جو انہیں راہ راست کی تعلیم دیتا۔ اور جیسے کہ اور جگہ اپنی مبارک کتاب قرآن کریم کے نزول کو بیان فرما کر فرمایا کہ یہ اس لیے ہے کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ کتاب تو ہم سے پہلے کی دونوں جماعتوں پر اتری تھی لیکن ہم تو اس کی درس و تدریس سے بالکل غافل تھے۔ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو یقیناً ہم ان سے زیادہ راہ راست پر آ جاتے' اب بتاؤ کہ خود تمہارے پاس بھی تمہارے رب کی دلیل اور ہدایت و رحمت آ چکی۔ اور آیت میں ہے' رسول ہیں خوشخبریاں دینے والے' ڈرانے والے تاکہ ان رسولوں کے بعد کسی کی کوئی حجت اللہ پر باقی نہ رہ جائے۔ اور آیت میں فرمایا یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ الخ اے اہل کتاب اس زمانہ میں جو رسولوں کی عدم موجودگی کا چلا آ رہا تھا' ہمارا رسول تمہارے پاس آ چکا۔ اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں پہنچا۔ لو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آ پہنچا۔ اور آیتیں بھی اس مضمون کی بہت سی ہیں۔ غرض رسول آ چکے اور تمہارا یہ عذر کٹ گیا کہ اگر رسول آتے تو ہم اس کی مانتے اور مومن ہو جاتے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ۭ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۣ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾

پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے' وہ کیوں نہیں دیا گیا جیسے دیئے گئے تھے موسیٰ' اچھا تو کیا موسیٰ کو جو کچھ دیا گیا تھا' اس کے ساتھ لوگوں نے کفر نہیں کیا تھا' صاف کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم تو ان سب کے منکر ہیں O کہہ دے کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اللہ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو۔ میں اسی کی پیروی کروں گا O

ہدایت کے لئے معجزات ضروری نہیں: ☆☆ (آیت: ۴۸-۴۹) پہلے بیان ہوا کہ اگر نبیوں کے بھیجنے سے پہلے ہی ہم ان پر عذاب بھیج دیتے تو ان کی یہ بات رہ جاتی کہ اگر رسول ہمارے پاس آتے تو ہم ضرور ان کی مانتے اس لیے ہم نے رسول بھیجے۔ بالخصوص رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کو آخر الزمان رسول بنا کر بھیجا۔ جب حضورؐ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے آنکھیں پھیر لیں' منہ موڑ لیا اور تکبر و عناد کے ساتھ ضد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ کہنے لگے کہ جیسے حضرت موسیٰ کو بہت سے معجزات دیئے گئے تھے جیسے لکڑی اور ہاتھ' طوفان' ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک' خون اور اناج کی' پھلوں کی کمی وغیرہ جن سے دشمنان الٰہی تنگ آ گئے اور دریا کو چیرنا اور ابر کا سایہ کرنا اور من و سلویٰ کا اتارنا وغیرہ جو زبردست اور بڑے بڑے معجزے تھے' انہیں کیوں نہیں دیئے گئے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ لوگ جس واقعہ کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور جس جیسے معجزے طلب کر رہے ہیں یہ خود انہی معجزوں کو کلیم اللہ کے ہاتھوں ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی کون سا ایمان لائے تھے جو ان کے ایمان کی کوئی تمنا کرے؟ انہوں نے تو ان تمام معجزوں کو دیکھ کر صاف کہا تھا کہ یہ دونوں بھائی ہمیں اپنے بڑوں کی تابعداری سے ہٹانا چاہتے ہیں

اور اپنی بڑائی ہم سے منوانا چاہتے ہیں' ہم تو ہرگز انہیں نہیں مانیں گے۔ دونوں نبیوں کو جھٹلاتے رہے۔ آخر انجام ہلاک کر دیئے گئے۔

تو فرمایا کہ ان کے بڑے جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھے انہوں نے خود موسیٰ کے ساتھ کفر کیا تھا اور ان معجزوں کو دیکھ کر صاف کہہ دیا تھا کہ یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں۔ آپس میں متفق ہو کر ہمیں زیر کرنے اور خود بڑا بننے کے لیے آئے ہیں' ہم تو ان دونوں میں سے کسی کی بھی نہیں مانیں گے۔ یہاں گو ذکر صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے لیکن چونکہ حضرت ہارون ان کے ساتھ ایسے گھل مل گئے تھے کہ گویا دونوں ایک تھے تو ایک کے ذکر کو ہی دوسرے کے ذکر کے لیے کافی سمجھا' جیسے کسی شاعر کا قول ہے کہ جب میں کسی جگہ کا ارادہ کرتا ہوں تو میں نہ جانتا کہ وہاں مجھے نفع ملے گا یا میرا نقصان ہو گا؟ تو یہاں بھی شاعر نے خیر کا لفظ تو کہا ہے مگر شر کا لفظ بیان نہیں کیا کیونکہ خیر و شر دونوں کی ملازمت' مقاربت اور مصاحبت ہے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہودیوں نے قریش سے کہا کہ تم یہ اعتراض حضورؐ سے کرو۔ انہوں نے کیا اور جواب پا کر خاموش ہو رہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں جادوگروں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ ہیں لیکن اس تیسرے قول میں تو بہت ہی بعد ہے اور دوسرے قول سے بھی پہلا قول مضبوط اور عمدہ ہے اور بہت قوی ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ مطلب سَاحِرَانِ کی قراءت پر ہے اور جن کی قراءت سِحْرَانِ ہے' وہ کہتے ہیں مراد تورات اور قرآن ہے جو ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع ۸

پھر اگر یہ تیری نہ مانیں تو تو یقین کرلے کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں' اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو بغیر اللہ کی راہنمائی کے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ ہم برابر پے در پے لوگوں کے لئے اپنا کلام لاتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

کوئی کہتا ہے مراد تورات و انجیل ہے۔ کسی کا قول ہے کہ انجیل اور قرآن مراد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔ لیکن اس قراءت پر بھی ظاہر تورات و قرآن کے معنی ٹھیک ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی فرمان الٰہی ہے کہ تم ہی ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی کوئی کتاب اللہ کے ہاں سے لاؤ جس کی میں تابعداری کروں۔ تورات و قرآن کو اکثر ایک ہی جگہ قرآن کریم میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسے فرمایا قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِىْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ پس یہاں تورات کے نور و ہدایت ہونے کا ذکر فرما کر پھر فرمایا وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ اور اس کتاب کو بھی ہم نے ہی بابرکت بنا کر اتارا ہے۔ اور سورت کے آخر میں فرمایا ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ اور فرمان ہے' اسی ہماری اتاری ہوئی مبارک کتاب کی تم پیروی کرو۔ اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ جنات کا قول قرآن میں ہے کہ انہوں نے کہا' ہم نے وہ کتاب سنی جو موسیٰؑ کے بعد اتاری گئی ہے جو اپنے سے پہلے کی اور الہامی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ ورقہ بن نوفل کا مقولہ حدیث کی کتابوں میں مروی ہے کہ انہوں نے کہا تھا' یہ وہی اللہ کے راز داں بھیدی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ جس شخص نے غائر نظر سے علم دین کا مطالعہ کیا ہے' اس پر یہ بات

بالکل ظاہر ہے کہ آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ عظمت وشرافت والی عزت وکرامت والی کتاب تو یہی قرآن مجید فرقان حمید ہے جو اللہ تعالیٰ حمید ومجید نے اپنے رؤف ورحیم نبی آخر الزمانؐ پر نازل فرمائی۔

اس کے بعد توراۃ شریف کا درجہ ہے جس میں ہدایت ونور تھا جس کے مطابق انبیاء اور ان کے ماتحت حکم احکام جاری کرتے رہے۔ انجیل تو صرف توراۃ کو تمام کرنے والی اور بعض حرام کو حلال کرنے والی تھی اس لیے یہاں فرمایا کہ جو آپ کہتے ہیں وہ بھی اگر یہ نہ کریں اور نہ آپ کی تابعداری میں آئیں تو جان لے کہ دراصل انہیں دلیل وبرہان کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ یہ صرف جھگڑالو ہیں اور خواہش پرست ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خواہش کے پابند لوگوں سے جو اللہ کی ہدایت سے خالی ہوں بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ اس میں انہماک کر کے جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں وہ آخر تک راہ راست سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ہم نے ان کے لیے تفصیلی قول بیان کر دیا واضح کر دیا صاف کر دیا اگلی پچھلی باتیں بیان کر دیں قریشیوں کے سامنے سب کچھ ظاہر کر دیا۔ بعض مراد اس سے رفاعہ لیتے ہیں اور ان کے ساتھ کے اور نو آدمی۔ یہ رفاعہ حضرت صفیہ بنت حیی کے ماموں ہیں جنہوں نے تمیمہ بنت وہب کو طلاق دی تھی جن کا دوسرا نکاح عبدالرحمن بن زبیرؓ سے ہوا تھا۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عنایت فرمائی وہ تو اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں ○ جب اس کی آیتیں ان کے پاس پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کے ہمارے رب کی طرف سے اور حق ہونے پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہیں ○ یہ اپنے کئے ہوئے صبر کے بدلے دوہرا دوہرا اجر دیئے جائیں گے۔ یہ نیکی سے بدی کو ٹال دیتے ہیں اور ہم نے جو انہیں دے رکھا ہے یہ بھی دیتے رہتے ہیں ○ اور جب بے ہودہ بات کان میں پڑتی ہے تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے تم پر سلام ہو ہم جاہلوں کی ہم نشینی کے طالب نہیں ○

اہل کتاب علماء: ☆☆ (آیت: ۵۲-۵۵) اہل کتاب کے علماء جو درحقیقت اللہ کے دوست تھے ان کے پاکیزہ اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ وہ قرآن کو مانتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ سمجھ بوجھ کر پڑھتے ہیں ان کا تو اس قرآن پر ایمان ہے۔ اور آیت میں ہے بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ کو مان کر تمہاری طرف نازل شدہ کتاب اپنی طرف اتری ہوئی کتاب کو بھی مانتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ ہے پہلے کے اہل کتاب ایسے بھی ہیں کہ ہمارے اس قرآن کی آیتیں سن کر سجدوں میں گر پڑتے ہیں اور زبان سے کہتے ہیں کہ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا اور آیت میں ہے وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى الخ یعنی مسلمانوں کے ساتھ دوستی کے اعتبار سے سب لوگوں سے قریب تر انہیں پاؤ گے جو اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان میں علماء اور مشائخ ہیں اور یہ لوگ کبر وغرور سے خالی ہیں اور قرآن کو سن کر رو دیتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں کہ ہمارا ایمان

ہے اے اللہ، ہمیں بھی اپنے دین کا ماننے والا لکھ لے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جن کے حق میں یہ فرمایا گیا ہے، یہ ستر بزرگ علماء تھے جو حضور ﷺ کی خدمت میں نجاشی شاہ حبشہ کے بھیجے ہوئے آئے تھے۔ حضورؐ نے انہیں سورۂ یاسین سنائی جسے سن کر یہ رونے لگے اور مسلمان ہو گئے۔ انہی کے بارے میں یہ آیتیں اتریں کہ یہ انہیں سنتے ہی اپنے موحد مخلص ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور قبول کر کے مومن مسلم بن جاتے ہیں۔ ان کی ان صفتوں پر اللہ تعالیٰ بھی انہیں دوہرا اجر دیتا ہے۔ ایک پہلی کتاب کو ماننے کا، دوسرا اس قرآن کو تسلیم کرنے و تعمیل کا۔ یہ اتباع حق پر ثابت قدمی کرتے ہیں جو دراصل ایک مشکل اور اہم کام ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ اہل کتاب جو اپنے نبی کو مان کر پھر مجھ پر بھی ایمان لائے۔ غلام مملوک جو اپنے مجازی آقا کی فرمانبرداری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی بھی کرتا رہے۔ اور وہ شخص جس کے پاس کوئی لونڈی ہو جسے وہ ادب و علم سکھائے، پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ والے دن میں رسول اللہ ﷺ کی سواری کے ساتھ ہی اور بالکل پاس ہی تھا۔ آپ نے بہت بہترین باتیں ارشاد فرمائیں جن میں یہ بھی فرمایا کہ یہود و نصاریٰ میں سے جو مسلمان ہو جائے، اسے دوہرا اجر ہے اور اس کے عام مسلمانوں کے برابر حقوق ہیں۔ پھر ان کے نیک اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ یہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں درگزر کر دیتے ہیں اور نیک سلوک ہی کرتے ہیں اور اپنی حلال روزیاں اللہ کے نام خرچ کرتے ہیں۔ اپنے بال بچوں کا پیٹ بھی پالتے ہیں۔ زکوٰۃ، صدقات و خیرات میں بھی بخیلی نہیں کرتے۔ لغویات سے بچے ہوئے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے دوستیاں نہیں کرتے، ایسی مجلسوں سے دور رہتے ہیں بلکہ اگر کبھی اچانک گزر ہو بھی جائے تو بزرگانہ طور پر ہٹ جاتے ہیں، ایسوں سے میل جول الفت محبت نہیں کرتے، صاف کہہ دیتے ہیں کہ تمہاری کرنی تمہارے ساتھ، ہمارے اعمال ہمارے ساتھ۔ یعنی جاہلوں کی سخت کلامی بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ انہیں ایسا جواب نہیں دیتے کہ وہ اور بھڑکیں بلکہ چشم پوشی کر لیتے ہیں اور کترا کر نکل جاتے ہیں۔ چونکہ خود پاک نفس ہیں اس لیے پاکیزہ کلام ہی منہ سے نکالتے ہیں۔ کہہ دیتے ہیں کہ تم پر سلام ہو، ہم نہ جاہلانہ روش پر چلیں نہ جہالت کی چال پسند کریں۔

امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آنحضرت ﷺ کے پاس حبشہ سے تقریباً بیس نصرانی آئے۔ آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ یہیں یہ بھی بیٹھ گئے اور بات چیت شروع کی۔ اس وقت قریشی اپنی اپنی بیٹھکوں میں کعبہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان عیسائی علماء نے جب سوالات کر لیے اور جوابات سے ان کی تشفی ہو گئی تو آپؐ نے دین اسلام ان کے سامنے پیش کیا اور قرآن کریم کی تلاوت کر کے انہیں سنائی۔ چونکہ یہ لوگ لکھے پڑھے، سنجیدہ اور روشن دماغ تھے، قرآن نے ان کے دلوں میں اثر کیا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے فوراً دین اسلام قبول کر لیا، اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے۔ کیونکہ حضورؐ کی جو صفتیں انہوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں پڑھی تھیں، سب آپ میں موجود پائیں، جب یہ لوگ آپ کے پاس سے جانے لگے تو ابوجہل بن ہشام ملعون اپنے آدمیوں کو لیے ہوئے انہیں راستے میں ملا اور تمام قریشیوں نے مل کر انہیں طعنے دینے شروع کیے اور برا کہنے لگے کہ تم سے بدترین وفد کسی قوم کا ہم نے نہیں دیکھا۔ تمہاری قوم نے تمہیں اس شخص کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ یہاں تم نے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا اور اس کا ایسا رنگ تم پر چڑھا کہ ذرا سی دیر میں اپنے دین کو ترک کر کے دین بدل دیا اور اسی کا کلمہ پڑھنے لگے، تم سے زیادہ احمق ہم نے تو کسی کو نہیں پایا وغیرہ۔ انہوں نے ٹھنڈے دل سے یہ سن لیا اور جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ جاہلانہ باتیں کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہمارا دین ہمارے ساتھ، تمہارا مذہب تمہارے ساتھ۔ ہم نے جس بات میں اپنی بھلائی دیکھی، اسے قبول کر لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وفد نجران کے نصرانیوں کا تھا، واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیتیں انہی کے بارے میں اتری ہیں۔ حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ سے ان آیتوں کا شان نزول پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، میں تو اپنے علما

سے یہی سنتا چلا آیا ہوں کہ یہ آیتیں نجاشی اوران کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے بارے میں اتری ہیں۔ اور سورہ مائدہ کی آیتیں ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا سے مَعَ الشّٰهِدِيْنَ تک کی آیتیں بھی انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

تو جسے چاہے ہدایت نہیں کر سکتا بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے ○ کہنے لگے اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کے تابعدار بن جائیں تو ہم تو اپنے ملک سے اچک لئے جائیں' کیا ہم نے انہیں امن وامان اور حرمت والے حرم میں جگہ نہیں دی؟ جہاں تمام چیزوں کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے بطور رزق کے ہیں لیکن ان میں کے اکثر کچھ نہیں جانتے ○

ہدایت صرف اللہ کے ذمہ ہے: ☆☆ (آیت:۵۶-۵۷) اے نبیؐ کسی کا ہدایت قبول کرنا تمہارے قبضے کی چیز نہیں۔ آپ پر تو صرف پیغام الٰہی کے پہنچا دینے کا فریضہ ہے۔ ہدایت کا مالک اللہ ہے۔ وہ اپنی حکمت کے ساتھ جسے چاہے قبول ہدایت کی توفیق بخشتا ہے۔ جیسے فرمان ہے لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ تیرے ذمہ ان کی ہدایت نہیں وہ چاہے تو ہدایت بخشے۔ اور آیت میں ہے وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ گو تو ہر چند طمع کرے لیکن ان میں سے اکثر ایماندار نہیں ہوتے کہ یہ اللہ کے ہی علم میں ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے؟ اور مستحق ضلالت کون ہے؟ بخاری ومسلم میں ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کے بارے میں اتری ہے جو آپ کا بہت طرفدار تھا اور ہر موقعہ پر آپ کی مدد کرتا رہتا تھا اور آپ کا ساتھ دیتا تھا۔ اور دل سے محبت کرتا تھا لیکن یہ محبت بوجہ رشتہ داری کے طبعی تھی۔ شرعانہ تھی۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو حضرت محمدؐ نے اسے اسلام میں آنے کی دعوت دی اور ایمان لانے کی رغبت دلائی لیکن تقدیر کا لکھا اور اللہ کا چاہا غالب آیا' یہ ہاتھوں میں سے پھسل گیا اور اپنے کفر پر اڑا رہا۔ حضورؐ اس کے انتقال کے وقت اس کے پاس آئے۔ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگے' ابو طالب کیا تو اپنے باپ عبدالمطلب کے مذہب سے پھر جائے گا؟ اب حضورؐ سمجھاتے اور دونوں اسے روکتے یہاں تک کہ آخر کلمہ اس کی زبان سے یہی نکلا کہ میں یہ کلمہ نہیں پڑھتا اور میں عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا' بہتر' میں تیرے لیے رب سے استغفار کرتا رہوں گا' یہ اور بات ہے کہ میں روک دیا جاؤں' اللہ مجھے منع فرمادے۔ لیکن اسی وقت آیت اتری کہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى یعنی نبیؐ کو اور مومن کو ہرگز یہ بات سزاوار نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں گو وہ ان کے نزدیکی قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں' اور اسی ابو طالب کے بارے میں آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ بھی نازل ہوئی (صحیح مسلم وغیرہ) ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ابو طالب کے مرض الموت میں حضورؐ نے اس سے کہا کہ چچا لا الٰہ الا اللہ کہہ لو۔ میں اس کی گواہی قیامت کے دن دے دوں گا تو اس نے کہا' اگر مجھے اپنے خاندان قریش کے اس طعنے کا خوف نہ ہو کہ اس نے موت کی گھبراہٹ کی وجہ سے یہ کہہ لیا تو میں اسے کہہ کر تیری آنکھوں کو ٹھنڈی کر دیتا مگر پھر بھی اسے صرف تیری خوشی کے لیے کہتا۔ اس پر

یہ آیت اتری- دوسری روایت میں ہے کہ آخرش اس نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ میرے بھتیجے میں تو اپنے بڑوں کی روش پر ہوں- اور اسی بات پر اس کو موت ہوئی کہ وہ عبدالمطلب کے مذہب پر ہے- قیصر کا قاصد جب رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قیصر کا خط خدمت نبویؐ میں پیش کیا تو آپؐ نے اسے اپنی گود میں رکھ کر اس سے فرمایا' تو کس قبیلے سے ہے؟ اس نے کہا' تیرج قبیلے کا میں آدمی ہوں- آپؐ نے فرمایا' تیرا قصد ہے کہ تو اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر آ جائے؟ اس نے جواب دیا کہ میں جس قوم کا قاصد ہوں جب تک ان کے پیغام کا جواب انہیں نہ پہنچا دوں' ان کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا- تو آپؐ نے مسکرا کر اپنے صحابہؓ کی طرف دیکھ کر یہی آیت پڑھی- مشرکین اپنے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ہم آپ کی لائی ہوئی ہدایت کو مان لیں تو ہمیں ڈر لگتا ہے کہ اس دین کے مخالف جو ہمارے چاروں طرف ہیں اور تعداد میں' مال میں ہم سے بہت زیادہ ہیں' وہ ہمارے دشمن جان بن جائیں گے اور ہمیں تکلیف پہنچائیں گے اور ہمیں برباد کر دیں گے- اللہ فرماتا ہے کہ یہ حیلہ بھی ان کا غلط ہے- اللہ نے انہیں حرم محترم میں رکھا ہے جہاں شروع دنیا سے اب تک امن وامان رہا ہے' تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حالت کفر میں تو یہ یہاں امن سے رہیں اور جب اللہ کے سچے دین کو قبول کریں تو امن اٹھ جائے؟ یہی تو وہ شہر ہے کہ طائف وغیرہ مختلف مقامات سے پھل فروٹ' سامان اسباب' مال تجارت وغیرہ کی آمد ورفت یہاں بکثرت رہتی ہے- تمام چیزیں یہاں کھنچی چلی جاتی ہیں اور ہم انہیں بیٹھے بٹھائے روزیاں پہنچا رہے ہیں لیکن ان کی اکثریت بے علم ہے- اسی لیے ایسے رکیک حیلے اور بے جا عذر پیش کرتے ہیں- مروی ہے کہ یہ کہنے والا حارث بن عامر بن نوفل تھا-

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۗ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵۸ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝۵۹

ہم نے بہت سی وہ بستیاں تباہ کر دیں جو اپنی عیش عشرت میں اترانے لگی تھیں' یہ ہیں ان کی رہائش کی جگہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد کی گئیں اور ہم ہی ہیں آخر سب کچھ لے لینے والے ○ تیرا رب کسی ایک بستی کو بھی اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا کوئی پیغمبر نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا دے' ہم تو بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب کہ وہاں والے ظلم وستم پر کمر کس لیں ○

تنبیہ: ☆☆ (آیت: ۵۸-۵۹) اہل مکہ کو ہوشیار کیا جاتا ہے کہ جو اللہ کی بہت سی نعمتیں حاصل کر کے اترا رہے تھے اور سرکشی اور بڑائی کرتے تھے اور اللہ سے کفر کرتے تھے' نبی کا انکار کرتے تھے- اللہ کی روزیاں کھاتے اور اس کی نمک حرامی کرتے تھے' انہیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح تباہ وبرباد کیا کہ آج کوئی ان کا نام لیوا نہیں رہا- جیسے اور آیت میں ہے وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً الخ یہاں فرماتا ہے کہ ان کی اجڑی ہوئی بستیاں اب تک اجڑی پڑی ہیں- کچھ یونہی سی آبادی اگرچہ ہوگئی ہو لیکن دیکھو ان کے کھنڈرات سے آج تک وحشت برس رہی ہے- ہم ہی ان کے مالک رہ گئے ہیں- حضرت کعب (تابعی) رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ الو سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تو کھیتی اناج کیوں نہیں کھاتا؟ اس نے کہا اس لیے کہ اسی کے باعث حضرت آدمؑ جنت سے نکالے گئے- پوچھا' پانی کیوں

نہیں پیتا؟ کہا اس لیے کہ قوم نوحؑ اسی میں ڈبو دی گئی۔ پوچھا ویرانے میں کیوں رہتا ہے؟ کہا اس لیے کہ وہ اللہ کی میراث ہے۔ پھر حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ نے وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ پڑھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے عدل و انصاف کو بیان فرما رہا ہے کہ وہ کسی کو ظلم سے ہلاک نہیں کرتا' پہلے ان پر اپنی حجت ختم کرتا ہے' ان کا عذر دور کرتا ہے' رسولوں کو بھیج کر اپنا کلام ان تک پہنچاتا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت عام تھی۔ آپ اُم القریٰ میں مبعوث ہوئے تھے اور تمام عرب و عجم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جیسے فرمان ہے لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا تاکہ تو مکہ والوں کو اور دوسرے شہر والوں کو ڈرا دے۔ اور فرمایا قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا کہہ دے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں (ﷺ) اور آیت میں ہے لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ تاکہ اس قرآن سے میں تمہیں بھی ڈرا دوں اور ہر اس شخص کو جس تک یہ قرآن پہنچے۔

اور آیت میں ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ اس قرآن کے ساتھ دنیا والوں میں سے جو بھی کفر کرے' اس کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔ اور جگہ اللہ کا فرمان ہے وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا الخ یعنی تمام بستیوں کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک کرنے والے ہیں یا سخت عذاب کرنے والے ہیں۔ پس خبر دی کہ قیامت سے پہلے وہ سب بستیوں کو برباد کر دے گا۔ اور آیت میں ہے کہ ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں' عذاب نہیں کرتے۔ پس حضورؐ کی بعثت کو عام کر دیا اور تمام جہان کے لیے کر دیا اور مکے میں جو کہ تمام دنیا کا مرکز ہے آپؐ کو مبعوث فرما کر ساری دنیا پر اپنی حجت ختم کر دی۔ بخاری و مسلم میں حضورؐ کا ارشاد مروی ہے کہ میں تمام سیاہ سفید کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسی لیے نبوت و رسالت کو آپؐ پر ختم کر دیا۔ آپؐ کے بعد قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا نہ رسول۔ کہا گیا ہے کہ مراد اُمُّ الْقُرٰى سے اصل اور بڑا قریہ ہے۔

وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے' وہ صرف زندگی دنیا کا سامان اور اسی کی رونق ہے' ہاں اللہ کے پاس جو ہے وہ بہت بہتر اور دیرپا ہے' کیا تم نہیں سمجھتے ○

دنیا اور آخرت کا تقابلی جائزہ: ☆☆ (آیت:۶۰) اللہ تعالیٰ دنیا کی حقارت' اس کی رونق کی قلت و ذلت' اس کی ناپائیداری' بے ثباتی اور برائی بیان فرمان رہا ہے اور اس کے مقابلے میں آخرت کی نعمتوں کی پائیداری' دوام' عظمت اور قیام کا ذکر فرما رہے ہیں' جیسے ارشاد ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ تمہارے پاس جو کچھ ہے' فنا ہونے والا ہے اور اللہ کے پاس کی تمام چیزیں بقا والی ہیں۔ اللہ کے پاس جو ہے' وہ نیک لوگوں کے لیے بہت ہی بہتر اور عمدہ ہے۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا تو کچھ بھی نہیں۔ لیکن افسوس کہ لوگ دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور آخرت سے غافل ہو رہے ہیں جو بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی سمندر میں انگلی ڈبو کر نکال لے۔ پھر دیکھ لے کہ اس کی انگلی پر جو پانی چڑھا ہوا ہے' وہ سمندر کے مقابلہ میں کتنا کچھ ہے۔ افسوس کہ اس پر بھی اکثر لوگ اپنی کم علمی اور بے علمی کے باعث دنیا کے متوالے ہو رہے ہیں۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

کیا وہ شخص جس سے ہم نے نیک وعدہ کیا ہے جسے وہ قطعاً پانے والا ہے' مثل اس شخص کے ہوسکتا ہے جسے ہم نے زندگانی دنیا کی کچھ یونہی سی منفعت دے دی۔ پھر بالآخر وہ پکڑا باندھا حاضر کیا جائے گا○

(آیت:۶۱) خیال کرلو' کیا ایک تو وہ جو اللہ پر' اللہ کے نبی پر ایمان ویقین رکھتا ہو اور ایک وہ جو ایمان نہ لایا ہو' نتیجے کے اعتبار سے برابر ہوسکتے ہیں؟ ایمان والے کے ساتھ تو اللہ کا' جنت کا اور اپنی بے شمار ان مٹ غیر فانی نعمتوں کا وعدہ ہے اور کافر کے ساتھ وہاں کے عذابوں کا ڈراوا ہے گو دنیا میں کچھ روز عیش ہی منا لے۔ مروی ہے کہ یہ آیت حضور ﷺ اور ابوجہل ملعون کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حمزہؓ علیؓ اور ابوجہل کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ آیت عام ہے جیسے فرمان ہے کہ جنتی مومن اپنے جنت کے درجوں سے جھانک کر جہنمی کافر کو جہنم کے جیل خانہ میں دیکھ کر کہے گا کہ لَوۡ لَا نِعۡمَةُ رَبِّیۡ لَکُنۡتُ مِنَ الۡمُحۡضَرِیۡنَ اگر مجھ پر میرے رب کا انعام نہ ہوتا تو میں بھی ان عذابوں میں پھنس جاتا۔ اور آیت میں ہے وَلَقَدۡ عَلِمَتِ الۡجِنَّةُ اِنَّهُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ جنات کو یقین ہے کہ وہ حاضر کیے جانے والوں میں سے ہیں۔

وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِيۡنَ حَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيۡنَ اَغۡوَيۡنَا ۚ اَغۡوَيۡنٰهُمۡ كَمَا غَوَيۡنَا ۚ تَبَرَّاۡنَاۤ اِلَيۡكَ مَا كَانُوۡۤا اِيَّانَا يَعۡبُدُوۡنَ ﴿۶۳﴾

جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکار کر فرمائے گا کہ تم جنہیں اپنے گمان میں میرا شریک ٹھہرا رہے تھے کہاں ہیں؟○ جن پر بات آچکی' وہ جواب دیں گے کہ اے ہمارے پروردگار' یہی وہ ہیں جنہیں ہم نے بہکا رکھا تھا' ہم نے انہیں اسی طرح بہکایا جس طرح ہم بہکے تھے' ہم تیری سرکار میں اپنی دستبرداری کرتے ہیں' یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے○

کہاں ہیں تمہارے بت: ☆☆ (آیت:۶۲-۶۳) مشرکوں کو قیامت کے دن پکار کر سامنے کھڑا کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا کہ دنیا میں جنہیں تم میرے سوا پوجتے رہے' جن بتوں اور پتھروں کو مانتے رہے ہو' وہ کہاں ہیں؟ انہیں پکارو اور دیکھو کہ وہ تمہاری کچھ مدد کرتے ہیں یا وہ خود اپنی کوئی مدد کرسکتے ہیں؟ یہ صرف بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ہوگا۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ الخ یعنی ہم تمہیں ویسے ہی تنہا تنہا اور ایک ایک کر کے لائیں گے جیسے ہم نے اول دفعہ پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا دلایا تھا' وہ سب تم اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے۔ ہم تو آج تمہارے ساتھ کسی سفارشی کو بھی نہیں دیکھتے جنہیں تم شریک الٰہی ٹھہرائے ہوئے تھے۔ تم میں ان میں کوئی لگاؤ نہیں رہا اور تمہارے گمان کردہ شریک سب آج تم سے کھوئے ہوئے ہیں جن پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی' یعنی شیاطین اور سرکش لوگ اور کفر کے بانی اور شرک کی طرف لوگوں کو بلانے والے' یہ سب بڑے بڑے لوگ اس دن کہیں گے کہ اے اللہ ہم نے انہیں گمراہ کیا اور انہوں نے ہماری کفریہ باتیں سنیں اور مانیں' جیسے ہم بہکے ہوئے تھے' انہیں بھی ہم نے بہکایا۔ ہم ان کی عبادت سے تیرے سامنے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

جیسے اور آیت میں ہے وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً الخ انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے تا کہ وہ ان کے لیے باعث عزت بنیں لیکن ایسا نہیں ہونے کا' یہ تو ان کی عبادت سے بھی انکار کر جائیں گے اور الٹے ان کے دشمن بن جائیں گے اور آیت میں

ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتا ہے جو قیامت کی گھڑی تک انہیں جواب نہ دے سکیں اور وہ ان کی پکار سے بھی غافل ہوں اور قیامت کے دن لوگوں کے حشر کے موقعہ پر ان کے دشمن بن جائیں اور اس بات سے صاف انکار کر دیں کہ انہوں نے ان کی عبادت کی تھی۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ تم نے جن بتوں کی پوجا پاٹ شروع کر رکھی ہے' ان سے صرف دنیا کی ہی دوستی ہے۔ قیامت کے دن تو تم سب ایک دوسرے کے منکر ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے' اور آیت میں ہے اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا الخ یعنی جو تابعداری کرنے والے تھے اور وہ ان کی پر جوش تابعداری کرتے رہے مگر یہ ان سے بری اور بیزار ہو جائیں گے یعنی عذابوں کو سامنے دیکھتے ہوئے سب تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ' وہ بلائیں گے لیکن انہیں وہ جواب تک نہ دیں گے اور یہ سب عذاب دیکھ لیں گے۔ کاش یہ لوگ ہدایت پا لیتے ○ اس دن انہیں بلا کر پوچھے گا کہ تم نے نبیوں کو کیا جواب دیا؟ ○ پھر تو ان پر اس دن تمام خبریں اندھی ہو جائیں گی اور ایک دوسرے سے سوال تک نہ کریں گے ○ ہاں جو شخص توبہ کر لے' ایمان لے آئے اور نیک کام کرے' یقین ہے کہ وہ نجات پانے والوں میں سے ہو جائے گا ○

(آیت: ۶۴-۶۷) ان سے فرمایا جائے گا کہ دنیا میں جنہیں پوجتے رہے ہو' آج انہیں کیوں نہیں پکارتے؟ اب یہ پکاریں گے لیکن کوئی جواب نہ پائیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ آگ کے عذاب میں جائیں گے۔ اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہم راہ یافتہ ہوتے؟ جیسے ارشاد ہے کہ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ الخ جس دن فرمائے گا کہ میرے ان شریکوں کو آواز دو جنہیں تم بہت کچھ سمجھ رہے تھے' یہ پکاریں گے لیکن وہ جواب تک نہ دیں گے اور ہم ان کے اور ان کے درمیان آڑ کر دیں گے۔ مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے' پھر باور کرائیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں لیکن اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ اسی قیامت والے دن ان سے سب کو سنا کر ایک سوال یہ بھی ہوگا کہ تم نے میرے انبیاء کو کیا جواب دیا؟ اور کہاں تک ان کا ساتھ دیا؟ پہلے توحید کے متعلق باز پرس تھی۔ اب رسالت کے متعلق سوال جواب ہو رہے ہیں۔ اسی طرح قبر میں بھی سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ مومن جواب دیتا ہے کہ میرا معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور میرے رسول حضرت محمدؐ ہیں جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے (سلام علیہ) ہاں کافر سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا' وہ گھبراہٹ اور پریشانی سے کہتا ہے' مجھے اس کی کوئی خبر نہیں۔ اندھا بہرا ہو جاتا ہے۔ جیسے فرمایا مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا جو شخص یہاں اندھا ہے' وہ وہاں بھی اندھا اور راہ بھولا رہے گا۔ تمام دلیلیں ان کی نگاہوں سے ہٹ جائیں گی' رشتے ناتے' حسب نسب کی کوئی قدر نہ ہوگی۔ نسب ناموں کا کوئی سوال نہ ہوگا۔ ہاں

دنیا میں توبہ کرنے والے ایمان اور نیکی کے ساتھ زندگی گزارنے والے تو بے شک فلاح اور نجات حاصل کرلیں گے یہاں عسیٰ یقین کے معنی میں ہے یعنی مومن ضرور کامیاب ہوں گے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولٰى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۷۰﴾

تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور چن کر مختار کرلیتا ہے ان میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں اللہ ہی کے لئے پاکی ہے۔ وہ بلند تر ہے ہر اس چیز سے کہ لوگ شریک کرتے ہیں O ان کے سینے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں تیرا رب سب کچھ جانتا ہے۔ وہی اللہ ہے O اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اسی کے لئے فرماں روائی ہے اور اسی کی طرف تم سب پھیرے جاؤ گے O

صفات الٰہی: ☆☆ (آیت: ۶۸-۷۰) ساری مخلوق کا خالق تمام اختیارات والا اللہ ہی ہے۔ نہ اس میں کوئی اس سے جھگڑنے والا نہ اس کا شریک وساتھی۔ جو چاہے پیدا کرے جسے چاہے اپنا خاص بندہ بنالے۔ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا ہو ہی نہیں سکتا۔ تمام امور سب خیر وشر اسی کے ہاتھ ہے۔ سب کی بازگشت اسی کی جانب ہے۔ کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ یہی لفظ اسی معنی میں آیت مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ میں ہے دونوں جگہ ما نافیہ ہے۔ گو ابن جریرؒ نے یہ کہا ہے کہ ما معنی میں الذی کے ہے یعنی اللہ پسند کرتا ہے اسے جس میں بھلائی ہو اور اسی معنی کو لے کر معتزلیوں نے مراعات صالحین پر استدلال کیا ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہاں ما نفی کے معنی میں ہے جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے۔ یہ آیت اسی بیان میں ہے کہ مخلوق کی پیدائش میں تقدیر کے مقرر کرنے میں اختیار رکھنے میں اللہ ہی اکیلا ہے اور نظیر سے پاک ہے۔ اسی لئے آیت کے خاتمہ پر فرمایا کہ جب بتوں وغیرہ کو وہ شریک الٰہی ٹھہرا رہے ہیں جو نہ کسی چیز کو بناسکیں نہ کسی طرح کا اختیار رکھیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان سب سے پاک اور بہت دور ہے۔ پھر فرمایا سینوں اور دلوں میں چھپی ہوئی باتیں بھی اللہ جانتا ہے اور وہ سب بھی اس پر اسی طرح ظاہر ہیں جس طرح کھلم کھلا اور ظاہر باتیں۔ پوشیدہ بات کہو یا اعلان سے کہو وہ سب کا عالم ہے رات میں اور دن میں جو ہو رہا ہے اس پر پوشیدہ نہیں۔ الوہیت میں بھی وہ یکتا ہے اس کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی طرف مخلوق اپنی حاجتیں لے جائے۔ جس سے مخلوق عاجزی کرے جو مخلوق کا ملجا و ماویٰ ہو جو عبادت کے لائق ہو۔ خالق ومختار رب مالک وہی ہے۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے سب لائق تعریف ہے۔ اس کا عدل وحکمت اسی کے ساتھ ہے۔ اس کے احکام کو کوئی رد نہیں کرسکتا۔ اس کے ارادوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ غلبہ حکمت رحمت اسی کی ذات پاک میں ہے۔ تم سب قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ وہ سب کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اس پر تمہارے کاموں میں سے کوئی کام چھپا ہوا نہیں۔ نیکوں کو جزا بدوں کو سزا وہ اس روز دے گا اور اپنی مخلوق میں فیصلے فرمائے گا۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿۷۱﴾ قُلْ

أَرَءَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٧٢﴾ وَمِن رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾

کہہ دے کہ دیکھو تو سہی اگر اللہ تعالٰی تم پر رات ہی رات قیامت تک برابر کر دے تو سوائے اللہ کے کون معبود ہے جو تمہارے پاس دن کی روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ○ پوچھ کہ یہ بھی بتا دو کہ اگر اللہ تعالٰی تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو بھی سوائے اللہ کے کوئی معبود ہے جو تمہارے پاس رات لا دے جس میں تم آرام حاصل کرو۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے؟ ○ اسی نے تو تمہارے لئے اپنے فضل وکرم سے دن رات مقرر کر دیئے ہیں کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کی بھیجی ہوئی روزی تلاش کرو۔ یہ اس لئے کہ تم شکریہ ادا کرو ○

سنی ان سنی نہ کرو: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۳) اللہ کا احسان دیکھو کہ بغیر تمہاری کوشش اور تدبیر کے دن اور رات برابر آگے پیچھے آ رہے ہیں۔ اگر رات ہی رات رہے تو تم عاجز آ جاؤ، تمہارے کام رک جائیں، تم پر زندگی وبال ہو جائے، تم تھک جاؤ، اکتا جاؤ، کسی کو نہ پاؤ جو تمہارے لئے دن نکال سکے کہ تم اس کی روشنی میں چلو پھرو، دیکھو بھالو، اپنے کام کاج کر لو۔ افسوس تم سن سنا کر بھی بے سنا کر دیتے ہو۔ اسی طرح اگر وہ تم پر دن ہی دن کو روک دے، رات آئے ہی نہیں تو بھی تمہاری زندگی تلخ ہو جائے۔ بدن کا انتظام الٹ پلٹ ہو جائے، تھک جاؤ، تنگ ہو جاؤ۔ کوئی نہیں جسے قدرت ہو کہ وہ رات لا سکے جس میں تم راحت وآرام حاصل کر سکو لیکن تم آنکھیں رکھتے ہوئے اللہ کی ان نشانیوں اور مہربانیوں کو دیکھتے ہی نہیں ہو۔ یہ بھی اسی کا احسان ہے کہ اس نے دن رات دونوں پیدا کر دیئے ہیں کہ رات کو تمہیں سکون وآرام حاصل ہو اور دن کو تم کام کاج، تجارت، زراعت، سفر، شغل کر سکو۔ تمہیں چاہئے کہ تم اس مالک حقیقی، اس قادر مطلق کا شکر ادا کرو، رات کو اس کی عبادتیں کرو۔ رات کے قصور کی تلافی دن میں اور دن کے قصوروں کی تلافی رات میں کر لیا کرو۔ یہ مختلف چیزیں قدرت کے نمونے ہیں اور اس لئے ہیں کہ تم نصیحت وعبرت سیکھو اور رب کا شکر کرو۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٧٤﴾ وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٧٥﴾ إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوأُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾

ع ۱۵

جس دن انہیں پکار کر اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ جنہیں تم میرے شریک خیال کرتے تھے، وہ کہاں ہیں؟ ○ اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ الگ کر لیں گے اور فرما دیں گے، اپنی دلیلیں پیش کرو، اس وقت جان لیں گے کہ حق اللہ کی طرف ہے اور جو کچھ افترا وہ جوڑتے تھے، سب ان کے پاس سے کھو جائے گا ○ قارون تھا تو قوم

موسیٰ سے لیکن ان پر ظلم کرنے لگا تھا۔ ہم نے اسے اس قدر خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقت ور لوگ بہ مشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے۔ ایک بار اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اترا مت' اللہ تعالیٰ اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا ○

افترا بندی چھوڑ دو: ☆☆ (آیت: ۷۴-۷۵) مشرکوں کو دوسری دفعہ ڈانٹ کھلائی جائے گی اور فرمایا جائے گا کہ دنیا میں جنہیں میرا شریک ٹھہرا رہے تھے' وہ آج کہاں ہیں؟ ہر امت میں سے ایک گواہ یعنی اس امت کا پیغمبر ممتاز کر لیا جائے گا۔ مشرکوں سے کہا جائے گا' اپنے شرک کی کوئی دلیل پیش کرو۔ اس وقت یہ یقین کر لیں گے کہ فی الواقع عبادتوں کے لائق اللہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ کوئی جواب نہ دے سکے گا' حیران رہ جائیں گے اور تمام افترا بھول جائیں گے۔

قارون: ☆☆ (آیت: ۷۶) مروی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا لڑکا تھا۔ اس کا نسب یہ ہے قارون بن یصہر بن قاہیث اور موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے موسیٰ علیہ السلام بن عمران بن قاہیث ۔ ابن اسحاق کی تحقیق ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا۔ لیکن اکثر علماء چچا کا لڑکا بتاتے ہیں۔ یہ بہت خوش آواز تھا' تورات بڑی خوش الحانی سے پڑھتا تھا۔ اس لئے اسے لوگ منور کہتے تھے۔ لیکن جس طرح سامری نے منافق پنا کیا تھا' یہ اللہ کا دشمن بھی منافق ہو گیا تھا۔ چونکہ بہت مال دار تھا' اس لئے بھول گیا تھا اور اللہ کو بھول بیٹھا تھا۔ قوم میں عام طور پر جس لباس کا دستور تھا' اس نے اس سے بالشت بھر نیچا لباس بنوایا تھا جس سے اس کا غرور اور اس کی دولت ظاہر ہو۔ اس کے پاس اس قدر مال تھا کہ اس خزانے کی کنجیاں اٹھانے پر قوی مردوں کی ایک جماعت مقرر تھی۔ اس کے بہت سے خزانے تھے۔ ہر خزانے کی کنجی الگ تھی جو بالشت بھر کی تھی۔ جب یہ کنجیاں اس کی سواری کے ساتھ خچروں پر لادی جاتیں تو اس کے لئے ساٹھ پنج کلیاں خچر مقرر ہوتے واللہ اعلم۔

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٧٧﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٧٨﴾

اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے' اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے' تو بھی سلوک کرتا رہ اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ رہا کر' یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے ○ قارون کہنے لگا کہ یہ سب کچھ مجھے میری اپنی عقل و سمجھ کی بناء پر ہی دیا گیا ہے' کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی بستی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے' گنہگاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس ایسے وقت نہیں کی جاتی ○

(آیت: ۷۷) قوم کے بزرگ اور نیک لوگوں اور عالموں نے جب اس کی سرکشی اور تکبر حد سے بڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے نصیحت کی کہ اتنا اکڑ نہیں' اس قدر غرور نہ کر' اللہ کا ناشکرا نہ بن' ورنہ اللہ کی محبت سے دور ہو جاؤ گے۔ قوم کے واعظوں نے کہا کہ یہ جو اللہ کی نعمتیں

تیرے پاس ہیں' انہیں اللہ کی رضامندی کے کاموں میں خرچ کر' تا کہ آخرت میں بھی تیرا حصہ ہو جائے۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ دنیا میں کچھ عیش وعشرت کر ہی نہیں۔ نہیں' اچھا کھا' اچھا پی' پہن' اوڑھ' جائز نعمتوں سے فائدہ اٹھا' نکاح سے راحت اٹھا' حلال چیزیں برت' لیکن جہاں اپنا خیال رکھ وہاں مسکینوں کا بھی خیال رکھ' جہاں اپنے نفس کو نہ بھول' وہاں اللہ کے حق بھی فراموش نہ کر۔ تیرے نفس کا بھی حق ہے' تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے' تیرے بال بچوں کا بھی تجھ پر حق ہے' مسکین غریب کا بھی تیرے مال میں ساجھا ہے۔ ہر حق دار کا حق ادا کر اور جیسے اللہ نے تیرے ساتھ سلوک کیا' تو اوروں کے ساتھ سلوک واحسان کر' اپنے اس مفسدانہ رویہ کو بدل ڈال' اللہ کی مخلوق کی ایذا رسانی سے باز آ جا۔ اللہ فسادیوں سے محبت نہیں رکھتا۔

اپنی عقل ودانش پہ مغرور قارون: ☆☆ (آیت:۷۸) قوم کے علماء کی نصیحتوں کو سن کر قارون نے جو جواب دیا' اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس نے کہا آپ اپنی نصیحتوں کو رہنے دیجئے' میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ نے مجھے جو دے رکھا ہے' اسی کا مستحق میں تھا' میں ایک عقلمند' زیرک' دانا شخص ہوں' میں اسی قابل ہوں اور اسے اللہ بھی جانتا ہے' اسی لئے اس نے مجھے یہ دولت دی ہے۔ بعض انسانوں کا یہ خاصہ ہوتا ہے جیسے انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تب تو بڑی عاجزی سے' ہمیں پکارتا ہے اور جب انسان کو کوئی نعمت وراحت اسے ہم دے دیتے ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ یعنی اللہ جانتا تھا کہ میں اس کا مستحق ہوں' اس لئے اس نے مجھے یہ دیا ہے اور آیت میں ہے کہ اگر ہم اسے کوئی رحمت چکھائیں' اس کے بعد جب اسے مصیبت پہنچتی ہو تو کہہ اٹھتا ہے کہ هٰذَا لِي اس کا حقدار تو میں تھا ہی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے' قارون علم کیمیا جانتا تھا لیکن یہ قول بالکل ضعیف ہے۔ بلکہ کیمیا کا علم فی الواقع ہے ہی نہیں۔ کیونکہ کسی چیز کے عین کو بدل دینا' یہ اللہ ہی کی بات ہے جس پر کوئی اور قادر نہیں۔ فرمان الٰہی ہے کہ اگر تمام مخلوق بھی جمع ہو جائے تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے' اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو کوشش کرتا ہے کہ میری طرح پیدائش کرے۔ اگر وہ سچا ہے تو ایک ذرہ' ایک جو ہی بنا دے۔ یہ حدیث ان کے بارے میں ہے جو تصویریں اتارتے ہیں اور صرف ظاہر صورت کی نقل کرتے ہیں۔ ان کے لئے تو یہ فرمایا۔ پھر دعویٰ کرے کہ وہ کیمیا جانتا ہے اور ایک چیز کی کایا پلٹ کر سکتا ہے' ایک ذات سے دوسری ذات بنا دیتا ہے' مثلاً لوہے کو سونا وغیرہ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ محض جھوٹ ہے اور بالکل محال ہے اور جہالت وضلالت ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ رنگ وغیرہ بدل کر دھوکے بازی کرے۔ لیکن حقیقتاً یہ ناممکن ہے۔ یہ کیمیاگر جو محض جھوٹے' جاہل' فاسق اور مفتری ہیں' یہ محض دعوے کر کے مخلوق کو دھوکے میں ڈالنے والے ہیں۔ ہاں یہ خیال رہے کہ بعض اولیاء کرام کے ہاتھوں جو کرامتیں سرزد ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی چیزیں تبدیل ہو جاتی ہیں' ان کا ہمیں انکار نہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے ان پر ایک خاص فضل ہوتا ہے اور وہ بھی ان کے بس کا نہیں ہوتا' نہ ان کے قبضے کا ہوتا ہے' نہ وہ کوئی کاری گری' صنعت یا علم ہے۔ وہ محض اللہ کے فرمان کا نتیجہ ہے جو اللہ اپنے فرمانبردار' نیک کار بندوں کے ہاتھوں اپنی مخلوق کو دکھا دیتا ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت حیوہ بن شریح مصریؒ سے ایک مرتبہ کسی سائل نے سوال کیا اور آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور اس کی حاجت مندی اور ضرورت کو دیکھ کر آپ دل میں بہت آزردہ ہو رہے تھے۔ آخر آپ نے ایک کنکر زمین سے اٹھا لیا اور کچھ دیر اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ کر کے فقیر کی جھولی میں ڈال دیا تو وہ سونے کا ڈلا بن گیا۔ معجزے اور کرامات' احادیث اور آثار میں اور بھی بہت سے مروی ہیں۔ جنہیں یہاں بیان کرنا باعث طول ہوگا۔ بعض کا قول ہے کہ قارون اسم اعظم جانتا تھا جسے پڑھ کر اس نے اپنی مالداری کی دعا کی تو اس قدر دولت مند ہو گیا۔ قارون کے اس جواب کے رد میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ غلط ہے کہ میں جس پر مہربان ہوتا ہوں' اسے دولت مند کر دیتا ہوں' نہیں اس سے پہلے اس سے زیادہ دولت اور آسودہ حال لوگوں کو میں نے تباہ کر دیا ہے تو یہ سمجھ لینا کہ مالداری میری محبت کی نشانی ہے' محض

غلط ہے۔ جو میرا شکر ادا نہ کرے، کفر پر جما رہے اس کا انجام بد ہوتا ہے۔ گناہ گاروں کے کثرت گناہ کی وجہ سے، پھر ان سے ان کے گناہوں کا سوال بھی عبث ہوتا۔ اس کا خیال تھا کہ مجھ میں خیریت ہے اس لئے اللہ کا یہ فضل مجھ پر ہوا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں اس مال داری کا اہل ہوں، اگر اللہ مجھ سے خوش نہ ہوتا اور مجھے اچھا آدمی نہ جانتا تو مجھے اپنی یہ نعمت بھی نہ دیتا۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

قدرت کی قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا، تو زندگانی دنیا کے متوالے کہنے لگے، کاش کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے ○ ذی علم لوگ انہیں سمجھانے لگے کہ افسوس بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انہیں ملے گی، جو اللہ پر ایمان لائیں اور مطابق سنت عمل کریں، یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر و سہار والے ہوں ○

سامان تعیش کی فراوانی: ☆☆ (آیت: ۷۹-۸۰) قارون ایک دن نہایت قیمتی پوشاک پہن کر زرق برق عمدہ سواری پر سوار ہو کر اپنے غلاموں کو آگے پیچھے بیش بہا پوشاکیں پہنائے ہوئے لے کر بڑے ٹھاٹھ سے اتراتا اور اکڑتا ہوا نکلا، اس کا یہ ٹھاٹھ اور یہ زینت و تجمل دیکھ کر دنیا داروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور کہنے لگے کاش کہ ہمارے پاس بھی اس جتنا مال ہوتا۔ یہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور بڑی قسمت والا ہے۔ علماء کرام نے ان کی یہ بات سن کر انہیں اس خیال سے روکنا چاہا اور انہیں سمجھانے لگے کہ دیکھو اللہ نے جو کچھ اپنے مومن اور نیک بندوں کے لئے اپنے ہاں تیار کر رکھا ہے، وہ اس سے کروڑھا درجہ بارونق، دیرپا اور عمدہ ہے۔ تمہیں ان درجات کو حاصل کرنے کے لئے اس دو روزہ زندگی کو صبر و برداشت سے گزارنا چاہئے۔ جنت صابروں کا حصہ ہے۔ یہ مطلب بھی ہے کہ ایسے پاک کلمے صبر کرنے والوں کی زبان ہی سے نکلتے ہیں جو دنیا کی محبت سے دور اور دار آخرت کی محبت میں چور ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ممکن ہے کہ یہ کلام ان واعظوں کا نہ ہو بلکہ ان کے کلام کی اور ان کی تعریف میں یہ جملہ اللہ کی طرف سے خبر ہو۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ ۚ لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۸

آخرش ہم نے اسے اس کی محل سرا سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لئے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا ○ اور جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزومندیاں کر رہے تھے وہ آج کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے

چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا' کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ملتی ۝

ایک بالشت کا آدمی؟ ☆☆ (آیت:۸۱-۸۲) اور قارون کی سرکشی بے ایمانی کا ذکر ہو چکا' یہاں اس کے انجام کا بیان ہو رہا ہے- ایک حدیث میں ہے' حضورؐ نے فرمایا' ایک شخص اپنا تہمد لٹکائے فخر سے جا رہا تھا کہ اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے نگل جا- کتاب العجائب میں نوفل بن مساحق کہتے ہیں' نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا' بڑا لمبا چوڑا' بھرپور جوانی کے نشہ میں چور' گٹھے ہوئے بدن والا' بانکا ترچھا' اچھے رنگ والا' خوبصورت' شکیل- میں نگاہیں جما کر اس کے جمال و کمال کو دیکھنے لگا تو اس نے کہا' کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا' آپ کے حسن و جمال کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور تعجب معلوم ہو رہا ہے- اس نے جواب دیا کہ تو ہی کیا' خود اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب ہے- نوفل کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے کہتے ہی وہ گھٹنے لگا اور اس کا رنگ روپ اڑنے لگا اور قد پست ہونے لگا' یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے رہ گیا- آخر کار اس کا کوئی قریبی رشتہ دار آستین میں ڈال کر لے گیا- یہ بھی مذکور ہے کہ قارون کی ہلاکت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے ہوئی تھی اور اس کے سبب میں بہت کچھ اختلاف ہے- ایک سبب تو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قارون ملعون نے ایک فاحشہ عورت کو بہت کچھ مال متاع دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ عین اس وقت جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ بنی اسرائیل میں کھڑے خطبہ کہہ رہے ہوں' وہ آئے اور آپ سے کہے کہ تو وہی ہے نا جس نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا- اس عورت نے یہی کیا- حضرت موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے اور اسی وقت نماز کی نیت باندھ لی اور دو رکعت ادا کر کے اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے' تجھے اس اللہ کی قسم جس نے سمندر میں سے راستہ دیا اور تیری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی اور بھی بہت سے احسانات کئے' تو جو سچا واقعہ ہے' اسے بیان کر- یہ سن کر اس عورت کا رنگ بدل گیا اور اس نے صحیح واقعہ سب کے سامنے بیان کر دیا اور اللہ سے استغفار کیا اور سچے دل سے توبہ کر لی- حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر سجدے میں گر گئے اور قارون کی سزا چاہی- اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ میں نے زمین کو تیرے تابع کر دیا ہے- آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور زمین سے کہا کہ تو اسے اور اس کے محل کو نگل لے- زمین نے یہی کیا- دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب قارون کی سواری اس طمطراق سے نکلی' سفید قیمتی خچر پر بیش بہا پوشاک پہنے سوار تھا' اس کے غلام بھی سب کے سب ریشمی لباسوں میں تھے-

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ پڑھ رہے تھے- بنو اسرائیل کا مجمع تھا- یہ جب وہاں سے نکلا تو سب کی نگاہیں اس پر اور اس کی دھوم دھام پر لگ گئیں- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھ کر پوچھا' آج اس طرح کیسے نکلے ہو؟ اس نے کہا' بات یہ ہے کہ ایک بات اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے- اور ایک فضیلت مجھے دے رکھی ہے- اگر تمہارے پاس نبوت ہے تو میرے پاس یہ جاہ و حشم ہے اور اگر آپ کو میری فضیلت میں شک ہو تو میں تیار ہوں کہ آپ اور میں چلیں اور اللہ سے دعا کریں- دیکھ لیجئے کہ اللہ کس کی دعا قبول فرماتا ہے- آپ اس بات پر آمادہ ہو گئے اور اسے لے کر چلے- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' لے اب پہلے میں دعا کروں یا تو کرتا ہے؟ اس نے کہا- نہیں میں کروں گا- اب اس نے دعا مانگنی شروع کی' ختم کر لی لیکن قبول نہ ہوئی- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا' اب میں دعا کرتا ہوں- اس نے کہا' ہاں کیجئے- آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ زمین کو حکم کر کہ جو میں کہوں' مان لے' اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وحی آئی کہ میں نے زمین کو تیری اطاعت کا حکم دے دیا ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر زمین سے فرمایا' اے زمین! اسے اور اس کے لوگوں کو پکڑ لے' وہیں یہ لوگ اپنے قدموں تک زمین میں دھنس گئے آپ نے فرمایا اور پکڑ لے- یہ اپنے گھٹنوں تک دھنس گئے- آپ نے فرمایا اور پکڑ- یہ مونڈھوں تک زمین میں دھنس گئے- پھر فرمایا' ان کے خزانے اور ان کے مال بھی یہیں لے آ- اسی وقت ان کے کل خزانے اور تمام مال آ گئے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے ان سب کو دیکھ لیا' پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان کو ان کے خزانوں سمیت

اپنے اندر کر لے' اسی وقت یہ سب غارت ہو گئے اور زمین جیسی تھی ویسی ہی ہو گئی۔

مروی ہے کہ ساتویں زمین تک یہ لوگ بقدر قد انسان نیچے کی طرف دھنستے جا رہے ہیں' قیامت تک اسی عذاب میں رہیں گے۔ یہاں پر اور بھی بنی اسرائیلی روایتیں بہت سی ہیں لیکن ہم نے ان کا بیان چھوڑ دیا ہے۔ نہ تو مال انہیں کام آیا' نہ جاہ وحشمت' نہ دولت وتمکنت' نہ کوئی ان کی مدد کے لیے اٹھا' نہ یہ خود اپنا کوئی بچاؤ کر سکے۔ تباہ ہو گئے' بے نشان ہو گئے' مٹ گئے اور مٹا دیئے گئے (اعاذنا اللہ) اس وقت تو ان لوگوں کی بھی آنکھیں کھل گئی جو قارون کے مال کو اور اس کی عزت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتے تھے اور اسے نصیب دار سمجھ کر لمبے سانس لیا کرتے تھے اور رشک کرتے تھے کہ کاش کہ ہم ایسا دولت مند ہوتے۔ وہ کہنے لگے اب دیکھ لیا کہ واقعی سچ ہے' دولت مند ہونا کچھ اللہ کی رضا مندی کا سبب نہیں' یہ اللہ کی حکمت ہے جسے چاہے زیادہ دے جسے چاہے کم دے۔ جس پر چاہے وسعت کرے جس میں چاہے تنگی کرے۔ اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں اخلاق کی بھی اسی طرح تقسیم کی ہے جس طرح روزی کی۔ مال تو اللہ کی طرف سے اس کے دوستوں کو بھی ملتا ہے اور اس کے دشمنوں کو بھی۔ البتہ ایمان اللہ کی طرف سے اسی کو ملتا ہے جسے اللہ چاہتا ہو۔ قارون کے اس دھنسائے جانے کو دیکھ کر وہ جو اس جیسا بننے کی امیدیں کر رہے تھے' کہنے لگے کہ اگر اللہ کا لطف واحسان ہم پر نہ ہوتا تو ہماری اس تمنا کے بدلے جو ہمارے دل میں تھی کہ کاش کہ ہم بھی ایسے ہی ہوتے' آج اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کے ساتھ دھنسا دیتا۔ وہ کافر تھا اور کافر اللہ کے ہاں فلاح کے لائق نہیں ہوتے۔ نہ انہیں دنیا میں کامیابی ملے نہ آخرت میں ہی وہ چھٹکارا پائیں۔ نحوی کہتے ہیں وَیْکَاَنَّ کے معنی وَیْلَكَ اِعْلَمْ اَنَّ ہیں لیکن مخفف کر کے وَیْكَ رہ گیا اور ان کے فتح نے اِعْلَمْ کے محذوف ہونے پر دلالت کر دی۔ لیکن اس قول کو امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے ضعیف بتایا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں یہ ضعیف کہنا ٹھیک نہیں۔ قرآن کریم میں اس کتابت کا ایک ساتھ ہونا اس کے ضعیف ہونے کی وجہ نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ کتابت کا طریقہ تو اختراعی امر ہے' جو رواج پا گیا' وہی معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اس سے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واللہ اعلم۔ دوسرے معنی اس کے اَلَمْ تَرَاَنَّ کے لئے گئے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اسی طرح دو لفظ ہیں وَیْ اور کَاَنَّ۔ حرف وَیْ تعجب کے لیے ہے یا تنبیہہ کے لیے اور کان معنی میں اَظُنُّ کے ہے۔ ان تمام اقوال میں قوی قول یہ ہے کہ یہ معنی میں اَلَمْ تَرَ کے ہے یعنی کیا نہ دیکھا تو نے جیسے کہ حضرت قتادہؒ کا قول ہے اور یہی معنی عربی شعر میں بھی مراد لئے گئے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کے لئے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ پرہیزگاروں کے لئے نہایت ہی عمدہ انجام ہے ○ جو شخص نیکی لائے گا' اسے اس سے بہت بہتر ملے گا' اور جو برائی لے کر آئے گا تو ایسے بداعمال کرنے والوں کو ان کے انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے ○

جنت اور آخرت: ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۴) فرماتا ہے کہ جنت اور آخرت کی نعمت صرف انہی کو ملے گی جن کے دل خوف الٰہی سے

بھرے ہوئے ہوں اور دنیا کی زندگی تواضع' فروتنی' عاجزی اور اخلاق کے ساتھ گزار دیں۔ کسی پر اپنے آپ کو اونچا اور بڑا نہ سمجھیں' ادھر ادھر فساد نہ پھیلائیں' سرکشی اور برائی نہ کریں' کسی کا مال ناحق نہ ماریں' اللہ کی زمین پر اللہ کی نافرمانیاں نہ کریں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جسے یہ بات اچھی لگے کہ اس کی جوتی کا تسمہ اپنے ساتھی کی جوتی کے تسمے سے اچھا ہو تو وہ بھی اسی آیت میں داخل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ فخر و غرور کرے۔ اور اگر صرف بطور زیبائش کے چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے کہا' یارسول اللہ! میری تو یہ خوشی رہتی ہے کہ میری چادر بھی اچھی ہو' میری جوتی بھی اچھی ہو تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ نے فرمایا' نہیں نہیں' یہ تو خوبصورتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ پھر فرمایا' جو ہمارے پاس نیکی لائے گا' وہ بہت سی نیکیوں کا ثواب پائے گا۔ یہ مقام فضل ہے اور برائی کا بدلہ صرف اسی کے مطابق سزا ہے' یہ مقام عدل ہے۔ اور آیت میں ہے وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ الخ جو برائی لے کر آئے گا' وہ اوندھے منہ آگ میں جائے گا۔ تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾

جس اللہ نے تجھ پر قرآن نازل فرمایا ہے' وہ تجھے دوبارہ پہلی جگہ لانے والا ہے' کہہ دے کہ میرا رب اسے بھی بخوبی جانتا ہے جو ہدایت لایا ہے اور اسے جو کھلی گمراہی میں ہے O تجھے تو کبھی اس کا خیال بھی نہ گزرا تھا کہ تیری طرف کتاب نازل فرمائی جائے گی لیکن تیرے رب کی مہربانی سے یہ اترا۔ اب تجھے ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا چاہیے O

جو کرو گے سو بھرو گے: ☆☆ (آیت: ۸۵-۸۶) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ؐ کو حکم فرماتا ہے کہ رسالت کی تبلیغ کرتے رہیں' لوگوں کو کلام اللہ سناتے رہیں' اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کی طرف واپس لے جانے والا ہے اور وہاں نبوت کی بت پرسش ہو گی۔ جیسے فرمان ہے۔ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ یعنی امتوں سے اور رسولوں سے سب سے ہم دریافت فرمائیں گے اور آیت میں ہے رسولوں کو جمع کر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ اور آیت میں ہے' نبیوں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا۔ معاد سے مراد جنت بھی ہو سکتی ہے' موت بھی ہو سکتی ہے۔ دوبارہ کی زندگی بھی ہو سکتی ہے کہ دوبارہ پیدا ہوں اور داخل جنت ہوں۔ صحیح بخاری میں ہے' اس سے مراد مکہ ہے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مکہ ہے جو آپ کی جائے پیدائش تھی۔

ضحاک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جب حضور ؐ مکہ سے نکلے' ابھی جحفہ ہی میں تھے جو آپ کے دل میں مکے کا شوق پیدا ہوا۔ پس یہ آیت اتری اور آپ سے وعدہ ہوا کہ آپ واپس مکے پہنچائے جائیں گے۔ اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہو حالانکہ پوری سورت مکی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے۔ شاید اس کہنے والے کی غرض اس سے بھی قیامت ہے اس لیے کہ بیت المقدس ہی محشر کی زمین ہے۔ ان تمام اقوال میں جمع کی صورت یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کبھی تو آپ کے مکے کی طرف لوٹنے سے اس کی تفسیر کی ہے جو فتح مکہ سے پوری ہوئی۔ اور یہ حضور ؐ کی عمر کے پورا ہونے کی ایک زبردست علامت تھی۔ جیسے کہ آپ نے سورۂ إِذَا جَآءَ کی تفسیر میں فرمایا ہے' جس کی عمر ؓ نے بھی موافقت کی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ تو جو جانتا ہے' وہی میں بھی جانتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ انہی سے اس

آیت کی تفسیر میں جہاں مکہ مروی ہے وہاں حضورؐ کا انتقال بھی مروی ہے اور کبھی قیامت سے تفسیر کی کیونکہ موت کے بعد قیامت ہے اور کبھی جنت سے تفسیر کی جو آپؐ کا ٹھکانا ہے اور آپؐ کی تبلیغ رسالت کا بدل ہے کہ آپؐ نے جن وانس کو اللہ کے دین کی دعوت دی اور آپ تمام مخلوق سے زیادہ کامل' زیادہ فصیح اور زیادہ افضل تھے۔

پھر فرمایا کہ اپنے مخالفین سے اور جھٹلانے والوں سے کہہ دو کہ ہم میں سے ہدایت والوں کو اور گمراہی والوں کو اللہ بخوبی جانتا ہے۔ تم دیکھ لوگے کہ کس کا انجام بہتر ہوتا ہے؟ اور دنیا اور آخرت میں بہتری اور بھلائی کس کے حصے میں آتی ہے؟ پھر اپنی ایک اور زبردست نعمت بیان فرماتا ہے کہ وحی کے اترنے سے پہلے آپ کو کبھی یہ خیال بھی نہ گذرتا تھا کہ آپ پر کتاب اللہ نازل ہوگی۔ یہ تو تجھ پر اور تمام مخلوق پر رب کی رحمت ہوئی کہ اس نے تجھ پر اپنی پاک اور افضل کتاب نازل فرمائی۔ اب تمہیں ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا چاہئے بلکہ ان سے الگ رہنا چاہئے۔ ان سے بیزاری ظاہر کر دینی چاہیے اور ان سے مخالفت کا اعلان کر دینا چاہیے۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

ع ۹ / ۶

خیال رکھ کہ یہ کفار تجھے اللہ کی آیتوں کی تبلیغ سے روک نہ دیں۔ اس کے بعد کہ یہ تیری جانب اتاری گئیں تو اپنے رب کی طرف بلاتا رہ اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ○ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارنا' بجز اللہ کے کوئی اور معبود نہیں۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے مگر اسی کا منہ' اسی کیلئے فرمانروائی ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

(آیت: ۸۷-۸۸) پھر فرمایا کہ اللہ کی اتری ہوئی آیتوں سے یہ لوگ کہیں تجھے روک نہ دیں یعنی جو تیرے دین کی مخالفت کرتے ہیں اور لوگوں کو تیری تابعداری سے روکتے ہیں تو اس سے اثر پذیر نہ ہونا' اپنے کام پر لگے رہنا' اللہ تیرے کلمے کو بلند کرنے والا ہے' تیرے دین کی تائید کرنے والا ہے' تیری رسالت کو غالب کرنے والا ہے۔ تمام دینوں پر تیرے دین کو اونچا کرنے والا ہے۔ تو اپنے رب کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتا رہ جو اکیلا اور لاشریک ہے۔ تجھے نہیں چاہیے کہ مشرکوں کو ساتھ دے۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکار۔ عبادت کے لائق وہی ہے۔ الوہیت کے قابل اسی کی عظیم الشان ذات ہے' وہی دائم اور باقی ہے۔ حی و قیوم ہے۔ تمام مخلوق مر جائے گی اور وہ موت سے دور ہے۔ جیسے فرمایا كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ جو بھی یہاں پر ہے' فانی ہے۔ تیرے رب کا چہرہ ہی باقی رہ جائے گا جو جلالت و کرامت والا ہے۔ وجہ سے مراد ذات ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سب سے زیادہ سچا کلمہ لبید شاعر کا ہے جو اس نے کہا ہے اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ یاد رکھو کہ اللہ کے سوا سب کچھ باطل ہے۔ مجاہدؒ و ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہر چیز باطل ہے مگر وہ کام جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیے جائیں' ان کا ثواب رہ جاتا ہے۔ شاعروں کے شعروں میں بھی وجہ کا لفظ اس مطلب کے لیے استعمال کیا گیا۔ ملاحظہ ہو

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ذَنْبًا لَسْتُ مُحْصِيَهٗ   رَبَّ الْعِبَادِ اِلَيْهِ الْوَجْهُ وَالْعَمَلُ

میں اللہ سے جو تمام بندوں کا رب ہے' جس کی طرف توجہ اور قصد ہے اور جس کے لیے عمل ہیں' اپنے ان تمام گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں

جنہیں میں شمار بھی نہیں کر سکتا۔ یہ قول پہلے قول کے خلاف نہیں۔ یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ انسان کے تمام اعمال اکارت ہیں صرف ان ہی نیکیوں کے بدلے کا مستحق ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کی ہوں۔

اور پہلے قول کا مطلب بھی بالکل صحیح ہے کہ سب جاندار فانی اور زائل ہیں۔ صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو فنا اور زوال سے بالاتر ہے۔ وہی اول و آخر ہے۔ ہر چیز سے پہلے تھا اور ہر چیز کے بعد رہے گا۔ مروی ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دل کو مضبوط کرنا چاہتے تھے تو جنگل میں کسی کھنڈر کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور دردناک آواز سے کہتے کہ اس کے بانی کہاں ہیں؟ پھر خود جواب میں یہی آیت پڑھتے ۔ حکم و ملک اور ملکیت صرف اسی کی ہے' مالک و متصرف وہی ہے۔ اس کے حکم احکام کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ روز جزا سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ وہ سب کو ان کی نیکیوں اور بدیوں کا بدلہ دے گا۔ نیک کو نیک بدلہ اور برے کو بری سزا۔ الحمدللہ سورۂ قصص کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة العنکبوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾

اس اللہ کے نام سے شروع جس سے بڑا نہ کوئی مہربان نہ رحم والا

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں' ہم انہیں بغیر آزمائے ہی چھوڑ دیں گے؟ ○ ان سے اگلوں کو بھی ہم نے خوب جانچا یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انہیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں ○ کیا جو لوگ برائیاں کر رہے ہیں' انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائیں گے' یہ لوگ کیسی بری تجویزیں کر رہے ہیں ○

(آیت: ۱-۴) حروف مقطعہ کی بحث سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں گزر چکی ہے۔

امتحان اور مومن: ☆☆ پھر فرماتا ہے' یہ ناممکن ہے کہ مومنوں کو بھی امتحان سے چھوڑ دیا جائے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ سخت امتحان نبیوں کا ہوتا ہے۔ پھر صالح نیک لوگوں کا' پھر ان سے کم درجے والے' پھر ان سے کم درجے والے۔ انسان کا امتحان اس کے دین کے اندازے پر ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں سخت ہے تو مصیبتیں بھی سخت نازل ہوتی ہیں۔ اسی مضمون کا بیان اس آیت میں بھی ہے ام حَسِبْتُمْ اَنْ تدخلوا الجنة وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے مجاہد کون ہے؟ اور صابر کون ہے؟ اسی طرح سورۂ برات اور سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے کہ کیا تم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ تم جنت میں یونہی چلے جاؤ گے؟ اور اگلے لوگوں جیسے سخت امتحان کے موقعے تم پر نہ آئیں

گے۔ جیسے کہ انہیں بھوک' دکھ' درد وغیرہ پہنچے۔ یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ کے ایماندار بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کہاں ہے؟ یقین مانو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔ یہاں بھی فرمایا' ان سے اگلے مسلمانوں کی بھی جانچ پڑتال کی گئی' انہیں بھی سرد و گرم چکھایا گیا تا کہ جو اپنے دعوے میں سچے ہیں اور جو صرف زبانی دعوے کرتے ہیں ان میں تمیز ہو جائے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ اسے جانتا تھا۔ وہ ہر ہو چکی بات کو اور ہونے والی بات کو برابر جانتا ہے۔ اس پر اہل سنت والجماعت کے تمام اماموں کا اجماع ہے۔ پس یہاں علم روایت یعنی دیکھنے کے معنی میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ لِنَعْلَمَ کے معنی لنری کرتے ہیں کیونکہ دیکھنے کا تعلق موجود چیزوں سے ہوتا ہے اور علم اس سے عام ہے۔ پھر فرمایا ہے' جو ایمان نہیں لائے' وہ بھی یہ گمان نہ کریں کہ امتحان سے بچ جائیں گے۔ بڑے بڑے عذاب اور سخت سزائیں ان کی تاک میں ہیں۔ یہ ہاتھ سے نکل نہیں سکتے' ہم سے آگے بڑھ نہیں سکتے۔ ان کے یہ گمان نہایت برے ہیں جن کا برا نتیجہ یہ عنقریب دیکھ لیں گے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۷

جسے اللہ کی ملاقات کی امید ہو پس اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت یقیناً آنے والا ہے' وہ سب کو سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے ○ ہر ایک کوشش کرنے والا اپنے ہی بھلے کی کوشش کرتا ہے' ویسے تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے ○ اور جن لوگوں نے یقین کیا اور مطابق سنت کام کئے ہم ان کے تمام گناہوں کو ان سے دور کر دیں گے اور انہیں ان کے نیک اعمال کے بہترین بدلے دیں گے ○

نیکیوں کی کوشش: ☆☆ (آیت: ۵-۷) جنہیں آخرت کے بدلوں کی امید ہے اور اسے سامنے رکھ کر وہ نیکیاں کرتے ہیں' ان کی امیدیں پوری ہوں گی اور انہیں نہ ختم ہونے والے ثواب ملیں گے۔ اللہ دعاؤں کا سننے والا اور کل کائنات کا جاننے والا ہے۔ اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت ٹلتا نہیں۔ پھر فرماتا ہے' ہر نیک عمل کرنے والا اپنا ہی نفع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال سے بے پرواہ ہے۔ اگر سارے انسان متقی بن جائیں تو اللہ کی سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' جہاد تلوار چلانے کا ہی نام نہیں۔ انسان نیکیوں کی کوشش میں لگا رہے' یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تمہاری نیکیاں اللہ کے کسی کام نہیں آتیں لیکن بہر حال اس کی یہ مہربانی ہے کہ وہ تمہیں نیکیوں پر بدلے دیتا ہے۔ ان کی وجہ سے تمہاری برائیاں معاف فرما دیتا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی قدر کرتا ہے اور اس پر بڑے سے بڑا اجر دیتا ہے۔ ایک ایک نیکی کا سات سات سو گنا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بدی کو یا تو بالکل ہی معاف فرما دیتا ہے یا اسی کے برابر سزا دیتا ہے۔ وہ ظلم سے پاک ہے' نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتا ہے۔ ایمانداروں کی سنت کے مطابق نیکیاں قبول فرماتا ہے' ان کے گناہوں سے درگزر کر لیتا ہے اور ان کے اچھے اعمال کا بدلہ عطا فرماتا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ﴿۹﴾

ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے ہاں اگر وہ یہ کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک کرلے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا، تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے۔ پھر میں ہر اس چیز سے جو تم کرتے تھے، تمہیں خبر دوں گا ○ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کئے انہیں میں اپنے نیک بندوں میں شمار کرلوں گا ○

انسان کا وجود: ☆☆ (آیت:۸-۹) پہلے اپنی توحید پر مضبوطی کے ساتھ کاربند رہنے کا حکم فرما کر اب ماں باپ کے سلوک واحسان کا حکم دیتا ہے کیونکہ انہی سے انسان کا وجود ہوتا ہے۔ باپ خرچ کرتا ہے اور پرورش کرتا ہے، ماں محبت رکھتی ہے اور پالتی ہے۔ دوسری آیت میں فرمان ہے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا الخ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کی پوری اطاعت کرو۔ ان دونوں کا یا ان میں سے ایک کا بڑھاپے کا زمانہ آ جائے تو انہیں اف بھی نہ کہنا، ڈانٹ ڈپٹ تو کہاں کی؟ بلکہ ان کے ساتھ ادب سے کلام کرنا اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھکے رہنا اور اللہ سے ان کے لیے دعا کرنا کہ اے اللہ ان پر ایسا ہی رحم کر جیسے یہ بچپن میں مجھ پر کیا کرتے تھے۔ لیکن ہاں یہ خیال رہے کہ اگر یہ شرک کی طرف بلائیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ سمجھ لو کہ ایک دن تمہیں میرے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ اس وقت میں اپنی پرستش کا اور میرے فرمان کے تحت ماں باپ کی اطاعت کرنے کا بدلہ دوں گا۔ اور نیک لوگوں کے ساتھ حشر کروں گا۔ اگر تم نے اپنے ماں باپ کی وہ باتیں نہیں مانیں جو میرے احکام کے خلاف نہیں تو وہ خواہ کیسے ہی ہوں، میں تمہیں ان سے الگ کرلوں گا۔ کیونکہ قیامت کے دن انسان اس کے ساتھ ہوگا جسے وہ دنیا میں چاہتا تھا۔ اسی لیے اس کے بعد ہی فرمایا کہ ایمان والوں اور نیک عمل والوں کو میں اپنے صالح بندوں میں ملا دوں گا۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں، میرے بارے میں چار آیتیں اتریں جن میں سے ایک آیت یہ بھی ہے۔ یہ اس لیے اتری کہ میری ماں نے مجھ سے کہا کہ اے سعد! کیا اللہ کا حکم میرے ساتھ نیکی کرنے کا نہیں؟ اگر تو نے آنحضرت ﷺ کی نبوت سے انکار نہ کیا تو واللہ میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی چنانچہ اس نے یہی کیا۔ یہاں تک کہ لوگ زبردستی اس کا منہ کھول کر غذا حلق میں پہنچا دیتے تھے۔ پس یہ آیت اتری۔ (ترمذی وغیرہ)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زبانی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں کوئی مشکل ان پر پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ کے عذاب کی طرح منا

لیتے ہیں' ہاں اگر اللہ کی مدد آ جائے تو پکار اٹھتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھی ہی ہیں' کیا دنیا جہان کے دلوں میں جو کچھ ہے' اس سے اللہ دانا نہیں؟ ○ جو لوگ ایمان لائے ہیں' اللہ انہیں بھی جان کر رہے گا اور منافقوں کو بھی جان کر ہی رہے گا ○ کافروں نے ایمانداروں سے کہا کہ تم ہماری راہ کی تابعداری کرو۔ تمہارے گناہ ہم اٹھالیں گے۔ حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں اٹھانے والے' یہ تو محض جھوٹے ہیں ○

مرتد ہونے والے: ☆☆ (آیت:۱۰-۱۱) ان منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے جو زبانی ایمان کا دعویٰ کر لیتے ہیں لیکن جہاں مخالفین کی طرف سے کوئی دکھ پہنچا' یہ اسے اللہ کا عذاب سمجھ کر مرتد ہو جاتے ہیں۔ یہی معنی حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے کئے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّعۡبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرۡفٍ الخ یعنی بعض لوگ ایک کنارے کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر راحت ملی تو مطمئن ہو گئے اور اگر مصیبت پہنچی تو منہ پھیر لیا۔ یہی بیان ہو رہا ہے کہ اگر حضورؐ کو کوئی غنیمت ملی' کوئی فتح ملی تو اپنا دیندار ہونا ظاہر کرنے لگتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے الَّذِیۡنَ یَتَرَبَّصُوۡنَ بِکُمۡ الخ وہ تمہیں دیکھتے رہتے ہیں' اگر فتح و نصرت ہوئی تو ہانک لگانے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں ہیں؟ اور اگر کافروں کی بن آئی تو ان سے اپنی ساز جتانے لگتے ہیں کہ دیکھو ہم نے تمہارا ساتھ دیا اور تمہیں بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے' کیا انہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ اللہ عالم الغیب ہے؟ وہ جہاں زبانی بات جانتا ہے' وہاں قلبی بات بھی اسے معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ بھلائیاں برائیاں پہنچا کر نیک و بد کو' مومن و منافق کو الگ الگ کر دے گا۔ نفس کے پرستار' نفع کے خواہاں یکسو ہو جائیں گے اور نفع نقصان میں ایمان کو نہ چھوڑنے والے ظاہر ہو جائیں گے۔ جیسے فرمایا وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ حَتّٰی نَعۡلَمَ الۡمُجٰهِدِیۡنَ مِنۡکُمۡ وَالصّٰبِرِیۡنَ الخ ہم تمہیں آزماتے رہا کریں گے یہاں تک کہ تم میں سے مجاہدین کو اور صابرین کو ہم دنیا کے سامنے ظاہر کر دیں اور تمہاری خبریں دیکھ بھال لیں۔ احد کے امتحان کا ذکر کر کے فرمایا کہ اللہ مومنوں کو جس حالت پر وہ تھے' رکھنے والا نہ تھا جب تک کہ خبیث و طیب کی تمیز نہ کرے۔

گناہ کسی کا اور سزا دوسرے کو: ☆☆ (آیت:۱۲) کفار قریش مسلمانوں کو بہکانے کے لیے ان سے یہ بھی کہتے تھے کہ تم ہمارے مذہب پر عمل کرو۔ اگر اس میں کوئی گناہ ہو تو وہ ہم پر۔ حالانکہ یہ اصولاً غلط ہے کہ کسی کا بوجھ کوئی اٹھائے۔ یہ بالکل دروغ گو ہیں۔ کوئی اپنے قرابتداروں کے گناہ بھی اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔ دوست دوست کو اس دن نہ پوچھے گا۔

وَلَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ ۟ وَلَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَمَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ع ۱۳

البتہ یہ اپنے بوجھ ڈھوئیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ ہی اور بوجھ بھی۔ اور جو کچھ افترا پردازیاں کر رہے ہیں' ان سب کی بابت ان سے باز پرس کی جائے گی ○

(آیت:۱۳) ہاں یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اٹھائیں گے اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا ہے' ان کے بوجھ بھی ان پر لادے جائیں گے مگر وہ گمراہ شدہ لوگ ہلکے نہ ہوں گے۔ ان کا بوجھ ان پر ہے۔ جیسے فرمان ہے لِیَحۡمِلُوۡۤا اَوۡزَارَهُمۡ الخ یعنی یہ اپنے کامل بوجھ اٹھائیں گے اور جنہیں بہکایا تھا' ان کے بہکانے کا گناہ بھی ان پر ہوگا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جو ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے قیامت تک جو لوگ اس ہدایت پر چلیں گے ان سب کو جتنا ثواب ہوگا' اتنا ہی اس ایک کو ہوگا لیکن ان کے ثوابوں میں سے گھٹ کر نہیں۔ اسی طرح جس نے برائی پھیلائی' اس پر جو بھی عمل پیرا ہوں' ان سب کو جتنا گناہ ہوگا اتنا ہی اس ایک کو ہوگا لیکن ان گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ اور حدیث میں ہے کہ زمین پر جتنی خونریزیاں ہوتی ہیں' حضرت آدمؑ کا وہ لڑکا جس نے اپنے بھائی کو ناحق قتل کر دیا تھا' اس پر اس خون کا

وبال پڑتا ہے اس لیے کہ قتل بے جا اسی سے شروع ہوا۔ اس بہتان جھوٹ افترا کی ان سے بروز قیامت باز پرس ہوگی۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضورؐ نے اللہ کی تمام رسالت پہنچا دی آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ظلم سے بچو کیونکہ قیامت والے دن اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا مجھے اپنی عزت کی اور اپنے جلال کی قسم آج ایک ظالم کو بھی میں نہ چھوڑوں گا۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ فلاں فلاں کہاں ہے؟ وہ آئے گا اور پہاڑ نیکیوں کے اس کے ساتھ ہوں گے یہاں تک کہ اہل محشر کی نگاہیں اس کی طرف اٹھنے لگیں گی۔ وہ اللہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو جائے گا۔ پھر منادی ندا کرے گا کہ اس طرف سے کسی کا کوئی حق ہو اس نے کسی پر ظلم کیا ہو وہ آ جائے اور اپنا بدلہ لے لے۔ اب تو ادھر ادھر سے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور اسے گھیر کر اللہ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے ان بندوں کو ان کے حق دلواؤ۔ فرشتے کہیں گے اے اللہ کیسے دلوائیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کی نیکیاں لو اور انہیں دو۔ چنانچہ یوں ہی کیا جائے گا یہاں تک کہ ایک نیکی باقی نہیں رہے گی اور ابھی تک بعض مظلوم اور حقدار باقی رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا انہیں بھی بدلہ دو فرشتے کہیں گے اب تو اس کے پاس ایک نیکی بھی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ حکم دے گا ان کے گناہ اس پر لادو۔ پھر حضورؐ نے گھبرا کر اس آیت کی تلاوت فرمائی وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا الخ ابن ابی حاتم میں ہے حضورؐ نے فرمایا اے معاذ! (رضی اللہ عنہ) قیامت کے دن مومن کی تمام کوششوں سے سوال کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کے سرمے اور اس کے مٹی کے گوندھنے سے بھی۔ دیکھ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کوئی اور تیری نیکیاں لے جائے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٤﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٥﴾

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ وہ ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے پھر تو انہیں طوفان نے دھر پکڑا اور وہ تھے بھی ظالم۔ پھر ہم نے اسے اور کشتی والوں کو نجات دی اور اس واقعہ کو ہم نے تمام جہان کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا○

نبی اکرم ﷺ کی حوصلہ افزائی: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۵) اس میں آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے۔ آپ کو خبر دی جاتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اتنی لمبی مدت تک اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ دن رات پوشیدہ اور ظاہر ہر طرح آپ نے انہیں اللہ کے دین کی دعوت دی۔ لیکن وہ اپنی سرکشی اور گمراہی میں ہی بڑھتے گئے۔ بہت ہی کم لوگ آپ پر ایمان لائے۔ آخر کار اللہ کا غضب ان پر بصورت طوفان آیا اور انہیں تہس نہس کر دیا تو اے پیغمبر آخر الزماں آپ اپنی قوم کی اس تکذیب کو نیا خیال نہ کریں۔ آپ اپنے دل کو رنجیدہ نہ کریں۔ ہدایت و ضلالت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جن لوگوں کا جہنم میں جانا طے ہو چکا ہے انہیں تو کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔ تمام نشانیاں گو دیکھ لیں لیکن انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا۔ بالاخر جیسے نوح علیہ السلام کو نجات ملی اور قوم ڈوب گئی اسی طرح آخر میں غلبہ آپ کا ہے اور آپ کے مخالفین پست ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نوح نبی علیہ السلام کو نبوت ملی اور نبوت کے بعد ساڑھے نو سو سال تک آپ نے اپنی قوم کو تبلیغ کی۔ طوفان کی عالمگیر ہلاکت کے بعد بھی حضرت نوح علیہ السلام ساٹھ سال تک زندہ رہے یہاں تک کہ بنو آدم کی نسل پھیل گئی اور دنیا میں بہ کثرت نظر آنے لگے۔

قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کل ساڑھے نو سو سال کی تھی۔ تین سو سال تو آپ کے بے دعوت ان میں گذرے۔ تین سو سال تک اللہ کی طرف اپنی قوم کو بلاتے رہے اور ساڑھے تین سو سال بعد طوفان کے زندہ رہے لیکن یہ قول غریب ہے اور آیت کے ظاہر الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو اللہ کی وحدانیت کی طرف بلاتے رہے۔ عون بن ابی شداد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب آپ کی عمر ساڑھے تین سو سال کی تھی' اس وقت اللہ کی وحی آپ کو آئی' اس کے بعد ساڑھے نو سو برس تک آپ لوگوں کو کلام اللہ پہنچاتے رہے۔ اس کے بعد پھر ساڑھے تین سو سال کی اور عمر پائی۔ لیکن یہ بھی غریب قول ہے۔ زیادہ ٹھیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نظر آتا ہے واللہ اعلم۔ ابن عمرؓ نے مجاہدؒ سے پوچھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں کتنی مدت تک رہے؟ انہوں نے کہا ساڑھے نو سو سال۔ آپ نے فرمایا' اس کے بعد سے لوگوں کے اخلاق' ان کی عمریں اور عقلیں آج تک گھٹتی ہی چلی آئیں۔ جب قوم نوحؑ پر اللہ کا غضب نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے نبی کو اور ایمان والوں کو جو آپ کے ساتھ آپ کے حکم سے طوفان سے پہلے کشتی میں سوار ہو چکے تھے' بچالیا۔ سورۂ ہود میں اس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے اس لیے یہاں دوبارہ وارد نہیں کرتے۔ ہم نے اس کشتی کو دنیا کے لیے نشان عبرت بنا دیا تو خود اس کشتی کو جیسے کہ حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ اول اسلام تک وہ جودی پہاڑ پر تھی۔ یا یہ کہ اس کشتی کو دیکھ کر پھر پانی کے سفر کے لیے جو کشتیاں لوگوں نے بنائیں' ان کو انہیں دیکھ کر اللہ کا وہ بچانا یاد آ جاتا ہے۔ جیسے فرمان وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ الخ ہماری قدرت کی ایک نشانی ان کے لیے یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں بٹھالیا۔ اور ہم نے ان کے لیے اور بھی اسی جیسی سواریاں بنادیں۔ سورۃ الحاقہ میں فرمایا' جب پانی کا طوفان آیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کرلیا اور اس واقعہ کو تمہارے لئے ایک یادگار بنا دیا تاکہ جن کانوں کو اللہ نے یاد رکھنے کی طاقت دی ہے' وہ یاد رکھ لیں۔ یہاں شخص سے جنس کی طرف چڑھاؤ کیا ہے۔ جیسے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا والی آیت میں ہے کہ آسمان دنیا کے ستاروں کا باعث زینت آسمان ہونا بیان فرما کر ان کی وضاحت میں شہاب کا شیطانوں کے لیے رجم ہونا بیان فرمایا ہے۔

اور آیت میں انسان کا مٹی سے پیدا ہونا ذکر کر کے فرمایا' پھر ہم نے اسے نطفے کی شکل میں قرارگاہ میں کر دیا۔ ہاں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت میں ھا کی ضمیر کا مرجع عقوبت اور سزا کو کیا جائے' واللہ اعلم۔ (یہاں یہ خیال رہے کہ تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں شروع تفسیر میں کچھ عبارت زیادہ ہے جو بعض نسخوں میں نہیں۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کا ساڑھے نو سال تک کا آزمایا جانا بیان کیا اور ان کی قوم کو ان کی اطاعت کے ساتھ آزمانا بتلایا کہ ان کی تکذیب کی وجہ سے اللہ نے انہیں غرق کر دیا۔ پھر اس کے بعد جلا دیا۔ پھر قوم ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر کیا کہ انہوں نے بھی طاعت ومتابعت نہ کی۔ پھر لوط علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر کیا اور ان کی قوم کا حشر بیان فرمایا۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے واقعات سامنے رکھے۔ پھر عادیوں' ثمودیوں' قارونیوں' فرعونیوں' ہامانیوں وغیرہ کا ذکر کیا۔ اللہ پر ایمان نہ لانے اور اس کی توحید کو نہ ماننے کی وجہ سے انہیں بھی طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ پھر اپنے پیغمبر اعظم المرسلین ﷺ کو مشرکین اور منافقین سے تکالیف سہنے کا ذکر کیا اور آپ کو حکم فرمایا کہ اہل کتاب سے بہترین طریق پر مناظرہ کریں۔)

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝١٦ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اللّٰہِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰہِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾

ابراہیم نے بھی اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اگر تم میں دانائی ہے تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے ○ تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا پاٹ کرر ہے ہو اور جھوٹی باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو سنو جن جن کی تم اللہ کے سوا پوجا پاٹ کرر ہے ہو وہ تو تمہاری روزی کے مالک نہیں پس تمہیں چاہئے کہ تم اللہ ہی سے روزیاں طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکر گزاری کرتے رہو اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ○ اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے پہلے کی امتوں نے بھی جھٹلایا ہے رسول کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہی ہے ○

ریا کاری سے بچو: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۸) امام الموحدین ابوالمرسلین خلیل اللہ علیہ الصلوات اللہ کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید الٰہی کی دعوت دی ریا کاری سے بچنے اور دل میں پرہیزگاری قائم کرنے کا حکم دیا اس کی نعمتوں پر شکر گزاری کرنے کو فرمایا۔ اور اس کا نفع بھی بتایا کہ دنیا و آخرت کی برائیاں اس سے دور ہو جائیں گی اور دونوں جہان کی نعمتیں اس سے مل جائیں گی۔ ساتھ ہی انہیں بتایا کہ جن بتوں کی تم پرستش کرر ہے ہو یہ تو بے ضرر اور بے نفع ہیں۔ تم نے خود ہی ان کے نام اور ان کے اجسام تراش لئے ہیں۔ وہ تو تمہاری طرح مخلوق ہیں بلکہ تم سے بھی کمزور ہیں۔ یہ تمہاری روزیوں کے بھی مختار نہیں۔ اللہ ہی سے روزیاں طلب کرو۔ اسی حصہ کے ساتھ آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بھی ہے کہ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ یہی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی دعا میں ہے رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اے اللہ میرے لیے اپنے پاس ہی جنت میں مکان بنا۔ چونکہ اس کے سوا کوئی رزق نہیں دے سکتا اس لیے تم اسی سے روزیاں طلب کرو اور جب اس کی روزیاں کھاؤ تو اس کے سوا کوئی رزق نہیں دے سکتا اس لیے تم اسی سے روزیاں طلب کرو اور جب اس کی روزیاں کھاؤ تو اس کے سوا دوسرے کی عبادت بھی نہ کرو۔ اس کی نعمتوں کا شکر بھی بجا لاؤ۔ تم میں سے ہر ایک اسی کی طرف لوٹنے والا ہے۔ وہ ہر عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ دیکھو مجھے جھوٹا کہہ کر خوش نہ ہو۔ نظریں ڈالو۔ تم سے پہلے جنہوں نے نبیوں کو جھوٹ کی طرف منسوب کیا تھا ان کی کیسی درگت ہوئی؟ یاد رکھو نبیوں کا کام صرف پیغام الٰہی پہنچا دینا ہے۔ ہدایت عدم ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے۔ اپنے آپ کو سعادت مندوں میں بناؤ بدبختوں میں شامل نہ کرو۔ حضرت قتادہؒ تو فرماتے ہیں اس میں آنحضرت ﷺ کی مزید تشفی کی گئی ہے اس مطلب کا تقاضا تو یہ ہے کہ پہلا کام ختم ہوا۔ اور یہاں سے لے کر فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ تک یہ سب عبارت بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ ابن جریرؒ نے تو کھلے لفظوں میں یہی کہا ہے۔ لیکن الفاظ قرآن سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کلام حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کا ہے۔ آپ قیامت کے قائم ہونے کی دلیلیں پیش کرر ہے ہیں کیونکہ اس تمام کلام کے بعد آپ کی قوم کا جواب ذکر ہوا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰہُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰہِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰہُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ مخلوق کی ابتدا کی کیفیت اللہ نے کیا کی۔ پھر بھی اللہ اس کا اعادہ کرے گا یہ تو اللہ پر بہت ہی آسان ہے ○ کہہ دے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ کس طرح اللہ نے ابتداء پیدائش کی پھر اللہ ہی دوسری نئی پیدائش کرے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○ جسے چاہے عذاب کرے جس پر چاہے رحم کرے سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

تمام نشانیاں: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۱) دیکھتے ہیں کہ وہ کچھ نہ تھے پھر اللہ نے پیدا کر دیا لیکن تاہم مر کر جینے کے قائل نہیں حالانکہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ جو ابتداء پیدا کر سکتا ہے اس پر دوبارہ پیدا کرنا بہت ہی آسان ہے۔ پھر انہیں ہدایت کرتے ہیں کہ زمین اور نشانیوں پر غور کرو۔ آسمانوں کو ستاروں کو زمینوں کو پہاڑوں کو درختوں کو جنگلوں کو نہروں کو دریاؤں کو سمندروں کو پھلوں کو کھیتوں کو دیکھو تو سہی کہ یہ سب کچھ نہ تھا۔ پھر اللہ نے سب کچھ کر دیا۔ کیا یہ تمام نشانیاں اللہ کی قدرت کو تم پر ظاہر نہیں کرتیں؟ تم نہیں دیکھتے کہ اتنا بڑا صانع و قدیر اللہ کیا کچھ نہیں کر سکتا؟ وہ تو صرف ''ہو جا'' کے کہنے سے تمام کو رچا دیتا ہے۔ وہ خود مختار ہے۔ اسے اسباب اور سامان کی ضرورت نہیں۔ اسی مضمون کو اور جگہ فرمایا کہ وہی نئی پیدائش میں پیدا کرتا ہے۔ وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت آسان ہے۔ پھر فرمایا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے ابتدائی پیدائش کس طرح کی تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ قیامت کے دن کی دوسری پیدائش کی کیا کیفیت ہو گی۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جیسے فرمایا ہم انہیں دنیا کے ہر حصے میں اور خود ان کی اپنی جانوں میں اپنی نشانیاں اس قدر دکھائیں گے کہ ان پر حق ظاہر ہو جائے۔ اور جگہ ارشاد ہے اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ الخ کیا وہ بغیر کسی چیز کے پیدا کئے گئے یا وہی اپنے خالق ہیں؟ یا وہ آسمان و زمین کے خالق ہیں؟ کچھ نہیں بے یقین لوگ ہیں۔ یہ اللہ کی شان ہے کہ جسے چاہے عذاب کرے جس پر چاہے رحم کرے وہ حاکم ہے قبضے والا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے جاری کر دیتا ہے۔ کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا کوئی اس کے ارادے کو بدل نہیں سکتا کوئی اس سے چوں چرا نہیں کر سکتا کوئی اسے سوال کر ہی نہیں سکتا اور وہ سب پر غالب ہے۔ جس سے چاہے پوچھ بیٹھے سب اس کے قبضے میں اس کی ماتحتی میں ہیں۔ خلق کا خالق امر کا مالک وہی ہے۔ اس نے جو کچھ کیا سراسر عدل ہے اس لیے کہ وہی مالک ہے وہ ظلم سے پاک ہے۔

حدیث شریف میں ہے اگر اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں والوں اور زمین والوں کو عذاب کرے تب بھی وہ ظالم نہیں۔ عذاب و رحم سب اس کی چیزیں ہیں۔ سب کے سب قیامت کے دن اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اسی کے سامنے حاضر ہو کر پیش ہوں گے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

ع ۱۴

تم نہ تو زمین میں اللہ کو عاجز کر سکتے ہو نہ آسمان میں' نہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی والی ہے نہ مددگار ○ جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کو بھلاتے ہیں' وہ میری رحمت سے نا امید ہو جائیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں ○ آپ کی قوم کا جواب بجز اس کے آپ کے سامنے کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے کہ اسے مار ڈالو یا اسے جلا دو' آخرش اللہ نے انہیں آگ سے بچالیا اس میں ایماندار لوگوں کے لئے تو بہت سی نشانیاں ہیں ○

(آیت: ۲۲-۲۳) زمین والوں میں سے اور آسمان والوں میں سے کوئی اسے ہرا نہیں سکتا۔ بلکہ سب پر وہی غالب ہے۔ ہر ایک اس سے کانپ رہا ہے۔ سب اس کے در کے فقیر ہیں اور وہ سب سے غنی ہے۔ تمہارا کوئی ولی اور مددگار اس کے سوا نہیں۔ اللہ کی آیتوں سے کفر کرنے والے' اس کی ملاقات کو نہ ماننے والے' اللہ کی رحمت سے محروم ہیں اور ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک الم افزا عذاب ہیں۔

عقلی اور نقلی دلائل: ☆☆ (آیت: ۲۴) حضرت ابراہیمؑ کا یہ عقلی اور نقلی دلائل کا وعظ بھی ان لوگوں کے دلوں پر اثر نہ کر سکا اور انہوں نے یہاں بھی اپنی اسی شقاوت کا مظاہرہ کیا۔ جواب تو ان دلیلوں کا دے نہیں سکتے تھے لہذا اپنی قوت سے حق کو دبانے لگے اور اپنی طاقت سے سچ کو روکنے لگے۔ کہنے لگے' ایک گڑھا کھودو' اس میں آگ بھڑکاؤ اور اس آگ میں اسے ڈال دو کہ جل جائے۔ لیکن اللہ نے ان کے اس مکر کو انہی پر لوٹا دیا۔ مدتوں تک لکڑیاں جمع کرتے رہے اور ایک گڑھا کھود کر اس کے اردگرد احاطے کی دیواریں کھڑی کر کے لکڑیوں میں آگ دی۔ جب اس کے شعلے آسمان تک پہنچنے لگے اور اتنی زور کی آگ روشن ہوئی کہ زمین پر کہیں اتنی آگ نہیں دیکھی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر باندھ کر منجنیق میں ڈال کر جھلا کر اس آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ نے اسے اپنے خلیل علیہ السلام پر باغ و بہار بنا دیا۔ آپ کئی دن کے بعد صحیح سلامت اس میں سے نکل آئے۔ یہ اور اس جیسی اور قربانیاں تھیں جن کے باعث آپ کو امامت کا منصب عطا ہوا۔ اپنا نفس آپ نے رحمان کے لئے' اپنا جسم آپ نے میزان کے لیے' اپنی اولاد آپ نے قربانی کے لیے' اپنا مال آپ نے فیضان کے لیے کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کل ادیان والے آپ سے محبت رکھتے ہیں۔ اللہ نے آگ کو آپ کے لیے باغ بنا دیا۔ اس واقعہ میں ایمانداروں کے لیے قدرت الٰہی کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٥﴾

حضرت ابراہیم نے کہا کہ تم نے جن بتوں کی پرستش اللہ کے سوا کی ہے' انہیں تو تم نے اپنی آپس کی دنیوی دوستی کی بنا پر ٹھہرا لیا ہے۔ تم سب قیامت کے دن ایک دوسرے سے کفر کرنے لگو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے اور تمہارا سب کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہو گا ○

(آیت: ۲۵) آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ جن بتوں کو تم نے معبود بنا رکھا ہے' یہ تمہارا ایکا اور اتفاق دنیا تک ہی ہے۔ مودۃ زبر کے ساتھ مفعول لہ ہے۔ ایک قراءت میں پیش کے ساتھ بھی ہے یعنی تمہاری یہ بت پرستی تماری لیے گو دنیا کی محبت حاصل کرا دے لیکن قیامت کے دن معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ مودت کی جگہ نفرت اور اتفاق کے بدلے اختلاف ہو جائے گا۔ ایک دوسرے سے جھگڑو گے' ایک دوسرے پر الزام رکھو گے' ایک دوسرے پر لعنتیں بھیجو گے۔ ہر گروہ دوسرے گروپ پر پھٹکار برسائے گا۔ سب دوست دشمن بن جائیں گے۔

ہاں پرہیزگار نیک کار آج بھی ایک دوسرے کے خیر خواہ اور دوست رہیں گے۔ کفار سب کے سب میدان قیامت کی ٹھوکریں کھا کھا کر بالآخر جہنم میں جائیں گے۔ کوئی اتنا بھی نہ ہوگا کہ ان کی کسی طرح کی مدد کر سکے۔ حدیث میں ہے تمام اگلے پچھلوں کو اللہ تعالیٰ ایک میدان میں جمع کرے گا۔ کون جان سکتا ہے کہ دونوں سمت میں سے کس طرف؟ حضرت ام ہانیؓ نے جو حضرت علیؓ کی ہمشیرہ ہیں جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی زیادہ علم والا ہے۔ پھر ایک منادی عرش تلے سے آواز دے گا کہ اے موحدو! تب تو حید والے اپنا سر اٹھائیں گے پھر یہی آواز لگائے گا پھر سہ بارہ یہی پکارے گا اور کہے گا اللہ تعالیٰ نے تمہاری تمام لغزشوں سے درگزر فرما لیا۔ اب لوگ کھڑے ہوں گے اور آپس کی ناچاقیوں اور لین دین کا مطالبہ کرنے لگیں گے تو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی طرف سے آواز دی جائے گی کہ اے اہل توحید تم تو آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دو۔ تمہیں اللہ بدل دے گا۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

حضرت ابراہیمؑ پر حضرت لوطؑ ایمان لائے اور کہنے لگے کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ وہ بڑا ہی غالب اور حکیم ہے ○ ہم نے ابراہیم کو اسحاق و یعقوب عطا فرمایا اور ہم نے نبوت اور کتاب ان کی اولاد میں کر دی اور ہم نے دنیا میں بھی اسے ثواب دیا اور آخرت میں تو وہ صالح لوگوں میں سے ہے ○

حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہؓ: ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۷) کہا جاتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ لوط بن ہارون بن آزر۔ آپ کی ساری قوم میں سے ایک تو حضرت لوط ایمان لائے تھے اور ایک حضرت سارہ جو آپ کی بیوی تھیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کی بیوی صاحبہ کو اس ظالم بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کے ذریعہ اپنے پاس بلوایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ دیکھو میں نے اپنا رشتہ تم سے بھائی بہن کا بنایا ہے۔ تم بھی یہی کہنا کیونکہ اس وقت دنیا پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے تو ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ کوئی میاں بیوی ہمارے سوا ایماندار نہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام آپ پر ایمان تو لائے تھے مگر اسی وقت ہجرت کر کے شام چلے گئے تھے۔ پھر اہل سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیج دیئے گئے تھے جیسا کہ بیان گذرا اور آئے گا۔ ہجرت کا ارادہ یا تو حضرت لوط علیہ السلام نے ظاہر فرمایا کیونکہ ضمیر کا مرجع اقرب تو یہی ہیں۔ یا حضرت ابراہیمؑ نے جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔ تو گویا حضرت لوط علیہ السلام کے ایمان لانے کے بعد آپ نے اپنی قوم سے دست برداری کر لی اور اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ اور کسی جگہ جاؤں شاید وہاں والے اللہ والے بن جائیں۔ عزت اللہ کی اس کے رسولؐ کی اور مومنوں کی ہے۔ حکمت والے اقوال افعال تقدیر شریعت اللہ کی ہے۔

قتادہؒ فرماتے ہیں آپ کوفے سے ہجرت کر کے شام کے ملک کی طرف گئے۔ حدیث میں ہے کہ ہجرت کے بعد کی ہجرت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ کی طرف ہوگی۔ اس وقت زمین پر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں زمین تھوک دے گی اور اللہ ان سے نفرت کرے گا۔ انہیں آگ سوروں اور بندروں کے ساتھ ہنکاتی پھرے گی۔ راتوں کو دنوں کو انہی کے ساتھ رہے گی۔ اور ان کی جھڑن کھاتی

رہے گی اور روایت میں ہے' جو ان میں سے پیچھے رہ جائے گا' اسے یہ آگ کھا جائے گی اور مشرق کی طرف سے کچھ لوگ میری امت میں سے ایسے نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے ایک خاتمے کے بعد دوسرا گروہ کھڑا ہوگا۔ یہاں تک کہ آپ نے بیس سے بھی زیادہ بار اسے دہرایا۔ یہاں تک کہ انہی کے آخری گروہ میں سے دجال نکلے گا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک زمانہ تو ہم پر وہ تھا کہ ہم ایک مسلمان بھائی کے لیے درہم دینار کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ اپنی دولت اپنے بھائی کی ہی سمجھتے تھے۔ وہ زمانہ آیا کہ دولت ہمیں اپنے مسلم بھائی سے زیادہ عزیز معلوم ہونے لگی۔ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ اگر تم بیلوں کی دموں کے پیچھے لگ جاؤ گے اور تجارت میں مشغول ہو جاؤ گے اور اللہ کی راہ کا جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذلت کے پٹے ڈال دے گا جو اس وقت تک تم سے الگ نہ ہوں گے جب تک کہ تم پھر سے وہیں نہ آ جاؤ جہاں تھے اور تم توبہ نہ کر لو۔ پھر وہی حدیث بیان کی جو اوپر گزری اور فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے اور بدعملیاں کریں گے۔ قرآن ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے علم کو دیکھ کر تم اپنے علموں کو حقیر سمجھنے لگو گے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ پس جب یہ لوگ ظاہر ہوں تو انہیں قتل کر دینا' پھر نکلیں' پھر مار ڈالنا' پھر ظاہر ہوں' پھر قتل کر دینا۔ وہ بھی خوش نصیب ہے جو انہیں قتل کرے اور وہ بھی خوش نصیب ہے جو ان کے ہاتھوں قتل کیا جائے۔ جب ان کے گروہ نکلیں گے' اللہ انہیں برباد کر دے گا' پھر نکلیں گے پھر برباد ہو جائیں گے۔

اسی طرح حضورؐ نے کوئی بیس مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بار یہی فرمایا۔ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام نامی بیٹا دیا اور اسحاق علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام نامی۔ جیسے فرمان ہے کہ جب خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے اپنی قوم کو اور ان کے معبودوں کو چھوڑ دیا تو اللہ نے آپ کو اسحاق و یعقوب دیا اور ہر ایک کو نبی بنایا۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ پوتا بھی آپ کی موجودگی میں ہو جائے گا۔ اسحاق کی اور اسحاق علیہ السلام کے پیچھے یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی۔ اور فرمایا کہ قوم کو چھوڑنے کے بدلے اللہ تمہارے گھر کی بستی یہ دے گا۔ جس سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند تھے۔ یہی سنت سے بھی ثابت ہے۔ قرآن کی اور آیت میں ہے' کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو وہ اپنے لڑکوں سے کہنے لگے' تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا' آپ کے اور آپ کے والد ابراہیم علیہ السلام' اسماعیل علیہ السلام' اسحاق علیہ السلام کے والد کی جو یکتا اور واحد لاشریک ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم ہیں۔ علیہم الصلوۃ والسلام۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مروی ہے کہ اسحاق و یعقوب حضرت ابراہیمؑ کے فرزند تھے' اس سے مراد فرزند کے فرزند کو فرزند کہہ دینا ہے۔ یہ نہیں کہ صلبی فرزند دونوں تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو کہاں ادنی آدمی بھی ایسی ٹھوکر نہیں کھا سکتا۔

ہم نے انہی کی اولاد میں کتاب و نبوۃ رکھ دی۔ خلیل کا خطاب انہیں کو ملا' انہیں کہا گیا' پھر ان کے بعد انہی کی نسل میں نبوت و حکمت رہی۔ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ حضرت عیسیٰ تک تو یہ سلسلہ یوں ہی چلا۔ بنو اسرائیل کے اس آخری پیغمبر نے اپنی امت کو صاف کہہ دیا کہ میں تمہیں نبی عربی قریشی ہاشمی خاتم الرسل سید اولاد آدم بشارت دیتا ہوں جنہیں اللہ نے چن لیا ہے۔ آپؐ حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے آپ کے سوا اور نبی نہیں ہوا۔ علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم۔ ہم نے انہیں دنیا کے ثواب بھی دیئے اور آخرت کی نیکیاں بھی عطا فرمائیں۔ دنیا میں رزق وسیع' جگہ پاک' بیوی نیک' سیرت جمیل اور ذکر حسن دیا' ساری دنیا کے دلوں میں آپ کی محبت ڈال دی۔ باوجودیکہ اپنی اطاعت کی توفیق روز بروز اور زیادہ دی۔ کامل

اطاعت گزاری کی توفیق کے ساتھ دنیا کی بھلائیاں بھی عطا فرمائیں۔ اور آخرت میں بھی صالحین میں رکھا۔ جیسے فرمان ہے' ابراہیم مکمل فرماں بردار تھا' موحد تھا مشرکوں میں نہ تھا' آخرت میں بھلے لوگوں کا ساتھی ہوا۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَٰلَمِينَ ﴿۲۸﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّٰدِقِينَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَٰهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَٰلِمِينَ ﴿۳۱﴾

حضرت لوط کا بھی ذکر کرو جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم تو اس بدکاری پر اتر آئے ہو جسے تم سے پہلے دنیا بھر میں سے کسی نے نہیں کیا ○ کیا تم مردوں کے پاس آتے ہو اور راستے بند کرتے ہو؟ اور اپنی تمام مجلسوں میں بے حیائیوں کے کام کرتے ہو؟ اس کے جواب میں آپ کی قوم نے بجز اس کے اور کچھ نہ کہا کہ بس جا' اگر سچا ہے تو ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آ ○ حضرت لوطؑ نے دعا کی کہ پروردگار اس مفسد قوم پر تو میری مدد فرما ○ جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس بشارت لے کر پہنچے' کہنے لگے کہ اس بستی والوں کو ہم ہلاک کرنے والے ہیں' یقیناً یہاں کے رہنے والے گنہگار ہیں ○

سب سے خراب عادت: ☆☆ (آیت: ۲۸-۳۰) لوطیوں کی مشہور بدکرداری سے حضرت لوط انہیں روکتے ہیں کہ تم جیسی خباثت تم سے پہلے تو کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ کفر' تکذیب رسول' اللہ کے حکم کی مخالفت تو خیر اور بھی کرتے رہے مگر مردوں سے حاجت روائی تو کسی نے بھی نہیں کی۔ دوسری بدخصلت ان میں یہ بھی تھی کہ راستے روکتے تھے' ڈاکے ڈالتے تھے' قتل و فساد کرتے تھے' مال لوٹ لیتے تھے' مجلسوں میں علی الاعلان بری باتیں اور لغو حرکتیں کرتے تھے۔ کوئی کسی کو نہیں روکتا تھا یہاں تک کہ بعض کا قول ہے کہ وہ لواطت بھی علی الاعلان کرتے تھے۔ گویا سوسائٹی کا ایک مشغلہ یہ بھی تھا۔ ہوائیں نکال کر ہنستے تھے مینڈھے لڑواتے اور بدترین برائیاں کرتے تھے اور علی الاعلان مزے لے لے کر گناہ کرتے تھے۔ حدیث میں ہے' راہ چلتوں پر آوازہ کشی کرتے تھے اور کنکر پتھر پھینکتے رہتے تھے۔ سیٹیاں بجاتے تھے' کبوتر بازی کرتے تھے' ننگے ہو جاتے تھے۔ کفر' عناد' سرکشی' ضد اور ہٹ دھرمی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ نبی کے سمجھانے پر کہنے لگے' جا جا' بس نصیحت چھوڑ' جن عذابوں سے ڈرا رہا ہے' انہیں لے تو آ۔ ہم بھی تیری سچائی دیکھیں۔ عاجز آ کر حضرت لوط علیہ السلام نے بھی اللہ کے آگے ہاتھ پھیلا دیئے کہ اے اللہ! ان مفسدوں پر مجھے غلبہ دے' میری مدد کر۔

فرشتوں کی آمد: ☆☆ (آیت: ۳۱) حضرت لوط علیہ السلام کی جب نہ مانی گئی بلکہ سنی بھی نہ گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جس پر فرشتے بھیجے گئے۔ یہ فرشتے بشکل انسان پہلے بطور مہمان کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر آئے۔ آپ نے ضیافت کا سامان تیار کیا اور ان کے سامنے لا رکھا۔ جب دیکھا کہ انہیں اس کی رغبت نہیں تو دل ہی دل میں خوف زدہ ہو گئے تو فرشتوں نے ان کی دلجوئی شروع کی

اور خبر دی کہ ایک نیک بچہ ان کے ہاں پیدا ہوگا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا جو وہاں موجود تھیں' یہ سن کر تعجب کرنے لگیں جیسے کہ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں مفصل تفسیر گذر چکی ہے۔ اب فرشتوں نے اپنا اصلی ارادہ ظاہر کیا۔ جسے سن کر خلیل الرحمٰن علیہ السلام کو خیال آیا کہ اگر وہ کچھ اور ڈھیل دیئے جائیں تو کیا عجب کہ راہ راست پر آ جائیں۔

قَالَ اِنَّ فِیۡہَا لُوۡطًا ؕ قَالُوۡا نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِیۡہَا ٝ۫ لَنُنَجِّیَنَّہٗ وَ اَہۡلَہٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَہٗ ٭۫ کَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۳۲﴾ وَ لَمَّاۤ اَنۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِیۡٓءَ بِہِمۡ وَ ضَاقَ بِہِمۡ ذَرۡعًا وَّ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ وَ لَا تَحۡزَنۡ ۟ اِنَّا مُنَجُّوۡکَ وَ اَہۡلَکَ اِلَّا امۡرَاَتَکَ کَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنۡزِلُوۡنَ عَلٰۤی اَہۡلِ ہٰذِہِ الۡقَرۡیَۃِ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَ لَقَدۡ تَّرَکۡنَا مِنۡہَاۤ اٰیَۃًۢ بَیِّنَۃً لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۳۵﴾

حضرت ابراہیم کہنے لگے کہ اس میں تو لوط ہیں۔ فرشتوں نے کہا' یہاں جو ہیں' ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں' لوط کو اور اس کے خاندان کو سوائے اس کی بیوی کے ہم بچا لیں گے البتہ وہ عورت پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے ○ پھر جب ہمارے قاصد لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے غمگین ہوئے اور دل ہی دل میں رنج کرنے لگے۔ قاصدوں نے کہا۔ آپ خوف نہ کھایئے نہ آزردہ ہو جایئے۔ ہم آپ کو مع آپ کے متعلقین کے بچالیں گے مگر آپ کی بیوی کہ وہ عذاب کے لئے باقی رہ جانے والوں میں سے ہوگی ○ ہم اس بستی والوں پر آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں اس وجہ سے کہ یہ بے حکم ہو رہے ہیں ○ البتہ ہم نے اس بستی کو صریح عبرت کی نشانی بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں ○

(آیت: ۳۲-۳۵) اس لئے فرمانے لگے کہ وہاں تو لوط نبی علیہ السلام ہیں۔ فرشتوں نے جواب دیا' ہم ان سے غافل نہیں ہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ انہیں اور ان کے خاندان کو بچالیں۔ ہاں ان کی بیوی تو بے شک ہلاک ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنی قوم کے کفر میں ان کا ساتھ دیتی رہی ہے۔ یہاں سے رخصت ہو کر خوبصورت قریب البلوغ بچوں کی صورتوں میں یہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ انہیں دیکھتے ہی لوط نبی علیہ السلام شش و پنج میں پڑ گئے کہ اگر انہیں اپنے پاس ٹھہراتے ہیں تو ان کی خبر پاتے ہی کفار بھڑ بھڑا کر آ جائیں گے اور مجھے بھی تنگ کریں گے اور انہیں بھی پریشان کریں گے۔ اگر نہیں ٹھہراتا تو یہ انہی کے ہاتھ پڑ جائیں گے۔ قوم کی خصلت سے واقف تھے اس لئے ناخوش اور سنجیدہ ہو گئے۔ لیکن فرشتوں نے ان کی یہ گھبراہٹ دور کر دی کہ آپ گھبرایئے نہیں۔ رنجیدہ نہ ہوں' ہم تو اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں انہیں تباہ و برباد کرنے کے لئے آئے ہیں۔ آپ اور آپ کا خاندان سوائے آپ کی اہلیہ کے بچ جائے گا۔ باقی ان سب پر آسمانی عذاب آئے گا اور انہیں ان کی بدکاری کا نتیجہ دکھا دیا جائے گا۔

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی بستیوں کو زمین سے اٹھایا اور آسمان تک لے گئے اور وہاں سے الٹ دیں۔ پھر ان پر ان کے نام کے نشاندار پتھر برسائے گئے اور جس عذاب الٰہی کو وہ دور سمجھ رہے تھے' وہ قریب ہی نکل آیا۔ ان کی بستیوں کی جگہ ایک کڑوے گندے اور بدبودار پانی کی جھیل رہ گئی۔ جو لوگوں کے لئے عبرت حاصل کرنے کا ذریعہ بنے اور عقلمند لوگ اس ظاہری نشان کو دیکھ کر ان کی بری طرح کی ہلاکت کو یاد کر کے اللہ کی نافرمانیوں پر دلیری نہ کریں۔ عرب کے سفر میں رات دن یہ منظر ان کے پیش نظر تھا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۙ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۫ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا' اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ قیامت کے دن کی توقع رکھو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو ○ پھر بھی انہوں نے انہیں جھٹلایا۔ آخرش انہیں زلزلے نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے مردہ ہو کر رہ گئے ○ ہم نے عادیوں اور ثمودیوں کو بھی غارت کیا جن کے بعض مکانات تمہارے سامنے ظاہر ہیں۔ شیطان نے انہیں ان کی بداعمالیاں آراستہ کر دکھائی تھیں اور انہیں راہ سے روک دیا تھا باوجودیکہ یہ آنکھوں والے اور ہوشیار تھے ○ اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی' ان کے پاس حضرت موسیٰ کھلے کھلے معجزے لے کر آئے تھے۔ پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا لیکن ہم سے آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے ○

فساد نہ کرو: ☆☆ (آیت:۳۶-۳۷) اللہ کے بندے اور اس کے سچے رسول حضرت شعیب علیہ السلام نے مدین میں اپنی قوم کو وعظ کیا۔ انہیں اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا حکم دیا۔ انہیں اللہ کے عذابوں سے اور اس کی سزاؤں سے ڈرایا۔ انہیں قیامت کے ہونے کا یقین دلا کر فرمایا کہ اس دن کے لئے کچھ تیاریاں کر لو' اس دن کا خیال رکھو' لوگوں پر ظلم و زیادتی نہ کرو' اللہ کی زمین میں فساد نہ کرو' برائیوں سے الگ رہو۔ ان میں ایک عیب یہ بھی تھا کہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے' لوگوں کے حق مارتے تھے' ڈاکے ڈالتے تھے' راستے بند کر دیتے تھے' ساتھ ہی اللہ اور اس کے رسول سے کفر کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیغمبر کی نصیحتوں پر کان تک نہ دھرا بلکہ انہیں جھوٹا کہا۔ اس بنا پر ان پر عذاب الٰہی برس پڑا' سخت بھونچال آیا اور ساتھ ہی اتنی تیز و تند آواز آئی کہ دل اڑ گئے اور روحیں پرواز کر گئیں اور گھڑی کی گھڑی میں سب کا سب ڈھیر ہو گیا۔ ان کا پورا قصہ سورۂ اعراف' سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں گزر چکا ہے۔

احقاف کے لوگ: ☆☆ (آیت:۳۸-۳۹) عادی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھے۔ احقاف میں رہتے تھے جو یمن کے شہروں میں حضرموت کے قریب ہے۔ ثمودی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے لوگ تھے' یہ حجر میں بستے تھے جو وادی القریٰ کے قریب ہے۔ عرب کے راستے میں ان کی بستی آتی تھی جسے یہ بخوبی جانتے تھے۔ قارون ایک دولت مند شخص تھا جس کے بھرپور خزانوں کی کنجیاں ایک جماعت کی جماعت اٹھاتی تھی۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور ہامان اس کا وزیراعظم تھا۔ اسی کے زمانے میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نبی ہو کر اس طرح گئے تھے۔ یہ دونوں قبطی کافر تھے' جب ان کی سرکشی حد سے گذر گئی' اللہ کی توحید کے منکر ہو گئے' رسولوں کو ایذائیں دیں اور ان کی نہ مانی تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کیا۔ عادیوں پر ہوائیں بھیجیں۔ انہیں اپنی قوت و طاقت کا بڑا گھمنڈ تھا' کسی کو اپنے مقابلے کا نہ جانتے تھے۔ ان پر ہوا بھیجی جو بڑی تیز و تند تھی جو ان پر زمین کے پتھر اڑا اڑا کر برسانے لگی۔ بالآخر زور پکڑتے پکڑتے یہاں تک

بڑھ گئی کہ انہیں اچک لے جاتی اور آسمان کے قریب لے جا کر پھر گرا دیتی - سر کے بل گرتے اور سر الگ ہو جاتا اور ایسے ہو جاتے جیسے کھجور کے درخت جس کے تنے الگ ہوں اور شاخیں جدا ہوں - ثمودیوں پر حجت الٰہی پوری ہوئی دلائل دے دیئے گئے - ان کی طلب کے موافق پتھر میں سے ان کے دیکھتے ہوئے اونٹنی نکلی لیکن تاہم انہیں ایمان نصیب نہ ہوا بلکہ طغیانی میں بڑھتے رہے - اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو دھمکانے اور ڈرانے لگے اور ایمانداروں سے بھی کہنے لگے کہ ہمارے شہر چھوڑ دو ورنہ ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے - انہیں ایک چیخ سے پارہ پارہ کر دیا - دل دہل گئے کلیجے اڑ گئے اور سب کی روحیں نکل گئیں - قارون نے سرکشی اور تکبر کیا - طغیانی اور بڑائی کی رب الاعلیٰ کی نافرمانی کی زمین میں فساد مچا دیا - اکڑ اکڑ کر چلنے لگا اپنے ڈنڈ بل دیکھنے لگا اترانے لگا اور پھولنے لگا -

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں گرفتار کر لیا ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا اور ان میں سے بعض کو زور دار سخت آواز نے دبوچ لیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے ○ جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز مقرر کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بنا لیتی ہے حالانکہ تمام گھروں سے زیادہ بودا گھر مکڑی کا گھر ہی ہے کاش کہ وہ جان لیتے ○

(آیت: ۴۰) پس اللہ نے اسے مع اس کے محلات کے زمین دوز کر دیا جو آج تک دھنستا چلا جا رہا ہے - فرعون ہامان اور ان کے لشکروں کو صبح ہی صبح ایک ساتھ ایک ہی ساعت میں دریا برد کر دیا - ان میں سے ایک بھی نہ بچا جو ان کا نام تو کبھی لیتا - اللہ نے یہ جو کچھ کیا کچھ ان پر ظلم نہ تھا بلکہ ان کے ظلم کا بدلہ تھا - ان کے کرتوت کا پھل تھا ان کی کرنی کی بھرنی تھی - کسی نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جن پر پتھروں کا مینہ برسانے کا ذکر ہے ان سے مراد لوطی ہیں اور غرق کی جانے والی قوم قوم نوح ہے لیکن یہ قول ٹھیک نہیں - ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مروی تو ہے لیکن سند میں انقطاع ہے - ان دونوں قوموں کی حالت کا ذکر اسی سورت میں بہ تفصیل بیان ہو چکا ہے - پھر بہت سے فاصلے کے بعد یہ بیان ہوا ہے - قتادہ رحمتہ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ پتھروں کا مینہ جن پر برسایا گیا ان سے مراد لوطی ہیں اور جنہیں چیخ سے ہلاک کیا گیا ان سے مراد قوم شعیب ہے لیکن یہ قول بھی ان آیتوں سے دور دراز ہے واللہ اعلم -

مکڑی کا جالا: ☆☆ (آیت: ۴۱) جو لوگ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے سوا اوروں کی پرستش اور پوجا پاٹ کرتے ہیں ان کی کمزوری اور بے علمی کا بیان ہو رہا ہے - یہ ان سے مدد روزی اور سختی میں کام آنے کے امیدوار رہتے ہیں - ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی مکڑی کے جالے میں بارش اور دھوپ اور سردی سے پناہ چاہے - اگر ان میں علم ہوتا تو یہ خالق کو چھوڑ کر مخلوق سے امیدیں وابستہ نہ کرتے - پس ان کا

حال ایمانداروں کے حال کے بالکل برعکس ہے۔ وہ ایک مضبوط کڑے کو تھامے ہوئے ہیں اور یہ مکڑی کے جالے میں اپنا سر چھپائے ہوئے ہیں۔ اس کا دل اللہ کی طرف' اس کا جسم اعمال صالحہ کی طرف مشغول ہے اور اس کا دل مخلوق کی طرف اور جسم اس کی پرستش کی طرف جھکا ہوا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جنہیں وہ اس کے سوا پکار رہے ہیں' وہ زبردست اور ذی حکمت ہے ○ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان فرما رہے ہیں' انہیں صرف علم والے ہی جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو مصلحت اور حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' ایمان والوں کے لئے تو اس میں بڑی بھاری دلیل ہے ○

(آیت: ۴۲-۴۳) پھر اللہ تعالیٰ مشرکوں کو ڈرا رہا ہے کہ وہ ان سے' ان کے شرک سے اور ان کے جھوٹے معبودوں سے خوب آگاہ ہے۔ انہیں ان کی شرارت کا ایسا مزہ چکھائے گا کہ یہ یاد کریں۔ انہیں ڈھیل دینے میں بھی اس کی مصلحت وحکمت ہے۔ نہ یہ کہ وہ علیم اللہ ان سے بے خبر ہو۔ ہم نے تو مثالوں سے بھی مسائل سمجھا دیئے۔ لیکن اس کے سوچنے سمجھنے کا مادہ' ان میں غور فکر کرنے کی توفیق صرف باعمل علماء کو ہوتی ہے جو اپنے علم میں پورے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کی بیان کردہ مثالوں کو سمجھ لینا سچے علم کی دلیل ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے ایک ہزار مثالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی سمجھی ہیں (مسند احمد) اس سے آپ کی فضیلت اور آپ کی علمیت ظاہر ہے۔ حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلام اللہ شریف کی جو آیت میری تلاوت میں آئے اور اس کے تفصیلی معنوں کا مطلب میری سمجھ میں نہ آئے تو میرا دل دکھتا ہے۔ مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور میں ڈرنے لگتا ہوں کہ کہیں اللہ کے نزدیک میری گنتی جاہلوں میں تو نہیں ہوگئی کیونکہ فرمان الٰہی یہی ہے کہ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں لیکن سوائے عالموں کے انہیں دوسرے سمجھ نہیں سکتے۔

مقصد کائنات: ☆☆ (آیت: ۴۴) اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت کا بیان ہو رہا ہے کہ وہی آسمانوں کا اور زمینوں کا خالق ہے۔ اس نے انہیں کھیل تماشے کے طور پر یا لغو بیکار نہیں بنایا بلکہ اس لئے کہ یہاں لوگوں کو بسائے۔

پھر ان کی نیکیاں بدیاں دیکھے۔ اور قیامت کے دن ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا سزا دے۔ بروں کو ان کی بداعمالیوں پر سزا اور نیکوں کو ان کی نیکیوں پر بہترین بدلہ۔

چند اہم مضامین کی فہرست

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

جو کتاب تیری طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھتا رہ اور نماز کا پابند رہ یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے بے شک ذکر اللہ بہت بڑی چیز ہے تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے O

اخلاص خوف اور اللہ کا ذکر: ☆☆ (آیت:۴۵) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو اور ایمان داروں کو حکم دے رہا ہے کہ "وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہیں اور اسے اوروں کو بھی سنائیں اور نمازوں کی نگہبانی کریں اور پابندی سے پڑھتے رہا کریں۔ نماز انسان کو ناشائستہ کاموں اور نالائق حرکتوں سے باز رکھتی ہے"۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ "جس نمازی کی نماز نے اسے گناہوں اور سیاہ کاریوں سے باز نہ رکھا وہ اللہ سے بہت دور ہو جاتا ہے"۔ "ابن ابی حاتم میں ہے کہ "جب رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا جسے اس کی نماز بے جا اور فحش کاموں سے نہ روکے تو سمجھ لو کہ اس کی نماز اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوئی"۔ اور روایت میں ہے کہ "جو نمازی بھلے کاموں میں مشغول اور برے کاموں سے بچنے والا نہ ہو سمجھ لو کہ اس کی نماز اسے اللہ سے اور دور کرتی جا رہی ہے"۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "جو نمازی کی بات نہ مانے اس کی نماز نہیں"۔ نماز بے حیائی سے اور بدفعلیوں سے روکتی ہے اس کی اطاعت یہ ہے کہ ان بے ہودہ کاموں سے نمازی رک جائے۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے جب ان کی قوم نے کہا کہ اے شعیبؑ کیا تمہیں تمہاری نماز حکم کرتی ہے؟ تو حضرت سفیان نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ "ہاں اللہ کی قسم نماز حکم بھی کرتی ہے اور منع بھی کرتی ہے"۔ حضرت عبداللہؓ سے کسی نے کہا فلاں شخص بڑی لمبی نماز پڑھتا ہے آپ نے فرمایا "نماز اسے نفع دیتی ہے جو اس کا کہا مانے"۔ میری تحقیق میں اوپر جو مرفوع روایت بیان ہوئی۔ اس کا بھی موقوف ہونا ہی زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے کہا حضور فلاں شخص نماز پڑھتا ہے لیکن چوری نہیں چھوڑتا۔ آپؐ نے فرمایا عنقریب اس کی نماز اس کی یہ برائی چھڑا دے گی۔ چونکہ نماز ذکر اللہ کا نام ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا اللہ کی یاد بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں سے اور تمہارے کل کاموں سے باخبر ہے۔ حضرت ابوالعالیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "نماز میں تین چیزیں ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو نماز نماز نہیں۔ اخلاص وخلوص خوف الٰہی اور ذکر الٰہی۔ اخلاص سے تو انسان نیک ہو جاتا ہے اور خوف الٰہی سے انسان گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے اور ذکر الٰہی یعنی قرآن اسے بھلائی برائی بتا دیتا ہے وہ حکم بھی کرتا ہے اور منع بھی کرتا ہے"۔ ابن عون انصاریؒ فرماتے ہیں "جب تو نماز میں ہو تو نیکی میں ہے اور نماز تجھے فحش اور منکر سے بچائے ہوئے ہے اور اس میں جو کچھ تو ذکر اللہ کر رہا ہے وہ تیرے لئے بڑے ہی فائدے کی چیز ہے"۔ حمادؒ کا قول ہے کہ "کم سے کم حالت نماز میں تو تو برائیوں سے بچا رہے گا"۔ ایک راوی سے ابن عباسؓ کا یہ قول مروی ہے کہ "جو بندہ یاد الٰہی کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے"۔ اس نے کہا ہمارے ہاں جو صاحب ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جب تم اللہ کا ذکر کرو گے تو وہ تمہاری یاد کرے گا اور یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ تم میری یاد کرو میں تمہاری یاد

کروں گا - اسے سن کر آپ نے فرمایا' اس نے سچ کہا یعنی دونوں مطلب درست ہیں - یہ بھی اور وہ بھی' اور خود حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ تفسیر مروی ہے - حضرت عبداللہ بن ربیعہؒ سے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے دریافت فرمایا کہ اس جملے کا مطلب جانتے ہو؟ انہوں نے کہا' ہاں اس سے مراد نماز میں سبحان اللہ' الحمدللہ' اللہ اکبر وغیرہ کہنا ہے - آپ نے فرمایا' تو نے عجیب بات کہی - یہ یوں نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ حکم کے اور منع کے وقت اللہ کا تمہیں یاد کرنا' تمہارے ذکر اللہ سے بہت بڑا اور بہت اہم ہے - حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' حضرت ابودرداءؓ' حضرت سلمان فارسیؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے - اور اسی کو امام ابن جریرؒ پسند فرماتے ہیں -

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

اہل کتاب کے ساتھ بہت مہذب طریقے سے مناظرے کرو مگر ان کے ساتھ جو ان میں سے بے انصاف ہیں اور صاف اعلان کر دیا کرو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر نازل ہوئی ہے - ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے - ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں ○

غیر مسلموں کو دلائل سے قائل کرو: ☆☆ (آیت:۴۶) حضرت قتادہؒ وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ یہ آیت جہاد کے حکم کی آیت کے ساتھ منسوخ ہے - اب تو یہی ہے کہ یا تو اسلام قبول کریں یا جزیہ ادا کریں یا لڑائی لڑیں - لیکن اور بزرگ مفسرین کا قول ہے کہ یہ حکم باقی ہے - جو یہودی یا نصرانی دینی امور کو سمجھنا چاہے' اسے مہذب طریقے سے سلجھے ہوئے پیرائے سے سمجھا دینا چاہیے - کیا عجب کہ وہ راہ راست اختیار کرے - جیسے اور آیت میں عام حکم موجود ہے اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ الخ اپنے رب کی راہ کی دعوت' حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ لوگوں کو دو - حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو جب فرعون کی طرف بھیجا جاتا ہے تو فرمان ہوتا ہے کہ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى یعنی اس سے نرمی سے گفتگو کرنا - کیا عجب کہ وہ نصیحت قبول کر لے اور اس کا دل پگھل جائے - یہی قول حضرت امام ابن جریرؒ کا پسندیدہ ہے اور حضرت ابن زید سے بھی یہی مروی ہے - ہاں ان میں سے جو ظلم پر اڑ جائیں اور ضد اور تعصب برتیں' حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیں' پھر مناظرے' مباحثے بے سود ہیں - پھر تو جدال و قتال کا حکم ہے - جیسے جناب باری عزاسمہ کا ارشاد ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ الخ ہم نے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب و میزان نازل فرمائی تاکہ لوگوں میں عدل و انصاف کا قیام ہو سکے اور ہم نے لوہا بھی نازل فرمایا ہے جس میں سخت لڑائی ہے -

پس حکم الٰہی یہ ہے کہ بھلائی سے اور نرمی سے جو نہ مانے' اس پر پھر سختی کی جائے - جو لڑے' اسی سے لڑا جائے' ہاں یہ اور بات ہے کہ ماتحتی میں رہ کر جزیہ ادا کرے - پھر فرماتا ہے کہ جس کے کھرے کھوٹے ہونے کا تمہیں یقینی علم نہ ہو تو اس کی تکذیب کی طرف قدم نہ بڑھاؤ اور نہ بے تامل تصدیق کر دیا کرو - ممکن ہے کسی امر حق کو تم جھٹلا دو اور ممکن ہے کسی باطل کی تم تصدیق کر بیٹھو - پس شرطیہ تصدیق کرو یعنی کہہ دو کہ ہمارا اللہ کی ہر بات پر ایمان ہے - اگر تمہاری پیش کردہ چیز اللہ کی نازل کردہ ہے تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اور اگر تم نے تبدیل و تحریف کر دی ہے تو ہم اسے نہیں مانتے - صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اہل کتاب توراۃ کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور ہمارے سامنے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے - اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا' نہ تم انہیں سچا کہو نہ جھوٹا بلکہ تم اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ سے آخر آیت تک پڑھ دیا کرو -

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی آیا اور کہنے لگا کیا یہ جنازے بولتے ہیں؟ آپ نے فرمایا' اللہ ہی کو علم ہے۔ اس نے کہا' میں جانتا ہوں۔ یہ یقیناً بولتے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ یہ اہل کتاب جب تم سے کوئی بات بیان کریں تو تم نہ ان کی تصدیق کرو نہ جھٹلاؤ' بلکہ کہہ دو کہ ہمارا اللہ پر' اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان ہے۔ یہ اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو' تم کسی جھوٹ کو سچا کہہ دو یا کسی سچ کو جھوٹ بتا دو۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ اہل کتاب کی اکثر و بیشتر باتیں تو غلط اور جھوٹ ہی ہوتی ہیں۔ عموماً بہتان وافتراء ہوتا ہے۔ ان میں تحریف وتبدل' تغیر وتاویل رواج پا چکی ہے اور صداقت ایسی رہ گئی ہے کہ گویا کچھ بھی نہیں۔ پھر ایک بات اور بھی ہے کہ بالفرض سچ بھی ہو تو ہمیں کیا فائدہ؟ ہمارے پاس تو اللہ کی تازہ اور کامل کتاب موجود ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں' اہل کتاب سے تم کچھ بھی نہ پوچھو۔ وہ خود جبکہ گمراہ ہیں تو تمہاری تصحیح کیا کریں گے؟ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ان کی کسی سچی بات کو تم جھوٹا کہہ دو۔ یا ان کی کسی جھوٹی بات کو تم سچ کہہ دو۔ یاد رکھو' ہر اہل کتاب کے دل میں اپنے دین کا ایک تعصب ہے۔ جیسے مال کی خواہش ہے (ابن جریر)

صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' تم اہل کتاب سے سوالات کیوں کرتے ہو؟ تم پر تو اللہ کی طرف سے ابھی ابھی کتاب نازل ہوئی ہے جو بالکل خالص ہے جس میں باطل نہ ملا جلا' نہ مل جل سکے۔ تم سے تو خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ اہل کتاب نے اللہ کے دین کو بدل ڈالا۔ اللہ کی کتاب میں تغیر کر دیا اور اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو اللہ کی کتاب کہنے لگے اور دنیوی نفع حاصل کرنے لگے۔ کیوں بھلا تمہارے پاس جو علم اللہ ہے' کیا وہ تمہیں کافی نہیں کہ تم ان سے دریافت کرو۔ دیکھو تو کس قدر ستم ہے کہ ان میں سے تو ایک بھی تم سے کبھی کچھ نہ پوچھے اور تم ان سے دریافت کرتے پھرو؟ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینے میں قریش کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا کہ دیکھو' ان تمام اہل کتاب میں اور ان کی باتیں بیان کرنے والوں میں سب سے اچھے اور سچے حضرت کعب احبارؒ ہیں لیکن باوجود اس کے بھی ان کی باتوں میں بھی ہم کبھی کبھی جھوٹ پاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عمداً جھوٹ بولتے ہیں بلکہ جن کتابوں پر انہیں اعتماد ہے' وہ خود گیلی سوکھی سب جمع کر لیتے ہیں۔ ان میں خود سچ جھوٹ' صحیح غلط بھرا پڑا ہے' ان میں مضبوط' ذی علم حافظوں کی جماعت تھی ہی نہیں۔ یہ تو اسی امت مرحومہ پر اللہ کا فضل ہے کہ اس میں بہترین دل ودماغ والے اور اعلیٰ فہم وذکا والے اور عمدہ حفظ واتقان والے لوگ اللہ نے پیدا کر دیئے ہیں لیکن پھر بھی آپ دیکھئے کہ کس قدر موضوعات کا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے اور کس طرح لوگوں نے باتیں گھڑ لی ہیں۔ گو محدثین نے اس باطل کو حق سے بالکل جدا کر دیا' فالحمد للہ۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ
بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۷

ہم نے اسی طرح تیری طرف اپنی کتاب نازل فرمائی ہے' پس جنہیں ہم نے کتاب دی ہے' وہ اس پر ایمان لاتے ہیں' اور ان میں سے بھی بعض اس پر ایمان رکھتے ہیں' ہماری آیتوں کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں ○

حق تلاوت: ☆☆ (آیت: ۴۷) فرمان ہے کہ جیسے ہم نے اگلے انبیاء پر اپنی کتابیں نازل فرمائی تھیں' اسی طرح یہ کتاب یعنی قرآن شریف ہم نے اے ہمارے آخری رسولؐ تم پر نازل فرمایا ہے۔ پس اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ہماری کتاب کی قدر کی اور اس کی تلاوت کا حق ادا کیا' وہ جہاں اپنی کتابوں پر ایمان لائے' اس پاک کتاب کو بھی مانتے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور

جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ۔ اور ان لوگوں یعنی قریش وغیرہ میں سے بھی بعض لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں ۔ ہاں جو لوگ باطل سے حق کو چھپانے والے اور سورج کی روشنی سے آنکھیں بند کرنے والے ہیں، وہ تو اس کے بھی منکر ہیں ۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

اس سے پہلے تو تو کوئی کتاب پڑھتا نہ تھا اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا کہ یہ باطل پرست لوگ شک شبہ میں پڑتے ○ بلکہ یہ قرآن تو روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں ۔ ہماری آیتوں کا منکر بجز ستم گروں کے اور کوئی نہیں ○

(آیت: ۴۸-۴۹) پھر فرماتا ہے اے نبی تم ان میں مدت العمر تک رہ چکے ہو، اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ان میں گزار چکے ہو، انہیں خوب معلوم ہے کہ آپ پڑھے لکھے نہیں ۔ ساری قوم اور سارا ملک بخوبی علم رکھتا ہے کہ آپ محض امی ہیں، نہ لکھنا جانتے ہیں نہ پڑھنا ۔ پھر آج جو آپ ایک انوکھی، فصیح و بلیغ اور پرازحکمت کتاب پڑھتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے ۔ آپ اس حالت میں کہ ایک حرف پڑھے ہوئے نہیں، خود تصنیف و تالیف کر نہیں سکتے ۔ حضورؐ کی یہی صفت اگلی کتابوں میں تھی جیسے قرآن ناقل ہے ۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ الخ یعنی جو لوگ پیروی کرتے ہیں، اس رسول نبی امی کی جس کی صفات وہ اپنی کتاب توراۃ وانجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں جو انہیں نیکیوں کا حکم کرتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے ۔ لطف یہ ہے کہ اللہ کے معصوم نبیؐ ہمیشہ لکھنے سے دور ہی رکھے گئے ۔ ایک سطر کیا معنی، ایک حرف بھی لکھنا آپ کو نہ آتا تھا ۔ آپ نے کاتب مقرر کر لئے تھے جو وحی اللہ کو لکھ لیتے تھے اور ضرورت کے وقت شاہان دنیا سے خط و کتابت بھی وہی کرتے تھے ۔ پچھلے فقہاء میں سے قاضی ابوالولید باجی وغیرہ نے کہا کہ حدیبیہ والے دن خود رسول کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے یہ جملہ صلح نامے میں لکھا تھا کہ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ یعنی یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبداللہؐ نے فیصلہ کیا ۔ لیکن یہ قول درست نہیں ۔ یہ وہم قاضی صاحب کو بخاری شریف کی اس روایت سے ہوا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ ثُمَّ اَخَذَ فَكَتَبَ یعنی پھر حضورؐ نے آپ لے کر لکھا ۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا ۔ جیسے دوسری روایت میں صاف موجود ہے کہ ثُمَّ اَمَرَ فَكُتِبَ یعنی آپ نے پھر حکم دیا اور لکھا گیا ۔ مشرق و مغرب کے تمام علماء کا یہی مذہب ہے بلکہ باجی وغیرہ پر انہوں نے اس قول کا بہت سخت رد کیا ہے اور اس سے بیزاری ظاہر کی ہے اور اس قول کی تردید اپنے اشعار اور خطبوں میں بھی کی ہے ۔ لیکن یہ بھی خیال رہے کہ قاضی صاحب وغیرہ کا یہ خیال ہرگز نہیں کہ آپ اچھی طرح لکھنا جانتے تھے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ آپ کا یہ جملہ صلح نامے پر لکھ لینا آپ کا ایک معجزہ تھا ۔ جیسے کہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ ک ف ر لکھا ہوا ہوگا ۔ جسے ہر مومن پڑھ لے گا یعنی اگرچہ ان پڑھ ہو تب بھی اسے پڑھ لے گا ۔ یہ مومن کی ایک کرامت ہوگی اسی طرح یہ فقرہ لکھ لینا اللہ کے نبیؐ کا ایک معجزہ تھا، یہ اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ آپ لکھنا جانتے تھے یا آپ نے سیکھا تھا ۔ بعض لوگ ایک روایت پیش کرتے ہیں جس میں ہے کہ آنحضورؐ کا انتقال نہ ہوا جب تک کہ آپ نے لکھنا نہ سیکھ لیا یہ روایت بالکل ضعیف ہے بلکہ محض بے اصل ہے ۔

قرآن کریم کی اس آیت کو دیکھئے کس قدر تاکید کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پڑھا ہوا ہونے کا انکار کرتی اور کتنی سختی کے ساتھ

پرزور الفاظ میں اس کا بھی انکار کرتی ہے کہ آپ لکھنا جانتے ہیں۔ یہ جو فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے یہ باعتبار غالب کے کہہ دیا ہے ورنہ لکھا تو دائیں ہاتھ سے ہی جاتا ہے اسی کی طرح وَلَا طَائِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ میں ہے کیونکہ ہر پرندا اپنے پروں سے ہی اڑتا ہے۔ پس حضورؐ کا ان پڑھ ہونا بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو یہ باطل پرست آپ کی نسبت شک کرنے کی گنجائش پاتے کہ سابقہ انبیاء کی کتابوں سے پڑھ لکھ کر نقل کر لیتا ہے لیکن یہاں تو ایسا نہیں۔ تعجب ہے کہ باوجود ایسا نہ ہونے کے پھر بھی یہ لوگ ہمارے رسولؐ پر یہ الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ گزرے ہوئے لوگوں کی کہانیاں ہیں' جنہیں اس نے لکھ لیا ہے۔ وہی اس کے سامنے صبح شام پڑھی جاتی ہیں۔ باوجودیکہ خود جانتے ہیں کہ ہمارے رسولؐ پڑھے لکھے نہیں۔ ان کے اس قول کے جواب میں جناب باری عزاسمہ نے فرمایا انہیں جواب دو کہ اسے اس اللہ نے نازل فرمایا ہے جو زمین و آسمان کی پوشیدگیوں کو جانتا ہے۔ یہاں فرمایا بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں ہیں۔ خود آیات واضح' صاف اور سلجھے ہوئے الفاظ میں۔ پھر علماء پر ان کا سمجھنا' یاد کرنا' پہنچانا سب آسان ہے جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ یعنی ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے بالکل آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہر نبی کو ایسی چیز دی گئی جس کے باعث لوگ ان پر ایمان لائے۔ مجھے ایسی چیز وحی اللہ دی گئی ہے جو اللہ نے میری طرف نازل فرمائی ہے۔ تو مجھے ذات الٰہی سے امید ہے کہ تمام نبیوں کے تابعداروں سے زیادہ میرے تابعدار ہوں گے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں فرمان باری ہے کہ اے نبیؐ میں تمہیں آزماؤں گا اور تمہاری وجہ سے لوگوں کی بھی آزمائش کرلوں گا۔ میں تم پر ایسی کتاب نازل فرماؤں گا جسے پانی دھو نہ سکے۔ تو اسے سوتے جاگتے پڑھتا رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ گو اس کے حروف پانی سے دھوئے جائیں لیکن وہ ضائع ہونے سے محفوظ ہے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے' اگر قرآن کسی چمڑے میں ہو تو اسے آگ نہیں جلائے گی۔ اس لئے کہ وہ سینوں میں محفوظ ہے۔ زبانوں پر آسان ہے۔ دلوں میں موجود ہے اور اپنے لفظ اور معنی کے اعتبار سے ایک جیتا جاگتا معجزہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سابقہ کتابوں میں اس امت کی ایک صفت یہ بھی مروی ہے کہ اَنَاجِيْلُهُمْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ ان کی کتاب ان کے سینوں میں ہوگی۔

امام ابن جریرؒ اسے پسند فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں بلکہ اس کا علم کہ تو اس کتاب سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتا تھا۔ یہ آیات بینات اہل کتاب کے ذی علم لوگوں کے سینوں میں موجود ہیں۔ قتادہؒ اور ابن جریج سے بھی یہی منقول ہے اور پہلا قول حسن بصریؒ کا ہے اور یہی بہ روایت عوفیؒ' ابن عباسؓ سے منقول ہے اور یہ ضحاکؒ نے کہا ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ ہماری آیتوں کا جھٹلانا' قبول نہ کرنا' یہ حد سے گزر جانے والوں اور ضدی لوگوں کا ہی کام ہے جو حق ناحق کو سمجھتے ہیں اور نہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے' وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے اگرچہ ان کے پاس سب نشانیاں آجائیں۔ یہاں تک کہ وہ المناک عذاب کا مشاہدہ کرلیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ

وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللّٰهِ أُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۵۲﴾

کہتے ہیں اس پر کچھ نشانات اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتارے گئے؟ تو کہہ دے کہ نشانات تو سب اللہ کے پاس ہیں' میری حیثیت تو صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والے کی ہے ○ کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل فرما دی جو ان پر پڑھی جا رہی ہے اس میں رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی ہے ان لوگوں کے لئے جو ایماندار ہیں ○ کہہ دے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے' وہ آسمان وزمین کی ہر چیز کا عالم ہے۔ جو لوگ باطل کے ماننے والے اور اللہ سے کفر کرنے والے ہیں' وہ زبردست نقصان اور گھاٹے میں ہیں ○

محاسن کلام کا بے مثال جمال قرآن حکیم: ☆☆ (آیت:۵۰-۵۲) کافروں کی ضد' تکبر اور ہٹ دھرمی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسولؐ سے ایسی ہی نشانی طلب کی جیسی کہ حضرت صالحؑ سے ان کی قوم نے مانگی تھی۔ پھر اپنے نبی کو حکم دیتا ہے' انہیں جواب دیجئے کہ آیتیں' معجزے اور نشانات دکھانا میرے بس کی بات نہیں' یہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ اگر اس نے تمہاری نیک نیتیں معلوم کر لیں تو وہ معجزہ دکھائے گا اور اگر تم اپنی ضد اور انکار سے بڑھ بڑھ کر باتیں ہی بنا رہے ہو تو وہ اللہ تم سے دبا ہوا نہیں کہ اس کی چاہت تمہاری چاہت کے تابع ہو جائے۔ تم جو مانگو وہ کر ہی دکھائے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے کہ آیتیں بھیجنے سے' ہمیں کوئی مانع نہیں سوائے اس کے کہ گذشتہ لوگ بھی برابر انکار ہی کرتے رہے۔ قوم ثمود کو دیکھو' ہماری نشانی اونٹنی جوان کے پاس آئی' انہوں نے اس پر ظلم ڈھایا۔ کہہ دو کہ میں تو صرف ایک مبلغ ہوں' پیغامبر ہوں' قاصد ہوں' میرا کام تمہارے کانوں تک آواز الٰہی کو پہنچا دینا ہے' میں نے تو تمہیں تمہارا برا بھلا سمجھا دیا' نیک بد سمجھا دیا' اب تم جانو تمہارا کام جانے۔ ہدایت وضلالت اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ اگر کسی کو گمراہ کر دے تو اس کی رہبری کوئی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ایک اور جگہ ہے' تجھ پر ان کی ہدایت کا ذمہ نہیں۔ یہ اللہ کا کام ہے اور اس کی چاہت پر موقوف ہے۔ بھلا اس فضول گوئی کو تو دیکھو کہ کتاب عزیز ان کے پاس آ چکی جس کے پاس کسی طرف سے باطل پھٹک نہیں سکتا اور انہیں اب تک نشان کی طلب ہے۔ حالانکہ یہ تو تمام معجزات سے بڑھ کر معجزہ ہے۔ تمام دنیا کے فصیح وبلیغ اس کے معارضہ سے اور اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے۔ پورے قرآن کا تو معارضہ کیا کرتے' دس سورتوں کا بلکہ ایک سورت کا معارضہ بھی چیلنج کے باوجود نہ کر سکے۔ تو کیا اتنا بڑا اور اتنا بھاری معجزہ انہیں کافی نہیں اور معجزہ طلب کرنے بیٹھے ہیں۔ یہ تو وہ پاک کتاب ہے جس میں گذشتہ باتوں کی خبر ہے اور ہونے والی باتوں کی پیش گوئی ہے اور جھگڑوں کا فیصلہ ہے اور یہ اس کی زبان سے پڑھی جاتی ہے جو محض امی ہے۔ جس نے کسی سے الف با بھی نہیں پڑھا' جو ایک حرف لکھنا نہیں جانتا بلکہ اہل علم کی صحبت میں بھی کبھی نہیں بیٹھا۔ اور وہ کتاب پڑھتا ہے جس سے گزشتہ کتابوں کی بھی صحت وعدم صحت معلوم ہوتی ہے۔ جس کے الفاظ میں حلاوت' جس کی نظم میں ملاحت' جس کے انداز میں فصاحت' جس کے بیان میں بلاغت' جس کا طرز دلربا' جس کا سیاق دلچسپ' جس میں دنیا بھر کی خوبیاں موجود۔ خود بنی اسرائیل کے علماء بھی اس کی تصدیق پر مجبور۔ اگلی کتابیں جس پر شاہد۔ بھلے لوگ جس کے مداح اور قائل وعامل۔ اس اتنے بڑے معجزے کی موجودگی میں کسی اور معجزہ کی طلب محض بدنیتی اور گریز ہے۔ پھر فرماتا ہے' اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت ونصیحت ہے۔ یہ قرآن حق کو ظاہر کرنے والا' باطل کو برباد کرنے والا ہے۔ گزشتہ لوگوں کے واقعات تمہارے سامنے رکھ کر تمہیں نصیحت وعبرت کا موقعہ دیتا ہے' گنہگاروں کا انجام دکھا کر تمہیں گناہوں سے روکتا ہے۔ کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور اس کی گواہی کافی ہے۔ وہ تمہاری تکذیب وسرکشی کو اور میری سچائی وخیر خواہی کو بخوبی جانتا ہے۔ اگر میں اس پر جھوٹ باندھتا تو وہ ضرور مجھ سے انتقام لے لیتا۔ وہ ایسے لوگوں کو بغیر انتقام نہیں

چھوڑتا- جیسے خود اس کا فرمان ہے کہ اگر یہ رسول مجھ پر ایک بات بھی گھڑ لیتا تو میں اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ جان کاٹ دیتا اور کوئی نہ ہوتا جو اسے میرے ہاتھ سے چھڑا سکے- چونکہ اس پر میری سچائی روشن ہے اور میں اسی کا بھیجا ہوا ہوں اور اس کا نام لے کر اس کی کہی ہوئی تم سے کہتا ہوں' اس لئے وہ میری تائید کرتا ہے اور مجھے روز بروز غلبہ دیتا ہے اور مجھ سے معجزات پر معجزات ظاہر کراتا ہے- وہ زمین وآسمان کے غیب کا جاننے والا ہے' اس پر ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں- باطل کو ماننے والے اور اللہ کو نہ ماننے والے ہی نقصان یافتہ اور ذلیل ہیں' قیامت کے دن انہیں ان کی بداعمالی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا اور جو سرکشیاں دنیا میں کی ہیں' سب کا مزہ چکھنا پڑے گا- بھلا اللہ کو نہ ماننا اور بتوں کو ماننا اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا؟ وہ علیم وحکیم اللہ اس کا بدلہ دیئے بغیر ہرگز نہ رہے گا-

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

یہ لوگ تجھ سے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں' اگر میری طرف سے مقرر کیا ہوا وقت نہ ہوتا تو ابھی ان کے پاس عذاب آ پہنچتے- یہ یقینی بات ہے کہ اچانک ان کی بے خبری میں ان کے پاس عذاب آ پہنچیں گے ○ یہ عذابوں کی جلدی مچا رہے ہیں' تسلی رکھیں جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے ○ اس دن ان کے اوپر تلے سے انہیں عذاب ڈھانپ رہے ہوں گے اور ہم کہہ رہے ہوں گے کہ اب اپنے بداعمال کا مزہ چکھو ○

موت کے بعد کفار کو عذاب اور مومنوں کو جنت: ☆☆ (آیت: ۵۳-۵۵) مشرکوں کا اپنی جہالت سے عذاب الٰہی طلب کرنا بیان ہو رہا ہے- یہ اللہ کے نبی سے بھی یہی کہتے تھے اور خود اللہ تعالیٰ سے بھی یہی دعائیں کرتے تھے کہ جناب باری اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں اور کوئی دردناک عذاب کر- یہاں انہیں جواب ملتا ہے کہ رب العالمین یہ بات مقرر کر چکا ہے کہ ان کفار کو قیامت کے دن عذاب ہوں گے- اگر یہ نہ ہوتا تو ان کے مانگتے ہی عذاب کے مہیب بادل ان پر برس پڑتے- اب بھی یہ یقین مانیں کہ یہ عذاب آئیں گے اور ضرور آئیں گے بلکہ ان کی بے خبری میں اچانک اور یک بیک آ پڑیں گے- یہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور جہنم بھی انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے- یعنی یقیناً انہیں عذاب ہوگا- ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ جہنم یہی بحر اخضر ہے- ستارے اسی میں جھڑیں گے اور سورج چاند اسی میں بے نور کر کے ڈال دیئے جائیں گے اور یہ بھڑک اٹھے گا اور جہنم بن جائے گا- مسند احمد میں مرفوع حدیث ہے کہ سمندر ہی جہنم ہے- راوی حدیث حضرت یعلی سے لوگوں نے کہا کہ کیا آپ لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا یعنی وہ آگ جسے قناتیں گھیرے ہوئے ہیں تو فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں یعلی کی جان ہے کہ میں اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گا جب تک کہ اللہ کے سامنے پیش نہ کیا جاؤں اور مجھے اس کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچے گا یہاں کہ میں اللہ کے سامنے پیش کیا جاؤں- یہ تفسیر بھی بہت غریب ہے اور یہ حدیث بھی بہت ہی غریب ہے- واللہ اعلم-

پھر فرماتا ہے کہ اس دن انہیں نیچے سے آگ ڈھانک لے گی- جیسے اور آیت میں ہے لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ان کے لئے جہنم ہی اوڑھنا بچھونا ہے- اور آیت میں ہے لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ یعنی ان کے اوپر نیچے آگ ہی کا فرش وسائبان ہوگا- اور مقام پر ارشاد ہے لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا

عَنْ ظُهُوْرِهِمْ الخ یعنی کاش کہ کافر اس وقت کو جان لیں جبکہ نہ یہ اپنے آگے سے آگ کو ہٹا سکیں گے نہ پیچھے سے۔ ان آیتوں سے معلوم ہو گیا کہ ہر طرف سے ان کفار کو آگ کھا رہی ہو گی۔ آگے سے، پیچھے سے، اوپر سے، نیچے سے، دائیں سے بائیں سے۔ اس پر اللہ عالم کی ڈانٹ ڈپٹ اور مصیبت ہو گی، ادھر ہر وقت کہا جائے گا' لو اب عذاب کے مزے چکھو' پس ایک تو وہ ظاہری جسمانی عذاب' دوسرا یہ باطنی روحانی عذاب۔ اسی کا ذکر آیت يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ الخ اور آیت يَوْمَ يُدَعُّوْنَ الخ میں ہے یعنی جبکہ جہنم میں اوندھے منہ گھسیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ لو اب آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ جس دن انہیں دھکے دے دے کر جہنم میں ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا' یہ وہ جہنم ہے جسے تم جھٹلاتے رہے۔ اب بتاؤ! یہ جادو ہے تم اندھے ہو؟ جاؤ اب جہنم میں چلے جاؤ۔ اب تمہارا صبر کرنا یا نہ کرنا یکساں ہے۔ تمہیں اپنے اعمال کا بدلہ ضرور بھگتنا ہے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٥٨﴾

اے میرے ایماندار بندو! میری زمین کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کرتے رہو O ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے O جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے انہیں ہم قطعاً جنت کے ان بلند بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے' کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے O

مہاجرین کے لئے انعامات الٰہی: ☆☆ (آیت:۵۶-۵۸) اللہ تبارک وتعالیٰ اس آیت میں ایمان والوں کو ہجرت کا حکم دیتا ہے کہ جہاں وہ دین کو قائم نہ رکھ سکتے ہوں' وہاں سے اس جگہ چلے جائیں جہاں ان کے دین میں انہیں آزادی رہے۔ اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے جہاں وہ فرمان الٰہی کے ماتحت اللہ کی عبادت وتوحید بجا لا سکیں وہاں چلے جائیں۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تمام شہر اللہ کے شہر ہیں اور کل بندے اللہ کے غلام ہیں۔ جہاں تو بھلائی پا سکتا ہو' وہیں قیام کر۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ پر جب مکہ شریف کی رہائش مشکل ہو گئی تو وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تاکہ امن وامان کے ساتھ اللہ کے دین پر قیام کر سکیں۔ وہاں کے سمجھدار دیندار بادشاہ اصحمہ نجاشی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی پوری تائید ونصرت کی اور وہاں وہ بہت عزت اور خوشی سے رہے سہے۔ پھر اس کے بعد باجازت الٰہی دوسرے صحابہؓ نے اور خود آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ بعد ازاں فرماتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک مرنے والا اور میرے سامنے حاضر ہونے والا ہے۔ تم خواہ کہیں ہو' موت کے پنجے سے نجات نہیں پا سکتے پس تمہیں زندگی بھر اللہ کی اطاعت میں اور اس کے راضی کرنے میں رہنا چاہیے تاکہ مرنے کے بعد اللہ کے ہاں جا کر عذاب میں نہ پھنسو۔ ایماندار نیک اعمال لوگوں کو اللہ تعالیٰ جنت عدن کی بلند وبالا منزلوں میں پہنچائے گا جن کے نیچے قسم قسم کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ کہیں صاف شفاف پانی کی' کہیں شراب طہور کی' کہیں شہد کی' کہیں دودھ کی۔ یہ چشمے خود بخود جہاں جنتی چاہیں' بہنے لگیں گے۔ یہ وہاں ہمیشہ رہیں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں نہ ہٹائے جائیں گے نہ وہ نعمتیں ختم ہوں گی نہ ان میں گھاٹا آئے گا۔ مومنوں کے نیک اعمال پر جنتی بالا خانے انہیں مبارک ہوں۔ جنہوں نے اپنے سچے دین پر صبر کیا اور اللہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے دشمنوں کو ترک کیا' اپنے اقربا اور اپنے گھر والوں کو راہ اللہ میں چھوڑا' اس کی نعمتوں اور اس کے انعامات کی امید پر دنیا کے عیش وعشرت پر

لات ماردی۔ ابن ابی حاتم میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بنائے ہیں جو کھانا کھلائیں، خوش کلام، نرم گو ہوں۔ روزے نماز کے پابند ہوں اور راتوں کو جبکہ لوگ سوتے ہوئے ہوں، یہ نمازیں پڑھتے ہوں اور اپنے کل احوال میں دینی ہوں یا دنیوی، اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہوں۔

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۵۹﴾ وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۰﴾

جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ ہی روزی دیتا ہے۔ وہ بڑا ہی سننے جاننے والا ہے O

(آیت: ۵۹-۶۰) پھر فرمایا کہ رزق کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اللہ کا تقسیم کیا ہوا رزق عام ہے اور ہر جگہ جو جہاں ہوا سے وہ وہیں پہنچ جاتا ہے۔ مہاجرین کے رزق میں ہجرت کے بعد اللہ نے وہ برکتیں دیں کہ یہ دنیا کے کناروں کے مالک ہو گئے اور بادشاہ بن گئے۔ فرمایا کہ بہت سے جانور ہیں جو اپنے رزق کے جمع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اللہ کے ذمے ان کی روزیاں ہیں۔ پروردگار انہیں ان کے رزق پہنچا دیتا ہے۔ تمہارا رازق بھی وہی ہے۔ وہ کسی مخلوق کو کسی حالت میں کسی وقت نہیں بھولتا۔ چیونٹیوں کو ان کے سوراخوں میں، پرندوں کو آسمان وزمین کے خلا میں، مچھلیوں کو پانی میں وہی رزق پہنچاتا ہے۔ جیسے فرمایا وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ الخ یعنی کوئی جانور روئے زمین پر ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمے نہ ہو، وہی ان کے ٹھہرنے اور رہنے سہنے کی جگہ کو بخوبی جانتا ہے۔ یہ سب اس کی روشن کتاب میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے، ابن عمرؓ فرماتے ہیں، میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلا، آپ مدینے کے باغات میں سے ایک باغ میں گئے اور گری پڑی ردی کھجوریں کھول کھول کر صاف کر کے کھانے لگے۔ مجھ سے بھی کھانے کو فرمایا۔ میں نے کہا، حضورؐ مجھ سے تو یہ ردی کھجوریں نہیں کھائی جائیں گی۔ آپؐ نے فرمایا، لیکن مجھے تو یہ بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں اس لئے کہ چوتھے دن کی صبح ہے کہ میں نے کھانا نہیں کھایا اور نہ کھانے کی وجہ یہ ہے کہ ملا ہی نہیں۔ سنو اگر میں چاہتا تو اللہ سے دعا کرتا اور اللہ تعالیٰ مجھے قیصر وکسریٰ کا ملک دے دیتا۔ اے ابن عمر تیرا کیا حال ہو گا جبکہ تو ایسے لوگوں میں ہو گا جو سال سال بھر کے غلے وغیرہ جمع کر لیا کریں گے اور ان کا یقین اور توکل بالکل بودا ہو جائے گا۔ ہم ابھی تو وہیں اسی حالت میں تھے جو آیت وَكَأَيِّن الخ، نازل ہوئی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ عزوجل نے مجھے دنیا کے خزانے جمع کرنے کا اور خواہشوں کے پیچھے لگ جانے کا حکم نہیں کیا۔ جو شخص دنیا کے خزانے جمع کرے اور اس سے باقی والی زندگی چاہے، وہ سمجھ لے کہ باقی رہنے والی حیات تو اللہ کے ہاتھ ہے۔ دیکھو میں تو نہ دینار ودرہم جمع کروں نہ کل کے لئے آج روزی کا ذخیرہ جمع کر رکھوں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا راوی ابوالعطوف جزری ضعیف ہے۔ یہ مشہور ہے کہ کوے کے بچے جب نکلتے ہیں تو ان کے پروبال سفید ہوتے ہیں۔ یہ دیکھ کر کوا ان سے نفرت کر کے بھاگ جاتا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد ان پروں کی رنگت سیاہ پڑ جاتی ہے تب ان کے ماں باپ آتے ہیں اور انہیں دانہ وغیرہ کھلاتے ہیں۔ ابتدائی ایام میں جبکہ ماں باپ ان چھوٹے بچوں سے متنفر ہو کر بھاگ جاتے ہیں اور ان کے پاس بھی نہیں آتے، اس وقت اللہ تعالیٰ چھوٹے چھوٹے مچھر ان کے پاس بھیج دیتا ہے۔ وہی ان کی غذا بن جاتے ہیں۔ عرب کے شعراء نے اسے نظم بھی کیا ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ سفر کرو تا کہ صحت اور روزی پاؤ۔ اور حدیث میں ہے "سفر کرو تا کہ صحت وغنیمت ملے" اور حدیث میں ہے "سفر کرو نفع اٹھاؤ گے، روزے رکھو، تندرست رہو گے، جہاد کرو، غنیمت ملے گی"۔ ایک اور روایت میں ہے جدوالوں اور آسانی والوں کے ساتھ سفر کرو۔

پھر فرمایا' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتیں سننے والا اور ان کی حرکات وسکنات کو جاننے والا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾

اگر تو ان سے دریافت کرے کہ زمین وآسمان کا خالق اور سورج چاند کو کام لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ' پھر کدھر الٹے جا رہے ہیں ○ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ' یقیناً اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے ○

توحید ربوبیت' توحید الوہیت: ☆☆ (آیت: ۶۱-۶۳) اللہ تعالیٰ ثابت کرتا ہے کہ معبود برحق صرف وہی ہے۔ خود مشرکین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا' سورج چاند کو مسخر کرنے والا' دن رات کو پے در پے لانے والا' خالق' رازق' موت وحیات پر قادر صرف اللہ ہی ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ غنا کے لائق کون ہے اور فقر کے لائق کون ہے؟ اپنے بندوں کی مصلحتیں اس کو پوری طرح معلوم ہیں۔ پس جبکہ مشرکین خود مانتے ہیں کہ تمام چیزوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے' سب پر قابض صرف وہی ہے' پھر اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ اور اس کے سوا دوسروں پر توکل کیوں کرتے ہیں؟ جبکہ ملک کا مالک وہ تنہا ہے تو عبادتوں کے لائق بھی وہ اکیلا ہے۔ توحید ربوبیت کو مان کر پھر توحید الوہیت سے انحراف عجیب چیز ہے۔ قرآن کریم میں توحید ربوبیت کے ساتھ ہی توحید الوہیت کا ذکر بکثرت ہے اس لئے کہ توحید ربوبیت کے قائل مشرکین مکہ تو تھے ہی' انہیں قائل معقول کر کے پھر توحید الوہیت کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ مشرکین حج وعمرے میں لبیک پکارتے ہوئے بھی اللہ کے لاشریک ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ کہتے تھے لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ یعنی یا اللہ ہم حاضر ہوئے۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسے شریک کہ جن کا مالک اور جن کے ملک کا مالک بھی تو ہی ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۟ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

اور اگر تو ان سے سوال کرے کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دینے والا کون ہے؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ اقرار کر کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے' ہاں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ○ دنیا کی یہ زندگانی تو محض کھیل تماشا ہے' البتہ سچی زندگی تو آخرت کا گھر ہے اگر یہ جانتے ہوں ○ یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تب تو اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ اس کے لئے عبادت کو خالص کر کے' پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں ○ ہماری دی ہوئی نعمتوں سے مکرتے ہیں' اور برتتے رہیں۔ ابھی ابھی پتہ چل جائے گا ○

جب عکرمہ طوفان میں گھر گئے: ☆☆ (آیت:۶۴-۶۶) دنیا کی حقارت وذلت' اس کے زوال وفنا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اسے کوئی دوام نہیں' اس کا کوئی ثبات نہیں۔ یہ تو صرف لہو ولعب ہے۔ البتہ دار آخرت کی زندگی دوام وبقا کی زندگی ہے' وہ زوال وفنا سے' قلت وذلت سے دور ہے۔ اگر انہیں علم ہوتا تو اس بقا والی چیز پر اس فانی چیز کو ترجیح نہ دیتے۔ پھر فرمایا کہ مشرکین بے کسی اور بے بسی کے وقت تو اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ کو ہی پکارنے لگتے ہیں۔ پھر مصیبت کے ہٹ جانے اور مشکل کے ٹل جانے کے بعد اس کے ساتھ دوسروں کا نام کیوں لیتے ہیں؟ جیسے اور جگہ ہے وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ الخ یعنی جب سمندر میں مشکل میں پھنستے ہیں' اس وقت اللہ کے سوا سب کو بھول جاتے ہیں اور جب وہاں سے نجات پا کر خشکی میں آ جاتے ہیں تو فوراً ہی منہ پھیر لیتے ہیں۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو عکرمہ بن ابی جہل یہاں سے بھاگ نکلا اور حبشہ جانے کے ارادے سے کشتی میں بیٹھ گیا۔ اتفاقاً سخت طوفان آیا اور کشتی ادھر ادھر ہونے لگی۔ جتنے مشرکین کشتی میں تھے' سب کہنے لگے' یہ موقعہ صرف اللہ کو پکارنے کا ہے۔ اٹھو اور خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو۔ اس وقت نجات اسی کے ہاتھ ہے۔ یہ سنتے ہی عکرمہ نے کہا' سنو اللہ کی قسم اگر سمندر کی اس بلا سے سوائے اللہ کے کوئی اور نجات نہیں دے سکتا تو خشکی کی مصیبتوں کو ٹالنے والا بھی وہی ہے۔ اللہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر یہاں سے بچ گیا تو سیدھا جا کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا اور آپ کا کلمہ پڑھ لوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ کے رسول میری خطاؤں سے درگذر فرمالیں گے اور مجھ پر رحم وکرم فرمائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی۔ لِيَكْفُرُوْا اور لِيَتَمَتَّعُوْا میں لام جو ہے' اسے لام عافیت کہتے ہیں اس لئے کہ ان کا قصد دراصل یہ نہیں ہوتا اور فی الواقع ان کی طرف نظریں ڈالنے سے بات بھی یہی ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی نسبت سے تو یہ لام تعلیل ہے۔ اس کی پوری تقریر ہم آیت لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا میں کر چکے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝۶۷ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۶۸ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۶۹

ع ۷

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو با امن بنا دیا ہے حالانکہ ان کے اردگرد سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں' کیا یہ باطل پر تو یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں پر احسان نہیں مانتے؟ ○ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا کرے اور جب حق اس کے پاس آ جائے' وہ اسے ناحق بتلائے' کیا ایسے کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہ

ہوگا۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں' ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے' یقیناً اللہ تعالیٰ نیک کاروں کا ساتھی ہے ○

احسان کے بدلے احسان؟ ☆☆ (آیت: ۶۷-۶۹) اللہ تعالیٰ قریش کو اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے اپنے حرم میں انہیں جگہ دی۔ جو شخص اس میں آ جائے' امن میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے آس پاس جدال وقتال لوٹ مار ہوتی رہتی ہے اور یہاں والے امن وامان سے اپنے دن گزارتے ہیں۔ جیسے سورۂ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ الخ میں بیان فرمایا' تو کیا اس اتنی بڑی نعمت کا شکریہ یہی ہے کہ یہ اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کریں؟ بجائے ایمان لانے کے شرک کریں اور خود تباہ ہو کر دوسروں کو بھی اسی ہلاکت والی راہ لے چلیں۔ انہیں تو یہ چاہیے تھا کہ اللہ واحد کی عبادت میں سب سے بڑھے ہوئے رہیں۔ نبی آخر الزمانؐ کے پورے اور سچے طرفدار رہیں۔ لیکن انہوں نے اس کے برعکس اللہ کے ساتھ شرک وکفر کرنا اور نبیؐ کو جھٹلانا اور ایذا پہنچانا شروع کر رکھا ہے۔ اپنی سرکشی میں یہاں تک بڑھ گئے کہ اللہ کے پیغمبرؐ کو مکے سے نکال دیا۔

بالآخر اللہ کی نعمتیں ان سے چھننی شروع ہو گئیں۔ بدر کے دن ان کے بڑے بری طرح قتل ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے ہاتھوں مکہ کو فتح کیا اور انہیں ذلیل وپست کیا۔ اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ وحی آتی نہ ہو اور کہہ دے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جو اللہ کی سچی وحی اور حق کو جھٹلائے اور باوجود حق پہنچنے کے تکذیب پر کمربستہ رہے۔ ایسے مفتری اور مکذب لوگ کافر ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ راہ اللہ میں مشقت کرنے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ آپ کے اصحابؓ اور آپ کے تابع فرمان لوگ ہیں جو قیامت تک ہوں گے۔

فرماتا ہے کہ ہم ان کوشش اور جستجو کرنے والوں کی رہنمائی کریں گے' دنیا اور دین میں ان کی رہبری کرتے رہیں گے۔ حضرت ابواحمد عباس ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مراد یہ ہے کہ جو لوگ اپنے علم پر عمل کرتے ہیں' اللہ انہیں ان امور میں بھی ہدایت دیتا ہے جو ان کے علم میں نہیں ہوتے۔ ابوسلیمان دارانیؒ سے جب یہ ذکر کیا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں کوئی بات پیدا ہو' گو وہ بھلی بات ہوتا ہم اسے اس پر عمل نہ کرنا چاہیے جب تک قرآن حدیث سے وہ ثابت نہ ہو' جب ثابت ہو عمل کرے۔ اور اللہ کی حمد کرے کہ جو اس کے جی میں آیا تھا' وہی قرآن حدیث میں بھی نکلا۔ اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرماتے ہیں' احسان اس کا نام ہے کہ جو تیرے ساتھ بدسلوکی کرے' تو اس کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ احسان کرنے والے سے احسان کرنے کا نام احسان نہیں' واللہ اعلم۔

تفسیر سورۃ الروم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝١ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝٢ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝٣ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝٤

رحم وکرم کرنے والے سچے معبود کے نام سے شروع

رومی مغلوب ہو گئے ہیں۔ نزدیک کی زمین پر اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے ○ چند سال میں ہی' اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی

اختیار اللہ ہی کا ہے' اس روز مسلمان شادمان ہوں گے ○

معرکہ روم وفارس کا انجام: ☆☆ (آیت:۱-۴) یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جبکہ نیشاپور کا شاہ فارس بلاد شام اور جزیرہ کے آس پاس کے شہروں پر غالب آ گیا اور روم کا بادشاہ ہرقل تنگ آ کر قسطنطنیہ میں محصور ہو گیا۔ مدتوں محاصرہ رہا۔ آخر پانسہ پلٹا اور ہرقل کی فتح ہو گئی۔ مفصل بیان آگے آ رہا ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ رومیوں کو شکست پر شکست ہوئی اور مشرکین نے اس پر بہت خوشیاں منائیں۔ اس لئے کہ جیسے یہ بت پرست تھے' ایسے ہی اہل فارس بھی ان سے ملتے جلتے تھے اور مسلمانوں کی چاہت تھی کہ رومی غالب آئیں اس لئے کہ کم از کم وہ اہل کتاب تو تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا' رومی عنقریب پھر غالب آ جائیں گے۔ صدیق اکبرؓ نے مشرکین کو جب یہ خبر پہنچائی تو انہوں نے کہا' آؤ کچھ شرط بدلو اور مدت مقرر کر لو اگر رومی اس مدت میں غالب نہ آئیں تو تم ہمیں اتنا اتنا دینار دینا اور اگر تم سچے نکلے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔ پانچ سال کی مدت مقرر ہوئی۔ وہ مدت پوری ہو گئی اور رومی غالب نہ آئے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے خدمت نبویؐ میں یہ خبر پہنچائی۔ آپؐ نے فرمایا' تم نے دس سال کی مدت کیوں نہ مقرر کی۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں' قرآن میں مدت کے لئے لفظ بِضَع استعمال ہوا ہے اور یہ دس سے کم پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی کہ دس سال کے اندر اندر رومی پھر غالب آ گئے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں' بدر کی لڑائی کے بعد رومی بھی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۵ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷

اللہ کی مدد سے' وہ جس کو چاہتا ہے مدد کرتا ہے' اصل غالب اور مہربان وہی ہے ○ اللہ کا وعدہ ہے' اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو ہی جانتے ہیں' اور آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں ○

حضرت عبداللہؓ کا فرمان ہے کہ پانچ چیزیں گزر چکی ہیں' دخان اور لزام اور بطشہ اور شق قمر کا معجزہ اور رومیوں کا غالب آنا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی شرط سات سال کی تھی۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ بضع کے کیا معنی تم میں ہوتے ہیں؟ جواب دیا کہ دس سے کم۔ فرمایا پھر جاؤ مدت میں دو سال بڑھا دو۔ چنانچہ اسی مدت کے اندر اندر رومیوں کے غالب آ جانے کی خبریں عرب میں پہنچ گئیں اور مسلمان خوشیاں منانے لگے۔ اسی کا بیان ان آیتوں میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ مشرکوں نے حضرت صدیقؓ سے یہ آیت سن کر کہا کہ کیا تم اس میں بھی اپنے نبی کو سچا جانتے ہو؟ آپؓ نے فرمایا' ہاں۔ اس پر شرط ٹھہری اور مدت گذر چکی اور رومی غالب نہ آئے۔ حضورؐ کو جب اس شرط کا علم ہوا تو آپ رنجیدہ ہوئے اور جناب صدیقؓ سے فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب ملا کہ اللہ اور رسول کی سچائی پر بھروسہ کر کے۔ آپ نے فرمایا' پھر جاؤ اور مدت دس سال مقرر کر لو خواہ چیز بھی بڑھانی پڑے۔ آپ گئے۔ مشرکین نے دوبارہ یہی مدت بڑھا کر شرط منظور کر لی۔ ابھی دس سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ رومی فارس پر غالب آ گئے اور مدائن میں ان کے لشکر پہنچ گئے۔ اور رومیہ کی بنا انہوں نے ڈال

لی- حضرت صدیقؓ نے قریش سے شرط کا مال لیا اور حضرتؐ کے پاس آئے- آپ نے فرمایا اسے صدقہ کر دو- اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ایسی شرط بدنے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے- اس میں ہے کہ مدت چھ سال مقرر ہوئی تھی- اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب ہوئے تو بہت سے مشرکین ایمان بھی لے آئے (ترمذی)-

ایک بہت عجیب وغریب قصہ امام سنید ابن داؤد نے اپنی تفسیر میں یہ وارد کیا ہے کہ عکرمہؒ فرماتے ہیں' فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان اور بادشاہ ہی ہوتے تھے- کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا اور اس سے کہا کہ میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تیری اولاد میں سے کسی کو اس لشکر کا سردار بنانا چاہتا ہوں- اب تم مشورہ دو کہ کسے سردار بناؤں؟ اس نے کہا' سنو میرا فلاں لڑکا تو لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے سے زیادہ ہوشیار ہے- دوسرا لڑکا فرخان تیر جیسا ہے- تیسرا لڑکا شہر براز سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے- اب تم جسے چاہو سرداری دو- بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہر براز کو سردار بنایا- یہ لشکروں کو لے کر چلا- رومیوں سے لڑا بھڑا اور ان پر غالب آیا- ان کے لشکر کاٹ ڈالے- ان کے شہر اجاڑ دیئے- ان کے باغات برباد کر دیئے- اس سرسبز وشاداب ملک کو ویران وغارت کر دیا- اور اذرعات اور صرہ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں' ایک زبردست معرکہ ہوا- اور وہاں فارسی رومیوں پر غالب آ گئے- جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان ناخوش ہوئے- کفار قریش مسلمانوں کو طعنے دینے لگے کہ دیکھو تم اور نصرانی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارسی ان پڑھ ہیں- ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آ گئے- اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور اگر لڑائی ہوئی تو ہم بتلا دیں گے کہ تم ان اہل کتاب کی طرح ہمارے ہاتھوں شکست اٹھاؤ گے- اس پر قرآن کی یہ آیتیں اتریں-

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان آیتوں کو سن کر مشرکین کے پاس آئے اور فرمانے لگے' اپنی اس فتح پر نہ اتراؤ- یہ عنقریب شکست سے بدل جائے گی اور ہمارے بھائی اہل کتاب تمہارے بھائیوں پر غالب آئیں گے- اس بات کا یقین کر لو اس لئے کہ یہ میری بات نہیں بلکہ ہمارے نبی ﷺ کی یہ پیش گوئی ہے- یہ سن کر ابی بن خلف کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے ابوفضیل' تم جھوٹ کہتے ہو- آپ نے فرمایا' اے دشمن اللہ تو جھوٹا ہے- اس نے کہا' اچھا میں دس دس اونٹنیوں کی شرط بدتا ہوں- اگر تین سال تک رومی فارسیوں پر غالب آ گئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دوں گا ورنہ تم مجھے دینا- حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ شرط قبول کر لی- پھر رسول اللہ ﷺ سے آ کر اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے کہا کہ میں نے تم سے تین سال کا نہیں کہا تھا- بِضۡعٌ کا لفظ قرآن میں ہے اور وہ تین سے نو تک بولا جاتا ہے- جاؤ اونٹنیاں بھی بڑھا دو اور مدت بھی بڑھا دو- حضرت ابوبکرؓ چلے جب ابی کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا' شاید تمہیں پچھتاوا ہوا؟ آپ نے فرمایا' سنو میں تو پہلے سے بھی زیادہ تیار ہو کر آیا ہوں- آؤ مدت بھی بڑھا لو اور شرط کا مال بھی زیادہ کر لو- چنانچہ ایک سو اونٹ مقرر ہوئے اور نو سال کی مدت ٹھہر گئی- اسی مدت میں رومی فارس پر غالب آ گئے اور مسلمان قریش پر چھا گئے- رومیوں کے غلبے کا واقعہ یوں ہوا کہ جب فارسی غالب آ گئے تو شہر براز کا بھائی فرخان شراب نوشی کرتے ہوئے کہنے لگا' میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کسریٰ کے تخت پر آ گیا ہوں اور فارس کا بادشاہ بن گیا ہوں-

یہ خبر کسریٰ کو بھی پہنچ گئی- کسریٰ نے شہر براز کو لکھا کہ میرا یہ خط پاتے ہی اپنے اس بھائی کو قتل کر کے اس کا سر میرے پاس بھیج دے- شہر براز نے جواب لکھا کہ اے بادشاہ تم اتنی جلدی نہ کرو- فرخان جیسا بہادر شیر اور جرات کے ساتھ دشمنوں کے جمگھٹے میں گھسنے والا کسی کو تم نہ پاؤ گے- بادشاہ نے پھر جواب لکھا کہ اس سے بہت زیادہ بہتر اور شیر دل پہلوان میرے دربار میں ایک سے ایک بہتر موجود ہیں- تم اس کا غم نہ کرو اور میرے حکم کی فوراً تعمیل کرو- شہر براز نے پھر اس کا جواب لکھا اور دوبارہ بادشاہ کسریٰ کو سمجھایا- اس پر بادشاہ آگ بگولا ہو گیا- اس نے اعلان کر دیا کہ شہر براز سے میں نے سرداری چھین لی اور اس کی جگہ اس کے بھائی فرخان کو اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا- اسی مضمون کا

ایک خط لکھ کر قاصد کے ہمراہ شہر براز کو بھیج دیا کہ تم آج سے معزول ہو اور تم اپنا عہدہ فرخان کو دے دو۔ ساتھ ہی قاصد کو ایک پوشیدہ خط اور دیا کہ شہر براز جب اپنے عہدے سے اتر جائے اور فرخان اس عہدے پر آ جائے تو تم اسے میرا یہ فرمان دے دینا۔ قاصد جب وہاں پہنچا تو شہر براز نے خط پڑھتے ہی کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم منظور ہے۔ میں بخوشی اپنا عہدہ فرخان کو دے رہا ہوں۔ چنانچہ وہ تخت سے اتر گیا اور فرخان کو قبضہ دے دیا۔ فرخان جب تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور لشکر نے اس کی اطاعت قبول کر لی تو قاصد نے وہ دوسرا خط فرخان کے سامنے پیش کیا جس میں شہر براز کے قتل کا اور اس کا سر دربار شاہی میں بھیجنے کا فرمان تھا۔ فرخان نے اسے پڑھ کر شہر براز کو بلایا اور اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔ شہر براز نے کہا' بادشاہ جلدی نہ کر۔ مجھے وصیت تو لکھ لینے دے۔ اس نے اسے منظور کر لیا تو شہر براز نے اپنا دفتر منگوایا اور اس میں سے وہ کاغذات جو شاہ کسریٰ نے فرخان کے قتل کے لئے اسے لکھے تھے' وہ سب نکالے اور فرخان کے سامنے پیش کئے اور کہا' دیکھ اتنے سوال و جواب میرے اور بادشاہ کے درمیان تیرے بارے میں ہوئے۔ لیکن میں نے اپنی عقلمندی سے کام لیا اور عجلت نہ کی۔ تو ایک خط دیکھتے ہی میرے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ ذرا سوچ لے۔ ان خطوط کو دیکھ کر فرخان کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ فوراً تخت سے نیچے اتر گیا اور اپنے بھائی شہر براز کو پھر سے مالک کل بنا دیا۔ شہر براز نے اسی وقت شاہ روم ہرقل کو خط لکھا کہ مجھے تم سے خفیہ ملاقات کرنی ہے اور ایک ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے۔ اسے میں نہ تو کسی قاصد کی معرفت آپ کو کہلوا سکتا ہوں نہ خط میں لکھ سکتا ہوں۔ بلکہ میں آپ ہی آمنے سامنے اس کو پیش کر دوں گا۔ پچاس آدمی اپنے ساتھ لے کر خود آ جائے اور پچاس ہی میرے ساتھ ہوں گے۔

قیصر کو جب یہ پیغام پہنچا تو وہ اس سے ملاقات کے لئے چل پڑا۔ لیکن احتیاطاً اپنے ساتھ پانچ ہزار سوار لے لئے۔ اور آگے آگے جاسوسوں کو بھیج دیا کہ اگر کوئی ترکیب ہو یا کوئی مکر ہو تو کھل جائے۔ جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ کوئی بات نہیں ہے اور شہر براز تنہا اپنے ساتھ صرف پچاس سواروں کو لے کر آیا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور نہیں۔ چنانچہ قیصر نے بھی مطمئن ہو کر اپنے سواروں کو لوٹا دیا اور اپنے ساتھ صرف پچاس آدمی رکھ لئے۔ جو جگہ ملاقات کی مقرر ہوئی تھی' وہاں پہنچ گئے۔ وہاں ایک ریشمی قبہ تھا۔ اس میں جا کر دونوں تنہا بیٹھ گئے۔ پچاس پچاس آدمی الگ چھوڑ دیئے گئے۔ دونوں وہاں بے ہتھیار تھے۔ صرف چھریاں پاس تھیں اور دونوں کی طرف سے ایک ترجمان ساتھ تھا۔ خیمہ میں پہنچ کر شہر براز نے کہا' اے شاہ روم بات یہ ہے کہ تمہارے ملک کو ویران کرنے والے اور تمہارے لشکروں کو شکست دینے والے ہم دونوں بھائی ہیں۔ ہم نے اپنی چالاکیوں اور شجاعت سے یہ ملک اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ لیکن اب ہمارا بادشاہ کسریٰ ہمارا حسد کرتا ہے اور ہمارا مخالف بن بیٹھا ہے۔ مجھے اس نے میرے بھائی کو قتل کر دینے کا فرمان بھیجا۔ میں نے فرمان کو نہ مانا تو اس نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ ہم آپ کے لشکر میں آ جائیں اور کسریٰ کے لشکروں سے آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں۔ قیصر نے یہ بات بڑی خوشی سے منظور کر لی۔ پھر ان دونوں میں آپس میں اشاروں کنایوں سے باتیں ہوئیں جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ترجمان قتل کر دیئے جائیں ایسا نہ ہو کہ یہ راز ان کی وجہ سے کھل جائے کیونکہ جہاں دو کے سوا تیسرے کے کان میں کوئی بات پہنچی تو پھر وہ پھیل جاتی ہے۔ دونوں اس پر اتفاق کر کے کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنی چھری سے اپنے ترجمان کا کام تمام کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو ہلاک کیا اور حدیبیہ والے دن اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی۔ اصحاب رسولؐ اس سے بہت خوش ہوئے۔ یہ سیاق عجیب ہے اور یہ خبر غریب ہے۔

اب آیت کے الفاظ کے متعلق سنئے۔ حروف مقطعہ جو سورتوں کے شروع میں ہوتے ہیں' ان کی بحث تو ہم کر ہی چکے ہیں۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر کا شروع دیکھ لیجئے۔ رومی سب کے سب عیص بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ بنو اسرائیل کے چچازاد بھائی ہیں۔ رومیوں کو بنو اصفر بھی کہتے ہیں۔ یہ یونانیوں کے مذہب پر تھے۔ یونانی یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ ترکوں کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں' یہ ستارہ

پرست تھے- ساتوں ستاروں کو مانتے اور پوجتے تھے- انہیں متحیرہ بھی کہا جاتا ہے- یہ قطب شمالی کو قبلہ مانتے تھے- دمشق کی بناء انہی کے ہاتھوں پڑی ہے- وہیں انہوں نے اپنی عبادت گاہ بنائی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد بھی تین سو سال تک رومی اپنے پرانے خیالات پر ہی رہے- ان میں سے جو کوئی شام کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا' اسے قیصر کہا جاتا تھا- سب سے پہلے رومیوں کے بادشاہ قسطنطین بن قسطس نے نصرانی مذہب قبول کیا- اس کی ماں کا نام مریم تھا- ہیلانیہ غندقانیہ تھی' حران کی رہنے والی- پہلے اسی نے نصرانیت قبول کی تھی- پھر اس کے کہنے سننے سے اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کر لیا- یہ بڑا فلسفی عقلمند اور مکار آدمی تھا-

یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دراصل دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا- اس کے زمانے میں نصرانی جمع ہو گئے- ان میں آپس میں مذہبی چھیڑ چھاڑ اور اختلاف اور مناظرے چھڑ گئے- عبداللہ بن اویوس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور اس قدر انتشار اور تفریق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے- تین سو اٹھارہ پادریوں نے مل کر ایک کتاب لکھی جو بادشاہ کو دی گئی اور وہ شاہی عقیدہ تسلیم کی گئی- اسی کو امانت کبریٰ کہا جاتا ہے- جو درحقیقت خیانت صغیرہ ہے- یہیں فقہی کتابیں اسی کے زمانے میں لکھی گئیں- ان میں حلال وحرام کے مسائل بیان کئے گئے اور ان کے علماء نے دل کھول کر جو چاہا' ان میں لکھا- جس قدر جی میں آئی' کمی یا زیادتی اصل دین مسیح میں کی- اور اصل مذہب محرف ومبدل ہو گیا- مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے- بجائے ہفتہ کے اتوار کے دن کو بڑا دن بنایا- صلیب کی پرستش شروع ہو گئی- خنزیر کو حلال کر لیا گیا اور بہت سے تہوار ایجاد کر لئے جیسے عید صلیب' عید قدرس' عید غطاس وغیرہ وغیرہ- پھر ان علماء کے سلسلے قائم کئے گئے- ایک تو بڑا پادری ہوتا تھا- پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ اور محکمے ہوتے تھے- رہبانیت اور ترک دنیا کی بدعت بھی ایجاد کر لی- کلیسا اور گرجے بہت سارے بنا لئے گئے اور شہر قسطنطنیہ کی بناء رکھی گئی اور اس بڑے شہر کو اسی بادشاہ کے نام پر نامزد کیا گیا- اس بادشاہ نے بارہ ہزار گرجے بنا دیئے- تین محرابوں سے بیت لحم بنا- اس کی ماں نے بھی قمامہ بنایا- ان لوگوں کو ملکیہ کہتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر تھے- ان کے بعد یعقوبیہ پھر نسطوریہ- یہ سب نسطور کے مقلد تھے- پھر ان کے بہت سے گروہ تھے- جیسے حدیث میں ہے کہ ان کے بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے- ان کی سلطنت برابر چلی آتی تھی- ایک کے بعد ایک قیصر ہوتا آتا تھا- یہاں تک کہ آخر میں قیصر ہرقل ہوا- یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ عقلمند تھا' بہت بڑا عالم تھا' دانائی' زیرکی' دوراندیشی اور دوربینی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا- اس نے سلطنت بہت وسیع کر لی اور مملکت دور دراز تک پھیلا دی- اس کے مقابلے میں فارس کا بادشاہ کسریٰ کھڑا ہوا اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا- اس کی سلطنت قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی- یہ مجوسی لوگ تھے- آگ کو پوجتے تھے- مندرجہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلہ پر گیا۔

لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود کسریٰ اس کے مقابلے پر گیا- قیصر کو شکست ہوئی یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ میں گھر گیا- نصرانی اس کی بڑی عزت اور تعظیم کرتے تھے گو کسریٰ لمبی مدت تک محاصرہ کئے پڑا رہا- لیکن دارالسلطنت کو فتح نہ کر سکا- ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس شہر کا نصف حصہ سمندر کی طرف تھا اور نصف خشکی سے ملا ہوا تھا- تو شاہ قیصر کو کمک اور رسد تری کے راستے سے برابر پہنچتی رہی- آخر میں قیصر ایک چال چلا- اس نے کسریٰ کو کہلوا بھیجا کہ آپ جو چاہیں' مجھ سے تسلی لے لیجئے اور جن شرائط پر چاہیں' مجھ سے صلح کر لیجئے- کسریٰ اس پر خوش ہو گیا اور اتنا مال طلب کیا کہ وہ اور یہ مل کر بھی جمع کرنا چاہیں تو جمع ہونا ناممکن تھا- قیصر نے اسے بھی قبول کر لیا کیونکہ اس نے اس سے کسریٰ کی بیوقوفی کا پتہ چلا لیا کہ یہ وہ چیز مانگتا ہے جس کا جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے بلکہ ساری دنیا مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کر سکتی- قیصر نے کسریٰ سے کہلوا بھیجا کہ مجھے اجازت ملنی چاہیے کہ میں اپنے ملک شام میں چل پھر کر یہ دولت جمع کر لوں اور آپ کو سونپ دوں- اس نے یہ درخواست منظور کر لی- اب شاہ روم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ میں ایک ضروری اور اہم کام کے لئے اپنے مخصوص احباب کے

ساتھ جا رہا ہوں- اگر ایک سال کے اندر اندر آ جاؤں تو یہ ملک میرا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کر لینا- انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس سال تک بھی آپ واپس نہ لوٹیں تو کیا ہوا- یہ یہاں سے مختصر سی جانباز جماعت لے کر چپ چاپ چل کھڑا ہوا- پوشیدہ راستوں سے نہایت ہوشیاری' احتیاط اور چالاکی سے بہت جلد فارس کے شہروں تک پہنچ گیا اور یکا یک دھاوا بول دیا چونکہ یہاں کی فوجیں تو روم پہنچ چکی تھیں عوام کہاں تک مقابلہ کرتے- اس نے قتل عام شروع کر دیا- جو سامنے آیا' تلوار کے کام آیا' یونہی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا جو کسریٰ کی سلطنت کی کرسی تھی- وہاں کی محافظ فوج پر بھی غالب آیا' انہیں بھی قتل کر دیا اور چاروں طرف سے مال جمع کیا- ان کی تمام عورتوں کو قید کر لیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کر ڈالا- کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا- اس کی محل سرائے کی عورتوں کو زندہ گرفتار کیا- اس کی درباردار عورتیں وغیرہ بھی پکڑ لی گئیں- اس کے لشکر کا سر منڈوا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیجا کہ لیجئے جو مال اور عورتیں اور غلام آپ نے مانگے تھے' وہ حاضر ہیں- جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا' کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا- یہ ابھی تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے پاس اس کا کل خاندان اور ساری حرم سرا اس ذلت کی حالت میں پہنچی- یہ سخت غضبناک ہوا اور شہر پر بہت سخت حملہ کر دیا لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی- اب یہ نہر جیحون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے کیونکہ قیصر کا فارس سے قسطنطنیہ آنے کا راستہ یہی تھا-

قیصر نے اسے سن کر پہلے سے بھی زبردست حملہ کیا یعنی اس نے اپنے لشکر کو تو دریا کے اس دہانے کے پاس چھوڑا اور خود تھوڑے سے آدمی لے کر سوار ہو کر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو کٹی چارہ لید گوبر وغیرہ لے گیا تھا' اسے پانی میں بہا دیا- یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسریٰ کے لشکر کے پاس سے گزریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گزر گیا ہے- یہ اس کے لشکر کے جانوروں کے آثار ہیں- اب قیصر واپس اپنے لشکر میں پہنچ گیا- ادھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے چلا گیا- قیصر اپنے لشکروں سمیت جیحون کا دہانہ عبور کر کے راستہ بدل کر قسطنطنیہ پہنچ گیا- جس دن یہ اپنے دارالسلطنت میں پہنچا' نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں- کسریٰ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کا عجب حال ہوا کہ نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن' نہ تو روم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا- رومی غالب آ گئے- فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آئے- یہ کل امور نو سال میں ہوئے اور رومیوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت فارسیوں سے دوبارہ لے لی اور مغلوب ہو کر غالب آ گئے- اذرعات اور بصریٰ کے معرکے میں اہل فارس غالب آ گئے تھے اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا- یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے- واللہ اعلم- پھر نو سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آ گئے-

قرآن کریم میں لفظ بضع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نو تک ہوتا ہے- اور یہی تفسیر اس لفظ کی ترمذی اور ابن جریر والی حدیث میں ہے- حضورؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ تمہیں احتیاطاً دس سال تک رکھنے چاہئیں تھے کیونکہ بضع کے لفظ کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے- اس کے بعد قَبْلُ اور بَعْدُ پر پیش اضافت کے ہٹا دینے کی وجہ ہے- یعنی اس سے پہلے اور اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے اس دن جبکہ روم فارس پر غالب آ جائے گا' مسلمان خوشیاں منائیں گے- اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی والے دن رومی فارسیوں پر غالب آ گئے- ابن عباسؓ' سدیؒ' ثوریؒ اور ابوسعیدؓ یہی فرماتے ہیں- ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ والے سال ہوا تھا- عکرمہؒ' زہری اور قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے- بعض نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ قیصر روم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے فارس پر غالب کرے گا تو وہ اس کے شکریہ میں پاپیادہ بیت المقدس تک جائے گا چنانچہ اس نے اپنی نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا- یہ یہیں تھا اور اس کے پاس

رسول کریم ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا جو آپ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت بصری کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچایا تھا- ہرقل نے نامہ نبیؐ پاتے ہی شام میں جو حجازی عرب تھے انہیں اپنے پاس بلوایا- ان میں ابوسفیان صخر بن حرب اموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے ذی عزت بڑے بڑے لوگ تھے- اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر پوچھا کہ تم میں سے اس کا قریبی رشتہ دار کون ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے- ابوسفیان نے کہا' میں ہوں- بادشاہ نے انہیں آگے بٹھالیا اور ان کے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بٹھا دیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کروں گا' اگر یہ کسی بات کا غلط جواب دے تو تم اسے جھٹلا دینا- ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو یہ لوگ اسے ظاہر کر دیں گے اور پھر اس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو میں یقیناً جھوٹ بولتا- اب ہرقل نے بہت سے سوالات کئے- مثلاً حضورؐ کے حسب نسب کی نسبت' آپ کے اوصاف و عادات کے متعلق وغیرہ وغیرہ- انہی میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بدعہدی' وعدہ شکنی اور غداری کی نہیں- اس وقت ہم میں اس میں ایک معاہدہ ہے- نہ جانے اس میں وہ کیا کرے؟ ابوسفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس میں حضورؐ اور قریش کے درمیان یہ بات بھی ٹھہری تھی کہ آپس میں دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی- یہ واقعہ اس قول کی پوری دلیل بن سکتا ہے کہ رومی فارس پر حدیبیہ والے سال غالب آئے تھے- اس لئے کہ قیصر نے اپنی نذر حدیبیہ کے بعد پوری کی تھی- واللہ اعلم-

لیکن اس کا جواب وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ غلبہ روم فارس پر بدر والے سال ہوا تھا' یہ دے سکتے ہیں کہ چونکہ ملک کی اقتصادی اور مالی حالت خراب ہو چکی تھی' ویرانی غیر آبادی و تنگ حالی بہت بڑھ گئی تھی' اس لئے چار سال تک ہرقل نے اپنی پوری توجہ ملک کی خوش حالی اور آبادی پر رکھی- اس کے بعد اس طرف سے اطمینان حاصل کر کے نذر پوری کرنے کے لئے روانہ ہوا- واللہ اعلم- یہ اختلاف کوئی ایسا اہم امر نہیں- ہاں مسلمان رومیوں کے غلبے سے خوش ہوئے- اس لئے گو وہ کیسے ہی ہوں تاہم تھے تو اہل کتاب- اور ان کے مقابل مجوسیوں کی جماعت تھی جنہیں کتاب سے دور کا تعلق بھی نہ تھا- تو لازمی امر تھا کہ مسلمان ان کے غلبے سے ناخوش ہوں اور رومیوں کے غلبے سے خوش ہوں- خود قرآن میں موجود ہے کہ ایمان والوں کے سب سے زیادہ دشمن یہود اور مشرک ہیں اور ان سے دوستیاں رکھنے میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں اس لئے کہ ان میں علماء اور درویش لوگ ہیں اور یہ متکبر نہیں-

قرآن سن کر یہ رو دیتے ہیں کیونکہ حق کو جان لیتے ہیں- پھر اقرار کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم ایمان لائے' تو ہمیں بھی ماننے والوں میں کر لے- پس یہاں بھی فرمایا کہ مسلمان اس دن خوش ہوں گے جس دن اللہ تعالیٰ رومیوں کی مدد کرے گا' وہ جس کی چاہتا ہے' مدد کرتا ہے' وہ بڑا غالب اور بہت بڑا مہربان ہے- حضرت زبیر کلائیؒ فرماتے ہیں' میں نے فارسیوں کا رومیوں پر غالب آنا' پھر رومیوں کا فارسیوں پر غالب آنا' پھر روم اور فارس دونوں پر مسلمانوں کا غالب آنا خود اپنی آنکھوں سے پندرہ سال کے اندر دیکھ لیا- آخر آیت میں فرمایا' اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے بدلہ اور انتقام لینے پر قادر اور اپنے دوستوں کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگذر فرمانے والا ہے- جو خبر تمہیں دی ہے کہ رومی عنقریب فارسیوں پر غالب آ جائیں گے' یہ اللہ کی خبر ہے' رب کا وعدہ ہے' پروردگار کا فیصلہ ہے- ناممکن ہے کہ غلط نکلے' ٹل جائے یا خلاف ہو جائے- جو حق کے قریب ہوا اسے بھی رب حق سے بہت دور والوں پر غالب رکھتا ہے- ہاں اللہ کی حکمتوں کو کم علم جان نہیں سکتے- اکثر لوگ دنیا کا علم تو خوب رکھتے ہیں' اس کی گتھیاں منٹوں میں سلجھا دیتے ہیں' اس میں خوب دماغ دوڑاتے ہیں- اس کے برے' بھلے' نفع نقصان کو پہچان لیتے ہیں- بیک نگاہ اس کی اونچ نیچ دیکھ لیتے ہیں' دنیا کمانے کا' پیسے جوڑنے کا خوب سلیقہ رکھتے ہیں لیکن امور

دین میں، اخروی کاموں میں محض جاہل، غبی اور کم فہم ہوتے ہیں۔ یہاں نہ ذہن کام کرے نہ سمجھ پہنچ سکے نہ غور و فکر کی عادت۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، بہت سے ایسے بھی ہیں کہ نماز تک تو ٹھیک پڑھ نہیں سکتے لیکن درہم چٹکی میں لیتے ہی وزن بتا دیا کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، دنیا کی آبادی اور رونق کی تو بیسیوں صورتیں ان کا ذہن گھڑ لیتا ہے لیکن دین میں محض جاہل اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۹

کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں یہ غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان میں جو کچھ ہے، سب کو بہترین قرینے سے مقرر وقت تک کے لئے ہی پیدا کیا ہے ہاں اکثر لوگ یقیناً اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں ○ کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ وہ ان سے بہت زیادہ توانا اور طاقتور تھے انہوں نے بھی زمین بوئی جوتی تھی اور ان سے زیادہ آباد کی تھی۔ ان کے پاس ان کے رسول معجزے لے کر آئے تھے، یہ تو ناممکن تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتا بلکہ دراصل وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○

کائنات کا ہر ذرہ دعوت فکر دیتا ہے: ☆☆ (آیت: ۸-۹) چونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ حق جل وعلا کی قدرت کا نشان ہے اور اس کی توحید اور ربوبیت پر دلالت کرنے والا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ موجودات میں غور و فکر کیا کرو اور قدرت اللہ کی ان نشانیوں سے اس مالک کو پہچانو اور اس کی قدر و تعظیم کرو۔ کبھی عالم علوی کو دیکھو، کبھی عالم سفلی پر نظر ڈالو، کبھی اور مخلوقات کی پیدائش کو سوچو اور سمجھو کہ یہ چیزیں عبث اور بیکار پیدا نہیں کی گئیں۔ بلکہ رب نے انہیں کارآمد اور نشان قدرت بنایا ہے۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے یعنی قیامت کا دن۔ جسے اکثر لوگ مانتے ہی نہیں۔ اس کے بعد نبیوں کی صداقت کو اس طرح ظاہر فرماتا ہے کہ دیکھ لو ان کے مخالفین کا کس قدر عبرت ناک انجام ہوا؟ اور ان کے ماننے والوں کو کس طرح دونوں جہان کی عزت ملی؟ تم چل پھر کر اگلے واقعات معلوم کرو کہ گذشتہ امتیں جو تم سے زیادہ زور آور تھیں، تم سے زیادہ مال و زر والی تھیں، تم سے زیادہ کنبے قبیلے اور بیٹے پوتے والی تھیں، تم تو ان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے۔ وہ تم سے زیادہ عمر والے تھے۔ تم سے زیادہ آبادیاں انہوں نے کیں، تم سے زیادہ کھیتیاں اور باغات ان کے تھے، اس کے باوجود جب ان کے پاس اس زمانے کے رسول آئے، انہوں نے دلیلیں اور معجزے دکھائے اور پھر بھی اس زمانے کے ان بدنصیبوں نے ان کی نہ مانی اور اپنے خیالات میں مستغرق رہے اور سیاہ کاریوں میں مشغول رہے تو بالآخر عذاب الٰہی ان پر برس پڑے۔ اس وقت کوئی نہ تھا جو انہیں بچا سکے یا کسی عذاب کو ان پر سے ہٹا سکے۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے۔

پھر آخرش برا کرنے والوں کا برا ہی ہوا اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور انکی ہنسی اڑاتے تھے ○ اللہ ہی مخلوق کی ابتدا کرتا ہے وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا ○ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ جس دن قیامت قائم ہوگی' گنہگاروں کی تو امیدیں ٹوٹ جائیں گی ○ اس دن جماعتیں الگ الگ ہو جائیں گی ○ جو ایمان لا کر نیک اعمال کرتے رہے' وہ تو جنت میں خوش وخرم کر دیئے جائیں گے ○ اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھوٹا ٹھہرایا تھا' وہ سب عذاب میں پکڑوا دیئے جائیں گے ○

(آیت: ۱۰) یہ عذاب تو ان کے اپنے کرتوتوں کا وبال تھا- یہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے' رب کی باتوں کا مذاق اڑاتے تھے- جیسے اور آیت میں ہے کہ ان کی بے ایمانی کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں کو' ان کی نگاہوں کو پھیر دیا اور انہیں ان کی سرکشی میں ہی حیران چھوڑ دیا ہے- اور آیت میں ہے' ان کی کجی کی وجہ سے اللہ نے ان کے دل بھی ٹیڑھے کر دیئے- اور اس آیت میں ہے کہ اگر اب بھی منہ موڑیں تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں پر ان کی پکڑ کرنے کا ارادہ کر چکا ہے- اس بنا پر اَلسُّوۡآی منصوب ہوگا اَسَآءُ کا مفعول ہو کر- اور یہ بھی ایک قول ہے کہ سوای یہاں پر اس طرح واقع ہے کہ برائی ان کا انجام ہوئی- اس لئے کہ وہ آیات الٰہی کے جھٹلانے والے اور ان کا مذاق اڑانے والے تھے- تو اس معنی کی رو سے یہ لفظ منصوب ہوگا کَانَ کی خبر ہو کر- امام ابن جریرؒ نے یہی توجیہ بیان کی ہے اور ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے نقل بھی کی ہے- ضحاکؒ بھی یہی فرماتے ہیں اور ظاہر بھی یہی ہے کیونکہ اس کے بعد وَ كَانُوۡا بِهَا يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ہے-

اعمال کے مطابق فیصلے: ☆☆ (آیت ۱۱-۱۶) فرمان باری ہے کہ سب سے پہلے مخلوقات کو اسی اللہ نے بنایا اور جس طرح وہ اس کے پیدا کرنے پر اس وقت قادر تھا' اب فنا کر کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی وہ اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ قادر ہے- تم سب قیامت کے دن اسی کے سامنے حاضر کئے جانے والے ہو- وہاں وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا- قیامت کے دن گنہگار نا امید' رسوا اور خاموش ہو جائیں گے- اللہ کے سوا جن جن کی دنیا میں عبادت کرتے رہے' ان میں سے ایک بھی ان کی سفارش کے لئے کھڑا نہ ہوگا- اور یہ ان کے پوری طرح محتاج ہوں گے لیکن وہ ان سے بالکل آنکھیں پھیر لیں گے اور خود ان کے معبودان باطل بھی ان سے کنارہ کش ہو جائیں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ ہم میں ان میں کوئی دوستی نہیں- قیامت قائم ہوتے ہی اس طرح الگ الگ ہو جائیں گے جس کے بعد ملاپ ہے ہی نہیں- نیک

لوگ تو علیین میں پہنچا دیئے جائیں گے اور برے لوگ سجین میں داخل کر دیئے جائیں گے- وہ سب سے اعلیٰ بلندی پر ہوں گے- یہ سب سے زیادہ پستی میں ہوں گے- پھر اس آیت کی تفصیل ہوتی ہے کہ نیک نفس تو جنتوں میں ہنسی خوشی سے ہوں گے اور کفار جہنم میں جل بھن رہے ہوں گے-

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع

پس اللہ کی تسبیح پڑھا کرو جبکہ تم شام کرو اور جب صبح کرو- تمام تعریفوں کے لائق آسمان و زمین میں صرف وہی ہے ○ تیسرے پہر کو اور ظہر کے وقت بھی اس کی پاکیزگی بیان کرو ○ وہی زندے کو مردے سے اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے اور وہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے- اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے ○

خالق کل مقتدر کل ہے: ☆☆ (آیت: ۱۷-۱۹) اس رب تعالیٰ کا کمال قدرت اور عظمت سلطنت پر دلالت اس کی تسبیح اور اس کی حمد سے ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہبری کرتا ہے اور اپنا پاک ہونا اور قابل حمد ہونا بھی بیان فرما رہا ہے- شام کے وقت جبکہ رات اپنے اندھیروں کو لے کر آتی ہے اور صبح کے وقت جبکہ دن اپنی روشنیوں کو لے کر آتا ہے' اتنا بیان فرما کر اس کے بعد کا جملہ بیان فرمانے سے پہلے ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ زمین و آسمان میں قابل حمد و ثنا وہی ہے' ان کی پیدائش خود اس کی بزرگی پر دلیل ہے- پھر صبح شام کے وقتوں کی تسبیح کا بیان جو پہلے گذرا تھا' اس کے ساتھ عشاء اور ظہر کا وقت ملا لیا- جو پورے اندھیرے اور کامل اجالے کا وقت ہوتا ہے- بیشک تمام تر پاکیزگی اسی کو سزاوار ہے جو رات کے اندھیروں کو اور دن کے اجالوں کو پیدا کرنے والا ہے- صبح کا ظاہر کرنے والا' رات کو سکون والی بنانے والا وہی ہے- اس جیسی آیتیں اور بھی بہت سی ہیں وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا اور وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى اور وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى وغیرہ- مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل وفادار کیوں رکھا؟ اس لئے کہ وہ صبح شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے- پھر آپ نے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ سے تُظْهِرُوْنَ تک کی دونوں آیتیں تلاوت فرمائیں- طبرانی کی حدیث میں ان دونوں آیتوں کی نسبت ہے کہ جس نے صبح شام یہ پڑھ لیں' اس نے دن رات میں جو چیز چھوٹ گئی' اسے پالیا- پھر بیان فرمایا کہ موت و زیست کا خالق' مردوں سے زندوں کو اور زندوں سے مردوں کو نکالنے والا وہی ہے- ہر شے پر اور اس کی ضد پر وہ قادر ہے- دانے سے درخت' درخت سے دانے' مرغی سے انڈے' انڈے سے مرغ' نطفے سے انسان' انسان سے نطفہ' مومن سے کافر' کافر سے مومن' غرض ہر چیز اور اس کے مقابلہ کی چیز پر اسے قدرت حاصل ہے- خشک زمین کو وہی تر کر دیتا ہے- بنجر زمین سے وہی زراعت پیدا کر دیتا ہے- جیسے سورۂ یاسین میں فرمایا کہ خشک زمین کا تر و تازہ ہو کر طرح طرح کے اناج و پھل پیدا کرنا بھی میری قدرت کا ایک کامل نشان ہے- ایک اور آیت میں ہے ''تمہارے دیکھتے ہوئے اس زمین کو جس میں سے دھواں اٹھتا ہو' دو بوند سے تر کر کے میں لہلہا دیتا ہوں اور ہر قسم کی پیداوار سے اسے سرسبز کر دیتا ہوں- اور بھی بہت سی آیتوں میں اس مضمون کو کہیں مفصل' کہیں مجمل بیان فرمایا- یہاں فرمایا' اسی طرح تم سب بھی مرنے کے بعد قبروں میں سے زندہ کر کے کھڑے کر دیئے جاؤ گے-

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝۲۰ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تمہاری مٹی سے پیدائش ہے کہ پھر انسان بن کر چلتے پھرتے ہو ○ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں پیدا کرنا ہے تاکہ تم ان سے آرام پاؤ۔ اس نے تمہارے درمیان محبت اور مہربانی قائم کر دی یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت نشانیاں ہیں ○

بتدریج نظام حیات: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بیشمار نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ تم سب کو اس نے بے وقعت پانی کے قطرے سے پیدا کیا۔ پھر تمہاری بہت اچھی صورتیں بنائیں' نطفے سے خون بستہ کی شکل میں' پھر گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں ڈھال کر' پھر ہڈیاں بنائیں اور ہڈیوں کو گوشت پہنایا۔ پھر روح پھونکی' آنکھ' کان' ناک پیدا کئے' ماں کے پیٹ سے سلامتی سے نکالا' پھر کمزوری کو قوت سے بدلا' دن بدن طاقتور اور مضبوط قد آور اور زور آور کیا' عمر دی' حرکت و سکون کی طاقت دی' اسباب اور آلات دیئے اور مخلوق کا سردار بنایا اور ادھر سے ادھر پہنچنے کے ذرائع دیئے۔ سمندروں کی' زمین کی مختلف سواریاں عطا فرمائیں۔ عقل' علم' سوچ' سمجھ' تدبر' غور کے لئے دل و دماغ عطا فرمائے۔ دنیاوی کام سمجھائے' رزق' عزت حاصل کرنے کے طریقے کھول دیئے۔ ساتھ ہی آخرت کو سنوارنے کا علم اور دنیاوی علم بھی سکھایا۔ پاک ہے وہ اللہ جو ہر چیز کا صحیح اندازہ کرتا ہے' ہر ایک کو ایک مرتبے پر رکھتا ہے۔ شکل و صورت میں' بول چال میں' امیری فقیری میں' عقل و ہنر میں' بھلائی برائی میں' سعادت و شقاوت میں ہر ایک کو جداگانہ کر دیا۔ تاکہ ہر شخص رب کی بہت سی نشانیاں اپنے میں اور دوسرے میں دیکھ لے۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے تمام زمین سے ایک مٹھی مٹی کی لے کر اس سے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔ پس زمین کے مختلف حصوں کی طرح اولاد آدم کی مختلف رنگتیں ہوئیں۔ کوئی سفید' کوئی سرخ' کوئی سیاہ' کوئی خبیث' کوئی طیب' کوئی خوش خلق' کوئی بد خلق وغیرہ۔

پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی قدرت یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ وہ تمہاری بیویاں بنتی ہیں اور تم ان کے خاوند ہوتے ہو' یہ اس لئے کہ تمہیں ان سے سکون و راحت' آرام و آسائش حاصل ہو۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے' اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی تاکہ وہ اس کی طرف راحت حاصل کرے۔ حضرت حوا' حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے جو سب سے زیادہ چھوٹی ہے' پیدا ہوئی ہیں۔ پس اگر انسان کا جوڑا انسان سے نہ ملتا اور کسی اور جنس سے ان کا جوڑا بندھتا تو موجودہ الفت و رحمت ان میں نہ ہو سکتی۔ یہ پیار' اخلاص یک جنسی کی وجہ سے ہے۔ ان میں آپس میں محبت' مودت' رحمت' الفت' پیار' اخلاص' رحم اور مہربانی ڈال دی۔ پس مرد یا تو محبت کی وجہ سے عورت کی خبر گیری کرتا ہے یا غم کھا کر اس کا خیال رکھتا ہے اس لئے کہ اس سے اولاد ہو چکی ہے اس کی پرورش ان دونوں کے میل ملاپ پر موقوف ہے الغرض بہت سی وجوہات رب العالمین نے رکھ دی ہیں جن کے باعث انسان با آرام اپنے جوڑے کے ساتھ اپنی زندگی گزارتا ہے۔ یہ بھی رب کی مہربانی اور اس کی قدرت کاملہ کی ایک زبردست نشانی ہے۔ ادنیٰ غور سے انسان کا ذہن اس تک پہنچ جاتا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾
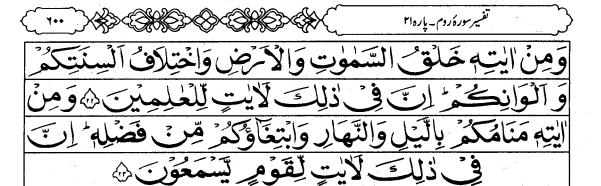
اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف بھی ہے ○ دانش مندوں کے لئے اس میں یقیناً بڑی بڑی عبرتیں ہیں۔ اور بھی اس کی قدرت کی نشانی تمہاری راتوں کی اور دن کی نیند میں ہے اور اس کے فضل یعنی روزی کو تمہارا تلاش کرنا بھی ہے' جو لوگ کان لگا کر سننے کے عادی ہیں' ان کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ○

یہ رنگ یہ زبانیں اور وسیع تر کائنات: ☆☆ (آیت:۲۲-۲۳) رب العالمین اپنی زبردست قدرت کی ایک نشانی اور بیان فرماتا ہے کہ اس قدر بلند' کشادہ' آسمان کی پیدائش' اس میں ستاروں کا جڑاؤ' ان کی چمک دمک' ان میں سے بعض کا چلتا پھرتا ہونا' بعض کا ایک جا ثابت رہنا' زمین کو ایک ٹھوس شکل میں بنانا' اسے کثیف پیدا کرنا' اس میں پہاڑ' میدان' جنگل' دریا' سمندر' ٹیلے' پتھر' درخت وغیرہ جما دینا۔ خود تمہاری زبانوں میں' رنگتوں میں اختلاف رکھنا' عرب کی زبان' تاتاریوں' کردوں' رومیوں' فرنگیوں' تکرونیوں' بربر' حبشیوں' ہندیوں' ایرانیوں' حقالبہ' آرمینیوں' جزریوں اور اللہ جانے کتنی کتنی زبانیں زمین پر بنو آدم میں بولی جاتی ہیں۔ انسانی زبانوں کے اختلاف کے ساتھ ہی ان کی رنگتوں کا اختلاف بھی شان الٰہی کا مظہر ہے۔ خیال تو فرمایئے کہ لاکھوں آدمی جمع ہو جائیں' ایک کنبے قبیلے کے' ایک ملک' ایک زبان کے ہوں لیکن ناممکن ہے کہ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی اختلاف نہ ہو۔ حالانکہ اعضائے بدن کے اعتبار سے کلی موافقت ہے۔ سب کی دو آنکھیں' دو پلکیں' ایک ناک' دو دو کان' ایک پیشانی' ایک منہ' دو ہونٹ' دو رخسار وغیرہ لیکن تاہم ایک سے ایک علیحدہ ہے۔ کوئی نہ کوئی عادت' خصلت' کلام' بات چیت' طرز ادا ایسی ضرور ہوگی کہ جس میں ایک دوسرے کا امتیاز ہو جائے گو وہ بعض مرتبہ پوشیدہ سی اور ہلکی سی چیز ہی ہو۔ گو خوبصورتی اور بدصورتی میں کئی ایک یکساں نظر آئیں لیکن جب غور کیا جائے تو ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز کرنے والا کوئی نہ کوئی وصف ضرور نظر آ جائے گا۔ ہر جاننے والا اتنی بڑی طاقتوں اور قوتوں کے مالک کو پہچان سکتا ہے اور اس صنعت سے صانع کو جان سکتا ہے۔ نیند بھی قدرت کی ایک نشانی ہے جس سے تھکان دور ہو جاتی ہے' راحت وسکون حاصل ہوتا ہے اس کے لئے قدرت نے رات بنا دی۔ کام کاج کے لئے' دنیا حاصل کرنے کے لئے' کمائی دھندے کے لئے' تلاش معاش کے لئے اس اللہ نے دن کو پیدا کر دیا جو رات کے بالکل خلاف ہے۔ یقیناً سننے سمجھنے والوں کے لئے یہ چیزیں نشان قدرت ہیں۔ طبرانی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ راتوں کو میری نیند اچاٹ ہو جایا کرتی تھی تو میں نے آنحضرت ﷺ سے اس امر کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ دعا پڑھا کرو۔ اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَ هَدَأَتِ الْعُيُوْنُ وَاَنْتَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اَنِمْ عَيْنِيْ وَ اَهْدِئْ لَيْلِيْ - میں نے جب اس دعا کو پڑھا تو نیند نہ آنے کی بیماری بفضل اللہ دور ہو گئی۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ

اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں ڈرانے اور امید وار بنانے کے لئے تجلیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اس میں بھی عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ○ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان وزمین اسی کے حکم سے قائم ہیں' پھر جب وہ تمہیں آواز دے گا صرف ایک بار کی آواز کے ساتھ ہی تم سب زمین سے نکل آؤ گے ○

قیام ارض وسما: ☆☆ (آیت:۲۴-۲۵) اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی ایک اور نشانی بیان کی جا رہی ہے کہ آسمانوں پر اس کے حکم سے بجلی کوندتی ہے جسے دیکھ کر کبھی تمہیں دہشت لگنے لگتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کڑک کسی کو ہلاک کر دے' کہیں بجلی گرے وغیرہ اور کبھی تمہیں امید بندھتی ہے کہ اچھا ہوا اب بارش برسے گی۔ پانی کی ریل پیل ہوگی۔ ترسالی ہو جائے گی وغیرہ۔ وہی ہے جو آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اس زمین کو جو خشک پڑی ہوئی تھی جس پر نام نشان کو کوئی ہریاول نہ تھی' مثل مردے کے بے کار تھی' اس بارش سے وہ زندہ کر دیتا ہے' لہلہانے لگتی ہے' ہری بھری ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی پیداوار اگا دیتی ہے۔ عقل مندوں کے لئے عظمت الٰہی کی یہ ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ وہ اس نشان کو دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں کہ اس زمین کو زندہ کرنے والا اللہ ہماری موت کے بعد ہمیں بھی از سرنو زندہ کر دینے پر قادر ہے۔ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زمین وآسمان اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ وہ آسمان کو زمین پر گرنے نہیں دیتا اور آسمان وزمین کو تھامے ہوئے ہے اور انہیں زوال سے بچائے ہوئے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی تاکیدی قسم کھانا چاہتے تو فرماتے' اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے زمین وآسمان ٹھہرے ہوئے ہیں' پھر قیامت کے دن وہ زمین وآسمان کو بدل دے گا' مردے اپنی قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے۔ خود اللہ انہیں آواز دے گا اور یہ صرف ایک آواز پر زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو اس کی حمد کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور یقین کر لو گے کہ تم بہت ہی کم رہے۔ اور آیت میں ہے فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَاهُمْ بِالسَّاهِرَةِ صرف ایک ہی آواز سے ساری مخلوق میدان محشر میں جمع ہو جائے گی۔ اور آیت میں ہے اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَاهُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ یعنی وہ تو صرف ایک آواز ہوگی جسے سنتے ہی سب کے سب ہمارے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾

زمین وآسمان کی ہر ہر چیز اسی کی ملکیت ہے' اور ہر ایک اس کے فرمان کے ماتحت ہے ○ وہی ہے جس نے شروع شروع میں مخلوق کو پیدا کیا۔ وہی پھر سے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔ اسی کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں بھی' اور وہی ذی عزت' غلبے والا باحکمت' حکمت والا ہے ○

جس کا کوئی ہمسر نہیں: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۷) فرماتا ہے کہ تمام آسمانوں اور ساری زمینوں کی مخلوق اللہ کی ہی ہے' سب اس کے

لونڈی غلام ہیں' سب اسی کی ملکیت ہیں- ہر ایک اس کے سامنے عاجز و لاچار مجبور و بے بس ہے- ایک حدیث میں ہے کہ '' قرآن کریم میں جہاں کہیں قنوت کا ذکر ہے' وہاں مراد اطاعت و فرمانبرداری ہے'' - ابتدائی پیدائش بھی اسی نے کی اور وہی اعادہ بھی کرے گا اور اعادہ بہ نسبت ابتدا کے عادتاً آسان اور ہلکا ہوتا ہے- صحیح بخاری شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں- '' جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے اور اسے یہ چاہئے نہیں تھا- وہ مجھے برا کہتا ہے اور یہ بھی اسے لائق نہ تھا- اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ کہتا ہے جس طرح اس نے مجھے اولاً پیدا کیا' اس طرح دوبارہ پیدا کر نہیں سکتا- حالانکہ دوسری مرتبہ کی پیدائش پہلی دفعہ کی پیدائش سے بالکل ہی آسان ہوا کرتی ہے- اس کا مجھے برا کہنا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے حالانکہ میں احد اور صمد ہوں'' - جس کی نہ اولاد نہ ماں باپ اور جس کا کوئی ہمسر نہیں- الغرض دونوں پیدائشیں اس مالک کی قدرت کی مظہر ہیں' نہ اس پر کوئی کام بھاری نہ بوجھل- یہ بھی ہوسکتا ہے کہ هُوَ کی ضمیر کا مرجع خَلْقُ ہو- مثل سے مراد یہاں اس کی توحید الوہیت اور توحید ربوبیت ہے نہ کہ مثال' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مثال سے پاک ہے- فرمان ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اس کی مثال کوئی اور نہیں- بعض اہل ذوق نے کہا ہے کہ جب صاف شفاف پانی کا ستھرا پاک صاف حوض ٹھہرا ہوا ہو اور باد صبا کے تھپیڑے اسے ہلاتے جلاتے نہ ہوں' اس وقت اس میں آسمان صاف نظر آتا ہے- سورج اور چاند ستارے بالکل دکھائی دیتے ہیں- اسی طرح بزرگوں کے دل ہیں جن میں وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کو ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں- وہ غالب ہے جس پر کسی کا بس نہیں' نہ اس کے سامنے کسی کی کچھ چل سکے- ہر چیز اس کی ماتحتی میں اور اس کے سامنے پست و لاچار' عاجز و بے بس ہے- اس کی قدرت' سطوت' سلطنت ہر چیز پر محیط ہے- وہ حکیم ہے- اپنے اقوال' افعال' شریعت' تقدیر' غرض ہر ہر امر میں- حضرت محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں مَثَلُ اعلیٰ سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے-

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٩﴾

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک مثال خود تمہاری ہی بیان فرمائی - جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے' کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمہارا شریک ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر درجے کے ہو؟ اور تم ان کا ایسا خطرہ رکھتے ہو جیسا خود اپنوں کا' ہم عقل رکھنے والوں کے لئے اسی طرح کھول کر بیان کر دیتے ہیں ○ اصل بات یہ ہے کہ یہ ظالم تو بے علم کی خواہش پرستی کر رہے ہیں' اسے کون راہ دکھائے جسے اللہ راہ سے ہٹا دے؟ ان کا ایک بھی مددگار نہیں ○

اپنے دلوں میں جھانکو! ☆☆ (آیت: ۲۸-۲۹) مشرکین مکہ اپنے بزرگوں کو اللہ کا شریک جانتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی مانتے تھے کہ یہ سب اللہ کے غلام اور اس کے ماتحت ہیں- چنانچہ وہ حج و عمرے کے موقعہ پر لبیک پکارتے ہوئے کہتے تھے کہ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ یعنی ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں- تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ کہ وہ خود اور جس چیز کا وہ مالک ہے'

سب تیری ملکیت میں ہے - یعنی ہمارے شریکوں کا اور ان کی ملکیت کا تو ہی اصلی مالک ہے - پس یہاں انہیں ایک ایسی مثال سے سمجھایا جا رہا ہے جو خود یہ اپنے نفس میں ہی پائیں - اور بہت اچھی طرح غور و خوض کر سکیں - فرماتا ہے کہ کیا تم میں سے کوئی بھی اس امر پر رضامند ہو گا کہ اس کے کل مال وغیرہ میں اس کے غلام اس کے برابر شریک ہوں اور ہر وقت اسے یہ دھڑکا رہتا ہو کہ کہیں وہ تقسیم کر کے میری جائیداد اور ملکیت آدھوں آدھ بانٹ نہ لے جائیں -

پس جس طرح تم یہ بات اپنے لئے پسند نہیں کرتے' اللہ کے لئے بھی یہ نہ چاہو' جس طرح غلام آقا کی ہمسری نہیں کر سکتا' اسی طرح اللہ کا کوئی بندہ اللہ کا شریک نہیں ہو سکتا - یہ عجب ناانصافی ہے کہ اپنے لئے جس بات سے چڑھیں اور نفرت کریں' اللہ کے لئے وہی بات ثابت کرنے بیٹھ جائیں - خود بیٹیوں سے جلتے تھے' اتنا سنتے ہی کہ تیرے ہاں لڑکی ہوئی ہے' منہ کالے پڑ جاتے تھے اور اللہ کے مقرب فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں کہتے تھے - اسی طرح خود اس بات کے کبھی روادار نہیں ہوئے کہ اپنے غلاموں کو اپنے برابر کا شریک وسہیم سمجھیں لیکن اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک سمجھ رہے ہیں - کس قدر انصاف کا خون ہے؟ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مشرک جو لبیک پکارتے تھے اور اس میں اللہ کے لاشریک ہونے کا اقرار کر کے پھر اس کی غلامی تلے دوسروں کو مان کر پھر انہیں اس کا شریک ٹھہراتے تھے' اس پر یہ آیت اتری - اور اس میں بیان ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر کا شریک ٹھہرانے سے عار رکھتے ہو تو اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک کیوں ٹھہرا رہے ہو - یہ صاف بات بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ ہم اسی طرح تفصیل وار دلائل غافلوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں - پھر فرماتا ہے اور بتلاتا ہے کہ مشرکین کے شرک کی کوئی سند عقلی نقلی کوئی دلیل نہیں - صرف کرشمہ جہالت اور پیروی خواہش ہے - جبکہ یہ راہ راست سے ہٹ گئے تو پھر انہیں اللہ کے سوا اور کوئی راہ راست پر لا نہیں سکتا - یہ گو دوسروں کو اپنا کارساز اور مددگار مانتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ دشمنان الٰہی کا دوست کوئی نہیں - کون ہے جو اس کی مرضی کے خلاف لب ہلا سکے - کون ہے جو اس پر مہربانی کرے - جس پر اللہ نامہربان ہو؟ جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے اور جسے وہ نہ چاہے ہو نہیں سکتا -

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

پس تو یکسو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دے' اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے' اللہ کے بنائے کو بدلنا نہیں یہی راست دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ○ اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈراتے رہو اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں نہ مل جاؤ ○ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے' ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے' نازاں ہے ○

بچہ اور ماں باپ: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۲) ملت ابراہیم حنیفؑ پر جم جاؤ جس دین کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کر دیا ہے اور جسے

اے نبی آپ کے ہاتھ پر اللہ نے کمال کو پہنچایا ہے- رب کی فطرت سلیمہ پر وہی قائم ہے جو اس دین اسلام کا پابند ہے- اسی پر یعنی توحید پر رب نے تمام انسانوں کو بنایا ہے- روز اول میں اسی کا سب سے اقرار کرلیا گیا تھا کہ کیا میں سب کا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے اقرار کیا کہ بیشک تو ہی ہمارا رب ہے- وہ حدیثیں عنقریب ان شاءاللہ بیان ہوں گی جن سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ مخلوق کو اپنے سچے دین پر پیدا کیا ہے گو اس کے بعد لوگ یہودیت' نصرانیت وغیرہ پر چلے گئے- لوگو اللہ کی اس فطرت کو نہ بدلو- لوگوں کو اس راہ راست سے نہ ہٹاؤ- تو یہ خبر معنی میں امر کے ہوگی جیسے مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا میں یہ معنی نہایت عمدہ اور صحیح ہیں- دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو فطرت سلیمہ پر یعنی دین اسلام پر پیدا کیا- رب کے اس دین میں کوئی تبدل وتغیر نہیں- امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے یہی معنی کئے ہیں کہ یہاں خلق اللہ سے مراد دین اور فطرت اسلام ہے-

بخاری شریف میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمان رسولؐ ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی' نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں- جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ ہوتا ہے جس کے کان لوگ کتر دیتے ہیں- پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ- مسند احمد میں ہے حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا- آپ کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کیا- وہاں ہم بفضل اللہ غالب آ گئے- اس دن لوگوں نے بہت سے کفار کو قتل کیا یہاں تک کہ چھوٹے بچوں کو بھی قتل کر ڈالا- حضور کو پتہ چلا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے' یہ کیا بات ہے' لوگ حد سے آگے نکل جاتے ہیں- آج بچوں کو بھی قتل کر دیا ہے- کسی نے کہا- یارسول اللہ آخر وہ بھی مشرکین کی ہی اولاد تھی- آپؐ نے فرمایا نہیں نہیں- یاد رکھو تم میں سے بہترین لوگ مشرکین کے بچے ہیں- خبردار بچوں کو کبھی قتل نہ کرنا' نابالغوں کے قتل سے رک جانا- ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنی زبان سے کچھ کہے- پھر اس کے ماں باپ اسے یہود' نصرانی بنا لیتے ہیں-

جابر بن عبداللہ کی روایت سے مسند شریف میں ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں' ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے زبان آ جائے- اب یا تو شاکر بنتا ہے یا کافر- مسند میں بروایت حضرت ابن عباسؓ مروی ہے کہ حضور علیہ السلام سے مشرکوں کی اولاد کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا' وہ خوب جانتا تھا کہ وہ کیا اعمال کرنے والے ہیں- آپ سے مروی ہے کہ ایک زمانے میں میں کہتا تھا' مسلمانوں کی اولاد مسلمانوں کے ساتھ ہے اور مشرکوں کی مشرکوں کے ساتھ ہے یہاں تک کہ فلاں شخص نے فلاں سے روایت کر کے مجھے سنایا کہ جب آنحضرت ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' اللہ خوب عالم ہے اس چیز سے جو وہ کرتے- اس حدیث کو سن کر میں نے اپنا فتویٰ چھوڑ دیا- حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا کہ مجھے جناب باری عزوجل نے حکم دیا کہ جو اس نے مجھے آج سکھایا ہے اور اس سے تم جاہل ہو وہ میں تمہیں سکھا دوں- فرمایا ہے کہ جو میں نے اپنے بندوں کو دیا ہے' میں نے ان کے لئے حلال کیا ہے- میں نے اپنے سب بندوں کو یک طرفہ خالص دین والا بنایا ہے' ان کے پاس شیطان پہنچتا ہے اور انہیں دین سے گمراہ کرتا ہے اور حلال کو ان پر حرام کرتا ہے اور انہیں میرے ساتھ شریک کرنے کو کہتا ہے جس کی کوئی دلیل نہیں-

اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف نگاہ ڈالی اور عرب وعجم سب کو ناپسند فرمایا سوائے چند اہل کتاب کے کچھ لوگوں کے- وہ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے صرف آزمائش کے لئے بھیجا ہے- تیری اپنی بھی آزمائش ہوگی اور تیری وجہ سے اور سب کی بھی- میں تجھ پر وہ کتاب اتاروں گا جسے پانی دھو نہ سکے- تو اسے سوتے جاگتے پڑھتا رہے گا- پھر مجھ سے جناب باری نے ارشاد فرمایا کہ میں قریش کو ہوشیار کر دوں- میں نے

اپنا اندیشہ ظاہر کیا کہ کہیں وہ میرا سر کچل کر روٹی جیسا نہ بنا دیں؟ تو فرمایا' سن جیسے یہ تجھے نکالیں گے' میں انہیں نکالوں گا' تو ان سے جہاد کر' میں تیرا ساتھ دوں گا' تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو لشکر بھیج' میں اس سے پانچ حصے زیادہ لشکر بھیجوں گا' فرمانبرداروں کو لے کر اپنے نافرمانوں پر چڑھائی کر دے۔ اہل جنت تین قسم کے ہیں' عادل بادشاہ' توفیق خیر والا سخی' نرم دل' ہر مسلمان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے والا' پاک دامن' سوال اور حرام سے بچنے والا عیالدار آدمی۔ اہل جہنم پانچ قسم کے لوگ ہیں' وہ بے وقعت' کمینے لوگ جو بے زر اور بے گھر ہیں' جو تمہارے دامنوں میں لپٹے رہتے ہیں۔ وہ خائن جو حقیر چیزوں میں بھی خیانت کئے بغیر نہیں رہتا۔ وہ لوگ جو ہر وقت لوگوں کو ان کی جان و مال اور اہل وعیال میں دھوکے دیتے رہتے ہیں۔ صبح شام چالبازیوں اور مکروفریب میں لگے رہتے ہیں۔ پھر آپ نے بخیل یا کذاب کا ذکر کیا اور فرمایا پانچویں قسم کے لوگ بدزبان بدگو ہیں (مسلم وغیرہ)

یہی فطرت سلیمہ' یہی شریعت کو مضبوطی سے تھامے رہنا ہی سچا اور سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں اور اپنی اسی جہالت کی وجہ سے اللہ کے ایسے پاک دین سے دور بلکہ محروم رہ جاتے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے' گو تیری حرص ہو لیکن ان میں سے اکثر لوگ بے ایمان ہی رہیں گے۔ ایک اور آیت میں ہے' اگر تو اکثریت کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھے راہ اللہ سے بہکا دیں گے۔ تم سب اللہ کی طرف راغب رہو' اسی کی جانب جھکے رہو' اسی کا ڈر خوف رکھو' اسی کا لحاظ رکھو۔ نمازوں کی پابندی کرو جو سب سے بڑی عبادت اور اطاعت ہے۔ تم مشرک نہ بنو بلکہ موحد خالص بن جاؤ۔ اس کے سوا کسی اور سے کوئی مراد وابستہ نہ رکھو۔ حضرت معاذؓ سے حضرت عمرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا' یہ تین چیزیں ہیں اور یہی نجات کی جڑیں ہیں' اول اخلاص جو فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے' دوسرے نماز جو دراصل دین ہے' تیسرے اطاعت جو عصمت اور بچاؤ ہے''۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا' آپ نے سچ کہا۔ تمہیں مشرکوں میں نہ ملنا چاہیے' تمہیں ان کا ساتھ نہ دینا چاہیے' اور نہ ان جیسا فعل کرنا چاہیے جنہوں نے دین الٰہی کو بدل دیا' بعض باتوں کو مان لیا بعض سے انکار کر گئے فَرَّقُوْا کی دوسری قراءت فَارَقُوْا ہے یعنی انہوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا۔ جیسے یہود' نصاریٰ' مجوس' بت پرست اور دوسرے باطل مذاہب والے۔ جیسے ارشاد ہے' جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کی اور گروہ بندی کر لی تو ان میں شامل ہی نہیں' ان کا انجام سپرد الٰہی ہے' تم سے پہلے والی قومیں گروہ در گروہ ہو گئیں اور سب کی سب باطل پر جم گئیں اور ہر فرقہ یہی دعویٰ کرتا رہا کہ وہ سچا ہے اور دراصل حقانیت ان سب سے گم ہو گئی تھی۔ اس امت میں بھی تفرقہ پڑا لیکن ان میں ایک حق پر ہے۔ ہاں باقی سب گمراہی پر ہیں۔ یہ حق والی جماعت اہل سنت و الجماعت ہے جو کتاب اللہ کو اور سنت رسول اللہ ؐ کو مضبوط تھامنے والی ہے' جس پر سابقہ زمانے کے صحابہؓ' تابعینؒ اور ائمہ مسلمینؒ تھے۔ گذشتہ زمانے میں بھی اور اب بھی۔ جیسے مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ان سب میں نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا مَنْ كَانَ عَلٰى مَآ اَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَ اَصْحَابِيْ یعنی وہ لوگ جو اس پر ہوں جس پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں (برادران غور فرمایئے کہ وہ چیز جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم آپ کے زمانے میں تھے' وہ وحی اللہ یعنی قرآن و حدیث ہی تھی یا کسی امام کی تقلید؟)

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا

عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

لوگوں کو جب کبھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف پوری طرح رجوع ہو کر دعائیں کرتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنی طرف سے رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے ○ تاکہ وہ اس چیز کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی ہے' اچھا تم فائدہ اٹھالو ابھی ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا ○ یا کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے جو اسے بیان کرے جسے یہ اللہ کے ساتھ شریک کر رہے ہیں ○ اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ خوب خوش ہو جاتے ہیں' اور اگر انہیں ان کے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچے تو ایک دم وہ محض ناامید ہو جاتے ہیں ○ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے کشادہ روزی دیتا ہے اور تنگ بھی۔ اس میں بھی ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں' نشانیاں ہیں ○

انسان کی مختلف حالتیں: ☆☆ (آیت: ۳۳-۳۷) اللہ تعالیٰ لوگوں کی حالت بیان فرما رہا ہے کہ دکھ درد' مصیبت و تکلیف کے وقت تو وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کو بڑی عاجزی' زاری نہایت توجہ اور پوری دلسوزی کے ساتھ پکارتے ہیں اور جب اس کی نعمتیں ان پر برسنے لگتی ہیں تو یہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ لِيَكْفُرُوْا میں لام بعض تو کہتے ہیں لام عاقبت ہے اور بعض کہتے ہیں لام تعلیل ہے۔ لیکن اس کا لام تعلیل ہونا اس وجہ سے بھلا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے ان کے لئے یہ مقرر کیا۔ پھر انہیں دھمکایا کہ تم ابھی معلوم کر لو گے۔ بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ کوتوال یا سپاہی اگر کسی کو ڈرائے دھمکائے تو وہ کانپ اٹھتا ہے۔ تعجب ہے کہ اس کے دھمکانے سے ہم دہشت میں آئیں' جس کے قبضے میں ہر چیز ہے اور جس کا صرف یہ کہہ دینا ہر امر کے لئے کافی ہے کہ ہو جا' اس سے نہ ڈریں۔ پھر مشرکین کا محض بے دلیل ہونا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے ان کے شرک کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔

پھر انسان کی ایک بیہودہ خصلت بطور انکار بیان ہو رہی ہے کہ سوائے چند ہستیوں کے عموماً حالت یہ ہے کہ راحتوں کے وقت پھول جاتے ہیں اور سختیوں کے وقت مایوس ہو جاتے ہیں۔ گویا اب کوئی بہتری ملے گی نہیں۔ ہاں مومن سختیوں میں صبر اور نرمیوں میں نیکیاں کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے' مومن پر تعجب ہے۔ اس کے لئے اللہ کی ہر قضا بہتر ہی ہوتی ہے۔ راحت پر شکر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے اور مصیبت پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی متصرف اور مالک ہے۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق جہان کا نظام چلا رہا ہے' کسی کو کم دیتا ہے' کسی کو زیادہ دیتا ہے۔ کوئی تنگی ترشی میں ہے' کوئی وسعت اور فراخی میں۔ اس میں مومنوں کے لئے نشان ہیں۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۖ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ

هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع ۱۳

قرابت دار کو، مسکین کو، مسافر کو ہر ایک کو اس کا حق دے - یہ ان کے لئے بہتر ہے جو اللہ کا چہرہ دیکھنا چاہتے ہوں - ایسے ہی لوگ نجات پانے والے ہیں ○ تم جو بیاج (سود) پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے، وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا، اور جو کچھ صدقہ زکوۃ تم اللہ کے چہرہ کی طلب کے لئے دو تو ایسے لوگ ہی ہیں اپنا دوچند کرنے والے ○ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا - پھر روزی دی، پھر مار ڈالے گا - پھر زندہ کر دے گا، بتاؤ تمہارے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان میں سے کچھ بھی کر سکتا ہو؟ اللہ کے لئے پاکی اور برتری ہے ہر اک اس شریک سے جو یہ لوگ مقرر کرتے ہیں ○

صلہ رحمی کی تاکید: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۰) قرابتداروں کے ساتھ نیکی، سلوک اور صلہ رحمی کرنے کا حکم ہو رہا ہے - مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو یا کچھ ہو لیکن بقدر کفایت نہ ہو - اس کے ساتھ بھی سلوک واحسان کرنے کا حکم ہو رہا ہے - مسافر جس کا خرچ کم پڑ گیا ہو اور سفر خرچ پاس نہ رہا ہو - اس کے ساتھ بھی بھلائی کرنے کا ارشاد ہوتا ہے - یہ ان کے لئے بہتر ہے جو چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن دیدار الٰہی کریں - حقیقت میں انسان کے لئے اس سے بڑی نعمت کوئی نہیں - دنیا اور آخرت میں نجات ایسے ہی لوگوں کو ملے گی - اس دوسری آیت کی ایک تفسیر تو ابن عباسؓ مجاہدؒ ضحاکؒ قتادہؒ عکرمہؒ محمد بن کعبؒ اور شعبیؒ سے یہ مروی ہے کہ جو شخص کوئی عطیہ اس ارادے سے دے کہ لوگ اسے اس سے زیادہ دیں تو گو اس ارادے سے ہدیہ دینا ہے تو مباح لیکن ثواب سے خالی ہے - اللہ کے ہاں اس کا بدلہ کچھ نہیں - مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس سے بھی روک دیا - اس معنی میں یہ حکم آپ کے لئے مخصوص ہوگا -

اسی کی مشابہ آیت وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ہے یعنی زیادتی، معاوضہ کی نیت سے کسی کے ساتھ احسان نہ کیا کرو - ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سود یعنی نفع کی دو صورتیں ہیں - ایک تو بیوپار تجارت میں سود، یہ تو حرام محض ہے - دوسرا سود یعنی زیادتی جس میں کوئی حرج نہیں - وہ کسی کو اس ارادہ سے ہدیہ تحفہ دینا ہے کہ یہ مجھے اس سے زیادہ دے - پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اللہ کے پاس ثواب تو زکوۃ کے ادا کرنے کا ہے - زکوۃ دینے والوں کو بہت برکتیں ہوتیں ہیں - صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کھجور بھی صدقے میں دے لیکن حلال طور سے حاصل کی ہوئی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے اور اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے یا اونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے - یہاں تک کہ وہی ایک کھجور احد پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے - اللہ ہی خالق ورازق ہے - انسان اپنی ماں کے پیٹ سے ننگا، بے علم، بے کان، بے آنکھ، بے طاقت نکلتا ہے - پھر اللہ تعالیٰ اسے سب چیزیں عطا فرماتا ہے - مال، ملکیت، کمائی، تجارت غرض بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے -

دو صحابیوں کا بیان ہے کہ ہم حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے - اس وقت آپ کسی کام میں مشغول تھے - ہم نے بھی آپ کا ہاتھ بٹایا - آپؐ نے فرمایا، دیکھو سر ہلنے لگے تب تک بھی روزی سے کوئی محروم نہیں رہتا - انسان ننگا بھوکا دنیا میں آتا ہے، ایک چھلکا بھی اس کے بدن پر نہیں ہوتا - پھر رب ہی اسے روزیاں دیتا ہے - اس حیات کے بعد تمہیں مار ڈالے گا - پھر قیامت کے دن زندہ کرے گا - اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کر رہے ہو، ان میں سے ایک بھی ان باتوں میں سے کسی ایک پر قابو نہیں رکھتا - ان کاموں میں سے ایک بھی کوئی نہیں کر سکتا - اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی تنہا خالق، رازق اور موت زندگی کا مالک ہے - وہی قیامت کے دن تمام مخلوق کو جلا دے گا - اس کی مقدس

منزہ، معظم اور عزت وجلال والی ذات اس سے پاک ہے- کوئی اس کا شریک ہو یا اس جیسا ہو یا اس کے برابر ہو یا اس کی اولاد ہو یا ماں باپ ہوں- وہ احد ہے، صمد ہے، فرد ہے، ماں باپ اولاد سے پاک ہے، اس کا کفو کوئی نہیں-

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿٤٢﴾

خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث مصیبتیں آن پڑیں اس لئے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھادے- بہت ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں ○ زمین پر چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ اگلوں کا انجام کیا ہوا؟ جن میں اکثر لوگ مشرک تھے ○

زمین کی اصلاح اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مضمر ہے: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۲) ممکن ہے بر یعنی خشکی سے مراد میدان اور جنگل ہوں اور بحر یعنی تری سے مراد شہر اور دیہات ہوں- ورنہ ظاہر ہے کہ بر کہتے ہیں خشکی کو اور بحر کہتے ہیں تری کو- خشکی کے فساد سے مراد بارش کا نہ ہونا، پیداوار کا نہ ہونا، قحط سالیوں کا آنا ہے- تری کے فساد سے مراد بارش کا رک جانا جس سے پانی کے جانور اندھے ہو جاتے ہیں- انسان کا قتل اور کشتیوں کا جبراً چھین جھپٹ لینا، یہ خشکی تری کا فساد ہے- بحر سے مراد جزیرے اور بر سے مراد شہر اور بستیاں ہیں- لیکن اول قول زیادہ ظاہر ہے اور اسی کی تائید محمد بن اسحاق کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضورؐ نے ایلہ کے بادشاہ سے صلح کی اور اس کا بحر یعنی شہر اسی کے نام کر دیا- پھلوں، اناج کا نقصان دراصل انسان کے گناہوں کی وجہ سے ہے- اللہ کے نافرمان زمین کے بگاڑنے والے ہیں- آسمان وزمین کی اصلاح اللہ کی عبادت واطاعت سے ہے- ابوداؤد میں حدیث ہے کہ زمین پر ایک حد کا قائم ہونا زمین والوں کے حق میں چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے- یہ اس لئے کہ حد قائم ہونے سے مجرم گناہوں سے باز رہیں گے اور جب گناہ نہ ہوں گے تو آسمانی اور زمینی برکتیں لوگوں کو حاصل ہوں گی- چنانچہ آخر زمانے میں جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اتریں گے اور اس پاک شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے مثلاً خنزیر کا قتل، صلیب کی شکست، جزیے کا ترک، یعنی اسلام کی قبولیت یا جنگ، پھر جب آپ کے زمانے میں دجال اور اس کے مرید ہلاک ہو جائیں گے، یاجوج ماجوج تباہ ہو جائیں گے تو زمین سے کہا جائے گا کہ اپنی برکتیں لوٹا دے- اس دن ایک انار لوگوں کی ایک بڑی جماعت کو کافی ہوگا- اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے چھلکے تلے یہ سب لوگ سایہ حاصل کر لیں- ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے کو کفایت کرے گا- یہ ساری برکتیں صرف رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے جاری کرنے کی وجہ سے ہوں گی جیسے جیسے عدل وانصاف مطابق شرع شریف بڑھے گا، ویسے ویسے خیر وبرکت بڑھتی چلی جائے گی- اس کے برخلاف فاجر شخص کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ اس کے مرنے پر بندے، شہر درخت اور جانور سب راحت پالیتے ہیں-

مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ زیاد کے زمانے میں ایک تھیلی پائی گئی جس میں کھجور کی بڑی گٹھلی جیسے گیہوں کے دانے تھے اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اس زمانے میں اگتے تھے جس میں عدل وانصاف کو کام میں لایا جاتا تھا- زید بن اسلمؒ سے مروی ہے کہ مراد فساد سے شرک ہے لیکن یہ قول تامل طلب ہے- پھر فرماتا ہے کہ مال اور پیداوار کی اور پھر اناج کی کمی بطور آزمائش کے اور بطور ان کے بعض اعمال کے بدلے کے ہے- جیسے اور جگہ ہے وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ہم نے انہیں بھلائیوں، برائیوں میں مبتلا کیا تا کہ وہ

لوٹ جائیں - تم زمین میں چل پھر کر آپ ہی دیکھ لو کہ تم سے پہلے جو مشرک تھے ان کے نتیجے کیا ہوئے؟ رسولوں کی نہ ماننے اللہ کے ساتھ کفر کرنے کا کیا وبال ان پر آیا؟ یہ دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ الۡقَيِّمِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوۡمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوۡنَ ﴿۴۳﴾ مَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ ۚ وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنۡفُسِهِمۡ يَمۡهَدُوۡنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۴۵﴾

پس تو اپنا رخ اس سچے اور سیدھے دین کی طرف ہی رکھ اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس کی بازگشت اللہ کی طرف سے ہے ہی نہیں - اس دن سب متفرق ہو جائیں گے ○ کفر کرنے والوں پر ان کا کفر ہوگا' اور نیک عمل کرنے والے اپنی ہی آرام گاہ سنوار رہے ہیں ○ تا کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے' وہ کافروں کو دوست رکھتا ہی نہیں ○

اللہ کے دین میں مستحکم ہو جاؤ: ☆☆ (آیت: ۴۳-۴۵) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دین پر جم جانے کی اور چستی سے اللہ کی فرمانبرداری کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے' مضبوط دین کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ - اس سے پہلے کہ قیامت کا دن آ جائے - جب اس کے آنے کا اللہ کا حکم ہو چکے گا' پھر اس حکم کو یا اس آنے والی ساعت کو کوئی لوٹا نہیں سکتا - اس دن نیک بد علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے - ایک جماعت جنت میں' ایک جماعت بھڑکتی ہوئی آگ میں - کافر اپنے کفر کے بوجھ تلے دب رہے ہوں گے - لوگ اپنے کئے ہوئے نیک اعمال کے بہترین آرام دہ ذخیرے پر خوش وخرم ہوں گے - رب انہیں ان کی نیکیوں کا اجر بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر کئی کئی گنا کر کے دے رہا ہوگا - ایک ایک نیکی دس دس بلکہ سات سات سو بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ کر کے انہیں ملے گی - کفار اللہ کے دوست نہیں لیکن تاہم ان پر بھی ظلم نہ ہوگا -

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ يُّرۡسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِيُذِيۡقَكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَلِتَجۡرِىَ الۡفُلۡكُ بِاَمۡرِهٖ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَانۡتَقَمۡنَا مِنَ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۷﴾

اس کی نشانیوں میں سے خوش خبریاں دینے والی ہواؤں کا چلانا بھی ہے اس لئے کہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے اور اس لئے کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور اس لئے کہ اس کے فضل کو تم ڈھونڈو اور اس لئے کہ تم شکر گزاری کرو ○ ہم نے تجھ سے پہلے بھی اپنے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا - وہ ان کے پاس دلیلیں لائے - پھر ہم نے گنہگاروں سے انتقام لیا' ہم پر مومنوں کی مدد لازم ہے ○

مسلمان بھائی کی اعانت پر جہنم سے نجات کا وعدہ: ☆☆ (آیت: ۴۶-۴۷) بارش کے آنے سے پہلے بھینی بھینی ہواؤں کا چلنا اور لوگوں کو بارش کی امید دلانا' اس کے بعد مینہ برسانا تا کہ بستیاں آباد رہیں اور جاندار زندہ رہیں' سمندروں اور دریاؤں میں جہاز اور کشتیاں

چلیں۔ کیونکہ کشتیوں کا چلنا بھی ہوا پر موقوف ہے۔ اب تم اپنی تجارت اور کمائی دھندے کے لئے ادھر سے ادھر سے ادھر جا آ سکو۔ پس تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ان بیشمار ان گنت نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کرو۔ پھر اپنے نبی کو تسکین اور تسلی دینے کے لئے فرماتا ہے کہ اگر آپ کو لوگ جھٹلاتے ہیں تو آپ اسے کوئی انوکھی بات نہ سمجھیں۔ آپ سے پہلے کے رسولوں کو بھی ان کی امتوں نے ایسے ہی ٹیڑھے ترچھے فقرے سنائے ہیں۔ وہ بھی صاف، روشن اور واضح دلیلیں، معجزے اور احکام لائے تھے بالآخر جھٹلانے والے عذاب کے شکنجے میں کس دیئے گئے اور مومنوں کو اس وقت ہر قسم کی برائی سے نجات ملی۔ اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے نفس کریم پر یہ بات لازم کر لی ہے کہ وہ اپنے باایمان بندوں کو مدد دے گا۔ جیسے فرمان ہے کَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی آبرو بچائے اللہ پر حق ہے کہ وہ اس سے جہنم کی آگ کو ہٹا لے۔ پھر آپ نے پڑھا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اللہ تعالیٰ ہوائیں چلاتا ہے۔ وہ ابر کو اٹھاتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی منشا کے مطابق اسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ پھر تیرے دیکھتے ہوئے اس کے اندر سے قطرے نکلتے ہیں، اور جنہیں اللہ چاہتا ہے، ان اپنے بندوں پر وہ پانی برساتا ہے تو وہ خوش خوش ہو جاتے ہیں ○ یقین مانا کہ بارش ان پر برسے، اس سے پہلے پہلے تو نا امید ہو رہے تھے ○ پس تو رحمت الٰہی کے آثار دیکھ کہ زمین کی موت کے بعد کس طرح اللہ تعالیٰ اسے زندہ کر دیتا ہے؟ کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اور اگر ہم باد تند چلا دیں اور یہ لوگ انہیں کھیتیوں کو مرجھائی ہوئی زرد پڑی ہوئی دیکھ لیں تو پھر اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں ○

ناامیدی کے اندھیروں میں امید کے اجالے، رحمت و زحمت کی ہوائیں: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۱) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں یا تو سمندر پر سے یا جس طرح اور جہاں سے اللہ کا حکم ہو۔ پھر رب العالمین ابر کو آسمان پر پھیلا دیتا ہے۔ اسے بڑھا دیتا ہے۔ تھوڑے کو زیادہ کر دیتا ہے۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بالشت دو بالشت کا ابر اٹھا۔ پھر جو وہ پھیلا تو آسمان کے کنارے ڈھانپ لئے اور کبھی یہ بھی دیکھا ہوگا کہ سمندروں سے پانی کے بھرے ابر اٹھتے ہیں۔ اسی مضمون کو آیت وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ الخ میں

بیان فرمایا ہے۔ پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے اور تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ وہ پانی سے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ زمین کے قریب ہو جاتے ہیں۔ پھر بارش ان بادلوں کے درمیان سے برسنے لگتی ہے' جہاں برسی' وہیں کے لوگوں کی باچھیں کھل گئیں۔ پھر فرماتا ہے یہی لوگ بارش سے ناامید ہو چکے تھے اور پوری ناامیدی کے وقت بلکہ ناامیدی کے بعد ان پر بارشیں برسیں اور جل تھل ہو گئے۔ دو دفعہ مِنْ قَبْلِ کا لفظ لانا تاکید کے لئے ہے۔ ہ کی ضمیر کا مرجع اِنْزَال ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تاسیسی دلالت ہو۔ یعنی بارش ہونے سے پہلے یہ اس کے محتاج تھے اور وہ حاجت پوری ہو' اس سے پہلے وقت کے ختم ہو جانے کے قریب بارش نہ ہونے کی وجہ سے یہ مایوس ہو چکے تھے۔

پھر اس ناامیدی کے بعد دفعتاً ابر اٹھتا ہے اور برس جاتا ہے اور ریل پیل کر دیتا ہے اور ان کی خشک زمین تر ہو جاتی ہے' قحط سالی تر سالی سے بدل جاتی ہے۔ یا تو زمین صاف چٹیل میدان تھی یا ہر طرف ہریاول دکھائی دینے لگتی ہے۔ دیکھ لو کہ پروردگار عالم بارش سے کس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے؟ یاد رکھو جس رب کی یہ قدرت تم دیکھ رہے ہو' وہ ایک دن مردوں کو ان کی قبروں سے بھی نکالنے والا ہے حالانکہ ان کے جسم گل سڑ گئے ہوں گے۔ سمجھ لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر فرماتا ہے' اگر ہم بادِ تند چلا دیں' اگر آندھیاں آ جائیں اور ان کی لہلہاتی ہوئی کھیتیاں پژمردہ ہو جائیں تو وہ پھر سے کفر کرنے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ واقعہ میں بھی یہی بیان ہوا ہے۔ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ سے مَحْرُوْمُوْنَ تک حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں' ہوائیں آٹھ قسم کی ہیں' چار رحمت کی' چار زحمت کی۔ ناشرات' مبشرات' مرسلات اور ذاریات تو رحمت کی ہیں اور عقیم' صرصر' عاصف اور قاصف عذاب کی۔ ان میں پہلی دو خشکیوں کی ہیں اور آخری دو تری کی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں' ہوائیں دوسری سے مسخر ہیں یعنی دوسری زمین سے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی ہلاکت کا ارادہ کیا تو ہواؤں کے داروغہ کو یہ حکم دیا' اس نے دریافت کیا کہ جناب باری کیا ہواؤں کے خزانے میں اتنا سوراخ کر دوں جتنا بیل کا نتھنا ہوتا ہے؟ تو فرمان اللہ ہوا کہ نہیں نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو کل زمین اور زمین کی پوری چیزیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ اتنا نہیں بلکہ اتنا روزن کرو جتنا انگوٹھی میں نگینہ ہوتا ہے۔ اب صرف اتنے سے سوراخ سے وہ ہوا چلی جو جہاں پہنچی وہاں بھس اڑا دیا۔ جس چیز پر سے گزری اسے بے نشان کر دیا۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا منکر ہے۔ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ خود حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

ع ۵ ۱۳ ۸

بے شک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔ اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتا ہے جبکہ پیٹھ پھیر کر مڑ گئے ہیں اور نہ تو اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت کرنے والا ہے' تو تو صرف ان ہی لوگوں کو سناتا ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہیں بھی وہ اطاعت گذار ○

مسئلہ سماع موتی: ☆☆ (آیت: ۵۲-۵۳) باری تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ جس طرح یہ تیری قدرت سے خارج ہے کہ مردوں کو جو قبروں میں ہوں' تو اپنی آواز سنا سکے اور جس طرح یہ ناممکن ہے کہ بہرے شخص کو جبکہ وہ پیٹھ پھیرے منہ موڑے جا رہا ہو' تو اپنی بات سنا سکے۔ اسی طرح سے جو حق سے اندھے ہیں' تو ان کی رہبری ہدایت کی طرف نہیں کر سکتا۔ ہاں اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ جب وہ چاہے مردوں کو زندوں کی آواز بھی سنا سکتا ہے۔ ہدایت و ضلالت اس کی طرف سے ہے۔ تو صرف انہیں سنا سکتا ہے جو باایمان ہوں اور اللہ کے سامنے جھکنے والے اس کے

فرمانبردار ہوں- یہ لوگ حق کو سنتے ہیں اور مانتے بھی ہیں- یہ تو حالت مسلمان کی ہوئی اور اس سے پہلے جو حالت بیان ہوئی' وہ کافر کی ہے- جیسے اور آیت میں ہے اِنَّمَا یَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ یَسۡمَعُوۡنَ الخ تیری پکار وہی قبول کریں گے جو کان دھر کر سنیں گے- مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا- پھر سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے-

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان مشرکین سے جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے تھے اور بدر کی کھائیوں میں ان کی لاشیں پھینک دی گئی تھیں' ان کی موت کے تین دن بعد ان سے خطاب کر کے انہیں ڈانٹا اور غیرت دلائی- حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ان سے خطاب کرتے ہیں جو مر کر مردہ ہو گئے- تو آپ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم بھی میری اس بات کو جو میں انہیں کہہ رہا ہوں' اتنا نہیں سنتے' جتنا یہ سن رہے ہیں- ہاں وہ جواب نہیں دے سکتے- حضرت عائشہؓ نے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی زبانی سن کر فرمایا کہ آپ نے یوں فرمایا ہے کہ وہ اب بخوبی جانتے ہیں کہ جو میں ان سے کہتا تھا' وہ حق ہے- پھر آپ نے مردوں کے نہ سن سکنے پر اسی آیت سے استدلال کیا کہ اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی- حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا تھا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی یہ بات انہوں نے سن لی تا کہ انہیں پوری ندامت اور کافی شرم ساری ہو- لیکن علماء کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت بالکل صحیح ہے کیونکہ اس کے بہت سے شواہد ہیں- ابن عبدالبر نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً ایک روایت صحت کر کے وارد کی ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے یہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اسے سلام کرتا ہے تو اللہ اس کی روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جواب دے-

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّۃٍ ضُعۡفًا وَّ شَیۡبَۃً ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ ہُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡقَدِیۡرُ ﴿۵۴﴾

اللہ وہ ہے کہ جس نے کمزوری کی حالت میں پیدا کیا- پھر اس کمزوری کے بعد توانائی دی- پھر اس توانائی کے بعد کمزوری اور بڑھاپا کر دیا' جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' وہ سب سے پورا واقف اور سب پر پورا قادر ہے ○

پیدائش انسان کی مرحلہ وار روداد: ☆☆ (آیت: ۵۴) انسان کی ترقی وتنزل' اس کی اصل تو مٹی سے ہے- پھر نطفے سے' پھر خون بستہ سے' پھر گوشت کے لوتھڑے سے' پھر اسے ہڈیاں پہنائی جاتی ہیں' پھر ہڈیوں پر گوشت پوست پہنایا جاتا ہے' پھر روح پھونکی جاتی ہے' پھر ماں کے پیٹ سے ضعیف ونحیف ہو کر نکلتا ہے- پھر تھوڑا تھوڑا بڑھتا جاتا ہے- اور مضبوط ہوتا جاتا ہے- پھر بچپن کے زمانے کی بہاریں دیکھتا ہے- پھر جوانی کے قریب پہنچتا ہے- پھر جوان ہوتا ہے- آخر نشوونما موقوف ہو جاتی ہے- اب قویٰ پھر مضمحل ہونے شروع ہوتے ہیں- طاقتیں گھٹنے لگتی ہیں- ادھیڑ عمر کو پہنچتا ہے- پھر بڈھا ہوتا ہے- پھر بڈھا پھوس ہو جاتا ہے- طاقت کے بعد یہ کمزوری بھی قابل عبرت ہوتی ہے- کہ ہمت پست ہے- دیکھنا' سننا' چلنا پھرنا' اٹھنا' اچکنا' پکڑنا غرض ہر طاقت گھٹ جاتی ہے- رفتہ رفتہ بالکل جواب دے جاتی ہے اور ساری صفتیں متغیر ہو جاتی ہیں- بدن پر جھریاں پڑ جاتی ہیں- رخسار پچک جاتے ہیں' دانت ٹوٹ جاتے ہیں' بال سفید ہو جاتے ہیں- یہ ہے قوت کے بعد کی ضعفی اور بڑھاپا- وہ جو چاہتا ہے' کرتا ہے- بنانا بگاڑنا اس کی قدرت کے ادنیٰ کرشمے ہیں- ساری مخلوق اس کی غلام' وہ سب کا مالک' وہ عالم وقادر' نہ اس کا سا کسی کا علم نہ اس جیسی کسی کی قدرت- حضرت عطیہ عوفی کہتے ہیں' میں نے اس آیت کو ضُعۡفًا تک حضرت ابن عمرؓ کے سامنے پڑھا تو آپ نے بھی اسے تلاوت کی اور فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس

آیت کو اتنا ہی پڑھا تھا جو آپ پڑھنے لگے جس طرح میں نے تمہاری قراءت پر قراءت شروع کر دی - (ابوداؤد ترمذی مسند احمد)

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

جس وقت قیامت برپا ہو جائے گی گنہگار لوگ قسمیں کھانے لگیں گے کہ ایک گھڑی کے سوا نہیں ٹھہرے - اسی طرح یہ بہکے ہوئے ہی رہے ○ اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا ہے وہ جواب دیں گے کہ تم تو جیسا کہ کتاب اللہ میں ہے یوم قیامت تک ٹھہرے رہے - آج کا یہ دن قیامت ہی کا دن ہے لیکن تم تو یقین ہی نہیں مانتے تھے ○ آج ظالموں کو ان کی عذر معذرت کچھ کام نہ آئے گی اور نہ ان سے توبہ طلب کی جائے گی ○

واپسی ناممکن ہوگی: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۷) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ کفار دنیا اور آخرت کے کاموں سے بالکل جاہل ہیں - دنیا میں ان کی جہالت تو یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے رہے اور آخرت میں یہ جہالت کریں گے کہ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم دنیا میں صرف ایک ساعت ہی رہے - اس سے ان کا مقصد یہ ہوگا کہ اتنے تھوڑے سے وقت میں ہم پر کوئی حجت قائم نہیں ہوئی - ہمیں معذور سمجھا جائے - اسی لئے فرمایا کہ یہ جیسے یہاں بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں دنیا میں یہ بہکے ہوئے ہی رہے - فرماتا ہے کہ علماء کرام جس طرح ان کے اس کہنے پر دنیا میں انہیں دلائل دے کر قائل معقول کرتے رہے آخرت میں بھی ان سے کہیں گے کہ تم جھوٹی قسمیں کھا رہے ہو - تم کتاب اللہ یعنی کتاب الاعمال میں اپنی پیدائش سے لے کر جی اٹھنے تک ٹھہرے رہے لیکن تم بے علم اور نرے جاہل لوگ ہو - پس قیامت کے دن ظالموں کو اپنے کرتوت سے معذرت کرنا محض بے سود رہے گا اور وہ دنیا کی طرف لوٹائے نہ جائیں گے - جیسے فرمان ہے وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ یعنی اگر وہ دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں تو لوٹ نہیں سکتے -

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۷

بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سامنے کل مثالیں بیان کر دی ہیں تو ان کے پاس کوئی بھی نشان لائے یہ کافر یہی کہیں گے کہ تم بیہودہ گو جھوٹے ہو ○ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے یوں ہی مہر کر دیتا ہے ○ تو صبر کر - یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے تجھے وہ لوگ خفیف نہ کر دیں جو یقین نہیں رکھتے ○

نماز میں مقتدی اور امام کا تعلق: ☆☆ (آیت: ۵۸-۶۰) حق کو ہم نے اس پاک کلام میں پوری طرح واضح کر دیا ہے اور مثالیں دے

دے کر سمجھا دیا ہے کہ لوگوں پر حق کھل جائے اور اس کی تابعداری میں لگ جائیں- ان کے پاس تو کوئی بھی معجزہ آ جائے' کیسا ہی نشان حق دیکھ لیں لیکن یہ تو جھٹ سے بلاغور علی الفور کہہ دیں گے کہ یہ جادو ہے' باطل ہے' جھوٹ ہے- دیکھئے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے- خود قرآن کریم کی آیت اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡهِمۡ الخ میں ہے کہ جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے گو ان کے پاس تمام نشانیاں آ جائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کا معائنہ کر لیں- پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ بے علم لوگوں کے دلوں پر اسی طرح اللہ کی مہر لگ جاتی ہے- اے نبی ﷺ آپ صبر کیجئے- ان کی مخالفت اور دشمنی پر درگزر کئے چلے جایئے- اللہ کا وعدہ سچا ہے- وہ ضرور تمہیں ایک دن ان پر غالب کرے گا اور تمہاری امداد فرمائے گا اور دنیا اور آخرت میں تجھے اور تیرے تابعداروں کو مخالفین پر غلبہ دے گا- تمہیں چاہیے کہ اپنے کام پر لگے رہو' حق پر جم جاؤ' اس سے ایک انچ ادھر ادھر نہ ہٹو' اسی میں ساری ہدایت ہے- باقی سب باطل کے ڈھیر ہیں- حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں تھے کہ ایک خارجی نے آپ کا نام لے کر زور سے اس آیت کی تلاوت کی- وَلَقَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ وَاِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ آپ نے خاموشی سے اس آیت کو سنا' سمجھا اور نماز ہی میں اس کے جواب میں آیت صَبۡرُ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسۡتَخِفَّنَّكَ الَّذِیۡنَ لَا یُوۡقِنُوۡنَ تلاوت فرمائی (ابن جریر' ابن ابی حاتم) (وہ حدیث جس سے اس مبارک سورت کی فضیلت اور اس کی قراءت کا صبح کی نماز میں مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے)

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حضور ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے اسی سورت کی قراءت کی- اثنا قراءت میں آپ کو وہم سا ہو گیا' فارغ ہو کر فرمانے لگے' تم میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن باقاعدہ ٹھیک ٹھاک وضو نہیں کرتے- تم میں سے جو بھی ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو' اسے اچھی طرح وضو کرنا چاہیے- (مسند احمد) اس کی اسناد حسن ہے' متن بھی حسن ہے' اور اس میں ایک عجیب بھید ہے اور بہت بڑی خبر ہے اور وہ یہ کہ آپ کے مقتدیوں کے وضو بالکل درست نہ ہونے کا اثر آپ پر بھی پڑا- پس ثابت ہوا کہ مقتدیوں کی نماز امام کی نماز کے ساتھ معلق ہے-

---

تفسیر سورۃ لقمان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِیۡمِ ﴿۲﴾ هُدًی وَّرَحۡمَةً لِّلۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۳﴾ الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَهۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ۖ وَّیَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ ﴿۶﴾

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ○ جو نیک کاروں کے لئے رہبر اور سراسر رحمت ہے ○ جو لوگ نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں اور آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں ○ یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں ○ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو راہ الٰہی سے بہکائیں اور اسے ہنسی بنائیں' یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کرنے والے عذاب ہیں ○

ہدایت یافتہ کتاب: ☆☆ (آیت:۱-۵) سورۂ بقرہ کی تفسیر کے اول میں ہی حروف مقطعات کے معنی اور مطلب کی توضیح کردی گئی ہے- یہ قرآن ہدایت' شفا اور رحمت ہے ان نیک کاروں کے لئے جو شریعت کے پورے پابند ہیں' نمازیں ادا کرتے ہیں- ارکان' اوقات وغیرہ کی حفاظت کے ساتھ ہی نوافل سنت وغیرہ بھی نہیں چھوڑتے -فرض زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' صلہ رحمی' سلوک و احسان' سخاوت اور داد و دہش کرتے رہتے ہیں- آخرت کی جزاء کا انہیں کامل یقین ہے- اس لئے اللہ کی طرف پوری رغبت کرتے ہیں' ثواب کے کام کرتے ہیں اور رب کے اجر پر نظریں رکھتے ہیں- نہ ریا کاری کرتے ہیں نہ لوگوں سے داد چاہتے ہیں- ان اوصاف والے راہ یافتہ ہیں- راہ اللہ پر لگا دیئے گئے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو دین و دنیا میں فلاح' نجات اور کامیابی حاصل کریں گے-

لہو ولعب' موسیقی اور لغو باتیں: ☆☆ (آیت:۶) اوپر بیان ہوا تھا نیک بختوں کا جو کتاب اللہ سے ہدایت پاتے تھے اور اسے سن کر نفع اٹھاتے تھے- تو یہاں بیان ہو رہا ہے ان بدبختوں کا جو کلام الٰہی کو سن کر نفع حاصل کرنے سے باز رہتے ہیں اور بجائے اس کے گانے بجانے' باجے گاجے' ڈھول تاشے سنتے ہیں- چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' قسم اللہ کی اس سے مراد گانا اور راگ ہے- ایک اور جگہ ہے کہ آپ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے تین دفعہ قسم کھا کر فرمایا کہ اس سے مقصد گانا اور راگ اور راگنیاں ہیں- یہی قول حضرت ابن عباسؓ' جابرؒ' عکرمہؒ' سعید بن جبیرؒ' مجاہدؒ' مکحولؒ' عمرو بن شعیبؒ' علی بن بزیمہ رحمتہ اللہ علیہ کا ہے- امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت گانے بجانے' باجوں گاجوں کے بارے میں اتری ہے- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف وہی نہیں جو اس لہو ولعب میں پیسے خرچے' یہاں مراد خرید سے اسے محبوب رکھنا اور پسند کرنا ہے- انسان کو یہی گمراہی کافی ہے کہ وہ باطل کی بات کو حق بات پر پسند کر لے- اور نقصان کی چیز کو نفع کی بات پر مقدم کر لے- ایک قول یہ بھی ہے کہ لغو بات خریدنے سے مراد گانے والی لونڈیوں کی خریداری ہے چنانچہ ابن ابی حاتم وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ گانے والیوں کی خرید وفروخت حلال نہیں اور ان کی قیمت کا کھانا حرام ہے' انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے- امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ بھی اس حدیث کو لائے ہیں اور اسے غریب کہا ہے اور اسکے ایک راوی علی بن یزید کو ضعیف کہا ہے- میں کہتا ہوں' خود علی ان کے استاد اور انکے تمام شاگرد ضعیف ہیں- واللہ اعلم-

ضحاکؒ کا قول ہے کہ مراد اس سے شرک ہے- امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو اللہ سے اور اتباع شرع سے روکے' وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے- اس سے غرض اس کی اسلام اور اہل اسلام کی مخالفت ہوتی ہے- ایک قراءت میں لیضل ہے تو لام لام عاقبت ہوگا یا لام عیل ہوگا -یعنی امر تقدیری ان کی اس کارگزاری سے ہو کر رہے گا - ایسے لوگ اللہ کی راہ کو ہنسی بنا لیتے ہیں- آیات الٰہی کو بھی مذاق میں اڑاتے ہیں- اب ان کا انجام بھی سن لو کہ جس طرح انہوں نے اللہ کی راہ کی' کتاب اللہ کی اہانت کی' قیامت کے دن ان کی اہانت ہوگی اور خطرناک عذاب میں ذلیل و رسوا ہوں گے-

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں ٹینٹ ہیں۔ تو اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دے ○ بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کام بھی مطابق سنت کئے ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں ○ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ کا سچا وعدہ ہے' وہ بہت بڑی عزت والا اور کامل حکمت والا ہے ○

(آیت: ۷) پھر بیان ہو رہا ہے کہ یہ بدنصیب جو کھیل تماشوں' باجوں گاجوں پر' راگ راگنیوں پر ریجھا ہوا ہے' یہ قرآن کی آیتوں سے بھاگتا ہے' کان ان سے بہرے کر لیتا ہے' یہ اسے اچھی نہیں معلوم ہوتیں' سن بھی لیتا ہے تو بے سنی کر دیتا ہے۔ لیکن ان کا سننا اسے ناگوار گزرتا ہے۔ کوئی مزہ نہیں آتا۔ وہ اسے فضول کام قرار دیتا ہے چونکہ اس کی کوئی اہمیت اور عزت اس کے دل میں نہیں' اس لئے وہ ان سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا' وہ تو ان سے محض بے پرواہ ہے۔ یہ یہاں اللہ کی آیتوں سے اکتاتا ہے تو قیامت کے دن عذاب بھی وہ ہوں گے کہ اکتا اکتا اٹھے۔ یہاں آیات قرآنی سن کر اسے دکھ ہوتا ہے۔ وہاں دکھ دینے والے عذاب اسے بھگتنے پڑیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے وعدے ٹلتے نہیں : ☆☆ (آیت: ۸-۹) نیک لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ جو اللہ پر ایمان لائے' رسول کو مانتے رہے' شریعت کی ماتحتی میں نیک کام کرتے رہے' ان کے لئے جنتیں ہیں' جن میں طرح طرح کی نعمتیں' لذیذ غذائیں' بہترین پوشاکیں' عمدہ عمدہ سواریاں' پاکیزہ نورانی چہروں والی بیویاں ہیں۔ وہاں انہیں اور ان کی نعمتوں کو دوام ہے' کبھی زوال نہیں۔ نہ تو یہ مریں نہ ان کی نعمتیں فنا ہوں' نہ کم ہوں نہ خراب ہوں۔ یہ حتماً اور یقیناً ہونے والا ہے کیونکہ اللہ فرما چکا ہے اور رب کی باتیں بدلتی نہیں' اس کے وعدے ٹلتے نہیں۔ وہ کریم ہے' منان ہے' محسن ہے' منعم ہے' جو چاہے کر سکتا ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے' عزیز ہے' سب کچھ اس کے قبضے میں ہے' حکیم ہے۔ کوئی کام' کوئی بات' کوئی فیصلہ خالی از حکمت نہیں۔ اس نے قرآن کریم کو مومنوں کے لئے ہادی اور شافی بنایا ہے۔ ہاں بے ایمانوں کے کانوں میں بوجھ ہیں اور آنکھوں میں اندھیرا ہے۔ اور آیت ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی جو قرآن ہم نے نازل فرمایا ہے وہ مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالم تو نقصان میں ہی بڑھتے ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ع۱۱

اسی نے آسمانوں کو بغیر ستون پیدا کیا ہے تم انہیں دیکھ رہے ہو اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا تاکہ تمہیں جنبش نہ دے سکے اور ہر طرح کے جاندار زمین

میں پھیلا دیئے' اور ہم نے آسمان سے پانی برسا کر زمین میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اگا دیئے ○ یہ ہے مخلوق اللہ اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے کسی کی کوئی مخلوق تو دکھاؤ' کچھ نہیں بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں ○

پہاڑوں کی میخیں : ☆☆ (آیت:۱۰-۱۱) اللہ سبحان وتعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ زمین و آسمان اور ساری مخلوق کا خالق صرف وہی ہے۔ آسمان کو اس نے بے ستون اونچا رکھا ہے۔ واقع ہی میں کوئی ستون ہے نہیں۔ گو مجاہدؒ کا یہ قول بھی ہے کہ ستون ہمیں نظر نہیں آتے۔ اس مسئلہ کا پورا فیصلہ میں سورۂ رعد کی تفسیر میں لکھ چکا ہوں اس لئے یہاں دوہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ زمین کو مضبوط کرنے کے لئے اور ہلنے جلنے سے بچانے کے لئے اس نے اس میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ وہ تمہیں زلزلے اور جنبش سے بچالے۔ اس قدر قسم قسم کے' بھانت بھانت کے جاندار اس خالق حقیقی نے پیدا کئے کہ آج تک ان کا کوئی حصر نہیں کر سکا۔ اپنا خالق اور اخلق ہونا بیان فرما کر اب رازق اور رزاق ہونا بیان فرما رہا ہے کہ آسمان سے بارش اتار کر زمین میں سے طرح طرح کی پیداوار اگا دی' جو دیکھنے میں خوش منظر' کھانے میں بے ضرر' نفع میں بہت بہتر۔ شعبیؒ کا قول ہے کہ انسان بھی زمین کی پیداوار ہے' جنتی کریم ہیں اور دوزخی لئیم ہیں۔ اللہ کی یہ ساری مخلوق تو تمہارے سامنے ہے۔ اب جنہیں تم اس کے سوا پوجتے ہو' ذرا بتاؤ تو ان کی مخلوق کہاں ہے؟ جب نہیں تو وہ خالق نہیں اور جب خالق نہیں تو معبود نہیں' پھر ان کی عبادت نرا ظلم اور سخت ناانصافی ہے۔ فی الواقع اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں سے زیادہ اندھا' بہرا' بے عقل' بے علم' بے سمجھ' بے وقوف اور کون ہوگا؟

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

ہم نے یقیناً لقمان کو حکمت دی تھی کہ تو اللہ کا شکر کر' ہر شکر کرنے والا اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے۔ جو بھی ناشکری کرے' وہ جان لے کہ اللہ تو بے نیاز اور تعریفوں والا ہے ○

حضرت لقمان نبی تھے یا نہیں؟ ☆☆ (آیت:۱۲) اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے یا نہ تھے؟ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ آپ نبی نہ تھے۔ پرہیزگار ولی اور اللہ کے پیارے بزرگ بندے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ حبشی تھے اور بڑھئی تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جب سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' حضرت لقمان پستہ قد' اونچی ناک والے' موٹے ہونٹ والے نوبی تھے۔ سعید بن میسب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' آپ مصر کے رہنے والے حبشی تھے۔ آپ کو حکمت عطا ہوئی تھی لیکن نبوت نہیں ملی تھی۔ آپ نے ایک مرتبہ ایک سیاہ رنگ غلام حبشی سے فرمایا' اپنی رنگت کی وجہ سے اپنے تئیں حقیر نہ سمجھ' تین شخص جو تمام لوگوں سے اچھے تھے' تینوں سیاہ رنگ تھے۔ حضرت بلالؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسالت پناہ کے غلام تھے' حضرت مجمع جو جناب فاروق اعظمؓ کے غلام تھے اور حضرت لقمان حکیم جو حبشہ کے نوبہ تھے۔

حضرت خالد ربعیؒ کا قول ہے کہ حضرت لقمان جو حبشی غلام بڑھئی تھے' ان سے ایک روز ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔ وہ دل اور زبان لے گئے۔ کچھ دنوں بعد پھر ان کے آقا نے یہی حکم کیا اور کہا کہ آج اس کے سارے گوشت میں سے جو بدترین اور خبیث ٹکڑے ہوں' وہ لا دو۔ آپ آج بھی یہی دو چیزیں لے گئے۔ مالک نے پوچھا' اس کی کیا وجہ کہ بہترین ٹکڑے تجھ سے مانگے تو تو یہی دو لایا اور بدترین مانگے تو تو نے یہی لا دیئے۔ یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا' جب یہ اچھے

رہیں تو ان سے بہترین جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ برے بن جائیں تو پھر سب سے بدتر بھی یہی ہیں۔

حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔ نیک بندے تھے۔ سیاہ فام غلام تھے۔ موٹے ہونٹوں والے اور بھرے قدموں والے۔ اور بزرگ سے یہ بھی مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے۔ ایک اور قول ہے کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ ایک مرتبہ آپ کسی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک چرواہے نے آپ کو دیکھ کر کہا' کیا تو وہی نہیں ہے جو میرے ساتھ فلاں فلاں جگہ بکریاں چرایا کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں۔ اس نے کہا' پھر تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا سچ بولنے اور بے کار کلام نہ کرنے سے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بلندی کی وجہ یہ بیان کی کہ اللہ کا فضل اور امانت کی ادائیگی اور کلام کی سچائی اور بے نفع کاموں کا چھوڑ دینا۔ الغرض ایسے ہی آثار صاف ہیں کہ آپ نبی نہ تھے۔ بعض روایتیں اور بھی ہیں جن میں گو صراحت نہیں کہ آپ نبی نہ تھے لیکن ان میں بھی آپ کا غلام ہونا بیان کیا گیا ہے جو ثبوت ہے اس امر کا کہ آپ نبی نہ تھے کیونکہ غلامی نبوت کے خلاف ہے۔ انبیاء علیہم السلام عالی نسب اور عالی خاندان ہوا کرتے تھے۔

اسی لئے جمہور سلف کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔ ہاں حضرت عکرمہؒ سے مروی ہے کہ آپ نبی تھے لیکن یہ بھی جب کہ سند صحیح ثابت ہو جائے لیکن اس کی سند میں جابر بن یزید جعفی ہیں جو ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔ کہتے ہیں کہ حضرت لقمان حکیم سے ایک شخص نے کہا' کیا تو بنی حسحاس کا غلام نہیں؟ آپ نے فرمایا' ہاں ہوں۔ اس نے کہا' کیا تو بکریوں کا چرواہا نہیں؟ آپ نے فرمایا' ہاں ہوں۔ کہا' کیا تو سیاہ رنگ نہیں؟ آپ نے فرمایا' ظاہر ہے' میں سیاہ رنگ ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا' یہی کہ پھر وہ کیا ہے کہ تیری مجلس پر رہتی ہے۔ لوگ تیرے دروازے پر آتے رہتے ہیں اور تیری باتیں شوق سے سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا' سنو بھائی' جو باتیں میں تمہیں کہتا ہوں ان پر عمل کر لو تو تم بھی مجھ جیسے ہو جاؤ گے۔ آنکھیں حرام چیزوں سے بند کر لو۔ زبان بیہودہ باتوں سے روک لو۔ مال حلال کھایا کرو۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔ زبان سے سچ بات بولا کرو۔ وعدے کو پورا کیا کرو۔ مہمان کی عزت کرو۔ پڑوسی کا خیال رکھو۔ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دو۔ انہی عادتوں کی وجہ سے میں نے بزرگی پائی ہے۔

ابو داؤد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' حضرت لقمان حکیم کسی بڑے گھرانے کے امیر اور بہت زیادہ کنبے قبیلے والے نہ تھے۔ ہاں ان میں بہت سی بھلی عادتیں تھیں۔ وہ خوش خلق' خاموش' غور و فکر کرنے والے' گہری نظر والے' دن کو نہ سونے والے تھے۔ لوگوں کے سامنے تھوکتے نہ تھے' نہ پاخانہ پیشاب اور غسل کرتے تھے' لغو کاموں سے دور رہتے تھے' ہنستے نہ تھے' جو کلام کرتے تھے' حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا' جس وقت ان کی اولاد فوت ہوئی' یہ بالکل نہیں روئے۔ وہ بادشاہوں امیروں کے پاس اس لئے جاتے تھے کہ غور و فکر اور عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں بزرگی ملی۔ حضرت قتادہؒ سے ایک عجیب اثر وارد ہے کہ حضرت لقمان کو حکمت و نبوت کے قبول کرنے میں اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت قبول فرمائی۔ راتوں رات ان پر حکمت برسا دی گئی اور رگ و پے میں حکمت بھر دی گئی۔ صبح کو ان کی باتیں اور ان کی عادتیں سب حکیمانہ ہو گئیں۔ آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے نبوت کے مقابلہ میں حکمت کیسے اختیار کی؟ تو جواب دیا کہ اگر اللہ مجھے نبی بنا دیتا تو اور بات تھی۔ ممکن تھا کہ منصب نبوت کو میں نبھا جاتا۔ لیکن جب مجھے اختیار دیا گیا تو مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو' میں نبوت کا بوجھ نہ سہار سکوں۔ اس لئے میں نے حکمت ہی کو پسند کیا۔ اس روایت کے ایک راوی سعید بن بشیر ہیں جن میں ضعف ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت قتادہؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' مراد حکمت سے اسلام کی سمجھ ہے۔ حضرت لقمان نہ نبی تھے نہ ان پر وحی آئی تھی۔ پس سمجھ' علم اور عبرت مراد ہے۔ ہم نے انہیں اپنا شکر بجا لانے کا حکم فرمایا تھا کہ میں نے تجھے جو علم و عقل دی ہے اور دوسروں پر جو بزرگی عطا

فرمائی ہے اس پر تو میری شکر گزاری کر۔ شکر گزار کچھ مجھ پر احسان نہیں کرتا۔ وہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ یَمْهَدُوْنَ نیکی والے اپنے لئے بھی بھلا توشہ تیار کرتے ہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ اگر کوئی ناشکری کرے تو اللہ کو اس کی ناشکری ضرر نہیں پہنچا سکتی، وہ اپنے بندوں سے بے پرواہ ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں، وہ سب سے بے نیاز ہے، ساری زمین والے بھی اگر کافی ہو جائیں تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، وہ سب سے غنی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ؗ وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

جبکہ لقمان نے وعظ کہتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا۔ بیشک شرک بڑا بھاری ظلم ہے O ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھٹائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کر، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے O اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے۔ تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبردار کروں گا O

حضرت لقمان کی اپنے بیٹوں کو نصیحت ووصیت: ☆☆ (آیت: ۱۳-۱۵) حضرت لقمانؒ نے اپنے صاحبزادے کو جو نصیحت ووصیت کی تھی، اس کا بیان ہو رہا ہے۔ یہ لقمان بن عنقاء بن سدون تھے۔ ان کے بیٹے کا نام سہیلی کے بیان کی رو سے ثاران ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر اچھائی سے کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ انہیں حکمت وعنایت فرمائی گئی تھی۔ انہوں نے جو بہترین وعظ اپنے لڑکے کو سنایا تھا اور انہیں مفید، ضروری اور عمدہ نصیحتیں کی تھیں، ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اولاد سے زیادہ پیاری چیز انسان کو اور کوئی نہیں ہوتی اور انسان اپنی بہترین اور انمول چیز اپنی اولاد کو دینا چاہتا ہے۔ تو سب سے پہلے یہ نصیحت کی کہ صرف اللہ کی عبادت کرنا۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ یاد رکھو اس سے بڑی بے حیائی، اس سے زیادہ برا کام اور کوئی نہیں۔ حضرت عبداللہؓ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ جب آیت اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اتری تو اصحاب رسول اللہ ﷺ پر بڑی مشکل آ پڑی اور انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم میں سے وہ کون ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو؟ اور آیت میں ہے کہ ایمان کو جنہوں نے ظلم سے نہیں ملایا، وہی با امن اور راہ راست والے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا، ظلم سے مراد عام گناہ نہیں ہیں بلکہ ظلم سے مراد وہ ظلم ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ یہ بڑا بھاری ظلم ہے۔

اس پہلی وصیت کے بعد حضرت لقمانؒ دوسری وصیت کرتے ہیں اور وہ بھی دوزخ اور تاکید کے لحاظ سے۔ واقعہ ایسی ہی ہے کہ اس پہلی وصیت سے ملائی جائے۔ یعنی ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرنا جیسے فرمان جناب باری ہے وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا الخ یعنی تیرا رب یہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک و احسان کرتے رہو۔ عموماً قرآن کریم میں ان دونوں چیزوں کا بیان ایک ساتھ ہے۔ یہاں بھی اسی طرح ہے وھن کے معنی مشقت' تکلیف' ضعف وغیرہ کے ہیں۔ ایک تکلیف تو حمل کی ہوتی ہے جسے ماں برداشت کرتی ہے۔ حالت حمل کے دکھ درد کی حالت سب کو معلوم ہے' پھر دو سال تک اسے دودھ پلاتی رہتی ہے اور اس کی پرورش میں لگی رہتی ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے وَالۡوَالِدٰتُ یُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَھُنَّ حَوۡلَیۡنِ کَامِلَیۡنِ لِمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یُّتِمَّ الرَّضَاعَۃَ الخ یعنی جو لوگ اپنی اولاد کو پورا پورا دودھ پلانا چاہیں' ان کے لئے آخری انتہائی سبب یہ ہے کہ دو سال کامل تک ان بچوں کو ان کی مائیں اپنا دودھ پلاتی رہیں۔ چونکہ ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے وَحَمۡلُہٗ وَ فِصٰلُہٗ ثَلٰثُوۡنَ شَھۡرًا یعنی مدت حمل اور دودھ چھٹائی کل تیس ماہ ہے۔ اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے بڑے بڑے اماموں نے استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہے۔ ماں کی اس تکلیف کو اولاد کے سامنے اس لئے ظاہر کیا جاتا ہے کہ اولاد اپنی ماں کی ان مہربانیوں کو یاد کر کے شکرگزاری' اطاعت اور احسان کرے۔ جیسے اور آیت میں فرمان عالیشان ہے وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا ہم سے دعا کرو اور کہو کہ میرے سچے پروردگار میرے ماں باپ پر اس طرح رحم و کرم فرما جس طرح میرے بچپن میں وہ مجھ پر رحم و کرم کیا کرتے تھے۔ یہاں فرمایا تاکہ تو میرا اور اپنے ماں باپ کا احسان مند ہو۔ سن لے آخری لوٹنا تو میری ہی طرف ہے' اگر میری اس بات کو مان لیا تو پھر بہترین جزا دوں گا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر بنا کر بھیجا' آپ نے وہاں پہنچ کر سب سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا' میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ یہ پیغام لے کر کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' میری باتیں مانتے رہو' میں تمہاری خیرخواہی میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ سب کو لوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے۔ پھر یا تو جنت مکان بنے گی یا جہنم ٹھکانا ہوگا۔ پھر وہاں سے نہ اخراج ہوگا نہ موت آئے گی۔

پھر فرماتا ہے' اگر تمہارے ماں باپ تمہیں اسلام کے سوا اور دین قبول کرنے کو کہیں' گو وہ تمام تر طاقت خرچ کر ڈالیں خبردار تم ان کی مان کر میرے ساتھ ہرگز شرک نہ کرنا۔ لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ تم ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنا چھوڑ دو۔ نہیں۔ دنیوی حقوق جو تمہارے ذمہ ان کے ہیں ادا کرتے رہو۔ ایسی باتیں ان کی نہ مانو بلکہ ان کی تابعداری کرو جو میری طرف رجوع ہو چکے ہیں' سن لو تم سب لوٹ کر ایک دن میرے سامنے آنے والے ہو' اس دن میں تمہیں تمہارے تمام تر اعمال کی خبر دوں گا۔ طبرانیؒ کی کتاب العشرہ میں ہے' حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میں اپنی ماں کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اور ان کا پورا اطاعت گذار تھا۔ جب مجھے اللہ نے اسلام کی طرف ہدایت کی تو میری والدہ مجھ پر بہت بگڑیں اور کہنے لگیں' بچے یہ نیا دین تو کہاں سے نکال لایا۔ سنو میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اس دین سے دستبردار ہو جاؤ۔ ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور یونہی بھوکی مر جاؤں گی۔ میں نے اسلام کو چھوڑا نہیں اور میری ماں نے کھانا پینا ترک کر دیا اور ہر طرف سے مجھ پر آوازہ کشی ہونے لگی کہ یہ اپنی ماں کا قاتل ہے۔ میں بہت ہی دل تنگ ہوا۔ اپنی والدہ کی خدمت میں بار بار عرض کیا' خوشامدیں کیں' سمجھایا کہ اللہ کے لئے اپنی ضد سے باز آ جاؤ۔ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اس سچے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی ضد میں میری والدہ پر تین دن کا فاقہ گزر گیا اور اس کی حالت بہت ہی خراب ہو گئی تو میں اس کے

پاس گیا اور میں نے کہا' میری اچھی اماں جان سنو' تم مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو لیکن میرے دین سے زیادہ عزیز نہیں۔ واللہ ایک نہیں تمہاری ایک سو جانیں بھی ہوں اور اسی بھوک پیاس میں ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تو بھی میں آخری لمحہ تک اپنے سچے دین اسلام کو نہ چھوڑوں گا۔ اب میری ماں مایوس ہو گئیں اور کھانا پینا شروع کر دیا۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ ع ۸

پیارے بیٹے اگرچہ کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ بھی خواہ کسی پتھر کے تلے ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو اسے اللہ تعالیٰ ضرور لائے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبردار ہے ○ اے میرے بیٹے' تو نماز قائم رکھنا' اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا' برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تجھ پر آ جائے' صبر کرنا' یقین مان کہ یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے ○ لوگوں کے سامنے اپنے رخسار نہ پھلا اور زمین پر اترا کر اکڑ کر نہ چل' کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا ○ اپنی رفتار میں میانہ روی کر اور اپنی آواز پست کر' یقیناً بد سے بدتر آواز گدھوں کی آواز ہے ○

قیامت کے دن اعلیٰ اخلاق کام آئے گا: ☆☆ (آیت: ۱۶-۱۹) حضرت لقمانؑ کی یہ اور وصیتیں ہیں اور چونکہ یہ سب حکمتوں سے پر ہیں' قرآن انہیں بیان فرما رہا ہے تاکہ لوگ ان پر عمل کریں۔ فرماتے ہیں کہ برائی' خطا' ظلم چاہے رائی کے دانے برابر بھی ہو' پھر وہ خواہ کتنا ہی پوشیدہ اور ڈھکا چھپا کیوں نہ ہو' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے پیش کرے گا۔ میزان میں سب کو رکھا جائے گا اور بدلہ دیا جائے گا' نیک کام پر جزا' بد پر سزا جیسے فرمان ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ الخ یعنی قیامت کے دن عدل کی ترازو رکھ کر ہر ایک کو بدلہ دیں گے۔ کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور آیت میں ہے ذرے برابر نیکی اور ذرے برابر برائی ہر ایک دیکھ لے گا خواہ وہ نیکی یا بدی کسی مکان میں' محل میں' قلعہ میں' پتھر کے سوراخ میں' آسمان کے کونوں میں' زمین کی تہہ میں ہو۔ کہیں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ وہ اسے لا کر پیش کرے گا وہ بڑے باریک علم والا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس پر ظاہر ہے۔ اندھیری رات میں چیونٹی جو چل رہی ہو اس کے پاؤں کی آہٹ کا بھی وہ علم رکھتا ہے۔ بعض نے یہ بھی جائز رکھا ہے کہ اِنَّهَا میں ضمیر شان کی اور قصہ کی ہے اور اس بنا پر انہوں نے مِثْقَالُ کی لام کا پیش پڑھنا بھی جائز رکھا ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ اچھی ہے۔ بعض کہتے ہیں صخرہ سے مراد وہ پتھر ہے جو ساتویں آسمان اور زمین کے نیچے ہے۔ اس کی بعض سندیں بھی سدی نے ذکر کی ہیں اگر صحیح ثابت ہو جائیں۔ بعض صحابہؓ وغیرہ سے یہ مروی تو ہے۔ واللہ اعلم۔ بہت ممکن ہے کہ یہ بھی بنی اسرائیل سے منقول ہو لیکن ان کی کتابوں کی کسی بات کو ہم نہ سچی مان سکیں نہ جھٹلا سکیں۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقدر رائی کے دانہ کے کوئی عمل حقیر ہو اور ایسا پوشیدہ ہو کہ کسی پتھر کے اندر ہو۔ جیسے مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی عمل کرے

کسی بے سوراخ کے پتھر کے اندر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی ہو نہ سوراخ ہو' تاہم اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر کر دے گا خواہ کچھ ہی عمل ہو' نیک ہو یا بد۔

پھر فرماتے ہیں' بیٹے نماز کا خیال رکھنا۔ اس کے فرائض' اس کے واجبات' ارکان' اوقات وغیرہ کی پوری حفاظت کرنا۔ اپنی طاقت کے مطابق پوری کوشش کے ساتھ اللہ کی باتوں کی تبلیغ اپنوں پرایوں میں کرتے رہنا' بھلی باتیں کرنے اور بری باتوں سے بچنے کے لئے ہر ایک سے کہنا۔ اور چونکہ نیکی کا حکم یعنی بدی سے روکنا جو عموماً لوگوں کو کڑوی لگتی ہے۔ اور حق گو شخص سے لوگ دشمنی رکھتے ہیں۔ اس لئے ساتھ ہی فرمایا کہ لوگوں سے جو ایذا اور مصیبت پہنچے' اس پر صبر کرنا' درحقیقت اللہ کی راہ میں ننگی شمشیر رہنا اور حق پر مصیبتیں جھیلتے ہوئے پست ہمت نہ ہونا' یہ بڑا بھاری اور جوانمردی کا کام ہے۔ پھر فرماتے ہیں' اپنا منہ لوگوں سے نہ موڑ' انہیں حقیر سمجھ کر یا اپنے تئیں بڑا سمجھ کر لوگوں سے تکبر نہ کر۔ بلکہ نرمی برت' خوش خلقی سے پیش آ۔ خندہ پیشانی سے بات کر۔ حدیث شریف میں ہے' کسی مسلمان بھائی سے تو کشادہ پیشانی سے ہنس مکھ ہو کر مل لے' یہ بھی تیری بڑی نیکی ہے۔ تہمد اور پاجامے کو ٹخنے سے نیچا نہ کر' یہ کبر و غرور ہے اور تکبر اور غرور اللہ کو ناپسند ہے۔ حضرت لقمانؒ بھی اپنے بچے کو تکبر نہ کرنے کی وصیت کرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو' اللہ کے بندوں کو حقیر سمجھ کر تو ان سے منہ موڑ لے اور مسکینوں سے بات کرنے میں بھی شرمائے۔ منہ موڑے ہوئے باتیں کرنا بھی غرور میں داخل ہے۔ باچھیں پھاڑ کر' لہجہ بدل کر' حاکمانہ انداز کے ساتھ گھمنڈ بھرے الفاظ سے بات چیت بھی ممنوع ہے۔

صَعَر ایک بیماری ہے جو اونٹوں کی گردن میں ظاہر ہوتی ہے یا سر میں اور اس سے گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ پس متکبر شخص کو اسی ٹیڑھے منہ والے شخص سے ملا دیا گیا ہے۔ عرب عموماً تکبر کے موقعہ پر صعر کا استعمال کرتے ہیں اور یہ استعمال ان کے شعروں میں بھی موجود ہے۔ زمین پر تن کر' اکڑ کر' اترا کر غرور و تکبر سے نہ چلو۔ یہ چال اللہ کو ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند رکھتا ہے جو خود بیں' متکبر' سرکش اور فخر و غرور کرنے والے ہوں۔ اور آیت میں ہے وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا الخ یعنی اکڑ کر زمین پر نہ چلو۔ نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔ اس آیت کی تفسیر بھی اس کی جگہ گزر چکی ہے۔ حضورؐ کے سامنے ایک مرتبہ تکبر کا ذکر آ گیا تو آپ نے اس کی بڑی مذمت فرمائی۔ اور فرمایا کہ ایسے خود پسند مغرور لوگوں سے اللہ غصے ہوتا ہے۔ اس پر ایک صحابیؓ نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ میں جب کپڑے دھوتا ہوں اور خوب سفید ہو جاتے ہیں تو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ میں ان سے خوش ہوتا ہوں۔ اسی طرح جوتے میں اچھا تسمہ بھلا لگتا ہے۔ کوڑے کا خوبصورت غلاف بھلا معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا' یہ تکبر نہیں ہے' تکبر اس کا نام ہے کہ تو حق کو حقیر سمجھے اور لوگوں کو ذلیل خیال کرے۔ یہ روایت اور طریق سے بہت لمبی مروی ہے اور اس میں حضرت ثابت کے انتقال اور ان کی وصیت کا ذکر بھی ہے۔

اور میانہ روی کی چال چلا کر' نہ بہت آہستہ خراماں خراماں نہ بہت جلدی لمبے ڈگ بھر بھر کے۔ کلام میں مبالغہ نہ کر' بے فائدہ چیخ چلا نہیں۔ بدترین آواز گدھے کی ہے جو پوری طاقت لگا کر بے سود چلاتا ہے۔ باوجودیکہ وہ بھی اللہ کے سامنے اپنی عاجزی ظاہر کرتا ہے۔ پس یہ بری مثال دے کر سمجھا دیا کہ بلاوجہ چیخنا' ڈانٹ ڈپٹ کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بری مثالوں کے لائق ہم نہیں۔ اپنی دے دی ہوئی چیز کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ نسائی میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جب مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو اور جب گدھے کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو۔ اس لئے کہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔ ایک روایت میں ہے رات کو۔ واللہ اعلم۔

یہ وصیتیں حضرت لقمان حکیم کی نہایت ہی نفع بخش ہیں۔ قرآن حکیم نے اسی لئے بیان فرمائی ہیں۔ آپ سے اور بھی بہت حکیمانہ قول

اور وعظ ونصیحت کے کلمات مروی ہیں۔ بطور نمونہ کے اور دستور کے ہم بھی تھوڑے سے بیان کرتے ہیں۔ مسند میں بزبان رسول اللہ ﷺ حضرت لقمان حکیم کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اللہ کو جب کوئی چیز سونپ دی جائے' اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور حدیث میں آپ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ تصنع سے بچ۔ یہ رات کے وقت ڈراؤنی چیز ہے اور دن کو مذمت و برائی والی چیز ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا تھا کہ حکمت سے مسکین لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچو' پہلے اسلامی طریق کے مطابق سلام کرو۔ پھر مجلس کے ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ دوسرے نہ بولیں تو تم بھی خاموش رہو۔ اگر وہ لوگ ذکر اللہ کریں تو تم ان میں سب سے پہلے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کرو۔ اور اگر وہ گپ شپ کریں تو تم اس مجلس کو چھوڑ دو۔ مروی ہے کہ آپ اپنے بچے کو نصیحت کرنے کے لئے جب بیٹھے تو رائی کی بھری ہوئی ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی تھی اور ہر ہر نصیحت کے بعد ایک دانہ اس میں سے نکال لیتے یہاں تک کہ تھیلی خالی ہوگئی تو آپ نے فرمایا' بچے اگر اتنی نصیحت کسی پہاڑ کو کرتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے کا بھی یہی حال ہوا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' حبشیوں کو دوست رکھا' کران میں سے تین شخص اہل جنت کے سردار ہیں لقمان حکیمؒ نجاشیؓ اور بلال موذنؓ۔

تواضع اور فروتنی کا بیان: ☆☆ حضرت لقمانؒ نے اپنے بچے کو اس کی وصیت کی تھی اور ابن ابی الدنیا نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ ہم اس میں سے اہم باتیں یہاں ذکر کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بہت سے پراگندہ بالوں والے' میلے کچیلے کپڑوں والے جو کسی بڑے گھر تک نہیں پہنچ سکتے' اللہ کے ہاں اتنے بڑے مرتبہ والے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم لگا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ اسے بھی پوری فرما دے۔ اور حدیث میں ہے' براء بن مالک ایسے ہی لوگوں میں سے ہیں رضی اللہ عنہ۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ کو قبر رسول کے پاس روتے دیکھ کر دریافت فرمایا تو جواب ملا کہ صاحب قبر ﷺ سے ایک حدیث میں نے سنی ہے جسے یاد کر کے رو رہا ہوں۔ میں نے آپ سے سنا' فرماتے تھے' تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھتا ہے جو متقی ہیں' جو لوگوں میں چھپے چھپائے ہیں' جو کسی گنتی میں نہیں آتے۔ اگر وہ کسی مجمع میں نہ ہوں تو کوئی ان کا پرسان حال نہیں' اگر آ جائیں تو کوئی آؤ بھگت نہیں لیکن ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ وہ ہر ایک غبار آلود اندھیرے سے بچ کر نور حاصل کر لیتے ہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں' یہ میلے کچیلے کپڑوں والے جو ذلیل گنے جاتے ہیں' اللہ کے ہاں ایسے مقرب ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ پوری کر دے۔ گو انہیں اللہ نے دنیا نہیں دی لیکن اگر ان کی زبان سے پوری جنت کا سوال بھی نکل جائے تو اللہ تعالیٰ پورا کر لیتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں' میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر آ کر وہ لوگ ایک دینار ایک درہم بلکہ ایک فلوس بھی مانگیں تو تم نہ دو لیکن اللہ کے وہ ایسے پیارے ہیں کہ اگر اللہ سے جنت کی جنت مانگیں تو پروردگار دے دے' ہاں دنیا نہ تو انہیں دیتا ہے نہ روکتا ہے اس لئے کہ یہ کوئی قدر کے قابل چیز نہیں۔ یہ میلی کچیلی دو چادروں میں رہتے ہیں۔ اگر کسی موقعہ پر قسم کھا بیٹھیں تو جو قسم انہوں نے کھائی ہو اللہ پوری کرتا ہے۔

حضورؐ فرماتے ہیں' جنت کے بادشاہ وہ لوگ ہیں جو پراگندہ اور بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں' غبار آلود اور گرد سے اٹے ہوئے۔ وہ امیروں کے گھر جانا چاہیں تو انہیں اجازت نہیں ملتی۔ اگر کسی بڑے گھرانے میں نکاح کی مانگ کر ڈالیں تو وہاں کی بیٹی نہیں ملتی۔ ان مسکینوں سے انصاف کے برتاؤ نہیں برتے جاتے۔ ان کی حاجتیں اور ان کی امنگیں اور مرادیں پوری ہونے سے پہلے ہی خود ہی فوت ہو جاتی ہیں اور آرزوئیں دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہیں۔ انہیں قیامت کے دن اس قدر نور ملے گا کہ اگر وہ تقسیم کیا جائے تو تمام دنیا کے لئے کافی ہو جائے۔ حضرت عبداللہؒ بن مبارک کے شعروں میں ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو دنیا میں حقیر و ذلیل سمجھے جاتے ہیں' کل قیامت کے دن تخت و

تاراج والے ملک ومنال والے عزت وجلال والے بنے ہوئے ہوں گے - باغات میں نہروں میں نعمتوں میں راحتوں میں مشغول ہوں گے - رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب باری کا ارشاد ہے سب سے زیادہ میرا پسندیدہ ولی وہ ہے جو مومن ہو کم مال والا کم عال وعیال والا غازی عبادت واطاعت گزار پوشیدہ وعلانیہ مطیع ہو - لوگوں میں اس کی عزت اور اس کا وقار نہ ہو - اس کی جانب انگلیاں نہ اٹھتی ہوں اور وہ اس پر صابر ہو - پھر حضورؐ نے اپنے ہاتھ جھاڑ کر فرمایا اس کی موت جلدی آ جاتی ہے اس کی میراث بہت کم ہوتی ہے اس کی رونے والیاں تھوڑی ہوتی ہیں - فرماتے ہیں اللہ کے سب سے زیادہ محبوب بندے غرباء ہیں جو اپنے دین کو لئے پھرتے ہیں جہاں دین کے کمزور ہونے کا خطرہ ہوتا ہے وہاں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں یہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ جمع ہوں گے -

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا قول ہے کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ پر انعام واکرام نہیں فرمایا؟ کیا میں نے تجھے دیا نہیں؟ کیا میں نے تیرا جسم نہیں ڈھانپا؟ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں دیا؟ کیا وہ نہیں دیا؟ کیا لوگوں میں تجھے عزت نہیں دی تھی؟ وغیرہ - تو جہاں تک ہو سکے ان سوالوں کے جواب دینے کا موقعہ کم ملے اچھا ہے - لوگوں کی تعریفوں سے کیا فائدہ اور مذمت کریں تو کیا نقصان ہوگا - ہمارے نزدیک تو وہ شخص زیادہ اچھا ہے جسے لوگ برا کہتے ہوں اور وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہو - ابن محیریزؒ تو دعا کرتے تھے کہ اللہ میری شہرت نہ ہو - خلیل ابن احمدؒ اپنی دعا میں کہتے تھے اللہ مجھے اپنی نگاہوں میں تو بلندی عطا فرما اور خود میری نظر میں مجھے بہت حقیر کر دے اور لوگوں کی نگاہوں مجھے درمیانہ درجہ کا رکھ پھر شہرت کا باب باندھ کر امام صاحب اس حدیث کو لائے ہیں - انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ لوگ اس کی دینداری یا دنیاداری کی شہرت دینے لگیں اور اس کی طرف انگلیاں اٹھنے لگیں اشارے ہونے لگیں - پس اسی میں آ کر بہت سے لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں مگر جنہیں اللہ تعالیٰ بچا لے - سنو اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے - حضرت حسنؒ سے بھی یہی روایت مرسلاً مروی ہے - جب آپ نے یہ روایت بیان کی تو کسی نے کہا آپ کی طرف بھی تو انگلیاں اٹھتی ہیں - آپ نے فرمایا سمجھے نہیں - مراد انگلیاں اٹھنے سے دینی بدعت یا دنیوی فسق وفجور ہے - حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ شہرت حاصل کرنا نہ چاہو - اپنے تئیں اونچا نہ کرو کہ لوگوں میں تذکرے ہونے لگیں علم حاصل کرو لیکن چھپاؤ چپ رہو تا کہ سلامت رہو نیکوں کو خوش رکھو بدکاروں سے تصرف رکھو - حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں شہرت کا چاہنے والا اللہ کا ولی نہیں ہوتا - حضرت ایوبؒ کا فرمان ہے جسے اللہ دوست بنا لیتا ہے وہ تو لوگوں سے اپنا درجہ چھپاتا پھرتا ہے -

محمد بن علاءؒ فرماتے ہیں اللہ کے دوست لوگ اپنے تئیں ظاہر نہیں کیا کرتے - سماک بن سلمہؒ کا قول ہے عام لوگوں کے میل جول سے اور احباب کی زیادتی سے پرہیز کرو - حضرت ابان بن عثمانؒ فرماتے ہیں اگر اپنے دین کو سالم رکھنا چاہتے ہو تو لوگوں سے کم جان پہچان رکھو - حضرت ابوالعالیہؒ کا قاعدہ تھا جب دیکھتے کہ ان کی مجلس میں تین سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے تو انہیں چھوڑ کر خود چل دیتے - حضرت طلحہ نے جب اپنے ساتھ بھیڑ دیکھی تو فرمانے لگے طمع کی مکھیاں اور آگ کے پروانے جمع ہو گئے - حضرت حنظلہ کو لوگ گھیرے کھڑے تھے تو حضرت عمرؓ نے کوڑا تانا اور فرمایا اس میں تابع کی ذلت اور متبوع کے لئے فتنہ ہے - حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ جب لوگ چلنے لگے تو آپ نے فرمایا اگر میرا باطن تم پر ظاہر ہو جائے تو تم میں دو بھی شاید میرے پیچھے چلنا پسند نہ کریں - حماد بن زیدؒ کہتے ہیں جب ہم کسی مجلس کے پاس سے گزرتے اور ہمارے ساتھ ایوبؒ ہوتے تو سلام کرتے اور وہ سختی سے جواب دیتے - پس یہ ایک نعمت تھی - آپ لمبی قمیض پہنتے - اس پر لوگوں نے کہا تو آپ نے جواب دیا کہ لمبی قمیض اگلے زمانہ میں شہرت کی چیز تھی - لیکن یہ شہرت اس کے اونچا کرنے میں ہے - ایک مرتبہ آپ نے

اپنی ٹوپیاں مسنون رنگ کی رنگوائیں- کچھ دنوں پہن کر اتار دیں اور فرمایا' میں نے دیکھا' عام لوگ انہیں نہیں پہنتے- حضرت ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ نہ تو ایسا لباس پہنو کہ لوگوں کی انگلیاں اٹھیں نہ اتنا گھٹیا پہنو کہ لوگ حقارت سے دیکھیں-

ثوریؒ فرماتے ہیں' عام سلف کا یہی معمول تھا کہ نہ بہت بڑھیا کپڑا پہنتے تھے نہ بالکل گھٹیا- ابو قلابہؒ کے پاس ایک شخص بہت ہی بہترین اور شہرت کا لباس پہنے ہوئے آیا تو آپ نے فرمایا' اس آواز دینے والے گدھے سے بچو- حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے دلوں میں تو تکبر بھر رکھا ہے اور ظاہری لباس میں تواضع کر رکھی ہے- گویا چادر ایک بھاری ہتھوڑا ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ آپ نے بنی اسرائیل سے فرمایا' میرے سامنے تو درویشوں کی پوشاک میں آئے ہو حالانکہ تمہارے دل بھیڑیوں جیسے ہیں- سنو لباس چاہے بادشاہوں جیسا پہنو مگر دل خوف الٰہی سے نرم رکھو-

اچھے اخلاق کا بیان: ☆☆ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے بہتر اخلاق والے تھے- آپ سے سوال ہوا کہ کون سا مومن بہتر ہے- فرمایا سب سے اچھے اخلاق والا- آپ کا فرمان ہے کہ باوجود کم اعمال کے صرف اچھے اخلاق کی وجہ سے انسان بڑے بڑے درجے اور جنت کی اعلیٰ منزل حاصل کر لیتا ہے اور باوجود بہت ساری نیکیوں کے صرف اخلاق کی برائی کی وجہ سے جہنم کے نیچے کے طبقے میں چلا جاتا ہے- فرماتے ہیں' اچھے اخلاق ہی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے- فرماتے ہیں' انسان اپنی خوش اخلاقی کے باعث راتوں کو قیام کرنے والے اور دنوں کو روزے رکھنے والوں کے درجوں کو پا لیتا ہے- حضورؐ سے سوال ہوا کہ دخول جنت کا موجب عام طور سے کیا ہے؟ فرمایا' اللہ کا ڈر اور اخلاق کی اچھائی- پوچھا گیا' عام طور سے جہنم میں کون سی چیز لے جاتی ہے؟ فرمایا دو سوراخ دار چیزیں یعنی منہ اور شرمگاہ- ایک مرتبہ چند اعراب کے اس سوال پر کہ انسان کو سب سے بہتر عطیہ کیا ملا ہے؟ فرمایا حسن خلق- فرماتے ہیں' نیکی کی ترازو میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی چیز اور کوئی نہیں- فرماتے ہیں' تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو- فرماتے ہیں' جس طرح مجاہد کو جو راہ اللہ میں جہاد کرتا ہے صبح و شام اجر ملتا ہے' اسی طرح اچھے اخلاق پر بھی اللہ ثواب عطا فرماتا ہے- ارشاد ہے' تم میں مجھے سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو- میرے نزدیک سب سے زیادہ بغض و نفرت کے قابل اور مجھ سے سب سے دور جنت میں وہ ہو گا جو بدخلق' بدگو' بدکلام' بدزبان ہو گا- فرماتے ہیں' کامل ایماندار اچھے اخلاق والے ہیں جو ہر ایک سے سلوک و محبت سے ملیں جلیں- ارشاد ہے' جس کی پیدائش اور اخلاق اچھے ہیں' اسے اللہ تعالیٰ جہنم کا لقمہ نہیں بنائے گا- ارشاد ہے' دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہوتیں- بخل اور بداخلاقی- فرماتے ہیں' بدخلقی سے زیادہ بڑا کوئی گناہ نہیں- اس لئے کہ بداخلاقی سے ایک سے ایک بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے-

حضورؐ کا ارشاد ہے- اللہ کے نزدیک بداخلاقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں- اچھے اخلاق سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں- بداخلاقیاں نیک اعمال کو غارت کر دیتی ہیں- جیسے شہد کو سرکہ خراب کر دیتا ہے- حضورؐ فرماتے ہیں' غلام خریدنے سے غلام نہیں بڑھتے البتہ خوش اخلاقی سے لوگ بہت سے گرویدہ اور جاں نثار ہو سکتے ہیں- امام محمد بن سیرینؒ کا قول ہے کہ اچھا خلق دین کی مدد ہے-

تکبر کی مذمت کا بیان: ☆☆ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں' وہ جنت میں نہ جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو- اور وہ جہنمی نہیں جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو- فرماتے ہیں جس دل میں ایک ذرے کے برابر تکبر ہے' وہ اوندھے منہ جہنم میں جائے گا- ارشاد ہے کہ انسان اپنے غرور اور خود پسندی میں بڑھتے بڑھتے اللہ کے ہاں جباروں میں لکھ دیا جاتا ہے- پھر سرکشوں کے عذاب میں پھنس جاتا ہے- امام مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھے تھے-

آپ کے دربار میں اس وقت دو لاکھ انسان تھے اور دو لاکھ جن تھے- آپ کو آسمان تک پہنچایا گیا یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کی آواز کان میں آنے لگی- اور پھر زمین تک لایا گیا یہاں تک کہ سمندر کے پانی سے آپ کے قدم بھیگ گئے- پھر ہاتف غیب نے ندا دی کہ اگر اس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی تکبر ہوتا تو جتنا اونچا گیا تھا' اس سے زیادہ نیچے دھنسا دیا جاتا- حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں انسان کی ابتدائی پیدائش کا بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ دو شخصوں کی پیشاب گاہ سے نکلتا ہے- اس طرح اسے بیان فرمایا کہ سننے والے کراہت کرنے لگے- امام شعبیؒ کا قول ہے' جس نے دو شخصوں کو قتل کر دیا' وہ بڑا ہی سرکش اور جبار ہے- پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے؟ جیسے کہ تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے- تیرا ارادہ تو دنیا میں سرکش اور جبار بن کر رہنے کا معلوم ہوتا ہے-

حضرت حسنؒ کا مقولہ ہے' وہ انسان جو ہر دن میں دو مرتبہ اپنا پاخانہ اپنے ہاتھ سے دھوتا ہے' وہ کس بنا پر تکبر کرتا ہے اور اس کا وصف اپنے میں پیدا کرنا چاہتا ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اپنے قبضے میں رکھا ہے- ضحاک بن سفیان سے دنیا کی مثال اس چیز سے بھی دینا مروی ہے جو انسان سے نکلتی ہے- امام محمد بن حسین بن علیؒ فرماتے ہیں' جس دل میں جتنا تکبر اور گھمنڈ ہوتا ہے' اتنی ہی عقل اس کی کم ہو جاتی ہے- یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے کے ساتھ تکبر اور توحید کے ساتھ نفاق نہیں ہوا کرتا- بنی امیہ مار مار کر اپنی اولاد کو اکڑ کر چلنا سکھاتے تھے- حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو آپ کی خلافت سے پہلے ایک مرتبہ اٹھلاتی ہوئی چال چلتے ہوئے دیکھ کر حضرت طاؤسؒ نے ان کے پہلو میں ایک ٹھونگا مارا اور فرمایا یہ چال اس کی جس کے مرتبہ اٹھلاتی ہوئی چال چلتے ہوئے دیکھ کر حضرت طاؤسؒ نے ان کے پہلو میں ایک ٹھونگا مارا اور فرمایا یہ چال اس کی جس کے پیٹ میں پاخانہ بھرا ہوا ہے؟ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز بہت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے معاف فرمایئے' ہمیں مار مار کر اس چال کی عادت ڈلوائی گئی ہے-

فخر و گھمنڈ کی مذمت کا بیان: ☆☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص فخر و غرور سے اپنا کپڑا اپنے نیچے لٹکا کر گھسیٹے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف رحمت سے نہ دیکھے گا- فرماتے ہیں' اس کی طرف اللہ قیامت کے دن نظر نہ ڈالے گا جو اپنا تہہ بند لٹکائے- ایک شخص دو عمدہ چادریں اوڑھے دل میں غرور لئے اکڑتا ہوا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا' قیامت تک وہ دھنستا ہوا چلا جائے گا-

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۲۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۲۱

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تمہیں اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں- بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کی تابعداری کرو

تو ان کا جواب ہوتا ہے کہ ہم نے تو جس طریق پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے' اسی کی تابعداری کریں گے' بھلا اگرچہ شیطان ان کے بڑوں کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو ○

انعام واکرام کی بارش: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نعمتوں کا اظہار فرما رہا ہے کہ دیکھو آسمان کے ستارے تمہارے لئے کام میں مشغول ہیں' چمک چمک کر تمہیں روشنی پہنچا رہے ہیں- بادل' بارش' اولے' خنکی سب تمہارے نفع کی چیزیں ہیں' خود آسمان تمہارے لئے محفوظ اور مضبوط چھت ہے- زمین کی نہریں' چشمے' دریا' سمندر' درخت' کھیتی' پھل یہ سب نعمتیں بھی اسی نے دے رکھی ہیں- پھر ان ظاہری بیشمار نعمتوں کے علاوہ باطنی بیشمار نعمتیں بھی اس نے تمہیں دے رکھی ہیں- مثلاً رسولوں کا بھیجنا' کتابوں کا نازل فرمانا' شک وشبہ وغیرہ دلوں سے دور کرنا وغیرہ-

اتنی بڑی اور اتنی ساری نعمتیں جس نے دے رکھی ہیں' حق یہ تھا کہ اس کی ذات پر سب کے سب ایمان لاتے لیکن افسوس کہ بہت سے لوگ اب تک اللہ کے بارے میں یعنی اس کی توحید اور اس کے رسولوں کی رسالت کے بارے میں ہی الجھ رہے ہیں اور محض جہالت سے' ضلالت سے بغیر کسی سند اور دلیل کے اڑے ہوئے ہیں- جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ وحی کی اتباع کرو تو بڑی بے حیائی سے جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے اگلوں کی تقلید کریں گے گو ان کے باپ دادے محض بے عقل اور بے راہ شیطان کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے اور اس نے انہیں دوزخ کی راہ پر ڈال دیا تھا- یہ تھے ان کے سلف اور یہ ہیں ان کے خلف-

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

جو شخص اپنے منہ کو اللہ کی طرف متوجہ کر دے اور ہو بھی وہ نیک کار یقیناً اس نے مضبوط کڑا تھام لیا- تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے ○ کافروں کے کفر سے آپ رنجیدہ نہ ہوں- آخر ان سب کا لوٹنا تو ہماری ہی جانب ہے- اس وقت ان کے کئے کو تک سے اللہ انہیں خبردار کر دے گا- وہ تو دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے ○ ہم انہیں گو کچھ یونہی سا فائدہ دے دیں لیکن بالآخر ہم انہیں نہایت بیچارگی کی حالت میں سخت عذابوں کی طرف ہنکا لے جائیں گے ○

مضبوط دستاویز: ☆☆ (آیت: ۲۲-۲۴) فرماتا ہے کہ جو اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرے' جو اللہ کا سچا فرمانبردار بن جائے' جو شریعت کا تابعدار ہو جائے' اللہ کے حکموں پر عمل کرے' اللہ کے منع کردہ کاموں سے باز آ جائے' اس نے مضبوط دستاویز حاصل کر لی گویا اللہ کا وعدہ لے لیا کہ عذابوں میں وہ نجات یافتہ ہے- کاموں کا انجام اللہ کے ہاتھ ہے- اے پیارے پیغمبر کافروں کے کفر سے آپ غمگین نہ ہوں- اللہ کی تحریر یونہی جاری ہو چکی ہے- سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے- اس وقت اعمال کے بدلے ملیں گے' اس اللہ پر کوئی بات پوشیدہ نہیں- دنیا میں مزے کر لیں- پھر تو ان عذابوں کو بے بسی سے برداشت کرنا پڑے گا جو بہت سخت اور نہایت گھبراہٹ والے ہیں- جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ اللہ پر جھوٹ افترا کرنے والے فلاح سے محروم رہ جاتے ہیں- دنیا کا فائدہ تو خیر الگ چیز ہے لیکن ہمارے ہاں (موت کے بعد) آنے کے بعد تو اپنے کفر کی سخت سزا بھگتنی پڑے گی-

اگر تو ان سے دریافت کرے کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے تو یہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ، تو کہہ دے کہ سب تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے لیکن ان میں سے اکثر بے علم ہیں ○ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے- یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بڑا غنی، بے نیاز اور سزاوار حمد وثنا ہے ○

حاکم اعلیٰ وہ اللہ ہے: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۶) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ مشرک اس بات کو مانتے ہوئے کہ سب کا خالق اکیلا اللہ ہی ہے، پھر بھی دوسروں کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ ان کی نسبت خود جانتے ہیں کہ یہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے اور اس کے ماتحت ہیں- ان سے اگر پوچھا جائے کہ خالق کون ہے تو ان کا جواب بالکل سچا ہوتا ہے کہ اللہ! تو کہہ کہ اللہ کا شکر ہے- اتنا تو تمہیں اقرار ہے- بات یہ ہے کہ اکثر مشرک بے علم ہوتے ہیں- زمین وآسمان کی ہر چھوٹی بڑی، چھپی کھلی چیز اللہ کی پیدا کردہ اور اسی کی ملکیت ہے- وہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں، وہی سزاوار حمد ہے، وہی خوبیوں والا ہے- پیدا کرنے میں بھی، احکام مقرر کرنے میں بھی وہ قابل تعریف ہے-

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٧﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٢٨﴾

روئے زمین کے تمام درختوں کی اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے بے شک وشبہ اللہ تعالیٰ غالب اور باحکمت ہے ○ تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد جلانا ایسا ہی ہے جیسے ایک جی (ایک نفس) کا- بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے ○

حمد وثنا کا حق ادا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں: ☆☆ (آیت: ۲۷-۲۸) اللہ رب العالمین اپنی عزت، کبریائی، بڑائی، بزرگی، جلالت اور شان بیان فرما رہا ہے- اپنی پاک صفتیں، اپنے بلند ترین نام اور اپنے بیشمار کلمات کا ذکر فرما رہا ہے جنہیں نہ کوئی گن سکے نہ شمار کر سکے نہ ان پر کسی کا احاطہ ہو، نہ ان کی حقیقت کو کوئی پا سکے- سید البشر خاتم الانبیاء ﷺ فرمایا کرتے تھے لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ اے اللہ میں تیری تعریفوں کا اتنا شمار بھی نہیں کر سکتا جتنی ثنا تو نے اپنی آپ فرمائی ہے- پس یہاں جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ اگر روئے زمین کے تمام تر درخت قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر کے پانی سیاہی بن جائیں اور ان کے ساتھ ہی سات سمندر اور بھی ملائے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وصفات، جلالت وبزرگی کے کلمات لکھنے شروع کئے جائیں تو یہ تمام قلم گھس جائیں، ختم ہو جائیں، سب سیاہیاں پوری ہو جائیں، ختم ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی تعریفیں ختم نہ ہوں- یہ نہ سمجھا جائے کہ سات سے زیادہ سمندر ہوں تو پھر اللہ کے پورے کلمات لکھنے کے لئے کافی ہو جائیں- نہیں یہ گنتی تو زیادتی دکھانے کے لئے ہے اور

یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ سات سمندر موجود ہیں اور وہ عالم کو گھیرے ہوئے ہیں۔ البتہ بنو اسرائیل کی ان سات سمندروں کی بابت ایسی روایتیں ہیں لیکن نہ تو انہیں سچ کہا جا سکتا ہے اور نہ جھٹلایا جا سکتا ہے۔ ہاں جو تفسیر ہم نے کی ہے' اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا الخ یعنی اگر سمندر سیاہی بن جائے اور رب کے کلمات کا لکھنا شروع ہو تو کلمات الٰہی کے ختم ہونے سے پہلے ہی سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ایسا ہی اور سمندر اس کی مدد میں لائیں۔ پس یہاں بھی مراد صرف اسی جیسا ایک ہی سمندر لانا نہیں بلکہ ویسا ایک پھر ایک اور بھی ویسا ہی پھر ویسا ہی پھر ویسا ہی الغرض خواہ کتنے ہی آ جائیں لیکن اللہ کی باتیں ختم نہیں ہو سکتیں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ لکھوانا شروع کرے کہ میرا یہ امر اور یہ امر تو تمام قلمیں ٹوٹ جائیں اور تمام سمندروں کے پانی ختم ہو جائیں۔ مشرکین کہتے تھے کہ یہ کلام اب ختم ہو جائے گا جس کی تردید اس آیت میں ہو رہی ہے کہ نہ رب کے عجائبات ختم ہوں' نہ اس کی حکمت کی انتہا' نہ اس کی صفت اور اس کے علم کا آخر۔ تمام بندوں کے علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔ اللہ کی باتیں فنا نہیں ہوتیں نہ اسے کوئی ادراک کر سکتا ہے۔ ہم جو کچھ اس کی تعریفیں کریں' وہ ان سے سوا ہے۔ یہود کے علماء نے مدینے میں رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ یہ جو آپ قرآن میں پڑھتے ہیں وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا یعنی تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے۔ ہم یا آپ کی قوم؟ آپ نے فرمایا' ہاں سب۔ انہوں نے کہا' پھر آپ کلام اللہ شریف کی اس آیت کو کیا کریں گے جہاں فرمان ہے کہ توراۃ میں ہر چیز کا بیان ہے۔ آپ نے فرمایا سنو' وہ اور تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے' وہ سب اللہ کے کلمات کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ تمہیں جتنا کفایت ہو' اتنا اللہ تعالیٰ نے نازل فرما دیا ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔

لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مدنی ہونی چاہیے حالانکہ مشہور یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے' تمام اشیاء اس کے سامنے پست و عاجز ہیں' کوئی اس کے ارادہ کے خلاف نہیں جا سکتا' اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا' اس کی منشا کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ وہ اپنے افعال' اقوال' شریعت' حکمت اور تمام صفتوں میں سب سے اعلیٰ غالب و قہار ہے۔ پھر فرماتا ہے' تمام لوگوں کا پیدا کرنا اور انہیں مار ڈالنے کے بعد زندہ کر دینا مجھ پر ایسا ہی آسان ہے جیسے کسی ایک شخص کو مارنا اور پیدا کرنا۔ اس کا تو کسی بات کا حکم فرما دینا کافی ہے۔ ایک آنکھ جھپکانے جتنی دیر بھی نہیں لگتی۔ نہ دوبارہ کہنا پڑے نہ اسباب اور مادے کی ضرورت۔ ایک فرمان میں قیامت قائم ہو جائے گی' ایک ہی آواز کے ساتھ سب جی اٹھیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام باتوں کا سننے والا ہے' سب کے کاموں کا جاننے والا ہے۔ ایک شخص کی باتیں اور اس کے کام جیسے اس پر مخفی نہیں' اسی طرح تمام جہان کے معاملات اس سے پوشیدہ نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾

ع ۳ (۱۱) ۱۲

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں کھپا دیتا ہے۔ سورج چاند کو اسی نے فرمانبردار کر رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے۔ اللہ

تعالیٰ ہر اس چیز سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے ○ یہ سب انتظامات اس وجہ سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور اس کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں' سب باطل ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بلندیوں والا اور بڑی شان والا ہے ○

اس کے سامنے ہر چیز حقیر و پست ہے: ☆☆ (آیت:۲۹-۳۰) رات کو کچھ گھٹا کر دن کو کچھ بڑھانے والا اور دن کو کچھ گھٹا کر رات کو کچھ بڑھانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے- جاڑوں کے دن چھوٹے اور راتیں بڑی' گرمیوں کے دن بڑے اور راتیں چھوٹی اسی کی قدرت کا ظہور ہے- سورج چاند اسی کے تحت فرمان ہیں- جو جگہ مقرر ہے' وہیں چلتے ہیں' قیامت تک برابر اسی چال چلتے رہیں گے' اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتے-

بخاری و مسلم میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو' یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے- آپ نے فرمایا' یہ جا کر اللہ کے عرش کے نیچے سجدے میں گر پڑتا ہے اور اپنے رب سے اجازت چاہتا ہے- قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہہ دیا جائے جہاں سے آیا ہے' وہیں کو لوٹ جا- ابن عباسؓ کا قول ہے کہ سورج بمنزلہ ساقیہ کے ہے- دن کو اپنے اوران میں جاری رہتا ہے- غروب ہو کر رات کو پھر زمین کے نیچے گردش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اپنی مشرق سے ہی طلوع ہو- اسی طرح چاند بھی- اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے- جیسے فرمان ہے' کیا تو نہیں جانتا کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے' سب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے- سب کا خالق' سب کا عالم اللہ ہی ہے- جیسے ارشاد ہے' اللہ نے سات آسمان پیدا کئے اور انہی کے مثل زمینیں بنائیں- یہ نشانیاں پروردگار عالم اس لئے ظاہر فرماتا ہے کہ تم ان سے اللہ کے حق وجود پر ایمان لاؤ اور اس کے سوا سب کو باطل مانو- وہ سب سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے- سب کے سب اس کے محتاج اور اس کے در کے فقیر ہیں- سب اس کی مخلوق اور اس کے غلام ہیں- کسی کو ایک ذرے کے حرکت میں لانے کی قدرت نہیں- گو ساری مخلوق مل کر ارادہ کر لے کہ ایک مکھی پیدا کریں' سب عاجز آ جائیں گے اور ہرگز اتنی قدرت بھی نہ پائیں گے- وہ سب سے بلند ہے جس پر کوئی چیز نہیں- وہ سب سے بڑا ہے جس کے سامنے کسی کو کوئی بڑائی نہیں- ہر چیز اس کے سامنے حقیر اور پست ہے-

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُم مِّنْ آيَاتِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٣١﴾ وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿٣٢﴾

کیا تو اس پر غور نہیں کرتا کہ دریا میں کشتیاں اللہ کے فضل سے چل رہی ہیں اس لئے کہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے- یقیناً اس میں ہر ایک صبر و شکر کرنے والے کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ○ اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ نہایت خلوص کے ساتھ اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ پھر جب باری تعالیٰ انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ تو ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں۔ ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوں ○

طوفانوں میں کون یاد آتا ہے: ☆☆ (آیت:۳۱-۳۲) اللہ کے حکم سے سمندروں میں جہاز رانی ہو رہی ہے۔ اگر وہ پانی میں کشتی کو تھامنے کی اور کشتی میں پانی کو کاٹنے کی قوت نہ رکھتا تو پانی میں کشتیاں کیسے چلتیں؟ وہ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلا رہا ہے۔ مصیبت میں صبر اور راحت میں شکر کرنے والے ان سے بہت کچھ عبرتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ جب ان کفار کو سمندروں میں موجیں گھیر لیتی ہیں اور ان کی کشتی ڈگمگانے لگتی ہے اور موجیں پہاڑوں کی طرح ادھر سے ادھر ادھر سے ادھر کشتیوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنے لگتی ہیں تو اپنا شرک و کفر سب بھول جاتے ہیں اور گریہ وزاری سے ایک اللہ کو پکارنے لگتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ الخ دریا میں جب تمہیں ضرر پہنچتا ہے تو بجز اللہ کے سب کو کھو بیٹھتے ہو۔ اور آیت میں ہے فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ ان کی اس وقت کی لجاجت پر اگر ہمیں رحم آ گیا ہو اور جب انہیں سمندر سے پار کر دیا تو تھوڑے سے کافر ہو جاتے ہیں۔ مجاہد نے یہی تفسیر کی ہے جیسے فرمان ہے اِذَاهُمْ يُشْرِكُوْنَ لفظی معنی یہ ہیں کہ ان میں سے بعض متوسط درجے کے ہوتے ہیں۔ ابن زید یہی کہتے ہیں جیسے فرمان ہے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ الخ ان میں سے بعض ظالم ہیں، بعض میانہ رو ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ جس نے ایسی حالت دیکھی ہو، جو اس مصیبت سے نکلا ہوا سے تو چاہیے کہ نیکیوں میں پوری طرح کوشش کرے لیکن تاہم یہ بیچ میں ہی رہ جاتے ہیں اور کچھ تو پھر کفر پر چلے جاتے ہیں۔ ختار کہتے ہیں غدار کو جو عہد شکن ہو۔ ختر کے معنی پوری عہد شکنی کے ہیں۔ کفور کہتے ہیں منکر جو نعمتوں سے نٹ جائے، منکر ہو جائے، شکر تو ایک طرف بھول جائے اور ذکر بھی نہ کرے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

لوگو اپنے رب کا لحاظ رکھو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹے کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا ذرا سا بھی نفع کرنے والا ہوگا۔ یاد رکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے، دیکھو تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز شیطان تمہیں دھوکے میں ڈال دے ○

اللہ تعالیٰ کے روبرو کیا ہوگا: ☆☆ (آیت:۳۳) اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈرا رہا ہے اور اپنے تقوے کا حکم فرما رہا ہے۔ ارشاد ہے، اس دن باپ اپنے بچے کے یا بچہ اپنے باپ کو کچھ کام نہ آئے گا۔ ایک دوسرے کا فدیہ نہ ہو سکے گا۔ تم دنیا پر اعتماد کرنے والو آخرت کو فراموش نہ کر جاؤ، شیطان کے فریب میں نہ آ جاؤ، وہ تو صرف پردہ کی آڑ میں شکار کھیلنا جانتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے، حضرت عزیر علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی تکلیف ملاحظہ کی اور غم و رنج بہت بڑھ گیا، نیند اچاٹ ہو گئی تو اپنے رب کی طرف جھک پڑے۔ فرماتے ہیں، میں نے نہایت تضرع وزاری کی، خوب رویا گڑگڑایا، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، دعائیں مانگیں۔ ایک مرتبہ رو رو کر تضرع کر رہا تھا جو میرے سامنے ایک فرشتہ آ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا، کیا نیک لوگ بروں کی شفاعت کریں گے؟ یا باپ بیٹوں کے کام آئیں گے؟

اس نے فرمایا، قیامت کا دن جھگڑوں کے فیصلوں کا دن ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ خود سامنے ہوگا۔ کوئی بغیر اس کی اجازت کے لب نہ ہلا سکے گا، کسی کو دوسرے کے بدلے نہ پکڑا جائے گا، نہ باپ بیٹے کے بدلے، نہ بیٹا باپ کے بدلے، نہ بھائی بھائی کے بدلے، نہ غلام آقا کے

بدلے نہ کوئی کسی کا غم و رنج کرے گا' نہ کسی کی طرف سے کسی کو خیال ہوگا' نہ کسی پر رحم کرے گا نہ کسی کو کسی سے شفقت و محبت ہوگی۔ نہ ایک دوسرے کی طرف پکڑا جائے گا۔ ہر شخص نفسا نفسی میں ہوگا۔ ہر ایک اپنی فکر میں ہوگا۔ ہر ایک کو اپنا رونا پڑا ہوگا' ہر ایک اپنا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا۔ کسی اور کا نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌۢ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع ۱۲

سمجھو رکھو کہ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ وہی بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو ہے' اسے جانتا ہے۔ کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کچھ کرے گا؟ نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا؟ یاد رکھو اللہ پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے ○

غیب کی پانچ باتیں: ☆☆ (آیت:۳۴) یہ غیب کی وہ کنجیاں ہیں جن کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو نہیں۔ مگر اس کے بعد کہ اللہ اسے علم عطا فرمائے۔ قیامت کے آنے کا صحیح وقت نہ کوئی نبی مرسل جانے نہ کوئی مقرب فرشتہ' اس کا وقت صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اسی طرح بارش کب' کہاں اور کتنی برسے گی' اس کا علم بھی کسی کو نہیں۔ ہاں جب ان فرشتوں کو حکم ہوتا ہے جو اس پر مقرر ہیں' تب وہ جانتے ہیں اور جسے اللہ معلوم کرائے۔ اسی طرح حاملہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ اسے بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہاں جب جناب باری کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے جو اسی کام پر مقرر ہیں' تب انہیں پتہ چلتا ہے کہ نر ہوگا یا مادہ' لڑکا ہوگا یا لڑکی' نیک ہوگا یا بد؟ اسی طرح کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ نہ کسی کو یہ علم ہے کہ وہ کہاں مرے گا؟ اور آیت میں ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں جنہیں بجز اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور حدیث میں ہے کہ غیب کی کنجیاں یہاں پانچ چیزیں ہیں جن کا بیان آیت اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ الخ' میں ہے۔ مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' پانچ باتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ بخاری کی حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں کہ یہ پانچ غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مسند احمد میں حضور ؐ کا فرمان ہے' مجھے ہر چیز کی کنجیاں دی گئی ہیں سوائے پانچ کے۔ پھر یہی آیت آپ نے پڑھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' حضور ؐ ہماری مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے جو ایک صاحب تشریف لائے۔ پوچھنے لگے یا رسول اللہ ؐ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا' اللہ کو' فرشتوں کو' کتاب کو' رسولوں کو' آخرت کو' مرنے کے بعد جی اٹھنے کو مان لینا۔ اس نے پوچھا' اسلام کیا ہے؟ فرمایا ایک اللہ کی عبادت کرنا' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' نمازیں پڑھنا' زکوٰۃ دینا' رمضان کے روزے رکھنا۔ اس نے دریافت کیا' احسان کیا ہے؟ فرمایا تیرا اس طرح اللہ کی عبادت کرنا کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو نہیں دیکھتا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا' حضور ؐ قیامت کب ہے؟ فرمایا' اس کا علم نہ مجھے نہ تجھے' ہاں میں اس کی نشانیاں بتلاتا ہوں۔ جب لونڈی اپنے میاں کو جنے اور جب ننگے پیروں اور ننگے بدنوں والے لوگوں کے سردار بن جائیں۔ علم قیامت ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ وہ شخص واپس چلا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ اسے لوٹا لاؤ۔ لوگ دوڑ پڑے لیکن وہ کہیں بھی نظر نہ آیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ جبرئیلؑ تھے۔ لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے (بخاری) ہم نے اس حدیث کا مطلب شرح صحیح بخاری میں خوب بیان کر دیا ہے۔ مسند میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اپنی ہتھیلیاں حضور ؐ کے گھٹنوں پر رکھ کر یہ سوالات کئے تھے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو اپنا چہرہ اللہ کی طرف متوجہ کر دے

اور اللہ کے واحد ولاشریک ہونے کی گواہی دے اور محمدؐ کے عبد ورسول ہونے کی۔ جب تو یہ کرلے تو تو مسلمان ہوگیا۔ پوچھا اچھا ایمان کس کا نام ہے؟ فرمایا' اللہ پر' آخرت کے دن پر' فرشتوں پر' کتاب پر نبیوں پر عقیدہ رکھنا۔ موت اور موت کے بعد کی زندگی کو ماننا' جنت دوزخ' حساب' میزان اور تقدیر کی بھلائی برائی پر ایمان رکھنا۔ پوچھا جب میں ایسا کرلوں تو کیا میں مومن ہو جاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر احسان کا پوچھا اور جواب پایا جو اوپر مذکور ہوا۔ پھر قیامت کا پوچھا۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! یہ ان پانچ چیزوں میں ہے جنہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ پھر نشانیوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ لوگ لمبی چوڑی عمارتیں بنانے لگیں گے۔

ایک صحیح سند کے ساتھ مسند احمد میں مروی ہے کہ بنو عامر قبیلے کا ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا' کہنے لگا' میں آؤں؟ آپؐ نے اپنے خادم کو بھیجا کہ جا کر انہیں ادب سکھاؤ۔ یہ اجازت مانگنا نہیں جانتے۔ ان سے کہو کہ پہلے سلام کرو۔ پھر دریافت کرو کہ میں آسکتا ہوں؟ انہوں نے سن لیا اور اسی طرح سلام کیا اور اجازت چاہی' یہ گئے اور جا کر کہا کہ آپ ہمارے لئے کیا لے کر آئے ہیں؟ آپ نے فرمایا بھلائی ہی بھلائی۔ سنو تم ایک اللہ کی عبادت کرو' لات وعزیٰ کو چھوڑ دو' دن رات میں پانچ نمازیں پڑھا کرو' سال بھر میں ایک مہینے کے روزے رکھو' اپنے مالداروں سے زکوتیں وصول کر کے اپنے فقیروں پر تقسیم کرو۔ انہوں نے دریافت کیا' یا رسول اللہ کیا علم میں سے کچھ ایسا بھی باقی ہے جسے آپ نہ جانتے ہوں۔ آپ نے فرمایا' ہاں ایسا علم بھی ہے جسے بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپؐ نے یہی آیت پڑھی۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں' گاؤں کے رہنے والے ایک شخص نے آ کر حضورؐ سے دریافت کیا تھا کہ میری عورت حمل سے ہے' بتلائے کیا بچہ ہو گا؟ ہمارے شہر میں قحط ہے' فرمایئے بارش کب ہوگی؟ یہ تو میں جانتا ہوں کہ میں کب پیدا ہوا۔ اب یہ آپ معلوم کرا دیجئے کہ کب مروں گا؟ اس کے جواب میں یہ آیت اتری کہ مجھے ان چیزوں کا مطلق علم نہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہی غیب کی کنجیاں ہیں جن کی نسبت فرمان باری ہے کہ غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں۔ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں' جو تم سے کہے کہ رسول اللہ ﷺ کل کی بات جانتے تھے تو سمجھ لینا کہ وہ بڑا جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا؟ قتادہؒ کا قول ہے کہ بہت سی چیزیں ہیں جن کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا نہ نبیؑ کو نہ فرشتہ کو۔ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کس سال' کس مہینے' کس دن یا کس رات میں وہ آئے گی۔ اسی طرح بارش کا علم بھی اس کے سوا کسی کو نہیں کہ کب آئے؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ حاملہ کے پیٹ میں بچہ نر ہوگا یا مادہ' سرخ ہوگا یا سیاہ؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ نیکی کرے گا یا بدی؟ مرے گا یا جئے گا۔ بہت ممکن ہے' کل موت یا آفت آجائے۔ نہ کسی کو یہ خبر ہے کہ کس زمین میں وہ دبایا جائے گا یا سمندر میں بہایا جائے گا یا جنگل میں مرے گا یا نرم یا سخت زمین میں جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے' جب کسی کی موت دوسری زمین میں ہوتی ہے تو اس کا وہیں کا کوئی کام نکل آتا ہے اور وہیں موت آجاتی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ یہ فرما کر رسول کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ اعشی ہمدان کے شعر ہیں جن میں اس مضمون کو نہایت خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن زمین اللہ تعالیٰ سے کہے گی کہ یہ ہیں تیری امانتیں جو تو نے مجھے سونپ رکھی تھیں۔ طبرانی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔

سورۂ لقمان کی تفسیر ختم ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ۔

تفسیر سورة السجده

(تفسیر سورۂ سجدہ) حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الجمعہ میں حدیث وارد کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن کی صبح کی نماز میں الم السجدۃ الخ' اور ھل اتی علی الانسان الخ' پڑھا کرتے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ ہمیشہ سونے سے پہلے سورۂ

الٓمّٓ سجدہ اور سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْكُ پڑھ لیا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا شَفِیْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾

بلاشبہ اس کتاب کا اتارنا تمام جہان کے پروردگار کی طرف سے ہے ○ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے۔ نہیں نہیں بلکہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ تو انہیں ڈرا دے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا' ہوسکتا ہے کہ وہ راہ راست پر آجائیں ○ اللہ وہ ہے جس نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں۔ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ؟○

(آیت:۱-۳) سورتوں کے شروع میں جو مقطعات حروف ہیں' ان کی پوری بحث ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔ یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کتاب قرآن حکیم بے شک وشبہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ مشرکین کا یہ قول غلط ہے کہ حضورؐ نے خود اسے گھڑ لیا ہے۔ نہیں یہ تو یقیناً اللہ کی طرف سے ہے' اس لئے اترا ہے کہ حضورؐ اس قوم کو ڈراوے کے ساتھ آگاہ کر دیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی اور پیغمبر نہیں آیا۔ تاکہ وہ حق کی اتباع کر کے نجات حاصل کرلیں۔

ہر ایک کی تکمیل اللہ جل شانہ کے ہاتھ میں ہے: ☆☆ (آیت:۴) تمام چیزوں کا خالق اللہ ہے۔ اس نے چھ دن میں زمین وآسمان بنائے۔ پھر عرش پر قرار پکڑا۔ اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ مالک وخالق وہی ہے۔ ہر چیز کی تکمیل اسی کے ہاتھ ہے۔ تدبیریں سب کاموں کی وہی کرتا ہے' ہر چیز پر غلبہ اسی کا ہے۔ اس کے سوا مخلوق کا نہ کوئی والی نہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارشی۔ اے وہ لوگو جو اس کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہو' دوسروں پر بھروسہ کرتے ہو' کیا تم نہیں سمجھ سکتے کہ اتنی بڑی قدرتوں والا کیوں کسی کو اپنا شریک کار بنانے لگا؟ وہ برابری سے وزیر ومشیر سے' شریک وسہیم سے' پاک' منزہ اور مبرا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کے علاوہ کوئی پالنہار ہے۔ نسائی میں ہے' حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں' میرا ہاتھ تھام کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں پیدا کر کے ساتویں دن عرش پر قیام کیا۔ مٹی ہفتے کے دن بنی۔ پہاڑ اتوار کے دن' درخت سوموار کے دن' برائیاں منگل کے دن' نور بدھ کے دن' جانور جمعرات کے دن' آدمؑ جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کی آخری گھڑی میں اسے تمام روئے زمین کی مٹی سے پیدا کیا جس میں سفید وسیاہ' اچھی بری ہر طرح کی تھی' اسی باعث اولاد آدم بھی بھلی بری ہوئی۔ امام بخاریؒ اسے معلل بتلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں اور سند سے مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اسے کعب احبار سے بیان کیا ہے اور حضرات محدثینؒ نے بھی اسے معلول بتلایا ہے۔ واللہ اعلم۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ۝ ذَٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ۝

وہ آسمان سے زمین کی طرف کاموں کی تدبیر اتارتا ہے۔ پھر ایک ہی دن میں اس کی طرف چڑھ جاتا ہے جس کا اندازہ تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے ○ یہی ہے چھپے کھلے کا جاننے والا زبردست غالب بہت ہی مہربان۔ جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی ○ پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے خلاصے سے پیدا کی ○ جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی۔ اسی نے تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت ہی تھوڑا احسان مانتے ہو ○

(آیت: ۵-۶) اس کا حکم ساتوں آسمانوں کے اوپر سے اترتا ہے اور ساتوں زمینوں کے نیچے تک پہنچتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور انہی کے مثل زمینیں اس کا حکم ان سب کے درمیان اترتا ہے۔ اعمال اپنے دیوان کی طرف اٹھائے اور چڑھائے جاتے ہیں جو آسمان دنیا کے اوپر ہے۔ زمین سے آسمان اول پانچ سو سال کے فاصلہ پر ہے اور اتنا ہی اس کا گھیراؤ ہے۔ اتنا اترنا چڑھنا اللہ کی قدرت سے فرشتہ ایک آنکھ جھپکنے میں کر لیتا ہے۔ اسی لئے فرمایا ایک دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی ہے۔ ان امور کا مدبر اللہ ہے وہ اپنے بندوں کے اعمال سے باخبر ہے۔ سب چھوٹے بڑے عمل اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ وہ غالب ہے جس نے ہر چیز کو اپنے ماتحت کر رکھا ہے کل بندے اور کل گردنیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہیں وہ اپنے مومن بندوں پر بہت ہی مہربان ہے۔ عزیز ہے اپنی رحمت میں اور رحیم ہے اپنی عزت میں۔

بہترین خالق بہترین مصور و مدور: ☆☆ (آیت: ۷-۹) فرماتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز قرینے سے بہترین طور سے بہترین ترکیب پر خوبصورت بنائی ہے۔ ہر چیز کی پیدائش کتنی عمدہ کیسی مستحکم اور مضبوط ہے۔ آسمان وزمین کی پیدائش کے ساتھ ہی خود انسان کی پیدائش پر غور کرو۔ اس کا شروع دیکھو کہ مٹی سے پیدا ہوا ہے۔

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔ پھر ان کی نسل نطفے سے جاری رکھی جو مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے۔ پھر اسے یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد ٹھیک ٹھاک اور درست کیا اور اس میں اپنے پاس کی روح پھونکی۔ تمہیں کان آنکھ سمجھ عطا فرمائی۔ افسوس کہ پھر بھی تم شکرگزاری میں کثرت نہیں کرتے۔ نیک انجام اور خوش نصیب وہ شخص ہے جو اللہ کی دی ہوئی طاقتوں کو اسی کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ جَلَّ شَانُهٗ وَ عَزَّ اِسْمُهٗ۔
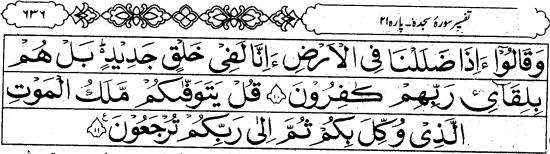
کہنے لگے کیا جب ہم زمین میں کھو جائیں گے' کیا ہم پھر نئی پیدائش میں آ جائیں گے؟ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین ہی نہیں ○
کہہ دے کہ تمہیں موت کا وہ فرشتہ موت کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ پھر تم سب کے سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

انسان اور فرشتوں کا ساتھ: ☆☆ (آیت:۱۰-۱۱) کفار کا عقیدہ بیان ہو رہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد جینے کے قائل نہیں۔ اور اسے وہ محال جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہمارے ریزے ریزے جدا ہو جائیں گے اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے' پھر بھی کیا ہم نئے سرے سے بنائے جا سکتے ہیں؟۔ افسوس یہ لوگ اپنے اوپر اللہ کو بھی قیاس کرتے ہیں اور اپنی محدود قدرت پر اللہ کی نامعلوم قدرت کا اندازہ کرتے ہیں۔ مانتے ہیں' جانتے ہیں کہ اللہ نے اول بار پیدا کیا ہے' تعجب ہے' پھر دوبارہ پیدا کرنے پر اسے قدرت کیوں نہیں مانتے؟ حالانکہ اس کا تو صرف فرمان چلتا ہے۔ جہاں کہا' یوں ہو جا' وہیں ہو گیا۔ اسی لئے فرمادیا کہ انہیں اپنے پروردگار کی ملاقات سے انکار ہے۔

اس کے بعد کی آیت میں فرمایا کہ ملک الموت جو تمہاری روح کے قبض کرنے پر مقرر ہیں' تمہیں فوت کر دیں گے۔ اس آیت سے بہ ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت ایک فرشتہ کا لقب ہے۔ حضرت برا کی وہ حدیث جس کا بیان سورۂ ابراہیم میں گذر چکا ہے' اس سے بھی پہلی بات یہی سمجھ میں آتی ہے اور بعض آثار میں ان کا نام عزرائیل بھی آیا ہے اور یہی مشہور ہے۔ ہاں ان کے ساتھی اور ان کے ساتھ کام کرنے والے اور فرشتے بھی ہیں جو جسم سے روح کو نکالتے ہیں اور نرخرے تک پہنچ جانے کے بعد ملک الموت اسے لے لیتے ہیں۔ ان کے لئے زمین سمیٹ دی گئی ہے اور ایسی ہے جیسے ہمارے سامنے کوئی طشتری رکھی ہوئی ہو کہ جو چاہا' اٹھا لیا۔ ایک مرسل حدیث بھی اس مضمون کی ہے۔ ابن عباسؓ کا مقولہ بھی ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک انصاری کے سرہانے ملک الموت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ملک الموت میرے صحابیؓ کے ساتھ آسانی کیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ اے نبی اللہ' تسکین خاطر رکھئے اور دل خوش کیجئے' واللہ میں خود باایمان اور نہایت ہی نرمی کرنے والا ہوں۔ سنو! یا رسول اللہؐ قسم ہے اللہ کی' دنیا تمام کے ہر کچے پکے گھر میں خواہ وہ خشکی میں ہو یا تری میں' ہر دن میں میرے پانچ پھیرے ہوتے ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کو میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں جتنا وہ خود اپنے آپ کو جانتا ہے۔ یا رسول اللہؐ یقین مانئے' اللہ کی قسم میں تو ایک مچھر کی جان قبض کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا جب تک مجھے اللہ کا حکم نہ ہو۔ حضرت جعفر کا بیان ہے کہ ملک الموت علیہ السلام کا دن میں پانچ وقت ایک ایک شخص کو ڈھونڈ بھال کرنا یہی ہے کہ آپ پانچوں نمازوں کے وقت دیکھ لیا کرتے ہیں۔ اگر وہ نمازوں کی حفاظت کرنے والا ہے تو فرشتے اس کے قریب رہتے ہیں اور شیطان اس سے دور رہتا ہے اور اس کے آخری وقت فرشتہ اسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' ہر دن ہر گھر پر ملک الموت دو دفعہ آتے ہیں۔ کعب احبار اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر دروازے پر ٹھہر کر دن بھر میں سات مرتبہ نظر مارتے ہیں کہ اس میں کوئی وہ تو نہیں جس کی روح نکالنے کا حکم ہو چکا ہو۔ پھر قیامت کے دن سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے' قبروں سے نکل کر میدان محشر میں اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اپنے کئے کا پھل پانا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾
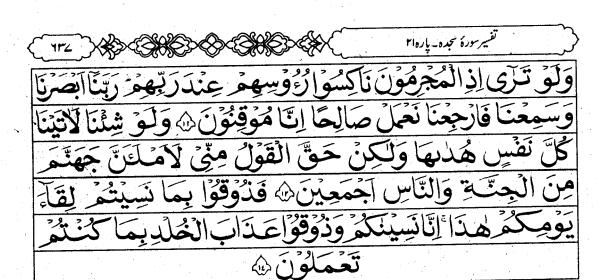
کاش کہ تو دیکھتا جبکہ یہ گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے' کہیں گے کہ یا اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔ اب تو ہمیں واپس لوٹا دے تو نیک اعمال کریں گے ہم یقین والے ہیں ○ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت نصیب فرما دیتے لیکن میری یہ بات بالکل حق ہو چکی ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو انسانوں اور جنوں سے پر کر دوں گا ○ اب تم اپنے اس دن کی ملاقات کے فراموش کر دینے کا مزہ چکھو' ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا۔ اپنے کیے ہوئے اعمال کی شامت سے ابدی عذاب کا لطف اٹھاؤ ○

ناعاقبت اندیشو اب خمیازہ بھگتو: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۴) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب یہ گنہگار اپنا دوبارہ جینا خود اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے اور نہایت ذلت و حقارت کے ساتھ نادم ہو کر گردنیں جھکائے' سر ڈالے اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے' اس وقت کہیں گے کہ اے اللہ ہماری آنکھیں روشن ہو گئیں' کان کھل گئے۔ اب ہم تیرے احکام کی بجا آوری کے لئے ہر طرح تیار ہیں۔ اس دن خوب سوچ سمجھ والے دانا بینا ہو جائیں گے۔ سب اندھاپن و بہراپن جاتا رہے گا' خود اپنے تئیں ملامت کرنے لگیں گے اور جہنم میں جاتے ہوئے کہیں گے کہ اگر کانوں اور آنکھوں سے دنیا میں کام لیتے تو آج جہنمی نہ بنتے۔ اب اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ہمیں پھر سے دنیا میں بھیج دے تو ہم نیک اعمال کر آئیں۔ ہمیں اب یقین ہو گیا کہ تیری ملاقات سچ ہے' تیرا کلام حق ہے۔ لیکن اللہ کو خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ اگر دوبارہ بھی بھیجے جائیں تو یہی حرکت کریں گے' پھر سے اللہ کی آیتوں کو جھٹلائیں گے' دوبارہ نبیوں کو ستائیں گے۔ جیسے کہ خود قرآن کریم کی آیت وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ میں ہے۔ اسی لئے یہاں فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے۔ جیسے فرمان ہے' اگر تیرا رب چاہتا تو زمین کا ایک ایک رہنے والا مومن بن جاتا۔ لیکن اللہ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ انسان اور جنات سے جہنم پر ہونا ہے۔ اللہ کی ذات اور اس کے پورے پورے کلمات کا یہ اٹل امر ہے۔ ہم اس کے تمام عذابوں سے پناہ چاہتے ہیں۔ دوزخیوں سے بطور سرزنش کے کہا جائے گا کہ اس دن کی ملاقات کی فراموشی کا مزہ چکھو۔ اور اس کے جھٹلانے کا خمیازہ بھگتو۔ اسے محال سمجھ کر تم نے وہ معاملہ کیا کہ جو ہر ایک بھولنے والا کیا کرتا ہے۔ اب ہم بھی تمہارے ساتھ یہی لوک کریں گے۔ اللہ کی ذات حقیقی نسیان اور بھول سے پاک ہے۔ یہ تو صرف بدلے کے طور پر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ اور روایت میں بھی ہے اَلْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا آج ہم تمہیں بھول جاتے ہیں جیسے تم اس دن کی ملاقات کو بھولے بیٹھے تھے۔ اپنے کفر و تکذیب کی وجہ سے اب دائمی عذاب کا مزہ اٹھاؤ۔ جیسے اور آیت میں ہے لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا وہاں ٹھنڈک اور پانی نہ رہے گا۔ سوائے گرم پانی اور لہو پیپ کے اور کچھ نہ ہوگا۔

ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں کہ جنہیں جب کبھی ان سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں اور تکبر سے الگ تھلگ رہتے ہیں ○ ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں' اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے' وہ خرچ کرتے رہتے ہیں ○ کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہے۔ جو کچھ وہ کرتے تھے' یہ اس کا بدلہ ہے ○
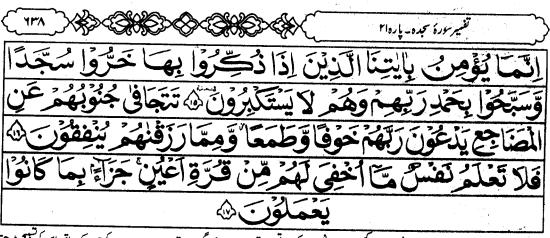
ایمان دار وہی ہے جس کے اعمال تابع قرآن ہوں: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۷) سچے ایمانداروں کی نشانی یہ ہے کہ وہ دل کے کانوں سے ہماری آیتوں کو سنتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ زبانی حق مانتے ہیں اور دل سے بھی برحق جانتے ہیں۔ سجدہ کرتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں۔ اور اتباع حق سے جی نہیں چراتے۔ نہ اکڑتے ضد کرتے ہیں۔ یہ بد عادت کافروں کی ہے جیسے فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ یعنی میری عبادت سے تکبر کرنے والے ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ ان سچے ایمانداروں کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ راتوں کو نیند چھوڑ کر اپنے بستروں سے الگ ہو کر نمازیں ادا کرتے ہیں' تہجد پڑھتے ہیں۔ مغرب عشاء کے درمیان کی نماز بھی بعض نے مراد لی ہے۔ کوئی کہتا ہے' مراد اس سے عشا کی نماز کا انتظار ہے۔ اور قول ہے کہ **عشاء کی اور صبح کی نماز باجماعت اس سے مراد ہے۔ وہ اللہ سے دعائیں کرتے ہیں۔ اس کے عذابوں سے نجات پانے کے لئے اور اس کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے۔ ساتھ ہی صدقہ وخیرات بھی کرتے رہتے ہیں۔ اپنی حیثیت کے مطابق راہ اللہ میں دیتے رہتے ہیں۔ وہ نیکیاں بھی کرتے ہیں جن کا تعلق الٰہی کی ذات سے ہے اور وہ نیکیاں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے جن کا تعلق دوسروں سے ہے۔ ان بہترین نیکیوں میں سب سے بڑھے ہوئے وہ ہیں جو درجات میں بھی سب سے آگے ہیں۔ یعنی سید اولاد آدم' فخر دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ** جیسے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعروں میں ہے ۔

وَفِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ یَتْلُوْ کِتَابَهٗ ... اِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِنَ الصُّبْحِ سَاطِعٌ

یَبِیْتُ یُجَافِیْ جَنْبَهٗ عَنْ فِرَاشِهٖ ... اِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِکِیْنَ الْمَضَاجِعُ

یعنی ہم میں اللہ کے رسول ﷺ ہیں جو صبح ہوتے ہی اللہ کی پاک کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ راتوں کو جبکہ مشرکین گہری نیند میں سوتے ہیں' حضور ﷺ کی کروٹ آپ کے بستر سے الگ ہوتی ہے۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ دو شخصوں سے بہت ہی خوش ہوتا ہے۔ ایک تو وہ جو رات کو میٹھی نیند سویا ہوا ہے لیکن دفعتاً اپنے رب کی نعمتیں اور اس کی سزائیں یاد کر کے اٹھ بیٹھتا ہے۔ اپنے نرم وگرم بستر کو چھوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہو کر نماز شروع کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو ایک غزوے میں ہے۔ کافروں سے لڑتے لڑتے مسلمانوں کا پانسہ

کمزور پڑ جاتا ہے۔ لیکن یہ شخص یہ سمجھ کر کہ بھاگنے میں اللہ کی ناراضگی ہے اور آگے بڑھنے میں رب کی رضامندی ہے' میدان کی طرف لوٹتا ہے اور کافروں سے جہاد کرتا ہے یہاں تک کہ اپنا سر اس کے نام پر قربان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فخر سے اپنے فرشتوں کو اسے دکھاتا ہے اور ان کے سامنے اس کے اس عمل کی تعریف کرتا ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ صبح کے وقت میں آپ کے قریب ہی چل رہا تھا۔ میں نے پوچھا' اے اللہ کے پیغمبرؐ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں پہنچا دے اور جہنم سے الگ کر دے۔ آپؐ نے فرمایا' تو نے سوال تو بڑے کام کا کیا لیکن اللہ جس پر آسان کر دے' اس پر بہت سہل ہے۔ سن تو اللہ کی عبادت کرتا رہ' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر' نمازوں کی پابندی کر' رمضان کے روزے رکھ' بیت اللہ کا حج' زکوٰۃ ادا کرتا رہ۔ آ' اب میں تجھے بھلائیوں کے دروازے بتلاؤں۔ روزہ ڈھال ہے اور انسان کی آدھی رات کی نماز' صدقہ گناہوں کو معاف کرا دیتا ہے۔

پھر آپؐ نے آیت تَتَجَافٰی کی یَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا' آ اب میں تجھے اس امر کے سر' اس کے ستون اور اس کی کوہان کی بلندی بتاؤں۔ اس تمام کام کا سر تو اسلام ہے' اس کا ستون نماز ہے' اس کے کوہان کی بلندی اللہ کی راہ کا جہاد ہے۔ پھر فرمایا' اب میں تجھے تمام کاموں کے سردار کی خبر دوں؟ پھر اپنی زبان پکڑ کر فرمایا' اسے روک رکھ' میں نے کہا' کیا ہم اپنی بات چیت پر بھی پکڑے جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا' اے معاذ افسوس تجھے یہ معلوم ہی نہیں کہ انسان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈلوانے والی چیز تو اس کی زبان کے کنارے ہی ہیں۔ یہی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے۔ ایک میں یہ بھی ہے کہ اس آیت تَتَجَافٰی کو پڑھ کر حضورؐ نے فرمایا' اس سے مراد بندے کا رات کی نماز پڑھنا ہے۔ اور روایت میں حضورؐ کا یہ فرمان مروی ہے کہ انسان کا آدھی رات کو قیام کرنا۔

پھر حضورؐ کا اسی آیت کو تلاوت کرنا مروی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جبکہ اول و آخر سب لوگ میدان محشر میں جمع ہوں گے تو ایک منادی فرشتہ آواز بلند کرے گا جسے تمام مخلوق سنے گی' وہ کہے گا کہ آج سب کو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے زیادہ ذی عزت اللہ کے نزدیک کون ہے؟ پھر لوٹ کر آواز لگائے گا کہ تہجد گزار لوگ اٹھ کھڑے ہوں اور اس آیت کی تلاوت فرمائے گا تو یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور گنتی میں بہت کم ہوں گے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جب یہ آیت اتری' ہم لوگ مجلس میں بیٹھے تھے اور بعض صحابہؓ مغرب بعد سے لے کر عشاء تک نماز میں مشغول رہتے تھے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اس حدیث کی یہی ایک سند ہے۔

پھر فرماتا ہے' ان کے لئے جنت میں کیا کیا نعمتیں اور لذتیں پوشیدہ پوشیدہ بنا کر رکھی ہیں۔ اس کا کسی کو علم نہیں۔ چونکہ یہ لوگ بھی پوشیدہ طور پر عبادت کرتے تھے' اسی طرح ہم نے بھی پوشیدہ طور پر ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے دل کا سکھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو نہ کسی دل میں اس کا خیال آیا ہو۔ بخاری کی حدیث قدسی میں ہے' میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ رحمتیں اور نعمتیں مہیا کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ کے دیکھنے میں آئیں نہ کسی کان کے سننے میں' نہ کسی کے دل کے سوچنے میں آئی ہوں۔ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہؓ راوی حدیث نے کہا' قرآن کی اس آیت کو پڑھ لو۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ الخ اس روایت میں قُرَّةِ کی بجائے قُرَّاءِ تِ پڑھنا بھی مروی ہے۔ اور روایت میں فرمان رسولؐ ہے کہ جنت کی نعمتیں جسے ملیں' وہ کبھی بھی واپس نہیں ہوں گی۔ ان کے کپڑے پرانے نہ ہوں گے' ان کی جوانی ڈھلے گی نہیں' ان کے لئے جنت میں وہ ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا' نہ کسی کان نے سنا' نہ کسی انسان کے دل پر ان کا وہم وگمان آیا (مسلم)

ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے جنت کا وصف بیان کرتے ہوئے آخر میں یہی فرمایا اور پھر یہ آیت تَتَجَافٰی سے یَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ حدیث قدسی میں ہے' میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھی ہیں نہ کانوں

نے سنی ہیں بلکہ اندازہ میں بھی نہیں آ سکتیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ رب العالمین عزوجل سے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ' ادنیٰ جنتی کا درجہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ ادنیٰ جنتی وہ شخص ہے جو کل جنتیوں کے جنت میں چلے جانے کے بعد آئے گا۔ اس سے کہا جائے گا' جنت میں داخل ہو جاؤ' وہ کہے گا' اے اللہ کہاں جاؤں۔ ہر ایک نے اپنی جگہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اپنی چیزیں سنبھال لی ہیں۔ اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو اس پر خوش ہے کہ تیرے لئے اتنا ہو جتنا دنیا کے کسی بہت بڑے بادشاہ کے پاس تھا۔ وہ کہے گا' پروردگار میں اس پر خوش ہوں۔ اللہ فرمائے گا' تیرے لئے اتنا ہے اور اتنا ہی اور' اتنا ہی اور' اور اتنا ہی اور' اتنا ہی اور پانچ گنا۔ یہ کہے گا بس بس اے رب میں راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' یہ سب ہم نے تجھے دیا اور اس کا دس گنا اور بھی دیا اور بھی جس چیز کو تیرا دل چاہے اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ یہ کہے گا' میرے پروردگار میری تو باچھیں کھل گئیں' جی خوش ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا' پھر اللہ اعلیٰ درجہ کے جنتی کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا' یہ وہ لوگ ہیں جن کی خاطر و مدارات کی کرامت میں نے اپنے ہاتھ سے لکھی اور اس پر اپنی مہر لگا دی ہے۔ پھر نہ تو وہ کسی کے دیکھنے میں آئی نہ کسی کے سننے میں نہ کسی کے خیال میں۔ اس کا مصداق اللہ کی کتاب کی آیت فَلَا تَعْلَمُ الخ' ہے۔

حضرت عباس بن عبدالواحدؒ فرماتے ہیں' مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک جنتی اپنی حور کے ساتھ محبت پیار میں ستر سال تک مشغول رہے گا۔ کسی دوسری چیز کی طرف اس کا التفات ہی نہیں ہو گا۔ پھر جو دوسری طرف التفات ہو گا تو دیکھے گا کہ پہلی سے بہت زیادہ خوبصورت اور نورانی شکل کی ایک اور حور ہے۔ وہ اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر خوش ہو کر کہے گی کہ اب میری مراد بھی پوری ہو گی۔ یہ کہے گا تو کون ہے؟ وہ جواب دے گی' میں اللہ کی مزید نعمتوں میں سے ہوں۔ اب یہ سراپا اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ پھر ستر سال کے بعد دوسری طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھی ایک اور حور ہے' وہ کہے گی' اب وقت آ گیا کہ آپ میں میرا حصہ بھی ہو' یہ پوچھے گا' تم کون ہو؟ وہ جواب دے گی' میں ان میں سے ہوں جن کی نسبت جناب باری نے فرمایا ہے' کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی کیا کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' فرشتے جنتیوں کے پاس دنیا کے دن کے اندازے سے ہر دن میں تین تین بار جنت عدن کے اللہ کے تحفے لے کر جائیں گے جو ان کی جنت میں نہیں۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ وہ فرشتے ان سے کہیں گے کہ اللہ تم سے خوش ہے۔ حضرت ابوالیمان فزاری یا کسی اور سے مروی ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں۔ پہلا درجہ چاندی کا ہے۔ اس کی زمین بھی چاندی کی' اس کے محلات بھی چاندی کے' اس کی مٹی مشک کی ہے۔ دوسرا درجہ سونے کا ہے۔ زمین بھی سونے کی' مکانات بھی سونے کے' برتن بھی سونے کے' مٹی مشک کی ہے۔ تیسری موتی کی۔ زمین بھی موتی کی' گھر بھی موتی کے' برتن بھی موتی کے اور مٹی مشک کی۔ اور باقی ستانوے تو وہ ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے نہ کسی انسان کے دل میں گزرے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

ابن جریر میں ہے' آنحضرت ﷺ حضرت روح الامینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ انسان کی نیکیاں بدیاں لائی جائیں گی۔ بعض بعض سے کم کی جائیں گی' پھر اگر ایک نیکی بھی باقی بچ گئی تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھا دے گا اور جنت میں کشادگی عطا فرمائے گا۔ راوی نے یزداد سے پوچھا کہ نیکیاں کہاں چلی گئیں؟ تو انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ الخ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے اچھے اعمال ہم نے قبول فرما لئے اور ان کی برائیوں سے ہم نے درگزر فرما لیا۔ راوی نے کہا' پھر اس آیت کے کیا معنی ہیں؟ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ الخ' فرمایا بندہ جب کوئی نیکی لوگوں سے چھپا کر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اس کے آرام کی خبریں جو اس کے لئے پوشیدہ رکھ چھوڑی تھیں' عطا فرمائے گا۔

أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا ۚ لَّا يَسْتَوُونَ ﴿١٨﴾ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢٠﴾

کیا وہ جو مومن ہو مثل اس کے ہے جو فاسق ہو؟ برابر نہیں ہو سکتے ○ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال بھی کئے ان کے لئے ہیشگی والی جنتیں ہیں مہمان داری ہے ان کے ان اعمال کے بدلے جو وہ کرتے تھے ○ لیکن جن لوگوں نے حکم عدولی کی ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب کبھی اس سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ اپنے جھٹلانے کے بدلے آگ کا عذاب چکھو ○

نیک و بد دونوں ایک دوسرے کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے: ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۰) اللہ تعالیٰ کے عدل و کرم کا بیان ان آیتوں میں ہے کہ اس کے نزدیک نیک کار اور بدکار برابر نہیں۔ جیسے فرمان ہے اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الخ یعنی کیا ان لوگوں نے جو برائیاں کر رہے ہیں یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں ایمان اور نیک عمل والوں کی مانند کر دیں گے؟ ان کی موت زیست برابر ہے۔ یہ کیسے برے منصوبے بنا رہے ہیں۔ اور آیت میں ہے اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ الخ یعنی ایماندار نیک عمل لوگوں کو کیا ہم زمین کے فسادیوں کے ہم پلہ کر دیں؟ پرہیزگاروں کو گنہگاروں کے برابر کر دیں؟ اور آیت میں ہے لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے۔ یہاں بھی فرمایا کہ مومن اور فاسق قیامت کے دن ایک مرتبہ کے نہیں ہوں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؓ اور عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

پھر ان دونوں قسموں کا تفصیلی بیان فرمایا کہ جس نے اپنے دل سے کلام اللہ کی تصدیق کی اور اس کے مطابق عمل بھی کیا تو انہیں وہ جنتیں ملیں گی جن میں مکانات ہیں۔ بلند بالا خانے ہیں اور رہائش و آرام کے تمام سامان ہیں۔ یہ ان کی نیک اعمالی کے بدلے میں مہمانداری ہوگی اور جن لوگوں نے اطاعت چھوڑ دی ان کی جگہ جہنم میں ہوگی جس میں سے وہ نکل نہ سکیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا یعنی جب کبھی وہاں کے غم سے چھٹکارا چاہیں گے دوبارہ وہیں جھونک دیئے جائیں گے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں واللہ ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے آگ کے شعلے انہیں اوپر نیچے لے جا رہے ہوں گے فرشتے انہیں سزائیں کر رہے ہوں گے اور جھڑک کر فرماتے ہوں گے کہ اس جہنم کے عذاب کا لطف اٹھاؤ جسے تم جھوٹا جانتے تھے۔

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ﴿٢٢﴾

ع ۱۱

بالیقین ہم انہیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب اس بڑے عذاب سے پہلے اس کے سوا بھی چکھائیں گے تا کہ وہ لوٹ آئیں ○ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اللہ کی آیتوں سے وعظ کیا گیا۔ پھر بھی اس نے ان سے منہ پھیر لیا یقین مانو کہ ہم بھی گنہگاروں سے انتقام لینے والے ہیں ○

(آیت:۲۱-۲۲) عذاب ادنیٰ سے مراد دنیوی مصیبتیں' آفتیں' دکھ درد اور بیماریاں ہیں۔ یہ اس لئے ہوتی ہیں کہ انسان ہوشیار ہو جائے اور اللہ کی طرف جھک جائے اور بڑے عذابوں سے نجات حاصل کرے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد گناہوں کی وہ مقرر کردہ سزائیں ہیں جو دنیا میں دی جاتی ہیں جنہیں شرعی اصطلاح میں حدود کہتے ہیں۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ نسائی میں ہے کہ اس سے مراد قحط سالیاں ہیں۔ حضرت ابی فرماتے ہیں' چاند کا شق ہو جانا' دھویں کا آنا اور پکڑ اور برباد کن عذاب اور بدر والے دن ان کفار کا قید ہونا اور قتل کیا جانا ہے۔ کیونکہ بدر کی اس شکست نے مکے کے گھر گھر کو ماتم کدہ بنا دیا تھا۔ ان عذابوں کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

پھر فرماتا ہے' جو اللہ کی آیتیں سن کر اس کی وضاحت کو پا کر ان سے منہ موڑ لے بلکہ ان کا انکار کر جائے' اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' اللہ کے ذکر سے اعراض نہ کرو' ایسا کونے والے بے عزت' بے وقعت اور بڑے گنہگار ہیں۔ یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ ایسے گنہگاروں سے ہم ضرور انتقام لیں گے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے' تین کام جس نے کئے' وہ مجرم ہو گیا۔ جس نے بے وجہ کوئی جھنڈا باندھا' جس نے ماں باپ کی نافرمانی کی' جس نے ظالم کے ظلم میں اس کا ساتھ دیا' یہ مجرم لوگ ہیں اور اللہ کا فرمان ہے کہ ہم مجرموں سے باز پرس کریں گے اور ان سے پورا بدلہ لیں گے۔ (ابن ابی حاتم)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۛ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

بے شک ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی' تجھے ہرگز اس کی ملاقات میں شک نہ کرنا چاہئے اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کی ہدایت کا ذریعہ بنایا ○ اور ہم نے ان میں سے چونکہ ان لوگوں نے صبر کیا تھا' ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور تھے بھی وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ○ تیرا رب ان سب کے درمیان ان تمام باتوں کا فیصلہ قیامت کے دن کر دے گا جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ○

شب معراج اور نبی اکرم ﷺ: ☆☆ (آیت:۲۳-۲۵) فرماتا ہے' ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات دی۔ تو اس کی ملاقات کے بارے میں شک وشبہ میں نہ رہ۔ قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی معراج والی رات میں۔ حدیث میں ہے' میں نے معراج والی رات حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گندم گوں رنگ کے' لانبے قد کے' گھونگریالے بالوں والے تھے۔ ایسے جیسے قبیلہ شنوءہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ اسی رات میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا۔ وہ درمیانہ قد کے سرخ وسفید تھے' سیدھے بال تھے۔ میں نے اسی رات حضرت مالک کو دیکھا جو جہنم کے داروغہ ہیں اور دجال کو دیکھا۔ یہ سب ان نشانیوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائیں۔ پس تو اس ملاقات میں شک وشبہ نہ کر۔ آپ نے یقیناً حضرت موسیٰؑ کو دیکھا اور ان سے ملے جس رات آپ کو معراج کرائی گئی۔ حضرت موسیٰؑ کو ہم نے بنی اسرائیل کا ہادی بنا دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ ہم نے اسرائیلیوں کو ہدایت دی۔ جیسے سورۂ بنی اسرائیل میں ہے وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الخ یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنو اسرائیل کے لئے ہادی بنایا کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھو۔ پھر فرماتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری' اس کی نافرمانیوں کے ترک' اس کی باتوں کی تصدیق اور اس کے رسولوں کی اتباع وصبر میں جمے رہے' ہم نے ان میں سے بعض کو ہدایت کے پیشوا بنادیا جو اللہ کے احکام لوگوں کو پہنچاتے ہیں' بھلائی کی طرف بلاتے ہیں' برائیوں سے روکتے ہیں۔ لیکن جب ان کی حالت بدل گئی' انہوں نے کلام اللہ میں تبدیلی' تحریف' تاویل شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے یہ منصب چھین لیا' ان کے دل سخت کر دیئے' عمل صالح اور اعتقاد صحیح ان سے دور ہو گیا۔ پہلے تو یہ دنیا سے بچے ہوئے تھے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں' یہ لوگ پہلے ایسے ہی تھے لہٰذا انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی پیشوا ہو جس کی یہ اقتدا کر کے دنیا سے بچا ہوا رہے۔ آپ فرماتے ہیں' دین کے لئے علم ضروری ہے جیسے جسم کے لئے غذا ضروری ہے۔ حضرت سفیانؒ سے حضرت علیؓ کے اس قول کے بارے میں سوال ہوا کہ صبر کا درجہ ایمان میں کیسا ہے؟ فرمایا' ایسا ہے جیسا سر کا جسم میں۔ کیا تو نے اللہ کے اس فرمان کو نہیں سنا؟ ہم نے ان کے صبر کی وجہ سے ان کو ایسا پیشوا بنادیا کہ وہ ہمارے حکم کی ہدایت کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا' مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے تمام کاموں کو اپنے ذمہ لے لیا' اللہ نے بھی انہیں پیشوا بنادیا۔ چنانچہ فرمان ہے' ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب وحکمت اور نبوت دی اور پاکیزہ روزیاں عنایت فرمائیں اور جہان والوں پر فضیلت دی۔ یہاں بھی آیت کے آخر میں فرمایا کہ جن عقائد واعمال میں ان کا اختلاف ہے' ان کا فیصلہ قیامت کے دن خود اللہ کرے گا۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

کیا اس بات نے بھی انہیں ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے مکانوں میں یہ چل پھر رہے ہیں' اس میں تو بڑی بڑی عبرتیں ہیں' کیا پھر بھی یہ نہیں سنتے؟ ○ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو بنجر غیر آباد زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں۔ پھر اس کی وجہ سے ہم کھیتیاں نکالتے ہیں جسے ان کے چوپائے اور یہ خود کھاتے ہیں' کیا یہ پھر بھی نہیں دیکھتے؟ ○

دریائے نیل کے نام عمر رضی اللہ عنہ کا خط: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۷) کیا یہ اس بات کے ملاحظہ کے بعد بھی راہ راست پر نہیں چلتے کہ ان سے پہلے کے گمراہوں کو ہم نے تہہ وبالا کر دیا ہے۔ آج ان کے نشان مٹ گئے۔ انہوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا' اللہ کی باتوں سے بے پرواہی کی۔ اب یہ جھٹلانے والے بھی ان ہی کے مکانوں میں رہتے سہتے ہیں۔ ان کی ویرانی' ان کے اگلے مالکوں کی ہلاکت ان کے سامنے ہے۔ لیکن تاہم یہ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے کئی جگہ بیان فرمایا ہے کہ یہ غیر آباد کھنڈر' یہ اجڑے ہوئے محلات تو تمہاری آنکھوں کو اور تمہارے کانوں کو کھولنے کے لئے اپنے اندر بہت سی نشانیاں رکھتے ہیں۔

دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم کو' احسان وانعام کو بیان فرما رہا ہے کہ آسمان سے پانی اتارتا ہے۔ پہاڑوں سے' اونچی جگہوں سے سمٹ کر ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعہ ادھر ادھر پھیل جاتا ہے۔ بنجر' غیر آباد زمین میں اس سے ہریالی ہی ہریالی ہو جاتی ہے۔ خشکی تری سے'

موت زیست سے بدل جاتی ہے۔ گو مفسرین کا قول یہ بھی ہے کہ جُرزُ مصر کی زمین ہے لیکن یہ ٹھیک ہے۔ ہاں مصر میں بھی ایسی زمین ہو تو ہو' آیت میں مراد تمام وہ حصے ہیں جو سوکھ گئے ہوں' جو پانی کے محتاج ہوں' سخت ہو گئے ہوں' زمین پیوست (خشکی) کے مارے پھٹنے لگی ہو۔ بیشک مصر کی زمین بھی ایسی ہے۔ دریائے نیل سے وہ سیراب کی جاتی ہے۔ حبش کی بارشوں کا پانی اپنے ساتھ سرخ رنگ کی مٹی کو بھی گھسیٹتا جاتا ہے اور مصر کی زمین جو شور اور ریتلی ہے' وہ اس پانی اور اس مٹی سے کھیتی کے قابل بن جاتی ہے اور ہر سال ہر فصل کا غلہ' تازہ پانی سے انہیں میسر آتا ہے جو ادھر ادھر کا ہوتا ہے۔ اس حکیم و کریم' منان و رحیم کی یہ سب مہربانیاں ہیں۔ اسی کی ذات قابل تعریف ہے۔

روایت ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو مصر والے بوائی کے مہینے میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے' ہماری قدیمی عادت ہے کہ اس مہینے میں کسی کو دریائے نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور اگر نہ چڑھائیں تو دریا میں پانی نہیں آتا۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ اس مہینے کی بارہویں تاریخ کو ایک باکرہ لڑکی کو جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی ہو' اس کے والدین کو دے دلا کر رضامند کر لیتے ہیں اور اسے بہت عمدہ کپڑے اور بہت قیمتی زیور پہنا کر' بنا سنوار کر اس نیل میں ڈال دیتے ہیں تو اس کا بہاؤ چڑھتا ہے ورنہ پانی چڑھتا ہی نہیں۔ سپہ سالار اسلام حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر نے جواب دیا کہ یہ ایک جاہلانہ اور احمقانہ رسم ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو ایسی عادتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔ تم اب ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ باز رہے لیکن دریائے نیل کا پانی نہ چڑھا۔ مہینہ پورا نکل گیا لیکن دریا خشک رہا۔ لوگ تنگ آ کر ارادہ کرنے لگے کہ مصر کو چھوڑ دیں' یہاں کی بود و باش ترک کر دیں' اب فاتح مصر کو خیال گزرتا ہے اور دربار خلافت کو اس سے مطلع فرماتے ہیں۔ اسی وقت خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ آپ نے جو کیا' اچھا کیا' اب میں اپنے اس خط میں ایک پرچہ دریائے نیل کے نام بھیج رہا ہوں۔ تم اسے لے کر نیل کے دریا میں ڈال دو۔ حضرت عمر بن عاصؓ نے اس پرچے کو نکال کر پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ یہ خط ہے اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ کی طرف سے اہل مصر کے دریائے نیل کی طرف۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے مطلب یہ ہے کہ اگر تو اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے چل رہا ہے تب تو خیر نہ چل' اگر اللہ تعالیٰ واحد و قہار تجھے جاری رکھتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ تجھے رواں کر دے۔ یہ پرچہ لے کر حضرت امیر عسکر نے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ ابھی ایک رات بھی گزرنے نہیں پائی تھی جو دریائے نیل میں سولہ ہاتھ گہرا پانی چلنے لگا اور اسی وقت مصر کی خشک سالی تر سالی سے' گرانی ارزانی سے بدل گئی۔ خط کے ساتھ ہی خطہ کا خطہ سرسبز ہو گیا اور دریا پوری روانی سے بہتا رہا۔ اس کے بعد سے ہر سال جو جان چڑھائی جاتی تھی' وہ بچ گئی اور مصر سے اس ناپاک رسم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوا۔ (کتاب السنہ للحافظ ابوالقاسم اللالکائی)۔

اسی آیت کے مضمون کی آیت یہ بھی ہے فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ الخ یعنی انسان اپنی غذا کو دیکھے کہ ہم نے بارش اتاری اور زمین پھاڑ کر اناج اور پھل پیدا کئے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا' کیا یہ لوگ اسے نہیں دیکھتے؟ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جرز وہ زمین ہے جس پر بارش ناکافی برستی ہے' پھر نالوں اور نہروں کے پانی سے وہ سیراب ہوتی ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ زمین یمن میں ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں' ایسی بستیاں یمن اور شام میں ہیں۔ ابن زیدؒ وغیرہ کا قول ہے' یہ وہ زمین ہے جس میں پیداوار نہ ہو اور غبار آلود ہو۔ اسی کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ الخ ان کے لئے مردہ زمین بھی ایک نشانی ہے جسے ہم زندہ کر دیتے ہیں۔

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ۔ جواب دے کہ فیصلے والے دن ایمان لانا بے ایمانوں کو کچھ کام نہ آئے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی ○ اب تو ان کا خیال بھی چھوڑ دے اور منتظر رہ۔ یہ بھی منتظر ہیں ○

نافرمان اپنی بربادی کو آپ بلاوا دیتا ہے: ☆☆ (آیت: ۲۸-۳۰) کافر اعتراضاً کہا کرتے تھے کہ اے نبی تم جو ہمیں کہا کرتے ہو اور اپنے ساتھیوں کو بھی مطمئن کر دیا ہے کہ تم ہم پر فتح پاؤ گے اور ہم سے بدلے لو گے وہ وقت کب آئے گا؟ ہم تو مدتوں سے تمہیں مغلوب، زیر اور بے وقعت دیکھ رہے ہیں۔ چھپ رہے ہو، ڈر رہے ہو اگر سچے ہو تو اپنے غلبے کا اور اپنی فتح کا وقت تو بتاؤ۔ اللہ فرماتا ہے کہ جب عذاب الٰہی آ جائے گا اور جب اس کا غصہ اور غضب اتر پڑتا ہے خواہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں اس وقت کا نہ تو ایمان نفع دیتا ہے نہ مہلت ملتی ہے۔ جیسے فرمان ہے فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الخ یعنی جب ان کے پاس اللہ کے پیغمبر دلیلیں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر نازاں ہونے لگے پوری دو آیتوں تک۔ اس سے فتح مکہ مراد نہیں۔ فتح مکہ والے دن تو رسول اللہ ﷺ نے کافروں کا اسلام لانا قبول فرمایا تھا اور تقریباً دو ہزار آدمی اس دن مسلمان ہوئے تھے۔

اگر اس آیت میں یہی فتح مکہ مراد ہوتی تو چاہیے تھا کہ اللہ کے پیغمبر علیہ السلام ان کا اسلام قبول نہ فرماتے۔ جیسے اس آیت میں ہے کہ اس دن کافروں کا اسلام لانا نامقبول ہوگا۔ بلکہ یہاں مراد فتح سے فیصلہ ہے۔ جیسے قرآن میں ہے فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا ہمارے درمیان تو فتح کر یعنی فیصلہ کر۔ اور جیسے اور مقام پر ہے قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں جمع کرے گا۔ پھر ہمارے آپس کے فیصلے فرمائے گا۔ اور آیت میں ہے وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ یہ فیصلہ چاہتے ہیں سرکش ضدی تباہ ہوئے۔ اور جگہ ہے وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اس سے پہلے وہ کافروں پر فتح چاہتے تھے۔ اور آیت میں فرمان باری ہے اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ اگر تم فیصلے کے آرزومند ہو تو لو فتح آ گئی۔

پھر فرماتا ہے آپ ان مشرکین سے بے پرواہ ہو جایئے جو رب نے اتارا ہے اسے پہنچاتے رہیے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اپنے رب کی وحی کی اتباع کرو اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ پھر فرمایا تم اپنے رب کے وعدوں کو سچا مان لو اس کی باتیں اٹل ہیں اس کے فرمان سچے ہیں وہ عنقریب تجھے تیرے مخالفین پر غالب کرے گا وہ وعدہ خلافی سے پاک ہے یہ بھی منتظر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ آپ پر کوئی آفت آئے لیکن ان کی یہ چاہتیں بے سود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے والوں کو بھولتا نہیں نہ انہیں چھوڑتا ہے بھلا جو رب کے احکام پر جمے رہیں اللہ کی باتیں دوسروں کو پہنچائیں وہ تائید ایزدی سے کیسے محروم کر دیئے جائیں؟ یہ جو کچھ تم پر دیکھنا چاہتے ہیں وہ ان پر اترے گا بدبختی (نکبت) و ادبار میں ہائے وائے واویلا میں گرفتار کئے جائیں گے۔ رب کے عذابوں کا شکار ہوں گے۔ کہہ دو کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

اللہ کے فضل و کرم اور لطف و رحم سے سورۂ سجدہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ

تفسیر سورة الاحزاب

حضرت زرؓ سے ابی بن کعبؓ نے پوچھا کہ سورۂ احزاب کی کتنی آیتیں شمار ہوتی ہیں؟ آپ نے فرمایا' تہتر۔ حضرت ابیؓ نے فرمایا' نہیں نہیں' میں نے تو دیکھا ہے کہ یہ سورت سورۂ بقرہ کے قریب تھی۔ اسی میں یہ آیت بھی پڑھی جاتی تھی الشَّیْخُ وَالشَّیْخَةُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ یعنی جب بڑی عمر کا مرد اور بڑی عمر کی عورت بدکاری کریں تو انہیں ضرور سنگسار کر دو۔ یہ سزا ہے اللہ کی طرف سے۔ اللہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔ (مسند احمد) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کی کچھ آیتیں اللہ کے حکم سے ہٹالی گئیں۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۳﴾

بہت ہی رحم و کرم والے سچے معبود کے نام سے شروع

اے نبی اللہ سے ڈرتے رہنا اور کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آ جانا' اللہ تعالیٰ بڑے علم والا اور بڑی حکمت والا ہے ○ جو کچھ تیری جانب تیرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے' اس کی تابعداری کرتا رہ' یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے ○ تو اللہ ہی پر توکل رکھ' وہ کارسازی کے لئے کافی ہے ○

اللہ پر توکل رکھو: ☆☆ (آیت:۱-۳) تنبیہ کی ایک موثر صورت یہ بھی ہے کہ بڑے کو کہا جائے تا کہ چھوٹا چوکنا ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو کوئی بات تاکید سے کہے تو ظاہر ہے کہ اوروں پر وہ تاکید اور بھی زیادہ ہے۔ تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ثواب کے طلب کی نیت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت کی جائے۔ اور فرمان باری کے مطابق اس کے عذابوں سے بچنے کے لئے اس کی نافرمانیاں ترک کی جائیں۔ کافروں اور منافقوں کی باتیں نہ ماننا' نہ ان کے مشوروں پر کاربند ہونا' نہ ان کی باتیں قبولیت کے ارادے سے سننا۔ علم و حکمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

چونکہ وہ اپنے وسیع علم سے ہر کام کا نتیجہ جانتا ہے اور اپنی بے پایاں حکمت سے اس کی کوئی بات' کوئی فعل غیر حکیمانہ نہیں ہوتا تو اسی کی اطاعت کرتا رہ تا کہ بدانجام سے اور بگاڑ سے بچا رہے۔ جو قرآن و سنت تیری طرف وحی ہو رہا ہے' اس کی پیروی کر' اللہ پر کسی کا کوئی فعل مخفی نہیں۔ اپنے تمام امور و احوال میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھ۔ اس پر بھروسہ کرنے والوں کو وہ کافی ہے۔ کیونکہ تمام کارسازی پر وہ قادر ہے' اس کی طرف جھکنے والا کامیاب ہی کامیاب ہے۔
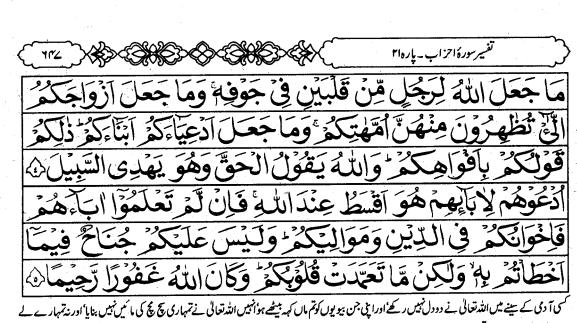
کسی آدمی کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں رکھے' اور اپنی جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھے ہو انہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچ مچ کی مائیں نہیں بنایا' اور نہ تمہارے لے پالک لڑکوں کو تمہارے واقعی بیٹے بنایا ہے' یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں' اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا اور وہی سیدھی راہ سجھاتا ہے ○ لے پالکوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ۔ اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے' پھر اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ تم سے بھول چوک سے جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم قصد اور ارادہ دل سے کرو' اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنہار مہربان ہے ○

سچ بدل نہیں سکتا' لے پالک بیٹا نہیں بن سکتا: ☆☆ (آیت:۴-۵) مقصود کو بیان کرنے سے پہلے بطور مقدمے اور ثبوت کے مثالاً ایک وہ بات بیان فرمائی ہے جسے سب محسوس کرتے ہیں اور پھر اس کی طرف سے ذہن ہٹا کر اپنے مقصود کی طرف لے گئے۔ بیان فرمایا کہ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی انسان کے دل دو نہیں ہوتے۔ اسی طرح تم سمجھ لو کہ اپنی جس بیوی کو تم ماں کہہ دو تو وہ واقعی ماں نہیں ہو جاتی۔ ٹھیک اسی طرح دوسرے کی اولاد کو اپنا بیٹا بنا لینے سے وہ سچ مچ بیٹا ہی نہیں ہو جاتا۔ اپنی بیوی سے اگر کسی نے بحالت غضب وغصہ کہہ دیا کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ' تو اس کہنے سے وہ سچ مچ ماں نہیں بن جاتی۔ جیسے فرمایا مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ الخ یعنی ایسا کہہ دینے سے وہ مائیں نہیں بن جاتیں' مائیں تو وہ ہیں جن کے بطن سے یہ پیدا ہوئے ہیں۔ ان دونوں باتوں کے بیان کے بعد اصل مقصود کو بیان فرمایا کہ تمہارے لے پالک لڑکے بھی درحقیقت تمہاری اولاد نہیں۔ یہ آیت حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے جو حضورؐ کے آزاد کردہ تھے۔ انہیں حضورؐ نے نبوت سے پہلے اپنا متبنّیٰ بنا رکھا تھا۔ انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔

اس آیت سے اس نسبت اور اس الحاق کا توڑ دینا منظور ہے جیسے کہ اسی سورت کے اثنا میں ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ الخ تم میں سے کسی مرد کے باپ محمد (ﷺ) نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ یہاں فرمایا' یہ تو صرف تمہاری ایک زبانی بات ہے جو تم کسی کے لڑکے کو کسی کا لڑکا کہو' اس سے حقیقت بدل نہیں سکتی۔ واقع میں اس کا باپ وہ ہے جس کی پیٹھ سے یہ نکلا۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک لڑکے کے دو باپ ہوں جیسے یہ ناممکن ہے کہ ایک سینے میں دو دل ہوں۔ اللہ تعالیٰ حق فرمانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت ایک قریشی کے بارے میں اتری ہے جس نے مشہور کر رکھا تھا کہ اس کے دو دل ہیں اور دونوں عقل و فہم سے پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تردید کر دی۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نماز میں تھے۔ آپ کو کچھ خطرہ گزرا' اس پر جو منافق نماز میں شامل تھے' وہ کہنے لگے دیکھو اس کے دو دل ہیں۔ ایک تمہارے ساتھ۔ ایک ان کے ساتھ۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اللہ تعالیٰ

نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔ زہریؒ فرماتے ہیں' یہ تو صرف بطور مثال کے فرمایا گیا ہے یعنی جس طرح کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔ اسی طرح کسی بیٹے کے دو باپ نہیں ہوتے۔ اسی کے مطابق ہم نے بھی اس آیت کی تفسیر کی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پہلے تو رخصت تھی کہ لے پالک لڑکے کو پالنے والے کی طرف نسبت کر کے' اس کا بیٹا کہہ کر پکارا جائے لیکن اب اسلام نے اس کو منسوخ کر دیا ہے اور فرما دیا کہ ان کے جو اپنے حقیقی باپ ہیں' ان ہی کی طرف منسوب کر کے انہیں پکارو۔ عدل' نیکی' انصاف اور سچائی یہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس آیت کے اترنے سے پہلے ہم حضرت زید کو زیدؓ بن محمد کہا کرتے تھے لیکن اس کے نازل ہونے کے بعد ہم نے یہ کہنا چھوڑ دیا۔ بلکہ پہلے تو ایسے لے پالک کے وہ تمام حقوق ہوتے تھے جو سگی اور صلبی اولاد کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے اترنے کے بعد حضرت سہلہ بنت سہیلؓ حاضر خدمت نبویؐ ہو کر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہؐ ہم نے سالم کو منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا۔ اب قرآن نے ان کے بارے میں فیصلہ کر دیا۔ میں اس سے اب تک پردہ نہیں کرتی' وہ آتے جاتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ میرے خاوند حضرت حذیفہ ان کے اس طرح آنے سے کچھ بیزار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' پھر کیا ہے' جاؤ سالم کو اپنا دودھ پلا دو۔ اس پر حرام ہو جاؤ گی۔

الغرض یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اب صاف لفظوں میں ایسے لڑکوں کی بیویوں کی بھی حلت انہیں لڑکا بنانے والوں کے لئے بیان فرما دی۔ اور جب حضرت زیدؓ نے اپنی بیوی صاحبہ حضرت زینب بنت جحشؓ کو طلاق دے دی تو آپ نے خود اپنا نکاح ان سے کر لیا اور مسلمان اس ایک مشکل سے بھی چھوٹ گئے۔ فالحمد للہ۔ اسی کا لحاظ رکھتے ہوئے جہاں حرام عورتوں کا ذکر کیا وہاں فرمایا وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ یعنی تمہاری اپنی صلب سے جو لڑکے ہوں' ان کی بیویاں تم پر حرام ہیں۔ ہاں رضاعی لڑکا نسبی اور صلبی لڑکے کے حکم میں ہے۔ جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ پیار سے کسی کو بیٹا کہہ دینا یہ اور چیز ہے۔ یہ ممنوع نہیں۔

مسند احمد وغیرہ میں ہے' ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ہم سب خاندان عبدالمطلب کے چھوٹے بچوں کو مزدلفہ سے رسول اللہ ﷺ نے رات کو ہی جمرات کی طرف رخصت کر دیا اور ہماری رانیں تھپکتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا' میرے بیٹو' سورج نکلنے سے پہلے جمرات پر کنکریاں نہ مارنا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۰ ہجری ماہ ذی الحجہ کا ہے اور اس کی دلالت ظاہر ہے۔ حضرت زید بن حارثہؓ جن کے بارے میں یہ حکم اترا' یہ سنہ ۸ ہجری میں جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ صحیح مسلم شریف میں مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا بیٹا کہہ کر بلایا۔

اسے بیان فرما کر کہ لے پالک لڑکوں کو ان کے باپ کی طرف منسوب کر کے پکارا کرو' پالنے والوں کی طرف نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور اسلامی دوست ہیں۔ حضورؐ جب عمرۃ القضا والے سال مکہ شریف سے واپس لوٹے تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی چچا چچا کہتی ہوئی آپ کے پیچھے دوڑیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں لے کر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا اور فرمایا' یہ تمہاری چچا زاد بہن ہیں۔ انہیں اچھی طرح رکھو۔ حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ فرمانے لگے' اس بچی کے حقدار ہم ہیں' ہم انہیں پالیں گے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے' نہیں یہ میرے ہاں رہیں گی۔ حضرت علیؓ نے تو یہ دلیل دی کہ میرے چچا کی لڑکی ہیں۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں' میرے بھائی کی لڑکی ہے۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے' میرے چچا کی لڑکی ہیں اور ان کی چچی میرے گھر میں ہیں یعنی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ آخر حضور ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ صاحبزادی تو اپنی خالہ کے پاس رہیں کیونکہ خالہ ماں کے قائم مقام ہے۔ حضرت علیؓ سے فرمایا' تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا' تو صورت سیرت میں میرے مشابہ ہے' حضرت زیدؓ سے فرمایا' تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولیٰ ہے۔ اس حدیث میں بہت سے احکام ہیں۔ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ حضورؐ نے حکم حق سنا کر اور دعویداروں کو بھی ناراض نہیں ہونے دیا اور آپ نے اسی آیت پر عمل کرتے ہوئے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' تم ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہو۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا' اسی آیت کے ماتحت میں تمہارا بھائی ہوں۔ ابی فرماتے ہیں' واللہ اگر یہ بھی معلوم ہوتا کہ ان کے والد کوئی ایسے ویسے ہی تھے تو بھی یہ ان کی طرف منسوب ہوتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر اپنی نسبت اپنے باپ کی طرف سے دوسرے کی طرف کرے' اس نے کفر کیا۔ اس سے سخت وعید پائی جاتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ صحیح نسب سے اپنے آپ کو ہٹانا بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے۔

پھر فرماتا ہے' جب تم نے اپنے طور پر جتنی طاقت تم میں ہے' تحقیق کر کے کسی کو کسی کی طرف نسبت کیا اور فی الحقیقت وہ نسبت غلط ہے تو اس خطا پر تمہاری پکڑ نہیں۔ چنانچہ خود پروردگار نے ہمیں ایسی دعا تعلیم دی کہ ہم اس کی جناب میں کہیں رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا اے اللہ ہماری بھول چوک اور غلطی پر ہمیں نہ پکڑ۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب مسلمانوں نے یہ دعا پڑھی جناب باری عز اسمہ نے فرمایا میں نے یہ دعا قبول فرمائی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے' جب حاکم اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائے' اپنے اجتہاد میں صحت کو پہنچ جائے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور اگر خطا کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ اور حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ نے میری امت کو ان کی خطائیں' بھول چوک اور جو کام ان سے زبردستی کرائے جائیں' ان سے درگزر فرمالیا ہے۔ یہاں بھی یہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہاں جو کام تم قصد قلب سے عمداً کرو' وہ بیشک قابل گرفت ہیں۔ قسموں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ اوپر جو حدیث بیان ہوئی کہ نسب بدلنے والا کفر کا مرتکب ہے' وہاں بھی یہ لفظ ہیں کہ باوجود جاننے کے۔ آیت قرآن جو اب تلاوتاً منسوخ ہے' اس میں تھا فَاِنَّ كُفْرًا بِكُمْ اَنْ تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَآءِكُمْ یعنی تمہارا اپنے باپ کی طرف سے نسبت ہٹانا کفر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا' آپ کے ساتھ کتاب نازل فرمائی' اس میں رجم کی بھی آیت تھی۔ حضورؐ نے خود بھی رجم کیا (یعنی شادی شدہ زانیوں کو سنگسار کیا) اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ ہم نے قرآن میں یہ آیت بھی پڑھی ہے کہ اپنے باپوں سے اپنا سلسلہ نسب نہ ہٹاؤ۔ یہ کفر ہے۔ حضور کا ارشاد ہے' مجھے تم میری تعریفوں میں اس طرح بڑھا چڑھا نہ دینا جیسے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں۔ تو تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول اللہ کہنا۔ ایک روایت میں صرف ابن مریم ہے۔ اور حدیث میں ہے' تین خصلتیں لوگوں میں ہیں جو کفر ہیں۔ نسب میں طعنہ زنی' میت پر نوحہ' ستاروں سے باران طلبی۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۶

پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں۔ اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ اور رشتے دار کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنوں اور مہاجروں کے آپس میں زیادہ حق دار ہیں۔ ہاں تمہیں اپنے دوستوں کے ساتھ سلوک کرنے کی اجازت ہے' یہ حکم کتاب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے ۝

تکمیل ایمان کی ضروری شرط: ☆☆ (آیت:۶) چونکہ رب العزت وحدہ لاشریک لہ کو علم ہے کہ حضورؐ اپنی امت پر خود ان کی اپنی جان

سے بھی زیادہ مہربان ہیں- اس لئے آپ کو ان کی اپنی جان سے بھی ان کا زیادہ اختیار دیا- یہ خود اپنے لئے کوئی تجویز نہ کریں بلکہ ہر حکم رسولؐ کو بدل و جان قبول کرتے جائیں جیسے فرمایا فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ تیرے رب کی قسم یہ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے تمام اختلافات میں تجھے منصف نہ مان لیں اور تیرے تمام تر احکام اور فیصلوں کو بدل و جان بکشادہ پیشانی قبول نہ کرلیں- صحیح حدیث شریف میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی باایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے نفس سے اس کے مال سے اس کی اولاد سے اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں- ایک اور صحیح حدیث میں ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا یارسول اللہ آپ مجھے تمام جہان سے زیادہ محبوب ہیں لیکن ہاں خود میرے اپنے نفس سے- آپ نے فرمایا نہیں نہیں عمرؓ جب تک کہ میں تجھے خود تیرے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں- یہ سن کر جناب فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے قسم اللہ کی یارسول اللہ آپ اب مجھے ہر چیز سے یہاں تک کہ میری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں آپ نے فرمایا اب ٹھیک ہے- بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں تمام مومنوں کا زیادہ حقدار دنیا اور آخرت میں خود ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ میں ہوں- اگر تم چاہو تو پڑھ لو اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ سنو جو مسلمان مال چھوڑ کر مرے اس کا مال تو اس کے وارثوں کا حصہ ہے اور اگر کوئی مر جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو یا اس کے چھوٹے چھوٹے بال بچے ہوں تو اس قرض کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں اور ان بچوں کی پرورش میرے ذمے ہے-

پھر فرماتا ہے حضورؐ کی ازواج مطہرات حرمت اور احترام میں عزت اور اکرام میں بزرگی اور عظام میں تمام مسلمانوں میں ایسی ہیں جیسے خود ان کی اپنی مائیں- ہاں ماں کے اور احکام مثلاً خلوت یا ان کی لڑکیوں اور بہنوں سے نکاح کی حرمت یہاں ثابت نہیں- گو بعض علماء نے ان کی بیٹیوں کو بھی مسلمانوں کی بہنیں لکھا ہے جیسے کہ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے مختصر میں نصاً فرمایا ہے لیکن یہ عبارت کا اطلاق ہے نہ کہ حکم کا اثبات- حضرت معاویہؓ وغیرہ کو جو کسی نہ کسی ام المومنین کے بھائی تھے انہیں ماموں کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے- امام شافعیؒ نے تو کہا ہے کہ کہہ سکتے ہیں- رہی یہ بات کہ حضورؐ کو ابوالمومنین بھی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ خیال رہے کہ ابوالمومنین کہنے میں مسلمان عورتیں بھی آ جائیں گی- جمع مذکر سالم میں باعتبار تغلیب کے مونث بھی شامل ہے- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے کہ نہیں کہہ سکتے- امام شافعیؒ کے دو قولوں میں بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے- ابی بن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی قراءت میں اُمَّهَاتُهُمْ کے بعد یہ لفظ ہیں وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ یعنی آپ ان کے والد ہیں- مذہب شافعیؒ میں بھی ایک قول یہی ہے اور کچھ تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا میں تمہارے لئے قائم مقام باپ کے ہوں- میں تمہیں تعلیم دے رہا ہوں- سنو تم میں سے جب کوئی پاخانے میں جائے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے نہ اپنے داہنے ہاتھ سے ڈھیلے لے نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرے- آپ تین ڈھیلے لینے کا حکم دیتے تھے اور گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے کی ممانعت فرماتے تھے (نسائی وغیرہ)

دوسرا قول یہ ہے کہ حضورؐ کو باپ نہ کہا جائے- کیونکہ قرآن کریم میں ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ حضورؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں- پھر فرماتا ہے کہ بہ نسبت عام مومنوں مہاجرین اور انصار کے ورثے کے زیادہ مستحق قرابتدار ہیں- اس سے پہلے رسول کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں جو بھائی چارہ کرایا تھا اسی کے اعتبار سے یہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے اور قسمیں کھا کر ایک دوسروں کے جو حلیف بنے ہوئے تھے وہ بھی آپس میں ورثہ بانٹ لیا کرتے تھے- اس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا- پہلے اگر انصاری مر گیا تو اس کے وارث اس کی قرابت کے لوگ نہیں ہوتے تھے بلکہ مہاجر ہوتے تھے جن کے درمیان اللہ کے نبی ﷺ نے بھائی چارہ کرادیا تھا- حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ حکم خاص ہم انصار و مہاجرین کے بارے میں اترا ہے- ہم جب مکہ

چھوڑ کر مدینے آئے تو ہمارے پاس مال کچھ نہ تھا۔ یہاں آ کر ہم نے انصاریوں سے بھائی چارہ کیا' یہ بہترین بھائی ثابت ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے مال کے وارث بھی ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کا بھائی چارہ حضرت خارجہ بن زیدؓ کے ساتھ تھا۔ حضرت عمرؓ کا فلاں کے ساتھ۔ حضرت عثمانؓ کا ایک زرقی شخص کے ساتھ۔ خود میرا حضرت کعب بن مالکؓ کے ساتھ۔ یہ زخمی ہوئے اور زخم بھی کاری تھے۔ اگر اس وقت ان کا انتقال ہو جاتا تو میں بھی ان کا وارث بنتا۔ پھر یہ آیت اتری اور میراث کا عام حکم ہمارے لئے بھی ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے' ورنہ تو ان کا نہیں لیکن ویسے اگر تم اپنے ان مخلص احباب کے ساتھ سلوک کرنا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔ وصیت کے طور پر کچھ دے دلا سکتے ہو۔ پھر فرماتا ہے' اللہ کا یہ حکم پہلے ہی سے اس کتاب میں لکھا ہوا تھا جس میں کوئی ترمیم و تبدیلی نہیں ہوئی۔ بیچ میں جو بھائی چارے پر ورثہ بٹتا تھا' یہ صرف ایک خاص مصلحت کی بنا پر خاص وقت تک کے لئے تھا' اب یہ ہٹا دیا گیا اور اصلی حکم دے دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرٰهِيمَ وَمُوسٰى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿۷﴾ لِيَسْأَلَ الصّٰدِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۸﴾

جبکہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا بالخصوص تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور عہد بھی ہم نے ان سے پکا اور پختہ لیا ○ تاکہ آخر کار اللہ سچوں سے ان کی سچائی دریافت فرمائے' نہ ماننے والوں کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں ○

میثاق انبیاء: ☆☆ (آیت: ۷-۸) فرمان ہے کہ ان پانچوں اولوالعزم پیغمبروں سے اور عام نبیوں سے سب سے ہم نے عہد و وعدہ لیا کہ وہ میرے دین کی تبلیغ کریں گے۔ اس پر قائم رہیں گے۔ آپس میں ایک دوسرے کی مدد' امداد اور تائید کریں گے اور اتفاق و اتحاد رکھیں گے۔ اسی عہد کا ذکر اس آیت میں ہے وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے قول قرار لیا کہ جو کچھ کتاب و حکمت دے کر میں تمہیں بھیجوں' پھر تمہارے ساتھ کی چیز کی تصدیق کرنے والا رسول آ جائے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی امداد کرنا۔ بولو تمہیں اس کا اقرار ہے؟ اور میرے سامنے اس کا پختہ وعدہ کرتے ہو؟ سب نے جواب دیا کہ ہاں' ہمیں اقرار ہے۔ جناب باری نے فرمایا' بس اب گواہ رہنا اور میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ یہاں عام نبیوں کا ذکر کر کے پھر خاص جلیل القدر پیغمبروں کا نام بھی لے دیا۔ اسی طرح ان کے نام اس آیت میں بھی ہیں شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا الخ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے جو زمین پر اللہ کے پہلے پیغمبر تھے۔ حضرت محمد ﷺ کا ذکر ہے جو سب سے آخری پیغمبر تھے۔ اور ابراہیمؑ' موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا ذکر ہے جو درمیانی پیغمبر تھے۔ ایک لطافت اس میں یہ ہے کہ پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ کے بعد کے پیغمبر حضرت نوح کا ذکر کیا اور آخری پیغمبر محمدؐ سے پہلے کے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کیا اور درمیانی پیغمبروں میں سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا۔ یہاں تو ترتیب یہ رکھی کہ فاتح اور خاتم کا ذکر کر کے بیچ کے نبیوں کا بیان کیا اور اس آیت میں سب سے پہلے خاتم الانبیاء کا نام لیا۔ اس لئے کہ سب سے اشرف و افضل آپ ہی ہیں۔ پھر یکے بعد دیگرے جس طرح آئے ہیں' اسی طرح ترتیب وار بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام نبیوں پر اپنا درود و سلام نازل فرمائے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ پیدائش کے اعتبار سے میں سب نبیوں سے پہلے ہوں اور دنیا میں آنے کے اعتبار سے سب سے آخر ہوں۔ پس مجھ سے ابتدا کی ہے۔ یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے لیکن اس کے ایک راوی سعید بن بشیر ضعیف ہیں۔ اور سند سے

یہ مرسل مروی ہے اور یہی زیادہ مشابہت رکھتی ہے اور بعض نے اسے موقوف روایت کیا ہے واللہ اعلم۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ پانچ پیغمبر ہیں۔ نوحؑ' ابراہیمؑ' موسیٰؑ' عیسیٰؑ اور محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور ان میں بھی سب سے بہتر محمد ﷺ ہیں۔ اس کا ایک راوی حمزہ ضعیف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں جس عہد و میثاق کا ذکر ہے' یہ وہ ہے جو روز ازل میں حضرت آدمؑ کی پیٹھ سے تمام انسانوں کو نکال کر لیا تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ کو بلند کیا گیا۔ آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا۔ ان میں مالدار' مفلس خوبصورت اور ہر طرح کے لوگ دیکھے تو کہا کہ اللہ کیا اچھا ہوتا کہ تو نے ان سب کو برابر ہی رکھا ہوتا' اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا کہ یہ اس لئے ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ ان میں جو انبیاء کرام علیہم السلام تھے' انہیں بھی آپ نے دیکھا۔ وہ روشنی کی مانند نمایاں تھے' ان پر نور برس رہا تھا' ان سے نبوت و رسالت کا ایک اور خاص عہد لیا گیا تھا جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ صادقوں سے ان کے صدق کا سوال ہو یعنی ان سے جو احادیث رسولؐ پہنچانے والے تھے۔ ان کی امتوں میں سے جو بھی ان کو نہ مانے' اسے سخت عذاب ہوگا۔ اے اللہ تو گواہ رہ' ہماری گواہی ہے' ہم دل سے مانتے ہیں کہ بیشک تیرے رسولوں نے تیرا پیغام تیرے بندوں کو بلا کم و کاست پہنچا دیا۔ انہوں نے پوری خیر خواہی کی اور حق کو صاف طور پر نمایاں طریقے سے واضح کر دیا جس میں کوئی پوشیدگی' کوئی شبہ' کسی طرح کا شک نہ رہا' گو بدنصیب' ضدی' جھگڑالو لوگوں نے انہیں نہ مانا۔ ہمارا ایمان ہے کہ تیرے رسولوں کی تمام باتیں سچ اور حق ہیں اور جس نے ان کی راہ نہ پکڑی' وہ گمراہ اور باطل پر ہے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَّجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٩﴾ إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَا ﴿١٠﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا' اسے یاد کرو جبکہ تمہارے مقابلے کو فوجیں کی فوجیں آئیں۔ پھر ہم نے ان پر تیز و تند آندھی اور وہ لشکر بھیجے جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں' جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب کو دیکھتا ہے ○ جبکہ دشمن تمہارے پاس اوپر سے اور نیچے سے آ گئے اور جبکہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کی نسبت مختلف گمان کرنے لگے ○

غزوۂ خندق اور مسلمانوں کی خستہ حالی: ☆☆ (آیت: ۹-۱۰) جنگ خندق میں جو سنہ ۵ ہجری ماہ شوال میں ہوئی تھی' اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جو اپنا فضل و احسان کیا تھا' اس کا بیان ہو رہا ہے جبکہ مشرکین نے پوری طاقت سے اور پورے اتحاد سے مسلمانوں کو مٹا دینے کے ارادے سے زبردست لشکر لے کر حملہ کیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں' جنگ خندق سنہ ۴ ہجری میں ہوئی تھی۔ اس لڑائی کا قصہ یہ ہے کہ بنو نضیر کے یہودی سرداروں نے جن میں سلام بن ابو حقیق' سلام بن مشکم' کنانہ بن ربیع وغیرہ تھے' مکے میں آ کر قریشیوں کو جو اول ہی سے تیار تھے' حضورؐ سے لڑائی کرنے پر آمادہ کیا اور ان سے وعدہ کیا کہ ہم اپنے زیر اثر لوگوں کے ساتھ آپ کی جماعت میں شامل ہیں۔ انہیں آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے۔ ان سے بھی ساز باز کر کے اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ قریشیوں نے بھی ادھر ادھر پھر کر تمام عرب میں آگ لگا کر'

سب گرے پڑے لوگوں کو بھی ساتھ ملا لیا - ان سب کا سردار ابوسفیان صخر بن حرب بنا اور غطفان کا سردار عینیہ بن حصن بن بدر مقرر ہوا - ان لوگوں نے کوشش کر کے دس ہزار کا لشکر اکٹھا کر لیا اور مدینے کی طرف چڑھ دوڑے - حضورؐ کو جب اس لشکر کشی کی خبریں پہنچیں تو آپؐ نے بہ مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینے شریف کی مشرقی سمت میں خندق یعنی کھائی کھدوائی - اس خندق کے کھودنے میں تمام صحابہ مہاجرین وانصار شامل تھے اور خود آپ بھی بہ نفس نفیس اس کے کھودنے اور مٹی ڈھونے میں بھی حصہ لیتے تھے - مشرکین کا لشکر بلا مزاحمت مدینے شریف تک پہنچ گیا اور مدینے کے مشرقی حصے میں احد پہاڑ کے متصل اپنا پڑاؤ جمایا -

یہ تھا مدینے کا نیچا حصہ' اوپر کے حصے میں انہوں نے اپنی ایک بڑی بھاری جمعیت بھیج دی - جس نے اعالی مدینہ میں لشکر کا پڑاؤ ڈالا اور نیچے اوپر سے مسلمانوں کو محصور کر لیا - حضورؐ اپنے ساتھ کے صحابہؓ کو جو تین ہزار سے نیچے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ صرف سات سو تھے' لے کر ان کے مقابلہ پر آئے - سلع پہاڑی کو آپؐ نے اپنی پشت پر کیا اور دشمنوں کی طرف متوجہ ہو کر فوج کو ترتیب دیا - خندق جو آپؐ نے کھودی اور کھدوائی تھی' اس میں پانی وغیرہ نہ تھا - وہ صرف ایک گڑھا تھا جو مشرکین کے ریلیے کو بے روک آنے نہیں دیتا تھا - آپؐ نے بچوں اور عورتوں کو مدینے کے ایک محلے میں کر دیا تھا - یہودیوں کی ایک جماعت بنو قریظہ مدینے میں تھی' مشرقی جانب ان کا محلہ تھا - نبی ﷺ سے ان کا معاہدہ صلح مضبوط تھا - ان کا بھی بڑا گروہ تھا - تقریباً آٹھ سو جنگجو لڑنے کے قابل مردان میں موجود تھے' مشرکین اور یہود نے ان کے پاس حی بن اخطب نضری کو بھیجا - اس نے انہیں بھی شیشے میں اتار کر سبز باغ دکھلا کر اپنی طرف کر لیا اور انہوں نے بھی ٹھیک موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی - اور علانیہ طور پر صلح توڑ دی - باہر سے دس ہزار کا وہ لشکر جو گھیرا ڈالے پڑا ہے' اندر سے ان یہودیوں کی بغاوت جو بغلی پھوڑے کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے - مسلمان بتیس دانتوں میں زبان یا آٹے میں نمک کی طرح ہو گئے - یہ کل سات سو آدمی کر ہی کیا سکتے تھے - یہ وقت تھا جس کا نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے کہ آنکھیں پتھرا گئیں' دل الٹ گئے' طرح طرح کے خیالات آنے لگے - جھنجھوڑ دیئے گئے اور سخت امتحان میں مبتلا ہو گئے - مہینہ بھر تک محاصرہ کی یہی تلخ صورت قائم رہی - گو مشرکین کی یہ جرات تو نہیں ہوئی کہ خندق سے پار ہو کر دستی لڑائی لڑتے لیکن ہاں گھیرا ڈالے پڑے رہے اور مسلمانوں کو تنگ کر دیا - البتہ عمرو بن عبدود عامری جو عرب کا مشہور شجاع پہلوان اور فن سپہ سالاری میں یکتا تھا' ساتھ ہی بہادر' جی دار اور قوی تھا' ایک مرتبہ ہمت کر کے اپنے ساتھ چند جاں باز پہلوانوں کو لے کر خندق سے اپنے گھوڑوں کو گزار لایا - یہ حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے سواروں کی طرف اشارہ کیا لیکن کہا جاتا ہے کہ انہیں تیار نہ پا کر آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ تم اس کے مقابلے پر جاؤ - آپؓ گئے - تھوڑی دیر تک تو دونوں بہادروں میں تلوار چلتی رہی لیکن بالآخر حضرت علیؓ نے کفر کے اس دیو کو تہہ تیغ کیا جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ فتح ہماری ہے - پھر پروردگار نے وہ تند و تیز آندھی بھیجی کہ مشرکین کے تمام خیمے اکھڑ گئے' کوئی چیز قرینے سے نہ رہی' آگ کا جلانا مشکل ہو گیا - کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی -

بالآخر تنگ آ کر نامرادی سے واپس ہوئے - جس کا بیان اس آیت میں ہے - جس ہوا کا اس آیت میں ذکر ہے' بقول مجاہدؒ یہ صبا ہے اور اس کی تائید حضورؐ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ میں صبا ہوا سے مدد دیا گیا ہوں اور قوم عاد کے لوگ اور سرد و تیز ہواؤں سے ہلاک کئے گئے تھے - عکرمہؒ فرماتے ہیں' جنوبی ہوا نے شمالی ہوا سے اس جنگ احزاب میں کہا کہ چل' ہم تم جا کر رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں تو شمالی ہوا نے کہا کہ گرمی رات کو نہیں چلا کرتی - پھر ان پر صبا ہوا بھیجی گئی - حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں - مجھے میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خندق والی رات سخت جاڑے اور تیز ہوا میں مدینہ شریف بھیجا کہ کھانا اور لحاف لے آؤں - میں نے حضورؐ سے اجازت چاہی تو آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے جو صحابیؓ تمہیں ملیں' انہیں کہنا کہ میرے پاس چلے

آئیں۔ اب میں چلا' ہوائیں زناٹے کی شائیں شائیں چل رہی تھیں۔ مجھے جو مسلمان ملا میں نے اسے حضورؐ کا پیغام پہنچا دیا اور جس نے سنا' الٹے پاؤں فوراً حضورؐ کی طرف چل دیا یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ہوا میری ڈھال کو دھکے دے رہی تھی اور وہ مجھے لگ رہی تھی یہاں تک کہ اس کا لوہا میرے پاؤں پر گر پڑا جسے میں نے نیچے پھینک دیا۔ اس ہوا کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھی نازل فرمائے تھے جنہوں نے مشرکین کے دل اور سینے خوف اور رعب سے بھر دیئے۔ یہاں تک کہ جتنے سرداران لشکر تھے' اپنے ماتحت سپاہیوں کو اپنے پاس بلا بلا کر کہنے لگے' نجات کی صورت تلاش کرو۔ بچاؤ کا انتظام کرو۔ یہ تھا فرشتوں کا ڈالا ہوا ڈر اور رعب اور یہی وہ لشکر ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ اس لشکر کو تم نے نہیں دیکھا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک نوجوان شخص نے جو کوفے کے رہنے والے تھے' کہا کہ اے ابو عبداللہ' تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تم نے اللہ کے رسول کو دیکھا اور آپؐ کی مجلس میں بیٹھے۔ بتاؤ تو تم کیا کرتے تھے؟ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا' واللہ ہم جان نثاریاں کرتے تھے۔ نوجوان فرمانے لگے۔ سنئے چچا اگر ہم حضورؐ کے زمانے کو پاتے تو واللہ آپ کو قدم بھی زمین پر نہ رکھنے دیتے' اپنی گردنوں پر اٹھا کر لے جاتے۔ آپؐ نے فرمایا' بھتیجے لو ایک واقعہ سنو' جنگ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ بڑی رات تک نماز پڑھتے رہے۔ فارغ ہو کر دریافت فرمایا کہ کوئی ہے جو جا کر لشکر کفار کی خبر لائے؟ اللہ کے نبیؐ اس سے شرط کرتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ کوئی کھڑا نہ ہوا کیونکہ خوف کی' بھوک کی اور سردی کی انتہا تھی۔ پھر آپؐ دیر تک نماز پڑھتے رہے۔

پھر فرمایا' ہے کوئی جو جا کر یہ خبر لا دے کہ مخالفین نے کیا کیا؟ اللہ کے رسولؐ اسے مطمئن کرتے ہیں کہ وہ ضرور واپس آئے گا اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں میرا رفیق کرے۔ اب تک بھی کوئی کھڑا نہ ہوا اور کھڑا ہوتا کیسے؟ بھوک کے مارے پیٹ کمر سے لگ رہا تھا' سردی کے مارے دانت سے دانت بج رہا تھا' خوف کے مارے پتے پانی ہو رہے تھے۔ بالآخر میرا نام لے کر سرور رسولؐ نے آواز دی' اب تو کھڑے ہوئے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ فرمانے لگے' حذیفہ تو جا اور دیکھ کہ وہ اس وقت کیا کر رہے ہیں' دیکھ جب تک میرے پاس واپس نہ پہنچ جائے' کوئی نیا کام نہ کرنا' میں نے بہت خوب کہہ کر اپنی راہ لی اور جرأت کے ساتھ مشرکوں میں گھس گیا۔ وہاں جا کر عجیب حال دیکھا کہ دکھائی نہ دینے والے اللہ کے لشکر اپنا کام پھرتی سے کر رہے ہیں۔ چولہوں پر سے دیگیں ہوا نے الٹ دی ہیں' خیموں کی چوبیں اکھڑ گئی ہیں' آگ جلا نہیں سکتے۔ کوئی چیز اپنی ٹھکانے نہیں رہی۔ اسی وقت ابوسفیان کھڑا ہوا اور با آواز بلند منادی کی کہ اے قریشیو اپنے اپنے ساتھی سے ہوشیار ہو جاؤ۔ اپنے ساتھ کو دیکھ بھال لو' ایسا نہ ہو کوئی غیر کھڑا ہو۔ میں نے یہ سنتے ہی میرے پاس جو ایک قریشی جوان تھا' اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا' میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں نے کہا' اب ہوشیار رہنا۔

پھر ابوسفیان نے کہا' قریشیو اللہ گواہ ہے' ہم اس وقت کسی ٹھہرنے کی جگہ پر نہیں ہیں۔ ہمارے مویشی' ہمارے اونٹ ہلاک ہو رہے ہیں۔ بنو قریظہ نے ہم سے وعدہ خلافی کی' اس نے ہمیں بڑی تکلیف پہنچائی' پھر اس ہوا نے تو ہمیں پریشان کر رکھا ہے' ہم پکا کھا نہیں سکتے' آگ تک جلا نہیں سکتے' خیمے ڈیرے ٹھہر نہیں سکتے۔ میں تو تنگ آ گیا ہوں اور میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ واپس ہو جاؤں۔ پس میں تم سب کو حکم دیتا ہوں کہ واپس چلو۔ اتنا کہتے ہی اپنے اونٹ پر جو زانو بندھا ہوا بیٹھا تھا' چڑھ گیا اور اسے مارا۔ وہ تین پاؤں سے ہی کھڑا ہو گیا پھر اس کا پاؤں کھولا۔ اس وقت ایسا اچھا موقعہ تھا کہ اگر میں چاہتا' ایک تیر میں ہی ابوسفیان کا کام تمام کر دیتا لیکن رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرما دیا تھا کہ کوئی نیا کام نہ کرنا۔ اس لئے میں نے اپنے دل کو روک لیا۔ اب میں واپس لوٹا اور اپنے لشکر میں آ گیا۔ جب میں پہنچا ہوں تو میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ ایک چادر کو لپیٹے ہوئے جو آپ کی کسی بیوی صاحبہ کی تھی' نماز میں مشغول ہیں۔ آپؐ نے مجھے دیکھ کر اپنے دونوں پیروں کے درمیان بٹھا لیا اور چادر مجھے بھی اڑھا دی۔ پھر رکوع وسجدہ کیا اور میں وہیں وہی چادر اوڑھے بیٹھا رہا۔ جب آپؐ فارغ ہوئے تو میں نے

سارا واقعہ بیان کیا۔ قریشیوں کے واپس لوٹ جانے کی خبر جب قبیلہ غطفان کو پہنچی تو انہوں نے بھی سامان باندھا اور واپس لوٹ گئے۔

اور روایت میں ہے' حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں' جب میں چلا تو باوجود کڑاکے کی سخت سردی کے' قسم اللہ کی مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کسی گرم حمام میں ہوں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب میں لشکر کفار میں پہنچا ہوں' اس وقت ابوسفیان آگ سلگائے ہوئے تاپ رہا تھا۔ میں نے اُسے دیکھ کر پہچان کر اپنا تیر کمان میں چڑھالیا اور چاہتا ہی تھا کہ چلا دوں اور وہ بالکل زد میں تھا' ناممکن تھا کہ میرا نشانہ خالی جائے لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ وہ چوکنے ہو کر بھڑک جائیں تو میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ جب میں واپس آیا' اس وقت بھی مجھے کوئی سردی محسوس نہ ہوئی بلکہ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا میں حمام میں چل رہا ہوں۔ ہاں جب حضورؐ کے پاس پہنچ گیا' بڑے زور کی سردی لگنے لگی اور میں کپکپانے لگا تو حضورؐ نے اپنی چادر مجھ کو اوڑھا دی۔ میں جو اوڑھ کر لیٹا تو مجھے نیند آ گئی اور صبح تک پڑا سوتا رہا' صبح خود حضورؐ نے مجھے یہ کہہ کر جگایا کہ اے سونے والے بیدار ہو جا۔ اور روایت میں ہے کہ جب اس تابعی نے کہا کہ کاش کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے اور آپ کے زمانے کو پاتے تو حذیفہؓ نے کہا کاش کہ تم جیسا ایمان' ہمیں نصیب ہوتا کہ باوجود نہ دیکھنے کے پورا اور پختہ عقیدہ رکھتے ہو۔ برادر زادے' جو تمنا تم کرتے ہو' یہ تمنا ہی ہے' نہ جانے تم ہوتے تو کیا کرتے؟ ہم پر تو ایسے کٹھن وقت آئے ہیں' یہ کہہ کر پھر آپ نے مندرجہ بالا خندق کی رات کا واقعہ بیان کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ہوا جھڑی اور آندھی کے ساتھ بارش بھی تھی۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ حضورؐ کے ساتھ کے واقعات کو بیان فرما رہے تھے جو اہل مجلس نے کہا اگر ہم اس وقت موجود ہوتے تو یوں اور یوں کرتے۔ اس پر آپ نے یہ بیان فرمادیا کہ باہر سے تو دس ہزار کا لشکر گھیرے ہوئے ہے' اندر سے بنو قریظہ کے آٹھ سو یہودی بگڑے ہوئے ہیں' بال بچے اور عورتیں مدینے میں ہیں' خطرہ لگا ہوا ہے اگر بنو قریظہ نے اس طرف کا رخ کیا تو ایک ساعت میں ہی عورتوں بچوں کا فیصلہ کر دیں گے۔ واللہ اس رات جیسی خوف و ہراس کی حالت کبھی ہم پر نہیں گزری۔ پھر وہ ہوائیں چلتی ہیں' آندھیاں اٹھتی ہیں' اندھیرا چھا جاتا ہے' کڑک گرج اور بجلی ہوتی ہے کہ العظمتہ للہ۔ ساتھی کو دیکھنا تو کہاں اپنی انگلیاں بھی نظر نہ آتی تھیں۔ جو منافق ہمارے ساتھ تھے' وہ ایک ایک ہو کر یہ بہانہ بنا کر کہ ہمارے بال بچے اور عورتیں وہاں ہیں اور گھر کا نگہبان کوئی نہیں۔ حضورؐ سے آ آ کر اجازت چاہنے لگے اور آپؐ نے بھی کسی ایک کو نہ روکا۔ جس نے کہا کہ میں جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا' شوق سے جاؤ۔ وہ ایک ایک ہو کر سرکنے لگے اور ہم صرف تین سو کے قریب رہ گئے۔ حضور ﷺ اب تشریف لائے ایک ایک کو دیکھا۔ میری عجیب حالت تھی۔ نہ میرے پاس دشمن سے بچنے کے لئے کوئی آلہ تھا نہ سردی سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی کپڑا تھا۔ صرف میری بیوی کی ایک چھوٹی سی چادر تھی جو میرے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتی تھی۔ جب حضورؐ میرے پاس پہنچے' اس وقت میں اپنے گھٹنوں میں سر ڈالے ہوئے دبک کر بیٹھا ہوا کپکپا رہا تھا۔ آپؐ نے پوچھا' یہ کون ہیں؟ میں نے کہا حذیفہ۔ فرمایا حذیفہ سن! واللہ مجھ پر تو زمین تنگ آ گئی کہ کہیں حضورؐ مجھے کھڑا نہ کریں۔ میری تو درگت ہو رہی ہے لیکن کرتا کیا' حضورؐ کا فرمان تھا۔ میں نے کہا۔ حضورؐ سن رہا ہوں ارشاد؟ آپ نے فرمایا دشمنوں میں ایک نئی بات ہونے والی ہے۔ جاؤ ان کی خبر لاؤ۔

واللہ اس وقت مجھ سے زیادہ نہ تو کسی کو خوف تھا نہ گھبراہٹ تھی نہ سردی تھی لیکن حضورؐ کا حکم سنتے ہی کھڑا ہو گیا اور چلنے لگا تو میں نے سنا کہ آپ میرے لئے دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ اس کے آگے سے' پیچھے سے' دائیں سے' بائیں سے' اوپر سے' نیچے سے اس کی حفاظت کر۔ حضورؐ کی اس دعا کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ کسی قسم کا خوف' ڈر دہشت میرے دل میں تھی ہی نہیں۔ پھر حضورؐ نے مجھے آواز دے کر فرمایا' دیکھو حذیفہ وہاں جا کر میرے پاس واپس آنے تک کوئی نئی بات نہ کرنا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ میں ابوسفیان کو اس سے پہلے پہچانتا نہ تھا۔ میں گیا تو وہاں یہی آوازیں لگ رہی تھیں کہ چلو کوچ کرو' واپس چلو۔ ایک عجیب بات میں نے یہ بھی دیکھی کہ وہ خطرناک ہوا جو دیگیں

الٹ دیتی تھی' وہ صرف ان کے لشکر کے احاطہ تک ہی تھی۔ واللہ اس سے ایک بالشت بھر باہر نہ تھی۔ میں نے دیکھا کہ اڑاڑ کران پر گرتے تھے۔ جب میں واپس چلا ہوں تو میں نے دیکھا کہ تقریباً بیس سوار ہیں جو عمامے باندھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کو خبر کردو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفایت کردی اور آپ کے دشمنوں کو مات دی۔ اس میں یہ بھی بیان ہے کہ حضورؐ کی عادت میں داخل تھا کہ جب کبھی کوئی گھبراہٹ اور دقت کا وقت ہوتا تو آپ نماز شروع کردیتے۔ جب میں نے حضورؐ کو خبر پہنچائی' اسی وقت یہ آیت اتری۔ پس آیت میں نیچے کی طرف سے آنے والوں سے مراد بنو قریظہ ہیں۔ شدت خوف اور سخت گھبراہٹ سے آنکھیں الٹ گئی تھیں اور دل حلقوم تک پہنچ گئے تھے اور طرح طرح کے گمان ہو رہے تھے یہاں تک کہ بعض منافقوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب کی لڑائی میں کافر غالب آجائیں گے۔ عام منافقوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے؟ معتب بن قشیر کہنے لگا کہ آنحضرتؐ تو ہمیں کہہ رہے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک بنیں گے اور یہاں حالت یہ ہے کہ پاخانے کو جانا بھی دوبھر ہو رہا ہے۔ یہ مختلف گمان مختلف لوگوں کے تھے۔ مسلمان تو یقین کرتے تھے کہ غلبہ ہمارا ہی ہے جیسا کہ فرمان ہے وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ لیکن منافقین کہتے تھے کہ اب کی مرتبہ سارے مسلمان مع آنحضرتؐ گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے جائیں گے۔ صحابہؓ نے عین اس گھبراہٹ اور پریشانی کے وقت رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضورؐ اس وقت ہمیں اس سے بچاؤ کی کوئی دعا تلقین کریں۔ آپؐ نے فرمایا' یہ دعا مانگو اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا اللہ ہماری پردہ پوشی کر' اللہ ہمارے خوف ڈر کو امن وامان سے بدل دے۔ ادھر مسلمانوں کی یہ دعائیں بلند ہوئیں' ادھر اللہ کا لشکر ہواؤں کی شکل میں آیا اور کافروں کا تیا پانچا کردیا' فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

یہیں مومنوں کا امتحان کرلیا گیا اور پوری طرح وہ جھنجھوڑ دیئے گئے ○ اس وقت منافق اور کمزور دل والے کہنے لگے' اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے محض دھوکے فریب کے ہی وعدے کئے تھے ○ ان ہی کی ایک جماعت نے ہانک لگائی کہ اے مدینے والو! تمہارے ٹھہرنے کا یہ موقعہ نہیں۔ چلو لوٹ چلو' ان کی ایک اور جماعت یہ کہہ کر نبی سے اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر خالی اور غیر محفوظ ہیں' دراصل وہ کھلے ہوئے اور غیر محفوظ نہ تھے لیکن ان کا تو پختہ ارادہ بھاگ کھڑے ہونے کا ہو چکا تھا ○

منافقوں کا فرار: ☆☆ (آیت:۱۱-۱۳) اس گھبراہٹ اور پریشانی کا حال بیان ہو رہا ہے جو جنگ احزاب کے موقعہ پر مسلمانوں کی تھی کہ باہر سے دشمن اپنی پوری قوت اور کافی لشکر سے گھیراڈالے کھڑا ہے۔ اندرون شہر میں بغاوت کی آگ بھڑکی ہوئی ہے' یہودیوں نے دفعتاً صلح توڑ کر بے چینی پیدا کردی ہے۔ مسلمان کھانے پینے تک سے تنگ ہو گئے ہیں۔ منافق کھلم کھلا الگ ہو گئے ہیں۔ ضعیف دل لوگ طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ بس اللہ کے اور رسولؐ کے وعدے دیکھ لئے۔ کچھ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کے کان میں صور

پھونک رہے ہیں کہ میاں پاگل ہوئے ہو؟ دیکھ نہیں رہے۔ دو گھڑی میں نقشہ پلٹنے والا ہے۔ بھاگ چلو۔ لوٹو لوٹو۔ واپس چلو۔ یثرب سے مراد مدینہ ہے۔ جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ مجھے خواب میں تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے۔ جو دو سنگلاخ میدانوں کے درمیان ہے۔ پہلے تو میرا خیال ہوا تھا کہ یہ ہجر ہے لیکن نہیں وہ جگہ یثرب ہے۔

اور روایت میں ہے کہ وہ جگہ مدینہ ہے۔ البتہ یہ خیال ہے کہ ایک ضعیف حدیث میں ہے جو مدینے کو یثرب کہے وہ استغفار کر لے۔ مدینہ تو طابہ ہے۔ وہ طابہ ہے۔ یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہے اور اس کی اسناد میں ضعف ہے۔ کہا گیا ہے کہ عمالیق میں سے جو شخص یہاں آ کر ٹھہرا تھا چونکہ اس کا نام یثرب بن عبید بن مہلا ئیل بن عوص بن عملاق بن لاد بن آدم بن سام بن نوح تھا اس لئے اس شہر کو بھی اسی کے نام سے مشہور کیا گیا۔ یہ بھی قول ہے کہ تورات شریف میں اس کے گیارہ نام آئے ہیں۔ مدینہ، طابہ، طیبہ، جلیلہ، جابرہ، محبہ، محبوبہ، قاصمہ، مجبورہ، عدراء، مرحومہ۔ کعب احبار فرماتے ہیں کہ ہم تورات میں یہ عبارت پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف سے فرمایا اے طیبہ اور اے طابہ اور اے مسکینہ، خزانوں میں مبتلا نہ ہو۔ تمام بستیوں پر تیرا درجہ بلند ہو گا۔ کچھ لوگ تو اس موقعہ خندق پر کہنے لگے یہاں حضورؐ کے پاس ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ اپنے گھروں کو لوٹ چلو۔ بنو حارثہ کہنے لگے یا رسول اللہؐ ہمارے گھروں میں چوری ہونے کا خطرہ ہے۔ وہ خالی ہیں۔ ہمیں واپس جانے کی اجازت ملنی چاہیے۔ اوس بن قیظی نے بھی یہی کہا تھا کہ ہمارے گھروں میں دشمن کے گھس جانے کا اندیشہ ہے۔ ہمیں جانے کی اجازت دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی بات بتلا دی کہ یہ تو ڈھونگ رچایا ہے، حقیقت میں عذر کچھ بھی نہیں، نامردی سے بھگوڑا پن دکھاتے ہیں۔ لڑائی سے جی چرا کر سرکنا چاہتے ہیں۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْۗءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

اگر مدینے کے چوطرف سے ان پر لشکر داخل کئے جائیں، پھر ان سے فتنہ طلب کیا جائے تو یہ ضرور برپا کر دیں گے اور کچھ ڈھیل بھی کریں گے تو یونہی سی ○ اس سے پہلے تو انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔ اللہ سے کئے ہوئے عہد کی باز پرس ضرور ہے ○ کہہ دے کہ گو تم موت سے یا خوف قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہیں کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ مند کئے جاؤ گے ○ پوچھ تو کہ اگر اللہ تمہیں کوئی برائی پہنچانا چاہے یا تم پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کون ہے جو تمہیں بچا سکے یا تم سے روک سکے؟ اپنے لئے بجز اللہ کے نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار ○

جہاد سے پیٹھ پھیرنے والوں سے باز پرس ہو گی: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۷) جو لوگ یہ عذر کر کے جہاد سے بھاگ رہے تھے کہ

ہمارے گھر اکیلے پڑے ہیں جن کا بیان اوپر گزرا' ان کی نسبت جناب باری فرماتا ہے کہ اگر ان پر دشمن مدینے کے چوطرف سے اور ہر ہر رخ سے آجائے پھر ان سے کفر میں داخل ہونے کا سوال کیا جائے' تو یہ بے تامل کفر کو قبول کرلیں گے۔ لیکن تھوڑے خوف اور خیالی دہشت کی بنا پر ایمان سے دست برداری کررہے ہیں۔ یہ ان کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

پھر فرماتا ہے' یہی تو ہیں جو اس سے پہلے لمبی لمبی ڈینگیں مارتے تھے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے' ہم میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنے والے نہیں۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ یہ جو وعدے انہوں نے اللہ سے کئے تھے' اللہ تعالیٰ ان کی باز پرس کرے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ موت و فوت سے بھاگنا' لڑائی سے منہ چھپانا' میدان میں پیٹھ دکھانا جان نہیں بچا سکتا بلکہ بہت ممکن ہے کہ اللہ کی اچانک پکڑ کے جلد آجانے کا باعث ہو جائے اور دنیا کا تھوڑا سا نفع بھی حاصل نہ ہو سکے۔ حالانکہ دنیا تو آخرت جیسی چیز کے مقابلے پر کل کی کل حقیر اور محض ناچیز ہے۔ پھر فرمایا کہ بجز اللہ کے کوئی نہ دے سکے نہ دلا سکے نہ مددگاری کر سکے نہ حمایت پر آسکے۔ اللہ اپنے ارادوں کو پورا کر کے ہی رہتا ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾

اللہ تعالیٰ تم میں سے انہیں بخوبی جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ' اور کبھی کبھی ہی لڑائی میں آجاتے ہیں ○ تمہاری مدد میں پورے بخیل ہیں' پھر جب ڈر دہشت کا موقعہ آجائے تو تو انہیں دیکھے گا کہ تیری طرف نظریں جما دیتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے اس شخص کی جس پر موت کی غشی طاری ہو' پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تم پر اپنی تیز زبانوں سے بڑی باتیں بناتے ہیں' مال کے بڑے ہی حریص ہیں۔ یہ ایمان لائے ہی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال نابود کر دیئے ہیں' اللہ تعالیٰ پر یہ بہت ہی آسان ہے ○

جہاد سے منہ موڑنے والے ایمان سے خالی لوگ : ☆☆ (آیت:۱۸-۱۹) اللہ تعالیٰ اپنے محیط علم سے انہیں خوب جانتا ہے جو دوسروں کو بھی جہاد سے روکتے ہیں۔ اپنے ہم صحبتوں سے' یار دوستوں سے' کنبے قبیلے والوں سے کہتے ہیں کہ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ رہو' اپنے گھروں کو' اپنے آرام کو' اپنی زمین کو' اپنے بیوی بچوں کو نہ چھوڑو۔ خود بھی جہاد میں آتے نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کسی وقت منہ دکھا جائیں اور نام لکھا جائیں۔ یہ بڑے بخیل ہیں' نہ ان سے تمہیں کوئی مدد پہنچے' نہ ان کے دل میں تمہاری ہمدردی' نہ مال غنیمت میں تمہارے حصے پر یہ خوش۔ خوف کے وقت تو ان نامردوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جاتے ہیں۔ آنکھیں چھاچھ پانی ہو جاتی ہیں' مایوسانہ نگاہوں سے تکنے لگتے ہیں۔ لیکن خوف دور ہوا کہ انہوں نے لمبی لمبی زبانیں نکال ڈالیں اور بڑھے چڑھے دعوے کرنے لگے اور شجاعت و مردمی کا دم بھرنے لگے۔ اور مال غنیمت پر بے طرح گرنے لگے۔ ہمیں دو ہمیں دو' کا غل مچا دیتے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھی ہیں۔ ہم نے جنگی خدمات انجام دی ہیں' ہمارا حصہ ہے اور جنگ کے وقت صورتیں بھی نہیں دکھاتے' بھاگتوں کے آگے اور لڑتوں کے پیچھے رہا کرتے ہیں۔ دونوں عیب

جس میں جمع ہوں‘ اس جیسا بے خیر انسان اور کون ہو گا؟ امن کے وقت عیاری‘ بد خلقی‘ بد زبانی اور لڑائی کے وقت نامردی‘ روباہ بازی اور زنانہ پن۔ لڑائی کے وقت حائضہ عورتوں کی طرح الگ اور یکسو اور مال لینے کے وقت گدھوں کی طرح ڈھینچو ڈھینچو۔ اللہ فرماتا ہے‘ بات یہ ہے کہ ان کے دل شروع سے ہی ایمان سے خالی ہیں۔ اس لئے ان کے اعمال بھی اکارت ہیں۔ اللہ پر یہ آسان ہے۔

يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۖ وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُم مَّا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿٢٢﴾

ع ۱۲ / ۱۸

سمجھتے ہیں کہ اب تک لشکر چلے نہیں گئے اور اگر فوجیں آ جائیں تو تمنائیں کرتے ہیں کہ کاش کہ وہ جنگلوں میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوتے کہ تمہاری خبریں دریافت کیا کرتے۔ اگر وہ تم میں موجود ہوں تو بھی کیا؟ یونہی چھدا اتارنے کو ذرا سی لڑائی کر لیں ○ یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ موجود ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی اور قیامت کے آخری دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کی یاد کرتا ہے ○ ایمانداروں نے جب کفار کے لشکر کو دیکھا‘ بیساختہ کہہ اٹھے کہ انہی کا وعدہ ہمیں اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے دیا تھا اور اللہ اور اس کے رسولؐ سچے ہیں۔ یہ تو اپنے ایمان میں اور شیوہ فرمانبرداری میں اور بھی بڑھ گئے ○

(آیت: ۲۰) ان کی بزدلی اور ڈرپوکی کا یہ عالم ہے کہ اب تک انہیں اس بات کا یقین ہی نہیں ہوا کہ لشکر کفار لوٹ گیا اور خطرہ ہے کہ وہ پھر کہیں آ نہ پڑے۔ مشرکین کے لشکروں کو دیکھتے ہی چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور کہتے ہیں‘ کاش کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ اس شہر میں ہی نہ ہوتے بلکہ گنواروں کے ساتھ کسی اجاڑ گاؤں یا کسی دور دراز کے جنگل میں ہوتے‘ کسی آتے جاتے سے پوچھ لیتے کہ کہو بھئی لڑائی کا کیا حشر ہوا؟ اللہ فرماتا ہے‘ یہ اگر تمہارے ساتھ بھی ہوں تو بیکار ہیں۔ ان کے دل مردہ ہیں‘ نامردی کے گھن نے انہیں کھوکھلا کر رکھا ہے۔ یہ کیا لڑیں گے اور کون سی بہادری دکھائیں گے؟

ٹھوس دلائل اتباع رسولؐ کو لازم قرار دیتے ہیں: ☆☆ (آیت: ۲۱-۲۲) یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس امر پر کہ آنحضرت ﷺ کے تمام اقوال‘ افعال‘ احوال‘ اقتدا‘ پیروی اور تابعداری کے لائق ہیں۔ جنگ احزاب میں جو صبر و تحمل اور عدیم المثال شجاعت کی مثال حضورؐ نے قائم کی مثلاً راہ الٰہ کی تیاری‘ شوق جہاد اور سختی کے وقت بھی رب سے آسانی کی امید اس وقت آپ نے دکھائی‘ یقیناً یہ تمام چیزیں اس قابل ہیں کہ مسلمان انہیں اپنی زندگی کا جزو اعظم بنا لیں اور اپنے پیارے پیغمبر اللہ کے حبیب‘ احمد مجتبیٰ‘ محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے لئے بہترین نمونہ بنا لیں اور ان اوصاف سے اپنے تئیں بھی موصوف کریں۔ اسی لئے قرآن کریم ان لوگوں کو جو اس وقت سٹپٹا رہے تھے اور گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کرتے تھے‘ فرماتا ہے کہ تم نے میری نبیؐ کی تابعداری کیوں نہ کی؟ میرے رسول تو تم میں موجود تھے‘ ان کا نمونہ تمہارے سامنے تھا‘ تمہیں صبر و استقلال کی نہ صرف تلقین تھی بلکہ ثابت قدمی‘ استقلال اور اطمینان کا پہاڑ تمہاری نگاہوں کے سامنے تھا۔ تم جبکہ اللہ پر‘ قیامت پر

ایمان رکھتے ہو' پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ تم اپنے رسول ؐ کو اپنے لئے نمونہ اور نظیر نہ قائم کرتے؟

پھر اللہ کی فوج کے سچے مومنوں اور حضورؐ کے سچے ساتھیوں کے ایمان کی پختگی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے جب ٹڈی دل لشکر کفار کو دیکھا تو پہلی نگاہ میں ہی بول اٹھے کہ انہی پر فتح پانے کی ہمیں خوشخبری دی گئی ہے۔ ان ہی کی شکست کا ہم سے وعدہ ہوا ہے اور وعدہ بھی کس کا' اللہ کا اور رسول اللہ کا۔ اور یہ ناممکن محض ہے کہ اللہ اور رسولؐ کا وعدہ غلط ہو۔ یقیناً ہمارا سر اور اس جنگ کی فتح کا سہرا ہوگا۔ ان کے اس کامل یقین اور سچے ایمان کو رب نے بھی دیکھ لیا اور دنیا و آخرت میں انجام کی بہتری انہیں عطا فرمائی۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ کے جس وعدہ کی طرف اس میں اشارہ ہے' وہ آیت یہ ہو جو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ یعنی کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بغیر اس کے کہ تمہاری آزمائش ہو' تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ تم سے اگلے لوگوں کی آزمائش بھی ہوئی' انہیں بھی دکھ درد' لڑائی بھڑائی میں مبتلا کیا گیا یہاں تک کہ انہیں ہلایا گیا کہ ایماندار اور خود رسولؐ کی زبان سے نکل گیا کہ اللہ کی مدد کو دیر کیوں لگ گئی؟ یاد رکھو رب کی مدد بہت ہی قریب ہے' یعنی یہ تو صرف امتحان ہے' ادھر تم نے ثابت قدمی دکھائی' ادھر رب کی مدد آئی۔ اللہ اور اس کا رسولؐ سچا ہے۔ فرماتا ہے کہ ان اصحاب پر رسولؐ کا ایمان اپنے مخالفین کی اس قدر زبردست جمعیت دیکھ کر اور بڑھ گیا۔ یہ اپنے ایمان میں' اپنی تسلیم میں اور بڑھ گئے۔ یقین کامل ہو گیا' فرمانبرداری اور بڑھ گئی۔ اس آیت میں دلیل ہے ایمان کی زیادتی ہونے پر بہ نسبت اوروں کے ان کے ایمان کے قوی ہونے پر۔ جمہور ائمہ کرام کا بھی یہی فرمان ہے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ ہم نے بھی اس کی تقریر شرح بخاری کے شروع میں کر دی ہے' واللہ الحمد والمنہ۔ پس فرماتا ہے کہ اس کی تنگی ترشی نے' اس سختی اور تنگ حالی نے' اس حال اور اس نقشہ نے ان کا جو ایمان اللہ پر تھا' اسے اور بڑھا دیا اور جو تسلیم کی خو ان میں تھی کہ اللہ و رسولؐ کی باتیں مانا کرتے تھے اور ان پر عامل تھے' اس اطاعت میں اور بڑھ گئے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾

مومنوں میں وہ جوانمرد ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ سے کئے تھے' انہیں سچا کر دکھایا' بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض موقعہ کے منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور اگر چاہے منافقوں کو سزا دے یا ان پر بھی مہربانی فرمائے' اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور بہت ہی مہربانی کرنے والا ہے ○

اس دن مومنوں اور کفار میں فرق واضح ہو گیا: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) منافقوں کا ذکر اوپر گزر چکا کہ وقت سے پہلے تو جاں نثاری کے لمبے چوڑے دعوے کرتے تھے لیکن وقت آنے پر پورے بزدل اور نامرد ثابت ہوئے' سارے دعوے اور وعدے دھرے کے دھرے رہ گئے اور بجائے ثابت قدمی کے پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں مومنوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنے وعدے پورے کر دکھائے۔ بعض نے تو جام شہادت نوش فرما لیا اور بعض اس کے انتظار میں بے چین ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے قرآن لکھنا شروع کیا تو ایک آیت مجھے نہیں ملتی تھی حالانکہ سورۂ احزاب میں وہ آیت میں نے خود رسول

اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنی تھی- آخر حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہ آیت ملی' یہ وہ صحابیؓ ہیں جن کی اکیلے کی گواہی کو رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے دو گواہوں کے برابر کر دیا تھا- وہ آیت مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ الخ ہے-

یہ آیت حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے- واقعہ یہ ہے کہ آپ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے جس کا انہیں سخت افسوس تھا کہ سب سے پہلی جنگ میں جس میں خود رسول اللہ ﷺ بہ نفس نفیس شریک تھے' میں شامل نہ ہو سکا- اب جو جہاد کا موقعہ آئے گا' میں اللہ تعالیٰ کو اپنی سچائی دکھا دوں گا اور یہ بھی کہ میں کیا کرتا ہوں؟ اس سے زیادہ کہتے ہوئے خوف کھایا- اب جنگ احد کا موقعہ جب آیا تو انہوں نے دیکھا کہ سامنے سے حضرت سعد بن معاذؓ واپس آ رہے ہیں- انہیں دیکھ کر تعجب سے فرمایا کہ ابو عمرو کہاں جا رہے ہو؟ واللہ مجھے احد پہاڑ کے اس طرف سے جنت کی خوشبوئیں آ رہی ہیں- یہ کہتے ہی آپ آگے بڑھے اور مشرکوں میں خوب تلوار چلائی- چونکہ مسلمان لوٹ گئے تھے' یہ تنہا تھے' ان کے بے پناہ حملوں نے کفار کے دانت کھٹے کر دیئے اور کفار لڑتے لڑتے ان کی طرف بڑھے اور چاروں طرف سے گھیر لیا اور شہید کر دیا- آپ کو اسی (۸۰) سے اوپر اوپر زخم آئے تھے- کوئی نیزے کا' کوئی تلوار کا' کوئی تیر کا- شہادت کے بعد کوئی آپ کو پہچان نہ سکا یہاں تک کہ آپ کی ہمشیرہ نے آپ کو پہچانا اور وہ بھی ہاتھوں کی انگلیوں کی پوریں دیکھ کر- انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی- اور یہی ایسے تھے جنہوں نے جو کہا تھا' کر دکھایا- رضی اللہ عنہم اجمعین- اور روایت میں ہے کہ جب مسلمان بھاگے تو آپؐ نے فرمایا' اے اللہ! انہوں نے جو کیا' میں اس سے اپنی معذوری ظاہر کرتا ہوں- اور مشرکوں نے جو کیا' اس سے میں بیزار ہوں- اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت سعدؓ نے ان سے فرمایا' میں آپ کے ساتھ ہوں- ساتھ چلے بھی لیکن فرماتے ہیں' جو وہ کر رہے تھے وہ میری طاقت سے باہر تھا- حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ابن ابی حاتم میں ہے کہ جنگ احد سے جب رسول اللہ ﷺ واپس مدینے آئے تو منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور مسلمانوں سے ہمدردی ظاہر کی- جو جو شہید ہو گئے تھے' ان کے درجوں کی خبر دی- پھر اسی آیت کی تلاوت کی- ایک مسلمان نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ یا رسول اللہؐ جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہے' وہ کون ہیں؟ اس وقت میں سامنے آ رہا تھا اور حضرمی سبز رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے- آپ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا' اے پوچھنے والے یہ بھی ان ہی میں سے ہیں- ان کے صاحبزادے حضرت موسیٰ بن طلحہ' حضرت معاویہؓ کے دربار میں گئے- جب وہاں سے واپس آنے لگے' دروازے سے باہر نکلے ہی تھے جو جناب معاویہؓ نے واپس بلایا اور فرمایا' آؤ مجھ سے ایک حدیث سنتے جاؤ- میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تمہارے والد طلحہؓ ان میں سے ہیں جن کا بیان اس آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنا عہد اور نذر پوری کر دی-

رب العالمین ان کا بیان فرما کر فرماتا ہے کہ بعض اس دن کے منتظر ہیں کہ پھر لڑائی ہو اور وہ اپنی کارگزاری اللہ کو دکھائیں اور جام شہادت نوش فرمائیں- پس بعض نے تو سچائی اور وفاداری ثابت کر دی اور بعض موقعہ کے منتظر ہیں- انہوں نے نہ عہد بدلا نہ نذر کو پوری نہ کرنے کا کبھی انہیں خیال گزرا بلکہ وہ اپنے وعدے پر قائم ہیں- وہ منافقوں کی طرح وقت پر بہانے بنانے والے نہیں- یہ خوف اور زلزلہ محض اس واسطے تھا کہ خبیث وطیب کی تمیز ہو جائے اور برے بھلے کا حال ہر ایک پر کھل جائے- کیونکہ اللہ تو عالم الغیب ہے- اس کے نزدیک تو ظاہر و باطن برابر ہے' جو نہیں ہوا' اسے بھی وہ تو اسی طرح جانتا ہے جس طرح اسے جو ہو چکا- لیکن اس کی عادت ہے کہ جب تک مخلوق عمل نہ کر لے' انہیں صرف اپنے علم کی بنا پر جزا سزا نہیں دیتا- جیسے اس کا فرمان ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ الخ ہم تمہیں خوب پرکھ کر مجاہدین صابرین کو تم میں سے ممتاز کر دیں گے- پس وجود سے پہلے کا علم' پھر وجود کے بعد کا علم دونوں اللہ کو ہیں اور اس کے بعد جزا سزا- جیسے فرمایا مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ الخ یعنی اللہ تعالیٰ جس

حال پر تم ہو اسی پر مومنوں کو چھوڑ دے' ایسا نہیں جب تک کہ وہ بھلے برے کی تمیز نہ کر لے نہ اللہ ایسا ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کر دے۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ یہ اس لئے کہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور عہد شکن منافقوں کو سزا دے۔ یا انہیں توفیق توبہ دے کہ یہ اپنی روش بدل دیں اور سچے دل سے اللہ کی طرف جھک جائیں تو اللہ بھی ان پر مہربان ہو جائے اور ان کی خطائیں معاف فرما دے۔ اس لئے کہ وہ اپنی مخلوق کی خطائیں معاف فرمانے والا اور ان پر مہربانیاں کرنے والا ہے۔ اس کی رافت و رحمت' غضب و غصے سے بڑھی ہوئی ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصے میں بھرے ہوئے ہی نامراد لوٹا دیا کہ ان کی کوئی مراد پوری نہ ہوئی اور اس جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مومنوں کو کافی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا اور غالب ہے O

اللہ عزوجل کفار سے خود نپٹے: ☆☆ (آیت:۲۵) اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرما رہا ہے کہ اس نے طوفان باد و باراں بھیج کر اور اپنے نہ نظر آنے والے لشکر اتار کر کافروں کی کمر توڑ دی اور انہیں سخت مایوسی اور نامرادی کے ساتھ محاصرہ ہٹانا پڑا۔ بلکہ اگر رحمتہ للعالمین ؐ کی امت میں یہ نہ ہوتے تو یہ ہوائیں ان کے ساتھ وہی کرتیں جو عادیوں کے ساتھ اس بے برکت ہوا نے کیا تھا۔ چونکہ رب العالمین کا فرمان ہے کہ تو جب تک ان میں ہے' اللہ انہیں عام عذاب نہیں کرے گا۔ لہٰذا انہیں صرف ان کی شرارت کا مزہ چکھا دیا۔ ان کے مجمع کو منتشر کر کے ان پر سے اپنا عذاب ہٹا لیا۔ چونکہ ان کا یہ اجتماع محض ہوائے نفسانی تھا' اس لئے ہوا نے ہی انہیں پراگندہ کر دیا۔ جو سوچ سمجھ کر آئے تھے' سب خاک میں مل گیا' کہاں کی غنیمت؟ کہاں کی فتح؟ جان کے لال پڑ گئے۔ اور ہاتھ ملتے' دانت پیستے پیچ و تاب کھاتے' ذلت و رسوائی کے ساتھ نامرادی اور ناکامیابی سے واپس ہوئے۔ دنیا کا خسارہ الگ ہوا۔ آخرت کا وبال الگ ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کام کا قصد کرے اور اپنے قصد کو عملی صورت بھی دے دے' پھر وہ اس میں کامیاب نہ ہو' گنہگار تو ہو ہی گیا۔ پس رسول اللہ ﷺ کے قتل اور آپ کے دین کو فنا کرنے کی آرزو' پھر اہتمام' پھر اقدام سب کچھ انہوں نے کر لیا۔ لیکن قدرت نے دونوں جہان کا بوجھ ان پر لاد کر انہیں جلے دل سے واپس کیا' اللہ تعالیٰ نے خود ہی مومنوں کی طرف سے ان کا مقابلہ کیا۔ نہ مسلمان ان سے لڑے نہ انہیں ہٹایا بلکہ مسلمان اپنی جگہ رہے اور وہ بھاگتے رہے۔ اللہ نے اپنے لشکر کی لاج رکھ لی اور اپنے بندے کی مدد کی اور خود ہی کافی ہو گیا۔ اسی لئے حضور ؐ فرمایا کرتے تھے' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے' اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا' اپنے بندے کی مدد کی' اپنے لشکر کی عزت کی۔ تمام دشمنوں سے آپ ہی نمٹ لیا اور سب کو شکست دے دی۔ اس کے بعد اور کوئی بھی نہیں (بخاری مسلم) حضور ؐ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر جناب باری تعالیٰ سے جو دعا کی تھی' وہ بھی بخاری مسلم میں مروی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ وَ زَلْزِلْهُمْ اے اللہ' اے کتاب کے اتارنے والے' جلد حساب لے لینے والے ان لشکروں کو شکست دے اور انہیں ہلا ڈال۔ اس فرمان وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ یعنی اللہ نے مومنوں کی کفایت جنگ سے کر دی۔ اس میں ایک نہایت لطیف بات یہ ہے کہ نہ صرف اس جنگ سے ہی مسلمان چھوٹ گئے بلکہ آئندہ ہمیشہ ہی صحابہ ؓ اس سے بچ گئے کہ مشرکین ان پر چڑھ دوڑیں۔ چنانچہ آپ تاریخ دیکھ لیں' جنگ خندق کے بعد کافروں کی ہمت ہی نہیں پڑی کہ وہ مدینے پر یا حضور ؐ پر کسی جگہ خود چڑھائی کرتے۔ ان کے منحوس قدموں سے اللہ نے اپنے نبی ؐ کے مسکن و آرام گاہ کو محفوظ کر لیا۔ فالحمد للہ۔

بلکہ برخلاف اس کے مسلمان ان پر چڑھ چڑھ گئے یہاں تک کہ عرب کی سرزمین سے اللہ نے شرک و کفر ختم کر دیا۔ جب اس جنگ

سے کافر لوٹے' اسی وقت رسول اکرم ﷺ نے بطور پیشین گوئی فرمادیا تھا کہ اس سال کے بعد قریش تم سے جنگ نہیں کریں گے بلکہ تم ان سے جنگ کرو گے چنانچہ یہی ہوا۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ اللہ کی قوت کا مقابلہ بندے کے بس کا نہیں۔ اللہ کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ اسی نے اپنی مدد وقوت سے ان بپھرے ہوئے اور بکھرے ہوئے لشکروں کو پسپا کیا۔ انہیں برائے نام بھی کوئی نفع نہ پہنچا۔ اس نے اسلام اور اہل اسلام کو غالب کیا' اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے عبد و رسولؐ کی مدد فرمائی۔ فالحمد للہ۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ۚ۲۶ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ۧ۲۷

جن اہل کتاب نے ان سے ساز باز کر لی تھی' انہیں بھی اللہ نے ان کے قلعوں سے نکال دیا اور ان کے دلوں میں بھی رعب بھر دیا کہ تم ان کی ایک جماعت کو تو قتل کر رہے ہو اور ایک جماعت کو قیدی بنا رہے ہو ۝ اس نے تمہیں ان کی زمینوں کا' ان کے گھر بار کا' ان کے مال کا وارث کر دیا اور اس زمین کا بھی جس پر تمہارے قدم ہی نہیں گئے' اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکنے پر قادر ہے ۝

کفار نے عین موقع پر دھوکہ دیا: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۷) اتنا ہم پہلے لکھ چکے ہیں جب مشرکین و یہود کے لشکر مدینے پر آئے اور انہوں نے گھیرا ڈالا تو بنوقریظہ کے یہودی جو مدینے میں تھے اور جن سے حضورؐ کا عہد و پیمان ہو چکا تھا' انہوں نے بھی عین موقعہ پر بیوفائی کی اور عہد توڑ کر آنکھیں دکھانے لگے۔ ان کا سردار کعب بن اسد باتوں میں آ گیا اور حی بن اخطب خبیث نے اسے بدعہدی پر آمادہ کر دیا۔ پہلے تو یہ نہ مانا اور اپنے عہد پر قائم رہا' حی نے کہا کہ دیکھ تو سہی' میں تو تجھے عزت کا تاج پہنانے آیا ہوں۔ قریش اور ان کے ساتھی' غطفان اور ان کے ساتھی اور ہم سب ایک ساتھ ہیں۔ ہم نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک ایک ایک مسلمان کا قیمہ نہ کر لیں' یہاں سے نہیں ہٹنے کے' کعب چونکہ جہاندیدہ شخص تھا' اس نے جواب دیا کہ محض غلط ہے۔ یہ تمہارے بس کے نہیں' تو ہمیں ذلت کا طوق پہنانے آیا ہے۔ تو بڑا منحوس شخص ہے۔ میرے سامنے سے ہٹ جا اور مجھے اپنی مکاری کا شکار نہ بنا لیکن حی پھر بھی نہ ٹلا اور اسے سمجھاتا بجھاتا رہا۔ آخر میں کہا' سن اگر بالفرض قریش اور غطفان بھاگ بھی جائیں تو میں مع اپنی جماعت کے تیری گڑھی میں آ جاؤں گا اور جو کچھ تیرا اور تیری قوم کا حال ہو گا' وہی میرا اور میری قوم کا حال ہو گا۔ بالآخر کعب پر حی کا جادو چل گیا اور بنوقریظہ نے صلح توڑ دی جس سے حضورؐ کو اور صحابہؓ کو سخت صدمہ ہوا اور بہت ہی بھاری پڑا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے غلاموں کی مدد کی اور حضورؐ مع اصحاب کے مظفر و منصور مدینے شریف کو واپس آئے' صحابہؓ نے ہتھیار کھول دیئے اور حضورؐ بھی ہتھیار اتار کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں گرد و غبار سے پاک صاف ہونے کے لئے غسل کرنے کو بیٹھے ہی تھے جو حضرت جبرئیلؑ ظاہر ہوئے۔ آپ کے سر پر ریشمی عمامہ تھا' خچر پر سوار تھے جس پر ریشمی گدی تھی' فرمانے لگے کہ یا رسول اللہؐ کیا آپ نے کمر کھول لی؟ آپ نے فرمایا' ہاں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا لیکن فرشتوں نے اب تک اپنے ہتھیار الگ نہیں کئے۔ میں کافروں کے تعاقب سے ابھی ابھی آ رہا ہوں۔ سنئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنوقریظہ کی طرف چلئے اور ان کی پوری گوشمالی کیجئے۔ مجھے بھی اللہ کا حکم مل چکا ہے کہ میں انہیں تھرا دوں۔

حضورؐ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے' تیار ہو کر صحابہؓ کو کوچ کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک عصر کی نماز بنو قریظہ میں ہی پڑھے - ظہر کے بعد یہ حکم ملا تھا - بنو قریظہ کا قلعہ یہاں سے کئی میل پر تھا - نماز کا وقت صحابہؓ کو راستہ ہی میں آ گیا تو بعض نے تو نماز ادا کر لی اور فرمایا حضورؐ کے اس فرمان کا مطلب یہی تھا کہ ہم بہت تیز چال چلیں - اور بعض نے کہا' ہم تو وہاں پہنچے بغیر نماز نہیں پڑھیں گے - جب آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے دونوں میں سے کسی کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی - آپ نے مدینہ پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا - حضرت علیؓ کے ہاتھ میں لشکر کا جھنڈا دیا اور آپ بھی صحابہؓ کے پیچھے ہی پیچھے بنو قریظہ کی طرف چلے اور جا کر ان کے قلعہ کو گھیر لیا - یہ محاصرہ پچیس روز تک رہا - جب یہودیوں کا ناک میں دم آ گیا اور تنگ حال ہو گئے تو انہوں نے اپنا حکم حضرت سعد بن معاذؓ کو بنایا جو قبیلہ اوس کے سردار تھے - بنو قریظہ میں اور قبیلہ اوس میں زمانہ جاہلیت میں اتفاق و یگانگت تھی' ایک دوسرے کے حلیف تھے اس لئے ان یہودیوں کو یہ خیال رہا کہ حضرت سعد ہمارا لحاظ اور پاس کریں گے جیسے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے بنو قینقاع کو چھڑوا دیا تھا -

ادھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ جنگ خندق میں نہیں اکحل کی رگ میں ایک تیر لگا تھا جس سے خون جاری تھا - حضور ﷺ نے زخم پر داغ لگوایا تھا اور مسجد کے خیمے میں ہی انہیں رکھا تھا کہ پاس ہی پاس عیادت اور بیمار پرسی کر لیا کریں - حضرت سعدؓ نے جو دعائیں کیں' ان میں ایک دعا یہ بھی تھی کہ اے پروردگار اگر اب میں کوئی ایسی لڑائی باقی ہے جس میں کفار قریش تیرے نبیؐ پر چڑھ آئیں تو تو مجھے زندہ رکھ کہ میں اس میں شرکت کر سکوں اور اگر تو نے کوئی ایک لڑائی بھی ایسی باقی نہیں رکھی تو خیر میرا زخم خون بہاتا رہے لیکن اے میرے رب جب تک میں بنو قریظہ قبیلے کی سرکشی کی سزا سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر لوں تو میری موت کو موخر فرمانا - حضرت سعدؓ جیسے مستجاب الدعوات کی دعا کی قبولیت کی شان دیکھئے کہ آپ یہ دعا کرتے ہیں' ادھر یہود ان بنو قریظہ آپ کے فیصلے پر اظہار رضامندی کر کے قلعے کو مسلمانوں کے سپرد کرتے ہیں - جناب رسول اللہ ﷺ آدمی بھیج کر آپ کو مدینہ سے بلواتے ہیں کہ آپ آ کر ان کے بارے میں اپنا فیصلہ سنا دیں - یہ گدھے پر سوار کرائے گئے اور سارا قبیلہ ان سے لپٹ گیا کہ دیکھئے حضرت خیال رکھئے گا' بنو قریظہ آپ کے آدمی ہیں - انہوں نے آپ پر بھروسہ کیا ہے' وہ آپ کے حلیف ہیں' آپ کی قوم کے دکھ سکھ کے ساتھی ہیں - آپ ان پر رحم فرمائیے گا' ان کے ساتھ نرمی سے پیش آیئے گا - دیکھئے اس وقت ان کا کوئی نہیں' وہ آپ کے بس میں ہیں وغیرہ لیکن حضرت سعدؓ محض خاموش تھے - کوئی جواب نہیں دیتے تھے - ان لوگوں نے مجبور کیا کہ جواب دیں - پیچھا ہی نہ چھوڑا - آخر آپ نے فرمایا' وقت آ گیا ہے کہ سعدؓ اس بات کا ثبوت دے کہ اسے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں' یہ سنتے ہی ان لوگوں کے تو دل ڈوب گئے اور سمجھ لیا کہ بنو قریظہ کی خیر نہیں -

جب حضرت سعدؓ کی سواری اس خیمے کے قریب پہنچ گئی جس میں جناب رسول اللہ ﷺ تھے تو آپ نے فرمایا' لوگو اپنے سردار کے استقبال کے لئے اٹھو چنانچہ مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو عزت و اکرام وقعت و احترام سے سواری سے اتارا - یہ اس لئے تھا کہ اس وقت آپ حکم کی حیثیت میں تھے' ان کے فیصلے پورے ناطق و نافذ سمجھے جائیں - آپ کے بیٹھتے ہی حضورؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ آپ کے فیصلے پر رضامند ہو کر قلعے سے نکل آئے ہیں - اب آپ ان کے بارے میں جو چاہیں حکم کیجئے - آپ نے کہا' کیا جو میں ان پر حکم کروں' وہ پورا ہو گا؟ حضورؐ نے فرمایا' ہاں کیوں نہیں - کہا اور اس خیمے والوں پر بھی اس کی تعمیل ضروری ہو گی؟ آپ نے فرمایا یقیناً - پوچھا اور اس طرف والوں پر بھی؟ اور اشارہ اس طرف کیا جس طرف خود رسول اکرم ﷺ تھے - لیکن آپ کی طرف نہیں دیکھا آپ کی بزرگی اور عزت و عظمت کی وجہ سے حضورؐ نے جواب دیا' ہاں اس طرف والوں پر بھی - آپ نے فرمایا' اب میرا فیصلہ سنئے - میں کہتا ہوں' بنو قریظہ میں جتنے لوگ لڑنے والے ہیں' انہیں قتل کر دیا جائے' ان کی اولاد کو قید کر لیا جائے' ان کے مال قبضے میں لائے جائیں - رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اے سعدؓ تم نے ان کے

بارے میں وہی حکم کیا جو اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان کے اوپر حکم کیا ہے- ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا' تم نے سچے مالک اللہ تعالیٰ کا جو حکم تھا' وہی سنایا ہے-

پھر حضورؐ کے حکم سے خندقیں کھائی کھدوا کر انہیں بندھا ہوا بلوا کر ان کی گردنیں ماری گئیں- یہ گنتی میں سات آٹھ سو تھے- ان کی عورتیں' نابالغ بچے اور مال لے لئے گئے- ہم نے یہ کل واقعات اپنی کتاب السیر میں تفصیل سے لکھ دیئے ہیں- والحمد للہ-

پس فرماتا ہے کہ جن اہل کتاب یعنی یہودیوں نے کافروں کے لشکروں کی ہمت افزائی کی تھی اور ان کا ساتھ دیا تھا' ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعے خالی کرا دیئے- اس قوم قریظہ کے بڑے سردار جن سے ان کی نسل جاری ہوئی تھی' اگلے زمانے میں آ کر حجاز میں اس طمع میں بسے تھے کہ نبی آخر الزماں کی پیش گوئی ہماری کتابوں میں ہے- وہ چونکہ یہیں ہونے والے ہیں تو ہم سب سے پہلے آپ کی اتباع کی سعادت سے مسعود ہوں گے- لیکن ان ناخلفوں نے جب اللہ کے وہ نبی آئے' ان کی تکذیب کی' جس کی وجہ سے اللہ کی لعنت ان پر نازل ہوئی- '' صیاصی '' سے مراد قلعے ہیں- اسی معنی کے لحاظ سے سینگوں کو بھی صیاصی کہتے ہیں' اس لئے کہ جانور کے سارے جسم کے اوپر اور سب سے بلند یہی ہوتے ہیں- ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا' انہوں نے ہی مشرکین کو بھڑکا کر رسول اللہ ﷺ پر چڑھائی کرائی تھی- عالم جاہل برابر نہیں ہوتے- یہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو جڑوں سے اکھیڑ دینا چاہا تھا لیکن معاملہ برعکس ہو گیا' پانسہ پلٹ گیا' قوت کمزوری سے اور مراد نامرادی سے بدل گئی- نقشہ بگڑ گیا- حمایتی بھاگ کھڑے ہوئے- یہ بے دست و پا رہ گئے- عزت کی خواہش نے ذلت دکھائی- مسلمانوں کے برباد کرنے اور پیس ڈالنے کی خواہش نے اپنے تئیں پسوا دیا اور ابھی آخرت کی محرومی باقی ہے- کچھ قتل کر دیئے گئے' باقی قید کر لئے گئے- عطیہ قرظی کا بیان ہے کہ میں جب حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو میرے بارے میں حضورؐ کو کچھ تردد ہوا- فرمایا' اسے الگ لے جاؤ- دیکھو اگر اس کے ناف کے نیچے بال ہوں تو قتل کر دو- ورنہ قیدیوں میں بٹھا دو' دیکھا تو میں بچہ ہی تھا- زندہ چھوڑ دیا گیا- ان کی زمین' گھر' ان کے مال کے مالک مسلمان بن گئے بلکہ اس زمین کے بھی جواب تک پڑی تھی اور جہاں مسلمانوں کے نشان قدم بھی نہ پڑے تھے یعنی خیبر کی زمین یا مکہ شریف کی زمین- یا فارس یا روم کی زمین اور ممکن ہے کہ یہ کل خطے مراد ہوں' اللہ بڑی قدرتوں والا ہے-

مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ خندق والے دن میں لشکر کا کچھ حال معلوم کرنے نکلی- مجھے اپنے پیچھے سے کسی کے بہت تیز آنے کی آہٹ اور اس کے ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی- میں راستے سے ہٹ کر ایک جگہ بیٹھ گئی- دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر کی طرف جا رہے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے بھائی حارث بن اوس تھے جن کے ہاتھ میں ان کی ڈھال تھی- حضرت سعدؓ لوہے کی زرہ پہنے ہوئے تھے لیکن بڑے لانبے چوڑے تھے' زرہ پورے بدن پر نہیں آئی تھی' ہاتھ کھلے تھے- اشعار رجز پڑھتے ہوئے جھومتے جھامتے چلے جا رہے تھے- میں یہاں سے اور آگے بڑھی اور ایک باغیچے میں چلی گئی- وہاں کچھ مسلمان موجود تھے جن میں حضرت عمر بن خطابؓ بھی تھے اور ایک اور صاحب جو خود اوڑھے ہوئے تھے- حضرت عمرؓ نے مجھے دیکھ لیا- پس پھر کیا تھا؟ بڑے ہی بگڑے اور مجھ سے فرمانے لگے' یہ دلیری؟ تم نہیں جانتیں' لڑائی ہو رہی ہے؟ اللہ جانے کیا نتیجہ ہو؟ تم کیسے یہاں چلی آئیں وغیرہ وغیرہ- جو صاحب مغفر سے اپنا منہ چھپائے ہوئے تھے' انہوں نے عمر فاروقؓ کی یہ باتیں سن کر اپنے سر سے لوہے کا ٹوپ اتارا' دیکھا- اب میں پہچان گئی کہ وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تھے- انہوں نے حضرت عمرؓ کو خاموش کیا کہ کیا ملامت شروع کر رکھی ہے- نتیجے کا کیا ڈر ہے؟ کیوں تمہیں اتنی گھبراہٹ ہے؟ کوئی بھاگ کے جائے گا کہاں؟ سب کچھ اللہ کے ہاتھ ہے- حضرت سعدؓ کو ایک قریشی نے تاک کر تیر لگایا اور کہا' لے میں ابن عرقہ ہوں- حضرت سعدؓ کی رگ اکحل پر وہ تیر پڑا اور پیوست ہو گیا- خون کے فوارے چھوٹ گئے- اسی وقت آپ نے دعا کی

کہ اے اللہ مجھے موت نہ دینا جب تک کہ بنوقریظہ کی تباہی اپنی آنکھوں نہ دیکھ لوں۔ اللہ کی شان سے اسی وقت خون تھم گیا۔ مشرکین کو ہواؤں نے بھگا دیا اور اللہ نے مومنوں کی کفایت کر دی۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی تو بھاگ کر تہامہ میں چلے گئے' عینیہ بن بدر اور اس کے ساتھی نجد میں چلے گئے۔ بنوقریظہ اپنے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئے۔ میدان خالی دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مدینے میں واپس تشریف لے آئے۔

حضرت سعدؓ کے لئے مسجد میں ہی چمڑے کا ایک خیمہ نصب کیا گیا۔ اسی وقت حضرت جبرئیلؑ آئے' آپ کا چہرہ گرد آلود تھا۔ فرمانے لگے۔ آپؐ نے ہتھیار کھول دیئے؟ حالانکہ فرشتے اب تک ہتھیار بند ہیں۔ اٹھئے بنوقریظہ سے بھی فیصلہ کر لیجئے۔ ان پر چڑھائی کیجئے۔ حضورؐ نے فوراً ہتھیار لگا لئے اور صحابہؓ میں بھی کوچ کی منادی کرا دی۔ بنوتمیم کے مکانات مسجد نبوی سے متصل ہی تھے۔ راہ میں آپؐ نے ان سے پوچھا' کیوں بھئی کسی کو جاتے ہوئے دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ابھی ابھی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ گئے ہیں۔ حالانکہ تھے تو وہ حضرت جبرئیلؑ لیکن آپ کی داڑھی چہرہ وغیرہ بالکل حضرت دحیہ کلبیؓ سے ملتا جلتا تھا۔ اب آپ نے جا کر بنوقریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ پچیس روز تک یہ محاصرہ رہا۔ جب وہ گھبرائے اور تنگ آ گئے تو ان سے کہا گیا کہ قلعہ ہمیں سونپ دو اور تم اپنے آپ کو بھی ہمارے حوالے کر دو۔ رسول اللہ ﷺ تمہارے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرما دیں گے۔ انہوں نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ صورت میں تو اپنی جان سے ہاتھ دھو لینا ہے۔ انہوں نے یہ معلوم کر کے اسے تو نامنظور کر دیا اور کہنے لگے' ہم قلعہ خالی کر دیتے ہیں' آپ کی فوج کو قبضہ دے دیتے ہیں۔ ہمارے بارے کا فیصلہ ہم حضرت سعد بن معاذؓ کو دیتے ہیں۔ آپؐ نے اسے بھی منظور فرما لیا۔ حضرت سعدؓ کو بلوایا۔ آپ تشریف لے آئے' گدھے پر سوار تھے جس پر کھجور کے درخت کی چھال کی گدی تھی۔ آپ اس پر بمشکل سوار کرا دیئے گئے تھے' آپ کی قوم آپ کو گھیرے ہوئے تھی اور سمجھا رہی تھی کہ دیکھو بنوقریظہ ہمارے حلیف ہیں' ہمارے دوست ہیں۔ ہماری موت وزیست کے شریک ہیں اور ان کے تعلقات جو ہم سے ہیں' وہ آپ پر پوشیدہ نہیں۔ آپ خاموشی سے سب کی باتیں سنتے جاتے تھے۔ جب ان کے محلّہ میں پہنچے تو ان کی طرف نظر ڈالی اور کہا' وقت آ گیا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی مطلقاً پرواہ نہ کروں۔

جب حضورؐ کے خیمے کے پاس ان کی سواری پہنچی تو حضورؐ نے فرمایا' اپنے سید کی طرف اٹھو اور انہیں اتارو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا' ہمارا سید تو اللہ ہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا' اتارو۔ لوگوں نے مل جل کر انہیں سواری سے اتارا۔ حضورؐ نے فرمایا سعدؓ ان کے بارے میں جو حکم کرنا چاہو کر دو۔ آپ نے فرمایا' ان کے بڑے قتل کر دیئے جائیں' ان کے چھوٹے غلام بنائے جائیں' ان کا مال تقسیم کر لیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ سعدؓ تم نے اس حکم میں اللہ رسول کی پوری موافقت کی۔ پھر حضرت سعدؓ نے دعا مانگی کہ اے اللہ اگر تیرے نبیؐ پر قریش کی کوئی اور چڑھائی بھی باقی ہو تو تو مجھے اس کی شمولیت کے لئے زندہ رکھ ورنہ اپنی طرف بلا لے۔ اسی وقت زخم سے خون بہنے لگا حالانکہ وہ پورا بھر چکا تھا یونہی سا باقی تھا چنانچہ انہیں پھر واپس اسی خیمے میں پہنچا دیا گیا اور آپ وہیں شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔ خود حضورؐ اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ وغیرہ بھی آئے' سب رو رہے تھے اور ابوبکرؓ کی آواز اور عمرؓ کی آواز میں پہچان بھی ہو رہی تھی۔ میں اس وقت اپنے حجرے میں تھی۔ فی الواقع اصحاب رسولؐ ایسے ہی تھے جیسے اللہ نے فرمایا رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ آپس میں ایک دوسرے کی پوری محبت اور ایک دوسرے سے الفت رکھنے والے تھے۔ حضرت علقمہؒ نے پوچھا' ام المومنینؓ یہ تو فرمایئے کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح رویا کرتے تھے؟ فرمایا آپ کی آنکھیں کسی پر آنسو نہیں بہاتی تھیں' ہاں غم ورنج کے موقعہ پر آپ داڑھی مبارک اپنی مٹھی میں لے لیتے تھے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

اے نبی اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تمہاری مراد زندگانی دنیا اور زینت دنیا ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں ○ اور اگر تمہاری مراد اللہ اور رسول اللہ اور آخرت کا گھر ہے تو یقین مانو کہ تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت زبردست اجر رکھ چھوڑے ہیں ○

امہات المومنین سے پرسش! دین یا دنیا؟ ☆☆ (آیت: ۲۸-۲۹) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اپنی بیویوں کو دو باتوں میں سے ایک کی قبولیت کا اختیار دیں- اگر تم دنیا پر اور اس کی رونق پر مائل ہوئی ہو تو آؤ میں تمہیں اپنے نکاح سے الگ کر دیتا ہوں اور اگر تم تنگی ترشی پر یہاں صبر کر کے اللہ کی خوشی رسولؐ کی رضامندی چاہتی ہو اور آخرت کی رونق پسند ہے تو صبر و سہار سے میرے ساتھ زندگی گزارو- اللہ تمہیں وہاں کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا- اللہ آپ کی تمام بیویوں سے جو ہماری مائیں ہیں خوش رہے- سب نے اللہ کو اس کے رسول کو اور دار آخرت کو ہی پسند فرمایا جس پر رب راضی ہوا اور پھر آخرت کے ساتھ ہی دنیا کی مسرتیں بھی عطا فرمائیں- حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اس آیت کے اترتے ہی اللہ کے نبیؐ میرے پاس آئے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ میں ایک بات کا تم سے ذکر کرنے والا ہوں- تم جواب میں جلدی نہ کرنا' اپنے ماں باپ سے مشورہ کر کے جواب دینا- یہ تو آپ جانتے ہی تھے کہ ناممکن ہے کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدائی کرنے کا مشورہ دیں- پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی- میں نے فوراً جواب دیا کہ یا رسول اللہؐ اس میں ماں باپ سے مشورہ کرنے کی کون سی بات ہے- مجھے اللہ پسند ہے اس کے رسولؐ پسند ہیں اور آخرت کا گھر پسند ہے- آپ کی اور تمام بیویوں نے بھی وہی کیا جو میں نے کیا تھا- اور روایت میں ہے کہ تین دفعہ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ دیکھو بغیر اپنے ماں باپ سے مشورہ کئے کوئی فیصلہ نہ کر لینا- پھر جب حضورؐ نے میرا جواب سنا تو آپ خوش ہو گئے اور ہنس دیئے- پھر آپ دوسری ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے- ان سے پہلے ہی فرما دیتے تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو یہ جواب دیا ہے- وہ کہتی تھیں' یہی جواب ہمارا بھی ہے- فرماتی ہیں کہ اس اختیار کے بعد جب ہم نے آپ کو اختیار کیا تو یہ اختیار طلاق میں شمار نہیں ہوا- مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا- لوگ آپ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ اندر تشریف فرما تھے' اجازت ملی نہیں- اتنے میں حضرت عمرؓ بھی آ گئے- اجازت چاہی لیکن انہیں بھی اجازت نہ ملی- تھوڑی دیر میں دونوں کو یاد فرمایا گیا- گئے دیکھا کہ آپ کی ازواج مطہرات آپ کے پاس بیٹھی ہیں اور آپ خاموش ہیں- حضرت عمرؓ نے کہا' دیکھو میں اللہ کے پیغمبر کو ہنسا دیتا ہوں-

پھر کہنے لگے' یا رسول اللہؐ کاش کہ آپ دیکھتے میری بیوی نے آج مجھ سے روپیہ پیسہ مانگا' میرے پاس تھا نہیں' جب زیادہ ضد کرنے لگیں تو میں نے اٹھ کر گردن ناپی- یہ سنتے ہی حضورؐ ہنس پڑے اور فرمانے لگے یہاں بھی یہی قصہ ہے' دیکھو یہ سب بیٹھی ہوئی مجھ سے مال طلب کر رہی ہیں؟ ابوبکرؓ' حضرت عائشہؓ کی طرف لپکے اور عمرؓ حضرت حفصہؓ کی طرف اور فرمانے لگے' افسوس تم رسول اللہؐ سے وہ مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں- وہ تو کہئے خیر گزری جو رسول اللہؐ نے انہیں روک لیا ورنہ عجب نہیں دونوں بزرگ اپنی اپنی صاحبزادیوں کو مارتے- اب تو

سب بیویاں کہنے لگیں کہ اچھا قصور ہوا' اب سے ہم حضورؐ کو ہرگز اس طرح تنگ نہ کریں گی۔ اب یہ آیتیں اتریں اور دنیا اور آخرت کی پسندیدگی میں اختیار دیا گیا۔ سب سے پہلے آپ حضرت صدیقہؓ کے پاس گئے۔ انہوں نے آخرت کو پسند کیا جیسے کہ تفصیل وار بیان گزر چکا۔ ساتھ ہی درخواست کی کہ یارسول اللہؐ آپ اپنی کسی بیوی سے یہ نہ فرمایئے گا کہ میں نے آپؐ کو اختیار کیا۔

آپ نے جواب دیا کہ اللہ نے مجھے چھپانے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ میں سکھانے والا آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مجھ سے تو جو دریافت کرے گی' میں صاف صاف بتادوں گا۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ طلاق کا اختیار نہیں دیا گیا تھا بلکہ دنیا یا آخرت کی ترجیح کا اختیار دیا تھا لیکن اس کی سند میں بھی انقطاع ہے اور یہ آیت کے ظاہری لفظوں کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آیت کے آخر میں صاف موجود ہے کہ آؤ میں تمہارے حقوق ادا کردوں اور تمہیں رہائی دے دوں۔ اس میں علماء کرام کا گو اختلاف ہے کہ اگر آپ طلاق دے دیں تو پھر کسی کو ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جائز ہے تاکہ اس طلاق سے وہ نتیجہ ملے یعنی دنیا طلبی اور دنیا کی زینت و رونق۔ وہ انہیں حاصل ہو سکے۔ واللہ اعلم۔ جب یہ آیت اتری اور جب اس کا حکم حضورؐ نے ازواج مطہرات امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کو سنایا' اس وقت آپ کی نو بیویاں تھیں۔ پانچ تو قریش سے تعلق رکھتی تھیں عائشہ' حفصہ' سودہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن اور صفیہ بنت حی قبیلہ نضر سے تھیں' میمونہ بنت حارث ہلالیہ تھیں' زینب بنت جحش اسدیہ تھیں اور جویریہ بنت حارث جو مصطلقیہ تھیں۔ رضی اللہ عنہن وارضاہن اجمعین۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کوئی کھلی بداخلاقی کرے گی' اسے دوہرا دوہرا عذاب کیا جائے گا۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل سی بات ہے ○

امہات المومنین سب سے معزز قرار دے دی گئیں: ☆☆ (آیت: ۳۰) حضورؐ کی بیویوں نے یعنی مومنوں کی ماؤں نے جب اللہ کو' اس کے رسولؐ کو اور آخرت کے پہلے گھر کو پسند کرلیا اور حضور ﷺ کے گھر میں وہ ہمیشہ کے لئے مقرر ہو چکیں تو اب جناب باری عزاسمہ اس آیت میں انہیں وعظ فرما رہا ہے اور بتلا دیا کہ تمہارا معاملہ عام عورتوں جیسا نہیں ہے۔ اگر بالفرض تم نے نبیؐ کی فرمانبرداری سے سرتابی کی اور اگر بالفرض تم سے کوئی بدخلقی سرزد ہوئی تو تمہیں دنیا اور آخرت میں عتاب ہوگا۔ چونکہ تمہارے بڑے رتبے ہیں' تمہیں گناہوں سے بالکل دور رہنا چاہیے۔ ورنہ رتبے کے مطابق مشکل بھی بڑھ جائے گی۔ اللہ پر سب باتیں سہل اور آسان ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ فرمان بطور شرط کے ہے اور شرط کا ہونا ضروری نہیں ہوتا جیسے فرمان ہے لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ الخ اے نبیؐ اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔ نبیوں کا ذکر کر کے فرمایا وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اگر یہ شرک کریں تو ان کی نیکیاں بیکار ہو جائیں۔ اور آیت میں ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ اگر رحمان کے اولاد ہو تو میں تو سب سے پہلے عابد ہوں۔ اور آیت میں ارشاد ہو رہا ہے لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ الخ یعنی اگر اللہ کو اولاد منظور ہوتی تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا پسند فرما لیتا۔ وہ پاک ہے۔ وہ یکتا اور ایک ہے۔ وہ غالب اور سب پر حکمران ہے۔ پس ان پانچوں آیتوں میں شرط کے ساتھ بیان ہے لیکن ایسا ہوا نہیں۔ نہ نبیوں سے شرک ہونا ممکن نہ سردار رسولاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے یہ ممکن۔ نہ اللہ کی اولاد۔ اسی طرح امہات المومنین کی نسبت بھی جو فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی کھلی لغو حرکت کرے گی تو اسے دگنی سزا ہوگی' اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ واقعی ان میں سے کسی نے کوئی ایسی نافرمانی اور بدخلقی کی ہو۔ نعوذ باللہ۔

چند اہم مضامین کی فہرست

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

تم میں سے جو کوئی اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرے گی' ہم اسے دوہرا اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے ○ اے نبی کی بیویو اگر تم پرہیزگاری کرو تو تم مثل معمولی عورتوں کے نہیں ہو' تم نرم لہجے سے بات نہ کیا کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے' وہ کوئی خیال کرنے لگے- ہاں قاعدے کے مطابق کلام کیا کرو ○

(آیت: ۳۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے عدل و فضل کا بیان فرما رہا ہے اور حضور ﷺ کی ازواج مطہراتؓ سے خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ تمہاری اطاعت گزاری اور نیک کاری پر تمہیں دگنا اجر ہے- اور تمہارے لئے جنت میں باعزت روزی ہے- کیونکہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ آپ کی منزل میں ہوں گی- اور حضورؐ کی منزل اعلیٰ علیین میں ہے جو تمام لوگوں سے بالاتر ہے- اسی کا نام وسیلہ ہے- یہ جنت کی سب سے اعلیٰ اور سب سے اونچی منزل ہے جس کی چھت عرش الٰہی ہے-

ارشادات الٰہی کی روشنی میں اسوۂ امہات المومنین: ☆☆ (آیت: ۳۲) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی بیویوں کو آداب سکھاتا ہے اور چونکہ تمام عورتیں انہی کے ماتحت ہیں' اس لئے یہ احکام سب مسلمان عورتوں کے لئے ہیں- پس فرمایا کہ تم میں سے جو پرہیزگاری کریں' وہ بہت بڑی فضیلت اور مرتبے والی ہیں- مردوں سے جب تمہیں کوئی بات کرنی پڑے تو آواز بنا کر بات نہ کرو کہ جن کے دلوں میں روگ ہے' انہیں طمع پیدا ہو- بلکہ بات اچھی اور مطابق دستور کرو- پس عورتوں کو غیر مردوں سے نزاکت کے ساتھ خوش آوازی سے باتیں کرنی منع ہیں- گھل مل کر وہ صرف اپنے خاوندوں سے ہی کلام کر سکتی ہیں- پھر فرمایا' بغیر کسی ضروری کام کے گھر سے باہر نہ نکلو- مسجد میں نماز کے لئے آنا بھی شرعی ضرورت ہے جیسے کہ حدیث میں ہے اللہ کی لونڈیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو- لیکن انہیں چاہیے کہ سادگی سے جس طرح گھروں میں رہتی ہیں اسی طرح آئیں- ایک روایت میں ہے کہ ان کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں- بزار میں ہے کہ عورتوں نے حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے- اب آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت کو پا سکیں- آپؐ نے فرمایا' تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے اور عصمت کے ساتھ بیٹھی رہے' وہ جہاد کی فضیلت پا لے گی-

ترمذی وغیرہ میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے- یہ جب گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے- یہ سب سے زیادہ اللہ سے قریب اس وقت ہوتی ہے جبکہ یہ اپنے گھر کے اندرونی حجرے میں ہو- ابوداؤد وغیرہ میں ہے' عورت کی اپنے گھر کی اندرونی کوٹھڑی کی نماز گھر کی نماز سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے- جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرا کرتی تھیں- اب اسلام بے پردگی کو حرام قرار دیتا ہے- ناز سے اٹھلا کر چلنا ممنوع ہے- دوپٹہ گلے میں ڈال لیا لیکن اسے لپیٹا نہیں جس سے گردن اور کانوں کے زیور دوسروں کو نظر آئیں- یہ جاہلیت کا بناؤ سنگھار تھا جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے-

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت ادریسؑ کی دو نسلیں آباد تھیں- ایک تو پہاڑ پر' دوسرے نرم زمین پر- پہاڑیوں

کے مرد خوش شکل تھے' عورتیں سیاہ فام تھیں اور زمین والوں کی عورتیں خوبصورت تھیں اور مردوں کے رنگ سانولے تھے۔ ابلیس انسانی صورت اختیار کر کے انہیں بہکانے کے لئے نرم زمین والوں کے پاس آیا اور ایک شخص کا غلام بن کر رہنے لگا۔ پھر اس نے بانسری کی وضع کی ایک چیز بنائی اور اسے بجانے لگا۔ اس کی آواز پر لوگ لٹو ہو گئے اور پھر بھیڑ لگنے لگی۔ اور ایک دن میلے کا مقرر ہو گیا جس میں ہزارہا مرد و عورت جمع ہونے لگے۔ اتفاقاً ایک دن ایک پہاڑی آدمی بھی آ گیا اور ان کی عورتوں کو دیکھ کر واپس جا کر اپنے قبیلے والوں میں اس کے حسن کا چرچا کرنے لگا۔ اب وہ لوگ بکثرت آنے لگے اور آہستہ آہستہ ان عورتوں مردوں میں اختلاط بڑھ گیا اور بدکاری اور زناکاری کا عام رواج ہو گیا۔ یہی جاہلیت کا بناؤ ہے جس سے یہ آیت روک رہی ہے۔ ان کاموں سے روکنے کے بعد اب کچھ احکام بیان ہو رہے ہیں کہ اللہ کی عبادت میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے۔ اس کی پابندی کرو اور بہت اچھی طرح سے اسے ادا کرتی رہو۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ۚ﴿۳۳﴾ وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِکْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ۚ﴿۳۴﴾

اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کیا کرو' نماز ادا کرتی رہو' زکوۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت گذاری کرو' اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو تم سے وہ ہر قسم کی لغویات کو دور کر دے اور تمہیں خوب صاف کر دے ○ تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو حدیثیں پڑھی جاتی ہیں یاد رکھو' یقیناً اللہ تعالٰی لطف کرنے والا اخبردار ہے ○

اسی طرح مخلوق کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو۔ یعنی زکوۃ نکالتی رہو۔ ان خاص احکام کی بجا آوری کا حکم دے کر پھر عام طور پر اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا' اس اہل بیت سے ہر قسم کے میل کچیل کے دور کرنے کا ارادہ اللہ تعالٰی کا ہو چکا ہے۔ وہ تمہیں بالکل پاک صاف کر دے گا۔ یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ان آیتوں میں اہل بیت میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ یہ آیت انہی کے بارے میں اتری ہے۔ آیت کا شان نزول تو آیت کے حکم میں داخل ہوتا ہی ہے گو بعض کہتے ہیں کہ صرف وہی داخل ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں وہ بھی اور اس کے سوا بھی۔ اور یہ دوسرا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ تو بازاروں میں منادی کرتے پھرتے تھے کہ یہ آیت نبی ﷺ کی بیویوں ہی کے بارے میں خاصتاً نازل ہوئی ہے۔ (ابن جریر)

ابن ابی حاتم میں حضرت عکرمہؓ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو چاہے مجھ سے مباہلہ کر لے۔ یہ آیت حضورؐ کی ازواج مطہرات ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس قول سے اگر یہ مطلب ہے کہ شان نزول یہی ہے اور نہیں' تو یہ تو ٹھیک ہے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ اہل بیت میں اور کوئی ان کے سوا داخل ہی نہیں تو اس میں نظر ہے۔ اس لئے کہ احادیث سے اہل بیت میں ازواج مطہرات کے سوا اوروں کا داخل ہونا بھی پایا جاتا ہے۔ مسند احمد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے لئے جب نکلتے تو حضرت فاطمہؓ کے دروازے پر پہنچ کر فرماتے' اے اہل بیت نماز کا وقت آ گیا ہے۔ پھر اسی آیت تطہیر کی تلاوت کرتے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ ابن جریر کی

ایک اسی حدیث میں سات مہینے کا بیان ہے۔ اس میں ایک راوی ابوداؤد اعمٰی نفیع بن حارث کذاب ہے۔ یہ روایت ٹھیک نہیں۔

مسند میں ہے شداد بن عمار کہتے ہیں' میں ایک دن حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا۔ اس وقت وہاں کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت علیؓ کا ذکر ہو رہا تھا۔ وہ آپ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ میں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ جب وہ لوگ گئے تو مجھ سے حضرت واثلہؓ نے فرمایا' تو نے بھی حضرت علیؓ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے؟ میں نے کہا' ہاں میں نے بھی سب کی زبان میں زبان ملائی۔ تو فرمایا' سن میں نے جو دیکھا ہے' تجھے سناتا ہوں۔ میں ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے گھر گیا تو معلوم ہوا کہ آپ حضورؐ کی مجلس میں گئے ہوئے ہیں۔ میں ان کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ آ رہے ہیں اور آپ کے ساتھ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی ہیں۔ دونوں بچے آپ کی انگلی تھامے ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو تو اپنے سامنے بٹھا لیا اور دونوں نواسوں کو اپنے گھٹنوں پر بٹھا لیا اور ایک کپڑے سے ڈھک لیا۔ پھر اسی آیت کی تلاوت کر کے فرمایا' اے اللہ یہ ہیں میرے اہل بیت اور میرے اہل بیت زیادہ حقدار ہیں۔

دوسری روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ حضرت واثلہؓ فرماتے ہیں' میں نے یہ دیکھ کر کہا' یا رسول اللہؐ میں بھی آپ کی اہل بیت میں سے ہوں' آپؐ نے فرمایا' تو بھی میرے اہل میں سے ہے۔ حضرت واثلہؓ فرماتے ہیں' حضور ﷺ کا یہ فرمان میرے لئے بہت ہی بڑی امید کا ہے۔ اور روایت میں ہے' حضرت واثلہؓ فرماتے ہیں' میں حضورؐ کے پاس تھا جو حضرت علیؓ' حضرت فاطمہؓ' حضرت حسنؓ' حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین آئے۔ آپ نے اپنی چادر ان پر ڈال کر فرمایا' اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ یا اللہ ان سے ناپاکی کو دور فرما اور انہیں پاک کر دے۔ میں نے کہا میں بھی؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں تو بھی۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ میرا مضبوط عمل یہی ہے۔ مسند احمد میں ہے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' حضورؐ میرے گھر میں تھے جو حضرت فاطمہؓ حریرے کی ایک پتیلی بھری ہوئی لائیں۔ آپؐ نے فرمایا' اپنے میاں کو اور اپنے دونوں بچوں کو بھی بلا لو۔ چنانچہ وہ بھی آ گئے اور کھانا شروع ہوا۔ آپؐ اپنے بسترے پر تھے۔ خیبر کی ایک چادر آپؐ کے نیچے بچھی ہوئی تھی۔ میں حجرے میں نماز ادا کر رہی تھی جو یہ آیت اتری۔ پس حضورؐ نے چادر انہیں اڑھا دی اور چادر میں سے ایک ہاتھ نکال کر آسمان کی طرف اٹھا کر یہ دعا کی کہ الٰہی یہ میرے اہل بیت اور حمایتی ہیں۔ تو ان سے ناپاکی دور کر اور انہیں طاہر کر۔ میں نے اپنا سر گھر میں سے نکال کر کہا' یا رسول اللہؐ میں بھی آپ سب کے ساتھ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا' یقیناً تو بہتری کی طرف ہے فی الواقع تو خیر کی طرف ہے۔

اس روایت کے راویوں میں عطا کے استاد کا نام نہیں جو معلوم ہو سکے کہ وہ کیسے راوی ہیں۔ باقی راوی ثقہ ہیں۔ دوسری سند سے انہی حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ساتھ حضرت علیؓ کا ذکر آیا تو آپؐ نے فرمایا' آیت تطہیر تو میرے گھر میں اتری ہے۔ آپؐ میرے ہاں آئے اور فرمایا کسی اور کو آنے کی اجازت نہ دینا۔ تھوڑی دیر میں حضرت فاطمہؓ آئیں۔ اب بھلا میں بیٹی کو باپ سے کیسے روکتی؟ پھر حضرت حسنؓ آئے' نواسے کو نانا سے کون روکے؟ پھر حضرت حسینؓ آئے۔ میں نے انہیں بھی نہ روکا۔ پھر حضرت علیؓ آئے' میں انہیں بھی نہ روک سکی۔ جب یہ سب جمع ہو گئے تو جو چادر حضرتؐ اوڑھے ہوئے تھے' اسی میں اب سب کو لے لیا' اور کہا الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں' ان سے پلیدی دور کر دے اور انہیں خوب پاک کر دے۔ پس یہ آیت اس وقت اتری جبکہ یہ چادر میں جمع ہو چکے تھے۔ میں نے کہا یا رسول اللہؐ میں بھی؟ لیکن اللہ جانتا ہے آپؐ اس پر خوش نہ ہوئے اور فرمایا' تو خیر کی طرف ہے۔ مسند کی اور روایت میں ہے کہ میرے گھر میں حضرتؐ تھے جو خادم نے آ کر خبر کی کہ فاطمہؓ اور علیؓ آ گئے ہیں تو آپ نے مجھ سے فرمایا' ایک طرف ہو جاؤ۔ میرے اہل بیت آ گئے ہیں۔ گھر کے ایک کونے میں بیٹھ گئی جو دونوں ننھے بچے اور یہ دونوں صاحب تشریف لائے۔ آپ نے دونوں بچوں کو گودی میں لے لیا۔ پیار کیا اور ایک ہاتھ

حضرت علیؓ کی گردن میں دوسرا حضرت فاطمہؓ کی گردن میں ڈال کر ان دونوں کو بھی پیار کیا اور ایک سیاہ چادر سب پر ڈال کر فرمایا' یا اللہ تیری طرف نہ کہ آگ کی طرف میں اور میری اہل بیت۔ میں نے کہا' میں بھی؟ فرمایا' ہاں تو بھی۔

اور روایت میں ہے کہ میں اس وقت گھر کے دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی اور میں نے کہا' یا رسول اللہ کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ آپؐ نے فرمایا' تو بھلائی کی طرف ہے اور نبیؐ کی بیویوں میں سے ہے۔ اور روایت میں ہے' میں نے کہا' مجھے بھی ان کے ساتھ شامل کر لیجئے تو فرمایا' تو میری اہل ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ سیاہ چادر اوڑھے ہوئے ایک دن صبح ہی صبح نکلے اور ان چاروں کو اپنی چادر تلے لے کر یہ آیت پڑھی (مسلم وغیرہ) حضرت عائشہؓ سے ایک مرتبہ کسی نے حضرت علیؓ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا' وہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے۔ ان کے گھر میں آپ کی صاحبزادی تھیں جو سب سے زیادہ آپ کی محبوب تھیں۔ پھر چادر کا واقعہ بیان فرما کر فرمایا' میں نے قریب جا کر کہا' یا رسول اللہؐ میں بھی آپ کے اہل بیت سے ہوں' آپؐ نے فرمایا' دور رہو۔ تم یقیناً خیر پر ہو (ابن ابی حاتم) حضرت سعیدؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' میرے اور ان چاروں کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ اور سند سے یہ ابوسعیدؓ کا اپنا قول ہونا مروی ہے' واللہ اعلم۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں' جب حضورؐ پر وحی اتری تو آپؐ نے ان چاروں کو اپنے کپڑے تلے لے کر فرمایا' یا رب یہ میرے اہل ہیں اور میرے اہل بیت ہیں (ابن جریر)

صحیح مسلم شریف میں ہے' حضرت یزید بن حبانؒ فرماتے ہیں' میں اور حصین بن سیرہ اور عمر بن مسلمہ مل کر حضرت زید بن ارقمؓ کے پاس گئے۔ حصین کہنے لگے' اے زیدؓ آپ کو تو بہت سی بھلائیاں مل گئیں۔ آپؓ نے حضورؐ کی زیارت کی' آپؐ کی حدیثیں سنیں' آپؐ کے ساتھ جہاد کئے' آپؐ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ غرض آپ نے بہت خیر و برکت پالی۔ اچھا ہمیں کوئی حدیث تو سناؤ۔ آپ نے فرمایا۔ بھتیجے اب میری عمر بڑی ہوگئی۔ حضورؐ کا زمانہ دور کا ہوگیا۔ بعض باتیں ذہن سے جاتی رہیں۔ اب تو ایسا کرو' جو باتیں میں از خود بیان کروں' انہیں تو قبول کر لو ورنہ مجھے تکلیف نہ دو۔ سنو مکے اور مدینے کے درمیان کی ایک پانی کی جگہ پر جسے خم کہا جاتا ہے' حضورؐ نے کھڑے ہو کر ہمیں ایک خطبہ سنایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور وعظ و پند کے بعد فرمایا' میں ایک انسان ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد آئے اور میں اس کی مان لوں' میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ پہلی تو کتاب اللہ جس پر ہدایت و نور ہے۔ تم اللہ کی کتاب کو لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔ پھر تو آپؐ نے کتاب اللہ کی بڑی رغبت دلائی اور اس کی طرف ہمیں خوب متوجہ فرمایا۔ پھر فرمایا' اور میری اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔ تین مرتبہ یہی کلمہ فرمایا۔ تو حصینؒ نے حضرت زید سے پوچھا' آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں آپ کی اہل بیت نہیں ہیں؟ فرمایا آپ کی بیویاں تو آپ کی اہل بیت ہیں ہی۔ لیکن آپ کی اہل بیت وہ ہیں جن پر آپؐ کے بعد صدقہ کھانا حرام ہے' پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا آل علی' آل عقیل' آل جعفر' آل عباس رضی اللہ عنہم۔ پوچھا کیا ان سب پر آپؐ کے بعد صدقہ حرام ہے؟ کہا ہاں! دوسری سند سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے پوچھا' کیا آپ کی بیویاں بھی اہل بیت میں داخل ہیں؟ کہا نہیں قسم ہے اللہ کی' بیوی کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنے خاوند کے پاس گو عرصہ دراز سے ہو لیکن پھر اگر وہ طلاق دے دے تو اپنے میکے میں اور اپنی قوم میں چلی جاتی ہے۔ آپ کے اہل بیت آپ کی اصل اور عصبہ ہیں جن پر آپؐ کے بعد صدقہ حرام ہے۔

اس روایت میں یہی ہے لیکن پہلی روایت ہی اولیٰ ہے اور اسی کو لینا ٹھیک ہے اور اس دوسری میں جو ہے' اس سے مراد صرف حدیث میں جن اہل بیت کا ذکر ہے وہ ہے' کیونکہ وہاں وہ آل مراد ہے جن پر صدقہ خوری حرام ہے یا یہ کہ مراد صرف بیویاں ہی نہیں بلکہ وہ مع آپ کی اور آل کے ہیں۔ یہی بات زیادہ راجح ہے اور اس سے اس روایت اور اس سے پہلے کی روایت میں جمع بھی ہو جاتی ہے۔ اور قرآن اور پہلی

احادیث میں جمع بھی ہو جاتی ہے- لیکن یہ اس صورت میں کہ ان احادیث کی صحت کو تسلیم کرلیا جائے- کیونکہ ان کی بعض اسنادوں میں نظر ہے' واللہ تعالیٰ اعلم- جس شخص کو نور معرفت حاصل ہو اور قرآن میں تدبر کرنے کی عادت ہو' وہ یقیناً بیک نگاہ جان لے گا کہ اس آیت میں حضورؐ کی بیویاں بلا شک وشبہ داخل ہیں اس لئے کہ اوپر سے کلام ہی ان کے ساتھ اور انہی کے بارے میں چل رہا ہے- یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ہی فرمایا کہ اللہ کی آیتیں اور رسولؐ کی باتیں جن کا درس تمہارے گھروں میں ہو رہا ہے' انہیں یاد رکھو اور ان پر عمل کرو-

پس اللہ کی آیات اور حکمت سے مراد بقول حضرت قتادہؓ وغیرہ کتاب وسنت ہے- پس یہ خاص خصوصیت ہے جو ان کے سوا کسی اور کو نہیں ملی کہ ان کے گھروں میں اللہ کی وحی اور رحمت الٰہی نازل ہوا کرتی ہے اور ان میں بھی یہ شرف حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بطور اولیٰ اور سب سے زیادہ حاصل ہے کیونکہ حدیث شریف میں صاف وارد ہے کہ کسی عورت کے بستر ے پر حضورؐ کی طرف وحی نہیں آتی بجز آپؓ کے بستر ے کے- یہ اس لئے بھی کہ حضور ﷺ نے آپؓ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا تھا- ان کا بستر بجز رسول اللہؐ کے اور کسی کے لئے نہ تھا- پس اس زیادتی درجہ اور بلندی مرتبہ کی وہ صحیح طور پر مستحق تھیں- ہاں جبکہ آپ کی بیویاں آپ کی اہل بیت ہوئیں تو آپ کے قریبی رشتے دار بطور اولیٰ آپ کی اہل بیت ہیں- جیسے حدیث میں گزر چکا کہ میرے اہل بیت زیادہ حقدار ہیں- اس کی مثال میں یہ آیت ٹھیک طور پر پیش ہو سکتی ہے لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ الخ کہ یہ اتری تو ہے مسجد قبا کے بارے میں جیسے کہ صاف صاف احادیث میں موجود ہے- لیکن صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب حضورؐ سے سوال ہوا کہ اس مسجد سے کون سی مسجد مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا' وہ میری ہی مسجد ہے یعنی مسجد نبویؐ- پس جو صفت مسجد قبا میں تھی' وہی صفت چونکہ مسجد نبویؐ میں بھی ہے' اس لئے اس مسجد کو بھی اسی نام سے اس آیت کے تحت داخل کر دیا-

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا- آپ ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے کہ بنو اسد کا ایک شخص کود کر آیا اور سجدے کی حالت میں آپ کے جسم میں خنجر بھونک دیا جو آپؓ کے نرم گوشت میں لگا جس سے آپ کئی مہینے بیمار رہے- جب اچھے ہو گئے تو مسجد میں آئے- منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھا جس میں فرمایا' اے عراقیو! ہمارے بارے میں اللہ کا خوف کیا کرو- ہم تمہارے حاکم ہیں' تمہارے مہمان ہیں' ہم اہل بیت ہیں جن کے بارے میں آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ الخ' اتری ہے- اس پر آپ نے خوب زور دیا اور اس مضمون کو بار بار ادا کیا جس سے مسجد والے رونے لگے- ایک مرتبہ آپ نے ایک شامی سے فرمایا تھا' کیا تو نے سورۂ احزاب کی آیت تطہیر نہیں پڑھی؟ اس نے کہا' ہاں' کیا اس سے مراد تم ہو؟ فرمایا' ہاں! اللہ تعالیٰ بڑے لطف و کرم والا' بڑے علم اور پوری خبر والا ہے- اس نے جان لیا کہ تم اس کے لطف کے اہل ہو- اس لئے اس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا فرمائیں اور یہ فضیلتیں تمہیں دیں-

پس آیت کے معنی مطابق تفسیر ابن جریر یہ ہوئے کہ اے نبی کی بیویو! اللہ کی جو نعمت تم پر ہے' اسے تم یاد کرو کہ اس نے تمہیں ان گھروں میں کیا جہاں اللہ کی آیات اور حکمت پڑھی جاتی ہیں- تمہیں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اس کا شکر کرنا چاہیے اور اس کی حمد پڑھنی چاہیے کہ تم پر اللہ کا لطف وکرم ہے کہ اس نے تمہیں ان گھروں میں آباد کیا- حکمت سے مراد سنت وحدیث ہے- اللہ انجام تک سے خبردار ہے- اس نے اپنے پورے اور صحیح علم سے جانچ کر تمہیں اپنے نبی ﷺ کی بیویاں بننے کے لئے منتخب کر لیا- پس دراصل یہ بھی اللہ کا تم پر احسان ہے جو لطیف وخبیر ہے ہر چیز کے جز وکل سے-

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِينَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِينَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِينَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِينَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصّٰٓئِمِينَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّالذّٰكِرٰتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۵﴾

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں' ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں' فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبردار عورتیں' راست باز مرد اور راست باز عورتیں' صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں' عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں' خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں' روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں' اپنے نفس کی نگہبانی کرنے والے مرد اور نگہبانی کرنے والیاں' بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر اللہ کرنے والیاں' ان سب کے لئے اللہ نے وسیع مغفرت اور بہت بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے ○

اسلام اور ایمان میں فرق اور ذکر الٰہی : ☆☆ (آیت:۳۵) ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ مردوں کا ذکر تو قرآن میں آتا رہتا ہے لیکن عورتوں کا تو ذکر ہی نہیں کیا جاتا- ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھی اپنے سر کے بال سلجھا رہی تھی جو میں نے حضورؐ کی آواز منبر پر سنی- میں نے بالوں کو تو یونہی لپیٹ لیا اور حجرے میں آ کر آپؐ کی باتیں سننے لگی تو آپؐ اس وقت یہی آیت تلاوت فرما رہے تھے- نسائی وغیرہ- اور بہت سی روایتیں آپؐ سے مختصراً مروی ہیں- ایک روایت میں ہے کہ چند عورتوں نے حضورؐ سے یہ کہا تھا- اور روایت میں ہے کہ عورتوں نے ازواج مطہرات سے یہ کہا تھا- اسلام و ایمان کو الگ الگ بیان کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ ایمان اسلام کا غیر ہے اور ایمان اسلام سے مخصوص و ممتاز ہے قَالَتِ الْأَعْرَابُ اٰمَنَّا الخ والی آیت اور بخاری و مسلم کی حدیث کہ زانی زنا کے وقت مومن نہیں ہوتا' پھر اس پر اجماع کہ زنا سے کفر لازم نہیں آتا- یہ اس پر دلیل ہے اور ہم شرح بخاری کی ابتدا میں اسے ثابت کر چکے ہیں- (یہ یاد رہے کہ ان میں فرق اس وقت ہے جب اسلام حقیقی نہ ہو جیسے کہ امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کتاب الایمان میں بدلائل کثیرہ ثابت کیا ہے' واللہ اعلم' مترجم)

قنوت سے مراد سکون کے ساتھ کی اطاعت گزاری ہے جیسے أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ الخ میں ہے- اور فرمان ہے وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قٰنِتُونَ یعنی آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی فرماں بردار ہے- اور فرماتا ہے يٰمَرْيَمُ اقْنُتِي الخ اور فرماتا ہے وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِينَ یعنی اللہ کے سامنے باادب فرماں برداری کی صورت میں کھڑے ہوا کرو- پس اسلام کے اوپر کا مرتبہ ایمان ہے اور ان کے اجتماع سے انسان میں فرماں برداری اور اطاعت گزاری پیدا ہو جاتی ہے- باتوں کی سچائی اللہ کو بہت ہی محبوب ہے اور یہ عادت ہر طرح محمود ہے- صحابہؓ کبار میں تو وہ بزرگ بھی تھے جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں بھی کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا' سچائی ایمان کی نشانی ہے اور جھوٹ نفاق کی علامت ہے- سچا نجات پاتا ہے- سچ ہی بولا کرو- سچائی نیکی کی طرف رہبری کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف- جھوٹ سے بچو' جھوٹ بدکاری کی طرف رہبری کرتا ہے اور فسق و فجور انسان کو جہنم کی طرف لے جاتا ہے- انسان سچ بولتے بولتے اور سچائی کا قصد کرتے کرتے اللہ کے ہاں صدیق لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ بولتے ہوئے اور جھوٹ کا قصد کرتے ہوئے اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے- اور

بھی اس بارے کی بہت سی حدیثیں ہیں۔

صبر ثابت قدمی کا نتیجہ ہے۔ مصیبتوں پر صبر ہوتا ہے۔ اس علم پر کہ تقدیر کا لکھا ٹلتا نہیں۔ سب سے زیادہ سخت صبر صدمے کے ابتدائی وقت پر ہے اور اسی کا اجر زیادہ ہے۔ پھر تو جوں جوں زمانہ گزرتا ہے خواہ مخواہ ہی صبر آ جاتا ہے۔ خشوع سے مراد تسکین' دلجمعی' تواضع' فروتنی اور عاجزی ہے۔ یہ انسان میں اس وقت آتی ہے جبکہ دل میں اللہ کا خوف اور رب کو ہر وقت حاضر ناظر جانتا ہو اور اس طرح اللہ کی عبادت کرتا ہو جیسے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور یہ نہیں تو کم از کم اس درجے پر وہ ضرور ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

صدقے سے مراد محتاج ضعیفوں کو جن کی کوئی کمائی نہ ہو' نہ جن کا کوئی کمانے والا ہو' انہیں اپنا فالتو مال دینا اس نیت سے کہ اللہ کی اطاعت ہو اور اس کی مخلوق کا کام بنے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے' سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا۔ ان میں ایک وہ بھی ہے جو صدقہ دیتا ہے لیکن اس طرح پوشیدہ طور پر کہ داہنے ہاتھ کے خرچ کی بائیں ہاتھ کو خبر نہیں لگتی۔ اور حدیث میں ہے' صدقہ خطاؤں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اور بھی اس بارے کی بہت سی حدیثیں ہیں جو اپنی اپنی جگہ موجود ہیں۔ روزے کی بابت حدیث میں ہے کہ یہ بدن کی زکوٰۃ ہے یعنی اسے پاک صاف کر دیتا ہے اور طبی طور پر بھی ردی اخلاط کو مٹا دیتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' رمضان کے روزے رکھ کر جس نے ہر مہینے میں تین روزے رکھ لئے' وہ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ الخ میں داخل ہو گیا۔ روزہ شہوت کو بھی جھکا دینے والا ہے۔ حدیث میں ہے' اے نوجوانو' تم میں سے جسے طاقت ہو' وہ تو اپنا نکاح کر لے تاکہ اس سے نگاہیں نیچی رہیں اور پاک دامنی حاصل ہو جائے اور جسے اپنے نکاح کی طاقت نہ ہو' وہ روزے رکھے' یہی اس کے لئے گویا خصی ہونا ہے۔ اسی لئے روزوں کے ذکر کے بعد ہی بدکاری سے بچنے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ایسے مسلمان مرد و عورت حرام سے اور گناہ کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں اپنی اس خاص قوت کو جائز جگہ صرف کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ یہ لوگ اپنے بدن کو روکے رہتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں سے اور لونڈیوں سے ان پر کوئی ملامت نہیں۔ ہاں اس کے سوا جو اور کچھ طلب کرے' وہ حد سے گزر جانے والا ہے۔

ذکر اللہ کی نسبت ایک حدیث میں ہے کہ جب میاں اپنی بیوی کو رات کے وقت جگا کر دو رکعت نماز دونوں پڑھ لیں تو وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں میں لکھ لئے جاتے ہیں (ملاحظہ ہو ابوداؤد وغیرہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یارسول اللہؐ سب سے بڑے درجے والا بندہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا' کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا۔ میں نے کہا یارسول اللہؐ اللہ کی راہ کے مجاہد سے بھی؟ آپؐ نے فرمایا' اگرچہ وہ کافروں پر تلوار چلائے یہاں تک کہ تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون میں رنگ جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرنے والا اس سے افضل ہی رہے گا۔ (مسند احمد) مسند ہی میں ہے کہ حضورؐ مکے کے راستے میں جا رہے تھے جمدان پر پہنچ کر فرمایا' یہ جمدان ہے۔ مفرد بن کر چلو۔ آگے بڑھنے والوں نے پوچھا' مفرد سے کیا مراد ہے؟ فرمایا' اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرنے والے پھر فرمایا' اے اللہ حج و عمرے میں اپنا سر منڈوانے والوں پر رحم فرما! لوگوں نے کہا' بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کیجئے آپ نے فرمایا یا اللہ سر منڈوانے والوں کو بخش۔ لوگوں نے پھر کتروانے والوں کے لئے درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا کتروانے والے بھی۔ آپؐ کا فرمان ہے کہ اللہ کے عذابوں سے نجات دینے والا کوئی عمل اللہ کے ذکر سے بڑا نہیں۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا' میں تمہیں سب سے بہتر' سب سے پاک اور سب سے بلند درجے کا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے حق میں سونا چاندی اللہ کی راہ میں لٹانے سے بھی بہتر ہو اور اس سے بھی افضل ہو جو تم کل دشمن سے ملو گے اور ان کی گردنیں مارو گے اور وہ تمہاری گردنیں ماریں گے۔ لوگوں نے کہا' حضورؐ ضرور بتلایئے'

فرمایا' اللہ عزوجل کا ذکر۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا مجاہد افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا' سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والا۔ اس نے پھر روزے دار کی نسبت پوچھا' یہی جواب ملا' پھر نماز' زکوٰۃ' حج' صدقہ سب کی بابت پوچھا اور حضورؐ نے سب کا یہی جواب دیا۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا' پھر اللہ کا ذکر کرنے والے تو بہت ہی بڑھ گئے۔ حضورؐ نے فرمایا' ہاں۔ کثرت ذکر اللہ کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ اسی سورت کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ الخ کی تفسیر میں ہم ان احادیث کو بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرمایا یہ نیک صفتیں جن میں ہوں' ہم نے ان کے لئے مغفرت تیار کر رکھی ہے اور اجر عظیم یعنی جنت۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝۳۶

کسی مسلمان مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے فرمان کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا' یاد رکھو اللہ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے' وہ صریح گمراہی میں پڑے گا ○

حضور ﷺ کے پیغام کو رد کرنا گناہ عظیم ہے: ☆☆ (آیت:۳۶) رسول اللہ ﷺ حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کا پیغام لے کر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا ''میں اس سے نکاح نہیں کروں گی۔ آپؐ نے فرمایا! ایسا نہ کہو اور ان سے نکاح کر لو۔ حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ اچھا پھر کچھ مہلت دیجئے۔ میں سوچ لوں۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وحی نازل ہوئی اور یہ آیت اتری۔ اسے سن کر حضرت زینبؓ نے فرمایا' یا رسول اللہ! کیا آپ اس نکاح سے رضامند ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں۔ تو حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ بس پھر مجھے کوئی انکار نہیں' میں اللہ کے رسولؐ کی نافرمانی نہیں کروں گی۔ میں نے اپنا نفس ان کے نکاح میں دے دیا۔ اور روایت میں ہے کہ وجہ انکار یہ تھی کہ نسب کے اعتبار سے یہ بہ نسبت حضرت زیدؓ کے زیادہ شریف تھیں۔ حضرت زیدؓ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عقبہ بن ابومعیط کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد سب سے پہلی مہاجر عورت یہی تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضورؐ میں اپنا نفس آپ کو ہبہ کرتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا' مجھے قبول ہے۔ پھر حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کرا دیا۔ غالباً یہ نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہ کی علیحدگی کے بعد ہوا ہوگا۔ اس سے حضرت ام کلثوم ناراض ہوئیں اور ان کے بھائی بھی بگڑ بیٹھے کہ ہمارا اپنا ارادہ خود حضورؐ سے نکاح کا تھا نہ کہ آپ کے غلام سے نکاح کرنے کا' اس پر یہ آیت اتری بلکہ اس سے بھی زیادہ معاملہ صاف کر دیا گیا۔ اور فرما دیا گیا کہ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نبیؐ مومنوں کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ اولیٰ ہیں۔ پس آیت مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ خاص ہے اور اس سے بھی جامع آیت یہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک انصاری کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' تم اپنی لڑکی کا نکاح جلیبیبؓ سے کر دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اچھی بات ہے۔ میں اس کی ماں سے بھی مشورہ کر لوں۔ جا کر ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا' یہ نہیں ہو سکتا' ہم نے فلاں فلاں ان سے بڑے بڑے آدمیوں کے پیغام کو رد کر دیا اور اب جلیبیب سے نکاح کر دیں۔ انصاریؓ اپنی بیوی کا یہ جواب سن کر حضورؐ کی خدمت میں جانا چاہتے ہی تھے کہ لڑکی جو پردے کے پیچھے یہ تمام گفتگو سن رہی تھی' بول پڑی کہ تم رسول اللہ ﷺ کی

بات رد کرتے ہو؟ جب حضورؐ اس سے خوش ہیں تو تمہیں انکار نہ کرنا چاہیے۔ اب دونوں نے کہا کہ بچی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ بیچ میں رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس نکاح سے انکار کرنا گویا حضورؐ کے پیغام اور خواہش کو رد کرنا ہے یہ ٹھیک نہیں۔ چنانچہ انصاری رضی اللہ عنہ سیدھے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا آپ اس بات سے خوش ہیں؟ آپؐ نے فرمایا! ہاں' میں تو اس سے رضامند ہوں۔ کہا پھر آپؐ کو اختیار ہے۔ آپ نکاح کر دیجئے' چنانچہ نکاح ہو گیا۔ ایک مرتبہ اہل اسلام مدینہ والے دشمنوں کے مقابلے کے لئے نکلے' لڑائی ہوئی جس میں حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ انہوں نے بھی بہت سے کافروں کو قتل کیا تھا جن کی لاشیں ان کے آس پاس پڑی ہوئی تھیں۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود دیکھا' ان کا گھر بڑا آسودہ حال تھا۔ تمام مدینے میں ان سے زیادہ خرچیلا کوئی نہ تھا۔ ایک اور روایت میں حضرت ابو بردہ اسلمیؓ کا بیان ہے کہ حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ کی طبیعت خوش مذاق تھی اس لئے میں نے اپنے گھر میں کہہ دیا تھا کہ یہ تمہارے پاس نہ آئیں۔ انصاریوں کی عادت تھی کہ وہ کسی عورت کا نکاح نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ یہ معلوم کر لیں کہ حضورؐ ان کی بابت کچھ نہیں فرماتے۔ پھر وہ واقعہ بیان فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔

اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت جلیبیبؓ نے سات کافروں کو اس غزوے میں قتل کیا تھا۔ پھر کافروں نے یک مشت ہو کر آپ کو شہید کر دیا۔ حضورؐ ان کی تلاش کرتے ہوئے جب ان کی نعش کے پاس آئے تو فرمایا' سات کو مار کر پھر شہید ہوئے ہیں۔ یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا' پھر قبر کھدوا کر اپنے ہاتھوں پر انہیں اٹھا کر قبر میں اتارا۔ رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک ہی ان کا جنازہ تھا اور کوئی چارپائی وغیرہ نہ تھی۔ یہ بھی مذکور نہیں کہ انہیں غسل دیا گیا ہو۔ اس نیک بخت انصاریہ عورتؓ کے لئے جنہوں نے حضور ﷺ کی بات کی عزت رکھ کر اپنے ماں باپ کو سمجھایا تھا کہ انکار نہ کرو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ دعا کی تھی کہ اللہ اس پر اپنی رحمتوں کی بارش برسا اور اسے زندگی کے پورے لطف عطا فرما۔ تمام انصار میں ان سے زیادہ خرچ کرنے والی کوئی عورت نہ تھی۔ انہوں نے جب پردے کے پیچھے سے اپنے والدین سے کہا تھا کہ حضورؐ کی بات رد نہ کرو' اس وقت یہ آیت مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ الخ نازل ہوئی تھی۔

حضرت ابن عباسؓ سے حضرت طاؤسؒ نے پوچھا کہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھ سکتے ہیں؟ آپ نے منع فرمایا اور اسی آیت کی تلاوت کی۔ پس یہ آیت گو شان نزول کے اعتبار سے مخصوص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے ہوتے ہوئے نہ تو کوئی مخالفت کر سکتا ہے نہ اسے ماننے نہ ماننے کا اختیار کسی کو باقی رہتا ہے۔ نہ رائے اور قیاس کرنے کا حق' نہ کسی اور بات کا۔ جیسے فرمایا فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ الخ یعنی قسم ہے تیرے رب کی لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک کہ وہ آپس کے تمام اختلافات میں تجھے حاکم نہ مان لیں۔ پھر تیرے فرمان سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی نہ رکھیں بلکہ کھلے دل سے تسلیم کر لیں۔ صحیح حدیث میں ہے' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو گا جب تک کہ اس کی خواہش اس چیز کی تابعدار نہ بن جائے جسے میں لایا ہوں۔ اسی لئے یہاں بھی اس کی نافرمانی کی برائی بیان فرما دی کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرنے والا کھلم کھلا گمراہ ہے۔ جیسے فرمان ہے فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ یعنی جو لوگ ارشاد نبی کا خلاف کرتے ہیں' انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ ایسا نہ ہو ان پر کوئی فتنہ آ پڑے یا انہیں دردناک عذاب ہو۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ

زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

جبکہ تو اس شخص سے کہہ رہا تھا جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور تو نے بھی کہ تو اپنی بیوی کو آباد رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے خوف کھاتا تھا' اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حقدار تھا کہ اس سے ڈرے' پس جبکہ زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی' ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دی تا کہ مسلمانوں پر اپنے لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے جبکہ وہ اپنا جی ان سے بھر لیں' اللہ کا یہ حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا ○

عظمت زید بن حارثہؓ: ☆☆ (آیت:۳۷) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کے نبی ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ہر طرح سمجھایا۔ ان پر اللہ کا انعام تھا کہ اسلام اور متابعت رسولؐ کی توفیق دی اور حضورؐ کا بھی ان پر احسان تھا کہ انہیں غلامی سے آزاد کر دیا۔ یہ بڑی شان والے تھے اور حضور ﷺ کو بہت ہی پیارے تھے یہاں تک کہ انہیں سب مسلمان حب الرسول کہتے تھے۔ ان کے صاحبزادے اسامہؓ کو بھی حب بن حب کہتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ جس لشکر میں انہیں حضورؐ بھیجتے تھے' اس لشکر کا سردار انہی کو بناتے تھے۔ اگر یہ زندہ رہتے تو رسول اللہؐ کے خلیفہ بن جاتے (احمد) بزار میں ہے' حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں' میں مسجد میں تھا۔ میرے پاس حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آئے اور مجھ سے کہا' جاؤ حضورؐ سے ہمارے لئے اجازت طلب کرو۔ میں نے آپ کو خبر کی۔ آپؐ نے فرمایا' جانتے ہو وہ کیوں آئے ہیں؟ میں نے کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا لیکن میں جانتا ہوں' جاؤ بلا لو۔ یہ آئے اور کہا یا رسول اللہؐ ذرا بتایئے تو آپ کو اپنی اہل میں سے سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا' میری بیٹی فاطمہ۔ انہوں نے کہا' ہم حضرت فاطمہؓ کے بارے میں نہیں پوچھتے۔ آپؐ نے فرمایا' پھر اسامہ بن زید بن حارثہ جن پر اللہ نے انعام کیا اور میں نے بھی۔ حضور ﷺ نے ان کا نکاح اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی لڑکی زینب بنت جحشؓ اسدیہ سے کرا دیا تھا۔ دس دینار اور سات درہم مہر دیا تھا' ایک دوپٹہ' ایک چادر' ایک کرتا' پچاس مد اناج اور دس مد کھجوریں دی تھیں۔ ایک سال یا کچھ اوپر تک تو یہ گھر بسا لیکن پھر ناچاقی شروع ہو گئی۔ حضرت زیدؓ نے حضور ﷺ کے پاس آ کر شکایت شروع کی تو آپ انہیں سمجھانے لگے کہ گھر نہ توڑو۔ اللہ سے ڈرو۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اس جگہ بہت سے غیر صحیح آثار نقل کئے ہیں جن کا نقل کرنا بھی ہم نامناسب جان کر ترک کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے ایک بھی ثابت اور صحیح نہیں۔ مسند احمد میں بھی ایک روایت حضرت انسؓ سے ہے لیکن اس میں بھی بڑی غرابت ہے اس لئے ہم نے اسے بھی وارد نہیں کیا۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ یہ آیت حضرت زینب بنت جحش اور حضرت زید بن حارثہؓ کے بارے میں اتری ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے اپنے نبی ﷺ کو خبر دے دی تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ یہی بات تھی جسے آپؐ نے ظاہر نہ فرمایا اور حضرت زیدؓ کو سمجھایا کہ وہ اپنی بیوی کو الگ نہ کریں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' حضورؐ اگر اللہ کی وحی کتاب اللہ میں سے ایک آیت بھی چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے۔

وطر کے معنی حاجت کے ہیں- مطلب یہ ہے کہ جب زید ان سے سیر ہو گئے اور باوجود سمجھانے بجھانے کے بھی میل ملاپ قائم نہ رہ سکا بلکہ طلاق ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کو اپنے نبی کے نکاح میں دے دیا- اس لئے ولی کے ایجاب وقبول سے مہر اور گواہوں کی ضرورت نہ رہی- مسند احمد میں ہے' حضرت زینبؓ کی عدت پوری ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ سے کہا' تم جاؤ اور انہیں مجھ سے نکاح کرنے کا پیغام پہنچاؤ- حضرت زیدؓ گئے- اس وقت آپ آٹا گوندھ رہی تھیں- حضرت زیدؓ پر ان کی عظمت اس قدر چھائی کہ سامنے پڑ کر بات نہ کر سکے- منہ پھیر کر بیٹھ گئے اور ذکر کیا- حضرت زینبؓ نے فرمایا' ٹھہرو! میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر لوں- یہ تو کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگیں- ادھر رسول اللہ ﷺ پر وحی اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا' میں نے ان کا نکاح تجھ سے کر دیا- چنانچہ اسی وقت حضور ﷺ بے اطلاع چلے آئے- پھر ولیمے کی دعوت میں آپؐ نے ہم سب کو گوشت روٹی کھلائی- لوگ کھا پی کر چلے گئے مگر چند آدمی وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے- آپؐ باہر نکل کر اپنی بیویوں کے حجرے کے پاس گئے- آپؐ انہیں سلام علیک کرتے تھے اور وہ آپؐ سے دریافت کرتی تھیں کہ فرمایئے بیوی صاحبہؓ سے خوش تو ہیں؟ مجھے یہ یاد نہیں کہ میں نے حضور کو خبر دی یا آپ خبر دیئے گئے کہ لوگ وہاں سے چلے گئے- اس کے بعد آپؐ اس گھر کی طرف تشریف لے گئے- میں بھی آپؐ کے ہمراہ تھا- میں نے آپؐ کے ساتھ ہی جانے کا ارادہ کیا لیکن آپؐ نے پردہ گرا دیا اور میرے اور آپ کے درمیان حجاب ہو گیا اور پردے کی آیتیں اتریں اور صحابہؓ کو نصیحت کی گئی اور فرما دیا گیا کہ نبیؐ کے گھروں میں بے اجازت نہ جاؤ-

مسلم وغیرہ صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوسری ازواج مطہرات سے فخراً کہا کرتی تھیں کہ تم سب کے نکاح تمہارے ولی وارثوں نے کئے اور میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر کرا دیا- سورۂ نور کی تفسیر میں ہم یہ روایت بیان کر چکے ہیں کہ حضرت زینبؓ نے کہا' میرا نکاح آسمان سے اترا اور ان کے مقابلے پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا' میری برأت کی آیتیں آسمان سے اتر- جس کا حضرت زینبؓ نے اقرار کیا-

ابن جریر میں ہے' حضرت زینبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک مرتبہ کہا' مجھ میں اللہ تعالیٰ نے تین خصوصیتیں رکھی ہیں جو آپؐ کی اور بیویوں میں نہیں- ایک تو یہ کہ میرا اور آپ کا دادا ایک ہے- دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے مجھے آپ کے نکاح میں دیا- تیسرے یہ کہ ہمارے درمیان سفیر حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے- پھر فرماتا ہے' ہم نے ان سے نکاح کرنا تیرے لئے جائز کر دیا تاکہ مسلمانوں پر ان کے لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں جب انہیں طلاق دے دی جائے' کوئی حرج نہ رہے- یعنی وہ اگر چاہیں ان سے نکاح کر سکیں- حضورؐ نے نبوت سے پہلے حضرت زید کو اپنا متبنی بنا رکھا تھا- عام طور پر انہیں زید بن محمدؐ کہا جاتا تھا- قرآن نے اس نسبت سے بھی ممانعت کر دی اور حکم دیا کہ انہیں اپنے حقیقی باپ کی طرف نسبت کر کے پکارا کرو-

پھر حضرت زیدؓ نے جب حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی تو اللہ پاک نے انہیں اپنے نبیؐ کے نکاح میں دے کر یہ بات بھی ہٹا دی- جس آیت میں حرام عورتوں کا ذکر کیا ہے' وہاں بھی یہی فرمایا کہ تمہارے اپنے صلبی لڑکوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں- تاکہ لے پالک لڑکوں کی لڑکیاں اس حکم سے خارج رہیں- کیونکہ ایسے لڑکے عرب میں بہت تھے- یہ امر اللہ کے نزدیک مقرر ہو چکا تھا- اس کا ہونا حتمی' یقینی اور ضروری تھا اور حضرت زینبؓ کو یہ شرف ملنا پہلے ہی سے لکھا جا چکا تھا کہ وہ ازواج مطہرات امہات المومنین میں داخل ہوں- رضی اللہ تعالیٰ عنہا-

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿٣٨﴾

جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے حلال کی ہیں' ان میں نبیؐ پر کوئی حرج نہیں۔ یہی دستور الٰہی ان میں بھی رہا جو پہلے ہوئے اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر مقرر کئے ہوئے ہیں ○

لے پالک کی بیوی سے متعلق حکم: ☆☆ (آیت:۳۸) فرماتا ہے کہ جب اللہ کے نزدیک اپنے لے پالک متبنٰی کی بیوی سے اس کی طلاق کے بعد نکاح کرنا حلال ہے' پھر اس میں نبیؐ پر کیا حرج ہے؟ اگلے نبیوں پر جو جو حکم الٰہی نازل ہوتے تھے' ان پر عمل کرنے میں ان پر کوئی حرج نہ تھا۔ اس سے منافقوں کے اس قول کا رد کرنا ہے کہ دیکھو اپنے آزاد کردہ غلام اور لے پالک لڑکے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اس اللہ کے مقرر کردہ امور ہو کر ہی رہتے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے' ہوتا ہے۔ جو نہیں چاہتا' نہیں ہوتا۔

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾ مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ ع ۶

جو اللہ کے احکام پہنچاتے رہے اور اس سے خوف کھاتے رہے اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈرے' کافی ہے اللہ کفایت کرنے والا ○ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد (ﷺ) نہیں لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں' اللہ ہر چیز کا بخوبی جاننے والا ہے ○

امی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم: ☆☆ (آیت:۳۹-۴۰) ان کی تعریف ہو رہی ہے جو اللہ کی مخلوق کو اللہ کے پیغام پہنچاتے ہیں اور امانت الٰہی کی ادائیگی کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہیں کرتے' کسی کی سطوت وشان سے مرعوب ہو کر پیغام الٰہی کے پہنچانے میں خوف نہیں کھاتے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد کافی ہے۔ اس منصب کی ادائیگی میں سب کے پیشوا بلکہ ہر اک امر میں سب کے سردار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ خیال فرمایئے کہ مشرق ومغرب کے ہر اک بنی آدم کو حضورؐ نے اللہ کے دین کی تبلیغ کی۔ اور جب تک اللہ کا دین چار دانگ عالم میں پھیل نہ گیا' آپؐ مسلسل مشقت کے ساتھ اللہ کے دین کی اشاعت میں مصروف رہے۔ آپؐ سے پہلے کے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوم ہی کی طرف آتے رہے لیکن حضور ﷺ ساری دنیا کی طرف اللہ کے رسول بن کر آئے تھے۔ قرآن میں فرمان الٰہی ہے کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ سلام علیہ۔ پھر آپؐ کے بعد منصب تبلیغ آپؐ کی امت کو ملا۔ ان میں سب کے سردار آپؐ کے صحابہ ہیں' رضوان اللہ علیہم۔ جو کچھ انہوں نے حضورؐ سے سیکھا تھا' سب کچھ بعد والوں کو سکھا دیا۔ تمام اقوال وافعال' جو احوال دن اور رات کے' سفر وحضر کے' ظاہر وپوشیدہ دنیا کے سامنے رکھ دیئے۔ اللہ ان پر اپنی رضامندی نازل فرمائے۔ پھر ان کے بعد والے ان کے وارث ہوئے اور اسی طرح ہر بعد والے اپنے سے پہلے والوں کے وارث بنے اور اللہ کا دین ان سے

پھیلتا رہا - اور قرآن و حدیث لوگوں تک پہنچتے رہے - ہدایت والے ان کی اقتداء سے منور ہوتے رہے اور توفیق خیر والے ان کے مسلک پر چلتے رہے - اللہ کریم سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی ان میں سے کر دے -

مسند احمد میں ہے' تم میں سے کوئی اپنا آپ ذلیل نہ کرے - لوگوں نے کہا' حضورؐ یہ کیسے! فرمایا خلاف شرع کام دیکھ کر لوگوں کے خوف کے مارے خاموش ہو رہے' قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی کہ تو کیوں خاموش رہا؟ یہ کہے گا کہ لوگوں کے ڈر سے - اللہ تعالیٰ فرمائے گا' سب سے زیادہ خوف رکھنے کے قابل تو میری ذات تھی پھر اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ کسی کو حضورؐ کا صاحبزادہ کہا جائے - لوگ جو زید بن محمد کہتے تھے' جس کا بیان اوپر گزر چکا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضورؐ زید کے والد نہیں - یہی ہوا بھی کہ حضورؐ کی کوئی نرینہ اولاد بلوغت کو پہنچی ہی نہیں - قاسمؓ طیب اور طاہر تین بچے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے' حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے ایک بچہ ہوا جس کا نام حضرت ابراہیمؓ تھا لیکن یہ بھی دودھ پلانے کے زمانے میں ہی انتقال کر گئے - آپ کی لڑکیاں حضرت خدیجہؓ سے چار تھیں - زینب' رقیہ' ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین - ان میں سے تین تو آپؐ کی زندگی میں ہی رحلت فرما گئیں - صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال آپؐ کے چھ ماہ بعد ہوا - پھر فرماتا ہے بلکہ آپ اللہ کے رسولؐ اور خاتم الانبیاءؐ ہیں جیسے فرمایا' اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھتا ہے - یہ آیت نص ہے اس امر پر کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں - اور جب نبی ہی نہیں تو رسول کہاں؟ کوئی نبی' رسول آپ کے بعد نہیں آئے گا - رسالت تو نبوت سے بھی خاص چیز ہے - ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں - متواتر احادیث سے بھی حضورؐ کا ختم الانبیاء ہونا ثابت ہے - بہت سے صحابہؓ سے یہ حدیثیں روایت کی گئی ہیں - مسند احمد میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک بہت اچھا اور پورا مکان بنایا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جہاں کچھ نہ رکھا' لوگ اسے چاروں طرف سے دیکھتے بھالتے اور اس کی بناوٹ سے خوش ہوتے لیکن کہتے' کیا اچھا ہوتا کہ اس اینٹ کی جگہ پر کر لی جاتی - پس میں نبیوں میں اسی اینٹ کی جگہ ہوں - امام ترمذیؒ بھی اس حدیث کو لائے ہیں اور اسے حسن صحیح کہا ہے -

مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' رسالت اور نبوت ختم ہو گئی' میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ نبی - صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ بات گراں گزری تو آپؐ نے فرمایا لیکن خوش خبریاں دینے والے - صحابہؓ نے پوچھا خوشخبریاں دینے والے کیا ہیں - فرمایا' مسلمانوں کے خواب جو نبوت کے اجزا میں سے ایک جز ہیں - یہ حدیث بھی ترمذی شریف میں ہے اور امام ترمذیؒ اسے صحیح غریب کہتے ہیں - محل کی مثال والی حدیث ابوداؤد طیالسی میں بھی ہے - اس کے آخر میں یہ ہے کہ میں اس اینٹ کی جگہ ہوں' مجھ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ختم کئے گئے - اسے بخاری و مسلم اور ترمذی بھی لائے ہیں - مسند کی اس حدیث کی ایک سند میں ہے کہ میں آیا اور میں نے اس خالی اینٹ کی جگہ پر کر دی - مسند میں ہے' میرے بعد نبوت نہیں مگر خوشخبری والے - پوچھا گیا' یا رسول اللہؐ وہ کیا ہیں؟ فرمایا' اچھے خواب یا فرمایا نیک خواب - عبدالرزاق وغیرہ میں محل کی اینٹ کی مثال والی حدیث میں' ہے کہ لوگ اسے دیکھ کر محل والے سے کہتے ہیں کہ تو نے اس اینٹ کی جگہ کیوں چھوڑ دی؟ پس میں وہ اینٹ ہوں - صحیح مسلم شریف میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' مجھے تمام انبیاء پر چھ فضیلتیں دی گئی ہیں' مجھے جامع کلمات عطا فرمائے گئے ہیں - صرف رعب سے میری مدد کی گئی ہے - میرے لئے غنیمت کا مال حلال کیا گیا - میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو بنائی گئی' میں ساری مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میرے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا گیا ہے - یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں - صحیح مسلم وغیرہ میں محل کی مثال والی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ میں آیا اور میں نے اس اینٹ کی جگہ پوری کر دی -

مسند میں ہے' میں اللہ کے نزدیک نبیوں کا علم کرنے والا تھا اس وقت جبکہ آدمؑ پورے طور پر پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور حدیث میں ہے' میرے کئی نام ہیں' میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں۔ تمام لوگوں کا حشر میرے قدموں تلے ہوگا اور میں عاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ (بخاری و مسلم) حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں' ایک روز حضورؐ ہمارے پاس آئے گویا کہ آپ رخصت کر رہے ہیں اور تین مرتبہ فرمایا' میں امی نبی ہوں' میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ میں فاتح کلمات دیا گیا ہوں جو نہایت جامع اور پورے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ جہنم کے داروغے کتنے ہیں اور عرش کے اٹھانے والے کتنے ہیں۔ میرا اپنی امت سے تعارف کرایا گیا ہے۔ جب تک میں تم میں ہوں' میری سنتے رہو اور مانتے چلے جاؤ۔ جب میں رخصت ہو جاؤں تو کتاب اللہ کو مضبوط تھام لو اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو۔ (مسند امام احمدؒ)

اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس وسیع رحمت پر اس کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے اپنے رحم و کرم سے ایسے عظیم رسول ﷺ کو ہماری طرف بھیجا اور انہیں ختم المرسلین اور خاتم الانبیاء بنایا اور یکسوئی والا' آسان' سچا اور سہل دین آپؐ کے ہاتھوں کمال کو پہنچایا۔ رب العالمین نے اپنی کتاب میں اور رحمتہ للعالمین نے اپنی متواتر احادیث میں یہ خبر دے دی کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ پس جو شخص بھی آپؐ کے بعد نبوت یا رسالت کا دعویٰ کرے' وہ جھوٹا' مفتری' دجال' گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ گو وہ شعبدے دکھائے اور جادوگری کرے اور بڑے کمالات اور عقل کو حیران کر دینے والی چیزیں پیش کرے اور طرح طرح کی بیرنگیاں دکھائے لیکن عقلمند جانتے ہیں کہ یہ سب فریب' دھوکہ اور مکاری ہے۔ یمن کے مدعی نبوت عنسی کو اور یمامہ کے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو دیکھ لو کہ دنیا نے انہیں جیسے یہ تھے' سمجھ لیا اور ان کی اصلیت سب پر ظاہر ہوگئی۔ یہی حال ہوگا ہر اس شخص کا جو قیامت تک اس دعوے سے مخلوق کے سامنے آئے گا کہ اس کا جھوٹ اور اس کی گمراہی سب پر کھل جائے گی۔ یہاں تک کہ سب سے آخری دجال مسیح دجال آئے گا۔ اس کی علامتوں سے بھی ہر عالم اور ہر مومن اس کا کذاب ہونا جان لے گا۔ پس یہ بھی اللہ کی ایک نعمت ہے کہ ایسے جھوٹے دعوے داروں کو یہ نصیب ہی نہیں ہوتا کہ وہ نیکی کے احکام دیں اور برائی سے روکیں۔ ہاں جن احکام میں ان کا اپنا کوئی مقصد ہوتا ہے' ان پر بہت زور دیتے ہیں۔ ان کے اقوال' افعال افترا اور فجور والے ہوتے ہیں۔ جیسے فرمان باری ہے هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ الخ یعنی کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن کے پاس آتے ہیں؟ ہر ایک بہتان باز گنہگار کے پاس۔ سچے نبیوں کا حال اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ وہ نہایت نیکی والے' بہت سچے' ہدایت والے' استقامت والے' قول و فعل کے اچھے' نیکیوں کا حکم دینے والے' برائیوں سے روکنے والے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی اللہ کی طرف سے ان کی تائید ہوتی ہے۔ معجزوں سے اور خارق عادت چیزوں سے ان کی سچائی اور زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس قدر ظاہر' واضح اور صاف دلیلیں ان کی نبوت پر ہوتی ہیں کہ ہر قلب سلیم ان کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام سچے نبیوں پر قیامت تک درود و سلام نازل فرماتا رہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٤٢﴾ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ

رَحِیۡمًا ﴿۴۳﴾ تَحِیَّتُہُمۡ یَوۡمَ یَلۡقَوۡنَہٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ اَجۡرًا کَرِیۡمًا ﴿۴۴﴾

مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرتے رہا کرو ○ اور صبح شام اس کی پاکیزگی بیان کرو ○ وہ تم پر اپنی رحمتیں بھیجتا ہے۔ اس کے فرشتے تمہارے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ وہ تمہیں اندھیریوں سے اجالے کی طرف لے جا رہا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بہت ہی مہربان ہے ○ جس دن یہ اللہ سے ملاقات کریں گے ان کا تحفہ سلام ہوگا' ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ○

بہترین دعا: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۴) بہت سی نعمتوں کے انعام کرنے والے اللہ کا حکم ہو رہا ہے کہ ہمیں اس کا بکثرت ذکر کرنا چاہیے اور اس پر بھی ہمیں نعمتو ددوں اور بڑے اجر و ثواب کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کیا میں تمہیں بہتر عمل اور بہت ہی زیادہ پاکیزہ کام اور سب سے بڑے درجے کی نیکی اور سونے چاندی کو راہ اللہ خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور جہاد سے بھی افضل کام نہ بتاؤں؟ لوگوں نے پوچھا' حضورؐ وہ کیا ہے؟ فرمایا' اللہ عزوجل کا ذکر۔ (ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ) یہ حدیث پہلے وَالذّٰکِرِیۡنَ اللّٰہَ کی تفسیر میں بھی گزر چکی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا سنی ہے جسے میں کسی وقت ترک نہیں کرتا۔ اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنِیۡ اُعَظِّمُ شُکۡرَكَ وَ اَتَّبِعُ نَصِیۡحَتَكَ وَ اُکۡثِرُ ذِکۡرَكَ وَ اَحۡفَظُ وَصِیَّتَكَ یعنی اے اللہ تو مجھے اپنا بہت بڑا شکر گزار' فرماں بردار' بکثرت ذکر کرنے والا اور تیرے احکام کی حفاظت کرنے والا بنا دے۔ (ترمذی وغیرہ) دو اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ایک نے پوچھا' سب سے اچھا شخص کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا' جو لمبی عمر پائے اور نیک اعمال کرے۔ دوسرے نے پوچھا حضورؐ احکام اسلام تو بہت سارے ہیں' مجھے کوئی چوٹی کا حکم بتا دیجئے کہ اس سے چمٹ جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا' ذکر اللہ میں ہر وقت اپنی زبان کو تر رکھ (ترمذی) فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہو یہاں تک کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں (مسند احمد) فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرو یہاں تک کہ منافق تمہیں ریاکار کہنے لگیں۔ (طبرانی) فرماتے ہیں' جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہاں اللہ کا ذکر نہ کریں' وہ مجلس قیامت کے دن ان پر حسرت و افسوس کا باعث بنے گی۔ (مسند)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہر فرض کام کی کوئی حد ہے۔ پھر عذر کی حالت میں وہ معاف بھی ہے لیکن ذکر اللہ کی کوئی حد نہیں نہ وہ کسی وقت ٹلتا ہے۔ ہاں کوئی دیوانہ ہو تو اور بات ہے۔ کھڑے' بیٹھے' لیٹے' رات کو' دن کو' خشکی میں' تری میں' سفر میں' حضر میں' غنا میں' فقر میں' صحت میں' بیماری میں' پوشیدگی میں' ظاہر میں غرض ہر حال میں ذکر اللہ کرنا چاہیے۔ صبح شام اللہ کی تسبیح بیان کرنی چاہیے۔ تم جب یہ کرو گے تو اللہ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا اور فرشتے تمہارے لئے ہر وقت دعا گو رہیں گے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث و آثار ہیں۔ اس آیت میں بھی بکثرت ذکر اللہ کرنے کی ہدایت ہو رہی ہے۔ بزرگوں نے ذکر اللہ اور وظائف کی بہت سی مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جیسے امام نسائیؒ' امام معمریؒ وغیرہ۔ ان سب میں بہترین کتاب اس موضوع پر حضرت امام نووی رحمتہ اللہ علیہ کی ہے۔ صبح شام اس کی تسبیح بیان کرتے رہو۔ جیسے فرمایا فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ الخ اللہ کے لئے پاکی ہے جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔ اسی کے لئے حمد ہے آسمان میں اور زمین میں اور بعد از زوال اور ظہر کے وقت۔

پھر اس کی فضیلت بیان کرنے اور اس کی طرف رغبت دلانے کے لئے فرماتا ہے' وہ خود تم پر رحمت بھیج رہا ہے یعنی جب وہ تمہاری یاد رکھتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ تم اس کے ذکر سے غفلت کرو؟ جیسے فرمایا کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ الخ جس طرح ہم نے تم میں خود تمہی

میں سے رسول بھیجا جو تم پر ہماری کتاب پڑھتا ہے اور وہ سکھاتا ہے جسے تم جانتے ہی نہ تھے - پس تم میرا ذکر کرو میں تمہاری یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو - حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے -

صلوٰۃ جب اللہ کی طرف مضاف ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی اپنے فرشتوں کے سامنے بیان کرتا ہے - اور قول میں ہے مراد اس سے رحمت ہے - اور دونوں قولوں کا انجام ایک ہی ہے - فرشتوں کی صلوٰۃ ان کی دعا اور استغفار ہے - جیسے اور آیت میں ہے اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ الخ عرش کے اٹھانے والے اور اس کے آس پاس والے اپنے رب کی حمد و تسبیح بیان کرتے ہیں اس پر ایمان لاتے ہیں اور مومن بندوں کے لئے استغفار کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہر چیز کو رحمت و علم سے گھیر لیا ہے - اے اللہ تو انہیں بخش جو توبہ کرتے ہیں اور تیری راہ پر چلتے ہیں - انہیں عذاب جہنم سے بھی نجات دے - انہیں ان جنتوں میں لے جا جن کا تو ان سے وعدہ کر چکا ہے اور انہیں بھی ان کے ساتھ پہنچا دے جو ان کے باپ دادوں بیویوں اور اولادوں میں سے نیک ہوں انہیں برائیوں سے بچا لے - وہ اللہ اپنی رحمت کو تم پر نازل فرما کر اپنے فرشتوں کی دعا کو تمہارے حق میں قبول فرما کر تمہیں جہالت و ضلالت کی اندھیریوں سے نکال کر ہدایت و یقین کے نور کی طرف لے جاتا ہے - اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں مومنوں پر رحیم و کریم ہے - دنیا میں حق کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے اور روزیاں عطا فرماتا ہے اور آخرت میں گھبراہٹ اور ڈر خوف سے بچا لے گا - فرشتے آ آ کر انہیں بشارت دیں گے کہ تم جہنم سے آزاد ہو اور جنتی ہو - کیونکہ ان فرشتوں کے دل مومنوں کی محبت و الفت سے پر ہیں - حضور ﷺ ایک مرتبہ اپنے اصحاب کے ساتھ راستے سے گزر رہے تھے - ایک چھوٹا بچہ رستے میں تھا - اس کی ماں نے ایک جماعت کو آتے ہوئے دیکھا تو میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی اور بچے کو گود میں لے کر ایک طرف ہٹ گئی - ماں کی اس محبت کو دیکھ کر صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہؐ خیال تو فرمائیے کیا یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ حضورؐ ان کے مطلب کو سمجھ کر فرمانے لگے قسم اللہ! اللہ تعالیٰ بھی اپنے دوستوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا - (مسند احمد)

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک قیدی عورت کو دیکھا کہ اس نے اپنے بچے کو دیکھتے ہی اٹھا لیا اور اپنے کلیجے سے لگا کر دودھ پلانے لگی - آپؐ نے فرمایا بتاؤ تو اگر اس کے اختیار میں ہو تو کیا یہ اپنی خوشی سے اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ صحابہ نے کہا ہرگز نہیں آپؐ نے فرمایا قسم ہے اللہ کی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے اللہ کی طرف سے ان کا تحفہ جس دن یہ اس سے ملیں گے سلام ہوگا - جیسے فرمایا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ قتادہؒ فرماتے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرے گا - اس کی تائید بھی آیت دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا الخ سے ہوتی ہے - اللہ نے ان کے لئے اجر کریم یعنی جنت مع اس کی تمام نعمتوں کے تیار کر رکھی ہے جن میں سے ہر نعمت کھانا پینا پہننا اوڑھنا عورتیں لذتیں منظر وغیرہ ایسی ہیں کہ آج تو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتیں چہ جائیکہ دیکھنے میں یا سننے میں آئیں -

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ
دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ
بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ﴿۴۷﴾ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ
وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ

وَكِيلًا ﴿٤٨﴾

اے نبی یقیناً ہم نے ہی تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ گواہیاں دینے والا' خوشخبریاں سنانے والا' آگاہ کرنے والا اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ O تو مومنوں کو خوشخبری سنا دے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے O کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مان اور جو ایذا ان کی طرف سے پہنچے اس کا خیال بھی نہ کر' اللہ پر بھروسہ کئے رہ۔ کافی ہے اللہ کام بنانے والا O

تورات میں نبی اکرم ﷺ کی صفات : ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۸) عطا بن یسارؒ فرماتے ہیں' میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور ﷺ کی صفتیں تورات میں کیا ہیں؟ فرمایا جو صفتیں آپ کی قرآن میں ہیں' انہی میں سے بعض اوصاف آپ کے تورات میں بھی ہیں۔ تورات میں ہے' اے نبی ہم نے تجھے گواہ اور خوشی سنانے والا' ڈرانے والا' امتیوں کو بچانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ اور رسولؐ ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔ تو بدگو اور فحش کلام نہیں ہے' نہ بازاروں میں شور مچانے والا۔ وہ برائی کے بدلے برائی نہیں کرتا بلکہ درگذر کرتا ہے اور معاف فرماتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ قبض نہیں کرے گا جب تک لوگوں کے ٹیڑھا کر دیئے ہوئے دین کو اس کی ذات سے بالکل سیدھا نہ کر دے اور وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے قائل نہ ہو جائیں جس سے اندھی آنکھیں روشن ہو جائیں اور بہرے کان سننے والے بن جائیں اور پردوں والے دلوں کے زنگ چھوٹ جائیں۔ (بخاری)

ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں' بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ' میں تمہاری زبان سے اپنی باتیں کہلواؤں گا۔ میں امیوں میں سے ایک امی کو بھیجنے والا ہوں جو نہ بدخلق ہے نہ بدگو۔ نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والا۔ اس قدر سکون وامن کا حامل ہے کہ اگر چراغ کے پاس سے بھی گزر جائے تو وہ نہ بجھے اور اگر بانسوں پر بھی چلے تو پیر کی چاپ نہ معلوم ہو۔ میں اسے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا جو حق گو ہوگا اور میں اس کی وجہ سے اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا اور بہرے کانوں کو سننے والا کر دوں گا اور زنگ آلود دلوں کو صاف کر دوں گا۔ ہر بھلائی کی طرف اس کی رہبری کروں گا۔ ہر نیک خصلت اس میں موجود رکھوں گا۔ دل جمعی اس کا لباس ہوگی۔ نیکی اس کا وطیرہ ہوگا۔ تقویٰ اس کی ضمیر ہوگی۔ حکمت اس کی گویائی ہوگی۔ صدق و وفا اس کی عادت ہوگی۔ عفو و درگزر اس کا خلق ہوگا۔ حق اس کی شریعت ہوگی۔ عدل اس کی سیرت ہوگی۔ ہدایت اس کی امام ہوگی۔ اسلام اس کا دین ہوگا۔ احمد اس کا نام ہوگا۔ گمراہوں کو میں اس کی وجہ سے ہدایت دوں گا۔ جاہلوں کو اس کی بدولت علماء بنا دوں گا۔ تنزل والوں کو ترقی پر پہنچا دوں گا۔ انجانوں کو مشہور و معروف کر دوں گا۔ قلت کو اس کی وجہ سے کثرت سے' فقیری کو امیری سے' فرقت کو الفت سے' اختلاف کو اتفاق سے بدل دوں گا۔ مختلف اور متضاد دلوں کو متفق اور متحد کر دوں گا۔ جدا گانہ خواہشوں کو یکسو کر دوں گا۔ دنیا کو اس کی وجہ سے ہلاکت سے بچا لوں گا۔ تمام امتوں سے اس کی امت کو اعلیٰ اور افضل بنا دوں گا۔ وہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے دنیا میں پیدا کئے جائیں گے۔ ہر ایک کو نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔ وہ موحد ہوں گے' مومن ہوں گے' اخلاص والے ہوں گے' رسولوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے' سب کو سچ ماننے والے ہوں گے۔ وہ اپنی مسجدوں' مجلسوں اور بستروں پر چلتے پھرتے' بیٹھتے اٹھتے میری تسبیح' حمد وثنا' بزرگی اور بڑائی بیان کرتے رہیں گے۔ کھڑے اور بیٹھے نمازیں ادا کرتے رہیں گے۔ دشمنان الٰہی سے صفیں باندھ کر حملے کر کے جہاد کریں گے۔ ان میں سے ہزار ہا لوگ میری رضا مندی کی جستجو میں اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوں گے۔ منہ ہاتھ وضو میں دھویا کریں گے۔ تہمد آدھی پنڈلی تک باندھیں گے۔ میری راہ میں قربانیاں دیں گے۔ میری کتاب ان کے سینوں میں ہوگی۔ راتوں کو عابد اور

دنوں کو مجاہد ہوں گے۔ میں اس نبی کی اہل بیت اور اولاد میں سبقت کرنے والے صدیق، شہید اور صالح لوگ پیدا کردوں گا۔

اس کی امت اس کے بعد دنیا کو حق کی ہدایت کرے گی اور حق کے ساتھ عدل وانصاف کرے گی۔ ان کی امداد کرنے والوں کو میں عزت والا کروں گا اور ان کو بلانے والوں کی مدد کروں گا۔ ان کے مخالفین اور ان کے باغی اور ان کے بدخواہوں پر میں برے دن لاؤں گا۔ میں انہیں ان کے نبیؐ کے وارث کردوں گا جو اپنے رب کی طرف لوگوں کو دعوت دیں گے۔ نیکیوں کی باتیں بتائیں گے، برائیوں سے روکیں گے، نماز ادا کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، وعدے پورے کریں گے، اس خیر کو میں ان کے ہاتھوں پوری کروں گا جو ان سے شروع ہوئی تھی۔ یہ ہے میرا فضل جسے چاہوں دوں اور میں بہت بڑے فضل وکرم کا مالک ہوں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپؐ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیج رہے تھے جو یہ آیت اتری تو آپؐ نے انہیں فرمایا، جاؤ خوشخبریاں سنانا، نفرت نہ دلانا، آسانی کرنا، سختی نہ کرنا، دیکھو مجھ پر یہ آیت اتری ہے۔ طبرانی میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا، مجھ پر یہ اترا ہے کہ اے نبی ہم نے تجھے تیری امت پر گواہ بنا کر جنت کی خوشخبری دینے والا بنا کر اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر اور اللہ کے حکم سے اس کی توحید کی شہادت کی طرف لوگوں کو بلانے والا بنا کر اور روشن چراغ قرآن کے ساتھ بنا کر بھیجا ہے۔ پس آپؐ اللہ کی وحدانیت پر کہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں، گواہ ہیں اور قیامت کے دن آپ لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔ جیسے ارشاد ہے وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا یعنی ہم تجھے ان پر گواہ بنا کر لائیں گے اور آیت میں ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور تم پر یہ رسول گواہ ہیں۔ آپ مومنوں کو بہترین اجر کی بشارت سنانے والے اور کافروں کو بدترین عذاب کا ڈر سنانے والے ہیں اور چونکہ اللہ کا حکم ہے، اس کی بجاآوری کے ماتحت آپ مخلوق کو خالق کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں۔ آپ کی سچائی اس طرح ظاہر ہے جیسے سورج کی روشنی۔ ہاں کوئی ضدی اڑ جائے تو اور بات ہے، اے نبی! کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو نہ ان کی طرف کان لگاؤ اور ان سے درگزر کرو۔ یہ جو ایذائیں پہنچاتے ہیں، انہیں خیال میں بھی نہ لاؤ اور اللہ پر بھروسہ کر، وہ کافی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

اے مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو، تمہیں کچھ نہ کچھ انہیں دے دینا چاہئے اور بھلے طریق پر انہیں رخصت کر دینا چاہئے ○

نکاح کی حقیقت: ☆☆ (آیت:۴۹) اس آیت میں بہت سے احکام ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف عقد پر بھی نکاح کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت میں اس سے زیادہ صراحت والی آیت اور نہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ لفظ نکاح حقیقت میں صرف ایجاب وقبول کے لئے ہے؟ یا صرف جماع کے لئے ہے؟ یا ان دونوں کے مجموعے کے لئے؟ قرآن کریم میں اس کا اطلاق عقد و وطی دونوں پر ہی ہوا ہے۔ لیکن اس آیت میں صرف عقد پر ہی اطلاق ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دخول سے پہلے بھی خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ مومنات کا ذکر یہاں پر بوجہ غلبہ کے ہے ورنہ حکم کتابیہ عورت کا بھی یہی ہے۔ سلف کی ایک بڑی جماعت نے اس آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے جب اس سے پہلے نکاح ہو گیا ہو۔ اس آیت میں نکاح کے بعد طلاق کو فرمایا ہے پس معلوم ہوا

کہ نکاح سے پہلے نہ طلاق صحیح ہے نہ وہ واقع ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور بہت بڑی جماعت سلف و خلف کا یہی مذہب ہے۔ مالکؒ اور ابوحنیفہؒ کا خیال ہے کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق درست ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے۔ تو اب جب بھی اس سے نکاح کرے گا طلاق پڑ جائے گی۔ پھر مالکؒ اور ابوحنیفہؒ میں اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو کہے کہ جس عورت سے میں نکاح کروں' اس پر طلاق ہے تو امام ابوحنیفہؒ تو کہتے ہیں جس سے وہ نکاح کرے گا اس پر طلاق پڑ جائے گی اور امام مالکؒ کا قول ہے کہ نہیں پڑے گی کیونکہ کسی خاص عورت کو مقرر کر کے اس نے یہ نہیں کہا۔ جمہور جو اس کے خلاف ہیں ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی شخص نے نکاح سے پہلے یہ کہا ہو کہ میں جس عورت سے نکاح کروں' اس پر طلاق ہے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا' اس عورت میں طلاق نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے طلاق کو نکاح کے بعد فرمایا ہے۔ پس نکاح سے پہلے کی طلاق کوئی چیز نہیں۔ مسند احمد' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ابن آدم جس کا مالک نہ ہو' اس میں طلاق نہیں۔ اور حدیث میں ہے' جو طلاق نکاح سے پہلے کی ہو' وہ کسی شمار میں نہیں۔ (ابن ماجہ)

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم عورتوں کو نکاح کے بعد ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر کوئی عدت نہیں بلکہ وہ جس سے چاہیں' اسی وقت نکاح کر سکتی ہیں۔ ہاں اگر ایسی حالت میں' ان کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو یہ حکم نہیں اسے چار ماہ دس دن کی عدت گزارنی پڑے گی۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ پس نکاح کے بعد ہی میاں نے بیوی کو اس سے پہلے ہی اگر طلاق دے دی ہے تو اگر مہر مقرر ہو چکا ہے تو اس کا آدھا دینا پڑے گا۔ ورنہ تھوڑا بہت دے دینا کافی ہے۔ اور آیت میں ہے وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ یعنی اگر مہر مقرر ہو چکا ہے اور ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دی تو آدھے مہر کی وہ مستحق ہے۔

اور آیت میں ارشاد ہے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ الخ یعنی اگر تم اپنی بیویوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو یہ کچھ گناہ کی بات نہیں۔ اگر ان کا مہر مقرر نہ ہوا ہو تو تم انہیں کچھ نہ کچھ دے دو۔ اپنی اپنی طاقت کے مطابق' امیر و غریب دستور کے مطابق ان سے سلوک کر دے' بھلے لوگوں پر یہ ضروری ہے۔ چنانچہ ایسا ایک واقعہ خود حضور ﷺ کے ساتھ بھی گزرا کہ آپ نے امیمہ بنت شرجیل سے نکاح کیا۔ یہ رخصت ہو کر آئیں۔ آپ گئے۔ ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے اسے پسند نہ کیا۔ آپ نے حضرت ابو اسیدؓ کو حکم دیا کہ ان کا سامان تیار کر دیں اور دو کپڑے ارزقیہ کے انہیں دے دیں۔ پس سراح جمیل یعنی اچھائی سے رخصت کر دینا یہی ہے کہ اس صورت میں اگر مہر مقرر ہے تو آدھا دے دے۔ اور اگر مقرر نہیں تو اپنی طاقت کے مطابق اس کے ساتھ کچھ سلوک کر دے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اے نبی ہم نے تیرے لئے تیری وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جنہیں تو ان کے مہر دے چکا ہے اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ نے غنیمت میں تجھے دی ہیں اور تیرے چچا کی لڑکیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ باایمان عورت جو اپنا نفس نبی کو ہبہ کر دے - یہ اس صورت میں کہ نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہے - یہ خاص طور پر صرف تیرے لئے ہی ہے - دوسرے مومنوں کے لئے نہیں - ہم اسے بخوبی جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں احکام مقرر کر رکھے ہیں یہ اس لئے کہ تجھ پر حرج واقع نہ ہو' اللہ تعالیٰ بہت بخشش اور بڑے رحم والا ہے ○

حق مہر اور بصورت علیحدگی کے احکامات: ☆☆ (آیت: ۵۰) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ نے اپنی جن بیویوں کو مہر ادا کیا ہے' وہ سب آپ پر حلال ہیں - آپ کی تمام ازواج مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا جس کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں - ہاں ام المومنین حضرت حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کا مہر حضرت نجاشی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پاس سے چار سو دینار دیا تھا اور اسی طرح ام المومنین حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر صرف ان کی آزادی تھی - خیبر کے قیدیوں میں آپ بھی تھیں - پھر آپ نے انہیں آزاد کر دیا اور اسی آزادی کو مہر قرار دیا اور نکاح کر لیا اور حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقیہ نے جتنی رقم پر مکاتبہ کیا تھا' وہ پوری رقم آپ نے حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ کو ادا کر کے ان سے عقد باندھا تھا - اللہ تعالیٰ آپ کی تمام ازواج مطہرات پر اپنی رضامندی نازل فرمائے - اسی طرح جو لونڈیاں غنیمت میں آپ کے قبضے میں آئیں' وہ بھی آپ پر حلال ہیں - صفیہؓ اور جویریہؓ کے مالک آپ ہو گئے تھے - پھر آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا - ریحانہ بنت شمعون' نصریہؓ اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کی ملکیت میں آئی تھیں - حضرت ماریہؓ سے آپ کو فرزند بھی ہوا - جن کا نام حضرت ابراہیم تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ - چونکہ نکاح کے بارے میں نصرانیوں نے افراط اور یہودیوں نے تفریط سے کام لیا تھا' اس لئے اس عدل و انصاف والی سہل اور صاف شریعت نے درمیانہ راہ حق کو ظاہر کر دیا - نصرانی تو سات پشتوں تک جس عورت مرد کا نسب نہ ملتا ہو' ان کا نکاح جائز جانتے تھے اور یہودی بہن اور بھائی کی لڑکی سے بھی نکاح کر لیتے تھے - پس اسلام نے بھانجی بھتیجی سے نکاح کرنے کو روکا - اور چچا کی لڑکی' پھوپھی کی لڑکی' ماموں کی لڑکی اور خالہ کی لڑکی سے نکاح کو مباح قرار دیا - اس آیت کے الفاظ کی خوبی پر نظر ڈالئے کہ عم اور خال چچا اور ماموں کے لفظ کو تو واحد لائے اور عمات اور خلات یعنی پھوپھی اور خالہ کے لفظ کو جمع لائے - جس میں مردوں کی ایک قسم کی فضیلت عورتوں پر ثابت ہو رہی ہے - جیسے يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ - اور جیسے وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ یہاں بھی چونکہ ظلمات اور نور یعنی اندھیرے اور اجالے کا ذکر تھا اور اجالے کو اندھیرے پر فضیلت ہے' اس لئے وہ لفظ ظلمات جمع لائے - اور لفظ نور مفرد لائے - اس کی اور بھی بہت سی نظیریں دی جا سکتی ہیں -

پھر فرمایا جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے' حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میرے پاس حضور ﷺ کا مانگا آیا تو میں نے اپنی معذوری ظاہر کی جسے آپ نے تسلیم کر لیا اور یہ آیت اتری - میں ہجرت کرنے والیوں میں نہ تھی بلکہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والیوں میں تھی - مفسرین نے بھی یہی کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جنہوں نے مدینے کی طرف آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو - قتادہؒ سے ایک روایت

میں اس سے مراد اسلام لانا بھی مروی ہے- ابن مسعود کی قراءت میں وَلَّاتِیْ ھَاجَرْنَ مَنْ مَّعَکَ- پھر فرمایا' اور وہ مومنہ عورت جو اپنا نفس اپنے نبیؐ کے لئے ہبہ کر دے اور نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو بے مہر دیئے اسے نکاح میں لا سکتے ہیں- پس یہ حکم دو شرطوں کے ساتھ ہے جیسے آیت وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَکُمْ اِنْ کَانَ اللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ میں- یعنی حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں' اگر میں تمہیں نصیحت کرنا چاہوں اور اگر اللہ تمہیں اس نصیحت سے مفید کرنا نہ چاہے تو میری نصیحت تمہیں کوئی نفع نہیں دے سکتی-

اور جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان میں یٰقَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ فَعَلَیْہِ تَوَکَّلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ یعنی اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اگر تم مسلمان ہو گئے ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے- پس جیسے ان دونوں آیتوں میں دو دو شرائط ہیں' اسی طرح اس آیت میں بھی دو شرائط ہیں- ایک تو اس کا اپنا نفس ہبہ کرنا' دوسرے آپؐ کا بھی اسے اپنے نکاح میں لانے کا ارادہ کرنا- مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا' میں اپنا نفس آپؐ کے لئے ہبہ کرتی ہوں- پھر وہ دیر تک کھڑی رہیں تو ایک صحابیؓ نے کھڑے ہو کر کہا' یا رسول اللہ اگر آپؐ ان سے نکاح کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو میرے نکاح میں دے دیجئے- آپؐ نے فرمایا' تمہارے پاس کچھ ہے بھی جو انہیں مہر میں دیں؟ جواب دیا کہ اس تہمد کے سوا اور کچھ نہیں- آپؐ نے فرمایا' یہ اگر تم انہیں دے دو گے تو خود بغیر تہمد کے رہ جاؤ گے' کچھ اور تلاش کرو- اس نے کہا' میں اور کچھ نہیں پاتا- آپؐ نے فرمایا' تلاش تو کرو گو لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے- انہوں نے ہر چند دیکھ بھال کی لیکن کچھ بھی نہ پایا- آپؐ نے فرمایا' قرآن کی کچھ سورتیں بھی تمہیں یاد ہیں؟ اس نے کہا' ہاں فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں- آپؐ نے فرمایا' بس تو انہی سورتوں پر میں نے انہیں تمہارے نکاح میں دیا- یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے- حضرت انسؓ جب یہ واقعہ بیان کرنے لگے تو ان کی صاحبزادی بھی سن رہی تھیں- کہنے لگیں' اس عورت میں بہت ہی کم حیا تھی- تو آپؐ نے فرمایا' تم سے وہ بہتر نہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت کی رغبت کر رہی تھیں اور آپؐ پر اپنا نفس پیش کر رہی تھیں (بخاری)

مسند احمد میں ہے کہ ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئیں اور اپنی بیٹی کی بہت تعریفیں کر کے کہنے لگیں کہ حضورؐ میری مراد یہ ہے کہ آپؐ اس سے نکاح کر لیں- آپؐ نے قبول فرما لیا- وہ پھر بھی تعریف کرتی رہیں یہاں تک کہ کہا' حضورؐ نہ وہ کبھی بیمار پڑیں نہ سر میں درد ہوا ہے- یہ سن کر آپؐ نے فرمایا- پھر مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں- حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی بیوی صاحبہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا تھیں- اور روایت میں ہے یہ قبیلہ بنو سلیم میں سے تھیں- اور روایت میں ہے' یہ بڑی نیک بخت عورت تھیں- ممکن ہے ام سلیم ہی حضرت خولہ ہوں رضی اللہ عنہا- اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دوسری کوئی عورت ہوں- ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور ﷺ نے تیرہ عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے چھ تو قریشی تھیں- خدیجہ' عائشہ' حفصہ' ام حبیبہ' سودہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن- اور تین بنو عامر بن صعصعہ کے قبیلے میں سے تھیں اور دو عورتیں قبیلہ بنو ہلال بن عامر میں سے تھیں- حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا- یہی وہ ہیں جنہوں نے اپنا نفس رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کیا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کی کنیت ام المساکین تھی اور ایک عورت بنو ابی بکر بن کلاب سے- یہ وہی ہے جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا اور بنو جون میں سے ایک عورت جس نے پناہ طلب کی تھی- اور ایک عورت اسدیہ جن کا نام زینب بنت جحش ہے رضی اللہ عنہا- دو کنیزیں تھیں- صفیہ بنت حی بن اخطبؓ اور جویریہ بنت حارث بن عمرو بن مصطلق خزاعیہ- ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی عورت حضرت میمونہ بنت حارثؓ تھیں- لیکن اس میں انقطاع ہے اور یہ روایت مرسل ہے- یہ مشہور بات ہے کہ حضرت زینب جن کی کنیت ام المساکین تھی' یہ زینب بنت خزیمہ تھیں' قبیلہ انصار میں سے تھیں اور حضور ﷺ کی حیات میں ہی انتقال

کر گئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ واللہ اعلم۔ مقصد یہ ہے کہ وہ عورتیں جنہوں نے اپنے نفس کا اختیار آپ کو دیا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں ان عورتوں پر غیرت کیا کرتی تھی جو اپنا نفس حضور کو ہبہ کر دیتی تھیں اور تو ان میں سے جسے چاہے اس سے نہ کر اور جسے چاہے اپنے پاس جگہ دے اور جن سے تو نے یکسوئی کر لی ہے انہیں بھی اگر تم لے آؤ تو تم پر کوئی حرج نہیں۔ تو میں نے کہا' بس اب تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر خوب وسعت و کشادگی کر دی۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کوئی ایسی عورت حضور ﷺ کے پاس نہ تھی جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا ہو۔ حضرت یونس بن بکیرؒ فرماتے ہیں' گو آپ کے لئے یہ مباح تھا کہ جو عورت اپنے تئیں آپ کو سونپ دے' آپ اسے اپنے گھر میں رکھ لیں لیکن آپؐ نے ایسا کیا نہیں۔ کیونکہ یہ امر آپ کی مرضی پر رکھا گیا تھا۔ یہ بات کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ ہاں مہر ادا کر دے تو بیشک جائز ہے۔ چنانچہ حضرت بروع بنت واشقؓ کے بارے میں جنہوں نے اپنا نفس سونپ دیا تھا' جب ان کے شوہر انتقال کر گئے تو رسول اللہ ﷺ نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان کے خاندان کی اور عورتوں کے مثل انہیں مہر دیا جائے۔ جس طرح موت مہر کو مقرر کر دیتی ہے' اسی طرح صرف دخول سے بھی مہر واجب ہو جاتا ہے۔ ہاں حضورؐ اس حکم سے مستثنیٰ تھے۔ ایسی عورتوں کو کچھ دینا آپ پر واجب نہ تھا گو اسے شرف بھی حاصل ہو چکا ہو۔ اس لئے کہ آپ کو بغیر مہر کے اور بغیر ولی کے اور بغیر گواہوں کے نکاح کر لینے کا اختیار تھا جیسے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے قصے میں ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' کسی عورت کو یہ جائز نہیں کہ اپنے آپ کو بغیر ولی اور بغیر مہر کے کسی کے نکاح میں دے دے۔ ہاں صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ تھا۔ دوسرے مومنوں پر جو ہم نے مقرر کر دیا ہے' اسے ہم خوب جانتے ہیں یعنی وہ چار سے زیادہ بیویاں ایک ساتھ رکھ نہیں سکتے۔ ہاں ان کے علاوہ لونڈیاں رکھ سکتے ہیں اور ان کی کوئی تعداد مقرر نہیں۔ اسی طرح ولی کی' مہر کی' گواہوں کی بھی شرط ہے۔ پس امت کا تو یہ حکم ہے اور آپ پر اس کی پابندیاں نہیں۔ تاکہ آپؐ پر کوئی حرج نہ ہو۔ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

تُرْجِي مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾

ان میں سے جسے تو چاہے موقوف رکھ دے اور جسے چاہے اپنے پاس رکھ لے۔ اور اگر تو ان میں سے بھی کسی کو اپنے پاس بلا لے جنہیں تو نے موقوف کر رکھا تھا تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں۔ اس میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ ان عورتوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور جو کچھ بھی تو انہیں دے دے اس پر سب کی سب راضی رہیں۔ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے' اسے اللہ خوب جانتا ہے' اللہ علم اور حلم والا ہے ○

روایات واحکامات: ☆☆ (آیت:۵۱) بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں ان عورتوں پر عار رکھا کرتی تھی جو اپنا نفس حضور ﷺ کو ہبہ کریں اور کہتی تھیں کہ عورتیں بغیر مہر کے آپ کو حضورؐ کے حوالے کرنے میں شرماتی نہیں ہیں؟ یہاں تک کہ یہ آیت اتری تو میں نے کہا کہ آپ کا رب آپؐ کے لئے کشادگی کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آیت سے مراد یہی عورتیں ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ کے نبی کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں قبول کریں اور جسے چاہیں قبول نہ فرمائیں۔ پھر اس کے بعد یہ بھی آپ کے اختیار میں ہے کہ جنہیں

قبول نہ فرمایا ہو انہیں جب چاہیں نواز دیں- عامر شعبیؒ سے مروی ہے کہ جنہیں موخر کر رکھا تھا' ان میں حضرت ام شریکؓ تھیں- ایک مطلب اس جملے کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ کی بیویوں کے بارے میں آپ کو اختیار تھا کہ اگر چاہیں تقسیم کریں' چاہیں نہ کریں- جسے چاہیں مقدم کریں' جسے چاہیں موخر کریں- اسی طرح خاص بات چیت میں بھی- لیکن یہ یاد رہے کہ حضورؐ اپنی پوری عمر برابر اپنی ازواج مطہرات میں عدل کے ساتھ برابری کی تقسیم کرتے رہے- بعض فقہاء شافعیہ کا قول ہے کہ حضورؐ سے مروی ہے کہ اس آیت کے نازل ہو چکنے کے بعد بھی اللہ کے نبیؐ ہم سے اجازت لیا کرتے تھے- مجھ سے تو جب دریافت فرماتے' میں کہتی' اگر میرے بس میں ہو تو میں کسی اور کے پاس آپؐ کو ہرگز نہ جانے دوں- پس صحیح بات جو بہت اچھی ہے اور جس سے ان اقوال میں مطابقت بھی ہو جاتی ہے' وہ یہ ہے کہ آیت عام ہے- اپنے نفس سونپنے والیوں اور آپؐ کی بیویوں کو سب کو شامل ہے- ہبہ کرنے والیوں کے بارے میں نکاح کرنے نہ کرنے کا اور نکاح والیوں میں تقسیم کرنے کا آپ کو اختیار تھا- پھر فرماتا ہے کہ یہی حکم بالکل مناسب ہے اور ازواج رسولؐ کے لئے سہولت والا ہے- جب وہ جان لیں گی کہ آپؐ باریوں کے مکلف نہیں ہیں' پھر بھی مساوات قائم رکھتے ہیں تو انہیں بہت خوشی ہو گی- اور ممنون و مشکور ہوں گی اور آپؐ کے انصاف و عدل کی داد دیں گی- اللہ دلوں کی حالتوں سے واقف ہے- وہ جانتا ہے کہ کسے کس کی طرف زیادہ رغبت ہے-

مسند میں ہے کہ حضورؐ اپنے طور پر صحیح تقسیم اور پورے عدل کے بعد اللہ سے عرض کیا کرتے تھے کہ الہ العالمین جہاں تک میرے بس میں تھا' میں نے انصاف کر دیا- اب جو میرے بس میں نہیں' اس پر تو مجھے ملامت نہ کرنا- یعنی دل کے رجوع کرنے کا اختیار مجھے نہیں- اللہ سینوں کی باتوں کا عالم ہے- لیکن حلم و کرم والا ہے- چشم پوشی کرتا ہے- معاف فرماتا ہے-

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿٥٢﴾ ع ۱۲

ان عورتوں کے علاوہ اور عورتیں تجھ پر حلال نہیں اور نہ یہ حلال ہے کہ انہیں چھوڑ کر اور عورتوں سے نکاح کرے اگرچہ ان کی صورت اچھی بھی لگتی ہو مگر جو تیری مملوکہ ہوں اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا نگہبان ہے ○

ازواج مطہرات کا عہد وفا: ☆☆ (آیت:۵۲) پہلی آیتوں میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو حضورؐ کی زوجیت میں رہیں اور اگر چاہیں تو آپؐ سے علیحدہ ہو جائیں- لیکن امہات المومنینؓ نے دامن رسول کو چھوڑنا پسند نہ فرمایا- اس پر انہیں اللہ کی طرف سے دنیوی بدلہ ایک یہ بھی ملا کہ حضورؐ کو اس آیت میں حکم ہوا کہ اب اس کے سوا کسی اور عورت سے نکاح نہیں کر سکتے نہ آپ ان میں سے کسی کو چھوڑ کر اس کے بدلے دوسری لا سکتے ہیں گو وہ کتنی ہی خوش شکل کیوں نہ ہو؟ ہاں لونڈیوں اور کنیزوں کی اور بات ہے- اس کے بعد پھر رب العالمین نے یہ تنگی آپؐ پر سے اٹھا لی اور نکاح کی اجازت دے دی لیکن خود حضور ﷺ نے پھر سے کوئی اور نکاح کیا ہی نہیں- اس حرج کے اٹھانے میں اور پھر عمل کے نہ ہونے میں بہت بڑی مصلحت یہ تھی کہ حضورؐ کا یہ احسان اپنی بیویوں پر رہے- چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ کے انتقال سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لئے اور عورتیں بھی حلال کر دی تھیں (ترمذی' نسائی وغیرہ) حضرت ام سلمہؓ سے بھی مروی ہے- حلال کرنے والی آیت تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ الخ' ہے جو اس آیت سے پہلے گزر چکی

ہے- بیان میں وہ پہلے ہے اور اترنے میں وہ پیچھے ہے- سورۂ بقرہ میں بھی اسی طرح عدت وفات کی پچھلی آیت منسوخ ہے اور پہلی آیت اس کی ناسخ ہے- واللہ اعلم-

اس آیت کے ایک اور معنی بھی بہت سے حضرات سے مروی ہیں- وہ کہتے ہیں' مطلب اس سے یہ ہے کہ جن عورتوں کا ذکر اس سے پہلے ہے' ان کے سوا اور حلال نہیں جن میں یہ صفتیں ہوں' وہ ان کے علاوہ بھی حلال ہیں- چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ سے سوال ہوا کہ کیا حضورؐ کی جو بیویاں تھیں' اگر وہ آپؐ کی موجودگی میں انتقال کر جائیں تو آپؐ اور عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے تھے؟ آپؐ نے فرمایا' یہ کیوں؟ تو سائل نے لَا یَحِلُّ والی آیت پڑھی- یہ سن کر حضرت ابیؓ نے فرمایا' اس آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ عورتوں کی جو قسمیں اس سے پہلے بیان ہوئی ہیں یعنی نکاحتا بیویاں' لونڈیاں' چچا کی' پھوپھیوں کی' ماموں اور خالاؤں کی بیٹیاں' ہبہ کرنے والی عورتیں- ان کے سوا جو اور قسم کی ہوں جن میں یہ اوصاف نہ ہوں' وہ آپ پر حلال نہیں ہیں- (ابن جریر) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سوائے ان مہاجرات مومنات کے دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کی آپؐ کو ممانعت کر دی گئی- غیر مسلم عورتوں سے نکاح حرام کر دیا گیا- قرآن میں ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ الخ یعنی ایمان کے بعد کفر کرنے والے کے اعمال غارت ہیں- پس اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّآ اَحْلَلْنَا الخ میں عورتوں کی جن قسموں کا ذکر کیا' وہ تو حلال ہیں- ان کے ماسوا اور حرام ہیں-

مجاہدؒ فرماتے ہیں' ان کے سوا ہر قسم کی عورتیں خواہ وہ مسلمان ہوں خواہ یہودیہ ہوں خواہ نصرانیہ سب حرام ہیں- ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ اعرابیہ اور انجان عورتوں سے نکاح سے روک دیئے گئے- لیکن جو عورتیں حلال تھیں' ان میں سے اگر چاہیں سینکڑوں کر لیں' حلال ہیں- الغرض آیت عام ہے ان عورتوں کو جو آپؐ کے گھر میں تھیں اور ان عورتوں کو جن کی اقسام بیان ہوئیں' سب کو شامل ہے اور جن لوگوں سے اس کے خلاف مروی ہے' ان سے اس کے مطابق بھی مروی ہے- لہٰذا کوئی منفی نہیں- ہاں اس پر ایک بات باقی رہ جاتی ہے کہ حضورؐ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی تھی- پھر ان سے رجوع کر لیا تھا اور حضرت سودہؓ کے فراق کا بھی ارادہ کیا تھا جس پر انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا- اس کا جواب امام ابن جریرؒ نے یہ دیا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے- بات یہی ہے لیکن ہم کہتے ہیں' اس جواب کی بھی ضرورت نہیں- اس لئے کہ آیت میں ان کے سوا دوسریوں سے نکاح کرنے اور انہیں نکال کر اوروں کو لانے کی ممانعت ہے نہ کہ طلاق دینے کی- واللہ اعلم- سودہؓ والے واقعہ میں آیت وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ الخ اتری ہے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا والا واقعہ ابوداؤد وغیرہ میں مروی ہے-

ابویعلیٰ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے پاس ایک دن آئے- دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں- پوچھا کہ شاید تمہیں حضورؐ نے طلاق دے دی- سنو اگر رجوع ہو گیا اور پھر یہی موقعہ پیش آیا تو قسم اللہ کی میں مرتے دم تک تم سے کلام نہ کروں گا- آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو زیادہ کرنے سے اور کسی کو نکال کر اس کے بدلے دوسری کو لانے سے منع کیا ہے مگر لونڈیاں حلال رکھی گئی ہیں- حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں ایک خبیث رواج یہ بھی تھا کہ لوگ آپس میں بیویوں کا تبادلہ کر لیا کرتے تھے- یہ اپنی اسے دے دیتا تھا اور وہ اپنی اسے دے دیتا تھا- اسلام نے اس گندے طریقے سے مسلمانوں کو روک دیا- ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ عینیہ بن حصن فزاری حضور ﷺ کے پاس آئے اور اپنی جاہلیت کی عادت کے مطابق بغیر اجازت لئے چلے آئے- اس وقت آپؐ کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں-

آپؐ نے فرمایا' تم بے اجازت کیوں چلے آئے؟ اس نے کہا واہ! میں نے تو آج تک قبیلہ مفر کے خاندان کے کسی شخص سے

اجازت مانگی ہی نہیں ۔ پھر کہنے لگا' یہ آپؐ کے پاس کون سی عورت بیٹھی ہوئی تھیں؟ آپ نے فرمایا' یہ ام المومنین حضرت عائشہؓ تھیں ۔ تو کہنے لگا' حضورؐ انہیں چھوڑ دیں ۔ میں ان کے بدلے اپنی بیوی آپ کو دیتا ہوں جو خوبصورتی میں بے مثل ہے ۔ آپؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنا حرام کر دیا ہے ۔ جب وہ چلے گئے تو مائی صاحبہؓ نے دریافت فرمایا کہ یارسول اللہ یہ کون تھا؟ آپ نے فرمایا' ایک احمق سردار تھا ۔ تم نے ان کی باتیں سنیں؟ اس پر بھی یہ اپنی قوم کا سردار ہے ۔ اس روایت کا ایک راوی اسحاق بن عبداللہ بالکل گرے ہوئے درجے کا ہے ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ؗ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

مسلمانو! جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے' تم نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو ۔ کھانے کے لئے بھی اجازت کے بعد جاؤ ۔ یہ نہیں کہ پہلے سے جا کر بیٹھ گئے اور کھانے کے پکنے کا انتظار کرتے رہے بلکہ جب بلایا جائے جاؤ اور جب کھا چکو نکل کھڑے ہو جایا کرو' پھر وہیں باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو' نبی کو تمہاری یہ حرکت ناگوار گذرتی ہے لیکن وہ لحاظ کر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا' جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کیا کرو تمہارے اور ان کے دلوں کی کامل پاکیزگی یہی ہے' نہ تمہیں یہ جائز ہے کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو اور نہ تمہیں یہ حلال ہے کہ آپؐ کے بعد کسی وقت بھی آپؐ کی بیویوں سے نکاح کرو' یاد رکھو اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے ○ تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا مخفی رکھو اللہ تو ہر ہر چیز کا بخوبی علم رکھنے والا ہے ○

احکامات پردہ: ☆☆ (آیت: ۵۳-۵۴) اس آیت میں پردے کا حکم ہے اور شرعی آداب و احکام کا بیان ہے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق جو آیتیں اتری ہیں' ان میں ایک یہ بھی ہے ۔ بخاری و مسلم میں آپؓ سے مروی ہے کہ تین باتیں میں نے کہیں جن کے مطابق ہی رب العالمین کے احکام نازل ہوئے ۔ میں نے کہا' یارسول اللہ! اگر آپ مقام ابراہیم کو قبلہ بنائیں تو بہتر ہو ۔ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم اترا کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى میں نے کہا' یارسول اللہ مجھے تو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ گھر میں ہر کہ ومہ یعنی چھوٹا بڑا آ جائے ۔ آپؐ اپنی بیویوں کو پردے کا حکم دیں تو اچھا ہو ۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے پردے کا حکم نازل ہوا ۔ جب حضور ﷺ کی ازواج مطہرات غیرت کی وجہ سے کچھ کہنے سننے لگیں تو میں نے کہا' کسی غرور میں نہ رہنا' اگر حضورؐ تمہیں چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں آپ کو دلوائے گا ۔ چنانچہ یہی آیت قرآن میں نازل ہوئی ۔ صحیح مسلم میں ایک چوتھی موافقت بھی مذکور ہے' وہ بدر کے قیدیوں کا فیصلہ ہے ۔ اور

روایت میں ہے' سنہ ۵ ھ ماہ ذی قعدہ میں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا ہے- جو نکاح خود اللہ تعالیٰ نے کرایا تھا' اسی صبح کو پردے کی آیت نازل ہوئی ہے- بعض حضرات کہتے ہیں' یہ واقعہ سن تین ہجری کا ہے- واللہ اعلم-

صحیح بخاری شریف میں حضور ﷺ نے جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو لوگوں کی دعوت کی وہ کھا پی کر باتوں میں بیٹھے رہے- آپؐ نے اٹھنے کی تیاری بھی کی- پھر بھی وہ نہ اٹھے- یہ دیکھ کر آپؐ کھڑے ہو گئے- آپؐ کے ساتھ ہی کچھ لوگ تو اٹھ کر چل دیئے لیکن پھر بھی تین شخص وہیں بیٹھے رہ گئے اور باتیں کرتے رہے- حضورؐ پلٹ کر آئے تو دیکھا کہ وہ ابھی تک باتوں میں لگے ہوئے ہیں- آپؐ پھر لوٹ گئے- جب یہ لوگ چلے گئے تو حضرت انسؓ نے حضورؐ کو خبر دی- اب آپؐ آئے- گھر میں تشریف لے گئے- حضرت انسؓ فرماتے ہیں' میں نے بھی جانا چاہا تو آپؐ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ کر لیا اور یہ آیت اتری- اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اس موقعہ پر گوشت روٹی کھلائی تھی اور حضرت انسؓ کو بھیجا تھا کہ لوگوں کو بلا لائیں- لوگ آتے تھے- کھاتے تھے اور واپس جاتے تھے- جب ایک بھی ایسا نہ بچا کہ جسے حضرت انسؓ بلاتے تو آپؐ کو خبر دی- آپؐ نے فرمایا- اب دستر خوان بڑھا دو- لوگ سب چلے گئے مگر تین شخص باتوں میں لگے رہے- حضورؐ یہاں سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور فرمایا السلام علیکم اہل البیت ورحمتہ اللہ برکاتہ- انہوں نے جواب دیا وعلیکم السلام' واللہ فرمائیے' حضورؐ بیوی صاحبہؓ سے خوش تو ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' اللہ تمہیں برکت دے- اسی طرح آپؐ اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس گئے اور سب جگہ یہی باتیں ہوئیں- اب لوٹ کر جو آئے تو دیکھا کہ وہ تینوں صاحب اب تک گئے نہیں- چونکہ آپؐ میں شرم وحیا' لحاظ ومروت بے حد تھا اس لئے آپؐ کچھ فرما نہ سکے اور پھر سے حضرت عائشہؓ کے حجرے کی طرف چلے- اب نہ جانے میں نے خبر دی یا آپؐ کو خود خبردار کر دیا گیا کہ وہ تینوں بھی چلے گئے ہیں تو آپؐ پھر آئے اور چوکھٹ میں ایک قدم رکھتے ہی آپؐ نے پردہ ڈال دیا اور پردے کی آیت نازل ہوئی- ایک روایت میں بجائے تین شخصوں کے دو کا ذکر ہے- ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپؐ کے کسی نئے نکاح پر حضرت ام سلیمؓ نے مالیدہ بنا کر ایک برتن میں رکھ کر حضرت انسؓ سے کہا' اسے اللہ کے رسولؐ کو پہنچاؤ اور کہہ دینا کہ یہ تھوڑا سا تحفہ ہماری طرف سے قبول فرمائیے اور میرا سلام بھی کہہ دینا- اس وقت لوگ تھے بھی تنگی میں- میں نے جا کر حضور ﷺ کو سلام کیا- ام المومنینؓ کا سلام پہنچایا اور پیغام بھی- آپؐ نے اسے دیکھا اور فرمایا' اچھا اسے رکھ دو- میں نے گھر کے ایک کونے میں رکھ دیا- پھر فرمایا- جاؤ فلاں اور فلاں کو بلا لاؤ- بہت سے لوگوں کے نام لئے اور پھر فرمایا' ان کے علاوہ جو مسلمان مل جائے' میں نے یہی کیا- جو ملا' اسے حضورؐ کے ہاں کھانے کے لئے بھیجتا رہا- واپس لوٹا تو دیکھا کہ گھر اور انگنائی اور بیٹھک سب لوگوں سے بھرے ہوئے ہیں- تقریباً تین سو آدمی جمع ہو گئے تھے- اب مجھ سے آپؐ نے فرمایا- جاؤ وہ پیالہ اٹھا لاؤ- میں لایا تو آپؐ نے اپنا ہاتھ اس پر رکھ کر دعا کی اور جو اللہ نے چاہا' آپ نے زبان سے کہا- پھر فرمایا- چلو دس دس آدمی حلقہ کر کے بیٹھ جاؤ اور ہر ایک بسم اللہ کہہ کر اپنے اپنے آگے سے کھانا شروع کرو- اسی طرح کھانا شروع ہوا اور سب کے سب کھا چکے تو آپؐ نے فرمایا' پیالہ اٹھا لو-

حضرت انسؓ فرماتے ہیں' میں نے پیالہ اٹھا کر دیکھا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ جس وقت رکھا' اس وقت اس میں زیادہ کھانا تھا یا اب؟ چند لوگ آپ کے گھر بھی ٹھہر گئے' ان میں باتیں ہو رہی تھیں اور ام المومنینؓ دیوار کی طرف منہ پھیرے بیٹھی ہوئی تھیں' ان کا اتنی دیر تک نہ ہٹنا حضورؐ پر شاق گزر رہا تھا لیکن شرم ولحاظ کی وجہ سے کچھ فرماتے نہ تھے اگر انہیں اس بات کا علم ہو جاتا تو وہ نکل جاتے لیکن وہ بے فکری سے بیٹھے ہی رہے- آپؐ گھر سے نکل کر دوسری ازواج مطہرات کے حجروں کے پاس چلے گئے- پھر واپس آئے تو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے

ہیں - اب تو یہ بھی سمجھ گئے - بڑے نادم ہوئے اور جلدی سے نکل لئے - آپؐ اندر بڑھے اور پردہ لٹکا دیا - میں بھی حجرے میں ہی تھا جو یہ آیت اتری اور آپؐ اس کی تلاوت کرتے ہوئے باہر آئے - سب سے پہلے اس آیت کو عورتوں نے سنا اور میں تو سب سے اول ان کا سننے والا ہوں - پہلے حضرت زینبؓ کے پاس آپ کا مانگا لے جانے کی روایت آیت فَلَمَّا قَضٰی زَيْدٌ الخ کی تفسیر میں گزر چکی ہے - اس کے آخر میں بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر لوگوں کو نصیحت کی گئی اور ہاشم کی اس حدیث میں اس آیت کا بیان بھی ہے -

ابن جریر میں ہے کہ رات کے وقت ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لئے جنگل کو جایا کرتی تھیں - حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ پسند نہ تھا - آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ انہیں اس طرح نہ جانے دیجئے - حضورؐ اس پر توجہ نہیں فرماتے تھے - ایک مرتبہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نکلیں تو چونکہ فاروق اعظمؓ کی منشا یہ تھی کہ کسی طرح ازواج مطہرات کا یہ نکلنا بند ہو اس لئے انہیں ان کے قد و قامت کی وجہ سے پہچان کر بہ آواز بلند کہا کہ ہم نے تمہیں اے سودہؓ پہچان لیا - اس کے بعد پردے کی آیتیں اتریں - اس روایت میں یونہی ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے - چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حجاب کے حکم کے بعد حضرت سودہؓ نکلیں - اس میں یہ بھی ہے کہ یہ اسی وقت واپس آ گئیں - آنحضرتؐ شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے - ایک ہڈی ہاتھ میں تھی - آ کر واقعہ بیان کیا - اسی وقت وحی نازل ہوئی جب ختم ہوئی' اس وقت بھی وہ ہڈی ہاتھ میں ہی تھی - اسے چھوڑی ہی نہ تھی - آپؐ نے فرمایا - اللہ تعالیٰ تمہاری ضرورتوں کی بناء پر باہر نکلنے کی اجازت دیتا ہے - آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس عادت سے روکتا ہے جو جاہلیت میں اور ابتداء اسلام میں ان میں تھی کہ بے اجازت دوسرے کے گھر میں چلے جانا - پس اللہ تعالیٰ اس امت کا اکرام کرتے ہوئے اسے یہ ادب سکھاتا ہے - چنانچہ ایک حدیث میں بھی یہ مضمون ہے کہ خبردار عورتوں کے پاس نہ جاؤ (یعنی خلوت میں) - پھر اللہ نے انہیں مستثنیٰ کر لیا جنہیں اجازت دے دی جائے - تو فرمایا مگر یہ کہ تمہیں اجازت دی جائے - کھانے کے لئے ایسے وقت پر نہ جاؤ کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو - مجاہد اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ کھانے کے پکنے اور اس کے تیار ہونے کے وقت ہی نہ پہنچو - جب سمجھا کہ کھانا تیار ہو گا' جا گھسے - یہ خصلت اللہ کو پسند نہیں - یہ دلیل ہے طفیلی بننے کی حرمت پر - امام خطیب بغدادیؒ نے اس کی مذمت میں پوری ایک کتاب لکھی ہے -

پھر فرمایا جب بلایا جاؤ تو جاؤ اور جب کھا چکو تو نکل جاؤ - صحیح مسلم شریف میں ہے کہ تم میں سے کسی کو جب اس کا بھائی بلائے تو اسے دعوت قبول کرنی چاہیے خواہ نکاح کی ہو یا کوئی اور - اور حدیث میں ہے' اگر مجھے فقط ایک کھر کی دعوت دی جائے تو بھی میں اسے قبول کروں گا - دستور دعوت یہ بھی بیان فرمایا کہ جب کھا چکو تو اب میزبان کے ہاں چوکڑی مار کر نہ بیٹھ جاؤ - بلکہ وہاں سے چلے جاؤ - باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو - جیسے ان تین شخصوں نے کیا تھا جس سے حضورؐ کو تکلیف ہوئی لیکن شرمندگی اور لحاظ سے آپؐ کچھ نہ بولے - اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ تمہارا بے اجازت آنحضرت ﷺ کے گھروں میں چلے جانا آپؐ پر شاق گزرتا ہے لیکن آپؐ بوجہ شرم و حیا کے تم سے کہہ نہیں سکتے - اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف فرما رہا ہے کہ اب سے ایسا نہ کرنا - وہ حق حکم سے حیا نہیں کرتا - تمہیں جس طرح بے اجازت آپ کی بیویوں کے پاس جانا منع ہے' اسی طرح ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے - اگر تمہیں ان سے کوئی ضروری چیز لینی دینی بھی ہو تو پس پردہ لین دین ہو - ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضورؐ ایک مرتبہ مالیدہ کھا رہے تھے - حضرت عمرؓ کو بھی بلا لیا - آپ بھی کھانے بیٹھ گئے - حضرت صدیقہؓ پہلے ہی سے کھانے میں شریک تھیں - حضرت عمر ازواج مطہرات کے پردے کی تمنا میں تھے - کھاتے ہوئے انگلیوں سے انگلیاں لگ گئیں تو بے ساختہ فرمانے لگے' کاش کہ میری مان لی جاتی اور پردہ کرایا جاتا تو کسی کی نگاہ بھی نہ پڑتی - اس وقت پردے کا حکم اترا -

پھر پردے کی تعریف فرما رہا ہے کہ مردوں عورتوں کے دلوں کی پاکیزگی کا یہ ذریعہ ہے۔ کسی شخص نے آپؐ کی کسی بیوی سے آپؐ کے بعد نکاح کرنے کا ارادہ کیا ہوگا۔ اس آیت میں یہ حرام قرار دیا گیا۔ چونکہ حضورؐ کی بیویاں زندگی میں اور جنت میں بھی آپ کی بیویاں ہیں اور جملہ مسلمانوں کی وہ مائیں ہیں اس لئے مسلمانوں پر ان سے نکاح کرنا محض حرام ہے۔ یہ حکم ان بیویوں کے لئے جو آپؐ کے گھر میں آپ کے انتقال کے وقت تھیں' سب کے نزدیک اجماعاً ہے لیکن جس بیوی کو آپؐ نے اپنی زندگی میں طلاق دے دی اور اس سے میل ہو چکا ہو تو اس سے کوئی اور نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں دو مذہب ہیں۔ اور جس سے دخول نہ کیا ہو اور طلاق دے دی ہو اس سے دوسرے لوگ نکاح کر سکتے ہیں۔ قیلہ بنت اشعث بن قیس حضورؐ کی ملکیت میں آ گئی تھی۔ آپؐ کے انتقال کے بعد اس نے عکرمہ بن ابوجہل سے نکاح کر لیا۔

حضرت ابوبکرؓ پر یہ گراں گزرا لیکن حضرت عمرؓ نے سمجھایا کہ اے خلیفہ رسول یہ حضورؐ کی بیوی نہ تھی نہ اسے حضورؐ نے اختیار دیا نہ اسے پردہ کا حکم دیا اور اس کی قوم کے ارتداد کے ساتھ ہیں۔ اس کے ارتداد کی وجہ سے اللہ نے اسے حضورؐ سے بری کر دیا۔ یہ سن کر حضرت صدیقؓ کو اطمینان ہو گیا۔ پس ان دونوں باتوں کی برائی بیان فرماتا ہے کہ رسولؐ کو ایذا دینا ان کی بیویوں سے' ان کے بعد نکاح کر لینا' یہ دونوں گناہ اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں' تمہاری پوشیدگیاں اور علانیہ باتیں سب اللہ پر ظاہر ہیں' اس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔ آنکھوں کی خیانت کو' سینے میں چھپی ہوئی باتوں اور دل کے ارادوں کو وہ جانتا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

عورتوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور عورتوں اور ملکیت کے ماتحتوں کے سامنے ہوں' عورتو! اللہ سے ڈرتی رہو' اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر شاہد ہے ○ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر درود بھیجتے ہیں' اے ایمان والو تم ان پر درود بھیجو اور اچھی طرح سلام بھی بھیجتے رہا کرو○

پردہ کی تفصیلات: ☆☆ (آیت:۵۵) چونکہ اوپر کی آیتوں میں اجنبیوں سے پردے کا حکم ہوا تھا' اس لئے جن قریبی رشتہ داروں سے پردہ نہ تھا' ان کا بیان اس آیت میں کر دیا۔ سورۂ نور میں بھی اسی طرح فرمایا کہ عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں' باپوں' سسروں' لڑکوں' خاوند کے لڑکوں' بھائیوں' بھتیجوں' بھانجوں' عورتوں اور ملکیت جن کی ان کے ہاتھوں میں ہو۔ ان کے سامنے یا کام کاج کرنے والے غیر خواہشمند مردوں یا کم سن بچوں کے سامنے۔ اس کی پوری تفسیر اس آیت کے تحت میں گزر چکی ہے۔ چچا اور ماموں کا ذکر یہاں اس لئے نہیں کیا گیا کہ ممکن ہے وہ اپنے لڑکوں کے سامنے ان کے اوصاف بیان کریں۔ حضرت شعبی اور حضرت عکرمہ تو ان دونوں کے سامنے عورت کا دوپٹہ اتارنا مکروہ جانتے تھے۔ نسائھن سے مراد مومن عورتیں ہیں۔ ماتحت سے مراد لونڈی غلام ہیں۔ جیسے کہ پہلے ان کا بیان گزر چکا ہے۔ اور حدیث بھی ہم وہیں وارد کر چکے ہیں۔ سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد صرف لونڈیاں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے

؛رتی رہو۔ اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔ چھپا کھلا سب اسے معلوم ہے۔ اس موجود اور حاضر کا خوف رکھو اور اس کا لحاظ کرتی رہو۔

صلوٰۃ وسلام کی فضیلت: ☆☆ (آیت:۵۶) صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوالعالیہؒ سے مروی ہے کہ اللہ کا اپنے نبیؐ پر درود بھیجنا' اپنے فرشتوں کے سامنے آپؐ کی ثناوصفت کا بیان کرنا ہے اور فرشتوں کا درود آپؐ کے لئے دعا کرنا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی برکت کی دعا۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اللہ کا درود رحمت ہے۔ فرشتوں کا درود استغفار ہے۔ عطاؒ فرماتے ہیں' اللہ تبارک وتعالیٰ کی صلوٰۃ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ ہے۔ مقصود اس آیت شریفہ سے یہ ہے کہ حضور ﷺ کی قدرومنزلت' عزت ومرتبت لوگوں کی نگاہوں میں بچ جائے۔ وہ جان لیں کہ خود اللہ تعالیٰ آپؐ کا ثناخواں ہے اور اس کے فرشتے آپؐ پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ ملاء اعلیٰ کی یہ خبر دے کر اب زمین والوں کو حکم دیتا ہے کہ تم بھی آپؐ پر درود وسلام بھیجا کرو تاکہ عالم علوی اور عالم سفلی کے لوگوں کا اس پر اجتماع ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے پوچھا تھا کہ کیا اللہ تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ان سے کہہ دو کہ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں پر رحمت بھیجتا رہتا ہے۔ اسی کی طرف اس آیت میں بھی اشارہ ہے۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہی رحمت اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر بھی نازل فرماتا ہے۔ ارشاد ہے۔ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ الخ یعنی اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرتے رہا کرو۔ اور صبح شام اس کی تسبیح بیان کیا کرو۔ وہ خود تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ اور آیت میں ہے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الخ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے۔ جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اِنَّا لِلّٰهِ الخ' پڑھتے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے درود نازل ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے' اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صفوں کے داہنی طرف والوں پر صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں۔ دوسری حدیث میں حضورؐ کی ایک شخص کے لئے یہ دعا مروی ہے کہ اے اللہ آل ابی اوفی پر اپنی رحمت نازل فرما۔ حضرت جابرؓ کی بیوی صاحبہ نے حضورؐ سے درخواست کی کہ میرے لئے اور میرے خاوند کے لئے صلوٰۃ بھیجئے تو آپؐ نے فرمایا' اللہ تجھ پر اور تیرے خاوند پر درود نازل فرمائے۔ درود شریف کے بیان کی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں سے تھوڑی ہم یہاں وارد کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ بخاری شریف میں ہے' آپؐ سے کہا گیا' یارسول اللہ ﷺ ہم آپ کو سلام کرنا تو جانتے ہیں' صلوٰۃ کا طریقہ کیا ہے؟ آپؐ نے اَلتَّحِیَّاتُ کے بعد کے دونوں درود بتلائے لیکن دونوں میں وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ کا لفظ نہیں ہے۔ ایک اور روایت میں عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ کا لفظ نہیں۔ اور روایت میں پہلا درود تو پورے لفظوں کے ساتھ ہے اور دوسرا کچھ تغیر کے ساتھ۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ آخر میں وَعَلَیْنَا مَعَهُمْ بھی کہتے تھے۔ (ترمذی)

جس سلام کا یہاں ذکر ہے' وہ التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه ہے۔ یہ التحیات آپ مثل قرآن کی سورت کے سکھایا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ بھی ہے اور پچھلے درود میں قدرے تغیر ہے۔ ایک روایت میں درود کے الفاظ یہ ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ بعض روایتوں میں عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ کے بعد فِی الْعَالَمِیْنَ کا لفظ بھی ہے۔ ایک روایت میں سوال میں یہ لفظ بھی ہیں کہ درود نماز میں ہم کس طرح پڑھیں۔ امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ نماز کے آخری تشہد میں اگر کسی نے درود نہیں پڑھا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ درود کا پڑھنا اس جگہ واجب ہے۔ بعض متاخرین نے اس مسئلہ میں امام صاحب کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صرف انہی کا قول اور اس کے خلاف اجماع ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ صحابہؓ کی ایک جماعت نے یہی کہا ہے مثلاً حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابومسعود بدریؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ۔ تابعین میں بھی اس مذہب

کے لوگ گزرے ہیں جیسے شعبی' ابوجعفر باقر' مقاتل بن حیان وغیرہ اور شافعیہ کا تو سب کا یہی مذہب ہے- امام احمدؒ کا بھی آخری قول یہی ہے- جیسے کہ ابوزرعہ دمشقی کا بیان ہے' اسحٰق بن راہویہؒ' امام محمد بن ابراہیم فقیہؒ بھی یہی کہتے ہیں- بلکہ بعض حنبلی ائمہ نے یہی کہا ہے کہ کم از کم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں کہنا واجب ہے جیسے کہ صحابہؓ کے سوال پر آپؐ نے تعلیم دی اور ہمارے بعض ساتھیوں نے تو آپؐ کی آل پر درود بھیجنا بھی واجب کہا ہے- الغرض درود کا نماز میں واجب ہونے کا قول بہت ظاہر ہے اور حدیث میں اس کی دلیل بھی موجود ہے اور سلف وخلف میں امام شافعیؒ کے علاوہ اور ائمہ بھی اس کے قائل رہے ہیں- پس یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ امام صاحب ہی کا یہ قول ہے اور یہ خلاف اجماع ہے- اس کی تائید اس صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مسند احمدؒ' ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن خزیمہ' ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ سن رہے تھے- ایک شخص نے بغیر اللہ کی حمد وثنا کئے اور بغیر حضورؐ پر درود پڑھے اپنی نماز میں دعا کی تو آپؐ نے فرمایا' اس نے بہت جلدی کی' پھر اسے بلا کر فرمایا 'یا کسی اور کو فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ کی تعریفیں بیان کرے' پھر درود پڑھے' پھر جو چاہے دعا مانگے - ابن ماجہ میں ہے 'جس کا وضو نہیں' اس کی نماز نہیں- جو وضو میں بِسۡمِ اللّٰہِ نہ کہے' اس کا وضو نہیں- جو نبی پر درود نہ پڑھے' اس کی نماز نہیں- جو انصار سے محبت نہ رکھے' اس کی نماز نہیں- لیکن اس کی سند میں عبدالمہیمن نامی راوی متروک ہے-

طبرانی میں یہ روایت ان کے بھائی سے مروی ہے لیکن اس میں بھی نظر ہے اور معروف روایت پہلی ہی ہے- واللہ اعلم- مسند میں ہے کہ ہم نے کہا' حضور ﷺ ہم آپ پر سلام کہنا تو جانتے ہیں' درود سکھا دیجئے تو آپؐ نے فرمایا یوں کہو اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡ صَلَوٰاتِكَ وَرَحۡمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلۡتَهَا عَلٰى اِبۡرَاهِيۡمَ وَاٰلِ اِبۡرَاهِيۡمَ اِنَّكَ حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ- اس کا ایک راوی ابوداؤد اعمیٰ جس کا نام نفیع بن حارث ہے' وہ متروک ہے- حضرت علیؓ سے لوگوں کو اس دعا کا سکھانا بھی مروی ہے-

اَللّٰھُمَّ دَاحِیَ الۡمَدۡحُوَّاتِ وَبَارِیَ الۡمَسۡمُوكَاتِ وَجَبَّارَ الۡقُلُوۡبِ عَلٰى فِطۡرَتِهَا شَقِيِّهَا وَسَعِيۡدِهَا اجۡعَلۡ شَرَآئِفَ صَلَوٰتِكَ وَنَوَاحِیَ بَرَكَاتِكَ وَفَضَائِلَ اٰلَائِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبۡدِكَ وَرَسُوۡلِكَ الۡفَاتِحِ لِمَا اُغۡلِقَ وَالۡخَاتِمِ لِمَا سُبِقَ وَالۡمُعۡلِنِ الۡحَقَّ بِالۡحَقِّ وَالدَّامِغِ لِجَيۡشَاتِ الۡاَبَاطِيۡلِ كَمَا حُمِلَ فَاضۡطَلَعَ بِاَمۡرِكَ بِطَاعَتِكَ مُسۡتَوۡفِزًا فِیۡ مَرۡضَاتِكَ غَيۡرَ نِكَلٍ فِیۡ قَدَمٍ وَّلَا وَهۡنٍ فِیۡ عَزۡمٍ وَاعِيًالِّوَحۡيِكَ حَافِظًا لِّعَهۡدِكَ مَاضِيًا عَلٰى نِفَاذِ اَمۡرِكَ حَتّٰى اَوۡرٰى قَبَسًا لِّقَابِسِ اٰلَآءِ اللّٰهِ تَصِلُ بِاَهۡلِهٖ اَسۡبَابُهٗ بِهٖ هُدِيَتِ الۡقُلُوۡبُ بَعۡدَ خَوۡضَاتِ الۡفِتَنِ وَالۡاِثۡمِ وَاَبۡهَجَ مُوۡضِحَاتِ الۡاَعۡلَامِ وَنَآئِرَاتِ الۡاَحۡكَامِ وَمُنِيۡرَاتِ الۡاِسۡلَامِ فَهُوَ اَمِيۡنُكَ الۡمَاْمُوۡنُ خَازِنُ عِلۡمِكَ الۡمَخۡزُوۡنِ وَشَهِيۡدُكَ يَوۡمَ الدِّيۡنِ وَبَعِيۡثُكَ نِعۡمَةً وَّرَسُوۡلُكَ بِالۡحَقِّ رَحۡمَةً اَللّٰھُمَّ افۡسَحۡ لَهٗ فِیۡ عَدۡنِكَ وَاجۡزِهٖ مُضَاعَفَاتِ الۡخَيۡرِ مِنۡ فَضۡلِكَ لَهٗ مُهَنَّاٰتٍ غَيۡرَ مُكَدَّرَاتٍ مِّنۡ فَوۡزِ ثَوَابِكَ الۡمَعۡلُوۡلِ وَجَزِيۡلِ عَطَائِكَ الۡمَحۡلُوۡلِ اَللّٰھُمَّ اَعۡلِ عَلٰى بِنَآءِ النَّاسِ بِنَآءَهٗ وَاَكۡرِمۡ مَّثۡوَاهُ لَدَيۡكَ وَنُزُلَهٗ وَاَتۡمِمۡ لَهٗ نُوۡرَهٗ وَاجۡزِهٖ مِنِ ابۡتِعَاثِكَ لَهٗ مَقۡبُوۡلَ الشَّهَادَةِ مَرۡضِیَّ الۡمَقَالَةِ ذَا مَنۡطِقٍ عَدۡلٍ وَّخُطَّةٍ فَصۡلٍ وَّحُجَّةٍ وَّبُرۡهَانٍ عَظِيۡمٍ-

مگر اس کی سند ٹھیک نہیں اس کا راوی سلامہ کندی نہ تو معروف ہے نہ اس کی ملاقات حضرت علی سے ثابت ہیں- ابن ماجہ میں ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں' جب تم حضور ﷺ پر درود بھیجو تو بہت اچھا درود پڑھا کرو- بہت ممکن ہے کہ تمہارا یہ درود حضورؐ پر پیش کیا جائے- لوگوں نے کہا' پھر آپ ہی ہمیں کوئی ایسا درود سکھایئے آپؓ نے فرمایا بہتر ہے یہ پڑھو اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡ صَلٰوتَكَ وَرَحۡمَتَكَ وَبَرَكٰتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَاِمَامِ الۡمُتَّقِيۡنَ وَخَاتِمِ النَّبِيّٖنَ مُحَمَّدٍ عَبۡدِكَ وَرَسُوۡلِكَ اِمَامِ الۡخَيۡرِ وَقَآئِدِ الۡخَيۡرِ

وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ اللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَّغْبِطُهُ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اس کے بعد التحیات کے بعد کے دونوں درود ہیں- یہ روایت بھی موقوف ہے- ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت یونس بن خباب نے اپنے فارس کے ایک خطبے میں اس آیت کی تلاوت کی- پھر لوگوں کے درود کے طریقے کے سوال کو بیان فرما کر حضور ﷺ کے جواب میں وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّ اٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا رَحِمْتَ اٰلَ اِبْرَاهِيْمَ کو بھی بیان فرمایا ہے- اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ آپ کے لئے رحم کی دعا بھی ہے- جمہور کا یہی مذہب ہے- اس کی مزید تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ ایک اعرابی نے اپنی دعا میں کہا تھا' اے اللہ مجھ پر اور محمدؐ پر رحم کر اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ کر- تو آپؐ نے اسے فرمایا' تو نے بہت ہی زیادہ کشادہ چیز کو تنگ کر دیا- قاضی عیاضؒ نے جمہور مالکیہ سے اس کا عدم جواز نقل کیا ہے- ابو محمد بن ابو زید بھی اس کے جواز کی طرف گئے ہیں- حضورؐ کا فرمان ہے کہ جب تک کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے تب تک فرشتے بھی اس کے لئے دعائے رحم کرتے رہتے ہیں- اب تمہیں اختیار ہے کہ کمی کرو یا زیادتی کرو- (ابن ماجہ) فرماتے ہیں سب سے قریب روز قیامت مجھ سے وہ ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھا کرتا تھا- (ترمذی)

فرمان ہے' مجھ پر جو ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں بھیجتا ہے- اس پر ایک شخص نے کہا' پھر میں اپنی دعا کا آدھا وقت درود میں ہی خرچ کروں گا- فرمایا جیسی تیری مرضی- اس نے کہا' پھر میں دو تہائیاں کر لوں؟ آپؐ نے فرمایا' اگر چاہے- اس نے کہا پھر تو میں اپنا سارا وقت اس کے لئے ہی کر دیتا ہوں آپؐ نے فرمایا' اس وقت اللہ تعالیٰ تجھے دین و دنیا کے غم سے نجات دے دے گا اور تیرے گناہ معاف فرما دے گا- (ترمذی) ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آدھی رات کو حضورؐ باہر نکلتے اور فرماتے ہیں' ہلا دینے والی آ رہی ہے اور اس کے پیچھے ہی پیچھے لگنے والی بھی ہے- حضرت ابیؓ نے ایک مرتبہ کہا' حضورؐ میں رات کو کچھ نماز پڑھا کرتا ہوں- تو اس کا تہائی حصہ آپؐ پر درود پڑھتا رہوں؟ آپؐ نے فرمایا' آدھا حصہ- انہوں نے کہا' آدھا کر لوں؟ فرمایا دو تہائی' کہا اچھا میں پورا وقت اسی میں گزار دوں گا- آپؐ نے فرمایا' تب تو اللہ تیرے تمام گناہ معاف فرما دے گا- اسی روایت کی ایک اور سند میں ہے' دو تہائی رات گزرنے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا' لوگو اللہ کی یاد کرو- لوگو ذکر الٰہی کرو- دیکھو کپکپا دینے والی آ رہی ہے اور اس کے پیچھے ہی پیچھے لگنے والی آ رہی ہے- موت اپنے ساتھ کی کل مصیبتوں اور آفتوں کو لئے ہوئے چلی آ رہی ہے- حضرت ابیؓ نے کہا' یا رسول اللہؐ میں آپ پر بکثرت درود پڑھتا ہوں- پس کتنا وقت اس میں گزاروں؟ آپؐ نے فرمایا' جتنا تو چاہے- کہا چوتھائی؟ فرمایا جتنا چاہو اور زیادہ کرو تو اور اچھا ہے- کہا آدھا؟ تو یہی جواب دیا- پوچھا دو تہائی تو یہی جواب ملا- کہا تو بس میں سارا ہی وقت اس میں گزاروں گا- فرمایا پھر اللہ تعالیٰ تجھے تیرے تمام ہم و غم سے بچا لے گا- اور تیرے گناہ معاف فرما دے گا- (ترمذی)

ایک شخص نے آپ سے کہا حضورؐ اگر میں اپنی تمام تر صلوٰۃ آپ ہی پر کر دوں تو؟ آپؐ نے فرمایا' دنیا اور آخرت کے تمام مقاصد پورے ہو جائیں گے- (مسند احمد) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں' آپؐ ایک مرتبہ گھر سے نکلے- میں ساتھ ہو لیا' آپؐ کھجوروں کے ایک باغ میں گئے' وہاں جا کر سجدے میں گر گئے اور اتنا لمبا سجدہ کیا' اس قدر دیر لگائی کہ مجھے تو یہ کھٹکا گزرا کہ کہیں آپؐ کی روح پرواز نہ کر گئی ہو- قریب جا کر غور سے دیکھنے لگا' اتنے میں آپؐ نے سر اٹھایا' مجھ سے پوچھا' کیا بات ہے؟ تو میں نے اپنی حالت ظاہر کی- فرمایا بات یہ تھی کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھ سے فرمایا' تمہیں بشارت سناتا ہوں کہ جناب باری عزاسمہ فرماتا ہے' جو تجھ پر درود بھیجے گا' میں بھی اس پر درود بھیجوں گا اور جو تجھ پر سلام بھیجے گا' میں بھی اس پر سلام بھیجوں گا- (مسند احمد بن حنبلؒ)

اور روایت میں ہے کہ یہ سجدہ اس امر پر اللہ کے شکریئے کا تھا- ایک مرتبہ حضور ﷺ اپنے کسی کام کے لئے نکلے- کوئی نہ تھا جو آپؐ

کے ساتھ جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلدی سے پیچھے پیچھے گئے۔ دیکھا کہ آپ سجدے میں ہیں' دور ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھ کر فرمایا' تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ مجھے سجدے میں دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ سنو' میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور فرمایا آپ کی امت میں سے جو ایک مرتبہ آپ پر درود بھیجے گا' اللہ اس پر دس رحمتیں اتارے گا۔ اور اس کے دس درجے بلند کرے گا۔ (طبرانی)

ایک مرتبہ آپ اپنے صحابہؓ کے پاس آئے۔ چہرے سے خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔ صحابہؓ نے سبب دریافت کیا' فرمایا' ایک فرشتے نے آ کر مجھے یہ بشارت دی کہ میرا امتی جب مجھ پر درود بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں اس پر اتریں گی۔ اسی طرح ایک سلام کے بدلے دس سلام۔ (نسائی) اور روایت میں ہے کہ ایک درود کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی' دس گناہ معاف ہوں گے' دس درجے بڑھیں گے اور اسی کے مثل اس پر لوٹایا جائے گا۔ (مسند) جو شخص مجھ پر ایک درود بھیجے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ (مسلم وغیرہ) فرماتے ہیں' مجھ پر درود بھیجا کرو۔ وہ تمہارے لئے زکوٰۃ ہے اور میرے لئے وسیلہ طلب کیا کرو۔ وہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جو ایک شخص کو ہی ملے گا۔ کیا عجب کہ وہ میں ہی ہوں۔ (احمد) حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا قول ہے کہ حضور ﷺ پر جو درود بھیجتا ہے اللہ اور اس کے فرشتے اس پر ستر درود بھیجتے ہیں۔ اب جو چاہے کم کرے اور جو چاہے اس میں زیادتی کرے۔ سنو ایک مرتبہ حضور ﷺ ہمارے پاس آئے۔ ایسے کہ گویا کوئی کسی کو رخصت کر رہا ہو۔ تین بار فرمایا کہ میں امی نبی محمدؐ ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مجھے نہایت کھلا' بہت جامع اور ختم کر دینے والا کلام دیا گیا ہے۔ مجھے جہنم کے داروغوں کی' عرش کے اٹھانے والوں کی گنتی بتا دی گئی ہے۔ مجھ پر خاص عنایت کی گئی ہے اور مجھے اور میری امت کو عافیت عطا فرمائی گئی ہے۔ جب تک میں تم میں موجود ہوں' سنتے اور مانتے رہو۔ جب مجھے میرا رب لے جائے تو تم کتاب اللہ کو مضبوط تھامے رہنا۔ اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھنا۔ (مسند احمد) فرماتے ہیں' جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے' اسے چاہیے کہ مجھ پر درود بھیجے۔ ایک مرتبہ کے درود بھیجنے سے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ (ابو داؤد طیالسی) ایک درود دس رحمتیں دلواتا ہے اور دس گناہ معاف کراتا ہے۔ (مسند) بخیل ہے وہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔ (ترمذی) اور روایت میں ہے' ایسا شخص سب سے بڑا بخیل ہے۔ ایک مرسل حدیث میں ہے' انسان کو یہ بخل کافی ہے کہ میرا نام سن کر درود نہ پڑھے۔ فرماتے ہیں' وہ شخص برباد ہوا جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا۔ وہ برباد ہوا جس کی زندگی میں رمضان آیا اور نکل جانے تک اس کے گناہ معاف نہ ہوئے۔ یہ بھی برباد ہوا جس نے اپنے ماں باپ کے بڑھاپے کے زمانے کو پالیا' پھر بھی انہوں نے اسے جنت میں نہ پہنچایا۔ (ترمذی)

یہ حدیثیں دلیل ہیں اس امر پر کہ حضور ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ جیسے طحاوی حلیمی وغیرہ۔ ابن ماجہ میں ہے' جو مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا' اس نے جنت کی راہ سے خطا کی۔ یہ حدیث دوسری سند سے مرسل راوی ہے۔ لیکن پہلی احادیث سے اس کی پوری تقویت ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں' مجلس میں ایک دفعہ تو واجب ہے پھر مستحب ہے۔ چنانچہ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے' جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اللہ کے ذکر اور درود کے بغیر اٹھ کھڑے ہوں' وہ مجلس قیامت کے دن ان پر وبال ہو جائے گی۔ اگر اللہ چاہے تو انہیں عذاب کرے چاہے معاف کر دے اور روایت میں ذکر اللہ کا ذکر نہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ گو وہ جنت میں جائیں لیکن محرومی ثواب کے باعث انہیں سخت افسوس رہے گا۔ بعض کا قول ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ آپؐ پر درود واجب ہے۔ پھر مستحب ہے تاکہ آیت کی تعمیل ہو جائے۔ قاضی عیاضؒ نے حضورؐ پر درود بھیجنے کے وجوب کو بیان فرما کر اسی قول کی تائید کی ہے۔ لیکن طبریؒ فرماتے ہیں کہ آیت سے تو استحباب ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ان کا مطلب بھی یہی ہو کہ ایک مرتبہ واجب پھر مستحب

جیسے آپ کی نبوت کی گواہی ۔ لیکن میں کہتا ہوں' بہت سے ایسے اوقات ہیں جن میں حضور ﷺ پر درود پڑھنے کا ہمیں حکم ملا ہے لیکن بعض وقت واجب ہے ۔ اور بعض جگہ واجب نہیں ۔ چنانچہ (۱) اذان سن کر ۔ دیکھئے مسند کی حدیث میں ہے ۔ جب تم اذان سنو تو جو موذن کہہ رہا ہو' تم بھی کہو ۔ پھر مجھ پر درود بھیجو ۔ ایک کے بدلے دس درود اللہ تم پر بھیجے گا ۔ پھر میرے لئے وسیلہ مانگو جو جنت کی ایک منزل ہے اور ایک ہی بندہ اس کا مستحق ہے ۔ مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں' سنو جو میرے لئے وسیلہ کی دعا کرتا ہے' اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے ۔ پہلے درود کے زکوٰۃ ہونے کی حدیث میں بھی اس کا بیان گزر چکا ہے ۔ فرمان ہے کہ جو شخص درود بھیجے اور کہے اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اس کے لئے میری شفاعت قیامت کے دن واجب ہو جائے گی ۔ (مسند) ابن عباسؓ سے دعا منقول ہے اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدِ الْكُبْرٰى وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ الْعُلْيَا وَاَعْطِهٖ سُؤْلَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى كَمَا اٰتَيْتَ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُوْسٰى عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

(۲) مسجد میں جانے اور مسجد سے نکلنے کے وقت ۔ چنانچہ مسند میں ہے ۔ حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں' جب آنحضرت ﷺ مسجد میں جاتے تو درود و سلام پڑھ کر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھتے اور جب مسجد سے نکلتے تو درود و سلام کے بعد اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ پڑھتے ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے' جب مسجدوں میں جاؤ تو نبی ﷺ پر درود پڑھا کرو ۔

(۳) نماز کے آخری قعدہ میں التحیات کا درود ۔ اس کی بحث پہلے گزر چکی ۔ ہاں اول تشہد میں اسے کسی نے واجب نہیں کہا ۔ البتہ مستحب ہونے کا ایک قول شافعیؒ کا ہے ۔ گو دوسرا قول اس کے خلاف بھی انہی سے مروی ہے ۔

(۴) جنازے کی نماز میں آپؐ پر درود پڑھنا ۔ چنانچہ سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورۂ فاتحہ پڑھے ۔ دوسری میں درود پڑھے ۔ تیسری میں میت کے لئے دعا کرے چوتھی میں اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ الخ' پڑھے ۔ ایک صحابیؓ کا قول ہے کہ مسنون نماز جنازہ یوں ہے کہ امام تکبیر کہہ کر آہستہ سے سورۂ الحمد پڑھے ۔ پھر حضورؐ پر درود بھیجے اور جنازے کے لئے مخلصانہ دعا کرے ۔ اور تکبیروں میں کچھ نہ پڑھے ۔ پھر آہستہ سلام پھیر دے ۔ (نسائی)

(۵) عید کی نماز میں ۔ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت حذیفہؓ کے پاس آ کر ولید بن عقبہ کہتا ہے' عید کا دن ہے ۔ بتلاؤ تکبیروں کی کیا کیفیت ہے؟ عبداللہؓ نے فرمایا' تکبیر تحریمہ کہہ کر اللہ کی حمد کر ۔ اپنے نبیؐ پر درود بھیج ۔ دعا مانگ ۔ پھر تکبیر کہہ کر یہی کر ۔ پھر تکبیر کہہ کر یہی کر ۔ پھر تکبیر کہہ کر یہی کر ۔ پھر تکبیر کہہ کر یہی کر ۔ پھر قراءت کر ۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع کر ۔ پھر کھڑا ہو کر پڑھ اور اپنے رب کی حمد بیان کر اور حضورؐ پر صلوٰۃ پڑھ اور دعا کر اور تکبیر کہہ اور اسی طرح کر ۔ پھر رکوع میں جا ۔ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ نے بھی اس کی تصدیق کی ۔

(۶) دعا کے خاتمے پر ۔ ترمذی میں حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ دعا آسمان و زمین میں معلق رہتی ہے یہاں تک کہ تو درود پڑھے تب چڑھتی ہے ۔ ایک روایت مرفوع بھی اسی طرح کی آئی ہے ۔ اس میں یہ بھی ہے کہ دعا کے اول میں' درمیان میں اور آخر میں درود پڑھ لیا کرو ۔ ایک غریب اور ضعیف حدیث میں ہے کہ مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ کر لو کہ جب وہ اپنی تمام ضروری چیزیں لے لیتا ہے تو پانی کا کٹورہ بھی بھر لیتا ہے ۔ اگر وضو کی ضرورت پڑی تو وضو کر لیا' پیاس لگی تو پانی لیا ورنہ پانی بہا دیا ۔ دعا کی ابتداء میں دعا کے درمیان میں اور دعا کے آخر میں مجھ پر درود پڑھا کرو ۔ خصوصاً دعائے قنوت میں درود کی زیادہ تاکید ہے ۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں' مجھے حضورؐ نے کچھ کلمات سکھائے

جنہیں میں وتروں میں پڑھا کرتا ہوں۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَآ اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّمَا قَضَیْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ اِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ (اہل السنن) نسائی کی روایت میں آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ۔

(۷) جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں۔ مسند احمد میں ہے' سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدمؑ پیدا کئے گئے۔ اسی میں قبض کئے گئے۔ اسی میں نفخہ ہے' اسی میں بیہوشی ہے۔ پس تم اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ تمہارے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا' آپ تو زمین میں دفنا دیئے گئے ہوں گے۔ پھر ہمارے درود آپؐ پر کیسے پیش کئے جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن ماجہ میں ہے' جمعہ کے دن بکثرت درود پڑھو' اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جب کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے' اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جب تک کہ وہ فارغ ہو۔ پوچھا گیا۔ موت کے بعد بھی؟ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کا گلانا سڑانا حرام کر دیا ہے۔ نبی اللہ زندہ ہیں۔ روزی دیئے جاتے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اور اس میں انقطاع ہے۔ عبادہ بن نسی نے حضرت ابوالدرداءؓ کو پایا نہیں۔ واللہ اعلم۔ بیہقی میں بھی حدیث ہے کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر بکثرت درود بھیجو۔ لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ ایک روایت میں ہے' اس کا جسم زمین نہیں کھاتی جس سے روح القدس نے کلام کیا ہو۔ لیکن یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک مرسل حدیث میں بھی جمعہ کے دن اور رات میں درود کی کثرت کا حکم ہے۔

(۸) اسی طرح خطیب پر بھی دونوں خطبوں میں درود واجب ہے۔ اس کے بغیر صحیح نہ ہوں گے اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور اس میں ذکر اللہ واجب ہے۔ پس ذکر رسول بھی واجب ہوگا۔ جیسے اذان و نماز۔ شافعی اور احمد کا یہی مذہب ہے۔ (۹) آپؐ کی قبر شریف کی زیارت کے وقت۔ ابوداؤد میں ہے' جو مسلمان مجھ پر سلام پڑھتا ہے' اللہ میری روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔ ابوداؤد میں ہے' اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ میری قبر پر عرس میلہ نہ لگاؤ۔ ہاں مجھ پر درود پڑھو گو تم کہیں بھی ہو لیکن تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔ قاضی اسماعیل بن اسحاق اپنی کتاب فضل الصلوۃ میں ایک روایت لائے ہیں کہ ایک شخص ہر صبح روضہ رسولؐ پر آتا تھا اور درود و سلام پڑھتا تھا۔ ایک دن اس سے حضرت علی بن حسین بن علی نے کہا' تم روز ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ حضورؐ پر سلام کرنا مجھے بہت مرغوب ہے۔ آپ نے فرمایا' سنو میں تمہیں ایک حدیث سناؤں' میں نے اپنے باپ سے' انہوں نے میرے دادا سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤ۔ جہاں کہیں تم ہو۔ وہیں سے مجھ پر درود و سلام بھیجو۔ وہ مجھے پہنچ جاتے ہیں''۔ اس کی اسناد میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام مذکور نہیں۔ اور سند سے یہ روایت مرسل مروی ہے۔ حسن بن حسن بن علیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے آپؐ کی قبر کے پاس کچھ لوگوں کو دیکھ کر انہیں یہ حدیث سنائی کہ آپؐ کی قبر پر میلہ لگانے سے آپؐ نے روک دیا ہے۔ ممکن ہے ان کی کسی بے ادبی کی وجہ سے یہ حدیث آپ کو سنانے کی ضرورت پڑی ہو مثلاً وہ بلند آواز سے بول رہے ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو حضورؐ کے روضہ پر پے در پے آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تو اور جو شخص اندلس میں ہے' جہاں کہیں تم ہو' وہیں سے سلام بھیجو۔ تمہارے سلام مجھے پہنچا دیئے جاتے ہیں۔

طبرانی میں ہے' حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ خاص راز ہے اگر تم مجھ سے نہ پوچھتے تو میں بھی نہ بتاتا۔ سنو میرے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں' جب میرا ذکر کسی مسلمان کے سامنے کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ فرشتے کہتے ہیں' اللہ تجھے بخشے اور خود اللہ اور اس کے فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور اس کی سند بہت ہی ضعیف ہے۔ مسند احمد میں ہے' اللہ تعالیٰ

کے فرشتے ہیں جو زمین میں چلتے پھرتے رہتے ہیں- میری امت کے سلام مجھ تک پہنچاتے رہتے ہیں- نسائی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے- ایک حدیث میں ہے کہ جو میری قبر کے پاس سے مجھ پر سلام پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں اور جو دور سے سلام بھیجتا ہے اسے میں پہنچایا جاتا ہوں- یہ حدیث سنداً صحیح نہیں- محمد بن مروان سدی صغیر متروک ہے-

(۱۰) ہمارے ساتھیوں کا قول ہے کہ احرام والا جب لبیک پکارے تو اسے بھی درود پڑھنا چاہیے- دارقطنی وغیرہ میں قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق کا فرمان مروی ہے کہ لوگوں کو اس بات کا حکم کیا جاتا تھا- صحیح سند سے حضرت فاروق اعظمؓ کا قول مروی ہے کہ جب تم مکہ پہنچو تو سات مرتبہ طواف کرو مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرو- پھر صفا پر چڑھو اتنا کہ وہاں سے بیت اللہ نظر آئے- وہاں کھڑے رہ کر سات تکبیریں کہو اور ان کے درمیان اللہ کی حمد وثنا بیان کرو اور درود پڑھو- اور اپنے لئے دعا کرو- پھر مروہ پر بھی اسی طرح کرو-

(۱۱) ہمارے ساتھیوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ذبح کے وقت بھی اللہ کے نام کے ساتھ درود پڑھنا چاہیے- آیت وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ سے انہوں نے تائید چاہی ہے کیونکہ اس کی تفسیر میں ہے کہ جہاں اللہ کا ذکر کیا جائے وہیں آپؐ کا نام بھی لیا جائے گا- جمہور اس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں یہاں صرف ذکر اللہ کافی ہے- جیسے کھانے کے وقت اور جماع کے وقت وغیرہ وغیرہ- کہ ان اوقات میں درود کا پڑھنا سنت سے ثابت نہیں ہوا- ایک حدیث میں ہے اگر اس کی اسناد صحیح ثابت ہو جائے تو صحیح ابن خزیمہ میں ہے جب تم میں سے کسی کے کان میں سرسراہٹ ہو تو مجھے ذکر کر کے درود پڑھے اور کہے کہ جس نے مجھے بھلائی سے یاد کیا اسے اللہ بھی یاد کرے- اس کی سند غریب ہے اور اس کے ثبوت میں نظر ہے-

مسئلہ: ☆☆ اہل کتابت اس بات کو مستحب جانتے ہیں کہ کاتب جب کبھی حضورؐ کا نام لکھے صلی اللہ علیہ وسلم لکھے- ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھے اس کے درود کا ثواب اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک وہ کتاب رہے- لیکن کئی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہیں- بلکہ امام ذہبیؒ کے استاد تو اسے موضوع کہتے ہیں- یہ حدیث بہت سے طریق سے مروی ہے لیکن ایک سند بھی صحیح نہیں- امام خطیب بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب آداب الراوی والسامع میں لکھتے ہیں میں نے امام احمدؒ کی دستی لکھی ہوئی کتاب میں بہت جگہ رسول اللہ ﷺ کا نام دیکھا جہاں درود لکھا ہوا نہ تھا- آپ زبانی درود پڑھ لیا کرتے تھے- فصل ☆☆ نبیوں کے سوا غیر نبیوں پر صلوٰۃ بھیجنا اگر تبعاً ہو تو بے شک جائز ہے- جیسے حدیث میں ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَزۡوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ ہاں صرف غیر نبیوں پر صلوٰۃ بھیجنے میں اختلاف ہے- بعض تو اسے جائز بتاتے ہیں اور دلیل میں آیت هُوَ الَّذِيۡ يُصَلِّيۡ عَلَيۡكُمۡ الخ اور اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ اور وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ پیش کرتے ہیں اور یہ حدیث بھی کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپؐ فرماتے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيۡهِمۡ چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ فرماتے ہیں "جب میرے والد آپؐ کے پاس اپنا صدقے کا مال لائے تو آپؐ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِيۡ اَوۡفٰى" بخاری ومسلم-

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ مجھ پر اور میرے خاوند پر صلوت بھیجئے تو آپؐ نے فرمایا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡكَ وَعَلٰى زَوۡجِكِ لیکن جمہور علماء اس کے خلاف ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیاء کے سوا اوروں پر خاصتاً صلوٰۃ بھیجنا ممنوع ہے- اس لئے کہ اس لفظ کا استعمال انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے اس قدر بکثرت ہو گیا ہے کہ سنتے ہی ذہن میں یہی خیال آتا ہے کہ یہ نام کسی نبی کا ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ غیر نبی کے لئے یہ الفاظ نہ کہے جائیں- مثلاً ابوبکر صلی اللہ علیہ یا علی صلی اللہ علیہ نہ کہا جائے گو معنی اس میں کوئی قباحت نہیں جیسے محمد عزوجل نہیں کہا جاتا- حالانکہ ذی عزت اور ذی مرتبہ آپ بھی ہیں اس لئے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مشہور ہو

چکے ہیں- اور کتاب وسنت میں صلوٰۃ کا جو استعمال غیر انبیاء کے لئے ہوا ہے وہ بطور دعا کے ہے اسی وجہ سے آل ابی اوفی کو اس کے بعد کسی نے ان الفاظ سے یاد نہیں کیا نہ حضرت جابر اور ان کی بیوی کو- یہی مسلک ہمیں بھی اچھا لگتا ہے واللہ اعلم-

بعض ایک اور وجہ بھی بیان کرتے ہیں یعنی یہ کہ غیر انبیاء کے لئے یہ الفاظ صلوٰۃ استعمال کرنا بد دینوں کا شیوہ ہو گیا ہے- وہ اپنے بزرگوں کے حق میں یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں- پس ان کی اقتدا ہمیں نہ کرنی چاہیے- اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ مخالفت کس درجے کی ہے- حرمت کے طور پر یا کراہیت کے طور پر یا خلاف اولیٰ- صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے- اس لئے کہ بدعتیوں کا طریقہ ہے جس پر ہمیں کاربند ہونا ٹھیک نہیں- اور مکروہ وہی ہوتا ہے جس میں نہی مقصود ہو- زیادہ تر اعتبار اس میں اسی پر ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ سلف میں نبیوں پر ہی بولا جاتا رہا جیسے کہ عزوجل کا لفظ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بولا جاتا رہا- اب رہا سلام سو اس کے بارے میں شیخ ابو محمد جوینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی صلوٰۃ کے معنی میں ہے- پس غائب پر اس کا استعمال نہ کیا جائے اور جو نبی نہ ہو اس کے لئے خاصتاً اسے بھی نہ بولا جائے- پس علی علیہ السلام نہ کہا جائے- زندوں اور مردوں کا یہی حکم ہے- ہاں جو سامنے موجود ہو اس سے خطاب کر کے سلام علیك یا سلام علیکم یا السلام علیك یا علیکم کہنا جائز ہے اور اس پر اجماع ہے- یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عموماً مصنفین کے قلم سے علی علیہ السلام نکلتا ہے- یا علی کرم اللہ وجہہ نکلتا ہے گو معنی اس میں کوئی حرج نہ ہو لیکن اس سے اور صحابہؓ کی جناب میں ایک طرح کی سوء ادبی پائی جاتی ہے- ہمیں سب صحابہؓ کے ساتھ حسن عقیدت رکھنی چاہیے- یہ الفاظ تعظیم وتکریم کے ہیں اس لئے حضرت علیؓ سے زیادہ مستحق ان کے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں-

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے سوا کسی اور پر صلوٰۃ نہ بھیجنی چاہیے- ہاں مسلمان مردوں عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہیے- حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ بعض لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا کے جمع کرنے کی فکر میں ہیں اور بعض مولوی واعظ اپنے خلیفوں اور امیروں کے لئے صلوٰۃ کے وہی الفاظ بولتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے لئے تھے- جب تیرے پاس میرا یہ خط پہنچے تو انہیں کہہ دینا کہ صلوٰۃ صرف نبیوں کے لئے کہیں اور عام مسلمانوں کے لئے اس کے سوا جو چاہیں دعا کریں- حضرت کعبؓ کہتے ہیں ہر صبح ستر ہزار فرشتے اتر کر قبر رسول اللہ ﷺ کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پر سمیٹ کر حضورؐ کے لئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور ستر ہزار رات کو آتے ہیں یہاں تک کہ قیامت کے دن جب آپ کی قبر مبارک شق ہو گی تو آپؐ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے- (فرع) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ پر صلوٰۃ وسلام ایک ساتھ بھیجنے چاہیں- صرف صلی اللہ علیہ وسلم یا صرف علیہ السلام نہ کہے- اس آیت میں بھی دونوں ہی کا حکم ہے- پس اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے صلی اللہ علیہ و سلم تسلیما-

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿۵۸﴾ ع ۷

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لئے نہایت ذلیل عذاب تیار ہیں- جو لوگ مومن مردوں اور

مومن عورتوں کو ایذا دیں' بغیر کسی جرم کے جوان سے سرزد ہوا ہو وہ بڑے ہی بہتان باز اور کھلم کھلا گنہگار ہیں ○

ملعون و معذب لوگ: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۸) جو لوگ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کر کے اس کے روکے ہوئے کاموں سے نہ رک کر اس کی نافرمانیوں پر جم کر اسے ناراض کر رہے ہیں اور اس کے رسولؐ کے ذمے طرح طرح کے بہتان باندھتے ہیں' وہ ملعون اور معذب ہیں۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد تصویریں بنانے والے ہیں۔ بخاری و مسلم میں فرمان رسولؐ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' مجھے ابن آدم ایذا دیتا ہے' وہ زمانے کو گالیاں دیتا ہے اور زمانہ میں ہوں۔ میں ہی دن رات کا تغیر و تبدل کر رہا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت والے کہا کرتے تھے' ہائے زمانے کی ہلاکی' اس نے ہمارے ساتھ یہ کیا اور یوں کیا۔ پس اللہ کے افعال کو زمانے کی طرف منسوب کر کے پھر زمانے کو برا کہتے تھے تو گویا افعال کے فاعل یعنی خود اللہ کو برا کہتے تھے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے جب حضورؐ نے نکاح کیا تو اس پر بھی بعض لوگوں نے باتیں بنانا شروع کی تھیں۔ بقول ابن عباسؓ یہ آیت اس بارے میں اتری۔ آیت عام ہے۔ کسی طرح بھی اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف دے' وہ اس آیت کے ماتحت ملعون اور معذب ہے۔ اس لئے کہ رسولؐ اللہ کو ایذا دینی گویا اللہ کو ایذا دینی ہے۔ جس طرح آپؐ کی اطاعت عین اطاعت الٰہی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' میں تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔ دیکھو اللہ کو بیچ میں رکھ کر تم سے کہتا ہوں کہ میرے اصحابؓ کو میرے بعد نشانہ نہ بنا لینا۔ میری محبت کی وجہ سے ان سے بھی محبت رکھنا۔ ان سے بغض و بیر رکھنے والا مجھ سے دشمنی کرنے والا ہے۔ انہیں جس نے ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی' یقین مانو کہ اللہ اس کی بھوسی اڑا دے گا۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے۔ جو لوگ ایمانداروں کی طرف ان برائیوں کو منسوب کرتے ہیں جن سے وہ بری ہیں' وہ بڑے بہتان باز ہیں اور زبردست گنہگار ہیں۔ اس وعید میں سب سے پہلے تو کفار داخل ہیں۔

پھر رافضی شیعہ جو صحابہؓ پر عیب گیری کرتے ہیں اور اللہ نے جن کی تعریفیں کی ہیں' یہ انہیں برا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ وہ انصار و مہاجرین سے خوش ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کی مدح و ستائش موجود ہے۔ لیکن یہ بے خبر کند ذہن انہیں برا کہتے ہیں' ان کی مذمت کرتے ہیں۔ اور ان میں وہ باتیں بتاتے ہیں جن سے وہ بالکل الگ ہیں۔ حق یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے دل اوندھے ہو گئے ہیں اس لئے ان کی زبانیں بھی الٹی چلتی ہیں۔ قابل مدح لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور مذمت والوں کی تعریفیں کرتے ہیں۔ حضورؐ سے سوال ہوتا ہے کہ غیبت کسے کہتے ہیں؟ آپؐ فرماتے ہیں' تیرا اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جسے اگر وہ سنے تو اسے برا معلوم ہو۔ آپؐ سے سوال ہوا کہ اگر وہ بات اس میں ہو تب؟ آپؐ نے فرمایا' جبھی تو غیبت ہے ورنہ بہتان ہے۔ (ترمذی) ایک مرتبہ آپؐ نے اپنے اصحابؓ سے سوال کیا کہ سب سے بڑی سود خوری کیا ہے؟ انہوں نے کہا' اللہ جانے اور اللہ کا رسولؐ۔ آپؐ نے فرمایا' سب سے بڑا سود اللہ کے نزدیک کسی مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے۔ پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۵۹﴾

اے نبی اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔ اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو

جایا کرے گی- پھر نہ ستائی جائیں گی' اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ○

تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر و افضل کون؟ ☆☆ (آیت:۵۹) اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام تسلیما کو فرماتا ہے کہ آپ مومن عورتوں سے فرما دیں بالخصوص اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں سے کیونکہ وہ تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر و افضل ہیں کہ وہ اپنی چادریں قدرے لٹکا لیا کریں تاکہ جاہلیت کی عورتوں سے ممتاز ہو جائیں- اسی طرح لونڈیوں سے بھی آزاد عورتوں کی پہچان ہو جائے- جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جو عورتیں اپنی دوپٹیا کے اوپر ڈالتی ہیں-

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ مسلمان عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ جب وہ اپنے کسی کام کاج کے لئے باہر نکلیں تو جو چادر وہ اوڑھتی ہیں' اسے سر پر سے جھکا کر منہ ڈھک لیا کریں' صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں- امام محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کے سوال پر حضرت عبیدہ سلمانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا چہرہ اور سر ڈھانک کر اور بائیں آنکھ کھلی رکھ کر بتا دیا کہ یہ مطلب اس آیت کا ہے- حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اپنی چادر سے اپنا گلا تک ڈھانپ لے- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں' اس آیت کے اترنے کے بعد انصارؓ کی عورتیں جب نکلتی تھیں تو اس طرح لگی چھپی چلتی تھیں گویا ان کے سروں پر پرند ہیں- سیاہ چادریں اپنے اوپر ڈال لیا کرتی تھیں- حضرت زہریؒ سے سوال ہوا کہ کیا لونڈیاں بھی چادر اوڑھیں؟ خواہ خاوندوں والیاں ہوں یا بے خاوند کی ہوں؟ فرمایا' دوپٹیا تو ضرور اوڑھیں اگر وہ خاوندوں والیاں ہوں اور چادر نہ اوڑھیں تاکہ ان میں اور آزاد عورتوں میں فرق رہے-

حضرت سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ ذمی کافروں کی عورتوں کی زینت کا دیکھنا صرف خوف زنا کی وجہ سے ممنوع ہے نہ کہ ان کی حرمت و عزت کی وجہ سے- کیونکہ آیت میں مومنوں کی عورتوں کا ذکر ہے- چادر کا لٹکانا چونکہ علامت ہے آزاد پاک دامن عورتوں کی' اس لئے یہ چادر کے لٹکانے سے پہچان لی جائیں گی کہ یہ نہ واہی عورتیں ہیں نہ لونڈیاں ہیں- سدیؒ کا قول ہے کہ فاسق لوگ اندھیری راتوں میں راستے سے گزرنے والی عورتوں پر آوازے کستے تھے اس لئے یہ نشان ہو گیا کہ گھر گرہست عورتوں اور لونڈیوں باندیوں وغیرہ میں تمیز ہو جائے اور ان پاک دامن عورتوں پر کوئی لب نہ ہلا سکے- پھر فرمایا کہ جاہلیت کے زمانے میں جو بے پردگی کی رسم تھی' جب تم اللہ کے اس حکم کے عامل بن جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمام اگلی خطاؤں سے درگزر فرما لے گا اور تم پر مہر و کرم کرے گا-

لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾

اگر اب بھی یہ منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینے کے وہ لوگ جو غلط افواہیں اڑانے والے ہیں باز نہ آئے تو ہم تجھے ان کی تباہی پر مسلط کر دیں گے- پھر تو وہ چند دن ہی تیرے ساتھ اس شہر میں رہ سکیں گے ○ ان پر پھٹکار برسائی گئی' جہاں بھی مل جائیں پکڑ دکڑ اور خوب مار پیٹ کی جائے ○ ان سے اگلوں میں بھی اللہ کا یہی دستور جاری رہا' تو اللہ کے دستور میں کبھی ردوبدل نہ پائے گا ○

(آیت:۶۰-۶۲) پھر فرماتا ہے کہ اگر منافق لوگ اور بدکار لوگ اور جھوٹی افواہیں دشمنوں کی چڑھائی وغیرہ کی اڑانے والے اب بھی باز نہ آئے اور حق کے طرفدار نہ ہوئے تو ہم اے نبیؐ تجھے ان پر غالب اور مسلط کر دیں گے۔ پھر تو وہ مدینے میں ٹھہر ہی نہیں سکیں گے۔ بہت جلد تباہ کر دیئے جائیں گے اور جو کچھ دن ان کے مدینے کی اقامت کے گزریں گے' وہ بھی لعنت و پھٹکار میں' ذلت اور مار میں گزریں گے۔ ہر طرف سے دھتکارے جائیں گے' راندۂ درگاہ ہو جائیں گے' جہاں جائیں گے گرفتار کئے جائیں گے اور بری طرح قتل کئے جائیں گے۔ ایسے کفار و منافقین پر جبکہ وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئیں' مسلمانوں کو غلبہ دینا ہماری قدیمی سنت ہے جس میں نہ کبھی تغیر و تبدل ہوا نہ اب ہو۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝

لوگ تجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں' تو کہہ دے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ تجھے کیا خبر۔ بہت ممکن ہے کہ قیامت بالکل ہی قریب ہو ○ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ○ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے ○ اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے۔ حسرت وافسوس سے کہیں گے کہ کاش کہ ہم اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرتے ○ اور کہیں گے' اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بزرگوں کی مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا ○ پروردگار تو انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت نازل فرما ○

قیامت قریب تر سمجھو: ☆☆ (آیت:۶۳-۶۸) لوگ یہ سمجھ کر کہ قیامت کب آئے گی' اس کا علم حضور ﷺ کو ہے' آپؐ سے سوال کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنے نبیؐ کی زبانی معلوم کرا دیا کہ اس کا مطلق مجھے علم نہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ سورۂ اعراف میں بھی یہ بیان ہے اور اس سورت میں بھی۔ پہلی سورت مکے میں اتری تھی۔ یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ جس سے ظاہر کرا دیا گیا کہ ابتدا سے انتہا تک قیامت کے صحیح وقت کی تعیین آپ کو معلوم نہ تھی۔ ہاں اتنا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو معلوم کرا دیا تھا کہ قیامت کا وقت ہے قریب۔ جیسے اور آیت میں ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ اور آیت میں ہے اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ اور اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ وغیرہ' اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ ان پر اپنی ابدی لعنت فرمائی ہے۔

دار آخرت میں ان کے لئے آگ جہنم تیار ہے جو بڑی بھڑکنے والی ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ کبھی نکل سکیں نہ چھوٹ

سکیں اور وہاں نہ کوئی اپنا فریاد رس پائیں گے نہ کوئی دوست و مددگار جو انہیں چھڑا لے یا بچا سکے، یہ جہنم میں منہ کے بل ڈالے جائیں گے۔ اس وقت تمنا کریں گے کہ کاش ہم اللہ و رسولؐ کے تابعدار ہوتے - میدان قیامت میں بھی ان کی یہی تمنائیں رہیں گی - ہاتھ کو چباتے ہوئے کہیں گے کہ کاش ہم قرآن و حدیث کے عامل ہوتے - کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا - اس نے تو مجھے قرآن و حدیث سے بہکا دیا - فی الواقع شیطان انسان کو ذلیل کرنے والا ہے - اور آیت میں ہے رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ عنقریب کفار آرزو کریں گے کہ کاش کہ وہ مسلمان ہوتے، اس وقت کہیں گے کہ اللہ ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے علماء کی پیروی کی - امراء اور مشائخین کے پیچھے لگے رہے - رسولوں کا خلاف کیا اور یہ سمجھا کہ ہمارے بڑے راہ راست پر ہیں - ان کے پاس حق ہے - آج ثابت ہوا کہ درحقیقت وہ کچھ نہ تھے - انہوں نے تو ہمیں بہکا دیا، پروردگار تو انہیں دوہرا عذاب کر - ایک تو ان کے اپنے کفر کا، ایک ہمیں برباد کرنے کا - اور ان پر بدترین لعنت نازل کر - ایک قراءت میں کَبِیْرًا کے بدلے کَثِیْرًا ہے - مطلب دونوں کا یکساں ہے -

بخاری و مسلم میں ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کسی ایسی دعا کی درخواست کی جسے وہ نماز میں پڑھیں تو آپؐ نے یہ دعا تعلیم فرمائی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّاِنَّہٗ وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ یعنی اے اللہ میں نے بہت سے گناہ کیے ہیں - میں مانتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی انہیں معاف نہیں کر سکتا - پس تو اپنی خصوصی بخشش سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر - تو بڑا ہی بخشش کرنے والا اور مہربان ہے - اس حدیث میں بھی ظُلْمًا کَثِیْرًا اور کَبِیْرًا دونوں ہی مروی ہیں - بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دعا میں کَثِیْرًا کَبِیْرًا دونوں لفظ ملا لے - لیکن یہ ٹھیک نہیں - بلکہ ٹھیک یہ ہے کہ کبھی کثیرا کہے کبھی کبیرا دونوں لفظوں میں سے جسے چاہے پڑھ سکتا ہے - لیکن دونوں کو جمع نہیں کر سکتا، واللہ اعلم - حضرت علیؓ کا ایک ساتھی آپ کے مخالفین سے کہہ رہا تھا کہ تم اللہ کے ہاں جا کر یہ کہو گے کہ ربنا انا اطعنا الخ -

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ﴿۶۹﴾

ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی - جو داغ وہ لگاتے تھے اللہ نے انہیں اس سے بری کر دیا - وہ اللہ کے نزدیک ذی عزت تھے ○

موسیٰ علیہ السلام کا مزاج: ☆☆ (آیت: ۶۹) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ بہت ہی شرمیلے اور بڑے لحاظ دار تھے - یہی مطلب ہے قرآن کی اس آیت کا - کتاب التفسیر میں تو امام صاحب اس حدیث کو اتنی ہی مختصر لائے ہیں - لیکن احادیث انبیاء کے بیان میں اسے مطول لائے ہیں - اس میں یہ بھی ہے کہ وہ بوجہ سخت حیا و شرم کے اپنا بدن کسی کے سامنے ننگا نہیں کرتے تھے - بنو اسرائیل آپؑ کی ایذا کے درپے ہو گئے اور یہ اڑا دیا کہ چونکہ ان کے جسم پر برص کے داغ ہیں یا ان کے بیضے بڑھ گئے ہیں یا کوئی اور آفت ہے، اس وجہ سے یہ اس قدر پردے داری کرتے ہیں - اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ یہ بدگمانی آپ سے دور کر دے - ایک دن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تنہائی میں ننگے نہا رہے تھے، ایک پتھر پر آپ نے کپڑے رکھ دیئے تھے، جب غسل سے فارغ ہو کر آئے، کپڑے لینے چاہے تو پتھر آگے کو سرک گیا - آپ اپنی لکڑی لئے اس کے پیچھے گئے، وہ دوڑنے لگا - آپ بھی اے پتھر میرے کپڑے میرے کپڑے کرتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے - بنی اسرائیل کی جماعت ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھی - جب آپ وہاں تک پہنچ گئے تو اللہ کے حکم سے پتھر ٹھہر گیا - آپ نے اپنے کپڑے پہن لئے - بنو اسرائیل نے آپ کے تمام جسم کو دیکھ لیا اور جو فضول باتیں ان کے کانوں میں پڑی تھیں، ان سے اللہ نے اپنے نبی کو

بری کر دیا- غصے میں حضرت موسیٰؑ نے تین یا چار پانچ لکڑیاں پتھر پر ماری تھیں- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' واللہ لکڑیوں کے نشان اس پتھر پر پڑ گئے- اسی برات وغیرہ کا ذکر اس آیت میں ہے- یہ حدیث مسلم میں نہیں- یہ روایت بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں ہے- بعض روایتیں موقوف بھی ہیں-

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پہاڑ پر گئے تھے جہاں حضرت ہارونؑ کا انتقال ہو گیا- لوگوں نے حضرت موسیٰ کی طرف بدگمانی کی اور آپ کو ستانا شروع کیا- پروردگار عالم نے فرشتوں کو حکم دیا اور وہ اسے اٹھا لائے اور بنو اسرائیل کی مجلس کے پاس سے گزرے- اللہ نے اسے زبان دی اور قدرتی موت کا اظہار کیا- ان کی قبر کا صحیح نشان نامعلوم ہے- صرف اس ٹیلے کا لوگوں کو علم ہے اور وہی ان کی قبر کی جگہ جانتا ہے لیکن بے زبان ہے- تو ہو سکتا ہے کہ ایذا یہی ہو اور ہو سکتا ہے کہ وہ ایذا ہو جس کا بیان پہلے گذرا- لیکن میں کہتا ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اور یہ دونوں ہوں بلکہ ان کے سوا اور بھی ایذائیں ہوں- حضور ﷺ نے ایک مرتبہ لوگوں میں کچھ تقسیم کیا' اس پر ایک شخص نے کہا' اس تقسیم سے اللہ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کیا گیا- حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' میں نے جب یہ سنا تو میں نے کہا' اے اللہ کے دشمن' میں تیری اس بات کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ضرور پہنچاؤں گا- چنانچہ میں نے جا کر حضورؐ کو خبر کر دی- آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا- پھر فرمایا' اللہ کی رحمت ہو حضرت موسیٰ پر- وہ اس سے بہت زیادہ ایذا دیئے گئے لیکن صبر کیا- (بخاری' مسلم)

اور روایت میں ہے' حضورؐ کا عام ارشاد تھا کہ کوئی بھی میرے پاس کسی کی طرف سے کوئی بات نہ پہنچائے- میں چاہتا ہوں کہ میں تم میں آ کر بیٹھوں تو میرے دل میں کسی کی طرف سے کوئی بات چبھتی ہوئی نہ ہو- ایک مرتبہ کچھ مال آپؐ کے پاس آیا- آپؐ نے اسے لوگوں میں تقسیم کیا- دو شخص اس کے بعد آپس میں باتیں کر رہے تھے- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ واللہ اس تقسیم سے نہ تو حضورؐ نے اللہ کی خوشی کا ارادہ کیا نہ آخرت کے گھر کا- میں ٹھہر گیا اور دونوں کی باتیں سنیں- پھر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپؐ نے تو یہ فرمایا ہے کہ کسی کی کوئی بات میرے سامنے نہ لایا کرو- ابھی کا واقعہ ہے کہ میں جا رہا تھا جو فلاں اور فلاں سے میں نے یہ باتیں سنیں- اسے سن کر حضورؐ کا چہرہ غصے کے مارے سرخ ہو گیا اور آپؐ پر یہ بات بہت ہی گراں گزری- پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا' عبداللہ جانے دو- دیکھو موسیٰ اس سے بھی زیادہ ستائے گئے لیکن انہوں نے صبر کیا قرآن فرماتا ہے موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نزدیک بڑے مرتبے والے تھے- مستجاب الدعوات تھے- جو دعا کرتے تھے' قبول ہوتی تھی- ہاں اللہ کا دیدار نہ ہوا- اس لئے کہ یہ طاقت انسانی سے خارج تھا- سب سے بڑھ کر ان کی وجاہت کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے نبوت مانگی- اللہ نے وہ بھی عطا فرمائی- فرماتا ہے وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ہم نے اسے اپنی رحمت سے اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر دیا-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ

مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۗ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سچی باتیں کیا کرو ○ تا کہ اللہ تمہارے کام سنوار دے اور تمہارے گناہ معاف فرما دے جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے اس نے بڑی مراد پالی ○ ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا وہ بڑا ہی ظالم و جاہل ہے ○ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں عورتوں کو اور مشرک مردوں عورتوں کو سزا دے اور مومن مردوں عورتوں کی توبہ قبول فرمائے۔ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے ○

تقویٰ کی ہدایت: ☆☆ (آیت: ۷۰-۷۱) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اپنے تقویٰ کی ہدایت کرتا ہے۔ ان سے فرماتا ہے کہ اس طرح وہ اس کی عبادت کریں کہ گویا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور بات بالکل صاف سیدھی سچی اچھی بولا کریں جب وہ دل میں تقویٰ زبان میں سچائی اختیار کر لیں گے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ انہیں اعمال صالحہ کی توفیق دے گا۔ اور ان کے تمام اگلے گناہ معاف فرما دے گا بلکہ آئندہ کے لئے بھی انہیں استغفار کی توفیق دے گا تا کہ گناہ باقی نہ رہیں۔ اللہ رسول کے فرماں بردار سچے کامیاب ہیں۔ جہنم سے دور اور جنت سے سرفراز ہیں۔ ایک دن ظہر کی نماز کے بعد مردوں کی طرف متوجہ ہو کر حضور نے فرمایا مجھے اللہ کا حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے اور سیدھی بات بولنے کا حکم دوں۔ پھر عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر بھی یہی فرمایا (ابن ابی حاتم)۔ ابن ابی الدنیا کی کتاب التقویٰ میں ہے حضور ہمیشہ منبر پر ہر خطبے میں یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ لیکن اس کی سند غریب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جسے یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کی عزت کریں اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ عکرمہ فرماتے ہیں قول سدید لا الہ الا اللہ ہے۔ حضرت خباب فرماتے ہیں سچی بات قول سدید ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں ہر سیدھی بات قول سدید میں داخل ہے۔

فرائض حدود امانت ہیں: ☆☆ (آیت: ۷۲-۷۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ امانت سے مراد یہاں اطاعت ہے۔ اسے حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کرنے سے پہلے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر پیش کیا گیا لیکن وہ بار امانت نہ اٹھا سکے اور اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کیا۔ جناب باری عزاسمہ نے اسے اب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش کیا کہ یہ سب تو انکار کر رہے ہیں۔ تم کہو۔ آپ نے پوچھا اللہ اس میں بات کیا ہے؟ فرمایا اگر بجا لاؤ گے ثواب پاؤ گے اور برائی کی سزا پاؤ گے۔ آپ نے فرمایا میں تیار ہوں۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں دوسروں پر جو پیش کیا تھا یہ بطور حکم کے نہ تھا بلکہ جواب طلب کیا تھا۔ تو ان کا انکار اور اظہار مجبوری گناہ نہ تھا۔ بلکہ اس میں ایک قسم کی تعظیم تھی کہ باوجود پوری طاقت کے اللہ کے خوف سے تھرا اٹھے کہ کہیں پوری ادائیگی نہ ہو سکے اور مارے نہ جائیں۔ لیکن انسان جو کہ بھولا تھا اس نے اس بار امانت کو خوشی خوشی اٹھا لیا۔ آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ عصر کے قریب یہ امانت اٹھائی تھی اور مغرب سے پہلے ہی خطا سرزد ہو گئی۔ حضرت ابی کا بیان ہے کہ عورت کی پاک دامنی بھی اللہ کی امانت ہے۔ قتادہ کا قول ہے دین فرائض حدود سب اللہ کی امانت ہیں۔ جنابت کا غسل بھی بقول بعض امانت ہے۔ زید بن اسلام فرماتے ہیں تین چیزیں اللہ کی امانت ہیں غسل جنابت روزہ اور نماز۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں سب کی سب امانت میں داخل ہیں۔ تمام احکام بجا لانے تمام ممنوعات

سے پرہیز کرنے کا انسان مکلف ہے۔ جو بجالائے گا' ثواب پائے گا جہاں گناہ کرے گا' سزا پائے گا۔

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں' خیال کرو' آسمان باوجود اس پختگی' زینت اور نیک فرشتوں کا مسکن ہونے کے اللہ کی امانت برداشت نہ کر سکا جب اس نے یہ معلوم کر لیا کہ بجا آوری اگر نہ ہوئی تو عذاب ہوگا۔ زمین صلاحیت کے باوجود اور سختی کی لمبائی اور چوڑائی کے ڈر گئی اور اپنی عاجزی ظاہر کرنے لگی۔ پہاڑ باوجود اپنی بلندی اور طاقت اور سختی کے اس سے کانپ گئے۔ اور اپنی لاچاری ظاہر کرنے لگے۔ مقاتل فرماتے ہیں' پہلے آسمانوں نے جواب دیا اور کہا' یوں تو ہم مطیع ہیں لیکن ہاں ہمارے بس کی یہ بات نہیں کیونکہ عدم بجا آوری کی صورت میں بہت بڑا خطرہ ہے۔ پھر زمین سے کہا گیا کہ اگر پوری اتری تو فضل و کرم سے نوازدوں گا۔ لیکن اس نے کہا' یوں تو ہر طرح تابعفرمان ہوں' جو فرمایا جائے' عمل کروں لیکن میری وسعت سے تو یہ باہر ہے۔ پھر پہاڑوں سے کہا گیا' انہوں نے بھی جواب دیا کہ نافرمانی تو ہم کرنے کے نہیں۔ امانت ڈال دی جائے تو اٹھالیں گے لیکن یہ بس کی بات نہیں۔ ہمیں معاف فرمایا جائے۔ پھر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا گیا۔ انہوں نے کہا' اللہ اگر پورا اتروں تو کیا ملے گا؟ فرمایا بڑی بزرگی ہوگی' جنت ملے گی' رحم و کرم ہوگا اور اگر اطاعت نہ کی' نافرمانی کی تو پھر سخت سزا ہوگی اور آگ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ انہوں نے کہا' اللہ منظور ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' آسمان نے کہا' میں نے ستاروں کو جگہ دی۔ فرشتوں کو اٹھا لیا لیکن یہ نہیں اٹھا سکوں گا۔ یہ تو فرائض کا بوجھ ہے جس کی مجھ میں طاقت نہیں۔ زمین نے کہا' مجھ میں تو نے درخت بوئے۔ دریا جاری کئے۔ لوگوں کو بسایا۔ لیکن یہ امانت تو میرے بس کی نہیں۔ میں فرض کی پابند ہو کر ثواب کی امید پر عذاب کے احتمال کو نہیں اٹھا سکتی۔ پہاڑوں نے بھی یہی کہا لیکن انسان نے لپک کر اسے اٹھا لیا۔

بعض روایات میں ہے کہ تین دن تک وہ گریہ وزاری کرتے رہے اور اپنی بے بسی کا اظہار کرتے رہے لیکن انسان نے اسے اپنے ذمے لے لیا۔ اللہ نے اسے فرمایا' اب سن' اگر تو نیک نیت رہا تو میری اعانت ہمیشہ تیرے شامل حال رہے گی۔ تیری آنکھوں پر میں دو پلکیں کر دیتا ہوں کہ میری ناراضگی کی چیزوں سے تو انہیں بند کر لے۔ میں تیری زبان پر دو ہونٹ بنا دیتا ہوں کہ جب وہ مرضی کے خلاف بولنا چاہے تو تو اسے بند کر لے۔ تیری شرمگاہ کی حفاظت کے لئے میں لباس اتارتا ہوں۔ کہ میری مرضی کے خلاف تو اسے نہ کھولے۔ زمین و آسمان نے ثواب و عذاب سے انکار کر دیا اور فرماں برداری میں مسخر رہے لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا۔ ایک بالکل غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ امانت اور وفا انسانوں پر نبیوں کی معرفت نازل ہوئیں۔ اللہ کا کلام ان کی زبانوں میں اترا۔ نبیوں کی سنتوں سے انہوں نے ہر بھلائی برائی معلوم کر لی۔ ہر شخص نیکی بدی کو جان گیا۔ یاد رکھو! سب سے پہلے لوگوں میں امانت داری تھی پھر وفا اور عہد کی نگہبانی اور ذمہ داری کو پورا کرنا تھا۔ امانت داری کے دھندلے سے نشان لوگوں کے دلوں پر رہ گئے۔ کتابیں ان کے ہاتھوں میں ہیں۔ عالم عمل کرتے ہیں۔ جاہل جانتے ہیں لیکن انجان بن رہے ہیں۔ اب یہ امانت و وفا مجھ تک اور میری امت تک پہنچی۔ یاد رکھو اللہ اسی کو ہلاک کرتا ہے جو اپنے آپ کو ہلاک کر لے۔ اسے چھوڑ کر غفلت میں پڑ جائے۔ لوگو! ہوشیار رہو۔ اپنے آپ پر نظر رکھو۔ شیطانی وسوسوں سے بچو۔ اللہ تمہیں آزما رہا ہے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟

حضور ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص ایمان کے ساتھ ان چیزوں کو لائے گا' جنت میں جائے گا۔ پانچوں وقتوں کی نماز کی حفاظت کرتا ہو۔ وضو' رکوع' سجدہ اور وقت سمیت زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔ دل کی خوشی کے ساتھ زکوٰۃ کی رقم نکالتا ہو۔ سنو واللہ! یہ بغیر ایمان کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اور امانت کو ادا کرے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ امانت کی ادائیگی سے کیا مراد ہے؟

فرمایا جنابت کا فرضی غسل۔ پس اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اپنے دین میں سے کسی چیز کی اس کے سوا امانت نہیں دی۔ تفسیر ابن جریر میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ کی راہ کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے مگر امانت کی خیانت کو نہیں مٹاتا۔ ان خائنوں سے قیامت کے دن کہا جائے گا' جاؤ ان کی امانتیں ادا کرو' یہ جواب دیں گے' اللہ کہاں سے ادا کریں؟ دنیا تو جاتی رہی تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوگا' پھر حکم ہوگا کہ انہیں ان کی ماں ہاویہ میں لے جاؤ۔ فرشتے دھکے دیتے ہوئے گرا دیں گے۔ یہاں تک کہ اس کی تہہ تک پہنچ جائیں گے تو انہیں اسی امانت کی ہم شکل جہنم کی آگ کی چیز نظر پڑے گی۔ یہ اسے لے کر اوپر کو چڑھیں گے۔ جب کنارے تک پہنچیں گے تو وہاں پاؤں پھسل جائے گا۔ پھر گر پڑیں گے اور جہنم کے نیچے تک گرتے چلے جائیں گے۔ پھر لائیں گے پھر گریں گے ہمیشہ اسی عذاب میں رہیں گے۔ امانت وضو میں بھی ہے۔ نماز میں بھی ہے۔ امانت بات چیت میں بھی ہے اور ان سب سے زیادہ امانت ان چیزوں میں ہے جو کسی کے پاس بطور امانت رکھی جائیں۔

حضرت براءؓ سے سوال ہوتا ہے کہ آپ کے بھائی عبداللہ بن مسعودؓ یہ کیا حدیث بیان فرما رہے ہیں؟ تو آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے دو حدیثیں سنی ہیں۔ ایک کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور دوسری کے ظہور کا مجھے انتظار ہے۔ ایک تو یہ کہ آپؐ نے فرمایا' امانت لوگوں کی جبلت میں اتاری گئی' پھر قرآن اترا۔ حدیثیں بیان ہوئیں۔ پھر آپؐ نے امانت کے اٹھ جانے کی بابت فرمایا' انسان سوئے گا جا اس کے دل سے امانت اٹھ جائے گی اور ایسا نشان رہ جائے گا جیسے کسی کے پیر پر کوئی انگارہ لڑھک کر آ گیا ہو اور پھپھولا پڑ گیا ہو کہ ابھرا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن اندر کچھ بھی نہیں۔ پھر آپؐ نے ایک کنکر لے کر اسے اپنے پیر پر لڑھکا کر دکھا دیا کہ اس طرح لوگ لین دین' خرید و فروخت کیا کریں گے۔ لیکن تقریباً ایک بھی ایماندار نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ مشہور ہو جائے گا کہ فلاں قبیلے میں کوئی امانت دار ہے اور یہاں تک کہ کہا جائے گا' یہ شخص کیسا عقلمند' کس قدر زیرک دانا اور فراست والا ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں' دیکھو اس سے پہلے تو میں ہر ایک سے ادھار سدھار کر لیا کرتا تھا کیونکہ اگر مسلمان ہے تو وہ خود میرا حق مجھے دے جائے گا اور اگر یہودی یا نصرانی ہے تو حکومت اسلام مجھے اس سے دلوا دے گی۔ لیکن اب تو صرف فلاں فلاں کو ہی ادھار دیتا ہوں۔ باقی بند کر دیا۔ (مسلم وغیرہ)

مسند احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ چار باتیں تجھ میں ہوں' پھر اگر ساری دنیا بھی فوت ہو جائے تو تجھے نقصان نہیں۔ امانت کی حفاظت' بات چیت کی صداقت' حسن اخلاق اور وجہ حلال کی روزی۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب الزہد میں ہے کہ جبلہ بن سحیم حضرت زیاد کے ساتھ تھے۔ اتفاق سے ان کے منہ سے باتوں ہی باتوں میں نکل گیا' قسم ہے امانت کی۔ اس پر حضرت زیاد رونے لگے اور بہت روئے۔ میں ڈر گیا کہ مجھ سے کوئی سخت گناہ سرزد ہوا۔ میں نے کہا' کیا وہ اسے مکروہ جانتے تھے' فرمایا ہاں' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے بہت مکروہ جانتے تھے اور اسے منع فرماتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' وہ ہم میں سے نہیں جو امانت کی قسم کھائے امانتداری جو حضرت آدم علیہ السلام نے کی' اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ منافق مرد و عورت اور مشرک مرد و عورت یعنی وہ جو ظاہر میں مسلمان اور باطن میں کافر تھے اور وہ جو اندر باہر یکساں کافر تھے' انہیں تو سخت سزا ملے اور مومن مرد و عورت پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔ جو اللہ کو' اس کے فرشتوں کو' اسکے رسولوں کو مانتے تھے اور اللہ کے سچے فرمانبردار رہے۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔

الحمدللہ سورۂ احزاب کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ سبا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝۱ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ۝۲

سچے معبود مہربان کرم فرما کے نام سے شروع

تمام تر تعریفیں اس معبود برحق کے لئے سزاوار ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ آخرت میں بھی قابل تعریف وہی ہے' وہ بڑی حکمتوں والا اور پورا خبردار ہے ○ جو زمین میں جائے اور جو اس سے نکلے' جو آسمان سے اترے اور جو چڑھ کر اس میں جائے' وہ سب سے باخبر ہے۔ اور وہ بڑا مہربان نہایت بخشش والا ہے ○

اوصاف الٰہی: ☆☆ (آیت:۱-۲) چونکہ دنیا اور آخرت کی سب نعمتیں رحمتیں اللہ ہی کی طرف سے ہیں' ساری حکومتوں کا حاکم وہی ایک ہے۔ اس لئے ہر قسم کی تعریف وثنا کا مستحق بھی وہی ہے۔ وہی معبود ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اسی کے لئے دنیا اور آخرت کی حمد وثنا سزاوار ہے۔ اسی کی حکومت ہے اور اسی کی طرف سب کے سب لوٹائے جاتے ہیں۔ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے' سب اس کے ماتحت ہے۔ جتنے بھی ہیں' سب اس کے غلام ہیں۔ اس کے قبضے میں ہیں سب پر' تصرف اسی کا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی آخرت میں اسی کی تعریفیں ہوں گی۔ وہ اپنے اقوال' افعال' تقدیر شریعت سب میں حکومت والا ہے۔ اور ایسا خبردار ہے جس پر کوئی چیز مخفی نہیں' جس سے کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں' جو اپنے احکام میں حکیم' جو اپنی مخلوق سے باخبر' جتنے قطرے بارش کے زمین میں جاتے ہیں' جتنے دانے اس میں بوئے جاتے ہیں' اس کے علم سے باہر نہیں۔ جو زمین سے نکلتا ہے' اگتا ہے' اسے بھی وہ جانتا ہے۔ اس کے محیط' وسیع اور بے پایاں علم سے کوئی چیز دور نہیں۔ ہر چیز کی گنتی' کیفیت اور صفت اسے معلوم ہے۔ آسمان سے جو بارش برستی ہے' اس کے قطروں کی گنتی بھی اس کے علم میں محفوظ ہے۔ جو رزق وہاں سے اترتا ہے' اس کے علم سے' نیک اعمال وغیرہ جو آسمان پر چڑھتے ہیں' وہ بھی اس کے علم میں ہیں۔ وہ اپنے بندوں پر خود ان سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ اسی وجہ سے ان کے گناہوں پر اطلاع رکھتے ہوئے انہیں جلدی سے سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے کہ وہ توبہ کرلیں۔ برائیاں چھوڑ دیں۔ رب کی طرف رجوع کریں۔ پھر غفور ہے۔ ادھر بندہ جھکا رویا پیٹا' ادھر اس نے بخش دیا یا۔ معاف فرما دیا درگزر کرلیا۔ توبہ کرنے والا دھتکارا نہیں جاتا۔ توکل کرنے والا نقصان نہیں اٹھاتا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَیْبِ ۚ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ

کفار کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت قائم ہونے ہی کی نہیں' تو کہہ دے کہ مجھے میرے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے کہ وہ یقیناً تم پر آئے گی' اللہ سے ایک ذرے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی ہر چیز واضح کتاب میں موجود ہے ○ تاکہ وہ ایمان والوں اور نیک کاروں کو بھلا بدلہ عطا فرمائے' یہی لوگ ہیں جن کے لئے باکرامت روزی ہے ○ ہماری آیتوں کے مقابلے میں جنہوں نے کوشش کی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے المناک سزاؤں کا عذاب ہے ○

قیامت آکر رہے گی: ☆☆ (آیت:۳-۵) پورے قرآن میں تین آیتیں ہیں جہاں قیامت کے آنے پر قسم کھا کر بیان فرمایا گیا ہے- ایک تو سورۂ یونس میں وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ لوگ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا قیامت کا آنا حق ہی ہے؟ تو کہہ دے کہ ہاں ہاں' میرے رب کی قسم وہ یقیناً حق ہی ہے اور تم اللہ کو مغلوب نہیں کر سکتے - دوسری آیت یہی- تیسری آیت سورۂ تغابن میں زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ یعنی کفار کا خیال ہے کہ وہ قیامت کے دن اٹھائے نہ جائیں گے- تو کہہ دے کہ ہاں میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے-

پھر اپنے اعمال کی خبر دیئے جاؤ گے اور یہ تو اللہ پر بالکل ہی آسان ہے- پس یہاں بھی کافروں کے انکار قیامت کا ذکر کر کے اپنے نبی کو ان کے بارے قسمیہ بتا کر پھر اس کی مزید تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ اللہ جو عالم الغیب ہے' جس سے کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں' سب اس کے علم میں ہے- گو ہڈیاں سڑ گل جائیں' ان کے ریزے متفرق ہو جائیں لیکن وہ کہاں ہیں؟ کتنے ہیں؟ سب وہ جانتا ہے- وہ ان سب کے جمع کرنے پر بھی قادر ہے- جیسے کہ پہلے انہیں پیدا کیا- وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور تمام چیزیں اس کے پاس اس کی کتاب میں بھی لکھی ہوئی ہیں- پھر قیامت کے آنے کی حکمت بیان فرمائی کہ ایمان والوں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ ملے- وہ مغفرت اور رزق کریم سے نوازے جائیں' اور جنہوں نے اللہ کی باتوں سے ضد کی' رسولوں کی نہ مانی' انہیں بدترین اور سخت سزائیں ہوں- نیک کار مومن جزا اور بدکار کفار سزا پائیں گے- جیسے فرمایا جہنمی اور جنتی برابر نہیں- جنتی کامیاب اور مقصد پانے والے ہیں- اور آیت میں ہے أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا الخ یعنی مومن اور مفسد' متقی اور فاجر برابر نہیں-

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿٧﴾ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ

كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾

جنہیں علم ہے وہ دیکھ لیں گے کہ جو کچھ تیری جانب تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ سراسر حق ہے اور اللہ غالب خوبیوں والے کی راہ کی رہبری کرتا ہے O کافروں نے کہا آؤ ہم تمہیں ایک ایسا شخص بتلائیں جو تمہیں یہ خبر پہنچا رہا ہے کہ جب تم بالکل ہی ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم پھر سے ایک نئی پیدائش میں آؤ گے O ہم نہیں کہہ سکتے کہ خود اس نے ہی اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اسے دیوانگی ہے حقیقت یہ کہ آخرت پر یقین نہ رکھنے والے ہی عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں O

(آیت:۶) پھر قیامت کی ایک اور حکمت بیان فرمائی کہ ایماندار بھی قیامت کے دن جب نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو وہ علم الیقین سے عین الیقین حاصل کر لیں گے اور اس وقت کہہ اٹھیں گے کہ ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس حق لائے تھے اور اس وقت کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا وعدہ رحمان نے دیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا۔ اللہ نے تو لکھ دیا تھا کہ تم قیامت تک رہو گے تو اب قیامت کا دن آ چکا۔ وہ اللہ عزیز ہے یعنی بلند جناب والا بڑی سرکار والا ہے۔ بہت عزت والا ہے۔ پورے غلبے والا ہے۔ نہ اس پر کسی کا بس نہ کسی کا زور۔ ہر چیز اس کے سامنے پست اور عاجز۔ وہ قابل تعریف ہے اپنے اقوال و افعال شرع و فعل میں۔ ان تمام میں اس کی ساری مخلوق اس کی ثناخواں ہے۔ جَلَّ وَعَلَا۔

کافروں کی جہالت: ☆☆ (آیت:۷-۸) کافر اور ملحد جو قیامت کے آنے کو محال جانتے تھے اور اس پر اللہ کے نبی کا مذاق اڑاتے تھے ان کے کفریہ کلمات کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ آپس میں کہتے تھے ''لو اور سنو ہم میں ایک صاحب ہیں جو فرماتے ہیں کہ جب مر کر مٹی میں مل جائیں گے اور چورا چورا اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اس کے بعد بھی ہم زندہ کئے جائیں گے اس شخص کی نسبت دو ہی خیال ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ ہوش و حواس کی درستی میں وہ عمداً اللہ کے ذمے ایک جھوٹ بول رہا ہے اور جو اس نے نہیں فرمایا وہ اس کی طرف نسبت کر کے یہ کہہ رہا ہے اور اگر یہ نہیں تو اس کا دماغ خراب ہے مجنون ہے بے سوچے سمجھے جو جی میں آئے کہہ دیتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ یہ دونوں باتیں نہیں۔ آنحضرت ﷺ سچے ہیں نیک ہیں راہ یافتہ ہیں دانا ہیں باطنی اور ظاہری بصیرت والے ہیں۔ لیکن اسے کیا کیا جائے کہ منکر لوگ جہالت اور نادانی سے کام لے رہے ہیں اور غور و فکر سے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے حق بات اور سیدھی راہ ان سے چھوٹ جاتی ہے اور وہ بہت دور نکل جاتے ہیں۔

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۹﴾ ع

کیا وہ اپنے آگے پیچھے آسمان و زمین کو دیکھ نہیں رہے اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں یقیناً اس میں پوری دلیل ہے ہر اس بندے کے لئے جو دل سے متوجہ ہو O

(آیت:۹) کیا اس کی قدرت میں تم کوئی کمی دیکھ رہے ہو۔ جس نے محیط آسمان اور بسیط زمین پیدا کر دی۔ جہاں جاؤ نہ آسمان کا سایہ ختم ہو نہ زمین کا فرش۔ جیسے فرمان ہے وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں بنایا اور ہم کشادگی والے ہیں۔ زمین کو ہم نے ہی بچھایا اور ہم بہت اچھے بچھانے والے ہیں۔

یہاں بھی فرمایا کہ آگے دیکھو پیچھے دیکھو اسی طرح دائیں نظر ڈالو بائیں طرف التفات کرو تو وسیع آسمان اور بسیط زمین ہی نظر آئے گی۔ اتنی بڑی مخلوق کا خالق اتنی زبردست قدرتوں پر قادر کیا تم جیسی چھوٹی سی مخلوق کو فنا کر کے پھر پیدا کرنے پر قدرت کھو بیٹھے؟ وہ تو قادر ہے کہ اگر چاہے تمہیں زمین میں دھنسا دے۔ یا آسمان تم پر توڑ دے۔ یقیناً تمہارے ظلم اور گناہ اسی قابل ہیں۔ لیکن اللہ کا حلم اور عفو ہے کہ وہ تمہیں مہلت دیئے ہوئے ہے۔ جس میں عقل ہے جس میں دور بینی کا مادہ ہو جس میں غور و فکر کی عادت ہو جس کی اللہ کی طرف جھکنے والی طبیعت ہو جس کے سینے میں دل دل میں حکمت اور حکمت میں نور ہو وہ تو ان زبردست نشانات کو دیکھنے کے بعد اس قادر و خالق اللہ کی اس قدرت میں شک کر ہی نہیں سکتا کہ مرنے کے بعد پھر جینا ہے۔ آسمانوں جیسے شامیانے اور زمینوں جیسے فرش جس نے پیدا کر دیئے اس پر انسان کی پیدائش کیا مشکل ہے؟ جس نے ہڈیوں گوشت کھال کو ابتداً پیدا کیا۔ اسے ان کے سڑ گل جانے اور ریزہ ریزہ ہو کر جھڑ جانے کے بعد اکٹھا کر کے اٹھا بٹھانا کیا بھاری ہے؟ اسی کو اور آیت میں فرمایا اَوَلَيْسَ الَّذِیْ الخ یعنی جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا کیا وہ ان کے مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک قادر ہے اور آیت میں ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی انسانوں کی پیدائش سے بہت زیادہ مشکل آسمان و زمین کی پیدائش ہے۔ لیکن اکثر لوگ بے علمی برتتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۖ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾

ہم نے داؤد پر اپنا فضل کیا اے پہاڑو اس کے ساتھ رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کر دیا ○ کہ تو پوری پوری زرہیں بنا اور جوڑوں میں اندازہ رکھ۔ تم سب نیک کام کیا کرو یقین مانو کہ میں تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہوں ○

حضرت داؤدؑ پر انعامات الٰہی: ☆☆ (آیت:۱۰-۱۱) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام پر دنیوی اور اخروی رحمت نازل فرمائی۔ نبوت بھی دی۔ بادشاہت بھی دی۔ لاؤ لشکر بھی دیئے۔ طاقت و قوت بھی دی۔ پھر ایک پاکیزہ معجزہ یہ عطا فرمایا کہ ادھر نغمہ داؤدی ہوا میں گونجا ادھر پہاڑوں اور پرندوں کو بھی وجد آ گیا۔ پہاڑوں نے آواز میں آواز ملا کر اللہ کی حمد و ثنا شروع کی۔ پرندوں نے پر ہلانے چھوڑ دیئے اور اپنی قسم قسم کی پیاری پیاری بولیوں میں رب کی وحدانیت کے گیت گانے لگے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ رات کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر اللہ کے رسول ﷺ ٹھہر گئے۔ دیر تک سنتے رہے۔ پھر فرمانے لگے انہیں نغمہ داؤدی کا کچھ حصہ مل گیا ہے۔ ابوعثمان نہدی کا بیان ہے کہ واللہ ہم نے حضرت ابوموسیٰؓ سے زیادہ پیاری آواز کسی باجے کی بھی نہیں سنی۔ اَوِّبِیْ کے معنی حبشی زبان میں یہ ہیں کہ تسبیح بیان کرو۔ لیکن ہمارے نزدیک اس میں مزید غور کی ضرورت ہے۔ لغت عرب میں یہ لفظ ترجیع کے معنی میں موجود ہے۔ پس پہاڑوں کو اور پرندوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ حضرت

داؤدؑ کی آواز کے ساتھ اپنی آواز بھی ملالیا کریں۔ تاویب کے ایک معنی دن کو چلنے کے بھی آتے ہیں۔ جیسے سَرِی کے معنی رات کو چلنے کے ہیں۔ لیکن یہ معنی بھی یہاں کچھ زیادہ مناسبت نہیں رکھتے۔ یہاں تو یہی مطلب ہے کہ داؤدؑ کی تسبیح کی آواز میں تم بھی آواز ملا کر خوش آوازی سے رب کی حمد بیان کرو۔ اور فضل ان پر یہ ہوا کہ ان کے لئے لوہا نرم کر دیا گیا۔ نہ انہیں لوہے کو بھٹی میں ڈالنے کی ضرورت نہ ہتھوڑے مارنے کی حاجت۔ ہاتھ میں آتے ہی ایسا ہو جاتا تھا جیسے دھاگے اب اس لوہے سے بفرمان الٰہی آپ زرہیں بناتے تھے۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے زرہ آپؑ ہی نے ایجاد کی ہے۔ ہر روز صرف ایک زرہ بناتے۔ اس کی قیمت چھ ہزار لوگوں کے کھلانے پلانے میں صرف کر دیتے۔ زرہ بنانے کی ترکیب خود اللہ کی سکھائی ہوئی تھی کہ کڑیاں ٹھیک ٹھیک رکھیں۔ حلقے چھوٹے نہ ہوں کہ ٹھیک نہ بیٹھیں۔ بہت بڑے نہ ہوں کہ ڈھیلا پن رہ جائے بلکہ ناپ تول اور صحیح انداز سے حلقے اور کڑیاں ہوں۔ ابن عساکر میں ہے' حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر نکلا کرتے اور رعایا کے لوگوں سے مل کر ان سے اور باہر کے آنے جانے والوں سے دریافت فرماتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ لیکن ہر شخص کو تعریفیں کرتا ہوا ہی پاتے۔ کسی سے کوئی بات اپنی نسبت قابل اصلاح نہ سنتے۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو انسانی صورت میں نازل فرمایا۔ حضرت داؤدؑ کی ان سے بھی ملاقات ہوئی تو جیسے اوروں سے پوچھتے تھے' ان سے بھی سوال کیا' انہوں نے کہا داؤد ہے تو اچھا آدمی۔ مگر ایک کمی اس میں نہ ہوتی تو کامل بن جاتا۔ آپ نے بڑی رغبت سے پوچھا کہ وہ کیا؟ فرمایا وہ اپنا بوجھ مسلمانوں کے بیت المال پر ڈالے ہوئے ہیں۔ خود بھی اسی میں سے لیتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اسی میں سے کھلاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ شخص ٹھیک کہتا ہے۔ اسی وقت جناب باری کی طرف جھک پڑے اور گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرنے لگے کہ اللہ مجھے کوئی کام کاج ایسا سکھا دے جس سے میرا پیٹ بھر جایا کرے۔ کوئی صنعت اور کاریگری مجھے بتا دے' جس سے میں اتنا حاصل کر لیا کروں کہ وہ مجھے اور میرے بال بچوں کو کافی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زرہیں بنانا سکھائیں اور پھر اپنی رحمت سے لوہے کو ان کے لئے بالکل نرم کر دیا۔ سب سے پہلے زرہیں آپؑ نے ہی بنائی ہیں۔ ایک زرہ بنا کر فروخت فرماتے اور اس کی قیمت کے تین حصے کر لیتے۔ ایک اپنے کھانے پینے وغیرہ کے لئے۔ ایک صدقے کے لئے۔ ایک چھوڑنے کے لئے تاکہ دوسری زرہ بنانے تک اللہ کے بندوں کو دیتے رہیں۔ حضرت داؤدؑ کو جو نغمہ دیا گیا تھا' وہ تو محض بے نظیر تھا' اللہ کی کتاب زبور پڑھنے کو بیٹھتے۔ آواز نکلتے ہی چرند پرند صبر و سکون کے ساتھ محویت کے عالم میں آپ کی آواز سے متاثر ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ سارے باجے شیاطین نے نغمہ داؤدی سے نکالے ہیں۔ آپ کی بے مثل خوش آوازی کی یہ چڑاؤنی جیسی نقلیں ہیں۔ اپنی ان نعمتوں کو بیان فرما کر حکم دیتا ہے کہ اب تمہیں بھی چاہیے کہ نیک اعمال کرتے رہو۔ میرے فرمان کے خلاف نہ کرو۔ یہ بہت بری بات ہے کہ جس کے اتنے بڑے اور بے پایاں احسان ہوں' اس کی فرمانبرداری ترک کر دی جائے۔ میں تمہارے اعمال کا نگران ہوں۔ تمہارا کوئی عمل چھوٹا بڑا' نیک بد مجھ سے پوشیدہ نہیں۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ
وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ
يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ
مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ

وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ ۚ اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا ۚ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴿۱۳﴾

ہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ صبح کی منزل اس کی مہینہ بھر کی ہوتی تھی اور شام کی منزل بھی' اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور اس کے رب کے حکم سے بعض جنات اس کی ماتحتی میں ان کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سرتابی کرے ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے ○ جو کچھ سلیمانؑ چاہتے' وہ جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر لگن اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں۔ اے آل داؤد اس کے شکریہ میں نیک اعمال کرو۔ میرے بندوں میں سے شکرگذار بندے کم ہو ہوتے ہیں ○

اللہ کی نعمتیں اور سلیمان علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۳) حضرت داؤد علیہ السلام پر جو نعمتیں نازل فرمائی تھیں' ان کا بیان کر کے پھر آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو نعمتیں نازل فرمائی تھیں' ان کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کے لئے ہوا کو تابع فرمان بنا دیا۔ مہینے بھر کی راہ صبح ہی صبح ہو جاتی اور اتنی ہی مسافت کا سفر شام کو ہو جاتا۔ مثلاً دمشق سے تخت مع فوج و اسباب کے اڑا یا اور تھوڑی دیر میں اصطخر پہنچا دیا جو تیز سوار کے لئے بھی مہینے بھر کا سفر تھا۔ اسی طرح شام کو وہاں سے تخت اڑا اور شام ہی کو کابل پہنچ گیا۔ تانبے کو بطور پانی کے کر کے اللہ تعالیٰ نے اس کے چشمے بہا دیئے تھے کہ جس کام میں جس طرح جس وقت لانا چاہیں تو بلا دقت لے لیا کریں۔ یہ تانبا انہی کے وقت سے کام میں آ رہا ہے۔ سدی کا قول ہے کہ تین دن تک یہ بہتا رہا۔ جنات کو ان کی ماتحتی میں کر دیا۔ جو وہ چاہتے' اپنے سامنے ان سے کام لیتے۔ ان میں سے جو جن احکام سلیمانؑ کی تعلیم سے جی چراتا' فوراً آگ سے جلا دیا جاتا۔ ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جنات کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو پردار ہے۔ دوسری قسم سانپ اور کتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو سواریوں پر سوار ہوتے ہیں وغیرہ۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ ابن نعم سے روایت ہے کہ جنات کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کے لئے تو عذاب و ثواب ہے' ایک آسمان و زمین میں اڑتے رہتے ہیں۔ ایک سانپ کتے ہیں۔ انسانوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوائے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اور ایک قسم مثل چوپایوں کے ہے بلکہ ان سے بھی بدتر۔ اور تیسری قسم انسانی صورتوں میں شیطانی دل رکھنے والے۔

حضرت حسن فرماتے ہیں' جن ابلیس کی اولاد میں سے ہیں اور انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ دونوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی۔ عذاب و ثواب میں دونوں شریک ہیں۔ دونوں کے ایماندار ولی اللہ ہیں اور دونوں کے بے ایمان شیطان ہیں' مَحَارِيب کہتے ہیں بہترین عمارتوں کو' گھر کے بہترین حصے کو' مجلس کی صدارت کی جگہ کو۔ بقول مجاہدؒ ان عمارتوں کو جو محلات سے کم درجے کی ہوں۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں مسجدوں کو۔ قتادہؒ کہتے ہیں' بڑے بڑے محل اور مسجدوں کو۔ ابن زیدؒ کہتے ہیں گھروں کو۔ تَمَاثِيل تصویروں کو کہتے ہیں' یہ تانبے کی تھیں۔ بقول قتادہؒ وہ مٹی اور شیشے کی تھیں۔ جَوَاب جمع ہے جَابِيَةٌ کی۔ جابیہ اس حوض کو کہتے ہیں جس میں پانی آتا رہتا ہے۔ یہ مثل تالاب کے تھیں۔ بہت بڑے بڑے لگن تھے تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بہت بڑی فوج کے لئے بہت سا کھانا بیک وقت تیار ہو سکے اور ان کے سامنے لایا جا سکے۔ اور جمی ہوئی دیگیں جو بوجہ اپنی بڑائی کے اور بھاری پن کے ادھر سے ادھر نہیں کی جا سکتی تھیں۔ ان سے اللہ نے فرما دیا تھا کہ دین و دنیا کی جو نعمتیں میں نے تمہیں دے رکھی ہیں' ان پر میرا شکر کرو۔ شکر مصدر ہے بغیر فعل کے یا مفعول لہ ہے اور دونوں تقدیروں پر اس میں دلالت ہے کہ شکر جس طرح قول اور ارادہ سے ہوتا ہے' فعل سے بھی ہوتا ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

اَفَادَتْكُمُ النَّعْمَاءُ مِنِّيْ ثَلَاثَةً يَدِيْ وَ لِسَانِيْ الضَّمِيْرُ الْمُحَجَّبَا

اس میں بھی شاعر نعمتوں کا شکر تینوں طرح مانتا ہے۔ فعل سے' زبان سے اور دل سے۔ حضرت عبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ نماز بھی شکر ہے اور روزہ بھی شکر ہے اور بھلا عمل جسے تو اللہ کے لئے کرے' شکر ہے اور سب سے افضل شکر حمد ہے۔

محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں' شکر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور نیک عمل ہے۔ آل داؤد دونوں طرح کا شکر ادا کرتے تھے قولاً بھی اور فعلاً بھی۔ ثابت بنانی فرماتے ہیں' "حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی اہل و عیال' اولاد اور عورتوں پر اس طرح اوقات کی پابندی کے ساتھ نفل نماز تقسیم کی تھی کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی نماز میں مشغول نظر آتا۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ کو سب سے زیادہ پسند حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز تھی۔ آپ آدھی رات سوتے۔ تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ سو رہتے۔ اسی طرح سب روزوں سے زیادہ محبوب روزے بھی اللہ تعالیٰ کو آپ ہی کے تھے۔ آپ ایک دن روزے سے رہتے اور ایک دن بے روزہ۔ ایک خوبی آپ میں یہ تھی کہ دشمن سے جہاد کے وقت منہ نہ پھیرتے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے آپ سے فرمایا کہ پیارے بچے رات کو بہت نہ سویا کرو۔ رات کی زیادہ نیند انسان کو قیامت کے دن فقیر بنا دیتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں اس موقعہ پر حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک طویل حدیث مروی ہے۔ اسی کتاب میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الہ العالمین تیرا شکر کیسے ادا ہو گا؟ شکر گزاری خود تیری ایک نعمت ہے جواب ملا داؤد اب تو نے میری شکر گزاری ادا کر لی جبکہ تو نے اسے جان لیا کہ کل نعمتیں میری ہی طرف سے ہیں۔ پھر ایک واقعے کی خبر دی جاتی ہے کہ بندوں میں سے شکر گزار بندے بہت ہی کم ہیں۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾

پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم بھیج دیا تو ان کی موت کی خبر جنات کو کسی نے نہ دی سوائے گھن کے کیڑے کے جو ان کی لکڑی کو کھا رہا تھا' پس جب سلیمان گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب داں ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں مبتلا نہ رہتے ○

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات: ☆☆ (آیت:۱۴) حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کی کیفیت بیان ہو رہی ہے اور یہ بھی کہ جو جنات ان کے فرمان کے تحت کام کاج میں مصروف تھے' ان پر ان کی موت کیسے نامعلوم رہی۔ وہ انتقال کے بعد بھی لکڑی کے ٹیکے پر کھڑے ہی رہے اور یہ انہیں زندہ سمجھتے ہوئے سر جھکائے اپنے سخت سخت کاموں میں مشغول رہے۔

مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں' تقریباً سال بھر اسی طرح گزر گیا۔ جس لکڑی کے سہارے آپ کھڑے تھے جب اسے دیمک چاٹ گئی اور وہ کھوکھلی ہو گئی تو آپ گر پڑے۔ اب جنات اور انسانوں کو آپ کی موت کا پتہ چلا۔ تب تو نہ صرف انسانوں کو بلکہ خود جنات کو بھی یقین ہو گیا کہ ان میں سے کوئی بھی غیب داں نہیں۔ ایک مرفوع' منکر اور غریب حدیث میں ہے لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس کا مرفوع ہونا ٹھیک نہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو ایک درخت اپنے سامنے دیکھتے۔ اس سے پوچھتے کہ تو کیسا درخت ہے۔ تیرا کیا نام ہے۔ وہ بتا دیتا۔ آپ اسے اسی استعمال میں لاتے۔ ایک مرتبہ جب نماز کو کھڑے ہوئے اور اسی طرح ایک درخت دیکھا تو پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا ضروب۔ پوچھا تو کس لئے ہے؟ کہا اس گھر کو اجاڑنے کے لئے۔ تب آپ نے دعا مانگی کہ

اللہ میری موت کی خبر جنات پر ظاہر نہ ہونے دے تا کہ انسان کو یقین ہو جائے کہ جن غیب نہیں جانتے - اب آپ ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور جنات کو مشکل مشکل کام سونپ دیئے - آپ کا انتقال ہو گیا لیکن لکڑی کے سہارے آپ ویسے ہی کھڑے رہے - جنات دیکھتے رہے اور سمجھتے رہے کہ آپ زندہ ہیں - اپنے اپنے کام میں مشغول رہے - ایک سال کامل ہو گیا - چونکہ دیمک آپ کی لکڑی کو چاٹ رہی تھی - سال بھر گزرنے پر وہ اسے کھا گئی اور اب حضرت سلیمانؑ گر پڑے اور انسانوں نے جان لیا کہ جنات غیب نہیں جانتے ورنہ سال بھر تک اس مصیبت میں نہ رہتے - لیکن اس کے ایک راوی عطا بن مسلم خراسانی کی بعض احادیث میں نکارت ہوتی ہے -

بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عادت تھی' آپ سال سال' دو دو سال یا کم و بیش مدت کے لئے مسجد قدس میں اعتکاف میں بیٹھ جاتے - آخری مرتبہ انتقال کے وقت بھی آپ مسجد بیت المقدس میں تھے - ہر صبح ایک درخت آپ کے سامنے نمودار ہوتا - آپ اس سے نام پوچھتے - فائدہ پوچھتے - وہ بتاتا - آپ اسی کام میں اسے لاتے - بالآخر ایک درخت ظاہر ہوا جس نے اپنا نام ضروبہ بتایا - کہا تو کس مطلب کا ہے - کہا اس مسجد کے اجاڑنے کے لئے - حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے - فرمانے لگے - میری زندگی میں تو یہ مسجد ویران ہو گی نہیں البتہ تو میری موت اور اس شہر کی ویرانی کے لئے ہے - چنانچہ آپ نے اسے اپنے باغ میں لگا دیا - مسجد کی بیچ کی جگہ میں کھڑے ہو کر ایک لکڑی کے سہارے نماز شروع کر دی - وہیں انتقال ہو گیا لیکن کسی کو اس کا علم نہ ہوا - شیاطین سب کے سب اپنی اپنی نوکری بجالاتے رہے کہ ایسا نہ ہو' ہم ڈھیل کریں اور اللہ کے رسولؑ آ جائیں تو ہمیں سزا دیں - یہ محراب کے آگے پیچھے آئے' ان میں جو ایک بہت بڑا پاجی شیطان تھا' اس نے کہا دیکھو جی' اس میں آگے اور پیچھے سوراخ ہیں' اگر میں یہاں سے جا کر وہاں سے نکل آؤں تو میری طاقت مانو گے یا نہیں؟

چنانچہ وہ گیا اور نکل آیا لیکن اسے حضرت سلیمانؑ کی آواز نہ آئی - دیکھ تو سکتے نہ تھے کیونکہ حضرت سلیمانؑ کی طرف نگاہ بھر کر دیکھتے ہی وہ مر جاتے تھے لیکن اس کے دل میں کچھ خیال سا گزرا - اس نے پھر اور جرأت کی اور مسجد میں چلا گیا' دیکھا کہ وہاں جانے کے بعد وہ نہ جلا تو اس کی ہمت اور بڑھ گئی اور اس نے نگاہ بھر کر آپ کو دیکھا تو دیکھا کہ وہ گرے پڑے ہیں اور انتقال فرما چکے ہیں - اب آ کر سب کو خبر کی - لوگ آئے - محراب کو کھولا تو واقعی اللہ کے رسولؑ کو زندہ نہ پایا - آپ کو مسجد سے نکال لائے - مدت انتقال کا علم حاصل کرنے کے لئے انہوں نے لکڑی کو دیمک کے سامنے ڈال دیا - ایک دن رات تک جس قدر دیمک نے اسے کھایا اسے دیکھ کر اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے انتقال کو پورا سال گزر چکا - تمام لوگوں کو اس وقت کامل یقین ہو گیا کہ جنات جو بنتے تھے کہ ہم غیب کی خبریں جانتے ہیں' یہ محض ان کی دھونس تھی ورنہ سال بھر تک کیوں مصیبت جھیلتے رہتے - اس وقت سے جنات گھن کے کیڑے کو مٹی اور پانی لا دیا کرتے ہیں گویا اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں - کہا یہ بھی تھا کہ اگر تو کچھ کھاتا پیتا ہوتا تو بہتر سے بہتر غذا ہم تجھے پہنچاتے - لیکن یہ سب بنی اسرائیل کے علماء کی روایتیں ہیں - ان میں جو مطابق حق ہوں قبول - خلاف حق ہوں' مردود دونوں سے الگ ہوں' وہ نہ تصدیق کے قابل نہ تکذیب کے - واللہ اعلم بالغیب -

حضرت زید بن اسلمؒ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے کہہ رکھا تھا کہ میری موت کا وقت مجھے کچھ پہلے بتا دینا - حضرت ملک الموت نے یہی کیا تو آپؑ نے جنات کو بغیر دروازے کے ایک شیشے کا مکان بنانے کا حکم دیا اور اس میں ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر نماز شروع کی - یہ موت کے ڈر کی وجہ سے نہ تھا - حضرت ملک الموت اپنے وقت پر آئے اور روح قبض کر کے گئے - پھر لکڑی کے سہارے آپ سال بھر تک اسی طرح کھڑے رہے - جنات ادھر ادھر سے دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھ کر اپنے کاموں میں آپ کی ہیبت کی وجہ سے
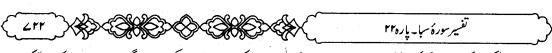
مشغول رہے لیکن جو کیڑا آپ کی لکڑی کو کھا رہا تھا' جب وہ آدھی کھا چکا تو اب لکڑی بوجھ نہ اٹھا سکی اور آپ گر پڑے۔ جنات کو آپؑ کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور بھی بہت سے اقوال سلف سے یہ مروی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِي مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۭ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

قوم سبا کے لئے اپنی بستیوں میں قدرت الٰہی کی نشانی تھی' ان کے دائیں بائیں دو باغ تھے کہ اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر یہ ادا کرو' عمدہ شہر اور بخشنے والا رب ○ لیکن انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر زور کی رو کا پانی کا نالا بھیج دیا اور ہم نے ان کے ہرے بھرے باغوں کے بدلے دو ایسے باغ دیئے جو بدمزہ میووں والے اور (بکثرت) جھاؤ اور کچھ بیری کے درختوں والے تھے ○ ہم نے ان کی ناشکری کا یہ بدلہ انہیں دیا' ہم ایسی سخت سزا بڑے بڑے ناشکروں ہی کو دیتے ہیں ○

قوم سبا کا تفصیلی تذکرہ: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۷) قوم سبا یمن میں رہتی تھی۔ تبع بھی ان میں سے ہی تھے۔ بلقیس بھی انہی میں سے تھیں۔ یہ بڑی نعمتوں اور راحتوں میں تھے۔ چین آرام سے زندگی گزار رہے تھے۔ اللہ کے رسول ان کے پاس آئے۔ انہیں شکر کرنے کی تلقین کی۔ رب کی وحدانیت کی طرف بلایا۔ اس عبادت کا طریقہ سمجھایا۔ کچھ زمانے تک وہ یونہی رہے لیکن پھر جبکہ انہوں نے سرتابی اور روگردانی کی' احکام الٰہی بے پرواہی سے ٹال دیئے تو ان پر زور کا سیلاب آیا اور تمام ملک' باغات اور کھیتیاں وغیرہ تاخت و تاراج ہو گئیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ سبا کسی عورت کا نام ہے یا مرد کا یا جگہ کا؟ تو آپؐ نے فرمایا' یہ ایک مرد تھا جس کے دس لڑکے تھے جن میں سے چھ تو یمن میں جا بسے تھے اور چار شام میں۔ مذحج' کندہ' ازد' اشعری' انمار' حمیر یہ چھ قبیلے یمن میں۔ لخم' جذام' عاملہ اور غسان یہ چار قبیلے شامی ہیں۔

فردہ بن مسیکؓ فرماتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنی قوم میں سے ماننے والوں اور آگے بڑھنے والوں کو لے کر نہ ماننے اور پیچھے ہٹنے والوں سے لڑوں؟ آپ نے فرمایا' ہاں۔ جب میں جانے لگا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا' دیکھو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا۔ نہ مانیں تب جہاد کی تیاری کرنا۔ میں نے کہا' حضورؐ یہ سبا کس کا نام ہے؟ تو آپ کا جواب تقریباً وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ انمار میں سے بجیلہ اور خثعم بھی ہیں۔ ایک اور مطول روایت میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حضرت فردہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ یا رسول اللہؐ جاہلیت کے زمانے میں قوم سبا کی عزت تھی۔ مجھے اب ان کے ارتداد کا خوف ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے جہاد کروں۔ آپ نے فرمایا' ان کے بارے میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ پس یہ آیت اتری۔ لیکن اس میں غرابت ہے۔ اس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے' حالانکہ سورت مکیہ ہے۔

محمد بن اسحاق سبا کا نسب نامہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔عبد شمس بن العرب بن قحطان۔اسے سبا اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے سب سے پہلے عرب میں دشمن کے قید کرنے کا رواج ڈالا۔اس وجہ سے اسے رائش بھی کہتے ہیں۔مال کو ریش اور ریاش بھی عربی میں کہتے ہیں۔یہ بھی مذکور ہے کہ اس بادشاہ نے آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے ہی آپؐ کی پیشین گوئی کی تھی کہ ملک کا مالک ہمارے بعد ایک نبی ہوگا جو حرم کی عزت کرے گا۔اس کے بعد اس کے خلیفہ ہوں گے' جن کے سامنے دنیا کے بادشاہ سرنگوں ہو جائیں گے۔پھر ہم میں بھی بادشاہت آئے گی۔اور بنو قحطان کے ایک نبی بھی ہوں گے۔اس نبی کا نام احمد ہوگا (ﷺ) کاش کہ میں بھی ان کی نبوت کے زمانے کو پا لیتا تو ہر طرح کی خدمت کو غنیمت سمجھتا۔لوگو جب بھی اللہ کے وہ رسولؐ ظاہر ہوں تو تم پر فرض ہے کہ ان کا ساتھ دو اور ان کے مددگار بن جاؤ اور جو بھی آپ سے ملے' اس پر میری جانب سے فرض ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا دے۔(اکیل ہمدانی) قحطان کے بارے میں تین قول ہیں۔ایک یہ کہ وہ ارم بن سام بن نوح کی نسل میں سے ہے۔دوسرا یہ کہ وہ عابر یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی نسل میں سے ہے۔تیسرا یہ کہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے ہے۔اس سب کو تفصیل کے ساتھ حافظ ابن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الانباہ میں ذکر کیا ہے۔بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ سبا عرب میں سے تھے' اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے جن کی نسل سے عرب ہوئے' ان کا نسل ابراہیمی میں سے ہونا مشہور نہیں۔واللہ اعلم۔

صحیح بخاری میں ہے کہ قبیلہ اسلم جب تیروں سے نشانہ بازی کر رہے تھے اور حضورؐ ان کے پاس سے نکلے تو آپ نے فرمایا' اے اولاد اسماعیل' تیراندازی کئے جاؤ۔تمہارے والد بھی پورے تیرانداز تھے۔اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سبا کا سلسلہ نسب خلیل الرحمٰن علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔اسلم انصار کا ایک قبیلہ تھا اور انصار سارے کے سارے غسان میں سے ہیں اور یہ سب یمنی تھے' سبا کی اولاد ہیں۔یہ لوگ مدینے میں اس وقت آئے جب سیلاب سے ان کا وطن تباہ ہو گیا۔ایک جماعت یہاں آ کر بسی تھی' دوسری شام چلی گئی۔انہیں غسانی اس لئے کہتے ہیں کہ اسی نام کی پانی والی ایک جگہ پر یہ ٹھہرے تھے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مشلل کے قریب ہے۔حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک پانی والی جگہ یا اس کنوے کا نام غسان تھا۔یہ جو حضورؐ نے فرمایا کہ اس کی دس اولادیں تھیں' اس سے مراد صلبی اولادیں نہیں کیونکہ بعض بعض دو دو تین تین نسلوں بعد کے بھی ہیں۔جیسے کہ کتب انساب میں موجود ہے جو شام اور یمن میں جا کر آباد ہوئے۔یہ بھی سیلاب کے آنے کے بعد کا ذکر ہے۔بعض وہیں رہے۔بعض ادھر ادھر چلے گئے۔

دیوار کا قصہ یہ ہے کہ ان کے دونوں جانب پہاڑ تھے۔جہاں سے نہریں اور چشمے بہہ بہہ کر ان کے شہروں میں آتے تھے اسی طرح نالے اور دریا بھی ادھر ادھر سے آتے تھے۔ان کے قدیمی بادشاہوں میں سے کسی نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط پشتہ بنوا دیا تھا جس دیوار کی وجہ سے پانی ادھر ادھر ہو گیا تھا اور بصورت دریا جاری رہا کرتا تھا جس کے دونوں جانب باغات اور کھیتیاں لگا دی تھیں۔پانی کی کثرت اور زمین کی عمدگی کی وجہ سے یہ خطہ بہت ہی زرخیز اور ہرا بھرا رہا کرتا تھا۔یہاں تک کہ حضرت قتادہؒ کا بیان ہے کہ کوئی عورت اپنے سر پر جھلی رکھ کر چلتی تھی۔کچھ دور جانے تک پھلوں سے وہ جھلی بالکل بھر جاتی تھی۔درختوں سے پھل خود بخود جو جھڑتے تھے' وہ اس قدر کثرت سے ہوتے تھے کہ ہاتھ سے توڑنے کی حاجت نہیں پڑتی تھی۔یہ دیوار مارب میں تھی۔صنعاء سے تین مراحل پر تھی اور سد مارب کے نام سے مشہور تھی۔آب و ہوا کی عمدگی' صحت' مزاج اور اعتدال عنایت الٰہیہ سے اس طرح تھا کہ ان کے ہاں مکھی' مچھر اور زہریلے جانور بھی نہیں ہوتے تھے۔یہ اس لئے تھا کہ وہ لوگ اللہ کی توحید کو مانیں اور دل و جان سے اس کی خلوص کے ساتھ عبادت کریں۔یہ تھی وہ نشانی قدرت جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان آبادبستی اور بستی کے دونوں طرف ہرے بھرے پھل دار باغات اور سرسبز کھیتیاں۔

اوران سے جناب باری نے فرمادیا تھا کہ اپنے رب کی دی ہوئی روزیاں کھاؤ پیو اور اس کے شکر میں لگے رہو لیکن انہوں نے اللہ کی توحید کو اور اس کی نعمتوں کے شکر کو بھلا دیا اور سورج کی پرستش کرنے لگے۔ جیسے کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی تھی کہ جئتك من سبا بنبا یقین الخ یعنی میں تمہارے پاس سبا کی ایک پختہ خبر لایا ہوں۔ ایک عورت ان کی بادشاہت کر رہی ہے جس کے پاس تمام چیزیں موجود ہیں۔ عظیم الشان تخت سلطنت پر وہ متمکن ہے۔ رانی اور رعایا سب سورج پرست ہیں۔ شیطان نے ان کو گمراہ کر رکھا ہے۔ بے راہ ہو رہے ہیں۔

مروی ہے کہ بارہ یا تیرہ پیغمبران کے پاس آئے تھے۔ بالآخر شامت اعمال رنگ لائی۔ جو دیوار انہوں نے بنا رکھی تھی، وہ چوہوں نے اندر سے کھوکھلی کر دی اور بارش کے زمانے میں وہ ٹوٹ گئی۔ پانی کی ریل پیل ہوگئی۔ ان دریاؤں کے، چشموں کے، بارش کے نالوں کے، سب پانی آ گئے۔ ان کی بستیاں، ان کے محلات، ان کے باغات اور ان کی کھیتیاں سب تباہ و برباد ہوگئیں۔ ہاتھ ملتے رہ گئے۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ پھر تو وہ تباہی آئی کہ اس زمین پر کوئی پھلدار درخت جمتا ہی نہ تھا۔ پیلو، جھاؤ، کیکر، ببول اور ایسے ہی بے میوہ بدمزہ بے کار درخت اگتے تھے۔ ہاں البتہ کچھ بیریوں کے درخت اگ آئے تھے جو نسبتاً اور درختوں سے کارآمد تھے۔ لیکن وہ بھی بہت زیادہ خاردار اور بہت کم پھل دار تھے۔ یہ تھا ان کے کفر وشرک کی سرکشی اور تکبر کا بدلہ کہ نعمتیں کھو بیٹھے اور زحمتوں میں مبتلا ہو گئے۔ کافروں کو یہی اور اسی جیسی ہی سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔ حضرت ابو خیرہؒ فرماتے ہیں، گناہوں کا بدلہ یہی ہوتا ہے کہ عبادتوں میں سستی آ جائے۔ روزگار میں تنگی واقع ہو۔ لذتوں میں سختی آ جائے یعنی جہاں کسی راحت کا منہ دیکھا فوراً کوئی زحمت آ پڑی اور مزہ مٹی ہوگیا۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿١٨﴾

ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی چند بستیاں اور رکھی تھیں جو بر سر راہ ظاہر تھیں اور ان میں چلنے کی منزلیں ہم نے مقرر کر دی تھیں، ان میں راتوں اور دنوں کو بہ امن وامان چلتے پھرتے رہو ○

قوم سبا پر اللہ کی نعمتیں: ☆☆ (آیت:۱۸) ان پر جو نعمتیں تھیں، ان کا ذکر ہو رہا ہے کہ قریب قریب آبادیاں تھیں۔ کسی مسافر کو اپنے سفر میں توشہ یا پانی ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ تھی۔ ہر ہر منزل پر پختہ مزے دار تازے میوے، خوشگوار میٹھا پانی موجود۔ ہر رات کو کسی بستی میں گزار لیں اور راحت و آرام امن وامان سے جائیں آئیں۔ کہتے ہیں کہ یہ بستیاں صنعا کے قرب وجوار میں تھیں، باعد کی دوسری قراءت بعدہ۔

فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾

لیکن انہوں نے پھر درخواست کی کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے سفر دور دراز کر دے چونکہ خود انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنا برا کیا، اس لئے ہم نے انہیں گذشتہ فسانوں کی صورت میں کر دیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے، ہر ایک صبر وشکر کرنے والے کے لئے اس ماجرے میں بہت سی عبرتیں ہیں ○

(آیت:۱۹) اس راحت و آرام سے وہ پھول گئے اور جس طرح بنو اسرائیل نے من سلویٰ کے بدلے لہسن پیاز وغیرہ طلب کیا تھا،

انہوں نے بھی دور دراز کے سفر طے کرنے کی چاہت کی۔ تاکہ درمیان میں جنگل بھی آئیں۔ غیر آباد جگہیں بھی آئیں۔ کھانے پینے کا لطف بھی آئے۔ قوم موسیٰ کی اس طلب نے ان پر ذلت و مسکنت ڈالی۔ اسی طرح انہیں بھی فراخی روزی کے بعد ہلاکت ملی۔ بھوک اور خوف میں پڑے۔ اطمینان اور امن غارت ہوا۔ انہوں نے کفر کر کے خود اپنا بگاڑا۔ اب ان کی کہانیاں رہ گئیں۔ لوگوں میں ان کے افسانے رہ گئے۔ تتر بتر ہو گئے۔ یہاں تک کہ جو قوم تین تیرہ ہو جائے تو عرب میں انہیں سبائیوں کی مثل سناتے ہیں۔ عکرمہؒ ان کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں ایک کاہنہ اور ایک کاہن تھا جن کے پاس جنات ادھر ادھر کی خبریں لایا کرتے تھے۔ اس کاہن کو کہیں پتہ چل گیا کہ اس بستی کی ویرانی کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور یہاں کے لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔ تھا یہ بڑا مالدار خصوصاً جائیداد بہت ساری تھی۔ اس نے سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور ان حویلیوں اور مکانات اور باغات کی نسبت کیا انتظام کرنا چاہیے۔

آخر ایک بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس کے سسرال کے لوگ بہت سارے تھے اور وہ قبیلہ بھی جری ہونے کے علاوہ مالدار تھا۔ اس نے اپنے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا' سنو کل لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے۔ میں تجھے کسی کام کو کہوں گا تو انکار کر دینا۔ میں تجھے برا بھلا کہوں گا۔ تو بھی مجھے میری گالیوں کا جواب دینا۔ میں اٹھ کر تجھے تھپڑ ماروں گا۔ تو بھی اس کے جواب میں مجھے تھپڑ مارنا۔ اس نے کہا ابا جی مجھ سے یہ کیسے ہو سکے گا؟ کاہن نے کہا' تم نہیں سمجھتے۔ ایک ایسا ہی اہم معاملہ درپیش ہے اور تمہیں میرا حکم مان لینا چاہیے۔ اس نے اقرار کیا۔ دوسرے دن جبکہ اس کے پاس اس کے ملنے جلنے والے سب جمع ہو گئے' اس نے اپنے اس لڑکے سے کسی کام کو کہا۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس نے اسے گالیاں دیں تو اس نے بھی سامنے گالیاں دیں۔ یہ غصے میں اٹھا اور اسے مارا۔ لڑکے نے بھی پلٹ کر اسے پیٹا۔ یہ اور غضبناک ہوا اور کہنے لگا چھری لاؤ۔ میں تو اسے ذبح کروں گا۔ تمام لوگ گھبرا گئے۔ ہر چند سمجھایا لیکن یہ یہی کہتا رہا کہ میں تو اسے ذبح کروں گا۔ لوگ دوڑے بھاگے گئے اور لڑکے کے ننھیال والوں کو خبر کی۔ وہ سب آ گئے۔ اول تو منت سماجت کی' منوانا چاہا لیکن یہ کب مانتا تھا۔ انہوں نے کہا' آپ اسے کوئی اور سزا دیجئے۔ اس کے بدلے ہمیں جو جی چاہے' سزا دیجئے لیکن اس نے کہا' میں تو اسے لٹا کر باقاعدہ اپنے ہاتھ سے ذبح کروں گا۔ انہوں نے کہا' ایسا آپ نہیں کر سکتے اس سے پہلے ہم آپ کو مار ڈالیں گے۔

اس نے کہا' اچھا۔ جب یہاں تک بات پہنچ گئی ہے تو میں ایسے شہر میں نہیں رہنا چاہتا جہاں میرے اور میری اولاد کے درمیان اور لوگ پڑیں۔ مجھ سے میرے مکانات' جائیدادیں اور زمینیں خرید لو۔ میں یہاں سے کہیں اور چلا جاتا ہوں۔ چنانچہ اس نے سب کچھ بیچ ڈالا اور قیمت نقد وصول کر لی۔ جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اپنی قوم کو خبر کر دی' سنو عذاب الٰہی آ رہا ہے۔ زوال کا وقت قریب پہنچ چکا ہے۔ اب تم میں سے جو محنت کر کے لمبا سفر کر کے نئے گھروں کا آرزومند ہو' وہ تو عمان چلا جائے اور جو کھانے پینے کا شوقین ہو' وہ بصرے چلا جائے۔ اور جو مزیدار کھجوریں باغات میں بیٹھ کر آزادی سے کھانا چاہتا ہو' وہ مدینے چلا جائے۔ قوم کو اس کی باتوں کا یقین تھا۔ جسے جو جگہ اور جو چیز پسند آئی' وہ اسی طرف منہ اٹھائے بھاگا۔ بعض عمان کی طرف' بعض بصرے کی طرف۔ بعض مدینے کی طرف۔ اس طرح تین قبیلے چلے تھے۔ اوس اور خزرج اور بنو عثمان۔ جب یہ لوگ بطن مر میں پہنچے تو بنو عثمان نے کہا' ہمیں تو یہ جگہ بہت پسند ہے۔ اب ہم آگے نہیں جائیں گے۔ چنانچہ یہ یہیں بس گئے اور اسی وجہ سے انہیں خزاعہ کہا گیا۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے۔ اوس و خزرج برابر مدینے پہنچے اور یہاں آ کر قیام کیا۔

یہ اثر بھی عجیب و غریب ہے۔ جس کاہن کا اس میں ذکر ہے' اس کا نام عمرو بن عامر ہے۔ یہ یمن کا ایک سردار تھا اور سبا کے بڑے لوگوں میں سے تھا اور ان کا کاہن تھا۔ سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ سب سے پہلے یہی یمن سے نکلا تھا اس لئے کہ سد مارب کو کھوکھلا کرتے

ہوئے اس نے چوہوں کو دیکھ لیا تھا اور سمجھ گیا تھا کہ اب یمن کی خیر نہیں۔ یہ دیوار گری اور سیلاب سب تہہ وبالا کر دے گا تو اس نے اپنے سب سے چھوٹے لڑکے کو وہ مکر سکھایا جس کا ذکر اوپر گزرا۔ اس وقت اس نے غصے میں کہا کہ میں ایسے شہر میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ میں اپنی جائیدادیں اور زمینیں اسی وقت بیچتا ہوں۔ لوگوں نے کہا۔ عمرو کے اس غصے کو غنیمت جانو چنانچہ سستا مہنگا سب کچھ بیچ ڈالا۔ اور فارغ ہو کر چل پڑا۔ قبیلہ اسد بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ راستے میں عکہ ان سے لڑے۔ برابر برابر کی لڑائی رہی۔ جس کا ذکر عباس بن مرداس اسلمیؓ کے شعروں میں بھی ہے۔ پھر یہ یہاں سے چل کر مختلف شہروں میں پہنچ گئے۔ آل جفنۃ بن عمرو بن عامر شام میں گئے۔ اوس وخزرج مدینے میں' خزاعہ مر میں' ازمراۃ سراۃ میں۔ از دعمان عمان میں۔ یہاں سیلاب آیا جس نے مارب کے بند کو توڑ دیا۔ سدی نے اس قصے میں بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے مقابلے کے لئے اپنے بیٹے کو نہیں بلکہ بھتیجے کو کہا تھا۔ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ اس کی عورت جس کا نام طریفہ تھا' اس نے اپنی کہانت سے یہ بات معلوم کر کے سب کو بتائی تھی اور روایت میں ہے کہ عمان میں غسانی اور از دبھی ہلاک کر دیئے گئے۔ میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی ریل پیل پھلوں اور کھیتوں کی بے شمار روزی کے باوجود سیل عرم سے یہ حالت ہوگئی کہ ایک ایک لقمے کو اور ایک ایک بوند پانی کو ترس گئے۔ یہ پکڑ اور عذاب' یہ تنگی اور سزا جو انہیں پہنچی' اس سے ہر صابر و شاکر عبرت حاصل کر سکتا ہے کہ اللہ کی نافرمانیاں کس طرح انسان کو گھیر لیتی ہیں۔ عافیت کو ہٹا کر آفت کو لے آتی ہیں۔ مصیبتوں پر صبر' نعمتوں پر شکر کرنے والے اس میں دلائل قدرت پائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے مومن کے لئے تعجب ناک فیصلہ کیا ہے۔ اگر اسے راحت ملے اور یہ شکر کرے تو اجر پائے اور اگر اسے مصیبت پہنچے اور صبر کرے تو اجر پائے۔ غرض مومن کو ہر حالت پر اجر وثواب ملتا ہے۔ اس کا ہر کام نیک ہے۔ یہاں تک کہ محبت کے ساتھ جو لقمہ اٹھا کر یہ اپنی بیوی کے منہ میں دے' اس پر بھی اسے ثواب ملتا ہے (مسند احمد)

بخاری ومسلم میں ہے' آپ فرماتے ہیں تعجب ہے کہ مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہر قضا بھلائی کے لئے ہی کافی ہے۔ اگر اسے راحت اور خوشی پہنچتی ہے تو شکر کر کے بھلائی حاصل کرتا ہے اور اگر برائی اور غم پہنچتا ہے تو یہ صبر کرتا ہے اور بدلہ حاصل کرتا ہے۔ یہ نعمت تو صرف مومن کو ہی حاصل ہے کہ جس کی ہر حالت بہتری اور بھلائی والی ہے۔ حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں' صبر وشکر کرنے والا بندہ کتنا ہی اچھا ہے کہ جب اسے نعمت ملے تو شکر کرے اور جب زحمت پہنچے تو صبر کرے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ ع قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

شیطان نے ان کے بارے میں سوچ رکھا تھا' اسے سچا کر دکھایا۔ یہ لوگ سب کے سب اس کے تابعدار بن گئے سوائے مومنوں کی جماعت کے ○ شیطان کا ان پر

کوئی زور اور دباؤ نہ تھا مگر تاکہ ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' ان لوگوں میں ممتاز طور پر ظاہر کر دیں جو اس سے شک میں ہیں۔ تیرا رب ہر ہر چیز پر نگہبان ہے ○ کہہ دے کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے' سب کو پکار لو نہ تو ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرے کا اختیار ہے نہ ان کا ان میں کوئی حصہ ہے نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے ○

ابلیس اور اس کا عزم: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) سبا کے قصے کے بیان کے بعد شیطان کے اور مریدوں کا عام طور پر ذکر فرماتا ہے کہ وہ ہدایت کے بدلے ضلالت' بھلائی کے بدلے برائی لے لیتے ہیں۔ ابلیس نے راندۂ درگاہ ہو کر جو کہا تھا کہ میں ان کی اولاد کو ہر طرح برباد کرنے کی کوشش کروں گا اور تھوڑی سی جماعت کے سوا باقی سب لوگوں کو تیری سیدھی راہ سے بھٹکا دوں گا' اس نے یہ کر دکھایا اور اولاد آدم کو اپنے پنجے میں پھانس لیا۔ جب حضرت آدمؑ و حوا اپنی خطا کی وجہ سے جنت سے اتار دیئے گئے اور ابلیس لعین بھی ان کے ساتھ اترا' اس وقت وہ بہت خوش تھا اور جی میں اترا رہا تھا کہ جب انہیں میں نے بہکا لیا تو ان کی اولاد کو تباہ کر دینا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس خبیث کا قول تھا کہ میں ابن آدم کو سبز باغ دکھاتا رہوں گا۔ غفلت میں رکھوں گا۔ طرح طرح سے دھوکے دوں گا اور اپنے جال میں پھنسائے رکھوں گا۔ جس کے جواب میں جناب باری جل جلالہ نے فرمایا تھا' مجھے بھی اپنی عزت کی قسم موت کے غرغرے سے پہلے جب بھی وہ توبہ کرے گا' میں فوراً قبول کرلوں گا۔ وہ مجھے جب پکارے گا' میں اس کی طرف متوجہ ہو جاؤں گا۔ مجھ سے جب بھی جو کچھ مانگے گا' میں اسے دوں گا۔ مجھ سے جب وہ بخشش طلب کرے گا' میں اسے بخش دوں گا۔ (ابن ابی حاتم)

اس کا کوئی غلبہ' حجت' زبردستی' مار پیٹ انسان پر نہ تھی۔ صرف دھوکہ' فریب اور مکر بازی تھی جس میں یہ سب پھنس گئے۔ اس میں حکمت الٰہی یہ تھی کہ مومن و کافر ظاہر ہو جائیں۔ حجت اللہ ختم ہو جائے۔ آخرت کو ماننے والے شیطان کی نہیں مانیں گے۔ اس کے منکر رحمان کی اتباع نہیں کریں گے۔ اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ مومنوں کی جماعت اس کی حفاظت کا سہارا لیتی ہے اس لئے ابلیس ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اور کافروں کی جماعت خود اللہ کو چھوڑ دیتی ہے اس لئے ان پر سے اللہ کی نگہبانی ہٹ جاتی ہے اور وہ شیطان کے ہر فریب کا شکار بن جاتے ہیں۔

وحدہ لاشریک: ☆☆ (آیت: ۲۲) بیان ہو رہا ہے کہ اللہ اکیلا ہے' واحد ہے' احد ہے' فرد ہے' صمد ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ بے نظیر' لاشریک اور بے مثیل ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ساتھی نہیں' مشیر نہیں' وزیر نہیں' مددگار و پشتی بان نہیں۔ پھر ضد کرنے والا اور خلاف کہنے والا کہاں؟ جن جن کو پکارا کرتے ہو پکار کر دیکھ لو' معلوم ہو جائے گا کہ ایک ذرے کے بھی مختار نہیں۔ محض بے بس اور بالکل محتاج و عاجز ہیں' نہ زمینوں میں ان کی کچھ چلے نہ آسمانوں میں۔ جیسے اور آیت میں ہے وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ کہ وہ ایک کھجور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اور یہی نہیں کہ انہیں خود اختیار حکومت نہ ہو نہ سہی' شرکت کے طور پر ہی ہو' نہیں' شرکت کے طور پر بھی نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے کسی کام میں مدد لیتا ہے۔ بلکہ یہ سب کے سب فقیر محتاج ہیں۔ اس کے در کے غلام اور اس کے بندے ہیں۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾

درخواست شفاعت بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی بجز اس کے جن کے لئے اجازت ہو جائے۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جائے گی تو پوچھتے ہیں' تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا' اور وہ بلند و بالا اور بہت بڑا ہے ○

(آیت: ۲۳) اس کی عظمت و کبریائی، عزت و بڑائی ایسی ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے کسی کی جرات نہیں کہ اس کے سامنے کسی کی سفارش کے لئے بھی لب ہلا سکے۔ جیسے فرمان ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کون ہے؟ جو اس کے سامنے کسی کی شفاعت بغیر اس کی رضامندی کے کر سکے۔ اور آیت میں ہے کَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ الخ یعنی آسمانوں کے کل فرشتے بھی اس کے سامنے کسی کی سفارش کے لئے لب ہلا نہیں سکتے مگر جس کے لئے اللہ اپنی رضامندی سے اجازت دے دے۔ ایک اور جگہ فرمان ہے وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی الخ وہ لوگ صرف ان کی شفاعت کر سکتے ہیں جن کے لئے اللہ کی رضامندی ہو۔ وہ تو خود ہی اس کے خوف سے تھرا رہے ہیں۔ تمام اولاد آدم کے سردار، سب سے بڑے شفیع اور سفارشی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی جب قیامت کے دن مقام محمود میں شفاعت کے لئے تشریف لے جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ آئے اور مخلوق کے فیصلے کرے، اس وقت کی نسبت آپ فرماتے ہیں، میں اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کب تک سجدے میں پڑا رہوں گا۔ اس سجدے میں اس قدر اپنے رب کی تعریفیں بیان کروں گا کہ اس وقت تو وہ الفاظ بھی مجھے معلوم نہیں۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا، اے محمد (ﷺ) اپنا سر اٹھایئے۔ آپؐ بات کیجئے۔ آپؐ کی بات سنی جائے گی۔ آپؐ مانگئے، آپ کو دیا جائے گا۔ آپؐ شفاعت کیجئے، قبول کی جائے گی۔

رب کی عظمت کا ایک اور مقام بیان ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی وحی میں کلام کرتا ہے اور آسمانوں کے مقرب فرشتے اسے سنتے ہیں تو ہیبت سے کانپ اٹھتے ہیں اور غشی والے کی طرح ہو جاتے ہیں جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ ہٹ جاتی ہے۔ فزع کی دوسری قراءت فرغ بھی آئی ہے۔ مطلب دونوں کا ایک ہے۔ تو اب آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ اس وقت رب کا کیا حکم نازل ہوا؟ پس اہل عرش اپنے پاس والوں کو، وہ اپنے پاس والوں کو یونہی درجہ بدرجہ حکم پہنچا دیتے ہیں۔ بلا کم و کاست ٹھیک اسی طرح پہنچا دیتے ہیں۔ ایک مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب سکرات کا وقت آتا ہے، اس وقت مشرک یہ کہتے ہیں اور اسی طرح قیامت کے دن بھی جب اپنی غفلت سے چونکیں گے اور ہوش و حواس قائم ہو جائیں گے، اس وقت یہ کہیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ جواب ملے گا کہ حق فرمایا، حق فرمایا اور جس چیز سے دنیا میں بے فکر تھے، آج ان کے سامنے پیش کر دی جائے گی۔ تو دلوں سے گھبراہٹ دور کئے جانے کے یہ معنی ہوئے کہ جب آنکھوں پر سے پردہ اٹھا دیا جائے گا، اس وقت سب شک و تکذیب الگ ہو جائیں گے۔ شیطانی وساوس دور ہو جائیں گے۔ اس وقت رب کے وعدوں کی حقانیت تسلیم کریں گے اور اس کی بلندی اور بڑائی کے قائل ہوں گے۔ پس نہ تو موت کے وقت کا اقرار نفع دے نہ قیامت کے میدان کا اقرار فائدہ پہنچائے۔ لیکن امام ابن جریر کے نزدیک پہلی تفسیر ہی راجح ہے یعنی مراد اس سے فرشتے ہیں۔ اور یہی ٹھیک بھی ہے اور اس کی تائید احادیث و آثار سے بھی ہوتی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ آسمان میں کرتا ہے تو فرشتے عاجزی کے ساتھ اپنے پر جھکا لیتے ہیں اور رب کا کلام ایسا واقع ہوتا ہے جیسے اس زنجیر کی آواز جو پتھر پر بجائی جاتی ہو۔ جب ہیبت کم ہو جاتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے اس وقت کیا فرمایا؟ جواب ملتا ہے کہ جو فرمایا حق ہے اور وہ علی کبیر ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جو جنات فرشتوں کی باتیں سننے کی غرض سے گئے ہوئے ہیں اور جو تہہ بہ تہہ ایک دوسروں کے اوپر ہیں، وہ کوئی کلمہ سن لیتے ہیں۔ اوپر والا نیچے والے کو وہ اپنے سے نیچے والے کو سنا دیتا ہے اور وہ کاہنوں کے کانوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان کے پیچھے فوراً ان کے جلانے کو آگ کا شعلہ لپکتا ہے لیکن کبھی کبھی تو وہ اس کے آنے سے پہلے ہی ایک دوسرے کو پہنچا دیتا ہے اور کبھی پہنچانے سے پہلے ہی جلا دیا جاتا ہے۔ کاہن اس ایک کلمے کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ جو ایک بات سچی نکلتی ہے۔ لوگ اس کے مرید بن جاتے ہیں کہ دیکھو یہ بات اس کے کہنے کے مطابق ہی ہوئی۔

مسند میں ہے' حضور ﷺ ایک مرتبہ صحابہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور زبردست روشنی ہوگئی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت میں تمہارا خیال ان ستاروں کے ٹوٹنے کی نسبت کیا تھا؟ انہوں نے کہا' ہم اس موقعہ پر سمجھتے تھے کہ یا تو کوئی بہت بڑا آدمی پیدا ہوا یا مرا۔ زہریؒ سے سوال ہوا کہ کیا جاہلیت کے زمانے میں بھی ستارے جھڑتے تھے؟ کہا ہاں لیکن کم۔ آپؐ کی بعثت کے زمانے سے ان میں بہت زیادتی ہوگئی۔ حضورؐ نے فرمایا' سنو انہیں کسی کی موت وحیات سے کوئی واسطہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ جب ہمارا رب تبارک وتعالیٰ کسی امر کا آسمانوں میں فیصلہ کرتا ہے تو حاملان عرش اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ پھر ساتویں آسمان والے پھر چھٹے آسمان والے یہاں تک کہ یہ تسبیح آسمان دنیا تک پہنچتی ہے۔ پھر عرش کے آس پاس کے فرشتے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ وہ انہیں بتاتے ہیں۔ پھر ہر نیچے والا اوپر والے سے دریافت کرتا ہے اور وہ اسے بتاتا ہے یہاں تک کہ آسمان اول والوں کو خبر پہنچتی ہے۔ کبھی اچک لے جانے والے جنات اسے سن لیتے ہیں تو ان پر ستارے جھڑتے ہیں تاہم جو بات اللہ کو پہنچانی منظور ہوتی ہے' اسے وہ لے اڑتے ہیں اور اس کے ساتھ بہت کچھ باطل اور جھوٹ ملا کر لوگوں میں شہرت دیتے ہیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے' اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی امر کی وحی کرتا ہے تو آسمان مارے خوف کے کپکپا اٹھتے ہیں اور فرشتے ہیبت زدہ ہو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں اور اللہ کا فرمان سنتے ہیں۔ پھر ان کی زبانی اور فرشتے سنتے ہیں اور وہ کہتے جاتے ہیں کہ اللہ نے حق فرمایا۔ وہ بلندی اور بڑائی والا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا امین فرشتہ جس کی طرف ہوا' اسے پہنچا دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے مروی ہے کہ یہ اس وحی کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبیوں کے نہ ہونے کے زمانے میں بندرہ کر پھر ابتداً ختم المرسلین ﷺ پر نازل ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ابتدائی وحی کے بھی اس آیت کے تحت میں داخل ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن آیت اس کو اور سب کو شامل ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔــلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔــلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

پوچھ تو کہ تمہیں آسمانوں اور زمین میں سے روزی کون پہنچاتا ہے' خود جواب دے کہ اللہ۔ سنو' ہم یا تم یقیناً یا تو ہدایت پر یا کھلی گمراہی میں ہیں ○ کہہ کہ ہمارے کئے ہوئے گناہوں کی بابت تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا نہ تمہارے اعمال کی باز پرس ہم سے کی جائے گی ○ انہیں خبر دے دے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کر کے پھر ہم میں سچے فیصلے کر دے گا۔ وہ فیصلے چکانے والا ہے اور دانا ○ کہہ کہ اچھا مجھے بھی تو ذرا انہیں دکھا دو جنہیں تم شریک الٰہی ٹھہرا کر اس کے ساتھ ملا رہے ہو۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہی اللہ ہے غالب باحکمت ○

اللہ عزوجل کی صفات: ☆☆ (آیت ۲۴-۲۷) اللہ تعالیٰ اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ صرف وہی خالق ورازق ہے اور صرف وہی

الوہیت والا ہے۔ جیسے ان لوگوں کو اس کا اقرار ہے کہ آسمان سے بارشیں برسانے والا اور زمینوں سے اناج اگانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ایسے ہی انہیں یہ بھی مان لینا چاہیے کہ عبادت کے لائق بھی فقط وہی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ جب ہم تم میں اتنا بڑا اختلاف ہے تو لامحالہ ایک ہدایت پر اور دوسرا ضلالت پر ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں فریق ہدایت پر ہوں یا دونوں ضلالت پر ہوں۔ ہم موحد ہیں اور توحید کے دلائل کھلم کھلا اور واضح ہم بیان کر چکے ہیں اور تم شرک پر ہو جس کی کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں۔ پس یقیناً ہم ہدایت پر اور یقیناً تم ضلالت پر ہو۔ اصحاب رسول نے مشرکوں سے یہی کہا تھا کہ ہم فریقین میں سے ایک ضرور سچا ہے۔ کیونکہ اس قدر تضاد و تباین کے بعد دونوں کا سچا ہونا تو عقلاً محال ہے۔ اس آیت کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ ہم ہی ہدایت پر اور تم ضلالت پر ہو ہمارا تمہارا بالکل کوئی تعلق نہیں۔ ہم تم سے اور تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہیں۔ ہاں جس راہ ہم چل رہے ہیں اسی راہ پر تم بھی آ جاؤ تو بیشک تم ہمارے ہو اور ہم تمہارے ہیں ورنہ ہم تم میں کوئی تعلق نہیں۔ اور ایک آیت میں بھی ہے کہ اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو کہہ دے کہ میرا عمل میرے ساتھ ہے اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے تم میرے اعمال سے چڑتے ہو اور میں تمہارے کرتوت سے بیزار ہوں۔

سورۂ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ الخ میں بھی اسی بے تعلقی اور برات کا ذکر ہے رب العالمین تمام عالم کو میدان قیامت میں اکٹھا کر کے سچے فیصلے کر دے گا۔ نیکوں کو ان کی جزا اور بدوں کو ان کی سزا دے گا۔ اس دن تمہیں ہماری حقانیت و صداقت معلوم ہو جائے گی۔ جیسے ارشاد ہے وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یَوْمَئِذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ الخ قیامت کے دن سب جدا جدا ہو جائیں گے۔ ایماندار جنت کے پاک باغوں میں خوش وقت و فرحاں ہوں گے اور ہماری آیتوں اور آخرت کے دن کو جھٹلانے والے کفر کرنے والے دوزخ کے گڑھوں میں حیران و پریشان ہوں گے۔ وہ حاکم و عادل ہے حقیقت حال کا پورا عالم ہے تم اپنے ان معبودوں کو ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ۔ لیکن کہاں سے ثبوت دے سکو گے۔ جبکہ میرا رب لانظیر بے شریک اور عدیم المثیل ہے وہ اکیلا ہے وہ ذی عزت ہے جس نے سب کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے اور ہر ایک پر غالب آ گیا ہے۔ حکیم ہے اپنے اقوال و افعال میں۔ اسی طرح شریعت اور تقدیر میں بھی۔ برکتوں والا بلندیوں والا پاک و منزہ اور مشرکوں کی تمام تہمتوں سے الگ ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے خوشخبریاں سنانے والا اور دھمکا دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے ○ پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ ہے کب؟ سچے ہو تو بتا دو ○ جواب دے کہ وعدے کا دن ٹھیک معین ہے جس سے ایک ساعت نہ تم پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ آگے بڑھ سکتے ہو ○

تمام اقوام کے لئے نبوت: ☆☆ (آیت: ۲۸-۳۰) اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم نے تجھے تمام کائنات کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا یعنی اعلان کر دو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اور آیت میں ہے تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ

نَذِيرًا بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تا کہ وہ تمام جہان کو ہوشیار کر دے۔ یہاں بھی فرمایا کہ ’’اطاعت گزاروں کو بشارت جنت دے اور نافرمانوں کو خبر جہنم۔ لیکن اکثر لوگ اپنی جہالت سے نبی کی نبوت کو نہیں مانتے‘‘۔ جیسے فرمایا وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ گو تو ہر چند چاہے تاہم اکثر لوگ بے ایمان رہیں گے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوا ’’اگر بڑی جماعت کی بات مانے گا تو وہ خود تجھے راہ راست سے ہٹا دیں گے۔ پس حضورؐ کی رسالت عام لوگوں کی طرف تھی۔ عرب و عجم سب کی طرف سے اللہ کو زیادہ پیارا وہ ہے جو سب سے زیادہ اس کا تابع فرمان ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو آسمان والوں پر اور نبیوں پر غرض سب پر فضیلت دی ہے۔ لوگوں نے اس کی دلیل دریافت کی تو آپ نے فرمایا' دیکھو قرآن فرماتا ہے کہ ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا۔ تا کہ وہ اس میں کھلم کھلا تبلیغ کر دے اور آنحضرتؐ کی نسبت فرماتا ہے کہ ہم نے تجھے عام لوگوں کی طرف اپنا رسولؐ بنا کر بھیجا۔ بخاری و مسلم میں فرمان رسالتمابؐ ہے کہ مجھے پانچ صفتیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ مہینہ بھر کی راہ تک میری مدد صرف رعب سے کی گئی ہے۔ میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاک بنائی گئی ہے۔ میری امت میں سے جس کسی کو جس جگہ نماز کا وقت آ جائے' وہ اسی جگہ نماز پڑھ لے۔ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے غنیمت کا مال حلال نہیں کیا گیا تھا۔ میرے لئے غنیمت حلال کر دی گئی۔ مجھے شفاعت دی گئی۔ ہر نبیؑ صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔ اور حدیث میں ہے' سیاہ و سرخ سب کی طرف میں نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یعنی جن و انس عرب و عجم کی طرف۔ پھر کافروں کا قیامت کو محال ماننا بیان ہو رہا ہے کہ پوچھتے ہیں قیامت کب آئے گی؟ جیسے اور جگہ ہے' بے ایمان تو اس کی جلدی مچا رہے ہیں اور باایمان اس سے کپکپا رہے ہیں اور اسے حق جانتے ہیں۔ جواب دیتا ہے کہ تمہارے لئے وعدے کا دن مقرر ہو چکا ہے جس میں تقدیم و تاخیر' کمی و زیادتی ناممکن ہے۔ جیسے فرمایا اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ اور فرمایا وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ الخ یعنی وہ مقررہ وقت پیچھے ہٹنے کا نہیں۔ تمہیں اس وقت مقررہ تک ڈھیل ہے۔ جب وہ دن آ گیا' پھر تو کوئی لب بھی نہ ہلا سکے گا۔ اس دن بعض نیک بخت ہوں گے اور بعض بد بخت۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا

رَاَوُا الۡعَذَابَ ؕ وَجَعَلۡنَا الۡاَغۡلٰلَ فِیۡۤ اَعۡنَاقِ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا ؕ هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۳﴾

کافروں نے کہا کہ ہم نہ تو اس قرآن کو مانیں نہ اس سے پہلے کی کتابوں کو۔ اے دیکھنے والے کاش کہ تو ان ظالموں کو اس وقت دیکھتا جبکہ یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے۔ ادنیٰ درجے کے لوگ بڑے درجے کے لوگوں سے کہیں گے اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مسلمان ہوتے ○ یہ بڑے ان چھوٹوں کو جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس ہدایت آچکنے کے بعد ہم نے تمہیں اس سے روکا تھا؟ نہیں بلکہ تم خود ہی گنہگار تھے ○ اس کے جواب میں یہ ادنیٰ لوگ ان متکبروں سے کہیں گے نہیں نہیں بلکہ تمہارا دن رات مکر وفریب سے ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے شریک مقرر کرنے کا حکم دینا باعث ہوا ہماری بے ایمانی کا۔ عذاب کو دیکھتے ہی سب کے سب دل ہی دل میں پشیمان ہو رہے ہوں گے۔ کافروں کی گردنوں میں ہم طوق ڈال دیں گے۔ انہیں صرف ان کے کئے کرائے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ○

کافروں کی سرکشی: ☆☆ (آیت: ۳۱-۳۳) کافروں کی سرکشی اور باطل کی ضد کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ گو قرآن کی حقانیت کی ہزارہا دلیلیں دیکھ لیں لیکن نہیں مانیں گے۔ بلکہ اس سے اگلی کتاب پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ انہیں اپنے اس قول کا مزہ اس وقت آئے گا جب اللہ کے سامنے جہنم کے کنارے کھڑے کھڑے چھوٹے بڑوں کو بڑے چھوٹوں کو الزام دیں گے۔ ہر ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرائے گا۔ تابعدار اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ تم ہمیں نہ روکتے تو ہم ضرور ایمان لائے ہوئے ہوتے' ان کے بزرگ انہیں جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں روکا تھا؟ ہم نے ایک بات کہی۔ تم جانتے تھے کہ یہ سب بے دلیل ہے۔ دوسری جانب سے دلیلوں کی برستی ہوئی بارش تمہاری آنکھوں کے سامنے تھی۔ پھر تم نے اس کی پیروی چھوڑ کر ہماری کیوں مان لی؟ یہ تو تمہاری اپنی بے عقلی تھی' تم خود شہوت پرست تھے' تمہارے اپنے دل اللہ کی باتوں سے بھاگتے تھے' رسولوں کی تابعداری خود تمہاری طبیعتوں پر شاق گزرتی تھی۔ سارا قصور تمہارا اپنا ہی ہے۔ ہمیں کیا الزام دے رہے ہو؟

اپنے بزرگوں کی مان لینے والے یہ بے دلیل انہیں پھر جواب دیں گے کہ تمہاری دن رات کی دھوکے بازیاں' جعل سازیاں' فریب کاریاں' ہمیں اطمینان دلاتیں کہ ہمارے افعال اور عقائد ٹھیک ہیں۔ ہم سے بار بار شرک وکفر کے نہ چھوڑنے' پرانے دین کے نہ بدلنے' باپ دادوں کی روش پر قائم رہنے کو کہنا' ہماری کمر تھپکنا' ہمارے ایمان سے رک جانے کا یہی سبب ہوا۔ تم ہی آآ کر ہمیں عقلی ڈھکوسلے سنا کر اسلام سے روگرداں کرتے تھے۔ دونوں الزام بھی دیں گے۔ برأت بھی کریں گے۔ لیکن دل میں اپنے کئے پر پچھتا رہے ہوں گے۔ ان سب کے ہاتھوں کو گردن سے ملا کر طوق وزنجیر سے جکڑ دیا جائے گا۔ اب ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ گمراہ کرنے والوں کو بھی اور گمراہ ہونے والوں کو بھی۔ ہر ایک کو پورا پورا عذاب ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جہنمی جب ہنکا کر جہنم کے پاس پہنچائے جائیں گے تو جہنم کے ایک ہی شعلے کی لپیٹ سے سارے جسم کا گوشت جھلس کر پیروں پر آ پڑے گا۔ (ابن ابی حاتم)

حسن بن یحییٰ خشنیؒ فرماتے ہیں کہ جہنم کے ہر قید خانے' ہر غار' ہر زنجیر' ہر قید پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے۔ جب حضرت سلیمان دارانیؒ کے سامنے یہ بیان ہوا تو آپ بہت روئے اور فرمانے لگے' ہائے ہائے پھر کیا حال ہو گا اس کا جس پر یہ سب عذاب جمع ہو جائیں۔ پیروں میں بیڑیاں ہوں' ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں' گردن میں طوق ہوں۔ پھر جہنم کے غار میں دھکیل دیا جائے۔ اللہ تو بچانا۔ پروردگار تو ہمیں سلامت رکھنا۔ اَللّٰھُمَّ سَلِّمۡ اَللّٰھُمَّ سَلِّمۡ

ہم نے تو جس بستی میں جو بھی آگاہ کرنے والا بھیجا' وہاں کے سرکشوں نے یہی کہا کہ جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے ساتھ کافر ہیں ○ کہنے لگے۔ ہم مال واولاد میں بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم عذاب کئے جائیں ○ کہہ دے کہ میرا رب جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کرتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمہیں ہمارے پاس مرتبوں سے قریب کر دیں۔ ہاں جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لئے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہے اور وہ نڈر و بے خوف ہو کر بالا خانوں میں براجے رہے ہوں گے ○

نبیؐ اکرم کے لئے تسلیاں: ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۷) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور اگلے پیغمبروں کی سی سیرت رکھنے کو فرماتا ہے۔ فرماتا ہے کہ جس بستی میں جو رسول گیا' اس کا مقابلہ ہوا۔ بڑے لوگوں نے کفر کیا' ہاں غربا نے تابعداری کی جیسے کہ قوم نوح نے اپنے نبیؑ سے کہا تھا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ الخ ہم تجھ پر کیسے ایمان لائیں۔ تیرے ماننے والے تو سب نیچے درجے کے لوگ ہیں۔ یہی مضمون دوسری آیت وَمَا نَرٰكَ اتَّبَعَكَ الخ میں ہے۔ قوم صالحؑ کے متکبر لوگ ضعیفوں سے کہتے ہیں اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ الخ کیا تمہیں حضرت صالحؑ کے نبی ہونے کا یقین ہے؟ انہوں نے کہا' ہاں ہم تو مومن ہیں۔ تو متکبرین نے صاف کہا کہ ہم نہیں مانتے۔ اور آیت میں ہے وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا الخ یعنی اسی طرح ہم نے ایک کو دوسرے سے فتنے میں ڈالا تاکہ وہ کہیں کیا' یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم سب میں سے احسان کیا۔ کیا اللہ شکر گزاروں کو جاننے والا نہیں؟

اور فرمایا' ہر بستی میں وہاں کے بڑے لوگ مجرم اور مکار ہوتے ہیں اور فرمان ہے وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا الخ جب کسی بستی کی ہلاکت کا ہم ارادہ کرتے ہیں تو اس کے سرکش لوگوں کو کچھ احکام دیتے ہیں۔ وہ نہیں مانتے' پھر ہم انہیں ہلاک کر دیتے ہیں۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ ہم نے جس بستی میں کوئی نبی اور رسول بھیجا' وہاں کے جاہ و حشمت' شان و شوکت والے رئیسوں' امیروں' سرداروں اور بڑے لوگوں نے جھٹ اپنے کفر کا اعلان کر دیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے' ابو رزینؒ فرماتے ہیں کہ دو شخص آپس میں شریک تھے۔ ایک تو سمندر پار چلا گیا' ایک وہیں۔ رہا جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو اس نے اپنے ساتھی سے لکھ کر دریافت کیا کہ حضورؐ کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب میں لکھا کہ گرے پڑے لوگوں نے اس کی بات مانی ہے۔ شریف قریشیوں نے اس کی اطاعت نہیں کی۔ اس خط کو پڑھ کر وہ اپنی تجارت چھوڑ چھاڑ کر سفر کر کے اپنے شریک کے پاس پہنچا۔ یہ پڑھا لکھا آدمی تھا' کتابوں کا علم اسے حاصل تھا۔ اس سے پوچھا کہ بتاؤ حضورؐ کہاں ہیں؟ معلوم کر کے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو کس چیز کی طرف بلاتے ہیں؟

آپ نے اسلام کے ارکان اس کے سامنے بیان فرمائے - وہ اسے سنتے ہی ایمان لے آیا - آپؐ نے فرمایا' تمہیں اس کی تصدیق کیونکر ہوگئی؟ اس نے کہا' اس بات سے کہ تمام انبیاء کے ابتدائی ماننے والے ہمیشہ ضعیف مسکین لوگ ہی ہوتے ہیں - اس پر یہ آیتیں اتریں اور حضورؐ نے آدمی بھیج کر ان سے کہلوایا کہ تمہاری بات کی سچائی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی - اسی طرح ہرقل نے کہا تھا جب کہ اس نے ابو سفیان سے ان کی جاہلیت کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی نسبت دریافت کیا تھا کہ کیا شریف لوگوں نے ان کی تابعداری کی ہے یا ضعیفوں نے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ ضعیفوں نے - اس پر ہرقل نے کہا تھا کہ ہر رسول کی اولاً تابعداری کرنے والے یہی ضعیف لوگ ہوتے ہیں - پھر فرمایا' یہ خوش حال لوگ مال واولاد کی کثرت پر ہی فخر کرتے ہیں اور اسے اس بات کی دلیل بناتے ہیں کہ وہ کے پسندیدہ اللہ ہیں - اگر اللہ کی خاص عنایت ومہربانی ان پر نہ ہوتی تو انہیں یہ نعمتیں نہ دیتا - اور جب یہاں رب مہربان ہے تو آخرت میں بھی وہ مہربان ہی رہے گا - قرآن نے ہر جگہ اس کو رد کیا ہے - ایک جگہ فرمایا اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ الخ کیا ان کا خیال ہے کہ مال واولاد کی اکثریت ان کے لئے بہتر ہے؟ نہیں بلکہ برائی ہے لیکن یہ بے شعور ہیں - ایک اور آیت میں ہے وَلَا تُعْجِبْکَ اَمْوَالُھُمْ الخ ان کی مال واولاد تجھے دھوکے میں نہ ڈالے - اس سے انہیں دنیا میں بھی سزا ہوگی اور مرتے دم تک یہ کفر پر ہی رہیں گے - اور آیات میں ہے ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا الخ یعنی مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دے جسے بہت سے فرزند دے رکھے ہیں اور ہر طرح کا عیش اس کے لئے مہیا کر دیا ہے - تاہم اسے طمع ہے کہ میں اور زیادہ دوں - ایسا نہیں - یہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے - زمانہ جانتا ہے کہ اسے میں دوزخ کے پہاڑوں پر چڑھاؤں گا - اس شخص کا واقعہ بھی مذکور ہوا ہے جس کے دو باغ تھے' مال والا' پھلوں والا' اولاد والا تھا - لیکن کسی چیز نے کوئی فائدہ نہ دیا عذاب الٰہی سے سب چیزیں دنیا میں ہی تباہ اور خاک سیاہ ہوگئیں - اللہ جس کی روزی کشادہ کرنا چاہے' کشادہ کر دیتا ہے اور جس کی روزی تنگ کرنا چاہے' تنگ کر دیتا ہے - دنیا میں تو وہ اپنے دوستوں دشمنوں سب کو دیتا ہے - غنی یا فقیر ہونا اس کی رضامندی اور ناراضگی کی دلیل نہیں - بلکہ اس میں اور ہی حکمتیں ہوتی ہیں جنہیں اکثر لوگ جان نہیں سکتے' مال واولاد کو ہماری عنایت کی دلیل بنانا غلطی ہے - یہ کوئی ہمارے پاس مرتبہ بڑھانے والی چیز نہیں - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے - (مسلم) ہاں اس کے پاس درجات دلانے والی چیز ایمان اور نیک اعمال ہیں - ان کی نیکیوں کے بدلے انہیں بہت بڑھا چڑھا کر دیئے جائیں گے - ایک ایک نیکی دس دس گنا بلکہ سات سات سو گنا کر کے دی جائے گی - جنت کی بلند ترین منزلوں میں ہر ڈر خوف سے' غم سے پرامن ہوں گے - کوئی دکھ درد نہ ہوگا - ایذا اور صدمہ نہ ہوگا - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے - ایک اعرابی نے کہا' یہ بالاخانے کس کے لئے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' جو نرم کلامی کرے' کھانا کھلائے' بکثرت روزے رکھے اور لوگوں کی نیند کے وقت تہجد پڑھے - (ابن ابی حاتم) جو لوگ اللہ کی راہ سے اوروں کو روکتے ہیں' رسولوں کی تابعداری سے لوگوں کو باز رکھتے ہیں' اللہ کی آیتوں کی تصدیق نہیں کرنے دیتے' وہ جہنم کی سزا میں حاضر کئے جائیں گے اور برا بدلہ پائیں گے -

وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

جو لوگ ہماری آیتوں کے مقابلے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں، یہی ہیں جو عذاب میں حاضر کئے جائیں گے ○ اعلان کر دے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اس کا پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ○

(آیت: ۳۸-۳۹) پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ کے مطابق جسے چاہے بہت ساری دنیا دیتا ہے اور جسے چاہے بہت کم دیتا ہے۔ کوئی سکھ چین میں ہے۔ کوئی دکھ درد میں مبتلا ہے۔ رب کی حکمتوں کو کوئی نہیں جان سکتا۔ اس کی مصلحتیں وہی خوب جانتا ہے۔ جیسے فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا تو دیکھ لے کہ ہم نے کس طرح ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اور البتہ آخرت درجوں اور فضیلتوں میں بہت بڑی ہے۔ یعنی جس طرح فقر و غنا کے ساتھ درجوں کی اونچ نیچ یہاں ہے اسی طرح آخرت میں بھی اعمال کے مطابق درجات و درکات ہوں گے۔ نیک لوگ تو جنتوں کے بلند و بالا خانوں میں اور بد لوگ جہنم کے نیچے کے طبقے کے جیل خانوں میں۔ دنیا میں سب سے بہتر شخص رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ ہے جو سچا مسلمان ہو اور بقدر کفایت روزی پاتا ہو اور اللہ کی طرف سے قناعت بھی دیا گیا ہو۔ (مسلم)

اللہ کے حکم یا اس کی اباحت کے ماتحت تم جو کچھ خرچ کرو گے اس کا بدلہ وہ تمہیں دونوں جہان میں دے گا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ہر صبح ایک فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اللہ بخیل کے مال کو تلف اور برباد کر۔ دوسرا دعا کرتا ہے اللہ خرچ کرنے والے کو نیک بدلہ دے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا بلال خرچ کر اور عرش والے کی طرف سے تنگی کا خیال بھی نہ کر۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہارے اس زمانے کے بعد ایسا زمانہ آ رہا ہے جو کاٹ کھانے والا ہوگا۔ مال ہوگا لیکن مالدار نے گویا اپنے مال پر دانت گاڑے ہوئے ہوں گے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے۔ پھر حضورؐ نے اس آیت میں وَمَآ اَنْفَقْتُمْ الخ کی تلاوت فرمائی اور حدیث میں ہے بدترین لوگ وہ ہیں جو بے بس اور مضطر لوگوں کی چیزیں کم داموں خریدتے پھریں۔ یاد رکھو ایسی بیع حرام ہے مضطر کی بیع حرام ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے رسوا کرے۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو دوسرے کے ساتھ سلوک اور بھلائی کر ورنہ اس کی ہلاکت کو تو نہ بڑھا۔ (ابو یعلی موصلی) یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور ضعیف بھی ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہیں اس آیت کا غلط مطلب نہ لے لینا۔ اپنے مال کو خرچ کرنے میں میانہ روی کرنا۔ روزیاں بٹ چکی ہیں رزق مقسوم ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾

ان سب کو اللہ تعالیٰ اس دن جمع کر کے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ ○ وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے۔ ہمارا ولی تو تو ہے نہ کہ یہ۔ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر کو انہی پر ایمان تھا ○ پس آج تم میں سے کوئی بھی کسی کے لئے بھی کسی قسم کے نفع نقصان کا مالک

نہ ہوگا۔ ہم ظالموں سے کہہ دیں گے کہ اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے رہے ۝

مشرکین سے سوال: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۲) مشرکین کو شرمندۂ لاجواب اور بے عذر کرنے کے لئے ان کے سامنے فرشتوں سے سوال ہوگا۔ جن کو مصنوعی شکلیں بنا کر یہ مشرک دنیا میں پوجتے رہے کہ وہ انہیں اللہ سے ملا دیں۔ سوال ہوگا کہ کیا تم نے انہیں اپنی عبادت کرنے کو کہا تھا؟ جیسے سورۂ فرقان میں ہے ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِیۡ هٰۤؤُلَآءِ اَمۡ هُمۡ ضَلُّوا السَّبِیۡلَ یعنی کیا تم نے انہیں گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی بہکے ہوئے تھے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہی سوال ہوگا کہ کیا تم لوگوں سے کہہ آئے تھے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری اور میری ماں کی عبادت کرنا؟ آپ جواب دیں گے کہ اللہ تیری ذات پاک ہے۔ جو کہنا مجھے سزاوار نہ تھا' اسے میں کیسے کہہ دیتا؟ اسی طرح فرشتے بھی اپنی برأت ظاہر کریں گے اور کہیں گے' تو اس سے بہت بلند اور پاک ہے کہ تیرا کوئی شریک ہو۔ ہم تو خود تیرے بندے تھے۔ ہم ان سے بیزار رہے اور اب بھی ان سے الگ ہیں۔ یہ شیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ شیطانوں نے ہی ان کے لئے بتوں کی پوجا کو مزین کر رکھا تھا اور انہیں گمراہ کر دیا تھا۔ ان میں سے اکثر کا شیطان پر ہی اعتقاد تھا۔ جیسے فرمان باری ہے اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا ۙ لَّعَنَهُ اللّٰهُ یعنی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عورتوں کی پرستش کرتے ہیں اور سرکش شیطان کی عبادت کرتے ہیں جس پر اللہ کی پھٹکار ہے' پس جن جن سے تم مشرکو! لو لگائے ہوئے تھے' ان میں سے ایک بھی آج تمہیں کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا۔ اس شدت و کرب کے وقت یہ سارے جھوٹے معبود تم سے یکسو ہو جائیں گے کیونکہ انہیں کسی کے کسی طرح کے نفع و ضرر کا اختیار تھا ہی نہیں۔ آج ہم خود مشرکوں سے فرما دیں گے کہ لو جس عذاب جہنم کو جھٹلا رہے تھے' آج اس کا مزہ چکھو۔

وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیۡدُ اَنۡ یَّصُدَّكُمۡ عَمَّا كَانَ یَعۡبُدُ اٰبَآؤُكُمۡ ۚ وَقَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡكٌ مُّفۡتَرًی ؕ وَقَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَاۤ اٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنۡ كُتُبٍ یَّدۡرُسُوۡنَهَا وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمۡ قَبۡلَكَ مِنۡ نَّذِیۡرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۙ وَمَا بَلَغُوۡا مِعۡشَارَ مَاۤ اٰتَیۡنٰهُمۡ فَكَذَّبُوۡا رُسُلِیۡ ۟ فَكَیۡفَ كَانَ نَكِیۡرِ ﴿۴۵﴾

ع ۹

جب ان کے سامنے ہماری صاف صاف آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ شخص تو تمہیں تمہارے باپ دادوں کے معبودوں سے روک دینا چاہتا ہے۔ اس کے سوا کوئی بات نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو تراشا ہوا بہتان ہے ۝ حق ان کے پاس آ چکا لیکن پھر بھی کافر یہی کہتے رہے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ ان مکے والوں کو نہ تو ہم نے کتابیں دے رکھی ہیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں نہ ان کے پاس تجھ سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا آیا ہے ۝ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی ہماری باتوں کو جھوٹا جانا تھا۔ انہیں ہم نے جو دے رکھا تھا' یہ تو اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے۔ انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا پھر دیکھ کہ میرے عذابوں کی کیا کیفیت ہوئی ۝

کافر عذاب الٰہی کے مستحق کیوں ٹھہرے؟ ☆☆ (آیت: ۴۳-۴۵) کافروں کی وہ شرارت بیان ہو رہی ہے جس کے باعث وہ

اللہ کے عذابوں کے مستحق ہوئے ہیں کہ اللہ کا کلام تازہ بتازہ اس کے افضل رسول کی زبان سے سنتے ہیں' قبول کرنا' ماننا اس کے مطابق عمل کرنا تو ایک طرف' کہتے ہیں کہ دیکھو یہ شخص تمہیں تمہارے پرانے' اچھے اور سچے دین سے روک رہا ہے اور اپنے باطل خیالات کی طرف تمہیں بلا رہا ہے۔ یہ قرآن تو اس کا خود تراشیدہ ہے۔ آپ ہی گھڑ لیتا ہے اور یہ تو جادو ہے اور اس کا جادو ہونا کچھ ڈھکا چھپا نہیں' بالکل ظاہر ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ ان عربوں کی طرف نہ تو اس سے پہلے کوئی کتاب بھیجی گئی ہے نہ آپ سے پہلے ان میں کوئی رسول آیا ہے۔ اس لئے انہیں مدتوں سے تمنا تھی کہ اگر اللہ کا رسول ہم میں آتا' اگر کتاب اللہ ہم میں اترتی تو ہم سب سے زیادہ مطیع اور پابند ہو جاتے۔ لیکن جب اللہ نے ان کی یہ دیرینہ آرزو پوری کی تو جھٹلانے اور انکار کرنے لگے' ان سے اگلی امتوں کے نتیجے ان کے سامنے ہیں۔ وہ قوت و طاقت' مال و متاع' اسباب دنیوی ان لوگوں سے بہت زیادہ رکھتے تھے۔ یہ تو ابھی ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے لیکن میرے عذاب کے بعد نہ مال کام آئے' نہ اولاد اور کنبے قبیلے کام آئے۔ نہ قوت و طاقت نے کوئی فائدہ دیا۔ برباد کر دیئے گئے۔ جیسے فرمایا وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ یعنی ہم نے انہیں قوت و طاقت دے رکھی تھی۔ آنکھیں اور کان بھی رکھتے تھے' دل بھی تھے لیکن میری آیتوں کے انکار پر جب عذاب آیا' اس وقت کسی چیز نے کچھ فائدہ نہ دیا۔ اور جس کے ساتھ مذاق اڑاتے تھے' اس نے انہیں گھیر لیا۔ کیا یہ لوگ زمین میں چل پھر کر اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام نہیں دیکھتے جو ان سے تعداد میں زیادہ طاقت میں بڑھے ہوئے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ رسولوں کے جھٹلانے کے باعث پیس دیئے گئے' جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے۔ تم غور کر لو! دیکھ لو کہ میں نے کس طرح اپنے رسولوں کی نصرت کی اور کس طرح جھٹلانے والوں پر اپنا عذاب اتارا؟

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

کہہ دے کہ میں تمہیں صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم خلوص کے ساتھ ضد چھوڑ کر دو دو مل کر یا تنہا تنہا کھڑے ہو کر سوچو تو سہی' تمہارے اس رفیق کو کوئی جنون نہیں۔ وہ تو تمہیں ایک بڑی سخت آفت کے آنے سے پہلے ہوشیار کرنے والا ہے ○

ضد اور ہٹ دھرمی کفار کا شیوہ: ☆☆ (آیت:۴۶) حکم ہوتا ہے کہ یہ کافر جو تجھے مجنون بتا رہے ہیں' ان سے کہہ کہ ایک کام تو کرو خلوص کے ساتھ' تعصب اور ضد کو چھوڑ کر ذرا سی دیر سوچو تو۔ آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کرو کہ کیا محمد مجنون ہے؟ اور ایمانداری سے ایک دوسرے کو جواب دے۔ ہر شخص تنہا تنہا بھی غور کرے اور دوسروں سے بھی پوچھے لیکن یہ شرط ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کو دماغ سے نکال کر تعصب اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر غور کرے۔ تمہیں خود معلوم ہو جائے گا' تمہارے دل سے آواز اٹھے گی کہ حقیقت میں حضورؐ کو جنون نہیں۔ بلکہ وہ تم سب کے خیر خواہ ہیں' دردمند ہیں۔ ایک آنے والے خطرے سے جس سے تم بے خبر ہو' وہ تمہیں آگاہ کر رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے تنہا اور جماعت سے نماز پڑھنے کا مطلب سمجھا ہے اور اس کے ثبوت میں ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں لیکن وہ حدیث ضعیف ہے۔ اس میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' میں تین چیزیں دیا گیا ہوں' جو مجھ سے پہلے کوئی نہیں دیا گیا۔ یہ میں فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں۔ میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا۔ مجھ سے پہلے کسی کے لئے وہ حلال نہیں ہوا۔ وہ مال غنیمت کو جمع کر کے جلا دیتے تھے اور میں ہر سرخ و سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں اور ہر نبی اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا۔ میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کی چیز بنا دی گئی ہے تاکہ

میں اس کی مٹی سے تیمم کرلوں اور جہاں بھی ہوں اور نماز کا وقت آ جائے' نماز ادا کرلوں - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اللہ کے سامنے باادب کھڑے ہو جایا کرو دو دو اور ایک ایک - اور ایک مہینہ کی راہ تک میری مدد صرف رعب سے کی گئی ہے - یہ حدیث سنداً ضعیف ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس میں آیت کا ذکر اور اسے جماعت سے یا الگ نماز پڑھ لینے کے معنی میں لے لینا یہ راوی کا اپنا قول ہو اور اس طرح بیان کر دیا گیا ہو کہ بظاہر وہ الفاظ حدیث کے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ حضورؐ کی خصوصیات کی حدیثیں بسند صحیح بہت سی مروی ہیں اور کسی میں بھی یہ الفاظ نہیں - واللہ اعلم -

آپ لوگوں کو اس عذاب سے ڈرانے والے ہیں جو ان کے آگے ہے اور جس سے یہ بالکل بے خبر بے فکری سے بیٹھے ہوئے ہیں -
صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نبی ﷺ ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور عرب کے دستور کے مطابق یا صباحاہ کہہ کر بلند آواز کی جو علامت تھی کہ کوئی شخص کسی اہم بات کے لئے بلا رہا ہے - عادت کے مطابق اسے سنتے ہی لوگ جمع ہو گئے - آپؐ نے فرمایا' اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن تمہاری طرف چڑھائی کر کے چلا آ رہا ہے اور عجب نہیں کہ صبح شام ہی تم پر حملہ کر دے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے بیک زبان جواب دیا کہ ہاں بیشک - ہم آپ کو سچا جانیں گے - آپؐ نے فرمایا' سنو میں تمہیں اس عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو تمہارے آگے ہے - یہ سن کر ابو لہب ملعون نے کہا' تیرے ہاتھ ٹوٹیں' کیا اسی کے لئے تو نے ہم سب کو جمع کیا تھا؟ اس پر سورۂ تَبَّتْ یَدَآ الخ اتری - یہ حدیثیں وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ کی تفسیر میں گزر چکی ہیں - مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نکلے اور ہمارے پاس آ کر تین مرتبہ آواز دی - فرمایا لوگو! میری اور اپنی مثال جانتے ہو؟ انہوں نے کہا' اللہ کو اور اس کے رسولؐ کو پورا علم ہے - آپؐ نے فرمایا' میری اور تمہاری مثال اس قوم جیسی ہے جن پر دشمن حملہ کرنے والا تھا - انہوں نے اپنا آدمی بھیجا کہ جا کر دیکھے اور دشمن کی نقل و حرکت سے انہیں مطلع کرے - اس نے جب دیکھا کہ دشمن ان کی طرف چلا آ رہا ہے اور قریب پہنچ چکا ہے تو وہ لپکتا ہوا قوم کی طرف بڑھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اطلاع پہنچانے سے پہلے ہی دشمن حملہ نہ کر دے - اس لئے اس نے راستے میں سے ہی اپنا کپڑا ہلانا شروع کیا کہ ہوشیار ہو جاؤ دشمن آ پہنچا' ہوشیار ہو جاؤ - دشمن آ پہنچا' تین مرتبہ یہی کہا - ایک اور حدیث میں ہے' میں اور قیامت ایک ساتھ ہی بھیجے گئے - قریب تھا کہ قیامت مجھ سے پہلے ہی آ جاتی -

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۴۷ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۴۸ قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝۴۹ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰي نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝۵۰

کہدے کہ جو بدلہ میں تم سے مانگوں' وہ تمہیں ہی دیا میرا بدلہ تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے - وہ ہر چیز پر حاضر اور مطلع ہے ○ کہدے کہ میرا رب حق (سچی وحی) نازل فرماتا ہے - وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے ○ کہدے کہ حق آ چکا - باطل نہ تو پہلی بار ابھرا نہ دوبارہ ابھر سکے گا ○ کہدے کہ اگر میں بہک جاؤں تو میرے بہکنے کا وبال مجھ ہی پر ہے اور اگر میں راہ ہدایت پر ہوں تو بہ سبب اس وحی کے جو میرے پروردگار نے مجھے کی ہے - وہ بڑا ہی سننے والا اور بہت ہی قریب ہے ○

مشرکین کو دعوت اصلاح: ☆☆ (آیت: ۴۷-۵۰) حکم ہو رہا ہے کہ مشرکوں سے فرما دیجئے کہ میں جو تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں' تمہیں احکام دینی پہنچا تا رہا ہوں' وعظ و نصیحت کرتا ہوں' اس پر میں تم سے کسی بدلے کا طالب نہیں ہوں - بدلہ تو اللہ ہی دے گا جو تمام چیزوں کی حقیقت سے مطلع ہے - میری تمہاری حالت اس پر خوب روشن ہے - پھر جو فرمایا اسی طرح کی آیت یُلْقِی الرُّوْحَ الخ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فرمان

سے حضرت جبرئیلؑ کو جس پر چاہتا ہے اپنی وحی کے ساتھ بھیجتا ہے۔ وہ حق کے ساتھ فرشتہ اتارتا ہے۔ وہ علام الغیوب ہے۔ اس پر آسمان وزمین کی کوئی چیز مخفی نہیں۔ اللہ کی طرف سے حق اور مبارک شریعت آ چکی۔ باطل پراگندہ اور بودا ہو کر برباد ہو گیا۔ جیسے فرمان ہے بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ہم باطل پر حق کو نازل فرما کر باطل کے ٹکڑے اڑا دیتے ہیں اور وہ چکنا چور ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ فتح مکہ والے دن جب بیت اللہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے بتوں کو اپنی کمان کی لکڑی سے گراتے جاتے تھے اور زبان سے فرماتے جاتے تھے وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا حق آ گیا' باطل مٹ گیا۔ وہ تھا ہی مٹنے والا۔ (بخاری۔ مسلم) باطل کا اور ناحق کا دباؤ سب ختم ہو گیا۔ بعض مفسرین سے مروی ہے کہ مراد یہاں باطل سے ابلیس ہے یعنی نہ اس نے کسی کو پہلے پیدا کیا نہ آئندہ کر سکے' نہ مردے کو زندہ کر سکے' نہ اسے کوئی اور ایسی قدرت حاصل ہے۔ بات تو یہ بھی سچی ہے لیکن یہاں یہ مراد نہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر جو فرمایا' اس کا مطلب یہ ہے کہ خیر سب کی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ کی بھیجی ہوئی وحی میں ہے۔ وہی سراسر حق ہے اور ہدایت وبیان ورشد ہے۔ گمراہ ہونے والے آپ ہی بگڑ رہے ہیں اور اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب کہ مفوضہ کا مسئلہ دریافت کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا' اسے میں اپنی رائے سے بیان کرتا ہوں۔ اگر صحیح ہو تو اللہ کی طرف سے ہے' اور اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے بری ہے۔ وہ اللہ اپنے بندوں کی باتوں کا سننے والا ہے' اور قریب ہے۔ پکارنے والے کی ہر پکار کو ہر وقت سنتا اور قبول فرماتا ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے اصحابؓ سے فرمایا' تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے۔ جسے تم پکار رہے ہو' وہ سمیع وقریب ومجیب ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَزِعُوا فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوا مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٥١﴾ وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٢﴾ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِن قَبْلُ ۖ وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِم مِّن قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ﴿٥٤﴾

تجھے سخت تعجب ہو اگر تو دیکھے کہ جب یہ کفار گھبرا رہے ہوں گے لیکن بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہو گی اور قریب ہی کی جگہ سے گرفتار کر لئے جائیں گے ○ اس وقت کہیں گے کہ ہم اس قرآن پر ایمان لائے لیکن اس قدر دور جگہ سے کیسے ہاتھ پہنچ سکتا ہے؟ ○ اس سے پہلے تو انہوں نے اس سے کفر کیا تھا اور دور دراز سے بن دیکھے ہی پھینکتے رہے ○ ان کی چاہتوں اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا جیسے کہ اس سے پہلے بھی ان جیسوں کے ساتھ کیا گیا۔ یہ تھے ہی شک وتردد میں ○

عذاب قیامت اور کافر: ☆☆ (آیت:۵۱-۵۴) اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے نبی کاش کہ آپ ان کافروں کی قیامت کے دن کی گھبراہٹ دیکھتے کہ ہر چند عذاب سے چھٹکارا چاہیں گے لیکن بچاؤ کی کوئی صورت نہیں پائیں گے۔ نہ بھاگ کر' نہ چھپ کر' نہ کسی کی حمایت سے' نہ کسی کی پناہ سے۔ بلکہ فوراً ہی قریب سے ہی پکڑ لئے جائیں گے۔ ادھر قبروں سے نکلے' ادھر پھانس لئے گئے۔ ادھر کھڑے ہوئے' ادھر گرفتار کر لئے گئے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ قتل واسیر ہوئے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ مراد قیامت کے دن کے عذاب ہیں۔ بعض کہتے ہیں' بنوعباس کی خلافت کے زمانے میں مکے مدینے کے درمیان ان لشکروں کا زمین میں دھنسایا جانا مراد ہے۔ ابن جریرؒ نے اسے بیان کر کے اس کی دلیل میں ایک حدیث وارد کی ہے جو بالکل ہی موضوع اور گھڑی ہوئی ہے۔ لیکن تعجب سا تعجب ہے کہ امام صاحب نے اس

کا موضوع ہونا بیان نہیں کیا۔ قیامت کے دن کہیں گے کہ ہم ایمان قبول کرتے ہیں اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ الخ کاش کہ تو دیکھتا جبکہ گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں کھڑے ہوں گے اور شرمندگی سے کہہ رہے ہوں گے کہ اللہ ہم نے دیکھ سن لیا' ہمیں یقین آ گیا۔ اب تو ہمیں پھر سے دنیا میں بھیج دے تو ہم دل سے مانیں گے۔ لیکن کوئی شخص جس طرح بہت دور کی چیز کو لینے کے لئے دور سے ہی ہاتھ بڑھائے اور اس کے ہاتھ نہیں آ سکتی' اسی طرح یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ آخرت میں وہ کام کرتے ہیں جو دنیا میں کرنا چاہیے تھا۔ تو آخرت میں ایمان لانا بے سود ہے۔ اب نہ دنیا میں لوٹائے جائیں نہ اس وقت کی گریہ وزاری' توبہ وفریاد' ایمان واسلام کچھ کام آئے گا۔ اس سے پہلے دنیا میں تو منکر رہے۔ نہ اللہ کو مانا نہ رسول پر ایمان لائے نہ قیامت کے قائل ہوئے یونہی جیسے کوئی بن دیکھے اندازے سے ہی نشانے پر تیر بازی کر رہا ہو' اسی طرح اللہ کی باتوں کو اپنے گمان سے ہی رد کرتے رہے۔ نبی کو کبھی کاہن کہہ دیا' کبھی شاعر بتا دیا۔ کبھی جادوگر کہا اور کبھی مجنون۔ صرف اٹکل پچو کے ساتھ قیامت کو جھٹلاتے رہے اور بے دلیل اوروں کی عبادت کرتے رہے' جنت دوزخ کا مذاق اڑاتے رہے' اب ایمان اور ان میں حجاب آ گیا۔ توبہ میں اور ان میں پردہ پڑ گیا۔ دنیا ان سے چھوٹ گئی۔ یہ دنیا سے الگ ہو گئے۔ ابن ابی حاتم میں یہاں پر ایک عجیب وغریب اثر نقل کیا ہے جسے ہم پورا ہی نقل کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بنو اسرائیل میں ایک فاتح شخص تھا جس کے پاس مال بہت تھا۔ جب وہ مر گیا اور اس کا لڑکا اس کا وارث ہوا تو بری طرح نافرمانیوں میں مال لٹانے لگا۔ اس کے چچاؤں نے اسے ملامت کی اور سمجھایا۔ اس نے غصے میں آ کر سب چیزیں بیچ کر روپیہ لے کر عین شجاجہ کے پاس آ کر ایک محل تعمیر کرا کر یہاں رہنے لگا۔ ایک روز زور کی آندھی اٹھی جس میں ایک بہت خوبصورت خوشبودار عورت اس کے پاس آ گری۔ اس نے اس سے پوچھا' تم کون ہو؟ اس نے کہا' بنی اسرائیلی شخص ہوں۔ کہا' یہ محل اور مال آپ کا ہے؟ اس نے کہا' ہاں۔ پوچھا آپ کی بیوی بھی ہے؟ کہا نہیں۔ کہا' پھر تم اپنی زندگی کا لطف کیا اٹھاتے ہو؟ اب اس نے پوچھا کہ کیا تمہارا خاوند ہے؟ اس نے کہا' نہیں۔ کہا' پھر مجھے قبول کرو' اس نے جواب دیا' میں یہاں سے میل بھر دور رہتی ہوں۔ کل تم یہاں سے اپنے ساتھ دن بھر کا کھانا پینا لے کر چلو اور میرے ہاں آؤ۔ راستے میں کچھ عجائبات دیکھو تو گھبرانا نہیں۔ اس نے قبول کیا اور دوسرے دن توشہ لے کر چلا۔ میل بھر دور جا کر ایک نہایت عالی شان محل دیکھا۔ دستک دینے سے ایک خوبصورت نوجوان شخص آیا' پوچھا آپ کون ہیں؟ جواب دیا کہ میں بنی اسرائیلی ہوں۔ کہا کیسے آئے ہیں؟ کہا' اس مکان کی مالکہ نے بلوایا ہے۔ پوچھا راستے میں کچھ ہولناک چیزیں بھی دیکھیں جواب دیا۔ ہاں اور اگر مجھے یہ کہا ہوا نہ ہوتا کہ گھبرانا مت تو میں ہول ودہشت سے ہلاک ہو گیا ہوتا۔ میں چلا ایک چوڑے راستے پر۔ پہنچا تو دیکھا کہ ایک کتیا منہ پھاڑے بیٹھی ہوئی ہے۔ میں گھبرا کر دوڑا تو دیکھا کہ مجھ سے آگے آگے وہ ہے اور اس کے پلے (بچے) اس کے پیٹ میں ہیں اور بھونک رہے ہیں۔ اس نوجوان نے کہا' تو اسے نہیں پائے گا۔ یہ تو آخر زمانے میں ہونے والی ایک بات کی مثال تجھے دکھائی گئی ہے کہ ایک نوجوان بوڑھے بڑوں کی مجلس میں بیٹھے گا اور ان سے اپنے راز کی پوشیدہ باتیں کرے گا۔ میں اور آگے بڑھا تو دیکھا' ایک سو بکریاں ہیں جن کے تھن دودھ سے پر ہیں۔ ایک بچہ ہے جو دودھ پی رہا ہے۔ جب دودھ ختم ہو جاتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ اور کچھ باقی نہیں رہا تو وہ منہ کھول دیتا ہے۔ گویا اور مانگ رہا ہے۔ اس نوجوان دربان نے کہا' تو اسے بھی نہیں پائے گا۔ یہ مثال تجھے بتائی گئی ہے ان بادشاہوں کی جو آخر زمانے میں آئیں گے۔ لوگوں سے سونا چاندی گھسیٹیں گے یہاں تک کہ سمجھ لیں گے کہ اب کسی کے پاس کچھ نہیں بچا تو بھی وہ ظلم وزیادتی کر کے منہ پھیلائے رہیں گے۔ اس نے کہا' میں اور آگے بڑھا تو میں نے ایک درخت نہایت تروتازہ' خوش رنگ اور خوش وضع دیکھا۔ میں نے اس کی ایک ٹہنی توڑنی چاہی تو دوسرے درخت سے آواز آئی کہ اے بندہ الہی! میری ڈالی توڑ جا۔ پھر تو ہر ایک درخت سے یہی آواز آنے لگی۔ دربان نے

کہا۔تو اسے بھی نہیں پائے گا۔

اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی یہاں تک کہ جب ایک مرد کی طرف سے کسی عورت کو پیغام جائے گا تو دس بیس عورتیں اسے اپنی طرف بلانے لگیں گی۔اس نے کہا' میں اور آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک دریا کے کنارے ایک شخص کھڑا ہوا ہے اور لوگوں کو پانی بھر بھر کر دے رہا ہے۔پھر اپنی مشک میں ڈالتا ہے لیکن اس میں ایک قطرہ بھی نہیں ٹھہرتا۔ دربان نے کہا' تو اسے بھی نہیں پائے گا۔اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں ایسے علماء اور واعظ ہوں گے جو لوگوں کو علم سکھائیں گے۔بھلی باتیں بتائیں گے لیکن خود عامل نہیں ہوں گے بلکہ خود گناہوں میں مبتلا رہیں گے۔پھر جو میں آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک بکری ہے۔ بعض لوگوں نے تو اس کے پاؤں پکڑ رکھے ہیں۔بعض نے دم تھام رکھی ہے۔بعض نے سینگ پکڑ رکھے ہیں' بعض اس پر سوار ہیں اور بعض اس کا دودھ دوہ رہے ہیں۔اس نے کہا' یہ مثال ہے دنیا کی جو اس کے پیر تھامے ہوئے ہیں۔یہ تو وہ ہیں جو دنیا سے گر گئے۔جنہیں یہ نہ ملی۔ جس نے سینگ تھام رکھے ہیں' یہ وہ ہے جو اپنا گزارہ کر لیتا ہے لیکن تنگی ترشی سے۔دم پکڑنے والے وہ ہیں جن سے دنیا بھاگ چکی ہے۔سوار وہ ہیں جو از خود تارک دنیا ہو گئے ہیں۔ہاں دنیا سے صحیح فائدہ اٹھانے والے وہ ہیں جنہیں تم نے اس بکری کا دودھ نکالتے ہوئے دیکھا۔انہیں خوشی ہو۔یہ مستحق مبارک باد ہیں۔اس نے کہا' میں اور آگے چلا تو دیکھا کہ ایک شخص ایک کنوے میں سے پانی کھینچ رہا ہے اور ایک حوض میں ڈال رہا ہے۔جس حوض میں سے پانی پھر کنویں میں چلا جاتا ہے۔اس نے کہا' یہ وہ شخص ہے جو نیک عمل کرتا ہے لیکن قبول نہیں ہوتے۔اس نے کہا' پھر میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک شخص نے دانے زمین میں بوئے' اسی وقت کھیتی تیار ہو گئی اور بہت اچھے نفیس گیہوں نکل آئے۔کہا' یہ وہ شخص ہے جس کی نیکیاں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔اس نے کہا' میں اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک شخص چت لیٹا پڑا ہے۔مجھ سے کہنے لگا' بھائی میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دو' واللہ جب سے پیدا ہوا ہوں' بیٹھا ہی نہیں۔میرے ہاتھ پکڑتے ہی وہ کھڑا ہو کر تیز دوڑا یہاں تک کہ میری نظروں سے پوشیدہ ہو گیا۔اس دربان نے کہا' یہ تیری عمر تھی جو جا چکی اور ختم ہو گئی۔میں ملک الموت ہوں اور جس عورت سے تو ملنے آیا ہے' اس کی صورت میں بھی میں ہی تھا' اللہ کے حکم سے تیرے پاس آیا تھا کہ تیری روح اس جگہ قبض کروں۔پھر تجھے جہنم رسید کروں۔

اس کے بارے میں یہ آیت وَ حِیۡلَ بَیۡنَهُمۡ الخ' نازل ہوئی۔یہ اثر غریب ہے اور اس کی صحت میں بھی نظر ہے۔آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ کافروں کی جب موت آتی ہے' ان کی روح حیات دنیا کی لذتوں میں اٹکی رہتی ہے لیکن موت مہلت نہیں دیتی اور ان کی خواہش اور ان کے درمیان وہ حائل ہو جاتا ہے۔جیسے اس مغرور و مفتون شخص کا حال ہوا کہ گیا تو عورت ڈھونڈھنے کو اور ملاقات ہوئی ملک الموت سے۔امید پوری ہونے سے پہلے روح پرواز کر گئی۔پھر فرماتا ہے' ان سے پہلے کی امتوں کے ساتھ بھی یہی کیا گیا۔وہ بھی موت کے وقت زندگی اور ایمان کی آرزو کرتے رہے۔جو محض بے سود تھی۔جیسے فرمان عالی شان ہے فَلَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا الخ جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے' ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس جس کو ہم شریک الٰہی بتاتے تھے' ان سب سے ہم انکار کرتے ہیں لیکن اس وقت ان کے ایمان نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ان سے پہلوں میں بھی یہی طریقہ الٰہی جاری رہا' کفار نفع سے محروم ہی ہیں۔یہاں فرمایا کہ دنیا میں تو زندگی بھر شک شبہ میں اور تردد میں ہی رہے۔اسی وجہ سے عذاب کے دیکھنے کے بعد کا ایمان بے کار رہا۔حضرت قتادہؒ کا یہ قول آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ شبہات اور شکوک سے بچو۔اس پر جس کی موت آئی' وہ قیامت کے دن بھی اسی پر اٹھایا جائے گا اور جو یقین پر مرا ہے' اسے یقین پر ہی اٹھایا جائے گا۔ وَاللّٰهُ سُبۡحَانَهٗ وَ تَعَالٰی الۡمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے لطف و رحم سے سورۂ سبا کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ فاطر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ مَّثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾

ساتھ نام اللہ بخشش ومہربانی والے کے

اس معبود برحق کے لئے تمام تر تعریفیں سزاوار ہیں جو ابتداً آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا اور دو دو تین تین چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغام پہنچانے والا بنانے والا ہے۔ مخلوق میں جو چاہے زیادتی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے ○

(آیت:۱) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' فَاطِر کے بالکل ٹھیک معنی میں نے سب سے پہلے ایک اعرابی کی زبان سے سن کر معلوم کئے۔ وہ اپنے ایک ساتھی اعرابی سے جھگڑتا ہوا آیا۔ ایک کنوے کے بارے میں ان کا اختلاف تھا تو اعرابی نے کہا اَنَا فَطَرۡتُھَا یعنی پہلے پہل میں نے ہی اسے بنایا ہے پس معنی یہ ہوئے کہ ابتداً بے نمونہ صرف اپنی قدرت کاملہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ ضحاکؒ سے مروی ہے کہ فاطر کے معنی خالق کے ہیں۔ اپنے اور اپنے نبیوں کے درمیان قاصد اس نے اپنے فرشتوں کو بنایا ہے۔ جو پروالے ہیں' اڑتے ہیں تاکہ جلدی سے اللہ کا پیغام اس کے رسولوں تک پہنچا دیں۔ ان میں سے بعض دو پروں والے ہیں۔ بعض کے تین تین ہیں۔ بعض کے چار چار پر ہیں۔ بعض ان سے بھی زیادہ ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل کو دیکھا۔ ان کے چھ سو پر تھے اور ہر دو پر کے درمیان مشرق ومغرب جتنا فاصلہ تھا۔ یہاں بھی فرماتا ہے' رب جو چاہے اپنی مخلوق میں زیادتی کرے۔ جس سے چاہتا ہے' اس سے بھی زیادہ پر کر دیتا ہے۔ اور کائنات میں جو چاہے رچاتا ہے۔ اس سے مراد اچھی آواز بھی لی گئی ہے۔ چنانچہ ایک شاذ قراءت فِی الۡحَلۡقِ ''ح'' کے ساتھ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا مُمۡسِکَ لَہَا ۚ وَ مَا یُمۡسِکۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲﴾ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ ؕ ہَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰہِ یَرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۫ۖ فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۳﴾

اللہ تعالیٰ اپنی جس رحمت کو لوگوں کے لئے کھول دے' اسے بند کرنے والا کوئی نہیں اور جسے وہ روک لے' اسے اس کے سوا بھیجنے والا کوئی نہیں۔ وہ غالب اور باحکمت ہے ○ لوگو تم پر جو انعام اللہ نے کئے ہیں' انہیں یاد رکھو۔ کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی پہنچائے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں الٹے جاتے ہو ○

اللہ ہر چیز پر غالب ہے: ☆☆ (آیت:۲) اللہ تعالیٰ کا چاہا ہوا سب کچھ ہو کر رہتا ہے۔ بغیر اس کی چاہت کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جو وہ دے' اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ روک لے' اسے کوئی دینے والا نہیں۔ نماز فرض کے سلام کے بعد اللہ کے رسول اللہ ﷺ ہمیشہ یہ کلمات پڑھتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه' لَا شَرِيْكَ لَه' لَه' الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِىَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّمِنْكَ الْجَدُّ۔ اور حضورؐ فضول گوئی اور کثرت سوال اور مال کی بربادی سے منع فرماتے تھے اور آپ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور ماؤں کی نافرمانیوں کرنے اور خود لینے اور دوسروں کو نہ دینے سے بھی روکتے تھے۔ (بخاری۔ مسلم وغیرہ)

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه کہہ کر یہ فرماتے اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَىْءٍ بَعْدُ اَللّٰهُمَّ اَهْلُ الثَّنَآءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِىَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ اسی آیت جیسی آیت وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ الخ ہے اور بھی اس کی نظیر کی آیتیں بہت سی ہیں۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بارش برستی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے' ہم پر فتح کے تارے سے بارش برسائی گئی۔ پھر اسی آیت کی تلاوت کرتے۔ (ابن ابی حاتم)

(آیت:۳) اس بات کی دلیل یہاں ہو رہی ہے کہ عبادتوں کے لائق صرف اللہ ہی کی ذات ہے کیونکہ خالق و رازق صرف وہی ہے۔ پھر اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا فاش غلطی ہے۔ دراصل اس کے سوا لائق عبادت اور کوئی نہیں۔ پھر تم اس واضح دلیل اور ظاہر برہان کے بعد کیسے بہک رہے ہو؟ اور دوسروں کی عبادت کی طرف جھکے جاتے ہو؟ واللہ اعلم۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۫ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تجھ سے پہلے کے تمام رسول بھی جھٹلائے جا چکے ہیں۔ تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تمہیں زندگانی دنیا دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز شیطان تمہیں غفلت میں ڈالے ○ یاد رکھو' شیطان تمہارا دشمن ہے۔ تم اسے دشمن ہی جانو۔ وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لئے ہی بلاتا ہے کہ وہ سب جہنم واصل ہو جائیں ○

مایوسی کی ممانعت: ☆☆ (آیت:۴-۶) اے نبی ﷺ اگر آپ کے زمانے کے کفار آپ کی مخالفت کریں اور آپ کی بتائی ہوئی توحید اور خود آپ کی سچی رسالت کو جھٹلائیں تو آپ شکستہ دل نہ ہو جایا کریں۔ اگلے نبیوں کے ساتھ بھی یہی ہوتا رہا۔ سب کاموں کا مرجع اللہ کی طرف ہے۔ وہ سب کو ان کے تمام کاموں کے بدلے دے گا اور سزا جزا سب کچھ ہو گی' لوگو قیامت کا دن حق ہے۔ وہ یقیناً آنے والا ہے۔ وہ وعدہ اٹل ہے۔ وہاں کی نعمتوں کے بدلے یہاں کے فانی عیش پر الجھ نہ جاؤ۔ دنیا کی ظاہری عیش کہیں تمہیں وہاں کی حقیقی خوشی سے محروم نہ کر

دے۔اسی طرح شیطان مکار سے بھی ہوشیار رہنا۔اس کے چلتے پھرتے جادو میں نہ پھنس جانا۔اس کی جھوٹی اور چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اللہ رسول کے حق کلام کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔سورۂ لقمان کے آخر میں بھی یہی فرمایا ہے۔پس غرور یعنی دھوکے باز یہاں شیطان کو کہا گیا ہے۔جب مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان قیامت کے دن دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا۔جس کے اندرونی حصے میں رحمت ہوگی اور ظاہری حصے میں عذاب ہوگا اس وقت منافقین مومنین سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہ تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ساتھی تو تھے لیکن تم نے تو اپنے تئیں فتنے میں ڈال دیا تھا اور سوچتے ہی رہے۔شک شبہ دور ہی نہ کیا۔خواہشوں کو پورا کرنے میں ڈوبے رہے۔یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور دھوکے باز شیطان نے تمہیں بہلاوے میں ہی رکھا۔اس آیت میں بھی شیطان کو غرور کہا گیا ہے' پھر شیطانی دشمنی کو بیان کیا کہ وہ تو تمہیں مطلع کر کے تمہاری دشمنی اور بربادی کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہے۔پھر تم کیوں اس کی باتوں میں آ جاتے ہو؟ اور اس کے دھوکے میں پھنس جاتے ہو؟ اس کی اور اس کی فوج کی تو عین تمنا ہے کہ وہ تمہیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ کر جہنم میں لے جائے۔اللہ تعالیٰ قوی و عزیز سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں شیطان کا دشمن ہی رکھے اور اس کے مکر سے ہمیں محفوظ رکھے اور اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنتوں کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اور دعاؤں کا قبول فرمانے والا ہے۔جس طرح اس آیت میں شیطان کی دشمنی کا بیان کیا گیا ہے' اسی طرح سورۂ کہف کی آیت وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ الخ میں بھی اس کی دشمنی کا ذکر ہے۔

(آیت:۷-۸) اوپر بیان گزرا تھا کہ شیطان کے تابعداروں کی جگہ جہنم ہے۔اس لئے یہاں بیان ہو رہا ہے کہ کفار کے لئے سخت عذاب ہے۔اس لئے کہ یہ شیطان کے تابع اور رحمان کے نافرمان ہیں۔مومنوں سے جو گناہ بھی ہو جائیں' بہت ممکن ہے کہ اللہ انہیں معاف فرما دے اور جو نیکیاں ان کی ہیں' ان پر انہیں بڑا بھاری اجر و ثواب ملے گا' کافر اور بدکار لوگ اپنی بداعمالیوں کو نیکیاں سمجھ بیٹھے ہیں تو ایسے گمراہ لوگوں پر تیرا کیا بس ہے؟ ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ ہے۔پس تجھے ان پر غمگین نہ ہونا چاہیے۔مقدرات الٰہی جاری ہو چکے ہیں۔مصلحت مالک الملوک کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ہدایت و ضلالت میں بھی اس کی حکمت ہے۔کوئی کام اس سچے حکیم کا حکمت سے خالی نہیں۔لوگوں کے تمام افعال اس پر واضح ہیں۔آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا۔پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔پس جس پر وہ نور پڑ گیا' وہ دنیا میں آ کر سیدھی راہ چلا اور جسے اس دن وہ نور نہ ملا' وہ دنیا میں آ کر بھی ہدایت سے بہرہ ور نہ ہو سکا۔اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے علم کے مطابق قلم چل کر خشک ہو گیا۔(ابن ابی حاتم) اور روایت میں ہے کہ ہمارے پاس حضورؐ آئے اور فرمایا' اللہ کے لئے ہر تعریف ہے جو گمراہی سے ہدایت پر لاتا ہے اور جس پر چاہتا ہے' گمراہی خلط ملط کر دیتا ہے۔یہ حدیث بھی بہت ہی غریب ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۸ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹

جو لوگ کافر ہوئے ان کے لئے سخت سزا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے ○ کیا پس وہ شخص جس کے لئے اس کے برے اعمال زینت دیئے گئے ہیں اور وہ انہیں اچھے اعمال سمجھ رہا ہے یقین مانو کہ اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے راہ راست دکھاتا ہے پس تجھے ان پر غم کھا کھا کر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالنی چاہئے۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے یقیناً اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہے ○ اللہ ہی ہوائیں چلاتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ پھر ہم بادلوں کو خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں اور اس سے اس زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح دوبارہ جی اٹھنا بھی ہے ○

موت کے بعد زندگی: ☆☆ (آیت:۹) قرآن کریم میں موت کے بعد کی زندگی پر عموماً خشک زمین کے ہرا ہونے سے استدلال کیا گیا ہے۔ جیسے سورۂ حج وغیرہ میں ہے۔ بندوں کے لئے اس میں پوری عبرت اور مردوں کے زندہ ہونے کی پوری دلیل اس میں موجود ہے کہ زمین بالکل سوکھی پڑی ہے کوئی تروتازگی اس میں نظر نہیں آتی لیکن بادل اٹھتے ہیں پانی برستا ہے کہ اس کی خشکی تازگی سے اور اس کی موت زندگی سے بدل جاتی ہے۔ یا تو ایک تنکا نظر نہ آتا تھا یا کوسوں تک ہریاول ہی ہریاول ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بنو آدم کے اجزاء قبروں میں بکھرے پڑے ہوں گے۔ ایک سے ایک الگ ہوگا۔ لیکن عرش کے نیچے سے پانی برستے ہی تمام جسم قبروں میں سے اگنے لگیں گے۔ جیسے زمین سے دانے اگ آتے ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے ابن آدم تمام کا تمام گل سڑ جاتا ہے لیکن ریڑھ کی ہڈی نہیں سڑتی۔ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے ترکیب دیا جائے گا۔ یہاں بھی نشان بتا کر فرمایا کہ اسی طرح موت کے بعد کی زیست ہے۔ سورۂ حج کی تفسیر میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ ابورزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ حضورؐ اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اور اس کی مخلوق میں اس بات کی کیا دلیل ہے؟ آپؐ نے فرمایا اے ابورزین کیا تم اپنی بستی کے آس پاس کی زمین کے پاس سے اس حالت میں نہیں گزرے کہ وہ خشک بنجر پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر دوبارہ تم گزرتے ہو تو دیکھتے ہو کہ وہ سبزہ زار بنی ہوئی ہے اور تازگی کے ساتھ لہرا رہی ہے۔ حضرت ابورزین نے جواب دیا ہاں حضورؐ یہ تو اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا بس اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر دے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝۱۰ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۱۱

جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ ہی کی ساری عزت ہے۔ تمام تر ستھرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل بھی جسے وہ بلند کرتا ہے۔ جو لوگ برائیوں کے داؤ گھات میں لگے رہتے ہیں ان کے لئے سخت تر عذاب ہے اور ان کا یہ مکر برباد ہو جائے گا ○ لوگو اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے پھر تمہیں مرد عورت بنا دیا ہے۔ عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا تولد ہونا سب اس کے علم سے ہی ہے اور جو بڑی عمر والا عمر دیا جائے اور جس کسی کی عمر گھٹے وہ سب کتاب میں لکھا

ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر یہ سب بالکل آسان ہے ○

عزت اللہ کے پاس ہے: ☆☆ (آیت:۱۰-۱۱) جو شخص دنیا اور آخرت میں باعزت رہنا چاہتا ہوا سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری کرنی چاہیے۔ وہی اس مقصد کا پورا کرنے والا ہے دنیا اور آخرت کا مالک وہی ہے۔ ساری عزتیں اسی کی ملکیت میں ہیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ جو لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستیاں کرتے ہیں کہ ان کے پاس ہماری عزت ہو وہ عزت کے حصول سے مایوس ہو جائیں کیونکہ عزتیں تو اللہ کے قبضے میں ہیں۔ اور جگہ فرمان عالی شان ہے تجھے ان کی باتیں غم ناک نہ کریں تمام تر عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

اور آیت میں اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے رسولؐ کے لئے اور ایمان والوں کے لئے لیکن منافق بے علم ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں بتوں کی پرستش میں عزت نہیں۔ عزت والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس بقول قتادہؒ آیت کا یہ مطلب ہے کہ طالب عزت کو احکام الٰہی کی تعمیل میں مشغول رہنا چاہیے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو یہ جاننا چاہتا ہو کہ کس کے لئے عزت ہے وہ جان لے کہ ساری عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ذکر تلاوت دعا وغیرہ پاک کلمے اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جتنی حدیثیں تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں سب کی تصدیق کتاب اللہ سے پیش کر سکتے ہیں۔ سنو! مسلمان بندہ جب سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلِلّٰهُ اِلَّا اللّٰهَ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ پڑھتا ہے تو ان کلمات کو فرشتہ اپنے پر تلے لے کر آسمان پر چڑھ جاتا ہے۔ فرشتوں کے جس مجمع کے پاس سے گزرتا ہے وہ مجمع ان کلمات کے کہنے والے کے لئے استغفار کرتا ہے یہاں تک کہ رب العالمین عزوجل کے سامنے یہ کلمات پیش کئے جاتے ہیں۔ پھر آپ نے اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُه کی تلاوت کی۔ (ابن جریر)

حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اللّٰهُ اَكْبَرُ عرش کے اردگرد آہستہ آہستہ آواز نکالتے رہتے ہیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ اپنے کہنے والا کا ذکر اللہ کے سامنے کرتے رہتے ہیں اور نیک اعمال خزانوں میں محفوظ رہتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو لوگ اللہ کا جلال اس کی تسبیح اس کی حمد اس کی بڑائی اس کی وحدانیت کا ذکر کرتے رہتے ہیں ان کے لئے ان کے یہ کلمات عرش کے آس پاس اللہ کے سامنے ان کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ کوئی نہ کوئی تمہارا ذکر تمہارے رب کے سامنے کرتا رہے؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ پاک کلموں سے مراد ذکر الٰہی ہے اور عمل صالح سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے۔ پس جو شخص ذکر الٰہی اور ادائے فریضہ کرے اس کا عمل اس کے ذکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھاتا ہے اور جو ذکر کرے لیکن فریضہ ادا نہ کرے اس کا کلام اس کے عمل پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ کلمہ طیب کو عمل صالح لے جاتا ہے۔ اور بزرگوں سے بھی یہی منقول ہے بلکہ ایاس بن معاویہ قاضیؒ فرماتے ہیں قول بغیر عمل کے مردود ہے۔ برائیوں کے گھات میں لگنے والے وہ لوگ ہیں جو مکاری اور ریاکاری سے اعمال کرتے ہیں۔ لوگوں پر گویہ ظاہر ہو کہ وہ اللہ کی فرماں برداری کرتے ہیں لیکن دراصل اللہ کے نزدیک وہ سب سے زیادہ برے ہیں۔ جو نیکیاں صرف دکھاوے کی کرتے ہیں۔ یہ ذکر اللہ بہت ہی کم کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں اس سے مراد مشرک ہیں۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ مشرک اس میں بطریق اولیٰ داخل ہیں۔ ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر فاسد و باطل ہے۔ ان کا جھوٹ آج نہیں تو کل کھل جائے گا۔ عقل مند ان کے مکر سے واقف ہو جائیں گے۔ جو شخص جو کچھ کرے اس کا اثر اس کے چہرے پر ہی ظاہر ہو جاتا ہے اس کی زبان اسی رنگ سے رنگ دی جاتی ہے۔ جیسا باطن ہوتا ہے

اسی کا عکس ظاہر پر بھی پڑتا ہے۔ ریاکار کی بے ایمانی لمبی مدت تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی ہاں کوئی بے وقوف اس کے دام میں پھنس جائے تو اور بات ہے۔ مومن پورے عقل منداور کامل دانا ہوتے ہیں۔ وہ ان دھوکے بازوں سے بخوبی آگاہ ہو جاتے ہیں اور اس عالم الغیب اللہ پر تو کوئی بات بھی چھپ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور ان کی نسل کو ایک ذلیل پانی سے جاری رکھا۔ پھر تمہیں جوڑا جوڑا بنایا یعنی مرد وعورت۔ یہ بھی اس کا لطف و کرم اور انعام و احسان ہے کہ مردوں کے لئے بیویاں بنائیں جو ان کے سکون و راحت کا سبب ہیں۔ ہر حاملہ کے حمل کی اور ہر بچے کے تولد ہونے کی اسے خبر ہے بلکہ ہر پتے کے جھڑنے اور اندھیرے میں پڑے ہوئے دانے اور ہر تر و خشک چیز کا اسے علم ہے بلکہ اس کی کتاب میں وہ لکھا ہوا ہے۔ اسی آیت جیسی اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى الخ ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر بھی گزر چکی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ عالم الغیب کو یہ بھی علم ہے کہ کس نطفے کو لمبی عمر ملنے والی ہے۔ یہ بھی اس کے پاس لکھا ہوا ہے وَمَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖ میں ہ کی ضمیر کا مرجع جنس ہے۔ عین ہی نہیں اس لئے کہ طول عمر کتاب میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی عمر سے کمی نہیں ہوتی۔ جنس کی طرف بھی ضمیر لوٹتی ہے۔

جیسے عرب میں کہا جاتا ہے عِنْدِیْ ثَوْبٌ وَ نِصْفُهٗ یعنی میرے پاس ایک کپڑا ہے اور دوسرے کپڑے کا آدھا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جس شخص کے لئے اللہ نے طویل عمر مقدر کی ہے وہ اسے پوری کر کے ہی رہے گا لیکن وہ لمبی عمر میری کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ وہیں تک پہنچے گی اور جس کے لئے میں نے کم عمر مقرر کی ہے اس کی حیات اسی عمر تک پہنچے گی۔ یہ سب کچھ اللہ کی پہلی کتاب میں لکھی ہوئی موجود ہے اور رب پر یہ سب کچھ آسان ہے۔ عمر کے ناقص ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو نطفہ تمام ہونے سے پہلے ہی گر جاتا ہے وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔ بعض انسان سو سو سال کی عمر پاتے ہیں اور بعض پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں۔ ساٹھ سال سے کم عمر میں مرنے والا بھی ناقص عمر والا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ماں کے پیٹ میں عمر کی لمبائی یا کمی لکھ لی جاتی ہے۔ ساری مخلوق کی یکساں عمر نہیں ہوتی۔ کوئی لمبی عمر والا کوئی کم عمر والا۔ یہ سب اللہ کے ہاں لکھا ہوا ہے اور اسی کے مطابق ظہور میں آ رہا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اجل لکھی گئی ہے اور اس میں سے جو گزر رہی ہے سب علم الٰہی میں ہے اور اس کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جو یہ چاہے کہ اس کی روزی اور عمر بڑھے وہ صلہ رحمی کیا کرے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں کسی کی اجل آ جانے کے بعد اسے مہلت نہیں ملتی۔ زیادتی عمر سے مراد نیک اولاد کا ہونا ہے جس کی دعائیں اسے اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر میں پہنچتی رہتی ہیں۔ یہی زیادتی عمر ہے۔ یہ اللہ پر آسان ہے۔ اس کا علم اس کے پاس ہے۔ اس کا علم تمام مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔ اس پر کچھ مخفی نہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور برابر نہیں دو دریا۔ یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا ہے۔ پینے میں رچتا پچتا اور یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا۔ تم ان دونوں میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیورات نکالتے ہو جنہیں تم پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کہ بڑی بڑی کشتیاں پانی کو چیرنے پھاڑنے والی ان دریاؤں میں ہیں تاکہ تم اس کا فضل ڈھونڈو اور کیا عجب کہ تم اس کا شکر

بھی کرو ○

قدرت الٰہی: ☆☆ (آیت:۱۲) مختلف قسم کی چیزوں کی پیدائش کو بیان فرما کر اپنی زبردست قدرت کو ثابت کر رہا ہے۔ دو قسم کے دریا پیدا کر دیئے۔ ایک کا تو صاف ستھرا میٹھا اور عمدہ پانی جو آبادیوں میں جنگلوں میں برابر بہہ رہا ہے اور دوسرا ساکن دریا جس کا پانی کھاری اور کڑوا ہے جس میں بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز چل رہے ہیں اور دونوں قسم کے دریا میں سے قسم قسم کی مچھلیاں تم نکالتے ہو اور تر و تازہ گوشت کھاتے رہتے ہیں پھر ان میں سے زیور نکالتے ہو یعنی لولو اور مرجان۔ یہ کشتیاں برابر پانی کو کاٹتی رہتی ہیں۔ ہواؤں کا مقابلہ کر کے چلتی رہتی ہیں تا کہ تم اس کا فضل تلاش کر لو۔ تجارتی سفر ان پر طے کرو۔ ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ سکو تا کہ تم اپنے رب کا شکر کرو کہ اس نے یہ سب چیزیں تمہاری تابع فرمان بنا دیں۔ تم سمندر سے دریاؤں سے کشتیوں سے نفع حاصل کرتے ہو جہاں جانا چاہو پہنچ جاتے ہو۔ اس قدرت والے اللہ نے زمین و آسمان کی چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ یہ صرف اس کا ہی فضل و کرم ہے۔

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٤﴾

ع ۷ / ۱۴

رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ آفتاب و ماہتاب کو اسی نے کام میں لگا دیا ہے۔ ہر ایک معیاد معین پر چل رہا ہے یہی ہے اللہ تم سب کا پالنے والا۔ اسی کی سلطنت ہے۔ جنہیں تم اس کے سوا پکار رہے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ○ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو قبول نہیں کر سکتے بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔ تجھے کوئی بھی حق تعالیٰ خبردار جیسی خبریں نہ دے گا ○

(آیت:۱۳-۱۴) اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرما رہا ہے کہ اس نے رات کو اندھیرے والی اور دن کو روشنی والا بنایا ہے۔ کبھی کی راتیں بڑی کبھی کے دن بڑے۔ کبھی دونوں یکساں۔ کبھی جاڑے ہیں' کبھی گرمیاں ہیں۔ اسی نے سورج اور چاند کو تھمے ہوئے اور چلتے پھرتے ستاروں کو مطیع کر رکھا ہے۔ مقدار معین پر اللہ کی طرف سے مقرر شدہ چال پر چلتے رہتے ہیں۔ پوری قدرتوں والے اور کامل علم والے اللہ نے یہ نظام قائم کر رکھا ہے جو برابر چل رہا ہے۔ اور وقت مقررہ یعنی قیامت تک یونہی جاری رہے گا۔ جس اللہ نے یہ سب کیا ہے' وہی دراصل لائق عبادت ہے اور وہی سب کا پالنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ جن بتوں کو اور اللہ کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں خواہ وہ فرشتے ہی کیوں نہ ہوں اور اللہ کے پاس بڑے درجے رکھنے والے ہی کیوں نہ ہوں لیکن سب کے سب اس کے سامنے محض مجبور اور بالکل بے بس ہیں۔ کھجور کی گٹھلی کے اوپر کے باریک چھلکے جیسی چیز کا بھی انہیں اختیار نہیں۔ آسمان و زمین کی حقیر سے حقیر چیز کے بھی وہ مالک نہیں' جن جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری آواز سنتے ہی نہیں۔ تمہارے یہ بت وغیرہ بے جان چیزیں کان والی نہیں جو سن سکیں۔ بے جان چیزیں بھی کہیں کسی کی سن سکتی ہیں۔ اور بالفرض تمہاری پکار سن بھی لیں تو چونکہ ان کے قبضے میں کوئی چیز نہیں' اس لئے وہ تمہاری حاجت برآری کر نہیں سکتے۔ قیامت کے دن تمہارے اس شرک سے وہ انکاری ہو جائیں گے۔ تم سے بیزار نظر آئیں گے۔

جیسے فرمایا وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ یعنی اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک ان کی پکار کو نہ قبول کر سکیں بلکہ ان کی دعا سے وہ محض بے خبر اور غافل ہیں اور میدان محشر میں وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادتوں سے منکر ہو جائیں گے۔ اور آیت میں ہے وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا الخ یعنی اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے باعث عزت بنیں لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا بلکہ وہ ان کی عبادتوں سے بھی منکر ہو جائیں گے اور ان کے مخالف اور دشمن بن جائیں گے۔ بھلا بتاؤ تو اللہ جیسی سچی خبریں اور کون دے سکتا ہے؟ جو اس نے فرمایا' وہ یقیناً ہو کر ہی رہے گا۔ جو کچھ ہونے والا ہے' اس سے اللہ تعالیٰ پورا خبردار ہے۔ اس جیسی خبر کوئی اور نہیں دے سکتا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اے لوگو! تم سب اللہ کی طرف محتاج اور فقیر ہو اور اللہ تعالیٰ غنی اور تعریفوں والا ہے ○ اگر وہ چاہے تو تم سب کو برباد کر دے اور نئی مخلوق لا دے ○ اللہ پر یہ کام کوئی مشکل نہیں ○ کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اگر کوئی گراں بار دوسرے کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائے گا گو قرابت دار ہی ہو۔ تو صرف انہی کو آگاہ کر سکتا ہے جو غائبانہ طور پر اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ جو بھی پاک ہو جائے' وہ اپنے ہی نفع کے لئے پاک ہوگا۔ لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے ○

اللہ قادر مطلق: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۸) اللہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے۔ اور تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ وہ غنی ہے اور سب فقیر ہیں۔ وہ بے پرواہ ہے اور سب اس کے حاجت مند ہیں۔ اس کے سامنے ہر کوئی ذلیل ہے اور وہ عزیز ہے۔ کسی قسم کی حرکت و سکون پر کوئی قادر نہیں۔ سانس تک لینا کسی کے بس میں نہیں۔ مخلوق بالکل ہی بے بس ہے۔ غنی' بے پرواہ اور بے نیاز صرف اللہ ہی ہے۔ تمام باتوں پر قادر وہی ہے۔ وہ جو کرتا ہے' اس میں قابل تعریف ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت و تعریف سے خالی نہیں۔ اپنے قول میں' اپنے فعل میں' اپنی شرع میں' تقدیروں کے مقرر کرنے میں غرض ہر طرح سے وہ بزرگ اور لائق حمد و ثنا ہے۔ لوگو اللہ کی قدرت ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو غارت و برباد کر دے اور تمہارے عوض دوسرے لوگوں کو لائے' رب پر یہ کام کچھ مشکل نہیں' قیامت کے دن کوئی دوسرے کے گناہ اپنے اوپر نہ لے گا۔ اگر کوئی گنہگار اپنے بعض یا سب گناہ دوسرے پر لادنا چاہے تو یہ چاہت بھی اس کی پوری نہ ہوگی۔

کوئی نہ ملے گا کہ اس کا بوجھ بٹائے۔ عزیز و اقارب بھی منہ موڑ لیں گے اور پیٹھ پھیر لیں گے گو ماں باپ اور اولاد ہو۔ ہر شخص اپنے حال میں مشغول ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں' پڑوسی پڑوسی کے پیچھے پڑ جائے گا' اللہ سے عرض کرے گا کہ اس سے پوچھ تو سہی کہ اس نے مجھ سے اپنا دروازہ کیوں بند کر لیا تھا؟ کافر مومن کے پیچھے لگ جائے گا اور جو احسان اس نے دنیا میں کئے تھے'

وہ یاد دلا کر کہے گا کہ آج میں تیرا محتاج ہوں۔ مومن بھی اس کی سفارش کرے گا اور ہوسکتا ہے کہ اس کا عذاب قدرے کم ہو جائے گو جہنم سے چھٹکارا محال ہے۔ باپ اپنے بیٹے کو اپنے احسان جتائے گا اور کہے گا کہ رائی کے ایک دانے برابر مجھے آج اپنی نیکیوں میں سے دے دے۔ وہ کہے گا' ابا آپ چیز تو تھوڑی سی طلب فرما رہے ہیں لیکن آج تو جو کھٹکا آپ کو ہے' وہی مجھے بھی ہے۔ میں تو کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ پھر بیوی کے پاس جائے گا' اس سے کہے گا' میں نے تیرے ساتھ دنیا میں کیسے سلوک کئے ہیں؟ وہ کہے گی' بہت ہی اچھے۔ یہ کہے گا' آج میں تیرا محتاج ہوں۔ مجھے ایک نیکی دے دے تاکہ عذابوں سے چھوٹ جاؤں۔ جواب ملے گا کہ سوال تو بہت ہلکا ہے لیکن جس خوف میں تم ہو' وہی ڈر مجھے بھی لگا ہوا ہے۔ میں تو کچھ بھی سلوک آج نہیں کر سکتی۔

قرآن کریم کی اور آیت میں ہے لَا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِہٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِہٖ شَیْئًا یعنی آج نہ باپ بیٹے کے کام آئے نہ بیٹا باپ کے کام آئے۔ اور فرمان ہے یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ الخ' آج انسان اپنے بھائی سے' ماں سے' باپ سے' بیوی سے اور اولاد سے بھاگتا پھرے گا۔ ہر شخص اپنے حال میں مست و بے خود ہوگا۔ ہر ایک دوسرے سے غافل ہوگا' تیرے وعظ و نصیحت سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو عقل مند اور صاحب فراست ہوں۔ جو اپنے رب سے قدم قدم پر خوف کرنے والے اور اطاعت الٰہی کرتے ہوئے' نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں۔ نیک اعمال خود تم ہی کو نفع دیں گے۔ جو پاکیزگیاں تم کرو' ان کا نفع تم ہی کو پہنچے گا۔ آخر اللہ کے پاس جانا ہے' اس کے سامنے پیش ہونا ہے' حساب کتاب اس کے سامنے ہونا ہے' اعمال کا بدلہ وہ خود دینے والا ہے۔

وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾

برابر نہیں اندھا اور دیکھتا اور نہ اندھیرے اور نہ اجالا ○ اور نہ سایہ اور نہ لو (دھوپ) ○ اور نہیں برابر ہوتے زندے اور نہ مردے۔ اللہ جسے چاہے سنا دے۔ تو نہیں نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں ○

ایک موازنہ: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۲) ارشاد ہوتا ہے کہ مومن و کافر برابر نہیں۔ جس طرح اندھا اور دیکھتا' اندھیرا اور روشنی' سایہ اور دھوپ' زندہ اور مردہ برابر نہیں۔ جس طرح ان چیزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے' اسی طرح ایمان دار اور بے ایمان میں بھی بے انتہا فرق ہے۔ مومن آنکھوں والے اجالے' سائے اور زندہ کی مانند ہے۔ برخلاف اس کے کافر اندھے' اندھیرے اور بھرپور لو والی گرمی کی مانند ہے۔ جیسے فرمایا اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ الخ یعنی جو مردہ تھا' پھر اسے ہم نے زندہ کر دیا اور اسے نور دیا جسے لئے ہوئے لوگوں میں چل پھر رہا ہے۔ ایسا شخص اور وہ شخص جو اندھیروں میں گھرا ہوا ہے جن سے نکل ہی نہیں سکتا' کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اور آیت میں ہے مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ الخ' یعنی ان دونوں جماعتوں کی مثال اندھے بہرے اور دیکھنے اور سننے والوں کی سی ہے۔ مومن تو آنکھوں اور کانوں والا' اجالے اور نور والا ہے۔ پھر راہ مستقیم پر ہے جو صحیح طور پر سایوں اور نہروں والی جنت میں پہنچے گا۔ اور اس کے برعکس کافر اندھا بہرا اور اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے جن سے نکل ہی نہ سکے گا اور ٹھیک جہنم میں پہنچے گا۔ جو تند و تیز حرارت اور گرمی والی آگ کا مخزن ہے۔ اللہ جسے چاہے سنا دے یعنی اس طرح سننے کی توفیق دے کہ دل سن کر قبول بھی کرتا جائے۔ تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا۔
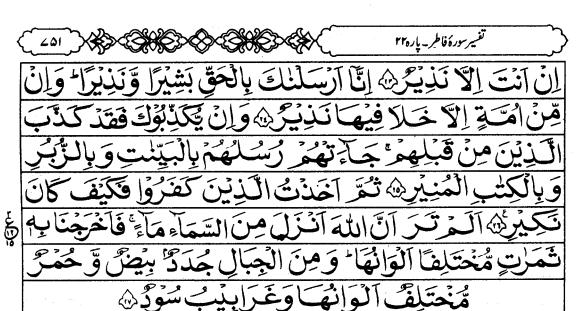
تو تو صرف ڈر کی خبر پہنچا دینے والا ہے ○ یقیناً ہم نے تجھے حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ کوئی امت ایسی نہیں جس میں ڈر سنانے والا نہ گذرا ہو۔ اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں تو ان سے پہلوں نے بھی جھٹلایا ہے جن کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں اور نامہ الٰہی اور روشن کتاب لے کر آئے تھے ○ بالآخر میں نے منکروں کی گرفت کر لی۔ سو دیکھ لو کہ میرا انکار کیسا کچھ ہوا ○ کیا تو نہیں دیکھتا' اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے۔ پھر ہم اس کے ذریعے سے مختلف رنگ کے پھل پیدا کرتے ہیں اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید و سرخ اور رنگ بہ رنگ اور سخت سیاہ ○

(آیت: ۲۳-۲۶) یعنی جس طرح کوئی مرنے کے بعد قبر میں دفنا دیا جائے تو اسے پکارنا بے سود ہے' اسی طرح کفار ہیں کہ ہدایت ودعوت ان کے لئے بے کار ہے۔ اسی طرح ان مشرکوں پر ان کی بدبختی چھا گئی ہے اور ان کی ہدایت کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ تو انہیں کسی طرح ہدایت پر نہیں لا سکتا۔ تو صرف آگاہ کر دینے والا ہے۔ تیرے ذمے صرف تبلیغ ہے' ہدایت و ضلالت من جانب اللہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر امت میں رسولؑ آتا رہا۔ تاکہ ان کا عذر باقی نہ رہ جائے۔

جیسے اور آیت میں ہے وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ اور جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا الخ وغیرہ' ان کا تجھے جھوٹا کہنا کوئی نئی بات نہیں۔ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا ہے۔ جو بڑے بڑے معجزات' کھلی کھلی دلیلیں' صاف صاف آیتیں لے کر آئے تھے۔ اور نورانی صحیفے ان کے ہاتھوں میں تھے' آخر ان کے جھٹلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے انہیں عذاب و سزا میں گرفتار کر لیا۔ دیکھ لے کہ پھر میرے انکار کا نتیجہ کیا ہوا؟ کس طرح تباہ و برباد ہوئے؟ واللہ اعلم۔

رب کی قدرتیں: ☆☆ (آیت: ۲۷) رب کی قدرتوں کے کمالات دیکھو کہ ایک ہی قسم کی چیزوں میں گونا گوں نمونے نظر آتے ہیں۔ ایک پانی آسمان سے اترتا ہے اور اسی سے مختلف قسم کے رنگ برنگے پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ سرخ' سبز' سفید وغیرہ۔ اسی طرح ہر ایک کی خوشبو الگ الگ' ہر ایک کا ذائقہ جداگانہ۔ جیسے اور آیت میں فرمایا وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ الخ یعنی کہیں انگور ہے' کہیں کھجور ہے' کہیں کھیتی ہے وغیرہ۔ اسی طرح پہاڑوں کی پیدائش بھی قسم قسم کی ہے۔ کوئی سفید ہے۔ کوئی سرخ ہے۔ کوئی کالا ہے۔ کسی میں راستے اور گھاٹیاں ہیں۔ کوئی لمبا ہے۔ کوئی ناہموار ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۗ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

ٹھیک اسی طرح خود انسانوں میں اور جانوروں میں اور چوپایوں میں بھی مختلف رنگ کے ہیں۔ یاد رکھو اللہ سے صرف اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو ذی علم ہیں۔ فی الواقع اللہ تعالیٰ غالب اور بخشنے والا ہے ○

(آیت: ۲۸) ان بے جان چیزوں کے بعد جاندار چیزوں پر نظر ڈالو۔ انسانوں کو جانوروں کو چوپایوں کو دیکھو۔ ان میں بھی قدرت کی وضع وضع کی گلکاریاں پاؤ گے۔ بربر حبشی طماطم بالکل سیاہ فام ہوتے ہیں۔ صقالیہ رومی بالکل سفید رنگ عرب درمیانہ ہندی ان کے قریب قریب۔ چنانچہ اور آیت میں ہے وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ تمہاری بول چال کا اختلاف تمہاری رنگتوں کا اختلاف بھی ایک عالم کے لئے تو قدرت کی کامل نشانی ہے۔ اسی طرح چوپائے اور دیگر حیوانات کے رنگ روپ بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ بلکہ ایک ہی قسم کے جانوروں میں ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں۔ بلکہ ایک ہی جانور کے جسم پر کئی کئی قسم کے رنگ ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ سب سے اچھا خالق اللہ کیسی کیسی برکتوں والا ہے۔ مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ رنگ آمیزی بھی کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ایسا رنگ رنگتا ہے جو کبھی ہلکا نہ پڑے۔ سرخ زرد اور سفید۔ یہ حدیث مرسل اور موقوف بھی مروی ہے۔

اس کے بعد ہی فرمایا کہ جتنا کچھ خوف الٰہی کرنا چاہیے اتنا خوف تو اس سے صرف علماء ہی کرتے ہیں کیونکہ وہ جاننے بوجھنے والے ہوتے ہیں۔ حقیقتاً جو شخص جس قدر اللہ کی ذات سے متعلق معلومات زیادہ رکھے گا اسی قدر اس عظیم وقدیر و اللہ کی عظمت و ہیبت اس کے دل میں بڑھے گی اور اسی قدر اس کی خشیت اس کے دل میں زیادہ ہوگی۔ جو جانے گا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ قدم قدم پر اس سے ڈرتا رہے گا۔ اللہ کے ساتھ سچا علم اسے حاصل ہے جو اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال اور اس کے حرام بتائے کاموں کو حرام جانے۔ اس کے فرمان پر یقین کرے۔ اس کی نصیحت کی نگہبانی کرے۔ اس کی ملاقات کو برحق جانے۔ اپنے اعمال کے حساب کو سچ سمجھے۔ خشیت ایک قوت ہوتی ہے جو بندے کے اور اللہ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ عالم کہتے ہی اسے ہیں جو درپردہ بھی اللہ سے ڈرتا رہے اور اللہ کی رضا اور پسند کو چاہے رغبت کرے اور اس کی ناراضگی کے کاموں سے نفرت رکھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں باتوں کی زیادتی کا نام علم نہیں۔ علم نام ہے بکثرت اللہ سے ڈرنے کا۔ حضرت امام مالکؒ کا قول ہے کہ کثرت روایات کا نام علم نہیں۔ علم تو ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ حضرت احمد بن صالح مصریؒ فرماتے ہیں علم کثرت روایات کا نام نہیں بلکہ علم اس کا جس کی تابعداری اللہ کی طرف سے فرض ہے یعنی کتاب وسنت اور جو صحابہؓ اور ائمہ سے پہنچا ہو وہ روایت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ نور جو بندے کے آگے آگے ہوتا ہے وہ علم کو اور اس کے مطلب کو سمجھ لیتا ہے۔ مروی ہے کہ علماء کی تین قسمیں ہیں۔ عالم باللہ عالم بامر اللہ۔ اور عالم باللہ و بامر اللہ عالم باللہ عالم بامر اللہ نہیں اور عالم بامر اللہ عالم باللہ نہیں۔ ہاں عالم باللہ و بامر اللہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو اور حدود و فرائض کو جانتا ہو۔ عالم باللہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو لیکن حدود و فرائض کو نہ جانتا ہو۔ عالم بامر اللہ وہ ہے جو حدود فرائض کو تو جانتا ہو لیکن اس کا دل اللہ کے خوف سے خالی ہو۔
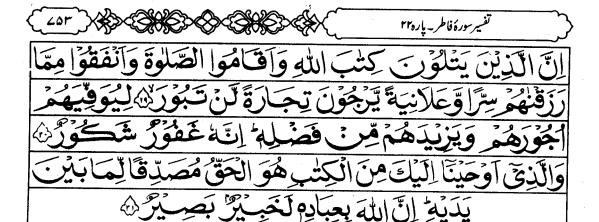
جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اسے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے رہتے ہیں وہ اس تجارت کے خواہاں ہیں جو کبھی مندی نہیں ہوتی ○ تاکہ انہیں ان کے پورے اجر دے بلکہ اپنے فضل سے اور زیادتی عطا فرمائے ○ اللہ بڑا ہی بخشنہار اور بڑا ہی قدر دان ہے۔ جو کتاب ہم نے بذریعہ وحی کے تیری طرف نازل فرمائی ہے وہ سراسر حق ہے اور اگلی کتابوں کی بھی تصدیق کرنے والی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے پورا خبردار اور انہیں بخوبی دیکھنے والا ہے ○

کتاب اللہ کی تلاوت کے فضائل: ☆☆ (آیت:۲۹-۳۰) مومن بندوں کی نیک صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ وہ کتاب اللہ کی تلاوت میں مشغول رہا کرتے ہیں۔ ایمان کے ساتھ پڑھتے رہتے ہیں۔ عمل بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ نماز کے پابند زکوٰۃ خیرات کے عادی ظاہر و باطن اللہ کے بندوں کے ساتھ سلوک کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنے اعمال کے ثواب کے امیدوار اللہ سے ہوتے ہیں جس کا ملنا یقینی ہے۔ جیسے کہ اس تفسیر کے شروع میں فضائل قرآن کے ذکر میں ہم نے بیان کیا ہے کہ کلام اللہ شریف اپنے ساتھی سے کہے گا کہ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے اور تو تو سب کی سب تجارتوں کے پیچھے ہے انہیں ان کے پورے ثواب ملیں گے بلکہ بہت بڑھا چڑھا کر ملیں گے جس کا خیال بھی نہیں۔ اللہ گناہوں کا بخشنے والا اور چھوٹے اور تھوڑے عمل کا بھی قدر دان ہے۔ حضرت مطرف رحمہ اللہ تو اس آیت کو قاریوں کی آیت کہتے تھے۔ مسند کی ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے راضی ہوتا ہے تو اس پر بھلائیوں کی ثنا کرتا ہے جو اس نے کی نہ ہوں اور جب کسی سے ناراض ہوتا ہے تو اسی طرح برائیوں کی۔ لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔

فضائل قرآن: ☆☆ (آیت:۳۱) قرآن اللہ کا حق کلام ہے اور جس طرح اگلی کتابیں اس کی خبر دیتی رہتی ہیں یہ بھی ان اگلی سچی کتابوں کی سچائی ثابت کر رہا ہے۔ رب خبیر و بصیر ہے۔ ہر مستحق فضیلت کو بخوبی جانتا ہے۔ انبیاء کو اور انسانوں پر اس نے اپنے وسیع علم سے فضیلت دی ہے۔ پھر انبیاء میں بھی آپس میں مرتبے مقرر کر دیئے ہیں اور علی الاطلاق حضور محمد ﷺ کا درجہ سب سے بڑا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام انبیاء پر درود و سلام بھیجے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾

پھر اس کتاب کے وارث ہم نے اپنے پسندیدہ بندوں کو بنا دیا۔ پس بعض تو ان میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے درمیانہ درجے کے

ہیں اور بعض وہ ہیں جو بتوفیق الٰہی نیکیوں میں سبقت کرتے چلے جاتے ہیں۔ بہت بڑا فضل بھی یہی ہے ۝

عظمت قرآن کریم اور ملت بیضا: ☆☆ (آیت:۳۲) جس کتاب کا اوپر ذکر ہوا تھا' اس بزرگ کتاب یعنی قرآن کریم کو ہم نے اپنے چیدہ بندوں کے ہاتھوں میں دیا ہے یعنی اس امت کے ہاتھوں۔ پھر حرمت والے کام بھی اس سے سرزد ہو گئے۔ بعض درمیانہ درجے کے رہے جنہوں نے محرمات سے تو اجتناب کیا' واجبات بجالاتے رہے لیکن کبھی کبھی کوئی مستحب کام ان سے چھوٹ بھی گیا اور کبھی کوئی ہلکی پھلکی نافرمانی بھی سرزد ہو گئی۔ بعض درجو میں بہت ہی آگے نکل گئے۔ واجبات چھوڑ' مستحباب کو بھی انہوں نے نہ چھوڑا اور محرمات چھوڑ' مکروہات سے بھی یکسر الگ رہے۔ بلکہ بعض مرتبہ مباح چیزوں کو بھی ڈر کر چھوڑ دیا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پسندیدہ بندوں سے مراد امت محمدؐ ہے جو اللہ کی ہر کتاب کی وارث بنائی گئی ہے۔ ان میں جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں' انہیں بخشا جائے اور ان میں جو درمیانہ لوگ ہیں' ان سے آسانی سے حساب لیا جائے گا اور ان میں جو نیکیوں میں بڑھ جانے والے ہیں' انہیں بے حساب جنت میں پہنچایا جائے گا۔ طبرانی میں ہے' حضورؐ نے فرمایا' میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' سابق لوگ تو بغیر حساب کتاب کے داخل جنت ہوں گے۔ اور میانہ رو رحمت رب سے داخل جنت ہوں گے اور اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے اور اصحاب اعراف محمد ﷺ کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔ الغرض اس امت کے ہلکے پھلکے گنہگار بھی اللہ کے پسندیدہ بندوں میں داخل ہیں۔ فالحمدللہ۔

گو اکثر سلف کا قول یہی ہے لیکن بعض سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ لوگ نہ تو اس امت میں داخل ہیں نہ چیدہ اور پسندیدہ ہیں نہ وارثین کتاب ہیں۔ بلکہ مراد اس سے کافر' منافق اور بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جانے والے ہیں۔ پس یہ تین قسمیں وہی ہیں جن کا بیان سورۂ واقعہ کے اول و آخر میں ہے۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ یہ اسی امت میں ہیں۔ امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ یہ تینوں گویا ایک ہیں اور تینوں ہی جنتی ہیں۔ (مسند احمد)

یہ حدیث غریب ہے اور اس کے راویوں میں ایک راوی ہیں جن کا نام مذکور نہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس امت میں ہونے کے اعتبار سے اور اس اعتبار سے کہ وہ جنتی ہیں' گویا ایک ہی ہیں۔ ہاں مرتبوں میں فرق ہونا لازمی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا' سابقین تو بے حساب جنت میں جائیں گے اور درمیانہ لوگوں سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا اور اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے طول محشر میں روکے جائیں گے۔ پھر اللہ کی رحمت سے تلافی ہو جائے گی اور یہ کہیں گے' اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم سے غم و رنج دور کر دیا۔ ہمارا رب بڑا ہی غفور و شکور ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے رہائش کی ایسی جگہ عطا فرمائی جہاں ہمیں کوئی درد دکھ نہیں۔ (مسند احمد)

ابن ابی حاتم کی اس روایت میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی ہے۔ ابن جریرؒ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت ابو ثابتؓ مسجد میں آتے ہیں اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ! میری وحشت کا انیس میرے لئے مہیا کر دے اور میری غربت پر رحم کر اور مجھے کوئی اچھا رفیق عطا فرما۔ یہ سن کر صحابی ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں' میں تیرا ساتھی ہوں' سن میں آج تجھے وہ حدیث رسولؐ سناتا ہوں جسے میں نے آج تک کسی کو نہیں سنائی۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا

سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ تو جنت میں بے حساب جائیں گے اور مُقْتَصِدٌ لوگوں سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا اور ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ کو اس مکان میں غم و رنج پہنچے گا جس سے نجات پا کر وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم و رنج دور کر دیا۔

تیسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان تینوں کی نسبت فرمایا کہ یہ سب اسی امت میں سے ہیں۔ چوتھی حدیث: میری امت کے تین حصے ہیں۔ ایک بے حساب و بے عذاب جنت میں جانے والا۔ دوسرا آسانی سے حساب لیا جانے والا اور پھر بہشت نشیں ہونے والا۔ تیسری وہ جماعت ہو گی جس سے تفتیش و تلاش ہو گی لیکن پھر فرشتے حاضر ہو کر کہیں گے کہ ہم نے انہیں لا اله الا اللّٰه وحده کہتے ہوئے پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ سچ ہے۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اچھا انہیں میں نے ان کے اس قول کی وجہ سے چھوڑا۔ جاؤ انہیں جنت میں لے جاؤ اور ان کی خطائیں دوزخیوں پر لاد دو۔ اسی کا ذکر آیت وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ مَّعَ أَثْقَالِهِمْ میں ہے یعنی وہ ان کے بوجھ اپنے بوجھ کے ساتھ اٹھائیں گے۔ اس کی تصدیق اس میں ہے جس میں فرشتوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جنہیں وارثین کتاب بنایا ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ پس ان میں جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں وہ باز پرس کئے جائیں گے۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس امت کی قیامت کے دن تین جماعتیں ہوں گی۔ ایک بے حساب جنت میں جانے والی ایک آسانی سے حساب لئے جانے والی ایک گنہگار جن کی نسبت اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ یہ کون ہیں؟ فرشتے کہیں گے اللہ ان کے پاس بڑے بڑے گناہ ہیں لیکن انہوں نے کبھی بھی تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ رب عزوجل فرمائے گا انہیں میری وسیع رحمت میں داخل کر دو۔ پھر حضرت عبداللہؓ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (ابن جریر)

دوسرا اثر۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ فرماتی ہیں بیٹا یہ سب جنتی لوگ ہیں۔ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ تو وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے جنہیں خود آپؐ نے جنت کی بشارت دی۔ مُقْتَصِدٌ وہ ہیں جنہوں نے آپؐ کے نقش قدم کی پیروی کی یہاں تک کہ ان سے مل گئے۔ اور ظَلِمٌ لِنَفْسِهِ مجھ تجھ جیسے ہیں (ابوداؤد طیالسی) خیال فرمائیے کہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باوجودیکہ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ میں سے بلکہ ان میں سے بھی بہترین درجے والوں میں سے ہیں لیکن کس طرح اپنے تئیں متواضع بناتی ہیں حالانکہ حدیث میں آ چکا ہے کہ تمام عورتوں پر حضرت عائشہؓ کو وہی فضیلت ہے جو فضیلت ثرید کو ہر قسم کے طعام پر ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ تو ہمارے بدوی لوگ ہیں اور مُقْتَصِدٌ ہماری شہری لوگ ہیں اور سابق ہمارے مجاہد ہیں۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کے لوگ اسی امت میں سے ہیں اور سب جنتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسم کے لوگوں کے ذکر کے بعد جنت کا ذکر کر کے پھر فرمایا ہے وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ پس یہ لوگ دوزخی ہیں۔ (ابن جریر) حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعبؓ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کعب کے اللہ کی قسم یہ سب ایک ہی زمرے میں ہیں۔ ہاں اعمال کے مطابق ان کے درجات کم و بیش ہیں۔ ابو اسحاق سبیعی بھی اس آیت میں فرماتے ہیں کہ یہ تینوں جماعتیں ناجی ہیں۔ محمد بن حنفیہؒ فرماتے ہیں یہ امت مرحومہ ہے۔ ان کے گنہگاروں کو بخش دیا جائے گا اور ان کے مُقْتَصِدٌ اللہ کے پاس جنت میں ہوں گے اور ان کے سابق بلند درجوں میں ہوں گے۔ محمد بن علی باقرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں جن لوگوں کو ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ کہا گیا ہے

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گناہ بھی کئے تھے اور نیکیاں بھی۔ ان احادیث اور آثار کو سامنے رکھ کر یہ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں عموم ہے اور اس امت کی ان تینوں قسموں کو یہ شامل ہے۔ پس علماء کرام اس نعمت کے ساتھ سب سے زیادہ رشک کے قابل ہیں اور اس رحمت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ جیسے کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص مدینے سے دمشق میں حضرت ابو درداءؓ کے پاس جاتا ہے اور آپ سے ملاقات کرتا ہے تو آپ دریافت فرماتے ہیں کہ پیارے بھائی یہاں کیسے آنا ہوا؟ وہ کہتے ہیں' اس حدیث کے سننے کے لئے آیا ہوں جو آپ بیان کرتے ہیں۔ پوچھا' کیا کسی تجارت کی غرض سے نہیں آئے؟ جواب دیا' نہیں۔ پوچھا' پھر کوئی اور مطلب بھی ہوگا؟ فرمایا کوئی مقصد نہیں۔ پوچھا پھر کیا صرف حدیث کی طلب کے لئے یہ سفر کیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں۔ فرمایا سنو' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستے کو قطع کرے اللہ اسے جنت کے راستوں میں چلائے گا۔ اللہ کی رحمت کے فرشتے طالب علموں کے لئے پر بچھا دیتے ہیں کیونکہ وہ ان سے بہت ہی خوش ہیں اور ان کی خوشی کے خواہاں ہیں۔ عالم کے لئے آسمان و زمین کی ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی۔ عابد و عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی چاند کی فضیلت ستاروں پر۔ علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنے ورثے میں درہم و دینار نہیں چھوڑے۔ ان کا ورثہ علم دین ہے۔ جس نے اسے لیا' اس نے بڑی دولت حاصل کر لی۔ (ابوداؤد' ترمذی وغیرہ) اس حدیث کے تمام طریق اور الفاظ اور شرح میں نے صحیح بخاری کتاب العلم کی شرح میں مفصلاً بیان کر دی ہے فالحمدللہ۔ سورۂ طٰہٰ کے شروع میں وہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علما سے فرمائے گا' میں نے اپنا علم و حکمت تمہیں اس لئے ہی دیا تھا کہ تمہیں بخش دوں گو تم کیسے ہی ہو۔ مجھے اس کی کچھ پرواہ ہی نہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

ان ہیشگی والی جنتوں میں داخل ہوں گے جہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی اور جہاں ان کا لباس خالص ریشم ہوگا ○ کہیں گے کہ ساری تعریفیں اس معبود برحق کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم سے غم و اندوہ دور کر دیا۔ یقیناً ہمارا رب بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی قدر شناس ہے ○ جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہیشگی والے گھر میں اتارا جہاں نہ تو ہمیں کوئی رنج پہنچے نہ وہاں ہمیں کوئی تکلیف و تکان ہو ○

اللہ کی کتاب کے وارث لوگ: ☆☆ (آیت: ۳۳-۳۵) فرماتا ہے جن برگزیدہ لوگوں کو ہم نے اللہ کی کتاب کا وارث بنایا ہے' انہیں قیامت کے دن ہمیشہ والی ابدی نعمتوں والی جنتوں میں لے جائیں گے۔ جہاں انہیں سونے کے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ حدیث میں ہے' مومن کا زیور وہاں تک ہوگا جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ ان کا لباس وہاں پر خالص ریشمی ہوگا۔ جس سے دنیا میں وہ ممانعت کر دیئے گئے تھے۔ حدیث میں ہے' جو شخص یہاں دنیا میں حریر و ریشم پہنے گا' وہ اسے آخرت میں نہیں پہنایا جائے گا۔ اور حدیث میں ہے' یہ ریشم کافروں کے لئے دنیا میں ہے اور تم مومنوں کے لئے آخرت میں ہے اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے

اہل جنت کے زیوروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا' انہیں سونے چاندی کے زیور پہنائے جائیں گے جو موتیوں سے جڑاؤ کئے ہوئے ہوں گے۔ ان پر موتی اور یاقوت کے تاج ہوں گے جو بالکل شاہانہ ہوں گے۔ وہ نوجوان ہوں گے بغیر بالوں کے شرمیلی آنکھوں والے' وہ جناب باری عزوجل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہیں گے کہ اللہ کا احسان ہے جس نے ہم سے خوف ڈر زائل کر دیا اور دنیا اور آخرت کی پریشانیوں اور پشیمانیوں سے ہمیں نجات دے دی۔ حدیث شریف میں ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والوں پر قبروں میں' میدان محشر میں' کوئی دہشت و وحشت نہیں۔ میں تو گویا انہیں اب دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں پر سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہہ رہے ہیں' اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم و رنج دور کر دیا۔ (ابن ابی حاتم)

طبرانی میں ہے' موت کے وقت بھی انہیں کوئی گھبراہٹ نہیں ہو گی۔ حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے' ان کی بڑی بڑی اور بہت سی خطائیں معاف کر دی گئیں اور چھوٹی چھوٹی اور کم مقدار نیکیاں قدر دانی کے ساتھ قبول فرمائی گئیں' یہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے فضل و کرم لطف و رحم سے یہ پاکیزہ بلند ترین مقامات عطا فرمائے۔ ہمارے اعمال تو اس قابل تھے ہی نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے' تم میں سے کسی کو اس کے اعمال جنت میں نہیں لے جا سکتے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا ہاں مجھے بھی اسی صورت اللہ کی رحمت ساتھ دے گی۔ وہ کہیں گے' یہاں تو ہمیں نہ کسی طرح کی شفقت و محنت ہے نہ تھکان اور کلفت ہے۔ روح الگ خوش ہے۔ جسم الگ راضی ہے۔ یہ اس کا بدلہ ہے جو دنیا میں اللہ کی راہ کی تکلیفیں انہیں اٹھانی پڑی تھیں۔ آج راحت ہی راحت ہے۔ ان سے کہہ دیا گیا ہے کہ پسند اور دل پسند کھاتے پیتے رہو اس کے بدلے جو دنیا میں تم نے میری فرماں برداریاں کیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝ۚ۳۶ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ۧ۳۷

اور جن لوگوں نے کفر کیا' انہی کے لئے جہنم کی آگ ہے۔ نہ ان کا کام تمام کیا جائے کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے کسی طرح کا اس کا کوئی عذاب ہلکا کیا جائے۔ ہم ہر ناشکرے کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○ وہ اس میں چلاتے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار تو ہمیں نکال دے تو ہم اچھے عمل کریں گے برخلاف ان کے جو ہم کرتے رہے' کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہ دے رکھی تھی کہ نصیحت حاصل کرنے والے اس میں نصیحت حاصل کر لیں اور تمہارے پاس ڈر سنانے والے بھی آئے تھے۔ اب مزہ چکھو۔ گنہگاروں کا کوئی بھی مددگار نہیں ○

برے لوگوں کا روح فرسا حال: ☆☆ (آیت: ۳۶-۳۷) نیک لوگوں کا حال بیان فرما کر اب برے لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ یہ دوزخ کی آگ میں جلتے جھلستے رہیں گے۔ انہیں وہاں موت بھی نہیں آئے گی جو مر جائیں۔ جیسے اور آیت میں لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى نہ وہاں انہیں موت آئے گی نہ کوئی اچھی زندگی ہو گی۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو ابدی جہنمی ہیں' انہیں

وہاں موت نہیں آئے گی اور نہ اچھائی کی زندگی ملے گی۔ وہ تو کہیں گے کہ اے داروغۂ جہنم' تم ہی اللہ سے دعا کرو کہ اللہ ہمیں موت دے دے لیکن جواب ملے گا کہ تم تو یہیں پڑے رہو گے۔ پس وہ موت کو اپنے لئے رحمت سمجھیں گے لیکن وہ آئے گی ہی نہیں۔ نہ مریں نہ عذابوں میں کمی دیکھیں۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ یعنی کفار دائماً عذاب جہنم میں رہیں گے جو عذاب کبھی بھی نہ ہٹیں گے نہ کم ہوں گے۔ یہ تمام بھلائی سے محض مایوس ہوں گے۔ اور جگہ فرمان ہے كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِیْرًا آگ جہنم ہمیشہ تیز ہی ہوتی رہے گی۔ فرماتا ہے فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا لو اب مزے چکھو عذاب ہی عذاب تمہارے لئے بڑھتے رہیں گے۔ کافروں کا یہی بدلہ ہے' وہ چیخ و پکار کریں گے' ہائے وائے کریں گے۔ دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں گے۔ اقرار کریں گے کہ ہم گناہ نہیں کریں گے۔ نیکیاں کریں گے۔ لیکن رب العالمین خوب جانتا ہے کہ اگر یہ واپس بھی جائیں گے تو وہی سرکشی کریں گے اسی لئے ان کا یہ ارمان پورا نہ ہوگا۔ جیسے اور جگہ فرمایا کہ انہیں ان کے اس سوال پر جواب ملے گا کہ تم تو وہی ہو کہ جب اللہ کی وحدانیت کا بیان ہوتا تھا تو تم کفر کرنے لگتے تھے۔ وہاں اس کے ساتھ شرک کرنے میں تمہیں مزہ آتا تھا۔ پس اب بھی اگر تمہیں لوٹا دیا گیا تو وہی کرو گے جس سے ممانعت کئے جاتے ہو۔ پس فرمایا' انہیں کہا جائے گا کہ دنیا میں تو تم بہت جئے' تم اس لمبی مدت میں بہت کچھ کر سکتے تھے۔ مثلاً ستر سال جئے۔ حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ لمبی عمر میں بھی اللہ کی طرف سے حجت پوری کرنا ہے۔ اللہ سے پناہ مانگنی چاہئے کہ عمر کے بڑھنے کے ساتھ ہی انسان برائیوں میں بڑھتا چلا جائے۔ دیکھو تو یہ آیت جب اترتی ہے' اس وقت بعض لوگ صرف اٹھارہ سال کی عمر کے ہی تھے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں' مراد بیس سال کی عمر ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں' چالیس سال۔ مسروقؒ فرماتے ہیں' چالیس سال کی عمر میں انسان کو ہوشیار ہو جانا چاہیے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس عمر تک پہنچنا اللہ کی طرف سے عذر بندی ہو جاتا ہے۔ آپ ہی سے ساٹھ سال بھی مروی ہیں۔ اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ جیسے ایک حدیث میں بھی ہے گو امام ابن جریرؒ اس کی سند میں کلام کرتے ہیں لیکن وہ کلام ٹھیک نہیں۔ حضرت علیؓ سے بھی ساٹھ سال ہی مروی ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' قیامت کے دن ایک منادی یہ بھی ہوگی کہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جانے والے کہاں ہیں؟ لیکن اس کی سند ٹھیک نہیں۔ مسند میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساٹھ ستر برس کی عمر کو پہنچا دیا' اس کا کوئی عذر پھر اللہ کے ہاں نہیں چلنے والا۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق میں ہے' اس شخص کا عذر اللہ نے کاٹ دیا جسے ساٹھ سال تک دنیا میں رکھا۔ اس حدیث کی اور سندیں بھی ہیں لیکن اگر نہ بھی ہوتیں تو بھی صرف حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اسے اپنی صحیح میں وارد کرنا ہی اس کی صحت کا کافی ثبوت تھا۔ ابن جریر کا یہ کہنا کہ اس کی سند کی جانچ کی ضرورت ہے' امام بخاریؒ کے صحیح کہنے کے مقابلے میں ایک جو کی بھی قیمت نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم' بعض لوگ کہتے ہیں اطباء کے نزدیک طبعی عمر ایک سو بیس برس کی ہے۔ ساٹھ سال تک تو انسان بڑھوتری میں رہتا ہے۔ پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ پس آیت میں بھی اسی عمر کو مراد لینا اچھا ہے اور یہی اس امت کی غالب عمر ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے' میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال تک ہیں اور اس سے تجاوز کرنے والے کم ہیں۔ (ترمذی وغیرہ) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تو اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں' اس کی اور کوئی سند نہیں لیکن تعجب ہے کہ امام صعب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کیسے فرمادیا؟ اس کی ایک دوسری سند ابن ابی الدنیا میں موجود ہے۔ خود ترمذی میں بھی یہی حدیث دوسری سند سے کتاب الزہد میں مروی ہے۔ ایک اور ضعیف حدیث میں ہے' میری امت میں ستر سال کی عمر والے بھی کم ہوں گے۔ اور روایت میں ہے کہ حضورؐ سے آپ کی امت کی عمر کی

بابت سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا' پچاس سے ساٹھ سال تک کی عمر ہے۔ پوچھا گیا ستر سال کی عمر والے؟ فرمایا بہت کم۔ اللہ ان پر اور اسی سال والوں پر اپنا رحم فرمائے۔ (بزار) اس حدیث کا ایک راوی عثمان بن مطر قوی نہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ کی عمر تریسٹھ سال کی تھی۔ ایک قول ہے کہ ساٹھ سال کی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پینسٹھ برس کی تھی۔ واللہ اعلم۔ (تطبیق یہ ہے کہ ساٹھ سال کہنے والے راوی دہائیوں کو لگاتے ہیں اکائیوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پینسٹھ سال والے سال تولد اور سال وفات کو بھی گنتے ہیں اور تریسٹھ والے ان دونوں کو نہیں لگاتے۔ پس کوئی اختلاف نہیں۔ فالحمدللہ۔ مترجم) اور تمہارے پاس ڈرانے والے آ گئے یعنی سفید بال۔ یا خود رسول اللہ ﷺ۔ زیادہ صحیح قول دوسرا ہی ہے جیسے فرمان ہے هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولٰى یہ پیغمبر نذیر ہیں۔ پس عمر دے کر رسول بھیج کر اپنی حجت پوری کر دی۔ چنانچہ قیامت کے دن بھی جب دوزخی تمنائے موت کریں گے تو یہی جواب ملے گا کہ تمہارے پاس حق آ چکا تھا یعنی رسولوں کی زبانی ہم پیغام حق تمہیں پہنچا چکے تھے لیکن تم نہ مانے۔ اور آیت میں ہے مَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں' عذاب نہیں کرتے۔

سورۂ تبارک میں فرمان ہے' جب جہنمی جہنم میں ڈالے جائیں گے' وہاں کے داروغے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والے نہیں آئے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں آئے تھے لیکن ہم نے انہیں نہ مانا' انہیں جھوٹا جانا اور کہہ دیا کہ اللہ نے تو کوئی کتاب وغیرہ نازل نہیں فرمائی۔ تم یونہی بک رہے ہو' پس آج قیامت کے دن ان سے کہہ دیا جائے گا کہ نبیوں کی مخالفت کا مزہ چکھو۔ مدت العمر انہیں جھٹلاتے رہے۔ اب آج اپنے اعمال کے بدلے اٹھاؤ اور سن لو کوئی نہ کھڑا ہو گا جو تمہارے کام آ سکے۔ تمہاری کچھ مدد کر سکے اور عذابوں سے بچا سکے یا چھڑا سکے۔

إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۳۸﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾

یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے غیب کا جاننے والا ہے۔ یقیناً وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں سے بھی خبردار ہے ○ اسی نے تمہیں زمین میں جانشین کیا ہے۔ کفر کرنے والے ہی پر اس کا کفر پڑے گا۔ کافروں کا کفر انہیں ان کے رب کے ہاں بیزاری اور ناخوشی میں ہی بڑھاتا ہے اور کافروں کا کفر کافروں کے حق میں سوائے نقصان کے اور کوئی زیادتی نہیں کرتا ○

وسیع العلم اللہ تعالیٰ کا فرمان: ☆☆ (آیت: ۳۸-۳۹) اللہ تعالیٰ اپنے وسیع اور بے پایاں علم کا بیان فرما رہا ہے کہ وہ آسمان زمین کی ہر چیز کا عالم ہے۔ دلوں کے بھید' سینوں کی باتیں اس پر عیاں ہیں۔ ہر عامل کو اس کے عمل کا بدلہ وہ دے گا' اس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا ہے۔ کافروں کے کفر کا وبال خود ان پر ہے۔ وہ جیسے جیسے اپنے کفر میں بڑھتے ہیں' ویسے ہی اللہ کی ناراضگی ان پر بڑھتی ہے اور ان کا نقصان اور زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ برخلاف مومن کے کہ اس کی عمر جس قدر بڑھتی ہے' نیکیاں بڑھتی ہیں اور درجے پاتا ہے اور اللہ کے ہاں مقبول ہوتا جاتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝۴۰ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۱

پوچھ تو کہ بھلا اپنے ان شریکوں کو ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکار رہے ہو۔ مجھے دکھاؤ تو کہ انہوں نے زمین کا کونسا ٹکڑا پیدا کر دیا ہے؟ یا آسمان کے کس حصے میں ان کا ساجھا ہے؟ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دے رکھی ہے کہ وہ اس کی سند رکھتے ہوں؟ کچھ نہیں بلکہ یہ ظالم تو ایک دوسروں کو صرف دھوکے بازی کے وعدے دے رہے ہیں ○ یقینی بات ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو اللہ ہی تھامے ہوئے ہے کہ وہ ادھر ادھر نہ ہو جائیں اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ اگر وہ لغزش کھا جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں کوئی تھام بھی نہیں سکتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی تحمل والا اور بہت ہی بخشنے والا ہے ○

مدلل پیغام: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۱) اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ مشرکوں سے فرمایئے کہ اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارا کرتے ہو تم مجھے بھی تو ذرا دکھاؤ کہ انہوں نے کس چیز کو پیدا کیا ہے؟ یا یہی ثابت کر دو کہ آسمانوں میں ان کا کونسا حصہ ہے؟ جب کہ نہ وہ خالق نہ ساجھی۔ پھر تم مجھے چھوڑ کر انہیں کیوں پکارو؟ وہ تو ایک ذرے کے بھی مالک نہیں۔ اچھا یہ بھی نہیں تو کم از کم اپنے کفر و شرک کی کوئی کتابی دلیل ہی پیش کر دو۔ لیکن تم یہ بھی نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم صرف اپنی نفسانی خواہشوں اور اپنی رائے کے پیچھے لگ گئے ہو۔ دلیل کچھ بھی نہیں۔ باطل، جھوٹ اور دھوکے بازی میں مبتلا ہو۔ ایک دوسرے کو فریب دے رہے ہو اپنے ان جھوٹے معبودوں کی کمزوری اپنے سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کی جو سچا معبود ہے، قدرت و طاقت دیکھو کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ ہر ایک اپنی جگہ رکا ہوا اور تھما ہوا ہے۔ ادھر ادھر جنبش بھی تو نہیں کر سکتا۔ آسمان کو زمین پر گر پڑنے سے اللہ تعالیٰ روکے ہوئے ہے۔ یہ دونوں اس کے فرمان سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھام سکے، روک سکے، نظام پر قائم رکھ سکے۔ اس حلیم و غفور اللہ کو دیکھو کہ مخلوق و مملوک، نافرمانی و سرکشی، کفر و شرک دیکھتے ہوئے بھی بردباری اور بخشش سے کام لے رہا ہے، ڈھیل اور مہلت دیئے ہوئے ہے۔ گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

ابن ابی حاتم میں اس آیت کی تفسیر میں ایک غریب بلکہ منکر حدیث ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ منبر پر بیان فرمایا کہ آپ علیہ السلام کے دل میں خیال گزرا کہ اللہ تعالیٰ کبھی سوتا بھی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ ان کے پاس بھیج دیا جس نے انہیں تین دن تک سونے نہ دیا۔ پھر ان کے ایک ایک ہاتھ میں ایک ایک بوتل دے دی اور حکم دیا کہ ان کی حفاظت کرو۔ یہ گریں نہیں۔ ٹوٹیں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں ہاتھوں میں لے کر حفاظت کرنے لگے لیکن نیند کا غلبہ ہونے لگا۔ اونگھ آنے لگی۔ کچھ جھولے تو ایسے آئے کہ آپ ہوشیار ہو گئے اور بوتل گرنے نہ دی لیکن آخر نیند غالب آ گئی اور بوتلیں ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئیں اور چورا چور ہو گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ سونے والا دو بوتلیں بھی تھام نہیں سکتا۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ سوتا تو زمین و آسمان کی حفاظت اس سے کیسے ہوتی؟ لیکن بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور کا فرمان نہیں بلکہ بنی اسرائیل کی گھڑنت ہے۔

بھلا حضرت موسیٰؑ جیسا جلیل القدر پیغمبر یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سو جاتا ہے۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں فرما چکا ہے کہ اسے نہ تو اونگھ آئے نہ نیند۔ زمین و آسمان کی کل چیزوں کا مالک صرف وہی ہے۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو سوتا ہے نہ سونا اس کی شایان شان ہے۔ وہ ترازو کو اونچا نیچا کرتا رہتا ہے۔ دن کے عمل رات سے پہلے اور رات کے اعمال دن سے پہلے اس کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔ اس کا حجاب نور ہے۔ یا آگ ہے۔ اگر اسے کھول دے تو اس کے چہرے کی تجلیاں جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے سب مخلوق کو جلا دیں۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ آپؓ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کہا شام سے۔ پوچھا وہاں کس سے ملے؟ کہا کعبؓ سے۔ پوچھا کعبؓ نے کیا بات بیان کی؟ کہا یہ کہ آسمان ایک فرشتے کے کندھے تک گھوم رہے ہیں۔ پوچھے تم نے اسے سچ جانا یا جھٹلا دیا؟ جواب دیا' کچھ بھی نہیں۔ فرمایا پھر تو تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ سنو حضرت کعبؓ نے غلط کہا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

دوسری سند میں آنے والے کا نام ہے کہ وہ حضرت جندب بجلیؓ تھے۔ حضرت امام مالکؒ بھی اس کی تردید کرتے تھے کہ آسمان گردش میں ہیں اور اسی آیت سے دلیل لیتے تھے اور اس حدیث سے بھی جس میں ہے' مغرب میں ایک دروازہ ہے جو توبہ کا دروازہ ہے۔ وہ بند نہ ہوگا جب تک کہ آفتاب مغرب سے طلوع نہ ہو۔ حدیث بالکل صحیح ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

پہلے تو یہ لوگ تاکیدی قسمیں کھا رہے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرسنانے والا آجاتا تو یہ ہر ایک امت سے زیادہ راہ یافتہ ہوتے۔ پھر جب ان کے پاس ڈرسنانے والا پیغمبر آگیا تو یہ تو اور بھی بیزاری اور بدکنے میں بڑھ گئے ○ دنیا میں اپنے تئیں بڑا سمجھنے کی وجہ سے اور برے مکر کی وجہ سے۔ اور برے مکر کا داؤ مکاروں پر۔ ہی الٹا پڑا کرتا ہے۔ اب انہیں تو صرف اگلوں کے دستور کا ہی انتظار ہے۔ تو تو ہرگز اللہ کے دستور کا تبدل و تغیر نہ پائے گا اور نہ کبھی دستور الٰہی کو منتقل ہوتا دیکھے گا ○

قسمیں کھا کر مکر نے والے ظالم: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۳) قریش نے اور عرب نے حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے بڑی سخت قسمیں کھا رکھی تھیں' کہ اگر اللہ کا کوئی رسول ہم میں آئے تو ہم تمام دنیا سے زیادہ اس کی تابعداری کریں گے۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ الخ یعنی اس لئے کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم سے پہلے کی جماعتوں پر تو البتہ کتابیں اتریں۔ لیکن ہم تو ان سے بے خبر ہی رہے۔ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان سے بہت زیادہ راہ یافتہ ہو جاتے۔ تو لو اب تو خود تمہارے پاس تمہارے رب کی بھیجی ہوئی دلیل آ پہنچی۔ ہدایت و رحمت خود تمہارے ہاتھوں میں دی جا چکی۔ اب بتاؤ کہ رب کی آیتوں کی تکذیب کرنے والوں اور ان سے منہ موڑنے والوں سے زیادہ ظالم کون ہے؟ اور آیتوں میں ہے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے اپنے پاس اگلے لوگوں کے عبرتناک واقعات ہوتے تو ہم تو اللہ کے مخلص بندے بن جاتے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اس کے ان کے پاس آچکنے کے بعد کفر کیا۔ اب انہیں عنقریب اس کا انجام معلوم ہو

جائے گا۔ ان کے پاس اللہ کے آخری پیغمبرؐ اور رب کی آخری اور افضل ترین کتاب آ چکی لیکن یہ کفر میں اور بڑھ گئے انہوں نے اللہ کی باتیں ماننے سے تکبر کیا۔ خود نہ مان کر پھر اپنی مکاریوں سے اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی اللہ کی راہ سے روکا۔ لیکن انہیں باور کر لینا چاہیے کہ اس کا وبال خود ان پر پڑے گا۔ یہ اللہ کا نہیں البتہ اپنا بگاڑ رہے ہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں مکاریوں سے پرہیز کرو۔ مکر کا بوجھ مکار پر ہی پڑتا ہے اور اس کی جواب دہی اللہ کے ہاں ہوگی۔ حضرت محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں تین کاموں کا کرنے والا نجات نہیں پا سکتا۔ ان کاموں کا وبال ان پر یقیناً آئے گا۔ مکر، بغاوت اور وعدوں کو توڑ دینا۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ انہیں صرف اسی کا انتظار ہے جو ان جیسے ان پہلے گزرنے والوں کا حال ہوا کہ اللہ کے رسولوں کی تکذیب اور فرمان رسولؐ کی مخالفت کی وجہ سے اللہ کے دائمی عذاب ان پر آ گئے۔ پس یہ تو اللہ تعالیٰ کی عادت ہی ہے۔ اور تو غور کر۔ رب کی عادت بدلتی نہیں نہ پلٹتی ہے۔ جس قوم پر عذاب کا ارادہ الٰہی ہو چکا پھر اس ارادے کے بدلنے پر کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ ان پر سے عذاب ہٹیں نہ وہ ان سے بچیں۔ نہ کوئی انہیں گھما سکے۔ واللہ اعلم۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿٤٥﴾

ع ۸ ۱۷

کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے جو لوگ ان سے بہت زیادہ قوی اور زور آور تھے ان کا کیا کچھ انجام ہوا؟ یاد رکھو آسمان و زمین میں کوئی چیز اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتی۔ وہی تو پورے علم والا اور کامل قدرت والا ہے ○ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کرتوت پر ابھی ہی سزائیں دینے لگتا تو پشت زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا باقی نہ بچتا بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں معیاد مقررہ تک ڈھیل دے رہا ہے۔ پس جب ان کا وہ وقت مقررہ آ جائے گا تو اللہ کے سب بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں ○

عبرت ناک مناظر سے سبق لو: ☆☆ (آیت: ۴۴-۴۵) حکم ہوتا ہے کہ ان منکروں سے فرما دیجئے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھیں تو سہی کہ ان جیسے ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا۔ ان کی نعمتیں چھن گئیں ان کے محلات اجاڑ دیئے گئے ان کی طاقت تنہا ہو گئی ان کے مال تباہ کر دیئے گئے ان کی اولادیں ہلاک کر دی گئیں۔ اللہ کے عذاب ان پر سے کسی طرح نہ ٹلے۔ آئی ہوئی مصیبت کو وہ نہ ہٹا سکے نوچ لئے گئے تباہ و برباد کر دیئے گئے کچھ کام نہ آیا کوئی فائدہ کسی سے نہ پہنچا۔ اللہ کو کوئی ہرا نہیں سکتا اسے کوئی امر عاجز نہیں کر سکتا اس کا کوئی ارادہ کامیابی سے جدا نہیں اس کا کوئی حکم کسی سے ٹل نہیں سکتا۔ وہ تمام کائنات کا عالم ہے وہ تمام کاموں پر قادر ہے۔ اگر وہ اپنے بندوں کے تمام گناہوں پر پکڑ کرتا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے ہلاک ہو جاتے۔ جانور اور رزق تک برباد ہو جاتے۔ جانوروں کو ان کے گھونسلوں اور بھٹوں میں بھی عذاب پہنچ جاتا۔ زمین پر کوئی جانور باقی نہ بچتا۔ لیکن اب ڈھیل دیئے ہوئے ہے۔ عذابوں کو موخر کئے ہوئے ہے۔ وقت آ رہا ہے کہ قیامت قائم ہو جائے اور حساب کتاب شروع ہو جائے۔ طاعت کا بدلہ اور ثواب ملے۔ نافرمانی کا عذاب اور اس پر سزا ہو۔ اجل آنے کے بعد پھر تاخیر نہیں ملنے والی۔ اللہ عزوجل اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے اور وہ بخوبی دیکھنے والا ہے۔

تفسیر سورۃ یٰسین

تفسیر سورۃ یٰسین: ترمذی شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل سورۂ یاسین ہے- سورۂ یاسین کے پڑھنے والے کو دس قرآن ختم کرنے کا ثواب ملتا ہے- یہ حدیث غریب ہے اور اس کا راوی مجہول ہے- اس باب میں اور روایتیں بھی ہیں لیکن سنداً وہ بھی کچھ ایسی بہت اچھی نہیں- اور حدیث میں ہے' جو شخص رات کو سورۂ یاسین پڑھے' اسے بخش دیا جاتا ہے' اور جو سورۂ دخان پڑھے' اسے بھی بخش دیا جاتا ہے' اس کی اسناد بہت عمدہ ہے- مسند کی حدیث میں ہے' سورۂ بقرہ قرآن کی کوہان ہے اور اس کی بلندی ہے- اس کی ایک آیت کے ساتھ اسی اسی فرشتے اترتے ہیں- اس کی ایک آیت یعنی آیۃ الکرسی عرش کے نیچے سے لائی گئی ہے اور اس کے ساتھ ملائی گئی ہے- سورۂ یٰسین قرآن کا دل ہے- اسے جو شخص نیک نیتی سے اللہ کی رضاجوئی کے لئے پڑھے' اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں- اسے ان لوگوں کے سامنے پڑھ جو سکرات کی حالت میں ہوں- بعض علماء کرام رحمتہ اللہ علیہم کا قول ہے کہ جس سخت کام کے وقت سورۂ یاسین پڑھی جاتی ہے' اللہ اسے آسان کر دیتا ہے- مرنے والے کے سامنے جب اس کی تلاوت ہوتی ہے تو رحمت و برکت نازل ہوتی ہے- اور روح آسانی سے نکلتی ہے- واللہ تعالیٰ اعلم- مشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایسے وقت سورۂ یاسین پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تخفیف کر دیتا ہے اور آسانی ہو جاتی ہے- بزار میں فرمان رسولؐ ہے کہ میری چاہت ہے کہ میری امت کے ہر ہر فرد کو یہ سورت یاد ہو-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ ۞ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۞ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۞ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۞ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞

رحمٰن ورحیم اللہ کے نام سے شروع

اس باحکمت قرآن کی قسم ○ تو بھی منجملہ پیغمبروں کے ہے ○ سیدھی راہ پر ہے ○ اتارا ہوا ہے اللہ غالب مہربان کا ○ اس لئے کہ تو اس قوم کو ہوشیار کر دے جن کے باپ دادا ڈرائے نہیں گئے تو وہ بالکل بے خبر ہیں ○ ان میں سے اکثر لوگوں پر وعدہ عذاب ثابت ہو چکا ہے- سو وہ تو ایمان لائیں گے ہی نہیں ○

صراط مستقیم کی وضاحت: ☆☆ (آیت:۲-۷) حروف مقطعات جو سورتوں کے شروع میں ہوتے ہیں جیسے یہاں یاسین ہے' ان کا پورا بیان ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں لہٰذا اب یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں- بعض لوگوں نے کہا کہ یٰسین سے مراد اے انسان ہے- بعض کہتے ہیں' حبشی زبان میں اے انسان کے معنی میں یہ لفظ ہے- کوئی کہتا ہے' یہ اللہ کا نام ہے- پھر فرماتا ہے' قسم ہے محکم اور مضبوط قرآن کی جس کے آس پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا' بالیقین اے محمد ﷺ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں' سچے اچھے' مضبوط اور عمدہ سیدھے اور صاف دین پر آپ ہیں' یہ راہ اللہ رحمٰن ورحیم صراط مستقیم کی ہے' اسی کا اتارا ہوا یہ دین ہے جو عزت والا اور مومنوں پر خاص مہربانی کرنے والا ہے- جیسے فرمان ہے وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ الخ تو یقیناً راہ راست کی رہبری کرتا ہے' جو اس اللہ کی سیدھی راہ ہے جو آسمان وزمین کا مالک ہے اور جس کی طرف تمام امور کا انجام ہے تاکہ تو عربوں کو ڈرا دے جن کے بزرگ بھی آگاہی سے محروم

تھے۔ جو محض غافل ہیں۔ ان کا تنہا ذکر کرنا اس لئے نہیں کہ دوسرے اس تنبیہ سے الگ ہیں۔ جیسے کہ بعض افراد کے ذکر سے عام کی نفی نہیں ہوتی۔ حضورؐ کی بعثت عام تھی۔ ساری دنیا کی طرف تھی۔ اس کے دلائل وضاحت وتفصیل سے آیت قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں' اکثر لوگوں پر اللہ کے عذابوں کا قول ثابت ہو چکا ہے۔ انہیں تو ایمان نصیب نہیں ہونے کا۔ وہ تو تجھے جھٹلاتے ہی رہیں گے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِىْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِىَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِىَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْىِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَىْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِىْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ع ۱۲ ۱۸

ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جو ٹھوڑیوں تک پہنچ گئے ہیں جس سے ان کے سر بھی اونچے ہو گئے ہیں ○ اور ہم نے ان کے آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر کے اوپر سے بھی انہیں ڈھانپ دیا ہے۔ پس یہ دیکھ بھی نہیں سکتے ○ تو انہیں ہوشیار کرے یا نہ کرے دونوں ہی برابر ہے یہ ایمان قبول نہیں کریں گے ○ تو تو اسی کو ڈرا سکتا ہے جو نصیحت قبول کرے اور رب رحمٰن سے غائبانہ ڈرتا رہے تو اسے معافی کی اور بہترین ثواب کی خوشخبری سنا دے ○ ہم ہیں جو مردوں کو جلاتے ہیں اور جو کچھ لوگوں نے آگے بھیجا ہے اسے اور ان کے نشانات قدم کو لکھتے جاتے ہیں اور ہر چیز کا ہم نے لوح محفوظ میں شمار کر رکھا ہے ○

شب ہجرت اور کفار کے سر خاک: ☆☆ (آیت: ۸-۱۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان بدنصیبوں کا ہدایت تک پہنچنا بہت مشکل بلکہ محال ہے۔ یہ تو ان لوگوں کی طرح ہیں جن کے ہاتھ گردن پر باندھ دیئے جائیں اور ان کا سر اونچا جا رہا ہو۔ گردن کے ذکر کے بعد ہاتھ کا ذکر چھوڑ دیا لیکن مراد یہی ہے کہ گردن سے ملا کر ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں اور سر اونچے ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ بولنے میں ایک چیز کا ذکر کر کے دوسری چیز کو جو اسی سے سمجھ لی جاتی ہے' اس کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہی بات موجود ہے۔ غل کہتے ہی دونوں ہاتھوں کو گردن تک پہنچا کر گردن کے ساتھ جکڑ بند کر دینے کو۔ اسی لئے گردن کا ذکر کیا اور ہاتھوں کا ذکر چھوڑ دیا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے ہاتھ ان کی گردنوں سے باندھ دیئے ہیں۔ اس لئے وہ کسی کار خیر کی طرف ہاتھ بڑھا نہیں سکتے۔ ان کے سر اونچے ہیں۔ ان کے ہاتھ ان کے منہ پر ہیں۔ وہ ہر بھلائی کرنے سے قاصر ہیں' گردنوں کے اس طوق کے ساتھ ہی ان کے آگے دیوار ہے جو حق تسلیم کرنے میں مانع ہے۔ پیچھے بھی دیوار ہے یعنی حق کو ماننے میں رکاوٹ ہے یعنی حق سے روک ہے۔ اس وجہ سے تردد میں پڑے ہوئے ہیں۔ حق کے پاس آ نہیں سکتے۔ گمراہیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ حق کو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ نہ حق کی طرف راہ پائیں۔ نہ حق سے فائدہ اٹھائیں۔ ابن عباسؓ کی قراءت میں فَاَعْشَيْنٰهُمْ عین سے ہے۔ یہ ایک قسم کی آنکھ کی بیماری ہے جو انسان کو

نابینا کر دیتی ہے۔

پس اسلام وایمان کے اوران کے درمیان چوطرفہ رکاوٹ ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جن پر تیرے رب کا کلمہ حق ہو چکا ہے' وہ تو ایمان لانے کے ہی نہیں اگر چہ تو انہیں سب آیتیں بتا دے یہاں تک کہ وہ دردناک عذابوں کو خود دیکھ لیں۔ جسے اللہ روک دے' وہ کہاں سے روک ہٹا سکے۔ ایک مرتبہ ابوجہل ملعون نے کہا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو دیکھ لوں گا تو یوں کروں گا اور یوں کروں گا۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ لوگ اسے کہتے تھے' یہ ہیں محمد (ﷺ) لیکن اسے آپ دکھائی نہیں دیتے تھے اور پوچھتا تھا' کہاں ہیں؟ کہاں ہیں؟ ایک مرتبہ اسی ملعون نے ایک مجمع میں کہا تھا کہ یہ دیکھو' کہتا کہ اگر تم اس کی تابعداری کرو گے تو تم بادشاہ بن جاؤ گے اور مرنے کے بعد خلد نشین ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم اس کا خلاف کرو گے تو یہاں ذلت کی موت مارے جاؤ گے اور وہاں عذابوں میں گرفتار ہو گے۔ آج آنے تو دو۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ کی مٹھی میں خاک تھی۔

آپؐ ابتدا سورۂ یٰسین سے لَا یُبْصِرُوْنَ تک پڑھتے ہوئے آ رہے تھے۔ اللہ نے ان سب کو اندھا کر دیا اور آپؐ ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے۔ ان بدبختوں کا گروہ کا گروہ آپؐ کے گھر کو گھیرے ہوئے تھا۔ اس کے بعد ایک صاحب گھر سے نکلے۔ ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے گھیرا ڈالے کھڑے ہو۔ انہوں نے کہا محمدؐ کے انتظار میں ہیں۔ آج اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس نے کہا۔ واہ واہ۔ وہ تو گئے بھی اور تم سب کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے ہیں۔ یقین نہ ہو تو اپنے سر جھاڑو۔ اب جو سر جھاڑے تو واقعی خاک نکلی۔ حضورؐ کے سامنے جب ابوجہل کی یہ بات دوہرائی گئی تو آپؐ نے فرمایا' اس نے ٹھیک کہا' فی الواقع میری تابعداری ان کے لئے دونوں جہاں کی عزت کا باعث ہے اور میری نافرمانی ان کے لئے ذلت کا موجب ہے اور یہی ہو گا' ان پر مہر اللہ لگ چکی ہے۔ یہ نیک بات کا اثر نہیں لیتے۔ سورۂ بقرہ میں بھی اس مضمون کی ایک آیت گزر چکی ہے۔ اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ الخ یعنی جن پر کلمہ عذاب ثابت ہو گیا ہے' انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا گو تو انہیں تمام نشانیاں دکھا دے۔ یہاں تک کہ وہ خود اللہ کے عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں' ہاں تیری نصیحت ان پر اثر کر سکتی ہے جو بھلی بات کی تابعداری کرنے والے ہیں۔ قرآن کو ماننے والے ہیں۔ دین دیکھنے والے اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور ایسی جگہ بھی اللہ کا خوف رکھتے ہیں جہاں کوئی اور دیکھنے والا نہ ہو۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ ہمارے حال پر مطلع ہے اور ہمارے افعال کو دیکھ رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو تو گناہوں کی معافی کی اور اجر عظیم وجمیل کی خوشخبری پہنچا دے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جو لوگ پوشیدگی میں بھی اللہ کا خوف رکھتے ہیں' ان کے لئے مغفرت اور ثواب کبیر ہے' ہم ہی ہیں جو مردوں کو زندگی دیتے ہیں۔ ہم قیامت کے دن انہیں نئی زندگی میں پیدا کرنے پر قادر ہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ مردہ دلوں کے زندہ کرنے پر بھی اس اللہ کو قدرت ہے۔ وہ گمراہوں کو بھی راہ راست پر ڈال دیتا ہے۔ جیسے اور مقام پر مردہ دلوں کا ذکر کر کے قرآن حکیم نے فرمایا اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ الخ جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ ہم نے تمہاری سمجھ بوجھ کے لئے بہت کچھ بیان فرما دیا اور ہم ان کے پہلے بھیجے ہوئے اعمال لکھ لیتے ہیں اور ان کے آثار بھی۔ یعنی جو یہ اپنے بعد باقی چھوڑ آئے۔ اگر خیر باقی چھوڑ آئے ہیں تو جزا اور سزا نہ پائیں گے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے' جو شخص اسلام میں نیک طریقہ جاری کرے' اسے اس کا اور اسے جو کریں' اس سب کا بدلہ ملتا ہے۔ لیکن ان کے بدلے کم ہو کر نہیں اور جو شخص کسی برے طریقے کو جاری کرے' اس کا بوجھ اس پر ہے اور اس کا بھی جو اس پر اس کے بعد کاربند ہوں۔ لیکن ان کا بوجھ گھٹا کر نہیں۔ (مسلم)

ایک لمبی حدیث میں اس کے ساتھ ہی قبیلہ مضر کے چادر پوش لوگوں کا واقعہ بھی ہے اور آخر میں وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا پڑھنے کا ذکر

بھی ہے۔ صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے' جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام عمل کٹ جاتے ہیں مگر تین عمل۔ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے اور وہ صدقہ جاریہ جو اس کے بعد بھی باقی رہے۔ مجاہدؒ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ گمراہ لوگ جو اپنی گمراہی باقی چھوڑ جائیں۔ سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ ہر وہ نیکی بدی جسے اس نے جاری کیا اور اپنے بعد چھوڑ گیا۔ بغوی بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔ اس جملے کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ مراد آثار سے نشان قدم ہیں جو اطاعت یا معصیت کی طرف اٹھیں۔

حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اے ابن آدم' اگر اللہ تعالیٰ تیرے کسی فعل سے غافل ہوتا تو تیرے نشان قدم سے غافل ہوتا جنہیں ہوا مٹا دیتی ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے اور تیرے کسی عمل سے غافل نہیں۔ تیرے جتنے قدم اس کی اطاعت میں اٹھتے ہیں اور جتنے قدم تو اس کی معصیت میں اٹھاتا ہے' سب اس کے ہاں لکھے ہوئے ہیں۔ تم میں سے جس سے ہوسکے' وہ اللہ کی فرماں برداری کے قدم بڑھالے۔ اسی معنی کی بہت سی حدیثیں بھی ہیں۔ ''پہلی حدیث'' مسند احمد میں ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' مسجد نبویؐ کے آس پاس کچھ مکانات خالی ہوئے تو قبیلہ بنوسلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے محلے سے اٹھ کر یہیں قرب مسجد کے مکانات میں آبسیں۔ جب اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپؐ نے فرمایا' مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے؟ کیا ٹھیک ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں' آپؐ نے دو مرتبہ فرمایا' اے بنوسلمہ اپنے مکانات میں ہی رہو تمہارے قدم اللہ کے ہاں لکھے جاتے ہیں۔

''دوسری حدیث'' ابن ابی حاتم کی اسی روایت میں ہے کہ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس قبیلے نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ بزار کی اسی روایت میں ہے کہ بنوسلمہ نے مسجد سے اپنے گھر دور ہونے کی شکایت حضورؐ سے کی۔ اس پر یہ آیت اتری اور پھر وہ وہیں رہتے رہے۔ لیکن اس میں غرابت ہے کیونکہ اس میں اس آیت کا اس بارے میں نازل ہونا بیان ہوا ہے اور یہ پوری سورت مکی ہے۔ فاللہ اعلم۔

''تیسری حدیث'' ابن جریر میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جن بعض انصار کے گھر مسجد سے دور تھے' انہوں نے مسجد کے قریب کے گھروں میں آنا چاہا۔ اس پر یہ آیت اتری تو انہوں نے کہا' اب ہم ان گھروں کو نہیں چھوڑیں گے۔ یہ حدیث موقوف ہے۔ ''چوتھی حدیث'' مسند احمد میں ہے کہ ایک مدنی صحابیؓ کا مدینہ شریف میں انتقال ہوا تو آپؐ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھا کر فرمایا' کاش کہ یہ اپنے وطن کے سوا کسی اور جگہ فوت ہوتا۔ کسی نے کہا۔ یہ کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ جب کوئی مسلمان غیروطن میں فوت ہوتا ہے تو اس کے وطن سے لے کر وہاں تک کی زمین تک کا ناپ کر کے اسے جنت میں جگہ ملتی ہے۔

ابن جریر میں حضرت ثابتؒ سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز کے لئے مسجد کی طرف چلا۔ میں جلدی جلدی بڑے قدموں سے چلنے لگا تو آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور اپنے ساتھ آہستہ آہستہ ہلکے ہلکے قدموں سے لے جانے لگے۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا' میں حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ مسجد کو جارہا تھا اور تیز قدم چل رہا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا' اے انسؓ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ نشانات قدم لکھے جاتے ہیں؟ اس قول سے پہلے قول کی مزید تائید ہوتی ہے کیونکہ جب نشان قدم تک لکھے جاتے ہیں تو پھیلائی ہوئی بھلائی کیوں نہ لکھی جاتی ہوگی؟ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کل کائنات جمیع موجودات مضبوط کتاب لوح محفوظ میں درج ہے جو ام الکتاب ہے۔ یہی تفسیر بزرگوں سے آیت يَوْمَ نَدْعُوا کی تفسیر میں بھی مروی ہے کہ ان کا نامہ اعمال جس میں خیر و شر درج ہے جیسے آیت وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ الخ اور آیت وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ الخ میں ہے۔
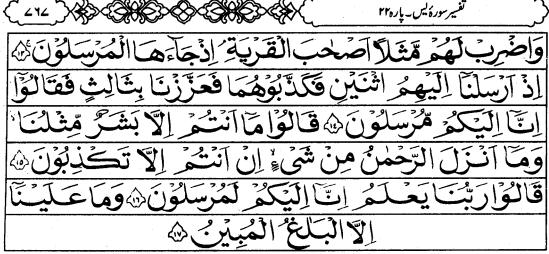
ان کے سامنے ایک بستی والوں کا حال بیان کیجئے جبکہ وہاں رسول آئے ○ ہم نے پہلے تو ان کے پاس دو رسول بھیجے- ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا تو ہم نے ان کی تائید ایک تیسرے رسول سے کی تینوں نے کہا کہ یقیناً ہم تمہاری جانب اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں ○ بستی والوں نے جواب دیا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو- فی الواقع اللہ رحمان نے تو کچھ بھی نہیں اتارا- تم قطعاً جھوٹ بول رہے ہو ○ رسولوں نے کہا' ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف اس کے رسول ہی ہیں ○ اور ہمارے ذمے تو صرف کھلا کھلا پیغام پہنچا دینا ہی ہے ○

ایک قصہ پارینہ: ☆☆ (آیت:۱۳-۱۷) اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ اپنی قوم کے ساتھ ان سابقہ لوگوں کا قصہ بیان فرمایئے جنہوں نے ان سے پہلے اپنے رسولوں کو ان کی طرح جھٹلایا تھا- یہ واقعہ شہر انطاکیہ کا ہے- وہاں کے بادشاہ کا نام انطیخش تھا- اس کے باپ اور دادا کا نام بھی یہی تھا- یہ سب راجہ پرجا بت پرست تھے- ان کے پاس اللہ کے تین رسول آئے- صادق' صدوق اور شلوم- اللہ کے درود و سلام ان پر نازل ہوں- لیکن ان بدنصیبوں نے سب کو جھٹلایا- عنقریب یہ بیان بھی آ رہا ہے کہ بعض بزرگوں نے اسے نہیں مانا کہ یہ واقعہ انطاکیہ کا ہو' پہلے تو اس کے پاس دو رسول آئے انہوں نے انہیں نہ مانا- ان دو کی تائید میں پھر تیسرے نبی آئے' پہلے دو رسولوں کا نام شمعونؑ اور یوحنا تھا اور تیسرے رسول کا نام بولصؑ تھا- ان سب نے کہا کہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں جس نے تمہیں پیدا کیا ہے' اس نے ہماری معرفت تمہیں حکم بھیجا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو- حضرت قتادہ بن دعامہ کا خیال ہے کہ یہ تینوں بزرگ جناب مسیح علیہ السلام کے بھیجے ہوئے تھے' بستی کے ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو- پھر کیا وجہ کہ تمہاری طرف اللہ کی وحی آئے اور ہماری طرف نہ آئے؟ ہاں اگر تم رسول ہوتے تو چاہئے تھا کہ تم فرشتے ہوتے- اکثر کفار نے یہی شبہ اپنے اپنے زمانے کے پیغمبروں کے سامنے پیش کیا تھا- جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ذٰلِكَ بِاَنَّه كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الخ یعنی لوگوں کے پاس رسول آئے اور انہوں نے جواب دیا کہ کیا انسان ہمارے ہادی بن کر آ گئے؟ اور آیت میں ہے قَالُوْآ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا الخ یعنی تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو- تم صرف یہ چاہتے ہو کہ ہمیں اپنے باپ دادوں کے معبودوں سے روک دو- جاؤ کوئی کھلا' غلبہ لے کر آؤ-

اور جگہ قرآن پاک میں ہے وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ یعنی کافروں نے کہا کہ اگر تم نے اپنے جیسے انسانوں کی تابعداری کی تو یقیناً تم بڑے ہی گھاٹے میں پڑ گئے- اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ آیت وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا الخ میں اس کا بیان ہے- یہی ان لوگوں نے بھی ان تینوں نبیوں سے کہا کہ تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو اور حقیقت میں اللہ نے تو کچھ بھی نازل نہیں فرمایا- تم یونہی غلط سلط کہہ رہے ہو' پیغمبروں نے جواب دیا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ ہم اس کے سچے رسول ہیں- اگر ہم جھوٹے ہوتے

تو اللہ پر جھوٹ باندھنے کی سزا ہمیں اللہ تعالیٰ دے دیتا لیکن تم دیکھو گے کہ وہ ہماری مدد کرے گا اور ہمیں عزت عطا فرمائے گا - اس وقت تمہیں خود روشن ہو جائے گا کہ کون شخص بہ اعتبار انجام کے اچھا رہا؟ جیسے اور جگہ ارشاد ہے قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا الخ میرے تمہارے درمیان اللہ کی شہادت کافی ہے - وہ تو آسمان وزمین کے غیب جانتا ہے' باطل پر ایمان رکھنے والے اور اللہ سے کفر کرنے والے ہی نقصان یافتہ ہیں' سنو ہمارے ذمے تو صرف تبلیغ ہے - مانو گے' تمہارا بھلا ہے - نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے - ہمارا کچھ نہیں بگاڑو گے - کل اپنے کئے کا خمیازہ بھگتو گے -

قَالُوْۤا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾

وہ کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں - اگر تم اب بھی باز نہ آئے تو یقین مانو کہ ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کر دیں گے اور تمہیں ہماری طرف سے سنگین سزا دی جائے گی ○

انبیاء و رسل سے کافروں کا رویہ: ☆☆ (آیت: ۱۸) ان کافروں نے ان رسولوں سے کہا کہ تمہارے آنے سے ہمیں کوئی برکت و خیریت تو ملی نہیں - بلکہ اور برائی اور بدی پہنچی - تم ہو ہی بدشگون اور تم جہاں جاؤ گے' بلائیں برسیں گی - سنو' اگر تم اپنے اس طریقے سے باز نہ آئے اور یہی کہتے رہے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور سخت المناک سزائیں دیں گے -

قَالُوْا طَاۤىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

رسولوں نے جواب دیا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی ہے کیا یہی نحوست ہے کہ تمہیں سمجھایا گیا ہے - اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ کسی حد پر قائم ہی نہیں ہو ○ اسی بستی کے دور دراز مقام سے ایک شخص دوڑتا بھاگتا آیا' کہنے لگا کہ اے میری قوم ان رسولوں کی پیروی کرو ○ ان کی راہ چلو - یہ تو تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے - پھر ہیں بھی راہ راست پر ○

رسولوں کا جواب: ☆☆ (آیت: ۱۹) رسولوں نے جواب دیا کہ تم خود بدفطرت ہو - تمہارے اعمال ہی برے ہیں اور اسی وجہ سے تم پر مصیبتیں آنے والی ہیں - جیسا کرو گے ویسا بھرو گے - یہی بات فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے مومنوں سے کہی تھی - جب انہیں کوئی راحت ملتی تو کہتے' ہم تو اس کے مستحق ہی تھے اور اگر کوئی رنج پہنچتا تو حضرت موسیٰؑ اور مومنوں کی بدشگونی پر اسے محمول کرتے - جس کے جواب میں جناب باری نے فرمایا اَلَاۤ اِنَّمَا طٰۤىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی ان کی مصیبتوں کی وجہ ان کے بداعمال ہیں جن کا وبال ہماری جناب سے انہیں پہنچ رہا ہے - قوم صالحؑ نے بھی اپنے نبی سے یہی کہا تھا اور یہی جواب پایا تھا - خود جناب پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بھی یہی کہا گیا ہے جیسے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ یعنی اگر ان کافروں کو کوئی نفع ہوتا ہے تو کہتے ہیں' یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان ہوتا ہے تو کہتے ہیں' یہ تیری طرف

سے ہے' تو کہہ دے کہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ان سے یہ بات بھی نہیں سمجھی جاتی؟ پھر فرماتا ہے کہ صرف اس وجہ سے کہ ہم نے تمہیں نصیحت کی' تمہاری خیر خواہی کی' تمہیں بھلی راہ سمجھائی' تمہیں اللہ کی توحید کی طرف رہ نمائی کی' تمہیں اخلاص و عبادت کے طریقے سکھائے۔ تم ہمیں منحوس سمجھنے لگے اور ہمیں اس طرح ڈرانے دھمکانے لگے اور خوفزدہ کرنے لگے اور مقابلہ پر اتر آئے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم فضول خرچ لوگ ہو۔ حدود الٰہیہ سے تجاوز کر جاتے ہو۔ ہمیں دیکھو کہ ہم تمہاری بھلائی چاہیں۔ تمہیں دیکھو کہ تم ہم سے برائی سمجھو۔ بتاؤ تو بھلا یہ کوئی انصاف کی بات ہے؟ افسوس تم انصاف کے دائرے سے نکل گئے۔

مبلغ حق شہید کر دیا: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) مروی ہے کہ اس بستی کے لوگ یہاں تک سرکش ہو گئے کہ انہوں نے پوشیدہ طور پر نبیوں کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ ایک مسلمان شخص جو اس بستی کے آخری حصے میں رہتا تھا' جس کا نام حبیب تھا اور رسے کا کام کرتا تھا' تھا بھی بیمار' جذام کی بیماری تھی' بہت سخی آدمی تھا۔ جو کماتا تھا اس کا آدھا حصہ راہ اللہ خیرات کر دیا کرتا تھا۔ دل کا نرم اور فطرت کا اچھا تھا۔ لوگوں سے الگ تھلگ ایک غار میں بیٹھ کر اللہ عزوجل کی عبادت کیا کرتا تھا۔ اس نے جب اپنی قوم کے اس بدارادے کو کسی طرح معلوم کر لیا تو اس سے صبر نہ ہو سکا۔ دوڑتا بھاگتا آیا۔ بعض کہتے ہیں' یہ بڑھئی تھے۔ ایک قول ہے کہ یہ دھوبی تھے۔ عمر بن حکمؒ فرماتے ہیں' جوتی گانٹھنے والے تھے۔ اللہ ان پر رحم کرے۔ انہوں نے آ کر اپنی قوم کو سمجھانا شروع کیا۔ کہ تم ان رسولوں کی تابعداری کرو' ان کا کہا مانو۔

ان کی راہ چلو' دیکھو تو یہ اپنا کوئی فائدہ نہیں کر رہے۔ یہ تم سے تبلیغ رسالتؑ پر کوئی بدلہ نہیں مانگتے۔ اپنی خیر خواہی کی کوئی اجرت تم سے طلب نہیں کر رہے۔ درد دل سے تمہیں اللہ کی توحید کی دعوت دے رہے ہیں اور سیدھے اور سچے راستے کی رہ نمائی کر رہے ہیں۔ خود بھی اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ تمہیں ضرور ان کی دعوت پر لبیک کہنا چاہیے اور ان کی اطاعت کرنی چاہیے۔ لیکن قوم نے ان کی ایک نہ سنی بلکہ انہیں شہید کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنه و ارضاه۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

"یہ ذی کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نورانیت کی طرف نکال لائیں"

بفضلہ تعالیٰ تمام تفسیروں سے اعلیٰ تفسیر

تفسیر ابن کثیر

جلد چہارم

رأس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

وَمَا لِيَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِيۡ فَطَرَنِيۡ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنۡ يُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّيۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَيۡـًٔا وَّلَا يُنۡقِذُوۡنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيۡۤ اِذًا لَّفِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّكُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿۲۵﴾

مجھے کیا ہو گیا ہے جو میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ کیا میں اسے چھوڑ کر ایسوں کو معبود بناؤں کہ اگر رب رحمان مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں ○ پھر تو میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں ○ میری سنو! میں تو سچے دل سے تم سب کے رب پر ایمان لا چکا ○

راہ حق کا شہید: ☆☆ (آیت:۲۲-۲۵) وہ نیک بخت شخص جو اللہ کے رسولوں کی تکذیب وتردید اور توہین ہوتی دیکھ کر دوڑا ہوا آیا تھا اور جس نے اپنی قوم کو نبیوں کی تابعداری کی رغبت دلائی تھی' وہ اب اپنے عمل اور عقیدے کو ان کے سامنے پیش کر رہا ہے اور انہیں حقیقت سے آگاہ کر کے ایمان کی دعوت دے رہا ہے' کہتا ہے کہ میں تو صرف اپنے خالق ومالک اللہ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ کی ہی عبادت کرتا ہوں- جبکہ صرف اسی نے مجھے پیدا کیا ہے تو میں اس کی عبادت کیوں نہ کروں؟ پھر یہ نہیں کہ اب ہم اس کی قدرت سے نکل گئے ہیں؟ اس سے اب ہمارا کوئی تعلق نہ رہا ہو؟ نہیں بلکہ سب کے سب لوٹ کر پھر اس کے سامنے جمع ہونے والے ہیں- اس وقت وہ ہر بھلائی برائی کا بدلہ دے گا- یہ کیسی شرم کی بات ہے کہ میں اس خالق وقادر کو چھوڑ کر اوروں کو پوجوں جو نہ تو یہ طاقت رکھیں کہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کسی مصیبت کو مجھ پر سے ٹال دیں' نہ یہ کہ ان کے کہنے سننے کی وجہ سے مجھے کوئی برائی پہنچے' اللہ اگر مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو یہ اسے دفع نہیں کر سکتے' روک نہیں سکتے' نہ مجھے اس سے بچا سکتے ہیں- اگر میں ایسے کمزوروں کی عبادت کرنے لگوں تو مجھ سے بڑھ کر گمراہ اور بہکا ہوا اور کون ہوگا؟ پھر تو نہ صرف مجھے بلکہ دنیا کے ہر بھلے انسان کو میری گمراہی کھل جائے گی- میری قوم کے لوگو! اپنے جس حقیقی معبود اور پروردگار سے تم منکر ہوئے ہو' سنو! میں تو اس کی ذات پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ بھی معنی اس آیت کے ہو سکتے ہیں کہ اس اللہ کے بندے مرد صالح نے اب اپنی قوم سے روگردانی کر کے اللہ کے ان رسولوں سے یہ کہا ہو کہ اللہ کے پیغمبرو! تم میرے ایمان کے گواہ رہنا! میں اس اللہ کی ذات پر ایمان لایا جس نے تمہیں برحق رسول بنا کر بھیجا ہے' پس گویا یہ اپنے ایمان پر' اللہ کے رسولوں کو گواہ بنا رہا ہے- یہ قول بہ نسبت اگلے قول کے بھی زیادہ واضح ہے- واللہ اعلم- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ اتنا ہی کہنے پائے تھے جو تمام کفار پل پڑے اور زدوکوب کرنے لگے- کون تھا جو انہیں بچاتا؟ پتھر مارتے مارتے انہیں اسی وقت فی الفور شہید کر دیا (رضی اللہ تعالیٰ عنه و ارضاه) یہ اللہ کے بندے' یہ سچے ولی اللہ پتھر کھا رہے تھے لیکن زبان سے یہی کہے جا رہے تھے کہ اللہ میری قوم کو ہدایت کر' یہ جانتے نہیں-

قِيۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيۡتَ قَوۡمِيۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيۡ رَبِّيۡ وَجَعَلَنِيۡ مِنَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنۡزِلِيۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ﴿۲۹﴾

(اس سے) کہا گیا کہ جنت میں چلا جا کہنے لگا' کاش کہ میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ ○ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے ذی عزت لوگوں میں سے کر دیا ○ اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا اور نہ اس طرح ہم اتارا کرتے ہیں ○ وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکا یک وہ سب کے سب بجھ بجھا گئے ○

ظالموں کے لئے عذاب الٰہی: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۹) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کفار نے اس مومن کامل کو بے طرح مارا پیٹا' اسے گرا کر اس کے پیٹ پر چڑھ بیٹھے اور پیروں سے اسے روندنے لگے یہاں تک کہ اس کی آنتیں اس کے پیچھے کے راستے سے باہر نکل آئیں۔ اسی وقت اللہ کی طرف سے اسے جنت کی خوشخبری سنائی گئی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے رنج و غم سے آزاد کر دیا اور امن چین کے ساتھ جنت میں پہنچا دیا' ان کی شہادت سے اللہ خوش ہوا' جنت ان کے لئے کھول دی گئی اور داخلہ کی اجازت مل گئی' اپنے ثواب و اجر' عزت و اکرام کو دیکھ کر پھر اس کی زبان سے نکل گیا' کاش کہ میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور میرا بڑا ہی اکرام کیا۔ فی الواقع مومن سب کے خیر خواہ ہوتے ہیں' وہ دھوکے باز اور بد خواہ نہیں ہوتے۔ دیکھئے اس اللہ والے شخص نے زندگی میں بھی قوم کی خیر خواہی کی اور بعد مرگ بھی ان کا خیر خواہ رہا۔ یہ بھی مطلب ہے کہ وہ کہتا ہے' کاش کہ میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے کس سبب سے میرے رب نے بخشا اور کیوں میری عزت کی تو لامحالہ وہ بھی اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتی' اللہ پر ایمان لاتی اور رسولوں کی پیروی کرتی' اللہ ان پر رحمت کرے اور ان سے خوش رہے۔ دیکھو تو قوم کی ہدایت کے کس قدر خواہش مند تھے۔

حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ حضورؐ اگر اجازت دیں تو میں اپنی قوم میں تبلیغ دین کے لئے جاؤں اور انہیں دعوت اسلام دوں؟ آپؐ نے فرمایا' ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں قتل کر دیں؟ جواب دیا کہ حضورؐ اس کا تو خیال تک نہیں۔ انہیں مجھ سے اس قدر الفت و عقیدت ہے کہ میں سویا ہوا ہوں تو وہ مجھے جگائیں گے بھی نہیں' آپؐ نے فرمایا' اچھا پھر جائیے' یہ چلے' جب لات و عزیٰ کے بتوں کے پاس سے ان کا گزر ہوا تو کہنے لگے' اب تمہاری شامت آ گئی۔ قبیلہ ثقیف بگڑ بیٹھا۔ انہوں نے کہنا شروع کیا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم ان بتوں کو ترک کرو۔ یہ لات و عزیٰ دراصل کوئی چیز نہیں' اسلام قبول کرو تو سلامتی حاصل ہو گی۔ اے میرے بھائی بندو! یقین مانو کہ یہ بت کچھ حقیقت نہیں رکھتے' ساری بھلائی اسلام میں ہے وغیرہ۔ ابھی تو تین ہی مرتبہ صرف اس کلمہ کو دوہرایا تھا جو ایک بدنصیب تن جلے نے دور سے ایک ہی تیر چلایا جو رگ اکحل پر لگا اور اسی وقت شہید ہو گئے' حضور علیہ السلام کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا' یہ ایسا ہی تھا جیسے سورۂ یٰسین والا جس نے کہا تھا' کاش کہ میری قوم میری مغفرت و عزت کو جان لیتی۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کے پاس جب حبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر آیا جو قبیلہ بنو مازن بن نجار سے تھے جنہیں یمامہ میں مسیلمہ کذاب ملعون نے شہید کر دیا تھا تو آپ نے فرمایا' اللہ کی قسم یہ حبیب بھی اسی حبیب کی طرح تھے جن کا ذکر سورۂ یٰسین میں ہے' ان سے اس کذاب نے حضورؐ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' بیشک وہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اس نے کہا۔ میری نسبت بھی تو گواہی دیتا ہے کہ میں رسول اللہ ہوں؟ تو حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' میں نہیں سنتا۔ اس نے کہا محمد (ﷺ) کی نسبت تو کیا کہتا ہے؟ جواب دیا کہ میں ان کی سچی رسالت کو مانتا ہوں' اس نے پھر پوچھا' میری رسالت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ جواب دیا کہ میں نہیں سنتا۔ اس ملعون نے کہا' ان کی نسبت تو سن لیتا ہے اور میری نسبت بہرا بن جاتا ہے۔ ایک مرتبہ پوچھتا اور ان کے اس جواب پر ایک عضو بدن کٹوا دیتا' پھر پوچھتا' پھر یہی جواب پاتا۔ پھر ایک عضو بدن کٹواتا' اسی طرح جسم کا ایک ایک جوڑ کٹوا دیا اور وہ اپنے سچے اسلام پر آخری دم

تک قائم رہے اور جو جواب پہلے تھا' وہی آخر تک رہا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَ اَرْضَاہُ۔

اس کے بعد ان لوگوں پر جو غضب الٰہی نازل ہوا اور جس عذاب سے وہ غارت کر دیئے گئے' اس کا ذکر ہو رہا ہے' چونکہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا' اللہ کے ولی کو قتل کیا' اس لئے ان پر عذاب اترا اور ہلاک کر دیئے گئے لیکن انہیں برباد کرنے کے لئے اللہ نے تو کوئی لشکر آسمان سے بھیجا نہ کوئی خاص اہتمام کرنا پڑا نہ کسی بڑے سے بڑے کام کے لئے اس کی ضرورت' اس کا تو صرف حکم کر دینا کافی ہے' نہ انہیں اس کے بعد کوئی تنبیہہ کی گئی نہ ان پر فرشتے اتارے گئے بلکہ بلامہلت عذاب میں پکڑ لئے گئے اور بغیر اس کے کہ کوئی نام لینے والا' پانی دینے والا ہو' اول سے آخر تک ایک ایک کر کے سب کے سب فنا کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ جبرئیل علیہ السلام آئے اور ان کے شہر انطاکیہ کے دروازے کی چوکھٹ تھام کر اس زور سے ایک آواز لگائی کہ کلیجے پاش پاش ہو گئے' دل اڑ گئے اور روحیں پرواز کر گئیں۔

حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ ان لوگوں کے پاس جو تینوں رسول آئے تھے' یہ حضرت عیسیٰؑ کے بھیجے ہوئے قاصد تھے لیکن اس میں قدرے کلام ہے' اولاً تو یہ کہ قصے کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مستقل رسولؑ تھے۔ فرمان ہے اِذْ اَرْسَلْنَا الخ' جبکہ ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے۔ جب انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کی مدد کے لئے تیسرا رسول بھیجا۔ پھر اللہ کے یہ رسول اہل انطاکیہ سے کہتے ہیں اِنَّآ اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ الخ' یعنی ہم تمہاری طرف رسول ہیں۔ پس اگر یہ تینوں حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے حضرت عیسیٰؑ کے بھیجے ہوئے ہوتے تو انہیں یہ کہنا مناسب نہ تھا بلکہ وہ کوئی ایسا جملہ کہتے جس سے معلوم ہو جاتا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کے قاصد ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر یہ بھی ایک قرینہ ہے کہ کفار انطاکیہ ان کے جواب میں کہتے ہیں اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تم تو ہم ہی جیسے انسان ہو' دیکھو یہ کلمہ کفار ہمیشہ رسولوں کو ہی کہتے رہے۔ اگر وہ حواریوں میں سے ہوتے تو ان کا مستقل دعویٰ رسالت کا تھا ہی نہیں۔ پھر انہیں یہ لوگ یہ الزام ہی کیوں دیتے؟ ثانیاً اہل انطاکیہ کی طرف حضرت مسیحؑ کے قاصد گئے تھے اور اس وقت اس بستی کے لوگ ان پر ایمان لائے تھے بلکہ یہی وہ بستی ہے جو ساری کی ساری جناب مسیحؑ پر ایمان لائی۔ اسی لئے نصرانیوں کے وہ چار شہر جو مقدس سمجھے جاتے ہیں' ان میں ایک یہ بھی ہے۔ بیت المقدس کی بزرگی کے وہ قائل اس لئے ہیں کہ وہ حضرت مسیحؑ کا شہر ہے اور انطاکیہ کو حرمت والا شہر اس لئے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہیں کے لوگ حضرت مسیحؑ پر ایمان لائے اور اسکندریہ کی عظمت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مذہبی عہدے داروں کے تقرر پر اجماع کیا اور رومیہ کی حرمت کے قائل اس وجہ سے ہیں کہ شاہ قسطنطین کا شہر یہی ہے اور اسی بادشاہ نے ان کے دین کی امداد کی تھی اور یہیں ان کے تبرکات کو رومیہ سے یہاں لا رکھا۔ سعد بن بطریق وغیرہ نصرانی مورخین کی تاریخ کی کتابوں میں یہ سب واقعات مذکور ہیں۔ مسلمان مورخین نے بھی یہی لکھا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انطاکیہ والوں نے حضرت عیسیٰؑ کے قاصدوں کی تو مان لی تھی۔ اور یہاں بیان ہے کہ انہوں نے نہ مانی اور ان پر عذاب الٰہی آیا اور تہس نہس کر دیئے گئے تو ثابت ہوا کہ یہ واقعہ اور ہے۔ یہ رسول مستقل رسالت پر مامور تھے۔ انہوں نے نہ مانا جس پر انہیں سزا ہوئی اور وہ بے نشان کر دیئے گئے اور چراغ سحری کی طرح بجھا دیئے گئے۔ واللہ اعلم۔

ثالثاً انطاکیہ والوں کا قصہ جو حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کے ساتھ وقوع میں آیا' وہ قطعاً تورات کے اترنے کے بعد کا ہے اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ توراۃ کے نازل ہو چکنے کے بعد کسی بستی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آسمانی عذاب سے بالکل برباد نہیں کیا بلکہ مومنوں کو کافروں سے جہاد کرنے کا حکم دے کر کفار کو نیچا دکھایا ہے جیسا کہ آیت وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَھْلَکْنَا الخ کی تفسیر میں ہے اور اس بستی کی آسمانی ہلاکت پر آیات قرآنی شاہد عدل موجود ہیں اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ

واقعہ انطاکیہ کا نہیں جیسے کہ بعض سلف کے اقوال بھی اسے مستثنیٰ کر کے بتاتے ہیں کہ اس سے مراد مشہور شہر انطاکیہ نہیں' ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انطاکیہ نامی کوئی شہر اور بھی ہو اور یہ واقعہ وہاں کا ہو۔ اس لئے کہ جو انطاکیہ مشہور ہے' اس کا عذاب الٰہی سے نیست و نابود ہونا مشہور نہیں ہوا۔ نہ تو نصرانیت کے زمانہ میں اور نہ اس سے پہلے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم' یہ بھی یاد رہے کہ طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ دنیا میں تین ہی شخص سبقت کرنے میں سب سے آگے نکل گئے ہیں' حضرت موسیٰؑ کی طرف سبقت کرنے والے تو حضرت یوشع بن نونؑ تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی طرف سبقت کرنے والے وہ شخص تھے جن کا ذکر سورۂ یٰسین میں ہے اور محمد ﷺ کی خدمت میں آگے بڑھنے والے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' یہ حدیث بالکل منکر ہے۔ صرف حسین اشعر اسے روایت کرتا ہے اور وہ شیعہ ہے اور متروک ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم بالصواب۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۰﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾ وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۳۲﴾ ع۲

بندوں پر افسوس! کبھی بھی کوئی رسول ان کے پاس نہیں آیا جس کی ہنسی انہوں نے نہ اڑائی ہو ○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے بہت سی بستیاں ہم نے غارت کر دی ہیں جو ان کی طرف واپس نہیں لوٹتے ○ اور نہیں ہے کوئی جماعت مگر یہ جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کی جائے گی ○

منکرین کی ندامت: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۲) بندوں پر حسرت و افسوس ہے۔ بندے کل اپنے اوپر کیسے نادم ہوں گے۔ بار بار کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم نے تو خود اپنا برا کیا۔ بعض قراتوں میں یٰحَسْرَةَ الْعِبَادِ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بھی ہے مطلب یہ ہے۔ کہ قیامت کے دن عذابوں کو دیکھ کر ہاتھ ملیں گے کہ انہوں نے کیوں رسولوں کو جھٹلایا اور کیوں اللہ کے فرمان کے خلاف کیا؟

دنیا میں تو ان کا یہ حال تھا کہ جب کبھی جو رسول آیا' انہوں نے بلا تامل جھٹلایا اور دل کھول کر ان کی بے ادبی اور توہین کی۔ وہ اگر یہاں تامل کرتے تو سمجھ لیتے کہ ان سے پہلے جن لوگوں نے پیغمبروں کی نہ مانی تھی' وہ غارت و برباد کر دیئے گئے' ان کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ ایک بھی تو ان میں سے نہ بچ سکا' نہ اس دار آخرت سے کوئی واپس پلٹا۔ اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو دہریہ تھے۔ جن کا خیال تھا کہ یونہی دنیا میں مرتے جیتے چلے جائیں گے' لوٹ لوٹ کر اس دنیا میں آئیں گے۔ تمام گزرے ہوئے موجود اور آنے والے لوگ قیامت کے دن اللہ کے سامنے حساب و کتاب کے لئے حاضر کئے جائیں گے اور وہاں ہر ایک بھلائی برائی کا بدلہ پائیں گے۔

جیسے اور آیت میں فرمایا وَاِنْ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ یعنی ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ تیرا رب عطا فرمائے گا' ایک قراءت میں لَمَا ہے تو ان اثبات کے لئے ہوگا اور لَمَّا پڑھنے کے وقت ان نافیہ ہوگا اور لَمَّا معنی میں اِلَّا کے ہوگا' تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ نہیں ہیں سب مگر یہ کہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر شدہ ہیں۔ دوسری قراءت کی صورت میں بھی مطلب یہی رہے گا۔ واللہ سبحان وتعالیٰ اعلم۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا
فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ
وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا
عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ
كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾
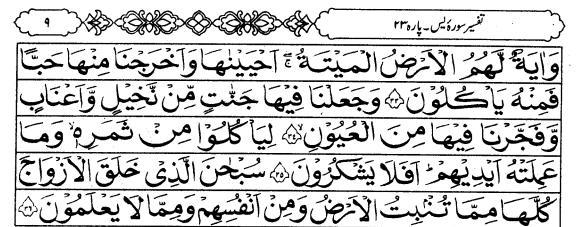
ان کے لئے ایک نشانی خشک مردہ زمین ہے جسے ہم زندہ کر دیتے ہیں اور جس سے اناج نکالتے ہیں جس میں سے وہ کھاتے ہیں ○ اور ہم اس میں کھجوروں کے اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیتے ہیں جن میں ہم چشمے بھی جاری کر دیتے ہیں ○ تاکہ لوگ اس کے پھل کھائیں انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اسے نہیں بنایا' پھر کیوں شکر گذاری نہیں کرتے؟ ○ وہ پاک ذات ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہوں خواہ خود ان کے نفوس ہوں' خواہ وہ چیزیں ہوں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں ○

وجود باری تعالیٰ کی ایک نشانی: ☆☆ (آیت:۳۳-۳۶) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے وجود پر' میری زبردست قدرت پر اور مردوں کو زندگی دینے پر ایک نشانی یہ بھی ہے کہ مردہ زمین جو بنجر خشک پڑی ہوئی ہوتی ہے' جس میں کوئی روئیدگی' تازگی' ہریاول' گھاس وغیرہ نہیں ہوتی' میں اس پر آسمان سے پانی برساتا ہوں' وہ مردہ زمین جی اٹھتی ہے' لہلہانے لگتی ہے' ہر طرف سبزہ ہی سبزہ اگ جاتا ہے' اور قسم قسم کے پھل پھول وغیرہ نظر آنے لگتے ہیں- تو فرماتا ہے کہ ہم اس مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں اور اس سے قسم قسم کے اناج پیدا کرتے ہیں' بعض کو تم کھاتے ہو' بعض تمہارے جانور کھاتے ہیں- ہم اس میں کھجوروں کے' انگوروں کے باغات وغیرہ تیار کر دیتے ہیں- نہریں جاری کر دیتے ہیں جو باغوں اور کھیتوں کو سیراب' سرسبز و شاداب کرتی رہتی ہیں- یہ سب اس لئے کہ ان درختوں کے میوے دنیا کھائے' کھیتیوں سے' باغات سے نفع حاصل کرے' حاجتیں پوری کرے' یہ سب اللہ کی رحمت اور اس کی قدرت سے پیدا ہو رہے ہیں' کسی کے بس اور اختیار میں نہیں' تمہارے ہاتھوں کی پیدا کردہ یا حاصل کردہ چیزیں نہیں- نہ تم میں انہیں اگانے کی طاقت نہ تم میں انہیں بچانے کی قدرت' نہ انہیں پکانے کا تمہیں اختیار- صرف اللہ کے یہ کام ہیں اور اسی کی یہ مہربانی ہے اور اس کے احسان کے ساتھ ہی ساتھ یہ اس کی قدرت کے نمونے ہیں' پھر لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو شکر گزاری نہیں کرتے؟ اور اللہ تعالیٰ کی بے انتہا ان گنت نعمتیں اپنے پاس ہوتے ہوئے اس کا احسان نہیں مانتے؟-

ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ باغات کے پھل جو کھاتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کا بویا ہوا یہ پاتے ہیں' چنانچہ ابن مسعود کی قرأت میں وَمِمَّا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ہے- پاک اور برتر اور تمام نقصانات سے بری وہ اللہ ہے جس نے زمین کی پیداوار کو اور خود تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے اور مختلف قسم کی مخلوق کے جوڑے بنائے ہیں جنہیں تم جانتے بھی نہیں ہو- جیسے اور آیت میں ہے وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے ہیں تا کہ تم نصیحت پکڑو-

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ښ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾
وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾
وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ

يَنۢبَغِىْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور ان کے لئے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو الگ کر دیتے ہیں تو وہ یکایک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں O اور سورج کے لئے جو مقررہ راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے یہ ہے اندازہ غالب باعلم اللہ کا O اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ وہ ہر پھر کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے O نہ تو آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے۔ سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں O

گردش شمس وقمر: ☆☆ (آیت: ۳۷-۴۰) اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک اور نشانی بیان ہو رہی ہے اور وہ دن رات ہیں جو اجالے اور اندھیرے والے ہیں اور برابر ایک دوسرے کے پیچھے جا رہے ہیں جیسے فرمایا يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا رات سے دن کو چھپاتا ہے اور رات دن کو جلدی جلدی ڈھونڈتی آتی ہے۔ یہاں بھی فرمایا' رات میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں' دن تو ختم ہوا اور رات آ گئی اور ہر طرف سے اندھیرا چھا گیا۔ حدیث میں ہے' جب ادھر سے رات آ جائے اور دن ادھر سے چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزے دار افطار کر لے۔ ظاہر آیت تو یہی ہے لیکن حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب مثل آیت يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔

حضرت امام ابن جریرؒ اس قول کو ضعیف بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں' اس آیت میں جو لفظ ایلاج ہے' اس کے معنی ایک کی کمی کر کے دوسری میں زیادتی کرنے کے ہیں' اور یہ مراد اس آیت میں نہیں' امام صاحب کا یہ قول حق ہے۔ مُسْتَقَرّ سے مراد یا تو مستقر مکانی یعنی جائے قرار ہے اور وہ عرش تلے کی وہ سمت ہے پس ایک سورج ہی نہیں بلکہ کل مخلوق عرش کے نیچے ہی ہے اس لئے کہ عرش ساری مخلوق کے اوپر ہے اور سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ کُرّہ نہیں ہے جیسے کہ ہیئت داں کہتے ہیں۔ بلکہ وہ مثل قبے کے ہے جس کے پائے ہیں اور جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ انسانوں کے سروں کے اوپر اوپر والے عالم میں ہے' پس جبکہ سورج فلکی قبے میں ٹھیک ظہر کے وقت ہوتا ہے' اس وقت وہ عرش سے بہت قریب ہوتا ہے۔ پھر جب وہ گھوم کر چوتھے فلک میں اسی مقام کے بالمقابل آ جاتا ہے' یہ آدھی رات کا وقت ہوتا ہے جبکہ وہ عرش سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ پس وہ سجدہ کرتا ہے اور طلوع کی اجازت چاہتا ہے جیسے کہ احادیث میں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے' حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں سورج کے غروب ہونے کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد میں تھا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا' جانتے ہو یہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ میں نے کہا' اللہ اور اس کا رسولؐ ہی خوب جانتا ہے' آپؐ نے فرمایا' وہ عرش تلے جا کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ پھر آپ نے آیت وَالشَّمْسُ الخ' تلاوت کی۔ اور حدیث میں ہے کہ آپؐ سے حضرت ابوذرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا' اس کی قرار گاہ عرش کے نیچے ہے۔ مسند احمد میں اس سے پہلے کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے واپس لوٹنے کی اجازت طلب کرتا ہے اور اسے اجازت دی جاتی ہے۔ گویا اس سے کہا جاتا ہے کہ جہاں سے آیا تھا' وہیں لوٹ جا تو وہ اپنے طلوع ہونے کی جگہ سے نکلتا ہے اور یہی اس کا مستقر ہے' پھر آپ نے اس آیت کے ابتدائی فقرے کو پڑھا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے لیکن قبول نہ کیا جائے اور اجازت مانگے لیکن اجازت نہ دی جائے بلکہ کہا جائے' جہاں سے آیا ہے' وہیں لوٹ جا۔ پس وہ مغرب سے ہی طلوع کرے یہی معنی ہیں اس آیت کے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سورج طلوع ہوتا ہے۔ اسے انسانوں کے گناہ لوٹا دیتے ہیں۔ وہ غروب ہو کر سجدے میں پڑتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے' ایک دن یہ غروب ہو کر بہ عاجزی

سجدہ کرے گا اور اجازت مانگے گا لیکن اجازت نہ دی جائے گی - وہ کہے گا کہ راہ دور ہے اور اجازت ملی نہیں تو پہنچ نہیں سکوں گا - پھر کچھ دیر روک رکھنے کے بعد اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے غروب ہوا تھا' وہیں سے طلوع ہو جا - یہی قیامت کا دن ہوگا جس دن ایمان لانا محض بے سود ہوگا اور نیکیاں کرنی بھی ان کے لئے جو اس سے پہلے ایمان دار اور نیکو کار نہ تھے' بیکار ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مستقر سے مراد اس کے چلنے کی انتہا ہے - پوری بلندی جو گرمیوں میں ہوتی ہے اور پوری پستی جو جاڑوں میں ہوتی ہے - پس یہ ایک قول ہوا -

دوسرا قول یہ ہے کہ آیت کے اس لفظ مستقر سے مراد اس کی چال کا خاتمہ ہے - قیامت کے دن اس کی حرکت باطل ہو جائے گی - یہ بے نور ہو جائے گا اور یہ عالم کل کا کل ختم ہو جائے گا - یہ مستقر زمانی ہے - حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' وہ اپنے مستقر پر چلتا ہے یعنی اپنے وقت اور اپنی میعاد پر جس سے تجاوز کر نہیں سکتا - جو اس کے راستے جاڑوں کے اور گرمیوں کے مقرر ہیں' انہی راستوں سے آتا جاتا ہے' ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی قراءت لَا مُسْتَقَرَّ لَهَا ہے یعنی اس کے لئے سکون و قرار نہیں بلکہ دن رات بحکم الٰہی چلتا رہتا ہے' نہ رکے نہ تھکے جیسے فرمایا وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ یعنی اس نے تمہارے لئے سورج چاند کو مسخر کیا ہے جو نہ تھکیں نہ ٹھہریں - قیامت تک چلتے پھرتے ہی رہیں گے - یہ اندازہ اس اللہ کا ہے جو غالب ہے' جس کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا' جس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا' وہ علیم ہے' ہر حرکت و سکون کو جانتا ہے' اس نے اپنی حکمت کاملہ سے اس کی چال مقرر کی ہے' جس میں نہ اختلاف واقع ہو سکے نہ اس کے برعکس ہو سکے - جیسے فرمایا فَالِقُ الْإِصْبَاحِ الخ صبح کا نکالنے والا جس نے رات کو راحت کا وقت بنایا اور سورج چاند کو حساب سے مقرر کیا' یہ ہے اندازہ غالب ذی علم والے کا - حم سجدہ کی آیت کو بھی اسی طرح ختم کیا -

پھر فرماتا ہے' چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں - وہ ایک جداگانہ چال چلتا ہے' جس سے مہینے معلوم ہو جائیں جیسے سورج کی چال سے رات دن معلوم ہو جاتے ہیں - جیسے فرمان ہے کہ لوگ تجھ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو جواب دے کہ وقتوں اور حج کے موسم کو بتانے کے لئے - اور آیت میں فرمایا' اس نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور دیا ہے اور اس کی منزلیں ٹھہرا دی ہیں تاکہ تم سالوں کو اور حساب کو معلوم کر لو - ایک آیت میں ہے' ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا ہے' رات کی نشانی کو ہم نے دھندلا کر دیا ہے اور دن کی نشانی کو روشن کیا ہے تاکہ تم اس میں اپنے رب کی نازل کردہ روزی کو تلاش کر سکو اور برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو - ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل سے بیان کر دیا ہے - پس سورج کی چمک دمک اس کے ساتھ مخصوص ہے اور چاند کی روشنی اسی میں ہے - اس کی اور اس کی چال بھی مختلف ہے - سورج ہر دن طلوع و غروب ہوتا ہے - اسی روشنی کے ساتھ ہوتا ہے' ہاں اس کے طلوع و غروب کی جگہیں جاڑے میں اور گرمی میں الگ الگ ہوتی ہیں' اسی سبب سے دن رات کی طوالت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے - سورج دن کا ستارہ ہے' اور چاند رات کا ستارہ ہے - اس کی منزلیں مقرر ہیں -

مہینے کی پہلی رات طلوع ہوتا ہے - بہت چھوٹا سا ہوتا ہے - روشنی کم ہوتی ہے' دوسری شب روشنی اس سے بڑھ جاتی ہے اور منزل بھی ترقی کرتی جاتی ہے' پھر جوں جوں بلند ہوتا جاتا ہے' روشنی بڑھتی جاتی ہے' گو اس کی نورانیت سورج سے لی ہوئی ہوتی ہے - آخر چودھویں رات کو چاند کامل ہو جاتا ہے اور اس کی چاندنی بھی کمال کی ہو جاتی ہے - پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے اور اسی طرح درجہ بدرجہ بتدریج گھٹتا ہوا مثل کھجور کے خوشے کی ٹہنی کے ہو جاتا ہے جس پر تر کھجوریں لٹکتی ہوں اور وہ خشک ہو کر بل کھا گئی ہو - پھر اسے نئے سرے سے اللہ تعالیٰ دوسرے مہینے کی ابتدا میں ظاہر کرتا ہے' عرب میں چاند کی روشنی کے اعتبار سے مہینے کی راتوں کے نام رکھ لئے گئے ہیں' مثلاً پہلی تین راتوں کا نام غرر ہے' اس کے بعد کی تین راتوں کا نام نفل ہے' اس کے بعد کی تین راتوں کا نام تسع ہے' اس لئے کہ ان کی آخری رات نویں ہوتی ہے' اس کے

بعد کی تین راتوں کا نام عشر ہے اس لئے کہ اس کا شروع دسویں سے ہے اس کے بعد کی تین راتوں کا نام بیض ہے اس لئے کہ ان راتوں میں چاندنی کی روشنی آخر تک رہا کرتی ہے اس کے بعد کی تین راتوں کا نام ان کے ہاں ورع ہے یہ لفظ ورعاء کی جمع ہے ان کا یہ نام اس لئے رکھا ہے کہ سولھویں کو چاند ذرا دیر سے طلوع ہوتا ہے تو تھوڑی دیر تک اندھیرا یعنی سیاہی رہتی ہے اور عرب میں اس بکری کو جس کا سر سیاہ ہو شاۃ ورعاء کہتے ہیں۔ اس کے بعد کی تین راتوں کو ظلم کہتے ہیں پھر تین کو ضادس پھر تین کو دراری پھر تین کو محاق اس لئے کہ اس میں چاند ختم ہو جاتا ہے اور مہینہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان میں سے تسع اور عشر کو قبول نہیں کرتے ملاحظہ ہو کتاب غریب المصنف۔ سورج چاند کی حدیں اس نے مقرر کی ہیں۔ ناممکن ہے کہ کوئی اپنی حد سے ادھر ادھر ہو جائے یا آگے پیچھے ہو جائے۔ اس کی باری کے وقت وہ گم ہے۔ اس کی باری کے وقت یہ خاموش ہے۔

حسن کہتے ہیں یہ چاند رات کو ہے۔ ابن مبارک کا قول ہے ہوا کے پر ہیں اور چاند پانی کے غلاف تلے جگہ کرتا ہے ابوصالح فرماتے ہیں اس کی روشنی اس کی روشنی کو پکڑ نہیں سکتی۔ عکرمہ فرماتے ہیں رات کو سورج طلوع نہیں ہو سکتا نہ رات دن سے سبقت کر سکتی ہے۔ یعنی رات کے بعد ہی رات نہیں آ سکتی بلکہ درمیان میں دن آ جائے گا پس سورج کی سلطنت دن کو ہے اور چاند کی بادشاہت رات کو ہے رات ادھر سے جاتی ہے ادھر سے دن آتا ہے ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں لیکن نہ تصادم کا ڈر ہے نہ بےنظمی کا خطرہ ہے نہ یہ کہ دن ہی دن چلا جائے۔ رات نہ آئے نہ اس کے خلاف ایک جاتا ہے دوسرا آتا ہے ہر ایک اپنے اپنے وقت پر غائب و حاضر ہوتا رہتا ہے سب کے سب یعنی سورج چاند دن رات فلک آسمان میں تیر رہے ہیں اور گھومتے پھرتے ہیں۔ زید بن عاصمؒ کا قول ہے کہ آسمان و زمین کے درمیان فلک میں یہ سب آ جا رہے ہیں لیکن یہ بہت غریب بلکہ منکر قول ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں فلک مثل چرخے کے تکلے کے ہے۔ بعض کہتے ہیں مثل چکی کے لوہے کے پاٹ کے۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا یَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِیْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ یُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ ﴿۴۴﴾

ان کے لئے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا ○ اور ان کے لئے اسی جیسی اور چیزیں پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو انہیں ڈبو دیتے ○ پھر نہ تو کوئی ان کا مددگار ہوتا نہ وہ رہا کئے جاتے ○ لیکن ہم اپنی طرف سے رحمت کرتے ہیں اور ایک مدت تک کے لئے انہیں فائدہ دے رہے ہیں ○

سمندر کی تسخیر: ☆☆ (آیت ۴۱-۴۴) اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی قدرت کی ایک نشانی بتا رہا ہے کہ اس نے سمندر کو مسخر کر دیا ہے جس میں کشتیاں برابر آمد و رفت کر رہی ہیں۔ سب سے پہلی کشتی حضرت نوح علیہ السلام کی تھی جس پر سوار ہو کر وہ خود اور ان کے ساتھ ایماندار بندے نجات پا گئے تھے۔ باقی روئے زمین پر ایک انسان بھی نہ بچا تھا۔ ہم نے اس زمانے والے لوگوں کے آباؤ اجداد کو کشتی میں بٹھا لیا تھا جو بالکل بھرپور تھی۔ کیونکہ اس میں ضرورت کا کل اسباب بھی تھا اور ساتھ ہی حیوانات بھی تھے جو اللہ کے حکم سے اس میں بٹھا لئے گئے تھے۔ ہر قسم کے جانور کا ایک ایک جوڑا تھا بڑا باوقار مضبوط اور بوجھل وہ جہاز تھا یہ صفت بھی صحیح طور پر حضرت نوحؑ کی

کشتی پر صادق آتی ہے۔

اسی طرح کی خشکی کی سواریاں بھی اللہ نے ان کے لئے پیدا کر دی ہیں۔ مثلاً اونٹ جو خشکی میں وہی کام دیتا ہے جو تری میں کشتی کام دیتی ہے۔ اسی طرح دیگر چوپائے جانور ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کشتی نوحؑ نمونہ بنی اور پھر اس نمونے پر اور کشتیاں اور جہاز بنتے چلے گئے۔ اس مطلب کی تائید آیت لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً الخ سے بھی ہوتی ہے یعنی جب پانی نے طغیانی کی تو ہم نے انہیں کشتی میں سوار کر لیا تا کہ اسے تمہارے لئے ایک یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔ ہمارے اس احسان کو فراموش نہ کرو کہ سمندر سے ہم نے تمہیں پار کر دیا۔ اگر ہم چاہتے تو اسی میں تمہیں ڈبو دیتے‘ کشتی کی کشتی بیٹھ جاتی‘ کوئی نہ ہوتا جو اس وقت تمہاری فریاد رسی کرے نہ کوئی ایسا تمہیں ملتا جو تمہیں بچا سکے۔ لیکن یہ صرف ہماری رحمت ہے کہ خشکی اور تری کے لمبے چوڑے سفر تم بہ آرام و راحت طے کر رہے ہو اور ہم تمہیں اپنے ٹھہرائے ہوئے وقت تک ہر طرح سلامت رکھتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۱۸

ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اگلے پچھلے گناہوں سے بچو تا کہ تم پر رحم کر دیا جائے ○ ان کے پاس تو ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں آئی جس سے یہ بے رخی نہ برتتے ہوں ○ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے کچھ دو تو یہ کفار ایمان والوں کو جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں کیوں کھلائیں؟ جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا پلا دیتا۔ تم تو ہو ہی کھلی غلطی میں ○ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب آئے گا؟ سچے ہو تو بتلاؤ ○ انہیں صرف ایک سخت چیخ کا انتظار ہے جو انہیں آ پکڑے گی اور یہ باہم لڑائی جھگڑے میں ہی ہوں گے ○ اس وقت نہ تو یہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے والوں کی طرف لوٹ سکیں گے ○

کفار کا تکبر: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۷) کافروں کی سرکشی‘ نادانی اور عناد و تکبر بیان ہو رہا ہے کہ جب ان سے گناہوں سے بچنے کو کہا جاتا ہے کہ جو کر چکے‘ ان پر نادم ہو جاؤ‘ ان سے توبہ کر لو اور آئندہ کے لئے ان سے احتیاط کرو‘ اس سے اللہ تم پر رحم فرمائے گا اور تمہیں اپنے عذابوں سے بچا لے گا۔ تو وہ اس پر کاربند ہونا تو ایک طرف‘ اور منہ پھلا لیتے ہیں‘ قرآن نے اس جملے کو بیان نہیں فرمایا کیونکہ آگے جو آیت ہے‘ وہ اس پر صاف طور سے دلالت کرتی ہے۔ اس میں ہے کہ یہی ایک بات کیا؟ ان کی تو عادت ہو گئی ہے کہ اللہ کی ہر بات سے منہ پھیر لیں۔ نہ اس کی توحید کو مانتے ہیں نہ رسولوں کو سچا جانتے ہیں‘ نہ ان میں غور و خوض کی عادت‘ نہ ان میں قبولیت کا مادہ نہ نفع کو حاصل کرنے کا ملکہ۔ ان کو جب

کبھی اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کو کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اس میں فقراء، مساکین اور محتاجوں کا حصہ بھی ہے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر اللہ کا ارادہ ہوتا تو ان غریبوں کو خود ہی دیتا، جب اللہ ہی کا ارادہ انہیں دینے کا نہیں تو ہم اللہ کے ارادے کے خلاف کیوں کریں؟ تم جو ہمیں خیرات کی نصیحت کر رہے ہو اس میں بالکل غلطی پر ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ پچھلا جملہ کفار کی تردید میں اللہ کی طرف سے ہو۔ یعنی اللہ ان کفار سے فرما رہا ہے کہ تم کھلی گمراہی میں ہو لیکن ان سے یہی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کفار کے جواب کا حصہ ہے۔ واللہ اعلم۔

قیامت کے بعد کوئی مہلت نہ ملے گی: ☆☆ (آیت:۴۸-۵۰) کافر چونکہ قیامت کے آنے کے قائل نہ تھے اس لئے وہ نبیوں سے اور مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ پھر قیامت کو لاتے کیوں نہیں؟ اچھا یہ تو بتاؤ کہ کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ اس کے آنے کے لئے ہمیں کچھ سامان نہیں کرنے پڑیں گے، صرف ایک مرتبہ صور پھونک دیا جائے گا۔

دنیا کے لوگ روزمرہ کی طرح اپنے اپنے کام کاج میں مشغول ہوں گے، جب اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیلؑ کو صور پھونکنے کا حکم دے گا وہیں لوگ ادھر ادھر گرنے شروع ہو جائیں گے۔ اس آسمانی تیز و تند آواز سے سب کے سب محشر میں اللہ کے سامنے جمع کر دیئے جائیں گے۔ اس چیخ کے بعد کسی کو اتنی بھی مہلت نہیں ملنی کہ کسی سے کچھ کہہ سن سکے، کوئی وصیت اور نصیحت کر سکے اور نہ ہی انہیں اپنے گھروں کو واپس جانے کی طاقت رہے گی۔ اس آیت کے متعلق بہت سے آثار و احادیث ہیں جنہیں ہم دوسری جگہ وارد کر چکے ہیں۔ اس پہلے نفخہ کے بعد دوسرا نفخہ ہو گا جس سے سب کے سب مر جائیں گے، کل جہان فنا ہو جائے گا، بجز اس ہمیشگی والے اللہ عزوجل کے جسے فنا نہیں۔ اس کے بعد پھر جی اٹھنے کا نفخہ ہو گا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾

صور کے پھونکتے جاتے ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف تیز تیز چلنے لگیں گے ○ کہیں گے ہائے ہائے، ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھا دیا؟ یہی ہے جس کا وعدہ رب رحمان نے دیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا ○ یہ نہیں ہے مگر ایک تند آواز کہ یکا یک سارے کے سارے جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے ○ پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا تمہیں نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر صرف انہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے ○

قیامت کے دوسرے نفخہ پر لوگوں کا حال: ☆☆ (آیت:۵۱-۵۴) ان آیتوں میں دوسرے نفخہ کا ذکر ہو رہا ہے جس سے مردے جی اٹھیں گے۔ یَنسِلُوْنَ کا مصدر نَسَلَان سے ہے اور اس کے معنی تیز چلنے کے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا الخ جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس تیزی سے چلیں گے کہ گویا وہ کسی نشان منزل کی طرف لپکے جا رہے ہیں۔ چونکہ دنیا میں انہیں قبروں سے جی اٹھنے کا ہمیشہ انکار رہا تھا اس لئے آج یہ حالت دیکھ کر کہیں گے کہ ہائے افسوس، ہمارے سونے کی جگہ سے ہمیں کس نے اٹھایا؟ اس سے قبر کے عذاب کا نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ جس ہول و شدت کو، جس تکلیف اور مصیبت کو یہ اب

دیکھیں گے اس کی بہ نسبت تو قبر کے عذاب بے حد خفیف ہی تھے گویا کہ وہ وہاں آرام میں تھے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے پہلے ذرا سی دیر کے لئے فی الواقع انہیں نیند آ جائے گی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں پہلے نفخہ اور اس دوسرے نفخہ کے درمیان یہ سو جائیں گے اس لئے اب اٹھ کر یوں کہیں گے اس کا جواب ایماندار لوگ دیں گے کہ اسی کا وعدہ اللہ کا تھا اور یہی اللہ کے سچے رسولؐ فرمایا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ جواب فرشتے دیں گے۔ بہر حال دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ مومن بھی کہیں اور فرشتے بھی کہیں۔ واللہ اعلم۔ عبدالرحمٰن بن زیدؒ کہتے ہیں یہ کل قول کافروں کا ہی ہے لیکن صحیح بات وہ ہے جسے ہم نے پہلے نقل کیا جیسے کہ سورۂ صافات میں ہے کہ یہ کہیں گے ہائے افسوس ہم پر یہ جزا کا دن ہے۔ یہی فیصلے کا دن ہے جسے ہم جھٹلاتے تھے۔ اور آیت میں ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ الخ جس دن قیامت برپا ہو گی گنہگار قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ وہ صرف ایک ساعت ہی رہے ہیں اسی طرح وہ ہمیشہ حق سے پھرے رہے اس وقت باایمان اور علماء فرمائیں گے تم اللہ کے لکھے ہوئے کے مطابق قیامت کے دن تک رہے۔ یہی قیامت کا دن ہے لیکن تم محض بے علم ہو۔ تم تو اسے ان ہونی مانتے تھے حالانکہ وہ ہم پر بالکل سہل ہے۔ ایک آواز کی دیر ہے کہ ساری مخلوق ہمارے سامنے موجود ہو جائے گی جیسے اور آیت میں ہے کہ ایک ڈانٹ کے ساتھ ہی سب میدان میں مجتمع موجود ہوں گے۔ اور آیت میں فرمایا امر قیامت تو مثل آنکھ جھپکانے کے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہے اور جیسے فرمایا يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ جس دن وہ تمہیں بلائے گا اور تم اس کی تعریف کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور یقین کر لو گے کہ تم بہت ہی کم مدت رہے۔ الغرض حکم کے ساتھ ہی سب حاضر سامنے موجود۔ اس دن کسی کا کوئی عمل مارا نہ جائے گا ہر ایک کو اس کے کئے ہوئے اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾

جنتی لوگ آج کے دن اپنے دلچسپ مشغلوں میں ہشاش بشاش ہیں ○ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے ○ ان کے لئے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور بھی جو کچھ وہ طلب کریں گے ○ مہربان پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا ○

جنت کے مناظر: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۸) جنتی لوگ میدان قیامت سے فارغ ہو کر جنتوں میں بہ صد اکرام و بہ ہزار تعظیم پہنچائے جائیں گے اور وہاں کی گوناں گوں نعمتوں اور راحتوں میں اس طرح مشغول ہوں گے کہ کسی دوسری جانب نہ التفات ہو گا نہ کسی اور طرف کا خیال یہ جہنم سے جہنم والوں سے بے فکر ہوں گے۔ اپنی لذتوں اور مزے والوں میں منہمک ہوں گے۔ اس قدر مسرور ہوں گے کہ ہر ایک چیز سے بے خبر ہو جائیں گے۔ نہایت ہشاش بشاش ہوں گے کنواری حوریں انہیں ملی ہوئی ہوں گی جن سے وہ لطف اندوز ہو رہے ہوں گے طرح طرح کی راگ راگنیاں اور خوش کن آوازیں دلفریبی سے ان کے دلوں کو لبھا رہی ہوں گی۔ ان کے ساتھ ہی اس لطف و سرور میں ان کی بیویاں اور ان کی حوریں بھی شامل ہوں گی۔ جنتی میوے دار درختوں کے ٹھنڈے اور گھنے سایوں میں بہ آرام تختوں پر تکیوں سے لگے بے غمی اور بے فکری کے ساتھ اللہ کی مہمانداری سے مزے اٹھا رہے ہوں گے۔ ہر قسم کے میوے بکثرت ان کے پاس موجود ہوں گے۔ اور بھی جس چیز کو جی چاہے جو خواہش ہو پوری ہو جائے گی۔ سنن ابن ماجہ کی کتاب الزہد میں اور ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے

کوئی اس جنت میں جانے کا خواہش مند اور اس کے لئے تیاریاں کرنے والا اور مستعدی ظاہر کرنے والا ہے جس میں کوئی خوف وخطر نہیں' رب کعبہ کی قسم وہ سراسر نور ہی نور ہے۔ اس کی تازگیاں بے حد ہیں۔ اس کا سبزہ لہلہا رہا ہے' اس کے بالا خانے مضبوط' بلند اور پختہ ہیں' اس کی نہریں بھری ہوئی اور بہہ رہی ہیں۔ اس کے پھل ذائقے دار' پکے ہوئے اور بکثرت ہیں۔ اس میں خوبصورت نوجوان حوریں ہیں اور ان کے لباس ریشمی اور بیش قیمت ہیں' اس کی نعمتیں ابدی اور لازوال ہیں' وہ سلامتی کا گھر ہے' وہ سبز اور تازے پھلوں کا باغ ہے' اس کی نعمتیں بہ کثرت اور عمدہ ہیں اور اس کے محلات بلند وبالا اور مزین ہیں۔ یہ سن کر جتنے صحابہؓ تھے' سب نے کہا حضورؐ ہم اس کے لئے تیاری کرنے اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں' آپؐ نے فرمایا ان شاء اللہ کہو چنانچہ انہوں نے کہا ان شاء اللہ۔ اللہ کی طرف سے ان پر سلام ہی سلام ہے۔ خود اللہ کا اہل جنت کے لئے سلام ہے' جیسے فرمایا تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ الخ ان کا تحفہ جس روز وہ اللہ سے ملیں گے' سلام ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جنتی اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ اوپر کی جانب سے ایک نور چمکے گا' یہ اپنا سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور رب فرمائے گا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَآ اَهْلَ الْجَنَّةِ یہی معنی ہیں اس آیت سَلٰمٌ قَوْلًا الخ' کے۔ جنتی صاف طور سے اللہ کو دیکھیں گے اور اللہ انہیں دیکھے گا۔ کسی نعمت کی طرف اس وقت وہ آنکھ بھی نہ اٹھائیں گے یہاں تک کہ حجاب حائل ہو جائے گا اور نور و برکت ان کے پاس باقی رہ جائے گی' یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے لیکن سند کمزور ہے۔ ابن ماجہ میں بھی کتاب السنہ میں یہ روایت موجود ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ جب دوزخیوں اور جنتیوں سے فارغ ہوگا تو ابر کے سایہ میں متوجہ ہوگا' فرشتے اس کے ساتھ ہوں گے' جنتیوں کو سلام کرے گا اور جنتی جواب دیں گے۔

قرظیؒ فرماتے ہیں یہ اللہ کے فرمان سَلٰمٌ قَوْلًا میں موجود ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا' مجھ سے مانگو جو چاہو' یہ کہیں گے پروردگار سب کچھ تو موجود ہے' کیا مانگیں؟ اللہ فرمائے گا' ہاں ٹھیک ہے۔ پھر بھی جو جی میں آئے' طلب کرو' یہ کہیں گے بس تیری رضامندی مطلوب ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' وہ تو میں تمہیں دے چکا اور اسی کی بنا پر تم میرے اس مہمان خانے میں آئے اور میں نے تمہیں اس کا مالک بنا دیا' جنتی کہیں گے' پھر اللہ ہم تجھ سے کیا مانگیں؟ تو نے تو ہمیں اتنا دے رکھا ہے کہ اگر تو حکم دے تو ہم میں سے ایک شخص کل انسانوں اور جنوں کی دعوت کر سکتا ہے اور انہیں پیٹ بھر کر کھلا پلا اور پہنا اوڑھا سکتا ہے۔ بلکہ ان کی سب ضروریات پوری کر سکتا ہے اور پھر بھی اس کی ملکیت میں کوئی کمی نہیں آ سکتی۔ اللہ فرمائے گا' ابھی میرے پاس اور زیادتی ہے۔ چنانچہ فرشتے ان کے پاس اللہ کی طرف سے نئے نئے تحفے لائیں گے۔ امام ابن جریرؒ اس روایت کو بہت سی سندوں سے لائے ہیں لیکن یہ روایت غریب ہے' واللہ اعلم۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾

اے گنہگارو! آج تم یکسو ہٹ جاؤ۔ الگ ہو جاؤ ○ اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے یہ قول وقرار نہیں کیا تھا کہ تم شیطان کی تابعداری نہ کرنا' وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے ○ اور میری ہی عبادت کرتے رہنا' سیدھی راہ یہی ہے ○ شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری مخلوق کو بہکا دیا' کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ○

نیک و بد علیحدہ علیحدہ کر دیئے جائیں گے: ☆☆ (آیت:۵۹-۶۲) فرماتا ہے کہ نیک کاروں سے بدکاروں کو چھانٹ دیا جائے گا' کافروں سے کہہ دیا جائے گا کہ مومنوں سے دور ہو جاؤ' پھر ہم ان میں امتیاز کر دیں گے۔ انہیں الگ الگ کر دیں گے۔ اسی طرح سورۂ یونس میں ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ جس روز قیامت قائم ہوگی' اس روز سب کے سب جدا جدا ہو جائیں گے۔ یعنی ان کے دو گروہ بن جائیں گے۔ سورۂ والصافات میں فرمان ہے اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ الخ یعنی ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے جھوٹے معبودوں کو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے' جمع کر و اور انہیں جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ جنتیوں پر جو طرح طرح کی نوازشیں ہو رہی ہوں گی' اسی طرح جہنمیوں پر طرح طرح کی سختیاں ہو رہی ہوں گی' انہیں بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی نہ ماننا' وہ تمہارا دشمن ہے؟

لیکن اس پر بھی تم نے مجھ رحمان کی نافرمانی کی اور اس شیطان کی فرمانبرداری کی۔ خالق' مالک' رازق میں اور فرمانبرداری کی جائے میرے راندۂ درگاہ کی؟ میں تو کہہ چکا تھا کہ ایک میری ہی ماننا' صرف مجھ ہی کو پوجنا' مجھ تک پہنچنے کا سیدھا قریب کا اور سچا راستہ یہی ہے لیکن تم الٹے چلے' یہاں بھی الٹے ہی جاؤ' ان نیک بختوں کی اور تمہاری راہ الگ الگ ہے۔ یہ جنتی ہیں۔ تم جہنمی ہو۔ جِبلّا سے مراد خلق کثیر بہت ساری مخلوق ہے' لغت میں جُبُلّ بھی کہا جاتا ہے اور جبل بھی کہا جاتا ہے' شیطان نے تم میں سے بکثرت لوگوں کو بہکا دیا اور صحیح راہ سے ہٹا دیا' تم میں اتنی بھی عقل نہ تھی کہ تم اس کا فیصلہ کر سکتے کہ رحمان کی مانیں یا شیطان کی؟ اللہ کو پوجیں یا مخلوق کو؟ ابن جریر میں ہے' قیامت کے دن اللہ کے حکم سے جہنم اپنی گردن نکالے گی جس میں سخت اندھیرا ہو گا اور بالکل ظاہر ہو گی۔ وہ بھی کہے گی کہ اے انسانو! کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا؟ وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے' اور میری عبادت کرنا۔ یہ سیدھی راہ ہے۔ اس نے تم میں سے اکثروں کو گمراہ کر دیا۔ کیا تم سمجھتے نہ تھے؟ اے گنہگارو! آج تم جدا ہو جاؤ۔ اس وقت نیک و بد الگ الگ ہو جائیں گے' ہر ایک گھٹنوں کے بل گر پڑے گا' ہر ایک کو اس کے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' آج ہی بدلے دیئے جاؤ گے جو کر کے آئے ہو۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ ع ۱۷

یہی وہ دوزخ ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا ○ اپنے کفر کا بدلہ پانے کے لئے آج اس میں داخل ہو جاؤ ○ ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہریں کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دیں گے' ان کاموں کی جنہیں وہ کرتے تھے ○ اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں بے نور کر دیتے۔ پھر یہ رستے کی طرف دوڑتے پھرتے لیکن انہیں کیسے دکھائی دیتا؟ ○ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ ہی ان کی صورتیں مسخ کر دیتے۔ پھر نہ وہ چل پھر سکتے نہ لوٹ سکتے ○

اعضاء کی گواہی: ☆☆ (آیت:۶۳-۶۷) جہنم بھڑکتی ہوئی اور شعلے مارتی ہوئی' چیختی ہوئی اور چلاتی ہوئی سامنے ہو گی اور کفار سے کہا

جائے گا کہ یہی وہ جہنم ہے' جس کا ذکر میرے رسول کیا کرتے تھے' جس سے وہ ڈرایا کرتے تھے اور تم انہیں جھٹلاتے تھے۔ لو اب اپنے اس کفر کا مزہ چکھو۔ اٹھو اس میں کود پڑو' چنانچہ اور آیت میں ہے یَوْمَ یُدَعُّوْنَ الخ جس دن یہ جہنم کی طرف دھکیلے جائیں گے اور کہا جائے گا' یہی وہ دوزخ ہے جس کا انکار کرتے رہے ہو۔ بتاؤ تو یہ جادو ہے؟ یا تم اندھے ہو گئے ہو؟ قیامت والے دن جب یہ کفار اور منافقین اپنے گناہوں کا انکار کریں گے اور اس پر قسمیں کھالیں گے تو اللہ ان کی زبانوں کو بند کر دے گا اور ان کے بدن کے اعضاء سچی سچی گواہی دینا شروع کر دیں گے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں' ہم حضورؐ کے پاس تھے کہ آپؐ یکایک ہنسے اور اس قدر ہنسے کہ مسوڑھے کھل گئے۔ پھر ہم سے دریافت کرنے لگے کہ جانتے ہو' میں کیوں ہنسا؟ ہم نے کہا' اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا' بندہ جو اپنے رب سے قیامت کے دن جھگڑا کرے گا اس پر۔ کہے گا کہ باری تعالیٰ کیا تو نے مجھے ظلم سے بچایا نہ تھا؟ اللہ فرمائے گا' ہاں' تو یہ کہے گا' بس پھر میں کسی گواہ کی گواہی اپنے خلاف منظور نہیں کروں گا۔ بس میرا اپنا بدن تو میرا ہے۔ باقی سب میرے دشمن ہیں۔ اللہ فرمائے گا' اچھا یونہی سہی۔ تو ہی اپنا گواہ سہی اور میرے بزرگ فرشتے گواہ سہی۔ چنانچہ اسی وقت زبان پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضائے بدن سے فرمایا جائے گا' بولو تم خود گواہی دو کہ تم سے اس نے کیا کیا کام لئے؟ وہ صاف کھول کھول کر سچ سچ ایک ایک بات بتا دیں گے۔ پھر اس کی زبان کھول دی جائے گی تو یہ اپنے بدن کے جوڑوں سے کہے گی' تمہارا ستیاناس جائے' تم ہی میرے دشمن بن بیٹھے' میں تو تمہارے ہی بچاؤ کی کوشش کر رہی تھی اور تمہارے ہی فائدے کے لئے حجت بازی کر رہی تھی (نسائی وغیرہ)

نسائی کی ایک اور حدیث میں ہے' تمہیں اللہ کے سامنے بلایا جائے گا جبکہ زبان بند ہو گی۔ سب سے پہلے رانوں اور ہتھیلیوں سے سوال ہو گا۔ قیامت کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ پھر تیسرے موقعہ پر اس سے کہا جائے گا کہ تو کیا ہے؟ یہ کہے گا' تیرا بندہ ہوں۔ تجھ پر' تیرے نبیؐ پر' تیری کتاب پر ایمان لایا تھا۔ روزے' نماز' زکوٰۃ وغیرہ کا پابند تھا۔ اور بھی بہت سی اپنی نیکیاں بیان کر جائے گا۔ اس وقت اس سے کہا جائے گا' اچھا ٹھہر جا۔ ہم گواہ لاتے ہیں۔ یہ سوچتا ہی ہو گا کہ گواہی میں کون پیش کیا جائے گا؟ یکایک اس کی زبان بند کر دی جائے گی اور اس کی ران سے کہا جائے گا کہ تو گواہی دے' اب ران اور ہڈیاں اور گوشت بول پڑے گا اور اس منافق کے سارے نفاق کو اور تمام پوشیدہ اعمال کو کھول کر رکھ دے گا۔ یہ سب اس لئے ہو گا کہ پھر اس کی حجت باقی نہ رہے اور اس کا عذر ٹوٹ جائے۔ چونکہ رب اس پر ناراض تھا' اس لئے اس سختی سے باز پرس ہوئی۔

ایک حدیث میں ہے' منہ پر مہر لگنے کے بعد سب سے پہلے انسان کی بائیں ران بولے گی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مومن کو بلا کر اس کے گناہ اس کے سامنے پیش کر کے فرمائے گا' کہو یہ ٹھیک ہے؟ یہ کہے گا' ہاں اللہ سب درست ہے۔ بیشک مجھ سے یہ خطائیں سرزد ہوئی ہیں۔ اللہ فرمائے گا' اچھا ہم نے سب بخش دیں لیکن یہ گفتگو اس طرح ہو گی کہ کسی ایک کو بھی اس کا مطلق علم نہ ہو گا۔ اس کا ایک گناہ بھی مخلوق میں سے کسی پر ظاہر نہ ہو گا۔ اب اس کی نیکیاں لائی جائیں گی اور انہیں کھول کھول کر ساری مخلوق کے سامنے جتا جتا کر رکھی جائیں گی۔

(اے ستار العیوب' اے غفار الذنوب تو ہم گنہگاروں کی پردہ پوشی کر اور ہم مجرموں سے درگزر فرما۔ اللہ اس دن ہمیں رسوا اور ذلیل نہ کر' اپنے دامن رحمت میں ڈھانپ لے۔ اے ذرہ نواز اللہ عزوجل! اپنی بے پایاں بخشش کی موسلا دھار بارش کا ایک قطرہ ادھر بھی برسا دے

اور ہمارے تمام گناہوں کو دھوڈال' پروردگار ایک نظر رحمت ادھر بھی' مالک الملک ہم بھی تیری چشم رحمت کے منتظر ہیں' اے غفور و رحیم اللہ کیا تیرے در سے بھی کوئی سوالی خالی جھولی لے کر نا امید ہو کر آج تک لوٹا ہے؟ رحم کر' رحم کر رحم کر۔ اے مالک و خالق رحم کر' اپنے انتقام سے بچا' اپنے غصے سے نجات دے' اپنی رحمتوں سے نواز دے' اپنے عذابوں سے چھٹکارا دے' اپنی جنت میں پہنچا دے' اپنے دیدار سے مشرف فرما۔ آمین آمین آمین)اور کافر و منافق کو بلایا جائے گا' اس کے بداعمال اس کے سامنے رکھے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا' کہو یہ ٹھیک ہے؟ یہ صاف انکار کر جائے گا اور کڑ کڑاتی ہوئی قسمیں کھانے لگے گا کہ اللہ تعالیٰ تیرے ان فرشتوں نے جھوٹی تحریر لکھی ہے۔ میں نے ہرگز یہ گناہ نہیں کئے' فرشتہ کہے گا' ہائیں ہائیں کیا کہہ رہے ہو؟ کیا فلاں دن فلاں جگہ تو نے فلاں کام نہیں کیا؟ یہ کہے گا' اللہ تیری عزت کی قسم' محض جھوٹ ہے' میں نے ہرگز نہیں کیا؟ اب اللہ تعالیٰ اس کی زبان بندی کر دے گا' غالباً سب سے پہلے اس کی دائیں ران اس کے خلاف شہادت دے گی' یہی مضمون اس آیت میں بیان ہو رہا ہے۔

پھر فرماتا ہے' اگر ہم چاہتے تو انہیں گمراہ کر دیتے اور پھر یہ کبھی ہدایت نہ حاصل کر سکتے۔ اگر ہم چاہتے' ان کی آنکھیں اندھی کر دیتے تو یہ یونہی بھٹکتے پھرتے۔ ادھر ادھر راستے ٹٹولتے۔ حق کو نہ دیکھ سکتے' نہ صحیح راستے پر پہنچ سکتے اور اگر ہم چاہتے تو انہیں ان کے مکانوں میں ہی مسخ کر دیتے' ان کی صورتیں بدل دیتے' انہیں ہلاک کر دیتے' انہیں پتھر کے بنا دیتے' ان کی ٹانگیں توڑ دیتے۔ پھر تو نہ وہ چل سکتے یعنی آگے کو نہ وہ لوٹ سکتے یعنی پیچھے کو بلکہ بت کی طرح ایک ہی جگہ بیٹھے رہتے' آگے پیچھے نہ ہو سکتے۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾

جسے ہم بوڑھا کرتے ہیں' اسے پیدائشی حالت کی طرف پھر لوٹا دیتے ہیں' کیا پھر بھی وہ نہیں سمجھتے؟ ○ نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق' وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے ○ تاکہ وہ ہر اس شخص کو آگاہ کر دے جو زندہ ہے اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے ○

شاعری پیغمبرانہ شان کے منافی: ☆☆ (آیت:۶۸-۷۰) انسان کی جوانی جوں جوں ڈھلتی جاتی ہے' پیری' ضعیفی' کمزوری اور ناتوانی آتی جاتی ہے' جیسے سورۂ روم کی آیت میں ہے اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ الخ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا۔ پھر ناتوانی کے بعد طاقت عطا فرمائی۔ پھر طاقت و قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا کر دیا' وہ جو چاہتا ہے' پیدا کرتا ہے اور وہ خوب جاننے والا پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اور آیت میں ہے' تم میں سے بعض بہت بڑی عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تاکہ علم کے بعد وہ بے علم ہو جائیں۔ پس مطلب آیت سے یہ ہے کہ دنیا زوال اور انتقال کی جگہ ہے۔ یہ پائیدار اور قرار گاہ نہیں' پھر بھی کیا یہ لوگ عقل نہیں رکھتے کہ اپنے بچپن' پھر جوانی' پھر بڑھاپے پر غور کریں اور اس سے نتیجہ نکال لیں کہ اس دنیا کے بعد آخرت آنے والی ہے اور اس زندگی کے بعد میں دوبارہ پیدا ہونا ہے۔

پھر فرمایا' نہ تو میں نے اپنے پیغمبرؐ کو شاعری سکھائی نہ شاعری اس کے شایان شان' نہ اسے شعر گوئی سے محبت نہ شعر اشعار کی طرف

اس کی طبیعت کا میلان۔ اسی کا ثبوت آپ کی زندگی میں نمایاں طور پر ملتا ہے کہ کسی کا شعر پڑھتے تھے تو صحیح طور پر ادا نہیں ہوتا تھا یا پورا یا د نہیں نکلتا تھا۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں اولاد عبدالمطلب کا ہر مرد و عورت شعر کہنا جانتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ اس سے کوسوں دور تھے (ابن عساکر) ایک بار اللہ کے پیغمبرؐ نے یہ بیت پڑھا كَفٰى بِالْاِسْلَامِ وَالشَّيْبِ لِلْمَرْءِ نَاهِيًا اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا حضورؐ وہ اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے كَفٰى الشَّيْبُ وَالْاِسْلَامُ لِلْمَرْءِ نَاهِيًا پھر حضرت ابوبکرؓ نے ہی یا حضرت عمرؓ نے فرمایا سچ مچ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اللہ نے سچ فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (ابن ابی حاتم) دلائل بیہقی میں ہے کہ آپؐ نے ایک مرتبہ عباس بن مرداس سلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم نے بھی تو یہ شعر کہا ہے؟ اَتَجْعَلُ نَهْبِيْ وَنَهْبُ الْعُبَيْدِ بَيْنَ الْاَقْرَعِ وَعُيَيْنَةَ انہوں نے کہا حضورؐ دراصل یوں ہے بَيْنَ عُيَيْنَةَ وَالْاَقْرَعِ آپؐ نے فرمایا چلو سب برابر ہے۔ مطلب تو فوت نہیں ہوتا؟ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ۔ سہیلی نے روض الانف میں اس تقدیم و تاخیر کی ایک عجیب توجیہ کی ہے۔ وہ کہتے ہیں حضورؐ نے اقرع کو پہلے اور عیینہ کو بعد میں اس لئے ذکر کیا کہ عیینہ خلافت صدیقی میں مرتد ہو گیا تھا بخلاف اقرع کے کہ وہ ثابت قدم رہا تھا۔ واللہ اعلم۔

مغازی اموی میں ہے کہ بدر کے مقتول کافروں کے درمیان گشت لگاتے ہوئے حضورؐ کی زبان سے نکلا نُفَلِّقُ هَامًا (آگے کچھ نہ فرما سکے) اس پر جناب ابوبکرؓ نے پورا شعر پڑھ دیا۔

مِنْ رِّجَالٍ اَعِزَّةٍ عَلَيْنَا وَهُمْ كَانُوْا اَعَقَّ وَاَظْلَمَا

یہ کسی عرب شاعر کا شعر ہے جو حماسہ میں موجود ہے۔ مسند احمد میں ہے کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ طرفہ کا یہ شعر بہت پڑھتے تھے۔ وَيَاْتِيْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدْ اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے سَتُبْدِلَكَ الْاَيَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا یعنی زمانہ تجھ پر وہ امور ظاہر کر دے گا جن سے تو بے خبر ہے اور تیرے پاس ایسا شخص خبریں لائے گا جسے تو نے توشہ نہیں دیا۔ حضرت عائشہؓ سے سوال ہوا کہ کیا حضورؐ شعر پڑھتے تھے آپؓ نے جواب دیا کہ سب سے زیادہ بغض آپؐ کو شعروں سے تھا ہاں کبھی کبھی بنو قیس والے کا کوئی شعر پڑھتے لیکن اس میں بھی غلطی کرتے۔ تقدیم و تاخیر کر دیا کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے حضورؐ یوں نہیں ہے تو آپؐ فرماتے نہ شاعر ہوں نہ شعر گوئی میرے شایان شان (ابن ابی حاتم)

دوسری روایت میں شعر اور آگے پیچھے کا ذکر بھی ہے یعنی وَيَاْتِيْكَ بِالْاَخْبَارِ مَالَمْ تُزَوِّدْ کو آپ نے مَنْ لَّمْ تُزَوِّدْ بِالْاَخْبَارِ پڑھا تھا۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ پورا شعر کبھی آپؐ نے نہیں پڑھا۔ زیادہ سے زیادہ ایک مصرعہ پڑھ لیتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے خندق کھودتے ہوئے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار پڑھے۔ سو یاد رہے کہ آپؐ کا یہ پڑھنا صحابہؓ کے ساتھ تھا۔ وہ اشعار یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَآ اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّا قَيْنَا
اِنَّ الْاُوْلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

حضورؐ لفظ ابینا کو کھینچ کر پڑھتے اور سارے ہی بلند آواز سے پڑھتے ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے کوئی غم نہیں۔ اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے نہ صدقے دیتے اور نہ نمازیں پڑھتے۔ اب تو ہم پر تسکین نازل فرما۔ جب دشمنوں سے لڑائی چھڑ جائے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما یہی لوگ ہم پر سرکشی کرتے ہیں۔ ہاں جب کبھی فتنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح ثابت ہے کہ حنین والے دن آپؐ نے اپنے خچر کو دشمنوں کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا۔

اِنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبُ اَنَا ابُنُ عَبُدِالُمُطَّلِبُ

اس کی بابت یہ یاد رہے کہ اتفاقیہ ایک کلام آپ کی زبان سے نکل گیا جو وزن شعر پر اترا۔ نہ کہ قصداً آپ نے شعر کہا۔ حضرت جندب بن عبداللہؓ فرماتے ہیں، ہم حضورؐ کے ساتھ ایک غار میں تھے۔ آپؐ کی انگلی زخمی ہو گئی تھی تو آپؐ نے فرمایا۔

هَلُ اَنُتِ اِلَّا اِصُبَعٌ دَمِیُتِ وَفِیُ سَبِیُلِ اللّٰهِ مَالَقِیُتِ

یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے۔ اور تو راہ اللہ میں خون آلود ہوئی ہے۔ یہ بھی اتفاقیہ ہے۔ قصداً نہیں۔ اسی طرح ایک حدیث الا المم کی تفسیر میں آئے گی کہ آپؐ نے فرمایا۔

اِنُ تَغُفِرِ اللّٰهُمَّ تَغُفِرُ جَمًّا وَاَیُّ عَبُدٍلَّكَ مَا اَلَمَّا

یعنی اے اللہ تو جب بخشے تو ہمارے سبھی کے سب گناہ بخش دے، ورنہ یوں تو تیرا کوئی بندہ نہیں جو چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے بھی پاک ہو۔ پس یہ سب کے سب اس آیت کے منافی نہیں کیونکہ اللہ کی تعلیم آپ کو شعر گوئی کی نہ تھی۔ بلکہ رب العالمین نے تو آپؐ کو قرآن عظیم کی تعلیم دی تھی جس کے پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا۔ قرآن حکیم کی یہ پاک نظم شاعری سے منزلوں دور تھی۔ اسی طرح کہانت سے اور گھڑ لینے سے اور جادو کے کلمات سے جیسے کہ کفار کے مختلف گروہ مختلف بولیاں بولتے تھے، آپؐ کی تو طبیعت ان لسانی صنعتوں سے معصوم تھی۔ ﷺ۔ ابوداؤد میں ہے، حضورؐ نے فرمایا، میرے نزدیک یہ تینوں باتیں برابر ہیں، تریاق کا پینا، گنڈے کا لٹکانا اور شعر بنانا۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں، شعر گوئی سے آپؐ کو طبعاً نفرت تھی۔ دعا میں آپ کو جامع کلمات پسند آتے تھے اور اس کے سوا چھوڑ دیتے تھے (احمد)

ابوداؤد میں ہے، کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جانا اس کے لئے شعروں سے بھر لینے سے بہتر ہے (ابوداؤد) مسند احمد کی ایک غریب حدیث میں ہے، جس نے عشاء کی نماز کے بعد کسی شعر کا ایک مصرع بھی باندھا، اس کی اس رات کی نماز نامقبول ہے۔ یہ یاد رہے کہ شعر گوئی کی قسمیں ہیں، مشرکوں کی ہجو میں شعر کہنے مشروع ہیں۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے اکابرین صحابہؓ نے کفار کی ہجو میں اشعار کہے ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ بعض اشعار نصیحت، ادب اور حکمتوں کے ہوتے ہیں جیسے کہ جاہلیت کے زمانے کے شعراء کے کلام میں ایسے اشعار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ امیہ بن صلت کے اشعار کی بابت فرمان رسولؐ ہے کہ اس کے شعر تو ایمان لا چکے ہیں لیکن اس کا دل کافر ہی رہا۔ ایک صحابیؓ نے آپ کو امیہ کے ایک سو بیت سنائے۔ ہر بیت کے بعد آپؐ فرماتے تھے اور کہو۔ ابوداؤد میں، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بعض بیان مثل جادو کے ہیں اور بعض شعر سراسر حکمت والے ہیں۔

پس فرمان ہے کہ جو کچھ ہم نے انہیں سکھایا ہے، وہ سراسر ذکر و نصیحت اور واضح، صاف اور روشن قرآن ہے، جو شخص ذرا سا بھی غور کرے اس پر یہ کھل جاتا ہے۔ تاکہ روئے زمین پر جتنے لوگ موجود ہیں، یہ ان سب کو آگاہ کر دے اور ڈرا دے جیسے فرمایا لِاُنُذِرَكُمُ بِهٖ وَمَنُ بَلَغَ تاکہ میں تمہیں اس کے ساتھ ڈرا دوں اور جسے بھی یہ پہنچ جائے۔ اور آیت میں ہے وَمَنُ یَّكُفُرُ بِهٖ مِنَ الُاَحُزَابِ فَالنَّارُ مَوُعِدُهٗ یعنی جماعتوں میں سے جو بھی اسے نہ مانے، وہ سزاوار دوزخ ہے۔ ہاں اس قرآن سے اور نبیؐ کے فرمان سے اثر وہی لیتا ہے جو زندہ دل اور اندرونی نور والا ہو۔ عقل و بصیرت رکھتا ہو اور عذاب کا قول تو کافروں پر ثابت ہے ہی۔ پس قرآن مومنوں کے لئے رحمت اور کافروں پر اتمام حجت ہے۔
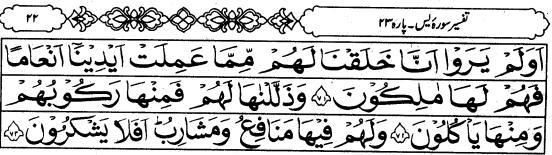
کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے چوپائے جانور بھی پیدا کر دیئے ہیں جن کے یہ مالک ہو گئے ہیں۔ اور ان مویشیوں کو ہم نے ان کا تابع فرمان بنا دیا ہے جن میں سے بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں ○ انہیں ان سے اور بھی بہت سے فوائد ہیں خصوصاً (دودھ کا) پینا' کیا پھر بھی یہ شکر گذاری نہیں کریں گے؟ ○

چوپائیوں کے فوائد: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۳) اللہ تعالیٰ اپنے انعام واحسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے خود ہی یہ چوپائے پیدا کئے اور انسان کی ملکیت میں دے دیئے' ایک چھوٹا سا بچہ بھی اونٹ کی نکیل تھام لے۔ اونٹ جیسا قوی اور بڑا جانور اس کے ساتھ ساتھ ہی سو اونٹوں کی ایک قطار ہو' ایک بچے کے ہانکنے سے سیدھی چلتی رہتی ہے۔

اس ماتحتی کے علاوہ بعض لمبے لمبے مشقت والے سفر با آسانی جلدی جلدی طے ہوتے ہیں۔ خود سوار ہوتے ہیں۔ اسباب لادتے ہیں۔ بوجھ ڈھونے کے کام آتے ہیں اور بعض کے گوشت کھائے جاتے ہیں' پھر صوف اور ان کے بالوں کھالوں وغیرہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دودھ پیتے ہیں' بطور علاج پیشاب کام میں آتے ہیں' اور بھی طرح طرح کے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں' کیا پھر ان کو نہ چاہیے کہ ان نعمتوں کے منعم حقیقی' ان احسانوں کے محسن' ان چیزوں کے خالق' ان کے حقیقی مالک کا شکر بجالائیں؟ صرف اسی کی عبادت کریں؟ اس کی توحید کو مانیں اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿٧٨﴾

اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں اس خیال سے کہ ان کی مدد کی جائے ○ یقیناً ان میں ان کی مدد کی طاقت ہی نہیں لیکن پھر بھی مشرکین ان کے لئے حاضر باش لشکری ہیں ○ پس تجھے ان کی بات غمناک نہ کرے' ہم ان کی پوشیدہ و اعلانیہ سب باتوں کو بخوبی جانتے ہیں ○ کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر بھی یہ تو صریح جھگڑالو بن بیٹھا اور ہمیں کو باتیں مارنے لگا اور اپنی اصل پیدائش کو بھول گیا۔ کہنے لگا' ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ ○

نفع و نقصان کا اختیار کس کے پاس ہے؟ ☆☆ (آیت: ۷۴-۷۶) مشرکین کے اس باطل عقیدے کی تردید ہو رہی ہے جو وہ سمجھتے

تھے کہ جن جن کی سوائے اللہ تعالیٰ کے یہ عبادت کرتے ہیں' وہ ان کی امداد و نصرت کریں گے' ان کی روزیوں میں برکت دیں گے اور اللہ سے ملا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ان کی مدد کرنے سے عاجز ہیں اور ان کی مدد تو کجا' وہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے بلکہ یہ بت تو اپنے دشمن کے نقصان سے بھی اپنے تئیں بچا نہیں سکتے۔ کوئی آئے اور انہیں توڑ مروڑ کر بھی چلا جائے تو یہ اس کا کچھ نہیں کر سکتے بلکہ بول چال پر بھی قادر نہیں' سمجھ بوجھ نہیں۔ یہ بت قیامت کے دن جمع شدہ حساب کے وقت اپنے عابدوں کے سامنے لاچاری اور بے کسی کے ساتھ موجود ہوں گے تاکہ مشرکین کی پوری ذلت و خواری ہو اور ان پر حجت تمام ہو۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ بت تو ان کی کسی طرح کی امداد نہیں کر سکتے' لیکن پھر بھی یہ بے سمجھ مشرکین ان کے سامنے اس طرح موجود رہتے ہیں جیسے کوئی حاضر باش لشکر ہو' وہ نہ انہیں کوئی نفع پہنچا سکیں نہ کسی نقصان کو دفع کر سکیں لیکن یہ ہیں کہ ان کے نام پر مرے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے خلاف آواز سننا نہیں چاہتے' غصے سے بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اے نبیؐ ان کی کفر کی باتوں سے آپ غمناک نہ ہوں۔ ہم پر ان کا ظاہر و باطن روشن ہے۔ وقت آ رہا ہے' گن چن کر ہم انہیں سزائیں دیں گے۔

موت کے بعد زندگی: ☆☆ (آیت: ۷۷-۸۳) ابی بن خلف ملعون ایک مرتبہ اپنے ہاتھ میں ایک بوسیدہ کھوکھلی سڑی گلی ہڈی لے کر آیا اور اسے اپنی چٹکی میں ملتے ہوئے جبکہ اس کے ریزے ہوا میں اڑ رہے تھے' حضورؐ سے کہنے لگا' آپ کہتے ہیں کہ ان ہڈیوں کو اللہ زندہ کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں ہاں اللہ تجھے ہلاک کر دے گا' پھر زندہ کر دے گا' پھر تیرا حشر جہنم کی طرف ہوگا۔ اس پر اس سورت کی یہ آخری آیتیں نازل ہوئیں۔ اور روایت میں ہے کہ یہ اعتراض کرنے والا عاص بن وائل تھا اور اس آیت سے لے کر ختم سورت تک کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ عبداللہ بن ابی سے ہوا تھا۔ لیکن یہ ذرا غور طلب ہے اس لئے کہ یہ سورت مکی ہے اور عبداللہ بن ابی تو مدینہ میں تھا۔ بہر صورت خواہ ابی کے سوال پر یہ آیتیں اتری ہوں یا عاص کے سوال پر' ہیں عام۔ لفظ انسان پر جو الف لام ہے' وہ جنس کا ہے۔ جو بھی دوسری زندگی کا منکر ہو' اسے یہی جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو چاہیے کہ اپنے شروع پیدائش پر غور کریں۔ جس نے ایک حقیر و ذلیل قطرے سے انسان کو پیدا کر دیا حالانکہ اس سے پہلے وہ کچھ نہ تھا۔ پھر اس کی قدرت پر حرف رکھنے کے کیا معنی؟ اس مضمون کو بہت سی آیتوں میں بیان فرمایا ہے جیسے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ اور جیسے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ الخ وغیرہ۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا۔ پھر اس پر انگلی رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم' کیا تو مجھے بھی عاجز کر سکتا ہے؟ میں نے تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا۔ پھر جب ٹھیک ٹھاک درست اور چست کر دیا اور تو ذرا کس بل والا ہو گیا تو تو نے مال جمع کرنا اور مسکینوں کو دینے سے روکنا شروع کر دیا' ہاں جب دم نرخرے میں اٹکا تو کہنے لگا' اب میں اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں' بھلا اب صدقے کا وقت کہاں؟ الغرض نطفے سے پیدا کیا ہوا انسان حجت بازیاں کرنے لگا اور اپنا دوبارہ جی اٹھنا محال جاننے لگا۔ اس اللہ کی قدرت سے نظریں ہٹا لیں جس نے آسمان و زمین کو اور تمام مخلوق کو پیدا کر دیا۔ یہ اگر غور کرتا تو اس عظیم الشان مخلوق کی پیدائش کے علاوہ خود اپنی پیدائش کو بھی دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت کا ایک نشان عظیم پاتا۔ لیکن اس نے تو عقل کی آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی۔

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝۷۹

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝۸۰

تو جواب دے کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے' جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے ○ وہی ہے جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی جس سے تم آگ سلگاتے ہو ○

(آیت: ۷۹-۸۰) اس کے جواب میں کہہ دو کہ اول مرتبہ ان ہڈیوں کو جو اب گلی سڑی ہیں جس نے پیدا کیا ہے' وہی دوبارہ انہیں پیدا کرے گا - جہاں جہاں بھی یہ ہڈیاں ہوں' وہ خوب جانتا ہے - مسند کی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ سے عقبہ بن عمرو نے کہا' آپ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث سنائیے تو آپؐ نے فرمایا' حضورؐ نے فرمایا کہ ایک شخص پر جب موت کی حالت طاری ہوئی تو اس نے اپنے وارثوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو تم بہت ساری لکڑیاں جمع کر کے میری لاش کو جلا کر خاک کر دینا - پھر اسے سمندر میں بہا دینا' چنانچہ انہوں نے یہی کیا - اللہ تعالیٰ نے اس کی راکھ کو جمع کر کے جب اسے دوبارہ زندہ کیا تو اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ صرف تیرے ڈر سے' اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا - حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں' حضورؐ نے راہ چلتے چلتے یہ حدیث بیان فرمائی جسے میں نے خود آپؐ کی زبان سے اپنے کانوں سے سنی - یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی بہت سے الفاظ سے مروی ہے - ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا تھا' میری راکھ کو ہوا کے رخ اڑا دینا - کچھ تو ہوا میں' کچھ دریا میں بہا دینا - سمندر نے بحکم الٰہی جو راکھ اس میں تھی' اسے جمع کر دیا' اسی طرح ہوا نے بھی - پھر اللہ کے فرمان سے وہ کھڑا کر دیا گیا - پھر اپنی قدرت کے مشاہدے کے لئے اور بات کی دلیل قائم کرنے کے لئے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے' وہ مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے' ہیئت کو وہ منقلب کر سکتا ہے' فرمایا کہ تم غور کرو کہ پانی میں درخت اگائے' سرسبز' شاداب ہرے بھرے پھل والے ہوئے' پھر وہ سوکھ گئے اور ان لکڑیوں سے میں نے آگ نکالی' کہاں وہ تری اور ٹھنڈک' کہاں یہ خشکی اور گرمی؟ پس مجھے کوئی چیز کرنی بھاری نہیں' تر کو خشک کرنا' خشک کو تر کرنا' زندہ کو مردہ کرنا' مردے کو زندگی دینا سب میرے بس کی بات ہے - یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے مرخ اور عفار کے درخت ہیں جو حجاز میں ہوتے ہیں - ان کی سبز ٹہنیوں کو آپس میں رگڑنے سے چقماق کی طرح آگ نکلتی ہے - چنانچہ عرب میں ایک مشہور مثل ہے کہ لِكُلِّ شَجَرٍ نَارٌ وَاسْتَمْجَدَ الْمَرْخُ وَالْعَفَارُ حکماء کا قول ہے کہ سوائے انگور کے درخت کے ہر درخت میں آگ ہے -

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ إِنَّمَآ أَمْرُهٗٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِي بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع ۱۶

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے' کیا وہ ان جیسوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک قادر ہے اور وہی تو پیدا کرنے والا دانا' بینا ہے ○ وہ جب کبھی جس کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے' اسے اتنا فرما دینا کافی ہے کہ ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتی ہے ○ پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ○

اللہ ہر چیز پر قادر: ☆☆ (آیت: ۸۱-۸۳) اللہ تعالیٰ اپنی زبردست قدرت بیان فرما رہا ہے کہ اس نے آسمانوں کو اور ان کی سب چیزوں کو پیدا کیا - زمین کو اور اس کے اندر کی سب چیزوں کو بھی اسی نے بنایا - پھر اتنی بڑی قدرتوں والا انسانوں جیسی چھوٹی مخلوق کو پیدا

کرنے سے عاجز آ جائے' یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے' جیسے فرمایا لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ یعنی آسمان و زمین کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت بڑی اور اہم ہے' یہاں بھی فرمایا کہ وہ اللہ جس نے آسمان وزمین کو پیدا کر دیا' وہ کیا انسانوں جیسی کمزور مخلوق کو پیدا کرنے سے عاجز آ جائے گا؟ اور جب وہ قادر ہے تو یقیناً انہیں مار ڈالنے کے بعد پھر وہ انہیں جلا دے گا۔ جس نے ابتداً پیدا کیا ہے' اس پر اعادہ بہت آسان ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ الخ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے زمین و آسمان کو بنا دیا اور ان کی پیدائش سے عاجز نہ آیا نہ تھکا' کیا وہ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک قادر ہے بلکہ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی پیدا کرنے والا اور بنانے والا' ایجاد کرنے والا اور خالق ہے۔ ساتھ ہی دانا' بینا اور رتی رتی سے واقف ہے۔ وہ تو جو کرنا چاہتا ہے' اس کا صرف حکم دے دینا کافی ہوتا ہے۔ مسند کی حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے' اے میرے بندو' تم سب گنہگار ہو مگر جسے میں معاف کر دوں گا۔ تم مجھ سے معافی طلب کرو' میرا وعدہ ہے کہ معاف کر دوں گا۔ تم سب فقیر ہو مگر جسے میں غنی کر دوں۔ میں جواد ہوں' میں ماجد ہوں' میں واجد ہوں۔ جو چاہتا ہوں' کرتا ہوں۔ میرا انعام بھی ایک کلام ہے اور میرا عذاب بھی کلام ہے۔ میں جس چیز کو کرنا چاہتا ہوں' کہہ دیتا ہوں کہ ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔ ہر برائی سے اس حی و قیوم اللہ کی ذات پاک ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے' جس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں ہیں۔ وہ سب کا خالق ہے' وہی اصلی حاکم ہے' اسی کی طرف قیامت کے دن سب لوٹائے جائیں گے اور وہی عادل و منعم اللہ انہیں سزا جزا دے گا اور جگہ فرمان ہے' پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت ہے۔ اور آیت میں ہے' کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے؟ اور فرمان ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ پس ملک وملکوت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں جیسے رحمت و رحموت اور رہبت و رہبوت اور جبر و جبروت۔ بعض نے کہا ہے کہ ملک سے مراد جسموں کا عالم اور ملکوت سے مراد روحوں کا عالم ہے۔ لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے اور یہی قول جمہور مفسرین کا ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایک رات میں تہجد کی نماز میں اللہ کے رسول ﷺ کی اقتدا میں کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے سات لمبی سورتیں (یعنی پونے دس پارے) سات رکعت میں پڑھیں سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر رکوع سے سر اٹھا کر آپؐ یہ پڑھتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِی الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظَمَةِ پھر آپؐ کا رکوع قیام کے مناسب ہی لمبا تھا اور سجدہ بھی مثل رکوع کے تھا۔ میری تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ ٹانگیں ٹوٹنے لگیں (ابوداؤد وغیرہ) انہی حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کو آپ نے رات کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپؐ نے یہ دعا پڑھ کر پھر قراءت شروع کی اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ذِی الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظَمَتِهِ پھر پوری سورۂ بقرہ پڑھ کر رکوع کیا اور رکوع میں بھی قریب قریب اتنی ہی دیر ٹھہرے رہے اور سبحان ربی العظیم پڑھتے رہے۔ پھر اپنا سر رکوع سے اٹھایا اور تقریباً اتنی ہی دیر کھڑے رہے اور لربی الحمد پڑھتے رہے۔ پھر سجدے میں گئے' وہ بھی تقریباً قیام کے برابر تھا اور سجدے میں حضور ﷺ سبحان ربی الاعلی پڑھتے رہے۔ پھر سجدے سے سر اٹھایا' آپؐ کی عادت مبارک تھی کہ دونوں سجدوں کے درمیان بھی اتنی دیر بیٹھے رہتے تھے جتنی دیر سجدوں میں لگاتے تھے اور رب اغفرلی رب اغفرلی پڑھتے رہے۔ چار رکعت آپؐ نے ادا کیں' سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران' سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ کی تلاوت کی۔

حضرت شعبہؒ کو شک ہے کہ سورۂ مائدہ کہا یا سورۂ انعام؟ نسائی وغیرہ میں ہے' حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے حضرتؐ کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھی۔ آپؐ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی' ہر اس آیت پر جس میں رحمت کا ذکر ہوتا' آپؐ ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرتے' اور ہر اس آیت پر جس میں عذاب کا ذکر ہوتا' آپؐ ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب

کرتے - پھر آپ نے رکوع کیا - وہ بھی قیام سے کچھ کم نہ تھا اور رکوع میں یہ فرماتے تھے سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظْمَۃِ پھر آپ نے سجدہ کیا' وہ بھی قیام کے قریب قریب تھا اور سجدے میں بھی یہی پڑھتے رہے - پھر دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران پڑھی - پھر اسی طرح ایک ایک سورت ایک ایک رکعت میں پڑھتے رہے -

الحمدللہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور لطف ورحم سے سورۂ یاسین کی تفسیر ختم ہوئی -

تفسیر سورة الصٰفٰت

(تفسیر سورہ صافات) نسائی شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں ہلکی نماز پڑھنے کا حکم فرماتے تھے اور آپ ہمیں سورۂ والصافات سے نماز پڑھاتے تھے -

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا ﴿۳﴾
اِنَّ اِلٰـھَکُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا
وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾

بخشش اور مہربانیوں والے اللہ کے نام سے شروع

قسم ہے صف باندھے والے فرشتوں کی ○ پھر پوری طرح ڈانٹنے والوں کی ○ پھر ذکر اللہ کی تلاوت کرنے والوں کی ○ یقیناً تم سب کا معبود ایک ہی ہے ○ آسمانوں زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں اور مشرقوں کا رب وہی ہے ○

فرشتوں کا تذکرہ: ☆☆ (آیت:۱-۵) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں' ان تینوں قسموں سے مراد فرشتے ہیں - اور بھی اکثر حضرات کا یہی قول ہے - حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' فرشتوں کی صفیں آسمانوں پر ہیں - مسلم میں حضورؐ فرماتے ہیں' ہمیں سب لوگوں پر تین باتوں میں فضیلت دی گئی ہے - ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی کی گئی ہیں - ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنادی گئی ہے اور پانی کے نہ ملنے کے وقت زمین کی مٹی ہمارے لئے وضو کے قائم مقام کی گئی ہے - مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ نے ہم سے فرمایا' تم اس طرح صفیں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں - ہم نے کہا وہ کس طرح؟ آپؐ نے فرمایا' اگلی صفوں کو وہ پورا کرتے جاتے ہیں اور صفیں بالکل ملالیا کرتے ہیں - ڈانٹنے والوں سے مراد سدیؒ وغیرہ کے نزدیک ابر اور بادل کو ڈانٹ کر احکام دے کر ادھر سے ادھر لے جانے والے فرشتے ہیں -

ربیع بن انسؒ وغیرہ فرماتے ہیں' قرآن جس چیز سے روکتا ہے' وہ اسی سے بندش کرتے ہیں - ذکر اللہ کی تلاوت کرنے والے فرشتے وہ ہیں جو اللہ کا پیغام بندوں کے پاس لاتے ہیں جیسے فرمان ہے فَالْمُلْقِیٰتِ ذِکْرًا عُذْرًا اَوْ نُذْرًا یعنی وحی اتارنے والے فرشتوں کی قسم جو عذر کو ٹالنے یا آگاہ کرنے کے لئے ہوتی ہے - ان قسموں کے بعد جس چیز پر یہ قسمیں کھائی گئی ہیں' اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ تم سب کا معبود برحق ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے - وہی آسمان و زمین کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک و متصرف ہے - اسی نے آسمان میں ستارے اور چاند سورج کو مسخر کر رکھا ہے' جو مشرق سے ظاہر ہوتے ہیں' مغرب میں غروب ہوتے ہیں - مشرقوں کا ذکر کر کے مغربوں کا ذکر اس

کی دلالت موجود ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا - دوسری آیت میں ذکر کر بھی دیا ہے فرمان ہے رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ یعنی جاڑے گرمیوں کی طلوع وغروب کی جگہ کا رب وہی ہے-

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ﴿٦﴾ وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ﴿٧﴾ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ ﴿٨﴾ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ﴿٩﴾ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے بارونق بنا دیا ہے ○ اور ہم نے ہی اس کی نگہبانی کی ہے ہر شریر شیطان سے ○ عالم بالا کے فرشتوں کی باتوں کو سننے کے لئے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے بلکہ چوطرف سے ان پر شعلہ باری کی جاتی ہے ان کے ہنکانے کے لئے ○ اور ان کے لئے دائمی عذاب ہیں ○ ہاں جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو فوراً ہی اس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے ○

شیاطین اور کاہن: ☆☆ (آیت:۶-۱۰) آسمان دنیا کو دیکھنے والے کی نگاہوں میں جو زینت دی گئی ہے اس کا بیان فرمایا - یہ اضافت کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور بدلیت کے ساتھ بھی - معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہیں - اس کے ستاروں کی اس کے سورج کی روشنی زمین کو جگمگا دیتی ہے جیسے اور آیت میں ہے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا الخ ہم نے آسمان دنیا کو زینت دی ستاروں کے ساتھ - اور انہیں شیطانوں کے لئے شیطانوں کے رجم کا ذریعہ بنایا اور ہم نے ان کے لئے آگ سے جلا دینے والے عذاب تیار کر رکھے ہیں-

اور آیت میں ہے ہم نے آسمان میں برج بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کی آنکھوں میں کھب جانے والی چیز بنائی - اور ہر شیطان رجیم سے اسے محفوظ رکھا - جو کوئی کسی بات کو لے اڑنا چاہتا ہے وہیں ایک تیز شعلہ اس کی طرف اترتا ہے - اور ہم نے آسمانوں کی حفاظت کی ہر سرکش شریر شیطان سے اس کا بس نہیں کہ فرشتوں کی باتیں سنے وہ جب یہ کرتا ہے تو ایک شعلہ لپکتا ہے اور اسے جلا جاتا ہے - یہ آسمانوں تک پہنچ ہی نہیں سکتے - اللہ کی شریعت تقدیر کے امور کی کسی گفتگو کو وہ سن ہی نہیں سکتے - اس بارے کی حدیثیں ہم نے آیت حَتّٰی اِذَا فُزِّعَ الخ کی تفسیر میں بیان کر دی ہیں جدھر سے بھی یہ آسمان پر چڑھنا چاہتے ہیں وہیں سے ان پر آتش باری کی جاتی ہے - انہیں ہنکانے پست وذلیل کرنے روکنے اور نہ آنے دینے کے لئے یہ سزا بیان کی ہے اور آخرت کے دائمی عذاب ابھی باقی ہیں جو بڑے المناک دردناک اور ہمیشگی والے ہوں گے - ہاں کبھی کسی جن نے کوئی کلمہ کسی فرشتے کی زبان سے سن لیا اور اسے اس نے اپنے نیچے والے سے کہہ دیا اور اس نے اپنے نیچے والے سے وہیں اس کے پیچھے ایک شعلہ لپکتا ہے کبھی تو وہ دوسرے کو پہنچائے اس سے پہلے ہی شعلہ اسے جلا ڈالتا ہے کبھی وہ دوسرے کے کانوں تک پہنچا دیتا ہے - یہی وہ باتیں ہیں جو کاہنوں کے کانوں تک شیاطین کے ذریعہ پہنچ جاتی ہیں-

ثاقب سے مراد سخت تیز بہت زیادہ روشنی والا ہے - حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ شیاطین پہلے جا کر آسمانوں میں بیٹھتے تھے اور وحی سن لیتے تھے - اس وقت ان پر تارے نہیں ٹوٹتے تھے - یہ وہاں کی وحی سن کر زمین پر آ کر ایک ایک کی دس دس کر کے کاہنوں کے کانوں میں پھونکتے تھے جب حضورؐ کو نبوت ملی پھر شیطانوں کا آسمان پر جانا موقوف ہوا اب یہ جاتے ہیں تو ان پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں اور انہیں جلا دیا جاتا ہے انہوں نے اس نو پیدا امر کی خبر جب ابلیس ملعون کو دی تو اس نے کہا کہ کسی اہم نئے کام کی وجہ

سے اس قدر احتیاط وحفاظت کی گئی ہے چنانچہ خبر رسانوں کی جماعتیں اس نے روئے زمین پھیلا دیں، جو جماعت حجاز کی طرف گئی تھی اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نخلہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان نماز ادا کر رہے ہیں - اس نے جا کر ابلیس کو یہ خبر دی - اس نے کہا، بس یہی وجہ ہے تمہارا آسمانوں پر جانا موقوف ہوا - اس کی پوری تحقیق اللہ نے چاہا تو آیت وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ الخ کی تفسیر میں آئے گی -

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

ان کافروں سے پوچھو تو کہ آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے؟ ہم نے انسانوں کو تو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے ○ بلکہ تو تعجب کر رہا ہے اور یہ مسخراپن کر رہے ہیں - اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے، یہ نہیں مانتے ○ اور جب کسی معجزے کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں ○ اور کہتے ہیں کہ یہ تو بالکل کھلم کھلا جادو ہی ہے ○ کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈی ہو جائیں گے، پھر کیا سچ مچ ہم زندہ کئے جائیں گے؟ ○ یا ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی؟ ○ تو جواب دے کہ ہاں ہاں اور تم ذلیل ہو گے ○ وہ تو صرف ایک زور کا نعرہ ہے کہ یکایک یہ دیکھنے لگیں گے ○

اللہ کے لئے دوبارہ پیدا کرنا دشوار نہیں: ☆☆ (آیت:۱۱-۱۹) اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو حکم دیتا ہے کہ ان منکرین قیامت سے پوچھو کہ تمہارا پیدا کرنا ہم پر مشکل ہے یا آسمان وزمین، فرشتے جن وغیرہ کا - ابن مسعودؓ کی قراءت اَمْ مَّنْ عَدَدْنَا ہے - مطلب یہ ہے کہ اس کا اقرار تو انہیں بھی ہے - پھر مر کر جینے کا انکار کیوں کر رہے ہیں؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ انسانوں کی پیدائش سے تو بہت بڑی اور بہت بھاری پیدائش آسمان وزمین کی ہے لیکن اکثر لوگ بے علمی برتتے ہیں - پھر انسان کی پیدائشی کمزوری بیان فرماتا ہے کہ یہ چکنی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے جس میں لیس تھا جو ہاتھوں کو چپکتی تھی - تو چونکہ حقیقت کو پہنچ گیا ہے ان کے انکار پر تعجب کر رہا ہے کیونکہ اللہ کی قدرتیں تیرے سامنے ہیں اور اس کے فرمان بھی - لیکن یہ تو اسے سن کر ہنسی اڑاتے ہیں اور جب کبھی کوئی واضح دلیل سامنے آ جاتی ہے تو مسخراپن کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے - ہم کسی طرح اسے نہیں مانتے کہ مر کر مٹی ہو کر پھر جی اٹھیں بلکہ ہمارے باپ دادا بھی دوسری زندگی میں آ جائیں، ہم تو اس کے قائل نہیں - اے نبیؐ تم ان سے کہہ دو کہ ہاں تم یقیناً دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے - تم ہو کیا چیز، اللہ کی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہوا اس کی وہ ذات ہے کہ کسی کی اس کے سامنے کوئی ہستی نہیں - فرماتا ہے کُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ہر شخص اس کے سامنے عاجزی اور لاچاری سے حاضر ہونے والا ہے - ایک آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ میری عبادت سے سرکشی کرنے والے ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جائیں گے - پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جسے تم مشکل سمجھتے ہو وہ مجھ پر تو بالکل ہی آسان ہے - صرف ایک آواز لگتے ہی ہر ایک زمین سے نکل کر دہشت ناک کے ساتھ اہوال واحوال قیامت کو دیکھنے لگے گا - واللہ اعلم -

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۲۰ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۲۱ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝۲۲ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝۲۳ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ۝۲۴ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝۲۵ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝۲۶

اور کہیں گے کہ ہائے ہماری خرابی یہی جزا سزا کا دن ہے O یہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلاتے رہے O ظالموں کو اور ان کے ہمراہیوں کو اور جن جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے O ان سب کو جمع کر کے انہیں دوزخ کی راہ دکھا دو O اور انہیں ٹھہرا لو اس لئے کہ ان سے ضروری سوال کئے جانے والے ہیں O کیا وجہ ہے کہ اس وقت ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے O بلکہ وہ سب کے سب آج فرمانبردار بن گئے O

قیامت کے دن کفار کا پچھتانا: ☆☆ (آیت:۲۰-۲۶) قیامت والے دن کفار کا اپنے تئیں ملامت کرنا اور پچھتانا اور افسوس وحسرت کرنا بیان ہو رہا ہے کہ وہ نادم ہو کر قیامت کے دہشت خیز اور وحشت انگیز امور کو دیکھ کر کہیں گے ہائے ہائے! یہی تو روز جزا ہے۔ تو مومن اور فرشتے بطور ڈانٹ ڈپٹ اور ندامت بڑھانے کے ان سے کہیں گے' ہاں یہی تو وہ فیصلے کا دن ہے جسے تم سچا نہیں مانتے تھے۔ اس دن اللہ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہو گا کہ ظالموں کو' ان کے جوڑوں کو' ان کے بھائی بندوں کو اور ان جیسوں کو ایک جگہ جمع کرو۔ مثلاً زانی زانیوں کے ساتھ' سود خوار سود خواروں کے ساتھ' شرابی شرابیوں کے ساتھ وغیرہ۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ظالموں کو اور ان کی عورتوں کو' لیکن یہ غریب ہے۔ ٹھیک مطلب یہی ہے کہ انہی جیسوں کو' اور ان کے ساتھ ہی جن بتوں کو اور جن جن کو شریک الٰہی مقرر کئے ہوئے تھے' سب کو جمع کرو۔ پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ جیسے فرمان ہے وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ الخ یعنی انہیں ان کے منہ کے بل اندھے بہرے گونگے کر کے ہم جمع کریں گے۔ پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا جس کی آگ جب کبھی ہلکی ہو جائے' ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔ انہیں جہنم کے پاس کچھ دیر ٹھہرا دو تا کہ ہم ان سے پوچھ گچھ کر لیں۔

ان سے حساب لے لیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' جو شخص کسی کو کسی چیز کی طرف بلائے' وہ قیامت کے دن اسی کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا۔ نہ بیوفائی ہو گی نہ جدائی ہو گی گو ایک کو ہی بلایا ہو' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت عثمان بن زائدہ فرماتے ہیں' سب سے پہلے انسان سے اس کے ساتھیوں کی بابت سوال کیا جائے گا۔ پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ آج ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ تم تو دنیا میں کہتے پھرتے تھے کہ ہم سب ایک ساتھ ہیں اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ یہ تو کہاں؟ بلکہ آج تو یہ ہتھیار ڈال چکے' اللہ کے فرمانبردار بن گئے۔ نہ اللہ کے کسی فرمان کا خلاف کریں نہ کر سکیں' نہ اس سے بچ سکیں نہ وہاں سے بھاگ سکیں۔ واللہ اعلم۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝۲۷ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝۲۸ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۲۹ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۝۳۰ فَحَقَّ

عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّا لَذَائِقُونَ ﴿٣١﴾ فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ﴿٣٢﴾
فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ
بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ
يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٥﴾ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ ﴿٣٦﴾ بَلْ
جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٧﴾

وہ ایک دوسرے کی طرف مخاطب ہو کر سوال و جواب کرنے لگیں گے ○ کہیں گے کہ تم تو ہمارے پاس ہماری دائیں طرف سے آتے تھے ○ وہ جواب دیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہی ایمان دار نہ تھے ○ کچھ ہماری زور وری تو تم پر تھی ہی نہیں' بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے ○ اب تو ہم سب پر ہمارے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی کہ ہم عذاب چکھنے والے ہیں ○ ہم نے تمہیں گمراہ کیا ہم تو خود بھی گمراہ ہی تھے ○ اب آج کے دن تو یہ سب کے سب عذاب میں شریک ہیں۔ ہم گنہگاروں کے ساتھ اسی طرح کیا کرتے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے ○ اور کہتے تھے کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دینے والے ہیں؟ ○ نہیں نہیں بلکہ نبی تو برحق سچا دین لائے ہیں اور سب رسولوں کو سچا جانتے ہیں ○

دوزخیوں کا اپنے بزرگوں سے شکوہ: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۷) کافر لوگ جس طرح جہنم کے طبقوں میں جلتے ہوئے آپس میں جھگڑے کریں گے' اسی طرح قیامت کے میدان میں وہ ایک دوسرے پر الزام لگائیں گے۔ کمزور لوگ زور آوروں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع فرمان تھے۔ کیا آج ہمیں تم تھوڑے بہت عذابوں سے بچا لو گے؟ وہ کہیں گے کہ ہم تو خود تمہارے ساتھ ہی اسی جہنم میں جل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے فرما چکا۔ جیسے اور جگہ ان کی یہ بات چیت اس طرح منقول ہے کہ ضعیف لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار بن جاتے۔ وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا؟ نہیں بلکہ تم تو خود ہی بدکار تھے۔ یہ کہیں گے بلکہ دن رات کا مکر جبکہ تم ہمیں حکم کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک مقرر کریں۔ عذاب کو دیکھتے ہی یہ سب کے سب بے طرح نادم و پشیمان ہوں گے لیکن اپنی ندامت کو چھپائیں گے۔ ان تمام کفار کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے جائیں گے۔ ہاں یہ یقینی بات ہے کہ ہر ایک کو صرف اس کی کرنی بھرنی پڑے گی۔ پس یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے بڑوں اور سرداروں سے کہیں گے کہ تم ہماری دائیں جانب سے آتے تھے یعنی چونکہ ہم کمزور کم حیثیت تھے اور تمہیں ہم پر ترجیح تھی' اس لئے تم ہمیں دبا دبو کر حق سے ناحق کی طرف پھیر دیتے تھے' یہ کافروں کا مقولہ ہو گا جو وہ شیطانوں سے کہیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان یہ بات جنات سے کہیں گے کہ تم ہمیں بھلائی سے روک کر برائی پر آمادہ کرتے تھے' گناہ کو مزین اور شیریں دکھاتے تھے اور نیکی کو بری اور مشکل جتاتے تھے' حق سے روکتے تھے۔ باطل پر جما دیتے تھے۔ جب کبھی نیکی کا خیال ہمارے دل میں آتا تھا' تم کسی نہ کسی فریب سے اس سے روک دیتے تھے۔ اسلام' ایمان' خیر و خوبی' نیکی اور سعادت مندی سے تم نے ہمیں محروم کر دیا۔ توحید سے دور ڈال دیا۔ ہم تمہیں اپنا خیر خواہ سمجھتے رہے' راز دار بنائے رہے' تمہاری باتیں مانتے رہے' تمہیں بھلا آدمی سمجھتے رہے۔ اس کے جواب میں جنات اور انسان جتنے بھی سردار ذی عزت اور بڑے لوگ تھے' ان کمزوروں کو جواب دیں گے کہ اس میں ہمارا تو کوئی قصور نہیں۔ تم تو خود ہی ایسے ہی تھے۔ تمہارے دل ایمان سے بھاگتے تھے اور کفر کی طرف دوڑ کر جاتے تھے۔ ہم نے تمہیں جس چیز کی طرف بلایا' وہ کوئی حق ثابت نہ تھی نہ اس کی بھلائی پر کوئی دلیل تھی لیکن چونکہ تم طبعاً برائی کی طرف مائل تھے' خود تمہارے دلوں میں سرکشی اور برائی تھی' اس لئے تم نے ہمارا کہا مان لیا۔ اب تو ہم سب پر اللہ کا

قول ثابت ہو گیا کہ ہم یقیناً عذابوں کا مزہ چکھنے والے ہیں۔ یہ بڑے لوگ چھوٹوں سے، یہ متبوع لوگ اپنے تابعداروں سے کہیں گے کہ ہم تو خود ہی بہکے ہوتے تھے۔ ہم نے تمہیں بھی اپنی ضلالت کی طرف بلایا۔ تم دوڑے ہوئے آ گئے۔ بتاؤ تم نے ہماری بات مان لی؟ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے، پس آج کے دن سب لوگ جہنم کے عذابوں میں شریک ہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے۔ مجرموں کے ساتھ ہم اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ یہ مومنوں کی طرح اللہ کی توحید کے قائل نہ تھے بلکہ توحید کی آواز سے تکبر و نفرت کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں جب تک کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہ کہہ لیں۔ جو اسے کہہ لے اس نے اپنا مال اور اپنی جان بچا لی مگر اسلامی فرمان سے۔ اور اس کا باطنی حساب اللہ کے ذمے ہے۔ اللہ کی کتاب میں بھی یہی مضمون ہے۔ اور ایک متکبر قوم کا ذکر ہے کہ وہ اس کلمہ سے روگردانی کرتے تھے۔

ابن ابی حاتم میں ابو العلاءؒ سے مروی ہے کہ یہودیوں کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور ان سے سوال ہو گا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے اللہ کی اور عزیر کی۔ ان سے کہا جائے گا، اچھا بائیں طرف آؤ۔ پھر نصرانیوں سے یہی سوال ہو گا۔ وہ کہیں گے اللہ کی اور مسیح کی۔ تو ان سے بھی یہی کہا جائے گا۔ پھر مشرکین کو لایا جائے گا اور ان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا جائے گا تو وہ تکبر کریں گے۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہو گا۔ پھر حکم ہو گا، انہیں بھی بائیں طرف لے چلو۔ فرشتے انہیں پرندوں سے بھی جلدی پہنچا دیں گے۔ پھر مسلمانوں کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے رہے؟ یہ کہیں گے صرف اللہ تعالیٰ کی۔ تو ان سے کہا جائے گا، کیا تم اسے دیکھ کر پہچان سکتے ہو؟ یہ کہیں گے ہاں۔ پوچھا جائے گا تم کیسے پہچان لو گے؟ حالانکہ تم نے کبھی اسے دیکھا نہیں۔ یہ جواب دیں گے ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس کے برابر کا کوئی نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے تئیں انہیں پہنچوائے گا اور ان کو نجات دے گا۔ یہ کلمہ توحید اور ردِ شرک سن کر جواب دیتے تھے کہ کیا اس شاعر و مجنون کے کہنے سے ہم اپنے معبودوں سے دست بردار ہو جائیں گے؟ ماننا تو ایک طرف الٹے رسول اللہ کو شاعر اور دیوانہ بتاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی تکذیب کرتا ہے اور ان کے رد میں فرماتا ہے کہ یہ تو بالکل سچے ہیں، حق لے کر آئے ہیں، ساری شریعت سراسر حق ہے۔ خبریں ہوں، تو اور حکم ہوں تو۔ یہ رسولوں کو بھی سچا جانتا ہے۔ ان رسولوں نے جو صفتیں اور پاکیزگیاں آپ کی بیان کی تھیں، ان کے صحیح مصداق آپ ہی ہیں۔ یہ بھی وہی احکام بیان کرتے ہیں جو اگلے انبیاءؑ نے کئے۔ جیسے اور آیت میں ہے مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ الخ یعنی تجھ سے وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے کے نبیوں سے کہا جاتا رہا۔

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

یقیناً تم دردناک عذابوں کے مزے چکھنے والے ہو ○ تمہیں اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے ○ مگر اللہ کے خالص برگزیدہ بندے ○ انہی کے لیے مقررہ روزی ہے۔ میوے ہر طرح کے اور وہ ذی عزت واکرام ہیں ○ نعمتوں والی جنتوں میں ○ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے ○ جاری شراب کے جام کا ان پر دور چل رہا ہوگا ○ جو سفید اور پینے میں لذیذ ہوگی ○ نہ اس سے درد سر ہو اور نہ اس کے پینے سے بہکنے لگیں ○ اور ان کے پاس نیچی نظروں والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی ○ ایسی جیسے چھپائے ہوئے موتی ○

متقیوں کے لئے نجات اور انعامات: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۹) اللہ تعالیٰ تمام لوگوں سے خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ تم المناک عذاب چکھنے والے ہو۔ اور صرف اسی کا بدلہ دیئے جانے والے ہو جسے تم نے کیا دھرا ہے۔ پھر اپنے مخلص بندوں کو اس سے الگ کر لیتا ہے جیسے وَالْعَصْرِ میں فرمایا کہ تمام انسان گھاٹے میں ہیں مگر ایماندار نیک اعمال۔ اور سورۂ وَالتِّيْنِ میں فرمایا' ہم نے انسان کو بہت اچھی پیدائش میں پیدا کیا' پھر اسے نیچوں کا نیچ کر دیا مگر جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے اور سورۂ مریم میں فرمایا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا الخ تم میں سے ہر ایک جہنم پر وارد ہونے والا ہے۔ یہ تو تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے اور یہ ضروری چیز ہے لیکن پھر ہم متقیوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اسی میں گرے پڑے چھوڑ دیں گے۔ سورۂ مدثر میں ارشاد ہوا ہے كُلُّ نَفْسٍ الخ ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں مشغول ہے مگر وہ جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال آ چکا ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی اپنے خاص بندوں کا استثنا کر لیا کہ وہ المناک عذابوں سے حساب کے پھنساوڑے سے الگ ہیں بلکہ ان کی برائیوں سے درگزر فرما لیا گیا ہے اور ان کی نیکیاں بڑھا چڑھا کر ایک کی دس دس گنی بلکہ سات سات سو گنی کر کے بلکہ اس سے بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر انہیں دی گئی ہیں۔ ان کے لئے مقررہ روزی ہے اور وہ قسم قسم کے میوہ جات ہیں۔ وہ مخدوم ہیں' ذی عزت ہیں' ذی اکرام ہیں' ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے ہیں' بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے' بڑا ادب لحاظ رکھا جاتا ہے۔ یہ نعمتوں سے پر جنتوں میں ہیں۔ وہاں کے تختوں پر اس طرح بیٹھے ہیں کہ کسی کی پیٹھ کسی کی طرف نہیں۔

ایک مرفوع غریب حدیث میں بھی ہے کہ اس آیت کی تلاوت کر کے آپ نے فرمایا' ہر ایک کی نگاہیں دوسرے کے چہرے پر پڑیں گی' آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اس شراب کے دور ان میں چل رہے ہوں گے جو جاری ہے۔ جس کے ختم ہو جانے' کم ہو جانے کا مطلق اندیشہ نہیں۔ جو ظاہر و باطن میں آراستہ ہے۔ خوبیاں ہیں' برائیاں نہیں۔ رنگ کی سفید' مزے کی بہت اچھی لذیذ۔ نہ اس کے پینے سے سر درد ہو نہ بک جھک لگے' دنیا کی شراب میں یہ آفتیں تھیں پیٹ کا درد' سر کا درد' بیہوشی بدحواسی وغیرہ لیکن جنت کی شراب میں ان میں سے ایک برائی بھی موجود نہیں رہی۔ دیکھنے میں خوش رنگ' پینے میں لذیذ' فوائد میں اعلیٰ' سرور و کیف میں عمدہ لیکن سدھ بدھ دور کر دینے والی' بدمست بنا دینے والی نہیں' نہ بدبودار نہ بدنظر نہ قابل نفرت۔ بلکہ خوشبودار' خوش رنگ' خوش ذائقہ' خوش فائدہ' اس کے پینے سے پیٹ میں درد نہیں ہوتا اور اس کی کثرت ضرر رساں نہیں' خلاف طبع نہیں۔ سر بھاری نہیں ہو جاتا' چکر نہیں آتے' گرانی محسوس نہیں ہوتی۔ ہوش و حواس جاتے نہیں رہتے۔ کوئی ایذا' تکلیف' قے' متلی نہیں ہوتی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' شراب میں چار برائیاں ہیں۔ نشہ' سر درد' قے اور پیشاب۔ جنت کی شراب ان تمام برائیوں سے پاک ہے۔ دیکھ لو سورۂ الصافات۔ ان کے پاس نیچی نگاہوں والی' شرمیلی نظروں والی' پاک دامن عفیفہ حوریں ہیں جن کی نگاہ اپنے خاوندوں کے چہرے کے سوا کبھی کسی کے چہرے پر نہیں پڑتی اور نہ پڑے گی۔ بڑی بڑی موٹی موٹی رسیلی آنکھیں ہیں۔ حسن صورت' حسن سیرت دونوں چیزیں ان میں موجود ہیں۔ جس طرح حضرت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام میں یہ دونوں خوبیاں دیکھیں۔ عورتوں نے جب انہیں طعنے دینے شروع کئے تو ایک دن سب کو بلا کر بٹھا لیا اور حضرت یوسفؑ کا پورا بناؤ سنگھار کرا کر بلایا۔ عورتوں کی نگاہیں ان کے جمال کو

دیکھ کر خیرہ ہو گئیں اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ یہ تو فرشتہ ہیں- اسی وقت کہا' یہی تو ہیں جن کے بارے میں تم سب مجھے ملامت کر رہی تھیں- واللہ میں نے ان کو ہر چند اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن یہ پاک دامن ہی رہا- یہ باوجود جمال ظاہری کے حسن باطنی بھی رکھتا ہے- بڑا پاکباز' امین' پارسا' متقی' پرہیزگار ہے- اسی طرح حوریں ہیں کہ جمال ظاہری کے ساتھ ہی باطنی خوبی بھی اپنے اندر رکھتی ہیں-

پھر ان کا مزید حسن بیان ہو رہا ہے کہ ان کا گورا گورا پنڈا اور بھبو کا سا رنگ ایسا چمکیلا دلکش اور جاذب نظر ہے کہ گویا محفوظ موتی- جس تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچا ہو' جو سیپ سے نہ نکلا ہو' جسے زمانے کی ہوا نہ لگی ہو' جو اپنی آبداری میں بے مثل ہو- ایسے ہی ان کے اچھوتے جسم ہیں- یہ بھی کہا گیا ہے کہ گویا وہ انڈے کی طرح ہیں- انڈے کے اوپر کے چھلکے کے نیچے چھوٹے چھلکے جیسے ان کے بدن ہیں- ایک حدیث میں ام سلمہؓ کے سوال پر حضورؐ نے فرمایا' حور عین سے مراد بہت بڑی آنکھوں والی سیاہ پلکوں والی حوریں ہیں- پھر پوچھا بیض مکنون سے کیا مراد ہے؟ فرمایا' انڈے کے اندر کی سفید جھلی- ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں کھڑا کیا جاؤں گا اور جبکہ وہ جناب باری میں پیش ہوں گے تو میں ان کا خطیب بنوں گا اور جب وہ غمگین ہو رہے ہوں گے تو میں انہیں خوشخبریاں سنانے والا ہوں گا اور ان کا سفارشی بنوں گا جب کہ یہ رکے ہوئے ہوں گے- حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہو گا- حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے سب سے زیادہ اللہ کے ہاں اکرام وعزت والا میں ہوں- یہ میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا- میرے آگے پیچھے قیامت کے دن ایک ہزار خادم گھوم رہے ہوں گے جو مثل چھپے ہوئے انڈوں یا اچھوت موتیوں کے ہوں گے- واللہ اعلم بالصواب-

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھیں گے ○ ان میں سے ایک کہے گا کہ میرا ایک ہم نشین تھا ○ جو مجھ سے کہا کرتا تھا کہ کیا تو قیامت کے آنے کا یقین کرنے والوں میں سے ہے؟ ○ کیا جبکہ ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے؟ کیا اس وقت ہم جلا دیئے جانے والے ہیں ○ کہے گا' تم چاہتے ہو تو جھانک کر دیکھ لو؟ ○ جھانکتے ہی اسے تو بیچوں بیچ جہنم میں جلتا ہوا دیکھے گا ○ کہے گا' واللہ قریب تھا کہ تو مجھے بھی برباد کر دے ○ اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں حاضر کیا گیا ہوتا ○ کیا یہ صحیح ہے کہ ہم مرنے والے ہی نہیں؟ ○ بجز پہلی ایک موت کے اور نہ ہم عذاب کئے جانے والے ہیں؟ ○ پھر تو ظاہر بات ہے کہ بڑی کامیابی ہے ○ ایسی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے ○

محسن مقروض: ☆☆ (آیت: ۵۰-۶۱) جب جنتی موج مزے اڑاتے ہوئے' بےفکری اور فارغ البالی کے ساتھ جنت کے بلند و بالا خانوں میں عیش وعشرت کے ساتھ آپس میں مل جل کر تختوں پر تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے' ہزار ہا پری جمال خدام سلیقہ شعاری سے کمربستہ

خدمت پر مامور ہوں گے، حکم احکام دے رہے ہوں گے، قسم قسم کے کھانے پینے' پہننے اوڑھنے اور طرح طرح کی لذتوں سے فائدہ مندی حاصل کرنے میں مصروف ہوں گے- دور شراب طہور چل رہا ہو گا' وہاں باتوں ہی باتوں میں یہ ذکر نکل آئے گا کہ دنیا میں کیا کیا حال گزرے- کیسے کیسے دن کٹے- اس پر ایک شخص کہے گا' میری سنو' میرا شیطان میرا ایک مشرک ساتھی تھا جو مجھ سے اکثر کہا کرتا تھا کہ تعجب سا تعجب ہے کہ تو اس بات کو مانتا ہے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے' ہم کھوکھلی بوسیدہ سڑی گلی ہڈی بن جائیں گے' اس کے بعد بھی ہم حساب کتاب' جزا سزا کے لئے اٹھائے جائیں گے' مجھے وہ شخص جنت میں تو نظر پڑتا نہیں کیا عجب کہ وہ جہنم میں گیا ہو تو اگر چاہو تو میرے ساتھ چل کر جھانک کر دیکھ لو- جہنم میں اس کی کیا درگت ہو رہی ہے- اب جو جھانکتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ شخص سرتاپا جل رہا ہے' خود وہ آگ بن رہا ہے' جہنم کے درمیان میں کھڑا ہے اور بے بسی کے ساتھ جل بھن رہا ہے اور ایک اسے ہی کیا دیکھے گا کہ تمام بڑے بڑے لوگوں سے جہنم بھرا ہے- کعب احبارؒ فرماتے ہیں' جنت میں جنتی جب بھی کسی جہنمی کو دیکھنا چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں- وہ اپنے دشمنوں کو جلتے جھلستے دیکھ کر خوش ہو کر شکر الٰہی کرتے ہیں- جنتی اسے دیکھتے ہی کہے گا کہ حضرت آپ نے تو وہ پھندا ڈالا تھا کہ مجھے تباہ ہی کر ڈالتے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے پنجے سے چھڑا دیا- اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم میرے شامل حال نہ ہوتا تو بڑی بری گت ہوتی اور میں بھی تیرے ساتھ کھنچا کھنچا یہیں جہنم میں آ جاتا اور جلتا رہتا- اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تیری تیز کلامی' چرب زبانی سے مجھے عافیت میں رکھا اور تیرے اثر سے مجھے محفوظ رکھا- تو نے تو فتنے بپا کرنے میں کوئی کمی باقی نہیں رکھی تھی-

اب مومن اور ایک بات کہتا ہے جس میں اس کی اپنی تسکین اور کامیابی کی خبر ہے کہ وہ پہلی موت تو مر چکا ہے- اب ہمیشہ کے گھر میں ہے- نہ یہاں اس پر موت ہے نہ خوف ہے نہ عذاب ہے نہ وبال ہے اور یہی بہترین کامیابی اور فلاح ابدی ہے- حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ جنتیوں سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے بدلے سے اپنی پسند کا جتنا چاہو کھاؤ پیو- اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ جنتی جنت میں مریں گے نہیں تو وہ یہ سن کر سوال کریں گے کہ کیا اب ہمیں موت تو نہیں آنے کی- کسی وقت عذاب تو نہیں ہو گا؟ تو جواب ملے گا' نہیں ہرگز نہیں- چونکہ انہیں کھٹکا تھا کہ موت آ کر یہ لذتیں فوت نہ کر دے' جب یہ دھڑکا ہی جاتا رہا تو وہ سکون کا سانس لے کر کہیں گے شکر ہے' یہ تو کھلی کامیابی ہے اور بڑی ہی مقصد یاوری ہے-

اس کے بعد فرمایا ایسے ہی بدلے کے لئے عاملوں کو عمل کرنا چاہیے' قتادہؒ تو فرماتے ہیں' یہ اہل بت کا مقولہ ہے- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اللہ کا فرمان ہے مطلب یہ ہے کہ ان جیسی نعمتوں اور رحمتوں کے حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو دنیا میں بھرپور رغبت کے ساتھ عمل کرنا چاہیے تاکہ انجام کار ان نعمتوں کو حاصل کر سکیں- اسی آیت کے مضمون سے ملتا جلتا ایک قصہ ہے- اسے بھی سن لیجئے- دو شخص آپس میں شریک تھے- ان کے پاس آٹھ ہزار اشرفیاں جمع ہو گئیں- ایک چونکہ پیشے حرفے سے واقف تھا اور دوسرا ناواقف تھا' اس لئے اس واقف کار نے ناواقف سے کہا کہ اب ہمارا نباہ مشکل ہے- آپ اپنا حق لے کر الگ ہو جائیے- آپ کام کاج سے ناواقف ہیں- چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے حصے الگ الگ کر لئے اور جدا جدا ہو گئے- پھر اس حرفے والے نے بادشاہ کے مر جانے کے بعد اس کا شاہی محل ایک ہزار دینار میں خریدا اور اپنے اس ساتھی کو بلا کر اسے دکھایا اور کہا بتاؤ میں نے کیسی چیز لی؟ اس نے بڑی تعریف کی اور یہاں سے باہر چلا- اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا' اللہ اس میرے ساتھی نے تو ایک ہزار دینار کا قصر دنیوی خرید کیا ہے اور میں تجھ سے جنت کا محل چاہتا ہوں- میں تیرے نام پر تیرے مسکین بندوں پر ایک ہزار اشرفی خرچ کرتا ہوں چنانچہ اس نے ایک ہزار دینار اللہ کی راہ خرچ کر دیئے- پھر اس دنیادار شخص نے ایک زمانہ کے بعد ایک ہزار دینار خرچ کر کے اپنا نکاح کیا- دعوت میں اپنے اس پرانے شریک کو بھی بلایا اور اس سے ذکر کیا کہ میں نے ایک ہزار

دینار خرچ کر کے اس عورت سے شادی کی ہے- اس نے اس کی بھی تعریف کی- باہر آ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک ہزار دینار دیئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ بارالٰہا' میرے ساتھی نے اتنی ہی رقم خرچ کر کے یہاں کی ایک عورت حاصل کی ہے اور میں اس رقم سے تجھ سے حور عین کا طالب ہوں اور وہ رقم اللہ کی راہ میں صدقہ کر دی- پھر کچھ مدت کے بعد اس نے اسے بلا کر کہا کہ دو ہزار کے دو باغ میں نے خرید کئے ہیں- دیکھ لو کیسے ہیں؟ اس نے دیکھ کر بہت تعریف کی اور باہر آ کر اپنی عادت کے مطابق جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ اللہ میرے ساتھی نے دو ہزار کے دو باغ یہاں کے خریدے ہیں- میں تجھ سے جنت کے دو باغ چاہتا ہوں اور یہ دو ہزار دینار تیرے نام پر صدقہ ہیں چنانچہ اس رقم کو مستحقین میں تقسیم کر دیا- پھر فرشتہ ان دونوں کو فوت کر کے لے گیا- اس صدقہ کرنے والے کو جنت کے ایک محل میں پہنچایا گیا جہاں پر ایک بہترین حسین عورت بھی اسے ملی اور اسے دو باغ بھی دیئے گئے اور وہ وہ نعمتیں ملیں جنہیں بجز اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا تو اسے اس وقت اپنا وہ ساتھی یاد آ گیا- فرشتے نے بتایا کہ وہ تو جہنم میں ہے- تم اگر چاہو تو جھانک کر اسے دیکھ سکتے ہو- اس نے جب اسے بیچ جہنم میں جلتا دیکھا تو اس سے کہا کہ قریب تھا کہ تو مجھے بھی چکمہ دے جاتا اور یہ تو رب کی مہربانی ہوئی کہ میں بچ گیا- ابن جریرؒ فرماتے ہیں' یہ تشدید والی قراءت کی مزید تائید کرتی ہے-

اور روایت میں ہے کہ تین تین ہزار دینار تھے- ایک کافر تھا- ایک مومن تھا- جب یہ مومن اپنی کل رقم راہ الٰہی میں خرچ کر چکا تو ٹوکری سر پر رکھ کر کدال پھاوڑا لے کر مزدوری کے لئے چلا- اسے ایک شخص ملا اور کہا اگر تو میرے جانوروں کی سائیسی کرے اور گوبر اٹھائے تو میں تجھے کھانے پینے کو دے دوں گا- اس نے منظور کر لیا اور کام شروع کر دیا لیکن یہ شخص بڑا بے رحم بدگمان تھا- جہاں اس نے کسی جانور کو بیمار یا دبلا پتلا دیکھا کہ اس مسکین کی گردن توڑتا- خوب مارتا پیٹتا اور کہتا کہ اس کا دانہ تو چرا لیتا ہو گا- اس مسلمان سے یہ سختی برداشت نہ کی گئی تو ایک دن اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں اپنے کافر شریک کے ہاں چلا جاؤں- اس کی کھیتی ہے- باغات ہیں- وہاں کام کاج کر دوں گا اور وہ مجھے روٹی ٹکڑا دے دیا کرے گا اور مجھے کیا لینا دینا ہے؟ وہاں جو پہنچا تو شاہی ٹھاٹھ دیکھ کر حیران ہو گیا' ایک بلند و بالا محل ہے- دربان' ڈیوڑھی اور پہرے دار کی چوکی دار غلام لونڈیاں سب موجود ہیں- یہ ٹھٹھکا اور دربانوں نے اسے روکا- اس نے ہر چند کہا کہ تم اپنے مالک سے میرا ذکر تو کرو-

انہوں نے کہا' اب وقت نہیں- تم ایک کونے میں پڑے رہو- صبح جب وہ نکلیں تو خود سلام کر لینا- اگر تم سچے ہو تو وہ تمہیں پہچان ہی لیں گے ورنہ پھر ہمارے ہاتھوں تمہاری پوری مرمت ہو جائے گی- اس مسکین کو یہی کرنا پڑا جو کمبل کا ٹکڑا یہ جسم سے لپیٹے ہوئے تھا' اسی کو اس نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور ایک کونے میں دبک کر پڑ گیا- صبح کے وقت اس کے راستے پر جا کھڑا ہوا- جب وہ نکلا اور اس پر نگاہ پڑی تو تعجب ہو کر پوچھا کہ ہیں؟ یہ کیا حالت ہے' مال کیا ہوا؟ اس نے کہا' وہ کچھ نہ پوچھو- اس وقت تو میرا کام جو ہے' اسے پورا کر دو یعنی مجھے اجازت دو کہ میں تمہاری کھیتی باڑی کا کام مثل اور نوکروں کے کروں اور آپ مجھے صرف کھانا دے دیا کیجئے اور جب یہ کمبل پھٹ ٹوٹ جائے تو ایک کمبل اور خرید دینا- اس نے کہا' نہیں نہیں- میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن پہلے تم یہ بتاؤ کہ اس رقم کو تم نے کیا کیا؟ کہا' میں نے اسے ایک شخص کو قرض دی ہے- کہا کسے؟ کہا ایسے کو جو نہ لے کر مکرے نہ دینے سے انکار کرے' کہا وہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا' وہ اللہ تعالیٰ ہے جو میرا اور تیرا رب ہے- یہ سنتے ہی اس کافر نے اس مسلمان کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا لیا اور اس سے کہا' احمق ہوا ہے- یہ ہو بھی سکتا ہے کہ ہم مر کر مٹی ہو کر پھر جئیں اور اللہ ہمیں بدلے دے؟ جا جب تو ایسا ہی بودا اور ایسے عقیدوں والا ہے تو مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں-

پس وہ کافر تو مزے اڑاتا رہا اور یہ مومن سختی سے دن گزارتا رہا یہاں تک کہ دونوں کو موت آ گئی- مسلمان کو جنت میں جو جو نعمتیں اور رحمتیں ملیں' وہ انداز و شمار سے زیادہ تھیں- اس نے جو دیکھا کہ حد نظر سے بلکہ ساری دنیا سے زیادہ تو زمین ہے اور بے شمار درخت اور باغات ہیں اور جا بجا نہریں اور چشمے ہیں تو پوچھا یہ سب کس کا ہے؟ جواب ملا' یہ سب آپ کا ہے- کہا سبحان اللہ! اللہ کی یہ تو بڑی ہی مہربانی ہے- اب جو آگے بڑھا تو اس قدر لونڈی غلام دیکھے کہ گنتی نہیں ہو سکتی' پوچھا یہ کس کے ہیں؟ کہا گیا سب آپ کے- اسے اور تعجب اور خوشی ہوئی- پھر جو آگے بڑھا تو سرخ یاقوت کے محل نظر آئے- ایک موتی کا محل' ہر ہر محل میں کئی کئی حور عین' ساتھ ہی اطلاع ہوئی کہ یہ سب بھی آپ کا ہے- پھر تو اس کی باچھیں کھل گئیں- کہنے لگا' اللہ جانے میرا وہ کافر ساتھی کہاں ہوگا؟ اللہ اسے دکھائے گا کہ وہ بیچ جہنم میں جل رہا ہے- اب ان میں وہ باتیں ہوں گی جن کا ذکر یہاں ہوا ہے- پس مومن پر دنیا میں جو بلائیں آئی تھیں' انہیں وہ یاد کرے گا تو موت سے زیادہ بھاری بلا اسے کوئی نظر نہ آئے گی-

أَذَٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿٦٢﴾ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِّلظَّالِمِينَ ﴿٦٣﴾ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ﴿٦٥﴾ فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ﴿٦٨﴾ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿٧٠﴾

کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا سینڈھ کا درخت ○ جسے ہم نے ستمگاروں کے لئے سخت سزا بنا رکھا ہے ○ جو درخت جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے ○ جس کے خوشے شیطانوں کے سروں جیسے ہوتے ہیں ○ جہنمی اسی درخت کو کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بوجھل کر لیں گے ○ پھر اس پر گرم جلتے جلتے پانی کی ملونی ہوگی ○ پھر ان سب کا لوٹنا جہنم کی آگ کے ڈھیر کی طرف ہوگا ○ یقین مانو کہ انہوں نے اپنے باپ دادوں کو بہکا ہوا پایا ○ یہ انہی کے نشان قدم پر دوڑے بھاگے چلتے رہے ○

زقوم اور طوبیٰ: ☆☆ (آیت: ۶۲-۷۰) جنت کی نعمتوں کا بیان فرما کر فرماتا ہے کہ اب لوگ خود فیصلہ کر لیں کہ وہ جگہ اور وہ نعمتیں بہتر ہیں؟ یا زقوم کا درخت جو دوزخیوں کا کھانا ہے- ممکن ہے اس سے مراد خاص ایک ہی درخت ہو اور وہ تمام جہنم میں پھیلا ہوا ہو' جیسے طوبیٰ کا ایک درخت ہے جو جنت کے ایک ایک محل میں پہنچا ہوا ہے- اور ممکن ہے کہ مراد زقوم کے درخت کی جنس ہو- اس کی تائید آیت لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ الخ سے بھی ہوتی ہے- ہم نے اسے ظالموں کے لئے فتنہ بنایا ہے- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' شجرہ زقوم کا ذکر گمراہوں کے لئے فتنہ ہو گیا- وہ کہنے لگے- لو اور سنو آگ میں اور درخت؟ آگ تو درخت جلا دینے والی ہے-

یہ نبی کہتے ہیں جہنم میں درخت اگے گا- تو اللہ نے فرمایا' ہاں یہ درخت آگ ہی سے پیدا ہوگا اور اس کی غذا بھی آگ ہی ہو گی- ابو جہل ملعون اسی پر ہنسی اڑاتا تھا اور کہتا تھا' میں تو خوب مزے سے کھجور مکھن کھاؤں گا' اسی کا نام زقوم ہے- الغرض یہ بھی ایک امتحان ہے- بھلے لوگ تو اس سے ڈر گئے اور بروں نے اس کا مذاق اڑایا- جیسے فرمان ہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ الخ جو منظر ہم نے تجھے دکھایا تھا' وہ صرف اس لئے ہی کہ لوگوں کی آزمائش ہو جائے اور اسی طرح اس نامبارک درخت کا ذکر بھی- ہم تو انہیں

دھمکا رہے ہیں مگر یہ نافرمانی میں بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ اس درخت کی اصل جڑ جہنم میں ہے۔ اس کے خوشے اور شاخیں بھیانک' ڈراؤنی' لمبی' چوڑی' دور دور تک شیطانوں کے سروں کی طرح پھیلی ہوئی ہیں۔ گو شیطان کو بھی کسی نے دیکھا نہیں لیکن اس کا نام سنتے ہی اس کی بدصورتی اور خباثت کا منظر سامنے آ جاتا ہے' یہی حال اس درخت کا ہے کہ دیکھنے اور چکھنے میں ظاہر اور باطن میں بری چیز ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سانپوں کی ایک قسم ہے جو بدترین بھیانک اور خوفناک شکل کے ہوتے ہیں۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ نبات کی ایک قسم ہے جو بہت بری طرح پھیل جاتی ہے۔ لیکن یہ دونوں احتمال درست نہیں۔ ٹھیک بات وہی ہے جسے ہم نے پہلے ذکر کیا۔ اسی بد منظر' بد بو' بد ذائقہ' بدمزہ' بدخصال تھور کو انہیں جبراً کھانا پڑے گا۔ اور ٹھونس ٹھونس کر انہیں کھلایا جائے گا کہ یہ بجائے خود ایک زبردست عذاب ہے۔ اور آیت میں ہے لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ الخ ان کی خوراک وہاں صرف کانٹوں دار تھور ہو گا جو نہ انہیں فربہ کر سکے نہ بھوک مٹا سکے۔ حضورؐ نے ایک بار آیت اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ کی تلاوت کر کے فرمایا' اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں پڑ جائے تو روئے زمین کے تمام لوگوں کی خوراکیں خراب ہو جائیں۔ اس کا کیا حال ہو گا جس کی خوراک ہی یہی ہو (ترمذی وغیرہ)

پھر اس زقوم کے کھانے کے ساتھ ہی انہیں اوپر سے جہنم کا کھولتا گرم پانی پلایا جائے گا۔ یا یہ مطلب کہ اس جہنمی درخت کو جہنمی پانی کے ساتھ ملا کر انہیں کھلایا پلایا جائے گا اور یہ گرم پانی وہ ہو گا جو جہنمیوں کے زخموں سے لہو پیپ وغیرہ کی شکل میں نکلا ہو گا اور جو ان کی آنکھوں سے اور پوشیدہ راستوں سے نکلا ہوا ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ جب یہ پانی ان کے سامنے لایا جائے گا' انہیں سخت ایذا ہو گی۔ بڑی کراہیت آئے گی۔ پھر جب وہ ان کے منہ کے پاس لایا جائے گا تو ان کی بھاپ سے اس کے چہرے کی کھال جھلس کر جھڑ جائے گی اور جب اس کا گھونٹ پیٹ میں جائے گا تو ان کی آنتیں کٹ کر پاخانے کے راستے سے باہر آ جائیں گی (ابن ابی حاتم)

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' جب جہنمی بھوک کی شکایت کریں گے تو زقوم کھلایا جائے گا جس سے ان کے چہرے کی کھالیں بالکل الگ ہو کر پڑیں گی۔ اس طرح انہیں پہچاننے والا اس میں ان کے منہ کی پوری کھال دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ یہ فلاں ہے۔ پھر پیاس کی شدت سے بیتاب ہو کر وہ ہائے وائے پکاریں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا گرم پانی دیا جائے گا جو چہرے کے سامنے آتے ہی چہرے کے گوشت کو جھلس دے گا اور تمام گوشت گر پڑے گا اور پیٹ میں جا کر آنتوں کو کاٹ دے گا۔ اوپر سے لوہے کے ہتھوڑے مارے جائیں گے اور ایک ایک عضو بدن الگ الگ جھڑ جائے گا' بری طرح چیختے پیٹتے ہوں گے۔ فیصلہ ہوتے ہی ان کا ٹھکانا جہنم ہو جائے گا جہاں طرح طرح کے عذاب ہوتے رہیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ اٰنٍ جہنم اور آگ جیسے گرم پانی کے درمیان چکر کھاتے رہیں گے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قراءت ثُمَّ اِنَّ مَقِيْلَهُمْ لَا اِلَى الْجَحِيْمِ ہے۔ حضرت عبداللہؓ کا فرمان ہے کہ واللہ آدھے دن سے پہلے ہی پہلے دونوں گروہ اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے اور وہیں قیلولہ یعنی دوپہر کا آرام کریں گے' قرآن فرماتا ہے اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا جنتی باعتبار جائے قیام کے بہت اچھے ہوں گے اور باعتبار آرام گاہ کے بھی بہت اچھے ہوں گے۔

الغرض قیلولے کا وقت دونوں کا اپنی اپنی جگہ ہو گا۔ آدھے دن سے پہلے پہلے اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے۔ اس بناء پر یہاں ثم کا لفظ خبر پر خبر کے عطف کے لئے ہو گا۔ یہ اس کا بدلہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا۔ لیکن پھر بھی انہی کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ مجبوروں اور بیوقوفوں کی طرح ان کے پیچھے ہو لئے۔
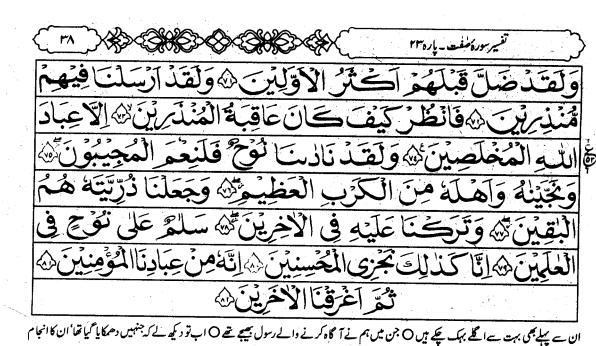
وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٧١﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ
مُّنذِرِينَ ﴿٧٢﴾ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴿٧٣﴾ إِلَّا عِبَادَ
اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٧٤﴾ وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿٧٥﴾
وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ
الْبَاقِينَ ﴿٧٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٧٨﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي
الْعَالَمِينَ ﴿٧٩﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨١﴾
ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٨٢﴾

ان سے پہلے بھی بہت سے اگلے بہک چکے ہیں ○ جن میں ہم نے آگاہ کرنے والے رسول بھیجے تھے ○ اب تو دیکھ لے کہ جنہیں دھمکایا گیا تھا' ان کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ ○ سوائے اللہ کے برگزیدہ مخلص بندوں کے ○ ہمیں نوح نے پکارا تو دیکھ لو کہ ہم کیسے اچھے دعا کے قبول کرنے والے ہیں ○ ہم نے اسے اور اس کے تابعداروں کو اس زبردست مصیبت سے بچالیا ○ اس کی اولاد ہم نے باقی رہنے والی بنادی ○ اور ہم نے اس کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا ○ نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو ○ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلے دیتے ہیں ○ وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا ○ پھر ہم نے باقی کے سب لوگوں کو ڈبو دیا ○

سابقہ امتیں : ☆☆ (آیت:۷۱-۷۴) گزشتہ امتوں میں بھی اکثر لوگ گم کردہ راہ تھے- اللہ کے ساتھ شریک کرتے تھے- ان میں بھی اللہ کے رسول آئے تھے- جنہوں نے انہیں ہوشیار کر دیا تھا اور ڈرا دھمکا دیا تھا اور بتلا دیا تھا کہ ان کے شرک و کفر اور تکذیب رسول سے بے طرح اللہ تعالیٰ ناراض ہے اور اگر وہ باز نہ آئے تو انہیں عذاب ہوں گے- پھر بھی جب انہوں نے نبیوں کی نہ مانی' اپنی برائی سے باز نہ آئے تو دیکھ لو کہ ان کا کیا انجام ہوا؟ تہس نہس کر دیئے گئے- تباہ و برباد کر دیئے گئے- ہاں نیک کار خلوص والے اللہ کے موحد بندے بچا لئے گئے اور عزت کے ساتھ رکھے گئے-

نیک لوگوں کے نام زندہ رہتے ہیں: ☆☆ (آیت:۷۵-۸۲) اوپر کی آیتوں میں پہلے لوگوں کی گمراہی کا اجمالاً ذکر تھا- ان آیتوں میں تفصیلی بیان ہے- حضرت نوح نبی علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک رہے اور ہر وقت انہیں سمجھاتے بجھاتے رہے لیکن تاہم قوم گمراہی پر جمی رہی سوائے چند پاک باز لوگوں کے کوئی ایمان نہ لایا- بلکہ ستاتے اور تکلیفیں دیتے رہے' آخر کار اللہ کے رسول نے تنگ آ کر رب سے دعا کی کہ اللہ میں عاجز آ گیا- تو میری مدد کر- اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور تمام کفار کو تہہ آب اور غرق کر دیا- تو فرماتا ہے کہ نوح نے تنگ آ کر ہمارے جناب میں دعا کی- ہم تو ہیں ہی بہترین طور پر دعاؤں کے قبول کرنے والے' فوراً ان کی دعا قبول فرما لی- اور اس تکذیب و ایذا سے جو انہیں کفار سے روزمرہ پہنچ رہی تھی ہم نے بچا لیا- اور انہی کی اولاد سے پھر دنیا بسی' کیونکہ وہی باقی بچے تھے- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' تمام لوگ حضرت نوحؑ کی اولاد میں سے ہیں- ترمذی کی مرفوع حدیث میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ سام' حام اور یافث کی پھر اولاد پھیلی اور باقی رہی- مسند میں یہ بھی ہے کہ سام سارے عرب کے باپ ہیں اور حام تمام حبش کے اور یافث تمام روم کے- اس حدیث میں رومیوں سے مراد روم اول یعنی یونانی ہیں- جو رومی بن لیطی بن یوناں بن یافث بن نوح کی طرف منسوب ہیں- حضرت سعید

بن مسیبؒ کا فرمان ہے کہ حضرت نوحؑ کے ایک لڑکے سام کی اولاد عرب' فارس اور رومی ہیں اور یافث کی اولاد ترک' صقالبہ اور یاجوج ماجوج ہیں' اور حام کی اولاد قبطی' سوڈانی اور بربری ہیں- واللہ اعلم- حضرت نوحؑ کی بھلائی اور ان کا ذکر خیر ان کے بعد کے لوگوں میں اللہ کی طرف سے زندہ رہا- تمام انبیاء کی حق گوئی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے- ہمیشہ ان پر لوگ سلام بھیجتے رہیں گے اور ان کی تعریفیں بیان کرتے رہیں گے- حضرت نوح علیہ السلام پر سلام ہو- یہ گویا اگلے جملے کی تفسیر ہے- یعنی ان کا ذکر بھلائی سے باقی رہنے کے معنی یہ ہیں کہ ہر امت ان پر سلام بھیجتی رہتی ہے- ہماری یہ عادت ہے کہ جو شخص خلوص کے ساتھ ہماری عبادت واطاعت پر جم جائے' ہم بھی اس کا ذکر جمیل بعد والوں میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھتے ہیں- حضرت نوحؑ یقین وایمان رکھنے والوں' توحید پر جم جانے والوں میں سے تھے- نوحؑ ور نوح والوں کا تو یہ واقعہ ہوا- لیکن نوحؑ کے مخالفین غارت اور غرق کر دیئے گئے- ایک آنکھ جھپکنے والی ان میں باقی نہ بچی' ایک خبر رساں زندہ نہ رہا' نشان تک باقی نہ بچا- ان کی ہڈیاں اور برائیاں رہ گئیں جن کی وجہ سے مخلوق کی زبان پر ان کے یہ بدترین افسانے چڑھ گئے-

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾

نوحؑ کی تابعداری کرنے والوں میں سے ہی ابراہیم بھی تھے ○ جبکہ اپنے رب کے پاس بے عیب دل لائے ○ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کیا پوج رہے ہو؟ ○ کیا تم اپنی فاسد رائے سے اللہ کے سوا دوسروں کے مرید بن رہے ہو؟ ○ تو یہ بتلاؤ کہ تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ ○

اب بھی سنبھل جاؤ: ☆☆ (آیت: ٨٣-٨٧) ابراہیم علیہ السلام بھی نوحؑ کے دین پر تھے' انہی کے طریقے اور چال چلن پر تھے- اپنے رب کے پاس سلامت دل لے گئے یعنی توحید والا جو اللہ کو حق جانتا ہو- قیامت کو آنے والی مانتا ہو- مردوں کو دوبارہ جینے والا سمجھتا ہو- شرک و کفر سے بیزار ہو' دوسروں پر لعن طعن کرنے والا نہ ہو- خلیل اللہؑ نے اپنی تمام قوم سے اور اپنے سگے باپ سے صاف فرما دیا کہ یہ تم کس کی پوجا پاٹ کر رہے ہو؟ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت چھوڑ دو- اپنے ان جھوٹ موٹھ کے معبودوں کی ارادات چھوڑ دو- ورنہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کیا کچھ نہ کرے گا اور تمہیں کیسی کچھ سخت ترین سزائیں دے گا؟

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّىْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ ﴿٩٧﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٩٨﴾

اب ابراہیم نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی اور کہا میں تو بیمار ہو جاؤں گا ○ اس پر وہ سب اس سے منہ موڑے ہوئے واپس چلے گئے ○ آپ چپ چپاتے ان

کے معبودوں کے پاس گئے اور فرمانے لگے تم کھاتے کیوں نہیں؟ ○ تمہیں کیا ہو گیا کہ بات تک نہیں کرتے؟ ○ پھر تو پوری قوت کے ساتھ دائیں ہاتھ سے انہیں مارنے پر پل پڑے ○ بت پرست دوڑے بھاگے آپ کی طرف متوجہ ہوئے ○ تو آپ نے فرمایا کیا تم انہیں پوجتے ہو جنہیں خود تم تراشتے ہو؟ ○ حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی سب چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے ○ وہ کہنے لگے اس کیلئے ایک آتش کدہ بناؤ اور اس دہکتی ہوئی آگ میں اسے ڈال دو ○ انہوں نے تو ابراہیم کے ساتھ مکر کرنا چاہا لیکن ہم نے انہی کو نیچوں کا نیچ کر دیا ○

بت کدہ آذر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۸۸-۹۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ اس لئے فرمایا کہ وہ جب اپنے میلے میں چلے جائیں تو یہ ان کے عبادت خانے میں تنہا رہ جائیں اور ان کے بتوں کو توڑنے کا تنہائی کا موقعہ مل جائے۔ اسی لئے ایک ایسی بات کہی جو درحقیقت سچی بات تھی لیکن ان کی سمجھ میں جو مطلب اس کا آیا' اس سے آپ نے اپنا دینی کام نکال لیا۔ وہ تو اعتقاد کے موجب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سچ مچ بیمار سمجھ بیٹھے اور انہیں چھوڑ کر چلتے بنے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' جو شخص کسی امر میں غور و فکر کرے تو عرب کہتے ہیں' اس نے ستاروں پر نظریں ڈالیں۔ مطلب یہ ہے کہ غور و فکر کے ساتھ تاروں کی طرف نگاہ اٹھائی۔ اور سوچنے لگے کہ میں انہیں کس طرح ٹالوں۔ سوچ سمجھ کر فرمایا کہ میں سقم ہوں یعنی ضعیف ہوں۔ ایک حدیث میں آیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین ہی جھوٹ بولے ہیں جن میں سے دو تو اللہ کے دین کے لئے ان کا فرمان اِنِّیۡ سَقِیۡمٌ اور ان کا فرمان بَلۡ فَعَلَهٗ کَبِیۡرُهُمۡ هٰذَا اور ایک ان کا حضرت سارہؓ کو اپنی بہن کہنا۔ تو یاد رہے کہ دراصل ان میں حقیقی جھوٹ ایک بھی نہیں۔ انہیں تو صرف مجازاً جھوٹ کہا گیا ہے۔ کلام میں ایسی تعریفیں کسی شرعی مقصد کے لئے کرنا جھوٹ میں داخل نہیں' جیسے کہ حدیث میں بھی ہے کہ تعریض جھوٹ سے الگ ہے اور اس سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے ان تینوں کلمات میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس سے حکمت عملی کے ساتھ دین الٰہی کی بھلائی مقصود نہ ہو۔

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں "میں بیمار ہوں" سے مطلب مجھے طاعون ہو گیا ہے۔ اور وہ لوگ ایسے مریض سے بھاگتے تھے۔ حضرت سعیدؒ کا بیان ہے کہ اللہ کے دین کی تبلیغ' ان کے جھوٹے معبودوں کی تردید کے لئے خلیل اللہ کی یہ ایک حکمت عملی تھی کہ ایک ستارے کو طلوع ہوتے دیکھ کر فرما دیا کہ میں سقیم ہوں۔ اوروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں یعنی یقیناً ایک مرتبہ مرض الموت آنے والا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مریض ہوں یعنی میرا دل تمہارے ان بتوں کی عبادت سے بیمار ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں' جب آپ کی قوم میلے میں جانے لگی' تو آپ کو بھی مجبور کرنے لگی آپ ہٹ گئے اور فرما دیا کہ میں سقیم ہوں اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ جب وہ انہیں تنہا چھوڑ کر چل دیئے تو آپ نے بہ فراغت ان کے معبودوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ وہ تو سب اپنی عید میں گئے۔ آپ چپکے چپکے اور جلدی جلدی ان کے بتوں کے پاس آئے۔ پہلے تو فرمایا' کیوں جی تم کھاتے کیوں نہیں؟ یہاں آ کر خلیل اللہ نے دیکھا کہ جو چڑھاوے ان لوگوں نے ان بتوں پر چڑھا رکھے تھے' وہ سب رکھے ہوئے تھے' ان لوگوں نے تبرک کی نیت سے جو قربانیاں یہاں کی تھیں' وہ سب یونہی پڑی ہوئی ہیں' یہ بت خانہ بہت بڑا وسیع اور مزین تھا۔ دروازے کے متصل ایک بہت بڑا بت تھا اور اس کے اردگرد اس سے چھوٹے' پھر ان سے چھوٹے' یونہی تمام بت خانہ بھرا ہوا تھا۔ ان کے پاس مختلف قسم کے کھانے رکھے ہوئے تھے جو اس اعتقاد سے رکھے گئے تھے کہ یہاں رہنے سے متبرک ہو جائیں گے۔ پھر ہم کھا لیں گے۔ ابراہیمؑ نے اپنی بات کا جواب نہ پا کر پھر فرمایا' یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ بولتے کیوں نہیں۔ اب تو پوری قوت سے دائیں ہاتھ سے مار کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ہاں بڑے بت کو چھوڑ دیا تا کہ اس پر بدگمانی کی جا سکے۔

جیسے کہ سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے۔ بت پرست جب اپنے میلے سے واپس ہوئے' بت خانے میں گھسے تو دیکھا کہ ان کے سب الٰہ اڑنگ بڑنگ پڑے ہوئے ہیں۔ کسی کا ہاتھ نہیں' کسی کا پاؤں نہیں' کسی کا سر نہیں' کسی کا دھڑ نہیں۔ حیران ہو گئے کہ یہ کیا ہوا؟ آخر سوچ سمجھ کر بحث مباحثے کے بعد معلوم کر لیا کہ ہو نہ ہو یہ کام ابراہیم کا ہو (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اب سارے کے سارے مل جل کر خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے پاس دوڑے' بھاگے' دانت پیستے' تململاتے' کوستے گئے۔ خلیلؑ اللہ کو تبلیغ کا اور انہیں قائل معقول کرنے کا اور سمجھانے کا اچھا موقعہ ملا۔ فرمانے لگے' کیوں ان چیزوں کی پرستش کرتے ہو جنہیں خود تم بناتے ہو؟ اپنے ہاتھوں گھڑتے اور تراشتے ہو؟ حالانکہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق اللہ ہی ہے۔ ممکن ہے کہ اس آیت میں ما مصدریہ ہو اور ممکن ہے کہ اَلَّذِیْ کے معنی میں ہو لیکن دونوں معنی میں تلازم ہے۔ گو اول زیادہ ظاہر ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب افعال العباد میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صانع اور اس کی صنعت کو پیدا کرتا ہے۔ پھر بعض نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ چونکہ اس پاک صاف بات کا کوئی جواب ان کے پاس نہ تھا تو تنگ آ کر دشمنی پر اور سفلہ پن پر اتر آئے اور کہنے لگے' ایک بنیان بناؤ' اس میں آگ جلاؤ اور اسے اس میں ڈال دو۔ چنانچہ یہی انہوں نے کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیلؑ کو اس سے نجات دی۔ انہی کو غلبہ دیا اور انہی کی مدد فرمائی۔ گو انہوں نے انہیں برائی پہنچانی چاہی لیکن اللہ نے خود انہیں ذلیل کر دیا۔ اس کا پورا بیان اور کامل تفسیر سورۂ انبیاء میں گزر چکی ہے۔ وہیں دیکھ لی جائے۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾

ابراہیمؑ نے کہا' میں تو ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا ○ اے میرے رب مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما ○ تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی ○ پھر جب بچہ اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے تو ابراہیم نے کہا' میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے تئیں تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جو حکم کیا جاتا ہے' اسے بجا لایئے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے ○ غرض جب دونوں نے تسلیم کر لی اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا ○ ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! ○ یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ○ درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا ○ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیئے میں دے دیا ○

ذبیح اللہ کی بحث اور یہودی روایات: ☆☆ (آیت: ۹۹-۱۰۷) خلیل اللہ جب اپنی قوم کی ہدایت سے مایوس ہو گئے' بڑی بڑی قدرتی نشانیاں دیکھ کر بھی جب انہیں ایمان نصیب نہ ہوا تو آپ نے ان سے ہٹ جانا پسند فرمایا اور اعلان کر دیا کہ میں اب تم میں سے ہجرت کر

جاؤں گا' میرا رہنما میرا رب ہے- ساتھ ہی اپنے رب سے اپنے ہاں اولاد ہونے کی دعا مانگی تاکہ وہ توحید میں آپ کا ساتھ دے- اسی وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایک بردبار بچے کی بشارت دی جاتی ہے- یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے- یہی آپ کے پہلے صاحبزادے تھے اور حضرت اسحاقؑ سے بڑے تھے- اسے تو اہل کتاب بھی مانتے ہیں بلکہ ان کی کتاب میں موجود ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال کی تھی اور جس وقت حضرت اسحاق علیہ السلام تولد ہوتے ہیں' اس وقت آپ کی عمر ننانوے برس کی تھی- بلکہ ان کی اپنی کتاب میں تو یہ بھی ہے کہ جناب ابراہیم کو اپنے اکلوتے فرزند کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا- لیکن صرف اس لئے کہ یہ لوگ خود تو نبی اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور نبی اللہ و ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے عرب ہیں- انہوں نے واقعہ کی اصلیت بدل دی اور اس فضیلت کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہٹا کر حضرت اسحاقؑ کو دے دیا اور بے جا تاویلیں کر کے اللہ کے کلام کو بدل ڈالا اور کہا ہماری کتاب میں لفظ وَحِیْدَکَ ہے- اس سے مراد اکلوتا نہیں بلکہ جو تیرے پاس اس وقت اکیلا ہے' وہ ہے- یہ اس لئے کہ حضرت اسماعیلؑ تو اپنی والدہ کے ساتھ مکے میں تھے- یہاں خلیل اللہ کے ساتھ صرف حضرت اسحاقؑ تھے- لیکن یہ بالکل غلط ہے- وحید اسی کو کہا جاتا ہے جو اکلوتا ہو- اس کا اور کوئی بھائی نہ ہو- پھر یہاں ایک بات اور بھی ہے کہ اکلوتے اور پہلوٹھی کے بچے کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے اور اس کے جو لاڈ پیار ہوتے ہیں' عموماً دوسری اولاد کے ہونے پر پھر وہ باقی نہیں رہتے- اس لئے اس کے ذبیحہ کا حکم امتحان اور آزمائش کی زبردست کڑی ہے- ہم اسے مانتے ہیں۔

کہ بعض سلف بھی اس کے قائل ہوئے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاقؑ تھے یہاں تک کہ بعض صحابہؓ سے بھی یہ مروی ہے لیکن یہ چیز کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہوتی- بلکہ خیال یہ ہے کہ بنو اسرائیل کی ایک شہرت دی ہوئی بات کو ان حضرات نے بھی بے دلیل اپنے ہاں لے لیا- دور کیوں جائیں' کتاب اللہ کے الفاظ میں ہی غور کر لیجئے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی بشارت کا غلام حلیم کہہ کر ذکر ہوا اور پھر اللہ کی راہ میں ذبح کے لئے تیار ہونے کا ذکر ہوا- اس تمام بیان کو ختم کر کے پھر نبی صالح حضرت اسحاقؑ کے تولد کی بشارت کا بیان ہوا- اور فرشتوں نے بشارت اسحاقؑ کے موقعہ پر غلام علیم فرمایا تھا- اسی طرح قرآن میں ہے' بشارت اسحاق کے ساتھ ہی ہے وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ یعنی حضرت ابراہیمؑ کی حیات میں ہی حضرت اسحاقؑ کے ہاں حضرت یعقوبؑ پیدا ہوں گے یعنی ان کی تو نسل جاری رہنے کا پہلے ہی علم کرایا جا چکا تھا' اب انہیں ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا؟ اسے ہم پہلے بھی بیان کر چکے- البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا وصف یہاں پر بردباری کا بیان کیا گیا ہے جو ذبح کے لئے نہایت مناسب ہے-

اب حضرت اسماعیلؑ بڑے ہو گئے- اپنے والد کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے- آپ اس وقت مع اپنی والدہ محترمہ کے فاران میں تھے- حضرت ابراہیمؑ عموماً وہاں جاتے آتے رہتے تھے- یہ مذکور ہے کہ براق پر جاتے تھے اور اس جملے کے یہ معنی ہیں کہ جوانی کے لگ بھگ ہو گئے- لڑکپن کا زمانہ نکل گیا اور باپ کی طرح چلنے پھرنے' کام کاج کرنے کے قابل بن گئے' تو حضرت ابراہیمؑ نے خواب دیکھا کہ گویا آپ اپنے پیارے بچے کو ذبح کر رہے ہیں- انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور اس کی دلیل یہی آیت ہے- ایک مرفوع روایت میں بھی یہ ہے- پس اللہ کے رسولؐ نے اپنے لخت جگر کی آزمائش کے لئے کہ اچانک وہ گھبرا نہ اٹھے' اپنا ارادہ ان کے سامنے ظاہر کیا- وہاں کیا تھا- وہ بھی اسی درخت کے پھل تھے- نبی ابن نبی تھے- جواب دیتے ہیں' ابا پھر دیر کیوں لگا رہے ہو- یہ باتیں بھی پوچھنے کی ہوتی ہیں' جو حکم ہوا ہے' اسے فوراً کر ڈالئے اور اگر میری نسبت کھٹکا ہو تو زبانی اطمینان کیا کروں' چھری رکھئے- خود معلوم ہو جائے گا کہ میں کیسا کچھ صابر ہوں- ان شاء اللہ میرا صبر آپ کا جی خوش کر دے گا- سبحان اللہ جو کہا تھا' وہی کر کے دکھایا اور صادق الوعد ہونے کا سرٹیفکیٹ اللہ کی طرف سے حاصل

کر ہی لیا۔ آخر باپ بیٹا دونوں حکم الٰہی کی اطاعت کے لئے جان بکف تیار ہو جاتے ہیں۔ باپ بچے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور باپ اپنے نور چشم لخت جگر کو منہ کے بل زمین پر گراتے ہیں تا کہ ذبح کے وقت منہ دیکھ کر محبت نہ آ جائے اور ہاتھ سست نہ پڑ جائے۔

مسند احمد میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے نور نظر کو ذبح کرنے کے لئے بحکم الٰہی چلے تو سعی کے وقت شیطان سامنے آیا لیکن حضرت ابراہیمؑ اس سے آگے بڑھ گئے' پھر جبرئیلؑ کے ساتھ آپ جمرہ عقبہ پر پہنچے تو پھر شیطان سامنے آیا۔ آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ پھر جمرہ وسطیٰ کے پاس آیا۔ پھر وہاں سات کنکریاں ماریں۔ پھر آگے بڑھ کر اپنے پیارے بچے کو اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے لئے دے پچھاڑا' ذبیح اللہ کے پاک جسم پر اس وقت سفید چادر تھی۔ کہنے لگے' ابا جی اسے اتار لیجئے تا کہ اس میں آپ مجھے کفنا سکیں۔ آہ! اس وقت بیٹے کو ننگا کرتے ہوئے باپ کا عجب حال تھا کہ آواز آئی' بس ابراہیم خواب کو سچا کر چکے۔ مڑ کر دیکھا تو ایک مینڈھا سفید رنگ بڑے بڑے سینگوں اور صاف آنکھوں والا نظر پڑا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اسی لئے ہم اس قسم کے مینڈھے (چھترے) چن چن کر قربانی کے لئے لیتے تھے۔ ابن عباسؓ ہی سے دوسری روایت میں حضرت اسحاقؑ کا نام مروی ہے۔ تو گو دونوں نام آپ سے مروی ہیں لیکن اول ہی اولیٰ ہے اور اس کی دلیلیں آ رہی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس کے بدلے بڑا ذبیحہ اللہ نے عطا فرمایا۔ اس کی بابت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ جنتی چھترا تھا جو وہاں چالیس سال سے کھا پی رہا تھا۔ اسے دیکھ کر آپ نے اپنے بچے کو چھوڑ اس کے پیچھے ہو لئے۔ جمرہ اولیٰ پر آ کر سات کنکریاں پھینکیں' پھر وہ بھاگ کر جمرہ وسطیٰ پر آ گیا۔ سات کنکریاں یہاں ماریں پھر جمرہ کبریٰ کے پاس سات کنکریاں ماریں اور وہاں سے منحر میں لا کر ذبح کیا۔ اس کے سینگ سمیت ابتداء اسلام کے زمانہ تک کعبے کے پرنالے کے پاس لٹکتے رہے تھے۔ پھر سوکھ گئے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت کعبؓ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ تو حدیثیں بیان کر رہے تھے اور حضرت کعبؓ کتاب کے قصے بیان کر رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا' رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر نبی کے لئے ایک دعا قبول شدہ ہے اور میں نے اپنی اس مقبول دعا کو پوشیدہ کر کے رکھ چھوڑا ہے۔ اپنی امت کی شفاعت کے لئے جو بروز قیامت ہو گی۔ تو حضرت کعبؓ نے فرمایا' تم نے خود اسے حضورؐ سے سنا ہے؟ فرمایا ہاں۔ حضرت کعبؓ خوش ہوئے اور فرمانے لگے' تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں یا فرمایا حضورؐ پر میرے ماں باپ صدقے جائیں۔

پھر حضرت کعبؓ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا قصہ سنایا کہ جب آپ اپنے لڑکے حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے مستعد ہو گئے تو شیطان نے کہا' اگر میں اس وقت انہیں نہ بہکا سکا تو مجھے ان سے عمر بھر کے لئے مایوس ہو جانا چاہیے۔ پہلے تو یہ حضرت سارہؓ کے پاس آیا اور پوچھا کہ ابراہیم تمہارے لڑکے کو کہاں لے گئے ہیں؟ مائی صاحبہؓ نے جواب دیا' اپنے کسی کام پر لے گئے ہیں' اس نے کہا نہیں بلکہ وہ ذبح کرنے کے لئے لے گئے ہیں۔ مائی صاحبہؓ نے فرمایا' وہ اسے کیوں ذبح کرنے لگے؟ لعین نے کہا' وہ کہتے ہیں اللہ کا انہیں یہی حکم ہے' جواب ملا' پھر تو یہی بہتر ہے کہ وہ جلدی سے اللہ کے حکم کی بجا آوری سے فارغ ہو لیں۔ یہاں سے نامراد ہو کر بچے کے پاس آیا اور کہا تمہارے ابا تمہیں کہاں لے جاتے ہیں؟ فرمایا اپنے کام کے لئے' کہا نہیں بلکہ وہ تجھے ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں' فرمایا یہ کیوں؟ کہا اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں اللہ کا انہیں حکم ہے۔ کہا' پھر تو واللہ انہیں اس کام میں بہت جلدی کرنی چاہیے۔ ان سے بھی مایوس ہو کر یہ ملعون خلیل اللہ کے پاس پہنچا۔ ان سے کہا' بچے کو کہاں لے جا رہے ہو؟ جواب دیا اپنے کام کے لئے۔ ملعون نے کہا نہیں بلکہ تم تو اسے ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا یہ کیوں؟ بولا اس لئے کہ تمہارا خیال ہے کہ اللہ کا حکم تمہیں یونہی ہے' آپ نے فرمایا' اللہ کی قسم پھر تو

میں ضرور ہی اسے ذبح کر ڈالوں گا۔ اب ابلیس مایوس ہو گیا۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ اس تمام واقعے کے بعد جناب باری تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ سے فرمایا کہ ایک دعا تم مجھ سے مانگو۔ جو مانگو گے' ملے گا۔ حضرت اسحاقؑ نے کہا' پھر میری دعا یہ ہے کہ جس نے تیرے ساتھ شریک نہ کیا ہو' اسے تو ضرور جنت میں لے جانا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ میں دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لوں یا تو یہ کہ میری آدھوں آدھ امت بخشی جائے یا یہ کہ میں شفاعت کروں اور اسے اللہ تعالیٰ قبول فرمالے تو میں نے شفاعت کرنے کو ترجیح دی اس پر کہ وہ عام ہو گی۔ ہاں ایک دعا تھی کہ میں وہی کرتا لیکن اللہ کا ایک نیک بندہ مجھ سے پہلے ہی اس دعا کو مانگ چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ سے ذبح ہونے کی تکلیف دور کر دی تو ان سے فرمایا گیا کہ تو مانگ۔ جو مانگے گا' دیا جائے گا۔ تو حضرت اسحاقؑ نے فرمایا واللہ شیطان کے بہکانے سے پہلے ہی میں اسے مانگ لوں گا' اللہ جو شخص اس حالت میں مرا ہو کہ اس نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو اسے بخش دے اور جنت میں پہنچا دے۔ یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے لیکن سنداً غریب اور منکر ہے اور اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں اور مجھے تو یہ بھی ڈر ہے کہ یہ الفاظ کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ سے آخر تک راوی کے اپنے نہ ہوں جنہیں انہوں نے حدیث میں داخل کر دیئے ہیں۔

ذبیح اللہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں' محل ذبح منیٰ ہے اور وہ مکے میں ہے اور حضرت اسماعیلؑ یہیں تھے نہ کہ حضرت اسحاقؑ۔ وہ تو شہر کنعان میں تھے جو شام میں ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیارے بچے کو ذبح کرنے کے لئے لٹا دیتے ہیں' جناب باری سے ندا آتی ہے کہ بس ابراہیمؑ تم اپنے خواب کو پورا کر چکے۔ سدیؒ سے روایت ہے کہ جب خلیل اللہ نے ذبیح اللہ کے حلق پر چھری پھیری تو گردن تانبے کی ہو گئی اور نہ کٹی اور نہ آواز آئی۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۱۰۸﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذَٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۰﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا
مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۲﴾ وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۚ وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا
مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ﴿۱۱۳﴾

ع ۳۹

اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا ○ ابراہیمؑ پر سلام ہو ○ ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○ بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھا ○ ہم نے اسے اسحاق نبیؑ کی بشارت دی جو صالح لوگوں میں سے ہو گا ○ اور ہم نے ابراہیم و اسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں' ان دونوں کی اولادوں' میں بعض تو نیک بخت ہیں اور بعض اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے بھی ہیں ○

(آیت: ۱۰۸-۱۱۳) ہم اسی طرح نیک کاروں کو بدلہ دیتے ہیں یعنی سختیوں سے بچا لیتے ہیں اور چھٹکارا کر دیتے ہیں۔ جیسے فرمایا' اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ چھٹکارے کی صورت نکال ہی دیتا ہے اور اسے ایسی طرح روزی پہنچاتا ہے کہ اس کے گمان و وہم میں بھی نہ ہو۔ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی کافی ہے۔ اللہ اپنے کاموں کو مکمل کر کے چھوڑتا ہے۔ ہر چیز کا اس نے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ فعل پر قدرت پانے سے پہلے ہی حکم منسوخ ہو سکتا ہے۔

ہاں معتزلہ اسے نہیں مانتے۔ وجہ استدلال بہت ظاہر ہے اس لئے کہ خلیل اللہ کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ہوتا ہے اور پھر ذبح

سے پہلے ہی فدیئے کے ساتھ منسوخ کر دیا جاتا ہے- مقصود اس سے یہ تھا کہ صبر کا اور بجا آوری حکم پر مستعدی کا ثواب مرحمت فرما دیا جائے- اسی لئے ارشاد ہوا' یہ تو صرف ایک آزمائش تھی- کھلا امتحان تھا کہ ادھر حکم ہوا' ادھر تیاری ہوئی- اسی لئے جناب خلیل اللہ علیہ السلام کی تعریف میں قرآن میں ہے' ابراہیم بڑا ہی وفادار تھا- بڑے ذبیح کے ساتھ ان کا فدیہ ہم نے دیا- سفید رنگ' بڑی آنکھوں اور بڑے سینگوں والا عمدہ خوراک سے پلا ہوا مینڈھا فدیئے میں دیا گیا- جو ثبیر ببول کے درخت سے بندھا ہوا ملا- جو جنت میں چالیس سال چرتا رہا- منیٰ میں ثبیر کے پاس جو چٹان ہے' اس پر یہ جانور ذبح کیا گیا- یہ چیختا ہوا اوپر سے اترا تھا- یہی وہ مینڈھا ہے جسے ہابیل نے اللہ کی راہ میں قربان کیا تھا- اس کی اون قدرے سرخی مائل تھی- اس کا نام جریر تھا- بعض کہتے ہیں' مقام ابراہیم پر اسے ذبح کیا- کوئی کہتا ہے' منیٰ میں منحر پر- ایک شخص نے اپنے تئیں راہ اللہ میں ذبح کرنے کی منت مانی تھی تو حضرت ابن عباسؓ نے اسے ایک سو اونٹ ذبح کرنے کا فتویٰ دیا تھا لیکن پھر فرماتے تھے کہ اگر میں اسے ایک بھیڑ ذبح کرنے کو کہتا تب بھی کافی تھا کیونکہ کتاب اللہ میں ہے کہ حضرت ذبیح اللہ کا فدیہ اسی سے دیا گیا تھا- اکثر لوگوں کا یہی قول ہے- بعض کہتے ہیں یہ پہاڑی بکرا تھا- کوئی کہتا ہے نر ہرن تھا- مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کو بلا کر حضورؐ نے فرمایا' میں نے بھیڑ کے سینگ بیت اللہ شریف میں داخلے کے وقت اندر دیکھے تھے اور مجھے یاد نہ رہا کہ میں تجھے ان کے ڈھانک دینے کا حکم دوں- جاؤ اسے ڈھک دو' بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہیے جو نمازی کو اپنی طرف متوجہ کر لے- حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں' اس بھیڑ کے سینگ بیت اللہ میں ہی رہے یہاں تک کہ ایک مرتبہ بیت اللہ میں آگ لگی- اس میں وہ جل گئے یہ واقعہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے- اسی وجہ سے ان کی اولاد قریش تک یہ سینگ برابر اور مسلسل چلے آئے یہاں تک کہ حضور کو اللہ نے مبعوث فرمایا- واللہ اعلم-

''ان آثار کا بیان جن میں ذبیح اللہ کا نام ہے'' ابو میسرہؒ فرماتے ہیں' حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے فرمایا' کیا تو میرے ساتھ کھانا چاہتا ہے' میں یوسف بن یعقوب نبی اللہ بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ ہوں (عبید بن عمیرؒ) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی کہ اے اللہ کیا وجہ ہے جو لوگوں کی زبانوں پر یہ چڑھا ہوا ہے کہ ابراہیم' اسمٰعیل اور یعقوب کے اللہ کی قسم' تو جواب ملا اس لئے کہ ابراہیمؑ نے تو ہر ہر چیز پر مجھی کو ترجیح دی اور اسحاق علیہ السلام نے اپنے تئیں میری راہ میں ذبح ہونے کے لئے سپرد کر دیا- پھر بھلا اور چیزیں اسے پیش کر دینا کیا مشکل تھیں؟ اور یعقوبؑ کو میں جوں جوں بلاؤں میں ڈالتا گیا' اس کی حسن ظنی میرے ساتھ بڑھتی ہی رہی- ابن مسعودؓ کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے فخراً اپنے باپ دادوں کا نام لیا تو آپ نے فرمایا' قابل فخر باپ دادا تو حضرت یوسفؑ کے تھے جو یعقوب بن اسحاق اور ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ تھے-

عکرمہؒ' ابن عباسؓ' خود عباسؓ' علیؓ' سعید بن جبیرؒ' مجاہد' شعبی' عبید بن عمیر' ابو میسرہ' زید بن اسلم' عبداللہ بن شفیق' زہری' قاسم بن ابو برزہ' مکحول' عثمان بن ابی عاص' سدی' حسن' قتادہ' ابو الہذیل' ابن سابط' کعب احبار رحمہم اللہ اجمعین' ان سب کا یہی قول ہے اور ابن جریر بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے- صحیح علم تو اللہ کو ہی ہے مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب بزرگوں کے استاد حضرت کعب احبار ہیں- یہ خلافت فاروقی میں مسلمان ہوئے تھے اور کبھی کبھی حضرت عمرؓ کو قدیم کتابوں کی باتیں سناتے تھے' لوگوں نے اسے رخصت سمجھ کر پھر ان سے ہر ایک بات بیان کرنی شروع کر دی اور صحیح غلط کی تمیز اٹھ گئی- حق تو یہ ہے کہ اس امت کو اگلی کتابوں کی ایک بات کی بھی حاجت نہیں- بغوی نے صحابہؓ اور تابعینؒ کے کچھ اور نام بھی بتلائے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاقؑ ہیں- ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے- اگر وہ حدیث صحیح ہوتی تو جھگڑے کا فیصلہ تھا مگر وہ حدیث صحیح نہیں- اس میں دو راوی ضعیف ہیں- حسن بن دینار متروک ہیں اور علی بن زید بن جدعان منکر الحدیث ہیں- اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہے یہ بھی موقوف' چنانچہ ایک سند سے یہ مقولہ حضرت

ابن عباسؓ کا مروی ہے اور یہی زیادہ ٹھیک ہے- واللہ اعلم-

اب ان آثار کو سنئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہی تھے اور یہی ٹھیک اور بالکل درست بھی ہے- ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہودی حضرت اسحاقؑ کا نام جھوٹ موٹ لیتے ہیں- ابن عمرؓ مجاہدؒ شعبی' حسن بصری' محمد بن کعب قرظی- خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؒ ابن عبدالعزیز رحمتہ اللہ کے سامنے جب محمد بن قرظیؒ نے یہ فرمایا اور ساتھ ہی اس کی دلیل بھی دی کہ ذبح کے ذکر کے بعد قرآن میں خلیل اللہ کو حضرت اسحاقؑ کے پیدا ہونے کی بشارت کا ذکر ہے اور ساتھ ہی بیان ہے کہ ان کے ہاں بھی لڑکا ہوگا یعقوبؑ نامی- جب ان کے ہاں لڑکا ہونے کی بشارت دی گئی تھی پھر باوجود ان کے ہاں لڑکا نہ ہونے کے اس سے پیشتر ہی ان کے ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا ہے؟

تو حضرت عمرؒ نے فرمایا' یہ بہت صاف دلیل ہے- میرا ذہن یہاں نہیں پہنچا تھا گو یہ میں بھی جانتا تھا کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں- پھر شاہ اسلام نے شام کے ایک یہودی عالم سے پوچھا جو مسلمان ہو گئے تھے کہ تم اس بارے میں کیا علم رکھتے ہو؟ انہوں نے فرمایا' امیر المسلمین سچ تو یہی ہے کہ جن کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا' وہ حضرت اسماعیلؑ ہی تھے لیکن چونکہ عرب ان کی اولاد میں سے ہیں تو یہ بزرگی ان کی طرف لوٹتی ہے' اس حسد کے مارے میں یہودیوں نے اسے بدل دیا اور حضرت اسحاقؑ کا نام لے دیا- حقیقی علم اللہ ہی کو ہے- ہمارا ایمان ہے کہ حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ دونوں ہی طاہر وطیب اور اللہ کے سچے فرمانبردار تھے- کتاب الزہد میں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؒ نے اپنے والد سے جب یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ ذبح ہونے والے حضرت اسماعیلؑ ہی تھے- حضرت علی' حضرت ابن عمر ابوالطفیل' سعید بن مسیب' سعید بن جبیر' حسن' مجاہد' شعبی' محمد بن کعب' ابوجعفر محمد بن علی ابوصالح رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے-

امام بغویؒ نے اور بھی صحابہ اور تابعین کے نام گنوائے ہیں- ایک غریب حدیث بھی اسی کی تائید میں مروی ہے- اس میں ہے کہ شام میں امیر معاویہؓ کے سامنے یہ بحث چھڑی کہ ذبیح اللہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا' خوب ہوا جو یہ معاملہ مجھ جیسے باخبر شخص کے پاس آیا- سنو ہم آنحضرت ﷺ کے پاس تھے جو ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا' اے اللہ کی راہ میں دو ذبح ہونے والوں کی نسل کے رسولؐ مجھے بھی مال غنیمت میں سے کچھ دلوایئے اس پر آپ ہنس دیئے- ایک تو ذبیح اللہ حضورؐ کے والد عبداللہ تھے- دوسرے حضرت اسمٰعیلؑ جن کی نسل میں سے آپ ہیں- عبداللہ کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کھودا تو نذر مانی تھی کہ اگر یہ کام آسانی سے پورا ہو گیا تو اپنے ایک لڑکے کو راہ اللہ میں ذبح کروں گا- جب کام ہو گیا اور قرعہ اندازی کی گئی کہ کس بیٹے کو نام اللہ پر کریں تو حضورؐ کے والد عبداللہ کا نام نکلا- ان کی ننھیال والوں نے کہا' آپ ان کی طرف سے ایک سو اونٹ راہ اللہ ذبح کر دیں چنانچہ وہ ذبح کر دیئے گئے- اور اسماعیلؑ کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ تو مشہور ہی ہے-

ابن جریر میں یہ روایت موجود ہے اور مغازی امویہ میں بھی امام ابن جریرؒ نے حضرت اسحاقؑ کے ذبیح اللہ ہونے کی ایک دلیل تو یہ پیش کی ہے کہ جس علیم بچے کی بشارت کا ذکر ہے' اس سے مراد حضرت اسحاقؑ ہیں- قرآن میں اور جگہ ہے وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ اور حضرت یعقوبؑ کی بشارت کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچ گئے تھے- اور ممکن ہے کہ یعقوب کے ساتھ ہی کوئی اور اولاد بھی ہوئی ہو اور کعبۃ اللہ میں سینگوں کی موجودگی کے بارے میں فرماتے ہیں' بہت ممکن ہے کہ یہ بلاد کنعان سے لا کر یہاں رکھے گئے ہوں- اور بعض لوگوں سے حضرت اسحاقؑ کے نام کی صراحت بھی آئی ہے لیکن یہ سب باتیں حقیقت سے بہت دور ہیں- ہاں حضرت اسماعیل

کے ذبیح اللہ ہونے پر محمد بن کعب قرظی کا استدلال بہت صاف اور قوی ہے۔ واللہ اعلم۔ پہلے ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے تولد ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ یہاں اس کے بعد ان کے بھائی حضرت اسحاقؑ کی بشارت دی جا رہی ہے۔ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں بھی اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ نبیاً حال مقدرہ ہے یعنی وہ نبی صالح ہوگا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ذبیح اللہ اسحاق تھے اور یہاں نبوت حضرت اسحاقؑ کی بشارت ہے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے بارے میں فرمان ہے کہ ہم نے انہیں اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا دیا۔ حالانکہ حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ سے بڑے تھے تو یہاں بھی ان کی نبوت کی بشارت ہے۔ پس یہ بشارت اس وقت دی گئی جبکہ امتحان ذبح میں وہ صابر ثابت ہوئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ بشارت دو مرتبہ دی گئی۔ پیدائش سے کچھ قبل اور نبوت سے کچھ قبل۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ان پر اور اسحاقؑ پر ہماری برکتیں ہم نے نازل فرمائیں، ان کی اولاد میں ہر قسم کے لوگ ہیں۔ نیک بھی بد بھی۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمان ہوا تھا کہ اے نوح علیہ السلام ہمارے سلام اور برکت کے ساتھ تو اتر۔ تو بھی اور تیرے ساتھ والے بھی اور ایسے بھی لوگ ہیں جنہیں ہم فائدے پہنچائیں گے۔ پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچیں گے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

یقیناً ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر بہت بڑا احسان کیا ○ اور انہیں اور ان کی قوم کو بہت بڑے دکھ درد سے نجات دے دی ○ اور ان کی مدد کر کے ان ہی کو غالب کر دیا ○ اور ہم نے انہیں واضح اور روشن کتاب دی ○ اور انہیں سیدھے راستے پر قائم رکھا ○ اور ہم نے ان دونوں کے لئے پیچھے آنے والوں میں یہ بات باقی رکھی ○ کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ پر سلام ہو ○ ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلے دیا کرتے ہیں ○ یقیناً یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ○

حضرت موسیٰؑ پر انعامات الٰہی: ☆☆ (آیت: ۱۱۴-۱۲۲) اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ پر اپنی نعمتیں جتا رہا ہے کہ انہیں نبوت دی انہیں مع ان کی قوم کے فرعون جیسے طاقتور دشمن سے نجات دی جس نے انہیں بے طرح پست و ذلیل کر رکھا تھا، ان کے بچوں کو کاٹ دیتا تھا، ان کی لڑکیوں کو رہنے دیتا تھا۔ ان سے ذلیل مزدوریاں کراتا تھا اور بے حیثیت بنا رکھا تھا۔ ایسے بدترین دشمن کو ان کے دیکھتے ہلاک کیا، انہیں ان پر غالب کر دیا، ان کی زمین و زر کے یہ مالک بن گئے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کو واضح، جلی روشن اور بین کتاب عنایت فرمائی جو حق و باطل میں فرق و فیصلہ کرنے والی اور نور و ہدایت والی تھی، ان کے اقوال و افعال میں انہیں استقامت عطا فرمائی۔ اور ان کے بعد والوں میں بھی ان کا ذکر خیر اور ثناء و صفت باقی رکھی۔ کہ ہر زبان ان پر سلام ہی پڑھتی ہے۔ ہم نیک کاروں کو یونہی اور ایسے ہی بدلے دیتے ہیں۔ وہ ہمارے مومن بندے تھے۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

بیشک الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے ○ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ ○ کیا تم بعل نامی بت سے دعائیں کرتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ ○ جو اللہ تمہارا اور تمہارے اگلے تمام باپ دادوں کا پالنہار ہے ○ لیکن قوم نے انہیں جھٹلایا۔ پس وہ عذابوں میں حاضر کئے جائیں گے ○ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے ○ ہم نے الیاس کا ذکر خیر پچھلوں میں بھی باقی رکھا کہ ○ الیاسؑ پر سلام ہو ○ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے ○

حضرت الیاس علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۱۲۳-۱۳۲) بعض کہتے ہیں الیاسؑ نام تھا حضرت ادریس علیہ السلام کا۔ وہب کہتے ہیں' ان کا سلسلہ نسب یوں ہے' الیاس بن لسی بن فخاص بن عیزار بن ہارون بن عمران علیہ السلام۔ خرقیل علیہ السلام کے بعد یہ بنی اسرائیل میں بھیجے گئے تھے۔ وہ لوگ بعل نامی بت کے پجاری بن گئے تھے۔ انہوں نے دعوت اسلام دی۔ ان کے بادشاہ نے ان سے قبول بھی کر لی لیکن پھر مرتد ہو گیا۔ اور لوگ بھی سرکشی پر تلے رہے اور ایمان سے انکار کر دیا۔ آپ نے ان پر بددعا کی۔ تین سال تک بارش نہ برسی۔ اب تو یہ سب تنگ آ گئے اور قسمیں کھا کھا کر اقرار کیا کہ آپ دعا کیجئے۔ بارش برستے ہی ہم سب آپ کی نبوت پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ آپ کی دعا سے مینہ برسا۔ لیکن یہ کفار اپنے وعدے سے ٹل گئے اور اپنے کفر پر اڑ گئے۔ آپ نے یہ حالت دیکھ کر اللہ سے دعا کی کہ اللہ انہیں اپنی طرف لے لے۔ ان کے ہاتھوں تلے' حضرت یسع بن اخطوب پلے تھے۔ حضرت الیاس کی اس دعا کے بعد انہیں حکم ملا کہ وہ ایک جگہ جائیں اور وہاں انہیں جو سواری ملے اس پر سوار ہو جائیں۔ وہاں آپ گئے' ایک نوری گھوڑا دکھائی دیا' جس پر سوار ہو گئے۔ اللہ نے انہیں بھی نورانی کر دیا اور اپنے پروں سے فرشتوں کے ساتھ اڑنے لگے اور ایک انسانی فرشتہ زمینی اور آسمانی بن گئے۔ اس کی صحت کا علم اللہ ہی کو ہے۔ ہے یہ بات اہل کتاب کی روایت سے۔ حضرت الیاسؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو۔ کہ اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہو؟ اہل یمن اور قبیلہ از دشنوہ رب کو بعل کہتے تھے۔ بعل نامی جس بت کی یہ پوجا کرتے تھے' وہ ایک عورت تھی۔ ان کے شہر کا نام بعلبک تھا۔ تو اللہ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو خالق کل ہے اور بہترین خالق ہے' ایک بت کو پوج رہے ہو اور اس کو پکارتے رہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تم سب کا اور تم سے اگلے تمہارے باپ دادوں کا رب ہے' وہی مستحق عبادت ہے' اس کے سوا کسی قسم کی عبادت کسی کے لائق نہیں۔

لیکن ان لوگوں نے اللہ کے پیارے نبیؑ کی اس صاف اور خیر خواہانہ نصیحت کو نہ مانا تو اللہ نے بھی انہیں عذاب پر حاضر کر دیا کہ قیامت کے دن ان سے زبردست باز پرس اور ان پر سخت عذاب ہوں گے۔ ہاں ان میں سے جو توحید پر قائم تھے' وہ بچ رہیں گے۔ ہم نے

حضرت الیاس علیہ السلام کی ثناء جمیل اور ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی ہی رکھا کہ ہر مسلم کی زبان سے ان پر درود وسلام بھیجا جاتا ہے- الیاس میں دوسرا لغت الیاسین ہے جیسے اسماعیل میں اسماعین' بنو اسد میں اسی طرح یہ لغت ہے- ایک تمیمی کے شعر میں یہ لغت اسی طرح لایا گیا ہے- میکائیل کو میکال اور میکائین بھی کہا جاتا ہے- ابراہیم کو ابراہام' اسرائیل کو اسرائین' طور سینا کو طور سینین -غرض یہ لغت عرب میں مشہور و رائج ہے- ابن مسعود کی قراءت میں سَلَامٌ عَلٰی اٰلِ یَاسِیْنَ ہے- بعض کہتے ہیں' اس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں- ہم اسی طرح نیک کاروں کو نیک بدلہ دیتے ہیں- یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے- اس جملہ کی تفسیر گزر چکی ہے- واللہ تعالیٰ اعلم-

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾

بیشک لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے ○ ہم نے انہیں اور ان کے متعلقین کو سب کو نجات دی ○ بجز اس بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی ○ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا ○ اور تم تو صبح ہوتے ان کی بستیوں کے پاس سے گذرتے ہو ○ اور رات کو بھی- کیا پھر بھی نہیں سمجھتے؟ ○ بہ تحقیق یونس نبیوں میں سے ہے ○ جب بھاگ پہنچا بھری کشتی پر ○

قوم لوط علیہ السلام ایک عبرت کا مقام: ☆☆ (آیت: ۱۳۳-۱۳۸) اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول حضرت لوط علیہ السلام کا بیان ہو رہا ہے کہ انہیں بھی ان کی قوم نے جھٹلایا جس پر اللہ کے عذاب ان پر برس پڑے اور اللہ نے اپنے پیارے نبی حضرت لوط علیہ السلام کو مع ان کے گھر والوں کے نجات دے دی- لیکن ان کی بیوی غارت ہوئی- قوم کے ساتھ ہی ہلاک ہوئی اور ساری قوم بھی تباہ ہوئی- قسم قسم کے عذاب ان پر آئے اور جس جگہ وہ رہتے تھے' وہاں ایک بدبودار جھیل بن گئی' جس کا پانی بدمزہ' بدبو' بدرنگ ہے' جو آنے جانے والوں کے راستے میں ہی پڑتی ہے- تم تو دن رات وہاں سے آتے جاتے رہتے ہو اور اس خوفناک منظر اور بھیانک مقام کو صبح شام دیکھتے رہتے ہو- کیا اس معائنہ کے بعد بھی عبرت حاصل نہیں کرتے اور سوچتے سمجھتے نہیں ہو کہ کس طرح یہ برباد کر دیئے گئے؟ ایسا نہ ہو کہ یہی عذاب تم پر بھی آ جائیں-

واقعہ حضرت یونس علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۱۳۹-۱۴۰) حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ سورۂ یونس میں بیان ہو چکا ہے- بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ کسی بندے کو یہ لائق نہیں کہ وہ کہے' میں یونس بن متی سے افضل ہوں- یہ نام ممکن ہے آپ کی والدہ کا ہو اور ممکن ہے والد کا ہو- یہ بھاگ کر مال و اسباب سے لدی ہوئی کشتی پر سوار ہو گئے- وہاں قرعہ اندازی ہوئی اور یہ مغلوب ہو گئے- کشتی کے چلتے ہی چاروں طرف سے موجیں اٹھیں اور سخت طوفان آیا- یہاں تک کہ سب کو اپنی موت کا اور کشتی کے ڈوب جانے کا یقین ہو گیا- سب آپس میں کہنے لگے کہ قرعہ ڈالو- جس کے نام کا قرعہ نکلے' اسے سمندر میں ڈال دو تا کہ سب بچ جائیں اور کشتی اس طوفان سے چھوٹ جائے- تین دفعہ قرعہ اندازی ہوئی اور تینوں مرتبہ اللہ کے پیارے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کا ہی نام نکلا- اہل کشتی آپ کو پانی میں بہانا نہیں چاہتے تھے لیکن کیا کرتے- بار بار کی قرعہ اندازی پر بھی آپ کا نام نکلتا رہا اور خود آپ کپڑے اتار کر باوجود ان لوگوں کے روکنے کے سمندر میں کود پڑے- اسی وقت بحر اخضر کی ایک بہت بڑی مچھلی کو جناب باری کا فرمان سرزد ہوا کہ وہ دریاؤں کو چیرتی پھاڑتی جائے اور حضرت یونسؑ کو نگل لے لیکن نہ تو

ان کا جسم زخمی ہو نہ کوئی ہڈی ٹوٹے - چنانچہ اس مچھلی نے پیغمبر الٰہی کو نگل لیا اور سمندروں میں چلنے پھرنے لگی - جب حضرت یونسؑ پوری طرح مچھلی کے پیٹ میں جا چکے تو آپ کو خیال گزرا کہ میں مر چکا ہوں لیکن جب ہاتھ پیروں کو حرکت دی اور وہ ہلے جلے تو زندگی کا یقین کر کے وہیں کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے پروردگار میں نے تیرے لئے اس جگہ مسجد بنائی ہے جہاں کوئی نہ پہنچا ہو گا - تین دن یا سات دن یا چالیس دن یا ایک دن سے بھی کم یا صرف ایک رات تک مچھلی کے پیٹ میں رہے -

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِنْ يَقْطِينٍ ﴿۱۴۶﴾ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿۱۴۷﴾ فَآمَنُوا فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۱۴۸﴾

پھر قرعہ اندازی ہوئی' یہ مغلوب ہو گئے ○ پھر تو اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے تئیں ملامت کرنے لگ گئے ○ پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتا ○ تو مردے جلائے جائیں (اٹھائے جائیں) اس دن تک اس کے پیٹ میں ہی رہتا ○ پس اسے ہم نے چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بیمار تھا ○ اور اس پر سایہ کرنے والا کدو کی قسم کا ایک درخت ہم نے اگا دیا ○ اور ہم نے اسے ایک لاکھ بلکہ اور زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا ○ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے بھی انہیں ایک زمانہ تک عیش و عشرت دی ○

(آیت :۱۴۱-۱۴۸) اگر یہ ہماری پاکیزگی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے' یعنی جبکہ فراخی اور کشادگی اور امن وامان کی حالت میں تھے' اس وقت ان کی نیکیاں اگر نہ ہوتیں ایک حدیث بھی اس قسم کی ہے جو عنقریب بیان ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ - ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے' آرام اور راحت کے وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو وہ سختی اور بے چینی کے وقت تمہاری مدد کرے گا - یہ بھی کہا گیا ہے اگر یہ پابند نماز نہ ہوتے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر مچھلی کے پیٹ میں نماز نہ پڑھتے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر یہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کے ساتھ ہماری تسبیح نہ کرتے - چنانچہ قرآن کریم کی اور آیتوں میں ہے کہ اس نے اندھیروں میں یہی کلمات کہے اور ہم نے اس کی دعا قبول فرما کر اسے غم سے نجات دی - اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں - ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت یونسؑ نے جب مچھلی کے پیٹ میں ان کلمات کو کہا تو یہ دعا عرش الٰہی کے اردگرد منڈلانے لگی اور فرشتوں نے کہا' اللہ یہ آواز تو کہیں بہت ہی دور کی ہے لیکن اس آواز سے ہمارے کان آشنا ضرور ہیں - اللہ نے فرمایا' اب بھی پہچان لیا' یہ کس کی آواز ہے؟ انہوں نے کہا' نہیں پہچانا' فرمایا یہ میرے بندے یونسؑ کی آواز ہے - فرشتوں نے کہا' وہی یونسؑ جس کے نیک اعمال اور مقبول دعائیں ہمیشہ آسمان پر چڑھتی رہتی تھیں؟ اللہ اس پر تو ضرور رحم فرما' اس کی دعا قبول کر' وہ تو آسانیوں میں بھی تیرا نام لیا کرتا تھا - اسے بلا سے نجات دے - اللہ نے فرمایا' ہاں میں اسے نجات دوں گا - چنانچہ مچھلی کو حکم ہوا کہ میدان میں حضرت یونسؑ کو اگل دے - اور اس نے اگل دیا اور وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی نحیفی' کمزوری اور بیماری کی وجہ سے چھاؤں کے لئے کدو کی بیل اگا دی اور ایک جنگلی بکری کو مقرر کر دیا جو صبح شام ان کے پاس آ جاتی تھی اور یہ اس کا دودھ پی لیا کرتے تھے -

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ واقعات مرفوع احادیث سے سورۂ انبیاء کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں- ہم نے انہیں اس زمین میں ڈال دیا جہاں سبزہ روئیدگی گھاس کچھ نہ تھا- دجلہ کے کنارے یا یمن کی سرزمین پر یہ لا دیئے گئے تھے- وہ اس وقت کمزور تھے جیسے پرندوں کے بچے ہوتے ہیں یا بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے- یعنی صرف سانس چل رہا تھا اور طاقت ہلنے جلنے کی بھی نہ تھی- یقطین کدو کے درخت کو بھی کہتے ہیں اور ہر اس درخت کو جس کا تانہ ہو یعنی بیل ہو اور اس درخت کو بھی جس کی عمر ایک سال سے زیادہ نہیں ہوتی- کدو میں بہت سے فوائد ہیں- یہ بہت جلد اگتا اور بڑھتا ہے- اس کے پتوں کا سایہ گھنا اور فرحت بخش ہوتا ہے کیونکہ وہ بڑے بڑے ہوتے ہیں اور اس کے پاس مکھیاں نہیں آتیں- یہ غذا کا کام دے جاتا ہے اور چھلکے اور گودے سمیت کھایا جاتا ہے- صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو کدو یعنی گھیا بہت پسند تھا اور برتن میں سے چن چن کر اسے کھاتے تھے-

پھر انہیں ایک لاکھ بلکہ زیادہ آدمیوں کی طرف رسالت کے ساتھ بھیجا گیا- ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے پہلے آپ رسول نہ تھے- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے ہی آپ اس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے- دونوں قولوں سے اس طرح تضاد اٹھ سکتا ہے کہ پہلے بھی ان کی طرف بھیجے گئے تھے- اب دوبارہ بھی ان ہی کی طرف بھیجے گئے اور وہ سب ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی- بغویؒ کہتے ہیں مچھلی کے پیٹ سے نجات پانے کے بعد دوسری قوم کی طرف بھیجے گئے تھے- یہاں او معنی میں بلکہ کے ہے اور وہ ایک لاکھ تیس ہزار یا اس سے بھی کچھ اوپر- یا ایک لاکھ چالیس ہزار سے بھی زیادہ یا ستر ہزار سے بڑھ کر- یا ایک لاکھ دس ہزار اور ایک غریب مرفوع حدیث کی رو سے ایک لاکھ بیس ہزار تھے- یہ مطلب بھی بیان کیا گیا کہ انسانی اندازہ ایک لاکھ سے زیادہ ہی کا تھا- ابن جریرؒ کا یہی مسلک ہے اور یہی مسلک ان کا آیت اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً اور آیت اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً اور آیت اَوْ اَدْنٰى میں ہے یعنی اس سے کم نہیں اس سے زائد ہے- پس قوم یونسؑ سب کی سب مسلمان ہوگئی حضرت یونسؑ کی تصدیق کی اور اللہ پر ایمان لے آئے- ہم نے بھی ان کے مقررہ وقت یعنی موت کی گھڑی تک دنیوی فائدے دیئے- اور آیت میں ہے کسی بستی کے ایمان نے انہیں (عذاب آچکنے کے بعد) نفع نہیں دیا سوائے قوم یونسؑ کے وہ جب ایمان لائے تو ہم نے ان پر سے عذاب ہٹا لئے اور انہیں ایک معیاد معین تک بہرہ مند کیا-

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

ان سے دریافت تو کر کہ کیا تیرے رب کی تو بیٹیاں ہیں؟ اور ان کے بیٹے ہیں؟ ○ یا یہ اس وقت موجود تھے جبکہ ہم نے فرشتوں کو مونث پیدا کیا ہے؟ ○ آگاہ رہو کہ یہ لوگ صرف اپنی افترا پردازی سے کہہ رہے ہیں ○ کہ اللہ کی اولاد ہے یقیناً یہ محض جھوٹے ہیں ○ کیا اللہ نے اپنے لئے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی؟ ○ تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے حکم لگاتے پھرتے ہو؟ ○ کیا تم اس قدر بھی نہیں سمجھتے؟ ○ یا تمہارے پاس اس کی کوئی صاف دلیل ہے؟ ○ تو جاؤ اگر سچے ہو تو اپنی ہی کتاب لے آؤ ○ ان لوگوں نے تو اللہ کے اور جنات کے درمیان بھی قرابت داری ٹھہرائی ہے - حالانکہ خود جنات یقین رکھتے ہیں کہ اس عقیدے کے لوگ عذابوں کے سامنے یقیناً پیش کئے جائیں گے ○ جو کچھ یہ بیان کر رہے ہیں اس سے اللہ بالکل پاک ہے ○ ہاں اللہ کے مخلص بندے ○

مشرکین کا اللہ تعالیٰ کے لئے دوہرا معیار: ☆☆ (آیت: ۱۴۹-۱۶۰) اللہ تعالیٰ مشرکوں کی بیوقوفی بیان فرما رہا ہے کہ اپنے لئے تو لڑکے پسند کرتے ہیں اور اللہ کے لئے لڑکیاں مقرر کرتے ہیں - اگر لڑکی ہونے کی خبر یہ پائیں تو چہرے سیاہ پڑ جاتے ہیں اور اللہ کی لڑکیاں ثابت کرتے ہیں - پس فرماتا ہے ان سے پوچھ تو سہی کہ یہ تقسیم کیسی ہے کہ تمہارے تو لڑکے ہوں اور اللہ کے لئے لڑکیاں ہوں؟ پھر فرماتا ہے کہ یہ فرشتوں کو لڑکیاں کس ثبوت پر کہتے ہیں؟ کیا ان کی پیدائش کے وقت وہ موجود تھے - قرآن کی اور آیت وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الخ میں بھی یہی بیان ہے - دراصل یہ قول ان کا محض جھوٹ ہے کہ اللہ کے ہاں اولاد ہے - وہ اولاد سے پاک ہے - پس ان لوگوں کے تین جھوٹ اور تین کفر ہوئے - اول تو یہ کہ فرشتے اللہ کی اولاد ہیں - دوسرے یہ کہ اولاد بھی لڑکیاں - تیسرے یہ کہ خود فرشتوں کی عبادت شروع کر دی -

پھر فرماتا ہے کہ آخر کس چیز نے اللہ کو مجبور کیا کہ اس نے لڑکے تو لئے نہیں اور لڑکیاں اپنی ذات کے لئے پسند فرمائیں؟ جیسے اور آیت میں ہے کہ تمہیں تو لڑکوں سے نوازے اور فرشتوں کو اپنی لڑکیاں بنائے - یہ تو تمہاری نہایت درجہ کی لغویات ہے - یہاں فرمایا کیا تمہیں عقل نہیں جو ایسی دور از قیاس باتیں بناتے ہو؟ تم سمجھتے نہیں ہو کہ اللہ پر جھوٹ باندھنا کیسا برا ہے؟ اچھا اگر کوئی دلیل تمہارے پاس ہو تو لاؤ اسی کو پیش کرو - یا اگر کسی آسمانی کتاب سے تمہارے اس قول کی سند ہو اور تم سچے ہو تو لاؤ اسی کو سامنے لے آؤ - یہ تو ایسی لچر اور فضول بات ہے جس کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہو ہی نہیں سکتی - اتنے ہی پر بس نہ کی جنات میں اور اللہ میں بھی رشتے داری قائم کی - مشرکوں کے اس قول پر کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں - حضرت صدیق اکبرؓ نے سوال کیا کہ پھر ان کی مائیں کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا جن سرداروں کی لڑکیاں - حالانکہ خود جنات کو اس کا یقین و علم ہے کہ اس قول کے قائل قیامت کے دن عذابوں میں مبتلا کئے جائیں گے - ان میں بعض دشمنان الٰہی تو یہاں تک کم عقلی کرتے تھے کہ شیطان بھی اللہ کا بھائی ہے - نعوذ باللہ - اللہ تعالیٰ اس سے بہت پاک منزہ اور بالکل دور ہے جو یہ مشرک اس کی ذات پر اتہام لگاتے ہیں اور جھوٹے بہتان باندھتے ہیں - اس کے بعد استثناء منقطع ہے اور ہے مثبت مگر اس صورت میں کہ يَصِفُوْنَ کی ضمیر کا مرجع تمام لوگ قرار دیئے جائیں - پس ان میں سے ان لوگوں کو الگ کر لیا جو حق کے ماتحت ہیں اور تمام نبیوں رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں - امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ استثناء اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ سے ہے یعنی سب کے سب عذاب میں پھانس لئے جائیں گے مگر وہ بندگان اللہ جو اخلاص والے تھے - یہ قول ذرا تامل طلب ہے - واللہ اعلم -

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا

عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

یقین مانو کہ تم سب اور تمہارے سارے معبودان ○ باطل کسی ایک کو بھی بہکا نہیں سکتے ○ بجز اس کے جو جہنمی ہی ہے ○ فرشتوں کا قول ہے کہ ہم میں سے تو ہر ایک کی جگہ مقرر ہے ○ اور ہم تو بندگی الٰہی میں صف بستہ کھڑے ہیں ○ اور اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں ○ یہ کفار تو کہا کرتے تھے کہ ○ اگر ہمارے سامنے اگلے لوگوں کے واقعات ہوتے ○ تو ہم بھی اللہ تعالیٰ کے چیدہ بندے بن جاتے ○ لیکن پھر اس قرآن کے ساتھ کفر کر گئے۔ پس اب عنقریب جان لیں گے ○

فرشتوں کے اوصاف : ☆☆ (آیت: ۱۶۱-۱۷۰) اللہ تعالیٰ مشرکوں سے فرما رہا ہے کہ تمہاری گمراہی اور شرک و کفر کی تعلیم وہی قبول کریں گے جو جہنم کے لئے پیدا کئے گئے ہوں' جو عقل سے خالی' کانوں سے بہرے اور آنکھوں کے اندھے ہوں جو مثل چوپایوں کے بلکہ ان سے بھی بدر جہا بدتر ہوں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے کہ اس سے وہی گمراہ ہو سکتے ہیں جو دماغ کے خالی اور باطل کے شیدائی ہوں۔ ازاں بعد فرشتوں کی برات اور ان کی تسلیم و رضا' ایمان و اطاعت کا ذکر فرمایا کہ وہ خود کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقرر جگہ اور ایک مقام عبادت مخصوص ہے جس سے نہ ہم ہٹ سکتے ہیں نہ اس میں کمی بیشی کر سکتے ہیں۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ آسمان چر چرا رہا ہے اور واقع میں اسے چر چرانا بھی چاہیے۔ اس میں ایک قدم رکھنے جتنی جگہ بھی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رکوع سجدے میں پڑا ہوا نہ ہو۔ پھر آپؐ نے ان تینوں آیتوں کی تلاوت کی۔ ایک روایت میں آسمان دنیا کا لفظ ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' ایک بالشت بھر جگہ آسمانوں میں ایسی نہیں جہاں پر کسی نہ کسی فرشتے کے قدم یا پیشانی نہ ہو۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' پہلے تو مرد عورت ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے لیکن اس آیت کے نزول کے بعد مردوں کو آگے بڑھا دیا گیا اور عورتوں کو پیچھے کر دیا گیا اور ہم سب فرشتے صف بستہ عبادت الٰہی کیا کرتے ہیں۔ آیت وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا کی تفسیر میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ ولید بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے تک نماز کی صفیں نہیں تھیں۔ پھر صفیں مقرر ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ اقامت کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے فرماتے تھے' صفیں ٹھیک درست کر لو سیدھے کھڑے ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ تم سے بھی فرشتوں کی طرح صف بندی چاہتا ہے۔ جیسے وہ فرماتے ہیں وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ اے فلاں آگے بڑھ' اے فلاں پیچھے ہٹ۔ پھر آپ آگے بڑھ کر نماز شروع کرتے (ابن ابی حاتم) صحیح مسلم میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' ہمیں تین فضیلتیں ایسی دی گئی ہیں جن میں اور کوئی ہمارے ساتھ نہیں۔ ہماری صفیں فرشتوں جیسی بنائی گئیں۔ ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی۔ اور ہمارے لئے زمین کی مٹی پاک کرنے والی بنائی گئی۔ ہم اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرنے والے ہیں۔ اس کی بزرگی اور بڑائی بیان کرتے ہیں۔ تمام نقصانوں سے اسے پاک مانتے ہیں۔ ہم سب فرشتے اس کے غلام ہیں۔ اس کے محتاج ہیں۔ اس کے سامنے اپنی پستی اور عاجزی کا اظہار کرنے والے ہیں۔ پس یہ تینوں اوصاف فرشتوں کے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تسبیح کرنے والوں سے مراد نماز پڑھنے والے ہیں۔

اور آیت میں ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ الخ یعنی کفار نے کہا' اللہ کی اولاد ہے' اللہ اس سے پاک ہے البتہ فرشتے اس کے محترم بندے ہیں۔ اس کے فرمان سے آگے نہیں بڑھتے' اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں' وہ ان کا آگا پیچھا بخوبی جانتا ہے۔ وہ کسی کی شفاعت کا بھی اختیار نہیں رکھتے بجز اس کے جس کے لئے رحمان راضی ہو' وہ تو خوف الٰہی سے تھرتھراتے رہتے ہیں۔ ان میں سے جو اپنے آپ کو لائق عبادت کہے' ہم اسے جہنم میں جھونک دیں' ظالموں کی سزا ہمارے ہاں یہی ہے۔ نبیؐ ان کے پاس آئے' اس سے پہلے تو یہ کہتے

تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی آ جائے جو ہمیں اللہ کی راہ کی تعلیم دیتا اور ہمارے سامنے اگلے لوگوں کے واقعات بطور نصیحت پیش کرتا اور ہمارے پاس کتاب اللہ لے آتا تو یقیناً ہم مخلص مسلمان بن جاتے - جیسے آیت میں ہے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ الخ یعنی بڑی پختہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر کوئی نبی اللہ ہماری موجودگی میں آ جائیں تو ہم بڑے نیک بن جائیں گے اور ہدایت کی راہ کی طرف سب سے پہلے دوڑیں گے لیکن جب نبی اللہ آ گئے تو بھاگ کھڑے ہوئے - اور آیت میں فرمایا اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الخ پس یہاں فرمایا کہ جب یہ تمنا پوری ہوئی تو کفر کرنے لگے - اب انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ اللہ سے کفر کرنے کا اور نبی کو جھٹلانے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾

البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لئے صادر ہو چکا ہے ○ کہ وہی مظفر و منصور ہوں گے ○ اور ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا ○

عذاب الٰہی آ کر رہے گا: ☆☆ (آیت: ۱۷۱-۱۷۹) ارشاد باری ہے کہ ہم تو اگلی کتابوں میں بھی لکھ آئے ہیں - پہلے نبیوں کی زبانی بھی دنیا کو سنا چکے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں ہمارے رسول اور ان کے تابعداروں ہی کا انجام بہتر ہوتا ہے جیسے فرمایا كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ الخ اور فرمایا اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا الخ یعنی میں' میرے رسول اور ایماندار ہی دونوں جہان میں غالب رہیں گے - یہاں بھی یہی فرمایا کہ رسولوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ منصور ہیں - ہم خود ان کی مدد کریں گے - دیکھتے چلے آؤ کہ ان کے دشمن کس طرح خاک میں ملا دیئے گئے؟ یاد رکھو ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا - انجام کار انہی کے ہاتھ رہے گا - تو ایک وقت مقررہ تک صبر و استقامت سے معاملہ دیکھتا رہ' ان کی ایذاؤں پر صبر کر - ہم تجھے ان سب پر غالب کر دیں گے - دنیا نے دیکھ لیا کہ یہی ہوا بھی - تو انہیں دیکھتا رہ کہ کس طرح اللہ کی پکڑ ان پر نازل ہوتی ہے؟ اور کس طرح یہ ذلت و توہین کے ساتھ پکڑ لئے جاتے ہیں؟ یہ خود ان تمام رسوائیوں کو ابھی ابھی دیکھ لیں گے - تعجب سا تعجب ہے کہ یہ طرح طرح کے چھوٹے چھوٹے عذابوں کی گرفت کے باوجود ابھی تک بڑے عذاب کو محال جانتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ کب آئے گا؟ پس انہیں جواب ملتا ہے کہ جب عذاب ان کے میدانوں میں' محلوں میں' انگنائیوں میں آئے گا' وہ دن ان پر بڑا ہی بھاری دن ہوگا - یہ ہلاک اور برباد کر دیئے جائیں گے -

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ خیبر کے میدانوں میں حضورؐ کا لشکر صبح ہی صبح کفار کی بے خبری میں پہنچ گیا - وہ لوگ حسب عادت اپنی کھیتیوں کے آلات لے کر شہر سے نکلے اور اس اللہ کی فوج کو دیکھ کر بھاگے اور شہر والوں کو خبر کی - اس وقت آپؐ نے یہی فرمایا کہ اللہ بہت بڑا ہے - خیبر خراب ہوا - ہم جب کسی قوم کے میدان میں اتر آتے ہیں' اس وقت ان کی درگت ہوتی ہے - پھر دوبارہ پہلے حکم کی تاکید کی کہ تو ان سے ایک مدت معین تک کے لئے بے پرواہ ہو جا اور انہیں چھوڑ دے اور دیکھتا رہ یہ بھی دیکھ لیں گے -

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٥﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٧٦﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٨﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلٰمٌ عَلٰى

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

اب تو کچھ دنوں تک ان سے منہ پھیر لے O اور انہیں دیکھتا رہ‘ یہ بھی آگے چل کر دیکھ لیں گے O کیا یہ ہمارے عذابوں کی جلدی مچا رہے ہیں؟ O سنو جب ہمار عذاب ان کے میدانوں میں اتر آئے گا‘ اس وقت ان کی جن کو متنبہ کر دیا گیا تھا‘ بڑی بری صبح ہوگی O تو کچھ وقت تک ان کا خیال چھوڑ دے اور دیکھتا رہ O یہ بھی ابھی دیکھ لیں گے O پاک ہے تیرا رب جو بہت بڑی عزت والا ہے ہر اس چیز سے جو یہ مشرک بیان کرتے ہیں O پیغمبروں پر سلام ہے O اور سب طرح کی تعریف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا رب ہے O

اللہ تعالیٰ مشرکین کے بہتانات سے مبرا ہے: ☆☆ (آیت: ۱۸۰-۱۸۲) اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے اپنی برات بیان فرماتا ہے جو مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے تھے- جیسے اولاد شریک وغیرہ- وہ بہت بڑی اور لازوال عزت والا ہے- ان جھوٹے اور مفتری لوگوں کے بہتان سے وہ پاک اور منزہ ہے- اللہ کے رسولوں پر سلام ہے اس لئے کہ ان کی تمام باتیں ان عیوب سے مبرا ہیں جو مشرکوں کی باتوں میں موجود ہیں بلکہ نبیوں کی باتیں اور اوصاف جو وہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں بیان کرتے ہیں‘ سب صحیح اور برحق ہیں- اسی کی ذات کے لئے تمام حمد و ثناء ہے- دنیا اور آخرت میں ابتدا اور انتہا کا وہی سزاوار تعریف ہے- ہر حال میں قابل حمد وہی ہے- تسبیح سے‘ ہر طرح کے نقصان سے اس کی ذات پاک سے دوری ثابت ہوتی ہے‘ تو ثابت ہوتا ہے کہ ہر طرح کے کمالات کی مالک اس کی ذات واحد ہے- اسی کو صاف لفظوں میں حمد ثابت کیا- تاکہ نقصانات کی نفی اور کمالات کا اثبات ہو جائے- ایسے ہی قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں تسبیح اور حمد کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے-

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا‘ تم جب مجھ پر سلام بھیجو‘ دوسرے نبیوں پر بھی سلام بھیجو کیونکہ میں بھی منجملہ اور نبیوں میں سے ایک نبی ہی ہوں (ابن ابی حاتم) یہ حدیث مسند میں بھی مروی ہے- ابو یعلی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے‘ جب حضور ﷺ سلام کا ارادہ کرتے تو ان تینوں آیتوں کو پڑھ کر سلام کرتے- ابن ابی حاتم میں ہے‘ جو شخص یہ چاہے کہ بھرپور پیمانے سے ناپ کر اجر پائے تو وہ جس کسی مجلس میں ہو‘ وہاں سے اٹھتے ہوئے یہ تینوں آیتیں پڑھ لے- اور سند سے یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے- طبرانی کی حدیث میں ہے‘ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد تین مرتبہ ان تینوں آیتوں کی تلاوت کرے‘ اسے بھرپور اجر پورے پیمانے سے ناپ کر ملے گا- مجلس کے کفارے کے بارے میں بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ یہ پڑھے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے- الحمدللہ سورۃ الصافات کی تفسیر ختم ہوئی‘ فالحمدللہ-

تفسیر سورۃ ص

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾

معبود مہربان ذی رحم کے نام سے شروع

اس نصیحت والے قرآن کی قسم ○ بلکہ کفار غرور ومخالفت میں پڑے ہوئے ہیں ○ اور ہم نے ان سے پہلے بھی بہت سے قرنوں کو تباہ کر ڈالا۔ انہوں نے ہر چند چیخ و پکار کی لیکن وہ وقت چھٹکارے کا وقت ہی نہ تھا ○

(آیت: ۱-۳) حروف مقطعات جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں' ان کی پوری تفسیر سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہاں قرآن کی قسم کھائی اور اسے پند ونصیحت کرنے والا فرمایا۔ کیونکہ اس کی باتوں پر عمل کرنے والے کی دین ودنیا دونوں سنور جاتی ہیں۔ اور آیت میں ہے فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اس قرآن میں تمہارے لئے نصیحت ہے اور یہ بھی مطلب ہے کہ قرآن شرافت و بزرگی' عزت وعظمت والا ہے۔ اب اس قسم کا جواب بعض کے نزدیک تو اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ الخ ہے۔ بعض کہتے ہیں اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ الخ ہے۔ لیکن یہ زیادہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' اس کا جواب اس کے بعد کی آیت ہے۔ ابن جریرؒ اسی کو مختار بتاتے ہیں۔ بعض عربی داں کہتے ہیں' اس کا جواب ص ہے اور اس لفظ کے معنی صداقت اور حقانیت کے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ پوری سورۃ کا خلاصہ اس قسم کا جواب ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے' یہ قرآن تو سراسر عبرت ونصیحت ہے مگر اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دل میں ایمان ہے۔ کافر لوگ اس فائدے سے اس لئے محروم ہیں کہ وہ متکبر ہیں اور مخالف ہیں۔ یہ لوگ اپنے سے پہلے اور اپنے جیسے لوگوں کے انجام پر نظر ڈالیں تو اپنے انجام سے ڈریں۔ اگلی امتیں اسی جرم پر ہم نے تہہ و بالا کر دی ہیں۔ عذاب آ پڑنے کے بعد تو بڑے روئے پیٹے' خوب آہ و زاری کی لیکن اس وقت کی تمام باتیں بے سود ہیں۔ جیسے فرمایا فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ الخ ہمارے عذابوں کو معلوم کر کے ان سے بچنا اور بھاگنا چاہا۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا؟

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اب بھاگنے کا وقت نہیں' نہ فریاد کا وقت ہے' اس وقت کوئی فریاد رسی نہیں کر سکتا۔ چاہے جتنا چیخو چلاؤ محض بے سود ہے۔ اب توحید کی قبولیت بے نفع' توبہ بیکار ہے۔ یہ بے وقت کی پکار ہے۔ لَاتَ معنی میں لا کے ہے۔ اس میں ''ت'' زائد ہے جیسے ثم میں بھی ''ت'' زیادہ ہوتی ہے اور ربت میں بھی۔ یہ مفصولہ ہے اور اس پر وقف ہے۔ امام ابن جریرؒ کا قول ہے کہ یہ ''ت'' حین سے ملی ہوئی ہے یعنی وَلَا تَحِيْنُ ہے' لیکن مشہور اول ہی ہے۔ جمہور نے حِيْنَ کو زبر سے پڑھا ہے۔ تو مطلب یہ ہو گا کہ یہ وقت آہ و زاری کا وقت نہیں۔ بعض نے یہاں زیر پڑھنا بھی جائز رکھا ہے۔ لغت میں نوص کہتے ہیں پیچھے ہٹنے کو اور بوص کہتے ہیں آگے بڑھنے کو۔ پس مقصد یہ ہے کہ یہ وقت بھاگنے اور نکل جانے کا وقت نہیں۔ واللہ الموفق۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓي اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝

کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ انہی میں سے ایک سمجھانے والا آ گیا اور کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے ○ کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی

معبود کر دیا؟ واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے ○ ان کے سردار یہ کہتے ہوئے چلے کہ جاؤ اپنے معبودوں پر جمے رہو یقیناً یہ تو کوئی مطلب ومراد ہے ○ ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں بھی نہیں سنی۔ کچھ نہیں یہ تو صرف گھڑنت ہے ○

مشرکین کا نبی اکرمؐ پر تعجب: ☆☆ (آیت:۴-۷) حضور علیہ السلام کی رسالت پر کفار کے حماقت آمیز تعجب کا اظہار ہو رہا ہے جیسے اور آیت میں ہے اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا الخ کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ان میں سے ایک انسان کی طرف ہم نے وحی کی تاکہ وہ لوگوں کو ہوشیار کر دے اور ایمانداروں کو اس بات کی خوش خبری سنا دے کہ اس کے پاس ان کے لئے بہترین لائحہ عمل ہے۔ کافر تو ہمارے رسول کو کھلا جادوگر کہنے لگے۔ یہیں پر یہ ذکر ہے کہ انہی میں سے انہی جیسے ایک انسان کے رسول بن کر آنے پر انہیں تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر اور کذاب ہے۔ رسولؐ کی رسالت پر تعجب کے ساتھ ہی اللہ کی وحدانیت پر بھی انہیں تعجب معلوم ہوا اور کہنے لگے کہ اور سنو! اتنے سارے معبودوں کے بدلے یہ تو کہتا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے اور اس کا کوئی کسی طرح کا شریک ہی نہیں۔ ان بیوقوفوں کو اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی جس شرک وکفر کی عادت تھی' اس کے خلاف آواز سن کر ان کے دل دکھنے اور رکنے لگے اور وہ توحید کو ایک انوکھی اور انجان چیز سمجھنے لگے۔ ان کے بڑوں اور سرداروں نے تکبر کے ساتھ منہ موڑتے ہوئے اعلان کیا کہ اپنے قدیمی مذہب پر جمے رہو۔ اس کی بات نہ مانو اور اپنے معبودوں کی عبادت کرتے رہو۔ یہ تو صرف اپنے مطلب کی باتیں کہتا ہے۔ یہ اس بہانے اپنی جما رہا ہے کہ یہ تمہارا سب کا بڑا بن جائے اور تم اس کے تابع فرمان ہو جاؤ۔

ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار قریشیوں کے شریف اور سردار روٗسا ایک مرتبہ جمع ہوئے۔ ان میں ابو جہل بن ہشام' عاص بن وائل' اسود بن المطلب' اسود بن عبد یغوث وغیرہ بھی تھے اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ چل کر آج ابو طالب سے آخری فیصلہ کر لیں۔ وہ انصاف کے ساتھ ایک بات ہمارے ذمہ ڈال دے اور ایک اپنے بھتیجے کے ذمے۔ کیونکہ یہ اب انتہائی عمر کو پہنچ چکے ہیں' چراغ سحری ہو رہے ہیں' اگر مر گئے اور ان کے بعد ہم نے محمد (ﷺ) کو کوئی مصیبت پہنچائی تو عرب میں طعنہ دیں گے کہ بڈھے کی موجودگی تک تو کچھ نہ چلی اور ان کی موت کے بعد بہادری آ گئی۔ چنانچہ ایک آدمی بھیج کر ابو طالب سے اجازت مانگی۔ ان کی اجازت پر سب گھر میں گئے اور کہا سنئے جناب! آپ ہمارے سردار ہیں' بزرگ ہیں بڑے ہیں۔ ہم آپ کے بھتیجے سے اب بہت تنگ آ گئے ہیں۔ آپ انصاف کے ساتھ ہم میں اور اس میں فیصلہ کر دیجئے۔ دیکھئے ہم آپ سے انصاف چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں اور نہ ہم انہیں ستائیں۔ وہ مختار ہیں' جس کی چاہیں عبادت کریں لیکن ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں۔ ابو طالب نے آدمی بھیج کر اللہ کے رسول ﷺ کو بلوایا اور کہا جان پدر' دیکھتے ہو' آپ کی قوم کے سردار اور بزرگ سب جمع ہوئے ہیں اور آپ سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے معبودوں کی توہین اور برائی کرنے سے باز آ جائیں اور یہ آپ کو آپ کے دین پر چلنے میں آزادی دے رہے ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا' چچا جان کیا میں انہیں بہترین اور بڑی بھلائی کی طرف نہ بلاؤں؟ ابو طالب نے کہا' وہ کیا ہے؟ فرمایا' یہ ایک کلمہ کہہ دیں' صرف اس کے کہنے کی وجہ سے سارا عرب ان کے ماتحت ہو جائے گا اور سارے عجم پر ان کی حکومت ہو جائے گی۔ ابو جہل ملعون نے سوال کیا کہ اچھا بتاؤ' وہ ایسا کون سا کلمہ ہے؟ ایک نہیں ہم دس کہنے کو تیار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بس یہ سننا تھا کہ شور وغل کر دیا اور کہنے لگے' اس کے سوا جو تو مانگے' ہم دینے کو تیار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' اگر تم سورج کو بھی لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دو تو بھی تو تم سے اس کلمے کے سوا اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ سارے کے سارے مارے غصے اور غضب کے بھنا کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے' واللہ ہم تجھے اور تیرے اللہ کو گالیاں دیں گے جس نے تجھے یہ حکم دیا ہے۔ اب یہ چلے اور ان کے سردار یہ کہتے رہے کہ جاؤ اپنے دین پر

اور اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہو- معلوم ہوگیا کہ اس شخص کا تو ارادہ ہی اور ہے- یہ تو بڑا بننا چاہتا ہے (ابن ابی حاتم وغیرہ)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کے بھاگ جانے کے بعد حضورؐ نے اپنے چچا سے کہا کہ آپ ہی اس کلمے کو پڑھ لیجئے- اس نے کہا' نہیں میں تو اپنے باپ دادوں اور قوم کے بڑوں کے دین پر ہی رہوں گا- اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو فرمایا کہ جسے تو چاہے ہدایت نہیں کر سکتا- اور روایت میں ہے کہ اس وقت ابو طالب بیمار تھے اور اسی وجہ سے وہ مرا بھی- جس وقت حضورؐ تشریف لائے' اس وقت ابو طالب کے پاس ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ خالی تھی- باقی تمام گھر آدمیوں سے بھرا ہوا تھا تو ابو جہل خبیث نے خیال کیا کہ اگر آپؐ آ کر اپنے چچا کے پاس بیٹھ گئے تو زیادہ اثر ڈال سکیں گے اس لئے یہ ملعون کود کر وہاں جا بیٹھا اور حضورؐ کو دروازہ کے پاس ہی بیٹھنا پڑا- حضورؐ نے جب ایک کلمہ کہنے کو کہا تو سب نے جواب دیا کہ ایک نہیں دس- ہم سب منتظر ہیں- فرمایئے وہ کیا کلمہ ہے؟ اور جب کلمہ توحید آپؐ کی زبانی سنا تو کپڑے جھاڑتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے لو اور سنو' یہ تو سارے معبودوں کا ایک معبود بنا رہا ہے- اس پر یہ آیتیں عذاب تک اتریں- امام ترمذیؒ اس روایت کو حسن کہتے ہیں-

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَاۗىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۝۹ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۣ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝۱۰ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝۱۱

یہ ہو بھی سکتا ہے کہ ہم سب کو چھوڑ کر اسی پر کلام الٰہی نازل کیا جائے؟ دراصل یہ لوگ میری وحی کی طرف سے شک میں ہی ہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ انہوں نے اب تک میرے عذاب چکھے ہی نہیں ○ یا کیا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض اللہ کی رحمت کے خزانے ہیں؟ ○ یا کیا آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت انہی کی ہے؟ تو پھر یہ رسیاں تان کر چڑھ جائیں ○ یہ بھی بڑے بڑے لشکروں میں سے شکست پایا ہوا چھوٹا سا لشکر ہے ○

(آیت: ۸-۱۱) ہم نے تو یہ بات نہ اپنے دین میں دیکھی نہ نصرانیوں کے دین میں- یہ بالکل غلط اور جھوٹ اور بے سند بات ہے- یہ کیسے کچھ تعجب کی بات ہے کہ اللہ میاں کو کوئی اور نظر ہی نہ آیا اور اس پر قرآن اتار دیا- جیسے ایک اور آیت میں ان کا قول ہے لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یعنی ان دونوں شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نہ اتارا گیا؟ جس کے جواب میں جناب باری کا ارشاد ہوا کہ کیا یہ لوگ رب کی رحمت کے تقسیم کرنے والے ہیں؟ یہ تو اس قدر محتاج ہیں کہ ان کی اپنی روزیاں اور درجے بھی ہم تقسیم کرتے ہیں- الغرض یہ اعتراض بھی ان کی حماقت کا غرہ تھا- اللہ فرماتا ہے' یہ ہے ان کے شک کا نتیجہ- اور وجہ یہ ہے کہ اب تک یہ چکنی چپڑی کھاتے رہے ہیں- ہمارے عذابوں سے سابقہ نہیں پڑا- کل قیامت کے دن جبکہ دھکے دے کر جہنم میں گرائے جائیں گے' اس وقت اپنی اس سرکشی کا مزہ پائیں گے- پھر اللہ تعالیٰ اپنا قبضہ اور اپنی قدرت ظاہر فرماتا ہے کہ جو وہ چاہے کرے' جسے چاہے جو چاہے دے' عزت ذلت اس کے ہاتھ ہے' ہدایت وضلالت اس کی طرف سے ہے- وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وحی نازل فرمائے اور جس کے دل پر چاہے اپنی مہر لگا دے- بندوں کے اختیار میں کچھ نہیں' وہ محض بے بس بالکل لاچار اور سراسر مجبور ہیں- اسی لئے فرمایا کیا ان کے پاس

اس بلند جناب غالب وہاب اللہ کی رحمت کے خزانے ہیں؟ یعنی نہیں ہیں۔ جیسے فرمایا اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ الخ اگر اللہ کی حکمرانی کا کوئی حصہ ان کے ہاتھ میں ہوتا تو یہ بخیل تو کسی کو ٹکڑا بھی نہ کھانے دیتے۔ یا انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں اللہ کا فضل دیکھ کر حسد آ رہا ہے؟ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب وحکمت اور بہت بڑی سلطنت دی تھی۔ ان میں سے بعض تو ایمان لائے اور بعض ایمان سے رکے رہے جو بھڑکتی جہنم کے لقمے بنیں گے۔ وہ آگ ہی انہیں کافی ہے۔

اور آیت میں ہے قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا یعنی اگر میرے رب کی رحمتوں کے خزانے تمہاری ملکیت میں ہوتے تو تم تو کمی سے ڈر کر خرچ کرنے سے رک جاتے۔ انسان ہے ہی ناشکرا۔ قوم صالح نے بھی اپنے نبی سے یہی کہا تھا کہ اَلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا الخ کیا ہم سب کو چھوڑ کر اسی پر ذکر اتارا گیا؟ نہیں بلکہ یہ کذاب اور شریر ہے۔ اللہ فرماتا ہے' کل معلوم کرلیں گے کہ ایسا کون ہے؟ پھر فرمایا' کیا زمین آسمان اور اس کے درمیان کی چیزوں پر ان کا اختیار ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر آسمانوں کی راہوں پر چڑھ جائیں۔ ساتویں آسمان پر پہنچ جائیں۔ یہ یہاں کا لشکر بھی عنقریب ہزیمت و شکست اٹھائے گا اور مغلوب و ذلیل ہوگا۔ جیسے اور بڑے بڑے گروہ حق سے ٹکرائے اور پاش پاش ہو گئے' جیسے اور آیت میں ہے اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ الخ یعنی کیا ان کا قول ہے کہ ہم بڑی جماعت ہیں اور ہم ہی فتح یاب رہیں گے؟ سنو انہیں ابھی ابھی شکست فاش ہوگی اور پیٹھ دکھاتے ہوئے بزدلی کے ساتھ بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ بدر والے دن اللہ کی فرماں روائی نے اللہ کی باتوں کی سچائی انہیں اپنی آنکھوں سے دکھائی۔ اور ابھی ان کے عذابوں کے وعدے کا دن تو آخرت کا دن ہے جو سخت' کڑوا اور نہایت دہشت ناک اور وحشت والا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

ع ۱۴

ان سے پہلے بھی قوم نوح نے اور عادیوں نے اور میخوں والے فرعون نے جھٹلایا تھا ○ اور ثمودیوں نے اور قوم لوط نے اور ایکہ کے رہنے والوں نے بھی۔ یہی بڑے بڑے لشکر تھے ○ ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے رسولوں کی تکذیب نہ کی ہو پس میری طرف کی سزا ان پر ثابت ہوگئی ○ انہیں صرف ایک تند نعرے کا انتظار ہے جس میں کوئی توقف اور ڈھیل نہیں ہے ○ کہنے لگے کہ ہماری سرنوشت تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی دے دے ○

گذشتہ مغرور قوموں کا انجام: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۶) ان سب کے واقعات کئی مرتبہ بیان ہو چکے ہیں کہ کس طرح ان پر ان کے گناہوں کی وجہ سے اللہ کے عذاب ٹوٹ پڑے۔ یہی وہ جماعتیں ہیں جو مال واولاد میں' قوت وطاقت میں' زور وزر میں' تمہارے زمانہ کے ان کٹر کافروں سے بہت بڑھی ہوئی تھیں لیکن امر الٰہی کے آچکنے کے بعد انہیں کوئی چیز کام نہ آئی۔ پھر ان کی تباہی کی وجہ بھی بیان ہوئی کہ یہ رسولوں کے دشمن تھے۔ انہیں جھوٹا کہتے تھے۔ انہیں صرف صور کا انتظار ہے اور اس میں بھی کوئی دیر نہیں۔ بس وہ ایک آواز ہوگی کہ جس کے

کان میں پڑی' بے ہوش و بے جان ہو گیا- سوائے ان کے جنہیں رب نے مستثنیٰ کر دیا ہے-

قِطّ کے معنی کتاب اور حصے کے ہیں- مشرکین کی بیوقوفی اور ان کا عذابوں کو محال سمجھ کر نڈر ہو کر عذابوں کے طلب کرنے کا ذکر ہو رہا ہے- جیسے اور آیت میں ہے کہ انہوں نے کہا' اللہ اگر یہ صحیح ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا اور کوئی دردناک عذاب آسمانی ہمیں پہنچا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنا جنت کا حصہ یہاں طلب کیا اور یہ جو کچھ کہا' یہ بہ وجہ اسے جھوٹا سمجھنے اور محال جاننے کے تھا- ابن جریرؒ کا فرمان ہے کہ جس خیر و شر کے وہ دنیا میں مستحق تھے' اسے انہوں نے جلد طلب کیا- یہی بات ٹھیک ہے- ضحاک اور اسماعیل کی تفسیر کا ماحصل بھی یہی ہے- واللہ اعلم- پس اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب اور ہنسی کے مقابلے میں اپنے نبیؐ کو صبر کی تعلیم دی اور برداشت کی تلقین کی-

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾

تو ان کی باتوں پر صبر کر اور ہمارے بندے داؤدؑ کو یاد کر جو بڑی قوت والا تھا- یقیناً وہ بہت رجوع رہنے والا تھا ○ ہم نے پہاڑوں کو اس کے تابع کر رکھا تھا کہ اس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح خوانی کریں ○ اور اڑتے جانور جمع ہو کر' سب کے سب اس کے زیر فرمان رہتے ○ اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور اسے حکمت دی تھی اور بات کا فیصلہ سمجھا دیا تھا ○

حضرت داؤد علیہ السلام کی فراست : ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۰) ذَا الْاَيْدِ سے مراد علمی اور عملی قوت والا ہے- اور صرف قوۃ والے کے معنی بھی ہوتے ہیں جیسے فرمان ہے وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ الخ مجاہدؒ فرماتے ہیں' مراد اطاعت کی طاقت ہے- حضرت داؤد کو عبادت کی قدرت اور اسلام کی فقہ عطا فرمائی گئی تھی- یہ مذکور ہے کہ آپ ہر رات تہائی رات تک تہجد میں کھڑے رہتے تھے اور ایک دن بعد ایک دن ہمیشہ روزے سے رہتے تھے- بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ کو سب سے زیادہ پسند حضرت داؤدؑ کی رات کی نماز اور انہی کے روزے تھے- آپ آدھی رات سوتے اور تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ رات کا پھر سو جاتے' اور ایک دن روزہ رکھتے' ایک دن نہ رکھتے- اور دشمنان دین سے جہاد کرنے میں پیٹھ نہ دکھاتے اور اپنے ہر حال میں اللہ کی طرف رغبت و رجوع رکھتے- پہاڑوں کو ان کے ساتھ مسخر کر دیا تھا- وہ آپ کے ساتھ سورج کے چمکنے کے وقت اور دن کے آخری وقت تسبیح بیان کرتے- جیسے فرمان ہے يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ یعنی اللہ نے پہاڑوں کو ان کے ساتھ رجوع کرنے کا حکم دیا تھا- سی طرح پرندے بھی آپ کی آواز سن کر آپ کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرنے لگ جاتے' اڑتے ہوئے پرند پاس سے گزرتے اور آپ توراۃ پڑھتے ہوتے تو آپ کے ساتھ ہی وہ بھی تلاوت میں مشغول ہو جاتے اور اڑنا بھول جاتے بلکہ ٹھہر جاتے- حضورؐ نے فتح مکہ والے دن ضحیٰ کے وقت حضرت ام ہانیؓ کے گھر میں آٹھ رکعت نماز ادا کی-

ابن عباسؓ فرماتے ہیں میرا خیال ہے' کہ یہ بھی وقت نماز ہے جیسے فرمان ہے يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ- عبداللہ بن حارث بن نوفل کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ضحیٰ کی نماز نہیں پڑھتے تھے- ایک دن میں انہیں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے ہاں لے گیا اور کہا کہ آپ ان سے وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی- تو مائی صاحبہؓ نے فرمایا' فتح مکہ

والے دن میرے گھر میں میرے پاس اللہ کے رسول ﷺ آئے۔ پھر ایک برتن میں پانی بھروایا اور ایک کپڑا تان کر نہانے بیٹھ گئے۔ پھر گھر کے ایک کونے میں پانی چھڑک کر آٹھ رکعت صلوٰۃ ضحیٰ کی ادا کیں' ان کا قیام' رکوع' سجدہ اور جلوس سب قریب قریب برابر تھے۔ حضرت ابن عباسؓ جب یہ سن کر وہاں سے نکلے تو فرمانے لگے' پورے قرآن کو میں نے پڑھ لیا لیکن میں نہیں جانتا کہ ضحیٰ کی نماز کیا ہے؟ آج مجھے معلوم ہوا کہ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ والی آیت میں بھی اشراق سے مراد یہی ضحیٰ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے اپنے اگلے قول سے رجوع کر لیا۔ جب حضرت داؤدؑ اللہ کی پاکیزگی اور بزرگی بیان فرماتے تو پرندے بھی ہواؤں میں رک جاتے تھے اور حضرت داؤدؑ کی ماتحتی میں ان کی تسبیح کا ساتھ دیتے تھے اور اس کی سلطنت ہم نے مضبوط کر دی اور بادشاہوں کو جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے' ہم نے اسے سب دے دیں۔ چار ہزار تو ان کی محافظ سپاہ تھی۔ اس قدر فوج تھی کہ ہر رات تینتیس ہزار فوجی پہرے پر چڑھتے تھے لیکن جو آج کی رات آتے' پھر سال بھر تک ان کی باری نہ آتی۔ چالیس ہزار آدمی ہر وقت ان کی خدمت میں مسلح تیار رہتے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے زمانے میں بنی اسرائیل کے دو آدمیوں میں ایک مقدمہ ہوا۔ ایک نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے میری گائے غصب کر لی ہے۔ دوسرے نے اس جرم سے انکار کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی سے دلیل طلب کی' وہ کوئی گواہ پیش نہ کر سکا' آپؑ نے فرمایا' اچھا تمہیں کل فیصلہ سنایا جائے گا۔ رات کو حضرت داؤدؑ کو خواب میں حکم ہوا کہ دعوے دار کو قتل کر دو۔ صبح آپ نے دونوں کو بلوایا اور حکم دیا کہ اس مدعی کو قتل کر دیا جائے۔

اس نے کہا' اے اللہ کے نبی آپ میرے ہی قتل کا حکم دے رہے ہیں حالانکہ اس نے میری گائے چرا لی ہے۔ آپ نے فرمایا' یہ میرا حکم نہیں' یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور ناممکن ہے کہ یہ ٹل جائے۔ تو تیار ہو جا۔ تب اس نے کہا اے اللہ کے رسول! میں اپنے دعوے میں تو سچا ہوں' اس نے میری گائے غصب کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے قتل کا حکم میرے اس مقدمے کی وجہ سے نہیں کیا۔ اس کی وجہ اور ہی ہے اور اسے صرف میں ہی جانتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ آج میں نے اسے فریب سے قتل کر دیا ہے جس کا کسی کو علم نہیں۔ پس اس کے بدلے میں اللہ نے آپ کو قصاص کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔ اب تو حضرت داؤدؑ کی ہیبت ہر شخص کے دل میں بیٹھ گئی۔ ہم نے اسے حکمت دی تھی یعنی فہم و عقل' زیرکی اور دانائی۔ عدل و فراست کتاب اللہ اور اس کی اتباع نبوت و رسالت وغیرہ۔ اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کا صحیح طریقہ۔ یعنی گواہ لینا' قسم کھلوانا۔ مدعی کے ذمہ بار ثبوت ڈالنا' مدعی علیہ سے قسم لینا۔ یہی طریقہ فیصلوں کا' انبیاء کا اور نیک لوگوں کا رہا اور یہی طریقہ اس امت میں رائج ہے۔ غرض حضرت داؤدؑ معاملے کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے اور حق و باطل' سچ جھوٹ میں' صحیح اور کھرے کا امتیاز کر لیتے تھے۔ کلام بھی آپ کا صاف ہوتا تھا اور حکم بھی عدل پر مبنی ہوتا تھا۔ آپ ہی نے اما بعد کا کہنا ایجاد کیا ہے۔ اور فصل الخطاب سے اس کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وَهَلْ أَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلٰى سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ إِنَّ هٰذَا أَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾

کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی بھی خبر ہوئی جبکہ وہ دیوار پھاند کر عبادت کی جگہ آ گئے ○ جب یہ حضرت داؤد کے پاس پہنچے یہ ان سے ڈر گئے انہوں نے کہا خوف نہ کیجئے ہم دونوں آپس ہی میں جھگڑا اور زیادتی کر رہے ہیں- آپ ہمارے درمیان حق فیصلہ کر دیجئے' ناانصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے ○ سنئے یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس تو ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی ہے لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنی یہ ایک بھی مجھ ہی کو دے دے اور مجھ پر بڑی تیزی اور سختی برتتا ہے ○

(آیت:۲۱-۲۵) مفسرین نے یہاں پر ایک قصہ بیان کیا ہے لیکن اس کا اکثر حصہ بنواسرائیل کی روایتوں سے لیا گیا ہے- حدیث سے ثابت نہیں- ابن ابی حاتم میں ایک حدیث ہے لیکن وہ بھی ثابت نہیں کیونکہ اس کا ایک راوی یزید رقاشی ہے گو وہ نہایت نیک شخص ہے لیکن ہے ضعیف- پس اولیٰ یہ ہے کہ قرآن میں جو ہے اور جس پر یہ شامل ہے' وہ حق ہے- حضرت داؤدؑ کا انہیں دیکھ کر گھبرانا اس وجہ سے تھا کہ وہ اپنی تنہائی کے خاص خلوت خانے میں تھے اور پہرہ داروں کو منع کیا تھا کہ کوئی بھی آج اندر نہ آئے اور یکا یک ان دونوں کو جو دیکھا تو گھبرا گئے- عزنی الخ' سے مطلب بات چیت میں غالب آ جانا' دوسرے پر چھا جانا ہے- حضرت داؤدؑ سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی آزمائش ہے پس وہ رکوع سجدہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف جھک پڑے- مذکور ہے کہ چالیس دن تک سجدہ سے سر نہ اٹھایا- پس ہم نے اسے بخش دیا- یہ یاد رہے کہ جو کام عوام کے لئے نیکیوں کے ہوتے ہیں' وہی کام خواص کے لئے بعض مرتبہ بدیوں کے بن جاتے ہیں- یہ آیت سجدے کی ہے یا نہیں؟ اس کی بابت امام شافعیؒ کا جدید مذہب تو یہ ہے کہ یہاں سجدہ ضروری نہیں- یہ تو سجدہ شکر ہے-

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ص ضروری سجدوں میں سے نہیں- ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے (بخاری وغیرہ) نسائی میں ہے کہ حضورؐ نے یہاں سجدہ کر کے فرمایا' یہ سجدہ حضرت داؤدؑ کا تو توبہ کے لئے تھا اور ہمارا شکر کے لئے ہے- ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے کہا' یا رسول اللہؐ میں نے خواب میں دیکھا گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں اور نماز میں میں نے سجدے کی آیت تلاوت کی اور سجدہ کیا تو میرے ساتھ اس درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے سنا کہ وہ یہ دعا مانگ رہا تھا اَللّٰھُمَّ اکْتُبْ لِیْ بِھَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَّ اجْعَلْھَالِیْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَّضَعْ بِھَا عَنِّیْ وِزْرًا وَّاقْبَلْھَا مِنِّیْ کَمَا قَبِلْتَھَا مِنْ عَبْدِكَ دَاؤدَ یعنی اے اللہ! میرے اس سجدے کو تو میرے لئے اپنے پاس اجر اور خزانے کا سبب بنا اور اس سے تو میرا بوجھ ہلکا کر دے اور اسے مجھ سے قبول فرما جیسے کہ تو نے اپنے بندے داؤدؑ کے سجدے کو قبول فرمایا- ابن عباسؓ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور سجدے کی آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا اور اس سجدے میں وہی دعا پڑھی جو اس شخص نے درخت کی دعا نقل کی تھی- ابن عباسؓ اس آیت

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاۗءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

آپ نے فرمایا' اس کا اپنی اتنی دنبیوں کے ساتھ تیری ایک دنبی ملا لینے کا سوال بیشک ایک ظلم ہے' اور اکثر ساجھی اور شریک ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے پر ظلم و ستم کرتے ہیں' سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں اور حضرت داؤدؑ سمجھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے ○ پھر تو

اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے اور پوری طرح رجوع ہو گئے۔ پس ہم نے بھی اسے وہ معاف کر دیا یقیناً وہ ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والے اور بہت اچھے ٹھکانے والے ہیں ○

کے سجدے پر یہ دلیل وارد کرتے تھے کہ قرآن نے فرمایا ہے' اس کی اولاد میں سے داؤد و سلیمانؑ ہیں جنہیں ہم نے ہدایت کی تھی۔ پس تو اے نبیؐ ان کی ہدایت کی پیروی کر' پس حضورؐ ان کی اقتداء کے مامور تھے اور یہ صاف ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا اور حضورؐ نے بھی یہ سجدہ کیا۔ ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا میں سورۂ ص لکھ رہا ہوں جب آیت سجدہ تک پہنچا تو میں نے دیکھا کہ قلم اور دوات اور میرے آس پاس کی تمام چیزوں نے سجدہ کیا۔ انہوں نے اپنا یہ خواب حضورؐ سے بیان کیا۔ پھر آپؐ اس آیت کی تلاوت کے وقت برابر سجدہ کرتے رہے (احمد)

ابوداؤد میں ہے کہ حضورؐ نے منبر پر سورۂ ص پڑھی اور سجدے کی آیت تک پہنچ کر منبر سے اتر کر آپؐ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ ہی اور سب نے بھی سجدہ کیا۔ ایک مرتبہ اور آپ نے اسی سورت کی تلاوت کی جب آیت سجدہ تک پہنچے تو لوگوں نے سجدے کی تیاری کی آپؐ نے فرمایا یہ تو ایک نبی کی توبہ کا سجدہ تھا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم سجدہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہو چنانچہ آپؐ اترے اور سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' ہم نے اسے بخش دیا۔ قیامت کے دن اس کی بڑی منزلت اور قدر ہو گی۔ نبیوں اور عادلوں کا درجہ وہ پائیں گے۔ حدیث میں ہے' عادل لوگ نور کے منبروں پر رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے۔ اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ عادل وہ ہیں جو اپنی اہل وعیال میں اور جن کے وہ مالک ہوں' عدل وانصاف کرتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے' سب سے زیادہ اللہ کے دوست اور سب سے زیادہ اس کے مقرب وہ بادشاہ ہوں گے جو عادل ہوں اور سب سے زیادہ دشمن اور سب سے سخت عذاب والے وہ ہوں گے جو ظالم بادشاہ ہوں۔ (ترمذی وغیرہ) حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں' قیامت کے دن حضرت داؤد علیہ السلام کو عرش کے پائے کے پاس کھڑا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اے داؤد جس پیاری دردناک میٹھی اور جاذب آواز سے تم میری تعریفیں دنیا میں کرتے تھے' اب بھی کرو۔ آپ فرمائیں گے باری تعالیٰ اب وہ آواز کہاں رہی؟ اللہ فرمائے گا' میں نے وہی آواز آج تمہیں پھر عطا فرمائی۔ اب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی دلکش اور دلربا آواز نکال کر نہایت وجد کی حالت میں اللہ کی حمد وثنا بیان کریں گے جسے سن کر جنتی اور نعمتوں کو بھی بھول جائیں گے اور یہ سریلی آواز اور نورانی گلا انہیں سب نعمتوں سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کرے گا۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنا دیا۔ تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں راہ الٰہی سے بھٹکا دے گی یقیناً جو لوگ راہ الٰہی سے بھٹک جاتے ہیں' ان کے لئے سخت عذاب ہیں اس لئے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے ○

صاحب اختیار لوگوں کے لئے انصاف کا حکم: ☆☆ (آیت:۲۶) اس آیت میں بادشاہ اور ذی اختیار لوگوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ

عدل وانصاف کے ساتھ قرآن وحدیث کے مطابق فیصلے کیا کریں ورنہ اللہ کی راہ سے بھٹک جائیں گے اور جو بھٹک کر اپنے حساب کے دن کو بھول جائے، وہ سخت عذابوں میں مبتلا ہوگا۔ حضرت ابوزرعہ رحمتہ اللہ علیہ سے بادشاہ وقت ولید بن عبدالملک نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ کیا خلیفہ وقت سے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب لیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا سچ بتا دوں۔ خلیفہ نے کہا۔ ضرور سچ ہی بتاؤ اور آپ کو ہر طرح امن ہے۔ فرمایا، اے امیرالمومنین اللہ کے نزدیک آپ سے بہت بڑا درجہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔ انہیں خلافت کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبوت بھی دے رکھی تھی لیکن اس کے باوجود کتاب اللہ ان سے کہتی ہے یَا دَاوُدُ اِنَّا الخ،

عکرمہؒ فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے یوم الحساب کو سخت عذاب ہیں ان کے بھول جانے کے باعث۔ سدیؒ کہتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے یوم الحساب کے لئے اعمال جمع نہیں کئے۔ آیت کے لفظوں سے اسی قول کو زیادہ مناسبت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو باطل اور ناحق پیدا نہیں کیا، یہ گمان تو کافروں کا ہے، سو کافروں کے لئے خرابی ہے آگ کی ○ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، ان کے برابر کر دیں گے جو ہمیشہ زمین میں فساد مچاتے رہے؟ یا پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ ○ یہ بابرکت کتاب جو ہم نے تیری طرف اس لئے نازل فرمائی ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں اور عقل مند اس سے نصیحت حاصل کریں ○

(آیت: ۲۷-۲۹) ارشاد ہے کہ مخلوق کی پیدائش عبث اور بیکار نہیں۔ یہ سب عبادت خالق کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ پھر ایک وقت آنے والا ہے کہ ماننے والوں کی سربلندی کی جائے اور نہ ماننے والوں کو سخت سزا دی جائے۔ کافروں کا خیال ہے کہ ہم نے انہیں یونہی پیدا کر دیا ہے؟ دار آخرت اور دوسری زندگی کوئی چیز نہیں یہ غلط ہے۔ ان کافروں کو قیامت کے دن بڑی خرابی ہوگی کیونکہ اس آگ میں انہیں جلنا پڑے گا جو ان کے لئے اللہ کے فرشتوں نے بڑھکا رکھی ہے۔ یہ ناممکن ہے اور ان ہونی بات ہے کہ مومن ومفسد کو اور پرہیزگار اور بدکار کو ایک جیسا کر دیں۔ اگر قیامت آنے والی ہی نہ ہو تو یہ دونوں انجام کے لحاظ سے یکساں ہی رہے۔ حالانکہ یہ خلاف انصاف ہے قیامت ضرور آئے گی نیک کار جنت میں اور گنہگار جہنم میں جائیں گے۔ پس عقلی اقتضا بھی دار آخرت کے ثبوت کو ہی چاہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ظالم پاپی اللہ کی درگاہ سے راندہ ہوا دنیا میں خوش وقت ہے مال اولاد فراغت تندرستی سب کچھ اس کے پاس ہے اور ایک مومن متقی پاک دامن ایک ایک پیسے سے تنگ ایک ایک راحت سے دور ہے۔ تو حکمت علیم وحکیم وعادل کا اقتضاء یہ تھا کہ کوئی ایسا وقت بھی آئے کہ اس نمک حرام سے اس کی نمک حرامی کا بدلہ لیا جائے اور اس صابر وشاکر فرمانبردار کی نیکیوں کا اسے بدلہ دیا جائے۔ اور یہی دار آخرت میں ہوتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اس جہان کے بعد ایک جہان یقیناً ہے۔ چونکہ یہ پاک تعلیم قرآن سے ہی حاصل ہوئی ہے اور اس نیکی کا رہبر یہی ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ یہ مبارک کتاب ہم نے تیری طرف نازل فرمائی ہے تا کہ لوگ اسے سمجھیں اور ذی عقل لوگ اس سے نصیحت حاصل کرسکیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں جس نے قرآن کے الفاظ حفظ کر لئے اور قرآن پر عمل نہیں کیا اس نے قرآن میں تدبر و غور بھی نہیں کیا۔ لوگ کہتے ہیں ہم نے پورا قرآن پڑھ لیا لیکن قرآن کی ایک نصیحت یا قرآن کے ایک حکم کا نمونہ ان میں نظر نہیں آتا۔ ایسا نہ چاہیے۔ اصل غور و خوض اور نصیحت و عبرت عمل ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝

ہم نے داؤد کو سلیمان نامی فرزند عطا فرمایا جو بڑا اچھا بندہ تھا اور بے حد رجوع رہنے والا تھا ○ ان کے سامنے شام کے وقت تیز رو خاصے کے گھوڑے پیش کئے گئے ○ تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا ○ ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ پھر تو پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا ○

حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث : ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۳) اللہ تعالیٰ نے جو ایک بڑی نعمت حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی اس کا ذکر فرما رہا ہے کہ ان کی نبوت کا وارث ان کے لڑکے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کر دیا۔ اسی لئے صرف حضرت سلیمانؑ کا ذکر کیا ورنہ ان کے اور بچے بھی تھے۔ ایک سو عورتیں آپ کی لونڈیوں کے علاوہ تھیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ یعنی حضرت داؤدؑ کے وارث حضرت سلیمانؑ ہوئے یعنی نبوت آپ کے بعد انہیں ملی۔ یہ بھی بڑے اچھے بندے تھے یعنی خوب عبادت گزار تھے اور اللہ کی طرف جھکنے والے تھے۔ مکحولؒ کہتے ہیں کہ جناب داؤد نبی نے ایک مرتبہ آپ سے چند سوالات کئے اور ان کے معقول جوابات پا کر فرمایا کہ آپ نبی اللہ ہیں۔ پوچھا کہ سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ کی طرف سکینت اور ایمان۔ پوچھا کہ سب سے زیادہ میٹھی چیز کیا ہے؟ جواب ملا اللہ کی رحمت۔ پوچھا سب سے زیادہ ٹھنڈک والی چیز کیا ہے؟ جواب دیا اللہ کا لوگوں سے درگزر کرنا اور لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دینا (ابن ابی حاتم) حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ان کی بادشاہت کے زمانے میں ان کے گھوڑے پیش کئے گئے۔ یہ بہت تیز رفتار تھے جو تین ٹانگوں پر کھڑے رہتے تھے اور ایک پیر یونہی سا زمین پر نکلتا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ پردار گھوڑے تھے۔ تعداد میں بیس تھے۔ ابراہیم تیمی نے گھوڑوں کی تعداد بیس ہزار بتلائی ہے۔ واللہ اعلم۔

ابوداؤد میں ہے حضورؐ تبوک یا خیبر کے سفر سے واپس آئے تھے گھر میں تشریف فرما تھے جو تیز ہوا کے جھونکے سے گھر کے کونے کا پردہ ہٹ گیا۔ وہاں حضرت عائشہؓ کی کھیلنے کی گڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضورؐ کی نظر بھی پڑ گئی۔ دریافت کیا یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا میری گڑیاں ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ بیچ میں ایک گھوڑا سا بنا ہوا ہے جس کے دو پر بھی کپڑے کے لگے ہوئے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا گھوڑا ہے فرمایا اور یہ اس کے اوپر دونوں طرف کپڑے کے کیا بنے ہوئے ہیں؟ کہا یہ دونوں اس کے پر ہیں۔ فرمایا اچھا گھوڑا اور اس کے پر

بھی؟ صدیقہؓ نے عرض کیا' کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمانؑ کے پردار گھوڑے تھے' یہ سن کر حضورؐ ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ کے آخری دانت دکھائی دینے لگے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے دیکھنے بھالنے میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ عصر کی نماز کا خیال ہی نہ رہا۔ بالکل بھول گئے۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام جنگ خندق والے دن لڑائی کی مشغولیت کی وجہ سے عصر کی نماز نہ پڑھ سکے تھے اور مغرب کے بعد ادا کی۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفار قریش کو برا کہتے ہوئے حضورؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے' حضورؐ میں تو عصر کی نماز بھی نہ پڑھ سکا۔ آپؐ نے فرمایا' میں بھی اب تک ادا نہیں کر سکا۔ چنانچہ ہم بطحان میں گئے۔ وہاں وضو کیا اور سورج کے غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز ادا کی اور پھر مغرب پڑھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین سلیمانؑ میں جنگی مصالح کی وجہ سے تاخیر نماز جائز ہو اور یہ جنگی گھوڑے تھے جنہیں اسی مقصد سے رکھا تھا۔ چنانچہ بعض علماء نے یہ کہا بھی ہے کہ صلوٰۃ خوف کے جاری ہونے سے پہلے یہی حال تھا۔ بعض کہتے ہیں' جب تلواریں تنی ہوئی ہوں' لشکر بھڑ گئے ہوں اور نماز کے لئے رکوع و سجود کا امکان ہی نہ ہو تب یہ حکم ہے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تستر کی فتح کے بعد موقعہ پر کیا تھا لیکن ہمارا پہلا قول ہی ٹھیک ہے اس لئے کہ اس کے بعد ہی حضرت سلیمانؑ کا ان گھوڑوں کو دوبارہ طلب کرنا وغیرہ بیان ہوا ہے۔ انہیں واپس منگوا کر ان کے کاٹ ڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا' میرے رب کی عبادت سے مجھے اس چیز نے غافل کر دیا۔ میں ایسی چیز ہی نہیں رکھنے کا۔ چنانچہ ان کی کوچیں کاٹ دی گئیں اور ان کی گردنیں ماری گئیں۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آپ نے گھوڑوں کے پیشانی کے بالوں وغیرہ پر ہاتھ پھیرا۔

امام ابن جریرؒ بھی اسی قول کو اختیار کرتے ہیں کہ بلا وجہ جانوروں کو ایذا پہنچانی ممنوع ہے۔ ان جانوروں کا کوئی قصور نہ تھا جو انہیں کٹوا دیتے لیکن میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے یہ بات ان کی شرع میں جائز ہو خصوصاً ایسے وقت جبکہ وہ یاد اللہ میں حارج ہوئے اور وقت نماز نکل گیا تو دراصل یہ غصہ بھی اللہ کے لئے تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان گھوڑوں سے بھی تیز اور ہلکی چیز اللہ نے اپنے نبیؑ کو عطا فرمائی یعنی ہوا ان کے تابع کر دی۔ حضرت ابوقتادہؓ اور حضرت ابودھماؒ اکثر حج کیا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک گاؤں میں ہماری ایک بدوی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بہت کچھ دینی تعلیم دی۔ اس میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ سے ڈر کر تو جس چیز کو چھوڑے گا اللہ تجھے اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿٣٤﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾

ہم نے سلیمانؑ کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا۔ پھر اس نے رجوع کیا ○ کہا کہ اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی شخص کے لائق نہ ہو تو بڑا ہی دینے والا ہے ○

سلیمان علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ: ☆☆ (آیت: ۳۴-۴۰) ہم نے حضرت سلیمانؑ کا امتحان لیا اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا' یعنی شیطان۔ پھر وہ اپنے تخت و تاج کی طرف لوٹ آئے۔ اس شیطان کا نام صخر تھا یا آصف تھا یا صرو تھا یا حقیق تھا۔ یہ واقعہ اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ کسی نے تفصیل کے ساتھ' کسی نے اختصار کے ساتھ۔ حضرت قتادہؒ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام

کو بیت المقدس کی تعمیر کا اس طرح حکم ہوا کہ لوہے کی آواز بھی نہ سنی جائے۔ آپ نے ہر چند تدبیریں کیں' لیکن کارگر نہ ہوئیں۔ پھر آپ نے سنا کہ سمندر میں ایک شیطان ہے جس کا نام صخر ہے۔ وہ البتہ ایسی ترکیب بتا سکتا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے کسی طرح لاؤ۔ ایک دریا سمندر میں ملتا تھا۔ ہر ساتویں دن اس میں لبالب پانی آ جاتا تھا اور یہی پانی یہ شیطان پیتا تھا۔ اس کا پانی نکال دیا گیا اور بالکل خالی کر کے پانی کو بند کر کے اس کے آنے والے دن اسے شراب سے پر کر دیا گیا۔ جب یہ شیطان آیا اور یہ حال دیکھا تو کہنے لگا' یہ تو مزے کی چیز ہے لیکن عقل کی دشمن' جہالت کو ترقی دینے والی چیز ہے۔ چنانچہ وہ پیاسا ہی چلا گیا۔ جب پیاس کی شدت ہوئی تو مجبوراً یہ سب کچھ کہتے ہوئے پینا ہی پڑا۔ اب عقل جاتی رہی اور اسے حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی دکھائی گئی یا مونڈھوں کے درمیان اس سے مہر لگا دی گئی۔ یہ بے بس ہو گیا۔ حضرت سلیمانؑ کی حکومت اسی انگوٹھی کی وجہ سے تھی۔ جب یہ حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچا تو آپ نے اسے یہ کام سرانجام دینے کا حکم دیا۔ یہ ہدہد کے انڈے لے آیا اور انہیں جمع کر کے ان پر شیشہ رکھ دیا۔ ہدہد آیا۔ اس نے اپنے انڈے دیکھے۔ چاروں طرف گھوما لیکن دیکھا کہ ہاتھ نہیں آ سکتے اڑ کر واپس چلا گیا اور الماس لے آیا اور اسے اس شیشے پر رکھ کر شیشے کو کاٹنا شروع کر دیا آخر وہ کٹ گیا اور ہدہد اپنے انڈے لے گیا اور اس الماس کو بھی لے لیا گیا اور اسی سے پتھر کاٹ کاٹ کر عمارت شروع ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلا میں یا حمام میں جاتے تو انگوٹھی اتار جاتے۔ ایک دن حمام میں جانا تھا اور یہ شیطان آپ کے ساتھ تھا آپ اس وقت فرضی غسل کے لئے جا رہے تھے۔ انگوٹھی اسی کو سونپ دی اور چلے گئے۔ اس نے انگوٹھی سمندر میں پھینک دی اور شیطان پر حضرت سلیمانؑ کی شکل ڈال دی گئی اور آپ سے تخت و تاج چھن گیا۔ سب چیزوں پر شیطان نے قبضہ کر لیا سوائے آپ کی بیویوں کے۔ اب اس سے بہت سی غیر معروف باتیں ظہور میں آنے لگیں۔ اس زمانہ میں ایک صاحب تھے جو ایسے ہی تھے جیسے حضورؐ کے زمانہ میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ۔ اس نے کہا آزمائش کرنی چاہیے۔ مجھے تو یہ شخص سلیمانؑ معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک روز اس نے کہا' کیوں جناب اگر کوئی شخص رات کو جنبی ہو جائے اور موسم ذرا ٹھنڈا ہو اور وہ سورج طلوع ہونے تک غسل نہ کرے تو کوئی حرج تو نہیں؟ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ چالیس دن تک یہ تخت سلیمانؑ پر رہا۔ پھر آپ کو مچھلی کے پیٹ سے انگوٹھی مل گئی۔ ہاتھ میں ڈالتے ہی پھر تمام چیزیں آپ کی مطیع ہو گئیں۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔

سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک سو بیویاں تھیں۔ آپ کو سب سے زیادہ اعتبار ان میں سے ایک بیوی پر تھا جن کا نام جراوہ تھا۔ جب جنبی ہوتے یا پاخانے جاتے تو اپنی انگوٹھی انہی کو سونپ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ پاخانے گئے۔ پیچھے سے ایک شیطان آپ ہی کی صورت بنا کر آیا اور بیوی صاحبہ سے انگوٹھی طلب کی۔ آپ نے دے دی۔ یہ آتے ہی تخت پر بیٹھ گیا۔ جب حضرت سلیمانؑ آئے اور انگوٹھی طلب کی تو بیوی صاحبہؓ نے فرمایا' آپ انگوٹھی تو لے گئے۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی آزمائش ہے۔ نہایت پریشان حالی سے محل سے نکل گئے۔ اس شیطان نے چالیس دن تک حکومت کی لیکن احکام کی تبدیلی کو دیکھ کر علماء نے سمجھ لیا کہ یہ سلیمان نہیں۔ چنانچہ ان کی جماعت آپ کی بیویوں کے پاس آئی اور ان سے کہا' یہ کیا معاملہ ہے۔ ہمیں سلیمان کی ذات میں شک پڑ گیا ہے۔ اگر یہ سچ مچ سلیمان ہے تو اس کی عقل جاتی رہی ہے یا یہ کہ یہ سلیمان ہی نہیں۔ ورنہ ایسے خلاف شرع احکام نہ دیتا۔ عورتیں یہ سن کر رونے لگیں۔ یہ یہاں سے واپس آ گئے اور تخت کے اردگرد اسے گھیر کر بیٹھ گئے اور تورات کھول کر اس کی تلاوت شروع کر دی۔ یہ خبیث شیطان کلام اللہ سے بھاگا اور انگوٹھی سمندر میں پھینک دی جسے ایک مچھلی نگل گئی۔ حضرت سلیمانؑ یونہی اپنے دن گزارتے تھے۔

ایک مرتبہ سمندر کے کنارے نکل گئے۔ بھوک بہت لگی ہوئی تھی' ماہی گیروں کو مچھلیاں پکڑتے ہوئے دیکھ کر ان کے پاس آ کر ان

سے ایک مچھلی مانگی اور اپنا نام بھی بتایا' اس پر بعض لوگوں کو بڑا طیش آیا کہ دیکھو بھیک منگا اپنے تئیں سلیمان بتاتا ہے۔ انہوں نے آپ کو مارنا پیٹنا شروع کیا۔ آپ زخمی ہو کر کنارے جا کر اپنے زخم کا خون دھونے لگے۔ بعض ماہی گیروں کو رحم آ گیا کہ ایک سائل کو خواہ مخواہ مارا۔ جاؤ بھئی اسے بھی دو۔ مچھلیاں دے آؤ۔ بھوکا ہے۔ بھون کھائے گا۔ چنانچہ وہ دو مچھلیاں آپ کو دے آئے' بھوک کی وجہ سے آپ اپنے زخم کو اور خون کو تو بھول گئے اور جلدی سے مچھلی کا پیٹ چاک کرنے بیٹھ گئے۔ قدرت الٰہی سے اس کے پیٹ سے وہ انگوٹھی نکلی۔ آپ نے اللہ کی تعریف بیان کی اور انگوٹھی انگلی میں ڈال لی۔ اسی وقت پرندوں نے آ کر آپ پر سایہ کر لیا اور لوگوں نے آپ کو پہچان لیا اور آپ سے معذرت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا' یہ سب امر الٰہی تھا۔ اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا۔ آپ آئے۔ اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ اس شیطان کو جہاں بھی وہ ہو' گرفتار کر لاؤ چنانچہ اسے قید کر لیا گیا۔ آپ نے اسے ایک لوہے کے صندوق میں بند کیا اور قفل لگا کر اس پر اپنی مہر لگا دی اور سمندر میں پھنکوا دیا جو قیامت تک وہیں قید رہے گا۔ اس کا نام حقیق تھا۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿٣٦﴾ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٣٨﴾ هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَى وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٠﴾ ع

پس ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا۔ وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے بہ نرمی پہنچا دیا کرتی تھی ○ اور طاقتور جنات کو بھی ان کا ماتحت کر دیا ہر عمارت بنانے والے کو اور غوطہ خور کو ○ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے ○ یہ ہے ہمارا عطیہ۔ اب تو احسان کر یا روک رکھ' کچھ حساب نہیں ○ ان کے لئے ہمارے پاس بڑا نزدیکی کا مرتبہ ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ہے ○

آپ کی یہ دعا کہ مجھے ایسا ملک عطا فرمایا جائے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو' یہ بھی پوری ہوئی اور آپ کے تابع ہوائیں کر دی گئیں۔ مجاہدؒ سے مروی ہے کہ ایک شیطان سے جس کا نام آصف تھا' ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تم لوگوں کو کس طرح فتنے میں ڈالتے ہو؟ اس نے کہا' ذرا مجھے انگوٹھی دکھاؤ' میں ابھی آپ کو دکھا دیتا ہوں۔ آپؑ نے انگوٹھی دے دی' اس نے اسے سمندر میں پھینک دیا' تخت و تاج کا مالک بن بیٹھا اور آپ کے لباس میں لوگوں کو راہ اللہ سے ہٹانے لگا۔'' یاد رہے کہ یہ سب واقعات بنی اسرائیل کے بیان کردہ ہیں' اور ان سب سے زیادہ منکر واقعہ وہ ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے جس کا اوپر بیان ہوا جس میں آپ کی بیوی صاحبہ حضرت جرادہ کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آخر نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ لڑکے آپ کو پتھر مارتے تھے۔ آپ کی بیویوں سے جب علماء نے معاملہ کی تفتیش کی تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہمیں بھی اس کے سلیمان ہونے سے انکار ہے کیونکہ وہ حالت حیض میں ہمارے پاس آتا ہے۔ شیطان کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ راز کھل گیا ہے تو اس نے جادو اور کفر کی کتابیں لکھوا کر کرسی تلے دفن کر دیں اور پھر لوگوں کے سامنے انہیں نکلوا کر ان سے کہا' دیکھو ان کتابوں کی بدولت سلیمان تم پر حکومت کر رہا تھا چنانچہ لوگوں نے آپ کو کافر کہنا شروع کر دیا۔ حضرت سلیمانؑ سمندر کے کنارے مزدوری کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے بہت سی مچھلیاں خریدیں' مزدور کو بلایا' آپ پہنچے اس نے کہا' یہ اٹھا لو۔ پوچھا مزدوری کیا دو گے؟ اس نے کہا اس میں سے ایک مچھلی تجھے دے دوں گا۔ آپ نے ٹوکرا سر پر رکھا۔ اس کے ہاں پہنچایا۔ اس نے ایک مچھلی دے دی۔ آپ نے

اس کا پیٹ چاک کیا - پیٹ چاک کرتے ہی وہ انگوٹھی نکل پڑی' پہنتے ہی کل شیاطین' جن' انسان پھر تابع ہو گئے' اور جھرمٹ باندھ کر حاضر ہو گئے- آپ نے ملک پر قبضہ کیا اور اس شیطان کو سخت سزا دی- پس ثُمَّ اَنَابَ سے مراد شیطان جو مسلط کیا گیا تھا' اس کا لوٹنا ہے- اس کی اسناد حضرت ابن عباسؓ تک ہے تو قوی لیکن یہ ظاہر ہے کہ اسے حضرت ابن عباسؓ نے اہل کتاب سے لیا ہے' یہ بھی اس وقت جبکہ اسے ابن عباسؓ کا قول مان لیں- اہل کتاب کی ایک جماعت حضرت سلیمانؑ کو نبی نہیں مانتی تھی تو عجب نہیں کہ یہ بے ہودہ قصہ اسی خبیث جماعت کا گھڑا ہوا ہو- اس میں تو وہ چیزیں بھی ہیں جو بالکل ہی منکر ہیں خصوصاً اس شیطان کا آپ کی عورتوں کے پاس جانا- دوسرے ائمہ نے بھی ایسے ہی قصے بیان تو کئے ہیں لیکن اس بات کا سب نے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ جن ان کے پاس نہیں جا سکا اور نبی کے گھرانے کی عورتوں کی عصمت وشرافت کا تقاضا بھی یہی ہے- اور بھی بہت سے لوگوں نے ان واقعات کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن سب کی اصل یہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل اور اہل کتاب سے لئے گئے ہیں- واللہ اعلم-

شیبائیؒ فرماتے ہیں' آپ نے اپنی انگوٹھی عسقلان میں پائی تھی اور بیت المقدس تک تو اضعاً آپ پیدل چلے تھے- امام ابن ابی حاتم نے صفت سلیمان میں حضرت کعب احبارؒ سے ایک عجیب خبر روایت کی ہے- ابو اسحاق مصری کہتے ہیں کہ جب ارم ذات العماد کے قصے سے حضرت کعبؒ نے فراغت حاصل کی تو حضرت معاویہؓ نے کہا' ابو اسحاق آپ حضرت سلیمانؑ کی کرسی کا ذکر بھی کیجئے- فرمایا کہ وہ ہاتھی دانت کی تھی- دریا' قوت' زبرجد اور لُؤلُؤ سے مُرصّع تھی اور اس کے چاروں طرف سونے کے کھجور کے درخت بنے ہوئے تھے جن کے خوشے بھی موتیوں کے تھے- ان میں سے جو دائیں جانب تھے' ان کے سرے پر سونے کے مور تھے اور بائیں طرف والوں پر سونے کے گدھ تھے- اس کرسی کے پہلے درجے پر دائیں جانب سونے کے دو درخت صنوبر کے تھے اور بائیں جانب سونے کے دو شیر بنے ہوئے تھے- ان کے سروں پر زبرجد کے دو ستون تھے اور کرسی کے دونوں جانب انگور کی سنہری بیلیں تھیں جو کرسی کو ڈھانپے ہوئے تھیں- اس کے خوشے بھی سرخ موتی کے تھے- پھر کرسی کے اعلیٰ درجے پر دو شیر بہت بڑے سونے کے بنے ہوئے تھے جن کے اندر خول تھا ان میں مشک و عنبر بھرا رہتا تھا- جب حضرت سلیمانؑ کرسی پر آتے تو یہ شیر حرکت کرتے اور ان کے گھومنے سے ان کے اندر سے مشک وعنبر چاروں طرف چھڑک دیا جاتا' پھر دو منبر سونے کے اور بچھائے جاتے جن پر بنو اسرائیل کے قاضی' ان کے علماء اور ان کے سردار بیٹھتے- ان کے پیچھے پینتیس منبر سونے کے اور ہوتے تھے جو خالی رہا کرتے تھے- حضرت سلیمانؑ جب تشریف لاتے' پہلے زینے پر قدم رکھتے ہی کرسی ان تمام چیزوں سمیت گھوم جاتی شیر اپنا داہنا قدم آگے بڑھا دیتا اور گدھ اپنا دایاں پر- جب آپ تیسرے درجے پر چڑھ جاتے اور کرسی پر بیٹھ جاتے تو ایک بڑا گدھ آپ کا تاج لے کر آپ کے سر پر رکھتا- پھر کرسی زور زور سے گھومتی- حضرت معاویہؓ نے پوچھا' آخر اس کی کیا وجہ؟ فرمایا' وہ ایک سونے کی لاٹ پر تھی جسے صخر جن نے بنایا تھا- اس کے گھومتے ہی نیچے والے مور گدھ وغیرہ سب اوپر آ جاتے اور سر جھکاتے' پر پھڑ پھڑاتے جس سے آپ کے جسم پر مشک وعنبر کا چھڑکاؤ ہو جاتا- پھر ایک سونے کا کبوتر تورات اٹھا کر آپ کے ہاتھ میں دیتا جسے آپ تلاوت فرماتے- لیکن یہ روایت بالکل غریب ہے-

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ایسا ملک دے کہ مجھ سے کوئی اور چھین نہ سکے جیسے کہ اس جسم کا واقعہ ہوا جو آپ کی کرسی پر ڈال دیا گیا تھا- یہ مطلب نہیں کہ آپ دوسروں کے لئے ایسے ملک کے نہ ملنے کی دعا کرتے ہوں- لیکن جن بعض لوگوں نے یہ معنی لئے ہیں وہ کچھ ٹھیک نہیں آتے' بلکہ صحیح مطلب یہی ہے کہ آپ کی دعا کا یہی مطلب تھا کہ مجھے ایسا ملک اور سلطنت دی جائے کہ میرے بعد پھر کسی اور شخص کو ایسی سلطنت نہ ملے- یہی آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے اور یہی احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے- صحیح بخاری شریف

میں ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا' ایک سرکش جن نے گذشتہ شب مجھ پر زیادتی کی اور میری نماز بگاڑ دینا چاہی لیکن اللہ نے مجھے اس پر قابو دے دیا اور میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے اس ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح تم سب اسے دیکھو لیکن اسی وقت مجھے میرے بھائی حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا یاد آ گئی - راوی حدیث حضرت روح فرماتے ہیں' پھر حضورؐ نے اسے ذلیل وخوار کر کے چھوڑ دیا - ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نماز میں کھڑے ہوئے تو ہم نے سنا کہ آپ نے فرمایا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ پھر آپ نے تین بار فرمایا اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس طرح بڑھایا کہ گویا آپ کسی چیز کو لینا چاہتے ہیں - جب فارغ ہوئے تو ہم نے آپ سے ان دونوں باتوں کی وجہ پوچھی - آپؐ نے فرمایا' اللہ کا دشمن ابلیس آگ لے کر میرے منہ میں ڈالنے کے لئے آیا تو میں نے تین مرتبہ اعوذ پڑھی' پھر تین مرتبہ اس پر لعنت بھیجی لیکن پھر بھی نہ ہٹا - پھر میں نے چاہا کہ اسے پکڑ کر باندھ دوں تاکہ مدینے کے لڑکے اس سے کھیلیں' اگر ہمارے بھائی حضرت سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو میں یہی کرتا - حضرت عطا بن یزید لیثیؒ نماز پڑھ رہے تھے جو ابوعبید نے ان کے سامنے سے گزرنا چاہا - انہوں نے انہیں اپنے ہاتھ سے روک دیا - پھر فرمایا مجھ سے حضرت ابوسعید خدریؓ نے حدیث بیان کی کہ حضورؐ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے - یہ بھی آپ کے پیچھے تھے - قراءت آپ پر خلط ملط ہوگئی - فارغ ہو کر فرمایا - کاش تم دیکھتے کہ میں نے ابلیس کو پکڑ لیا تھا اور اس قدر اس کا گلا گھونٹا کہ اس کے منہ کے جھاگ میری شہادت کی اور بیچ کی انگلی پر پڑی - اگر میرے بھائی حضرت سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح ہوتے اس مسجد کے ستون سے بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اسے ستاتے' تم سے جہاں تک ہو سکے اس بات کا خیال رکھو کہ نماز کی حالت میں تمہارے سامنے سے کوئی گزرنے نہ پائے (مسند احمد)

مسند کی اور حدیث میں ہے' عبداللہ دیلمیؒ کہتے ہیں' میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس طائف کے ایک باغ میں گیا جس کا نام رہط تھا - آپ اس وقت ایک قریشی کا محاصرہ کئے ہوئے تھے جو زانی اور شرابی تھا - میں نے ان سے کہا' مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ جو ایک گھونٹ شراب پئے گا' اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہ فرمائے گا اور برا آدمی وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہی برا ہو گیا ہے - جو شخص صرف نماز ہی کی نیت سے بیت المقدس کی مسجد میں جائے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے آج ہی پیدا ہوا - وہ شرابی جسے حضرت عبداللہ پکڑے ہوئے تھے' وہ شراب کا ذکر سنتے ہی جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ گیا - اب حضرت عبداللہؓ نے فرمایا' کسی کو حلال نہیں کہ میرے ذمے وہ بات کرے جو میں نے نہ کی ہو -

میں نے حضورؐ سے یوں سنا ہے' جو شخص شراب کا ایک گھونٹ بھی پی لے اس کی چالیس دن کی نماز نامقبول ہے - اگر وہ توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے - پھر اگر دوبارہ لوٹے تو پھر چالیس دن تک کی نمازیں نامقبول ہیں - پھر اگر توبہ کرلے تو توبہ مقبول ہے - مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ تیسری چوتھی مرتبہ میں فرمایا کہ پھر اگر لوٹے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے جہنمیوں کے بدن کا خون' پیپ' پیشاب وغیرہ قیامت کے دن پلائے گا اور حضورؐ سے میں نے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا - پھر ان پر اپنا نور ڈالا جس پر وہ نور اس دن پڑ گیا' وہ تو ہدایت والا ہو گیا اور جس تک وہ نور نہ پہنچا وہ بھٹک گیا - اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے علم کے مطابق قلم چل چکا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں جن میں سے دو تو انہیں مل گئیں اور ہمیں امید ہے کہ تیسری ہمارے لئے ہو (۱) مجھے ایسا حکم دے جو تیرے حکم کے موافق ہو (۲) مجھے ایسا ملک دے جو میرے بعد کسی کے لئے لائق نہ ہو - تیسری دعا یہ تھی کہ جو شخص اپنے گھر سے اس مسجد کی نماز کے ارادے ہی سے نکلے تو جب وہ لوٹے تو ایسا ہو جائے گویا آج پیدا ہوا' پس ہمیں اللہ سے امید ہے کہ یہ ہمارے لئے اللہ نے دی ہو - طبرانی میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنے لئے

ایک گھر بنانے کا حکم دیا - حضرت داؤدؑ نے پہلے اپنا گھر بنالیا - اس پر وحی آئی کہ تم نے اپنا گھر میرے گھر سے پہلے بنایا - آپ نے عرض کیا - پروردگار یہی فیصلہ کیا گیا تھا - پھر مسجد بنانی شروع کی - دیواریں پوری ہوگئیں تو اتفاقاً تہائی حصہ گر گیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' جواب ملا کہ تو میرا گھر نہیں بنا سکتا - پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ تیرے ہاتھوں سے خون بہا ہے - عرض کیا اللہ تعالیٰ وہ بھی تیری ہی محبت میں' فرمایا ہاں لیکن وہ میرے بندے تھے - میں ان پر رحم کرتا ہوں - آپ کو یہ کلام سن کر سخت پریشانی ہوئی - پھر وحی آئی کہ غمگین نہ ہو - میں اسے تیرے لڑکے سلیمان کے ہاتھوں پورا کراؤں گا - چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اسے بنانا شروع کیا - جب پورا کر چکے تو بڑی بڑی قربانیاں کیں اور ذبیحہ ذبح کئے اور بنو اسرائیل کو جمع کر کے خوب کھلایا پلایا - اللہ کی وحی آئی کہ تو نے یہ سب کچھ میرے حکم کی تعمیل کی خوشی میں کیا ہے - تو مجھ سے مانگ - جو مانگے گا' پائے گا - عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ میرے تین سوال ہیں مجھے ایسا فیصلہ سجھا جو تیرے فیصلے کے مطابق ہو اور ایسا ملک دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو اور جو اس گھر میں آئے صرف نماز کے ارادے سے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا آزاد ہو جائے جیسے آج پیدا ہوا - ان میں سے دو چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرما دیں اور مجھے امید ہے کہ تیسری بھی دے دی گئی ہو - رسول اللہ ﷺ اپنی ہر دعا کو ان لفظوں سے شروع فرماتے سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَلِيِّ الْاَعْلَى الْوَهَّابِ (مسند احمد)

اور روایت میں ہے کہ حضرت داؤدؑ کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ سے فرمایا' مجھ سے اپنی حاجت طلب کرو - آپ نے عرض کیا' اللہ تعالیٰ مجھے ایسا دل دے جو تجھ سے ڈرتا رہے جیسے کہ میرے والد کا دل تجھ سے خوف کیا کرتا تھا اور میرے دل میں اپنی محبت ڈال دے جیسے کہ میرے والد کے دل میں تیری محبت تھی - اس پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا کہ میرا بندہ میری عین عطا کے وقت بھی مجھ سے میرا ڈر اور میری محبت طلب کرتا ہے' مجھے اپنی قسم' میں اسے اتنی بڑی سلطنت دوں گا جو اس کے بعد کسی کو نہ ملے - پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ماتحتی میں ہوائیں کر دیں اور جنات کو بھی ان کا ماتحت بنا دیا - اور اسی قدر ملک و مال پر بھی انہیں حساب قیامت سے آزاد کر دیا -

ابن عساکر میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی کہ باری تعالیٰ سلیمان کے ساتھ بھی اسی لطف و کرم سے پیش آ جو لطف و کرم تیرا مجھ پر رہا تو وحی آئی کہ سلیمان سے کہہ دو وہ بھی اسی طرح میرا رہے جس طرح تو میرا تھا' تو میں بھی اس کے ساتھ ہو جاؤں گا جیسے کہ تیرے ساتھ تھا - پھر بیان ہو رہا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی محبت میں آ کر ان خوبصورت پیارے وفادار تیز رو گھوڑوں کو کاٹ ڈالا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں ان کے عوض ان سے بہتر عطا فرمائی - یعنی ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دیا جو مہینے بھر کی راہ کو صبح کی ایک گھڑی میں طے کر دیتی تھی - اور اسی طرح شام کو - جہاں کا ارادہ کرتے' ذرا سی دیر میں پہنچا دیتی - جنات کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا - ان میں سے بعض بڑی اونچی لمبی' سنگین پختہ عمارت کے بنانے کے کام سرانجام دیتے جو انسانی طاقت سے باہر تھا اور بعض غوطہ خور تھے جو سمندر کی تہہ میں سے لولو جواہر اور دیگر قسم قسم کی نفیس و نادر چیزیں لا دیتے تھے - پھر اور کچھ تھے جو بھاری بھاری بیڑیوں میں جکڑے رہتے تھے - یہ یا تو وہ تھے جو حکومت سے سرتابی کرتے تھے یا کام کاج میں شرارت اور کمی کرتے تھے یا لوگوں کو ستاتے اور ایذا دیتے تھے -

یہ ہے ہماری مہربانی اور ہماری بخشش اور ہمارا انعام اور ہمارا عطیہ' اب تجھے اختیار ہے جس سے جو چاہے سلوک کر' سب بے حساب ہے - کسی پر پکڑ نہیں - جو تیری زبان سے نکلے گا' وہ حق ہوگا - صحیح حدیث میں ہے' جب رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ اگر چاہیں عبد و رسول رہیں یعنی جو حکم کیا جائے بجا لاتے رہیں' اللہ کے فرمان کے مطابق تقسیم کرتے رہیں اور اگر چاہیں نبی اور بادشاہ بنا دیئے جائیں - جسے چاہیں دیں' جسے چاہیں نہ دیں اور اس کا کوئی حساب اللہ کے ہاں نہ لیا جائے تو آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشورہ کیا اور آپ کے مشورے سے پہلی بات قبول فرمائی کیونکہ فضیلت کے لحاظ سے اولیٰ اور اعلیٰ وہی ہے - گو نبوت و سلطنت بھی بڑی چیز ہے -

اسی لئے حضرت سلیمانؑ کا دنیوی عز و جاہ بیان کرتے ہی فرمایا کہ وہ دار آخرت میں بھی ہمارے پاس بڑے مرتبے اور بہترین بزرگی اور اعلیٰ تر قرب والا ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿٤١﴾ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿٤٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٤٣﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٤٤﴾

ہمارے بندے ایوب کا بھی ذکر کر جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج اور دکھ پہنچایا ہے ○ اپنا پاؤں مارو۔ یہ ہے نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ○ اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اتنا ہی اور بھی۔ اسی کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور عقلمندوں کی نصیحت کے لئے ○ اور اپنے ہاتھ میں تیلیوں کی ایک جھاڑی لے کر مار دے اور قسم کا خلاف نہ کر سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر بندہ پایا وہ بڑا نیک بندہ تھا اور بڑی ہی رغبت رکھنے والا ○

حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کا صبر : ☆☆ (آیت:۴۱-۴۴) حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے اور ان کے صبر اور امتحان میں پاس ہونے کی تعریف بیان ہو رہی ہے کہ مال برباد ہو گیا' اولادیں مر گئیں' جسم مریض ہو گیا یہاں تک کہ سوئی کے ناکے کے برابر سارے جسم میں ایسی جگہ نہ تھی جہاں بیماری نہ ہو۔ صرف دل سلامت رہ گیا۔ اور پھر فقیری اور مفلسی کا یہ حال تھا کہ ایک وقت کا کھانا پاس نہ تھا۔ کوئی نہ تھا جو خبر گیر ہوتا سوائے ایک بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے جن کے دل میں خوف الٰہی تھا اور اپنے خاوند اور اللہ کے رسول کی محبت تھی۔ لوگوں کا کام کاج کر کے اپنا اور اپنے میاں کا پیٹ پالتی تھیں۔ آٹھ سال تک یہی حال رہا حالانکہ اس سے پہلے ان سے بڑھ کر مالدار کوئی نہ تھا۔ اولاد بھی بکثرت تھی اور دنیا کی ہر راحت موجود تھی۔ اب ہر چیز چھین لی گئی تھی۔ اور شہر کا کوڑا کرکٹ جہاں ڈالا جاتا تھا' وہاں آپ کو لا بٹھایا تھا۔ اسی حال میں ایک دو دن نہیں سال دو سال نہیں آٹھ' سال کامل گزارے' اپنے اور غیر سب نے منہ پھیر لیا تھا۔ خیریت پوچھنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ صرف آپ کی یہی ایک بیوی صاحبہ تھیں جو ہر وقت دن اور رات آپ کی خدمت میں کمر بستہ تھیں۔ ہاں پیٹ پالنے کے لئے محنت مزدوری کے وقت آپ کے پاس سے چلی جاتی تھیں یہاں تک کہ دن پھرے اور اچھا وقت آ گیا تو رب العالمین الہ المرسلین کی طرف تضرع و زاری کی اور کپکپاتے ہوئے کلیجے سے دل سے دعا کی کہ اے میرے پالنہار اللہ' مجھے دکھ نے تڑپا دیا ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔ یہاں جو دعا ہے' اس میں جسمانی تکلیف اور مال و اولاد کے دکھ درد کا ذکر کیا۔ اسی وقت رحیم و کریم اللہ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور حکم ہوا کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو۔ پاؤں کے لگتے ہی وہاں ایک چشمہ ابلنے لگا۔ حکم ہوا کہ اس پانی سے غسل کر لو غسل کرتے ہی بدن کی تمام بیماری اس طرح جاتی رہی گویا تھی ہی نہیں۔ پھر حکم ہوا کہ اور جگہ ایڑی لگاؤ۔ وہاں پاؤں مارتے ہی دوسرا چشمہ جاری ہو گیا۔ حکم ہوا کہ اس کا پانی پی لو' اس پانی کے پیتے ہی اندرونی بیماریاں بھی جاتی رہیں اور ظاہر و باطن کی عافیت اور کامل تندرستی حاصل ہو گئی۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اٹھارہ سال تک اللہ کے یہ پیغمبرؑ دکھ درد میں مبتلا رہے' اپنے اور غیر سب نے چھوڑ دیا۔ ہاں آپ کے مخلص دوست صبح شام خیریت خبر کے لئے آ جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک نے دوسرے سے کہا' میرا خیال

یہ ہے کہ ایوبؑ نے اللہ کی کوئی بڑی نافرمانی کی ہے کہ اٹھارہ سال سے اس بلا میں پڑا ہوا ہے اور اللہ اس پر رحم کرے۔ اس دوسرے شخص نے شام کو حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کی یہ بات ذکر کر دی۔ آپ کو سخت رنج ہوا اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ وہ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ میری یہ حالت تھی کہ جب دو شخصوں کو آپس میں جھگڑتے دیکھا اور دونوں اللہ کو بیچ میں لاتے تو مجھ سے یہ نہ دیکھا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے عزیز نام کی اس طرح یاد کی جائے کیونکہ دو میں سے ایک تو ضرور مجرم ہوگا اور دونوں اللہ کا نام لے رہے ہیں تو میں اپنے پاس سے دے دلا کر ان کے جھگڑے کو ختم کر دیتا کہ نام اللہ کی بے ادبی نہ ہو۔ آپ سے اس وقت چلا پھرا بلکہ اٹھا بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا۔ پاخانے کے بعد آپ کی بیوی صاحبہؓ آپ کو اٹھا کر لاتی تھیں۔ ایک مرتبہ وہ نہیں تھیں۔ آپ کو بہت تکلیف ہوئی اور دعا کی اور اللہ کی طرف سے وحی ہوئی کہ زمین پر لات مار دو۔ بہت دیر کے بعد جب آپ کی بیوی صاحبہؓ آئیں تو دیکھا کہ مریض تو ہے نہیں اور کوئی اور شخص تندرست نورانی چہرے والا بیٹھا ہوا ہے۔ پہچان نہ سکیں اور دریافت کرنے لگیں کہ اے اللہ کے نیک بندے یہاں اللہ کے ایک نبی جو درد دکھ میں مبتلا تھے انہیں دیکھا ہے؟ واللہ کہ جب وہ تندرست تھے تو قریب قریب تم جیسے ہی تھے۔ تب آپ نے فرمایا' وہ میں ہی ہوں۔ راوی کہتا ہے' آپ کی دو کوٹھیاں تھیں' ایک گیہوں کے لئے اور ایک جو کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے دو ابر بھیجے۔ ایک میں سونا برسا اور ایک کوٹھی اناج کی' اس سے بھر گئی' دوسرے میں سے بھی سونا برسا اور دوسری کوٹھی اس سے بھر گئی (ابن جریر)

صحیح بخاری شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' حضرت ایوب علیہ السلام ننگے ہو کر نہا رہے تھے جو آسمان سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں' آپ نے جلدی جلدی انہیں اپنے کپڑے میں سمیٹنی شروع کیں تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے ایوبؑ کیا میں نے تمہیں غنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا؟ آپ نے جواب دیا۔ ہاں الٰہی۔ بیشک تو نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ میں سب سے غنی اور بے نیاز ہوں لیکن تیری رحمت سے بے نیاز نہیں ہوں بلکہ اس کا تو پورا محتاج ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس صابر پیغمبرؑ کو نیک بدلہ اور بہتر جزائیں عطا فرمائیں۔ اولاد بھی دی اور اسی کے مثل اور بھی دی بلکہ حضرت حسنؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ مردہ اولاد اللہ نے زندہ کر دی اور اسی ہی اور نئی دی۔ یہ تھا اللہ کا رحم جو ان کے صبر و استقلال' رجوع الی اللہ' تواضع اور انکساری کے بدلے اللہ نے انہیں دیا اور عقلمندوں کے لئے نصیحت و عبرت ہے' وہ جان لیتے ہیں کہ صبر کا انجام کشادگی ہے اور رحمت و راحت ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیوی کے کسی کام کی وجہ سے ان پر ناراض ہو گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں' وہ اپنے بالوں کی ایک لٹ بیچ کر ان کے لئے کھانا لائی تھیں۔ اس پر آپ ناراض ہوئے تھے اور قسم کھائی تھی کہ شفا کے بعد سو کوڑے ماریں گے۔ دوسروں نے وجہ ناراضگی اور بیان کی ہے۔ جبکہ آپ تندرست اور صحیح سالم ہو گئے تو ارادہ کیا کہ اپنی قسم کا پورا کریں لیکن ایسی نیک صفت عورت اس سزا کے لائق نہ تھیں جو حضرت ایوبؑ نے طے کر رکھی تھی۔ جس عورت نے اس وقت خدمت کی جبکہ کوئی ساتھ نہ تھا' اسی لئے رب العالمین ارحم الراحمین نے ان پر رحم کیا۔ اور اپنے نبی کو حکم دیا کہ قسم پوری کرنے کے لئے کھجور کا ایک خوشہ لے لو جس میں ایک سو تنکے ہوں اور ایک انہیں مار دو۔ اس صورت میں قسم کا خلاف نہ ہوگا اور ایک ایسی صابرہ شاکرہ نیک بیوی پر سزا بھی نہ ہوگی۔ یہی دستور الٰہی ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس سے ڈرتے رہتے ہیں' برائیوں اور بدیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت ایوبؑ کی ثناء وصفت بیان فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بڑا صابر و ضابط پایا' وہ بڑا نیک اور اچھا بندہ ثابت ہوا۔ اس کے دل میں ہماری سچی محبت تھی۔ وہ ہماری ہی طرف جھکتا رہا اور ہم ہی سے لو لگائے رہا' اسی لئے فرمان الٰہی ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ اس کے لئے چھٹکارے کی صورت نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جو اس کے خیال میں بھی نہ ہو۔

اللہ پر توکل رکھنے والوں کو اللہ کافی ہے۔ اللہ اپنے کام میں پورا اترتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ سمجھدار علماء کرام نے اس آیت سے بہت سے ایمانی مسائل اخذ کئے ہیں واللہ اعلم۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ﴿٤٥﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٧﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٨﴾

ہمارے بندوں ابراہیم اسحاق اور یعقوب کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے ○ ہم نے انہیں ایک امتیازی بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا ○ یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ تھے ○ اسماعیل یسع اور ذوالکفل کا بھی ذکر کیجئے یہ سب بہترین لوگ تھے ○

(آیت: ۴۵-۴۸) اللہ تعالیٰ اپنے عابد بندوں اور رسولوں کی فضیلتوں کو بیان فرما رہا ہے اور ان کے نام گنوا رہا ہے۔ ابراہیم اسحاق اور یعقوب صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ اور فرماتا ہے کہ ان کے اعمال بہت بہتر تھے اور صحیح علم بھی ان میں تھا۔ ساتھ ہی عبادت الٰہی میں قوی تھے اور قدرت کی طرف سے انہیں بصیرت عطا فرمائی گئی تھی۔ دین میں سمجھدار تھے اطاعت الٰہی میں قوی تھے حق کے دیکھنے والے تھے۔ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ صرف آخرت کا ہی ہر وقت خیال بندھا رہتا تھا۔ ہر عمل آخرت کے لئے ہی ہوتا تھا۔ دنیا کی محبت سے وہ الگ تھے آخرت کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ وہ اعمال کرتے تھے جو جنت دلوائیں لوگوں کو بھی نیک اعمال کی ترغیب دیتے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن بہترین بدلے اور افضل مقامات عطا فرمائے گا۔ یہ بزرگان دین اللہ کے چیدہ مخلص اور خاص الخاص بندے ہیں۔ اسماعیل اور ذوالکفل صلوات وسلامہ علیہم اجمعین بھی پسندیدہ اور خاص بندوں میں تھے۔ ان کے بیانات سورۂ انبیاء میں گزر چکے ہیں اس لئے ہم نے یہاں بیان نہیں کئے۔ ان فضائل کے بیان میں ان کے لئے نصیحت ہے جو پند و نصیحت حاصل کرنے کے عادی ہیں اور یہ مطلب بھی ہے کہ یہ قرآن عظیم ذکر یعنی نصیحت ہے۔

هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٩﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾ هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾

یہ ہے نصیحت یقین مانو کہ پرہیزگاروں کی بڑی اچھی جگہ ہے ○ یعنی ہمیشگی والی جنتیں جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں ○ جن میں بافراغت تکئے لگائے بیٹھے ہوئے طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کی شرابوں کی فرمائشیں کر رہے ہیں ○ اور ان کے پاس نیچی نظروں والی ہم عمر کمسن حوریں ہوں گی ○ یہ ہے جس کا وعدہ تم سے حساب کے دن کا کیا جاتا تھا ○ بے شک یہ روزیاں خاص ہمارا عطیہ ہیں جن کا کبھی خاتمہ ہی نہیں ○ یہ تو ہوئی جزا یاد رکھو کہ سرکشوں کے لئے بڑی بری

جگہ ہے O جو دوزخ ہے جس میں وہ جائیں گے' آہ کیا ہی برا بچھونا ہے O

صالحین کے لئے اجر: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۴) نیکو کار تقوے والوں کے لئے دار آخرت میں کتنا پاک بدلہ اور کیسی پیاری جگہ ہے؟ ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں' جن کے دروازے ان کے لئے بند نہیں بلکہ کھلے ہوئے ہیں۔ کھلوانے کی بھی زحمت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جنت میں ایک محل عدن ہے جس کے آس پاس برج ہیں جس کے پانچ ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پانچ ہزار چادریں ہیں' ان میں صرف نبی یا صدیق یا شہید یا عادل بادشاہ رہیں گے (ابن ابی حاتم)

اور یہ تو بہت سی بالکل صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ اپنے تختوں پر تکیے لگائے بے فکری سے چارزانو با آرام بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اور جس قوم کو جس میوے شراب کا جی چاہے' حکم کے ساتھ خدام باسلیقہ حاضر کر دیں گے۔ ان کے پاس ان کی بیویاں ہوں گی جو عفیفہ' پاک دامن' نیچی نگاہوں والی اور ان سے محبت و عشق رکھنے والی ہوں گی جن کی نگاہیں کبھی دوسرے کی طرف نہ اٹھی ہیں' نہ اٹھیں' نہ اٹھ سکیں۔ ان کی ہم عمر ہوں گی۔ ان کی عمروں کے لائق ہوں گی۔ ان صفات والی جنت کا وعدہ اللہ سے ڈرتے رہنے والے بندوں سے ہے' قیامت کے دن یہ اس کے وارث و مالک ہوں گے جبکہ قبروں سے اٹھ کر آگ سے نجات پا کر حساب سے فارغ ہو کر یہاں آ کر بہ آرام بسیں گے۔ یہ ہے ہمارا انعام جس میں نہ کبھی کمی آئے گی نہ یہ منقطع ہو گا۔ جیسے فرمایا مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ تمہارے پاس جو کچھ ہے' وہ ختم ہو جاتا ہے اور اللہ کے پاس جو ہے' وہ باقی رہنے والا ہے۔ اور آیت میں غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ہے۔ اور جگہ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں کبھی کمی اور گھاٹا آئے نہ کبھی وہ ختم اور فنا ہو۔ جیسے ارشاد ہے اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا الخ اسکے میوے اور کھانے پینے اور اسکے سائے دائمی ہیں۔ پرہیزگاروں کا انجام یہی ہے اور کافروں کا انجام جہنم ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

اہل نار کے احوال: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۶) اوپر نیکوں کا حال بیان کیا تو یہاں بروں کا حال بیان فرما رہا ہے جو اللہ کی نہیں مانتے تھے نبی کی نافرمانی کرتے تھے ان کے لوٹنے کی جگہ بہت بری ہے۔ اور وہ جہنم ہے جس میں یہ لوگ داخل ہوں گے اور چاروں طرف سے انہیں آتش دوزخ گھیر لے گی۔ یہ نہایت ہی برا بچھونا ہے۔

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾
هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۗ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾
قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۗ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ
الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا
فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ
الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ
ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

یہ ہے پس اسے چکھیں۔ گرم پانی اور پیپ O اور کچھ اسی شکل کی طرح طرح کی چیزیں O یہ ایک قوم ہے جو تمہارے ساتھ آگ میں جانے والی ہے' انہیں خوشی اور

کشادگی نہ ہو یہی تو جہنم میں جانے والے ہیں ○ وہ کہیں گے بلکہ تم ہی ہو کہ تمہیں خوشی نہ ہو۔ تم ہی نے تو اسے پہلے ہی سے ہمارے سامنے لا رکھا تھا' پس رہنے کی بڑی بری جگہ ہے ○ وہ کہیں گے' اے ہمارے رب! جس نے کفر کی رسم ہمارے لیئے پہلے سے نکالی ہو' اس کے حق میں جہنم کی دوگنی سزا کر دے ○ جہنمی کہیں گے یہ کیا بات ہے کہ وہ لوگ ہمیں دکھائی نہیں دیتے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے ○ کیا ہم نے ہی ان کا مذاق بنا رکھا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے بہک رہی ہیں؟ ○ یقین جانو کہ دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور ہی ہوگا ○

(آیت: ۵۷-۶۴) حمیم اس پانی کو کہتے ہیں جس کی حرارت اور گرمی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ اور غساق کہتے ہیں اس ٹھنڈک کو جس کی سردی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ پس ایک طرف آگ کا گرم عذاب' دوسری جانب ٹھنڈک کا سرد عذاب۔ اور اسی طرح قسم قسم کے' جوڑ جوڑ کے عذاب' جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اگر ایک ڈول غساق کا دنیا میں بہایا جائے تو تمام اہل دنیا بدبودار ہو جائیں۔ حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں' غساق نامی جہنم میں ایک نہر ہے جس میں سانپ بچھو وغیرہ کا زہر جمع ہوتا ہے۔ پھر وہ گرم ہو کر اونٹنے لگتا ہے۔ اس میں جہنمیوں کو غوطے دیئے جائیں گے جس سے ان کا سارا گوشت پوست جھڑ جائے گا اور پنڈلیوں میں لٹک جائے گا۔ جسے وہ اس طرح گھسیٹتے پھریں گے جیسے کوئی شخص اپنا کپڑا گھسیٹ رہا ہو (ابن ابی حاتم)

غرض سردی کا عذاب الگ ہوگا' گرمی کا الگ ہوگا' حمیم پینے کو' زقوم کھانے کو۔ کبھی آگ کے پہاڑوں پر چڑھایا جاتا ہے تو کبھی آگ کے گڑھوں میں دھکیلا جاتا ہے' اللہ ہمیں بچائے۔ اب جہنمیوں کا جھگڑا' ان کے تنازع اور ایک دوسرے کو برا کہنا بیان ہو رہا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کُلَّمَا دَخَلَتْ الخ ہر گروہ دوسرے پر بجائے سلام کے لعنت بھیجے گا۔ ایک دوسرے کو جھٹلائے گا اور ایک دوسرے پر الزام رکھے گا۔ ایک جماعت جو پہلے جہنم میں جا چکی ہے' وہ دوسری جماعت کو داروغہ جہنم کے ساتھ آتی ہوئی دیکھ کر کہے گی کہ یہ گروہ جو تمہارے ساتھ ہے' انہیں مرحبا نہ ہو اس لئے کہ یہ بھی جہنمی گروہ ہے۔ وہ آنے والے ان سے کہیں گے کہ تمہارے لئے مرحبا ہو۔ تم ہی تو تھے کہ ہمیں ان برے کاموں کی طرف بلاتے رہے جن کا انجام یہ ہوا۔ پس بری منزل ہے۔ پھر کہیں گے کہ اے باری تعالیٰ جس نے ہمارے لئے اس کی تقدیم کی' تو اسے دوگنا عذاب کر۔ جیسے فرمان ہے قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا الخ یعنی پچھلے پہلوں کے لئے کہیں گے کہ پروردگار انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا' تو انہیں آگ کا دگنا عذاب کر۔ اللہ فرمائے گا' ہر ایک کے لئے دگنا ہی ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ یعنی ہر ایک کے لئے ایسا عذاب ہے جس کی انتہا اسی کے لئے ہے۔ چونکہ کفار وہاں مومنوں کو نہ پائیں گے جنہیں اپنے خیال میں بہکا ہوا جانتے تھے تو آپس میں ذکر کریں گے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ ہمیں مسلمان جہنم میں نظر نہیں آتے؟ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ابوجہل کہے گا کہ بلال' عمار' صہیب وغیرہ وغیرہ کہاں ہیں؟ وہ تو نظر ہی نہیں آتے' غرض ہر کافر یہی کہے گا کہ وہ لوگ جنہیں دنیا میں ہم شریر گنتے تھے' وہ آج یہاں نظر نہیں آتے۔ کیا ہماری ہی غلطی تھی کہ ہم انہیں دنیا میں مذاق میں اڑاتے تھے؟ لیکن نہیں ایسا تو نہ تھا۔ وہ ہوں گے تو جہنم میں ہی لیکن کہیں ادھر ادھر ہوں گے۔ ہماری نگاہ میں نہیں پڑتے۔ اسی وقت جنتیوں کی طرف سے ندا آئے گی کہ اے دوزخیو! ادھر دیکھو۔ ہم نے تو اپنے رب کے وعدے کو حق پایا۔ تم اپنی کہو۔ کیا اللہ کے وعدے سچے نکلے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں بالکل سچ نکلے۔ اسی وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔ اسی کا بیان آیات قرآنیہ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ سے وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ تک ہے۔ پھر فرماتا ہے' اے نبیؐ جو خبر میں تمہیں دے رہا ہوں کہ جہنمی اس طرح لڑیں جھگڑیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے' یہ بالکل سچی' واقعی اور ٹھیک خبر ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔
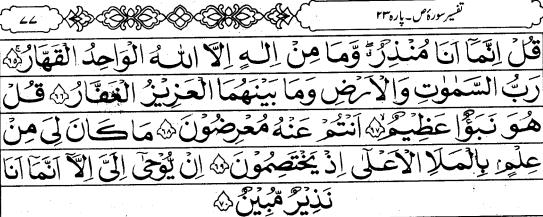
کہہ دیجئے کہ میں تو صرف ہوشیار کرنے والا ہوں اور بجز اللہ واحد غالب کے اور کوئی لائق عبادت نہیں ○ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے وہ زبردست اور بڑا بخشنے والا ہے ○ تو کہہ دے کہ یہ بہت بڑی خبر ہے ○ جس سے تم بے پرواہ ہو رہے ہو ○ مجھے ان بلند قدر فرشتوں کی بات چیت کا مطلقاً علم ہی نہیں۔ میری طرف فقط یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تو صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں ○

نبی علیہ السلام کا خواب: ☆☆ (آیت: ۶۵-۷۰) اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو حکم فرماتا ہے کہ کافروں سے کہہ دو کہ میری نسبت تمہارے خیالات محض غلط ہیں میں تو تمہیں ڈر کی خبر پہنچانے والا ہوں۔ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا اور کوئی قابل پرستش نہیں وہ اکیلا ہے وہ ہر چیز پر غالب ہے ہر چیز اس کے ماتحت ہے۔ وہ زمین و آسمان اور ہر چیز کا مالک ہے اور سب تصرفات اسی کے قبضے میں ہیں۔ وہ عزتوں والا ہے اور باوجود اس عظمت و عزت کے بڑا بخشنے والا ہے۔ یہ بہت بڑی چیز ہے یعنی میرا رسول بن کر تمہاری طرف آنا پھر تم اے غافلو! اس سے اعراض کر رہے ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بڑی چیز ہے یعنی قرآن کریم۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرشتوں میں جو کچھ اختلاف ہوا اگر رب کی وحی میرے پاس نہ آئی ہوتی تو مجھے اس کی بابت کیا علم ہوتا؟ ابلیس کا آپ کو سجدہ کرنے سے منکر ہونا اور رب کے سامنے اس کی مخالفت کرنا اور اپنی بڑائی جتانا وغیرہ ان سب باتوں کو میں کیا جانوں؟

مسند احمد میں ہے ایک دن صبح کی نماز میں حضورؐ نے بہت دیر لگا دی یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کا وقت آ گیا۔ پھر بہت جلدی کرتے ہوئے آئے تکبیر کہی گئی اور آپ نے ہلکی نماز پڑھائی۔ پھر ہم سے فرمایا ذرا دیر ٹھہرے رہو۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا رات کو میں تہجد کی نماز پڑھ رہا تھا جو مجھے اونگھ آنے لگی یہاں تک کہ میں جاگا۔ میں نے دیکھا کہ گویا میں اپنے رب کے پاس ہوں۔ میں نے اپنے پروردگار کو بہترین عمدہ صورت میں دیکھا۔ مجھ سے جناب باری نے دریافت فرمایا جانتے ہو عالم بالا کے فرشتے اس وقت کس امر میں گفتگو اور سوال و جواب کر رہے ہیں؟ میں نے کہا میرے رب مجھے کیا خبر؟ تین مرتبہ کے سوال جواب کے بعد میں نے دیکھا کہ میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان اللہ عزوجل نے اپنا ہاتھ رکھا یہاں تک کہ انگلیوں کی ٹھنڈک مجھے میرے سینے میں محسوس ہوئی اور مجھ پر ایک چیز روشن ہو گئی۔ پھر مجھ سے سوال کیا اب بتاؤ ملاء اعلیٰ میں کیا بات چیت ہو رہی ہے؟ میں نے کہا گناہوں کے کفارے کی۔ فرمایا پھر تم بتاؤ کفارے کیا کیا ہیں؟ میں نے کہا نماز باجماعت کے لئے قدم اٹھا کر جانا۔ نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھے رہنا اور دل کے نہ چاہنے پر بھی کامل وضو کرنا۔ پھر مجھ سے میرے اللہ نے پوچھا درجے کیا ہیں؟ میں نے کہا کھانا کھلانا نرم کلامی کرنا اور راتوں کو جبکہ لوگ سوئے پڑے ہوں نماز پڑھنا۔ اب مجھ سے میرے رب نے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے کہا میں نیکیوں کا کرنا برائیوں کا چھوڑنا مسکینوں سے محبت رکھنا اور تیری بخشش تیرا رحم اور تیرا ارادہ جب کسی قوم کی آزمائش کا فتنے کے ساتھ ہو تو اس فتنے میں مبتلا ہونے سے پہلے موت تیری محبت اور تجھ سے

محبت رکھنے والوں کی محبت اور ان کاموں کی چاہت جو تیری محبت سے قریب کرنے والے ہوں مانگتا ہوں۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا' یہ سراسر حق ہے۔ اسے پڑھو پڑھاؤ' سیکھو سکھاؤ۔ یہ حدیث خواب کی ہے اور مشہور بھی یہی ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ جاگتے کا واقعہ ہے لیکن یہ غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ قرآن میں فرشتوں کی جس بات کا ردوبدل کرنا اس آیت میں مذکور ہے' وہ یہ نہیں جو اس حدیث میں ہے بلکہ یہ سوال تو وہ ہے جس کا ذکر اس کے بعد ہی ہے۔ ملاحظہ ہوں اگلی آیتیں۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّى خَٰلِقٌۢ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴿۷۱﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِى فَقَعُوا۟ لَهُۥ سَٰجِدِينَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلَٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿۷۳﴾ إِلَّآ إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَٰفِرِينَ ﴿۷۴﴾ قَالَ يَٰٓإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَىَّ ۖ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿۷۵﴾ قَالَ أَنَا۠ خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِى مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُۥ مِن طِينٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۷۷﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِىٓ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِىٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿۸۰﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۸۲﴾

جبکہ تیرے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں ○ سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا ○ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ○ مگر ابلیس نے نہ کیا' اس نے تکبر کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں سے ○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اسے سجدہ نہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا' کیا تو کچھ گھمنڈ میں آ گیا ہے؟ یا تو بڑے درجہ والوں میں سے ہے؟ ○ اس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہت بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا ○ ارشاد ہوا کہ یہاں سے نکل جا' تو مردود ہوا ○ اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت و پھٹکار ہے۔ کہنے لگا' میرے رب مجھے لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مہلت دے ○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' تو مہلت والوں میں سے ہے ○ معین تاریخ تک کے وقت تک۔ کہنے لگا' پھر تو تیری عزت کی قسم' میں ان سب کو یقیناً بہکا دوں گا ○

تخلیق آدم اور ابلیس کی سرکشی: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۵) یہ قصہ سورۂ بقرہ' سورۂ اعراف' سورۂ حجر' سورۂ سبحان' سورۂ کہف اور اس سورۂ ص میں بیان ہوا ہے۔ حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنا ارادہ بتایا کہ میں مٹی سے آدمؑ کو پیدا کرنے والا ہوں۔ جب میں اسے پیدا کر چکوں تو تم سب اسے سجدہ کرنا تاکہ میری فرمانبرداری کے ساتھ ہی حضرت آدمؑ کی شرافت و بزرگی کا بھی اظہار ہو جائے۔ پس کل کے کل فرشتوں نے تعمیل ارشاد کی۔ ہاں ابلیس اس سے رکا' یہ فرشتوں کی جنس میں سے تھا بھی نہیں بلکہ جنات میں سے تھا۔ طبعی خباثت اور جبلی سرکشی ظاہر ہوگئی۔ سوال ہوا کہ اتنی معزز مخلوق کو جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا' تو نے میرے کہنے کے باوجود سجدہ کیوں نہ کیا؟ یہ تکبر! اور یہ سرکشی؟ تو کہنے لگا کہ میں اس سے افضل و اعلیٰ ہوں' کہاں آگ اور کہاں مٹی؟ اس خطا کار نے اس کے سمجھنے میں بھی

غلطی کی اور اللہ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے غارت ہو گیا۔ حکم ہوا کہ میرے سامنے سے منہ ہٹا۔ میرے دربار میں تجھ جیسے نافرمانوں کی رسائی نہیں' تو میری رحمت سے دور ہو گیا۔ اور تجھ پر ابدی لعنت نازل ہوئی اور اب تو خیر و خوبی سے مایوس ہو جا۔ اس نے اللہ سے دعا کی کہ قیامت تک مجھے مہلت دی جائے۔ اس حلیم اللہ نے جو اپنی مخلوق کو ان کے گناہوں پر فوراً نہیں پکڑتا' اس کی یہ التجا پوری کر دی اور قیامت تک کی اسے مہلت دے دی۔ اب کہنے لگا' میں تو اس کی تمام اولاد کو بہکا دوں گا۔ صرف مخلص لوگ تو بچ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کو منظور بھی یہی تھا جیسے کہ قرآن کریم کی اور آیتوں میں بھی ہے مثلاً اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ الخ اور اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ الخ فَالْحَقُّ کو حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے پیش سے پڑھا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میں خود حق ہوں اور میری بات بھی حق ہی ہوتی ہے۔ اور ایک روایت میں ان سے یوں مروی ہے کہ حق میری طرف سے ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں۔ اوروں نے دونوں لفظ زبر سے پڑھے ہیں۔ سدیؒ کہتے ہیں' یہ قسم ہے۔ میں کہتا ہوں' یہ آیت اس آیت کی طرح ہے وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ یعنی میرا یہ قول اٹل ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو اس قسم کے انسانوں اور جنوں سے پر کر دوں گا۔ اور جیسے فرمان ہے اِذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ الخ یہاں سے نکل جا۔ جو شخص بھی تیری مانے گا' اس کی اور تیری پوری سزا جہنم ہے۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ ﴿۸۸﴾

ع ۲۴ ۱۴

بجز تیرے ان بندوں کو جو چیدہ اور پسندیدہ ہوں ○ فرمایا سچ تو یہ ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں ○ کہ تجھ سے اور تیرے تمام ماننے والوں سے میں بھی جہنم کو بھر دوں گا ○ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والا ہوں ○ یہ تو تمام جہان والوں کے لئے سراسر نصیحت و عبرت ہے ○ یقیناً تم اس کی حقیقت کو کچھ ہی وقت کے بعد صحیح طور پر جان لو گے ○

(آیت: ۸۶-۸۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں میں آپ اعلان کر دیں کہ میں تبلیغ دین پر اور احکام قرآن پر تم سے کوئی اجرت و بدلہ نہیں مانگتا۔ اس سے میرا مقصود کوئی دنیوی نفع حاصل کرنا نہیں اور نہ میں تکلف کرنے والا ہوں کہ اللہ نے نہ اتارا ہو اور میں جوڑ لوں۔ مجھے تو جو کچھ پہنچایا جاتا ہے' وہی میں تمہیں پہنچا دیتا ہوں۔ نہ کمی کروں نہ زیادتی۔ اور میرا مقصود اس سے صرف رضائے رب اور مرضی مولیٰ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' لوگو جسے کسی مسئلہ کا علم ہو' وہ اسے لوگوں سے بیان کر دے اور جو نہ جانتا ہو وہ کہہ دے کہ اللہ جانے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبیؐ سے بھی یہی فرمایا کہ میں تکلف کرنے والا نہیں ہوں۔ یہ قرآن تمام انسانوں اور جنوں کے لئے نصیحت ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ تا کہ میں تمہیں اور جن جن لوگوں تک یہ پہنچے آگاہ اور ہوشیار کر دوں۔ اور آیت میں ہے وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ الخ جو شخص بھی اس سے کفر کرے' وہ جہنمی ہے۔ میری باتوں کی حقیقت' میرے کلام کی تصدیق' میرے بیان کی سچائی' میری زبان کی صداقت تمہیں ابھی ابھی معلوم ہو جائے گی یعنی مرتے ہی' قیامت کے قائم ہوتے ہی۔ موت کے وقت یقین آ جائے گا اور میری کہی ہوئی خبریں اپنی آنکھوں دیکھ لو گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ ص کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان پر اس کا شکر ہے۔

تفسیر سورة الزمر

(تفسیر سورۂ زمر) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، حضور ﷺ نفلی روزے اس طرح پے در پے رکھے چلے جاتے کہ ہم خیال کرتیں کہ آپ اب چھوڑیں گے ہی نہیں اور ایسا بھی ہوتا کہ نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم سمجھ لیتیں کہ اب رکھیں گے ہی نہیں اور ہر رات آپ سورۂ بقرہ اور سورۂ زمر کی تلاوت کرلیا کرتے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

مہروکرم کرنے والے معبود کے نام سے شروع

اس کتاب کا اتارنا اللہ غالب باحکمت کی طرف سے ہے ○ یقیناً ہم نے اس کتاب کو تیری طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ پس تو اللہ ہی کی عبادت کر اسی کے لئے عبادت کو خالص کر کے ○ خبردار! اللہ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیا بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اسی لئے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں۔ یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا سچا فیصلہ اللہ تعالیٰ آپ کر دے گا۔ جھوٹے اور ناشکروں کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا ○ اگر اللہ کا ارادہ اولاد کا ہی ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا لیکن وہ تو پاک ہے وہ وہی اللہ ہے یگانہ اور دباؤ اور قوت والا ○

باطل عقائد کی تردید: ☆☆ (آیت:۱-۴) اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دیتا ہے کہ یہ قرآن عظیم اسی کا کلام ہے اور اسی کا اتارا ہوا ہے۔ اس کے حق ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الخ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ جسے روح الامین لے کر اترا ہے۔ تیرے دل پر اترا ہے تاکہ تو آگاہ کرنے والا بن جائے۔ صاف فصیح عربی زبان میں ہے۔ اور آیتوں میں ہے یہ باعزت کتاب وہ ہے جسے آگے یا پیچھے سے باطل آ ہی نہیں سکتا' یہ حکمتوں والے تعریفوں والے اللہ کی طرف سے اتری ہے۔ یہاں فرمایا کہ یہ کتاب بہت بڑے عزت والے اور حکمت والے اللہ کی طرف سے اتری ہے جو اپنے اقوال' افعال' شریعت' تقدیر سب میں حکمتوں والا ہے۔ ہم نے تیری طرف اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ تجھے چاہیے کہ خود اللہ کی عبادتوں میں اور اس کی توحید میں مشغول رہ کر ساری دنیا کو اسی طرف بلا کیونکہ اس اللہ کے سوا کسی کی عبادت زیبا نہیں' وہ لاشریک ہے' وہ بے مثال ہے' اس کا شریک کوئی نہیں۔ دین خالص یعنی شہادت توحید کے لائق وہی ہے۔

پھر مشرکوں کا ناپاک عقیدہ بیان کیا کہ وہ فرشتوں کو اللہ کا مقرب جان کر ان کی خیالی تصویریں بنا کر ان کی پوجا پاٹ کرنے لگے یہ سمجھ کر کہ یہ اللہ کے لاڈلے ہیں' ہمیں جلدی اللہ کا مقرب بنا دیں گے۔ پھر تو ہماری روزیوں میں اور ہر چیز میں خوب برکت ہو جائے گی۔ یہ مطلب نہیں کہ قیامت کے روز ہمیں وہ نزدیکی اور مرتبہ دلوائیں گے۔ اس لئے کہ قیامت کے تو وہ قائل ہی نہ تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ انہیں اپنا سفارشی جانتے تھے۔ جاہلیت کے زمانہ میں حج کو جاتے تو وہاں لبیک پکارتے ہوئے کہتے لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ اِلَّا شَرِیْکًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ اللهم تیرے پاس حاضر ہوئے۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسے شریک جن کے اپنے آپ کا مالک بھی تو ہی ہے اور جو چیزیں ان کے ماتحت ہیں' ان کا بھی حقیقی مالک تو ہی ہے۔ یہی شبہ اگلے پچھلے تمام مشرکوں کو رہا اور اسی کو تمام انبیاء علیہم السلام رد کرتے رہے اور صرف اللہ تعالیٰ واحد کی عبادت کی طرف انہیں بلاتے رہے۔ یہ عقیدہ مشرکوں نے بے دلیل گھڑ لیا تھا جس سے اللہ بیزار تھا۔ فرماتا ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ الخ یعنی ہر امت میں ہم نے رسول بھیجے کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے الگ رہو اور فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ الخ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے سب کی طرف یہی وحی کی کہ معبود برحق صرف میں ہی ہوں۔ پس تم سب میری ہی عبادت کرنا۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان فرما دیا کہ آسمان میں جس قدر فرشتے ہیں' خواہ وہ کتنے ہی بڑے مرتبے والے کیوں نہ ہوں' سب کے سب اس کے سامنے لاچار' عاجز اور غلاموں کی مانند ہیں' اتنا بھی تو اختیار نہیں کہ کسی کی سفارش میں لب ہلا سکیں۔

یہ عقیدہ محض غلط ہے کہ وہ اللہ کے پاس ایسے ہیں جیسے بادشاہوں کے پاس امیر امراء ہوتے ہیں کہ جس کی وہ سفارش کر دیں' اس کا کام بن جاتا ہے۔ اس باطل اور غلط عقیدے سے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اللہ کے سامنے مثالیں نہ بیان کیا کرو۔ اللہ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا سچا فیصلہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ ان سب کو جمع کر کے فرشتوں سے سوال کرے گا کہ کیا یہ لوگ تمہیں پوجتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ہے' یہ نہیں بلکہ ہمارا ولی تو تو ہی ہے۔ یہ لوگ تو جنات کی پرستش کرتے تھے اور ان میں سے اکثر کا عقیدہ و ایمان انہی پر تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں راہ راست نہیں دکھاتا جن کا مقصود اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنا ہو اور جن کے دل میں اللہ کی آیتوں' اس کی نشانیوں اور اس کی دلیلوں سے کفر بیٹھ گیا ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے عقیدے کی نفی کی جو اللہ کی اولاد ٹھہراتے تھے مثلاً مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ یہود کہتے تھے' عزیر اللہ کے لڑکے ہیں۔ عیسائی گمان کرتے تھے کہ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔ پس فرمایا کہ جیسا ان کا خیال ہے' اگر یہی ہوتا تو اس امر کے خلاف ہوتا' پس یہاں شرط نہ تو واقعہ ہونے کے لئے ہے نہ امکان کے لئے۔ بلکہ محال کے لئے ہے اور مقصد صرف ان لوگوں کی جہالت بیان کرنے کا ہے۔ جیسے فرمایا لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا الخ اگر ہم ان بیہودہ باتوں کا اردہ کرتے تو اپنے پاس سے ہی بنا لیتے اگر ہم کرنے والے ہی ہوتے۔ اور آیت میں ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ یعنی کہہ دے کہ اگر رحمان کی اولاد ہوتی تو میں تو سب سے پہلے اس کا قائل ہوتا۔ پس یہ سب آیتیں شرط کو محال کے ساتھ متعلق کرنے والی ہیں۔ امکان یا وقوع کے لئے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ نہ یہ ہو سکتا ہے نہ وہ ہو سکتا ہے۔ اللہ ان سب باتوں سے پاک ہے۔ وہ فرد' احد' صمد اور واحد ہے۔ ہر چیز اس کی ماتحت' فرمانبردار' عاجز' محتاج' فقیر' بے کس اور بے بس ہے۔ وہ ہر چیز سے غنی ہے' سب سے بے پرواہ ہے' سب پر اس کی حکومت اور غلبہ ہے' ظالموں کے ان عقائد سے اور جاہلوں کی ان باتوں سے اس کی ذات مبرا و منزہ ہے۔
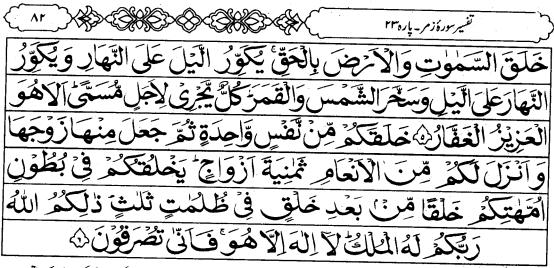
نہایت اچھی تدبیر سے اس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا' وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے اور اس نے سورج چاند کو کام پر لگا رکھا ہے' ہر ایک مقررہ مدت پر چل رہا ہے' یقین مانو کہ وہی زبردست اور گناہوں کا بخشنے والا ہے ○ اس نے تم سب کو ایک ہی شخص سے پیدا کیا ہے۔ پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ نر مادہ اتارے' وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا رہتا ہے۔ تین اندھیروں میں' یہی اللہ تمہارا رب ہے' اسی کے لئے بادشاہت ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' پھر تم کیوں بہک رہے ہو؟ ○

تخلیق کائنات اور عقیدۂ توحید: ☆☆ (آیت:۵-۶) ہر چیز کا خالق' سب کا مالک' سب پر حکمراں اور سب کا قابض اللہ ہی ہے۔ دن رات کا الٹ پھیر اسی کے ہاتھ ہے' اسی کے حکم سے انتظام کے ساتھ دن رات ایک دوسرے کے پیچھے برابر مسلسل چلے آ رہے ہیں۔ نہ وہ آگے بڑھ سکے نہ وہ پیچھے رہ سکے۔ سورج چاند کو اس نے مسخر کر رکھا ہے۔ وہ اپنے دورے کو پورا کر رہے ہیں' قیامت تک اس انتظام میں تم کوئی فرق نہ پاؤ گے۔ وہ عزت و عظمت والا' کبریائی اور رفعت والا ہے۔ گنہگاروں کا بخشنہار' عاصیوں پر مہربان وہی ہے۔ تم سب کو اس نے ایک ہی شخص یعنی حضرت آدمؑ سے پیدا کیا ہے' پھر دیکھو کہ تمہارے آپس میں کس قدر اختلاف ہے۔ رنگ' صورت' آواز' بول چال زبان و بیانؑ ہر ایک الگ الگ ہے۔ حضرت آدمؑ سے ہی ان کی بیوی صاحبہ حضرت حواؑ کو پیدا کیا۔

جیسے اور جگہ ہے کہ لوگو اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے' اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ پھر بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے' اس نے تمہارے لئے آٹھ نر و مادہ چوپائے پیدا کئے جن کا بیان سورۂ مائدہ کی آیت مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ الخ' میں ہے۔ یعنی بھیڑ' بکری' اونٹ' گائے۔ وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے جہاں تمہاری مختلف پیدائشیں ہوتی رہتی ہیں۔ پہلے نطفہ' پھر خون بستہ' پھر لوتھڑا' پھر گوشت پوست' ہڈی' رگ' پٹھے' پھر روح' غور کرو کہ وہ کتنا اچھا خالق ہے' تین تین اندھیرے مرحلوں میں تمہاری یہ طرح طرح کی تبدیلیوں کی پیدائش کا ہیر پھیر ہوتا رہتا ہے۔ رحم کی اندھیری' اس کے اوپر کی جھلی کی اندھیری اور پیٹ کا اندھیرا۔ یہ جس نے آسمان و زمین کو اور خود تم کو اور تمہارے اگلوں پچھلوں کو پیدا کیا ہے۔ وہی رب ہے' اسی کا ملک ہے۔ وہی سب میں متصرف ہے' وہی لائق عبادت ہے۔ اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ افسوس نہ جانے تمہاری عقلیں کہاں گئیں کہ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے۔

اِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنۡكُمۡ‌ وَلَا يَرۡضٰى لِعِبَادِهِ الۡكُفۡرَ‌ۚ وَاِنۡ تَشۡكُرُوۡا يَرۡضَهُ لَكُمۡ‌ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى‌ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ مَّرۡجِعُكُمۡ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ‌ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۷﴾ وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيۡبًا اِلَيۡهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعۡمَةً مِّنۡهُ نَسِىَ مَا كَانَ يَدۡعُوۡۤا اِلَيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنۡدَادًا لِّيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ‌ؕ قُلۡ تَمَتَّعۡ بِكُفۡرِكَ قَلِيۡلًا‌ ۖ اِنَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾

اگر تم ناشکری کرو تو یاد رکھو کہ اللہ تم سب سے بے نیاز ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش نہیں اور اگر تم شکر کرو تو وہ اس کی وجہ سے تم سے خوش ہوگا' کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا' پھر تمہارا سب کا لوٹنا تمہارے رب ہی کی طرف ہے۔ تمہیں وہ بتلا دے گا جو تم کرتے رہے' یقیناً وہ دلوں تک کی باتوں کا واقف ہے ○ انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو دعا کرتا تھا' اسے بالکل بھول جاتا ہے اور اللہ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے اوروں کو بھی اس کی راہ سے بہکا دے' تو کہہ دے کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھا لو۔ آخر تو دوزخی ہو ○

(آیت: ۷-۸) فرماتا ہے کہ ساری مخلوق اللہ کی محتاج ہے اور اللہ سب سے بے نیاز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان قرآن میں منقول ہے کہ اگر تم اور روئے زمین کے سب جاندار اللہ سے کفر کرو تو اللہ کا کوئی نقصان نہیں' وہ ساری مخلوق سے بے پرواہ اور پوری تعریفوں والا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اے میرے بندو! تمہارے سب اول و آخر انسان و جن مل ملا کر بدترین شخص کا سا دل بنالو تو میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ ہاں اللہ تمہاری ناشکری سے خوش نہیں' نہ وہ اس کا تمہیں حکم دیتا ہے اور اگر تم اس کی شکر گزاری کرو گے تو وہ اس پر تم سے رضامند ہو جائے گا اور تمہیں اپنی اور نعمتیں عطا فرمائے گا۔ ہر شخص وہی پائے گا جو اس نے کیا ہو۔ ایک کے بدلے دوسرا پکڑا نہ جائے گا' اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ انسان کو دیکھو کہ اپنی حاجت کے وقت تو بہت ہی عاجزی انکساری سے اللہ کو پکارتا ہے اور اس سے فریاد کرتا رہتا ہے۔ اور آیت میں ہے وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الۡبَحۡرِ الخ یعنی جب دریا اور سمندر میں ہوتے ہیں اور وہاں کوئی آفت آتی دیکھتے ہیں تو جن جن کو اللہ کے سوا پکارتے تھے' سب کو بھول جاتے ہیں اور خالص اللہ کو پکارنے لگتے ہیں لیکن نجات پاتے ہی منہ پھیر لیتے ہیں' انسان ہے ہی ناشکرا۔

پس فرماتا ہے کہ جہاں دکھ درد ٹل گیا' پھر تو ایسا ہو جاتا ہے گویا مصیبت کے وقت اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ اس دعا اور گریہ وزاری کو بالکل فراموش کر جاتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا الخ یعنی تکلیف کے وقت تو انسان ہمیں اٹھتے بیٹھتے لیٹتے ہر وقت بڑی حضور قلبی سے پکارتا رہتا ہے لیکن اس تکلیف کے ہٹتے ہی وہ بھی ہم سے ہٹ جاتا ہے گویا اس نے دکھ درد کے وقت ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ بلکہ عافیت کے وقت اللہ کے ساتھ شریک کرنے لگتا ہے۔ پس اللہ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ اپنے کفر سے گو کچھ یونہی سا فائدہ اٹھالیں۔ اس میں ڈانٹ ہے اور سخت دھمکی ہے جیسے فرمایا قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِيۡرَكُمۡ اِلَى النَّارِ کہہ دے کہ فائدہ حاصل کر لو۔ آخری جگہ تو تمہاری جہنم ہی ہے۔ اور فرمان ہے نُمَتِّعُهُمۡ قَلِيۡلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيۡظٍ ہم انہیں کچھ فائدہ دیں گے۔ پھر

سخت عذابوں کی طرف بے بس کر دیں گے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۹

بھلا جو شخص راتوں کے وقت سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت گزار رہتا ہو آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو' بتلاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟ نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہوں ○

مشرک اور موحد برابر نہیں: ☆☆ (آیت:۹) مطلب یہ ہے کہ جس کی حالت یہ ہو' وہ مشرک کے برابر نہیں۔ جیسے فرمان ہے لَيْسُوْا سَوَآءً الخ یعنی سب کے سب برابر کے نہیں۔ اہل کتاب میں وہ جماعت بھی ہے جو راتوں کے وقت قیام کی حالت میں آیات الٰہیہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدوں میں پڑے رہتے ہیں۔ قنوت سے مراد یہاں پر نماز کا خشوع وخضوع ہے۔ صرف قیام مراد نہیں۔ ابن مسعودؓ سے قانت کے معنی مطیع اور فرمانبردار کے ہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ اٰنَآءَ الَّيْلِ سے مراد آدھی رات سے ہے۔ منصورؒ فرماتے ہیں' مراد مغرب عشاء کے درمیان کا وقت ہے۔ قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں۔ اول درمیانہ اور آخری شب مراد ہے۔ یہ عابد لوگ ایک طرف لرزاں و ترساں ہیں' دوسری جانب امیدوار اور طمع کناں ہیں۔ نیک لوگوں پر زندگی میں تو خوف الٰہی امید پر غالب رہتا ہے۔ موت کے وقت خوف پر امید کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس اس کے انتقال کے وقت جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تو اپنے آپ کو کس حالت میں پاتا ہے؟ اس نے کہا' خوف وامید کی حالت میں۔ آپؐ نے فرمایا' جس شخص کے دل میں ایسے وقت یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں' اس کی امید اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے اور اس کے خوف سے اسے نجات عطا فرماتا ہے۔ ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ۔

ابن عمرؓ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا یہ وصف صرف حضرت عثمانؓ میں تھا۔ فی الواقع آپ رات کے وقت بکثرت تہجد پڑھتے رہتے تھے اور اس میں قرآن کریم کی لمبی قراءت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ کبھی کبھی ایک ہی رکعت میں قرآن ختم کر دیتے تھے۔ جیسے کہ ابوعبیدؒ سے مروی ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ صبح کے وقت ان کے منہ نورانی چمک لئے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے تسبیح وتلاوت قرآن میں رات گزاری ہے۔ نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ جس نے ایک رات سو آیتیں پڑھ لیں' اس کے نامہ اعمال میں ساری رات کی قنوت لکھی جاتی ہے (مسند وغیرہ) پس ایسے لوگ اور مشرک جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں' کسی طرح ایک مرتبے کے نہیں ہو سکتے' عالم اور بے علم کا درجہ ایک نہیں ہو سکتا۔ ہر عقل مند پر ان کا فرق ظاہر ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۱۱ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۲

میرا پیغام پہنچا دو کہ اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہا کرو جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیک بدلہ ہے اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے ○ تو کہہ دے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لئے عبادت کو خالص کرلوں ○ اور مجھے فرمان دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا حکم بردار بن جاؤں ○

ہر حال میں اللہ کی اطاعت لازمی ہے: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۲) اللہ تعالیٰ اپنے ایمان دار بندوں کو اپنے رب کی اطاعت پر جمے رہنے کا اور ہر امر میں اس کی پاک ذات کا خیال رکھنے کا حکم دیتا ہے کہ جس نے اس دنیا میں نیکی کی اس کو اس دنیا میں اور آنے والی آخرت میں نیکی ہی نیکی ملے گی۔ تم اگر ایک جگہ اللہ کی عبادت استقلال سے نہ کر سکو تو دوسری جگہ چلے جاؤ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ معصیت سے بھاگتے رہو شرک کو منظور نہ کرو۔ صابروں کو ناپ تول اور حساب کے بغیر اجر ملتا ہے۔ جنت انہی کی چیز ہے۔ مجھے اللہ کی خالص عبادت کرنے کا حکم ہوا ہے اور مجھ سے یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اپنی تمام امت سے پہلے میں خود مسلمان ہو جاؤں اپنے آپ کو رب کے احکام کا عامل اور پابند کرلوں۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾

کہہ دے کہ مجھے تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف لگتا ہے ○ کہہ دے کہ میں تو خاص کر کے صرف اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں ○

(آیت: ۱۳-۱۴) حکم ہوتا ہے کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ باوجودیکہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن عذاب الٰہی سے بے خوف نہیں ہوں۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو قیامت کے دن کے عذاب سے میں بھی بچ نہیں سکتا تو دوسرے لوگوں کو تو رب کی نافرمانی سے بہت زیادہ اجتناب کرنا چاہیے۔ تم اپنے دین کا بھی اعلان کر دو کہ میں پختہ اور یکسوئی والا موحد ہوں۔ تم جس کی چاہو عبادت کرتے رہو۔ اس میں بھی ڈانٹ ڈپٹ ہے نہ کہ اجازت۔ پورے نقصان میں وہ ہیں جنہوں نے خود اپنے آپ کو اور اپنے والوں کو نقصان میں پھنسا دیا۔ قیامت کے دن ان میں جدائی ہو جائے گی۔ اگر ان کے اہل جنت میں گئے تو یہ دوزخ میں جل رہے ہیں اور ان سے الگ ہیں اور اگر سب جہنم میں گئے تو وہاں برائی کے ساتھ ایک دوسرے سے دور ہیں اور محزون و مغموم ہیں۔ یہی واضح نقصان ہے۔ پھر ان کا حال جو جہنم میں ہوگا اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اوپر تلے آگ ہی آگ ہوگی۔ جیسے فرمایا لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ یعنی ان کا اوڑھنا بچھونا سب آتش جہنم سے ہوگا۔ ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ اور آیت میں ہے یَوْمَ یَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ قیامت والے دن انہیں نیچے اوپر سے عذاب ہو رہا ہوگا اور اوپر سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کا مزہ چکھو۔ یہ اس لئے ظاہر و باہر کر دیا گیا اور کھول کھول کر اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ اس حقیقی عذاب سے جو یقیناً آنے والا ہے میرے بندے خبردار ہو جائیں اور گناہوں اور نافرمانیوں کو چھوڑ دیں۔ میرے بندو میری پکڑ دکڑ سے میرے عذاب و غضب سے میرے انتقام اور بدلے سے ڈرتے رہو۔

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ

مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنۡ تَحۡتِهِمۡ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيۡنَ اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ اَنۡ يَّعۡبُدُوۡهَا وَاَنَابُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى ۚ فَبَشِّرۡ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدٰٮهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۸﴾

تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرتے رہو' کہہ دے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے تئیں اور اپنے والوں کے تئیں قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے۔ یاد رکھو کہ کھلم کھلا نقصان یہی ہے ○ انہیں نیچے اوپر سے آگ کے شعلے مثل سائبان کے ڈھانک رہے ہوں گے' یہی عذاب ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے' میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو ○ جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت سے پرہیز کیا اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ رہے' وہ خوش خبری کے مستحق ہیں' پس میرے بندوں کو خوشخبری سنا دے ○ جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر جو بہترین بات ہو اس پر عمل کرتے ہیں' یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقل مند بھی ہیں ○

(آیت:۱۷-۱۸) مروی ہے کہ یہ آیت زید بن عمر بن نفیل' ابوذر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے بارے میں اتری ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آیت جس طرح ان بزرگوں پر مشتمل ہے' اسی طرح ہر اس شخص کو شامل کرتی ہے جس میں یہ پاک اوصاف ہوں یعنی بتوں سے بیزاری اور اللہ کی فرمانبرداری۔ یہ ہیں جن کے لئے دونوں جہان میں خوشیاں ہیں۔ بات سمجھ کر' سن کر جب وہ اچھی ہو تو اس پر عمل کرنے والے مستحق مبارک باد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات کے عطا فرمانے کے وقت فرمایا تھا' اسے مضبوطی سے تھامو اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ اس کی اچھائی کو مضبوط تھام لیں۔ عقلمند اور نیک راہ لوگوں میں بھلی باتوں کے قبول کرنے کا صحیح مادہ ضرور ہوتا ہے۔

اَفَمَنۡ حَقَّ عَلَيۡهِ كَلِمَةُ الۡعَذَابِ ؕ اَفَاَنۡتَ تُنۡقِذُ مَنۡ فِى النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰـكِنِ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ غُرَفٌ مِّنۡ فَوۡقِهَا غُرَفٌ مَّبۡنِيَّةٌ ۙ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخۡلِفُ اللّٰهُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۲۰﴾

بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہو' تو کیا تو اسے جو دوزخ میں ہے' چھڑا سکتا ہے؟ ○ ہاں وہ لوگ جو اپنے رب کا لحاظ کرتے رہے' ان کیلئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر بھی بنے بنائے بالا خانے ہیں اور ان کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں' رب کا وعدہ ہے اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

نیک اعمال کے حامل لوگوں کے لئے محلات: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۰) فرماتا ہے کہ جس کی بدبختی لکھی جا چکی ہے تو اسے کوئی بھی راہ راست نہیں دکھا سکتا۔ کون ہے جو اللہ کے گمراہ کئے ہوئے کو راہ راست دکھا سکے؟ تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تو ان کی راہبری کر کے انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ ہاں نیک بخت' نیک اعمال' نیک عقیدہ لوگ قیامت کے دن جنت کے محلات میں مزے کریں گے' ان بالا خانوں میں جو کئی کئی منزلوں کے ہیں' تمام سامان آرائش سے آراستہ ہیں' وسیع اور بلند' خوبصورت اور جگمگ کرتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں' جنت میں

ایسے محل ہیں جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے صاف دکھائی دیتا ہے۔ ایک اعرابی نے پوچھا' یارسول اللہؐ یہ کن کے لئے ہیں؟ فرمایا' ان کے لئے جو نرم کلامی کریں' کھانا کھلائیں اور راتوں کو جب لوگ میٹھی نیند میں ہوں' یہ اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر گڑ گڑا ئیں۔ نمازیں پڑھیں (ترمذی وغیرہ)

مسند احمد میں فرمان رسولؐ ہے کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بنایا ہے جو کھانا کھلائیں' کلام کو نرم رکھیں' پے در پے نفلی روزے بکثرت رکھیں اور پچھلی راتوں کو تہجد پڑھیں۔ مسند کی اور حدیث میں ہے' جنتی جنت کے بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ اور روایت میں ہے' مشرقی مغربی کناروں کے ستارے جس طرح تمہیں دکھائی دیتے ہیں' اسی طرح جنت کے وہ محلات تمہیں نظر آئیں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ ان محلات کی یہ تعریفیں سن کر لوگوں نے کہا' حضورؐ یہ تو نبیوں کے لئے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا' ہاں اور ان کے لئے جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کو سچا جانا (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا' یارسول اللہؐ جب تک ہم آپ کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور آپ کے چہرے کو دیکھتے رہتے ہیں' اس وقت تک تو ہمارے دل نرم رہتے ہیں اور ہم آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر دنیوی کاروبار میں پھنس جاتے ہیں' بال بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو اس وقت ہماری وہ حالت نہیں رہتی۔ تو آپؐ نے فرمایا' اگر تم ہر وقت اسی حالت میں رہتے جو حالت تمہاری میرے سامنے ہوتی ہے تو فرشتے اپنے ہاتھوں سے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہارے گھروں میں آ کر تم سے ملاقاتیں کرتے۔ سنو! اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ ایسے لوگوں کو لاتا جو گناہ کریں تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بخشے۔ ہم نے کہا' حضورؐ جنت کی بناء کس چیز کی ہے؟ فرمایا ایک اینٹ سونے کی ایک چاندی کی۔ اس کا چونا خالص مشک ہے' اس کی کنکریاں لولو اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ اس میں جو داخل ہو گیا ہو' مالا مال ہو گیا۔ جس کے بعد بے مال ہونے کا خطرہ ہی نہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں ہی رہے گا' وہاں سے نکالے جانے کا امکان ہی نہیں۔ نہ موت کا کھٹکا ہے' ان کے کپڑے گلتے سڑتے نہیں۔ ان کی جوانی دوامی ہے۔ سنو تین شخصوں کی دعا مردود نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ' روزے دار اور مظلوم۔ ان کی دعا ابر پر اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ رب العزت فرماتا ہے' مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگر چہ کچھ مدت کے بعد ہو۔ (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ) ان محلات کے درمیان چشمے بہہ رہے ہیں اور وہ ایسے کہ جہاں چاہیں پانی پہنچائیں۔ جب اور جتنا چاہیں بہاؤ رہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اپنے مومن بندوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذات وعدہ خلافی سے پاک ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

ع ۱۲ / ۱۶

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اسے زمین کی سوتوں میں پہنچاتا ہے۔ پھر اسی کے ذریعے سے مختلف قسم کی کھیتیاں اگاتا ہے۔ پھر وہ خشک

ہو جاتی ہیں اور تو انہیں زرد رنگ دیکھتا ہے۔ پھر انہیں ریزہ ریزہ کر دیتا ہے' اس میں عقل مندوں کے لئے بڑی بھاری عبرت ہے ○ کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے' پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہے' ویل اور ہلاکی ہے ان پر جن کے دل یاد الٰہی سے اثر نہیں لیتے بلکہ سخت ہو گئے ہیں' یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں ○

زندگی کی بہترین مثال: ☆☆ (آیت: ۲۱-۲۲) زمین میں جو پانی ہے' وہ درحقیقت آسمان سے اترا ہوا ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ ہم آسمان سے پانی اتارتے ہیں۔ یہ پانی زمین پی لیتی ہے اور اندر ہی اندر وہ پھیل جاتا ہے۔ پھر حسب حاجت کسی چشمہ سے اللہ تعالیٰ اسے نکالتا ہے اور چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ جو پانی زمین کے میل سے کھاری ہو جاتا ہے' وہ کھاری ہی رہتا ہے۔ اسی طرح آسمانی پانی برف کی شکل میں پہاڑوں پر جم جاتا ہے۔ جسے پہاڑ چوس لیتے ہیں اور پھر ان میں سے جھرنے بہ نکلتے ہیں۔ ان چشموں اور آبشاروں کا پانی کھیتوں میں پہنچتا ہے۔ جس سے کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں جو مختلف قسم کے رنگ و بو کی اور طرح طرح کے مزے اور شکل وصورت کی ہوتی ہیں۔ پھر آخری وقت میں ان کی جوانی بڑھاپے سے اور سبزی زردے سے بدل جاتی ہے۔ پھر خشک ہو جاتی ہے اور کاٹ لی جاتی ہے۔ کیا اس میں عقل مندوں کے لئے بصیرت و نصیحت نہیں؟ کیا وہ اتنا نہیں دیکھتے کہ اسی طرح دنیا ہے۔ آج ایک جوان اور خوبصورت نظر آتی ہے' کل بڑھیا اور بدصورت ہو جاتی ہے۔ آج ایک شخص نوجوان' طاقت مند ہے' کل وہی بوڑھا کھوسٹ اور کمزور نظر آتا ہے۔ پھر آخر موت کے پنجے میں پھنستا ہے۔ پس عقلمند انجام پر نظر رکھیں۔ بہتر وہ ہے جس کا انجام بہتر ہو۔ اکثر جگہ دنیا کی زندگی کی مثال بارش سے پیدا شدہ کھیتی کے ساتھ دے گئی ہے جیسے وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ میں۔ پھر فرماتا ہے' جس کا سینہ اسلام کے لئے کھل گیا' ذرا سوچو! جس نے رب کے پاس سے نور پالیا' وہ اور سخت سینے اور تنگ دل والا برابر ہو سکتا ہے۔ حق پر قائم اور حق سے دور یکساں ہو سکتے ہیں؟ جیسے فرمایا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا الخ وہ شخص جو مردہ تھا' ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اسے نور عطا فرمایا جسے اپنے ساتھ لئے ہوئے لوگوں میں چل پھر رہا ہے۔ اور یہ اور وہ جو اندھیریوں میں گھرا ہوا ہے جن سے چھٹکارا محال ہے' دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ پس یہاں بھی بطور نصیحت بیان فرمایا کہ جن کے دل اللہ کے ذکر سے نرم نہیں پڑتے' احکام الٰہی کو ماننے کے لئے نہیں کھلتے' رب کے سامنے عاجزی نہیں کرتے بلکہ سنگدل اور سخت دل ہیں' ان کے لئے ویل ہے' خرابی اور افسوس وحسرت ہے۔ یہ بالکل گمراہ ہیں۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے جس سے ان لوگوں کے جسم کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب کا خوف کھاتے ہیں۔ آخر میں ان کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کی طرف جھک جاتے ہیں' یہ ہے اللہ کی ہدایت جسے چاہے یہ بتا دیتا ہے' اور جسے اللہ ہی راہ بھلا دے۔ اس کا ہادی کوئی نہیں ○

قرآن حکیم کی تاثیر: ☆☆ (آیت: ۲۳) اللہ تعالیٰ اپنی اس کتاب قرآن کریم کی تعریف میں فرماتا ہے کہ اس بہترین کتاب کو اس نے نازل فرمایا ہے جو سب کی سب متشابہ ہیں اور جس کی آیتیں مکرر ہیں تاکہ فہم سے قریب تر ہو جائے۔ ایک آیت دوسری کے مشابہ اور ایک حرف دوسرے سے ملتا جلتا۔ اس سورت کی آیتیں اس سورت سے اور اس کی اس سے ملی جلی۔ ایک ایک ذکر کئی کئی جگہ اور پھر بے اختلاف

بعض آیتیں ایک ہی بیان میں، بعض میں جو مذکور ہے اس کی ضد کا ذکر بھی انہی کے ساتھ ہے مثلاً مومنوں کے ذکر کے ساتھ ہی کافروں کا ذکر، جنت کے ساتھ ہی دوزخ کا بیان وغیرہ۔ دیکھئے ابرار کے ذکر کے ساتھ ہی فجار کا بیان ہے۔ سجین کے ساتھ ہی علیین کا بیان ہے۔ متقین کے ساتھ ہی طاغین کا بیان ہے۔ ذکر جنت کے ساتھ تذکرہ جہنم ہے۔ یعنی معنی ہیں مثانی کے۔ اور متشابہ ان آیتوں کو کہتے ہیں وہ تو یہ ہیں۔ اور وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ میں اور ہی معنی ہیں۔ اس کی پاک اور باا‌ثر آیتوں کا مومنوں کے دل پر نور پڑتا ہے وہ انہیں سنتے ہی خوفزدہ ہو جاتے ہیں، سزاؤں اور دھمکیوں کو سن کر ان کا کلیجہ کپکپانے لگتا ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور انتہائی عاجزی اور بہت ہی بڑی گریہ وزاری سے ان کے دل اللہ کی طرف جھک جاتے ہیں، اس کی رحمت ولطف پر نظریں ڈال کر امیدیں بندھ جاتی ہیں۔ ان کا حال سیاہ دلوں سے بالکل جداگانہ ہے۔ یہ رب کے کلام کو نیکوں سے سنتے ہیں۔ وہ گانے بجانے پر سر دھنتے ہیں۔ یہ آیات قرآنی سے ایمان میں بڑھتے ہیں۔ وہ انہیں سن کر اور کفر کے زینے پر چڑھتے ہیں۔ یہ روتے ہوئے سجدوں میں گر پڑتے ہیں۔ وہ مذاق اڑاتے ہوئے اکڑتے ہیں۔ فرمان قرآن ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ الخ یعنی یاد الٰہی مومنوں کے دلوں کو ہلا دیتی ہے، وہ ایمان وتوکل میں بڑھ جاتے ہیں، نماز وزکوٰۃ وخیرات کا خیال رکھتے ہیں، سچے باایمان یہی ہیں، درجے، مغفرت اور بہترین روزیاں یہی پائیں گے۔ اور آیت میں ہے وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا یعنی بھلے لوگ آیات قرآنیہ کو بہروں اندھوں کی طرح نہیں سنتے پڑھتے کہ ان کی طرف نہ توصحیح توجہ ہو نہ ارادہ عمل ہو بلکہ یہ کان لگا کر سنتے ہیں، دل لگا کر سمجھتے ہیں، غور وفکر سے معانی اور مطلب تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ اب توفیق ہاتھ آتی ہے، سجدے میں گر پڑتے ہیں اور تعمیل کے لئے کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ خود اپنی سمجھ سے کام کرنے والے ہوتے ہیں، دوسروں کی دیکھا دیکھی جہالت کے پیچھے پڑے نہیں رہتے۔ تیسرا وصف ان میں برخلاف دوسروں کے یہ ہے کہ قرآن کے سننے کے وقت باادب رہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کی تلاوت سن کر صحابہ کرامؓ کے جسم وروح ذکر اللہ کی طرف جھک جاتے تھے۔ ان میں خشوع وخضوع پیدا ہو جاتا تھا لیکن یہ نہ تھا کہ چیخنے چلانے اور ہاہڑک کرنے لگیں اور اپنی صوفیت جتائیں بلکہ ثبات، سکون، ادب اور خشیت کے ساتھ کلام اللہ سنتے، دل جمعی اور سکون حاصل کرتے۔ اسی وجہ سے مستحق تعریف اور سزاوار توصیف ہوئے رضی اللہ عنہم۔

عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اولیاء اللہ کی صفت یہی ہے کہ قرآن سن کر ان کے دل موم ہو جائیں اور ذکر اللہ کی طرف وہ جھک جائیں، ان کے دل ڈر جائیں، ان کی آنکھیں آنسو بہائیں اور طبیعت میں سکون پیدا ہو جائے۔ یہ نہیں کہ عقل جاتی رہے۔ حالت طاری ہو جائے۔ نیک وبد کا ہوش نہ رہے۔ یہ بدعتیوں کے افعال ہیں کہ ہاہو کرنے لگتے ہیں اور کودتے اچھلتے اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ یہ شیطانی حرکت ہے۔ ذکر اللہ سے مراد وعدہ اللہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ ہیں صفتیں ان لوگوں کی جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے۔ ان کے خلاف جنہیں پاؤ سمجھ لو کہ اللہ نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور یقین رکھو کہ رب جنہیں ہدایت نہ دینا چاہے انہیں کوئی راہ راست نہیں دکھا سکتا۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

بھلا جو شخص قیامت کے دن کے بدترین عذابوں کی سپر اپنے منہ کو بنائے گا' ایسے ظالموں سے کہا جائے گا کہ اپنے کئے کا وبال چکھو ○ ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا۔ پھر ان پر ان کی بے خبری کی حالت میں ہی عذاب آ پڑے ○ اور اللہ نے انہیں زندگانی دنیا کی رسوائی کا مزہ چکھایا۔ اور ابھی آخرت کا تو بڑا بھاری عذاب ہے۔ کاش یہ لوگ سمجھ لیں ○

(آیت: ۲۴-۲۶) ایک وہ جسے اس ہنگامہ خیز دن میں امن وامان حاصل ہو اور ایک وہ جسے اپنے منہ پر عذاب کے تھپڑ کھانے پڑتے ہوں' برابر ہو سکتے ہیں؟ جیسے فرمایا افمن یمشی مکبا علی وجھہ اوندھے منہ' منہ کے بل چلنے والا اور راست قامت اپنے پیروں سیدھی راہ چلنے والا برابر نہیں۔ ان کفار کو تو قیامت کے دن اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا اور کہا جائے گا کہ آگ کا مزہ چکھو۔ ایک اور آیت میں ہے افمن یلقی فی النار خیر ام من یاتی امنا یوم القیمۃ جہنم میں داخل کیا جانے والا بدنصیب اچھا یا امن وامان سے قیامت کا دن گزارنے والا اچھا؟ یہاں اس آیت کا مطلب یہی ہے لیکن ایک قسم کا ذکر کر کے دوسری قسم کے بیان کو چھوڑ دیا کیونکہ اسی سے وہ بھی سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ بات شعراء کے کلام میں برابر پائی جاتی ہے۔ اگلے لوگوں نے بھی اللہ کی باتوں کو نہ مانا تھا اور رسولوں کو جھوٹا کہا تھا۔ پھر دیکھو کہ ان پر کس طرح ان کی بے خبری میں مار پڑی؟ عذاب الٰہی نے انہیں دنیا میں بھی ذلیل وخوار کیا اور آخرت کے سخت عذاب بھی ان کے لئے باقی ہیں۔ پس تمہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ اشرف رسل کے ستانے اور نہ ماننے کی وجہ سے تم پر کہیں ان سے بھی بدتر عذاب برس نہ پڑیں۔ تم اگر ذی علم ہو تو ان کے حالات اور تذکرے تمہاری نصیحت کے لئے کافی ہیں۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَاۗءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۱۰ ۱۷

یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں۔ کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○ قرآن عربی بے عیب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پرہیزگاری اختیار کر لیں ○ سنو اللہ تعالیٰ مثال بیان فرما رہا ہے۔ ایک وہ شخص جس میں بہت سے مختلف ساجھی ہیں اور دوسرا وہ شخص جو صرف ایک کا ہی غلام ہے' کیا یہ دونوں صفت میں یکساں ہیں؟ اللہ ہی کے لئے سب تعریف ہے۔ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں ○ یقیناً خود تجھے بھی موت کا مزہ چکھنا ہے اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں ○ پھر تم سب کے سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑو گے ○

فیصلے روز قیامت کو ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۱) چونکہ مثالوں سے باتیں ٹھیک طور پر سمجھ میں آ جاتی ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہر قسم کی مثالیں بھی بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ سوچ سمجھ لیں۔ چنانچہ ارشاد ہے ضرب لکم مثلا من انفسکم اللہ نے تمہارے لئے وہ مثالیں بیان فرمائی ہیں جنہیں تم خود اپنے آپ میں بہت اچھی طرح جانتے بوجھتے ہو۔ ایک اور آیت میں ہے وتلك الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العلمون ان مثالوں کو ہم لوگوں کے سامنے بیان کر رہے ہیں۔ علماء ہی انہیں بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی اور کوئی کمی نہیں' واضح دلیلیں اور روشن حجتیں ہیں۔ یہ اس لئے کہ اسے پڑھ کر' سن کر لوگ اپنا بچاؤ کر لیں۔ اس کے عذاب کی آیتوں کو سامنے رکھ کر برائیاں چھوڑیں اور اس کے ثواب کی آیتوں کی طرف نظریں رکھ کر نیک اعمال میں

محنت کریں۔ اس کے بعد جناب باری عزاسمہ موحد اور مشرک کی مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک تو وہ غلام جس کے مالک بہت سارے ہوں اور وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں اور دوسرا وہ غلام جو خالص صرف ایک ہی شخص کی ملکیت کا ہو' اس کے سوا اس پر دوسرے کسی کا کوئی اختیار نہ ہو۔ کیا یہ دونوں تمہارے نزدیک یکساں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح موحد جو صرف ایک اللہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کی ہی عبادت کرتا ہے اور مشرک جس نے اپنے معبود بہت سے بنا رکھے ہیں' ان دونوں میں بھی کوئی نسبت نہیں۔ کہاں یہ مخلص موحد؟ کہاں یہ دربدر بھٹکنے والا مشرک؟ اس ظاہر باہر روشن اور صاف مثال کے بیان پر بھی رب العالمین کی حمد وثنا کرنی چاہیے کہ اس نے اپنے بندوں کو اس طرح سمجھا دیا کہ معاملہ بالکل صاف ہو جائے۔ شرک کی بدی اور توحید کی خوبی ہر ایک کے ذہن میں آ جائے۔ اب رب کے ساتھ وہی شرک کریں گے جو محض بے علم ہوں۔ جن میں سمجھ بوجھ بالکل نہ ہو۔ اس کے بعد کی آیت کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے انتقال کے بعد پڑھ کر پھر دوسری آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کی آخر آیت تک تلاوت کر کے لوگوں کو بتایا تھا۔ مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ سب اس دنیا سے جانے والے ہیں۔ اور آخرت میں اپنے رب کے پاس جمع ہونے والے ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ مشرکوں اور موحدوں میں صاف فیصلہ کر دے گا اور حق ظاہر ہو جائے گا۔ اس سے اچھے فیصلے والا اور اس سے زیادہ علم والا کون ہے؟ ایمان' اخلاص اور توحید وسنت والے نجات پائیں گے۔ شرک وکفر' انکار وتکذیب والے سخت سزائیں اٹھائیں گے۔ اسی طرح جن دو شخصوں میں جو جھگڑا اور اختلاف دنیا میں تھا' روز قیامت وہ اللہ عادل کے سامنے پیش ہو کر فیصل ہوگا۔ اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ قیامت کے دن پھر سے جھگڑے ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں یقیناً۔ تو حضرت عبداللہؓ نے کہا' پھر تو سخت مشکل ہے (ابن ابی حاتم)

مسند احمد کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آیت ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ یعنی پھر اس دن تم سے اللہ کی نعمتوں کا سوال کیا جائے گا' کے نازل ہونے پر آپ ہی نے سوال کیا کہ وہ کون سی نعمتیں ہیں جن کی بابت ہم سے حساب لیا جائے گا؟ ہم تو کھجوریں کھا کر اور پانی پی کر گزارہ کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا' اب نہیں ہیں تو کیا' عنقریب بہت سی نعمتیں ہو جائیں گی۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن بتاتے ہیں۔ مسند کی اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت اِنَّکَ مَیِّتٌ الخ' کے نازل ہونے پر پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا جو جھگڑے ہمارے دنیا میں تھے' وہ دوبارہ وہاں قیامت میں دوہرائے جائیں گے؟ ساتھ ہی گناہوں کی بھی پرستش ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں وہ ضرور دوہرائے جائیں گے اور ہر شخص کو اس کا حق پورا پورا دلوایا جائے گا تو آپ نے کہا' پھر تو سخت مشکل کام ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سب سے پہلے پڑوسیوں کے آپس میں جھگڑے پیش ہوں گے۔ اور حدیث میں ہے' اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سب جھگڑوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا یہاں تک کہ دو بکریاں جو لڑی ہوں گی اور ایک نے دوسری کو سینگ مارے ہوں گے' ان کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا (مسند احمد)

مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو' یہ کیوں لڑ رہی ہیں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ حضورؐ مجھے کیا خبر؟ آپؐ نے فرمایا' ٹھیک ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور وہ قیامت کے دن ان میں بھی انصاف کرے گا۔ بزار میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ظالم اور

خائن بادشاہ سے اس کی رعیت قیامت کے دن جھگڑا کرے گی اور اس پر وہ غالب آ جائے گی اور اللہ کا فرمان ضرور ہوگا کہ جاؤ اسے جہنم کا ایک رکن بنا دو۔ اس حدیث کے ایک راوی اغلب بن تمیم کا حافظہ جیسا چاہیے ایسا نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر سچا جھوٹے سے ہر مظلوم ظالم سے ہر ہدایت والا گمراہی والے سے ہر کمزور زورآور سے اس روز جھگڑے گا۔ ابن مندہ رحمہ اللہ اپنی کتاب الروح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت لائے ہیں کہ لوگ قیامت کے دن جھگڑیں گے یہاں تک کہ روح اور جسم کے درمیان بھی جھگڑا ہوگا۔ روح تو جسم کو الزام دے گی کہ تو نے یہ سب برائیاں کیں اور جسم روح سے کہے گا' ساری چاہت اور شرارت تیری ہی تھی۔

ایک فرشتہ ان میں فیصلہ کرے گا۔ کہے گا۔ سنو ایک آنکھوں والا انسان ہے لیکن اپاہج' بالکل لولا لنگڑا' چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ دوسرا آدمی اندھا ہے لیکن اس کے پیر سلامت ہیں چلتا پھرتا ہے۔ دونوں ایک باغ میں ہیں۔ لنگڑا اندھے سے کہتا ہے' بھائی یہ باغ تو میووں اور پھلوں سے لدا ہوا ہے لیکن میرے تو پاؤں نہیں جو میں جا کر یہ پھل توڑ لوں۔ اندھا کہتا ہے آ میرے پاؤں ہیں' میں تجھے اپنی پیٹھ پر چڑھا لیتا ہوں اور لے چلتا ہوں۔ چنانچہ یہ دونوں اس طرح پہنچے اور جی کھول کر پھل توڑے۔ بتاؤ ان دونوں میں مجرم کون ہے؟ جسم و روح دونوں جواب دیتے ہیں کہ جرم دونوں کا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے' بس اب تو تم نے اپنا فیصلہ آپ کر دیا۔ یعنی جسم گویا سواری ہے اور روح اس پر سوار ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے پر ہم تعجب میں تھے کہ ہم میں اور اہل کتاب میں تو جھگڑا ہے ہی نہیں' پھر آخر روز قیامت میں کس سے جھگڑے ہوں گے؟ اس کے بعد جب آپس کے فتنے شروع ہو گئے تو ہم نے سمجھ لیا کہ یہی آپس کے جھگڑے ہیں جو اللہ کے ہاں پیش ہوں گے۔ ابو العالیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اہل قبلہ غیر اہل قبلہ سے جھگڑیں گے۔ اور ابن زید رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مراد اہل اسلام اور اہل کفر کا جھگڑا ہے۔ لیکن ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ فی الواقع یہ آیت عام ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور فضل و رحم سے تفسیر محمدی کا تیئسواں پارہ ختم ہوا۔

اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور ہماری تقصیر کی معافی کا سبب اس تفسیر کو بنا دے۔ ہمیں اپنے پاک کلام کی تلاوت کا ذوق' اس کے معنی کے سمجھنے کا شوق عطا فرمائے' علم و عمل کی توفیق دے' عذاب سے نجات دے' جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۲۴

چند اہم مضامین کی فہرست

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے اور سچا دین جب اس کے پاس آئے' اسے جھوٹا بتلائے' کیا ایسے کفار کے لئے جہنم ٹھکانا نہیں ہے؟ ○ اور جو لوگ سچے دین کو لائیں اور جو اسے سچا جانیں' یہی لوگ پارسا ہیں ○ ان کے لئے ان کے رب کے پاس ہر وہ چیز ہے جو یہ چاہیں' نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کر دے اور جو نیک کام انہوں نے کئے ہیں' ان کا نیک بدلہ عطا فرمائے ○

مشرکین کی سزا اور موحدین کی جزا: ☆☆ (آیت: ۳۲-۳۵) مشرکین نے اللہ پر بہت جھوٹ بولا تھا اور طرح طرح کے الزام لگائے تھے' کبھی اس کے ساتھ دوسرے معبود بتاتے تھے' کبھی فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں شمار کرنے لگتے تھے' کبھی مخلوق میں سے کسی کو اس کا بیٹا کہہ دیا کرتے تھے' جن تمام باتوں سے اس کی بلند و بالا ذات پاک اور برتر تھی' ساتھ ہی ان میں دوسری بدخصلت یہ بھی تھی کہ جو حق انبیاء علیہم السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ نازل فرماتا' یہ اسے بھی جھٹلاتے' پس فرمایا کہ یہ سب سے بڑھ کر ظالم ہیں۔ پھر جو سزا انہیں ہونی ہے' اس سے انہیں آگاہ کر دیا کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہی ہے جو مرتے دم تک انکار و تکذیب پر ہی رہیں۔

ان کی بدخصلت اور سزا کا ذکر کر کے پھر مومنوں کی نیک خو اور ان کی جزا کا ذکر فرماتا ہے کہ جو سچائی کو لایا اور اسے سچا مانا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اور ہر وہ شخص جو کلمہ توحید کا اقراری ہو۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی ماننے والی ان کی مسلمان امت۔ یہ قیامت کے دن یہی کہیں گے کہ جو تم نے ہمیں دیا اور جو فرمایا' ہم اسی پر عمل کرتے رہے۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی اس آیت میں داخل ہیں۔ آپ بھی سچائی کے لانے والے' اگلے رسولوں کی تصدیق کرنے والے اور آپ پر جو کچھ نازل ہوا تھا' اسے ماننے والے تھے اور ساتھ ہی یہی وصف تمام ایمان داروں کا تھا کہ وہ اللہ پر' فرشتوں پر' کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھنے والے تھے۔

ربیع بن انس کی قراءت میں وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالصِّدْقِ ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں' سچائی کو لانے والے آنحضرت ﷺ ہیں اور اسے سچ ماننے والے مسلمان ہیں۔ یہی متقی' پرہیزگار اور پارسا ہیں۔ وہ اللہ سے ڈرتے رہے اور شرک و کفر سے بچتے رہے۔ ان کے لئے جنت میں جو وہ چاہیں سب کچھ ہے۔ جب طلب کریں گے' پائیں گے۔ یہی بدلہ ہے ان پاک باز لوگوں کا' رب ان کی برائیاں تو معاف فرما دیتا ہے۔ اور نیکیاں قبول کر لیتا ہے۔ جیسے دوسری آیت میں فرمایا اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا الخ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی نیکیاں ہم قبول کر لیتے ہیں۔ اور برائیوں سے درگزر فرما لیتے ہیں۔ یہ جنتوں میں رہیں گے۔ انہیں بالکل سچا اور بالکل صحیح وعدہ دیا جاتا ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟ یہ لوگ تجھے اللہ کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں' جسے اللہ گمراہ کر دے' اس کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ○ اور جسے وہ ہدایت دے' اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ غالب اور بدلہ لینے والا نہیں ہے؟ ○ اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ اب تو ان سے کہہ کہ اچھا یہ تو بتلاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو' اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ تو کہہ دے کہ اللہ مجھے کافی ہے۔ توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں ○

بھروسہ کے لائق صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے: ☆☆ (آیت:۳۶-۳۸) ایک قراءت میں اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عِبَادَهٗ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کو کافی ہے۔ اسی پر ہر شخص کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس نے نجات پالی جو اسلام کی ہدایت دیا گیا اور بقدر ضرورت روزی دیا گیا اور قناعت بھی نصیب ہوئی۔ (ترمذی وغیرہ) اے نبیؐ یہ لوگ تجھے اللہ کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں۔ یہ ان کی جہالت وضلالت ہے' اور اللہ جسے گمراہ کر دے' اسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا' جس طرح اللہ کے راہ دکھائے ہوئے شخص کو کوئی بہکا نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ بلند جناب والا ہے' اس پر بھروسہ کرنے والے کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا' اور اس کی طرف جھک جانے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔ اس سے بڑھ کر عزت والا کوئی نہیں۔

اسی طرح اس سے بڑھ کر انتقام پر قادر بھی کوئی نہیں۔ جو اس کے ساتھ کفر وشرک کرتے ہیں' اس کے رسولوں سے لڑتے بھڑتے ہیں یقیناً وہ انہیں سخت سزائیں دے گا۔ مشرکین کی مزید جہالت بیان ہو رہی ہے کہ باوجود اللہ تعالیٰ کو خالق کل ماننے کے پھر بھی ایسے معبودان باطل کی پرستش کرتے ہیں جو کسی نفع نقصان کے مالک نہیں' جنہیں کسی امر کا کوئی اختیار نہیں۔ حدیث شریف میں ہے' اللہ کو یاد رکھ' وہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد رکھ' تو اسے ہر وقت اپنے پاس پائے گا۔ آسانی کے وقت رب کی نعمتوں کا شکر گزار رہ' سختی کے وقت وہ تیرے کام آئے گا۔ جب کچھ مانگ تو اللہ ہی سے مانگ اور جب مدد طلب کر تو اسی سے مدد طلب کر' یقین رکھ کہ اگر تمام دنیا مل کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے اور اللہ نے مقدر میں نہ لکھا ہو تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے۔ صحیفے خشک ہو چکے' قلمیں اٹھالی گئیں۔ یقین اور شکر کے ساتھ نیکیوں میں مشغول رہ۔ تکلیفوں میں صبر کرنے پر بڑی نیکیاں ملتی ہیں۔ مدد صبر کے ساتھ ہے۔ غم ورنج کے ساتھ ہی خوشی اور فراخی ہے۔ ہر سختی اپنے اندر آسانی لئے ہوئے ہے۔ (ابن ابی حاتم) تو کہہ دے کہ مجھے اللہ بس ہے۔ بھروسہ کرنے والے اسی کی پاک ذات پر بھروسہ کرتے ہیں جیسے کہ حضرت

ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب دیا تھا جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ اے ہود ہمارے خیال سے تو تمہیں ہمارے کسی معبود نے کسی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا' میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تمہارے تمام معبودان باطل سے بیزار ہوں۔ تم سب مل کر میرے ساتھ جو داؤ گھات تم سے ہو سکتے ہیں' سب کر لو اور مجھے مطلق مہلت نہ دو۔ سنو' میرا توکل میرے رب پر ہے جو دراصل تم سب کا بھی رب ہے۔ روئے زمین پر جتنے چلنے پھرنے والے ہیں' سب کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔ رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص سب سے زیادہ قوی ہونا چاہے' وہ اللہ پر بھروسہ رکھے اور جو سب سے زیادہ غنی بننا چاہے' وہ اس چیز پر جو اللہ کے ہاتھ میں ہے' زیادہ اعتماد رکھے بہ نسبت اس چیز کے جو خود اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور جو سب سے زیادہ بزرگ ہونا چاہے' وہ اللہ عزوجل سے ڈرتا رہے۔ (ابن ابی حاتم) پھر مشرکین کو ڈانٹتے ہوئے فرماتا ہے کہ اچھا تم اپنے طریقے پر عمل کرتے جاؤ۔ میں اپنے طریقے پر عامل ہوں۔ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں ذلیل و خوار کون ہوتا ہے؟ اور آخرت کے دائمی عذاب میں گرفتار کون ہوتا ہے؟ اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾
مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾
اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى
فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ
بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ ع ۱۰

کہہ دے کہ اے میری قوم تم اپنے طور پر عمل کیے جاؤ۔ میں بھی عمل کر رہا ہوں۔ ابھی ابھی تم جان جاؤ گے کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی مار اور ہمیشگی کی سزا ہوتی ہے O تجھ پر ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب لوگوں کے لئے نازل فرمائی ہے۔ پس جو شخص راہ راست پر آ جائے' اس کے اپنے لئے نفع ہے اور جو گمراہ ہو جائے اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے' تو ان کا ذمہ دار نہیں O

نیند اور موت کے وقت ارواح کا قبض کرنا: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۲) اللہ تعالیٰ رب العزت اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ ہم نے تجھ پر اس قرآن کو سچائی اور راستی کے ساتھ تمام جن و انس کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ اس کے فرمان کو مان کر راہ راست حاصل کرنے والے اپنا ہی نفع کریں گے اور اس کے ہوتے ہوئے بھی دوسری غلط راہوں پر چلنے والے اپنا ہی بگاڑیں گے۔ تو اس امر کا ذمے دار نہیں کہ خواہ مخواہ ہر شخص اسے مان ہی لے۔ تیرے ذمے صرف اس کا پہنچا دینا ہے۔ حساب لینے والے ہم ہیں' ہم ہر موجود میں جو چاہیں تصرف کرتے رہتے ہیں' وفات کبریٰ جس میں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے انسان کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وفات صغریٰ جو نیند کے وقت ہوتی ہے' ہمارے ہی قبضے میں ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ الخ یعنی وہ اللہ جو تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے اور دن میں جو کچھ تم کرتے ہو' جانتا ہے۔ پھر تمہیں دن میں اٹھا بٹھاتا ہے تاکہ مقرر کیا ہوا وقت پورا کر دیا جائے۔ پھر تم سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔ وہی اپنے سب بندوں پر غالب ہے۔ وہی تم پر نگہبان فرشتے بھیجتا ہے تاوقتیکہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ تقصیر اور کمی

نہیں کرتے۔ پس ان دونوں آیتوں میں بھی یہی ذکر ہوا ہے۔ پہلے چھوٹی موت کو پھر بڑی موت کو بیان فرمایا۔ یہاں پہلے بڑی وفات کو پھر چھوٹی وفات کو ذکر کیا۔ اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ملاء اعلیٰ میں یہ روحیں جمع ہوتی ہیں جیسے کہ صحیح بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی بستر پر سونے کو جائے تو اپنے تہہ بند کے اندرونی حصے سے اسے جھاڑ لے نہ جانے اس پر کیا کچھ ہو۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے۔ پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقررہ وقت تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے غور کرنے والوں کے لئے اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں ○

پھر یہ دعا پڑھے بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ یعنی اے میرے پالنے والے رب تیرے ہی پاک نام کی برکت سے میں لیٹتا ہوں اور تیری ہی رحمت میں جاگوں گا۔ اگر تو میری روح کو روک لے تو اس پر رحم فرما اور اگر تو اسے بھیج دے تو اس کی ایسی ہی حفاظت کرنا جیسی تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ مردوں کی روحیں جب وہ مریں اور زندوں کی روحیں جب وہ سوئیں قبض کر لی جاتی ہیں اور ان میں آپس میں تعارف ہوتا ہے۔ جب تک اللہ چاہے۔ پھر مردوں کی روحیں تو روک لی جاتی ہیں اور دوسری روحیں مقرر وقت تک کے لئے چھوڑ دی جاتی ہیں۔ یعنی مرنے کے وقت تک۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مردوں کی روحیں اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے اور زندوں کی روحیں واپس بھیج دیتا ہے اور اس میں کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ غور وفکر کے جو عادی ہیں وہ اسی ایک بات میں قدرت الٰہی کے بہت سے دلائل پا لیتے ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاۗءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَـيْـــًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو سفارش کرنے والا مقرر کر رکھا ہے۔ تو کہہ دے کہ گو وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں۔ کہہ دے کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے' تمام آسمانوں اور زمین کا راج اسی کے لئے ہے' تم سب اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے ○ جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے' اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کھل کر خوش ہو جاتے ہیں ○ تو کہہ کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے' چھپے کھلے کے جاننے والے' تو ہی اپنے بندوں میں ان امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ الجھ رہے تھے ○

مشرکین کی مذمت: ☆☆ (آیت:۴۳-۴۵) اللہ تعالیٰ مشرکوں کی مذمت بیان فرماتا ہے کہ وہ بتوں اور معبودان باطل کو اپنا سفارشی اور شفیع سمجھے بیٹھے ہیں' اس کی نہ کوئی دلیل ہے نہ حجت۔ اور دراصل انہیں نہ کچھ اختیار ہے نہ عقل و شعور۔ نہ ان کی آنکھیں' نہ ان کے کان' وہ تو پتھر اور جمادات ہیں جو حیوانوں میں درجہا بدتر ہیں۔ اس لئے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان سے کہہ دو' کوئی نہیں جو اللہ کے سامنے لب ہلا سکے۔ آواز اٹھا سکے جب تک کہ اُس کی مرضی نہ پالے اور اجازت حاصل نہ کر لے' ساری شفاعتوں کا مالک وہی ہے۔ زمین و آسمان کا بادشاہ تنہا وہی ہے' قیامت کے دن تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' اس وقت وہ عدل کے ساتھ تم سب میں سچے فیصلے کرے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ ان کافروں کی یہ حالت ہے کہ توحید کا کلمہ سننا انہیں ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر سن کر ان کے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔ اس کا سننا بھی انہیں پسند نہیں۔ ان کا جی اس میں نہیں لگتا۔ کفر و تکبر انہیں روک دیتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ یعنی ان سے جب کہا جاتا تھا کہ اللہ ایک کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے اور ماننے سے جی چراتے تھے۔ چونکہ ان کے دل حق کے منکر ہیں' اس لئے باطل کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ جہاں بتوں کا اور دوسرے معبود کا ذکر آیا' ان کی باچھیں کھل گئیں۔

صبح و شام کے بعض وظائف: ☆☆ (آیت:۴۶) مشرکین کو جو نفرت توحید سے ہے' اور جو محبت شرک سے ہے اسے بیان فرما کر اپنے نبیؐ سے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ فرماتا ہے کہ تو صرف اللہ تعالیٰ واحد' احد کو ہی پکار جو آسمان و زمین کا خالق ہے اور اس وقت اس نے انہیں پیدا کیا ہے جبکہ نہ یہ کچھ تھے نہ ان کا کوئی نمونہ تھا۔ وہ ظاہر و باطن چھپے کھلے کا عالم ہے۔ یہ لوگ جو جو اختلافات اپنے آپس میں کرتے تھے' سب کا فیصلہ اس دن ہوگا جب یہ قبروں سے نکلیں اور میدان قیامت میں آئیں۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز کو کس دعا سے شروع کرتے تھے؟

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝۴۷ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۴۸

اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روئے زمین پر ہے اور اس کے ساتھ ہی اتنا ہی اور ہو تو بھی بدترین سزا کے بدلے میں قیامت کے دن یہ سب کچھ دے دیں' اور ان کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا جس کا گمان بھی انہیں نہ تھا ○ جو کچھ انہوں نے کیا تھا' اس کی برائیاں ان پر کھل پڑیں گی اور جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے وہ انہیں آ گھیرے گا ○

آپؐ فرماتی ہیں' اس دعا سے اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرِیْلَ وَمِیْکَآئِیْلَ وَ اِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ اِھْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِکَ اِنَّکَ تَھْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ یعنی اللہ اے جبرئیل' میکائیل اور اسرافیل کے رب' اے آسمان وزمین کو بے نمونے کے پیدا کرنے والے' اے حاضر وغائب کے جاننے والے' تو ہی اپنے بندوں کے اختلاف کا فیصلہ کرنے والا ہے جس جس چیز میں اختلاف کیا گیا ہے' تو مجھے ان سب میں اپنے فضل سے حق راہ دکھا۔ تو جسے چاہے سیدھی راہ کی راہنمائی کرتا ہے (مسلم) حضورؐ فرماتے ہیں' جو بندہ اس دعا کو پڑھے' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے اس بندے نے مجھ سے عہد لیا ہے' اس عہد کو پورا کرو۔ چنانچہ اسے جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔ وہ دعا یہ ہے اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَآ اَنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ فَاِنَّکَ اِنْ تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ تُقَرِّبْنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِیْ مِنَ الْخَیْرِ وَاِنِّیْ لَآ اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَکَ عَھْدًا تُوَفِّیْنِیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ یعنی اے اللہ' اے آسمان وزمین کو بے نمونے کے پیدا کرنے والے' اے غائب وحاضر کے جاننے والے میں اس دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میری گواہی ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو اکیلا ہے' تیرا کوئی شریک نہیں اور میری یہ بھی شہادت ہے کہ محمد (ﷺ) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ تو اگر مجھے میری ہی طرف سونپ دے گا تو میں برائی سے قریب اور بھلائی سے دور پڑ جاؤں گا۔ اللہ مجھے صرف تیری رحمت ہی کا سہارا اور بھروسہ ہے۔ پس تو بھی مجھ سے عہد کر جسے تو قیامت کے دن پورا کرے۔ یقیناً تو عہد شکن نہیں۔

اس حدیث کے راوی سہیلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بن عبدالرحمٰن سے جب کہا کہ عونؒ اس طرح یہ حدیث بیان کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ' ہماری تو پردہ نشین بچیوں کو بھی یہ حدیث یاد ہے (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے ایک کاغذ نکالا اور فرمایا کہ یہ دعا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سکھائی ہے اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ وَاِلٰہُ کُلِّ شَیْءٍ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یَشْھَدُوْنَ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشَّیْطَانِ وَشِرْکِہٖ وَاَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ اِثْمًا اَوْ اَجُرَّہٗ اِلٰی مُسْلِمٍ یعنی اے اللہ' اے آسمان وزمین کو بے نمونہ پیدا کرنے والے' چھپی کھلی کے جاننے والے' تو ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز کا معبود ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو اکیلا ہے' تیرا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں اور فرشتے بھی یہی گواہی دیتے ہیں۔ میں شیطان سے اور اس کے شرک سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اپنی جان پر کوئی گناہ کروں یا کسی اور مسلمان کی طرف کسی گناہ کو لے جاؤں۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس دعا کو حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو سکھایا تھا۔ اسے سونے کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ (مسند امام احمد) اور روایت میں ہے کہ ابوراشد حبرانیؒ نے کوئی حدیث سننے کی خواہش حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے کی تو حضرت عبداللہؓ نے ایک کتاب نکال کر ان کے سامنے رکھ دی اور فرمایا' یہ ہے جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے لکھوائی ہے۔ میں نے دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہؐ میں صبح وشام کیا پڑھوں؟ آپؐ نے فرمایا' یہ پڑھو۔ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَمَلِیْکَہٗ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَشَرِّ الشَّیْطَانِ وَشِرْکِہٖ اَوْ اَقْتَرِفُ عَلٰی نَفْسِیْ سُوْءً اَوْ اَجُرُّہٗ اِلٰی مُسْلِمٍ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد کی حدیث میں ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مجھے اس دعا کے پڑھنے کا اللہ کے رسول ﷺ نے صبح شام اور

سوتے وقت حکم دیا ہے۔ دوسری آیت میں ظالموں سے مراد مشرکین ہیں۔ فرماتا ہے کہ اگر ان کے پاس روئے زمین کے خزانے اتنے ہی اور ہوں تو بھی یہ قیامت کے بدترین عذاب کے بدلے انہیں اپنے فدیئے میں اور اپنی جان کے بدلے میں دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن اس دن کوئی فدیہ اور بدلہ قبول نہ کیا جائے گا گو زمین بھر کر سونا دیں جیسے کہ اور آیت میں بیان فرما دیا ہے۔ آج اللہ کے وہ عذاب ان کے سامنے آئیں گے کہ کبھی انہیں ان کا خیال بھی نہ گزرا تھا' جو جو حرام کاریاں' بدکاریاں' گناہ اور برائیاں انہوں نے دنیا میں کی تھیں' اب سب کی سزا اپنے آگے موجود پائیں گے۔ دنیا میں جس سزا کا ذکر سن کر مذاق کرتے تھے' آج وہ انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیں تو کہنے لگتا ہے کہ اسے تو میں محض اپنی دانائی کی وجہ سے دیا گیا ہوں۔ نہیں بلکہ یہ آزمائش ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں ○

انسان کا ناشکرا پن: ☆☆ (آیت:۴۹) اللہ تعالیٰ انسان کی حالت کو بیان فرماتا ہے کہ مشکل کے وقت تو وہ آہ و زاری شروع کر دیتا ہے' اللہ کی طرف پوری طرح راجع اور راغب ہو جاتا ہے لیکن جہاں مشکل کشائی ہوگئی' جہاں راحت و نعمت حاصل ہوئی کہ یہ سرکش و متکبر بنا۔ اور اکڑتا ہوا کہنے لگا کہ یہ تو اللہ کے ذمے میرا حق تھا۔ میں اللہ کے نزدیک اس کا مستحق تھا ہی۔ میری اپنی عقل مندی اور خوش تدبیری کی وجہ سے اس نعمت کو میں نے حاصل کیا ہے۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَالَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَیُصِیْبُهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

ع ۱۱

ان سے اگلے بھی یہی بات کہہ چکے ہیں۔ پس ان کی کارروائی ان کے کچھ کام نہ آئی ○ پھر ان کی تمام برائیاں ان پر آ پڑیں اور ان میں سے بھی جو گنہگار ہیں' ان کی کی ہوئی برائیاں بھی ان پر آ پڑیں گی۔ یہ (ہمیں) ہرا دینے والے نہیں ○ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی' ایمان لانے والوں کے لئے اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' بات یوں نہیں بلکہ دراصل یہ ہماری طرف کی آزمائش ہے۔ گو ہمیں ازل سے علم حاصل ہے لیکن تاہم ہم اسے ظہور میں لانا چاہتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس نعمت کا یہ شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری لیکن یہ لوگ بے علم ہیں۔ دعوے کرتے ہیں' منہ سے بات نکال دیتے ہیں لیکن اصلیت سے بے خبر ہیں' یہی دعویٰ اور یہی قول ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی کیا اور کہا۔ لیکن ان کا قول صحیح ثابت نہ ہوا

اور ان نعمتوں نے کسی اور چیز نے اور ان کے اعمال نے انہیں کوئی نفع نہ دیا۔ جس طرح ان پر وبال ٹوٹ پڑا اسی طرح ان پر بھی ایک دن ان کی بداعمالیوں کا وبال آ پڑے گا اور یہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ نہ تھکا اور ہرا سکتے ہیں۔ جیسے کہ قارون سے اس کی قوم نے کہا تھا کہ اس قدر اکڑ نہیں اللہ تعالیٰ خود پسندوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو خرچ کر کے آخرت کی تیاری کر اور وہاں کا سامان مہیا کر۔ اس دنیا میں بھی فائدہ اٹھاتا رہ اور جیسے اللہ نے تیرے ساتھ سلوک کیا ہے تو بھی لوگوں کے ساتھ احسان کرتا رہ زمین میں فساد کرنے والا مت بن اللہ تعالیٰ مفسدوں سے محبت نہیں کرتا۔ اس پر قارون نے جواب دیا کہ ان تمام نعمتوں اور جاہ و دولت کو میں نے اپنی دانائی اور علم و ہنر سے حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ اس سے پہلے اس سے زیادہ قوت اور اس سے زیادہ جمع جتھا والوں کو میں نے ہلاک و برباد کر دیا ہے مجرم اپنے گناہوں کے بارے میں پوچھے نہ جائیں گے۔

الغرض مال و اولاد پر پھول کر اللہ کو بھول جانا یہ شیوہ کفر ہے۔ کفار کا قول تھا کہ ہم مال و اولاد میں زیادہ ہیں۔ ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔ کیا انہیں اب تک یہ معلوم نہیں کہ رزق کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کے لئے چاہے کشادگی کرے اور جس پر چاہے تنگی کرے۔ اس میں ایمان والوں کے لئے طرح طرح کی عبرتیں اور دلیلیں ہیں۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ وَ اَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾

میری جانب سے کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے ○ تم سب اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو اور اس کی حکم برداری کئے چلے جاؤ۔ اس سے قبل کہ تمہارے پاس عذاب آ جائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے ○ اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو ○ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص کہے ہائے افسوس اس بات پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی کی بلکہ میں تو مذاق اڑانے والوں میں ہی رہا ○

توبہ تمام گناہوں کی معافی کا ذریعہ: ☆☆ (آیت: ۵۳-۵۶) اس آیت میں تمام نافرمانوں کو گو وہ مشرک و کافر بھی ہوں توبہ کی دعوت دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ کی ذات غفور و رحیم ہے۔ وہ ہر تائب کی توبہ قبول کرتا ہے۔ ہر جھکنے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ توبہ کرنے والے کے اگلے گناہ بھی معاف فرما دیتا ہے گو وہ کیسے ہی ہوں کتنے ہی ہوں کبھی کے ہوں۔ اس آیت کو بغیر توبہ کے گناہوں کی بخشش کے معنی میں لینا صحیح نہیں اس لئے کہ شرک بغیر توبہ کے بخشا نہیں جاتا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ بعض مشرکین جو قتل و زنا کے بھی مرتکب تھے

حاضر خدمت نبویؐ ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یہ آپ کی باتیں اور آپ کا دین ہمیں ہر لحاظ سے اچھا اور سچا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بڑے بڑے گناہ جو ہم سے ہو چکے ہیں' ان کا کفارہ کیا ہوگا؟ اس پر آیت وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ الخ یہ اور آیت نازل ہوئی۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے' حضور علیہ السلام فرماتے ہیں' مجھے ساری دنیا اور اس کی ہر چیز کے ملنے سے اتنی خوشی نہ ہوئی جتنی اس آیت کے نازل ہونے سے ہوئی ہے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ جس نے شرک کیا ہو؟ آپؐ نے تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد فرمایا' خبردار رہو' جس نے شرک بھی کیا ہو' تین مرتبہ یہی فرمایا۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک بوڑھا بڑا شخص لکڑی ٹکاتا ہوا آنحضرت ﷺ کی دمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے چھوٹے موٹے گناہ بہت سارے ہیں' کیا مجھے بھی بخشا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا' کیا تو اللہ کی توحید کی گواہی نہیں دیتا؟ اس نے کہا' ہاں اور آپؐ کی رسالت کی گواہی بھی دیتا ہوں' آپؐ نے فرمایا' تیرے چھوٹے موٹے گناہ معاف ہیں۔ ابوداؤد ترمذی وغیرہ میں ہے' حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا' آپؐ اس آیت کی تلاوت اسی طرح فرما رہے تھے اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ اور اس آیت کو اس طرح پڑھتے ہوئے سنا یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ پس ان تمام احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بندے کو رحمت رب سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ گو گناہ کتنے ہی بڑے اور کتنے ہی کثرت سے ہوں۔ توبہ اور رحمت کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا رہتا ہے اور وہ بہت ہی وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ کیا لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور فرمایا وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ الخ جو برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے' پھر اللہ سے استغفار کرے' وہ اللہ کو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا پائے گا۔

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۹﴾

یا کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پارسالوگوں میں ہوتا ○ یا عذابوں کو دیکھ کر کہنے لگے' کاش کہ کسی طرح میرا لوٹ جانا ہو جاتا تو میں بھی نیکوکاروں میں ہو جاتا ○ ہاں ہاں بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہنچ چکی تھیں جنہیں تو نے جھٹلایا اور غرور وتکبر کیا اور تو تھا ہی کافروں میں ○

منافقوں کی سزا جو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوگی اسے بیان فرما کر بھی فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا یعنی ان سے وہ مستثنیٰ ہیں جو توبہ کریں اور اصلاح کرلیں۔ مشرکین نصاریٰ کے اس شرک کا کہ وہ اللہ کو تین میں کا تیسرا مانتے ہیں' ذکر کر کے ان کی سزاؤں کے بیان سے پہلے فرما دیا اِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ کہ اگر یہ اپنے قول سے باز نہ آئے تو پھر اللہ تعالیٰ عظمت و کبریائی جلال وشان والے نے فرمایا' یہ کیوں اللہ سے توبہ نہیں کرتے اور کیوں اس سے استغفار نہیں کرتے؟ وہ تو بڑا ہی غفور ورحیم ہے۔ ان لوگوں کا جنہوں نے خندقیں کھود کر مسلمانوں کو آگ میں ڈالا تھا ذکر کرتے ہوئے بھی فرمایا کہ جو مسلمان مرد عورتوں کو تکلیف پہنچا کر پھر بھی توبہ نہ کریں ان کے لئے عذاب جہنم اور عذاب نار ہے۔

امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے کرم وجود کو دیکھو کہ اپنے دوستوں کے قاتلوں کو بھی توبہ اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں اس شخص کا واقعہ بھی مذکور ہے جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ پھر بنی اسرائیل کے ایک عابد سے پوچھا کہ کیا اس کے لئے بھی توبہ ہے؟ اس نے انکار کیا۔ اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ پھر ایک عالم سے پوچھا' اس نے جواب دیا کہ تجھ میں اور توبہ میں کوئی روک نہیں اور حکم دیا کہ موحدوں کی بستی میں چلا جائے چنانچہ یہ اس گاؤں کی طرف چلا لیکن راستے میں ہی موت آ گئی۔ رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں آپس میں اختلاف ہوا۔ اللہ عزوجل نے زمین کے ناپنے کا حکم دیا تو ایک بالشت بھر نیک لوگوں کی بستی جس طرف وہ ہجرت کر کے جا رہا تھا' قریب نکلی اور یہ انہی کے ساتھ ملا دیا گیا اور رحمت کے فرشتے اس کی روح کو لے گئے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ وہ موت کے وقت سینے کے بل اس طرف گھسیٹتا ہوا چلا تھا۔ اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ نیک لوگوں کی بستی کے قریب ہو جانے کا اور برے لوگوں کی بستی کے دور ہو جانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ یہ اس حدیث کا خلاصہ ہے۔ پوری حدیث اپنی جگہ بیان ہو چکی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے تمام بندوں کو اپنی مغفرت کی طرف بلایا ہے' انہیں بھی جو حضرت مسیحؑ کو اللہ کہتے تھے' انہیں بھی جو آپ کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے' انہیں بھی جو حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا بتاتے تھے' انہیں بھی جو اللہ کو فقیر کہتے تھے' انہیں بھی جو اللہ کے ہاتھوں کو بند بتاتے تھے۔ انہیں بھی جو اللہ تعالیٰ کو تین میں کا تیسرا کہتے تھے' اللہ تعالیٰ ان سب سے فرماتا ہے کہ یہ کیوں اللہ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں اس سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں چاہتے؟ اللہ تو بڑی بخشش والا اور بہت ہی رحم و کرم والا ہے۔ پھر توبہ کی دعوت اللہ تعالیٰ نے اسے دی جس کا قول ان سب سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ جس نے دعویٰ کیا تھا کہ میں تمہارا بلند و بالا رب ہوں۔ جو کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ تمہارا کوئی معبود میرے سوا ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد بھی جو شخص اللہ کے بندوں کو توبہ سے مایوس کرے' وہ اللہ عزوجل کی کتاب کا منکر ہے لیکن اسے سمجھ لو کہ جب تک اللہ کسی بندے پر اپنی مہربانی سے رجوع نہ فرمائے' اسے توبہ نصیب نہیں ہوتی۔

طبرانی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ کتاب اللہ قرآن کریم میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت ''آیت الکرسی'' ہے اور خیر و شر کی سب سے زیادہ جامع آیت اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ ہے اور سارے قرآن میں سب سے زیادہ خوشی کی آیت سورۂ زمر کی قُلْ يٰعِبَادِيَ الخ ہے اور سب سے زیادہ ڈھارس دینے والی آیت وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ہے یعنی اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کی مخلصی خود اللہ کر دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں کا اسے خیال و گمان بھی نہ ہو۔ حضرت مسروقؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ بیشک آپ سچے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جا رہے تھے کہ آپ نے ایک واعظ کو دیکھا جو لوگوں کو نصیحتیں کر رہا تھا کہ آپ نے فرمایا۔ تو کیوں لوگوں کو مایوس کر رہا ہے؟ پھر اسی آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم)

''ان احادیث کا بیان جن میں ناامیدی اور مایوسی کی ممانعت ہے'' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر تم خطائیں کرتے کرتے زمین و آسمان پر کر دو' پھر اللہ سے استغفار کرو تو یقیناً وہ تمہیں بخش دے گا۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے' اگر تم خطائیں کرو ہی نہیں تو اللہ عزوجل تمہیں فنا کر کے ان لوگوں کو لائے گا جو خطا کر کے استغفار کریں اور پھر اللہ انہیں بخشے۔ (مسند امام احمد) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی وفات کے وقت فرماتے ہیں' ایک حدیث میں نے تم سے آج تک بیان نہیں کی تھی۔ اب بیان کر دیتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپ نے فرمایا' اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ عزوجل ایسی

قوم کو پیدا کرتا جو گناہ کرتی‘ پھر اللہ انہیں بخشتا ۔ (صحیح مسلم وغیرہ) حضورؐ فرماتے ہیں‘ گناہ کا کفارہ ندامت اور شرمساری ہے اور آپؐ نے فرمایا‘ اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لاتا جو گناہ کریں‘ پھر وہ انہیں بخشے (مسند احمد) آپؐ فرماتے ہیں‘ اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو کامل یقین رکھنے والا اور گناہوں سے توبہ کرنے والا ہو (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس ملعون نے کہا‘ اے میرے رب تو نے مجھے آدم کی وجہ سے جنت سے نکالا ہے اور میں اس سے اس کے بغیر کہ تو مجھے اس پر غلبہ دے‘ غالب نہیں آ سکتا ۔ جناب باری نے فرمایا‘ جا تو ان پر مسلط ہے ۔ اس نے کہا‘ اللہ کچھ اور بھی مجھے زیادتی عطا فرما ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا‘ جا بنی آدم میں جتنی اولاد پیدا ہوگی اتنی ہی تیرے ہاں بھی ہوگی ۔ اس نے پھر التجا کی کہ باری تعالیٰ کچھ اور بھی مجھے زیادتی دے ۔ پروردگار عالم نے فرمایا‘ بنی آدم کے سینے میں تیرے لئے مسکن بنا دوں گا اور تم ان کے جسم میں خون کی جگہ پھرو گے ۔ اس نے پھر کہا کہ کچھ اور بھی مجھے زیادتی عنایت فرما ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا‘ جا تو ان پر اپنے سوار اور پیادے دوڑا ۔ اور ان کے مال و اولاد میں اپنا ساجھا کر اور انہیں امنگیں دلا ۔ گو حقیقتاً تیرا امنگیں دلانا اور وعدے کرنا سراسر دھوکے کی ٹٹی ہیں ۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار تو نے اسے مجھ پر مسلط کر دیا ۔ اب میں اس سے تیرے بچائے بغیر بچ نہیں سکتا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا‘ سنو تمہارے ہاں جو اولاد ہو گی‘ اس کے ساتھ میں ایک محافظ مقرر کر دوں گا جو شیطانی پنجے سے محفوظ رکھے‘ حضرت آدمؑ نے اور زیادتی طلب کی‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا‘ ایک نیکی کو دس گنا کر کے دوں گا بلکہ دس سے بھی زیادہ ۔ اور برائی اسی کے برابر رہے گی یا معاف کر دوں گا ۔ آپ نے پھر بھی اپنی یہی دعا جاری رکھی ۔ رب العزت نے فرمایا‘ توبہ کا دروازہ تمہارے لئے اس وقت تک کھلا ہے جب تک روح جسم میں ہے ۔ حضرت آدمؑ نے دعا کی اللہ مجھے اور زیادتی بھی عطا فرما ۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہی آیت پڑھ سنائی کہ میرے گنہگار بندوں سے کہہ دو وہ میری رحمت سے مایوس نہ ہوں ۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت عمر فاروقؓ کی حدیث میں ہے کہ جو لوگ بوجہ اپنی کمزوری کے کفار کی تکلیفیں برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے اپنے دین میں فتنے میں پڑ گئے تھے‘ ہم اس کی نسبت آپس میں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی نیکی اور توبہ قبول نہ فرمائے گا ۔ ان لوگوں نے اللہ کو پہچان کر پھر کفر کو لے لیا اور کافروں کی سختی کو برداشت نہ کیا ۔ جب حضورؐ مدینے میں آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ہمارے اس قول کی تردید کر دی اور یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا سے لَا تَشْعُرُوْنَ تک آیتیں نازل ہوئیں ۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں‘ میں نے اپنے ہاتھ سے ان آیتوں کو لکھا اور ہشام بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا ۔ حضرت ہشامؓ فرماتے ہیں‘ میں اس وقت ذی طویٰ میں تھا ۔ میں انہیں پڑھ رہا تھا اور بار بار پڑھتا جاتا تھا اور خوب غور و خوض کر رہا تھا لیکن اصلی مطلب تک ذہن رسائی نہیں کرتا تھا ۔ آخر میں نے دعا کی کہ پروردگار ان آیتوں کا صحیح مطلب اور ان کو میری طرف بھیجے جانے کا صحیح مقصد مجھ پر واضح کر دے ۔ چنانچہ میرے دل میں اللہ کی طرف سے ڈالا گیا کہ ان آیتوں سے مراد ہم ہی ہیں ۔ یہ ہمارے بارے میں ہیں اور ہمیں جو خیال تھا کہ اب ہماری توبہ قبول نہیں ہو سکتی‘ اسی بارے میں نازل ہوئی ہیں ۔ اسی وقت میں واپس مڑا ۔ اپنا اونٹ لیا ۔ اس پر سواری کی اور سیدھا مدینے میں آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ۔ (سیرۃ ابن اسحاق) بندوں کی مایوسی کو توڑ کر انہیں بخشش کی امید دلا کر پھر حکم دیا اور رغبت دلائی کہ وہ توبہ اور نیک عمل کی طرف سبقت اور جلدی کریں ۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ کے عذاب آ پڑیں جس وقت کہ کسی کی مدد کچھ کام نہیں آتی‘ اور انہیں چاہیے کہ عظمت والے قرآن کریم کی تابعداری اور ماتحتی میں مشغول ہو جائیں ۔ اس سے پہلے کہ اچانک عذاب آ جائیں اور یہ بےخبری میں ہی ہوں‘ اس وقت قیامت کے دن بےتوبہ مرنے والے اور اللہ کی عبادت میں کمی کرنے والے بڑی حسرت اور بہت افسوس کریں گے اور آرزو کریں گے کہ کاش کہ ہم خلوص کے ساتھ احکام الٰہی بجا لاتے ۔ افسوس! کہ ہم تو بےیقین رہے ۔ اللہ کی باتوں کی تصدیق ہی نہ کی بلکہ ہنسی مذاق ہی سمجھتے رہے‘ اور کہیں گے کہ اگر

ہم بھی ہدایت پالیتے تو یقیناً رب کی نافرمانیوں سے دنیا میں اور اللہ کے عذاب سے آخرت میں بچ جاتے اور عذاب کو دیکھ کر افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ اگر اب دوبارہ دنیا کی طرف جانا ہو جائے تو دل کھول کر نیکیاں کر لیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بندے کیا عمل کریں گے اور کیا کچھ وہ کہیں گے' ان کے عمل اور ان کے قول سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دے دی اور فی الواقع اس سے زیادہ باخبر کون ہو سکتا ہے؟ نہ اس سے زیادہ سچی خبر کوئی دے سکتا ہے۔ بدکاروں کے یہ تینوں قول بیان فرمائے اور دوسری جگہ یہ خبر دے دی کہ اگر یہ واپس دنیا میں بھیجے جائیں تو بھی ہدایت کو اختیار نہ کریں گے بلکہ جن کاموں سے روکے گئے ہیں' انہی کو کرنے لگیں گے اور یہاں جو کہتے ہیں' سب جھوٹ نکلے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے' ہر جہنمی کو اس کی جنت کی جگہ دکھائی جاتی ہے۔ اس وقت وہ کہتا ہے کاش کہ اللہ مجھے ہدایت دیتا۔ یہ اس لئے کہ اسے حسرت و افسوس ہو۔ اور اسی طرح ہر جنتی کو اس کی جہنم کی جگہ دکھائی جاتی ہے' اس وقت وہ کہتا ہے کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دیتا تو وہ جنت میں نہ آ سکتا۔ یہ اس لئے کہ وہ شکر و احسان کے ماننے میں اور بڑھ جائے جب گنہگار لوگ دنیا کی طرف لوٹنے کی آرزو کریں گے۔ اور اللہ کی آیتوں کی تصدیق نہ کرنے کی حسرت کریں گے اور اللہ کے رسولوں کو نہ ماننے پر کڑھنے لگیں گے۔ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرمائے گا کہ اب ندامت لاحاصل ہے' پچھتاوا بے سود ہے۔ دنیا میں ہی میں تو اپنی آیتیں اتار چکا تھا۔ اپنی دلیلیں قائم کر چکا تھا لیکن تو انہیں جھٹلاتا رہا اور ان کی تابعداری سے تکبر کرتا رہا' ان کا منکر رہا۔ کفر اختیار کیا' اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾

جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے' تو دیکھے گا کہ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے' کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں؟ ○ اور جن لوگوں نے پرہیزگاری کی' انہیں اللہ تعالیٰ ان کی کامیابی کے ساتھ بچا لے گا' انہیں کوئی برائی چھو بھی نہیں سکے گی اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے ○

مشرکین کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے: ☆☆ (آیت: ۶۰-۶۱) قیامت کے دن دو طرح کے لوگ ہوں گے۔ کالے منہ والے اور نورانی چہرے والے۔ تفرقہ اور اختلاف والوں کے چہرے تو سیاہ پڑ جائیں گے اور اہل سنت والجماعت کی خوبصورت شکلیں نورانی ہو جائیں گی۔ اللہ کے شریک ٹھہرانے والوں' اس کی اولاد مقرر کرنے والوں کو دیکھے گا کہ ان کے جھوٹ اور بہتان کی وجہ سے منہ کالے ہوں گے اور حق کو قبول نہ کرنے اور تکبر و خودنمائی کرنے کے وبال میں یہ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے جہاں بڑی ذلت کے ساتھ سخت تر اور بدترین سزائیں بھگتیں گے۔ ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ ''تکبر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن چیونٹیوں کی صورت میں ہوگا۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی مخلوق بھی انہیں روندتی جائے گی یہاں تک کہ جہنم کے جیل خانے میں بند کر دیئے جائیں گے جس کا نام بولس ہے۔ جس کی آگ بہت تیز اور نہایت ہی مصیبت والی ہے۔ دوزخیوں کو لہو' پیپ اور گندگی پلائی جائے گی' ہاں اللہ کا ڈر رکھنے والے اپنی کامیابی اور سعادت مندی کی وجہ سے اس عذاب سے اور اس ذلت اور مار پیٹ سے بالکل بچے ہوئے ہوں گے اور کوئی برائی ان کے پاس بھی نہ پھٹکے گی۔ گھبراہٹ اور غم جو قیامت کے دن عام ہوگا' وہ ان سے الگ ہوگا۔ ہر غم سے بے غم اور ہر ڈر سے بے ڈر اور ہر سزا اور ہر دکھ سے بے پرواہ ہوں گے۔ کسی قسم کی ڈانٹ جھڑکی انہیں نہ دی جائے گی۔ امن و امان کے ساتھ' راحت و چین کے ساتھ اللہ کی تمام نعمتیں حاصل کئے ہوئے ہوں گے۔
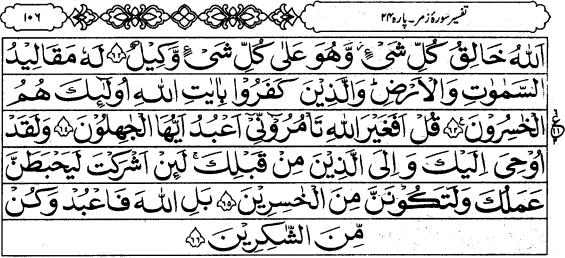
اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○ آسمانوں اور زمینوں کی کنجیوں کا مالک وہی ہے' جن جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا' وہی خسارہ پانے والے ہیں ○ تو کہہ دے کہ اے جاہلو' کیا تم مجھ سے اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کو کہتے ہو؟ ○ یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے کے تمام نبیوں کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں ہو جائے گا ○ بلکہ تو اللہ کی عبادت کرتا رہ اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا ○

(آیت:۶۲-۶۶) تمام جاندار اور بے جان چیزوں کا خالق' مالک' رب اور متصرف اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ہے۔ ہر چیز اس کی ماتحتی میں' اس کے قبضے اور اس کی تدبیر میں ہے۔ سب کا کارساز اور وکیل وہی ہے۔ تمام کاموں کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے' زمین و آسمان کی کنجیوں اور ان کے خزانوں کا وہی تنہا مالک ہے' حمد و ستائش کے قابل اور ہر چیز پر قادر وہی ہے۔ کفر و انکار کرنے والے بڑے ہی گھاٹے اور نقصان میں ہیں۔ امام ابن ابی حاتم نے یہاں ایک حدیث وارد کی ہے گو سند کے لحاظ سے وہ بہت ہی غریب ہے بلکہ صحت میں بھی کلام ہے لیکن تاہم ہم بھی اسے یہاں ذکر کر دیتے ہیں۔ اس میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا' اے عثمان تم سے پہلے کسی نے مجھ سے اس آیت کا مطلب دریافت نہیں کیا۔

اس کی تفسیر یہ کلمات ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اے عثمان جو شخص اسے صبح کو دس بار پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اسے چھ فضائل عطا فرماتا ہے۔ اول تو وہ شیطان اور اس کے لشکر سے بچ جاتا ہے' دوم اسے ایک قنطار اجر ملتا ہے' تیسرے اس کا ایک درجہ جنت میں بلند ہوتا ہے' چوتھے اسے حور عین سے نکاح کرا دیا جاتا ہے' پانچویں اس کے پاس بارہ فرشتے آتے ہیں' چھٹے اسے اتنا ثواب دیا جاتا ہے جیسے کسی نے قرآن اور توراۃ اور انجیل و زبور پڑھی۔ پھر ساتھ ہی اسے ایک قبول شدہ حج اور ایک مقبول عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہادت کا درجہ ملتا ہے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس میں بڑی نکارت ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مشرکین نے آپ سے کہا کہ آؤ تم ہمارے معبودوں کی پوجا کرو اور ہم تمہارے رب کی پرستش کریں گے۔ اس پر آیت قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ سے مِنَ الْخٰسِرِيْنَ تک نازل ہوئی۔ یہی مضمون اس آیت میں بھی ہے۔ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اوپر انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا ہے' اگر بالفرض یہ انبیاء بھی شرک کریں تو ان کے تمام اعمال اکارت اور ضائع ہو جائیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ تیری طرف اور تجھ سے پہلے کے تمام انبیاء کی طرف ہم نے یہ وحی بھیج دی

ہے کہ جو بھی شرک کرے اس کا عمل غارت۔ اور وہ نقصان یافتہ اور زیاں کار' پس تجھے چاہیے کہ تو خلوص کے ساتھ اللہ وحدہ ولاشریک کی عبادت میں لگا رہ اور اس کا شکر گزار رہ۔ تو بھی اور تیرے ماننے والے مسلمان بھی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

ان لوگوں نے جیسی عظمت اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی' نہیں کی۔ ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بنائیں ○

زمین و آسمان اللہ کی انگلیوں میں : ☆☆ (آیت: ۶۷) مشرکین نے دراصل اللہ تعالیٰ کی قدر و عظمت جانی ہی نہیں۔ اسی وجہ سے وہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگے' اس سے بڑھ کر عزت والا' اس سے زیادہ بادشاہت والا' اس سے بڑھ کر غلبے اور قدرت والا کوئی نہیں۔ نہ کوئی اس کا ہمسر اور برابری کرنے والا ہے۔ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انہیں اگر قدر ہوتی تو اس کی باتوں کو غلط نہ جانتے۔ جو شخص اللہ کو ہر چیز پر قادر مانے' وہ ہے جس نے اللہ کی عظمت کی اور جس کا یہ عقیدہ نہ ہو' وہ اللہ کی قدر کرنے والا نہیں۔ اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ اس جیسی آیتوں کے بارے میں سلف صالحین کا مسلک یہی رہا ہے کہ جس طرح اور جن لفظوں میں یہ آئی ہے' اسی طرح انہی لفظوں کے ساتھ انہیں مان لینا اور ان پر ایمان رکھنا۔ نہ ان کی کیفیت ٹٹولنا نہ ان میں تحریف و تبدیلی کرنا۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ یہودیوں کا ایک بڑا عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم یہ لکھا پاتے ہیں کہ اللہ عزوجل ساتوں آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور سب زمینوں کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور درختوں کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور پانی اور مٹی کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوق کو ایک انگلی پر رکھ لے گا۔ پھر فرمائے گا' میں ہی سب کا مالک اور سچا بادشاہ ہوں۔ حضورؐ اس کی بات کی سچائی پر ہنس دیئے یہاں تک کہ آپؐ کے مسوڑھے ظاہر ہو گئے۔ پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ مسند کی حدیث بھی اسی کے قریب ہے۔ اس میں ہے کہ آپؐ ہنسے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ اور روایت میں ہے کہ وہ اپنی انگلیوں پر بتاتا جاتا تھا۔ پہلے اس نے کلمے کی انگلی دکھائی تھی۔ اس روایت میں چار انگلیوں کا ذکر ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے' اللہ تعالیٰ زمین کو قبض کر لے گا اور آسمان کو اپنی داہنی مٹھی میں لے لے گا۔ پھر فرمائے گا' میں ہوں بادشاہ' کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ مسلم کی اس حدیث میں ہے کہ زمینیں اس کی ایک انگلی پر ہوں گی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں ہوں گے۔ پھر فرمائے گا میں ہی بادشاہ ہوں۔ مسند احمد میں ہے' حضورؐ نے ایک دن منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور آپؐ اپنا ہاتھ ہلاتے جاتے تھے۔ آگے پیچھے لا رہے تھے اور فرماتے تھے' اللہ تعالیٰ اپنی بزرگی آپ بیان فرمائے گا کہ میں جبار ہوں' میں متکبر ہوں' میں مالک ہوں' میں باعزت ہوں' میں کریم ہوں۔ آپؐ اس کے بیان کے وقت اتنا ہل رہے تھے کہ ہمیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں آپؐ منبر سمیت گر نہ پڑیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی پوری کیفیت دکھا دی کہ کس طرح حضورؐ نے اسے حکایت کیا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا' میں بادشاہ ہوں۔ اپنی انگلیوں کو کبھی کھولے گا۔ کبھی بند کرے گا۔ اور آپ اس وقت ہل رہے تھے یہاں تک کہ حضور ﷺ کے ہلنے سے سارا منبر ہلنے لگا اور مجھے ڈر لگا کہ کہیں وہ حضور کو گرا نہ دے۔ بزار کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے یہ آیت پڑھی اور منبر ہلنے لگا۔ پس آپؐ تین مرتبہ آئے گئے۔ واللہ اعلم۔ معجم کبیر طبرانی کی ایک غریب حدیث

میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت سے فرمایا' میں آج تمہیں سورۂ زمر کی آخری آیتیں سناؤں گا جسے ان سے رونا آ گیا' وہ جنتی ہو گیا اب آپ نے اس آیت سے لے کر ختم سورۂ تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں۔ بعض روئے اور بعض کو رونا نہ آیا۔ انہوں نے عرض کیا' یا رسول اللہ ہم نے ہر چند رونا چاہا لیکن رونا نہ آیا۔

آپؐ نے فرمایا' اچھا میں پھر پڑھوں گا جسے رونا نہ آئے وہ رونی شکل بنا کر بہ تکلف روئے۔ ایک اس سے بڑھ کر غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میں نے تین چیزیں اپنے بندوں میں چھپالی ہیں۔ اگر وہ انہیں دیکھ لیتے تو کوئی شخص کبھی کوئی بدعملی نہ کرتا۔ (۱) اگر میں پردہ ہٹا دیتا اور وہ مجھے دیکھ کر خوب یقین کر لیتے اور معلوم کر لیتے کہ میں اپنی مخلوق سے کیا کچھ کرتا ہوں جب کہ ان کے پاس آؤں اور آسمانوں کو اپنی مٹھی میں لے لوں۔ پھر زمین کو اپنی مٹھی میں لے لوں' پھر کہوں' میں بادشاہ ہوں۔ میرے سوا ملک کا مالک کون ہے؟ (۲) پھر میں انہیں جنت دکھاؤں اور اس میں جو بھلائیاں ہیں' سب ان کے سامنے کر دوں اور وہ یقین کے ساتھ خوب اچھی طرح دیکھ لیں۔ (۳) اور میں انہیں جہنم دکھا دوں اور اس کے عذاب دکھا دوں یہاں تک کہ انہیں یقین آ جائے۔ لیکن میں نے یہ چیزیں قصداً ان سے پوشیدہ کر رکھی ہیں تاکہ میں جان لوں کہ وہ مجھے کس طرح جانتے ہیں کیونکہ میں نے یہ سب باتیں بیان کر دی ہیں۔ اس کی سند متقارب ہے اور اس نسخے سے بہت سی حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع ۷

صور پھونک دیا جائے گا۔ پس آسمانوں اور زمین والے سب بیہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ چاہے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا۔ پس وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جائیں گے ○ زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی' نامہ اعمال حاضر کئے جائیں گے' نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا اور لوگوں کے درمیان حق حق فیصلے کر دیئے جائیں گے۔ وہ ظلم نہ کئے جائیں گے ○ اور جس شخص نے جو کچھ کیا ہے' بھر پور دے دیا جائے گا۔ جو کچھ لوگ کر رہے ہیں' وہ بخوبی جاننے والا ہے ○

قیامت کی ہولناکی کا بیان: ☆☆ (آیت: ۶۸-۷۰) قیامت کی ہولناکی اور دہشت و وحشت کا ذکر ہو رہا ہے کہ صور پھونکا جائے گا۔ یہ دوسرا صور ہوگا جس سے ہر زندہ مر جائے گا خواہ آسمان میں ہو خواہ زمین میں۔ مگر جسے اللہ چاہے۔ صور کی مشہور حدیث میں ہے کہ پھر باقی والوں کی روحیں قبض کی جائیں گی یہاں تک کہ سب سے آخر خود ملک الموت کی روح بھی قبض کی جائے گی اور صرف اللہ تعالیٰ ہی باقی رہ جائے گا' جو حی و قیوم ہے' جو اول سے تھا اور آخر میں دوام کے ساتھ رہ جائے گا۔ پھر فرمائے گا کہ آج کس کا راج پاٹ ہے؟ تین مرتبہ یہی فرمائے گا۔ پھر خود آپ ہی اپنے آپ کو جواب دے گا کہ اللہ واحد و قہار کا' میں ہی اکیلا ہوں جس نے ہر چیز کو اپنی ماتحتی میں کر رکھا ہے' آج میں نے سب کو فنا کا حکم دے دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ کرے گا

اور انہیں حکم دے گا کہ دوبارہ نفخہ پھونکیں۔ یہ تیسرا صور ہوگا جس سے ساری مخلوق جو مردہ تھی' زندہ ہو جائے گی جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ اور نفخہ پھونکا جائے گا اور سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور نظریں دوڑانے لگیں گے۔ یعنی قیامت کی دل دوز حالت دیکھنے لگیں گے' جیسے فرمان ہے فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَاهُمْ بِالسَّاهِرَةِ یعنی وہ تو صرف ایک ہی سخت آواز ہو گی جس سے سب لوگ فوراً ہی ایک میدان میں آموجود ہوں گے۔ اور آیت میں ہے يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُوْنَ بِحَمْدِهٖ الخ یعنی جس دن اللہ تعالیٰ انہیں بلائے گا تو سب اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کو مان لو گے اور دنیا کی زندگی کو کم سمجھنے لگو گے۔ اللہ جل وعلا کا اور جگہ ارشاد ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ الخ اس کی نشانیوں میں سے زمین وآسمان کا اس کے حکم سے قائم رہنا ہے۔ پھر جب وہ تمہیں زمین میں سے پکار کر بلائے گا تو تم سب یکبارگی نکل پڑو گے۔

مسند احمد ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں' اتنے اتنے وقت تک قیامت آجائے گی۔ آپ نے ناراض ہو کر فرمایا' جی تو چاہتا ہے کہ تم سے کوئی بات بیان ہی نہ کروں۔ میں نے تو کہا تھا کہ بہت تھوڑی مدت میں تم اہم امر دیکھو گے۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' میری امت میں دجال آئے گا اور وہ چالیس تک رہے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال یا چالیس راتیں۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا۔ وہ بالکل صورت شکل میں حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ جیسے ہوں گے۔ اللہ آپ کو غالب کرے گا او دجال آپ کے ہاتھوں ہلاک ہوگا۔ پھر سات سال تک لوگ اس طرح ملے جلے رہیں گے کہ ساری دنیا میں دو شخصوں کے درمیان بھی آپس میں رنجش وعداوت نہ ہوگی۔ پھر پروردگار عالم شام کی طرف ایک ہلکی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے تمام ایمان والوں کی روح قبض کر لی جائے گی یہاں تک کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا' وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ یہ خواہ کہیں بھی ہوں یہاں تک کہ اگر کسی پہاڑی کی کھوہ میں بھی کوئی مسلمان ہوگا تو یہ ہوا وہاں بھی پہنچے گی۔ میں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ پھر تو بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو اپنے کمینہ پن میں مثل پرندوں کے ہلکے اور اپنی بے وقوفی میں مثل درندوں کے بے وقوف ہوں گے' نہ اچھائی کو اچھائی سمجھیں گے نہ برائی کو برائی جانیں گے۔ ان پر شیطان ظاہر ہوگا اور کہے گا' شرماتے نہیں کہ تم نے بت پرستی چھوڑ رکھی ہے چنانچہ وہ اس کے بہکائے میں آکر بت پرستی شروع کر دیں گے۔ اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی روزی اور معاش میں کشادگی عطا فرمائے ہوئے ہوگا۔ پھر صور پھونک دیا جائے گا۔ جس کے کان میں اس کی آواز جائے گی' وہ ادھر گرے گا' ادھر کھڑا ہوگا۔ پھر گرے گا۔ سب سے پہلے اس کی آواز جس کے کان میں پڑے گی' یہ وہ شخص ہوگا جو اپنا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا۔ فوراً بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے گا۔ پھر تو ہر شخص بیہوش اور خود فراموش ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو شبنم کی طرح ہوگی۔ اس سے لوگوں کے جسم اگ نکلیں گے' پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھنے لگیں گے۔ پھر کہا جائے گا کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو۔ انہیں ٹھہرالو' ان سے سوالات کئے جائیں گے' پھر فرمایا جائے گا کہ جہنم کا حصہ نکال لو' پوچھا جائے گا' کس قدر۔ جواب ملے گا' ہر ہزار سے نوسو ننانوے۔ یہ دن ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور یہی دن ہوگا جس میں پنڈلی کھولی جائے گی۔ (صحیح مسلم)

صحیح بخاری میں ہے' دونوں نفخوں کے درمیان چالیس ہوں گے۔ راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ کیا چالیس دن؟ فرمایا' میں اس کا جواب نہیں دوں گا' کہا گیا چالیس ماہ؟ فرمایا میں اس کا بھی انکار کرتا ہوں۔ انسان کی سب چیز سڑ گل جائے گی مگر ریڑھ کی ہڈی اسی سے مخلوق کی ترتیب دی جائے گی۔ ابو یعلیٰ میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس آیت میں جو استثناء ہے یعنی جسے اللہ چاہے' اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا شہداء۔ یہ اپنی تلواریں لٹکائے اللہ کے عرش کے اردگرد ہوں

گئے فرشتے اپنے جھرمٹ میں انہیں محشر کی طرف لے جائیں گے۔ یاقوت کی اونٹنیوں پر وہ سوار ہوں گے جن کی گدیاں ریشم سے بھی زیادہ نرم ہوں گی۔ انسان کی نگاہ جہاں تک کام کرتی ہے اس کا ایک قدم ہوگا۔ یہ جنت میں خوش وقت ہوں گے۔ وہاں عیش وعشرت میں ہوں گے۔ پھر ان کے دل میں آئے گا کہ چلو دیکھیں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے کر رہا ہوگا چنانچہ ان کی طرف دیکھ کر الہ العالمین ہنس دے گا۔ اور اس جگہ جسے دیکھ کر رب ہنس دے اس پر حساب کتاب نہیں ہے۔ اس کے کل راوی ثقہ ہیں مگر اسماعیل بن عیاش کے استاد غیر معروف ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ قیامت کے دن جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے کے لئے آئے گا اس وقت اس کے نور سے ساری زمین روشن ہو جائے گی۔ نامہ اعمال لائے جائیں گے۔ نبیوں کو پیش کیا جائے گا جو گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ کر دی تھی۔ اور بندوں کے نیک بد اعمال کے محافظ فرشتے لائے جائیں گے۔ اور عدل وانصاف کے ساتھ مخلوق کے فیصلے کئے جائیں گے۔ اور کسی پر کسی قسم کا ظلم وستم نہ کیا جائے گا۔ جیسے فرمایا وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الخ یعنی قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے اور کسی پر بالکل ظلم نہ ہوگا گورائی کے دانے کے برابر عمل ہو ہم اسے بھی موجود کر دیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔ اور آیت میں ہے اللہ تعالیٰ بہ قدر ذرے کے بھی ظلم نہیں کرتا وہ نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔ اسی لئے یہاں بھی ارشاد ہو رہا ہے ہر شخص کو اس کے بھلے برے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾

کفاروں کے غول کے غول جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے۔ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اس کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے جائیں گے اور وہاں کے نگہبان ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہ آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے آگاہ کرتے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں درست ہے لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا ○ کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جہاں ہمیشگی ہے پس سرکشوں کا ٹھکانا بہت ہی برا ہے ○

کفار کی آخری منزل: ☆☆ (آیت:۷۱-۷۲) بدنصیب منکرین حق کفار کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ وہ جانوروں کی طرح رسوائی ذلت ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکی سے جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے۔ جیسے اور آیت میں يُدَعُّوْنَ کا لفظ ہے۔ یعنی دھکے دیئے جائیں گے اور سخت پیاسے ہوں گے جیسے اللہ جل وعلا نے فرمایا يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ الخ جس روز ہم پرہیزگاروں کو رحمان کے مہمان بنا کر جمع کریں گے اور گنہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔ اس کے علاوہ بہرے گونگے اور اندھے ہوں گے اور منہ کے بل گھسیٹے جا رہے ہوں گے جیسے فرمایا وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ الخ قیامت کے دن انہیں ہم ان کے منہ کے بل گھسیٹ کر لائیں گے۔ یہ اندھے

گونگے اور بہرے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ جب اس کی آتش دھیمی ہونے لگے ہم اسے اور تیز کر دیں گے۔ یہ قریب پہنچیں گے دروازے کھل جائیں گے تاکہ فوراً ہی عذاب نار شروع ہو جائے۔ پھر انہیں وہاں کے محافظ فرشتے شرمندہ کرنے کے لئے اور ندامت بڑھانے کے لئے ڈانٹ کر اور جھڑک کر کہیں گے کیونکہ ان میں رحم کا تو مادہ ہی نہیں سراسر سختی کرنے والے سخت غصے والے اور بڑی بے طرح مار مارنے والے ہیں کہ کیا تمہارے پاس تمہاری ہی جنس کے اللہ کے رسول نہیں آئے تھے؟ جن سے تم سوال جواب کر سکتے تھے اپنا اطمینان اور تسلی کر سکتے تھے ان کی باتوں کو سمجھ سکتے تھے ان کی صحبت میں بیٹھ سکتے تھے انہوں نے اللہ کی آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائیں اپنے لائے ہوئے سچے دین پر دلیلیں قائم کر دیں۔ تمہیں اس دن کی برائیوں سے آگاہ کر دیا۔ آج کے عذابوں سے ڈرا دیا۔ کافر اقرار کریں گے کہ ہاں یہ سچ ہے بیشک اللہ کے پیغمبر ہم میں آئے۔ انہوں نے دلیلیں بھی قائم کیں۔ ہمیں بہت کچھ کہا سنا بھی۔ ڈرایا دھمکایا بھی۔ لیکن ہم نے ان کی ایک نہ مانی بلکہ ان کے خلاف کیا مقابلہ کیا کیونکہ ہماری قسمت میں ہی شقاوت تھی۔ ازلی بدنصیب ہم تھے۔ حق سے ہٹ گئے اور باطل کے طرفدار بن گئے۔

جیسے سورۂ تبارک کی آیت میں ہے جب جہنم میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا اس سے وہاں کے محافظ پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہاں آیا تو تھا لیکن ہم نے اس کی تکذیب کی اور کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ تم بڑی بھاری غلطی میں ہو۔ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو آج دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ یعنی اپنے آپ کو آپ ملامت کرنے لگیں گے۔ اپنے گناہ کا خود اقرار کریں گے۔ اللہ فرمائے گا دوری اور خسارہ ہو۔ لعنت و پھٹکار ہو اہل دوزخ پر کہا جائے گا یعنی ہر وہ شخص جو انہیں دیکھے گا اور ان کی حالت کو معلوم کرے گا وہ صاف کہہ اٹھے گا کہ بے شک یہ اسی لائق ہیں۔ اسی لئے کہنے والے کا نام نہیں لیا گیا بلکہ اسے مطلق چھوڑا گیا تاکہ اس کا عموم باقی رہے اور اللہ تعالیٰ کے عدل کی گواہی کامل ہو جائے۔ ان سے کہہ دیا جائے گا کہ اب جاؤ جہنم میں یہیں ہمیشہ جلتے جھلستے رہنا نہ یہاں سے کسی طرح کسی وقت چھٹکارا ملے نہ تمہیں موت آئے۔ آہ! یہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے جس میں دن رات جلنا ہی جلنا ہے۔ یہ ہے تمہارے تکبر کا اور حق کو نہ ماننے کا بدلہ۔ جس نے تمہیں ایسی بری جگہ پہنچایا اور یہیں کر دیا۔ کیا ہی برا حال ہے؟ اور کیا ہی عبرت ناک مآل ہے؟ اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہتے تھے ان کے گروہ کے گروہ جنت کی طرف روانہ کئے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آجائیں گے اور دروازے کھول دیئے جائیں گے اور وہاں کے نگہبان ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو تم خوشحال ہو تم اس میں ہمیشہ کے لئے چلے جاؤ ○ یہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں پس عمل کرنے والوں کے لئے بہت ہی اچھا بدلہ ہے ○

متقیوں کی آخری منزل: ☆☆ (آیت:۷۳-۷۴) اوپر بدبختوں کا انجام اوران کا حال بیان ہوا- یہاں سعادت مندوں کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ بہترین خوبصورت اونٹنیوں پر سوار ہو کر جنت کی طرف پہنچائے جائیں گے- ان کی بھی جماعتیں ہوں گی- مقربین خاص کی جماعت' پھر ابرار کی' پھر ان سے کم درجے والوں کی' پھر ان سے کم درجے والوں کی' ہر جماعت اپنے مناسب لوگوں کے ساتھ ہوگی' انبیاء انبیاء کے ہمراہ' صدیق اپنے جیسوں کے ساتھ' شہید لوگ اپنے والوں کے ہمراہ' علماء اپنے جیسوں کے ساتھ' غرض ہر ہم جنس اپنے میل کے لوگوں کے ساتھ ہوں گے- جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے' پل صراط سے پار ہو چکے ہوں گے' وہاں ایک پل پر ٹھہرائے جائیں گے' اوران میں آپس میں جو مظالم ہوں گے' ان کا قصاص اور بدلہ ہو جائے گا- جب پاک صاف ہو جائیں گے تو جنت میں جانے کی اجازت پائیں گے- صور کی مطول حدیث میں ہے کہ جنت کے دروازوں پر پہنچ کر یہ آپس میں مشورہ کریں گے کہ دیکھو سب سے پہلے کسے اجازت دی جاتی ہے' پھر وہ حضرت آدمؑ کا قصد کریں گے- پھر حضرت نوحؑ کا' پھر حضرت ابراہیمؑ کا' پھر حضرت موسیٰؑ' پھر حضرت عیسیٰؑ کا پھر حضرت محمد ﷺ وعلیہم کا جیسے میدان محشر میں شفاعت کے موقعہ پر بھی کیا تھا- اس سے بڑا مقصد جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی فضیلت کا موقعہ بموقعہ اظہار کرنا ہے- صحیح مسلم کی حدیث میں ہے' میں جنت میں پہلا سفارشی ہوں- ایک اور روایت میں ہے' میں پہلا وہ شخص ہوں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا- مسند احمد میں ہے' میں قیامت کے دن جنت کا دروازہ کھلوانا چاہوں گا تو وہاں کا داروغہ مجھ سے پوچھے گا کہ آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا کہ محمد (ﷺ) وہ کہے گا مجھے یہی حکم تھا کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے جنت کا دروازہ کسی کے لئے نہ کھولوں-

مسند احمد میں ہے کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی' ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے ہوں گے- تھوک' رینٹ' پیشاب' پاخانہ وہاں کچھ نہ ہوگا- ان کے برتن اور سامان آرائش سونے چاندی کا ہوگا- ان کی انگیٹھیوں میں بہترین اگر خوشبو دے رہا ہوگا' ان کا پسینہ مشک ہوگا- ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی جن کی پنڈلی کا گودا بوجہ حسن ونزاکت' صفائی اور نفاست کے گوشت کے پیچھے سے نظر آ رہا ہوگا- کسی دو میں کوئی اختلاف اور حسد وبغض نہ ہوگا- سب کے سب گھل مل کر ایسے ہوں گے جیسے ایک شخص کا دل جو جنت میں جائے گا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے- ان کے بعد والی جماعت کے چہرے ایسے ہوں گے جیسے بہترین چمکتا ستارہ- پھر قریب قریب اوپر والی حدیث کے بیان ہے اور یہ بھی ہے کہ ان کے قد ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے- جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا قد تھا- اور حدیث میں ہے کہ میری امت کی ایک جماعت جو ستر ہزار کی تعداد میں ہوگی' پہلے پہل جنت میں داخل ہوگی' ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے- یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہؐ' اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی انہی میں سے کر دے- آپؐ نے دعا کی کہ اللہ انہیں بھی انہی میں سے کر دے' پھر ایک انصاری نے بھی یہی عرض کی- آپؐ نے فرمایا عکاشہ تجھ پر سبقت لے گیا- ان ستر ہزار کا بے حساب جنت میں داخل ہونا بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے بہت سے صحابہؓ سے مروی ہے- بخاری ومسلم میں ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار یا سات سو ہزار (یعنی سات لاکھ) جنت میں ایک ساتھ جائیں گے- ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے ہوئے ہوں گے- سب ایک ساتھ ہی جنت میں قدم رکھیں گے- ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے ہوں گے- ابن ابی شیبہ میں ہے مجھ سے میرے رب کا وعدہ ہے' کہ میری امت میں سے ستر ہزار شخص جنت میں جائیں گے- ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے' ان سے نہ حساب ہوگا نہ انہیں عذاب ہوگا- ان کے علاوہ اور تین لپیں بھر کر' جو اللہ اپنے ہاتھوں سے لپ بھر کر جنت میں پہنچائے گا- طبرانی- اس روایت میں ہے پھر ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے- اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں- جب یہ سعید بخت بزرگ جنت کے پاس پہنچ جائیں گے' ان کے لئے دروازے کھل جائیں گے' ان کی وہاں عزت وتعظیم

ہوگی، وہاں کے محافظ فرشتے انہیں بشارت سنائیں گے، ان کی تعریفیں کریں گے، انہیں سلام کریں گے۔ اس کے بعد کا جواب قرآن میں محذوف رکھا گیا ہے تاکہ عمومیت باقی رہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس وقت یہ پورے خوش وقت ہو جائیں گے۔ بے انداز سرور و راحت، آرام و چین انہیں ملے گا۔ ہر طرح کی آس اور بھلائی کی امید بندھ جائے گی۔ ہاں یہاں یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ بعض لوگوں نے جو کہا ہے کہ وَفُتِحَتْ میں واؤ آٹھویں ہے اور اس سے استدلال کیا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، انہوں نے بڑا تکلف کیا ہے اور بیکار مشقت اٹھائی ہے۔ جنت کے آٹھ دروازوں کا ثبوت تو صحیح احادیث میں صاف موجود ہے۔ مسند احمد میں ہے، جو شخص اپنے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرلے، وہ جنت کے سب دروازوں سے بلایا جائے گا۔ جنت کے کئی ایک دروازے ہیں۔ نمازی باب الصلوٰۃ سے، سخی باب الصدقہ سے، مجاہد باب جہاد سے، روزے دار باب الریان سے بلائے جائیں گے۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہؐ، گو اس کی ضرورت تو نہیں کہ ہر دروازے سے پکارا جائے، جس سے بھی پکارا جائے مقصد تو جنت میں جانے سے ہے۔ لیکن کیا کوئی ایسا بھی ہے جو جنت کے کل دروازوں سے بلایا جائے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم انہی میں سے ہو گے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے، جنت میں آٹھ دروازے ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام باب الریان ہے، اس میں سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے۔ صحیح مسلم میں ہے، تم میں سے جو شخص کامل مکمل بہت اچھی طرح مل مل کر وضو کرے پھر اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھے، اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے چلا جائے۔ اور حدیث میں ہے، جنت کی کنجی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ ''جنت کے دروازوں کی کشادگی کا بیان'' اللہ ہمیں بھی جنت نصیب کرے۔ شفاعت کی مطول حدیث میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے محمد (ﷺ) اپنی امت میں سے جن پر حساب نہیں، انہیں داہنی طرف کے دروازے سے جنت میں لے جاؤ لیکن اور دروازوں میں بھی یہ دوسروں کے ساتھ شریک ہیں۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ جنت کی چوکھٹ اتنی بڑی وسعت والی ہے جتنا فاصلہ مکہ اور ہجر میں ہے۔ یا فرمایا ہجر اور مکہ میں ہے۔

ایک روایت میں ہے مکہ اور بصریٰ میں ہے۔ (بخاری و مسلم) حضرت عتبہ بن غزوان نے اپنے خطبے میں بیان فرمایا کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جنت کے دروازے کی وسعت چالیس سال کی راہ ہے۔ ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے کہ جنت میں جانے والوں کی بھیڑ بھاڑ سے یہ وسیع دروازے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہوں گے (مسلم) مسند میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جنت کی چوکھٹ چالیس سال کی راہ کی ہے۔ یہ جب جنت کے پاس پہنچیں گے، انہیں فرشتے سلام کریں گے اور مبارکباد دیں گے کہ تمہارے اعمال، تمہارے اقوال، تمہاری کوشش اور تمہارا بدلہ ہر چیز خوشی والی اور عمدگی والی ہے۔

جیسے کہ حضور علیہ السلام نے کسی غزوے کے موقعہ پر اپنے منادی سے فرمایا تھا، جاؤ ندا کر دو کہ جنت میں صرف مسلمان لوگ ہی جائیں گے یا فرمایا تھا صرف مومن ہی۔ فرشتے ان سے کہیں گے کہ تم اب یہاں سے نکالے نہ جاؤ گے بلکہ یہاں تمہارے لئے دوام ہے، اپنا یہ حال دیکھ کر خوش ہو کر جنتی اللہ کا شکر ادا کریں گے اور کہیں گے کہ الحمدللہ، جو وعدہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی کیا تھا، اسے پورا کیا۔ یہی دعا ان کی دنیا میں تھی رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ یعنی اے ہمارے پروردگار ہمیں وہ دے جس کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر۔ یقیناً تیری ذات

وعدہ خلافی سے پاک ہے اور آیت میں ہے کہ اس موقعہ پر اہل جنت یہ بھی کہیں گے' اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی۔ اگر وہ ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاسکتے۔ یقیناً اللہ کے رسول ہمارے پاس حق لائے تھے۔ وہ یہ بھی کہیں گے کہ اللہ ہی کے لئے سب تعریف ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا' یقیناً ہمارا رب بخشنے والا اور قدر کرنے والا ہے۔ جس نے اپنے فضل و کرم سے پاک جگہ ہمیں نصیب فرمائی جہاں ہمیں نہ کوئی دکھ درد ہے نہ رنج و تکلیف' یہاں ہے کہ یہ کہیں گے اس نے ہمیں جنت کی زمین کا وارث کیا۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ الخ ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ اسی طرح آج جنتی کہیں گے کہ اس جنت میں ہم جہاں جگہ بنالیں' کوئی روک ٹوک نہیں۔ یہ ہے بہترین بدلہ ہمارے اعمال کا۔

معراج والے واقعہ میں بخاری و مسلم میں ہے کہ جنت کے ڈیرے خیمے لولو کے ہیں اور اس کی مٹی مشک خالص ہے۔ ابن صائد سے جب حضورؐ نے جنت کی مٹی کا سوال کیا تو اس نے کہا سفید میدے جیسی مشک خالص۔ حضورؐ نے فرمایا' یہ سچا ہے (مسلم)

مسلم ہی کی اور روایت میں ہے کہ ابن صائد نے حضورؐ سے پوچھا تھا۔ ابن ابی حاتم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ جنت کے دروازے پر پہنچ کر یہ ایک درخت کو دیکھیں گے جس کی جڑ میں سے دو نہریں نکلتی ہوں گی۔ ایک میں وہ غسل کریں گے جس سے اس قدر پاک صاف ہو جائیں گے کہ ان کے جسم اور چہرے چمکنے لگیں گے۔ ان کے بال کنگھی کئے ہوئے تیل والے ہو جائیں گے کہ پھر کبھی سلجھانے کی ضرورت ہی نہ پڑے' نہ چہرے اور جسم کا رنگ روپ ہلکا پڑے۔ پھر یہ دوسری نہر پر جائیں گے گویا کہ ان سے کہہ دیا گیا ہو۔ اس میں سے پانی پئیں گے جن سے تمام گھن کی چیزوں سے پاک صاف ہو جائیں گے۔ جنت کے فرشتے انہیں سلام کریں گے' مبارکباد پیش کریں گے اور انہیں جنت میں جانے کے لئے کہیں گے۔ ہر ایک کے پاس اس کے غلمان آئیں گے اور خوشی خوشی ان پر قربان ہوں گے اور کہیں گے آپ خوش ہو جایئے' اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے طرح طرح کی نعمتیں مہیا کر رکھی ہیں' ان میں سے کچھ بھاگے دوڑے جائیں گے اور جو حوریں اس جنتی کے لئے مخصوص ہیں' ان سے کہیں گے' لو مبارک ہو' فلاں صاحب آ گئے۔ نام سنتے ہی خوش ہو کر وہ پوچھیں گی کہ کیا تم نے خود انہیں دیکھا ہے؟ وہ کہیں گے' ہاں ہم اپنی آنکھوں دیکھ کر آ رہے ہیں۔ یہ مارے خوشی کے دروازے پر آ کھڑی ہوں گی۔ جنتی جب اپنے محل میں آئے گا تو دیکھے گا کہ گدے برابر برابر لگے ہوئے ہیں۔ اور آب خورے رکھے ہوئے ہیں اور قالین بچھے ہوئے ہیں۔ اس فرش کو ملاحظہ فرما کر اب جو دیواروں کی طرف نظر کرے گا تو وہ سرخ و سبز اور زرد و سفید اور قسم قسم کے موتیوں کی بنی ہوئی ہوں گی۔ پھر چھت کی طرف نگاہ اٹھائے گا تو وہ اس قدر شفاف اور مصفا ہو گی کہ نور کی طرح چمک دمک رہی ہو گی۔ اگر اللہ اسے برقرار نہ رکھے تو اس کی روشنی آنکھوں کی روشنی کو بجھا دے۔ پھر اپنی بیویوں پر یعنی جنتی حوروں پر محبت بھری نگاہ ڈالے گا۔ پھر اپنے تختوں میں سے جس پر اس کا جی چاہے بیٹھے گا اور کہے گا' اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی۔

اگر اللہ ہمیں یہ راہ نہ دکھاتا تو ہم تو ہرگز اسے تلاش نہیں کر سکتے تھے۔ اور حدیث میں ہے' حضورؐ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' جب یہ اپنی قبروں سے نکلیں گے' ان کا استقبال کیا جائے گا۔ ان کے لئے پروں والی اونٹنیاں لائی جائیں گی جن پر سونے کے کجاوے ہوں گے۔ ان کی جوتیوں کے تسمے تک نور سے چمک رہے ہوں گے۔ یہ اونٹنیاں ایک ایک قدم اس قدر دور رکھتی ہیں جہاں تک انسان کی نگاہ جاسکتی ہے۔ یہ ایک درخت کے پاس پہنچیں گے جس کے نیچے سے نہریں نکلتی ہیں۔ ایک کا پانی یہ پئیں گے جس سے ان کے پیٹ کی تمام فضولیات اور میل کچیل دھل جائے گا۔ دوسری نہر سے یہ غسل کریں گے۔ پھر ہمیشہ تک ان کے بدن میلے نہ ہوں گے۔ ان کے بال پراگندہ نہ ہوں گے اور ان کے جسم اور چہرے بارونق رہیں گے۔ اب یہ جنت کے دروازوں پر آئیں گے۔

دیکھیں گے کہ ایک کنڈا سرخ یاقوت کا ہے جو سونے کی تختی پر آویزاں ہے۔ یہ اسے ہلائیں گے تو ایک عجیب سریلی اور موسیقی صدا پیدا ہو گی اسے سنتے ہی حور جان لے گی کہ اس کے خاوند آ گئے یہ داروغے کو حکم کریں گی کہ جاؤ دروازہ کھولو وہ دروازہ کھول دے گا۔ یہ اندر قدم رکھتے ہی اس داروغے کی نورانی شکل دیکھ کر سجدے میں گر پڑے گا لیکن وہ اسے روک لے گا اور کہے گا اپنا سر اٹھا میں تو تیرا ماتحت ہوں۔ اور اسے اپنے ساتھ لے چلے گا۔

جب یہ اس دریاقوت کے خیمے کے پاس پہنچے گا جہاں اس کی حور ہے وہ بے تابانہ دوڑ کر خیمے سے باہر آ جائے گی اور بغل گیر ہو کر کہے گی تم میرے محبوب ہو اور میں تمہاری چاہنے والی ہوں میں یہاں ہمیشہ رہنے والی ہوں مروں گی نہیں۔ میں نعمتوں والی ہوں فقرو محتاجی سے دور ہوں۔ میں آپ سے ہمیشہ راضی خوشی رہوں گی کبھی ناراض نہیں ہوں گی۔ میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہنے والی ہوں۔ کبھی ادھر ادھر نہیں ہٹوں گی۔ پھر یہ گھر میں جائے گا جس کی چھت فرش سے ایک لاکھ ہاتھ بلند ہو گی۔ اس کی کل دیواریں قسم قسم کے اور رنگ برنگ کے موتیوں کی ہوں گی۔ اس گھر میں ستر تخت ہوں گے اور ہر تخت پر ستر ستر چھولداریاں ہوں گی اور ان میں سے ہر بستر پر ستر حوریں ہوں گی۔ ہر حور پر ستر جوڑے ہوں گے اور ان سب حلوں کے نیچے سے ان کی پنڈلی کا گودا نظر آتا ہو گا۔ ان کے ایک جماع کا اندازہ ایک پوری رات کا ہو گا۔ ان کے باغوں اور مکانوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جن کا پانی کبھی بدبودار نہیں ہوتا صاف شفاف موتی جیسا پانی ہے اور دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا مزہ کبھی نہیں بدلتا۔ جو دودھ کسی جانور کے تھن سے نہیں نکلا۔ اور شراب کی نہریں ہوں گی جو نہایت لذیذ ہو گا۔ جو کسی انسانی ہاتھوں کا بنایا ہوا نہیں۔ اور خالص شہد کی نہریں ہوں گی جو مکھیوں کے پیٹ سے حاصل شدہ نہیں۔ قسم قسم کے میووں سے لدے ہوئے درخت اس کے چاروں طرف ہوں گے جن کا پھل ان کی طرف جھکا ہوا ہو گا۔ یہ کھڑے کھڑے پھل لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں۔ اگر یہ بیٹھے بیٹھے پھل توڑنا چاہیں تو شاخیں اتنی جھک جائیں گی کہ یہ توڑ لیں۔ اگر یہ لیٹے لیٹے پھل لینا چاہیں تو شاخیں اتنی جھک جائیں۔ پھر آپ نے آیت وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا الخ پڑھی یعنی ان جنتی درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے میوے بہت قریب کر دیئے جائیں گے۔ یہ کھانا کھانے کی خواہش کریں گے تو سفید رنگ یا سبز رنگ پرند ان کے پاس آ کر اپنا پر اونچا کر دیں گے۔ جس قسم کا اس کے پہلو کا گوشت چاہیں کھائیں گے۔ پھر وہ زندہ کا زندہ جیسا تھا ویسا ہی ہو کر اڑ جائے گا۔ فرشتے ان کے پاس آئیں گے سلام کریں گے اور کہیں گے کہ یہ جنتیں ہیں جن کے تم اپنے اعمال کے باعث وارث بنائے گئے ہو۔ اگر کسی حور کا ایک بال زمین پر آ جائے تو وہ اپنی چمک سے اور اپنی سیاہی سے نور کو روشن کرے اور سیاہی نمایاں رہے۔ یہ حدیث غریب ہے گو کہ یہ مرسل ہے۔ واللہ اعلم۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور تو فرشتوں کو اللہ کے عرش کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے دیکھے گا اور سب میں آپس میں انصاف کا فیصلہ کیا جائے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ ساری خوبی اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے ○

قیامت کے دن انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو گا: ☆☆ (آیت: ۷۵) جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت اور اہل جہنم کا فیصلہ سنا دیا اور انہیں

ان کے ٹھکانے پہنچائے جانے کا حال بھی بیان کر دیا۔ اور اس میں اپنے عدل و انصاف کا ثبوت بھی دے دیا' تو اس آیت میں فرمایا کہ قیامت کے روز اس وقت تو دیکھے گا کہ فرشتے اللہ کے عرش کے چاروں طرف کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح' بزرگی اور بڑائی بیان کر رہے ہوں گے۔ ساری مخلوق میں عدل و حق کے ساتھ فیصلے ہو چکے ہوں گے۔ اس سراسر عدل اور بالکل رحم والے فیصلوں پر کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی ثناخوانی کرنے لگے گا اور جاندار چیز سے آواز آئے گی کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ چونکہ اس وقت ہر اک تر و خشک چیز اللہ کی حمد بیان کرے گی' اس لئے یہاں مجہول کا صیغہ لا کر فاعل کو عام کر دیا گیا۔

حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' خلق کی پیدائش کی ابتداء بھی حمد سے ہے۔ فرماتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور مخلوق کی انتہا بھی حمد سے ہے۔ فرماتا ہے وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

الحمدللہ سورۂ زمر کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ مومن

بعض سلف کا قول ہے کہ جن سورتوں کی ابتداء حٰمٓ سے ہے' انہیں حوامیم کہنا مکروہ ہے۔ ال حٰمٓ کہا جائے۔ حضرت محمد بن سیرین بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں' ال حم قرآن کا دیباچہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور قرآن کریم کا دروازہ ال حم ہے یا فرمایا حوامیم ہیں۔ حضرت مسعر بن کدامؒ فرماتے ہیں' ان سورتوں کو عرائس کہا جاتا تھا۔ عروس دلہن کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے کسی اچھی منزل کی تلاش میں نکلا تو ایک جگہ ایسی ہے جہاں گویا ابھی ابھی بارش برس چکی ہے۔ یہ ذرا ہی کچھ آگے بڑھا ہو گا کہ دیکھتا ہے کہ ترو تازہ لہلہاتے ہوئے چند چمن ہیں۔ یہ پہلے تر زمین کو دیکھ کر ہی تعجب میں تھا۔ اب تو اس کا تعجب اور بڑھ گیا۔ اس سے کہا گیا کہ پہلے کی مثال تو قرآن کریم کی عظمت کی مثال ہے اور ان باغیچوں کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن میں حٰمٓ والی سورتیں (بغوی) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور قرآن کا دروازہ یہی حم والی سورتیں ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' جب میں تلاوت کرتا ہوا حٰمٓ والی سورتوں پر پہنچتا ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا میں ہرے بھرے پھلے پھولے باغوں کی سیر کر رہا ہوں۔ ایک شخص نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد بناتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ میں اسے حم والی سورتوں کے لئے بنا رہا ہوں۔ ممکن ہے یہ مسجد وہ ہو جو دمشق کے قلعہ کے اندر ہے اور آپ ہی کے نام سے منسوب ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی حفاظت حضرت ابوالدرداءؓ کی نیک نیتی کی اور جس وجہ سے یہ مسجد بنائی گئی تھی' اس کی برکت کے باعث ہو۔ اس کلام میں دشمنوں پر فتح و ظفر کی دلیل بھی ہے۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے بعض جہادوں میں اپنے لشکر سے فرمادیا تھا کہ اگر رات کو تم اچانک حملہ کرو تو تمہاری پہچان کے خاص الفاظ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ ہیں۔ ایک روایت میں تُنْصَرُوْنَ ہے۔ مسند بزار میں ہے' جس نے آیت الکرسی اور سورۂ حم المومن کا ابتدائی حصہ پڑھا' وہ سارے دن کی برائی سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور اس کے ایک راوی پر کچھ جرح بھی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۲

بے حد رحم والے بیشمار رحمت والے سچے معبود کے نام سے شروع

اس کتاب کا نازل فرمانا اس اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور دانا ہے ○

(آیت:۱-۲) سورتوں کے اول میں حم وغیرہ جیسے جو حروف آئے ہیں ان کی پوری بحث سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر آئے ہیں جس کے اعادہ کی اب چنداں ضرورت نہیں۔ بعض کہتے ہیں حم اللہ کا ایک نام ہے اور اس کی شہادت میں وہ یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

يُذَكِّرُنِیْ حٰمٓ وَالرُّمْحُ شَاجِرٌ فَهَلَّا تَلَا حٰمٓ قَبْلَ التَّقَدُّمِ

یعنی یہ مجھے حٰمٓ یاد دلاتا ہے جب کہ نیزہ تن چکا۔ پھر اس سے پہلے ہی اس نے حٰمٓ کیوں نہ کہہ دیا۔

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾

گناہ کا بخشنے والا توبہ کا قبول فرمانے والا سخت عذاب والا انعام وقدرت والا جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اسی کی طرف واپس لوٹنا ہے ○

ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں وارد ہے کہ اگر تم پر شب خون مارا جائے تو حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ کہنا اس کی سند صحیح ہے۔ ابوعبید کہتے ہیں مجھے یہ پسند ہے کہ اس حدیث کو یوں روایت کی جائے کہ آپ نے فرمایا تم کہو حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْا یعنی نون کے بغیر تو گویا ان کے نزدیک لَا يُنْصَرُوْا جزا ہے فقولوا کی یعنی جب تم یہ کہو گے تم مغلوب نہیں ہو گے تو قول صرف حم رہا۔ یہ کتاب یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے جو عزت وعلم والا ہے جس کی جناب ہر بے ادبی سے پاک ہے اور جس پر کوئی ذرہ بھی مخفی نہیں گو وہ کتنے ہی پردوں میں ہو۔ وہ گناہوں کی بخشش کرنے والا اور جو اس کی طرف جھکے اس کی جانب مائل ہونے والا ہے اور جو اس سے بے پرواہی کرے اس کے سامنے سرکشی اور تکبر کرے اور دنیا کو پسند کر کے آخرت سے بے رغبت ہو جائے اللہ کی فرماں برداری کو چھوڑ دے اسے وہ سخت ترین عذاب اور بدترین سزائیں دینے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ یعنی میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ میں بخشنے والا اور مہربانیاں کرنے والا بھی ہوں اور میرے عذاب بھی بڑے دردناک ہیں۔ اور بھی اس قسم کی آیتیں قرآن کریم میں بہت سی ہیں جن میں رحم وکرم کے ساتھ عذاب وسزا کا بیان بھی ہے تاکہ بندہ خوف وامید کی حالت میں رہے۔ وہ وسعت وغنا والا ہے۔ وہ بہت بہتری والا ہے۔ بڑے احسانوں زبردست نعمتوں اور رحمتوں والا ہے۔ بندوں پر اس کے انعام احسان اس قدر ہیں کہ کوئی انہیں شمار بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ اس کا شکر ادا کر سکے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی ایک نعمت کا بھی پورا شکر کسی سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اس جیسا کوئی نہیں اس کی ایک صفت بھی کسی میں نہیں اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی کسی کی پرورش کرنے والا ہے۔ اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق جزا سزا دے گا۔ اور بہت جلد حساب سے فارغ ہو جائے گا۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص آ کر مسئلہ پوچھتا ہے کہ میں نے کسی کو قتل کر دیا ہے۔ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپ نے شروع سورت کی دو آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا ناامید نہ ہو اور نیک عمل کئے جا۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت عمرؓ کے پاس ایک شامی کبھی کبھی آیا کرتا تھا اور تھا ذرا ایسا ہی آدمی ایک مرتبہ لمبی مدت تک وہ آیا ہی نہیں تو امیر المومنین نے

لوگوں سے اس کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا اس نے بہ کثرت شراب پینا شروع کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے کاتب کو بلوا کر کہا' لکھو یہ خط ہے عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف۔ بعد از سلام علیک میں تمہارے سامنے اس اللہ کی تعریفیں کرتا ہوں جس کے ساتھ کوئی معبود نہیں۔ جو گناہوں کو بخشنے والا' توبہ کو قبول کرنے والا' سخت عذاب والا' بڑے احسان والا ہے' جس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ یہ خط اس کی طرف بھجوا کر آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا' اپنے بھائی کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو متوجہ کر دے اور اس کی توبہ قبول فرمائے جب اس شخص کو حضرت عمرؓ کا خط ملا تو اس نے اسے بار بار پڑھنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی سزا سے ڈرایا بھی ہے اور اپنی رحمت کی امید دلا کر گناہوں کی بخشش کا وعدہ بھی کیا ہے۔ کئی کئی مرتبہ اسے پڑھ کر رو دیئے۔ پھر توبہ کی اور سچی پکی توبہ کی۔ جب حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ پتہ چلا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا' اسی طرح کیا کرو۔ جب تم دیکھو کہ کوئی مسلمان بھائی لغزش کھا گیا تو اسے سیدھا کرو اور مضبوط کرو اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ شیطان کے مددگار نہ بنو۔ حضرت ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کوفے کے گردونواح میں تھا۔ میں نے ایک باغ میں جا کر دو رکعت نماز شروع کی اور اس سورۂ مومن کی تلاوت کرنے لگا۔ میں ابھی اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ تک پہنچا ہی تھا کہ ایک شخص نے جو میرے پیچھے سفید خچر پر سوار تھا جس پر یمنی چادریں تھیں' مجھ سے کہا جب غَافِرِ الذَّنْبِ پڑھو تو کہو يَاغَافِرَ الذَّنْبِ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِي اور جب قَابِلِ التَّوْبِ پڑھو تو کہو يَا شَدِيْدَ الْعِقَابِ لَا تُعَاقِبْنِيْ۔

حضرت مصعبؒ فرماتے ہیں میں نے گوشہ چشم سے دیکھا' تو مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ فارغ ہو کر میں دروازے پر پہنچا' وہاں جو لوگ بیٹھے تھے' ان سے میں نے پوچھا کہ کیا کوئی شخص تمہارے پاس سے گزرا جس پر یمنی چادریں تھیں۔ انہوں نے کہا' نہیں۔ ہم نے کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔ اب لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ یہ حضرت الیاسؑ تھے۔ یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے اور اس میں حضرت الیاسؑ کا ذکر نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝۴ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶

اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑے نکالتے ہیں جو کافر ہیں۔ پس ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈالے ○ قوم نوحؑ نے اور ان کے بعد کی دوسری جماعتوں نے بھی جھٹلایا تھا اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا اور بیہودہ شبہات نکال کر ان سے حق کو بگاڑنا چاہا۔ پس میں نے انہیں پکڑ لیا۔ سو میری طرف سے کیسی سزا ہوئی ○ اور اسی طرح تیرے رب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں ○

انبیاء کی تکذیب کافروں کا شیوہ ہے: ☆☆ (آیت: ۴-۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حق کے ظاہر ہو چکنے کے بعد اسے نہ ماننا اور اس میں

نقصانات پیدا کرنے کی کوشش کرنا کافروں کا ہی کام ہے- یہ لوگ اگر مال دار اور ذی عزت ہوں تو تو کسی دھوکے میں نہ پڑ جانا کہ اگر یہ اللہ کے نزدیک برے ہوتے تو اللہ انہیں اپنی یہ نعمتیں کیوں عطا فرماتا؟ جیسے اور جگہ ہے' کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈالے- یہ تو کچھ یونہی سا فائدہ ہے- آخری انجام تو ان کا جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے- ایک اور آیت میں ارشاد ہے' ہم انہیں بہت کم فائدہ دے رہے ہیں- بالاخر انہیں سخت عذاب کی طرف بے بس کر دیں گے- پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبیؐ کو تسلی دیتا ہے کہ لوگوں کی تکذیب کی وجہ سے گھبرائیں نہیں- اپنے سے اگلے انبیاء کے حالات کو دیکھیں کہ انہیں بھی جھٹلایا گیا اور ان پر ایمان لانے والوں کی بھی بہت کم تعداد تھی- حضرت نوح علیہ السلام جو بنی آدم میں سب سے پہلے رسول ہو کر آئے جبکہ لوگوں میں اول اول بت پرستی شروع ہوئی تو ان لوگوں نے انہیں بھی جھٹلایا اور ان کے بعد بھی جتنے انبیاء آئے' انہیں ان کی امت جھٹلاتی رہی بلکہ سب نے اپنے اپنے زمانے کے نبی کو قید کرنا اور مار ڈالنا چاہا اور بعض بعض اس میں کامیاب بھی ہوئے اور اپنے شبہات سے اور باطل سے حق کو حقیر کرنا چاہا-

طبرانی میں فرمان رسولؐ ہے کہ جس نے باطل کی مدد کی تاکہ حق کو کمزور کرے' اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ بری الذمہ ہیں- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میں نے ان باطل والوں کو پکڑ لیا اور ان کے ان زبردست گناہوں اور بدترین سرکشیوں کی بنا پر انہیں ہلاک کر دیا- اب تم ہی بتلاؤ کہ میرے عذاب ان پر کیسے کچھ ہوئے؟ یعنی بہت سخت' نہایت تکلیف دہ اور الم ناک' جس طرح ان پر ان کے اس ناپاک عمل کی وجہ سے میرے عذاب اتر پڑے' اسی طرح اب اس امت میں سے جو اس آخری رسولؐ کی تکذیب کرتے ہیں' ان پر بھی میرے ایسے ہی عذاب نازل ہونے والے ہیں- یہ گو نبیوں کو سچا مانیں لیکن جب تک تیری نبوت کے قائل نہ ہوں' ان کی سچائی مردود ہے- واللہ اعلم-

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٧﴾

عرش کے اٹھانے والے اور اس کے آس پاس کے فرشتے اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ ساتھ کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں- کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے- پس تو انہیں بخش دے جو توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں- تو انہیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچا لے ○

اللہ کی بزرگی اور پاکی بیان کرنے پر مامور فرشتے: ☆☆ (آیت: ۷) عرش کو اٹھانے والے فرشتے اور اس کے آس پاس کے تمام بہترین بزرگ فرشتے ایک طرف تو اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں' تمام عیوب اور کل کمیوں اور برائیوں سے اسے دور بتاتے ہیں' دوسری جانب اسے تمام ستائشوں اور تعریفوں کے قابل مان کر اس کی حمد بجا لاتے ہیں- غرض جو اللہ میں نہیں' اس کا انکار کرتے ہیں اور جو صفتیں اس میں ہیں' انہیں ثابت کرتے ہیں- اس پر ایمان ویقین رکھتے ہیں- اس سے پستی اور عاجزی ظاہر کرتے ہیں اور کل ایمان دار مردوں عورتوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں- چونکہ زمین والوں کا ایمان اللہ تعالیٰ پر اسے دیکھے بغیر تھا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب فرشتے ان کے گناہوں کی معافی طلب کرنے کے لئے مقرر کر دیئے جو ان کے بن دیکھے ہر وقت ان کی تقصیروں کی معافی طلب کیا کرتے ہیں-

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لئے اس کی غیر حاضری میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے اور اس کے لئے دعا کرتا ہے کہ اللہ تجھے بھی یہی دے جو تو اس مسلمان کے لئے اللہ سے مانگ رہا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ امیہ بن صلت کے بعض اشعار کی رسول اللہ ﷺ نے تصدیق کی جیسے یہ شعر ہے ؎

زُحَلٌ وَّ ثَوْرٌ تحتَ رِجلِ یَمِینِهٖ وَالنَّسْرُ لِلْاُخْرٰی وَلَیْثٌ مِرصَدٌ

یعنی حاملان عرش چار فرشتے ہیں۔ دو ایک طرف دو دوسری طرف۔ آپ نے فرمایا سچ ہے۔ پھر اس نے کہا ؎

وَالشَّمْسُ تَطْلُعُ کُلَّ اٰخِرِ لَیْلَةٍ حَمْرَآءَ یُصْبِحُ لَوْنُهَا یَتَوَرَّدُ

تَاْبٰی فَمَا تَطْلُعُ لَنَا فِیْ رِسْلِهَا اِلَّا مُعَذَّبَةٌ وَّ اِلَّا تُجْلَدُ

یعنی سورج سرخ رنگ طلوع ہوتا ہے۔ پھر گلابی ہو جاتا ہے اپنی ہیئت میں کبھی صاف ظاہر نہیں ہوتا بلکہ روکھا پھیکا ہی رہتا ہے آپ نے فرمایا سچ ہے۔ اس کی سند بہت پختہ ہے اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت حاملان عرش چار فرشتے ہیں ہاں قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ ہاں اس آیت کے مطلب اور اس حدیث کے استدلال میں ایک سوال رہ جاتا ہے کہ ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ بطحا میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت سے ایک ابر کو گزرتے ہوئے دیکھ کر سوال کیا کہ اس کا کیا نام ہے؟ انہوں نے کہا سحاب۔ آپ نے فرمایا اور اسے مزن بھی کہتے ہیں؟ کہا ہاں! فرمایا عنان بھی؟

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ اِلَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۸﴾ وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۹﴾ ع

اے ہمارے رب تو انہیں ہمیشگی والی جنتوں میں لے جا جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولادوں میں سے بھی ان سب کو جو نیک عمل ہیں۔ یقیناً تو تو غالب و باحکمت ہے ○ انہیں برائیوں سے بھی محفوظ رکھ۔ حق تو یہ ہے کہ اس دن تو نے جسے برائیوں سے بچا لیا اس پر تو نے رحمت کر دی بہت بڑی مطلب یابی تو یہی ہے ○

عرض کیا ہاں! پوچھا جانتے ہو آسمان و زمین میں کس قدر فاصلہ ہے؟ صحابہؓ نے کہا نہیں فرمایا اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کا راستہ۔ پھر اس کے اوپر کا آسمان بھی پہلے آسمان سے اتنے ہی فاصلے پر اسی طرح ساتوں آسمان۔ ساتویں آسمان پر ایک سمندر ہے جس کی اتنی ہی گہرائی ہے۔ پھر اس پر آٹھ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت کے ہیں جن کے کھر سے گھٹنے کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے۔ ان کی پشت پر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے جس کی اونچائی بھی اسی قدر ہے۔ پھر اس کے اوپر الٰہی تبارک و تعالیٰ ہے۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذیؒ اسے غریب بتاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اللہ اس وقت آٹھ فرشتوں کے اوپر ہے۔ حضرت شہر بن حوشب کا فرمان ہے کہ حاملان عرش آٹھ ہیں جن میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰی حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ یعنی اے باری تعالیٰ تیری

پاک ذات ہی کے لئے ہر طرح کی حمد وثنا ہے کہ تو باوجود علم کے پھر برد باری اور حلم کرتا ہے اور دوسرے چار کی تسبیح یہ ہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ یعنی اے اللہ باوجود قدرت کے تو جو معافی اور درگزر کرتا رہتا ہے اس پر ہم تیری پاکیزگی اور تیری تعریف بیان کرتے ہیں- اسی لئے مومنوں کے استغفار میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ الٰہی تیری رحمت وعلم نے ہر چیز کو اپنی وسعت وکشادگی میں لے لیا ہے-

بنی آدم کے تمام گناہ ان کی کل خطاؤں پر تیری رحمت چھائے ہوئے ہے اسی طرح تیرا علم بھی ان کے جملہ اقوال وافعال کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے- ان کی کل حرکات وسکنات سے تو بخوبی واقف ہے- پس تو ان کے برے لوگوں کو جب وہ توبہ کریں اور تیری طرف جھکیں اور گناہوں سے باز آجائیں اور تیرے احکام کی تعمیل کریں' نیکیاں کریں' بدیاں چھوڑیں' بخش دے' اور انہیں جہنم کے دردناک گھبراہٹ والے عذابوں سے نجات دے- انہیں مع ان کے والدین' بیویوں اور بچوں کے جنت میں لے جا تاکہ ان کی آنکھیں ہر طرح ٹھنڈی رہیں- گو ان کے اعمال ان جتنے نہ ہوں تاہم تو ان کے درجات بڑھا کر اونچے درجے میں پہنچا دے- جیسے باری تعالیٰ عزاسمہ کا فرمان عالی شان ہے' وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ الخ یعنی جو لوگ ایمان لائیں اور ان کے ایمان کی اتباع ان کی اولاد بھی کرے' ہم ان کی اولاد کو بھی ان سے ملا دیں گے اور ان کا کوئی عمل کم نہ کریں گے- درجے میں سب کو برابری دیں گے تاکہ دونوں جانب کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں- اور پھر یہ نہ کریں گے کہ درجوں میں بڑھے ہوؤں کو نیچا کر دیں نہیں- بلکہ نیچے والوں کو صرف اپنی رحمت واحسان کے ساتھ اونچا کر دیں گے- حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں' مومن جنت میں جا کر پوچھے گا کہ میرا باپ' میرے بھائی' میری اولاد کہاں ہے؟ جواب ملے گا کہ ان کی نیکیاں اتنی نہ تھیں کہ وہ اس درجے میں پہنچتے' یہ کہے گا میں نے تو اپنے لئے اور ان سب کے لئے عمل کئے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی ان کے درجے میں پہنچا دے گا- پھر آپ نے اسی آیت رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ الخ' کی تلاوت فرمائی-

حضرت مطرف بن عبداللہؒ کا فرمان ہے کہ ایمانداروں کی خیر خواہی فرشتے بھی کرتے ہیں- پھر آپ نے یہی آیت پڑھی- اور شیاطین ان کی بدخواہی کرتے ہیں- تو ایسا غالب ہے جس پر کوئی غالب نہیں اور جسے کوئی روک نہیں سکتا- جو تو چاہتا ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا' نہیں ہو سکتا- تو اپنے اقوال وافعال' شریعت وتقدیر میں حکمت والا ہے' تو انہیں برائیوں کے کرنے سے دنیا میں اور ان کے وبال سے دونوں جہان میں محفوظ رکھ' قیامت کے دن رحمت والا وہی شمار ہو سکتا ہے جسے تو اپنی سزا سے اور اپنے عذاب سے بچا لے- حقیقتاً بڑی کامیابی' پوری مقصد دری اور ظفریابی یہی ہے-

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝۱۰ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۱۱ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝۱۲ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ

مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا' انہیں یہ آواز دی جائے گی کہ یقیناً اللہ کا تم سے بیزار ہونا تھا بہت زیادہ اس سے جو تم بیزار ہوتے ہو اپنے جی سے۔ جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے' پھر کفر کرنے لگتے تھے ○ وہ کہیں گے' اے ہمارے پروردگار تو نے ہمیں دوبار مار ڈالا اور دوبار ہی جلایا۔ اب ہم اپنے گناہوں کے اقراری ہیں تو کیا اب کوئی راہ نکلنے کی بھی ہے؟ ○ یہ عذاب تمہیں اس لئے ہے کہ جب صرف اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تھا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے۔ پس اب فرمان وحکومت الٰہی بلند و بزرگ ہی کی ہے ○ وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے روزی اتارتا ہے۔ نصیحت تو صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو جھکتے رہتے ہیں ○ تم اللہ کو پکارتے رہو۔ اس کے لئے دین کو خالص کر کے گو کافر برا مانیں ○

کفار کی دوبارہ زندگی کی لاحاصل آرزو: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۴) قیامت کے دن جبکہ کافر آگ کے کنوؤں میں ہوں گے اور اللہ کے عذابوں کو چکھ چکے ہوں گے اور تمام ہونے والے عذاب نگاہوں کے سامنے ہوں گے' اس وقت خود اپنے نفس کے دشمن بن جائیں گے اور بہت سخت دشمن ہو جائیں گے۔ کیونکہ اپنے برے اعمال کے باعث جہنم واصل ہوں گے۔ اس وقت فرشتے ان سے بہ آواز بلند کہیں گے کہ آج جس قدر تم اپنے آپ سے نالاں ہو اور جتنی دشمنی تمہیں خود اپنی ذات سے ہے اور جس قدر تم آج اپنے تئیں کہہ رہے ہو' اس سے بہت زیادہ برے اللہ کے نزدیک تم دنیا میں تھے جبکہ تمہیں اسلام و ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم اسے مانتے نہ تھے' اس کے بعد کی آیت كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ کے ہے۔

سدیؒ فرماتے ہیں' یہ دنیا میں مار ڈالے گئے۔ پھر قبروں میں زندہ کئے گئے اور جواب سوال کے بعد مار ڈالے گئے۔ پھر قیامت کے دن زندہ کر دیئے گئے۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں' حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے روز میثاق کو زندہ کئے گئے پھر ماں کے پیٹ میں روح پھونکی گئی' پھر موت آئی' پھر قیامت کے دن جی اٹھے۔ لیکن یہ دونوں قول ٹھیک نہیں اس لئے کہ اس طرح تین موتیں اور تین حیاتیں لازم آتی ہیں اور آیت میں دو موت اور دو زندگی کا ذکر ہے۔ صحیح قول حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابن عباسؓ اور ان کے ساتھیوں کا ہے۔ (یعنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کی ایک زندگی اور قیامت کی دوسری زندگی' پیدائش دنیا سے پہلے کی موت اور دنیا سے رخصت ہونے کی موت یہ دو موتیں اور دو زندگیاں مراد ہیں) مقصود یہ ہے کہ اس دن کفار اللہ تعالیٰ سے قیامت کے میدان میں آرزو کریں گے کہ اب انہیں دنیا میں ایک مرتبہ اور بھیج دیا جائے۔

جیسے فرمان ہے وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ الخ تو دیکھے گا کہ گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ اللہ ہم نے دیکھ سن لیا' اب تو ہمیں پھر دنیا میں بھیج دے تو نیکیاں کریں گے اور ایمان لائیں گے۔ لیکن ان کی یہ آرزو قبول نہ فرمائی جائے گی۔ پھر جب عذاب وسزا کو' جہنم اور اس کی آگ کو دیکھیں گے اور جہنم کے کنارے پہنچا دیئے جائیں گے تو دوبارہ یہی درخواست کریں گے اور پہلی دفعہ سے زیادہ زور دے کر کہیں گے جیسے ارشاد ہے وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ یعنی کاش کہ تو دیکھتا جبکہ وہ جہنم کے پاس ٹھہرا دیئے گئے ہوں گے' کہیں گے کاش کہ ہم دنیا کی طرف لوٹائے جاتے اور اپنے رب کی باتوں کو نہ جھٹلاتے اور باایمان ہوتے' بلکہ ان کے لئے وہ ظاہر ہو گیا جو اس سے پہلے وہ چھپا رہے تھے۔

اور بالفرض یہ واپس لوٹائے بھی جائیں تو بھی دوبارہ یہ وہی کرنے لگیں گے جس سے منع کئے گئے ہیں۔ یہ ہیں ہی جھوٹے۔ اس کے

بعد جب انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور عذاب شروع ہو جائیں گے' اس وقت اور زیادہ زوردار الفاظ میں یہی آرزو کریں گے۔ وہاں چیختے چلاتے ہوئے کہیں گے رَبَّنَآ اَخرِجنا نَعمَلُ صَالِحًا الخ اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال دے' ہم نیک اعمال کرتے رہیں گے ان کے خلاف جواب تک کرتے رہے' جواب ملے گا کہ کیا ہم نے انہیں اتنی عمر اور مہلت نہ دی تھی کہ اگر یہ نصیحت حاصل کرنے والے ہوتے تو یقیناً کر سکتے۔ بلکہ تمہارے پاس ہم نے آگاہ کرنے والے بھی بھیج دیئے تھے۔ اب اپنے کرتوت کا مزہ چکھو۔ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ کہیں گے کہ اللہ ہمیں یہاں سے نکال دے۔ اگر ہم پھر وہی کریں تو یقیناً ہم ظالم ٹھہریں گے۔ اللہ فرمائے گا' دور ہو جاؤ' اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔

اس آیت میں ان لوگوں نے اپنے سوال سے پہلے ایک مقدمہ قائم کر کے سوال میں ایک گونہ لطافت کر دی ہے' اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو بیان کیا کہ باری تعالیٰ ہم مُردہ تھے۔ تو نے ہمیں زندہ کر دیا۔ پھر مار ڈالا۔ پھر زندہ کر دیا۔ پھر تو ہر اس چیز پر جسے تو چاہے قادر ہے۔ ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ یقیناً ہم نے اپنی جانوں پر ظلم وزیادتی کی۔ اب بچاؤ کی کوئی صورت بنا دے۔ یعنی ہمیں دنیا کی طرف پھر لوٹا دے جو یقیناً تیرے بس میں ہے۔ ہم وہاں جا کر اپنے پہلے اعمال کے خلاف اعمال کریں گے' اب اگر ہم وہی کام کریں تو بیشک ہم ظالم ہیں۔ انہیں جواب دیا جائے گا کہ اب دوبارہ دنیا میں جانے کی کوئی راہ نہیں۔ اس لئے کہ اگر دوبارہ چلے بھی جاؤ گے تو پھر بھی وہی کرو گے جس سے منع کئے گئے۔ تم نے اپنے دل ہی ٹیڑھے کر لئے ہیں۔ تم اب بھی حق کو قبول نہ کرو گے بلکہ اس کے خلاف ہی کرو گے۔ تمہاری تو یہ حالت تھی کہ جہاں اللہ واحد کا ذکر آیا' وہیں تمہارے دل میں کفر سمایا۔ ہاں اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے تو تمہیں یقین وایمان آ جاتا تھا۔ یہی حالت پھر تمہاری ہو جائے گی۔ دنیا میں اگر دوبارہ گئے تو پھر بھی یہی کرو گے۔

پس حاکم حقیقی جس کے حکم میں کوئی ظلم نہ ہو' سراسر عدل وانصاف ہی ہو' وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جسے چاہے ہدایت دے' جسے چاہے نہ دے' جس پر چاہے رحم کرے' جسے چاہے عذاب کرے۔ اس کے حکم وعدل میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہ اللہ اپنی قدرتیں لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔ زمین وآسمان میں اس کی توحید کی بیشمار نشانیاں موجود ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ سب کا خالق' سب کا مالک' سب کا پالنہار اور حفاظت کرنے والا وہی ہے۔ وہ آسمان سے روزی یعنی بارش نازل فرماتا ہے جس سے ہر قسم کے اناج کی کھیتیاں اور طرح طرح کے عجیب عجیب مزے کے مختلف رنگ روپ اور شکل وضع کے میوے اور پھل پھول پیدا ہوتے ہیں حالانکہ پانی ایک' زمین ایک لہٰذا اس سے بھی اس کی شان ظاہر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عبرت ونصیحت' فکر وغور کی توفیق ان ہی کو ہوتی ہے جو اللہ کی طرف رغبت ورجوع کرنے والے ہوں' اب تم دعا اور عبادت خلوص کے ساتھ صرف اللہ واحد کی کیا کرو۔ مشرکین کے مذہب ومسلک سے الگ ہو جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر فرض نماز کے سلام کے بعد یہ پڑھتے تھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ لَهُ الْمُلكُ وَلَهُ الحَمدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعمَةُ وَلَهُ الفَضلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَو كَرِهَ الكَافِرُونَ اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نماز کے بعد انہیں پڑھا کرتے تھے۔ (مسند احمد) یہ حدیث مسلم' ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرو اور قبولیت کا یقین کامل رکھو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور دوسری طرف کے مشغول دل کی دعا نہیں سنتا۔

بلند درجوں والا' مالک عرش کا' وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے' اپنی وحی نازل فرماتا ہے تا کہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرا دے ○ جس دن سب لوگ ظاہر ہو جائیں گے' ان میں سے کوئی اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گا۔ آج کس کی بادشاہی ہے؟ ○ فقط اللہ واحد و قہار کی۔ آج ہر نفس کو اس کی کرنی کا پھل دیا جائے گا۔ آج کسی قسم کا ظلم نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کر چکنے والا ہے ○

روز قیامت سب اللہ کے سامنے ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۷) اللہ تعالیٰ اپنی کبریائی اور عظمت اور اپنے عرش کی بڑائی اور وسعت بیان فرماتا ہے جو تمام مخلوق پر مثل چھت کے چھایا ہوا ہے۔ جیسے ارشاد ہے مِنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ الخ یعنی وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہو گا جو سیڑھیوں والا ہے کہ فرشتے اور روح اس کے پاس چڑھ کر جاتے ہیں۔ ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ اور اس بات کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا کہ یہ دوری ساتویں زمین سے لے کر عرش تک کی ہے' جیسے کہ سلف وخلف کی ایک جماعت کا قول ہے اور یہی راجح بھی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ عرش سرخ رنگ یاقوت کا ہے جس کے دو کناروں کی وسعت پچاس ہزار سال کی ہے اور جس کی اونچائی ساتویں زمین سے پچاس ہزار سال کی ہے۔ اور اس سے پہلے اس حدیث میں جس میں فرشتوں کا عرش اٹھانا بیان ہوا ہے' یہ بھی گزر چکا ہے کہ ساتوں آسمانوں سے بھی وہ بہت بلند اور بہت اونچا ہے' وہ جس پر چاہے وحی بھیجے۔ جیسے يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ الخ وہ فرشتوں کو وحی دے کر اپنے حکم سے جس کے پاس چاہتا ہے' بھیجتا ہے کہ تم لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ مجھ سے ڈرتے رہو۔ اور جگہ فرمان ہے اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الخ یعنی یہ قرآن تمام جہانوں کے رب کا اتارا ہوا ہے۔ جسے معتبر فرشتے نے تیرے دل پر اتارا ہے تا کہ تو ڈرانے والا بن جائے۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرا دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ بھی قیامت کا ایک نام ہے جس سے اللہ نے اپنے بندوں کو ڈرایا ہے جس میں حضرت آدمؑ خود اور ان کی اولاد میں سے سب سے آخری بچہ ایک دوسرے سے مل لے گا۔

ابن زیدؒ فرماتے ہیں' بندے اللہ سے ملیں گے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں' آسمانوں والے اور زمین والے آپس میں ملاقات کریں گے۔ خالق و مخلوق' ظالم و مظلوم ملیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے سے ملاقات کرے گا۔ بلکہ عامل اور اس کا عمل بھی ملے گا۔ آج سب اللہ کے سامنے ہوں گے۔ بالکل ظاہر باہر ہوں گے' چھپنے کی تو کہاں' سائے کی جگہ بھی کوئی نہ ہو گی۔ سب اس کے آمنے سامنے موجود ہوں گے۔ اس دن خود اللہ فرمائے گا کہ آج بادشاہت کس کی ہے؟ کون ہو گا جو جواب تک دے؟ پھر خود ہی جواب دے گا کہ اللہ اکیلے کی جو ہمیشہ واحد' احد ہے اور سب پر غالب و حکمراں ہے۔

پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کو لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا' میں بادشاہ ہوں' میں جبار

ہوں' متکبر ہوں۔ زمین کے بادشاہ اور جبار اور متکبر لوگ آج کہاں ہیں؟ صور کی حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل جب تمام مخلوق کی روح قبض کر لے گا اور اس وحدہ لاشریک لہ کے سوا اور کوئی باقی نہ رہے گا' اس وقت تین مرتبہ فرمائے گا' آج ملک کس کا ہے؟ پھر خود ہی جواب دے گا' اللہ اکیلے غالب کا۔ یعنی اس کا جو واحد ہے' اس کا جو ہر چیز پر غالب ہے' جس کی ملکیت میں ہر چیز ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے قائم ہونے کے وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ لوگو! قیامت آ گئی جسے مردے زندے سب سنیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرمائے گا اور کہے گا' آج کس کے لئے ملک ہے۔ صرف اللہ اکیلے غلبہ والے کے لئے' پھر اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کا بیان ہو رہا ہے کہ ذرا سا بھی ظلم اس دن نہ ہوگا بلکہ نیکیاں دس دس گنی کر کے ملیں گی اور برائیاں اتنی ہی رکھی جائیں گی۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ اے میرے بندو میں نے ظلم کرنا اپنے اوپر بھی حرام کر لیا ہے اور تم پر بھی حرام کر دیا ہے۔ پس تم میں سے کوئی کسی پر ظلم نہ کرے۔ آخر میں ہے اے میرے بندو' یہ تو تمہارے اپنے اعمال ہیں جن پر میں نگاہ رکھتا ہوں اور جن کا پورا بدلہ دوں گا۔ پس جو شخص بھلائی پائے' وہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے سوا پائے' وہ اپنے تئیں ہی ملامت کرے۔ پھر اپنے جلد حساب لینے کو بیان فرمایا کہ ساری مخلوق سے حساب لینا اس پر ایسا ہے جیسے ایک شخص کا حساب لینا۔ جیسے ارشاد باری ہے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ یعنی تم سب کا پیدا کرنا اور تم سب کو مرنے کے بعد زندہ کر دینا میرے نزدیک ایک شخص کے پیدا کرنے اور زندہ کر دینے کی مانند ہے۔ اور آیت میں ہے' اللہ عزوجل کا فرمان ہے وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ یعنی ہمارے حکم کے ساتھ ہی کام ہو جاتا ہے اتنی دیر میں جیسے کسی نے آنکھ بند کر کے کھول لی

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۖ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ ع ۱۱

انہیں بہت ہی قریب آنے والی قیامت سے آگاہ کر دے جبکہ دل حلق تک پہنچ جائیں گے اور سب خاموش ہوں گے' ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا نہ سفارشی جس کی بات مانی جائے ○ وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے ○ اللہ تعالیٰ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا' اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے رہتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے' بے شک اللہ تعالیٰ خوب سنتا خوب دیکھتا ہے ○

اللہ علیم پر ہر چیز ظاہر ہے: ☆☆ ازفہ (آیت: ۱۸-۱۹) قیامت کا ایک نام ہے۔ اس لئے وہ بہت ہی قریب ہے جیسے فرمان ہے اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ الخ یعنی قریب آنے والی قریب ہو چکی ہے' جس کا کھولنے والا بجز اللہ کے کوئی نہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ الخ قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ اور فرمان ہے اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا۔ اور فرمان ہے اَمْرُاللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ اللہ کا امر آ چکا۔ اس میں جلدی نہ کرو۔ اور آیت میں ہے فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـئَتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جب اسے قریب دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔

الغرض اسی نزدیکی کی وجہ سے قیامت کا نام اٰزِفَہ ہے۔ اس وقت کلیجے منہ کو آ جائیں گے۔ وہ خوف و ہراس ہوگا کہ کسی کا دل

ٹھکانے نہ رہے گا۔ سب پر غضب کا سناٹا ہوگا۔ کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکلے گی۔ کیا مجال کہ بے اجازت کوئی لب ہلا سکے۔ سب رو رہے ہوں گے اور حیران و پریشان ہوں گے۔ جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کا آج کوئی دوست غمگسار نہ ہوگا جو انہیں کام آئے۔ نہ شفاور سفارشی ہوگا جو ان کی شفاعت کے لئے زبان ہلائے بلکہ ہر بھلائی کے اسباب کٹ چکے ہوں گے' اس اللہ کا علم محیط کل ہے۔ تمام چھوٹی بڑی' چھپی کھلی' باریک موٹی اس پر یکساں ظاہر باہر ہیں' اتنے بڑے علم والے سے جس سے کوئی چیز مخفی نہ ہو' ہر شخص کو ڈرنا چاہیے اور کسی وقت یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ اس وقت وہ مجھ سے پوشیدہ ہے اور میرے حال کی اسے اطلاع نہیں۔ بلکہ ہر وقت یہ یقین کر کے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس کا علم میرے ساتھ ہے۔ اس کا لحاظ کرتا رہے اور اس کے روکے ہوئے کاموں سے رکا رہے۔ آنکھ جو خیانت کے لئے اٹھتی ہے گو بہ ظاہر وہ امانت ظاہر کرے لیکن رب علیم پر وہ مخفی نہیں' سینے کے جس گوشے میں جو خیال چھپا ہوا ہو اور دل میں جو بات پوشیدہ اٹھتی ہو' اس کا اسے علم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس آیت سے مراد وہ شخص ہے جو مثلاً کسی گھر میں گیا' وہاں کوئی خوبصورت عورت ہے یا وہ آ جا رہی ہے یا تو یہ کنکھیوں سے اسے دیکھتا ہے۔ جہاں کسی کی نظر پڑی تو نگاہ پھیر لی اور جب موقعہ پایا' آنکھ اٹھا کر دیکھ لیا۔ پس خائن آنکھ کی خیانت کو اور اس کے دل کے راز کو اللہ علیم خوب جانتا ہے کہ اس کے دل میں تو یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو پوشیدہ عضو بھی دیکھ لے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد آنکھ مارنا' اشارے کرنا اور بن دیکھی چیز کو دیکھی ہوئی یا دیکھی ہوئی چیز کو ان دیکھی بتانا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' نگاہ جس نیت سے ڈالی جائے' اللہ پر روشن ہے۔ پھر سینے میں چھپا ہوا خیال کہ اگر موقعہ ملے اور بس ہو تو آیا یہ بدکاری سے باز رہے گا یا نہیں۔ یہ بھی وہ جانتا ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں' دلوں کے وسوسوں سے وہ آگاہ ہے' وہ عدل کے ساتھ حکم کرتا ہے۔ قادر ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی دے اور برائی کی سزا بری دے۔ وہ سننے دیکھنے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ وہ بروں کو ان کی کرنی کی سزا اور بھلوں کو ان کی بھلائی کی جزا عنایت فرمائے گا۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں خواہ وہ بت اور تصویریں ہوں خواہ اور کچھ' وہ چونکہ کسی چیز کے مالک نہیں' ان کی حکومت ہی نہیں تو حکم اور فیصلے کریں گے ہی کیا؟ اللہ اپنی مخلوق کے اقوال کو سنتا ہے۔ ان کے احوال کو دیکھ رہا ہے' جسے چاہے راہ دکھاتا ہے۔ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے۔ اس کا اس میں بھی سراسر عدل و انصاف ہے۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ﴿٢١﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں؟ کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے' ان کا نتیجہ کیسا کچھ ہوا؟ وہ باعتبار قوت و طاقت کے اور باعتبار زمین میں اپنی یادگاروں کے ان سے بہت زیادہ تھے۔ پس اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا اور کوئی نہ ہوا جو انہیں اللہ کے عذابوں سے بچا لیتا ○ یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزے لے لے کر آتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے۔ پس اللہ انہیں پکڑ لیتا تھا۔ یقیناً وہ زبردست طاقت والا اور سخت عذابوں والا ہے ○

(آیت: ۲۱-۲۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبیؐ' کیا تیری رسالت کے جھٹلانے والے کفار نے اپنے سے پہلے کے رسولوں کو

جھٹلانے والے کفار کی حالتوں کا معائنہ ادھر ادھر چل پھر کر نہیں کیا؟ جو ان سے زیادہ قوی' طاقتور اور جثہ دار تھے۔ جن کے مکانات اور عالیشان عمارتوں کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔ جو ان سے زیادہ باتمکنت تھے۔ ان سے بڑی عمروں والے تھے' جب ان کے کفر اور گناہوں کی وجہ سے عذاب الٰہی ان پر آیا تو نہ تو کوئی اسے ہٹا سکا نہ کسی میں مقابلہ کی طاقت پائی گئی نہ اس سے بچنے کی کوئی صورت نکلی' اللہ کا غضب ان پر برس پڑنے کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے پاس بھی ان کے رسول واضح دلیلیں اور صاف روشن حجتیں لے کر آئے باوجود اس سے انہوں نے کفر کیا جس پر اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور کفار کے لئے انہیں باعث عبرت بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ پوری قوت والا' سخت پکڑ والا' شدید عذاب والا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے تمام عذابوں سے نجات دے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٣﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ ع ۷ ۸

ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیل کے ساتھ بھیجا ○ فرعون' ہامان اور قارون کی طرف' تو کہنے لگے یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے ○ جب ان کے پاس موسیٰ ہماری طرف سے دین حق کو لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ اس کے ساتھ جو ایمان والے ہیں' ان کے لڑکوں کو تو مار ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو کافروں کی جو حیلہ سازی ہے' وہ غلطی میں ہی ہے ○ فرعون کہنے لگا' مجھے چھوڑو تاکہ میں موسیٰ کو مار ڈالوں۔ اسے چاہئے کہ یہ اپنے رب کو پکارے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں کوئی بہت بڑا فساد برپا نہ کر دے ○ موسیٰ نے کہا' میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ ہر اس تکبر کرنے والے شخص کی برائی سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا ○

فرعون کا بدترین حکم: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۷) اللہ تعالیٰ اپنے آخری رسولؐ کو تسلی دینے کے لئے سابقہ رسولوں کے قصے بیان فرماتا ہے کہ جس طرح انجام کار فتح وظفر ان کے ساتھ رہی' اسی طرح آپ بھی ان کفار سے کوئی اندیشہ نہ کیجئے۔ میری مدد آپ کے ساتھ ہے۔ انجام کار آپ ہی کی بہتری اور برتری ہوگی جیسے کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا واقعہ آپ کے سامنے ہے کہ ہم نے انہیں دلائل و براہین کے ساتھ بھیجا' قبطیوں کے بادشاہ فرعون کی طرف جو مصر کا سلطان تھا اور ہامان کی طرف جو اس کا وزیراعظم تھا۔ اور قارون کی طرف جو اس کے زمانے میں سب سے زیادہ دولت مند تھا اور تاجروں کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ ان بدنصیبوں نے اللہ کے اس زبردست رسول کو جھٹلایا اور ان کی توہین کی اور صاف کہہ دیا کہ یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے۔ یہی جواب سابقہ امتوں کے بھی انبیاء علیہم السلام کو ملتے رہے۔

جیسے ارشاد ہے كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ الخ یعنی اسی طرح ان سے پہلے بھی جتنے رسول آئے' سب سے ان کی قوم نے یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا انہوں نے اس پر کوئی متفقہ تجویز کر رکھی ہے؟ نہیں بلکہ دراصل یہ سب کے سب

سرکش لوگ ہیں' جب ہمارے رسول موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس حق لائے اور انہوں نے اللہ کے رسول کو ستانا اور دکھ دینا شروع کیا' اور فرعون نے حکم جاری کر دیا' اس رسولؑ پر جو ایمان لائے ہیں' ان کے ہاں جو لڑکے ہیں' انہیں قتل کر دو اور جو لڑکیاں ہوں' انہیں زندہ چھوڑ دو' اس سے پہلے بھی وہ یہی حکم جاری کر چکا تھا۔ اس لئے کہ اسے خوف تھا کہ کہیں موسیٰ پیدا نہ ہو جائیں یا اس لئے کہ بنی اسرائیل کی تعداد کم کر دے اور انہیں کمزور اور بے طاقت بنا دے اور ممکن ہے دونوں مصلحتیں سامنے ہوں اور ان کی گنتی نہ بڑھے اور یہ پست و ذلیل رہیں بلکہ انہیں خیال ہو کہ ہماری اس مصیبت کا باعث حضرت موسیٰ ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں ایذا دی گئی اور آپ کے تشریف لانے کے بعد بھی ہم ستائے گئے۔ آپ نے جواب دیا' تم جلدی نہ کرو۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو برباد کر دے اور تمہیں زمین کا خلیفہ بنائے۔ پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟

حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ فرعون کا یہ حکم دوبارہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار کا فریب اور ان کی یہ پالیسی کہ بنی اسرائیل فنا ہو جائیں' بے فائدہ اور فضول تھی۔ فرعون کا ایک بدترین قصد بیان ہو رہا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کیا اور اپنی قوم سے کہا' مجھے چھوڑو۔ میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں گا۔ وہ اگر چہ اپنے اللہ کو بھی اپنی مدد کے لئے پکارے' مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے زندہ چھوڑا گیا تو وہ تمہارے دین کو بدل دے گا' تمہاری عادات و رسومات کو تم سے چھڑا دے گا اور زمین میں ایک فساد پھیلا دے گا۔ اسی لئے عرب میں یہ مثل مشہور ہو گئی صَارَ فِرْعَوْنُ مُذَكِّرًا یعنی فرعون بھی واعظ بن گیا۔ بعض قراءتوں میں بجائے اَنْ يُّظْهِرَ کے يُظْهِرُ ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون کا یہ بدارادہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا' میں اس کی اور اس جیسے لوگوں کی برائی سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ اے میرے مخاطب لوگو! میں ہر اس شخص کی ایذا رسانی سے جو حق سے تکبر کرنے والا اور قیامت کے دن پر ایمان نہ رکھنے والا ہو' اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب جناب رسول کریم ﷺ کو کسی قوم سے خوف ہوتا تو آپ یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ وَنَدْرَأُبِكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ یعنی اے اللہ ان کی برائی سے ہم تیری پناہ میں آتے ہیں اور ہم تجھ پر ان کے مقابلے میں بھروسہ کرتے ہیں۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾

ایک مومن شخص نے جو فرعون کے خاندان میں سے تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا' کہا کہ کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے؟ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہو تو جن عذابوں کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے وہ کوئی نہ کوئی تو تم پر آ پڑے گا' اللہ تعالیٰ ان کی رہبری نہیں کرتا جو حد سے گذر جانے والے اور جھوٹے ہوں ○

ایک مرد مومن کی فرعون کو نصیحت: ☆☆ (آیت: ۲۸) مشہور تو یہی ہے کہ یہ مومن قبطی تھے (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور فرعون کے خاندان

کے تھے بلکہ سدیؒ فرماتے ہیں' فرعون کے یہ چچازاد بھائی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے بھی حضرت موسیٰ کے ساتھ نجات پائی تھی۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں بلکہ جن لوگوں کا قول ہے کہ یہ مومن بھی اسرائیلی تھے' آپ نے ان کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ اگر یہ اسرائیلی ہوتے تو نہ فرعون اس طرح صبر سے ان کی نصیحت سنتا نہ حضرت موسیٰؑ کے قتل کے ارادے سے باز آتا بلکہ انہیں ایذا پہنچاتا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے' آل فرعون میں سے ایک تو یہ مرد ایمان دار تھا اور دوسرے فرعون کی بیوی ایمان لائی تھیں۔ تیسرا وہ شخص جس نے حضرت موسیٰؑ کو خبر دی تھی کہ سرداروں کا مشورہ تمہیں قتل کرنے کا ہو رہا ہے۔ یہ اپنے ایمان کو چھپاتے رہتے تھے لیکن قتل موسیٰؑ کی سن کر ضبط نہ ہو سکا اور یہی درحقیقت سب سے بہتر اور افضل جہاد ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے انسان کلمہ حق کہہ دے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے اور فرعون کے سامنے اس سے زیادہ بڑا کلمہ کوئی نہ تھا۔ پس یہ شخص بہت بلند مرتبے کے مجاہد تھے۔ جن کے مقابلے کا کوئی نظر نہیں آتا۔ البتہ صحیح بخاری شریف وغیرہ میں ایک واقعہ کئی روایتوں سے مروی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرتبہ پوچھا کہ سب سے بڑی ایذا مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کو کیا پہنچائی؟ آپ نے فرمایا' سنو' ایک روز حضورؐ کعبہ شریف میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اور آپ کو پکڑ لیا۔ اور اپنی چادر میں بل دے کر آپ کی گردن میں ڈال کر گھسیٹنے لگا جس سے آپؐ کا گلا گھٹنے لگا۔ اسی وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوڑے دوڑے آئے اور اسے دھکا دے کر پرے پھینکا اور فرمانے لگے' کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ اور وہ تمہارے پاس دلیلیں لے کر آیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قریشیوں کا مجمع جمع تھا۔ جب آپؐ وہاں سے گزرے تو انہوں نے کہا' کیا تو ہی ہے جو ہمیں ہمارے باپ دادوں کے معبودوں کی عبادت سے منع کرتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں ہاں میں ہی ہوں۔ اس پر وہ سب آپ کو چمٹ گئے اور کپڑے گھسیٹنے لگے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو چھڑایا اور پوری آیت اَتَقْتُلُوْنَ کی تلاوت کی۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

اے میری قوم کے لوگو' آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ اس زمین پر تم غالب ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟ فرعون بولا' میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں ○

پس اس مومن نے بھی یہی کہا کہ اس کا قصور تو صرف اتنا ہی ہے کہ یہ اپنا رب اللہ کو بتاتا ہے اور جو کہتا ہے' اس پر سند اور دلیل پیش کرتا ہے۔ اچھا مان لو' بالفرض یہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں سزا دے گا اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے اسے ستایا' دکھ دیا تو یقیناً تم پر عذاب الٰہی برس پڑے گا جیسے کہ وہ کہہ رہا ہے۔ پس عقلاً لازم ہے کہ تم اسے چھوڑ دو۔ جو اس کی مان رہے ہیں مانیں۔ تم کیوں اس کے درپے آزار ہو رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون اور قوم فرعون سے یہی چاہا تھا۔ جیسے کہ آیت وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ سے فَاعْتَزِلُوْنِ تک ہے یعنی ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا۔ ان کے پاس رسول کریم کو بھیجا۔ اس نے کہا کہ اللہ کے بندوں کو مجھے سونپ دو۔ میں تمہاری طرف رب کا رسول امین ہوں۔ تم اللہ سے بغاوت نہ کرو۔ دیکھو

میں تمہارے پاس کھلی دلیلیں اور زبردست معجزے لایا ہوں۔ تم مجھے سنگسار کردو گے۔ اس سے میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں' اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھے چھوڑ دو۔ یہی جناب رسول آخر الزمان ﷺ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف مجھے پکارنے دو' تم میری ایذارسانی سے باز رہو۔ اور میری قرابت داری کو خیال کرتے ہوئے مجھے دکھ نہ دو۔ صلح حدیبیہ بھی دراصل یہی چیز تھی جو کھلی فتح کہلائی۔ وہ مومن کہتا ہے کہ سنو' مسرف اور جھوٹے آدمی راہ یافتہ نہیں ہوتے۔ ان کے ساتھ اللہ کی نصرت نہیں ہوتی۔ ان کے اقوال وافعال بہت جلد ان کی خباثت کو ظاہر کردیتے ہیں۔ برخلاف اس کے یہ نبی اللہ اختلاف واضطراب سے پاک ہیں۔ صحیح سچی اور اچھی راہ پر ہیں۔ زبان کے سچے' عمل کے پکے ہیں۔ اگر یہ حد سے گزر جانے والے اور جھوٹے ہوتے تو یہ راستی اور عمدگی ان میں ہرگز نہ ہوتی۔ پھر قوم کو نصیحت کرتے ہیں اور انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔ بھائیو! تمہیں اللہ نے اس ملک کی سلطنت عطا فرمائی ہے۔ بڑی عزت دی ہے۔ تمہارا حکم جاری کر رکھا ہے۔ اللہ کی اس نعمت پر تمہیں اس کا شکر کرنا چاہیے اور اس کے رسولوں کو سچا ماننا چاہیے۔

یاد رکھو' اگر تم نے ناشکری کی اور رسول کی طرف بری نظریں ڈالیں تو یقیناً عذاب الٰہی تم پر آ جائے گا۔ بتاؤ اس وقت کسے لاؤ گے جو تمہاری مدد پر کھڑا ہو اور اللہ کے عذاب کو روکے یا ٹالے؟ یہ لاؤ ولشکر' یہ جان ومال کچھ کام نہ آئیں گے۔ فرعون سے اور تو کوئی معقول جواب بن نہ پڑا' کھسیانہ بن کر قوم میں اپنی خیرخواہی جتانے لگا کہ میں تمہیں دھوکا نہیں دے رہا' جو میرا خیال ہے اور میرے ذہن میں ہے' وہی تم پر ظاہر کر رہا ہوں۔ حالانکہ دراصل یہ بھی اس کی خیانت تھی۔ وہ بھی جانتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ جیسے فرمان باری ہے لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ یعنی حضرت موسیٰؑ نے فرمایا' اے فرعون تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائبات خاص آسمان وزمین کے پروردگار نے بھیجے ہیں جو کہ بصیرت کے ذرائع ہیں۔ اور آیت میں ہے وَجَحَدُوْا بِهَا الخ یعنی انہوں نے باوجود دلی یقین کے از راہ ظلم وزیادتی انکار کردیا۔ اسی طرح اس کا یہ کہنا بھی سراسر غلط تھا کہ میں تمہیں حق کی' سچائی کی اور بھلائی کی راہ دکھاتا ہوں۔ اس میں وہ لوگوں کو دھوکا دے رہا تھا اور رعیت کی خیانت کر رہا تھا۔ لیکن اس کی قوم اس کے دھوکے میں آ گئی اور فرعون کی بات مان لی۔ فرعون نے انہیں کسی بھلائی کی راہ پر نہ ڈالا۔ اس کا عمل ہی ٹھیک نہیں تھا۔ اور جگہ اللہ عزوجل فرماتا ہے' فرعون نے اپنی قوم کو بہکا دیا اور انہیں صحیح راہ تک نہ پہنچنے دیا نہ پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو امام اپنی رعایا سے خیانت کر رہا ہو وہ مر کر جنت کی خوشبو بھی نہیں پاتا حالانکہ وہ خوشبو پانچ سو سال کی راہ پر آتی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

اس مومن نے کہا' اے میری قوم کے لوگو! مجھے تو اندیشہ ہے کہ تم پر بھی ویسا ہی عذاب نہ آئے جو اور امتوں پر آیا۔ جیسے امت نوحؑ اور عاد وثمود اور ان کے بعد والوں کا

حال ہوا' اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا' اور مجھے تم پر ہانک پکار کے دن کا بھی ڈر ہے ○ جس دن تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا' اور جسے اللہ گمراہ کر دے' اس کا ہادی کوئی نہیں ○

مرد مومن کی اپنی قوم کو نصیحت : ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۳) اس مومن کی نصیحت کا آخری حصہ بیان ہو رہا ہے کہ اس نے فرمایا 'دیکھو اگر تم نے اللہ کے رسول کی نہ مانی اور اپنی سرکشی پر اڑے رہے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں سابقہ قوموں کی طرح تم پر بھی عذاب الٰہی برس نہ پڑے۔ قوم نوحؑ اور قوم عاد و ثمود کو دیکھ لو کہ پیغمبروں کی نہ ماننے کے وبال میں ان پر کیسے عذاب آئے؟ اور کوئی نہ تھا جو انہیں ٹالتا روکتا۔ اس میں اللہ کا کچھ ظلم نہ تھا۔ اس کی ذات بندوں پر ظلم کرنے سے پاک ہے۔ ان کے اپنے کرتوت تھے جو ان کے لئے وبال جان بن گئے' مجھے تم پر قیامت کے دن کے عذاب کا بھی ڈر ہے جو ہانک پکار کا دن ہے۔ صور کی حدیث میں ہے کہ جب زمین میں زلزلہ آئے گا اور پھٹ جائے گی تو لوگ مارے گھبراہٹ کے ادھر ادھر پریشان حواس بھاگنے لگیں گے اور ایک دوسرے کو آواز دیں گے۔ حضرت ضحاکؒ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب جہنم لائی جائے گی اور لوگ اسے دیکھ کر ڈر کر بھاگیں گے اور فرشتے انہیں میدان محشر کی طرف واپس لائیں گے۔

جیسے فرمان الٰہی ہے وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا یعنی فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے۔ اور فرمان ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا الخ یعنی اے انسانو! اور جنو! اگر تم زمین و آسمان کے کناروں سے بھاگ نکلنے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل بھاگو لیکن یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ حسن اور ضحاکؒ کی قراءت میں یَوْمَ التَّنَادّ دال کی تشدید کے ساتھ ہے۔ اور یہ ماخوذ ہے نَدَّ الْبَعِیْرُ سے' جب اونٹ چلا جائے اور سرکشی کرنے لگے تو یہ لفظ کہا جاتا ہے' کہا گیا ہے کہ جس ترازو میں عمل تولے جائیں گے' وہاں ایک فرشتہ ہوگا۔ جس کی نیکیاں بڑھ جائیں گی' وہ با آواز بلند پکار کر کہے گا' لوگو فلاں کا لڑکا فلاں سعادت والا ہو گیا اور آج کے بعد سے اس پر شقاوت کبھی نہیں آئے گی۔ اور اس کی نیکیاں گھٹ گئیں تو وہ فرشتہ آواز لگائے گا کہ فلاں بن فلاں بدنصیب ہو گیا اور تباہ و برباد ہو گیا۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ۝ۚۖ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝

اس سے پہلے تمہارے پاس حضرت یوسفؑ دلیلیں لے کر آئے' پھر بھی تم ان کی لائی ہوئی دلیل میں شک وشبہ ہی کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو تم کہنے لگے' ان کے بعد تو اللہ کسی رسول کو بھیجے گا ہی نہیں' اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے ہر اس شخص کو جو حد سے بڑھ جانے والا' شک وشبہ کرنے والا ہو ○ جو بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو' اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں۔ اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی بیزاری کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر ایک مغرور و سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے ○

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' قیامت کو یَوْمَ التَّنَادِ اس لئے کہا گیا ہے کہ جنتی جنتیوں کو اور جہنمی جہنمیوں کو پکاریں گے اور اعمال کے ساتھ پکاریں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وجہ یہ ہے کہ جنتی دوزخیوں کو پکاریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا' وہ ہم نے سچ پایا۔ تم بتاؤ کہ کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچا پایا؟ وہ جواب دیں گے ہاں۔ اسی طرح جہنمی جنتیوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمیں تھوڑا سا پانی ہی چھوا دو یا وہ کچھ دے دو جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔ جنتی جواب دیں گے کہ یہاں کے کھانے پینے کو اللہ نے کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ اسی طرح سورۂ اعراف میں یہ بھی بیان ہے کہ اعراف والے دوزخیوں اور جنتیوں کو پکاریں گے۔ بغوی وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام باتیں ہیں اور ان سب وجوہ کی بنا پر قیامت کے دن کا نام یَوْمُ التَّنَادِ ہے۔ یہی قول بہت عمدہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اس دن لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ لیکن بھاگنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ آج ٹھہرنے کی جگہ یہی ہے' اس دن کوئی نہ ہو گا جو بچا سکے اور اللہ کے عذاب سے چھڑا سکے۔ بات یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی قادر مطلق نہیں۔ وہ جسے گمراہ کر دے' اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ پھر فرماتا ہے کہ اس سے پہلے اہل مصر کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر بن کر آئے تھے۔ آپ کی بعثت حضرت موسیٰ سے پہلے ہوئی تھی۔ عزیز مصر بھی آپ ہی تھے اور اپنی امت کو اللہ کی طرف بلاتے تھے۔ لیکن قوم نے ان کی اطاعت نہ کی' ہاں بوجہ دنیوی جاہ کے اور وزارت کے تو انہیں ماتحتی کرنی پڑتی تھی۔ پس فرماتا ہے کہ تم ان کی نبوت کی طرف سے بھی شک میں ہی رہے۔ آخر جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم بالکل مایوس ہو گئے اور امید کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اب تو اللہ تعالیٰ کسی کو نبی بنا کر بھیجے گا ہی نہیں۔ یہ تھا ان کا کفر اور ان کی تکذیب' اسی طرح اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے جو بے جا کام کرنے والا' حد سے گزر جانے والا اور شک و شبہ میں مبتلا رہنے والا ہو۔ یعنی جو تمہارا حال ہے' یہی حال ان سب کا ہوتا ہے جن کے کام اسراف والے ہوں اور جن کا دل شک و شبہ والا ہو' جو لوگ حق کو باطل سے ہٹاتے ہیں اور بغیر دلیل کے دلیلوں کو ٹالتے ہیں' اس پر اللہ ان سے ناخوش ہے اور سخت تر ناراض ہے ان کے یہ افعال جہاں اللہ کی ناراضگی کا باعث ہیں' وہاں ایمانداروں کی بھی ناخوشی کا ذریعہ ہیں۔ جن لوگوں میں ایسی بے ہودہ صفتیں ہوتی ہیں' ان کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر کر دیتا ہے جس کے بعد انہیں نہ اچھائی اچھی معلوم ہوتی ہے نہ برائی بری لگتی ہے' ہر وہ شخص جو حق سے سرکشی کرنے والا ہو اور تکبر و غرور والا ہو۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں' جبار وہ شخص ہے جو دو انسانوں کو قتل کر ڈالے۔ ابو عمران جونی اور قتادہؒ کا فرمان ہے کہ جو بغیر حق کے کسی کو قتل کرے' وہ جبار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ؑ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ۚ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِىَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾

ع ۱۰

فرعون نے کہا' اے ہامان! میرے لئے ایک بالا خانہ بنا۔ کیا عجب کہ میں آسمان کے دروازوں تک پہنچ جاؤں اور موسیٰ کے اللہ کو جھانک لوں ○ مجھے تو کامل یقین

ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ٹھیک اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اسے بھلی دکھائی گئیں اور راہ سے روک دیا گیا' فرعون کی ہر حیلہ سازی تباہی میں ہی رہی O اس ایمان دار شخص نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم سب میری پیروی کرو۔ میں نیک راہ کی طرف تمہاری رہبری کروں گا O اے میرے گروہ کے لوگو' حیات دنیا متاع فانی ہے۔یقین مانو کہ قرار اور ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی ہے O

فرعون کی سرکشی اور تکبر : ☆☆ (آیت:۳۶-۳۷) فرعون کی سرکشی اور تکبر بیان ہو رہا ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ میرے لئے ایک بلند و بالا محل تعمیر کرا۔ اینٹوں اور چونے کی پختہ اور بہت اونچی عمارت بنا۔ جیسے اور جگہ ہے کہ اس نے کہا' اے ہامان! اینٹیں پکا کر میرے لئے ایک اونچی عمارت بنا۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قبر کو پختہ بنانا اور اسے چونے گچ کرنا سلف صالحین مکروہ جانتے تھے۔ (ابن ابی حاتم) فرعون کہتا ہے کہ یہ محل میں اس لئے بنوا رہا ہوں کہ آسمان کے دروازوں اور آسمان کے راستوں تک میں پہنچ جاؤں' اور موسیٰ کے اللہ کو دیکھ لوں۔ گو میں جانتا ہوں کہ موسیٰ ہے جھوٹا۔ وہ جو کہہ رہا ہے کہ اللہ نے اسے بھیجا ہے' یہ بالکل غلط ہے۔

دراصل فرعون کا یہ ایک مکر تھا اور وہ اپنی رعیت پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ دیکھو میں ایسا کام کرتا ہوں جس سے موسیٰ کا جھوٹ بالکل کھل جائے اور میری طرح تمہیں بھی یقین آ جائے کہ موسیٰ غلط گو' مفتری اور کذاب ہے۔فرعون راہ الٰہی سے روک دیا گیا۔ اس کی ہر تدبیر الٹی ہی رہی۔ اور جو کام وہ کرتا ہے' وہ اس کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے اور وہ خسارے میں بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

قوم فرعون کے مرد مومن کی سہ بارہ نصیحت : ☆☆ (آیت:۳۸) فرعون کی قوم کا مومن مرد جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے' اپنی قوم کے سرکشوں' خود پسندوں اور متکبروں کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم میری مانو' میری راہ چلو۔ میں تمہیں راہ راست پر ڈال دوں گا۔ یہ اپنے اس قول میں فرعون کی طرح کاذب نہ تھا۔ وہ تو اپنی قوم کو دھوکا دے رہا تھا اور یہ ان کی حقیقی خیر خواہی کر رہا تھا' پھر انہیں دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کہتا ہے کہ دنیا ایک ڈھل جانے والا سایہ اور فنا ہو جانے والا فائدہ ہے۔ لازوال اور قرار و ہیشگی والی جگہ تو اس کے بعد آنے والی آخرت ہے۔ جہاں کی رحمت و زحمت ابدی اور غیر فانی ہے' جہاں برائی کا بدلہ تو اس کے برابر ہی دیا جاتا ہے۔ ہاں نیکی کا بدلہ بے حساب دیا جاتا ہے۔ نیکی کرنے والا چاہے مرد ہو' چاہے عورت ہو تو ہاں یہ شرط ہے کہ ہو با ایمان' اسے اس نیکی کا ثواب اس قدر دیا جائے گا جو بے حد و حساب ہوگا۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ
صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ
الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَ يٰقَوْمِ مَا لِيْٓ
اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ
لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا
اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ
لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى
اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

جس نے گناہ کیا ہے اسے تو برابر برابر کا بدلہ ہی ہے اور جس نے نیکی کی ہے خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت اور ہو ایمان دار تو یہ لوگ وہ ہیں جو جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے ○ اے میری قوم یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو ○ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں؟ اور اس کے ساتھ اسے شریک کروں جس کا کوئی علم مجھے نہیں؟ اور میں تمہیں غالب بخشنے والے اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں ○ یہ یقینی امر ہے کہ تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو وہ تو نہ دنیا میں پکارنے کے قابل ہے نہ آخرت میں اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور حد سے گذر جانے والے یقیناً اہل دوزخ ہیں ○

عالم برزخ میں عذاب پر دلیل: ☆☆ (آیت:۴۱-۴۳) قوم فرعون کا مومن مرد اپنا وعظ جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں توحید کی طرف یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی طرف بلا رہا ہوں۔ میں تمہیں اللہ کے رسول کی تصدیق کرنے کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے کفر و شرک کی طرف بلا رہے ہو؟ تم چاہتے ہو کہ میں جاہل بن جاؤں اور بے دلیل اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف کروں؟ غور کرو کہ تمہاری اور میری دعوت میں کس قدر فرق ہے؟ میں تمہیں اس اللہ کی طرف لے جانا چاہتا ہوں جو بڑی عزت اور کبریائی والا ہے۔ باوجود اس کے وہ ہر اس شخص کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف جھکے اور استغفار کرے' لا جرم کے معنی حق و صداقت کے ہیں' یعنی یہ یقینی سچ اور حق ہے کہ جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو یعنی بتوں اور سوائے اللہ کے دوسروں کی عبادت کی طرف' یہ تو وہ ہیں جنہیں دین و دنیا کا کوئی اختیار نہیں۔ جنہیں نفع نقصان پر کوئی قابو نہیں' جو اپنے پکارنے والے کی پکار کو سن سکیں نہ قبول کر سکیں نہ یہاں نہ وہاں۔ جیسے فرمان الٰہی ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ یعنی اس سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں جو اللہ کے سوا اوروں کو پکارتا ہے' جو اس کی پکار کو قیامت تک سن نہیں سکتے۔ جنہیں مطلق خبر نہیں کہ کوئی ہمیں پکار رہا ہے؟ جو قیامت کے دن اپنے پکارنے والوں کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت سے بالکل انکار کر جائیں گے۔ گو تم انہیں پکارا کرو لیکن وہ نہیں سنتے۔ اور بالفرض اگر سن بھی لیں تو قبول نہیں کر سکتے۔

مومن آل فرعون کہتا ہے کہ ہم سب کو لوٹ کر اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔ وہاں ہر ایک کو اپنے اعمال کا بدلہ بھگتنا ہے۔ وہاں حد سے گزر جانے والے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے والے ہمیشہ کے لئے جہنم واصل کر دیئے جائیں گے' گو تم اس وقت میری باتوں کی قدر نہ کرو۔ لیکن ابھی ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا' میری باتوں کی صداقت و حقانیت تم پر واضح ہو جائے گی۔ اس وقت ندامت و حسرت اور افسوس کرو گے لیکن وہ محض بے سود ہو گا۔ میں تو اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ میرا توکل اسی کی ذات پر ہے۔ میں تو اپنے ہر کام میں اسی سے مدد طلب کرتا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تم سے الگ ہوں اور تمہارے کاموں سے نفرت کرتا ہوں۔ میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ اپنے بندوں کے تمام حالات سے دانا و بینا ہے۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٤٤﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ ﴿٤٥﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾

پس آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے۔ میں اپنا معاملہ سپرد رب کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگران ہے ○ پس اسے اللہ تعالیٰ نے ان تمام بدیوں سے

محفوظ رکھ لیا جو انہوں نے سوچ رکھی تھیں اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب الٹ پڑا ○ آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی فرمان ہوگا کہ فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو ○

مستحق ہدایت جو ہیں ان کی وہ رہنمائی کرے گا اور مستحقین ضلالت اس رہنمائی سے محروم رہیں گے اس کا ہر کام حکمت والا اور اس کی ہر تدبیر اچھائی والی ہے۔ اس مومن کو اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کے مکر سے بچا لیا۔ دنیا میں بھی وہ محفوظ رہا یعنی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس نے نجات پائی اور آخرت کے عذاب سے بھی محفوظ رہا۔ باقی تمام فرعونی بدترین عذاب کا شکار ہوئے۔ سب دریا میں ڈبو دیئے گئے پھر وہاں سے جہنم واصل کر دیئے گئے۔

ہر صبح شام ان کی روحیں جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں قیامت تک یہ عذاب انہیں ہوتا رہے گا اور قیامت کے دن ان کی روحیں جسم سمیت جہنم میں ڈال دی جائیں گی اور اس دن ان سے کہا جائے گا کہ اے آل فرعون سخت دردناک اور بہت زیادہ تکلیف دہ عذاب میں چلے جاؤ۔ یہ آیت اہل سنت کے اس مذہب کی کہ عالم برزخ میں یعنی قبروں میں عذاب ہوتا ہے بہت بڑی دلیل ہے ہاں یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ بعض احادیث میں کچھ ایسے مضامین وارد ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب برزخ کا علم رسول اللہ ﷺ کو مدینے شریف کی ہجرت کے بعد ہوا اور یہ آیت مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں کی روحیں صبح شام جہنم کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ عذاب ہر وقت جاری اور باقی رہتا ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی کہ آیا یہ عذاب صرف روح کو ہی ہوتا ہے یا جسم کو بھی اس کا علم اللہ کی طرف سے آپ کو مدینے شریف میں کرایا گیا اور آپ نے اسے بیان فرما دیا۔ پس حدیث و قرآن ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔ اب ان احادیث کو ملاحظہ فرمایئے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودیہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت گزار تھی۔ حضرت عائشہؓ جب کبھی اس کے ساتھ کچھ سلوک کرتی تو وہ دعا دیتی اور کہتی اللہ تجھے جہنم کے عذاب سے بچائے۔ ایک روز حضرت صدیقہؓ نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ کیا قیامت سے پہلے قبر میں بھی عذاب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں تو یہ کس نے کہا؟ حضرت عائشہؓ نے اس یہودیہ عورت کا واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا یہود جھوٹے ہیں اور وہ تو اس سے زیادہ جھوٹ اللہ پر باندھا کرتے ہیں۔ قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک مرتبہ ظہر کے وقت کپڑا لپیٹے ہوئے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور با آواز بلند فرما رہے تھے قبر مانند سیاہ رات کی اندھیریوں کے ٹکڑوں کے ہے۔ لوگو! اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو بہت زیادہ روتے اور بہت کم ہنستے۔ لوگو قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو یقین مانو کہ عذاب قبر حق ہے۔ اور روایت میں ہے کہ ایک یہودیہ عورت نے حضرت عائشہؓ سے کچھ مانگا جو آپؓ نے دیا اور اس نے وہ دعا دی۔ اس کے آخر میں ہے کہ کچھ دنوں بعد حضورؐ نے فرمایا مجھے وحی کی گئی ہے کہ تمہاری آزمائش قبروں میں کی جاتی ہے۔

پس ان احادیث اور آیت میں ایک تطبیق تو وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ دوسری تطبیق یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آیت یُعْرَضُوْنَ سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ کفار کو عالم برزخ میں عذاب ہوتا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مومن کو ہی اس کے بعض گناہوں کی وجہ سے اس کی قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ یہ صرف حدیث شریف میں ثابت ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک دن رسول اللہ ﷺ آئے۔ اس وقت ایک یہودیہ عورت مائی صاحبہؓ کے پاس بیٹھی تھی اور کہہ رہی تھی کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ تم لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے؟ اسے سن کر حضورؐ کانپ گئے اور فرمایا یہود ہی آزمائے جاتے ہیں۔ پھر چند دنوں بعد آپؐ نے فرمایا لوگو! تم سب

قبروں کے فتنہ میں ڈالے جاؤ گے- اس کے بعد حضور علیہ السلام فتنہ قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت سے صرف روح کے عذاب کا ثبوت ملتا تھا- اس سے جسم تک اس عذاب کے پہنچنے کا ثبوت نہیں تھا- بعد میں بذریعہ وحی حضورؐ کو یہ معلوم کرایا گیا کہ عذاب قبر جسم و روح کو ہوتا ہے- چنانچہ آپؐ نے پھر اس سے بچاؤ کی دعا شروع کی' واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم-

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک یہودیہ عورت آئی اور اس نے کہا' عذاب قبر سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں- اس پر صدیقہؓ نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ کیا قبر میں عذاب ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں عذاب قبر برحق ہے- فرماتی ہیں' اس کے بعد میں نے دیکھا کہ حضورؐ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے- اس حدیث سے تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اسے سنتے ہی یہودیہ عورت کی تصدیق کی- اور اوپر والی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے تکذیب کی تھی- دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ یہ دو واقعے ہیں- پہلے واقعے کے وقت چونکہ وحی سے آپ کو معلوم نہیں ہوا تھا' آپ نے انکار فرما دیا- پھر معلوم ہو گیا تو آپ نے اقرار کیا' واللہ سبحان وتعالیٰ اعلم- قبر کے عذاب کا ذکر بہت سی صحیح احادیث میں آ چکا ہے- واللہ اعلم- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' رہتی دنیا تک ہر صبح شام آل فرعون کی روحیں جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ بدکارو تمہاری اصلی جگہ یہی ہے تا کہ ان کے رنج و غم بڑھیں' ان کی ذلت وتوہین ہو-

پس آج بھی وہ عذاب میں ہی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے- ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں' وہ جنت میں جہاں کہیں چاہیں چلتی پھرتی ہیں اور مومنوں کے بچوں کی روحیں چڑیاؤں کے قالب میں ہیں اور جہاں وہ چاہیں' جنت میں چلتی رہتی ہیں اور عرش تلے کی قندیلوں میں آرام حاصل کرتی ہیں اور آل فرعون کی روحیں سیاہ رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں- صبح بھی جہنم کے پاس جاتی ہیں اور شام کو بھی یہی ان کا پیش ہونا ہے- معراج والی لمبی روایت میں ہے کہ پھر مجھے ایک بہت بڑی مخلوق کی طرف لے چلے جن میں سے ہر ایک کا پیٹ مثل بہت بڑے گھر کے تھا جو آل فرعون کے پاس قید تھے اور آل فرعون صبح شام آگ پر لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہو گی' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' ان فرعونیوں کو سخت تر عذابوں میں لے جاؤ اور یہ فرعونی لوگ نکیل والے اونٹوں کی طرح منہ نیچے کئے پتھر اور درخت پر چڑھ رہے ہیں اور بالکل بے عقل و بے شعور ہیں- ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو احسان کرے خواہ مسلم ہو خواہ کافر' اللہ تعالیٰ اسے ضرور بدلہ دیتا ہے- ہم نے پوچھا' یا رسول اللہؐ کافر کو کیا بدلہ ملتا ہے؟ فرمایا' اگر اس نے صلہ رحمی کی ہے یا صدقہ دیا ہے یا اور کوئی اچھا کام کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ اس کے مال میں' اس کی اولاد میں' اس کی صحت میں اور ایسی ہی اور چیزوں میں عطا فرماتا ہے- ہم نے پھر پوچھا اور آخرت میں کیا ملتا ہے؟ فرمایا بڑے درجے سے کم درجے کا عذاب- پھر آپ نے اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ الخ' پڑھی-

ابن جریر میں ہے کہ حضرت اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ذرا ہمیں یہ بتاؤ' ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے سفید پرندوں کا غول کا غول سمندر سے نکلتا ہے اور اس کے مغربی کنارے اڑتا ہوا صبح کے وقت جاتا ہے' اس قدر زیادتی کے ساتھ کہ ان کی تعداد کوئی گن نہیں سکتا- شام کے وقت ایسا ہی جھنڈ کا جھنڈ واپس آتا ہے لیکن اس وقت ان کے رنگ بالکل سیاہ ہوتے ہیں- آپ نے فرمایا' تم نے اسے خوب معلوم کر لیا- ان پرندوں کے قالب میں آل فرعون کی روحیں ہیں جو صبح شام آگ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں' پھر اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ جاتی ہیں- ان کے پر جل گئے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ سیاہ ہو جاتے ہیں- پھر رات کو وہ اگ جاتے ہیں اور سیاہ جھڑ جاتے ہیں- پھر وہ اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں- یہی حالت ان کی دنیا میں ہے اور قیامت کے دن ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اس آل

فرعون کو سخت عذابوں میں داخل کر دو۔ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد چھ لاکھ کی ہے جو فرعونی فوج تھی۔ مسند احمد میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں کہ تم میں سے جب کبھی کوئی مرتا ہے، ہر صبح شام اس کی جگہ اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور اگر وہ جہنمی ہے تو جہنم۔ اور کہا جاتا ہے کہ تیری اصل جگہ یہ ہے جہاں تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھیجے گا۔ یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی ہے۔

جبکہ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ جو تابع تھے، تکبر والوں سے جن کے یہ تابع تھے، کہیں گے کہ ہم تو تمہارے پیرو تھے۔ تو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟ ○ وہ بڑے لوگ جواب دیں گے کہ ہم تو سبھی اس آگ میں ہی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کر چکا ہے ○ تمام جہنمی مل کر جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کمی کر دے ○ وہ جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول معجزے لے کر نہیں آئے تھے؟ یہ کہیں گے، ہاں آئے تھے، تو وہ کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض بے اثر و بے راہ ہے ○

دوزخیوں کے لئے ایک اور عذاب: ☆☆ (آیت: ۴۷-۵۰) جہنمی لوگ جہنم کے اور عذابوں کو برداشت کرتے ہوئے ایک اور عذاب کے بھی شکار ہوں گے جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے۔ یہ عذاب فرعون کو بھی ہوگا اور دوسرے دوزخیوں کو بھی یعنی آپس میں تھوکنا، تذلیل اور لڑائی جھگڑے۔ چھوٹے بڑوں سے یعنی تابعداری کرنے اور حکم احکام کے ماننے والے جن کی بڑائی اور بزرگی کے قائل تھے اور جن کی باتیں تسلیم کیا کرتے تھے اور جن کے کہے ہوئے پر عامل تھے، ان سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تو آپ کے تابع فرمان رہے۔ جو آپ نے کہا، ہم بجا لاتے۔ کفر اور گمراہی کے احکام بھی جو آپ کی بارگاہ سے صادر ہوئے، آپ کے تقدس اور علم و فضل، سرداری اور حکومت کی بنا پر ہم سب کو مانتے رہے، اب یہاں آپ ہمیں کچھ تو کام آیئے۔ ہمارے عذابوں کا ہی کوئی حصہ اپنے اوپر اٹھا لیجئے، یہ رؤسا اور امرا سادات اور بزرگ جواب دیں گے کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ جل بھن رہے ہیں۔ ہمیں جو عذاب ہو رہے ہیں، وہ کیا کم ہیں جو ہم تمہارے عذاب اٹھائیں؟ اللہ کا حکم جاری ہو چکا ہے۔ رب فیصلے صادر فرما چکا ہے۔ ہر ایک کو اس کے بداعمال کے مطابق سزا دے چکا ہے۔ اب اس میں کمی ناممکن ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے، ہر ایک کے لئے بڑھا چڑھا عذاب گو تم نہ سمجھو۔ جب اہل دوزخ سمجھ لیں گے کہ اللہ ان کی دعا قبول نہیں فرماتا بلکہ کان بھی نہیں لگاتا بلکہ انہیں ڈانٹ دیا ہے اور فرما چکا ہے کہ یہیں پڑے رہو اور مجھ سے کلام بھی نہ کرو تو وہ جہنم کے داروغوں سے کہیں گے جو وہاں کے ایسے ہی پاسبان ہیں جیسے دنیا کے جیل خانوں کے نگہبان داروغے اور محافظ سپاہ ہوتے ہیں۔ ان سے کہیں گے کہ تم ہی ذرا اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ کسی ایک دن ہی وہ ہمارے عذاب ہلکے کر دے وہ انہیں جواب دیں گے کہ کیا رسولوں کی زبانی احکام ربانی دنیا میں تمہیں پہنچے نہ تھے؟ یہ کہیں

گے' ہاں پہنچے تھے۔ تو فرشتے کہیں گے' پھر اب تم آپ ہی اللہ سے کہہ سن لو۔ ہم تو تمہاری طرف سے کوئی عرض اس کی جناب میں کر نہیں سکتے۔ بلکہ ہم خود تم سے بیزار اور تمہارے دشمن ہیں' سنو ہم تمہیں کہے دیتے ہیں کہ خواہ تم دعا کرو خواہ تمہارے لئے اور کوئی دعا کرے' ناممکن ہے کہ تمہارے عذابوں میں کمی ہو۔ کافروں کی دعا نامقبول اور مردود ہے۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٥٢﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ ﴿٥٣﴾ هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٥٤﴾

یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے ○ جس دن ظالموں کو ان کی عذر معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت ہی ہوگی اور ان کے لئے اس گھر کی خرابی ہی ہوگی ○ ہم نے موسیٰ کو ہدایت نامہ عطا فرمایا اور بنو اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا ○ کہ وہ ہدایت و نصیحت تھی عقلمندوں کے لئے ○

رسولوں اور اہل ایمان کو دنیا و آخرت میں مدد کی بشارت: ☆☆ (آیت:۵۱-۵۴) آیت میں رسولوں کی مدد کرنے کا اللہ کا وعدہ ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض رسولوں کو ان کی قوموں نے قتل کر دیا' جیسے حضرت یحییٰ' حضرت زکریا' حضرت شعیب صلوات اللہ علیہم وسلامہ' اور بعض انبیاء کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف ہجرت کرائی۔ پھر کیا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وعدہ پورا کیوں نہیں ہوا؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہاں گو عام خبر ہے لیکن مراد بعض سے ہے' اور یہ لغت میں عموماً پایا جاتا ہے کہ مطلق ذکر ہو اور مراد خاص افراد ہوں۔ دوسرے یہ کہ مدد کرنے سے مراد بدلہ لینا ہو۔ پس کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جسے ایذا پہنچانے والوں سے قدرت نے زبردست انتقام نہ لیا ہو۔

چنانچہ حضرت یحییٰ' حضرت زکریا' حضرت شعیب علیہم السلام کے قاتلوں پر اللہ نے ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور انہوں نے انہیں زیروزبر کر ڈالا' ان کے خون کی ندیاں بہا دیں اور انہیں نہایت ذلت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا۔ نمرود مردود کا مشہور واقعہ دنیا جانتی ہے کہ قدرت نے اسے کیسی پکڑ میں پکڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن یہودیوں نے سولی دینے کی کوشش کی تھی' ان پر جناب باری عزیز و حکیم نے رومیوں کو غالب کر دیا اور ان کے ہاتھوں ان کی سخت ذلت و اہانت ہوئی۔ اور ابھی قیامت کے قریب جب آپ اتریں گے تب دجال کے ساتھ ان یہودیوں کی جو اس کے لشکری ہوں گے' قتل کریں گے اور امام عادل اور حاکم باانصاف بن کر تشریف لائیں گے' صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ باطل کر دیں گے۔ بجز اسلام کے اور کچھ قبول نہ فرمائیں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان مدد اور یہی دستور قدرت ہے جو پہلے سے ہے اور اب تک جاری ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کی دنیوی امداد بھی فرماتا ہے اور ان کے دشمنوں سے خود انتقام لے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا ہے' جو شخص میرے نبیوں سے دشمنی کرے' اس نے مجھے لڑائی کے لئے طلب کیا۔

دوسری حدیث میں ہے' میں اپنے دوستوں کی طرف سے بدلہ ضرور لے لیا کرتا ہوں جیسے کہ شیر بدلہ لیتا ہے۔ اسی بنا پر اس مالک

الملک نے قوم نوح سے، عاد سے، ثمودیوں سے، اصحاب الرس سے، قوم لوط سے، اہل مدین سے اور ان جیسے ان تمام لوگوں سے جنہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور حق کا خلاف کیا تھا، بدلہ لیا۔ ایک ایک کو چن چن کر تباہ و برباد کیا اور جتنے مومن ان میں تھے، ان سب کو بچا لیا۔ امام سدیؒ فرماتے ہیں، جس قوم میں اللہ کے رسولؑ آئے یا ایمان دار بندے انہیں پیغام الٰہی پہنچانے کے لئے کھڑے ہوئے اور اس قوم نے ان نبیوں کی یا ان مومنوں کی بے حرمتی کی اور انہیں مارا پیٹا، قتل کیا، ضرور بالضرور اسی زمانے میں عذاب الٰہی ان پر برس پڑے۔ نبیوں کے قتل کے بدلے لینے والے اٹھ کھڑے ہوئے اور پانی کی طرح ان کے خون سے پیاسی زمین کو سیراب کیا۔ پس گو انبیاء اور مومنین یہاں قتل کئے گئے لیکن ان کا خون رنگ لایا اور ان کے دشمنوں کا بھس کی طرح بھرکس نکال دیا۔ ناممکن ہے کہ ایسے بندگان خاص کی امداد و اعانت نہ ہو اور ان کے دشمنوں سے پورا انتقام نہ لیا گیا ہو۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾

پس اے نبی تو صبر کر۔ اللہ کا وعدہ بلا شک وشبہ سچا ہی ہے۔ تو اپنے گناہ کی معافی مانگتا رہ اور صبح شام اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بیان کرتا رہ ○ جو لوگ باوجود اپنے پاس کسی سند کے نہ ہونے کے آیات الٰہی میں جھگڑے کیا کرتے ہیں، ان کے دلوں میں بجز نری بڑائی کے اور کچھ نہیں وہ اس شان تک پہنچنے والے ہی نہیں، سو تو اللہ کی پناہ مانگتا رہ، بیشک وہ پورا سننے والا اور سب سے زیادہ دیکھنے والا ہے ○

اشرف الانبیاء حبیب اللہ ﷺ کے حالات زندگی دنیا اور دنیا والوں کے سامنے ہیں کہ اللہ نے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو غلبہ دیا اور دشمنوں کی تمام تر کوششوں کو بے نتیجہ رکھا۔ ان تمام پر آپؐ کو کھلا غلبہ عطا فرمایا۔ آپؐ کے کلمے کو بلند و بالا کیا، آپؐ کا دین دنیا کے تمام ادیان پر چھا گیا۔ قوم کی زبردست مخالفتوں کے وقت اپنے نبی کو مدینے پہنچا دیا اور مدینے والوں کو سچا جاں نثار بنا کر پھر مشرکین کا سارا زور بدر کی لڑائی میں ڈھا دیا۔ ان کے کفر کے تمام وزنی ستون اس لڑائی میں اکھیڑ دیئے۔ سرداران مشرک یا تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے یا مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدی بن کر نامرادی کے ساتھ گردن جھکائے نظر آنے لگے، قید و بند میں جکڑے ہوئے ذلت و اہانت کے ساتھ مدینے کی گلیوں میں کسی کے ہاتھوں پر اور کسی کے پاؤں پر دوسرے کی گرفت تھی۔ اللہ کی حکمت نے ان پر پھر احسان کیا اور ایک مرتبہ پھر موقعہ دیا، فدیہ لے کر آزاد کر دیئے گئے لیکن پھر بھی جب مخالفت رسولؐ سے باز نہ آئے اور اپنے کرتوتوں پر اڑے رہے تو وہ وقت بھی آیا کہ جہاں سے نبیؐ کو چھپ چھپا کر رات کے اندھیرے میں پاپیادہ ہجرت کرنی پڑی تھی، وہاں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے اور گردن پر ہاتھ باندھے دشمنان رسولؐ سامنے لائے گئے۔ اور بلاد حرم کی عظمت و عزت رسولؐ محترم کی وجہ سے پوری ہوئی اور تمام شرک و کفر اور ہر طرح کی بے ادبیوں سے اللہ کا گھر پاک صاف کر دیا گیا۔

بالآخر یمن بھی فتح ہوا اور پورا جزیرہ عرب قبضہ رسولؐ میں آ گیا۔ اور جوق در جوق لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ پھر رب العالمین نے اپنے رسول رحمتہ اللعالمین کو اپنی طرف بلا لیا اور وہاں کی کرامت وعظمت سے اپنی مہمانداری میں رکھ کر نوازا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر آپؐ کے بعد آپؐ کے نیک نہاد صحابہؓ کو آپؐ کا جانشین بنایا جو محمدی جھنڈا لئے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی توحید کی طرف اللہ کی مخلوق کو

بلانے لگے- جو روڑا راہ میں آیا' اسے الگ کیا- جو خار چمن میں نظر پڑا' اسے کاٹ ڈالا- گاؤں گاؤں' شہر شہر' ملک ملک دعوت اسلام پہنچا دی' جو مانع ہوا' اسے منع کا مزہ چکھایا- اسی ضمن میں مشرق ومغرب میں سلطنت اسلامی پھیل گئی- زمین پر اور زمین والوں کے جسموں پر ہی صحابہ کرام نے فتح حاصل نہیں کی بلکہ ان کے دلوں پر بھی فتح پائی' اسلامی نقوش دلوں میں جما دیئے اور سب کو کلمہ توحید کے نیچے جمع کر دیا- دین محمدؐ نے زمین کا چپہ چپہ اور کونا کونا اپنے قبضے میں کر لیا- دعوت محمدیہ بہرے کانوں تک بھی پہنچ چکی- صراط محمدیؐ اندھوں نے بھی دیکھ لیا- اللہ اس پاکباز جماعت کو ان کی اولوالعزمیوں کا بہترین بدلہ عنایت فرمائے- آمین!

الحمدللہ آج تک اللہ کا دین غالب ومنصور ہے- آج تک مسلمانوں میں حکومت وسلطنت موجود ہے- آج تک ان کے ہاتھوں میں اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا کلام موجود ہے- اور آج تک ان کے سروں پر رب کا ہاتھ ہے- اور قیامت تک یہ دین مظفر ومنصور ہی رہے گا' جو اس کے مقابلے پر آئے گا' منہ کی کھائے گا- اور پھر کبھی منہ نہ دکھائے گا- یہی مطلب ہے اس مبارک آیت کا- قیامت کے دن بھی دینداروں کی مدد ونصرت ہوگی اور بہت بڑی اور بہت اعلیٰ پیمانے تک-

گواہوں سے مراد فرشتے ہیں- دوسری آیت میں یوم بدل ہے پہلی آیت کے اسی لفظ سے- بعض قراءتوں میں یوم ہے تو یہ گویا پہلے یوم کی تفسیر ہے- ظالموں سے مراد مشرک ہیں- ان کا عذر وفدیہ قیامت کے دن مقبول نہ ہوگا- وہ رحمت رب سے اس دن دور دھکیل دیئے جائیں گے- ان کے لئے برا گھر یعنی جہنم ہوگا- ان کی عاقبت خراب ہوگی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے ہدایت و نور بخشا- بنی اسرائیل کا انجام بہتر کیا- فرعون کے مال وزمین کا انہیں وارث بنایا کیونکہ یہ اللہ کی اطاعت اور اتباع رسولؐ میں ثابت قدمی کے ساتھ سختیاں برداشت کرتے رہے تھے- جس کتاب کے یہ وارث ہوئے' وہ عقلمندوں کے لئے سرتاپا باعث ہدایت وعبرت تھی' اے نبیؐ آپ صبر کیجئے- اللہ کا وعدہ سچا ہے' آپ کا ہی بول بالا ہوگا' انجام کے لحاظ سے آپ والے ہی غالب رہیں گے- رب اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا' بلا شک وشبہ دین الٰہی اونچا ہو کر ہی رہے گا- تو اپنے رب سے استغفار کرتا رہ- آپ کو حکم دے کر دراصل آپ کی امت کو استغفار پر آمادہ کرنا ہے- دن کے آخری اور رات کے انتہائی وقت خصوصیت کے ساتھ رب کی پاکیزگی اور تعریف بیان کیا کر' جو لوگ باطل پر جم کر حق کو ہٹا دیتے ہیں' دلائل کو غلط بحث سے ٹال دیتے ہیں' ان کے دلوں میں بجز تکبر کے اور کچھ نہیں' ان میں اتباع حق سے سرکشی ہے- یہ رب کی باتوں کی عزت جانتے ہی نہیں- لیکن جو تکبر اور جو خودی اور جو اپنی اونچائی وہ چاہتے ہیں' وہ انہیں ہرگز حاصل نہیں ہونے کی- ان کے مقصود باطل ہیں- ان کے مطلوب لاحاصل ہیں- اللہ کی پناہ طلب کر کہ ان جیسا حال کسی بھلے آدمی کا نہ ہو اور ان نخوت پسند لوگوں کی شرارت سے بھی اللہ کی پناہ چاہا کر- یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے- یہ کہتے تھے کہ دجال انہی میں سے ہوگا اور اس کے زمانے میں یہ زمانے کے بادشاہ ہو جائیں گے-

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ فتنہ دجال سے اللہ کی پناہ طلب کیا کر- وہ سمیع وبصیر ہے- لیکن آیت کو یہودیوں کے بارے میں نازل شدہ بتانا اور دجال کی بادشاہی اور اس کے فتنے سے پناہ کا حکم' یہ سب چیزیں تکلف سے پر ہیں- مانا کہ یہ تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے مگر یہ قول ندرت سے خالی نہیں- ٹھیک یہی ہے کہ عام ہے- واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم-

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٥٧ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۥ

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۱۱

آسمان وزمین کی پیدائش یقیناً انسان کی پیدائش سے بہت بڑا کام ہے- یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ بے علم ہیں ○ اندھا اور دیکھتا برابر نہیں' نہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور بھلے کام کئے- بدکاروں کے برابر ہیں- تم بہت کم نصیحت حاصل کر رہے ہو ○ قیامت بالیقین اور بے شبہ آنے والی ہے- یہ اور بات ہے کہ بہت سے لوگ نہ مانیں ○ تمہارے رب کا فرمان سرزد ہو چکا ہے کہ مجھ سے دعا کرتے رہو- میں تمہاری دعاؤں کو قبول فرماتا رہوں گا' یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے ○

انسان کی دوبارہ پیدائش کے دلائل: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۹) اللہ تعالیٰ قادر مطلق فرماتا ہے کہ مخلوق کو وہ قیامت کے دن نئے سرے سے ضرور زندہ کرے گا جبکہ اس نے آسمان وزمین جیسی زبردست مخلوق کو پیدا کر دیا تو انسان کا پیدا کرنا یا اسے بگاڑ کر بنانا اس پر کیا مشکل ہے؟ اور آیت میں ارشاد ہے کہ کیا ایسی بات اور اتنی واضح حقیقت بھی جھٹلائے جانے کے قابل ہے کہ جس اللہ نے زمین وآسمان کو پیدا کر دیا اور اس اتنی بڑی چیز کی پیدائش سے نہ وہ تھکا نہ عاجز ہوا' اس پر مردوں کا جلانا کیا مشکل ہے؟ ایسی صاف دلیل بھی جس کے سامنے جھٹلانے کی چیز ہو' اس کی معلومات یقیناً نوحہ کرنے کے قابل ہیں- اس کی جہالت میں کیا شک ہے؟ جو ایسی موٹی بات بھی نہ سمجھ سکے؟ تعجب ہے کہ بڑی سے بڑی چیز تو تسلیم کی جائے اور اس سے بہت چھوٹی چیز کو محال محض مانا جائے' اندھے اور دیکھنے والے کا فرق ظاہر ہے- ٹھیک اسی طرح مسلم ومجرم کا فرق ہے- اکثر لوگ کس قدر کم نصیحت قبول کرتے ہیں' یقین مانو کہ قیامت کا آنا حتمی ہے- پھر بھی اس کی تکذیب کرنے اور اسے باور نہ کرنے سے بیشتر لوگ باز نہیں آتے- ایک یمنی شیخ اپنی سنی ہوئی روایت بیان کرتے ہیں' قرب قیامت کے وقت لوگوں پر بلائیں برس پڑیں گی اور سورج کی حرارت سخت تیز ہو جائے گی- واللہ اعلم-

دعا کی ہدایت اور قبولیت کا وعدہ: ☆☆ (آیت: ۶۰) اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس احسان پر قربان جائیں کہ وہ ہمیں دعا کی ہدایت کرتا ہے اور قبولیت کا وعدہ فرماتا ہے- امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے' اے وہ اللہ جسے وہ بندہ بہت ہی پیارا لگتا ہے جو بکثرت اس سے دعائیں کیا کرے اور وہ بندہ اسے سخت برا معلوم ہوتا ہے جو اس سے دعا نہ کرے- اے میرے رب یہ صفت تو صرف تیری ہی ہے- شاعر کہتا ہے ۔

اَللّٰهُ يَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهٗ   وَبُنَيُّ اٰدَمَ حِيْنَ يُسْاَلُ يَغْضَبُ

یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب تو اس سے نہ مانگے تو وہ ناخوش ہوتا ہے اور انسان کی یہ حالت ہے کہ اس سے مانگو تو وہ روٹھ جاتا ہے- حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس امت کو تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ ان سے پہلے کی کسی امت کو نہیں دی گئیں بجز نبی کے- دیکھو ہر نبی کو اللہ کا فرمان یہ ہوا ہے کہ تو اپنی امت پر گواہ ہے- لیکن تمام لوگوں پر گواہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا ہے- اگلے نبیوں سے کہا جاتا تھا کہ تجھ پر دین میں حرج نہیں- لیکن اس امت سے فرمایا گیا کہ تمہارے دین میں تم پر کوئی حرج

نہیں- ہر نبی سے کہا جاتا تھا کہ مجھے پکار' میں تیری پکار قبول کروں گا لیکن اس امت کو فرمایا گیا کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار قبول فرماؤں گا- (ابن ابی حاتم)

ابو یعلیٰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ سے فرمایا چار خصلتیں ہیں جن میں سے ایک میرے لئے ہے' ایک تیرے لئے' ایک تیرے اور میرے درمیان اور ایک تیرے درمیان اور میرے دوسرے بندوں کے درمیان- جو خاص میرے لئے ہے وہ تو یہ کہ تو صرف میری ہی عبادت کر اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر- اور جو تیرا حق مجھ پر ہے' وہ یہ کہ تیرے ہر عمل خیر کا بھرپور بدلہ میں تجھے دوں گا- اور جو تیرے میرے درمیان ہے' وہ یہ کہ تو دعا کر اور میں قبول کیا کروں اور چوتھی خصلت جو تیرے اور میرے اور دوسرے بندوں کے درمیان ہے' وہ یہ کہ تو ان کے لئے وہ چاہ جو اپنے لئے پسند رکھتا ہے- مسند احمد میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ دعا عین عبادت ہے- پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی- یہ حدیث سنن میں بھی ہے- امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں- ابن حبانؒ اور حاکم بھی اسے اپنی صحیح میں لائے ہیں-

مسند میں ہے' جو شخص اللہ سے دعا نہیں کرتا' اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے- حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کی موت کے بعد ان کی تلوار کے درمیان میں سے ایک پرچہ نکلا جس میں تحریر تھا کہ تم اپنے رب کی رحمتوں کے مواقع کو تلاش کرتے رہو- بہت ممکن ہے کہ کسی ایسے وقت تم دعائے خیر کرو کہ اس وقت رب کی رحمت جوش میں ہو اور تمہیں وہ سعادت مل جائے جس کے بعد کبھی بھی حسرت و افسوس نہ کرنا پڑے- آیت میں عبادت سے مراد دعا اور توحید ہے- مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی شکل میں جمع کئے جائیں گے- چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ان کے اوپر ہو گی' انہیں بولس نامی جہنم کے جیل خانے میں ڈالا جائے گا اور بھڑکتی ہوئی سخت آگ ان کے سروں پر شعلے مارے گی- انہیں جہنمیوں کا لہو' پیپ اور پاخانہ پیشاب پلایا جائے گا-

ابن ابی حاتم میں ہے' ایک بزرگ فرماتے ہیں' میں ملک روم میں کافروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا تھا- ایک دن میں نے سنا کہ ہاتف غیب ایک پہاڑ کی چوٹی سے بہ آواز بلند کہہ رہا ہے- اے اللہ! اس پر تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے تیرے سوا دوسرے کی ذات سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے- اے اللہ! اس پر بھی تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے اپنی حاجتیں دوسروں کے پاس لے جاتا ہے- پھر ذرا ٹھہر کر ایک پرزور آواز اور لگائی اور کہا' پورا تعجب اس شخص پر ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے دوسرے کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے وہ کام کرتا ہے جن سے تو ناراض ہو جائے- یہ سن کر میں نے بلند آواز سے پوچھا کہ تو کوئی جن ہے یا انسان؟ جواب آیا کہ انسان ہوں- تو ان کاموں سے اپنا دھیان ہٹا لے جو تجھے فائدہ نہ دیں- اور ان کاموں میں مشغول ہو جا جو تیرے فائدے کے ہیں-

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رات بنا دی کہ تم اس میں آرام حاصل کرو اور دن کو دکھلانے والا بنا دیا' بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل و کرم والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر گذاری

نہیں کرتے ○ یہی اللہ ہے تم سب کا پالنے پوسنے والا' ہر چیز کا خالق۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ○ پھر کس طرح تم پھرے جاتے ہو؟ اسی طرح وہ لوگ بھی پھیرے جاتے رہے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے ○

احسانات وانعامات کا تذکرہ: ☆☆ (آیت:۶۱-۶۲) اللہ تعالیٰ احسان بیان فرماتا ہے کہ اس نے رات کو سکون وراحت کی چیز بنائی اور دن کو روشن چمکیلا تاکہ ہر شخص کو اپنے کام کاج میں' سفر میں' طلب معاش میں سہولت ہو۔ اور دن بھر کا کسل اور تھکان رات کے سکون و آرام سے اتر جائے۔ مخلوق پر اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل وکرم کرنے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ رب کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔ ان چیزوں کو پیدا کرنے والا اور یہ راحت و آرام کے سامان مہیا کر دینے والا ہی اللہ واحد ہے جو تمام چیزوں کا خالق ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں' نہ اس کے سوا اور کوئی مخلوق کی پرورش کرنے والا ہے۔

پھر تم کیوں اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہو جو خود مخلوق ہیں۔ کسی چیز کو انہوں نے پیدا نہیں کیا بلکہ جن بتوں کی تم پرستش کر رہے ہو' وہ تو خود تمہارے اپنے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔ ان سے پہلے کے مشرکین بھی اسی طرح بہکے اور بے دلیل و حجت غیر اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ خواہش نفسانی کو سامنے رکھ کر اللہ کے دلائل کی تکذیب کی۔ اور جہالت کو آگے رکھ کر بہکتے بھٹکتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے قرار گاہ بنایا یعنی ٹھہری ہوئی اور فرش کی طرح بچھی ہوئی کہ اس پر تم اپنی زندگی گزارو' چلو پھرو' آؤ جاؤ۔ پہاڑوں کو اس پر گاڑ کر اسے ٹھہرا دیا کہ اب ہل جل نہیں سکتی۔ اس نے آسمان کو چھت بنایا جو ہر طرح محفوظ ہے۔ اسی نے تمہیں بہترین صورتوں میں پیدا کیا۔ ہر جوڑ ٹھیک ٹھاک اور نظر فریب بنایا۔ موزوں قامت' مناسب اعضا' سڈول بدن' خوبصورت چہرہ عطا فرمایا۔ نفیس اور بہتر چیزیں کھانے پینے کو دیں۔ پیدا کیا' بسایا' اس نے کھلایا پلایا' اس نے پہنایا اوڑھایا۔

پس صحیح معنی میں خالق ورازق وہی رب العالمین ہے۔ جیسے سورۂ بقرہ میں فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ الخ یعنی لوگو اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا تاکہ تم بچو۔ اسی نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے بارش نازل فرما کر اس کی وجہ سے زمین سے پھل نکال کر تمہیں روزیاں دیں۔ پس تم ان باتوں کے جاننے کے باوجود اللہ کے شریک اوروں کو نہ بناؤ۔ یہاں بھی اپنی یہ صفتیں بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہی اللہ تمہارا رب ہے اور سارے جہان کا رب بھی وہی ہے۔ وہ بابرکت ہے۔ وہ بلندی' پاکیزگی' برتری اور بزرگی والا ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ وہ زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں۔ وہی اول و آخر ظاہر و باطن ہے۔ اس کا کوئی وصف کسی دوسرے میں نہیں۔ اس کا نظیر یا برابر کوئی نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ اس کی توحید کو مانتے ہوئے اس سے دعائیں کرتے رہو' اور اس کی عبادت میں مشغول رہو۔ تمام تر تعریفوں کا مالک اللہ رب العالمین ہی ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' اہل علم کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے والے کو ساتھ ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بھی پڑھنا چاہیے تاکہ اس آیت پر عمل ہو جائے۔ ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' جب تو فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ پڑھے تو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لیا کر اور اس کے ساتھ ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھ لیا کر۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہر نماز کے سلام کے بعد لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّاۤ اِیَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کلمات کو ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم' ابوداؤد' نسائی)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرار گاہ اور آسمان کو چھت بنا دیا اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں اور تمہیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، پس بہت ہی برکتوں والا اللہ ہے ○ سارے جہان کا پرورش کرنے والا۔ جو زندہ ہے۔ جس کے سوا کوئی الوہیت والا نہیں، پس تم خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے اسے پکارو، تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے ○ تو کہہ دے کہ مجھے ان کی عبادت سے روک دیا گیا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکار رہے ہو اس بنا پر کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں پہنچ چکی ہیں۔ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے رب کا تابع فرمان ہو جاؤں ○

رسول اللہ کی مشرکین کو دعوت توحید: ☆☆ (آیت:۶۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! تم ان مشرکوں سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ اپنے سوا ہر کسی کی عبادت سے اپنی مخلوق کو منع فرما چکا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی مستحق عبادت نہیں۔ اس کی بہت بڑی دلیل اس کے بعد کی آیت ہے جس میں فرمایا کہ اسی وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ نے تمہیں مٹی سے، پھر نطفے سے، پھر خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ اسی نے تمہیں ماں کے پیٹ سے بچے کی صورت میں نکالا۔ ان تمام حالات کو وہی بدلتا رہا۔ پھر اسی نے بچپن سے جوانی تک تمہیں پہنچایا۔ وہی جوانی کے بعد بڑھاپے تک لے جائے گا۔ یہ سب کام اسی ایک کے حکم تقدیر اور تدبیر ہوتے ہیں۔ پھر کس قدر نامرادی ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے کی عبادت کی جائے؟ بعض اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ یعنی کچے پنے میں ہی گر جاتے ہیں۔ حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ بعض بچپن میں، بعض جوانی میں، بعض ادھیڑ عمر میں بڑھاپے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ چنانچہ اور جگہ قرآن پاک میں ہے وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ یعنی ہم ماں کے پیٹ میں ٹھہراتے ہیں جب تک چاہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ تا کہ تم وقت مقررہ تک پہنچ جاؤ۔ اور تم سوچو سمجھو۔ یعنی اپنی حالتوں کے اس انقلاب سے تم ایمان لے آؤ کہ اس دنیا کے بعد بھی تمہیں نئی زندگی میں ایک روز کھڑا ہونا ہے، وہی زندگی دینے والا اور مارنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی موت و زیست پر قادر نہیں۔ اس کے کسی حکم کو، کسی فیصلے کو، کسی تقرر کو، کسی ارادے کو کوئی توڑنے والا نہیں۔ جو وہ چاہتا ہے، ہو کر ہی رہتا ہے اور جو وہ نہ چاہے، ناممکن ہے کہ وہ ہو جائے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ
عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا

شُيُوخًا ۚ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ مِن قَبْلُ ۖ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى
وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَإِذَا قَضَىٰ
أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٦٨﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ
يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ﴿٦٩﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٧٠﴾

ع ۸/۱۲

جس نے تمہیں مٹی سے' پھر نطفے سے' پھر خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پھر تمہیں بچہ کر کے نکالتا ہے۔ پھر تمہیں بڑھاتا ہے کہ تم اپنی پوری قوت کو پہنچ جاؤ۔ پھر بوڑھے بڑے ہو جاؤ۔ تم میں سے بعض اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں' وہ تمہیں چھوڑ دیتا ہے تاکہ تم مدت معین تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم سوچ سمجھ لو ○ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مار ڈالتا ہے پھر جب وہ کسی کام کا کرنا مقرر کرتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا۔ پس وہ ہو جاتا ہے ○ کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں' وہ کس طرح پھیر دیئے جاتے ہیں ○ جن لوگوں نے کتاب کو جھٹلایا اور اسے بھی جو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا' انہیں ابھی ابھی حقیقت حال معلوم ہو جائے گی ○

کفار کو عذاب جہنم اور طوق وسلاسل کی وعید: ☆☆ (آیت:۶۹-۷۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ! کیا تمہیں ان لوگوں پر تعجب نہیں ہوتا جو اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں اور اپنے باطل کے سہارے حق سے اڑتے ہیں؟ تم نہیں دیکھ رہے کہ کس طرح ان کی عقلیں ماری گئی ہیں؟ اور بھلائی کو چھوڑ کر برائی کو کیسے بری طرح چمٹ گئے ہیں؟ پھر ان بدکردار کفار کو ڈرا رہا ہے کہ ہدایت و بھلائی کو جھوٹ جاننے والے کلام اللہ اور کلام رسول کے منکر اپنا انجام ابھی دیکھ لیں گے۔ جیسے فرمایا جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے جبکہ گردنوں میں طوق اور زنجیریں پڑی ہوئی ہوں گی اور داروغہ جہنم گھسیٹے گھسیٹے پھر رہے ہوں گے۔ کبھی حمیم میں اور کبھی جحیم میں۔ گرم کھولتے ہوئے پانی میں سے گھسیٹے جائیں گے اور آگ جہنم میں جھلسائے جائیں گے۔ جیسے اور جگہ ہے یہ ہے' وہ جہنم جسے گنہگار لوگ جھوٹا جانا کرتے تھے۔ اب یہ اس کے اور آگ جیسے گرم پانی کے درمیان مارے مارے پریشان پھرا کریں۔ اور آیتوں میں ان کا زقوم کھانا اور گرم پانی پینا بیان فرما کر فرمایا ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَا اِلَى الْجَحِيْمِ کہ پھر ان کی بازگشت تو جہنم ہی کی طرف ہے۔

سورۂ واقعہ میں اصحاب شمال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا' بائیں ہاتھ والے کس قدر برے ہیں؟ وہ آگ میں ہیں اور گرم پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں جو نہ ٹھنڈا ہے نہ سودمند' آگے چل کر فرمایا' اے بہکے ہوئے جھٹلانے والو البتہ سینڈ کا درخت کھاؤ گے۔ اسی سے اپنے پیٹ بھرو گے۔ پھر اس پر جلتا جلتا پانی پیو گے اور اس طرح جس طرح تونس والا اونٹ پیتا ہے۔ آج انصاف کے دن ان کی مہمانی یہی ہو گی۔ اور جگہ فرمایا ہے مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ الخ یعنی یقیناً گنہگاروں کا کھانا زقوم کا درخت ہے جو مثل پگھلے ہوئے تانبے کے ہے جو پیٹوں میں کھولتا رہتا ہے۔ جیسے تیز گرم پانی۔ اسے پکڑو اور دھکیلتے ہوئے بیچوں بیچ جہنم میں پہنچاؤ۔ پھر اس کے سر پر تیز گرم جلتے جلتے پانی کا عذاب بہاؤ' لے چکھ تو بڑا ہی ذی عزت اور بڑی ہی تعظیم و تکریم والا شخص تھا۔ جیسے تم شک و شبہ میں تھے۔ مقصد یہ ہے کہ ایک طرف سے تو وہ یہ دکھ سہ رہے ہوں گے جن کا بیان ہوا اور دوسری جانب سے انہیں ذلیل و خوار' وسیاہ و ناہنجار کرنے کے لئے بطور استہزاء اور تمسخر کے' بطور ڈانٹ اور ڈپٹ کے' بطور حقارت اور ذلت کے ان سے یہ کہا جائے گا جس کا ذکر ہوا۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ ۝۷۱ فِی
الْحَمِیْمِ ۙ۬ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ۝۷۲ ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ
مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝۷۳ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ
نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ ۝۷۴
ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا
كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝۷۵ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ فَبِئْسَ
مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِیْنَ ۝۷۶
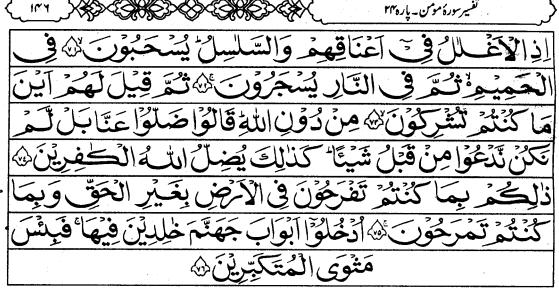
جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی' گھسیٹے جائیں گے ۝ کھولتے ہوئے پانی میں اور پھر جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے ۝ پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ جنہیں تم شریک کرتے تھے ۝ وہ کہاں ہیں جو اللہ کے سوا تھے؟ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے بہک گئے بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی کو بھی پکارتے ہی نہ تھے اللہ تعالیٰ کافروں کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے ۝ یہ بدلہ ہے اس چیز کا جو تم زمین میں ناحق پھولے نہ سماتے تھے اور بے جا اتراتے پھرتے تھے۔ اب آؤ جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لئے ۝ اس کے دروازوں میں چلے جاؤ' کیا ہی بری اور ذلیل جگہ ہے تکبر کرنے والوں کے لئے ۝

ابن ابی حاتم کی ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ ایک جانب سے سیاہ ابر اٹھے گا جسے جہنمی دیکھیں گے اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ ابر کو دیکھتے ہوئے دنیا کے انداز پر کہیں گے کہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ برسے۔ وہیں اس میں سے طوق اور زنجیریں اور آگ کے انگارے برسنے لگیں گے جس کے شعلے انہیں جلائیں جھلسائیں گے اور وہ طوق وسلاسل ان کے طوق وسلاسل کے ساتھ اضافہ کر دیئے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ کیوں جی' دنیا میں اللہ عزوجل کے سوا جن جن کو پوجتے رہے' وہ سب آج کہاں ہیں؟ کیوں وہ تمہاری مدد کو نہیں آئے؟ کیوں تمہیں یوں کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہاں وہ تو سب آج ناپید ہو گئے' وہ تھے ہی بے سود۔ پھر انہیں کچھ خیال آئے گا اور کہیں گے' نہیں نہیں۔ ہم نے تو ان کی عبادت کبھی نہیں کی۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جب ان کے بنائے کچھ نہ بنے گی تو صاف انکار کر دیں گے اور جھوٹ بول دیں گے کہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ اللہ ہمیں تیری قسم' ہم مشرک نہ تھے۔ یہ کفار اسی طرح بیکاری میں کھوئے رہتے ہیں' ان سے فرشتے کہیں گے' یہ بدلہ ہے اس کا جو دنیا میں بے وجہ گردن اکڑائے اکڑتے پھرتے تھے۔ تکبر و جبر پر چست کمر رہتے تھے' لو اب آجاؤ جہنم کے ان دروازوں میں داخل ہو جاؤ' اب ہمیشہ یہیں پہ رہنا' تم جیسے اترانے والوں کی ہی یہ بدمنزل اور بری جائے قرار ہے۔ جس قدر تکبر کئے تھے' اتنے ہی ذلیل وخوار آج بنو گے۔ جتنے ہی بلند گئے تھے' اتنے ہی گرو گے۔ واللہ اعلم۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ
اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ۝۷۷ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ
قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ

عَلَیْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾

پس تو صبر کر اللہ کا وعدہ قطعاً سچا ہے۔ انہیں ہم نے جو وعدے دے رکھے ہیں ان میں سے کچھ ہم تجھے دکھائیں تو یا یونہی تجھے ہم فوت کرلیں تو ان کا لوٹایا جانا تو ہماری ہی طرف ہے ○ یقیناً ہم تجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے واقعات ہم تجھے سنا چکے ہیں اور ان سے بعض کے قصے تو ہم نے تجھے سنائے ہی نہیں۔ کسی رسول کا یہ مقدور نہ تھا کہ کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر لا سکے۔ پھر جس وقت اللہ کا حکم آئے گا' حقانیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس جگہ اہل باطل خسارے میں رہ جائیں گے ○

اللہ کے وعدے قطعاً حق ہیں: ☆☆ (آیت: ۷۷-۷۸) اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو صبر کا حکم دیتا ہے کہ جو تیری نہیں مانتے' تجھے جھوٹا کہتے ہیں تو ان کی ایذاؤں پر صبر و برداشت کر۔ ان سب پر فتح و نصرت تجھے ملے گی۔ انجام کار ہر طرح تیرے ہی حق میں بہتر رہے گا۔ تو اور تیرے یہ ماننے والے ہی تمام دنیا پر غالب ہو کر رہیں گے اور آخرت تو صرف تمہاری ہی ہے۔ پس یا تو ہم اپنے وعدے کی بعض چیزیں تجھے تیری زندگی میں دکھا دیں گے اور یہی ہوا بھی' بدر والے دن کفر کا دھڑ اور سر توڑ دیا گیا' قریشیوں کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ بالآخر مکہ فتح ہوا اور آپؐ دنیا سے رخصت نہ ہوئے جب تک کہ تمام جزیرہ عرب آپؐ کے زیر نگیں نہ ہو گیا اور آپؐ کے دشمن آپ کے سامنے ذلیل و خوار نہ ہوئے اور آپ کی آنکھیں رب نے ٹھنڈی نہ کر دیں' یا اگر ہم تجھے فوت ہی کرلیں تو بھی ان کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے۔ ہم انہیں آخرت کے دردناک سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ پھر مزید تسلی کے طور پر فرما رہا ہے کہ تجھ سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تیرے سامنے بیان کر دیئے ہیں اور بعض کے قصے ہم نے بیان بھی نہیں کئے جیسے سورۂ نساء میں بھی فرمایا گیا ہے۔ پس جن کے قصے مذکور ہیں' دیکھ لو کہ قوم سے ان کی کیسی کچھ ٹھنی اور بعض کے واقعات ہم نے بیان نہیں کئے وہ بہ نسبت ان کے بہت زیادہ ہیں۔ جیسے کہ ہم نے سورۂ نساء کی تفسیر کے موقعہ پر بیان کر دیا ہے و للّٰہ الحمد و المنہ۔

پھر فرمایا یہ ناممکن ہے کہ کوئی رسول اپنی مرضی سے معجزات اور خوارق عادات دکھائے۔ ہاں اللہ عزوجل کے حکم کے بعد کیونکہ رسول کے قبضے میں کوئی چیز نہیں۔ ہاں جب اللہ کا عذاب آ جاتا ہے' پھر تکذیب و تردید کرنے والے کفار بچ نہیں سکتے۔ مومن نجات پا لیتے ہیں اور باطل پرست باطل کار تباہ ہو جاتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے جن میں سے بعض پر تم سوار ہوتے ہو اور بعض کو تم کھاتے ہو ○ اور بھی تمہارے لئے ان میں بہت سے نفع ہیں اور اپنے سینوں میں چھپی ہوئی حاجتوں کو انہی پر سواری کر کے تم حاصل کرتے ہو اور ان چوپایوں اور کشتیوں پر سوار کرائے جاتے ہو ○ اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا جا رہا ہے۔ پس تم اللہ کی کن کن نشانیوں سے منکر بنتے رہو گے؟ ○

ہر مخلوق خالق کائنات پر دلیل ہے: ☆☆ (آیت:۷۹-۸۱) اَنْعَام یعنی اونٹ' گائے' بکری اللہ تعالیٰ نے انسان کے طرح طرح کے نفع کے لئے پیدا کئے ہیں۔ سواریوں کے کام آتے ہیں' کھائے جاتے ہیں۔ اونٹ سواری کا کام بھی دے' کھایا بھی جائے' دودھ بھی دے' بوجھ بھی ڈھوئے اور دور دراز کے سفر آسانی سے کرادے۔ گائے کا گوشت کھانے کے کام بھی آئے' دودھ بھی دے۔ ہل بھی جتے' بکری کا گوشت بھی کھایا جائے اور دودھ بھی پیا جائے۔ پھر ان سب کے بال بیسیوں کاموں میں آئیں۔ جیسے کہ سورۂ انعام' سورۂ نحل وغیرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں بھی یہ منافع بطور انعام گنوائے جا رہے ہیں' دنیا جہاں میں اور اس کے گوشے گوشے میں اور کائنات کے ذرے ذرے میں اور خود تمہاری جانوں میں اس اللہ کی نشانیاں موجود ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی ان گنت نشانیوں میں سے ایک کا بھی کوئی شخص صحیح معنی میں انکاری نہیں ہوسکتا۔ یہ اور بات ہے کہ ضد اور اکڑ سے کام لے اور آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع ۹

کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر اپنے سے پہلوں کا انجام نہیں دیکھا جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے' قوت میں سخت تھے' زمین پر بہت ساری یادگاریں چھوڑی تھیں' ان کے کئے کاموں نے انہیں کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا ○ جب بھی ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر اترانے لگے۔ بالآخر جس چیز کو مذاق میں اڑا رہے تھے وہی ان پر الٹ پڑی ○ ہمارا عذاب دیکھتے ہی کہنے لگے کہ اللہ واحد پر ہم ایمان لائے اور جن جن کو ہم اللہ کا شریک بنا رہے تھے ہم نے ان سب سے کفر کیا ○ لیکن ہمارے عذاب کے معائنہ کے بعد کے ایمان نے انہیں کوئی نفع نہ دیا۔ اللہ نے اپنا معمول یہی مقرر کر رکھا ہے جو اس کے بندوں میں برابر چلا آ رہا ہے۔ اس جگہ کافر خراب و خستہ ہوئے ○

نزول عذاب کے وقت کا ایمان بے فائدہ ہے: ☆☆ (آیت:۸۲-۸۵) اللہ تعالیٰ ان اگلے لوگوں کی خبر دے رہا ہے جو رسولوں کو اس سے پہلے جھٹلا چکے ہیں۔ ساتھ ہی بتاتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا کچھ انہوں نے بھگتا؟ باوجودیکہ وہ قوی تھے' زیادہ تھے' زمین میں نشانات عمارتیں وغیرہ بھی زیادہ رکھنے والے تھے اور بڑے مالدار تھے لیکن کوئی چیز ان کے کام نہ آئی۔ کسی نے اللہ کے عذاب کو نہ دفع کیا نہ کم کیا' نہ ٹالا نہ ہٹایا۔ یہ تھے ہی غارت کئے جانے کے قابل کیونکہ جب ان کے پاس اللہ کے قاصد صاف صاف دلیلیں' روشن حجتیں' کھلے معجزات' پاکیزہ تعلیمات لے کر آئے تو انہوں نے آنکھ بھر کر دیکھا تک نہیں' اپنے پاس کے علوم پر مغرور ہو گئے۔ اور رسولوں کی تعلیم کی حقارت کرنے

لگے- کہنے لگے' ہم ہی زیادہ عالم ہیں- حساب کتاب' عذاب ثواب کوئی چیز نہیں- اپنی جہالت کو علم سمجھ بیٹھے- پھر تو اللہ کا وہ عذاب آیا کہ ان کے بنائے کچھ نہ بنی اور جسے جھٹلاتے تھے' جس پر ناک بھوں چڑھاتے تھے' جسے مذاق میں اڑاتے تھے' اسی نے انہیں تہس نہس کر دیا' پھر کس بل نکال ڈالا' تہہ و بالا کر دیا' روئی کی طرح دھن دیا اور بھوسے کی طرح اڑا دیا- اللہ کے عذابوں کو آتا ہوا بلکہ آیا ہوا دیکھ کر ایمان کا اقرار کیا اور توحید تسلیم بھی کر لی- اور غیر اللہ سے صاف انکار بھی کیا' لیکن اس وقت کی نہ توبہ قبول نہ ایمان قبول نہ اسلام مسلم- فرعون نے بھی غرق ہوتے ہوئے کہا تھا کہ میرا اس اللہ جل شانہ پر ایمان ہے جس پر بنی اسرائیل کا ایمان ہے- میں اس کے سوا کسی کو لائق عبادت نہیں مانتا' میں اسلام قبول کرتا ہوں- اللہ جل شانہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ اب ایمان لانا بے سود ہے- بہت نافرمانیاں اور شرانگیزیاں کر چکے ہو- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس سرکش کے لئے یہی بددعا کی تھی کہ اے اللہ جل شانہ' آل فرعون کے دلوں کو اس قدر سخت کر دے کہ عذاب الیم دیکھ لینے تک انہیں ایمان نصیب نہ ہو- پس یہاں بھی فرمان باری ہے کہ عذابوں کا معائنہ کرنے پر ایمان کی قبولیت نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا- یہ اللہ کا حکم عام ہے- جو بھی عذابوں کو دیکھ کر توبہ کرے' اس کی توبہ نامقبول ہے- حدیث شریف میں ہے' غرغرے سے پہلے تک کی توبہ قبول ہے- جب دم سینے میں اٹکا' روح حلقوم تک پہنچ گئی' فرشتوں کو دیکھ لیا' اب کوئی توبہ نہیں- اسی لئے آخر میں ارشاد فرمایا کہ کفار ٹوٹے اور گھاٹے میں ہی ہیں- الحمد للہ سورۂ مومن کی تفسیر ختم ہوئی-

---

تفسیر سورۂ فصلت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾

رحم کرم کرنے والے اللہ کے نام سے شروع

اتاری ہوئی ہے بڑے مہربان بہت رحم والے کی طرف سے ○ کتاب ہے جس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے- قرآن عربی زبان ہے- اس قوم کے لئے جو جانتی ہے ○ خوشخبری سنانے والا اور دھمکانے والا' پھر بھی ان کے اکثروں نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں ○ اور کہتے ہیں کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے' ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہم میں اور تجھ میں ایک حجاب ہے' اچھا اب تو اپنا کام کئے جا- ہم بھی یقیناً کام کرنے والے ہیں ○

ہر معجز قرآن کے باوجود ہدایت نہ پائی: ☆☆ (آیت: ۱-۵) فرماتا ہے کہ یہ عربی کا قرآن اللہ رحمان کا اتارا ہوا ہے- جیسے اور آیت میں فرمایا' اسے تیرے رب کے حکم سے روح الامین نے حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے- اور آیت میں ہے' روح الامین نے اسے تیرے دل پر اس لئے نازل فرمایا ہے کہ تو لوگوں کو آگاہ کرنے والا بن جائے- اس کی آیتیں مفصل ہیں' ان کے معانی ظاہر ہیں' احکام مضبوط ہیں' الفاظ واضح اور آسان ہیں- جیسے اور آیت میں ہے کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ الخ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم و مفصل ہیں- یہ کلام ہے

حکیم وخبیر اللہ جل شانہ کا۔ لفظ کے اعتبار سے معجز اور معنی کے اعتبار سے معجز۔ باطل اس کے قریب پھٹک بھی نہیں سکتا۔ حکیم وحمید رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ اس بیان و وضاحت کو ذی علم سمجھ رہے ہیں۔ یہ ایک طرف مومنوں کو بشارت دیتا ہے۔ دوسری جانب مجرموں کو دھمکاتا ہے۔ کفار کو ڈراتا ہے۔ باوجود ان خوبیوں کے پھر بھی اکثر قریشی منہ پھیرے ہوئے اور کانوں میں روئی دیئے بہرے ہوئے ہیں۔ پھر مزید ڈھٹائی دیکھو کہ خود کہتے ہیں کہ تیری پکار سننے میں ہم بہرے ہیں۔ تیرے اور ہمارے درمیان آڑ ہے۔ تیری باتیں نہ ہماری سمجھ میں آئیں نہ عقل میں سمائیں۔ جا تو اپنے طریقے پر عمل کرتا چلا جا۔ ہم اپنا طریقہ کار ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ ناممکن ہے کہ ہم تیری مان لیں۔ مسند عبد بن حمید میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دن قریشیوں نے جمع ہو کر آپس میں مشاورت کی کہ جادو' کہانت اور شعر شاعری میں جو سب سے زیادہ ہو' اسے ساتھ لے کر اس شخص کے پاس چلیں (یعنی آنحضرت ﷺ) جس نے ہماری جماعت میں تفریق ڈال دی ہے اور ہمارے کام میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ہمارے دین میں عیب نکالنا شروع کر دیا ہے۔ وہ اس سے مناظرہ کرے اور اسے ہرا دے اور لاجواب کر دے۔ سب نے کہا کہ ایسا شخص تو ہم میں بجز عتبہ بن ربیعہ کے اور کوئی نہیں۔

چنانچہ یہ سب مل کر عتبہ کے پاس آئے اور اپنی متفقہ خواہش ظاہر کی۔ اس نے قوم کی بات رکھ لی اور تیار ہو کر حضورؐ کے پاس آیا۔ آ کر کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) یہ تو بتا' تو اچھا ہے یا عبداللہ؟ (یعنی آپ کے والد صاحب) آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے دوسرا سوال کیا کہ تو اچھا ہے یا تیرا دادا عبدالمطلب؟ حضورؐ اس پر بھی خاموش رہے۔ وہ کہنے لگا' سن اگر تو اپنے تئیں دادوں کو اچھا سمجھتا ہے تب تو تمہیں معلوم ہے' وہ انہی معبودوں کو پوجتے رہے جن کو ہم پوجتے ہیں اور جن کی تو عیب گیری کرتا رہتا ہے۔ اور اگر تو اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھتا ہے تو ہم سے بات کر' ہم بھی تیری باتیں سنیں۔ قسم اللہ کی' دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کے لئے تجھ سے زیادہ ضرر رساں پیدا نہیں ہوا۔ تو نے ہماری شیرازہ بندی کو توڑ دیا۔ تو نے ہمارے اتفاق کو نفاق سے بدل دیا۔ تو نے ہمارے دین کو عیب دار بتایا اور اس میں برائی نکالی۔ تو نے سارے عرب میں ہمیں بدنام اور رسوا کر دیا۔ آج ہر جگہ یہی تذکرہ ہے کہ قریشیوں میں ایک جادوگر ہے۔ قریشیوں میں کاہن ہے۔ اب تو یہی ایک بات باقی رہ گئی ہے کہ ہم میں آپس میں سر پھٹول ہو' ایک دوسرے کے سامنے ہتھیار لگا کر آ جائیں اور یونہی لڑ بھڑ کر تو ہم سب کو فنا کر دینا چاہتا ہے۔ سن! اگر تجھے مال کی خواہش ہے تو لے ہم سب مل کر تجھے اس قدر مال جمع کر دیتے ہیں کہ عرب میں تیرے برابر کوئی اور تونگر نہ نکلے۔ اور تجھے عورتوں کی خواہش ہے تو ہم میں سے جس کی بیٹی تجھے پسند ہو' تو بتا ہم ایک چھوڑ دس دس شادیاں تیری کرا دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ کہہ کر اب اس نے ذرا سانس لیا تو حضور ﷺ نے فرمایا' بس کہہ چکے؟ اس نے کہا' ہاں! آپؐ نے فرمایا' اب میری سنو! چنانچہ آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر اسی سورت کی تلاوت شروع کی اور تقریباً ڈیڑھ رکوع مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ تک پڑھا۔ اتنا سن کر عتبہ بول' پڑا بس کیجئے۔ بس کیجئے۔ آپ کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں؟ آپؐ نے فرمایا' نہیں۔ اب یہ یہاں سے اٹھ کر چل دیا۔ قریش کا مجمع اس کا منتظر تھا۔ انہوں نے دیکھتے ہی پوچھا' کہو کیا بات رہی؟ عتبہ نے کہا' سنو تم سب مل کر جو کچھ اسے کہہ سکتے تھے' میں نے اکیلے ہی وہ سب کچھ کہہ ڈالا۔

انہوں نے کہا' پھر اس نے کچھ جواب بھی دیا' ہاں جواب تو دیا لیکن باللہ میں تو ایک حرف بھی اس کا سمجھ نہیں سکا البتہ اتنا سمجھا ہوں کہ انہوں نے ہم سب کو عذاب آسمانی سے ڈرایا ہے جو عذاب قوم عاد اور قوم ثمود پر آیا تھا۔ انہوں نے کہا' تجھے اللہ کی مار' ایک شخص عربی زبان میں جو تیری اپنی زبان ہے' تجھ سے کلام کر رہا ہے اور تو کہتا ہے' میں سمجھا ہی نہیں کہ اس نے کیا کہا؟ عتبہ نے جواب دیا کہ میں سچ کہتا ہوں' بجز ذکر عذاب کے میں کچھ نہیں سمجھا۔ بغویؒ بھی اس روایت کو لائے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی تو عتبہ نے

آپؐ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور آپؐ کو قسمیں دینے لگا اور رشتے داری یاد دلانے لگا اور یہاں سے الٹے پاؤں واپس جا کر گھر میں بیٹھ رہا اور قریشیوں کی بیٹھک میں آنا جانا ترک کر دیا - اس پر ابو جہل نے کہا' قریشیو! میرا خیال تو یہ ہے کہ عتبہ بھی محمد (ﷺ) کی طرف جھک گیا اور وہاں کے کھانے پینے میں للچا گیا ہے - وہ حاجت مند تھا - اچھا تم میرے ساتھ ہو لو - میں اس کے پاس چلتا ہوں - اسے ٹھیک کر لوں گا - وہاں جا کر ابو جہل نے کہا' عتبہ تم نے جو ہمارے پاس آنا جانا چھوڑا' اس کی وجہ ایک اور صرف ایک ہی معلوم ہوتی ہے کہ تجھے اس کا دستر خوان پسند آ گیا اور تو بھی اسی کی طرف جھک گیا ہے - حاجت مندی بری چیز ہے - میرا خیال ہے کہ ہم آپس میں چندہ کر کے تیری حالت ٹھیک کر دیں تا کہ اس مصیبت اور ذلت سے تو چھوٹ جائے - اس سے ڈرنے کی اور نئے مذہب کی تجھے ضرورت نہ رہے - اس پر عتبہ بہت بگڑا اور کہنے لگا' مجھے محمد (ﷺ) کی کیا غرض ہے؟ اللہ کی قسم کہ اب اس سے کبھی بات تک نہ کروں گا اور تم میری نسبت ایسے ذلیل خیالات ظاہر کرتے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ قریش میں مجھ سے بڑھ کر کوئی مالدار نہیں - بات صرف یہ ہے کہ میں تم سب کے کہنے سے ان کے پاس گیا' سارا قصہ کہہ سنایا' بہت باتیں کہیں - میرے جواب میں پھر جو کلام اس نے پڑھا' واللہ نہ تو وہ شعر تھا نہ کہانت کا کلام تھا نہ جادو وغیرہ تھا - وہ جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے آیت فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا الخ تک پہنچے تو میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور انہیں رشتے ناتے یاد دلانے لگا کہ للہ رک جاؤ - مجھے تو خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں اسی وقت ہم پر وہ عذاب آ نہ جائے اور یہ تو تم سب کو معلوم ہے کہ محمد (ﷺ) جھوٹے نہیں -

سیرۃ ابن اسحاق میں یہ واقعہ دوسرے طریق پر ہے - اس میں ہے کہ قریشیوں کی مجلس ایک مرتبہ جمع تھی اور آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے - عتبہ قریش سے کہنے لگا کہ اگر تم سب کا مشورہ ہو تو محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں - انہیں کچھ سمجھاؤں اور کچھ لالچ دوں - اگر وہ کسی بات کو قبول کر لیں تو ہم انہیں دے دیں اور انہیں ان کے کام سے روک دیں - یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ حضرت حمزہؓ مسلمان ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی تعداد معقول ہو گئی تھی اور روز افزوں ہوتی جاتی تھی - سب قریشی اس پر رضا مند ہوئے - یہ حضورؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا' برادر زادے' تم عالی نسب ہو - تم ہم میں سے ہو' ہماری آنکھوں کے تارے اور ہمارے کلیجے کے ٹکڑے ہو - افسوس کہ تم اپنی قوم کے پاس ایک عجیب و غریب چیز لائے ہو - تم نے ان میں پھوٹ ڈلوا دی - تم نے ان کے عقل مندوں کو بیوقوف قرار دیا - تم نے ان کے معبودوں کی عیب جوئی کی - تم نے ان کے دین کو برا کہنا شروع کیا - تم نے ان کے بڑے بوڑھوں کو کافر بنایا - اب سن لو' آج میں آپ کے پاس ایک آخری اور انتہائی فیصلے کے لئے آیا ہوں - میں بہت سی صورتیں پیش کرتا ہوں - ان میں سے جو آپ کو پسند ہو' قبول کیجئے - للہ اس فتنے کو ختم کر دیجئے - آپؐ نے فرمایا' جو تمہیں کہنا ہو' کہو' میں سن رہا ہوں' اس نے کہا سنو' اگر تمہارا ارادہ اس چال سے مال کے جمع کرنے کا ہے تو ہم سب مل کر تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم سے بڑھ کر مالدار سارے قریش میں کوئی نہ ہو - اور اگر آپ کا ارادہ اس سے اپنی سرداری کا ہے تو ہم سب مل کر آپ کو اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں - اور اگر آپ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم ملک آپ کو سونپ کر خود رعایا بننے کے لئے بھی تیار ہیں - اور اگر آپ کو کوئی جن وغیرہ کا اثر ہے تو ہم اپنا مال خرچ کر کے بہتر سے بہتر طبیب اور جھاڑ پھونک کرنے والے مہیا کر کے آپ کا علاج کراتے ہیں - ایسا ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ تابع جن اپنے عامل پر غالب آ جاتا ہے تو اسی طرح اس سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے - اب عتبہ خاموش ہوا تو آپؐ نے فرمایا' اپنی سب کہہ چکے؟ کہا' ہاں' فرمایا' اب میری سنو - وہ متوجہ ہو گیا - آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر اس سورت کی تلاوت شروع کی - عتبہ باادب سنتا رہا یہاں تک کہ آپ نے سجدے کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا - پھر فرمایا' ابوالولید میں کہہ چکا -

اب تجھے اختیار ہے- عتبہ یہاں سے اٹھا اور اپنے ساتھیوں کی طرف چلا- اس کے چہرے کو دیکھتے ہی ہر ایک کہنے لگا کہ عتبہ کا حال بدل گیا- اس سے پوچھا- کہو کیا بات رہی؟ اس نے کہا' میں نے تو ایسا کلام سنا ہے جو واللہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا- واللہ! نہ تو وہ جادو ہے نہ شعر گوئی ہے نہ کاہنوں کا کلام ہے- سنو قریشیو میری مان لو اور میری اسی جچی تلی بات کو قبول کر لو- اسے اس کے خیالات پر چھوڑ دو- نہ اس کی مخالفت کرو نہ اتفاق- اس کی مخالفت میں سارا عرب کافی ہے اور جو یہ کہتا ہے' اس میں تمام عرب اس کا مخالف ہے- وہ اپنی تمام طاقت اس کے مقابلہ میں صرف کر رہا ہے- یا تو وہ اس پر غالب آ جائیں گے- اگر وہ اس پر غالب آ گئے تو تم سستے چھوٹے یا یہ ان پر غالب آیا تو اس کا ملک تمہارا ہی ملک کہلائے گا اور اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی اور سب سے زیادہ اس کے نزدیک مقبول تم ہی ہو گے- یہ سن کر قریشیوں نے کہا' ابوالولید قسم اللہ کی' محمدؐ نے تجھ پر جادو کر دیا- اس نے جواب دیا' میں اپنی جو رائے تھی آزادی سے کہہ چکا' اب تمہیں اپنے فعل کا اختیار ہے-

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝۶ۙ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۸ۧ

ع ۱۵ ۸

تو کہہ دے کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں- مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے- سو تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی چاہو- ان مشرکوں کے لئے بڑی ہی خرابی ہے ○ جو زکوۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں ○ اور جو لوگ ایمان لائیں اور بھلے کام کریں' ان کے لئے اٹل اور ان تھک اجر ہے ○

حصول نجات اور اتباع رسول ﷺ: ☆☆ (آیت: ۶-۸) اللہ کا حکم ہو رہا ہے کہ ان جھٹلانے والے مشرکوں کے سامنے اعلان کر دیجئے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں- مجھے بذریعہ وحی الٰہی حکم دیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود ایک اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے- تم جو متفرق اور کئی ایک معبود بنائے بیٹھے ہو' یہ طریقہ سراسر گمراہی والا ہے- تم ساری عبادتیں اسی ایک اللہ کے لئے بجا لاؤ- اور ٹھیک اسی طرح جس طرح تمہیں اس کے رسول سے معلوم ہو- اور اپنے اگلے گناہوں سے توبہ کرو- ان کی معافی طلب کرو- یقین مانو کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہلاک ہونے والے ہیں جو زکوۃ نہیں دیتے- یعنی بقول ابن عباسؓ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت نہیں دیتے- عکرمہؒ بھی یہی فرماتے ہیں- قرآن کریم میں ایک جگہ ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا یعنی اس نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور وہ ہلاک ہوا جس نے اسے دبا دیا- اور آیت میں فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى یعنی اس نے نجات حاصل کر لی جس نے پاکیزگی کی اور اپنے رب کا نام ذکر کیا- پھر نماز ادا کی- اور جگہ ارشاد ہے هل لك الى ان تزكى کیا تجھے پاک ہونے کا خیال ہے؟ ان آیتوں میں زکوۃ یعنی پاکی سے مطلب نفس کو بےہودہ اخلاق سے دور کرنا ہے اور سب سے بڑی اور پہلی قسم اس کی شرک سے پاک ہونا ہے- اسی طرح آیت مندرجہ بالا میں بھی زکوۃ نہ دینے سے توحید کا نہ ماننا مراد ہے- مال کی زکوۃ کو زکوۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حرمت سے پاک کر دیتی ہے اور زیادتی اور برکت اور کثرت مال کا باعث بنتی ہے- اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ کی توفیق ہوتی ہے- لیکن امام سدی' معاویہ بن قرہ' قتادہ اور اکثر مفسرین نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ مال زکوۃ ادا نہیں کرتے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے- امام ابن جریرؒ بھی اسی

کو مختار کہتے ہیں لیکن یہ قول تامل طلب ہے۔ اس لئے کہ زکوۃ فرض ہوتی ہے۔
مدینے میں جا کر ہجرت کے دوسرے سال۔ اور یہ آیت اتری ہے مکے شریف میں۔ زیادہ سے زیادہ اس تفسیر کو مان کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صدقے اور زکوۃ کی اصل کا حکم تو نبوت کی ابتدا میں ہی تھا' جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ [1] جس دن کھیت کاٹو' اس کا حق دے دیا کرو۔ ہاں وہ زکوۃ جس کا نصاب اور جس کی مقدار من جانب اللہ مقرر ہے' وہ مدینے میں مقرر ہوئی۔ یہ قول ایسا ہے جس سے دونوں باتوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ خود نماز کو دیکھئے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے ابتداء نبوت میں ہی فرض ہو چکی تھی لیکن معراج والی رات ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے پانچوں نمازیں باقاعدہ شروط وارکان کے ساتھ مقرر ہو گئیں۔ اور رفتہ رفتہ اس کے تمام متعلقات پورے کر دیئے گئے۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے کہ اللہ کے ماننے والوں اور نبیؐ کے اطاعت گزاروں کے لئے وہ اجر وثواب ہے جو دائی ہے اور کبھی ختم نہیں ہونے والا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے مَاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور فرماتا ہے عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ انہیں جو انعام دیا جائے گا' وہ نہ ٹوٹنے والا اور مسلسل ہے۔ سدی کہتے ہیں' گویا وہ ان کا حق ہے جو انہیں دیا گیا نہ کہ بطور احسان ہے۔ لیکن بعض ائمہ نے اس کی تردید کی ہے۔ کیونکہ اہل جنت پر بھی اللہ کا احسان یقیناً ہے۔ خود قرآن میں ہے بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ یعنی بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ وہ تمہیں ایمان کی ہدایت کرتا ہے۔ جنتیوں کا قول ہے فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور آگ کے عذاب سے بچا لیا۔ رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم فرماتے ہیں' مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت میں لے لے اور اپنے فضل واحسان میں۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ۭ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۝

تو کہہ دے کہ کیا تم اس اللہ کا انکار کرتے ہو اور تم اس کے شریک مقرر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین پیدا کر دی۔ سارے جہانوں کا پروردگار وہی ہے ○ اس نے زمین کے اوپر زمین میں سے ہی پہاڑ پیدا کر دیئے اور اس میں برکت رکھ دی اور اس میں رہنے والوں کو غذاؤں کی تجویز بھی اسی میں کر دی۔ صرف چار دن میں ہی سوال کرنے والوں کا جواب پورا ہوا ○ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں سا تھا۔ پس اسے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی' دونوں نے عرض کیا کہ ہم بخوشی حاضر ہیں ○

تخلیق کائنات کا مرحلہ وار ذکر: ☆☆ (آیت: ۹-۱۱) ہر چیز کا خالق' ہر چیز کا مالک' ہر چیز پر حاکم' ہر چیز پر قادر صرف اللہ ہے۔ پس عبادتیں بھی صرف اسی کی کرنی چاہیں۔ اس نے زمین جیسی وسیع مخلوق کو اپنی کمال قدرت سے صرف دو دن میں پیدا کر دیا ہے۔ تمہیں نہ اس کے ساتھ کفر کرنا چاہیے نہ شرک۔ جس طرح سب کا پیدا کرنے والا وہی ایک ہے' ٹھیک اسی طرح سب کا پالنے والا بھی وہی ایک ہے۔ یہ

تفصیل یاد رہے کہ اور آیتوں میں زمین وآسمان کا چھ دن میں پیدا کرنا بیان ہوا ہے۔ اور یہاں اس کی پیدائش کا وقت الگ بیان ہو رہا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ پہلے زمین بنائی گئی۔ عمارت کا قاعدہ یہی ہے کہ پہلے بنیادیں اور نیچے کا حصہ تیار کیا جاتا ہے۔ پھر اوپر کا حصہ اور چھت بنائی جاتی ہے۔ چنانچہ کلام اللہ شریف کی ایک اور آیت میں ہے' اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین میں جو کچھ ہے' پیدا کر کے پھر آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی اور انہیں ٹھیک سات آسمان بنا دیئے۔ ہاں سورۂ نازعات میں وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ہے۔ پہلے آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ زمین کو اس کے بعد بچھایا۔ اس سے مراد زمین میں سے پانی چارہ نکالنا اور پہاڑوں کا گاڑنا ہے جیسے کہ اس کے بعد کا بیان ہے۔ یعنی پیدا پہلے زمین کی گئی' پھر آسمان' پھر زمین کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ لہٰذا دونوں آیتوں میں کوئی فرق نہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ قرآن کی بعض آیتوں میں مجھے کچھ اختلاف سا نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک آیت میں ہے فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ یعنی قیامت کے دن آپس کے نسب نہ ہوں گے اور نہ ایک دوسرے سے سوال کرے گا۔ دوسری آیت میں ہے وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ یعنی بعض آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھ گچھ کریں گے۔ ایک آیت میں ہے وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا یعنی اللہ سے کوئی بات چھپائیں گے نہیں۔

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

پھر دو دن میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب وحی بھیج دی اور ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کے ساتھ زینت دی اور نگہبانی کی۔ یہ تدبیر اللہ غالب و دانا کی ہے ○

دوسری آیت میں ہے کہ مشرکین کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اللہ کی قسم ہم نے شرک نہیں کیا۔ ایک آیت میں ہے' زمین کو آسمان کے بعد بچھایا' وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا دوسری آیت قُلْ اَئِنَّكُمْ الخ' میں پہلے زمین کی پیدائش' پھر آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے۔ ایک تو ان آیتوں کا صحیح مطلب بتایئے جس سے اختلاف اٹھ جائے۔ دوسرے یہ جو فرمایا ہے' كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا عَزِيْزًا حَكِيْمًا سَمِيْعًا بَصِيْرًا تو کیا یہ مطلب ہے کہ اللہ ایسا تھا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ جن دو آیتوں میں سے ایک میں آپس کا سوال جواب ہے اور ایک میں ان کا انکار ہے۔ یہ دو وقت ہیں' صور میں دو نفخے پھونکے جائیں گے۔ ایک کے بعد آپس کی پوچھ گچھ کچھ نہ ہو گی' ایک کے بعد آپس میں ایک دوسرے سے سوالات ہوں گے۔ جن دو دوسری آیتوں میں ایک میں بات کے نہ چھپانے کا اور ایک میں چھپانے کا ذکر ہے۔ یہ بھی دو موقعے ہیں۔ جب مشرکین دیکھیں گے کہ موحدوں کے گناہ بخش دیئے گئے تو کہنے لگے کہ ہم مشرک نہ تھے۔ لیکن جب منہ پر مہر لگ جائے گی اور اعضاء بدن گواہی دینے لگیں گے تو اب کچھ بھی نہ چھپے گا اور خود اپنے کرتوت کے اقراری ہو جائیں گے اور کہنے لگیں گے' کاش کہ ہم زمین کے برابر کر دیئے جاتے۔ آسمان و زمین کی پیدائش کی ترتیب کے بیان میں بھی دراصل کچھ اختلاف نہیں۔ پہلے دو دن میں زمین بنائی گئی۔ پھر آسمان کو دو دن میں بنایا گیا۔ پھر زمین کی چیزیں پانی' چارہ' پہاڑ' کنکر' ریت' جمادات' ٹیلے وغیرہ دو دن میں پیدا کئے۔ یہی معنی لفظ دَحٰهَا کے ہیں۔ پس زمین کی پوری پیدائش چار دن میں ہوئی اور دو دن میں آسمان۔ اور جو نام اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مقرر کئے ہیں' ان کا بیان فرمایا ہے۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ اللہ کا کوئی ارادہ پورا ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ پس قرآن میں ہرگز اختلاف

نہیں۔اس کا ایک ایک لفظ اللہ کی طرف سے ہے۔

زمین کو اللہ تعالیٰ نے دو دن میں پیدا کیا ہے یعنی اتوار اور پیر کے دن اور زمین میں زمین کے اوپر ہی پہاڑ بنا دیئے اور زمین کو اس نے بابرکت بنایا' تم اس میں بیج بوتے ہو' درخت اور پھل وغیرہ اس میں سے پیدا ہوتے ہیں۔اور اہل زمین کو جن چیزوں کی احتیاج ہے' وہ اسی میں سے پیدا ہوتی رہتی ہیں۔زمین کی یہ درستی منگل بدھ کے دن ہوئی۔چار دن میں زمین کی پیدائش ختم ہوئی۔جو لوگ اس کی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے' انہیں پورا جواب مل گیا۔زمین کے ہر حصے میں اس نے وہ چیز مہیا کر دی جو وہاں والوں کے لائق تھی۔مثلاً عصب یمن میں۔سابوری میں ابور میں۔طیالسہ رے میں۔یہی مطلب آیت کے آخری جملے کا ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کی جو حاجت تھی' اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مہیا کر دی۔اس معنی کی تائید اللہ کے اس فرمان سے ہوتی ہے وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْهُ تم نے جو جو مانگا' اللہ نے تمہیں دیا۔واللہ اعلم۔

پھر جناب باری نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔وہ دھوئیں کی شکل میں تھا' زمین کے پیدا کئے جانے کے وقت پانی کے جو بخارات اٹھے تھے' اب دونوں سے فرمایا کہ یا تو میرے حکم کو مانو اور جو میں کہتا ہوں' ہو جاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مثلاً آسمانوں کو حکم ہوا کہ سورج' چاند' ستارے طلوع کرے' زمین سے فرمایا' اپنی نہریں جاری کر' اپنے پھل اگا وغیرہ۔دونوں فرمانبرداری کے لئے راضی خوشی تیار ہو گئے۔اور عرض کیا' ہم مع اس تمام مخلوق کے جسے تو رچانے والا ہے' تابع فرمان ہیں۔اور کہا گیا ہے کہ انہیں قائم مقام کلام کرنے والوں کے لئے کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین کے اس حصے نے کلام کیا جہاں کعبہ بنایا گیا ہے اور آسمان کے اس حصے نے کلام کیا جو ٹھیک اس کے اوپر ہے۔واللہ اعلم۔

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں' اگر آسمان و زمین اطاعت گزاری کا ارادہ نہ کرتے تو انہیں سزا ہوتی جس کا احساس بھی انہیں ہوتا۔پس دو دن میں ساتوں آسمان اس نے بنا دیئے یعنی جمعرات اور جمعہ کے دن۔اور ہر آسمان میں اس نے جو جو چیزیں اور جیسے جیسے فرشتے' مقرر کرنے چاہے مقرر فرما دیئے اور دنیا کے آسمان کو اس نے ستاروں سے مزین کر دیا جو زمین پر چمکتے رہتے ہیں اور جو ان شیاطین کی نگہبانی کرتے ہیں جو ملاء اعلیٰ کی باتیں سننے کے لئے اوپر چڑھنا چاہتے ہیں۔یہ تدبیر و اندازہ اس اللہ کا قائم کردہ ہے جو سب پر غالب ہے۔جو کائنات کے ایک ایک چپے کی ہر چھپی کھلی حرکت کو جانتا ہے۔ابن جریرؒ کی روایت میں ہے' یہودیوں نے حضور ﷺ سے آسمان و زمین کی پیدائش کی بابت سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اتوار اور پیر کے دن اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا اور پہاڑوں کو منگل کے دن پیدا کیا اور جتنے نفعات اس میں ہیں۔اور بدھ کے دن درختوں' پانی' شہروں کو اور آبادی اور ویرانے کو پیدا کیا تو یہ چار دن ہوئے۔اسے بیان فرما کر پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ جمعرات والے دن آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستاروں کو اور سورج چاند کو اور فرشتوں کو پیدا کیا۔تین ساعت کے باقی رہنے تک۔پھر دوسری ساعت میں ہر چیز میں آفت ڈالی جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور تیسری میں آدمؑ کو پیدا کیا۔انہیں جنت میں بسایا۔ابلیس کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا اور آخری ساعت میں وہاں سے نکال دیا۔یہودیوں نے کہا' اچھا حضور پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ فرمایا' پھر عرش پر مستوی ہو گیا۔انہوں نے کہا' سب تو ٹھیک کہا لیکن آخری بات یہ کہی کہ پھر آرام حاصل کیا۔اس پر حضور ﷺ سخت ناراض ہوئے اور یہ آیت اتری وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ یعنی ہم نے آسمان و زمین اور جو ان کے درمیان ہے' سب کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تکان نہیں ہوئی۔تو ان کی باتوں پر صبر کر۔یہ حدیث غریب ہے اور روایت میں ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میرا ہاتھ پکڑ کر رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتے کے روز پیدا کیا' اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن رکھا' درخت پیر والے دن پیدا کئے' مکروہات کو منگل کے دن' نور کو بدھ کے دن پیدا کیا اور جانوروں کو زمین میں جمعرات کے دن پھیلا دیا اور جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور کل مخلوقات پوری ہوئی - مسلم اور نسائی میں یہ حدیث ہے لیکن یہ بھی غرائب صحیح میں سے ہے - اور امام بخاری نے تاریخ میں اسے معلل بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ اسے بعض راویوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور انہوں نے اسے کعب احبارؒ سے روایت کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے -

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

اب بھی یہ روگرداں ہوں تو کہہ دے کہ میں تمہیں اس عذاب آسمانی سے ڈرا دیتا ہوں جو مثل عادیوں اور ثمودیوں کے عذاب کے ہوگا ○ ان کے پاس جب ان کے آگے پیچھے سے پیغمبر آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا - ہم تو تمہاری رسالت کے بالکل منکر ہیں ○ اب عادیوں نے تو بے وجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہم سے زور آور کون ہے؟ کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے' وہ ان سے بہت ہی زیادہ زور آور ہے - وہ آخر تک ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے ○

انبیاء کی تکذیب عذاب الٰہی کا سبب: ☆☆ (آیت:۱۲-۱۵) حکم ہوتا ہے کہ جو آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور اللہ کے ساتھ کفر کر رہے ہیں' آپ ان سے فرما دیجئے کہ میری تعلیم سے روگردانی تمہیں کسی نیک نتیجے پر نہیں پہنچائے گی - یاد رکھو کہ جس طرح انبیاء کی مخالف امتیں تم سے پہلے زیر وزبر کر دی گئیں' کہیں تمہاری شامت اعمال بھی تمہیں انہی میں سے نہ کر دے - قوم عاد اور قوم ثمود کے اور ان جیسے اوروں کے حالات تمہارے سامنے ہیں - ان کے پاس پے در پے رسول آئے' اس گاؤں میں' اس بستی میں' اللہ کے پیغمبر اللہ کی منادی کرتے پھرے لیکن ان کی آنکھوں پر وہ چربی چڑھی ہوئی تھی اور دماغ میں وہ گند ٹھسا ہوا تھا کہ کسی ایک کو بھی نہ مانا - اپنے سامنے اللہ والوں کی بہتری اور دشمنان رسولؐ کی بدحالی دیکھتے تھے لیکن پھر بھی تکذیب سے باز نہ آئے - حجت بازی اور کج بحثی سے نہ ہٹے اور کہنے لگے اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہوتا تو کسی اپنے فرشتے کو بھیجتا - تم انسان ہو کر رسول کریم بن بیٹھے؟ ہم تو اسے ہرگز باور نہ کریں گے؟ قوم عاد نے زمین میں فساد پھیلا دیا' ان کی سرکشی' ان کا غرور حد کو پہنچ گیا - ان کی لاابالیاں اور بے پرواہیاں یہاں تک پہنچ گئیں کہ پکار اٹھے' ہم سے زیادہ زور آور کوئی نہیں - ہم طاقتور' مضبوط اور ٹھوس ہیں' اللہ کے عذاب ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ اس قدر بھولے کہ اللہ کو بھول گئے - یہ بھی خیال نہ رہا کہ ہمارا پیدا کرنے والا اتنا قوی ہے کہ اس کی زور آوری کا اندازہ بھی ہم نہیں کر سکتے -

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ رِیۡحًا صَرۡصَرًا فِیۡۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِیۡقَهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَخۡزٰی وَهُمۡ لَا یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَهَدَیۡنٰهُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰی عَلَی الۡهُدٰی فَاَخَذَتۡهُمۡ صٰعِقَةُ الۡعَذَابِ الۡهُوۡنِ بِمَا كَانُوۡا یَكۡسِبُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸﴾
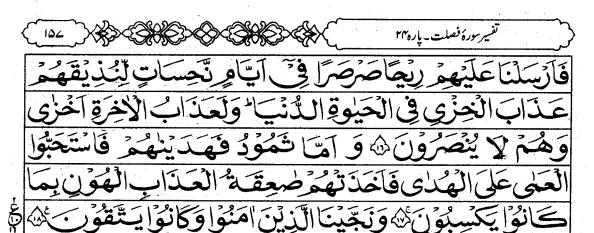
بالآخر ہم نے ان پر ایک تند و تیز آندھی مصیبت ناک دنوں میں بھیج دی کہ انہیں جیتے جی ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں۔ یقین مانو کہ آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ رسوائی والا ہے۔ انہیں کوئی امداد نہ دی جائے گی ○ رہے ثمودی، سو ہم نے ان کی بھی رہبری کی۔ پھر بھی انہوں نے ہدایت پر اندھاپے کو ترجیح دی جس بنا پر انہیں سراپا ذلت کے عذاب آسمانی نے ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا ○ ہاں ایماندار پارساؤں کو ہم نے بال بال بچا لیا ○

جیسے فرمان ہے وَالسَّمَآءَ بَنَیۡنٰهَا بِاَیۡدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ ہم نے اپنے ہاتھوں آسمان کو پیدا کیا اور ہم بہت ہی طاقتور اور زور آور ہیں، پس ان کے اس تکبر پر اور اللہ کے رسولوں کے جھٹلانے پر اور اللہ کی نافرمانی کرنے اور رب کی آیتوں کے انکار پر ان پر عذاب الٰہی آ پڑا۔ تیز و تند، سرد، دہشت ناک، سرسراتی ہوئی سخت آندھی آئی تاکہ ان کا غرور ٹوٹ جائے اور ہوا سے وہ تباہ کر دیئے جائیں۔ صَرۡصَرًا کہتے ہیں، وہ ہوا جس میں آواز پائی جائے۔ مشرق کی طرف ایک نہر ہے جو بہت زور سے آواز کے ساتھ بہتی رہتی ہے اس لئے اسے بھی عرب صرصر کہتے ہیں۔ نَحِسَات سے مراد پے در پے، ایک دم مسلسل، سات راتیں اور آٹھ دن تک یہی ہوائیں رہیں۔ وہ مصیبت جوان پر مصیبت والے دن آئی، وہ پھر آٹھ دن تک نہ ہٹی نہ ٹلی۔ جب تک ان میں سے ایک ایک کو فنا کے گھاٹ نہ اتار دیا اور ان کا بیج ختم نہ کر دیا۔ ساتھ ہی آخرت کے عذابوں کا لقمہ بنے جن سے زیادہ ذلت و توہین کی کوئی سزا نہیں۔ نہ دنیا میں کوئی ان کی امداد کو پہنچا نہ آخرت میں کوئی مدد کے لئے اٹھے گا۔ بے یار و مددگار رہ گئے، ثمودیوں کی بھی ہم نے رہنمائی کی۔ ہدایت کی ان پر وضاحت کر دی، انہیں بھلائی کی دعوت دی۔ اللہ کے نبی حضرت صالحؑ نے ان پر حق ظاہر کر دیا لیکن انہوں نے مخالفت اور تکذیب کی۔ اور نبی اللہ کی سچائی پر جس اونٹنی کو اللہ نے علامت بنایا تھا اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ پس ان پر بھی عذاب الٰہی برس پڑا۔ ایک زبردست کلیجے پھاڑ دینے والی چنگھاڑ اور دل پاش پاش کر دینے والے زلزلے نے ذلت و توہین کے ساتھ ان کے کرتوتوں کا بدلہ لیا۔ ان میں جتنے وہ لوگ تھے جنہیں اللہ کی ذات پر ایمان تھا، نبیوں کی تصدیق کرتے تھے، دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے تھے، انہیں ہم نے بچا لیا، انہیں ذرا سا بھی ضرر نہ پہنچا اور اپنے نبیؑ کے ساتھ ذلت و توہین سے اور عذاب الٰہی سے نجات پالی۔

وَیَوۡمَ یُحۡشَرُ اَعۡدَآءُ اللّٰهِ اِلَی النَّارِ فَهُمۡ یُوۡزَعُوۡنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰۤی اِذَا مَا جَآءُوۡهَا شَهِدَ عَلَیۡهِمۡ سَمۡعُهُمۡ وَاَبۡصَارُهُمۡ وَجُلُوۡدُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوۡا لِجُلُوۡدِهِمۡ لِمَ شَهِدۡتُّمۡ عَلَیۡنَا ؕ قَالُوۡۤا اَنۡطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ كُلَّ شَیۡءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَیۡهِ

تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

جس دن دشمنان رب دوزخ کی طرف لائے جائیں گے اوران سب کو جمع کر دیا جائے گا ○ یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی ○ یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ○

انسان اپنا دشمن آپ ہے: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۱) یعنی ان مشرکوں سے کہو کہ قیامت کے دن ان کا حشر جہنم کی طرف ہوگا اور داروغہ جہنم ان سب کو جمع کریں گے۔ جیسے فرمان ہے وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا یعنی گنہگاروں کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے۔ انہیں جہنم کے کنارے کھڑا کر دیا جائے گا اور ان کے اعضاء بدن اور کان اور آنکھیں اور پوست ان کے اعمال کی گواہیاں دیں گی۔ تمام اگلے پچھلے عیوب کھل جائیں گے۔ ہر عضو بدن پکار اٹھے گا کہ مجھ سے اس نے یہ یہ گناہ کیا' اس وقت یہ اپنے اعضا کی طرف متوجہ ہو کر انہیں ملامت کریں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ کہیں گے' اللہ تعالیٰ کی حکم بجا آوری کے ماتحت' اس نے ہمیں بولنے کی طاقت دی اور ہم نے سچ سچ کہہ سنایا۔ وہی تو تمہارا ابتدأ پیدا کرنے والا ہے' اسی نے ہر چیز کو زبان عطا فرمائی ہے۔ خالق کی مخالفت اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کون کرسکتا ہے؟

بزار میں ہے کہ حضورؐ ایک مرتبہ مسکرائے یا ہنس دیئے۔ پھر فرمایا تم میری ہنسی کی وجہ دریافت نہیں کرتے؟ صحابہؓ نے کہا' فرمایئے کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا' قیامت کے دن بندہ اپنے رب سے جھگڑے گا۔ کہے گا کہ اے اللہ کیا تیرا وعدہ نہیں کہ تو ظلم نہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ اقرار کرے گا تو بندہ کہے گا کہ میں تو اپنی بداعمالیوں پر کسی کی شہادت قبول نہیں کرتا۔ اللہ فرمائے گا' کیا میری اور میرے بزرگ فرشتوں کی شہادت ناکافی ہے؟ لیکن پھر بھی وہ بار بار اپنی ہی کہتا چلا جائے گا۔ پس اتمام حجت کے لئے اس کی زبان بند کر دی جائے گی اور اس کے اعضاء بدن سے کہا جائے گا کہ اس نے جو جو کیا تھا' اس کی گواہی تم دو۔ جب وہ صاف صاف اور سچی گواہی دے دیں گے تو یہ انہیں ملامت کرے گا اور کہے گا کہ میں تو تمہارے ہی بچاؤ کے لئے لڑ جھگڑ رہا تھا۔ (مسلم' نسائی وغیرہ)

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

تم اپنی بداعمالیاں کچھ پوشیدہ تو رکھتے ہی نہ تھے کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں۔ ہاں تم یہ سمجھتے رہے کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو' اس میں سے بہت سے اعمال سے اللہ بے خبر ہے ○ تمہاری اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی' تمہیں ہلاک کر دیا اور بالآخر تم زیاں کاروں میں ہو گئے ○ اب اگر یہ صبر کریں تو بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور اگر یہ عذر و معافی کے خواستگار ہوں تو بھی معذور معاف نہیں رکھے جائیں گے ○

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' کافر و منافق کو حساب کے لئے بلایا جائے گا۔ اس کے اعمال اس کے سامنے

پیش ہوں گے تو قسمیں کھا کھا کر انکار کرے گا اور کہے گا' اے اللہ تیرے فرشتوں نے وہ لکھ لیا ہے جو میں نے ہرگز نہیں کیا' فرشتے کہیں گے فلاں دن فلاں جگہ تو نے فلاں عمل نہیں کیا؟ یہ کہے گا' اے اللہ تیری عزت کی قسم' میں نے ہرگز نہیں کیا۔ اب منہ پر مہر مار دی جائے گی اور اعضاء بدن گواہی دیں گے۔ سب سے پہلے اس کی داہنی ران بولے گی (ابن ابی حاتم)

ابو یعلی میں حضورؐ فرماتے ہیں' قیامت کے دن کافر کے سامنے ان کی بداعمالیاں لائی جائیں گی تو وہ انکار کرے گا اور جھگڑنے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' یہ ہیں تیرے پڑوسی جو شاہد ہیں۔ یہ کہے گا سب جھوٹے ہیں۔ فرمائے گا' یہ ہیں تیرے کنبے قبیلے والے جو گواہ ہیں۔ کہے گا' یہ بھی سب جھوٹے ہیں۔ اللہ ان سے قسم دلوائے گا' وہ قسم کھائیں گے لیکن یہ انکار ہی کرے گا۔ سب کو اللہ چپ کرا دے گا اور خود ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی۔ پھر انہیں جہنم واصل کر دیا جائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' قیامت کے دن ایک وقت تو وہ ہوگا کہ نہ کسی کو بولنے کی اجازت ہوگی نہ عذر معذرت کرنے کی۔ پھر جب اجازت دی جائے گی تو بولنے لگیں گے اور جھگڑے کریں گے اور انکار کریں گے اور جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔ پھر گواہوں کو لایا جائے گا' آخر زبانیں بند ہو جائیں گی اور خود اعضاء بدن ہاتھ پاؤں وغیرہ گواہی دیں گے۔ پھر زبانیں کھول دی جائیں گی تو اپنے اعضاء بدن کو ملامت کریں گے۔ وہ جواب دیں گے کہ ہمیں اللہ نے قوت گویائی دی اور ہم نے صحیح صحیح کہا' پس زبانی اقرار بھی ہو جائے گا۔

ابن ابی حاتم میں رافع ابوالحسنؒ سے مروی ہے کہ اپنے کرتوت کے انکار پر زبان اتنی موٹی ہو جائے گی کہ بولا نہ جائے گا۔ پھر جسم کے اعضا کو حکم ہوگا' تم بولو تو ہر ایک اپنا اپنا عمل بتا دے گا۔ کان' آنکھ' کھال' شرم گاہ' ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ اور بھی اسی طرح کی بہت سی روایتیں سورہ یٰسین کی آیت اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ الخ کی تفسیر میں گذر چکی ہیں۔ جنہیں دوبارہ وارد کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جب ہم سمندر کی ہجرت سے واپس آئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دن ہم سے پوچھا' تم نے حبشہ کی سرزمین پر کوئی تعجب خیز بات دیکھی ہو تو سناؤ۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا' ایک مرتبہ ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے علماء کی ایک بڑھیا عورت ایک پانی کا گھڑا سر پر لئے ہوئے آ رہی تھی۔ انہی میں ایک جوان نے اسے دھکا دیا جس سے وہ گر پڑی اور گھڑا ٹوٹ گیا۔ وہ اٹھی اور اس شخص کی طرف دیکھ کر کہنے لگی' مکار تجھے اس کا حال اس وقت معلوم ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی کرسی سجائے گا اور سب اگلے پچھلوں کو جمع کرے گا اور ہاتھ پاؤں گواہیاں دیں گے اور ایک ایک عمل کھل جائے گا۔ اس وقت تیرا اور میرا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ یہ سن کر حضورؐ فرمانے لگے' اس نے سچ کہا' اس نے سچ کہا' اس قوم کو اللہ تعالیٰ کس طرح پاک کرے جس میں زور آور سے کمزور کا بدلہ نہ لیا جائے؟ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

ابن ابی الدنیا میں یہی روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ جب یہ اپنے اعضا کو ملامت کریں گے تو اعضاء جواب دیتے ہوئے یہ بھی کہیں گے کہ تمہارے اعمال دراصل کچھ پوشیدہ نہ تھے۔ اللہ کے دیکھتے ہوئے اس کے سامنے تم کفر و معاصی میں مستغرق رہتے تھے اور کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ تم سمجھے ہوئے تھے کہ ہمارے بہت سے اعمال اس سے مخفی ہیں۔ اسی فاسد خیال نے تمہیں تلف اور برباد کر دیا اور آج کے دن تم برباد ہو گئے۔ مسلم' ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ میں کعبتہ اللہ کے پردے میں چھپا ہوا تھا جو تین شخص آئے بڑے پیٹ اور کم عقل والے۔ ایک نے کہا' کیوں جی ہم جو بولتے چالتے ہیں' اسے اللہ سنتا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا' اگر اونچی آواز سے بولیں تو سنتا ہے اور آہستہ آواز سے باتیں کریں تو نہیں سنتا۔ دوسرے نے کہا' اگر کچھ سنتا ہے تو سب سنتا ہوگا۔ میں نے آ کر حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس پر آیت وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ الخ نازل ہوئی۔ عبدالرزاق میں ہے' منہ بند ہونے کے بعد سب

سے پہلے پاؤں اور ہاتھ بولیں گے۔ حضورؐ فرماتے ہیں' جناب باری عزاسمہ کا ارشاد ہے کہ میرے ساتھ میرا بندہ جو گمان کرتا ہے۔ میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ حضرت حسنؒ اتنا فرما کر کچھ تامل کر کے فرمانے لگے' جس کا جیسا گمان اللہ کے ساتھ ہوتا ہے' نیک ظن ہوتا ہے تو وہ اعمال بھی اچھے کرتا ہے اور کافر و منافق چونکہ اللہ کے ساتھ بدظن ہوتے ہیں' وہ اعمال بھی بد کرتے ہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے' تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ کے ساتھ نیک ظن ہو۔ جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ برے خیالات رکھے' اللہ نے انہیں تہہ و بالا کر دیا۔ پھر یہی آیت آپ نے پڑھی آگ جہنم میں صبر سے پڑے رہنا اور بے صبری کرنا ان کے لئے یکساں ہے۔ نہ ان کے عذر معذرت مقبول نہ ان کے گناہ معاف۔ یہ دنیا کی طرف اگر لوٹنا چاہیں تو وہ راہ بھی بند۔ جیسے اور جگہ ہے' جہنمی کہیں گے' اے اللہ! ہم پر ہماری بدبختی چھا گئی۔ یقیناً ہم بے راہ تھے۔ اے اللہ اب تو یہاں سے نجات دے۔ اگر اب ایسا کریں تو پھر ہمیں ہمارے ظلم کی سزا دینا۔ لیکن جناب باری کی طرف سے جواب آئے گا کہ اب یہ منصوبے بے سود ہیں۔ دھتکارے ہوئے یہیں پڑے رہو۔ خبردار جو مجھ سے بات کی۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خٰسِرِينَ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۷﴾

ہم نے ان کے کچھ ہم نشین مقرر کر رکھے تھے جنہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا رکھے تھے اور ان کے حق میں بھی قول اللہ کی ان امتوں کے ساتھ پورا ہوا جو ان سے پہلے جنوں انسانوں کی گذر چکی ہیں۔ یقیناً وہ زیاں کار ثابت ہوئے ○ کافروں نے کہا' اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے پڑھے جانے کے وقت بیہودہ گوئی کرو' کیا عجب کہ تم غالب آ جاؤ ○ پس یقیناً ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور انہیں ان کے بدترین اعمال کا بدلہ ضرور ضرور دیں گے ○

آداب قرآن حکیم : ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۷) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ مشرکین کو اس نے گمراہ کر دیا ہے اور یہ اس کی مشیت اور قدرت سے ہے۔ وہ اپنے تمام افعال میں حکمت والا ہے۔ اس نے کچھ جن و انس ایسے ان کے ساتھ کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے بداعمال انہیں اچھی صورت میں دکھائے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ دور ماضی کے لحاظ سے اور آئندہ آنے والے زمانے کے لحاظ سے بھی ان کے اعمال اچھے ہی ہیں۔ جیسے اور آیتیں ہیں وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ الخ ان پر کلمہ عذاب صادق آ گیا جیسے ان لوگوں پر جو ان سے پہلے ان جیسے تھے۔ نقصان اور گھاٹے میں یہ اور وہ یکساں ہو گئے کفار نے آپس میں مشورہ کر کے اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ وہ کلام اللہ کو نہیں مانیں گے نہ ہی اس کے احکام کی پیروی کریں گے۔ بلکہ ایک دوسرے سے کہہ رکھا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو شور و غل کرو اور اسے نہ سنو۔

تالیاں بجاؤ' سیٹیاں بجاؤ' آوازیں نکالو- چنانچہ قریشی یہی کرتے تھے- عیب جوئی کرتے تھے' انکار کرتے تھے- دشمنی کرتے تھے اور اسے اپنے غلبہ کا باعث جانتے تھے-

یہی حال ہر جاہل کافر کا ہے کہ اسے قرآن کا سننا اچھا نہیں لگتا- اسی لئے اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم فرمایا ہے کہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ جب قرآن پڑھا جائے تو تم سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے' ان کافروں کو دھمکایا جارہا ہے کہ قران کریم سے مخالفت کرنے کی بنا پر انہیں سخت سزا دی جائے گی- اور ان کی بدعملی کا مزہ انہیں ضرور چکھایا جائے گا' ان اللہ کے دشمنوں کا بدلہ دوزخ کی آگ ہے جس میں ان کے لئے ہمیشہ کا گھر ہے- یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے- اس کے بعد کی آیت کا مطلب حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جن سے مراد ابلیس اور انس سے مراد حضرت آدمؑ کا وہ لڑکا ہے جس نے اپنے بھائی کو مار ڈالا تھا- اور روایت میں ہے کہ ابلیس تو ہر مشرک کو پکارے گا اور حضرت آدمؑ کا یہ لڑکا ہر کبیرہ گناہ کرنے والے کو پکارے گا -پس ابلیس شرک کی طرف اور تمام گناہوں کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والا ہے اول رسول حضرت آدمؑ کا یہ لڑکا جو اپنے بھائی کا قاتل ہے- چنانچہ حدیث میں ہے' روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے' اس کا گناہ حضرت آدمؑ کے اس پہلے فرزند پر بھی ہوتا ہے کیونکہ قتل بے جا کا شروع کرنے والا یہ ہے- پس کفار قیامت کے دن جن وانس جو انہیں گمراہ کرنے والے تھے' انہیں نیچے کے طبقے میں داخل کرانا چاہیں گے تاکہ انہیں سخت عذاب ہوں- وہ درک اسفل میں چلے جائیں اور ان سے زیادہ سزا بھگتیں- سورۂ اعراف میں بھی یہ بیان گزر چکا ہے کہ یہ ماننے والے جن کی مانتے تھے' ان کے لئے قیامت کے دن دوہرے عذاب کی درخواست کریں گے جس پر کہا جائے گا کہ ہر ایک دوگنے عذاب میں ہی ہے لیکن تم بے شعور ہو- یعنی ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق سزا ہو رہی ہے- جیسے اور آیت میں ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ یعنی جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا' انہیں ہم ان کے فساد کی وجہ سے عذاب پر عذاب دیں گے-

ذٰلِكَ جَزَاۗءُ اَعْدَاۗءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۲۸ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ۝۲۹ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۳۰

دشمنان رب کی سزا یہی دوزخ کی آگ ہے جس میں ان کا ہمیشگی کا گھر ہے- یہ بدلہ ہے ہماری آیتوں سے انکار کرنے کا ○ کافر لوگ کہیں گے اے اللہ ہمیں جنوں انسانوں کے ان دونوں فریق کو دکھا جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تاکہ ہم انہیں اپنے قدموں تلے ڈال کر انہیں نہایت اور سب سے نیچے کر دیں ○ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے' پھر اسی پر قائم رہے' ان کے پاس فرشتے یہ کہتے ہوئے آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو بلکہ اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو ○

استقامت اور اس کا انجام: ☆☆ (آیت: ۳۰) جن لوگوں نے زبانی اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا یعنی اس کی توحید کا اقرار کیا' پھر اس پر جمے رہے یعنی فرمان الٰہی کے ماتحت اپنی زندگی گزاری۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت فرما کر وضاحت کی کہ بہت لوگوں نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کر کے پھر کفر کر لیا۔ جو مرتے دم تک اس بات پر جما رہا' وہ ہے جس نے اس پر استقامت کی۔ (نسائی وغیرہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوئی تو آپ نے فرمایا ''اس سے مراد کلمہ پڑھ کر پھر کبھی بھی شرک نہ کرنے والے ہیں''۔ ایک روایت میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے کہا' استقامت سے مراد گناہ نہ کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا' تم نے اسے غلط سمجھا۔ اس سے مراد اللہ کی الوہیت کا اقرار کر کے پھر دوسرے کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ قرآن میں حکم اور جزا کے لحاظ سے سب سے زیادہ آسان آیت کون سی ہے؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی کہ توحید الٰہی پر ختا عمر قائم رہنا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا' واللہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر جم جاتے ہیں اور لومڑی کی چال نہیں چلتے کہ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' فرائض اللہ کی ادائیگی کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ یہ دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا فَارْزُقْنَا الِاسْتِقَامَةَ اے اللہ تو ہمارا رب ہے۔ ہمیں استقامت اور پختگی عطا فرما۔ استقامت سے مراد دین اور عمل کا خلوص۔ حضرت ابوالعالیہؒ نے کہا ہے' ایک شخص نے رسول اللہ علیہ السلام سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کا کوئی ایسا امر بتلایئے کہ پھر کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپؐ نے فرمایا' زبان سے اقرار کر کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جا۔ اس نے پھر پوچھا' اچھا یہ تو عمل ہوا' اب بچوں کس چیز سے؟ تو آپؐ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (مسلم وغیرہ) امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔

نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ﴿۳۲﴾

ع ۱۸/۷

تمہاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو' سب جنت میں موجود ہے ○ غفور و رحیم اللہ کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے ○

ان کے پاس ان کی موت کے وقت فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارتیں سناتے ہیں کہ تم اب آخرت کی منزل کی طرف جا رہے ہو' بے خوف رہو۔ تم پر وہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ تم اپنے پیچھے جو دنیا چھوڑے جا رہے ہو' اس پر بھی کوئی غم و رنج نہ کرو۔ تمہارے اہل و عیال' مال و متاع کی دین و دیانت کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ ہم تمہارے خلیفہ ہیں۔ تمہیں ہم خوش خبری سناتے ہیں کہ تم جنتی ہو' تمہیں سچا اور صحیح وعدہ دیا گیا تھا۔ وہ پورا ہو کر رہے گا۔ پس وہ اپنے انتقال کے وقت خوش خوش جاتے ہیں کہ تمام برائیوں سے بچے اور تمام بھلائیاں حاصل ہوئیں۔ حدیث میں ہے' رسول اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں' مومن کی روح سے فرشتے کہتے ہیں' اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی' چل اللہ کی بخشش' انعام اور اس کی نعمت کی طرف۔ چل اس اللہ کے پاس جو تجھ پر ناراض نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب مسلمان اپنی قبروں سے اٹھیں گے' اسی وقت فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور انہیں بشارتیں سنائیں گے۔ حضرت ثابت جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے اس آیت تک پہنچے تو ٹھہر گئے اور فرمایا' ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ مومن بندہ جب قبر سے اٹھے گا تو وہ دو فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے' اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے

کہتے ہیں ڈر نہیں، گھبرا نہیں، غمگین نہ ہو، تو جنتی ہے، خوش ہو جا، تجھ سے اللہ کے جو وعدے تھے، پورے ہوں گے۔ غرض خوف امن سے بدل جائے گا، آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، دل مطمئن ہو جائے گا۔ قیامت کا تمام خوف دہشت اور وحشت دور ہو جائے گی۔ اعمال صالحہ کا بدلہ اپنی آنکھوں دیکھے گا اور خوش ہو گا۔ الحاصل موت کے وقت قبر میں اور قبر سے اٹھتے ہوئے ہر وقت ملائکۂ رحمت اس کے ساتھ رہیں گے اور ہر وقت بشارتیں سناتے رہیں گے۔ ان سے فرشتے یہ بھی کہیں گے کہ زندگانی دنیا میں بھی ہم تمہارے رفیق و ولی تھے، تمہیں نیکی کی راہ سمجھاتے تھے، خیر کی رہنمائی کرتے تھے۔ تمہاری حفاظت کرتے رہتے تھے، ٹھیک اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ رہیں گے۔ تمہاری وحشت و دہشت دور کرتے رہیں گے۔ قبر میں، حشر میں، میدان قیامت میں، پل صراط پر، غرض ہر جگہ ہم تمہارے رفیق اور دوست اور ساتھی ہیں۔ نعمتوں والی جنتوں میں پہنچا دینے تک تم سے الگ نہ ہوں گے۔ وہاں جو تم چاہو گے، ملے گا۔ جو خواہش ہو گی، پوری ہو گی۔ یہ مہمانی، یہ عطا، یہ انعام، یہ ضیافت اس اللہ کی طرف سے ہے جو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔ اس کا لطف و رحم اس کی بخشش اور کرم بہت وسیع ہے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ہوتی ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت کے بازار میں ملائے۔ اس پر حضرت سعیدؒ نے پوچھا، کیا جنت میں بھی بازار ہوں گے؟ فرمایا، ہاں مجھے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے اور اپنے اپنے مراتب کے مطابق درجے پائیں گے تو دنیا کے اندازے سے جمعہ والے دن انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا۔ اس کا عرش ظاہر ہو گا۔ وہ سب جنت کے باغیچے میں نور، لولو، یاقوت، زبرجد اور سونے چاندی کے منبروں پر بیٹھیں گے، جو نیکیوں کے اعتبار سے کم درجے کے ہیں لیکن جنتی ہونے کے اعتبار سے کوئی کسی سے کمتر نہیں، وہ مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے لیکن اپنی جگہ اتنے خوش ہوں گے کہ کرسی والوں کو اپنے سے افضل مجلس میں نہیں جانتے ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں ہاں دیکھو گے۔ آدھے دن کے سورج اور چودھویں رات کے چاند کو جس طرح صاف دیکھتے ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔ اس مجلس میں ایک ایک سے اللہ تبارک و تعالیٰ بات چیت کرے گا یہاں تک کہ کسی سے فرمائے گا۔ یاد ہے فلاں دن تم نے فلاں کا خلاف کیا تھا؟ وہ کہے گا، کیوں جناب باری، تو تو وہ خطا معاف فرما چکا تھا۔ پھر اس کا کیا ذکر؟ کہے گا، ہاں ٹھیک ہے۔ اسی میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو تو اس درجے پر پہنچا۔ یہ اسی حالت میں ہوں گے کہ انہیں ایک ابر ڈھانپ لے گا اور اس سے ایسی خوشبو برسے گی کہ کبھی کسی نے نہیں سونگھی تھی۔ پھر رب العالمین عزوجل فرمائے گا کہ اٹھو اور میں نے جو انعام و اکرام تمہارے لئے تیار کر رکھے ہیں، انہیں لو۔ پھر یہ سب ایک بازار میں پہنچیں گے جسے چاروں طرف سے فرشتے گھیرے ہوئے ہوں گے۔ وہاں وہ چیزیں دیکھیں گے جو نہ کبھی دیکھی تھیں نہ سنی تھیں نہ کبھی خیال میں گزری تھیں۔ جو شخص جو چیز چاہے گا، لے لے گا۔ خرید فروخت وہاں نہ ہو گی بلکہ انعام ہو گا۔ وہاں تمام اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ ایک کم درجے کا جنتی اعلیٰ درجے کے جنتی سے ملاقات کرے گا تو اس کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر جی میں خیال کرے گا، وہیں اپنے جسم کی طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھے کپڑے اس کے ہیں۔ کیونکہ وہاں کسی کو کوئی رنج و غم نہ ہو گا۔ اب ہم سب لوٹ کر اپنی اپنی منزلوں میں جائیں گے، وہاں ہماری بیویاں ہمیں مرحبا کہیں گی اور کہیں گی کہ جس وقت آپ یہاں سے گئے تب یہ تروتازگی اور یہ نورانیت آپ میں نہ تھی لیکن اس وقت تو جمال و خوبی اور خوشبو اور تازگی بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ٹھیک ہے۔ ہم آج اللہ تعالیٰ کی مجلس میں تھے اور یقیناً ہم بہت ہی بڑھ چڑھ گئے۔ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں، جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرے، اللہ بھی اس سے ملنے کو چاہتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو برا جانے، اللہ بھی اس کی

ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔صحابہؓ نے کہا' یارسول اللہ ہم تو موت کو مکروہ جانتے ہیں۔آپ نے فرمایا' اس سے مراد موت کی کراہیت نہیں بلکہ مومن کی سکرات کے وقت اس کے پاس اللہ کی طرف سے خوشخبری آتی ہے جسے سن کر اس کے نزدیک اللہ کی ملاقات سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہیں رہتی۔پس اللہ بھی اس کی ملاقات پسند فرماتا ہے اور فاجر یا کافر کی سکرات کے وقت جب اسے اس برائی کی خبر دی جاتی ہے جو اسے اب پہنچنے والی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے۔پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے۔یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کی بہت سی اسناد ہیں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں ○ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی' برائی کو بھلائی سے دفع کر۔پھر تیرا دشمن ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست ○ یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے ○ کوئی نہیں پاسکتا اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ سے پناہ طلب کر لیا کر۔یقیناً وہ بہت ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا محبوب انسان: ☆☆ (آیت:۳۳-۳۶) فرماتا ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلائے اور خود بھی نیکی کرے' اسلام قبول کرے اس سے زیادہ اچھی بات اور کس کی ہوگی؟ یہ ہے جس نے اپنے تئیں نفع پہنچایا اور خلق اللہ کو بھی اپنی ذات سے نفع پہنچایا۔یہ ان میں نہیں جو منہ کے بڑے باتونی ہوتے ہیں۔جو دوسروں کو کہتے تو ہیں مگر خود نہیں کرتے۔یہ تو خود بھی کرتا ہے اور دوسروں سے بھی کہتا ہے۔یہ آیت عام ہے۔رسول اللہ ﷺ سب سے اولیٰ طور پر اس کے مصداق ہیں۔بعض نے کہا ہے' اس کے مصداق اذان دینے والے ہیں جو نیک کار بھی ہوں۔چنانچہ صحیح مسلم میں ہے' قیامت کے دن موذن سب لوگوں سے زیادہ لمبی گردنوں والے ہوں گے۔سنن میں ہے' امام ضامن ہے اور موذن امانتدار ہے۔اللہ تعالیٰ اماموں کو راہ راست دکھائے اور موذنوں کو بخشے۔ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں' اذان دینے والوں کا حصہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مثل جہاد کرنے والوں کے حصے کے ہے۔اذان و اقامت کے درمیان ان کی وہ حالت ہے جیسے کوئی جہاد میں راہ اللہ میں اپنے خون میں لوٹ پوٹ ہو رہا ہو۔حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' اگر میں موذن ہوتا تو پھر مجھے حج وعمرے اور جہاد کی اتنی زیادہ پرواہ نہ رہتی۔حضرت عمرؓ سے منقول ہے' اگر میں موذن ہوتا تو میری آرزو پوری ہو جاتی اور میں رات کے نفلی قیام کی اور دن کے نفلی روزوں کی اس قدر تنگ و دو نہ کرتا۔میں نے سنا ہے' اللہ کے رسول ﷺ نے تین بار موذنوں کی بخشش کی دعا مانگی۔اس پر میں نے کہا' حضور آپ نے اپنی دعا میں ہمیں یاد نہ فرمایا حالانکہ ہم اذان کہنے پر تلواریں تان لیتے ہیں' آپ نے فرمایا' ہاں! لیکن اے عمرؓ ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ موذنی غریب مسکین لوگوں تک رہ جائے گی۔سنو عمرؓ' جن لوگوں کا گوشت پوست جہنم پر حرام ہے' ان

میں موذن ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' اس آیت میں بھی موذنوں کی تعریف ہے' اس کا حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کہنا اللہ کی طرف بلانا ہے۔ ابن عمرؓ اور عکرمہؒ فرماتے ہیں' یہ آیت موذنوں کے بارے میں اتری ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ وہ عمل صالح کرتا ہے' اس سے مراد اذان و تکبیر کے درمیان دو رکعت پڑھنا ہے۔ جیسے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے' دو اذانوں کے درمیان نماز ہے' دو اذانوں کے درمیان نماز ہے' دو اذانوں کے درمیان نماز ہے جو چاہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی۔

صحیح بات یہ ہے کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے موذن و غیر موذن ہر اس شخص کو شامل ہے جو اللہ کی طرف دعوت دے۔ یہ یاد رہے کہ آیت کے نازل ہونے کے وقت تو سرے سے اذان شروع ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ آیت مکے میں اترتی ہے اور اذان مدینے پہنچ جانے کے بعد مقرر ہوئی ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ نے اپنے خواب میں اذان دیتے دیکھا اور سنا اور حضورؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا' حضرت بلالؓ کو سکھاؤ۔ وہ بلند آواز ہیں۔ پس صحیح بات یہی ہے کہ آیت عام ہے۔ اس میں موذن بھی شامل ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ اس آیت کو پڑھ کر فرماتے ہیں' یہی لوگ حبیب اللہ ہیں۔ یہی اولیاء اللہ ہیں۔ یہی سب سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ ہیں۔ یہی سب سے زیادہ اللہ کے محبوب ہیں کہ انہوں نے اللہ کی باتیں مان لیں۔ پھر دوسروں سے منوانے لگے اور اپنے ماننے میں نیکیاں کرتے رہے' اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے رہے یہاں اللہ کے خلیفہ ہیں' بھلائی اور برائی' نیکی اور بدی برابر برابر نہیں بلکہ ان میں بے حد فرق ہے۔ جو تجھ سے برائی کرے' تو اس سے بھلائی کر اور اس کی برائی کو اس طرح دفع کر۔ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ تیرے بارے میں جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے' تو تو اس کے بارے میں اللہ کی فرماں برداری کر' اس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسا کرنے سے تیرا جانی دشمن دلی دوست بن جائے گا' اس وصیت پر عمل اسی سے ہوگا جو صابر ہو' نفس پر اختیار رکھتا ہو۔ اور ہو بھی نصیب دار کہ دین و دنیا کی بہتری اس کی تقدیر میں ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایمان والوں کو اللہ کا حکم ہے کہ وہ غصے کے وقت صبر کریں اور دوسرے کی جہالت پر اپنی بردباری کا ثبوت دیں۔ اور دوسرے کی برائی سے درگزر کر لیں۔ ایسے لوگ شیطانی داؤ سے محفوظ رہتے ہیں اور ان کے دشمن بھی پھر تو ان کے دوست بن جاتے ہیں یہ ہے انسانی شر سے بچنے کا طریقہ۔

اب شیطانی شر سے بچنے کا طریقہ بیان ہو رہا ہے کہ اللہ کی طرف جھک جایا کرو' اسی نے اسے یہ طاقت دے رکھی ہے کہ وہ دل میں وساوس پیدا کرے اور اسی کے اختیار میں ہے کہ وہ اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ نبی ﷺ اپنی نماز میں فرماتے تھے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ۔ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس مقام جیسا ہی مقام صرف سورۂ اعراف میں ہے۔ جہاں ارشاد ہے خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ اور سورۂ مومنین کی آیت اِدْفَعْ بِالَّتِیْ الخ میں حکم ہوا ہے کہ درگذر کرنے کی عادت ڈالو اور اللہ کی پناہ میں آ جایا کرو۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا کرو وغیرہ۔

وَمِنْ اٰیٰتِہِ الَّیْلُ وَالنَّھَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَکْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ یُسَبِّحُوْنَ لَہٗ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَھُمْ لَا یَسْئَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ

اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

دن رات اور سورج چاند بھی اسی کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم سورج کو یا چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ سجدہ اس اللہ کے سامنے کرو جو ان سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے ○ تو پھر بھی اگر یہ جی چرائیں تو وہ فرشتے جو اللہ کے نزدیک ہیں وہ تو رات دن اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں اور کسی وقت بھی نہیں اکتاتے ○ اس اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی دیکھتا ہے۔ پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو کر ابھرنے لگتی ہے۔ جس نے اسے زندہ کر دیا' وہی یقینی طور پر مردوں کو بھی زندہ کر دے گا۔ بیشک وہ ہر ہر چیز پر قادر ہے ○

مخلوق کو نہیں' خالق کو سجدہ کرو: ☆☆ (آیت: ۳۷-۳۹) اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو اپنی عظیم الشان قدرت اور بے مثال طاقت دکھاتا ہے کہ وہ جو کرنا چاہے' کر ڈالتا ہے' سورج چاند' دن رات اس کی قدرت کاملہ کے نشانات ہیں۔ رات کو اس کے اندھیروں سمیت' دن کو اس کے اجالوں سمیت اس نے بنایا ہے۔ کیسے یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں۔ سورج کی روشنی اور چمک کو' چاند کو اور اس کی نورانیت کو دیکھ لو۔ ان کی بھی منزلیں اور آسمان مقرر ہیں۔ ان کے طلوع و غروب سے دن رات کا فرق ہو جاتا ہے۔ مہینے اور برسوں کی گنتی معلوم ہو جاتی ہے جس سے عبادات' معاملات اور حقوق کی باقاعدہ ادائیگی ہوتی ہے۔ چونکہ آسمان و زمین میں زیادہ خوبصورت اور منور سورج اور چاند تھا' اس لئے انہیں خصوصیت سے اپنا مخلوق ہونا بتایا۔ اور فرمایا کہ اگر اللہ کے بندے ہو تو سورج چاند کے سامنے ماتھا نہ ٹیکنا اس لئے کہ وہ مخلوق ہیں اور مخلوق سجدہ کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔ سجدہ کئے جانے کے لائق وہ ہے جو سب کا خالق ہے۔ پس تم اللہ کی عبادت کئے چلے جاؤ۔ لیکن اگر تم نے اللہ کے سوا اس کی کسی مخلوق کی بھی عبادت کر لی تو تم اس کی نظروں سے گر جاؤ گے اور پھر تو وہ تمہیں کبھی نہ بخشے گا۔ جو لوگ صرف اس کی عبادت نہیں کرتے بلکہ کسی اور کی بھی عبادت کر لیتے ہیں' وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ کے عابد وہی ہیں۔ وہ اگر اس کی عبادت چھوڑ دیں گے تو اور کوئی اس کا عابد ہی نہیں رہے گا۔ نہیں نہیں' اللہ ان کی عبادتوں سے محض بے پرواہ ہے۔ اس کے فرشتے دن رات اس کی پاکیزگی کے بیان اور اس کی خالص عبادتوں میں بے تھکے اور بن اکتائے ہر وقت مشغول ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے' اگر یہ کفر کریں تو ہم نے ایک قوم ایسی بھی مقرر کر رکھی ہے جو کفر نہ کرے گی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' رات دن کو' سورج چاند کو اور ہوا کو برا نہ کہو۔ یہ چیزیں بعض لوگوں کے لئے رحمت ہیں اور بعض کے لئے زحمت' اس کی اس قدرت کی نشانی کہ وہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے' اگر دیکھنا چاہتے ہو تو مردہ زمین کا بارش سے جی اٹھنا دیکھ لو کہ وہ خشک' چٹیل اور بے گھاس پتوں کے بغیر ہوتی ہے۔ مینہ برستے ہی کھیتیاں' پھل' سبزہ' گھاس اور پھول وغیرہ اگ آتے ہیں اور وہ ایک عجیب انداز سے اپنے سبزے کے ساتھ لہلہانے لگتی ہے' اسے زندہ کرنے والا ہی تمہیں بھی زندہ کرے گا۔ یقین مانو کہ وہ جو چاہے اس کی قدرت میں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿٤٢﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٤٣﴾

جولوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں وہ کچھ ہم سے مخفی نہیں۔ بتلاؤ تو جو آگ میں ڈالا جائے وہ اچھا ہے یا وہ جو امن وامان کے ساتھ قیامت کے دن آئے؟ جو تم چاہو کرتے چلے جاؤ اور تمہارا سب کیا کرایا دیکھ رہا ہے ○ جن لوگوں نے اپنے پاس قرآن پہنچ جانے کے باوجود اس سے کفر کیا (وہ بھی ہم سے پوشیدہ نہیں) یہ بڑی باوقعت کتاب ہے ○ جس کے پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ ہے نازل کردہ حکمتوں والے خوبیوں والے اللہ کی ○ تجھ سے وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے کے رسولوں سے بھی کہا گیا ہے۔ یقینا تیرا پروردگار معافی والا بھی ہے اور دردناک عذابوں والا بھی ہے ○

عذاب وثواب نہ ہوتا تو عمل نہ ہوتا: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۳) اِلْحَاد کے معنی ابن عباسؓ سے کلام کو اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنے کے مروی ہیں۔ اور قتادہؒ وغیرہ سے الحاد کے معنی کفر وعناد ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ملحد لوگ ہم سے مخفی نہیں۔ ہمارے اسماء وصفات کو ادھر ادھر کر دینے والے ہماری نگاہوں میں ہیں۔ انہیں ہم بدترین سزائیں دیں گے۔ سمجھ لو کہ کیا جہنم واصل ہونے والا اور تمام خطروں سے بچ رہنے والا برابر ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بدکارو کافرو! جو چاہو عمل کرتے چلے جاؤ۔ مجھ سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ باریک سے باریک چیز بھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں۔ ذکر سے مراد بقول ضحاکؒ سدی اور قتادہؒ قرآن ہے۔ وہ باعزت باتوقیر ہے۔ اس کے مثل کسی کا کلام نہیں۔ اس کے آگے پیچھے سے یعنی کسی طرف سے اس سے باطل مل نہیں سکتا۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ اس کے تمام حکم احکام بہترین انجام والے ہیں۔ تجھ سے جو کچھ تیرے زمانے کے کفار کہتے ہیں یہی تجھ سے اگلے نبیوں کو ان کی کافر امتوں نے کہا تھا۔ پس جیسے ان پیغمبروںؑ نے صبر کیا' تم بھی صبر کرو۔ جو بھی تیرے رب کی طرف رجوع کرے' وہ اس کے لئے بڑی بخششوں والا ہے۔ اور جو اپنے کفر وضد پر اڑا رہے' مخالفت حق اور تکذیب رسولؐ سے باز نہ آئے اس پر وہ سخت دردناک سزائیں کرنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کی بخشش اور معافی نہ ہوتی تو دنیا میں ایک متنفس جی نہیں سکتا تھا۔ اور اگر اس کی پکڑ دکڑ عذاب سزا نہ ہوتی تو ہر شخص مطمئن ہو کر ٹیک لگا کر بے خوف ہو جاتا۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٤٤﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

ع ۱۲ ۱۹

فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿٤٥﴾

اگر ہم اسے عجمی زبان کا قرآن بناتے تو کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف بیان کیوں نہیں کی گئیں؟ یہ کیا کہ عجمی کتاب اور عربی رسول؟ تو کہہ دے کہ یہ تو ایمان والوں کے لئے ہدایت وشفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لاتے' ان کے کانوں میں تو بہرا پن اور بوجھ ہے اور یا ان پر اندھاپا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی بہت دور دراز جگہ سے پکارے جارہے ہیں ○ یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی۔ سو اس میں بھی اختلاف کیا گیا اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی طرف سے پہلے ہی مقرر ہو چکی ہے تو ان کے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ یہ لوگ تو اس سے شکی ہیں اور بے چین ہیں ○

قرآن کو جھٹلانے والے شکی ہیں: ☆☆ (آیت: ۴۴-۴۵) قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت' اس کے حکم احکام اس کے لفظی ومعنوی فوائد کا بیان کر کے اس پر ایمان نہ لانے والوں کی سرکشی' ضد اور عداوت کا بیان فرما رہا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ مطلب یہ ہے کہ نہ ماننے کے بیسیوں حیلے ہیں نہ یوں چین نہ ووں چین۔ اگر قرآن کسی عجمی زبان میں اترتا تو بہانہ کرتے کہ ہم تو اسے صاف صاف سمجھ نہیں سکتے۔ مخاطب جب عربی زبان کے ہیں تو ان پر جو کتاب اترتی ہے' وہ غیر عربی زبان میں کیوں اتر رہی ہے؟ اور اگر کچھ عربی میں ہوتی اور کچھ دوسری زبان میں تو بھی ان کا یہی اعتراض ہوتا کہ اس کی کیا وجہ؟ حضرت حسن بصری کی قراءت اَعْجَمِیٌّ ہے۔ سعید بن جبیرؒ بھی یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ اس سے ان کی سرکشی معلوم ہوتی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے دل کی ہدایت اور ان کے سینوں کی شفا ہے۔ ان کے تمام شک اس سے زائل ہو جاتے ہیں اور جنہیں اس پر ایمان نہیں' وہ تو اسے سمجھ ہی نہیں سکتے جیسے کوئی بہرا ہو۔ نہ اس کے بیان کی طرف انہیں ہدایت ہو جیسے کوئی اندھا ہو۔ اور آیت میں ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ہمارا نازل کردہ یہ قرآن ایمان داروں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔ ہاں ظالموں کو تو ان کا نقصان ہی بڑھاتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی دور سے کسی سے کچھ کہہ رہا ہو کہ نہ اس کے کانوں تک صحیح الفاظ پہنچتے ہیں نہ وہ ٹھیک طرح مطلب سمجھتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ الخ یعنی کافروں کی مثال اس کی طرح ہے جو پکارتا ہے مگر آواز اور پکار کے سوا کچھ اور اس کے کان میں نہیں پڑتا۔ بہرے' گونگے' اندھے ہیں۔ پھر کیسے سمجھ لیں گے؟ حضرت ضحاکؒ نے یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن انہیں ان کے بدترین ناموں سے پکارا جائے گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مسلمان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جس کا آخری وقت تھا۔ اس نے یکایک لبیک پکارا۔ آپؓ نے فرمایا' کیا تجھے کوئی دیکھ رہا ہے یا کوئی پکار رہا ہے؟ اس نے کہا' ہاں سمندر کے اس کنارے سے کوئی بلا رہا ہے تو آپ نے یہی جملہ پڑھا کہ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ (ابن ابی حاتم)

پھر فرماتا ہے ہم نے موسیٰ کو کتاب دی لیکن اس میں بھی اختلاف کیا گیا۔ انہیں بھی جھٹلایا اور ستایا گیا۔ پس جیسے انہوں نے صبر کیا' آپ کو بھی صبر کرنا چاہیے۔ چونکہ پہلے ہی سے تیرے رب نے اس بات کا فیصلہ کر لیا ہے کہ ایک وقت مقرر یعنی قیامت تک عذاب رکے رہیں گے' اس لئے یہ مہلت مقررہ ہے ورنہ ان کے کرتوت تو ایسے نہ تھے کہ یہ چھوڑ دیئے جائیں اور کھاتے پیتے رہیں۔ ابھی ہی ہلاک کر دیئے جاتے۔ یہ اپنی تکذیب میں بھی کسی یقین پر نہیں بلکہ شک میں ہی پڑے ہوئے ہیں۔ لرز رہے۔ ہیں ادھر ادھر ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔ واللہ اعلم۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

جو شخص نیک کام کرے گا' وہ اپنے نفع کے لئے اور جو برا کام کرے گا' اس کا وبال بھی اسی پر ہے' تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ○

ناکردہ گناہ سزا نہیں پاتا: ☆☆ (آیت:۴۶) اس آیت کا مطلب بہت صاف ہے۔ بھلائی کرنے والے کے اعمال کا نفع اسی کو ہوتا ہے اور برائی کرنے والے کی برائی کا وبال بھی اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ پروردگار کی ذات ظلم سے پاک ہے۔ ایک کے گناہ پر دوسرے کو وہ نہیں پکڑتا۔ ناکردہ گناہ کو وہ سزا نہیں دیتا۔ پہلے اپنے رسولؑ بھیجتا ہے۔ اپنی کتاب اتارتا ہے' اپنی حجت تمام کرتا ہے' اپنی باتیں پہنچا دیتا ہے' اب بھی جو نہ مانے' وہ مستحق عذاب وسزا قرار دے دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے لطف ورحم سے چوبیسویں پارے کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور رہتی دنیا تک میرے لئے اسے باقیات صالحات بنائے۔ اس سے اپنے بندوں کو فیض پہنچائے اور ہمیں اپنے کلام کی صحیح سمجھ دے۔ آمین۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور جو جو پھل اپنے شگوفوں میں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے انہیں ہوتے ہیں' سب کا علم اسے ہے۔ جس دن اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو بلا کر دریافت فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو تجھے کہہ سنایا کہ ہم میں سے تو کوئی اس کا مدعی نہیں ○ یہ جن جن کی پرستش اس سے پہلے کرتے تھے وہ ان کی نگاہ سے گم ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ان کے لئے کوئی بچاؤ نہیں ○

علم الٰہی کی وسعتیں: ☆☆ (آیت: ۴۷-۴۸) اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم اس کے سوا اور کسی کو نہیں۔ تمام انسانوں کے سردار حضرت محمد مصطفی ﷺ سے جب فرشتوں کے سرداروں میں سے ایک سردار یعنی حضرت جبرئیل نے قیامت کے آنے کا وقت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جس سے پوچھا جاتا ہے وہ بھی پوچھنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں۔ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا یعنی قیامت کب ہوگی؟ اس کے علم کا مدار تیرے رب کی طرف ہی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اور جگہ فرمایا لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ مطلب یہی ہے کہ قیامت کے وقت کو اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر فرماتا ہے کہ ہر چیز کو اس اللہ کا علم گھیرے ہوئے ہے' یہاں تک کہ جو پھل شگوفہ سے کھل کر نکلے' جس عورت کو حمل رہے' جو بچہ اسے ہو' یہ سب اس کے علم میں ہے۔ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس کے وسیع علم سے باہر نہیں۔ جیسے فرمایا لا یعذب عنه مثقال ذرة فی السموات و لا فی الارض ایک اور آیت میں ہے وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا یعنی جو پتہ جھڑتا ہے اسے بھی وہ جانتا ہے۔ ہر مادہ کو جو حمل رہتا ہے اور رحم جو کچھ گھٹاتے بڑھاتے رہتے ہیں' اللہ خوب جانتا ہے' اس کے پاس ہر چیز کا اندازہ ہے۔ جس قدر عمریں گھٹتی بڑھتی ہیں وہ بھی کتاب میں لکھی ہوئی ہیں' ایسا کوئی کام نہیں جو اللہ پر مشکل ہو۔ قیامت والے دن مشرکوں سے تمام مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ جنہیں تم میرے

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

بھلائی کے مانگنے سے انسان تھکتا نہیں اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو مایوس اور نا امید ہو جاتا ہے اور جو مصیبت اسے پہنچ چکی ہے ○ اس کے بعد اگر ہم اسے اپنی کسی رحمت کا مزہ چکھائیں تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس کا تو میں حقدار ہی تھا اور میں تو باور نہیں کر سکتا کہ قیامت قائم ہوا اور اگر میں اپنے رب کے پاس واپس ہی کیا گیا تو بھی یقیناً میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہے ہم یقیناً ان کفار کو ان کے اعمال سے خبردار کریں گے اور انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے ○ اور جب ہم انسان پر اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے ○

ساتھ پرستش میں شریک کرتے تھے وہ آج کہاں ہیں؟ وہ جواب دیں گے تو ہمارے بارے میں علم رکھتا ہے۔ آج تو ہم میں سے کوئی بھی اس کا اقرار نہ کرے گا کہ تیرا کوئی شریک بھی ہے' قیامت والے دن ان کے معبودان باطل سب گم ہو جائیں گے' کوئی نظر نہ آئے گا جو انہیں نفع پہنچا سکے اور یہ خود جان لیں گے کہ آج اللہ کے عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے۔ قرآن کریم کی ایک اور آیت میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے وَرَاَى الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا یعنی گنہگار لوگ جہنم کو دیکھ لیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

انسان کی سرکشی کا حال: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۱) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ مال صحت وغیرہ بھلائیوں کی دعاؤں سے تو انسان تھکتا ہی نہیں اور اگر اس پر کوئی بلا آ پڑے یا فقر و فاقہ کا موقع آ جائے تو اس قدر ہراساں اور مایوس ہو جاتا ہے کہ گویا اب کسی بھلائی کا منہ نہیں دیکھے گا اور اگر کسی برائی یا سختی کے بعد اسے کوئی بھلائی اور راحت مل جائے تو کہنے بیٹھ جاتا ہے کہ اللہ پر یہ تو میرا حق تھا' میں اسی کے لائق تھا۔ اب اس نعمت پر پھولتا ہے' اللہ کو بھول جاتا ہے اور صاف منکر بن جاتا ہے۔ قیامت کے آنے کا صاف انکار کر جاتا ہے۔ مال و دولت' راحت و آرام اس کے کفر کا سبب بن جاتے ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى یعنی انسان نے جہاں آسائش و آرام پایا وہیں اس نے سر اٹھایا اور سرکشی کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اتنا ہی نہیں بلکہ اس بداعمالی پر بھلی امیدیں بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بالفرض اگر قیامت آئی بھی اور میں وہاں کھڑا بھی کیا گیا تو جس طرح یہاں سکھ چین میں ہوں وہاں بھی ہوں گا۔ غرض انکار قیامت بھی کرتا ہے۔ مرنے کے بعد زندہ ہونے کو مانتا بھی نہیں اور پھر امیدیں لمبی باندھتا ہے اور کہتا ہے کہ جیسے میں یہاں ہوں ویسے ہی وہاں بھی رہوں گا۔ پھر اللہ ان لوگوں کو ڈراتا ہے کہ جن کے یہ اعمال و عقائد ہوں انہیں ہم سخت سزا دیں گے پھر فرماتا ہے کہ جب انسان اللہ کی نعمتیں پا لیتا ہے تو اطاعت سے منہ موڑ لیتا ہے اور ماننے سے جی چراتا ہے جیسے فرمایا فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ اور جب اسے کچھ نقصان پہنچتا ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے بیٹھ جاتا ہے' عریض کلام اسے کہتے ہیں جس کے الفاظ بہت زیادہ ہوں اور معنی بہت کم

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

ع ۱۰

تو کہہ کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہوا ہو پھر تم نے اسے نہ مانا پس اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہوگا جو حق سے دور پڑ کر مخالفت میں رہ جائے ○

عنقریب ہم انہیں نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذاتوں میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے' کیا تیرے رب کا ہر چیز سے واقف و آگاہ ہونا کافی نہیں؟ ○ یقین جانو کہ یہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے سے شک میں ہیں' یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے ○

ہوں اور جو کلام اس کے خلاف ہو یعنی الفاظ تھوڑے ہوں اور معنی زیادہ ہوں تو اسے وجیز کلام کہتے ہیں۔ وہ بہت کم اور بہت کافی ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو اور جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِہٖ الخ' جب انسان کو مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے پہلو پر لیٹ کر اور بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر غرض ہر وقت ہم سے مناجات کرتا رہتا ہے اور جب وہ تکلیف ہم دور کر دیتے ہیں تو اس بے پرواہی سے چلا جاتا ہے کہ گویا اس مصیبت کے وقت اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔

قرآن کریم کی حقانیت کے بعض دلائل : ☆☆ (۵۲-۵۴) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ قرآن کے جھٹلانے والے مشرکوں سے کہہ دو کہ مان لو یہ قرآن سچ مچ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور تم اسے جھٹلا رہے ہو تو اللہ کے ہاں تمہارا کیا حال ہوگا؟ اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اپنے کفر اور اپنی مخالفت کی وجہ سے راہ حق سے اور مسلک ہدایت سے بہت دور نکل گیا ہو' پھر اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت کی نشانیاں اور حجتیں انہیں ان کے گرد و نواح میں دنیا کے چاروں طرف دکھا دیں گے۔ مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوں گی' وہ سلطنتوں کے سلطان بنیں گے' تمام دینوں پر اس دین کو غلبہ ہوگا۔ فتح بدر اور فتح مکہ کی نشانیاں خود ان میں موجود ہوں گی۔ کافر لوگ تعداد اور شان و شوکت میں بہت زیادہ ہوں گے پھر بھی مٹھی بھر اہل حق انہیں زیر و زبر کر دیں گے اور ممکن ہے یہ مراد ہو کہ حکمت الٰہی کی ہزارہا نشانیاں خود انسان کے اپنے وجود میں موجود ہیں۔ اس کی صنعت و بناوٹ' اس کی ترکیب و جبلت' اس کے جداگانہ اخلاق' مختلف صورتیں اور رنگ روپ وغیرہ' اس کے خالق و صانع کی بہترین یادگاریں ہر وقت اس کے سامنے ہیں بلکہ اس کی اپنی ذات میں موجود ہیں۔ پھر اس کا ہیر پھیر' کبھی کوئی حالت' کبھی کوئی حالت۔ بچپن' جوانی' بڑھاپا' بیماری' تندرستی' فراخی' رنج اور راحت وغیرہ اوصاف جو اس پر طاری ہوتے ہیں۔

شیخ ابو جعفر قرشی نے اپنے اشعار میں بھی اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔ الغرض یہ بیرونی اور اندرونی آیات قدرت اس قدر ہیں کہ انسان اللہ کی باتوں کی حقانیت کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی گواہی بس کافی ہے' وہ اپنے بندوں کے اقوال و افعال سے بخوبی واقف ہے۔ جب وہ فرما رہا ہے کہ پیغمبر صاحب ﷺ سچے ہیں تو پھر تمہیں کیا شک؟ جیسے ارشاد ہے لٰکِنِ اللّٰہُ یَشْھَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَیْکَ اَنْزَلَہٗ بِعِلْمِہٖ الخ' یعنی لیکن اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ جو تمہارے پاس بھیجی ہے اور اپنے علم کے ساتھ نازل فرمائی ہے خود گواہی دے رہا ہے اور فرشتے اس کی تصدیق کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے' پھر فرماتا ہے کہ دراصل ان لوگوں کو قیامت کے قائم ہونے کا یقین ہی نہیں اسی لئے بے فکر ہیں' نیکیوں سے غافل ہیں' برائیوں سے بچتے نہیں۔ حالانکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگو! میں نے تمہیں کسی نئی بات کے لئے جمع نہیں کیا بلکہ صرف اس لئے تمہیں جمع کیا ہے کہ تمہیں یہ سنادوں کہ روز جزا کے بارے میں میں نے خوب غور کیا' میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسے سچا جاننے والا احمق ہے اور اسے جھوٹا جاننے والا ہلاک ہونے والا ہے۔ پھر آپ منبر سے اتر آئے۔ آپ کے اس فرمان کا کہ اسے سچا جاننے والا احمق ہے یہ مطلب ہے کہ سچ جانتا ہے پھر تیاری نہیں کرتا اور اس کی دل ہلا دینے والی دہشت ناک حالتوں سے غافل ہے' اس سے ڈر کر وہ اعمال نہیں کرتا جو اسے اس روز کے ڈر سے امن دے سکیں۔ پھر اپنے آپ کو اس کا سچا جاننے والا بھی کہتا ہے' لہو و لعب' غفلت و شہوت' گناہ اور حماقت میں مبتلا ہے اور قیام قیامت کے قریب ہو رہا ہے واللہ اعلم۔ پھر رب العالمین اپنی قدرت کاملہ کو بیان فرما رہا ہے کہ ہر چیز پر اس کا احاطہ ہے' قیام قیامت اس پہ بالکل سہل ہے۔ ساری مخلوق اس کے قبضے میں ہے' جو چاہے کرے کوئی اس کا ہاتھ تھام نہیں سکتا۔ جو اس نے چاہا'

ہوا جو چاہے گا' ہو کر رہے گا۔ اس کے سوا حقیقی حاکم کوئی نہیں نہ اس کے سوا کسی اور کی ذات کسی قسم کی عبادت کے قابل ہے۔ الحمدللہ سورۂ حم السجدہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الشوری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾

عنایت و مہربانی کرنے والے معبود برحق کے نام سے شروع

اللہ تعالیٰ جو زبردست ہے اور حکمت والا ہے اسی طرح تیری طرف اور تجھ سے اگلوں کی طرف وحی بھیجتا رہا ہے ○

حم عسق کی تفسیر: ☆☆ (آیت:۱-۳) حروف مقطعات کی بحث پہلے گذر چکی ہے۔ ابن جریرؒ نے یہاں پر ایک عجیب و غریب اثر وارد کیا ہے جو منکر ہے۔ اس میں ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا اس وقت آپ کے پاس حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ اس نے ان حروف کی تفسیر آپ سے پوچھی آپ نے ذرا سی دیر سر نیچا کر لیا پھر منہ پھیر لیا۔ اس شخص نے دوبارہ یہی سوال کیا آپ نے پھر بھی منہ پھیر لیا اور اس کے سوال کو برا جانا اس نے پھر تیسری مرتبہ پوچھا۔ آپ نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر حضرت حذیفہؓ نے کہا میں تجھے بتاتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اسے کیوں ناپسند کر رہے ہیں۔ ان کے اہل بیت میں سے ایک شخص کے بارے میں یہ نازل ہوئی ہے جسے عبدالالہ اور عبداللہ کہا جاتا ہوگا' وہ مشرق کی نہروں میں سے ایک نہر کے پاس اترے گا اور وہاں دو شہر بسائے گا۔ نہر کو کاٹ کر دونوں شہروں میں لے جائے گا' جب اللہ تعالیٰ ان کے ملک کے زوال اور ان کی دولت کے استیصال کا ارادہ کرے گا اور ان کا وقت ختم ہونے کو ہوگا تو ان دونوں شہروں میں سے ایک پر رات کے وقت آگ آئے گی جو اسے جلا کر بھسم کر دے گی۔ وہاں کے لوگ صبح کو اسے دیکھ کر تعجب کریں گے ایسا معلوم ہوگا کہ گویا یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ صبح ہی صبح وہاں تمام بڑے بڑے سرکش' متکبر' مخالف حق لوگ جمع ہوں گے اسی وقت اللہ تعالیٰ ان سب کو اس شہر سمیت غارت کر دے گا۔ یہی معنی ہیں حٰمٓ عٓسٓقٓ کے یعنی اللہ کی طرف سے یہ عزیمت یعنی ضروری ہے' یہ فتنہ قضا کیا ہوا یعنی فیصل شدہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ عین سے مراد عدل سین سے مراد سَيَكُوْنُ یعنی یہ عنقریب ہو کر رہے گا۔ ق سے مراد واقع ہونے والا ان دونوں شہروں میں۔ اس سے بھی زیادہ غربت والی ایک اور روایت مسند حافظ ابو یعلیٰ کی دوسری جلد میں مسند ابن عباس میں ہے۔ جو مرفوع بھی ہے لیکن اس کی سند بالکل ضعیف ہے اور منقطع بھی ہے۔ اس میں ہے کہ کسی نے ان حروف کی تفسیر آنحضرت ﷺ سے سنی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ جلدی سے کھڑے ہوئے اور فرمایا ہاں میں نے سنی ہے۔ حم اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے عین سے مراد عَايَنَ الْمُوَلُّوْنَ عَذَابَ يَوْمِ بَدْرٍ ہے۔ سین سے مراد سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ ق سے کیا مراد ہے اسے آپ نہ بتا سکے تو حضرت ابوذرؓ کھڑے ہوئے اور حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق تفسیر کی اور فرمایا ق سے مراد قارعہ آسمانی ہے جو تمام لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ ترجمہ یہ ہوا کہ بدر کے دن پیٹھ موڑ کر بھاگنے والے کفار نے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ ان ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ان کا کتنا برا انجام ہوا؟ ان پر آسمانی عذاب آئے گا جو انہیں تباہ و برباد کر دے گا' پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! جس طرح تم پر اس قرآن کی وحی نازل ہوئی ہے اسی طرح تم سے پہلے کے پیغمبروں پر کتابیں اور صحیفے نازل ہو چکے

ہیں- یہ سب اس اللہ کی طرف سے اترے ہیں جو اپنا انتقام لینے میں غالب اور زبردست ہے جو اپنے اقوال و افعال میں حکمت والا ہے-

حضرت حارث بن ہشامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی مسلسل آواز کی طرح جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے جب وہ ختم ہوتی ہے تو مجھے جو کچھ کہا گیا وہ سب یاد ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے مجھ سے باتیں کر جاتا ہے اور جو وہ کہتا ہے میں اسے یاد رکھ لیتا ہوں- حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں سخت جاڑوں کے ایام میں بھی جب آپ پر وحی اترتی تھی تو شدت وحی سے آپ پانی پانی ہو جاتے تھے یہاں تک کہ پیشانی سے پسینہ کی بوندیں ٹپکنے لگتی تھیں (بخاری و مسلم) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور ﷺ سے وحی کی کیفیت پوچھی تو آپؐ نے فرمایا میں ایک زنجیر کی سی گھڑگھڑاہٹ سنتا ہوں پھر کان لگا لیتا ہوں' ایسی وحی میں مجھ پر اتنی شدت ہوتی ہے کہ ہر مرتبہ مجھے اپنی روح نکل جانے کا گمان ہوتا ہے- شرح صحیح بخاری کے شروع میں ہم کیفیت وحی پر مفصل کلام کر چکے ہیں فالحمدللہ-

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖؗ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝

آسمانوں کی تمام چیزیں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے' وہ برتر اور عظیم الشان ہے ○ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اور تمام فرشتے اپنے رب کی پاکی تعریف کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اور زمین والوں کے لئے استغفار کر رہے ہیں' خوب سمجھ رکھو کہ اللہ ہی معاف فرمانے والا رحمت کرنے والا ہے ○ جن لوگوں نے اس کے سوا دوسروں کو کارساز بنا لیا ہے اللہ انہیں خوب دیکھ بھال رہا ہے' تو ان کا ذمہ دار نہیں ہے ○

(آیت:۴-۶) پھر فرماتا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق اس کی غلام ہے' اس کی ملکیت ہے' اس کے دباؤ تلے اور اس کے سامنے عاجز و مجبور ہے- وہ بلندیوں والا اور بڑائیوں والا ہے- وہ بہت بڑا اور بہت بلند ہے' وہ اونچائی والا اور کبریائی والا ہے- اس کی عظمت اور جلالت کا یہ حال ہے کہ قریب ہے آسمان پھٹ پڑیں- فرشتے اس کی عظمت سے کپکپاتے ہوئے اس کی پاکی اور تعریف بیان کرتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لئے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں-

جیسے اور جگہ ارشاد ہے اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ الخ یعنی حاملان عرش اور اس کے قرب و جوار کے فرشتے اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہتے ہیں' اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے اپنی رحمت و علم سے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے پس تو انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے کے تابع ہیں انہیں عذاب جہنم سے بچا لے- پھر فرمایا جان لو کہ اللہ غفور و رحیم ہے' پھر فرماتا ہے کہ مشرکوں کے اعمال کی دیکھ بھال میں آپ کر رہا ہوں' انہیں خود ہی پورا پورا بدلہ دوں گا- تیرا کام صرف انہیں آگاہ کر دینا ہے تو کچھ ان پر داروغہ نہیں-

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

اسی طرح ہم نے تیری طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے اس لئے کہ تو مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ کر دے اور جمع ہونے کے دن سے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں' ڈرا دے۔ ایک گروہ جنت میں ہو گا اور ایک گروہ جہنم میں ہو گا ○ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی طریقے کا بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے' ظالموں کا حامی اور مددگار کوئی نہیں ○

قیامت کا آنا یقینی ہے: ☆☆ (آیت: ۷-۸) یعنی جس طرح اے نبی آخر الزماں! تم سے پہلے انبیاء پر وحی الٰہی آتی رہی تم پر بھی یہ قرآن وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے۔ یہ عربی میں بہت واضح بالکل کھلا ہوا اور سلجھے ہوئے بیان والا ہے' تاکہ تو شہر مکہ کے رہنے والوں کو احکام الٰہی اور اللہ کے عذاب سے آگاہ کر دے' نیز تمام اطراف عالم کو۔ آس پاس سے مراد مشرق و مغرب کی ہر سمت ہے۔ مکہ شریف کو ام القریٰ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ تمام شہروں سے افضل و بہتر ہے۔ اس کے دلائل بہت سے ہیں جو اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں ہاں! یہاں پر ایک دلیل جو مختصر بھی ہے اور صاف بھی ہے' سن لیجئے۔ ترمذی نسائی' ابن ماجہ' مسند احمد وغیرہ میں ہے حضرت عبداللہ بن عدیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا آپ مکہ شریف کے بازار خزورہ میں کھڑے ہوئے فرما رہے تھے کہ اے مکہ! قسم ہے اللہ کی تو اللہ کی ساری زمین سے اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب اور زیادہ افضل ہے۔ اگر میں تجھ میں سے نہ نکالا جاتا تو قسم ہے اللہ کی ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو حسن صحیح فرماتے ہیں۔ اور اس لئے کہ تو قیامت کے دن سے سب کو ڈرا دے جس دن تمام اول و آخر زمانے کے لوگ ایک میدان میں جمع ہوں گے۔ جس دن کے آنے میں کوئی شک شبہ نہیں۔ جس دن کچھ لوگ جنتی ہوں گے اور کچھ جہنمی' یہ وہ دن ہو گا کہ جنتی نفع میں رہیں گے اور جہنمی گھاٹے میں۔

دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ الخ' یعنی ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو' آخرت کا وہ دن ہے جس میں تمام لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کی حاضری کا دن ہے۔ ہم تو اسے تھوڑی سی مدت معلوم کے لئے مؤخر کئے ہوئے ہیں۔ اس دن کوئی شخص بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بات تک نہ کر سکے گا' ان میں سے بعض تو بدقسمت ہوں گے اور بعض خوش نصیب۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس ایک مرتبہ دو کتابیں اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر آئے اور ہم سے پوچھا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا ہمیں تو خبر نہیں آپ فرمائیے۔ آپ نے اپنی داہنے ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ رب العالمین کی کتاب ہے' جس میں جنتیوں کے نام ہیں مع ان کے والد اور ان کے قبیلہ کے نام کے اور آخر میں حساب کر کے میزان لگا دی گئی ہے اب ان میں نہ ایک بڑھے نہ ایک گھٹے۔ پھر اپنے بائیں ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ جہنمیوں کے ناموں

کا رجسٹر ہے ان کے نام ان کی ولدیت اوران کی قوم سب اس میں لکھی ہوئی ہے پھر آخر میں میزان لگا دی گئی ہے ان میں بھی کمی بیشی نا ممکن ہے۔

صحابہؓ نے پوچھا پھر ہمیں عمل کی کیا ضرورت جب کہ سب لکھا جا چکا ہے؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ٹھاک رہو بھلائی کی نزدیکی لئے رہو۔ اہل جنت کا خاتمہ نیکیوں اور بھلے اعمال پر ہی ہوگا گو وہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو اور اہل نار کا خاتمہ جہنمی اعمال پر ہی ہوگا گو وہ کیسے ہی کاموں کا مرتکب رہا ہو۔ پھر آپ نے اپنی دونوں مٹھیاں بند کر لیں اور فرمایا تمہارا رب عزوجل بندوں کے فیصلوں سے فراغت حاصل کر چکا ہے۔ ایک فرقہ جنت میں ہے اور ایک جہنم میں۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنے دائیں بائیں ہاتھوں سے اشارہ کیا گویا کوئی چیز پھینک رہے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ یہی حدیث اور کتابوں میں بھی ہے۔ کسی میں یہ بھی ہے کہ یہ تمام عدل ہی عدل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کو پیدا کیا اوران کی تمام اولاد ان میں سے نکالی اور چیونٹیوں کی طرح وہ میدان میں پھیل گئی تو اسے اپنی دونوں مٹھیوں میں لے لیا اور فرمایا ایک حصہ جنتی اور دوسرا جہنمی۔ یہ روایت موقوف ہی ٹھیک ہے۔ واللہ اعلم۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوعبداللہ نامی صحابیؓ بیمار تھے ہم لوگ ان کی بیمار پرسی کے لئے گئے۔ دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں تو کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں آپ سے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا ہے کہ اپنی مونچھیں کم رکھا کرو یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔ اس پر صحابیؓ نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے تو یہ حدیث رلا رہی ہے کہ حضور ﷺ سے سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی دائیں مٹھی میں مخلوق لی اور اسی طرح دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں بھی اور فرمایا یہ لوگ اس کے لئے ہیں یعنی جنت کے لئے اور یہ اس کے لئے ہیں یعنی جہنم کے لئے اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ پس مجھے خبر نہیں کہ اللہ کی کس مٹھی میں میں تھا؟ اس طرح کی اثبات تقدیر کی اور بہت سی حدیثیں ہیں، پھر فرماتا ہے اگر اللہ

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز بنا لئے ہیں، حقیقتاً تو اللہ ہی کارساز ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے ○ جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے، یہی اللہ میرا پالنے والا ہے جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور جس کی طرف میں جھکتا ہوں ○ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے

والا ہے اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنا دیئے ہیں اور چوپایوں کے جوڑے بنائے ہیں تمہیں وہ اس میں پھیلا رہا ہے اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سنتا دیکھتا ہے ○ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ○

کو منظور ہوتا تو سب کو ایک ہی طریقے پر کر دیتا یعنی یا تو ہدایت پر یا گمراہی پر لیکن رب نے ان میں تفاوت رکھا بعض کو حق کی ہدایت کی اور بعض کو اس سے بھلا دیا' اپنی حکمت کو وہی جانتا ہے۔ وہ جسے چاہے اپنی رحمت تلے کھڑا کرلے' ظالموں کا حمایتی اور مددگار کوئی نہیں۔ ابن جریر میں ہے اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی کہ اے میرے رب! تو نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا پھر اس میں سے کچھ کو تو جنت میں لے جائے گا اور کچھ اوروں کو جہنم میں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ سب ہی جنت میں جاتے۔ جناب باری نے ارشاد فرمایا موسیٰ اپنا پیرہن اونچا کرو۔ آپ نے اونچا کیا' پھر فرمایا اور اونچا کرو' آپ نے اور اونچا کیا' فرمایا اور اوپر کو اٹھاؤ جواب دیا اے اللہ! اب تو سارے جسم سے اونچا کرلیا سوائے اس جگہ کے جس کے اوپر سے ہٹانے میں خیر نہیں۔ فرمایا بس موسیٰ! اسی طرح میں بھی اپنی تمام مخلوق کو جنت میں داخل کروں گا سوائے ان کے جو بالکل ہی خیر سے خالی ہیں۔

مشرکین کا شرک: ☆☆ (آیت:۹-۱۲) اللہ تعالیٰ مشرکین کے اس مشرکانہ فعل کی قباحت بیان فرماتا ہے جو وہ اللہ کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے اور دوسروں کی پرستش کرتے تھے اور بیان فرماتا ہے کہ سچا ولی اور حقیقی کارساز تو میں ہوں۔ مردوں کو جلانا (زندہ کرنا) میری صفت ہے۔ ہر چیز پر قابو اور قدرت رکھنا میرا وصف ہے۔ پھر میرے سوا اور کی عبادت کیسی؟ پھر فرماتا ہے جس کسی امر میں تم میں اختلاف رونما ہو جائے اس کا فیصلہ اللہ کی طرف لے جاؤ' یعنی تمام دینی اور دنیوی اختلاف کے فیصلے کی چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو مانو۔ جیسے فرمان عالی شان ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اگر تم میں کوئی جھگڑا ہو تو اسے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا لے جاؤ۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ اللہ جو ہر چیز پر حاکم ہے وہی میرا رب ہے' میرا توکل اسی پر ہے اور اپنے تمام کام اسی کی طرف سونپتا ہوں اور ہر وقت اس کی جانب رجوع کرتا ہوں' وہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی کل مخلوق کا خالق ہے' اس کا احسان دیکھو کہ اس نے تمہاری ہی جنس اور تمہاری ہی شکل کے تمہارے جوڑے بنا دیئے یعنی مرد و عورت اور چوپایوں کے جوڑے پیدا کئے جو آٹھ ہیں' وہ اسی پیدائش میں تمہیں پیدا کرتا ہے یعنی اسی صفت پر یعنی جوڑ جوڑ پیدا کرتا جا رہا ہے' نسلوں کی نسلیں پھیلا دیں' قرنوں گذر گئے اور سلسلہ اسی طرح چلا جاتا ہے۔ ادھر انسانوں کا ادھر جانوروں کا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی شریعت مقرر کر دی جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو بذریعہ وحی کے ہم نے تیری طرف بھی بھیج دی ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا' جس چیز کی طرف تو انہیں بلا رہا ہے

وہ تو ان مشرکوں پر بڑی گراں گذرتی ہے' اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنا برگزیدہ بنالے' اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے ○

بغویؒ فرماتے ہیں مراد رحم میں پیدا کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں پیٹ میں' بعض کہتے ہیں اسی طریق پر پھیلانا ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں نسلیں پھیلانی مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں یہاں فِیۡهِ معنی میں بِهٖ کے ہے' یعنی مرد اور عورت کے جوڑے سے نسل انسانی کو وہ پھیلا رہا اور پیدا کر رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ خالق کے ساتھ کوئی اور نہیں' وہ فرد و صمد ہے' وہ بے نظیر ہے' وہ سمیع و بصیر ہے۔ آسمان و زمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھوں میں ہیں۔ سورۂ زمر میں اس کی تفسیر گذر چکی ہے' مقصد یہ ہے کہ سارے عالم کا متصرف مالک حاکم وہی یکتا لاشریک ہے۔ جسے چاہے کشادہ روزی دے' جس پر چاہے تنگی کر دے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ کسی حالت میں وہ کسی پر ظلم کرنے والا نہیں۔ اس کا وسیع علم ساری مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔

امت محمدیہ پر شریعت الٰہی کا انعام: ☆☆ (آیت:۱۳) اللہ تعالیٰ نے جو انعام اس امت پر کیا ہے اس کا ذکر یہاں فرماتا ہے کہ تمہارے لئے جو شرع مقرر کی ہے' وہ وہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دنیا کے سب سے پہلے پیغمبر اور دنیا کے سب سے آخری پیغمبر اور ان کے درمیان کے اولوالعزم پیغمبروں کی تھی۔ پس یہاں جن پانچ پیغمبروں کا ذکر ہوا ہے۔ انہی پانچ کا ذکر سورۂ احزاب میں بھی کیا گیا ہے۔ فرمایا وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيۡثَاقَهُمۡ الخ' وہ دین جو تمام انبیاء کا مشترک طور پر ہے وہ اللہ واحد کی عبادت ہے۔ جیسے اللہ جل وعلا کا فرمان ہے وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ یعنی تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں ان سب کی طرف ہم نے یہی وحی کی ہے کہ معبود میرے سوا کوئی نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرتے رہو۔ حدیث میں ہے' ہم انبیاء کی جماعت آپس میں علاتی بھائیوں کی طرح ہیں ہم سب کا دین ایک ہی ہے' جیسے علاتی بھائیوں کا باپ ایک ہوتا ہے۔

الغرض احکام شرح میں گو جزوی اختلاف ہو لیکن اصولی طور پر دین ایک ہی ہے اور وہ توحید باری تعالیٰ عزاسمہ ہے' فرمان اللہ ہے لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے شریعت و راہ بنادی ہے۔ یہاں اس وحی کی تفصیل یوں بیان ہو رہی ہے کہ دین کو قائم رکھو جماعت بندی کے ساتھ اتفاق سے رہو' اختلاف اور پھوٹ نہ کرو۔ پھر فرماتا ہے کہ یہی توحید کی صدائیں ان مشرکوں کو ناگوار گذرتی ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے۔ جو مستحق ہدایت ہوتا ہے وہ رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ اس کا ہاتھ تھام کر ہدایت کے راستے لا کھڑا کرتا ہے اور جو از خود برے راستے کو اختیار کر لیتا ہے اور صاف راہ چھوڑ دیتا ہے اللہ بھی اس کے ماتھے پر ضلالت لکھ دیتا ہے۔

وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ‌ؕ وَلَوۡ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ‌ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡرِثُوا الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۱۴﴾

ان لوگوں نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد ہی اختلاف کیا اور وہ بھی باہمی ضد بحث سے ہی' اور اگر تیرے رب کی بات ایک وقت مقرر تک کے لئے پہلے ہی سے قرار پا گئی ہوئی نہ ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا' اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کی طرف سے شک اور تردد میں

پڑے ہوئے ہیں ○

(آیت:۱۴) جب ان کے پاس حق آ گیا حجت ان پر قائم ہو چکی۔ اس وقت وہ آپس میں ضد اور بحث کی بنا پر مختلف ہو گئے۔ اگر قیامت کا دن حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے مقرر شدہ نہ ہوتا تو ان کے ہر بد عمل کی سزا انہیں یہیں اسی وقت مل جایا کرتی۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ گزشتہ جو پہلوں سے کتابیں پائے ہوئے ہیں۔ یہ صرف تقلیدی طور پر مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مقلد کا ایمان شک و شبہ سے خالی نہیں ہوتا۔ انہیں خود یقین نہیں' دلیل و حجت کی بنا پر ایمان نہیں' بلکہ یہ اپنے پیشرووں کے جو حق کے جھٹلانے والے تھے' مقلد ہیں۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۵

پس تو لوگوں کو اسی طرف بلاتا رہ اور جو کچھ تجھ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی سے جم جا اور ان کی خواہشوں پر نہ چل اور کہہ دے اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان سب پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں' ہمارا اور تم سب کا پروردگار اللہ ہی ہے' ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں' ہم تم میں کوئی گفتگو نہیں' اللہ ہم سب کو جمع کرے گا' اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ○

تمام انبیاء کرام کی شریعت یکساں ہے: ☆☆ (آیت:۱۵) اس آیت میں ایک لطیفہ ہے جو قرآن کریم کی صرف ایک اور آیت میں پایا جاتا ہے باقی کسی اور آیت میں نہیں۔ وہ یہ کہ اس میں دس کلمے ہیں جو سب مستقل ہیں' الگ الگ ایک ایک کلمہ اپنی ذات میں ایک مستقل حکم ہے' یہی بات دوسری آیت یعنی آیت الکرسی میں بھی ہے پس پہلا حکم تو یہ ہوتا ہے کہ جو وحی تجھ پر نازل کی گئی ہے اور وہی وحی تجھ سے پہلے کے تمام انبیاء پر آتی رہی ہے اور جو شرع تیرے لئے مقرر کی گئی ہے اور وہی تجھ سے پہلے تمام انبیاء کرام کے لئے بھی مقرر کی گئی تھی' تو تمام لوگوں کو اس کی دعوت دے' ہر ایک کو اسی کی طرف بلا اور اسی کے منوانے اور پھیلانے کی کوشش میں لگا رہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و وحدانیت پر تو آپ استقامت کر اور اپنے ماننے والوں سے استقامت کر' مشرکین نے جو کچھ اختلاف کر رکھے ہیں جو تکذیب و افترا ان کا شیوہ ہے جو عبادت غیر اللہ ان کی عادت ہے خبردار تو ہرگز ہرگز ان کی خواہش اور ان کی چاہتوں میں نہ آ جانا۔ ان کی ایک بھی نہ ماننا اور علی الاعلان اپنے اس عقیدہ کی تبلیغ کر کہ اللہ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر میرا ایمان ہے۔ میرا یہ کام نہیں کہ ایک کو مانوں اور دوسری سے انکار کروں' ایک کو لے لوں اور ایک کو چھوڑ دوں۔ میں تم میں بھی وہی احکام جاری کرنا چاہتا ہوں جو اللہ کی طرف سے میرے پاس پہنچائے گئے ہیں اور جو سراسر عدل اور یکسر انصاف پر مبنی ہیں۔ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہمارا تمہارا معبود برحق وہی ہے اور وہی سب کا پالنہار ہے۔ گو کوئی اپنی خوشی سے اس کے سامنے نہ جھکے لیکن دراصل ہر شخص بلکہ ہر چیز اس کے آگے جھکی ہوئی ہے اور سجدے میں پڑی ہوئی ہے۔ ہمارے عمل ہمارے ساتھ تمہاری کرنی تمہیں بھرنی۔ ہم تم میں کوئی تعلق نہیں۔

جیسے اور آیت میں ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ تم میرے اعمال سے بری اور میں تمہارے اعمال سے بیزار۔ ہم تم میں کوئی خصومت اور جھگڑا نہیں۔ کسی بحث مباحثے

کی ضرورت نہیں۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہ حکم تو مکہ میں تھا لیکن مدینے میں جہاد کے احکام اترے۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو کیونکہ یہ آیت مکیہ ہے اور جہاد کی آیتیں ہجرت کے بعد کی ہیں۔ قیامت کے دن اللہ ہم سب کو جمع کرے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا الخ، یعنی تو کہہ دے کہ ہمیں ہمارا رب جمع کرے گا پھر ہم میں حق کے ساتھ فیصلے کرے گا اور وہی فیصلے کرنے والا اور علم والا ہے۔ پھر فرماتا ہے لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے۔

وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۱۶﴾ اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ ۗ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ﴿۱۷﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿۱۸﴾

جو لوگ اللہ کی باتوں میں جھگڑے ڈالتے ہیں اس کے بعد کہ مخلوق اسے مان چکی ان کی کٹ حجتی اللہ کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت مار ہے ○ اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے اور ترازو بھی اتاری ہے اور تجھے کیا خبر شاید قیامت قریب ہی ہو ○ اس کی جلدی انہیں پڑی ہے جو اسے نہیں مانتے اور جو اس پر یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے لرزاں وترساں ہیں انہیں اس کے حق ہونے کا پورا علم ہے یاد رکھو جو لوگ قیامت کے معاملہ میں لڑ جھگڑ رہے ہیں وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ○

منکرین قیامت کے لئے وعیدیں: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۸) اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کو ڈراتا ہے جو ایمان داروں سے فضول حجتیں کیا کرتے ہیں۔ انہیں راہ ہدایت سے بہکانا چاہتے ہیں اور اللہ کے دین میں اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ ان کی حجت باطل ہے ان پر رب غضبناک ہے اور انہیں قیامت کے روز سخت تر ناقابل برداشت مار ماری جائے گی۔ ان کی طمع پوری ہونی یعنی مسلمانوں میں پھر دوبارہ جاہلیت کی خو بو آنا محال ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہود ونصاریٰ کا بھی یہ جادو نہیں چلنے دے گا۔ ناممکن ہے کہ مسلمان ان کے موجودہ دین کو اپنے سچے اچھے اصل اور کھرے دین پر ترجیح دیں اور اس دین کو لیں جس میں جھوٹ ملا ہوا ہے جو محرف ومبدل ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور عدل وانصاف اتارا۔ جیسے فرمان باری ہے لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ الخ، یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو ظاہر دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان اتارا تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔ ایک اور آیت میں ہے وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا الخ، یعنی آسمان کو اسی نے اونچا کیا اور ترازوؤں کو اسی نے رکھا تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو مت گھٹاؤ۔ پھر فرماتا ہے تو نہیں جان سکتا کہ قیامت بالکل قریب ہے۔ اس میں خوف اور لالچ دونوں ہی ہیں اور اس میں دنیا سے بے رغبت کرنا بھی مقصود ہے۔ پھر فرمایا اس کے منکر تو جلدی مچا رہے ہیں کہ قیامت کیوں نہیں آتی؟ وہ کہتے ہیں کہ اگر سچے ہو تو قیامت قائم کر دو کیونکہ ان کے نزدیک قیامت کا ہونا محال ہے۔ لیکن ان کے برخلاف ایمان دار اس سے کانپ رہے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ روز جزا کا آنا حتمی اور ضروری ہے۔ یہ اس سے ڈر کر وہ اعمال بجا لا رہے ہیں جو انہیں اس روز کام دیں۔ ایک بالکل صحیح حدیث میں ہے جو تقریباً

تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ ایک شخص نے بلند آواز سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ یہ واقعہ سفر کا ہے وہ حضرتؐ سے کچھ دور تھے آپ نے فرمایا ہاں ہاں وہ یقیناً آنے والی ہے تو بتا کہ تو نے اس کے لئے تیاری کیا کر رکھی ہے؟ اس نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت۔ آپ نے فرمایا تو ان کے ساتھ ہوگا جن سے تو محبت رکھتا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا فرمان ہے ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا تھا۔ یہ حدیث یقیناً متواتر ہے۔ الغرض حضورؐ نے اس سوال کے جواب میں قیامت کے وقت کا تعین نہیں کیا بلکہ سائل کو اس دن کے لئے تیاری کرنے کو فرمایا۔ پس قیامت کے آنے کے وقت کا علم سوائے اللہ کے کسی اور کو نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ قیامت کے آنے میں جو لوگ جھگڑ رہے ہیں اور اس کے منکر ہیں اسے محال جانتے ہیں وہ نرے جاہل ہیں سچی سمجھ صحیح عقل سے دور پڑے ہوئے ہیں سیدھے راستے سے بھٹک کر بہت دور نکل گئے ہیں۔ تعجب ہے کہ زمین و آسمان کا ابتدائی خالق اللہ کو مانیں اور انسان کو مار ڈالنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینے پر اسے قادر نہ جانیں جس نے بغیر کسی نمونے کے اور بغیر کسی جز کے ابتداً اسے پیدا کر دیا تو دوبارہ جب کہ اس کے اجزاء بھی کسی نہ کسی صورت میں کچھ نہ کچھ موجود ہیں اسے پیدا کرنا اس پر کیا مشکل ہے۔ بلکہ عقل سلیم بھی تسلیم کرتی ہے کہ اب تو اور بھی آسان ہے۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿١٩﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿٢٠﴾

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑے ہی لطف کرنے والا ہے جسے چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے وہ بڑی طاقت والا اور بڑے غلبہ والا ہے ○ جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو ہم اسے اس کی کھیتی میں اور ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو ہم اسے اس میں سے ہی کچھ دے دیں گے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ○

غفور ورحیم اللہ: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۰) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے ایک کو دوسرے کے ہاتھ سے روزی پہنچا رہا ہے۔ ایک بھی نہیں جسے اللہ بھول جائے نیک بد ہر ایک اس کے ہاں کا وظیفہ خوار ہے جیسے فرمایا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا الخ زمین پر چلنے والے تمام جانداروں کی روزیوں کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے وہ ہر ایک کے رہنے سہنے کی جگہ کو بخوبی جانتا ہے اور سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا بھی ہے۔ وہ جس کے لئے چاہتا ہے کشادہ روزی مقرر کرتا ہے وہ طاقتور غالب ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ پھر فرماتا ہے جو آخرت کے اعمال کی طرف توجہ کرتا ہے ہم خود اس کی مدد کرتے ہیں اسے قوت طاقت دیتے ہیں۔ اس کی نیکیاں بڑھاتے رہتے ہیں کسی نیکی کو دس گنی کر دیتے ہیں کسی کو سات سو گنا کسی کو اس سے بھی زیادہ۔

الغرض آخرت کی چاہت جس دل میں ہوتی ہے اس شخص کو نیک اعمال کی توفیق اللہ کی طرف سے عطا فرمائی جاتی ہے اور جس کی تمام کوشش دنیا حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے آخرت کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی تو وہ دونوں جہاں سے محروم رہتا ہے۔ دنیا کا ملنا اللہ کے ارادے پر موقوف ہے ممکن ہے وہ ہزاروں جتن کرلے اور دنیا سے بھی محروم رہ جائے بدنیتی کے باعث عقبیٰ تو برباد کر ہی چکا تھا۔ دنیا بھی نہ ملی تو دونوں جہان سے گیا گذرا اور اگر تھوڑی سی دنیا مل بھی گئی تو کیا چنانچہ دوسری آیت میں اس مضمون کو

مقید بیان کیا گیا ہے۔ فرمان ہے مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَانَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيدُ الخ جو شخص دنیا کا ہوگا ایسے لوگوں میں سے ہم جسے چاہیں اور جتنا چاہیں دے دیں گے پھر اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے۔ جس میں وہ بدحال اور راندۂ درگاہ ہو کر داخل ہوگا اور جو آخرت کی طلب کرے گا اور اس کے لئے جو کوشش کرنی چاہئے کرے گا اور وہ باایمان بھی ہوگا۔ تو ناممکن ہے کہ اس کی کوشش کی قدر دانی نہ کی جائے۔ دنیوی بخشش وعطاء تو عام ہے۔ اس سے ہم ان سب کی امداد کیا کرتے ہیں اور تیرے رب کی یہ دنیوی عطا کسی پر بند نہیں' خود دیکھ لو کہ ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فوقیت دے رکھی ہے' یقین مان لو کہ درجوں کے اعتبار سے بھی اور فضیلت کی حیثیت سے بھی آخرت بہت بڑی ہے۔ حضور کا فرمان ہے کہ اس امت کو برتری اور بلندی کی نصرت اور سلطنت کی خوشخبری ہو۔ ان میں سے جو شخص دینی عمل دنیا کے لئے کرے گا اسے آخرت میں کوئی حصہ نہ ملے گا۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُا شَرَعُوا لَهُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْۢ بِهِ اللَّهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّٰلِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ تَرَى الظَّٰلِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحَٰتِ فِي رَوْضَٰتِ الْجَنَّٰتِ ۖ لَهُمْ مَّا يَشَآءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝

کیا ان لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں' اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو (ابھی ہی) ان میں فیصلہ کر دیا جاتا' یقیناً ان ظالموں کے لئے ہی دردناک عذاب ہیں ○ تو دیکھے گا کہ یہ ظالم اپنے اعمال سے ڈر رہے ہوں گے جو یقیناً ان پر واقع ہونے والے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے وہ بہشتوں کے باغات میں ہوں گے' وہ جو چاہت کریں اپنے رب کے پاس موجود پائیں گے' یہی ہے بڑا فضل ○

(آیت: ۲۱-۲۲) پھر فرماتا ہے کہ یہ مشرکین دین اللہ کی تو پیروی کرتے نہیں بلکہ جن شیاطین اور انسانوں کو انہوں نے اپنا بڑا سمجھ رکھا ہے یہ جو احکام انہیں بتاتے ہیں انہی احکام کے مجموعے کو دین سمجھتے ہیں۔ حلال وحرام کا تعین اپنے ان بڑوں کے کہنے پر کرتے ہیں انہیں کے ایجاد کردہ عبادات کے طریقے استعمال کر رہے ہیں' اسی طرح مال کے احکام بھی از خود تراشیدہ ہیں' جنہیں شرعی سمجھ بیٹھے ہیں۔ چنانچہ جاہلیت میں بعض جانوروں کو انہوں نے از خود حرام کر لیا تھا مثلاً وہ جانور جس کا کان چیر کر اپنے معبودان باطل کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور داغ دے کر سانڈ چھوڑ دیتے تھے اور مادہ بچے کو حمل کی صورت میں ہی ان کے نام کر دیتے تھے جس اونٹ سے دس بچے حاصل کر لیں اسے ان کے نام چھوڑ دیتے تھے پھر انہیں ان کی تعظیم کے خیال سے اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے اور بعض چیزوں کو حلال کر لیا تھا جیسے مردار' خون اور جوا۔ صحیح حدیث میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے غیر اللہ کے نام پر جانوروں کو چھوڑنا بتایا یہ شخص خزاعہ کے بادشاہوں میں سے تھا۔ اسی نے سب سے پہلے ان کاموں کی ایجاد کی تھی۔ جو جاہلیت کے کام عربوں میں مروج تھے۔ اسی نے قریشیوں کو بت پرستی میں ڈال دیا' اللہ اس پر اپنی پھٹکار نازل

فرمائے۔ فرماتا ہے کہ اگر میری یہ بات پہلے سے میرے ہاں طے شدہ نہ ہوتی کہ میں گنہگاروں کو قیامت کے آنے تک ڈھیل دوں گا۔ تو میں آج ہی ان کفار کو اپنے عذاب میں جکڑ لیتا۔

اب انہیں قیامت کے دن جہنم کے المناک اور بڑے سخت عذاب ہوں گے' میدان قیامت میں تم دیکھو گے کہ یہ ظالم لوگ اپنے کرتوتوں سے لرزاں و ترساں ہوں گے۔ مارے خوف کے تھرا رہے ہوں گے۔ لیکن آج کوئی چیز نہ ہوگی جو انہیں بچا سکے۔ آج تو یہ اعمال کا مزہ چکھ کر ہی رہیں گے۔ ان کے بالکل برعکس ایماندار نیکوکار لوگوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ امن چین سے جنتوں کے باغات میں مزے کر رہے ہوں گے۔ ان کی ذلت رسوائی ڈر خوف ان کی عزت بڑائی امن چین کا خیال کر لو۔ وہ طرح طرح کی مصیبتوں تکلیفوں میں ہوں گے' یہ طرح طرح کی راحتوں اور لذتوں میں ہوں گے۔ عمدہ بہترین غذائیں' بہترین لباس' مکانات' بہترین بیویاں اور بہترین ساز و سامان انہیں ملے ہوئے ہوں گے جن کا دیکھنا سننا تو کہاں؟ کسی انسان کے ذہن اور تصور میں بھی یہ چیزیں نہیں آ سکتیں۔ حضرت ابوطیبہؒ فرماتے ہیں جنتیوں کے سروں پر ابر آئے گا اور انہیں ندا ہوگی کہ بتاؤ کس چیز کی بارش چاہتے ہو؟ پس جو لوگ جس چیز کی بارش چاہیں گے وہی چیز ان پر اس بادل سے برسے گی یہاں تک کہ کہیں گے ہم پر ابھرے ہوئے سینے والی ہم عمر عورتیں برسائی جائیں چنانچہ وہی برسیں گی۔ اسی لئے فرمایا کہ فضل کبیر یعنی زبردست کامیابی کامل نعمت یہی ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِىْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

یہی وہ ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کئے' تو کہہ دے کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتے داری کی' جو شخص کوئی نیکی کرے ہم اس کے لئے اس کی نیکی میں اور حسن بڑھا دیں گے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت قدردان ہے ○

رسول اللہ سے قرابت داری کی فضیلت: ☆☆ (آیت: ۲۳) اوپر کی آیتوں میں جنت کی نعمتوں کا ذکر کر کے بیان فرما رہا ہے کہ ایمان دار نیکوکار بندوں کو اس کی بشارت ہو۔ پھر اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے قریش کے مشرکین سے کہہ دو کہ اس تبلیغ پر اور اس تمہاری خیر خواہی پر میں تم سے کچھ طلب تو نہیں کر رہا۔ تمہاری بھلائی تو ایک طرف رہی تم اگر اپنی برائی سے ہی ٹل جاؤ اور مجھے رب کی رسالت پہنچانے دو اور قرابت داری کے رشتے کو سامنے رکھ کر میری ایذا رسانی سے ہی رک جاؤ تو یہی بہت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو حضرت سعید بن جبیرؒ نے کہا اس سے مراد قرابت آل محمدؐ ہے۔ یہ سن کر آپؓ نے فرمایا تم نے عجلت سے کام لیا۔ سنو قریش کے جس قدر قبیلے تھے سب کے ساتھ حضورؐ کی رشتہ داری تھی تو مطلب یہ ہے کہ تم اس رشتے داری کا لحاظ رکھو جو مجھ میں اور تم میں ہے۔

حضرت مجاہدؒ' حضرت عکرمہؒ' حضرت قتادہؒ' حضرت سدیؒ' حضرت ابو مالکؒ' حضرت عبدالرحمٰنؒ وغیرہ بھی اس آیت کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش سے کہا میں تم سے اس کی کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ تم اس قرابت داری کا خیال رکھو جو مجھ میں اور تم میں ہے۔ اس میری قرابت کا حق جو تم پر ہے وہ ادا کرو۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں جو

دلیلیں دی ہیں جس ہدایت کا راستہ بتایا ہے اس پر کوئی اجر تم سے نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ تم اللہ کو چاہنے لگو اور اس کی اطاعت کی وجہ سے اس سے قرب اور نزدیکی حاصل کر لو۔ حضرت حسن بصریؒ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ تو یہ دوسرا قول ہوا' پہلا قول حضورؐ کا اپنی رشتے داری کو یاد دلانا۔

دوسرا قول آپ کی یہ طلب کہ لوگ اللہ کی نزدیکی حاصل کر لیں۔ تیسرا قول جو حضرت سعید بن جبیرؒ کی روایت سے گذرا کہ تم میری قرابت کے ساتھ احسان اور نیکی کرو۔ ابوالدیلم کا بیان ہے کہ جب حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قید کر کے لایا گیا اور دمشق کے بالا خانے میں رکھا گیا تو ایک شامی نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں قتل کرایا اور تمہارا ناس کرا دیا اور فتنہ کی ترقی کو روک دیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کیا تو نے قرآن بھی پڑھا ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں۔ فرمایا اس میں حم والی سورتیں بھی پڑھی ہیں؟ اس نے کہا واہ سارا قرآن پڑھ لیا اور حم والی سورتیں نہیں پڑھیں؟ آپ نے فرمایا پھر کیا ان میں اس آیت کی تلاوت تو نے نہیں کی؟ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى یعنی میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا مگر محبت قرابت کی۔ اس نے کہا پھر تم وہ ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت عمرو بن شعیبؒ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا مراد قرابت رسولؐ ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ انصارؓ نے اپنی خدمات اسلام گنوائیں گویا فخر کے طور پر۔ اس پر ابن عباسؓ نے فرمایا ہم تم سے افضل ہیں جب یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ ان کی مجلس میں آئے اور فرمایا انصاریو! کیا تم ذلت کی حالت میں نہ تھے؟ پھر اللہ نے تمہیں میری وجہ سے عزت بخشی! انہوں نے کہا بے شک آپ سچے ہیں۔ فرمایا کیا تم گمراہ نہ تھے پھر اللہ نے تمہیں میری وجہ سے ہدایت کی؟ انہوں نے کہا ہاں بے شک آپ نے سچ فرمایا۔ پھر آپ نے فرمایا اب تم مجھے کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے کہا کیا کہیں؟ فرمایا کیوں نہیں کہتے کہ کیا تیری قوم نے تجھے نکال نہیں دیا تھا؟ اس وقت ہم نے تجھے پناہ دی' کیا انہوں نے تجھے جھٹلایا نہ تھا اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی؟ کیا انہوں نے تجھے پست کرنا نہیں چاہا تھا اس وقت ہم نے تیری مدد کی؟ اسی طرح کی آپ نے اور بھی بہت سی باتیں کہیں یہاں تک کہ انصار اپنے گھٹنوں پر جھک پڑے اور انہوں نے کہا حضورؐ ہماری اولاد اور جو کچھ ہمارے پاس ہے سب اللہ کا اور سب اس کے رسول کے لئے ہے۔

پھر یہ آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم میں بھی اسی کے قریب ضعیف سند سے مروی ہے۔ بخاری و مسلم میں یہ حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ یہ واقعہ حنین کی غنیمت کی تقسیم کے وقت پیش آیا تھا اور اس میں آیت کے اترنے کا ذکر بھی نہیں اور اس آیت کو مدینے میں نازل شدہ ماننے میں بھی قدرے تامل ہے' اس لئے کہ یہ سورت مکیہ ہے۔ پھر جو واقعہ حدیث میں مذکور ہے اس واقعہ میں اور اس آیت میں کچھ ایسی زیادہ ظاہر مناسبت بھی نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا اس آیت سے کون لوگ مراد ہیں جن کی محبت رکھنے کا ہمیں حکم باری ہوا ہے؟ آپؐ نے فرمایا حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے اور اس کا راوی مبہم ہے جو معروف نہیں پھر اس کا استاد ایک شیعہ ہے جو بالکل ثقاہت سے گرا ہوا ہے اس کا نام حسین اشغر ہے اس جیسی حدیث بھلا اس کی روایت سے کیسے مان لی جائے گی؟ پھر مدینے میں آیت نازل ہونا ہی مستبعد ہے۔ حق یہ ہے کہ آیت مکیہ ہے اور مکہ شریف میں حضرت فاطمہؓ کا عقد ہی نہ ہوا تھا اور اولاد کیسی؟ آپ کا عقد تو صرف حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ بدر کے بعد سنہ ۲ھ میں ہوا۔

پس صحیح تفسیر اس کی وہی ہے جو حبر الامہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی ہے جو بحوالہ بخاری پہلے

گذر چکی ہم اہل بیت کے ساتھ خیر خواہی کرنے کے منکر نہیں ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ ان کے ساتھ احسان وسلوک اور ان کا اکرام واحترام ضروری چیز ہے روئے زمین پر ان سے زیادہ پاک اور صاف ستھرا گھرانا اور نہیں' حسب ونسب میں اور فخر ومباہات میں بلا شک یہ سب سے اعلیٰ ہیں۔ بالخصوص ان میں سے وہ جو متبع سنت نبی ہوں۔ جیسے کہ اسلاف کی روش تھی یعنی حضرت عباس اور آل عباسؓ کی حضرت علیؓ اور آل علیؓ کی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا ہے میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب اللہ اور میری عترت اور یہ دونوں جدا نہ ہوں گے جب تک کہ حوض پر میرے پاس نہ آئیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ قریشی جب آپس میں ملتے ہیں تو بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن ہم سے اس ہنسی خوشی کے ساتھ نہیں ملتے۔ یہ سن کر آپ بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمانے لگے اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کسی کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اللہ کے لئے اور اس کے رسول کی وجہ سے تم سے محبت نہ رکھے اور روایت میں ہے کہ حضرت عبادؓ نے کہا قریشی باتیں کرتے ہوئے ہیں ہمیں دیکھ کر چپ ہو جاتے ہیں۔ اسے سن کر مارے غصے کے آپ کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور فرمایا واللہ کسی مسلمان کے دل میں یا مان جاگزیں نہیں ہوگا جب تک کہ وہ تم سے اللہ کے لئے اور میری قرابت داری کی وجہ سے محبت نہ رکھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا لوگو! حضورؐ کا لحاظ حضورؐ کے اہل بیت میں رکھو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے سلوک کرنا مجھے اپنے قرابت داروں کے سلوک سے بھی پیارا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا واللہ تمہارا اسلام لانا مجھے اپنے والد خطاب کے اسلام لانے سے بھی زیادہ اچھا لگا۔ اس لئے کہ تمہارا اسلام حضورؐ کو خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا۔ پس اسلام کے ان دو چمکتے ستاروں کا' مسلمانوں کے ان دونوں سیدوں کا جو معاملہ آل رسولؐ اور اقربائے پیغمبر کے ساتھ تھا وہی عزت ومحبت کا معاملہ مسلمانوں کو آپ کے اہل بیت اور قرابت داروں سے رکھنا چاہئے کیونکہ نبیوں اور رسولوں کے بعد تمام دنیا سے افضل یہی دونوں بزرگ خلیفۂ رسولؐ تھے پس مسلمانوں کو ان کی پیروی کر کے حضورؐ کے اہل بیت اور کنبے قبیلے کے ساتھ عقیدت سے پیش آنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں خلیفوں سے' اہل بیت سے اور حضورؐ کے کل صحابہ سے خوش ہو جائے۔ اور سب کو اپنی رضامندی میں لے لے۔ آمین۔

صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ یزید بن حیان اور حصین بن میسرہ اور عمر بن مسلم حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے حضرت حصین نے کہا اے حضرت! آپ کو تو بڑی بڑی خیر و برکت مل گئی' آپ نے اللہ کے نبی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا' آپ نے اللہ کے پیغمبر کی باتیں اپنے کانوں سنیں' آپ کے ساتھ جہاد کئے' آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں' حق تو یہ ہے کہ بڑی بڑی فضیلتیں آپ نے سمیٹ لیں۔ اچھا اب کوئی حدیث ہمیں بھی بتایئے۔ اس پر حضرت زیدؓ نے فرمایا میرے بھتیجے! سنو میری عمر اب بڑی ہوگئی حضور کی رحلت کو عرصہ گذر چکا۔ بعض چیزیں ذہن میں محفوظ ہی نہیں رہیں' اب تو یہی رکھو کہ جو از خود سنا دوں اسے مان لیا کرو ورنہ مجھے تکلیف نہ دو کہ تکلیف سے بیان کرنا پڑے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مکے اور مدینے کے درمیان پانی کی جگہ کے پاس جسے خم کہا جاتا تھا کھڑے ہو کر اللہ کے رسولؐ نے ہمیں ایک خطبہ سنایا' اللہ کی حمد وثنا کی وعظ و پند کیا پھر فرمایا لوگو! میں ایک انسان ہوں کیا عجب کہ ابھی ابھی میرے پاس قاصد الٰہی پہنچ جائے اور میں اس کی مان لوں' سنو میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک تو کتاب اللہ جس میں نور وہدایت ہے۔ تم اللہ کی کتاب کو مضبوط تھام لو اور اس کو مضبوطی سے تھامے رہو پس اس کی بڑی رغبت دلائی اور بہت کچھ تاکید کی پھر فرمایا اور میرے اہل بیت! میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں یہ سن کر حصینؓ نے حضرت زیدؓ سے پوچھا اے زید! آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں اہل بیت

میں داخل نہیں؟ فرمایا بے شک آپ کی بیویاں ہیں اور وہ جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا آل علی آل عقیل آل جعفر آل عباس رضی اللہ عنہم۔ پوچھا کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا ہاں؟

ترمذی شریف میں ہے حضورؐ نے فرمایا میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوط تھامے رہے تو بہکو گے نہیں ایک دوسری سے زیادہ عظمت والی ہے کتاب اللہ جو اللہ کی طرف سے ایک لٹکائی ہوئی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک آئی ہے اور دوسری چیز میری عترت میرے اہل بیت ہیں اور یہ دونوں جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر آئیں۔ پس دیکھ لو کہ میرے بعد کس طرح ان میں میری جانشینی کرتے ہو؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور صرف ترمذی میں یہ روایت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے ترمذی میں ہے کہ عرفے والے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر جسے قصواء کہا جاتا تھا خطبہ دیا جس میں فرمایا لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے تھامے رہے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے کتاب اللہ اور میری عترت اہل بیت۔ ترمذی کی اور روایت میں ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو مدنظر رکھ کر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اور اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھو اور میرے محبت کی وجہ سے میری اہل بیت سے محبت رکھو۔ یہ حدیث اور اوپر کی حدیث حسن غریب ہے۔ اس مضمون کی اور احادیث ہم نے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ الخ' کی تفسیر میں وارد کر دی ہیں یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں فالحمد للہ۔

ایک ضعیف حدیث مسند ابو یعلی میں ہے کہ حضرت ابو ذرؓ نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا تھامے ہوئے فرمایا لوگو! جو مجھے جانتے ہیں وہ تو جانتے ہی ہیں جو نہیں پہچانتے وہ اب پہچان کر لیں کہ میرا نام ابو ذر ہے۔ سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تم میں میرے اہل بیت کی مثال مثل نوح کی کشتی کے ہے اس میں جو چلا گیا اس نے نجات پالی اور جو اس میں داخل نہ ہوا ہلاک ہوا۔ پھر فرماتا ہے جو نیک عمل کرے ہم اس کا ثواب اور بڑھا دیتے ہیں' جیسے ایک اور آیت میں فرمایا اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر ظلم نہیں کرتا اگر نیکی ہو تو اور بڑھا دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ نیکی کا ثواب اس کے بعد نیکی ہے اور برائی کا بدلہ اس کے بعد برائی ہے۔ پھر فرمان ہوا کہ اللہ گناہوں کو بخشنے والا ہے اور نیکیوں کی قدر دانی کرنے والا ہے' انہیں بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اللہ پر جھوٹ افتراء کر لیا ہے' اگر اللہ چاہے تو تیرے دل پر مہر لگا دے' اللہ تعالیٰ اپنی باتوں سے جھوٹ کو مٹا دیتا ہے اور سچ کو ثابت رکھتا ہے' وہ سینے کی باتوں کو جاننے والا ہے ○

(آیت: ۲۴) پھر فرماتا ہے کہ یہ جاہل کفار جو کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو نے گھڑ لیا ہے اور اللہ کے نام لگا دیا ہے ایسا نہیں اگر ایسا ہوتا تو اللہ تیرے دل پر مہر لگا دیتا اور تجھے کچھ بھی یاد نہ رہتا جیسے فرمان ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا الخ' اگر یہ رسول ہمارے ذمے کچھ باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ان کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی انہیں اس سزا سے نہ بچا سکتا۔ یعنی یہ اگر

ہمارے کلام میں کچھ بھی زیادتی کرتے تو ایسا انتقام لیتے کہ دنیا کی کوئی ہستی اسے نہ بچا سکتی۔ اس کے بعد کا جملہ وَيَمْحُ اللّٰهُ الخ، يَخْتِمْ پر معطوف نہیں بلکہ یہ مبتدا ہے اور مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ يَخْتِمْ پر عطف نہیں جو مجزوم ہو۔ واؤ کا کتابت میں نہ آنا یہ صرف امام کے رسم خط کی موافقت کی وجہ سے ہے۔ جیسے سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ میں واؤ لکھنے میں نہیں آئی۔ اور يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِ میں واؤ نہیں لکھی گئی۔ ہاں اس کے بعد کے جملے وَيُحِقُّ الْحَقَّ کا عطف يَمْحُ اللّٰهُ الخ، پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ حق کو واضح اور مبین کر دیتا ہے، اپنے کلمات سے یعنی دلائل بیان فرما کر حجت پیش کر کے وہ خوب دانا و بینا ہے۔ دلوں کے راز سینوں کے بھید اس پر کھلے ہوئے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَالْكٰفِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۲۷﴾

وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگذر فرماتا ہے ○ اور جو کچھ تم کر رہے ہو سب جانتا ہے اور ایمان والوں اور نیک کار لوگوں کی سنتا ہے اور انہیں اپنے فضل سے اور زیادتی عطا فرماتا ہے اور کفار کے لئے ہی سخت مار ہے ○ اگر اللہ تعالیٰ سب بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے، وہ اپنے بندوں سے پورا خبردار ہے اور خوب دیکھنے والا ہے ○

توبہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۷) اللہ تعالیٰ اپنا احسان اور اپنا کرم بیان فرماتا ہے کہ وہ اپنے غلاموں پر اس قدر مہربان ہے کہ بد سے بد گنہگار بھی جب اپنی بدکرداری سے باز آئے اور خلوص کے ساتھ اس کے سامنے جھکے اور سچے دل سے توبہ کرے تو وہ اپنے کرم و رحم سے اس کی پردہ پوشی کرتا ہے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اپنا فضل اس کے شامل حال کر دیتا ہے، جیسے اور آیت میں ہے وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ الخ، جو شخص بدعملی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو وہ اللہ کو غفور و رحیم پائے گا۔

صحیح مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس آدمی سے زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی اونٹنی جنگل بیابان میں گم ہو گئی ہو جس پر اس کا کھانا پینا بھی ہو یہ اس کی جستجو کر کے عاجز آ کر کسی درخت تلے پڑ رہا اور اپنی جان سے بھی تقریباً ہاتھ دھو بیٹھا، اونٹنی سے بالکل مایوس ہو گیا کہ یکایک وہ دیکھتا ہے کہ اونٹنی اس کے پاس ہی کھڑی ہے یہ فوراً اٹھ بیٹھتا ہے اس کی نکیل تھام لیتا ہے اور اس قدر خوش ہوتا ہے کہ بے تحاشا اس کی زبان سے نکل جاتا ہے کہ یا اللہ بے شک تو میرا غلام ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ وہ اپنی خوشی کی وجہ سے خطا کر جاتا ہے۔ ایک مختصر حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ اتنی خوشی اس شخص کو بھی نہیں ہوتی جو ایسی جگہ میں ہو جہاں پیاس کے مارے ہلاک ہو رہا ہو اور وہیں اس کی سواری کا جانور گم ہو گیا ہو جو اسے دفعتاً مل جائے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے برا کام کرتا ہے پھر اس سے نکاح کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا نکاح میں کوئی حرج نہیں پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ توبہ تو مستقبل کے لئے قبول ہوتی ہے اور برائیاں گذشتہ معاف کر دی جاتی ہیں۔

تمہارے ہر قول وفعل اور ہر عمل کا اسے علم ہے باوجود اس کے جھکنے والے کی طرف مائل ہوتا ہے اور توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ وہ ایمان والوں اور نیک کاروں کی دعا قبول فرماتا ہے وہ خود اپنے لئے دعا کریں خواہ دوسروں کے لئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام میں خطبہ پڑھتے ہوئے اپنے مجاہد ساتھیوں سے فرماتے ہیں تم ایمان دار ہو اور جنتی ہو اور مجھے اللہ سے امید ہے کہ یہ رومی اور فارسی جنہیں تم قید کر لائے ہو کیا عجب کہ یہ بھی جنت میں پہنچ جائیں کیونکہ ان میں سے جب تمہارا کام کوئی کر دیتا ہے تو تم اسے کہتے ہو اللہ تجھ پر رحم کرے تو نے بہت اچھا کام کیا' اللہ تجھے برکت دے تو نے بہت اچھا کیا وغیرہ اور قرآن کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہے پھر آپ نے اسی آیت کا یہ جملہ تلاوت فرمایا۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ اللہ ان کی سنتا ہے اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ جو بات کو مان لیتے ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں اور جیسے فرمایا اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ اپنے فضل سے زیادتی دینا یہ ہے کہ ان کے حق میں ایسے لوگوں کی سفارش قبول فرمالے گا جن کے ساتھ انہوں نے کچھ سلوک کیا ہو۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے وہ اپنے بھائیوں کی سفارش کریں گے اور انہیں زیادہ فضل ملے گا یعنی بھائیوں کے بھائیوں کو بھی شفاعت کی اجازت ہو جائے گی۔ مومنوں کی اس عزو شان کو بیان فرما کر کفار کی بدحالی بیان فرمائی کہ انہیں سخت دردناک اور گھبراہٹ والے عذاب ہوں گے' پھر فرمایا اگر ان بندوں کو ان کی روزیوں میں وسعت مل جاتی ان کی ضرورت سے زیادہ ان کے پلے پڑ جاتا تو یہ خرمستی میں آ کر دنیا میں ہلڑ مچا دیتے اور دنیا کے امن کو آگ لگا دیتے ایک دوسرے کو پھونک دیتے بھون کھاتے۔ سرکشی اور طغیان' تکبر اور بے پرواہی حد سے بڑھ جاتی۔ اسی لئے حضرت قتادہ کا فلسفیانہ مقولہ ہے کہ زندگی کا سامان اتنا ہی اچھا ہے جتنے میں سرکشی اور لاابالی پن نہ آئے۔ اس مضمون کی پوری حدیث کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ ڈر دنیا کی نمائش کا ہے پہلے بیان ہو چکی ہے۔ پھر فرماتا ہے وہ ایک انداز ے سے روزیاں پہنچا رہا ہے بندے کی صلاحیت کا اسے علم ہے۔ غنا اور فقیری کے مستحق کا وہ خوب جانتا ہے۔ قدسی حدیث شریف میں ہے میرے بندے ایسے بھی ہیں جن کی صلاحیت مالداری میں ہی ہے اگر میں انہیں فقیر بنا دوں تو وہ دینداری سے بھی جاتے رہیں گے۔ اور بعض میرے بندے ایسے بھی ہیں کہ ان کے لائق فقیری ہی ہے اگر وہ مال حاصل کرلیں اور تونگر بن جائیں تو اس حالت میں گویا ان کا دین فاسد کر دوں۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۸

وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے' وہی ہے کارساز اور قابل حمد وثنا ○

(آیت: ۲۸) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ لوگ باران رحمت کا انتظار کرتے کرتے مایوس ہو جاتے ہیں ایسی پوری حاجت اور سخت مصیبت کے وقت میں بارش برساتا ہوں ان کی ناامیدی اور خشک سالی ختم ہو جاتی ہے اور عام طور پر میری رحمت پھیل جاتی ہے۔ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص کہتا ہے امیر المومنین! قحط سالی ہوگئی اور اب تو لوگ بارش سے بالکل مایوس ہو گئے تو آپ نے فرمایا جاؤ اب ان شاء اللہ ضرور بارش ہوگی پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ [5] وہ ولی وحمید ہے۔ یعنی مخلوقات کے تصرفات اسی کے قبضے میں ہیں اس کے کام قابل ستائش وتعریف ہیں۔ مخلوق کے بھلے کو وہ جانتا ہے اور ان کے نفع کا اسے علم ہے اس کے کام نفع سے خالی نہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ ۝۲۹ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝۳۰ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ښ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۳۱

اس کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کی پیدائش ہے اور ان میں جانداروں کا پھیلانا ہے' وہ اس پر بھی قادر ہے ○ کہ جب چاہے انہیں جمع کر دے تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے اور بھی تو بہت سی باتوں سے وہ درگذر فرمالیتا ہے ○ تم (ہمیں) زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو تمہارے لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی کارساز ہے نہ مددگار ○

آفات اور تکالیف سے خطاؤں کی معافی ہوتی ہے: ☆☆ (آیت:۲۹-۳۱) اللہ تعالیٰ کی عظمت قدرت اور سلطنت کا بیان ہو رہا ہے کہ آسمان وزمین اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور ان میں کی ساری مخلوق بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے- فرشتے انسان جنات اور مختلف قسموں کے حیوانات جو کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں قیامت کے دن وہ ان سب کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا' جب کہ ان کے حواس گم ہو چکے ہوں گے اور ان میں عدل وانصاف کیا جائے گا- پھر فرماتا ہے لوگو! تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ سب دراصل تمہارے اپنے کئے گناہوں کا بدلہ ہیں اور ابھی تو وہ غفور ورحیم اللہ تمہاری بہت سی حکم عدولیوں سے چشم پوشی فرماتا ہے اور انہیں معاف فرما دیتا ہے' اگر ہر اک گناہ پر پکڑے تو تم زمین پر چل پھر بھی نہ سکو- صحیح حدیث میں ہے کہ مومن کو جو تکلیف' سختی' غم اور پریشانی ہوتی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے یہاں تک کہ ایک کانٹا لگنے کے عوض بھی- جب آیت فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا الخ' اتری اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھانا کھا رہے تھے آپ نے اسے سن کر کھانے سے ہاتھ ہٹا لیا اور کہا یا رسول اللہ! کیا ہر برائی بھلائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا سنو طبیعت کے خلاف جو چیزیں ہوتی ہیں یہ سب برائیوں کے بدلے ہیں اور ساری نیکیاں اللہ کے پاس جمع شدہ ہیں- حضرت ابوادریسؒ فرماتے ہیں یہی مضمون اس آیت میں بیان ہوا ہے- امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں آؤ میں تمہیں کتاب اللہ شریف کی افضل تر آیت سناؤں اور ساتھ ہی حدیث بھی- حضورؐ نے ہمارے سامنے یہ آیت تلاوت کی اور میرا نام لے کر فرمایا سن میں اس کی تفسیر بھی تجھے بتا دوں تجھے جو بیماریاں سختیاں' اور بلائیں' آفتیں دنیا میں پہنچتی ہیں وہ سب بدلہ ہے تمہارے اپنے اعمال کا اللہ تعالیٰ کا حلم اس سے بہت زیادہ ہے کہ پھر انہی پر آخرت میں بھی سزا کرے اور اکثر برائیاں معاف فرما دیتا ہے تو اس کے کرم سے یہ بالکل ناممکن ہے کہ دنیا میں معاف کی ہوئی خطاؤں پر آخرت میں پکڑے- (مسند احمد)

ابن ابی حاتم میں یہی روایت حضرت علیؓ ہی کے قول سے مروی ہے- اس میں ہے کہ ابو جحیفہؓ جب حضرت علیؓ کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جسے یاد رکھنا ہر مومن کا فرض ہے پھر یہ تفسیر آیت کی اپنی طرف سے کر کے سنائی- مسند میں ہے کہ مسلمان کے جسم میں جو تکلیف ہوتی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرماتا ہے- مسند ہی کی اور حدیث میں ہے جب ایمان دار بندے کے گناہ بڑھ جاتے اور اس کے کفارے کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہوتی تو اللہ اسے کسی رنج وغم میں مبتلا کر دیتا ہے

اور وہی اس کے ان گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اس آیت کے اترنے پر حضورؐ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ لکڑی کی ذراسی خراش ہڈی کی ذراسی تکلیف یہاں تک کہ قدم کا پھسلنا بھی کسی نہ کسی گناہ پر ہے اور ابھی اللہ کے عفو کئے ہوئے بہت سے گناہ تو یونہی مٹ جاتے ہیں۔ ابن ابی حاتم ہی میں ہے کہ جب حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم میں تکلیف ہوئی اور لوگ ان کی عیادت کو گئے تو حضرت حسنؒ نے کہا آپ کی یہ حالت تو دیکھی نہیں جاتی ہمیں بڑا صدمہ ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کہو جو تم دیکھ رہے ہو یہ سب گناہوں کا کفارہ ہے اور ابھی بہت سے گناہ تو اللہ معاف فرما چکا ہے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی ہے۔ ابوالبلادؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علاء بن بدرؒ سے کہا کہ قرآن میں تو یہ آیت ہے اور میں ابھی نابالغ بچہ ہوں اور اندھا ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ تیرے ماں باپ کے گناہوں کا بدلہ ہے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھ کر بھول جانے والا یقیناً اپنے کسی گناہ میں پکڑا گیا ہے۔ اس کی اور کوئی وجہ نہیں۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا بتاؤ تو اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہو گی کہ انسان یاد کر کے کلام اللہ بھول جائے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾

دریا میں چلنے والی پہاڑوں جیسی کشتیاں اس کی نشانیوں میں سے ہیں ○ اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے اور یہ کشتیاں سمندروں پر رکی کی رکی رہ جائیں یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گذار کے لئے نشانیاں ہیں ○ یا انہیں ان کے کرتوتوں کے باعث تباہ کر دے وہ تو بہت سی تقصیروں سے درگذر فرمایا کرتا ہے ○ تا کہ ہماری نشانیوں میں جو لوگ الجھتے ہیں وہ معلوم کر لیں کہ ان کے لئے کوئی چھٹکارا نہیں ○

سمندروں کی تسخیر قدرت الٰہی کی نشانی: ☆☆ (آیت: ۳۲-۳۵) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کے نشان اپنی مخلوق کے سامنے رکھتا ہے کہ اس نے سمندروں کو مسخر کر رکھا ہے تا کہ کشتیاں ان میں برابر آئیں جائیں۔ بڑی بڑی کشتیاں سمندروں میں ایسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے زمین میں اونچے پہاڑ۔ ان کشتیوں کو ادھر ادھر لے جانے والی ہوائیں اس کے قبضے میں ہیں اگر وہ چاہے تو ان ہواؤں کو روک لے پھر تو بادبان بے کار ہو جائیں اور کشتی رک کر کھڑی ہو جائے۔ ہر وہ شخص جو سختیوں میں صبر کا اور آسانیوں میں شکر کا عادی ہو اس کے لئے تو بڑی عبرت کی جا ہے وہ رب کی عظیم الشان قدرت اور اس کی بے پایاں سلطنت کو ان نشانیوں سے سمجھ سکتا ہے اور جس طرح ہوائیں بند کر کے کشتیوں کو کھڑا کر لینا اور روک لینا اس کے بس میں ہے اسی طرح ان پہاڑ روں جیسی کشتیوں کو دم بھر میں ڈبو دینا بھی اس کے ہاتھ ہے۔ اگر وہ چاہے تو اہل کشتی کے گناہوں کے باعث انہیں غرق کر دے۔ ابھی تو وہ بہت سے گناہوں سے درگذر فرما لیتا ہے اور اگر سب گناہوں پر پکڑے تو جو بھی کشتی میں بیٹھے سیدھا سمندر میں ڈوبے۔ لیکن اس کی بے پایاں رحمت ان کو اس پار سے اس پار کر دیتی ہے۔

علماء تفسیر نے یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ چاہے تو اسی ہوا کو ناموافق کر دے تیز و تند آندھی چلا دے جو کشتی کو سیدھی راہ چلنے ہی نہ دے ادھر

ادھر کر دے، سنبھالے نہ سنبھل سکے، جہاں جانا ہے اس طرف جا ہی نہ سکے اور یوں سرگشتہ و حیران ہو کر اہل کشتی تباہ ہو جائیں۔ الغرض اگر ہوا بند کر دے تو کھڑے کھڑے ناکام رہیں اور اگر تیز کر دے تو بھی ناکامی۔ لیکن یہ اس کا لطف و کرم ہے کہ خوشگوار موافق ہوائیں چلاتا ہے اور لمبے لمبے سفران کشتیوں کے ذریعہ بنی آدم طے کرتا ہے اور اپنے مقصد کو پا لیتا ہے۔ یہی حال پانی کا ہے کہ اگر بالکل نہ برسائے خشک سالی رہے، دنیا تباہ ہو جائے، اگر بہت ہی برسا دے تو تر سالی کوئی چیز پیدا نہ ہونے دے اور دنیا ہلاک ہو جائے۔ ساتھ ہی مینہ کی کثرت طغیانی کا، مکانوں کے گرنے کا اور پوری بربادی کا سبب بن جائے۔ یہاں تک کہ رب کی مہربانی سے جن شہروں میں اور جن زمینوں میں زیادہ بارش کی ضرورت ہے۔ وہاں کثرت سے مینہ برستا ہے اور جہاں کم کی ضرورت ہے۔ وہاں کمی سے۔

پھر فرماتا ہے کہ ہماری نشانیوں سے جھگڑنے والے ایسے موقعوں پر تو مان لیتے ہیں کہ وہ ہماری قدرت سے باہر نہیں۔ ہم اگر انتقام لینا چاہیں، ہم اگر عذاب کرنا چاہیں تو وہ چھوٹ نہیں سکتے۔ سب ہماری قدرت اور مشیت تلے ہیں، فَسُبْحَانَهٗ مَا اَعْظَمَ شَانُهٗ۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ زندگانی دنیا کا کچھ یونہی سا اسباب ہے اور اللہ کے پاس جو ہے وہ اس سے درجہا بہتر اور پائیدار ہے، وہ ان کے لئے ہے ○ جو ایمان لائے ہیں اور صرف اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے رہتے ہیں اور غصے کے وقت بھی معاف کر دیا کرتے ہیں ○

درگذر کرنا بدلہ لینے سے بہتر ہے: ☆☆ (آیت: ۳۶-۳۷) اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بے قدری اور اس کی حقارت بیان فرمائی کہ اسے جمع کر کے کسی کو اس پر اترانا نہیں چاہئے کیونکہ یہ فانی چیز ہے بلکہ آخرت کی طرف رغبت کرنی چاہئے۔ نیک اعمال کر کے ثواب جمع کرنا چاہئے جو سرمدی اور باقی چیز ہے۔ پس فانی کو باقی پر، کمی کو زیادتی پر ترجیح دینا عقلمندی نہیں، اب اس ثواب کے حاصل کرنے کے طریقے بتائے جاتے ہیں کہ ایمان مضبوط ہوتا کہ دنیاوی لذتوں کے ترک پر صبر ہو سکے۔ اللہ پر کامل بھروسہ ہوتا کہ صبر پر اس کی امداد ملے اور احکام الٰہی کی بجا آوری اور نافرمانیوں سے اجتناب آسان ہو جائے۔ کبیرہ گناہوں اور فحش کاموں سے پرہیز چاہئے۔

اس جملہ کی تفسیر سورۂ اعراف میں گذر چکی ہے۔ غصے پر قابو چاہئے کہ عین غصے اور غضب کی حالت میں بھی خوش خلقی اور درگذر کی عادت نہ چھوٹے، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے نفس کا بدلہ کسی سے نہیں لیا ہاں اگر اللہ کے احکام کی بے عزتی اور بے توقیری ہوتی ہو تو اور بات ہے اور حدیث میں ہے کہ بہت زیادہ غصے کی حالت میں بھی آپ کی زبان سے اس کے سوا اور کچھ الفاظ نہ نکلتے کہ فرماتے اسے کیا ہو گیا ہے اس کے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں مسلمان پست و ذلیل ہونا تو پسند نہیں کرتے تھے لیکن غالب آ کر انتقام بھی نہیں لیتے تھے بلکہ درگذر کر جاتے اور معاف فرما دیتے۔ ان کی اور صفت یہ ہے کہ یہ اللہ کا کہا کرتے ہیں، رسول کی اتباع کرتے ہیں، جس کا وہ حکم کرے، بجا لاتے ہیں، جس سے وہ روکے رک جاتے ہیں، نماز کے پابند ہوتے ہیں۔ جو سب سے اعلیٰ عبادت ہے۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾

اور اپنے رب کے فرمان کو قبول کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے اور جو ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے ہمارے نام دیتے رہتے ہیں ○ اور جب ان پر ظلم و زیادتی ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں ○

(آیت: ۳۸-۳۹) بڑے بڑے امور میں بغیر آپس کی مشاورت کے ہاتھ نہیں ڈالتے - خود رسول اللہ ﷺ کو حکم الٰہی ہوتا ہے کہ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ یعنی کام میں ان سے مشورہ کرلیا کرو- اسی لئے حضور کی عادت تھی کہ جہاد وغیرہ کے موقع پر لوگوں سے مشورہ کرلیا کرتے تا کہ ان کے جی خوش ہو جائیں اور اسی بنا پر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آپ کو زخمی کر دیا گیا اور وفات کا وقت آ گیا چھ آدمی مقرر کر دیئے کہ یہ اپنے مشورے سے میرے بعد کسی کو میرا جانشین مقرر کریں- ان چھ بزرگوں کے نام یہ ہیں- عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم-

پس سب نے باتفاق رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر مقرر کیا، پھر ان کا جن کے لئے آخرت کی تیاری اور وہاں کے ثواب ہیں ایک اور وصف بیان فرمایا کہ جہاں یہ حق اللہ ادا کرتے ہیں وہاں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کمی نہیں کرتے - اپنے مال میں محتاجوں کا حصہ بھی رکھتے ہیں اور درجہ بدرجہ اپنی طاقت کے مطابق ہر ایک کے ساتھ سلوک و احسان کرتے رہتے ہیں اور یہ ایسے ذلیل پست اور بے زور نہیں ہوتے کہ ظالم کے ظلم کی کوئی روک تھام نہ کرسکیں بلکہ اتنی قوت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ ظالموں سے انتقام لیں اور مظلوم کو اس کے پنجے سے نجات دلوائیں لیکن ہاں! اپنی شرافت کی وجہ سے غالب آ کر پھر چھوڑ دیتے ہیں جیسے کہ اللہ کے نبی حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں پر قابو پا کر فرمادیا کہ جاؤ تمہیں میں کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتا بلکہ میری خواہش ہے اور دعا ہے کہ اللہ بھی تمہیں معاف فرما دے اور جیسے کہ سردار انبیاء رسول اللہ احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حدیبیہ میں کیا جب کہ اسی (۸۰) کفار غفلت کا موقع ڈھونڈ کر چپ چاپ لشکر اسلام میں گھس آئے جب یہ پکڑ لئے گئے اور گرفتار ہو کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے تو آپ نے ان سب کو معافی دے دی اور چھوڑ دیا-

اور اسی طرح آپ نے غورث بن حارث کو معاف فرمادیا یہ وہ شخص ہے کہ حضور کے سوتے ہوئے اس نے آپ کی تلوار پر قبضہ کرلیا جب آپ جاگے اور اسے ڈانٹا تو تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ نے تلوار لے لی اور وہ مجرم گردن جھکائے آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا آپ نے صحابہ کو بلا کر یہ منظر بھی دکھایا اور یہ قصہ بھی سنایا پھر اسے معاف فرمادیا اور جانے دیا- اسی طرح لبید بن اعصم نے جب آپ پر جادو کیا تو علم و قدرت کے باوجود آپ نے اس سے درگذر فرمالیا- اور اسی طرح جس یہودیہ عورت نے آپ کو زہر دیا تھا آپ نے اس سے بھی بدلہ نہ لیا اور قابو پانے اور معلوم ہو جانے کے باوجود بھی آپ نے اتنے بڑے واقعہ کو آنا جانا کر دیا- اس عورت کا نام زینب تھا یہ مرحب یہودی کی بہن تھی جو جنگ خیبر میں حضرت محمود بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا- اس نے بکری کے شانے کے گوشت میں زہر ملا کر خود حضور کے سامنے پیش کیا تھا خود شانے نے ہی آنحضرت کو اپنے زہر آلود ہونے کی خبر دی تھی جب آپ نے اسے بلا کر دریافت فرمایا تو اس نے اقرار کیا تھا اور وجہ یہ بیان کی تھی کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو یہ آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا اور اگر آپ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں

تو ہمیں آپ سے راحت حاصل ہو جائے گی - یہ معلوم ہو جانے پر اور اس کے اقبال کر لینے پر بھی رسول اللہؐ نے اسے چھوڑ دیا - معاف فرما دیا گو بعد میں وہ قتل کر دی گئی - اس لئے کہ اسی زہر اور زہریلے کھانے سے حضرت بشر بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے تب قصاصاً یہ یہود یہ عورت بھی قتل کرائی گئی - اور بھی حضورؐ کے عفو و درگزر کے ایسے بہت سے واقعات ہیں صلی اللہ علیہ وسلم -

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾

برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور جو معاف کر دے اور صلح کر لے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے فی الواقع اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر الزام کا کوئی راستہ نہیں ○

(آیت: ۴۰-۴۱) ارشاد ہوتا ہے کہ برائی کا بدلہ لینا جائز ہے - جیسے فرمایا فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ اور آیت میں ہے وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ان سب آیات کا مطلب یہی ہے - لیکن افضلیت اسی میں ہے کہ عفو و درگزر کیا جائے - جیسے فرمایا وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ یعنی خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر اسے معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو جائے گا - یہاں بھی فرمایا جو شخص معاف کر دے اور صلح و صفائی کر لے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے - حدیث میں ہے درگزر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت اور بڑھا دیتا ہے لیکن جو بدلے میں اصل جرم سے بڑھ جائے وہ اللہ کا دشمن ہے - پھر برائی کی ابتدا اسی کی طرف سے سمجھی جائے گی' پھر فرماتا ہے جس پر ظلم ہوا اسے بدلہ لینے میں کوئی گناہ نہیں - ابن عونؒ فرماتے ہیں میں اس لفظ اِنْتَصَرَ کی تفسیر کی طلب میں تھا تو مجھ سے علی بن زید بن جدعان نے بروایت اپنی والدہ ام محمد کے جو حضرت عائشہؓ کے پاس جایا کرتی تھیں' بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ کے ہاں حضورؐ گئے - اس وقت حضرت زینبؓ وہاں موجود تھیں - آپ کو معلوم نہ تھا' صدیقہؓ کی طرف جب آپؐ نے ہاتھ بڑھایا تو صدیقہؓ نے اشارے سے بتایا' اس وقت آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا - حضرت زینب نے صدیقہؓ کو برا بھلا کہنا شروع کیا - حضور کی ممانعت پر بھی خاموش نہ ہوئیں' تو آپ نے حضرت عائشہ کو اجازت دی کہ جواب دیں - اب جو جواب ہوا تو حضرت زینبؓ عاجز آ گئیں اور سیدھی حضرت علیؓ کے پاس گئیں اور کہا عائشہؓ تمہیں یوں یوں کہتی ہیں اور ایسا ایسا کرتی ہیں - یہ سن کر حضرت فاطمہؓ حاضر حضورؐ ہوئیں آپ نے ان سے فرمایا قسم رب کعبہ کی! عائشہؓ سے میں محبت رکھتا ہوں - یہ تو اسی وقت واپس چلی گئیں اور حضرت علیؓ سے سارا واقعہ کہہ سنایا پھر حضرت علیؓ آئے اور آپ سے باتیں کیں -

یہ روایت ابن جریر میں اسی طرح ہے لیکن اس کے راوی اپنی روایتوں میں عموماً منکر حدیثیں لایا کرتے ہیں اور یہ روایت بھی منکر ہے - نسائی اور ابن ماجہ میں اس طرح ہے کہ حضرت زینبؓ غصہ میں بھری ہوئی بلا اطلاع حضرت عائشہؓ کے گھر چلی آئیں اور حضورؐ سے حضرت صدیقہؓ کی نسبت کچھ کہا پھر حضرت عائشہؓ سے لڑنے لگیں' لیکن مائی صاحبہؓ نے خاموشی اختیار کی جب وہ بہت کہہ چکیں تو آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تو اپنا بدلہ لے لے - پھر جو صدیقہؓ نے جواب دینے شروع کئے تو حضرت زینبؓ کا تھوک خشک ہو گیا - کوئی جواب نہ دے سکیں اور حضورؐ کے چہرے سے وہ صدمہ ہٹ گیا - حاصل یہ ہے کہ مظلوم ظالم کو جواب دے اور اپنا بدلہ لے لے - بزار میں ہے ظالم کے لئے جس نے بددعا کی اس نے بدلہ لے لیا - یہی حدیث ترمذی میں ہے لیکن اس کے ایک راوی میں کچھ کلام ہے - پھر فرماتا ہے حرج و گناہ ان پر

ہے جولوگوں پر ظلم کریں اور زمین میں بلاوجہ شر وفساد کریں۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿٤٣﴾ ع ۱۴

یہ راستہ صرف ان لوگوں پر ہے جوخود دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھریں' یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہیں ○ جو شخص صبر کر لے اور معاف کر دے یقیناً یہ بڑی ہی ہمت کے کاموں میں سے ایک کام ہے ○

(آیت: ۴۲-۴۳) چنانچہ صحیح حدیث میں ہے دو برا کہنے والے جو کچھ کہیں' سب کا بوجھ شروع کرنے والے پر ہے جب کہ مظلوم بدلے کی حد سے آگے نہ نکل جائے' ایسے فسادی قیامت کے دن دردناک عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں مکہ جانے لگا تو دیکھا کہ خندق پر پل بنا ہوا ہے۔ میں ابھی وہیں تھا جو گرفتار کر لیا گیا اور امیر بصرہ مروان بن مہلب کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس نے مجھ سے کہا ابو عبداللہ! تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا یہی کہ اگر تم سے ہو سکے تو بنو عدی کے بھائی جیسے بن جاؤ' پوچھا وہ کون ہے؟ کہا علاء بن زیاد نے اپنے ایک دوست کو ایک مرتبہ کسی صیغہ پر عامل بنایا تو انہوں نے اسے لکھا کہ حمد وصلوٰۃ کے بعد! اگر تجھ سے ہو سکے تو یہ کرنا کہ تیری کمر بوجھ سے خالی رہے' تیرا پیٹ حرام سے بچ جائے' تیرے ہاتھ مسلمانوں کے خون و مال سے آلودہ نہ ہوں' تو جب یہ کرے گا تو تجھ پر کوئی گناہ کی راہ باقی نہ رہے گی' یہ راہ تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کریں اور بے وجہ ناحق زمین میں فساد پھیلائیں۔ مروان نے کہا اللہ جانتا ہے اس نے سچ کہا اور خیر خواہی کی بات کہی۔ اچھا اب کیا آرزو ہے؟ فرمایا یہی کہ تم مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ مروان نے کہا بہت اچھا۔ (ابن ابی حاتم)

پس ظلم و اہل ظلم کی مذمت بیان کر کے بدلے کی اجازت دے کر اب افضلیت کی طرف رغبت دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو ایذا برداشت کر لے اور برائی سے درگذر کر لے اس نے بڑی بہادری سے کام کیا۔ جس پر وہ بڑے ثواب اور پورے بدلے کا مستحق ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جب تم سے آ کر کوئی شخص کسی اور کی شکایت کرے تو اسے تلقین کرو کہ بھائی معاف کر دو' معافی میں ہی بہتری ہے اور یہی پرہیزگاری کا ثبوت ہے۔ اگر وہ نہ مانے اور اپنے دل کی کمزوری کا اظہار کرے تو خیر کہہ دو کہ جاؤ بدلہ لے لو لیکن اس صورت میں کہ پھر کہیں تم بڑھ نہ جاؤ' ورنہ ہم تو اب بھی یہی کہیں گے کہ معاف کر دو' یہ دروازہ بہت وسعت والا ہے اور بدلے کی راہ بہت تنگ ہے۔ سنو معاف کر دینے والا تو آرام سے میٹھی نیند سو جاتا ہے اور بدلے کی دھن والا دن رات متفکر رہتا ہے اور جوڑ توڑ سوچتا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضور بھی وہیں تشریف فرما تھے۔ آپ تعجب کے ساتھ مسکرانے لگے' حضرت صدیقؓ خاموش تھے لیکن جب کہ اس نے بہت گالیاں دیں تو آپؓ نے بھی بعض کا جواب دیا۔ اس پر حضورؐ ناراض ہو کر وہاں سے چل دیئے۔ حضرت ابو بکرؓ سے نہ رہا گیا' آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! وہ مجھے برا کہتا رہا تو آپ بیٹھے رہے' سنتے رہے اور جب میں نے اس کی دو ایک باتوں کا جواب دیا تو آپ ناراض ہو کر اٹھ کے چلے آئے؟ آپؐ نے فرمایا سنو جب تک تم خاموش تھے فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دیتا تھا' جب تم آپ بولے تو فرشتہ ہٹ گیا اور

شیطان بیچ میں آ گیا پھر بھلا میں شیطان کی موجودگی میں کیسے بیٹھا رہتا؟ پھر فرمایا سنو ابوبکرؓ تین چیزیں بالکل حق ہیں۔

(۱) جس پر کوئی ظلم کیا جائے اور وہ اس سے چشم پوشی کر لے تو ضرور اللہ اسے عزت دے گا اور اس کی مدد کرے گا۔

(۲) جو شخص سلوک اور احسان کا دروازہ کھولے گا اور صلہ رحمی کے ارادے سے لوگوں کو دیتا رہے گا اللہ اسے برکت دے گا اور زیادتی عطا فرمائے گا۔

(۳) اور جو شخص مال بڑھانے کے لئے سوال کا دروازہ کھول لے گا اور دوسروں سے مانگتا پھرے گا اللہ اس کے ہاں بے برکتی کر دے گا اور کمی میں ہی مبتلا رہے گا۔ یہ روایت ابوداؤد میں بھی ہے اور مضمون کے اعتبار سے یہ بڑی پیاری حدیث ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ ﴿۴۶﴾

جسے اللہ بہکا دے اس کا اس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں' تو دیکھے گا کہ ظالم لوگ عذابوں کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے کہ کیا واپس جانے کی کوئی راہ ہے؟ ○ اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ جہنم کے سامنے لا کھڑے کئے جائیں گے' مارے ذلت کے کبڑے ہوئے جاتے ہوں گے اور کھلی ہوئی آنکھ کے گوشے سے دیکھ رہے ہوں گے' ایمان دار صاف کہیں گے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جنہوں نے آج قیامت کے دن اپنے تئیں اور اپنے گھر والوں کے تئیں نقصان میں ڈال دیا' یاد رکھو کہ یقیناً ظالم لوگ دائمی عذاب میں ہیں ○ ان کے کوئی مددگار نہیں جو اللہ سے الگ ان کی امداد کر سکیں' جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں ○

اللہ تعالیٰ کو کوئی پوچھنے والا نہیں: ☆☆ (آیت: ۴۴-۴۶) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے' اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور نہ اسے کوئی کر سکتا ہے' وہ جسے راہ راست دکھا دے اسے بہکا نہیں سکتا اور جس سے وہ راہ حق گم کر دے اسے کوئی اس راہ کو دکھا نہیں سکتا۔ اور جگہ فرمان ہے وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا جسے وہ گمراہ کر دے اس کا کوئی چارہ ساز اور رہبر نہیں۔ پھر فرماتا ہے یہ مشرکین قیامت کے عذاب کو دیکھ کر دوبارہ دنیا میں آنے کی تمنا کریں گے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ الخ کاش کہ تو انہیں دیکھتا جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم دوبارہ واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم ہرگز اپنے رب کی آیتوں کو جھوٹ نہ بتائیں بلکہ ایمان لے

آئیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ لوگ جس چیز کو اس سے پہلے پوشیدہ کئے ہوتے تھے وہ ان کے سامنے آ گئی۔ بات یہ ہے کہ اگر یہ دوبارہ بھیج بھی دیئے جائیں تب بھی وہی کریں گے جس سے منع کئے جاتے ہیں۔ یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔ پھر فرمایا یہ جہنم کے پاس لائے جائیں گے اور اللہ کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر ذلت برس رہی ہوگی' عاجزی سے جھکے ہوئے ہوں گے اور نظریں بچا کر جہنم کو تک رہے ہوں گے۔ خوف زدہ اور حواس باختہ ہو رہے ہوں گے' لیکن جس سے ڈر رہے ہیں اس سے بچ نہ سکیں گے' نہ صرف اتنا ہی بلکہ ان کے وہم و گمان سے بھی زیادہ عذاب انہیں ہوگا۔ اللہ ہمیں محفوظ رکھے' اس وقت ایمان دار لوگ کہیں گے کہ حقیقی نقصان یافتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ساتھ اپنے والوں کو بھی جہنم واصل کیا۔ یہاں کی آج کی ابدی نعمتوں سے محروم رہے اور انہیں بھی محروم رکھا۔ آج وہ سب الگ الگ عذاب میں مبتلا ہیں۔ دائمی ابدی اور سرمدی سزائیں بھگت رہے ہیں اور یہ ناامید ہو جائیں آج کوئی ایسا نہیں جو ان عذابوں سے چھڑا سکے یا تخفیف کرا سکے۔ ان گمراہوں کو خلاصی دینے والا کوئی نہیں۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

اپنے رب کا حکم مان لو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس کا ہٹ جانا ناممکن ہے۔ تمہیں اس روز نہ تو کوئی پناہ کی جگہ ملے گی نہ چھپ کر انجان بن جانے کی۔ اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے تجھے ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ○ تیرے ذمے تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ ہم جب کبھی انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اترا جاتا ہے اور اگر انہیں ان کے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو بیشک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ○

آسانی میں شکر' تنگی میں صبر' مومنوں کی صفت ہے: ☆☆ (آیت: ۴۷-۴۸) چونکہ اوپر یہ ذکر تھا کہ قیامت کے دن بڑے ہیبت ناک واقعات ہوں گے' وہ سخت مصیبت کا دن ہوگا' تو اب یہاں اس سے ڈرا رہا ہے اور اس کے لئے تیار رہنے کو فرماتا ہے کہ اس اچانک آ جانے والے دن سے پہلے ہی پہلے اللہ کے فرمان پر پوری طرح عمل کر لو۔ جب وہ دن آ جائے گا تو تمہیں نہ تو کوئی جائے پناہ ملے گی نہ ایسی جگہ کہ وہاں انجان بن کر ایسے چھپ جاؤ کہ پہچانے نہ جاؤ اور نہ نظر پڑے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ مشرک نہ مانیں تو آپ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے' انہیں ہدایت پر لا کھڑا کر دینا آپ کے ذمے نہیں' یہ کام اللہ کا ہے۔ آپ پر صرف تبلیغ ہے حساب ہم خود لے لیں گے۔ انسان کی حالت یہ ہے کہ راحت میں بدمست بن جاتا ہے اور تکلیف میں ناشکرا پن کرتا ہے۔ اس وقت اگلی نعمتوں کا بھی منکر بن جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے عورتوں سے فرمایا صدقہ کرو' میں نے تمہیں زیادہ تعداد میں جہنم میں دیکھا ہے۔ کسی عورت نے پوچھا یہ کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا تمہاری شکایت کی زیادتی اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کی وجہ سے۔ اگر تو ان میں سے کوئی تمہارے ساتھ ایک زمانے تک احسان کرتا رہے پھر ایک دن چھوڑ دے تو تم کہہ دو گی کہ میں نے تجھ سے کبھی کوئی راحت پائی ہی نہیں۔ فی الواقع اکثر

عورتوں کا یہی حال ہے لیکن جس پر اللہ رحم کرے اور نیکی کی توفیق دے دے اور حقیقی ایمان نصیب فرمائے۔ پھر تو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہر راحت پہ شکر' ہر رنج پر صبر' پس ہر حال میں نیکی حاصل ہوتی ہے اور یہ وصف بجز مومن کے کسی اور میں نہیں ہوتا۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے' وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے ○ یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی' اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے' وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے ○ ناممکن ہے کہ کسی بندے سے اللہ کلام کرے مگر بطور وحی کے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو بھیجے اور وہ بحکم الٰہی جو وہ چاہے وحی کرے' بیشک وہ برزگ ہے حکمت والا ہے ○

اولاد کا اختیار اللہ کے پاس ہے: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۰) فرماتا ہے کہ خالق' مالک اور متصرف زمین و آسمان کا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے' وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے' جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا' جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے' جو چاہے پیدا کرے اور بنائے' جسے چاہے صرف لڑکیاں دے جیسے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور جسے چاہے صرف لڑکے ہی عطا فرماتا ہے جیسے ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور جسے چاہے لڑکے لڑکیاں سب کچھ دیتا ہے جیسے حضرت محمد ﷺ۔ اور جسے چاہے لاولد رکھتا ہے جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ پس یہ چار قسمیں ہوئیں۔ لڑکیوں والے' لڑکوں والے' دونوں والے اور دونوں سے خالی ہاتھ۔ وہ علیم ہے' ہر مستحق کو جانتا ہے۔ قادر ہے' جس طرح کا چاہے تفاوت رکھتا ہے۔ پس یہ مقام بھی مثل اس فرمان الٰہی کے ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ تاکہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشان بنائیں۔ یعنی دلیل قدرت بنائیں اور دکھا دیں کہ ہم نے مخلوق کو چار طور پر پیدا کیا۔ حضرت آدمؑ صرف مٹی سے پیدا ہوئے نہ ماں نہ باپ۔ حضرت حوا صرف مرد سے پیدا ہوئی' باقی کل انسان مرد و عورت دونوں سے سوائے حضرت عیسیٰؑ کے' وہ صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کئے گئے۔ پس آپ کی پیدائش سے یہ چاروں قسمیں ہو گئیں۔ پس یہ مقام ماں باپ کے بارے میں تھا اور وہ مقام اولاد کے بارے میں' اس کی بھی چار قسمیں اور اس کی بھی چار قسمیں۔ سبحان اللہ یہ ہے اس اللہ کے علم و قدرت کی نشانی۔

قرآن حکیم شفا ہے: ☆☆ (آیت: ۵۱) مقامات و مراتب و کیفیات وحی کا بیان ہو رہا ہے کہ کبھی تو حضورؐ کے دل میں وحی ڈال دی جاتی ہے جس کے وحی اللہ ہونے میں آپ کو کوئی شک نہیں رہتا' جیسے صحیح ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی ہے کہ کوئی شخص جب تک اپنی روزی اور اپنا وقت پورا نہ کر لے ہرگز نہیں مرتا۔ پس اللہ سے ڈرو اور روزی کی طلب میں اچھائی اختیار کرو۔ یا پردے کی اوٹ سے جیسے حضرت موسیٰؑ سے کلام ہوا کیونکہ انہوں نے کلام سن کر جمال دیکھنا چاہا لیکن وہ پردے میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے کلام نہیں کیا مگر پردے کے پیچھے سے لیکن تیرے

باپ سے آمنے سامنے کلام کیا۔ یہ جنگ احد میں کفار کے ہاتھوں شہید کئے گئے تھے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ کلام عالم برزخ کا ہے۔ اور آیت میں جس کلام کا ذکر ہے اس سے مراد دنیا کا کلام ہے۔ یا اپنے قاصد کو بھیج کر اپنی بات اس تک پہنچائے۔ جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام وغیرہ فرشتے انبیاء علیہم السلام کے پاس آتے رہے۔ وہ علو اور بلندی اور بزرگی والا ہے۔ ساتھ ہی حکیم اور حکمت والا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے' تو اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا چیز ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنا کر اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہا ہدایت کر دی' بے شک تو راہ راست کی رہبری کر رہا ہے ○ اس اللہ کی راہ کی جس کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ آگاہ رہو سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں ○

(آیت:۵۲-۵۳) روح سے مراد قرآن ہے۔ فرماتا ہے اس قرآن کو بذریعہ وحی کے ہم نے تیری طرف اتارا ہے۔ کتاب اور ایمان کو جس تفصیل کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے تو اس سے پہلے جانتا بھی نہ تھا' لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنایا ہے تا کہ اس کے ذریعہ سے ہم اپنے ایماندار بندوں کو راہ راست دکھلائیں' جیسے اور آیت میں ہے قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہہ دے کہ یہ ایمان والوں کے واسطے ہدایت و شفا ہے اور بے ایمانوں کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی ہیں' پھر فرمایا کہ اے نبیؐ! تم صریح اور مضبوط حق کی رہنمائی کر رہے ہو' پھر صراط مستقیم کی تشریح کی اور فرمایا اسے شرع مقرر کرنے والا خود اللہ ہے جس کی شان یہ ہے کہ آسمانوں زمینوں کا مالک اور رب وہی ہے۔ ان میں تصرف کرنے والا اور حکم چلانے والا بھی وہی ہے۔ کوئی اس کے کسی حکم کو ٹال نہیں سکتا۔ تمام امور اس کی طرف پھیرے جاتے ہیں' وہی سب کاموں کے فیصلے کرتا ہے اور حکم کرتا ہے۔ وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جو اس کی نسبت ظالم اور منکرین کہتے ہیں۔ وہ بلندیوں اور بڑائیوں والا ہے۔ الحمدللہ سورۂ شوریٰ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ الزخرف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمۗ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۴﴾ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿۵﴾ وَكَمْ

اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ ۝۶ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۷ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰی مَثَلُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۸

مہربان عنایت فرما معبود برحق کے نام سے شروع

قسم ہے اس واضح کتاب کی ○ ہم نے عربی زبان کا قرآن نازل فرمایا ہے تا کہ تم سمجھ لو ○ یقیناً یہ لوح محفوظ میں ہے اور ہمارے نزدیک بلند مرتبہ حکمت بھرا ہے ○ کیا ہم اس نصیحت کو تم سے اس بنا پر ہٹالیں کہ تم حد سے گذر جانے والے لوگ ہو ○ اور ہم نے اگلے لوگوں میں بھی بہت سے نبی بھیجے ○ جو نبی ان کے پاس آیا انہوں نے اسے ہنسی مذاق میں اڑایا ○ پس ہم نے ان کے زیادہ زور آوروں کو تباہ کر ڈالا اور اگلوں کی حقیقت گذر چکی ہے ○

(آیت:۱-۸) قرآن کی قسم کھائی جو واضح ہے' جس کے معانی روشن ہیں' جس کے الفاظ نورانی ہیں' جو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ یہ اس لئے کہ لوگ سوچیں سمجھیں اور وعظ و پند' نصیحت و عبرت حاصل کریں۔ ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے عربی واضح زبان میں اسے نازل فرمایا ہے' اس کی شرافت و مرتبت جو عالم بالا میں ہے اسے بیان فرمایا تا کہ زمین والے اس کی منزلت و توقیر معلوم کر لیں۔ فرمایا کہ یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے' لَدَیْنَا سے مراد ہمارے پاس' لَعَلِیٌّ سے مراد مرتبے والا' عزت والا' شرافت اور فضیلت والا ہے۔ حَكِیْمٌ سے مراد محکم' مضبوط جو باطل کے ملنے اور ناحق سے خلط ملط ہو جانے سے پاک ہے۔

ایک اور آیت میں اس پاک کلام کی بزرگی کا بیان ان الفاظ میں ہے اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ الخ' یعنی یہ قرآن کریم لوح محفوظ میں درج ہے' اسے بجز پاک فرشتوں کے اور کوئی ہاتھ لگا نہیں پاتا' یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے' اور فرمایا كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ قرآن نصیحت کی چیز ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے' وہ ایسے صحیفوں میں سے ہے جو معزز ہیں' بلند مرتبہ ہیں اور مقدس ہیں' جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو ذی عزت اور پاک ہیں۔ ان دونوں آیتوں سے علماء نے استنباط کیا ہے کہ بے وضو قرآن کریم کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہئے جیسے کہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے بشرطیکہ وہ صحیح ثابت ہو جائے۔ اس لئے کہ عالم بالا میں فرشتے اس کتاب کی عزت و تعظیم کرتے ہیں جس میں یہ قرآن لکھا ہوا ہے۔ پس اس عالم میں ہمیں بطور اولیٰ اس کی بہت زیادہ تکریم و تعظیم کرنی چاہئے کیونکہ یہ زمین والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور اس کا خطاب انہی سے ہے' تو انہیں اس کی بہت زیادہ تعظیم اور ادب کرنا چاہئے اور ساتھ ہی اس کے احکام کو تسلیم کر کے ان پر عامل بن جانا چاہئے۔ کیونکہ رب کا فرمان ہے کہ یہ ہمارے ہاں ام الکتاب میں ہے اور بلند پایہ اور باحکمت ہے' اس کے بعد کی آیت کے ایک معنی تو یہ کئے گئے ہیں کہ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ باوجود اطاعت گذاری اور فرمانبرداری نہ کرنے کے ہم تم کو چھوڑ دیں گے اور تمہیں عذاب نہ کریں گے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس امت کے پہلے گزرنے والوں نے جب اس قرآن کو جھٹلایا اسی وقت اگر یہ اٹھالیا جاتا تو تمام دنیا ہلاک کر دی جاتی' لیکن اللہ کی وسیع رحمت نے اسے پسند نہ فرمایا اور برابر بیس سال سے زیادہ تک یہ قرآن اترتا رہا۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کا لطف و رحمت ہے کہ وہ نہ ماننے والوں کے انکار اور بد باطن لوگوں کی شرارت کی وجہ سے انہیں نصیحت و موعظت کرنی نہیں چھوڑتا تا کہ جو ان میں نیکی والے ہیں وہ درست ہو جائیں اور جو درست نہیں ہوتے ان پر حجت تمام ہو جائے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی اکرم آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ اپنی قوم کی تکذیب پر گھبرائیں نہیں۔ صبر و برداشت کیجئے۔ ان سے پہلے کی جو قومیں تھیں ان کے پاس بھی ہم نے اپنے رسول و نبی بھیجے تھے اور انہیں ہلاک کر دیا' وہ آپ کے

زمانے کے لوگوں سے زیادہ زور آور' باہمت اور توانا ہاتھوں والے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ جو ان سے تعداد میں اور قوت میں بہت زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ اور بھی آیتیں اس مضمون کی بہت سی ہیں۔ پھر فرماتا ہے اگلوں کی مثالیں گذر چکیں یعنی عادتیں' سزائیں' عبرتیں۔ جیسے اس سورت کے آخر میں فرمایا ہے ہم نے انہیں گذرے ہوئے اور بعد والوں کے لئے عبرتیں بنا دیا۔ اور جیسے فرمان ہے سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ الخ' یعنی اللہ کا طریقہ جو اپنے بندوں میں پہلے سے چلا آیا ہے اور تو اسے بدلتا ہوا نہ پائے گا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾

اگر تو ان سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً ان کا یہی جواب ہو گا کہ انہیں غالب و دانا اللہ نے ہی پیدا کیا ہے ○ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور بچھونا بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے کر دیئے تا کہ تم راہ پا لیا کرو ○

اصلی زاد راہ تقویٰ ہے ☆☆ (آیت:۹-۱۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی! اگر تم ان مشرکین سے دریافت کرو تو یہ اس بات کا اقرار کریں گے کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پھر بھی اس کی وحدانیت کو جان کر اور مان کر عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہیں' جس نے زمین کو فرش اور ٹھہری ہوئی قرار گاہ اور ثابت مضبوط بنایا جس پر تم چلو پھرو' رہو سہو اٹھو بیٹھو سوؤ جاگو۔ حالانکہ یہ زمین خود پانی پر ہے لیکن مضبوط پہاڑوں کے ساتھ اسے ہلنے جلنے سے روک دیا ہے اور اس میں راستے بنا دیئے ہیں تا کہ تم ایک شہر سے دوسرے شہر کو' ایک ملک سے دوسرے ملک کو پہنچ سکو۔

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١١﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿١٢﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٤﴾

اسی نے آسمان سے ایک اندازے کے مطابق پانی نازل فرمایا' اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح تم نکالے جاؤ گے ○ جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور تمہارے لئے کشتیاں بنائیں اور تمہاری سواری کے لئے چوپائے جانور پیدا کئے ○ تا کہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ اور کہو پاک ذات ہے اس اللہ کی جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا باوجودیکہ ہمیں اسے قابو کرنے کی طاقت نہ تھی ○ اور بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ○

(آیت :۱۱-۱۴) اسی نے آسمان سے ایسے انداز سے بارش برسائی جو کفایت ہو جائے' کھیتیاں اور باغات سرسبز رہیں' پھلیں پھولیں اور پانی تمہارے اور تمہارے جانوروں کے پینے میں بھی آئے۔ پھر اس مینہ سے مردہ زمین زندہ کر دی' خشکی تری سے بدل گئی' جنگل لہلہا اٹھے' پھل پھول اگنے لگے اور طرح طرح کے خوشگوار میوے پیدا ہو گئے۔ پھر اسی کو مردہ انسانوں کے جی اٹھنے کی دلیل بتایا اور فرمایا اسی طرح تم قبروں سے نکالے جاؤ گے' اس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے' کھیتیاں' پھل پھول' ترکاریاں اور میوے وغیرہ طرح طرح کی چیزیں اس نے پیدا کر دیں۔ مختلف قسم کے حیوانات تمہارے نفع کے لئے پیدا کئے۔ کشتیاں سمندروں کے سفر کے لئے اور چوپائے جانور خشکی کے سفر کے لئے مہیا کر دیئے۔ ان میں سے بہت سے جانوروں کے گوشت تم کھاتے ہو' بہت سے تمہیں دودھ دیتے ہیں' بہت سے تمہاری سواریوں کے کام آتے ہیں۔ تمہارے بوجھ ڈھوتے ہیں' تم ان پر سواریاں لیتے ہو اور خوب مزے سے ان پر سوار ہوتے ہو۔ اب تمہیں چاہئے کہ جم کر بیٹھ جانے کے بعد اپنے رب کی نعمت یاد کرو کہ اس نے کیسے کیسے طاقت ور وجود تمہارے قابو میں کر دیئے اور یوں کہو کہ وہ اللہ پاک ذات والا ہے جس نے اسے ہمارے قابو میں کر دیا' اگر وہ اسے ہمارا مطیع نہ کرتا تو ہم اس قابل نہ تھے نہ ہم میں اتنی طاقت تھی اور ہم اپنی موت کے بعد اسی کی طرف جانے والے ہیں۔ اس آمد و رفت سے اور اس مختصر سفر سے سفر آخرت یاد کرو۔ جیسے کہ دنیا کے توشے کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے آخرت کے توشے کی جانب توجہ دلائی اور فرمایا توشہ لے لیا کرو لیکن بہترین توشہ آخرت کا توشہ ہے۔ اور دنیوی لباس کے ذکر کے موقع پر اخروی لباس کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا لباس تقویٰ افضل و بہتر ہے۔

''سواری پر سوار ہونے کے وقت کی دعاؤں کی حدیثیں''

حضرت علی بن ربیعہؒ فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنی سواری پر سوار ہونے لگے تو رکاب میں پیر رکھتے ہی فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ جب جم کر بیٹھ گئے تو فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ پھر تین مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا اور تین مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ پھر فرمایا سُبْحَانَكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ پھر ہنس دیئے۔ میں نے پوچھا امیر المومنین آپ ہنسے کیوں؟ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے یہ سب کچھ کیا پھر ہنس دیئے' تو میں نے بھی حضورؐ سے یہی سوال کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ جب بندے کے منہ سے اللہ تعالیٰ سنتا ہے کہ وہ کہتا ہے رَبِّ اغْفِرْلِیْ میرے رب! مجھے بخش دے تو وہ بہت ہی خوش ہوتا ہے اور فرماتا ہے میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا۔ یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور مسند احمد میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا' ٹھیک جب بیٹھ گئے تو آپ نے تین مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا تین مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا اور تین مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ اور ایک مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا پھر اس پر چت لیٹنے کی طرح ہو کر ہنس دیئے اور حضرت عبداللہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے جو شخص کسی جانور پر سوار ہو کر اس طرح کرے جس طرح میں نے کیا تو اللہ عزوجل اس کی طرف متوجہ ہو کر اسی طرح ہنس دیتا ہے جس طرح میں تیری طرف دیکھ کر ہنسا (مسند احمد)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب کبھی اپنی سواری پر سوار ہوتے' تین مرتبہ تکبیر کہہ کر ان دونوں آیات قرآنی کی تلاوت کرتے پھر یہ دعا مانگتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِیْ هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا السَّفَرَ وَاَطْوِلَنَا الْبُعْدَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اَصْحِبْنَا فِیْ سَفَرِنَا وَاخْلُفْنَا فِیْٓ اَهْلِنَا۔ یا اللہ! میں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور پرہیزگاری کا طالب ہوں اور ان اعمال کا جن سے تو خوش

ہو جائے - اے اللہ! ہم پر ہمارا سفر آسان کر دے اور ہمارے لئے دوری کو لپیٹ لے - پروردگار تو ہی سفر کا ساتھی اور اہل وعیال کا نگہباں ہے - میرے معبود! ہمارے سفر میں ہمارا ساتھ دے اور ہمارے گھروں میں ہماری جانشینی فرما اور جب آپ سفر سے واپس گھر کی طرف لوٹتے تو فرماتے اٰئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ یعنی واپس لوٹنے والے توبہ کرنے والے انشاء اللہ عبادتیں کرنے والے اپنے رب کی تعریفیں کرنے والے (مسلم ابوداؤد نسائی وغیرہ)

ابولاس خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں صدقے کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ رسول اللہ ﷺ نے ہماری سواری کے لئے ہمیں عطا فرمایا کہ ہم اس پر سوار ہو کر حج کو جائیں ہم نے کہا یا رسول اللہ! ہم نہیں دیکھتے کہ آپ ہمیں اس پر سوار کرائیں - آپ نے فرمایا سنو ہر اونٹ کی کوہان میں شیطان ہوتا ہے تم جب اس پر سوار ہو تو جس طرح میں تمہیں حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو پھر اسے اپنے لئے خادم بنا لو یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی سوار کراتا ہے - (مسند احمد) حضرت ابولاسؓ کا نام محمد بن اسود بن خلف ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ - مسند کی ایک اور حدیث میں ہے حضور فرماتے ہیں ہر اونٹ کی پیٹھ پر شیطان ہے تو تم جب اس پر سواری کرو تو اللہ کا نام لیا کرو پھر اپنی حاجتوں میں کمی نہ کرو -

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔــلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۤ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ۭ

انہوں نے اللہ کے بعض غلاموں کو اس کا جز ٹھہرا دیا' یقیناً انسان کھلم کھلا ناشکرا ہے O کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود رکھ لیں اور تمہیں بیٹوں سے برگزیدہ کیا؟ O ان میں سے کسی کو جب اس چیز کی خبر دی جائے جس کی مثال اس نے اللہ رحمٰن کے لئے بیان کی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور غمگین ہو جاتا ہے O کیا (اللہ کی اولاد لڑکیاں ہیں؟) جو زیورات کی نمائش میں پلیں اور جھگڑے میں ظاہر نہ ہو سکیں؟ O انہوں نے اللہ تعالیٰ رحمان کے عبادت گذار فرشتوں کو عورتیں قرار دے لیا' کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے اس کی باز پرس کی جائے گی O کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے' انہیں اس کی کچھ خبر نہیں یہ تو صرف انکل پچو جھوٹ باتیں کہتے ہیں O

مشرکین کا بدترین فعل: ☆☆ (آیت: ۱۵-۲۰) اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس افتراء اور کذب کا بیان فرماتا ہے جو انہوں نے اللہ کے نام منسوب کر رکھا ہے - جس کا ذکر سورۂ انعام کی آیت وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ الخ' میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ہیں ان مشرکین نے ان میں سے کچھ حصہ تو اللہ کا مقرر کیا اور اپنے طور پر کہہ دیا کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا' اب جو ان کے

معبودوں کے نام کا ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو ہر چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کو پہنچ جاتی ہے' ان کی یہ تجویز کیسی بری ہے؟ اسی طرح مشرکین نے لڑکے لڑکیوں کی تقسیم کر کے لڑکیاں تو اللہ سے متعلق کر دیں جو ان کے خیال میں ذلیل و خوار تھیں اور لڑکے اپنے لئے پسند کئے۔ جیسے کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہوں اور اللہ کے لئے بیٹیاں؟ یہ تو بڑی بے ڈھنگی تقسیم ہے۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان مشرکین نے اللہ کے بندوں کو اللہ کا جز و قرار دے لیا ہے۔ پھر فرماتا ہے ان کی اس بدتمیزی کو دیکھو کہ جب یہ لڑکیوں کو خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں پھر اللہ کے لئے کیسے پسند کرتے ہیں؟ ان کی یہ حالت ہے کہ جب ان میں سے کسی کو یہ خبر پہنچتی ہے کہ تیرے ہاں لڑکی ہوئی تو منہ بسور لیتا ہے گویا ایک شرمناک اندوہ ناک خبر سنی۔ کسی سے ذکر تک نہیں کرتا' اندر ہی اندر کڑھتا رہتا ہے۔ ذرا سا منہ نکل آتا ہے۔ لیکن پھر اپنی کامل حماقت کا مظاہرہ کرنے بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ یہ خوب مزے کی بات ہے کہ خود جس چیز سے گھبرائیں اللہ کے لئے وہ ثابت کریں۔ پھر فرماتا ہے عورتیں جو ناقص سمجھی جاتی ہیں' جن کے نقصانات کی تلافی زیورات اور آرائش سے کی جاتی ہے اور بچپن سے مرتے دم تک وہ بناؤ سنگھار کی محتاج سمجھی جاتی ہیں۔ پھر بحث مباحثے اور لڑائی جھگڑے کے وقت ان کی زبان نہیں چلتی' دلیل نہیں دے سکتیں' عاجز رہ جاتی ہیں' مغلوب ہو جاتی ہیں' ایسی چیز کو جناب باری علی و عظیم کی طرف منسوب کرتے ہیں جو ظاہری اور باطنی نقصان اپنے اندر رکھتی ہیں۔ جس کے ظاہری نقصان کو زینت اور زیورات سے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' جیسے کہ بعض عرب شاعروں کے اشعار ہیں۔

وما الحلی الا زینة من نقیصة یتمم من حسن اذا الحسن قصرا

واما اذا کان الجمال موفرا کحسنك لم یحتج الی ان یزورا

یعنی زیورات کمی حسن کو پورا کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ بھرپور جمال کو زیورات کی کیا ضرورت؟ اور باطنی نقصان بھی ہیں جیسے بدلہ نہ لے سکنا نہ زبان سے نہ ہمت سے۔ اس مضمون کو بھی عربوں نے ادا کیا ہے کہ یہ صرف رونے دھونے سے ہی مدد کر سکتی ہے اور چوری چھپے کوئی بھلائی کر سکتی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو عورتیں سمجھ رکھا ہے۔ ان سے پوچھو کہ کیا جب وہ پیدا ہوئے تو تم وہاں موجود تھے؟ تم یہ سمجھو کہ ہم تمہاری ان باتوں سے بے خبر ہیں' سب ہمارے پاس لکھی ہوئی ہیں اور قیامت کے دن تم سے ان کا سوال بھی ہوگا۔ جس سے تمہیں ڈرنا چاہئے اور ہوشیار رہنا چاہئے۔ پھر ان کی مزید حماقت بیان فرماتا ہے کہ کہتے ہیں ہم نے فرشتوں کو عورتیں سمجھا' پھر ان کی مورتیں بنائیں اور پھر انہیں پوج رہے ہیں' اگر اللہ چاہتا تو ہم میں ان میں حائل ہو جاتا اور ہم انہیں نہ پوج سکتے۔ پس جب کہ ہم انہیں پوج رہے ہیں اور اللہ ہم میں اور ان میں حائل نہیں ہوتا تو ظاہر ہے کہ ہماری یہ پوجا غلط نہیں بلکہ صحیح ہے۔

پس پہلی خطا تو ان کی یہ کہ اللہ کے لئے اولاد ثابت کی' دوسری خطا یہ کہ فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں قرار دیا' تیسری خطا یہ کہ انہی کی پوجا پاٹ شروع کر دی جس پر کوئی دلیل و حجت نہیں' صرف اپنے بڑوں اور اگلوں اور باپ دادوں کی کورانہ تقلید ہے۔ چوتھی خطا یہ کہ اسے اللہ کی طرف سے مقدر مانا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر رب اس سے ناخوش ہوتا تو ہمیں اتنی طاقت ہی نہ دیتا کہ ہم ان کی پرستش کریں اور یہ ان کی صریح جہالت و خباثت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے سراسر ناخوش ہے۔ ایک ایک پیغمبر اس کی تردید کرتا رہا' ایک ایک کتاب اس کی برائی بیان کرتی رہی۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ الخ' ہر امت میں ہم نے رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے کی عبادت سے بچو۔ پھر بعض تو ایسے نکلے جنہیں اللہ نے ہدایت کی اور بعض ایسے بھی

نکلے جن پر گمراہی کی بات ثابت ہو چکی تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا برا حشر ہوا؟ اور آیت میں ہے۔ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ الخ یعنی تو ان رسولوں سے پوچھ لے جنہیں ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا تھا۔ کیا ہم نے اپنے سوا دوسروں کی پرستش کی انہیں اجازت دی تھی؟ پھر فرماتا ہے یہ دلیل تو ان کی بڑی بودی ہے اور بودی یوں ہے کہ یہ بے علم ہیں۔ باتیں بنا لیتے ہیں اور جھوٹ بول لیتے ہیں یعنی یہ اللہ کی اس پر قدرت کو نہیں جانتے۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾

کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی اور کتاب دی ہے جسے یہ مضبوط تھامے ہوئے ہیں؟ O نہیں نہیں بلکہ یہ تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک مذہب پر پایا اور ہم انہی کے قدموں پر راہ یافتہ ہیں O اسی طرح تجھ سے پہلے ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں O نبیوں نے کہا بھی کہ اگرچہ میں اس سے بہتر یادہ مقصود تک پہنچانے والا طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اس کے منکر ہیں جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے O پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور دیکھ لے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ O

(آیت: ۲۱-۲۵) جو لوگ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے ہیں ان کا بے دلیل ہونا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ کیا ہم نے ان کے اس شرک سے پہلے انہیں کوئی کتاب دے رکھی ہے؟ جس سے وہ سند لاتے ہوں یعنی حقیقت میں ایسا نہیں۔ جیسے فرمایا اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا الخ یعنی کیا ہم نے ان پر ایسی دلیل اتاری ہے جو ان سے شرک کرنے کو کہے؟ یعنی ایسا نہیں ہے پھر فرماتا ہے یہ تو نہیں بلکہ شرک کی سند ان کے پاس ایک اور صرف ایک ہے اور وہ اپنے باپ دادوں کی تقلید کہ وہ جس دین پر تھے ہم اسی پر ہیں اور رہیں گے۔ امت سے مراد یہاں دین ہے اور آیت اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً الخ میں بھی امت سے مراد دین ہی ہے۔ ساتھ ہی کہا کہ ہم انہی کی راہوں پر چل رہے ہیں پس ان کے بے دلیل دعوے کو سنا کر اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہی روش ان اگلوں کی بھی رہی۔ ان کا جواب بھی نبیوں کی تعلیم کے مقابلہ میں یہی تقلید کو پیش کرنا تھا۔ اور جگہ ہے كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ یعنی ان سے اگلوں کے پاس بھی جو رسول آئے ان کی امتوں نے انہیں بھی جادوگر اور دیوانہ بتایا۔ پس گویا کہ اگلے پچھلوں کے منہ میں یہ الفاظ بھر گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرکشی میں یہ سب یکساں ہیں پھر ارشاد ہے کہ گویا معلوم کر لیں اور جان لیں کہ نبیوں کی تعلیم باپ دادوں کی تقلید سے بدرجہا بہتر ہے۔ تاہم ان کا برا قصد اور ضد اور ہٹ دھرمی انہیں حق کی قبولیت کی طرف نہیں آنے دیتی پس

ایسے اڑیل لوگوں سے ہم بھی ان کی باطل پرستی کا انتقام نہیں چھوڑتے' مختلف صورتوں سے انہیں تہ وبالا کر دیا کرتے ہیں- ان کا قصہ مذکور و مشہور ہے' غور و تامل کے ساتھ دیکھ پڑھ لو اور سوچ سمجھ لو کہ کس طرح کفار برباد کئے جاتے ہیں اور کس طرح مومن نجات پاتے ہیں-

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

جبکہ ابراہیم نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو ○ بجز اس اللہ کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہ ہی مجھے ہدایت بھی کرے گا ○ ابراہیم اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات قائم کر گئے تا کہ لوگ باز آتے رہیں ○ بلکہ میں نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو سامان اور اسباب دیا یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف سنانے والا رسول آ گیا ○ حق کے پہنچتے ہی یہ بول پڑے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے معتقد نہیں ○ اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا ○

امام الموحدین کا ذکر اور دنیا کی قیمت : ☆☆ (آیت:۲۶-۳۱) قریشی کفار نیکی اور دین کے اعتبار سے چونکہ خلیل اللہ امام الحنفاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سنت ابراہیمی ان کے سامنے رکھی کہ دیکھو جو اپنے بندے آنے والے تمام نبیوں کے باپ اللہ کے رسول امام الموحدین تھے- انہوں نے کھلے لفظوں میں نہ صرف اپنی قوم سے بلکہ اپنے سگے باپ سے بھی کہہ دیا کہ مجھ میں تم میں کوئی تعلق نہیں- میں سوائے اپنے سچے اللہ کے جو میرا خالق اور ہادی ہے تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں سب سے بے تعلق ہوں- اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی اس جرأت' حق گوئی اور جوش توحید کا بدلہ یہ دیا کہ کلمہ توحید کو ان کی اولاد میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھ لیا- ناممکن ہے کہ آپ کی اولاد میں اس پاک کلمے کے قائل نہ ہوں- انہی کی اولاد اس توحیدی کلمہ کی اشاعت کرے گی اور سعید روحیں اور نیک نصیب لوگ اسی گھرانے سے توحید سیکھیں گے- غرض اسلام اور توحید کا معلم یہ گھرانہ قرار پا گیا-

پھر فرماتا ہے بات یہ ہے کہ یہ کفار کفر کرتے رہے اور میں انہیں متاع دنیا دیتا رہا- یہ اور بہکتے گئے اور اس قدر بدمست بن گئے کہ جب ان کے پاس دین حق اور رسول حق آئے تو انہوں نے جھٹلانا شروع کر دیا کہ کلام اللہ اور معجزات انبیاء جادو ہیں اور ہم ان کے منکر ہیں- سرکشی اور ضد میں آ کر کفر کر بیٹھے- عناد اور بغض سے حق کے مقابلے پر اتر آئے اور باتیں بنانے لگے کہ کیوں صاحب اگر یہ قرآن سچ مچ اللہ ہی کا کلام ہے تو پھر مکے اور طائف کے کسی رئیس پر' کسی بڑے آدمی پر' کسی دنیوی وجاہت والے پر کیوں نہ اترا؟ اور بڑے آدمی سے ان کی مراد ولید بن مغیرہ' عروہ بن مسعود' عمیر بن عمرو' عتبہ بن ربیعہ' حبیب بن عمرو' ابن عبد یالیل' کنانہ بن عمرو وغیرہ سے تھی- غرض یہ تھی کہ ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے مرتبے کے آدمی پر قرآن نازل ہونا چاہئے تھا-

کیا تیرے رب کی رحمت کو یہ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ہی ان کی زندگانی دنیا کی روزی ان میں تقسیم کی ہے اور ایک دوسرے سے بلند مرتبہ کیا ہے تا کہ ایک دوسرے کو ماتحت کر لے جسے یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اور اس سے تیرے رب کی رحمت بہت ہی بہتر ہے O اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی گروہ ہو جائیں تو اللہ رحمان کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنا دیتے اور زینوں کو بھی جن پر چڑھا کرتے O اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں O اور سونے کے بھی اور یہ سب کچھ یونہی سا دنیاوی فائدہ ہے اور آخرت تو تیرے رب کے نزدیک صرف پرہیز گاروں کے لئے ہی ہے O
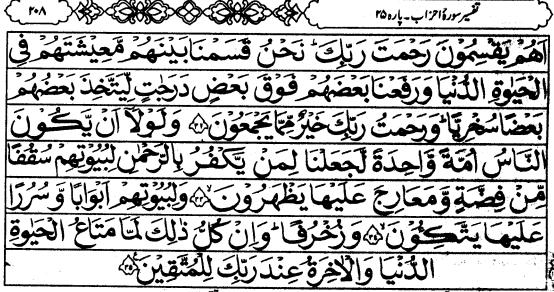
(آیت: ۳۲-۳۵) اس اعتراض کے جواب میں فرمان باری سرزد ہوتا ہے کہ کیا رحمت الٰہی کے یہ مالک ہیں جو یہ اسے تقسیم کرنے بیٹھے ہیں؟ اللہ کی چیز اللہ کی ملکیت' وہ جسے چاہے دے' پھر کہاں اس کا علم اور کہاں تمہارا علم؟ اسے بخوبی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسالت کا حقدار صحیح معنی میں کون ہے؟ یہ نعمت اسی کو دی جاتی ہے جو تمام مخلوق سے زیادہ پاک دل ہو' سب سے زیادہ پاک نفس ہو' سب سے بڑھ کر اشرف گھر کا ہو اور سب سے زیادہ پاک اصل کا ہو۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ رحمت الٰہی کے تقسیم کرنے والے کہاں سے ہو گئے؟ اپنی روزیاں بھی ان کے اپنے قبضے کی نہیں' وہ بھی ان میں ہم بانٹتے ہیں اور فرق و تفاوت کے ساتھ جسے جب جتنا چاہیں دیں۔ جس سے جب جو چاہیں چھین لیں۔ عقل و فہم' قوت طاقت وغیرہ بھی ہماری ہی دی ہوئی ہے اور اس میں بھی مراتب جداگانہ ہیں۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے سے کام لے کیونکہ اس کی اسے اور اس کی اسے ضرورت اور حاجت رہتی ہے۔ ایک ایک کے ماتحت رہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ تم جو کچھ دنیا جمع کر رہے ہو اس کے مقابلہ میں رب کی رحمت بہت ہی بہتر اور افضل ہے' ازاں بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ مال کو میرا فضل اور میری رضامندی کی دلیل جان کر مالداروں کے مثل بن جائیں تو میں تو کفار کو یہ دنیائے دوں اتنی دیتا کہ ان کے گھر کی چھتیں بلکہ ان کے کوٹھوں کی سیڑھیاں بھی چاندی کی ہوتیں جن کے ذریعے یہ اپنے بالا خانوں پر پہنچتے اور ان کے گھروں کے دروازے' ان کے بیٹھنے کے تخت بھی چاندی کے ہوتے اور سونے کے بھی۔ میرے نزدیک دنیا کوئی قدر کی چیز نہیں' یہ فانی ہے' زائل ہونے والی ہے اور ساری مل بھی جائے جب بھی آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ ان لوگوں کی اچھائیوں کے بدلے انہیں یہیں مل جاتے ہیں۔ کھانے پینے' رہنے سہنے' برتنے برتانے میں کچھ سہولتیں بہم پہنچ جاتی ہیں' آخرت میں تو محض خالی ہاتھ ہوں گے۔ ایک نیکی باقی نہ ہوگی جو اللہ سے کچھ حاصل کر سکیں۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے اور حدیث میں ہے اگر دنیا کی قدر اللہ

کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو یہاں پانی کا گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ پھر فرمایا آخرت کی بھلائیاں صرف ان کے لئے ہیں جو دنیا میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے رہے' ڈر ڈر کر زندگی گذارتے رہے۔ وہاں رب کی خاص نعمتیں اور مخصوص رحمتیں جو انہیں ملیں گی ان میں کوئی اور ان کا شریک نہ ہوگا۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے بالا خانہ میں گئے اور آپ نے اس وقت اپنی ازواج مطہرات سے ایلاء کر رکھا تھا تو دیکھا کہ آپ ایک چٹائی کے ٹکڑے پر لیٹے ہوئے ہیں جس کے نشان آپ کے جسم مبارک پر نمایاں ہیں' تو رو دیئے اور کہا یا رسول اللہؐ! قیصر و کسریٰ کس آن بان اور کس شوکت و شان سے زندگی گذار رہے ہیں اور آپ اللہ کے برگزیدہ پیارے رسولؐ ہو کر کس حال میں ہیں؟ حضورؐ یا تو تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے یا فوراً تکیہ چھوڑ دیا اور فرمانے لگے اے ابن خطاب! کیا تو شک میں ہے؟ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں جلدی سے یہیں انہیں مل گئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کیا تو اس سے خوش نہیں کہ انہیں دنیا ملے اور ہمیں آخرت۔

بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھاؤ پیو یہ دنیا میں ان کے لئے ہیں اور آخرت میں ہمارے لئے ہیں۔ اور دنیا میں یہ ان کے لئے یوں ہیں کہ رب کی نظروں میں دنیا ذلیل و خوار ہے۔ ترمذی وغیرہ کی ایک حسن صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت رکھتی تو کسی کافر کو بھی اللہ تعالیٰ ایک گھونٹ پانی کا نہ پلاتا۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾

اور جو شخص اللہ کی یاد سے غفلت کرے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا ساتھی رہتا ہے ○ وہ انہیں راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ یہ راہ یافتہ ہیں ○ یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئے گا کہے گا کاش کہ میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب جتنی دوری ہوتی تو بڑا برا ساتھی ہے ○ جبکہ تم ظالم ٹھیر چکے تو تمہیں آج ہرگز تمہارا سب کا عذاب میں شامل ہونا کوئی نفع نہ دے گا ○ کیا پس تو بہرے کو سنا سکتا ہے یا اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے؟ اور اسے جو کھلی گمراہی میں ہو؟ ○

شیطان سے بچو: ☆☆ (آیت: ۳۶-۴۰) ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ رحیم و کریم کے ذکر سے غفلت و بے رغبتی کرے اس پر شیطان قابو پا لیتا ہے اور اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ آنکھ کی بینائی کی کمی کو عربی زبان میں عَشْیٌ فِی الْعَیْنِ کہتے ہیں۔ یہی مضمون قرآن کریم کی اور بھی بہت سی آیتوں میں ہے جیسے فرمایا وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ الخ' یعنی جو شخص ہدایت ظاہر ہو چکنے کے بعد مخالفت رسول کر کے مومنوں کی راہ کے سوا دوسری راہ کی پیروی کرے ہم اسے وہیں چھوڑیں گے اور جہنم واصل کریں گے' جو بڑی بری جگہ ہے اور آیت میں

ارشاد ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ یعنی جب وہ ٹیڑھے ہو گئے اللہ نے ان کے دل بھی کج کر دیئے- ایک اور آیت میں فرمایا وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ الخ یعنی ان کے جو ہم نشین ہم نے مقرر کر دیئے ہیں وہ ان کے آگے پیچھے کی چیزوں کو زینت والی بنا کر انہیں دکھاتے ہیں- یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ایسے غافل لوگوں پر شیطان اپنا قابو کر لیتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتا ہے اور ان کے دل میں یہ خیال جما دیتا ہے کہ ان کی روش بہت اچھی ہے' یہ بالکل صحیح دین پر قائم ہیں- قیامت کے دن جب اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے اور معاملہ کھل جائے گا تو اپنے اس شیطان سے جو ان کے ساتھ تھا' برات ظاہر کرے گا اور کہے گا کاش کہ میرے اور تمہارے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا جتنا مشرق اور مغرب میں ہے- یہاں بہ اعتبار غلبے کے مشرقین یعنی دو مشرقوں کا لفظ کہہ دیا گیا ہے' جیسے سورج چاند کو قمرین یعنی دو چاند کہہ دیا جاتا ہے اور ماں باپ کو ابوین یعنی دو باپ کہہ دیا جاتا ہے-

ایک قرأت میں جآانا بھی ہے یعنی شیطان اور یہ غافل انسان دونوں جب ہمارے پاس آئیں گے- حضرت سعید جریریؒ فرماتے ہیں کہ کفار کے اپنی قبر سے اٹھتے ہی شیطان آ کر اس کے ہاتھ سے ہاتھ ملا لیتا ہے پھر جدا نہیں ہوتا یہاں تک کہ جہنم میں بھی دونوں کو ساتھ ہی ڈالا جاتا ہے- پھر فرماتا ہے کہ جہنم میں تم سب کا جمع ہونا اور وہاں کے عذابوں میں سب کا شریک ہونا تمہارے لئے نفع دینے والا نہیں- اس کے بعد اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے کہ ازلی بہروں کے کان میں آپ ہدایت کی آواز نہیں ڈال سکتے' مادر زاد اندھوں کو آپ راہ نہیں دکھا سکتے' صریح گمراہی میں پڑے ہوئے آپ کی ہدایت قبول نہیں کر سکتے- یعنی تجھ پر ہماری جناب سے یہ فرض نہیں کہ خواہ مخواہ ہر ہر شخص مسلمان ہو ہی جائے- ہدایت تیرے قبضے کی چیز نہیں' جو حق کی طرف کان ہی نہ لگائے' جو سیدھی راہ کی طرف آنکھ ہی نہ اٹھائے' جو بہکے اور اسی میں خوش رہے تو تجھے ان کی بابت کیوں اتنا خیال ہے؟ تجھ پر ضروری کام صرف تبلیغ کرنا ہے- ہدایت ضلالت ہمارے ہاتھ کی چیزیں ہیں ہم عادل ہیں' ہم حکیم ہیں' ہم جو چاہیں گے کریں گے- تم تنگ دل نہ ہو جایا کرو-

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْــَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْــَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع ۱۰

ہم اگر تجھے یہاں سے لے بھی جائیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں ○ یا جو کچھ ان سے وعدہ کیا ہے وہ تجھے دکھا دیں یقیناً ہم اس پر بھی قدرت رکھتے ہیں ○ پس جو وحی تیری جانب کی گئی ہے تو اسے مضبوط تھامے رہ ○ یقین مان کہ تو راہ راست پر ہے اور یقیناً یہ خود تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے نصیحت ہے اور عنقریب تم پوچھے جاؤ گے ○ اور ہمارے ان نبیوں کا حال معلوم کرو جنہیں ہم نے تم سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے اور معبود مقرر کئے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ ○

(آیت: ۴۱-۴۵) پھر فرماتا ہے کہ اگرچہ ہم تجھے یہاں سے لے جائیں پھر بھی ہم ان ظالموں سے بدلہ لئے بغیر تو رہیں گے نہیں' اگر ہم تجھے تیری آنکھوں سے وہ دکھا دیں جس کا وعدہ ہم نے ان سے کیا ہے تو ہم اس سے عاجز نہیں- غرض اس طرح اور اس طرح دونوں

صورتوں میں کفار پر عذاب تو آئے گا ہی- لیکن پھر وہ صورت پسند کی گئی جس میں پیغمبر کی عزت زیادہ تھی- یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو فوت نہ کیا جب تک کہ آپ کے دشمنوں کو مغلوب نہ کر دیا- آپ کی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر دیں' آپ ان کی جانوں اور مالوں اور ملکیتوں کے مالک نہ بن گئے' یہ تو ہے تفسیر حضرت سدیؒ وغیرہ کی لیکن حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ کے نبی ﷺ دنیا سے اٹھا لئے گئے اور انتقام باقی رہ گیا' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آپ کی زندگی میں امت میں وہ معاملات نہ دکھائے جو آپ کو ناپسندیدہ تھے- بجز حضورؐ کے اور تمام انبیاء کے سامنے ان کی امتوں پر عذاب آئے- ہم سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب سے حضورؐ کو یہ معلوم کرا دیا گیا کہ آپ کی امت پر کیا کیا وبال آئیں گے اِس وقت سے لے کر وصال کے وقت تک کبھی حضورؐ کھل کھلا کر ہنستے ہوئے دیکھے نہیں گئے- حضرت حسنؒ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے- ایک حدیث میں ہے ستارے آسمان کے بچاؤ کا سبب ہیں' جب ستارے جھڑ جائیں گے تو آسمان پر مصیبت آ جائے گی- میں اپنے اصحاب کا ذریعۂ امن ہوں' میرے جانے کے بعد میرے اصحاب پر وہ آ جائے گا جس کا یہ وعدہ دیئے جاتے ہیں-

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قرآن تجھ پر نازل کیا گیا ہے' جو سراسر حق و صدق ہے' جو حقانیت کی سیدھی اور صاف راہ کی رہنمائی کرتا ہے تو اسے مضبوطی کے ساتھ لئے رہ- یہی جنت نعیم اور راہ مستقیم کا رہبر ہے- اس پر چلنے والا' اس کے احکام کو تھامنے والا بہک اور بھٹک نہیں سکتا' یہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے ذکر ہے یعنی شرف اور بزرگی ہے-

بخاری شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ امر (یعنی خلافت و امامت) قریش میں ہی رہے گا' جو ان سے جھگڑے گا اور چھینے گا اسے اللہ تعالیٰ اوندھے منہ گرائے گا جب تک دین کو قائم رکھیں' اس لئے بھی آپ کی شرافت قومی اس میں ہے کہ یہ قرآن آپ ہی کی زبان میں اترا ہے- لغت قریش میں ہی نازل ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ اسے یہی سمجھیں گے- انہیں لائق ہے کہ سب سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ عمل بھی انہیں کا اس پر رہے- بالخصوص اس میں بڑی بھاری بزرگی ہے ان مہاجرین کرامؓ کی جنہوں نے اول اول سبقت کر کے اسلام قبول کیا اور ہجرت میں بھی سب سے پیش پیش رہے اور جو ان کے قدم بہ قدم چلے- ذکر کے معنی نصیحت کے بھی کئے گئے ہیں- اس صورت میں یہ یاد رہے کہ آپ کی قوم کے لئے اس کا نصیحت ہونا دوسروں کے لئے نصیحت نہ ہونے کے معنی میں نہیں- جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی بالیقین ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے کیا پس تم عقل نہیں رکھتے؟ اور آیت میں ہے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ یعنی اپنے خاندانی قرابت داروں کو ہوشیار کر دے- غرض نصیحت قرآنی رسالت نبوی عام ہے کنبہ والوں کو قوم کو اور دنیا کے کل لوگوں کو شامل ہے- پھر فرماتا ہے تم سے عنقریب سوال ہوگا کہ کہاں تک اس کلام اللہ شریف پر عمل کیا اور کہاں تک اسے مانا؟ تمام رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو وہی دعوت دی جو اے آخر الزماں رسولؐ! آپ اپنی امت کو دے رہے ہیں- کل انبیاء کے دعوت ناموں کا خلاصہ صرف اس قدر رہے کہ انہوں نے توحید پھیلائی اور شرک کو ختم کیا- جیسے خود قرآن میں ہے کہ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا اوروں کی عبادت نہ کرو- حضرت عبداللہ کی قرأت میں یہ آیت اس طرح ہے وَسْئَلِ الَّذِيْنَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ رُسُلَنَا پس یہ مثل تفسیر کے ہے نہ کہ تلاوت کے واللہ اعلم- تو مطلب یہ ہوا کہ ان سے دریافت کر لے جن میں تجھ سے پہلے ہم اپنے اور رسولوں کو بھیج چکے ہیں' عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں نبیوں سے پوچھ لے- یعنی معراج والی رات کو جب انبیاء آپ کے سامنے جمع تھے کہ ہر نبی توحید سکھانے اور شرک مٹانے کی ہی تعلیم لے کر ہماری جانب سے مبعوث ہوتا رہا-

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا' موسیٰ نے ظاہر کیا کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کا رسول ہوں ○ جب ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے تو وہ بے ساختہ ان پر ہنسنے لگے ○ ہم انہیں جو نشانی دکھلاتے تھے وہ دوسری سے بڑھی چڑھی ہوتی تھی اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تا کہ وہ باز آ جائیں ○ وہ کہنے لگے اے جادوگر ا ہمارے لئے اپنے رب سے اس کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے' یقین مان کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے ○ پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا لیا انہوں نے اسی وقت اپنا قول قرار توڑ دیا ○

قلا باز بنی اسرائیل: ☆☆ (آیت: ۴۶-۵۰) حضرت موسیٰؑ کو جناب باری نے اپنا رسول و نبی معبوث فرما کر فرعون اور اس کے امراء اور اس کی رعایا قبطیوں اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تا کہ آپ انہیں توحید سکھائیں اور شرک سے بچائیں۔ آپ کو بڑے بڑے معجزے بھی عطا فرمائے۔ جیسے ہاتھ کا روشن ہو جانا' لکڑی کا اژدھا بن جانا وغیرہ۔ لیکن فرعونیوں نے اپنے نبی کی کوئی قدر نہ کی بلکہ تکذیب کی اور تمسخر اڑایا۔ اس پر اللہ کا عذاب آیا تا کہ انہیں عبرت بھی ہو اور نبوت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل بھی ہو۔ پس طوفان آیا' ٹڈیاں آئیں' جوئیں آئیں' مینڈک آئے اور کھیت' مال' جان اور پھل وغیرہ کی کمی میں مبتلا ہوئے۔ جب کوئی عذاب آتا تو تلملا اٹھتے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشامد کرتے' انہیں رضامند کرتے' ان سے قول قرار کرتے۔ آپ دعا مانگتے' عذاب ہٹ جاتا۔ یہ پھر سرکشی پر اتر آتے۔ پھر عذاب آتا پھر یہی ہوتا۔ ساحر یعنی جادوگر سے وہ بڑا عالم مراد لیتے تھے' ان کے زمانے کے علماء کا یہی لقب تھا اور انہیں لوگوں میں علم تھا اور ان کے زمانے میں یہ علم مذموم نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ پس ان کا جناب موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر خطاب کرنا بطور عزت کے تھا اعتراض کے طور پر نہ تھا کیونکہ انہیں تو اپنا کام نکالنا تھا۔ ہر بار اقرار کرتے تھے کہ ہم مسلمان ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ کر دیں گے۔ پھر جب عذاب ہٹ جاتا تو وعدہ شکنی کرتے اور قول قرار توڑ دیتے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ میں اس پورے واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ

قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۝

فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی اور کہا اے میری قوم! کیا مصر کا ملک میرا نہیں؟ اور میرے محلوں کے نیچے یہ نہریں بہ رہی ہیں' کیا تم دیکھ نہیں رہے؟ ○ بلکہ میں بہتر ہوں بہ نسبت اس کے جو بے توقیر ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا ○ اچھا اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں آ پڑتے یا اس کے ساتھ پر باندھ کر فرشتے ہی آ جاتے ○ اس نے اپنی قوم کی عقل کھو دی اور انہوں نے اسی کی مان لی یقیناً یہ سارے ہی بے حکم لوگ تھے ○ پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو ڈبو دیا ○ پس ہم نے گیا گذرا کر دیا اور پچھلوں کے لئے مثال بنا دی ○

فرعون کے دعوے : ☆☆ (آیت :۵۱-۵۶) فرعون کی سرکشی اور خود بینی بیان ہو رہی ہے کہ اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے ان میں بڑی باتیں ہانکنے لگا اور کہا کیا میں تنہا ملک مصر کا بادشاہ نہیں ہوں؟ کیا میرے باغات اور محلات میں نہریں جاری نہیں؟ کیا تم میری عظمت و سلطنت کو دیکھ نہیں رہے؟ پھر موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھو جو فقراء اور ضعفاء ہیں۔ کلام پاک میں اور جگہ ہے اس نے جمع کر کے سب سے کہا میں تمہارا بلند و بالا رب ہوں جس پر اللہ نے اسے یہاں کے اور وہاں کے عذابوں میں گرفتار کیا' ام معنی میں بل کے ہے۔ بعض قاریوں کی قرأت اَمَآ اَنَا بھی ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اگر یہ قرأت صحیح ہو جائے تو معنی تو بالکل واضح اور صاف ہو جاتے ہیں لیکن یہ قرأت تمام شہروں کی قرأت کے خلاف ہے سب کی قرأت ام استفہام کا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ فرعون ملعون اپنے آپ کو حضرت کلیم اللہؑ سے بہتر بنا رہا ہے اور یہ دراصل اس ملعون کا جھوٹ ہے۔ مَهِيْنَ کے معنی حقیر' ضعیف' بے مال' بے شان۔ پھر کہتا ہے موسیٰ تو صاف بولنا بھی نہیں جانتا' اس کا کلام فصیح نہیں' وہ اپنا مافی الضمیر ادا نہیں کر سکتا۔ بعض کہتے ہیں بچپن میں آپ نے اپنے منہ میں آگ کا انگارہ رکھ لیا تھا جس کا اثر زبان پر باقی رہ گیا تھا۔ یہ بھی فرعون کا مکر جھوٹ اور دجل ہے۔

حضرت موسیٰؑ صاف گو' صحیح کلام کرنے والے' ذی عزت' بارعب و باوقار تھے۔ لیکن چونکہ ملعون اپنے کفر کی آنکھ سے نبی اللہ کو دیکھتا تھا اس لئے اسے یہی نظر آتا تھا۔ حقیقتاً ذلیل و غبی خود تھا۔ گو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بوجہ اس انگارے کے جسے بچپن میں منہ میں رکھ لیا تھا کچھ لکنت تھی لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور آپ کی زبان کی گرہ کھل گئی تا کہ آپ لوگوں کو باآسانی اپنا مدعا سمجھا سکیں اور اگر مان لیا جائے کہ تاہم کچھ باقی رہ گئی تھی کیونکہ دعاء کلیم میں اتنا ہی تھا کہ میری زبان کی اس قدر گرہ کھل جائے کہ لوگ میری بات سمجھ لیں۔ تو یہ بھی کوئی عیب کی بات نہیں' اللہ تعالیٰ نے جس کسی کو جیسا بنا دیا وہ ویسا ہی ہے' اس میں عیب کی کون سی بات ہے؟ دراصل فرعون ایک کلام بنا کر' ایک مسودہ گھڑ کر اپنی جاہل رعایا کو بھڑکانا اور بہکانا چاہتا تھا' دیکھئے وہ آگے چل کر کہتا ہے کہ کیوں جی! اس پر آسمان سے ہن کیوں نہیں برستا' مالداری تو اسے اتنی ہونی چاہئے کہ ہاتھ سونے سے پر ہوں لیکن یہ محض مفلس ہے۔ اچھا یہ بھی نہیں تو اللہ اس کے ساتھ فرشتے ہی کر دیتا جو کم از کم ہمیں باور کرا دیتے کہ یہ اللہ کے نبی ہیں' غرض ہزار جتن کر کے لوگوں کو بیوقوف بنا لیا اور انہیں اپنا ہم خیال اور ہم سخن کر لیا۔ یہ خود فاسق فاجر تھے' فسق و فجور کی پکار پر فوراً رسجھ گئے' پس جب ان کا پیمانہ چھلک گیا اور انہوں نے دل کھول کر رب کی نافرمانی کر لی اور رب کو خوب ناراض کر دیا تو پھر اللہ کا کوڑا ان کی پیٹھ پر برسا اور اگلے پچھلے سارے کرتوت پر پکڑ لئے گئے' یہاں ایک ساتھ پانی میں غرق کر دیئے گئے' وہاں جہنم میں جلتے جھلستے رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کسی انسان کو اللہ دنیا دیتا چلا جائے اور وہ اللہ کی نافرمانیوں پر جما ہوا ہو تو سمجھ لو کہ اللہ نے اسے ڈھیل دے رکھی ہے پھر حضورؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اچانک موت کا ذکر آیا تو فرمایا ایماندار پر تو یہ تخفیف ہے اور کافر پر حسرت ہے۔ پھر

آپ نے اسی آیت کو پڑھ کر سنایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انتقام غفلت کے ساتھ ہے‘ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں نمونہ بنا دیا کہ ان کے سے کام کرنے والے ان کے انجام کو دیکھ لیں اور یہ مثال یعنی باعث عبرت بن جائے کہ ان کے بعد آنے والے ان کے واقعات پر غور کریں اور اپنا بچاؤ ڈھونڈیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ الموفق للصواب و الیہ المرجع و الماب۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوا ءَأَالِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾

جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تیری قوم پکار اٹھی ○ اور کہنے لگی کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ؟ تجھ سے ان کا یہ کہنا محض جھگڑے کی غرض سے ہے‘ بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو ○

قیامت کے قریب نزول عیسیٰ علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۸) یَصِدُّوْنَ کے معنی حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ عکرمہؒ اور ضحاک نے کئے ہیں کہ وہ ہنسنے لگے یعنی اس سے انہیں تعجب معلوم ہوا۔ قتادہؒ فرماتے ہیں گھبرا کر بول پڑے۔ ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے منہ پھیرنے لگے۔ اس کی وجہ جو امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت میں بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ولید بن مغیرہ وغیرہ قریشیوں کے پاس تشریف فرماتھے جو نضر بن حارث آ گیا اور آپ سے کچھ باتیں کرنے لگا جس میں وہ لاجواب ہو گیا پھر حضورؐ نے قرآن کریم کی آیت اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ الخ‘ آیتوں تک پڑھ کر سنائیں یعنی تم اور تمہارے معبود سب جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے۔

پھر حضور ﷺ وہاں سے چلے گئے تھوڑی ہی دیر میں عبداللہ بن زہیری تمیمی آیا تو ولید بن مغیرہ نے اس سے کہا کہ نضر بن حارث تو ابن عبدالمطلب سے ہار گیا اور بالآخر ابن عبدالمطلب ہمیں اور ہمارے معبودوں کو جہنم کا ایندھن کہتے ہوئے چلے گئے۔ اس نے کہا اگر میں ہوتا تو خود انہیں لاجواب کر دیتا‘ جاؤ ذرا ان سے پوچھو تو کہ جب ہم اور ہمارے سارے معبود دوزخی ہیں تو لازم آیا کہ سارے فرشتے اور حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیح علیہ السلام بھی جہنم میں جائیں گے کیونکہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں‘ یہود حضرت عزیرؑ کی پرستش کرتے ہیں‘ نصرانی حضرت عیسیٰؑ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس پر مجلس کے کفار بہت خوش ہوئے اور کہا ہاں یہ جواب بہت ٹھیک ہے۔ لیکن جب حضور ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو غیر اللہ کی عبادت کرے اور ہر وہ شخص جو اپنی عبادت اپنی خوشی سے کرائے یہ دونوں عابد و معبود جہنمی ہیں۔

فرشتوں یا نبیوں نے نہ اپنی عبادت کا حکم دیا نہ وہ اس سے خوش۔ ان کے نام سے دراصل یہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں وہی انہیں شرک کا حکم دیتا ہے اور یہ بجا لاتے ہیں‘ اس پر آیت اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ الخ‘ نازل ہوئی یعنی حضرت عیسیٰؑ‘ حضرت عزیرؑ اور ان کے علاوہ جن احبار و رہبان کی پرستش یہ لوگ کرتے ہیں اور خود وہ اللہ کی اطاعت پر تھے‘ شرک سے بیزار اور اس سے روکنے والے تھے اور ان کے بعد ان گمراہوں جاہلوں نے انہیں معبود بنا لیا تو وہ محض بے قصور ہیں‘‘۔ اور فرشتوں کو جو مشرکین اللہ کی بیٹیاں مان کر پوجتے تھے ان کی تردید میں وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا الخ‘ سے کئی آیتوں تک نازل ہوئیں اور ان کے اس باطل عقیدے کی پوری تردید کر دی اور حضرت عیسیٰ کے

بارے میں اس نے جو جواب دیا تھا جس پر مشرکین خوش ہوئے تھے یہ آیتیں اتریں کہ اس قول کو سنتے ہی کہ معبودان باطل بھی اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے انہوں نے جھٹ سے حضرت عیسیٰؑ کی ذات گرامی کو پیش کر دیا اور یہ سنتے ہی مارے خوشی کے آپ کی قوم کے مشرک اچھل پڑے اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگے کہ ہم نے دبا لیا- ان سے کہو کہ حضرت عیسیٰؑ نے کسی سے اپنی یا کسی اور کی پرستش نہیں کرائی وہ تو خود برابر ہماری غلامی میں لگے رہے اور ہم نے بھی انہیں اپنی بہترین نعمتیں عطا فرمائیں- ان کے ہاتھوں جو معجزات دنیا کو دکھائے وہ قیامت کی دلیل تھے- حضرت ابن عباسؓ سے ابن جریر میں ہے کہ مشرکین نے اپنے معبودوں کا جہنمی ہونا حضورؐ کی زبانی سن کر کہا کہ پھر آپ ابن مریمؑ کی نسبت کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں- اب کوئی جواب ان کے پاس نہ رہا تو کہنے لگے واللہ یہ تو چاہتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو اللہ مان لیا ہے ہم بھی انہیں رب مان لیں- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ تو صرف بکواس ہے- کھسیانے ہو کر بے تکی باتیں کرنے لگے ہیں-

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قرآن میں ایک آیت ہے مجھ سے کسی نے اس کی تفسیر نہیں پوچھی- میں نہیں جانتا کہ کیا ہر ایک اسے جانتا ہے یا نہ جان کر پھر بھی جاننے کی کوشش نہیں کرتا' پھر اور باتیں بیان فرماتے رہے یہاں تک کہ مجلس ختم ہوئی اور آپ چلے گئے- اب ہمیں بڑا افسوس ہونے لگا کہ وہ آیت تو پھر بھی رہ گئی اور ہم میں سے کسی نے دریافت ہی نہ کیا- اس پر ابن عقیل انصاری کے مولیٰ ابو یحییٰ نے کہا کہ اچھا کل صبح جب تشریف لائیں گے تو میں پوچھ لوں گا- دوسرے دن جو آئے تو میں نے ان کی کل کی بات دہرائی اور ان سے دریافت کیا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں سنو! حضور ﷺ نے ایک مرتبہ قریش سے فرمایا کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت اللہ کے سوا کی جاتی ہو اور اس میں خیر ہو- اس پر قریش نے کہا کیا عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی عبادت نہیں کرتے؟ اور کیا آپ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا نبی اور اس کا برگزیدہ نیک بندہ نہیں مانتے؟ پھر اس کا کیا مطلب ہوا کہ اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے وہ خیر سے خالی ہے؟ اس پر یہ آیتیں اتریں کہ جب عیسیٰ ابن مریمؑ کا ذکر آیا تو یہ لوگ ہنسنے لگے- وہ قیامت کا علم ہیں یعنی عیسیٰ ابن مریم علیہما الصلوۃ والسلام کا قیامت کے دن سے پہلے نکلنا-

ابن ابی حاتم میں بھی یہ روایت پچھلے جملے کے علاوہ ہے' حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ان کے اس قول کا کہ کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے معبود محمد سے بہتر ہیں یہ تو اپنے آپ کو پجوانا چاہتے ہیں- ابن مسعودؓ کی قرأت میں ام ھذا ہے- اللہ فرماتا ہے یہ ان کا مناظرہ نہیں بلکہ مجادلہ اور مکابرہ ہے یعنی بے دلیل جھگڑا اور بے وجہ حجت بازی ہے' خود یہ جانتے ہیں کہ نہ یہ مطلب ہے نہ ہمارا یہ اعتراض اس پر وارد ہوتا ہے- اس لئے کہ اولاً تو آیت میں لفظ ما ہے جو غیر ذوی العقول کے لئے ہے دوسرے یہ کہ آیت میں خطاب کفار قریش سے ہے جو اصنام و انداد یعنی بتوں اور پتھروں کو پوجتے تھے وہ مسیحؑ کے پجاری نہ تھے جو یہ اعتراض محل مانا جائے پس یہ صرف جدل ہے یعنی وہ بات کہتے ہیں جس کے غیر صحیح ہونے کو ان کے اپنے دل کو بھی یقین ہے- ترمذی وغیرہ میں فرمان رسولؐ ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتی جب تک بے دلیل حجت بازی اس میں نہ آ جائے- پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی-

ابن ابی حاتم میں اس حدیث کے شروع میں یہ بھی ہے کہ ہر امت کی گمراہی کی پہلی بات اپنے نبیؐ کے بعد تقدیر کا انکار کرنا ہے- ابن جریر میں ہے کہ ایک بار حضورؐ صحابہ کے مجمع میں آئے اس وقت قرآن کی آیتوں میں بحث کر رہے تھے- آپ سخت غضب ناک ہوئے اور فرمایا اس طرح اللہ کی کتاب کی آیتوں کو ایک دوسری کے ساتھ ٹکراؤ نہیں' یاد رکھو جھگڑے کی اسی عادت نے اگلے لوگوں کو گمراہ کر دیا- پھر آپ نے

مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ کی تلاوت فرمائی۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾

عیسیٰ بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لئے نشان قدرت بنایا ○ اگر ہم چاہتے تو تمہارے عوض فرشتے کر دیتے جو زمین میں جانشینی کرتے ○ اور یقیناً عیسیٰؑ قیامت کی علامت ہے پس تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری کرو یہی سیدھی راہ ہے ○ شیطان تمہیں روک نہ دے یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے ○

(آیت: ۵۹-۶۲) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ عزوجل کے بندوں میں سے ایک بندے تھے۔ جن پر نبوت و رسالت کا انعام باری تعالیٰ ہوا تھا اور انہیں اللہ کی قدرت کی نشانی بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تمہارے جانشین بنا کر فرشتوں کو اس زمین میں آباد کر دیتے یا یہ کہ جس طرح تم ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہو یہی بات ان میں کر دیتے۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی بجائے تمہارے زمین کی آبادی ان سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد جو فرمایا ہے کہ وہ قیامت کی نشانی ہے اس کا مطلب جو ابن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے وہ کچھ ٹھیک نہیں اور اس سے بھی زیادہ دور کی بات یہ ہے کہ بقول قتادہؒ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ ہ کی ضمیر کا مرجع عائد ہے حضرت عیسیٰؑ پر۔

یعنی حضرت عیسیٰؑ قیامت کی ایک نشانی ہیں۔ اس لئے کہ اوپر سے ہی آپ کا بیان چلا آ رہا ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ مراد یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے پہلے کا نازل ہونا ہے۔ جیسے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ یعنی ان کی موت سے پہلے ایک ایک اہل کتاب ان پر ایمان لائے گا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے قیامت کے دن یہ ان پر گواہ ہوں گے۔ اس مطلب کی پوری وضاحت اسی آیت کی دوسری قرأت سے ہوتی ہے۔ جس میں ہے اِنَّهٗ لَعَلَمٌ لِّلسَّاعَةِ یعنی جناب روح اللہ قیامت کے قائم ہونے کا نشان اور علامت ہیں۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ نشان ہیں قیامت کے لئے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا قیامت سے پہلے آنا۔ اسی طرح روایت کی گئی ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور حضرت ابن عباسؓ سے اور یہی مروی ہے ابو العالیہ' ابو مالک' عکرمہ' حسن' قتادہ' ضحاک وغیرہ سے رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور متواتر احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام عادل اور حاکم باانصاف ہو کر نازل ہوں گے۔ پس تم قیامت کا آنا یقینی جانو' اس میں شک شبہ نہ کرو اور جو خبریں تمہیں دے رہا ہوں اس میں میری تابعداری کرو' یہی صراط مستقیم ہے' کہیں ایسا نہ ہو کر شیطان جو تمہارا کھلا دشمن ہے تمہیں صحیح راہ سے اور میری واجب اتباع سے روک دے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾

جب عیسیٰ معجزے لائے اور کہہ دیا کہ میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ جن بعض چیزوں میں تم مختلف ہوانہیں واضح کردوں' پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ○ میرا اور تمہارا رب فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے پس تم سب اس کی عبادت کرو' راہ راست یہی ہے ○ پھر بنی اسرائیل کی جماعتوں نے آپس میں اختلاف کیا' پس ظالموں کے لئے خرابی ہے' دکھ والے دن کی آفت سے ○

(آیت:۶۳-۶۵) حضرت عیسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ میں حکمت یعنی نبوت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور دینی امور میں جو اختلافات تم نے ڈال رکھے ہیں' میں اس میں جو حق ہے اسے ظاہر کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں- ابن جریرؒ یہی فرماتے ہیں اور یہی قول بہتر اور پختہ ہے' پھر امام صاحب نے ان لوگوں کے قول کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ بعض کا لفظ یہاں پر کل کے معنی میں ہے اور اس کی دلیل میں بعید شاعر کا ایک شعر پیش کرتے ہیں- لیکن وہاں بھی بعض سے مراد قائل کا خود اپنا نفس ہے نہ کہ سب نفس- امام صاحب نے شعر کا جو مطلب بیان کیا ہے یہ بھی ممکن ہے- پھر فرمایا جو میں تمہیں حکم دیتا ہوں اس میں اللہ کا لحاظ رکھو اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت گذاری کرو' جو لایا ہوں اسے مانو' یقین مانو کہ تم سب اور خود میں اس کے غلام ہیں' اس کے محتاج ہیں' اس کے در کے فقیر ہیں' اس کی عبادت ہم سب پر فرض ہے' وہ واحد ہے' لاشریک ہے- بس یہی توحید کی راہ راہ مستقیم ہے' اب لوگ آپس میں متفرق ہو گئے' بعض تو کلمۃ اللہ کو اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہتے تھے اور یہی حق والی جماعت تھی' اور بعض نے ان کی نسبت دعویٰ کیا کہ وہ اللہ کے فرزند ہیں اور بعض نے کہا آپ ہی اللہ ہیں- اللہ تعالیٰ ان دونوں دعووں سے پاک ہے اور بلند و برتر ہے- اسی لئے ارشاد فرماتا ہے کہ ان ظالموں کے لئے خرابی ہے- قیامت والے دن انہیں المناک عذاب اور دردناک سزائیں ہوں گی-

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾

یہ لوگ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آپڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو ○ اس دن گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے ○ میرے بندو! آج نہ تو تم پر کوئی خوف و ہراس ہے اور نہ تم بد دل اور غمزدہ ہو گے ○ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور تھے بھی وہ فرمانبردار

مسلمان ○ تم اور تمہاری جوڑ کے لوگ ہشاش بشاش راضی خوشی جنت میں چلے جاؤ ○

جنت میں --- جنت کے حقدار: ☆☆ (آیت: ۶۶-۷۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو تو یہ مشرک قیامت کا انتظار کر رہے ہیں جو محض بے سود ہے اس لئے کہ اس کے آنے کا کسی کو صحیح وقت تو معلوم نہیں وہ اچانک یونہی بے خبری کی حالت میں آ جائے گی اس وقت گو نادم ہوں لیکن اس سے کیا فائدہ؟ یہ اسے ناممکن سمجھے ہوئے ہیں لیکن وہ نہ صرف ممکن بلکہ یقیناً آنے ہی والی ہے اور اس وقت کا یا اس کے بعد کا کوئی عمل کسی کو کچھ نفع نہ دے گا - اس دن تو جن کی دوستیاں غیر اللہ کے لئے تھیں وہ سب عداوت سے بدل جائیں گی - ہاں جو دوستی صرف اللہ کے واسطے تھی وہ باقی اور دائم رہے گی - جیسے خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ تم نے بتوں سے جو دوستیاں کر رکھی ہیں یہ صرف دنیا کے رہنے تک ہی ہیں قیامت کے دن تو ایک دوسرے کا نہ صرف انکار کریں گے بلکہ ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہو گا اور کوئی نہ ہو گا جو تمہاری امداد پر آئے -

ابن ابی حاتم میں مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں دو ایماندار جو آپس میں دوست ہوتے ہیں جب ان میں سے ایک کا انتقال ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے جنت کی خوش خبری ملتی ہے تو وہ اپنے دوست کو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے اے اللہ! فلاں شخص میرا دلی دوست تھا جو مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا' بھلائی کی ہدایت کرتا تھا' برائی سے روکتا تھا اور مجھے یقین دلایا کرتا تھا کہ ایک روز اللہ سے ملنا ہے پس اے باری تعالیٰ تو اسے راہ حق پر ثابت قدم رکھ یہاں تک کہ اسے بھی تو وہ دکھا جو تو نے مجھے دکھایا ہے اور اس سے بھی اسی طرح راضی ہو جا جس طرح مجھ سے راضی ہوا ہے - اللہ کی طرف سے جواب ملتا ہے تو ٹھنڈے کلیجوں چلا جا - اس کے لئے جو کچھ میں نے تیار کیا ہے اگر تو اسے دیکھ لیتا تو تو بہت ہنستا اور بالکل آزردہ نہ ہوتا - پھر جب دوسرا دوست مرتا ہے اور ان کی روحیں ملتی ہیں تو کہا جاتا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا تعلق بیان کرو - پس ہر ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ یہ میرا بڑا اچھا بھائی تھا اور نہایت نیک ساتھی تھا اور بہت بہتر دوست تھا - دو کافر جو آپس میں ایک دوسرے کے دوست تھے جب ان میں سے ایک مرتا ہے اور جہنم کی خبر دیا جاتا ہے تو اسے بھی اپنا دوست یاد آتا ہے اور کہتا ہے باری تعالیٰ فلاں شخص میرا دوست تھا' تیری اور تیرے نبی کی نافرمانی کی مجھے تعلیم دیتا تھا' برائیوں کی رغبت دلاتا تھا' بھلائیوں سے روکتا تھا اور تیری ملاقات نہ ہونے کا مجھے یقین دلاتا تھا - پس تو اسے میرے بعد ہدایت نہ کرتا کہ وہ بھی وہی دیکھے جو میں نے دیکھا اور اس پر تو اسی طرح ناراض ہو جس طرح مجھ پر غضب ناک ہوا -

پھر جب دوسرا دوست مرتا ہے اور ان کی روحیں جمع ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کے اوصاف بیان کرو تو ہر ایک کہتا ہے تو بڑا برا بھائی تھا اور برا ساتھی تھا اور بدترین دوست تھا - حضرت ابن عباسؓ حضرت مجاہدؒ اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ہر دوستی قیامت کے دن دشمنی سے بدل جائے گی مگر پرہیزگاروں کی دوستی - ابن عساکر میں ہے کہ جن دو شخصوں نے اللہ کے لئے آپس میں دوستانہ کر رکھا ہے خواہ ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں لیکن قیامت کے دن اللہ انہیں جمع کر کے فرمائے گا کہ یہ ہے جسے تو میری وجہ سے چاہتا تھا -

پھر فرمایا کہ ان متقیوں سے روز قیامت میں کہا جائے گا کہ تم خوف و ہراس سے دور ہو - ہر طرح امن چین سے رہو سہو یہ ہے تمہارے ایمان و اسلام کا بدلہ - یعنی باطن میں یقین و اعتقاد کامل اور ظاہر میں شریعت پر عمل - حضرت معتمر بن سلیمانؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن جب کہ لوگ اپنی اپنی قبروں سے کھڑے کئے جائیں گے تو سب کے سب گھبراہٹ اور بے چینی میں ہوں گے اس وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ اے میرے بندو! آج کے دن نہ تم پر خوشی ہے نہ خوف تو تمام کے تمام اسے عام سمجھ کر خوش ہو جائیں گے وہیں

منادی کہے گا وہ لوگ جو دل سے ایمان لائے تھے اور جسم سے نیک کام کئے تھے' اس وقت سوائے سچے پکے مسلمانوں کے باقی سب مایوس ہو جائیں گے' پھر ان سے کہا جائے گا کہ تم نعمت وسعادت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ سورۂ روم میں اس کی تفسیر گذر چکی ہے۔

يُطَافُ عَلَيْهِم بِصِحَافٍ مِّن ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾

ان کے چاروں طرف سونے کی رکابیاں اور سونے کے گلاسوں کا دور لگا دیا جائے گا' ان کے جی جس چیز کی خواہش کریں اور جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں سب وہاں ہوگا اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے ○ یہی وہ بہشت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث بنائے گئے ہو ○ یہاں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں جنہیں تم کھاتے رہو گے ○

جنت کی نعمتیں: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۳) چاروں طرف سے ان کے سامنے طرح طرح کے ملذذ مرغن خوش ذائقہ مرغوب کھانوں کی طشتریاں' رکابیاں اور پیالیاں پیش ہوں گی اور چھلکتے ہوئے جام ہاتھوں میں لئے غلمان ادھر ادھر گردش کر رہے ہوں گے تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ اور تَشْتَهِي الْأَنفُسُ دونوں قرأتیں ہیں۔ یعنی انہیں مزیدار' خوشبو والے' اچھی رنگت والے' من مانے کھانے پینے ملیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے نیچے درجے کا جنتی جو سب سے آخر میں جنت میں جائے گا اس کی نگاہ سو سال کے راستے تک جاتی ہوگی لیکن برابر وہاں تک اسے اپنے ہی ڈیرے اور محل سونے کے اور زمرد کے نظر آئیں گے جو تمام کے تمام قسم قسم اور رنگ برنگ کے ساز وسامان سے پر ہوں گے' صبح شام ستر ستر ہزار رکابیاں پیالے الگ الگ وضع کے کھانے سے پر اس کے سامنے رکھے جائیں گے جن میں سے ہر ایک اس کی خواہش کے مطابق ہوگا اور اول سے آخر تک اس کی اشتہاء برابر اور یکساں رہے گی۔ اگر وہ روئے زمین والوں کی دعوت کر دے تو سب کو کفایت ہو جائے اور کچھ نہ گھٹے۔ (عبدالرزاق)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جنتی ایک لقمہ اٹھائے گا اور اس کے دل میں خیال آئے گا کہ فلاں قسم کا کھانا ہوتا تو اچھا ہوتا چنانچہ وہ نوالہ اس کے منہ میں وہ چیز بن جائے گا جس کی اس نے خواہش کی تھی' پھر آپ نے اس آیتکی تلاوت کی۔ مسند احمد میں ہے اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں سب سے ادنیٰ مرتبے کے جنتی کے بالا خانے کی سات منزلیں ہوں گی یہ چھٹی منزل میں ہوگا اور اس کے اوپر ساتویں ہوگی۔ اس کے تیس خادم ہوں گے جو صبح شام تین سو سونے کے برتنوں میں اس کے لئے طعام وشراب پیش کریں گے' ہر ایک میں الگ الگ قسم کا عجیب وغریب اور نہایت لذیذ کھانا ہوگا' اول سے آخر تک اسے کھانے کی اشتہا ویسی ہی رہے گی۔ اسی طرح تین سو سونے کے پیالوں اور کٹوروں اور گلاسوں میں اسے پینے کی چیزیں دی جائیں گی۔ وہ بھی ایک سے ایک سوا ہوگی۔ یہ کہے گا کہ اے اللہ! اگر تو مجھے اجازت دے تو میں تمام جنتیوں کی دعوت کروں۔ سب بھی اگر میرے ہاں کھائیں تو بھی میرے کھانے میں کمی نہیں آ سکتی اور اس کی بہتر بیویاں حورعین میں سے ہوں گی اور دنیا کی اور بیویاں الگ ہوں گی۔ ان میں سے ایک ایک میل میل بھر کی جگہ میں بیٹھے گی۔ پھر ساتھ ہی ان سے کہا جائے گا کہ یہ نعمتیں بھی ہمیشہ رہنے والی ہیں اور تم بھی یہاں ہمیشہ ہی رہو گے۔ نہ موت آئے نہ گھاٹا آئے نہ جگہ بدلے نہ تکلیف پہنچے' پھر ان پر اپنا فضل واحسان بتایا جاتا ہے کہ تمہارے اعمال کا بدلہ میں نے اپنی وسیع رحمت سے تمہیں یہ دیا ہے

کیونکہ کوئی شخص بغیر رحمت اللہ کے صرف اپنے اعمال کی بنا پر جنت میں نہیں جا سکتا۔ البتہ جنت کے درجوں میں تفاوت جو ہوگا وہ نیک اعمال کے تفاوت کی وجہ سے ہوگا۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جہنمی اپنی جنت کی جگہ جہنم سے دیکھیں گے اور حسرت وافسوس سے کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہدایت کرتا تو میں بھی متقیوں میں ہو جاتا اور ہر ایک جنتی بھی اپنی جہنم کی جگہ جنت میں سے دیکھے گا اور اللہ کا شکر کرتے ہوئے کہے گا کہ ہم خود اپنے طور پر راہ راست کے حاصل کرنے پر قادر نہ تھے اگر اللہ تعالیٰ نے خود ہماری رہنمائی نہ کرتا۔ آپ فرماتے ہیں ہر ہر شخص کی ایک جگہ جنت میں ہے اور ایک جگہ جہنم میں۔ پس کافر مومن کی جہنم کی جگہ کا وارث ہوگا اور مومن کافر کی جنت کی جگہ کا وارث ہوگا۔ یہی فرمان باری ہے کہ اس جنت کے وارث تم بہ سبب اپنے اعمال کے بنائے گئے ہو' کھانے پینے کے ذکر کے بعد اب میووں اور ترکاریوں کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ بھی بہ کثرت مرغوب طبع انہیں ملیں گی۔ جس قسم کی یہ چاہیں اور ان کی خواہش ہو۔ غرض بھرپور نعمتوں کے ساتھ رب کی رضامندی کے گھر میں ہمیشہ رہیں گے' اللہ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ آمین۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٨٠﴾

بے شک گنہگار لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ○ یہ عذاب کبھی بھی ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے ○ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے ○ اور پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے' وہ کہے گا کہ تمہیں تو ہمیشہ رہنا ہے ○ ہم تو تمہارے پاس حق لے آئے لیکن تم میں کے اکثر لوگ حق سے نفرت رکھنے والے ہیں ○ کیا انہوں نے کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو یقین مانو کہ ہم بھی پختہ کام کرنے والے ہیں ○ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کے مشوروں کو نہیں سنتے؟ سن رہے ہیں بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں ○

دوزخ اور دوزخیوں کی درگت: ☆☆ (آیت: ۷۴-۸۰) اوپر چونکہ نیک لوگوں کا حال بیان ہوا تھا اس لئے یہاں بدبختوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ یہ گنہگار جہنم کے عذابوں میں ہمیشہ رہیں گے' ایک ساعت بھی انہیں ان عذابوں میں تخفیف نہ ہوگی اور اس میں وہ ناامید محض ہو کر پڑے رہیں گے۔ ہر بھلائی سے وہ مایوس ہو جائیں گے' ہم ظلم کرنے والے نہیں بلکہ انہوں نے خود اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اپنی جان پر آپ ہی ظلم کیا۔ ہم نے رسول بھیجے' کتابیں نازل فرمائیں' حجت قائم کر دی۔ لیکن یہ اپنی سرکشی سے' عصیان سے' طغیان سے باز نہ آئے' اس پر یہ بدلہ پایا۔ اس میں اللہ کا کوئی ظلم نہیں اور نہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے۔ یہ جہنمی مالک کو یعنی داروغہ جہنم کو پکاریں گے۔

صحیح بخاری میں ہے حضورؐ نے ممبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ موت کی آرزو کریں گے تا کہ عذاب سے چھوٹ جائیں لیکن اللہ کا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا یعنی نہ تو انہیں موت آئے گی اور نہ عذاب کی

تخفیف ہوگی۔ اور فرمان باری ہے وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى "یعنی وہ بد بخت اس نصیحت سے علیحدہ ہو جائے گا جو بڑی سخت آگ میں پڑے گا پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جئے گا"۔ پس جب وہ داروغہ جہنم سے نہایت لجاجت سے کہیں گے کہ آپ ہماری موت کی دعا اللہ سے کیجئے تو وہ جواب دے گا کہ تم اسی میں پڑے رہنے والے ہو' مرو گے نہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں مکث ایک ہزار سال ہے۔ یعنی نہ مرو گے نہ چھٹکارا پاؤ گے نہ بھاگ سکو گے' پھر ان کی سیاہ کاری کا بیان ہو رہا ہے کہ جب ہم نے ان کے سامنے حق کو پیش کر دیا' واضح کر دیا تو انہوں نے مانا تو ایک طرف' اس سے نفرت کی۔ ان کی طبیعت ہی اس طرف مائل نہ ہوئی' حق اور حق والوں سے نفرت کرتے رہے' اس سے رکتے رہے۔ ہاں ناحق کی طرف مائل رہے۔ ناحق والوں سے ان کی خوب بنتی رہی۔ پس تم اپنے نفس کو ہی ملامت کرو اور اپنے ہی اوپر افسوس کرو لیکن آج کا افسوس بھی بے فائدہ ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے بدترین مکر اور زبردست داؤ کھیلنا چاہا تو ہم نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا' حضرت مجاہدؒ کی یہی تفسیر ہے۔ اور ان کی شہادت اس آیت میں ہے وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ یعنی انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی اس طرح مکر کیا کہ انہیں پتہ بھی نہ چلا۔ مشرکین حق کو ٹالنے کے لئے طرح طرح کی حیلہ سازی کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں دھوکے میں ہی رکھا اور ان کا وبال جب تک ان کے سروں پر نہ آ گیا اور ان کی آنکھیں نہ کھلیں' اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ کیا ان کا گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور خفیہ سرگوشیاں سن نہیں رہے؟ ان کا گمان بالکل غلط ہے' ہم تو ان کی سرشت تک سے واقف ہیں بلکہ ہمارے مقرر کردہ فرشتے بھی ان کے پاس بلکہ ان کے ساتھ ہیں جو نہ صرف دیکھ ہی رہے ہیں بلکہ لکھ بھی رہے ہیں۔

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ﴿٨١﴾ سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٨٣﴾ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾

کہہ دے کہ اگر بالفرض رحمان کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے عبادت گذار ہوتا ○ آسمان وزمین اور عرش کا رب جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اس سے بہت پاک ہے ○ اب تو انہیں اسی بحث مباحثہ اور کھیل کود میں چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑ جائے جس کا یہ وعدہ دیئے جاتے ہیں ○ وہی آسمانوں میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے اور وہ بڑی حکمت والا اور پورے علم والا ہے ○

جہالت وخباثت کی انتہا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے: ☆☆ (آیت:۸۱-۸۴) اے نبی! آپ اعلان کر دیجئے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کی اولاد ہو تو مجھے سر جھکانے میں کیا تامل ہے؟ نہ میں اس کے فرمان سے سرتابی کروں نہ اس کے حکم کو ٹالوں' اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلے میں اسے مانتا اور اس کا اقرار کرتا۔ لیکن اللہ کی ذات ایسی نہیں جس کا کوئی ہمسر اور جس کا کوئی کفو ہو۔ یاد رہے کہ بطور شرط کے جو کلام وارد کیا جائے اس کا وقوع ضروری نہیں بلکہ امکان بھی ضروری نہیں۔ جیسے فرمان باری ہے لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ الخ' یعنی اگر حضرت حق جل وعلا اولاد کی خواہش کرتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا لیکن وہ اس سے پاک ہے' اس کی شان

وحدانیت اس کے خلاف ہے' اس کا تنہا غلبہ اور قہاریت اس کی صریح منافی ہے۔ بعض مفسرین نے عَابِدِیْنَ کے معنی انکاری کے بھی کئے ہیں جیسے حضرت سفیان ثوریؒ۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عابدین سے مراد یہاں اَوَّلُ الْجَاحِدِیْنَ ہے یعنی پہلا انکار کرنے والا اور یہ عَبَدَ یَعْبُدُ کے باب سے ہے اور جو عبادت کے معنی میں ہوتا ہے وہ عَبَدَ یَعْبُدُ سے ہوتا ہے۔ اسی کی شہادت میں یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک عورت کے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ ہوا' حضرت عثمانؓ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؓ نے اس کی مخالفت کی اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا یعنی حمل کی اور دودھ کی چھٹائی کی مدت ڈھائی سال کی ہے۔ اور جگہ اللہ عزوجل نے فرمایا وَفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ دو سال کے اندر اندر دودھ چھڑانے کی مدت ہے حضرت عثمانؓ ان کا انکار نہ کر سکے اور فوراً آدمی بھیجا کہ اس عورت کو واپس کرو۔ یہاں بھی لفظ عبد ہے یعنی انکار نہ کر سکے۔ ابن وہبؒ کہتے ہیں عبد کے معنی نہ ماننا' انکار کرنا ہے۔ شاعر کے شعر میں بھی عَبَدَ انکار کے اور نہ ماننے کے معنی میں ہے۔ لیکن اس قول میں نکارتہے اس لئے کہ شرط کے جواب میں یہ کچھ ٹھیک طور پر لگتا نہیں' اسے ماننے کے بعد مطلب یہ ہوگا کہ اگر رحمان کی اولاد ہے تو میں پہلا منکر ہوں اور اس میں کلام کی خوبصورتی قائم نہیں رہتی۔ ہاں صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان شرط کے لئے نہیں ہے بلکہ نفی کے لئے ہے جیسے کہ ابن عباسؓ سے منقول بھی ہے۔ تو اب مضمون کلام یہ ہوگا کہ چونکہ رحمان کی اولاد نہیں پس میں اس کا پہلا گواہ ہوں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یہ کلام عرب کے محاورے کے مطابق ہے یعنی نہ رحمان کی اولاد نہ میں اس کا قائل وعابد۔ ابوصخرؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں تو پہلے ہی اس کا عابد ہوں کہ اس کی اولاد ہے ہی نہیں اور میں اس کی توحید کو ماننے میں بھی آگے آگے ہوں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں میں اس کا پہلا عبادت گذار ہوں اور موحد ہوں اور تمہاری تکذیب کرنے والا ہوں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں پہلا انکاری ہوں' یہ دونوں لغت میں عَابِد اور عَبِد اور اول ہی زیادہ قریب ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ شرط و جزا ہے لیکن یہ ممتنع اور محال محض ناممکن۔ سدیؒ فرماتے ہیں اگر اس کی اولاد ہوتی تو میں اسے پہلے مان لیتا کہ اس کی اولاد ہے لیکن وہ اس سے پاک ہے۔ ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں اور جو لوگ اِنْ کو نافیہ بتلاتے ہیں ان کے قول کی تردید کرتے ہیں' اسی لئے باری تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ آسمان وزمین اور تمام چیزوں کا خالق اس سے پاک' بہت دور اور بالکل منزہ ہے کہ اس کی اولاد ہو' وہ فرد' احد' صمد ہے' اس کی نظیر' کفو' اولاد کوئی نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی! انہیں اپنی جہالت میں غوطے کھاتے چھوڑ دو اور دنیا کے کھیل تماشوں میں مشغول رہنے دو' اسی غفلت میں ان پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ اس وقت اپنا انجام معلوم کر لیں' پھر ذات حق کی بزرگی اور عظمت اور جلال کا مزید بیان ہوتا ہے کہ زمین وآسمان کی تمام مخلوقات اس کی عابد ہے' اس کے سامنے پست اور عاجز ہے۔ وہ خبیر وعلیم ہے۔

وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

اور وہ بہت برکتوں والا ہے جس کے پاس آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت ہے' قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے اور اسی کی جانب تم سب لوٹائے جاؤ گے ○ جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں مستحق شفاعت وہ ہیں جو حق بات کا اقرار کریں اور انہیں علم بھی ہو ○

اللہ تعالیٰ کی چند صفات: ☆☆ (آیت: ۸۵-۸۶) جیسے اور آیت میں ہے کہ زمین و آسمان میں اللہ وہی ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو اور تمہارے ہر ہر عمل کو جانتا ہے وہ سب کا خالق و مالک سب کو بسانے اور بنانے والا سب پر حکومت اور سلطنت رکھنے والا بڑی برکتوں والا ہے۔ وہ تمام عیبوں سے کل نقصانات سے پاک ہے وہ سب کا مالک ہے بلندیوں اور عظمتوں والا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کا حکم ٹال سکے کوئی نہیں جو اس کی مرضی بدل سکے ہر ایک پر قابض وہی ہے ہر ایک کام اس کی قدرت کے ماتحت ہے۔ قیامت آنے کے وقت کو وہی جانتا ہے۔ اس کے سوا کسی کو اس کے آنے کے ٹھیک وقت کا علم نہیں۔ ساری مخلوق اس کی طرف لوٹائی جائے گی۔ وہ ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا بدلہ دے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کافروں کے معبودان باطل جنہیں یہ اپنا سفارشی خیال کئے بیٹھے ہیں ان میں سے کوئی بھی سفارش کے لئے آگے بڑھ نہیں سکتا کسی کی شفاعت انہیں کام نہ آئے گی۔ اس کے بعد استثناء منقطع ہے یعنی لیکن جو شخص حق کا اقراری اور شاہد ہو اور وہ خود بھی بصیرت و بصارت پر یعنی علم و معرفت والا ہو اسے اللہ کے حکم سے نیک لوگوں کی شفاعت کارآمد ہوگی۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

ع ۷ (۲۲) ۱۲

اگر تو ان سے دریافت کرے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے پھر یہ کہاں الٹے جاتے ہیں ○ اور پیغمبر کا اکثر یہ کہنا کہ اے میرے رب! یقیناً یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے ○ پس تو ان سے منہ پھیر لے اور رخصتانہ سلام کہہ دے انہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا ○

مشرکین کی کم عقلی: ☆☆ (آیت: ۸۷-۸۹) ان سے اگر تو پوچھے کہ ان کا خالق کون ہے؟ تو یہ اقرار کریں گے کہ اللہ ہی ہے۔ افسوس کہ خالق اسی ایک کو مان کر پھر عبادت دوسروں کی بھی کرتے ہیں جو محض مجبور اور بالکل بے قدرت ہیں اور کبھی اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے کہ جب پیدا اسی ایک نے کیا تو ہم دوسرے کی عبادت کیوں کریں؟ جہالت و خباثت کند ذہنی اور بے وقوفی اتنی بڑھ گئی ہے کہ ایسی سیدھی سی بات مرتے دم تک سمجھ میں نہ آئی بلکہ سمجھانے سے بھی نہ سمجھا۔ اسی لئے تعجب سے ارشاد ہوا کہ اتنا مانتے ہوئے پھر کیوں اندھے ہو جاتے ہو؟ پھر ارشاد ہے کہ محمد ﷺ نے اپنا یہ کہنا کہا یعنی اپنے رب کی طرف شکایت کی اور اپنی قوم کی تکذیب کا بیان کیا کہ یہ ایمان قبول نہیں کرتے۔

جیسے اور آیت میں ہے وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا یعنی رسول کی یہ شکایت اللہ کے سامنے ہوگی کہ میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ امام ابن جریرؒ بھی یہی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ هٰٓؤُلَاۗءِ ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اللہ عزوجل اپنے نبی کا قول نقل فرما رہا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یہ تمہارے نبی کا قول ہے۔ اپنے رب کے سامنے اپنی قوم کی شکایت پیش کرتے ہیں۔ ابن جریرؒ نے قیلہ کی دوسری قرأت لام کے زیر کے ساتھ بھی نقل کی ہے۔ اس کی ایک توجیہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ پر معطوف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں فعل مقدر مانا جائے یعنی قال کو مقدر مانا جائے۔ دوسری قرأت یعنی لام کے زیر کے ساتھ جب ہو تو یہ عطف ہوگا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ پر تو تقدیر یوں ہوگی کہ قیامت کا علم اور اس قول کا علم اس کے پاس ہے۔ ختم سورت پر ارشاد ہوتا ہے کہ مشرکین سے منہ موڑ لے اور ان کی بد زبانی کا بدکلامی سے جواب نہ دو بلکہ ان کے دل پرچانے کی خاطر قول میں اور فعل میں دونوں میں نرمی برتو کہہ دو کہ سلام ہے۔ انہیں ابھی

حقیقت حال معلوم ہو جائے گی ۔ اس میں رب قدوس کی طرف سے مشرکین کو بڑی دھمکی ہے اور یہی ہو کر بھی رہا کہ ان پر وہ عذاب آیا جو ان سے ٹل نہ سکا ۔ حضرت حق جل وعلا نے اپنے دین کو بلند و بالا کیا' اپنے کلمہ کو چاروں طرف پھیلا دیا' اپنے موحد مومن اور مسلم بندوں کو قوی کر دیا اور پھر انہیں جہاد کے اور جلاوطن کرنے کے احکام دے کر اس طرح دنیا میں غالب کر دیا' اللہ کے دین میں بے شمار آدمی داخل ہوئے اور مشرق ومغرب میں اسلام پھیل گیا' فالحمدللہ ۔ واللہ اعلم ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سورۂ زخرف کی تفسیر ختم ہوئی ۔

تفسیر سورة الدخان

ترمذی شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص رات کو سورۂ حم دخان پڑھے اس کے لئے صبح تک ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے رہتے ہیں ۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی عمرو بن ابی خثعم ضعیف ہیں ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں ۔ ترمذی کی اور حدیث میں ہے کہ جس نے اس سورۃ کو جمعہ کی رات پڑھا اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ۔ یہ حدیث بھی غریب ہے اور اس کے ایک راوی ابوالمقدام ہشام ضعیف ہیں اور دوسرے راوی حضرت حسن کا حضرت ابو ہریرہؓ سے سننا ثابت نہیں ۔ مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد کے سامنے اپنے دل میں سورۂ دخان کو پوشیدہ کر کے اس سے پوچھا کہ بتا میرے دل میں کیا ہے؟ اس نے کہا دخ ۔ آپ نے فرمایا بس پرے ہٹ جا' نامراد رہ گیا ۔ جو اللہ چاہتا ہے ہوتا ہے' پھر آپ لوٹ گئے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝۳ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝۴ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝۵ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝۷ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۸
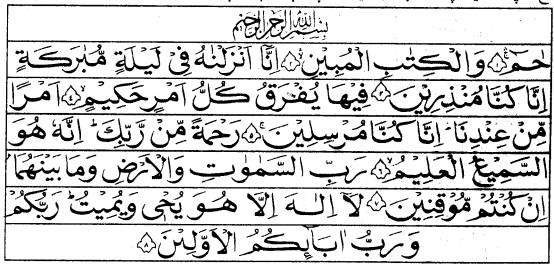
اللہ تعالیٰ مہربان وکرم فرما کے نام سے شروع ○

قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی ○ یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے بیشک ہم ہوشیار کر دینے والے ہیں ○ اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے ○ ہمارے پاس سے حکم ہو کر ۔ ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجنے والے ○ تیرے رب کی مہربانی سے' وہ ہے بہت بڑا سننے والا جاننے والا ○ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' اگر تم یقین کرنے والے ہو ○ کوئی معبود نہیں اس کے سوا' وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے' وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا ○

عظیم الشان قرآن کریم کا نزول اور ماہ شعبان: ☆☆ (آیت: ۱-۸) اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس عظیم الشان قرآن کریم کو بابرکت رات یعنی لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے ۔ جیسے ارشاد ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے

اور یہ رات رمضان المبارک میں ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم اتارا گیا۔ سورۂ بقرہ میں اس کی پوری تفسیر گذر چکی ہے۔ اس لئے یہاں دوبارہ نہیں لکھتے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لیلہ مبارکہ جس میں قرآن شریف نازل ہوا وہ شعبان کی پندرہویں رات ہے' یہ قول سراسر بے دلیل ہے' اس لئے کہ نص قرآن سے قرآن کا رمضان میں نازل ہونا ثابت ہے اور جس حدیث میں مروی ہے کہ شعبان میں اگلے شعبان تک کے تمام کام مقرر کر دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ نکاح کا اور اولاد کا اور میت کا ہونا بھی وہ حدیث مرسل ہے' اور ایسی احادیث سے نص قرآن کا معارضہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم لوگوں کو آگاہ کر دینے والے ہیں یعنی انہیں خیر و شر نیکی بدی معلوم کرا دینے والے ہیں تا کہ مخلوق پر حجت ثابت ہو جائے اور لوگ علم شرعی حاصل کر لیں' اسی شب ہر محکم کام طے کیا جاتا ہے یعنی لوح محفوظ سے کاتب فرشتوں کے حوالے کیا جاتا ہے۔ تمام سال کے کل اہم کام عمر روزی وغیرہ سب طے کر لی جاتی ہے۔ حکیم کے معنی محکم اور مضبوط کے ہیں جو بدلے نہیں' وہ سب ہمارے حکم سے ہوتا ہے' ہم رسل کے ارسال کرنے والے ہیں تا کہ وہ اللہ کی آیتیں اللہ کے بندوں کو پڑھ سنائیں جس کی انہیں سخت ضرورت اور پوری حاجت ہے' یہ تیرے رب کی رحمت ہے' اس رحمت کا کرنے والا' قرآن کو اتارنے والا اور رسولوں کو بھیجنے والا وہ اللہ ہے جو آسمان و زمین اور کل چیز کا مالک ہے اور سب کا خالق ہے۔ تم اگر یقین کرنے والے ہو تو اس کے باور کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں' پھر ارشاد ہوا کہ معبود برحق بھی صرف وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہر ایک کی موت و زیست اسی کے ہاتھ ہے' تمہارا اور تم سے اگلوں کا سب کا پالنے پوسنے والا وہی ہے۔ اس آیت کا مضمون اس آیت جیسا ہے۔ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا الخ' یعنی تو اعلان کر دے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں' وہ اللہ جس کی بادشاہت ہے آسمان و زمین کی' جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو جلاتا اور مارتا ہے۔ الخ

بَلْ هُمْ فِیْ شَکٍّ یَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾ فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۰﴾ یَّغْشَی النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱﴾

بلکہ وہ شک میں ہیں کھیل میں پڑے ہیں ○ تو اس دن کا منتظر رہ جب کہ آسمان ظاہر دھواں لائے ○ جو لوگوں کو گھیر لے یہ ہے دکھ کی مار ○

دھواں ہی دھواں اور کفار: ☆☆ (آیت: ۹-۱۱) فرماتے ہے کہ حق آ چکا اور یہ شک وشبہ میں اور لہو و لعب میں مشغول و مصروف ہیں۔ انہیں اس دن سے آگاہ کر دے جس دن آسمان سے سخت دھواں آئے گا۔ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ کوفے کی مسجد میں گئے جو کندہ کے دروازوں کے پاس ہے تو دیکھا کہ ایک حضرت اپنے ساتھیوں میں قصہ گوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس دھوئیں کا ذکر ہے اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قیامت کے دن منافقوں کے کانوں اور آنکھوں میں بھر جائے گا اور مومنوں کو مثل زکام کے ہو جائے گا۔ ہم وہاں سے جب واپس لوٹے اور حضرت ابن مسعودؓ سے اس کا ذکر کیا تو آپ لیٹے لیٹے بے تابی کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا اور میں تکلف کرنے والوں میں نہیں ہوں۔ یہ بھی علم ہے کہ انسان جس چیز کو نہ جانتا ہو کہہ دے کہ اللہ جانے۔ سنو میں تمہیں اس آیت کا صحیح مطلب سناؤں جب کہ قریشیوں نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی اور حضور ﷺ کو ستانے لگے تو آپ نے ان پر بددعا کی کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے جیسا قحط ان پر آ پڑے۔ چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی اور ایسی خشک سالی آئی کہ انہوں نے ہڈیاں اور مردار چبانا شروع کیا اور آسمان کی طرف نگاہیں ڈالتے تھے تو دھوئیں کے سوا کچھ

دکھائی نہ دیتا تھا اور روایت میں ہے کہ بوجہ بھوک کے ان کی آنکھوں میں چکر آنے لگے۔ جب آسمان کی طرف نظر اٹھاتے تو درمیان میں ایک دھواں نظر آتا۔ اسی کا بیان ان دو آیتوں میں ہے۔ لیکن پھر اس کے بعد لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی ہلاکت کی شکایت کی۔ آپ کو رحم آ گیا اور آپؐ نے جناب باری میں التجا کی چنانچہ بارش برسی۔ اسی کا بیان اس کے بعد والی آیت میں ہے کہ عذاب کے ہٹتے ہی پھر کفر کرنے لگیں گے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ یہ دنیا کا عذاب ہے کیونکہ آخرت کے عذاب تو ہٹتے' کھلتے اور دور ہوتے نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ پانچ چیزیں گذر چکیں۔ دخان' روم' قمر' بطشہ اور لزام (بخاری ومسلم) یعنی آسمان سے دھوئیں کا آنا۔ رومیوں کا اپنی شکست کے بعد غلبہ پانا۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا۔ بدر کی لڑائی میں کفار کا پکڑا جانا اور ہارنا اور چمٹ جانے والا عذاب۔ بڑی سخت پکڑ سے مراد بدر کے دن کی لڑائی ہے۔ یہی قول حضرت ابن مسعودؓ نخعی' ضحاک' عطیہ عوفی رحمہم اللہ عنہم وغیرہ کا ہے اور اسی کو ابن جریرؒ بھی ترجیح دیتے ہیں۔ عبدالرحمن اعرجؒ سے مروی ہے کہ یہ فتح مکہ کے دن ہوا۔ یہ قول بالکل غریب بلکہ منکر ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں یہ گذر نہیں گیا بلکہ قریب قیامت کے آئے گا۔ پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ صحابہؓ جب قیامت کا ذکر کر رہے تھے اور حضورؐ آ گئے تو آپ نے فرمایا جب تک دس نشانات تم نہ دیکھ لو قیامت نہیں آئے گی۔ سورج کا مغرب سے نکلنا' دھواں' یاجوج ماجوج کا آنا' حضرت عیسیٰ ابن مریم کا آنا' دجال کا آنا' مشرق ومغرب اور جزیرۃ العرب میں زمین کا دھنسایا جانا' آگ کا عدن سے نکل کر لوگوں کو ہانک کر ایک جا کرنا۔ جہاں یہ رات گذاریں گے آگ بھی گذارے گی اور جہاں یہ دوپہر کو سوئیں گے آگ بھی قیلولہ کرے گی۔ (مسلم)

بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد کے لئے دل میں فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ چھپا کر اس سے پوچھا کہ بتا میں نے اپنے دل میں کیا چھپا رکھا ہے؟ اس نے کہا دخ' آپ نے فرمایا بس برباد ہو اس سے آگے تیری نہیں چلنے کی۔ اس میں بھی ایک قسم کا اشارہ ہے کہ ابھی اس کا انتظار باقی ہے اور یہ کوئی آنے والی چیز ہے چونکہ ابن صیاد بطور کاہنوں کے بعض باتیں دل کی زبان سے بتانے کا مدعی تھا' اس کے جھوٹ کو ظاہر کرنے کے لئے آپ نے یہ کیا اور جب وہ پورا نہ بتا سکا تو آپ نے لوگوں کو اس کی حالت سے واقف کر دیا کہ اس کے ساتھ شیطان ہے' کلام صرف چرا لیتا ہے اور یہ اس سے زیادہ قدرت نہیں پانے کا۔ ابن جریر میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں قیامت کی اولین نشانیاں یہ ہیں۔ دجال کا آنا اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نازل ہونا اور آگ کا بیچ عدن سے نکلنا جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی قیلولے کے وقت اور رات کی نیند کے وقت بھی ان کے ساتھ رہے گی اور دھویں کا آنا۔ حضرت حذیفہؓ نے سوال کیا کہ حضورؐ دھواں کیسا؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ دھواں چالیس دن تک گھٹا رہے گا جس سے مسلمان کو تو مثل نزلے کے ہو جائے گا اور کافر بے ہوش بدمست ہو جائے گا۔ اس کے نتھنوں سے' کانوں سے اور دوسری جگہ سے دھواں نکلتا رہے گا۔ یہ حدیث اگر صحیح ہوتی تو پھر دخان کے معنی مقرر ہو جانے میں کوئی بات باقی نہ رہتی لیکن اس کی صحت کی گواہی نہیں دی جا سکتی۔ اس کے راوی رواد سے محمد بن خلف عسقلانی نے سوال کیا کہ کیا سفیان ثوریؒ سے تو نے خود یہ حدیث سنی ہے؟ اس نے انکار کیا' پوچھا کیا تو نے پڑھی اور اس نے سنی ہے؟ کہا نہیں۔ پوچھا اچھا تمہاری موجودگی میں اس کے سامنے یہ حدیث پڑھی گئی؟ کہا نہیں' کہا پھر تم اس حدیث کو کیسے بیان کرتے ہو؟ کہا میں نے تو بیان نہیں کی' میرے پاس کچھ لوگ آئے' اس روایت کو پیش کیا پھر جا کر میرے نام سے اسے بیان کرنا شروع کر دیا۔ بات بھی یہی ہے یہ حدیث بالکل موضوع ہے۔ ابن جریرؒ اسے کئی جگہ لائے ہیں اور اس میں بہت سی منکرات ہیں۔ خصوصاً مسجد اقصیٰ کے بیان میں جو سورۂ بنی اسرائیل کے شروع میں ہے واللہ اعلم۔

اور حدیث میں ہے کہ تمہارے رب نے تمہیں تین چیزوں سے ڈرایا' دھواں جو مومن کو زکام کر دے گا اور کافر کا تو سارا جسم پھلا دے

گا، روئیں روئیں سے دھواں اٹھے گا' دابۃ الارض اور دجال - اس کی سند بہت عمدہ ہے- حضورؐ فرماتے ہیں دھواں پھیل جائے گا' مومن کو تو مثل زکام کے لگے گا اور کافر کے جوڑ جوڑ سے نکلے گا - یہ حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ کے قول سے بھی مروی ہے اور حضرت حسنؓ کے اپنے قول سے بھی مروی ہے- حضرت علیؓ فرماتے ہیں دخان گذر نہیں گیا بلکہ اب آئے گا - حضرت ابن عمرؓ سے دھویں کی بابت اوپر کی حدیث کی طرح روایت ہے- ابن ابی ملکیہؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا تو آپ فرمانے لگے رات کو میں بالکل نہیں سویا- میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ لوگوں سے سنا کہ دم دار ستارہ نکلا ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہی دخان نہ ہو- پس صبح تک میں نے آنکھ نہیں ملائی - اس کی سند صحیح ہے- اور حبر الامہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ صحابہ اور تابعین بھی ہیں اور مرفوع حدیثیں بھی ہیں- جن میں صحیح حسن اور ہر طرح کی ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دخان ایک علامت قیامت ہے جو آنے والی ہے' ظاہر الفاظ قرآن بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کیونکہ قرآن نے اسے واضح اور ظاہر دھواں کہا ہے جسے ہر شخص دیکھ سکے اور بھوک کے دھوئیں سے اسے تعبیر کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ وہ تو ایک خیالی چیز ہے- بھوک پیاس کی سختی کی وجہ سے دھواں سا آنکھوں کے آگے نمودار ہو جاتا ہے جو دراصل دھواں نہیں اور قرآن کے الفاظ ہیں دُخَانٍ مُّبِیْنٍ کے- پھر یہ فرمان کہ وہ لوگوں کو ڈھانک لے گی یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تائید کرتا ہے کیونکہ بھوک کے اس دھوئیں نے صرف اہل مکہ کو ڈھانپا تھا نہ کہ تمام لوگوں کو' پھر فرماتا ہے کہ یہ ہے المناک عذاب' یعنی ان سے یوں کہا جائے گا- جیسے اور آیت میں ہے یَوْمَ یُدَعُّوْنَ الخ' جس دن انہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا کہ یہ وہ آگ ہے جسے تم جھٹلا رہے تھے- یا یہ مطلب کہ وہ خود ایک دوسرے سے یوں کہیں گے- کافر جب اس عذاب کو دیکھیں گے تو اللہ سے اس کے دور ہونے کی دعا کریں گے جیسے کہ اس آیت میں ہے وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ الخ' یعنی'' کاش کہ تو انہیں دیکھتا جب یہ آگ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے کاش کہ ہم لوٹائے جاتے تو ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلاتے اور باایمان بن کر رہتے''-

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ آفت ہم سے دور کر ہم ایمان قبول کرتے ہیں ○ ان کے لئے نصیحت کہاں ہے؟ کھول کھول کر بیان کرنے والے پیغمبر ان کے پاس آ چکے ○ پھر بھی انہوں نے ان سے منہ موڑا اور کہہ دیا سکھایا پڑھایا ہوا باولا ہے ○ ہم عذاب کو کچھ دنوں دور کر دیں گے تو تم پھر اپنی اسی حالت پر آ جاؤ گے ○ جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے' بالیقین ہم بدلہ لینے والے ہیں ○

روز آخرت توبہ نہیں: ☆☆ (۱۲-۱۶) اور آیت میں ہے ''لوگوں کو ڈراوے کے ساتھ آگاہ کر دے جس دن ان کے پاس عذاب آئے گا' اس دن گنہگار کہیں گے پروردگار ہمیں تھوڑے سے وقت تک اور ڈھیل دے دے تو ہم تیری پکار پر لبیک کہہ لیں اور تیرے رسولوں کی فرماں برداری کر لیں'' پس یہاں یہی کہا جاتا ہے کہ ان کے لئے نصیحت کہاں؟ ان کے پاس میرے پیغامبر آ چکے' انہوں نے ان کے سامنے میرے احکام واضح طور پر رکھ دیئے لیکن ماننا تو کجا انہوں نے پرواہ تک نہ کی بلکہ انہیں جھوٹا کہا' ان کی تعلیم کو غلط کہا اور صاف کہہ دیا کہ یہ تو

سکھائے پڑھائے ہیں انہیں جنون ہو گیا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے "اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا لیکن اب اس کے لئے نصیحت کہاں ہے"؟ اور جگہ فرمایا ہے وَقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ الخ' اس دن عذابوں کو دیکھ کر ایمان لانا سرا سر بے سود ہے' پھر جو ارشاد ہوتا ہے اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اگر بالفرض ہم عذاب ہٹا لیں اور تمہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیں تو بھی تم پھر وہاں جا کر یہی کرو گے جو اس سے پہلے کر کے آئے ہو۔ جیسے فرمایا وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ الخ' یعنی اگر ہم ان پر رحم کریں اور برائی ان سے ہٹا لیں تو پھر یہ اپنی سرکشی میں آنکھیں بند کر کے منہمک ہو جائیں گے' اور جیسے فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ الخ' یعنی "اگر یہ لوٹائے جائیں تو قطعاً دوبارہ پھر ہماری نافرمانیاں کرنے لگیں گے اور محض جھوٹے ثابت ہوں گے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر عذاب کے اسباب قائم ہو چکنے اور عذاب آ جانے کے بعد بھی گو ہم اسے کچھ دیر ٹھہرا لیں تاہم یہ اپنی بدباطنی اور خباثت سے باز نہیں آنے کے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عذاب انہیں پہنچا اور پھر ہٹ گیا۔ جیسے قوم یونسؑ' حضرت حق تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ قوم یونسؑ جب ایمان لائی ہم نے ان سے عذاب ہٹا لیا گویا عذاب انہیں ہونا شروع نہیں ہوا تھا ہاں اس کے اسباب موجود فراہم ہو چکے تھے' ان تک اللہ کا عذاب پہنچ چکا تھا اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے کفر سے ہٹ گئے تھے پھر اس کی طرف لوٹ گئے۔

چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں سے جب قوم نے کہا کہ یا تو تم ہماری بستی چھوڑ دو یا ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ تو جواب میں اللہ کے رسول نے فرمایا کہ گو ہم اسے برا جانتے ہوں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دے رکھی ہے پھر بھی اگر ہم تمہاری ملت میں لوٹ آئیں تو ہم سے بڑھ کر جھوٹا اور اللہ کے ذمے بہتان باندھنے والا اور کون ہو گا؟ ظاہر ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس سے پہلے کبھی کفر میں قدم نہیں رکھا تھا اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ تم لوٹنے والے ہو۔ اس سے مطلب اللہ کے عذاب کی طرف لوٹنا ہے۔ بڑی اور سخت پکڑ سے مراد جنگ بدر ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ اور آپ کے ساتھ کی وہ جماعت جو دخان کو ہو چکا ہوا مانتی ہے وہ تو بطشہ کے معنی یہی کرتی ہے بلکہ حضرت ابن عباسؓ سے' حضرت ابی بن کعبؓ سے اور ایک جماعت سے یہی ہے لیکن بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن کی پکڑ ہے' گو بدر کا دن بھی پکڑ کا اور کفار پر سخت دن تھا۔ ابن جریر میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ گو حضرت ابن مسعودؓ اسے بدر کا دن بتاتے ہیں لیکن میرے نزدیک تو اس سے مراد قیامت کا دن ہے' اس کی اسناد صحیح ہے' حضرت حسن بصریؒ اور عکرمہؒ سے بھی دونوں روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّىْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

یقیناً ان سے پہلے ہم قوم فرعون کو بھی آزما چکے ہیں جن کے پاس اللہ کا ذی عزت رسول آیا کہ ○ اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو یقین مانو کہ میں تمہارا باامانت پیغمبر ہوں ○ تم اللہ کے سامنے سرکشی نہ کرو' میں تمہارے پاس کھلی سند لانے والا ہوں ○ اور میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ تم مجھے سنگسار

کر دو ○ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہی رہو ○ پھر اپنے رب سے دعا کی یہ سب گنہگار لوگ ہیں ○

قبطیوں کا انجام: ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۲) ارشاد ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے پہلے مصر کے قبطیوں کو ہم نے جانچا' ان کی طرف اپنے بزرگ رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا' انہوں نے میرا پیغام پہنچایا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کر دو اور انہیں دکھ نہ دو۔ میں اپنی نبوت پر گواہی دینے والے معجزے اپنے ساتھ لایا ہوں اور ہدایت کے ماننے والے سلامتی سے رہیں گے' مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کا امانت دار بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے' میں تمہیں اس کا پیغام پہنچا رہا ہوں' تمہیں رب کی باتوں کے ماننے سے سرکشی نہ کرنی چاہئے' اس کے بیان کردہ دلائل واحکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہئے۔ اس کی عبادتوں سے جی چرانے والے ذلیل وخوار ہو کر جہنم واصل ہوتے ہیں۔ میں تو تمہارے سامنے کھلی دلیل اور واضح آیت رکھتا ہوں' میں تمہاری بدگوئی اور اتہام سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو صالح تو یہی کہتے ہیں اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مراد پتھراؤ کرنا پتھروں سے مار ڈالنا ہے' یعنی زبانی ایذا سے اور دستی ایذا سے میں اپنے رب کی جو تمہارا بھی مالک ہے پناہ چاہتا ہوں' اچھا اگر تم میری نہیں مانتے' مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے' اللہ پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم میری تکلیف دہی اور ایذا رسانی سے تو باز رہو اور اس کے منتظر رہو جب کہ خود اللہ ہم میں تم میں فیصلہ کر دے گا۔ پھر جب اللہ کے نبی کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک لمبی مدت ان میں گذاری' خوب دل کھول کر تبلیغ کر لی' ہر طرح خیر خواہی کی' ان کی ہدایت کے لئے ہر چند جتن کر لئے اور دیکھا کہ وہ روز بروز اپنے کفر میں بڑھتے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بددعا کی۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے امراء کو دنیوی نمائش اور مال ومتاع دے رکھی ہے' اے اللہ! یہ اس سے دوسروں کو بھی تیری راہ سے بھٹکا رہے ہیں' تو ان کا مال غارت کر اور ان کے دل اور سخت کر دے تا کہ دردناک عذابوں کے معائنہ تک انہیں ایمان نصیب ہی نہ ہو۔ اللہ کی طرف سے جواب ملا کہ اے موسیٰ اور ہارون! میں نے تمہاری دعا قبول کر لی' اب تم استقامت پر تل جاؤ۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ﴿۲۹﴾

ہم نے کہہ دیا کہ راتوں رات تو میرے بندوں کو لے نکل یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا ○ تو دریا کو ساکن چھوڑ چلا جا' بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جائے گا ○ وہ بہت سے باغات اور چشمے چھوڑ گئے ○ اور کھیتیاں اور بہترین مکانات ○ اور وہ آرام کی چیزیں جن میں عیش کر رہے تھے ○ اسی طرح ہو گیا اور ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا ○ سو ان پر نہ تو آسمان وزمین روئے نہ انہیں مہلت ملی ○

(آیت: ۲۳-۲۹) یہاں فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ سے کہا کہ میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات فرعون اور فرعونیوں کی بے خبری میں یہاں سے لے کر چلے جاؤ' یہ کفار تمہارا پیچھا کریں گے۔ لیکن تم بے خوف وخطر چلے جاؤ' میں تمہارے لئے دریا کو خشک کر دوں گا' اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چل پڑے' فرعونی لشکر مع فرعون کے ان کے پکڑنے کو چلا' بیچ میں دریا حائل ہوا' آپ

بنی اسرائیل کو لے کر اس میں اتر گئے' دریا کا پانی سوکھ گیا اور آپ اپنے ساتھیوں سمیت پار ہو گئے تو چاہا کہ دریا پر لکڑی مار کر اسے کہہ دیں کہ اب تو اپنی روانی پر آ جا تا کہ فرعون اس سے گزر نہ سکے۔ وہیں اللہ نے وحی بھیجی کہ اسے اسی حال میں سکون کے ساتھ ہی رہنے دو' ساتھ ہی اس کی وجہ بھی بتا دی کہ یہ سب اسی میں ڈوب مریں گے۔ پھر تو تم سب بالکل ہی مطمئن اور بے خوف ہو جاؤ گے' غرض حکم ہوا تھا کہ دریا کو خشک چھوڑ کر چل دیں۔

رھوا کے معنی سوکھا راستہ جو اصلی حالت پر ہو۔ مقصد یہ ہے کہ پار ہو کر دریا کو روانی کا حکم نہ دینا یہاں تک کہ دشمنوں میں سے ایک ایک اس میں آ نہ جائے۔ اب اسے جاری ہونے کا حکم ملتے ہی سب کو غرق کر دے گا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دیکھو کیسے غارت ہوئے۔ باغات' کھیتیاں' نہریں' مکانات اور بیٹھکیں سب چھوڑ کر فنا ہو گئے' حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں مصر کا دریائے نیل مشرق و مغرب کے دریاؤں کا سردار ہے اور سب نہریں اس کے ماتحت ہیں' جب اس کی روانی اللہ کو منظور ہوتی ہے تو تمام نہروں کو اس میں پانی پہنچانے کا حکم ہوتا ہے' جہاں تک رب کو منظور ہو اس میں پانی آ جاتا ہے' پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اور نہروں کو روک دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اب اپنی اپنی جگہ چلی جاؤ اور فرعونیوں کے یہ باغات دریائے نیل کے دونوں کناروں پر مسلسل چلے گئے تھے' رسواں سے لے کر رشید تک اس کا سلسلہ تھا اور اس کی نو خلیجیں تھیں۔ خلیج اسکندریہ' دمیاط' خلیج سردوس' خلیج منصف' خلیج نبوم' خلیج منتہی اور ان سب میں اتصال تھا' ایک دوسرے سے متصل تھیں اور پہاڑوں کے دامن میں ان کی کھیتیاں تھیں جو مصر سے لے کر دریا تک برابر چلی آتی تھیں۔ ان تمام کو بھی دریا سیراب کرتا تھا۔ بڑے امن چین کی زندگی گذار رہے تھے لیکن مغرور ہو گئے اور آخر ساری نعمتیں یونہی چھوڑ کر تباہ کر دیئے گئے۔ مال و اولاد جاہ و مال سلطنت و عزت ایک ہی رات میں چھوڑ گئے اور بھس کی طرح اڑا دیئے گئے اور گذشتہ کل کی طرح بے نشان کر دیئے گئے' ایسے ڈبوئے گئے کہ ابھر نہ سکے۔ جہنم واصل ہو گئے اور بدترین جگہ پہنچ گئے۔ ان کی یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دے دیں۔

جیسے اور آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کمزوروں کو ان کے صبر کے بدلے اس سرکش قوم کی کل نعمتیں عطا فرما دیں اور بے ایمانوں کا بھرکس نکال ڈالا۔ یہاں بھی دوسری قوم جسے وارث بنایا اس سے مراد بھی بنی اسرائیل ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان پر زمین و آسمان نہ روئے۔ کیونکہ ان پاپیوں کے نیک اعمال تھے ہی نہیں جو آسمانوں پر چڑھتے ہوں اور اب ان کے نہ چڑھنے کی وجہ سے وہ افسوس کریں نہ زمین میں ان کی ایسی جگہیں تھیں کہ جہاں بیٹھ کر یہ اللہ کی عبادت کرتے ہوں اور آج انہیں نہ پا کر زمین کی وہ جگہ ان کا ماتم کرے' انہیں مہلت نہ دی گئی۔ مسند ابو یعلی موصلی میں ہے ہر بندے کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں' ایک سے اس کی روزی اترتی ہے دوسرے سے اس کے اعمال اور اس کے کلام چڑھتے ہیں۔ جب یہ مر جاتا ہے اور وہ عمل و رزق کو گم شدہ پاتے ہیں تو روتے ہیں' پھر اسی آیت کی حضورؐ نے تلاوت کی۔

ابن ابی حاتم میں فرمان رسولؐ ہے کہ اسلام غربت سے شروع ہوا اور پھر غربت پر آ جائے گا' یاد رکھو مومن کا انجام مسافر کی طرح نہیں' مومن جہاں کہیں سفر میں ہوتا ہے جہاں اس کا کوئی رونے والا نہ ہو وہاں بھی اس کے رونے والے آسمان و زمین موجود ہیں' پھر حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا یہ دونوں کفار پر روتے نہیں۔ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ آسمان و زمین کبھی کسی پر روئے بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا آج تو نے وہ بات دریافت کی ہے کہ تجھ سے پہلے مجھ سے اس کا سوال کسی نے نہیں کیا۔ سنو ہر بندے کے لئے زمین میں ایک نماز کی جگہ ہوتی ہے اور ایک جگہ آسمان میں اس کے عمل کے چڑھنے کی ہوتی ہے اور آل فرعون کے نیک اعمال ہی نہ تھے۔ اس وجہ سے نہ زمین ان پر روئی نہ آسمان کو ان پر رونا آیا اور نہ انہیں ڈھیل دی گئی کہ کوئی نیکی بجا لا سکیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ سوال ہوا تو آپ نے بھی قریب قریب یہی جواب دیا بلکہ آپ سے مروی ہے کہ چالیس دن تک زمین مومن پر روتی رہتی ہے۔

حضرت مجاہدؒ نے جب یہ بیان فرمایا تو کسی نے اس پر تعجب کا اظہار کیا آپ نے فرمایا سبحان اللہ اس میں تعجب کی کون سی بات ہے' جو بندہ زمین کو اپنے رکوع وسجود سے آباد رکھتا تھا' جس بندے کی تکبیر وتسبیح کی آوازیں آسمان برابر سنتا رہا تھا' بھلا یہ دونوں اس عابد ربانی پر روئیں گے نہیں؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں فرعونیوں جیسے ذلیل وخوار لوگوں پر یہ کیوں روتے؟ حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں دنیا جب سے رچائی گئی ہے تب سے آسمان صرف دو شخصوں پر رویا ہے۔ ان کے شاگرد سے سوال ہوا کہ کیا آسمان وزمین ہر ایمان دار پر روتے نہیں؟ فرمایا صرف اتنا حصہ جس حصے سے اس کا نیک عمل چڑھتا تھا۔ سنو آسمان کا رونا' اس کا سرخ ہونا اور مثل نری کے گلابی رنگ ہو جانا ہے سو یہ حال صرف دو شخصوں کی شہادت پر ہوا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے قتل کے موقع پر تو آسمان سرخ ہو گیا اور خون برسانے لگا اور دوسرے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر بھی آسمان کا رنگ سرخ ہو گیا تھا (ابن ابی حاتم)

یزید ابن ابی زیاد کا قول ہے کہ قتل حسینؓ کی وجہ سے چار ماہ تک آسمان کے کنارے سرخ رہے اور یہی سرخی اس کا رونا ہے۔ حضرت عطاؒ فرماتے ہیں اس کے کناروں کا سرخ ہو جانا اس کا رونا ہے۔ یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ قتل حسینؓ کے دن جس پتھر کو الٹا جاتا تھا اس کے نیچے سے منجمد خون نکلتا تھا۔ اس دن سورج کو بھی گہن لگا ہوا تھا' آسمان کے کنارے بھی سرخ تھے اور پتھر گرے تھے۔ لیکن یہ سب باتیں بے بنیاد ہیں اور شیعوں کے گھڑے ہوئے افسانے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نواسۂ رسولؐ کی شہادت کا واقعہ نہایت دردانگیز اور حسرت وافسوس والا ہے' لیکن اس پر شیعوں نے جو حاشیہ چڑھایا ہے اور گھڑ گھڑا کر جو باتیں پھیلا دی ہیں' وہ محض جھوٹ اور بالکل گپ ہیں۔ خیال تو فرمایئے کہ اس سے بہت زیادہ اہم واقعات ہوئے اور قتل حسینؓ سے بہت بڑی وارداتیں ہوئی لیکن ان کے ہونے پر بھی آسمان وزمین وغیرہ میں یہ انقلاب نہ ہوا۔ آپ ہی کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قتل کئے گئے جو بالاجماع آپ سے افضل تھے لیکن نہ تو پتھروں تلے سے خون نکلا نہ اور کچھ ہوا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھیر لیا جاتا ہے اور نہایت بے دردی سے بلاوجہ ظلم وستم کے ساتھ انہیں قتل کیا جاتا ہے۔ فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے نماز کی جگہ ہی پر قتل کیا جاتا ہے' یہ وہ زبردست مصیبت تھی کہ اس سے پہلے مسلمان کبھی ایسی مصیبت نہیں پہنچائے گئے تھے لیکن ان واقعات میں سے کسی واقعہ کے وقت ان میں سے ایک بھی بات نہیں ہوئی جو شیعوں نے مقتل حسینؓ کی نسبت مشہور کر رکھی ہیں۔ ان سب کو بھی جانے دیجئے تمام انسانوں کے دینی اور دنیوی سردار سید البشر رسول اللہ ﷺ کو لیجئے جس روز آپ رحلت فرماتے ہیں ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا اور سنئے جس روز حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوتا ہے اتفاقاً اسی روز سورج گہن ہوتا ہے اور کوئی کہہ دیتا ہے کہ ابراہیمؓ کے انتقال کی وجہ سے سورج کو گہن لگا ہے تو رسول اللہ ﷺ گہن کی نماز ادا کر کے فوراً خطبے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں سورج چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے انہیں گہن نہیں لگتا۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾ مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنَٰهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَٰلَمِينَ ﴿٣٢﴾ وَءَاتَيْنَٰهُم مِّنَ الْءَايَٰتِ مَا فِيهِ بَلَٰٓؤٌا مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾

بے شک ہم نے ہی بنی اسرائیل کو سخت ذلیل سزا سے نجات دی○ جو فرعون کی طرف سے ہو رہی تھی فی الواقع وہ سرکش اور حد سے گذر جانے والوں میں تھا○ اور ہم نے دانستہ طور پر بنی اسرائیل کو دنیا جہان والوں پر فوقیت دی○ اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح آزمائش تھی○

(آیت:۳۰-۳۳) اس کے بعد کی آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ ہم نے انہیں فرعون جیسے متکبر حدود شکن کے ذلیل عذابوں سے نجات دی' اس نے بنی اسرائیل کو پست وخوار کر رکھا تھا- ذلیل خدمتیں ان سے لیتا تھا' اپنے نفس کو تو لتار رہتا تھا' خودی اور خود بینی میں لگا ہوا تھا- بیوقوفی سے کسی چیز کی حد بندی کا خیال نہیں کرتا تھا' اللہ کی زمین میں سرکشی کئے ہوئے تھا اور ان بدکاریوں میں اس کی قوم بھی اس کے ساتھ تھی- پھر بنی اسرائیل پر ایک اور مہربانی کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس زمانے کے تمام لوگوں پر انہیں فضیلت عطا فرمائی- ہر زمانے کو عالم کہا جاتا ہے- یہ مراد نہیں کہ تمام اگلوں پچھلوں پر انہیں بزرگی دی- یہ آیت بھی اس آیت کی طرح ہے جس میں فرمان ہے یٰمُوْسٰی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ ''اے موسیٰ! میں نے تمہیں لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی یعنی اس زمانے کے لوگوں پر''-

جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے لئے فرمایا وَاصْطَفٰكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ اس زمانے کی تمام عورتوں پر آپ کو فضیلت ہے- اس لئے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے یقیناً افضل ہیں یا کم از کم برابر- اسی طرح حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو فرعون کی بیوی تھیں اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے فضیلت شوربے میں بھگوئی روٹی کی اور کھانوں پر- پھر بنی اسرائیل پر ایک اور احسان بیان ہو رہا ہے کہ ہم نے انہیں وہ حجت و برہان' دلیل و نشان اور معجزات و کرامات عطا فرمائے جن میں ہدایت کی تلاش کرنے والوں کے لئے صاف صاف امتحان تھا-

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۳۷﴾

یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں ○ کہ آخری چیز یہی ہمارا دنیا سے مرجانا ہے اور ہم پھر دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے ○ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ ○ کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جوان سے بھی پہلے تھے' ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ گنہگار تھے ○

شہنشاہ تبع کی کہانی: ☆☆ (آیت:۳۴-۳۷) یہاں مشرکین کا انکار قیامت اور اس کی دلیل بیان فرما کر خدائے تعالیٰ اس کی تردید کرتا ہے' ان کا خیال تھا کہ قیامت آنی نہیں' مرنے کے بعد جینا نہیں' حشر اور نشر سب غلط ہے- دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا مر گئے وہ کیوں دوبارہ جی کر نہیں آئے؟ خیال کیجئے یہ کس قدر ردی اور بیہودہ دلیل ہے' دوبارہ اٹھ کھڑا ہونا' مرنے کے بعد جینا قیامت کو ہوگا نہ کہ دنیا میں پھر لوٹ کر آئیں گے- اس دن یہ ظالم جہنم کا ایندھن بنیں گے' اس وقت یہ امت اگلی امتوں پر گواہی دے گی اور ان پر ان کے نبی ﷺ گواہی دیں گے- پھر اللہ تعالیٰ انہیں ڈرا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے جو عذاب اسی جرم پر اگلی قوموں پر آئے وہ تم پر بھی آ جائیں اور ان کی طرح بے نام و نشان کر دیئے جاؤ- ان کے واقعات سورۂ سبا میں گذر چکے ہیں- وہ لوگ بھی قحطان کے عرب تھے جیسے یہ عدنان کے عرب ہیں- حمیر جو سبا کے تھے وہ اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے جیسے فارس کے ہر بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے ہر بادشاہ کو قیصر اور مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون اور حبشہ کے ہر بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا ہے- ان میں سے ایک تبع یمن سے نکلا اور زمین میں پھرتا رہا' سمرقند پہنچ گیا' ہر جگہ کے بادشاہوں کو شکست دیتا رہا اور اپنا بہت بڑا ملک کر لیا- زبردست لشکر اور بے شمار رعایا اس کے ماتحت تھی' اس نے حیرہ نامی بستی بسائی' یہ اپنے زمانے میں مدینے میں بھی آیا تھا اور یہاں کے باشندوں سے بھی لڑا لیکن اسے لوگوں نے اس سے روکا' خود اہل مدینہ کا بھی اس سے یہ سلوک

رہا کہ دن کو تو لڑتے تھے اور رات کو ان کی مہمان داری کرتے تھے' آخر اس کو بھی لحاظ آ گیا اور لڑائی بند کر دی- اس کے ساتھ یہاں کے دو یہودی عالم ہو گئے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سچے دین کے عامل بھی تھے' وہ اسے ہر وقت بھلائی برائی سمجھاتے رہتے تھے انہوں نے کہا کہ آپ مدینے کو تاخت و تاراج نہیں کر سکتے کیونکہ یہ آخر زمانے کے پیغمبر کی ہجرت کی جگہ ہے-

پس یہاں سے لوٹ گیا اور ان دونوں عالموں کو اپنے ساتھ لیتا چلا' جب یہ مکے پہنچا تو اس نے بیت اللہ کو گرانا چاہا لیکن ان دونوں عالموں نے اسے روکا اور اس پاک گھر کی عظمت و حرمت اس کے سامنے بیان کی اور کہا کہ اس کے بانی خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ صلوات اللہ ہیں اور اس نبی آخر الزماں کے ہاتھوں پھر اس کی اصلی عظمت آشکارا ہو جائے گی- چنانچہ یہ اپنے ارادے سے باز آیا بلکہ بیت اللہ کی بڑی تعظیم تکریم کی' طواف کیا' غلاف چڑھایا اور یہاں سے واپس یمن چلا گیا- خود حضرت موسیٰ کے دین میں داخل ہوا اور تمام یمن میں یہی دین پھیلایا- اس وقت تک حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور نہیں ہوا تھا اور اس زمانے والوں کے لئے یہی سچا دین تھا- اس تبع کے واقعات بہت تفصیل سے سیرۃ ابن اسحاق میں موجود ہیں اور حافظ ابن عساکر بھی اپنی کتاب میں بہت بسط و شرح کے ساتھ لائے ہیں اس میں ہے کہ اس کا پائے تخت دمشق میں تھا' اس کے لشکروں کی صفیں دمشق سے لے کر یمن تک پہنچتی تھیں- ایک حدیث میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں میں نہیں جان سکا کہ حد لگنے سے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ تبع ملعون تھا یا نہیں؟ اور نہ مجھے یہ خبر ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے یا بادشاہ- اور روایت میں ہے کہ یہ بھی فرمایا حضرت عزیرؑ پیغمبر تھے یا نہیں؟ (ابن ابی حاتم) دارقطنی فرماتے ہیں اس حدیث کی روایت صرف عبدالرزاق سے ہی ہے- اور سند سے مروی ہے کہ حضرت عزیر کا نبی ہونا نہ ہونا مجھے معلوم نہیں نہ میں یہ جانتا ہوں کہ تبع پر لعنت کروں یا نہیں؟ اسے وارد کرنے کے بعد حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے وہ روایتیں درج کی ہیں جن میں تبع کو گالی دینے اور لعنت کرنے سے ممانعت آئی ہے- جیسے کہ ہم بھی وارد کریں گے ان شاء اللہ- معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ پہلے کافر تھے پھر مسلمان ہو گئے یعنی حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے دین میں داخل ہوئے اور اس زمانے کے علماء کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا- بعثت مسیح سے پہلے کا یہ واقعہ ہے' جرہم کے زمانے میں بیت اللہ کا حج بھی کیا' غلاف بھی چڑھایا اور بڑی تعظیم و تکریم کی' چھ ہزار اونٹ نام اللہ قربان کئے اور بھی بہت بڑا طویل واقعہ ہے جو حضرت ابی بن کعب' حضرت عبداللہ بن سلام' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اصل قصہ کا دار و مدار حضرت کعب احبار اور حضرت عبداللہ بن سلام پر ہے- وہب بن منبہؒ نے بھی اس قصہ کو وارد کیا ہے- حافظ ابن عساکرؒ نے اس تبع کے قصے کے ساتھ دوسرے تبع کے قصے کو بھی ملا دیا ہے جو ان کے بہت بعد تھا- اس کی قوم تو اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی تھی پھر ان کے انتقال کے بعد وہ کفر کی طرف لوٹ گئی اور دوبارہ آگ کی اور بتوں کی پرستش شروع کر دی جیسے کہ سورۂ سبا میں مذکور ہے- اسی کی تفسیر میں ہم نے بھی وہاں اس کی پوری تفصیل کر دی ہے- فالحمد للہ-

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں اس تبع نے کعبے پر غلاف چڑھایا تھا' آپ لوگوں کو منع کرتے تھے کہ اس تبع کو برا نہ کہو- یہ درمیان کا تبع ہے- اس کا نام اسعد ابوکرب بن ملکیرب یمانی ہے- اس کی سلطنت تین سو چھبیس سال تک رہی' اس سے زیادہ لمبی مدت ان بادشاہوں میں سے کسی نے نہیں پائی- حضورؐ سے تقریباً سات سو سال پہلے اس کا انتقال ہوا ہے- مؤرخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان دونوں موسوی عالموں نے جو مدینے کے تھے انہوں نے جب تبع بادشاہ کو یقین دلایا کہ یہ شہر نبی آخر الزمان حضرت احمد ﷺ کا ہجرت گاہ ہے تو اس نے ایک قصیدہ کہا تھا اور اہل مدینہ کو بطور امانت دے گیا تھا جو ان کے پاس ہی رہا اور بطور میراث کے ایک دوسرے کے ہاتھ لگتا رہا اور اس کی روایت سند کے ساتھ برابر چلی آتی رہی یہاں تک کہ حضورؐ کی ہجرت کے وقت اس کے حافظ ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور اتفاق سے بلکہ بہ حکم خدا آنحضرت ﷺ کا نزول اجلال بھی یہیں ہوا تھا- اس قصیدے کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں ۔

شهدت على احمد انه　　رسول من الله بارى النسم
فلو مد عمرى الى عمره　　لكنت وزيراً له وابن عم
وجاهدت بالسيف اعداء　　وفرجت عن صدره كل غم

یعنی میری تہ دل سے گواہی ہے کہ حضرت احمد مجتبیٰ (ﷺ) اس اللہ کے سچے رسول ہیں جو تمام جانداروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر میں اس کے زمانے تک زندہ رہا تو قسم خدا کی آپ کا ساتھی اور آپ کا معاون بن کر رہوں گا اور آپ کے دشمنوں سے تلوار کے ساتھ جہاد کروں گا اور کسی کھٹکے اور غم کو آپ کے پاس تک پھٹکنے نہ دوں گا۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ دور اسلام میں صفا شہر میں اتفاق سے قبر کھودی گئی تو دیکھا گیا کہ دو عورتیں مدفن ہیں جن کے جسم بالکل سالم ہیں اور سرہانے پر چاندی کی ایک تختی لگی ہوئی ہے جس میں سونے کے حروف سے یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ قبرحی اور لمیس کی ہے اور ایک روایت میں ان کے نام حبی اور تماخر ہیں۔ یہ دونوں تبع کی بہنیں ہیں' یہ دونوں مرتے وقت تک اس بات کی شہادت دیتی رہیں کہ لائق عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے' یہ دونوں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی تھیں۔ ان سے پہلے کے تمام نیک صالح لوگ بھی اسی شہادت کے ادا کرتے ہوئے انتقال فرماتے رہے ہیں۔ سورۂ سبا میں ہم نے اس واقعہ کے متعلق سبا کے اشعار بھی نقل کر دیئے ہیں۔ حضرت کعبؓ فرمایا کرتے تھے کہ تبع کی تعریف قرآن سے اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی مذمت کی ان کی نہیں کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ تبع کو برا نہ کہو وہ صالح شخص تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تبع کو گالی نہ دو وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ طبرانی اور مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے۔ عبدالرزاق میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے معلوم نہیں تبع نبی تھا یا نہ تھا؟ اور روایت میں اس سے پہلے گذر چکی کہ میں نہیں جانتا تبع ملعون تھا یا نہیں؟ فاللہ اعلم۔ یہی روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ حضرت عطاء بن ابو رباحؒ فرماتے ہیں تبع کو گالی نہ دو' رسول اللہ ﷺ نے انہیں برا کہنا منع فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ ع۱۲

ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو فعل عبث کرتے ہوئے پیدا نہیں کیا ○ ہم نے انہیں درست تدبیر کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے ہاں البتہ ان میں کے اکثر لوگ بے علم ہیں ○ یقیناً فیصلے کا دن ان سب کے وعدے کا ہے ○ جس دن کوئی دوست کسی دوست کو کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کی امداد کی جائے گی ○ مگر جس پر اللہ کی مہربانی ہو جائے گی' وہ زبردست اور رحم والا ہے ○

صور پھونکنے کے بعد: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۲) یہاں اللہ عزوجل اپنے عدل کا بیان فرما رہا ہے اور بے فائدہ لغو اور عبث کاموں سے اپنی پاکیزگی کا اظہار فرماتا ہے' جیسے اور آیت میں ارشاد ہے کہ ہم نے اپنی مخلوق کو باطل پیدا نہیں کیا' ایسا گمان ہماری نسبت صرف ان کا ہے جو کفار ہیں اور جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور ارشاد ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ الخ' یعنی کیا تم نے یہ سمجھ رکھا

ہے کہ ہم نے تمہیں بے کار وعبث پیدا کیا ہے اور تم لوٹ کر ہماری طرف آنے ہی کے نہیں؟ اللہ حق مالک بلندیوں اور بزرگیوں والا ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ عرش کریم کا رب ہے۔ فیصلوں کا دن یعنی قیامت کا دن جس دن باری تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان حق فیصلے کرے گا' کافروں کو سزا اور مومنوں کو جزا ملے گی۔ اس دن تمام اگلے پچھلے اللہ کے سامنے جمع ہوں گے' یہ وہ وقت ہوگا کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائے گا۔ رشتے دار رشتے دار کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ الخ' یعنی جب صور پھونک دیا جائے گا تو نہ تو کوئی نسب باقی رہے گا نہ پوچھ گچھ۔ اور آیت میں ہے کوئی دوست اس دن اپنے دوست کو پریشان حالی میں دیکھتے ہوئے بھی کچھ نہ پوچھے گا اور نہ کوئی اس دن کسی کی کسی طرح کی مدد کرے گا نہ اور کوئی بیرونی مدد آئے گی مگر ہاں رحمت خدا جو مخلوق پر شامل ہے۔ وہ بڑا غالب اور وسیع رحمت والا ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

بیشک زقوم کا درخت ○ گنہگاروں کا کھانا ہے ○ جو مثل تلچھٹ کے ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا ہے ○ مثل تیز گرم پانی کے کھولنے کے ○ اسے پکڑ لو پھر گھسیٹتے ہوئے بیچ جہنم تک پہنچاؤ ○ پھر اس کے سر پر سخت گرم پانی کا عذاب بہاؤ ○ چکھتا جا' تو تو بڑا ذی عزت اور بڑے اکرام والا تھا ○ یہی وہ چیز ہے' جس میں تم شک کیا کرتے تھے ○

زقوم ابو جہل کی خوراک ہوگا: ☆☆ (آیت: ۴۳-۵۰) منکرین قیامت کو جو سزا وہاں دی جائے گی اس کا بیان ہو رہا ہے کہ ان مجرموں کو جو اپنے قول اور فعل کو گنہگاری میں ملوث کئے ہوئے تھے آج زقوم کا درخت کھلایا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ابو جہل ہے۔ گو دراصل وہ بھی اس آیت کی وعید میں داخل ہے لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ آیت صرف اسی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص کو یہ آیت پڑھا رہے تھے مگر اس کی زبان سے لفظ اَثِیْم ادا نہیں ہوتا تھا اور وہ بجائے اس کے یتیم کہہ دیا کرتا تھا تو آپ نے اسے طَعَامُ الْفَاجِرِ پڑھوایا یعنی اسے اس کے سوا کھانے کو اور کچھ نہ دیا جائے گا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی زمین میں ٹپک جائے تو تمام زمین والوں کی معاش خراب کر دے' ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے یہ مثل تلچھٹ کے ہو گا۔ اپنی حرارت بدمزگی اور نقصان کے باعث پیٹ میں جوش مارتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ جہنم کے داروغوں سے فرمائے گا کہ اس کافر کو پکڑ لو وہیں ستر ہزار فرشتے دوڑیں گے' اسے اندھا کر کے منہ کے بل گھسیٹ لے جاؤ اور بیچ جہنم میں ڈال دو پھر اس کے سر پر جوش مارتا گرم پانی ڈالو۔ جیسے فرمایا یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ الخ' یعنی ان کے سروں پر جہنم کا جوش مارتا گرم پانی بہایا جائے گا جس سے ان کی کھالیں اور پیٹ کے اندر کی تمام چیزیں سوخت ہو جائیں گی اور یہ بھی ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ فرشتے انہیں لوہے کے ہتھوڑے ماریں گے جن سے ان کے دماغ پاش پاش ہو جائیں گے پھر اوپر سے یہ حمیم ان پر ڈالا جائے گا۔ یہ جہاں جہاں پہنچے گا ہڈی کو کھال سے جدا کر دے گا یہاں تک کہ اس کی

آنتیں کاٹتا ہوا پنڈلیوں تک پہنچ جائے گا۔ اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔ پھر انہیں شرمسار کرنے کے لئے اور زیادہ پشیمان بنانے کے لئے کہا جائے گا کہ لو مزہ چکھو تم ہماری نگاہوں میں نہ عزت والے ہو نہ بزرگی والے۔

مغازی امویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل ملعون سے کہا کہ مجھے خدا کا حکم ہوا ہے کہ تجھ سے کہہ دوں تیرے لئے ویل ہے تجھ پر افسوس ہے پھر مکرر کہتا ہوں کہ تیرے لئے خرابی اور افسوس ہے۔ اس پاجی نے اپنا کپڑا آپ کے ہاتھ سے گھسیٹتے ہوئے کہا جا تو اور تیرا رب میرا کیا بگاڑ سکتے ہو؟ اس تمام وادی میں سب سے زیادہ عزت و تکریم والا میں ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے بدر والے دن قتل کرایا اور اسے ذلیل کیا اور اس سے کہا جائے گا کہ لے اب اپنی عزت کا اور اپنی تکریم کا اور اپنی بزرگی اور بڑائی کا لطف اٹھا اور ان کافروں سے کہا جائے گا کہ یہ ہے جس میں ہمیشہ شک و شبہ کرتے رہے۔ جیسے اور آیتوں میں ہے کہ جس دن انہیں دھکے دے کر جہنم پہنچایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ دوزخ ہے جسے تم جھٹلاتے رہے کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھ نہیں رہے؟ اسی کو یہاں بھی فرمایا ہے کہ یہ ہے جس میں تم شک کر رہے تھے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿۵۱﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۵۲﴾ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿۵۳﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿۵۵﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿۵۶﴾

بے شک اللہ سے ڈرنے والے امن چین کی جگہ میں ہوں گے ○ باغوں اور چشموں میں ○ باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ○ یہ اسی طرح ہے اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے ○ دل جمعی کے ساتھ وہاں ہر طرح کے میووں کی فرمائشیں کرتے ہوں گے ○ وہاں وہ موت چکھنے کے نہیں ہاں پہلی موت جو وہ مر چکے انہیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی سزا سے بچا دیا ○

جب موت کو ذبح کرایا جائے گا: ☆☆ (آیت: ۵۱-۵۶) بدبختوں کا ذکر کر کے اب نیک بختوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کو مثانی کہا گیا ہے دار دنیا میں جو اللہ تعالیٰ مالک و خالق و قادر سے ڈرتے دبتے رہے وہ قیامت کے دن جنت میں نہایت امن و امان سے ہوں گے۔ موت سے وہاں سے نکلنے سے غم رنج سے گھبراہٹ اور مشکلوں سے دکھ درد سے تکلیف اور مشقت سے شیطان اور اس کے مکر سے رب کی ناراضگی سے غرض تمام آفتوں اور مصیبتوں سے نڈر بے فکر مطمئن اور بے اندیشہ ہوں گے۔ جہنمیوں کو تو زقوم کا درخت اور آگ جیسا گرم پانی ملے گا اور انہیں جنتیں اور نہریں ملیں گی مختلف قسم کے ریشمی پارچہ جات انہیں پہننے کو ملیں گے۔ جن میں نرم باریک بھی ہو گا اور دبیز چمکیلا بھی ہو گا۔ یہ تختوں پر بڑے طمطراق سے تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے اور کسی کی کسی کی طرف پیٹھ نہ ہو گی بلکہ سب ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے اس عطا کے ساتھ ہی انہیں حوریں دی جائیں گی جو گورے چٹے پنڈے کی بڑی بڑی رسیلی آنکھوں والی ہوں گی جن کے پاک جسم کو ان سے پہلے کسی نے چھوا بھی نہ ہو گا۔ وہ یاقوت و مرجان کی طرح ہوں گی اور کیوں نہ ہو جب انہوں نے خدا کا ڈر دل میں رکھا اور دنیا کی خواہشوں کی چیزوں سے محض فرمان خداوندی کو مدنظر رکھ کر بچے رہے تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ یہ بہترین سلوک کیوں نہ کرتا؟ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر ان حوروں میں سے کوئی کھاری سمندر میں تھوک دے تو اس کا سارا پانی میٹھا ہو جائے پھر وہاں یہ

جس میوے کی طلب کریں گے موجود ہو گا' جو مانگیں گے ملے گا' ادھر ارادہ کیا ادھر موجود ہوا' خواہش ہوئی اور حاضر ہوا۔ پھر نہایت بے فکری سے کمی کا خوف نہیں' ختم ہو جانے کا کھٹکا نہیں۔ پھر فرمایا وہاں انہیں کبھی موت نہیں آنے کی۔ پھر استثناء منقطع لا کر اس کی تاکید کر دی۔

صحیحین میں ہے کہ موت کو بھیڑ کی صورت میں لا کر جنت دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور ندا کر دی جائے گی کہ جنتیو! اب ہیشگی ہے کبھی موت نہیں اور اے جہنمیو! تمہارے لئے بھی ہیشگی ہے کبھی موت نہ آئے گی۔ سورۂ مریم کی تفسیر میں بھی یہ حدیث گذر چکی ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ جنتیوں سے کہہ دیا جائے گا کہ تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ پڑو گے اور ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی مرو گے نہیں اور ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے کبھی کمی نہ ہو گی اور ہمیشہ جوان بنے رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ ایک اور حدیث میں ہے جو اللہ سے ڈرتا رہے گا جنت میں جائے گا' جہاں نعمتیں پائے گا کبھی محتاج نہ ہو گا' جہاں جئے گا کبھی مرے گا نہیں' جہاں کپڑے میلے نہ ہوں گے اور جوانی فنا نہ ہو گی۔ حضورؐ سے سوال ہوا کہ کیا جنتی سوئیں گے بھی؟ آپ نے فرمایا نیند موت کی بہن ہے جنتی سوئیں گے نہیں' ہر وقت راحت و لذت میں مشغول رہیں گے۔ یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے اور اس سے پہلے سندوں کا خلاف گذر چکا ہے واللہ اعلم۔ اس راحت و نعمت کے ساتھ یہ بھی بڑی نعمت ہے کہ انہیں پروردگار عالم نے عذاب جہنم سے نجات دے دی ہے۔ تو مطلوب حاصل ہے اور خوف زائل ہے

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

یہ صرف تیرے رب کا فضل ہے' یہی ہے بڑی مراد ملنی ○ ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں آسان کر دیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اب تو منتظر رہ یہ بھی منتظر ہیں ○

(آیت: ۵۷-۵۹) اسی لئے ساتھ ہی فرمایا کہ یہ صرف خدائے تعالیٰ کا احسان و فضل ہے۔ صحیح حدیث میں ہے تم ٹھیک ٹھاک رہو قریب قریب رہو اور یقین مانو کہ کسی کے اعمال اسے جنت میں نہیں لے جا سکتے۔ لوگوں نے کہا کیا آپؐ کے اعمال بھی؟ فرمایا ہاں میرے اعمال بھی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت میرے شامل حال ہو۔ ہم نے اپنے نازل کردہ اس قرآن کریم کو بہت سہل' بالکل آسان' صاف' ظاہر' بہت واضح' مدلل اور روشن کر کے تجھ پر تیری زبان میں نازل فرمایا ہے جو بہت فصیح و بلیغ بڑی شیریں اور پختہ ہے تاکہ لوگ بہ آسانی سمجھ لیں اور بخوشی عمل کریں۔ باوجود اس کے بھی جو لوگ اسے جھٹلائیں نہ مانیں تو انہیں ہوشیار کر دے اور کہہ دے کہ اچھا اب تم بھی انتظار کرو میں بھی منتظر ہوں' تم دیکھ لو گے کہ خدا کی طرف سے کس کی تائید ہوتی ہے؟ کس کا کلمہ بلند ہوتا ہے؟ کسے دنیا اور آخرت ملتی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم تسلی رکھو' فتح و ظفر تمہیں ہو گی' میری عادت ہے کہ اپنے نبیوں اور ان کے ماننے والوں کو اونچا کروں۔ جیسے ارشاد ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے' اور آیت میں ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا الخ' یعنی یقیناً ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیا میں بھی مدد کریں گے اور قیامت میں بھی جس دن گواہ قائم ہوں گے اور ظالموں کو ان کے عذر نفع نہ دیں گے' ان پر لعنت ہو گی اور ان کے لئے برا گھر ہو گا۔ الحمدللہ سورۂ دخان کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ کا شکر و احسان ہے اسی کی طرف سے نیکی کی توفیق میسر ہوتی ہے اور وہی برائیوں سے بچانے والا ہے۔

تفسیر سورة الجاثية

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾

معبود برحق رحم وکرم کرنے والے اللہ کے نام سے شروع ○

یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں ایمان داروں کے لئے ○ یقیناً بہت سے دلائل ہیں اور خود تمہاری پیدائش میں، جانوروں کے پھیلانے میں، یقین رکھنے والی قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ○ اور رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ روزی اللہ تعالیٰ آسمان سے نازل فرما کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے اس میں اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں دلائل ہیں ○

(آیت: ۱-۵) اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ہدایت فرماتا ہے کہ وہ قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کریں۔ خدا کی نعمتوں کو جانیں اور پہچانیں پھر ان کا شکر بجالائیں، دیکھیں کہ خدا کتنی بڑی قدرتوں والا ہے جس نے آسمان وزمین اور مختلف قسم کی تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ فرشتے، جن، انسان، چوپائے، پرند، جنگلی جانور، درندے، کیڑے پتنگے سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ سمندر کی بے شمار مخلوق کا خالق بھی وہی ایک ہے۔ دن کو رات کے بعد اور رات کو دن کے پیچھے وہی لا رہا ہے۔ رات کا اندھیرا دن کا اجالا اسی کے قبضے کی چیزیں ہیں۔ حاجت کے وقت اندازے کے مطابق بادلوں سے پانی وہی برساتا ہے، رزق سے مراد بارش ہے اس لئے کہ اسی سے کھانے کی چیزیں اگتی ہیں۔ خشک، بنجر زمین سبز وشاداب ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی پیداوار اگاتی ہے۔ شمالی جنوبی، پروا پچھوا، تر وخشک، کم وبیش رات اور دن کی ہوائیں وہی چلاتا ہے۔ بعض ہوائیں بارش کو لاتی ہیں، بعض بادلوں کو پانی والا کر دیتی ہیں۔ بعض روح کی غذا بنتی ہیں اور بعض ان کے سوا اور کاموں کے لئے چلتی ہیں۔ پہلے فرمایا کہ اس میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں پھر یقین والوں کے لئے فرمایا پھر عقل والوں کے لئے فرمایا، یہ ایک عزت والے حال سے دوسرے عزت والے حال کی طرف ترقی کرنا ہے۔ اسی کے مثل سورۂ بقرہ کی آیت اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ، ہے امام ابن ابی حاتم نے یہاں پر ایک طویل اثر وارد کیا ہے لیکن وہ غریب ہے اس میں انسان کو چار قسم کے اخلاط سے پیدا کرنا بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۷﴾ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ

اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ
فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۸﴾ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹﴾ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ
عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰﴾ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ
لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾

ع ۱۱ ۱۷

یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنہیں ہم تجھے راستی سے سنا رہے ہیں‘ پس اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے ○ ویل اور افسوس ہے ہر ایک جھوٹے گنہگار پر ○ جو اللہ کی آیتیں اپنے سامنے پڑھی جاتی ہوئی سنے پھر بھی غرور کرتا ہوا اس طرح اڑا رہے کہ گویا سنی ہی نہیں‘ تو ایسے لوگوں کو درد دینے والے عذاب کی خبر پہنچا دے ○ وہ جب ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پا لیتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے‘ یہی لوگ ہیں جن کے لئے رسوائی کی مار ہے ○ ان کے پیچھے دوزخ ہے‘ جو کچھ انہوں نے حاصل کیا تھا وہ انہیں کچھ بھی نفع نہ دے گا اور وہ کچھ کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا رفیق دوست بنا رکھا تھا‘ ان کے لئے تو بہت بڑا عذاب ہے ○ یہ سرتاپا ہدایت ہے‘ اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کی نہ مانا ان کے لئے بہت سخت دردناک عذاب ہے ○

قرآن عظیم کو اہانت سے بچاؤ: ☆☆ (آیت:۶-۱۱) مطلب یہ ہے کہ قرآن جو حق کی طرف سے نہایت صفائی اور وضاحت سے نازل ہوا ہے- اس کی روشن آیتیں تجھ پر تلاوت کی جا رہی ہیں- جسے یہ سن رہے ہیں اور پھر بھی نہ ایمان لاتے ہیں نہ عمل کرتے ہیں تو پھر آخر ایمان کس چیز پر لائیں گے‘ ان کے لئے ویل ہے اور ان پر افسوس ہے جو زبان کے جھوٹے‘ کام کے گنہگار اور دل کے کافر کے ہیں‘ اس کی باتیں سنتے ہوئے اپنے کفر‘ انکار اور بدباطنی پر اڑے ہوئے ہیں گویا سنا ہی نہیں‘ انہیں سنا دو کہ ان کے لئے خدا کے ہاں دکھ کی مار ہے قرآن کی آیتیں ان کے مذاق کی چیز رہ گئی ہیں- تو جس طرح یہ میرے کلام کی آج اہانت کرتے ہیں کل میں انہیں ذلت کی سزا دوں گا- حدیث شریف میں ہے کہ قرآن لے کر دشمنوں کے ملک میں نہ جاؤ ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی اہانت و بےقدری کریں- پھر اس ذلیل کرنے والے عذاب کا بیان فرمایا کہ ان خصلتوں والے لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے- ان کے مال و اولاد اور ان کے وہ جھوٹے معبود جنہیں یہ زندگی بھر پوجتے رہے انہیں کچھ کام نہ آئیں گے‘ انہیں زبردست اور بہت بڑے عذاب بھگتنے پڑیں گے- پھر ارشاد ہوا کہ یہ قرآن سراسر ہدایت ہے اور اس کی آیت سے جو منکر ہیں ان کے لئے سخت اور المناک عذاب ہیں- واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم-

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ
مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا

لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۤءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٥﴾

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مطیع بنا دیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور ممکن ہے کہ تم شکر بجالاؤ ○ اور آسمان و زمین کی ہر ہر چیز بھی اس نے اپنی طرف سے تمہاری مطیع کر دی، جو غور کریں وہ یقیناً اس میں بہت سی دلیلیں پالیں گے ○ تو ایمان والوں سے کہہ دے کہ وہ ان لوگوں سے درگذر کریں جو اللہ کے دنوں کی توقع نہیں رکھتے تا کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ دے ○ جو نیکی کرے گا وہ اپنے ذاتی بھلے کے لئے اور جو برائی کرے گا اس کا وبال اسی پر ہے پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ کے ابن آدم پر احسانات: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۵) اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں بیان فرما رہا ہے کہ اسی کے حکم سے سمندر میں اپنی مرضی کے مطابق سفر طے کرتے ہوئے بڑی بڑی کشتیاں مال سے اور سواریوں سے لدی ہوئی ادھر سے ادھر لے جاتے ہو، تجارتیں اور کمائی کرتے ہو۔ یہ اس لئے بھی ہے کہ تم شکر خدا بجالاؤ، نفع حاصل کر کے رب کا احسان مانو۔ پھر اس نے آسمان کی چیز جیسے سورج چاند ستارے اور زمین کی چیز جیسے پہاڑ نہریں اور تمہارے فائدے کی بیشمار چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دیں، یہ سب اس کا فضل و احسان اور انعام و اکرام ہے اور اسی ایک کی طرف سے ہے۔ جیسے ارشاد ہے وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ الخ، یعنی تمہارے پاس جو نعمتیں ہیں سب خدا کی دی ہوئی ہیں اور ابھی بھی سختی کے وقت تم اسی کی طرف گڑ گڑاتے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے ہے اور یہ نام اس میں نام ہے اس کے ناموں میں سے، پس یہ سب اس کی جانب سے ہے، کوئی نہیں جو اس سے چھینا جھپٹی یا جھگڑا کر سکے، ہر ایک اس یقین پر ہے کہ وہ اسی طرح ہے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ مخلوق کس چیز سے بنائی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا نور سے اور آگ سے اور اندھیرے سے اور مٹی سے اور کہا جاؤ ابن عباسؓ کو اگر دیکھو تو ان سے بھی دریافت کر لو۔ اس نے آپ سے بھی پوچھا یہی جواب پایا، پھر فرمایا واپس ان کے لئے پاس جاؤ اور پوچھو کہ یہ سب کس چیز سے پیدا کئے گئے؟ وہ لوٹا اور سوال کیا تو آپ نے یہی آیت پڑھ سنائی۔ یہ اثر غریب ہے اور ساتھ ہی منکر بھی ہے۔ غور و فکر کی عادت رکھنے والوں کے لئے اس میں بھی بہت نشانیاں ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ صبر و تحمل کی عادت ڈالو منکرین قیامت کی کڑوی کسیلی سن لیا کرو، مشرک اور اہل کتاب کی ایذاؤں کو سہار لیا کرو۔ یہ حکم شروع اسلام میں تھا لیکن بعد میں جہاد اور جلاوطنی کے احکام نازل ہوئے۔ اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے یعنی اللہ کی نعمتوں کے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ پھر فرمایا کہ ان سے تم چشم پوشی کرو ان کے اعمال کی سزا خود ہم انہیں دیں گے، اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر نیکی بدی کی جزا سزا پاؤ گے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٧﴾

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب‘ حکومت اور نبوت دی تھی اور ہم نے انہیں پاکیزہ اور نفیس روزیاں دی تھیں اور انہیں دنیا والوں پر فضیلت دی تھی ○ اور ہم نے انہیں دین کی صاف صاف دلیلیں دیں‘ پھر انہوں نے اپنے پاس علم کے پہنچ جانے کے بعد آپس کی ضد بحث سے ہی اختلاف برپا کر ڈالا ○ یہ جن جن چیزوں میں اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ قیامت والے دن ان کے درمیان خود اللہ کرے گا- پھر ہم نے تجھے دین کی ظاہر راہ پر قائم کر دیا ہے سو تو اسی پر لگا رہ اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑ ○ یاد رکھ یہ لوگ اللہ کے کسی عذاب کو تجھ سے ہٹا نہیں سکتے- سمجھ لے کہ ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیز گاروں کا رفیق اللہ تعالیٰ ہے ○ یہ قرآن لوگوں کے لئے نصیحتیں اور ہدایت و رحمت ہے اس جماعت کے لئے جو یقین رکھتی ہے ○

بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات کا تذکرہ: ☆☆ (آیت:۱۶-۲۰) بنی اسرائیل پر جو نعمتیں رحیم و کریم خدا نے انعام فرمائی تھیں ان کا ذکر فرما رہا ہے کہ کتابیں ان پر اتاریں‘ رسول ان میں بھیجے‘ حکومت انہیں دی‘ بہترین غذائیں اور ستھری صاف چیزیں انہیں عطا فرمائیں اور اس زمانے کے اور لوگوں پر انہیں برتری دی اور انہیں امر دین کی عمدہ اور کھلی ہوئی دلیلیں پہنچا دیں اور ان پر حجت خدا قائم ہو گئی- پھر ان لوگوں نے پھوٹ ڈالی اور مختلف گروہ بن گئے اور اس کا باعث بجز نفسانیت اور خودی کے اور کچھ نہ تھا- اے نبی! تیرا رب ان کے ان اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن خود ہی کر دے گا- اس میں اس امت کو چوکنا کیا گیا ہے کہ خبردار تم ان جیسے نہ ہونا‘ ان کی چال نہ چلنا‘ اسی لئے اللہ جل وعلا نے فرمایا کہ تو اپنے رب کی وحی کا تابعدار بنا رہ‘ مشرکوں سے کوئی مطلب نہ رکھ‘ بے علموں کی ریس نہ کر‘ یہ تجھے خدا کے ہاں کیا کام آئیں گے؟ ان کی دوستیاں تو ان میں آپس میں ہی ہیں- یہ تو اپنے ملنے والوں کو نقصان ہی پہنچایا کرتے ہیں- پرہیز گاروں کا ولی و ناصر‘ رفیق و کارساز پروردگار عالم ہے- جو انہیں اندھیریوں سے ہٹا کر نور کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے دوست شیاطین ہیں جو انہیں روشنی سے ہٹا کر اندھیریوں میں جھونکتے ہیں- یہ قرآن ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں دلائل کے ساتھ ہی ہدایت و رحمت ہے-

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

ع ۱۰ ۱۸

کیا ان لوگوں کا جو برے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کریں گے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کہ ان کا اور ان کا مرنا جینا یکساں ہو جائے؟

برا حکم لگا رہے ہیں ○ آسمان وزمین کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تا کہ ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کام کا پورا بدلہ دیا جائے ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ○ کیا تو نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟ کیا اب بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے ○

اصل دین چار چیزیں ہیں: ☆☆ (آیت:۲۱-۲۳) اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مومن وکافر برابر نہیں' جیسے اور آیت میں ہے کہ دوزخی اور جنتی برابر نہیں جنتی کامیاب ہیں' یہاں بھی فرماتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کفر و برائی والے اور ایمان واچھائی والے موت وزیست میں دنیا وآخرت میں برابر ہو جائیں - یہ تو ہماری ذات اور ہماری صفت عدل کے ساتھ پرلے درجے کی بدگمانی ہے- مسند ابو یعلی میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں چار چیزوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بنا رکھی ہے جو ان سے ہٹ جائے اور ان پر عامل نہ بنے وہ خدا سے فاسق ہو کر ملاقات کرے گا- پوچھا گیا کہ وہ چاروں کیا ہیں؟ فرمایا یہ کہ کامل عقیدہ رکھے کہ حلال' حرام' حکم اور ممانعت یہ چاروں صرف خدا کے اختیار میں ہیں' اس کے حلال کو حلال' اس کے حرام بتلائے ہوئے کو حرام ماننا' اس کے حکموں کو قابل تعمیل اور لائق تسلیم جاننا' اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے باز آ جانا اور حلال حرام امر ونہی کا مالک صرف اسی کو جاننا بس یہ دین کی اصل ہے- حضرت ابوالقاسم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس طرح ببول کے درخت سے انگور پیدا نہیں ہو سکتے اسی طرح بدکار لوگ نیک کاروں کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے - یہ حدیث غریب ہے- سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ کعبۃ اللہ کی نیو میں سے ایک پتھر نکلا تھا جس پر لکھا ہوا تھا کہ تم برائیاں کرتے ہوئے نیکیوں کی امید رکھتے ہو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی خاردار درخت میں سے انگور چننا چاہتا ہو-

طبرانی میں ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات بھر تہجد میں اسی آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی- پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے- وہ ہر ایک شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا اور کسی پر اس کی طرف سے ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا- پھر اللہ تعالیٰ جل وعلا فرماتا ہے کہ تم نے انہیں بھی دیکھا جو اپنی خواہشوں کو خدا بنائے ہوئے ہیں- جس کام کی طرف طبیعت جھکی کر ڈالا جس سے دل رکا چھوڑ دیا- یہ آیت معتزلہ کے اس اصول کو رد کرتی ہے کہ اچھائی برائی عقلی ہے- حضرت امام مالکؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس کی عبادت کا اس کے جی میں خیال گذرتا ہے اسی کو پوجنے لگتا ہے- اس کے بعد کے جملے کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بناء پر اسے مستحق گمراہی جان کر گمراہ کر دیا دوسرا معنی یہ کہ اس کے پاس علم وحجت دلیل وسند آ گئی پھر اسے گمراہ کیا- یہ دوسری بات پہلی کو بھی مستلزم ہے اور پہلی دوسری کو مستلزم نہیں- اس کے کانوں پر مہر ہے نفع دینے والی شرعی بات سنتا ہی نہیں- اس کے دل پر مہر ہے- ہدایت کی بات دل میں اترتی ہی نہیں- اس کی آنکھوں پر پردہ ہے کوئی دلیل اسے دکھتی ہی نہیں' بھلا اب اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے؟ کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے؟ جیسے فرمایا مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَيَذَرُهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں' وہ انہیں چھوڑ دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بہکتے رہیں-

وَقَالُوۡا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا وَمَا يُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ‌ۚ وَمَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ‌ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ

ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

ع ۵ ۱۹

انہوں نے کہا کہ زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہی ہے مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے' دراصل انہیں اس کی کچھ خبر ہی نہیں' یہ تو صرف قیاس اور اٹکل پچو سے ہی کام لے رہے ہیں ○ اور جب ان کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے پاس اس قول کے سوا کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم سچے ہو ○ تو ہمارے باپ دادوں کو لاؤ - تو کہہ دے کہ اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ○

زمانے کو گالی مت دو : ☆☆ (آیت :۲۴-۲۶) دہریہ کفار اور ان کے ہم عقیدہ مشرکین کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا ہی ابتدا اور انتہا ہے' کچھ جیتے ہیں' کچھ مرتے ہیں' قیامت کوئی چیز نہیں' فلاسفہ اور علم کلام کے قائل بھی یہی کہتے تھے - یہ لوگ ابتدا انتہا کے قائل نہ تھے' اور فلاسفہ میں سے جو لوگ دہریہ اور دوریہ تھے وہ خالق کے بھی منکر تھے' ان کا خیال تھا کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد زمانے کا ایک دور ختم ہوتا ہے اور ہر چیز اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے اور ایسے کئی دور کے وہ قائل تھے - دراصل یہ معقول سے بھی بے کار جھگڑتے تھے اور منقول سے بھی روگردانی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ گردش زمانہ ہی ہلاک کرنے والی ہے نہ کہ خدا - اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں اور بجز وہم وخیال کے کوئی سند وہ پیش نہیں کر سکتے - ابوداؤد وغیرہ کی صحیح حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم ایذا دیتا ہے وہ دہر کو (یعنی زمانے کو) گالیاں دیتا ہے دراصل دہر میں ہوں' تمام کام میرے ہاتھ ہیں' دن رات کا ہیر پھیر کرتا ہوں - ایک روایت میں ہے دہر کو گالی نہ دو' اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے - ابن جریر نے اسے ایک بالکل غریب سند سے وارد کیا ہے اس میں ہے اہل جاہلیت کا خیال تھا کہ ہمیں دن رات ہی ہلاک کرتے ہیں' وہی ہمیں مارتے جلاتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں اسے نقل فرمایا - وہ زمانے کو برا کہتے تھے پس اللہ عزوجل نے فرمایا مجھے ابن آدم ایذا پہنچاتا ہے وہ زمانے کو برا کہتا ہے اور زمانہ میں ہوں' میرے ہاتھ میں سب کام ہیں' میں دن رات کا لے آنے لے جانے والا ہوں -

ابن ابی حاتم میں ہے ابن آدم زمانے کو گالیاں دیتا ہے' میں زمانہ ہوں دن رات میرے ہاتھ میں ہیں - اور حدیث میں ہے میں نے اپنے بندے سے قرض طلب کیا اس نے مجھے نہ دیا' مجھے میرے بندے نے گالیاں دیں وہ کہتا ہے ہائے ہائے زمانہ اور زمانہ میں ہوں - امام شافعی اور ابوعبیدہ وغیرہ ائمہ لغت وتفسیر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے عربوں کو جب کوئی بلا اور شدت وتکلیف پہنچتی تو وہ اسے زمانے کی طرف نسبت کرتے اور زمانے کو برا کہتے - دراصل زمانہ خود تو کچھ کرتا نہیں ہر کام کا کرتا دھرتا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے اس کا زمانے کو گالی دینا فی الواقع اسے برا کہنا تھا جس کے ہاتھ میں اور جس کے بس میں زمانہ ہے' جو راحت ورنج کا مالک ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ عزاسمہ ہے' پس وہ گالی حقیقی فاعل یعنی اللہ تعالیٰ پر پڑتی ہے اس لئے اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے یہ فرمایا اور لوگوں کو اس سے روک دیا - یہی شرح بہت ٹھیک اور بالکل درست ہے' امام ابن حزمؒ وغیرہ نے اس حدیث سے جو یہ سمجھ لیا ہے کہ دہر اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ہے یہ بالکل غلط ہے - واللہ اعلم -

پھر ان بے علموں کی کج بحثی بیان ہو رہی ہے کہ قیامت قائم ہونے کی اور دوبارہ جلائے جانے کی بالکل صاف دلیلیں جب انہیں دی جاتی ہیں اور قائل معقول کر دیا جاتا ہے تو چونکہ جب کوئی بن نہیں پڑتا جھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا پھر ہمارے مردہ باپ دادوں پردادوں کو زندہ کر کے ہمیں دکھا دو تو ہم مان لیں گے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم اپنا پیدا کیا جانا اور مر جانا تو اپنی آنکھ دیکھ رہے ہو کہ تم کچھ نہ تھے اور اس نے

تمہیں موجود کر دیا پھر وہ تمہیں مار ڈالتا ہے تو جو ابتداً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ جی اٹھانے پر قادر کیسے نہ ہوگا؟ بلکہ عقلاً ہدایت کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ جو شروع شروع کسی چیز کو بنا دے اس پر دوبارہ اس کا بنانا بہ نسبت پہلی دفعہ کے بہت ہی آسان ہوتا ہے پس یہاں فرمایا کہ پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں جمع کرے گا۔ وہ دنیا میں تمہیں دوبارہ لانے کا نہیں جو تم کہہ رہے ہو کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر لاؤ۔ یہ تو دار عمل ہے دار جزا قیامت کا دن ہے' یہاں تو ہر ایک کو تھوڑی بہت تاخیر مل جاتی ہے جس میں وہ اگر چاہے اس دوسرے گھر کے لئے تیاریاں کر سکتا ہے' بس اپنی بے علمی کی بنا پر تمہیں اس کا انکار نہ کرنا چاہئے' تم گو اسے دور جان رہے ہو لیکن دراصل وہ قریب ہی ہے' تم گو اس کا آنا محال سمجھ رہے ہو لیکن فی الواقع اس کا آنا یقینی ہے' مومن باعلم اور ذی عقل ہیں کہ وہ اس پر یقین کامل رکھ کر عمل میں لگے ہوئے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

آسمان وزمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے' جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن اہل باطل بڑے نقصان میں پڑیں گے۔ تو دیکھے گا کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہو گی ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' آج تمہیں اپنے کئے کا بدلہ دیا جائے گا ○ یہ ہے ہماری کتاب جو تمہارے بارے میں سچ سچ بول رہی ہے' ہم تمہارے اعمال لکھواتے جاتے تھے ○

اس دن ہر شخص گھٹنوں کے بل گرا ہوگا: ☆☆ (آیت: ۲۷-۲۹) اب سے لے کر ہمیشہ تک اور آج سے پہلے بھی تمام آسمانوں کا' کل زمینوں کا مالک بادشاہ سلطان اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ کے اور اس کی کتابوں کے اور اس کے رسولوں کے منکر قیامت کے روز بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جب مدینے شریف میں تشریف لائے تو آپ نے سنا کہ معافری ایک ظریف شخص ہیں لوگوں کو اپنے کلام سے ہنسایا کرتے ہیں تو آپ نے انہیں نصیحت کی اور فرمایا کیوں جناب کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ایک دن آئے گا جس میں باطل والے خسارے میں پڑیں گے۔ اس کا بہت اچھا اثر ہوا اور حضرت معافری مرتے دم تک اس نصیحت کو نہ بھولے (ابن ابی حاتم) وہ دن ایسا ہولناک اور سخت تر ہوگا کہ ہر شخص گھٹنوں پر گرا ہوا ہوگا یہ اس وقت جب کہ جہنم سامنے لائی جائے گی اور وہ ایک جھرجھری لے گی جس سے ہر شخص کانپ اٹھے گا اور اپنے گھٹنوں پر گر جائے گا۔ یہاں تک کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور روح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی۔ ان کی زبان سے بھی اس وقت نفسی نفسی نکلے گا۔ صاف کہہ دیں گے کہ خدا آج ہم تجھ سے اور کچھ نہیں مانگتے صرف اپنی سلامتی چاہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ فرمائیں گے کہ آج میں اپنی والدہ کے لئے بھی تجھ سے کچھ عرض نہیں کرتا بس مجھے بچا لے۔ گو بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہر گروہ جداگانہ الگ الگ ہوگا لیکن اس سے اولیٰ اور بہتر وہی تفسیر ہے جو ہم نے کی یعنی ہر ایک اپنے زانو پر گرا ہوا ہوگا۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں گویا کہ میں تمہیں جہنم کے پاس زانو پر جھکے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور مرفوع حدیث میں جس میں صور وغیرہ کا بیان ہے یہ بھی ہے کہ پھر لوگ جدا جدا کر دیئے جائیں گے اور تمام امتیں زانو پر جھک پڑیں گی۔ یہی فرمان خدا

ہے وَتَرٰی کُلَّ اُمَّۃٍ جَاثِیَۃً الخ' اس میں دونوں حالتیں جمع کر دی ہیں پس دراصل دونوں تفسیروں میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں واللہ اعلم۔ پھر فرمایا ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ جیسے ارشاد ہے وَوُضِعَ الْکِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ الخ' نامہ اعمال رکھا جائے گا اور نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا۔ آج تمہیں تمہارے ہر ہر عمل کا بدلہ بھرپور دیا جائے گا' جیسے فرمان ہے یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ الخ' انسان کو ہر اس چیز سے باخبر کر دیا جائے گا جو اس نے آگے بھیجی اور پیچھے چھوڑی' اس کے اگلے پچھلے تمام اعمال سے بلکہ خود انسان اپنے حال پر خوب مطلع ہو جائے گا گو اپنے تمام تر حیلے سامنے لا ڈالے۔ یہ اعمال نامہ جو ہمارے حکم سے ہمارے امین اور سچے فرشتوں نے لکھا ہے وہ تمہارے اعمال کو تمہارے سامنے پیش کر دینے کے لئے کافی وافی ہے۔ جیسے ارشاد ہے وَوُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ الخ' یعنی نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا تو تو دیکھے گا کہ گنہگار اس سے خوفزدہ ہو جائیں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی اور عمل نامے کی تو یہ صفت ہے کہ کسی چھوٹے بڑے عمل کو قلم بند کئے بغیر چھوڑا ہی نہیں ہے' جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب سامنے حاضر پالیں گے۔ تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے محافظ فرشتوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ تمہارے اعمال لکھتے رہا کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ فرشتے بندوں کے اعمال لکھتے ہیں پھر انہیں لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں' آسمان کے دیوان عمل کے فرشتے اس نامہ اعمال کو لوح محفوظ میں لکھے ہوئے اعمال سے ملاتے ہیں جو ہر رات اس کی مقدار کے مطابق ان پر ظاہر ہوتا ہے جسے خدا نے اپنی مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہی لکھا ہے تو ایک حرف کی کمی زیادتی نہیں پاتے۔ پھر آپ نے اسی آخری جملے کی تلاوت فرمائی۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ﴿۳۲﴾

پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے انہیں ان کا رب اپنی رحمت تلے لے لے گا' یہی صریح کامیابی ہے۔ لیکن جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے میں کہوں گا) کیا میری آیتیں تمہیں سنائی جاتی تھیں؟ پھر بھی تکبر کرتے رہے اور تم تھے ہی گنہگار لوگ اور جب کبھی کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ قطعاً سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم جواب دیتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ ہمیں یونہی سا خیال ہو جاتا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں۔

کبریائی اللہ عزوجل کی چادر ہے: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۲) ان آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اس فیصلے کی خبر دیتا ہے جو وہ آخرت کے دن اپنے بندوں کے درمیان کرے گا۔ جو لوگ اپنے دل سے ایمان لائے اور اپنے ہاتھ پاؤں سے مطابق شرع نیک نیتی کے ساتھ اچھے عمل کئے۔ انہیں اپنے کرم و رحم سے جنت عطا فرمائے گا۔ رحمت سے مراد جنت ہے۔ جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے جسے میں چاہوں تجھے عطا فرماؤں گا۔ کھلی کامیابی اور حقیقی مراد کو حاصل کر لینا یہی ہے اور جو لوگ ایمان سے رک

گئے بلکہ کفر کیا ان سے قیامت کے دن بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ کیا اللہ تعالیٰ کی آیتیں تمہارے سامنے نہیں پڑھی جاتی تھیں؟ یعنی یقیناً پڑھی جاتی تھیں اور تمہیں سنائی جاتی تھیں پھر بھی تم نے غرور ونخوت میں آ کر ان کی اتباع نہ کی بلکہ ان سے منہ پھیرے رہے' اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تکذیب لئے ہوئے تم نے ظاہراً اپنے افعال میں بھی اس کی نافرمانی کی' گناہوں پر گناہ دلیری سے کرتے چلے گئے اور قیامت ضرور قائم ہوگی' اس کے آنے میں کوئی شک نہیں' تو تم پلٹ کر جواب دے دیا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کسے کہتے ہیں؟ ہمیں گو کچھ یونہی سا وہم ہوتا ہے لیکن ہمیں ہرگز یقین نہیں کہ قیامت ضرور آئے گی۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ ع ۱۱

اب ان پر اپنے اعمال کی برائیاں کھل گئیں اور جسے وہ مذاق میں اڑا رہے تھے ○ اس نے انہیں گھیر لیا۔ اور کہہ دیا گیا کہ آج ہم تمہیں بھلا دیں گے جیسے کہ تم نے اپنے اس دن سے ملنے کو بھلا دیا تھا تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے' اور تمہارا مددگار کوئی نہیں ○ یہ اس لئے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا' پس آج کے دن نہ تو یہ دوزخ سے نکالے جائیں اور نہ ان سے اللہ کی خفگی کا تدارک طلب کیا جائے ○ پس اللہ ہی کی تعریف ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور تمام جہان کا پالنہار ہے ○ تمام بزرگی آسمانوں اور زمین میں اسی کی ہے' اور وہی غالب اور حکمت والا ہے ○

(آیت: ۳۳-۳۷) اب ان کی بداعمالیوں کی سزا ان کے سامنے آ گئی' اپنی آنکھوں اپنے کرتوت کا بدلہ دیکھ چکے اور جس عذاب و سزا کے انکاری تھے جسے مذاق میں اڑاتے رہے تھے' جس کا ہونا ناممکن سمجھ رہے تھے' ان عذابوں نے انہیں چوطرف سے گھیر لیا اور انہیں ہر قسم کی بھلائی سے مایوس کرنے کے لئے کہہ دیا گیا کہ ہم تمہارے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جیسے کوئی کسی کو بھول جاتا ہے یعنی جہنم میں جھونک کر پھر تمہیں کبھی اچھائی سے یاد بھی نہ کریں گے۔ یہ بدلہ ہے اس کا کہ تم اس دن کی ملاقات کو بھلائے ہوئے تھے' اس کے لئے تم نے کوئی عمل نہ کیا کیونکہ تم اس کے آنے کی صداقت کے قائل ہی نہ تھے۔ اب تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی نہیں جو تمہاری کسی قسم کی مدد کر سکے۔ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں سے قیامت کے دن فرمائے گا کیا میں نے تجھے بال بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا میں نے تجھ پر دنیا میں انعام واکرام نازل نہیں فرمائے تھے؟ کیا میں نے تیرے لئے اونٹوں اور گھوڑوں کو مطیع اور فرمانبردار نہیں کیا تھا؟ اور تجھے چھوڑ دیا تھا کہ سرور وخوشی کے ساتھ اپنے مکانات اور حویلیوں میں آزادی کی زندگی بسر کرے؟ یہ جواب دے گا کہ میرے پروردگار یہ سب سچ ہے' بیشک تیرے یہ تمام احسانات مجھ پر تھے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا پس آج میں تجھے اس طرح بھلا دوں گا جس طرح تو مجھے بھول گیا تھا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ سزائیں تمہیں اس لئے دی گئی ہیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا خوب مذاق اڑایا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ تم اسی پر مطمئن تھے اور اس قدر تم نے بے فکری برتی کہ آخر آج نقصان اور خسارے میں پڑ گئے۔ اب تم دوزخ سے نکالے نہ جاؤ گے اور نہ تم سے ہماری خفگی کے دور کرنے کی کوئی وجہ طلب کی جائے گی یعنی اس عذاب سے تمہارا چھٹکارا بھی محال اور اب میری رضامندی کا تمہیں حاصل ہونا بھی ناممکن۔ جیسے کہ مومن بغیر عذاب وحساب کے جنت میں جائیں گے۔ ایسے ہی تم بے حساب عذاب کئے جاؤ گے اور تمہاری توبہ بے سود رہے گی' اپنے اس فیصلے کو جو مومنوں اور کافروں میں ہو گیا بیان فرما کر اب ارشاد فرماتا ہے کہ تمام حمد زمین وآسمان اور ہر چیز کے مالک اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ جو کل جہان کا پالنہار ہے' اسی کی کبریائی یعنی سلطنت اور بڑائی آسمانوں اور زمینوں میں ہے' وہ بڑی عظمت اور بزرگی والا ہے۔ ہر چیز اس کے سامنے پست ہے۔ ہر ایک اس کا محتاج ہے۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ جل وعلا فرماتا ہے عظمت میرا تہمد ہے اور کبریائی میری چادر ہے جو شخص ان میں سے کسی کو بھی مجھ سے لینا چاہے گا میں اسے جہنم رسید کر دوں گا۔ یعنی بڑائی اور تکبر کرنے والا دوزخی ہے۔ وہ عزیز ہے یعنی غالب ہے جو کبھی کسی سے مغلوب نہیں ہونے کا' کوئی نہیں جو اس پر روک ٹوک کر سکے۔ اس کے سامنے پڑ سکے۔ وہ حکیم ہے' اس کا کوئی قول' کوئی فعل' اس کی شریعت کا کوئی مسئلہ' اس کی لکھی ہوئی تقدیر کا کوئی حرف حکمت سے خالی نہیں۔ کوئی معبود نہیں نہ اس کے سوا کوئی مسجود۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے لطف ورحم سے سورۂ جاثیہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ اور اسی کے ساتھ پچیسویں پارے کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ۔

پارہ نمبر
۸
تفسیر ابن کثیر
چند اہم مضامین کی فہرست

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتارتے اور مردے بھی ان سے باتیں کرتے اور ہر چیز کو ہم ان کے سامنے بھی لا کر جمع کر دیتے تو بھی یہ ایمان نہ لاتے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ چاہے بلکہ ان میں کے اکثر نادانی کرتے ہیں ○ اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن چند شریر انسانوں اور سرکش جنوں کو بنا دیا ہے کہ دھوکہ دہی کی غرض سے ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ اگر تیرا رب چاہتا تو یہ شیاطین ایسی حرکت نہ کرتے۔ تو ان سے اور ان کی بہتان بازیوں سے بے نیاز ہو جا○

فرماتا ہے کہ یہ کفار جو قسمیں کھا کھا کر تم سے کہتے ہیں کہ اگر کوئی معجزہ وہ دیکھ لیتے تو ضرور ایمان لے آتے۔ یہ غلط کہتے ہیں۔ تمہیں ان کے ایمان لانے سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ یہ کہتے ہیں کہ اگر فرشتے اترتے تو ہم مان لیتے لیکن یہ بھی جھوٹ ہے۔ فرشتوں کے آ جانے پر بھی اور ان کے کہہ دینے سے بھی کہ یہ رسول برحق ہیں' انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ یہ صرف ایمان نہ لانے کے بہانے تراشتے ہیں کہ کبھی کہہ دیتے ہیں اللہ کو لے آ۔ کبھی کہتے ہیں فرشتوں کو لے آ۔ کبھی کہتے ہیں اگلے نبیوں جیسے معجزے لے آ۔ یہ سب حجت بازی اور حیلے حوالے ہیں۔ دلوں میں تکبر بھرا ہوا ہے۔ زبان سے سرکشی اور برائی ظاہر کرتے ہیں۔ اگر مردے بھی قبروں سے اٹھ کر آ جائیں اور کہہ دیں کہ یہ رسول برحق ہیں' ان کے دلوں پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوگا۔ قُبُلًا کی دوسری قرات قِبَلًا ہے جس کے معنی مقابلے اور معائنہ کے ہوتے ہیں۔ ایک قول میں قُبُلًا کے معنی بھی یہی بیان کئے گئے ہیں۔ ہاں مجاہدؒ سے مروی ہے کہ اس کے معنی گروہ گروہ کے ہیں۔ ان کے سامنے اگر ایک ایک امت آ جاتی اور رسولوں کی صداقت کی گواہی دیتی تو بھی یہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ چاہے اس لئے کہ ہدایت کا مالک وہی ہے نہ کہ یہ۔ وہ جسے چاہے ہدایت دے دے۔ وہ جو کرنا چاہے' کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا اور وہ چونکہ حاکم کل ہے' ہر ایک سے باز پرس کر سکتا ہے' وہ علیم و حکیم ہے۔ حاکم و غالب و قاہر ہے۔ اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ' یعنی جن لوگوں کے ذمہ کلمہ عذاب ثابت ہو گیا ہے' وہ تمام تر نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ المناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

ہر نبی کو ایذا دی گئی: ☆☆ (آیت:۱۱۲) ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ آپؐ تنگ دل اور مغموم نہ ہوں جس طرح آپؐ کے زمانے کے یہ کفار آپ کی دشمنی کرتے ہیں' اسی طرح ہر نبی کے زمانے کے کفار اپنے اپنے نبیوں کے ساتھ دشمنی کرتے رہے ہیں' جیسے اور آیت میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ الخ' تجھ سے پہلے کے پیغمبروں کو بھی جھٹلایا گیا' انہیں بھی ایذائیں پہنچائی گئیں جس پر انہوں نے صبر کیا۔ اور آیت میں کہا گیا ہے کہ تجھ سے بھی وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے کے نبیوں کو کہا گیا تھا۔ تیرا رب بڑی مغفرت ہے اور ساتھ ہی المناک عذاب کرنے والا بھی ہے۔ اور آیت میں وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ہم نے گنہگاروں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے۔ یہی بات ورقہ بن نوفل نے آنحضرت ﷺ سے کہی تھی کہ آپ جیسی چیز جو رسول بھی لے کر آیا' اس سے

وَلِتَصۡغٰۤى اِلَيۡهِ اَفۡـِٕدَةُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَلِيَرۡضَوۡهُ وَلِيَقۡتَرِفُوۡا مَا هُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

یہ صرف اس لئے کہ ان لوگوں کے دل ان باتوں کی طرف مائل ہو جائیں جو آخرت کو نہیں مانتے اور وہ انہیں پسند کر لیں اور جس عمل کے لائق یہ ہیں کر گذریں ○

عداوت کی گئی- نبیوں کے دشمن شریر انسان بھی ہوتے ہیں اور جنات بھی- عَدُوًّا سے بدل شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ ہے- انسانوں میں بھی شیطان ہیں اور جنوں میں بھی- حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک دن نماز پڑھ رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا' کیا تم نے شیاطین انس وجن سے اللہ کی پناہ بھی مانگ لی؟ صحابیؓ نے پوچھا' کیا انسانوں میں بھی شیطان ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں- یہ حدیث منقطع ہے- ایک اور روایت میں ہے کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس مجلس میں آپ دیر تک تشریف فرما رہے- مجھ سے فرمانے لگے' ابوذر تم نے نماز پڑھ لی؟ میں نے کہا یارسول اللہؐ نہیں پڑھی' آپ نے فرمایا اٹھو اور دو رکعت ادا کر لو- جب میں فارغ ہو کر آیا تو فرمانے لگے' کیا تم نے انسانی و جناتی شیاطین سے اللہ کی پناہ مانگی تھی؟ میں نے کہا نہیں- کیا انسانوں میں بھی شیطان ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اور وہ جنوں کے شیطانوں سے بھی زیادہ شریر ہیں- اس میں بھی انقطاع ہے-

ایک متصل روایت مسند احمد میں مطول ہے- اس میں یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ مسجد کا ہے- اور روایت میں حضور ﷺ کا اس فرمان کے بعد یہ پڑھنا بھی مروی ہے کہ شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ يُوۡحِىۡ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ غُرُوۡرًا- الغرض یہ حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے جس سے قوت صحت کا فائدہ ہو جاتا ہے- واللہ اعلم- عکرمہؒ سے مروی ہے کہ انسانوں میں شیطان نہیں' جنات کے شیطان ایک دوسرے سے کانا پھوسی کرتے ہیں' آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ انسانوں کے شیطان جو انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور جنوں کے شیطان جو جنوں کو گمراہ کرتے ہیں جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے اپنی کارگزاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے فلاں کو اس طرح بہکایا- تو فلاں کو اس طرح بہکایا ایک دوسرے کو گمراہی کے طریقے بتاتے ہیں- اس سے امام ابن جریرؒ تو یہ سمجھے ہیں کہ شیطان تو جنوں سے ہی ہوتے ہیں لیکن بعض انسانوں پر لگے ہوئے ہوتے ہیں' بعض جنات پر- تو یہ مطلب عکرمہؒ کے قول سے تو ظاہر ہے- ہاں سدیؒ کے قول میں متحمل ہے- ایک قول میں عکرمہؒ اور سدیؒ دونوں سے یہ مروی ہے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جنات کے شیاطین ہیں جو انہیں بہکاتے ہیں جیسے انسانوں کے شیان جو انہیں بہکاتے ہیں اور ایک دوسرے سے مل کر مشورہ دیتے ہیں کہ اسے اس طرح بہکا- صحیح وہی ہے جو حضرت ابوذرؓ والی حدیث میں اوپر گذرا- عربی میں ہر سرکش شریر کو شیطان کہتے ہیں- صحیح مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے سیاہ رنگ کے کتے کو شیطان فرمایا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ کتوں میں شیطان ہے واللہ اعلم- مجاہدؒ فرماتے ہیں' کفار جن' کفار انسانوں کے کانوں میں صور پھونکتے رہتے ہیں- عکرمہؒ فرماتے ہیں میں مختار ابن ابی عبید کے پاس گیا' اس نے میری بڑی تعظیم و تکریم کی اپنے ہاں مہمان بنا کر ٹھہرایا رات کو بھی شاید اپنے ہاں سلاتا لیکن مجھ سے اس نے کہا کہ جاؤ لوگوں کو کچھ سناؤ میں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا آپ وحی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ میں نے کہا وحی کی دو قسمیں ہیں ایک اللہ کی طرف سے جیسے فرمان ہے بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ اور دوسری وحی شیطانی جیسے فرمان ہے شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ يُوۡحِىۡ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ الخ اتنا سنتے ہی لوگ میرے اوپر پل پڑے- قریب تھا کہ پکڑ کر مار پیٹ شروع کر دیں' میں نے کہا ارے بھائیو! یہ تم میرے ساتھ کیا کرنے لگے؟ میں نے تو تمہارے سوال کا جواب دیا اور میں تو تمہارا مہمان ہوں چنانچہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا- مختار ملعون لوگوں سے کہتا تھا کہ میرے پاس وحی آتی ہے- اس کی بہن حضرت صفیہ حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں اور بڑی دیندار تھیں۔

جب حضرت عبداللہ کو مختار کا یہ قول معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا وہ ٹھیک کہتا ہے۔ قرآن میں ہے وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ یعنی شیطان بھی اپنے دوستوں کی طرف وحی لے جاتے ہیں۔ الغرض ایسے متکبر سرکش جنات وانس آپس میں ایک دوسرے کو دھوکے بازی کی باتیں سکھاتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر اور چاہت ومشیت ہے۔ وہ ان کی وجہ سے اپنے نبیوں کی اولوالعزمی اپنے بندوں کو دکھا دیتا ہے۔ تو ان کی عداوت کا خیال بھی نہ کر۔ ان کا جھوٹ تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ تو اللہ پر بھروسہ رکھ۔ اسی پر توکل کر اور اپنے کام اسے سونپ کر بے فکر ہو جا۔ وہ تجھے کافی ہے اور وہی تیرا مددگار ہے۔ یہ لوگ جو اس طرح کی خرافات کرتے ہیں' یہ محض اس لئے کہ بے ایمانوں کے دل' ان کی نگاہیں اور ان کے کان ان کی طرف جھک جائیں۔ وہ ایسی باتوں کو پسند کریں۔ اس سے خوش ہو جائیں۔ پس ان کی باتیں وہی قبول کرتے ہیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں ہوتا۔ ایسے واصل جہنم ہونے والے بہکے ہوئے لوگ ہی ان کی فضول اور چکنی چپڑی باتوں میں پھنس جاتے ہیں۔ پھر وہ کرتے ہیں جو ان کے قابل ہے۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾

کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو فیصلہ کرنے والا تلاش کروں؟ حالانکہ اسی نے تفصیل وار کتاب نازل فرمائی ہے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دے رکھی ہے' وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ بلاشبہ تیرے رب کی طرف سے ہی حق کے ساتھ اتاری گئی ہے۔ پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا ○ تیرے رب کی بات صداقت وعدالت کے ساتھ کامل ہو گئی۔ اس کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں اور وہی سننے والا جاننے والا ہے ○

اللہ کے فیصلے اٹل ہیں: ☆☆ (۱۱۴-۱۱۵) حکم ہوتا ہے کہ مشرک جو کہ اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش کر رہے ہیں' ان سے کہہ دیجئے کہ کیا میں آپس میں فیصلہ کرنے والا بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو تلاش کروں؟ اسی نے صاف کھلے فیصلے کرنے والی کتاب نازل فرما دی ہے۔ یہود ونصاریٰ جو صاحب کتاب ہیں اور جن کے پاس اگلے نبیوں کی بشارتیں ہیں' وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اللہ کی طرف سے حق کے ساتھ نازل شدہ ہے۔ تجھے شکی لوگوں میں نہ ملنا چاہئے۔ جیسے فرمان ہے فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الخ' یعنی ہم نے جو کچھ وحی تیری طرف اتاری ہے' اگر تجھے اس میں شک ہو تو جو لوگ اگلی کتابیں پڑھتے ہیں تو ان سے پوچھ لے۔ یقین مان کہ تیرے رب کی جانب سے تیری طرف حق اتر چکا ہے۔ پس تو شک کرنے والوں میں نہ ہو۔ یہ شرط ہے اور شرط کا واقع ہونا کچھ ضروری نہیں۔ اسی لئے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' نہ میں شک کروں نہ کسی سے سوال کروں۔ تیرے رب کی باتیں صداقت میں پوری ہیں۔ اس کا ہر حکم عدل ہے۔ وہ اپنے حکم میں بھی عادل ہے اور خبروں میں صادق ہے اور یہ خبر صداقت پر مبنی ہے۔ جو خبریں اس نے دی ہیں' وہ بلاشبہ درست ہیں اور جو حکم فرمایا ہے'

وہ سراسر عدل ہے۔ اور جس چیز سے روکا' وہ یکسر باطل ہے۔ کیونکہ وہ جس چیز سے روکتا ہے' وہ برائی والی ہی ہوتی ہے۔ جیسے فرمان ہے یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وہ انہیں بھلی باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے فرمان کو بدل سکے۔ اس کے حکم اٹل ہیں۔ دنیا میں کیا اور آخرت میں کیا' اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا۔ اس کا تعاقب کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں کی باتیں سنتا ہے اور ان کی حرکات وسکنات کو بخوبی جانتا ہے۔ ہر عامل کو اس کے برے بھلے عمل کا بدلہ ضرور دے گا۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

دنیا میں اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر تو ان کے کہے پر چلے تو وہ تجھے راہ اللہ سے بھٹکا دیں۔ وہ تو صرف گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اٹکل پچو باتیں ہی بناتے ہیں۔ تیرا رب ہی انہیں بخوبی جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ جو راہ راست پر ہیں' انہیں بھی وہی خوب جانتا ہے ○

بیکار خیالوں میں گرفتار لوگ: ☆☆ (آیت:۱۱۶-۱۱۷) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اکثر لوگ دنیا میں گمراہ کن ہوتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَھُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ اور جگہ ہے وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ گو تو حرص کرے لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ پھر یہ لوگ اپنی گمراہی میں بھی کسی یقین پر نہیں' صرف باطل گمان اور بیکار خیالوں کا شکار ہیں۔ اندازے سے باتیں بنا لیتے ہیں۔ پھر ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ خیالات کے پیرو ہیں۔ توہم پرستی میں گھرے ہوئے ہیں یہ سب مشیت الٰہی ہے۔ وہ گمراہوں کو بھی جانتا ہے اور ان پر گمراہیاں آسان کر دیتا ہے۔ وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی واقف ہے اور انہیں ہدایت آسان کر دیتا ہے۔ ہر شخص پر وہی کام آسان ہوتے ہیں جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھا لیا کرو اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہو ○ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ جو چیزیں تم

پر حرام کی گئی ہیں، وہ کھول کھول کر بیان ہو چکی ہیں بجز اس حالت کے کہ تم ان چیزوں کی طرف بے بس کر دیئے جاؤ۔ اکثر لوگ صرف اپنی خواہشوں کی بنا پر بغیر علم کے دوسروں کو بہکاتے رہتے ہیں۔ ہر ایک حد سے تجاوز کرنے والے کو اللہ بخوبی جانتا ہے O کھلے چھپے ہر قسم کے گناہ چھوڑ دو۔ گنہگاریاں کرنے والوں کو ان کی کی گنہگاریوں کی سزا یقیناً دی جائے گی O

صرف اللہ تعالیٰ کے نام کا ذبیحہ حلال باقی سب حرام: ☆☆ (آیت: ۱۱۸-۱۱۹) حکم بیان ہو رہا ہے کہ جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اسے کھا لیا کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جانور کے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا مباح نہیں۔ جیسے مشرکین از خود مر گیا ہوا مردار جانور، بتوں اور تھالوں پر ذبح کیا ہوا جانور کھا لیا کرتے تھے۔ کوئی وجہ نہیں کہ جن حلال جانوروں کو شریعت کے حکم کے مطابق ذبح کیا جائے اس کے کھانے میں حرج سمجھا جائے بالخصوص اس وقت کہ ہر حرام جانور کا بیان کھول کھول کر کر دیا گیا ہے۔ فصل کی دوسری قرات فصل ہے وہ حرام جانور کھانے ممنوع ہیں سوائے مجبوری اور سخت بے بسی کے کہ اس وقت جو مل جائے اس کے کھا لینے کی اجازت ہے۔ پھر کافروں کی زیادتی بیان ہو رہی ہے کہ وہ مردار جانور کو اور ان جانوروں کو جن پر اللہ کے سوا دوسروں کے نام لئے گئے ہوں حلال جانتے تھے۔ یہ لوگ بلاعلم صرف خواہش پرستی کر کے دوسروں کو بھی راہ حق سے ہٹا رہے ہیں۔ ایسوں کی افترا پردازی دروغ بافی اور زیادتی کو اللہ بخوبی جانتا ہے۔

(آیت: ۱۲۰) ظاہری اور باطنی گناہوں کو ترک کر دو۔ چھوٹے بڑے پوشیدہ اور ظاہر، ہر گناہ کو چھوڑ و۔ نہ کھلی بدکار عورتوں کے ہاں جاؤ نہ چوری چھپے بدکاریاں کرو۔ کھلم کھلا ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ غرض ہر گناہ سے دور رہو۔ کیونکہ ہر بدکاری کا برا بدلہ ہے۔ حضورؐ سے سوال ہوا کہ گناہ کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو نہ چاہے کہ کسی کو اس کی اطلاع ہو جائے۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾

ع ۱۱

جس پر نام اللہ نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ۔ اس کا کھانا کھلی نافرمانی ہے۔ شیطان اپنے ڈھب کے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے کج بحثی کریں۔ اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو تمہارے بھی مشرک ہونے میں کوئی شک نہیں O

سدھائے ہوئے کتوں کا شکار: ☆☆ (آیت: ۱۲۱) یہی آیت ہے جس سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ گو کسی مسلمان نے ہی ذبح کیا ہو لیکن اگر بوقت ذبح اللہ کا نام نہیں لیا تو اس ذبیحہ کا کھانا حرام ہے، اس بارے میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک تو وہی جو مذکور ہوا۔ خواہ جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا ہو یا بھول کر۔ اس کی دلیل آیت فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ ہے یعنی جس شکار کو تمہارے شکاری کتے روک رکھیں، تم اسے کھا لو اور اللہ کا نام اس پر لو۔ اس آیت میں اسی کی تاکید کی اور فرمایا کہ یہ کھلی نافرمانی ہے یعنی اس کا کھانا۔ یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔ احادیث میں بھی شکار کے اور ذبیحہ کے متعلق حکم وارد ہوا ہے۔ آپ فرماتے ہیں، جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑے، جس جانور کو وہ تیرے لئے پکڑ کر روک لے تو اسے کھا لے۔ اور حدیث میں ہے، جو چیز خون بہا دے

اور اللہ کا نام بھی اس پر لیا گیا ہو' اسے کھا لیا کرو- جنوں سے حضورؐ نے فرمایا تھا' تمہارے لئے ہر وہ ہڈی غذا ہے جس پر اللہ کا نام لیا جائے- عید کی قربانی کے متعلق آپؐ کا ارشاد مروی ہے کہ جس نے نماز عید پڑھنے سے پہلے ہی ذبح کر لیا' وہ اس کے بدلے دوسرا جانور ذبح کر لے اور جس نے قربانی نہیں کی وہ ہمارے ساتھ عید کی نماز پڑھے پھر اللہ کا نام لے کر اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کرے- چند لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ بعض نو مسلم ہمیں گوشت دیتے ہیں- کیا خبر انہوں نے ان جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام بھی لیا یا نہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا' تم ان پر اللہ کا نام لو اور کھا لو-

الغرض اس حدیث سے بھی یہ مذہب قوی ہوتا ہے کیونکہ صحابہؓ نے بھی سمجھا کہ بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور یہ لوگ احکام اسلام سے صحیح طور پر واقف نہیں- ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں- کیا خبر اللہ کا نام لیتے بھی ہیں یا نہیں؟ تو حضورؐ نے انہیں بطور مزید احتیاط فرما دیا کہ تم خود اللہ کا نام لے لو تا کہ بالفرض انہوں نے نہ بھی لیا ہو تو یہ اس کا بدلہ ہو جائے- ورنہ ہر مسلمان پر ظاہراً حسن ظن ہی ہوگا- دوسرا قول اس مسئلہ میں یہ ہے کہ بوقت ذبح بسم اللہ کا پڑھنا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے- اگر چھوٹ جائے گو وہ عمداً ہو یا بھول کر' کوئی حرج نہیں- اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ یہ فسق ہے' اس کا مطلب یہ لوگ یہ لیتے ہیں کہ اس سے مراد غیر اللہ کے لئے ذبح کیا ہوا جانور ہے جیسے اور آیت میں ہے اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ بقول عطا ان جانوروں سے روکا گیا ہے جنہیں کفار اپنے معبودوں کے نام ذبح کرتے تھے اور مجوسیوں کے ذبیحہ سے بھی ممانعت کی گئی- اس کا جواب بعض متاخرین نے یہ بھی دیا ہے کہ وَاِنَّهٗ (سورۂ انعام-۱۲۱) میں واؤ حالیہ ہے تو فسق اسی وقت ہوگا جب اسے غیر اللہ کے نام کا مان لیں اور یہ واؤ عطف کا ہو نہیں سکتا ورنہ اس سے جملہ اسمیہ خبریہ کا عطف جملہ فعلیہ حالیہ پر لازم آئے گا- لیکن یہ دلیل اس کے بعد کے جملے وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ سے ہی ٹوٹ جاتی ہے اس لئے کہ وہ تو یقیناً عاطفہ جملہ ہے- تو جس اگلے واؤ کو حالیہ کہا گیا ہے' اگر اسے حالیہ مان لیا جائے تو پھر اس پر اس جملے کا عطف ناجائز ہوگا اور اگر اسے پہلے کے حالیہ جملے پر عطف ڈالا جائے تو جو اعتراض یہ دوسرے پر وارد کر رہے تھے' وہی ان پر پڑے گا- ہاں اگر اس واؤ کو حالیہ نہ مانا جائے تو یہ اعتراض ہٹ سکتا ہے لیکن جو بات اور دعویٰ تھا' وہ سرے سے باطل ہو جائے گا- واللہ اعلم-

ابن عباسؓ کا قول ہے' مراد اس سے مردار جانور ہے جو اپنی موت آپ مر گیا ہو- اس مذہب کی تائید ابوداؤد کی ایک مرسل حدیث سے بھی ہو سکتی ہے جس میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے- اس نے اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو کیونکہ اگر وہ لیتا تو اللہ کا نام ہی لیتا- اس کی مضبوطی دارقطنی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' جب مسلمان ذبح کرے اور اللہ کا نام نہ ذکر کرے تو کھا لیا کرو کیونکہ مسلمان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے- اسی مذہب کی دلیل میں وہ حدیث بھی پیش ہو سکتی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ نو مسلموں کے ذبیحہ کے کھانے کی جس میں دونوں احتمال تھے' آپ نے اجازت دی- تو اگر بسم اللہ کا کہنا شرط اور لازم ہوتا تو حضور تحقیق کرنے کا حکم دیتے- تیسرا قول یہ ہے کہ اگر بسم اللہ کہنا بوقت ذبح بھول گیا ہے تو ذبیحہ حلال ہے اور اگر قصداً نہیں کہی تو حلال نہیں- ہدایہ میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ سے پہلے اس بات پر اجماع تھا کہ جس ذبیحہ پر عمداً بسم اللہ نہ کہی جائے' وہ حرام ہے- اسی لئے امام ابو یوسف اور مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی حاکم اسے بیچنے کا حکم بھی دے تو وہ حکم جاری نہیں ہو سکتا کیونکہ اجماع کے خلاف ہے- لیکن صاحب ہدایہ کا یہ قول محض غلط ہے- امام شافعیؒ سے پہلے بھی بہت سے ائمہ اس کے خلاف تھے- چنانچہ اوپر جو دوسرا مذہب بیان ہوا ہے کہ بسم اللہ پڑھنا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے' یہ امام شافعیؒ کا' ان کے سب ساتھیوں کا اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا اور امام مالکؒ کا اور اشہب بن عبدالعزیز کا مذہب ہے اور یہی بیان کیا گیا ہے- حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت عطا بن ابی رباحؒ کا اس سے اختلاف ہے- پھر اجماع کا دعویٰ کرنا کیسے درست ہو

سکتا ہے- واللہ اعلم-

امام ابوجعفر بن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے بوقت ذبح بسم اللہ بھول کر نہ کہے جانے پر بھی ذبیحہ حرام کہا ہے' انہوں نے اور دلائل سے اس حدیث کی بھی مخالفت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مسلم کو اس کا نام ہی کافی ہے- اگر وہ ذبح کے وقت اللہ کا نام ذکر کرنا بھول گیا تو اللہ کا نام لے اور کھالے- یہ حدیث بیہقی میں ہے لیکن اس کا مرفوع روایت کرنا خطا ہے اور یہ خطا معقل بن عبداللہ خرزمی کی ہے- ہیں تو یہ صحیح مسلم کے راویوں میں سے مگر سعید بن منصور اور عبداللہ بن زبیر حمیری اسے عبداللہ بن عباسؓ سے موقوف روایت کرتے ہیں- بقول امام بیہقیؒ یہ روایت سب سے زیادہ صحیح ہے- شعبی اور محمد بن سیرین اس جانور کا کھانا مکروہ جانتے تھے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو- گو بھول سے ہی رہ گیا ہو- ظاہر ہے کہ سلف کراہت کا اطلاق حرمت پر کرتے تھے- واللہ اعلم- ہاں یہ یاد رہے کہ امام ابن جریرؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ان دو ایک قولوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے جو جمہور کے مخالف ہوں اور اسے اجماع شمار کرتے ہیں- واللہ الموفق- امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ میرے پاس بہت سے پرند ذبح شدہ آئے ہیں- ان میں سے بعض کے ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہے اور بعض پر بھول سے رہ گئی ہے اور سب خلط ملط ہو گئے ہیں- آپ نے فتویٰ دیا کہ سب کھالو- پھر محمد بن سیرینؒ سے یہی سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' جن پر اللہ کا ذکر نام نہیں کیا گیا' انہیں نہ کھاؤ- اس تیسرے مذہب کی دلیل میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا کو' بھول کو اور جس کام پر زبردستی کی جائے' اس کو معاف فرما دیا ہے- لیکن اس میں ضعف ہے- ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یارسول اللہؐ بتایئے تو ہم میں سے کوئی شخص ذبح کرے اور بسم اللہ کہنا بھول جائے؟ آپ نے فرمایا' اللہ کا نام ہر مسلمان کی زبان پر ہے (یعنی وہ حلال ہے) لیکن اس کی اسناد ضعیف ہے- مروان بن سالم ابوعبداللہ شامی اس حدیث کا راوی ہے اور ان پر بہت سے آئمہ نے جرح کی ہے- واللہ اعلم- میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے- اس میں تمام مذاہب اور ان کے دلائل وغیرہ تفصیل سے لکھے ہیں اور پوری بحث کی ہے- بظاہر دلیلوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے- لیکن اگر کسی مسلمان کی زبان سے جلدی میں یا بھولے سے یا کسی اور وجہ سے نہ نکلے اور ذبح ہو گیا تو وہ حرام نہیں ہوتا (واللہ اعلم مترجم) عام اہل علم تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا کوئی حصہ منسوخ نہیں لیکن بعض حضرات کہتے ہیں' اس میں اہل کتاب کے ذبیحہ کا استثنا کر لیا گیا ہے اور ان کا ذبح کیا ہوا حلال جانور کھالینا ہمارے ہاں حلال ہے- تو گو وہ اپنی اصطلاح میں اسے نسخ سے تعبیر کریں لیکن دراصل یہ ایک مخصوص صورت ہے-

پھر فرمایا کہ شیطان اپنے ولیوں کی طرف وحی کرتے ہیں- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کہا گیا کہ مختار گمان کرتا ہے کہ اس کے پاس وحی آتی ہے تو آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا' وہ ٹھیک کہتا ہے- شیطان بھی اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں- اور روایت میں ہے کہ اس وقت مختار حج کو آیا ہوا تھا- ابن عباسؓ کے اس جواب سے کہ وہ سچا ہے' اس شخص کو سخت تعجب ہوا- اس وقت آپ نے تفصیل بیان فرمائی کہ ایک تو اللہ کی وحی جو آنحضرتؐ کی طرف آئی اور ایک شیطانی وحی ہے جو شیطان کے دوستوں کی طرف آتی ہے- شیطانی وساوس کو لے کر لشکر شیطان اللہ والوں سے جھگڑتے ہیں- چنانچہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ یہ کیا اندھیر ہے؟ کہ ہم اپنے ہاتھ سے مارا ہوا جانور تو کھائیں اور جسے اللہ مار دے یعنی اپنی موت آپ مر جائے اسے نہ کھائیں؟ اس پر ایک آیت اتری اور بیان فرمایا کہ وجہ حلت اللہ کے نام کا ذکر ہے- لیکن ہے یہ قصہ غور طلب- اولاً اس وجہ سے کہ یہودی از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حلال نہیں جانتے تھے

دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یہودی تو مدینے میں تھے اور یہ پوری سورت مکہ میں اتری ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث ترمذی میں مروی ہے طبرانی میں ہے کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد کہ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہوا سے کھالو اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہوا سے نہ کھاؤ تو اہل فارس نے قریشیوں سے کہلوا بھیجا کہ آنحضرت ﷺ سے وہ جھگڑیں اور کہیں کہ جسے تم اپنی چھری سے ذبح کرو وہ تو حلال اور جسے اللہ تعالیٰ سونے کی چھری سے خود ذبح کرے وہ حرام؟ یعنی میتہ از خود مرا ہوا جانور۔ اس پر یہ آیت اتری۔ پس شیاطین سے مراد فارسی ہیں اور ان کے اولیاء قریش ہیں۔ اور بھی اس طرح کی بہت سی روایتیں کئی ایک سندوں سے مروی ہیں لیکن کسی میں بھی یہود کا ذکر نہیں۔

پس صحیح یہی ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور یہود مدینے میں تھے اور اس لئے بھی کہ یہودی خود مردار خوار نہ تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جسے تم نے ذبح کیا' یہ تو وہ ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اور جو از خود مر گیا' وہ ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ مشرکین قریش فارسیوں سے خط و کتابت کر رہے تھے اور رومیوں کے خلاف انہیں مشورے اور امداد پہنچاتے تھے اور فارسی قریشیوں سے خط و کتابت رکھتے تھے اور آنحضرتؐ کے خلاف انہیں اکساتے اور ان کی امداد کرتے تھے۔ اسی میں انہوں نے مشرکین کی طرف یہ اعتراض بھی بھیجا تھا اور مشرکین نے صحابہؓ سے یہی اعتراض کیا اور بعض صحابہؓ کے دل میں بھی یہ بات کھٹکی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ پھر فرمایا' اگر تم نے ان کی تابعداری کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے کہ تم نے اللہ کی شریعت اور فرمان کے خلاف دوسرے کی مان لی اور یہی شرک ہے کہ اللہ کے قول کے مقابل دوسرے کا قول مان لیا چنانچہ قرآن کریم میں ہے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو الہ بنا لیا ہے۔ ترمذی میں ہے کہ جب حضرت عدی بن حاتمؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضورؐ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی تو آپؐ نے فرمایا' انہوں نے حرام کو حلال کہا اور حلال کو حرام کہا اور انہوں نے ان کا کہنا مانا۔ یہی عبادت ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۲

کیا ایک وہ شخص جو مردہ تھا' پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اسے ایک نور عطا فرمایا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چل پھر رہا ہے' مثل اس شخص کے ہے' جس کی حالت یہ ہو کہ وہ اندھیریوں میں گھرا ہوا ہو' جس سے نکل نہیں سکتا۔ ٹھیک اسی طرح کافروں کے لئے ان کے اعمال خوبصورت کر دیئے گئے ہیں ○

مومن اور کافر کا تقابلی جائزہ: ☆☆ (آیت:۱۲۲) مومن اور کافر کی مثال بیان ہو رہی ہے۔ ایک تو وہ جو پہلے مردہ تھا یعنی کفر و گمراہی کی حالت میں حیران و سرگشتہ تھا۔ اللہ نے اسے زندہ کیا' ایمان و ہدایت بخشی۔ اتباع رسولؐ کا چسکا دیا۔ قرآن جیسا نور عطا فرمایا جس کے منور احکام کی روشنی میں وہ اپنی زندگی گزارتا ہے۔ اسلام کی نورانیت اس کے دل میں رچ گئی ہے' دوسرا وہ جو جہالت و ضلالت کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے جو ان میں سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتا۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح مسلم و کافر میں بھی تفاوت ہے۔ نور و ظلمت کا فرق اور ایمان و کفر کا فرق ظاہر ہے' اور آیت میں ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ ایمان داروں کا ولی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور کافروں کے ولی طاغوت ہیں جو انہیں نور سے ہٹا کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ یہ ابدی جہنمی ہیں۔

اور آیت میں ہے اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖ یعنی خمیدہ قامت والا' ٹیڑھی راہ چلنے والا اور سیدھے قامت والا' سیدھی

راہ چلنے والا کیا برابر ہے؟ اور آیت میں ہے' ان دونوں فرقوں کی مثال اندھے بہرے اور سنتے دیکھتے کی طرح ہے کہ دونوں میں فرق نمایاں ہے افسوس پھر بھی تم عبرت حاصل نہیں کرتے اور جگہ فرمان ہے' اندھا اور بینا' اندھیرا اور روشنی' سایہ اور دھوپ' زندے اور مردے برابر نہیں۔ اللہ جسے چاہے سنا دے لیکن تو قبر والوں کو سنا نہیں سکتا۔ تو تو صرف آگاہ کر دینے والا ہے۔ اور بھی آیتیں اس مضمون کی بہت سی ہیں۔ اس سورت کے شروع میں ظلمات اور نور کا ذکر تھا۔ اسی مناسبت سے یہاں بھی مومن اور کافر کی یہی مثال بیان فرمائی گئی۔

بعض کہتے ہیں' مراد اس سے وہ خاص معین شخص ہیں جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہ یہ پہلے گمراہ تھے۔ اللہ نے انہیں اسلامی زندگی بخشی اور انہیں نور عطا فرمایا جسے لے کر لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ظلمات میں جو پھنسا ہوا ہے' اس سے مراد ابوجہل ہے۔ صحیح یہی ہے کہ آیت عام ہے۔ ہر مومن اور کافر کی مثال ہے۔ کافروں کی نگاہ میں ان کی اپنی جہالت و ضلالت اسی طرح آراستہ و پیراستہ کر کے دکھائی جاتی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر ہے کہ وہ اپنی برائیوں کو ہی اچھائیاں سمجھتے ہیں۔ مسند کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کر کے پھر اپنا نور ان پر ڈالا' جسے اس نور کا حصہ ملا' اس نے دنیا میں آ کر راہ پائی اور جو وہاں محروم رہا' وہ یہاں بھی بہکا ہی رہا۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لے جاتا ہے۔ اور جیسے فرمان ہے اندھا اور دیکھتا اور اندھیرا اور روشنی برابر نہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اسی طرح ہم نے ہر شہر میں وہاں کے فاسق رئیسوں کو پیدا کر دیا ہے کہ وہ وہاں فساد مچاتے رہیں۔ دراصل یہ اپنے ہی حق میں فتنہ انگیزیاں کر رہے ہیں لیکن ہیں بھی بے سمجھ ○ ان کے پاس جب کبھی کوئی نشانی پہنچتی ہے' کہہ دیتے ہیں کہ جب تک خود ہمیں اسی جیسا نہ دیا جائے جو اللہ کے نبیوں کو دیا گیا ہے' ہم ہرگز نہیں ماننے کے۔ اپنی پیغمبری کے لائق جگہ کا زیادہ جاننے والا اللہ ہی ہے۔ ان گنہگاروں کو ابھی ہی اللہ کے پاس کی ذلت اور بڑے بھاری عذاب ان کے فتنہ انگیزیوں کے بدلے ہوں گے ○

بستیوں کے رئیس گمراہ ہو جائیں تو تباہی کی علامت ہوتے ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۲۳-۱۲۴) ان آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تسکین فرماتا ہے اور ساتھ ہی کفار کو ہوشیار کرتا ہے۔ فرماتا ہے کہ جیسے آپ کی اس بستی میں روسائے کفر موجود ہیں جو دوسروں کو بھی دین برحق سے روکتے ہیں' اس طرح ہر پیغمبر کے زمانے میں اس کی بستی میں کفر کے ستون اور مرکز رہے ہیں لیکن آخرکار وہ غارت اور تباہ ہوتے ہیں اور نتیجہ ہمیشہ نبیوں کا ہی اچھا رہتا ہے۔ جیسے فرمایا کہ ہر نبی کے دشمن ان کے زمانے کے گنہگار رہے۔ اور آیت میں ہے' ہم جب کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے رئیسوں کو کچھ حکم احکام دیتے ہیں جس میں وہ کھلم کھلا ہماری نافرمانی کرتے ہیں۔ پس اطاعت سے گریز کرنے پر عذابوں میں گھر جاتے ہیں۔ وہاں کے شریر لوگ اوج پر آ جاتے ہیں' پھر بستی ہلاک ہوتی ہے اور قسمت کا ان مٹ لکھا سامنے آ جاتا ہے۔

چنانچہ اور آیتوں میں ہے کہ جہاں کہیں کوئی پیغمبر آیا' وہاں کے رئیسوں اور بڑے لوگوں نے جھٹ سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری رسالت کے منکر ہیں۔ مال میں' اولاد میں' ہم تم سے زیادہ ہیں اور ہم اسے بھی مانتے نہیں کہ ہمیں سزا۔ ہو اور آیت میں ہے کہ ہم نے جس بستی میں جس رسول کو بھیجا وہاں کے بڑے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے تو جس طریقے پر اپنے بڑوں کو پایا ہے' ہم تو اسی پر چلے چلیں گے۔ مکر سے مراد گمراہی کی طرف بلانا ہے اور اپنی چکنی چپڑی باتوں میں لوگوں کو پھنسانا ہے جیسے کہ قوم نوح کے بارے میں ہے وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا قیامت کے دن بھی جبکہ یہ ظالم اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے' ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے' چھوٹے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے ہم تو مسلمان ہو جاتے' وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تمہیں ہدایت سے کب روکا تھا؟ تم تو خود گنہگار تھے۔ یہ کہیں گے' تمہاری دن رات کی فتنہ انگیزیوں نے اور کفر و شرک کی دعوت نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ مکر کے معنی حضرت سفیانؒ نے ہر جگہ عمل کے کئے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کے مکر کا وبال انہی پر پڑے گا لیکن انہیں اس کا شعور نہیں۔ جن لوگوں کو انہوں نے بہکایا ان کا وبال بھی انہیں کے دوش پر ہوگا جیسے فرمان ہے وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ مَّعَ أَثْقَالِهِمْ یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ بھی ڈھوئیں گے۔ جن کو بے عملی کے ساتھ انہوں نے بہکایا تھا۔ جب کوئی نشان اور دلیل دیکھتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ کچھ بھی ہو جب تک اللہ کا پیغام فرشتے کی معرفت خود ہمیں نہ آئے ہم تو باور کرنے والے نہیں۔ کہا کرتے تھے کہ ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں ہوتے؟ اللہ ہمیں اپنا دیدار کیوں نہیں دکھاتا؟ حالانکہ رسالت کے مستحق کی اصلی جگہ کو اللہ ہی جانتا ہے۔ ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے رئیس پر یہ قرآن کیوں نہیں اترا؟ جس کے جواب میں اللہ عزوجل نے فرمایا' کیا تیرے رب کی رحمت کے تقسیم کرنے والے وہ ہیں؟ پس مکے یا طائف کے کسی رئیس پر قرآن کے نازل نہ ہونے سے وہ آنحضرتؐ کی تحقیر کا ارادہ کرتے تھے اور یہ صرف ضد اور تکبر کی بنا پر تھا۔

جیسے فرمان ہے کہ تجھے دیکھتے ہی یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ کیا یہی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتا ہے؟ یہ لوگ ذکر رحمن کے منکر ہیں۔ کہا کرتے تھے کہ اچھا یہی ہیں جنہیں اللہ نے اپنا رسول بنایا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ ان مسخروں کا مسخرا پن انہی پر الٹا پڑا۔ انہیں ماننا ہی پڑا تھا کہ آپ شریف النسب ہیں۔ آپ سچے اور امین ہیں۔ یہاں تک کہ نبوت سے پہلے قوم کی طرف سے آپ کو امین کا خطاب ملا تھا۔ ابوسفیان جیسے ان کا قریشیوں کے سردار نے بھی دربار ہرقل میں بھی حضورؐ کے عالی نسب ہونے اور سچے ہونے کی شہادت دی تھی۔ جس سے شاہ روم نے حضورؐ کی صداقت' طہارت' نبوت وغیرہ کو مان لیا تھا۔ مسند کی حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیمؑ سے اسماعیلؑ کو پسند فرمایا۔ اولاد اسماعیلؑ سے بنوکنانہ کو پسند فرمایا۔ بنوکنانہ سے قریش کو' قریش میں سے بنوہاشم کو اور بنوہاشم میں سے مجھے۔

فرمان ہے کہ یکے بعد دیگرے قرنوں میں سے سب سے بہتر زمانے میں پیغمبر بنایا گیا۔ ایک مرتبہ جبکہ آپ کو لوگوں کی بعض کہی ہوئی باتیں پہنچیں تو آپؐ منبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے پوچھا' میں کون ہوں؟ انہوں نے کہا' آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں مجھے بہتر بنایا ہے۔ مخلوق کو جب دو حصوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان دونوں میں جو بہتر حصہ تھا' اس میں کیا' پھر قبیلوں کی تقسیم کے وقت مجھے سب سے بہتر قبیلے میں کیا۔ پھر جب گھرداریوں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے اچھے گھرانے میں بنایا۔ پس میں گھرانے کے اعتبار سے اور ذات کے اعتبار سے تم سب سے بہتر ہوں۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ حضرت جبرئیل نے ایک مرتبہ آپ سے فرمایا' میں نے تمام مشرق و مغرب ٹٹول لیا لیکن آپ سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا (حاکم بیہقی) مسند احمد میں ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا اور سب سے بہتر دل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا پایا۔ پھر مخلوق کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو سب سے بہتر دل والے اصحاب رسولؐ پائے۔ پس حضورؐ کو اپنا خاص چیدہ رسولؐ بنایا اور اصحابؓ کو آپ کا وزیر بنایا جو آپ کے دین کے دشمنوں کے دشمن ہیں۔ پس یہ

مسلمان جس چیز کو بہتر سمجھیں' وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جسے یہ برا سمجھیں' وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے - ایک باہر کے شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مسجد کے دروازے سے آتا ہوا دیکھ کر مرعوب ہو کر لوگوں سے پوچھا' یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ رسول کریم ﷺ کے چچا کے لڑکے حضرت عبداللہ بن عباس ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ - تو ان کے منہ سے بے ساختہ یہ آیت نکلی کہ نبوت کی جگہ کو اللہ ہی بخوبی جانتا ہے -

پھر فرماتا ہے کہ جو لوگ اس عظیم الشان نبی کی نبوت میں شک وشبہ کر رہے ہیں' اطاعت سے منہ پھیر رہے ہیں' انہیں اللہ کے سامنے قیامت کے دن بڑی ذلت اٹھانی پڑے گی - دنیا کے تکبر کی سزا خواری کی صورت میں انہیں ملے گی جو ان پر دائمی ہو گی - جیسے فرمان ہے کہ جو لوگ میری عبادت سے جی چراتے ہیں' وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جائیں گے - انہیں ان کے مکر کی سزا اور سخت سزا ملے گی - چونکہ مکاروں کی چالیں خفیہ اور ہلکی ہوتی ہیں' اس کے بدلے میں عذاب علانیہ اور سخت ہوں گے - یہ اللہ کا ظلم نہیں بلکہ ان کا پورا بدلہ ہے - اس دن ساری چھپی عیاریاں کھل جائیں گی - حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ہر بدعہد کی راہوں کے پاس قیامت کے دن ایک جھنڈا لہراتا ہو گا اور اعلان ہوتا ہو گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے - پس اس دنیا کی پوشیدگی اس طرح قیامت کے دن ظاہر ہو گی - اللہ ہمیں بچائے -

فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یَّہۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ وَمَنۡ یُّرِدۡ اَنۡ یُّضِلَّہٗ یَجۡعَلۡ صَدۡرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ کَذٰلِکَ یَجۡعَلُ اللّٰہُ الرِّجۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾

جس کی ہدایت کا ارادہ اللہ کا ہوتا ہے' اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے' اس کے سینے کو اتنا بھچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے کہ گویا اسے آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہے - اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر پھٹکار اور نجاست ڈال دیتا ہے جو یقین نہیں کرتے ○

جس پر اللہ کا کرم اس پہ راہ ہدایت آسان : ☆☆ (آیت:۱۲۵) اللہ کا ارادہ جسے ہدایت کرنے کا ہوتا ہے' اس پر نیکی کے راستے آسان ہو جاتے ہیں جیسے فرمان ہے اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰہُ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَہُوَ عَلٰی نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ الخ یعنی اللہ ان کے سینے اسلام کی طرف کھول دیتا ہے اور انہیں اپنا نور عطا فرماتا ہے - اور آیت میں ہے' فرمایا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ الخ اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت پیدا کر دی - اور اسے تمہارے دلوں کو زینت دار بنا دیا اور کفر وفسق اور نافرمانی کی تمہارے دلوں میں کراہیت ڈال دی - یہی لوگ راہ یافتہ اور نیک بخت ہیں - ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اس کا دل ایمان وتوحید کی طرف کشادہ ہو جاتا ہے - حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ دانا کون سا مومن ہے؟ فرمایا سب سے زیادہ موت کو یاد رکھنے والا اور سب سے زیادہ موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیاریاں کرنے والا - حضورؐ سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو فرمایا کہ اس کے دل میں ایک نور ڈال دیا جاتا ہے جس سے اس کا سینہ کھل جاتا ہے - لوگوں نے اس کی نشانی دریافت کی تو فرمایا جنت کی طرف جھکنا اور اس کی جانب رغبت کامل رکھنا اور دنیا کے فریب سے بھاگنا اور الگ ہونا اور موت کے آنے سے پہلے تیاریاں کرنا ضَیِّقًا کی ایک قرات ضَیۡقًا بھی ہے - حَرَجًا کی دوسری حَرِبًا جا بھی ہے یعنی گنہگار - یا دونوں کے ایک ہی معنی یعنی تنگ جو ہدایت کے لئے نہ کھلے اور ایمان اس میں جگہ نہ پائے - ایک مرتبہ ایک بادیہ نشین بزرگ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حرجہ کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے کہا یہ ایک درخت ہوتا ہے جس کے پاس

نہ تو چرواہے جاتے ہیں نہ جانور نہ وحشی - آپ نے فرمایا سچ ہے' ایسا ہی منافق کا دل ہوتا ہے کہ اس میں کوئی بھلائی جگہ پاتی ہی نہیں - ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اسلام باوجود آسان اور کشادہ ہونے کے اسے سخت اور تنگ معلوم ہوتا ہے - خود قرآن میں ہے وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اللہ نے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی - لیکن منافق کا شکی دل اس نعمت سے محروم رہتا ہے - اسے اسے لا الہ الا اللہ کا اقرار ایک مصیبت معلوم ہوتی ہے - جیسی کسی پر آسمان کی چڑھائی مشکل ہو - جیسے وہ اس کے بس کی بات نہیں - اسی طرح توحید و ایمان بھی اس کے قبضے سے باہر ہیں - پس مردہ دل والے کبھی بھی اسلام قبول نہیں کرتے - اسی طرح اللہ تعالیٰ بے ایمانوں پر شیطان مقرر کر دیتا ہے جو انہیں بہکاتے رہتے ہیں اور خیر سے ان کے دل کو تنگ کرتے رہتے ہیں - نحوست ان پر برستی رہتی ہے اور عذاب ان پر اتر آتے ہیں -

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾
لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾

تیرے رب کی سیدھی راہ یہی ہے - جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں' ان کے لئے تو ہم اپنی آیتیں تفصیل وار بیان کر چکے ہیں ○ ان کے لئے ان کے رب کے ہاں امن و امان کا گھر ہے - وہی ان کا کارساز ہے بہ سبب ان اعمال کے جو وہ کرتے رہے ○

قرآن حکیم ہی صراط مستقیم کی تشریح ہے : ☆☆ (آیت:۱۲۶-۱۲۷) گمراہوں کا طریقہ بیان فرما کر اپنے اس دین حق کی نسبت فرماتا ہے کہ سیدھی اور صاف راہ جو بے روک اللہ کی طرف پہنچا دے' یہی ہے - مُسْتَقِيْمًا کا نصب حالیت کی وجہ سے ہے - پس شرع محمدی کلام باری تعالیٰ ہی راہ راست ہے چنانچہ حدیث میں بھی قرآن کی صفت میں کہا گیا ہے کہ اللہ کی سیدھی راہ' اللہ کی مضبوط رسی اور حکمت والا ذکر یہی ہے (ملاحظہ ہو ترمذی مسند وغیرہ) جنہیں اللہ کی جانب سے عقل و فہم و عمل دیا گیا ہے' ان کے سامنے تو وضاحت کے ساتھ اللہ کی آیتیں آ چکیں - ان ایمانداروں کے لئے اللہ کے ہاں جنت ہے - جیسے کہ یہ سلامتی کی راہ یہاں چلے' ویسے ہی قیامت کے دن سلامتی کا گھر انہیں ملے گا - وہی سلامتیوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے - ان کا کارساز اور دلی دوست ہے - حافظ و ناصر موید و مولیٰ ان کا وہی ہے - ان کے نیک اعمال کا بدلہ یہ پاک گھر ہو گا جہاں ہمیشگی ہے اور یکسر راحت و اطمینان' سرور اور خوشی ہی خوشی ہے -

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ
وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَا
اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ
مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢٨﴾
وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾ ع ۱۵

جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا - اے جنو! تم نے بنی آدم میں سے اپنی جماعت بہت بڑی کر لی تھی - ان کے دوست انسان کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایک دوسرے سے فائدے اٹھاتے رہے اور جو وقت تو نے ہمارے لئے مقرر کر دیا تھا' اس وعدے تک ہم پہنچ گئے - فرمائے گا تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے جہاں تم ہمیشہ رہو گے - آگے جو اللہ کی مرضی - تیرا رب حکمت و علم والا ہے ○ اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا دوست بنا دیتے ہیں بہ سبب اس کے جو وہ کرتے رہے ○

یوم حشر: ☆☆ (آیت:۱۲۸) وہ دن بھی قریب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا- جنات' انسان' عابد' معبود سب ایک میدان میں کھڑے ہوں گے- اس وقت جنات سے ارشاد ہو گا کہ تم نے انسانوں کو خوب بہکایا اور ورغلایا- انسانوں کو یاد دلایا جائے گا کہ میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شیطان کی نہ ماننا- وہ تمہارا دشمن ہے- میری ہی عبادت کرتے رہنا- یہی سیدھی راہ ہے- لیکن تم نے سمجھ سے کام نہ لیا اور شیطانی راگ میں آ گئے- اس وقت جنات کے دوست انسان جواب دیں گے کہ ہاں انہوں نے حکم دیا اور ہم نے عمل کیا- دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ رہے اور فائدہ حاصل کرتے رہے- جاہلیت کے زمانہ میں جو مسافر کہیں اترتا تو کہتا کہ اس وادی کے بڑے جن کی پناہ میں میں آتا ہوں- انسانوں سے جنات کو بھی فائدہ پہنچتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ان کے سردار سمجھنے لگے تھے- موت کے وقت تک یہی حالت رہی- اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ اچھا اب بھی تم ساتھ ہی جہنم میں جاؤ- وہیں ہمیشہ پڑے رہنا- یہ استثناء جو ہے' وہ راجع ہے برزخ کی طرف- بعض کہتے ہیں دنیا کی مدت کی طرف- اس کا پورا بیان سورۂ ہود کی آیت خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ الخ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ- اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی کسی کے لئے جنت دوزخ کا فیصلہ نہیں کر سکتا- سب مشیت رب پر موقوف ہے-

ہم مزاج ہی دوست ہوتے ہیں: ☆☆ (آیت:۱۲۹) لوگوں کی دوستیاں اعمال پر ہوتی ہیں- مومن کا دل مومن سے ہی لگتا ہے گو وہ کہیں کا ہو اور کیسا ہی ہو اور کافر کافر بھی ایک ہی ہیں وہ مختلف ممالک اور مختلف ذات پات کے ہوں- ایمان تمناؤں اور ظاہر داریوں کا نام نہیں- اس مطلب کے علاوہ اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام کفار جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے- مالک بن دینار کہتے ہیں' میں نے زبور میں پڑھا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میں منافقوں سے انتقام منافقوں کے ساتھ ہی لوں گا- پھر سب سے ہی انتقام لوں گا- اس کی تصدیق قرآن کی مندرجہ بالا آیت سے بھی ہوتی ہے کہ ہم ولی بنائیں گے بعض ظالموں کو بعض ظالموں کا یعنی ظالم جن اور ظالم انس- پھر آپ نے آیت وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ ہم سرکش جنوں کو سرکش انسانوں پر مسلط کر دیں گے- ایک مرفوع حدیث میں ہے' جو ظالم کی مدد کرے گا' اللہ اسی کو اس پر مسلط کر دے گا- کسی شاعر کا قول ہے

وما من يدالا يد الله فوقها　　　وما ظالم الا سيبلى بظالم

یعنی ہر ہاتھ ہر طاقت پر اللہ کا ہاتھ اور اللہ کی طاقت بالا ہے اور ہر ظالم دوسرے ظالم کے پنجے میں پھنسنے والا ہے- مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے جس طرح ان نقصان یافتہ انسانوں کے دوست ان بہکانے والے جنوں کو بنا دیا' اسی طرح ظالموں کے بعض کو بعض کا ولی بنا دیتے ہیں اور بعض بعض سے ہلاک ہوتے ہیں اور ہم ان کے ظلم و سرکشی اور بغاوت کا بدلہ بعض سے بعض کو دلا دیتے ہیں-

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝۱۳۰

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس خود تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے جو تمہارے سامنے میری آیتیں تلاوت کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی

ملاقات سے ہوشیار کر رہے تھے۔ سب کہیں گے کہ ہاں ہم خود اپنے اوپر گواہ ہیں۔ انہیں حیات دنیا نے دھوکے میں ڈال دیا اور اپنے کافر ہونے کی گواہی خود انہوں نے ہی دے دی ○

جن اور انسان اور پاداش عمل: ☆☆ (آیت: ۱۳۰) یہ اور سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ ہے جو قیامت کے دن اللہ کی طرف سے انسانوں اور جنوں کو ہوگی۔ ان سے سوال ہوگا کہ کیا تم میں سے ہی تمہارے پاس میرے بھیجے ہوئے رسول نہیں آئے تھے۔ یہ یاد رہے کہ رسول کل کے کل انسان ہی تھے۔ کوئی جن رسول نہیں ہوا۔ ائمہ سلف خلف کا مذہب یہی ہے۔ جنات میں نیک لوگ جنوں کو نیکی کی تعلیم کرتے تھے۔ بدی سے روکتے تھے لیکن رسول صرف انسانوں میں سے ہی آتے رہے۔ ضحاک بن مزاحم سے ایک روایت مروی ہے کہ جنات میں بھی رسول ہوتے ہیں اور ان کی دلیل ایک تو یہ آیت ہے۔ سو یہ کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ اس میں صراحت نہیں اور یہ آیت تو بالکل ویسی ہی ہے جیسے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ الخ سے يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ الخ تک کی آیتیں۔ صاف ظاہر ہے کہ موتی مرجان صرف کھاری پانی کے سمندروں میں نکلتے ہیں۔ میٹھے پانی سے نہیں نکلتے لیکن ان آیتوں میں دونوں قسم کے سمندروں میں سے موتیوں کا نکلنا پایا جاتا ہے کہ ان کی جنس میں سے مراد یہی ہے۔

اس طرح اس آیت میں مراد جنوں انسانوں کی جنس میں سے ہے نہ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں سے اور رسولوں کے صرف انسان ہی ہونے کی دلیل اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ سے بَعْدَ الرُّسُلِ تک کی آیتیں اور وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ پس ثابت ہوتا ہے کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت کا انحصار آپ ہی کی اولاد میں ہو رہا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس انوکھی بات کا قائل ایک بھی نہیں کہ آپ سے پہلے نبی ہوتے تھے اور پھر ان میں سے نبوت چھین لی گئی۔

اور آیت اس سے بھی صاف ہے۔ فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے۔ اور آیت میں ہے اور اس نے یہ مسئلہ بالکل صاف کر دیا ہے' فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى یعنی تجھ سے پہلے ہم نے مردوں کو ہی بھیجا ہے جو شہروں کے ہی تھے جن کی طرف ہم نے اپنی وحی نازل فرمائی تھی۔ چنانچہ جنات کا یہی قول قرآن میں موجود ہے وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ الخ جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف پھیرا جو قرآن سنتے رہے۔ جب سن چکے تو واپس اپنی قوم کے پاس گئے اور انہیں آگاہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم نے موسیٰ کے بعد کی نازل شدہ کتاب سنی جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور راہ حق دکھاتی ہے اور صراط مستقیم کی رہبری کرتی ہے۔ پس تم سب اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی مانو اور اس پر ایمان لاؤ تا کہ اللہ تمہارے گناہوں کو بخشے اور تمہیں المناک عذابوں سے بچائے۔ اللہ کی طرف سے جو پکارنے والا ہے' اس کی نہ ماننے والے اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے نہ اس کے سوا اپنا کوئی اور کارساز اور والی پا سکتے ہیں بلکہ ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ اس موقعہ پر جنات کو رسول اللہ ﷺ نے سورۂ الرحمٰن پڑھ کر سنائی تھی جس میں ایک آیت سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ الخ ہے یعنی اے جنو انسانو ہم صرف تمہاری ہی طرف تمام تر توجہ کرنے کے لئے عنقریب فارغ ہوں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلا رہے ہو؟ الغرض انسانوں اور جنوں کو اس آیت میں نبیوں کے ان میں سے بھیجنے میں بطور خطاب کے شامل کر لیا ہے ورنہ رسول سب انسان ہی ہوتے ہیں۔ نبیوں کا کام یہی رہا کہ وہ اللہ کی آیتیں سنائیں اور قیامت کے دن سے ڈرائیں۔ اس سوال کے جواب میں سب کہیں گے کہ ہاں ہمیں اقرار ہے تیرے رسول ہمارے پاس آئے اور تیرا کلام بھی پہنچایا اور اس دن سے بھی متنبہ کر دیا

تھا۔ پھر جناب باری فرماتا ہے' انہوں نے دنیا کی زندگی دھوکے میں گزاری۔ رسولوں کو جھٹلاتے رہے۔ معجزوں کی مخالفت کرتے رہے۔ دنیا کی آرائش پر جان دیتے رہ گئے۔ شہوت پرستی میں پڑے رہے۔ قیامت کے دن اپنی زبانوں سے اپنے کفر کا اقرار کریں گے کہ ہاں بے شک ہم نے نبیوں کی نہیں مانی۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

یہ اس لئے کہ تیرا رب ظلم کے ساتھ کسی نبی کو اس حال میں کہ وہ غافل ہوں' ہلاک کرنے والا نہیں ○ ہر شخص کے لئے اس کے اعمال کے بدلے کے درجے ہیں۔ تیرا رب ان کے اعمال سے غافل نہیں ○

حجت تمام: ☆☆ (آیت: ۱۳۱-۱۳۲) جن اور انسانوں کی طرف رسول بھیج کر' کتابیں اتار کر ان کے عذر ختم کر دیئے اس لئے کہ یہ اللہ کا اصول نہیں کہ وہ کسی بستی کے لوگوں کو اپنی منشا معلوم کرائے بغیر چپ چاپ اپنے عذابوں میں جکڑ لے اور اپنا پیغام پہنچائے بغیر بلا وجہ ظلم کے ساتھ ہلاک کر دے۔ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ یعنی کوئی امت ایسی نہیں جہاں کوئی آگاہ کرنے والا نہ آیا ہو۔ اور آیت میں ہے' ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اے لوگو اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے بچو اور جگہ ہے ہم رسولوں کو بھیجنے سے پہلے عذاب نہیں کیا کرتے۔ سورۂ تبارک میں ہے' جب جہنم میں کوئی جماعت جائیگی تو وہاں کے داروغے ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس آگاہ کرنے والے نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے آئے تھے۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔ اس آیت کے پہلے جملے کے ایک معنی امام ابن جریرؒ نے اور بھی بیان کئے ہیں اور فی الواقع وہ معنی بہت درست ہیں۔ امام صاحب نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے یعنی یہ کہ کسی بستی والوں کے ظلم اور گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک نبیوں کو بھیج کر انہیں غفلت سے بیدار نہ کر دے۔ ہر عامل اپنے عمل کے بدلے کا مستحق ہے۔ نیک نیکی کا اور بد بدی کا۔ خواہ انسان ہو خواہ جن ہو۔ بدکاروں کے جہنم میں درجے ان کی بدکاری کے مطابق مقرر ہیں۔ جو لوگ خود بھی کفر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی راہ الٰہیہ سے روکتے ہیں' انہیں عذاب پر عذاب ہوں گے اور ان کے فساد کا بدلہ ملے گا۔ ہر عامل کا عمل اللہ پر روشن ہے تا کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کا بدلہ مل جائے۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

تیرا رب بے نیاز اور رحمت والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہارا جانشین بنا دے جیسے کہ اس نے تمہیں دوسری قوموں کی نسل

سے پیدا کیا ہے O جو کچھ وعدے تمہیں دیئے جا رہے ہیں' وہ قطعاً آنے والے ہیں۔ تم اللہ کو کسی بات پر عاجز نہیں کر سکتے O کہہ دے کہ اے لوگو تم سب اپنی جگہ عمل کئے جاؤ۔ میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ دار آخرت میں نیک انجام کس کا ہوتا ہے؟ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ بے انصاف کسی طرح فلاح پانے والے نہیں O

سب سے بے نیاز اللہ: ☆☆ (آیت: ۱۳۳-۱۳۵) اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے' اسے کسی کی کوئی حاجت نہیں۔ اسے کسی سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ ساری مخلوق اپنے ہر حال میں اس کی محتاج ہے۔ وہ بڑی ہی رافت و رحمت والا ہے۔ رحم و کرم اس کی خاص صفتیں ہیں۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ مہربانی اور لطف سے پیش آنے والا ہے۔ تم جو اس کی مخالفت کر رہے ہو تو یاد رکھو کہ اگر وہ چاہے تو تمہیں ایک آن میں غارت کر سکتا ہے اور تمہارے بعد ایسے لوگوں کو بسا سکتا ہے جو اس کی اطاعت کریں۔ یہ اس کی قدرت میں ہے۔ تم دیکھ لو اس نے آخر اوروں کے قائم مقام تمہیں بھی کیا ہے۔ ایک قرن کے بعد دوسرا قرن وہی لاتا ہے۔ ایک کو مار ڈالتا ہے دوسرے کو پیدا کر دیتا ہے۔ لانے لے جانے پر اسے مکمل قدرت ہے جیسے فرمان ہے' اگر وہ چاہے تو اے لوگو! تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو لے آئے۔ وہ اس پر قادر ہے۔ فرمان ہے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ لوگو تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے۔ اللہ کے لئے کوئی انوکھی بات نہیں۔

اور فرمان ہے وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اللہ غنی ہے اور تم سب فقیر ہو۔ فرماتا ہے اگر تم نافرمان ہو گئے تو وہ تمہیں بدل کر اور قوم لائے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے۔ ذریت سے مراد اصل و نسل ہے۔ اے نبیؐ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ قیامت جنت دوزخ وغیرہ کے جو وعدے تم سے کئے جا رہے ہیں' وہ یقیناً سچے ہیں اور یہ سب کچھ ہونے والا ہے۔ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ تمہارے اعادے پر قادر ہے۔ تم گل سڑ کر مٹی ہو جاؤ گے۔ پھر وہ تمہیں نئی پیدائش میں پیدا کرے گا۔ اس پر کوئی عمل مشکل نہیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں' اے بنی آدم اگر تم میں عقل ہے تو اپنے تئیں مردوں میں شمار کرو۔ واللہ اللہ کی فرمائی ہوئی سب باتیں بہ یقین ہونے والی ہیں' کوئی نہیں جو اللہ کے ارادے میں اسے ناکام کر دے۔ اس کی چاہت کو نہ ہونے دے۔ لوگو تم اپنی کرنی کئے جاؤ' میں اپنے طریقے پر قائم ہوں' ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا کہ ہدایت پر کون تھا؟ اور ضلالت پر کون تھا؟ کون نیک انجام ہوتا ہے اور کون گھٹنوں میں سر ڈال کر روتا ہے۔ جیسے فرمایا' بے ایمانوں سے کہہ دو کہ تم اپنے شغل میں رہو۔ میں بھی اپنے کام میں لگا ہوں۔ تم منتظر رہو' ہم بھی انتظار میں ہیں۔ معلوم ہو جائے گا کہ انجام کے لحاظ سے کون اچھا رہا؟ یاد رکھو اللہ نے جو وعدے اپنے رسول سے کئے ہیں سب اٹل ہیں۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ نبی جس کا چپہ چپہ مخالف تھا' جس کا نام لینا دوبھر تھا جو یکہ و تنہا تھا' جو وطن سے نکال دیا گیا تھا' جس کی دشمنی ایک ایک کرتا تھا' اللہ نے اسے غلبہ دیا' لاکھوں دلوں پر اس کی حکومت ہو گئی' اس کی زندگی میں ہی تمام جزیرہ عرب کا وہ تنہا مالک بن گیا۔ یمن اور بحرین پر بھی اس کے سامنے اس کا جھنڈا لہرانے لگا۔ پھر اس کے جانشینوں نے دنیا کو کھنگال ڈالا۔ بڑی بڑی سلطنتوں کے منہ پھیر دیئے' جہاں گئے غلبہ پایا۔ جدھر رخ کیا' فتح حاصل کی' یہی اللہ کا وعدہ تھا کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ مجھ سے زیادہ قوت و عزت کسی کی نہیں۔ فرما دیا تھا کہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی مدد فرمائیں گے۔

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ رسولوں کی طرف اس نے وحی بھیجی تھی کہ ہم ظالموں کو تہہ و بالا کر دیں گے اور ان کے بعد زمینوں کے سرتاج تمہیں بنا دیں گے کیونکہ تم مجھ سے اور میرے عذابوں سے ڈرنے والے ہو۔ وہ پہلے ہی فرما چکا تھا کہ تم میں سے

ایمانداروں اور نیک کاروں کو میں زمین کا سلطان بنادوں گا جیسے کہ پہلے سے یہ دستور چلا آ رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے دین میں مضبوطی اور کشائش دے گا۔ جس کے دین سے وہ خوش ہے اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا کہ وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا۔ فللہ الحمد و المنہ اولا واخرا وظاھرا و باطنا۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کئے ہیں اس میں سے کچھ حصہ تو وہ اللہ کا مقرر کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو اللہ کا ہے اپنے گمان سے اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے۔ پھر جو ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے بنائے ہوئے شریکوں کو پہنچ سکتا ہے۔ کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں ○ اسی طرح اکثر مشرکوں کے لئے ان کے معبودوں نے اپنی اولادوں کو مار ڈالنا بھی بھلا کر دکھایا ہے تاکہ انہیں برباد کر دیں اور ان کے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ پس تو انہیں اور ان کی افتراء پردازیوں کو چھوڑ دے ○

بدعت کا آغاز: ☆☆ (آیت:۱۳۶) مشرکین کی ایک نوایجاد (بدعت) جو کفر و شرک کا ایک طریقہ تھی بیان ہو رہی ہے کہ ہر چیز پیدا کی ہوئی تو ہماری ہے پھر یہ اس میں سے نذرانہ کا کچھ حصہ ہمارے نام کا ٹھہراتے ہیں اور کچھ اپنے گھڑے ہوئے معبودوں کا جنہیں وہ ہمارا شریک بنائے ہوئے ہیں اسی کے ساتھ ہی یہ بھی کرتے ہیں کہ اللہ کے نام کا ٹھہرایا ہوا نذرانہ بتوں کے نام والے میں مل گیا تو وہ تو بتوں کا ہو گیا لیکن اگر بتوں کے لئے ٹھہرائے ہوئے میں سے کچھ اللہ کے نام والے میں مل گیا تو اسے جھٹ سے نکال لیتے تھے۔ کوئی ذبیحہ اپنے معبودوں کے نام کا کریں تو بھول کر بھی اس پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ یہ کیسی بری تقسیم کرتے ہیں۔ اولاً تو یہ تقسیم ہی جہالت کی علامت ہے کہ سب چیزیں اللہ کی پیدا کی ہوئی اس کی ملکیت پھر ان میں سے دوسرے کے نام کی کسی چیز کو نذر کرنے والے یہ کون؟ جو اللہ لاشریک ہے۔ انہیں اس کے شریک ٹھہرانے کا کیا مقصد؟ پھر اس ظلم کو دیکھو۔ اللہ کے حصے میں سے تو بتوں کو پہنچ جائے اور بتوں کا حصہ ہرگز اللہ کو نہ پہنچ سکے۔ یہ کیسے بدترین اصول ہیں۔ ایسی ہی غلطی یہ بھی تھی کہ اللہ کے لئے لڑکیاں اور اپنے لئے لڑکے اس کے بندوں کو اس کا جز ٹھہرا کر اپنے اوپر کفر اوڑھتے تھے۔ اتنا نہیں سوچتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکے تو تمہارے ہوں اور جن لڑکیوں سے تم بیزار وہ اللہ کی ہوں کیسی بری تقسیم ہے۔

شیطان کے چیلے: ☆☆ (آیت:۱۳۷) جیسی کہ شیطانوں نے انہیں راہ پر لگا دیا ہے کہ وہ اللہ کے لئے خیرات کریں تو اپنے بزرگوں کے نام کا بھی حصہ نکالیں۔ اسی طرح انہیں شیطان نے اس راہ پر بھی لگا رکھا ہے کہ وہ اپنی اولادوں کو بے وجہ قتل کر دیں۔ کوئی اس وجہ سے کہ ہم اسی کھلائیں گے کہاں سے؟ کوئی اس وجہ سے کہ ان بیٹیوں کی بنا پر ہم کسی کے خسر بنیں گے وغیرہ۔ اس شیطانی حرکت کا نتیجہ ہلاکت اور دین کی

الجھن ہے- یہاں تک کہ یہ بدترین طریقہ ان میں پھیل گیا تھا کہ لڑکی کے ہونے کی خبر ان کے چہرے سیاہ کر دیتی تھی' ان کے منہ سے یہ نکلتا نہ تھا کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی - قرآن نے فرمایا کہ ان بے گناہ زندہ درگور کی ہوئی بچیوں سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ وہ کس گناہ پر قتل کر دی گئیں- پس یہ سب وسوسے شیطانی تھے- لیکن یہ یاد رہے کہ رب کا ارادہ اور اختیار اس سے الگ نہ تھا- اگر وہ چاہتا تو مشرک ایسا کر سکتے - لیکن اس میں بھی اس کی حکمت ہے- اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور اس کی باز پرس سے کوئی بچ نہیں سکتا- پس اے نبی تم ان سے اور ان کی افترا پردازی سے علیحدگی اختیار کر لو- اللہ خود ان سے نمٹ لے گا-

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور یہ کھیتی اچھوتی ہے جسے صرف وہی کھا سکتے ہیں جنہیں ہم چاہیں- یہ سب ان کی اٹکل سے ہے اور کچھ مویشی ایسے بھی ہیں جن کی سواری لینا حرام کر دیا گیا ہے اور کچھ چوپائے ایسے بھی ہیں جن پر نام اللہ یہ لوگ نہیں لیتے - صرف اللہ پر افترا پردازی کر کے' ان کی افترا پردازیوں کی سزا اللہ تعالیٰ عنقریب دے گا ○ کہا کرتے تھے کہ ان چوپایوں کے پیٹ میں جو ہے' وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے ہی ہے اور ہماری عورتوں پر وہ حرام ہے' ہاں اگر وہ مرا ہوا نکلے تو اس میں وہ سب شریک ہیں' ان کی اس غلط بیانی کی سزا انہیں ہوگی' اللہ تعالیٰ حکمت وعلم والا ہے ○

اللہ کا مقرر کردہ راستہ : ☆☆ (آیت:۱۳۸) حِجْرٌ کے معنی احرام کے ہیں- یہ طریقے شیطانی تھے- کوئی اللہ کا مقرر کردہ راستہ نہ تھا- اپنے معبودوں کے نام یہ چیزیں کر دیتے تھے- پھر جسے چاہتے کھلاتے - جیسے فرمان ہے قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ الخ[1] یعنی بتلاؤ تو یہ اللہ کے دیئے رزق میں سے تم جو اپنے طور پر حلال حرام مقرر کر لیتے ہو' اس کا حکم تمہیں اللہ نے دیا ہے یا تم نے خود ہی خود پر تراش لیا ہے؟ دوسری آیت میں صاف فرمایا مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ یہ کافروں کی نادانی' افترا اور جھوٹ ہے- بحیرہ سائبہ اور حام نام رکھ کر ان جانوروں کو اپنے معبود باطل کے نام پر داغ دیتے تھے- پھر ان سے سواری نہیں لیتے تھے- جب ان کے بچے ہوتے تھے تو انہیں ذبح کرتے تھے حج کے لئے بھی ان جانوروں پر سواری کرنا حرام جانتے تھے- یہ کسی کام میں ان کو لگاتے تھے نہ ان کا دودھ نکالتے تھے- پھر ان کاموں کو شرعی کام قرار دیتے تھے اور اللہ کا فرمان جانتے تھے- اللہ انہیں ان کے اس کرتوت کا اور بہتان بازی کا بدلہ دے گا-

نذر نیاز : ☆☆ (آیت:۱۳۹) ابن عباسؓ فرماتے ہیں جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ جن چوپایوں کو وہ اپنے معبودان باطل کے نام کر دیتے تھے' ان کا دودھ صرف مرد پیتے تھے' جب انہیں بچہ ہوتا تو اگر نر ہوتا تو صرف مرد ہی کھاتے - اگر مادہ ہوتا تو اسے ذبح ہی نہ کرتے اور اگر پیٹ ہی سے مردہ نکلتا تو مرد عورت سب کھاتے اللہ نے اس فعل سے بھی روکا- شعبیؒ کا قول ہے کہ بحیرہ کا دودھ صرف مرد پیتے اور اگر وہ مر

جاتا تو گوشت مرد عورت سب کھاتے۔ ان کی ان جھوٹی باتوں کا بدلہ اللہ انہیں دے گا کیونکہ یہ سب ان کا جھوٹ اللہ پر باندھا ہوا تھا' فلاح و نجات اسی لئے ان سے دور کر دی گئی تھی۔ یہ اپنی مرضی سے کسی کو حلال' کسی کو حرام کر لیتے تھے۔ پھر اسے رب کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ اللہ جیسے حکیم کا کوئی فعل' کوئی قول' کوئی شرع' کوئی تقدیر بے حکمت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے بندوں کے خیر و شر سے دانا ہے اور انہیں بدلے دینے والا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاۗءً عَلَي اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٤٠﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾

ع ۱۶ / ۱۱

بیشک وہ لوگ بڑے ہی گھاٹے میں ہیں جو جہالت سے اپنی اولادوں کو مار ڈالتے ہیں اور اللہ کی دی ہوئی روزی کو اللہ پر جھوٹ افترا باندھ کر حرام کر لیتے ہیں' یقیناً یہ لوگ بہک گئے اور سیدھے راستے پر آنے والے بھی نہیں ○ اسی نے باغات پیدا کئے ہیں' وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے نہیں جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جدا جدا ذائقہ کی چیزیں' اور زیتون اور انار یکساں بھی اور جداگانہ بھی' ان کے میوے دار ہونے کے بعد تم ان کا میوہ کھاؤ اور اس کی زکوۃ اس کے کاٹنے کے دن ہی ادا کیا کرو اور بے جا نہ اڑاؤ۔ فضول خرچ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا ○

اولاد کے قاتل: ☆☆ (آیت: ۱۴۰) اولاد کے قاتل اللہ کے حلال کو حرام کرنے والے دونوں جہان کی بربادی اپنے اوپر لینے والے ہیں۔ دنیا کا گھاٹا تو ظاہر ہے۔ ان کے یہ دونوں کام خود نقصان پہنچانے والے ہیں بے اولاد یہ ہو جائیں گے۔ مال کا ایک حصہ ان کا تباہ ہو جائے گا۔ رہا آخرت کا نقصان سو چونکہ یہ مفتری ہیں' کذاب ہیں' وہاں کی بدترین جگہ انہیں ملے گی' عذابوں کے سزاوار ہوں گے جیسے فرمان ہے اللہ پر جھوٹ باندھنے والے نجات سے محروم' کامیابی سے دور ہیں۔ یہ دنیا میں گو کچھ فائدہ اٹھالیں لیکن آخر تو ہمارے بس میں آئیں گے۔ پھر تو ہم انہیں سخت تر عذاب چکھائیں گے کیونکہ یہ کافر تھے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اگر تو اسلام سے پہلے کے عربوں کی بد خصلتی معلوم کرنا چاہے تو سورۂ انعام کی ایکسوتیس آیات کے بعد قد خسر الذین الخ' والی آیت پڑھو[1] (بخاری کتاب مناقب قریش)

مسائل زکوۃ اور عشر مظاہر قدرت: ☆☆ (آیت: ۱۴۱) خالق کل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کھیتیاں' پھل' چوپائے سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ کافروں کو کوئی حق نہیں کہ حرام حلال کی تقسیم از خود کریں۔ درخت بعض تو بیل والے ہیں جیسے انگور وغیرہ کہ وہ محفوظ ہوتے ہیں۔ بعض کھڑے جو جنگلوں اور پہاڑوں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ دیکھنے میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے مگر پھلوں کے ذائقے کے لحاظ سے الگ الگ۔

انگور کھجور یہ درخت تمہیں دیتے ہیں کہ تم کھاؤ، مزہ اٹھاؤ، لطف پاؤ - اس کا حق اس کے کٹنے اور ناپ تول ہونے کے دن ہی دو یعنی فرض زکوۃ جو اس میں مقرر ہو وہ ادا کر دو - پہلے لوگ کچھ نہیں دیتے تھے - شریعت نے دسواں حصہ مقرر کیا اور ویسے بھی مسکینوں اور بھوکوں کا خیال رکھنا - چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمان صادر فرمایا تھا کہ جس کی کھجوریں دس وسق سے زیادہ ہوں، وہ چند خوشے مسجد میں لا کر لٹکا دے تاکہ مساکین کھالیں - یہ بھی مراد ہے کہ زکوۃ کے سوا اور کچھ سلوک بھی اپنی کھیتیوں، باڑیوں اور باغات کے پھلوں سے اللہ کے بندوں کے ساتھ کرتے رہو -

مثلاً پھل توڑنے اور کھیت کاٹنے کے وقت عموماً مفلس لوگ پہنچ جایا کرتے ہیں انہیں کچھ دے دیا کرو - بالیں پک گئی ہیں، پھل گدرا گئے ہوں اور کوئی محتاج شخص نکل آئے تو خاطر تواضع کرو - جس روز کاٹو، کچھ چھوڑ دو تاکہ مسکینوں کے کام آئے - ان کے جانوروں کا چارہ ہو - زکوۃ سے پہلے بھی حقداروں کو کچھ نہ کچھ دیتے رہا کرو - پہلے تو یہ بطور وجوب تھا لیکن زکوۃ کی فرضیت کے بعد بطور نفل رہ گیا زکوۃ اس میں عشر یا نصف عشر مقرر کر دی گئی لیکن اس سے فسخ نہ سمجھا جائے - پہلے کچھ دینا ہوتا تھا، پھر مقدار مقرر کر دی گئی - زکوۃ کی مقدار سنہ ۲ ہجری میں مقرر ہوئی - واللہ اعلم - کھیتی کاٹتے وقت اور پھل اتارتے وقت صدقہ نہ دینے والوں کی اللہ تعالیٰ نے مذمت بیان فرمائی - سورۂ کہف میں ان کا قصہ بیان فرمایا کہ ان باغ والوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی آج کے پھل ہم اتار لیں گے اس پر انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا - یہ ابھی رات کو بے خبری کی نیند میں ہی تھے، وہاں آفت ناگہانی آ گئی اور سارا باغ ایسا ہو گیا گویا پھل توڑ لیا گیا ہے بلکہ جلا کر خاکستر کر دیا گیا ہے - یہ صبح کو اٹھ کر ایک دوسرے کو جگا کر پوشیدہ طور سے چپ چاپ چلے کہ ایسا نہ ہو حسب عادت فقیر مسکین جمع ہو جائیں اور انہیں کچھ دینا پڑے - یہ اپنے دلوں میں یہی سوچتے ہوئے کہ ابھی پھل توڑ کر لائیں گے - بڑے اہتمام کے ساتھ صبح سویرے ہی وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سارا باغ تو خاک بنا ہوا ہے - اولاً تو کہنے لگے بھئی ہم راستہ بھول گئے - کسی اور جگہ آ گئے - ہمارا باغ تو شام تک لہلہا رہا تھا -

پھر کہنے لگے نہیں باغ تو یہی ہے، ہماری قسمت پھوٹ گئی - ہم محروم ہو گئے - اس وقت ان میں جو باخبر شخص تھا، کہنے لگا، دیکھو میں تم سے نہ کہتا تھا کہ اللہ کا شکر کرو - اس کی پاکیزگی بیان کرو - اب تو سب کے سب کہنے لگے، ہمارا رب پاک ہے، یقیناً ہم نے ظلم کیا پھر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہائے ہماری بدبختی کہ ہم سرکش اور حد سے گزر جانے والے بن گئے تھے - ہمیں اب بھی اللہ عزوجل سے امید ہے کہ وہ ہمیں اس سے بہتر عطا فرمائے گا - ہم اب صرف اپنے رب سے امید رکھتے ہیں - ناشکری کرنے اور تنہا خوری پسند کرنے والوں پر اسی طرح ہمارے عذاب آیا کرتے ہیں - اور بھی آخرت کے بڑے عذاب باقی ہیں لیکن افسوس کہ یہ سمجھ بوجھ اور علم و عقل سے کام ہی نہیں لیتے - یہاں اس آیت میں صدقہ دینے کا حکم فرما کر خاتمے پر فرمایا کہ فضول خرچی سے بچو - فضول خرچ اللہ کا دوست نہیں - اپنی اوقات سے زیادہ نہ لٹا - فخر دریا کے طور پر اپنا مال برباد نہ کرو - حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ نے اپنے کھجوروں کے باغ سے کھجوریں اتاریں اور عہد کر لیا کہ آج جو لینے آئے گا، میں اسے دوں گا - لوگ ٹوٹ پڑے - شام کو ان کے پاس ایک کھجور بھی نہ رہی - اس پر یہ فرمان اترا - ہر چیز میں اسراف منع ہے - اللہ کے حکم سے تجاوز کر جانے کا نام اسراف ہے خواہ وہ کسی بارے میں ہو - اپنا سارا ہی مال لٹا کر فقیر ہو کر دوسروں پر اپنا انبار ڈال دینا بھی اسراف ہے اور منع ہے - یہ بھی مطلب ہے کہ صدقہ نہ روکو جس سے اللہ کے نافرمان بن جاؤ - یہ بھی اسراف ہے - گو یہ مطلب اس آیت کے ہیں لیکن بہ ظاہر الفاظ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کھانے کا ذکر ہے تو اسراف اپنے کھانے پینے میں کرنے کی ممانعت یہاں ہے کیونکہ اس سے عقل میں اور بدن میں ضرر پہنچتا ہے - قرآن کی اور آیت میں ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو -

صحیح بخاری میں ہے' کھاؤ پیو' پہنو اوڑھو لیکن اسراف اور تکبر سے بچو۔ واللہ اعلم۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

اسی نے چوپائے پیدا کئے بعض تو بوجھ لادنے والے اور بعض چھوٹے قد کے' اللہ کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے O

(آیت:۱۴۱) اسی اللہ نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے ہیں۔ ان میں سے بعض تو بوجھ ڈھونے والے ہیں جیسے اونٹ' گھوڑے' خچر' گدھے وغیرہ اور بعض پستہ قد ہیں جیسے بکری وغیرہ۔ انہیں فرش اس لئے کہا گیا کہ یہ قد و قامت میں پست ہوتے ہیں۔ زمین سے ملے رہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حمولہ سے مراد سواری کے جانور اور فرشا سے مراد جن کا دودھ پیا جاتا ہے اور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ جو سواری کے قابل نہیں' ان کے بالوں سے لحاف اور فرش تیار ہوتے ہیں۔ یہ قول حضرت سدیؒ کا ہے اور بہت ہی مناسب ہے۔ خود قرآن کی سورۂ یاسین میں موجود ہے کہ کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لئے چوپائے پیدا کر دیئے ہیں جو ہمارے ہی ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں اور اب یہ ان کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ ہم نے ہی تو انہیں ان کے بس میں کر دیا ہے کہ بعض سواریاں کر رہے ہیں اور بعض کو یہ کھانے کے کام میں لاتے ہیں۔ اور آیت میں ہے وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً الخ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں ان چوپایوں کا دودھ پلاتے ہیں اور ان کے بال وغیرہ سے تمہارے اوڑھنے بچھونے اور طرح طرح کے فائدے اٹھانے کی چیزیں بناتے ہیں۔ اور جگہ ہے' اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے جانور پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواریاں کرو۔ انہیں کھاؤ۔ اور بھی فائدے اٹھاؤ۔ ان پر اپنے سفر طے کر کے اپنے کام پورے کرو۔ اسی نے تمہاری سواری کے لئے کشتیاں بنا دیں۔ وہ تمہیں اپنی بے شمار نشانیاں دکھا رہا ہے۔ بتاؤ تو کس کس نشانی کا انکار کرو گے؟

پھر فرماتا ہے اللہ کی روزی کھاؤ۔ پھل' اناج' گوشت وغیرہ۔ شیطانی راہ پر نہ چلو' اس کی تابعداری نہ کرو جیسے کہ مشرکوں نے اللہ کی چیزوں میں از خود حلال حرام کی تقسیم کر دی۔ تم بھی یہ کر کے شیطان کے ساتھی نہ بنو۔ وہ تمہارا دشمن ہے' اسے دوست نہ سمجھو۔ وہ تو اپنے ساتھ تمہیں بھی اللہ کے عذابوں میں پھنسانا چاہتا ہے۔ دیکھو کہیں اس کے بہکانے میں نہ آ جانا۔ اسی نے تمہارے باپ آدمؑ کو جنت سے باہر نکلوایا۔ اس کھلے دشمن کو بھولے سے بھی اپنا دوست نہ سمجھو۔ اس کی ذریت سے اور اس کے یاروں سے بھی بچو۔ یاد رکھو ظالموں کو برابر بدلہ ملے گا۔ اس مضمون کی اور بھی آیتیں کلام اللہ شریف میں بہت سی ہیں۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ ۖ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللَّهُ بِهَٰذَا ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٤﴾

ع ۱۷

آٹھ نر و مادہ بھیڑ میں دو قسم اور دو قسم بکری میں ۔ پوچھ تو کہ کیا دونوں نر حرام ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ جسے یہ دونوں مادیں اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں؟ میرے سامنے اس کی کوئی سند بیان کرو اگر تم سچے ہو تو ○ اور اونٹوں میں سے دو قسم اور گائے کی دو قسم نر و مادہ ۔ پوچھ کہ کیا ان دونوں کے نروں کو اللہ نے حرام کیا ہے یا مادین کو یا اس بچے کو جسے یہ دونوں مادیں اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں؟ جس وقت اللہ نے اس کا حکم فرمایا' کیا تم آپ اس وقت موجود تھے؟ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ کے ذمہ جھوٹ افترا باندھ کر باوجود بے علمی کے بہکاتا پھرے ۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت سے محروم رکھتا ہے ○

خود ساختہ حلال و حرام جہالت کا ثمر ہے: ☆☆ (آیت: ۱۴۳-۱۴۴) اسلام سے پہلے عربوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے چوپائے جانوروں میں تقسیم کر کے اپنے طور پر بہت سے حلال بنائے تھے اور بہت سے حرام کر لئے تھے جیسے بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام وغیرہ ۔ اسی طرح کھیت اور باغات میں بھی تقسیم کر رکھی تھی ۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے ۔ کھیت ہوں' باغات ہوں' چوپائے ہوں ۔ پھر ان چوپایوں کی قسمیں بیان فرمائیں ۔ بھیڑ' مینڈھا' بکری' بکرا' اونٹ' اونٹنی' گائے' بیل ۔ اللہ نے یہ سب چیزیں تمہارے کھانے پینے' سواریاں لینے اور دوسری قسم کے فائدوں کے لئے پیدا کی ہیں ۔ جیسے فرمان ہے وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ اس نے تمہارے لئے آٹھ قسم کے مویشی پیدا کئے ہیں ۔ بچوں کا ذکر اس لئے کیا کہ ان میں بھی کبھی وہ مردوں کے لئے مخصوص کر کے عورتوں پر حرام کر دیتے تھے ۔ پھر ان سے ہی سوال ہوتا ہے کہ آخر اس حرمت کی کوئی' دلیل کوئی کیفیت' کوئی وجہ تو پیش کرو ۔ چار قسم کے جانور مادہ اور نر ملا کر آٹھ قسم کے ہو گئے' ان سب کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ۔ کیا تم اپنی دیکھی سنی کہہ رہے ہو؟ اس فرمان الٰہی کے وقت تم موجود تھے؟ کیوں جھوٹ کہہ کر افترا پردازی کر کے بغیر علم کے باتیں بنا کر اللہ کی مخلوق کی گمراہی کا بوجھ اپنے اوپر لاد کر سب سے بڑھ کر ظالم بن رہے ہو؟ اگر یہی حال رہا تو دستور ربانی کے ماتحت ہدایت الٰہی سے محروم ہو جاؤ گے ۔ سب سے پہلے یہ ناپاک رسم عمر بن لحی بن قمعہ خبیث نے نکالی تھی اسی نے انبیاء کے دین کو سب سے پہلے بدلا اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑے ۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے ۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٥﴾

کہہ دے کہ میں تو جو وحی میری طرف اتاری گئی ہے' اس میں کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا مگر وہ جو مردار ہو' یا بہا ہوا خون' یا سور کا گوشت کہ بیشک وہ حرام و ناپاک ہے یا وہ گناہ کی چیز جو اللہ کے سوا اوروں کے نام پر نامزد کی گئی ہو' پس جو شخص بے بس اور عاجز ہو جائے' نہ تو وہ نافرمان ہو نہ حد سے گذر جانے والا تو بیشک تیرا

پروردگار بخشنے والا مہربان ہے ○

اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حلال وحرام: ☆☆ (آیت:۱۴۵) اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے بندے اور نبی حضرت محمد ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان کافروں سے جو اللہ کے حلال کو اپنی طرف سے حرام کرتے ہیں' فرمادیں کہ جو وحی الٰہی میرے پاس آئی ہے' اس میں تو حرام صرف ان چیزوں کو کیا گیا ہے جو میں تمہیں سناتا ہوں' اس میں وہ چیزیں حرمت والی نہیں' جن کی حرمت کو تم رائج کر رہے ہو۔ کسی کھانے والے پر حیوانوں میں سے سوا ان جانوروں کے جو بیان ہوئے ہیں' کوئی بھی حرام نہیں۔ اس آیت کے مفہوم کا رفع کرنے والی سورۂ مائدہ کی آئندہ آیات اور دوسری احادیث ہیں جن میں حرمت کا بیان ہے' وہ بیان کی جائیں گی۔ بعض لوگ اسے نسخ کہتے ہیں اور اکثر متاخرین اسے نسخ نہیں کہتے کیونکہ اس میں تو اصلی مباح کو اٹھا دینا ہے۔ واللہ اعلم۔ خون وہ حرام ہے جو بوقت ذبح بہہ جاتا ہے' رگوں میں اور گوشت میں جو خون مخلوط ہو' وہ حرام نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گدھوں اور درندوں کا گوشت اور ہنڈیا کے اوپر جو خون کی سرخی آ جائے' اس میں کوئی حرج نہیں جانتی تھیں۔ عمرو بن دینار نے حضرت جابر بن عبداللہ سے سوال کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے موقعہ پر پالتو گدھوں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا' ہاں حکم بن عمرو تو رسول اللہ ﷺ سے یہی روایت کرتے ہیں لیکن حضرت ابن عباسؓ اس کا انکار کرتے ہیں اور آیت قُلْ لَّآ اَجِدُ تلاوت کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ اہل جاہلیت بعض چیزیں کھاتے تھے۔ بعض کو بوجہ طبعی کراہیت کے چھوڑ دیتے تھے۔ اللہ نے اپنے نبی کو بھیجا' اپنی کتاب اتاری' حلال وحرام کی تفصیل بیان کر دی' پس جسے حلال کر دیا' وہ حلال ہے اور جسے حرام کر دیا' وہ حرام ہے اور جس سے خاموش رہے وہ معاف ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت قُلْ لَّآ اَجِدُ کی تلاوت کی۔ حضرت سودہ بنت زمعہ کی بکری مرگئی' جب حضورؐ سے ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا' تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتار لی؟ جواب دیا کہ کیا مردہ بکری کی کھال اتار لینی جائز ہے؟ آپ نے یہی آیت تلاوت فرما کر فرمایا کہ "اس کا صرف کھانا حرام ہے' لیکن تم اسے دباغت دے کر نفع حاصل کر سکتے ہو چنانچہ انہوں نے آدمی بھیج کر کھال اتروالی اور اس کی مشک بنوائی جو ان کے پاس مدتوں رہی اور کام آئی۔ (بخاری وغیرہ)

حضرت ابن عمرؓ سے قنفذ (یعنی خارپشت جسے اردو میں ساہی بھی کہتے ہیں) کے کھانے کی نسبت سوال ہوا تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اس پر ایک بزرگ نے فرمایا' میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تھا تو آپ نے فرمایا' وہ خبیثوں میں سے ایک خبیث ہے' اسے سن کر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا' اگر حضورؐ نے یہ فرمایا ہے تو وہ یقیناً ویسی ہی ہے جیسے آپ نے ارشاد فرمادیا (ابوداؤد وغیرہ)

پھر فرمایا جو شخص ان حرام چیزوں کو کھانے پر مجبور ہو جائے لیکن وہ باغی اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اسے اس کا کھالینا جائز ہے' اللہ اسے بخش دے گا کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے' اس کی کامل تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ یہاں تو مشرکوں کے اس فعل کی تردید منظور ہے جو انہوں نے اللہ کے حلال کو حرام کر دیا تھا۔ اب بتا دیا گیا کہ یہ چیزیں تم پر حرام ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں۔ اگر اللہ کی طرف سے وہ بھی حرام ہوتیں تو ان کا ذکر بھی آ جاتا' پھر تم اپنی طرف سے حلال کیوں مقرر کرتے ہو؟ اس بنا پر پھر اور چیزوں کی حرمت باقی رہتی جیسے کہ گھروں کے پالتو گدھوں کی ممانعت اور درندوں کے گوشت کی اور جنگل والے پرندوں کی جیسے کہ علماء کا مشہور مذہب ہے (یہ یاد رہے کہ ان کی حرمت قطعی ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور قرآن نے حدیث کا ماننا بھی فرض کیا ہے۔ مترجم)
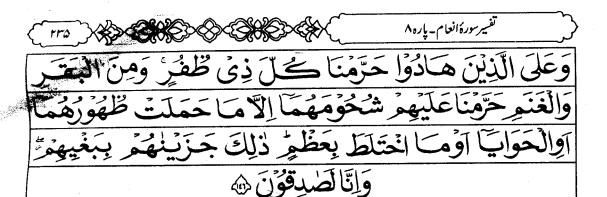
یہودیوں پر خاصتہً ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا' اور گائے بکری کی چربی کو بھی ہم نے حرام کر دیا تھا بجز اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہوئی ہو یا انتڑیوں پر یا ہڈی سے ملی جلی ہوئی ہو' ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی یہ سزا دی تھی بے شک ہم بالکل سچے ہیں ○

مزید تفصیل متعلقہ حلال وحرام: ☆☆ (آیت:۱۴۶) ناخن دار جانور چوپایوں اور پرندوں میں سے وہ ہیں' جن کی انگلیاں کھلی ہوئی نہ ہوں جیسے اونٹ' شتر مرغ' بطخ وغیرہ۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ جو کھلی انگلیوں والا نہ ہو۔ ایک روایت میں ان سے مروی ہے کہ ہر ایک جدا انگلیوں والا اور انہی میں سے مرغ ہے۔ قتادہ کا قول ہے جیسے ''اونٹ' شتر مرغ اور بہت سے پرند' مچھلیاں' بطخ اور اس جیسے جانور جن کی انگلیاں الگ الگ ہیں' ان کا کھانا یہودیوں پر حرام تھا' اسی طرح گائے بکری کی چربی بھی ان پر حرام تھی۔ یہود کا مقولہ تھا کہ اسرائیل نے اسے حرام کر لیا تھا' اس لئے ہم بھی اسے حرام کہتے ہیں۔ ہاں جو چربی پیٹھ کے ساتھ لگی ہوئی ہو' انتڑیوں کے ساتھ' اوجھڑی کے ساتھ' ہڈی کے ساتھ ہو' وہ ان پر حلال تھی۔ یہ بھی ان کے ظلم' تکبر اور سرکشی کا بدلہ تھا اور ہماری نافرمانی کا انجام۔ جیسے فرمان ہے فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا یہودیوں کے ظلم وستم اور راہ حق سے منہ پھیرنے کی وجہ سے ہم نے ان پر بعض پاکیزہ چیزیں بھی حرام کر دی تھیں اور اس جزا میں ہم عادل ہی تھے اور جیسی خبر ہم نے تجھے اے نبی دی ہے' وہی سچ اور حق ہے۔ یہودیوں کا یہ کہنا کہ حضرت اسرائیل نے اسے حرام کیا تھا' اس لئے ہم اسے اپنے آپ پر بھی حرام کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ سمرہ نے شراب فروشی کی ہے تو آپ نے فرمایا' اللہ اسے غارت کرے' کیا یہ نہیں جانتا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کرنا شروع کر دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ نے فتح مکہ والے سال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے شراب' مردار' سور اور بتوں کی خرید وفروخت حرام فرمائی ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ مردار کی چربیوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس سے چمڑے رنگے جاتے ہیں اور کشتیوں پر چڑھایا جاتا ہے اور چراغ میں جلایا جاتا ہے' آپؐ نے فرمایا' وہ بھی حرام ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو غارت کرے' جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کر کے اس کی قیمت کھانا شروع کر دی (بخاری ومسلم) ایک مرتبہ آپ خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور تین مرتبہ یہودیوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا! اللہ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی۔ اللہ تعالیٰ جن پر جو چیز حرام کرتا ہے' ان پر اس کی قیمت بھی حرام فرما دیتا ہے۔ (ابن مردویہ) ایک مرتبہ آپ مسجد حرام میں حطیم کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے ہوئے تھے' آسمان کی طرف دیکھ کر ہنسے اور یہی فرمایا (ابوداؤد' مسند احمد) حضرت اسامہ بن زیدؓ وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے زمانے میں آپؐ کی عیادت کے لئے گئے۔ اس وقت آپ عدن کی چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے' آپ نے چہرہ سے چادر ہٹا کر فرمایا اللہ یہودیوں پر

لعنت کرے کہ بکریوں کی چربی کو حرام مانتے ہوئے اس کی قیمت کھاتے ہیں-" ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "اللہ جب کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام فرما دیتا ہے-

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٧﴾

پھر بھی اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب گنہگار لوگوں سے لوٹایا نہیں جا سکتا ○

مشرک ہو یا کافر توبہ کر لے تو معاف! ☆☆ (آیت: ۱۴۷) "اب بھی اگر تیرے مخالف یہودی اور مشرک وغیرہ تجھے جھوٹا بتائیں تو پھر بھی تو انہیں میری رحمت سے مایوس نہ کر' بلکہ انہیں رب کی رحمت کی وسعت یاد دلا تا کہ انہیں اللہ کی رضا جوئی کی تبلیغ ہو جائے' ساتھ ہی انہیں اللہ کے اٹل عذابوں سے بچنے کی طرف بھی متوجہ کر' پس رغبت' رہبت' امید' ڈر دونوں ہی ایک ساتھ سنا دے- قرآن کریم میں امید کے ساتھ خوف اکثر بیان ہوتا ہے- اس سورت کے آخر میں فرمایا' تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور غفور و رحیم بھی ہے- جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْا مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ الخ' تیرا رب لوگوں کے گناہوں پر انہیں بخشنے والا بھی ہے اور وہ سخت تر عذاب کرنے والا بھی ہے- ایک آیت میں ارشاد ہے' میرے بندوں کو میرے غفور و رحیم ہونے کی اور میرے عذابوں کے بڑے ہی دردناک ہونے کی خبر پہنچا دے- اور جگہ ہے وہ گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے- نیز کئی آیات میں ہے' کہ تیرے رب کی پکڑ بڑی بھاری اور نہایت سخت ہے- وہی ابتداء کرتا ہے اور وہی دوبارہ لوٹائے گا- وہ غفور ہے' ودود ہے' بخشش کرنے والا ہے' مہربان اور محبت کرنے والا ہے- اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں-

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۗ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٤٩﴾

ممکن ہے کہ مشرکین یہ حجت بازی بھی کرنے لگیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم نہ شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی حلال چیز کو حرام کرتے' اسی طرح ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا- آخر کار ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا' پوچھ تو کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند بھی ہے کہ اسے ہمارے سامنے پیش کرو؟ تم تو صرف خیالات کے پیچھے پڑے ہوئے ہو اور نری اٹکلیں دوڑا رہے ہو ○ کہہ دے کہ اللہ ہی کی حجت تمام اور پوری ہے پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ حق دکھا دیتا ○

غلط سوچ سے باز رہو: ☆☆ (آیت: ۱۴۸-۱۴۹) مشرک لوگ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارے شرک کا' حلال کو حرام کرنے کا حال تو اللہ کو معلوم ہی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اگر چاہے تو اس کے بدلنے پر بھی قادر ہے۔ اس طرح کہ ہمارے دل میں ایمان ڈال دے یا کفر کے کاموں کی ہمیں قدرت ہی نہ دے۔

پھر بھی اگر وہ ہماری اس روش کو نہیں بدلتا تو ظاہر ہے کہ وہ ہمارے ان کاموں سے خوش ہے' اگر وہ چاہتا تو ہم تو کیا' ہمارے بزرگ بھی شرک نہ کرتے۔ جیسے ان کا یہی قول آیت لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ میں اور سورۂ نحل میں ہے۔ اللہ فرماتا ہے' اسی شبہ نے ان سے پہلی قوموں کو تباہ کر دیا۔ اگر یہ بات سچ ہوتی تو ان کے پہلے باپ دادا پر ہمارے عذاب کیوں آتے؟ رسولوں کی نافرمانی اور شرک وکفر پر مصر رہنے کی وجہ سے وہ روئے زمین سے ذلت کے ساتھ کیوں ہٹا دیئے جاتے؟ اچھا تمہارے پاس اللہ کی رضامندی کا کوئی سرٹیفکیٹ ہو تو پیش کرو۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ تم وہم پرست ہو' فاسد عقائد پر جمے ہوئے ہو اور اٹکل پچو باتیں اللہ کے ذمے گھڑ لیتے ہو' وہ بھی یہی کہتے تھے۔ تم بھی یہی کہتے ہو کہ ہم ان معبودوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے ملا دیں' حالانکہ وہ نہ ملانے والے ہیں نہ ان کی انہیں قدرت ہے' ان سے تو اللہ نے سمجھ بوجھ چھین رکھی ہے۔ ہدایت وگمراہی کی تقسیم میں بھی الہ کی حکمت اور اس کی حجت ہے۔ سب کام اس کے ارادے سے ہو رہے ہیں' وہ مومنوں کو پسند فرماتا ہے اور کافروں سے ناخوش ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمۡ عَلَى الۡهُدٰى اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو راہ حق پر جمع کر دیتا۔ اور آیت میں ہے اگر تیرے رب کی چاہت ہوتی تو سب لوگوں کو ایک ہی امت کر دیتا۔ یہ تو اختلاف سے نہیں ہٹیں گے سوائے ان لوگوں کے جن پر تیرا رب رحم کرے بلکہ انہیں اللہ نے اس لئے پیدا کیا ہے۔ تیرے رب کی یہ بات حق ہے کہ میں جنات اور انسانوں سے جہنم کو پر کردوں گا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ نافرمانوں کی کوئی حجت اللہ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ کی حجت بندوں پر ہے۔

قُلۡ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ يَشۡهَدُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَلَا تَشۡهَدۡ مَعَهُمۡ ۚ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾

ع ۱۸/۶/۵

کہو کہ ذرا اپنے ان گواہوں کو تو لاؤ جو یہ بشارت دیں کہ اللہ نے اسے حرام کیا ہے' پس اگر وہ گواہی بھی دے دیں تو تو ان کے ساتھ مل کر ہاں میں ہاں نہ کہنے لگنا ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی تو ہرگز نہ کرنا جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں' آخرت کا یقین نہیں کرتے اور دوسروں کو اپنے رب کے برابر سمجھتے ہیں ○

(آیت: ۱۵۰) تم نے خواہ مخواہ اپنی طرف سے جانوروں کو حرام کر رکھا ہے ان کی حرمت پر کسی کی شہادت تو پیش کر دو۔ اگر یہ ایسی شہادت والے لائیں تو تو ان جھوٹے لوگوں کی ہاں میں ہاں نہ ملانا۔ ان منکرین قیامت' منکرین کلام اللہ کے جھانسے میں کہیں تم بھی نہ آ جانا۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

کہدے کہ آؤ تم پر تمہارے رب نے جو کچھ حرام کیا ہے' میں تمہیں وہ پڑھ سناؤں یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو' تمہیں اور انہیں روزیاں ہم ہی دیتے ہیں اور کسی بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہو خواہ وہ پوشیدہ ہو اور جس جان کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے' اسے بغیر کسی شرعی وجہ کے قتل نہ کرو' یہ ہیں وہ احکام جن کا حکم اللہ تعالیٰ ہمیں دے رہا ہے تا کہ تم سمجھ بوجھ لو ○

نبی اکرم ﷺ کی وصیتیں: ☆☆ (آیت:۱۵۱) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کو دیکھنا چاہتا ہو جو آپ کی آخری وصیت تھی تو وہ ان آیات کو تتقون تک پڑھے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''سورۂ انعام میں محکم آیا تھیں۔ پھر یہی آیات آپ نے تلاوت فرمائیں۔'' ایک مرتبہ حضورؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص ہے جو میرے ہاتھوں پر ان تین باتوں کی بیعت کرے' پھر آپ نے یہی آیات تلاوت فرمائیں اور فرمایا جو اسے پورا کرے گا' وہ اللہ سے اجر پائے گا اور جو ان میں سے کسی بات کو پورا نہ کرے گا تو دنیا میں ہی اسے شرعی سزا دے دی جائے گی اور اگر سزا نہ دی گئی تو پھر اس کا معاملہ قیامت پر ہے۔ اگر اللہ چاہے تو اسے بخش دے اور اگر چاہے تو سزا دے'' (مسند حاکم)

بخاری و مسلم میں ہے ''تم لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرو' اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کی'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی سلام اللہ علیہ سے فرماتا ہے کہ ''ان مشرکین کو جو اللہ کی اولاد کے قائل ہیں' اللہ کے رزق میں سے بعض کو اپنی طرف سے حلال اور بعض کو حرام کہتے ہیں' اللہ کے ساتھ دوسروں کو پوجتے ہیں' کہہ دیجئے کہ سچ مچ جو چیزیں اللہ کی حرام کردہ ہیں' انہیں مجھ سے سن لو جو میں بذریعہ وحی الٰہی بیان کرتا ہوں' تمہاری طرح خواہش نفس' توہم پرستی اور اٹکل وگمان کی بنا پر نہیں کہتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جس کی وہ تمہیں وصیت کرتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ یہ کلام عرب میں ہوتا ہے کہ ایک جملہ کو حذف کر دیا' پھر دوسرا جملہ ایسا کہہ دیا جس سے حذف شدہ جملہ معلوم ہو جائے۔ اس آیت کے آخری جملے ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ سے اَلَّا تُشْرِكُوْا سے پہلے کے محذوف جملے او صاکم پر دلالت ہو گئی۔ عرب میں یوں بھی کہہ دیا کرتے ہیں امرتك ان لا تقوم۔ بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے' وہ جنت میں داخل ہو گا تو میں نے کہا گو اس نے زنا کیا ہو' گو اس نے چوری کی ہو' آپ نے فرمایا ہاں گو اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ میں نے پھر یہی سوال کیا' مجھے پھر یہی جواب ملا' پھر بھی میں نے یہ بات پوچھی' اس مرتبہ جواب دیا کہ گو شراب نوشی بھی کی ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ سے موحد کے جنت میں داخل ہونے کا سن کر حضرت ابوذرؓ نے یہ سوال کیا تھا اور آپ نے یہ جواب

دیا تھا اور آخری مرتبہ فرمایا تھا اور ابوذر کی ناک خاک آلود ہو چنانچہ راوی حدیث جب اسے بیان فرماتے تو یہی لفظ دہرا دیتے۔ سنن میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے ابن آدم تو جب تک مجھ سے دعا کرتا رہے گا اور میری ذات سے امید رکھے گا' میں بھی تیری خطاؤں کو معاف فرماتا رہوں گا خواہ وہ کیسی ہی ہوں' کوئی پرواہ نہ کروں گا' تو اگر میرے پاس زمین بھر کر خطائیں لائے گا تو میں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت اور بخشش لے کر آؤں گا' بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو' تو نے اتنی خطائیں کی ہوں کہ وہ آسمان تک پہنچ گئی ہوں' پھر بھی تو مجھ سے استغفار کرے تو میں تجھے بخش دوں گا۔ اس حدیث کی شہادت میں یہ آیت آ سکتی ہے اِنَّ اللّٰهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ یعنی مشرک کو تو اللہ مطلق نہ بخشے گا باقی گنہگار اللہ کی مشیت پر ہیں جسے چاہے بخش دے۔

صحیح مسلم میں ہے' جو توحید پر مرے' وہ جنتی ہے۔ اس بارے میں بہت سی آیات اور احادیث ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گو تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں' یا تمہیں سولی چڑھا دیا جائے یا تمہیں جلا دیا جائے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا گو تم جلا دیئے جاؤ' یا کاٹ دیئے جاؤ' یا سولی دے دیئے جاؤ۔ اس آیت میں توحید کا حکم دے کر پھر ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہوا۔ بعض کی قرأت وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا بھی ہے۔ قرآن کریم میں اکثر یہ دونوں حکم ایک ہی جگہ بیان ہوئے ہیں جیسے اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ میں مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی بقدر ضرورت احسان کرنے کا حکم ہوا ہے۔ اور وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ الخ' میں بھی دونوں حکم ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں اور بھی بہت سی اس مفہوم کی آیات ہیں۔

بخاری و مسلم میں ہے' ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا' نماز وقت پر پڑھنا' میں نے پوچھا پھر؟ فرمایا' ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا' میں نے پوچھا پھر؟ فرمایا' اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں اگر اور بھی دریافت کرتا تو حضورؐ بتا دیتے۔ ابن مردویہ میں عبادہ بن صامت اور ابودرداء سے مروی ہے کہ مجھے میرے خلیل رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی کہ اپنے والدین کی اطاعت کر اگرچہ وہ تجھے حکم دیں کہ تو ان کے لئے ساری دنیا سے الگ ہو جا تو بھی مان لے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ باپ داداؤں کی وصیت کر کے اولاد اور اولاد کی اولاد کی بابت وصیت فرمائی کہ انہیں قتل نہ کرو جیسے کہ شیاطین نے اس کام کو تمہیں سکھا رکھا ہے۔ لڑکیوں کو تو وہ لوگ بوجہ عار کے مار ڈالتے تھے اور بعض لڑکوں کو بھی بوجہ اس کے کہ ان کے کھانے کا سامان کہاں سے لائیں گے' مار ڈالتے تھے۔ ابن مسعودؓ نے ایک مرتبہ حضورؐ سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا حالانکہ اسی اکیلے نے پیدا کیا ہے' پوچھا' پھر کونسا گناہ ہے؟ فرمایا' اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ یہ میرے ساتھ کھائے گی' پوچھا پھر کونسا ہے؟ فرمایا' اپنے پڑوس کی عورت سے بدکاری کرنا۔ پھر حضورؐ نے آیت وَالَّذِيْنَ لَايَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ الخ کی تلاوت فرمائی۔ اور آیت میں ہے وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ اپنی اولاد کو فقیری کے خوف سے قتل نہ کرو۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہم انہیں روزی دیتے ہیں اور تمہاری روزی بھی ہمارے ذمہ ہے۔ یہاں چونکہ فرمایا تھا کہ فقیری کی وجہ سے اولاد کا گلا نہ گھونٹو تو ساتھ ہی فرمایا تمہیں روزی ہم دیں گے اور انہیں بھی ہم ہی دے رہے ہیں۔

پھر فرمایا کسی ظاہر اور پوشیدہ برائی کے پاس بھی نہ جاؤ جیسے اور آیت میں ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ الخ یعنی تمام ظاہری' باطنی برائیاں' ظلم و زیادتی' شرک و کفر اور جھوٹ بہتان سب کچھ اللہ نے حرام کر دیا ہے۔ اس کی پوری تفسیر آیت وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ کی تفسیر میں گزر چکی ہے صحیح حدیث میں ہے' اللہ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں۔ اسی وجہ سے تمام بے

حیائیاں اللہ نے حرام کر دی ہیں خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں۔ سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ اگر میں کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو میں تو ایک ہی وار میں اس کا فیصلہ کر دوں' جب حضورؐ کے پاس ان کا یہ قول بیان ہوا تو فرمایا کیا تم سعدؓ کی غیرت پر تعجب کر رہے ہو؟ واللہ میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور میرا رب مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے' اسی وجہ سے تمام فحش کام ظاہر و پوشیدہ اس نے حرام کر دیئے ہیں (بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ حضورؐ سے کہا گیا کہ ہم غیرت مند لوگ ہیں' آپ نے فرمایا واللہ میں بھی غیرت والا ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیرت والا ہے' یہ غیرت ہی ہے جو اس نے تمام بری باتوں کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اس حدیث کی سند ترمذی کی شرط پر ہے۔ ترمذی میں یہ حدیث ہے کہ میری امت کی عمریں ساٹھ ستر کے درمیان ہیں۔ اس کے بعد کسی کے ناحق قتل کی حرمت کو بیان فرمایا گو وہ بھی فواحش میں داخل ہے لیکن اس کی اہمیت کی وجہ سے اسے الگ کر کے بیان فرما دیا۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جو مسلمان اللہ کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کرتا ہو' اسے قتل کرنا بجز تین باتوں کے جائز نہیں۔ یا تو شادی شدہ ہو کر پھر زنا کرے یا کسی کو قتل کر دے' یا دین کو چھوڑ دے اور جماعت سے الگ ہو جائے۔ مسلم میں ہے اس کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں' کسی مسلمان کا خون حلال نہیں۔ ابوداؤد اور نسائی میں تیسرا شخص وہ بیان کیا گیا ہے جو اسلام سے نکل جائے اور اللہ کے رسولوں سے جنگ کرنے لگے' اسے قتل کر دیا جائے گا یا صلیب پر چڑھا دیا جائے گا یا مسلمانوں کے ملک سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت جبکہ باغی آپ کو محاصرے میں لئے ہوئے تھے' فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' کسی مسلمان کا خون بجز ان تین کے حلال نہیں' ایک تو اسلام کے بعد کافر ہو جانے والا' دوسرا شادی شدہ ہو کر زنا کرنے والا اور تیسرا بغیر قصاص کے کسی کو قتل کر دینے والا۔ اللہ کی قسم نہ تو میں نے جاہلیت میں زنا کیا نہ اسلام لانے کے بعد' اور نہ اسلام لانے کے بعد کبھی میں نے کسی اور دین کی تمنا کی اور نہ میں نے کسی کو بلاوجہ قتل کیا' پھر تم میرا خون بہانے کے درپے کیوں ہو؟ حربی کافروں میں جو امن طلب کرے اور مسلمانوں کے معاہدہ امن میں آ جائے' اس کے قتل کرنے والے کے حق میں بھی بہت وعید آئی ہے اور اس کا قتل بھی شرعاً حرام ہے۔ بخاری میں ہے' معاہدہ امن کا قاتل جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے راستے تک پہنچ جاتی ہے۔ اور روایت میں ہے کیونکہ اس نے اللہ کا ذمہ توڑا' اس میں ہے کہ پچاس برس کے راستے کے فاصلے سے ہی جنت کی خوشبو پہنچی ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ ہیں اللہ کی وصیتیں اور اس کے احکام تا کہ تم دین حق کو' اس کے احکام کو اور اس کی منع کردہ باتوں کو سمجھ لو۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾

یتیموں کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر ایسے طور پر کہ اس کے حق میں بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائے اور ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا پورا کرو' ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے' اور جب بولو تو انصاف کا پاس رکھو اگرچہ کسی قرابت دار کا معاملہ ہی کیوں نہ ہو اور اللہ کے ساتھ جو عہد ہوا ہے'

اسے پورا نباہ دو‘ یہ ہیں وہ باتیں جن کا حکم اللہ تمہیں دے رہا ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو ○

یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید: ☆☆ (آیت:۱۵۲) ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ جب آیت وَلَا تَقْرَبُوْا اور آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا نازل ہوئیں تو اصحاب رسولؐ نے یتیموں کا کھانا پینا اپنے کھانے پینے سے بالکل الگ تھلگ کر دیا- اس میں علاوہ ان لوگوں کے نقصان اور محنت کے یتیموں کا نقصان بھی ہونے لگا‘ اگر بچ رہا تو یا تو وہ باسی کھائیں یا سڑ کر خراب ہو جائے- جب حضورؐ سے اس کا ذکر ہوا تو آیت وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی الخ نازل ہوئی کہ ان کے لئے خیر خواہی کرو ان کا کھانا پینا ساتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں‘ وہ تمہارے بھائی ہیں- اسے پڑھ کر سن کر صحابہؓ نے ان کا کھانا اپنے ساتھ ملا لیا- یہ حکم ان کے سن بلوغ تک پہنچنے تک ہے گو بعض نے تیس سال بعض نے چالیس سال اور بعض نے ساٹھ سال کہے ہیں لیکن یہ سب قول یہاں مناسب نہیں- واللہ اعلم-

پھر حکم فرمایا کہ لین دین اور ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو- ان کے لئے ہلاکت ہے جو لیتے وقت پورا لیں اور دیتے وقت کم دیں- ان امتوں کو اللہ نے غارت کر دیا جن میں یہ بدخصلت تھی- جامع ترمذی میں ہے کہ حضورؐ نے ناپنے اور تولنے والوں سے فرمایا تم ایک ایسی چیز کے والی بنائے گئے ہو جس کی صحیح نگرانی نہ رکھنے والے تباہ ہو گئے- پھر فرماتا ہے کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہم نہیں لادتے یعنی اگر کسی شخص نے اپنی طاقت بھر کوشش کر لی دوسرے کا حق دے دیا‘ اپنے حق سے زیادہ نہ لیا‘ پھر بھی نادانستہ طور پر غلطی سے کوئی بات رہ گئی ہو تو اللہ کے ہاں اس کی پکڑ نہیں- ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آیت کے یہ دونوں جملے تلاوت کر کے فرمایا کہ جس نے صحیح نیت سے وزن کیا‘ تولا‘ پھر بھی اس میں کوئی کمی زیادتی‘ بھول چوک سے ہو گئی تو اس کا مواخذہ نہ ہو گا-'' یہ حدیث مرسل اور غریب ہے-

پھر فرماتا ہے‘ بات انصاف کی کہا کرو اگرچہ قرابت داری کے معاملے میں ہی کچھ کہنا پڑے-'' جیسے فرمان ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ اور سورۂ نساء میں بھی یہی حکم دیا کہ ہر شخص کو ہر حال میں سچائی اور انصاف نہ چھوڑنا چاہئے- جھوٹی گواہی اور غلط فیصلے سے بچنا چاہئے‘ اللہ کے عہد کو پورا کرو‘ اس کے احکام بجا لاؤ‘ اس کی منع کردہ چیزوں سے الگ رہو‘ اس کی کتاب‘ اس کے رسولؐ کی سنت پر چلتے رہو‘ یہی اس کے عہد کو پورا کرنا ہے‘ انہی چیزوں کے بارے میں اللہ کا تاکیدی حکم ہے‘ یہی فرمان تمہارے لئے وعظ و نصیحت کا ذریعہ ہیں تا کہ تم جو اس سے پہلے نکمے بلکہ برے کاموں میں تھے‘ اب ان سے الگ ہو جاؤ- بعض کی قرأت میں تَذَکَّرُوْنَ بھی ہے-

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور یہ کہ میری سیدھی راہ یہی ہے‘ تم سب اسی پر چلے جاؤ‘ اور دوسرے راستوں پر نہ پڑ جانا کہ وہ تمہیں راہ اللہ سے جدا کر دیں گے‘ تمہیں جناب باری یہ تاکیدی حکم فرما رہا ہے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ ○

شیطانی راہیں فرقہ سازی: ☆☆ (آیت:۱۵۳) یہ اور ان جیسی آیات کی تفسیر میں ابن عباسؓ کا قول تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو باہم اعتماد کا حکم دیتا ہے اور اختلاف و فرقہ بندی سے روکتا ہے اس لئے کہ اگلے لوگ اللہ کے دین میں پھوٹ ڈالنے ہی سے تباہ ہوئے تھے- مسند میں ہے کہ اللہ کے نبیؐ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا‘ اللہ کی سیدھی راہ یہی ہے- پھر اس کے دائیں بائیں اور لکیریں کھینچ کر فرمایا‘ ان تمام راہوں پر شیطان ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے- پھر آپ نے اس آیت کا ابتدائی حصہ تلاوت فرمایا- اسی حدیث کی شاہد وہ حدیث ہے جو مسند وغیرہ میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو آپ نے اپنے سامنے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا‘ یہ اللہ

تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس کے دائیں اور بائیں دو دو لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ شیطانی راہیں ہیں اور بیچ کی لکیر پر انگلی رکھ کر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ابن ماجہ میں اور بزار میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن مسعودؓ سے کسی نے پوچھا صراط مستقیم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جس پر ہم نے اپنے نبی ﷺ کو چھوڑا' اسی کا دوسرا سرا جنت میں جا ملتا ہے۔ اس کے دائیں بائیں بہت سی اور راہیں ہیں جن پر لوگ چل رہے ہیں اور دوسروں کو بھی بلا رہے ہیں۔ جو ان راہوں میں سے کسی راہ پر ہولیا' وہ جہنم میں پہنچا' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضورؐ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان فرمائی۔ اس راستے کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں جن میں بہت سے دروازے ہیں اور سب چوپٹ کھلے پڑے ہیں اور ان پر پردے لٹکے ہوئے ہیں۔ اس سیدھی راہ کے سرے پر ایک پکارنے والا ہیجو پکارتا رہتا ہے کہ لوگو تم سب اس صراط مستقیم پر آ جاؤ' راستے میں بکھر نہ جاؤ' بیچ راہ کے بھی ایک شخص ہے۔ جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے خبردار اسے نہ کھول' کھولو گے تو سیدھی راہ سے دور نکل جاؤ گے۔ پس سیدھی راہ اسلام ہے اور دونوں دیواریں اللہ کی حدود ہیں۔ کھلے ہوئے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں' نمایاں شخص اللہ کی کتاب ہے۔ اوپر سے پکارنے والا اللہ کی طرف کا نصیحت کرنے والا ہے جو ہر مومن کے دل میں ہے (ترمذی) اس نکتے کو نہ بھولنا چاہئے کہ اپنی راہ کے لئے سبیل واحد کا لفظ بولا گیا اور گمراہی کی راہوں کے لئے سبل جمع کا لفظ استعمال کیا گیا اس لئے کہ راہ حق ایک ہی ہوتی ہے اور ناحق کے بہت سے طریقے ہوا کرتے ہیں جیسے آیت اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں ظُلُمٰتِ کو جمع کے لفظ سے اور نور کو واحد کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ قُلْ تَعَالَوْا سے تین آیات تک تلاوت کر کے فرمایا' تم میں سے کون کون ان باتوں پر مجھ سے بیعت کرتا ہے؟ پھر فرمایا' جس نے اس بیعت کو اپنا لیا' اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جس نے ان میں سے کسی بات کو توڑ دیا' اس کی دو صورتیں ہیں' یا تو دنیا میں ہی اس کی سزا شرعی اسے مل جائے گی' یا اللہ تعالیٰ آخرت تک اسے مہلت دے دے گا' پھر رب کی مشیت پر منحصر ہے اگر چاہے سزا دے' اگر چاہے تو معاف فرما دے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت فرمائی جس سے نیک کاروں پر نعمت پوری ہو' اس میں تمام احکام کی تفصیل ہے اور ہدایت و مہربانی ہے تاکہ لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں ○ اور اس بابرکت کتاب کو بھی ہم نے نازل فرمایا ہے پس تم اس کی حکم برداری کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

جنوں نے قرآن حکیم سنا: ☆☆ (آیت: ۱۵۴-۱۵۵) امام ابن جریر نے تو لفظ ثُمَّ کو ترتیب کے لئے مانا ہے یعنی ان سے یہ بھی کہہ دے اور ہماری طرف سے یہ خبر بھی پہنچا دے لیکن میں کہتا ہوں ثُمَّ کو ترتیب کے لئے مان کر خبر کا خبر پر عطف کر دیں تو کیا حرج ہے؟ کیونکہ ایسا ہوتا ہے اور شعروں میں بھی موجود ہے۔ چونکہ قرآن کریم کی مدح اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا میں گذری تھی' اس لئے اس پر عطف ڈال کر توراۃ کی مدح بیان کر دی۔ جیسے کہ اور بھی بہت سی آیات میں ہے۔ چنانچہ فرمان ہے وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا یعنی اس سے پہلے توراۃ امام رحمت تھی اور اب یہ قرآن عربی تصدیق کرنے والا ہے۔ اسی سورت کے اول میں

ہے قل من انزل الکتاب الذی الخ' اس آیت میں بھی تورات کے بیان کے بعد اس قرآن کا بیان ہے۔

کافروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے فَلَمَّا جَآءَ هُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا الخ جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے' اسے اس جیسا کیوں نہ ملا جو موسیٰ کو ملا تھا جس کے جواب میں فرمایا گیا' کیا انہوں نے موسیٰ کی اس کتاب کے ساتھ کفر نہیں کیا تھا؟ کیا صاف طور سے نہیں کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اور ہم تو ہر ایک کے منکر ہیں۔ جنوں کا قول بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا' ہم نے وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد اتری ہے' جو اپنے سے اگلی کتابوں کو سچا کہتی ہے اور راہ حق کی ہدایت کرتی ہے' وہ کتاب جامع اور کامل تھی۔ شریعت کی جن باتوں کی اس وقت ضرورت تھی' سب اس میں موجود تھیں' یہ احسان تھا نیک کاروں کی نیکیوں کے بدلے کا۔ جیسے فرمان ہے احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔ اور جیسے فرمان ہے کہ بنی اسرائیلیوں کو ہم نے ان کا امام بنا دیا جبکہ انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین رکھا۔ غرض یہ بھی اللہ کا فضل تھا اور نیکوں کی نیکیوں کا صلہ۔ احسان کرنے والوں پر اللہ بھی احسان پورا کرتا ہے یہاں بھی اور وہاں بھی۔ امام ابن جریر الذی کو مصدر یہ مانتے ہیں جیسے خُضْتُمْ كَالَّذِىْ خَاضُوْا میں ہے۔ ابن رواحہؓ کا شعر ہے

وثبت اللّٰه ما اتاك من حسن   فی المرسلین و نصر کالذی نصروا

اللہ تیری اچھائیاں بڑھائے اور اگلے نبیوں کی طرح تیری بھی مدد فرمائے۔ بعض کہتے ہیں یہاں الذی معنی میں الذین کے ہے عبداللہ بن مسعودؓ کی قرات لما ما علی الذین احسنوا ہے۔ پس مومنوں اور نیک لوگوں پر اللہ کا یہ احسان ہے اور پورا احسان ہے۔ بغوی کہتے ہیں' مراد اس سے انبیاء اور عام مومن ہیں۔ یعنی ان سب پر ہم نے اس کی فضیلت ظاہر کی۔ جیسے فرمان ہے یٰمُوْسٰٓى اِنِّىْ اصْطَفَيْتُكَ الخ' یعنی اے موسیٰ میں نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے تجھے لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی۔ ہاں حضرت موسیٰ کی اس بزرگی سے حضرت محمد ﷺ جو خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جو خلیل اللہ ہیں' مستثنیٰ ہیں یہ سب ان دلائل کے جو وارد ہو چکے ہیں۔ یحییٰ بن یعمرؒ احسن ھو کو محذوف مان کر احسن پڑھتے تھے۔ ہو سکتا ہے؟ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' میں اس قرات کو جائز نہیں رکھوں گا اگرچہ عربیت کی بنا پر اس میں نقصان نہیں۔ آیت کے اس جملے کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ پر احسان رب کو تمام کرنے کے لئے یہ اللہ کی کتاب ان پر نازل ہوئی۔ ان دونوں کے مطلب میں کوئی تفاوت نہیں۔

پھر تورات کی تعریف بیان فرمائی کہ اس میں ہر حکم بہ تفصیل ہے اور وہ ہدایت و رحمت ہے تاکہ لوگ قیامت کے دن اپنے رب سے ملنے کا یقین کر لیں۔ پھر قرآن کریم کی اتباع کی رغبت دلاتا ہے' اس میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور اس پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اس کی طرف لوگوں کو بلانے کا حکم دیتا ہے۔ برکت سے اس کا وصف بیان فرماتا ہے کہ جو بھی اس پر کاربند ہو جائے' وہ دونوں جہان کی برکتیں حاصل کرے گا اس لئے کہ یہ اللہ کی طرف مضبوط رسی ہے۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ

اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْۗءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

اس لئے کہ کبھی کہنے لگو' کتاب اللہ تو ہم سے پہلے کی دو جماعتوں کی طرف ہی نازل کی گئی اور ہم تو ان کی تلاوت سے بے خبر ہی رہے ○ یا کہنے لگو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب اتاری جاتی تو ہم تو اس سے بہت ہی زیادہ راہ یافتہ بن جاتے' اچھا اب تو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حجت و دلیل اور ہدایت و رحمت آ پہنچی' پس اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی آیات کو جھوٹی بتلائے اور ان سے کترا جائے' ہم بھی ان لوگوں کو جو ہماری آیات سے کتراتے رہتے ہیں' برے عذابوں کی سزادیں گے' جو بدلا ہوگا ان کے کترانے کا ○

لاف زنی عیب ہے- دوسروں کو نیکی سے روکنے والے بدترین ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۵۶-۱۵۷) فرماتا ہے کہ اس آخری کتاب نے تمہارے تمام عذر ختم کر دیئے جیسے فرمان ہے وَلَوْ لَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ الخ یعنی اگر انہیں ان کی بدعمالیوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو کہہ دیتے کہ تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیرے فرمان کو مانتے - اگلی دو جماعتوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں- اگر یہ عربی زبان کا قرآن نہ اترتا تو وہ یہ عذر کر دیتے کہ ہم پر تو ہماری زبان میں کوئی کتاب نہیں اتری' ہم اللہ کے فرمان سے بالکل غافل رہے' پھر ہمیں سزا کیوں ہو؟ نہ یہ عذر باقی رہا اور نہ یہ کہ اگر ہم پر آسمان کتاب اترتی تو ہم تو اگلوں سے آگے نکل جاتے اور خوب نیکیاں کرتے- جیسے فرمان ہے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ الخ' یعنی موکد قسمیں کھا کھا کر لاف زنی کرتے تھے کہ ہم میں اگر کوئی نبی آ جائے تو ہم ہدایت کو مان لیں-

اللہ فرماتا ہے اب تو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ہدایت و رحمت بھرا قرآن بزبان رسول عربی آ چکا جس میں حلال وحرام کا بخوبی بیان ہے اور دلوں کی ہدایت کی کافی نورانیت اور رب کی طرف سے ایمان والوں کے لئے سراسر رحمت و رحم ہے- اب تم ہی بتاؤ کہ جس کے پاس اللہ کی آیات آ جائیں اور وہ انہیں جھٹلائے' ان سے فائدہ نہ اٹھائے' نہ عمل کرے' نہ یقین لائے' نہ نیکی کرے نہ بدی چھوڑے نہ خود مانے' نہ اوروں کو ماننے دے تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ اسی سورت کے شروع میں فرمایا ہے وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ خود اس کے مخالف اوروں کو بھی اسے ماننے سے روکتے ہیں دراصل اپنا ہی بگاڑتے ہیں جیسے فرمایا اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ' یعنی جو لوگ خود کفر کرتے ہیں اور راہ الٰہی سے روکتے ہیں' انہیں ہم عذاب بڑھاتے رہیں گے- پس یہ لوگ ہیں جو نہ مانتے تھے اور نہ فرماں بردار ہوتے تھے- جیسے فرمان ہے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى یعنی نہ تو مانا' نہ نماز پڑھی بلکہ نہ مان کر منہ پھیر لیا- ان دونوں تفسیروں میں پہلی بہت اچھی ہے یعنی خود بھی انکار کیا اور دوسروں کو بھی انکار پر آمادہ کیا-

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

کیا یہ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں؟ یا تیرا رب آئے؟ یا تیرے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں؟ جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو کسی شخص کو جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا' اس کا ایمان مطلق فائدہ نہ دے گا' نہ اسے جس نے اپنے ایمان کی حالت میں نیکیاں نہ کی ہوں' کہہ دے کہ اچھا منتظر رہو' ہم بھی انتظار کر رہے ہیں ○

قیامت اور بے بسی: ☆☆ (آیت: ۱۵۸) اللہ تعالیٰ کافروں کو اور پیغمبروں کے مخالفوں کو اور اپنی آیات کے جھٹلانے والوں کو اور اپنی راہ سے روکنے والوں کو ڈرا رہا ہے کہ کیا انہیں قیامت کا انتظار ہے؟ جبکہ فرشتے بھی آئیں گے اور خود اللہ قہار بھی۔ وہ بھی وقت ہو گا جب ایمان بھی بے سود اور توبہ بھی بیکار۔ بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' قیامت قائم نہ ہو گی جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے' جب یہ نشان ظاہر ہو جائے گا تو زمین پر جتنے لوگ ہوں گے' سب ایمان لائیں گے لیکن اس وقت کا ایمان محض بے سود ہے' پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اور حدیث میں ہے' جب قیامت کی تین نشانیاں ظاہر ہو جائیں تو بے ایمان کو ایمان لانا' خیر سے رکے ہوئے لوگوں کو اس کے بعد نیکی یا توبہ کرنا کچھ سود مند نہ ہو گا۔ سورج کا مغرب سے نکلنا' دجال کا آنا دابۃ الارض کا ظاہر ہونا۔ ایک اور روایت میں اس کے ساتھ ہی ایک دھویں کے آنے کا بھی بیان ہے۔ اور حدیث میں ہے' سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پیشتر جو توبہ کرے اس کی توبہ مقبول ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا' جانتے ہو یہ سورج غروب ہو کر کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں' فرمایا' عرش کے قریب جا کر سجدے میں پڑتا ہے اور ٹھہرا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اجازت ملے اور کہا جائے لوٹ جا' قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہہ دیا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا' یہی وہ وقت ہو گا کہ ایمان لانا بے نفع ہو جائے گا۔ ایک مرتبہ لوگ قیامت کی نشانیوں کا ذکر کر رہے تھے' اتنے میں حضورؐ بھی تشریف لے آئے اور فرمانے لگے' قیامت قائم نہ ہو گی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو گے۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' دھواں' دابۃ الارض' یاجوج ماجوج کا آنا' عیسیٰ بن مریم کا آنا اور دجال کا نکلنا' مشرق مغرب اور جزیرہ عرب میں تین جگہ زمین کا دھنس جانا اور عدن کے درمیان سے ایک زبردست آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک کے لے جائے گی' رات دن ان کے پیچھے ہی پیچھے رہے گی (مسلم وغیرہ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا نشان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا' وہ رات بہت لمبی ہو جائے گی بقدر دو راتوں کے' لوگ معمول کے مطابق اپنے کام کاج میں ہوں گے اور تہجد گذاری میں بھی۔ ستارے اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں گے' پھر لوگ سو جائیں گے' پھر اٹھیں گے' کام میں لگیں گے' پھر سوئیں گے' پھر اٹھیں گے لیکن دیکھیں گے کہ نہ ستارے ہٹے ہیں نہ سورج نکلا ہے' کروٹیں دکھنے لگیں گی لیکن صبح نہ ہو گی اب تو گھبرا جائیں گے اور دہشت زدہ ہو جائیں گے' منتظر ہوں گے کہ کب سورج نکلے' مشرق کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہوں گے کہ اچانک مغرب کی طرف سے سورج نکل آئے گا اس وقت تو تمام روئے زمین کے انسان مسلمان ہو جائیں گے لیکن اس وقت ایمان محض بے سود ہو گا۔ (ابن مردویہ) ایک حدیث میں حضورؐ کا اس آیت کے اس جملے کو تلاوت فرما کر اس کی تفسیر میں سورج کا مغرب سے نکلنا فرمانا بھی ہے۔

ایک روایت میں ہے سب سے پہلی نشانی یہی ہو گی۔ اور حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ نے مغرب کی طرف ایک بڑا دروازہ کھول رکھا ہے جس کا عرض (چوڑائی) ستر سال (کی مسافت) ہے' یہ توبہ کا دروازہ ہے۔ یہ بند نہ ہو گا جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے۔ اور حدیث میں ہے' لوگوں پر ایک رات آئے گی جو تین راتوں کے برابر ہو گی' اسے تہجد گزار جان لیں گے' یہ کھڑے ہوں گے ایک معمول کے مطابق تہجد

پڑھ کر سو جائیں گے' پھر اٹھیں گے اپنا معمول ادا کر کے پھر لیٹیں گے۔ لوگ اس لمبائی سے گھبرا کر چیخ و پکار شروع کر دیں گے اور دوڑے بھاگے مسجدوں کی طرف جائیں گے کہ ناگہاں دیکھیں گے کہ سورج طلوع ہو گیا یہاں تک کہ وسط آسمان میں پہنچ کر پھر لوٹ جائے گا اور اپنے طلوع ہونے کی جگہ سے طلوع ہو گا۔ یہی وہ وقت ہے جس وقت ایمان سود مند نہیں۔ اور روایت میں ہے کہ تین مسلمان شخص مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' مروان ان سے کہہ رہے تھے کہ سب سے پہلی نشانی دجال کا خروج ہے۔ یہ سن کر یہ لوگ حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس گئے اور یہ بیان کیا' آپ نے فرمایا' اس نے کچھ نہیں کہا' مجھے حضورؐ کا فرمان خوب محفوظ ہے کہ سب سے پہلی نشانی سورج کا مغرب سے نکلنا ہے۔ اور دابۃ الارض کا دن چڑھے ظاہر ہونا ہے۔ ان دونوں میں سے جو بھی پہلے ظاہر ہو' اسی کے بعد دوسری ظاہر ہو گی۔ حضرت عبداللہ کتاب پڑھتے جاتے تھے۔ فرمایا میرا خیال ہے کہ پہلے سورج کا نشان ظاہر ہو گا' وہ غروب ہوتے ہی عرش تلے جاتا ہے اور سجدہ کر کے اجازت مانگتا ہے' اجازت مل جاتی ہے' جب مشیت الٰہی سے مغرب سے ہی نکلنا ہو گا تو اس کی بار بار کی اجازت طلبی پر بھی جواب نہ ملے گا۔ رات کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو گا اور یہ سمجھ لے گا کہ اب اگر اجازت ملی بھی تو مشرق میں نہیں پہنچ سکتا۔ تو کہے گا کہ یا اللہ دنیا کو سخت تکلیف ہو گی تو اس سے کہا جائے گا' یہیں سے طلوع ہو چنانچہ وہ مغرب سے ہی نکل آئے گا' پھر حضرت عبداللہ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

طبرانی میں ہے کہ جب سورج مغرب سے نکلے گا' ابلیس سجدے میں گر پڑے گا اور زور زور سے کہے گا' الٰہی مجھے حکم کر میں مانوں گا' جسے تو فرمائے میں سجدہ کرنے کے لئے تیار ہوں اس کی ذریت اس کے پاس جمع ہو جائے گی اور کہے گی یہ ہائے وائے کیسی ہے؟ وہ کہے گا' مجھے یہیں تک ڈھیل دی گئی تھی۔ اب وہ آخری وقت آ گیا' پھر صفا کی پہاڑی کے غار سے دابۃ الارض نکلے گا' اس کا پہلا قدم انطاکیہ میں پڑے گا' وہ ابلیس کے پاس پہنچے گا اور اسے تھپڑ مارے گا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور اس کی سند بالکل ضعیف ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ان کتابوں میں سے حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے لی ہو جن کے دو تھیلے انہیں یرموک کی لڑائی والے دن ملے تھے۔ اس کا فرمان رسول ہونا ناقابل تسلیم ہے۔ اللہ اعلم۔

حضورؐ فرماتے ہیں' ہجرت منقطع نہ ہو گی جب تک کہ دشمن برسر پیکار رہے۔ ہجرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو گناہوں کو چھوڑنا دوسرے اللہ اور اس کے رسول کے پاس ترک وطن کر کے جانا۔ یہ بھی باقی رہے گی جب تک کہ توبہ قبول ہوتی ہے اور توبہ قبول ہوتی رہے گی جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے' سورج کے مغرب سے نکلتے ہی پھر جو کچھ جس دل میں ہے' اسی پر مہر لگ جائے گی' اور اعمال بے سود ہو جائیں گے۔ ابن مسعودؓ کا فرمان ہے کہ بہت سے نشانات گزر چکے ہیں صرف چار باقی رہ گئے ہیں۔ سورج کا نکلنا' دجال' دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کا آنا۔ جس علامت کے ساتھ اعمال ختم ہو جائیں گے' وہ مغرب سے سورج کا طلوع ہونا ہے۔ ایک طویل مرفوع غریب منکر حدیث میں ہے کہ اس دن سورج چاند ملے جلے طلوع ہوں گے۔ آدھے آسمان سے واپس چلے جائیں گے پھر حسب عادت ہو جائیں گے۔ اس حدیث کا تو مرفوع ہونے کا دعویٰ اس حدیث کے موضوع ہونے کا ثبوت ہے۔ ہاں ابن عباسؓ یا وہب بن منبہؒ پر موقوف ہونے کی حیثیت سے ممکن ہے موضوع کی گنتی سے نکل جائے۔ واللہ اعلم۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' قیامت کی پہلی نشانی کے ساتھ ہی اعمال کا خاتمہ ہے۔ اس دن کسی کافر کا مسلمان ہونا بے سود ہو گا۔ ہاں مومن جو اس سے پہلے نیک اعمال والا ہو گا' وہ بہتری میں رہے گا' اور جو نیک عمل نہ ہو گا' اس کی توبہ بھی اس وقت مقبول نہ ہو گی جیسے کہ پہلے احادیث گذر چکی ہیں۔ برے لوگوں کے نیک اعمال بھی اس نشان عظیم کو دیکھ لینے کے بعد کام نہ آئیں گے۔ پھر کافروں کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ اچھا تم انتظار میں ہی رہو تا آنکہ توبہ کے اور ایمان کے قبول نہ ہونے کا وقت آ جائے۔ اور

قیامت کے زبردست آثار ظاہر ہو جائیں۔ جیسے اور آیت میں ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ الخ قیامت کے اچانک آ جانے کا ہی انتظار ہے۔ اس کی بھی علامات ظاہر ہو چکی ہیں اس کے آ چکنے کے بعد نصیحت کا وقت کہاں؟ اور آیت میں فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ہمارے عذابوں کا مشاہدہ کر لینے کے بعد کا ایمان اور شرک سے انکار بے سود ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

جن لوگوں نے تفرقہ ڈالا اور گروہ گروہ بن گئے' تجھے ان سے کوئی سروکار نہیں' ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے' پھر وہی انہیں اس کے بعد ان کے کرتوت سے باخبر کر دے گا○

اہل بدعت گمراہ ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۵۹) مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں اتری ہے۔ یہ لوگ حضورؐ کی نبوت سے پہلے سخت اختلافات میں تھے جن کی خبر یہاں دی جا رہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ شئی تک اس آیت کی تلاوت فرما کر حضورؐ نے فرمایا' وہ بھی تجھ سے کوئی میل نہیں رکھتے۔ اس امت کے اہل بدعت شک شبہ والے اور گمراہی والے ہیں۔ اس حدیث کی سند صحیح نہیں۔ یعنی ممکن ہے' یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہو۔ ابو امامہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد خارجی ہیں۔ یہ بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن صحیح نہیں۔ ایک اور غریب حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' مراد اس سے اہل بدعت ہے' اس کا بھی مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ بات یہ ہے کہ آیت عام ہے۔ جو بھی اللہ رسول کے دین کی مخالفت کرے اور اس میں پھوٹ اور افتراق پیدا کرے' گمراہی کی اور خواہش پرستی کی پیروی کرے' نیا دین اختیار کرے' نیا مذہب قبول کرے' وہی وعید میں داخل ہے کیونکہ حضورؐ جس حق کو لے کر آئے ہیں' وہ ایک ہی ہے' کئی ایک نہیں' اللہ نے اپنے رسولؐ کو فرقہ بندی سے بچایا ہے اور آپ کے دین کو بھی اس لعنت' سے محفوظ رکھا ہے۔

اسی مضمون کی دوسری آیت شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ الخ ہے ایک حدیث میں بھی ہے کہ ہم جماعت انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ ہم سب کا دین ایک ہی ہے۔ پس صراط مستقیم اور دین پسندیدہ اللہ کی توحید اور رسولوں کی اتباع ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ ضلالت' جہالت' رائے' خواہش اور بددینی ہے اور رسولؐ اس سے بیزار ہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے' وہی انہیں ان کے کرتوت سے آگاہ کرے گا جیسے اور آیت میں ہے کہ مومنوں' یہودیوں' صابیوں اور نصرانیوں میں مجوسیوں میں مشرکوں میں اللہ خود قیامت کے دن فیصلے کر دے گا اس کے بعد اپنے احسان' حکم اور عدل کا بیان فرماتا ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

نیکی لانے والے کو دس گنا بدلہ ہے اور برائی لے کر آنے والا برابر برابر ہی بدلہ پائے گا اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا○

نیکی کا دس گنا ثواب اور غلطی کی سزا برابر' برابر: ☆☆ (آیت: ۱۶۰) ایک اور آیت میں مجملاً یہ آیا ہے کہ فله خير منها جو نیکی لائے' اس کے لئے اس سے بہتر بدلہ ہے۔ اسی آیت کے مطابق بہت سی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ ایک میں ہے تمہارا رب عزوجل بہت بڑا رحیم ہے۔ نیکی کے صرف قصد پر نیکی کے کرنے کا ثواب عطا فرما دیتا ہے اور ایک نیکی کے کرنے پر دس سے ساٹھ تک بڑھا دیتا ہے

اور بھی بہت زیادہ اور بہت زیادہ۔ اور اگر برائی کا قصد ہوا' پھر نہ کر سکا تو بھی نیکی ملتی ہے اور اگر اس برائی کو کر گزرا تو ایک برائی ہی لکھی جاتی ہے اور بہت ممکن ہے کہ اللہ معاف ہی فرما دے اور بالکل ہی مٹا دے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہلاکت والے ہی اللہ کے ہاں ہلاک ہوتے ہیں۔ (بخاری' مسلم' نسائی وغیرہ)

ایک حدیث قدسی میں ہے' نیکی کرنے والے کو دس گنا ثواب ہے اور پھر بھی میں زیادہ کر دیتا ہوں اور برائی کرنے والے کو اکہرا عذاب ہے اور میں معاف بھی کر دیتا ہوں۔ زمین بھر تک جو شخص خطائیں لے آئے اگر اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا تو میں اتنی ہی رحمت سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جو میری طرف بالشت بھر آئے' میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو ہاتھ بھر آئے' میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو میری طرف چلتا ہوا آئے' میں اس کی طرف دوڑتا ہوا جاتا ہوں (مسلم مسند وغیرہ) اس سے پہلے گزری ہوئی حدیث کی طرح ایک اور حدیث بھی ہے' اس میں فرمایا ہے کہ برائی کا ارادہ کر کے پھر اسے چھوڑ دینے والے کو بھی نیکی ملتی ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ کے ڈر سے چھوڑ دے چنانچہ بعض روایات میں تشریح آ بھی چکی ہے۔ دوسری صورت چھوڑ دینے کی یہ ہے کہ اسے یاد ہی نہ آئے۔ بھول بسر جائے تو اسے نہ ثواب ہے نہ عذاب کیونکہ اس نے اللہ سے ڈر کر نیک نیتی سے اسے ترک نہیں کیا۔ اور اگر بدنیتی سے اس نے کوشش بھی کی' اسے پوری طرح کرنا بھی چاہا لیکن عاجز ہو گیا' کر نہ سکا موقعہ ہی نہ ملا' اسباب ہی نہ بنے' تھک کر بیٹھ گیا' تو ایسے شخص کو اس برائی کے کرنے کے برابر ہی گناہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے سے جنگ کریں تو جو مار ڈالے اور جو مار ڈالا جائے دونوں جہنمی ہیں' لوگوں نے کہا مار ڈالنے والا تو خیر' لیکن جو مارا گیا وہ جہنم میں کیوں جائے گا؟ آپ نے فرمایا' اس لئے کہ وہ بھی دوسرے کو مار ڈالنے کا آرزو مند تھا اور حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' نیکی کے محض ارادے پر نیکی لکھ لی جاتی ہے اور عمل میں لانے کے بعد دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ برائی کے محض ارادے کو لکھا نہیں جاتا' اگر عمل کر لے تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے اور اگر چھوڑ دے تو نیکی لکھی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس نے گناہ کے کام کو میرے خوف سے ترک کر دیا۔ حضورؐ فرماتے ہیں لوگوں کی چار قسمیں ہیں اور اعمال کی چھ قسمیں ہیں۔ بعض لوگ تو وہ ہیں جنہیں دنیا اور آخرت میں وسعت اور کشادگی دی جاتی ہے۔ بعض وہ ہیں جن پر دنیا میں کشادگی ہوتی ہے اور آخرت میں تنگی۔ بعض وہ ہیں' جن پر دنیا میں تنگی رہتی ہے اور آخرت میں کشادگی ملے گی۔ بعض وہ ہیں جو دونوں جہان میں بدبخت رہتے ہیں' یہاں بھی وہاں بھی بے آبرو۔ اعمال کی چھ قسمیں تو ثواب واجب کر دینے والی ہیں۔ ایک برابر کا' ایک دس گنا اور ایک سات سو گنا۔ واجب کر دینے والی دو چیزیں وہ یہ ہیں' جو شخص اسلام و ایمان پر مرے' اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو' اس کے لئے جنت واجب ہے۔ اور جو کفر پر مرے اس کے لئے جہنم واجب ہے اور جو نیکی کا ارادہ کرے گو کی نہ ہو' اسے ایک نیکی ملتی ہے اس لئے کہ اللہ جانتا ہے کہ اس کے دل نے اسے سمجھا اس کی حرص کی اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے' اس کے ذمہ گناہ نہیں لکھا جاتا اور جو کر گزرے' اسے ایک ہی گناہ ہوتا ہے اور وہ بڑھتا نہیں ہے اور جو نیکی کا کام کرے' اسے دس نیکیاں ملتی ہیں اور جو راہ اللہ عزوجل میں خرچ کرے' اسے سات سو گنا ملتا ہے (ترمذی)

فرمان ہے کہ جمعہ میں آنے والے لوگ تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو وہاں لغو کرتا ہے' اس کے حصے میں تو وہی لغو ہے' ایک دعا کرتا ہے۔ اسے اگر اللہ چاہے دے' چاہے نہ دے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو سکوت اور خاموشی کے ساتھ خطبے میں بیٹھتا ہے' کسی مسلمان کی گردن پھلانگ کر مسجد میں آگے نہیں بڑھتا نہ کسی کو ایذا دیتا ہے' اس کا جمعہ اگلے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے بلکہ اور تین دن تک کے گناہوں کا

بھی اس لئے کہ وعدہ الٰہی میں ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جو نیکی کرے اسے دس گنا اجر ملتا ہے۔

طبرانی میں ہے جمعہ جمعہ تک بلکہ اور تین دن تک کفارہ ہے اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے نیکی کرنے والے کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ فرماتے ہیں جو شخص ہر مہینے میں تین روزے رکھے اسے سال بھر کے روزوں کا یعنی تمام عمر سارا زمانہ روزے سے رہنے کا ثواب ملتا ہے۔ اس کی تصدیق کتاب اللہ میں موجود ہے کہ ایک نیکی کا اجر دس نیکیوں کے برابر ہے۔ ایک دن کے روزے کا ثواب دس روزوں کا ملتا ہے (ترمذی) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ اس آیت میں حسنہ سے مراد کلمہ توحید اور سیئہ سے مراد شرک ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے لیکن اس کی کوئی صحیح سند میری نظر سے نہیں گزری۔ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی بہت سی احادیث اور آثار ہیں۔ لیکن ان شاءاللہ یہ ہی کافی ہیں۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

کہہ دے کہ مجھے تو میرے پروردگار نے سیدھی راہ کی ہدایت کر دی ہے یعنی سچے دین کی جو ابراہیم کا دین ہے جو شرک سے یکسو تھا اور مشرکوں میں نہ تھے ○ کہہ دے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ○ جس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی توحید کا حکم فرمایا گیا ہے اور میں سب فرماں برداروں میں اول ہوں ○

بے وقوف وہی ہے جو دین حنیف سے منہ موڑ لے: ☆☆ (آیت: ۱۶۱-۱۶۳) سید المرسلین ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ پر اللہ کی جو نعمت ہے اس کا اعلان کر دیں کہ اس رب نے آپ کو صراط مستقیم دکھا دی ہے جس میں کوئی کجی یا کمی نہیں وہ ثابت اور سالم سیدھی اور ستھری راہ ہے ابراہیم حنیف کی ملت ہے جو مشرکوں میں نہ تھے۔ اس دین سے وہی ہٹ جاتا ہے جو محض بے وقوف ہو۔ اور آیت میں ہے اللہ کی راہ میں پورا جہاد کرو۔ وہی اللہ ہے جس نے تمہیں برگزیدہ کیا اور کشادہ دین عطا فرمایا جو تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے سچے فرمانبردار تھے مشرک نہ تھے اللہ کی نعمتوں کے شکرگزار تھے اللہ کے پسندیدہ تھے راہ مستقیم کی ہدایت پائے ہوئے تھے۔ دنیا میں بھی ہم نے انہیں بھلائی دی تھی اور میدان قیامت میں بھی وہ نیک کار لوگوں میں ہوں گے۔ پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کر کہ وہ مشرکین میں نہ تھا یہ یاد رہے کہ حضورؐ کو آپ کی ملت کی پیروی کا حکم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خلیل اللہ آپ سے افضل ہیں اس لئے کہ حضورؐ کا قیام اس پر پورا ہوا اور یہ دین آپ ہی کے ہاتھوں کمال کو پہنچا۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور تمام اولاد آدمؑ کا علی الاطلاق سردار ہوں اور مقام محمود والا ہوں جس سے ساری مخلوق کو امید ہوگی یہاں تک کہ خلیل اللہ علیہ السلام کو بھی۔

ابن مردویہ میں ہے کہ حضورؐ صبح کے وقت فرمایا کرتے تھے اصبحنا علی ملة الاسلام و کلمة الاخلاص و دین نبینا و ملة ابراهیم حنیفا و ما کان من المشرکین یعنی ہم نے ملت اسلامیہ پر کلمہ اخلاص پر ہمارے نبی کے دین پر اور ملت

ابراہیم حنیف پر صبح کی ہے جو مشرک نہ تھے- حضور علیہ السلام سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ محبوب دین اللہ کے نزدیک کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' وہ جو یکسوئی اور آسانی والا ہے- مسند کی حدیث میں ہے کہ جس دن حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے کندھوں پر منہ رکھ کر حبشیوں کے جنگی کرتب ملاحظہ فرمائے تھے' اس دن آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ اس لئے کہ یہود یہ جان لیں کہ ہمارے دین میں کشادگی ہے اور اس میں یکسوئی والا آسانی والا دین دے کر بھیجا گیا ہوں- اور حکم ہوتا ہے کہ آپ مشرکوں سے اپنا مخالف ہونا بھی بیان فرما دیں' وہ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں' دوسروں کے نام پر ذبیحہ کرتے ہیں- جبکہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں' اسی کے نام پر ذبیحہ کرتا ہوں چنانچہ بقرہ عید کے دن حضورؐ نے جب دو مینڈھے ذبح کئے توانی وجهت الخ' کے بعد یہی آیت پڑھی- آپ ہی اس امت میں اول مسلم تھے' اس لئے کہ یوں تو ہر نبی اور ان کی ماننے والی امت مسلم ہی تھی' سب کی دعوت اسلام ہی کی تھی' سب اللہ کی خالص عبادت کرتے رہے جیسے فرمان ہے وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ یعنی تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول ہم نے بھیجے' سب کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' تم سب میری ہی عبادت کرو- حضرت نوح علیہ السلام کا فرمان قرآن میں موجود ہے کہ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو میرے رب کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں رہوں- اور آیت میں ہے وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ الخ ملت ابراہیمی سے وہی ہٹتا ہے جس کی قسمت پھوٹ گئی ہو- وہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ تھا اور آخرت میں بھی صالح لوگوں میں سے ہے' اسے جب اس کے رب نے فرمایا تو تابعدار بن جا' اس نے جواب دیا کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں- اس بات کی وصیت ابراہیمؑ نے اپنے بچوں کو کی تھی اور یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو کہ اے میرے بچو' اللہ نے تمہارے لئے دین کو پسند فرما لیا ہے-

پس تم اسلام ہی پر مرنا- حضرت یوسف علیہ السلام کی آخری دعا میں ہے' یا اللہ تو نے مجھے ملک عطا فرمایا' خواب کی تعبیر سکھائی' آسمان وزمین کا ابتداء میں پیدا کرنے والا تو ہی ہے' تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا اولی ہے' مجھے اسلام کی حالت میں فوت کرنا اور نیک کاروں میں ملا دینا- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ میرے بھائیو' اگر تم ایماندار ہو' اگر تم مسلم ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے- سب نے جواب دیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل رکھا ہے اے اللہ! ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا اور ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ ان کافروں سے بچا لے- اور آیت میں فرمان باری ہے اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ الخ ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت ونور ہے جس کے مطابق وہ انبیاء حکم کرتے ہیں' جو مسلم ہیں یہودیوں کو بھی اور ربانیوں کو بھی اور احبار کو بھی- اور فرمان ہے وَاِذۡ اَوۡحَيۡتُ اِلَى الۡحَوَارِيّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ الخ میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ' سب نے کہا ہم نے ایمان قبول کیا ہمارے مسلمان ہونے پر تم گواہ رہو- یہ آیات صاف بتلا رہی ہیں کہ اللہ نے اپنے نبیوں کو اسلام کے ساتھ ہی بھیجا ہے- ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی اپنی مخصوص شریعتوں کے ساتھ مختص تھے- احکام کا ادل بدل ہوتا رہتا تھا یہاں تک کہ حضورؐ کے دین کے ساتھ پہلے کے تمام دین منسوخ ہو گئے اور نہ منسوخ ہونے والا نہ بدلنے والا ہمیشہ رہنے والا دین اسلام آپ کو ملا' جس پر ایک جماعت قیامت تک قائم رہے گی اور اس پاک دین کا جھنڈا قیامت تک لہراتا رہے گا-

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں' ہم سب کا دین ایک ہی ہے- بھائیوں کی ایک قسم تو علاتی ہے جن کا باپ ایک ہو' مائیں الگ الگ ہوں- ایک قسم اخیافی جن کی ماں ایک ہو اور باپ جداگانہ ہوں- اور ایک عینی بھائی ہیں جن کا باپ بھی

ایک ہو اور ماں بھی ایک ہو۔ پس تمام انبیاء کا دین ایک ہے یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت اور شریعت مختلف ہیں بہ اعتبار احکام کے اس لئے انہیں علاتی بھائی فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کی تکبیر اولیٰ کے بعد نماز میں اِنِّیْ وَجَّھْتُ اور یہ آیت پڑھ کر پھر یہ پڑھتے اللھم انت الملك لا اله الا انت انت ربی وانا عبدك ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعا لایغفر الذنوب الا انت واھدنی لاحسن الاخلاق لایھدی لاحسنھا الا انت واصرف عنی سیئھا لایصرف عنی سیئھا الا انت تبارکت وتعالیت استغفرك واتوب الیك یہ حدیث لمبی ہے۔ اس کے بعد راوی نے رکوع وسجدہ اور تشہد کی دعاؤں کا ذکر کیا ہے۔ (مسلم)

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾

کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ تمام چیزوں کا رب تو وہی ہے ہر برے کام کرنے والے پر اسکا بوجھ ہے کوئی بوجھ والا دوسرے کا بوجھ اپنے اوپر نہ لادے گا پھر تم سب کا لوٹنا تمہارے رب کی طرف ہی ہے پھر تمہارے تمام اختلافات کی خبر وہی تمہیں دیگا ○

جھوٹے معبود غلط سہارے : ☆☆ (آیت:۱۶۴) کافروں کو نہ تو خلوص عبادت نصیب ہے نہ سچا توکل رب میسر ہے ان سے کہدے کہ کیا میں بھی تمہاری طرح اپنے اور سب کے سچے معبود کو چھوڑ کر جھوٹے معبود بنالوں؟ میری پرورش کرنے والا حفاظت کرنے والا مجھے بچانے والا میرے کام بنانے والا میری بگڑی کو سنوارنے والا تو اللہ ہی ہے پھر میں دوسرے کا سہارا کیوں لوں؟ مالک وخالق کو چھوڑ کر بے بس اور محتاج کے پاس کیوں جاؤں؟ گویا اس آیت میں توکل علی اللہ اور عبادت رب کا حکم ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں عموماً ایک ساتھ بیان ہوا کرتی ہیں جیسے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں اور فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ میں اور قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا میں اور رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا میں اور دوسری آیات میں بھی۔

پھر قیامت کے دن کی خبر دیتا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ عدل وانصاف سے ملے گا۔ نیکوں کو نیک بدوں کو بد ایک کے گناہ دوسرے پر نہیں لادے جائیں گے کوئی قرابتدار دوسرے کے عوض پکڑا نہ جائے گا اس دن ظلم بالکل ہی نہ ہوگا نہ کسی کے گناہ بڑھائے جائیں گے نہ کسی کی نیکی گھٹائی جائے گی۔ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی ہاں جن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامے ملے ہیں ان کے نیک اعمال کی برکت ان کی اولاد کو بھی پہنچے گی۔ جیسے فرمان ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ الخ یعنی جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ان کے ایمان میں ان کی تابعداری کی ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے بلند درجوں میں پہنچا دیں گے گو ان کے اعمال اس درجے کے نہ ہوں لیکن چونکہ ان کی ایمان میں شرکت ہے اس لئے درجات میں بھی بڑھا دیں گے اور یہ درجے ماں باپ کے درجے گھٹا کر نہ بڑھیں گے بلکہ یہ اللہ کا فضل وکرم ہوگا۔ ہاں برے لوگ اپنے بد اعمال کے جھگڑے میں گھرے ہوں گے۔ تم بھی عمل کئے جا رہے ہو ہم بھی کئے جا رہے ہیں اللہ کے ہاں سب کو جانا ہے وہاں اعمال کا حساب ہونا ہے پھر معلوم ہو جائے گا کہ اس اختلاف میں حق اور رضائے رب مرضی مولیٰ کس کے ساتھ تھی؟ ہمارے اعمال سے تم اور تمہارے اعمال سے ہم اللہ کے ہاں پوچھے نہ جائیں گے۔ قیامت کے دن اللہ کے ہاں

سچے فیصلے ہوں گے اور وہ باعلم اللہ ہمارے درمیان سچے فیصلے فرما دے گا۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٥﴾

ع ۱۱

اسی نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فضیلت دی ہے تاکہ اس نے تمہیں جو کچھ دے رکھا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے بیشک تیرا رب جلد سزا دینے والا بھی ہے اور یقیناً وہ بہت ہی بخشش مہربانی کرنے والا بھی ہے ○

اللہ کی رحمت اللہ کے غضب پر غالب ہے: ☆☆ (آیت: ۱۶۵) اس اللہ نے تمہیں زمین کا آباد کرنے والا بنایا ہے۔ وہ تمہیں یکے بعد دیگرے پیدا کرتا رہتا ہے ایسا نہیں کیا کہ زمین پر فرشتے بستے ہوں۔ فرمان ہے عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّکُمْ ''ممکن ہے تمہارا رب تمہارے دشمن کو غارت کر دے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنا کر آزمائے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟'' اس نے تمہارے درمیان مختلف طبقات بنائے' کوئی امیر ہے' کوئی غریب ہے' کوئی خوش خو ہے' کوئی بداخلاق ہے' کوئی خوبصورت ہے' کوئی بدصورت' یہ بھی اس کی حکمت ہے اسی نے روزیاں تقسیم کی ہیں' ایک کو ایک کے ماتحت کر دیا ہے۔ فرمان ہے اُنْظُرْ کَیْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ الخ' دیکھ لے کہ ہم نے ان میں سے ایک کو ایک پر کیسے فضیلت دی ہے؟ اس سے منشاء یہ ہے کہ آزمائش و امتحان ہو جائے۔ امیر آدمیوں کا شکر' فقیروں کا صبر معلوم ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دنیا میٹھی اور سبز رنگ ہے' اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنا کر دیکھ رہا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ پس تمہیں دنیا سے ہوشیار رہنا چاہئے اور عورتوں کے بارے میں بہت احتیاط سے رہنا چاہئے' بنو اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتیں ہی تھیں۔ اس سورت کی آخری آیت میں اپنے دونوں وصف بیان فرمائے۔ عذاب کا بھی' ثواب کا بھی' پکڑ کا بھی اور بخشش کا بھی' اپنے نافرمانوں پر ناراضگی کا اور اپنے فرمانبرداروں پر رضامندی کا۔ عموماً قرآن کریم میں یہ دونوں صفتیں ایک ساتھ ہی بیان فرمائی جاتی ہیں۔

جیسے فرمان ہے وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ اور آیت میں ہے نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ یعنی تیرا رب اپنے بندوں کے گناہ بخشنے والا بھی ہے اور وہ سخت اور دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔ پس ان آیات میں رغبت و رہبت دونوں ہیں' اپنے فضل کا اور جنت کا لالچ بھی دیتا ہے اور آگ کے عذاب سے دھمکاتا بھی ہے۔ کبھی کبھی ان دونوں وصفوں کو الگ الگ بیان فرماتا ہے' تاکہ عذابوں سے بچنے اور نعمتوں کے حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے احکام کی پابندی اور اپنی ناراضگی کے کاموں سے نفرت نصیب فرمائے اور ہمیں کامل یقین عطا فرمائے کہ ہم اس کے کلام پر ایمان و یقین رکھیں' وہ قریب و مجیب ہے' وہ دعاؤں کا سننے والا ہے' وہ جواد' کریم اور وہاب ہے۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اگر مومن صحیح طور پر اللہ کے عذاب سے واقف ہو جائے تو اپنے گناہوں کی وجہ سے جنت کے حصول کی آس ہی نہ رہے اور اگر کافر اللہ کی رحمت سے کماحقہ واقف ہو جائے تو کسی کو بھی جنت سے مایوسی نہ ہو۔ اللہ نے سو رحمتیں بنائی ہیں جن میں سے صرف ایک بندوں کے درمیان رکھی ہے' اسی سے ایک دوسرے پر رحم و کرم کرتے ہیں۔ باقی ننانوے تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں' یہ حدیث ترمذی اور

مسلم شریف میں بھی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش کے وقت ایک کتاب لکھی جو عرش پر اس کے پاس ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے ایک کم ایک سو تو اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین پر نازل فرمایا اسی ایک حصے میں مخلوق کو ایک دوسرے پر شفقت و کرم ہے یہاں تک کہ جانور بھی اپنے بچے کے جسم سے اپنا پاؤں رحم کھا کر اٹھالیتا ہے کہ کہیں اسے تکلیف نہ ہو۔

الحمدللہ سورۂ انعام کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الاعراف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

اللہ رحم کرنے والے مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع

یہ ہے وہ کتاب جو تیری طرف نازل فرمائی گئی ہے پس اس کی تبلیغ سے تیرے سینے میں کوئی تنگی نہ ہونی چاہئے یہ اس لئے اتاری گئی ہے کہ اس کے ساتھ تو لوگوں کو چوکنا کر دے اور ایمان والوں کے لئے نصیحت ہو جائے ○ اسی کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اس کے سوائے اور رفیقوں کی تابعداری میں نہ لگ جانا تم تو بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو ○

(آیت: ۱۔۳) اس سورت کی ابتداء میں جو حروف ہیں ان کے متعلق جو کچھ بیان ہمیں کرنا تھا اسے تفصیل کے ساتھ سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں مع اختلاف علماء کے ہم لکھ آئے ہیں۔ ابن عباسؓ سے اس کے معنی میں مروی ہے کہ ''اس سے مراد انا اللہ افصل ہے یعنی میں اللہ ہوں میں تفصیل وار بیان فرما رہا ہوں۔''

سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ کتاب قرآن کریم تیری جانب تیرے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اس میں کوئی شک نہ کرنا تنگ دل نہ ہونا اس کے پہنچانے میں کسی سے نہ ڈرنا نہ کسی کا لحاظ کرنا بلکہ سابقہ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر و استقامت کے ساتھ کلام اللہ کی تبلیغ مخلوق الٰہی میں کرنا اس کا نزول اس لئے ہوا ہے کہ تو کافروں کو ڈرا کر ہوشیار اور چوکنا کر دے یہ قرآن مومنوں کے لئے نصیحت و عبرت وعظ اور نصیحت ہے۔'' اس کے بعد تمام دنیا کو حکم ہوتا ہے کہ ''اس نبی امی کی پوری پیروی کرو اس کے قدم بہ قدم چلو یہ تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہے کلام اللہ تمہارے پاس لایا ہے۔ وہ اللہ تم سب کا خالق مالک ہے اور تمام جان داروں کا رب ہے۔ خبردار ہرگز ہرگز نبی سے ہٹ کر دوسرے کی تابعداری نہ کرنا ورنہ حکم عدولی پر سزا ملے گی افسوس تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔'' جیسے فرمان ہے کہ ''گو تم چاہو لیکن اکثر لوگ اپنی بے ایمانی پر اڑے ہی رہیں گے۔'' اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد
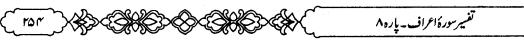
فرماتے ہیں وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی ''اگر تو انسانوں کی کثرت کی طرف جھک جائے گا تو وہ تجھے بہکا کر ہی چین لیں گے۔'' سورۂ یوسف میں فرمان ہے ''اکثر لوگ اللہ کو مانتے ہوئے بھی شرک سے باز نہیں رہتے۔''

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْــَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾

بہت سی وہ بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا' ان کے پاس ہمارا عذاب یا تو رات کے وقت آ گیا یا اس حالت میں کہ وہ دو پہر کے آرام میں تھے ○ پس جب ان کے پاس ہمارا عذاب آ گیا تو انہیں یہ کہتے بن پڑی کہ بیشک ہم ہی ناانصاف تھے ○ پھر یقیناً ہم ان لوگوں سے ہی سوال کریں گے جنکے پاس رسول بھیجے گئے اور خود رسولوں سے بھی ○ پھر ہم ان کے سب کے سامنے اپنے علم سے سب کچھ بیان کر دیں گے اور ہم غائب تو تھے ہی نہیں ○

سابقہ باغیوں کی بستیوں کے کھنڈرات باعث عبرت ہیں: ☆☆ (آیت:۴-۷) ان لوگوں کو جو ہمارے رسولوں کی مخالفت کرتے تھے' انہیں جھٹلاتے تھے' تم سے پہلے ہم ہلاک کر چکے ہیں' دنیا اور آخرت کی ذلت ان پر برس پڑی۔ جیسے فرمان ہے ''تجھ سے اگلے رسولوں سے بھی مذاق کیا گیا' لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ مذاق کرنے والوں کے مذاق نے انہیں تہہ و بالا کر دیا۔'' ایک اور آیت میں ہے۔ ''بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے غارت کر دیا جواب تک الٹی پڑی ہیں' اور جگہ ارشاد ہے' بہت سے اتراتے ہوئے لوگوں کے شہر ہم نے ویران کر دیئے' دیکھ لو کہ اب تک ان کے کھنڈرات تمہارے سامنے ہیں جو بہت کم آباد ہوئے' حقیقتاً وارث و مالک ہم ہی ہیں' ایسے ظالموں کے پاس ہمارے عذاب اچانک آ گئے اور وہ اپنی غفلتوں اور عیاشیوں میں مشغول تھے' کہیں دن کو دو پہر کے آرام کے وقت' کہیں رات کے سونے کے وقت۔

چنانچہ ایک آیت میں ہے اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ یعنی لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے سوتے ہوئے راتوں رات اچانک ہمارا عذاب آ جائے' یا انہیں ڈر نہیں کہ دن دیہاڑے دو پہر کو ان کے آرام کے وقت ان پر ہمارے عذاب آ جائیں؟ اور آیت میں ہے کہ مکاریوں کی وجہ سے ہماری نافرمانیاں کرنے والے اس بات سے نڈر ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ یا ان کے پاس عذاب الٰہی اس طرح آ جائے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے' یا اللہ انہیں ان کی بے خبری میں آرام کی گھڑیوں میں ہی پکڑ لے' کوئی نہیں جو اللہ کو عاجز کر سکے' یہ تو رب کی رحمت و رأفت ہے کہ جو گنہگار زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے آ جانے کے بعد تو یہ خود اپنی زبانوں سے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے لیکن اس وقت کیا نفع؟ اسی مضمون کو آیت وَكَمْ قَصَمْنَا میں بیان فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ بندوں کے عذر ختم نہیں کر دیتا' انہیں عذاب نہیں کرتا۔ عبدالملک سے جب یہ حدیث ان کے شاگردوں نے سنی تو دریافت کیا کہ اس کی صورت کیا ہے؟ تو آپ نے یہ آیت فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ الخ' پڑھ کر سنائی۔ پھر فرمایا' امتوں سے بھی' ان کے رسولوں سے بھی یعنی سب سے قیامت کے دن سوال ہوگا۔ جیسے فرمان ہے وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی اس دن ندا کی جائے گی اور دریافت کیا جائے گا کہ تم

نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ اس آیت میں امتوں سے سوال کیا جانا بیان کیا گیا ہے۔ اور آیت میں ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ الخ' رسولوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جمع کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں' غیب کا جاننے والا تو بے شک تو ہی ہے۔ پس امت سے رسولوں کی قبولیت کی بابت اور رسولوں سے تبلیغ کی بابت قیامت کے دن سوال ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تم میں سے ہر ایک با اختیار ہے اور اپنے زیر اختیار لوگوں کی بابت اس سے سوال کیا جانے والا ہے' بادشاہ سے اس کی رعایا کا' ہر آدمی سے اس کے اہل وعیال کا' ہر عورت سے اس کے خاوند کے گھر کا' ہر غلام سے اس کے آقا کے مال کا سوال ہوگا۔ راوی حدیث حضرت طاؤس ؒ نے اس حدیث کو بیان فرما کر پھر آیت کی تلاوت کی۔ اس زیادتی کے بغیر یہ حدیث بخاری ومسلم کی نکالی ہوئی بھی ہے اور زیادتی ابن مردویہ نے نقل کی ہے۔ قیامت کے دن اعمال نامے رکھے جائیں گے اور سارے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اعمال کی خبر دے گا' کسی کے عمل کے وقت اللہ غائب نہ تھا' ہر ایک چھوٹے بڑے چھپے کھلے عمل کی اللہ کی طرف سے خبر دی جائے گی' اللہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے۔ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ وہ کسی چیز سے غافل ہے۔ آنکھوں کی خیانت سے' سینوں کی چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہے' ہر پتے کے جھڑنے کا اسے علم ہے' زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ ہوتا ہے' اسے بھی وہ جانتا ہے' تر اور خشک چیز اس کے پاس کھلی کتاب میں موجود ہے۔

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ﹰالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾

اس دن عدل وانصاف کے ساتھ اعمال کا تول ہونا ہی ہے' جن کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو گیا' وہ چھٹکارا پانے والے ہیں ○ اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہو گیا' یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان آپ کیا کیونکہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے ○

میزان اور اعمال کا دین: ☆☆ (آیت: ۸-۹) قیامت کے دن نیکی' بدی' انصاف وعدل کے ساتھ تولی جائے گی' اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ جیسے فرمان ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ الخ قیامت کے دن ہم عدل کی ترازو رکھیں گے' کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا' رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے میں کافی ہیں۔ اور آیت میں ہے ''اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا' وہ نیکی کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔'' سورۂ القارعہ میں فرمایا جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا' اسے عیش ونشاط کی زندگی ملی اور جس کا نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو گیا' اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے' جو بھڑکتی ہوئی آگ کے خزانے کا نام ہے۔

اور آیت میں ہے فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ یعنی جب نفخہ پھونک دیا جائے گا' تو سارے رشتے ناتے اور نسب حسب ٹوٹ جائیں گے' کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا' اگر تول میں نیک اعمال بڑھ گئے تو فلاح پالی' ورنہ خسارے کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

فصل: کوئی تو کہتا ہے کہ خود اعمال تولے جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے' نامہ اعمال تولے جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے' خود عمل کرنے والے تولے جائیں گے۔ کبھی نامہ اعمال' کبھی خود اعمال کرنے والے واللہ اعلم۔ ان تینوں باتوں کی دلیلیں بھی موجود ہیں۔ پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ اعمال گو ایک بے جسم چیز ہیں' لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں جسم عطا فرمائے گا جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل

عمران قیامت کے دن دو سائبانوں کی' یا دو بادلوں کی' یا پر پھیلائے ہوئے پرندوں کے دو جھنڈ کی صورت میں آئیں گی۔ اور حدیث میں وہ ہے کہ قرآن اپنے قاری اور عامل کے پاس ایک نوجوان' خوش شکل' نورانی چہرے والے کی صورت میں آئے گا' یہ اسے دیکھ کر پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں قرآن ہوں اور جو تجھے راتوں کو سونے نہیں دیتا تھا اور دن میں پانی پینے سے روکتا تھا۔ حضرت براءؓ والی حدیث میں جس میں قبر کے سوال جواب کا ذکر ہے' اس میں یہ بھی فرمان ہے کہ مومن کے پاس ایک نوجوان خوبصورت خوشبودار آئے گا' یہ اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اور کافر و منافق کے پاس اس کے برخلاف شخص کے آنے کا بیان ہے' یہ تو تھیں پہلے قول کی دلیلیں۔ دوسرے قول کی دلیلیں یہ ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے (۹۹) دفتر پھیلائے جائیں گے جس میں سے ہر ایک اتنا بڑا ہوگا' جتنی دور تک نظر پہنچے' پھر ایک پرچہ نیکی کا لایا جائے گا جس پر لا الہ الا اللہ ہوگا' یہ کہے گا' یا اللہ یہ اتنا سا پرچہ ان دفتروں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' تو اس سے بے خطر رہ کہ تجھ پر ظلم کیا جائے۔ اب وہ پرچہ ان دفتروں کے مقابلے میں نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا' تو وہ سب دفتر اونچے ہو جائیں گے اور یہ سب سے زیادہ وزن دار اور بھاری ہو جائیں گے (ترمذی) تیسرا قول بھی دلیل رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے' ایک بہت موٹا تازہ گنہگار انسان اللہ کے سامنے لایا جائے گا لیکن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن اللہ کے پاس اس کا نہ ہوگا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تعریف میں جو احادیث ہیں ان میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' ان کی پتلی پنڈلیوں پہ نہ جانا' اللہ کی قسم اللہ کے نزدیک یہ احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزن دار ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ۧ

ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کا ٹھکانا بھی دیا اور وہیں تمہاری زندگی کے اسباب بھی مہیا کر دیئے لیکن تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو ○

اللہ تعالیٰ کے احسانات : ☆☆ (آیت:۱۰) اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرما رہا ہے کہ اس نے زمین اپنے بندوں کے رہنے سہنے کے لئے بنائی' اس میں مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے کہ ہلے جلے نہیں' اس میں چشمے جاری کئے' اس میں منزلیں اور گھر بنانے کی طاقت انسان کو عطا فرمائی اور بہت سی نفع کی چیزیں اس لئے پیدائش فرمائیں' ابر مقرر کر کے اس میں سے پانی برسا کر ان کے لئے کھیت اور باغات پیدا کئے۔ تلاش معاش کے وسائل مہیا فرمائے' تجارت اور کمائی کے طریقے سکھا دیئے' باوجود اس کے اکثر لوگ پوری شکر گزاری نہیں کرتے ایک آیت میں فرمان ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے بیٹھو تو یہ بھی تمہارے بس کی بات نہیں' لیکن انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے۔ مَعَايِشْ تو جمہور کی قرات ہے لیکن عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج مَعَآئِشْ پڑھتے ہیں اور ٹھیک وہی ہے جس پر اکثریت ہے' اس لئے کہ معایش جمع ہے مَعِيْشَة" کی' اس کا باب عَاشَ يَعِيْشُ عَيْشًا ہے مَعِيْشَة" کی اصل مَعْيِشَة" ہے۔ کسرہ پر ثقیل تھا۔ نقل کر کے ماقبل کو دیا مَعِيْشَة" ہو گیا لیکن جمع کے وقت پھر کسرہ پر آ گیا کیونکہ اب ثقل نہ رہا۔ پس مَفَاعِلٌ کے وزن پر معایش ہو گیا کیونکہ اس کلمہ میں ''یا'' اصلی ہے۔ بخلاف مدائن' صحائف اور بصائر کے جو مدینہ' صحیفہ اور بصیرہ کی جمع ہے۔ باب مدن صحف اور البصر سے ان میں چونکہ ''یا'' زائد ہے' اس لئے ہمزہ دی جاتی ہے اور مفاعل کے وزن پر جمع آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾

ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا' پھر تمہاری صورتیں بنائیں' پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کریں چنانچہ سوائے ابلیس کے سب نے کیا' وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا ○

ابلیس' آدم (علیہ السلام) اور نسل آدم: ☆☆ (آیت:۱۱) اللہ تعالیٰ انسان کے شرف کو اسطرح بیان فرماتا ہے کہ تمہارے باپ آدم کو میں نے خود ہی بنایا اور ابلیس کی عداوت کو بیان فرما رہا ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم کا حسد کیا' ہمارے فرمان سے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر اس نے نافرمانی کی' پس تمہیں چاہئے کہ دشمن کو دشمن سمجھو' اس کے داؤ پیچ سے ہوشیار رہو۔ اسی واقعہ کا ذکر آیت وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا میں بھی ہے۔ حضرت آدمؑ کو پروردگار نے اپنے ہاتھ سے مٹی سے بنایا' انسانی صورت عطا فرمائی' پھر اپنے پاس سے اس میں روح پھونکی' پھر اپنی شان کی جلالت منوانے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کے سامنے جھک جاؤ' سب نے سنتے ہی اطاعت کی لیکن ابلیس نہ مانا' اس واقعہ کو سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم خلاصہ وار لکھ آئے ہیں۔ اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور اسی کو امام بن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی پسند فرمایا ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انسان اپنے باپ کی پیٹھ میں پیدا کیا جاتا ہے اور اپنی ماں کے پیٹ میں صورت دیا جاتا ہے اور بعض سلف نے بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں مراد اولاد آدم ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ آدم کو پیدا کیا' پھر اس کی اولاد کی صورت بنائی' لیکن یہ سب اقوال غور طلب ہیں' کیونکہ آیت میں اس کے بعد ہی فرشتوں کے سجدے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہی ہوا تھا' جمع کے صیغہ سے اس کا بیان اس لئے ہوا کہ حضرت آدمؑ تمام انسانوں کے باپ ہیں' آیت وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ الخ اس کی نظیر ہے۔ یہاں خطاب ان بنی اسرائیل سے ہے جو حضورؐ کے زمانے میں موجود تھے اور دراصل ابر کا سایہ ان کے سابقہ لوگوں پر ہوا تھا جو حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں تھے نہ کہ ان پر' لیکن چونکہ ان کے اکابر پر سایہ کرنا ایسا احسان تھا کہ ان کو بھی اس کا شکرگزار ہونا چاہئے تھا' اس لئے انہی کو خطاب کر کے اپنی وہ نعمت یاد دلائی۔ یہاں یہ بات واضح ہے اس کے بالکل برعکس آیت وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ الخ ہے کہ مراد آدمؑ ہیں کیونکہ صرف وہی مٹی سے بنائے گئے' ان کی کل اولاد نطفے سے پیدا ہوئی اور یہی صحیح ہے کیونکہ مراد جنس انسان ہے نہ کہ معین۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

جناب باری نے فرمایا کہ تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟ جبکہ تجھے میرا حکم ہو چکا تھا' اس نے جواب دیا میں اس میں افضل ہوں' مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے اور اسے مٹی سے ○

عذر گناہ بدتر از گناہ: ☆☆ (آیت:۱۲) اَلَّا تَسْجُدَ میں لا بقول بعض نحویوں کے زائد ہے اور بعض کے نزدیک انکار کی تاکید کے لئے ہے۔ جیسے کہ شاعر کے قول ما ان رایت ولا سمعت بمثله میں ''ما'' نافیہ پر ''ان'' نفی کے لئے صرف تاکیداً داخل ہوا ہے۔ اسی

طرح یہاں بھی ہے کہ پہلے لَمۡ یَکُنۡ مِّنَ السّٰجِدِیۡنَ ہے' پھر مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ ہے۔

امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ ان دونوں اقوال کو بیان کر کے انہیں رد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں منعك ایک دوسرے فعل مقدر کا متضمن ہے تو تقدیر عبارت یوں ہوئی ما احوجك و الزمك و اضطرك الا تسجداذا مرتك یعنی تجھے کس چیز نے بے بس محتاج اور ملزم کر دیا ہے کہ تو سجدہ نہ کرے؟ وغیرہ' یہ قول بہت ہی قوی ہے اور بہت عمدہ ہے۔ واللہ اعلم۔ ابلیس نے جو وجہ بتائی' سچ تو یہ ہے کہ وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کی مصداق ہے۔ گویا وہ اطاعت سے اس لئے باز رہتا ہے کہ اس کے نزدیک فاضل کو مفضول کے سامنے سجدہ کئے جانے کا حکم ہی نہیں دیا جاسکتا' تو وہ ملعون کہہ رہا ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں' پھر مجھے اس کے سامنے جھکنے کا حکم کیوں ہو رہا ہے؟ پھر اپنے بہتر ہونے کے ثبوت میں کہتا ہے کہ میں آگ سے بنا یہ مٹی سے' ملعون اصل عنصر کو دیکھتا ہے اور اس فضیلت کو بھول جاتا ہے کہ مٹی والے کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور اپنی روح پھونکی ہے' پس اس وجہ سے کہ اس نے فرمان الٰہی کے مقابلے میں قیاس فاسد سے کام لیا اور سجدے سے رک گیا' اللہ کی رحمتوں سے دور کر دیا گیا اور تمام نعمتوں سے محروم ہو گیا۔ اس ملعون نے اپنے قیاس اور اپنے دعوے میں بھی خطا کی۔ مٹی کے اوصاف ہیں' نرم ہونا' حامل مشقت ہونا' دوسروں کا بوجھ سہارنا' چیزوں کو اگانا' بڑھانا' پرورش کرنا' اصلاح کرنا وغیرہ اور آگ کی صفت ہے جلدی کرنا' جلا دینا' بے چینی پھیلانا' پھونک دینا' اسی وجہ سے ابلیس اپنے گناہ پر اڑ گیا اور حضرت آدمؑ نے اپنے گناہ کی معذرت کی' اس سے توبہ کی اور اللہ کی طرف رجوع کیا' رب کے احکام کو تسلیم کیا' اپنے گناہ کا اقرار کیا' رب سے معافی چاہی' بخشش کے طالب ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں' ابلیس آگ کے شعلے سے اور انسان اس چیز سے جو تمہارے سامنے بیان کر دی گئی ہے یعنی مٹی سے (مسلم) ایک اور روایت میں ہے' فرشتے نور عرش سے جنات آگ سے۔ ایک غیر صحیح حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ حور عین زعفران سے بنائی گئی ہیں۔ امام حسنؒ فرماتے ہیں' ابلیس نے یہ کام کیا اور یہی پہلا شخص ہے جس نے قیاس کا دروازہ کھولا' اس کی اسناد صحیح ہے۔ حضرت امام ابن سیرین رحمتہ اللہ فرماتے ہیں سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس ہے' یاد رکھو سورج چاند کی پرستش اسی کی بدولت شروع ہوئی ہے اور اس کی اسناد بھی صحیح ہے۔

قَالَ فَاهۡبِطۡ مِنۡهَا فَمَا يَكُوۡنُ لَكَ اَنۡ تَتَكَبَّرَ فِيۡهَا فَاخۡرُجۡ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيۡنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ‌ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ ﴿۱۷﴾

اس پر اللہ نے فرمایا' تو جنت سے اتر جا' تیری اتنی ہستی نہیں کہ تو یہاں شیخی خوری کرے' جا نکل' تو بڑے ہی ذلیلوں میں سے ہے ○ کہنے لگا مجھے دوبارہ کھڑا کئے جانے کے دن تک کی مہلت عطا فرما ○ جواب ملا کہ ہاں ہاں تو مہلت دیئے گئے ہوؤں میں سے ہے ○ شیطان کہنے لگا چونکہ تو نے مجھے بے راہ کر دیا ہے' اب میں تیری سیدھی راہ پر انہیں بہکانے کے لئے بیٹھ جاؤں گا ○ اور ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے آتا

رہوں گا' تو ان میں سے اکثروں کا اپنا شکر گزار نہ پائے گا○

نافرمانی کی سزا: ☆☆ (آیت:۱۳-۱۵) ابلیس کو اسی وقت حکم ملا کہ ''میری نافرمانی اور میری اطاعت سے رکنے کے باعث اب تو یہاں جنت میں نہیں رہ سکتا' یہاں سے اتر جا کیونکہ یہ جگہ تکبر کرنے کی نہیں -'' بعض نے کہا ہے فیھا کی ضمیر کا مرجع منزلت ہے یعنی جن ملکوت اعلیٰ میں تو ہے' اس مرتبے میں کوئی سرکش رہ نہیں سکتا' جا یہاں سے چلا جا' تو اپنی سرکشی کے بدلے ذلیل و خوار ہستیوں میں شامل کر دیا گیا' تیری ضد اور ہٹ کی یہی سزا ہے - اب لعین گھبرایا اور اللہ سے مہلت چاہنے لگا کہ مجھے قیامت تک کی ڈھیل دی جائے - چونکہ جناب باری جل جلالہ کی اس میں مصلحتیں اور حکمتیں تھیں' اچھے اور بروں کو دنیا میں ظاہر کرنا تھا اور اپنی حجت پوری کرنا تھی' اس ملعون کی اس درخواست کو منظور فرما لیا - اس حاکم پر کسی کی حکومت نہیں' اس کے سامنے بولنے کی کسی کو مجال نہیں' کوئی نہیں جو اس کے ارادے کو ٹال سکے' کوئی نہیں جو اس کے حکم کو بدل سکے' وہ سریع الحساب ہے -

ابلیس کا طریقۂ واردات' اس کی اپنی زبانی: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۷) ابلیس نے جب عہد الٰہی لے لیا تو اب بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگا کہ جیسے تو نے میری راہ ماری میں بھی آدم کی اولاد کی راہ ماروں گا اور حق و نجات کے سیدھے راستے سے انہیں روکوں گا' تیری توحید سے بہکا کر' تیری عبادت سے سب کو ہٹا دوں گا - بعض نحوی کہتے ہیں کہ فبما میں ''با'' قسم کے لئے ہے' یعنی مجھے قسم ہے اپنی بربادی کے مقابلے میں اس کی اولاد کو برباد کر کے رہوں گا - عون بن عبداللہ کہتے ہیں' میں مکے کے راستے پر بیٹھ جاؤں گا لیکن صحیح یہی ہے کہ نیکی کے ہر راستے پر -

چنانچہ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ شیطان ابن آدم کی تمام راہوں میں بیٹھتا ہے وہ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بننے کے لئے اسلام لانے والے کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے کہ تو اپنے آپ اور اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑتا ہے - اللہ کو اگر بہتری منظور ہوتی ہے تو وہ اس کی باتوں میں نہیں آتا اور اسلام قبول کر لیتا ہے - ہجرت کی راہ سے روکنے کے لئے آڑے آتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تو اپنے وطن کو کیوں چھوڑتا ہے؟ اپنی زمین و آسمان سے کیوں الگ ہوتا ہے؟ غربت و بے کسی کی زندگی کیوں اختیار کرتا ہے؟ لیکن مسلمان اس کے بہکاوے میں نہیں آتا اور ہجرت کر گذرتا ہے - پھر جہاد کی روک کے لئے آتا ہے اور جہاد مال سے ہے اور جان سے - اس سے کہتا ہے کہ تو کیوں جہاد میں جاتا ہے؟ وہاں قتل کر دیا جائے گا' پھر تیری بیوی دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی' تیرا مال اوروں کے قبضے میں چلا جائے گا' لیکن مسلمان اس کی نہیں مانتا اور جہاد میں قدم رکھ دیتا ہے' پس ایسے لوگوں کا اللہ پر حق ہے کہ وہ انہیں جنت میں لے جائے گو وہ جانور سے گر کر ہی مر جائیں - اس دوسری آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ کا قول ہے کہ آگے سے آنے کا مطلب آخرت کے معاملہ میں شک و شبہ پیدا کرنا ہے - دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی رغبتیں دلاؤں گا - دائیں طرف سے آنا امر دین کو مشکوک کرنا ہے' بائیں طرف سے آنا گناہوں کو لذیذ بنانا ہے' شیطانوں کا یہی کام ہے - ایک اور روایت میں ہے کہ شیطان کہتا ہے میں اس کی دنیا و آخرت' نیکیاں' بھلائیاں سب تباہ کر دینے کی کوشش میں رہوں گا اور برائیوں کی طرف ان کی رہبری کروں گا - وہ سامنے سے آ کر کہتا ہے کہ جنت دوزخ قیامت کوئی چیز نہیں' وہ پشت کی جانب سے آ کر کہتا ہے' دیکھ دنیا کس قدر زینت دار ہے' وہ دائیں طرف سے آ کر کہتا ہے' خبردار نیکی کی راہ بہت کٹھن ہے' وہ بائیں سے آ کر کہتا ہے دیکھ گناہ کس قدر لذیذ ہیں' پس ہر طرف سے آ کر ہر طرح بہکاتا ہے' ہاں یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ اوپر کی طرف سے نہیں آ سکتا - اللہ کے بندے کے درمیان حائل ہو کر رحمت الٰہی کی روک نہیں بن سکتا' پس سامنے' یعنی دنیا اور پیچھے' یعنی آخرت اور دائیں' یعنی اس طرح کہ دیکھیں اور بائیں' یعنی اس طرح نہ دیکھ سکیں' یہ سب اقوال ٹھیک ہیں -

امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ تمام خیر کے کاموں سے روکتا ہے اور شر کے تمام کام سمجھا جاتا ہے' اوپر کی سمت کا نام آیت میں نہیں' وہ سمت رحمت رب کے آنے کے لئے خالی ہے اور وہاں شیطان کی روک نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اکثروں کو تو شاکر نہیں پائے گا یعنی موحد۔ ابلیس کو یہ وہم ہی وہم تھا لیکن نکلا مطابق واقعہ۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ الخ یعنی ابلیس نے اپنا گمان پورا کر دکھایا سوائے مومنوں کی پاکباز جماعت کے اور لوگ اس کے مطیع بن گئے' حالانکہ شیطان کی کچھ حکومت تو ان پر نہ تھی' مگر ہاں ہم صحیح طور سے ایمان رکھنے والوں کو اور شکی لوگوں کو الگ الگ کر دینا چاہتے تھے' تیرا رب ہر چیز کا حافظ ہے۔ مسند بزار کی ایک حسن حدیث میں ہر طرف سے پناہ مانگنے کی ایک دعا آئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں اللھم انی اسئلك العفو و العافية فی دینی و دنیای و اھلی و مالی اللھم استر عوراتی و امن روعاتی و احفظنی من بین یدی و من خلفی و عن یمینی و عن شمالی و من فوقی و اعوذبك اللھم ان اغتال من تحتی مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ ہر صبح شام اس دعا کو پڑھتے تھے اللھم انی اسئلك العافية فی الدین و الاخرة اس کے بعد کی دعا کے کچھ فرق سے قریباً وہی الفاظ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

فرمایا یہاں سے نکل باہر ہو' تو ذلیل و خوار اور رندہ درگارہ ہو کر' ان انسانوں میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا میں تم سب سے جہنم کو پر کر دوں گا ○ اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ پیو مگر اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ○ لیکن شیطان نے انہیں وسوسہ ڈالا تاکہ ان پر وہ چیزیں کھول دے جو ان پر پوشیدہ کر دی گئی تھیں یعنی ان کی شرمگاہیں اور کہنے لگا' تمہارے پروردگار نے جو اس درخت سے تمہیں روک دیا ہے' یہ صرف اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہنے والے بن جاؤ ○ اور ان کے سامنے قسمیں کھا کھا کر انہیں یقین دلانے لگا کہ میں تمہارے خیر خواہوں میں ہوں ○

اللہ تعالیٰ کے نافرمان جہنم کا ایندھن ہیں: ☆☆ (آیت:۱۸) اس پر اللہ کی لعنت نازل ہوتی ہے' رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے' فرشتوں کی جماعت سے الگ کر دیا جاتا ہے' عیب دار کر کے اتار دیا جاتا ہے' لفظ ''مذؤم'' ماخوذ ہے ''ذام'' اور ''ذیم'' سے' یہ لفظ بہ نسبت لفظ ''ذم'' کے زیادہ مبالغے والا ہے' پس اس کے معنی عیب دار کے ہوئے اور مدحور کے معنی دور کئے ہوئے کے ہیں' مقصد دونوں سے ایک ہی ہے۔ پس یہ ذلیل ہو کر اللہ کے غضب میں مبتلا ہو کر نیچے اتار دیا گیا' اللہ کی لعنت اس پر نازل ہوئی اور نکال دیا گیا اور فرمایا گیا کہ تو اور تیرے ماننے والے سب کے سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ الخ تمہاری سب کی سزا جہنم ہے۔ تو جس

طرح چاہے انہیں بہکا' لیکن اس سے مایوس ہو جا کہ میرے خاص بندے تیرے وسوسوں میں آ جائیں گے (کیونکہ) ان کا وکیل میں خود ہوں۔

پہلا امتحان اور اسی میں لغزش اور اس کا انجام: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۱) ابلیس کو نکال کر حضرت آدم وحوا کو جنت میں پہنچا دیا گیا اور بجز ایک درخت کے انہیں ساری جنت کی چیزیں کھانے کی رخصت دے دی گئی' اس کا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ شیطان کو اس سے بڑا ہی حسد ہوا' ان کی نعمتوں کو دیکھ کر لعین جل گیا اور ٹھان لی کہ جس طرح سے ہو انہیں بہکا کر اللہ کے خلاف کر دوں' چنانچہ جھوٹ افترا باندھ کر ان سے کہنے لگا کہ دیکھو یہ درخت وہ ہے جس کے کھانے سے تم فرشتے بن جاؤ گے اور ہمیشہ کی زندگی اسی جنت میں پاؤ گے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ابلیس نے کہا میں تمہیں ایک درخت کا پتہ دیتا ہوں جس سے تمہیں بقا اور ہمیشگی والا ملک مل جائے گا۔ یہاں ہے کہ ان سے کہا' تمہیں اس درخت سے صرف اس لئے روکا گیا ہے کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ۔ جیسے فرمان ہے یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا مطلب ہے کہ لئلا تضلوا اور آیت میں ہے اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ یہاں بھی یہی مطلب ہے۔ مَلَكَيْنِ کی دوسری قرات مَلِكَيْنِ بھی ہے لیکن جمہور کی قرات لام کے زبر کے ساتھ ہے۔ پھر اپنا اعتبار جمانے کے لئے قسمیں کھانے لگا کہ دیکھو میری بات کو سچ مانو میں تمہارا خیر خواہ ہوں' تم سے پہلے سے ہی یہاں رہتا ہوں' ہر ایک چیز کے خواص سے واقف ہوں تم اسے کھا لو بس پھر یہیں رہو گے' بلکہ فرشتے بن جاؤ گے۔ قاسم باب مفاعلہ سے ہے اور اس کی خاصیت طرفین کی مشارکت ہے لیکن یہاں یہ خاصیت نہیں ہے' ایسے اشعار بھی ہیں جہاں قاسم آیا ہے اور صرف ایک طرف کے لئے۔ اس قسم کی وجہ سے اس خبیث کے بہکاوے میں حضرت آدمؑ آ گئے۔ سچ ہے مومن اس وقت دھوکا کھا جاتا ہے جب کوئی ناپاک انسان اللہ کو بیچ میں دیتا ہے۔ چنانچہ سلف کا قول ہے کہ (مومن) اللہ کے نام کے بعد اپنے ہتھیار ڈال دیا کرتے ہیں۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾

غرض دھوکے سے انہیں مائل کر ہی لیا' جوں ہی انہوں نے اس درخت کو چکھا' ان کی شرمگاہیں ان پر کھل گئیں' اب جنت کے درختوں کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے' اسی وقت ان کے رب نے انہیں آواز دی' کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا؟ اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے؟ ○ دونوں دعائیں کرنے لگے کہ ہمارے پروردگار بیشک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' اب اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم نامراد اور برباد ہو جائیں گے ○

لغزش کے بعد کیا ہوا؟: ☆☆ (آیت:۲۲-۲۳) ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''حضرت آدم علیہ السلام کا قد مثل درخت کھجور کے بہت لمبا تھا اور سر پر بہت لمبے لمبے بال تھے' درخت کھانے سے پہلے انہیں اپنی شرمگاہ کا علم بھی نہ تھا' نظر ہی نہ پڑی تھی' لیکن اس خطا کے ہوتے ہی وہ ظاہر ہو گئی' بھاگنے لگے تو بال ایک درخت میں الجھ گئے' کہنے لگے اے درخت مجھے چھوڑ دے' درخت سے جواب ملا' ناممکن ہے' اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے آدم مجھ سے بھاگ رہا ہے؟ کہنے لگے' یا اللہ شرمندگی ہے' شرمسار ہوں'' گو یہ روایت مرفوع بھی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح موقوف ہونا ہی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''درخت کا پھل کھا لیا اور چھپانے کی چیز ظاہر ہو گئی'

جنت کے پتوں سے چھپانے لگے' ایک کو ایک کونے پر چپکانے لگے' حضرت آدمؑ مارے غیرت کے ادھر ادھر بھاگنے لگے' لیکن ایک درخت کے ساتھ الجھ کر رہ گئے' اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ آدم مجھ سے بھاگتا ہے؟ آپ نے فرمایا' نہیں یا اللہ مگر شرماتا ہوں' جناب باری نے فرمایا' آدمؑ جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا تھا' کیا وہ تجھے کافی نہ تھا؟ آپ نے جواب دیا' بے شک کافی تھا' لیکن یا اللہ مجھے یہ علم نہ تھا کہ کوئی تیرا نام لے کر تیری قسم کھا کر جھوٹ کہے گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اب تو میری نافرمانی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور تکلیفیں اٹھانا ہوں گی۔

چنانچہ جنت سے دونوں کو اتار دیا گیا' اب اس کشادگی کے بعد یہ تنگی ان پر بہت گراں گذری' کھانے پینے کو ترس گئے' پھر انہیں لوہے کی صنعت سکھائی گئی' کھیتی کا کام بتایا گیا' آپ نے زمین صاف کی' دانے بوئے' وہ اُگے بڑھے' بالیں نکلیں' دانے پکے' پھر توڑے گئے' پھر پیسے گئے' آٹا گندھا' پھر روٹی تیار ہوئی' پھر کھائی۔ جب جا کر بھوک کی تکلیف سے نجات پائی۔ ''تین'' کے پتوں سے اپنا آگا پیچھا چھپاتے پھرتے تھے جو مثل کپڑے کے تھے' وہ نورانی پردے جن سے ایک دوسرے سے یہ اعضاء چھپائے ہوئے تھے' نافرمانی ہوتے ہی ہٹ گئے اور وہ نظر آنے لگے۔ حضرت آدمؑ اسی وقت اللہ کی طرف رغبت کرنے لگے' توبہ استغفار کی طرف جھک پڑے' بخلاف ابلیس کے کہ اس نے سزا کا نام سنتے ہی اپنے ابلیسی ہتھیار یعنی ہمیشہ کی زندگی وغیرہ طلب کی' اللہ نے دونوں کی دعا سنی اور دونوں کو طلب کردہ چیزیں عنایت فرمائیں۔''

مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نے جب درخت سے کھا لیا' اسی وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اس درخت سے میں نے تمہیں روک دیا تھا' پھر تم نے اسے کیوں کھایا؟ کہنے لگے' حواء نے مجھے اس کی رغبت دلائی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا' ان کی سزا یہ ہے کہ حمل کی حالت میں بھی تکلیف میں رہیں گی' بچہ ہونے کے وقت بھی تکلیف اٹھائیں گی' یہ سنتے حضرت حواء نے نوحہ شروع کیا' حکم ہوا کہ یہی تجھ پر اور تیری اولاد پر لکھ دیا گیا۔ حضرت آدمؑ نے جناب باری میں عرض کی اور اللہ نے انہیں دعا سکھائی' انہوں نے دعا کی جو قبول ہوئی اور قصور معاف فرما دیا گیا۔ فالحمد للہ!

قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾ ع ۱۵

فرمایا تم سب اتر جاؤ' تم ایک دوسرے کے دشمن ہو' تمہارے لئے زمین میں ہی ایک وقت مقرر تک رہنا سہنا ہے اور سامان زندگی بھی ○ یہ بھی فرما دیا کہ یہیں زمین میں ہی زندگی گزارو گے اور یہیں تم مرو گے اور اسی سے تم نکال کھڑے کئے جاؤ گے ○

سفر ارضی کے بارہ میں یہودی روایات: ☆☆ (آیت: ۲۴-۲۵) بعض کہتے ہیں یہ خطاب حضرت آدمؑ حضرت حوا' شیطان ملعون اور سانپ کو ہے۔ بعض سانپ کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ ظاہر ہے کہ اصل مقصد حضرت آدمؑ ہیں اور شیطان ملعون۔ جیسے سورۂ طٰہٰ میں ہے اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا حوا حضرت آدمؑ کے تابع تھیں اور سانپ کا ذکر اگر صحت تک پہنچ جائے تو وہ ابلیس کے حکم میں آ گیا۔ مفسرین نے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں کہ آدم کہاں اترے اور شیطان کہاں پھینکا گیا وغیرہ۔ لیکن دراصل ان کا مخرج بنی اسرائیل کی روایات ہیں اور ان کی صحت کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس جگہ کے جان لینے سے کوئی فائدہ نہیں' اگر ہوتا تو ان کا بیان قرآن میں یا حدیث میں ضرور ہوتا۔ کہہ دیا گیا کہ اب تمہارے قرار کی جگہ زمین ہے' وہیں تم اپنی مقررہ زندگی کے دن پورے کرو گے جیسے کہ ہماری پہلی کتاب لوح محفوظ میں پہلے سے ہی لکھا ہوا موجود ہے۔ اسی زمین پر جیو گے اور مرنے کے بعد بھی اسی میں دبائے جاؤ گے اور پھر حشر و نشر بھی اسی میں ہوگا۔ جیسے فرمان ہے

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى پس اولاد آدم کی زندگی گذارنے کی جگہ بھی یہی ہے اور مرنے کی جگہ بھی یہی' قبریں بھی اسی میں اور قیامت کے دن اٹھیں گے بھی اسی سے' پھر بدلہ دیئے جائیں گے۔

يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسًا يُّوَارِىۡ سَوۡاٰتِكُمۡ وَرِيۡشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقۡوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيۡرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ﴿۲۶﴾

اے فرزندان آدم ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا ہے جو تمہارے پردے کی چیزوں کو ڈھانپتا ہے اور ہم نے زینت کا پہناوا بھی اتارا ہے' ہاں پرہیز گاری کا لباس وہی سب سے بہتر ہے' یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ سمجھ بوجھ لیں ۝

لباس اور داڑھی جمال وجلال: ☆☆ (آیت:۲۶) یہاں اللہ تعالیٰ اپنا احسان یاد دلاتا ہے کہ اس نے لباس اتارا اور ریش بھی' لباس تو وہ ہے جس سے انسان اپنا ستر چھپائے اور ریش وہ ہے جو بطور زینت رونق اور جمال کے پہنا جائے۔ لباس تو ضروریات زندگی سے ہے اور ریش زیادتی ہے' ریش کے معنی مال کے بھی ہیں اور ظاہری پوشاک کے بھی ہیں اور جمال وخوش لباسی کے بھی ہیں۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے نیا کرتہ پہنتے ہوئے جبکہ گلے تک وہ پہن لیا' تو فرمایا الحمد لله الذی کسانی ما اواری به عورتی واتجمل به فی حیاتی پھر فرمانے لگے' میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے' فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے' جو شخص نیا کپڑا پہنے اور اس کے گلے تک پہنچتے ہی یہ دعا پڑھے' پھر پرانا کپڑا راہ اللہ دے دے تو وہ اللہ کے ذمہ میں' اللہ کی پناہ میں اور اللہ کی حفاظت میں آ جاتا ہے' زندگی میں بھی اور بعد از مرگ بھی (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ)۔ مسند احمد میں ہے حضرت علیؓ نے ایک نوجوان سے ایک کرتہ تین درہم میں خریدا اور اسے پہنا' جب پہنچوں اور ٹخنوں تک پہنچا تو آپ نے یہ دعا پڑھی الحمد لله الذی رزقنی من ریاش ماأتجمل به فی الناس واواری به عورتی یہ دعا سن کر آپ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ اسے کپڑا پہننے کے وقت پڑھتے تھے' یا آپ از خود اسے پڑھ رہے ہیں؟ فرمایا میں نے اسے حضورؐ سے سنا ہے۔

لِبَاسُ التقوی کی دوسری قرات لِبَاسَ التقوی سین کے زبر سے بھی ہے۔ رفع سے پڑھنے والے اسے مبتدا کہتے ہیں اور اس کے بعد کا جملہ اس کی خبر ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد قیامت کے دن پرہیز گاروں کو جو لباس عطا ہوگا' وہ ہے۔'' ابن جریج کا قول ہے ''لباس تقویٰ ایمان ہے۔'' ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''عمل صالح ہے اور اسی سے ہنس مکھ ہوتا ہے۔'' عروہؒ کہتے ہیں ''مراد اس سے مشیت ربانی ہے۔'' عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں ''اللہ کے ڈر سے اپنی ستر پوشی کرنا لباس تقویٰ ہے۔'' یہ تمام اقوال آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ مراد یہ سب کچھ ہے اور یہ سب چیزیں ملی جلی اور آپس میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ ایک ضعیف سند والی روایت میں حضرت حسن سے مرقوم ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منبر نبویؐ پر کھلی گھنڈیوں کا کرتا پہنے ہوئے کھڑا دیکھا' اس وقت آپ کتوں کے مار ڈالنے اور کبوتر بازی کی ممانعت کا حکم دے رہے تھے' پھر آپ نے فرمایا' لوگو اللہ سے ڈرو خصوصاً اپنی پوشیدگیوں میں اور چپکے چپکے کانا پھوسی کرنے میں' میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپ قسم کھا کر بیان فرماتے تھے کہ جو شخص جس کام کو پوشیدہ سے پوشیدہ کرے گا' اللہ تعالیٰ اسی کی چادر اس پر اعلانیہ ڈال دے گا' اگر نیک ہے تو نیک اور اگر بد ہے تو بد' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا اس سے

مراد خوش خلقی ہے۔ ہاں صحیح حدیث میں صرف اتنا مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے دن منبر پر کتوں کے قتل کرنے اور کبوتروں کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔

يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ لَا يَفۡتِنَنَّكُمُ ٱلشَّيۡطَٰنُ كَمَآ أَخۡرَجَ أَبَوَيۡكُم مِّنَ ٱلۡجَنَّةِ يَنزِعُ عَنۡهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوۡءَٰتِهِمَآۚ إِنَّهُۥ يَرَىٰكُمۡ هُوَ وَقَبِيلُهُۥ مِنۡ حَيۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡۗ إِنَّا جَعَلۡنَا ٱلشَّيَٰطِينَ أَوۡلِيَآءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ ﴿٢٧﴾ وَإِذَا فَعَلُواْ فَٰحِشَةٗ قَالُواْ وَجَدۡنَا عَلَيۡهَآ ءَابَآءَنَا وَٱللَّهُ أَمَرَنَا بِهَاۗ قُلۡ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَأۡمُرُ بِٱلۡفَحۡشَآءِۖ أَتَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعۡلَمُونَ ﴿٢٨﴾

اے اولاد آدم کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے جیسے کہ اس نے تمہارے والدین کو بہشت سے نکلوا دیا' ان کے کپڑے ان سے اتروا لئے کہ انہیں ان کے پردے کی چیزیں دکھادے' تمہیں وہ اور اس کی قوم وہاں سے دیکھتی ہے جہاں سے تم انہیں نہ دیکھ سکو' ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا یار اور رفیق بنا دیا ہے جو ایمان قبول نہیں کرتے ○ یہ لوگ جب کوئی بیہودہ حرکت کرتے ہیں تو صاف کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طریقے پر پایا ہے بلکہ اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے' تو جواب دے کہ ناممکن ہے کہ اللہ برائیوں کا حکم دے' کیا تم لوگ اللہ پر وہ باتیں جوڑ لیتے ہو جن سے تم بے علم ہو؟ ○

ابلیس سے بچنے کی تاکید: ☆☆ (آیت: ۲۷) تمام انسانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ ہوشیار کر رہا ہے کہ دیکھو ابلیس کی مکاریوں سے بچتے رہنا' وہ تمہارا بڑا ہی دشمن ہے' دیکھو اسی نے تمہارے باپ آدمؑ کو دار سرور سے نکالا اور اس مصیبت کے قید خانے میں ڈالا' ان کی پردہ دری کی پس تمہیں اس کے ہتھکنڈوں سے بچنا چاہئے۔ جیسے فرمان ہے اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا یعنی کیا تم ابلیس اور اس کی قوم کو اپنا دوست بناتے ہو؟ مجھے چھوڑ کر؟ حالانکہ وہ تو تمہارا دشمن ہے' ظالموں کا بہت ہی برا بدلہ ہے۔

جہالت اور طواف کعبہ: ☆☆ (آیت: ۲۸) مشرکین ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جیسے ہم پیدا ہوئے ہیں' اسی حالت میں طواف کریں گے۔ عورتیں بھی آگے کوئی چمڑے کا ٹکڑا یا کوئی چیز رکھ لیتی تھی اور کہتی تھیں۔

اليوم يبدو بعضه او كله وما بدامنه فلا احله

آج اس کا تھوڑا سا حصہ ظاہر ہو جائے گا اور جتنا بھی ظاہر ہو' میں اسے اس کے لئے جائز نہیں رکھتی' اس پر آیت و اذا فعلوا الخ' نازل ہوئی ہے۔ یہ دستور تھا کہ قریش کے سوا تمام عرب بیت اللہ شریف کا طواف اپنے پہنے ہوئے کپڑوں میں نہیں کرتے تھے' وہ سمجھتے تھے کہ یہ کپڑے جنہیں پہن کر اللہ کی نافرمانیاں کی ہیں' اس قابل نہیں رہے کہ انہیں پہنے ہوئے طواف کر سکیں' ہاں قریش جو اپنے آپ کو حمس کہتے تھے' اپنے کپڑوں میں بھی طواف کرتے تھے اور جن لوگوں کو قریش کپڑے بطور ادھار دیں' وہ بھی ان کے دیئے ہوئے کپڑے پہن کر طواف کر سکتا تھا' یا وہ شخص کپڑے پہنے طواف کر سکتا تھا جس کے پاس نئے کپڑے ہوں' پھر طواف کے بعد ہی انہیں اتار ڈالتا تھا' اب یہ کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتے تھے' پس جس کے پاس نیا کپڑا نہ ہو اور حمس بھی اس کو اپنا کپڑا نہ دے تو اسے ضروری تھا کہ وہ ننگا ہو کر طواف کرے' خواہ عورت ہو خواہ مرد'

عورت اپنے آگے کے عضو (شرمگاہ) پر ذرا سی کوئی چیز رکھ لیتی اور وہ کہتی جس کا بیان اوپر گذرا لیکن عموماً عورتیں رات کے وقت طواف کرتی تھیں' یہ بدعت انہوں نے ازخود گھڑ لی تھی۔ اس فعل کی دلیل سوائے باپ دادا کی تقلید کے اوران کے پاس کچھ نہ تھی' لیکن اپنی خوش فہمی اور نیک ظنی سے کہہ دیتے تھے کہ اللہ کا بھی یہی حکم ہے' کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر یہ فرمودۂ رب نہ ہوتا تو ہمارے بزرگ اس طرح نہ کرتے اس لئے حکم ہوتا ہے کہ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں کرتا' ایک تو برا کام کرتے ہو' دوسرے جھوٹ موٹ اس کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہو' یہ چوری اور سینہ زوری ہے۔

قُلۡ اَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ ۟ وَ اَقِیۡمُوۡا وُجُوۡہَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ ادۡعُوۡہُ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ؕ کَمَا بَدَاَکُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ ﴿ؕ۲۹﴾ فَرِیۡقًا ہَدٰی وَ فَرِیۡقًا حَقَّ عَلَیۡہِمُ الضَّلٰلَۃُ ؕ اِنَّہُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾

کہہ دے کہ میرا رب تو عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اپنے منہ ہر نماز کے وقت راست لو اور اسی کو پکارو درآں حالیکہ تم اس کے لئے ہی خالص عبادت کرنے والے رہو' اس نے جیسے کہ تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے' اسی طرح دوبارہ بھی پیدا ہو گے ○ ایک فرقے کو تو ہدایت کی اور ایک فرقہ ہے جس پر گمراہی ثابت ہو چکی ہے ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنا لیا اور باوجود اس کے گمان کرتے ہیں کہ راہ یافتہ ہیں ○

(آیت: ۲۹-۳۰) کہہ دے کہ رب العالمین کا حکم تو عدل وانصاف کا ہے' استقامت اور دیانت داری کا ہے' برائیوں اور گندے کاموں کے چھوڑنے کا ہے' عبادات ٹھیک طور پر بجا لانے کا ہے' جو اللہ کے سچے رسولوں کے طریقہ کے مطابق ہوں' جن کی سچائی ان کے زبردست معجزوں سے اللہ نے ثابت کر دی ہے' ان کی لائی ہوئی شریعت پر اخلاص کے ساتھ عمل کرتے ہوں' جب تک اخلاص اور پیغمبرؐ کی تابعداری کسی کام میں نہ ہو' اللہ کے ہاں وہ مقبول نہیں ہوتا۔ اس نے جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے' اسی طرح وہ دوبارہ بھی لوٹائے گا۔ دنیا میں بھی اسی نے پیدا کیا' آخرت کے دن بھی وہی قبروں سے دوبارہ پیدا کرے گا' پہلے تم کچھ نہ تھے' اس نے تمہیں بنایا' اب مرنے کے بعد پھر وہ تمہیں زندہ کر دے گا' جیسے اس نے شروع میں تمہاری ابتدا کی تھی' اسی طرح پھر سے تمہارا اعادہ کرے گا۔

چنانچہ حدیث میں بھی ہے' رسول اللہ ﷺ نے ایک وعظ میں فرمایا' لوگو تم اللہ کے سامنے ننگے پیروں' ننگے بدنوں بے ختنہ جمع کئے جاؤ گے' جیسے کہ ہم نے تمہیں پیدائش میں کیا تھا اسی کو پھر دہرائیں گے' یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم اسے کر کے ہی رہنے والے ہیں یہ روایت بخاری و مسلم میں بھی نکالی گئی ہے۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جیسے ہم نے لکھ دیا ہے' ویسے ہی تم ہو گے ایک روایت میں ہے جیسے تمہارے اعمال تھے' ویسے ہی تم ہو گے' یہ بھی معنی ہیں کہ جس کی ابتداء میں بدبختی لکھ دی ہے' وہ بدبختی اور بداعمالی کی طرف ہی لوٹے گا گو درمیان میں نیک ہو گیا اور جس کی تقدیر میں شروع سے ہی نیکی اور سعادت لکھ دی گئی ہے وہ انجام کار نیک ہی ہو گا' گو اس سے کسی وقت برائی کے اعمال بھی سرزد ہو جائیں' جیسے کہ فرعون کے زمانے کے جادوگروں کی ساری عمر سیاہ کاریوں اور کفر میں کٹی لیکن آخر وقت مسلمان اولیاء ہو کر مرے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ اللہ تم میں سے ہر ایک کو ہدایت پر یا گمراہی پر پیدا کر چکا ہے' ایسے ہی ہو کر تم ماں کے بطن سے نکلو گے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی پیدائش مومن و کافر ہونے کی حالت میں کی ہے جیسے فرمان ہے ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّ مِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ پھر

انہیں اسی طرح قیامت کے دن لوٹائے گا یعنی مومن وکافر کے گروہوں میں اسی قول کی تائید صحیح بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضورؐ فرماتے ہیں' اس کی قسم جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں کہ تم میں سے ایک شخص جنتیوں کے اعمال کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک بام بھر کا یا ہاتھ بھر کا فرق رہ جاتا ہے' پھر اس پر لکھا ہوا سبقت کر جاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے اعمال شروع کر دیتا ہے اور اسی میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی جہنمیوں کے اعمال کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ جہنم سے ایک ہاتھ یا ایک بام دور رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا آگے آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے اعمال کرنے لگتا ہے اور جنت نشین ہو جاتا ہے۔ دوسری روایت بھی اسی طرح کی ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے وہ کام لوگوں کی نظروں میں جہنم اور جنت کے ہوتے ہیں' اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔ اور حدیث میں ہے' ہر نفس اسی پر اٹھایا جائے گا جس پر تھا (مسلم)

ایک اور روایت میں ہے جس پر مرا۔ اگر اس آیت سے مراد یہی لی جائے تو اس میں اس کے بعد فرمان فَاَقِمْ وَجْهَكَ میں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی' یا نصرانی' یا مجوسی بنا لیتے ہیں اور صحیح مسلم کی حدیث جس میں فرمان باری ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد و حنیف پیدا کیا' پھر شیطان نے ان کے دین سے انہیں بہکا دیا اس میں کوئی جمع کی وجہ ہونی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے انہیں دوسرے حال میں مومن وکافر ہونے کے لئے پیدا کیا' گو پہلے حال میں تمام مخلوق کو اپنی معرفت و توحید پر پیدا کیا تھا کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ جیسے کہ اس نے ان سے روز میثاق میں عہد بھی لیا تھا اور اسی وعدے کو ان کی جبلت وگھٹی میں رکھ دیا تھا' اس کے باوجود اس نے مقدمہ کیا تھا کہ ان میں سے بعض شقی اور بدبخت ہوں گے اور بعض سعید اور نیک بخت ہوں گے جیسے فرمان ہے کہ اس نے تمہیں پیدا کیا' پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔ اور حدیث میں ہے ہر شخص صبح کرتا ہے' پھر اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے' کچھ لوگ ایسے ہیں جو اسے آزاد کرا لیتے ہیں' کچھ ایسے ہیں جو اسے ہلاک کر بیٹھتے ہیں اللہ کی تقدیر' اللہ کی مخلوق میں جاری ہے' اسی نے مقدر کیا' اسی نے ہدایت کی' اسی نے ہر ایک کو اس کی پیدائش دی' پھر رہنمائی کی۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جو لوگ سعادت والوں میں سے ہیں ان پر نیکیوں کے کام آسان ہوں گے اور جو شقاوت والے ہیں' ان پر بدیاں آسان ہوں گی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے' اس فرقے نے راہ پائی اور ایک فرقے پر گمراہی ثابت ہو چکی' پھر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنا لیا ہے۔ اس آیت سے اس مذہب کی تردید ہوتی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو کسی معصیت کے عمل پر یا کسی گمراہی کے عقیدے پر عذاب نہیں کرتا' تاوقتیکہ اس کے پاس صحیح چیز صاف آ جائے اور پھر وہ اپنی برائی پر ضد اور عناد سے جما رہے۔ کیونکہ اگر یہ مذہب صحیح ہوتا تو جو لوگ گمراہ ہیں لیکن خود کو ہدایت پر سمجھتے ہیں اور جو واقعی ہدایت پر ہیں' ان میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں فرق کیا' ان کے نام میں بھی اور ان کے احکام میں بھی۔ آیت آپ کے سامنے موجود ہے پڑھ لیجئے۔

يَبَنِيٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

ع۶

اے انسانو! ہر نماز کے وقت اپنی زینت یعنی لباس لے لیا کرو' کھاؤ پیو لیکن حد سے نہ گزر جاؤ' اللہ حد سے گذر جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○

برہنہ ہو کر طواف ممنوع قرار دے دیا گیا: ☆☆ (آیت:۳۱) اس آیت میں مشرکین کا رد ہے کیونکہ وہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف

کرتے تھے جیسے کہ پہلے گزرا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''ننگے مرد دن کو طواف کرتے اور ننگی عورتیں رات کو' اس وقت عورتیں کہا کرتی تھیں کہ آج اس کے خاص جسم کا کل حصہ یا کچھ حصہ کو ظاہر ہو لیکن کسی کو وہ اس کا دیکھنا جائز نہیں کرتیں۔' پس اس کے برعکس مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ اپنا لباس پہن کر مسجدوں میں جاؤ۔ اللہ تعالیٰ زینت کے لینے کو حکم دیتا ہے اور زینت سے مراد لباس ہے اور لباس وہ ہے جو اعضائے مخصوصہ کو چھپالے اور جو اس کے سوا ہو مثلاً اچھا کپڑا وغیرہ۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہ آیت جوتیوں سمیت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن ہے یہ غور طلب اور اس کی صحت میں بھی کلام ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ آیت اور جو کچھ اس کے معنی میں سنت میں وارد ہے' اس سے نماز کے وقت زینت کرنا مستحب ثابت ہوتا ہے' خصوصاً جمعہ اور عید کے دن اور خوشبو لگانا بھی مسنون طریقہ ہے اس لئے کہ وہ زینت میں سے ہی ہے اور مسواک کرنا بھی' کیونکہ وہ بھی زینت کو پورا کرنے میں داخل ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ سب سے افضل لباس سفید کپڑا ہے' جیسے کہ مسند احمد کی صحیح حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' سفید کپڑے پہنو' وہ تمہارے تمام کپڑوں سے افضل ہیں اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ سب سرموں میں بہتر سرمہ اثمد ہے' وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے۔ سنن کی ایک اور حدیث میں ہے' سفید کپڑوں کو ضروری جانو اور انہیں پہنو وہ بہت اچھے اور بہت پاک صاف ہیں اور انہی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔

طبرانی میں مروی ہے کہ حضرت تمیم داریؓ نے ایک چادر ایک ہزار کو خریدی تھی اور نماز کے وقت اسے پہن لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد آدھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام طب کو اور حکمت کو جمع کر دیا' ارشاد ہے کھاؤ پیو لیکن حد سے تجاوز نہ کرو۔ ابن عباسؓ کا قول ہے جو چاہ کھا' جو چاہ پی لیکن دو باتوں سے بچ' اسراف اور تکبر۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے' کھاؤ' پیو' پہنو اور ہو لیکن صدقہ بھی کرتے رہو اور تکبر اور اسراف سے بچتے رہو' اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے کے جسم پر دیکھے۔ آپ فرماتے ہیں کھاؤ اور صدقہ کرو اور اسراف سے اور خودنمائی سے رکو' فرماتے ہیں انسان اپنے پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن نہیں بھرتا' انسان کو چند لقمے جس سے اس کی پیٹھ سیدھی رہے' کافی ہیں' اگر یہ بس میں نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ اپنے پیٹ کے تین حصے کر لے' ایک کھانے کے لئے' ایک پانی کے لئے' ایک سانس کے لئے۔ فرماتے ہیں' یہ بھی اسراف ہے کہ جو تو چاہے کھائے لیکن حدیث غریب ہے۔ مشرکین جہاں ننگے ہو کر طواف کرتے تھے وہاں زمانہ حج میں چربی کو بھی اپنے اوپر حرام جانتے تھے' اللہ نے دونوں باتوں کے خلاف حکم نازل فرمایا۔ یہ بھی اسراف ہے کہ اللہ کے حلال کردہ کھانے کو حرام کر لیا جائے ۔ اللہ کی دی ہوئی حلال روزی بیشک انسان کھائے پیئے' حرام چیز کا کھانا بھی اسراف ہے۔ اللہ کی مقرر کردہ حرام و حلال کی حدوں سے گزر نہ جاؤ' نہ حرام کو حلال کرو نہ حلال کو حرام کہو' ہر ایک حکم کو اسی کی جگہ پر رکھو ورنہ مسرف اور دشمن رب بن جاؤ گے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ

بِهٖ سُلۡطٰنًا وَّاَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۳﴾

پوچھ تو کہ اللہ تعالیٰ نے جو زینت اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور جو پاکیزہ روزیاں ہیں انہیں کس نے حرام کیا ہے؟ کہدے کہ یہ سب کچھ ایمان والوں کے لئے ہے زندگانی دنیا میں اور قیامت کے دن تو صرف ان کے ساتھ ہی مخصوص ہوگا' اسی طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان فرماتے ہیں' ان کے لئے جو علم رکھتے ہیں ○ کہدے کہ میرے پروردگار نے کل بے حیائیوں کو خواہ کھلی ہوں خواہ چھپی حرام کر دی ہیں اور گناہ کو اور حق کی سرکشی کو اور اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہرانے کو جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری اور اللہ کا نام لے کر تمہارا وہ کہنا جو تم نہیں جانتے ○

آخر کار مومن ہی اللہ کی رحمت کا سزاوار ٹھہرا: ☆☆ (آیت:۳۲) کھانے پینے کی ان بعض چیزوں کو بغیر اللہ کے فرمائے حرام کر لینے والوں کی تردید ہو رہی ہے اور انہیں ان کے فعل سے روکا جا رہا ہے۔ یہ سب چیزیں اللہ پر ایمان رکھنے والوں اور اس کی عبادت کرنے والوں کے لئے ہی تیار ہوئی ہیں' گو دنیا میں ان کے ساتھ اور لوگ بھی شریک ہیں' لیکن پھر قیامت کے دن یہ الگ کر دیئے جائیں گے اور صرف مومن ہی اللہ کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے۔ ابن عباسؓ راوی ہیں کہ مشرک ننگے ہو کر اللہ کے گھر کا طواف کرتے تھے' سیٹیاں اور تالیاں بجاتے جاتے تھے۔ پس یہ آیات اتریں۔

اثم اور بغی کیا فرق ہے: ☆☆ (آیت:۳۳) بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' اللہ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں۔ سورۂ انعام میں چھپی کھلی بے حیاؤں کے متعلق پوری تفسیر گزر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر گناہ کو حرام کر دیا ہے اور ناحق ظلم و تعدی' سرکشی اور غرور کو بھی اس نے حرام کیا ہے۔ پس ''اثم'' سے مراد ہر وہ گناہ ہے جو انسان آپ کرے اور ''بغی'' سے مراد وہ گناہ ہے جس میں دوسرے کا نقصان کرے یا اس کی حق تلفی کرے۔ اسی طرح رب کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا بھی حرام ہے اور ذات حق پر بہتان باندھنا بھی' مثلاً اس کی اولاد بتانا وغیرہ۔ خلاف واقعہ باتیں بھی جہالت کی باتیں ہیں۔ جیسے فرمان ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ الخ بتوں کی نجاست سے بچو' الخ۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَقُصُّوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا عَنۡهَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۳۶﴾

ہر قوم کے لئے ایک وقت مقرر ہے' جب ان کا وقت آ پہنچتا ہے' پھر نہ تو ایک ساعت وہ پیچھے رہتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں ○ اے انسانو! جب بھی تمہارے پاس تم میں سے رسول پہنچیں جو میرے احکام تم کو پڑھ کر سنائیں' تو جو لوگ پرہیزگاری اور اصلاح کر لیں' ان پر نہ تو کوئی ڈر خوف ہے اور نہ وہ اداس اور آزادہ ہوں گے ○ ہاں جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں اور ان سے اکڑ بیٹھیں' وہی دوزخی ہوں گے' جو ہمیشہ اسی میں رہیں گے ○

موت کی ساعت طے شدہ اور اٹل ہے: ☆☆ (آیت:۳۴-۳۶) ہر زمانے اور ہر زمانے والوں کے لئے اللہ کی طرف سے انتہائی مدت مقرر ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی' ناممکن ہے کہ اس سے ایک منٹ کی تاخیر ہو یا ایک لمحے کی جلدی ہو۔ انسانوں کو ڈراتا ہے کہ جب وہ

رسولوں سے ڈرانا اور رغبت دلانا سنیں تو بدکاریوں کو ترک کر دیں اور اللہ کی اطاعت کی طرف جھک جائیں' جب وہ یہ کریں گے تو ہر کھٹکے' ہر ڈر' ہر خوف اور ناامیدی سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر اس کے خلاف کیا' نہ دل سے مانا نہ عمل کیا تو وہ دوزخ میں جائیں گے اور وہیں پڑے جھلستے رہیں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یَنَالُھُمْ نَصِیْبُھُمْ مِّنَ الْکِتٰبِ ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْھُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَھُمْ ۙ قَالُوْٓا اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَھِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَنَّھُمْ کَانُوْا کٰفِرِیْنَ ﴿۳۷﴾

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے' انہیں ان کا لوح محفوظ میں لکھا ہوا حصہ تو ملے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو آئیں گے تو کہیں گے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے اور پوجتے رہے' وہ کہاں ہیں؟ جواب دیں گے کہ وہ سب گم ہو گئے اور (یہ) اپنے کافر ہونے کے گواہ خود ہی بن جائیں گے ○

اللہ پر بہتان لگانے والا سب سے بڑا ظالم ہے: ☆☆ (آیت: ۳۷) واقعہ یہ ہے کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے اور وہ بھی جو اللہ کے کلام کی آیات کو جھوٹا سمجھے' انہیں ان کا مقدر ملے گا۔ اس کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ انہیں سزا ہوگی' ان کے منہ کالے ہوں گے' ان کے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا' اللہ کے وعدے وعید پورے ہو کر رہیں گے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ان کی عمر' عمل' رزق جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے' وہ دنیا میں تو ملے گا۔ یہ قول قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد کا جملہ اس کی تائید کرتا ہے۔ اسی مطلب کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ الخ ہے کہ اللہ پر جھوٹی باتیں گھڑ لینے والے فلاح کو نہیں پاتے' گو دنیا میں کچھ فائدہ اٹھا لیں لیکن آخر کار ہمارے سامنے ہی پیش ہوں گے' اس وقت ان کے کفر کے بدلے ہم انہیں سخت سزا دیں گے۔ ایک آیت میں ہے' کافروں کے کفر سے تو غمگین نہ ہو' ان کا لوٹنا ہماری جانب ہی ہوگا' پھر ہم خود انہیں ان کے کرتوت سے آگاہ کریں گے' اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے واقف ہے وہ تھوڑا سا دنیوی نفع اٹھا لیں' الخ۔ پھر فرمایا کہ ''ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے آتے ہیں تو ان کو بطور طنز کہتے ہیں کہ اب اپنے معبودوں کو کیوں نہیں پکارتے کہ وہ تمہیں اس عذاب سے بچا لیں' آج وہ کہاں ہیں؟ تو یہ نہایت حسرت سے جواب دیتے ہیں کہ افسوس وہ تو کھوئے گئے' ہمیں ان سے اب کسی نفع کی امید نہیں رہی' پس اپنے کفر کا آپ ہی اقرار کر کے مرتے ہیں۔''

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ کُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّۃٌ لَّعَنَتْ اُخْتَھَا ؕ حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَکُوْا فِیْھَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىھُمْ لِاُوْلٰىھُمْ رَبَّنَا ھٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِھِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ

لِكُلٍّ ضِعۡفٌ وَّلٰكِنۡ لَّا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۸﴾

اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو امتیں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں کی گذر چکی ہیں' ان میں مل کر تم بھی جہنم میں جاؤ' جب کبھی جو امت جائے گی' وہ دوسری اپنی جیسی امت پر لعنت کرے گی' جب سب کے سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ان میں سے پچھلے اگلوں کی نسبت کہیں گے کہ اے اللہ ان لوگوں نے ہی ہمیں گمراہ کیا' اب تو انہیں آگ کا دوہرا دوہرا عذاب دے' جواب ملے گا کہ ہر ایک کیلئے ہی دوہرا ہے لیکن تم نہیں جانتے ○

کفار کی گردنوں میں طوق: ☆☆ (آیت: ۳۸) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرکوں کو جو اللہ پر افترا باندھتے تھے' اس کی آیات کو جھٹلاتے تھے' فرمائے گا کہ تم بھی اپنے جیسوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں خواہ وہ جنات میں سے ہوں خواہ انسانوں میں سے' جہنم میں جاؤ۔ فی النار' یا تو فی امم کا بدل ہے یا فی امم میں فی معنی میں مع کے ہے۔ ہر گروہ اپنے ساتھ کے اپنے جیسے گروہ پر لعنت کرے گا جیسے کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ''تم ایک دوسرے سے اس روز کفر کرو گے۔'' اور آیت میں ہے اِذۡ تَبَرَّاَ الَّذِيۡنَ یعنی وہ ایسا برا وقت ہو گا کہ گرو اپنے چیلوں سے دست بردار ہو جائیں گے' عذابوں کو دیکھتے ہی آپس کے سارے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ مرید لوگ اس وقت کہیں گے کہ اگر ہمیں بھی یہاں سے پھر واپس دنیا میں جانا مل جائے تو جیسے یہ لوگ آج ہم سے بیزار ہو گئے ہیں' ہم بھی ان سے بالکل ہی دست بردار ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ اسی طرح ان کے کرتوت ان کے سامنے لائے گا جو ان کے لئے سراسر موجب حسرت ہوں گے اور یہ دوزخ سے کبھی آزاد نہ ہوں گے۔

یہاں فرماتا ہے کہ جب یہ سارے کے سارے جہنم میں جا چکیں گے تو پچھلے یعنی تابعدار اور مرید اور تقلید کرنے والے اگلوں سے یعنی جن کی وہ مانتے رہے' ان کی بابت اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے' اس سے ظاہر ہے کہ یہ گمراہ کرنے والے ان سے پہلے ہی جہنم میں موجود ہوں گے کیونکہ ان کا گناہ بھی بڑھا ہوا تھا' کہیں گے کہ یا اللہ انہیں دگنا عذاب کر چنانچہ اور آیت میں ہے يَوۡمَ تُقَلَّبُ وُجُوۡهُهُمۡ فِي النَّارِ الخ جبکہ ان کے چہرے آتش جہنم میں ادھر سے ادھر جھلسے جاتے ہوں گے' اس وقت حسرت وافسوس کرتے ہوئے کہیں گے' کہ کاش کہ ہم اللہ رسول کے مطیع ہوتے' یا اللہ ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی تابعداری کی جنہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا' یا اللہ انہیں دگنا عذاب کر' انہیں جواب ملا کہ ہر ایک کے لئے دگنا ہے' یعنی ہر ایک کو اس کی برائیوں کا پورا پورا بدلہ مل چکا ہے۔ جیسے فرمان ہے اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ زِدۡنٰهُمۡ عَذَابًا الخ جنہوں نے کفر کیا اور راہ رب سے روکا' ان کا ہم عذاب اور زیادہ کریں گے۔ اور آیت میں ہے وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ اور آیت میں ہے' ان کے بوجھ ان پر لادے جائیں گے جن کو انہوں نے بے علمی سے گمراہ کیا۔

وَقَالَتۡ اُوۡلٰىهُمۡ لِاُخۡرٰىهُمۡ فَمَا كَانَ لَكُمۡ عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ ﴿۳۹﴾ ع ۸ / ۱۱

اس پر اگلے لوگ پچھلوں سے کہیں گے کہ تو تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں رہی' پس تم سب اپنے کئے کرتوت کے بدلے عذابوں کا مزہ چکھو ○

(آیت: ۳۹) اب وہ جن کی مانی جاتی رہی' اپنے ماننے والوں سے کہیں گے کہ جیسے ہم گمراہ تھے' تم بھی گمراہ ہوئے' اب اپنے کرتوت کا بدلہ اٹھاؤ۔ اور آیت میں ہے وَلَوۡ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ مَوۡقُوۡفُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ کاش کہ تو دیکھتا جب کہ یہ گنہگار اللہ کے

سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے' ایک دوسرے پر الزام رکھ رہے ہوں گے' ضعیف لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن بن جاتے' وہ جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا؟ وہ تو تمہارے سامنے کھلی ہوئی موجود تھی' بات یہ ہے کہ تم خود ہی گنہگار' بدکردار تھے- یہ پھر کہیں گے کہ نہیں نہیں تمہاری دن رات کی چالاکیوں نے اور تمہاری اس تعلیم نے (کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں) ہمیں گم کردہ راہ بنا دیا' بات یہ ہے کہ سب کے سب اس وقت سخت نادم ہوں گے لیکن ندامت کو دبانے کی کوشش میں ہوں گے' کفار کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دیا جائے گا نہ کم نہ زیادہ بلکہ (پورا پورا)-

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾

ہماری آیات کو جھٹلانے والوں اور ان سے اکڑ بیٹھنے والوں کے لئے نہ تو آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں پہنچ سکیں گے- یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گذر جائے' گنہگاروں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ۞ ان کے لئے آگ ہی کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر سے اوڑھنا بھی آگ ہی کا ہوگا' ہم ناانصافوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ۞

بدکاروں کی روحیں دھتکاری جاتی ہیں: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۱) کافروں کے نہ تو نیک اعمال اللہ کی طرف چڑھیں' نہ ان کی دعائیں قبول ہوں' نہ ان کی روحوں کے لئے آسمان کے دروازے کھلیں- چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب بدکاروں کی روحیں قبض کی جاتی ہیں اور فرشتے انہیں لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں' وہ کہتے ہیں یہ خبیث روح کس کی ہے؟ یہ اس کا بد سے بدنام لے کر بتاتے ہیں کہ فلاں کی' یہاں تک کہ یہ اسے آسمان کے دروازے تک پہنچاتے ہیں لیکن ان کے لئے دروازہ کھولا نہیں جاتا-

پھر حضور ﷺ نے آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ پڑھی- یہ بہت لمبی حدیث ہے جو سنن میں موجود ہے مومن کی روح کے ساتھ فرشتوں کا برتاؤ مسند احمد میں یہ حدیث پوری یوں ہے' حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ایک انصاری کے جنازے میں ہم حضور کے ساتھ تھے' جب قبرستان پہنچے تو قبر تیار ہونے میں کچھ دیر تھی ہم سب بیٹھ گئے اور اس طرح خاموش اور باادب تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرند ہیں نبی ﷺ کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا جسے آپ زمین پر پھرا رہے تھے' تھوڑی دیر میں آپ نے سر اٹھا کر دو بار یا تین بار ہم سے فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو' پھر فرمایا مومن جب دنیا کی آخری اور آخرت کی پہلی گھڑی میں ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے نورانی چہروں والے فرشتے آتے ہیں گویا کہ ان کا منہ آفتاب ہے' ان کے ساتھ جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے' وہ آ کر مرنے والے مومن کے پاس بیٹھ جاتے ہیں' جہاں تک اس کی نگاہ کام کرتی ہے' فرشتے ہی فرشتے نظر آتے ہیں' پھر حضرت ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں' اے اطمینان والی روح' اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف چل' یہ سنتے ہی وہ روح اس طرح بدن سے نکل جاتی ہے جیسے مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ ٹپک جائے اسی وقت ایک پلک جھپکنے کے برابر کی دیر میں وہ جنتی فرشتے اس

پاک روح کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور جنتی کفن اور جنتی خوشبو میں رکھ لیتے ہیں' اس میں ایسی عمدہ اور بہترین خوشبو نکلتی ہے کہ کبھی دنیا والوں نے نہ سونگھی ہو' اب یہ اسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں' فرشتوں کی جو جماعت انہیں ملتی ہے' وہ پوچھتی ہے کہ یہ پاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کا بہتر سے بہتر جو نام دنیا میں مشہور تھا' وہ لے کر کہتے ہیں فلاں کی' یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں دروازہ کھلوا کر اوپر چڑھ جاتے ہیں' یہاں سے اس کے ساتھ اسے دوسرے آسمان تک پہنچانے کے لئے فرشتوں کی اور بڑی جماعت ہو جاتی ہے' اسی طرح ساتویں آسمان تک پہنچتے ہیں' اللہ عزوجل فرماتا ہے' اس میرے بندے کی کتاب علیین میں رکھ کر اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو میں نے انہیں اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ نکالوں گا۔ قبر میں سوال و جواب اور قبر کا ساتھی پس وہ روح لوٹا دی جاتی ہے' وہیں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں؟ اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے' پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے' پھر پوچھتے ہیں کہ وہ شخص جو تم میں بھیجے گئے' کون تھے' وہ کہتا ہے وہ رسول اللہ تھے صلی اللہ علیہ وسلم' فرشتے اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی' اس پر ایمان لایا اور اسے سچا مانا' وہیں آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے' اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو' اسے جنتی لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دو' پس اس کے پاس جنت کی تر و تازگی' اس کی خوشبو اور وہاں کی ہوا آتی رہتی ہے اور اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے' جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے اسے کشادگی ہی کشادگی نظر آتی ہے۔ اس کے پاس ایک نہایت حسین و جمیل شخص لباس فاخرہ پہنے ہوئے خوشبو لگائے ہوئے آتا ہے اور اس سے کہتا ہے' خوش ہو جا' یہی وہ دن ہے جس کا تجھے وعدہ دیا جاتا تھا۔ اسے پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے چہرے سے بھلائی پائی جاتی ہے' وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں' اب تو مومن آرزو کرنے لگتا ہے کہ اللہ کرے قیامت آج ہی قائم ہو جائے تاکہ میں جنت میں پہنچ کر اپنے مال اور اپنے اہل و عیال کو پالوں کافر' مشرک کی روح کے ساتھ فرشتوں کا برتاؤ۔ کافر کی جب دنیا کی آخر گھڑی آتی ہے تو اس کے پاس سیاہ چہرے والے فرشتے آسمان سے آتے ہیں' ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتا ہے' اس کی نگاہ تک اسے یہی نظر آتے ہیں' پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں' اے خبیث روح اللہ کی ناراضگی اور اس کے غضب کی طرف چل' یہ سن کر وہ روح بدن میں چھپنے لگتی ہے جسے ملک الموت جبراً گھسیٹ کر نکالتے ہیں' اسی وقت وہ فرشتے ان کے ہاتھ سے ایک آنکھ جھپکنے میں لے لیتے ہیں اور اس جہنمی ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس سے نہایت ہی سڑی ہوئی بدبو نکلتی ہے' یہ اسے لے کر چڑھنے لگتے ہیں فرشتوں کا جو گروہ ملتا ہے' اس سے پوچھتا ہے کہ یہ ناپاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کی روح جس کا بدترین نام دنیا میں تھا' انہیں بتاتے ہیں' پھر آسمان کا دروازہ اس کے لئے کھلوانا چاہتے ہیں مگر کھولا نہیں جاتا' پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت لاتفتح الخ' تلاوت فرمائی۔

جناب باری عزوجل کا ارشاد ہوتا ہے' اس کی کتاب سجین میں سب سے نیچے کی زمین میں رکھو' پھر اس کی روح وہاں سے پھینک دی جاتی ہے' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ یعنی جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا گویا وہ آسمان سے گر پڑا پس اسے یا تو پرندا چک لے جائیں گے یا ہوائیں کسی دور دراز کی ڈراؤنی ویران جگہ پر پھینک دیں گی قبر میں سوال و جواب اور قبر کا ساتھی اب اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے پہنچتے ہیں اسے اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ یہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے خبر نہیں پھر پوچھتے ہیں' تیرا دین کیا ہے؟ جواب دیتا ہے' افسوس مجھے اس کی بھی خبر نہیں پھر پوچھتے ہیں بتا اس شخص کی بابت تو کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ یہ کہتا ہے آہ افسوس میں اس کا جواب بھی نہیں جانتا' اسی وقت آسمان سے ندا ہوتی ہے کہ میرے اس غلام نے غلط کہا' اس کے لئے جہنم کی آگ بچھا

دو اور جہنم کا دروازہ اس کی قبر کی طرف کھول دو وہاں سے اسے گرمی اور آگ کے جھونکے آنے لگتے ہیں' اس کی قبر اس پر تنگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں' اس کے پاس ایک شخص نہایت مکروہ اور ڈراؤنی صورت والا' برے کپڑے پہنے بری بد بو والا آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اب اپنی برائیوں کا مزہ چکھ' اسی دن کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا' یہ پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے تو چہرے سے وحشت اور برائی ٹپک رہی ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا خبیث عمل ہوں' یہ کہتا ہے' یا اللہ قیامت قائم نہ ہو انجام کار اسی روایت کی دوسری سند میں ہے کہ مومن کی روح کو دیکھ کر آسمان و زمین کے تمام فرشتے دعائے مغفرت و رحمت کرتے ہیں' اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہر دروازے کے فرشتوں کی تمنا ہوتی ہے کہ اللہ کرے یہ روح ہماری طرف سے آسمان پر چڑھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ کافر کی قبر میں اندھا' بہرا' گونگا فرشتہ مقرر ہو جاتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک گرز ہوتا ہے کہ اگر اسے کسی بڑے پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے' پھر اسے جیسا وہ تھا' اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے' فرشتہ دوبارہ اسے گرز مارتا ہے جس سے یہ چیخنے چلانے لگتا ہے جسے انسان اور جنات کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے' ابن جریر میں ہے کہ نیک صالح شخص سے فرشتے کہتے ہیں' اے مطمئن نفس جو طیب جسم میں تھا' تو تعریفوں والا بن کر نکل اور جنت کی خوشبو اور نسیم جنت کی طرف چل۔ اس اللہ کے پاس چل جو تجھ پر غصے نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب اس روح کو لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں' دروازہ کھلواتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے' یہ اس کا نام بتاتے ہیں تو وہ اسے مرحبا کہہ کر وہی کہتے ہیں' یہاں تک کہ یہ اس آسمان میں پہنچتے ہیں جہاں اللہ ہے اس میں یہ بھی ہے کہ برے شخص سے وہ کہتے ہیں' اے خبیث نفس! جو خبیث جسم میں تھا تو برا بن کر نکل اور تیز کھولتے ہوئے پانی اور لہو پیپ اور اسی قسم کے مختلف عذابوں کی طرف چل' اس کے نکلنے تک فرشتے اسے یہی سناتے رہتے ہیں' پھر اسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں' پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ اس کا نام بتاتے ہیں تو آسمان کے فرشتے کہتے ہیں' اس خبیث کو مرحبا نہ ہو' یہ تھی بھی خبیث جسم میں' تو بد بن کر لوٹ جا' اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور آسمان و زمین کے درمیان چھوڑ دی جاتی ہے' پھر قبر کی طرف لوٹ آتی ہے۔

ابن جریج نے لکھا ہے کہ نہ ان کے اعمال چڑھیں نہ ان کی روحیں' اس سے دونوں قول مل جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد کے جملے میں جمہور کی قرات تو جَمَلُ ہے جس کے معنی نر اونٹ کے ہیں' لیکن ایک قرات میں جُمَّلُ ہے' اس کے معنی بڑے پہاڑ کے ہیں۔ مطلب بہ ہر صورت ایک ہی ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گذر سکے نہ پہاڑ' اسی طرح کافر جنت میں نہیں جا سکتا' ان کا اوڑھنا بچھونا آگ ہے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے نیک اعمال کئے' ناممکن ہے کہ ہماری طرف سے کسی پر وہ بوجھ ڈالا جائے جس کا وہ متحمل نہ ہو سکے' یہ لوگ جنتی ہیں اور یہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل انسانی بس میں ہے! ☆☆ (آیت:۴۲) اوپر گنہگاروں کا ذکر ہوا یہاں اب نیک بختوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ جن کے دل میں ایمان ہے اور جو اپنے جسم سے قرآن و حدیث کے مطابق کام کرتے ہیں بخلاف بدکاروں کے کہ وہ دل میں کفر رکھتے ہیں اور عمل سے دور بھاگتے ہیں۔ پھر فرمان ہے کہ ایمان اور نیکیاں انسان کے بس میں ہیں۔ اللہ کے احکام انسانی طاقت سے زیادہ نہیں

ہیں۔ ایسے لوگ جنتی ہیں اور ہمیشہ جنت میں ہی رہیں گے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۴۳

ان کے سینوں میں جو کینہ تھا' ہم نے سب نکال دیا' ان کے نیچے سے نہریں لہریں بہہ رہی ہیں' یہ کہیں گے کہ مکمل تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی' ہم تو اس کی راہ پا ہی نہ سکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہماری رہبری نہ کرتا یقیناً ہمارے پاس رب کے رسول حق لائے' منادی کی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم بہ سبب اپنے کئے ہوئے اعمال کے وارث بنا دیئے گئے ہو ○

(آیت:۴۳) ان کے دلوں میں سے آپس کی کدورتیں' حسد بغض دور کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں حدیث میں ہے کہ مومن آگ سے چھٹکارا حاصل کر کے جنت و دوزخ کے درمیان ایک ہی پل پر روک دیئے جائیں گے وہاں ان کے آپس کے مظالم کا بدلہ ہو جائے گا اور پاک ہو کر جنت میں جانے کی اجازت پائیں گے' واللہ وہ لوگ اپنے اپنے درجوں کو اور مکانوں کو اس طرح پہچان لیں گے جیسے دنیا میں جان لیتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اہل جنت دروازہ جنت پر ایک درخت دیکھیں گے جس کی جڑوں کے پاس سے دو نہریں بہہ رہی ہوں گی' یہ ان میں سے ایک کا پانی پئیں گے جس سے دلوں کی کدورتیں دھل جائیں گی' یہ شراب طہور ہے' پھر دوسری نہر میں غسل کریں گے جس سے چہروں پر تروتازگی آ جائے گی' پھر نہ تو بال بکھریں نہ سرمہ لگانے اور سنگھار کرنے کی ضرورت پڑے۔

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی جیسا قول مروی ہے جو آیت وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ ان شاء اللہ میں اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے دل اللہ تعالیٰ صاف کر دے گا' فرماتے ہیں کہ ہم اہل بدر کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ابن مردویہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہر جنتی کو اپنا جہنم کا ٹھکانا دکھایا جائے گا تاکہ وہ اور بھی شکر کرے اور وہ کہے گا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ہدایت عنایت فرمائی۔ اور ہر جہنمی کو اپنا جنہم کا ٹھکانا دکھایا جائے گا تاکہ اس کی حسرت بڑھے' اس وقت وہ کہے گا' کاش کہ میں بھی راہ یافتہ ہوتا۔ پھر جنتیوں کو جنت کی جگہیں دے دی جائیں گی اور ایک منادی ندا کرے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم بہ سبب اپنی نیکیوں کے وارث بنا دیئے گئے' یعنی تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہیں رحمت رب ملی اور رحمت رب سے تم داخل جنت ہوئے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' یاد رکھو! تم میں سے کوئی بھی صرف اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جا سکتا' لوگوں نے پوچھا' آپ بھی نہیں؟ فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت و فضل میں ڈھانپ لے۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

جنتی جہنمیوں سے پکار کر کہیں گے کہ ہم سے ہمارے رب کا جو وعدہ تھا' ہم نے اسے بالکل سچا پایا' کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا تم نے بھی اسے سچا پایا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہاں' پس اسی وقت ان کے درمیان ایک منادی ندا کرے گا کہ نا انصافوں پر اللہ کی لعنت ہے ○ جو راہ اللہ سے لوگوں کو روکتے رہے اور اسے ٹیڑھا کرنے کی کوشش کرتے رہے' اور جو آخرت کے بھی منکر ہی رہے ○

جنتیوں اور دوزخیوں میں مکالمہ :☆☆ (آیت:۴۴-۴۵) جنتی جب جنت میں جا کر امن چین سے بیٹھ جائیں گے تو دوزخیوں کو شرمندہ کرنے کے لئے ان سے دریافت فرمائیں گے کہ ہم نے تو اپنے رب کے ان وعدوں کو جو ہم سے کئے گئے تھے صحیح پایا' تم اپنی کہو۔ ''ان'' یہاں پر منسرہ ہے قول محذوف کا اور ''قد'' تحقیق کے لئے ہے۔ اس کے جواب میں مشرکین ندامت سے کہیں گے کہ ہاں ہم نے بھی اپنے رب کے ان وعدوں کو جو ہم سے تھے' ٹھیک پایا۔ جیسا سورۂ صافات میں فرمان ہے کہ اہل جنت میں سے ایک کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا جو مجھ سے تعجب کے ساتھ سوال کیا کرتا تھا کہ کیا تو بھی ان لوگوں میں سے ہے جو قیامت کے قائل ہیں؟ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیاں ہو کر رہ جائیں گے' کیا واقعی ہی ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ اور ہمیں بدلے دیئے جائیں گے؟ یہ کہہ کر وہ اوپر سے جھانک کر دیکھے گا تو اپنے اس ساتھی کو بیچ جہنم میں پائے گا' کہے گا قسم اللہ کی تو تو مجھے بھی تباہ کرنے ہی کو تھا اگر میرے رب کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو میں بھی آج گرفتار عذاب ہوتا' اب بتاؤ دنیا میں جو کہا کرتا تھا' کیا سچا تھا کہ ہم مر کر جینے والے اور بدلہ بھگتنے والے ہی نہیں؟ اس وقت فرشتے کہیں گے' یہی وہ جہنم ہے جسے تم جھوٹا مان رہے تھے' اب بتاؤ کیا یہ جادو ہے؟ یا تمہاری آنکھیں نہیں ہیں؟ اب یہاں پڑے جلتے بھنتے رہو' صبر اور بے صبری دونوں نتیجے کے اعتبار سے تمہارے لئے یکساں ہے' تمہیں اپنے کئے کا بدلہ پانا ہی ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش کے ان مقتولوں کو جو بدر میں کام آئے تھے اور جن کی لاشیں ایک کھائی میں تھیں' ڈانٹا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اے ابوجہل بن ہشام' اے عتبہ بن ربیعہ' اے شیبہ بن ربیعہ اور دوسرے سرداروں کا بھی نام لیا اور فرمایا' کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا؟ میں نے تو اپنے رب کے وہ وعدے دیکھ لئے جو اس نے مجھ سے کئے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' یا رسول اللہ! آپ ان سے باتیں کر رہے ہیں جو مر کر مردار ہو گئے؟ تو آپ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میری بات کو تم بھی ان سے زیادہ نہیں سن رہے' لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔ پھر فرماتا ہے کہ اسی وقت ایک منادی ندا کر کے معلوم کرا دے گا کہ ظالموں پر رب کی ابدی لعنت واقع ہو چکی' جو لوگوں کو راہ حق اور شریعت ہدیٰ سے روکتے تھے اور چاہتے تھے کہ اللہ کی شریعت ٹیڑھی کر دیں تاکہ اس پر کوئی عمل نہ کرے' آخرت پر بھی انہیں یقین نہ تھا' اللہ کی ملاقات کو نہیں مانتے تھے' اسی لئے بے پرواہی سے برائیاں کرتے تھے' حساب کا ڈر نہ تھا' اس لئے سب سے زیادہ بدزبان اور بداعمال تھے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿۴۶﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۷﴾

ع ۸ ۱۲

ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے' اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو ان کے چہروں کے نشان سے پہچانتے ہوں گے' وہ جنتیوں سے کہیں گے کہ تم پر سلام ہو گو وہ جنت میں نہیں گئے لیکن انہیں امید ہے ○ اور جب ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف جا پڑتی ہیں تو کہتے ہیں' اے ہمارے پروردگار ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کر دینا ○

جنت اور جہنم میں دیوار اور اعراف والے: ☆☆ (آیت: ۴۶۔۴۷) جنتیوں اور دوزخیوں کی بات بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ جنت دوزخ کے درمیان ایک اور حجاب حد فاصل اور دیوار ہے کہ وہ دوزخیوں کو جنت سے فاصلے پر رکھے۔ اسی دیوار کا ذکر آیت فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ الخ میں ہے یعنی ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہے' اس کے اندر رحمت ہے اور باہر عذاب ہے' اسی کا نام اعراف ہے۔ اعراف عرف کی جمع ہے' ہر اونچی زمین کو عرب میں عرفہ کہتے ہیں' اسی لئے مرغ کے سر کی کلنگ (کلغی) کو بھی عرب میں عرف الديك کہا جاتا ہے کیونکہ اونچی جگہ ہوتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ ایک اونچی جگہ ہے جنت دوزخ کے درمیان جہاں کچھ لوگ روک دیئے جائیں گے۔

سدیؒ فرماتے ہیں' اس کا نام اعراف اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہاں کے لوگ اور لوگوں کو جانتے پہچانتے ہیں' یہاں کون لوگ ہوں گے؟ اس میں بہت سے اقوال ہیں۔ سب کا حاصل یہ ہے کہ وہ یہ لوگ ہوں گے جن کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں گی' بعض سلف سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت حذیفہؓ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ نے یہی فرمایا ہے اور یہی بعد والے مفسرین کا قول ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے لیکن سنداً وہ حدیث غریب ہے ایک اور سند سے مروی ہے کہ حضورؐ سے جب ان لوگوں کی بابت جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں اور جو اعراف والے ہیں' سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا' یہ وہ نافرمان لوگ ہیں جو اپنے باپ کی اجازت بغیر نکلے' پھر اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے۔ اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اور اپنے والدین کے نافرمان تھے' تو جنت میں جانے سے باپ کی نافرمانی نے روک دیا اور جہنم میں جانے سے شہادت نے روک دیا۔ ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ روایات ہیں اب اللہ ہی کو ان کی صحت کا علم ہے' بہت ممکن ہے کہ یہ موقوف روایات ہوں' بہر صورت ان سے اصحاب اعراف کا حال معلوم ہو رہا ہے۔ حضرت حذیفہؓ سے جب ان کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں بدیاں برابر برابر تھیں' برائیوں کی وجہ سے جنت میں نہ جا سکے اور نیکیوں کی وجہ سے جہنم سے بچ گئے' پس یہاں آڑ میں روک دیئے جائیں گے' یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ان کے بارے میں سرزد ہو۔

اور آیت میں آپ سے مروی ہے کہ یہ دوزخیوں کو دیکھ دیکھ کر ڈر رہے ہوں گے اور اللہ سے نجات طلب کر رہے ہوں گے کہ اچانک

انکا رب ان کی طرف دیکھے گا اور فرمائے گا جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ' میں نے تمہیں بخشا حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' قیامت کے دن لوگوں کا حساب ہوگا' کسی شخص ایک نیکی بھی اگر برائیوں سے بڑھ گئی تو وہ داخل جنت ہوگا اور اگر کسی کی ایک برائی بھی نیکیوں سے زیادہ ہوگئی تو دوزخ میں جائے گا پھر آپ نے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ سے دو آیات تک تلاوت کیں اور فرمایا ایک رائی کے دانے کے برابر کی کمی زیادتی سے میزان کا پلڑا ہلکا بھاری ہو جاتا ہے اور جن کی نیکیاں بدیاں برابر برابر ہوئیں' یہ اعراف والے ہیں' یہ ٹھہرا لئے جائیں گے اور جنتی دوزخی مشہور ہو جائیں گے۔ یہ جب جنت کو دیکھیں گے تو اہل جنت پر سلام کریں گے اور جب جہنم کو دیکھیں گے تو اللہ سے پناہ طلب کریں گے۔ نیک لوگوں کو نور ملے گا جو ان کے آگے اور ان کے دائیں موجود رہے گا۔ ہر انسان کو وہ مرد ہوں خواہ عورتیں ہوں' ایک نور ملے گا لیکن پل صراط پر منافقوں کا نور چھین لیا جائے گا۔ اس وقت سچے مومن اللہ سے اپنے نور کے باقی رہنے کی دعائیں کریں گے۔ اعراف والوں کا نور چھینا نہیں جائے گا' وہ ان کے آگے آگے موجود ہوگا' انہیں جنت میں جانے کی طمع ہوگی۔ لوگو ایک نیکی دس گنی کر کے لکھی جاتی ہے اور برائی اتنی ہی لکھی جاتی ہے جنتی ہو' افسوس ان پر جن کی اکائیاں دہائیوں پر غالب آ جائیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اعراف ایک دیوار ہے جو جنت دوزخ کے درمیان ہے' اصحاب اعراف وہیں ہوں گے۔ جب انہیں عافیت دینے کا اللہ کا ارادہ ہوگا تو حکم ملے گا انہیں نہر حیات کی طرف لے جاؤ' اس کے دونوں کناروں پر سونے کے خیمے ہوں گے جو موتیوں سے مرصع ہوں گے' اس کی مٹی مشک خالص ہوگی' اس میں غوطہ لگاتے ہی ان کی رنگتیں نکھر جائیں گی اور ان کی گردنوں پر ایک سفید چمکیلا نشان ہو جائے گا جس سے وہ پہچان لئے جائیں یہ اللہ کے سامنے لائے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو چاہو مانگو' یہ مانگیں گے یہاں تک کہ ان کی تمام تمنائیں اللہ تعالیٰ پوری کر دے گا' پھر فرمائے گا' ان جیسی ستر گنا اور نعمتیں بھی میں نے تمہیں دیں' پھر یہ جنت میں جائیں گے' وہ علامت ان پر موجود ہوگی جنت میں ان کا نام مساکین اہل جنت ہوگا۔ یہی روایت حضرت مجاہدؒ کے اپنے قول سے بھی مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم ایک حسن سند کی مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراف والوں کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ان کا فیصلہ سب سے آخر میں ہوگا' رب العالمین جب اپنے بندوں کے فیصلے کر چکے گا تو ان سے فرمائے گا کہ تم لوگوں کو تمہاری نیکیوں نے دوزخ سے تو محفوظ کر لیا لیکن تم جنت میں جانے کے حقدار ثابت نہیں ہوئے' اب تم کو میں اپنی طرف سے آزاد کرتا ہوں' جاؤ جنت میں رہو سہو اور جہاں چاہو کھاؤ پیؤ' یہ بھی کہا گیا کہ یہ زنا کی اولاد ہیں۔

ابن عساکر میں فرمان نبیؐ ہے کہ مومن جنوں کو ثواب ہے اور ان میں سے جو برے ہیں' انہیں عذاب بھی ہوگا' ہم نے ان کے ثواب اور ان کے ایمانداروں کی بابت حضورؐ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وہ اعراف میں ہوں گے' جنت میں میری امت کے ساتھ نہ ہوں گے۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ' اعراف کیا ہے؟ فرمایا جنت کا ایک باغ جہاں نہریں جاری ہیں اور پھل پک رہے ہیں۔ (بیہقی) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ صالح دیندار فقہاء علما لوگ ہوں گے۔ ابومجلزؒ فرماتے ہیں' یہ فرشتے ہیں' جنت دوزخ والوں کو جانتے ہیں' پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی اور فرمایا سب جنتی جنت میں جانے لگیں گے تو کہا جائے گا کہ تم امن و امان کے ساتھ بے خوف و خطر ہو کر جنت میں جاؤ' اس کی سند گو ٹھیک ہے لیکن یہ قول بہت غریب ہے۔ کیونکہ روانی عبارت بھی اس کے خلاف ہے اور جمہور کا قول ہی مقدم ہے' کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہے' حضرت مجاہدؒ کا قول بھی جو اوپر بیان ہوا' غرابت سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔

قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے اس میں بارہ قول نقل کئے ہیں' صلحا' انبیاء' ملائکہ وغیرہ۔ یہ جنتیوں کو ان کے چہرے کی رونق اور سفیدی سے

اور دوزخیوں کو ان کے چہرے کی سیاہی سے پہچان لیں گے۔ یہ یہاں اس لئے ہیں کہ ہر ایک کا امتیاز کر لیں اور سب کو پہچان لیں یہ جنتیوں سے سلام کریں گے جہنمیوں کو دیکھ دیکھ کر اللہ کی پناہ چاہیں گے اور طمع رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں بھی بہشت بریں میں پہنچا دیں' یہ طمع ان کے دل میں اللہ نے اسی لئے ڈالا ہے کہ اس کا ارادہ انہیں جنت میں لے جانے کا ہو چکا ہے۔ جب وہ اہل دوزخ کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ پروردگار ہمیں ظالموں میں سے نہ کر' جب کوئی جماعت جہنم میں پہنچائی جاتی ہے تو یہ اپنے بچاؤ کی دعائیں کرنے لگتے ہیں۔ جہنم سے ان کے چہرے کوئلے جیسے ہو جائیں گے لیکن جب جنت والوں کو دیکھیں گے تو یہ چیز چہروں سے دور ہو جائے گی۔ جنتیوں کے چہروں کی پہچان نورانیت ہوگی اور دوزخیوں کے چہروں پر سیاہی اور آنکھوں میں بھینگا پن ہوگا۔

وَنَادَىٰٓ أَصْحَٰبُ ٱلْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُم بِسِيمَٰهُمْ قَالُوا۟ مَآ أَغْنَىٰ عَنكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٨﴾ أَهَٰٓؤُلَآءِ ٱلَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ ٱللَّهُ بِرَحْمَةٍ ۚ ٱدْخُلُوا۟ ٱلْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٤٩﴾

اعراف والے ان لوگوں کو جنہیں وہ ان کے چہروں کے نشان سے پہچان لیں گے' کہیں گے کہ تمہیں تمہارے جمع جتھے نے تو کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور نہ تمہاری شیخی اور بڑائی کام آئی ○ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ انہیں اللہ کوئی رحمت نہ دے گا؟ تم جنت میں جاؤ' نہ تو تم پر کوئی ڈر خوف ہے اور نہ تم غمگین اور ہراساں ہو گے ○

کفر کے ستون اور ان کا حشر: ☆☆ (آیت: ۴۸-۴۹) کفر کے جن ستونوں کو' کافروں کے جن سرداروں کو اعراف والے ان کے چہروں سے پہچان لیں گے' انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کے پوچھیں گے کہ آج تمہاری کثرت جمعیت کہاں گئی؟ اس نے تو تمہیں مطلقاً فائدہ نہ پہنچایا' آج وہ تمہاری اکڑفوں کیا ہوئی' تم تو بری طرح عذابوں میں جکڑ دیئے گئے۔ ان کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں فرمایا جائے گا کہ بدبختو انہی کی نسبت تم کہا کرتے تھے کہ اللہ انہیں کوئی راحت نہیں دے گا۔ اے اعراف والو' میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ جاؤ' آرام و سکون اور بغیر کسی خطرے کے داخل ہو جاؤ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اعراف والوں کے اعمال صالحہ اس قابل نہ نکلے کہ انہیں جنت میں پہنچائیں' لیکن اتنی برائیاں بھی ان کی نہ تھیں کہ دوزخ میں جائیں' تو یہ اعراف پر ہی روک دیئے گئے' لوگوں کو ان کے اندازے سے پہچانتے ہوں گے۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں فیصلے کر چکے گا' شفاعت کی اجازت دے گا' لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے آدمؑ' آپ ہمارے باپ ہیں' ہماری شفاعت اللہ تعالیٰ کی جناب میں کیجئے' آپ جواب دیں گے کہ بتاؤ کیا کہ میرے سوا کسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہو' اپنی روح اس میں پھونکی ہو' اپنی رحمت اس پر اپنے غضب سے پہلے پہنچائی ہو' اپنے فرشتوں سے اسے سجدہ کرایا ہو؟ سب جواب دیں گے کہ نہیں' ایسا کوئی آپ کے سوا نہیں' آپ فرمائیں گے میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں میں تمہاری شفاعت نہیں کر سکتا' ہاں تم میرے لڑکے ابراہیم کے پاس جاؤ۔ اب سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے۔ آپ جواب دیں گے' کہ کیا تم جانتے ہو کہ میرے سوا اور کوئی خلیل اللہ ہوا ہو؟ یا اللہ کے بارے میں اس کی قوم نے آگ میں پھینکا ہو؟ سب کہیں گے نہیں' آپ کے سوا اور کوئی نہیں' فرمائیں گے مجھے اس کی حقیقت معلوم نہیں' میں تمہاری

درخواست شفاعت نہیں لے جا سکتا' تم میرے لڑکے موسیٰ کے پاس جاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ بتاؤ میرے سوا اللہ نے کسی کو اپنا کلیم بنایا' اپنی سرگوشیوں کے لئے نزدیکی عطا فرمائی؟ جواب دیں گے کہ نہیں' فرمائیں گے' میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں' میں تمہاری سفارش کرنے کی طاقت نہیں رکھتا' ہاں تم حضرت عیسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے شفاعت طلبی کا تقاضا کریں گے۔ حضرت عیسیٰ جواب دیں گے کہ کیا تم جانتے ہو کہ میرے سوا کسی کو اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا ہو؟ جواب ملے گا کہ نہیں۔ پوچھیں گے' جانتے ہو کہ کوئی مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بحکم الٰہی میرے سوا اچھا کرتا ہو' یا کوئی مردہ کو بحکم الٰہ زندہ کر دیتا ہو؟ کہیں گے کہ کوئی نہیں' فرمائیں گے کہ میں تو آج اپنے نفس کے بچاؤ میں ہوں' میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں' مجھ میں اتنی طاقت کہاں کہ تمہاری سفارش کر سکوں' ہاں تم سب کے سب حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے' میں اپنا سینہ ٹھونک کر کہوں گا کہ ہاں ہاں میں اسی لئے موجود ہوں' پھر میں چل کر اللہ کے عرش کے سامنے ٹھہر جاؤں گا' اپنے رب عزوجل کے پاس پہنچ جاؤں گا اور ایسی ایسی اس کی تعریفیں بیان کروں گا کہ کسی سننے والے نے کبھی نہ سنی ہوں' پھر سجدے میں گر پڑوں گا' پھر مجھ سے فرمایا جائے گا کہ اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ' مانگو دیا جائے گا' شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔

پس میں اپنا سر اٹھا کر کہوں گا' میرے رب میری امت' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' وہ سب تیری ہی ہے پھر تو ہر ہر پیغمبر اور ہر ایک فرشتہ رشک کرنے لگے گا' یہی مقام' مقام محمود ہے۔ پھر میں ان سب کو لے کر جنت کی طرف آؤں گا' جنت کا دروازہ کھلواؤں گا اور وہ میرے لئے اور ان کے لئے کھول دیا جائے گا۔ پھر انہیں ایک نہر کی طرف لے جائیں گے جس کا نام نہر الحیوان ہے' اس کے دونوں کناروں پر سونے کے محل ہیں جو یاقوت سے جڑاؤ کئے گئے ہیں' پھر وہ لوگ اس میں غسل کریں گے جس سے جنتی رنگ اور جنتی خوشبو ان میں پیدا ہو جائے گی اور چمکتے ہوئے ستاروں جیسے وہ نورانی ہو جائیں گے۔ ہاں ان کے سینوں پر سفید نشان باقی رہ جائیں گے' جس سے وہ پہچانے جائیں گے انہیں مساکین اہل جنت کہا جائے گا۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٥١﴾

دوزخی لوگ جنتیوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہم پر تھوڑا سا پانی ہی بہا دو یا جو کچھ اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے ہی کچھ دیدو؟ وہ جواب دیں گے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ نے کافروں پر حرام کر دی ہیں ○ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور جنہیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دے رکھا تھا' پس آج ہم انہیں قصداً بھلا دیں گے جیسے کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا اور ہماری آیات سے انکار کرتے تھے ○

جیسی کرنی ویسی بھرنی: ☆☆ (آیت: ۵۰-۵۱) دوزخیوں کی ذلت وخواری اور ان کا بھیک مانگنا اور ڈانٹ دیا جانا بیان ہو رہا ہے' کہ وہ جنتیوں سے پانی یا کھانا مانگیں گے اور اپنے نزدیک کے رشتے کنبے والے جیسے باپ' بیٹے' بھائی' بہن وغیرہ سے کہیں گے کہ ہم جل

بھن رہے ہیں‘ بھوکے پیاسے ہیں‘ ہمیں ایک گھونٹ پانی یا ایک لقمہ کھانا دے دو‘ جنتی بحکم الٰہی انہیں جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ کفار پر حرام ہے۔ ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کس چیز کا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سب سے افضل خیرات پانی ہے‘ دیکھو جہنمی اہل جنت سے اسی کا سوال کریں گے۔ مروی ہے کہ جب ابو طالب موت کی بیماری میں مبتلا ہوا تو قریشیوں نے اس سے کہا‘ کسی کو بھیج کر اپنے بھتیجے سے کہلواؤ کہ وہ تمہارے پاس جنتی انگور کا ایک خوشہ بھجوا دے تاکہ تیری بیماری جاتی رہے‘ جس وقت قاصد حضورؐ کے پاس آتا ہے‘ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پاس موجود تھے‘ یہ سنتے ہی فرمانے لگے‘ اللہ نے جنت کی کھانے پینے کی چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں پھر ان کی بدکرداری بیان فرمائی کہ یہ لوگ دین حق کو ایک ہنسی کھیل سمجھے ہوئے تھے‘ دنیا کی زینت اور اس کے بناؤ چناؤ میں ہی عمر بھر مشغول رہے۔ یہ چونکہ اس دن کو بھول گئے تھے‘ اس کے بدلے ہم بھی ان کے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے جو کسی بھول جانے والے کا معاملہ ہو‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ بھولنے سے پاک ہے‘ اس کے علم سے کوئی چیز نکل نہیں سکتی۔ فرماتا ہے لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی نہ وہ بہکے نہ بھولے۔

یہاں جو فرمایا‘ یہ صرف مقابلہ کے لئے ہے جیسے فرمان ہے نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ اور جیسے دوسری آیت میں ہے کَذٰلِکَ اَتَتْکَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَھَا وَکَذٰلِکَ الْیَوْمَ تُنْسٰی فرمان ہے اَلْیَوْمَ نَنْسٰکُمْ کَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا تیرے پاس ہماری نشانیاں آئی تھیں جنہیں تو بھلا بیٹھا تھا‘ اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا وغیرہ۔ پھر یہ بھلائیوں سے بالقصد بھلا دیئے جائیں گے۔ ہاں برائیاں اور عذاب برابر ہوتے رہیں گے‘ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلایا‘ ہم نے انہیں آگ میں چھوڑا‘ رحمت سے دور کیا‘ جیسے یہ عمل سے دور تھے صحیح حدیث میں ہے‘ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے فرمائے گا‘ کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا عزت و آبرو نہیں دی تھی؟ کیا گھوڑے اور اونٹ تیرے مطیع نہیں کئے تھے؟ اور کیا تجھے قسم قسم کی راحتوں میں آزاد نہیں رکھا تھا؟ بندہ جواب دے گا کہ ہاں پروردگار بے شک تو نے ایسا ہی کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا‘ پھر کیا تو میری ملاقات پر ایمان رکھتا تھا؟ وہ جواب دے گا کہ نہیں‘ اللہ تعالیٰ فرمائے گا‘ پس میں بھی آج تجھے ایسا ہی بھول جاؤں گا جیسے تو مجھے بھول گیا تھا۔

وَلَقَدْ جِئْنٰھُمْ بِکِتٰبٍ فَصَّلْنٰہُ عَلٰی عِلْمٍ ھُدًی وَّ رَحْمَۃً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَہٗ یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُہٗ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ نَسُوْہُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَھَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَیَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَیْرَ الَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

ہم ان کے پاس کتاب لائے جس کی تفصیل ہم نے علم سے کی‘ ان لوگوں کی رہنمائی اور ان پر مہربانی کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ○ یہ تو اس کی حقیقت کے ظاہر ہونے کا ہی انتظار کر رہے ہیں‘ جس دن اس کی حقیقت آ جائیگی تو اس سے پہلے جو اسے بھولے ہوئے تھے‘ وہ کہنے لگیں گے کہ بیشک ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس حق لائے تھے‘ کیا اب یہ ممکن ہے کہ ہمارے سفارشی ہوں جو ہماری سفارش کریں‘ یا ہو سکتا ہے کہ ہم پھر سے لوٹائے جائیں اور جو عمل ہم کرتے رہے‘ ان کے سوا

اور اعمال کریں' یقیناً انہوں نے اپنا نقصان آپ کیا اور ان سے ان کا باندھا ہوا جھوٹ وافترا کھو گیا ○

آخری حقیقت جنت اور دوزخ کا مشاہدہ: ☆☆ (آیت:۵۲-۵۳) اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے تمام عذر ختم کر دیئے تھے اپنے رسولوں کی معرفت اپنی کتاب بھیجی جو مفصل اور واضح تھی۔ جیسے فرمان ہے کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ الخ اس قرآن کی آیا تمضبوط اور تفصیل وار ہیں' پھر اس کی جو تفصیل ہے' وہ بھی علم پر ہے جیسے فرمان ہے اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ اسے اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' یہ آیت اسی آیت پر جاتی ہی جس میں فرمان ہے كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ الخ یہ کتاب تیری طرف نازل فرمائی گئی ہے' پس اس سے تیرے سینے میں کوئی حرج نہ ہونا چاہئے۔ یہاں فرمایا وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ الخ لیکن یہ محل نظر ہے اس لئے کہ فاصلہ بہت ہے اور یہ قول بے دلیل ہے۔ درحقیقت جب ان کے اس خسارے کا ذکر ہوا جو انہیں آخرت میں ہوگا' تو بیان فرمایا کہ دنیا میں ہی ہم نے تو اپنا پیغام پہنچا دیا تھا' رسول بھی کتاب بھی۔ جیسے ارشاد ہے کہ جب تک ہم رسول نہ بھیج دیں' عذاب نہیں کرتے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا۔ کہ انہیں تو اب جنت اور دوزخ کے اپنے سامنے آنے کا انتظار ہے' یا یہ مطلب کہ اس کی حقیقت یکے بعد دیگرے روشن ہوتی رہے گی یہاں تک کہ آخری حقیقت یعنی جنت دوزخ ہی سامنے آ جائیں گی اور ہر ایک اپنے لائق مقام میں پہنچ جائے گا۔ قیامت والے دن یہ واقعات رونما ہو جائیں گے' اب جو سن رہے ہیں' اس وقت دیکھ لیں گے۔ اس وقت اسے فراموش کر کے بیٹھ رہنے والے عمل سے کورے لوگ مان لیں گے کہ بے شک اللہ کے انبیاء سچے تھے' رب کی کتابیں برحق تھیں' کاش اب کوئی ہمارا سفارشی کھڑا ہو اور ہمیں اس ہلاکت سے نجات دلائے' یا ایسا ہو کہ ہم پھر سے دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں تو جو کام کئے تھے' اب اس کے خلاف کریں۔

جیسے فرمان ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ الخ' کاش کہ ہم پھر دنیا میں لوٹائے جاتے' اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاتے اور مومن بن جاتے' اس سے پہلے جو وہ چھپا رہے تھے' اب ظاہر ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دوبارہ دنیا میں بھیجے بھی جائیں تو جس چیز سے روکے جائیں گے' وہی دوبارہ کریں گے اور جھوٹے ثابت ہوں گے انہوں نے آپ ہی اپنا برا کیا' اللہ کے سوا اوروں سے امیدیں رکھتے رہے' آج سب باطل ہو گئیں نہ کوئی ان کا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی حمایتی۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۵۴

لوگو! بے شک تم سب کا پالنے والا وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا' پھر عرش پر بیٹھا' وہی رات پر دن کو اوڑھا دیتا ہے اور رات دن کو جلدی جلدی طلب کرتی آتی ہے' اسی نے آفتاب' مہتاب اور ستاروں کو پیدا کیا کہ یہ سب اس کے فرمان کے ماتحت ہیں' یاد رکھو پیدائش بھی اسی کی اور فرمانروائی بھی' بڑا ہی برکتوں والا ہے وہ اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء: ☆☆ (آیت:۵۴) بہت سی آیات میں یہ بیان ہوا کہ آسمان وزمین اور کل مخلوق اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں بنائی ہے یعنی اتوار سے جمعہ تک۔ جمعہ کے دن ساری مخلوق پیدا ہو چکی' اسی دن حضرت آدمؑ پیدا ہوئے' یا تو یہ دن دنیا کے معمولی دنوں کے برابر ہی تھے

جیسے کہ آیت کے ظاہری الفاظ سے فی الفور سمجھا جاتا ہے' یا ہر دن ایک ہزار سال کا تھا جیسے کہ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا فرمان ہے اور بروایت ضحاک ابن عباسؓ کا قول ہے' ہفتہ کے دن کوئی مخلوق پیدا نہیں ہوئی' اسی لئے اس کا نام عربی میں یوم السبت ہے' سبت کے معنی قطع کرنے' ختم کرنے کے ہیں۔

ہاں مسند احمد' نسائی اور صحیح مسلم میں جو حدیث ہے کہ اللہ نے مٹی کو ہفتہ کے دن پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو پیر کے دن اور برائیوں کو منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدمؑ کو جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کی آخری گھڑی میں عصر سے لے کر مغرب تک' حضورؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا ہاتھ پکڑ کر یہ گنوایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات دن تک پیدائش کا سلسلہ جاری رہا حالانکہ قرآن میں موجود ہے کہ چھ دن میں پیدائش ختم ہوئی۔ اسی وجہ سے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ زبردست حفاظ حدیث نے اس حدیث پر کلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ عبارت حضرت ابو ہریرہؓ نے کعب احبار سے لی ہے۔ فرمان رسولؐ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ وہ اپنے عرش پر مستوی ہوا۔ اس پر لوگوں نے بہت کچھ چہ میگوئیاں کی ہیں' جنہیں تفصیل سے بیان کرنے کی یہ جگہ نہیں۔ مناسب یہی ہے کہ اس مقام میں سلف صالحین کی روش اختیار کی جائے۔ جیسے امام مالک' امام اوزاعی' امام ثوری' امام لیث' امام شافعی' امام احمد' امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ وغیرہ ائمہ سلف وخلف رحمہم اللہ۔ ان سب بزرگان دین کا مذہب یہی تھا کہ جیسی یہ آیت ہے' اسی طرح اسے رکھا جائے' بغیر کیفیت کے' بغیر تشبیہ کے اور بغیر مہمل چھوڑنے کے' ہاں تشبیہ دینے والوں کے ذہنوں میں جو چیز آ رہی ہے' اس سے اللہ تعالیٰ پاک اور بہت دور ہے' اللہ کے مشابہ اس کی مخلوق میں سے کوئی نہیں۔ فرمان ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ اس کے مثل کوئی نہیں اور وہ سننے دیکھنے والا ہے۔ بلکہ حقیقت یہی ہے جو ائمہ کرام رحمتہ اللہ علیہم نے فرمائی ہے۔ انہی میں سے حضرت نعیم بن حماد خزاعی رحمتہ اللہ علیہ ہیں' آپ حضرت امام بخاریؒ کے استاد ہیں' فرماتے ہیں' جو شخص اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دے' وہ کافر ہے اور جو شخص اللہ کے اس وصف سے انکار کرے جو اس نے اپنی ذات پاک کے لئے بیان فرمایا ہے' وہ بھی کافر ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ ﷺ نے جو اوصاف ذات باری تعالیٰ جل شانہ کے بیان فرمائے ہیں' ان میں ہرگز تشبیہ نہیں۔ پس صحیح ہدایت کے راستے پر وہی ہے جو آثار صحیحہ اور اخبار صریحہ سے جو اوصاف رب العزت وحدہ لاشریک لہ کے ثابت ہیں' انہیں اسی طرح جانے جو اللہ کی جلالت شان کے شایان ہے اور ہر عیب ونقصان سے اپنے رب کو پاک اور مبرا ومنزہ سمجھے۔

پھر فرمان ہے کہ رات کا اندھیرا دن کے اجالے سے اور دن کا اجالا رات کے اندھیرے سے دور ہو جاتا ہے' ہر ایک دوسرے کے پیچھے لپکا چلا آتا ہے' یہ گیا' وہ آیا' وہ گیا' یہ آیا۔ جیسے فرمایا وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ الخ' ان کے سمجھنے کے لئے ہماری ایک نشانی رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو نکالتے ہیں جس سے یہ اندھیرے میں آ جاتے ہیں اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف برابر جا رہا ہے' یہ ہے اندازہ اللہ کا مقرر کیا ہوا جو غالب اور باعلم ہے۔ اور ہم نے چاند کی بھی منزلیں ٹھہرا دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی جیسا ہو کر رہ جاتا ہے۔ نہ آفتاب ماہتاب سے آگے نکل سکتا ہے نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے' سب کے سب اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں۔ رات دن میں کوئی فاصلہ نہیں' ایک کا جانا ہی دوسرے کا آ جانا ہے' ہر ایک دوسرے کے برابر پیچھے ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ کو بعض نے پیش سے بھی پڑھا ہے۔ معنی مطلب دونوں صورت میں قریب قریب برابر ہے۔ یہ سب اللہ کے زیر فرمان' اس کے ماتحت اور اس کی ارادے میں ہیں' ملک اور تصرف اسی کا ہے' وہ برکتوں والا اور تمام جہان کا پالنے والا ہے فرمان
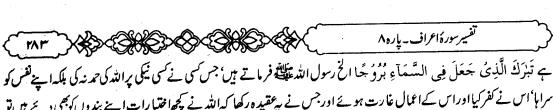
ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا الخ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جس کسی نے کسی نیکی پر اللہ کی حمد نہ کی بلکہ اپنے نفس کو سراہا' اس نے کفر کیا اور اس کے اعمال غارت ہوئے اور جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ نے کچھ اختیارات اپنے بندوں کو بھی دیئے ہیں تو اس نے اس کے ساتھ کفر کیا جو اللہ نے اپنے نبیوں پر نازل فرمایا ہے کیونکہ اس کا فرمان ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ الخ (ابن جریر)

ایک مرفوع دعا رسول اللہ ﷺ کی یہ بھی مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے اللھم لك الملك كله ولك الحمد كله واليك يرجع الامر كله اسألك من الخير كله واعوذبك من الشر كله یا اللہ سارا ملک تیرا ہی ہے' سب حمد تیرے لئے ہی ہے' سب کام تیری ہی طرف لوٹتے ہیں' میں تجھ سے تمام بھلائیاں طلب کرتا ہوں اور ساری برائیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

اپنے رب کی عبادت کرو عاجزی سے اور چھپا کر' بیشک وہ حد سے گذر جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کی اصلاح کے بعد اور اس کی عبادت کرو ڈر اور لالچ کے ساتھ' بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے بہت نزدیک ہے ○

انسان دعا مانگے قبول ہوگی: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعا کی ہدایت کرتا ہے جس میں ان کی دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔ فرماتا ہے کہ اپنے پروردگار کو عاجزی' مسکینی اور آہستگی سے پکارو جیسے فرمان ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ الخ' اپنے رب کو اپنے نفس میں یاد کر۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے دعا میں اپنی آوازیں بہت بلند کر دیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو' تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے' جسے تم پکار رہے ہو' وہ بہت سننے والا اور بہت نزدیک ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ پوشیدگی مراد ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' تَضَرُّعًا کے معنی ذلت اور مسکینی اور اطاعت گذاری کے ہیں اور خفیة کے معنی دلوں کے خشوع وخضوع سے' یقین کی صحت سے' اس کی وحدانیت اور ربوبیت کا اس کے اور اپنے درمیان یقین رکھتے ہوئے پکارو' نہ کہ ریاکاری کے ساتھ بہت بلند آواز سے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لوگ حافظ قرآن ہوتے تھے اور کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا تھا' لوگ بہت بڑے فقیہہ ہو جاتے تھے اور کوئی جانتا بھی نہ تھا' لوگ لمبی لمبی نمازیں اپنے گھروں میں پڑھتے تھے اور مہمانوں کو بھی پتہ نہ چلتا تھا' یہ وہ لوگ تھے کہ جہاں تک ان کے بس میں ہوتا تھا اپنی کسی نیکی کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے' پوری کوشش سے دعائیں کرتے تھے' لیکن اس طرح جیسے کوئی سرگوشی کر رہا ہو' یہ نہیں کہ چیخیں چلائیں یہی فرمان رب ہے کہ اپنے رب کو عاجزی اور آہستگی سے پکارو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نیک بندے کا ذکر کیا جس سے وہ خوش تھا کہ اس نے اپنے رب کو خفیہ طور پر پکارا۔ امام ابن جریجؒ فرماتے ہیں' دعا میں بلند آواز' ندا اور چیخنے کو مکروہ سمجھا جاتا تھا بلکہ گریہ وزاری اور آہستگی کا حکم دیا جاتا تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' دعا وغیرہ میں حد سے گزر جانے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔

ابومجلز کہتے ہیں مثلاً اپنے لئے نبی بن جانے کی دعا کرنا وغیرہ۔ حضرت سعد نے سنا کہ ان کا لڑکا اپنی دعا میں کہہ رہا ہے کہ' اے اللہ میں تجھ سے جنت اور اس کی نعمتیں اور اس کے ریشم وحریر وغیرہ وغیرہ طلب کرتا ہوں۔ اور جہنم' اس کی زنجیروں اور اس کے طوق وغیرہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ تو حضرت سعد نے فرمایا تو نے اللہ سے بہت سی بھلائیاں طلب کیں اور بہت سی برائیوں سے پناہ چاہی' میں نے رسول اللہ ﷺ

سے سنا ہے' آپ فرماتے تھے کہ عنقریب کچھ لوگ ہوں گے جو دعا میں حد سے گزر جایا کریں گے- ایک سند سے مروی ہے کہ وہ دعا مانگنے میں اور وضو کرنے میں حد سے نکل جائیں گے- پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا تجھے اپنی دعا میں یہی کہنا کافی ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے جنت اور جنت سے قریب کرنے والے قول وفعل کی توفیق طلب کرتا ہوں اور جہنم اور اس سے نزدیک کرنے والے قول وفعل سے تیری پناہ چاہتا ہوں (ابوداؤد)

ابن ماجہ وغیرہ میں ہے' ان کے صاحبزادے اپنی دعا میں یہ کہہ رہے تھے کہ یا اللہ جنت میں داخل ہونے کے بعد جنت کی دائیں جانب کا سفید رنگ کا عالیشان محل میں تجھ سے طلب کرتا ہوں پھر زمین پر امن وامان کے بعد فساد کرنے کو منع فرما رہا ہے کیونکہ اس وقت کا فساد خصوصیت سے زیادہ برائیاں پیدا کرتا ہے- پس اللہ اسے حرام قرار دیتا ہے اور اپنی عبادت کرنے کا' دعا کرنے کا' مسکینی اور عاجزی کرنے کا حکم دیتا ہے کہ اللہ کو اس کے عذابوں سے ڈر کر اور اس کی نعمتوں کے امیدوار بن کر پکارو- اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے سروں پر منڈلا رہی ہے' جو اس کے احکام بجالاتے ہیں' اس کے منع کردہ کاموں سے باز رہتے ہیں جیسے فرمایا وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ یوں تو میری رحمت تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے لیکن میں اسے مخصوص کردوں گا پرہیزگار لوگوں کے لئے- چونکہ رحمت ثواب کی ضامن ہوتی ہے' اس لئے قریب کہا قریبۃ نہ کہا یا اس لئے کہ وہ اللہ کی طرف مضاف ہے- انہوں نے اللہ کے وعدوں کا سہارا لیا- اللہ نے اپنا فیصلہ کر دیا کہ اس کی رحمت بالکل قریب ہے-

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝

ع ۷ ۵ ۱۴

وہ ہے جو بارش رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے' یہاں تک کہ جب وہ بوجھل بادلوں کو اٹھالاتی ہیں تو ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف سے لے جاتے ہیں' پھر ہم اس میں سے پانی اتارتے ہیں اور اس میں سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں' اسی طرح مردوں کو بھی نکالیں گے تاکہ تم غور وفکر کرو- پاک شہر کی تو پیداوار اس کے رب کے حکم سے نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس میں سے ناقص ہی نکلتی ہے' اسی طرح ہم طرح طرح سے اپنی دلیلیں ان کے سامنے بیان کرتے ہیں جو شکرگزار ہیں ۝

تمام مظاہر قدرت اس کی شان کے مظہر ہیں: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۸) اوپر بیان ہوا کہ زمین وآسمان کا خالق اللہ ہے سب پر قبضہ رکھنے والا' حاکم' تدبیر کرنے والا' مطیع اور فرمانبردار رکھنے والا اللہ ہی ہے- پھر دعائیں کرنے کا حکم دیا کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے- اب یہاں بیان ہو رہا ہے کہ رزاق بھی وہی ہے اور قیامت کے دن مردوں کو زندہ کر دینے والا بھی وہی ہے- پس فرمایا کہ بارش سے پہلے بھینی بھینی خوشگوار ہوائیں وہی چلاتا ہے بُشْرًا کی دوسری قرات مُبَشِّرَاتٍ بھی ہے- رحمت سے مراد یہاں بارش ہے جیسے فرمان ہے وَهُوَ

الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَاقَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَھُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ وہ ہے جو لوگوں کی ناامیدی کے بعد بارش اتارتا ہے اور اپنی رحمت کی ریل پیل کر دیتا ہے' وہ والی ہے اور قابل تعریف - ایک اور آیت میں ہے' رحمت رب کے آثار دیکھو کہ کس طرح مردہ زمین کو وہ جلا دیتا ہے' وہی مردہ انسانوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے- بادل جو پانی کی وجہ سے بوجھل ہو رہے ہیں' انہیں یہ ہوائیں اٹھالے چلتی ہیں' یہ زمین سے بہت قریب ہوتے ہیں اور سیاہ ہوتے ہیں-

چنانچہ حضرت زید بن عمرو بن نفیل رحمہ اللہ کے شعروں میں ہے' میں اس کا مطیع ہوں جس کے اطاعت گزار میٹھے اور صاف پانی کے بھرے ہوئے بادل ہیں اور جس کے تابع فرمان بھاری بوجھل پہاڑوں والی زمین ہے- پھر ہم ان بادلوں کو مردہ زمین کی طرف لے چلتے ہیں جس میں کوئی سبزہ نہیں' خشک اور بنجر ہے جیسے آیت وَاٰیَةٌ لَّھُمُ الْاَرْضُ میں بیان ہوا ہے- پھر اس سے پانی برسا کر اسی غیر آباد زمین کو سرسبز بنا دیتے ہیں- اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کر دیں گے حالانکہ وہ بوسیدہ ہڈیاں اور پھر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل گئے ہوں گے' قیامت کے دن ان پر اللہ عزوجل بارش برسائے گا' چالیس دن تک برابر برستی رہے گی جس سے جسم قبروں میں اگنے لگیں گے جیسے دانہ زمین پر اگتا ہے' یہ بیان قرآن کریم میں کئی جگہ ہے- قیامت کی مثال بارش کی پیداوار سے دی جاتی ہے- پھر فرمایا' یہ تمہاری نصیحت کے لئے ہے- اچھی زمین میں سے پیداوار عمدہ بھی نکلتی ہے اور جلدی بھی' جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَّاَنْبَتَھَا نَبَاتًا حَسَنًا اور جو زمین خراب ہے جیسے' سنگلاخ زمین' شور زمین وغیرہ اس کی پیداوار بھی ویسی ہی ہوتی ہے' یہی مثال مومن و کافر کی ہے-

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جس علم و ہدایت کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے زمین پر بہت زیادہ بارش ہوئی' زمین کے ایک صاف عمدہ ٹکڑے نے تو پانی قبول کیا' گھاس اور چارہ بہت سا اس میں سے نکلا' ان میں بعض ٹکڑے ایسے بھی تھے جن میں پانی جمع ہو گیا اور وہاں رک گیا پس اس سے بھی لوگوں نے فائدہ اٹھایا' پیا اور پلایا' کھیتیاں کیں' باغات تازہ کئے- زمین کے جو چٹیل سنگلاخ ٹکڑے تھے' ان پر بھی وہ پانی برسا لیکن نہ تو وہاں رکا نہ وہاں کچھ اگا' یہی مثال اس کی ہے جس نے دین حق کی سمجھ پیدا کی اور میری بعثت سے اس نے فائدہ اٹھایا' خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے سر ہی نہ اٹھایا اور اللہ کی وہ ہدایت ہی نہ لی جو میری معرفت بھیجی گئی-

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا' اے میری قوم کے لوگو تم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' مجھے تو تم پر بڑے دن کے عذاب کا ڈر

ہے ○ اس کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے بالکل کھلی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں ○ اس نے کہا' اے میری قوم مجھے کوئی گمراہی نہیں بلکہ میں تو رب العالمین کا رسول ہوں ○ تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں اور اللہ کی وہ باتیں میں جانتا ہوں جن سے تم محض بے خبر ہو ○

پھر تذکرہ انبیاء : ☆☆ (آیت:۵۹-۶۲) چونکہ سورت کے شروع میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا تھا' پھر اس کے متعلقات بیان ہوئے اور اس کے متصل اور بیانات فرما کر اب پھر اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے بیان کا آغاز ہوا اور پے در پے ان کے بیانات ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہوا کیونکہ آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے پیغمبر اہل زمین کی طرف آپ ہی آئے تھے۔ آپ نوح بن لامک بن متوشلخ بن خنوخ (یعنی ادریس علیہ السلام' یہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا) بن برد بن مہلیل بن قنین بن یانش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

ائمہ نسب جیسے امام محمد بن اسحاقؒ وغیرہ نے آپ کا نسب نامہ اسی طرح بیان فرمایا ہے' امام صاحب فرماتے ہیں' حضرت نوحؑ جیسا کوئی اور نبی امت کی طرف سے نہیں ستایا گیا' ہاں انبیاء قتل ضرور کیے گئے' انہیں نوح اسی لئے کہا گیا کہ یہ اپنے نفس کا رونا بہت روتے تھے۔ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس زمانے تھے جو اسلام پر گزرے تھے۔ اصنام پرستی کا رواج اسی طرح شرع ہوا کہ جب اولیاء اللہ فوت ہو گئے تو ان کی قوم نے ان کی قبروں پر مسجدیں بنالیں اور ان میں ان بزرگوں کی تصویریں بنالیں تاکہ ان کا حال اور ان کی عبادت کا نقشہ سامنے رہے اور اپنے آپ کو ان جیسا بنانے کی کوشش کریں' لیکن کچھ زمانے کے بعد ان تصویروں کے مجسمے بنالئے' کچھ اور زمانے کے بعد انہی بتوں کو پوجا کرنے لگے اور ان کے نام انہی اولیاء اللہ کے ناموں پر رکھ لئے' ود' سواع' یغوث' یعوق' نسر وغیرہ جب بت پرستی کا رواج ہو گیا' اللہ نے اپنے رسول حضرت نوحؑ کو بھیجا' آپ نے انہیں اللہ واحد کی عبادت کی تلقین کی اور کہا' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں قیامت کے دن تمہیں عذاب نہ ہو۔ قوم نوح کے بڑوں نے' ان کے سرداروں نے اور ان کے چودھریوں نے حضرت نوحؑ کو جواب دیا کہ تم تو بہک گئے ہو' ہمیں اپنے باپ دادا کے دین سے ہٹا رہے ہو۔ ہر بد شخص نیک لوگوں کو گمراہ سمجھا کرتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ جب یہ بدکاران نیک کاروں کو دیکھتے ہیں' کہتے ہیں کہ یہ تو بہکے ہوئے ہیں' کہا کرتے تھے کہ اگر یہ دین اچھا ہوتا تو ان سے پہلے ہم نہ مان لیتے؟ یہ تو بات ہی غلط اور جھوٹ ہے۔ حضرت نوح نبی علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں بہکا ہوا نہیں ہوں' بلکہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہیں پیغام رب پہنچا رہا ہوں' تمہارا خیر خواہ ہوں اور اللہ کی وہ باتیں جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے۔ ہر رسول مبلغ' فصیح' بلیغ' ناصح' خیر خواہ اور عالم باللہ ہوتا ہے' ان صفات میں اور کوئی ان کی ہمسری اور برابری نہیں کر سکتا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ اے لوگو! تم میری بابت اللہ کے ہاں پوچھے جاؤ گے تو بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا' ہم کہیں گے کہ آپ نے تبلیغ کر دی تھی اور حق رسالت ادا کر دیا تھا اور پوری خیر خواہی کی تھی' پس آپ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر نیچے زمین کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا' یا اللہ تو گواہ رہ' اے اللہ تو شاہد رہ' یا اللہ تو گواہ رہ۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

ع ۸ ۶ ۱۵

کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تم میں سے ایک شخص پر تمہارے رب کی طرف سے ارشاد و پند نازل ہوئی کہ وہ تمہیں آگاہ کر دے تاکہ تم غضب اللہ سے بچ جاؤ اور تم پر رحم کیا جائے ○ پس انہوں نے اسے جھٹلایا' آخرش ہم نے اسے نجات بخشی اور اس کی کشتی کے ساتھیوں کو بھی اور ہماری آیتوں کو جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا' وہ تھے ہی نابینا لوگ ○

نوح علیہ السلام پر کیا گزری؟ ☆☆ (آیت: ۶۳-۶۴) حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ تم اس بات کو انوکھا اور تعجب والا نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے کسی انسان پر اپنی وحی نازل فرمائے اور اسے اپنی پیغمبری سے ممتاز کر دے تاکہ وہ تمہیں ہوشیار کر دے' پھر تم شرک و کفر سے الگ ہو کر عذاب الٰہی سے نجات پا لو اور تم پر گوناگوں رحمتیں نازل ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ان دلیلوں اور وعظوں نے ان سنگدلوں پر کوئی اثر نہ کیا' یہ انہیں جھٹلاتے رہے' مخالفت سے باز نہ آئے' ایمان قبول نہ کیا' صرف چند لوگ سنور گئے۔ پس ہم نے ان نیک لوگوں کو اپنے نبی کے ساتھ کشتی میں بٹھا کر طوفان سے نجات دی اور باقی لوگوں کو تہ آب غرق کر دیا۔ جیسے سورۂ نوح میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے باعث غرق کر دیئے گئے' پھر دوزخ میں ڈال دیئے گئے اور کوئی ایسا نہیں تھا جو ان کی کسی قسم کی مدد کرتا' یہ لوگ حق سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھے' نابینا ہو گئے تھے' راہ حق کو وہ آخر تک نہ پہچان سکے۔ پس اللہ نے اپنے نبیؑ کو' اپنے دوستوں کو نجات دی' اپنے اور ان کے دشمنوں کو تہ آب برباد کر دیا' جیسے اس کا وعدہ ہے کہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی ضرور مدد فرمایا کرتے ہیں۔ دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی وہ ان کی امداد کرتا ہے' ان پرہیزگاروں کے لئے ہی عافیت ہے' انجام کار غالب اور مظفر و منصور یہی رہتے ہیں' جیسے کہ نوح علیہ السلام آخر کار غالب رہے اور کافر ناکام و نامراد ہوئے' یہ لوگ تنگ پکڑ میں آ گئے اور غارت کر دیئے گئے صرف اللہ کے رسولؑ کے اسی (۸۰) آدمیوں نے نجات پائی۔ ان ہی میں ایک صاحب جرہم نامی تھے جن کی زبان عربی تھی۔ ابن ابی حاتم میں یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے متصلاً مروی ہے۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٧﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴿٦٨﴾ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾

عادیوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا جس نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں' کیا تم ڈرتے نہیں

ہو؟ ○ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ تو نری بیوقوفی میں ہے اور ہمارے خیال میں تو' تو ہے ہی جھوٹے لوگوں میں سے ○ ہود نے کہا' میری قوم کے لوگو! مجھ میں کوئی بیوقوفی نہیں بلکہ میں تو تمام جہان کے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں ○ تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا رہا ہوں اور ہوں بھی تمہارا دلی خیرخواہ اور امانت دار ہوں ○ کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟ کہ تم میں سے ایک کی معرفت ذکر اللہ تم تک پہنچا دی کہ وہ تمہیں ہوشیار کر دے؟ تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا اور تن وتوش کا پھیلاؤ بھی تم کو زیادہ دیا' پس تم اللہ کے احسانات یاد رکھو تا کہ تم فلاح ونجات پاؤ ○

ہود علیہ السلام اور ان کا رویہ! ☆☆ (آیت:۶۵-۶۹) فرماتا ہے کہ جیسے قوم نوح کی طرف حضرت نوحؑ کو ہم نے بھیجا تھا قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو ہم نے نبی بنا کر بھیجا' یہ لوگ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد تھے' یہ عاد اولیٰ ہیں' یہ جنگل میں ستونوں میں رہتے تھے۔ فرمان ہے اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ الَّتِىۡ لَمۡ يُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِى الۡبِلَادِ یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ عاد ارم کے ساتھ تیرے رب نے کیا کیا؟ جو بلند قامت تھے' دوسرے شہروں میں جن کی مانند لوگ پیدا ہی نہیں کئے گئے' یہ لوگ بڑے قوی' طاقتور اور لانبے چوڑے قد کے تھے' جیسے فرمان ہے کہ عادیوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور نعرہ لگایا کہ ہم سے زیادہ قوی کون ہے؟ کیا انہیں اتنی بھی تمیز نہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا یقیناً ان سے زیادہ طاقت والا ہے' وہ ہماری آیتوں سے انکار کر بیٹھے' ان کے شہر یمن میں احقاف تھے' یہ ریتلے پہاڑ تھے۔

حضرت علیؓ نے حضر موت کے ایک شخص سے کہا کہ تو نے ایک سرخ ٹیلہ دیکھا ہوگا جس میں سرخ رنگ کی راکھ جیسی مٹی ہے' اس کے آس پاس پیلو اور بیری کے درخت بکثرت ہیں' وہ ٹیلہ فلاں جگہ حضر موت میں ہے' اس نے کہا امیر المومنین آپ تو اس طرح کے نشان بتا رہے ہیں گویا آپ نے بچشم خود دیکھا ہے' آپ نے فرمایا' نہیں دیکھا تو نہیں' لیکن ہاں مجھ تک حدیث پہنچی ہے کہ وہیں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی بستیاں یمن میں تھیں' اسی لئے ان کے پیغمبرؑ وہیں مدفون ہیں' آپ ان سب میں شریف قبیلے کے تھے۔ اس لئے انبیاء ہمیشہ حسب نسب کے اعتبار سے عالی خاندان میں ہی ہوتے رہے ہیں' لیکن آپ کی قوم جس طرح جسمانی طور پر سخت اور زوردار تھی' اسی طرح دلوں کے اعتبار سے بھی بہت سخت تھی۔ جب اپنے نبی کی زبانی اللہ کی عبادت اور تقویٰ کی نصیحت سنی تو لوگوں کی بھاری اکثریت اور ان کے سردار اور بڑے بول اٹھے کہ تو تو پاگل ہو گیا ہے' ہمیں اپنے بتوں کی ان خوبصورت تصویروں کی عبادت سے ہٹا کر اللہ واحد کی عبادت کی طرف بلا رہا ہے۔ (یہی تعجب قریش کو ہوا تھا' انہوں نے کہا تھا کہ محمد ﷺ نے سارے معبودوں کی عبادت سے ہٹا کر ایک کی عبادت کی دعوت کیوں دی؟)

حضرت ہودؑ نے انہیں جواب دیا کہ مجھ میں تو بے وقوفی کی بفضلہ کوئی بات نہیں' میں جو کہہ رہا ہوں' وہ اللہ کا فرمودہ ہے اس لئے کہ میں رسول اللہ ہوں' رب کی طرف سے حق لایا ہوں' وہ رب ہر چیز کا مالک سب کا خالق ہے' میں تو تمہیں کلام اللہ پہنچا رہا ہوں' تمہاری خیرخواہی کرتا ہوں اور امانت داری سے حق رسالت ادا کر رہا ہوں۔ یہی وہ صفتیں ہیں جو تمام رسولوں میں یکساں ہوتی ہیں' یعنی پیغام حق پہنچانا' لوگوں کی بھلائی چاہنا اور امانتداری کا نمونہ بننا۔ تم میری رسالت پر تعجب نہ کرو بلکہ اللہ کا شکر بجالاؤ کہ اس نے تم میں سے ایک فرد کو اپنا پیغمبر بنایا کہ وہ تمہیں عذاب الٰہی سے ڈرا دے' تمہیں رب کے اس احسان کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اس نے تمہیں ہلاک ہونے والوں کے بقایا میں سے بنایا' تمہیں باقی رکھا' اتنا ہی نہیں بلکہ تمہیں قوی ہیکل' مضبوط اور طاقتور کر دیا۔ یہی نعمت حضرت طالوت پر تھی کہ انہیں جسمانی اور علمی کشادگی دی گئی تھی۔ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو تا کہ نجات حاصل کر سکو۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾

وہ کہنے لگے کہ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ جا اگر تو سچا ہے تو جن عذابوں سے تو ہمیں دھمکا رہا ہے انہیں لے آ ○

قوم عاد کا باغیانہ رویہ: ☆☆ (آیت: ۷۰) قوم عاد کی سرکشی، تکبر، ضد اور عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہی ہے کہ ہم اللہ واحد کے پرستار بن جائیں اور باپ دادوں کے پرانے معبودوں سے روگردانی کر لیں؟ سنو اگر یہی مقصود ہے تو اس کا پورا ہونا محال ہے، ہم تیار ہیں، اگر تم سچے ہو تو اپنے اللہ سے ہمارے لئے عذاب طلب کرو- یہی کفار مکہ نے کہا تھا، کہنے لگے کہ یا اللہ محمد کا کہا حق ہے اور وہ واقعی تیرا کلام ہے اور ہم نہیں مانتے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا، کوئی اور سخت المناک عذاب ہمیں کر- قوم عاد کے بتوں کے نام یہ ہیں، صد، صمو دھبا، ان کی اس ڈھٹائی کے مقابلے میں اللہ کا عذاب اور اس کا غضب ثابت ہو گیا- رجس سے مراد رجز، یعنی عذاب ہے ناراضی اور غصے کے معنی یہی ہیں-

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

ع ۱۲ / ۱۷

ہود نے کہا، یقیناً تم پر تمہارے رب کی جانب سے بلا اور غضب پڑ ہی چکا، کیا تم مجھ سے ان چند ناموں کی خاطر لڑ بھڑ رہے ہو جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے مقرر کر لئے ہیں، جن کی کوئی سند اللہ نے نہیں اتاری، اچھا تو اب تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ○ آخر ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ایمان قبول کرنے والے نہ تھے ○

(آیت: ۷۱-۷۲) پھر فرمایا تم ان بتوں کی بابت مجھ سے جھگڑ رہے ہو جن کے نام بھی تم نے خود رکھے ہیں، یا تمہارے بڑوں نے اور خواہ مخواہ بے وجہ انہیں معبود سمجھ بیٹھے ہو، یہ پتھر کے ٹکڑے محض بے ضرر اور بے نفع ہیں، نہ اللہ نے ان کی عبادت کی کوئی دلیل اتاری ہے، ہاں اگر تم مقابلے پر اتر ہی آئے ہو تو منتظر رہو میں بھی منتظر ہوں، ابھی معلوم ہو جائے گا کہ مقبول بارگاہ رب کون ہے اور مردود بارگاہ کون ہے؟ کون مستحق عذاب ہے اور کون قابل ثواب ہے؟ آخرش ہم نے اپنے نبی کو اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو نجات دی اور کافروں کی جڑیں کاٹ دیں- قرآن کریم کے کئی مقامات پر جناب باری عزوجل نے ان کی تباہی کے صورت بیان فرمائی ہے، کہ ان پر خیر سے خالی، تند اور تیز ہوائیں بھیجی گئیں جنہوں نے انہیں اور ان کی تمام چیزوں کو غارت اور برباد کر دیا- عاد لوگ بڑے زناٹے کی سخت آندھی سے ہلاک کر دیئے گئے، جو ان پر برابر سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی، سارے کے سارے اس طرح ہو گئے جیسے

کھجور کے درختوں کے تنے الگ ہوں اور شاخیں الگ ہوں۔ دیکھ لے ان میں سے ایک بھی اب نظر آ رہا ہے؟ ان کی سرکشی کی سزا میں سرکش ہوا ان پر مسلط کر دی گئی جو ان میں سے ایک ایک کو اٹھا کر آسمان کی بلندی کی طرف لے جاتی اور وہاں سے گراتی جس سے سر الگ ہو جاتا اور دھڑ الگ گر جاتا۔ یہ لوگ یمن کے ملک میں' عمان اور حضر موت میں رہتے تھے۔ ادھر ادھر نکلتے اور لوگوں کو مار پیٹ کر جبراً وقہراً ان کے ملک و مال پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے' سارے کے سارے بت پرست تھے حضرت ہودؑ جو ان کے شریف خاندانی شخص تھے' ان کے پاس رب کی رسالت لے کر آئے' اللہ کی توحید کا حکم دیا' شرک سے روکا' لوگوں پر ظلم کرنے کی برائی سمجھائی' لیکن انہوں نے اس نصیحت کو قبول نہ کیا' مقابلے پر تن گئے اور اپنی قوت سے حق کو دبانے لگے۔

گو بعض لوگ ایمان لائے تھے لیکن وہ بھی بیچارے جان کے خوف سے پوشیدہ رکھے ہوئے تھے' باقی لوگ بدستور اپنی بے ایمانی اور ناانصافی پر جمے رہے' خواہ مخواہ فوقیت ظاہر کرنے لگے' بیکار عمارتیں بناتے اور پھولے نہ سماتے۔ ان سب کاموں کو اللہ کے رسول (حضرت ہود) ناپسند فرماتے' انہیں روکتے' تقویٰ کی اور اطاعت کی ہدایت کرتے' لیکن یہ کبھی تو انہیں بے دلیل بتاتے' کبھی انہیں مجنوں کہتے۔ آپ اپنی برات ظاہر کرتے اور ان سے صاف فرماتے کہ مجھے تمہاری قوت و طاقت کا مطلقاً خوف نہیں' جاؤ تم سے جو ہو سکے کر لو' میرا بھروسہ اللہ پر ہے' اس کے سوا نہ کوئی بھروسے کے لائق' نہ عبادت کے قابل' ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز پست اور لاچار ہے' یہی راہ اللہ کی راہ ہے آخر جب یہ اپنی برائیوں سے باز نہ آئے تو ان پر بارش نہ برسائی گئی تین سال تک قحط سالی رہی' زچ ہو گئے' تنگ آ گئے' آخر یہ سوچا کہ چند آدمیوں کو بیت اللہ شریف بھیجیں' وہ وہاں جا کر اللہ سے دعائیں کریں۔ یہی ان کا دستور تھا کہ جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو وہاں وفد بھیجتے۔ اس وقت ان کا قبیلہ عمالیق حرم شریف میں بھی رہتا تھا' یہ لوگ عملیق بن آدم بن سام بن نوح کی نسل میں سے تھے' ان کا سردار اس زمانے میں معاویہ بن بکر تھا۔ اس کی ماں قوم عاد سے تھی جس کا نام جاہدہ بنت خبیری تھا۔

عادیوں نے اپنے ہاں سے ستر اشخاص کو منتخب کر کے بطور وفد مکے شریف کو روانہ کیا' یہاں آ کر یہ معاویہ کے مہمان بنے' پرتکلف دعوتوں کے اڑانے' شراب خوری کرنے اور معاویہ کی دو لونڈیوں کا گانا سننے میں اس بے خودی سے مشغول ہو گئے کہ پورا ایک مہینہ گذر گیا' انہیں اپنے کام کی طرف مطلق توجہ نہ ہوئی' معاویہ ان کی یہ روش دیکھ کر اور اپنی قوم کی بری حالت سامنے رکھ کر بہت کڑھتا تھا' لیکن یہ مہمان نوازی کے خلاف تھا کہ خود ان سے کہتا کہ جاؤ۔ اس لئے اس نے کچھ اشعار کہے اور ان ہی دونوں کنیزوں کو یاد کرائے کہ وہ یہی گا کر انہیں سنائیں۔ ان شعروں کا مضمون یہ تھا کہ اے لوگو جو قوم کی طرف سے اللہ سے دعائیں کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو' اللہ عادیوں پر بارش برسائے جو آج قحط سالی کی وجہ سے تباہ ہو گئے ہیں بھوکے پیاسے مر رہے ہیں' بوڑھے بچے' مرد' عورتیں تباہ حال پھر رہے ہیں یہاں تک کہ بولنا چالنا ان پر دوبھر ہو گیا ہے۔ جنگلی جانور آن کی آبادیوں میں پھر رہے ہیں کیونکہ کسی عادی میں اتنی قوت کہاں کہ وہ تیر چلا سکے' لیکن افسوس کہ تم یہاں اپنے من مانے مشغلوں میں منہمک ہو گئے اور بے فائدہ وقت ضائع کرنے لگے' تم سے زیادہ برا وفد دنیا میں کوئی نہ ہو گا۔ یاد رکھو اگر اب بھی تم نے مستعدی سے قومی خدمت نہ کی تو تم برباد اور غارت ہو جاؤ گے' یہ سن کر ان کے کان کھڑے ہوئے' یہ حرم میں گئے اور دعائیں مانگنا شروع کیں اللہ تعالیٰ نے تین بادل ان کے سامنے پیش کئے۔ ایک سفید' ایک سیاہ' ایک سرخ' اور ایک آواز آئی کہ ان میں سے ایک اختیار کر لو' قیل بن غز نے سیاہ بادل پسند کیا' آواز آئی کہ تو نے سیاہ بادل پسند کیا جو عادیوں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑے گا نہ باپ کو نہ بیٹے کو' سب کو غارت کر دے گا سوائے بنی لوذیہ کے۔ یہ بنی لوذیہ بھی عادیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مکے میں مقیم تھے' ان پر وہ عذاب نہیں آئے تھے' یہی باقی

رہے اور انہی میں سے عاد اُخریٰ ہوئے' اس وفد کے سردار نے سیاہ بادل پسند کیا تھا جو اسی وقت عادیوں کی طرف چلا' اس شخص کا نام قیل بن غز تھا۔ جب یہ بادل عادیوں کے میدان میں پہنچا جس کا نام مغیث تھا تو اسے دیکھ کر وہ لوگ خوشیاں منانے لگے کہ ابر سے پانی ضرور برسے گا' حالانکہ یہ وہ تھا جس کی یہ لوگ نبی کے مقابلہ میں جلدی مچا رہے تھے' جس میں المناک عذاب تھا' جو تمام چیزوں کو فنا کر دینے والا تھا' سب سے پہلے اس عذاب الٰہی کو ایک عورت نے دیکھا جس کا نام ممید تھا یہ چیخ مار کر بیہوش ہو گئی' جب ہوش آئی تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا آگ کا بگولہ جو بصورت ہوا تھا جسے فرشتے گھسیٹتے چلے آتے تھے۔ برابر سات راتیں اور آٹھ دن تک یہ آگ والی ہوا ان پر چلتی رہی اور عذاب کا بادل ان پر برستا رہا' تمام عادیوں کا ستیاناس ہو گیا۔

حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے مومن ساتھی ایک باغیچے میں چلے گئے' وہاں اللہ نے انہیں محفوظ رکھا' وہی ہوا' ٹھنڈی اور بھینی بھینی ہو کر ان کے جسموں کو لگتی رہی جس سے روح کو تازگی اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی رہی۔ ہاں عادیوں پر اس ہوا نے سنگباری شروع کر دی' ان کے دماغ پھٹ گئے' آخر انہیں اٹھا اٹھا کر دے پٹخا' سر الگ ہو گئے دھڑ الگ جا پڑے' یہ ہوا سوار کو سواری سمیت ادھر اٹھا لیتی تھی اور بہت اونچا لے جا کر اسے اوندھا دے پٹختی تھی' یہ سیاق بہت غریب ہے اور اس میں بہت سے فوائد ہیں۔ عذاب الٰہی کے آ جانے سے حضرت ہودؑ کو اور مومنوں کو نجات مل گئی رحمت حق ان کے شامل حال رہی اور باقی کفار اس بدترین سزا میں گرفتار ہوئے۔

مسند احمد میں ہے حضرت حارث بکری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں اپنے ہاں سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں علا بن حضرمی کی شکایت لے کر چلا۔ جب میں ربذہ میں پہنچا تو بنو تمیم کی ایک بڑھیا لاچار ہو کر بیٹھی ہوئی ملی' مجھ سے کہنے لگی' اے اللہ کے بندے مجھے سرکار رسالت مابؐ میں پہنچنا ہے' کیا تو میرے ساتھ اتنا سلوک کرے گا کہ مجھے دربار رسالت میں پہنچا دے؟ میں نے کہا آؤ چنانچہ میں نے اسے اپنے اونٹ پر بٹھا لیا اور مدینے پہنچا' دیکھا کہ مسجد لوگوں سے بھری ہوئی ہے' سیاہ جھنڈے لہرا رہے ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے سامنے تلوار لٹکائے کھڑے ہیں' میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا' حضور ﷺ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں کہیں لشکر بھیجنے والے ہیں میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا' اتنے میں حضور ﷺ اپنی منزل میں تشریف لے گئے' میں آپ کے پیچھے چلا گیا' اجازت طلب کی' اجازت ملی جب میں نے اندر جا کر سلام کیا تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا' کیا تم میں اور بنو تمیم میں کچھ چشمک ہے؟ میں نے کہا' حضورؐ اس کے ذمہ دار وہی ہیں' میں اب حاضر خدمت ہو رہا تھا تو راستے میں قبیلہ تمیم کی ایک بڑھیا عورت مل گئی جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی' اس نے مجھ سے درخواست کی اور میں اسے اپنی سواری پر بٹھا کر یہاں لایا ہوں' وہ دروازے پر بیٹھی ہوئی ہے' آپ نے اسے بھی اندر آنے کی اجازت دی۔

میں نے کہا یا رسول اللہ' ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی روک کر دیجئے' اس پر بڑھیا تیز ہو کر بولی' اگر آپ نے ایسا کر دیا تو پھر آپ کے ہاں کے بے بس کہاں پناہ لیں گے؟ میں نے کہا سبحان اللہ! تیری اور میری تو وہی مثل ہوئی کہ بکری اپنی موت کو آپ اٹھا کر لے گئی' میں نے ہی تجھے یہاں پہنچایا' مجھے اس کے انجام کی کیا خبر تھی؟ اللہ نہ کرے کہ میں بھی عادی قبیلے کے وفد کی طرح ہو جاؤں' تو حضور نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ بھئی عادیوں کے وفد کا قصہ کیا ہے؟ باوجودیکہ آپ کو مجھ سے زیادہ اس کا علم تھا' لیکن یہ سمجھ کر کہ اس وقت آپ باتیں کرنا چاہتے ہیں' میں نے قصہ شروع کر دیا کہ حضور' جس وقت عادیوں میں قحط سالی نمودار ہوئی تو انہوں نے قیل نامی ایک شخص کو بطور قاصد کے بیت اللہ شریف دعا وغیرہ کرنے کے لئے بھیجا' یہ معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر مہمان بنا' یہاں شراب و کباب اور راگ رنگ

میں ایسا مشغول ہوا کہ مہینے بھر تک جام لنڈھاتا رہا اور معاویہ کی دو لونڈیوں کے گانے سنتا رہا' ان کا نام جرادہ تھا' مہینے بھر کے بعد مہرہ کے پہاڑوں پر گیا اور اللہ سے دعا مانگنے لگا کہ باری تعالیٰ میں کسی بیمار کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کے فدیئے کے لئے نہیں آیا' یا اللہ عادیوں کو تو وہ پلا جو پلایا کرتا تھا۔ اتنے میں وہ دیکھتا ہے کہ چند سیاہ رنگ کے بادل اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں' ان میں سے ایک غیبی صدا آئی کہ ان میں سے جو تجھے پسند ہو' قبول کر لے' اس نے سخت سیاہ بادل کو اختیار کیا' اسی وقت دوسری آواز آئی کہ لے لے خاک راکھ جو عادیوں میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑے' عادیوں پر ہوا کے خزانے میں سے صرف بقدر انگوٹھی کے حلقے کے ہوا چھوڑی گئی تھی جس نے سب کو غارت اور تہہ و بالا کر دیا۔ ابووائل کہتے ہیں یہ واقعہ سارے عرب میں ضرب المثل ہو گیا تھا' جب لوگ کسی کو بطور وفد کے بھیجتے تھے تو کہہ دیا کرتے تھے کہ عادیوں کے وفد کی طرح نہ ہو جانا۔ اسی طرح مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ سنن کی اور کتابوں میں بھی یہ واقعہ موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

ثمودیوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا جس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو اللہ کی عبادت کرو' تمہارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل بھی آ چکی' اللہ کی یہ اونٹنی تمہارے لئے نشان ہے' اسے آزاد کر دو کہ یہ اللہ کی زمین میں چرتی چگتی رہے خبردار اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا کہ تمہیں دردناک عذاب آ دبوچیں ○

ثمود کی قوم اور اس کا عبرت ناک انجام: ☆☆ (آیت: ۷۳) علمائے نسب نے بیان کیا ہے کہ ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح' یہ بھائی تھا جدیس بن عامر کا۔ اسی طرح قبیلہ طسم یہ سب خالص عرب تھے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے پہلے ثمودی عادیوں کے بعد ہوئے ہیں' ان کے شہر حجاز اور شام کے درمیان وادی القری اور اس کے اردگرد مشہور ہیں۔ سنہ ۹ھ میں تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ان کی اجاڑ بستیوں میں سے گزرے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ جب حضور ﷺ تبوک کے میدان میں اترے' لوگوں نے ثمودیوں کے گھروں کے پاس ڈیرے ڈالے اور انہی کے کنوؤں کے پانی سے آٹے گوندھے' ہانڈیاں چڑھائیں' تو آپ نے حکم دیا کہ سب ہانڈیاں الٹ دی جائیں اور گندھے ہوئے آٹے اونٹوں کو کھلا دیئے جائیں' پھر فرمایا' یہاں سے کوچ کرو اور اس کنوئیں کے پاس ٹھہرو جس سے حضرت صالح کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور فرمایا' آئندہ عذاب والی بستیوں میں پڑاؤ نہ کیا کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی عذاب کے شکار تم بھی بن جاؤ۔

ایک روایت میں ہے ان کی بستیوں سے روتے اور ڈرتے ہوئے گذرو کہ مبادا وہی عذاب تم پر آ جائیں' جو ان پر آئے تھے۔ اور روایت میں ہے کہ غزوہ تبوک میں لوگ بہ عجلت حجر کے لوگوں کے گھروں کی طرف لپکے' آپ نے اسی وقت یہ آواز بلند کرنے کا کہا الصلوۃ جامعۃ' جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے گھروں میں کیوں گھسے جا رہے ہو جن پر غضب الٰہی نازل ہوا' راوی حدیث ابوکبشہ فرماتے ہیں' رسول اللہ کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ' ہم تو صرف تعجب کے طور پر انہیں دیکھنے چلے گئے تھے' آپ نے فرمایا میں تمہیں اس سے بھی تعجب خیز چیز بتا رہا ہوں' تم میں سے ہی ایک شخص ہے جو تمہیں وہ چیز بتا رہا ہے جو

گذر چکیں اور وہ خبریں دے رہا ہے جو تمہارے سامنے ہیں اور جو تمہارے بعد ہونے والی ہیں پس تم ٹھیک ٹھاک رہو اور سیدھے چلے جاؤ' تمہیں بھی عذاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں' یاد رکھو' ایسے لوگ آئیں گے جو اپنی جانوں سے کسی چیز کو دفع نہ کر سکیں گے۔ حضرت ابو کبشہؓ کا نام عمر بن سعد ہے اور کہا گیا ہے کہ عامر بن سعد ہے۔ واللہ اعلم ایک روایت میں ہے کہ حجر کی بستی کے پاس آتے ہی حضور ﷺ نے فرمایا' معجزے نہ طلب کرو' دیکھو قوم صالح نے معجزہ طلب کیا جو ظاہر ہوا یعنی اونٹنی جو اس راستے سے آتی تھی اور اس راستے سے جاتی تھی' لیکن ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں' ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی تھی اور ایک دن یہ سب اس کا دودھ پیتے تھے' اس اونٹنی کو مار ڈالنے پر ان پر ایک چیخ آئی اور یہ جتنے بھی تھے سب کے سب ڈھیر ہو گئے' بجز اس ایک شخص کے جو حرم شریف میں تھا لوگوں نے پوچھا' اس کا نام کیا تھا؟ فرمایا ابو رغال' یہ بھی جب حد حرم سے باہر آیا تو اسے بھی وہی عذاب ہوا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں تو نہیں لیکن ہے مسلم شریف کی شرط پر۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ثمودی قبیلے کی طرف سے ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ تمام نبیوں کی طرح آپ نے بھی اپنی امت کو سب سے پہلے توحید الٰہی سکھائی' کہ فقط اس کی عبادت کریں' اس کے سوا اور کوئی لائق عبادت نہیں۔ اللہ کا فرمان ہے' جتنے بھی رسول آئے سب کی طرف یہی وحی کی جاتی رہی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' صرف میری ہی عبادت کرو۔ اور ارشاد ہے' ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا اوروں کی عبادت سے بچو۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

یاد کرلو کہ اللہ نے عادیوں کے بعد تمہیں خلیفہ بنایا ہے اور تمہیں ایسی زمین میں بسایا ہے کہ تم اس کے نرم حصے میں محلات بنا رہے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو' پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور فسادی بن کر زمین میں تباہی برپا کرتے نہ پھرو ○ اس کی قوم کے سرکش سرداروں نے قوم کے کمزور ایمان داروں سے کہا کہ کیا تمہیں صالح کے رسول اللہ ہونے کا پورا علم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ہاں ہم تو جس شریعت کے ساتھ وہ بھیجے گئے ہیں' ایمان رکھنے والے ہیں ○

(آیت: ۶۴۔۷۵) حضرت صالحؑ فرماتے ہیں' لوگو تمہارے پاس دلیل الٰہی آ چکی جس میں میری سچائی ظاہر ہے' ان لوگوں نے حضرت صالحؑ سے یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ ایک سنگلاخ چٹان جو ان کی بستی کے ایک کنارے پڑی تھی جس کا نام کاتبہ تھا' اس سے آپ ایک اونٹنی نکالیں جو گابھن ہو (دودھ دینے والی اونٹنی جو دس ماہ کی حاملہ ہو) حضرت صالحؑ نے ان سے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو تم ایمان قبول کر لو گے؟ انہوں نے پختہ وعدے کئے اور مضبوط عہد و پیمان کئے' حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھی' دعا کی' ان سب کے دیکھتے ہی چٹان نے ہلنا شروع کیا اور چیخ گئی اس کے بیچ سے ایک اونٹنی نمودار ہوئی' اسے دیکھتے ہی ان کے سردار جندع بن عمرو نے تو اسلام قبول کر لیا اور اس کے

ساتھیوں نے بھی' باقی جو اور سردار تھے' وہ ایمان لانے کے لئے تیار تھے' مگر ذواب بن عمرو بن لبید نے اور حباب نے جو بتوں کا مجاور تھا اور رباب بن ہمر بن جلمس وغیرہ نے انہیں روک دیا۔ حضرت جندع کا بھتیجا شہاب نامی تھا یہ ثمودیوں کا بڑا عالم فاضل اور شریف شخص تھا۔ اس نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن انہی بدبختوں نے اسے بھی روکا جس پر ایک مومن ثمودی مہوش بن غنمہ نے کہا' کہ آل عمرو نے شہاب کو دین حق کی دعوت دی' قریب تھا کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو جائے اور اگر ہو جاتا تو اس کی عزت سوا ہو جاتی' مگر بدبختوں نے اسے روک دیا اور نیکی سے ہٹا کر بدی پر لگا دیا اس حاملہ اونٹنی کو اس وقت بچہ ہوا' ایک مدت تک دونوں ان میں رہے۔ ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی اس دن اس قدر دودھ دیتی کہ یہ لوگ اپنے سب برتن بھر لیتے' جیسے قرآن میں ہے وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ الخ اور آیت میں ہے هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ یہ ہے اونٹنی اس کے اور تمہارے پانی پینے کے دن تقسیم شدہ اور مقررہ ہیں۔ یہ اونٹنی ثمودیوں کی بستی حجر کے ارد گرد چرتی' چگتی تھی ایک راہ جاتی' دوسری راہ آتی' یہ بہت ہی موٹی تازی اور ہیبت والی اونٹنی تھی جس راہ سے گذرتی' سب جانور ادھر ادھر ہو جاتے' کچھ زمانہ گذرنے کے بعد ان اوباشوں نے ارادہ کیا کہ اس کو مار ڈالیں تاکہ ہر دن ان کے جانور برابر پانی پی سکیں' ان اوباشوں کے ارادوں پر سب نے اتفاق کیا یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور انہیں شہہ دی کہ ہاں اس پاپ کو کاٹ دو' اس اونٹنی کو مار ڈالو۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

جن لوگوں نے سرکشی کی تھی انہوں نے کہا کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں ○ پس انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح جن عذابوں سے تو ہمیں دھمکاتا رہتا ہے' اگر تو فی الواقع پیغمبروں میں سے ہے تو انہیں ہم پر نازل کر دے ○ پس انہیں زلزلے نے آ پکڑا جس سے وہ اپنے گھروں میں ہی زانو پر اوندھے گرے ہوئے مردے رہ گئے ○

(آیت:۷۶-۷۸) چنانچہ قرآن کریم میں ہے فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا الخ قوم صالح نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ کر اسے مار ڈالا' تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کے بدلے ان پر ہلاکت نازل فرمائی اور ان سب کو یکساں کر دیا اور آیت میں ہے کہ ہم نے ثمودیوں کو اونٹنی دی جو ان کے لئے پوری سمجھ بوجھ کی چیز تھی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا' یہاں بھی فرمایا کہ انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا' پس اس فعل کی اسناد سارے ہی قبیلے کی طرف ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ چھوٹے بڑے سب اس امر پر متفق تھے امام ابن جریرؒ وغیرہ کا فرمان ہے کہ اس کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ عنیزہ بنت غنم بن مجلز جو ایک بڑھیا کافرہ تھی اور حضرت صالحؑ سے بڑی دشمنی رکھتی تھی' اس کی لڑکیاں بہت خوبصورت تھیں اور تھی بھی یہ عورت مالدار' اس کے خاوند کا نام ذواب بن عمرو تھا جو ثمودیوں کا ایک سردار تھا' یہ بھی کافر تھا۔ اسی طرح ایک اور عورت تھی جس کا نام صدقہ بنت محیا بن زہیر بن مختار تھا' یہ بھی حسن کے علاوہ مال اور حسب نسب میں بڑھی ہوئی تھی' اس کا خاوند مسلمان ہو گیا تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس سرکش عورت نے خاوند کو چھوڑ دیا۔ اب یہ دونوں عورتیں لوگوں کو اکساتی تھیں کہ کوئی آمادہ ہو جائے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر دے۔ صدقہ نامی عورت نے ایک شخص حباب کو بلایا اور اسے کہا کہ میں تیرے گھر آ

جاؤں گی اگر تو اس اونٹنی کو قتل کر دے' لیکن اس نے انکار کر دیا' اس پر اس نے مصدع بن مہرج بن محیا کو بلایا جو اس کے چچا کا لڑکا تھا اور اسے اس بات پر آمادہ کر لیا۔ یہ خبیث اس کے حسن و جمال کا مفتوں تھا' اس برائی پر آمادہ ہو گیا۔ ادھر عنیزہ نے قدار بن سالف بن جذع کو بلا کر اس سے کہا کہ میری ان خوبصورت نوجوان لڑکیوں میں سے جسے تو پسند کرے' اسے میں تجھے دے دوں گی اس شرط پر' کہ اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈال' یہ خبیث بھی آمادہ ہو گیا' یہ تھا بھی زناکاری کا بچہ (زنا کی پیداوار)' سالف کی اولاد میں نہ تھا' جیسان نامی ایک شخص سے اس کی بدکار ماں نے زناکاری کی تھی' یہ اسی سے پیدا ہوا تھا اب دونوں چلے اور اہل ثمود اور دوسرے شریروں کو بھی اس پر آمادہ کیا چنانچہ سات شخص اور بھی اس پر آمادہ ہو گئے اور یہ نو فسادی شخص اس بد ارادے پر تل گئے' جیسے قرآن کریم میں ہے وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ اس شہر میں نو شخص تھے جن میں اصلاح کا مادہ ہی نہ تھا' سراسر فسادی ہی تھے' چونکہ یہ لوگ قوم کے سردار تھے' ان کے کہنے سننے سے تمام کفار بھی اس پر راضی ہو گئے اور اونٹنی کے واپس آنے کے راستے میں یہ دونوں شریر اپنی اپنی کمین گاہوں میں بیٹھ گئے' جب اونٹنی نکلی تو پہلے مصدع نے اسے تیر مارا جو اس کی ران کی ہڈی میں پیوست ہو گیا اسی وقت عنیزہ نے اپنی خوبصورت لڑکی کو کھلے منہ قدار کے پاس بھیجا' اس نے کہا' قدار کیا دیکھتے ہو' اٹھو اور اس کا کام تمام کر دو' یہ اس کی شکل دیکھتے ہی دوڑا اور اس کے دونوں پچھلے پاؤں کاٹ دیئے' اونٹنی چکرا کر گری اور ایک آواز نکالی جس سے اس کا بچہ ہوشیار ہو گیا اور اس راستے کو چھوڑ کر پہاڑی پر چلا گیا۔ ادھر قدار نے اونٹنی کا گلا کاٹ دیا اور وہ مر گئی' اس کا بچہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ بلبلایا۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ اس نے اللہ کی سامنے اپنی ماں کے قتل کی فریاد کی' پھر جس چٹان سے نکلا تھا' اسی میں سما گیا۔ یہ روایت بھی ہے کہ اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ ہی ذبح کر دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم حضرت صالح علیہ السلام کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ گھبرائے ہوئے موقعہ پر پہنچے' دیکھا کہ اونٹنی بے جان پڑی ہے' آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور فرمایا' بس اب تین دن میں تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے' ہوا بھی یہی' بدھ کے دن ان لوگوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا اور چونکہ کوئی عذاب نہ آیا' اس لئے اترا گئے اور ان مفسدوں نے ارادہ کر لیا کہ آج شام کو صالح کو بھی مار ڈالو' اگر واقعی ہم ہلاک ہونے والے ہی ہیں تو پھر یہ کیوں بچا رہے؟ اور اگر ہم پر عذاب نہیں آتا تو بھی آؤ روز روز کے اس جھنجھٹ سے پاک ہو جائیں۔

چنانچہ قرآن کریم کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے مل کر مشورہ کیا اور پھر قسمیں کھا کر اقرار کیا کہ رات کو صالح کے گھر پر چھاپہ مارو اور اسے اور اس کے گھرانے کو تہ تیغ کرو اور صاف انکار کر دو کہ ہمیں کیا خبر کہ کس نے مارا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' ان کے اس مکر کے مقابل' ہم نے بھی مکر کیا اور یہ ہمارے مکر سے بالکل بے خبر رہے' اب انجام دیکھ لو کہ کیا ہوا؟ رات کو یہ اپنی بدنیتی سے حضرت صالحؑ کے گھر کی طرف چلے' آپ کا گھر پہاڑ کی بلندی پر تھا' ابھی یہ اوپر چڑھ ہی رہے تھے کہ اوپر سے ایک چٹان پتھر کی لڑھکتی ہوئی آئی اور سب کو ہی پیس ڈالا ان کا تو یہ حشر ہوا ادھر جمعرات کے دن تمام ثمودیوں کے چہرے زرد پڑ گئے' جمعہ کے دن ان کے چہرے آگ جیسے سرخ ہو گئے اور ہفتے کے دن جو مہلت کا آخری دن تھا' ان کے منہ سیاہ ہو گئے۔ تین دن جب گذر گئے تو چوتھا دن اتوار صبح ہی صبح سورج کے روشن ہوتے ہی اوپر آسمان سے سخت کڑاکا ہوا' جس کی ہولناک دہشت انگیز چنگھاڑ نے ان کے کلیجے پھاڑ دیئے' ساتھ ہی نیچے سے زبردست زلزلہ آیا' ایک ہی ساعت میں ایک ساتھ ہی ان سب کا ڈھیر ہو گیا' مُردوں سے مکانات' بازار' گلی' کوچے بھر گئے' مرد' عورت' بچے' بوڑھے اول سے آخر تک سارے کے سارے تباہ ہو گئے شان رب دیکھئے کہ اس واقعہ کی خبر دنیا کو پہنچانے کے لئے ایک کافرہ عورت بچا دی گئی' یہ بھی بڑی خبیثہ تھی' حضرت صالح علیہ السلام کی عداوت کی آگ سے بھری ہوئی تھی' اس کی دونوں ٹانگیں نہیں تھیں لیکن ادھر عذاب آیا' ادھر اس کے پاؤں کھل گئے' اپنی بستی سے سرپٹ بھاگی

اور تیز دوڑتی ہوئی دوسرے شہر پہنچی اور وہاں جا کر ان سب کے سامنے سارا واقعہ بیان کر ہی چکنے کے بعد ان سے پانی مانگا۔ ابھی پوری پیاس بھی نہ بجھی تھی کہ عذاب الٰہی آ پڑا اور وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ ہاں ابو رغال نامی ایک شخص اور بچ گیا تھا یہ یہاں نہ تھا حرم کی پاک زمین میں تھا' لیکن کچھ دنوں کے بعد جب یہ اپنے کسی کام کی غرض سے حد حرم سے باہر آیا' اسی وقت آسمان سے پتھر آیا اور اسے بھی جہنم واصل کیا ثمودیوں میں سے سوائے حضرت صالحؑ اور ان کے مومن صحابہؓ کے اور کوئی بھی نہ بچا۔ ابو رغال کا واقعہ اس سے پہلے حدیث میں بیان ہو چکا ہے۔ قبیلہ ثقیف جو طائف میں ہے' مذکور ہے کہ یہ اس کی نسل سے ہیں۔ عبدالرزاق میں ہے کہ اس کی قبر کے پاس سے رسول کریم ﷺ جب گذرے تو فرمایا جانتے ہو یہ کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے' آپؐ نے فرمایا' یہ ابو رغال کی قبر ہے' یہ ایک ثمودی شخص تھا' اپنی قوم کے عذاب کے وقت یہ حرم میں تھا' اس وجہ سے عذاب الٰہی سے بچ رہا لیکن حرم شریف سے نکلا تو اسی وقت اپنی قوم کے عذاب سے یہ بھی ہلاک ہوا اور یہیں دفن کیا گیا اور اس کے ساتھ اس کی سونے کی لکڑی بھی دفنا دی گئی' چنانچہ لوگوں نے اس گڑھے کو کھود کر اس میں سے وہ لکڑی نکال لی۔

اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا' ثقیف قبیلہ اسی کی اولاد ہے' ایک مرسل حدیث میں بھی یہ ذکر موجود ہے۔ یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا' اس کے ساتھ سونے کی شاخ دفن کر دی گئی تھی' یہی نشان اس کی قبر کا ہے' اگر تم اسے کھودو تو وہ شاخ ضرور نکل آئے گی' چنانچہ بعض لوگوں نے اسے کھودا اور وہ شاخ نکال لی۔ ابو داؤد میں بھی یہ روایت ہے اور حسن عزیز ہے لیکن میں کہتا ہوں اس حدیث کے وصل کا صرف ایک طریقہ بجیر بن ابی بجیر کا ہے اور یہ صرف اسی حدیث کے ساتھ معروف ہے اور بقول حضرت امام یحییٰ بن معینؒ سوائے اسماعیل بن ابی امیہ کے اسے اس سے اور کسی نے روایت نہیں کیا' احتمال ہے کہ کہیں اس حدیث کے مرفوع کرنے میں خطا نہ ہو۔ یہ عبداللہ بن عمرو ہی کا قول ہو اور پھر اس صورت میں یہ بھی ممکنات سے ہے کہ انہوں نے اسے ان دو دفتروں سے لے لیا ہو جو انہیں جنگ یرموک میں ملے تھے۔ میرے استاد شیخ ابو الحجاجؒ اس روایت کو پہلے تو حسن عزیز کہتے تھے لیکن جب میں نے ان کے سامنے یہ حجت پیش کی تو آپ نے فرمایا بے شک ان امور کا اس میں احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

حضرت صالحؑ نے ان سے منہ موڑ لیا اور فرمایا کہ میرے بھائیو میں تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہاری پوری خیر خواہی کی' لیکن افسوس تم اپنے خیر خواہوں کو اپنا دوست نہیں سمجھتے ○

صالح علیہ السلام ہلاکت کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں: ☆☆ (آیت: ۷۹) قوم کی ہلاکت دیکھ کر افسوس' حسرت اور آخری ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر پیغمبر حق حضرت صالح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نہ تمہیں رب کی رسالت نے فائدہ پہنچایا نہ میری خیر خواہی ٹھکانے لگی' تم اپنی بے سمجھی سے دوست کو دشمن سمجھ بیٹھے اور آخر اس روز بد کو دعوت دے لی۔ چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی جب بدری کفار پر غالب آئے' وہیں تین دن تک ٹھہرے رہے' پھر رات کے آخری وقت اونٹنی پر زین کس کر آپ تشریف لے چلے اور جب اس گھاٹی کے پاس پہنچے جہاں ان کافروں کی لاشیں ڈالی گئی تھیں تو آپ ٹھہر گئے اور فرمانے لگے' اے ابو جہل' اے عتبہ' اے شیبہ' اے فلاں' اے فلاں' بتاؤ رب کے وعدے تم نے درست پائے؟ میں نے تو اپنے رب کے فرمان کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی' حضرت عمرؓ نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ آپ ان

جسموں سے باتیں کر رہے ہیں جو مردار ہو گئے؟ آپ نے فرمایا' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں جو ان سے کہہ رہا ہوں اسے یہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں' لیکن جواب کی طاقت نہیں۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' تم نے میرا خاندان ہونے کے باوجود میرے ساتھ وہ برائی کی کہ کسی خاندان نے اپنے پیغمبر کے ساتھ نہ کی' تم نے میرے ہم قبیلہ ہونے کے باوجود مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے مجھے سچا سمجھا' تم نے رشتہ داری کے باوجود مجھے دیس نکالا دیا اور دوسروں نے مجھے اپنے ہاں جگہ دی' افسوس تم اپنے ہو کر مجھ سے برسر جنگ رہے اور دوسروں نے میری امداد کی' پس تم اپنے نبی کے بدترین قبیلے ہو۔ یہی حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ میں نے تو ہمدردی کی انتہا کر دی' اللہ کے پیغام کی تبلیغ میں' تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی' لیکن آہ نہ تم نے اس سے کوئی فائدہ اٹھایا' نہ حق کی پیروی کی' نہ اپنے خیر خواہ کی مانی' بلکہ اسے اپنا دشمن سمجھا۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ ہر نبی جب دیکھتا کہ اب میری امت پر عام عذاب آنے والا ہے انہیں چھوڑ کر نکل کھڑا ہوتا اور حرم مکہ میں پناہ لیتا۔ واللہ اعلم۔

مسند احمد میں ہے کہ حج کے موقعہ پر جب رسول کریم ﷺ وادی عسفان پہنچے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ یہ کونسی وادی ہے؟ آپ نے جواب دیا' وادی عسفان' فرمایا' میرے سامنے سے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام ابھی گذرے' اونٹنیوں پر سوار تھے جن کی نکیلیں کھجور کے پتوں کی تھیں' کمبلوں کے تہبند بندھے ہوئے اور موٹی چادریں اوڑھے ہوئے تھے' لبیک پکارتے ہوئے بیت اللہ شریف کی طرف تشریف لے جا رہے تھے' یہ حدیث غریب ہے۔ صحاح ستہ میں نہیں۔

وَلُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

(ہم نے ہی لوط کو بھیجا) اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ ایسی بے حیائی کا کام کر رہے ہو جو تم سے پہلے دنیا جہان میں کسی نے نہیں کیا ○ کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر اپنی شہوت رانی کے لئے مردوں کی طرف مائل ہو رہے ہو؟ بات یہ ہے کہ تم لوگ ہو ہی حد سے گذر جانے والے ○

لوط علیہ السلام کی بدنصیب قوم : ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۱) فرمان ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو بھی ہم نے ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا' تو ان کے واقعہ کو بھی یاد کر۔ حضرت لوط علیہ السلام ہاران بن آزر کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپ ہی کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا تھا اور آپ ہی کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا نبی بنا کر سدوم نامی بستی کی طرف بھیجا' آپ نے ان کو اور آس پاس کے لوگوں کو اللہ کی توحید اور اپنی اطاعت کی طرف بلایا' نیکیوں کے کرنے' برائیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا' جن میں ایک برائی اغلام بازی تھی جو ان سے پہلے دنیا سے مفقود تھی' اس بدکاری کے موجد یہی ملعون لوگ تھے' عمرو بن دینارؒ یہی فرماتے ہیں۔ جامع دمشق کے بانی خلیفہ ولید بن عبدالملک کہتے ہیں' اگر یہ خبر قرآن میں نہ ہوتی تو میں اس بات کو کبھی نہ مانتا کہ مرد مرد سے حاجت روائی کر لے۔ اسی لئے حضرت لوط علیہ السلام نے ان حرام کاروں سے فرمایا کہ تم سے پہلے تو یہ ناپاک اور خبیث فعل کسی نے نہیں کیا' عورتوں کو جو اس کام کے لئے تھیں' چھوڑ کر تم مردوں پر ریجھ رہے ہو؟ اس سے بڑھ کر اسراف اور جہالت اور کیا ہوگی؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ آپ نے فرمایا' یہ ہیں میری بچیاں یعنی تمہاری قوم کی عورتیں' لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں ان کی چاہت نہیں' ہم تو تمہارے ان مہمان لڑکوں کے خواہاں ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں جس طرح مرد مردوں میں مشغول تھے' عورتیں بھی عورتوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٨٢﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٨٣﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٨٤﴾

اس کے جواب میں قوم لوط کا صرف یہی قول تھا کہ انہیں اپنے شہر سے نکال دو' یہ تو بڑے ہی پاک باز لوگ ہیں ○ پس ہم نے لوط کو اور اس کے گھرانے کو بجز اس کی بیوی کے بچا لیا' وہ پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی ○ اور ہم نے ان پر بڑی بارش برسائی' دیکھ لے کہ ان بدکاروں کا کیسا برا انجام ہوا ○

(آیت:۸۲) قوم لوط پر بھی نبی کی نصیحت کارگر نہ ہوئی' بلکہ الٹا دشمنی کرنے لگے اور دیس نکالا دینے پر تل گئے' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مع ایمانداروں کے وہاں سے صحیح سالم بچا لیا اور تمام بستی والوں کو ذلت و پستی کے ساتھ تباہ و غارت کر دیا - ان کا یہ کہنا کہ یہ بڑے پاکباز لوگ ہیں بطور طعنے کے تھا اور یہ بھی مطلب تھا کہ یہ اس کام سے جو ہم کرتے ہیں' دور ہیں' پھر ان کا ہم میں کیا کام؟ مجاہدؒ اور ابن عباسؓ کا یہی قول ہے -

لوطی تباہ ہو گئے: ☆☆ (آیت:۸۳-۸۴) حضرت لوطؑ اور ان کا گھرانہ اللہ کے ان عذابوں سے بچ گیا جو لوطیوں پر نازل ہوئے - بجز آپ کے گھرانے کے اور کوئی آپ پر ایمان نہ لایا جیسے فرمان رب ہے فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ یعنی وہاں جتنے مومن تھے' ہم نے سب کو نکال دیا' لیکن بجز ایک گھر والے کے وہاں ہم نے کسی مسلمان کو پایا ہی نہیں' بلکہ خاندان لوط میں سے بھی خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہلاک ہوئی کیونکہ یہ بدنصیب کافرہ ہی تھی' بلکہ قوم کے کافروں کی طرف دار تھی' اگر کوئی مہمان آتا تو اشاروں سے قوم کو خبر پہنچا دیتی' اسی لئے حضرت لوطؑ سے کہہ دیا گیا تھا کہ اسے اپنے ساتھ نہ لے جانا بلکہ اسے خبر بھی نہ کرنا - ایک قول یہ بھی ہے کہ ساتھ تو چلی تھی لیکن جب قوم پر عذاب آیا تو اس کے دل میں ان کی محبت آ گئی اور رحم کی نگاہ سے انہیں دیکھنے لگی' وہیں اسی وقت اس بدنصیب پر بھی عذاب آ گیا لیکن زیادہ ظاہر قول پہلا ہی ہے یعنی نہ اسے حضرت لوطؑ نے عذاب کی خبر کی' نہ اسے اپنے ساتھ لے گئے' یہ یہیں باقی رہ گئی اور پھر ہلاک ہو گئی - غابرین کے معنی بھی باقی رہ جانے والے ہیں' جن بزرگوں نے اس کے معنی ہلاک ہونے والے کئے ہیں' وہ بطور لزوم کے ہیں' کیونکہ جو باقی تھے' وہ ہلاک ہونے والے ہی تھے - حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے مسلمان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شہر سے نکلتے ہی عذاب الٰہی ان پر بارش کی طرح برس پڑا' وہ بارش' پتھروں اور ڈھیلوں کی تھی جو ہر ایک پر بالخصوص نشان زدہ اسی کے لئے آسمان سے گر رہے تھے - گو اللہ کے عذاب کو بے انصاف لوگ دور سمجھ رہے ہوں لیکن حقیقتاً ایسا نہیں' اے پیغمبر آپ خود دیکھ لیجئے کہ اللہ کی نافرمانیوں اور رسول اللہ کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں' لوطی فعل کرنے والے کو اونچی دیوار سے گرا دیا جائے' پھر اوپر سے پتھراؤ کر کے اسے مار ڈالنا چاہئے کیونکہ لوطیوں کو اللہ کی طرف سے یہی سزا دی گئی - اور علماء کرام کا فرمان ہے کہ اسے رجم کر دیا جائے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا بے شادی ہو -

امام شافعیؒ کے دو قول میں سے ایک یہی ہے - اس کی دلیل مسند احمد' ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جسے تم لوطی فعل کرتے پاؤ' اسے اور اس کے نیچے والے دونوں کو قتل کر دو - علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ بھی مثل زناکاری کے ہے' شادی شدہ ہوں تو رجم ورنہ سو کوڑے - امام شافعیؒ کا دوسرا قول بھی یہی ہے - عورتوں سے اس قسم کی حرکت کرنا بھی چھوٹی

لواطت ہے اور بہ اجماع امت حرام ہے' بجز ایک شاذ قول کے اور بہت سی احادیث میں اس کی حرمت موجود ہے۔ اس کا پورا بیان سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸۵﴾

مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا' انہوں نے سمجھایا کہ اے قومی بھائیو اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں' تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے واضح دلیل آ پہنچی' اب تم ناپ تول پوری کیا کرو' لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک کے صحیح انتظام کے بعد اس میں رخنہ اندازیاں نہ کرو' اگر تم ایماندار ہو تو تمہارے لئے یہی بات بہتری والی ہے ○

خطیب الانبیاء شعیب علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۸۵) مشہور مورخ حضرت امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ لوگ مدین بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ حضرت شعیب میکیل بن یشجر کے لڑکے تھے' ان کا نام سریانی زبان میں یژون تھا۔ یہ یاد رہے کہ قبیلے کا نام بھی مدین تھا اور اس بستی کا نام بھی یہی تھا' یہ شہر معان سے ہوتے ہوئے حجاز جانے والے راستے میں آتا ہے۔ آیت قرآن وَلَمَّا وَرَدَمَآءَ مَدْیَنَ میں شہر مدین کے کنویں کا ذکر موجود ہے اس سے مراد ایکہ والے ہیں جیسا کہ ان شاء اللہ بیان کریں گے۔ آپ نے بھی تمام رسولوں کی طرح انہیں توحید کی اور شرک سے بچنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اللہ کی طرف سے میری نبوت کی دلیلیں تمہارے سامنے آ چکی ہیں۔ خالق کا حق بتا کر پھر مخلوق کے حق ادائیگی کی طرف رہبری کی اور فرمایا کہ ماپ تول میں کمی کی عادت چھوڑ' لوگوں کے حقوق نہ مارو' کہو کچھ اور کرو کچھ یہ خیانت ہے۔ فرمان ہے وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ان ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ویل ہے' اللہ اس بدخصلت سے ہر ایک کو بچائے۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام کا اور وعظ بیان ہوتا ہے' آپ کو بہ سبب فصاحت عبارت اور عمدگی وعظ کے خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا' علیہ الصلوۃ والسلام۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَهُوَ

خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٧﴾

ہر ہر راہ پر بیٹھ کر لوگوں کو ڈرانا دھمکانا اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں کو راہ اللہ سے روکنا اور اس میں کجی پیدا کرنے کی کوشش کرنا چھوڑ دو' اپنے اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم بہت تھوڑے سے تھے' اللہ نے تمہیں بڑھا دیا اور اور خود دیکھ لو کہ فساد مچانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا؟ ○ اگر تم میں سے ایک گروہ اس چیز پر ایمان لائے جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لائے تو تم صبر کرو سہار سے کام لو یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ ہم میں فیصلہ فرما دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ○

قوم شعیبؑ کی بداعمالیاں: ☆☆ (آیت:۸۶-۸۷) فرماتے ہیں کہ مسافروں کے راستے میں دہشت گردی نہ پھیلاؤ' ڈاکہ نہ ڈالو اور انہیں ڈرا دھمکا کر ان کا مال زبردستی نہ چھینو' میرے پاس ہدایت حاصل کرنے کے لئے جو آنا چاہتا ہے' اسے خوفزدہ کر کے روک دیتے ہو' ایمانداروں کو اللہ کی راہ پر چلنے میں روڑے اٹکاتے ہو' راہ حق کو ٹیڑھا کر دینا چاہتے ہو' ان تمام برائیوں سے بچو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے بلکہ زیادہ ظاہر ہے کہ ہر رستے پر نہ بیٹھنے کی ہدایت تو قتل و غارت کے سد باب کے لئے ہو جو ان کی عادت تھی اور پھر راہ حق سے مومنوں کو نہ روکنے کی ہدایت پھر کی ہو۔ تم اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ گنتی میں' قوت میں تم کچھ نہ تھے بہت ہی کم تھے' اس نے اپنی مہربانی سے تمہاری تعداد بڑھا دی اور تمہیں زور آور کر دیا' رب کی اس نعمت کا شکریہ ادا کرو' عبرت کی آنکھوں سے ان کا انجام دیکھ لو جو تم سے پہلے ابھی گذر رہے ہیں' جن کے ظلم و جبر کی وجہ سے' جن کی بدامنی اور فساد کی وجہ سے رب کے عذاب ان پر ٹوٹ پڑے' وہ اللہ کی نافرمانیوں میں رسولوں کے جھٹلانے میں مشغول رہے' دلیر بن گئے جس کے بدلے اللہ کی پکڑ ان پر نازل ہوئی' آج ان کی ایک آنکھ جھپکتی ہوئی باقی نہیں رہی' نیست و نابود ہو گئے' مر مٹ گئے' دیکھو میں تمہیں صاف بے لاگ ایک بات بتا دوں' تم میں سے ایک گروہ مجھ پر ایمان لا چکا ہے اور ایک گروہ نے میرا انکار اور بری طرح مجھ سے کفر کیا ہے' اب تم خود دیکھ لو گے کہ مدد ربانی کس کا ساتھ دیتی ہے اور اللہ کی نظروں سے کون گر جاتا ہے؟ تم رب کے فیصلے کے منتظر رہو' وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے اچھا اور سچا فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم خود دیکھ لو کہ اللہ والے بامراد ہوں گے اور اللہ کے دشمن نامراد ہوں گے۔

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر سورۃ الاحقاف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۝۲ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝۳ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَہُمْ شِرْکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ ہٰذَآ اَوْ اَثٰرَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۴

بہت بخشش کرنے والے بہت مہربان اللہ کے نام سے شروع ○

اس کتاب کا اتارنا اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے ○ ہم نے آسمان وزمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزیں کو بہترین تدبیر کے ساتھ ہی ایک معیاد معین کے لئے بنائی ہیں' کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں ○ تو کہہ بھلا دیکھو تو جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے بھی تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا ٹکڑا بنایا ہے؟ ○ یا آسمانوں میں ان کا کون سا حصہ ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے ہی کی کوئی کتاب یا کوئی نقلی علم ہی میرے پاس لاؤ ○

(آیت: ۱-۴) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس قرآن کریم کو اس نے اپنے بندے اور اپنے سچے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے اور بیان فرماتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسی بڑی عزت والا ہے جو کبھی زائل نہیں ہو گی اور ایسی زبردست حکمت والا ہے جس کا کوئی قول' کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ پھر ارشاد فرماتا ہے کہ آسمان وزمین وغیرہ تمام چیزیں اس نے عبث اور باطل پیدا نہیں کیں بلکہ سراسر حق کے ساتھ اور بہترین تدبیر کے ساتھ بنائی ہیں اور ان سب کے لئے وقت مقرر ہے جو نہ گھٹے نہ بڑھے۔ اس رسول سے' اس کتاب سے اور اللہ کے ڈراوے کی اور نشانیوں سے جو بدباطن لوگ بے پرواہی اور لاابالی کرتے ہیں انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے کس قدر خود اپنا ہی نقصان کیا۔ پھر فرماتا ہے ذرا ان مشرکین سے پوچھو تو کہ اللہ کے سوا جن کے نام تم جپتے ہو' جنہیں تم پکارتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو' ذرا مجھے بھی تو ان کی طاقت قدرت دکھاؤ' بتلاؤ تو زمین کے کس ٹکڑے کو خود انہوں نے بنایا ہے؟ یا ثابت تو کرو کہ آسمانوں میں ان کی شرکت کتنی ہے اور کہاں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آسمان ہوں یا زمینیں ہوں یا اور چیزیں ہوں' ان سب کا پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

بجز اس کے کسی کو ایک ذرے کا بھی اختیار نہیں۔ تمام ملک کا مالک وہی ہے۔ ہر چیز پر کامل تصرف اور قبضہ رکھنے والا ہے۔ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ کیوں اس کے سوا دوسروں کو اپنی مصیبتوں میں پکارتے ہو؟ تمہیں یہ تعلیم کس نے دی؟ کس نے یہ شرک تمہیں سکھایا؟ دراصل کسی بھلے اور سمجھدار شخص کی یہ تعلیم نہیں ہو سکتی نہ اللہ نے یہ تعلیم دی ہے۔ اگر تم اللہ کے سوا اوروں کی پوجا پر کوئی آسمانی دلیل رکھتے ہو تو اچھا اس کتاب کو تو جانے دو اور کوئی آسمانی صحیفہ ہی پیش کر دو۔ اچھا نہ سہی' اپنے مسلک پر کوئی اور دلیل علم ہی قائم کرو۔ لیکن یہ تو

جب ہو سکتا ہے کہ تمہارا یہ فعل صحیح بھی ہو۔ اس باطل فعل پر تو نہ تو تم کوئی نقلی دلیل پیش کر سکتے ہو نہ عقلی۔ ایک قرأت میں اَوْ اَثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ یعنی کوئی صحیح علم کی نقل اگلوں سے ہی پیش کرو۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کسی کو پیش کرو جو علم کی نقل کرے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس امر کی کوئی بھی دلیل لے آؤ۔ مسند احمد میں ہے اس سے مراد علمی تحریر ہے۔ راوی کہتے ہیں میرا تو خیال ہے یہ حدیث مرفوع ہے۔ حضرت ابوبکر بن عیاشؒ فرماتے ہیں مراد بقیہ علم ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کسی مخفی دلیل کو ہی پیش کر دو ان اور بزرگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ مراد اس سے اگلی تحریریں ہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کوئی خاص علم۔ اور یہ سب اقوال قریب قریب ہم معنی ہیں مراد وہی ہے جو ہم نے شروع میں بیان کر دی۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝

اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں ○ اور جب لوگوں کا حشر کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے ○

(آیت: ۵-۶) پھر فرماتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی راہ گم کردہ نہیں جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پکارے اور اس سے حاجتیں طلب کرے جن حاجتوں کے پورا کرنے کی ان میں طاقت ہی نہیں بلکہ وہ تو اس سے بھی بے خبر ہیں کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے قیامت تک یہ پکارتے رہیں لیکن وہ غافل ہی ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں محض بے خبر ہیں نہ کسی چیز کو لے دے سکتے ہیں اس لئے کہ وہ تو پتھر ہیں جمادات میں سے ہیں۔ قیامت کے دن جب سب لوگ اکٹھے کئے جائیں گے تو یہ معبودان باطل اپنے عابدوں کے دشمن بن جائیں گے اور اس بات سے کہ یہ لوگ ان کی پوجا کرتے تھے صاف انکار کر جائیں گے۔ جیسے اللہ عزوجل کا اور جگہ ارشاد ہے وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً یعنی ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کی عزت کا باعث بنیں۔ واقعہ ایسا نہیں بلکہ وہ تو ان کی عبادت کا انکار کر جائیں گے اور ان کے پورے مخالف ہو جائیں گے۔ یعنی جب کہ یہ ان کے پورے محتاج ہوں گے اس وقت وہ ان سے منہ پھیر لیں گے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی امت سے فرمایا تھا اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا یعنی تم نے اللہ کے سوا بتوں سے جو تعلقات دنیا میں قائم کر لئے ہیں اس کا نتیجہ قیامت کے دن دیکھ لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے انکار کر جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے اور تمہاری جگہ جہنم میں مقرر اور متعین ہو جائے گی اور تم اپنا مددگار کسی کو نہ پاؤ گے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ

الرَّحِيْمُ ﴿۸﴾ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۹﴾

انہیں جب ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو منکر لوگ سچی بات کو جب کہ ان کے پاس آ چکی کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے ○ بلکہ کہہ دیتے ہیں کہ اسے تو اس نے خود بنالیا ہے' تو کہہ اگر میں ہی اسے بنالایا تو تم میرے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے' تم اس قرآن کے بارے میں جو کچھ سن رہے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے' میرے اور تمہارے درمیان اظہار حق کرنے والا وہی کافی ہے اور وہ بخشش کرنے والا مہربان ہے ○ تو کہہ دے کہ میں کوئی بالکل نیا پیغمبر تو نہیں۔ نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف علی الاعلان آگاہ کردینے والا ہوں ○

نبی اکرم ﷺ کا اظہار بے بسی: ☆☆ (آیت: ۷-۹) مشرکوں کی سرکشی اور ان کا کفر بیان ہو رہا ہے کہ جب انہیں اللہ کی ظاہر و باہر' واضح اور صاف آیتیں سنائی جاتی ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ تکذیب و افتراء' ضلالت و کفر گویا ان کا شیوہ ہو گیا ہے۔ جادو کہہ کر ہی بس نہیں کرتے بلکہ یوں بھی کہتے ہیں کہ اسے تو محمد (ﷺ) نے گھڑ لیا ہے پس نبی کی زبانی اللہ جواب دلواتا ہے کہ اگر میں نے ہی اس قرآن کو بنایا ہے اور میں اس کا سچا نبی نہیں تو یقیناً وہ مجھے میرے اس جھوٹ اور بہتان پر سخت تر عذاب کرے گا اور پھر تم کیا سارے جہان میں کوئی ایسا نہیں جو مجھے اس کے عذابوں سے چھڑا سکے۔ جیسے اور جگہ ہے قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ الخ' یعنی تو کہہ دے کہ مجھے اللہ کے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ اس کے سوا کہیں اور مجھے سر کنے کی جگہ مل سکے گی لیکن میں اللہ کی تبلیغ اور اس کی رسالت کو بجالاتا ہوں اور جگہ ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا الخ' یعنی اگر یہ ہم پر کوئی بات بنالیتا' تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی بھی اسے نہ بچا سکتا' پھر کفار کو دھمکایا جا رہا ہے کہ تمہاری گفتگو کا پورا علم اس علیم اللہ کو ہے' وہی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اس کی دھمکی کے بعد انہیں توبہ اور انابت کی رغبت دلائی جا رہی ہے اور فرماتا ہے وہ غفور و رحیم ہے' اگر تم اس کی طرف رجوع کرو' اپنے کرتوت سے باز آ ؤ تو وہ ابھی تمہیں بخش دے گا اور تم پر رحم کرے گا۔ سورۂ فرقان میں بھی اسی مضمون کی آیت ہے۔ فرمان ہے وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا الخ' یعنی یہ کہتے ہیں کہ یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھ لی ہیں اور صبح شام لکھائی جا رہی ہیں' تو کہہ دے کہ اسے اس اللہ نے اتارا ہے جو ہر پوشیدگی کو جانتا ہے خواہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں ہو' وہ غفور و رحیم ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں دنیا میں کوئی پہلا نبی تو نہیں' مجھ سے پہلے بھی تو دنیا میں لوگوں کی طرف رسول آتے رہے' پھر میرے آنے سے تمہیں اس قدر اچنبھا کیوں ہوا؟ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کے بعد آیت لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الخ' اتری ہے۔ اسی طرح حضرت عکرمہؒ' حضرت حسنؒ' حضرت قتادہؒ بھی اسے منسوخ بتلاتے ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب آیت بخشش اتری جس میں فرمایا گیا تا کہ اللہ تیرے اگلے پچھلے گناہ بخشے تو ایک صحابیؓ نے کہا حضورؐ یہ تو اللہ نے بیان فرما دیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیا کرنے والا ہے پس وہ ہمارے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ اس پر آیت لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اتری یعنی تا کہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ صحیح حدیث سے بھی یہ تو ثابت ہے کہ مومنوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو مبارک ہو فرمایئے ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ حضرت ضحاکؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا حکم دیا جاؤں اور کس چیز سے روک دیا جاؤں؟ امام حسن بصریؒ کا قول ہے کہ اس

آیت سے مراد یہ ہے کہ آخرت کا انجام تو مجھے قطعاً معلوم ہے کہ میں جنت میں جاؤں گا' ہاں دنیوی حال معلوم نہیں کہ اگلے بعض انبیاءؑ کی طرح قتل کیا جاؤں یا اپنی زندگی کے دن پورے کر کے اللہ کے ہاں جاؤں؟ اور اسی طرح میں نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں دھنسا دیا جائے یا تم پر پتھر برسائے جائیں۔

امام ابن جریرؒ اسی کو معتبر کہتے ہیں اور فی الواقع ہے بھی یہ ٹھیک۔ آپ بالیقین جانتے تھے کہ آپ اور آپ کے پیرو جنت میں ہی جائیں گے اور دنیا کی حالت کے انجام سے آپ بے خبر تھے کہ انجام کار آپ کا اور آپ کے مخالفین قریش کا کیا حال ہوگا؟ آیا وہ ایمان لائیں گے یا کفر پر ہی رہیں گے اور عذاب کئے جائیں گے یا بالکل ہی ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ لیکن جو حدیث مسند احمد میں ہے حضرت ام العلاءؓ فرماتی ہیں جنہوں نے حضورؐ سے بیعت کی تھی کہ جس وقت مہاجرین بذریعہ قرعہ اندازی انصاریوں میں تقسیم ہو رہے تھے اس وقت ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعونؓ آئے' آپ ہمارے ہاں بیمار ہوئے اور فوت بھی ہو گئے' جب ہم آپ کو کفن پہنا چکے اور حضور بھی تشریف لا چکے تو میرے منہ سے نکل گیا اے ابو السائب! اللہ تجھ پر رحم کرے میری تو تجھ پر گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً تیرا اکرام ہی کرے گا۔ اس پر جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اس کا اکرام ہی کرے گا۔ میں نے کہا حضورؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' مجھے کچھ معلوم نہیں۔ پس آپ نے فرمایا سنو ان کے پاس تو ان کے رب کی طرف کا یقین آ پہنچا اور مجھے ان کے لئے بھلائی اور خیر کی امید ہے' قسم ہے اللہ کی باوجود رسولؐ ہونے کے میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اس پر میں نے کہا اللہ کی قسم اب اس کے بعد میں کسی کی برأت نہیں کروں گی اور مجھے اس کا بڑا صدمہ ہوا لیکن میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی ایک نہر بہہ رہی ہے میں نے آکر حضورؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ ان کے اعمال ہیں۔ یہ حدیث بخاری میں ہے' مسلم میں نہیں اور اس کی ایک سند میں ہے میں نہیں جانتا باوجودیکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ دل کو تو کچھ ایسی لگتی ہے کہ یہی الفاظ موقع کے لحاظ سے ٹھیک ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی یہ جملہ ہے کہ مجھے اس بات سے بڑا صدمہ ہوا۔ الغرض یہ حدیث اور اسی کی ہم معنی اور حدیثیں دلالت ہیں اس امر پر کہ کسی معین شخص کے جنتی ہونے کا قطعی علم کسی کو نہیں' نہ کسی کو ایسی بات زبان سے کہنی چاہئے۔ بجز ان بزرگوں کے جن کا نام لے کر شارع علیہ السلام نے انہیں جنتی کہا ہے۔ جیسے عشرہ مبشرہ اور حضرت ابن سلام اور عمیصا اور بلال اور سراقہ اور عبداللہ بن عمرو بن حرام جو حضرت جابر کے والد ہیں اور وہ ستر قاری جو بئر معونہ کی جنگ میں شہید کئے گئے اور زید بن حارثہ اور جعفر اور ابن رواحہ اور ان جیسے اور بزرگ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پھر فرماتا ہے اے نبی! تم کہہ دو کہ میں تو صرف اس وحی کا مطیع ہوں جو اللہ کی جناب سے میری جانب آئے اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں کہ کھول کھول کر ہر شخص کو آگاہ کر رہا ہوں' ہر عقلمند میرے منصب سے باخبر ہے۔ واللہ اعلم۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝۱۱

تو کہہ اگر یہ قرآن اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اسے نہ مانا ہو اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس کی گواہی بھی دے چکا ہو اور وہ ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے سرکشی کی ہو

بیشک اللہ تعالیٰ ستم گر گروہ کو راہ نہیں دکھاتا ○ کافروں نے ایمانداروں کی نسبت کہا کہ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت کرنا نہ پاتے اور چونکہ انہوں نے اس قرآن سے ہدایت نہیں پائی تو یہ کہہ دیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے ○

تابع قرآن جنتیوں کے حالات : ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان مشرکین کافرین سے کہو کہ اگر یہ قرآن سچ مچ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے اور پھر بھی تم اس کا انکار کر رہے ہو تو بتلاؤ تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ وہ اللہ جس نے مجھے حق کے ساتھ تمہاری طرف یہ پاک کتاب دے کر بھیجا ہے وہ تمہیں کیسی کچھ سزائیں کرے گا؟ تم اس کا انکار کرتے ہو اسے جھوٹا بتلاتے ہو حالانکہ اس کی سچائی اور صحت کی شہادت وہ کتابیں بھی دے رہی ہیں جو اس سے پہلے وقتاً فوقتاً اگلے انبیاء پر نازل ہوتی رہیں اور بنی اسرائیل کے جس شخص نے اس کی سچائی کی گواہی دی اس نے حقیقت کو پہچان کر اسے مانا اور اس پر ایمان لایا - لیکن تم نے اس کی اتباع سے جی چرایا اور تکبر کیا - یہ بھی مطلب بیان ہوگیا ہے کہ اس شاہد نے اپنے نبی پر اور اس کی کتاب پر یقین کر لیا لیکن تم نے اپنے نبیؐ اور اپنی کتاب کے ساتھ کفر کیا - اللہ تعالیٰ ظالم گروہ کو ہدایت نہیں کرتا - شَاهِدٌ کا لفظ ہم جنس ہے اور یہ اپنے معنی کے لحاظ سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ سب کو شامل ہے - یہ یاد رہے کہ یہ آیت مکی ہے - حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے سلام سے پہلے کی ہے اسی جیسی آیت یہ بھی ہے وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ یعنی جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو اقرار کرتے ہیں کہ یہ ہمارے رب کی جانب سے سراسر برحق ہے ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہیں اور فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ الخ، یعنی جن لوگوں کو اس سے پہلے علم عطا فرمایا گیا ہے ان پر جب تلاوت کی جاتی ہے تو وہ بلاپس و پیش سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے اس کے وعدے یقیناً سچے اور ہو کر رہنے والے ہیں - مسروقؒ اور شعبیؒ فرماتے ہیں یہاں اس آیت سے مراد حضرت عبداللہ بن سلامؓ نہیں اس لئے کہ آیت مکہ میں اتری ہے اور آپ مدینہ کی ہجرت کے بعد اسلام قبول کرتے ہیں -

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کسی شخص کے بارے میں جو زندہ ہو اور زمین پر چل پھر رہا ہو میں نے حضور ﷺ کی زبانی اس کا جنتی ہونا نہیں سنا بجز حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انہی کے بارے میں آیت وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ نازل ہوئی ہے (**صحیحین وغیرہ**) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہدؒ ضحاکؒ قتادہؒ عکرمہ یوسف بن عبداللہ بن سلام ہلال بن بشار سدی ثوری مالک بن انس ابن زبیر رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت ابن سلامؓ ہیں - یہ کفار کہا کرتے ہیں کہ اگر قرآن بہتری کی چیز ہوتی تو ہم جیسے شریف انسان جو اللہ کے مقبول بندے ہیں ان پر بھلا یہ نیچے کے درجے کے لوگ جیسے بلالؓ عمارؓ صہیبؓ خبابؓ اور انہی جیسے اور گرے پڑے لونڈی غلام کیسے سبقت کر جاتے - پھر تو اللہ سب سے پہلے ہمیں ہی نوازتا - حالانکہ یہ قول بالبداہت باطل ہے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ یعنی ہم نے اسی طرح بعض کو بعض کے ساتھ فتنے میں ڈالا تاکہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے انہی پر اللہ نے اپنا احسان کیا؟ یعنی انہیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسے ہدایت پا گئے؟ اگر یہ چیز بھلی ہوتی تو ہم اس کی طرف لپک کر جاتے - پس یہ خیال ان کا تو خام تھا لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ نیک سمجھ والے سلامت روی والے ہمیشہ بھلائی کی طرف سبقت کرتے ہیں - اسی لئے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو قول و فعل صحابہ رسولؐ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے اس لئے کہ اگر اسمیں بہتری ہوتی تو وہ پاک جماعت جو کسی چیز میں پیچھے رہنے والی نہ تھی وہ اسے ترک نہ کرتی - چونکہ اپنی بدنصیبی کے باعث یہ گروہ قرآن پر ایمان نہیں لایا اس لئے یہ اپنی خجالت دفع کرنے کو قرآن کی اہانت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو پرانے لوگوں کی پرانی غلط باتیں ہیں یہ کہہ کر وہ قرآن اور قرآن والوں کو طعنہ دیتے ہیں - یعنی وہ تکبر ہے جس کی بابت حدیث میں ہے کہ تکبر نام ہے حق کو ہٹا دینے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا -

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾
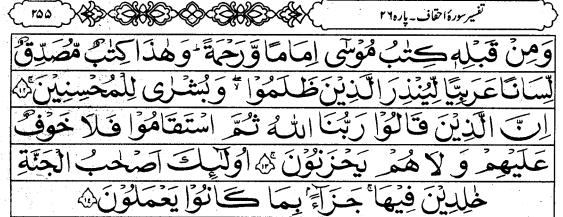
اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور یہ کتاب ہے سچا کرنے والی عربی زبان میں تاکہ ستم گروں کو ڈرا دے اور نیک کاروں کو بشارت ہو ○ بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پالنے والا اللہ ہے پھر اسی پر جمے رہے تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے ○ یہ تو اہل جنت ہیں جو سدا اسی میں رہیں گے ان اعمال کے بدلے جو کیا کرتے تھے ○

(آیت: ۱۲-۱۴) پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب تورات امام ورحمت تھی اور یہ کتاب یعنی قرآن مجید اپنے سے پہلے کی تمام کتابوں کو منزل من اللہ اور سچی کتابیں مانتا ہے۔ یہ عربی فصیح اور بلیغ زبان میں نہایت واضح کتاب ہے۔ اس میں کفار کے لئے ڈراوا ہے اور ایمانداروں کے لئے بشارت ہے۔ اس کے بعد کی آیت کی پوری تفسیر سورۂ حم السجدہ میں گذر چکی ہے۔ ان پر خوف نہ ہوگا۔ یعنی آئندہ اور یہ غم نہ کھائیں گے یعنی چھوڑی ہوئی چیزوں کا۔ یہ ہمیشہ جنت میں رہنے والے جنتی ہیں، ان کے پاکیزہ اعمال تھے ہی ایسے کہ رحمت رحیم، کرم کریم کی بدلیاں ان پر جھوم جھوم کر موسلا دھار بارش برسائیں۔ واللہ اعلم۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚؕ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی کمال قوت زمانہ کو چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو کہنے لگا اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اسی نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد میں بھی صلاحیت پیدا کر۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں ○

والدین سے بہترین سلوک کرو: ☆☆ (آیت: ۱۵) اس سے پہلے چونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اور اس کی عبادت کے اخلاص کا اور اس پر استقامت کرنے کا حکم ہوا تھا اس لئے یہاں ماں باپ کے حقوق کی بجا آوری کا حکم ہو رہا ہے۔ اسی مضمون کی اور بہت سی آیتیں قرآن پاک

میں موجود ہیں' جیسے فرمایا وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا یعنی تیرا رب یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو- ایک اور آیت میں ہے اِنِ اشۡكُرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیۡكَ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا' لوٹنا تو میری ہی طرف ہے- اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں- پس یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انسان کو حکم کیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرو' ان سے بہ تواضع پیش آؤ-

ابوداؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ نے آپ سے کہا کہ کیا ماں باپ کی اطاعت کا حکم اللہ نہیں؟ سن میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تو اللہ کے ساتھ کفر نہ کر لے- حضرت سعدؓ کے انکار پر اس نے یہی کیا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا یہاں تک کہ لکڑی سے اس کا منہ کھول کر جبراً پانی وغیرہ چھوا دیتے' اس پر یہ آیت اتری- یہ حدیث مسلم شریف وغیرہ میں بھی ہے' ماں نے حالت حمل میں کیسی کچھ تکلیفیں برداشت کی ہیں؟ اسی طرح بچہ ہونے کے وقت کیسی کیسی مصیبتوں کا وہ شکار بنی ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت سے اور اس کے ساتھ سورۂ لقمان کی آیت وَفِصٰلُهٗ فِیۡ عَامَیۡنِ اور اللہ عزوجل کا فرمان وَالۡوَالِدٰتُ یُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ حَوۡلَیۡنِ كَامِلَیۡنِ لِمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ یعنی مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں' ان کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں ملا کر استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے- یہ استدلال بہت قوی اور بالکل صحیح ہے- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی جماعت نے بھی اسی کی تائید کی ہے- حضرت معمر بن عبداللہ جہنیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے کے ایک شخص نے جہنیہ کی ایک عورت سے نکاح کیا چھ مہینے پورے ہوتے ہی اسے بچہ تولد ہوا- اس کے خاوند نے حضرت عثمانؓ سے ذکر کیا آپ نے اس عورت کے پاس آدمی بھیجا' وہ تیار ہو کر آنے لگی تو ان کی بہن نے گریہ وزاری شروع کر دی اس بیوی صاحبہ نے اپنی بہن کو تسکین دی اور فرمایا کیوں روتی ہو اللہ کی قسم مخلوق اللہ میں سے کسی سے میں نہیں ملی' میں نے کبھی کوئی برا فعل نہیں کیا' تو دیکھو کہ اللہ کا فیصلہ میرے بارے میں کیا ہوتا ہے- جب حضرت عثمانؓ کے پاس یہ آئیں تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا-

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے خلیفۃ المسلمین سے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس عورت کو نکاح کے چھ مہینے کے بعد بچہ ہوا ہے' جو ناممکن ہے- یہ سن کر علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ فرمایا ہاں پڑھا ہے' فرمایا کیا یہ آیت نہیں پڑھی وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا اور ساتھ ہی یہ آیت بھی حَوۡلَیۡنِ كَامِلَیۡنِ پس مدت حمل اور مدت دودھ پلائی دونوں کے مل کر تیس مہینے اور اس میں سے جب دودھ پلائی کی کل مدت دو سال کے چوبیس مہینے وضع کر دیئے جائیں تو باقی چھ مہینے رہ جاتے ہیں' تو قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور اس بیوی صاحبہ کو بھی اتنی ہی مدت میں بچہ ہوا' پھر اس پر زنا کا الزام کیسے قائم کر رہے ہو؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا واللہ! یہ بات بہت ٹھیک ہے' افسوس میرا خیال اس طرف نہیں گیا' جاؤ اس عورت کو لے آؤ- پس لوگوں نے اس عورت کو اس حال پر پایا کہ اس سے فراغت حاصل ہو چکی تھی- حضرت معمرؒ فرماتے ہیں واللہ ایک کوا دوسرے کوے سے اور ایک انڈا دوسرے انڈے سے بھی اتنا مشابہ نہیں ہوتا جتنا اس عورت کا یہ بچہ اپنے باپ سے مشابہ تھا' خود اس کے والد نے بھی اسے دیکھ کر کہا اللہ کی قسم اس بچے کے بارے میں مجھے اب کوئی شک نہیں رہا اور اسے اللہ تعالیٰ نے ایک ناسور کے ساتھ مبتلا کیا جو اس کے چہرے پر تھا وہی اسے گھلاتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا (ابن ابی حاتم)

یہ روایت دوسری سند سے فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ کی تفسیر میں ہم نے وارد کی ہے- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب کسی عورت کو نو مہینے میں بچہ ہو تو اس کی دودھ پلائی کی مدت اکیس ماہ کافی ہیں اور جب سات مہینے میں ہو تو مدت رضاعت تیئس ماہ اور

جب چھ ماہ میں بچہ ہو جائے تو مدت رضاعت دو سال کامل' اس لئے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔ جب وہ اپنی پوری قوت کے زمانے کو پہنچا یعنی قوی ہو گیا' جوانی کی عمر میں پہنچ گیا' مردوں کی گنتی میں آیا اور چالیس سال کا ہوا' عقل پوری آئی' فہم کمال کو پہنچا' حلم اور بردباری آ گئی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں جو حالت اس کی ہوتی ہے عموماً پھر باقی عمر وہی حالت رہتی ہے۔ حضرت مسروقؒ سے پوچھا گیا کہ انسان کب اپنے گناہوں پر پکڑا جاتا ہے؟ تو فرمایا جب تو چالیس سال کا ہو جائے تو اپنے بچاؤ مہیا کر لے۔ ابویعلی موصلی میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں جب مسلمان بندہ چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں تخفیف کر دیتا ہے اور جب ساٹھ سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف جھکنا نصیب فرماتا ہے اور جب ستر سال کی عمر کا ہو جاتا ہے تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں ثابت رکھتا ہے اور اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے اور جب نوے سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کے گھرانے کے آدمیوں کے بارے میں اسے شفاعت کرنے والا بناتا ہے اور آسمانوں میں لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ اللہ کی زمین میں اس کا قیدی ہے۔ یہ حدیث دوسری سند سے مسند احمد میں بھی ہے' بنو امیہ کو دمشقی گورنر حجاج بن عبداللہ حلیمی فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں تو میں نے نافرمانیوں اور گناہوں کو لوگوں کی شرم وحیا سے چھوڑا تھا اس کے بعد گناہوں کے چھوڑنے کا باعث خود ذات خداوندی سے حیا تھی۔ عرب شاعر کہتا ہے بچپنے میں ناسمجھی کی حالت میں تو جو کچھ ہو گیا ہو گیا لیکن جس وقت بڑھاپے نے منہ دکھایا تو سر کی سفیدی نے خود ہی برائیوں سے کہہ دیا کہ اب تم کوچ کر جاؤ۔ پھر اس کی دعا کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے کہا میرے پروردگار میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام فرمائی اور میں وہ اعمال کروں جن سے تو مستقبل میں خوش ہو جائے اور میری اولاد میں میرے لئے اصلاح کر دے یعنی میری نسل اور میرے پیچھے والوں میں۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میرا اقرار ہے کہ میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ اس میں ارشاد ہے کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر انسان کو پختہ دل سے اللہ کی طرف توبہ کرنی چاہئے اور نئے سرے سے اللہ کی طرف رجوع و رغبت کر کے اس پر جم جانا چاہئے۔

ابوداؤد میں ہے کہ صحابہ کو حضور التحیات میں پڑھنے کے لئے اس دعا کی تعلیم کیا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْٓ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا یعنی ''اے اللہ! ہمارے دلوں میں الفت ڈال اور ہمارے آپس میں اصلاح کر دے اور ہمیں سلامتی کی راہیں دکھا اور ہمیں اندھیروں سے بچا کر نور کی طرف نجات دے اور ہمیں ہر برائی سے بچا لے خواہ وہ ظاہر ہو خواہ چھپی ہوئی ہو اور ہمیں ہمارے کانوں میں اور آنکھوں میں اور دلوں میں اور بیوی بچوں میں برکت دے اور ہم پر رجوع فرما' یقیناً تو رجوع فرمانے والا مہربان ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گذار اور ان کے باعث اپنا ثناخواں اور نعمتوں کا اقراری بنا اور اپنی بھرپور نعمتیں ہمیں عطا فرما۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال تو ہم قبول فرما لیتے ہیں اور جن کے بداعمال سے ہم درگذر کر لیتے ہیں جنتی لوگوں میں ہیں مطابق اس سچے وعدے کے جو ان سے

کیا جاتا تھا ○

(آیت:۱۶) پھر فرماتا ہے یہ جن کا بیان گذرا' جو اللہ کی طرف توبہ کرنے والے' اس کی جناب میں جھکنے والے اور جو نیکیاں چھوٹ جائیں انہیں کثرت استغفار سے پالینے والے ہی وہ ہیں جن کی اکثر لغزشیں ہم معاف فرما دیتے ہیں اور ان کے تھوڑے نیک اعمال کے بدلے ہم انہیں جنتی بنا دیتے ہیں' ان کا یہی حکم ہے۔ جیسے کہ وعدہ کیا اور فرمایا یہ وہ سچا وعدہ ہے جو ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ابن جریر میں ہے حضور بروایت روح الامین علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں انسان کی نیکیاں اور بدیاں لائی جائیں گی اور ایک کو ایک کے بدلے میں کیا جائے گا پس اگر ایک نیکی بھی بچ رہی تو اللہ تعالیٰ اسی کے عوض اسے جنت میں پہنچا دے گا۔ راوی حدیث نے اپنے استاد سے پوچھا اگر تمام نیکیاں ہی برائیوں کے بدلے میں چلی جائیں تو؟ آپ نے فرمایا ان کی برائیوں سے اللہ رب العزت تجاوز فرمالیتا ہے۔

دوسری سند میں یہ بفرمان اللہ عزوجل مروی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند بہت پختہ ہے۔ حضرت یوسف بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل بصرہ پر غالب آ گئے اس وقت میرے ہاں حضرت محمد بن حاطب رحمۃ اللہ علیہ آئے۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور اس وقت حضرت عمار' حضرت صعصعہ' حضرت اشتر' حضرت محمد بن ابوبکر بھی تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر نکالا اور کچھ گستاخی کی' حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت تخت پر بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ میں چھڑی تھی' حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ آپ کے سامنے تو آپ کی اس بحث کا صحیح محاکمہ کرنے والے موجود ہی ہیں۔ چنانچہ سب لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا اس پر آپ نے فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْھُمْ الخ' قسم اللہ کی یہ لوگ جن کا ذکر اس آیت میں ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کے ساتھی' تین مرتبہ یہی فرمایا۔ راوی یوسف کہتے ہیں میں نے محمد بن حاطب سے پوچھا سچ کہو تمہیں اللہ کی قسم تم نے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یہ سنا ہے؟ فرمایا ہاں قسم اللہ کی میں نے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ سنا ہے۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَکَ اٰمِنْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾

جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم سے تو میں تنگ آ گیا کیا تم مجھ سے یہی کہتے رہو گے کہ میں مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا باوجودیکہ مجھ سے پہلے بھی قرنوں گذر چکے ہیں ○ وہ دونوں جناب باری میں فریاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں تجھے خرابی ہو تو ایماندار بن جا بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے ○ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو صرف اگلوں کے افسانے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کے عذاب کا وعدہ صادق آ گیا منجملہ ان جنات اور انسانوں کے گروہ کے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں ○

اس دنیا کے طالب آخرت میں محروم ہوں گے : ☆☆ (آیت:۱۷-۱۸) چونکہ اوپر ان لوگوں کا حال بیان ہوا تھا جو اپنے ماں باپ کے حق میں نیک دعائیں کرتے ہیں اور ان کی خدمتیں کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے اخروی درجات کا اور وہاں نجات پانے اور اپنے

رب کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کا ذکر ہوا تھا۔ اس لئے اس کے بعد ان بدبختوں کا بیان ہو رہا ہے جو اپنے ماں باپ کے نافرمان ہیں' انہیں باتیں سناتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن کے حق میں نازل ہوئی ہے' جیسے کہ عوفی بروایت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں' جس کی صحت میں بھی کلام ہے اور جو قول نہایت کمزور ہے اس لئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر تو مسلمان ہو گئے تھے اور بہت اچھے اسلام والوں میں سے تھے بلکہ اپنے زمانے کے بہترین لوگوں میں سے تھے' بعض اور مفسرین کا بھی یہ قول ہے لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ مروان نے اپنے خطبہ میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین کو یزید کے بارے میں ایک اچھی رائے سمجھائی ہے اگر وہ انہیں اپنے بعد بطور خلیفہ کے نامزد کر جائیں تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی تو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول اٹھے کہ کیا ہرقل کے دستور پر اور نصرانیوں کے قانون پر عمل کرنا چاہتے ہو؟ قسم ہے اللہ کی نہ تو خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد میں سے کسی کو خلافت کے لئے منتخب کیا نہ اپنے کنبے قبیلے والوں سے کسی کو نامزد کیا اور معاویہؓ نے جو اسے کیا وہ صرف ان کی عزت افزائی اور ان کے بچوں پر رحم کھا کر کیا۔ یہ سن کر مروان کہنے لگا کیا تو وہی نہیں جس نے اپنے والدین کو اف کہا تھا؟ تو عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا تو ایک ملعون شخص کی اولاد میں سے نہیں؟ تیرے باپ پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی تھی۔ حضرت صدیقہؓ نے یہ سن کر مروان سے کہا تو نے حضرت عبدالرحمٰن سے جو کہا وہ بالکل جھوٹ ہے وہ آیت ان کے بارے میں نہیں بلکہ وہ فلاں بن فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر مروان جلدی ہی منبر سے اتر کر آپ کے حجرے کے دروازے پر آیا اور کچھ باتیں کر کے لوٹ گیا۔

بخاری میں یہ حدیث دوسری سند سے اور الفاظ کے ساتھ ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی طرف سے مروان حجاز کا امیر بنایا گیا تھا اس میں یہ بھی ہے کہ مروان نے حضرت عبدالرحمٰن کو گرفتار کر لینے کا حکم اپنے سپاہیوں کو دیا لیکن یہ دوڑ کر اپنی ہمشیرہ صاحبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں چلے گئے اس وجہ سے انہیں کوئی پکڑ نہ سکا اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیقہ کبریٰ نے پردہ میں سے ہی فرمایا کہ ہمارے بارے میں بجز میری پاک دامنی کی آیتوں کے اور کوئی آیت نہیں اتری نسائی کی روایت میں ہے کہ اس خطبے سے مقصود یزید کی طرف سے بیعت حاصل کرنا تھا حضرت عائشہ کے فرمان میں یہ بھی ہے کہ مروان اپنے قول میں جھوٹا ہے جس کے بارے میں یہ آیت اتری ہے مجھے بخوبی اس کا نام معلوم ہے لیکن میں اس وقت اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتی لیکن ہاں رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ کو ملعون کہا ہے اور مروان اس کی پشت میں تھا پس یہ اس خدائی لعنت کا بقیہ ہے۔ یہ جہاں اپنے ماں باپ کی بے ادبی کرتا ہے وہاں خدائے تعالیٰ کی بے ادبی سے بھی نہیں چوکتا' مرنے کے بعد کی زندگی کو جھٹلاتا ہے اور اپنے ماں باپ سے کہتا ہے کہ تم مجھے اس دوسری زندگی سے کیا ڈراتے ہو مجھ سے پہلے سینکڑوں زمانے گذر گئے' لاکھوں کروڑوں انسان مرے میں نے تو کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا' ان میں سے ایک بھی تو لوٹ کر خبر دینے نہیں آیا۔ ماں باپ بیچارے اس سے تنگ آ کر جناب باری سے اس کی ہدایت چاہتے ہیں' اس بارگاہ میں اپنی فریاد پہنچاتے ہیں اور پھر اس سے کہتے ہیں کہ بدنصیب ابھی کچھ نہیں بگڑا اب بھی مسلمان بن جا لیکن یہ مغرور پھر جواب دیتا ہے کہ جسے تم ماننے کو کہتے ہو میں تو اسے ایک دیرینہ قصہ سے زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنے جیسے گذشتہ جنات اور انسانوں کے زمرے میں داخل ہو گئے جنہوں نے خود اپنا نقصان بھی کیا اور اپنے والوں کو بھی برباد کیا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان میں یہاں لفظ اولئك ہے حالانکہ اس سے پہلے لفظ وَالَّذِیْ ہے اس سے بھی ہماری تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے کہ مراد اس سے عام ہے جو بھی ایسا ہو یعنی ماں باپ کا بے ادب اور قیامت کا منکر اس کے لئے یہی حکم ہے چنانچہ حضرت حسن اور حضرت قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کافر فاجر ماں باپ کا نافرمان اور مر کر جی اٹھنے کا منکر ہے۔ ابن عساکر کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ

چار شخصوں پر اللہ عزوجل نے اپنے عرش پر سے لعنت کی ہے اور اس پر فرشتوں نے آمین کہی ہے' جو کسی مسکین کو بہکائے کہے کہ آ ؤ تجھے کچھ دوں گا اور جب وہ آئے تو کہہ دے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں' اور جو ماعون سے کہے سب حاضر ہے حالانکہ اس کے آگے کچھ نہ ہو- اور وہ لوگ جو کسی کو اس کے اس سوال کے جواب میں کہ فلاں کا مکان کون سا ہے؟ کسی دوسرے کا مکان بتا دیں اور وہ جو اپنے ماں باپ کو مارے یہاں تک کہ وہ تنگ آ جائیں اور چیخ پکار کرنے لگیں-

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾ ع

جو یقیناً نقصان یافتہ تھے- اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے' تا کہ انہیں ان کے اعمال کے پورے بدلے دے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ○ اور جس دن کفار جہنم کے سرے پر لائے جائیں گے (کہا جائے گا) تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی برباد کر دیں اور ان سے فائدے اٹھا چکے پس آج تمہیں ذلت کے عذابوں کی سزا دی جائے گی اسی باعث کہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم حکم عدولی کیا کرتے تھے ○

(آیت: ۱۹-۲۰) پھر فرماتا ہے ہر ایک کے لئے اس کی برائی کے مطابق سزا ہے' اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بلکہ اس سے بھی کم کسی پر ظلم نہیں کرتا- حضرت عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں جہنم کے درجے نیچے ہیں اور جنت کے درجے اونچے ہیں- پھر فرماتا ہے کہ جب جہنمی جہنم پر لا کھڑے کئے جائیں گے' انہیں بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ تم اپنی نیکیاں دنیا میں ہی وصول کر چکے' ان سے فائدہ وہیں اٹھا لیا- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت زیادہ مرغوب اور لطیف غذا سے اسی آیت کو پیش نظر رکھ کر اجتناب کر لیا تھا اور فرماتے تھے مجھے خوف ہے کہیں میں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جنہیں اللہ تعالیٰ ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرمائے گا- حضرت ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دنیا میں کی ہوئی اپنی نیکیاں قیامت کے دن گم پائیں گے اور ان سے یہی کہا جائے گا- پھر فرماتا ہے آج انہیں ذلت کے عذابوں کی سزا دی جائے گی ان کے تکبر اور ان کے فسق کی وجہ سے- جیسا عمل ویسا ہی بدلہ ملا- دنیا میں یہ ناز و نعمت سے اپنی جانوں کو پالنے والے اور نخوت و بڑائی سے اتباع حق کو چھوڑنے والے اور برائیوں اور نافرمانیوں میں ہمہ تن مشغول رہنے والے تھے' تو آج قیامت کے دن انہیں اہانت اور رسوائی والے عذاب اور سخت دردناک سزائیں اور ہائے وائے اور افسوس و حسرت کے ساتھ جہنم کے نیچے کے طبقوں میں جگہ ملے گی- اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں ان سب باتوں سے محفوظ رکھے-

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٢١﴾

عادیوں کے بھائی کو یاد کرو' جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا اور یقیناً اس سے پہلے بھی ڈرانے والے گذر چکے ہیں اور اس کے بعد بھی' یہ کہ تم سوائے اللہ تعالیٰ

کے کسی اور کی عبادت نہ کرو بیشک میں تو تم پر بڑے دن کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں ○

قوم عاد کی تباہی کے اسباب: ☆☆ (آیت:۲۱) جناب رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے تو آپ اگلے انبیاء کے واقعات یاد کر لیجئے کہ ان کی قوم نے بھی ان کی تکذیب کی' عادیوں کے بھائی سے مراد حضرت ہود پیغمبر ہیں علیہ السلام والصلوٰۃ - انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عاد اولیٰ کی طرف بھیجا تھا جو احقاف میں رہتے تھے' احقاف جمع ہے حقف کی اور حقف کہتے ہیں ریت کے پہاڑ کو- مطلق پہاڑ اور غار اور حضرموت کی وادی جس کا نام برہوت ہے جہاں کفار کی روحیں ڈالی جاتی ہیں' یہ مطلب بھی احقاف کا بیان کیا گیا ہے- قتادہؒ کا قول ہے کہ یمن میں سمندر کے کنارے ریت کے ٹیلوں میں ایک جگہ تھی جس کا نام شہر تھا یہاں یہ لوگ آباد تھے' امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے کہ جب دعا مانگے تو اپنے نفس سے شروع کرے' اس میں ایک حدیث لائے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہم پر اور عادیوں کے بھائی پر رحم کرے- پھر فرماتا ہے کہ اللہ عزوجل نے ان کے اردگرد کے شہروں میں بھی اپنے رسولؐ مبعوث فرمائے تھے- جیسے اور آیت میں ہے فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا اور جیسے اللہ جل وعلا کا فرمان ہے فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً-

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

قوم نے جواب دیا کیا آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہمیں اپنے معبودوں کی پرستش سے باز رکھیں؟ ○ پس اگر آپ سچے ہیں تو جن عذابوں کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں انہیں ہم پر لا ڈالو ○ حضرت ہودؑ نے کہا (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے میں تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا تھا وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم نادانی کر رہے ہو ○

(آیت:۲۲-۲۳) پھر فرماتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم موحد بن جاؤ ورنہ تمہیں اس بڑے بھاری دن میں عذاب ہوگا- جس پر قوم نے کہا کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں سے روک رہا ہے؟ جا جس عذاب سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے وہ لے آ- یہ تو اپنے ذہن میں اسے محال جانتے تھے' تو جرأت کر کے جلد طلب کیا- جیسے کہ اور آیت میں ہے يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا یعنی ایمان نہ لانے والے ہمارے عذابوں کے جلد آنے کی خواہش کرتے ہیں- اس کے جواب میں ان کے پیغمبر نے کہا کہ اللہ ہی کو بہتر علم ہے' اگر وہ تمہیں اسی لائق جانے گا تو تم پر عذاب بھیج دے گا' میرا منصب تو صرف اتنا ہی ہے کہ میں اپنے رب کی رسالت تمہیں پہنچا دوں- لیکن میں جانتا ہوں کہ تم بالکل بے عقل اور بے وقوف لوگ ہو- اب عذاب الٰہی آ گیا' انہوں نے دیکھا کہ ایک کالا ابر ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے چونکہ خشک سالی تھی' گرمی سخت تھی' یہ خوشیاں منانے لگے کہ اچھا ہوا ابر چڑھا ہے اور اسی طرف رخ ہے اب بارش برسے گی- دراصل ابر کی صورت میں یہ وہ قہر الٰہی تھا' جس کے آنے کی وہ جلدی مچا رہے تھے' اس میں وہ عذاب تھا جسے حضرت ہودؑ سے یہ طلب کر رہے تھے- وہ عذاب ان کی بستیوں کی تمام ان چیزوں کو بھی جن کی بربادی ہونے والی تھی تہس نہس کرتا ہوا آیا اور اسی کا اسے حکم ملا تھا- جیسے اور آیت میں ہے مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ یعنی جس چیز پر وہ گذر جاتی تھی اسے چورا چورا کر دیتی تھی- پس سب کے سب ہلاک وتباہ ہو گئے' ایک بھی بچ نہ سکا- پھر فرماتا ہے ہم اسی طرح ان کا فیصلہ کرتے ہیں جو ہمارے رسولوں کو جھٹلائیں اور ہمارے احکام کی

خلاف ورزی کریں۔ ایک بہت ہی غریب حدیث میں ان کا جو قصہ آیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔ حضرت حارث بکریؓ کہتے ہیں میں علاء بن حضرمی کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہا تھا۔

ربذہ میں مجھے بنو تمیم کی ایک بڑھیا ملی جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی مجھ سے کہنے لگی اے اللہ کے بندے! میرا ایک کام اللہ کے پیغمبر سے ہے کیا تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دے گا؟ میں نے اقرار کیا اور انہیں اپنی سواری پر بٹھا لیا اور مدینہ شریف پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ مسجد شریف لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے' سیاہ رنگ جھنڈا لہرا رہا ہے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لٹکائے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ تو لوگوں نے مجھ سے کہا حضور عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی طرف بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں ایک طرف بیٹھ گیا جب آنحضور اپنی منزل یا اپنے خیمے میں تشریف لے گئے تو میں بھی گیا' اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر آپ کی خدمت میں باریاب ہو۔ اسلام علیک کی تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے اور بنو تمیم کے درمیان کچھ رنجش تھی؟ میں نے کہا ہاں اور ہم ان پر غالب رہے تھے اور اب میرے اس سفر میں بنو تمیم کی ایک نادار بڑھیا راستے میں مجھے ملی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اسے اپنے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچاؤں چنانچہ میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں اور وہ دروازہ پر منتظر ہے۔ آپ نے فرمایا اسے بھی اندر بلا لو چنانچہ وہ آ گئیں میں نے کہا یا رسول اللہ! اگر آپ ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی روک کر سکتے ہیں تو اسے کر دیجئے' اس پر بڑھیا کو حمیت لاحق ہوئی اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول اٹھی کہ پھر یا رسول اللہ! آپ کا مضطر کہاں قرار کرے گا؟ میں نے کہا سبحان اللہ میری تو وہی مثل ہوئی کہ اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی ماری' مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میری ہی دشمنی کرے گی؟ ورنہ میں اسے لاتا ہی کیوں؟ اللہ کی پناہ واللہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی مثل عادیوں کے قاصد کے ہو جاؤں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ عادیوں کے قاصد کا واقعہ کیا ہے؟ باوجودیکہ حضورؐ اس واقعہ سے بہ نسبت میرے بہت زیادہ واقف تھے لیکن آپ کے فرمان پر میں نے وہ قصہ بیان کیا کہ عادیوں کی بستیوں میں جب سخت قحط سالی ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک قاصد قیل نامی روانہ کیا' یہ راستے میں معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر ٹھہرا اور شراب پینے اور اس کی دونوں کنیزوں کا گانا سننے میں جن کا نام جرادہ تھا اس قدر مشغول ہوا کہ مہینہ بھر تک یہیں پڑا رہا' پھر چلا اور جبال مہرہ میں جا کر اس نے دعا کی کہ خدایا تو خوب جانتا ہے میں کسی مریض کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کا فدیہ ادا کرنے کے لئے تو آیا ہی نہیں' الٰہی عادیوں کو وہ پلا جو تو انہیں پلانے والا ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۚ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ ۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

پھر جب انہوں نے عذاب کو بصورت بادل دیکھا جو ان کے میدانوں کا رخ کئے ہوئے تھا تو کہنے لگے یہ ابر ہم پر برسنے والا ہے (نہیں) بلکہ دراصل یہ ابر وہ چیز ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے' ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے ○ جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی تھی پس وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا' گنہگاروں کے گروہ کو ہم یونہی سزا دیتے ہیں ○

(آیت: ۲۴-۲۵) چنانچہ چند سیاہ رنگ بادل اٹھے اور ان میں سے ایک آواز آئی کہ ان میں سے جسے تو چاہے پسند کر لے چنانچہ

اس نے سخت سیاہ بادل کو پسند کر لیا۔ اسی وقت ان میں سے آواز آئی کہ اسے راکھ اور خاک بنانے والا کر دے تاکہ عادیوں میں سے کوئی باقی نہ رہے۔ کہا اور مجھے جہاں تک علم ہوا ہے یہی ہے کہ ہواؤں کے مخزن میں سے صرف پہلے ہی سوراخ سے ہوا چھوڑی گئی تھی جیسے میری اس انگوٹھی کا حلقہ' اسی سے سب ہلاک ہو گئے۔ ابو وائل کہتے ہیں یہ بالکل ٹھیک نقل ہے۔ عرب میں دستور تھا کہ جب کسی قاصد کو بھیجتے تو کہہ دیتے کہ عادیوں کے قاصد کی طرح نہ کرنا۔ یہ روایت ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ جیسے کہ سورۂ اعراف کی تفسیر میں گذرا۔ مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کھلکھلا کر اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے مسوڑھے نظر آ ئیں' آپ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے اور جب ابر اٹھتا اور آندھی چلتی تو آپ کے چہرے سے فکر کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ ایک روز میں نے آپ سے کہا یا رسول اللہ لوگ تو ابر و باد کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش برسے گی لیکن آپ کی اس کے بالکل برعکس حالت ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا عائشہؓ میں اس بات سے کہ کہیں اس میں عذاب ہو کیسے مطمئن ہو جاؤں؟ ایک قوم ہوا ہی سے ہلاک کی گئی' ایک قوم نے عذاب کے بادل کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ صحیح بخاری مسلم میں بھی یہ روایت دوسری سند سے مروی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ جب کبھی آسمان کے کسی کنارے سے ابر اٹھتا ہوا دیکھتے تو اپنے تمام کام چھوڑ دیتے اگرچہ نماز میں ہوں اور یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡٓ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ شَرِّ مَافِیۡہِ ''خدایا میں تجھ سے اس برائی سے پناہ چاہتا ہوں جو اس میں ہے''۔ پس اگر کھل جاتا تو اللہ عز و جل کی حمد کرتے اور اگر برس جاتا تو یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ صَیِّبًا نَافِعًا' خدایا اسے نفع دینے والا اور برسنے والا بنا دے''۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ جب ہوائیں چلتیں تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ خَیۡرَھَا وَخَیۡرَ مَا فِیۡھَا وَخَیۡرَ مَآ اَرۡسَلۡتَ بِہٖ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنۡ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیۡھَا وَشَرِّ مَآ اَرۡسَلۡتَ بِہٖ ''یا اللہ! میں تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس کو یہ ساتھ لے کر آئی ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس چیز کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں''۔ اور جب ابر اٹھتا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا' کبھی اندر کبھی باہر' کبھی آتے کبھی جاتے' جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ فکر مندی دور ہو جاتی۔ حضرت عائشہؓ نے اسے سمجھ لیا اور آپ سے ایک بار سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ عائشہؓ خوف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں یہ اسی طرح نہ ہو جس طرح قوم ہود نے اپنی طرف بادل بڑھتا دیکھ کر خوشی سے کہا تھا کہ یہ ابر ہمیں سیراب کرے گا۔ سورۂ اعراف میں عادیوں کی ہلاکت کا اور حضرت ہودؑ کا پورا واقعہ گذر چکا ہے اس لئے ہم اسے یہاں نہیں دہراتے۔ فللہ الحمد و المنہ۔ طبرانی کی مرفوع حدیث میں ہے کہ عادیوں پر اتنی ہی ہوا کھولی گئی تھی جتنا انگوٹھی کا حلقہ ہوتا ہے۔ یہ ہوا پہلے دیہات والوں اور بادیہ نشینوں پر آئی' وہاں سے شہری لوگوں پر آئی جسے دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ ابر جو ہماری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے یہ ضرور ہم پر بارش برسائے گا لیکن اس میں جنگلی لوگ تھے جو ان شہریوں پر گرا دیئے گئے اور سب ہلاک ہو گئے' ہوا کے خزانچیوں پر ہوا کی سرکشی اس وقت اتنی تھی کہ دروازوں کے سوراخوں سے وہ نکلی جا رہی تھی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَلَقَدۡ مَكَّنّٰهُمۡ فِيۡمَاۤ اِنۡ مَّكَّنّٰكُمۡ فِيۡهِ وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ سَمۡعًا وَّاَبۡصَارًا وَّاَفۡـِٕدَةً ۖ فَمَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ سَمۡعُهُمۡ وَلَاۤ اَبۡصَارُهُمۡ وَلَاۤ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِذۡ كَانُوۡا يَجۡحَدُوۡنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا مَا حَوۡلَكُمۡ

مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

بالیقین ہم نے قوم عاد کو وہ مقدور دیئے تھے جو تمہیں تو دیئے بھی نہیں اور ہم نے انہیں کان' آنکھیں اور دل بھی دے رکھے تھے لیکن ان کے کانوں اور آنکھوں اور دلوں نے انہیں کچھ بھی تو نفع نہ پہنچایا جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی ان پر الٹ پڑی ○ یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر دیں اور طرح طرح کی ہم نے اپنی نشانیاں بیان کر دیں تاکہ وہ رجوع کر لیں ○ پس قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی' بلکہ وہ تو ان سے کھوئے گئے بلکہ دراصل یہ ان کا محض جھوٹ اور بالکل بہتان تھا ○

مغضوب شدہ قوموں کی نشاندہی: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۸) ارشاد ہوتا ہے کہ اگلی امتوں کو جو اسباب دنیوی مال و اولاد وغیرہ۔ ہماری طرف سے دیئے گئے تھے ویسے تو تمہیں اب تک مہیا بھی نہیں' ان کے بھی کان' آنکھیں اور دل تھے لیکن جس وقت انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور ہمارے عذابوں کا مذاق اڑایا تو بالآخر ان کے ظاہری اسباب انہیں کچھ کام نہ آئے اور وہ سزائیں ان پر برس پڑیں جن کی یہ ہمیشہ ہنسی کرتے رہے تھے' پس تمہیں ان کی طرح نہ ہونا چاہئے' ایسا نہ ہو کہ ان کے سے عذاب تم پر بھی آ جائیں اور تم بھی ان کی طرح جڑ سے کاٹ دیئے جاؤ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اے اہل مکہ! تم اپنے آس پاس ہی ایک نظر ڈالو اور دیکھو کہ کس قدر قومیں نیست و نابود کر دی گئی ہیں اور کس طرح انہوں نے اپنے کرتوت کے بدلے پائے ہیں۔ احقاف جو یمن کے پاس ہے' حضر موت کے علاقہ میں ہے یہاں کے بسنے والے عادیوں کے انجام پر نظر ڈالو' تمہارے اور شام کے درمیان ثمودیوں کا جو حشر ہوا' اسے دیکھو' اہل یمن اور اہل مدین کی قوم سبا کے نتیجہ پر غور کرو' تم تو اکثر غزوات اور تجارت وغیرہ کے لئے وہاں سے آتے جاتے رہتے ہو' بحیرہ قوم لوط سے عبرت حاصل کرو' وہ بھی تمہارے راستے میں ہی پڑتا ہے۔

پھر فرماتا ہے ہم نے اپنی نشانیوں اور آیتوں کو خوب واضح اور ظاہر کر دیا ہے تاکہ لوگ برائیوں سے بھلائیوں کی طرف لوٹ آئیں۔

پھر فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے خدائے تعالیٰ کے سوا جن جن معبودان باطل کی پرستش شروع کر رکھی تھی' گو اس میں ان کا اپنا خیال یہ تھا کہ اس کی وجہ سے ہم قرب الٰہی حاصل کریں گے لیکن کیا ہمارے عذابوں کے وقت جبکہ ان کو ان کی مدد کی پوری ضرورت تھی' انہوں نے ان کی کسی طرح مدد کی؟ ہرگز نہیں بلکہ ان کی احتیاج اور مصیبت کے وقت وہ گم ہو گئے' ان سے بھاگ گئے' ان کا پتہ بھی نہ چلا۔ الغرض ان کا پوجنا صریح غلطی تھی' غرض جھوٹ تھا اور صاف افتراء اور فضول بہتان تھا کہ یہ انہیں معبود سمجھ رہے تھے' پس ان کی عبادت کرنے میں اور ان پر اعتماد کرنے میں یہ دھوکے میں اور نقصان میں ہی رہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور یاد کر جب کہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف متوجہ کیا وہ قرآن سن رہے تھے' پس جب نبی کے پاس پہنچ گئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے خاموش ہو جاؤ' پھر جب ختم ہو گیا تو اپنی قوم کو آگاہ کرنے کے لئے واپس لوٹ گئے ○

طائف سے واپسی پر جنات نے کلام الٰہی سنا' شیطان بوکھلایا: ☆☆ (آیت:۲۹) مسند امام احمد میں حضرت زبیرؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ واقعہ نخلہ کا ہے' رسول اللہ ﷺ اس وقت نماز عشاء ادا کر رہے تھے' یہ سب جنات سمٹ کر آپ کے ارد گرد بھیڑ کی شکل میں کھڑے ہو گئے۔ ابن عباس کی روایت میں ہے کہ یہ جنات نصیبین کے تھے' تعداد میں سات تھے۔ کتاب دلائل النبوۃ میں بروایت ابن عباسؓ مروی ہے کہ نہ تو حضورؐ نے جنات کو سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا نہ آپ نے انہیں دیکھا' آپ تو اپنے صحابہؓ کے ساتھ عکاظ کے بازار جا رہے تھے' ادھر یہ ہوا تھا کہ شیاطین کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان روک ہو گئی تھی اور ان پر شعلے برسنے شروع ہو گئے تھے۔

شیاطین نے آ کر اپنی قوم کو یہ خبر دی تو انہوں نے کہا کوئی نہ کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے' جاؤ تلاش کرو پس یہ نکل کھڑے ہوئے۔ ان میں کی جو جماعت عرب کی طرف متوجہ ہوئی تھی وہ جب یہاں پہنچی تب رسول اللہ ﷺ سوق عکاظ کی طرف جاتے ہوئے نخلہ میں اپنے اصحاب کی نماز پڑھا رہے تھے' ان کے کانوں میں جب آپ کی تلاوت کی آواز پہنچی تو یہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر بغور سننے لگے۔ اس کے بعد انہوں فیصلہ کر لیا کہ بس یہی وہ چیز ہے' جس کی وجہ سے تمہارا آسمانوں تک پہنچنا موقوف کر دیا گیا ہے۔ یہاں سے یہ فوراً ہی واپس لوٹ کر اپنی قوم کے پاس پہنچے اور ان سے کہنے لگے ہم نے عجیب قرآن سنا جو نیکی کا رہبر ہے' ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اقرار کرتے ہیں کہ اب ناممکن ہے کہ اللہ کے ساتھ ہم کسی اور کو شریک کریں۔ اس واقعہ کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو سورۂ جن میں دی۔ یہ حدیث بخاری مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔

مسند میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جنات وحی الٰہی سنا کرتے تھے' ایک کلمہ جب ان کے کان میں پڑ جاتا تو وہ اس میں دس اور ملا لیا کرتے' پس وہ ایک تو حق نکلتا باقی سب باطل نکلتے اور اس سے پہلے ان پر تارے پھینکے نہیں جاتے تھے۔ پس جب حضورؐ مبعوث ہوئے تو ان پر شعلہ باری ہونے لگی' یہ اپنے بیٹھنے کی جگہ پہنچتے اور ان پر شعلہ گرتا اور یہ ٹھہر نہ سکتے۔ انہوں نے آ کر ابلیس سے یہ شکایت کی تو اس نے کہا کہ کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے لشکروں کو اس کی تحقیقات کے لئے چوطرف پھیلا دیا' انہوں نے نبی ﷺ کو نخلہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان نماز پڑھتے ہوئے پایا اور جا کر اسے خبر دی۔ اس نے کہا بس یہی وجہ ہے جو آسمان محفوظ کر دیا گیا اور تمہارا جانا بند ہوا۔ یہ روایت ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ حسن بصریؒ کا قول بھی یہی ہے کہ اس واقعہ کی خبر تک رسول اللہ ﷺ کو نہ تھی جب آپ پر وحی آئی تب آپ نے یہ معلوم کیا۔ سیرت ابن اسحاق میں محمد بن کعب کا ایک لمبا بیان منقول ہے جس میں حضورؐ کا طائف جانا' انہیں اسلام کی دعوت دینا' ان کا انکار کرنا وغیرہ پورا واقعہ بیان ہے۔ حضرت حسنؒ نے اس دعا کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے اس تنگی کے وقت کی تھی جو یہ ہے' اَللّٰھُمَّ اِلَیْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَى النَّاسِ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَكِلُنِیْ اِلٰی عَدُوٍّ بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی صَدِیْقٍ قَرِیْبٍ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ بِكَ غَضَبٌ عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ غَیْرَ اَنَّ عَافِیَتَكَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ یُّنْزِلَ بِیْ غَضَبُكَ اَوْ یَحُلَّ بِیْ سَخَطُكَ وَلَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ'' یعنی اپنی کمزوری اور بے سروسامانی اور کسمپرسی کی شکایت صرف تیرے سامنے کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو دراصل سب سے زیادہ رحم و کرم کرنے والا ہے اور کمزوروں کا رب تو ہی ہے' میرا پالنہار بھی تو ہی ہے' تو مجھے کس کو سونپ رہا ہے' کسی دوری والے دشمن کو جو مجھے عاجز کر دے یا کسی قرب والے دوست کو جسے تو نے میرے بارے کا اختیار دے رکھا ہو اگر تیری کوئی خفگی مجھ پر نہ ہو تو مجھے اس درد دکھ کی کوئی پرواہ نہیں' لیکن تاہم اگر تو مجھے عافیت کے ساتھ ہی رکھ تو وہ میرے لئے بہت ہی راحت رساں ہے' میں تیرے چہرے کے اس نور کے باعث جس کی وجہ سے تمام اندھیریاں جگمگا اٹھی ہیں اور دین و دنیا کے تمام امور کی اصلاح کا مدار اسی پر ہے تجھ سے اس

بات کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ مجھ پر تیرا عتاب اور تیرا غصہ نازل ہو یا تیری ناراضگی مجھ پر آ جائے مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی طاقت تیری ہی مدد سے ہے''۔ اسی سفر کی واپسی میں آپ نے نخلہ میں رات گذاری اور اسی رات قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نصیبین کے جنوں نے آپ کو سنا' یہ ہے تو صحیح لیکن اس میں یہ قول تامل طلب ہے اس لئے کہ جنات کا کلام اللہ شریف سننے کا واقعہ وحی شروع ہونے کے زمانے کا ہے۔ جیسے کہ ابن عباسؓ کی اوپر بیان کردہ حدیث سے ثابت ہو رہا ہے اور آپ کا طائف جانا اپنے چچا ابو طالب کے انتقال کے بعد ہوا ہے جو ہجرت کے ایک یا زیادہ سے زیادہ دو سال پہلے کا واقعہ ہے' جیسے کہ سیرت ابن اسحاق وغیرہ میں ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی شیبہ میں ان جنات کی گنتی نو کی ہے جن میں سے ایک کا نام زوبعہ ہے۔ انہی کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں' پس یہ روایت اور اس سے پہلے کی حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا اقتضاء یہ ہے کہ اس مرتبہ جو جن آئے تھے ان کی موجودگی کا حضورؐ کو علم نہ تھا' یہ تو آپ کی بے خبری میں ہی آپ کی زبانی قرآن سن کر واپس لوٹ گئے' اس کے بعد بطور وفد فوجیں کی فوجیں اور جتھے کے جتھے ان کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے' جیسے کہ اس ذکر کے احادیث و آثار اپنی جگہ آ رہے ہیں' ان شاء اللہ۔ بخاری مسلم میں ہے حضرت عبدالرحمٰنؒ نے حضرت مسروقؒ سے پوچھا کہ جس رات جنات نے حضورؐ سے قرآن سنا تھا اس رات کس نے حضورؐ سے ان کا ذکر کیا تھا؟ تو فرمایا مجھ سے تیرے والد حضرت ابن مسعودؓ نے کہا ہے ان کی آگاہی حضورؐ کو ایک درخت نے دی تھی' تو ممکن ہے کہ یہ خبر پہلی دفعہ کی ہو اور اثبات کو ہم نفی پر مقدم مان لیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب وہ سن رہے تھے آپ کو تو کوئی خبر نہ تھی یہاں تک کہ اس درخت نے آپ کو ان کے اجتماع کی خبر دی' واللہ اعلم۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس کے بعد والے کئی واقعات میں سے ایک ہو' واللہ اعلم۔

امام حافظ بیہقی فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ تو نہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں کو دیکھا نہ خاص ان کے سنانے کے لئے قرآن پڑھا' ہاں البتہ اس کے بعد جن آپ کے پاس آئے اور آپ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا اور اللہ عزوجل کی طرف بلایا' جیسے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ اس کی روایتیں سنئے۔ حضرت علقمہؒ حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی اس رات حضورؐ کے ساتھ موجود تھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کوئی نہ تھا' آپ رات بھر ہم سے غائب رہے اور ہمیں رہ رہ کر بار بار یہی خیال گذرا کرتا تھا کہ شاید کسی دشمن نے آپ کو دھوکا دے دیا' خدانخواستہ آپ کے ساتھ کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا ہو' وہ رات ہماری بڑی بری طرح کٹی۔ صبح صادق سے کچھ ہی پہلے ہم نے دیکھا کہ آپ غار حرا سے واپس آ رہے ہیں پس ہم نے رات کی اپنی ساری کیفیت بیان کر دی ہے۔ تو آپ نے فرمایا میرے پاس جنات کا قاصد آیا تھا' جس کے ساتھ جا کر میں نے انہیں قرآن سنایا چنانچہ آپ ہمیں لے کر گئے اور ان کے نشانات اور ان کی آگ کے نشانات ہمیں دکھائے۔ شعبیؒ کہتے ہیں انہوں نے آپ سے توشہ طلب کیا' تو عامر کہتے ہیں یعنی مکے میں اور یہ جن جزیرے کے تھے تو آپؐ نے فرمایا ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو وہ تمہارے ہاتھوں میں پہلے سے زیادہ گوشت والی ہو کر پڑے گی اور لید اور گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ بنے گا۔ پس اے مسلمانو! ان دونوں چیزوں سے استنجا نہ کرو' یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس رات حضورؐ کو نہ پا کر ہم بہت ہی گھبرائے تھے اور تمام وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کر آئے تھے اور حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا آج رات میں جنات کو قرآن سناتا رہا اور جنوں میں ہی اسی شغل میں رات گذاری۔

ابن جریرؒ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو چاہے آج کی رات جنات کے امر میں میرے ساتھ رہے۔ پس میں موجود ہو گیا' آپ مجھے لے کر چلے' جب مکہ شریف کے اونچے کے حصے میں پہنچے تو آپ نے اپنے پاؤں سے ایک خط کھینچ دیا اور مجھ سے فرمایا بس یہیں بیٹھے رہو۔ پھر آپ چلے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر آپ نے قرأت شروع کی پھر تو اس قدر

جماعت آپ کے ارد گرد ٹھٹ لگا کر کھڑی ہوگئی کہ میں تو آپ کی قرأت سننے سے بھی رہ گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ جس طرح ابر کے ٹکڑے پھٹتے ہیں اس طرح وہ ادھر ادھر جانے لگے اور یہاں تک کہ اب بہت تھوڑے باقی رہ گئے، پس حضور صبح کے وقت فارغ ہوئے اور آپ وہاں سے دور نکل گئے اور حاجت سے فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لائے اور پوچھنے لگے وہ باقی کے کہاں ہیں؟ میں نے کہا وہ یہ ہیں پس آپ نے انہیں ہڈی اور لید دی۔ پھر آپ نے مسلمانوں کو ان دونوں چیزوں سے استنجا کرنے سے منع فرمادیا۔ اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ جہاں حضورؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بٹھایا تھا وہاں بٹھا کر فرمادیا تھا کہ خبردار یہاں سے نکلنا نہیں ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے صبح کے وقت آ کر ان سے دریافت کیا کہ کیا تم سو گئے تھے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں اللہ کی قسم میں نے تو کئی مرتبہ چاہا کہ لوگوں سے فریاد کروں۔ لیکن میں نے سن لیا کہ آپ انہیں اپنی لکڑی سے دھمکا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ بیٹھ جاؤ۔ حضورؐ نے فرمایا اگر تم یہاں سے باہر نکلتے تو مجھے تو خوف تھا کہ ان میں کے بعض تمہیں اچک نہ لے جائیں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ اچھا تم نے کچھ دیکھا بھی؟ میں نے کہا ہاں لوگ تھے سیاہ انجان خوفناک سفید کپڑے پہنے ہوئے۔ آپ نے فرمایا یہ نصیبین کے جن تھے، انہوں نے مجھ سے توشہ طلب کیا تھا پس میں نے ہڈی اور لید کو بر دیا۔ میں نے پوچھا حضورؐ اس سے انہیں کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا ہر ہڈی ان کے ہاتھ لگتے ہی ایسی ہو جائے گی جیسی اس وقت تھی جب کھائی گئی تھی یعنی گوشت والی ہو کر انہیں ملے گی اور لید میں بھی وہ وہی دانے پائیں گے جو اس روز تھے جب وہ دانے کھائے گئے تھے، پس ہم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء سے نکل کر ہڈی، لید اور گوبر سے استنجا نہ کرے۔ اس روایت کی دوسری سند میں ہے حضورؐ نے فرمایا پندرہ جنات جو آپس میں چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائی ہیں آج رات مجھ سے قرآن سننے کے لئے آنے والے ہیں۔ اس میں ہڈی اور لید کے ساتھ کوئلہ کا استنجا بھی ہے۔ ابن مسعود فرماتے ہیں دن نکلے میں اسی جگہ گیا تو دیکھا کہ وہ کوئی ساٹھ اونٹ بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اور روایت میں ہے کہ جب جنات کا ازدھام ہو گیا تو ان کے سرداران نے کہا یا رسول اللہ! میں انہیں ادھر ادھر کر کے آپ کو اس تکلیف سے بچا لیتا ہوں، تو آپ نے فرمایا اللہ سے زیادہ مجھے کوئی بچانے والا نہیں۔ آپ فرماتے ہیں جنات والی رات میں مجھ سے حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے کہا حضورؐ پانی تو نہیں البتہ ایک ڈولچی میں نبیذ ہے تو حضورؐ نے فرمایا عمدہ کھجوریں اور پاکیزہ پانی (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

مسند احمد کی اس حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے اس سے وضو کراؤ چنانچہ آپ نے وضو کیا اور فرمایا یہ تو پینے کی اور پاک چیز ہے، مسند احمد میں ہے کہ جب آپ لوٹ کر آئے تو سانس چڑھ رہا تھا۔ میں نے پوچھا حضورؐ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا میرے پاس میرے انتقال کی خبر آئی ہے۔ یہی حدیث قدرے زیادتی کے ساتھ حافظ ابونعیم کی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی ہے، اس میں ہے کہ میں نے یہ سن کر کہا پھر یا رسول اللہؐ! اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کر جایئے۔ آپ نے کہا کس کو؟ میں نے کہا ابوبکرؓ کو۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے۔ چلتے چلتے پھر کچھ دیر بعد یہی حالت طاری ہوئی۔ میں نے وہی سوال کیا آپ نے وہی جواب دیا۔ میں نے خلیفہ مقرر کرنے کو کہا آپ نے پوچھا کسے؟ میں نے کہا عمرؓ کو (رضی اللہ عنہ) اس پر آپ خاموش ہو گئے۔ کچھ دور چلنے کے بعد پھر یہی حالت اور یہی سوال جواب ہوئے اب کی مرتبہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا تو آپ فرمانے لگے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر لوگ ان کی اطاعت کریں تو سب جنت میں چلے جائیں گے، لیکن یہ حدیث بالکل ہی غریب ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ محفوظ نہ ہو اور اگر صحت تسلیم کر لی جائے تو اس واقعہ کو مدینہ کا واقعہ ماننا پڑے گا۔ وہاں بھی آپ کے پاس جنوں کے وفود آئے تھے جیسے کہ ہم عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔ اس لئے کہ آپ کا آخری وقت فتح مکہ کے بعد تھا جب کہ دین الٰہی میں انسانوں اور جنوں کی فوجیں کی فوجیں داخل ہو گئیں، اور سورۂ

اذا جاء الخ' اتر چکی جس میں آپ کو خبر انتقال دی گئی تھی' جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس پر موافقت ہے۔ جو حدیثیں ہم اسی سورت کی تفسیر میں لائیں گے' ان شاء اللہ' واللہ اعلم۔

مندرجہ بالا حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے لیکن اس کی سند بھی غریب ہے اور سیاق بھی غریب ہے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں یہ جنات جزیرہ موصل کے تھے' ان کی تعداد بارہ ہزار کی تھی۔ ابن مسعودؓ اس خط کشیدہ جگہ میں بیٹھے ہوئے تھے لیکن جنات کے کھجوروں کے درختوں کے برابر قد و قامت وغیرہ دیکھ کر ڈر گئے اور بھاگ جانا چاہا لیکن فرمان رسولؐ یاد آ گیا کہ اس حد سے باہر نہ نکلنا۔ جب حضورؐ سے یہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اگر تم اس حد سے باہر آ جاتے تو قیامت تک ہماری تمہاری ملاقات نہ ہو سکتی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جنات کی یہ جماعت جن کا ذکر آیت و اذ صرفنا الخ' میں ہے نینویٰ کی تھی' آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ انہیں قرآن سناؤں' تم میں سے میرے ساتھ کون چلے گا؟ اس پر سب خاموش ہو گئے' دوبارہ پوچھا پھر خاموشی رہی' تیسری مرتبہ دریافت کیا تو قبیلہ ہذیل کے شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تیار ہوئے' حضورؐ انہیں ساتھ لے کر حجون کی گھاٹی میں گئے۔ ایک لکیر کھینچ کر انہیں یہاں بٹھا دیا اور آپ آگے بڑھ گئے۔ یہ دیکھنے لگے کہ گدھوں کی طرح کے زمین سے بالکل قریب اڑتے ہوئے کچھ جانور سے آ رہے ہیں' تھوڑی دیر بعد بڑا غل غپاڑہ سنائی دینے لگا یہاں تک کہ مجھے حضورؐ کی ذات پر ڈر لگنے لگا۔ جب آنحضرت ﷺ آئے تو میں نے کہا کہ حضورؐ یہ شور و غل کیا تھا؟ آپ نے فرمایا ان کے ایک مقتول کا قصہ تھا' جس میں یہ مختلف تھے' ان کے درمیان صحیح فیصلہ کر دیا گیا۔ یہ واقعات صاف ہیں کہ حضورؐ نے قصداً جا کر جنات کو قرآن سنایا' انہیں اسلام کی دعوت دی اور جن مسائل کی اس وقت انہیں ضرورت تھی وہ سب بتا دیئے' ہاں پہلی مرتبہ جب جنات نے آپ کی زبانی قرآن سنا' اس وقت آپ کو نہ معلوم تھا نہ آپ نے انہیں سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا' جیسے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ اس کی بعد وہ وفود کی صورت میں آئے اور حضورؐ عمداً تشریف لے گئے اور انہیں قرآن سنایا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس وقت نہ تھے جب کہ آپ نے ان سے بات چیت کی' انہیں اسلام کی دعوت دی۔ البتہ کچھ فاصلہ پر دور بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ اس واقعہ میں سوائے حضرت ابن مسعودؓ کے اور کوئی نہ تھا اور دوسری تطبیق ان روایات میں جن میں ہے کہ آپ کے ساتھ ابن مسعودؓ تھے اور جن میں ہے کہ نہ تھے' یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلی دفعہ نہ تھے دوسری مرتبہ تھے۔ واللہ اعلم۔

یہ بھی مروی ہے کہ نخلہ میں جن جنوں نے آپ سے ملاقات کی تھی وہ نینویٰ کے تھے اور مکہ شریف میں جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے وہ نصیبین کے تھے اور یہ جو روایتوں میں آیا ہے کہ ہم نے وہ رات بہت بری طرح بسر کی اس سے مراد ابن مسعود کے سوا اور صحابہؓ ہیں جنہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ حضورؐ جنات کو قرآن سنانے گئے ہیں۔ لیکن یہ تاویل ہے ذرا دور کی' واللہ اعلم۔ بیہقی میں ہے کہ حضورؐ کی حاجت اور وضو کے لئے آپ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ پانی کی ڈولچی لئے ہوئے جایا کرتے تھے' ایک دن یہ پیچھے پیچھے پہنچے۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ جواب دیا کہ میں ابو ہریرہؓ ہوں۔ فرمایا میرے استنجے کے لئے پتھر لاؤ لیکن ہڈی اور لید نہ لانا۔ میں اپنی جھولی میں پتھر بھر لایا اور آپ کے پاس رکھ دیئے' جب آپ فارغ ہو چکے اور چلنے لگے میں بھی آپ کے پیچھے چلا اور پوچھا حضورؐ کیا وجہ ہے جو آپ نے ہڈی اور لید سے منع فرما دیا؟ آپ نے جواب دیا میرے پاس نصیبین کے جنوں کا وفد آیا تھا اور انہوں نے مجھ سے توشہ طلب کیا تھا تو میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ جس لید اور ہڈی پر گذریں' اسے طعام پائیں۔

صحیح بخاری میں بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے۔ پس یہ حدیث اور اس سے پہلے کی حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ جنات کا وفد

آپ کے پاس اس کے بعد بھی آیا تھا- اب ہم ان احادیث کو بیان کرتے ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ جنات آپ کے پاس کئی دفعہ حاضر ہوئے- ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے اس کے سوا بھی آپ سے دوسری سند سے مروی ہے' ابن جریر میں ہے آپ فرماتے ہیں یہ سات جن تھے نصیبین کے رہنے والے' انہیں اللہ کے رسولؐ نے اپنی طرف سے قاصد بنا کر جنات کی طرف بھیجا تھا- مجاہدؒ کہتے ہیں یہ جنات تعداد میں سات تھے' نصیبین کے تھے- ان میں سے رسول اللہ ﷺ نے تین کو اہل حران سے کہا اور چار اہل نصیبین سے' ان کے نام یہ ہیں- حسی' حسا' منسی' ساحر' ناصر' الاردوبیان' الاحتم-

ابوحمزہ ثمالیؒ فرماتے ہیں انہیں بنوشیصیان کہتے ہیں' یہ قبیلہ جنات کے اور قبیلوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھا اور یہ ان میں نسب کے بھی شریف مانے جاتے تھے اور عموماً یہ ابلیس کے لشکروں میں سے تھے- ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ نو تھے ان میں سے ایک کا نام ردیعہ تھا' اصل نخلہ سے آئے تھے- بعض حضرات سے مروی ہے کہ یہ پندرہ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ ساٹھ اونٹوں پر آئے تھے اور ان کے سردار کا نام وردان تھا اور کہا گیا ہے کہ تین سو تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ بارہ ہزار تھے- ان سب میں تطبیق یہ ہے کہ چونکہ وفود کئی ایک آئے تھے' ممکن ہے کہ کسی میں چھ' سات نو ہی ہوں' کسی میں زیادہ' کسی میں اس سے بھی زیادہ- اس پر دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جس چیز کی نسبت جب کبھی کہتے کہ میرے خیال میں یہ اس طرح ہوگی تو وہ عموماً اسی طرح نکلتی' ایک مرتبہ آپ بیٹھے ہوئے تھے جو ایک حسین شخص گذرا' آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا اگر میرا گمان غلط نہ ہو تو یہ شخص اپنے جاہلیت کے زمانہ میں ان لوگوں کا کاہن تھا' جانا ذرا اسے لے آنا' جب وہ آ گیا تو آپ نے اپنا یہ خیال اس پر ظاہر فرمایا' وہ کہنے لگا مسلمانوں میں اس ذہانت و فطانت کا کوئی شخص آج تک میری نظر سے نہیں گذرا- حضرت عمرؓ نے فرمایا اب میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اپنی کوئی صحیح اور سچی خبر سنا' اس نے کہا بہت اچھا سنئے میں جاہلیت کے زمانہ میں ان کا کاہن تھا' میرے پاس میرا جن جو سب سے زیادہ تعجب خیز خبر لایا وہ سنئے- میں ایک مرتبہ بازار میں جا رہا تھا جو وہ آ گیا اور سخت گھبراہٹ میں تھا اور کہنے لگا' کیا تو نے جنوں کی بربادی' مایوسی اور ان کے پھیلنے کے بعد سمٹ جانا اور ان کی درگت نہیں دیکھی؟ حضرت عمرؓ فرمانے لگے یہ سچا ہے' میں ایک مرتبہ ان کے بتوں کے پاس سویا ہوا تھا' ایک شخص نے وہاں ایک بچھڑا چڑھایا کہ ناگہاں ایک سخت پرزور آواز آئی ایسی کہ اتنی بڑی بلند اور کرخت آواز میں نے کبھی نہیں سنی- اس نے کہا اے جلیح! نجات دینے والا امر آ چکا' ایک شخص ہے جو فصیح زبان سے لا الہ الا اللہ کی منادی کر رہا ہے- سب لوگ تو مارے ڈر کے بھاگ گئے لیکن میں وہی بیٹھا رہا کہ دیکھوں آخر یہ کیا ہے؟ کہ دوبارہ پھر اسی طرح وہی آواز سنائی دی اور اس نے وہی کہا- پس کچھ ہی دن گذرے تھے جو نبی ﷺ کی نبوت کی آوازیں ہمارے کانوں میں پڑنے لگیں- اس روایت کے ظاہر الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت فاروقؓ نے یہ آوازیں اس ذبح شدہ بچھڑے سے سنی اور ایک ضعیف روایت میں صریح طور پر یہ آ بھی گیا ہے- لیکن باقی اور روایتیں یہ بتلا رہی ہیں کہ اسی کاہن نے اپنے دیکھنے سننے کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا- واللہ اعلم- امام بیہقیؒ نے یہی کہا ہے اور یہ کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے' اس شخص کا نام سواد بن قارب تھا- جو شخص اس واقعہ کی پوری تفصیل دیکھنا چاہتا ہو وہ میری کتاب سیرۃ عمرؓ دیکھ لے' واللہ الحمد والمنہ-

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے یہی وہ کاہن ہو جس کا ذکر بغیر نام کے صحیح حدیث میں ہے- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر نبویؐ پر ایک مرتبہ خطبہ سنا رہے تھے اسی میں پوچھا کیا سواد بن قارب یہاں موجود ہیں لیکن اس پورے سال تک کسی نے ہاں نہیں کہی' اگلے سال آپ نے پھر پوچھا تو حضرت براءؓ نے کہا سواد بن قارب کون ہے؟ اس سے کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے اسلام لانے کا قصہ عجیب و غریب ہے' ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں جو حضرت سواد بن قاربؓ آ گئے' حضرت عمرؓ نے ان سے کہا سواد اپنے اسلام کا ابتدائی قصہ سناؤ-

آپ نے فرمایا سنئے میں ہند گیا ہوا تھا' میرا ساتھی جن ایک رات میرے پاس آیا میں اس وقت سویا ہوا تھا' مجھے اس نے جگا دیا اور کہنے لگا اٹھ اور اگر کچھ عقل و ہوش ہیں تو سن لے' سمجھ لے اور سوچ لے' قبیلہ لوی بن غالب میں سے اللہ کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں' میں جناب کی حس اور ان کے بوریہ بستر باندھنے پر تعجب کر رہا ہوں' اگر تو طالب ہدایت ہے تو فوراً مکے کی طرف کوچ کر۔ سمجھ لے کہ بہتر اور بدتر جن یکساں نہیں' جا جلدی جا اور بنو ہاشم کے اس دلارے کے منور مکھڑے پر نظر تو ڈال لے' مجھے پھر غنودگی سی آ گئی تو اس نے دوبارہ جگایا اور کہنے لگا اے سواد بن قارب! اللہ عزوجل نے اپنا رسول بھیج دیا ہے' تم ان کی خدمت میں پہنچو اور ہدایت اور بھلائی سمیٹ لو۔

دوسری رات پھر آیا اور مجھے جگا کر کہنے لگا مجھے جنات کے جستجو کرنے اور جلد جلد پالان اور جھولیں کسنے پر تعجب معلوم ہوتا ہے' اگر تو بھی ہدایت کا طالب ہے تو مکے کا قصد کر۔ سمجھ لے کہ اس کے دونوں قدم اس کی دموں کی طرح نہیں' تو اٹھ اور جلدی جلدی بنو ہاشم کے اس پسندیدہ شخص کی خدمت میں پہنچ اور اپنی آنکھیں اس کے دیدار سے منور کر۔ تیسری رات پھر آیا اور کہنے لگا' مجھے جنات کے باخبر ہو جانے اور ان کے قافلوں کے فوراً تیار ہو جانے پر تعجب آ رہا ہے' وہ سب طلب ہدایت کے لئے مکہ کی طرف دوڑے جا رہے ہیں' ان میں کے برے بھلوں کی برابری نہیں کر سکتے' تو بھی اٹھ اور اس بنو ہاشم کے چیدہ شخص کی طرف چل کھڑا ہو' مومن جنات کافروں کی طرح نہیں' تین راتوں تک برابر یہی سنتے رہنے کے بعد میرے دل میں بھی دفعتاً اسلام کا ولولہ اٹھا اور حضور کی وقعت اور محبت سے دل پر ہو گیا' میں نے اپنی سانڈنی پر کجاوہ کسا اور بغیر کسی اور جگہ قیام کئے سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت شہر مکہ میں تھے اور لوگ آپ کے آس پاس ایسے تھے جیسے گھوڑے پر ایال۔ مجھے دیکھتے ہی یکبارگی اللہ کے پیغمبرؐ نے فرمایا سواد بن قارب کو مرحبا ہو' آؤ ہمیں معلوم ہے کہ کیسے اور کس لئے اور کس کے کہنے سننے سے آ رہے ہو۔ میں نے کہا حضورؐ میں نے کچھ اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ آپ نے فرمایا سواد شوق سے کہو۔ تو حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ ہے ''میرے پاس میرا جن میرے سو جانے کے بعد رات کو آیا اور اس نے مجھے ایک سچی خبر پہنچائی' تین راتیں برابر وہ میرے پاس آتا رہا اور ہر رات کہتا رہا کہ لوی بن غالب میں اللہ کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں' میں نے بھی سفر کی تیاری کر لی اور جلد جلد راہ طے کرتا یہاں تک پہنچ ہی گیا' اب میری گواہی ہے کہ بجز اللہ کے اور کوئی رب نہیں' اور آپ اللہ کے امانتدار رسولؐ ہیں' آپ سے شفاعت کا آسرا سب سے زیادہ ہے' اے بہترین بزرگوں اور پاک لوگوں کی اولاد! اے تمام رسولوں سے بہتر رسول! جو حکم آسمانی آپ ہمیں پہنچائیں گے وہ کتنا ہی مشکل اور طبیعت کے خلاف کیوں نہ ہو' ناممکن کہ ہم اسے ٹال دیں' آپ قیامت کے دن ضرور میرے سفارشی بننا کیونکہ وہاں بجز آپ کے سواد بن قارب کا سفارشی اور کون ہوگا؟'' اس پر حضورؐ بہت ہنسے اور فرمانے لگے سواد تم نے فلاح پالی۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر پوچھا کیا وہ جن اب بھی ترے پاس آتا ہے اس نے کہا جب سے میں نے قرآن پڑھا وہ نہیں آتا اور اللہ کا بڑا شکر ہے کہ اس کے عوض میں نے رب کی پاک کتاب پائی اور اب جس حدیث کو ہم حافظ ابو نعیمؒ کی کتاب دلائل النبوۃ سے نقل کرتے ہیں اس میں بھی اس کا بیان ہے کہ مدینہ شریف میں بھی جنات کا وفد حضورؐ کی خدمت میں باریاب ہوا تھا۔ حضرت عمرو بن غیلان ثقفی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر ان سے دریافت کرتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ جس رات جنات کا وفد حاضر حضورؐ ہوا تھا اس رات حضورؐ کے ساتھ آپ بھی تھے؟ جواب دیا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ میں نے کہا ذرا واقعہ تو سنائیے۔ فرمایا صفہ والے مساکین صحابہؓ کو لوگ اپنے اپنے ساتھ شام کا کھانا کھلانے کے لئے لے گئے اور میں یونہی رہ گیا۔ میرے پاس حضورؐ کا گذر ہوا' پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا ابن مسعودؓ۔ فرمایا تمہیں کوئی لے نہیں گیا کہ تم بھی کھا لیتے؟ میں نے جواب دیا نہیں کوئی نہیں لے گیا۔ فرمایا اچھا میرے ساتھ چلو شاید کچھ مل جائے تو دے دوں گا۔ میں ساتھ

ہولیا' آپ حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں گئے میں باہر ہی ٹھہر گیا تھوڑی دیر میں اندر سے ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی حضورؐ فرماتے ہیں ہم نے اپنے گھر میں کوئی چیز نہیں پائی' تم اپنی خوابگاہ چلے جاؤ - میں واپس مسجد میں آ گیا اور مسجد میں کنکریوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر کر کے اس پر سر رکھ کر اپنا کپڑا لپیٹ کر سو گیا تھوڑی ہی دیر گذری ہو گی جو وہی لونڈی پھر آئیں اور کہا رسول اللہؐ آپ کو یاد فرما رہے ہیں' ساتھ ہولیا اور مجھے امید پیدا ہو گئی کہ اب تو کھانا ضرور ملے گا - جب میں اپنی جگہ پہنچا تو حضورؐ گھر سے باہر تشریف لائے آپ کے ہاتھ میں کھجور کے درخت کی ایک تر چھڑی تھی جسے میرے سینے پر رکھ کر فرمانے لگے جہاں میں جا رہا ہوں کیا تم بھی میرے ساتھ چلو گے؟ میں نے کہا جو اللہ نے چاہا ہو' تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوئے پھر آپ چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلنے لگا' تھوڑی دیر میں بقیع غرقد جا پہنچے' پھر قریب قریب وہی بیان ہے جو اوپر کی روایت میں گذر چکا ہے' اس کی سند غریب ہے اور اس کی سند میں ایک مبہم راوی ہے جس کا نام ذکر نہیں کیا گیا - دلائل النبوۃ میں حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ کی مسجد میں رسول مقبول ﷺ نے صبح کی نماز ادا کی اور لوٹ کر لوگوں سے کہا آج رات کو جنات کے وفد کی طرف تم میں سے کون میرے ساتھ چلے گا؟ کسی نے جواب نہ دیا' تین مرتبہ فرمان پر بھی کوئی نہ بولا - حضورؐ میرے پاس سے گذرے اور میرا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ لے چلے' مدینہ کے پہاڑوں سے بہت آگے نکل کر صاف چٹیل میدان میں پہنچ گئے' اب نیزوں کے برابر لانبے لانبے قد کے آدمی نیچے نیچے کپڑے پہنے ہوئے آنے شروع ہوئے - میں تو انہیں دیکھ کر مارے ڈر کے کانپنے لگا - پھر اور واقعہ مثل حدیث ابن مسعودؓ کے بیان کیا - یہ حدیث بھی غریب ہے' واللہ اعلم -

اسی کتاب میں ایک غریب حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ کے ساتھ حج کو جا رہے تھے' راستے میں ہم نے دیکھا کہ ایک سفید رنگ سانپ راستے میں لوٹ رہا ہے اور اس سے مشک کی خوشبو اڑ رہی ہے - ابراہیمؒ کہتے ہیں میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم تو سب جاؤ میں یہاں ٹھہر جاتا ہوں دیکھوں تو اس سانپ کا کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ وہ چل دیئے اور میں ٹھہر گیا - تھوڑی ہی دیر گذری ہو گی جو وہ سانپ مر گیا' میں نے ایک سفید کپڑا لے کر اس میں لپیٹ کر راستے کے ایک طرف دفن کر دیا اور رات کے کھانے کے وقت اپنے قافلے میں پہنچ گیا - اللہ کی قسم میں بیٹھا ہوا تھا جو چار عورتیں مغرب کی طرف سے آئیں' ان میں سے ایک نے پوچھا عمرو کو کس نے دفن کیا؟ ہم نے کہا کہ کون عمرو؟ اس نے کہا تم میں سے کسی نے ایک سانپ کو دفن کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں میں نے دفن کیا ہے' کہنے لگی قسم ہے اللہ کی تم نے بڑے روزے دار بڑے پختہ نمازی کو دفن کیا ہے جو تمہارے نبی کو مانتا تھا اور جس نے آپ کو نبی ہونے سے چار سو سال پیشتر آسمان سے آپ کی صفت سنی تھی - ابراہیم کہتے ہیں اس پر ہم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر حج سے فارغ ہو کر جب ہم فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہنچے اور میں نے آپ کو یہ سارا واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا اس عورت نے سچ کہا - میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مجھ پر ایمان لایا تھا میری نبوت کے چار سو سال پہلے' یہ حدیث بھی غریب ہے واللہ اعلم -

ایک روایت میں ہے کہ دفن کفن کرنے والے حضرت صفوان بن معطلؓ تھے' کہتے ہیں کہ یہ صاحب جو یہاں دفن کئے گئے یہ ان نو جنات میں سے ایک ہیں جو حضورؐ کے پاس قرآن سننے کے لئے وفد بن کر آئے تھے' ان کا انتقال ان سب سے اخیر میں ہوا - ابونعیم میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے امیر المومنین میں ایک جنگ میں تھا' میں نے دیکھا کہ دو سانپ آپس میں خوب لڑ رہے ہیں یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا - اب میں انہیں چھوڑ کر جہاں معرکہ ہوا تھا وہاں گیا دیکھا تو بہت سے سانپ قتل کئے ہوئے پڑے ہیں اور بعض سے اسلام کی خوشبو آ رہی ہے' پس میں نے ایک ایک کو سونگھنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک زرد رنگ کے دبلے پتلے سانپ میں سے مجھے اسلام کی خوشبو آنے لگی' میں نے اپنے عمامے میں لپیٹ کر اسے دفنا دیا' اب میں چلا

جارہا تھا جو میں نے ایک آواز سنی کہ اے اللہ کے بندے تجھے اللہ کی طرف سے ہدایت دی گئی۔ یہ دونوں سانپ جنات کے قبیلہ بنوشعیبان اور بنوقیس میں سے تھے' ان دونوں میں جنگ ہوئی اور پھر جس قدر قتل ہوئے وہ تم نے خود دیکھ لئے۔ انہیں میں ایک شہید جنہیں تم نے دفن کیا وہ تھے جنہوں نے خود رسول اللہ ﷺ کی زبانی وحی الٰہی سنی تھی۔ حضرت عثمانؓ اس قصے کو سن کر فرمانے لگے اے شخص! اگر تو سچا ہے تو اس میں شک نہیں کہ تو نے عجب واقعہ دیکھا اور اگر تو جھوٹا ہے تو جھوٹ کا بوجھ تجھ پر ہے۔ اب آیت کی تفسیر سنئے' ارشاد ہے کہ جب ہم نے تیری طرف جنات کے ایک گروہ کو پھیرا جو قرآن سن رہا تھا۔ جب وہ حاضر ہوگئے اور تلاوت شروع ہونے کو تھی تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو یہ ادب سکھایا کہ خاموشی سے سنو۔ ان کا ایک اور ادب بھی حدیث میں آیا ہے' ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے سورۂ رحمان کی تلاوت کی پھر فرمایا کیا بات ہے؟ جو تم سب خاموش ہی رہے' تم سے تو بہت اچھے جواب دینے والے جنات ثابت ہوئے' جب بھی میرے منہ سے انہوں نے آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ سنی انہوں نے جواب میں کہا وَلَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَآئِكَ اَوْنِعَمِكَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ۔

پھر فرماتا ہے جب فراغت حاصل کی گئی۔ قضی کے معنی ان آیتوں میں بھی یہی ہیں فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ اور فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ اور فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ وہ اپنی قوم کو دھمکانے اور انہیں آگاہ کرنے کے لئے واپس ان کی طرف چلے۔ جیسے اللہ عزوجل وعلا کا فرمان ہے۔ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ الخ' یعنی وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب واپس اپنی قوم کے پاس پہنچیں تو انہیں بھی ہوشیار کر دیں' بہت ممکن ہے کہ وہ بچاؤ اختیار کر لیں۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جنات میں بھی اللہ کی باتوں کو پہنچانے والے اور ڈرسنانے والے ہیں لیکن ان میں سے رسول نہیں بنائے گئے۔ یہ بات بلاشبہ ثابت ہے کہ جنوں میں پیغمبر نہیں ہیں۔

فرمان باری ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا الخ' یعنی ''ہم نے تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے وہ سب بستیوں کے رہنے والے انسان ہی تھے جن کی طرف ہم اپنی وحی بھیجا کرتے تھے'' اور آیت میں ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّھُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ یعنی تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے''۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ والصلوۃ والسلام کی نسبت قرآن میں ہے وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّۃَ وَالْکِتٰبَ یعنی ''ہم نے ان کی اولاد میں نبوۃ اور کتاب رکھ دی' پس آپ کے بعد جتنے بھی نبی آئے وہ آپ ہی کے خاندان اور آپ ہی کی نسل میں سے ہوئے ہیں''۔ لیکن سورۂ انعام کی آیت یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یعنی ''اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم سے رسول نہیں آئے تھے؟ اس کا مطلب اور اس سے مراد یہ دونوں جنس ہیں پس اس کا مصداق ایک جنس ہی ہو سکتی ہے' جیسے فرمان ہے یَخْرُجُ مِنْھُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ''یعنی ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے' حالانکہ دراصل ایک میں سے ہی نکلتا ہے''۔

قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۰﴾ یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا یُجِبْ

دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۲

کہنے لگے اے ہماری قوم! ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے' جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' جو سچے دین کی اور راہ راست کی رہبری کرتی ہے ○ اے ہماری قوم! اللہ کے بلانے والے کا کہا مانو' اس پر ایمان لاؤ تو اللہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے گا اور تمہیں الناک عذاب سے پناہ دے گا ○ اور جو شخص اللہ کے بلانے والے کا کہا نہ مانے گا پس وہ زمین میں کہیں بھاگ کر اللہ کو تھکا نہیں سکتا اور نہ اللہ کے سوا اور کوئی اس کے مددگار ہوں گے' یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ○

ایمان دار جنوں کی آخری منزل: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۲) اب بیان ہو رہا ہے جنات کے اس وعظ کا جو انہوں نے اپنی قوم میں کیا- فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو سنا ہے جو حضرت موسیٰؑ کے بعد نازل ہوئی ہے- حضرت عیسیٰؑ کی کتاب انجیل کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ دراصل توراۃ کو پورا کرنے والی تھی- اس میں زیادہ تر وعظ کے اور دل کو نرم کرنے کے بیانات تھے- حرام حلال کے مسائل بہت کم تھے' پس اصل چیز توراۃ ہی رہی' اسی لئے ان مسلم جنات نے اسی کا ذکر کیا اور اسی بات کو پیش نظر رکھ کر حضرت ورقہ بن نوفل نے جس وقت حضورؐ کی زبانی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اول دفعہ آنے کا حال سنا تو کہا تھا کہ واہ واہ یہ تو وہ مبارک وجود اللہ کے بھیدی کا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے' کاش کہ میں اور کچھ زمانہ زندہ رہتا' الخ'- پھر قرآن کی اور صفت بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے سے پہلی تمام آسمانی کتابوں کو سچا بتلاتا ہے' وہ اعتقادی مسائل اور اخباری مسائل میں حق کی جانب رہبری کرتا ہے اور اعمال میں راہ راست دکھاتا ہے- قرآن میں دو چیزیں ہیں یا خبر یا طلب' پس اس کی خبر سچی اور اس کی طلب عدل والی- جیسے فرمان ہے وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا یعنی تیرے رب کا کلمہ سچائی اور عدل کے لحاظ سے بالکل پورا ہی ہے- اور آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ وہ اللہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور حق دین کے ساتھ بھیجا ہے' پس ہدایت نفع دینے والا علم ہے اور دین حق نیک عمل ہے' یہی مقصد جنات کا تھا- پھر کہتے ہیں اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کی دعوت پر لبیک کہو- اس میں دلالت ہے اس امر کی کہ رسول اللہ ﷺ جن وانس کی دونوں جماعتوں کی طرف اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں- اس لئے کہ آپ نے جنات کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کریم کی وہ سورت پڑھی جس میں ان دونوں جماعتوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان کے نام احکام جاری فرمائے ہیں اور وعدہ وعید بیان کیا ہے' یعنی سورۂ الرحمٰن- پھر فرماتے ہیں ایسا کرنے سے وہ تمہارے بعض گناہ بخش دے گا- لیکن یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب لفظ من کو زائدہ نہ مانیں' چنانچہ ایک قول مفسرین کا یہ بھی ہے اور قاعدے کے مطابق اثبات کے موقع پر لفظ من بہت ہی کم زائد آتا ہے اور اگر زائد مان لیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور تمہیں اپنے الناک عذابوں سے رہائی دے گا- اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ ایماندار جنوں کو بھی جنت نہیں ملے گی ہاں عذاب سے وہ چھٹکارا پالیں گے' یہی ان کی نیک اعمالیوں کا بدلہ ہے اور اگر اس سے زیادہ مرتبہ بھی انہیں ملنے والا ہوتا تو اس مقام پر یہ مومن جن اسے ضرور بیان کر دیتے-

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ مومن جن جنت میں نہیں جائیں گے اس لئے کہ وہ ابلیس کی اولاد سے ہیں اور اولاد ابلیس جنت میں نہیں جائے گی- لیکن حق یہ ہے کہ مومن جن مثل ایماندار انسانوں کے ہیں اور وہ جنت میں جگہ پائیں گے جیسا کہ سلف کی ایک جماعت کا

مذہب ہے، بعض لوگوں نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ لَمۡ یَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَ لَا جَآنٌّ یعنی حوران بہشتی کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان کا ہاتھ لگا نہ کسی جن کا۔ لیکن اس استدلال میں نظر ہے اس سے بہت بہتر استدلال تو اللہ عزوجل کے اس فرمان سے ہے وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ یعنی جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لئے دو دو جنتیں ہیں، پھر اے جنو اور انسانو! تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنوں پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ ان کے نیک کار کا بدلہ جنت ہے اور اس آیت کو سن کر مسلمان انسانوں سے بہت زیادہ شکر یہ مسلمان جنوں نے کیا اور اسے سنتے ہی کہا کہ اللہ ہم تیری نعمتوں میں سے کسی کے انکاری نہیں، ہم تیرے بہت بہت شکر گذار ہیں، ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ ان کے سامنے ان پر وہ احسان جتایا جائے جو اصل انہیں ملنے کا نہیں۔ اور بھی ہماری ایک دلیل سنئے، جب کافر جنات کو جہنم میں ڈالا جائے گا جو مقام عدل ہے، تو مومن جنات کو جنت میں کیوں نہ لے جایا جائے جو مقام فضل ہے، بلکہ یہ بہت زیادہ لائق اور بطور اولیٰ ہونے کے قابل ہے اور اس پر وہ آیتیں بھی دلیل ہیں جن میں عام طور پر ایمانداروں کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، مثلاً اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتۡ لَهُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا وغیرہ وغیرہ یعنی ایمانداروں کا مہمان خانہ یقیناً جنت فردوس ہے۔ الحمدللہ میں نے اس مسئلہ کو بہت کچھ وضاحت کے ساتھ اپنی ایک مستقل تصنیف میں بیان کر دیا ہے۔ اور سنئے جنت کا تو یہ حال ہے کہ ایمانداروں کے کل کے داخل ہو جانے کے بعد بھی اس میں بے حد وحساب جگہ بچ رہے گی اور پھر ایک نئی مخلوق پیدا کر کے انہیں اس میں آباد کیا جائے گا، پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایماندار اور نیک عمل والے جنات جنت میں نہ بھیجے جائیں اور سنئے یہاں باتیں بیان کی گئی ہیں گناہوں کی بخشش اور عذابوں سے رہائی اور جب یہ دونوں چیزیں ہیں تو یقیناً یہ مستلزم ہیں دخول جنت کو۔ اس لئے کہ آخرت میں یا جنت ہے یا جہنم، پس جو شخص جہنم سے بچا لیا گیا وہ قطعاً جنت میں جانا چاہئے اور کوئی نص صریح یا ظاہر اس بات کے بیان میں وارد نہیں ہوئی کہ مومن جن باوجود دوزخ سے بچ جانے کے جنت میں نہیں جائیں گے، اگر کوئی اس قسم کی صاف دلیل ہو تو بیشک ہم اس کے ماننے کے لئے تیار ہیں۔ واللہ اعلم۔

نوح علیہ السلام کو دیکھئے اپنی قوم سے فرماتے ہیں اللہ تمہارے گناہوں کو (بوجہ ایمان لانے کے) بخش دے گا اور ایک وقت مقرر تک تمہیں مہلت دے گا۔ تو یہاں بھی دخول جنت کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت نوحؑ کی قوم کے مسلمان جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ بالاتفاق وہ سب جنتی ہیں، پس اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیجئے، اب چند اور اقوال بھی اس مسئلہ میں سن لیجئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیچ جنت میں تو یہ پہنچیں گے نہیں البتہ کناروں پر اور ادھر ادھر رہیں گے، بعض لوگ کہتے ہیں جنت میں تو وہ ہوں گے لیکن دنیا کے بالکل برعکس انسان انہیں دیکھیں گے اور یہ انسانوں کو دیکھ نہیں سکیں گے، بعض لوگوں کا قول ہے کہ وہ جنت میں کھائیں پئیں گے نہیں صرف تسبیح وتحمید وتقدیس ان کا طعام ہوگا جیسے فرشتے، اس لئے کہ یہ بھی انہیں کی جنس سے ہیں، لیکن ان تمام اقوال میں نظر ہے اور سب بے دلیل ہیں۔ پھر مومن واعظ فرماتے ہیں کہ جو اللہ کے داعی کی دعوت کو قبول نہ کرے گا وہ زمین میں اللہ کو ہرا نہیں سکتا، بلکہ قدرت الٰہی اس پر شامل اور اسے گھیرے ہوئے ہے، اس کے عذابوں سے انہیں کوئی بچا نہیں سکتا، یہ کھلے بہکاوے میں ہیں، خیال فرمایئے کہ تبلیغ کا یہ طریقہ کتنا پیارا اور کس قدر موثر ہے، رغبت بھی دلائی اور دھمکایا بھی، اسی لیے ان میں سے اکثر ٹھیک ہو گئے اور قافلے کے قافلے اور فوجیں کی فوجیں بن کر کئی کئی بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ جیسے کہ پہلے مفصلاً ہم نے بیان کر دیا ہے جس پر ہم جناب باری کے احسان کے شکر گذار ہیں، واللہ اعلم۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْىِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا اور ان کے پیدا کرنے سے وہ نہ تھکا وہ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے ○ بے شک وہ ایسا ہی ہے وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' جس دن جہنم کے سامنے لائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو جواب دیں گے کہ ہاں قسم ہے ہمارے رب کی حق ہے۔ اللہ فرمائے گا اب اپنے کفر کے بدلے کے عذاب کا مزہ چکھو ○

(آیت: ۳۳-۳۴) اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے جو مرنے کے بعد جینے کے منکر ہیں اور قیامت کے دن جسموں سمیت جی اٹھنے کو محال جانتے ہیں' یہ نہیں دیکھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کل آسمانوں اور تمام زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش نے اسے کچھ نہ تھکایا بلکہ صرف ''ہو جا'' کے کہنے سے ہی ہوگئیں' کون تھا جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا یا مخالفت کرتا بلکہ حکم برداری سے راضی خوشی ڈرتے دبتے سب موجود ہو گئے' کیا اتنی کامل قدرت وقوت والا مردوں کے زندہ کر دینے کی سکت نہیں رکھتا؟ چنانچہ دوسری آیت میں ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی انسانوں کی پیدائش سے تو بہت بھاری اور مشکل اور بہت بڑی اہم پیدائش آسمان وزمین کی ہے لیکن اکثر لوگ بے سمجھ ہیں۔ جب زمین وآسمان کو اس نے پیدا کر دیا تو انسان کا پیدا کر دینا' خواہ ابتداً ہو خواہ دوبارہ ہو' اس پر کیا مشکل ہے؟ اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ ہاں وہ ہر شے پر قادر ہے اور انہی میں سے موت کے بعد زندہ کرتا ہے کہ اس پر بھی وہ صحیح طور پر قادر ہے۔ پھر اللہ جل وعلا کافروں کا دھمکاتا ہے کہ قیامت والے دن جہنم میں ڈالے جائیں اس سے پہلے جہنم کے کنارے پر انہیں کھڑا کر کے ایک مرتبہ پھر لا جواب اور بے حجت کیا جائے گا اور کہا جائے گا کیوں جی ہمارے وعدے اور یہ دوزخ کے عذاب اب تو صحیح نکلے یا اب بھی شک وشبہ اور انکار وتکذیب ہے؟ یہ جادو تو نہیں' تمہاری آنکھیں تو اندھی نہیں ہوگئیں؟ جو دیکھ رہے ہو صحیح دیکھ رہے ہو یا در حقیقت صحیح نہیں؟ اب سوائے اقرار کے کچھ نہ بن پڑے گا جواب دیں گے کہ ہاں ہاں سب حق ہے جو کہا گیا تھا وہی نکلا' قسم اللہ کی اب ہمیں رتی برابر بھی شک نہیں۔ اللہ فرمائے گا۔ اب دو گھڑی پہلے کے کفر کا مزہ چکھو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع۹

پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لئے عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کرو' یہ جس دن اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں تو (یہ معلوم ہونے لگے گا کہ) دن کی ایک گھڑی ہی (دنیا میں) ٹھہرے تھے' یہ ہے پیغام پہنچا دینا' بدکاروں کے سوا کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا ○

(آیت: ۳۵) پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تسلی دے رہا ہے کہ آپ کی قوم نے اگر آپ کو جھٹلایا' آپ کی قدر نہ کی' آپ کی مخالفت کی'

ایذا رسانی کے درپے ہوئے تو یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہی ہے؟ اگلے اولوالعزم پیغمبروں کو یاد کرو کہ کیسی کیسی ایذائیں، مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں اور کن کن زبردست مخالفوں کی مخالفت کو صبر سے برداشت کیا' ان رسولوں کے نام یہ ہیں' نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہم اجمعین۔ انبیاء کے بیان میں ان کے نام خصوصیت سے سورۂ احزاب اور سورۂ شوریٰ میں مذکور ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اولوالعزم رسول سے مراد سب پیغمبر ہوں تو مِنَ الرُّسُلِ کا مِن بیان جنس کے لئے ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا' پھر بھوکے ہی رہے پھر روزہ رکھا' پھر بھوکے ہی رہے اور پھر روزہ رکھا پھر فرمانے لگے عائشہؓ محمدؐ اور آل محمدؐ کے لائق تو دنیا ہے ہی نہیں۔ عائشہ دنیا کی بلاؤں اور مصیبتوں پر صبر کرنے اور دنیا کی خواہش کی چیزوں سے اپنے تئیں بچائے رکھنے کا حکم اولوالعزم رسول کئے گئے اور وہی تکلیف مجھے بھی دی گئی ہے جو ان عالی ہمت رسولوں کو دی گئی تھی۔ قسم اللہ کی میں بھی انہی کی طرح اپنی طاقت بھر صبر وسہار سے ہی کام لوں گا' اللہ کی قوت کے بھروسے پر یہ بات زبان سے نکال رہا ہوں۔ پھر فرمایا اے نبیؐ! یہ لوگ عذابوں میں مبتلا کئے جائیں اس کی جلدی نہ کرو۔ جیسے اور آیت میں ہے وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ الخ مجھے اور ان جھٹلانے والوں پیٹ بھروں مالداروں کو چھوڑ دے اور انہیں کچھ مہلت دے۔ اور فرمان ہے فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ یعنی کافروں کو مہلت دو' انہیں تھوڑی دیر چھوڑ دو۔ پھر فرماتا ہے جس دن یہ ان چیزوں کا مشاہدہ کرلیں گے جن کے وعدے آج دیئے جاتے ہیں اس دن انہیں یہ معلوم ہونے لگے گا کہ دنیا میں صرف دن کا کچھ ہی حصہ گذارا ہے۔ اور آیت میں ہے۔ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا یعنی جس دن یہ قیامت کو دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دنیا میں صرف ایک صبح یا ایک شام ہی گذاری تھی وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یعنی جس دن ہم انہیں جمع کریں گے تو یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ گویا دن کی ایک ساعت ہی دنیا میں رہے تھے۔ پھر فرمایا پہنچا دینا ہے۔ اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک تو یہ کہ دنیا کا ٹھہرنا صرف ہماری طرف سے ہماری باتوں کے پہنچادینے کے لئے تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ قرآن صرف پہنچا دینے کے لئے ہے۔ یہ کھلی تبلیغ ہے۔ پھر فرماتا ہے سوائے فاسقوں کے اور کسی کو ہلاکی نہیں۔ یہ اللہ جل وعلا کا عدل ہے کہ جو خود ہلاک ہوا سے ہی وہ ہلاک کرتا ہے' عذاب اسی کو ہوتے ہیں جو خود اپنے ہاتھوں اپنے لئے عذاب مہیا کرے اور اپنے آپ کو مستحق عذاب کردے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر سورۃ محمد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۳

شروع کرتا ہوں میں اللہ مہربان اور رحم کرنے والے کے نام سے

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور بھلے کام کئے اور اس پر بھی یقین کیا جو محمدؐ پر اتاری گئی ہے اور دراصل ان کے رب کی طرف کا سچا دین بھی وہی ہے اللہ نے ان کے گناہ دور کر دیئے اور ان کے حال کی اصلاح کر دی O یہ اس لئے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اس دین حق کی اتباع کی جو ان کے اللہ کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے احوال اسی طرح بتاتا ہے O

(آیت: ۱-۳) ارشاد ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے خود بھی اللہ کی آیتوں کا انکار کیا اور دوسروں کو بھی راہ خدا سے روکا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے ان کی نیکیاں بیکار ہو گئیں جیسے فرمان ہے ہم نے ان کے اعمال پہلے ہی غارت و برباد کر دیئے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے دل سے اور مطابق شرع اعمال کئے بدن سے یعنی ظاہر باطن دونوں خدا کی طرف جھکا دیئے اور اس وحی الٰہی کو بھی مان لیا جو موجودہ آخر الزمان پیغمبر پر اتاری گئی ہے اور جو فی الواقع رب کی طرف سے ہی ہے اور جو سراسر حق وصداقت ہی ہے ان کی برائیاں برباد ہیں اور ان کے حال کی اصلاح کا ذمہ دار خود خدا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے نبی ہو چکنے کے بعد ایمان کی شرط آپ پر اور قرآن پر ایمان لانا بھی ہے۔ حدیث کا حکم ہے کہ جس کی چھینک پر حمد کرنے کا جواب دیا گیا ہو اسے چاہئے کہ یَهۡدِیۡكُمُ اللّٰهُ وَیُصۡلِحُ بَالَكُمۡ کہے یعنی خدا تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت سنوار دے۔ پھر فرماتا ہے کفار کے اعمال غارت کر دینے کی اور مومنوں کی برائیاں معاف فرما دینے اور ان کی شان سوار دینے کی وجہ یہ ہے کہ کفار تو ناحق کو اختیار کرتے ہیں حق کو چھوڑ کر اور مومن ناحق کو پرے پھینک کر حق کی پابندی کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے انجام کو بیان فرماتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔

فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ٭ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَهَا ۚ۟ۛ ذٰلِكَ ؕ وَلَوۡ یَشَآءُ اللّٰهُ لَانۡتَصَرَ مِنۡهُمۡ وَلٰكِنۡ لِّیَبۡلُوَا بَعۡضَكُمۡ بِبَعۡضٍ ؕ وَالَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَلَنۡ یُّضِلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۴﴾

جب کافروں سے گھمسان کا رن پڑ جائے تو گردنوں پر وار مارو۔ جب ان کا خوب کٹاؤ کر چکو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو پھر اختیار ہے کہ خواہ احسان رکھ کر چھوڑ دو یا بدلہ لے کر تاوقتیکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے یہی حکم ہے اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن اس کی چاہت یہ ہے کہ تم میں سے ایک کا امتحان دوسرے سے لے لے جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیئے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا O

جب کفار سے میدان جہاد میں آمنا سامنا ہو جائے: ☆☆ (آیت: ۴) یہاں ایمانداروں کو جنگی احکام دیئے جاتے ہیں کہ جب کافروں سے مڈبھیڑ ہو جائے دستی لڑائی شروع ہو جائے تو ان کی گردنیں اڑاؤ تلواریں چلا کر گردن دھڑ سے اڑا دو۔ پھر جب دیکھو کہ دشمن ہارا اس کے آدمی کافی کٹ چکے تو باقی ماندہ کو مضبوط قید و بند کے ساتھ مقید کر لو جب لڑائی ختم ہو چکے معرکہ پورا ہو جائے پھر تمہیں اختیار ہے کہ قیدیوں کو بطور احسان بغیر کچھ لئے ہی چھوڑ دو اور یہ بھی اختیار ہے کہ ان سے تاوان جنگ وصول کرو پھر چھوڑو۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے غزوے کے بعد یہ آیت اتری ہے کیونکہ بدر کے معرکہ میں زیادہ تر مخالفین کو قید کرنے اور قید کرنے میں مسلمانوں پر عتاب کیا گیا تھا اور فرمایا تھا مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّكُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰی الخ نبی کو لائق نہ تھا کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ ایک مرتبہ جی کھول کر مخالفین

میں موت کی گرم بازاری نہ ہو لے کیا تم دنیوی اسباب کی چاہت میں ہو؟ اللہ کا ارادہ تو آخرت کا ہے اور اللہ عزیز و حکیم ہے۔ اگر پہلے ہی سے خدا کا لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو تم نے لیا اس کی بابت تمہیں بڑا عذاب ہوتا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ اختیار منسوخ ہے اور یہ آیت ناسخ ہے فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ الخ، یعنی حرمت والے مہینے جب گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ وہیں قتل کرو۔ لیکن اکثر علماء کا فرمان ہے کہ منسوخ نہیں۔ اب بعض تو کہتے ہیں کہ امام کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یعنی یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دینے کا یا فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا۔ لیکن بعض کہتے ہیں قتل کر ڈالنے کا بھی اختیار ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بدر کے قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابو معیط کو رسول اللہ ﷺ نے قتل کرا دیا تھا اور یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ ثمامہ بن اثال نے جب کہ وہ اسیری کی حالت میں تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تھا کہ کہو ثمامہ کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے کہا اگر آپ قتل کریں گے تو ایک خون والے کو قتل کریں گے اور اگر آپ احسان رکھیں گے تو ایک شکر گذار پر احسان رکھیں گے اور اگر مال طلب کرتے ہیں تو جو آپ مانگیں گے مل جائے گا۔

حضرت امام شافعیؒ ایک چوتھی بات کا بھی اختیار بتلاتے ہیں یعنی قتل کا، احسان کا، بدلے کا اور غلام بنا کر رکھ لینے کا۔ اس مسئلے کی بسط کی جگہ فروعی مسائل کی کتابیں ہیں اور ہم نے بھی خدا کے فضل و کرم سے کتاب الاحکام میں اس کے دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے یعنی بقول مجاہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو جائیں۔ ممکن ہے حضرت مجاہد کی نظریں اس حدیث پر ہوں جس میں ہے میری امت ہمیشہ حق کے ساتھ ظاہر رہے گی یہاں تک کہ ان کا آخری شخص دجال سے لڑے گا۔

مسند احمد اور نسائی میں ہے کہ حضرت سلمہ بن نفیل خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے میں نے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور ہتھیار الگ کر دیئے اور لڑائی نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے اور میں نے کہہ دیا کہ اب لڑائی ہے ہی نہیں۔ حضور نے انہیں فرمایا اب لڑائی آ گئی میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ لوگوں پر ظاہر رہے گی جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے یہ ان سے لڑیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں ان سے روزیاں دے گا یہاں تک کہ خدا کا امر آ جائے اور وہ اسی حالت پر ہوں گے۔ مومنوں کی زمین شام میں ہے۔ گھوڑوں کی ایال میں قیامت تک کے لئے خدا نے خیر رکھ دی ہے۔ یہ حدیث امام بغوی نے بھی وارد کی ہے اور حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے بھی۔ اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جو لوگ اس آیت کو منسوخ نہیں بتلاتے گویا کہ یہ حکم مشروع ہے جب تک کہ لڑائی باقی رہے اور اس حدیث نے بتلایا کہ لڑائی قیامت تک باقی رہے گی یہ آیت مثل اس آیت کے ہے وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ الخ، یعنی ان سے لڑتے رہو جب تک کہ فتنہ باقی ہے اور جب تک کہ دین اللہ ہی کے لئے نہ ہو جائے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں لڑائی کے ہتھیار رکھ دینے سے مراد شرک کا باقی نہ رہنا ہے اور بعض سے مروی ہے کہ مراد یہ ہے کہ مشرکین اپنے شرک سے توبہ کر لیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنی کوششیں خدا کی اطاعت میں صرف کرنے لگ جائیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر خدا چاہتا تو آپ ہی کفار کو برباد کر دیتا اپنے پاس سے ان پر عذاب بھیج دیتا لیکن وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں آزما لے اسی لئے جہاد کے احکام جاری فرمائے ہیں۔ سورۂ آل عمران اور برأت میں بھی اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ آل عمران میں ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ، کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ بغیر اس بات کے کہ خدا جان لے کہ تم میں سے مجاہد کون ہیں اور تم میں سے صبر کرنے والے کون ہیں تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ سورۂ برأت میں ہے قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ الخ، ان سے جہاد کرو اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب کرے گا اور تمہیں ان پر نصرت عطا فرمائے گا اور ایمان والوں کے سینے شفا والے کر دے گا اور اپنے دلوں کے ولولے نکالنے کا انہیں موقع دے گا اور جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا اللہ بڑا علیم و حکیم ہے۔ اب چونکہ یہ بھی تھا کہ جہاد میں مومن بھی شہید ہوں

اس لئے فرماتا ہے کہ شہیدوں کے اعمال اکارت نہیں جائیں گے بلکہ بہت بڑھا چڑھا کر ثواب انہیں دیئے جائیں گے ۔ بعض کو تو قیامت تک کے ثواب ملیں گے ۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ شہید کو چھ انعامات حاصل ہوتے ہیں ۔ اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی اس کے کل گناہ معاف ہو جاتے ہیں ۔ اسے اس کا جنت کا مکان دکھلا دیا جاتا ہے اور نہایت خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس کا نکاح کرا دیا جاتا ہے ۔ وہ بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہتا ہے ۔ وہ عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے ۔ اسے ایمان کے زیور سے آراستہ کر دیا جاتا ہے ۔ ایک اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے ۔ جو در و یاقوت کا جڑاؤ ہوتا ہے جس میں کا ایک یاقوت تمام دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے گراں بہا ہے ۔ اسے بہتر حور عین ملتی ہیں اور اپنے خاندان کے ستر شخصوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے ۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے صحیح مسلم شریف میں ہے سوائے قرض کے شہیدوں کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں شہیدوں کے فضائل کی حدیثیں اور بھی بہت ہیں ۔

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝

انہیں راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کی اصلاح کر دے گا ۝ اور انہیں اس جنت میں لے جائے گا جس سے انہیں شناسا کر دیا ہے ۝ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا ۝ اور جو لوگ کافر ہوئے انہیں ہلاکی ہو اللہ ان کے اعمال غارت کر دے گا ۝ یہ اس لئے کہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے یہ ناخوش ہوئے پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اعمال ضائع کر دیئے ۝

(آیت: ۵-۹) پھر فرماتا ہے انہیں خدا جنت کی راہ سمجھا دے گا ۔ جیسے یہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ الخ ، یعنی جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے ان کے ایمان کے باعث ان کا رب انہیں ان جنتوں کی طرف رہبری کرے گا جو نعمتوں سے پر ہیں اور جن کے چپے چپے میں چشمے بہ رہے ہیں ۔ اللہ ان کے حال اور ان کے کام سنوار دے گا اور جن جنتوں سے پہلے ہی وہ آگاہ چکا ہے اور جن کی طرف ان کی رہنمائی کر چکا ہے آخر انہی میں انہیں پہنچائے گا ۔ یعنی ہر شخص اپنے مکان اور اپنی جگہ کو جنت میں اس طرح پہچان لے گا جیسے دنیا میں پہچان لیا کرتا تھا ۔ انہیں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے گی ، یہ معلوم ہوگا گویا شروع پیدائش سے یہیں مقیم ہیں ۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جس انسان کے ساتھ اس کے اعمال کا محافظ جو فرشتہ تھا وہی اس کے آگے آگے چلے گا جب یہ اپنی جگہ پہنچے گا تو از خود پہچان لے گا کہ میری جگہ یہی ہے یونہی پھر اپنی زمین میں سیر کرتا ہوا جب سب دیکھ چکے گا تب فرشتہ ہٹ جائے گا اور یہ اپنی لذتوں میں مشغول ہو جائے گا ۔ صحیح بخاری کی مرفوع حدیث میں ہے جب مومن آگ سے چھوٹ جائیں گے تو جنت کے دوزخ کے درمیان ایک پل روک لئے جائیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر جو مظالم تھے ان کے بدلے اتار لئے جائیں گے جب بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو جنت میں جانے کی اجازت مل جائے گی قسم خدا کی جس طرح تم میں سے ہر ایک شخص اپنے دنیوی گھر کی راہ جانتا ہے اور گھر کو پہچانتا ہے اس سے بہت زیادہ وہ لوگ اپنی منزل اور اپنی جگہ سے واقف ہوں گے پھر فرماتا ہے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کر دے گا ۔

جیسے اور جگہ ہے وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی کرے اس لئے کہ جیسا عمل ہوتا ہے اسی جنس کی جزا ہوتی ہے اور وہ تمہارے قدم بھی مضبط کر دے گا حدیث میں ہے جو شخص کسی اختیار والے کے سامنے ایک ایسے حاجت مند کی حاجت پہنچائے جو خود وہاں نہ پہنچ سکتا ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پل صراط پر اس کے قدم مضبوطی سے جما دے گا۔ پھر فرماتا ہے کافروں کا حال بالکل برعکس ہے یہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں گے۔ حدیث میں ہے دینار، درہم اور کپڑے لتے کا بندہ ٹھوکر کھا گیا' وہ برباد ہوا اور ہلاک ہوا۔ وہ اگر بیمار پڑ جائے تو خدا کرے اسے شفا بھی نہ ہو ایسوں کے نیک اعمال بھی اکارت ہیں اس لئے کہ یہ قرآن و حدیث سے ناخوش ہیں نہ اس کی عزت و عظمت ان کے دل میں نہ ان کا قصد و تسلیم کا ارادہ۔ پس ان کے جو کچھ اچھے کام تھے اللہ نے انہیں بھی غارت کر دیا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ﴿١٠﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ ﴿١١﴾ ع ۱

کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر اس کا معائنہ نہیں کیا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا نتیجہ کیا ہوا؟ اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور کافروں کے لئے اسی طرح کی سزائیں ہیں ○ یہ اس لئے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس لئے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں ○

تمام شہروں سے پیارا شہر: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے جو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کے رسول کو جھٹلا رہے ہیں زمین کی سیر نہیں کی؟ جو یہ معلوم کر لیتے ہیں اور اپنی آنکھوں دیکھ لیتے ہیں کہ ان سے اگلے جو ان جیسے تھے ان کے انجام کیا ہوئے؟ کس طرح وہ تاخت و تاراج کر دیئے گئے اور ان میں سے صرف اسلام و ایمان والے ہی نجات پا سکے کافروں کے لئے اسی طرح کے عذاب آیا کرتے ہیں۔ پھر بیان فرماتا ہے مسلمانوں کا خود خدا ولی ہے اور کفار بے ولی ہیں۔ اسی لئے احد والے دن مشرکین کے سردار ابوسفیان صخر بن حرب نے فخر کے ساتھ جب نبی ﷺ اور آپ کے دونوں خلیفوں کی نسبت سوال کیا اور کوئی جواب نہ پایا تو کہنے لگا کہ یہ سب ہلاک ہو گئے پھر اسے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور فرمایا جن کی زندگی تجھے خار کی طرح کھٹکتی ہے اللہ نے ان سب کو اپنے فضل سے زندہ ہی رکھا ہے۔ ابوسفیان کہنے لگا سنو یہ دن بدر کے بدلے کا دن ہے اور لڑائی تو مثل ڈولوں کے ہے کبھی کوئی اوپر کبھی کوئی اوپر۔ تم اپنے مقتولین میں بعض ایسے بھی پاؤ گے جن کے ناک کان وغیرہ ان کے مرنے کے بعد کاٹ لئے گئے ہیں میں نے ایسا حکم نہیں دیا لیکن مجھے کچھ برا بھی نہیں لگا پھر اس نے رجز کے اشعار فخریہ پڑھنے شروع کئے کہنے لگا اُعْلُ هُبَل اُعْلُ هُبَل رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے پوچھا حضور کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ یعنی وہ کہتا تھا ہبل بت کا بول بالا ہو جس کے جواب میں کہا گیا سب سے زیادہ بلندی والا اور سب سے زیادہ عزت و کرم والا اللہ ہی ہے۔ ابوسفیان نے پھر کہا لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ہمارا عزی (بت) ہے اور تمہارا نہیں۔ اس کے جواب میں بفرمان حضور کہا گیا اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا مولا کوئی نہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ
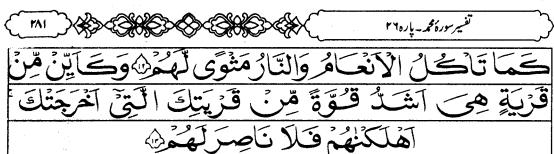
جو لوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کئے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو لوگ منکر ہوئے ہیں وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپاؤں کے کھا رہے ہیں' ان کا اصل ٹھکانا تو جہنم ہے ○ ہم نے کتنی ایک بستیوں کو جو طاقت میں تیری اس بستی سے بہت زیادہ تھیں جس نے تجھے نکالا ہے ہلاک کر دیا ہے جن کا مددگار کوئی نہ اٹھا ○

(آیت:۱۲-۱۳) پھر جناب باری خبر دیتے ہیں کہ ایماندار قیامت کے دن جنت نشین ہوں گے اور کفر کرنے والے دنیا میں تو خواہ کچھ یونہی سا نفع اٹھالیں لیکن ان کا اصلی ٹھکانا جہنم ہے۔ دنیا میں ان کی زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور پیٹ بھرنا ہے اسے یہ لوگ مثل جانوروں کے پورا کر رہے ہیں جس طرح وہ ادھر ادھر منہ مار کر گیلا سوکھا پیٹ میں بھرنے کا ہی ارادہ رکھتا ہے اسی طرح یہ ہے کہ حلال حرام کی اسے کچھ تمیز نہیں پیٹ بھرنا مقصود ہے۔ حدیث شریف میں ہے "مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں جزا والے دن اپنے اس کفر کی پاداش میں ان کے لئے جہنم کی گوناگوں سزائیں ہیں۔ پھر کفار مکہ کو دھمکاتا ہے اور اپنے عذابوں سے ڈراتا ہے کہ دیکھو جن بستیوں والے تم سے بہت زیادہ طاقت وقوت والے تھے ان کو ہم نے بہ سبب ہمارے نبیوں کے جھٹلانے اور ہمارے احکام کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے تہس نہس کر دیا تم جو ان سے کمزور اور کم طاقت ہو اس رسول کو جھٹلاتے اور ایذائیں پہنچاتے ہو جو خاتم الانبیاء اور سید الرسل ہیں سمجھ لو کہ تمہارا انجام کیا ہوگا؟ مانا کہ اس نبی رحمت کے مبارک وجود کی وجہ سے اگر دنیوی عذاب تم پر نہ بھی آئے تو اخروی زبردست عذاب تو تم سے دور نہیں ہو سکتے؟ جب اہل مکہ نے رسول کریم ﷺ کو نکالا اور آپ نے غار میں آ کر اپنے تئیں چھپایا اس وقت مکہ کی طرف توجہ کی اور فرمانے لگے اے مکہ! تو تمام شہروں سے زیادہ پیارا خدا کو پیارا ہے اور اسی طرح مجھے بھی تمام شہروں سے زیادہ پیارا تو ہے اگر مشرکین مجھے تجھ میں سے نہ نکالتے تو میں ہرگز نہ نکلتا۔ پس تمام حد سے گذر جانے والوں میں سب سے بڑا حد سے گذر جانے والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نکل جائے حرم خدا میں۔ یا اپنے قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کرے یا جاہلیت کے تعصب کی بنا پر قتل کرے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت اتاری۔

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم ﴿١٤﴾ مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٥﴾

کیا پس وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل پر ہو اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کے لئے اس کا برا کام زینت دیا گیا ہو اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کا پیرو ہو؟○ اس جنت کی صفت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے' یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلا اور شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کو بڑی لذت ہے اور نہریں ہیں شہد کی جو بہت صاف ہے اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے۔ کیا یہ مثل اس کے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ اور جنہیں گرم کھولتا پانی پلایا جائے گا جس سے ان کی آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی ○

دودھ' پانی اور شہد کے سمندر: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص دین خدا میں یقین کے درجے تک پہنچ چکا ہو' جسے بصیرت حاصل ہو چکی ہو' فطرت صحیحہ کے ساتھ ساتھ ہدایت و علم بھی ہو وہ اور وہ شخص جو بداعمالیوں کو نیک کاریاں سمجھ رہا ہو جو اپنی خواہش نفس کے پیچھے پڑا ہوا ہو یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جیسے فرمان ہے ''اَفَمَنۡ یَّعۡلَمُ اَنَّمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَقُّ كَمَنۡ هُوَ اَعۡمٰی یعنی ''یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا کی وحی کو حق ماننے والا اور ایک اندھا برابر ہو جائے''۔ اور ارشاد ہے لَا یَسۡتَوِیۡۤ اَصۡحٰبُ النَّارِ وَاَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ یعنی ''جہنمی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے جنتی کامیاب اور مراد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر جنت کے اور اوصاف بیان فرماتا ہے کہ اس میں پانی کے چشمے ہیں جو کبھی بگڑتا نہیں' متغیر نہیں ہوتا' سڑتا نہیں' نہ بدبو پیدا ہوتی ہے بہت صاف موتی جیسا ہے کوئی گدلا پن نہیں کوڑا کرکٹ نہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنتی نہریں مشک کے پہاڑوں سے نکلتی ہیں' اس میں پانی کے علاوہ دودھ کی نہریں بھی ہیں جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا' بہت سفید بہت میٹھا اور نہایت صاف شفاف اور بامزہ پرذائقہ۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ دودھ جانوروں کے تھن سے نہیں نکلا ہوا بلکہ قدرتی ہے اور نہریں ہوں گی شراب صاف کی جو پینے والے کا دل خوش کر دیں' دماغ کشادہ کر دیں۔ جو شراب نہ تو بدبودار ہے نہ تلخی والی ہے نہ بدمنظر ہے۔ بلکہ دیکھنے میں بہت اچھی' پینے میں بہت لذیذ' نہایت خوشبودار' جس سے نہ عقل میں فتور آئے نہ دماغ میں چکر آئیں' نہ منہ سے بدبو آئے نہ بک جھک لگے نہ سر میں درد ہو نہ چکر آئیں نہ بہکیں نہ بھٹکیں نہ نشہ چڑھے نہ عقل جائے۔ حدیث میں ہے کہ یہ شراب بھی کسی کے ہاتھوں سے کشید کی ہوئی نہیں بلکہ خدا کے حکم سے تیار ہوئی ہے۔ خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے۔ جنت میں شہد کی نہریں بھی ہیں۔ جو بہت صاف ہے اور خوشبودار اور ذائقہ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ شہد بھی مکھیوں کے پیٹ سے نہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جنت میں دودھ' پانی' شہد اور شراب کے سمندر ہیں جن میں سے ان کی نہریں اور چشمے جاری ہوتے ہیں یہ حدیث ترمذی شریف میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے یہ نہریں جنت عدن سے نکلتی ہیں پھر ایک حوض میں آتی ہیں وہاں سے بذریعہ اور نہروں کے تمام جنتوں میں جاتی ہیں۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس طلب کرو وہ سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ جنت ہے اسی سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے۔

طبرانی میں ہے حضرت لقیط بن عامر نے وہ جب وفد میں آئے تھے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ جنت میں کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا صاف شہد کی نہریں اور بغیر نشے کے سر درد نہ کرنے والی شراب کی نہریں اور نہ بگڑنے والے دودھ کی نہریں اور خراب نہ ہونے والے شفاف پانی کی نہریں اور طرح طرح کے میوہ جات' عجیب و غریب' بے مثل و بالکل تازہ اور پاک صاف بیویاں جو صالحین کو ملیں گی اور خود بھی صالحات ہوں گی۔ دنیا کی لذتوں کی طرح ان سے لذتیں اٹھائیں گے ہاں وہاں بال بچے نہ ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں یہ نہ خیال کرنا کہ جنت کی نہریں بھی دنیا کی نہروں کی طرح کھدی ہوئی زمین میں اور گڑھوں میں بہتی ہیں نہیں نہیں قسم خدا کی وہ صاف زمین پر یکساں جاری ہیں ان کے کنارے کنارے لؤلؤ اور موتیوں کے خیمے ہیں ان کی مٹی مشک خالص ہے۔ پھر فرماتا ہے وہاں ان کے لئے ہر طرح کے میوے اور پھل پھول ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ''یَدْعُوْنَ فِیْھَا بِکُلِّ فَاکِھَةٍ اٰمِنِیْنَ'' الخ، یعنی وہاں نہایت امن وامان کے ساتھ ہر قسم کے میوے وہ منگوائیں گے اور کھائیں گے اور آیت میں ہے'' کُلِّ فَاکِھَةٍ زَوْجٰنِ'' الخ، دونوں جنتوں میں ہر ہر قسم کے میووں کے جوڑ ہیں۔ ان تمام نعمتوں کے ساتھ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ رب خوش ہے وہ اپنی مغفرت ان کے لئے حلال کر چکا ہے۔ انہیں نواز چکا ہے اور ان سے راضی ہو چکا ہے اب کوئی کھٹکا ہی نہیں۔ جنتوں کی یہ دھوم دھام اور نعمتوں کے بیان کے بعد فرماتا ہے کہ دوسری جانب جہنمیوں کی یہ حالت ہے کہ وہ جہنم کے درکات میں جل بھلس رہے ہیں اور وہاں سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں اور سخت پیاس کے موقع پر وہ کھولتا ہوا گرم پانی جو دراصل آگ ہی ہے لیکن بہ شکل پانی انہیں پینے کے لئے ملتا ہے کہ ایک گھونٹ اندر جاتے ہی آنتیں کٹ جاتی ہیں۔ اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ پھر بھلا اس کا اس کا کیا میل؟ کہاں جنتی کہاں جہنمی؟ کہاں نعمت کہاں زحمت؟ یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَاۗءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَاۗءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع ۸

ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ تیری طرف کان لگائے ہیں یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم سے (بوجہ کند ذہنی کے) پوچھتے ہیں کہ اس نے ابھی کیا کہا تھا؟ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں ○ اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں بڑھا دیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی ○ پس یہ تو صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آ جائے پس یقیناً اس کی بھی علامتیں تو آ چکی ہیں، پھر جبکہ ان کے پاس قیامت آ جائے انہیں نصیحت حاصل کرنا ہوگا؟ ○ سوائے نبی! تو یقین کر لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گناہوں کی بخشش مانگا کر اور مومن مردوں اور عورتوں کے حق میں بھی اللہ تمہاری آمد ورفت کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے ○

بے وقوف، کند ذہن اور جاہل: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۹) منافقوں کی کند ذہنی اور بے علمی، ناسمجھی اور بے وقوفی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجود مجلس میں شریک ہونے کے، کلام الرسول سن لینے کے پاس بیٹھے ہونے کے ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ مجلس کے خاتمے کے بعد اہل علم صحابہ سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت کیا کیا کہا؟ یہ ہیں جن کے دلوں پر مہر خداوندی لگ چکی ہے اور اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ فہم صریح اور قصد صحیح ہے ہی نہیں پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے جو لوگ ہدایت کا قصد کرتے ہیں انہیں خود خدا بھی توفیق دیتا ہے اور ہدایت نصیب

فرماتا ہے پھر اس پر جم جانے کی ہمت بھی عطا فرماتا ہے اور ان کی ہدایت بڑھاتا رہتا ہے اور انہیں رشد و ہدایت الہام فرماتا رہتا ہے پھر فرماتا ہے کہ یہ تو اسی انتظار میں ہیں کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے۔ تو یہ معلوم کر لیں کہ اس کے قریب ہونے کے نشانات تو ظاہر ہو چکے ہیں جیسے اور موقع پر ارشاد ہوا ہے ھٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی الخ' یہ ڈرانے والا ہے اگلے ڈرانے والوں سے قریب آنے والی قریب آ چکی ہے اور بھی ارشاد ہوتا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ قیامت قریب ہوگئی اور چاند پھٹ گیا اور فرمایا اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ الخ' لوگوں کا حساب قریب آ گیا پھر بھی وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں پس حضور کا نبی ہو کر دنیا میں آنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے' اس لئے کہ رسولوں کے ختم کرنے والے ہیں آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو کامل کیا اور اپنی حجت اپنی مخلوق پر پوری کی اور حضور علیہ السلام نے قیامت کی شرطیں اور اس کی علامتیں اس طرح بیان فرما دیں کہ آپ سے پہلے کے کسی نبی نے اس قدر وضاحت نہیں کی تھی جیسے کہ اپنی جگہ وہ سب بیان ہوئی ہیں۔

حسن بصری فرماتے ہیں حضور کا آنا قیامت کی شرطوں میں سے ہے چنانچہ خود آپ کے نام حدیث میں یہ آئے ہیں۔ نبی التوبہ' نبی الملحمہ' حاشر جس کے قدموں پر لوگ جمع کئے جائیں' عاقب جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور نے اپنی بیچ کی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو اٹھا کر فرمایا میں اور قیامت مثل ان دونوں کے بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافروں کو قیامت قائم ہو جانے کے بعد نصیحت و عبرت کیا سود مند ہوگی؟ جیسے ارشاد ہے یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَہُ الذِّکْرٰی اس دن انسان نصیحت حاصل کر لے گا لیکن اس کے لئے نصیحت ہے کہاں؟ یعنی آن کے دن کی عبرت بے سود ہے۔ اور آیت میں ہے وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِہٖ وَاَنّٰی لَھُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ یعنی اس وقت کہیں گے کہ ہم قرآن پر ایمان لائے حالانکہ اب انہیں ایسے دور مکان پر دسترس کہاں ہو سکتی ہے؟ یعنی ان کا ایمان اس وقت بے سود ہے پھر فرماتا ہے اے نبی! جان لو کہ اللہ ہی معبود برحق ہے کوئی اور نہیں' یہ دراصل خبر دینا ہے اپنی وحدانیت کی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ اس کے علم کا حکم دیتا ہو۔ اسی لئے اس پر عطف ڈال کر فرمایا اپنے گناہوں کا اور مومن مرد و عورت کے گناہوں کا استغفار کرو۔

صحیح حدیث میں ہے حضور فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَھْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْٓ اَمْرِیْ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ھَزْلِیْ وَجِدِّیْ وَخَطَئِیْ وَعَمْدِیْ وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ یعنی ''اے اللہ! میری خطاؤں کو اور میری جہالت کو اور میرے کاموں میں مجھ سے جو زیادتی ہوگئی ہو اس کو اور ہر اس چیز کو جسے تو مجھ سے بہت زیادہ جاننے والا ہے بخش۔ اے اللہ! میرے بے قصد گناہوں کو اور میرے عزم سے کئے ہوئے گناہوں کو اور میری خطاؤں اور میرے قصد کو بخش اور یہ تمام میرے پاس ہے''۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ اپنی نماز کے آخر میں کہتے ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَآ اَخَّرْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَآ اَعْلَنْتُ وَمَآ اَسْرَفْتُ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ اِلٰھِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ یعنی ''اے اللہ! میں نے جو کچھ گناہ پہلے کئے ہیں اور جو کچھ پیچھے کئے ہیں اور جو چھپا کر کئے ہیں اور جو ظاہر کئے ہیں اور جو زیادتی کی ہے اور جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے بخش دے' تو ہی میرا اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! اپنے رب کی طرف توبہ کرو پس تحقیق میں اپنے رب کی طرف استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں ہر ہر دن ستر بار سے بھی زیادہ۔ مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن سرخس فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ کے ساتھ آپ کے کھانے میں سے کھانا کھایا' پھر میں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ آپ کو بخشے۔ آپ نے فرمایا اور تجھے بھی' تو میں نے کہا کیا میں آپ کے لئے استغفار کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور اپنے لئے بھی پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اپنے

گناہوں اور مومن مردوں اور باایمان عورتوں کے گناہوں کی بخشش طلب کر پھر میں نے آپ کے داہنے کھوے یا بائیں ہتھیلی کو دیکھا وہاں کچھ جگہ ابھری ہوئی تھی جس پر گویا تل تھے۔ اسے مسلم ترمذی نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ابو یعلی میں ہے حضور نے فرمایا تم لا الہ الا اللہ کا اور استغفر اللہ کا کہنا لازم پکڑ و اور انہیں بکثرت کہا کرو اس لئے کہ ابلیس کہتا ہے میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے ان دونوں کلموں سے ہلاک کیا۔ میں نے جب یہ دیکھا تو انہیں خواہشوں کے پیچھے لگا دیا پس وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ ایک اور اثر میں ہے کہ ابلیس نے کہا خدایا! مجھے تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم جب تک کسی شخص کی روح اس کے جسم میں ہے میں اسے بہکاتا رہوں گا پس اللہ عز و جل نے فرمایا مجھے بھی قسم ہے اپنی بزرگی اور بڑائی کی کہ میں بھی انہیں بخشتا ہی رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں۔ استغفار کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا دن میں ہیر پھیر اور تصرف کرنا اور تمہارا رات کو جگہ پکڑنا اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

جیسے فرمان ہے وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ یعنی ''اللہ وہ ہے جو تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے اور دن میں جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتا ہے''۔ اور آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ الخ یعنی ''زمین پر جتنے بھی چلنے والے ہیں ان سب کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہ ان کے رہنے کی جگہ اور دفن ہونے کا مقام جانتا ہے یہ سب باتیں واضح کتاب میں لکھی ہوئی ہیں''۔ ابن جریج کا یہی قول ہے کہ مراد آخرت کا ٹھکانا ہے۔ سدی فرماتے ہیں تمہارا چلنا پھرنا دنیا میں اور تمہاری قبروں کی جگہ اسے معلوم ہے لیکن اول قول ہی اولیٰ اور زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾

اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی گئی؟ پھر جب کوئی صاف مطلب والی سورت نازل کی جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جاتا ہے تو تو دیکھتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ تیری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بیہوشی طاری ہو ○

ایمان کی دلیل حکم جہاد کی تعمیل ہے: ☆☆ (آیت: ۲۰) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ مومن تو جہاد کے حکم کی تمنا کرتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ جہاد کو فرض کر دیتا ہے اور اس کا حکم نازل فرما دیتا ہے تو اس سے اکثر لوگ ہٹ جاتے ہیں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ یعنی کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جن لوگوں سے کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روک لو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسے اللہ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم پر تو نے جہاد کیوں فرض کر دیا تو نے ہم کو قریب کی مدت تک ڈھیل کیوں نہ دی؟ تو کہہ کہ دنیا کی متاع بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہت ہی بہتر ہے اور تم پر بالکل ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ ایمان والے تو جہاد کے حکموں کی آیتوں کے نازل ہونے کی تمنا کرتے ہیں۔ لیکن منافق لوگ جب ان آیتوں کو سنتے ہیں تو بوجہ اپنی گھبراہٹ بوکھلاہٹ اور نامردی کے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس طرح تجھے دیکھنے لگتے ہیں جیسے موت کی غشی والا۔

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾

پس بہت بہتر تھا ان کے لئے فرمان کا بجالانا اور اچھی بات کا کہنا' پھر جب کام مقرر ہو جائے تو اگر اللہ سے سچے رہیں تو ان کے لئے بہتری ہے ○ اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور رشتے ناطے توڑ ڈالو ○ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی گئی ○

(آیت:۲۱-۲۳) فرماتا ہے ان کے حق میں بہتر تو یہ ہوتا کہ یہ سنتے مانتے اور جب موقعاً آجاتا معرکہ کارزار گرم ہوتا تو نیک نیتی کے ساتھ جہاد کر کے اپنے خلوص کا ثبوت دیتے پھر فرمایا قریب ہے کہ تم جہاد سے رک رہو اور اس سے بچنے لگو تو زمین میں فساد کرنے لگو اور صلہ رحمی توڑنے لگو یعنی زمانہ جاہلیت میں جو حالت تمہاری تھی وہی تم میں لوٹ آئے - پس فرمایا ایسوں پر خدا کی پھٹکار ہے اور یہ رب کی طرف سے بہرے اندھے ہیں - اس میں زمین میں فساد کرنے کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصاً ممانعت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اصلاح اور صلہ رحمی کرنے کی ہدایت کی ہے اور ان کا حکم فرمایا ہے صلہ رحمی کے معنی ہیں قرابت داروں سے بات چیت میں کام کاج میں سلوک و احسان کرنا اور ان کی مالی مشکلات میں ان کے کام آنا - اس بارے میں بہت سی صحیح اور حسن حدیثیں مروی ہیں -

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کر چکا تو رحم کھڑا ہوا اور رحمٰن سے چمٹ گیا اس سے پوچھا گیا کیا بات ہے؟ اس نے کہا یہ مقام ہے ٹوٹنے سے تیری پناہ میں آنے کا - اس پر اللہ عزوجل نے فرمایا کیا تو اس سے راضی نہیں کہ تیرے ملانے والے کو میں ملاؤں اور تیرے کاٹنے والے کو میں کاٹ دوں؟ اس نے کہا ہاں اس پر میں بہت خوش ہوں - اس حدیث کو بیان فرما کر پھر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو - فَهَلْ عَسَيْتُمْ الخ - ایک اور سند سے ہے کہ خود حضورؐ نے فرمایا - ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کوئی گناہ اتنا بڑا اور اتنا برا نہیں جس کی بہت جلدی سزا دنیا میں اور پھر اس کی برائی آخرت میں بہت بڑی پہنچتی ہو بہ نسبت سرکشی' بغاوت اور قطع رحمی کے - مسند احمد میں ہے جو شخص چاہے کہ اس کی عمر بڑی ہو اور روزی کشادہ ہو وہ صلہ رحمی کرے -

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میرے نزدیکی قرابت دار مجھ سے توڑتے رہتے ہیں اور میں انہیں معاف کرتا رہتا ہوں وہ مجھ پر ظلم کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائیاں کرتے رہتے ہیں تو کیا میں ان سے بدلہ نہ لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں اگر ایسا کرو گے تو تم سب کے سب چھوڑ دیئے جاؤ گے تو صلہ رحمی پر ہی رہ اور یاد رکھ کہ جب تک تو اس پر باقی رہے گا اللہ کی طرف سے تیرے ساتھ ہی ہر وقت معاونت کرنے والا رہے گا - بخاری وغیرہ میں ہے حضور نے فرمایا صلہ رحمی عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے حقیقتاً صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو کسی احسان کرے کے بدلے احسان کرے بلکہ صحیح معنی میں رشتے ناطے ملانے والا وہ ہے کہ گو تو اسے کاٹتا جائے وہ تجھ سے ملاتا جائے - مسند احمد میں ہے صلہ رحمی قیامت کے دن رکھی جائے گی' اس کی رانیں ہوں گی مثل ہرن کی رانوں کے وہ بہت صاف اور تیز زبان سے بولے گی پس وہ کاٹ دیا جائے گا جو اسے کاٹتا تھا اور وہ ملا دیا جائے گا جو

اسے ملاتا تھا- مسند کی ایک اور حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے- تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں والا تم پر رحم کرے گا- رحم رحمان کی طرف سے ہے اس کے ملانے والے کو خدا ملاتا ہے اور اس کے توڑنے والے کو خدا خود توڑ دیتا ہے- یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے لوگ گئے تو آپ فرمانے لگے تم نے صلہ رحمی کی ہے-

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَی الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰی لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

کیا یہ قرآن میں غور و تامل نہیں کرتے؟ بلکہ ان کے دلوں پر ان کے تالے لگ گئے ہیں ○ جو لوگ اپنی پیٹھ پر الٹے پھر گئے اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت واضح ہو چکی یقیناً شیطان نے ان کے لئے مزین کر دیا ہے اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے ○ یہ اس لئے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ وحی کو برا سمجھا ہے یہ کہا کہ ہم بھی عنقریب بعض کاموں میں تمہارا کہا مانیں گے' اللہ ان کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے ○

حضور فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے میں رحمان ہوں اور رحم کا نام میں نے اپنے نام پر رکھا ہے- اسے جوڑنے والے کو میں جوڑوں گا اور اس کے توڑنے والے کو میں توڑ دوں گا اور حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں روحیں ملی جلی ہیں جو روز ازل میں میل کر چکی ہیں وہ یہاں یگانگت برتتی ہیں اور جن میں وہاں نفرت رہی ہے یہاں بھی دوری رہتی ہے- حضور فرماتے ہیں جب زبانی دعوے بڑھ جائیں' عملی کام گھٹ جائیں' زبانی میل جول ہو' دلی بغض و عداوت ہو' رشتے دار رشتے دار سے بدسلوکی کرے' اس وقت ایسے لوگوں پر لعنت خدا نازل ہوتی ہے اور ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی کر دی جاتی ہیں- اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں- واللہ اعلم-

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں غور و فکر کرنے' سوچنے سمجھنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اس سے بے پرواہی کرنے اور منہ پھیر لینے سے روکتا ہے- پس فرماتا ہے کہ غور و تامل تو کجا ان کے تو دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں کوئی کلام اس میں اثر بھی نہیں کرتا' اندر جائے تو اثر کرے اور جائے کہاں سے جبکہ جانے کی راہ نہ پائے- ابن جریر میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے ایک نوجوان یمنی نے کہا بلکہ ان پر ان کے قفل ہیں جب تک خدا نہ کھولے اور الگ نہ کرے پس حضرت عمرؓ کے دل میں یہ بات رہی یہاں تک کہ اپنی خلافت کے زمانے میں اس سے مدد لیتے رہے- پھر فرماتا ہے جو لوگ ہدایت ظاہر ہو چکنے کے بعد ایمان سے الگ ہو گئے اور کفر کی طرف لوٹ گئے دراصل شیطان نے اس کار بد کو ان کی نگاہوں میں اچھا دکھا دیا ہے اور انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے- دراصل ان کا یہ کفر سزا ہے ان کے اس نفاق کی جو ان کے دل میں تھا' جس کی وجہ سے وہ ظاہر کے خلاف اپنا باطن رکھتے تھے کافروں سے مل جل کر انہیں اپنا کرنے کے لئے ان سے باطن میں باطل پر موافقت کر کے کہتے تھے گھبرا نہیں ابھی ابھی ہم بھی بعض امور میں تمہارا ساتھ دیں گے- لیکن یہ باتیں

اس خدا سے تو چھپ نہیں سکتیں جو اندرونی اور بیرونی حالات سے یکسر اور یکساں واقف ہو' جو راتوں کے وقت کی پوشیدہ اور راز کی باتیں بھی سنتا ہو جس کے علم کی انتہا نہ ہو۔

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَٰئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

پس ان کی کیسی درگت ہوگی جبکہ فرشتے ان کے چہروں اور ان کی کمروں پر مار ماریں گے ○ یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ کو بیزار کر دیا اور انہوں نے اس کی رضامندی کو برا جانا' پس اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے ○

(آیت: ۲۷-۲۸) پھر فرماتا ہے ان کا کیا حال ہوگا؟ جبکہ فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کو آئیں گے اور ان کی روحیں جسموں میں چھپتی پھریں گی اور ملائکہ جبراً قہراً ڈانٹ جھڑک اور مار پیٹ سے انہیں باہر نکالیں گے۔ جیسے ارشاد باری ہے وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَٰئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ یعنی'' کاش کہ تو دیکھتا جبکہ ان کافروں کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہوئے ان کے منہ پر طمانچے اور ان کی پیٹھ پر مکے مارتے ہیں''۔ اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّٰلِمُونَ الخ' یعنی کاش کہ تو دیکھتا جبکہ یہ ظالم سکرات موت میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ ان کی طرف مارنے کے لئے پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اپنی جانیں نکالو! آج تمہیں ذلت کے عذاب کئے جائیں گے' اس لئے کہ تم خدا کے ذمے ناحق کہا کرتے تھے اور اس کی آیتوں میں تکبر کرتے تھے''۔ یہاں ان کا گناہ بیان کیا گیا کہ ان کاموں اور باتوں کے پیچھے لگے ہوئے تھے جن سے خدا ناخوش ہو اور خدا کی رضا سے کراہیت کرتے تھے۔ پس ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَن لَّن يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُم بِسِيمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَٰهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّٰبِرِينَ وَنَبْلُوَا أَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾

کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ ان کے کینوں کو ظاہر ہی نہ کرے گا ○ اور اگر ہم چاہتے تو ان سب کو تجھے دکھا دیتے پس تو انہیں ان کے چہرے سے ہی پہچان لیتا ہے اور یقیناً تو انہیں ان کی بات کے ڈھب سے ہی پہچان لے گا' تمہارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں ○ یقیناً ہم تمہارا امتحان کر کے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو صاف معلوم کر لیں گے اور ہم تمہاری حالتوں کی بھی جانچ کریں گے ○

منافق کو اس کے چہرے کی زبان سے پہچانو : ☆☆ (آیت: ۲۹-۳۱) یعنی کیا منافقوں کا خیال ہے کہ ان کی مکاری اور عیاری کا اظہار اللہ مسلمانوں پر کرے گا ہی نہیں؟ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا مکر اس طرح واضح کر دے گا کہ ہر عقلمند انہیں پہچان لے اور ان کی بدباطنی سے بچ سکے۔ ان کے بہت کچھ احوال سورۂ برأت میں بیان کئے گئے اور ان کے نفاق کی بہت سی خصلتوں کا ذکر وہاں کیا گیا۔ یہاں تک کہ اس سورت کا دوسرا نام ہی فاضحہ رکھ دیا گیا یعنی منافقوں کو فضیحت کرنے والی۔ اَضْغَان جمع ہے ضغن کی ضغن کہتے ہیں دلی

حسد و بغض کو۔ اس کے بعد اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اے نبی! اگر ہم چاہیں تو ان کے وجود تمہیں دکھا دیں پس تم انہیں کھلم کھلا جان جاؤ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا ان تمام منافقوں کو بتلا نہیں دیا تاکہ اس کی مخلوق پر پردہ پڑا رہے ان کے عیوب پوشیدہ رہیں اور باطنی حساب اسی ظاہر و باطن جاننے والے کے ہاتھ رہے لیکن ہاں تم ان کی بات چیت کے طرز اور کلام کے ڈھنگ سے ہی انہیں صاف پہچان لو گے۔

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص کسی پوشیدگی کو چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے پر اور اس کی زبان پر ظاہر کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی راز کو پردہ میں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس پر عیاں کر دیتا ہے وہ بہتر ہے اور تو بدتر ہے۔ ہم نے شرح صحیح بخاری کے شروع میں عملی اور اعتقادی نفاق کا بیان پوری طرح کر دیا ہے جس کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ حدیث میں منافقوں کی ایک جماعت کی تعیین آ چکی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا تم میں بعض لوگ منافق ہیں پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جا۔ اے فلاں! کھڑا ہو جا یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لئے۔ پھر فرمایا ''تم میں'' یا ''تم میں سے'' منافق ہیں پس اللہ سے ڈرو۔ اس کے بعد ان لوگوں میں سے ایک کے سامنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گذرے وہ اس وقت کپڑے سے اپنا منہ لپیٹے ہوا تھا' آپ اسے خوب جانتے تھے پوچھا کہ کیا ہے؟ اس نے حضور کی اوپر والی حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا خدا تجھے غارت کرے۔ پھر فرمایا ہے ہم حکم احکام دے کر روک ٹوک کر کے تمہیں خوب آزما کر معلوم کر لیں گے کہ تم میں سے مجاہد کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ اور ہم تمہارے احوال آزمائیں گے۔ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس علام الغیوب کو ہر چیز اور ہر شخص اور اس کے اعمال معلوم ہیں تو یہاں مطلب یہ ہے کہ دنیا کے سامنے کھول دے اور اس حال کو دیکھ لے اور دکھا دے اسی لئے حضرت ابن عباس اس جیسے مواقع پر لنعلم کے معنی کرتے تھے لنری یعنی تاکہ ہم دیکھ لیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝۳۲ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝۳۳ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝۳۴ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ڰ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ڰ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝۳۵

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی یہ یقیناً ہرگز ہرگز اللہ کا کچھ نقصان نہ کریں گے' عنقریب ان کے اعمال وہ غارت کر دے گا ○ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا پھر کفر کی حالت میں ہی مر گئے یقین کر لو کہ اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا ○ پس تم بودے بن کر صلح کی درخواست پر اس حال میں نہ اتر آؤ کہ تم ہی بلند و غالب ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے ناممکن ہے کہ وہ تمہارے اعمال ضائع کر دے ○

نیکیوں کو غارت کرنے والی برائیوں کی نشاندہی: ☆☆ (آیت: ۳۲-۳۵) اللہ سبحانہ وتعالیٰ خبر دیتا ہے کہ کفر کرنے والے راہ خدا کی

بندش کرنے والے رسول کی مخالفت کرنے والے ہدایت کے ہوتے ہوئے گمراہ ہونے والے خدا کا تو کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں ۔ کل قیامت والے دن یہ خالی ہاتھ ہوں گے ایک نیکی بھی ان کے پاس نہ ہوگی ۔ جس طرح نیکیاں گناہوں کو بنا دیتی ہیں اسی طرح ان کے بدترین جرم و گناہ نے نیکیاں برباد کر دیں ۔ امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الصلوۃ میں حدیث لائے ہیں کہ صحابہ کا خیال تھا کہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا جیسے کہ شرک کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی اس پر آیت اطیعوا اللہ اتری اب اصحاب رسول اس سے ڈرنے لگے کہ گناہ نیکیوں کو باطل نہ کر دیں ۔

دوسری سند سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کا خیال تھا کہ ہر نیکی بالیقین مقبول ہے یہاں تک کہ یہ آیت اتری تو کہنے لگے کہ ہمارے اعمال کو برباد کرنے والی چیز کبیرہ گناہ اور برائیاں ہیں یہاں تک کہ آیت ان اللہ لا یغفر الخ نازل ہوئی ۔ اب اس بارے میں کوئی بات کہنے سے رک گئے اور کبیرہ گناہ اور بدکاریاں کرنے والے پر انہیں خوف رہتا تھا اور ان سے بچنے والے کے لئے امید رہتی تھی ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے باایمان بندوں کو اپنی اور اپنے نبی کی اطاعت کا حکم دیتا ہے جو ان کے لئے دنیا اور آخرت کی سعادت کی چیز ہے اور مرتد ہونے سے روک رہا ہے جو اعمال کو غارت کرنے والی چیز ہے ۔ پھر فرماتا ہے اللہ سے کفر کرنے والے راہ خدا سے روکنے والے اور کفر ہی میں مرنے والے خدا کی بخشش سے محروم ہیں ۔ جیسے فرمان ہے کہ خدا شرک کو نہیں بخشتا ۔ اس کے بعد جناب باری عزاسمہ فرماتا ہے کہ اے میرے مومن بندو! تم دشمنوں کے مقابلے میں عاجزی کا اظہار نہ کرو اور ان سے دب کر صلح کی دعوت نہ دو حالانکہ قوت و طاقت میں' زور و غلبہ میں' تعداد و اسباب میں تم قوی ہو ۔ ہاں جبکہ کافر قوت میں تعداد میں اسباب میں تم سے زیادہ ہوں اور مسلمانوں کا امام مصلحت صلح میں ہی دیکھے تو ایسے وقت بیشک صلح کی طرف جھکنا جائز ہے جیسے کہ خود رسول کریم ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر کیا جبکہ مشرکین مکہ نے آپ کو مکہ جانے سے روکا تو آپ نے دس سال تک لڑائی بند رکھنے اور صلح قائم رکھنے پر معاہدہ کر لیا ۔ پھر ایمان والوں کو بہت بڑی بشارت و خوش خبری سناتا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے اس وجہ سے نصرت و فتح تمہاری ہی ہے تم یقین مانو کہ تمہاری چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی وہ ضائع نہ کرے گا بلکہ اس کا پورا پورا اجر و ثواب تمہیں عنایت فرمائے گا ۔ واللہ اعلم ۔

إِنَّمَا الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۚ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾ إِنْ يَسْـَٔلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾ هَٰٓأَنْتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوٓا أَمْثَالَكُمْ ﴿٣٨﴾

ع ۱۰ / ۸

زندگانی دنیا تو صرف کھیل کود ہے' اگر تم یقین کرو گے اور بچ کر چلو گے تو اللہ تمہیں ثواب دے گا' وہ تم سے تمہارے مال نہیں مانگتا ○ اگر وہ تم سے تمہارے مال مانگے اور زور دے کر مانگے تو تم اس وقت بخیلی کرنے لگو گے اور وہ بخیلی تمہارے کینے ظاہر کر دے گی ○ خبردار تم ہو وہ لوگ کہ بلائے جاتے ہو کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو'

پھر تم میں سے بعض بخیلی کرنے لگتے ہیں جو بخل کرتا ہے وہ تو دراصل اپنی جان سے بخیلی کرتا ہے اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہے اور تم فقیر او رمحتاج ہو اور اگر تم روگرداں ہو جاؤ گے تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے ○

سخاوت کے فائدے اور بخل کے نقصانات : ☆☆ (آیت:۳۶-۳۸) دنیا کی حقارت اور اس کی قلت وذلت بیان ہو رہی ہے کہ اس سے بجز کھیل تماشے کے اور کچھ حاصل حصول نہیں ہاں جو کام خدا کے لئے کئے جائیں وہ باقی رہ جاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا کی ذات بے پرواہ ہے تمہارے بھلے کام تمہارے ہی نفع کے لئے ہیں وہ تمہارے مالوں کا بھوکا نہیں اس نے تمہیں جو خیرات کا حکم دیا ہے وہ صرف اس لئے کہ تمہارے ہی غربا ءفقراء کی پرورش ہو اور پھر تم دار آخرت میں مستحق ثواب بنو۔ پھر انسان کے بخل اور بخل کے بعد دلی کینے کے ظاہر ہونے کا حال بیان فرمایا مال کے نکالنے میں۔ یہ تو ہوتا ہی ہے کہ مال انسان کو محبوب کو ہوتا ہے اور اس کا نکالنا اس پر گراں گذرتا ہے۔ پھر بخیلوں کی بخیلی کے وبال کا ذکر ہو رہا ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے مال کو روکنا دراصل اپنا ہی نقصان کرنا ہے کیونکہ بخیلی کا وبال اسی پر پڑے گا۔ صدقے کی فضیلت اور اس کے اجر سے محروم بھی رہے گا۔ اللہ سب سے غنی ہے اور سب اس کے در کے بھکاری ہیں۔ غناء اللہ تعالیٰ کا وصف لازم ہے اور احتیاج مخلوق کا وصف لازم ہے نہ یہ اس سے کبھی الگ ہوں نہ وہ اس سے۔

پھر فرماتا ہے اگر تم اس کی اطاعت سے روگرداں ہو گئے اس کی شریعت کی تابعداری چھوڑ دی تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور قوم لائے گا جو تم جیسی نہ ہوگی بلکہ وہ سننے اور ماننے والے حکم بردار نافرمانیوں سے بیزار ہوں گے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہ نے پوچھا کہ حضور وہ کون لوگ ہیں جو ہمارے بدلے لائے جاتے اور ہم جیسے نہ ہوتے تو آپ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شانے پر رکھ کر فرمایا یہ اور ان کی قوم اگر دین ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اسے فارس کے لوگ لے آتے۔ اس کے ایک راوی مسلم بن خالد زنجی کے بارے میں بعض ائمہ جرح تعدیل نے کچھ کلام کیا ہے واللہ اعلم۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سورۂ قتال کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ فتح

(تفسیر سورۃ فتح) صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''فتح مکہ والے سال اثناء سفر میں راہ چلتے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر ہی سورۂ فتح کی تلاوت کی اور ترجیع سے پڑھ رہے تھے۔ اگر مجھے لوگوں کے جمع ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں آپ کی تلاوت کی طرح ہی تلاوت کرکے تمہیں سنا دیتا''۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ﴿٣﴾

شروع اللہ نہایت مہربان ورحم والے کے نام سے ○

بیشک اے نبی! ہم نے تجھے ایک ظاہر فتح دی ہے ○ تاکہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے رہے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے اور تجھ پر اپنا احسان پورا پورا کرے اور تجھے سیدھی راہ چلائے ○ اور تجھے ایک زبردست مدد دے ○

(آیت:۱-۳) ذی قعدہ سنہ ٦ ہجری میں رسول اللہ ﷺ عمرہ ادا کرنے کے ارادے سے مدینہ سے مکہ کو چلے لیکن راہ میں مشرکین مکہ نے روک دیا اور مسجد الحرام کی زیارت سے مانع ہوئے' پھر وہ لوگ صلح کی طرف جھکے اور حضورؐ نے بھی اس بات پر کہ آپ اگلے سال عمرہ ادا کریں گے' ان سے صلح کر لی' جسے صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت پسند نہ کرتی تھی جس میں خاص قابل ذکر ہستی حضرت عمر فاروقؓ کی ہے آپ نے وہیں اپنی قربانیاں کیں اور لوٹ گئے' جس کا پورا واقعہ ابھی اسی سورت کی تفسیر میں آ رہا ہے' ان شاء اللہ۔ پس لوٹتے ہوئے راہ میں یہ مبارک سورت آپ پر نازل ہوئی' جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے اور اس صلح کو باعتبار نتیجہ فتح کہا گیا۔ ابن مسعودؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ تم تو فتح فتح مکہ کو کہتے ہو لیکن ہم صلح حدیبیہ کو فتح جانتے تھے۔ حضرت جابرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو اور ہم بیعت الرضوان کے واقعہ حدیبیہ کو فتح گنتے ہیں۔ ہم چودہ سو آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس موقع پر تھے' حدیبیہ نامی ایک کنواں تھا' ہم نے اس میں سے پانی اپنی ضرورت کے مطابق لینا شروع کیا' تھوڑی دیر میں پانی بالکل ختم ہو گیا' ایک قطرہ بھی نہ بچا' آخر پانی کے نہ ہونے کی شکایت حضورؐ کے کانوں تک پہنچی' آپ اس کنویں کے پاس آئے' اس کے کنارے بیٹھ گئے اور پانی کا برتن منگوا کر وضو کیا جس میں کلی بھی کی' پھر کچھ دعا کی اور وہ پانی اس کنویں میں ڈلوا دیا' تھوڑی دیر بعد جو ہم نے دیکھا تو وہ تو پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا' ہم نے بھی پیا' جانوروں نے بھی پیا' اپنی حاجتیں پوری کیں اور سارے برتن بھر لئے۔

مسند احمد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ تین مرتبہ میں نے آپ سے کچھ پوچھا آپ نے کوئی جواب نہ دیا' اب تو مجھے سخت ندامت ہوئی اس امر پر کہ افسوس میں نے حضورؐ کو تکلیف دی' آپ جواب دینا نہیں چاہتے اور میں خواہ مخواہ سر ہوتا رہا۔ پھر مجھے ڈر لگنے لگا کہ میری اس بے ادبی پر میرے بارے میں کوئی وحی آسمان سے نہ نازل ہو' چنانچہ میں نے اپنی سواری کو تیز کیا اور آگے نکل گیا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ میں نے سنا کوئی منادی میرے نام کی ندا کر رہا ہے' میں نے جواب دیا تو اس نے کہا چلو تمہیں حضورؐ یاد فرماتے ہیں' اب تو میرے ہوش گم ہو گئے کہ ضرور کوئی وحی نازل ہوئی اور میں ہلاک ہوا' جلدی جلدی حاضر حضورؐ ہوا تو آپ نے فرمایا گذشتہ شب مجھ پر ایک سورت اتری ہے جو مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے اِنَّا فَتَحْنَا الخ' کی تلاوت کی۔ یہ حدیث بخاری اور نسائی میں بھی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ الخ' نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا مجھ پر ایک آیت اتاری گئی ہے جو مجھے روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ سنائی۔ صحابہؓ آپ کو مبارکباد دینے لگے اور کہا حضورؐ یہ تو ہوئی آپ کے لئے' ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر یہ آیت لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ سے عَظِیْمًا تک نازل ہوئی (بخاری و مسلم)

حضرت مجمع بن جاریہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قاری قرآن تھے فرماتے ہیں حدیبیہ سے ہم واپس آ رہے تھے کہ میں نے دیکھا کہ لوگ اونٹوں کو بھگائے لئے جا رہے ہیں' پوچھا کیا بات ہے معلوم ہوا کہ حضورؐ پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے تو ہم لوگ بھی اپنے اونٹوں کو دوڑاتے ہوئے سب کے ساتھ پہنچے' آپ اس وقت کراع الغمیم میں تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے یہ سورت تلاوت کر کے سنائی تھی۔ ایک صحابیؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے یہ فتح ہے۔ خیبر کی تقسیم صرف انہی پر کی گئی جو حدیبیہ میں موجود تھے' اٹھارہ حصے بنائے گئے' کل لشکر پندرہ سو کا تھا جس میں تین سو گھوڑ سوار تھے پس سوار کو دوہرا حصہ

ملا اور پیدل کو اکہرا۔ (ابوداؤد وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حدیبیہ سے آتے ہوئے ایک جگہ رات گذارنے کے لئے ہم اتر کر سو گئے تو ایسے سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد جاگے' دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بھی سوئے ہوئے ہیں' ہم نے کہا آپ کو جگانا چاہئے کہ آپ خود جاگ گئے اور فرمانے لگے جو کچھ کرتے تھے کرو اور اسی طرح کرے جو سو جائے یا بھول جائے۔ اسی سفر میں حضورؐ کی اونٹنی کہیں گم ہو گئی ہم ڈھونڈھنے کو نکلے تو دیکھا کہ ایک درخت میں نکیل اٹک گئی ہے اور وہ رکی کھڑی ہے' اسے کھول کر حضورؐ کے پاس لائے آپ سوار ہوئے اور ہم نے کوچ کیا' ناگہاں راستے میں ہی آپ پر وحی آنے لگی' وحی کے وقت آپ پر بہت دشواری ہوتی تھی' جب وحی ہٹ گئی تو آپ نے ہمیں بتایا کہ آپ پر سورہ اِنَّا فَتَحْنَا الخ' اتری ہے (ابوداؤد' نسائی' مسند احمد وغیرہ)

حضورؐ نوافل تہجد وغیرہ میں اس قدر وقت لگاتے کہ پیروں پر ورم چڑھ جاتا' تو آپ سے کہا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں فرما دیئے؟ آپ نے جواب دیا کیا پھر میں اللہ کا شکر گذار غلام نہ بنوں؟ (بخاری ومسلم) اور روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں (مسلم)

پس مبین سے مراد کھلی' صریح' صاف ظاہر ہے' اور فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس کی وجہ سے بڑی خیر و برکت حاصل ہوئی' لوگوں میں امن وامان ہوا' مومن کافر میں بول چال شروع ہو گئی' علم اور ایمان کے پھیلانے کا موقع ملا' آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی' یہ آپ کا خاصہ ہے جس میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں۔ ہاں بعض اعمال کے ثواب میں یہ الفاظ اوروں کے لئے بھی آئے ہیں' اس میں حضورؐ کی بہت بڑی شرافت وعظمت ہے' آپ اپنے تمام کاموں میں بھلائی' استقامت اور فرمانبرداری الٰہی پر مستقیم تھے ایسے کہ اولین وآخرین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا۔

آپ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اکمل انسان اور دنیا اور آخرت میں کل اولاد آدم کے سردار اور رہبر تھے اور چونکہ حضورؐ سب سے زیادہ اللہ کے فرمانبردار اور سب سے زیادہ اللہ کے احکام کا لحاظ کرنے والے تھے اسی لئے جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر بیٹھ گئی تو آپؐ نے فرمایا اسے ہاتھیوں کے روکنے والے نے روک لیا ہے' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آج یہ کفار مجھ سے جو مانگیں گے دوں گا بشرطیکہ اللہ کی حرمت کی ہتک نہ ہو' پس جب آپؐ نے اللہ کی مان لی' صلح کو قبول کر لیا تو اللہ عز وجل نے فتح کی سورت اتاری اور دنیا اور آخرت میں اپنی نعمتیں آپ پر پوری کیں اور شرع عظیم اور دین قدیم کی طرف آپ کی رہبری کی اور آپؐ کے خشوع خضوع کی وجہ سے اللہ نے آپ کو بلند و بالا کیا' آپؐ کی تواضع' فروتنی' عاجزی اور انکساری کے بدلے آپ کو عز وجاہ مرتبہ ومنصب عطا فرمایا' آپؐ کے دشمنوں پر آپ کو غلبہ دیا' چنانچہ خود آپ کا فرمان ہے بندہ درگذر کرنے سے عزت میں بڑھ جاتا ہے اور عاجزی اور انکساری کرنے سے بلندی اور عالی رتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ تو نے کسی کو جس نے تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہو ایسی سزا نہیں دی کہ تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۴﴾ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ﴿۵﴾ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿۶﴾
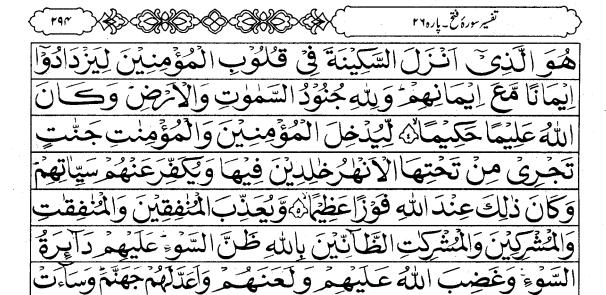
وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون اور اطمینان ڈال دیا تا کہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں' آسمانوں اور زمین کے کل لشکر اللہ ہی کے ہیں' اور اللہ تعالیٰ دانا باحکمت ہے ○ انجام کار یہ ہے کہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ان جنتوں میں لے جائے جن کے نیچے چشمے بہ رہے ہیں' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے ان کے گناہ دور کردے اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی کا حاصل کر لینا ہے ○ اور تا کہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب کرے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانیاں رکھنے والے ہیں' دراصل انہی پر برائی کا پھیرا ہے' اللہ ان پر ناراض ہوا اور انہیں لعنت کی اور ان کے لئے دوزخ تیار کی اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے ○

اطمینان ورحمت : ☆☆ (آیت:۴-۶) سکینہ کے معنی ہیں اطمینان' رحمت اور وقار- فرمان ہے کہ حدیبیہ والے دن جن باایمان صحابہؓ نے اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی بات مان لی' اللہ نے ان کے دلوں کو مطمئن کر دیا اور ان کے ایمان اور بڑھ گئے- اس سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ دلوں میں ایمان بڑھتا ہے اور اسی طرح گھٹتا بھی ہے- پھر فرماتا ہے کہ اللہ کے لشکروں کی کمی نہیں' وہ اگر چاہتا تو خود ہی کفار کو ہلاک کر دیتا- ایک فرشتے کو بھیج دیتا تو وہ ان سب کو برباد اور بے نشان کر دینے کے لئے بس تھا' لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ سے ایمانداروں کو جہاد کا حکم دیا جس میں اس کی حجت بھی پوری ہو جائے اور دلیل بھی سامنے آ جائے' اس کا کوئی کام علم وحکمت سے خالی نہیں ہوتا- اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ایمانداروں کو اپنی بہترین نعمتیں اس بہانے عطا فرمائے- پہلے یہ روایت گذر چکی ہے کہ صحابہؓ نے جب حضورؐ کو مبارک باد دی اور پوچھا کہ حضورؐ ہمارے لئے کیا ہے؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری' کہ مومن مرد وعورت جنتوں میں جائیں گے جہاں چپے چپے پر نہریں جاری ہیں اور جہاں وہ ابدالآباد تک رہیں گے اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ اور ان کی برائیاں دور اور دفع کر دے' انہیں ان کی برائیوں کی سزا نہ دے بلکہ معاف فرما دے' درگذر کر دے' بخش دے' پردہ ڈال دے' رحم کرے اور ان کی قدردانی کرے' دراصل یہی اصل کامیابی ہے' جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ الخ' یعنی ''جو جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنت میں پہنچا دیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا''- پھر ایک اور وجہ اور غایت بیان کی جاتی ہے کہ اس لئے بھی کہ نفاق اور شرک کرنے والے مرد وعورت جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں بدظنی کرتے ہیں' رسولؐ اور اصحاب رسولؐ کے ساتھ برے خیال رکھتے ہیں' یہ ہیں ہی کتنے؟ آج نہیں تو کل ان کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا' اس جنگ میں بچ

گئے تو اور کسی لڑائی میں تباہ ہو جائیں گے- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دراصل اس برائی کا دائرہ انہی پر ہے- ان پر اللہ کا غضب ہے' یہ رحمت الٰہیہ سے دور ہیں' ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے-

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۸ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۹

اور اللہ ہی کے لئے لشکر آسمانوں اور زمین میں اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے ○ یقیناً ہم نے تجھے اظہار حق کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ تاکہ اے مسلمانو! تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح اور شام ○

(آیت:۷) دوبارہ اپنی قوت' قدرت' اپنے اور اپنے بندوں کے دشمنوں سے انتقام لینے کی طاقت کو ظاہر فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے لشکر سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے-

آنکھوں دیکھا گواہ رسول اللہ ﷺ : ☆☆ (آیت:۸-۹) اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو فرماتا ہے ہم نے تمہیں مخلوق پر شاہد بنا کر' مومنوں کو خوشخبریاں سنانے والا' کافروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے- اس آیت کی پوری تفسیر سورۂ احزاب میں گذر چکی ہے- تاکہ اے لوگو! اللہ پر اور اس کے نبیؐ پر ایمان لاؤ اور اس کی عظمت و احترام کرو' بزرگی اور پاکیزگی کو تسلیم کرو اور اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی صبح شام تسبیح کرو- پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی تعظیم و تکریم بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل خود اللہ تعالیٰ سے ہی بیعت کرتے ہیں-

جیسے ارشاد ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی' اس نے اللہ کا کہا مانا- اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے' یعنی وہ ان کے ساتھ ہے' ان کی باتیں سنتا ہے' ان کا مکان دیکھتا ہے' ان کے ظاہر باطن کو جانتا ہے' پس دراصل رسولؐ کے واسطے سے ان سے بیعت لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' جیسے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے میں جنت انہیں دے دی ہے' وہ راہ اللہ میں جہاد کرتے ہیں' مرتے ہیں اور مارتے ہیں' اللہ کا یہ سچا وعدہ تورات و انجیل میں بھی موجود ہے اور اس قرآن میں بھی' سمجھ لو کہ اللہ سے زیادہ سچے وعدے والا کون ہوگا؟ پس تمہیں اس خرید و فروخت پر خوش ہو جانا چاہئے' دراصل سچی کامیابی یہی ہے- ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس نے راہ اللہ میں تلوار اٹھالی اس نے اللہ سے بیعت کر لی- دوسری حدیث میں ہے حجر اسود کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کھڑا کرے گا' اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے بولے گا اور جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہے اس کی گواہی دے گا' اسے بوسہ دینے والا دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنے والا ہے' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی-

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰ ع

جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں' ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے' پھر جو شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی کرتا ہے اور جو

شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے تو اسے عنقریب اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر دے گا ○

(آیت:۱۰) پھر فرماتا ہے جو بیعت کے بعد عہد شکنی کرے اس کا وبال خود اسی پر ہوگا' اللہ کا وہ کچھ نہ بگاڑے گا اور جو اپنی بیعت کو نبھا جائے وہ بڑا ثواب پائے گا' یہاں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت الرضوان ہے جو ایک ببول کے درخت تلے حدیبیہ کے میدان میں ہوئی تھی' اس دن بیعت کرنے والے صحابہ کی تعداد تیرہ سو' چودہ سو یا پندرہ سو تھی' ٹھیک یہ ہے کہ چودہ سو تھی' اس واقعہ کی حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

بخاری شریف میں ہے' ہم اس دن چودہ سو تھے' بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے آپ نے اس پانی میں ہاتھ رکھا پس آپ کی انگلیوں کے درمیان سے اس پانی کی سوتیں ابلنے لگیں۔ یہ حدیث مختصر ہے اس حدیث سے جس میں ہے کہ صحابہ سخت پیاسے ہوئے' پانی تھا نہیں' حضورؐ نے انہیں اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر دیا' انہوں نے جا کر حدیبیہ کے کنویں میں اسے گاڑ دیا' اب تو پانی جوش کے ساتھ ابلنے لگا یہاں تک کہ سب کو کافی ہو گیا۔ حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ اس روز تم کتنے تھے؟ فرمایا چودہ سو' لیکن اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی اس قدر تھا کہ سب کو کافی ہو جاتا' بخاری کی روایت میں ہے کہ "پندرہ سو تھے" حضرت جابرؓ سے ایک روایت میں پندرہ سو بھی مروی ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فی الواقع تھے تو پندرہ سو اور یہی حضرت جابرؓ کا پہلا قول تھا' پھر آپ کو کچھ وہم سا ہو گیا' اور چودہ سو فرمانے لگے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سوا پندرہ سو تھے۔ لیکن آپ سے مشہور روایت چودہ سو کی ہے۔ اکثر راویوں اور اکثر سیرت نویس بزرگوں کا یہی قول ہے کہ چودہ سو تھے' ایک روایت میں ہے اصحاب شجرہ چودہ سو تھے اور اس دن آٹھواں حصہ مہاجرین کا مسلمان ہوا۔

سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ حدیبیہ والے سال رسول مقبول ﷺ اپنے ساتھ سات سو صحابہ کو لے کر زیارت بیت اللہ کے ارادے سے مدینہ سے چلے' قربانی کے ستر اونٹ بھی آپ کے ہمراہ تھے' ہر دس اشخاص کی طرف سے ایک اونٹ۔ ہاں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ کے ساتھی اس دن چودہ سو تھے۔ ابن اسحاق اسی طرح کہتے ہیں اور یہ ان کے اوہام میں شمار ہے۔ بخاری و مسلم جو محفوظ ہے وہ یہ کہ ایک ہزار کئی سو تھے' جیسے ابھی آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس بیعت کا سبب سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلوایا کہ آپ کو مکہ بھیج کر قریش کے سرداروں سے کہلوائیں کہ حضورؐ لڑائی بھڑائی کے ارادے سے نہیں آئے بلکہ آپ بیت اللہ شریف کے عمرے کے لئے آئے ہیں' لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہؐ! میرے خیال سے تو اس کام کے لئے آپ حضرت عثمانؓ کو بھیجیں کیونکہ مکہ میں میرے خاندان میں سے کوئی نہیں' یعنی بنو عدی بن کعب کا قبیلہ نہیں جو میری حمایت کرے' آپ جانتے ہیں کہ قریش سے میں نے کتنی کچھ اور کیا کچھ دشمنی کی ہے اور مجھ سے وہ کس قدر خار کھائے ہوئے ہیں' مجھے تو وہ زندہ ہی نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ حضورؐ نے اس رائے کو پسند فرما کر جناب عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابوسفیان اور سرداران قریش کے پاس بھیجا' آپ جا ہی رہے تھے کہ راستے میں یا مکہ میں داخل ہوتے ہی ابان بن سعید بن عاص مل گیا اور اس نے آپ کو اپنے آگے اپنی سواری پر بٹھا لیا' اپنی امان میں انہیں اپنے ساتھ مکہ میں لے گیا' آپ قریش کے بڑوں کے پاس گئے اور حضورؐ کا پیغام پہنچایا' انہوں نے کہا کہ اگر آپ بیت اللہ شریف کا طواف کرنا چاہیں تو کر لیجئے آپ نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے میں طواف کر لوں' اب ان لوگوں نے جناب ذوالنورین کو روک لیا' ادھر لشکر اسلام میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا گیا' اس وحشت اثر خبر نے مسلمانوں کو اور خود اللہ کے رسول کو بڑا صدمہ پہنچایا اور آپ نے فرمایا کہ اب تو ہم بغیر فیصلہ کئے یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔

چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ کو بلوایا اور ان سے بیعت لی' ایک درخت تلے یہ بیعت الرضوان ہوئی۔ لوگ کہتے ہیں یہ بیعت موت پر لی تھی یعنی لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔ لیکن حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ موت پر بیعت نہیں لی تھی بلکہ اس اقرار پر کہ ہم لڑائی سے بھاگیں گے

نہیں- جتنے مسلمان صحابہؓ اس میدان میں تھے سب نے آپ سے بہ رضامندی بیعت کی سوائے جد بن قیس کے جو قبیلہ بنو سلمہ کا ایک شخص تھا' یہ اپنی اونٹنی کی آڑ میں چھپ گیا' پھر حضورؐ کو اور صحابہؓ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ غلط تھی' اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو' حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص کو آپ کے پاس بھیجا' یہ لوگ ابھی یہیں تھے کہ بعض مسلمانوں اور بعض مشرکوں میں کچھ تیز کلامی شروع ہو گئی نوبت یہاں تک پہنچی کہ سنگ باری اور تیر باری بھی ہوئی اور دونوں طرف کے لوگ آمنے سامنے ہو گئے' ادھر ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ وغیرہ کو روک لیا ادھر یہ لوگ رک گئے اور رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا کر دی کہ روح القدس اللہ کے رسولؐ کے پاس آئے اور بیعت کا حکم دے گئے' آؤ اللہ کا نام لے کر بیعت کر جاؤ' اب کیا تھا مسلمان بے تابانہ دوڑے ہوئے' حاضر حضورؐ ہوئے' آپ اس وقت درخت تلے تھے سب نے بیعت کی اس بات پر کہ وہ ہرگز ہرگز کسی صورت میں میدان سے منہ موڑنے کا نام نہ لیں گے' اس سے مشرکین کانپ اٹھے اور جتنے مسلمان ان کے پاس تھے سب کو چھوڑ دیا اور صلح کی درخواست کرنے لگے- بیہقی میں ہے کہ بیعت کے وقت اللہ کے رسولؐ نے فرمایا الٰہی عثمانؓ تیرے اور تیرے رسولؐ کے کام کو گئے ہوئے ہیں پس آپ نے خود اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا گویا حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کی-

پس حضرت عثمانؓ کے لئے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ ان کے اپنے ہاتھ سے بہت افضل تھا- اس بیعت میں سب سے پہل کرنے والے حضرت ابوسنان اسدی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ- انہوں نے سب سے آگے بڑھ کر فرمایا حضورؐ ہاتھ پھیلایئے تاکہ میں بیعت کر لوں' آپ نے فرمایا کس بات پر بیعت کرتے ہو؟ جواب دیا جو آپ کے دل میں ہو اس پر- آپ کے والد کا نام وہب تھا-

صحیح بخاری شریف میں حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ لوگ کہتے ہیں حضرت عمرؓ کے لڑکے حضرت عبداللہؓ نے اپنے والد سے پہلے اسلام قبول کیا دراصل واقعہ یوں نہیں- بات یہ ہے کہ حدیبیہ والے سال حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک انصاری کے پاس بھیجا کہ جا کر اپنے گھوڑے لے آؤ' اس وقت رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے' حضرت عمرؓ کو اس کا علم نہ تھا یہ اپنے طور پوشیدگی سے لڑائی کی تیاریاں کر رہے تھے- حضرت عبداللہؓ نے دیکھا کہ حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے تو یہ بیعت سے مشرف ہوئے- پھر گھوڑا لینے گئے اور گھوڑا لا کر حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ حضور ﷺ بیعت لے رہے ہیں' اب جناب فاروقؓ آئے اور حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی' اس بنا پر لوگ کہتے ہیں کہ بیٹے کا اسلام باپ سے پہلے کا ہے-

بخاری کی دوسری روایت میں ہے لوگ الگ الگ درختوں تلے آرام کر رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ہر ایک کی نگاہیں حضورؐ پر ہیں اور لوگ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں' حضرت عبداللہؓ سے فرمایا جاؤ ذرا دیکھو تو کیا ہو رہا ہے؟ یہ آئے دیکھا کہ بیعت ہو رہی ہے تو بیعت کر لی پھر جا کر حضرت عمرؓ کو خبر کی' چنانچہ آپ بھی فوراً آئے اور بیعت سے مشرف ہوئے' حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب ہم نے بیعت کی ہے اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور آپ ایک ببول کے درخت تلے تھے- حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اس موقع پر درخت کی ایک جھکی ہوئی شاخ کو آپ کے سر سے اوپر کو اٹھا کر میں تھامے ہوئے تھا' ہم نے آپ سے موت پر بیعت نہیں کی بلکہ نہ بھاگنے پر- حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم مرنے پر بیعت کی تھی' آپ فرماتے ہیں ایک مرتبہ بیعت کر کے میں ہٹ کر ایک طرف کو کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا حضورؐ میں نے تو بیعت کر لی آپ نے فرمایا خیر آؤ بیعت کرو چنانچہ میں نے قریب جا کر پھر بیعت کی-

حدیبیہ کا وہ کنواں جس کا ذکر اوپر گذرا صرف اتنے پانی کا تھا کہ پچاس بکریاں بھی آسودہ نہ ہو سکیں' آپ فرماتے ہیں کہ دوبارہ

بیعت کر لینے کے بعد آپ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں بے سپر ہوں' تو آپ نے مجھے ایک ڈھال عنایت فرمائی پھر لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی' پھر آخری مرتبہ میری طرف دیکھ کر فرمایا سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ پہلی مرتبہ جن لوگوں نے بیعت کی میں نے ان کے ساتھ ہی بیعت کی تھی پھر بیچ میں دوبارہ بیعت کر چکا ہوں' آپ نے فرمایا اچھا پھر سہی چنانچہ اس آخری جماعت کے ساتھ بھی میں نے بیعت کی' آپ نے پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا سلمہ تمہیں ہم نے جو ڈھال دی تھی وہ کیا ہوئی؟ میں نے کہا یا رسول اللہؐ! حضرت عامرؓ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ ان کے پاس دشمن کا وار روکنے کی کوئی چیز نہیں' میں نے وہ ڈھال انہیں دے دی تو آپ ہنسے اور فرمایا تم بھی اس شخص کی طرح ہو جس نے اللہ سے دعا کی کہ اے الٰہی! میرے پاس کسی کو بھیج دے جو مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہو۔

پھر اہل مکہ سے صلح کی تحریک کی آمد و رفت ہوئی اور صلح ہو گئی' میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خادم تھا' ان کے گھوڑے کی اور ان کی خدمت کیا کرتا تھا' وہ مجھے کھانے کو دے دیتے تھے' میں تو اپنا گھر بار' بال بچے' مال و دولت سب راہ اللہ میں چھوڑ کر ہجرت کر کے چلا آیا تھا۔ جب صلح ہو چکی ادھر کے لوگ ادھر' ادھر کے ادھر آنے لگے تو میں ایک درخت تلے جا کر کانٹے وغیرہ ہٹا کر اس کی جڑ سے لگ کر سو گیا' اچانک مشرکین مکہ میں سے چار شخص وہیں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمات سے آپس میں باتیں کرنے لگے' مجھے بڑا برا معلوم ہوا میں وہاں سے اٹھ کر دوسرے درخت تلے چلا گیا' ان لوگوں نے اپنے ہتھیار اتارے درخت پر لٹکا کر وہاں لیٹ گئے' تھوڑی دیر گذری ہو گی جو میں نے سنا کہ وادی کے نیچے کے حصہ سے کوئی منادی ندا کر رہا ہے کہ اے مہاجر بھائیو! حضرت دہیم قتل کر دیئے گئے' میں نے جھٹ سے تلوار تان لی اور اسی درخت تلے گیا جہاں وہ چاروں سوئے ہوئے تھے' جاتے ہی پہلے تو ان کے ہتھیار قبضے میں کئے اور اپنے ہاتھ میں انہیں دبا کر دوسرے ہاتھ سے تلوار تول کر ان سے کہا سنو اس اللہ کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے تم میں سے جس نے بھی سر اٹھایا میں اس کا سر قلم کر دوں گا' جب وہ اسے مان چکے' میں نے کہا اٹھو اور میرے آگے آگے چلو' چنانچہ ان چاروں کو لے کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' ادھر میرے چچا حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مکرز نامی عبلات کے ایک مشرک کو گرفتار کر کے لائے اور بھی اسی طرح کے ستر مشرکین حضورؐ کی خدمت میں حاضر کئے گئے تھے آپ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا انہیں چھوڑ دو' برائی کی ابتدا بھی انہیں کے سر رہے اور پھر اس کی تکرار کے ذمہ دار بھی یہی رہیں۔ چنانچہ سب کو رہا کر دیا گیا' اسی کا بیان آیت وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ الخ' میں ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ کے والد بھی اس موقع پر حضورؐ کے ساتھ تھے آپ کا بیان ہے کہ اگلے سال جب ہم حج کو گئے تو اس درخت کی جگہ ہم پر پوشیدہ رہی' ہم معلوم نہ کر سکے کہ کس جگہ حضورؐ کے ہاتھ پر ہم نے بیعت کی تھی' اب اگر تم پر یہ پوشیدگی کھل گئی ہو تو تم جانو۔ ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس وقت حضورؐ نے فرمایا آج زمین پر جتنے ہیں ان سب پر افضل تم لوگ ہو۔ آپ فرماتے ہیں اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں تمہیں اس درخت کی جگہ دکھا دیتا۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اس جگہ کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ ''جن لوگوں نے اس بیعت میں شرکت کی ہے ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا'' ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جن لوگوں نے اس درخت تلے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے سب جنت میں جائیں گے' مگر سرخ اونٹ والا' ہم جلدی سے دوڑے' دیکھا تو ایک شخص اپنے کھوئے ہوئے اونٹ کی تلاش میں تھا' ہم نے کہا چل بیعت کر' اس نے جواب دیا کہ بیعت سے زیادہ نفع تو اس میں ہے کہ میں اپنا گم شدہ اونٹ پا لوں۔

مسند احمد میں ہے آپ نے فرمایا کون ہے جو ثنیۃ المرار پر چڑھ جائے' اس سے وہ دور ہو جائے گا جو بنی اسرائیل سے دور ہوا' پس

سب سے پہلے قبیلہ خزرج کے ایک صحابیؓ اس پر چڑھ گئے پھر تو اور لوگ بھی پہنچ گئے' پھر آپ نے فرمایا تم سب بخشے جاؤ گے مگر سرخ اونٹ والا' ہم اس کے پاس آئے اور اس سے کہا تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار طلب کریں تو اس نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم مجھے میرا اونٹ مل جائے تو میں زیادہ خوش ہوں گا بہ نسبت اس کے کہ تمہارے صاحب میرے لئے استغفار کریں' یہ شخص اپنا گم شدہ اونٹ ڈھونڈ رہا تھا۔ حضرت حفصہؓ نے جب حضورؐ کی زبانی یہ سنا کہ اس بیعت والے دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے تو کہا ہاں ہوں گے' آپ نے انہیں روک دیا تو مائی صاحبہؓ نے آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا پڑھی یعنی تم میں سے ہر شخص کو اس پر وارد ہونا ہے' حضورؐ نے فرمایا اس کے بعد ہی فرمان باری ہے ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ یعنی پھر ہم تقویٰ والوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل اس میں گرا دیں گے'' (مسلم)

حضرت حاطب بن ابو بلتعہؓ کے غلام حضرت حاطب کی شکایت لے کر حضورؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! حاطب ضرور جہنم میں جائیں گے۔ آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے وہ جہنمی نہیں' وہ بدر میں اور حدیبیہ میں موجود رہا۔ ان بزرگوں کی ثنا بیان ہو رہی ہے کہ یہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے' اس بیعت کو توڑنے والا اپنا ہی نقصان کرنے والا ہے اور اسے پورا کرنے والا بڑے اجر کا مستحق ہے۔ جیسے فرمایا لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے راضی ہو گیا جب کہ انہوں نے درخت تلے تجھ سے بیعت کی' ان کے دلی ارادوں کو اس نے جان لیا پھر ان پر دلجمعی نازل فرمائی اور قریب کی فتح سے انہیں سرفراز فرمایا''۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾

جو بدوی لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ اب تجھ سے کہیں گے کہ ہم اپنے مالوں اور بال بچوں میں لگے رہ گئے پس آپ ہمارے لئے مغفرت طلب کیجئے' یہ تو اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے' تو جواب دے کہ تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی اختیار کون رکھتا ہے؟ اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو یا تمہیں کوئی نفع دینا چاہے تو بلکہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خوب باخبر ہے ○ نہیں بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ پیغمبر اور مسلمان کا اپنے گھروں کی طرف لوٹ کر آنا قطعاً ناممکن ہے اور یہی خیال تمہارے دلوں میں رچ گیا تھا اور تم نے برا گمان کر رکھا تھا' دراصل تم لوگ ہو بھی ہلاکت والے ○

مجاہدین کی کامیاب واپسی: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۲) جو اعراب لوگ جہاد سے جی چرا کر رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ کر موت کے ڈر کے مارے' گھر سے نہ نکلتے تھے اور جانتے تھے کہ کفر کی زبردست طاقت ہمیں چکنا چور کر دے گی اور جو اتنی بڑی جماعت سے ٹکر لینے گئے ہیں

یہ تباہ ہو جائیں گے' بال بچوں سے ترس جائیں گے اور وہیں کاٹ ڈالے جائیں گے' جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول مع اپنے پاکباز مجاہدین کی جماعت کے ہنسی خوشی واپس آ رہے ہیں تو اپنے دل میں مسودے گانٹھنے لگے کہ اپنی مشیخت بنی رہے' یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پہلے ہی سے خبردار کر دیا کہ یہ بدباطن لوگ آ کر اپنے ضمیر کے خلاف اپنی زبان کو حرکت دیں گے اور عذر پیش کریں گے کہ حضورؐ بال بچوں اور کام کاج کی وجہ سے نکل نہ سکے ورنہ ہم تو ہر طرح تابع فرمان ہیں' ہماری جان تک حاضر ہے' اپنی مزید ایمانداری کے اظہار کے لئے یہ بھی کہہ دیں گے کہ حضرت آپؐ ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ تو آپ انہیں جواب دے دینا کہ تمہارا معاملہ سپرد اللہ ہے' وہ دلوں کے بھید سے واقف ہے' اگر وہ تمہیں نقصان پہنچائے تو کون ہے جو اسے دفع کر سکے؟ اور اگر وہ تمہیں نفع دینا چاہے تو کون ہے جو اسے روک سکے تصنع اور بناوٹ سے؟ تمہاری ایمانداری اور نفاق سے وہ بخوبی آگاہ ہے' ایک ایک عمل سے وہ باخبر ہے' اس پر کوئی چیز مخفی نہیں' دراصل تمہارا پیچھے رہ جانا کسی عذر کے باعث نہ تھا بلکہ بطور نافرمانی کے ہی تھا۔ صاف طور پر تمہارا نفاق اس کا باعث تھا۔ تمہارے دل ایمان سے خالی ہیں' اللہ پر بھروسہ نہیں' رسولؐ کی اطاعت میں بھلائی کا یقین نہیں' اس وجہ سے تمہاری جانیں تم پر گراں ہیں' تم اپنی نسبت تو کیا بلکہ رسول ﷺ اور صحابۂ رسولؐ کی نسبت بھی یہی خیال کرتے تھے کہ یہ قتل کر دیئے جائیں گے' ان کی بھوسی اڑا دی جائے گی' ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکے گا جو ان کی خبر تو لا کر دے' ان بدخیالیوں نے تمہیں نامرد بنا رکھا تھا' تم دراصل برباد شدہ لوگ ہو' کہا گیا ہے کہ بور الغت عمان ہے' جو شخص اپنا عمل خالص نہ کرے' اپنا عقیدہ مضبوط نہ بنائے' اسے اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ میں عذاب کرے گا' گو دنیا میں وہ بہ خلاف اپنے باطن کے ظاہر کرتے رہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

جو شخص اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لائے تو ہم نے بھی ایسے کافروں کے لئے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے ○ زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے' جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے' اللہ بڑا بخشنے والا بہت مہربان ہے ○

(آیت: ۱۳-۱۴) پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ملک' اپنی شہنشاہی اور اپنے اختیارات کا بیان فرماتا ہے کہ مالک و متصرف وہی ہے بخشش اور عذاب پر قادر وہ ہے' لیکن ہے غفور اور رحیم' جو بھی اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جو اس کا در کھٹکھٹائے وہ اس کے لئے اپنا دروازہ کھول دیتا ہے' خواہ کتنے ہی گناہ کئے ہوں جب توبہ کرے اللہ قبول فرما لیتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے بلکہ رحم اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۚ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

جب تم غنیمتیں لینے کے لئے جانے لگو گے تو جھٹ سے یہ پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ کہنے لگیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے' چاہتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ کے کلام کو بدل دیں، تو کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی فرما چکا ہے کہ تم ہرگز ہرگز ہماری پیروی نہ کرو گے، وہ اس کا جواب دیں گے کہ نہیں نہیں بلکہ تم ہمارا حسد کرتے ہو، اصل بات یہ ہے کہ انہیں سمجھ بہت ہی کم ہے ○

مال غنیمت کے طالب: ☆☆ (آیت: ۱۵) ارشاد الٰہی ہے کہ جن بدوی لوگوں نے حدیبیہ میں اللہ کے رسولؐ اور صحابہؓ کا ساتھ نہ دیا وہ جب حضورؐ کو اور ان صحابہ کو خیبر کی فتح کے موقع پر مال غنیمت سمیٹنے کے لئے جاتے ہوئے دیکھیں گے تو آرزو کریں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے لو، مصیبت کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے، راحت کو دیکھ کر شامل ہونا چاہتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انہیں ہرگز ساتھ نہ لینا، جب یہ جنگ سے جی چرائیں تو پھر غنیمت میں حصہ کیوں لیں؟ اللہ تعالیٰ نے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ اہل حدیبیہ سے کیا ہے نہ کہ ان سے جو کٹھن وقت پر ساتھ نہ دیں اور آرام کے وقت مل جائیں۔ ان کی چاہت ہے کہ کلام الٰہی کو بدل دیں، یعنی اللہ نے تو صرف حدیبیہ کی حاضری والوں سے وعدہ کیا، تو یہ چاہتے ہیں کہ باوجود اپنی غیر حاضری کے اللہ کے اس وعدے میں مل جائیں تا کہ وہ بھی بدلا ہوا ثابت ہو جائے۔ ابن زید کہتے ہیں مراد اس سے یہ حکم الٰہی ہے فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ الخ، یعنی "اے نبی! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے اور وہ تم سے جہاد کے لئے نکلنے کی اجازت مانگیں تو تم ان سے کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو، تم وہی ہو کہ پہلی مرتبہ ہم سے پیچھے رہ جانے میں ہی خوش رہے پس اب ہمیشہ بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو" لیکن اس قول میں نظر ہے اس لئے کہ یہ آیت سورۂ برأت کی ہے جو غزوۂ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور غزوہ تبوک غزوۂ حدیبیہ کے بہت بعد کا ہے۔

ابن جریجؒ کا قول ہے کہ مراد اس سے ان منافقوں کا مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر جہاد سے باز رکھنا ہے۔ فرماتا ہے کہ انہیں ان کی اس آرزو کا جواب دو کہ تم ہمارے ساتھ چلنا چاہو اس سے پہلے اللہ یہ وعدہ اہل حدیبیہ سے کر چکا ہے اس لئے تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اب وہ طعنہ دیں گے کہ اچھا ہمیں معلوم ہو گیا تم ہم سے جلتے ہو، تم نہیں چاہتے کہ غنیمت کا حصہ تمہارے سوا کسی اور کو ملے۔ اللہ فرماتا ہے دراصل یہ ان کی ناسمجھی ہے اور اسی ایک پر کیا موقوف ہے یہ لوگ سراسر بے سمجھ ہیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

ع ۷

تم پیچھے رہے ہوئے بدویوں سے کہہ دو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگ جو قوم کی جنگ کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں۔ پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں بہت بہتر بدلہ دے گا اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا کہ اس سے پہلے تم منہ پھیر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا ○ اندھے پر کوئی

حرج نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے درختوں تلے چشمے جاری ہیں اور جو منہ پھیر لے اسے دردناک عذاب کرے گا ○

(آیت:۱۶-۱۷) وہ سخت لڑاکا قوم جس سے لڑنے کی طرف یہ بلائے جائیں گے کون سی قوم ہے؟ اس میں کئی اقوال ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ہوازن ہے دوسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ثقیف ہے تیسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ بنو حنیف ہے چوتھے یہ کہ اس سے مراد اہل فارس ہیں پانچویں یہ کہ اس سے مراد رومی ہیں چھٹے یہ کہ اس سے مراد بت پرست ہیں بعض فرماتے ہیں اس سے مراد کوئی خاص قبیلہ یا گروہ نہیں بلکہ مطلق جنگجو قوم مراد ہے جو ابھی تک مقابلہ میں نہیں آئی - حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں - ایک مرفوع حدیث میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے نہ لڑو جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور ناک بیٹھی ہوئی ہوگی ان کے منہ مثل تہ بہ تہ ڈھالوں کے ہوں گے حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اس سے مراد ترک ہیں - ایک اور حدیث میں ہے کہ تمہیں ایک قوم سے جہاد کرنا پڑے گا جن کی جوتیاں بال دار ہوں گی حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں -

پھر فرماتا ہے کہ ان سے جہاد وقتال تم پر مشروع کر دیا گیا ہے اور یہ حکم باقی ہی رہے گا اللہ تعالیٰ ان پر تمہاری مدد کرے گا یا یہ کہ وہ خود بخود بغیر لڑے بھڑے دین اسلام قبول کر لیں گے - پھر ارشاد ہوتا ہے اگر تم مان لوگے اور جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہو جاؤ گے اور حکم کی بجا آوری کرو گے تو تمہیں بہت ساری نیکیاں ملیں گی اور اگر تم نے وہی کیا جو حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا یعنی بزدلی سے بیٹھے رہے جہاد میں شرکت نہ کی احکام کی تعمیل سے جی چرایا تو تمہیں المناک عذاب ہوگا - پھر جہاد کے ترک کرنے کے جو صحیح عذر ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے پس دو عذر تو وہ بیان فرمائے جو لازمی ہیں یعنی اندھاپن اور لنگڑاپن اور ایک عذر وہ بیان فرمایا جو عارضی ہے جیسے بیماری کہ چند دن رہی پھر چلی گئی -

پس یہ بھی اپنی بیماری کے زمانہ میں معذور ہیں - ہاں تندرست ہونے کے بعد یہ معذور نہیں - پھر جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ و رسول کا فرمانبردار جنتی ہے اور جو جہاد سے بے رغبتی کرے اور دنیا کی طرف سراسر متوجہ ہو جائے معاش کے پیچھے معاد کو بھول جائے اس کی سزا دنیا میں ذلت اور آخرت میں دکھ کی مار ہے -

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی ○ اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کریں گے اللہ غالب ہے حکمت والا ہے ○

چودہ سو صحابہ اور بیعت رضوان: ☆☆ (آیت:۱۸-۱۹) پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ بیعت کرنے والے چودہ سو کی تعداد میں تھے اور یہ درخت ببول کا تھا جو حدیبیہ کے میدان میں تھا - صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن جب حج کو گئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک جگہ نماز ادا کر رہے ہیں پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ وہی درخت ہے جہاں رسول اللہ ﷺ سے بیعت الرضوان ہوئی تھی حضرت عبدالرحمنؒ نے واپس آ کر یہ قصہ حضرت سعید بن مسیبؒ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا میرے والد صاحب بھی ان بیعت کرنے والوں میں

تھے' ان کا بیان ہے کہ بیعت کے دوسرے سال ہم وہاں گئے لیکن ہم سب کو بھلا دیا گیا وہ درخت ہمیں نہ ملا' پھر حضرت سعید فرمانے لگے تعجب ہے کہ اصحاب رسولؐ خود بیعت کرنے والے تو اس جگہ کو نہ پاسکیں' انہیں معلوم نہ ہو لیکن تم لوگ جان لو گویا تم اصحاب رسولؐ سے بھی زیادہ جاننے والے ہو۔ پھر فرمایا ہے ان کی دلی صداقت' نیت وفا اور سننے اور ماننے کی عادت کو اللہ نے معلوم کر لیا پس ان کے دلوں میں اطمینان ڈال دیا اور قریب کی فتح انعام فرمائی۔

یہ فتح وہ صلح ہے جو حدیبیہ کے میدان میں ہوئی جس سے عام بھلائی حاصل ہوئی اور جس کے قریب ہی خیبر فتح ہوا' پھر تھوڑے ہی زمانے کے بعد مکہ بھی فتح ہو گیا' پھر اور قلعے اور علاقے بھی فتح ہوتے چلے گئے اور وہ عزت و نصرت و فتح و ظفر و اقبال اور رفعت حاصل ہوئی کہ دنیا انگشت بدنداں' حیران و پریشان رہ گئی۔ اسی لئے فرمایا کہ بہتسا مال غنیمت عطا فرمائے گا۔ سچے غلبہ والا اور کامل حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' ہم حدیبیہ کے میدان میں دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا کی کہ لوگو! بیعت کے لئے آگے بڑھو' روح القدس آ چکے ہیں۔ ہم بھاگے دوڑے حاضر حضورؐ ہوئے' آپ اس وقت ببول کے درخت تلے تھے' ہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر آیت لقد رضی اللہ الخ' میں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے آپ نے اپنا ہاتھ دوسرے پر رکھ کر خود ہی بیعت کر لی' تو ہم نے کہا عثمان بڑے خوش نصیب رہے کہ ہم تو یہاں پڑے ہوئے ہیں اور وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ یہ سن کر جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا بالکل ناممکن ہے کہ عثمانؓ ہم سے پہلے طواف کر لے گو کئی سال تک وہاں رہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت ساری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے پس یہ تو تمہیں جلدی ہی عطا فرمادی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے' تاکہ مومنوں کے لئے یہ ایک نمونہ ہو جائے اور تاکہ وہ تمہیں سیدھی راہ چلائے ○ اور تمہیں اور غنیمتیں بھی دے جن پر اب تک تم نے قابو نہیں پایا' اللہ نے انہیں اپنے قابو میں رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

کفار کے بد ارادے ناکام ہوئے : ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) ان بہت سی غنیمتوں سے مراد آپ کے زمانے اور بعد کی سب غنیمتیں ہیں۔ جلدی کی غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے اور حدیبیہ کی صلح ہے' اس اللہ کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ کفار کے بد ارادوں کو اس نے پورا نہ ہونے دیا' نہ مکے کے کافروں کے' نہ ان منافقوں کے جو تمہارے پیچھے مدینے میں رہے تھے' نہ یہ تم پر حملہ آور ہو سکے نہ وہ تمہارے بال بچوں کو کچھ ستا سکے' یہ اس لئے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ اصل حافظ و ناصر اللہ ہی ہے' پس دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت سے ہمت نہ ہار دیں اور یہ بھی یقین کر لیں کہ ہر کام کے انجام کا علم اللہ ہی کو ہے۔ بندوں کے حق میں بہتری یہی ہے کہ وہ اس کے فرمان پر عامل رہیں اور اسی میں اپنی خیریت سمجھیں گو وہ فرمان بہ ظاہر خلاف طبع ہو۔

بہت ممکن ہے کہ تم جسے ناپسند رکھتے ہو وہی تمہارے حق میں بہتر ہو' وہ تمہیں تمہاری حکم بجا آوری اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سچی جاں نثاری کے عوض راہ مستقیم دکھائے گا اور دیگر غنیمتیں اور فتح مندیاں بھی عطا فرمائے گا' جو تمہارے بس کی نہیں' لیکن اللہ

خود تمہاری مدد کرے گا اور ان مشکلات کو تم پر آسان کر دے گا' سب چیزیں اللہ کے بس میں ہیں' وہ اپنا ڈر رکھنے والے بندوں کو ایسی جگہ سے روزیاں پہنچاتا ہے جو کسی کے خیال میں تو کیا خود ان کے اپنے خیال میں بھی نہ ہوں۔ اس غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے جس کا وعدہ صلح حدیبیہ میں پنہاں تھا' یا مکہ کی فتح ہے' یا فارس اور روم کے مال ہیں' یا وہ تمام فتوحات ہیں جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہوں گی۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

اور اگر تم سے کافر جنگ کرتے تو البتہ پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھر نہ تو کوئی کارساز پاتے نہ مددگار ○ اللہ کے اس قاعدے کے مطابق جو پہلے سے چلا آیا ہے' تو کبھی بھی اللہ کے قاعدے کو بدلا ہوا نہ پائے گا ○ وہی ہے جس نے خاص مکہ میں کافروں کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک لیا۔ اس کے بعد اس نے تمہیں ان پر فتح یاب کر دیا تھا' تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے ○

(آیت:۲۲-۲۴) پھر اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کی مدد کرے گا اور ان بے ایمانوں کو شکست فاش دے گا' یہ پیٹھ دکھائیں گے اور منہ پھیر لیں گے اور کوئی والی اور مددگار بھی انہیں نہ ملے گا' اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑنے کے لئے آئے ہیں اور اس کے ایماندار بندوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے یہی اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب کفر وایمان کا مقابلہ ہو' وہ ایمان کو کفر پر غالب کرتا ہے اور حق کو ظاہر کر کے باطل دبا دیتا ہے' جیسے کہ بدر والے دن بہت سے کافروں کو جو باسامان تھے چند مسلمانوں کے مقابلہ میں جو بے سروسامان تھے' شکست فاش دی۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے میرے احسان کو بھی نہ بھولو کہ میں نے مشرکوں کے ہاتھ تم تک نہ پہنچنے دیئے اور تمہیں بھی مسجد حرام کے پاس لڑنے سے روک دیا اور تم میں ان میں صلح کرا دی' جو دراصل تمہارے حق میں سراسر بہتری ہے کیا دنیا کے اعتبار سے اور کیا آخرت کے اعتبار سے۔ وہ حدیث یاد ہو گی جو اسی سورت کی تفسیر میں بہ روایت حضرت سلمہ بن اکوعؓ گذر چکی ہے کہ جب ستر کافروں کو باندھ کر صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا انہیں جانے دو' ان کی طرف سے ہی ابتدا ہوا اور انہی کی طرف سے دوبارہ شروع ہو' اسی بابت یہ آیت اتری۔

مسند احمد میں ہے کہ اسی کافر ہتھیاروں سے آراستہ جبل تنعیم کی طرف سے چپ چپاتے موقع پا کر اتر آئے لیکن حضورؐ غافل نہ تھے' آپ نے فوراً لوگوں کو آگاہ کر دیا' سب گرفتار کر لئے گئے اور حضورؐ کے سامنے پیش کئے گئے۔ آپ نے از راہ مہربانی ان کی خطا معاف فرما دی اور سب کو چھوڑ دیا۔ اور نسائی میں بھی ہے' حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس درخت کا ذکر قرآن میں ہے اس کے نیچے نبی ﷺ تھے' ہم لوگ بھی آپ کے اردگرد تھے' اس درخت کی شاخیں حضورؐ کی کمر سے لگ رہی تھیں۔ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سہیل بن عمرو آپ کے سامنے تھے' حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو۔ اس پر سہیل نے حضورؐ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا ہم رحمن اور رحیم کو نہیں جانتے' ہمارے اس صلح نامہ میں ہمارے دستور کے مطابق لکھوایئے' پس آپ نے فرمایا باسمك

اللھم لکھ لو- پھر لکھا یہ وہ ہے جس پر اللہ کے رسول محمدؐ نے اہل مکہ سے صلح کی- اس پر پھر سہیل نے آپ کا ہاتھ تھام کر کہا اگر آپ رسول اللہؐ ہی ہیں تو پھر ہم نے بڑا ظلم کیا- اس صلح نامہ میں وہی لکھوایئے جو ہم میں مشہور ہے- تو آپ نے فرمایا لکھو یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے اہل مکہ سے صلح کی- اتنے میں تین جوان کفار ہتھیار بند آن پڑے آپ نے ان کے حق میں بددعا کی' اللہ نے انہیں بہرا بنا دیا' ہم اٹھے اور ان سب کو گرفتار کر کے آپ کے سامنے پیش کر دیا- آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہیں کسی نے امن دیا ہے؟ یا تم کسی کی ذمہ داری پر آئے ہو؟ انہوں نے انکار کیا' لیکن باوجود اس کے آپ نے ان سے درگذر فرمایا اور انہیں چھوڑ دیا' اس پر یہ آیت وھو الذی الخ' نازل ہوئی (نسائی) ابن جریر میں ہے جب حضورؐ قربانی کے جانور لے کر چلے اور ذوالحلیفہ تک پہنچ گئے تو حضرت عمرؓ نے عرض کی اے نبی اللہ! آپ ایک ایسی قوم کی بستی میں جا رہے ہیں جو برسر پیکار ہیں اور آپ کے پاس نہ تو ہتھیار ہیں نہ اسباب- حضورؐ نے یہ سن کر آدمی بھیج کر مدینہ سے سب ہتھیار اور کل سامان منگوا لیا- جب آپ مکہ کے قریب پہنچ گئے تو مشرکین نے آپ کو روکا کہ آپ مکہ میں نہ آئیں' آپ کو خبر دی کہ عکرمہ بن ابوجہل پانچ سو کا لشکر لے کر آپ پر چڑھائی کرنے کے لئے آ رہا ہے' آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے خالد! تیرا چچا زاد بھائی لشکر لے کر آ رہا ہے-

حضرت خالدؓ نے فرمایا پھر کیا ہوا؟ میں اللہ کی تلوار ہوں اور اس کے رسولؐ کی' اسی دن سے آپ کا لقب سیف اللہ ہوا- مجھے آپ جہاں چاہیں اور جس کے مقابلہ میں چاہیں بھیجیں' چنانچہ عکرمہ کے مقابلہ کے لئے آپ روانہ ہوئے' گھاٹی میں دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی- حضرت خالدؓ نے ایسا سخت حملہ کیا کہ عکرمہ کے پاؤں نہ جمے' اسے مکے کی گلیوں تک پہنچا کر حضرت خالدؓ واپس آ گئے لیکن پھر دوبارہ وہ تازہ دم ہو کر مقابلہ پر آیا' اب کی مرتبہ بھی شکست کھا کر مکہ کی گلیوں تک پہنچ گیا- وہ پھر تیسری مرتبہ نکلا' اس مرتبہ بھی یہی حشر ہوا' اسی کا بیان آیت وھو الذی کف الخ' میں ہے- پس اللہ تعالیٰ نے باوجود حضورؐ کی ظفرمندی کے کفار کو بھی بچا لیا تا کہ جو مسلمان ضعفاء اور کمزور مکہ میں تھے انہیں اسلامی لشکر کے ہاتھوں کوئی گزند نہ پہنچے- لیکن اس روایت میں بہت کچھ نظر ہے' ناممکن ہے کہ یہ حدیبیہ والے واقعہ کا ذکر ہو اس لئے کہ اس وقت تک تو حضرت خالد مسلمان ہی نہ ہوئے تھے بلکہ مشرکین کے طلایہ کے یہ اس دن سردار تھے' جیسے کہ صحیح حدیث میں موجود ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ عمرۃ القضا کا ہو- اس لئے کہ حدیبیہ کے صلح نامہ کی شرائط کے مطابق یہ طے شدہ امر تھا کہ اگلے سال حضورؐ آئیں' عمرہ ادا کریں اور تین دن تک مکہ میں ٹھہریں' چنانچہ اسی قرارداد کے مطابق جب حضورؐ تشریف فرما ہوئے تو کافروں نے آپ کو روکا نہیں نہ آپ سے جنگ وجدال کیا- اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہو اس لئے کہ فتح مکہ والے سال آپ اپنے ساتھ قربانیاں لے کر نہیں گئے تھے اس وقت تو آپ جنگی حیثیت سے گئے تھے' لڑنے اور جہاد کرنے کی نیت سے تشریف لے گئے تھے' پس اس روایت میں کچھ خلل ہے' اور اس میں ضرور قباحت واقع ہوئی ہے' خوب سوچ لینا چاہئے واللہ اعلم-

حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قریش نے اپنے چالیس یا پچاس آدمی بھیجے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے اردگرد گھومتے رہیں اور موقع پا کر کچھ نقصان پہنچائیں یا کسی کو گرفتار کر کے لے آئیں' یہاں یہ سارے کے سارے پکڑ لئے گئے لیکن پھر حضورؐ نے انہیں معاف فرما دیا اور سب کو چھوڑ دیا- انہوں نے آپ کے لشکر پر کچھ پتھر بھی پھینکے تھے اور کچھ تیر بھی چلائے تھے' یہ بھی مروی ہے کہ ایک صحابی جنہیں ابن زنیم کہا جاتا تھا حدیبیہ کے ایک ٹیلے پر چڑھے تھے' مشرکین نے تیر بازی کر کے ان کو شہید کر دیا- حضورؐ نے کچھ سواران کے تعاقب میں روانہ کئے وہ ان سب کو جو تعداد میں بارہ سوار تھے گرفتار کر کے لے آئے آپ نے ان سے پوچھا کہ کوئی عہد و پیمان ہے؟ کہا نہیں' لیکن پھر بھی حضورؐ نے انہیں چھوڑ دیا اور اسی بارے میں آیت وھو الذی کف ایدیھم عنکم الخ' نازل ہوئی-

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـــُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٢٥﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے اور قربانی کے لئے موقوف رکھے ہوئے جانوروں کو قربان گاہ تک پہنچنے سے روک دیا' اگر (مکے میں) چند مسلمان مردو عورت ایسے نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم انہیں پامال کر ڈالو اور بے خبری میں ایک گناہ کے مرتکب ہو جاؤ' (تو اسی وقت تمہیں لڑائی کی اجازت دے دی جاتی) یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے' اگر یہ مسلمان علیحدہ ہوتے تو یقیناً ہم ان میں سے کافروں کو المناک سزا دیتے O

مسجد حرام بیت اللہ کے اصل حقدار : ☆☆ (آیت: ۲۵) مشرکین عرب جو قریش تھے اور جو ان کے ساتھ اس عہد پر تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کریں گے ان کی نسبت قرآن خبر دیتا ہے کہ دراصل کفر پر یہ لوگ ہیں' انہوں نے ہی تمہیں مسجد حرام بیت اللہ شریف سے روکا ہے حالانکہ اصلی حقدار اور زیادہ لائق خانہ اللہ کے تم ہی لوگ تھے پھر ان کی سرکشی اور مخالفت نے انہیں یہاں تک اندھا کر دیا کہ اللہ کی راہ کی قربانیوں کو بھی قربان گاہ تک نہ جانے دیا' یہ قربانیاں تعداد میں ستر تھیں جیسے کہ عنقریب ان کا بیان آ رہا ہے ان شاءاللہ تعالیٰ - پھر فرماتا ہے کہ سردست تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دینے میں پوشیدہ راز یہ تھا کہ ابھی چند کمزور مسلمان مکے میں ایسے ہیں جو ان ظالموں کی وجہ سے نہ اپنے ایمان کو ظاہر کر سکے ہیں نہ ہجرت کر کے تم میں مل سکے ہیں اور نہ تم انہیں جانتے ہو تو یوں دفعتہً اگر تمہیں اجازت دے دی جاتی اور تم اہل مکہ پر چھاپہ مارتے تو وہ سچے پکے مسلمان بھی تمہارے ہاتھوں شہید ہو جاتے اور بے علمی میں ہی تم مستحق گناہ اور دیت بن جاتے - پس ان کفار کی سزا کو اللہ نے کچھ اور پیچھے ہٹا دیا تاکہ ان کمزور مسلمانوں کو چھٹکارا مل جائے اور بھی جن کی قسمت میں ایمان ہے وہ ایمان لا چکیں - اگر یہ مومن ان میں نہ ہوتے' اگر یہ الگ الگ ہوتے تو یقیناً ہم تمہیں ان کفار پر ابھی اسی وقت غلبہ کر دیتے اور ان کی بھوسی اڑا دیتے - حضرت جنید بن سبیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں صبح کو میں کافروں کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ سے لڑ رہا تھا لیکن اسی شام کو اللہ تعالیٰ نے میرا دل پھیر دیا' میں مسلمان ہو گیا اور اب حضورؐ کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑ رہا تھا ہمارے ہی بارے میں یہ آیت لَوْ لَا رِجَالٌ نازل ہوئی ہے' ہم کل نو شخص تھے سات مرد دو عورتیں (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ ہم تین مرد تھے اور نو عورتیں تھیں - حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر یہ مومن ان کافروں میں ملے جلے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اسی وقت مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں کو سخت سزا دیتا' یہ قتل کر دیئے جاتے -

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ

جبکہ کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کی ہٹ اور حمیت کو پختہ کر لیا تو اللہ تعالٰی نے خاص اپنے پاس کی تسکین اور دل جمعی اپنے رسول اور ایمان والوں کو عطا فرمائی اور انہیں پرہیزگاری کی بات پر جما دیا، دراصل یہی لوگ اس کے پورے حقدار صحیح طور پر اس کے قابل تھے اللہ ہر چیز سے پورا پورا واقف ہے ○

(آیت ۲۶:) پھر فرماتا ہے جبکہ یہ کافر اپنے دلوں میں غیرت وحمیت جاہلیت کو جما چکے تھے صلح نامہ میں بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھنے سے انکار کر دیا، حضور کے نام کے ساتھ لفظ رسول اللہ لکھوانے پر انکار کیا پس اللہ تعالٰی نے اس وقت اپنے نبی اور مومنوں کے دل کھول دیئے، ان پر اپنی سکینت نازل فرما کر انہیں مضبوط کر دیا اور تقوے کے کلمے پر انہیں جما دیا یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر۔ جیسے ابن عباسؓ کا فرمان ہے اور جیسے کہ مسند احمد کی مرفوع حدیث موجود ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں جب تک کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہ کہہ لیں جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنے مال کو اور اپنی جان کو بچا لیا مگر بوجہ حق اسلام کے اور اس کا حساب اللہ تعالٰی کے ذمہ ہے، اللہ تعالٰی نے اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا۔ ایک قوم کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا اِنَّهُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ یعنی ''ان سے کہا جاتا تھا کہ بجز اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو یہ تکبر کرتے تھے'' اور اللہ تعالٰی جل شانہ نے یہاں مسلمانوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہی اس کے زیادہ حقدار اور یہی اس کے قابل بھی تھے، یہ کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ہے انہوں نے اس سے تکبر کیا اور مشرکین قریش نے اسی سے حدیبیہ والے دن تکبر کیا پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک مدت معینہ تک کے لئے صلح نامہ مکمل کر لیا، ابن جریر میں بھی یہ حدیث ان ہی زیادتیوں کے ساتھ مروی ہے لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پچھلے جملے راوی کے اپنے ہیں، یعنی حضرت زہری کا قول ہے جو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا حدیث میں ہی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد اخلاص ہے۔ عطاء فرماتے ہیں وہ کلمہ یہ ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ لَهُ الۡمُلۡكُ وَلَهُ الۡحَمۡدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡر حضرت مسور فرماتے ہیں اس سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس سے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكۡبَرُ مراد ہے۔ یہی قول حضرت ابن عمرؓ کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ کی وحدانیت کی شہادت ہے جو تمام تقوے کی جڑ ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔ حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کلمہ تقوی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ہے۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ مراد ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالٰی ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے، اسے معلوم ہے کہ مستحق خیر کون ہے اور مستحق شر کون ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قرات اس طرح ہے اِذۡ جَعَلَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِيۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الۡجَاهِلِيَّةِ وَلَوۡ حَمِيۡتُمۡ كَمَا حَمُوۡا لَفَسَدَ الۡمَسۡجِدُ الۡحَرَامُ یعنی'' کافروں نے جس وقت اپنے دل میں جاہلانہ ضد پیدا کر لی اگر اس وقت تم بھی ان کی طرح ضد پر آ جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مسجد حرام میں فساد برپا ہو جاتا'' جب حضرت عمرؓ کو آپ کی اس قرأت کی خبر پہنچی تو بہت تیز ہوئے لیکن حضرت ابی نے فرمایا یہ تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ میں حضور کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اور جو کچھ اللہ تعالٰی آپ کو سکھاتا تھا آپ اس میں سے مجھے بھی سکھاتے

تھے اس پر جناب عمر فاروقؓ نے فرمایا آپ ذی علم اور قرآن دان ہیں آپ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سکھایا ہے وہ پڑھئے اور سکھایئے (نسائی)

''ان احادیث کا بیان جن میں حدیبیہ کا قصہ اور صلح کا واقعہ ہے'' مسند احمد میں حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت مروان بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ زیارت بیت اللہ کے ارادے سے چلے' آپ کا ارادہ جنگ کا نہ تھا- ستر اونٹ قربانی کے آپ کے ساتھ تھے' کل ساتھی آپ کے سات سو تھے' ایک ایک اونٹ دس دس آدمیوں کی طرف سے تھا- آپ جب عسفان پہنچے تو بشر بن سفیان کعبیؓ نے آپ کو خبر دی کہ یا رسول اللہ! قریشیوں نے آپ کے آنے کی خبر پا کر مقابلہ کی تیاریاں کر لی ہیں' انہوں نے اونٹوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے ساتھ لے لئے ہیں اور چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں اور عہد و پیمان کر لئے ہیں کہ وہ آپ کو اس طرح جبراً مکہ میں نہیں آنے دیں گے- خالد بن ولید کو انہوں نے چھوٹا سا لشکر دے کر کراع غمیم تک پہنچا دیا' یہ سن کر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا افسوس قریشیوں کو لڑائیوں نے کھا لیا' کتنی اچھی بات تھی کہ وہ مجھے اور لوگوں کو چھوڑ دیتے اگر وہ مجھ پر غالب آ جاتے تو ان کا مقصود پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور لوگوں پر غالب کر دیتا تو پھر یہ لوگ بھی دین اسلام کو قبول کر لیتے اور اگر اس وقت بھی اس دین میں نہ آنا چاہتے تو مجھ سے لڑتے اور اس وقت ان کی طاقت بھی پوری ہوتی' قریشیوں نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ قسم اللہ کی اس دین پر میں ان سے جہاد کرتا رہوں گا اور ان سے مقابلہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ مجھے ان پر کھلم کھلا غلبہ عطا فرما دے یا میری گردن کٹ جائے پھر آپ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ دائیں طرف حمض کے پیچھے سے اس راستہ پہ چلیں جو ثنیۃ المرار کو جاتا ہے حدیبیہ مکہ کے نیچے کے حصے میں ہے- خالدؓ والے لشکر نے جب دیکھا کہ حضورؐ نے راستہ بدل دیا تو یہ دوڑے ہوئے قریشیوں کے پاس گئے اور انہیں اس کی خبر دی ادھر حضورؐ جب ثنیۃ المرار میں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگ کہنے لگے اونٹنی تھک گئی-

حضورؐ نے فرمایا نہ یہ تھکی نہ اس کی بیٹھ جانے کی عادت' اسے اس اللہ نے روک لیا ہے جس نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک لیا تھا- سنو قریش آج مجھ سے جو چیز مانگیں گے جس میں صلہ رحمی ہو' میں انہیں دوں گا پھر آپ نے لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ پڑاؤ کریں انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اس پوری وادی میں پانی نہیں آپ نے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر ایک صحابی کو دیا اور فرمایا اسے یہاں کے کسی کنویں میں گاڑ دو- اس کے گاڑتے ہی پانی جوش مارتا ہوا ابل پڑا' تمام لشکر نے پانی لے لیا اور وہ برابر بڑھتا چلا جا رہا تھا- جب پڑاؤ ہو گیا اور اطمینان سے بیٹھ گئے- اتنے میں بدیل بن ورقا اپنے ساتھ قبیلہ خزاعہ کے چند لوگوں کو لے کر آیا آپ نے اس سے بھی وہی فرمایا جو بشر بن سفیان سے فرمایا تھا چنانچہ یہ لوٹ گیا اور جا کر قریش سے کہا کہ تم لوگوں نے حضورؐ کے بارے میں بڑی عجلت کی' حضور تم سے لڑنے کو نہیں آئے آپ تو صرف بیت اللہ کی زیارت کرنے اور اس کی عزت کرنے کو آئے ہیں' تم اپنے فیصلے پر دوبارہ نظر ڈالو- دراصل قبیلہ خزاعہ کے مسلم و کافر رسول اللہ ﷺ کے طرفدار تھے' مکہ کی خبریں انہی لوگوں سے آپ کو پہنچا کرتی تھیں- قریشیوں نے انہیں جواب دیا کہ گو آپ اسی ارادے سے آئے ہوں لیکن یوں اچانک تو ہم انہیں یہاں آنے نہیں دیں گے ورنہ لوگوں میں تو یہی باتیں ہوں گی کہ آپ مکہ میں گئے اور کوئی آپ کو روک نہ سکا- انہوں نے پھر مکرز بن حفص کو بھیجا یہ بنو عامر بن لوئی کے قبیلے میں سے تھا- اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ عہد شکن شخص ہے اور اس سے بھی آپ نے وہی فرمایا جو اس سے پہلے آنے والے دونوں اور شخصوں سے فرمایا تھا- یہ بھی لوٹ گیا اور جا کر قریشیوں سے سارا واقعہ بیان کر دیا' قریشیوں نے پھر حلیس بن علقمہ کنانی کو بھیجا یہ ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کا سردار تھا اسے دیکھ کر حضور نے فرمایا یہ اس قوم سے ہے جو خدائی کاموں کی عظمت کرتی ہے' اپنی قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو- اس نے دیکھا کہ ہر طرف سے قربانی

کے نشان دار جانور آ جا رہے ہیں اور بوجہ رک جانے کے ان کے بال اڑے ہوئے ہیں' تو یہ تو وہیں سے بغیر حضورؐ کے پاس آئے لوٹ گیا اور جا کر قریش سے کہا کہ اللہ جانتا ہے تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں بیت اللہ سے روکو' اللہ کے نام کے جانور قربان گاہ سے رکے کھڑے ہیں یہ سخت ظلم ہے' اتنے دن رکے رہنے سے ان کے بال تک اڑ گئے ہیں- میں اپنی آنکھوں دیکھ کر آ رہا ہوں- قریش نے کہا تو تو نرا اعرابی ہے' خاموش ہو کر بیٹھ جا-

اب انہوں نے مشورہ کر کے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا' عروہ نے اپنے جانے سے پہلے کہا کہ اے قریشیو! جن جن کو تم نے وہاں بھیجا وہ جب واپس آئے تو ان سے تم نے کیا سلوک کیا' یہ میں دیکھ رہا ہوں تم نے انہیں برا کہا' ان کی بے عزتی کی' ان پر تہمت رکھی' ان سے بدگمانی کی' میری حالت تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں مثل باپ کے سمجھتا ہوں' تم خوب جانتے ہو کہ جب تم نے ہائے وائے کی میں نے اپنی تمام قوم کو اکٹھا کیا اور جس نے میری بات مانی میں نے اسے اپنے ساتھ لیا اور تمہاری مدد کے لئے اپنی جان' مال اور اپنی قوم کو لے کر آ پہنچا- سب نے کہا بیشک آپ سچے ہیں' ہمیں آپ سے کسی قسم کی بدگمانی نہیں' آپ جایئے- اب یہ چلا اور حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر آپ کے سامنے بیٹھ کر کہنے لگا کہ آپ نے ادھر ادھر کے کچھ لوگوں کو جمع کر لیا ہے اور آئے ہیں اپنی قوم کی شوکت و شان کو آپ ہی توڑنے کے لئے' سنئے یہ قریشی ہیں' آج یہ مصمم ارادہ کر چکے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ان کے ساتھ ہیں جو چیتوں کی کھالیں پہنے ہوئے ہیں' وہ اللہ کو بیچ میں رکھ کر عہد و پیمان کر چکے ہیں کہ ہرگز ہرگز آپ کو اس طرح اچانک زبردستی مکہ میں نہیں آنے دیں گے- اللہ کی قسم مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ یہ لوگ جو اس وقت بھیڑ لگائے آپ کے اردگرد کھڑے ہوئے ہیں یہ لڑائی کے وقت ڈھونڈے بھی نہ ملیں گے- یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ رہا گیا' آپ اس وقت حضور کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے کہا جا لات کی وہ چوستارہ ہم اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں؟ عروہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا ابوقحافہ کے بیٹے- تو کہنے لگا اگر مجھ پر تیرا احسان پہلے کا نہ ہوتا تو میں ضرور تجھے اس کا مزہ چکھاتا- اس کے بعد عروہ نے پھر کچھ کہنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی داڑھی میں ہاتھ ڈالا- اس کی اس بے ادبی کو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نہ سہار سکے' یہ حضور کے پاس ہی کھڑے ہوئے تھے لوہا ان کے ہاتھ میں تھا' وہی اس کے ہاتھ پر مار کر فرمایا اپنا ہاتھ دور رکھ' تو حضور کے جسم کو چھو نہیں سکتا- یہ کہنے لگا تو بڑا ہی بدزبان اور ٹیڑھا آدمی ہے حضورؐ نے اس پر تبسم فرمایا اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تیرا بھتیجا مغیرہ بن شعبہؓ ہے- تو کہنے لگا غدار تو تو کل تک طہارت بھی نہ جانتا تھا-

الغرض اسے بھی حضورؐ نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے والوں کو فرمایا تھا اور یقین دلا دیا کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے- یہ واپس چلا اور اس نے یہاں کا یہ نقشہ دیکھا تھا کہ اصحاب رسول کس طرح حضور کے پروانے بنے ہوئے ہیں- آپ کے وضو کے پانی وہ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں- آپ کے تھوک کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے وہ ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں- آپ کا کوئی بال گر پڑے تو ہر شخص لپکتا ہے کہ وہ اسے لے لے- جب یہ قریشیوں کے پاس پہنچا تو کہنے لگا اے قریش کی جماعت کے لوگو! میں کسریٰ کے ہاں اس کے دربار میں ہو آیا ہوں' اللہ کی قسم میں نے ان بادشاہوں کی بھی وہ عظمت اور وہ احترام نہیں دیکھا جو محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے- آپ کے اصحاب تو آپ کی وہ عزت کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ ناممکن ہے- اب تم سوچ سمجھ لو اور اس بات کو باور کر لو کہ اصحاب رسول ایسے نہیں کہ اپنے نبی کو تمہارے ہاتھوں میں دے دیں- اب آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور انہیں مکہ والوں کے پاس بھیجنا چاہا لیکن اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت خراش بن امیہ خزاعیؓ کو اپنے اونٹ پر جس کا نام ثعلب تھا سوار کرا کر مکے بھیجا تھا قریش نے اس اونٹ کی کوچیں کاٹ دی تھیں اور خود قاصد کو بھی قتل کر ڈالتے لیکن احابیش قوم نے انہیں بچا لیا (شاید اس بنا پر) حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا کہ یا

رسول اللہ! مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں کیونکہ وہاں میرے قبیلہ بنوعدی کا کوئی شخص نہیں جو مجھے ان قریشیوں سے بچانے کی کوشش کرے' اس لئے کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ آپ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجیں جو ان کی نگاہوں میں مجھ سے بہت زیادہ ذی عزت ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر انہیں مکہ میں بھیجا کہ جا کر قریش سے کہہ دیں کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ شریف کی زیارت اور اس کی عظمت بڑھانے کو آئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے شہر میں قدم رکھا ہی تھا جو ابان بن سعید بن عاص آپ کو مل گئے اور اپنی سواری سے اتر کر حضرت عثمان کو آگے بٹھایا اور خود پیچھے بیٹھا اور اپنی ذمہ داری پر آپ کو لے چلا کہ آپ پیغام رسول اہل مکہ کو پہنچا دیں۔ چنانچہ آپ وہاں گئے اور قریش کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ تو آ ہی گئے ہیں آپ اگر چاہیں تو بیت اللہ شریف کا طواف کر لیں لیکن ذوالنورین نے جواب دیا کہ جب تک حضورؐ طواف نہ کر لیں ناممکن ہے کہ میں طواف کروں۔ قریشیوں نے جناب عثمانؓ کو روک لیا اور انہیں واپس نہ جانے دیا۔ ادھر لشکر اسلام میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

زہری کی روایت میں ہے کہ پھر قریشیوں نے سہیل بن عمرو کو آپ کے پاس بھیجا کہ تم جا کر صلح کر لو لیکن یہ ضروری ہے کہ اس سال آپ مکہ میں نہیں آ سکتے تا کہ عرب ہمیں یہ طعنہ نہ دے سکیں کہ وہ آئے اور تم روک نہ سکے۔ چنانچہ سہیل یہ سفارت لے کر چلا' جب حضورؐ نے اسے دیکھا تو فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ قریشیوں کا ارادہ اب صلح کا ہو گیا جو اسے بھیجا ہے۔ اس نے حضورؐ سے باتیں شروع کیں اور دیر تک سوال جواب اور بات چیت ہوتی رہی۔ شرائط صلح طے ہو گئے' صرف لکھنا باقی رہا' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور فرمانے لگے کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں تو کہا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم دینی معاملات میں اتنی کمزوری دکھائیں۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا عمرؓ! اللہ کے رسول کی رکاب تھامے رہو' آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو مجھے بھی کامل یقین ہے کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں حضرت عمرؓ سے پھر بھی صبر نہ ہو سکا خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسی طرح کہا آپ نے جواب میں فرمایا سنو میں اللہ کا رسول ہوں' اور اس کا غلام ہوں' میں اس کے فرمان کا خلاف نہیں کر سکتا اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ضائع نہ کرے گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہنے کو تو اس وقت جوش میں میں حضورؐ سے یہ سب کچھ کہہ گیا لیکن پھر مجھے بڑی ندامت ہوئی' میں نے اس کے بدلے بہت روزے رکھے' بہت سی نمازیں پڑھیں اور بہت سے غلام آزاد کئے۔ اس سے ڈر کر کہ مجھے اس گستاخی کی کوئی سزا اللہ کی طرف سے نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صلح نامہ لکھنے کے لئے بلوایا اور فرمایا لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اس پر سہیل نے کہا میں اسے نہیں جانتا یوں لکھئے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ۔ آپ نے فرمایا اچھا یونہی لکھو پھر فرمایا لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ نے کیا۔ اس پر سہیل نے کہا اگر میں آپ کو رسول مانتا تو آپ سے لڑتا ہی کیوں؟ یوں لکھئے کہ یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبداللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو نے کیا' اس بات پر کہ دس سال تک ہم میں کوئی لڑائی نہ ہوگی' لوگ امن وامان سے رہیں گے' ایک دوسرے سے بچا ہوا رہے گا اور یہ کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے والی کی اجازت بغیر چلا جائے گا آپ اسے واپس لوٹا دیں گے اور جو صحابی رسول اللہ ﷺ قریشیوں کے پاس چلا جائے گا وہ اسے نہیں لوٹائیں گے' ہم میں آپ میں لڑائیاں بند رہیں گی' صلح قائم رہے گی' کوئی طوق وزنجیر قید و بند بھی نہ ہوگی۔ اسی میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص محمد ﷺ کی جماعت اور آپ کے عہد و پیمان میں آنا چاہے وہ آ سکتا ہے اور جو شخص قریش کے عہد و پیمان میں آنا چاہے وہ بھی آ سکتا ہے۔ اس پر بنوخزاعہ جلدی سے بول اٹھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں آئے ہیں اور بنوبکر نے کہا کہ ہم قریشیوں کے ساتھ ان کے ذمہ میں ہیں۔ صلح نامہ میں یہ بھی تھا کہ اس

سال آپ واپس لوٹ جائیں، مکہ میں نہ آئیں اگلے سال آئیں اس وقت ہم باہر نکل جائیں گے اور آپ اپنے اصحاب سمیت آئیں، تین دن مکہ میں ٹھہریں ہتھیار اتنے ہی ہوں جتنے ایک سوار کے پاس ہوتے ہیں، تلوار میان میں ہوں۔ ابھی صلح نامہ لکھا جا رہا تھا جو سہیل کے لڑکے حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوہے کی بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے گرتے پڑتے مکہ سے چھپے لکے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ سے نکلتے ہوئے ہی فتح کا یقین کئے ہوئے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ خواب میں دیکھ چکے تھے، اس لئے انہیں فتح ہونے میں ذرا سا بھی شک نہ تھا۔ یہاں آ کر انہوں نے جو یہ رنگ دیکھا کہ صلح ہو رہی ہے اور بغیر طواف کے، بغیر زیارت بیت اللہ کے یہیں سے واپس ہونا پڑے گا بلکہ رسول اللہ ﷺ اپنے نفس پر مشقت اٹھا کر صلح کر رہے ہیں تو اس سے وہ بہت ہی پریشاں خاطر تھے بلکہ قریب تھا کہ ہلاک ہو جائیں۔ یہ سب کچھ تو تھا ہی مزید برآں جب حضرت ابو جندلؓ جو مسلمان تھے اور جنہیں مشرکین نے قید کر رکھا تھا اور جن پر طرح طرح کے مظالم توڑ رہے تھے یہ سن کر کہ حضورؐ آئے ہوئے ہیں، کسی نہ کسی طرح موقع پا کر بھاگ آتے ہیں اور طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے حاضر حضور ہوتے ہیں تو سہیل اٹھ کر انہیں طمانچے مارنے شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے اے محمد (ﷺ)! میرے آپ کے درمیان تصفیہ ہو چکا ہے یہ اس کے بعد آیا ہے، لہٰذا اس شرط کے مطابق میں اسے واپس لے جاؤں گا۔ آپ جواب دیتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے۔ سہیل کھڑا ہوتا ہے اور حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر گھسیٹتا ہوا انہیں لے کر چلتا ہے۔ حضرت ابو جندل بلند آواز سے کہتے ہیں اے مسلمانو! مجھے مشرکوں کی طرف لوٹا رہے ہو؟ ہائے یہ میرا دین مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں۔ اس واقعہ نے صحابہ کو اور برافروختہ کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ابو جندل صبر کر اور نیک نیت رہ اور طلب ثواب میں رہ، نہ صرف تیرے لئے ہی بلکہ تجھ جیسے جتنے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ راستہ نکالنے والا ہے اور تم سب کو اس درد و غم، رنج و الم، ظلم و ستم سے چھڑوانے والا ہے، ہم چونکہ صلح کر چکے ہیں، شرطیں طے ہو چکی ہیں، اس بنا پر ہم نے انہیں سردست واپس کر دیا ہے۔ ہم غدر کرنا، شرائط کے خلاف کرنا، عہد شکنی کرنا نہیں چاہتے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ساتھ ان کے پہلو بہ پہلو جانے لگے اور کہتے جاتے تھے کہ ابو جندل صبر کرو، ان میں رکھا ہی کیا ہے؟ یہ مشرک لوگ ہیں ان کا خون مثل کتے کے خون کے ہے۔ حضرت عمرؓ ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کا دستہ حضرت ابو جندلؓ کی طرف کرتے جا رہے تھے کہ وہ تلوار کھینچ لیں اور ایک ہی وار میں باپ کے آر پار کر دیں لیکن حضرت ابو جندلؓ کا ہاتھ باپ پر نہ اٹھا۔ صلح نامہ مکمل ہو گیا، فیصلہ پورا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ احرام میں نماز پڑھتے تھے اور حلال مضطرب تھے پھر حضورؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ اٹھو اپنی اپنی قربانیاں کر لو اور سر منڈوا لو۔ لیکن ایک بھی کھڑا نہ ہوا، تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ آپ لوٹ کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمانے لگے لوگوں کو یہ کیا ہو گیا؟ مائی صاحبہ نے جواب دیا یا رسول اللہ! اس وقت جس قدر صدمے میں یہ ہیں آپ کو بخوبی معلوم ہے، آپ ان سے کچھ نہ کہئے، سیدھے اپنی قربانی کے جانور کے پاس جائیے اور اسے جہاں وہ ہو وہیں قربان کر دیجئے اور خود سر منڈوا لیجئے، پھر تو ناممکن ہے کہ اور لوگ بھی یہی نہ کریں۔ آپ نے یہی کیا۔ اب کیا تھا ہر ہر شخص اٹھ کھڑا ہوا، قربانی کو قربان کیا اور سر منڈوا لیا۔ اب آپ یہاں سے واپس چلے، آدھا راستہ طے کیا ہو گا جو سورۃ الفتح نازل ہوئی۔

یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے اس میں ہے کہ آپ کے سامنے ایک ہزار کئی سو صحابہ تھے، ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے قربانی کے اونٹوں کو نشان دار کیا اور عمرے کا احرام باندھا اور اپنے ایک جاسوس کو جو قبیلہ خزانہ میں سے تھا، تجسس کے لئے روانہ کیا غدیر اشطاط میں

آ کر اس نے خبر دی کہ قریش نے پورا مجمع تیار کر لیا ہے' ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کو بھی انہوں نے جمع کر لیا ہے اور ان کا ارادہ لڑائی کا اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا ہے۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا اب بتلاؤ کیا ہم ان کے اہل وعیال پر حملہ کر دیں' اگر وہ ہمارے پاس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گردن کاٹ دی ہوگی' ورنہ ہم انہیں غمگین چھوڑ کر جائیں گے۔ اگر وہ بیٹھ رہیں گے تو اس غم و رنج میں رہیں گے اور اگر انہوں نے نجات پالی تو یہ گردنیں ہوں گی جو اللہ عزوجل نے کاٹ دی ہوں گی' دیکھو تو بھلا کتنا ظلم ہے کہ ہم نہ کسی سے لڑنے کو آئے نہ کسی اور ارادے سے آئے' صرف اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں اور وہ ہمیں روک رہے ہیں' بتلاؤ ان سے ہم کیوں نہ لڑیں؟ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ! آپ بیت اللہ کی زیارت کو نکلے ہیں' آپ چلے چلئے' ہمارا ارادہ جدال و قتال کا نہیں لیکن جو ہمیں اللہ کے گھر سے روکے گا ہم اس سے ضرور لڑیں گے خواہ کوئی ہو' آپ نے فرمایا بس اب اللہ کا نام لو اور چل کھڑے ہو۔ کچھ اور آگے چل کر حضورؐ نے فرمایا خالد بن ولید طلایہ کا لشکر لے کر آ رہا ہے پس تم دائیں طرف کو ہو لو۔ خالد کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور حضورؐ مع صحابہ کے ان کے کلے پر پہنچ گئے۔ اب خالد دوڑا ہوا قریشیوں میں پہنچا اور انہیں اس سے مطلع کیا۔ اونٹنی کا نام اس روایت میں قصویٰ بیان ہوا ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے جب یہ فرمایا کہ جو کچھ وہ مجھ سے طلب کریں گے' میں دوں گا بشرطیکہ حرمت الٰہی کی اہانت نہ ہو پھر جو آپ نے اونٹنی کو للکارا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

بدیل بن ورقاء خزاعی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے جا کر قریشیوں کو جب جواب پہنچاتا ہے تو عروہ بن مسعود ثقفی کھڑے ہو کر اپنا تعارف کرا کر جو پہلے بیان ہو چکا' یہ بھی کہتا ہے کہ دیکھو اس شخص نے نہایت معقول اور واجبی بات کہی ہے اسے قبول کر لو اور جب یہ خود حاضر حضور ہو کر آپ کا یہی جواب آپ کے منہ سے سنتا ہے تو آپ سے کہتا ہے کہ سنئے جناب دو ہی باتیں ہیں یا آپ غالب وہ مغلوب یا وہ غالب آپ مغلوب' اگر پہلی بات ہی ہوئی تو بھی کیا ہوا آپ ہی کی قوم ہے' آپ نے کسی کو ایسا سنا بھی ہے کہ جس نے اپنی قوم کا ستیاناس کیا ہو؟ اور اگر دوسری بات ہو گی تو یہ جتنے آپ کے پاس ہیں میں تو دیکھتا ہوں کہ سارے ہی آپ کو چھوڑ چھاڑ دوڑ جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے وہ جواب دیا جو پہلے گذر چکا۔ حضرت مغیرہؓ والے بیان میں یہ بھی ہے کہ ان کے ہاتھ میں تلوار تھی اور سر پر خود تھا' ان کے مارنے پر عروہ نے کہا غدار میں نے تو تیری غداری میں تیرا ساتھ دیا تھا' بات یہ ہے کہ پہلے یہ جاہلیت کے زمانہ میں کافروں کے ایک گروہ کے ساتھ تھے' موقع پا کر انہیں قتل کر ڈالا اور ان کا مال لے کر حاضر حضورؐ ہوئے آپ نے فرمایا تمہارا اسلام تو میں منظور کرتا ہوں لیکن اس مال سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ عروہ نے یہاں یہ منظر بھی بچشم خود دیکھا کہ آپ تھوکتے ہیں تو کوئی نہ کوئی صحابی لپک کر اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے اور اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے' آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوتے ہی فرمانبرداری کے لئے ایک سے ایک آگے بڑھتا ہے۔ جب آپ وضو کرتے ہیں تو آپ کے اعضاء بدن سے گرے ہوئے پانی پر تو قریب ہوتا ہے کہ صحابہ لڑ پڑیں۔ جب آپ بات کرتے ہیں تو بالکل سناٹا ہو جاتا ہے' مجال نہیں جو کہیں سے چوں کی آواز بھی سنائی دے۔ حد تعظیم یہ ہے کہ صحابہ آنکھ بھر کر آپ کے چہرہ منور کی طرف تکتے ہی نہیں بلکہ نیچی نگاہوں سے ہر وقت باادب رہتے ہیں۔ اس نے پھر واپس آن کر یہی حال قریشیوں کو سنایا اور کہا کہ حضورؐ جو انصاف عدل کی بات پیش کر رہے ہیں اسے مان لو۔

بنو کنانہ کے جس شخص کو اس کے بعد قریش نے بھیجا' اسے دیکھ کر حضور اکرمؐ نے فرمایا یہ لوگ قربانی کے جانوروں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اس لئے قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو اور اس کی طرف ہانک دو۔ اس نے جو یہ منظر دیکھا' ادھر صحابہ کی زبانی لبیک کی صدائیں سنیں تو کہہ اٹھا کہ ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا نہایت لغو حرکت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مکرز کو دیکھ کر آپ نے فرمایا یہ ایک تاجر شخص ہے' ابھی یہ

بیٹھا باتیں کر ہی رہا تھا جو سہیل آ گیا' اسے دیکھ کر حضورؐ نے اپنے صحابہ سے فرمایا لو اب کام سہل ہو گیا۔ اس نے جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے پر اعتراض کیا تو مسلمانوں نے کہا قسم اللہ کی یہی لکھا جائے گا لیکن آپ نے سہیل کی بات مان لی۔ جب لفظ رسول اللہ پر اس نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا واللہ! میں رسول اللہ ہی ہوں گو تم نہ مانو۔ یہ اس بنا پر کہ جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی تو آپ نے کہہ دیا تھا کہ یہ حرمات خداوندی کی عزت رکھتے ہوئے مجھ سے جو کہیں گے میں منظور کر لوں گا۔ آپ نے صلح نامہ لکھواتے ہوئے فرمایا کہ امسال ہمیں یہ بیت اللہ کی زیارت کر لینے دیں گے لیکن سہیل نے کہا یہ ہمیں منظور نہیں ورنہ لوگ کہیں گے کہ ہم دب گئے اور کچھ نہ کر سکے۔ جب یہ شرط ہو رہی تھی کہ جو کافران میں سے مسلمان ہو کر حضورؐ کے پاس چلا جائے آپ اسے واپس دے دیں گے' اس پر مسلمانوں نے کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو کر آئے اور ہم اسے کافروں کو سونپ دیں؟ یہ باتیں ہو رہی تھیں جو حضرت ابوجندلؓ اپنی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آ گئے' سہیل نے کہا اسے واپس کیجئے' آپ نے فرمایا ابھی تک صلح نامہ مکمل نہیں ہوا' میں اسے کیسے واپس کر دوں؟ اس نے کہا پھر تو اللہ کی قسم میں کسی طرح اور کسی شرط پر صلح کرنے میں رضامند نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا تم خود مجھے خاص اس کی بابت اجازت دے دو۔ اس نے کہا میں اس کی اجازت بھی آپ کو نہیں دوں گا۔ آپ نے دوبارہ فرمایا لیکن اس نے پھر بھی انکار کر دیا مگر مکرز نے کہا ہاں ہم آپ کو اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اس وقت حضرت ابوجندلؓ نے مسلمانوں سے فریاد کی' ان بیچاروں کو مشرکین بڑی سخت سنگین سزائیں کر رہے تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ حاضر حضورؐ ہوئے اور وہ کہا جو پہلے گذر چکا۔ پھر پوچھا کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے اور اس کا طواف بھی کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ تو میں نے کہا ہے لیکن یہ تو نہیں کہا کہ یہ اسی سال ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں یہ تو آپ نے نہیں فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا بس تو تم وہاں جاؤ گے ضرور اور بیت اللہ کا طواف کرو گے ضرور۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہی کہا جس کا بیان اوپر گذرا۔ اس میں اتنا اور ہے کہ کیا حضورؐ اللہ کے رسول نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ہاں' پھر میں نے حضورؐ کی پیشین گوئی کا اسی طرح ذکر کیا اور وہی جواب مجھے ملا جو ذکر ہوا۔ جو جواب خود رسول کریم ﷺ نے دیا تھا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اپنے اونٹ کو نحر کیا اور نائی کو بلوا کر سر منڈوا لیا پھر تو سب صحابہ ایک ساتھ کھڑے ہو گئے اور قربانیوں سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کا سر خود مونڈنے لگے اور مارے غم کے اور اژدہام کے قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں۔ اس کے بعد ایمان والی عورتیں حضورؐ کے پاس آئیں جن کے بارے میں آیت یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ الخ نازل ہوئی اور حضرت عمرؓ نے اس حکم کے ماتحت اپنی دو مشرکہ بیویوں کو اسی دن طلاق دے دی' جن میں سے ایک نے معاویہ بن ابوسفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ سے نکاح کر لیا۔ آنحضرت ﷺ یہیں سے واپس لوٹ کر مدینہ شریف آ گئے۔ ابوبصیر نامی ایک قریشی جو مسلمان تھے موقع پا کر مکہ سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ شریف پہنچے' ان کے پیچھے ہی دو کافر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عہد نامہ کی بنا پر اس شخص کو آپ واپس کیجئے' ہم قریشیوں کے بھیجے ہوئے قاصد ہیں اور ابوبصیرؓ کو واپس لینے کے لئے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھی بات ہے میں اسے واپس کر دیتا ہوں۔

چنانچہ آپ نے حضرت ابوبصیرؓ کو انہیں سونپ دیا۔ یہ انہیں لے کر چلے' جب ذوالحلیفہ پہنچے اور بے فکری سے وہاں کھجوریں کھانے لگے تو حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا واللہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی تلوار نہایت ہی عمدہ ہے' اس نے کہا ہاں بیشک بہت ہی اچھے لوہے کی ہے' میں نے بارہا اس کا تجربہ کر لیا ہے' اس کی کاٹ کا کیا پوچھنا ہے؟ یوں کہتے ہوئے اس نے تلوار میان سے نکال لی' حضرت ابوبصیرؓ نے ہاتھ بڑھا کر کہا ذرا مجھے دکھانا' اس نے دے دی۔ آپ نے ہاتھ میں لیتے ہی تول کر ایک ہی ہاتھ میں اس ایک

کافر کا تو کام تمام کیا دوسرا اس رنگ کو دیکھتے ہی مٹھیاں بند کر کے ایسا سرپٹ بھاگا کہ سیدھا مدینہ پہنچ کر دم لیا' اسے دیکھتے ہی حضورؐ نے فرمایا یہ بڑی گھبراہٹ میں ہے' کوئی خوفناک منظر دیکھ چکا ہے۔ اتنے میں یہ قریب پہنچ گیا اور دہائیاں دینے لگا کہ رسول اللہ میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور میں بھی اب تھوڑے دم کا ہی مہمان ہوں دیکھئے وہ آیا' اتنے میں حضرت ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمہ کو پورا کر دیا' آپ نے اپنے وعدے کے مطابق مجھے ان کے حوالے کر دیا' اب یہ اللہ تعالیٰ کی کریمی ہے کہ اس نے مجھے ان سے رہائی دلوائی۔

آپ نے فرمایا افسوس یہ کیسا شخص ہے' یہ تو لڑائی کی آگ کو بھڑکانے والا ہے' کاش کہ کوئی اسے سمجھا دیتا؟ یہ سنتے ہی حضرت ابو بصیرؓ چونک گئے کہ معلوم ہوتا ہے آپ شاید مجھے دوبارہ مشرکین کے حوالے کر دیں گے۔ یہ سوچتے ہی حضورؐ کے پاس سے چلے گئے' مدینہ کو الوداع کہا اور لمبے قدموں سمندر کے کنارے کی طرف چل دیئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ یہ واقعہ مشہور ہو گیا ادھر سے ابوجندل بن سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں حدیبیہ میں اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے واپس کیا تھا وہ بھی موقع پا کر مکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور براہ راست حضرت ابوبصیرؓ کے پاس چلے۔ اب یہ ہوا کہ مشرکین قریش میں سے جو بھی ایمان قبول کرتا سیدھا حضرت ابوبصیرؓ کے پاس آ جاتا اور یہیں رہتا سہتا' یہاں تک کہ ایک خاص معقول جماعت ایسے ہی لوگوں کی یہاں جمع ہو گئی اور انہوں نے یہ کرنا شروع کیا کہ قریشیوں کا جو قافلہ شام کی طرف جانے کے لئے نکلتا یہ اس سے جنگ کرتے جس میں قریشی کفار قتل بھی ہوئے اور ان کے مال بھی ان مہاجر مسلمانوں کے ہاتھ لگے' یہاں تک کہ قریش تنگ آ گئے بالآخر انہوں نے پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں آدمی بھیجا کہ حضورؐ خدارا ہم پر رحم فرما کر ان لوگوں کو وہاں سے اپنے پاس بلوا لیجئے' ہم ان سب سے دستبردار ہوتے ہیں' ان میں سے جو بھی آپ کے پاس آ جائے' وہ امن میں ہے' ہم آپ کو اپنی رشتہ داریاں یاد دلاتے ہیں اور خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ انہیں اپنے پاس بلوا لو۔ چنانچہ حضورؐ نے اس درخواست کو منظور فرما لیا اور ان حضرات کے پاس آدمی بھیج کر سب کو بلوا لیا اور اللہ عزوجل نے آیت وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ الخ' نازل فرمائی۔ ان کفار کی حمیت جاہلیت یہ تھی کہ انہوں نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہ لکھنے دی آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ نہ لکھنے دیا' آپ کو بیت اللہ شریف کی زیارت نہ کرنے دی۔

صحیح بخاری شریف کی کتاب التفسیر میں ہے حبیب بن ابوثابت کہتے ہیں' میں ابووائل کے پاس گیا تاکہ ان سے پوچھوں' انہوں نے کہا ہم صفین میں تھے ایک شخص نے کہا کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا کہ وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں پس حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں' پس سہیل بن حنیف نے کہا اپنی جانوں پر تہمت رکھو' ہم نے اپنے تئیں حدیبیہ والے دن دیکھا یعنی اس صلح کے موقع پر جو نبی ﷺ اور مشرکین کے درمیان ہوئی تھی اگر ہماری رائے لڑنے کی ہوتی تو ہم یقیناً لڑتے۔ حضرت عمرؓ نے آ کر کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ کیا ہمارے مقتول جنتی اور ان کے مقتول جہنمی نہیں؟ حضور نے فرمایا ہاں' کہا پھر ہم کیوں اپنے دین میں جھک جائیں اور لوٹ جائیں؟ حالانکہ اب تک خدائے تعالیٰ نے ہم میں ان میں کوئی فیصلہ کن کارروائی نہیں کی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں وہ مجھے کبھی بھی ضائع نہ کرے گا۔ یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ لوٹ آئے لیکن بہت غصے میں تھے۔ وہاں سے حضرت صدیقؓ کے پاس آئے اور یہی سوال و جواب یہاں بھی ہوئے اور سورۂ فتح نازل ہوئی۔ بعض روایات میں حضرت سہیل بن حنیف کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں نے اپنے تئیں ابوجندلؓ والے دن دیکھا کہ اگر مجھ میں رسول

اللہ ﷺ کے حکم کو لوٹانے کی قدرت ہوتی تو میں یقیناً لوٹا دیتا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب سورۂ فتح اتری تو حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر یہ سورت انہیں سنائی۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ جس وقت یہ شرط طے ہوئی کہ ان کا آدمی انہیں واپس کیا جائے اور ہمارا آدمی وہ واپس نہ کریں تو حضورؐ سے کہا گیا کہ کیا ہم یہ بھی مان لیں؟ اور لکھ دیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اس لئے کہ ہم میں سے جو ان میں جائے اللہ اسے ہم سے دور ہی رکھے (مسلم) مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب خارجی نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے علیحدگی اختیار کی تو میں نے ان سے کہا رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے دن جب مشرکین سے صلح کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی! لکھ یہ وہ شرائط صلح ہیں جن پر اللہ کے رسول محمد (ﷺ) نے صلح کی تو مشرکین نے کہا اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو آپ سے ہرگز نہ لڑتے تو آپ نے فرمایا اے علی! اسے مٹا دو خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں تیرا رسول ہوں علی اسے کاٹ دو اور لکھو یہ ہے جس پر صلح کی محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے۔ اللہ کی قسم رسول اللہ حضرت علیؓ سے بہت بہتر تھے پھر بھی آپ نے اس لکھے ہوئے کو کٹوایا اس سے کچھ آپ نبوت سے نہیں نکل گئے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے دن ستر اونٹ قربان کئے جن میں ایک اونٹ ابوجہل کا بھی تھا جب یہ اونٹ بیت اللہ سے روک دیئے گئے تو اس طرح نالہ و بکا کرتے تھے جیسے کسی سے اس کا دودھ پیتا بچہ الگ ہو گیا ہو۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا ﴿۲۸﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے مطابق واقعہ خواب سچا کر دکھایا کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں جاؤ گے سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے چین کے ساتھ نڈر ہو کر وہ ان امور کو جانتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے پس اس نے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمہیں میسر کی O وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے ہر دین سے اوپر رکھے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے اظہار حق کرنے والا O

رسول اللہ ﷺ کا خواب: ☆☆ (آیت: ۲۷-۲۸) رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں گئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ آپؐ نے اس کا ذکر اپنے اصحابؓ سے مدینہ شریف میں ہی کر دیا تھا۔ حدیبیہ والے سال جب آپ عمرے کے ارادے سے چلے تو اس خواب کی بنا پر صحابہ کو یقین کامل تھا کہ اس سفر میں ہی ہم کامیابی کے ساتھ اس خواب کا ظہور دیکھ لیں گے۔ وہاں جا کر جو رنگت بدلی ہوئی دیکھی یہاں تک کہ صلح نامہ لکھ کر بغیر زیارت بیت اللہ واپس ہونا پڑا تو ان صحابہ پر نہایت شاق گذرا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے تو خود حضورؐ سے یہ کہا بھی کہ آپ نے تو ہم سے فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف سے مشرف ہوں گے آپ نے فرمایا یہ صحیح ہے لیکن یہ تو میں نے نہیں کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہو گا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں یہ تو نہیں فرمایا تھا آپ نے

فرمایا پھر جلدی کیا ہے؟ تم بیت اللہ میں جاؤ گے ضرور اور طواف بھی یقیناً کرو گے- پھر حضرت صدیقؓ سے بھی کہا اور ٹھیک یہی جواب پایا- اس آیت میں جو ان شاء اللہ ہے یہ استثناء کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور تاکید کے لئے ہے- اس مبارک خواب کی تاویل کو صحابہؓ نے دیکھ لیا اور پورے امن واطمینان کے ساتھ مکہ میں گئے اور وہاں جا کر احرام کھولتے ہوئے بعض نے اپنا سر منڈوایا اور بعض نے بال کتروائے-

صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے' لوگوں نے کہا حضرت اور کتروانے والوں پر بھی' آپ نے دوبارہ بھی یہی فرمایا' پھر لوگوں نے وہی کہا آخر تیسری یا چوتھی دفعہ میں آپ نے کتروانے والوں کے لئے بھی رحم کی دعا کی- پھر فرمایا بے خوف ہو کر یعنی مکہ میں جاتے وقت بھی امن وامان سے ہو گے اور مکہ کا قیام بھی بے خوفی کا ہوگا- چنانچہ عمرہ قضا میں ہوا' یہ عمرہ ذی قعدہ سنہ ۷ ہجری میں ہوا تھا- حدیبیہ سے آپ ذی قعدہ کے مہینے میں لوٹے' ذی الحجہ اور محرم تو مدینہ شریف میں قیام رہا- صفر میں خیبر کی طرف گئے' اس کا کچھ حصہ تو از روئے جنگ فتح ہوا اور کچھ حصہ از روئے صلح مسخر ہوا- یہ بہت بڑا علاقہ تھا' اس میں کھجوروں کے باغات اور کھیتیاں بکثرت تھیں یہیں کے یہودیوں کو آپ نے بطور خادم یہاں رکھ کر ان سے یہ معاملہ طے کیا کہ وہ باغوں اور کھیتیوں کی حفاظت اور خدمت کریں اور پیداوار کا نصف حصہ دے دیا کریں- خیبر کی تقسیم رسول اللہ ﷺ نے صرف ان ہی صحابہؓ میں کی جو حدیبیہ میں موجود تھے' ان کے سوا کسی اور کو اس جنگ میں آپ نے حصہ دار نہیں بنایا بجز ان لوگوں کے جو حبشے کی ہجرت سے واپس آئے تھے- جو حضرات حضورؐ کے ساتھ تھے وہ سب اس فتح خیبر میں بھی ساتھ تھے بجز حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ کے سوا جیسے کہ اس کا پورا بیان اپنی جگہ ہے- یہاں سے آپ سالم وغانم واپس تشریف لائے اور ماہ ذوالقعدہ سنہ ۷ ہجری میں مکہ کی طرف بارادہ عمرہ اہل حدیبیہ کو ساتھ لے کر آپ روانہ ہوئے- ذوالحلیفہ سے احرام باندھا' قربانی کے لئے ساٹھ اونٹ ساتھ لئے اور لبیک پکارتے ہوئے ظہران کے قریب پہنچ کر حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ گھوڑے سواروں کے ساتھ ہتھیار بند آگے آگے روانہ کیا' اس سے مشرکین کے اوسان خطا ہو گئے اور مارے رعب کے ان کے کلیجے اچھلنے لگے- انہیں خیال گذرا کہ یہ تو پوری تیاری اور کامل ساز وسامان کے ساتھ آئے ہیں تو ضرور لڑائی کے ارادے سے ہی آئے ہیں- انہوں نے شرط توڑ دی کہ دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہو گی' چنانچہ یہ لوگ دوڑے ہوئے مکہ میں گئے اور اہل مکہ کو اس کی اطلاع دی-

حضور جب مرالظہر ان میں پہنچے جہاں سے کعبہ کے بت دکھائی دیتے تھے تو آپ نے تمام نیزے بھالے تیر کمان بطن یاجج میں بھیج دیئے- مطابق شرط صرف تلواریں پاس رکھ لیں اور وہ بھی میان میں تھیں' ابھی آپ راستے میں ہی تھے جو قریش کا بھیجا ہوا آدمی مکرز بن حفص آیا اور کہنے لگا حضور آپ کی عادت تو توڑنے کی نہیں' حضورؐ نے پوچھا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ تیر اور نیزے لے کر آ رہے ہیں- آپ نے فرمایا نہیں تو' ہم نے وہ سب بطن یاجج بھیج دیئے- اس نے کہا یہی ہمیں آپ کی ذات سے امید تھی آپ ہمیشہ سے بھلائی' نیکی اور وفاداری ہی کرنے والے ہیں- سرداران کفار تو بوجہ غیظ وغضب اور رنج وغم کے شہر سے باہر چلے گئے کیونکہ وہ تو آپ کو اور آپؐ کے اصحابؓ کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے اور لوگ جو مکہ میں رہ گئے تھے وہ سب مرد عورت بچے تمام راستوں پر اور کوٹھوں پر اور چھتوں پر کھڑے ہو گئے اور ایک استعجاب کی نظر سے اس مخلص گروہ کو' اس پاک لشکر کو' اس خدائی فوج کو دیکھ رہے تھے- آپ نے قربانی کے جانور ذی طویٰ میں بھیج دیئے تھے' خود آپؐ اپنی مشہور ومعروف اونٹنی قصواء پر سوار تھے' آگے آگے آپ کے اصحاب تھے جو برابر لبیک پکار رہے تھے- حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

باسم الذی لا دین الا دینه　　بسم الذی محمد رسوله
خلوا بنی الکفار عن سبیله　　الیوم نضربکم علی تاویله
کماضربنا کم علی تنزیله　　ضربا یزیل الهام عن مقیله
ویذهل الخلیل عن خلیله　　قد انزل الرحمن فی تنزیله
فی صحف تتلی علی رسوله　　بان خیر القتل فی سبیله
یا رب انی مومن بقیله

یعنی اس اللہ کے نام سے جس کے دین کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں۔ اس اللہ کے نام سے جس کے رسول حضرت محمد ہیں (ﷺ)۔ اے کافروں کے بچو! حضورؐ کے راستے سے ہٹ جاؤ' آج ہم تمہیں آپ کے لوٹنے پر بھی ویسا ہی ماریں گے جیسا آپ کے آنے پر مارا تھا' وہ مار جو دماغ کو اس کے ٹھکانے سے ہٹا دے اور دوست کو دوست سے بھلا دے۔ اللہ تعالیٰ رحم والے نے اپنی وحی میں نازل فرمایا ہے' جو ان صحیفوں میں محفوظ ہے جو اس کے رسول کے سامنے تلاوت کئے جاتے ہیں کہ سب سے بہتر موت شہادت کی موت ہے جو اس کی راہ میں ہو۔ اے میرے پروردگار! میں اس بات پر ایمان لا چکا ہوں۔ بعض روایتوں میں الفاظ میں کچھ ہیر پھیر بھی ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ اس عمرے کے سفر میں جب حضور مرالظہر ان میں پہنچے تو صحابہ نے سنا کہ اہل مکہ کہتے ہیں یہ لوگ بوجہ لاغری اور کمزوری کے اٹھ بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ یہ سن کر صحابہؓ حضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی سواریوں کے چند جانور ذبح کر لیں' ان کا گوشت کھائیں اور شوربا پئیں اور تازہ دم ہو کر مکہ میں جائیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو تمہارے پاس جو کھانا ہو اسے جمع کرو چنانچہ جمع کیا' دسترخوان بچھایا اور کھانے بیٹھے' تو حضور کی دعا کی وجہ سے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھا پی لیا اور توشے دان بھر لئے۔ آپؐ مکہ شریف آئے' سیدھے بیت اللہ گئے' قریش حطیم کی طرف بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے چادر کے پلے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لئے اور اصحاب سے فرمایا یہ لوگ تم میں سستی اور لاغری محسوس نہ کریں' اب آپ نے رکن کو بوسہ دے کر دوڑنے کی سی چال سے طواف شروع کیا جب رکن یمانی کے پاس پہنچے جہاں قریش کی نظریں نہیں پڑتی تھیں تو وہاں سے آہستہ آہستہ چل کر حجر اسود تک پہنچے' قریش کہنے لگے تم لوگ تو ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھر رہے ہو' گویا چلنا تمہیں پسند ہی نہیں۔ تین مرتبہ تو آپ اسی طرح ہلکی دوڑ کی سی چال حجر اسود سے رکن یمانی تک چلتے رہے' تین پھیرے اسی طرح کئے' چنانچہ یہی مسنون طریقہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں بھی اسی طرح طواف کے تین پھیروں میں رمل کیا یعنی دلکی چال چلے۔

بخاری مسلم میں ہے کہ اصحاب رسول کو مدینے کی آب و ہوا شروع میں کچھ ناموافق پڑی تھی اور بخار کی وجہ سے یہ کچھ لاغر ہو گئے تھے' جب آپ مکہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے کہا یہ لوگ جو آ رہے ہیں انہیں مدینے کے بخار نے کمزور اور سست کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس کلام کی خبر اپنے رسول ﷺ کو کر دی۔ مشرکین حطیم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے اپنے اصحابؓ کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود سے لے کر رکن یمانی سے حجر اسود تک جہاں جانے کے بعد مشرکین کی نگاہیں نہیں پڑتی تھیں وہاں ہلکی چال چلیں' پورے ساتوں پھیروں میں رمل کرنے کو نہ کہنا یہ صرف بطور رحم کے تھا۔ مشرکوں نے جب دیکھا کہ یہ تو سب کے سب کود کود کر پھرتی اور چستی سے طواف کر رہے ہیں تو آپس میں کہنے لگے کیوں جی انہی کی نسبت اڑا رکھا تھا کہ مدینے کے بخار نے انہیں سست و لاغر کر دیا ہے؟ یہ لوگ تو فلاں اور فلاں سے بھی

زیادہ چست و چالاک ہیں- ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ذوالقعدہ کی چوتھی تاریخ کو مکہ شریف پہنچ گئے تھے- ایک اور روایت میں ہے کہ مشرکین اس وقت قعیقعان کی طرف تھے' حضورؐ کا صفا مروہ کی طرف سعی کرنا بھی مشرکوں کو اپنی قوت دکھانے کے لئے تھا حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس دن ہم آپ پر چھائے ہوئے تھے اس لئے کہ کوئی مشرک یا کوئی نا سمجھ آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچا سکے-

بخاری شریف میں ہے حضورؐ عمرے کے لئے نکلے لیکن کفار قریش نے راستہ روک لیا اور آپ کو بیت اللہ شریف تک نہ جانے دیا' آپ نے وہیں قربانیاں کیں اور وہیں یعنی حدیبیہ میں سر منڈوا لیا اور ان سے صلح کر لی' جس میں یہ طے ہوا کہ آپ اگلے سال عمرہ کریں گے' سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لے کر مکہ معظمہ میں نہیں آئیں گے اور وہاں اتنی ہی مدت ٹھہریں گے جتنی اہل مکہ چاہیں' پس اگلے سال آپ اسی طرح آئے' تین دن تک ٹھہرے پھر مشرکین نے کہا اب آپؐ چلے جائیں چنانچہ آپؐ وہاں سے واپس ہوئے-

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اہل مکہ حائل ہوئے تو آپ نے ان سے یہ فیصلہ کیا کہ آپ صرف تین دن ہی مکہ میں ٹھہریں گے' جب صلح نامہ لکھنے لگے تو لکھا یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہؐ نے صلح کی تو اہل مکہ نے کہا کہ اگر آپ کو ہم رسول اللہ' جانتے تو ہرگز نہ روکتے بلکہ آپ محمد بن عبداللہ لکھئے- آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ہوں' میں محمد بن عبداللہ ہوں- پھر آپ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا لفظ رسول اللہ کو مٹا دو- حضرت علیؓ نے فرمایا نہیں نہیں قسم اللہ کی میں اسے ہرگز نہ مٹاؤں گا' چنانچہ آپؐ نے اس صلح نامہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر باوجود اچھی طرح لکھنا نہ جاننے کے لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہ مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں گے صرف تلوار ہوگی اور وہ بھی میان میں اور یہ کہ اہل مکہ میں سے جو آپ کے ساتھ جانا چاہے گا اسے آپ اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے اور یہ کہ آپ کے ساتھیوں میں سے جو مکے میں رہنے کے ارادے سے ٹھہر جانا چاہے گا آپ اسے روکیں گے نہیں- پس جب آپ آئے اور وقت مقررہ گذر چکا تو مشرکین حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا آپ حضورؐ سے کہئے کہ اب وقت گذر چکا' تشریف لے جائیں- چنانچہ آپؐ نے کوچ کر دیا- حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی چچا چچا کہہ کر آپ کے پیچھے ہو لیں' حضرت علیؓ نے انہیں لے لیا اور انگلی تھام کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے گئے اور فرمایا اپنے چچا کی لڑکی کو اچھی طرح رکھو- حضرت زہراءؓ نے بڑی خوشی سے بچی کو اپنے پاس بٹھا لیا- اب حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم میں جھگڑا ہونے لگا- حضرت علیؓ تو فرماتے تھے انہیں میں لے آیا ہوں اور یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہیں- حضرت جعفرؓ فرماتے تھے میری چچا زاد بہن ہے اور ان کی خالہ میرے گھر میں ہیں- حضرت زیدؓ فرماتے تھے میرے بھائی کی لڑکی ہے- آنحضرت ﷺ نے اس جھگڑے کا فیصلہ یوں کیا کہ لڑکی کو تو ان کی خالہ کو سونپا اور فرمایا خالہ قائم مقام ماں کے ہے-

حضرت علیؓ سے فرمایا تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں- حضرت جعفرؓ سے فرمایا تو خلق اور خُلق میں مجھ سے پوری مشابہت رکھتا ہے- حضرت زیدؓ سے فرمایا تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولیٰ ہے- حضرت علیؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ حضرت حمزہ کی لڑکی سے نکاح کیوں نہ کر لیں؟ آپ نے فرمایا وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہیں- پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس خیر و مصلحت کو جانتا تھا اور جسے تم نہیں جانتے تھے اس کی بنا پر تمہیں اس سال مکہ میں نہ جانے دیا اور اگلے سال جانے دیا اور اس جانے سے پہلے ہی جس کا وعدہ خواب کی شکل میں رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا تمہیں فتح قریب عنایت فرمائی - یہ فتح وہ صلح ہے جو تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان ہوئی - اس کے بعد اللہ تعالیٰ مومنوں کو خوشخبری سناتا ہے کہ وہ اپنے رسول کو ان دشمنوں پر اور تمام دشمنوں پر فتح دے گا' اس نے آپ کو علم نافع اور

علم صالح کے ساتھ بھیجا ہے' شریعت میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں علم اور عمل' پس علم شرعی صحیح علم ہے اور عمل شرعی مقبولیت والا عمل ہے' اس کے اخبار سچے' اس کے احکام سراسر عدل وحق والے۔ چاہتا یہ ہے کہ روئے زمین پر جتنے دین ہیں عربوں میں' عجمیوں میں' مسلمین میں' مشرکین میں' ان سب پر اس اپنے دین کو غالب اور ظاہر کرے۔ اللہ کافی گواہ ہے اس بات پر کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ہی آپ کا مددگار ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڕ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَــظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ۧ۲۹

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں' آپس میں رحم دل ہیں۔ تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں' اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں پس ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے' ان کی یہی صفت تورات میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں ہے' مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا' پھر اپنی جڑ پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تا کہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے' ان ایمان والوں اور شائستہ اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے ○

تصدیق رسالت بزبان الٰہ: ☆☆ (آیت:۲۹) ان آیتوں میں پہلے نبی ﷺ کی صفت وثنا بیان ہوئی کہ آپ اللہ کے برحق رسول ہیں' پھر آپ کے صحابہؓ کی صفت وثنا بیان ہو رہی ہے کہ وہ مخالفین پر سختی کرنے والے اور مسلمانوں پر نرمی کرنے والے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ''مومنوں کے سامنے نرم کفار کے مقابلہ میں گرم'' ہر مومن کی یہی شان ہونی چاہئے کہ وہ مومنوں سے خوش خلق اور متواضع رہے اور کفار پر سختی کرنے والا اور کفر سے ناخوش رہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ''ایمان والو! اپنے پاس کے کافروں سے جہاد کرو' وہ تم میں سختی محسوس کریں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں آپس کی محبت اور نرم دلی میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ اگر کسی ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے' کبھی بخار چڑھ آتا ہے' کبھی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ملا کر بتلائیں۔ پھر ان کا اور وصف بیان فرمایا کہ نیکیاں بکثرت کرتے ہیں' خصوصاً نماز جو تمام نیکیوں سے افضل واعلیٰ ہے پھر ان کی نیکیوں میں چار چاند لگانے والی چیز کا بیان یعنی ان کے خلوص اور اللہ طلبی کا کہ یہ اللہ کے فضل اور اس

کی رضا کے متلاشی ہیں۔ یہ اپنے اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں' جو جنت ہے اور اللہ کے فضل سے انہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ اپنی رضا مندی بھی انہیں عطا فرمائے گا جو بہت بڑی چیز ہے۔ جیسے فرمایا و رضوان من الله اکبر اللہ تعالیٰ کی ذرا سی رضا بھی سب سے بڑی چیز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چہروں پر سجدوں کے اثر سے علامت ہونے سے مراد اچھے اخلاق ہیں۔ مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں خشوع اور تواضع ہے۔

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے کہتے ہیں میرا تو یہ خیال تھا کہ اس سے مراد نماز کا نشان ہے جو ماتھے پر پڑ جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو ان کی پیشانیوں پر بھی ہوتا ہے جن کے دل فرعون سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نماز ان کے چہرے اچھے کر دیتی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے جو رات کو بکثرت نماز پڑھے گا اس کا چہرہ دن کو خوبصورت ہوگا۔ حضرت جابرؓ کی روایت سے ابن ماجہ کی ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مضمون ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ نیکی کی وجہ سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے' چہرے پر روشنی آتی ہے' روزی میں کشادگی ہوتی ہے' لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے اندرونی پوشیدہ حالات کی اصلاح کرے اور بھلائیاں پوشیدگی سے کرے' اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کی سلوٹوں پر اور اس کی زبان کے کناروں پر ان نیکیوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ الغرض دل کا آئینہ چہرہ ہے' جو اس میں ہوتا ہے اس کا اثر چہرہ پر ہوتا ہے' پس مومن جب اپنے دل کو درست کر لیتا ہے' اپنا باطن سنوار لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی لوگوں کی نگاہوں میں سنوار دیتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے باطن کی اصلاح کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی آراستہ و پیراستہ کر دیتا ہے۔

طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جیسی بات کو پوشیدہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کی چادر اوڑھا دیتا ہے' اگر وہ پوشیدگی بھلی ہے تو بھلائی کی اور اگر بری ہے تو برائی کی۔ لیکن اس کا ایک راوی عرزمی متروک ہے۔ مسند احمد میں آپ کا فرمان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ٹھوس چٹان میں گھس کر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ اس میں کوئی سوراخ ہو' کوئی عمل کرے گا اللہ اسے بھی لوگوں کے سامنے رکھ دے گا' برائی ہو تو اور بھلائی ہو تو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے نیک طریقہ' اچھا خلق' میانہ روی نبوۃ کے پچیسویں حصہ میں سے ایک حصہ ہے۔

الغرض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نیتیں خالص تھیں' اعمال اچھے تھے پس جس کی نگاہ ان کے پاک چہروں پر پڑتی تھی اسے ان کی پاکبازی جچ جاتی تھی اور وہ ان کے چال چلن اور ان کے اخلاق اور ان کے طریقہ کار پر خوش ہوتا تھا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جن صحابہ نے شام کا ملک فتح کیا جب وہاں کے نصرانی ان کے چہرے دیکھتے تو بے ساختہ پکار اٹھتے اللہ کی قسم یہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں سے بہت ہی بہتر و افضل ہیں۔ فی الواقع ان کا یہ قول سچا ہے' اگلی کتابوں میں اس امت کی فضیلت و عظمت موجود ہے اور اس امت کی صف اول ان کے بہتر و بزرگ اصحابؓ رسول ہیں اور خود ان کا ذکر بھی اگلی خدائی کتابوں میں اور پہلے کے واقعات میں موجود ہے۔ پس فرمایا یہی مثال ان کی توراۃ میں ہے۔ پھر فرماتا ہے اور ان کی مثال انجیل میں مانند کھیتی کے بیان کی گئی ہے جو اپنا سبزہ نکالتی ہے پھر اسے مضبوط اور قوی کرتی ہے پھر وہ طاقتور اور موٹا ہو جاتا ہے اور اپنی بال پر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے' اب کھیتی والے کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے؟ اسی طرح اصحابؓ رسول ہیں کہ انہوں نے آپ کی تائید و نصرت کی پس وہ آپ کے ساتھ وہی تعلق رکھتے ہیں جو پٹھے اور سبزے کو کھیتی سے تھا۔ یہ اس لئے کہ کفار شرمسار ہوں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے رافضیوں کے کفر پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ صحابہؓ سے

چڑتے اوران سے بغض رکھنے والا کافر ہے۔ علماء کی ایک جماعت بھی اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ ہے۔ صحابہ کرامؓ کے فضائل میں اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرنے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ خود خدائے تعالیٰ نے ان کی تعریفیں بیان کیں اوران سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ کیا ان کی بزرگی میں یہ کافی نہیں؟ پھر فرماتا ہے ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے گناہ معاف اوران کا اجر عظیم اوررزق کریم ثواب جزیل اور بدلہ کبیر ثابت' یادرہے کہ مِنْهُمْ میں جو مِنْ ہے وہ یہاں بیان جنس کیلئے ہے اللہ کا یہ سچا اوراٹل وعدہ ہے جو نہ بدلے نہ خلاف ہو' ان کے قدم بقدم چلنے والے انکی روش پر کاربند ہونے والوں سے بھی اللہ کا یہ وعدہ ثابت ہے لیکن فضیلت اور سبقت کمال اور بزرگی جوانہیں ہے امت میں سے کسی کو نہیں اللہ ان سے خوش یہ اللہ سے راضی' یہ جنتی ہو چکے اور بدلے پالئے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے صحابہؓ کو برا نہ کہو' ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کرو' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے تین پاؤ اناج بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کے اجر کو بھی نہیں پا سکتا۔ الحمدللہ سورۂ فتح کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الحجرات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىِ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِىِّ وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۝۲ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ لِلتَّقۡوٰى ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۝۳

لائق عبادت بخشنے والے مہربان کے نام سے شروع

اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا ہے ○ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ اس سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو' کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو ○ بے شک جو لوگ رسول اللہؐ کے حضور میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لئے جانچ لیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے ○

(آیت: ۱-۳) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ امتیوں کو اپنے نبیؐ کے آداب سکھاتا ہے کہ تمہیں اپنے نبی کی توقیر واحترام عزت کا خیال کرنا چاہئے' تمام کاموں میں خدا اور رسولؐ کے پیچھے رہنا چاہئے۔ اتباع اور تابعداری کی خو ڈالنی چاہئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول خدا ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا تو دریافت فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ حکم کرو گے؟ جواب دیا کتاب اللہ کے ساتھ۔ فرمایا اگر نہ پاؤ؟

جواب دیا سنت رسول اللہؐ کے ساتھ۔ فرمایا اگر نہ پاؤ جواب دیا اجتہاد کروں گا۔ تو آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہؐ کے قاصد کو ایسی توفیق دی جس سے خدا کا رسول خوش ہو۔ (ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ)

یہاں اس حدیث کے وارد کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت معاذؓ نے اپنی رائے' نظر اور اجتہاد کو کتاب وسنت سے مؤخر رکھا۔ پس کتاب وسنت پر رائے کو مقدم کرنا یہ ہے خدا اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف نہ کہو۔ حضرت عوفیؒ فرماتے ہیں حضورؐ کے کلام کے سامنے بولنے سے منع کر دیا گیا' مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی امر کی بابت اللہ کے رسولؐ کچھ نہ فرمائیں تم خاموش رہو حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں امر دین' احکام شرعی میں بجز خدا کے کلام اور اس کے رسول کی حدیث کے تم کسی اور چیز سے فیصلہ نہ کرو۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے کسی قول وفعل میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر سبقت نہ کرو۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ امام سے پہلے دعا نہ کرو۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں اگر فلاں فلاں میں حکم اترے تو اس طرح رکھنا چاہئے' اسے اللہ نے ناپسند فرمایا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حکم خدا کی بجا آوری میں اللہ کا لحاظ رکھو اللہ تمہاری باتیں سن رہا ہے اور تمہارے ارادے جان رہا ہے۔ پھر دوسرا ادب سکھاتا ہے کہ وہ نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کریں۔ یہ آیت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملکیہ سے مروی ہے کہ قریب تھا کہ وہ بہترین ہستیاں ہلاک ہو جائیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ان دونوں کی آوازیں حضورؐ کے سامنے بلند ہوگئیں جبکہ بنو تمیم کا وفد حاضر ہوا تھا ایک تو اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو کہتے تھے جو بنی مجاشع میں تھے اور دوسرے' دوسرے شخص کی بابت کہتے تھے۔ اس پر حضرت صدیق نے فرمایا کہ تم تو میرا اخلاف ہی کیا کرتے ہو۔ فاروق اعظمؓ نے جواب دیا نہیں نہیں آپ یہ خیال بھی نہ فرمائیے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس کے بعد تو حضرت عمرؓ اس طرح حضورؐ سے نرم کلامی کرتے تھے کہ آپ کو دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے قعقاع بن معبدؓ کو اس وفد کا امیر بنایئے اور حضرت عمرؓ فرماتے تھے نہیں بلکہ حضرت اقرع بن حابس کو' اس اختلاف میں آوازیں کچھ بلند ہوگئیں جس پر آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا نازل ہوئی اور وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا مسند بزار میں ہے آیت لَا تَرْفَعُوْٓا الخ' کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ! قسم اللہ کی اب تو میں آپ سے اس طرح باتیں کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی دن تک حضورؐ کی مجلس میں نظر نہ آئے اس پر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہؐ! میں اس کی بابت آپ کو بتلاؤں گا۔

چنانچہ وہ حضرت ثابتؓ کے مکان پر آئے۔ دیکھا کہ وہ سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے۔ جواب ملا برا حال ہے' میں تو حضرت کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرتا تھا' میرے اعمال برباد ہوگئے اور میں جہنمی بن گیا۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور سارا واقعہ آپ سے کہہ سنایا پھر تو حضورؐ کے فرمان سے ایک زبردست بشارت لے کر دوبارہ حضرت ثابت کے ہاں گئے۔ حضور نے فرمایا تم جاؤ اور ان سے کہو کہ تو جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ واقعہ ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ خود حضورؐ نے پوچھا تھا کہ ثابت کہاں ہیں نظر نہیں آتے۔ اس کے آخر میں ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں ہم انہیں زندہ چلتا پھرتا دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں' یمامہ کی جنگ میں جب کہ مسلمان قدرے بددل ہوگئے تو ہم نے دیکھا کہ حضرت ثابتؓ خوشبو ملے کفن پہنے ہوئے دشمن کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں مسلمانو! تم لوگ اپنے بعد والوں کے لئے برا نمونہ نہ چھوڑ جاؤ۔ یہ کہہ کر دشمنوں میں گھس گئے اور بہادرانہ لڑتے رہے

یہاں تک کہ شہید ہو گئے' رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

صحیح مسلم شریف میں ہے آپ نے جب انہیں نہیں دیکھا تو حضرت سعد سے جوان کے پڑوسی تھے دریافت فرمایا کہ کیا ثابت بیمار ہیں؟ لیکن اس حدیث کی اور سندوں میں حضرت سعدؓ کا ذکر نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت معطل ہے۔ اور یہی بات صحیح بھی ہے اس لئے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت زندہ ہی نہ تھے بلکہ آپ کا انتقال بنو قریظہ کی جنگ کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں ہو گیا تھا اور بنو قریظہ کی جنگ سنہ ۵ ہجری میں ہوئی تھی اور یہ آیت وفد بنی تمیم کی آمد کے وقت اتری ہے اور وفود کا پے در پے آنے کا واقعہ سنہ ۹ ہجری کا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر میں ہے جب یہ آیت اتری تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راستے میں بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وہاں سے گذرے اور انہیں روتے دیکھا تو سبب دریافت کیا۔ جواب ملا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل نہ ہوئی ہو' میری آواز بلند ہے۔ حضرت عاصمؓ یہ سن کر چلے گئے اور حضرت ثابتؓ کی ہچکی بندھ گئی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے' گھر گئے اور اپنی بیوی صاحبہ حضرت جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی ابن سلول سے کہا میں اپنے گھوڑے کے طویلے میں جا رہا ہوں' تم اس کا دروازہ باہر سے بند کر کے لوہے کی کیل سے اسے جڑ دو۔ خدا کی قسم میں اس میں نہ نکلوں گا یہاں تک کہ یا مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مجھ سے رضا مند کر دے۔ یہاں تو یہ ہوا وہاں جب حضرت عاصمؓ نے دربار رسالت میں حضرت ثابتؓ کی حالت بیان کی تو رسالت مآب ﷺ نے حکم دیا کہ تم جاؤ اور ثابت کو میرے پاس بلا لاؤ۔ لیکن عاصم رضی اللہ عنہ اس جگہ آئے تو دیکھا کہ حضرت ثابت وہاں نہیں' مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ تو گھوڑے کے طویلے میں ہیں' یہاں آ کر کہا ثابت چلو تم کو رسول اللہ ﷺ یاد فرما رہے ہیں۔ حضرت ثابتؓ نے کہا بہت خوب' کیل نکال ڈالو اور دروازہ کھول دو۔ پھر باہر نکل کر سرکار میں حاضر ہوئے تو آپ نے رونے کی وجہ پوچھی' جس کا سچا جواب حضرت ثابتؓ سے سن کر آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم قابل تعریف زندگی جیو اور شہید ہو کر مرو اور جنت میں جاؤ۔ اس پر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سارا رنج کافور ہو گیا' باچھیں کھل گئیں اور فرمانے لگے یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ کی اور آپ کی اس بشارت پر بہت خوش ہوں اور اب آئندہ کبھی بھی اپنی آواز آپ کی آواز سے اونچی نہ کروں گا۔ اس پر اس کے بعد کی آیت اِنَّ الَّذِيۡنَ يَغُضُّوۡنَ نازل ہوئی۔ یہ قصہ اسی طرح کئی ایک تابعین سے بھی مروی ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے سامنے آوازیں بلند کرنے سے منع فرما دیا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو شخصوں کی کچھ بلند آوازیں مسجد نبوی میں سن کر وہاں آ کر ان سے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ تم کہاں ہو؟ پھر ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا طائف کے۔ آپ نے فرمایا اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں پوری سزا دیتا۔ علماء کرام کا فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے پاس بھی بلند آواز سے بولنا مکروہ ہے۔ جیسے کہ آپ کی حیات میں آپ کے سامنے مکروہ تھا اس لئے کہ حضورؐ جس طرح اپنی زندگی میں قابل احترام وعزت تھے اب اور ہمیشہ تک آپ اپنی قبر شریف میں بھی باعزت اور قابل احترام ہی ہیں۔ پھر آپ کے سامنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے جس طرح عام لوگوں سے با آواز بلند باتیں کرتے ہیں' باتیں کرنا منع فرمائیں بلکہ آپ سے تسکین و وقار' عزت و ادب' حرمت و عظمت سے باتیں کرنا چاہئیں۔ جیسے اور جگہ ہے لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا ''اے مسلمانو! رسول کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو''۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں اس بلند آوازی سے اس لئے روکا ہے کہ ایسا نہ ہو کسی وقت حضورؐ ناراض ہو جائیں اور آپ کی ناراضگی کی وجہ سے خدا ناراض ہو جائے

اور تمہارے کل اعمال ضبط کر لے اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص اللہ کی رضا مندی کا کوئی کلمہ ایسا کہہ گذرتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کلمہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن خدا کو وہ اتنا پسند آتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ جنتی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان خدا کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی لیکن خدائے تعالیٰ اسے اس ایک کلمہ کی وجہ سے جہنم کے اس قدر نیچے کے طبقے میں پہنچا دیتا ہے کہ جو گڑھا آسمان وزمین سے زیادہ گہرا ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے سامنے آواز پست کرنے کی رغبت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے نبی کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کرتے ہیں انہیں اللہ رب العزت نے تقوے کے لئے خالص کر لیا ہے' اہل تقویٰ اور مجلس تقویٰ یہی لوگ ہیں۔ یہ مغفرت خدا کے مستحق اور اجر عظیم کے لائق ہیں۔

امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ سے ایک تحریری استفتاء لیا گیا کہ اے امیر المؤمنین! ایک وہ شخص جسے نافرمانی کی خواہش ہی نہ ہو اور نہ کوئی نافرمانی اس نے کی ہو' وہ اور وہ شخص جسے خواہش معصیت ہے لیکن وہ برا کام نہیں کرتا تو ان میں افضل کون ہے؟ آپ نے جواب میں لکھا کہ جنہیں معصیت کی خواہش ہوتی ہے پھر نافرمانیوں سے بچتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لئے آزما لیا ہے' ان کے لئے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر وثواب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

جو لوگ تجھے حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بالکل بے عقل ہیں ۝ اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ تو خود ان کے پاس آ جاتا تو یہی ان کے لئے بہتر ہوتا اللہ غفور ورحیم ہے ۝

آداب خطاب: ☆☆ (آیت:۴-۵) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت بیان کرتا ہے جو آپ کے مکانوں کے پیچھے سے آپ کو آوازیں دیتے اور پکارتے ہیں جس طرح اعراب میں دستور تھا۔ تو فرمایا کہ ان میں کے اکثر بے عقل ہیں۔ پھر اس کی بابت ادب سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں چاہئے تھا آپ کے انتظار میں ٹھہر جاتے اور جب آپ مکان سے باہر نکلتے تو آپ سے جو کہنا ہوتا' کہتے۔ نہ کہ آوازیں دے کر باہر سے پکارتے۔ دنیا اور دین کی مصلحت اور بہتری اسی میں تھی۔

پھر گویا حکم دیتا ہے کہ ایسے لوگوں کو توبہ واستغفار کرنا چاہئے کیونکہ خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ آیت حضرت اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسند احمد میں ہے ایک شخص نے حضورؐ کو آپ کا نام لے کر پکارا یا محمد! یا محمد! آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے کہا سنئے یا رسول اللہ! میرا تعریف کرنا سبب ہے بڑائی کا اور میرا مذمت کرنا سبب ہے ذلت کا۔ آپ نے فرمایا ایسی ذات محض اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ بشر بن غالب نے حجاج کے سامنے بشر بن عطارد وغیرہ سے کہا کہ تیری قوم بنو تمیم کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ جب حضرت سعید بن جبیرؒ سے اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ عالم ہوتے تو اس کے بعد کی آیت يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا پڑھ دیتے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اسلام لائے اور بنو اسد نے آپ کو تسلیم کرنے میں کچھ دیر نہیں کی۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ عرب جمع ہوئے اور کہنے لگے ہمیں اس شخص کے پاس لے چلو' اگر وہ سچا نبی ہے تو سب سے زیادہ اس سے سعادت حاصل کرنے کے مستحق ہم ہیں اور اگر وہ بادشاہ ہے تو ہم اس کے پروں تلے پل جائیں گے' میں نے آ کر حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا پھر وہ

لوگ آئے اور حجرے کے پیچھے سے آپ کا نام لے کر آپ کو پکارنے لگے' اس پر یہ آیت اتری حضورؐ نے میرا کان پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی' اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی۔ (ابن جریر)

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۶﴾

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق کوئی خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو' ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو' پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ O

فاسق کی خبر پر اعتماد نہ کرو: ☆☆ (آیت:۶) اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ فاسق کی خبر کا اعتماد نہ کرو' جب تک پوری تحقیق و تفتیش سے اصل واقعہ صاف طور پر معلوم نہ ہو جائے کوئی حرکت نہ کرو' ممکن ہے کہ کسی فاسق شخص نے کوئی جھوٹی بات کہہ دی ہو یا خود اس سے غلطی ہوئی ہو اور تم اس کی خبر کے مطابق کوئی کام کر گذرو تو دراصل اس کی پیروی ہو گی اور مفسد لوگوں کی پیروی حرام ہے۔ اسی آیت کو دلیل بنا کر بعض محدثین کرام نے اس شخص کی روایت کو بھی غیر معتبر بتلایا ہے جس کا حال نہ معلوم ہو' اس لئے کہ بہت ممکن ہے یہ شخص فی الواقع فاسق ہو۔ گو بعض لوگوں نے ایسے مجہول الحال راویوں کی روایت لی بھی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں فاسق کی خبر قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے اور جس کا حال معلوم نہیں اس کا فاسق ہونا ہم پر ظاہر نہیں' ہم نے اس مسئلہ کو پوری وضاحت سے صحیح بخاری شریف کی شرح میں کتاب العلم میں بیان کر دیا ہے' فالحمدللہ۔ اکثر مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابومعیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قبیلہ بنو مصطلق سے زکوٰۃ لینے کے لئے بھیجا تھا۔

چنانچہ مسند احمد میں ہے حضرت حارث بن ضرار خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں' فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی جو میں نے منظور کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ پھر آپ نے زکوٰۃ کی فرضیت سنائی۔ میں نے اس کا بھی اقرار کیا اور کہا کہ میں واپس اپنی قوم کے پاس جاتا ہوں اور ان میں سے جو ایمان لائیں اور زکوٰۃ ادا کریں میں ان کی زکوٰۃ جمع کرتا ہوں۔ اتنے اتنے دنوں کے بعد آپ میری طرف کسی آدمی کو بھیج دیجئے' میں اس کے ہاتھ جمع شدہ مال زکوٰۃ آپ کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔ حضرت حارث نے واپس آ کر یہی کیا' مال زکوٰۃ جمع کیا جب وقت مقررہ گذر چکا اور حضورؐ کی طرف سے کوئی قاصد نہ آیا تو آپ نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا یہ تو ناممکن ہے کہ اللہ کے رسول اپنے وعدے کے مطابق اپنا کوئی آدمی نہ بھیجیں مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں کسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ہم سے ناراض نہ ہو گئے ہوں؟ اور اس بنا پر آپ نے اپنا کوئی قاصد مال زکوٰۃ لے جانے کے لئے نہ بھیجا ہو' اگر آپ لوگ متفق ہوں تو ہم اس مال کو لے کر خود ہی مدینہ شریف چلیں اور حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ یہ تجویز طے ہو گئی اور یہ حضرات اپنا مال زکوٰۃ ساتھ لے کر چل کھڑے ہوئے۔ ادھر سے رسول اللہ ﷺ ولید بن عقبہ کو اپنا قاصد بنا کر بھیج چکے تھے لیکن یہ حضرت راستے ہی میں سے ڈر کے مارے لوٹ آئے اور یہاں آ کر کہہ دیا کہ حارث نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے قتل کے درپے ہو گیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ ناراض ہوئے اور کچھ آدمی حارث کی تنبیہ کے لئے روانہ فرمائے۔ مدینہ کے قریب راستے ہی میں اس مختصر سے لشکر نے حضرت حارثؓ کو پا لیا اور گھیر لیا۔ حضرت حارثؓ نے پوچھا آخر کیا بات ہے؟ تم کہاں اور کس کے پاس جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم تیری طرف بھیجے گئے ہیں۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ تو نے حضورؐ کے قاصد ولید کو زکوٰۃ نہ دی بلکہ انہیں قتل کرنا چاہا۔ حضرت حارثؓ نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس نے محمد ﷺ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے' نہ میں نے اسے دیکھا نہ وہ میرے پاس آیا' چلو میں تو خود حضورؐ کی

خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ یہاں جو آئے تو حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تو نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے آدمی کو بھی قتل کرنا چاہا۔ آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں یا رسول اللہ! قسم ہے خدا کی جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے' نہ میں نے انہیں دیکھا نہ وہ میرے پاس آئے بلکہ قاصد کو نہ دیکھ کر اس ڈر کے مارے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ مجھ سے ناراض نہ ہو گئے ہوں اور اسی وجہ سے قاصد نہ بھیجا ہو میں خود حاضر خدمت ہوا۔ اس پر یہ آیت حَكِيْمٌ تک نازل ہوئی۔

طبرانی میں یہ بھی ہے کہ جب حضور کا قاصد حضرت حارثؓ کی بستی کے پاس پہنچا تو یہ لوگ خوش ہو کر اس کے استقبال کے لئے خاص تیاری کر کے نکلے' ادھر ان کے دل میں یہ شیطانی خیال پیدا ہوا کہ یہ لوگ مجھ سے لڑنے کے لئے آ رہے ہیں تو یہ لوٹ کر واپس چلے آئے' انہوں نے جب یہ دیکھا کہ آپ کے قاصد واپس چلے گئے تو خود ہی حاضر ہوئے اور ظہر کی نماز کے بعد صف بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اپنے آدمی کو بھیجا' ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں' ہم بے حد خوش ہوئے لیکن خدا جانے کیا ہوا کہ وہ راستے میں سے ہی لوٹ گئے' تو اس خوف سے کہ کہیں خدا ہم سے ناراض نہ ہو گیا ہو ہم حاضر ہوئے ہیں۔ اسی طرح وہ عذر معذرت کرتے رہے۔ عصر کی اذان جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ولید کی اس خبر پر ابھی حضورؐ سوچ ہی رہے تھے کہ کچھ آدمی ان کی طرف بھیجیں جو ان کا وفد آ گیا اور انہوں نے کہا آپ کا قاصد آدھے راستے سے ہی لوٹ گیا تو ہم نے خیال کیا کہ آپ نے کسی ناراضگی کی بنا پر انہیں واپسی کا حکم بھیج دیا ہوگا' اس لئے حاضر ہوئے ہیں ہم اللہ کے غصے سے اور آپ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور اس کا عذر سچا بتایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قاصد نے یہ بھی کہا تھا کہ ان لوگوں نے تو آپ سے لڑنے کے لئے لشکر جمع کر لیا ہے اور اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔

چنانچہ حضورؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی زیر امارت ایک فوجی دستے کو بھیج دیا لیکن انہیں فرما دیا تھا کہ پہلے تحقیق و تفتیش اچھی طرح کر لینا جلدی سے حملہ نہ کر دینا۔ اسی کے مطابق حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچ کر اپنے جاسوس شہر میں بھیج دیئے' وہ خبر لائے کہ وہ لوگ دین اسلام پر قائم ہیں' مسجد میں اذانیں ہوئیں' جنہیں ہم نے خود سنا اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے خود دیکھا۔ صبح ہوتے ہی حضرت خالدؓ خود گئے اور وہاں کے اسلامی منظر سے خوش ہوئے' واپس آ کر سرکار نبوی میں ساری خبر دی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ حضرت قتادہؓ جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں' کہتے ہیں کہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ تحقیق و تلاش' بردباری اور دور بینی خدا کی طرف سے ہے اور عجلت اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ سلف میں سے حضرت قتادہؒ کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات نے یہی ذکر کیا ہے۔ جیسے ابن ابی لیلیٰ یزید بن رومان' ضحاک' مقاتل بن حیان رحمہم اللہ عنہم وغیرہ۔ ان سب کا بیان ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے واللہ اعلم۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں اگر وہ عموماً تمہارا کہا کرتا رہے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اسے

تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر کو اور بدکاریوں کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے' یہی لوگ راہ یافتہ ہیں ○ اللہ کے احسان و انعام سے اور اللہ دانا اور باحکمت ہے ○

(آیت: ۷-۸) پھر فرماتا ہے کہ جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں' ان کی تعظیم و توقیر کرنا' عزت و ادب کرنا' ان کے احکام کو سر آنکھوں سے بجالانا تمہارا فرض ہے- وہ تمہاری مصلحتوں سے بہت آگاہ ہیں' انہیں تم سے بہت محبت ہے' وہ تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتے- تم اپنی بھلائی کے اتنے خواہاں اور اتنے واقف نہیں ہو جتنے حضور ہیں- چنانچہ اور جگہ ارشاد ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ یعنی مسلمانوں کے معاملات میں ان کی اپنی بہ نسبت نبی ﷺ ان کے لیے زیادہ خیر اندیش ہیں پھر بیان فرمایا کہ لوگو! تمہاری عقلیں جن تمہاری مصلحتوں اور بھلائیوں کو نہیں پا سکتیں' انہیں نبی پا رہا ہے- پس اگر وہ تمہاری ہر پسندیدگی کی رائے پر عامل بنتا رہے تو اس میں تمہارا ہی حرج واقع ہوگا- جیسے اور آیت میں ہے وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَھْوَآئَھُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھِنَّ بَلْ اَتَیْنٰھُمْ بِذِکْرِھِمْ فَھُمْ عَنْ ذِکْرِھِمْ مُّعْرِضُوْنَ یعنی اگر سچا رب ان کی خوشی پر چلے تو آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز خراب ہو جائے' یہ نہیں بلکہ ہم نے انہیں ان کی نصیحت پہنچا دی ہے لیکن یہ اپنی نصیحت پر دھیان ہی نہیں دھرتے- پھر فرماتا ہے کہ خدا نے ایمان کو تمہارے نفسوں میں محبوب بنا دیا ہے اور تمہارے دلوں میں اس کی عمدگی بٹھا دی ہے- مسند احمد میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے- پھر آپ اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کرتے اور فرماتے تقویٰ یہاں ہے' پرہیزگاری کی جگہ یہ ہے- اس نے تمہارے دلوں میں کفر کی اور کبیرہ گناہوں کی اور تمام نافرمانیوں کی عداوت ڈال دی ہے اور اس طرح بتدریج تم پر اپنی نعمتیں بھرپور کر دی ہیں- پھر ارشاد ہوتا ہے جن میں یہ پاک اوصاف ہیں انہیں خدا نے رشد اور نیکی' ہدایت اور بھلائی دے رکھی ہے-

مسند احمد میں ہے احد کے دن جب مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے تو حضور ﷺ نے فرمایا درستگی کے ساتھ ٹھیک ٹھاک ہو جاؤ' تو میں اپنے رب عزوجل کی ثنا بیان کروں' پس لوگ آپ کے پیچھے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے یہ دعا پڑھی- اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کُلُّهٗ اَللّٰھُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَّ وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ وَلَا ھَادِیَ لِمَنْ اَضْلَلْتَ وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ ھَدَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَّ وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ- اَللّٰھُمَّ ابْسُطْ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِکَ وَرَحْمَتِکَ وَفَضْلِکَ وَرِزْقِکَ- اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ النَّعِیْمَ الْمُقِیْمَ الَّذِیْ لَا یُحَوَّلُ وَلَا یَزُلُّ- اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ النَّعِیْمَ یَوْمَ الْعَیْلَةِ وَالْاَمْنَ یَوْمَ الْخَوْفِ- اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ عَائِذٌ بِکَ مِنْ شَرِّمَا اَعْطَیْنَا وَمِنْ شَرِّمَا مَنَعْتَنَا- اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَزَیِّنْهُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَکَرِّهْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ- اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ- وَاَحْیِنَا مُسْلِمِیْنَ- وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ غَیْرَ خَزَایَا وَلَا مَفْتُوْنِیْنَ' اَللّٰھُمَّ قَاتِلِ الْکَفَرَةَ الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ عَلَیْھِمْ رِجْزَکَ وَعَذَابَکَ- اَللّٰھُمَّ قَاتِلِ الْکَفَرَةَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ اِلٰهَ الْحَقِّ (نسائی)

یعنی اے اللہ! تمام تر تعریف تیرے ہی لئے ہے' تو جسے کشادگی دے اسے کوئی تنگ نہیں کر سکتا اور جس پر تو تنگی کرے اسے کوئی کشادہ نہیں کر سکتا' تو جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے تو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں سکتا' جس سے تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے تو دے اس سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا' جسے تو دور کر دے اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں اور جسے تو قریب کر لے اسے دور ڈالنے والا کوئی نہیں' اے اللہ! ہم پر اپنی برکتیں' رحمتیں' فضل اور رزق کشادہ کر دے' اے اللہ! میں تجھ سے وہ ہیشگی کی نعمتیں چاہتا ہوں جو نہ ادھر ادھر ہوں نہ زائل ہوں' خدایا فقیری اور احتیاج والے دن مجھے اپنی نعمتیں عطا فرمانا اور خوف والے

دن مجھے امن عطا فرمانا - پروردگار! جو تو نے مجھے دے رکھا ہے اور جو نہیں دیا ان سب کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں - اے میرے معبود! ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے اور اسے ہماری نظروں میں زینت دار بنا دے اور کفر بدکاری اور نافرمانی سے ہمارے دل میں دوری اور عداوت پیدا کر دے اور ہمیں راہ یافتہ لوگوں میں کر دے - اے ہمارے رب! ہمیں اسلام کی حالت میں فوت کر اور اسلام پر ہی زندہ رکھ اور نیکو کار لوگوں سے ملا دے' ہم رسوا نہ ہوں' ہم فتنے میں نہ ڈالے جائیں - خدایا! ان کافروں کا ستیاناس کر جو تیرے رسولوں کو جھٹلائیں اور تیری راہ سے روکیں تو ان پر اپنی سزا اور اپنا عذاب نازل فرما - الٰہی! اہل کتاب کے کافروں کو بھی تباہ کر' اے سچے معبود!'' -

یہ حدیث امام نسائی بھی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لائے ہیں - مرفوع حدیث میں ہے جس شخص کو اپنی نیکی اچھی لگے اور برائی اسے ناراض کرے وہ مومن ہے - پھر فرماتا ہے یہ بخشش جو تمہیں عطا ہوئی ہے یہ تم پر اللہ کا فضل ہے اور اس کی نعمت ہے' اللہ مستحقین ہدایت کو اور مستحقین ضلالت کو بخوبی جانتا ہے' وہ اپنے اقوال وافعال میں حکیم ہے -

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾

اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو' پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے' لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے' اگر لوٹ آئے تو پھر ان دونوں میں انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرتے رہا کرو' اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ یاد رکھو سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں - پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

دو متحارب ''مسلمان جماعتوں'' میں صلح کرانا ہر مسلمان کا فرض ہے: ☆☆ (آیت: ۹-۱۰) یہاں حکم ہو رہا ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی دو جماعتیں لڑنے لگ جائیں تو دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں صلح کرا دیں' آپس میں دو لڑنے والی جماعتوں کو مومن کہنا' اس سے حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ نافرمانی گو کتنی ہی بڑی ہو انسان کو ایمان سے الگ نہیں کرتی - خارجیوں کا اور ان کے موافق معتزلہ کا مذہب اس بارے میں خلاف حق ہے - اسی آیت کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے آپ کے ساتھ ممبر پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی تھے - آپ کبھی ان کی طرف دیکھتے کبھی لوگوں کی طرف اور فرماتے کہ میرا یہ بچہ سید ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا - آپؐ کی یہ پیش گوئی سچی نکلی اور اہل شام اور اہل عراق میں بڑی لمبی لڑائیوں اور بڑے ناپسندیدہ واقعات کے بعد آپ کی وجہ سے صلح ہو گئی - پھر ارشاد ہوتا ہے اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑائی کی جائے تاکہ وہ پھر ٹھکانے آ جائے' حق کو سنے اور مان لے - صحیح حدیث میں ہے اپنے بھائی کی مدد کر' ظالم ہو تو بھی اور مظلوم ہو تو بھی - حضرت انسؓ نے پوچھا کہ مظلوم ہونے کی حالت میں تو ظاہر ہے لیکن ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ حضورؐ نے فرمایا اسے ظلم سے باز رکھو' یہی اس کی اس وقت کی مدد ہے - مسند احمد میں ہے حضورؐ سے ایک مرتبہ کہا گیا کیا اچھا ہو اگر آپ عبداللہ بن ابی کے ہاں چلے چلئے چنانچہ آپؐ

اپنے گدھے پر سوار ہوئے اور صحابہؓ آپؐ کی ہمرکابی میں ساتھ ہو لئے‘ زمین شور تھی جب حضورؐ وہاں پہنچے تو یہ کہنے لگا مجھ سے الگ رہئے‘ اللہ کی قسم آپ کے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا - اس پر ایک انصاری نے کہا واللہ رسول اللہ ﷺ کے گدھے کی بو تیری خوشبو سے بہت ہی اچھی ہے - اس پر ادھر اُدھر سے کچھ لوگ بول پڑے اور معاملہ بڑھنے لگا بلکہ کچھ ہاتھا پائی جوتے چھڑیاں بھی کام میں لائی گئیں ان کے بارے میں یہ آیت اتری ہے - حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں اوس اور خزرج قبائل میں کچھ چشمک ہوگئی تھی ان میں صلح کرا دینے کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے -

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ عمران نامی ایک انصاری تھے‘ ان کی بیوی صاحبہ کا نام ام زید تھا‘ اس نے اپنے میکے جانا چاہا خاوند نے روکا اور منع کر دیا کہ میکے کا کوئی شخص یہاں بھی نہ آئے‘ عورت نے یہ خبر اپنے میکے میں کہلوا دی‘ وہ لوگ آئے اور اسے بالا خانے سے اتار لائے اور لے جانا چاہا‘ ان کے خاوند گھر پر تھے نہیں - خاوند والوں نے اس کے چچازاد بھائیوں کو اطلاع دے کر انہیں بلا لیا اب کھینچا تانی ہونے لگی اور ان کے بارے میں یہ آیت اتری - رسول خدا ﷺ نے دونوں طرف کے لوگوں کو بلا کر بیچ میں بیٹھ کر صلح کرا دی اور سب لوگ مل گئے - پھر حکم ہوتا ہے دونوں پارٹیوں میں عدل کرو‘ اللہ عادلوں کو پسند فرماتا ہے - حضورؐ فرماتے ہیں دنیا میں جو عدل و انصاف کرتے رہے وہ موتیوں کے منبروں پر رحمان عزوجل کے سامنے ہوں گے اور یہ بدلہ ہوگا ان کے عدل و انصاف کا (نسائی)

مسلم کی حدیث میں ہے یہ لوگ ان منبروں پر اللہ کی دائیں جانب ہوں گے یہ اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل و عیال میں اور جو کچھ ان کے قبضہ میں ہے اس میں عدل سے کام لیا کرتے تھے - پھر فرمایا و کل مومن دینی بھائی ہیں‘ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اسے اس پر ظلم وستم نہ کرنا چاہئے - صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے - ایک اور صحیح حدیث میں ہے جب کوئی مسلمان اپنے غیر حاضر بھائی مسلمان کے لئے اس کی پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے آمین اور تجھے بھی خدا ایسا ہی دے - اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں - صحیح حدیث میں ہے مسلمان سارے کے سارے اپنی محبت‘ رحمدلی اور میل جول میں مثل ایک جسم کے ہیں جب کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم تڑپ اٹھتا ہے‘ کبھی بخار چڑھ آتا ہے کبھی شب بیداری کی تکلیف ہوتی ہے - ایک اور حدیث میں ہے مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے - پھر آپ نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر بتایا - مسند احمد میں ہے مومن کا تعلق اہل ایمان سے ایسا ہے جیسے سر کا تعلق جسم سے ہے‘ مومن اہل ایمان کے لئے وہی دردمندی کرتا ہے جو دردمندی جسم کو سر کے ساتھ ہے - پھر فرماتا ہے دونوں لڑنے والی جماعتوں اور دونوں طرف کے اسلامی بھائیوں میں صلح کرا دو‘ اپنے تمام کاموں میں خدا کا ڈر رکھو - یہی وہ اوصاف ہیں جن کی وجہ سے اللہ کی رحمت تم پر نازل ہوگی - پرہیزگاروں کے ساتھ ہی رب کا رحم رہتا ہے -

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! کوئی جماعت دوسری جماعت سے مسخر اپن نہ کرے ممکن ہے کہ یہ اس سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں سے ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس

میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو ایمان کے بعد گنہگاری برا نام ہے' جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں ○

ہر طعنہ باز عیب جو مجرم ہے : ☆☆ (آیت:۱۱) اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو حقیر وذلیل کرنے اور ان کا مذاق اڑانے سے روک رہا ہے۔ حدیث شریف میں ہے تکبر نام ہے حق سے منہ موڑ لینے کا اور لوگوں کو ذلیل وخوار سمجھنے کا۔ اس کی وجہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی کہ جسے تم ذلیل کر رہے ہو' جس کا تم مذاق اڑا رہے ہو ممکن ہے کہ خدا کے نزدیک وہ تم سے زیادہ باوقعت ہو' مردوں کو منع کر کے پھر خاصۃً عورتوں کو بھی اس سے روکا اور اس ملعون خصلت کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ یعنی ہر طعنہ باز عیب جو کے لئے خرابی ہے۔ ہمز فعل سے ہوتا ہے اور لمز قول سے۔ ایک دوسری آیت میں ہے هَمَّازٍ مَشَّآءٍ بِنَمِيمٍ یعنی وہ جو لوگوں کو حقیر گنتا ہو' ان پر چڑھا چلا جا رہا ہو اور لگانے بجھانے والا ہو' غرض ان تمام کاموں کو ہماری شریعت نے حرام قرار دیا۔ یہاں لفظ تو یہ ہیں کہ اپنے تئیں عیب نہ لگاؤ مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ۔ جیسے فرمایا وَلَا تَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ حضرت ابن عباسؓ' مجاہدؒ سعید بن جبیرؒ قتادہؒ مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو طعنے نہ دے پھر فرمایا کسی کو چڑاؤ مت! جس لقب سے وہ ناراض ہوتا ہو اس لقب سے اسے نہ پکارو' نہ اس کو برا نام دو۔ مسند احمد میں ہے کہ یہ حکم بنو سلمہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ حضورؐ جب مدینے میں آئے تو یہاں ہر شخص کے دو دو تین تین نام تھے حضورؐ ان میں سے کسی کو کسی نام سے پکارتے تو لوگ کہتے یا رسول اللہؐ! یہ اس سے چڑتا ہے۔ اس پر یہ آیت اتری (ابوداؤد)

پھر فرمان ہے کہ ایمان کی حالت میں فاسقانہ القاب سے آپس میں ایک دوسرے کو نامزد کرنا نہایت بری بات ہے' اب تمہیں اس سے توبہ کرنی چاہئے ورنہ ظالم گنے جاؤ گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو' یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے' کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ○

دہشت گرد اور ہراس پھیلانے والے ناپسندیدہ لوگ : ☆☆ (آیت:۱۲) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو بدگمانی کرنے اور تہمت دھرنے اور اپنوں اور غیروں کو خوفزدہ کرنے اور خواہ مخواہ کی دہشت دل میں رکھ لینے سے روکتا ہے اور فرماتا ہے کہ بسا اوقات اکثر اس قسم کے گمان بالکل گناہ ہوتے ہیں پس تمہیں اس میں پوری احتیاط برتنی چاہئے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا تیرے مسلمان بھائی کی زبان سے جو کلمہ نکلا ہو جہاں تک تجھ سے ہو سکے اسے بھلائی اور اچھائی پر محمول کر۔ ابن ماجہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے طواف کعبہ کرتے ہوئے فرمایا تو کتنا پاک گھر ہے؟ تو کیسی بڑی حرمت والا ہے؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ مومن کی حرمت' اس کے مال اور اس کی جان کی حرمت اور اس کے ساتھ نیک گمان کرنے کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت

بڑی ہے۔ یہ حدیث صرف ابن ماجہ میں ہی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں بدگمانی سے بچو' گمان سب سے بڑی جھوٹی بات ہے' بھید نہ ٹٹولو۔ ایک دوسرے کی ٹوہ حاصل کرنے کی کوشش میں نہ لگ جایا کرو' حسد بغض اور ایک دوسرے سے منہ پھلانے سے بچو' سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو سہو۔ مسلم وغیرہ میں ہے ایک دوسرے سے روٹھ کر نہ بیٹھ جایا کرو' ایک دوسرے سے میل جول ترک نہ کرلیا کرو' ایک دوسرے کا حسد بغض نہ کیا کرو' بلکہ سب مل کر خدا کے بندے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بند ہو کر زندگی گذارو۔ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال اور میل جول چھوڑ دے۔ طبرانی میں ہے کہ تین خصلتیں میری امت میں رہ جائیں گی فال لینا' حسد کرنا اور بدگمانی کرنا۔ ایک شخص نے پوچھا حضورؐ پھر ان کا تدارک کیا ہے؟ فرمایا جب حسد کرے تو استغفار کر لے' جب گمان پیدا ہو تو اسے چھوڑ دے اور یقین نہ کر اور جب شگون لے خواہ نیک نکلے خواہ بد اپنے کام سے نہ رک' اسے پورا کر۔ ابو داؤد میں ہے کہ ایک شخص کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ اس کی داڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں آپؓ نے فرمایا ہمیں بھید ٹٹولنے سے منع فرمایا گیا ہے' اگر ہمارے سامنے کوئی چیز ظاہر ہوگئی تو ہم اس پر پکڑ کر سکتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ عقبہ کے کاتب دجین کے پاس حضرت عقبہ گئے اور ان سے کہا کہ میرے پڑوس میں کچھ لوگ شرابی ہیں میرا ارادہ ہے کہ میں داروغہ کو بلا کر انہیں گرفتار کرا دوں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرنا بلکہ انہیں سمجھاؤ بجھاؤ' ڈانٹ ڈپٹ کر دو۔ پھر کچھ دنوں کے بعد آئے اور کہا وہ باز نہیں رہتے اب تو میں ضرور داروغہ کو بلاؤں گا۔ آپ نے فرمایا افسوس افسوس تم ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو' سنو میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی پردہ داری کرے اسے اتنا ثواب ملے گا جیسے کسی نے زندہ درگور کردہ لڑکی کو بچا لیا۔ ابو داؤد میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر تو لوگوں کے باطن اور ان کے راز ٹٹولنے کے درپے ہوگا تو تو انہیں بگاڑ دے گا یا فرمایا ممکن ہے تو انہیں خراب کر دے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس حدیث سے اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہؓ کو بہت فائدہ پہنچایا۔

ابو داؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ امیر اور بادشاہ جب اپنے ماتحتوں اور رعایا کی برائیاں ٹٹولنے لگ جاتا ہے اور گہرا اترنا شروع کر دیتا ہے تو انہیں بگاڑ دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تجسس نہ کرو یعنی برائیاں معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو' تاک جھانک نہ کیا کرو' اسی سے جاسوس ماخذ ہے تجسس کا اطلاق عموماً برائی پر ہوتا ہے اور تحسس کا اطلاق بھلائی ڈھونڈنے پر۔ جیسے حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں۔ فَتَحَسَّسُوْا الخ' بچو تم جاؤ اور یوسفؑ اور برادر یوسفؑ کو ڈھونڈو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور کبھی کبھی ان دونوں کا استعمال شر اور برائی میں بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے نہ تجسس کرو نہ تحسس کرو' نہ حسد و بغض کرو' نہ منہ موڑو بلکہ سب مل کر اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں تجسس کہتے ہیں کسی چیز میں کرید کرنے کو اور تحسس کہتے ہیں ان لوگوں کی سرگوشی پر کان لگانے کو' جو کسی کو اپنی باتیں سنانا نہ چاہتے ہوں اور تدابر کہتے ہیں ایک دوسرے سے رک کر آزردہ ہو کر قطع تعلقات کرنے کو۔ پھر غیبت سے منع فرماتا ہے۔ ابو داؤد میں ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! غیبت کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنے مسلمان بھائی کی کسی ایسی بات کا ذکر کرے جو اسے بری معلوم ہو۔ تو کہا گیا اگر وہ بات اس میں ہو جب بھی؟ فرمایا ہاں غیبت تو یہی ہے ورنہ بہتان اور تہمت ہے۔ ابو داؤد میں ہے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ صفیہؓ تو ایسی ایسی ہیں' مسدد راوی کہتے ہیں یعنی کم قامت' تو حضورؐ نے فرمایا تو نے ایسی بات کہی ہے کہ سمندر کے پانی میں اگر ملا دی جائے تو اسے بھی بگاڑ دے اور ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی شخص کی کچھ ایسی ہی باتیں بیان کی گئیں تو آپؐ نے فرمایا میں اسے پسند

نہیں کرتا گو مجھے کوئی بہت بڑا نفع بھی مل جائے۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک بیوی صاحبہ حضرت عائشہؓ کے ہاں آئیں جب وہ جانے لگیں تو صدیقہؓ نے حضورؐ کو اشارے سے کہا کہ یہ بہت پست قامت ہیں' حضورؐ نے فرمایا تم نے ان کی غیبت کی۔ الغرض غیبت حرام ہے اور اس کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ لیکن ہاں شرعی مصلحت کی بنا پر کسی کی ایسی بات کا ذکر کرنا غیبت میں داخل نہیں جیسے جرح وتعدیل نصیحت وخیر خواہی جیسے کہ نبی ﷺ نے ایک فاجر شخص کی نسبت فرمایا تھا' یہ بہت برا آدمی ہے' اور جیسے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا معاویہ مفلس شخص ہے اور ابوالجہم بڑا مارنے پیٹنے والا آدمی ہے۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جبکہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے نکاح کا مانگا ڈالا تھا اور بھی جو باتیں اس طرح کی ہوں ان کی تو اجازت ہے باقی اور غیبت حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ جس طرح تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے گھن کرتے ہو اس سے بہت زیادہ نفرت تمہیں غیبت سے کرنی چاہئے۔ جیسے حدیث میں ہے اپنے دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے اور فرمایا بری مثال ہمارے لئے لائق نہیں۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہے تمہارے خون مال آبرو تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسی حرمت تمہارے اس دن کی' تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں ہے۔

ابوداؤد میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ مسلمان کا مال اس کی عزت اور اس کا خون مسلمان پر حرام ہے' انسان کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی حقارت کرے۔ اور حدیث میں ہے اے وہ لوگو جن کی زبانیں تو ایمان لا چکی ہیں لیکن دل ایماندار نہیں ہوئے تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنی چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کیا کرو' یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدہ خرابیوں کو ظاہر کر دے گا یہاں تک کہ تم اپنے گھرانے والوں میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے۔ مسند ابویعلی میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ سنایا جس میں آپؐ نے پردہ نشین عورتوں کے کانوں میں بھی اپنی آواز پہنچائی اور اس خطبہ میں اوپر والی حدیث بیان فرمائی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا تیری حرمت وعظمت کا کیا ہی کہنا ہے لیکن تجھ سے بھی بہت زیادہ حرمت ایک ایماندار شخص کی خدا کے نزدیک ہے۔ ابوداؤد میں ہے جس نے کسی مسلمان کی برائی کر کے ایک نوالہ حاصل کیا اسے جہنم کی اتنی ہی غذا کھلائی جائے گی' اسی طرح جس نے مسلمانوں کی برائی کرنے پر پوشاک حاصل کی اسے اسی جیسی پوشاک جہنم کی پہنائی جائے گی اور جو شخص کسی دوسرے کی بڑائی دکھانے سنانے کو کھڑا ہوا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دکھاوے سناوے کے مقام میں کھڑا کر دے گا۔

حضورؐ فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ناخن تانبے کے ہیں جن سے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتیں لوٹتے تھے (ابوداؤد) اور روایت میں ہے کہ لوگوں کے سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا معراج والی رات میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا جن میں مرد عورت دونوں تھے کہ فرشتے ان کی کروٹوں سے گوشت کاٹتے ہیں اور پھر انہیں اس کے کھانے پر مجبور کر رہے ہیں اور وہ اسے چبا رہے ہیں۔ میرے سوال پر کہا گیا کہ یہ لوگ ہیں جو طعنہ زن' غیبت گو' چغل خور تھے' انہیں جبراً آج خود ان کا گوشت کھلایا جا رہا ہے (ابن ابی حاتم) یہ حدیث بہت مطول ہے اور ہم نے پوری حدیث سورۂ سبحان کی تفسیر میں بیان بھی کر دی ہے فالحمدللہ۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے حضورؐ نے لوگوں کو روزے کا حکم دیا اور فرمایا جب تک میں نہ کہوں کوئی افطار نہ کرے' شام کو لوگ آنے لگے اور آپؐ سے دریافت کرنے لگے آپ انہیں اجازت دیتے اور وہ افطار کرتے' اتنے میں ایک صاحب آئے اور عرض کیا' حضورؐ دو عورتوں نے روزہ رکھا تھا جو آپ ہی کے متعلقین میں سے ہیں انہیں بھی آپ اجازت دیجئے کہ روزہ کھول لیں' آپ نے اس سے منہ پھیر لیا اس نے دوبارہ عرض کی تو آپؐ نے فرمایا وہ روزے سے نہیں ہیں' کیا وہ

بھی روزے دار ہوسکتا ہے؟ جو انسانی گوشت کھائے' جاؤ انہیں کہو کہ اگر وہ روزے سے ہیں تو قے کریں' چنانچہ انہوں نے قے کی جس میں خون جمے کے لوتھڑے نکلے اس نے آ کر حضورؐ کو خبر دی آپ نے فرمایا اگر یہ اسی حالت میں مر جاتیں تو آگ کا لقمہ بنتیں۔ اس کی سند ضعیف ہے اور متن بھی غریب ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا تھا حضورؐ ان دونوں عورتوں کی روزے میں بری حالت ہے' مارے پیاس کے مر رہی ہیں اور یہ دوپہر کا وقت تھا حضورؐ کی خاموشی پر اس نے دوبارہ کہا کہ یارسول اللہ! وہ تو مر گئی ہوں گی یا تھوڑی دیر میں مر جائیں گی۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ انہیں بلا لاؤ جب وہ آئیں تو آپ نے دودھ کا مٹکا ایک کے سامنے رکھ کر فرمایا اس میں قے کر' اس نے قے کی تو اس میں پیپ خون جامد وغیرہ نکلی جس سے آدھا مٹکا بھر گیا پھر دوسری سے قے کرائی اس میں بھی یہی چیزیں اور گوشت کے لوتھڑے وغیرہ نکلے اور مٹکا بھر گیا' اس وقت آپؐ نے فرمایا انہیں دیکھو حلال روزہ رکھے ہوئے تھیں اور حرام کھا رہی تھیں دونوں بیٹھ کر لوگوں کے گوشت کھانے لگی تھیں (یعنی غیبت کر رہی تھیں) (مسند احمد)

مسند حافظ ابو یعلی میں ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا ﷺ کے پاس آئے اور کہا یارسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔ آپؐ نے منہ پھیر لیا' یہاں تک کہ وہ چار مرتبہ کہہ چکے پھر پانچویں دفعہ آپ نے کہا تو نے زنا کیا ہے؟ جواب دیا' ہاں فرمایا جانتا ہے زنا کسے کہتے ہیں؟ جواب دیا ہاں جس طرح انسان اپنی حلال عورت کے پاس جاتا ہے اسی طرح میں نے حرام عورت سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا اب تیرا مقصد کیا ہے؟ کہا یہ کہ آپ مجھے اس گناہ سے پاک کریں۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے اسی طرح دخول کیا تھا جس طرح سلائی سرمہ دانی میں اور لکڑی کنویں میں؟ کہا ہاں یارسول اللہ! اب آپ نے انہیں رجم کرنے کا یعنی پتھراؤ کرنے کا حکم دیا' چنانچہ یہ رجم کر دیئے گئے۔ اس کے بعد حضورؐ نے دو شخصوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسے دیکھو اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس نے اپنے تئیں نہ چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح پتھراؤ کیا گیا۔ آپ یہ سنتے ہوئے چلتے رہے تھوڑی دیر بعد آپ نے دیکھا کہ راستے میں ایک مردہ گدھا پڑا ہوا ہے فرمایا فلاں فلاں شخص کہاں ہیں؟ وہ سواری سے اتریں اور اس گدھے کا گوشت کھائیں۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے' کیا یہ کھانے کے قابل ہے؟ آپؐ نے فرمایا ابھی جو تم نے اپنے بھائی کی بدی بیان کی تھی وہ اس سے بھی زیادہ بری چیز تھی' اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ شخص جسے تم نے برا کہا تھا وہ تو اب اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ مسند احمد میں ہے ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے جو نہایت سڑی ہوئی مرداری بو والی ہوا چلی آپ نے فرمایا جانتے ہو؟ یہ بو کس چیز کی ہے یہ بدبو ان کی ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں۔

اور روایت میں ہے کہ منافقوں کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی غیبت کی ہے یہ بدبودار ہوا وہ ہے۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ایک سفر میں دو شخصوں کے ساتھ تھے جن کی یہ خدمت کرتے تھے اور وہ انہیں کھانا کھلاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سلمانؓ سو گئے تھے اور قافلہ آگے چل پڑا پڑاؤ ڈالنے کے بعد ان دونوں نے دیکھا کہ حضرت سلمانؓ نہیں' تو اپنے ہاتھوں سے انہیں خیمہ کھڑا کرنا پڑا اور غصہ سے کہا سلمانؓ تو بس اتنے ہی کام کا ہے کہ پکی پکائی کھالے اور تیار خیمے میں آ کر آرام کرلے۔ تھوڑی دیر میں حضرت سلمانؓ پہنچے ان دونوں کے پاس سالن نہ تھا تو کہا تم جاؤ اور رسول اللہ سے ہمارے لئے سالن لے آؤ' یہ گئے اور حضور سے کہا یارسول اللہ! مجھے میرے دونوں ساتھیوں نے بھیجا ہے کہ اگر آپؐ کے پاس سالن ہو تو دے دیجئے آپؐ نے فرمایا وہ سالن کیا کریں گے؟ انہوں نے تو سالن پا لیا۔ حضرت سلمانؓ واپس گئے اور جا کر ان سے یہ بات کہی وہ اٹھے اور خود حاضر حضور ہوئے اور کہا حضورؐ ہمارے پاس تو سالن نہیں نہ آپؐ نے بھیجا آپؐ

نے فرمایا تم نے مسلمان کے گوشت کا سالن کھا لیا جبکہ تم نے انہیں یوں یوں کہا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی' مَیْتًا اس لئے کہ وہ سوئے ہوئے تھے اور یہ ان کی غیبت کر رہے تھے۔ مختار ابوضیاء میں تقریباً ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں تمہارے اس خادم کا گوشت تمہارے دانتوں میں اٹکا ہوا دیکھ رہا ہوں اور ان کا اپنے غلام سے جبکہ وہ سویا ہوا تھا اور ان کا کھانا تیار نہیں کیا تھا صرف اتنا کہنا مروی ہے کہ یہ تو بڑا ہی سونے والا ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے حضورؐ سے کہا آپ ہمارے لئے استغفار کریں۔ ابو یعلی میں ہے جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا (یعنی اس کی غیبت کی) قیامت کے دن اس کے سامنے وہ گوشت لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جیسے اس کی زندگی میں تو نے اس کا گوشت کھایا تھا اب اس مردے کا گوشت بھی کھا۔ اب یہ چیخے گا چلائے گا ہائے وائے کرے گا اور اسے جبراً وہ مردہ گوشت کھانا پڑے گا۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے اللہ کا لحاظ کرو' اس کے احکام بجالاؤ' اس کی منع کردہ چیزوں سے رک جاؤ اور اس سے ڈرتے رہا کرو۔ جو اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے' توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو اس پر بھروسہ کرے' اس کی طرف رجوع کرے وہ اس پر رحم اور مہربانی فرماتا ہے۔ جمہور علماء کرام فرماتے ہیں غیبت گو کی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے اور پھر سے اس گناہ کو نہ کرے' پہلے جو کر چکا ہے اس پر نادم ہونا بھی شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی حاصل کر لے۔ بعض کہتے ہیں یہ بھی شرط نہیں اس لئے کہ ممکن ہے اسے خبر ہی نہ ہو اور معافی مانگنے کو جب جائے گا تو اسے اور رنج ہو گا۔ پس اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جن مجلسوں میں اس کی برائی بیان کی تھی ان میں اب اس کی سچی صفائی بیان کرے اور اس برائی کو اپنی طاقت کے مطابق دفع کر دے تو ادلے کا بدلہ ہو جائے گا۔ مسند احمد میں ہے جو شخص اس وقت کسی مومن کی حمایت کرے جبکہ کوئی منافق اس کی مذمت بیان کر رہا ہو' اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو مقرر کر دیتا ہے جو قیامت والے دن اس کے گوشت کو نار جہنم سے بچائے گا اور جو شخص کسی مومن پر کوئی ایسی بات کہے گا جس سے اس کا ارادہ اسے مطعون کرنے کا ہو اسے اللہ تعالیٰ پل صراط پر روک لے گا یہاں تک کہ بدلا ہو جائے۔ یہ حدیث ابوداؤد میں بھی ہے۔ ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے جو شخص کسی مسلمان کی بے عزتی ایسی جگہ میں کرے جہاں اس کی آبروریزی اور توہین ہوتی ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ ایسی جگہ رسوا کرے گا جہاں وہ اپنی مدد کا طالب ہو اور جو مسلمان ایسی جگہ اپنے بھائی کی حمایت کرے اللہ تعالیٰ بھی ایسی جگہ اس کی نصرت کرے گا (ابوداؤد)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو تمہاری جماعتیں اور قبیلے بنا دیئے ہیں' اللہ کے نزدیک تم سب میں سے بڑا بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے' یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے ○

نسل انسانی کا نکتۂ آغاز: ☆☆ (آیت: ۱۳) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے' ان ہی سے ان کی بیوی صاحبہ حضرت حوا کو پیدا کیا تھا اور پھر ان دونوں سے نسل انسانی پھیلی۔ شعوب قبائل سے عام ہے۔ مثال کے طور پر عرب تو شعوب میں داخل ہے پھر قریش غیر قریش پھر ان کی تقسیم یہ سب قبائل میں داخل ہے۔ بعض کہتے ہیں شعوب

سے مراد عجمی لوگ اور قبائل سے مراد عرب جماعتیں۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کو اسباط کہا گیا ہے میں نے ان تمام باتوں کو ایک علیحدہ مقدمہ میں لکھ دیا ہے جسے میں نے ابو عمر بن عبداللہ کی کتاب الانباہ اور کتاب القصد والامم فی معرفۃ انساب العرب والعجم سے جمع کیا ہے۔ مقصد اس آیہ مبارکہ کا یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جو مٹی سے پیدا ہوئے تھے ان کی طرف کی نسبت میں تو کل جہان کے آدمی ہم مرتبہ ہیں۔ اب جو کچھ فضیلت جس کسی کو حاصل ہوگی وہ امر دینی اطاعت خداوندی اور اتباع نبوی کی وجہ سے ہوگی۔ یہی راز ہے جو اس آیت کو غیبت کی ممانعت اور ایک دوسرے کی توہین و تذلیل سے روکنے کے بعد وارد کی کہ سب لوگ اپنی پیدائشی نسبت کے لحاظ سے بالکل یکساں ہیں۔ کنبے قبیلے برادریاں اور جماعتیں صرف پہچان کے لئے ہیں تاکہ جتھابندی اور ہمدردی قائم رہے۔ فلاں بن فلاں فلاں قبیلے والا کہا جا سکے اور اس طرح ایک دوسرے کی پہچان آسان ہو جائے ورنہ بشریت کے اعتبار سے سب قومیں یکساں ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں قبیلہ حمیر اپنے حلیفوں کی طرف منسوب ہوتا تھا اور حجازی عرب اپنے قبیلوں کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے۔

ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نسب کا علم حاصل کرو تاکہ صلہ رحمی کر سکو صلہ رحمی سے لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے تمہارے مال اور تمہاری زندگی میں خدا برکت دے گا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ پھر فرمایا حسب نسب خدا کے ہاں نہیں چلتا وہاں تو فضیلت تقویٰ اور پرہیزگاری سے ملتی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ بزرگ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ لوگوں نے کہا ہم یہ عام بات نہیں پوچھتے فرمایا پھر سب سے زیادہ بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود نبی تھے نبی زادے تھے دادا بھی نبی تھے پردادا تو خلیل اللہ تھے۔ انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ فرمایا پھر عرب کے بارے میں پوچھتے ہو؟ سنو ان کے جو لوگ جاہلیت کے زمانے میں ممتاز تھے وہی اب اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں جب کہ وہ علم دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔

مسند احمد میں ہے حضور علیہ السلام نے حضرت ابو ذرؓ سے فرمایا خیال رکھ کہ تو کسی سرخ و سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا ہاں تقویٰ میں بڑھ جا تو فضیلت والا ہے۔ طبرانی میں ہے مسلمان سب آپس میں بھائی ہیں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے کے ساتھ۔ مسند بزار میں ہے تم سب اولاد آدم ہو اور خود حضرت آدمؑ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں لوگو! اپنے باپ دادوں کے نام پر فخر کرنے سے باز آؤ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ریت کے تودوں اور آبی پرندوں سے بھی زیادہ ہلکے ہو جاؤ گے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور علیہ السلام نے فتح مکہ والے دن اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کر طواف کیا اور ارکان کو آپ اپنی چھڑی سے چھو لیتے تھے۔ پھر چونکہ مسجد میں اس کے بٹھانے کی جگہ نہ ملی تو لوگوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ اتارا اور اونٹنی کو بطن مسیل میں لے جا کر بٹھایا۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثنا بیان کر کے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے اسباب اور جاہلیت کے باپ دادوں پر فخر کرنے کی رسم اب دور کر دی ہے پس انسان دو ہی قسم کے ہیں یا تو نیک کار پرہیزگار جو خدا کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں یا بدکار غیر متقی جو خدا کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ تمہارے یہ نسب نامے دراصل کوئی کام دینے والے نہیں تم سب بالکل برابر کے حضرت آدمؑ کے لڑکے ہو کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہاں فضیلت دین و تقویٰ سے ہے انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ وہ بدگو بخیل اور فحش کلام ہو۔ ابن جریر کی اس روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسب نسب کو قیامت کے دن نہ پوچھے گا تم سب میں سے زیادہ بزرگ خدا کے نزدیک وہ ہیں جو تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام ممبر پر تھے جو ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے بہتر کون

ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ مہمان نواز' سب سے زیادہ پرہیز گار' سب سے زیادہ اچھی بات کا حکم دینے والا' سب سے زیادہ بری بات سے روکنے والا' سب سے زیادہ صلح رحمی کرنے والا۔

مسند احمد میں ہے حضور کو دنیا کی کوئی چیز یا کوئی شخص کبھی بھلا نہیں لگتا تھا مگر تقوے والے انسان کے۔ اللہ تمہیں جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے خبردار ہے' ہدایت کے لائق جو ہیں انہیں راہ راست دکھاتا ہے اور جو اس لائق نہیں وہ بے راہ ہو رہے ہیں' رحم اور عذاب اس کی مشیت پر موقوف ہیں' فضیلت اس کے ہاتھ ہے جسے چاہے جس پر چاہے بزرگی عطا فرمائے یہ تمام امور اس کے علم اور اس کی خبر پر مبنی ہیں۔ اس آیہ کریمہ اور ان احادیث شریفہ سے استدلال کر کے علماء نے فرمایا ہے کہ نکاح میں قومیت اور حسب نسب کی شرط نہیں سوائے دین کے اور کوئی شرط معتبر نہیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ ہم نسبی اور قومیت بھی شرط ہے اور ان کے دلائل ان کے سوا اور ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں اور ہم بھی انہیں کتاب الاحکام میں ذکر کر چکے ہیں فالحمد للہ۔ طبرانی میں حضرت عبدالرحمن سے مروی ہے کہ انہوں نے بنو ہاشم میں سے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے بہ نسبت اور تمام لوگوں کے بہت زیادہ قریب ہوں پس فرمایا تیرے سوا میں بھی بہت زیادہ قریب ہوں ان سے بہ نسبت تیرے اور تجھے آپ سے نسبت ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے' تو کہہ کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے' لیکن تم یوں کہو کہ ہم فرمانبردار ہوئے' ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہ ہوا' تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا' بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ مومن وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر دل سے یقین کریں پھر شک شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں' یہی سچے اور راست گو ہیں ○

ایمان کا دعویٰ کرنے والے اپنا جائزہ تو لیں: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۵) کچھ اعرابی لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنے ایمان کا بڑھا چڑھا دعوے کرنے لگتے تھے حالانکہ دراصل ان کے دل میں اب تک ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتی تھیں ان کو اللہ تعالیٰ اس دعوے سے روکتا ہے۔ یہ کہتے تھے ہم ایمان لائے' اللہ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ چونکہ اب تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا تم یوں نہ کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے یعنی اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے' نبی کی اطاعت میں آئے ہیں۔ اس آیت نے یہ فائدہ دیا کہ ایمان اسلام سے مخصوص چیز ہے جیسے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے' جبرئیل علیہ السلام والی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جبکہ انہوں نے اسلام کے بارے میں سوال کیا پھر ایمان کے بارے میں پھر احسان کے بارے میں۔ پس وہ زینہ بہ زینہ چڑھتے گئے عام سے خاص کی طرف آئے اور پھر خاص سے اخص کی طرف آئے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے چند لوگوں کو عطیہ اور انعام دیا اور ایک شخص کو کچھ بھی نہ دیا اس پر حضرت سعد نے فرمایا یا رسول اللہ! آپ نے فلاں فلاں کو دیا اور فلاں کو بالکل چھوڑ دیا حالانکہ وہ مومن ہے۔ حضور نے فرمایا مسلمان' تین مرتبہ یکے بعد دیگرے حضرت سعد نے یہی کہا اور حضور نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر فرمایا اے سعد! میں لوگوں کو دیتا ہوں اور جو ان میں مجھے بہت زیادہ محبوب ہوتا ہے اسے نہیں دیتا ہوں' اس ڈر سے کہ کہیں وہ اوندھے منہ آگ میں نہ گر پڑیں۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ پس اس حدیث میں بھی حضور نے مومن و مسلم میں فرق کیا اور معلوم ہو گیا کہ ایمان زیادہ خاص ہے بہ نسبت اسلام کے۔ ہم نے اسے مع دلائل صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی شرح میں ذکر کر دیا ہے فالحمدللہ۔ اور اس حدیث میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ یہ شخص مسلمان تھے منافق نہ تھے اس لئے کہ آپ نے انہیں کوئی عطیہ عطا نہیں فرمایا اور اسے اس کے اسلام کے سپرد کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ اعراب جن کا ذکر اس آیت میں ہے منافق نہ تھے' تو مسلمان لیکن اب تک ان کے دلوں میں ایمان صحیح طور پر مستحکم نہ ہوا تھا اور انہوں نے اس بلند مقام تک اپنی رسائی ہو جانے کا ابھی سے دعویٰ کر دیا تھا اس لئے انہیں ادب سکھایا گیا۔ یہی مطلب ہے حضرت ابن عباس اور ابراہیم نخعی اور قتادہ رحمہم اللہ کے قول کا اور اسی کو امام ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ ہمیں یہ سب یوں کہنا پڑا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منافق تھے جو ایمان ظاہر کرتے تھے لیکن دراصل مومن نہ تھے (یہ یاد رہے ایمان و اسلام میں فرق اس وقت ہے جبکہ اسلام اپنی حقیقت پر نہ ہو جب اسلام حقیقی ہو تو وہی اسلام ایمان ہے اور اس وقت ایمان اسلام میں کوئی فرق نہیں اس کے بہت سے قوی دلائل امام الائمہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں کتاب الایمان میں بیان فرمائے ہیں اور ان لوگوں کا منافق ہونا نے کا ثبوت بھی آ رہا ہے واللہ اعلم۔ مترجم)

حضرت سعید بن جبیر' حضرت مجاہد' حضرت ابن زید رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلکہ تم اَسۡلَمۡنَا کہو اس سے مراد یہ ہے کہ ہم قتل سے اور قید بند ہونے سے بچنے کے لئے تابع فرمان ہو گئے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنو اسد بن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو اپنے ایمان لانے کا آنحضرت ﷺ پر بار احسان رکھتے تھے۔ لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو مقام ایمان کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ اب تک وہاں پہنچے نہ تھے پس انہیں ادب سکھایا گیا اور بتلایا گیا کہ یہ اب تک ایمان تک نہیں پہنچے اگر یہ منافق ہوتے تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی اور ان کی رسوائی کی جاتی جیسے کہ سورۂ برات میں منافقوں کا ذکر کیا گیا لیکن یہاں تو انہیں صرف ادب سکھایا گیا۔

پھر فرماتا ہے اگر تم اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے فرماں بردار رہو گے تو تمہارے کسی عمل کا اجر مارا نہ جائے گا۔ جیسے فرمایا مَآ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ہم نے ان کے اعمال میں سے کچھ بھی نہیں گھٹایا۔ پھر فرمایا جو اللہ کی طرف رجوع کرے' برائی سے لوٹ آئے' اللہ اس کے گناہ معاف فرمانے والا اور اس کی طرف رحم بھری نگاہوں سے دیکھنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کامل ایمان والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر دل سے یقین رکھتے ہیں پھر نہ شک کرتے ہیں نہ کبھی ان کے دل میں کوئی نکما خیال پیدا ہوتا ہے' بلکہ اسی خالص تصدیق پر اور کامل یقین پر جم جاتے ہیں اور جمے ہی رہتے ہیں اور اپنے نفس اور دل کی چاہت کے مالوں کو بلکہ اپنی جانوں کو بھی راہ خدا کے جہاد میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ سچے لوگ ہیں یعنی یہ ہیں جو کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی طرح نہیں جو صرف زبان سے ہی ایمان کا دعویٰ کر کے رہ جاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا میں مومن کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وہ جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے' شک شبہ نہ کیا اور اپنی جان اور اپنے مال سے راہ خدا میں جہاد کیا۔ (۲) وہ جن سے لوگوں نے

امن پالیا' نہ یہ کسی کا مال ماریں نہ کسی کی جان لیں۔ (۳) وہ جو طمع کی طرف جب جھانکتے ہیں اللہ عزوجل کی یاد کرتے ہیں۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع ۸/۱۴

کہہ دے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری سے آگاہ کر رہے ہو؟ اللہ تو ہر اس چیز سے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے بخوبی آگاہ ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے O اپنے مسلمان ہونے کا تجھ پر احسان رکھتے ہیں' تو کہہ دے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو' بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو O یقین مانو کہ آسمانوں کی اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے O

(آیت:۱۶-۱۸) پھر فرماتا ہے کیا تم اپنے دل کا یقین و دین اللہ کو دکھاتے ہو؟ وہ تو ایسا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں' وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ پھر فرمایا جو اعراب اپنے اسلام لانے کا بار احسان تجھ پر رکھتے ہیں' ان سے کہہ دو کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ' تم جو اسلام قبول کرو گے' جو میری ماتحتی کرو گے' میری مدد کرو گے اس کا نفع تمہیں کو ملے گا بلکہ دراصل ایمان کی ہدایت تمہیں دینا یہ خدا کا تم پر احسان ہے اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو۔ (اب غور فرمایئے کہ کیا اسلام لانے کا احسان پیغمبر خدا پر جتانے والے سچے مسلمان تھے؟ پس آیات کی ترتیب سے ظاہر ہے کہ ان کا اسلام حقیقت پر مبنی نہ تھا اور یہی الفاظ بھی ہیں کہ ایمان اب تک ان کے ذہن نشین نہیں ہوا اور جب تک اسلام حقیقت پر مبنی نہ ہو تب تک بیشک وہ ایمان نہیں لیکن جب وہ اپنی حقیقت پر صحیح معنی میں ہو تو پھر ایمان اسلام ایک ہی چیز ہے۔ خود اس آیت کے الفاظ میں غور فرمایئے ارشاد ہے اپنے اسلام کا احسان تجھ پر رکھتے ہیں حالانکہ دراصل ایمان کی ہدایت خدا کا خود ان پر احسان ہے۔

پس وہاں احسان اسلام رکھنے کو بیان کر کے اپنا احسان ہدایت ایمان جتانا بھی ایمان و اسلام کے ایک ہونے پر باریک اشارہ ہے۔ مزید دلائل صحیح بخاری شریف وغیرہ میں ملاحظہ ہوں۔ مترجم) پس اللہ تعالیٰ کا کسی کو ایمان کی راہ دکھانا اس پر احسان کرنا ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین والے دن انصار سے فرمایا تھا کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تم میں اتفاق دیا' تم مفلس تھے میری وجہ سے اللہ نے تمہیں مالدار کیا۔ جب کبھی حضور کچھ فرماتے وہ کہتے بیشک اللہ اور اس کا رسول اس سے بھی زیادہ احسانوں والے ہیں۔ بزار میں ہے کہ بنو اسد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم مسلمان ہوئے' عرب آپ سے لڑتے رہے لیکن ہم آپ سے نہیں لڑے۔ حضور نے فرمایا ان میں سمجھ بہت کم ہے' شیطان ان کی زبانوں پر بول رہا ہے اور یہ آیت يَمُنُّوْنَ الخ' نازل ہوئی پھر دوبارہ اللہ رب العزت نے اپنے وسیع علم اور اپنی سچی باخبری اور مخلوق کے اعمال سے آگاہی کو بیان فرمایا کہ آسمان و زمین کے غیب اس پر ظاہر ہیں اور وہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔

الحمدللہ سورۂ حجرات کی تفسیر ختم ہوئی۔ خدا کا شکر ہے۔ توفیق اور رحمت اسی کے ہاتھ ہے۔

تفسیر سورۃ ق

جن سورتوں کو مفصل کی سورتیں کہا جاتا ہے ان میں سب سے پہلی سورت یہی ہے۔ گو ایک قول یہ بھی ہے کہ مفصل کی سورتیں سورۂ حجرات سے شروع ہوتی ہیں' یہ بالکل بے اصل بات ہے' علماء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ مفصل کی سورتوں کی پہلی سورت یہی ہے' اس کی دلیل ابوداؤد کی یہ حدیث ہے جو باب تحریب القران میں ہے۔ حضرت اوس بن حذیفہؓ فرماتے ہیں وفد ثقیف میں ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے ہاں ٹھہرے اور بنو مالک کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے قبے میں ٹھہرایا۔ فرماتے ہیں ہر رات عشاء کے بعد رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آتے اور کھڑے کھڑے ہمیں اپنی باتیں سناتے' یہاں تک کہ آپ کو دیر لگ جانے کی وجہ سے قدموں کو بدلنے کی ضرورت پڑتی' کبھی اس قدم کھڑے ہوتے کبھی اس قدم پر' عموماً آپ ہم سے وہ واقعات بیان کرتے جو آپ کو اپنی قوم قریش سے سہنے پڑے تھے پھر فرماتے کوئی حرج نہیں' ہم مکے میں کمزور تھے' بے وقعت تھے پھر ہم مدینے میں آ گئے' اب ہم میں ان میں لڑائی مثل ڈولوں کے ہے' کبھی ہم ان پر غالب کبھی وہ۔ غرض ہر رات یہ لطف صحبت رہا کرتا تھا۔ ایک رات کو وقت ہو چکا اور آپ نہ آئے۔ بہت دیر کے بعد تشریف لائے۔ ہم نے کہا حضورؐ آج تو آپ کو بہت دیر لگ گئی۔ آپ نے فرمایا ہاں قرآن شریف کا جو حصہ روزانہ پڑھا کرتا تھا آج اس وقت اسے پڑھا اور ادھورا چھوڑ کر آنے کو جی نہ چاہا۔ حضرت اوسؓ فرماتے ہیں میں نے صحابہؓ سے پوچھا کہ تم قرآن کے حصے کس طرح کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا پہلی تین سورتوں کی ایک منزل' پھر پانچ سورتوں کی ایک منزل' پھر سات سورتوں کی ایک منزل' پھر نو سورتوں کی ایک منزل' پھر گیارہ سورتوں کی ایک منزل' پھر تیرہ سورتوں کی ایک منزل اور مفصل کی سورتوں کی ایک منزل۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے۔

پس پہلی چھ منزلوں کی کل اڑتالیس سورتیں ہوئیں' پھر ان کے بعد مفصل کی تمام سورتوں کی ایک منزل تو انچاسویں سورت یہی سورۂ ق پڑتی ہے۔ باقاعدہ گنتی سنئے۔ پہلی منزل کی تین سورتیں سورہ بقرہ' سورۂ آل عمران اور سورہ نساء ہوئیں۔ دوسری منزل کی پانچ سورتیں مائدہ' انعام' اعراف' انفال اور برأت ہوئیں۔ تیسری منزل کی سات سورتیں یونس' ہود' یوسف' رعد' ابراہیم' حجر اور نحل ہوئیں۔ چوتھی منزل کی نو سورتیں سبحان' کہف' مریم' طٰہٰ' انبیاء' حج' مومنون' نور اور فرقان ہوئیں۔ پانچویں منزل کی گیارہ سورتیں شعراء' نمل' قصص' عنکبوت' روم' لقمان' الم سجدہ' احزاب' سبا' فاطر اور یٰس ہوئیں۔ چھٹی منزل کی تیرہ سورتیں صافات' ص' زمر' غافر' حم السجدہ' حم عسق' زخرف' دخان' جاثیہ' احقاف' قتال' فتح اور حجرات ہوئیں۔ اب ساتویں منزل مفصل کی سورتیں باقی رہیں جو حجرات کے بعد کی سورت سے شروع ہوں گی اور وہ سورۂ ق ہے اور یہی ہم نے کہا تھا فالحمدللہ۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عید کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کیا پڑھتے تھے؟ آپ نے فرمایا سورۂ ق اور سورۂ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ الخ' (سورۂ قمر:۱) مسلم میں ہے حضرت ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کا دو سال تک یا ایک سال کچھ ماہ تک ایک ہی دستور رہا' میں نے سورۂ ق کو رسول اللہ ﷺ کی زبانی سن سن کر یاد کر لیا اس لئے کہ ہر جمعہ کے دن جب آپ لوگوں کو خطبہ سنانے کے لئے ممبر پر آتے تو اس سورت کی تلاوت کرتے۔ الغرض بڑے بڑے مجمع کے موقع پر جیسے عید ہے' جمعہ ہے' اللہ کے رسول ﷺ اس سورت کی تلاوت کرتے کیونکہ اس میں ابتداء خلق کا' مرنے کے بعد جینے کا' اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا' حساب کتاب کا' جنت دوزخ کا' ثواب' عذاب اور رغبت و ڈراوے کا ذکر ہے' واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿۱﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَاۗءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ
الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ
رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿۳﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا
كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿۴﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ
اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾

رحم کرنے والے رحمت کرنے والے اللہ کے نام سے شروع ○

بہت بڑی شان والے اس قرآن کی قسم ○ بلکہ انہیں تعجب معلوم ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آیا تو کافروں نے کہا یہ ایک عجیب چیز ہے ○ کیا جب ہم مرکر مٹی ہو جائیں گے' یہ پھر زندہ کیا جانا دور از عقل ہے ○ زمین جو کچھ ان میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے' اور ہمارے پاس کتاب ہے سب یاد رکھنے والی ○ بلکہ انہوں نے سچی بات کو جھوٹ کہا ہے جبکہ وہ ان کے پاس پہنچ چکی بس وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں ○

اہل کتاب کی موضوع روایتیں: ☆☆ (آیت:۱-۵) ق حروف ہجا سے ہے جو سورتوں کے اول میں آتے ہیں' جیسے ص' ق' الم' حم' طس' وغیرہ' ہم نے ان کی پوری تشریح سورۂ بقرہ کی تفسیر میں شروع میں کر دی ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ قاف ایک پہاڑ ہے جو تمام زمین کو گھیرے ہوئے ہے' میں تو جانتا ہوں کہ دراصل یہ بنی اسرائیل کی خرافات میں سے ہے' جنہیں بعض لوگوں نے لے لیا۔ یہ سمجھ کر کہ ان سے روایت لینا مباح ہے گو تصدیق تکذیب نہیں کر سکتے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اور اس جیسی اور روایتیں تو بنی اسرائیل کے بد دینوں نے گھڑلی ہوں گی تا کہ لوگوں پر دین کو خلط ملط کر دیں' آپ خیال کیجئے کہ اس امت میں باوجودیکہ علماء کرام اور حفاظان عظام کی بہت بڑی دیندار مخلص جماعت ہر زمانے میں موجود ہے تاہم بد دینوں نے بہت تھوڑی مدت میں موضوع احادیث تک گھڑلیں۔

پس بنی اسرائیل جن پر مدتیں گذر چکیں' جو حفظ سے عاری تھے' جن میں نقادان فن موجود نہ تھے' جو کلام خدا کو اصلیت سے ہٹا دیا کرتے تھے' جو شرابوں میں مخمور رہا کرتے تھے' جو آیات خدا کو بدل ڈالا کرتے تھے' ان کا کیا ٹھیک ہے؟ پس حدیث نے جن روایات کو ان سے لینا مباح رکھا ہے یہ وہ ہیں جو کم از کم عقل و فہم میں تو آسکیں' نہ وہ جو صریح خلاف عقل ہوں' سنتے ہی ان کے باطل اور غلط ہونے کا فیصلہ عقل کر دیتی ہو اور اس کا جھوٹ ہونا اتنا واضح ہو کہ اس پر دلیل لانے کی ضرورت نہ پڑے۔ پس مندرجہ بالا روایت بھی ایسی ہی ہے واللہ اعلم۔ افسوس کہ بہت سے سلف و خلف نے اہل کتاب سے اس قسم کی حکایتیں قرآن مجید کی تفسیر میں وارد کر دی ہیں۔ دراصل قرآن کریم ایسی بے سروپا باتوں کا کچھ محتاج نہیں' فالحمد للہ۔

یہاں تک کہ امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہاں ایک عجیب و غریب اثر بہ روایت حضرت ابن عباسؓ وارد کر دیا ہے جو از روئے سند کے ثابت نہیں' اس میں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک سمندر پیدا کیا ہے جو اس ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور اس سمندر کے پیچھے ایک پہاڑ ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے' اس کا نام قاف ہے' آسمان دنیا اسی پر اٹھا ہوا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کے پیچھے ایک زمین بنائی ہے جو اس زمین سے سات گنی بڑی ہے' پھر اس کے پیچھے ایک سمندر ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے پھر اس کے

پیچھے پہاڑ ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اسے بھی قاف کہتے ہیں دوسرا آسمان اسی پر بلند کیا ہوا ہے۔ اسی طرح سات زمینیں، سات سمندر، سات پہاڑ اور سات آسمان گنوائے پھر یہ آیت پڑھی وَالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ اس اثر کی اسناد میں انقطاع ہے۔

علی بن ابوطلحہ جو روایت حضرت ابن عباسؓ سے کرتے ہیں، اس میں ہے کہ ق اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جو حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ق بھی مثل ص، ن، طس، الم وغیرہ کے حروف ہجا میں سے ہے۔ پس ان روایات سے بھی حضرت ابن عباسؓ کا یہ فرمان ہونا اور دور ہو جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ کام کا فیصلہ کر دیا گیا۔ قسم ہے اللہ کی اور ق کہہ کر باقی جملہ چھوڑ دیا گیا کہ یہ دلیل ہے محذوف پر۔ جیسے شاعر کہتا ہے ؎

قُلْتُ لَهَا قِفِیْ فَقَالَتْ ق

لیکن یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ محذوف پر دلالت کرنے والا کلام صاف ہونا چاہئے اور یہاں کون سا کلام ہے؟ جس سے اتنے بڑے جملے کے محذوف ہونے کا پتہ چلے۔ پھر اس کرم اور عظمت والے قرآن کی قسم کھائی جس کے آگے سے یا پیچھے سے باطل نہیں آ سکتا، جو حکمتوں اور تعریفوں والے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس قسم کا جواب کیا ہے؟ اس میں بھی کئی قول ہیں۔ امام ابن جریرؒ نے تو بعض نحویوں سے نقل کیا ہے کہ اس کا جواب قَدْ عَلِمْنَا پوری آیت تک ہے، لیکن یہ بھی غور طلب ہے بلکہ جواب قسم کے بعد کا مضمون کلام ہے، یعنی نبوت اور دوبارہ جی اٹھنے کا ثبوت اور تحقیق، گو قسم لفظوں سے اس کو جواب نہیں بتاتی ہو، ایسا قرآن کی قسموں کے جواب میں اکثر ہے جیسے کہ سورۂ ص کی تفسیر کے شروع میں گذر چکا ہے، اسی طرح یہاں بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے اس بات پر تعجب ظاہر کیا ہے کہ انہی میں سے ایک انسان کیسے رسول بن گیا؟ جیسے اور آیت میں ہے اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ الخ،[2] یعنی کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص کی طرف وحی بھیجی کہ تم لوگوں کو ہوشیار کر دے۔ یعنی دراصل یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں، اللہ جسے چاہے فرشتوں میں سے اپنی رسالت کے لئے چن لیتا ہے اور جسے چاہے انسانوں میں سے چن لیتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے مرنے کے بعد کے جینے کو بھی تعجب کی نظروں سے دیکھا اور کہا کہ جب ہم مر جائیں گے اور ہمارے جسم کے اجزاء جدا جدا ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی ہو جائیں گے، اس کے بعد تو اسی ہیئت و ترکیب میں ہمارا دوبارہ جینا بالکل محال ہے۔ اس کے جواب میں فرمان صادر ہوا کہ زمین ان کے جسموں کو جو کھا جاتی ہے اس سے بھی ہم غافل نہیں، ہمیں معلوم ہے کہ ان کے ذرے کہاں گئے اور کس حالت میں کہاں ہیں؟ ہمارے پاس کتاب ہے جو اس کی حافظ ہے۔ ہمارا علم ہے جو اس کو شامل ہے اور ساتھ ہی کتاب میں محفوظ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی ان کے گوشت، چمڑے، ہڈیاں اور بال جو کچھ زمین کھا جاتی ہے، ہمارے علم میں ہے۔ پھر پروردگار عالم ان کے اس محال سمجھنے کی اصل وجہ بیان فرما رہا ہے کہ دراصل یہ حق کو جھٹلانے والے لوگ ہیں اور جو لوگ اپنے پاس حق کے آ جانے کے بعد اس کا انکار کر دیں، ان سے بھلی سمجھ چھن جاتی ہے۔ مریج کے معنی ہیں مختلف، مضطرب، منکر اور خلط ملط کے، جیسے فرمان ہے اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ یعنی یقیناً تم ایک جھگڑے کی بات میں پڑے ہوئے ہو۔ قرآن کی پیروی سے وہی رکتا ہے جو بھلائی سے محروم کر دیا گیا ہے۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ

وَّاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍۢ بَهِيۡجٍ ۙ﴿۷﴾ تَبۡصِرَةً وَّذِكۡرٰى لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الۡحَصِيۡدِ ۙ﴿۹﴾ وَالنَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلۡعٌ نَّضِيۡدٌ ۙ﴿۱۰﴾ رِّزۡقًا لِّلۡعِبَادِ ۙ وَاَحۡيَيۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّيۡتًا ؕ كَذٰلِكَ الۡخُرُوۡجُ ﴿۱۱﴾

کیا انہوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور زینت دی ہے؟ اس میں کوئی شگاف نہیں ○ اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیئے ہیں اور اس میں ہم نے قسم قسم کی خوشنما چیزیں اگا دی ہیں ○ تاکہ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لئے بینائی اور دانائی کا ذریعہ ہو ○ اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اس سے باغات اور کٹنے والے غلے پیدا کئے ○ اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں ○ بندوں کی روزی کے لئے۔ ہم نے پانی سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح قبروں سے نکلنا ہے ○

اللہ کے محیر العقول شاہکار : ☆☆ (آیت: ۶-۱۱) یہ لوگ جس چیز کو ناممکن خیال کرتے تھے پروردگار عالم اس سے بہت زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے اپنی قدرت کے نمونے سامنے رکھ رہا ہے کہ آسمان کو دیکھو' اس کی بناوٹ پر غور کرو' اس کے روشن ستاروں کو دیکھو اور دیکھو کہ اتنے بڑے آسمان میں ایک سوراخ' ایک چھید' ایک شگاف' ایک دراڑ نہیں۔ چنانچہ سورۂ تبارک میں فرمایا اَلَّذِيۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا الخ' اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے' تو خدا کی اس صفت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا' تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار غور کر اور دیکھ' تیری نگاہ نامراد اور عاجز ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔ پھر فرمایا زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور بچھا دیا اور اس میں پہاڑ جما دیئے تاکہ ہل نہ سکے' کیونکہ وہ ہر طرف سے پانی سے گھری ہوئی ہے اور اس میں ہر قسم کی کھیتیاں پھل سبزے اور قسم قسم کی چیزیں اگا دیں۔ جیسے اور جگہ ہے ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا تاکہ تم نصیحت و عبرت حاصل کرو۔ بَهِيۡجٍ کے معنی خوش منظر' خوشنما بارونق۔

پھر فرمایا آسمان و زمین اور ان کے علاوہ قدرت کے اور نشانات دانائی اور بینائی کا ذریعہ ہیں ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرنے والا اور خدا کی طرف رغبت کرنے والا ہو۔ پھر فرماتا ہے ہم نے نفع دینے والا پانی آسمان سے برسا کر اس سے باغات بنائے اور وہ کھیتیاں بنائیں جو کاٹی جاتی ہیں اور جن کے اناج کھلیان میں ڈالے جاتے ہیں اور اونچے اونچے کھجور کے درخت اگا دیئے جو بھرپور میوے لاتے اور لدے رہتے ہیں۔ یہ مخلوق کی روزیاں ہیں اور اسی پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا' وہ لہلہانے لگی اور خشکی کے بعد تر و تازہ ہو گئی اور چٹیل سوکھے میدان سرسبز ہو گئے۔ یہ مثال ہے موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی اور ہلاکت کے بعد آباد ہونے کی' یہ نشانیاں جنہیں تم روزمرہ دیکھ رہے ہو کیا تمہاری رہبری اس امر کی طرف نہیں کرتیں کہ خدا مردوں کے جلانے پر قادر ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَكۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ یعنی آسمان و زمین کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت بڑی ہے۔ اور آیت میں ہے اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَلَمۡ يَعۡىَ بِخَلۡقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھکا؟ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو جلا دے؟ بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الۡاَرۡضَ خَاشِعَةً یعنی تو دیکھتا ہے کہ زمین بالکل خشک اور بنجر ہوتی ہے' ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جس سے وہ لہلہانے اور پیداوار اگانے لگتی ہے' کیا میری قدرت کی یہ نشانی یہ نہیں بتلاتی

کہ جس ذات نے اسے زندہ کر دیا وہ مردوں کے جلانے پر بلا شک وشبہ قادر ہے یقیناً وہ تمام ترچیزوں پر قدرت رکھتی ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿۱۳﴾ وَّأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿۱۴﴾ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۱۵﴾

ع ۱ ۱۵

ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور رس والوں نے اور ثمودیوں نے ○ اور عادیوں نے اور فرعون نے اور برادران لوط نے ○ اور ایکہ والوں نے اور تبع کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی' سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا پس میرا وعدۂ عذاب ان پر صادق آ گیا ○ کیا پس ہم پہلی بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے؟ بلکہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شک میں ہیں ○

ان کو شامت اعمال ہی پسند تھی: ☆☆ (آیت:۱۲-۱۵) اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو ان عذابوں سے ڈرا رہا ہے جو ان جیسے جھٹلانے والوں پر ان سے پہلے آ چکے ہیں- جیسے کہ نوح کی قوم جنہیں اللہ تعالیٰ نے پانی میں غرق کر دیا اور اصحاب رس جن کا پورا قصہ سورۂ فرقان کی تفسیر میں گذر چکا ہے اور ثمود اور عاد اور امت لوط جسے زمین میں دھنسا دیا اور اس زمین کو سڑا ہوا دلدل بنا دیا- یہ سب کیا تھا؟ ان کے کفران کی سرکشی اور مخالفت حق کا نتیجہ- اصحاب ایکہ سے مراد قوم شعیب ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قوم تبع سے مراد یمانی ہیں' سورۂ دخان میں ان کا واقعہ بھی گذر چکا ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر ہے' یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں' فالحمد للہ- ان تمام امتوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور عذاب خدا سے ہلاک کر دیئے گئے' یہی عادت اللہ جاری ہے- یہ یاد رہے کہ ایک رسول کا جھٹلانے والا تمام رسولوں کا منکر ہے-

جیسے اللہ عز وجل وعلا کا فرمان ہے كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ قوم نوح نے رسولوں کا انکار کیا حالانکہ ان کے پاس صرف نوح علیہ السلام ہی آئے تھے- پس دراصل یہ تھے ایسے کہ اگر ان کے پاس تمام رسول آ جاتے تو یہ سب کو جھٹلاتے' ایک کو بھی نہ مانتے- سب کی تکذیب کرتے' ایک کی بھی تصدیق نہ کرتے- ان سب پر خدا کے عذاب کا وعدہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ثابت ہو گیا اور صادق آ گیا- پس اہل مکہ اور دیگر مخاطب لوگوں کو بھی اس بدخصلت سے پرہیز کرنا چاہئے' کہیں ایسا نہ ہو کہ عذاب کا کوڑا ان پر بھی برس پڑے- کیا جب یہ کچھ نہ تھے ان کا بسانا ہم پر بھاری پڑا؟ جو یہ اب دوبارہ پیدا کرنے کے منکر ہو رہے ہیں- ابتدا سے تو اعادہ بہت ہی آسان ہوا کرتا ہے- جیسے فرمان ہے وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ یعنی ابتداء اسی نے پیدا کیا ہے اور دوبارہ بھی وہی اعادہ کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے- سورۂ یس میں فرمان خداوندی جل جلالہ گذر چکا کہ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا الخ' یعنی اپنی پیدائش کو بھول کر ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگا اور کہنے لگا بوسیدہ سڑی گلی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ تو جواب دے کہ وہ جس نے انہیں اول بار پیدا کیا اور جو تمام خلق کو جانتا ہے- صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے بنی آدم ایذا دیتا ہے' کہتا ہے خدا مجھے دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا- حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے کچھ آسان نہیں-

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۚ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿۱۶﴾

ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم خوب واقف ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں ○

دائیں اور بائیں دو فرشتے : ☆☆ (آیت:۱۶) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہی انسان کا خالق ہے اور اس کا علم تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے یہاں تک کہ انسان کے دل میں جو بھلے برے خیالات پیدا ہوتے ہیں انہیں بھی وہ جانتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل میں جو خیالات آئیں ان سے درگذر فرما لیا ہے جب تک کہ وہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل نہ کریں۔ اور ہم اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہیں' یعنی ہمارے فرشتے اور بعضوں نے کہا ہے ہمارا علم۔ ان کی غرض یہ ہے کہ کہیں حلول اور اتحاد نہ لازم آ جائے جو بالا جماع اس رب کی مقدس ذات سے بعید ہے اور وہ اس سے بالکل پاک ہے۔ لیکن لفظ کا اقتضا یہ نہیں ہے اس لئے کہ وَاَنَا نہیں کہا بلکہ وَ نَحْنُ کہا ہے یعنی میں نہیں کہا بلکہ ہم کہا ہے۔ یہی لفظ اس شخص کے بارے میں کہے گئے ہیں جس کی موت قریب آ گئی ہو اور وہ نزع کے عالم میں ہو' فرمان ہے وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ یعنی ہم تم سب سے زیادہ اس سے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے۔ یہاں بھی مراد فرشتوں کا اس قدر قریب ہونا ہے۔ جیسے فرمان ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ یعنی ہم نے ذکر کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ فرشتے ہی ذکر قرآن کریم کو لے کر نازل ہوئے ہیں اور یہاں بھی مراد فرشتوں کی اتنی نزدیکی ہے جس پر اللہ نے انہیں قدرت بخش رکھی ہے۔ پس انسان پر ایک پہرہ فرشتے کا ہوتا ہے اور ایک شیطان کا' اسی طرح شیطان بھی جسم انسان میں اسی طرح پھرتا ہے جس طرح خون۔ جیسے کہ سچوں کے سچے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾

جس وقت کہ وہ لینے والے لینے جاتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے ○ انسان کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے ○ موت کی سختی یقیناً پیش آئے گی' یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا ○ اور صور پھونک دیا جائے گا' وعدۂ عذاب کا دن یہی ہے ○ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہمراہ لانے والا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا ○ یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے ○

(آیت:۱۷-۲۲) اس لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ دو فرشتے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں' وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں' ابن آدم کے منہ سے جو کلمہ نکلتا ہے اسے محفوظ رکھنے والے اور اسے نہ چھوڑنے والے اور فوراً لکھ لینے والے فرشتے مقرر ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ الخ' تم پر محافظ ہیں بزرگ فرشتے جو تمہارے ہر فعل سے باخبر ہیں اور لکھنے والے ہیں۔ حضرت حسنؒ اور حضرت قتادہؒ تو

فرماتے ہیں یہ فرشتے ہر نیک و بد عمل لکھ لیا کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ کے دو قول ہیں' ایک تو یہی ہے' دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ ثواب و عذاب لکھ لیا کرتے ہیں۔ لیکن آیت کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی ہی تائید کرتے ہیں کیونکہ فرمان ہے جو لفظ نکلتا ہے اس کے پاس محافظ تیار ہیں۔

مسند احمد میں ہے انسان ایک کلمہ اللہ کی رضامندی کا کہہ گذرتا ہے جسے وہ کوئی بہت بڑا اجر کا کلمہ نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اپنی رضامندی اس کے لئے قیامت تک کی لکھ دیتا ہے اور کوئی کلمہ برائی کا' ناراضگی خدا کا اسی طرح بے پرواہی سے کہہ گذرتا ہے جس کی وجہ سے اللہ اپنی ناراضگی اس پر اپنی ملاقات کے دن تک کی لکھ دیتا ہے۔ حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں اس حدیث نے مجھے بہت سی باتوں سے بچا لیا۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتلاتے ہیں۔ احنف بن قیسؒ فرماتے ہیں دائیں طرف والا نیکیاں لکھتا ہے اور یہ بائیں طرف والے پر امین ہے۔ جب بندے سے کوئی خطا ہو جاتی ہے تو یہ کہتا ہے ٹھہر جا اگر اس نے اسی وقت توبہ کر لی تو اسے لکھنے نہیں دیتا اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ لکھ لیتا ہے (ابن ابی حاتم)

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے تھے اے ابن آدم! تیرے لئے صحیفہ کھول دیا گیا ہے اور دو بزرگ فرشتے تجھ پر مقرر کر دیئے گئے ہیں ایک تیرے داہنے دوسرا بائیں۔ دائیں طرف والا تو تیری نیکیوں کی حفاظت کرتا ہے اور بائیں طرف والا برائیوں کو دیکھتا رہتا ہے' اب تو جو چاہے عمل کر' کمی کر یا زیادتی کر' جب تو مرے گا تو یہ دفتر لپیٹ دیا جائے گا اور تیرے ساتھ تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا اور قیامت کے دن جب تو اپنی قبر سے اٹھے گا تو یہ تیرے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكُلَّ اِنسَانٍ اَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهُ فِىْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَّلْقَاهُ مَنْشُوْرًا ہر انسان کی شامت اعمال ہم نے اس کے گلے لگا دی ہے اور ہم قیامت کے دن اس کے سامنے نامہ اعمال کی ایک کتاب ڈال دیں گے جسے وہ کھلی ہوئی پائے گا۔ پھر اس سے کہیں گے کہ اپنی کتاب پڑھ لے' آج تو خود ہی اپنا حساب لینے کو کافی ہے۔ پھر حضرت حسنؒ نے فرمایا خدا کی قسم اس نے بڑا ہی عدل کیا جس نے خود تجھے ہی تیرا محاسب بنا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو کچھ تو بھلا برا کلمہ زبان سے نکالتا ہے وہ سب لکھا جاتا ہے یہاں تک کہ تیرا یہ کہنا بھی کہ میں نے کھایا' میں نے پیا' میں گیا' میں آیا' میں نے دیکھا۔ پھر جمعرات والے دن اس کے اقوال و افعال پیش کئے جاتے ہیں' خیر و شر باقی رکھ لی جاتی ہے اور سب کچھ مٹا دیا جاتا ہے۔ یہی معنی ہیں فرمان باری تعالیٰ شانہ کے يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتَابِ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بابت مروی ہے کہ آپ اپنے مرض الموت میں کراہ رہے تھے تو آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ فرشتے اسے بھی لکھتے ہیں چنانچہ آپ نے کراہنا بھی چھوڑ دیا' اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے' اپنی موت کے وقت تک اف بھی نہ کی۔

پھر فرماتا ہے اے انسان! موت کی بیہوشی یقیناً آئے گی' اس وقت وہ شک دور ہو جائے گا جس میں آج کل تو مبتلا ہے۔ اس وقت تجھ سے کہا جائے گا کہ یہی ہے جس سے تو بھاگتا پھرتا تھا' اب وہ آ گئی تو کسی طرح اس سے نجات نہیں پا سکتا' نہ بچ سکتا ہے' نہ اسے روک سکتا ہے' نہ اسے دفع کر سکتا ہے' نہ ٹال سکتا ہے' نہ مقابلہ کر سکتا ہے' نہ کسی کی مدد و سفارش کچھ کام آ سکتی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ یہاں خطاب مطلق انسان سے ہے گو بعضوں نے کہا ہے کافر سے ہے اور بعضوں نے کچھ اور بھی کہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں اپنے والد رضی اللہ عنہ کے آخری وقت میں آپ کے سرہانے بیٹھی تھی' آپ پر غشی طاری ہوئی تو میں نے یہ بیت پڑھا۔

من لا يزال دمعه مقنعا فانه لا بديرة مدفوق

مطلب یہ ہے کہ جس کے آنسو ٹھہرے ہوئے ہیں وہ بھی ایک مرتبہ ٹپک پڑیں گے۔ تو آپ نے اپنا سر اٹھا کر کہا پیاری بچی یوں نہیں بلکہ جس

طرح خدا نے فرمایا وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور روایت میں بیت کا پڑھنا اور صدیق اکبرؓ کا یہ فرمانا مروی ہے کہ یوں نہیں بلکہ یہ آیت پڑھو۔ اس اثر کے اور بھی بہت سے طریق ہیں جنہیں میں نے سیرۃ الصدیق میں آپ کی وفات کے بیان میں جمع کر دیا ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ پر جب موت کی غشی طاری ہونے لگی تو آپؐ اپنے چہرہ مبارک سے پسینہ پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے' سبحان اللہ موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ اس آیت کے پچھلے جملے کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے ایک تو یہ کہ ما موصولہ ہے یعنی یہ وہی ہے جسے تو بعید جانتا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں ما نافیہ ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ یہ وہ چیز ہے جس کے جدا کرنے کی' جس سے بچنے کی تجھے قدرت نہیں' تو اس سے ہٹ نہیں سکتا۔ معجم کبیر طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس شخص کی مثال جو موت سے بھاگتا ہے اس لومڑی جیسی ہے جس سے زمین اپنا قرضہ طلب کرنے لگی اور یہ اس سے بھاگنے لگی' بھاگتے بھاگتے جب تھک گئی اور بالکل چکنا چور ہو گئی تو اپنے بھٹ میں جا گھسی' زمین چونکہ وہاں بھی موجود تھی اس نے لومڑی سے کہا میرا قرض' تو یہ وہاں سے پھر بھاگی سانس پھولا ہوا تھا' حال برا ہو رہا تھا' آخر یونہی بھاگے بھاگے بے دم ہو کر مر گئی۔ الغرض جس طرح اس لومڑی کو زمین سے بھاگنے کی راہیں بند تھیں اسی طرح انسان کو موت سے بچنے کے راستے بند ہیں۔ اس کے بعد صور پھونکے جانے کا ذکر ہے جس کی پوری تفسیر والی حدیث گذر چکی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں میں کس طرح راحت و آرام حاصل کر سکتا ہوں حالانکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور منہ میں لے لیا ہے اور گردن جھکائے حکم خداوندی کا انتظار کر رہا ہے کہ کب حکم ملے اور کب وہ پھونک دے۔ صحابہ نے کہا پھر یا رسول اللہؐ! ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ پھر فرماتا ہے ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ تو میدان محشر کی طرف لانے والا ہو گا اور ایک فرشتہ اس کے اعمال کی گواہی دینے والا ہو گا۔ ظاہر آیت یہی ہے اور امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت ممبر پر کی اور فرمایا ایک چلانے والا جس کے ہمراہ یہ میدان محشر میں آئے گا اور ایک گواہ ہو گا جو اس کے اعمال کی شہادت دے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں سائق سے مراد فرشتہ ہے اور شہید سے مراد عمل ہے۔

ابن عباسؓ کا قول ہے سائق فرشتوں میں سے ہوں گے اور شہید سے مراد خود انسان ہے جو اپنے اوپر آپ گواہی دے گا۔ پھر اس کے بعد کی آیت میں جو خطاب ہے اس کی نسبت تین قول ہیں ایک تو یہ کہ یہ خطاب کافر سے ہو گا' دوسرا یہ کہ اس سے مراد عام انسان ہیں نیک بد سب' تیسرا یہ کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ دوسرے قول کی توجیہ یہ ہے کہ آخرت اور دنیا میں وہی نسبت ہے جو بیداری اور خواب میں ہے اور تیسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ تو اس قرآن کی وحی سے پہلے غفلت میں تھا۔ ہم نے یہ قرآن نازل فرما کر تیری آنکھوں پر سے پردہ ہٹا دیا اور تیری نظر قوی ہو گئی۔ لیکن الفاظ قرآنی سے تو ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد عام ہے یعنی ہر شخص سے کہا جائے گا کہ تو اس دن سے غافل تھا' اس لئے کہ قیامت کے دن ہر شخص کی آنکھیں خوب کھل جائیں گی' یہاں تک کہ کافر بھی استقامت پر ہو جائے گا لیکن یہ استقامت اسے نفع نہ دے گی۔ جیسے فرمان باری ہے اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا یعنی جس روز یہ ہمارے پاس آئیں گے خوب دیکھتے سنتے ہوں گے۔ اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ الخ' یعنی کاش کہ تو دیکھتا جب گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں پڑے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے خدایا ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا' اب ہمیں لوٹا دے تو ہم نیک اعمال کریں گے اور کامل یقین رکھیں گے۔

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾

اس کا ہم نشین فرشتہ کہے گا یہ حاضر ہے جو کہ میرے پاس تھا ○ ڈال دو جہنم میں ہر کافر سرکش کو ○

ہمارے اعمال کے گواہ: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ جو فرشتہ ابن آدم کے اعمال پر مقرر ہے وہ اس کے اعمال کی شہادت دے گا اور کہے گا کہ یہ ہے میرے پاس تفصیل بلا کم و کاست - حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اس فرشتے کا کلام ہو گا جسے سائق کہا گیا ہے جو اس کو محشر میں لے آیا تھا - امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ یہ شامل ہے اس فرشتے کو بھی اور گواہی دینے والے فرشتے کو بھی - اب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے عدل و انصاف سے کرے گا - اَلْقِیَا تثنیہ کا صیغہ ہے - بعض نحوی کہتے ہیں کہ بعض عرب واحد کو تثنیہ کر دیا کرتے ہیں' جیسے کہ حجاج کا مقولہ مشہور ہے کہ وہ اپنے جلاد سے کہتا تھا اِضْرِبَا عُنُقَہٗ تم دونوں اس کی گردن مار دو' حالانکہ جلاد ایک ہی ہوتا تھا - ابن جریرؒ نے اس کی شہادت میں عربی کا ایک شعر بھی پیش کیا ہے - بعض کہتے ہیں کہ دراصل یہ نون تاکید ہے جس کی تسہیل الف کی طرف کر لی ہے لیکن یہ بعید ہے اس لئے کہ ایسا تو وقف کی حالت میں ہوتا ہے - بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب اوپر والے دونوں فرشتوں سے ہو گا' لانے والے فرشتے نے اسے حساب کے لئے پیش کیا اور گواہی دینے والے نے گواہی دے دی' تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو حکم دے گا کہ اسے جہنم کی آگ میں ڈال دو جو بدترین جگہ ہے' اللہ ہمیں محفوظ رکھے -

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾

ع ۱۴

جو نیک کام سے روکنے والا حد سے گذر جانے والا اور شک کرنے والا تھا ○ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنا لیا تھا پس اسے سخت عذاب میں ڈال دو ○ اس کا ہم نشین شیطان کہے گا اے ہمارے رب! میں نے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا ○ حق تعالیٰ فرمائے گا بس میرے سامنے جھگڑے کی بات مت کرو میں تو پہلے ہی تمہاری طرف وعدہ عذاب بھیج چکا تھا ○ میرے ہاں بات بدلتی اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں ○

(آیت: ۲۵-۲۹) پھر فرماتا ہے کہ ہر کافر اور ہر حق کے مخالف اور ہر حق کے نہ ادا کرنے والے اور ہر نیکی صلہ رحمی اور بھلائی سے خالی رہنے والے اور ہر حد سے گذر جانے والے' خواہ وہ مال کے خرچ میں اسراف کرتا ہو' خواہ بولنے اور چلنے پھرنے میں خدائی احکام کی پرواہ نہ کرتا ہو' اور ہر شک کرنے والے اور ہر خدا کے ساتھ شریک کرنے والے کے لئے یہی حکم ہے کہ اسے پکڑ کر سخت عذابوں میں ڈال دو - پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ جہنم قیامت کے دن لوگوں کے سامنے اپنی گردن نکالے گی اور باآواز بلند پکار کر کہے گی جسے تمام محشر کا مجمع سنے گا کہ میں تین قسم کے لوگوں پر مقرر کی گئی ہوں ہر سرکش حق کے مخالف کے لئے اور ہر مشرک کے لئے اور ہر تصویر بنانے والے کے لئے' پھر وہ ان سب سے لپٹ جائے گی - مسند کی حدیث میں تیسری قسم کے لوگ وہ بتلائے ہیں جو ظالمانہ قتل کرنے والے ہوں - پھر فرمایا اس کا ساتھی کہے گا' اس سے مراد شیطان ہے جو اس کے ساتھ موکل تھا' یہ اس کافر کو دیکھ کر اپنی برأت کرے گا اور کہے گا کہ میں نے اسے نہیں بہکایا بلکہ یہ تو خود گمراہ تھا' باطل کو از خود قبول کر لیتا تھا' حق کا اپنے آپ مخالف تھا -

جیسے دوسری آیت میں ہے کہ شیطان جب دیکھے گا کہ کام ختم ہوا تو کہے گا اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی'

میرا کوئی زور تو تم پر تھا ہی نہیں' میں نے تم سے کہا تم نے فوراً مان لیا' اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنی جانوں کو ملامت کرو' نہ میں تمہیں کام دے سکوں نہ تم میرے کام آ سکو' تم جو مجھے شریک بنا رہے تھے تو میں پہلے ہی سے ان کا انکاری تھا ظالموں کے لئے المناک عذاب ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ انسان سے اور اس کے ساتھی شیطان سے فرمائے گا کہ میرے سامنے نہ جھگڑو' کیونکہ انسان کہہ رہا ہوگا کہ خدایا اس نے مجھے جبکہ میرے پاس نصیحت آ چکی گمراہ کر دیا اور شیطان کہے گا خدایا میں نے اسے گمراہ نہیں کیا' تو اللہ انہیں تو تو میں میں سے روک دے گا اور فرمائے گا میں تو اپنی حجت ختم کر چکا' رسولوں کی زبانی یہ سب باتیں تمہیں سنا چکا تھا' کتابیں بھیج دی تھیں' اور ہر ہر طریقہ سے' ہر طرح سے تمہیں سمجھا بجھا دیا تھا۔ سنو جو فیصلہ کرنا ہے وہ میں کر چکا' میری باتیں بدلتی نہیں' میں ظالم نہیں جو دوسرے کے گناہ پر کسی کو پکڑوں۔ ہر شخص پر اتمام حجت ہو چکی اور ہر شخص اپنے گناہوں کا آپ ذمہ دار ہے۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ۝ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝

جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ ○ وہ جواب دے گی کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے؟ اور جنت پرہیزگاروں کے لئے بالکل قریب کر دی جائے گی ذرا بھی دور نہ ہوگی ○ یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لئے جو رجوع ہونے والا اور پابندی کرنے والا ہو ○ جو رحمان کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو ○ تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ جاؤ۔ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے ○ یہ وہاں جو چاہیں انہی کا ہے بلکہ ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے ○

متکبر اور متجبر کا ٹھکانا: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۵) چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا جہنم سے وعدہ ہے کہ وہ اسے پر کر دے گا اس لئے قیامت کے دن جو جنات اور انسان اس کے قابل ہوں گے انہیں اس میں ڈال دیا جائے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ اب تو تو پر ہوگئی؟ اور یہ کہے گی کہ اگر کچھ اور گنہگار باقی ہوں تو انہیں بھی مجھ میں ڈال دو۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم میں گنہگار ڈالے جائیں گے اور وہ زیادتی طلب کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا پس وہ کہے گی بس بس۔ مسند احمد کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس وقت یہ سمٹ جائے گی اور کہے گی تیری عزت وکرم کی قسم بس بس اور جنت میں جگہ بچ جائے گی یہاں تک کہ ایک مخلوق کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ اس جگہ کو آباد کرے گا۔ صحیح بخاری میں ہے جنت اور دوزخ میں ایک مرتبہ گفتگو ہوئی جہنم نے کہا کہ میں ہر متکبر اور ہر متجبر کے لئے مقرر کی گئی ہوں اور جنت نے کہا میرا یہ حال ہے کہ مجھ میں کمزور لوگ اور وہ لوگ جو دنیا میں ذی عزت نہ سمجھے جاتے تھے وہ داخل ہوں گے۔ اللہ عزوجل نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا اس رحمت کے ساتھ نواز دوں گا اور جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے' تیرے ساتھ میں جسے چاہوں گا عذاب کروں گا۔ ہاں تم دونوں بالکل بھر جاؤ گی' تو جہنم تو نہ بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا اب وہ کہے گی بس بس بس۔ اس وقت وہ بھر جائے گی اور اس کے سب جوڑ آپس میں سمٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ ہاں جنت میں جو جگہ بچ رہے گی اس کے بھرنے کے

لئے اللہ عزوجل اور مخلوق پیدا کرے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں جہنم کا قول یہ ہے کہ مجھ میں جبر کرنے والے، تکبر کرنے والے بادشاہ داخل ہوں گے اور جنت نے کہا مجھ میں کمزور، ضعیف، فقیر، مسکین داخل ہوں گے۔

مسند ابویعلیٰ میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ذات قیامت کے دن دکھائے گا، میں سجدے میں گر پڑوں گا، اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا، پھر میں خدائے تعالیٰ کی ایسی تعریفیں کروں گا کہ اس سے وہ خوش ہو جائے گا پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی، پھر میری امت جہنم کے اوپر کے پل سے گذرنے لگے گی۔ بعض تو نگاہ کی سی تیزی کے ساتھ گذر جائیں گے، بعض تیر کی طرح پار ہو جائیں گے، بعض تیز گھوڑوں سے زیادہ تیزی سے پار ہو جائیں گے یہاں تک کہ ایک شخص گھٹنوں چلتا ہوا گذر جائے گا اور یہ مطابق اعمال کے ہوگا اور جہنم زیادتی طلب کر رہی ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا پس یہ سمٹ جائے گی اور کہے گی بس بس، اور میں حوض میں ہوں گا۔ لوگوں نے کہا حوض کیا ہے؟ فرمایا خدا کی قسم اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر برتن آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں، جسے اس کا پانی مل گیا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اور جو اس سے محروم رہ گیا اسے کہیں پانی نہیں ملے گا جو سیراب ہو سکے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں کوئی مکان ہے کہ مجھ میں زیادتی کی جائے؟ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں ایک کے بھی آنے کی جگہ ہے؟ میں بھر گئی۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس میں جہنمی ڈالے جائیں گے یہاں تک کہ وہ کہے گی میں بھر گئی اور کہے گی کہ کیا مجھ میں زیادتی کی گنجائش ہے؟ امام ابن جریرؒ پہلے قول کو ہی اختیار کرتے ہیں۔ اس دوسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ گویا ان بزرگوں کے نزدیک یہ سوال اس کے بعد ہوگا کہ خدا تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھ دے، اب جو اس سے پوچھے گا کہ کیا تو بھر گئی؟ تو وہ جواب دے گی کہ کیا مجھ میں کہیں بھی کوئی جگہ باقی رہی ہے جس میں کوئی آ سکے؟ یعنی باقی نہیں رہی، پر ہو گئی۔ حضرت عوفی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ اس وقت ہوگا جبکہ اس میں سوئی کے ناکے کے برابر بھی جگہ باقی نہ رہے گی۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے جنت قریب کی جائے گی یعنی قیامت کے دن جو دور نہیں ہے اس لئے کہ جس کا آنا یقینی ہو وہ دور نہیں سمجھا جاتا۔ اَوَّابٌ کے معنی رجوع کرنے والا، توبہ کرنے والا، گناہوں سے رک جانے والا۔ حَفِیظٌ کے معنی وعدوں کا پابند۔ حضرت عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں اَوَّابٌ وَّ حَفِیظٌ وہ ہے جو کسی مجلس میں بیٹھ کر نہ اٹھے جب تک کہ استغفار نہ کر لے۔ جو رحمان سے بن دیکھے ڈرتا رہے یعنی تنہائی میں بھی خوف خدا رکھے۔ حدیث میں ہے وہ بھی قیامت کے دن عرش خدا کا سایہ پائے گا جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہ نکلیں اور قیامت کے دن اللہ کے پاس دل سلامت لے کر جائے۔ جو اس کی جانب جھکنے والا ہو۔ اس میں یعنی جنت میں چلے جاؤ خدا کے تمام عذابوں سے تمہیں سلامتی مل گئی اور یہ بھی مطلب ہے کہ فرشتے ان پر سلام کریں گے یہ خُلُود کا دن ہے یعنی جنت میں ہمیشہ کے لئے جا رہے ہو جہاں کبھی موت نہیں، جہاں سے کبھی نکال دیئے جانے کا خطرہ نہیں، جہاں سے تبدیلی اور ہیر پھیر نہیں۔ پھر فرمایا یہ وہاں جو چاہیں گے پائیں گے بلکہ اور زیادہ بھی۔ کثیر بن مرہؒ فرماتے ہیں مزید میں یہ بھی ہے کہ اہل جنت کے پاس سے ایک بادل گذرے گا جس میں سے ندا آئے گی کہ تم کیا چاہتے ہو؟ جو تم چاہو میں برساؤں۔ پس یہ جس چیز کی خواہش کریں گے اس سے برسے گی۔

حضرت کثیرؒ فرماتے ہیں اگر میں اس مرتبہ میں پہنچا اور مجھ سے سوال ہوا تو میں کہوں گا کہ خوبصورت خوش لباس نوجوان کنواریاں برسائی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہارا جی جس پرند کے کھانے کو چاہے گا وہ اسی وقت بھنا بھنایا موجود ہو جائے گا۔ مسند احمد کی

مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر جنتی اولاد چاہے گا تو ایک ہی ساعت میں حمل اور بچہ اور بچے کی جوانی ہو جائے گی۔ امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ جس طرح یہ چاہے گا ہو جائے گا اور آیت میں ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔ صہیب بن سنان رومیؓ فرماتے ہیں اس زیادتی سے مراد اللہ کریم کے چہرے کی زیارت ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں ہر جمعہ کے دن انہیں دیدار باری تعالیٰ ہوگا یہی مطلب مزید کا ہے۔ مسند شافعی میں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک سفید آئینہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جس کے بیچوں بیچ ایک نکتہ تھا۔ حضورؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ جمعہ کا دن ہے جو خاص آپ کو اور آپ کی امت کو بطور فضیلت کے عطا فرمایا گیا ہے۔ سب لوگ اس میں تمہارے پیچھے ہیں' یہود بھی اور نصاریٰ بھی' تمہارے لئے اس میں بہت کچھ خیر و برکت ہے' اس میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے گا مل جاتا ہے' ہمارے یہاں اس کا نام يَوْمُ الْمَزِيْد ہے' حضورؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا تیرے رب نے جنت الفردوس میں ایک کشادہ میدان بنایا ہے جس میں مشکی ٹیلے ہیں' جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ جن جن فرشتوں کو چاہے اتارتا ہے' اس کے ارد گرد نوری ممبر ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم السلام رونق افروز ہوتے ہیں' یہ ممبر سونے کے ہیں جس پر جڑاؤ جڑے ہوئے ہیں۔ شہداء اور صدیق لوگ ان کے پیچھے ان مشکی ٹیلوں پر ہوں گے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا میں نے اپنا وعدہ تم سے سچا کیا' اب مجھ سے جو چاہو مانگو پاؤ گے۔ یہ سب کہیں گے ہمیں تیری خوشی اور رضامندی مطلوب ہے۔ اللہ فرمائے گا یہ تو میں تمہیں دے چکا' میں تم سے راضی ہو گیا' اس کے سوا بھی تم جو چاہو گے پاؤ گے اور میرے پاس اور زیادہ ہے۔ پس یہ لوگ جمعہ کے خواہش مند رہیں گے کیونکہ انہیں بہت سی نعمتیں اسی دن ملتی ہیں' یہی دن ہے جس دن تمہارا رب عرش پر مستوی ہوا' اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن قیامت آئے گی۔ اسی طرح اسے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام کی کتاب الجمعہ میں بھی وارد کیا ہے' امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر کے موقع پر ایک بہت بڑا اثر وارد کیا ہے جس میں بہت سی باتیں غریب ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں جنتی ستر سال تک ایک ہی طرف متوجہ بیٹھا رہے گا پھر ایک حور آئے گی جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرے گی' وہ اتنی خوبصورت ہوگی کہ اس کے رخسار میں اسے اپنی شکل اس طرح نظر آئے گی جیسے آبدار آئینے میں' وہ جو زیورات پہنے ہوئے ہوگی ان میں کا ایک ایک ادنیٰ موتی ایسا ہوگا کہ اس کی جوت سے ساری دنیا منور ہو جائے' وہ سلام کرے گی' یہ جواب دے کر پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گی میں ہوں جسے قرآن میں ''مزید'' کہا گیا تھا۔ اس پر ستر حلے ہوں گے لیکن تاہم اس کی خوبصورتی اور چمک دمک اور صفائی کی وجہ سے باہر ہی سے اس کی پنڈلی کا گودا تک نظر آئے گا' اس کے سر پر جڑاؤ تاج ہوگا جس کا ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کو روشن کر دینے کے لئے کافی ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

ان سے پہلے بھی ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے طاقت میں بہت زیادہ تھیں وہ شہروں میں ڈھونڈتے ہی رہ گئے کہ کوئی بھاگنے کا ٹھکانا ہے؟ ○ اس میں ہر صاحب دل کے لئے عبرت ہے اور اس کے لئے جو دل سے متوجہ ہو کر کان لگائے ○ یقیناً ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو صرف چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں ○ یہ جو کچھ کہتے ہیں تو اس پر صبر کرتا رہ اور اپنے رب کی تسبیح تعریف کے ساتھ بیان کرتا رہ' سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے بھی ○ اور رات کے کسی وقت بھی اور نماز کے بعد بھی ○

بے سود کوشش: ☆☆ (آیت: ۳۶-۴۰) ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کفار تو ہیں کیا چیز؟ ان سے بہت زیادہ قوت و طاقت اور اسباب تعداد کے لوگوں کو اسی جرم پر ہم تہ و بالا کر چکے ہیں جنہوں نے شہروں میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں' زمین میں خوب فساد کیا تھا' لمبے لمبے سفر کرتے تھے ہمارے عذاب دیکھ کر بچنے کی جگہ تلاش کرنے لگے مگر یہ کوشش بالکل بے سود تھی' خدا کی قضا و قدر اور اس کی پکڑ دھکڑ سے کون بچ سکتا تھا؟ پس تم بھی یاد رکھو کہ جس وقت میرا عذاب آ گیا بغلیں جھانکتے رہ جاؤ گے اور بھوسے کی طرح اڑا دیئے جاؤ گے- ہر عقلمند کے لئے اس میں کافی عبرت ہے- اگر کوئی ایسا بھی ہو جو سمجھداری کے ساتھ کان لگائے وہ بھی اس میں بہت کچھ پا سکتا ہے یعنی دل کو حاضر کر کے کانوں سے سنے- پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے آسمانوں کو زمین کو اور اس کے درمیان کی چیزوں کو چھ روز میں پیدا کر دیا اور وہ تھکا نہیں- اس میں بھی موت کے بعد کی زندگی پر خدا کے قادر ہونے کا ثبوت ہے کہ جو ایسی بڑی مخلوق کو اولاً پیدا کر چکا ہے' اس پر مردوں کا جلانا کیا بھاری ہے؟ حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے کہ ملعون یہود کہتے تھے کہ چھ دن میں مخلوق کو رچا کر خالق نے ساتویں روز آرام کیا اور یہ دن ہفتہ کا تھا اس کا نام ہی انہوں نے یوم الراحت رکھ چھوڑا تھا-

پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اس واہی خیال کی تردید کی کہ ہمیں تھکن ہی نہ تھی آرام کیسا؟ جیسے اور آیت میں ہے وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ یعنی کیا انہوں نے نہیں دیکھا؟ کہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھکا؟ وہ مردوں کے جلانے پر قادر نہیں؟ ہاں کیوں نہیں وہ تو ہر چیز پر قادر ہے- ایک اور آیت میں ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ الخ' البتہ آسمان و زمین کی پیدائش لوگوں کی پیدائش سے بہت بڑی ہے- ایک اور آیت میں ہے ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا کیا تمہاری پیدائش زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی' اسے خدا نے بنایا ہے- پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہ جھٹلانے اور انکار کرنے والے جو سناتے ہیں اسے صبر سے سنتے رہو اور انہیں مہلت دو' ان کو چھوڑ دو اور سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے اور رات کو خدا کی پاکی اور تعریف کیا کرو- معراج سے پہلے صبح کی اور عصر کی نماز فرض تھی اور رات کی تہجد آپ پر اور آپ کی امت پر ایک سال تک واجب رہی' اس کے بعد آپ کی امت سے اس کا وجوب منسوخ ہو گیا- اس کے بعد معراج والی رات پانچ نمازیں فرض ہوئیں جن میں فجر اور عصر کی نمازیں جوں کی توں رہیں- پس سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے سے مراد فجر کی اور عصر کی نماز ہے-

مسند احمد میں ہے ہم حضورؐ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور اسے اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو' جس کے دیکھنے میں کوئی دھکا پیلی نہیں' پس اگر تم سے ہو سکے تو خبردار سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نمازوں سے غافل نہ ہو جایا کرو' پھر آپ نے آیت وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ پڑھی' یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے- رات کو بھی اس کی تسبیح بیان کر یعنی نماز پڑھ- جیسے فرمایا وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ الخ' یعنی رات کو تہجد کی نماز پڑھا کر یہ زیادتی خاص تیرے لئے ہی ہے' تجھے تیرا رب مقام محمود میں کھڑا کرنے والا ہے- سجدوں کے پیچھے سے مراد بقول حضرت ابن عباسؓ نماز کے بعد خدا کی پاکی بیان کرنا ہے- صحیحین میں حضرت

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مفلس مہاجر آئے اور کہا یا رسول اللہ! مالدار لوگ بلند درجے اور ہمیشگی والی نعمتیں حاصل کر چکے۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ جواب دیا کہ ہماری طرح نماز روزہ تو وہ بھی کرتے ہیں لیکن وہ صدقہ دیتے ہیں جو ہم نہیں دے سکتے' وہ غلام آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا آؤ تمہیں ایک ایسا عمل بتلاؤں کہ جب تم اسے کرو تو سب سے آگے نکل جاؤ اور تم سے افضل کوئی نہ نکلے لیکن جو اس عمل کو کرے۔ تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر پڑھ لیا کرو' پھر وہ آئے اور کہا یا رسول اللہ! ہمارے مال دار بھائیوں نے بھی آپ کی اس حدیث کو سنا اور وہ بھی اس عمل کو کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا پھر یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہیں۔ حضرت عمر' حضرت علی' حضرت حسن بن علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم کا یہی فرمان ہے اور یہی قول ہے حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت شعبی' حضرت نخعی' حضرت قتادہ' رحمہم اللہ وغیرہ کا۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ ہر فرض نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے بجز فجر اور عصر کی نماز کے۔ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں ہر نماز کے پیچھے۔

ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ہاں گذاری آپ نے فجر کے فرضوں سے پہلے دو ہلکی رکعتیں ادا کیں پھر گھر سے نماز کے لئے نکلے اور فرمایا اے ابن عباسؓ! فجر کے پہلے کی دو رکعتیں اَدْبَارَ النُّجُوْمِ ہیں اور مغرب کے بعد کی دو رکعتیں اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ہیں۔ یہ اسی رات کا ذکر ہے جس رات حضرت عبداللہؓ نے تہجد کی نماز کی تیرہ رکعتیں آپ کی اقتدا میں ادا کی تھیں اور یہ رات آپ کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کی تھی۔ لیکن اوپر جو بیان ہوا یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں۔ ہاں اصل حدیث تہجد کی تو بخاری مسلم میں ہے۔ ممکن ہے کہ پچھلا کلام حضرت ابن عباسؓ کا اپنا ہو۔ واللہ اعلم

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۚ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿٤٥﴾

ع ۱۶ / ۱۷

اور سن رکھ کہ جس دن ایک پکارنے والا قریب ہی کی جگہ سے پکارے گا ○ جس روز اس تند و تیز چیخ کو یقین کے ساتھ سب سن لیں گے' یہ دن ہوگا نکلنے کا ○ ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ پھر کر آنا ہے ○ جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے نکل پڑیں گے' یہ جمع کر لینا ہم پر بہت ہی آسان ہے ○ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں ○

جب ہم سب قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۵) حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ بیت المقدس کے پتھر پر کھڑا ہو کر آواز لگائے کہ اے سڑی گلی ہڈیو اور اے جسم کے متفرق اجزاؤ! اللہ تمہیں جمع ہو جانے کا حکم دیتا ہے تا کہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ پس مراد اس سے صور ہے' یہ حق اس شک وشبہ اور اختلاف کو مٹا دے گا جو اس سے پہلے تھا' یہ قبروں سے نکل کھڑے ہونے کا دن ہوگا۔ ابتدا پیدا کرنا پھر لوٹانا اور تمام خلائق کو ایک جگہ لوٹا لانا یہ ہمارے ہی بس کی بات ہے۔ اس وقت ہر

ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ہم دیں گے۔ تمام بھلائی برائی کا عوض ہر ہر شخص پا لے گا' زمین پھٹ جائے گی اور سب جلدی جلدی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے مخلوقات کے بدن اگنے لگیں گے جس طرح کیچڑ میں پڑا ہوا دانہ بارش سے اگ جاتا ہے۔ جب جسم کی پوری نشوونما ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیلؑ کو صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ تمام روحیں صور کے سوراخ میں ہوں گی' ان کے صور پھونکتے ہی روحیں آسمان کے درمیان پھرنے لگ جائیں گی' اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے عزت وجلال کی قسم ہے ہر روح اپنے اپنے جسم میں چلی جائے جسے اس نے دنیا میں آباد کر رکھا تھا۔ پس ہر روح اپنے اپنے اصلی جسم میں جا ملے گی اور جس طرح زہریلے جانور کا اثر چوپائے کے رگ وریشہ میں بہت جلد پہنچ جاتا ہے اس طرح اس جسم کے رگ وریشے میں فوراً روح دوڑ جائے گی اور ساری مخلوق اللہ کے فرمان کے ماتحت دوڑتی ہوئی جلد از جلد میدان محشر میں حاضر ہو جائے گی' یہ وقت ہوگا جو کافروں پر بہت ہی سخت ہوگا۔ فرمان باری ہے یَوۡمَ یَدۡعُوۡکُمۡ فَتَسۡتَجِیۡبُوۡنَ بِحَمۡدِہٖ الخ' یعنی جس دن وہ تمہیں پکارے گا تم اس کی تعریفیں کرتے ہوئے جواب دو گے اور سمجھتے ہو گے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے۔

صحیح مسلم میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں سب سے پہلے میری قبر کی زمین شق ہوگی۔ فرماتا ہے کہ یہ دوبارہ کھڑا کرنا ہم پر بہت ہی سہل اور بالکل آسان ہے۔ جیسے اللہ جل جلالہ نے فرمایا وَمَآ اَمۡرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ یعنی ہمارا حکم اس طرح یکبارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ ایک اور آیت میں ہے مَا خَلۡقُکُمۡ وَلَا بَعۡثُکُمۡ اِلَّا کَنَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ یعنی تم سب کا پیدا کرنا اور پھر مارنے کے بعد جلا دینا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کا۔ اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے۔ پھر جناب باری کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی! یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہمارے علم سے باہر نہیں' تو اسے اہمیت نہ دے ہم خود نپٹ لیں گے۔ جیسے اور جگہ ہے وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّکَ یَضِیۡقُ صَدۡرُکَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ الخ' واقعی ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہیں سو اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی پاکی اور تعریف کرتے رہئے اور نمازوں میں رہئے اور موت آ جانے تک اپنے رب کی عبادت میں لگے رہئے۔ پھر فرماتا ہے تو انہیں ہدایت پر جبراً نہیں لا سکتا' نہ ہم نے تجھے اس کی تکلیف دی ہے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ ان پر جبر نہ کرو۔ لیکن پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ الفاظ میں یہ نہیں کہ تم ان پر جبر نہ کرو بلکہ یہ ہے کہ تم ان پر جبار نہیں ہو' یعنی آپ مبلغ ہیں' تبلیغ کر کے اپنے فریضے سے سبکدوش ہو جایئے۔ جبر معنی میں اجبر کے بھی آتا ہے۔ آپ نصیحت کرتے رہئے' جس کے دل میں خوف خدا ہے' جو اس کے عذابوں سے ڈرتا ہے اور اس کی رحمتوں کا امیدوار ہے وہ ضرور اس تبلیغ سے نفع اٹھائے گا اور راہ راست پر آ جائے گا۔ جیسے فرمایا ہے فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ وَعَلَیۡنَا الۡحِسَابُ یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے حساب تو ہمارے ذمے ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِنَّمَآ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ لَّسۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ تو نصیحت کر دے تو صرف نصیحت کرنے والا ہے کچھ ان پر داروغہ نہیں۔ ایک اور جگہ ہے تجھ پر ان کی ہدایت نہیں بلکہ خدا جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔ اور جگہ ہے اِنَّکَ لَا تَہۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ یعنی تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ خدا جسے چاہے راہ راست پر لا کھڑا کرتا ہے۔ اسی مضمون کو یہاں بھی بیان فرمایا ہے۔

حضرت قتادہؒ اس آیت کو سن کر یہ دعا کرتے اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنَا مِمَّنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدَکَ وَیَرۡجُوۡ مَوۡعِدَکَ یَابَارُّ یَا رَحِیۡمُ یعنی اے اللہ! تو ہمیں ان میں سے کر جو تیری سزاؤں کے ڈراوے سے ڈرتے ہیں اور تیری نعمتوں کے وعدے کی امید لگائے ہوئے ہیں اے بہت زیادہ احسان کرنے والے اور اے بہت زیادہ رحم کرنے والے۔ سورۂ ق کی تفسیر ختم ہوئی۔ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَحَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ۔

تفسیر سورة الذاریات
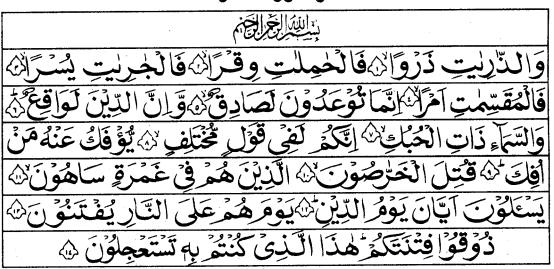
مہربان اور کرم فرما معبود برحق کے نام سے شروع ○

قسم ہے بکھیرنے والیوں کی اڑا کر ○ پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو ○ پھر چلنے والیاں نرمی سے ○ پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں ○ یقین مانو تم سے جو وعدے کئے جاتے ہیں سب سچے ہیں ○ اور بیشک انصاف ہونے والا ہی ہے ○ قسم ہے راہوں والے آسمان کی ○ یقیناً تم مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو ○ اس سے وہی باز رکھا جاتا ہے جو پھیر دیا گیا ہو ○ بے سند باتیں بنانے والے غارت کر دیئے گئے ○ جو غفلت میں ہیں اور بھولے ہوئے ہیں ○ پوچھتے ہیں کہ یوم جزا کب ہو گا؟ ○ ہاں یہ وہ دن ہے کہ یہ آگ پر الٹے سیدھے پڑیں گے ○ اپنی سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے ○

(آیت:۱-۱۴) خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفے کے ممبر پر چڑھ کر ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ قرآن کریم کی جس آیت کی بابت اور جس سنت رسول کی بابت تم کوئی سوال کرنا چاہتے ہو کر لو۔ اس پر ابن الکواء نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ ذَارِیَات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا' پوچھا حَامِلَاتِ سے؟ فرمایا ابر۔ کہا جَارِیَاتِ سے؟ فرمایا کشتیاں' کہا مُقَسِّمَاتِ سے؟ فرمایا فرشتے۔ اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے۔ بزار میں ہے صبیغ تمیمی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا بتلاؤ ذاریات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا اور اسے میں نے اگر رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوا نہ ہوتا تو میں کبھی نہ کہتا۔ پوچھا مُقَسِّمَاتِ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا فرشتے اور اسے بھی میں نے حضورؐ سے سن رکھا ہے۔ پوچھا جاریات سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا کشتیاں' یہ بھی اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے نہ سنا ہوتا تو تجھ سے نہ کہتا۔ پھر حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں چنانچہ اسے درے مارے گئے اور ایک مکان میں رکھا گیا جب زخم اچھے ہو گئے تو بلوا کر پھر سو کوڑے پٹوائے اور سوار کرا کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ یہ کسی مجلس میں نہ بیٹھنے پائے' کچھ دنوں بعد یہ حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس آئے اور بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر انہیں یقین دلایا کہ اب میرے خیالات کی پوری اصلاح ہو چکی' اب میرے دل میں بدعقیدگی نہیں رہی جو پہلے تھی۔

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جناب امیر المؤمنین کی خدمت میں اس کی اطلاع دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میرا خیال ہے کہ اب وہ واقعی ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کے جواب میں دربار خلافت سے فرمان پہنچا کہ پھر انہیں مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دے دی جائے۔

امام ابوبکر بزارؒ فرماتے ہیں اس کے دو راویوں میں کلام ہے پس یہ حدیث ضعیف ہے۔ ٹھیک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث بھی موقوف ہے یعنی حضرت عمرؓ کا اپنا فرمان ہے مرفوع حدیث نہیں۔ امیر المؤمنین نے اسے جو پٹوایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی بدعقیدگی آپ پر ظاہر ہو چکی تھی اور اس کے یہ سوالات از روئے انکار اور مخالفت کے تھے واللہ اعلم۔ صبیغ کے باپ کا نام عسل تھا اور اس کا یہ قصہ مشہور ہے جسے پورا پورا حافظ ابن عساکرؒ لائے ہیں۔ یہی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت مجاہدؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت حسنؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت سدیؒ وغیرہ سے مروی ہے۔ امام ابن جریرؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ نے ان آیتوں کی تفسیر میں اور کوئی قول وارد ہی نہیں کیا۔ حاملات سے مراد ابر ہونے کا محاورہ اس شعر سے بھی پایا جاتا ہے۔

واسلمت نفسی لمن اسلمت له المزن تحمل عذباز لا لا

یعنی میں اپنے آپ کو اس خدا کا تابع فرمان کرتا ہوں جس کے تابع فرمان وہ بادل ہیں جو صاف شفاف میٹھے اور ہلکے پانی کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ جاریات سے مراد بعض نے ستارے لی ہے جو آسمان پر چلتے پھرتے رہتے ہیں یہ معنی لینے میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوگی۔ اولاً ہوا پھر بادل پھر ستارے پھر فرشتے۔ جو کبھی اللہ کا حکم لے کر اترتے ہیں کبھی کوئی سپرد کردہ کام بجالانے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ چونکہ یہ سب قسمیں اس بات پر ہیں کہ قیامت ضرور آنی ہے اور لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اس لئے ان کے بعد ہی فرمایا کہ تمہیں جو وعدہ دیا جاتا ہے وہ سچا ہے اور حساب کتاب، جزا و سزا ضرور واقع ہونے والی ہے۔ پھر آسمان کی قسم کھائی جو خوبصورتی، رونق، حسن اور برابری والا ہے۔ بہت سے سلف نے یہی معنی حبك کے بیان کئے ہیں۔ حضرت ضحاکؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پانی کی موجیں، ریت کے ذرے اور کھیتیوں کے پتے ہوا کے زور سے جب لہراتے ہیں اور پرشکن لہرئے دار ہو جاتے ہیں اور گویا ان میں راستے پڑ جاتے ہیں اسی کو حبك کہتے ہیں۔ ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہارے پیچھے کذاب بہکانے والا ہے اس کے سر کے بال پیچھے کی طرف سے حبک حبک ہیں یعنی گھونگروالے۔ ابوصالح فرماتے ہیں حبک سے مراد شدت والا خصیف کہتے ہیں مراد خوش منظر ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس کی خوبصورتی اس کے ستارے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد ساتواں آسمان ہے۔ ممکن ہے آپ کا مطلب یہ ہو کہ قائم رہنے والے ستارے اس آسمان میں ہیں۔ اکثر علماء ہئیت کا بیان ہے کہ یہ آٹھویں آسمان میں ہیں جو ساتویں کے اوپر ہے واللہ اعلم۔ ان تمام اقوال کا ماحصل ایک ہی ہے یعنی حسن و رونق والا آسمان۔ اس کی بلندی، اس کی صفائی، اس کی پاکیزگی، اس کی بناوٹ کی عمدگی، اس کی مضبوطی، اس کی چوڑائی اور کشادگی، اس کا ستاروں سے جگمگانا جن میں سے بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں اور بعض ٹھہرے ہوئے ہیں، اس کا سورج اور چاند جیسے سیاروں سے مزین ہونا یہ سب اس کی خوبصورتی اور عمدگی کی چیزیں ہیں۔ پھر فرماتا ہے اے مشرکو! تم اپنے ہی اقوال میں مختلف اور مضطرب ہو، تم کسی صحیح نتیجے پر اب تک خود اپنے طور پر بھی نہیں پہنچے ہو۔ کسی رائے پر تمہارا اجتماع نہیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو قرآن کو سچا جانتے تھے، بعض اس کی تکذیب کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے یہ حالت اسی کی ہوتی ہے جو خود گمراہ ہو۔ وہ اپنے ایسے باطل اقوال کی وجہ سے بہک اور بھٹک جاتا ہے، صحیح سمجھ اور سچا علم اس سے فوت ہو جاتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ یعنی تم لوگ مع اپنے معبودان باطل کے بجز جہنمی لوگوں کے کسی کو ٹھ نہیں سکتے۔ حضرت ابن عباسؓ اور سدیؒ فرماتے ہیں اس سے گمراہ وہی ہوتا ہے جو خود بہکا ہوا ہو۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے دور وہی ہوتا ہے جو بھلائیوں سے دور ڈال دیا گیا ہے۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں قرآن سے

وہی ہٹتا ہے جو اس سے پہلے ہی سے جھٹلانے پر کمر کس لے- پھر فرماتا ہے کہ بے سند باتیں کہنے والے ہلاک ہوں' یعنی جھوٹی باتیں بنانے والے جنہیں یقین نہ تھا' جو کہتے تھے کہ ہم اٹھائے نہیں جائیں گے- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی شک کرنے والے ملعون ہیں-

حضرت معاذؓ بھی اپنے خطبے میں یہی فرماتے تھے یہ دھوکے والے اور بدگمان لوگ ہیں- پھر فرمایا جو لوگ اپنے کفر و شک میں غافل اور بے پرواہ ہیں- یہ لوگ از روئے انکار پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب آئے گا؟ اللہ فرماتا ہے اس دن تو یہ آگ میں تپائے جائیں گے جس طرح سونا تپایا جاتا ہے' یہ اس میں جلیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا مزہ چکھو- اپنے کرتوت کے بدلے برداشت کرو- پھر ان کی اور زیادہ حقارت کے لئے ان سے بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا یہی ہے جس کی جلدی مچا رہے تھے کہ کب آئے گا' کب آئے گا' واللہ اعلم-

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٥﴾ ءَاخِذِينَ مَا ءَاتَىٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾

بیشک تقویٰ والے لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہوں گے ○ ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اسے لے رہے ہوں گے' وہ تو اس سے پہلے ہی نیک کار تھے ○

حسن کارکردگی کے انعامات: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۶) پرہیزگار' خداترس لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کے دن جنتوں میں اور نہروں میں ہوں گے بخلاف ان بدکرداروں کے جو عذاب وسزا میں' طوق وزنجیر میں' سختی اور مار پیٹ میں ہوں گے- جو فرائض خدا ان کے پاس آئے تھے یہ ان کے حامل تھے اور ان سے پہلے بھی وہ اخلاص کے کام کرنے والے تھے- لیکن اس تفسیر میں ذرا تامل ہے دو وجہ سے' اول تو یہ کہ یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ کی کہی جاتی ہے لیکن سند صحیح سے ان تک نہیں پہنچتی بلکہ اس کی یہ سند بالکل ضعیف ہے' دوسرے یہ کہ اٰخِذِیْنَ کا لفظ حال ہے اگلے جملے سے' تو یہ مطلب ہوا کہ متقی لوگ جنت میں خدا کی دی ہوئی نعمتیں حاصل کر رہے ہوں گے- اس سے پہلے وہ بھلائی کے کام کرنے والے تھے یعنی دنیا میں- جیسے اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اور آیتوں میں فرمایا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ یعنی دار دنیا میں تم نے جو نیکیاں کی تھیں ان کے بدلے اب تم یہاں شوق سے پاکیزہ و پسندیدہ کھاتے پیتے رہو-

كَانُوا۟ قَلِيلًا مِّنَ ٱلَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَبِٱلْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ وَفِىٓ أَمْوَٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَٱلْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾ وَفِى ٱلْأَرْضِ ءَايَٰتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَفِىٓ أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾ وَفِى ٱلسَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ إِنَّهُۥ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾

وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے ○ اور آخری رات میں استغفار کیا کرتے تھے ○ اور ان کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا ○ یقین والوں کے لئے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں ○ اور خود تمہاری ذات میں بھی' تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ ○ اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے ○ آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم کہ یہ بالکل برحق ہے ایسا ہی جیسے کہ تم باتیں کرتے ہو ○

(آیت: ۱۷-۲۳) پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے عمل کے اخلاص یعنی ان کے احسان کی تفصیل بیان فرما رہا ہے کہ یہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہاں ما نافیہ ہے تو بقول حضرت ابن عباسؓ وغیرہ یہ مطلب ہوگا کہ ان پر کوئی رات ایسی نہ گذرتی تھی جس کا کچھ حصہ یاد خدا میں نہ گذارتے ہوں خواہ اول میں کچھ نوافل پڑھ لیں خواہ درمیان میں۔ یعنی کچھ نہ کچھ' کسی نہ کسی وقت نماز عموماً ہر رات پڑھ ہی لیا کرتے تھے' ساری رات سوتے سوتے نہیں گذارتے تھے۔ حضرت ابوالعالیہؒ وغیرہ فرماتے ہیں یہ لوگ مغرب' عشاء کے درمیان کچھ نوافل پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام ابو جعفر باقر فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے نہیں سوتے تھے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ ما موصولہ ہے یعنی ان کی نیند رات کی کم تھی' کچھ سوتے تھے کچھ جاگتے تھے اور اگر دل لگ گیا تو صبح ہو جاتی تھی اور پھر پچھلی رات کو جناب باری میں گڑگڑا کر توبہ استغفار کرتے تھے۔ حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا یہ مطلب بیان کر کے پھر فرماتے تھے افسوس مجھ میں یہ بات نہیں۔ آپ کے شاگرد خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے جنتیوں کے جو اعمال اور جو صفات بیان ہوئے ہیں میں جب کبھی اپنے اعمال وصفات کو ان کے مقابلے میں رکھتا ہوں تو بہت کچھ فاصلہ پاتا ہوں۔ لیکن الحمدللہ جہنمیوں کے عقائد کے بالمقابل جب میں اپنے عقائد کو لاتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ تو بالکل ہی خیر سے خالی تھے' وہ کتاب اللہ کے منکر' وہ رسول اللہ کے منکر' وہ موت کے بعد کی زندگی کے منکر' پس ہماری تو حالت وہی ہے جو خدائے تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کی بتلائی ہے خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا یعنی نیکیاں بدیاں ملی جلی۔ حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے قبیلہ بنوتمیم کے ایک شخص نے کہا اے ابوسلمہ! یہ صفت تو ہم میں نہیں پائی جاتی کہ ہم رات کو بہت کم سوتے ہوں بلکہ ہم تو بہت کم وقت عبادت خدا میں گذارتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا وہ شخص بھی بہت ہی خوش نصیب ہے جو نیند آئے تو سو جائے اور جاگے تو اللہ سے ڈرتا رہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب شروع شروع رسول اللہ ﷺ مدینہ شریف میں تشریف لائے تو لوگ آپ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے اور اس مجمع میں میں بھی تھا' واللہ آپ کے مبارک چہرہ پر نگاہ پڑتے ہی اتنا تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلی بات جو رسول کریم ﷺ کی میرے کان میں پڑی' تھی کہ آپ نے یہ فرمایا اے لوگو! کھانا کھلاتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو اور سلام کیا کرو اور راتوں کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں نماز ادا کرو' تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کے اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے نظر آتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ! یہ کن کے لئے ہیں؟ فرمایا ان کے لئے جو نرم کلام کریں اور دوسروں کو کھلاتے پلاتے رہیں اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں یہ نمازیں پڑھتے رہیں۔ حضرت زہریؒ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات کا اکثر حصہ تہجد گذاری میں نکالتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ رات کا بہت کم حصہ وہ سوتے ہیں۔ حضرت ضحاکؒ كَانُوْا قَلِيْلًا کو اس سے پہلے کے جملے کے ساتھ ملاتے ہیں اور مِنَ الَّيْلِ سے ابتدا بتلاتے ہیں لیکن اس قول میں بہت دوری اور تکلف ہے۔ پھر اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے سحر کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں۔ مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں۔ اور مفسرین فرماتے ہیں راتوں کو قیام کرتے ہیں اور صبح کے ہونے کے وقت اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمان باری ہے وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ یعنی سحر کے وقت یہ لوگ استغفار کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگر یہ استغفار نماز میں ہی ہو تو بھی بہت اچھا ہے' صحاح وغیرہ میں صحابہ کی ایک جماعت کی کئی روایتوں سے ثابت ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمان

دنیا کی طرف اترتا ہے اور فرماتا ہے' کوئی گنہگار ہے؟ جو توبہ کرے اور میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی استغفار کرنے والا ہے جو استغفار کرے اور میں اسے بخشوں؟ کوئی مانگنے والا ہے جو مانگے اور میں اسے دوں؟ فجر کے طلوع ہونے تک یہی فرماتا ہے۔ اکثر مفسرین نے فرمایا کہ نبی اللہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لڑکوں سے جو فرمایا تھا کہ سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ رَبِّیۡ میں اب عنقریب تمہارے لیے استغفار کروں گا' اس سے بھی مطلب یہی تھا کہ سحر کا وقت جب آئے گا تب میں استغفار کروں گا۔

پھر ان کا یہ وصف بیان کیا جاتا ہے کہ جہاں یہ نمازی ہیں اور حق اللہ ادا کرتے ہیں' وہاں لوگوں کے حق بھی نہیں بھولتے۔ زکوٰۃ دیتے ہیں' سلوک' احسان اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ان کے مال میں ایک مقررہ حصہ مانگنے والوں اور ان حقداروں کا ہے جو سوال سے بچتے ہیں۔ ابو داؤد وغیرہ میں ہے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں سائل کا حق ہے گو وہ گھوڑ سوار ہو' مَحۡرُوۡمٌ وہ ہے جس کا کوئی حصہ بیت المال میں نہ ہو خود اس کے پاس کوئی کام کاج نہ ہو' صنعت و حرفت یاد نہ ہو جس سے روزی کما سکے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ کچھ سلسلہ کمانے کا کر رکھا ہے لیکن اتنا نہیں پاتے کہ انہیں کافی ہو جائے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں وہ شخص جو مالدار تھا لیکن مال تباہ ہو گیا' چنانچہ یمامہ میں جب پانی کی طغیانی آئی اور ایک شخص کا تمام مال اسباب بہا لے گئی تو ایک صحابی نے فرمایا یہ محروم ہے اور بزرگ مفسرین فرماتے ہیں محروم سے مراد وہ شخص ہے جو باوجود حاجت کے کسی سے سوال نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو گھومتے پھرتے ہیں اور جنہیں ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں تم دے دیا کرتے ہو بلکہ حقیقتاً وہ لوگ بھی مسکین ہیں جو اتنا نہیں پاتے کہ انہیں حاجت نہ رہے' نہ اپنا حال قال ایسا رکھتے ہیں کہ کسی پر ان کی حاجت و افلاس ظاہر ہو اور کوئی انہیں صدقہ دے (بخاری مسلم)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مکے شریف جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کتا پاس آ کر کھڑا ہو گیا آپ نے ذبح کردہ بکری کا ایک شانہ کاٹ کر اس کی طرف ڈال دیا اور فرمایا لوگ کہتے ہیں یہ بھی محروم میں سے ہے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں میں تو عاجز آ گیا لیکن محروم کے معنی معلوم نہ کر سکا۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں محروم وہ ہے جس کے پاس مال نہ رہا ہو' خواہ وجہ کچھ بھی ہو یعنی حاصل ہی نہ کر سکا۔ کمانے کھانے کا سلیقہ ہی نہ ہو یا کام ہی نہ چلتا ہو یا کسی آفت کے باعث جمع شدہ مال ضائع ہو گیا ہو وغیرہ۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر کافروں کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا خدا نے انہیں غلبہ دیا اور مال غنیمت بھی ملا پھر کچھ لوگ آپ کے پاس وہ بھی آ گئے جو غنیمت حاصل ہونے کے وقت موجود نہ تھے' پس یہ آیت اتری۔ اس کا اقتضا تو یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہو لیکن دراصل ایسا نہیں بلکہ یہ آیت مکی ہے۔ پھر فرماتا ہے یقین رکھنے والوں کے لئے زمین میں بھی بہت سے نشانات قدرت موجود ہیں' جو خالق کی عظمت و عزت' ہیبت و جلالت پر دلالت کرتے ہیں دیکھو کہ کس طرح اس میں حیوانات اور نباتات کو پھیلا دیا ہے اور کس طرح اس میں پہاڑوں' میدانوں' سمندروں اور دریاؤں کو رواں کیا ہے۔ پھر انسان پر نظر ڈالو ان کی زبانوں کے اختلاف کو' ان کے رنگ روپ کے اختلاف کو' ان کے ارادوں اور قوتوں کے اختلاف کو' ان کی عقل و فہم کے اختلاف کو' ان کی حرکات و سکنات کو' ان کی نیکی بدی کو دیکھو' ان کی بناوٹ پر غور کرو کہ ہر عضو کیسی مناسب جگہ ہے۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا خود تمہارے وجود میں ہی اس کی بہت سی نشانیاں ہیں' کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں جو شخص اپنی پیدائش میں غور کرے گا' اپنے جوڑوں کی ترکیب پر نظر ڈالے گا وہ یقین کر لے گا کہ بیشک اسے خدا نے ہی پیدا کیا اور اپنی عبادت کے لئے ہی بنایا ہے۔ پھر فرماتا ہے آسمان میں تمہاری روزی ہے یعنی بارش اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے

یعنی جنت۔ حضرت واصل احدب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا افسوس میرا رزق تو آسمانوں میں ہے اور میں اسے زمین میں تلاش کر رہا ہوں؟ یہ کہہ کر بستی چھوڑ کر اجاڑ جنگل میں چلے گئے۔ تین دن تک تو انہیں کچھ بھی نہ ملا لیکن تیسرے دن دیکھتے ہیں کہ ترکھجوروں کا ایک خوشہ ان کے پاس رکھا ہوا ہے۔ ان کے بھائی ساتھ ہی تھے دونوں بھائی آخری دم تک اسی طرح جنگلوں میں رہے۔

پھر اللہ کریم خود اپنی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ میرے جو وعدے ہیں مثلاً قیامت کے دن دوبارہ جلانے کا' جزا و سزا کا' یہ یقیناً سراسر سچے اور قطعاً بے شبہ ہو کر رہنے والے ہیں' جیسے تمہیں تمہاری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ میں شک نہیں ہوتا اسی طرح تمہیں ان میں بھی کوئی شک ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی بات کہتے تو فرماتے یہ بالکل حق ہے جیسے کہ تیرا یہاں ہونا حق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں اللہ انہیں برباد کرے جو خدا کی قسم کو بھی نہ مانیں' یہ حدیث مرسل ہے یعنی تابعی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ صحابیؓ کا نام نہیں لیتے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۖ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۖ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

کیا تجھے ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟ ○ وہ جب ان کے ہاں آئے اور سلام کیا اور ابراہیم نے جواب سلام دیا اور کہا یہ تو اجنبی لوگ ہیں ○ پھر چپ چاپ جلدی جلدی اپنے گھر والوں کی طرف گئے' اور ایک فربہ بچھڑے کا گوشت لائے ○ اور اسے ان کے پاس رکھا اور کہا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ ○ پھر تو دل ہی دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے' انہوں نے کہا آپ خوف نہ کیجئے اور انہوں نے حضرت ابراہیم کو ایک دانا عالم لڑکے کے ہونے کی بشارت دی ○ پس ان کی بیوی نے حیرت میں آ کر اپنے منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور ساتھ ہی بانجھ ○ انہوں نے کہا ہاں تیرے پروردگار نے اسی طرح فرما دیا ہے' کچھ شک نہیں کہ وہ بہت بڑی حکمت والا اور کامل علم والا ہے ○

مہمان اور میزبان؟: ☆☆ (آیت: ۲۴-۳۰) یہ واقعہ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں بھی گذر چکا ہے' یہ مہمان فرشتے تھے جو بہ شکل انسان آئے تھے جنہیں خدا نے عزت و شرافت دے رکھی ہے' حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے کرام کی ایک جماعت کہتی ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا واجب ہے' حدیث میں بھی یہ آیا ہے اور قرآن کریم کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ انہوں نے سلام کیا جس کا جواب خلیل خدا علیہ السلام نے بڑھا کر دیا۔ اس کا ثبوت دوسرے سلام پر دو پیش کا ہونا ہے اور یہی فرمان باری تعالیٰ ہے۔ فرماتا ہے وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا یعنی جب کوئی تمہیں سلام کرے تو تم اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم اتنا ہی۔ پس خلیل اللہ نے افضل صورت کو اختیار کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ اس سے ناواقف تھے کہ یہ دراصل فرشتے ہیں اس لئے کہا کہ یہ لوگ تو ناشناسا ہیں۔ یہ فرشتے حضرت جبرئیل' حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام تھے جو خوبصورت نوجوان انسانوں کی شکل میں آئے تھے' ان کے

چہروں پر ہیبت وجلال تھا۔

حضرت ابراہیم اب ان کے لئے کھانے کی تیاری میں مصروف ہوگئے اور چپ چاپ بہت جلد اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ذرا سی دیر میں تیار بچھڑے کا گوشت بھنا بھنایا ہوا لے آئے اور ان کے سامنے ان کے قریب رکھ دیا اور فرمایا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ اس سے ضیافت کے آداب معلوم ہوئے کہ مہمان سے پوچھے بغیر ہی ان پر شروع سے احسان رکھنے سے پہلے آپ چپ چاپ انہیں خبر کئے بغیر ہی چلے گئے اور بہ عجلت بہتر سے بہتر جو چیز پائی اسے تیار کر کے لے آئے۔ تیار فربہ کم عمر بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے اور کہیں اور رکھ کر مہمان کی کھینچ تان نہ کی بلکہ ان کے سامنے ان کے پاس لا رکھا۔ پھر انہیں یوں نہیں کہتے کہ کھاؤ کیونکہ اس میں بھی ایک حکم پایا جاتا ہے بلکہ نہایت تواضع اور پیار سے فرماتے ہیں آپ تناول فرمانا شروع کیوں نہیں کرتے؟ جیسے کوئی شخص کسی سے کہے کہ اگر آپ فضل وکرم احسان و سلوک کرنا چاہیں تو کیجئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خلیل اللہ اپنے دل میں ان سے خوفزدہ ہوگئے جیسے کہ اور آیت میں ہے فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡهِ نَكِرَهُمۡ وَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِیۡفَةً یعنی آپ نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں، تو دہشت زدہ ہوگئے اور دل میں خوف کھانے لگے۔ اس پر مہمان نے کہا ڈرو مت ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو قوم لوطؑ کی ہلاکت کے لئے آئے ہیں۔ آپ کی بیوی صاحبہ جو کھڑی ہوئی سن رہی تھیں وہ سن کر ہنس دیں تو فرشتوں نے انہیں خوش خبری سنائی کہ تمہارے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوں گے اور ان کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام۔ اس پر بیوی صاحبہ کو تعجب ہوا اور کہا ہائے افسوس اب میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں تو بڑھیا پھوس ہوگئی ہوں اور میرے شوہر بھی بالکل بوڑھے ہوگئے، یہ سخت تر تعجب کی چیز ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا تم خدا کے کاموں سے تعجب کرتی ہو؟ خصوصاً تم جیسی ایسی پاک گھرانے کی عورت؟ تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں، جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تعریفوں کے لائق اور بڑی بزرگی اور اعلیٰ شان والا ہے۔ یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ بشارت حضرت ابراہیمؑ کو دی اور اس سے پہلے کی آیت میں ہے کہ بشارت آپ کی بیوی صاحبہ کو دی۔ تو مطلب یہ ہے کہ دونوں کو بشارت دی گئی کیونکہ بچے کا ہونا دونوں کی خوشی کا موجب ہے۔

پھر فرماتا ہے، یہ بشارت سن کر آپ کی اہلیہ صاحبہ کے منہ سے زور کی آواز نکل گئی اور اپنے تئیں دو ہتڑ مار کر ایسی عجیب وغریب خبر کو سن کر حیرت کے ساتھ کہنے لگیں کہ جوانی میں تو میں بانجھ رہی، اب میاں بیوی دونوں پورے بوڑھے ہوگئے تو مجھے حمل ٹھہرے گا؟ اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا کہ یہ خوشخبری کچھ ہم اپنی طرف سے نہیں دے رہے بلکہ خدا تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے کہ ہم تمہیں یہ خبر پہنچا دیں، وہ حکمت والا اور علم والا ہے۔ تم جس عزت وکرامت کے مستحق ہو وہ خوب جانتا ہے اور اس کا فرمان ہے کہ تمہارے ہاں اس عمر کا بچہ ہوگا۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں نہ اس کا کوئی فرمان حکمت سے خالی ہے۔

الحمد للہ! الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے لطف ورحم سے تفسیر محمدی کا چھبیسواں پارہ حم بھی ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے کلام پاک کا صحیح اور حقیقی مطلب سمجھائے اور پھر اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ اے پروردگار عالم! جس طرح تو نے مجھ پر اپنا یہ فضل کیا ہے کہ اپنے پاک کلام کی خدمت مجھ سے لی اسی طرح یہ بھی فضل کر کہ اسے قبول فرما اور میرے لئے باقیات صالحات میں سے اسے کر لے اور اس تفسیر کو میری تقصیر کی معافی کا سبب بنا دے۔ اپنے تمام بندوں کو اس سے فائدہ پہنچا اور سب کو عمل صالح کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔
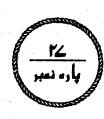
تفسیر ابن کثیر

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

حضرت (ابراہیمؑ) نے کہا اے اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو) تمہارا کیا مقصد ہے؟ ○ انہوں نے جواب دیا کہ ہم گنہگار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں ○ تا کہ ہم ان پر کنکر برسائیں ○ جو تیرے رب کی طرف سے ان حد سے گذر جانے والوں کے لئے نامزد ہو چکے ہیں ○ پس جتنے ایماندار وہاں تھے ہم نے انہیں نکال دیا ○ اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا ○ اور وہاں ہم نے ان کے لئے جو دردناک عذاب کا ڈر رکھتے ہیں ایک کامل علامت چھوڑی ○
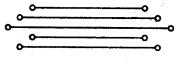
ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد: ☆☆ (آیت:۱-۳۷) پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب ان نووارد مہمانوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف ہوا اور دہشت جاتی رہی۔ بلکہ ان کی زبانی ایک بہت بڑی خوش خبری بھی سن چکے اور اپنی بردباری' اللہ ترسی اور درد مندی کی وجہ سے خدا کی جناب میں قوم لوط کی سفارش بھی کر چکے اور خدا کے ہاں کے حتمی وعدے کا اعلان بھی سن چکے' اس کے بعد جو ہوا اس کا بیان یہاں ہو رہا ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ان فرشتوں سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ کس مقصد سے آئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ قوم لوط کے گنہگاروں کو تاخت وتاراج کرنے کے لئے ہمیں بھیجا گیا ہے' ہم ان پر سنگ باری اور پتھراؤ کریں گے' ان پتھروں کو ان پر برسائیں گے جن پر خدا کے حکم سے پہلے ہی ان کے نام لکھے جا چکے ہیں اور ہر ہر گنہگار کے لئے الگ الگ پتھر مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ سورۂ عنکبوت میں گذر چکا ہے کہ یہ سن کر حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے فرمایا کہ وہاں تو حضرت لوط علیہ السلام ہیں پھر وہ بستی کی بستی کیسے غارت کر دی جائے گی؟ فرشتوں نے کہا اس کا علم ہمیں بھی ہے۔ ہمیں حکم مل چکا ہے کہ ہم انہیں اور ان کے ساتھ کے اور ان کے گھرانے کے تمام ایمان داروں کو بچالیں' ہاں ان کی بیوی نہیں بچ سکتی' وہ بھی مجرموں کے ساتھ اپنے جرم کے بدلے ہلاک کر دی جائے گی۔ اسی طرح یہاں بھی ارشاد ہے کہ اس بستی میں جتنے بھی مومن تھے سب کو بچالیا گیا۔ اس سے بھی مراد حضرت لوطؑ اور ان کے گھرانے کے لوگ ہیں سوائے ان کی بیوی کے' جو ایمان نہیں لائی تھیں۔

چنانچہ فرما دیا گیا کہ وہاں سوائے ایک گھر کے اور گھر مسلمان تھا ہی نہیں۔ یہ دونوں آیتیں دلیل ہیں ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ ایمان واسلام کا مسمّٰی ایک ہی ہے اس لئے کہ یہاں انہی لوگوں کو مومن کہا گیا ہے اور پھر انہی کو مسلمان بھی کہا گیا ہے۔ معتزلہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ ایک ہی چیز ہے جسے ایمان بھی کہا جاتا ہے اور اسلام بھی لیکن یہ استدلال ضعیف ہے اس لئے کہ یہ لوگ مومن تھے اور یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ ہر مومن مسلمان ہوتا ہے لیکن ہر مسلمان مومن نہیں ہوتا۔ پس حال کی خصوصیت کی وجہ سے انہیں مومن مسلم کہا گیا ہے اس سے عام طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر مسلم مومن ہے۔ (حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین کا مذہب ہے کہ جب اسلام حقیقی اور سچا اسلام ہو تو وہی اسلام ایمان ہے اور اس صورت میں ایمان اسلام ایک ہی چیز ہے ہاں جب اسلام حقیقی طور پر نہ ہو تو بیشک اسلام ایمان میں فرق ہے' صحیح بخاری شریف کتاب الایمان ملاحظہ ہو۔ مترجم) پھر فرماتا ہے کہ ان کی آباد وشاد بستیوں کو عذاب سے برباد کر کے انہیں سڑے ہوئے بدبودار

کھنڈر بنا دینے میں مومنوں کے لئے عبرت کے پورے سامان ہیں' جو عذاب خدا کا ڈر رکھتے ہیں وہ اس نمونہ کو دیکھ کر اور اس زبردست نشان کو ملاحظہ کر کے پوری عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٤٤﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٤٦﴾ ع ۲۳

موسیٰ کے قصے میں بھی ہماری طرف سے تنبیہہ ہے جب کہ ہم نے اسے فرعون کی طرف کھلی سند دے کر بھیجا ○ پس اس نے اپنے بل بوتے پر منہ موڑا اور کہنے لگا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے ○ بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو اپنے عذاب میں پکڑ کر دریا میں ڈال دیا' وہ تھا ہی ملامت کے قابل ○ اسی طرح عادیوں میں بھی جب کہ ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی آندھی بھیجی ○ وہ جس جس چیز پر گذرتی تھی اسے بوسیدہ ہڈی کی طرح چورا چورا کر دیتی تھی ○ اور ثمود کے قصے میں بھی عبرت ہے جب ان سے کہا گیا کہ تم کچھ دنوں فائدہ اٹھالو ○ لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی جس پر انہیں ان کے دیکھتے تیز و تند کڑا کے نے ہلاک کر دیا ○ پس نہ تو وہ کھڑے ہو سکے اور نہ بدلہ لے سکے ○ اور نوح کی قوم کا بھی اس سے پہلے یہی حال ہو چکا تھا' وہ بھی بڑے نافرمان لوگ تھے ○

انجام تکبر: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۶) ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح قوم لوط کے انجام کو دیکھ کر لوگ عبرت حاصل کر سکتے ہیں اسی قسم کا فرعونیوں کا واقعہ ہے' ہم نے ان کی طرف اپنے کلیم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روشن دلیلیں اور واضح برہان دے کر بھیجا لیکن ان کے سردار فرعون نے جو تکبر کا مجسمہ تھا حق کے ماننے سے عناد کیا اور ہمارے فرمان کو بے پرواہی سے ٹال دیا' اس دشمن خدا نے اپنی طاقت وقوت کے گھمنڈ پر' اپنے راج لشکر کے بل بوتے پر رب کے فرمان کی عزت نہ کی اور اپنے والوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضرت موسیٰ کی ایذا رسانی پر اتر آیا اور کہنے لگا کہ موسیٰ یا تو جادوگر ہے یا دیوانہ ہے پس اس ملامتی کافر' فاجر' معاند متکبر شخص کو ہم نے اس کے لاؤ لشکر سمیت دریا برد کر دیا۔ اسی طرح عادیوں کے سراسر عبرتناک واقعات بھی تمہارے گوش گذار ہو چکے ہیں جن کی سیاہ کاریوں کے وبال میں ان پر بے برکت ہوائیں بھیجی گئیں' جن ہواؤں نے سب کے حلیے بگاڑ دیئے' ایک لپٹ جس چیز کو لگ گئی وہ گلی سڑی ہڈی کی طرح ہو گئی۔

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہوا دوسری زمین میں مسخر ہے جب اللہ تعالیٰ نے عادیوں کو ہلاک کرنا چاہا تو ہوا کے داروغہ کو حکم دیا کہ ان کی تباہی کے لئے ہوائیں چلا دو۔ فرشتے نے کہا کیا ہواؤں کے خزانے میں اتنا روزن کر دوں جتنا بیل کا نتھنا ہوتا ہے' اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا نہیں اگر اتنا روزن کر دیا تو زمین کو اور اس کی کل کائنات کو الٹ دے گی بلکہ اتنا روزن کرو جتنا انگوٹھی کا

حلقہ ہوتا ہے۔ یہ تھیں وہ ہوائیں جو کہ جہاں جہاں سے گذر گئیں تمام چیزوں کو تہ و بالا کرتی گئیں۔ اس حدیث کا فرمان رسول ہونا تو منکر ہے سمجھ سے زیادہ قریب بات یہی ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا قول ہے۔ یرموک کی لڑائی میں انہیں دو بورے اہل کتاب کی کتابوں کے ملے تھے ممکن ہے انہی میں سے یہ بات آپ نے بیان فرمائی ہو واللہ اعلم۔ یہ ہوائیں جنوبی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری مدد پروا ہواؤں سے کی گئی ہے اور عادی پچھوا ہواؤں سے ہلاک ہوئے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ثمودیوں کے حالات پر اور ان کے انجام پر غور کرو کہ ان سے کہہ دیا گیا کہ ایک وقت مقررہ تک تو تم فائدہ اٹھاؤ۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے ثمودیوں کو ہم نے ہدایت دی لیکن انہوں نے ہدایت پر ضلالت کو پسند کیا جس باعث ذلت کے عذاب کی ہولناک چیخ نے ان کے پتے پانی کر دیئے اور کلیجے پھاڑ دیئے' یہ صرف ان کی سرکشی' سرتابی' نافرمانی اور سیاہ کاری کا بدلہ تھا' ان پر ان کے دیکھتے ہوئے عذاب الٰہی آ گیا' تین دن تک تو یہ انتظار میں رہے' عذابوں کے آثار دیکھتے رہے' آخر چوتھے دن صبح ہی صبح رب کا عذاب دفعتہً آ پڑا' حواس باختہ ہو گئے' کوئی تدبیر نہ بن پڑی اتنی بھی مہلت نہ ملی کہ کھڑے ہو کر بھاگنے کی کوشش تو کرتے یا کسی اور طرح اپنے بچاؤ کی کچھ تو فکر کر سکتے۔ اسی طرح ان سے پہلے قوم نوح بھی ہمارے عذاب چکھ چکی ہے' اپنی بدکاری اور کھلی نافرمانی کا خمیازہ وہ بھی بھگت چکی ہے۔ یہ تمام مفصل واقعات فرعونیوں کے' عادیوں کے' ثمودیوں کے اور قوم نوح کے اس سے پہلے کی سورتوں کی تفسیر میں کئی بار بیان ہو چکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَالسَّمَاۗءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝۴۷ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝۴۸ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۴۹ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰ۚ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۱ۚ

آسمان کو ہم نے اپنی قدرت و قوت سے بنایا ہے اور یقیناً ہم کشادگی کرنے والے ہیں ○ اور زمین کو ہم نے فرش بنا دیا ہے پس ہم بہت ہی اچھے بچھانے والے ہیں ○ اور ہر چیز کو ہم نے جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ پس تم اللہ کی طرف دوڑ بھاگ (یعنی رجوع) کرو یقیناً میں تمہیں اس کی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں ○ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں ○

تخلیق کائنات: ☆☆ (آیت: ۴۷-۵۱) زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر فرما رہا ہے کہ ہم نے آسمان کو اپنی قوت سے پیدا کیا ہے' اسے محفوظ اور بلند چھت بنا دیا ہے' حضرت ابن عباسؓ' مجاہدؒ' قتادہؒ' ثوریؒ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی کہا ہے کہ ہم نے آسمانوں کو اپنی قوت سے بنایا ہے اور ہم کشادگی والے ہیں' اس کے کنارے ہم نے کشادہ کئے ہیں اور بے ستون اسے کھڑا کر دیا ہے اور قائم رکھا ہے' زمین کو ہم نے اپنی مخلوقات کے لئے بچھونا بنا دیا ہے اور بہت ہی اچھا بچھونا ہے' تمام مخلوق کو ہم نے جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے جیسے آسمان زمین' دن رات' سورج چاند' خشکی تری' اجالا اندھیرا' ایمان کفر' موت حیات' بدی نیکی' جنت دوزخ' یہاں تک کہ حیوانات اور نباتات کے بھی جوڑے ہیں۔ یہ اس لئے کہ تمہیں نصیحت حاصل ہو۔ تم جان لو کہ ان سب کا خالق اللہ ہی ہے اور وہ بے شریک اور یکتا ہے' پس تم اس کی طرف دوڑو' اپنی توجہ کا مرکز صرف اسی کو بناؤ' اپنے تمام تر کاموں میں اسی کی ذات پر اعتماد کرو' میں تو تم سب کو صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں' خبردار خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا' میرے کھلم کھلا خوف دلانے کا لحاظ رکھنا۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٥٢﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿٥٤﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿٥٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿٥٨﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٦٠﴾

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں ان کے پاس بھی جو رسول آیا انہوں نے کہہ دیا یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے ○ کیا یہ اس بات کی ایک دوسروں کو وصیت کرتے گئے ہیں' نہیں بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں ○ تو ان سے منہ پھیر لے تجھ پر کچھ الزام نہیں ○ ہاں تو نصیحت کرتا رہ' یقیناً یہ نصیحت ایمانداروں کو نفع دے گی ○ میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کرتے رہیں ○ نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں ○ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے ○ پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں بھی ان کے ساتھیوں کے حصے کے مثل حصہ ملے گا لہٰذا وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں ○ پس خرابی ہے منکروں کو ان کے اس دن جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں ○

تبلیغ میں صبر وضبط کی اہمیت : ☆☆ (آیت: ۵۲-۶۰) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ کفار جو آپ کو کہتے ہیں وہ کوئی نئی بات نہیں' ان سے پہلے کے کافروں نے بھی اپنے اپنے زمانہ کے رسولوں سے یہی کہا ہے' کافروں کا یہ قول سلسلہ بہ سلسلہ یونہی چلا آیا ہے جیسے آپس میں ایک دوسروں کو وصیت کر کے جاتے ہوں' سچ تو یہ ہے کہ سرکشی اور سرتابی میں یہ سب یکساں ہیں۔ اس لئے جو بات پہلے والوں کے منہ سے نکلی وہی ان کی زبان سے نکلتی ہے کیونکہ سخت دلی میں سب ایک سے ہیں۔ پس آپ چشم پوشی کیجئے' یہ مجنون کہیں جادوگر کہیں آپ صبر وسہار سے سن لیں' ہاں نصیحت کی تبلیغ نہ چھوڑیئے' اللہ کی باتیں پہنچاتے چلے جایئے۔ جن دلوں میں ایمان کی قبولیت کا مادہ ہے وہ ایک نہ ایک روز راہ پر لگ جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرمان ہے کہ میں نے انسانوں اور جنوں کو کسی اپنی ضرورت کے لئے نہیں پیدا کیا بلکہ صرف اس لئے کہ میں انہیں ان کے نفع کے لئے اپنی عبادت کا حکم دوں' وہ خوشی ناخوشی میرے معبود برحق ہونے کا اقرار کریں' مجھے پہچانیں۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں بعض عبادتیں نفع دیتی ہیں اور بعض عبادتیں بالکل نفع نہیں پہنچاتیں۔ جیسے قرآن میں ایک جگہ ہے کہ اگر تم ان کافروں سے پوچھو کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے' تو گو یہ بھی عبادت ہے مگر مشرکوں کو کام نہ آئے گی' غرض عابد سب ہیں خواہ عبادت ان کے لئے نافع ہو یا نہ ہو۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں اس سے مراد مسلمان انسان اور ایمان والے جنات ہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے یوں پڑھایا ہے اِنِّیْٓ اَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ امام

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بندگی کے لئے پیدا کیا ہے اب اس کی عبادت یکسوئی کے ساتھ جو بجالائے گا' کسی کو اس کا شریک نہ کرے گا' وہ اسے پوری پوری جزاعنایت فرمائے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا وہ بدترین سزائیں بھگتے گا۔ اللہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ کل مخلوق ہر حال اور ہر وقت میں اس کی پوری محتاج ہے بلکہ محض بے دست و پا اور سراسر فقیر ہے' خالق و رازق اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

مسند احمد میں حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم! میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا' میں تیرا سینہ تونگری اور بے نیازی سے پر کر دوں گا اور تیری فقیری روک دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو اشغال سے بھر دوں گا اور تیری فقیری کو ہرگز بند نہ کروں گا۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث شریف ہے' امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ خالد کے دونوں لڑکے حضرت حبہؓ اور حضرت سواءؓ فرماتے ہیں ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کسی کام میں مشغول تھے یا کوئی دیوار بنا رہے تھے یا کسی چیز کو درست کر رہے تھے' ہم بھی اسی کام میں لگ گئے جب کام ختم ہوا تو آپ نے ہمیں دعا دی اور فرمایا سر ہل جانے تک روزی سے مایوس نہ ہونا' دیکھو انسان جب پیدا ہوتا ہے ایک سرخ بوٹی ہوتا ہے' بدن پر ایک چھلکا بھی نہیں ہوتا' پھر اللہ تعالیٰ اسے سب کچھ دیتا ہے۔ (مسند احمد) بعض آسمانی کتابوں میں ہے اے ابن آدم! میں نے تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے' تو اس سے غفلت نہ کر تیرے رزق کا میں ضامن ہوں' تو اس میں بے جا تکلیف نہ کر' مجھے ڈھونڈ تا کہ مجھے پالے' جب تو نے مجھے پالیا تو یقین مان کہ تو نے سب کچھ پالیا اور اگر میں تجھے نہ ملا تو سمجھ لے کہ تمام بھلائیاں تو کھو چکا' سن تمام چیزوں سے زیادہ محبت تیرے دل میں میری ہونی چاہئے۔ پھر فرماتا ہے یہ کافر میرے عذابوں کو جلدی کیوں مانگ رہے ہیں؟ وہ عذاب تو انہیں اپنے وقت پر پہنچ کر ہی رہیں گے جیسے ان سب سے پہلے کے کافروں کو پہنچے۔ قیامت کے دن جس دن کا ان سے وعدہ ہے انہیں بڑی خرابی ہو گی۔ الحمدللہ سورۂ ذاریات کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الطور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالطُّوۡرِ ﴿۱﴾ وَکِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ﴿۲﴾ فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ﴿۳﴾ وَّالۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ﴿۴﴾ وَالسَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ﴿۵﴾ وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّا لَہٗ مِنۡ دَافِعٍ ﴿۸﴾ یَّوۡمَ تَمُوۡرُ السَّمَآءُ مَوۡرًا ﴿۹﴾ وَّتَسِیۡرُ الۡجِبَالُ سَیۡرًا ﴿۱۰﴾ فَوَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۱۱﴾

معبود برحق رحمت و رحم والے کے نام سے شروع

قسم ہے طور کی ○ اور لکھی ہوئی کتاب کی ○ جو کھلے ہوئے ورق میں ہے ○ اور آباد گھر کی ○ اور اونچی چھت کی ○ اور سلگتے دریا کی ○ یہ بیشک تیرے رب کا عذاب ہو کر رہنے والا ہے ○ اسے کوئی روک سکنے والا نہیں ○ جس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا ○ اور پہاڑ چلنے پھرنے لگیں گے ○ آج جھٹلانے والوں کو پوری خرابی ہے ○

(آیت:۱-۱۱) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو مغرب کی نماز میں ''سورۂ طور'' پڑھتے ہوئے سنا ہے آپ سے زیادہ خوش آواز اور آپ سے زیادہ اچھی قرأت والا میں نے تو کسی کو نہیں سنا۔ (مؤطا مالک) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں زمانہ حج میں میں بیمار تھی' حضورؐ سے میں نے اپنا حال کہا تو آپ نے فرمایا تم سواری پر سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کر لو۔ چنانچہ میں نے سواری پر بیٹھ کر طواف کیا' اس وقت آنحضرت ﷺ بیت اللہ کے ایک کونے میں نماز پڑھ رہے تھے اور وَالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے ان چیزوں کی قسم کھا کر جو اس کی عظیم الشان قدرت کی نشانیاں ہیں فرماتا ہے کہ اس کا عذاب ہو کر ہی رہے گا' جب وہ آئے گا کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اسے ہٹا سکے۔ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر درخت ہوں جیسے وہ پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا اور جہاں سے حضرت عیسیٰؑ کو بھیجا تھا اور جو خشک پہاڑ ہو اسے جبل کہا جاتا ہے طور نہیں کہا جاتا۔ كِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا خدا کی اتاری ہوئی لکھی ہوئی کتابیں ہیں جو انسانوں پر پڑھی جاتی ہیں' اسی لئے ساتھ ہی فرما دیا کھلے ہوئے اوراق میں۔ بَيْتِ الْمَعْمُوْرِ کی بابت معراج والی حدیث میں ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں ساتویں آسمان سے آگے بڑھنے کے بعد مجھے بیت المعمور دکھلایا گیا جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت خدا کے لئے جاتے ہیں دوسرے دن اتنے ہی اور لیکن جو آج گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آتی۔ جس طرح زمین پر کعبتہ اللہ کا طواف ہوتا ہے اسی طرح آسمانیوں کے طواف کی اور عبادت کی جگہ وہ ہے۔ اسی حدیث میں ہے کہ آپ نے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے ہیں اس میں ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ چونکہ خلیل خدا بانی بیت اللہ تھے جن کے ہاتھوں زمین میں کعبہ خدا بنا تھا تو انہیں وہاں بھی اس کے کعبے سے لگے ہوئے آپ نے دیکھا۔ تو گویا اس عمل کی جزا اسی جیسی پروردگار نے اپنے خلیل کو دی' یہ بیت المعمور ٹھیک خانہ کعبہ کے اوپر ہے اور ہے ساتویں آسمان پر' یوں تو ہر آسمان میں ایک ایسا گھر ہے جہاں اس آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' پہلے آسمان پر جو اسی جگہ ہے اس کا نام بیت العزت ہے' واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان میں ایک گھر ہے جسے معمور کہتے ہیں جو کعبہ کی سمت میں ہے' چوتھے آسمان میں نہر ہے جس کا نام نہر حیوان ہے' حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر روز اس میں غوطہ لگاتے ہیں اور نکل کر بدن جھاڑتے ہیں جس سے ستر ہزار قطرے جھڑتے ہیں' ایک ایک قطرے سے اللہ تعالیٰ ایک ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جنہیں حکم ہوتا ہے کہ وہ بیت المعمور میں جائیں اور نماز ادا کریں' پھر وہ وہاں سے نکل آتے ہیں اب انہیں دوبارہ جانے کی نوبت نہیں آتی' ان کا ایک سردار ہوتا ہے جسے حکم دیا جاتا ہے کہ انہیں لے کر کسی جگہ کھڑا ہو جائے پھر وہ اللہ کی تسبیح کے بیان میں لگ جاتے ہیں' قیامت تک ان کا یہی شغل رہتا ہے' یہ حدیث بہت ہی غریب ہے' اس کے راوی روح بن صباح اس میں منفرد ہیں حافظوں کی ایک جماعت نے ان پر اس حدیث کا انکار کیا ہے جیسے جوز جانی' عقیلی' حاکم وغیرہ۔ امام حاکم ابو عبداللہ نیشا پوریؒ اسے بالکل بے اصل بتلاتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ بیت المعمور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ آسمان میں ہے' اسے صراح کہا جاتا ہے کعبہ کے ٹھیک اوپر ہے' جس طرح زمین کا کعبہ حرمت کی جگہ ہے اسی طرح وہ آسمانوں میں حرمت کی جگہ ہے' ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں لیکن جو آج گئے تھے ان کی باری قیامت تک دوبارہ نہیں آتی کیونکہ فرشتوں کی تعداد ہی اس قدر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والے ابن کواءؓ تھے۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ عرش کے محاذ میں ہے' ایک مرفوع روایت میں ہے کہ صحابہ کو ایک دن حضورؐ نے فرمایا بیت المعمور کو

جانتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں' فرمایا وہ آسمانی کعبہ ہے اور زمینی کعبے کے بالکل اوپر ہے ایسا کہ اگر وہ گرے تو اسی پر گرے' اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں جن کی باری قیامت تک پھر نہیں آتی - حضرت ضحاک فرماتے ہیں یہ فرشتے ابلیس کے قبیلے کے جنات میں سے ہیں' واللہ اعلم - اونچی چھت سے مراد آسمان ہے - جیسے اور جگہ ہے وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ربیع بن انس فرماتے ہیں مراد اس سے عرش ہے اس لئے کہ وہ تمام مخلوق کی چھت ہے اس قول کی توجیہ اس طرح ہو سکتی ہے کہ مراد عام ہو - بَحْرِ مَسْجُوْرِ سے مراد وہ پانی ہے جو عرش تلے ہے' جو بارش کی طرح برسے گا جس سے قیامت کے دن مردے اپنی اپنی قبروں سے جی اٹھیں گے' جمہور کہتے ہیں یہی عام دریا مراد ہیں انہیں جو مسجور کہا گیا ہے یہ اس لئے کہ قیامت کے دن ان میں آگ لگا دی جائے گی' جیسے اور جگہ ہے وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ جبکہ دریا بھڑکا دیئے جائیں اور ان میں آگ لگ جائے گی جو پھیل کر تمام اہل محشر کو گھیر لے گی - حضرت علاء بن بدر کہتے ہیں کہ بھڑکتے ہوئے دریا اس لئے کہا گیا کہ نہ اس کا پانی پینے کے کام میں آئے اور نہ کھیتی کو دیا جائے یہی حال قیامت کے دن دریاؤں کا ہوگا - یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ دریا بہتا ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دریا پر شدہ' ادھر ادھر جاری -

ابن عباس فرماتے ہیں مسجور سے مراد فارغ یعنی خالی ہے' کوئی لونڈی پانی لینے کو جائے پھر لوٹ کر کہے کہ حوض مسجور ہے اس سے مراد یہی ہے کہ خالی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ معنی یہ ہیں کہ اسے زمین سے روک دیا گیا ہے اس لئے کہ ڈبو نہ دے - مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر رات تین مرتبہ دریا اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ اگر حکم ہو تو تمام لوگوں کو ڈبو دوں لیکن اللہ تعالیٰ اسے روک دیتا ہے - دوسری روایت میں ہے کہ ایک بزرگ مجاہد جو سمندر کی سرحد کے لشکروں میں تھے وہ جہاد کی تیاری میں وہیں رہتے تھے' فرماتے ہیں ایک رات میں چوکیداری کے لئے نکلا اس رات کوئی اور پہرے پر نہ تھا' میں گشت کرتا ہوا میدان میں پہنچا اور وہاں سے سمندر پر نظریں ڈالیں تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا سمندر پہاڑ کی چوٹیوں سے ٹکرا رہا ہے' بار بار یہی نظارہ میں نے دیکھا - ابو صالح سے یہ واقعہ بیان کیا' انہوں نے یہ روایت حضرت عمر بن خطاب اوپر والی حدیث مجھے سنائی' لیکن اس کی سند میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام نہیں لیا گیا - ان قسموں کے بعد اب جس چیز پر قسمیں کھائی گئی تھیں' ان کا بیان ہو رہا ہے کہ کافروں کو جو عذاب الٰہی ہونے والا ہے وہ یقینی طور پر آنے والا ہی ہے' جب وہ آئے گا کسی کے بس میں اس کا روکنا نہ ہوگا - ابن ابی الدنیا میں ہے کہ ایک رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہر کی دیکھ بھال کے لئے نکلے تو ایک مکان سے کسی مسلمان کی تلاوت قرآن کی آواز کان میں پڑی وہ سورۂ والطور پڑھ رہے تھے' آپ نے سواری روک لی اور کھڑے ہو کر قرآن سننے لگے جب وہ اس آیت پر پہنچے تو زبان سے نکل گیا کہ رب کعبہ کی قسم سچی ہے' پھر اپنے گدھے سے اتر پڑے اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے' چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی' دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد جب ہوش وحواس ٹھکانے آئے تو اپنے گھر پہنچے لیکن خدا کے کلام کی اس ڈراؤنی آیت کے اثر سے دل کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ مہینہ بھر تک بیمار پڑے رہے اور ایسے کہ لوگ بیمار پرسی کو آتے تھے گو کسی کو معلوم نہ تھا کہ بیماری کیا ہے؟ رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

ایک روایت میں ہے آپ کی تلاوت میں ایک مرتبہ یہ آیت آئی اسی وقت ہچکی بندھ گئی اور اس قدر قلب پر اثر پڑا کہ بیمار ہو گئے چنانچہ بیس دن تک عیادت کی جاتی رہی - اس دن آسمان تھرتھرائے گا' پھٹ جائے گا' چکر کھانے لگے گا' پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے' ہٹ جائیں گے' ادھر کے ادھر ہو جائیں گے' کانپ کانپ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پھر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے' آخر روئی کے گالوں کی طرح ادھر ادھر اتر جائیں گے اور بے نام ونشان ہو جائیں گے' اس دن ان لوگوں پر جو اس دن کو نہ مانتے تھے ویل وحسرت' خرابی وہلاکت ہوگی -
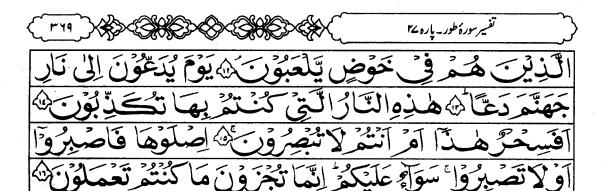
جو اپنی بے ہودہ گوئی میں اچھل کود کر رہے ہیں ○ جس دن وہ دھکے دے دے کر آتش جہنم کی طرف لائے جائیں گے ○ یہی وہ آتش دوزخ ہے جسے تم جھوٹ بتلاتے تھے ○ اب بتلاؤ کیا یہ جادو ہے؟ یا تم دیکھتے ہی نہیں ہو؟ ○ جاؤ دوزخ میں اب تمہارا صبر کرنا اور نہ کرنا تمہارے لئے یکساں ہے، تمہیں فقط تمہارے کئے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ○

(آیت:۱۲-۱۶) خدا کا عذاب فرشتوں کی مار جہنم کی آگ ان کے لئے ہوگی جو دنیا میں مشغول تھے اور دین کو ایک کھیل تماشہ مقرر کر رکھا تھا۔ اس دن انہیں دھکے دے دے کر نار جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا اور داروغہ جہنم ان سے کہے گا کہ یہ وہ جہنم ہے جسے تم نہیں مانتے تھے۔ پھر مزید ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر کہیں گے اب بولو کیا یہ جادو ہے یا تم اندھے ہو؟ جاؤ اس میں ڈوب جاؤ، یہ تمہیں چوطرف سے گھیر لے گی اب اس کے عذاب کی تمہیں سہار ہو یا نہ ہو، ہائے وائے کرو خواہ خاموش رہو، اسی میں پڑے جھلستے رہو گے، کوئی ترکیب فائدہ نہ دے گی، کسی طرح چھوٹ نہ سکو گے، یہ اللہ کا ظلم نہیں بلکہ صرف تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾

پرہیز گار لوگ جنتوں اور نعمتوں میں ہیں ○ جو انہیں ان کے رب نے دے رکھی ہیں اس پر خوش خوش ہیں اور ان کے پروردگار نے انہیں جہنم کے عذاب سے بھی بچا لیا ہے ○ تم سہتا پچتا کھاتے پیتے رہا کرو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے ○ برابر بچھے ہوئے شاندار تخت پر تکیے لگائے ہوئے اور ہم نے ان کے نکاح گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے کر دیئے ہیں ○

جنت کے مناظر: ☆☆ (آیت:۱۷-۲۰) اللہ تعالیٰ نیک بختوں کا انجام بیان فرما رہا ہے کہ عذاب و سزا جو بدبختوں کو ہو رہا ہے یہ اس سے محفوظ کر کے جنتوں میں پہنچا دیئے گئے جہاں کی بہترین نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہر طرح خوش حال خوش دل ہیں، قسم قسم کے کھانے، طرح طرح کے پینے، بہترین لباس، عمدہ عمدہ سواریاں، بلند و بالا مکانات اور ہر طرح کی نعمتیں انہیں مہیا ہیں، کسی قسم کا ڈر خوف نہیں، خدا فرما چکا ہے کہ تمہیں میرے عذابوں سے نجات مل گئی، غرض دکھ سے دور، سکھ سے مسرور، راحت و لذت میں مخمور ہیں، جو چیز سامنے آتی ہے وہ ایسی ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو نہ کسی کان نے سنا ہو، نہ کسی دل پر خیال تک گذرا ہو۔ پھر خدا کی طرف سے بار بار مہمان نوازی کے طور پر ان سے کہا جاتا ہے کہ کھاتے پیتے رہو، خوش گوار، خوش ذائقہ، بے تکلف، مزیدار، مرغوب چیزیں تمہارے لئے مہیا ہیں۔

پھر ان کا دل خوش کرنے، حوصلہ بڑھانے اور طبیعت میں امنگ پیدا کرنے کے لئے ساتھ ہی اعلان ہوتا ہے کہ یہ تو تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو تم اس جہان میں کر آئے ہو- مرصع اور جڑاؤ شاہانہ تخت پر بڑی بے فکری اور فارغ البالی سے تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے، ستر ستر سال گذر جائیں گے انہیں ضرورت نہ ہوگی کہ اٹھیں یا ہلیں جلیں، بے شمار سلیقہ شعار ادب دان خدام ہر طرح کی خدمت کے لئے کمربستہ جس چیز کو جی چاہے آن کی آن میں موجود' آنکھوں کا نور' دل کا سرور' وافر وموفور سامنے' بے انتہا خوبصورت' خوب سیرت' گورے گورے پنڈے والی' بڑی بڑی رسیلی آنکھوں والی' بہت سی حوریں' پاک دل' عفت ماب' عصمت کوش' دل بہلانے اور خواہش پوری کرنے کے لئے سامنے کھڑی' ہر ہر نعمت و رحمت چوطرف بکھری ہوئی' پھر بھلا انہیں کس چیز کی کمی- ستر سال کے بعد جب دوسری جانب مائل ہوتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہاں اور ہی منظر ہے' ہر چیز نئی ہے' ہر نعمت جوبن پر ہے' اس طرف کی حوروں پر نظریں ڈالتے ہیں تو ان کے نور کی چکاچوند حیرت میں ڈال دیتی ہے' ان کی پیاری پیاری بھولی بھالی شکلیں' اچھوتے پنڈے اور کنوارپنے کی شرمیلی نظریں اور جوانی کا بانکپن دل پر مقناطیسی اثر ڈالتا ہے' جنتی کچھ کہے اس سے پہلے ہی وہ اپنی شیریں کلامی سے عجیب انداز سے کہتی ہے شکر ہے کہ آپ کا التفات ہماری طرف بھی ہوا' غرض اسی طرح من مانی نعمتوں میں مست ہو رہے ہیں- پھر ان جنتیوں کے تخت باوجود قطار وار ہونے کے اس طرح نہ ہوں گے کہ کسی کو کسی کی پیٹھ ہو بلکہ آمنے سامنے ہوں گے- جیسے اور جگہ ہے وَعَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ تختوں پر ہوں گے اور ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے- پھر فرماتا ہے ہم نے ان کے نکاح میں حوریں دے رکھی ہیں جو کبھی دل میلا نہ کریں' جب آنکھ پڑے جی خوش ہو جائے اور ظاہری خوبصورتی کی تو کسی سے تعریف ہی کیا ہو سکتی ہے؟ ان کے اوصاف کے بیان کی حدیثیں وغیرہ کئی مقامات پر گذر بھی چکی ہیں اس لئے انہیں یہاں وارد کرنا کچھ چنداں ضروری نہیں-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیٴٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کی اولاد کو ان تک پہنچا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے، ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں گرفتار ہے ○ ہم ان کے لئے میوے اور مرغوب گوشت کی ریل پیل کر دیں گے ○ وہ (خوش طبعی) کے ساتھ ایک دوسرے سے جام شراب کی چھینا جھپٹی کریں گے جس شراب کے سرور میں نہ تو بے ہودہ گوئی ہوگی نہ گناہ ○

صالح اولاد انمول اثاثہ: ☆☆ (آیت: ۲۱-۲۳) اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے فضل وکرم اور لطف ورحم' اپنے احسان اور انعام کا بیان فرماتا ہے کہ جن مومنوں کی اولادیں بھی ایمان میں اپنے باپ دادوں کی راہ لگ جائیں لیکن اعمال صالحہ میں اپنے بڑوں سے کم ہوں' پروردگار ان کے نیک اعمال کا بدلہ بڑھا چڑھا کر انہیں ان کے بڑوں کے درجے میں پہنچا دے گا تاکہ بڑوں کی آنکھیں چھوٹوں کو اپنے پاس دیکھ کر ٹھنڈی رہیں اور چھوٹے بھی اپنے بڑوں کے پاس ہشاش بشاش رہیں' ان کے عملوں کی بڑھوتری ان کے بزرگوں کے اعمال کی کمی سے نہ کی جائے گی بلکہ محسن ومہربان خدا انہیں اپنے معمور خزانوں میں سے عطا فرمائے گا- حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں- ایک مرفوع

حدیث بھی اس مضمون کی مروی ہے- ایک اور روایت میں ہے کہ جب جنتی شخص جنت میں جائے گا اور اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کو نہ پائے گا تو دریافت کرے گا کہ وہ کہاں ہیں جواب ملے گا کہ وہ تمہارے مرتبہ تک نہیں پہنچے یہ کہے گا باری تعالیٰ میں نے تو اپنے لئے اور ان کے لئے نیک اعمال کئے تھے چنانچہ حکم دیا جائے گا اور انہیں بھی ان کے درجے میں پہنچا دیا جائے گا- یہ بھی مروی ہے کہ جنتیوں کی جن اولادوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کئے وہ تو ان کے ساتھ ملا دی جائے گی لیکن ان کے جو چھوٹے بچے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے وہ بھی ان کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے- حضرت ابن عباسؓ، شعبیؒ، سعید بن جبیرؒ، ابراہیمؒ، قتادہؒ، ابو صالحؒ، ربیع بن انس، ضحاک بن زید رحمہم اللہ تعالیٰ بھی یہی کہتے ہیں، امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں- مسند احمد میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی ﷺ سے اپنے دو بچوں کی نسبت دریافت کیا جو زمانہ جاہلیت میں مرے تھے تو آپ نے فرمایا وہ دونوں جہنم میں ہیں پھر جب مائی صاحبہ کو غمگین دیکھا تو فرمایا اگر تم ان کی جگہ دیکھ لیتیں تو تمہارے دل میں ان کا بغض پیدا ہو جاتا، مائی صاحبہ نے پوچھا یا رسول اللہ! میرا بچہ جو آپ سے ہوا وہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جنت میں ہے- مومن مع اپنی اولادوں کے جنت میں ہیں اور کافر اپنی اولادوں سمیت جہنم میں ہیں- پھر حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی- یہ تو ہوئی ماں باپ کے اعمال صالحہ کی وجہ سے اولاد کی بزرگی اب اولاد کی دعا خیر کی وجہ سے ماں باپ کی بزرگی، ملاحظہ ہو، مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کا درجہ جنت میں دفعتہً بڑھاتا ہے وہ دریافت کرتا ہے کہ خدایا میرا یہ درجہ کیسے بڑھ گیا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تیری اولاد نے تیرے لئے استغفار کیا اس بنا پر میں نے تیرا درجہ بڑھا دیا- اس حدیث کی اسناد بالکل صحیح ہے گو بخاری مسلم میں ان لفظوں سے نہیں آئی لیکن اس جیسی ایک روایت صحیح مسلم میں اسی طرح مروی ہے کہ ابن آدم کے مرتے ہی اس کے اعمال موقوف ہو جاتے ہیں لیکن تین عمل کہ وہ مرنے کے بعد بھی ثواب پہنچاتے رہتے ہیں- صدقہ جاریہ، علم دین جس سے نفع پہنچتا ہے، نیک اولاد جو مرنے والے کے لئے دعائے خیر کرتی رہے- چونکہ یہاں بیان ہوا تھا کہ مومنوں کی اولاد کے درجے بے عمل بڑھا دیئے گئے تھے تو ساتھ ہی ساتھ اپنے اس فضل کے بعد اپنے عدل کا بیان فرماتا ہے کہ کسی کو کسی کے اعمال میں پکڑا نہ جائے گا بلکہ ہر شخص اپنے اپنے عمل میں رہن ہو گا، باپ کا بوجھ بیٹے پر اور بیٹے کا باپ پر نہ ہو گا-

جیسے اور جگہ ہے كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ہر شخص اپنے کئے ہوئے کاموں میں گرفتار ہے مگر وہ جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پہنچے وہ جنتوں میں بیٹھے ہوئے گنہگاروں سے دریافت کرتے ہیں- پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان جنتیوں کو قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کے گوشت دیئے جاتے ہیں، جس چیز کو جی چاہے، جس پر دل آئے وہ یک لخت موجود ہو جاتی ہے، شراب طہور کے چھلکتے ہوئے جام ایک دوسروں کو پلا رہے ہیں، جس کے پینے سے سرور اور کیف لطف اور بہار حاصل ہوتا ہے لیکن بدزبانی بے ہودہ گوئی نہیں ہوتی، ہذیان نہیں بکتے، بے ہوش نہیں ہوتے، سچا سرور اور پوری خوشی حاصل، بک جھک سے دور، گناہ سے غافل، باطل و کذب سے دور، غیبت و گناہ سے نفور- دنیا میں شرابیوں کی حالت دیکھی ہو گی کہ ان کے سر میں چکر، پیٹ میں درد، عقل زائل، بکواس بہت، بو بری، چہرے بے رونق، اسی طرح شراب کہ بدذائقہ اور بدبودار، یہاں جنت کی شراب ان تمام گندگیوں سے کوسوں دور ہے، یہ رنگ میں سفید، پینے میں خوش ذائقہ، نہ اس کے پینے سے حواس معطل ہوں نہ بک جھک ہو، نہ بہکیں نہ بھٹکیں، نہ سر درد ہو نہ اور کسی طرح ضرر پہنچائے- ہنسی خوشی اس پاک شراب کے جام پلا رہے ہوں گے-

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ أَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۖ إِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾

ان کے اردگردان کے نوعمر غلام چل پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ مروارید ہیں جو ڈھکے رکھے تھے ○ آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر بات چیت کریں گے ○ کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر والوں میں بہت ڈرا کرتے تھے ○ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز وتند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچا لیا ○ ہم اس سے پہلے اس کی عبادت کیا کرتے تھے بیشک وہ محسن اور مہربان ہے ○

(آیت:۲۴-۲۸) ان کے غلام کمسن نوعمر بچے جو حسن وخوبی میں ایسے ہیں جیسے مروارید ہوں اور وہ بھی ڈبے میں بند رکھے گئے ہوں' کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو اور ابھی ابھی تازے تازے نکالے ہوں- ان کی آبداری' صفائی' چمک دمک' روپ رنگ کا کیا پوچھنا؟ لیکن ان غلمان کے حسین چہرے انہیں بھی شرمندہ کر دیتے ہیں اور جگہ یہ مضمون ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ یعنی ہمیشہ نو عمر اور کمسن رہنے والے بچے' آبخورے آفتابے اور ایسی شراب صاف کے جام کہ جن کے پینے سے نہ درد سر ہو اور نہ بہکیں اور جس قسم کا میوہ یہ پسند کریں اور جس پرند کا گوشت یہ چاہیں ان کے پاس بار بار لانے کے لئے چوطرف کمربستہ چل رہے ہیں- اس دور شراب کے وقت آپس میں گھل مل کر طرح طرح کی باتیں کریں گے' دنیا کے احوال یاد آئیں گے' کہیں گے کہ ہم دنیا میں جب اپنے والوں میں تھے تو اپنے رب کے آج کے دن کے عذابوں سے سخت لرزاں و ترساں تھے' الحمدللہ رب نے ہم پر خاص احسان کیا اور ہمارے خوف کی چیز سے ہمیں امن دیا' ہم اسی سے دعائیں اور التجائیں کرتے رہے' اس نے ہماری دعائیں قبول فرمائیں اور ہمارا قول پورا کر دیا' یقیناً وہ بہت ہی نیک سلوک اور رحم والا ہے- مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی اپنے دوستوں سے ملنا چاہے گا تو ادھر اس دوست کے دل میں بھی یہی خواہش پیدا ہوگی' اس کا تخت اڑے گا اور راستہ میں دونوں مل جائیں گے' اپنے اپنے تختوں پر آرام سے بیٹھے ہوئے باتیں کرنے لگیں گے' دنیا کے ذکر چھیڑیں گے اور کہیں گے کہ فلاں دن فلاں جگہ ہم نے اپنی بخشش کی دعا مانگی تھی' اللہ نے اسے قبول فرمایا' اس حدیث کی سند کمزور ہے- حضرت مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب اس آیت کی تلاوت کی تو یہ دعا پڑھی اَللّٰهُمَّ مُنَّ عَلَيْنَا وَقِنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ إِنَّكَ أَنْتَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ- حضرت اعمش راوی حدیث سے پوچھا گیا کہ اس آیت کو پڑھ کر یہ دعا مائی صاحبہؓ نے نماز کے اندر مانگی تھی؟ جواب دیا کہ ہاں-

فَذَكِّرْ فَمَآ أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ أَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَإِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ أَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَأْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ إِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾

تو سمجھا تا رہ کیونکہ تو اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہے نہ دیوانہ ○ کیا کافریوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس پر زمانے کے حوادث یعنی موت کا انتظار کر رہے ہیں؟ ○ تو کہہ دے کہ تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ○ کیا ان کی عقلیں انہیں یہی سکھاتی ہیں یا یہ لوگ شرارت پر ہی ہیں؟ ○ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نبی نے قرآن خود گھڑ لیا ہے واقعہ یہ ہے کہ انہیں ایمان ہی نہیں ○ اچھا اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اس جیسی ایک ہی بات یہ بھی تو لے آئیں؟ ○

کاہن کی پہچان: ☆☆ (آیت: ۲۹-۳۴) اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اللہ کی رسالت اللہ کے بندوں تک پہنچاتے رہیں- ساتھ ہی بدکاروں نے جو بہتان آپ پر باندھ رکھے تھے ان سے آپ کی صفائی کرتا ہے' کاہن اسے کہتے ہیں جس کے پاس کبھی کبھی کوئی خبر جن پہنچا دیتا ہے تو ارشاد ہوا کہ دین خدا کی تبلیغ کیجئے -الحمدللہ آپ نہ تو جنات والے ہیں نہ جنون والے' پھر کافروں کا قول نقل فرماتا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شاعر ہیں' انہیں کہنے دو جو کہہ رہے ہیں ان کے انتقال کے بعد ان کی سی کون کہے گا؟ ان کا یہ دین ان کے ساتھ ہی فنا ہو جائے گا' پھر اپنے نبی کو اس کا جواب دینے کو فرماتا ہے کہ اچھا ادھر تم انتظار کرتے ہو ادھر میں بھی منتظر ہوں دنیا دیکھ لے گی کہ انجام کار غلبہ اور غیر فانی کامیابی کسے حاصل ہوتی ہے؟ دارالندوہ میں قریش کا مشورہ ہوا کہ محمد (ﷺ) بھی مثل اور شاعروں کے ایک شعر گو ہیں' انہیں قید کر لو وہیں یہ ہلاک ہو جائیں گے' جس طرح زہیر اور نابغہ شاعروں کا حشر ہوا- اس پر یہ آیتیں اتریں-

پھر فرماتا ہے کیا ان کی دانائی انہیں یہی سمجھاتی ہے کہ باوجود جاننے کے پھر بھی تیری نسبت غلط افواہیں اڑائیں اور بہتان بازی کریں' حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑے سرکش گمراہ اور عناد رکھنے والے لوگ ہیں- دشمنی میں آ کر واقعات سے چشم پوشی کر کے آپ کو مفت میں برا بھلا کہتے ہیں- کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو محمد (ﷺ) نے خود آپ بنا لیا ہے؟ فی الواقع ایسا تو نہیں لیکن ان کا کفران کے منہ سے یہ غلط اور جھوٹ بات نکلوا رہا ہے' اگر یہ سچے ہیں تو پھر یہ خود بھی مل جل کر ہی ایک ایسی بات بنا کر دکھا دیں' یہ کفار قریش تو کیا؟ اگر ان کے ساتھ روئے زمین کے جنات و انسان مل جائیں جب بھی اس قرآن کی نظیر سے وہ سب عاجز رہیں گے' اور پورا قرآن تو بڑی چیز ہے اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی قیامت تک نہیں بنا لا سکتے -

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿٣٩﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٠﴾ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤١﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿٤٢﴾ أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٣﴾

کیا یہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ ○ کیا انہوں نے ہی آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں ○ یا کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں؟ یا (ان خزانوں کے) یہ داروغہ ہیں؟ ○ یا کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے؟ جس پر چڑھ کر سن آئے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان کا سننے والا کوئی روشن دلیل پیش کرے ○ کیا اللہ کی تو سب لڑکیاں ہیں اور تمہارے ہاں لڑکے ہیں؟ کیا تو ان سے کوئی اجرت طلب کرتا

ہے کہ یہ اس کے بوجھ سے بوجھل ہو رہے ہیں؟ ○ کیا ان کے پاس علم غیب ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں؟ ○ یا یہ لوگ کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں ○ تو یقین کر لیں کہ فریب خوردہ جماعت کافروں کی ہے۔ کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے ○

توحید ربوبیت اور الوہیت: ☆☆ (آیت: ۳۵-۴۳) توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کا ثبوت دیا جا رہا ہے' فرماتا ہے کیا یہ بغیر موجد کے موجود ہو گئے یا یہ خود اپنے موجد آپ ہی ہیں؟ دراصل دونوں باتیں نہیں بلکہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' یہ کچھ نہ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کر دیا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی ﷺ مغرب کی نماز میں سورۂ والطور کی تلاوت کر رہے تھے میں کان لگائے سن رہا تھا جب آپ مُصَیۡطِرُوۡنَ تک پہنچے تو میری یہ حالت ہو گئی کہ گویا میرا دل اڑا جا رہا ہے (بخاری) بدری قیدیوں میں یہ جبیرؓ بھی آئے تھے' یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب یہ کافر تھے' قرآن پاک کی ان آیتوں کا سننا ان کے لئے اسلام کا ذریعہ بن گیا۔ پھر فرمایا ہے کیا آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے یہ ہیں؟ یہ بھی نہیں بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ خود ان کا اور کل مخلوقات کا رچانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر بھی یہ اپنی بے یقینی سے باز نہیں آتے۔ پھر فرماتا ہے کیا دنیا میں تصرف ان کا ہے؟ ہر چیز کے خزانوں کے مالک کیا یہ ہیں؟ یا مخلوق کے محاسب یہ ہیں؟ حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ مالک و متصرف صرف اللہ عزوجل ہی ہے۔ وہ قادر ہے جو چاہے کر گذرے۔

پھر فرماتا ہے کیا اونچے آسمانوں تک چڑھ جانے کا کوئی زینہ ان کے پاس ہے؟ اگر یوں ہے تو ان میں سے جو وہاں پہنچ کر کلام سن آتا ہے وہ اپنے اقوال و افعال کی کوئی آسمانی دلیل پیش کرے لیکن نہ وہ پیش کر سکتا ہے نہ وہ کسی حقانیت کے پابند ہیں۔ یہ بھی ان کی بڑی بھاری غلطی ہے کہ کہتے ہیں فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں کیا مزے کی بات ہے کہ اپنے لئے تو لڑکیاں ناپسند کریں اور اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کریں' انہیں اگر معلوم ہو جائے کہ ان کے ہاں لڑکی ہوئی تو غم کے مارے چہرہ سیاہ پڑ جائے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کو اس کی لڑکیاں بتلائیں اتنا ہی نہیں بلکہ ان کی پرستش کریں' پس نہایت ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرماتا ہے کیا خدا کی لڑکیاں ہیں اور تمہارے لڑکے ہیں؟ پھر فرمایا کیا تو اپنی تبلیغ پر ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتا ہے جو ان پر بھاری پڑے؟ یعنی نبی اللہ دین اللہ کے پہنچانے پر کسی سے کوئی اجرت نہیں مانگتے پھر انہیں یہ پہنچانا کیوں بھاری پڑتا ہے؟ کیا یہ لوگ غیب داں ہیں؟ نہیں بلکہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق میں سے کوئی بھی غیب کی باتیں نہیں جانتا' کیا یہ لوگ دین اللہ اور رسول اللہ کی نسبت بکواس کر کے خود رسول کو مومنوں کو اور عام لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں؟ یاد رکھو یہی دھوکے باز دھوکے میں رہ جائیں گے اور وبال اخروی سمیٹیں گے۔ پھر فرمایا کیا اللہ کے سوا ان کے اور معبود ہیں؟ اللہ کی عبادت میں بتوں کو اور دوسری چیزوں کو یہ کیوں شریک کرتے ہیں؟ اللہ تو شرکت سے مبرا اور شرک سے پاک اور مشرکوں کے اس فعل سے سخت بیزار ہے۔

وَاِنۡ يَّرَوۡا كِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ مَّرۡكُوۡمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرۡهُمۡ حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ فِيۡهِ يُصۡعَقُوۡنَ ﴿۴۵﴾ يَوۡمَ لَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔا وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۶﴾

اگر یہ لوگ آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا دیکھ لیں تب بھی کہہ دیں کہ یہ تو تہ بہ تہ بادل ہے ○ تو انہیں چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑے جس میں یہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے ○ جس دن انہیں ان کا مکر کچھ کام نہ آئے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے ○

طے شدہ بدنصیب اور نشست و برخواست کے آداب: ☆☆ (آیت:۴۴-۴۶) مشرکوں اور کافروں کے عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ اپنی سرکشی، ضد اور ہٹ دھرمی میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ خدا کے عذاب کو محسوس کر لینے کے بعد بھی انہیں ایمان کی توفیق نہ ہوگی۔ یہ اگر دیکھ لیں گے کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا خدا کا عذاب بن کر ان کے سروں پر گر رہا ہے تو بھی انہیں تصدیق و یقین نہ ہوگا بلکہ صاف کہہ دیں گے کہ غلیظ ابر ہے جو پانی برسانے کو آ رہا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ الخ' اگر ہم ان کے لئے آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور یہ وہاں چڑھ جائیں تب بھی یہ تو یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے' یعنی معجزات جو یہ طلب کر رہے ہیں اگر ان کی چاہت کے مطابق ہی دکھا دیئے جائیں بلکہ خود انہیں آسمانوں پر چڑھا دیا جائے جب بھی یہ کوئی بات بنا کر ٹال دیں گے اور ایمان نہ لائیں گے۔ اے نبی! آپ انہیں چھوڑ دیجئے' قیامت والے دن خود انہیں معلوم ہو جائے گا۔ اس دن ان کی ساری فریب کاریاں دھری کی دھری رہ جائیں گی' کوئی مکاری وہاں کام نہ دے گی' چوکڑی بھول جائیں گے اور چالاکی بھول جائیں گے' آج جن جن کو یہ پکارتے ہیں اور اپنا مددگار جانتے ہیں اس دن سب کے منہ تکیں گے اور کوئی نہ ہوگا جو ان کی ذرا سی بھی مدد کر سکے بلکہ ان کی طرف سے کچھ عذر بھی پیش کر سکے' یہی نہیں کہ انہیں صرف قیامت کے دن ہی عذاب ہو اور یہاں اطمینان و آرام کے ساتھ زندگی گذار لیں بلکہ ان ناانصافوں کے لئے اس سے پہلے دنیا میں بھی عذاب تیار ہیں۔

وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٤٩﴾

بے شک ظالموں کے لئے اس کے علاوہ اور عذاب بھی ہیں لیکن ان لوگوں میں سے اکثر بے علم ہیں ○ تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے بیشک تجھ پر ہماری آنکھیں لگی ہوئی ہیں صبح کو جب تو اٹھے اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کیا کر ○ اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھ اور ستاروں کے ڈوبتے وقت بھی ○

ظالموں کا حال: ☆☆ (آیت:۴۷) جیسے اور جگہ فرمان ہے وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ یعنی ہم انہیں آخرت کے بڑے عذابوں کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ یہ رجوع کریں۔ لیکن ان میں سے کے اکثر بے علم ہیں' نہیں جانتے کہ یہ دنیوی مصیبتوں میں بھلا مبتلا ہوں گے اور خدا کی نافرمانیاں رنگ لائیں گی یہی بے علمی ہے جو انہیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ گناہ پر گناہ' ظلم پر ظلم کرتے جائیں۔ پکڑے جاتے ہیں' عبرت حاصل ہوتی ہے لیکن جہاں پکڑ ہٹی یہ پھر ویسے کے ویسے سخت دل بدکار بن گئے' بعض حدیثوں میں ہے کہ منافق کی مثال اونٹ کی سی ہے جس طرح اونٹ نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں کھولا اسی طرح منافق بھی نہیں جانتا کہ کیوں بیمار ڈالا گیا؟ اور کیوں تندرست کر دیا گیا؟ اثر الٰہی میں ہے کہ میں کتنی ایک تیری نافرمانیاں کروں گا اور تو مجھے سزا نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندے! کتنی مرتبہ میں نے تجھے عافیت دی اور تجھے علم بھی نہ ہوا۔

حمد باری کا حکم: ☆☆ (آیت:۴۸-۴۹) پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! آپ صبر کیجئے' ان کی ایذا دہی سے تنگ دل نہ ہو جایئے' ان کی طرف سے کوئی خطرہ بھی دل میں نہ لایئے' سنئے آپ ہماری حفاظت میں ہیں' آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں' آپ کی نگہبانی کے ذمہ دار ہم ہیں' تمام دشمنوں سے آپ کو بچانا ہمارے سپرد ہے۔ پھر حکم دیتا ہے کہ جب آپ کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی پاکی اور تعریف بیان کیجئے' اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب رات کو جاگیں۔ دونوں مطلب درست ہیں چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نماز کو شروع

کرتے ہی آنحضرت ﷺ فرماتے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ (صحیح مسلم) یعنی اے اللہ! تو پاک ہے' تمام تعریفوں کا مستحق ہے' تیرا نام برکتوں والا ہے' تیری بزرگی بہت بلند و بالا ہے' تیرے سوا معبود برحق کوئی اور نہیں- مسند احمد اور سنن میں بھی حضورؐ کا یہ کہنا مروی ہے- مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص رات کو جاگے اور کہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پھر خواہ اپنے لئے بخشش کی دعا کرے خواہ جو چاہے طلب کرے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے پھر اگر اس نے پختہ ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز بھی ادا کی تو وہ نماز قبول کی جاتی ہے- یہ حدیث صحیح بخاری شریف میں اور سنن میں بھی ہے-

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں خدا کی تسبیح اور حمد کے بیان کرنے کا حکم ہر مجلس سے کھڑے ہونے کے وقت ہے- حضرت ابوالاحوصؒ کا قول بھی یہی ہے کہ جب کسی مجلس سے اٹھنا چاہے یہ پڑھے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ- حضرت عطاء بن ابورباحؒ بھی یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر اس مجلس میں نیکی ہوئی ہے تو وہ اور بڑھ جاتی ہے اور اگر کچھ اور ہوا ہے تو یہ کلمہ اس کا کفارہ ہو جاتا ہے- جامع عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو تعلیم دی کہ جب بھی کسی مجلس سے کھڑے ہو تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ پڑھو- اس کے راوی حضرت معمرؒ فرماتے ہیں میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ قول اس مجلس کا کفارہ ہو جاتا ہے- یہ حدیث تو مرسل ہے لیکن مستند حدیثیں بھی اس بارے میں بہت سی مروی ہیں جن کی سندیں ایک دوسری کو تقویت پہنچاتی ہیں- ایک میں ہے جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے وہاں کچھ بک جھک ہو اور کھڑا ہونے سے پہلے ان کلمات کو کہہ لے تو اس مجلس میں جو کچھ ہوا ہے اس کا کفارہ ہو جاتا ہے (ترمذی) اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں' امام حاکم اسے مستدرک میں روایت کر کے فرماتے ہیں اس کی سند شرط مسلم پر ہے' ہاں امام بخاری نے اس میں علت نکالی ہے' میں کہتا ہوں امام احمد' امام مسلم' امام ابوحاتم' امام ابوزرعہ' امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے بھی اسے معلول کہا ہے اور وہم کی نسبت ابن جریج کی طرف کی ہے مگر یہ روایت ابوداؤد میں جس سند سے مروی ہے اس میں ابن جریجؒ ہیں ہی نہیں- ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ اپنی آخری عمر میں جس مجلس سے کھڑے ہوتے ان کلمات کو کہتے بلکہ ایک شخص نے پوچھا بھی کہ حضورؐ آپ اس سے پہلے تو اسے نہیں کہتے تھے؟ آپ نے فرمایا مجلس میں جو کچھ ہوا ہو یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جاتے ہیں- یہ روایت مرسل سند سے بھی حضرت ابوالعالیہؒ سے مروی ہے' واللہ اعلم- نسائی وغیرہ-

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ کلمات ایسے ہیں کہ جو انہیں کسی مجلس سے اٹھتے وقت تین مرتبہ کہہ لے اس کے لئے یہ کفارہ ہو جاتے ہیں- مجلس خیر اور مجلس ذکر میں انہیں کہنے سے یہ مثل مہر کے ہو جاتے ہیں- (ابوداؤد وغیرہ) الحمدللہ میں نے ایک علیحدہ جزو میں ان تمام حدیثوں کو ان کے الفاظ کو اور ان کی سندوں کو جمع کر دیا ہے اور ان کی علتیں بھی بیان کر دی ہیں اور اس کے متعلق جو کچھ لکھنا تھا لکھ دیا ہے- پھر ارشاد ہوتا ہے کہ رات کے وقت اس کی یاد اور اس کی عبادت تلاوت اور نماز کے ساتھ کرتے رہو- جیسے فرمان ہے وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ رات کے وقت تہجد پڑھا کرو یہ تیرے لئے نفل ہے' ممکن ہے تیرا رب تجھے مقام محمود پر اٹھائے- ستاروں کے ڈوبتے وقت سے مراد صبح کی فرض نماز سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں کہ وہ دونوں ستاروں کے غروب ہونے کے لئے جھک جانے کے وقت پڑھی جاتی ہیں- چنانچہ ایک مرفوع حدیث میں ہے ان سنتوں کو نہ چھوڑو گو تمہیں گھوڑے کچل ڈالیں- اسی حدیث پر نظریں رکھ کر امام احمدؒ کے بعض اصحاب نے تو انہیں واجب کہا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ حدیث میں ہے دن رات میں پانچ نمازیں ہیں' سننے والے نے کہا کیا مجھ پر اس کے سوا اور کچھ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل ادا کرے- بخاری مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نوافل میں سے کسی نفل کی بہ نسبت صبح کی دو سنتوں کے زیادہ پابندی اور نگرانی نہ کرتے تھے- صحیح مسلم شریف میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں صبح کے فرضوں سے پہلے یہ دو سنتیں ساری دنیا سے اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہیں-

الحمدللہ سورۂ الطور کی تفسیر پوری ہوئی-

تفسیر سورة النجم

(تفسیر سورۃ النجم) صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلی سورت جس میں سجدہ تھا سورۂ والنجم اتری ہے- نبی ﷺ نے اور آپ کے آگے پیچھے جتنے تھے سب نے سجدہ کیا لیکن ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی مٹھی میں مٹی لے کر اسی پر سجدہ کر لیا' پھر میں نے دیکھا کہ وہ اس کے بعد کفر کی حالت میں ہی مارا گیا' یہ امیہ بن خلف تھا- لیکن اس میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ دوسری روایت میں ہے کہ یہ عتبہ بن ربیعہ تھا-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝١ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝٢ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝٣ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝٤

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے ۝

قسم ہے ستارے کی جب وہ جھکے ۝ کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے ۝ اور نہ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں ۝ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے ۝

(آیت: ۱-۴) حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خالق تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا لے لیکن مخلوق سوائے اپنے خالق کے کسی اور کی قسم نہیں کھا سکتی (ابن ابی حاتم) ستارے کے جھکنے سے مراد فجر کے وقت ثریا ستارے کا غائب ہونا ہے- بعض کہتے ہیں مراد زہرہ نامی ستارہ ہے- حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں مراد اس کا جھڑ کر شیطان کی طرف لپکنا ہے- اس قول کی اچھی توجیہ ہو سکتی ہے- مجاہدؒ مراد زہرہ نامی ستارہ ہے- حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں مراد اس کا جھڑ کر شیطان کی طرف لپکنا ہے- اس قول کی اچھی توجیہ ہو سکتی ہے- مجاہدؒ فرماتے ہیں اس جملے کی تفسیر یہ ہے کہ قسم ہے قرآن کی' جب وہ اترے- اس آیت جیسی ہی آیت فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ الخ' ہے- پھر جس بات پر قسم کھا رہا ہے اس کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نیکی اور رشد و ہدایت اور تابع حق ہیں' وہ بے علمی کے ساتھ کسی غلط راہ لگے ہوئے یا باوجود علم کے ٹیڑھا راستہ اختیار کئے ہوئے نہیں ہیں- گمراہی والے نصرانیوں اور جان بوجھ کر خلاف حق کرنے والے یہودیوں کی طرح آپ نہیں- آپ کا علم کامل' آپ کا عمل مطابق علم' آپ کا راستہ سیدھا' آپ عظیم الشان شریعت کے شارع' آپ اعتدال والی راہ حق پر قائم' آپ کا کوئی قول کوئی فرمان اپنے نفس کی خواہش اور ذاتی غرض سے نہیں ہوتا بلکہ جس چیز کی تبلیغ کا آپ کو حکم خدا ہوتا ہے آپ اسے ہی زبان سے نکالتے ہیں' جو وہاں سے کہا جائے وہی آپ کی زبان سے ادا ہوتا ہے' کمی بیشی زیادتی نقصان سے آپ کا کلام پاک ہوتا ہے- مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص کی شفاعت سے جو نبی نہیں ہیں مثل دو قبیلوں کے یا دو میں سے ایک قبیلے کی گنتی کے برابر لوگ جنت میں داخل ہوں گے- قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر' اس پر ایک شخص نے کہا کیا ربیعہ مضر میں سے نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تو وہی کہتا ہوں جو کہتا ہوں-

مسند کی اور حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں میں حضورؐ سے جو کچھ سنتا تھا اسے حفظ کرنے کے لئے لکھ لیا کرتا تھا' پس بعض قریشیوں نے مجھے اس سے روکا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایک انسان ہیں کبھی کبھی غصے اور غضب میں بھی کچھ فرما دیا کرتے ہیں چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا' پھر میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو واللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری زبان سے سوائے حق بات کے اور کوئی کلمہ نہیں نکلتا - یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ابی شیبہ میں بھی ہے - بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں جس امر کی خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوں اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا - مسند احمد میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا میں بجز حق کے اور کچھ نہیں کہتا - اس پر بعض صحابہؓ نے کہا حضورؐ کبھی کبھی ہم سے خوش طبعی بھی کرتے ہیں' آپ نے فرمایا اس وقت بھی میری زبان سے ناحق نہیں نکلتا -

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴿۷﴾

اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے ○ جو زور آور ہے' وہ سیدھا کھڑا ہو گیا ○ اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا ○

تعارف جبرئیل امین علیہ السلام: ☆☆ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے معلم حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں - جیسے اور جگہ فرمایا ہے اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ یہ قرآن ایک بزرگ زور آور فرشتے کا قول ہے' جو مالک عرش کے ہاں باعزت' سب کا مانا ہوا' وہاں معتبر ہے' یہاں بھی فرمایا وہ قوت والا ہے - ذُوْ مِرَّةٍ کی ایک تفسیر تو یہی ہے' دوسری یہ ہے کہ وہ خوش شکل ہے' حدیث میں بھی مرۃ کا لفظ آیا ہے' حضورؐ فرماتے ہیں صدقہ مالدار پر اور قوت والے تندرست پر حرام ہے - پھر وہ سیدھے کھڑے ہو گئے یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھے جہاں سے صبح چڑھتی ہے' جو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہے - ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت پر صرف دو دفعہ دیکھا ہے ایک مرتبہ آپ کی خواہش پر امین خدا اپنی صورت میں آپ کو دکھائی دیئے' آسمانوں کے تمام کنارے ان کے جسم سے ڈھک گئے تھے - دوبارہ اس وقت جبکہ آپ کو لے کر حضرت جبرئیل علیہ السلام اوپر چڑھے تھے - یہ مطلب ہے وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى کا' امام ابن جریرؒ نے اس تفسیر میں ایک ایسا قول کہا ہے جو کسی نے نہیں کہا اور خود انہوں نے بھی اس قول کی اضافت دوسرے کی طرف نہیں کی - ان کے فرمان کا ماحصل یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ دونوں بلند آسمانوں کے کناروں پر سیدھے کھڑے ہوئے تھے اور یہ واقعہ معراج کی رات کا ہے -

امام ابن جریرؒ کی اس تفسیر کی تائید کسی نے نہیں کی' گو امام صاحب نے عربیت کی حیثیت سے اسے ثابت کیا ہے اور عربی قواعد سے یہ بھی ہو سکتا ہے' لیکن ہے یہ واقعہ کے خلاف' اس لئے کہ یہ دیکھنا معراج سے پہلے کا ہے' اس وقت رسول اللہ ﷺ زمین پر تھے' آپ کی طرف جبرئیل علیہ السلام اترے تھے اور قریب ہو گئے تھے اور اپنی اصلی صورت میں تھے' چھ سو پر تھے پھر اس کے بعد دوبارہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس معراج والی رات میں دیکھا تھا - یہ تو دوبارہ کا دیکھنا تھا لیکن پہلی مرتبہ کا دیکھنا تو شروع رسالت کے زمانہ کے وقت کا ہے' پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ کی چند آیتیں آپ پر نازل ہو چکی تھیں' پھر وحی بند ہو گئی تھی جس کا حضورؐ کو بڑا خیال بلکہ بڑا ملال تھا یہاں تک کہ کئی دفعہ آپ کا ارادہ ہوا کہ پہاڑ پر سے گر پڑوں لیکن بروقت آسمان کی طرف سے حضرت جبرئیل کی یہ ندا سنائی دی کہ اے محمد (ﷺ)! آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں جبرئیلؑ ہوں - آپ کا غم غلط ہو جاتا' دل پرسکون اور طبیعت میں قرار ہو جاتا' واپس

چلے آتے۔ لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد شوق دامنگیر ہوتا اور وحی الٰہی کی لذت یاد آتی تو نکل کھڑے ہوتے اور پہاڑ پر سے اپنے تئیں گرا دینا چاہتے اور اسی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام تسکین وتسلی کر دیا کرتے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ابطح میں حضرت جبرائیلؑ اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہو گئے' چھ سو پر تھے' جسامت نے آسمان کے تمام کنارے ڈھک لئے تھے' اب آپ سے قریب آ گئے اور اللہ عزوجل کی وحی آپ کو پہنچائی' اس وقت حضورؐ کو اس فرشتے کی عظمت وجلالت معلوم ہوئی اور جان گئے کہ خدا کے نزدیک یہ کس قدر بلند مرتبہ ہے۔ مسند بزار کی ایک روایت امام ابن جریرؒ کے قول کی تائید میں پیش ہو سکتی ہے مگر اس کے راوی صرف حارث بن عبید ہیں' جو بصرہ کے رہنے والے شخص ہیں۔ ابوقدامہ ایادی ان کی کنیت ہے۔ مسلم میں ان سے روایتیں آئی ہیں لیکن امام ابن معینؒ انہیں ضعیف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں یہ مضطرب الحدیث ہیں' امام ابوحاتم رازیؒ کا قول ہے کہ ان کی حدیثیں لکھ لی جاتی ہیں لیکن ان سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔ ابن حبانؒ فرماتے ہیں یہ بڑے وہمی تھے ان سے احتجاج درست نہیں' پس یہ حدیث صرف ان ہی کی روایت سے ہے تو علاوہ غریب ہونے کے منکر ہے اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو ممکن ہے یہ واقعہ کسی خواب کا ہو' اس میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں میں بیٹھا تھا جو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے' میرے دونوں کندھوں کے درمیان زور سے ہاتھ رکھا اور مجھے کھڑا کیا' میں نے دیکھا کہ ایک درخت ہے جس میں پرندوں کے آشیانوں کی طرح بیٹھنے کی جگہیں بنی ہوئی ہیں۔ ایک میں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹھ گئے اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا۔ پھر وہ درخت بلند ہونے لگا یہاں تک کہ میں آسمان سے بالکل قریب پہنچ گیا' میں دائیں بائیں کروٹیں بدلتا تھا اور اگر میں چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر آسمان کو چھو لیتا' میں نے دیکھا کہ حضرت جبرئیلؑ اس وقت ہیبت خدا سے مثل بورے کے بچھے جا رہے تھے' اس وقت میں سمجھ گیا کہ اللہ کی جلالت وقدر کے علم میں انہیں مجھ پر فضیلت ہے۔ آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ مجھ پر کھل گیا' میں نے بہت بڑا عظیم الشان نور دیکھا اور پردے کے پاس در و یاقوت کو ہلتے اور حرکت کرتے دیکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جو وحی فرمانی چاہی وہ فرمائی۔

مسند میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے' ان کے چھ سو پر تھے' ہر ایک ایسا جس نے آسمان کے کنارے پر کر دیئے تھے' ان سے زمرد اور موتی اور مروارید جھڑ رہے تھے۔ اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے جبرئیل سے خواہش کی کہ میں آپ کو آپ کی اصلی صورت میں دیکھنا چاہتا ہوں' حضرت جبرئیل نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے' آپ نے دعا کی تو مشرق کی طرف سے آپ کو کوئی چیز اونچی اٹھتی ہوئی اور پھیلتی ہوئی نظر آئی جسے دیکھ کر آپ بے ہوش ہو گئے۔ جبرئیل علیہ السلام فوراً آئے اور آپ کو ہوش میں لائے اور آپ کی باچھوں سے تھوک دور کیا۔

ابن عساکر میں ہے کہ ابولہب اور اس کا بیٹا عتبہ شام کے سفر کی تیاریاں کرنے لگے' اس کے بیٹے نے کہا سفر میں جانے سے پہلے ایک مرتبہ ذرا محمد (ﷺ) کے خدا کو ان کے سامنے گالیاں تو دے آؤں چنانچہ یہ آیا اور کہا اے محمدؐ! جو قریب ہوا اور اترا اور دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک آ گیا' میں تو اس کا منکر ہوں (چونکہ یہ ناہنجار سخت بے ادب تھا اور بار بار گستاخی سے پیش آتا تھا) حضورؐ کی زبان سے اس کے لئے بددعا نکل گئی کہ باری تعالیٰ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مقرر کر دے' یہ جب لوٹ کر اپنے باپ کے پاس آیا اور ساری باتیں کہہ سنائیں تو اس نے کہا بیٹا اب مجھے تو تیری جان کا اندیشہ ہو گیا' اس کی دعا رد نہ جائے گی۔ اس کے بعد یہ قافلہ یہاں سے روانہ ہوا' شام کی سرزمین میں ایک راہب کے عبادت خانے کے پاس پڑاؤ کیا' راہب نے ان سے کہا یہاں تو بھیڑیئے اس طرح پھرتے ہیں جیسے بکریوں

کے ریوڑ، تم یہاں کیوں آ گئے؟ ابولہب یہ سن کر کھٹک گیا اور تمام قافلے والوں کو جمع کر کے کہا دیکھو میرے بڑھاپے کا حال تمہیں معلوم ہے اور تم جانتے ہو کہ میرے کیسے کچھ حقوق تم پر ہیں' اب آج میں تم سے عرض کرتا ہوں امید ہے کہ تم سب اسے قبول کرو گے' بات یہ ہے کہ مدعی نبوت نے میرے جگر گوشے کے لئے بددعا کی ہے اور مجھے اس کی جان کا خطرہ ہے' تم اپنا سب اسباب اس عبادت خانے کے پاس جمع کرو اور اس پر میرے پیارے بچے کو سلاؤ اور تم سب اس کے اردگرد پہرہ دو لوگوں نے اسے منظور کر لیا۔ یہ اپنے سب جتن کر کے ہوشیار رہے کہ اچانک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھنے لگا' جب سب کے منہ سونگھ چکا اور گویا جسے تلاش کر رہا تھا اسے نہ پایا تو پچھلے پیروں ہٹ کر بہت زور سے جست کی اور ایک چھلانگ میں اس مچان پر پہنچ گیا۔ وہاں جا کر اس کا بھی منہ سونگھا اور گویا وہی اس کا مطلوب تھا پھر تو اس نے اس کے پرخچے اڑا دیئے' چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا' اس وقت ابولہب کہنے لگا اس کا تو مجھے پہلے ہی سے یقین تھا کہ محمدؐ کی بددعا کے بعد یہ بچ نہیں سکتا۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۹﴾ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا ○ پس دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم ○ پس اس نے خدا کے بندے کو پیغام پہنچایا جو بھی پہنچایا ○ جو دیکھا اس میں پیغمبر کے دل نے جھوٹ نہیں کہا ○ کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو پیغمبر دیکھتے ہیں؟ ○ اسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا ○ سدرۃ المنتہٰی کے پاس ○ اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے ○ جبکہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو چھا رہی تھی ○ نہ تو وہ نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی ○ یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں ○

جبرئیل کا نبی ﷺ کے قریب ہونا: ☆☆ (آیت: ۸-۱۸) پھر فرماتا ہے کہ حضرت جبرئیل آنحضرتؐ سے قریب ہوئے اور زمین کی طرف اترے یہاں تک کہ حضورؐ کے اور حضرت جبرئیلؑ کے درمیان صرف دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی اور نزدیکی ہو گئی یہاں لفظ ''او'' جس کی خبر دی جاتی ہے اس کے ثابت کرنے کے لئے آیا ہے اور اس پر جو زیادتی ہو اس کی نفی کے لئے' جیسے اور جگہ ہے پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پس وہ مثل پتھروں کے ہیں اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت یعنی پتھر سے کم کسی صورت میں نہیں بلکہ اس سے بھی سختی میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اور فرمان ہے وہ لوگوں سے ایسا ڈرتے ہیں جیسا کہ اللہ سے اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور جگہ ہے ہم نے انہیں ایک لاکھ کی طرف بھیجا بلکہ زیادہ کی طرف یعنی وہ ایک لاکھ سے کم تو تھے ہی نہیں بلکہ حقیقتاً وہ ایک لاکھ تھے یا اس سے زیادہ ہی زیادہ۔ پس اپنی خبر کی تحقیق ہے شک وتردد کے لئے نہیں۔ خبر میں خدا کی طرف سے شک کے ساتھ بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ قریب آنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جیسے ام المومنین عائشہؓ' ابن مسعودؓ' ابوذرؓ' ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فرمان ہے اور اس بابت کی حدیثیں بھی عنقریب ہم وارد کریں گے' ان شاء اللہ تعالیٰ۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا' جن میں سے ایک کا بیان اس آیت ثُمَّ دَنَا میں ہے۔ حضرت انس والی معراج کی حدیث میں ہے پھر اللہ تعالیٰ رب العزت قریب ہوا اور نیچے آیا اور اسی لئے محدثین نے اس میں کلام کیا ہے اور کئی ایک غرابتیں ثابت کی ہیں اور اگر ثابت ہو جائے کہ یہ صحیح ہے تو بھی دوسرے وقت اور دوسرے واقعہ پر محمول ہوگی اس آیت کی تفسیر نہیں کہی جا سکتی۔ یہ واقعہ تو اس وقت کا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ زمین پر تھے نہ کہ معراج والی رات کا۔ کیونکہ اس کے بیان کے بعد ہی فرمایا ہے ہمارے نبیؐ نے اسے ایک مرتبہ اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے' پس یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس کا دیکھنا تو واقعہ معراج کا ذکر ہے اور پہلی مرتبہ کا دیکھنا یہ زمین پر تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا میں نے جبرئیل کو دیکھا' ان کے چھ سو پر تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں نبی ﷺ کی ابتداء نبوت کے وقت آپ نے خواب میں حضرت جبرئیل کو دیکھا پھر آپ اپنی ضروری حاجت سے فارغ ہونے کے لئے نکلے تو سنا کہ کوئی آپ کا نام لے کر آپ کو پکار رہا ہے' ہر چند دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا' تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار آپ نے اوپر کی طرف دیکھا تو دیکھا کہ حضرت جبرئیلؑ اپنے دونوں پاؤں میں سے ایک کو دوسرے سمیت موڑے ہوئے آسمان کے کناروں کو روکے ہوئے ہیں' قریب تھا کہ حضورؐ دہشت زدہ ہو جائیں کہ فرشتے نے کہا میں جبرئیلؑ ہوں میں جبرئیلؑ ہوں ڈرو نہیں' لیکن حضورؐ سے ضبط نہ ہو سکا' بھاگ کر لوگوں میں چلے آئے' اب جو نظریں ڈالیں تو کچھ دکھائی نہ دیا' پھر یہاں سے نکل کر باہر گئے اور آسمان کی طرف نظر ڈالی تو پھر حضرت جبرئیلؑ اسی طرح نظر آئے' آپ پھر خوف زدہ لوگوں کے مجمع میں آ گئے تو یہاں کچھ بھی نہیں' باہر نکل کر پھر جو دیکھا تو وہی سماں نظر آیا' پس اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ قاب آدھی انگلی کو بھی کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں صرف دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ اس وقت حضرت جبرئیلؑ پر دو ریشمی حلے تھے۔ پھر فرمایا اس نے وحی کی' اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف وحی کی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف جبرئیل کی معرفت اپنی وحی نازل فرمائی' دونوں معنی صحیح ہیں حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس وقت کی وحی اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا اور وَرَفَعْنَالَكَ ذِكْرَكَ تھی۔ اور حضرات سے مروی ہے کہ اس وقت یہ وحی نازل ہوئی تھی کہ نبیوں پر جنت حرام ہے جب تک کہ آپ اس میں نہ جائیں اور دوسری امتوں پر جنت حرام ہے جب تک کہ پہلے اس کی امت داخل نہ ہو جائے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں آپؐ نے اپنے دل سے اللہ دو دفعہ دیکھا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے دیکھنے کو مطلق رکھا ہے یعنی خواہ دل کا دیکھنا ہو خواہ ظاہری آنکھوں کا' یہ ممکن ہے کہ اس مطلق کو بھی مقید پر محمول کریں یعنی آپ نے اپنے دل سے دیکھا۔ جن بعض حضرات نے کہا ہے کہ اپنی ان آنکھوں سے دیکھا انہوں نے ایک غریب قول کہا ہے اس لئے کہ صحابہؓ سے اس بارے میں کوئی چیز صحت کے ساتھ مروی نہیں۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضورؐ نے اپنی آنکھوں دیکھا' جیسے حضرت انسؓ اور حضرت حسنؒ اور حضرت عکرمہؒ ان کے اس قول میں نظر ہے واللہ اعلم۔

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں میں نے یہ سن کر کہا پھر یہ آیت کہاں جائے گی جس میں فرمان ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ اسے کوئی نگاہ نہیں پا سکتی اور وہ سب نگاہوں کو پا لیتا ہے' آپ نے جواب دیا کہ یہ اس وقت ہے جبکہ وہ اپنے نور کی پوری تجلی کرے ورنہ آپ نے دو دفعہ اپنے رب کو دیکھا' یہ حدیث

غریب ہے- ترمذی کی اور روایت میں ہے کہ ابن عباسؓ کی ملاقات حضرت کعب سے ہوئی اور انہیں پہچان کران سے ایک سوال کیا جوان پر بہت گراں گذرا' ابن عباسؓ نے فرمایا ہمیں بنو ہاشم نے یہ خبر دی ہے تو حضرت کعب نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور اپنا کلام حضرت محمدؐ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان تقسیم کر دیا' حضرت موسیٰؑ سے دو مرتبہ باتیں کیں اور آنحضرتؐ کو دو مرتبہ اپنا دیدار کرایا- ایک مرتبہ حضرت مسروق حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا تو نے تو ایسی بات کہہ دی کہ جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے' میں نے کہا مائی صاحبہ قرآن کریم فرماتا ہے آپ نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں- آپ نے فرمایا کہاں جا رہے ہو؟ سنو اس سے مراد حضرت جبرئیل کا دیکھنا ہے' جو تم سے کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا یا حضورؐ نے خدا کے کسی فرمان کو چھپا لیا یا آپ ان پانچ باتوں میں سے کوئی بات جانتے تھے یعنی قیامت کب قائم ہوگی؟ بارش کب اور کتنی برسے گی؟ ماں کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ؟ کون کل کیا کرے گا؟ کون کہاں مرے گا؟ اس نے بڑی جھوٹ بات کہی اور خدا پر بہتان باندھا' بات یہ ہے کہ آپؐ نے جبرئیل کو دیکھا تھا' دو مرتبہ خدا کے اس امین کو آپ نے ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے' ایک تو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک مرتبہ جیاد میں' ان کے چھ سو پر تھے اور آسمان کے کل کنارے انہوں نے بھر رکھے تھے- نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ کیا تمہیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ خلت حضرت ابراہیمؑ کے لئے تھی اور کلام حضرت موسیٰؑ کے لئے اور دیدار حضرت محمدؐ کے لئے-

صحیح مسلم میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ سراسر نور ہے' میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ ایک روایت میں ہے میں نے نور دیکھا- ابن ابی حاتم میں ہے کہ صحابہؓ کے اس سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا میں نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا ہے- پھر آپ نے آیت مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ پڑھی- اور روایت میں ہے میں نے اپنی ان آنکھوں سے نہیں دیکھا ہاں دل سے دو دفعہ دیکھا ہے پھر آپ نے آیت ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى پڑھی- حضرت عکرمہؒ سے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا ہاں آپ نے دیکھا اور پھر دیکھا' سائل نے پھر حضرت حسنؒ سے بھی سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس کے جلال عظمت اور چادر کبریائی کو دیکھا- حضورؐ سے ایک مرتبہ یہ جواب دینا بھی مروی ہے کہ میں نے نہر دیکھی اور نہر کے پیچھے پردہ دیکھا اور پردے کے پیچھے نور دیکھا' اس کے سوا میں نے کچھ نہیں دیکھا' یہ حدیث بھی بہت غریب ہے- ایک حدیث مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے' اس کی اسناد شرط صحیح پر ہے لیکن یہ حدیث' حدیث خواب کا مختصر ٹکڑا ہے چنانچہ مطول حدیث میں ہے کہ میرے پاس میرا رب بہت اچھی صورت میں آج کی رات آیا (راوی کہتا ہے میرے خیال میں) خواب میں آیا اور فرمایا اے محمدؐ! جانتے ہو بلند مقام والے فرشتے کس مسئلہ پر گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے کہا نہیں' پس اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو بازوؤں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک مجھے میرے سینے میں محسوس ہوئی' پس زمین و آسمان کی ہر چیز مجھے معلوم ہو گئی' پھر مجھ سے وہی سوال کیا' میں نے کہا اب مجھے معلوم ہو گیا وہ ان نیکیوں کے بارے میں جو گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں اور جو درجے بڑھاتی ہیں آپس میں پوچھ کچھ کر رہے ہیں' مجھ سے حق جل شانہ نے پوچھا اچھا پھر تم بھی بتلاؤ کفارے کی نیکیاں کیا کیا ہیں؟ میں نے کہا نمازوں کے بعد مسجدوں میں رکے رہنا' جماعت کے لئے چل کر آنا' جب وضو ناگوار گذرتا ہو اچھی طرح مل مل کر وضو کرنا- جو ایسا کرے گا وہ بھلائی کے ساتھ زندگی گذارے گا اور خیر کے ساتھ انتقال ہوگا اور گناہوں سے اس طرح الگ ہو جائے گا جیسے آج دنیا میں آیا- اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا اے محمد ﷺ! جب نماز پڑھو یہ کہو اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاِذَا اَرَدْتَّ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً اَنْ تَقْبِضَنِیْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ یعنی یا اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے' برائیوں کے چھوڑنے' مسکینوں سے

محبت رکھنے کی توفیق طلب کرتا ہوں' تو جب اپنے بندوں کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو مجھے فتنے میں پڑنے سے پہلے ہی اپنی طرف اٹھالینا - فرمایا اور درجے بڑھانے والے اعمال یہ ہیں کھانا کھلانا' سلام پھیلانا' لوگوں کی نیند کے وقت رات کو تہجد کی نماز پڑھنا - اسی کی مثل روایت سورۂ ص مکی کی تفسیر کے خاتمے پر گذر چکی ہے -

ابن جریر میں یہ روایت دوسری سند سے مروی ہے جس میں غربت والی زیادتی اور بھی بہت سی ہے' اس میں کفارے کے بیان میں ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے پیدل چلنے کے قدم ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار - میں نے کہا یا اللہ! تو نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا اور حضرت موسیٰؑ کو اپنا کلیم بنایا اور یہ کیا؟ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور تیرا بوجھ ہٹا نہیں دیا؟ اور فلاں اور فلاں احسان تیرے اوپر نہیں کئے؟ اور بھی ایسے ایسے احسان بتلائے کہ تمہارے سامنے ان کے بیان کی مجھے اجازت نہیں' اسی کا بیان ان آیتوں ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی میں ہے' پس اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کا نور میرے دل میں پیدا کر دیا اور میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا' اس کی اسناد ضعیف ہے - اوپر عتبہ بن ابولہب کا یہ کہنا کہ میں اس قریب آنے اور نزدیک ہونے والے کو نہیں مانتا اور پھر حضورؐ کا اس کے لئے بددعا کرنا اور شیر کا اسے پھاڑ کھانا بیان ہو چکا ہے' یہ واقعہ زرقاء میں یا سراۃ میں ہوا تھا اور آنحضرتؐ نے پیشگوئی فرما دی تھی کہ یہ اس طرح ہلاک ہوگا - پھر آنحضرت ﷺ کا حضرت جبرئیل کو دوبارہ دیکھنا بیان ہو رہا ہے جو معراج والی رات کا واقعہ ہے - معراج کی حدیثیں نہایت تفصیل کے ساتھ سورۂ سبحان کی شروع آیت کی تفسیر میں گذر چکی ہیں' جن کے دوبارہ یہاں وارد کرنے کی ضرورت نہیں - یہ بھی بیان گذر چکا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ معراج والی رات دیدار باری تعالیٰ کے ہونے کے قائل ہیں - ایک جماعت سلف وخلف کا قول بھی یہی ہے اور صحابہؓ کی بہت سی جماعتیں اس کے خلاف ہیں - اسی طرح تابعین اور دوسرے بھی اس کے خلاف ہیں - حضورؐ کا جبرئیل کو پروں سمیت دیکھنا وغیرہ اس قسم کی روایتیں اوپر گذر چکی ہیں - حضرت عائشہؓ سے حضرت مسروق کا پوچھنا اور آپ کا جواب بھی ابھی بیان ہوا ہے - ایک روایت میں ہے کہ صدیقہؓ نے اپنے اس جواب کے بعد آیت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ الخ' کی تلاوت کی اور مَا كَانَ لِبَشَرٍ الخ' کی بھی تلاوت فرمائی یعنی کوئی آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے' کسی انسان سے خدا کا کلام کرنا ممکن نہیں ہاں وحی سے یا پردے کے پیچھے سے ہو تو اور بات ہے' پھر فرمایا جو تم سے کہے کہ آنحضرت کو کل کی بات کا علم تھا اس نے غلط اور جھوٹ کہا پھر آیت اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ آخر تک پڑھی اور فرمایا جو کہے کہ حضورؐ نے خدا کی کسی بات کو چھپا لیا اس نے بھی جھوٹ کہا اور تہمت باندھی پھر آیت يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ پڑھی یعنی اے رسول! جو تمہاری جانب تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو - ہاں آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت پر دو مرتبہ دیکھا ہے -

مسند احمد میں ہے کہ حضرت مسروق نے حضرت عائشہؓ کے سامنے سورۂ نجم کی آیت بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ اور نَزْلَةً اُخْرٰى پڑھیں اس کے جواب میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اس امت میں سے سب سے پہلے ان آیتوں کے متعلق خود نبی ﷺ سے میں نے سوال کیا تھا آپ نے فرمایا اس سے مراد میرا حضرت جبرئیل کو دیکھنا ہے' آپ نے صرف دو دفعہ اس امین خدا کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے - ایک مرتبہ آسمان سے زمین پر آتے ہوئے اس وقت تمام خلا ان کے جسم سے پر تھا - یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے - مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر میں حضورؐ کو دیکھتا تو آپ سے ایک بات تو ضرور پوچھتا - حضرت ابوذرؓ نے کہا کیا پوچھتے؟ کہا یہ کہ کیا آپ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا یہ سوال تو خود میں نے جناب رسالت مآب سے کیا تھا آپ نے جواب دیا کہ میں نے اسے نور دیکھا' وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا - صحیح مسلم میں بھی یہ

حدیث دو سندوں سے ہے دونوں کے الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس حدیث کی کیا توجیہ کروں دل اس پر مطمئن نہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے اپنے دل سے دیدار کیا ہے آنکھوں سے نہیں۔

امام ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں عبداللہ بن شقیقؒ اور حضرت ابوذرؓ کے درمیان انقطاع ہے اور امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے حضرت ابوذرؓ کا یہ سوال معراج کے واقعہ سے پہلے کا ہو اور حضورؐ نے اس وقت یہ جواب دیا ہو۔ اگر یہ سوال معراج کے بعد آپ سے کیا جاتا تو ضرور آپؐ اس کے جواب میں ہاں فرماتے انکار نہ کرتے۔ لیکن یہ قول سرتاپا ضعیف ہے اس لئے کہ حضرت عائشہؓ کا سوال تو قطعاً معراج کے بعد تھا لیکن آپ کا جواب اس وقت بھی انکار میں ہی رہا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ان سے خطاب ان کی عقل کے مطابق کیا گیا یا یہ کہ ان کا یہ خیال غلط ہے۔ چنانچہ ابن خزیمہؒ نے کتاب التوحید میں یہی لکھا ہے تو دراصل یہ محض خطا ہے اور بالکل غلطی ہے واللہ اعلم۔ حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کو دل سے تو دیکھا ہے لیکن اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہاں حضرت جبرئیلؑ کو اپنی آنکھوں سے ان کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر اس وقت فرشتے بکثرت تھے اور نور خدا اس پر جگمگا رہا تھا اور قسم قسم کے رنگ جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں معراج والی رات آنحضرت ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو ساتویں آسمان پر ہے۔ زمین سے جو چیزیں چڑھتی ہیں وہ یہیں تک چڑھتی ہیں پھر یہاں سے اٹھالی جاتی ہیں اسی طرح جو چیزیں خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہیں یہیں تک پہنچتی ہیں پھر یہاں سے پہنچائی جاتی ہیں اس وقت اس درخت پر سونے کی ٹڈیاں لدی ہوئی تھیں حضورؐ کو وہاں تین چیزیں عطا فرمائی گئیں پانچوں وقت کی نمازیں سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں اور آپ کی امت میں سے جو مشرک نہ ہو اس کے گناہوں کی بخشش۔ (مسلم) ابوہریرہؓ سے یا کسی اور صحابیؓ سے روایت ہے کہ جس طرح کوے کسی درخت کو گھیر لیتے ہیں اسی طرح اس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر فرشتے چھا رہے تھے وہاں جب حضورؐ پہنچے تو آپ سے کہا گیا کہ جو مانگنا ہو مانگو۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس درخت کی شاخیں مروارید یاقوت اور زبرجد کی تھیں۔ آنحضرتؐ نے اسے دیکھا اور اپنے دل کی آنکھوں سے اللہ کی بھی زیارت کی۔

ابن زیدؒ فرماتے ہیں حضورؐ سے سوال ہوا کہ آپ نے سدرہ پر کیا دیکھا؟ آپ نے فرمایا اسے سونے کی ٹڈیاں ڈھانکے ہوئے تھیں اور ہر ہر پتے پر ایک ایک فرشتہ کھڑا ہوا خدا کی تسبیح کر رہا تھا۔ آپ کی نگاہیں دائیں بائیں نہیں ہوئیں جس چیز کے دیکھنے کا حکم تھا وہیں لگی رہیں۔ ثابت قدمی اور کامل اطاعت کی یہ پوری دلیل ہے کہ جو حکم تھا وہی بجا لائے جو دیئے گئے وہی لے کر خوش ہوئے اسی کو ایک ناظم نے تعریفاً کہا ہے۔ آپ نے خدا کی بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں۔ جیسے اور جگہ ہے لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى اس لئے کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں جو ہماری کامل قدرت اور زبردست عظمت پر دلیل بن جائیں۔ ان دونوں آیتوں کو دلیل بنا کر اہل سنت کا مذہب ہے کہ حضورؐ نے اس رات خدا کا دیدار اپنی آنکھوں سے نہیں کیا کیونکہ ارشاد باری ہے کہ آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں اگر خود خدا کا دیدار ہوا ہوتا تو اسی دیدار کا ذکر ہوتا اور لوگوں پر اسے ظاہر کیا جاتا۔ ابن مسعودؓ کا قول گذر چکا کہ ایک مرتبہ آپ کی خواہش پر دوسری دفعہ آسمان پر چڑھتے وقت جبرئیلؑ کو آپ نے ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ پس جبکہ جبرئیلؑ نے اپنے رب عزوجل کو خبر دی اپنی اصلی صورت میں عود کر گئے اور سجدہ ادا کیا پس سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دوبارہ دیکھنے سے انہی کا دیکھنا مراد ہے۔ یہ روایت مسند احمد میں ہے اور غریب ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾

کیا پس تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا ○ اور مناۃ تیسرے پچھلے کو ○ کیا تمہارے لئے لڑکے اور اللہ کے لئے لڑکیاں؟ ○ یہ تو اب بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے ○

بت کدے کیا تھے؟ : ☆☆ (آیت:۱۹-۲۲) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ مشرکین کو ڈانٹ رہا ہے کہ وہ بتوں کی اور خدا کے سوا دوسروں کی پرستش کرتے ہیں اور جس طرح خلیل خدا پرستش کدے بنا رہے ہیں- لات ایک سفید پتھر منقش تھا' جس پر قبہ بنا رکھا تھا' غلاف چڑھائے جاتے تھے' مجاور' محافظ اور جاروب کش مقرر تھے' اس کے آس پاس کی جگہ مثل حرم کی حرمت و بزرگی والی جانتے تھے- اہل طائف کا یہ بت کدہ تھا' قبیلہ ثقیف اس کا پجاری اور اس کا متولی تھا- قریش کے سوا باقی اور سب پر یہ لوگ اپنا فخر جتایا کرتے تھے- ابن جریرؒ فرماتے ہیں ان لوگوں نے لفظ اللہ سے لفظ لات بنایا تھا' گویا اس کا مؤنث بنایا تھا- اللہ کی ذات تمام شریکوں سے پاک ہے- ایک قرأت میں لفظ لات' تاء کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی گھومنے والا' اسے لات اس معنی میں اس لئے کہتے تھے کہ یہ ایک نیک شخص تھا' موسم حج میں حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلاتا تھا- اس کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس کی قبر پر مجاورت شروع کر دی' رفتہ رفتہ اسی کی عبادت کرنے لگے- اسی طرح لفظ عزیٰ لفظ عزیز سے لیا گیا ہے' مکے اور طائف کے درمیان نخلہ میں یہ ایک درخت تھا' اس پر بھی قبہ بنا ہوا تھا' چادریں چڑھی ہوئی تھیں' قریش اس کی عظمت کرتے تھے- ابوسفیان نے احد والے دن بھی کہا تھا' ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا نہیں' جس کے جواب میں حضورؐ نے کہلوایا تھا' اللہ ہمارا والی ہے اور تمہارا والی کوئی نہیں-

صحیح بخاری میں ہے جو شخص لات و عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے' اسے چاہئے فوراً لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لے اور جو اپنے ساتھی سے کہہ دے کہ آ جوا کھیلیں اسے صدقہ کرنا چاہئے- مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں چونکہ اسی کی قسم کھائی جاتی تھی تو اب اسلام کے بعد اگر کسی کی زبان سے اگلی عادت کے موافق یہ الفاظ نکل جائیں تو اسے کلمہ پڑھ لینا چاہئے- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ اسی طرح لات و عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے جس پر لوگوں نے انہیں متنبہ کیا- یہ حضورؐ کے پاس گئے آپ نے فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحُدَهٗ لَا شَرِيُكَ لَهٗ الُمُلُكُ وَلَهُ الُحَمُدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىُءٍ قَدِيُرٌ پڑھ لو اور تین مرتبہ اَعُوُذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيُطٰنِ الرَّجِيُمِ پڑھ کر اپنی بائیں جانب تھوک دو اور آئندہ سے ایسا نہ کرنا- مکے اور مدینے کے درمیان قدید کے پاس مشلل میں مناۃ تھا- قبیلہ خزاعہ' اوس اور خزرج جاہلیت میں اس کی بہت عظمت کرتے تھے' یہیں سے احرام باندھ کر وہ حج کعبہ کے لئے جاتے تھے- اسی طرح علاوہ ان تین کے اور بھی بہت سے بت اور تھان تھے جن کی عرب لوگ پرستش کرتے تھے اور بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے' لیکن چونکہ ان تین کی شہرت بہت زیادہ تھی اس لئے یہاں صرف ان تین کا ہی بیان فرمایا- ان مقامات کے یہ لوگ طواف بھی کرتے تھے' قربانیوں کے جانور وہاں لے جاتے تھے' ان کے نام پر جانور چڑھائے جاتے تھے' باوجود اس کے یہ سب لوگ کعبہ کی حرمت و عظمت کے قائل تھے' اسے مسجد ابراہیم مانتے تھے اور اس کی خاطر خواہ توقیر کرتے تھے- سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ قریش اور بنو کنانہ عزیٰ کے پجاری تھے جو نخلہ میں تھا- اس کا نگہبان اور متولی قبیلہ بنو شیبان تھا جو قبیلہ سلیم کی شاخ تھا اور بنو ہاشم کے ساتھ ان کا بھائی چارہ تھا- اس بت کے توڑنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تھا جنہوں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہتے جاتے تھے ۔

یَا عُزّٰی کُفُرَانَكِ لَا سُبُحَانَكِ اِنِّیُ رَاَیُتُ اللّٰهَ قَدُ اَهَانَكِ

''اے عزیٰ! میں تیرا منکر ہوں' تیری پاکی بیان کرنے والا نہیں ہوں- میرا ایمان ہے کہ تیری عزت کو خدا نے خاک میں ملا دیا''- یہ ببول کے تین درختوں پر تھا' جو درخت کاٹ ڈالے اور قبہ ڈھا دیا اور واپس آ کر حضورؐ کو اطلاع دی- آپ نے فرمایا تم نے کچھ نہیں کیا' لوٹ کر پھر دوبارہ جاؤ- حضرت خالدؓ کے دوبارہ تشریف لے جانے پر وہاں کے محافظ اور خدام نے بڑے بڑے مکر و فریب کئے اور خوب غل مچا کر یا

عُزّیٰ یا عُزّیٰ کے نعرے لگائے۔ حضرت خالدؓ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک ننگی عورت ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور اپنے سر پر مٹی ڈال رہی ہے آپ نے تلوار کے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کیا اور واپس آ کر حضور کو خبر دی آپ نے فرمایا عزیٰ یہی تھی۔ لات قبیلہ ثقیف کا بت تھا جو طائف میں تھا' اس کی تولیت اور مجاورت بنو معتب میں تھی' یہاں اس کے ڈھانے کے لئے نبی ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت ابوسفیان صخر بن حربؓ کو بھیجا تھا جنہوں نے اسے معدوم کر کے اس کی جگہ مسجد بنا دی۔ مناۃ اوس وخزرج اور اس کے ہم خیال لوگوں کا بت تھا' یہ مشلل کی طرف سمندر کے کنارے قدید میں تھا۔ یہاں بھی حضورؐ نے حضرت ابوسفیانؓ کو بھیجا اور آپ اس کے ریزے ریزے کر گئے۔ بعض کا قول ہے کہ حضرت علیؓ کے ہاتھوں یہ کفرستان فنا ہوا۔ ذوالخلصہ نامی بت خانہ اوس اور خثعم اور بجیلہ کا تھا اور جو لوگ اس کے ہم وطن تھے' یہ تبالہ میں تھا اور اسے یہ لوگ کعبہ یمانیہ کہتے تھے اور مکہ کے کعبہ کو کعبہ شامیہ کہتے تھے۔ یہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھوں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے فنا ہوا۔ فلس نامی بت خانہ قبیلہ طے اور ان کے آس پاس کے عربوں کا تھا' یہ جبل طے میں سلمٰی اور اجا کے درمیان تھا' اس کے توڑنے پر حضرت علیؓ مامور ہوئے تھے' آپ نے اسے توڑ دیا اور یہاں سے دو تلواریں لے گئے تھے' ایک رسوب دوسری مخزم' آنحضرت نے یہ دونوں تلواریں انہی کو دے دیں۔ قبیلہ حمیر اور اہل یمن نے اپنا بت خانہ صنعاء میں ریام نامی بنا رکھا تھا' مذکور ہے کہ اس میں ایک سیاہ کتا تھا اور وہ دو حمیری جو تبع کے ساتھ نکلے تھے انہوں نے اسے نکال کر قتل کر دیا اور اس خانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور رضا نامی بت کدہ بنو ربیعہ بن سعد کا تھا' اس کو مستوغر بن ربیعہ بن کعب بن سعد نے اسلام میں ڈھایا۔ ابن ہشامؒ فرماتے ہیں کہ ان کی عمر تین سو تیس سال کی ہوئی تھی جس کا بیان خود انہوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ ذوالکعبات نامی صنم خانہ بکر اور تغلب اور یاد قبیلے کا سنداد میں تھا۔ پھر فرماتا ہے کہ تمہارے لئے لڑکے ہوں اور خدا کی لڑکیاں ہوں؟ کیونکہ مشرکین اپنے زعم باطل میں فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں سمجھتے تھے تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے اگر تم آپس میں تقسیم کرو اور کسی کو صرف لڑکیاں اور کسی کو صرف لڑکے دو تو وہ بھی راضی نہ ہوگا اور یہ تقسیم نامنصفی کی سمجھی جائے گی' چہ جائیکہ تم خدا کے لئے لڑکیاں ثابت کرو اور خود تم اپنے لئے لڑکے پسند کرو۔

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴿٢٣﴾ أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّىٰ ﴿٢٤﴾ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾ وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ ﴿٢٦﴾

دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ان کے رکھ لئے ہیں' اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری یہ لوگ تو صرف اٹکل کے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں یقیناً ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے ○ کیا ہر شخص جو آرزو کرے اسے میسر ہے؟ ○ اللہ ہی کے ہاتھ ہے یہ جہان اور وہ جہان ○ بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالٰی اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لئے چاہے اجازت دے دے ○

(آیت:۲۳-۲۶) پھر فرماتا ہے ان کو تم نے اپنی طرف سے بغیر کسی دلیل کے مضبوط ٹھہرا کر جو چاہا نام گھڑ لیا ہے ورنہ نہ وہ معبود ہیں نہ کسی ایسے پاک نام کے مستحق ہیں - خود یہ لوگ بھی ان کی پوجا پاٹ پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے' صرف اپنے بڑوں پر حسن ظن رکھ کر جو انہوں نے کیا تھا یہ بھی کر رہے ہیں' مکھی پر مکھی مارتے چلے جاتے ہیں - مصیبت تو یہ ہے کہ باوجود دلیل آ جانے کے' اللہ کی باتیں واضح ہو جانے کے پھر بھی باپ دادا کی غلط راہ کو نہیں چھوڑتے - پھر فرماتا ہے کیا ہر انسان کی ہر تمنا خواہ مخواہ پوری ہی ہوتی ہے؟ جو کہے میں حق پر ہوں تو کیا وہ حق پر ہو ہی گیا؟ تم گو دعوے لمبے چوڑے کرو لیکن دعوؤں سے مراد اور مقصد حاصل نہیں ہوتا - حضورؐ فرماتے ہیں تمنا کرتے وقت سوچ لیا کرو کہ کیا تمنا کرتے ہو؟ تمہیں نہیں معلوم کہ اس تمنا پر تمہارے لئے کیا لکھا جائے گا؟ تمام امور کا مالک اللہ تعالیٰ ہے' دنیا اور آخرت میں تصرف اسی کا ہے' جو اس نے چاہا ہو رہا ہے اور جو چاہے گا ہو گا - پھر فرماتا ہے کہ بغیر اجازت خدا کوئی بڑے سے بڑا فرشتہ بھی کسی کے لئے سفارش کا لفظ بھی نہیں نکال سکتا - جیسے فرمایا مَنْ ذَالَّذِیْ کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش پیش کر سکے - اس کے فرمان بغیر کسی کو کسی کی سفارش نفع نہیں دے سکتی - پس جبکہ بڑے بڑے قریبی فرشتوں کا یہ حال ہے تو پھر اے ناواقفو! تمہارے یہ بت اور تھان کیا نفع پہنچائیں گے؟ ان کی پرستش سے خدا روک رہا ہے' تمام رسول اور کل آسمانی کتابیں خدا کے سوا اوروں کی عبادت سے روکنا اپنا عظیم الشان مقصد بتاتی ہیں' پھر تم ان کو اپنا سفارشی سمجھ رہے ہو' کس قدر غلط راہ ہے -

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰۤىِٕكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کا زنانہ نام مقرر کرتے ہیں ○ حالانکہ انہیں اس کا کوئی علم نہیں وہ صرف اپنے گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور بیشک وہم و گمان حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں دیتا ○ تو اس سے منہ موڑ لے جو ہماری یاد سے منہ موڑ لے اور جن کا ارادہ بجز زندگانی دنیا اور کچھ نہ ہو ○ یہی ان کے علم کی انتہا ہے تیرا رب اس سے خوب واقف ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہ ہی خوب واقف ہے اس سے بھی جو راہ یافتہ ہو گیا ○

آخرت کا گھر اور دنیا: ☆☆ (آیت:۲۷-۳۰) اللہ تعالیٰ مشرکین کے اس قول کی تردید فرماتا ہے کہ خدا کے فرشتے اس کی لڑکیاں ہیں جیسے اور جگہ ہے وَجَعَلُوا الْمَلٰۤىِٕكَةَ الخ 'یعنی خدا کے مقبول بندوں اور فرشتوں کو انہوں نے اللہ کی لڑکیاں ٹھہرا دیا ہے' کیا ان کی پیدائش کے وقت یہ موجود تھے؟ ان کی شہادت لکھی جائے گی اور ان سے پرسش کی جائے گی - یہاں بھی فرمایا کہ یہ لوگ فرشتوں کے زنانہ نام رکھتے ہیں جو ان کی بے علمی کا نتیجہ ہے' محض جھوٹ' کھلا بہتان بلکہ صریح شرک ہے' یہ صرف ان کی اٹکل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اٹکل پچو باتیں حق کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں - حدیث شریف میں ہے گمان سے بچو' گمان بدترین جھوٹ ہے -

پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ حق سے اعراض کرنے والوں سے آپ بھی اعراض کر لیں۔ ان کا منتہائے نظر صرف زندگانی دینا ہے اور جس کی غایت یہ سفلی دنیا ہو اس کا انجام کبھی نیک نہیں ہوتا' ان کے علم کی غایت بھی یہی ہے کہ دنیا طلبی اور کوشش دنیا میں ہر وقت منہمک رہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) گھر نہ ہو اور دنیا اس کا مال ہے جس کا مال (آخرت میں) نہ ہو۔ ایک منقول دعا میں حضورؐ کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا ''پروردگار! تو ہماری اہم تر کوشش اور منتہائے نظر اور مقصد معلومات صرف دنیا ہی کو نہ کر''۔ پھر فرماتا ہے کہ جمیع مخلوقات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے' اپنے بندوں کی مصلحتوں سے صحیح طور پر وہی واقف ہے' جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے ضلالت دے' سب کچھ اس کی قدرت علم اور حکمت سے ہو رہا ہے' وہ عادل ہے اپنی شریعت میں اور انداز مقرر کرنے میں ظلم و بے انصافی نہیں کرتا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝۳۱ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝۳۲ ع ۷

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اللہ تعالیٰ بدکاروں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا اور نیک کاروں کو اچھا بدلہ عنایت فرمائے گا ○ ان لوگوں کو جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور بے حیائی سے بھی سوائے کسی چھوٹے سے گناہ کے' بیشک تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے' وہ تمہیں بخوبی جانتا ہے جب کہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے' پس تم اپنی پاکیزگی آپ بیان نہ کرو' وہی پرہیزگار کو خوب جانتا ہے ○

گناہ اور ضابطہ الٰہی: ☆☆ (آیت: ۳۱-۳۲) مالک آسمان و زمین' بے پرواہ' مطلق شہنشاہ' حقیقی عادل' خالق حق و حق کار اللہ تعالیٰ ہی ہے' ہر کسی کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے والا' نیکی پر نیک جزا اور بدی پر بری سزا وہی دے گا' اس کے نزدیک بھلے لوگ وہ ہیں جو اس کی حرام کردہ چیزوں اور کاموں سے' بڑے بڑے گناہوں اور بدکاریوں و نالائقیوں سے الگ رہیں' ان سے بتقاضائے بشریت اگر کبھی کوئی چھوٹا سا گناہ سرزد ہو بھی جائے تو پروردگار پردہ پوشی کرتا ہے اور معاف فرما دیتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ الخ' اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے پاکدامن رہے جن سے تمہیں روک دیا گیا ہے تو ہم تمہاری برائیاں معاف فرما دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ یعنی جنت میں داخل کر دیں گے۔ یہاں بھی فرمایا مگر چھوٹی چھوٹی لغزشیں اور انسانیت کی کمزوریاں معاف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لمم کی تفسیر میرے خیال میں حضرت ابو ہریرہؓ کی بیان کردہ اس حدیث سے زیادہ اچھی کوئی نہیں کہ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ یقیناً پا کر ہی رہے گا' آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے' زبان کا زنا بولنا ہے' دل امنگ اور آرزو کرتا ہے' اب شرمگاہ خواہ اسے سچا کر دکھائے یا جھوٹا'' (صحیحین) حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں آنکھوں کا زنا نظر کرنا ہے اور ہونٹوں کا زنا بوسہ لینا ہے اور ہاتھوں کا زنا پکڑنا اور پیروں کا زنا چلنا ہے اور شرمگاہ اسے سچا کرتی ہے' یا جھوٹا کر

دیتی ہے یعنی اگر شرمگاہ کو نہ روک سکا اور بدکاری کر بیٹھا تو سب اعضاء کا زنا ثابت اور اگر اپنے اس عضو کو روک لیا تو وہ سب لمم میں داخل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ لمم بوسہ لینا' چھیڑنا' دیکھنا اور مس کرنا ہے اور جب شرمگاہیں مل گئیں تو غسل واجب ہو گیا اور زنا کاری کا گناہ ثابت ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس جملہ کی تفسیر یہی مروی ہے یعنی جو پہلے گذر چکا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں گناہ سے آلودگی ہو پھر چھوڑ دے تو لمم میں داخل ہے' شاعر کہتا ہے ۔

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰھُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَاَیُّ عَبْدٍ لَّكَ مَا اَلَمَّا

''اے اللہ! جبکہ تو معاف فرماتا ہے تو سب ہی کچھ معاف فرما دے ورنہ یوں آلودہ عصیاں تو ہر انسان ہے''۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں اہل جاہلیت اپنے طواف میں عموماً اس شعر کو پڑھا کرتے تھے۔ ابن جریرؒ میں حضورؐ کا اس شعر کو پڑھنا بھی مروی ہے' ترمذی میں بھی یہ مروی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح غریب کہتے ہیں۔ بزار فرماتے ہیں' ہمیں اس کی اور سند معلوم نہیں صرف اسی سند سے مرفوعاً مروی ہے۔ ابن ابی حاتمؒ اور بغویؒ نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ بغویؒ نے اسے سورۂ تنزیل میں روایت کیا ہے لیکن اس مرفوع کی صحت میں نظر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ زنا سے نزدیکی ہونے کے بعد توبہ کرے اور پھر نہ لوٹے' چوری کے قریب ہو جانے کے بعد چوری نہ کی اور توبہ کر کے لوٹ آیا' اسی طرح شراب پینے کے قریب ہو کر شراب نہ پی اور توبہ کر کے لوٹ گیا یہ سب المام ہیں جو ایک مومن کو معاف ہیں۔ حضرت حسنؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے صحابہؓ سے عموماً اس کا مروی ہونا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں مراد اس سے شرک کے علاوہ گناہ ہیں۔ ابن زبیرؓ فرماتے ہیں دو حدوں کے درمیان حد زنا اور عذاب آخرت۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہر وہ چیز جو دو حدوں کے درمیان حد دنیا اور حد آخرت' نمازیں اس کا کفارہ بن جاتی ہیں اور وہ ہر واجب کر دینے والی سے کم ہے' حد دنیا تو وہ ہے جو کسی گناہ پر خدا نے دنیوی سزا مقرر کر دی ہے اور اس کی سزا دنیا میں مقرر نہیں کی۔ تیرے رب کی بخشش بہت وسیع ہے' ہر چیز کو گھیر لیا ہے اور تمام گناہوں پر اس کا احاطہ ہے' جیسے فرمان ہے قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا ''اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جان پر اسراف کیا ہے! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا' اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ بڑی بخشش والا اور بڑے رحم والا ہے''۔ پھر فرمایا وہ تمہیں دیکھنے والا اور تمہارے ہر حال کا علم رکھنے والا اور تمہارے ہر کلام کو سننے والا اور تمہارے تمام تر اعمال سے واقف ہے' جبکہ اس نے تمہارے باپ آدم کو زمین سے پیدا کیا اور ان کی پیٹھ سے ان کی اولاد نکالی جو چیونٹیوں کی طرح پھیل گئی پھر ان کی تقسیم کر کے دو گروہ بنا دیئے ایک جنت کے لئے اور ایک جہنم کے لئے اور جبکہ تم اپنی ماں کے پیٹ میں بچے تھے اس کے مقرر کردہ فرشتے نے روزی' عمر' عمل' نیکی' بدی لکھ لی' بہت سے بچے پیٹ سے ہی گر جاتے ہیں' بہت سے دودھ پینے کی حالت میں فوت ہو جاتے ہیں' بہت سے دودھ چھٹنے کے بعد بلوغت سے پہلے ہی چل بستے ہیں' بہت سے عین جوانی میں دار دنیا خالی کر جاتے ہیں' اب جبکہ ہم ان تمام منازل کو طے کر چکے اور بڑھاپے میں آ گئے جس کے بعد کوئی منزل موت کے سوا نہیں' اب بھی اگر ہم نہ سنبھلیں تو ہم سے بڑھ کر غافل کون ہے؟ خبردار تم اپنے نفس کو پاک نہ کہو' اپنے نیک اعمال کی تعریفیں کرنے نہ بیٹھ جاؤ' اپنے تئیں آپ سراہنے نہ لگو' جس کے دل میں رب کا ڈر ہے اسے رب ہی خوب جانتا ہے۔

اور آیت میں ہے اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَھُمْ بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا کیا تو نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جو اپنے نفس کی پاکیزگی آپ بیان کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ یہ خدا کے ہاتھ ہے' جسے وہ چاہے برتر اعلیٰ اور پاک صاف کر دے' کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہو گا۔ محمد بن عمرو بن عطاؒ فرماتے ہیں میں نے اپنی لڑکی کا نام برہ رکھا تو مجھ سے حضرت زینب بنت ابوسلمہؓ نے فرمایا

رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے منع فرمایا ہے، خود میرا نام بھی برہ تھا جس پر آپ نے فرمایا تم خود اپنی برتری اور پاکی آپ نہ بیان کرو، تم میں سے نیکی والوں کا علم پورے طور پر خدا ہی کو ہے۔ لوگوں نے کہا پھر ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ فرمایا زینب نام رکھو، مسند احمد میں ہے حضورؐ کے سامنے کسی نے ایک شخص کی بہت تعریفیں بیان کیں آپ نے فرمایا افسوس تو نے اس کی گردن ماری، کئی مرتبہ یہی فرما کر ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کی تعریف ہی کرنی ہو تو یوں کہو میرا گمان فلاں کی طرف ایسا ہے، حقیقی علم اللہ کو ہی ہے پھر اپنی معلومات بیان کرو، خود کسی کی پاکیزگیاں بیان کرنے نہ بیٹھ جاؤ۔ ابوداؤد اور مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ان کی تعریفیں بیان کرنا شروع کر دیں، اس پر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے منہ میں مٹی بھرنے لگے اور فرمایا ہمیں رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ تعریفیں کرنے والوں کے منہ میں مٹی بھر دیں۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰی قَلِیْلًا وَّاَکْدٰی ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَیْبِ فَهُوَ یَرٰی ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ﴿۴۰﴾ ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ﴿۴۱﴾

کیا تو نے اسے دیکھا جس نے منہ موڑ لیا ○ اور بہت کم دیا اور سخت دل ہو گیا ○ کیا اسے علم غیب ہے کہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے ○ کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے ○ اور وفادار ابراہیم کے صحیفوں میں تھا ○ کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا ○ اور یہ کہ ہر انسان کے لئے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی ○ اور یہ کہ بیشک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی ○ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ○

منافق و کافر کا نفسیاتی تجزیہ: ☆☆ (آیت: ۳۳-۴۱) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت کر رہا ہے جو خدا کی فرمانبرداری سے منہ موڑ لیں، سچ نہ کہیں، نہ نماز ادا کریں بلکہ جھٹلائیں، اعراض کریں، راہ اللہ بہت ہی کم دیں، دل کو نصیحت قبول کرنے والا نہ بنائیں، کبھی کچھ کہنا مان لیا پھر رسیاں کاٹ کر الگ ہو گئے۔ عرب ''اکدیٰ'' اس وقت کہتے ہیں مثلاً کچھ لوگ کنواں کھود رہے ہوں، درمیان میں کوئی سخت چٹان آ جائے اور وہ دست بردار ہو جائیں۔ فرماتا ہے کیا اس کے پاس علم غیب ہے؟ جس سے اس نے جان لیا کہ اگر میں راہ اللہ اپنا زر و مال دوں گا تو خالی ہاتھ رہ جاؤں گا؟ یعنی دراصل یوں نہیں بلکہ یہ صدقے سے، نیکی سے اور بھلائی سے از روئے بخل، طمع، خود غرضی، نامردی و بے دلی کے رک رہا ہے۔ حدیث میں ہے اے بلال! خرچ کر اور عرش والے سے فقیر بنا دینے کا ڈر نہ رکھ، خود قرآن میں ہے وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ تم جو کچھ خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بدلہ دے گا اور وہی بہترین رزاق ہے۔ وَفّٰی کے معنی ایک تو یہ کئے گئے ہیں کہ انہیں حکم کیا گیا تھا وہ سب انہوں نے پہنچا دیا، دوسرے معنی یہ بیان کئے گئے ہیں کہ جو حکم ملا اسے بجا لائے۔ ٹھیک یہ ہے کہ یہ دونوں ہی معنی ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاِذِ ابْتَلٰی الخ، ابراہیم علیہ السلام کو جب کبھی جس کسی آزمائش کے ساتھ اس کے رب نے آزمایا آپ نے کامیابی کے ساتھ اس میں نمبر لئے یعنی ہر حکم کو بجا لائے، ہر منع سے رکے رہے، رب کی رسالت پوری طرح پہنچا دی، پس خدا نے انہیں امام بنا کر دوسروں کو ان کا تابعدار بنا دیا۔

جیسے ارشاد ہوا ہے ثُمَّ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کر جو مشرک نہ تھا۔ ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ "ہر روز وہ دن نکلتے ہی چار رکعت ادا کیا کرتے تھے یہی ان کی وفاداری تھی"۔ ترمذی میں ایک حدیث قدسی ہے کہ "اے ابن آدم! اول دن میں تو میرے لئے چار رکعت نماز ادا کر لے' میں آخر دن تک تیری کفایت کروں گا"۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ کے لئے لفظ وفی اس لئے فرمایا کہ وہ ہر صبح شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ یہاں تک کہ حضورؐ نے آیت ختم کی۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ صحف ابراہیم و موسیٰ میں کیا تھا؟ ان میں یہ تھا کہ جس کسی نے اپنی جان پر ظلم کیا مثلاً شرک و کفر کیا یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ کیا تو اس کا وبال خود اس پر ہے' اس کا یہ بوجھ کوئی اور نہ اٹھائے گا۔

جیسے قرآن کریم میں ہے وَاِنۡ تَدۡعُ مُثۡقَلَةٌ اگر کوئی بوجھل اپنے بوجھ کی طرف کسی کو بلائے گا تو اس میں سے کچھ نہ اٹھایا جائے گا اگرچہ وہ قرابتدار ہو۔ ان صحیفوں میں یہ بھی تھا کہ انسان کے لئے صرف وہی ہے جو اس نے حاصل کیا یعنی جس طرح اس پر دوسرے کا بوجھ نہیں لادا جائے گا' دوسروں کی بداعمالیوں میں یہ بھی نہیں پکڑا جائے گا اور اسی طرح دوسرے کی نیکی بھی اسے کچھ فائدہ نہ دے گی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو پہنچایا جائے تو نہیں پہنچتا اس لئے کہ نہ تو یہ ان کا عمل ہے نہ کسب' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ اس کا جواز بیان کیا نہ اپنی امت کو اس پر رغبت دلائی' نہ انہیں اس پر آمادہ کیا' نہ تو کسی صریح فرمان کے ذریعہ سے' نہ کسی اشارے کنایئے سے۔ ٹھیک اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بھی کسی ایک سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے قرآن پڑھ کر اس کے ثواب کا ہدیہ میت کے لئے بھیجا ہو' اگر یہ نیکی ہوتی اور مطابق شرع عمل ہوتا تو ہم سے بہت زیادہ سبقت نیکیوں کی طرف کرنے والے صحابہ کرام تھے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ نیکیوں کے کام قرآن حدیث کے صاف فرمان سے ہی ثابت ہوتے ہیں' کسی قسم کے رائے قیاس کا ان میں کوئی دخل نہیں' ہاں دعا اور صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اس پر اجماع ہے اور شارع علیہ السلام کے الفاظ سے ثابت ہے۔ جو حدیث صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کے مرنے پر اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں لیکن تین چیزیں' نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے یا وہ صدقہ جو اس کے انتقال کے بعد بھی جاری رہے یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا رہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ درحقیقت یہ تینوں چیزیں بھی خود میت کی سعی' اس کی کوشش اور اس کا عمل ہیں یعنی کسی اور کے عمل کا اجر اسے نہیں پہنچ رہا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے بہتر انسان کا کھانا وہ ہے جو اس نے اپنے ہاتھوں سے حاصل کیا ہو' اس کی اپنی کمائی ہو اور انسان کی اولاد بھی اسی کی کمائی اور اسی کی حاصل کردہ چیز ہے' پس ثابت ہوا کہ نیک اولاد جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرتی ہے وہ دراصل اسی کا عمل ہے' اسی طرح صدقہ جاریہ مثلاً وقف وغیرہ کہ وہ بھی اسی کے عمل کا اثر ہے اور اسی کا کیا ہوا وقف ہے۔ خود قرآن فرماتا ہے اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ یعنی ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور جو نشان ان کے پیچھے رہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے نشانات نیک کا ثواب انہیں پہنچتا رہتا ہے' رہا وہ علم جسے اس نے لوگوں میں پھیلایا اور اس کے انتقال کے بعد بھی لوگ اس پر عامل اور کاربند رہے وہ بھی اصل اسی کی سعی اور اسی کا عمل ہے جو اس کے بعد باقی رہا اور اسے اس کا ثواب پہنچتا رہا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے جو شخص ہدایت کی طرف بلائے اور جتنے لوگ اس کی تابعداری کریں ان سب کے اجر کے مثل اسے اجر ملتا ہے درآنحالیکہ ان کے اجر گھٹتے نہیں۔ پھر فرماتا ہے اس کی کوشش قیامت کے دن جانچی جائے گی۔ اس دن اس کا عمل

دیکھا جائے گا۔ جیسے فرمایا وَقُلِ اعْمَلُوْا الخ، یعنی کہہ دے کہ تم عمل کئے جاؤ' اللہ تمہارے اعمال دیکھے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے اور عنقریب تم چھپے کھلے کے جاننے والے خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے' پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال سے خبردار کرے گا یعنی ہر نیکی کی جزا اور ہر بدی کی سزا دے گا' یہاں بھی فرمایا پھر اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾

اور یہ کہ تیرے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے ○ اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے ○ اور یہ کہ وہ مارتا ہے اور جلاتا ہے ○ اور یہ کہ اسی نے جوڑا یعنی نر و مادہ پیدا کیا ہے ○

سب کی آخری منزل --- اللہ تعالیٰ ادراک سے بلند ہے : ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۵) فرمان ہے کہ بازگشت آخر خدا کی طرف ہے۔ قیامت کے دن سب کو لوٹ کر اسی کے سامنے پیش ہونا ہے' حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلہ بنی اود میں خطبہ پڑھتے ہوئے فرمایا اے بنی اود! میں خدا کے پیغمبرؐ کا قاصد بن کر تمہاری طرف آیا ہوں' تم یقین کرو کہ تمہارا سب کا لوٹنا خدا کی طرف ہے پھر یا تو جنت میں پہنچائے جاؤ' یا جہنم میں دھکیلے جاؤ۔ بغوی میں ہے حضورؐ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنا جائز نہیں۔ جیسے اور حدیث میں ہے مخلوق پر غور بھری نظریں ڈالو لیکن ذات خالق میں گہرے نہ اترو' اسے عقل و ادراک' فکر و ذہن نہیں پا سکتا' گو ان لفظوں سے یہ حدیث محفوظ نہیں مگر صحیح حدیث میں بھی یہ مضمون موجود ہے' اس میں ہے کہ شیطان کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے اسے کس نے پیدا کیا اور اسے کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ جب تم میں سے کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو تو اَعُوْذُ پڑھ لے اور اس خیال کو دل سے دور کر دے۔ سنن کی ایک حدیث میں ہے مخلوقات خدا میں غور و فکر کرو لیکن ذات خدا میں غور و فکر نہ کرو' سنو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے جس کے کان کی لو سے لے کر مونڈھے تک تین سو سال کا راستہ ہے او کما قال۔ پھر فرماتا ہے کہ بندوں میں ہنسنے رونے کا مادہ اور ان کے اسباب بھی اسی نے پیدا کئے ہیں جو بالکل مختلف ہیں' وہی موت و حیات کا خالق ہے جیسے فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاۃَ اس نے موت و حیات کو پیدا کیا' اسی نے نطفہ سے ہر جاندار کو جوڑ جوڑ بنایا۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى الخ' کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ بے کار چھوڑ دیا جائے گا؟

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَا فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

نطفے سے جبکہ وہ ٹپکایا جاتا ہے ○ اور یہ کہ اسی کے ذمہ ہے دوبارہ پیدا کرنا ○ اور یہ کہ وہی تونگر بناتا ہے اور سرمایہ دیتا ہے ○ اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا رب ہے ○ اور یہ کہ اسی نے اگلے عادیوں کو ہلاک کیا ہے ○ اور ثمود کو بھی (جن میں سے ایک کو بھی) باقی نہ رکھا ○ اور اس سے پہلے قوم نوح کو' یقیناً وہ

بڑے ظالم اور بڑے سرکش تھے ○ اور موتفکہ (شہر) اسی نے الٹ دیا ○ پھر اس پر چھا گیا جو چھایا ○ پس اے انسان! تو اپنے رب کی کس کس نعمت میں جھگڑے گا؟ ○

(آیت:۴۶-۵۵) کیا وہ منی کا قطرہ نہ تھا جو (رحم میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر کیا وہ بستہ خون نہ تھا؟ پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست کیا اور اس سے جوڑے یعنی نر و مادہ بنائے' کیا (ایسی قدرتوں والا) اللہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر دے؟ پھر فرماتا ہے اسی پر دوبارہ زندہ کرنا ہے یعنی جیسے اس نے ابتداء پیدا کیا ہے اسی طرح مار ڈالنے کے بعد دوبارہ کی پیدائش بھی اسی کے ذمہ ہے' اسی نے اپنے بندوں کو غنی بنا دیا اور مال ان کے قبضہ میں دے دیا ہے جو ان کے پاس ہی بطور پونجی کے رہتا ہے۔

اکثر مفسرین کے کلام کا خلاصہ اس مقام پر یہی ہے' گو بعض سے مروی ہے کہ اس نے مال دیا اور غلام دیئے' اس نے دیا اور خوش ہوا' اسے غنی بنا کر اور مخلوق کو اس کا دست نگر بنا دیا' جسے چاہا غنی کیا جسے چاہا فقیر' لیکن یہ پچھلے دونوں قول لفظ سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں رکھتے۔ شعریٰ اس روشن ستارے کا نام ہے جسے مرزم الجوزاء بھی کہتے ہیں' بعض عرب اس کی پرستش کرتے تھے۔ عاد اولیٰ یعنی قوم ہود کو جسے عاد بن ارم بن سام بن نوح کہا جاتا ہے اسی نے ان کے طغیان کی بنا پر انہیں تباہ کر دیا' جیسے فرمایا اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ الخ' یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ یعنی ارم کے ساتھ جو بڑے قد آور تھے جن کا مثل شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا تھا' یہ قوم بڑی قوی اور بڑی زور آور تھی' ساتھ ہی خدا کی بڑی نافرمان اور رسول سے بڑی سرتاب تھی' ان پر ہوا کا عذاب آیا جو سات راتیں اور آٹھ دن برابر رہا۔ اسی طرح ثمودیوں کو بھی اس نے ہلاک کر دیا جس میں سے ایک بھی باقی نہ بچا اور ان سے پہلے قوم نوح تباہ ہو چکی ہے جو بڑے ناانصاف اور شریر تھے اور لوط کی بستیاں جنہیں خدائے قہار نے زیروزبر کر دیا اور آسمانی پتھروں سے سب بدکاروں کو ہلاک کر دیا' انہیں ایک چیز نے ڈھانپ لیا یعنی پتھروں نے' جن کا مینہ ان پر برسا اور برے حالوں تباہ ہوئے۔ ان بستیوں میں چار لاکھ آدمی آباد تھے' آبادی کی کل زمین آگ اور گندھک اور تیل بن کر ان پر بھڑک اٹھی۔ حضرت قتادہؒ کا یہی قول ہے جو بہت غریب سند سے ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔ پھر فرمایا پھر تو اے انسان! اپنے رب کی کس کس نعمت میں جھگڑے گا؟ بعض کہتے ہیں خطاب نبی ﷺ سے ہے لیکن خطاب کو عام رکھنا بہت اولیٰ ہے۔ امام ابن جریرؒ بھی عام رکھنے کو ہی پسند فرماتے ہیں۔

هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ﴿٥٦﴾ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾ أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿٦٢﴾

یہ بھی ڈرانے والے ہیں پہلے ڈرانے والوں میں سے ○ قیامت نزدیک آ گئی ○ اللہ کے سوا اس کا کھول دکھانے والا اور کوئی نہیں ○ پس کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟ ○ اور ہنس رہے ہو؟ روتے نہیں؟ ○ (بلکہ) تم کھیل رہے ہو ○ اب اللہ کے سامنے سجدے کرو اور (اسی کی) عبادت کرو ○

''نذیر'' کا مفہوم --- نذیر کہتے کسے ہیں؟ ☆☆ (آیت:۵۶-۶۲) یہ خوف اور ڈر سے آگاہ کرنے والے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ آپ کی رسالت بھی ایسی ہی ہے جیسے آپ سے پہلے کے رسولوں کی رسالت تھی' جیسے اور آیت میں ہے قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ یعنی میں کوئی نیا رسول تو ہوں نہیں' رسالت مجھ سے شروع نہیں ہوئی بلکہ دنیا میں مجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول آ چکے ہیں۔

قریب آنے والی کا وقت آئے گا یعنی قیامت قریب آ گئی۔ نہ تو اسے کوئی دفع کر سکے نہ اس کے آنے کے صحیح وقت معین کا کسی کو علم ہے۔
نذیر عربی میں اسے کہتے ہیں مثلاً ایک جماعت ہے جس میں سے ایک شخص نے کوئی ڈراونی چیز دیکھی اور اپنی قوم کو اس سے آگاہ کرتا ہے یعنی ڈر اور خوف کی خبر سنانے والا' جیسے اور آیت میں ہے نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ میں تمہیں سخت عذابوں سے مطلع کرنے والا ہوں۔ حدیث میں ہے تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ یعنی جس طرح کوئی شخص کسی برائی کو دیکھ لے کہ وہ قوم کے قریب پہنچ چکی ہے اور پھر جس حالت میں ہو اسی میں دوڑا بھاگا آ جائے اور قوم کو دفعتہً متنبہ کر دے کہ دیکھو وہ بلا آ رہی ہے' فوراً تدارک کر لو' اسی طرح قیامت کے ہولناک عذاب بھی لوگوں کی غفلت کی حالت میں ان سے بالکل قریب ہو گئے ہیں اور آنحضرت ﷺ ان عذابوں سے ہوشیار کر رہے ہیں۔ جیسے اس کے بعد کی سورت میں ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ قیامت قریب آ چکی۔
مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگو! گناہوں کو چھوٹا اور حقیر جاننے سے بچو' سنو چھوٹے چھوٹے گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قافلہ کسی جگہ اترا سب ادھر ادھر چلے گئے اور لکڑیاں سمیٹ کر تھوڑی تھوڑی لے آئے' تو گو ہر ایک کے پاس لکڑیاں کم کم ہیں لیکن جب وہ سب جمع کر لی جائیں تو ایک انبار لگ جاتا ہے جس سے دیگیں کی دیگیں پک جائیں' اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہ جمع ہو کر ڈھیر لگ جاتا ہے اور اچانک اس گنہگار کو پکڑ لیتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے میری اور قیامت کی مثال ایسی ہے پھر آپ نے اپنی شہادت کی اور درمیان کی انگلی اٹھا کر ان کا فاصلہ دکھایا۔ میری اور قیامت کی مثال دو گھوڑوں کی سی ہے۔ میری اور آخرت کے دن کی مثال ٹھیک اس طرح ہے جس طرح ایک قوم نے کسی شخص کو اطلاع لانے کے لئے بھیجا اس نے دشمن کے لشکر کو بالکل نزدیک کی کمین گاہ میں چھاپہ مارنے کے لئے تیار دیکھا یہاں تک کہ اسے ڈر لگا کہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی کہیں یہ نہ پہنچ جائیں' تو وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور وہیں کپڑا ہلا ہلا کر انہیں اشارے سے بتلا دیا کہ خبردار ہو جاؤ' دشمن سر پر موجود ہے' پس میں ایسا ہی ڈرانے والا ہوں۔ اس حدیث کی شہادت میں اور بھی بہت سی حسن اور صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ پھر مشرکین کے اس فعل پر انکار فرمایا کہ وہ قرآن سنتے ہیں مگر اعراض کرتے ہیں اور بے پرواہی برتتے ہیں بلکہ اس کی رحمت سے تعجب کے ساتھ انکار کر بیٹھتے ہیں اور اس سے مذاق اور ہنسی کرنے لگتے ہیں' چاہئے یہ تھا کہ مثل ایمان داروں کے اسے سن کر روتے' عبرت حاصل کرتے' جیسے مومنوں کی حالت بیان فرمائی کہ وہ اس کلام اللہ شریف کو سن کر روتے دھوتے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور خشوع و خضوع میں بڑھ جاتے ہیں۔
حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں سمد گانے کو کہتے ہیں' یہ یمنی لغت ہے۔ آپؓ سے سَامِدُوْنَ کے معنی اعراض کرنے والے اور تکبر کرنے والے بھی مروی ہیں۔ حضرت علیؓ اور حسنؒ فرماتے ہیں غفلت کرنے والے۔ پھر اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ توحید و اخلاص کے پابند رہو' خضوع' خلوص اور توحید کے ماننے والے بن جاؤ۔
صحیح بخاری شریف میں ہے حضورؐ نے مسلمانوں نے' مشرکوں نے اور جن و انس نے سورۂ النجم کے سجدے کے موقع پر سجدہ کیا۔ مسند احمد میں ہے کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم پڑھی پس آپ نے سجدہ کیا اور ان لوگوں نے بھی جو آپ کے پاس تھے۔ راوی حدیث مطلب بن ابی وداعہ کہتے ہیں میں نے اپنا سر اٹھایا اور سجدہ نہ کیا' یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' اسلام کے بعد جس کسی کی زبانی اس سورۂ مبارکہ کی تلاوت سنتے سجدہ کرتے' یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے۔
اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ نجم کی تفسیر ختم ہوئی فالحمد للہ۔

تفسیر سورة القمر

ابو واقد رضی اللہ عنہ کی روایت سے پہلے گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں سورۂ ق اور سورۂ اقتربت الساعۃ پڑھا کرتے تھے' اسی طرح بڑی بڑی محفلوں میں بھی آپ ان دونوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ اس میں وعدے وعید کا' ابتداء آفرینش اور دوبارہ زندگی کا' ساتھ ہی توحید اور اثبات رسالت وغیرہ اہم مقاصد اسلامیہ کا ذکر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝۱ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝۲ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝۴ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵

معبود برحق مشفق مہربان کے نام سے شروع ○

قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا ○ یہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ زوردار چلتا ہوا جادو ہے ○ انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی' ہر کام ٹھہرے ہوئے وقت پر مقرر ہے ○ یقیناً ان کے پاس وہ خبریں آ چکی ہیں جن میں ڈانٹ ڈپٹ کی ○ نصیحت ہے اور کامل عقل کی بات ہے لیکن ان ڈراونی باتوں نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا ○

قیامت قریب آ چکی: ☆☆ (آیت:۱-۵) اللہ تعالیٰ قیامت کے قرب کی اور دنیا کے خاتمہ کی اطلاع دیتا ہے' جیسے اور آیت میں ہے اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ اللہ کا امر آ چکا' اب تو اس کی طلب کی جلدی چھوڑ دو اور فرمایا اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ لوگوں کے حساب کا وقت ان کے سروں پر آ پہنچا اور وہ اب تک غفلت میں ہیں۔ اس مضمون کی حدیثیں بھی بہت سی ہیں۔ بزار میں ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سورج کے ڈوبنے کے وقت جبکہ وہ تھوڑا سا ہی باقی رہ گیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو خطبہ دیا' جس میں فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' دنیا کے گذرے ہوئے حصے میں اور باقی ماندہ حصے میں وہی نسبت ہے جو اس دن کے گذرے ہوئے اور باقی بچے ہوئے حصے میں ہے۔ اس حدیث کے راویوں میں حضرت خلف بن موسیٰ کو امام ابن حبانؒ ثقہ راویوں میں گنتے تو ہیں لیکن فرماتے ہیں کبھی کبھی خطا بھی کر جاتے تھے' دوسری روایت جو اس کی تقویت بلکہ تفسیر بھی کرتی ہے وہ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے کہ عصر کے بعد جب کہ سورج بالکل غروب کے قریب ہو چکا تھا رسول کریم ﷺ نے فرمایا تمہاری عمریں گذشتہ لوگوں کی عمروں کے مقابلہ میں اتنی ہی ہیں جتنا یہ باقی کا دن گذرے ہوئے دن کے مقابلہ میں ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے حضورؐ نے اپنی کلمہ کی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح مبعوث کئے گئے ہیں' ایک اور روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ قریب تھا وہ مجھ سے آگے بڑھ جائے۔ ولید بن عبدالملک کے پاس جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے تو اس نے قیامت کے بارے کی حدیث کا سوال کیا جس پر آپ نے فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ تم اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ہو' اس کی شہادت اس حدیث سے ہو سکتی ہے جس میں آپ کے مبارک ناموں میں سے ایک نام حاشر آیا ہے اور حاشر وہ ہے جس کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہو۔

حضرت بہز کی روایت سے مروی ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوان نے اپنے خطبہ میں فرمایا اور کبھی کہتے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ سناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا دنیا کے خاتمہ کا اعلان ہو چکا' یہ پیٹھ پھیرے بھاگی جا رہی ہے اور جس طرح برتن کا کھانا کھا لیا جائے اور کناروں میں کچھ باقی لگا لپٹا رہ جائے اسی طرح دنیا کی عمر کا کل حصہ نکل چکا' صرف برائے نام باقی رہ گیا ہے' تم یہاں سے ایسے جہان کی طرف جانے والے ہو جسے فنا نہیں' پس تم سے جو ہو سکے بھلائیاں اپنے ساتھ لے کر جاؤ' سنو ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ جہنم کے کنارے سے ایک پتھر پھینکا جائے گا جو برابر ستر سال تک نیچے کی طرف جاتا رہے گا لیکن پیندے تک نہ پہنچے گا خدا کی قسم جہنم کا یہ گہرا گڑھا انسانوں سے پر ہونے والا ہے' تم اس پر تعجب نہ کرو' ہم نے یہ بھی ذکر سنا ہے کہ جنت کی چوکھٹ کی دو لکڑیوں کے درمیان چالیس سال کا راستہ ہے اور وہ بھی ایک دن اس قدر پر ہو گی کہ بھیڑ بھاڑ نظر آئے گی (مسلم)

ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ مدائن گیا اور بستی سے تین میل کے فاصلے پر ہم ٹھہرے' جمعہ کے لئے میں بھی اپنے والد کے ہمراہ گیا۔ حضرت حذیفہؓ خطیب تھے' آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا لوگو سنو! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ بیشک قیامت قریب آ چکی ہے' بیشک چاند پھٹ گیا ہے' بیشک دنیا جدائی کا الارم بجا چکی ہے' آج کا دن کوشش اور تیاری کا ہے' کل تو دوڑ بھاگ کر کے آگے بڑھ جانے کا دن ہو گا۔ میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ کیا کل دوڑ ہو گی؟ جس میں آگے نکلنا ہو گا؟ میرے باپ نے مجھ سے فرمایا تم نادان ہو' یہاں مراد نیک اعمال میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا ہے۔ دوسرے جمعہ کو جب ہم آئے تو بھی حضرت حذیفہؓ کو اسی کے قریب فرماتے ہوئے سنا' اس کے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ غایت آگ ہے اور سابق وہ ہے جو جنت میں پہلے پہنچ گیا۔ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا یہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کا ذکر ہے جیسے کہ متواتر حدیثوں میں صحت کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ پانچوں چیزیں روم' دھواں' لزام' بطشہ اور چاند کا پھٹنا یہ سب گذر چکا ہے۔ اس بارے کی حدیثیں سنئے۔ مسند احمد میں ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے معجزہ طلب کیا جس پر دو مرتبہ چاند شق ہو گیا' جس کا ذکر ان دونوں آیتوں میں ہے۔ بخاری میں ہے کہ انہیں چاند کے دو ٹکڑے دکھا دیئے' ایک حراء کے اس طرف' ایک اس طرف' مسند میں ہے۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر دوسرا دوسرے پہاڑ پر۔ اسے دیکھ کر بھی جن کی قسمت میں ایمان نہ تھا بول پڑے کہ محمد (ﷺ) نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ لیکن سمجھداروں نے کہا کہ اگر مان لیا جائے کہ ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام دنیا کے لوگوں پر تو نہیں کر سکتا۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ اور روایتیں بھی بہت سی ہیں۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں چاند گہن ہوا' کافر کہنے لگے چاند پر جادو ہوا ہے' اس پر یہ آیتیں مُسْتَمِرٌّ تک اتریں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب چاند پھٹا اور اس کے دو ٹکڑے ہوئے ایک پہاڑ کے پیچھے اور ایک آگے' اس وقت حضور نے فرمایا اے اللہ! تو گواہ رہ۔ مسلم اور ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں سب لوگوں نے اسے بخوبی دیکھا اور آپ نے فرمایا دیکھو یاد رکھنا اور گواہ رہنا' آپ فرماتے ہیں اس وقت حضور اور ہم سب منیٰ میں تھے۔ اور روایت میں ہے کہ مکہ میں تھے۔ ابو داؤد طیالسی میں ہے کہ کفار نے یہ دیکھ کر کہا یہ ابن ابی کبشہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) کا جادو ہے لیکن ان کے سمجھداروں نے کہا مان لو ہم پر جادو کیا ہے لیکن ساری دنیا پر تو نہیں کر سکتا اب جو لوگ سفر سے آئیں ان سے دریافت کرنا کہ کیا انہوں نے بھی اس رات چاند کو دو ٹکڑے دیکھا تھا' چنانچہ جب وہ آئے ان سے پوچھا۔ انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی کہ ہاں فلاں شب ہم نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ کفار کے مجمع نے یہ طے کیا تھا کہ اگر باہر کے لوگ آ کر یہی کہیں تو حضورؐ کی سچائی میں کوئی شک نہیں' اب جو باہر سے آیا' جب کبھی آیا' جس طرف سے آیا' ہر ایک نے اس کی شہادت دی کہ ہاں ہم نے اپنی

آنکھوں سے دیکھا ہے- اسی کا بیان اس آیت میں ہے- حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں پہاڑ چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان دکھائی دیتا تھا-

اور روایت میں ہے کہ آپ نے خاص حضرت صدیقؓ سے فرمایا کہ اے ابوبکر! تم گواہ رہنا' اور مشرکین نے اس زبردست معجزے کو بھی جادو کہہ کر ٹال دیا- اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ جب یہ دلیل حجت اور برہان دیکھتے ہیں سہل انکاری سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے اور مانتے نہیں بلکہ حق کو جھٹلا کر احکام نبوی کے خلاف اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اپنی جہالت اور کم عقلی سے باز نہیں آتے- ہر امر مستقر ہے- یعنی خیر خیر والوں کے ساتھ اور شر شر والوں کے ساتھ اور یہ بھی معنی ہیں کہ قیامت کے دن ہر امر واقع ہونے والا ہے- اگلے لوگوں کے وہ واقعات جو دل کو ہلا دینے والے اور اپنے اندر کامل عبرت رکھنے والے ہیں ان کے پاس آ چکے ہیں' ان کی تکذیب کے سلسلہ میں ان پر جو بلائیں اتریں اور ان کے جو قصے ان تک پہنچے وہ سراسر عبرت و نصیحت کے خزانے ہیں اور وعظ و ہدایت سے پر ہیں' اللہ تعالیٰ جسے ہدایت کرے اور جسے گمراہ کرے' اس میں بھی اس کی حکمت بالغہ موجود ہے' ان پر شقاوت لکھی جا چکی ہے' جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے انہیں کوئی ہدایت پر نہیں لا سکتا- جیسے فرمایا قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ الخ' اللہ تعالیٰ کی دلیلیں ہر طرح کامل ہیں اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر لا کھڑا کرتا- دوسری جگہ ہے فَمَا تُغْنِي الْاٰيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بے ایمانوں کو کسی معجزے نے اور کسی ڈرنے اور ڈرسنانے والے نے کوئی نفع نہ پہنچایا-

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝

پس اے نبیؐ! تم ان سے اعراض کرو' جس دن ایک پکارنے والا ناگوار چیز کی طرف پکارے گا ○ یہ جھکی آنکھوں قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں گے کہ گویا وہ پھیلا ہوا ٹڈی دل ہے ○ پکارنے والے کی طرف دوڑتے ہوں گے اور کافر کہیں گے کہ یہ دن تو بہت سخت ہے ○ ان سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے بندے کو جھٹلایا تھا اور دیوانہ بتلا کر جھڑک دیا گیا تھا ○ پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر ○ پس ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کے مینہ سے کھول دیا اور زمین کے چشموں کو جاری کر دیا ○

معجزات بھی بے اثر: ☆☆ (آیت: ۶-۸) ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبیؐ! تم ان کافروں کو' جنہیں معجزہ وغیرہ بھی کارآمد نہیں' چھوڑ دو' ان سے منہ پھیر لو اور انہیں قیامت کے انتظار میں رہنے دو- اس دن انہیں حساب کی جگہ ٹھہرنے کے لئے ایک پکارنے والا پکارے گا' جو ہولناک جگہ ہوگی' جہاں بلائیں اور آفتیں ہوں گی- ان کے چہروں پر ذلت اور کمینگی برس رہی ہوگی' مارے ندامت کے آنکھیں نیچے کو جھکی ہوئی ہوں گی اور قبروں سے نکلیں گے- پھر جس طرح ٹڈی دل کی طرح یہ بھی انتشار و سرعت کے ساتھ میدان حساب کی طرف بھاگیں گے' پکارنے والے کی پکار پر کان ہوں گے اور تیز تیز چل رہے ہوں گے' نہ مخالفت کی تاب ہے نہ دیر لگانے کی طاقت' اس سخت ہولناکی کے سخت دن کو دیکھ

کر کافر چیخ اٹھیں گے کہ یہ تو بڑا بھاری اور بے حد سخت دن ہے۔

دیرینہ انداز کفر: ☆☆ (آیت:۹-۱۱) یعنی اے نبی ﷺ! آپ کی اس امت سے پہلے امت نوح نے بھی اپنے نبی کی جو ہمارے بندے حضرت نوحؑ تھے تکذیب کی' اسے مجنون کہا اور ہر طرح ڈانٹا ڈپٹا اور دھمکایا' صاف کہہ دیا تھا کہ اے نوح! اگر تم باز نہ رہے تو ہم تجھے پتھروں سے مار ڈالیں گے' ہمارے بندے اور رسول حضرت نوحؑ نے ہمیں پکارا کہ پروردگار میں ان کے مقابلہ میں محض ناتواں اور ضعیف ہوں' میں کسی طرح نہ اپنی ہستی کو سنبھال سکتا ہوں نہ تیرے دین کی حفاظت کر سکتا ہوں' تو ہی میری مدد فرما اور مجھے غلبہ دے' ان کی یہ دعا قبول ہوتی ہے اور ان کی کافر قوم پر مشہور طوفان نوح بھیجا جاتا ہے۔

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾

پس اس کام پر جو مقدر کیا گیا تھا پانی خوب جمع ہو گیا ○ اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کیا ○ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی' بدلہ ہے اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا ○ اور بیشک ہم نے اس واقعہ کو نشان بنا کر باقی رکھا پس کوئی ہے نصیحت کا حاصل کرنے والا؟ ○ بتاؤ میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں کیسی ہیں ○ بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی نصیحت ماننے والا ہے؟ ○

طوفان نوح: ☆☆ (آیت:۱۲-۱۷) موسلا دھار بارش کے دروازے آسمان سے اور ابلتے ہوئے پانی کے چشمے زمین سے کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ جو پانی کی جگہ نہ تھی مثلاً تنور وغیرہ وہاں سے زمین پانی اگل دیتی ہے' ہر طرف پانی بھر جاتا ہے' نہ آسمان سے برسنا موقوف ہوتا ہے نہ زمین سے ابلنا تھمتا ہے' پس امر مقدر تک پہنچ جاتا ہے۔ ہمیشہ پانی ابر سے برستا ہے لیکن اس وقت آسمان سے پانی کے دروازے کھول دیئے گئے تھے اور عذاب خدا پانی کی شکل میں برس رہا تھا' نہ اس سے پہلے کبھی اتنا پانی برسا نہ اس کے بعد کبھی ایسا برسے' ادھر سے آسمان کی یہ رنگت ادھر سے زمین کو حکم کہ پانی اگل دے' پس ریل پیل ہو گئی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آسمان کے دہانے کھول دیئے گئے اور ان میں سے براہ راست پانی برسا۔ اس طوفان سے ہم نے اپنے بندے کو بچا لیا' انہیں کشتی پر سوار کر لیا جو تختوں میں کیلیں لگا کر بنائی گئی تھی۔ دسر کے معنی کشتی کے دائیں بائیں کا حصہ اور ابتدائی حصہ جس پر موج تھپیڑے مارتی ہے اور اس کے جوڑے اور اس کی اصل کے بھی کئے گئے ہیں' وہ ہمارے حکم سے ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری حفاظت میں چل رہی تھی اور صحیح وسالم آر پار جا رہی تھی۔ حضرت نوحؑ کی مدد میں کفار سے یہ انتقام تھا' ہم نے اسے نشانی بنا کر چھوڑا یعنی اس کشتی کو بطور عبرت کے باقی رکھا۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اس امت کے اوائل لوگوں نے بھی اسے دیکھا ہے لیکن ظاہر معنی یہ ہیں کہ اس کشتی کے نمونے پر اور کشتیاں ہم نے بطور نشان کے دنیا میں قائم رکھیں۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ یعنی ان کے لئے نشانی ہے کہ ہم نے نسل آدم کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کرایا اور کشتی کے مانند اور بھی

ایسی سواریاں دیں جن پر وہ سوار ہوں۔ ایک اور جگہ ہے اِنَّا لَمَّا طَغَی الْمَآءُ الخ یعنی جب پانی نے طغیانی کی ہم نے تمہیں کشتی میں لے لیا تا کہ تمہارے لئے نصیحت وعبرت ہو اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھ سکیں پس کوئی ہے جو ذکر و وعظ حاصل کرے؟ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے مُدَّكِرٍ پڑھایا ہے خود حضورؐ سے بھی اس لفظ کی قرأت اسی طرح مروی۔ حضرت اسودؒ سے سوال ہوتا ہے کہ یہ لفظ دال سے ہے یا ذال سے؟ فرمایا میں نے عبداللہؓ سے دال کے ساتھ سنا ہے اور وہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے دال کے ساتھ سنا ہے۔ پھر فرماتا ہے میرا عذاب میرے ساتھ کفر کرنے اور میرے رسولوں کو جھوٹا کہنے اور میری نصیحت سے عبرت نہ حاصل کرنے والوں پر کیسا ہوا؟ میں نے کس طرح اپنے رسولوں کے دشمنوں سے بدلہ لیا اور کس طرح ان دشمنان دین حق کو تہس نہس کر دیا۔ ہم نے قرآن کریم کے الفاظ اور معانی کو ہر اس شخص کے لئے آسان کر دیا جو اس سے نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھے۔

جیسے فرمایا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ ہم نے تیری طرف یہ مبارک کتاب نازل فرمائی ہے تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبر کریں اور اس لئے کہ عقلمند لوگ یاد رکھ لیں۔ اور جگہ ہے فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ الخ یعنی ہم نے اسے تیری زبان پر اس لئے آسان کیا ہے کہ تو پرہیزگار لوگوں کو خوشی سنا دے اور جھگڑالو لوگوں کو ڈرا دے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس کی قرأت اور تلاوت اللہ تعالیٰ نے آسان کر دی ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اس میں آسانی نہ رکھ دیتا تو مخلوق کی طاقت نہ تھی کہ اللہ عزوجل کے کلام کو پڑھ سکے۔ میں کہتا ہوں انہی آسانیوں میں سے ایک آسانی وہ ہے جو پہلے حدیث میں گذر چکی کہ یہ قرآن سات قراتوں پر نازل کیا گیا ہے اس حدیث کے تمام طرق و الفاظ ہم نے پہلے جمع کر دیئے ہیں۔ اب دوبارہ یہاں وارد کرنے کی ضرورت نہیں۔ پس اس قرآن کو بہت ہی سادہ کر دیا ہے کوئی طالب علم جو اس الٰہی علم کو حاصل کرے اس کے لئے بالکل آسان ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾

قوم عاد نے بھی جھٹلایا پس کیسا ہوا میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں ○ ہم نے ان پر تیز وتند جاری ہوا بے برکتے دن میں بھیج دی ○ جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر دے پٹختی تھی گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے درخت کھجور کے تنے ہیں ○ پس کیسی رہی میری سزا اور میرا اڈرانا؟ ○ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے پس کیا ہے کوئی سوچنے والا؟ ○

کفار کی بدترین روایات: ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۲) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ قوم ہود نے بھی اللہ کے رسولوں کو جھوٹا کہا اور بالکل قوم نوح کی طرح سرکشی پر اتر آئے تو ان پر سخت ٹھنڈی مہلک ہوا بھیجی گئی وہ دن ان کے لئے سراسر منحوس تھا برابر ان پر ہوائیں چلتی رہیں اور انہیں تہ و بالا کرتی رہیں دنیوی اور اخروی عذاب میں گرفتار کر لئے گئے ہوا کا جھونکا آتا ان میں سے کسی کو اٹھا کر لے جاتا یہاں تک کہ زمین والوں کی حد نظر سے وہ بالا ہو جاتا پھر اسے زمین پر اوندھے منہ پھینک دیتا سر کچل جاتا بھیجا نکل پڑتا سر الگ دھڑ الگ ایسا معلوم ہوتا گویا کھجور کے درخت کے بن سرے ٹنڈ ہیں دیکھو میرا عذاب کیسا ہوا؟ میں نے تو اس قرآن کو آسان کر دیا جو چاہے نصیحت وعبرت حاصل کر لے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

قوم ثمود نے ڈرانے والوں کو جھوٹا سمجھا ○ اور کہنے لگے کیا ہم ہی میں سے ایک شخص کی ہم فرمانبرداری کرنے لگیں؟ ○ تب تو ہم یقیناً غلطی اور دیوانگی میں پڑے ہوئے ہوں گے ○ کیا ہمارے سب کے درمیان صرف اسی پر وحی اتاری گئی؟ ○ نہیں بلکہ وہ جھوٹا شیخی خورہ ہے اب سب جان لیں گے کل کو کہ کون جھوٹا اور خود پسند تھا؟ ○ بیشک ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بھیجیں گے پس (اے صالح!) تو ان کا منتظر رہ اور صبر کر ○ ہاں انہیں خبر کر دے کہ پانی ان میں تقسیم شدہ ہے ہر حصہ ہر ایک کو برابر پہنچایا جائے گا ○ انہوں نے اپنے رفیق کو آواز دی اس نے دست درازی کی اور کوچیں کاٹ دیں ○ پس کیونکر ہوا عذاب میرا اور ڈرانا میرا ○ ہم نے ان پر ایک نعرہ بھیجا پس ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی اوندھی ہوئی باڑ ○ ہم نے نصیحت کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے پس کیا ہے کوئی جو نصیحت پکڑے ○

فریب نظر کے شکار لوگ: ☆☆ (آیت: ۲۳-۳۲) ثمودیوں نے رسول خدا حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور تعجب کے طور پر محال سمجھ کر کہنے لگے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ہمیں میں سے ایک شخص کے تابعدار بن جائیں؟ آخر اس کی اتنی بڑی فضیلت کی کیا وجہ؟ پھر اس سے آگے بڑھے اور کہنے لگے ہم نہیں مان سکتے کہ ہم سب میں سے صرف اسی ایک پر خدا کی باتیں ڈالی جائیں' پھر اس سے بھی قدم بڑھایا اور نبی اللہ کو کھلے لفظوں میں جھوٹا اور پرلے سرے کا جھوٹا کہا - بطور ڈانٹ کے اللہ فرماتا ہے اب تو جو چاہو کہہ لو لیکن کل کھل جائے گا کہ دراصل جھوٹا اور جھوٹ میں حد سے بڑھ جانے والا کون تھا؟ ان کی آزمائش کے لئے فتنہ بنا کر ہم ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں چنانچہ ان لوگوں کی طلب کے موافق پتھر کی ایک سخت چٹان میں سے ایک چکلے چوڑے اعضاء والی گابھن اونٹنی نکلی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؑ سے فرمایا کہ تم اب دیکھتے رہو کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر کرو' دنیا اور آخرت میں انجام کار غلبہ آپ ہی کا رہے گا اب ان سے کہہ دیجئے کہ پانی پر ایک دن تو ان کا اختیار ہوگا اور ایک دن اس اونٹنی کا - جیسے اور آیت میں ہے لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ہر باری موجود کی گئی ہے یعنی جب اونٹنی نہ ہو تو پانی موجود ہے اور جب اونٹنی ہو تو اس کا دودھ حاضر ہے' انہوں نے مل جل کر اپنے رفیق قدار بن سالف کو آواز دی اور یہ بڑا ہی بد بخت تھا - جیسے اور آیت میں ہے اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا ان کا بدترین آدمی اٹھا' اس نے آ کر اسے پکڑا اور زخمی کیا - پھر تو ان کے کفر و تکذیب کا میں نے بھی پورا بدلہ لیا اور جس طرح کھیتی کے کٹے ہوئے سوکھے پتے اڑ اڑ کر کافور ہو جاتے ہیں انہیں بھی ہم نے بے نام و نشان کر دیا' خشک چارہ جس طرح جنگل میں اڑتا پھرتا ہے اسی طرح انہیں بھی برباد کر دیا - یا یہ مطلب ہے کہ عرب میں دستور تھا کہ اونٹوں کو خشک

کانٹوں دار باڑے میں رکھ لیا کرتے تھے۔ جب اس باڑھ کو روند دیا جائے اس وقت اس کی جیسی حالت ہو جاتی ہے وہی حالت ان کی ہو گئی کہ ایک بھی نہ بچا نہ بچ سکا۔ جیسے مٹی دیوار سے جھڑ جاتی ہے اسی طرح ان کے بھی پرزے اکھڑ گئے۔ یہ سب اقوال مفسرین کے اس جملہ کی تفسیریں ہیں لیکن اول قوی ہے' واللہ اعلم۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَن شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾

ع ۱۸

قوم لوط نے بھی ڈرانے والوں کی تکذیب کی ○ بیشک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی سوا لوط کے گھر والوں کے' انہیں ہم نے سحر کے وقت اپنے احسان سے نجات دے دی ○ ہر شکر گذار کو ہم اسی طرح نجات دیتے ہیں ○ یقیناً لوط نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا انہوں نے ڈرانے والوں میں شک شبہ اور جھگڑا کیا ○ اور لوط کو بہلا کر ان کے مہمانوں سے غافل کرنا چاہا پس ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں (اور کہہ دیا) کہ میرا عذاب اور میرا ڈرانا چکھو ○ اور یقینی بات ہے کہ انہیں صبح سویرے ہی ایک جگہ پکڑنے والے مقرر عذاب نے غارت کر دیا ○ میرے عذاب اور میرے ڈراوے کا مزہ چکھو ○ یقیناً ہم نے قرآن کو پند و وعظ کے لئے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی ہے سوچنے والا؟ ○

ہم جنس پرستوں کی ہلاکت و بربادی: ☆☆ (آیت: ۳۳-۴۰) لوطیوں کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا اور ان کی مخالفت کر کے کس مکروہ کام کو کیا جسے ان سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا یعنی اغلام بازی' اسی لئے ان کی ہلاکت کی صورت بھی ایسی ہی انوکھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کی بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب پہنچا کر اوندھی مار دیں اور ان پر آسمان سے ان کے نام کے پتھر برسائے' مگر لوط کے ماننے والوں کو سحر کے وقت یعنی رات کی آخری گھڑی میں بچا لیا' انہیں حکم دیا گیا کہ تم اس بستی سے چلے جاؤ۔ حضرت لوط علیہ السلام پر ان کی قوم میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا تھا یہاں تک کہ خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی کافرہ ہی تھی۔ قوم میں سے ایک بھی شخص کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ پس عذاب الٰہی سے بھی کوئی نہ بچا' آپ کی بیوی بھی قوم کے ساتھ ہی ساتھ ہلاک ہوئی۔ صرف آپ اور آپ کی لڑکیاں اس نحوست سے بچا لئے گئے' شاکروں کو خدا اسی طرح برے اور آڑے وقت میں کام آتا ہے اور انہیں ان کی شکر گذاری کا پھل دیتا ہے۔ عذاب کے آنے سے پہلے ہی حضرت لوط علیہ السلام انہیں آگاہ کر چکے تھے لیکن انہوں نے توجہ تک نہ کی بلکہ شک شبہ اور جھگڑا کیا اور ان کے مہمانوں سے انہیں چکمہ دینا چاہا۔ حضرت جبرئیلؑ حضرت میکائیلؑ حضرت اسرافیلؑ وغیرہ فرشتے انسانی صورتوں میں حضرت لوطؑ کے گھر مہمان بن کر آئے تھے' نہایت خوبصورت چہرے' پیاری پیاری شکلیں اور عنفوان شباب کی عمر۔ ادھر یہ رات کے وقت حضرت لوطؑ کے گھر اترے' ان کی بیوی نے جو کافرہ تھی قوم کو اطلاع دی کہ آج لوط کے ہاں مہمان آئے ہیں۔ ان لوگوں کو

اغلام کی بدعادت تو تھی ہی' دوڑ بھاگ کر حضرت لوط علیہ السلام کے مکان کو گھیر لیا حضرت لوطؑ نے دروازے بند کر لئے۔ انہوں نے ترکیبیں شروع کیں کہ کسی طرح مہمان ہاتھ لگیں' جس وقت یہ سب کچھ ہو رہا تھا شام کا وقت تھا۔ حضرت لوطؑ انہیں سمجھا رہے تھے ان سے کہہ رہے تھے کہ یہ میری بیٹیاں یعنی تمہاری جوروئیں موجود ہیں تم اس بدفعلی کو چھوڑو اور حلال چیز سے فائدہ اٹھاؤ لیکن ان سرکشوں کا جواب تھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں عورتوں کی چاہت نہیں' ہمارا جو ارادہ ہے وہ آپ سے مخفی نہیں' تم ہمیں اپنے مہمان سونپ دو۔ جب اسی بحث مباحثہ میں بہت وقت گذر چکا اور وہ لوگ مقابلہ پر تل گئے اور حضرت لوطؑ بے حد زچ آ گئے اور بہت ہی تنگ ہوئے تب حضرت جبرئیل علیہ السلام باہر نکلے اور اپنا پر ان کی آنکھوں پر پھیرا' سب اندھے بن گئے' آنکھیں بالکل جاتی رہیں' اب تو حضرت لوطؑ کو برا کہتے ہوئے اور دیواریں ٹٹولتے ہوئے صبح کا وعدہ دے کر پچھلے پاؤں واپس ہوئے' لیکن صبح کے وقت ہی ان پر عذاب خدا آ گیا' جس میں سے نہ بھاگ سکے نہ اس سے پیچھا چھوڑا سکے' عذاب کے مزے اور ڈراوے کی طرف دھیان نہ کرنے کا وبال انہوں نے چکھ لیا۔ یہ قرآن تو بہت ہی آسان ہے جو چاہے نصیحت حاصل کر سکتا ہے' کوئی ہے بھی جو اس سے پند و وعظ حاصل کر لے؟

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾

یعنی فرعونیوں کے پاس بھی ڈرانے والے آئے ○ انہوں نے ہماری تمام نشانیاں جھٹلائیں پس ہم نے انہیں بڑی غالب قوی پکڑ میں پکڑ لیا ○ اے قریشیو! کیا تمہارے کافر ان کافروں سے کچھ بہتر ہیں؟ یا تمہارے لئے اگلی کتابوں میں چھٹکارا لکھا ہوا ہے؟ ○ یا یہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں ○ عنقریب یہ جماعت شکست دی جائے گی اور پیٹھ دے کر بھاگے گی ○ بلکہ قیامت کی گھڑی ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت بڑی آفت اور سخت کڑوی چیز ہے ○

سچائی کے دلائل سے اعراض کرنے والی اقوام: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۶) فرعون اور اس کی قوم کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بشارت اور ڈراوے لے کر آتے ہیں' بڑے بڑے معجزے اور زبردست نشانیاں خدا کی طرف سے انہیں دی جاتی ہیں جو ان کی نبوت کی حقانیت پر پوری پوری دلیل ہوتی ہیں' لیکن یہ فرعونی ان سب کو جھٹلاتے ہیں' جس کے شوق میں ان پر عذاب خدا نازل ہوتے ہیں اور بالکل ہی بھس اڑا دیا جاتا ہے۔

پھر فرماتا ہے اے مشرکین قریش! اب بتلاؤ تم ان سے کچھ بہتر ہو؟ جب وہ تم سے بڑی جماعت والے زیادہ قوت والے ہو کر ہمارے عذابوں سے نہ بچ سکے تو بھلا تم کیا چیز ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے لئے خدائی کتابوں میں کوئی چھٹکارا کھا ہوا ہے کہ ان کے کفر پر انہیں تو عذاب کیا جائے لیکن تم کفر کئے جاؤ اور تمہیں کوئی سزا نہ دی جائے گی؟ پھر فرماتا ہے کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ایک جماعت کی جماعت ہیں' آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے اور ہمیں کوئی برائی ہماری کثرت اور جماعت کی وجہ سے نہیں پہنچے گی؟ اگر یہ خیال ہو تو انہیں یقین کر لینا چاہئے کہ ان کی یہ یکجہتی توڑ دی جائے گی' ان کی جماعت کا چورا کر دیا جائے گا' انہیں ہزیمت دی جائے گی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھریں گے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ بدر والے دن اپنے خیمے رسول اللہ ﷺ اپنی دعائیں فرما رہے تھے اے اللہ! میں تجھے عہد و

پیمان یاد دلاتا ہوں، اے اللہ اگر تیری چاہت یہی ہے کہ آج کے دن کے بعد سے تیری عبادت وحدانیت کے ساتھ زمین پر کی ہی نہ جائے
بس اتنا ہی کہا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا یا رسول اللہ! بس کیجئے آپ نے بہت فریاد کر لی - اب آپ
اپنے خیمے سے باہر آئے اور زبان پر یہ دونوں آیتیں سَيُهْزَمُ الخ، جاری تھیں - حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس آیت کے اترنے کے
وقت میں سوچ رہا تھا کہ اس سے مراد کون سی جماعت ہوگی؟ جب بدر والے دن میں نے حضور کو دیکھا کہ زرہ پہنے ہوئے اپنے کیمپ سے باہر
تشریف لائے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے اس دن میری سمجھ میں اس کی تفسیر آ گئی - بخاری میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں
میری چھوٹی سی عمر تھی - اپنی ہمجولیوں میں کھیلتی پھرتی تھی اس وقت یہ آیت بَلِ السَّاعَةُ الخ، اتری ہے - یہ روایت بخاری میں فضائل
القرآن کے موقع پر مطول مروی ہے، مسلم میں یہ حدیث نہیں -

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾

بیشک گنہگار گمراہی میں اور عذاب میں ہیں ○ جس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے، دوزخ کی آگ لگنے کے مزے چکھو ○ بیشک ہم نے ہر چیز
کو ایک مقررہ انداز ے پر پیدا کیا ہے ○ اور ہمارا حکم صرف ایک دفعہ کا ایک کلمہ ہی ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا ○

شکوک وشبہات کے مریض لوگ: ☆☆ (آیت: ۴۷-۵۰) بدکار لوگ گمراہ ہو چکے ہیں، راہ حق سے بھٹک چکے ہیں اور شکوک و
اضطراب کے خیالات میں ہیں - یہ بدکار لوگ خواہ کفار ہوں خواہ اور فرقوں کے بدعتی ہوں، ان کا یہ فعل انہیں اوندھے منہ جہنم کی طرف
گھسیٹوائے گا اور جس طرح یہاں غافل ہیں وہاں اس وقت بھی بے خبر ہوں گے کہ نہ معلوم کس طرف لئے جاتے ہیں - اس وقت انہیں
ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کہا جائے گا کہ اب آتش دوزخ کے لگنے کا مزہ چکھو، ہم نے ہر چیز کو طے شدہ منصوبہ سے پیدا کیا ہے - جیسے اور
آیت میں ہے ہر چیز کو ہم نے پیدا کیا پھر اس کا مقدر مقرر کیا - اور جگہ فرمایا اپنے رب کی جو بلند و بالا ہے پاکی بیان کر جس نے پیدا کیا اور
درست کیا اور اندازہ کیا اور راہ دکھائی - یعنی تقدیر مقرر کی پھر اس کی طرف رہنمائی کی - ائمہ اہل سنت نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ
تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر ان کی پیدائش سے پہلے ہی لکھ دی ہے اور ہر چیز اپنے ظہور سے پہلے خدا کے ہاں لکھی جا چکی ہے - فرقہ قدریہ
اس کا منکر ہے، یہ لوگ صحابہ کے آخر زمانہ میں ہی نکل چکے تھے - اہل سنت ان کے مسلک کے خلاف اس قسم کی آیتوں کو پیش کرتے ہیں
اور اس مضمون کی احادیث بھی - اس مسئلہ کی مفصل بحث ہم صحیح بخاری کتاب الایمان کی شرح میں لکھ چکے ہیں یہاں صرف وہ حدیثیں
لکھتے ہیں جو مضمون آیت کے متعلق ہیں - حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں مشرکین قریش رسول اللہ ﷺ سے تقدیر کے بارے میں بحث کرنے
لگے اس پر یہ آیتیں اتریں (مسند احمد مسلم وغیرہ) بروایت حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے کہ یہ آیتیں منکرین تقدیر کی تردید
میں ہی اتری ہیں (بزار)

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا یہ میری امت کے ان لوگوں کے حق میں اتری ہے جو آخر زمانہ میں
پیدا ہوں گے اور تقدیر کو جھٹلائیں گے - حضرت عطاء بن ابو رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس
آیا آپ اس وقت چاہ زمزم سے پانی نکال رہے تھے - آپ کے کپڑوں کے دامن بھیگے ہوئے تھے، میں نے کہا تقدیر کے بارے میں کلام کیا

گیا ہے لوگ اس مسئلہ میں موافق ومخالف ہو رہے ہیں' آپ نے فرمایا کیا لوگوں نے ایسا کیا؟ میں نے کہا ہاں ایسا ہو رہا ہے تو آپ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ آیتیں انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ذُوۡقُوۡا مَسَّ سَقَرَ ۔ اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ یاد رکھو یہ لوگ اس امت کے بدترین لوگ ہیں' ان کے بیماروں کی تیمارداری نہ کرو' ان کے مردوں کے جنازے نہ پڑھو' ان میں کا اگر کوئی مجھے مل جائے تو میں اپنی ان انگلیوں سے اس کی آنکھیں نکال دوں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے ذکر آیا کہ آج ایک شخص آیا ہے جو منکر تقدیر ہے' فرمایا اچھا مجھے اس کے پاس لے چلو لوگوں نے کہا آپ نابینا ہیں آپ اس کے پاس چل کر کیا کریں گے؟ فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میرا بس چلا تو میں اس کی ناک توڑ دوں گا اور اگر اس کی گردن میرے ہاتھ میں آ گئی تو میں مروڑ دوں گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ بنو فہر کی عورتیں خزرج کے اردگرد طواف کرتی پھرتی ہیں' ان کے جسم حرکت کرتے ہیں' وہ مشرکہ عورتیں ہیں' اس امت کا پہلا شرک یہی ہے' اس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی بے سمجھی یہاں تک بڑھے گی کہ اللہ تعالیٰ کو بھلائی کا مقدر کرنے والا بھی نہ مانیں گے جس طرح برائی کا مقدر کرنے والا نہ مانا۔ (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک دوست شامی تھا جس سے آپ کی خط وکتابت تھی' حضرت عبداللہؓ نے کہیں سن پایا کہ وہ تقدیر کے بارے میں کچھ موشگافیاں کرتا ہے آپ نے جھٹ سے اسے خط لکھا کہ میں نے سنا ہے تو تقدیر کے مسئلہ میں کچھ کلام کرتا ہے' اگر یہ سچ ہے تو بس مجھ سے خط وکتابت کی امید نہ رکھنا' آج سے بند سمجھنا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ میری امت میں تقدیر کو جھٹلانے والے لوگ ہوں گے۔ (ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر امت میں مجوس ہوتے ہیں میری امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کے منکر ہوں' اگر وہ بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازے نہ پڑھو۔ (مسند احمد) اس امت میں مسخ ہوگا یعنی لوگوں کی صورتیں بدل دی جائیں گی یاد رکھو یہ ان میں ہوگا جو تقدیر کو جھٹلائیں اور زندیقیت کریں۔ (ترمذی وغیرہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ایک کی تقدیر مقرر کردہ اندازے سے ہے یہاں تک کہ نادانی اور عقل مندی بھی۔ (مسلم) صحیح حدیث میں ہے اللہ سے مدد طلب کر اور عاجز وبیوقوف نہ بن' پھر اگر کوئی نقصان پہنچ جائے تو کہہ دے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا تھا اور جو خدا نے چاہا کیا' پھر یوں نہ کہہ کہ اگر یوں کرتا تو یوں ہوتا اس لئے کہ اس طرح اگر کہنے سے شیطانی عمل کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

حضورؐ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جان رکھ اگر تمام امت جمع ہو کر تجھے وہ نفع پہنچانا چاہے جو اللہ نے تیری قسمت میں نہیں لکھا' تو نہیں پہنچا سکتی اور اگر سب اتفاق کر کے تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں اور تیری تقدیر میں وہ نہ ہو تو نہیں پہنچا سکتے' قلمیں خشک ہو چکیں اور دفتر لپیٹ کر تہہ کر دیئے گئے۔ حضرت ولید بن عبادہ نے اپنے باپ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیماری میں جبکہ ان کی حالت بالکل غیر تھی کہا کہ ابا جی! ہمیں کچھ وصیت کر جایئے آپ نے فرمایا اچھا مجھے بٹھا دو جب لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا تو آپ نے فرمایا اے میرے پیارے بچے! ایمان کا لطف تجھے حاصل نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کے متعلق جو علم تجھے ہے اس کی تہہ تک تو نہیں پہنچ سکتا جب تک تیرا ایمان تقدیر کی بھلائی برائی پر نہ ہو' میں نے پوچھا ابا جی میں کیسے معلوم کر سکتا ہوں کہ میرا ایمان تقدیر کے خیر وشر پر ہے؟ فرمایا اس طرح کہ تجھے یقین ہو کہ جو تجھے نہیں ملا وہ ملنے والا ہی نہیں اور جو تجھے پہنچا وہ ٹلنے والا ہی نہ تھا' میرے بچے سنو میں نے رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اسے فرمایا لکھ' پس وہ اسی وقت چل پڑا اور قیامت تک جو ہونے والا تھا سب لکھ ڈالا۔ اے بیٹے! اگر تو انتقال کے وقت تک اس عقیدے پر نہ رہے تو تو جہنم میں داخل ہوگا۔ ترمذی میں یہ حدیث ہے اور امام ترمذی

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حسن صحیح غریب ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ چار باتوں پر اس کا ایمان نہ ہو' شہادت دے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور میں اللہ کا رسولؐ ہوں جسے اس نے حق کے ساتھ بھیجا ہے اور مرنے کے بعد جینے پر ایمان رکھے اور تقدیر کی بھلائی برائی منجانب اللہ ہونے کو مانے۔ (ترمذی وغیرہ) صحیح مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیر لکھی جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا' امام ترمذی اسے حسن صحیح غریب کہتے ہیں۔ پھر پروردگار عالم اپنی چاہت اور احکام کے بے روک ٹوک جاری اور پورا ہونے کو بیان فرماتا ہے کہ جس طرح جو کچھ میں نے مقدر کیا ہے وہ وہی ہوتا ہے' ٹھیک اسی طرح جس کام کا میں ارادہ کروں صرف ایک دفعہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے دوبارہ تاکیداً حکم دینے کی ضرورت نہیں ہوتی' ایک آنکھ جھپکنے کے برابر وہ کام میری حسب چاہت ہو جاتا ہے' عرب شاعر نے کیا ہی اچھا کہا ہے۔

اِذَا مَآ اَرَادَ اللّٰهُ اَمْرًا فَاِنَّمَا　　يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ قَوْلَةً فَيَكُوْنُ

یعنی ''اللہ تعالیٰ جب کبھی جس کسی کام کا ارادہ کرتا ہے صرف فرما دیتا ہے کہ ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتا ہے''۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ع ۱۵

جیسے آنکھ کا جھپکنا' ہم نے تم جیسے بہتیروں کو ہلاک کر دیا ہے' پس ہے کوئی نصیحت لینے والا ○ جو کچھ انہوں نے اعمال کئے ہیں سب نامہ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں ○ اسی طرح ہر چھوٹی بڑی بات بھی لکھی ہوئی ہے ○ یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہیں ○ قدرت والے بادشاہ کے پاس راستی اور عزت کی بیٹھک میں ○

(آیت:۵۱-۵۵) ہم نے تم جیسوں کو تم سے پہلے ان کی سرکشی کے باعث فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے' پھر تم کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟ ان کے عذاب اور ان کی رسوائی کے واقعات میں کیا تمہارے لئے نصیحت و تذکیر نہیں؟ جیسے اور آیت میں فرمایا وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ یعنی ان کے اور ان کی چاہ کے درمیان پردہ ڈال دیا گیا ہے جیسے کہ ہم نے ان جیسے ان سے اگلوں کے ساتھ کیا تھا۔ جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے نامہ اعمال میں مکتوب ہے' جو خدا کے امین فرشتوں کے ہاتھ میں محفوظ ہے۔ ان کا ہر چھوٹا بڑا عمل جمع شدہ اور لکھا ہوا ہے۔ ایک بھی تو ایسا نہیں رہا جو کہنے سے رہ گیا ہو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں صغیرہ گناہ کو بھی ہلکا نہ سمجھو' اللہ کی طرف سے اس کا بھی مطالبہ ہونے والا ہے (نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ) حضرت سلیمان بن مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا جسے میں نے حقیر سمجھا۔ رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک آنے والا آیا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے اے سلیمان۔

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ صَغِيْرًا　　اِنَّ الصَّغِيْرَ غَدًا يَّعُوْدُ كَبِيْرًا

اِنَّ الصَّغِيْرَ وَلَوْ تَقَادَمَ عَهْدُهٗ　　عِنْدَ اللّٰهِ مُسَطَّرٌ تَسْطِيْرًا

فَازْجُرْ هَوَاكَ عِنْدَ الْبِطَالَةِ لَا تَكُنْ　　صَعْبَ الْقِيَادِ وَشَمِّرَنْ تَشْمِيْرًا

اِنَّ الْمُحِبَ اِذَآ اَحَبَّ اِلٰهَهٗ طَارَ الْفُؤَادُ وَاُلْهِمَ التَّفْكِيْرَا
فَاسَاَلْ هِدَايَتَكَ الْاِلٰهَ فَتَتَّئِذْ فَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا

یعنی ''صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر اور ناچیز نہ سمجھ یہ صغیرہ کل کبیرہ ہو جائیں گے' گو گناہ چھوٹے چھوٹے ہوں اور انہیں کئے ہوئے بھی عرصہ گذر چکا ہو اللہ کے پاس وہ صاف صاف لکھے ہوئے موجود ہیں' بدی سے اپنے نفس کو روکے رکھ اور ایسا نہ ہو جا کہ مشکل سے نیکی کی طرف آئے بلکہ اونچا دامن کر کے بھلائی کی طرف لپک - جب کوئی شخص سچے دل سے اللہ کی محبت کرتا ہے تو اس کا دل اڑنے لگتا ہے اور اسے خدا کی جانب سے غور و فکر کی عادت الہام کی جاتی ہے' اپنے رب سے ہدایت طلب کر اور نرمی اور ملائمت کر - ہدایت اور نصرت کرنے والا رب تجھے کافی ہوگا''-

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان بدکاروں کے خلاف نیک کار لوگوں کی حالت ہوگی' وہ تو ضلالت و تکلیف میں تھے اور اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسیٹے گئے اور سخت ڈانٹ ڈپٹ ہوئی لیکن یہ نیک کار جنتوں میں ہوں گے' بہتے ہوئے خوشگوار صاف شفاف چشموں کے مالک ہوں گے اور عزت و اکرام' رضوان و فضیلت' جود و احسان' فضل و امتنان' نعمت و رحمت' آسائش و راحت کے مکان میں خوش خوش رہیں گے - باری تعالیٰ مالک و قادر کا قرب انہیں نصیب ہوگا جو تمام چیزوں کا خالق ہے' سب کے انداز مقرر کرنے والا ہے' ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے' وہ ان پرہیزگار خدا ترس لوگوں کی ایک ایک خواہش پوری کرے گا' ایک ایک چاہت عطا فرمائے گا - مسند احمد میں رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں عدل و انصاف کرنے والے نیک کردار لوگ اللہ کے پاس نور کے ممبروں پر رحمان کی دائیں جانب ہوں گے خدا کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں - یہ عادل لوگ وہ ہیں جو اپنے احکام میں اپنی اہل و عیال میں اور جو چیز ان کے قبضے میں ہو اس میں خدائی فرمان کا خلاف نہیں کرتے بلکہ عدل و انصاف سے ہی کام لیتے ہیں - یہ حدیث صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے -

الحمدللہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سورۂ اِقْتَرَبَتْ کی تفسیر بھی ختم ہوئی - اللہ ہمیں نیک توفیق دے اور برائیوں سے بچائے -

تفسیر سورۃ الرحمن

حضرت زرؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا قرآن میں جو لفظ مِنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ہے یہ اٰسِنٍ لفظ ہے یا یا اٰسِنٍ تو آپ نے فرمایا گویا تو نے باقی کا سارا قرآن سمجھ لیا ہے؟ اس نے کہا میں مفصل کی تمام سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھ لیا کرتا ہوں' آپ نے فرمایا پھر تو جیسے شعر جلدی جلدی پڑھے جاتے ہیں اسی طرح تو قرآن کو بھی جلدی جلدی پڑھتا ہوگا - افسوس مجھے خوب یاد ہے کہ مفصل کی ابتدائی کون کون سی دو برابر والی سورتوں کو آنحضرت ﷺ ملایا کرتے تھے - ابن مسعودؓ کی قرأت میں مفصل کی سب سے پہلی سورت یہی سورۃ الرحمٰن ہے (مسند احمد) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنے اصحاب کے مجمع میں ایک روز تشریف لائے اور سورۃ الرحمٰن کی اول سے آخر تک تلاوت فرمائی' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چپ چاپ سنتے رہے - آپ نے فرمایا تم سے تو جنات ہی جواب دینے میں اچھے رہے میں نے جب ان کے سامنے اس سورت کی تلاوت کی تو میں جب کبھی فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھتا تو وہ کہتے لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ یعنی ''اے ہمارے پروردگار! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے' تیرے ہی لئے تمام تعریفیں سزاوار ہیں'' (ترمذی) یہ حدیث غریب ہے اور یہی روایت ابن جریر میں بھی مروی ہے' اس میں ہے کہ یا تو آپ نے یہ سورت پڑھی یا آپ کے سامنے اس کی تلاوت کی گئی' اس وقت صحابہؓ کی خاموشی پر آپؐ نے یہ فرمایا اور جواب کے الفاظ یہ ہیں لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِ رَبِّنَا نُكَذِّبُ -

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ﴿۵﴾ وَّ النَّجۡمُ وَ الشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ ﴿۶﴾

رحم وکرم والے اللہ کے نام سے شروع ○

رحمان ○ نے قرآن سکھایا ○ اسی نے انسان کو پیدا کیا ○ اور اسے بولنا سکھایا ○ آفتاب اور ماہتاب مقررہ حساب سے ہیں ○ اور بے تنے کے درخت اور تنے دار درخت دونوں سجدہ کرتے ہیں ○

انسان پر اللہ کے احسانات کی ایک جھلک: ☆☆ (آیت:۱-۶) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندوں پر قرآن کریم نازل فرمایا اور اپنے فضل وکرم سے اس کا حفظ کرنا بالکل آسان کر دیا' اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا- قتادہ وغیرہ کہتے ہیں بیان سے مراد خیر وشر ہے لیکن بولنا ہی مراد لینا یہاں بہت اچھا ہے- حضرت حسنؒ کا قول بھی یہی ہے اور ساتھ ہی تعلیم قرآن کا ذکر ہے- جس سے مراد تلاوت قرآن ہے اور تلاوت موقوف ہے بولنے کی آسانی پر' ہر حرف اپنے مخرج سے بے تکلف زبان ادا کرتی رہتی ہے خواہ حلق سے نکلتا ہو خواہ دونوں ہونٹوں کے ملانے سے' مختلف مخرج اور مختلف قسم کے حروف کی ادائیگی اللہ تعالیٰ نے انسان کو سکھا دی- سورج اور چاند ایک دوسرے کے پیچھے اپنے اپنے مقررہ حساب کے مطابق گردش میں ہیں' نہ ان میں اختلاف ہو نہ اضطراب' نہ یہ آگے بڑھے نہ وہ اس پر غالب آئے' ہر ایک اپنی اپنی جگہ تیرتا پھرتا ہے- اور جگہ فرمایا ہے فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ الخ اللہ صبح کو نکالنے والا ہے اور اسی نے رات کو تمہارے لئے آرام کا وقت بنایا ہے اور سورج چاند کو حساب پر رکھا ہے' یہ مقررہ اندازہ ہے غالب ودانا خدا کا- حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں تمام انسانوں' جنات' چوپایوں' پرندوں کی آنکھوں کی بصارت ایک ہی شخص کی آنکھوں میں کر دی جائے پھر سورج کے سامنے جو ستر پردے ہیں ان میں سے ایک پردہ ہٹا دیا جائے تو ناممکن ہے کہ یہ شخص بھی اس کی طرف دیکھ سکے باوجودیکہ سورج کا نور اللہ کی کرسی کے نور کا سترواں حصہ ہے اور کرسی کا نور عرش کے نور کا سترواں حصہ ہے اور عرش کے نور کے پردے جو اللہ کے سامنے ہیں اس میں سے ایک پردے کے نور کا سترواں حصہ ہے' پس خیال کر لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جنتی بندوں کی آنکھوں میں کس قدر نور دے رکھا ہو گا کہ وہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے چہرے کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے بے روک دیکھیں گے (ابن ابی حاتم) اس پر تو مفسرین کا اتفاق ہے کہ شجر اس درخت کو کہتے ہیں جو تنے والا ہو لیکن نجم کے معنی کئی ایک ہیں' بعض تو کہتے ہیں نجم سے مراد بیلیں ہیں جن کا تنا نہیں ہوتا اور زمین پر پھیلی ہوئی ہوتی ہیں- بعض کہتے ہیں مراد اس سے ستارے ہیں جو آسمان میں ہیں- یہی قول زیادہ ظاہر ہے گو اول قول امام ابن جریرؒ کا اختیار کردہ ہے واللہ اعلم- قرآن کریم کی یہ آیت بھی اس دوسرے قول کی تائید کرتی ہے- فرمان ہے اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسۡجُدُ لَہٗ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لئے آسمان زمین کی تمام مخلوقات اور سورج' چاند' ستارے' پہاڑ' درخت' چوپائے' جانور اور اکثر لوگ سجدہ کرتے ہیں-

وَ السَّمَآءَ رَفَعَہَا وَ وَضَعَ الۡمِیۡزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ ﴿۸﴾ وَ اَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ ﴿۹﴾ وَ الۡاَرۡضَ وَضَعَہَا لِلۡاَنَامِ ۙ﴿۱۰﴾ فِیۡہَا فَاکِہَۃٌ ۪ۙ وَّ النَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَکۡمَامِ ﴿ۖ۱۱﴾ وَ الۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ

وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی ○ تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو ○ انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کم نہ دو ○ اسی نے مخلوق کے لئے زمین بچھادی ○ جس میں میوے ہیں اور خوشے والی کھجور کے درخت ہیں اور اناج ہے ○ بھس والا اور پھول ہیں خوشبودار ○ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے ○

(آیت: ۷-۱۳) پھر فرماتا ہے آسمان کو اسی نے بلند کیا ہے اور اسی نے میزان رکھی ہے یعنی عدل - جیسے اور آیت میں ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ یعنی یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو دلیلوں کے ساتھ اور ترازو کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ لوگ عدل پر قائم ہو جائیں - یہاں بھی اس کے ساتھ ہی فرمایا تاکہ تم ترازو میں حد سے نہ گذر جاؤ یعنی اس خدا نے آسمان و زمین کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا کیا تاکہ تمام چیزیں حق و عدل کے ساتھ ہو جائیں' پس فرماتا ہے جب وزن کرو تو سیدھی ترازو سے عدل و حق کے ساتھ وزن کرو' کمی زیادتی نہ کرو کہ لیتے وقت بڑھتی تول لیا اور دیتے وقت کم دے دیا - اور جگہ ارشاد ہے وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ صحت کے ساتھ کھرے پن سے تول کیا کرو' آسمان کو تو اس نے بلند و بالا کیا اور زمین کو اس نے نیچی اور پست کر کے بچھا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑ مثل میخ کے گاڑ دیئے تاکہ وہ ہلے جلے نہیں اور اس پر جو مخلوق بستی ہے وہ با آرام رہے - پھر زمین کی مخلوق کو دیکھو ان کی مختلف قسموں' مختلف شکلوں' مختلف رنگوں' مختلف زبانوں' مختلف عادات و اطوار پر نظر ڈال کر خدا کی قدرت کاملہ کا اندازہ کرو - ساتھ ہی زمین کی پیداوار کو دیکھو کہ رنگ برنگ کے' کھٹے میٹھے' پھیکے سلونے' طرح طرح کی خوشبوؤں والے میوے پھل فروٹ اور خاصۂ کھجور کے درخت جو نفع دینے والا اور لگنے کے وقت سے خشک ہو جانے تک اور اس کے بعد بھی کھانے کے کام میں آنے والا عام میوہ ہے' اس پر خوشے ہوتے ہیں جنہیں چیر کر یہ باہر آتا ہے پھر گدلا ہو جاتا ہے پھر تر ہو جاتا ہے پھر پک کر ٹھیک ہو جاتا ہے' بہت نافع ہے' ساتھ ہی اس کا درخت بالکل سیدھا اور بے ضرر ہوتا ہے -

ابن ابی حاتم میں ہے کہ قیصر نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ میرے قاصد جو آپ کے پاس سے واپس آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ کے ہاں ایک درخت ہوتا ہے جس کی سی خوخصلت کسی اور میں نہیں' وہ جانور کے کان کی طرح زمین سے نکلتا ہے' پھر کھل کر موتی کی طرح ہو جاتا ہے' پھر سبز ہو کر زمرد کی طرح ہو جاتا ہے' پھر سرخ ہو کر یاقوت جیسا بن جاتا ہے' پھر پکتا ہے اور تیار ہو کر بہترین فالودے کے مزے کا ہو جاتا ہے' پھر خشک ہو کر مقیم لوگوں کے بچاؤ کی اور مسافروں کے توشے بھتے کی چیز بن جاتا ہے پس اگر میرے قاصد کی یہ روایت صحیح ہے تو میرے خیال سے تو یہ درخت جنتی درخت ہے - اس کے جواب میں شاہ اسلام حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ یہ خط ہے خدا کے غلام مسلمانوں کے بادشاہ عمر کی طرف سے شاہ روم قیصر کے نام' آپ کے قاصدوں نے جو خبر آپ کو دی ہے وہ سچ ہے' اس قسم کے درخت ملک عرب میں بکثرت ہیں' یہی وہ درخت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کے پاس اگایا تھا جبکہ ان کے لڑکے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے بطن سے پیدا ہوئے تھے' پس اے بادشاہ! اللہ سے ڈر اور حضرت عیسیٰ کو خدا نہ سمجھ' اللہ ایک ہی ہے - حضرت عیسیٰؑ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدمؑ جیسی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا ہو جا' پس وہ ہو گئے' خدا کی طرف سے سچی اور حق بات یہی ہے - تجھے چاہئے کہ شک و شبہ کرنے والوں میں نہ رہے" - اَكْمَامُ کے معنی لیف کے بھی کئے گئے ہیں جو درخت کھجور کی گردن پر پوست کی طرح ہوتا ہے اور اس نے زمین میں بھوسی اور اناج پیدا کیا' عَصْف کے معنی کھیتی کے وہ سبز پتے جو اوپر سے

کاٹ دیئے گئے ہوں پھر سکھا لئے گئے ہوں' ریحان سے مراد پتے یا یہی رَیحَان جو اسی نام سے مشہور ہے یا کھیتی کے سبز پتے' مطلب یہ ہے کہ گیہوں جو وغیرہ کے وہ دانے جو خوشہ میں بھوسی سمیت ہوتے ہیں اور جو پتے ان کے درختوں پر لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کھیتی کے پہلے ہی اگے ہوئے پتوں کو تو عَصف کہتے ہیں اور جب دانے نکل آئیں بالیں پیدا ہو جائیں تو انہیں ریحان کہتے ہیں جیسے کہ زید بن عمرو بن نفیل کے مشہور قصیدے میں ہے۔

پھر فرماتا ہے اے جنو اور انسانو! تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے یعنی تم اس کی نعمتوں میں سر سے پیر تک ڈوبے ہوئے ہو اور مالا مال ہو رہے ہو' ناممکن ہے کہ حقیقی طور پر تم کسی نعمت کا انکار کر سکو اور اسے جھوٹ بتا سکو' ایک دو نعمتیں ہوں تو خیر' یہاں تو سر تا پا اس کی نعمتوں سے تم پر ہو رہے ہو۔ اسی لئے مومن جنوں نے اسے سن کر جھٹ سے جواب دیا اَللّٰھُمَّ وَلَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَآئِكَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ حضرت ابن عباسؓ اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے لَا فَاَیُّھَا یَارَبِّ یعنی خدایا ہم ان میں سے کسی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ شروع رسالت کے زمانہ میں ابھی امر اسلام کا پوری طرح اعلان نہ ہوا تھا' میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں رکن کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ اس نماز میں اس سورت کی تلاوت کر رہے تھے اور مشرکین بھی سن رہے تھے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ﴿۱۹﴾ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

اس نے انسان کو ایسی آواز دینے والی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی طرح تھی ○ اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا ○ پس تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ ○ وہ رب ہے دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا ○ تو اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کس کس نعمت کے منکر بنو گے؟ ○ اس نے دو دریا چلائے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں ○ ان دونوں میں ایک حجاب ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے ○ پس اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کے منکر بنو گے؟ ○ ان دونوں میں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں ○ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟ ○ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں پہاڑ کی طرح کھڑے ہوئے چل پھر رہے ہیں ○ پس اے انسانو اور جنو! تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

انسان اور جنات کی پیدائش میں فرق: ☆☆ (آیت: ۱۴-۲۵) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ انسان کی پیدائش بجنے والی ٹھیکری جیسی مٹی سے ہوئی ہے اور جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی ہے جو خالص اور احسن تھا۔ مسند کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فرشتے نور سے' جنات نار سے اور انسان اس مٹی سے جس کا ذکر تمہارے سامنے ہو چکا ہے' پیدا کئے گئے ہیں۔ پھر اپنی کسی

نعمت کے نہ جھٹلانے کی ہدایت کر کے فرماتا ہے جاڑے اور گرمی کے دو سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے مقامات کا رب اللہ ہی ہے- دو سے مراد سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی دو مختلف جگہیں ہیں کہ وہاں سے سورج چڑھتا اترتا ہے اور موسم کے لحاظ سے یہ بدلتی رہتی ہیں' ہر دن ہیر پھیر ہوتا ہے- جیسے دوسری آیت میں ہے مشرق و مغرب کا رب وہی ہے' تو اسی کو اپنا وکیل سمجھ' تو یہاں مراد جنس مشرق و مغرب ہے اور دو مشرق مغرب سے مراد طلوع و غرب کی دو جگہ ہیں اور چونکہ طلوع و غروب کی جگہ کے جدا جدا ہونے میں انسانی منفعت اور اس کی مصلحت بنی تھی اس لئے پھر فرمایا کہ کیا اب بھی تم اپنے رب کی نعمتوں کے منکر ہی رہو گے؟ اس کی قدرت کا نظارا دیکھو کہ دو سمندر برابر چل رہے ہیں' ایک کھاری پانی کا ہے دوسرا میٹھے پانی کا' لیکن نہ اس کا پانی اس میں مل کر اسے کھاری کرتا ہے نہ اس کا میٹھا پانی اس میں مل کر اسے میٹھا کر سکتا ہے بلکہ دونوں اپنی رفتار سے چل رہے ہیں' دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے' نہ وہ اس میں مل سکے نہ وہ اس میں جا سکے یہ اپنی حد میں ہے وہ اپنی حد میں اور قدرتی فاصلہ انہیں الگ الگ کئے ہوئے ہے حالانکہ دونوں پانی ملے ہوئے ہیں-

سورۂ فرقان کی آیت وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ کی تفسیر میں اس کی پوری تشریح گذر چکی ہے- امام ابن جریرؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ آسمان میں جو پانی کا قطرہ ہے اور صدف جو زمین کے دریا میں ہے ان دونوں سے مل کر لولو پیدا ہوتا ہے' واقعہ تو یہ ٹھیک ہے لیکن اس آیت کی تفسیر اس طرح کرنی کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ آیت میں ان دونوں کے درمیان برزخ یعنی آڑ کا ہونا بیان فرمایا گیا ہے جو اس کو اس سے اور اس کو اس سے روکے ہوئے ہے- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں زمین میں ہی ہیں بلکہ ایک دوسرے سے لگے لگے چلتے ہیں مگر قدرت انہیں جدا رکھتی ہے- آسمان و زمین کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ برزخ اور حجر نہیں کہا جاتا اس لئے صحیح قول یہی ہے کہ یہ زمین کے دو دریاؤں کا ذکر ہے نہ کہ آسمان اور زمین کے دریا کا- ان دونوں میں سے یعنی دونوں میں سے ایک میں سے- جیسے اور جگہ جن و انس کو خطاب کر کے سوال ہوا ہے کہ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ ظاہر ہے کہ رسول صرف انسانوں میں سے ہی ہوئے ہیں جنات میں کوئی جن رسول نہیں آیا- تو جیسے یہاں اطلاع صحیح ہے حالانکہ وقوع ایک میں ہی ہے' اسی طرح اس آیت میں بھی اطلاق دونوں دریاؤں پر ہے اور وقوع ایک میں ہی ہے- لولو یعنی موتی تو ایک مشہور و معروف چیز ہے- مرجان کی نسبت کہا گیا ہے کہ چھوٹے موتی کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ بہت بڑے موتی کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ بہترین اور عمدہ موتی کو مرجان کہتے ہیں- بعض کہتے ہیں سرخ رنگ جواہر کو کہتے ہیں' بعض کہتے ہیں سرخ مہرے کا نام ہے' ایک اور آیت میں ہے وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا یعنی تم ہر ایک میں سے نکلا ہوا گوشت کھاتے ہو جو تازہ ہوتا ہے اور پہننے کے زیور نکالتے ہو' تو خیر مچھلی تو کھاری اور میٹھے دونوں پانی سے نکلتی ہے اور موتی مونگے صرف کھاری پانی میں سے نکلتے ہیں میٹھے میں سے نہیں نکلتے-

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آسمان کا جو قطرہ سمندر کی سیپ کے منہ میں سیدھا جاتا ہے وہ لولو بن جاتا ہے اور جب صدف میں نہیں جاتا تو اس سے عنبر پیدا ہوتا ہے' مینہ برستے وقت سیپ اپنا منہ کھول دیتی ہے' پس اس نعمت کو بیان فرما کر پھر دریافت فرماتا ہے کہ ایسی ہی بیشمار نعمتیں جس رب کی ہیں تم بھلا کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ سمندر میں چلنے والے بڑے بڑے بادبانوں والے جہاز جو دور سے نظر پڑتے ہیں اور پہاڑوں کی طرح کھڑے دکھائی دیتے ہیں' جو ہزاروں من مال اور سینکڑوں انسانوں کو ادھر سے ادھر لے آتے ہیں یہ بھی تو اسی خدا کی ملکیت میں ہیں' اس عالیشان نعمت کو یاد دلا کر پھر پوچھتا ہے کہ اب بتلاؤ انکار کئے کیسے بن آئے گی؟ حضرت عمیری بن سوید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں شیر خدا حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے پر تھا' ایک بلند و بالا بڑا جہاز آ رہا تھا' اسے دیکھ کر آپ نے اس کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا

اس خدا کی قسم جس نے پہاڑوں جیسی ان کشتیوں کو امواج سمندر میں جاری کیا ہے نہ میں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا' نہ ان کے قتل کا ارادہ کیا' نہ قاتلوں کے ساتھ شریک ہوا' نہ ان سے خوش نہ ان پر زم۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾

روئے زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں ○ صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور احسان والی ہے باقی رہ جائے گی ○ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت سے منکر ہو گے؟ ○ سب آسمان و زمین والے اسی سے مانگتے ہیں ہر روز وہ ایک شان میں ہے ○ پس اپنے رب کی کون سی نعمت کا تم انکار کر رہے ہو؟ ○

اللہ تعالیٰ کے سوا باقی سب فنا: ☆☆ (آیت: ۲۶-۳۰) فرماتا ہے کہ زمین کی کل مخلوق فنا ہونے والی ہے' ایک دن آئے گا کہ اس پر کچھ نہ ہو گا' کل جاندار مخلوق کو موت آ جائے گی' اسی طرح کل آسمان والے بھی موت کا مزہ چکھیں گے مگر جسے اللہ چاہے' صرف ذات خدا باقی رہ جائے گی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گی' جو موت وفوت سے پاک ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اولاً تو پیدائش عالم کا ذکر فرمایا پھر ان کی فنا کا بیان کیا۔ حضورؐ سے ایک منقول دعا میں یہ بھی ہے یَاحَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لَنَا شَاْنَنَا كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنَآ اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّلَآ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ ''یعنی اے ہمیشہ جینے اور ابدالآباد تک باقی اور تمام قائم رہنے والے اللہ' اے آسمان و زمین کے ابتداءً پیدا کرنے والے رب' اے جلال اور بزرگی والے پروردگار تیرے سوا کوئی معبود نہیں' ہم تیری رحمت ہی سے استغاثہ کرتے ہیں' ہمارے تمام کام تو بنا دے اور آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تو ہمیں ہماری طرف نہ سونپ دے اور نہ اپنی مخلوق میں سے کسی کی طرف''۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تو كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ پڑھے تو ٹھہر نہیں اور ساتھ ہی وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ پڑھ لے۔ اس آیت کا مضمون دوسری آیت میں ان الفاظ سے ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ سوائے ذات باری کے ہر چیز ناپید ہونے والی ہے' پھر اپنے چہرے کی تعریف میں فرماتا ہے وہ ذوالجلال ہے یعنی اس قابل ہے کہ اس کی عزت کی جائے' اس کا جاہ وجلال مانا جائے اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے اور اس کے فرمان کی خلاف ورزی سے رکا جائے۔ جیسے اور جگہ ہے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ الخ' جو لوگ صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اور اسی کی ذات کے مرید ہیں تو انہی کے ساتھ اپنے نفس کو روکے رکھ۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ نیک لوگ صدقہ دیتے وقت سمجھتے ہیں کہ ہم محض اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے پلاتے ہیں۔ وہ کبریائی بڑائی عظمت اور جلال والا ہے۔ پس اس بات کو بیان فرما کر کہ تمام اہل زمین فوت ہونے میں اور پھر خدا کے سامنے قیامت کے دن پیش ہونے میں برابر ہیں اور اس دن وہ بزرگی والا خدا ان کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ حکم فرمائے گا۔ ساتھ ہی فرمایا اب تم اے جن وانس! رب کی کون سی نعمت کا انکار کرتے ہو؟ پھر فرماتا ہے کہ وہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور کل مخلوق اس کی یکسر محتاج ہے' سب کے سب سائل ہیں اور وہ غنی ہے' سب فقیر ہیں اور وہ سب کے سوال پورے کرنے والا ہے' ہر مخلوق اپنے حال وقال سے اپنی

حاجتیں اس کی سرکار میں لے جاتی ہے اور ان کے پورا ہونے کا سوال کرتی ہے- وہ ہر دن نئی شان میں ہے' اس کی شان ہے کہ ہر پکارنے والے کو جواب دے' مانگنے والے کو عطا فرمائے' تنگ حالوں کو کشادگی دے' مصیبت و آفات والوں کو رہائی بخشے' بیماروں کو تندرستی عنایت فرمائے' غم و ہم دور کرے' بیقرار کی بیقراری کے وقت کی دعا کو قبول فرما کر اسے قرار اور آرام عنایت فرمائے' گنہگاروں کی واویلا پر متوجہ ہو کر خطاؤں سے درگذر فرمائے' گناہوں کو بخشے' زندگی وہ دے' موت وہ لائے' تمام زمین والے کل آسمان والے اس کے آگے پھیلائے ہوئے دامن پھیلائے ہوئے ہیں' چھوٹوں کو بڑا وہ کرتا ہے' قیدیوں کو رہائی وہ دیتا ہے' نیک لوگوں کی حاجتوں کو پورا کرنے والا' ان کی پکار کا مدعا' ان کے شکوے شکایت کا مرجع وہی ہے' غلاموں کو آزاد کرنے کی رغبت وہی دلانے والا اور ان کو اپنی طرف سے عطیہ وہی عطا فرماتا ہے' یہی اس کی شان ہے- ابن جریرؒ میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی تو صحابہ نے سوال کیا کہ حضورؐ وہ شان کیا ہے؟ فرمایا گناہوں کا بخشنا' دکھ کو دور کرنا' لوگوں کو ترقی اور تنزل پر لانا-

ابن ابی حاتم میں اور ابن عساکر میں بھی اسی کے ہم معنی ایک حدیث ہے- صحیح بخاری میں یہ روایت معلقاً حضرت ابوالدرداءؓ کے قول سے مروی ہے- بزار میں بھی کچھ کمی کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا' اس کے دونوں تختے سرخ یاقوت کے ہیں- اس کا علم نوری ہے' اس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے- ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ اسے دیکھتا ہے' ہر نگاہ پر کسی کو زندگی دیتا اور مارتا اور عزت و ذلت دیتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے-

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

اے جنو اور انسانو! عنقریب ہم سب سے فارغ ہو کر تمہاری طرف متوجہ ہو جائیں گے ○ پھر تم اپنے رب کی کس نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ ○ اے گروہ جنات و انسان! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو' بغیر غلبہ اور طاقت کے تم نہیں نکل سکتے ○ پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرتے ہو؟ ○ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے ○ پھر اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس نعمت کا تم انکار کرو گے؟ ○

(آیت: ۳۱-۳۶) فارغ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اب وہ کسی مشغولیت میں ہے بلکہ یہ بطور ڈانٹ کے فرمایا گیا ہے کہ صرف تمہاری طرف پوری توجہ فرمانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے' اب کھرے کھرے فیصلے ہو جائیں گے' اسے کوئی اور چیز مشغول نہ کرے گی بلکہ صرف تمہارے حساب ہی لے گا- محاورہ عرب کے مطابق یہ کلام کیا گیا ہے جیسے غصہ کے وقت کوئی کسی سے کہتا ہے اچھا فرصت میں تجھ سے نمٹ لوں گا تو یہ معنی نہیں کہ اس وقت مشغول ہوں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ایک خاص وقت تجھ سے نمٹنے کا نکالوں گا اور تیری غفلت میں تجھے پکڑ لوں گا- ثَقَلَیْن سے مراد انسان اور جن ہیں' جیسے ایک حدیث میں ہے اسے سوائے ثقلین کے ہر چیز سنتی ہے اور دوسری حدیث میں ہے سوائے انسانوں اور جنوں کے- ایک اور حدیث صور میں صاف ہے کہ ثقلین یعنی جن و انس- پھر تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت

کا انکار کر سکتے ہو؟ اے جنو اور انسانو! تم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مقرر کردہ تقدیر سے بھاگ کر بچ نہیں سکتے بلکہ وہ تم سب کو گھیرے ہوئے ہے اس کا ہر ہر حکم تم پر بے روک جاری ہے جہاں جاؤ اسی کی سلطنت ہے حقیقتاً یہ واقع ہوگا میدان محشر میں کہ مخلوقات کو ہر طرف سے فرشتے احاطہ کئے ہوئے ہوں گے چاروں جانب ان کی سات سات صفیں ہوں گی کوئی شخص بغیر دلیل کے ادھر سے ادھر نہ ہو سکے گا اور دلیل سوائے امر الٰہی حکم خدا کے اور کچھ نہیں - انسان اس دن کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کدھر ہے؟ لیکن جواب ملے گا کہ آج تو رب کے سامنے ہی کھڑا ہونے کی جگہ ہے - ایک اور آیت میں ہے وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ الخ یعنی بدیاں کرنے والوں کو ان کی برائیوں کے مانند سزا ملے گی ان پر ذلت سوار ہوگی اور اللہ کی پکڑ سے پناہ دینے والا کوئی نہ ہوگا ان کے منہ مثل اندھیری رات کے ٹکڑوں کے ہوں گے یہ جہنمی گروہ ہے جو ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا - شُوَاظٌ کے معنی آگ کے شعلے جو دھواں ملے ہوئے سبز رنگ کے جھلسا دینے والے ہوں - بعض کہتے ہیں بے دھویں کا آگ کے اوپر کا شعلہ جو اس طرح لپکتا ہے کہ گویا پانی کی موج ہے نُحَاسٌ کہتے ہیں دھویں کو یہ لفظ نون کے زبر سے بھی آتا ہے لیکن یہاں قرأت نون کے پیش سے ہی ہے - نابغہ کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے - ہاں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شُوَاظٌ سے مراد وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو اور آپ نے اس کی سند میں امیہ بن صلت کا شعر پڑھ سنایا اور نُحَاسٌ کے معنی آپ نے کئے ہیں محض دھواں جس میں شعلہ نہ ہو اور اس کی شہادت میں بھی ایک عربی شعر نابغہ کا پڑھ سنایا -

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں نُحَاسٌ سے مراد پیتل ہے جو پگھلایا جائے گا اور ان کے سروں پر بہایا جائے گا - بہر صورت مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت کے دن میدان محشر سے بھاگنا چاہو تو میرے فرشتے اور جہنم کے داروغے تم پر آگ برسا کر دھواں چھوڑ کر تمہارے سر پر پگھلا ہوا پیتل بہا کر تمہیں واپس لوٹا لائیں گے تم نہ ان کا مقابلہ کر سکتے ہو نہ انہیں دفع کر سکتے ہو نہ ان سے انتقام لے سکتے ہو - پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾

پس جبکہ آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے جیسے کہ سرخ نری کا چمڑہ ○ پھر اے آدمیو اور جنو! تم دونوں اپنے رب کی کس نعمت کا انکار کرو گے؟ ○

آسمان پھٹ جائے گا: ☆☆ (آیت: ۳۷-۳۸) آسمان کا پھٹ جانا اور آیتوں میں بھی بیان ہوا ہے ارشاد ہے - وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ - اور جگہ ہے وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ الخ اور فرمان ہے اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ الخ وغیرہ - جس طرح چاندی وغیرہ پگھلائی جاتی ہے یہی حالت آسمان کی ہو جائے گی رنگ پر رنگ بدلے گا کیونکہ قیامت کی ہولناکی اس کی شدت و دہشت ہے ہی ایسی - مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور آسمان ان پر ہلکی بارش کی طرح برستا ہوگا - ابن عباسؓ فرماتے ہیں سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا ایک اور روایت ہے گلابی رنگ گھوڑے کے رنگ جیسا آسمان کا رنگ ہو جائے گا - ابو صالحؒ فرماتے ہیں پہلے گلابی رنگ ہوگا پھر سرخ ہو جائے گا - گلابی رنگ گھوڑے کا رنگ موسم بہار میں تو زردی مائل نظر آتا ہے اور جاڑے میں بدل کر سرخ جچتا ہے جوں جوں سردی بڑھتی ہے اس کا رنگ متغیر ہوتا جاتا ہے - اسی طرح آسمان بھی رنگ پر رنگ بدلے گا پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا - جیسے روغن گلاب کا رنگ ہوتا ہے اس رنگ کا آسمان ہو جائے گا - آج وہ سبز رنگ ہے لیکن اس دن اس کا رنگ سرخی لئے ہوئے ہوگا زیتون کی تلچھٹ جیسا ہو جائے گا - جہنم کی آگ کی تپش اسے پگھلا کر تیل جیسا کر دے گی -

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٥﴾ ع ۱۲

اس دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہوں کی پرسش نہ کی جائے گی ○ پھر تمہیں اپنے رب کی کس نعمت کا انکار ہے؟ ○ گنہگار صرف حلیہ سے ہی پہچان لئے جائیں گے اور ان کی پیشانیوں کے بال اور قدم پکڑ لئے جائیں گے ○ کیا پھر بھی تم اپنے رب کی کسی نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟ ○ یہ ہے وہ جہنم جسے مجرم جھوٹا جانتے تھے ○ اس کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر کھائیں گے ○ پھر تم اپنے رب کی کون سی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ ○

گناہ گاروں کا انجام: ☆☆ (آیت: ۳۹-۴۵) اس دن کسی مجرم سے اس کا جرم نہ پوچھا جائے گا - جیسے اور آیت میں ہے هٰذَا يَوْمُ لَا يَنطِقُونَ الخ' یہ وہ دن ہے کہ بات نہ کریں گے - نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ عذر معذرت کریں - ہاں اور آیات میں ان کا بولنا' عذر کرنا' ان سے حساب لیا جانا وغیرہ بھی بیان ہوا ہے - فرمان ہے فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ تیرے رب کی قسم! ہم سب سے سوال کریں گے اور ان کے کل کاموں کی پرسش کریں گے - تو مطلب یہ ہے کہ ایک موقع پر یہ ہے' دوسرے موقع پر یہ ہے - پرسش ہوئی' حساب کتاب ہوا' عذر معذرت ختم کر دی گئی' اب منہ پر مہر لگ گئی' ہاتھ پاؤں اور اعضاء جسم نے گواہی دی' پھر پوچھ گچھ کی ضرورت نہ رہی' عذر معذرت توڑ دی گئی اور یہ تطبیق بھی ہے کہ کسی سے نہ پوچھا جائے گا کہ فلاں عمل کیا یا نہیں کیا؟ کیونکہ خدا کو خوب معلوم ہے' اس سے جو سوال ہوگا وہ یہ کہ ایسا کیوں کیا؟ تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتے پوچھیں گے نہیں' وہ تو چہرہ دیکھتے ہی پہچان لیں گے اور جہنمی کو زنجیروں میں باندھ کر اوندھے گھسیٹ کر جہنم واصل کر دیں گے' جیسے اس کے بعد ہی فرمایا کہ یہ گنہگار اپنے چہروں اور اپنی خاص علامتوں سے ہی پہچان لئے جائیں گے - چہرے سیاہ ہوں گے' آنکھیں کیری ہوں گی' ٹھیک اسی طرح مومنوں کے چہرے بھی الگ ممتاز ہوں گے - ان کے اعضائے وضو چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے - گنہگاروں کو پیشانیوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا جس طرح بڑی لکڑی کو دو طرف سے پکڑ کر تنور میں جھونک دیا جاتا ہے' پیٹھ کی طرف سے زنجیر لا کر گردن اور پاؤں ایک کر کے باندھ دیئے جائیں گے - کمر توڑ دی جائے گی اور قدم اور پیشانی ملا دی جائے گی اور جکڑ دیا جائے گا -

مسند احمد میں ہے قبیلہ بنو کندہ کا ایک شخص مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا' پردے کے پیچھے بیٹھا اور مائی صاحبہ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی سنا ہے کہ کسی وقت آپ کو کسی شخص کی شفاعت کا اختیار نہ ہوگا؟ ام المومنینؓ نے جواب دیا ہاں ایک مرتبہ ایک ہی کپڑے میں ہم دونوں تھے' جو میں نے آنحضرت ﷺ سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا ہاں جب کہ پل صراط رکھا جائے گا اس وقت مجھے کسی کی شفاعت سفارش کا اختیار نہ ہوگا' یہاں تک کہ میں جان لوں کہ خود مجھے کہاں لے جاتے ہیں؟ اور جس وقت کہ چہرے سیاہ وسفید ہونے شروع ہوں گے یہاں تک کہ میں دیکھ لوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جاتا ہے؟ یا فرمایا یہاں تک کہ میں دیکھ لوں کہ مجھ پر کیا وحی بھیجی جاتی ہے؟ اور جب جہنم پر پل رکھا جائے اور اسے تیز اور گرم کیا جائے' میں نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی تیزی اور گرمی کی کیا حد ہے؟ فرمایا

تلوار کی دھار جیسا تیز ہوگا اور آگ کے انگارے جیسا گرم ہوگا' مومن تو بےضرر گذر جائے گا اور منافق لٹک جائے گا' جب بیچ میں پہنچے گا اس کے قدم پھسل جائیں گے' یہ اپنے ہاتھ اپنے پیروں کی طرف جھکائے گا جس طرح کوئی ننگے پاؤں چل رہا ہو اور اسے کانٹا لگ جائے اور اس زور کا لگے گویا کہ اس نے اس کا پاؤں چھید دیا تو کس طرح بےصبری اور جلدی سے وہ سر اور ہاتھ جھکا کر اس کی طرف جھک پڑتا ہے' اسی طرح یہ جھکے گا' ادھر یہ جھکا ادھر داروغہ جہنم کی آگ میں گرا دے گا جس میں تقریباً پچاس سال تک وہ گہرا اترتا جائے گا' میں نے پوچھا حضورؐ یہ جہنمی کس قدر بوجھل ہوگا' آپ نے فرمایا مثل دس گابھن اونٹنیوں کے' پھر آپؐ نے اس آیت کی تلاوت کی- یہ حدیث غریب ہے اور اس کے بعض فقروں کا حضورؐ کے کلام سے ہونا منکر ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ہے جن کا نام بھی نیچے کے راوی نے نہیں لیا- اس جیسی دلیلیں صحت کے قابل نہیں ہوتیں- واللہ اعلم- ان گنہگاروں سے کہا جائے گا کہ لو جس جہنم کا تم انکار کرتے تھے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو' یہ انہیں بطور رسوا اور ذلیل کرنے' شرمندہ اور نادم کرنے' ان کی خفت بڑھانے کے لئے کہا جائے گا پھر ان کی یہ حالت ہوگی کہ کبھی آگ کا عذاب ہو رہا ہے کبھی پانی کا- کبھی جحیم میں جلائے جاتے ہیں اور کبھی حمیم پلائے جاتے ہیں- جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح محض آگ ہے' جو آنتوں کو کاٹ دیتی ہے' اور جگہ ہے- اِذِ الْاَغْلَالُ فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ الخ' جب کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی' وہ حمیم سے جحیم میں گھسیٹے جائیں گے اور بار بار یہ جلائے جائیں گے- یہ گرم پانی حد درجہ کا گرم ہوگا' بس یوں کہنا ٹھیک ہے کہ وہ بھی جہنم کی آگ ہی ہے جو پانی کی صورت میں ہے-

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں آسمان و زمین کی ابتدائی پیدائش کے وقت سے آج تک وہ گرم کیا جا رہا ہے- محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں بدکار شخص کی پیشانی کے بال پکڑ کر اسے اس گرم پانی میں ایک غوطہ دیا جائے گا' تمام گوشت گھل جائے گا اور ہڈیوں کو چھوڑ دے گا- بس دو آنکھیں اور ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائے گا' اسی کو فرمایا فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ- ان کے معنی حاضر کے بھی کئے گئے ہیں- ایک اور آیت میں ہے تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَۃٍ سخت گرم موجود پانی کی نہر سے انہیں پانی پلایا جائے گا جو ہرگز نہ پی سکیں گے کیونکہ وہ بےانتہا گرم بلکہ مثل آگ کے ہے- قرآن کریم میں اور جگہ ہے غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰهُ وہاں مراد تیاری اور پک جانا ہے- چونکہ بدکاروں کی سزا اور نیک کاروں کی جزا بھی اس کا فضل و رحمت' عدل و لطف ہے' اپنے ان عذابوں کا پہلے سے بیان کر دینا تاکہ شرک و معاصی کے کرنے والے ہوشیار ہو جائیں یہ بھی اس کی نعمت ہے- اس لئے فرمایا پھر تم اے جن و انس! اپنے رب کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے؟

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾

اس شخص کے لئے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا دو دو جنتیں ہیں ○ پس اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کو تم جھوٹا جانتے ہو؟ ○ دونوں جنتیں بہت سی ٹہنیوں اور شاخوں والی ہیں ○ پھر اپنے رب کی کس نعمت کو جھوٹا سمجھتے ہیں؟ ○ ان دونوں جنتوں میں دو بہتے ہوئے چشمے ہیں ○ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے؟ ○ ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے میوے بھی جوڑ جوڑ ہوں گے ○ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ ○

فکر آخرت اور انسان: ☆☆ (آیت: ۴۶-۵۳) ابن شوذبؒ اور عطا خراسانیؒ فرماتے ہیں آیت وَلِمَنْ خَافَ حضرت صدیق اکبرؓ

کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت عطیہ بن قیسؒ فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے کہا تھا مجھے آگ میں جلا دینا تاکہ میں اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈ وانے پر نہ ملوں' اس کلمہ کے کہنے کے بعد ایک رات ایک دن توبہ کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اور اسے جنت میں لے گیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے' حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول بھی یہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہے اور اپنے تیئں نفس کی خواہشوں سے بچاتا ہے اور سرکشی نہیں کرتا' زندگانی دنیا کے پیچھے پڑ کر آخرت سے غفلت نہیں کرتا بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرتا ہے اور اسے بہتر اور پائیدار سمجھتا ہے' فرائض بجالاتا ہے محرمات سے رکتا ہے' قیامت کے دن اسے ایک چھوڑ دو دو جنتیں ملیں گی۔

صحیح بخاری میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کا کل سامان بھی چاندی کا ہی ہوگا اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی' ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کا ہوگا' ان جنتیوں میں اور دیدار باری میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی سوائے اس کبریائی کے پردے کے جو اللہ عزوجل کے چہرے پر ہے' یہ جنت عدن میں ہوں گے۔ یہ حدیث صحاح کی اور کتابوں میں بھی ہے' بجز ابوداؤد کے' راوی حدیث حضرت حمادؒ فرماتے ہیں میرے خیال میں تو یہ حدیث مرفوع ہے۔ تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلِمَنْ خَافَ اور وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتَانِ کی۔ سونے کی دو جنتیں مقربین کے لئے اور چاندی کی دو جنتیں اصحاب یمین کے لئے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضورؐ نے ایک مرتبہ اس آیت کی تلاوت کی تو میں نے کہا اگرچہ زنا اور چوری بھی اس سے ہوگئی ہو' آپ نے پھر اسی آیت کی تلاوت کی' میں نے پھر یہی کہا' آپ نے پھر یہی آیت پڑھی' میں نے پھر یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا اگرچہ ابوالدرداءؓ کی ناک خاک آلود ہو جائے۔ نسائی۔ بعض سند سے یہ روایت موقوف بھی مروی ہے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جس دل میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف ہوگا ناممکن ہے کہ اس سے زنا ہو یا وہ چوری کرے' یہ آیت عام ہے انسانوں اور جنات دونوں کو شامل ہے اور اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ جنوں میں بھی جو ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں وہ جنت میں جائیں گے' اسی لئے جن و انس کو اس کے بعد خطاب کر کے فرماتا ہے کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے؟ پھر ان دونوں جنتوں کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ یہ نہایت ہی سرسبز و شاداب ہیں' بہترین اعلیٰ' خوش ذائقہ عمدہ اور تیار پھل ہر قسم کے ان میں موجود ہیں' تمہیں نہ چاہئے کہ تم اپنے پروردگار کی کسی نعمت کا انکار کرو۔ اَفْنَان شاخوں اور ڈالیوں کو کہتے ہیں' یہ اپنی کثرت سے ایک دوسری سے ملی جلی ہوئی ہوں گی' یہ سایہ دار ہوں گی جن کا سایہ دیواروں پر بھی چڑھا ہوا ہوگا۔ عکرمہؒ یہی معنی بیان کرتے ہیں اور عربی کے شعر کو اس پر دلیل میں وارد کرتے ہیں' یہ شاخیں سیدھی اور پھیلی ہوئی ہوں گی' رنگ برنگ کی ہوں گی' یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان میں طرح طرح کے میوے ہوں گے کشادہ اور گھنے سایہ والی ہوں گی۔ یہ تمام اقوال صحیح ہیں اور ان میں کوئی منافاۃ نہیں' یہ تمام اوصاف ان شاخوں میں ہوں گے۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اس کی شاخوں کا سایہ اس قدر دراز ہے کہ سوار سو سال تک اس میں چلا جائے۔ یا فرمایا کہ سو سوار اس کے تلے سایہ حاصل کرلیں۔ سونے کی ٹڈیاں اس پر چھائی ہوئی تھیں اس کے پھل بڑے بڑے مٹکوں اور بہت بڑی گول جتنے تھے۔ (ترمذی) پھر ان میں نہریں بہ رہی ہیں تاکہ ان درختوں اور شاخوں کو سیراب کرتی رہیں اور بکثرت اور عمدہ پھل لائیں۔ اب تو تمہیں اپنے رب کی نعمتوں کی قدر کرنی چاہئے۔ ایک کا نام تسنیم ہے' دوسری کا سلسبیل ہے' یہ دونوں نہریں پوری روانی کے ساتھ بہ رہی ہیں۔ ایک ستھرے پانی کی' دوسری لذت والی بے نشے کی شراب کی۔ ان میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے بھی موجود ہیں اور پھل بھی وہ جن سے تم صورت شناس تو ہو لیکن لذت شناس نہیں ہو کیونکہ وہاں کی نعمتیں کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ

کسی کان نے سنی ہیں نہ کسی دماغ میں آسکتی ہیں' تمہیں رب کی نعمتوں کی ناشکری سے رک جانا چاہئے - حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں دنیا میں جتنے بھی کڑوے میٹھے پھل ہیں وہ سب جنت میں ہوں گے یہاں تک کہ حنظل یعنی اندرائن بھی - سوہاں دنیا کی ان چیزوں اور جنت کی ان چیزوں کے نام تو ملتے جلتے ہیں حقیقت اور لذت بالکل ہی جداگانہ ہے' یہاں تو صرف نام ہیں اصلیت تو جنت میں ہے - اس فضیلت کا فرق وہاں جانے کے بعد ہی معلوم ہوسکتا ہے -

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾

یہ جنتی ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور ان دونوں جنتوں کے میوے بالکل قریب ہوں گے ○ پھر تم اپنے رب کی کس نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ ○

جنت یافتہ لوگ: ☆☆ (آیت:۵۴-۵۵) جنتی لوگ بے فکری سے تکیئے لگائے ہوئے ہوں گے خواہ لیٹے ہوئے ہوں خواہ با آرام بیٹھے ہوئے تکیہ سے لگے ہوئے ہوں' ان کے بچھاؤنے بھی اتنے بڑھیا ہوں گے کہ ان کے اندر کا استر بھی دبیز اور خالص زریں ریشم کا ہوگا' پھر اوپر کا ابرا کچھ ایسا ہوگا' اسے تم آپ سوچ لو - مالک بن دینارؒ اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں استر کا یہ حال ہے اور ابرا تو محض نورانی ہوگا - جو سراسر اظہار رحمت و نور ہوگا - پھر اس پر بہترین گلکاریاں ہیں' جنہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا' ان جنتوں کے پھل جنتیوں سے بالکل قریب ہیں - جب چاہیں جس حال میں چاہیں وہیں سے لے لیں' لیٹے ہوں تو بیٹھنے کی اور بیٹھے ہوں تو کھڑا ہونے کی ضرورت نہیں خود بخود شاخیں جھوم جھوم کر جھکتی رہتی ہیں - جیسے فرمایا قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ اور فرمایا وَدَانِيَةٌ عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا الخ' یعنی بے حد قریب میوے ہیں لینے والے کو کوئی تکلیف یا تکلف کی ضرورت نہیں' خود شاخیں جھک جھک کر انہیں میوے دے رہی ہیں - پس تم اپنے رب کی نعمتوں کے انکار سے باز رہو -

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

وہاں شرمیلی نیچی نگاہ والی حوریں ہیں جنہیں ان سے پہلے کسی جن وانس نے ہاتھ نہیں لگایا ○ پس اپنے پالنے والے کی نعمتوں میں سے کس کے منکر ہو؟ ○ وہ حوریں مثل یاقوت اور مونگے کے ہوں گی ○ پس اپنے پروردگار کی کون سی نعمت کو تم جھٹلاتے ہو؟ ○ نیکی کاری کا بدلہ ہی بہت بڑا انعام و احسان ہے ○ پس کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے؟ ○

حوروں کے اوصاف: ☆☆ (آیت:۵۶-۶۱) چونکہ فروش کا بیان ہوا تھا تو ساتھ ہی فرمایا کہ ان فروش پر ان کے ساتھ ان کی بیویاں ہوں گی' جو عفیفہ' پاکدامن اور شرمیلی نیچی نگاہوں والی ہوں گی کہ اپنے خاوندوں کے سوا کسی پر نظریں نہ ڈالیں گی اور اس کے خاوند بھی ان پر سو جان سے مائل ہوں گے' یہ بھی جنت کی کسی چیز کو اپنے ان مومن خاوندوں سے بہتر نہ پائیں گی - یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ حوریں اپنے خاوندوں سے کہیں گی خدا کی قسم ساری جنت میں میرے لئے تم سے بہتر کوئی چیز نہیں' خدا خوب جانتا ہے کہ میرے دل میں جنت کی کسی چیز کی خواہش و

محبت اتنی نہیں جتنی آپ کی ہے' اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو میرے حصے میں کر دیا اور مجھے آپ کی خدمت کا شرف بخشا - یہ حوریں کنواری اچھوتی نوجوان ہوں گی' ان جنتیوں سے پہلے ان کے پاک پنڈے کو کسی انس و جن کا ہاتھ بھی نہیں لگا - یہ آیت بھی مومن جنوں کے جنت میں جانے کی دلیل ہے - حضرت ضمرہ بن حبیب سے سوال ہوتا ہے کہ کیا مومن جن بھی جنت میں جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور جنیہ عورتوں سے ان کے نکاح ہوں گے' جیسے انسانوں کے انسان عورتوں سے - پھر یہی آیتیں تلاوت کیں - پھر ان حوروں کی تعریف بیان ہو رہی ہے کہ وہ اپنی صفائی اور خوبی اور حسن میں ایسی ہیں جیسے یاقوت و مرجان یاقوت سے صفائی میں تشبیہ دی اور مرجان سے بیاض میں' پس مرجان سے مراد یہاں لولو ہے - نبی ﷺ فرماتے ہیں اہل جنت کی بیویوں میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ ان کی پنڈلی کی سفیدی ستر ستر حلوں کے پہننے کے بعد بھی نظر آتی ہے یہاں تک کہ اندر کا گودا بھی' پھر آپ نے آیت کَاَنَّھُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ پڑھی اور فرمایا دیکھو یاقوت ایک پتھر ہے لیکن قدرت نے اس کی صفائی اور جوت ایسی رکھی ہے کہ اس کے بیچ میں دھاگہ پرو دو تو باہر سے نظر آتا ہے (ابن ابی حاتم) یہ روایت ترمذی میں بھی موقوفاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور امام ترمذیؒ اسی کو زیادہ صحیح بتلاتے ہیں - مسند احمد میں ہے پیغمبر مدنی احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر اہل جنت کی دو بیویاں اس صفت کی ہوں گی کہ ستر ستر حلے پہن لینے کے بعد بھی ان کی پنڈلیوں کی جھلک نمودار رہے گی بلکہ اندر کا گودا بھی بوجہ صفائی کے دکھائی دے گا -

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یا تو فخر کے طور پر یا مذاکرہ کے طور پر یہ بحث چھڑ گئی کہ جنت میں عورتیں زیادہ ہوں گی یا مرد؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا ابو القاسم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا؟ کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی وہ چاند جیسی صورتوں والی ہوگی' ان کے پیچھے جو جماعت جائے گی وہ آسمان کے بہترین چمکیلے تاروں جیسے چہروں والی ہوگی - ان میں سے ہر شخص کی دو بیویاں ایسی ہوں گی جن کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا اور جنت میں کوئی بے بیوی کا نہ ہوگا - اس حدیث کی اصل بخاری میں بھی ہے - مسند احمد میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں خدا کی راہ کی صبح اور اس کی راہ کی شام ساری دنیا سے اور جو اس میں ہے سب سے بہتر ہے - جنت میں جو جگہ ملے گی اس میں سے ایک کمان یا ایک کوڑے کے برابر کی جگہ ساری دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے افضل ہے - اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت دنیا میں جھانک لے تو زمین و آسمان کو جگمگا دے اور خوشبو سے تمام عالم مہک اٹھے - ان کا چھوٹا سا دوپٹا ہلکی سی چھوٹی دوپٹیا بھی دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے گراں ہے' صحیح بخاری میں یہ حدیث بھی ہے - پھر ارشاد ہے کہ دنیا میں جس نے نیکی کی' اس کا بدلہ آخرت میں سلوک و احسان کے سوا اور کچھ نہیں' جیسے ارشاد ہے لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ نیکی کرنے والے کے لئے نیکی ہے اور زیادتی یعنی جنت اور دیدار باری - حضورؐ نے یہ آیت تلاوت کر کے اپنے اصحاب سے پوچھا جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے - آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں جس پر اپنی توحید کا انعام دنیا میں کروں اس کا بدلہ آخرت میں جنت ہے اور چونکہ یہ بھی ایک عظیم الشان نعمت ہے جو دراصل کسی عمل کے بدلے نہیں بلکہ صرف اس کا احسان اور فضل و کرم ہے اس لئے اس کے بعد ہی فرمایا اب تم میری کس کس نعمت سے لاپرواہی برتو گے؟ رب کے مقام سے ڈرنے والے کی بشارت کے متعلق ترمذی شریف کی یہ حدیث بھی خیال میں رہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو ڈرے گا وہ رات کے وقت ہی کوچ کرے گا اور جو اندھیری رات میں چل پڑا وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا' خبردار ہو جاؤ خدا کا سودا بہت گراں ہے' یاد رکھو وہ سودا جنت ہے - امام ترمذی اس حدیث کو غریب بتلاتے ہیں - حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے منبر پر وعظ بیان فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے آیت وَلِمَنْ خَافَ پڑھی تو میں نے کہا اگرچہ زنا کیا ہو اگرچہ چوری کی ہو؟ باقی حدیث اوپر گذر چکی -

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾

اور ان دو کے سوا دو جنتیں اور ہیں ○ پس تم اپنے پرورش کرنے والے کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○ جو دونوں گہری سیاہی مائل ہیں ○ بتاؤ اب پروردگار کی کس نعمت کا انکار کرو گے؟ ○ ان میں دو بہ جوش ابلنے والے چشمے ہیں ○ پھر تم اپنے پالنہار کی کون سی نعمت کا جھوٹ ہونا کہہ رہے ہو؟ ○ ان دونوں میں میوے اور کھجور اور انار ہوں گے ○ کیا اب بھی رب کی کسی نعمت کی تکذیب تم کرو گے؟ ○

اصحاب یمین اور مقربین : ☆☆ (آیت: ۶۲-۶۷) یہ دونوں جنتیں جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے ان جنتوں سے کم مرتبہ ہیں جن کا ذکر پہلے گذرا اور وہ حدیث بھی بیان ہو چکی جس میں ہے دو جنتیں سونے کی اور دو چاندی کی - پہلی دو تو مقربین خاص کی جگہ ہیں اور یہ دوسری دو اصحاب یمین کی - الغرض درجے اور فضیلت میں یہ دو ان دو سے کم ہیں' جس کی دلیلیں بہت سی ہیں' ایک یہ کہ ان کا ذکر اور صفت ان سے پہلے بیان ہوئی اور یہ تقدیم بیان بھی دلیل ہے ان کی فضیلت کی' پھر یہاں وَ مِنْ دُوْنِهِمَا فرمانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ ان سے کم مرتبہ ہیں - وہاں ان کی تعریف میں ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ یعنی بکثرت مختلف مزے کے میووں والی شاخوں دار - یہاں فرمایا مُدْهَآمَّتَانِ یعنی پانی کی پوری تری سے سیاہ -

جنت کے میوے : ☆☆ (آیت: ۶۸-۶۹) ابن عباسؓ فرماتے ہیں سبز - محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں سبزی سے پر - قتادہؒ فرماتے ہیں اس قدر پھل پکے ہوئے تیار ہیں کہ وہ ساری جنت سرسبز معلوم ہو رہی ہے' الغرض وہاں شاخوں کی پھیلاوٹ بیان ہوئی یہاں درختوں کی کثرت بیان فرمائی گئی' تو ظاہر ہے کہ اس میں اور اس میں بھی بہت فرق ہے' ان کی نہروں کی بابت لفظ تَجْرِيَانِ ہے اور یہاں لفظ نَضَّاخَتَانِ ہے یعنی ابلنے والی اور یہ ظاہر ہے کہ نضخ سے جری یعنی ابلتے سے بہنا بہت برتری والا ہے - حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں یعنی پر ہیں پانی رکتا نہیں' اور لیجئے وہاں فرمایا تھا کہ ہر قسم کے میووں کے جوڑے ہیں اور یہاں فرمایا اس میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں تو ظاہر ہے کہ پہلے کے الفاظ عمومیت لئے ہوئے ہیں وہ قسم کے اعتبار سے اور کمیت کے اعتبار سے بھی اس سے افضلیت رکھتے ہیں کیونکہ یہاں لفظ فَاكِهَةٌ گونکرہ ہے لیکن سیاق میں اثبات کے ہے' اس لئے عام نہ ہوگا اسی لئے بطور تفسیر کے بعد میں نخل و رمان کہہ دیا - جیسے عطف خاص عام پر ہوتا ہے - امام بخاریؒ وغیرہ کی تحقیق بھی یہی ہے - کھجور اور انار کو خاصتہً اس لئے ذکر کیا کہ اور میووں پر انہیں شرف ہے - مسند عبد بن حمید میں ہے یہودیوں نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا جنت میں میوے ہیں؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا ہاں ہیں' انہوں نے پوچھا کیا جنتی دنیا کی طرح وہاں بھی کھائیں گے' پئیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں بلکہ بہت کچھ زیادہ اور بہت کچھ زیادہ - انہوں نے کہا پھر وہاں فضلہ بھی نکلے گا؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ پسینہ آ کر سب ہضم ہو جائے گا - ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے جنتی کھجور کے درختوں کے ریشہ کا جنتیوں کا لباس بنائیں گے - یہ سرخ رنگ سونے کے ہوں گے' اس کے تنے سبز زمرد یں ہوں گے' اس کے پھل شہد سے زیادہ میٹھے اور مکھن سے زیادہ نرم ہوں گے' گٹھلی بالکل نہ ہوگی - ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے جنت کے انار دیکھے اتنے بڑے تھے جیسے اونٹ مع ہودج - خیرات کے معنی بہ کثرت اور بہت حسین' نہایت نیک خلق اور بہتر خلق - ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ معنی مروی ہیں -

فِيۡهِنَّ خَيۡرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِى الۡخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕيۡنَ عَلٰى رَفۡرَفٍ خُضۡرٍ وَّعَبۡقَرِىٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسۡمُ رَبِّكَ ذِى الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ ﴿۷۸﴾

ان میں نیک سیرت، خوبصورت عورتیں ہیں ○ پس تمہارے جھٹلانے کا تعلق اللہ کی کس نعمت کے ساتھ ہے؟ ○ گوری رنگت کی حوریں جنتی خیموں میں محفوظ ہیں ○ پس اے انسانو اور جنو! اب تم اپنے رب کی کس نعمت کا انکار کرو گے؟ ○ ان حوروں سے کوئی انسان یا جن اس سے قبل نہیں ملا ○ پس اپنے پروردگار کی کون سی نعمت کے ساتھ تم کذب کرتے ہو؟ ○ سبز مسندوں اور عمدہ فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ○ پس اے جنو اور انسانو! تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○ تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے جو بزرگی اور انعام والا ہے ○

جنت کی نعمتیں: ☆☆ (آیت: ۷۰-۷۱) ایک اور حدیث میں ہے کہ حور عین جو گانا گائیں گی، ان میں یہ بھی ہوگا "ہم خوش خلق خوبصورت ہیں جو بزرگ خاوندوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں" - یہ پوری حدیث سورۂ واقعہ کی تفسیر میں ابھی آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ، یہ لفظ تشدید سے بھی پڑھا گیا ہے - پھر سوال ہوتا ہے کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرتے ہو؟ حوریں ہیں جو خیموں میں رہتی سہتی ہیں، یہاں بھی وہی فرق ملاحظہ ہو کہ وہاں تو فرمایا تھا کہ خود وہ حوریں اپنی نگاہ نیچی رکھتی ہیں اور یہاں فرمایا ان کی نگاہیں نیچی کی گئی ہیں - پس اپنے آپ ایک کام کو کرنا اور دوسرے سے کرایا جانا ان دونوں میں کس قدر فرق ہے، گو پردہ دونوں صورتوں میں حاصل ہے -

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر مسلمان کے لئے خیرہ یعنی نیک اور بہترین نورانی حور اور ہر خیرہ کے لئے خیمہ ہے اور ہر خیمہ کے چار دروازے ہیں، جن میں سے ہر روز تحفہ، کرامت، ہدیہ اور انعام آتا رہتا ہے - نہ وہاں کوئی فساد ہے نہ سختی ہے نہ گندگی ہے نہ بدبو ہے، حوروں کی صحبت ہے جو اچھوتے صاف سفید چمکیلے موتیوں جیسی ہیں - صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہے درمجوف، جس کا عرض ساٹھ میل کا ہے، اس کے ہر ہر کونے میں جنتی کی بیویاں ہیں جو دوسرے کونے والیوں کو نظر نہیں آتیں، مومن ان سب کے پاس آتا جاتا رہے گا - دوسری روایت میں چوڑائی کا تیس میل ہونا مروی ہے - یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے - حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں خیمہ ایک ہی لؤلؤ کا ہے جس میں ستر دروازے موتی کے ہیں - ابن عباسؓ فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہوگا جو ایک موتی کا بنا ہوا ہوگا چار فرسخ چوڑا، جس کے چار ہزار دروازے ہوں گے اور چوکھٹیں سب کی سونے کی ہوں گی -

ایک مرفوع حدیث میں ہے ادنیٰ درجے کے جنتی کے اسی ہزار خادم ہوں گے اور بہتر بیویاں ہوں گی اور لؤلؤ زبرجد کا محل ہوگا جو جابیہ سے صنعاء تک پہنچے - پھر فرماتا ہے ان بے مثل حسینوں کے پنڈے اچھوتے ہیں، کسی جن وانس کا گذران کے پاس نہیں ہوا - پہلے بھی اس قسم کی آیت مع تفسیر گذر چکی ہے ہاں پہلی جنتوں کی حوروں کے اوصاف میں اتنا جملہ وہاں تھا کہ وہ یاقوت و مرجان جیسی ہیں یہاں ان کے لئے یہ نہیں فرمایا گیا، پھر سوال ہوا کہ تمہیں رب کی کس کس نعمت کا انکار ہے؟ یعنی کسی نعمت کا انکار نہ کرنا چاہئے - یہ جنتی سبز رنگ اعلیٰ قیمتی فرشوں

غالیچوں اور تکیوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے، تخت ہوں گے اور تختوں پر پاکیزہ اعلیٰ فرش ہوں گے اور بہترین منقش تکیے لگے ہوئے ہوں گے، یہ تخت اور یہ فرش اور یہ تکیے جنتی باغچوں اور ان کی کیاریوں پر ہوں گے اور یہی ان کے فرش ہوں گے، کوئی سرخ رنگ ہوگا، کوئی زرد رنگ اور کوئی سبز رنگ، جنتیوں کے کپڑے بھی ایسے ہی اعلیٰ اور بالا ہوں گے، دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے انہیں تشبیہ دی جا سکے، یہ بستر ے مخملی ہوں گے جو بہت نرم اور بالکل خالص ہوں گے۔ کئی کئی رنگ کے ملے جلے نقش اون میں بنے ہوئے ہوں گے۔ ابوعبیدہؒ فرماتے ہیں عبقر ایک جگہ کا نام ہے جہاں منقش بہترین کپڑے بنے جاتے تھے۔ خلیل بن احمدؒ فرماتے ہیں ہر نفیس اور اعلیٰ چیز کو عرب عبقری کہتے ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرمایا میں نے کسی عبقری کو نہیں دیکھا جو عمر کی طرح پانی کے بڑے بڑے ڈول کھینچتا ہو، یہاں بھی خیال فرمایئے کہ پہلی دو جنتوں کے فرش وفروش اور وہاں کے تکیوں کی جو صفت بیان کی گئی ہے وہ ان سے اعلیٰ ہے، وہاں بیان فرمایا گیا تھا کہ ان کے استر یعنی اندر کا کپڑا خالص دبیز عمدہ ریشم ہوگا، پھر اوپر کے کپڑے کا بیان نہیں ہوا تھا اس لئے کہ جس کا استر اتنا اعلیٰ ہے اس کے ابرے یعنی اوپر کے کپڑے کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ پھر اگلی دو جنتوں کے اوصاف کے خاتمے پر فرمایا تھا کہ اطاعت کا صلہ سوا عنایت کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ تو ان اہل جنت کے اوصاف میں احسان کو بیان فرمایا جو اعلیٰ مرتبہ اور غایت ہے، جیسے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام والی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اسلام کے بارے سوال کیا پھر ایمان کے بارے پھر احسان کے بارے، پھر یہ کئی کئی وجوہ ہیں جن سے صاف ثابت ہے کہ پہلے کی دو جنتوں کو ان دو جنتوں پر بہترین فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کریم وہاب سے ہمارا سوال ہے کہ وہ ہمیں بھی ان جنتیوں میں سے کرے جو ان دو جنتوں میں ہوں گے جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے ہیں۔ آمین۔

وہی مستحق احترام واکرام ہے: ☆☆ پھر فرماتا ہے تیرے رب ذوالجلال والاکرام کا نام بابرکت ہے، وہ جلال والا ہے یعنی اس لائق ہے کہ اس کا جلال مانا جائے اور اس کی بزرگی کا پاس کر کے اس کی نافرمانی نہ کی جائے بلکہ کامل اطاعت گذاری کی جائے اور وہ اس قابل ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے یعنی اس کی عبادت کی جائے، اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کی جائے، اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے اور اسے بھلایا نہ جائے۔ وہ غفلت اور کبریائی والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اجلال کرو، اس کی عظمت مانو وہ تمہیں بخش دے گا (احمد) اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت ماننے میں یہ بھی داخل ہے کہ بوڑھے مسلمان کی اور بادشاہ کی اور حامل قرآن کی، جو قرآن میں کمی زیادتی نہ کرتا ہو یعنی نہ اس میں غلو کرتا ہو نہ کمی کرتا ہو، عزت کی جائے۔

ابویعلیٰ میں ہے یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کے ساتھ چمٹ جاؤ۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے، امام ترمذیؒ اس کی سند کو غیر محفوظ اور غریب بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں دوسری سند کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے، اس میں یا کا لفظ نہیں، جوہریؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی کسی کو چمٹ جائے اسے تھام لے تو عرب میں کہتے ہیں الظ یعنی لفظ اس حدیث میں آیا ہے، تو مطلب یہ ہے کہ الحاح وخلوص، عاجزی اور مسکینی کے ساتھ ہمیشگی اور لزوم سے دامن خدا میں لٹک جاؤ۔ صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد صرف اتنی ہی دیر بیٹھتے تھے کہ یہ کلمات کہہ لیں اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

الحمدللہ اللہ کے فضل وکرم سے سورۂ الرحمٰن کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ کا شکر ہے۔

تفسیر سورة الواقعه

(تفسیر سورۂ واقعہ) ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا یا رسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے' آپ نے فرمایا ہاں مجھے سورۂ ہود نے' سورۂ واقعہ نے' سورۂ والمرسلات نے' سورۂ عم یتساءلون اور سورۂ اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا - اس حدیث کو امام ترمذی لائے ہیں اور اسے حسن غریب کہتے ہیں حافظ ابن عساکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات میں ایک روایت لائے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بیمار ہوئے جس بیماری سے آپ جاں بر نہ ہوئے' اس بیماری میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے' پوچھا آپ کو کیا شکوہ ہے؟ فرمایا اپنے گناہوں کا' دریافت کیا خواہش کیا ہے؟ فرمایا اپنے رب کی رحمت کی' پوچھا کسی طبیب کو بھیج دوں؟ فرمایا طبیب نے ہی تو بیمار ڈالا ہے - پوچھا کچھ مال بھیج دوں؟ فرمایا مال کی کوئی حاجت نہیں' کہا آپ کے بعد آپ کے بچوں کو کام آئے گا' فرمایا کیا میری بچیوں کی نسبت آپ کو فقیری کا ڈر ہے؟ سنئے میں نے اپنی سب لڑکیوں کو کہہ دیا ہے کہ وہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص سورۂ واقعہ کو ہر روز پڑھ لیا کرے اس کو ہرگز ہرگز فاقہ نہ پہنچے گا - اس واقعہ کے راوی حضرت ابوظبیہ بھی اس سورت کو بلاناغہ پڑھا کرتے تھے - مسند احمد میں ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نمازیں اسی طرح پڑھتے تھے جس طرح تم آج پڑھتے ہو لیکن آپ کی نماز تخفیف والی ہوتی تھی - فجر کی نماز میں آپ سورۂ واقعہ اور اسی جیسی سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿۲﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿۳﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا ﴿۶﴾ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۸﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ○

جب قیامت قائم ہو جائے گی ○ جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ○ وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہو گی ○ جب کہ زمین زلزلہ کے ساتھ ہلا دی جائے گی ○ اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ○ پھر وہ پراگندہ غبار کے ہو جائیں گے ○ اور تم تین جماعتوں میں ہو جاؤ گے ○ پس داہنے ہاتھ والے کیسے اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے ○ اور بائیں ہاتھ والے کیا حال ہے بائیں ہاتھ والوں کا ○ اور جو اعلیٰ درجے کے ہیں وہ تو آگے والے ہی ہیں ○ وہ بالکل نزدیکی حاصل کئے ہوئے ہیں ○ آرام دہ جنتوں میں ہیں ○

یقینی امر: ☆☆ (آیت: ۱-۱۲) واقعہ قیامت کا نام ہے کیونکہ اس کا ہونا یقینی امر ہے - جیسے اور آیت میں ہے فیومئذ وقعت الواقعۃ

اس دن ہو پڑنے والی ہو پڑے گی' اس کا واقعہ ہونا حتمی امر ہے' نہ اسے کوئی ٹال سکے نہ ہٹا سکے' وہ اپنے مقررہ وقت پر آ کر ہی رہے گی - جیسے اور آیت میں ہے اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ الخ' اپنے پروردگار کی باتیں مان لو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں - ایک اور جگہ فرمایا سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ سائل کا سوال اس عذاب سے ہے جو یقیناً آنے والا ہے' جسے کوئی روک نہیں سکتا -

اور آیت میں ہے یَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ الخ' جس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہو جا تو ہو جائے گا' وہ عالم غیب وظاہر ہے اور وہ حکیم وخبیر ہے' قیامت کاذبہ نہیں یعنی برحق ہے ضرور ہونے والی ہے' اس دن نہ تو دوبارہ آنا ہے نہ وہاں سے لوٹنا ہے نہ واپس آنا ہے' کاذبہ مصدر ہے جیسے عاقبہ اور عافیہ وہ دن پست کرنے والا اور ترقی دینے والا ہے' بہت لوگوں کو نیچوں کا نیچ کر کے جہنم میں پہنچا دے گا جو دنیا میں بڑے ذی عزت ووقعت تھے اور بہت سے لوگوں کو وہ اونچا کر دے گا' اعلیٰ علیین اور جنت نعیم تک پہنچا دے گا گو دنیا میں وہ پست اور بے قدر تھے' دشمنان خدا ذلیل ہو کر جہنمی بن جائیں گے اور اولیاء اللہ عزیز ہو کر جنتی ہو جائیں گے' متکبرین کو وہ ذلیل کر دے گی اور متواضعین کو وہ عزیز کر دے گی' وہ نزدیک ودور والوں کو سنا دے گی اور ہر ایک کو چوکنا کر دے گی' وہ نیچا کرے گی اور قریب والوں کو سنائے گی' پھر اونچی ہو گی اور دور والوں کو سنائے گی' زمین ساری کی ساری لرزنے لگے گی' چپہ چپہ کپکپانے لگے گا' طول وعرض زمین میں زلزلہ پڑ جائے گا اور بے طرح ہلنے لگے گی' یہ حالت ہو جائے گی کہ گویا چھلنی میں کوئی چیز ہے جسے کوئی ہلا رہا ہے - اور آیت میں ہے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا اور جگہ ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ لوگو! خدا سے ڈرو جو تمہارا رب ہے یقین مانو کہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے - پھر فرمایا کہ پہاڑ اس دن ریزہ ریزہ ہو جائیں گے - اور جگہ الفاظ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا آئے ہیں پس وہ مثل غبار پریشان کے ہو جائیں گے جسے ہوا ادھر ادھر بکھیر دے اور کچھ نہ رہے - ھَبَاءً ان شراروں کو بھی کہتے ہیں جو آگ جلاتے وقت پتنگوں کی طرح اڑتے ہیں' نیچے گرنے پر وہ کچھ نہیں رہتے - مُنْبَثٌ اس چیز کو کہتے ہیں جسے ہوا اوپر کر دے اور پھیلا کر نابود کر دے' جیسے خشک پتوں کے چورے کو ہوا ادھر سے ادھر کر دیتی ہے - اس قسم کی اور آیتیں بھی بہت سی ہیں جن سے ثابت ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے' ٹکڑے ہو جائیں گے' پھر ریزہ ریزہ ہو کر بے نام ونشان ہو جائیں گے - لوگ اس دن تین قسموں میں منقسم ہو جائیں گے - ایک جماعت عرش کے دائیں ہو گی اور یہ لوگ وہ ہوں گے جو حضرت آدمؑ کی دائیں کروٹ سے نکلے تھے' نامہ اعمال داہنے ہاتھ دیئے جائیں گے اور دائیں جانب چلائے جائیں گے' یہ جنتیوں کا عام گروہ ہے -

دوسری جماعت عرش کے بائیں جانب ہو گی یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضرت آدمؑ کی بائیں کروٹ سے نکالے گئے تھے' انہیں نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے گئے تھے اور بائیں طرف کی راہ پر لگائے گئے تھے - یہ سب جہنمی ہیں' اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے - تیسری جماعت اللہ عزوجل کے سامنے ہو گی یہ خاص الخاص لوگ ہیں' یہ اصحاب یمین سے بھی زیادہ باوقعت اور خاص قرب کے مالک ہیں' یہ اہل جنت کے سردار ہیں' ان میں رسول ہیں' انبیاء ہیں' صدیق وشہداء ہیں - یہ تعداد میں بہ نسبت دائیں ہاتھ والوں کے کم ہیں - پس یہ تین قسم تمام اہل محشر کی ہو جائے گی جیسے کہ اس سورت کے آخر میں بھی اختصار کے ساتھ ان کی یہی تقسیم کی گئی ہے - اسی طرح سورۂ ملائکہ میں فرمایا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث اپنے چیدہ بندوں کو بنایا' پس ان میں سے بعض تو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ روش ہیں اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں کی طرف آگے بڑھنے والے ہیں - پس یہاں بھی تین قسمیں ہیں - یہ اس وقت جبکہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کی وہ تفسیر لیں

جواس کے مطابق ہے۔ ورنہ ایک دوسرا قول بھی ہے جو اس آیت کی تفسیر کے موقع پر گذر چکا۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ دو گروہ تو جنتی اور ایک جہنمی۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ. جب لوگوں کے جوڑے ملائے جائیں فرمایا قسم قسم کے یعنی ہر عمل کے عامل کی ایک جماعت جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تین قسم پر ہو جاؤ گے یعنی اصحاب یمین' اصحاب شمال اور سابقین۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ اس آیت کی تلاوت کی اور اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر لیں اور فرمایا یہ جنتی ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں' یہ سب جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو اللہ تعالیٰ کے سائے کی طرف قیامت کے دن سب سے پہلے کون لوگ جائیں گے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ جو جب اپنا حق دیئے جائیں قبول کر لیں اور جو حق ان پر ہو جب مانگا جائے ادا کر دیں اور لوگوں کے لئے بھی وہی حکم کریں جو خود اپنے لئے کرتے ہیں۔ سابقون کون لوگ ہیں؟ اس کے بارے میں بہتسے اقوال ہیں مثلاً انبیاء' اہل علیین' حضرت یوشع بن نونؑ جو حضرت موسیٰ پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے' وہ مومن جن کا ذکر سورۂ یٰسین میں ہے جو حضرت عیسیٰؑ پر پہلے ایمان لائے تھے' حضرت علی بن ابی طالبؓ جو محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سبقت کر گئے تھے' وہ لوگ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی تھی' ہر امت کے وہ لوگ جو اپنے اپنے نبیوں پر پہلے پہل ایمان لائے تھے' وہ لوگ جو مسجد میں سب سے پہلے جاتے ہیں' جو جہاد میں سب سے آگے نکلتے ہیں۔ یہ سب اقوال دراصل صحیح ہیں یعنی یہ سب لوگ سابقون ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو آگے بڑھ کر دوسروں پر سبقت کر کے قبول کرنے والے سب اس میں داخل ہیں' قرآن کریم میں اور جگہ ہے سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ الخ' اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو' جس کا عرض مثل آسمان و زمین کے ہے پس جس شخص نے اس دنیا میں نیکیوں کی طرف سبقت کی وہ آخرت میں خدا کی نعمتوں کی طرف بھی سابق ہی رہے گا' ہر عمل کی جزا اسی جنس سے ہوتی ہے' جیسا جو کرتا ہے ویسا ہی پاتا ہے' اسی لئے یہاں انکی نسبت فرمایا گیا یہ مقربین خدا ہیں' یہ نعمتوں والی جنت میں ہیں۔

ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ فرشتوں نے درگاہ خدا میں عرض کی کہ پروردگار تو نے ابن آدم کے لئے تو دنیا بنا دی ہے' وہ وہاں کھاتے پیتے ہیں اور بیوی بچوں سے لطف اٹھاتے ہیں پس ہمارے لئے آخرت کر دے' جواب ملا کہ میں ایسا نہیں کروں گا' انہوں نے تین مرتبہ یہی دعا کی پس خدا تعالیٰ نے فرمایا میں نے جسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' اسے ان جیسا ہر گز نہ کروں گا جنہیں میں نے صرف لفظ کن سے پیدا کیا۔ حضرت امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس اثر کو اپنی کتاب الرد علی الجھمیہ میں وارد کیا ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اس کی نیک اولاد کو میں اس جیسا نہ کروں گا جسے میں نے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔
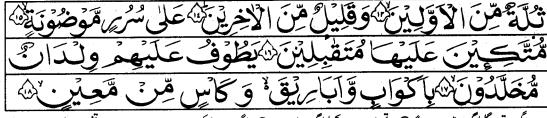
بہت بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا ○ اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ○ یہ لوگ سونے کی تاروں سے بنے ہوئے ○ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ○ ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے ○ آمدورفت کریں گے' آبخورے اور آفتابے لے کر اور ایسا جام لے کر جو بہتی ہوئی شراب سے پر ہو ○

مقربین کون ہیں؟ اور اولین کون؟: ☆☆ (آیت: ۱۳-۱۸) ارشاد ہوتا ہے کہ مقربین خاص بہت سے پہلے کے ہیں اور کچھ پچھلوں

میں سے بھی ہیں۔ ان اولین و آخرین کی تفسیر میں کئی قول ہیں مثلاً اگلی امتوں میں سے اور اس امت میں سے' امام ابن جریرؒ اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور اس حدیث کو بھی اس قول کی پختگی میں پیش کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہم پچھلے ہیں اور قیامت کے دن پہلے ہیں اور اس قول کی تائید ابن ابی حاتم کی اس روایت سے بھی ہوسکتی ہے کہ جب یہ اتری' اصحاب رسول پر بھاری پڑا' پس یہ آیت اتری ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ کل اہل جنت کی چوتھائی تم ہو بلکہ تہائی تم ہو بلکہ آدھوں آدھ تم ہو' تم آدھی جنت کے مالک ہو گے اور باقی آدھی تمام امتوں میں تقسیم ہوگی جن میں تم بھی شریک ہو۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے۔ ابن عساکر میں ہے حضرت عمرؓ نے اس آیت کو سن کر حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا اگلی امتوں میں سے بہت لوگ سابقین میں داخل ہوں گے اور ہم میں سے کم لوگ؟ اس کے ایک سال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلوں میں سے بھی بہت اور پچھلوں میں سے بھی بہت۔ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر کہا سنو حضرت آدمؑ سے لے کر مجھ تک ثلة ہے اور صرف میری امت ثلہ ہے۔ ہم اپنے ثلہ کو پورا کرنے کے لئے ان حبشیوں کو بھی لے لیں گے جو اونٹ کے چرواہے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے واحد اور لاشریک ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ لیکن اس روایت کی سند میں نظر ہے ہاں بہت سندوں کے ساتھ حضور کا یہ فرمان ثابت ہے کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کی چوتھائی ہو آخر تک۔ پس الحمدللہ یہ ایک بہترین خوشخبری ہے۔ امام ابن جریرؒ نے جس قول کو پسند فرمایا ہے اس میں ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے بلکہ دراصل یہ قول بہت کمزور ہے۔ کیونکہ الفاظ قرآن سے اس امت کا اور تمام امتوں سے افضل و اعلیٰ ہونا ثابت ہے پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ مقربین بارگاہ صمدیت اور امتوں میں سے تو بہت سے ہوئے اور اس بہترین امت میں سے کم ہوں' ہاں یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ ان تمام امتوں کے مقرب مل کر صرف اس ایک امت کے مقربین کی تعداد سے بڑھ جائیں۔ لیکن بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل امتوں کے مقربین سے صرف اس امت کے مقربین کی تعداد زیادہ ہوگی۔ آگے اللہ کو علم ہے۔ دوسرا قول اس جملہ کی تفسیر میں یہ ہے کہ اس امت کے شروع زمانے کے لوگوں میں سے مقربین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بعد کے لوگوں میں کم۔ یہی قول راجح ہے۔

چنانچہ حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا سابقین تو گذر چکے' اے اللہ! تو ہمیں اصحاب یمین میں کر دے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اس امت میں سے جو گذر چکے ان میں مقربین بہت تھے۔ امام ابن سیرینؒ بھی یہی فرماتے ہیں کوئی شک نہیں کہ ہر امت میں یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ شروع میں بہت سے مقربین ہوتے ہیں اور بعد والوں میں یہ تعداد کم ہو جاتی ہے' تو یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یونہی ہو یعنی ہر امت کے اگلے لوگ سبقت کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں بہ نسبت ہر امت کے پچھلے لوگوں کے' چنانچہ صحاح وغیرہ کی حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا سب زمانوں میں بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد والا پھر اس کی متصل۔ ہاں ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ میری امت کی مثال بارش جیسی ہے' نہ معلوم کہ شروع زمانے کی بارش بہتر ہو یا آخر زمانے کی' تو یہ حدیث جب کہ اس کی اسناد کو صحت کا حکم دے دیا جائے محمول ہے اس امر پر کہ جس طرح دین کو شروع کے لوگوں کی ضرورت تھی جو اس کی تبلیغ اپنے بعد والوں کو کریں اسی طرح آخر میں بھی اسے قائم رکھنے والوں کی ضرورت ہے جو لوگوں کو سنت رسول پر جمائیں' اس کی روایتیں کریں' اسے لوگوں پر ظاہر کریں لیکن فضیلت اول والوں کی ہی رہے گی۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کھیت کو شروع بارش کی اور آخری بارش کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بڑا فائدہ ابتدائی بارش سے ہی ہوتا ہے اس لئے کہ اگر شروع شروع بارش نہ ہو تو دانے اگیں ہی نہیں' نہ ان کی جڑیں جمیں۔ اسی لئے حضور فرماتے ہیں ایک جماعت میری امت میں سے ہمیشہ حق پر رہ کر غالب رہے گی' ان کے دشمن انہیں ضرر نہ پہنچا سکیں گے' ان کے مخالف انہیں رسوا اور پست نہ کر سکیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور وہ اسی طرح ہوں۔

الغرض یہ امت باقی تمام امتوں سے افضل واشرف ہے اور اس میں مقربین خدا بہ نسبت اور امتوں کے بہت ہیں اور بہت بڑے مرتبے والے کیونکہ دین کے کامل ہونے اور نبی کے عالی مرتبہ ہونے کے لحاظ سے یہ سب بہتر ہیں - تواتر کے ساتھ یہ حدیث ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے - طبرانی میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے ایک بہت بڑی جماعت قیامت کے روز کھڑی کی جائے گی جو اس قدر بڑی اور گنتی میں زائد ہوگی کہ گویا رات آ گئی' زمین کے تمام کناروں کو گھیر لے گی' فرشتے کہنے لگیں گے سب نبیوں کے ساتھ جتنے لوگ آئے ہیں ان سے بہت ہی زیادہ محمد ﷺ کے ساتھ ہیں -

مناسب مقام یہ ہے کہ بہت بڑی جماعت اگلوں میں سے اور بہت ہی بڑی پچھلوں میں سے' والی آیت کی تفسیر کے موقع پر یہ حدیث ذکر کر دی جائے جو حافظ ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں وارد کی ہے کہ رسول ﷺ جب صبح کی نماز پڑھتے پاؤں موڑے ہوئے ہی ستر مرتبہ یہ پڑھتے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا پھر فرماتے ستر کے بدلے سات سو ہیں' جس کے ایک دن کے گناہ سات سو سے بھی بڑھ جائیں وہ بے خبر ہے' پھر دو مرتبہ اسی کو فرماتے' پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتے اور چونکہ حضور کو خواب اچھا معلوم ہوتا تھا اس لئے پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ابوزمل کہتے ہیں ایک دن اسی طرح حسب عادت آپ نے دریافت فرمایا تو میں نے کہا ہاں یارسول اللہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے' فرمایا خدا خیر سے ملائے شر سے بچائے' ہمارے لئے بہتر بنائے اور ہمارے دشمنوں کے لئے بدتر بنائے' ہر قسم کی تعریفوں کا مستحق وہ اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے' اپنا خواب بیان کرو - میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں نے دیکھا کہ ایک راستہ ہے کشادہ آسان نرم اور صاف اور بیشمار لوگ اس راستے میں چلے جا رہے ہیں' یہ راستہ جاتے جاتے ایک سرسبز باغ کو نکلتا ہے کہ میری آنکھوں نے ایسا لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ کبھی نہیں دیکھا' پانی ہر سو رواں ہے' سبزے سے پٹا پڑا ہے' انواع واقسام کے درخت خوشنما پھلے پھولے کھڑے ہیں' اب میں نے دیکھا کہ پہلی جماعت جو آئی اور اس باغ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اپنی سواریاں تیز کر لیں' دائیں بائیں نہیں گئے اور تیز رفتاری کے ساتھ یہاں سے گذر گئے -

پھر دوسری جماعت آئی جو تعداد میں بہت زیادہ تھی جب یہاں پہنچے تو بعض لوگوں نے اپنے جانوروں کو چرانا چگانا شروع کیا اور بعضوں نے کچھ لے لیا اور چل دیئے' پھر تو بہت سارے لوگ آئے جب ان کا گذر ان گل وگلزار پر ہوا تو یہ تو پھول گئے اور کہنے لگے یہ سب سے اچھی جگہ ہے' گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ دائیں بائیں جھک پڑے' میں نے یہ دیکھا لیکن میں آپ تو چلتا ہی رہا جب دور نکل گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک منبر سات سیڑھیوں کا بچھا ہوا ہے اور آپ اس کے اعلیٰ درجہ پر تشریف فرما ہیں اور آپ کی دائیں جانب ایک صاحب ہیں گندم گوں رنگ بھری انگلیوں والے' دراز قد' جب کلام کرتے ہیں تو سب خاموشی سے سنتے ہیں اور لوگ اونچے ہو ہو کر توجہ سے ان کی باتیں سنتے ہیں اور آپ کی بائیں طرف ایک شخص ہیں بھرے جسم کے درمیانہ قد کے' جن کے چہرہ پر بکثرت تل ہیں' ان کے بال گویا پانی سے تر ہیں' جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کے اکرام کی وجہ سے سب لوگ جھک جاتے ہیں پھر اس سے آگے ایک شخص ہیں جو اخلاق وعادات میں اور چہرے نقشے میں بالکل آپ سے مشابہت رکھتے ہیں' آپ لوگ سب ان کی طرف پوری توجہ کرتے ہیں اور ان کا ارادہ رکھتے ہیں - ان سے آگے ایک دبلی پتلی بڑھیا اونٹنی ہے - میں نے دیکھا کہ گویا آپ اسے اٹھا رہے ہیں' یہ سن کر حضور کا رنگ متغیر ہو گیا تھوڑی دیر میں آپ کی یہ حالت بدل گئی اور آپ نے فرمایا سیدھے سچے اور صحیح راستے سے مراد تو وہ دین ہے جسے میں لے کر خدا کی طرف آیا ہوں اور جس ہدایت پر تم ہو' ہرا بھرا سبز باغ جو تم نے دیکھا ہے وہ دنیا ہے اور اس کی عیش وعشرت کا دل لبھانے والا سامان' میں اور میرے اصحاب تو اس سے گذر جائیں

گے نہ ہم اس میں مشغول ہوں گے نہ وہ ہمیں چمٹے گی نہ ہمارا تعلق اس سے ہوگا نہ اس کا تعلق ہم سے نہ ہم اس کی چاہت کریں گے نہ وہ ہمیں لپٹے گی پھر ہمارے بعد دوسری جماعت آئے گی جو ہم سے تعداد میں بہت زیادہ ہوگی ان میں سے بعض تو اس دنیا میں پھنس جائیں گے اور بعض بقدر حاجت لے لیں گے اور چل دیں گے اور نجات پالیں گے پھر ان کے بعد زبردست جماعت آئے گی جو اس دنیا میں بالکل متغرق ہو جائے گی اور دائیں بائیں بہک جائے گی فانا للہ وانا الیہ راجعون - اب رہے تم سو تم اپنی سیدھی راہ چلتے رہو گے یہاں تک کہ مجھ سے تمہاری ملاقات ہو جائے گی جس منبر کے آخری ساتویں درجہ پر تم نے مجھے دیکھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے میں آخری ہزارویں سال میں ہوں میرے دائیں جس گندمی رنگ موٹی ہتھیلی والے انسان کو تم نے دیکھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جب وہ کلام کرتے ہیں تو لوگ اونچے ہو جاتے ہیں اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی ہو چکا ہے اور جنہیں تم نے میرے بائیں دیکھا جو درمیانہ قد کے بھرے جسم کے بہت سے تلوں والے تھے جن کے بال پانی سے تر نظر آتے تھے وہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں چونکہ ان کا اکرام اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ہم سب بھی ان کی بزرگی کرتے ہیں اور جن شیخ کو تم نے بالکل مجھ سا دیکھا وہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ہم سب ان کا قصد کرتے ہیں اور ان کی اقتدا اور تابعداری کرتے ہیں اور جس اونٹنی کو تم نے دیکھا کہ میں اسے کھڑی کر رہا ہوں اس سے مراد قیامت ہے جو میری امت پر قائم ہوگی نہ میرے بعد کوئی نبی ہے نہ میری امت کے بعد کوئی امت ہے - فرماتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ پوچھنا چھوڑ دیا کہ کسی نے خواب دیکھا ہے؟ ہاں اگر کوئی شخص اپنے آپ اپنا خواب بیان کر دے تو حضور تعبیر دے دیا کرتے تھے - ان کے بیٹھنے کے تخت اور آرام کرنے کے پلنگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے جن میں جگہ بہ جگہ موتی ٹکے ہوئے ہوں گے در و یاقوت جڑے ہوئے ہوں گے - یہ فعیل معنیٰ میں مفعول کے ہے اسی لئے اونٹنی کے پیٹ کے نیچے والے کو وضین کہتے ہیں - سب کے منہ آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے کوئی کسی کی طرف پیٹھ دیئے ہوئے نہ ہوگا وہ علماء ان کی خدمت گذاری میں مشغول ہوں گے جو عمر میں ویسے ہی چھوٹے رہیں گے نہ بڑے ہوں نہ بوڑھے ہوں نہ ان میں تغیر و تبدل آئے - اکواب کہتے ہیں ان کوزوں کو جن کی ٹونٹی اور پکڑنے کی چیز نہ ہو اور اباریق وہ آفتابے جو ٹونٹی دار اور پکڑے جانے کے قابل ہوں - یہ سب شراب کی جاری نہر سے چھلکتے ہوئے ہوں گے جو شراب نہ ختم ہو نہ کم ہو کیونکہ اس کے چشمے بہ رہے ہیں جام چھلکتے ہوئے ہر وقت اپنے نازک ہاتھوں میں لئے ہوئے یہ گل اندام ساقی ادھر ادھر گشت کر رہے ہوں گے -

لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾
وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾

جس سے نہ سر میں درد ہو نہ عقل میں فتور آئے ○ اور ایسے میوے لئے ہوئے جو ان کی پسند کے ہوں ○ اور پرندوں کے گوشت جو انہیں مرغوب ہوں ○

جنت کی نعمتیں: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۱) اس شراب سے نہ انہیں دردسر ہو نہ ان کی عقل زائل ہو بلکہ باوجود پورے سرور اور کیف کے عقل و حواس اپنی جگہ قائم رہیں گے اور کامل لذت حاصل ہوگی - شراب میں چار صفتیں ہیں نشہ سر درد قے اور پیشاب - پس پروردگار عالم نے جنت کی شراب کا ذکر کر کے ان چاروں نقصانوں کی نفی کر دی کہ وہ شراب ان نقصانات سے پاک ہے - پھر قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کے پرندوں کے گوشت انہیں ملیں گے جس میوے کو جی چاہے اور جس طرف کے گوشت کی طرف دل کی رغبت ہو موجود ہو جائے گا یہ تمام چیزیں لئے ہوئے ان کے سلیقہ شعار خدام ہر وقت ان کے اردگرد گھومتے رہیں گے تاکہ جس چیز کی جب کبھی خواہش ہو لے لیں - اس آیت میں

دلیل ہے کہ آدمی میوے چن چن کر اپنی خواہش کے مطابق کھا سکتا ہے۔

مسند ابو یعلیٰ موصلی میں ہے حضرت عکراش بن ذویب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے صدقہ کے مال لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مہاجرین اور انصار میں تشریف فرما تھے' میرے ساتھ زکوٰۃ کے بہت سے اونٹ تھے گویا کہ وہ ریت کے درختوں کے چرائے ہوئے نوجوان اونٹ ہیں' آپ نے فرمایا تم کون ہو؟ میں نے کہا عکراش بن ذویب' فرمایا اپنا نسب نامہ دور تک بیان کر دو' میں نے مرہ بن دبیک تک کہہ سنایا اور ساتھ ہی کہا کہ زکوٰۃ مرہ بن عبید کی ہے۔ پس حضور مسکرائے اور فرمانے لگے یہ میری قوم کے اونٹ ہیں' یہ میری قوم کے صدقہ کا مال ہے' پھر حکم دیا کہ صدقے کے اونٹوں کے نشان ان پر کر دو اور ان کے ساتھ انہیں بھی ملا دو' پھر میرا ہاتھ پکڑ کر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا کہ ہاں چنانچہ ایک بڑے لگن میں چوری ہوئی روٹی آئی آپ نے اور میں نے کھانا شروع کیا۔ میں ادھر ادھر سے نوالے لینے لگا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے میرا داہنا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا اے عکراش! یہ تو ایک قسم کا کھانا ہے ایک جگہ سے کھاؤ۔ پھر ایک سینی تر کھجوروں کی یا خشک کھجوروں کی آئی' میں نے صرف میرے سامنے جو تھیں انہیں کھانا شروع کیا ہاں رسول اللہ ﷺ سینی کے ادھر ادھر سے جہاں سے جو پسند آتی تھی لے لیتے تھے اور مجھ سے بھی فرمایا اے عکراش! اس میں ہر طرح کی کھجوریں ہیں' جہاں سے چاہو کھاؤ' جس قسم کی کھجور چاہو لے لو' پھر پانی آیا پس حضورؐ نے اپنے ہاتھ دھوئے اور وہی تر ہاتھ اپنے چہرے پر اور دونوں بازوؤں پر اور سر پر تین دفعہ پھیر لئے اور فرمایا اے عکراش! یہ وضو ہے اس چیز سے جسے آگ نے متغیر کیا ہو۔ (ترمذی اور ابن ماجہ) امام ترمذیؒ اسے غریب بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خواب پسند تھا' بسا اوقات آپ پوچھ لیا کرتے تھے کہ کسی نے خواب دیکھا ہے؟ اگر کوئی ذکر کرتا اور پھر حضورؐ اس خواب سے خوش ہوتے تو اسے بہت اچھا لگتا۔ ایک مرتبہ ایک عورت آپ کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے کہ گویا میرے پاس کوئی آیا اور مجھے مدینہ سے لے چلا اور جنت میں پہنچا دیا' پھر میں نے ایک دھماکا سنا جس سے جنت میں ہل چل مچ گئی' میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں کو دیکھا' بارہ شخصوں کے نام لئے انہی بارہ شخصوں کا ایک لشکر بنا کر آنحضرت ﷺ نے کئی دن ہوئے ایک مہم پر روانہ کیا ہوا تھا۔ فرماتی ہیں' انہیں لایا گیا یہ اطلس کے کپڑے پہنے ہوئے تھے' ان کی رگیں جوش مار رہی تھیں' حکم ہوا کہ انہیں نہر بیدج میں لے جاؤ یا بیذخ کہا' جب ان لوگوں نے اس نہر میں غوطہ لگایا تو ان کے چہرے چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکنے لگ گئے پھر ایک سونے کی سینی میں گدری کھجوریں آئیں جو انہوں نے اپنی حسب منشا کھائیں اور ساتھ ہی ہر طرح کے میوے جو چوطرف چنے ہوئے تھے' جس میوے کو ان کا جی چاہتا تھا لیتے تھے اور کھاتے تھے میں نے بھی ان کے ساتھ شرکت کی اور وہ میوے کھائے' مدت کے بعد ایک قاصد آیا اور کہا فلاں فلاں اشخاص جنہیں آپ نے لشکر میں بھیجا تھا شہید ہو گئے' ٹھیک بارہ شخصوں کے نام لئے اور یہ وہی نام تھے جنہیں اس بیوی صاحبہ نے اپنے خواب میں دیکھا تھا۔ حضورؐ نے ان نیک بخت صحابیہؓ کو پھر بلوایا اور فرمایا اپنا خواب دوبارہ بیان کرو' اس نے پھر بیان کیا اور انہی لوگوں کے نام لئے جن کے نام قاصد نے لئے تھے۔ طبرانی میں ہے کہ جنتی جس میوے کو درخت سے توڑے گا' وہیں اس جیسا اور پھل لگ جائے گا۔

مسند احمد میں ہے کہ جنتی پرند بختی اونٹ کے برابر ہیں جو جنت میں چرتے چگتے رہتے ہیں۔ حضرت صدیقؓ نے کہا یا رسول اللہ! یہ پرند تو نہایت ہی مزے کے ہوں گے' آپ نے فرمایا ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ ناز و نعمت والے ہوں گے۔ تین مرتبہ یہی جملہ ارشاد فرما کر پھر فرمایا مجھے خدا سے امید ہے کہ اے ابو بکرؓ! تم ان میں سے ہو جو ان پرندوں کا گوشت کھائیں گے۔ حافظ ابو عبداللہ مصریؒ کی کتاب صفتہ

الجنۃ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے طوبیٰ کا ذکر ہوا پس حضورؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو طوبیٰ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول کو پورا علم ہے- آپ نے فرمایا جنت کا ایک درخت ہے جس کی طولانی کا علم بجز خدا کے اور کسی کو نہیں' اس کی ایک ایک شاخ تلے تیز سوار ستر ستر سال تک چلا جائے پھر بھی اس کا سایہ ختم نہ ہو' اس کے پتے بڑے بڑے چوڑے ہیں' ان پر بختی اونٹ کے برابر پرند آ کر بیٹھتے ہیں- ابوبکر نے فرمایا پھر تو یہ پرند بڑی ہی نعمتوں والے ہوں گے' آپ نے فرمایا ان سے زیادہ نعمتوں والے ان کے کھانے والے ہوں گے اور ان شاء اللہ تم بھی انہی میں سے ہو- حضرت قتادہؒ سے بھی یہ پچھلا حصہ مروی ہے- ابن ابی الدنیا میں حدیث ہے کہ حضورؐ سے کوثر کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا وہ جنتی نہر ہے جو مجھے اللہ عزوجل نے عطا فرمائی ہے' دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اس کا پانی ہے' اس کے کنارے بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے پرند ہیں- حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ پرند تو بڑے مزے میں ہیں- آپ نے فرمایا ان کا کھانے والا ان سے زیادہ مزے میں ہے- (ترمذی)

امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں- ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایک پرند ہے جس کے ستر ہزار پر ہیں' جنتی کے دسترخوان پر وہ آئے گا' ہر پر سے اس کے ایک قسم نکلے گی جو دودھ سے زیادہ سفید اور مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھی' پھر دوسرے پر سے دوسری قسم نکلے گی اسی طرح ہر پر سے ایک دوسرے سے جداگانہ' پھر وہ پرند اڑ جائے گا- یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور اس کے راوی رصافی اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں- ابن ابی حاتم میں حضرت کعبؓ سے مروی ہے کہ جنتی پرند مثل بختی اونٹوں کے ہیں جو جنت کے پھل کھاتے ہیں اور جنت کی نہروں کا پانی پیتے ہیں' جنتیوں کا دل جس پرند کے کھانے کو چاہے گا وہ اس کے سامنے آ جائے گا' وہ جتنا چاہے گا جس پہلو کا گوشت پسند کرے گا کھائے گا' پھر وہ پرند اڑ جائے گا اور جیسا تھا ویسا ہی ہو گا- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جنت کے جس پرند کو تو چاہے گا وہ بھنا بھنایا تیرے سامنے آ جائے گا-

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

اور گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ○ جو چھپے موتیوں کی طرح ہیں ○ یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا ○ نہ وہ وہاں بکواس سنیں گے اور نہ گناہ کی بات ○ صرف سلام ہی سلام کی آواز ہو گی ○

(آیت:۲۲-۲۶) حور کی دوسری قرات رے کے زیر سے بھی ہے- پیش سے تو یہ مطلب ہے کہ جنتیوں کے لئے حوریں ہوں گی اور زیر سے یہ مطلب ہے کہ گویا اگلے اعراب کی ماتحتی میں یہ اعراب بھی ہے' جیسے وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ میں زبر کی قرات ہے اور جیسے کہ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ میں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ غلمان اپنے ساتھ حوریں بھی لئے ہوئے ہوں گے' لیکن یہ ان کے محلات میں اور خیموں میں نہ کہ عام طور پر' واللہ اعلم- یہ حوریں ایسی ہوں گی جیسے تر و تازہ سفید صاف موتی ہوں' جیسے سورۂ صافات میں ہے كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ- سورۂ الرحمٰن میں بھی یہ وصف مع تفسیر گذر چکا ہے- یہ ان کے نیک اعمال کا صلہ اور بدلہ ہے یعنی یہ تحفے ان کی حسن کارگذاری کا انعام ہے- یہ جنت میں لغو' بیہودہ' بے معنی' خلاف طبع کوئی کلمہ بھی نہ سنیں گے' حقارت اور برائی کا ایک لفظ بھی کان میں نہ پڑے گا- جیسے اور آیت میں ہے لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً فضول کلامی سے ان کے کان محفوظ رہیں گے- کوئی قبیح کلام کان میں

نہ پڑے گا - ہاں صرف سلامتی بھرے سلام کے کلمات ایک دوسروں کو کہیں گے - جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا تَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ ان کا تحفہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرنا ہوگا - ان کی بات چیت لغویت اور گناہ سے پاک ہوگی -
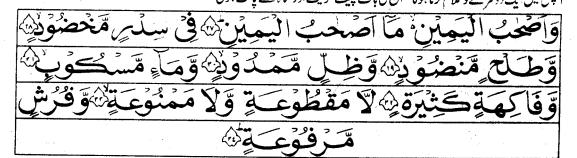
اور داہنے ہاتھ والے کیا ہی اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے؟ ○ وہ کانٹوں بغیر کی ○ بیریوں اور تہ بہ تہ کیلوں ○ اور لمبے لمبے سایوں ○ اور بہتے ہوئے پانیوں ○ اور بکثرت پھلوں ○ جو نہ ختم ہوں اور نہ روک لئے جائیں ○ اور اونچے اونچے فرشوں میں ہوں گے ○

اصحاب یمین اور ان پر انعامات الٰہی: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۴) سابقین کا حال بیان کر کے اللہ تعالیٰ اب ابرار کا حال بیان فرماتا ہے جو سابقین سے کم مرتبہ ہیں - ان کا کیا حال ہے اور کیا نتیجہ ہے؟ اسے سنو! یہ ان جنتوں میں ہیں جہاں بیری کے درخت ہیں لیکن کانٹوں دار نہیں اور پھل بہ کثرت اور بہترین ہیں' دنیا میں بیری کے درخت زیادہ کانٹوں والے اور کم پھلوں والے ہوتے ہیں - جنت کے یہ درخت زیادہ پھلوں والے اور بالکل بے خار ہوں گے' پھلوں کے بوجھ سے درخت کے تنے جھکے جاتے ہوں گے - حضرت ابوبکر احمد بن نجار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت وارد کی ہے کہ صحابہ کہتے ہیں کہ اعرابیوں کا حضورؐ کے سامنے آنا اور آپ سے مسائل پوچھنا ہمیں بہت نفع دیتا تھا - ایک مرتبہ ایک اعرابی نے آ کر کہا یا رسول اللہ! قرآن میں ایک ایسے درخت کا بھی ذکر ہے جو ایذا دیتا ہے' آپ نے پوچھا وہ کون سا؟ اس نے کہا بیری کا درخت - آپ نے فرمایا پھر تو نے اس کے ساتھ ہی لفظ مَخْضُوْدٍ نہیں پڑھا؟ اس کے کانٹے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیئے ہیں اور ان کے بدلے پھل پیدا کر دیئے ہیں' ہر ہر بیری میں بہتر قسم کے ذائقے ہوں گے جن کا رنگ و مزہ مختلف ہوگا - یہ روایت دوسری کتابوں میں بھی مروی ہے - اس میں لفظ طَلْحٍ ہے اور ستر ذائقوں کا بیان ہے - طلح ایک بڑا درخت ہے جو حجاز کی سرزمین میں ہوتا ہے' یہ کانٹوں دار درخت ہے' اس میں کانٹے بہت زیادہ ہوتے ہیں - چنانچہ ابن جریرؒ نے اس کی شہادت عربی کے ایک شعر سے بھی دی ہے - مَنْضُوْدٍ کے معنی تہ بہ تہ پھل والا' پھل سے لدا ہوا - ان دونوں کا ذکر اس لئے ہوا کہ عرب ان درختوں کی گہری اور میٹھی چھاؤں کو پسند کرتے تھے - یہ درخت بظاہر دنیوی درخت جیسا ہوگا لیکن بجائے کانٹوں کے اس میں شیریں پھل ہوں گے - جوہریؒ فرماتے ہیں طلح بھی کہتے ہیں اور طلع بھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے تو ممکن ہے کہ یہ بھی بیری کی ہی صفت ہو یعنی وہ بیریاں بے خار اور بکثرت پھلدار ہیں' واللہ اعلم - اور حضرات نے طلح سے مراد کیلے کا درخت کہا ہے' اہل یمن کیلے کو طلح کہتے ہیں اور اہل حجاز موز کہتے ہیں - لمبے لمبے سایوں میں یہ ہوں گے - صحیح بخاری میں رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت کے درخت کے سائے تلے تیز سوار سو سال تک چلتا رہے گا لیکن سایہ ختم نہ ہوگا - اگر تم چاہو اس آیت کو پڑھو - مسلم میں بھی یہ روایت موجود ہے اور مسند احمد میں بھی اور مسند ابو یعلیٰ میں بھی مسند کی اور حدیث میں شک کے ساتھ ہے یعنی ستر یا سو اور یہ بھی ہے کہ یہ شجر الخلد ہے -

ابن جریر اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے پس یہ حدیث متواتر اور قطعاً صحیح ہے' اس کی اسناد بہت ہیں اور اس کے راوی ثقہ ہیں' ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے - حضرت ابوہریرہؓ نے جب یہ روایت بیان کی اور حضرت کعب کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے فرمایا اس

اللہ کی قسم جس نے تورات حضرت موسیٰ پر اور قرآن حضرت محمد ﷺ پر اتارا کہ اگر کوئی شخص نو جوان اونٹنی پر سوار ہو کر اس وقت تک چلتا رہے جب تک وہ بڑھیا ہو کر گر جائے تو بھی اس کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتا' اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاتھ سے بویا ہے اور خود آپ اس میں اپنے پاس کی روح پھونکی ہے' اس کی شاخیں جنت کی دیواروں سے باہر نکلی ہوئی ہیں' جنت کی تمام نہریں اسی درخت کی جڑ سے نکلتی ہیں۔ ابو حصین کہتے ہیں کہ ایک موضع میں ایک دروازے پر ہم تھے' ہمارے ساتھ ابو صالح اور شقیق جہنی بھی تھے اور ابو صالح نے حضرت ابو ہریرہؓ والی اوپر کی حدیث بیان کی اور کہا کیا تو ابو ہریرہؓ کو جھٹلاتا ہے؟ اس نے کہا نہیں' انہیں تو نہیں تجھے جھٹلاتا ہوں۔ پس یہ قاریوں پر بہت گراں گذرا۔ میں کہتا ہوں اس ثابت صحیح حدیث کو جو جھٹلائے وہ غلطی پر ہے۔ ترمذی میں ہے جنت کے ہر درخت کا تنا سونے کا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جنت میں ایک درخت ہے جس کے ہر طرف سو سو سال کے راستے تک سایہ پھیلا ہوا ہے۔ جنتی لوگ اس کے نیچے آ کر بیٹھتے ہیں اور آپس میں باتیں کرتے ہیں' کسی کو دنیوی کھیل تماشے اور دل بہلاوے یاد آتے ہیں تو اسی وقت ایک جنتی ہوا چلتی ہے اور اس درخت میں سے تمام راگ راگنیاں باجے گاجے اور کھیل تماشوں کی آوازیں آنے لگتی ہیں' یہ اثر غریب ہے اور اس کی سند قوی ہے۔ حضرت عمرو بن میمونؒ فرماتے ہیں یہ سایہ ستر ہزار سال کی طوالت میں ہوگا۔ آپ سے مرفوع حدیث میں ایک سو سال مروی ہے' یہ سایہ گھٹتا ہی نہیں' نہ سورج آئے نہ گرمی ستائے' فجر کے طلوع ہونے سے پیشتر کا سماں ہر وقت اس کے نیچے رہتا ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں جنت میں ہمیشہ وہ وقت رہے گا جو صبح صادق کے بعد سے لے کر آفتاب کے طلوع ہونے کے درمیان درمیان رہتا ہے۔ سایہ کے مضمون کی روایتیں بھی اس سے پہلے گذر چکی ہیں جیسے نُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِيۡلًا اور اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا اور فِىۡ ظِلٰلٍ وَّعُيُوۡنٍ وغیرہ۔ پانی ہوگا بہتا ہوا مگر نہروں کے گڑھے اور کھدی ہوئی زمین نہ ہوگی' اس کی پوری تفسیر فِيۡهَاۤ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ مَّآءٍ غَيۡرِ اٰسِنٍ میں گذر چکی ہے۔ ان کے پاس بکثرت طرح طرح کے لذیذ میوے ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے نہ کسی انسانی دل پر ان کا وہم و خیال گذرا۔ جیسے اور آیت میں ہے جب وہاں پھلوں سے روزی دیئے جائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو ہم پہلے بھی دئیے گئے تھے کیونکہ بالکل ہم شکل ہوں گے لیکن جب کھائیں گے تو ذائقہ اور ہی پائیں گے۔ صحیحین میں سدرۃ المنتہیٰ کے ذکر میں ہے کہ اس کے پتے مثل ہاتھی کے کانوں کے ہوں گے اور پھل مثل ہجر کے بڑے بڑے مٹکوں کے ہوں گے۔ حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث میں جس میں آپ نے سورج کے گہن ہونے کا اور حضورؐ کا سورج گہن کی نماز ادا کرنے کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے یہ بھی ہے کہ بعد فراغت آپ کے ساتھ نمازیوں نے آپ سے پوچھا حضورؐ ہم نے آپ کو اس جگہ آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹتے دیکھا' کیا بات تھی؟ آپ نے فرمایا میں نے جنت دیکھی' جنت کے میوے کا خوشہ لینا چاہا' اگر میں لے لیتا تو رہتی دنیا تک وہ رہتا اور تم کھاتے رہتے۔ ابو یعلیٰ میں ہے کہ ظہر کی فرض نماز پڑھاتے ہوئے حضورؐ آگے بڑھ گئے اور ہم بھی' پھر آپ نے گویا کوئی چیز لینی چاہی پھر پیچھے ہٹ آئے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت ابی بن کعب نے پوچھا کہ حضورؐ آج تو آپ نے ایسی بات کی جو اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ آپ نے فرمایا میرے سامنے جنت لائی گئی اور جو اس میں تروتازگی اور سبزی ہے' میں نے اس میں سے ایک انگور کا خوشہ توڑنا چاہا تا کہ لا کر تمہیں دوں' پس میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا اور اگر اس میں اسے تمہارے پاس لے آتا تو زمین و آسمان کے درمیان کی مخلوق اسے کھاتی رہتی تاہم اس میں ذرا سی بھی کمی نہ آتی۔ اسی کے مثل حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح مسلم شریف میں بھی مروی ہے۔

مسند امام احمد میں ہے کہ ایک اعرابی نے آن کر آنحضرت ﷺ سے حوض کوثر کی بابت سوال کیا اور جنت کا بھی ذکر کیا' پوچھا کہ کیا اس میں میوے بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ وہاں طوبیٰ نامی درخت بھی ہے؟ پھر کچھ کہا جو مجھے یاد نہیں' پھر پوچھا وہ درخت ہماری زمین کے کس درخت سے مشابہت رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا تیرے ملک کی زمین میں کوئی درخت اس کا ہم شکل نہیں۔ کیا تو شام میں گیا ہے؟ اس

نے کہا نہیں' فرمایا شام میں ایک درخت ہوتا ہے جسے جوزہ کہتے ہیں' ایک ہی تنا ہوتا ہے اور اوپر کا حصہ پھیلا ہوا ہوتا ہے وہ البتہ اس کے مشابہ ہے۔ اس نے پوچھا جنتی خوشے کتنے بڑے ہوتے ہیں؟ فرمایا کالا کوا مہینہ بھر تک اڑتا رہے اتنے بڑے۔ وہ کہنے لگا اس درخت کا تنا کس قدر موٹا ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تو اپنی اونٹنی کے بچے کو چھوڑ دے اور وہ چلتا رہے یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر گر پڑے' تب بھی اس کے تنے کا چکر پورا نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا اس میں انگور بھی لگتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں' پوچھا کتنے بڑے؟ آپ نے جواب دیا کہ کیا کبھی تیرے باپ نے اپنے ریوڑ میں سے کوئی موٹا تازہ بکرا ذبح کر کے اس کی کھال کھینچ کر تیری ماں کو دے کر کہا ہے کہ اس کا ڈول بنالو؟ اس نے کہا ہاں' فرمایا بس اتنے ہی بڑے بڑے انگور کے دانے ہوتے ہیں اس نے کہا پھر تو ایک ہی دانہ مجھ کو اور میرے گھر والوں کو کافی ہے۔ آپ نے فرمایا بلکہ ساری برادری کو۔ پھر یہ میوے بھی ہیشگی والے ہیں' نہ کبھی ختم ہوں نہ کبھی ان سے روکا جائے۔ یہ نہیں کہ جاڑے میں ہیں اور گرمیوں میں نہیں یا گرمیوں میں ہیں اور جاڑوں میں ندارد بلکہ یہ میوے دوام والے اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' جب طلب کریں پالیں' اللہ کی قدرت ہر وقت وہ موجود رہیں گے بلکہ کسی کانٹے اور کسی شاخ کو بھی آڑ نہ ہوگی نہ دوری ہوگی' نہ حاصل کرنے میں تکلف اور تکلیف ہوگی۔ بلکہ ادھر پھل توڑا ادھر اس کے قائم مقام دوسرا پھل لگ گیا جیسے کہ اس سے پہلے حدیث میں گذر چکا۔ ان کے فرش بلند و بالا نرم اور گدگدے راحت و آرام دینے والے ہوں گے۔

حضورؐ فرماتے ہیں ان کی اونچائی اتنی ہوگی جتنی زمین و آسمان کی یعنی پانچ سو سال کی (ترمذی) یہ حدیث غریب ہے۔ بعض اہل معانی نے کہا ہے کہ مطلب اس حدیث شریف کا یہ ہے کہ فرش کی بلندی درجے کی آسمان و زمین کے برابر ہے یعنی ایک درجہ دوسرے درجے سے اس قدر بلند ہے۔ ہر دو درجوں میں پانچ سو سال کی راہ کا فاصلہ ہے' پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ روایت صرف رشد بن سعد سے مروی ہے اور وہ ضعیف ہیں۔ یہ روایت ابن جریر' ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی ہے۔ حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ ان کی اونچائی اسی سال کی ہے۔ اس کے بعد ضمیر لائے جس کا مرجع پہلے مذکور نہیں اس لئے کہ قرینہ موجود ہے۔ بستر کا ذکر آیا جس پر جنتیوں کی بیویاں ہوں گی' پس ان کی طرف ضمیر پھیر دی۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں توارت کا لفظ آیا ہے اور شمس کا لفظ اس سے پہلے نہیں' پس قرینہ کافی ہے۔ لیکن ابو عبیدہؒ کہتے ہیں پہلے مذکور ہو چکا وَحُورٌ عِينٌ۔

إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿٣٨﴾ ثُلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِنَ الْآخِرِينَ ﴿٤٠﴾

ہم نے ان کی بیویوں کو خاص طور پر بنایا ہے ○ اور ہم نے انہیں کنواریاں کردی ہیں ○ وہ محبوبہ اور ہم عمر ہیں ○ دائیں ہاتھ والوں کے لئے ہیں ○ جم غفیر ہے اگلوں میں سے ○ اور بہت بڑی جماعت ہے پچھلوں میں سے ○

اہل جنت کی بیویوں کا حسن و جمال: ☆☆ (آیت: ۳۵-۴۰) پس فرماتا ہے کہ ہم نے ان بیویوں کو نئی پیدائش میں پیدا کیا ہے' اس کے بعد کہ وہ بالکل پھوس بڑھیا تھیں' ہم نے انہیں نوعمر کنواریاں کر کے ایک خاص پیدائش میں پیدا کیا۔ وہ بوجہ اپنی ظرافت و ملاحت' حسن صورت اور جسامت' خوش خلقی اور حلاوت کے اپنے خاوندوں کی بڑی پیاریاں ہیں۔ بعض کہتے ہیں عرباء کہتے ہیں ناز و کرشمہ والیوں کو۔ حدیث میں ہے کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں بڑھیا تھیں اور اب جنت میں گئی ہیں تو انہیں نوعمر وغیرہ کر دیا ہے ایک اور روایت میں ہے کہ خواہ یہ عورتیں کنواری تھیں یا ثیبہ تھیں اللہ ان سب کو ایسی کر دے گا۔ ایک بڑھیا عورت رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتی ہے کہ

یارسول اللہ! میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ نے فرمایا ام فلاں جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی۔ وہ روتی ہوئی واپس لوٹیں تو آپ نے فرمایا جاؤ انہیں سمجھا دو؟ مطلب یہ ہے کہ جب وہ جنت میں جائیں گی بڑھیا نہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم انہیں نئی پیدائش میں پیدا کریں گے پھر باکرہ کر دیں گے شمائل ترمذی وغیرہ۔ طبرانی میں ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا یارسول اللہ! حورعین کی خبر مجھے دیجئے' آپ نے فرمایا وہ گورے رنگ کی ہیں' بڑی بڑی آنکھوں والی ہیں' سخت سیاہ اور بڑے بڑے بالوں والی ہیں جیسے کہ گدھ کا پر۔ میں نے کہا لُؤْلُؤ الْمَكْنُوْن کی بابت خبر دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ان کی صفائی اور جوت مثل اس موتی کے ہے جو سیپ سے ابھی ابھی نکلا ہو' جسے کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو۔ میں نے کہا خَيْرَاتٌ حِسَانٌ کی کیا تفسیر ہے؟ فرمایا خوش خلق خوبصورت۔ میں نے کہا بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ان کی نزاکت اور نرمی انڈے کی اس جھلی کے مانند ہوگی جو اندر ہوتی ہے' میں نے عُرُبًا اَتْرَابًا کے معنی دریافت کئے' فرمایا اس سے مراد دنیا کی مسلمان جنتی عورتیں ہیں جو بالکل بڑھیا پھوس تھیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا اور کنواریاں اور خاوندوں کی چہیتیاں اور خاوندوں سے عشق رکھنے والیاں اور ہم عمر بنا دیں۔ میں نے پوچھا یارسول اللہ! دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا حورعین؟ فرمایا دنیا کی عورتیں حورعین سے بہت افضل ہیں جیسے استر سے ابرا بہتر ہوتا ہے میں نے کہا اس فضیلت کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا نمازیں روزے اور اللہ تعالیٰ کی عبادتیں' اللہ نے ان کے چہرے نور سے' ان کے جسم ریشم سے سنوار دیئے ہیں سفید ریشم' سبز ریشم اور زرد سنہرے ریشم اور زرد سنہرے زیور' بخوردان موتی کے' کنگھیاں سونے کی' یہ کہتی رہیں گی۔

نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَمُوْتُ اَبَدًا
وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبَاسُ اَبَدًا
وَنَحْنُ الْمُقِيْمَاتُ فَلَا نَظْعَنُ اَبَدًا
وَنَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ اَبَدًا
طُوْبٰى لِمَنْ كُنَّا لَهٗ وَكَانَ لَنَا

''یعنی ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں' کبھی مریں گی نہیں' ہم ناز اور نعمت والیاں ہیں کہ کبھی سفر میں نہیں جائیں گی' ہم اپنے خاوندوں سے خوش رہنے والیاں ہیں کہ کبھی روٹھیں گی نہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے لئے ہم ہیں اور خوش نصیب ہیں ہم کہ ان کے لئے ہیں۔ میں نے پوچھا یارسول اللہ! بعض عورتوں کے دو دو' تین تین' چار چار خاوند ہو جاتے ہیں اس کے بعد اسے موت آتی ہے' مرنے کے بعد اگر یہ جنت میں گئی اور اس کے سب خاوند بھی گئے تو یہ کسے ملے گی؟ آپ نے فرمایا اسے اختیار دیا جائے گا کہ جس کے ساتھ چاہے رہے' چنانچہ یہ ان میں سے اسے پسند کرے گی جو اس کے ساتھ بہترین برتاؤ کرتا رہا ہو' اللہ تعالیٰ سے کہے گی پروردگار یہ مجھ سے بہت اچھی بود و باش رکھتا تھا' اسی کے نکاح میں مجھے دے۔ اے ام سلمہ! حسن خلق دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کو لئے ہوئے ہے۔ صور کی مشہور مطول حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام مسلمانوں کو جنت میں لے جانے کی سفارش کریں گے' جس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے آپ کی شفاعت قبول کی اور آپ کو انہیں جنت میں پہنچانے کی اجازت دی۔ آپ فرماتے ہیں پھر میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا' خدا کی قسم تم جس قدر اپنے گھربار اور اپنی بیویوں سے واقف ہو اس سے بہت زیادہ اہل جنت اپنے گھروں اور بیویوں سے واقف ہوں گے' پس ایک ایک جنتی کی بہتر بہتر بیویاں ہوں گی جو خدا کی بنائی ہوئی ہیں اور دو دو بیویاں عورتوں میں سے ہوں گی کہ انہیں بوجہ اپنی عبادت کے ان سب عورتوں پر فضیلت حاصل ہوگی' جنتی ان میں سے ایک کے پاس جائے گا' یہ اس بالاخانے میں ہوگی جو یاقوت کا بنا ہوا ہوگا' اس پلنگ پر ہوگی جو سونے کی تاروں سے بنا ہوا ہوگا اور جڑاؤ جڑا ہوا

ہوگا' ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوں گی جو سب باریک اور سبز چمکیلے خالص ریشم کے ہوں گے' یہ بیوی اس قدر نازک نورانی ہوگی کہ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر سینے کی طرف سے دیکھے گا تو صاف نظر آ جائے گا' کپڑے گوشت ہڈی کوئی چیز روک نہ ہوگی' اس قدر اس کا پنڈا صاف اور آئینہ نما ہوگا جس طرح مروارید میں سوراخ کر کے ڈورا ڈال دیں تو وہ ڈورا باہر سے نظر آتا ہے اسی طرح اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔ ایسا ہی نورانی بدن اس جنتی کا بھی ہوگا' الغرض یہ اس کا آئینہ ہوگی اور وہ اس کا۔ یہ اس کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہوگا' نہ یہ تھکے نہ وہ' اس کا دل بھرے نہ اس کا۔ جب کبھی نزدیکی کرے گا تو کنواری پائے گا' نہ اس کا عضو ست ہو نہ اسے گراں گذرے' مگر خاص پانی وہاں نہ ہوگا جس سے گھن آئے' یہ یونہی مشغول ہوگا جو کان میں ندا آئے گی کہ یہ تو ہمیں خوب معلوم ہے کہ نہ آپ کا دل ان سے بھرے گا نہ ان کا آپ سے' مگر آپ کی دوسری بیویاں بھی ہیں اب یہ یہاں سے باہر آئے گا اور ایک ایک کے پاس جائے گا جس کے پاس جائے گا اسے دیکھ کر بے ساختہ اس کے منہ سے نکل جائے گا کہ رب کی قسم! تجھ سے بہتر جنت میں کوئی چیز نہیں' نہ میری محبت کسی سے تجھ سے زیادہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ! کیا جنت میں جنتی لوگ جماع بھی کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے خوب اچھی طرح بہترین طریق پر جب الگ ہوگا' وہ اسی وقت پھر پاک صاف اچھوتی باکرہ بن جائے گی۔ حضورؐ فرماتے ہیں مومن کو جنت میں اتنی اتنی عورتوں کے پاس جانے کی قوت عطا کی جائے گی۔ حضرت انس نے پوچھا حضورؐ کیا اتنی طاقت رکھے گا؟ آپ نے فرمایا ایک سو آدمیوں کے برابر اسے قوت ملے گی۔

طبرانی کی حدیث میں ہے ایک ایک سو کنواریوں کے پاس ایک ایک دن میں ہو آئے گا۔ حافظ عبداللہ مقدسی فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ حدیث شرط صحیح پر ہے واللہ اعلم۔ ابن عباس عربا کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ اپنے خاوندوں کی محبوبہ ہوں گی' یہ اپنے خاوندوں کی عاشق اور خاوند ان کے عاشق۔ عکرمہؒ سے مروی ہے کہ اس کا معنی ناز و کرشمہ والی ہے۔ اور سند سے مروی ہے کہ معنی نزاکت والی ہے۔ تمیم بن حدلم کہتے ہیں عربا اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے خاوند کا دل مٹھی میں رکھے۔ زید بن اسلمؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ مراد خوش کلام ہے' اپنی باتوں سے اپنے خاوندوں کا دل موہ لیتی ہیں' جب کچھ بولیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ پھول جھڑتے ہیں اور نور برستا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ انہیں عربا اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کی بول چال عربی زبان میں ہوگی۔ اتراب کے معنی ہیں ہم عمر یعنی تینتیس برس کی اور معنی ہیں کہ خاوند کی اور ان کی طبیعت خلق بالکل یکساں ہے' جس سے وہ خوش یہ خوش' جو اسے ناپسند اسے بھی ناپسند۔ یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ آپس میں ان میں بیر' بغض' سوتیا ڈاہ' حسد اور رشک نہ ہوگا۔ یہ سب آپس میں بھی ہم عمر ہوں گی تاکہ تکلف سے ایک دوسری سے ملیں جلیں کھیلیں کودیں۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ یہ جنتی حوریں ایک روح افزا باغ میں جمع ہو کر نہایت پیارے گلے سے گانا گائیں گی کہ ایسی سریلی اور رسیلی آواز مخلوق نے کبھی نہ سنی ہوگی' ان کا گانا وہی ہوگا جو اوپر بیان ہوا۔ ابو یعلیٰ میں ہے ان کے گانے میں یہ بھی ہوگا نَحۡنُ خَیۡرَاتٌ حِسَانٌ۔ خُبِئۡنَا لِاَزۡوَاجٍ کِرَامٍ ہم پاک صاف خوش وضع خوبصورت عورتیں ہیں جو بزرگ اور ذی عزت شوہروں کے لئے چھپا کر رکھی گئی تھیں۔

ایک اور روایت میں خیرات کے بدلے جوار کا لفظ آیا ہے۔ پھر فرمایا یہ اصحاب یمین کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور انہی کے لئے محفوظ و مصئون رکھی گئی تھیں۔ لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ متعلق ہے اِنَّآ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ الخ' کے یعنی ہم نے انہیں ان کے لئے بنایا ہے۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے ایک رات تہجد کی نماز کے بعد دعا مانگنی شروع کی چونکہ سخت سردی تھی بڑے زور کا پالا پڑ رہا تھا' ہاتھ اٹھائے نہیں جاتے تھے' اس لئے میں نے ایک ہی ہاتھ سے دعا مانگی اور اسی حالت میں دعا مانگتے مانگتے مجھے نیند آ گئی' خواب میں میں نے ایک حور کو دیکھا کہ اس جیسی خوبصورت نورانی شکل کبھی میری نگاہ سے نہیں گذری' اس نے مجھ سے کہا اے ابو سلیمان! ایک ہی ہاتھ

سے دعا مانگنے لگے اور یہ خیال نہیں کہ پانچ سو سال سے اللہ تعالیٰ مجھے تمہارے لئے اپنی خاص نعمتوں میں پرورش کر رہا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لام متعلق اَتۡرَابًا کے ہو یعنی ان کی ہم عمر ہوں گی۔ جیسے کہ بخاری مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے چودھویں رات جیسے روشن ہوں گے' ان کے بعد والی جماعت کے بہت چمکدار ستارے جیسے روشن چہرے ہوں گے' یہ پاخانے پیشاب تھوک رینٹ سے پاک ہوں گے' ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی ان کے پسینے مشک کی خوشبو والے ہوں گے' ان کی انگیٹھیاں لؤلؤ کی ہوں گی' ان کی بیویاں حور عین ہوں گی' ان سب کے اخلاق مثل ایک ہی شخص کے ہوں گے' یہ سب اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی شکل پر ساٹھ ہاتھ کے لانبے قد کے ہوں گے۔

طبرانی میں ہے کہ اہل جنت بے بال اور بے ریش' گورے رنگ والے' خوش خلق اور خوبصورت سرگیں آنکھوں والے تینتیس برس کی عمر کے ساٹھ ہاتھ لانبے اور سات ہاتھ چوڑے چکلے مضبوط بدن والے ہوں گے۔ اس کا کچھ ترمذی میں بھی مروی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ گو کسی عمر میں انتقال ہوا' ہو دخول جنت کے وقت تینتیس سالہ عمر کے ہوں گے اور اسی عمر میں ہمیشہ رہیں گے' اسی طرح جہنمی بھی (ترمذی) اور روایت میں ہے کہ ان کے قد ساٹھ ہاتھ فرشتے کے ہاتھ کے اعتبار سے ہوں گے' قد آدم' حسن یوسف' عمر عیسیٰ یعنی تینتیس سال اور زبان محمد یعنی عربی والے ہوں گے' بے بال کے اور سرگیں آنکھوں والے (ابن ابی الدنیا) اور روایت میں ہے کہ دخول جنت کے ساتھ ہی انہیں ایک جنتی درخت کے پاس لایا جائے گا اور وہاں انہیں کپڑے پہنائے جائیں گے' ان کے کپڑے نہ گلیں نہ سڑیں' نہ پرانے ہوں نہ میلے ہوں' ان کی جوانی نہ ڈھلے نہ جائے نہ فنا ہو۔ اصحاب یمین اگلوں میں سے بھی بہت ہیں اور پچھلوں میں سے بھی بہت ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضورؐ نے اپنے صحابہؓ سے بیان فرمایا میرے سامنے انبیاء مع اپنے تابعدار امتیوں کے پیش ہوئے' بعض نبی گذرتے تھے اور بعض نبی کے ساتھ ایک جماعت ہوتی تھی اور بعض نبی کے ساتھ صرف تین آدمی ہوتے تھے اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ تھا۔ راوی حدیث حضرت قتادہؓ نے اتنا بیان فرمایا کہ یہ آیت پڑھی اَلَيۡسَ مِنۡكُمۡ رَجُلٌ رَّشِيۡدٌ کیا تم میں سے ایک بھی رشد و سمجھ والا نہیں؟ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام گذرے جو بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت ساتھ لئے ہوئے تھے میں نے پوچھا پروردگار یہ کون ہیں؟ جواب ملا یہ تمہارے بھائی موسیٰ بن عمران ہیں اور ان کے ساتھ ان کی تابعداری کرنے والی امت ہے' میں نے پوچھا خدایا پھر میری امت کہاں ہے؟ فرمایا اپنی داہنی جانب نیچے کی طرف دیکھو' میں نے دیکھا تو بہت بڑی جماعت نظر آئی لوگوں کے بکثرت چہرے دمک رہے تھے' پھر مجھ سے پوچھا کہو اب تو خوش ہو' میں نے کہا ہاں خدایا میں خوش ہوں' مجھ سے فرمایا اب اپنی بائیں جانب کناروں کی طرف دیکھو' میں نے دیکھا تو وہاں بھی بے شمار لوگ تھے پھر مجھ سے پوچھا اب تو راضی ہو گئے؟ میں نے کہا ہاں میرے رب میں راضی ہوں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور سنو ان کے ساتھ ستر ہزار اور لوگ ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ سن کر حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے' یہ قبیلہ بنو اسد سے محصن کے لڑکے تھے' بدر کی لڑائی میں موجود تھے' عرض کی کہ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی انہی میں سے کرے' آپ نے دعا کی پھر ایک اور شخص کھڑے ہوئے اور کہا نبی اللہ میرے لئے بھی دعا کیجئے' آپ نے فرمایا عکاشہ تجھ پر سبقت کر گئے۔ پھر آپ نے فرمایا لوگو تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں اگر تم سے ہو سکے تو ان ستر ہزار میں سے بنو جو بے حساب جنت میں جائیں گے' ورنہ کم سے کم دائیں جانب والوں میں سے ہو جاؤ گے' یہ بھی نہ ہو سکے تو کنارے والوں میں سے بن جاؤ۔ میں نے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ اپنے حال میں ہی لٹک جاتے ہیں۔

پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تمام اہل جنت کی چوتھائی تعداد صرف تمہاری ہی ہو گی۔ پس ہم نے تکبیر کہی' پھر فرمایا بلکہ مجھے امید ہے

کہ تم تمام جنت کی تہائی والے ہو گے ہم نے پھر تکبیر کہی - فرمایا اور سنو تم آدھوں آدھ اہل جنت کے ہو گے ہم نے پھر تکبیر کہی - اس کے بعد حضورؐ نے اسی آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کی تلاوت کی - اب ہم میں آپس میں مذاکرہ شروع ہو گیا کہ یہ ستر ہزار کون لوگ ہوں گے، پھر ہم نے کہا وہ لوگ جو اسلام میں ہی پیدا ہوئے اور شرک کیا ہی نہیں، کہا پس حضورؐ نے فرمایا بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرواتے اور فال نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں - یہ حدیث بہت سی سندوں سے صحابہؓ کی روایت سے بہت سی کتابوں میں صحت کے ساتھ مروی ہے - ابن جریرؒ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آیت میں پہلوں پچھلوں سے مراد میری امت کے اگلے پچھلے ہی ہیں -

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾

اور بائیں ہاتھ والے کیا ہیں بائیں ہاتھ والے؟ ○ گرم ہوا اور گرم پانی میں ○ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ○ جو نہ ٹھنڈا ہے نہ عزت والا ○ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بہت نازوں میں پلے ہوئے تھے ○ اور بڑے بڑے گناہوں پر مداومت کرتے تھے ○ اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر دوبارہ کھڑے کئے جائیں گے ○ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ ○ تو کہہ دے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے؟ ○ البتہ جمع کئے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت ○ پھر تم اے گمراہو ○ جھٹلانے والو ○ البتہ کھانے والے ہو درخت تھور کا ○

اصحاب شمال اور عذاب الٰہی : ☆☆ (آیت: ۴۱-۵۲) اصحاب یمین کا ذکر کرنے کے بعد اصحاب شمال کا ذکر ہو رہا ہے، فرماتا ہے ان کا کیا حال ہے؟ یہ کس عذاب میں ہیں؟ پھر ان عذابوں کا بیان فرماتا ہے کہ یہ گرم ہوا کے تھپیڑوں اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں ہیں اور دھوئیں کے سخت سیاہ سائے میں - جیسے اور جگہ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ سے لِّلْمُكَذِّبِيْنَ تک فرمایا ہے یعنی اس دوزخ کی طرف چلو جسے تم جھٹلاتے تھے - چلو تین شاخوں والے سایہ کی طرف، جو نہ گھنا ہے نہ آگ کے شعلے سے بچا سکتا ہے وہ دوزخ محل کی اونچائی کے برابر چنگاریاں پھینکتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ زرد اونٹنیاں ہیں - آج تکذیب کرنے والوں کی خرابی ہے - اسی طرح یہاں بھی فرمان ہے کہ یہ لوگ جن کے بائیں ہاتھ میں عمل نامہ دیا گیا ہے یہ سخت سیاہ دھوئیں میں ہوں گے، جو نہ جسم کو اچھا لگے نہ آنکھوں کو بھلا معلوم ہو - یہ عرب کا محاورہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ برائی بیان کرنی ہو وہاں اس کا ہر ایک برا وصف بیان کر کے اس کے بعد وَّلَا كَرِيْمٍ کہہ دیتے ہیں -

پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ لوگ ان سزاؤں کے مستحق اس لئے ہوئے کہ دنیا میں جو خدائی نعمتیں انہیں ملی تھیں ان میں یہ ست ہو گئے، رسولوں کی باتوں کی طرف نظر بھی نہ اٹھائی - بدکاریوں میں پڑ گئے اور پھر توبہ کی طرف دلی توجہ بھی نہ رہی - حِنْثِ عظیم سے مراد بقول

حضرت ابن عباسؓ کفر و شرک ہے' بعض کہتے ہیں جھوٹی قسم ہے' پھر ان کا ایک اور عیب بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کا ہونا بھی محال جانتے تھے اس کی تکذیب کرتے تھے اور عقلی استدلال پیش کرتے تھے کہ مر کر مٹی میں مل کر پھر بھی کہیں کوئی جی سکتا ہے؟ انہیں جواب مل رہا ہے کہ کلا و لاد آدم قیامت کے دن نئی زندگی میں پیدا ہو کر' ایک میدان میں جمع ہوگی' ایک وجود ایسا نہ ہوگا جو دنیا میں آیا ہو اور یہاں نہ ہو۔ جیسے اور جگہ ہے اس دن سب جمع کر دیئے جائیں گے' یہ حاضر باشی کا دن ہے' تمہیں دنیا میں چند روز مہلت ہے' قیامت کے دن کون ہے جو بلا اجازت خدا لب بھی ہو سکے۔ انسان دو قسم پر تقسیم کر دیئے جائیں گے' نیک الگ اور بد علیحدہ۔ وقت قیامت محدود اور مقرر ہے' کمی زیادتی' تقدیم تاخیر اس میں بالکل نہ ہوگی۔ پھر تم اے گمراہو اور جھٹلانے والو! زقوم کے درخت کھلوائے جاؤ گے' انہی سے پیٹ بوجھل کرو گے کیونکہ جبراً وہ تمہارے حلق میں ٹھونسا جائے گا' پھر اس پر کھولتا ہوا گرم پانی تمہیں پینا پڑے گا اور وہ بھی اس طرح جیسے پیاسا اونٹ پی رہا ہو' ھیم جمع ہے اس کا واحد اھیم ہے اور مونث ھیماء ہے' ھائم اور ھائمہ بھی کہا جاتا ہے۔ سخت پیاس والے اونٹ کو کہتے ہیں جسے پیاس کی بیماری ہوتی ہے' پانی چوستا رہتا ہے لیکن سیرابی نہیں ہوتی اور نہ اس بیماری سے اونٹ جانبر ہوتا ہے' اسی طرح یہ جہنمی جبراً سخت گرم پانی پلائے جائیں گے جو خود ایک بدترین عذاب ہوگا' بھلا اس سے پیاس کیا رکتی ہے؟ حضرت خالد بن معدانؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں پانی پینا یہ بھی پیاس والے اونٹ کا سا پینا ہے اس لئے مکروہ ہے۔ پھر فرمایا ان مجرموں کی ضیافت آج جزا کے دن یہی ہے' جیسے متقین کے بارے میں اور جگہ ہے کہ ان کی مہمانداری جنت الفردوس ہے۔

فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور اسی سے پیٹ بھرنے والے ہو ○ پھر اس پر گرم کھولتا پانی پینے والے ہو ○ پھر پینے والے بھی پیاسے اونٹوں کی طرح ○ قیامت کے دن ان کی مہمانی یہ ہے ○ ہم ہی نے تم سب کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں باور نہیں کرتے؟ ○ اچھا پھر یہ تو بتلاؤ کہ جو پانی تم ٹپکاتے ہو ○ کیا اس کا انسان تم بناتے ہو یا پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ○ ہم ہی نے تم میں موت کو متعین کر دیا ہے اور ہم اس سے ہارے ہوئے نہیں ہیں ○ کہ تمہاری جگہ تو تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں نئے سرے سے اس عالم میں پیدا کریں جس سے تم بالکل بے خبر ہو ○ تمہیں یقینی طور پر پہلی دفعہ کی پیدائش تو معلوم ہی ہے پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟ ○

منکرین قیامت کو جواب: ☆☆ (آیت: ۵۳-۶۲) اللہ تعالیٰ قیامت کے منکرین کو لا جواب کرنے کے لئے قیامت کے قائم ہونے کی اور لوگوں کے دوبارہ جی اٹھنے کی دلیل دے رہا ہے' فرماتا ہے کہ جب ہم نے پہلی مرتبہ' جبکہ تم کچھ نہ تھے' تمہیں پیدا کر دیا تو اب فنا ہونے کے بعد جبکہ کچھ نہ کچھ تو تم رہو گے ہی' تمہیں دوبارہ پیدا کرنا ہم پر کیا گراں ہوگا؟ جب ابتدائی اور پہلی پیدائش کو مانتے ہو تو پھر دوسری مرتبہ کے پیدا

ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو؟ دیکھو انسان کے خاص پانی کے قطرے تو عورت کے بچہ دان میں پہنچ جاتے ہیں' اتنا کام تو تمہارا تھا لیکن اب ان قطروں کو بصورت انسان پیدا کرنا یہ کس کا کام ہے؟ ظاہر ہے کہ تمہارا اس میں کوئی دخل نہیں' کوئی ہاتھ نہیں کوئی قدرت نہیں' کوئی تدبیر نہیں' پیدا کرنا یہ صفت صرف خالق کل اللہ رب العزت کی ہی ہے' ٹھیک اسی طرح مار ڈالنے پر بھی وہی قادر ہے۔ کل آسمان وزمین والوں کی موت کا متصرف بھی اللہ ہی ہے۔ پھر بھلا اتنی بڑی قدرتوں کا مالک کیا یہ نہیں کر سکتا کہ قیامت کے دن تمہاری پیدائش میں تبدیل کر کے جس صفت اور جس حال میں چاہے تمہیں از سر نو پیدا کر دے۔ پس جبکہ جانتے ہو' مانتے ہو کہ ابتدائے آفرینش اسی نے کی ہے اور عقل باور کرتی ہے کہ پہلی پیدائش دوسری پیدائش سے مشکل ہے پھر دوسری پیدائش کا انکار کیوں کرتے ہو؟ یہی اور جگہ ہے وَھُوَ الَّذِیْ یَبْدَاُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْہِ خدا ہی نے پہلی پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہی دوبارہ دوہرائے گا اور یہ اس پر بہت ہی آسان ہے سورۂ یاسین میں اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ سے عَلِیْمٌ تک ارشاد فرمایا یعنی ہم انسان کو نطفے سے پیدا کرتے ہیں پھر وہ حجت بازیاں کرنے لگتا ہے اور ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگتا ہے اور کہتا پھرتا ہے ان بوسیدہ گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا' تم اے نبی ہماری طرف سے جواب دو کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلے پہل پیدا کیا ہے وہ ہر پیدائش کا علم رکھنے والا ہے۔ سورۂ قیامہ میں فرمایا اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ سے آخر سورہ تک' یعنی کیا انسان یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اسے یونہی آوارہ چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا یہ ایک غلیظ پانی کے نطفے کی شکل میں نہ تھا' پھر خون کے لوتھڑے کی صورت میں نمایاں ہوا تھا؟ پھر اللہ نے اسے پیدا کیا' درست کیا' مرد عورت بنایا ایسا خدا مردوں کے جلانے پر قادر نہیں؟

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَہٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰہُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَکَّھُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْہُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰہُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْکُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَھَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰھَا تَذْکِرَۃً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾ ع ۱۵

اچھا پھر یہ بھی بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو ○ اسے تم ہی اگاتے ہو۔ یا ہم اگانے والے ہیں؟ ○ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ ○ کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑے گا ○ بلکہ ہم بالکل بدنصیب ہی رہ گئے ○ اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو ○ اسے بادلوں سے بھی تم ہی اتارتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ ○ اگر ہماری منشا ہو تو ہم اسے کڑوا زہر کر دیں پھر تم ہماری شکر گذاری کیوں نہیں کرتے؟ ○ اچھا ذرا یہ بھی بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو ○ اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے۔ یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں؟ ○ ہم نے اسے سبب نصیحت اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے ○ پس اپنے بڑے اللہ کے نام کی تسبیح کیا کرو ○

آگ اور پانی کا خالق کون؟: ☆☆ (آیت: ۶۳-۷۴) ارشاد باری ہے کہ تم جو کھیتیاں بوتے ہو' زمین کھود کر بیج ڈالتے ہو' پھر ان بیجوں کو اگانا بھی کیا تمہارے بس میں ہے؟ نہیں نہیں' بلکہ انہیں اگانا' انہیں پھل پھول دینا ہمارا کام ہے۔ ابن جریرؒ میں ہے حضورؐ نے فرمایا

زَرَعۡتُ نہ کہا کرو بلکہ حَرَثۡتُ کہا کرو یعنی یوں کہو میں نے بویا یوں نہ کہو کہ میں نے اگایا- حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث سنا کر پھر اسی آیت کی تلاوت کی- امام حجر مدریؒ ان آیتوں کے ایسے سوال کے موقعوں کو جب پڑھتے تو کہتے بَلۡ اَنۡتَ یَا رَبِّیۡ ہم نے نہیں بلکہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہی- پھر فرماتا ہے کہ پیدا کرنے کے بعد بھی ہماری مہربانی ہے کہ ہم اسے بڑھائیں اور پکائیں ورنہ ہمیں قدرت ہے کہ سکھا دیں اور مضبوط نہ ہونے دیں' برباد کر دیں اور بے نشان دنیا بنا دیں- اور تم ہاتھ ملتے اور باتیں بناتے ہی رہ جاؤ- کہ ہائے ہم پر آفت آ گئی' ہائے ہماری تو اصل بھی ماری گئی' بڑا نقصان ہو گیا' نفع ایک طرف پونجی بھی غارت ہو گئی' غم و رنج سے نہ جانے کیا کیا بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگ جاؤ' کبھی کہو کاش کہ اب کی مرتبہ بوتے ہی نہیں' کاش کہ یوں کرتے دوں کرتے- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اس وقت تم اپنے گناہوں پر نادم ہو جاؤ- تفکہ کا لفظ اپنے میں دونوں معنی رکھتا ہے نفع کے اور غم کے- مزن بادل کو کہتے ہیں- پھر اپنی پانی جیسی اعلیٰ نعمت کا ذکر کرتا ہے کہ دیکھو اس کا برسانا بھی میرے قبضہ میں ہے' کوئی ہے جو اسے بادل سے اتار لائے؟ اور جب اتر آیا پھر بھی اس میں مٹھاس' کڑواہٹ' پیدا کرنے پر مجھے قدرت ہے- یہ میٹھا پانی بیٹھے بٹھائے میں تمہیں دوں جس سے تم نہاؤ' دھوؤ کپڑے صاف کرو کھیتیوں اور باغوں کو سیراب کرو' جانوروں کو پلاؤ' پھر کیا تمہیں یہی چاہئے کہ میرا شکر بھی ادا نہ کرو' جناب رسول اللہ ﷺ پانی پی کر فرمایا کرتے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ سَقَانَاہُ عَذۡبًا فُرَاتًا بِرَحۡمَتِہٖ وَلَمۡ یَجۡعَلۡہُ مِلۡحًا اُجَاجًا بِذُنُوۡبِنَا- یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں میٹھا اور عمدہ پانی اپنی رحمت سے پلایا اور ہمارے گناہوں کے باعث اسے کھاری اور کڑوا نہ بنا دیا- عرب میں دو درخت ہوتے ہیں مرخ اور عفار- ان کی سبز شاخیں جب ایک دوسری سے رگڑی جائیں تو آگ نکلتی ہے' اس نعمت کو یاد دلا کر فرماتا ہے کہ یہ آگ جس سے تم پکاتے رہتے ہو اور سینکڑوں فائدے حاصل کر رہے ہو' بتلاؤ کہ اصل یعنی درخت اس کے پیدا کرنے والے تم ہو یا میں؟ اس آگ کو ہم نے تذکرہ بنایا ہے یعنی اسے دیکھ کر جہنم کی آگ کو یاد کرو اور اس سے بچنے کی راہ لو- حضرت قتادہؒ کی ایک مرسل حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا تمہاری یہ دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے' لوگوں نے کہا حضورؐ یہی بہت کچھ ہے- آپ نے فرمایا ہاں پھر یہ سترواں حصہ بھی دو مرتبہ پانی سے بجھایا گیا ہے' اب یہ اس قابل ہوا ہے کہ تم اس سے نفع اٹھا سکو اور اس کے قریب جا سکو- یہ مرسل حدیث مسند میں مروی ہے اور بالکل صحیح ہے- مُقۡوِیۡنَ سے مراد مسافر ہیں' بعض نے کہا ہے جنگل میں رہنے سہنے والے لوگ مراد ہیں- بعض نے کہا ہے ہر بھوکا مراد ہے- غرض دراصل ہر وہ شخص مراد ہے جسے آگ کی ضرورت ہو اور وہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کا محتاج ہو' ہر امیر' فقیر' شہری' دیہاتی' مسافر' مقیم کو اس کی حاجت ہوتی ہے' پکانے کے لئے' تاپنے کے لئے' روشنی کے لئے وغیرہ- پھر خدا کی اس کریمی کو دیکھئے کہ درختوں میں' لوہے میں اس نے اسے رکھ دیا تاکہ مسافر اپنے ساتھ لے جا سکے اور ضرورت کے وقت اپنا کام نکال سکے- ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تین چیزوں میں تمام مسلمانوں کا برابر کا حصہ ہے' آگ گھاس اور پانی- ابن ماجہ میں ہے یہ تینوں چیزیں روکنے کا کسی کو حق نہیں- ایک روایت میں ان کی قیمت کا ذکر بھی ہے- لیکن اس کی سند ضعیف ہے' واللہ اعلم-

پھر فرماتا ہے تم سب کو چاہئے کہ اس بہت بڑی قدرتوں کے مالک اللہ کی ہر وقت پاکیزگی بیان کرتے رہو' جس نے آگ جیسی جلا دینے والی چیز کو تمہارے لئے نفع دینے والی بنا دیا- جس نے پانی کو کھاری اور کڑوا نہ کر دیا کہ تم پیاس کے مارے تکلیف اٹھاؤ بلکہ اسے میٹھا صاف شفاف اور مزیدار بنایا- دنیا میں رب کی ان نعمتوں سے فائدے اٹھاؤ اور اس کا شکر بجا لاؤ تو پھر آخرت میں بھی فائدے ہی فائدے ہیں- دنیا میں یہ آگ اس نے تمہارے فائدہ کے لئے بنائی ہے اور ساتھ ہی اس لئے کہ آخرت کی آگ کا بھی اندازہ تم کر سکو اور اس سے بچنے کے لئے خدا کے فرمانبردار بن جاؤ-

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی ○ اور اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے ○ کہ بیشک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے ○ جو کہ ایک محفوظ کتاب میں درج ہے ○ جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں ○ یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے ○ پس کیا تم ایسی بات کو سرسری اور معمولی سمجھ رہے ہو؟ ○ اور اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ جھٹلاتے پھرو؟ ○
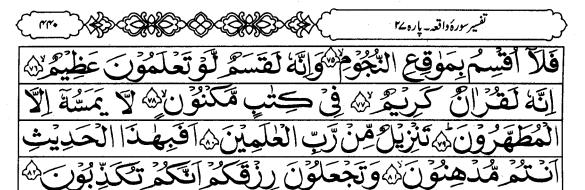
قرآن کا مقام: ☆☆ (آیت: ۷۵-۸۲) حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں خدا کی یہ قسمیں کلام کو شروع کرنے کے لئے ہوا کرتی ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ جمہور فرماتے ہیں یہ قسمیں ہیں اور ان میں ان چیزوں کی عظمت کا اظہار بھی ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہاں پر لا زائد ہے اور اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ الخ' جواب قسم ہے اور لوگ کہتے ہیں لا کو زائد بتلانے کی کوئی وجہ نہیں' کلام عرب کے دستور کے مطابق وہ قسم کے شروع میں آتا ہے جبکہ جس چیز پر قسم کھائی جائے وہ منفی ہو۔ جیسے حضرت عائشہؓ کے اس قول میں کہ وَاللّٰهِ مَامَسَّتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَامْرَأَةٍ قَطُّ یعنی خدا کی قسم حضورؐ نے اپنا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے لگایا نہیں یعنی بیعت میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا۔ اسی طرح یہاں بھی لا قسم کے شروع میں مطابق قاعدہ ہے نہ کہ زائد۔ تو کلام کا مقصود یہ ہے کہ تمہارے جو خیالات قرآن کریم کی نسبت ہیں یہ جادو ہے یا کہانت ہے غلط ہیں۔ بلکہ یہ پاک کتاب کلام اللہ ہے۔ بعض عرب کہتے ہیں کہ لا سے ان کے کلام کا انکار ہے' پھر اصل امر کا اثبات الفاظ میں ہے۔ مواقع نجوم سے مراد قرآن کا بتدریج اترنا ہے۔ لوح محفوظ سے تو لیلۃ القدر میں ایک ساتھ آسمان اول پر اتر آیا' پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا وقت بروقت اترتا رہا یہاں تک کہ کئی برسوں میں پورا اتر آیا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے مراد ستاروں کے طلوع اور ظاہر ہونے کی آسمان کی جگہیں ہیں۔ مواقع سے مراد منازل ہیں۔

حسنؒ فرماتے ہیں قیامت کے دن ان کا منتشر ہو جانا ہے۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کی نسبت مشرکین عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں فلاں تارے کی وجہ سے ہم پر بارش برسی۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑی قسم ہے اس لئے کہ جس امر پر یہ قسم کھائی جا رہی ہے وہ بہت بڑا امر ہے یعنی یہ قرآن بڑی عظمت والی کتاب ہے' معظم و محفوظ اور مضبوط کتاب میں ہے۔ جسے صرف پاک ہاتھ ہی لگتے ہیں یعنی فرشتوں کے ہاں یہ اور بات ہے کہ دنیا میں اسے سب کے ہاتھ لگتے ہیں۔ ابن مسعودؓ کی قرأت میں مَا يَمَسُّهٗ ہے' ابو العالیہؒ کہتے ہیں یہاں پاک سے مراد انسان نہیں' انسان تو گنہگار ہے۔ یہ کفار کا جواب ہے وہ کہتے تھے کہ اس قرآن کو لے کر شیطان اترتے ہیں۔ جیسے اور جگہ صاف فرمایا وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِيْنُ یعنی اسے نہ تو شیطان لے کر اترے ہیں نہ ان کے یہ لائق نہ ان کی یہ مجال' بلکہ وہ تو اس کے سننے سے بھی الگ ہیں۔ یہی قول اس آیت کی تفسیر میں دل کو زیادہ لگتا ہے۔ اور اقوال بھی اس کے مطابق ہو سکتے ہیں۔ فراءؒ نے کہا ہے اس کا ذائقہ اور اس کا لطف صرف باایمان لوگوں کو ہی میسر آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں مراد جنابت اور حدث سے پاک ہونا ہے' گو یہ خبر ہے لیکن مراد اس سے انشاء ہے اور قرآن سے مراد یہاں پر مصحف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔ ایک حدیث میں ہے حضورؐ نے قرآن ساتھ لے کر حربی کافروں کے ملک میں جانے سے منع فرمایا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اسے دشمن کچھ نقصان پہنچائے (مسلم)

نبی ﷺ نے جو فرمان حضرت عمرو بن حزمؓ کو لکھ کر دیا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک۔ (مؤطا مالک) مراسیل ابوداؤد میں ہے زہریؒ فرماتے ہیں میں نے خود اس کتاب کو دیکھا ہے اور اس میں یہ جملہ پڑھا ہے۔ گو اس روایت کی بہت سی سندیں ہیں لیکن ہر ایک قابل غور ہے واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہے کہ یہ قرآن شعر و سخن' جادو اور فن نہیں بلکہ خدائی کلام ہے اور اسی کی جانب سے اترا ہے' یہ سراسر حق ہے بلکہ صرف یہی حق ہے اس کے سوا اس کے خلاف جو ہے باطل اور یکسر مردود ہے۔ پھر تم ایسی پاک بات کا کیوں انکار کرتے ہو؟ کیوں اس سے ہٹنا اور یکسو ہو جانا چاہتے ہو؟ کیا اس کا شکر یہی ہے کہ تم اسے جھٹلاؤ؟ قبیلہ ازد کے کلام میں رزق بمعنی شکر آتا ہے۔ مسند کی ایک حدیث میں بھی رزق کا معنی شکر کیا ہے' یعنی تم کہتے ہو کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہمیں پانی ملا اور فلاں ستارے سے فلاں چیز۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں ہر بارش کے موقع پر بعض لوگ کفریہ کلمات بک دیتے ہیں کہ بارش کا باعث فلاں ستارہ ہے۔ مؤطا میں ہے ہم حدیبیہ کے میدان میں تھے' رات کو بارش ہوئی تھی' صبح کی نماز کے بعد حضورؐ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا جانتے بھی ہو آج شب تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے کہا خدا کو معلوم اور اس کے رسول کو' آپ نے فرمایا سنو یہ فرمایا کہ آج میرے بندوں میں سے بہت سے میرے ساتھ کافر ہو گئے اور بہت سے ایماندار بن گئے۔ جس نے کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل و کرم سے پانی برسا وہ تو میری ذات پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں سے کفر کرنے والا ہوا اور جس نے کہا کہ فلاں فلاں ستارے سے بارش برسی' اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور اس ستارے پر ایمان لایا۔ مسلم کی حدیث میں عموم ہے کہ آسمان سے جو برکت نازل ہوتی ہے وہ بعض کے ایمان کا اور بعض کے کفر کا باعث بن جاتی ہے۔ ہاں یہ خیال رہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے پوچھا تھا کہ ثریا ستارہ کتنا باقی ہے؟ پھر کہا تھا کہ اس علم والوں کا خیال ہے کہ یہ اپنے ساقط ہو جانے کے ہفتہ بھر بعد افق پر نمودار ہوتا ہے' چنانچہ یہی ہوا بھی کہ اس سوال جواب اور استسقا کو سات روز گذرے تھے جو پانی برسا۔ یہ واقعہ محمول ہے عادت اور تجربہ پر' نہ یہ کہ اس ستارے میں ہے اور اس ستارے کو ہی اثر کا موجد جانتے ہوں۔ اس قسم کا عقیدہ تو کفر ہے ہاں تجربہ سے کوئی چیز معلوم کر لینا یا کوئی بات کہہ دینا دوسری چیز ہے۔ اس بارے کی بہت سی حدیثیں آیت مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ کی تفسیر میں گذر چکی ہیں۔ ایک شخص کو حضورؐ نے یہ کہتے ہوئے سن لیا کہ فلاں ستارے کے اثر سے بارش ہوئی تو آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے' یہ تو اللہ کی برسائی ہوئی ہے' یہ تو رزق الٰہی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے لوگوں کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے اگر سات سال قحط سالی رہے اور پھر اللہ اپنے فضل و کرم سے بارش برسائے تو بھی یہ جھٹ سے زبان سے نکالنے لگیں گے کہ فلاں تارے نے برسایا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں اپنی روزی تکذیب کو ہی نہ بنا لو یعنی یوں نہ کہو کہ فلاں فراخی کا سبب فلاں چیز ہے بلکہ یوں کہو کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس یہ بھی مطلب ہے اور یہ بھی کہ قرآن میں ان کا حصہ کچھ نہیں بلکہ ان کا حصہ یہی ہے کہ یہ اسے جھوٹا کہتے رہیں اور اسی مطلب کی تائید اس سے پہلے کی آیت سے بھی ہوتی ہے۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾
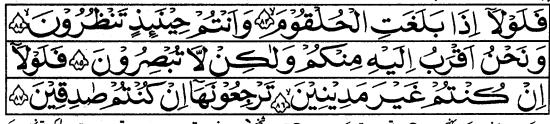
پس جبکہ روح نرخرے تک پہنچ جائے ○ اور تم اس وقت تک رہے ہو ○ ہم اس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے ○ پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں ○ اور اس قول میں سچے ہو تو ذرا اس روح کو تو لوٹا لو ○

عالم نزع کی بے بسی: ☆☆ (آیت:۸۳-۸۷) اسی مضمون کی آیتیں سورۂ قیامہ میں بھی ہیں۔ فرماتا ہے کہ ایک شخص اپنے آخری وقت میں ہے نزع کا عالم ہے روح پرواز کر رہی ہے تم سب پاس بیٹھے دیکھ رہے ہو کوئی کچھ نہیں کر سکتا ہمارے فرشتے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تم سے بھی زیادہ قریب اس مرنے والے سے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً خدا اپنے بندوں پر غالب ہے وہ تم پر اپنے پاس سے محافظ بھیجتا ہے جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے اسے ٹھیک طور پر فوت کر لیتے ہیں پھر وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ مولائے حق کی طرف بازگشت کرائے جائیں گے جو حاکم ہے اور جلد حساب لے لینے والا ہے۔ یہاں فرماتا ہے اگر سچ مچ تم لوگ کسی کے زیر فرمان نہیں ہو اگر یہ حق ہے کہ تم دوبارہ جینے اور میدان قیامت میں حاضر ہونے کے قائل نہیں ہو اور اس میں تم حق پر ہو اگر تمہیں حشر ونشر کا یقین نہیں اگر تم عذاب نہیں کئے جاؤ گے وغیرہ تو ہم کہتے ہیں اس روح کو جانے ہی کیوں دیتے ہو؟ اگر تمہارے بس میں ہے تو حلق تک پہنچی ہوئی روح کو واپس اس کی اصلی جگہ پہنچا دو۔ پس یاد رکھو جیسے اس روح کو اس جسم میں ڈالنے پر ہم قادر تھے اور اسے بھی تم نے بہ چشم خود دیکھ لیا یقین مانو اسی طرح ہم دوبارہ اسی روح کو اس جسم میں ڈال کر نئی زندگی دینے پر بھی قادر ہیں۔ تمہارا نہ اپنی پیدائش میں دخل نہ مرنے میں پھر دوبارہ جی اٹھنے میں تمہارا دخل کہاں سے ہو گیا؟ جو تم کہتے پھرتے ہو کہ ہم مر کر نہیں جئیں گے۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

پس جو کوئی بارگاہ الٰہی سے قریب کیا ہوا ہو گا ○ اسے تو راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام والی جنت ہے ○ اور جو شخص داہنے ہاتھ والوں میں سے ہے ○ تو بھی سلامتی ہے تیرے لئے کہ تو داہنے ہاتھ والوں میں سے ہے ○ لیکن اگر کوئی جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے ○ تو کھولتے گرم پانی کی مہمانی ہے ○ اور دوزخ میں جانا ○ یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے ○ پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کر ○

احوال موت: ☆☆ (آیت:۸۸-۹۶) یہاں وہ احوال بیان ہو رہے ہیں جو موت کے وقت سکرات کے وقت دنیا کی آخری ساعت میں انسانوں کے ہوتے ہیں کہ یا تو وہ اعلیٰ درجہ کا خدا کا مقرب ہے یا اس سے کم درجے کا ہے جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا یا بالکل بدنصیب ہے جو اللہ سے جاہل رہا اور راہ حق سے غافل رہا تو فرماتا ہے کہ جو مقربین بارگاہ خدا ہیں جو احکام کے عامل تھے نافرمانیوں کے تارک تھے انہیں تو فرشتے طرح طرح کی خوشخبریاں سناتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے براء کی حدیث گذری کہ رحمت کے فرشتے اس سے کہتے ہیں اے پاک روح! پاک جسم والی روح! چل راحت و آرام کی طرف چل کبھی نہ ناراض ہونے والے رحمان کی طرف۔ روح سے مراد راحت ہے اور ریحان سے مراد آرام ہے۔ غرض دنیا کے مصائب سے راحت مل جاتی ہے ابدی سرور اور سچی خوشی خدا کے غلام کو اسی وقت حاصل ہوتی ہے وہ ایک فراخی اور وسعت دیکھتا ہے اس کے سامنے رزق اور رحمت ہوتی ہے وہ جنت عدن کی طرف لپکتا ہے۔ حضرت ابو العالیہؒ

فرماتے ہیں جنت کی ایک ہری بھری شاخ آتی ہے اور اس وقت مقرب خدا کی روح قبض کی جاتی ہے۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں مرنے سے پہلے ہی ہر مرنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے (یا اللہ! ہمارے اس وقت میں تو ہماری مدد کر' ہمیں ایمان سے اٹھا اور اپنی رضامندی کی خوشخبری سنا کر سکون و راحت کے ساتھ یہاں سے لے جا' آمین) گو سکرات کے وقت کی احادیث ہم سورۂ ابراہیم کی آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ الخ' کی تفسیر میں وارد کر چکے ہیں لیکن چونکہ یہ ان کا بہترین موقع ہے اس لئے یہاں ایک ٹکڑا بیان کرتے ہیں۔

حضورؐ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت ملک الموت علیہ السلام سے فرماتا ہے میرے فلاں بندے کے پاس جا اور اسے میرے دربار میں لے آ' میں نے اسے رنج' راحت' آرام' تکلیف' خوشی ناخوشی غرض ہر آزمائش میں آزما لیا اور اپنی مرضی کے مطابق پایا' بس اب میں اسے ابدی راحت دینا چاہتا ہوں' جا اسے میرے خاص دربار میں پیش کر۔ ملک الموت پانچ سو رحمت کے فرشتے اور جنت کے کفن اور جنتی خوشبوئیں ساتھ لے کر اس کے پاس آتے ہیں' گو ریحان ایک ہی ہوتا ہے لیکن سرے پر بیس قسمیں ہوتی ہیں' ہر ایک کی جداگانہ مہک ہوتی ہے' سفید ریشم ساتھ ہوتا ہے جس میں مشک کی لپٹیں آتی ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ کی قرأت فَرُوْحٌ راء کے پیش سے تھی۔ لیکن تمام قاریوں کی قرأت اء کے زبر سے ہے یعنی فَرَوْحٌ۔ مسند میں ہے حضرت ام ہانیؓ نے رسول مقبول علیہ السلام سے پوچھا کیا مرنے کے بعد ہم آپس میں ایک دوسرے سے ملیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا روح ایک پرند ہو جائے گی' جو درختوں کے میوے چگے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو' اس وقت اپنے اپنے جسم میں چلی جائے گی۔ اس حدیث میں ہر مومن کے لئے بہت بڑی بشارت ہے۔ مسند احمد میں بھی اس کی شاہد ایک حدیث ہے' جس کی اسناد بہت بہتر ہیں اور متن بھی بہت قوی ہے اور صحیح روایت میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں' ساری جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی رہتی ہیں اور عرش تلے لٹکی ہوئی قندیلوں میں آ بیٹھتی ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابو یعلیٰ ایک جنازے میں گدھے پر سوار جا رہے تھے' آپ کی عمر اس وقت بڑھاپے کی تھی' سر اور داڑھی کے بال سفید تھے' اسی اثناء میں آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ حضورؐ نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو خدا سے ملنے کو برا جانتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے کراہت کرتا ہے' صحابہ یہ سن کر سر جھکائے رونے لگے' آپ نے فرمایا کیوں روتے' کیوں ہو؟ صحابہؓ نے کہا حضور بھلا موت کون چاہتا ہے؟ فرمایا سنو مطلب سکرات کے وقت سے ہے' اس وقت نیک مقرب بندے کو تو راحت و انعام اور آرام دہ جنت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے جس پر وہ تڑپ اٹھتا ہے اور چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو جلد اللہ سے ملے تا کہ ان نعمتوں سے مالا مال ہو جائے پس اللہ بھی اس کی ملاقات کی تمنا کرتا ہے اور اگر بد بندہ ہے تو اسے موت کے وقت گرم پانی اور جہنم کی مہمانی کی خبر دی جاتی ہے' جس سے یہ بیزار ہو جاتا ہے اور اس کی روح رونگھٹے رونگھٹے میں چھپنے اور اٹکنے لگتی ہے اور یہ دل میں چاہتا ہے کہ کسی طرح خدا کے حضور میں حاضر نہ ہوؤں پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ پھر فرماتا ہے اگر وہ سعادت مندوں سے ہے تو موت کے فرشتے اسے سلام کہتے ہیں تجھ پر سلامتی ہو تو اصحاب یمین میں سے ہے' اللہ کے عذابوں سے تو سلامتی پائے گا اور خود فرشتے بھی اسے سلام کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا یعنی سچے پکے توحید والوں کے پاس ان کے انتقال کے وقت رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارت دیتے ہیں کہ کچھ ڈر خوف نہیں' کچھ رنج غم نہ کر' جنت تیرے لئے حسب وعدہ تیار ہے' دنیا اور آخرت میں ہم تیری حمایت کے لئے موجود ہیں' جو تمہارا جی چاہے تمہارے لئے موجود ہے' جو تمنا تم کرو گے پوری ہو کر رہے گی' غفور و رحیم خدا کے تم ذی عزت مہمان ہو۔ بخاری میں ہے یعنی تیرے لئے مسلم ہے کہ تو اصحاب یمین میں سے ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلام یہاں دعا

کے معنی میں ہو واللہ اعلم۔ اگر مرنے والا حق کی تکذیب کرنے والا اور ہدایت سے کھویا ہوا ہے تو اس کی ضیافت اس گرم حمیم سے ہوگی جو آنتیں اور کھال تک جھلسا دے پھر چوطرف سے جہنم کی آگ گھیر لے گی جس میں جلتا بھنتا رہے گا۔ پھر فرمایا یہ یقینی باتیں ہیں جن کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ پس اپنے بڑے رب کے نام کی تسبیح جپتا رہ۔ مسند میں ہے اس آیت کے اترنے پر آپ نے فرمایا اسے رکوع میں رکھو اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اترنے پر فرمایا اسے سجدے میں رکھو۔ آپؐ فرماتے ہیں جس نے سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے (ترمذی) صحیح بخاری شریف کے ختم پر یہ حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں میزان میں بوجھل ہیں خدا کو بہت پیارے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

الحمدللہ سورۂ واقعہ کی تفسیر ختم ہوئی اللہ قبول فرمائے (اور ہمارے کل واقعات کا انجام بھلا کرے)۔

تفسیر سورة حدید

(تفسیر سورۂ حدید) ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے ان سورتوں کو پڑھتے تھے جن کا شروع سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ ہے اور فرماتے تھے کہ ان میں ایک آیت ہے جو ایک ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ جس آیت کی فضیلت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے غالباً وہ آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ ہے واللہ اعلم۔ اس کا تفصیلی بیان عنقریب آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳

مہربان اور مشفق اللہ کے نام سے شروع ○

آسمانوں اور زمینوں میں جو ہے سب اللہ کی تسبیح کر رہا ہے وہ زبردست باحکمت ہے ○ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے وہی زندگی دیتا ہے اور موت بھی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ○ وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے ○

کل کائنات ثناخواں ہے: ☆☆ (آیت: ۱-۳) تمام حیوانات سب نباتات اس کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان کی مخلوق اور ہر ہر چیز اس کی ستائش کرنے میں مشغول ہے گو تم ان کی تسبیح نہ سمجھ سکو خدا حلیم وغفور ہے۔ اس کے سامنے ہر کوئی پست و عاجز و لاچار ہے اس کی مقرر کردہ شریعت اور اس کے احکام حکمت سے پر ہیں۔ حقیقی بادشاہ جس کی ملکیت میں آسمان و زمین ہیں وہی ہے خلق میں متصرف وہی ہے زندگی موت اسی کے قبضے میں ہے وہی فنا کرتا ہے وہی پیدا کرتا ہے جسے جو چاہے عنایت فرماتا ہے ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے جو نہ چاہے نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد کی آیت هُوَ الْاَوَّلُ وہ آیت ہے جس کی بابت اوپر کی حدیث میں گذرا کہ ایک ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ حضرت ابو زمیلؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہتے ہیں کہ میرے دل میں ایک کھٹکا ہے لیکن

زبان پر لانے کو جی نہیں چاہتا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر فرمایا شاید کچھ شک ہوگا جس سے کوئی نہیں بچا یہاں تک کہ قرآن میں ہے فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الخ' یعنی اگر تو جو کچھ تیری طرف نازل کیا گیا ہے اس میں شک میں ہو تو تجھ سے پہلے جو کتاب پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لے۔ پھر فرمایا جب تیرے دل میں کوئی شک ہو تو اس آیت کو پڑھ لیا کر هُوَ الْاَوَّلُ اس آیت کی تفسیر میں دس سے اوپر اوپر اقوال ہیں۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یحییٰ کا قول ہے کہ ظاہر و باطن سے مراد از روئے علم ہر چیز پر ظاہر اور پوشیدہ ہونا ہے۔ یہ یحییٰ زیاد فراء کے لڑکے ہیں' ان کی ایک تصنیف ہے جس کا نام معانی القرآن ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّكُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌم بِنَاصِيَتِهٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ۔ ''اے اللہ! اے ساتوں آسمانوں کے اور عرش عظیم کے رب! اے ہمارے اور ہر چیز کے رب! اے تورات وانجیل کے اتارنے والے! اے دانوں اور گٹھلیوں کو اگانے والے! تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں' میں تیری پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز کی برائی سے کہ اس کی چوٹی تیرے ہاتھ میں ہے' تو اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا' تو ہی آخر ہے کہ تیرے بعد کچھ نہیں' تو ظاہر ہے کہ تجھ سے اونچی کوئی چیز نہیں' تو باطن ہے کہ تجھ سے چھپی کوئی چیز نہیں' ہمارے قرض ادا کرا دے اور ہمیں فقیری سے غنا دے''۔

حضرت ابو صالحؒ اپنے متعلقین کو یہ دعا سکھاتے اور فرماتے سوتے وقت داہنی کروٹ پر لیٹ کر یہ دعا پڑھ لیا کرو الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم۔ ابو یعلیٰ میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کا بستر قبلہ رخ بچھایا جاتا' آپ آ کر اپنے داہنے ہاتھ پر تکیہ لگا کر آرام فرماتے' پھر آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے رہتے لیکن آخر رات میں با آواز بلند یہ دعا پڑھتے (جو اوپر بیان ہوئی) الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں جامع ترمذی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سمیت تشریف فرما تھے' جو ایک بادل سر پر آ گیا آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے باادب جواب دیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ فرمایا اسے عنان کہتے ہیں یہ زمین کو سیراب کرنے والے ہیں' ان لوگوں پر بھی یہ برسائے جاتے ہیں جو نہ خدا کے شکر گذار ہیں نہ خدا کے پکارنے والے۔ پھر پوچھا معلوم ہے تمہارے اوپر کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ باخبر ہے' فرمایا بلند محفوظ چھت اور لپٹی ہوئی موج' جانتے ہو تم میں اس میں کس قدر فاصلہ ہے' وہی جواب ملا فرمایا پانچ سو سال کا راستہ۔ پھر پوچھا جانتے ہو اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے پھر اپنی لاعلمی ان ہی الفاظ میں ظاہر کی تو آپ نے فرمایا اس کے اوپر پھر دوسرا آسمان ہے اور ان دونوں آسمانوں میں بھی پانچ سو سال کا فاصلہ ہے' اسی طرح آپ نے سات آسمان گنوائے اور ہر دو میں اتنی ہی دوری بیان فرمائی۔

پھر سوال کر کے جواب سن کر فرمایا اس ساتویں کے اوپر اتنے ہی فاصلہ سے عرش ہے' پھر پوچھا جانتے ہو تمہارے نیچے کیا ہے؟ اور جواب وہی سن کر فرمایا دوسری زمین ہے پھر سوال جواب کے بعد فرمایا اس کے نیچے دوسری زمین ہے اور دونوں زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے' اسی طرح سات زمینیں اسی فاصلہ کے ساتھ ایک دوسری کے نیچے بتلائیں پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اگر تم کوئی رسی سب سے نیچے کی زمین کی طرف لٹکاؤ تو وہ بھی اللہ کے پاس پہنچے گی پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی لیکن یہ حدیث

غریب ہے۔ اس کے راوی حسنؒ کا ایوب یونس اور علی بن زید محدثین کا قول ہے۔ بعض اہل علم نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے مراد رسی کا اللہ تعالیٰ کے علم قدرت اور غلبے تک پہنچنا ہے (نہ کہ ذات باری تعالیٰ) خدائے تعالیٰ کا علم اس کی قدرت اور اس کا غلبہ اور سلطنت بیشک ہر جگہ ہے لیکن وہ اپنی ذات سے عرش پر ہے' جیسے کہ اس نے اپنا یہ وصف اپنی کتاب میں خود بیان فرمایا ہے۔

مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں دو دو زمینوں کے درمیان کا فاصلہ سات سو سال کا بیان ہوا۔ ابن ابی حاتم اور بزار میں بھی یہ حدیث ہے لیکن ابن ابی حاتم میں رسی لٹکانے کا جملہ نہیں اور ہر دو زمین کی درمیان کی دوری اس میں بھی پانچ سو سال کی بیان ہوئی ہے۔ امام بزارؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس روایت کا راوی آنحضرتؐ سے بغیر حضرت ابو ہریرہؓ کے اور کوئی نہیں۔ ابن جریرؒ میں یہ حدیث مرسلاً مروی ہے' یعنی قتادہ فرماتے ہیں ہم سے یوں ذکر کیا گیا ہے پھر حدیث بیان کرتے ہیں' صحابی کا نام نہیں لیتے۔ ممکن ہے یہی ٹھیک ہو واللہ اعلم۔ حضرت ابوذر غفاری سے مسند بزار اور کتاب الاسماء والصفات بیہقی میں یہ حدیث مروی ہے لیکن اس کی اسناد میں نظر ہے اور متن میں غرابت و نکارت ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ امام ابن جریرؒ آیت وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کی تفسیر میں حضرت قتادہؒ کا قول لائے ہیں کہ آسمان وزمین کے درمیان چار فرشتوں کی ملاقات ہوئی۔ آپس میں پوچھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ تو ایک نے کہا ساتویں آسمان سے مجھے خدائے عزوجل نے بھیجا ہے اور میں نے خدا کو وہیں چھوڑا ہے۔ دوسرے نے کہا ساتویں زمین سے مجھے خدا نے بھیجا تھا اور خدا وہیں تھا تیسرے نے کہا میرے رب نے مجھے مشرق سے بھیجا ہے جہاں وہ تھا' چوتھے نے کہا مجھے مغرب سے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور میں اسے وہیں چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ لیکن یہ روایت بھی غریب ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قتادہؒ والی اوپر کی روایت جو مرسلاً بیان ہوئی ہے' ممکن ہے وہ بھی حضرت قتادہؒ کا اپنا قول ہو جیسے یہ قول خود قتادہ کا اپنا ہے واللہ اعلم۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر بیٹھا' وہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں جائے اور جو اس سے نکلے اور جو آسمان سے نیچے آئے اور جو کچھ چڑھ کر اس میں جائے جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے ○ آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور تمام کام اسی کی طرف پہنچائے جاتے ہیں ○ وہی رات کو دن میں لے جاتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔ سینے کے اندر کی پوشیدگیوں کا وہ پورا عالم ہے ○

ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہے: ☆☆ (آیت: ۴-۶) اللہ تعالیٰ کا زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کرنا اور عرش پر قرار پکڑنا سورۂ اعراف

کی تفسیر میں پوری طرح بیان ہو چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسے بخوبی علم ہے کہ کس قدر بوندیں بارش کی زمین میں گئیں، کتنے دانے زمین میں پڑے اور کیا چارے پیدا ہوئے، کس قدر کھیتیاں ہوئیں اور کتنے پھل کھلے، جیسے اور آیت میں ہے عِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ الخ، غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں بجز اس کے اور کوئی جانتا ہی نہیں، وہ خشکی اور تری کی تمام چیزوں کا عالم ہے کسی پتے کا گرنا بھی اس کے علم سے باہر نہیں، زمین کی اندھیریوں میں پوشیدہ دانہ اور کوئی تر و خشک چیز ایسی نہیں جو کھلی کتاب میں موجود نہ ہو، اسی طرح آسمان سے نازل ہونے والی بارش، اولے اور برف اور تقدیریں اور احکام جو بذریعہ برتر فرشتوں کے نازل ہوتے ہیں سب اس کے علم میں ہیں۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں یہ گذر چکا ہے کہ خدا کے مقرر کردہ فرشتے بارش کے ایک ایک قطرے کو خدا کی بتلائی ہوئی جگہ میں پہنچا دیتے ہیں، آسمان سے اترنے والے فرشتے اور اعمال بھی اس کے وسیع علم میں ہیں۔

جیسے صحیح حدیث میں ہے رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے اس کی جناب میں پیش کر دیئے جاتے ہیں وہ تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارا نگہبان ہے۔ تمہارے اعمال و افعال کو دیکھ رہا ہے، جیسے بھی ہوں جو بھی ہوں اور تم بھی خواہ خشکی میں ہو خواہ تری میں ہو، راتیں ہوں یا دن ہوں، تم گھر میں ہو یا جنگل میں ہو، ہر حالت میں اس کے علم کے لئے یکساں، ہر وقت اس کی نگاہیں اور اس کا سننا تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارے تمام کلمات وہ سنتا رہتا ہے، تمہارا حال وہ دیکھتا رہتا ہے، تمہارے چھپے کھلے کا اسے علم ہے۔ جیسے فرمایا ہے کہ اس سے جو چھپنا چاہے اس کا وہ فعل فضول ہے بھلا ظاہر باطن بلکہ دلوں کے ارادے تک سے واقفیت رکھنے والے سے کوئی کیسے چھپ سکتا ہے؟ دوسری آیت میں ہے پوشیدہ باتیں، ظاہر باتیں، راتوں کو، دن کو، جو بھی ہوں سب اس پر روشن ہیں۔ یہ سچ ہے کہ وہی رب ہے، وہی معبود برحق ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جبرئیلؑ کے سوال پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے، پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ ایک شخص آ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا حکمت کا توشہ دیجئے کہ میری زندگی سنور جائے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا لحاظ کر اور اس سے اس طرح شرما جیسے کہ تو اپنے کسی نزدیکی نیم قرابتدار سے شرماتا ہو جو تجھ سے کبھی جدا نہ ہوتا ہو۔ یہ حدیث ابوبکر اسماعیلی نے روایت کی ہے، سند غریب ہے۔ حضور کا ارشاد ہے جس نے تین کام کر لئے اس نے ایمان کا مزہ اٹھا لیا۔ اللہ ایک کی عبادت کی اور اپنے مال کی زکوٰۃ ہنسی خوشی راضی رضامندی سے ادا کی۔ جانور اگر زکوٰۃ میں دیئے ہیں تو بوڑھے بیکار، دبلے پتلے اور بیمار نہ دیئے بلکہ درمیانہ راہ خدا میں دیا اور اپنے نفس کو پاک کیا۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور نفس کو پاک کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس بات کو دل میں محسوس کرے اور یقین و عقیدہ رکھے کہ ہر جگہ خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔ (ابونعیم) ایک اور حدیث میں ہے کہ افضل ایمان یہ ہے کہ تو جان رکھے کہ تو جہاں کہیں ہے اللہ تیرے ساتھ ہے (نعیم بن حماد) حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اکثر ان دو شعروں کو پڑھتے رہتے تھے۔

اِذَا مَا خَلَوۡتَ الدَّھۡرَ یَوۡمًا فَلَا تَقُلۡ خَلَوۡتُ وَلٰکِنۡ قُلۡ عَلَیَّ رَقِیۡبٌ

وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰہَ یَغۡفِلُ سَاعَۃً وَلَا اَنَّ مَا یَخۡفٰی عَلَیۡہِ یَغِیۡبُ

''جب تو بالکل تنہائی اور خلوت میں ہو اس وقت بھی یہ نہ کہہ کہ میں اکیلا ہی ہوں بلکہ کہتا رہ کہ تجھ پر ایک نگہبان ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ کسی ساعت اللہ تعالیٰ کو بے خبر نہ سمجھ اور مخفی سے مخفی کام کو اس پر مخفی نہ مان''۔ پھر فرماتا ہے کہ دنیا اور آخرت کا مالک وہی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَۃَ وَالۡاُوۡلٰی ''دنیا آخرت کی ملکیت ہماری ہی ہے''۔ اس کی تعریف اس بادشاہت پر بھی کرنی ہمارا فرض ہے فرماتا ہے وَھُوَ

اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ ''وہی معبود برحق ہے اور وہی سزاوار حمد و ثنا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی''۔ اور آیت ہے اللہ کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس کی ملکیت میں آسمان و زمین کی تمام چیزیں ہیں اور اسی کی حمد ہے آخرت میں اور وہ دانا و خبردار ہے۔ پس ہر وہ چیز جو آسمان و زمین میں ہے اس کی بادشاہت میں ہے۔ ساری آسمان و زمین کی مخلوق اس کی غلام اور اس کی خدمت گذار اور اس کے سامنے پست ہے۔ جیسے فرمایا اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا الخ' آسمان و زمین کی کل مخلوق رحمان کے سامنے غلامی کی حیثیت میں پیش ہونے والی ہے' ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو ایک ایک کر کے گن رکھا ہے' اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں' اپنی مخلوق میں جو چاہے حکم دیتا ہے' وہ عادل ہے' ظلم نہیں کرتا بلکہ ایک نیکی کو دس گنا بڑھا کر دیتا ہے اور پھر اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔ ارشاد ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الخ' قیامت کے روز ہم عدل کی ترازو رکھیں گے اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا' رائی کے برابر کا عمل بھی ہم سامنے لا رکھیں گے اور ہم حساب کرنے اور لینے میں کافی ہیں۔ پھر فرمایا خلق میں تصرف بھی اسی کا چلتا ہے' دن رات کی گردش بھی اسی کے ہاتھ ہے' اپنی حکمت سے گھٹاتا بڑھاتا ہے' کبھی کے دن لمبے کبھی کی راتیں اور کبھی دونوں یکساں' کبھی جاڑا' کبھی گرمی' کبھی بارش' کبھی بہار' کبھی خزاں اور یہ سب بندوں کی خیر خواہی اور ان کی مصلحت کے لحاظ سے۔ وہ دلوں کی چھوٹی سے چھوٹی باتوں اور دور کے پوشیدہ رازوں سے بھی واقف ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ۝۷ وَمَا لَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ۚ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّکُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۸

اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں دوسروں کا جانشین بنایا ہے' پس تم میں سے جو ایمان لائیں اور خیرات کریں انہیں بہت بڑا ثواب ملے گا ○ تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ حالانکہ خود رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور اگر تمہیں باور ہو تو وہ تو تم سے مضبوط عہد و پیمان بھی لے چکا ہے ○

ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم: ☆☆ (آیت: ۷-۸) اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اوپر اور اپنے رسول کے اوپر ایمان لانے اور اس پر مضبوطی اور ہمیشگی کے ساتھ جم کر رہنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اپنی راہ میں خیرات کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔ جو مال ہاتھوں ہاتھ تمہیں اس نے پہنچایا ہو تم اس کی اطاعت گذاری میں اسے خرچ کرو اور سمجھ لو کہ جس طرح دوسرے ہاتھوں سے تمہیں ملا ہے اسی طرح عنقریب تمہارے ہاتھوں سے دوسرے ہاتھوں میں چلا جائے گا اور تم پر حساب اور عتاب رہ جائے گا۔ پھر اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تیرے بعد تیرا وارث ممکن ہے نیک ہو اور وہ تیرے ترکے کو میری راہ میں خرچ کر کے مجھ سے بہت نزدیکی حاصل کرے اور ممکن ہے کہ وہ بد ہو اور اپنی بدمستی اور سیاہ کاری میں تیرا اندوختہ فنا کر دے اور اس کی بدیوں کا باعث تو بنے' نہ تو چھوڑتا نہ اڑاتا۔ حضورؐ سورۂ الھکاثر پڑھ کر فرمانے لگے انسان گو کہتا رہتا ہے یہ بھی میرا مال ہے یہ بھی میرا مال ہے حالانکہ دراصل انسان کا مال وہ ہے جو کھا لیا پہن لیا' صدقہ کر دیا' کھایا ہوا فنا ہو گیا' پہنا ہوا پرانا ہو کر برباد ہو گیا' ہاں راہ للہ دیا ہوا بطور خزانہ کے جمع رہا (مسلم) اور جو رہ گیا وہ تو اوروں کا مال ہے' تو تو اسے جمع کر کے چھوڑ جانے

والا ہے۔ پھر ان ہی دونوں باتوں کی ترغیب دلاتا ہے اور بہت بڑے اجر کا وعدہ دیتا ہے۔

پھر فرماتا ہے تمہیں ایمان سے کون سی چیز روکتی ہے رسول تم میں موجود ہیں وہ تمہیں ایمان کی طرف بلا رہے ہیں دلیلیں دے رہے ہیں اور معجزے دکھا رہے ہیں۔ صحیح بخاری کی شرح ابتدائی حصہ کتاب الایمان میں ہم یہ حدیث بیان کر آئے ہیں کہ حضورؐ نے پوچھا سب سے زیادہ اچھے ایمان والے تمہارے نزدیک کون ہیں؟ کہا فرشتے' فرمایا وہ تو اللہ کے پاس ہی ہیں پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ کہا پھر انبیاء' فرمایا ان پر تو وحی اور کلام خدا اترتا ہے وہ کیسے ایمان نہ لاتے؟ کہا پھر ہم' فرمایا واہ تم ایمان سے کیسے رک سکتے تھے' میں تم میں زندہ موجود ہوں سنو بہترین اور عجیب تر ایماندار وہ لوگ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے' صحیفوں میں لکھا دیکھیں گے اور ایمان قبول کریں گے۔ سورۂ بقرہ کے شروع میں آیت اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی تفسیر میں بھی ہم ایسی احادیث لکھ آئے ہیں۔ پھر انہیں روز میثاق کا قول قرار یاد دلاتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اس سے مراد رسول خدا سے بیعت کرنا ہے اور امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں مراد وہ میثاق ہے جو حضرت آدمؑ کی پیٹھ میں ان سے لیا گیا تھا' مجاہدؒ کا بھی یہی مذہب ہے واللہ اعلم۔

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹﴾ وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْاؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰىؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۰﴾ ع

وہ ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے' یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے ○ تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک تنہا اللہ ہی ہے' تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے راہ اللہ دیا ہے اور جہاد کیا ہے وہ دوسروں کے برابر نہیں بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کئے' ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے' تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے ○

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا: ☆☆ (آیت: ۹-۱۰) وہ خدا جو اپنے بندے پر روشن حجتیں اور بہترین دلائل اور عمدہ تر آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ ظلم وجہل کی گھنگور گھٹاؤں اور رائے قیاس کی بدترین اندھیریوں سے تمہیں نکال کر نورانی اور روشن صاف اور سیدھی راہ حق پر لا کھڑا کر دے۔ خدا رؤف ہے ساتھ ہی رحیم ہے' یہ اس کا سلوک اور کرم ہے کہ لوگوں کی رہنمائی کے لئے کتابیں اتاریں' رسول بھیجے' شک شبہے دور کر دئے' ہدایت کی وضاحت کر دی۔ ایمان اور خیرات کا حکم کر کے پھر ایمان کی رغبت دلا کر اور یہ بیان فرما کر کہ ایمان نہ لانے کا اب کوئی عذر میں نے باقی نہیں رکھا پھر صدقات کی رغبت دلائی اور فرمایا میری راہ میں خرچ کرو اور فقیری سے نہ ڈرو اس لئے کہ جس کی راہ میں تم خرچ کر رہے ہو وہ زمین و آسمان کے خزانوں کا تنہا مالک ہے' عرش و کرسی اسی کی ہے اور وہ تم سے اس خیرات کے بدلے کا وعدہ کر چکا ہے۔ فرماتا ہے وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ جو کچھ تم راہ اللہ دو گے اس کا بہترین بدلہ وہ تمہیں دے گا اور روزی رساں درحقیقت

وہی ہے۔ اور فرماتا ہے مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ اگر یہ فانی مال تم خرچ کرو گے وہ اپنے پاس کا ہمیشگی والا مال تمہیں دے گا' توکل والے خرچ کرتے رہتے ہیں اور مالک عرش انہیں تنگی ترشی سے محفوظ رکھتا ہے' انہیں اس بات کا اعتماد ہوتا ہے کہ ہمارے فی سبیل اللہ خرچ کردہ مال کا بدلہ دونوں جہان میں ہمیں قطعاً مل کر رہے گا۔ پھر اس امر کا بیان ہوا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے راہ اللہ خرچ کئے اور جہاد کئے اور جن لوگوں نے یہ نہیں کیا گو بعد فتح مکہ کیا ہو' یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اس وجہ سے بھی کہ اس وقت تنگی ترشی زیادہ تھی اور قوت طاقت کم تھی اور اس لئے بھی کہ اس وقت ایمان وہی قبول کرتا تھا جس کا دل ہر میل کچیل سے پاک ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد تو اسلام کو کھلا غلبہ ملا اور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور فتوحات کی وسعت ہوئی' ساتھ ہی مال بھی نظر آنے لگا پس اس وقت اور اس وقت میں جتنا فرق ہے اتنا ہی ان لوگوں اور ان لوگوں کے اجر میں فرق ہے' انہیں بہت بڑے اجر ملیں گے گو دونوں اصل بھلائی اور اصل اجر میں شریک ہیں۔

بعضوں نے کہا ہے فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ میں کچھ اختلاف ہو گیا جس میں حضرت خالدؓ نے فرمایا تم اسی پر اکڑ رہے کہ ہم سے کچھ دن پہلے اسلام لائے۔ جب حضورؐ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا میرے صحابہ کو میرے لئے چھوڑ دو' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم احد کے یا کسی اور پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو بھی ان کے اعمال کو پہنچ نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حضرت خالدؓ کے مسلمان ہو جانے کے بعد کا ہے اور آپ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے تھے اور یہ اختلاف جس کا ذکر اس روایت میں ہے بنو جذیمہ کے بارے میں ہوا تھا۔ حضور نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالدؓ کی امارت میں اس کی طرف ایک لشکر بھیجا تھا جب وہاں پہنچے تو ان لوگوں نے پکارنا شروع کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہم صابی ہوئے یعنی بے دین ہوئے' اس لئے کہ کفار مسلمانوں کو یہی لفظ کہا کرتے تھے۔ حضرت خالد نے غالباً اس کلمہ کا اصلی مطلب نہ سمجھ کر ان کے قتل کا حکم دے دیا بلکہ ان کے جو لوگ گرفتار کئے گئے تھے انہیں قتل کر ڈالنے کو فرمایا۔ اس پر حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی مخالفت کی۔ اس واقعہ کا مختصر بیان اوپر والی حدیث میں ہے۔ صحیح حدیث میں ہے میرے صحابہؓ کو برا نہ کہو' اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی ان کے تین پاؤ اناج کے ثواب کو نہیں پہنچے گا بلکہ ڈیڑھ پاؤ کو بھی نہ پہنچے گا۔

ابن جریر میں ہے حدیبیہ والے سال ہم حضورؐ کے ساتھ جب عسفان میں پہنچے تو آپ نے فرمایا ایسے لوگ بھی آئیں گے کہ تم اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے مقابلہ میں حقیر سمجھنے لگو گے' ہم نے کہا کیا قریشی؟ فرمایا نہیں بلکہ یمنی نہایت نرم دل' نہایت خوش اخلاق' سادہ مزاج' ہم نے کہا حضور پھر کیا وہ ہم سے بہتر ہوں گے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا بھی ہو اور وہ اسے راہ اللہ خرچ کرے تو تم میں سے ایک کے تین پاؤ بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کی خیرات کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یاد رکھو کہ ہم میں اور دوسرے تمام لوگوں میں یہی فرق ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت لَا يَسۡتَوِىۡ کی تلاوت کی لیکن یہ روایت غریب ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں خارجیوں کے ذکر میں ہے کہ تم اپنی نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلہ اور اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ پر حقیر اور کمتر شمار کرو گے۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے۔ ابن جریر میں ہے عنقریب ایک قوم آئے گی کہ تم اپنے اعمال کو کمتر سمجھنے لگو گے جب ان کے اعمال کے سامنے رکھو گے' صحابہ نے پوچھا کیا وہ قریشیوں میں سے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں وہ سادہ مزاج نرم دل یہاں والے ہیں اور آپ نے یمن کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا' پھر فرمایا وہ یمنی لوگ ہیں ایمان تو یمن والوں کا ایمان ہے اور حکمت یمن والوں کی حکمت ہے' ہم نے پوچھا کیا وہ ہم سے بھی افضل ہوں گے؟ فرمایا اس

کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ان میں سے کسی کے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور اسے وہ راہ اللہ دے ڈالے تو بھی تمہارے ایک مد یا آدھے مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ پھر آپ نے اپنی اور انگلیاں تو بند کر لیں ار چھنگلیا کو دراز کر کے فرمایا خبردار رہو یہ ہے فرق ہم میں اور دوسرے لوگوں میں۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی پس اس حدیث میں حدیبیہ کا ذکر نہیں۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے فتح مکہ سے پہلے ہی فتح مکہ کے بعد کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے دی ہو جیسے کہ سورۂ مزمل میں جو ان ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ شریف میں نازل ہوئی تھیں پروردگار نے خبر دی تھی کہ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی کچھ اور لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں' پس جس طرح اس آیت میں ایک آنے والے واقعہ کا تذکرہ ہے اسی طرح اس آیت کو اور حدیث کو بھی سمجھ لیا جائے واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے یعنی فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد بھی جس نے جو کچھ راہ اللہ دیا ہے کسی کو اس سے کم۔ جیسے اور جگہ ہے کہ مجاہد اور غیر مجاہد جو عذر والے بھی نہ ہوں درجے میں برابر نہیں گو بھلے وعدے میں دونوں شامل ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے قوی مومن خدا کے نزدیک ضعیف مومن سے افضل ہے لیکن بھلائی دونوں میں ہے۔ اگر یہ فقرہ اس آیت میں نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ کسی کو ان بعد والوں کی سبکی کا خیال گذرے اس لئے فضیلت بیان فرما کر پھر عطف ڈال کر اصل اجر میں دونوں کو شریک بتایا۔ پھر فرمایا تمہارے تمام اعمال کی تمہارے رب کو خبر ہے' وہ درجات میں تفاوت رکھتا ہے' وہ بھی اندازے سے نہیں بلکہ صحیح علم سے۔ حدیث شریف میں ہے ایک درہم ایک لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس آیت کے بڑے حصے دار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس لئے کہ اس پر عمل کرنے والے تمام نبیوں کی امت کے سردار ہیں' آپ نے ابتدائی تنگی کے وقت اپنا کل مال راہ اللہ دے دیا تھا جس کا بدلہ بجز خدا کے کسی اور سے مطلوب نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں دربار رسالت مآب میں تھا اور حضرت صدیق اکبرؓ بھی تھے' صرف ایک عبا آپ کے جسم پر تھی' گریبان کانٹے سے اٹکائے ہوئے تھے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور پوچھا کیا بات ہے جو حضرت ابوبکرؓ نے فقط ایک عبا پہن رکھی ہے اور کانٹا لگا رکھا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا انہوں نے اپنا کل مال میرے کاموں میں فتح سے پہلے ہی راہ اللہ خرچ کر ڈالا ہے' اب ان کے پاس کچھ نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ان سے کہو کہ خدا انہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس فقیری میں تم مجھ سے خوش ہو یا ناخوش ہو؟ آپ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ سب کہہ کر سوال کیا' جواب ملا کہ اپنے رب عزوجل سے ناراض کیسے ہو سکتا ہوں' میں اس حال میں بہت خوش ہوں۔ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے واللہ اعلم۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾

کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر اللہ تعالیٰ اسے اس کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کا پسندیدہ اجر ثابت ہو جائے ○

اللہ کو قرض دینا: ☆☆ (آیت:۱۱) پھر فرماتا ہے کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے' اس سے مراد خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرنا ہے۔ بعض نے کہا ہے بال بچوں کو کھلانا پلانا وغیرہ خرچ مراد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے دونوں صورتوں کو شامل ہو پھر اس پر وعدہ فرماتا ہے کہ اسے بہت بڑھا چڑھا کر بدلہ ملے گا اور پاکیزہ تر روزی جنت میں ملے گی' اس آیت کو سن کر حضرت ابو دحداح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورؐ کے پاس آئے اور کہا کیا ہمارا رب ہم سے قرض مانگتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں' کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دیجئے آپ نے ہاتھ بڑھایا تو آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کیا میرا باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں وہ میں نے اپنے رب کو دیا۔ آپ کے بیوی بچے بھی اسی باغ میں تھے۔ آپ آئے اور باغ کے دروازہ پر کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی۔ وہ لبیک کہتی ہوئی

آئیں تو فرمانے لگے بچوں کو لے کر چلی آؤ' میں نے یہ باغ اپنے رب عزوجل کو قرض دے دیا ہے۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگیں آپ نے بہت نفع کی تجارت کی اور بال بچوں کو اور گھر کے اثاثے کو لے کر باہر چلی آئیں۔ حضورؐ فرمانے لگے جنتی درخت وہاں کے باغات جو میووں سے لدے ہوئے اور جن کی شاخیں یاقوت اور موتی کی ہیں ابودحداح کو اللہ نے دے دیں۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِينَ اٰمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ ۚ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا ۚ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ ۚ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾

قیامت کے دن تو دیکھے گا کہ ایماندار مردوں عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا آج تمہیں ان جنتوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے' یہ ہے بہترین کامیابی ○ اس دن منافق مرد عورت ایمانداروں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں' جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور روشنی تلاش کرو' پھر ان کے اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہوگا' اس کے اندرونی حصہ میں تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا ○

اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۳) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے نیک اعمال کے مطابق انہیں نور ملے گا جو قیامت کے دن ان کے ساتھ ساتھ رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ان میں بعض کا نور پہاڑوں کے برابر ہوگا اور بعض کا کھجوروں کے درختوں کے برابر اور بعض کا کھڑے انسان کے قد کے برابر' سب سے کم نور جس گنہگار مومن کا ہوگا اس کے پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا جو کبھی روشن ہوتا ہوگا اور کبھی بجھ جاتا ہوگا (ابن جریرؒ)۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے بعض مومن ایسے بھی ہوں گے جن کا نور اس قدر ہوگا کہ جس قدر مدینہ سے عدن دور ہے اور ابین دور ہے اور صنعا دور ہے۔ بعض اس سے کم بعض اس سے کم یہاں تک کہ بعض وہ بھی ہوں گے جن کے نور سے صرف ان کے دونوں قدموں کے پاس ہی اجالا ہوگا۔ حضرت جنادہ بن ابوامیہؒ فرماتے ہیں لوگو! تمہارے نام مع ولدیت کے اور خاص نشانیوں کے اللہ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں' اسی طرح تمہارا ہر ظاہر باطن عمل بھی وہاں لکھا ہوا ہے' قیامت کے دن نام لے کر پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ اے فلاں! یہ تیرا نور ہے اور اے فلاں! تیرے لئے کوئی نور ہمارے ہاں نہیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں اول اول تو ہر شخص کو نور عطا ہوگا لیکن جب پل صراط پر جائیں گے تو منافقوں کا نور بجھ جائے گا' اسے دیکھ کر مومن بھی ڈرنے لگیں گے کہ ایسا نہ ہو ہمارا نور بھی بجھ جائے تو اللہ سے دعائیں کریں گے کہ خدایا ہمارا نور ہمارے لئے پورا پورا کر۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اس آیت سے مراد پل صراط پر نور کا ملنا ہے تاکہ اس اندھیری جگہ سے باآرام گذر جائیں۔ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلے

سجدے کی اجازت قیامت کے دن مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کا حکم بھی مجھے ہوگا۔ میں آگے پیچھے دائیں بائیں نظریں ڈالوں گا اور اپنی امت کو پہچان لوں گا تو ایک شخص نے کہا حضورؐ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک کی تمام امتیں اس میدان میں اکٹھی ہوں گی' ان میں سے آپ اپنی امت کی شناخت کیسے کریں گے؟ آپ نے فرمایا بعض مخصوص نشانیوں کی وجہ سے' میری امت کے اعضائے وضو چمک رہے ہوں گے یہ وصف کسی اور امت میں نہ ہوگا اور انہیں ان کے نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور ان کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور ان کا نور ان کے آگے آگے چلتا ہوگا اور ان کی اولاد ان کے ساتھ ہوگی۔

ضحاکؒ فرماتے ہیں ان کے دائیں ہاتھ میں ان کا اعمال نامہ ہوگا' جیسے اور آیتوں میں تشریح ہے۔ ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے چپے چپے پر چشمے جاری ہیں جہاں سے کبھی نکلنا نہیں' یہ زبردست کامیابی ہے۔ اس کے بعد کی آیت میں میدان قیامت کے ہولناک دل شکن اور کپکپا دینے والے واقعہ کا بیان ہے کہ سوائے سچے ایمان اور کھرے اعمال والوں کے نجات کسی کو منہ نہ دکھائے گی۔ سلیم بن عامرؒ فرماتے ہیں ہم ایک جنازے کے ساتھ باب دمشق میں تھے جب جنازے کی نماز ہو چکی اور دفن کا کام شروع ہوا تو حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگو! تم اس دنیا کی منزل میں آج صبح شام کر رہے ہو' نیکیاں برائیاں کر سکتے ہو' اس کے بعد ایک اور منزل کی طرف تم سب کوچ کرنے والے ہو' وہ منزل یہی قبر کی ہے جو تنہائی کا' اندھیرے کا' کیڑوں کا' تنگی اور تاریکی والا گھر ہے مگر جس کے لئے خدا تعالیٰ اسے وسعت دے دے' یہاں سے تم پھر میدان قیامت کے مختلف مقامات پر وارد ہو گے' ایک جگہ بہت سے لوگوں کے چہرے سفید ہو جائیں گے اور بہت سے لوگوں کے سیاہ پڑ جائیں گے پھر ایک اور میدان میں جاؤ گے جہاں سخت اندھیرا ہوگا' وہاں ایمانداروں کو نور تقسیم کیا جائے گا اور کافر و منافق بے نور رہ جائے گا۔ اسی کا ذکر آیت اَوْ كَظُلُمَاتٍ میں ہے پس جس طرح آنکھوں والے کی بصارت سے اندھا کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا' منافق و کافر ایماندار کے نور سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ تو منافق ایمانداروں سے آرزو کریں گے کہ اس قدر آگے نہ بڑھ جاؤ' کچھ تو ٹھہرو جو ہم بھی تمہارے نور کے سہارے چلیں تو جس طرح یہ دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ فن فریب کرتے تھے آج ان سے کہا جائے گا کہ لوٹ جاؤ اور نور تلاش کر لاؤ۔ یہ واپس نور کی تقسیم کی جگہ جائیں گے لیکن وہاں کچھ نہ پائیں گے یہی خدا کا وہ مکر ہے جس کا بیان وَهُوَ خَادِعُهُمْ الخ' میں ہے۔ اب لوٹ کر یہاں جو آئیں گے تو دیکھیں گے کہ مومنوں اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہو گئی ہے جس کے اس طرف رحمت ہی رحمت ہے اور اس طرف عذاب و سزا ہی ہے۔

پس منافق نور کی تقسیم کے وقت تک دھوکے میں ہی پڑا رہے گا' نور مل جانے پر بھید کھل جائے گا' تمیز ہو جائے گی اور یہ منافق اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائیں گے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب کامل اندھیرا چھایا ہوا ہوگا کہ کوئی انسان اپنا ہاتھ بھی نہ دیکھ سکے اس وقت اللہ تعالیٰ ایک نور ظاہر کرے گا' مسلمان اس طرف جانے لگیں گے تو منافق بھی پیچھے لگ جائیں گے۔ جب مومن زیادہ آگے نکل جائیں گے تو یہ انہیں ٹھہرانے کے لئے آواز دیں گے اور یاد دلائیں گے کہ دنیا میں ہم سب ساتھ ہی تھے۔ تو مومن جواب دیں گے کہ واپس اندھیرے میں لوٹ جاؤ اور وہاں نور کو تلاش کرو۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی پردہ پوشی کے لئے ان کے ناموں سے پکارا جائے گا لیکن پل صراط پر تمیز ہو جائے گی' مومنوں کو نور ملے گا اور منافقوں کو بھی ملے گا لیکن جب درمیان میں پہنچ جائیں گے منافقوں کا نور بجھ جائے گا۔ یہ مومنوں کو آواز دیں گے لیکن اس وقت خود مومن خوف زدہ ہو رہے ہوں گے' یہ وقت ہوگا کہ ہر ایک آپا دھاپی میں ہوگا۔ جس دیوار کا یہاں ذکر ہے یہ جنت و دوزخ کے درمیان حد فاصل ہوگی' اسی کا ذکر آیت وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ میں ہے۔ پس جنت میں رحمت اور جہنم میں

عذاب ۔ٹھیک بات یہی ہے لیکن بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کی دیوار ہے جو جہنم کی وادی کے پاس ہو گی۔

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ یہ دیوار بیت المقدس کی شرقی دیوار ہے جس کے باطن میں مسجد وغیرہ ہے اور جس کے ظاہر میں وادی جہنم ہے اور بعض بزرگوں نے بھی یہی کہا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان کا مطلب یہ نہیں کہ بعینہ یہی دیوار اس آیت میں مراد ہے بلکہ اس کا ذکر بطور قرب معنی کے اس آیت کی تفسیر میں ان حضرات نے کر دیا ہے' اس لئے کہ جنت آسمانوں میں اعلیٰ علیین میں ہے اور جہنم اسفل السافلین میں اور حضرت کعب احبارؓ سے مروی ہے کہ جس دروازے کا ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد مسجد کا باب الرحمت ہے' یہ بنو اسرائیل کی روایت ہے جو ہمارے لئے سند نہیں بن سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دیوار قیامت کے دن مومنوں اور منافقوں کے درمیان علیحدگی کے لئے کھڑی کی جائے گی' مومن تو اس کے دروازے میں سے جا کر جنت میں پہنچ جائیں گے' پھر دروازہ بند ہو جائے گا اور منافق حیرت زدہ ظلمت و عذاب میں رہ جائیں گے۔ جیسے کہ دنیا میں بھی یہ لوگ کفر و جہالت' شک و حیرت کی اندھیریوں میں تھے۔

يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿١٤﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَأْوَاكُمُ النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾

یہ چلا چلا کر ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ یہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے تئیں گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور انتظار میں ہی رہے اور شک شبہ کرتے رہے اور تمہیں تمہاری فضول تمناؤں نے دھوکے میں ہی رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور تمہیں دھوکا دینے والوں نے دھوکے میں ہی رکھا ○ الغرض آج تم سے نہ فدیہ اور بدلہ قبول کیا جائے اور نہ کافروں سے' تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے' وہی تمہاری رفیق ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ○

منافقین کا واویلا: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۵) اب یہ یاد دلائیں گے کہ دیکھو دنیا میں ہم تمہارے ساتھ تھے' جمعہ جماعت ادا کرتے تھے' عرفات اور غزوات میں موجود رہتے تھے' واجبات ادا کرتے تھے۔ ایماندار کہیں گے ہاں بات تو ٹھیک ہے لیکن اپنے کرتوت تو دیکھو' گناہوں میں نفسانی خواہشوں میں' اللہ کی نافرمانیوں میں عمر بھر تم لذتیں اٹھاتے رہے' اور آج توبہ کر لیں گے کل بداعمالیاں چھوڑ دیں گے اسی میں رہے۔ انتظار میں ہی عمر گزار دی کہ دیکھیں مسلمانوں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اور تمہیں یہ بھی یقین نہ ہوا کہ قیامت آئے گی بھی یا نہیں؟ اور پھر اس آرزو میں رہے کہ اگر آئے گی پھر تو ہم ضرور بخش دیئے جائیں گے اور مرتے دم تک خدا کی طرف خلوص کے ساتھ جھکنے کی توفیق تمہیں میسر نہ آئی اور اللہ کے ساتھ تمہیں دھوکے باز شیطان نے دھوکے میں ہی رکھا' یہاں تک کہ آج تم جہنم واصل ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ جسموں سے تو تم ہمارے ساتھ تھے لیکن دل اور نیت سے ہمارے ساتھ نہ تھے بلکہ حیرت و شک میں ہی پڑے رہے' ریاکاری میں رہے اور دل لگا کر یاد خدا کرنی بھی تمہیں نصیب نہ ہوئی۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ منافق مومنوں کے ساتھ تھے' نکاح بیاہ' مجلس' مجمع' موت و زیست میں شریک رہے لیکن اب یہاں بالکل الگ کر دیئے گئے۔ سورۂ مدثر کی آیتوں میں ہے کہ یہ سوال صرف بطور ڈانٹ ڈپٹ کے اور انہیں شرمندہ کرنے کے ہو گا ورنہ حقیقت حال سے مسلمان خوب آگاہ ہوں گے۔ پھر جیسے وہاں فرمایا تھا کہ کسی کی سفارش انہیں نفع نہ دے گی' یہاں فرمایا آج ان

سے فدیہ نہ لیا جائے گا' گو زمین بھر کر سونا دیں قبول نہ کیا جائے گا' نہ منافقوں سے نہ کافروں سے' ان کا مرجع و ماویٰ جہنم ہے' وہی ان کے لائق ہے اور ظاہر ہے کہ وہ بدترین جگہ ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿١٦﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٧﴾

کیا اب تک ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے لئے دل ذکر الٰہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے پگھل جائیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں' جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گذر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں کے اکثر فاسق ہیں ○ یقین مانو کہ اللہ ہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے' ہم نے تو تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان کر دیں تا کہ تم سمجھو ○

ایمان والوں سے سوال: ☆☆ (آیت: ۱۶-۱۷) پروردگار عالم فرماتا ہے کیا مومنوں کے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ذکر خدا' وعظ ونصیحت' آیات قرآنی اور احادیث نبوی سن کر ان کے دل موم ہو جائیں؟ سنیں اور مانیں' احکام بجالائیں' ممنوعات سے پرہیز کریں؟ ابن عباسؓ فرماتے ہیں قرآن نازل ہوتے ہی تیرہ سال کا عرصہ نہ گذرا تھا جو مسلمانوں کے دلوں کو اس طرف نہ جھکنے کی دیر کی شکایت کی گئی۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں چار ہی سال گذرے تھے جو ہمیں یہ عتاب ہوا (مسلم) اصحاب رسول پر ملال ہو کر حضورؐ سے کہتے ہیں حضرت کچھ بات تو بیان فرمایئے۔ پس یہ آیت اترتی ہے نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ایک مرتبہ کچھ دنوں بعد یہی عرض کرتے ہیں تو آیت اترتی ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ پھر ایک عرصہ بعد یہی کہتے ہیں تو یہ آیت اَلَمْ يَاْنِ اترتی ہے' رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلی خیر جو میری امت سے اٹھ جائے گی وہ خشوع ہو گا۔ پھر فرمایا تم یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کتاب اللہ کو بدل دیا' تھوڑے تھوڑے مول پر اسے فروخت کر دیا۔ پس کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر رائے قیاس کے پیچھے پڑ گئے اور از خود ایجاد کردہ اقوال کو ماننے لگ گئے اور خدا کے دین میں دوسروں کی تقلید کرنے لگے' اپنے علماء اور درویشوں کی بے سند باتیں دین میں داخل کر لیں' ان بداعمالیوں کی سزا میں اللہ نے ان کے دل سخت کر دیئے' کچھ ہی خدا کی باتیں کیوں نہ سناؤ ان کے دل نرم نہیں ہوتے' کوئی وعظ و نصیحت ان پر اثر نہیں کرتا' کوئی وعدہ وعید ان کے دل خدا کی طرف موڑ نہیں سکتا بلکہ ان میں کے اکثر و بیشتر فاسق اور کھلے بدکار بن گئے' دل کے کھوٹے اور اعمال کے بھی کچے۔ جیسے اور آیت میں ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ '' ان کی بدعہدی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت نازل کی اور ان کے دل سخت کر دیئے' یہ کلمات کو اپنی جگہ سے تحریف کر دیتے ہیں اور ہماری نصیحتیں بھلا بیٹھتے ہیں''، یعنی ان کے دل فاسد ہو گئے' اللہ کی باتیں بدلنے لگ گئے' نیکیاں چھوڑ دیں' برائیوں میں منہمک ہو گئے۔ اسی لئے رب العالمین اس امت کو متنبہ کر رہا ہے کہ خبردار ان کی رنگت تم پر نہ چڑھ جائے۔ اصل و فرع میں ان سے بالکل الگ رہو۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ربیع بن ابو عمیلہ فرماتے ہیں قرآن وحدیث کی مٹھاس تو مسلم ہی ہے لیکن میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بہت ہی پیاری اور میٹھی بات سنی ہے جو مجھے بے حد محبوب اور مرغوب ہے' آپ نے فرمایا جب بنو اسرائیل کی خدائی کتاب پر کچھ زمانہ گذر گیا تو ان لوگوں نے کچھ کتابیں خود تصنیف کر لیں اور ان میں وہ مسائل لکھے جو انہیں پسند تھے اور جو ان کے اپنے ذہن سے انہوں نے تراش لئے تھے' اب مزے لے لے کر زبانیں موڑ موڑ کر انہیں پڑھنے لگے' ان میں کے اکثر مسائل خدا کی کتاب کے خلاف تھے۔ جن جن احکام کے ماننے کو ان کا جی نہ چاہتا تھا انہوں نے بدل ڈالے تھے اور اپنی کتاب میں اپنی طبیعت کے مطابق مسائل جمع کر لئے تھے اور انہی پر عامل بن گئے۔ اب انہیں سوجھی کہ اور لوگوں کو بھی منوائیں اور انہیں بھی آمادہ کریں کہ ان ہی ہماری لکھی ہوئی کتابوں کو شرعی کتابیں سمجھیں اور مدار عمل انہیں پر رکھیں' اب لوگوں کو اسی کی دعوت دینے لگے اور زور پکڑتے گئے یہاں تک کہ جو ان کی ان کتابوں کو نہ مانتا اسے یہ ستاتے' تکلیف دیتے' مارتے پیٹتے بلکہ قتل کر ڈالتے۔ ان میں ایک شخص اللہ والے پورے عالم اور متقی تھے' انہوں نے ان کی طاقت سے اور زیادتی سے مرعوب ہو کر کتاب اللہ کو ایک لطیف چیز پر لکھ کر ایک نرسنگھے میں ڈال کر اپنی گردن میں اسے ڈال لیا' ان لوگوں کا شر وفساد روز بروز بڑھتا جارہا تھا یہاں تک کہ بہت سے ان لوگوں کو جو کتاب اللہ پر عامل تھے انہوں نے قتل کر دیا۔ پھر آپس میں مشورہ کیا کہ دیکھو کہ یوں ایک ایک کو کب تک قتل کرتے رہیں گے؟ ان کا بڑا عالم اور ہماری اس کتاب کو بالکل نہ ماننے والا تمام بنی اسرائیل میں سب سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عامل فلاں عالم ہے' اسے پکڑو اور اس سے اپنی یہ رائے قیاس کی کتاب منواؤ اگر وہ مان لے گا تو پھر ہماری چاندی ہی چاندی ہے اور اگر وہ نہ مانے تو اسے قتل کر دو' پھر تمہاری اس کتاب کا مخالف کوئی نہ رہے گا اور دوسرے لوگ خواہ مخواہ ہماری ان کتابوں کو قبول کر لیں گے اور انہیں ماننے لگیں گے۔

چنانچہ ان رائے قیاس والوں نے کتاب اللہ کے عالم و عامل اس بزرگ کو پکڑوا کر منگوایا اور اس سے کہا کہ دیکھ ہماری اس کتاب میں جو ہے اس سب کو تو مانتا ہے یا نہیں؟ ان پر تیرا ایمان ہے یا نہیں؟ اس خدا ترس کتاب اللہ کے ماننے والے عالم نے کہا اس میں تم نے کیا لکھا ہے؟ ذرا مجھے سناؤ' تو انہوں نے سنایا اور کہا اس کو تو مانتا ہے؟ اس بزرگ کو اپنی جان کا ڈر تھا اس لئے جرأت کے ساتھ یہ تو نہ کہہ سکا کہ نہیں مانتا بلکہ اپنے اس نرسنگھے کی طرف اشارہ کر کے کہا میرا اس پر ایمان ہے' وہ سمجھ بیٹھے کہ اس کا اشارہ ہماری اس کتاب کی طرف ہے۔ چنانچہ اس کی ایذا رسانی سے باز رہے لیکن تاہم اس کے اطوار و افعال سے کھٹکتے ہی رہے یہاں تک کہ جب اس کا انتقال ہوا تو انہوں نے تفتیش شروع کی کہ ایسا نہ ہو اس کے پاس کتاب اللہ اور دین کے سچے مسائل کی کوئی کتاب ہو' آخر وہ نرسنگھا ان کے ہاتھ لگ گیا' پڑھا تو اس میں اصلی مسائل کتاب اللہ کے موجود تھے' اب بات بنالی کہ ہم نے تو کبھی یہ مسائل نہیں سنے' ایسی باتیں ہمارے دین کی نہیں۔ چنانچہ زبردست فتنہ برپا ہو گیا اور بہتر گروہ ہو گئے ان سب میں بہتر گروہ جو راستی پر اور حق پر تھا وہ تھا جو اس نرسنگھے والے مسائل پر عامل تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ واقعہ بیان فرما کر کہا لوگو! تم میں سے بھی جو باقی رہے گا وہ ایسے ہی امور کا معائنہ کرے گا اور وہ بالکل بے بس ہو گا' ان بری کتابوں کے مٹانے کی اس میں قدرت نہ ہو گی پس ایسے مجبوری اور بے کسی کے وقت بھی اس کا یہ فرض تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یہ ثابت کر دے کہ وہ ان سب کو برا جانتا ہے۔ امام ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ عتریس بن عرقوب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابو عبداللہؓ جو شخص بھلائی کا حکم نہ کرے اور برائی سے نہ روکے وہ ہلاک ہوا' آپ نے فرمایا ہلاک وہ ہو گا جو اپنے دل سے اچھائی کو اچھائی نہ سمجھے اور برائی کو برائی نہ جانے پھر آپ نے بنی اسرائیل کا یہ واقعہ بیان فرمایا۔ پھر ارشاد باری ہے کہ جان رکھو مردہ زمین کو خدا زندہ کر دیتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ

سخت دلوں کے بعد بھی خدا انہیں نرم کرنے پر قادر ہے۔ گمراہیوں کی تہہ میں اتر جانے کے بعد بھی اللہ راہ راست پر لاتا ہے' جس طرح بارش خشک زمین کو تر کر دیتی ہے اسی طرح کتاب اللہ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ دلوں میں جبکہ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا ہو کتاب اللہ کی روشنی اسے دفعتہً منور کر دیتی ہے' اللہ کی وحی دلوں کے قفل کی کنجی ہے۔ سچا ہادی وہی ہے' گمراہی کے بعد راہ پر لانے والا' جو چاہے کرنے والا' حکمت و عدل والا' لطف و خیر والا' کبر و جلال والا' بلندی و علو والا وہی ہے۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١٩﴾

صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں اور جو اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں ان کے لئے یہ بڑھایا جائے گا اور ان کے لئے پسندیدہ اجر و ثواب ہے ○ اللہ اور اس کے رسولؐ پر جو ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق و شہید ہیں ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور ہے اور جو کفر کرتے ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ جہنمی ہیں ○

صدقہ و خیرات کرنے والوں کے لیے اجر و ثواب :☆☆ (آیت: ۱۸-۱۹) فقیر مسکین محتاجوں اور حاجت مندوں کو خالص خدا کی مرضی کی جستجو میں جو لوگ اپنے حلال مال نیک نیتی سے راہ خدا صدقہ دیتے ہیں ان کے بدلے بہت کچھ بڑھا چڑھا کر خدائے تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا۔ دس دس گنا اور اس سے بھی زیادہ سات سات سو تک بلکہ اس سے بھی سوا' ان کے ثواب بے حساب ہیں' ان کے اجر بہت بڑے ہیں۔ اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والے ہی صدیق و شہید ہیں' ان دونوں اوصاف کے مستحق صرف باایمان لوگ ہیں۔ بعض حضرات نے الشُّهَدَآءُ کو الگ جملہ مانا ہے۔ غرض تین قسمیں ہوئیں مصدقین' صدیقین' شہداء جیسے اور روایت میں ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کا اطاعت گذار انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ ہے جو نبی اور صدیق اور شہید اور صالح لوگ ہیں' پس صدیق و شہید میں یہاں بھی فرق کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو قسم کے لوگ ہیں صدیق کا درجہ شہید سے یقیناً بڑا ہے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ جنتی لوگ اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا یہ درجے تو صرف انبیاء کے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی (بخاری و مسلم)

ایک غریب حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور صدیق دونوں وصف اس آیت میں اسی مومن کے ہیں' حضورؐ فرماتے ہیں میری امت کے مومن شہید ہیں' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ حضرت عمرو بن میمونؒ کا قول ہے یہ دونوں ان دونوں انگلیوں کی طرح قیامت کے دن آئیں گے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہوں گی' جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی پھریں گی اور رات کو قندیلوں میں سہارا لیں گی' ان کے رب نے ان کی طرف ایک بار دیکھا اور پوچھا تم کیا

چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ تو ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج تاکہ ہم پھر تیری راہ میں جہاد کریں اور شہادت حاصل کریں۔ اللہ نے جواب دیا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی لوٹ کر پھر دنیا میں نہیں جائے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ انہیں اجر و نور ملے گا' جو نور ان کے سامنے رہے گا اور ان کے اعمال کے مطابق ہوگا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے شہیدوں کی چار قسمیں ہیں وہ پکے ایمان والا مومن جو دشمن خدا سے بھڑ گیا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اس کا وہ درجہ ہے کہ اہل محشر اس طرح سر اٹھا اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے اور یہ فرماتے ہوئے آپ نے اس قدر اپنا سر بلند کیا کہ ٹوپی نیچے گر گئی اور اس حدیث کے راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسے بیان کرنے کے وقت اتنا ہی اپنا سر بلند کیا کہ آپ کی ٹوپی بھی زمین پر جا پڑی۔ دوسرا وہ جو ہے ایمان دار نکلا جہاد میں لیکن دل میں جرأت کم ہے کہ یکایک ایک تیر آ لگا اور روح پرواز کر گئی' یہ دوسرے درجہ کا جنتی ہے' شہید ہے تیسرا وہ جس کے بھلے برے اعمال تھے لیکن رب نے اسے پسند فرما لیا اور میدان جہاد میں کفار کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی' یہ تیسرے درجے میں ہیں۔ چوتھا وہ جس کے گناہ بہت زیادہ ہیں جہاد میں نکلا اور خدا نے شہادت نصیب فرما کر اپنے پاس بلوا لیا۔ ان نیک لوگوں کا انجام بیان کر کے اب بدلوگوں کا نتیجہ بیان کیا کہ یہ جہنمی ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا' زینت اور آپس میں فخر و غرور اور مال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے تئیں زیادہ بتانا ہے' جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ دکھائی دینے لگتی ہے پھر تو بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہیں اور اللہ کی مغفرت اور رضامندی ہے' دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے اسباب کے اور کچھ بھی تو نہیں ہے ○

دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشہ ہے: ☆☆ (آیت: ۲۰) امر دنیا کی تحقیر و توہین بیان ہو رہی ہے کہ اہل دنیا کو بجز لہو و لعب' زینت و فخر اور اولاد و مال کی بہتات کی چاہت کے سوا اور ہے ہی کیا؟ جیسے اور آیت میں ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ یعنی لوگوں کے لئے ان کی خواہش کی چیزوں کو مزین کر دیا گیا ہے جیسے عورتیں' بچے وغیرہ۔ پھر حیات دنیا کی مثال بیان ہو رہی ہے کہ اس کی تازگی فانی ہے اور یہاں کی نعمتیں زوال پذیر ہیں۔ غیث کہتے ہیں اس بارش کو جو لوگوں کی ناامیدی کے بعد برسے۔ جیسے فرمان ہے وَهُوَ الَّذِیْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا الخ' خدا وہ ہے جو لوگوں کی ناامیدی کے بعد بارش برساتا ہے۔ پس جس طرح بارش کی وجہ سے زمین سے کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں اور وہ لہلہاتی ہوئی کسان کی آنکھوں کو بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں اسی طرح اہل دنیا اسباب دنیوی پر پھولتے ہیں لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہی ہری بھری کھیتی خشک ہو کر زرد پڑ جاتی ہے' پھر آخر سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح دنیا کی تر و تازگی اور یہاں کی بہبودی اور ترقی بھی خاک میں مل جانے والی ہے' دنیا کی بھی یہی صورتیں ہوتی ہیں کہ ایک وقت جوان ہے' پھر ادھیڑ ہے' پھر بڑھیا ہے' ٹھیک اسی طرح خود انسان کی حالت ہے' اس کے بچپن' جوانی' ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کو دیکھتے جایئے پھر اس کی موت اور فنا کو سامنے رکھئے' کہاں جوانی کے وقت کا

اس کا جوش وخروش' زور وطاقت اور کس بل؟ اور کہاں بڑھاپے کی کمزوری' جھریاں پڑا ہوا جسم' خمیدہ کمر اور بے طاقت ہڈیاں؟ جیسے ارشاد باری ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً يَخْلُقُ مَايَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا' پھر اس کمزوری کے بعد قوت دی' پھر اس قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا کر دیا' وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور وہ عالم اور قادر ہے''۔ اس مثال سے دنیا کی فنا اور اس کا زوال ظاہر کر کے پھر آخرت کے دونوں منظر دکھا کر ایک سے ڈراتا ہے اور دوسرے کی رغبت دلاتا ہے۔

پس فرماتا ہے عنقریب آنے والی قیامت اپنے ساتھ عذابوں اور سزاؤں کو لائے گی اور مغفرت اور رضامندیٔ رب کو لائے گی' پس تم وہ کام کرو کہ ناراضگی سے بچ جاؤ اور رضا حاصل کر لو' سزاؤں سے بچ جاؤ اور بخشش کے حقدار بن جاؤ' دنیا صرف دھوکے کی ٹٹی ہے' اس کی طرف جھکنے والے پر آخر وہ وقت آ جاتا ہے کہ یہ اس کے سوا کسی اور چیز کا خیال ہی نہیں کرتا' اسی کی دھن میں روز وشب مشغول رہتا ہے بلکہ اس کمی والی اور زوال والی کمینی دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگتا ہے' شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ بسا اوقات آخرت کا منکر بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک کوڑے برابر جنت کی جگہ ساری دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ پڑھو قرآن فرماتا ہے کہ دنیا تو صرف دھوکے کا سامان ہے (ابن جریرؒ) آیت کی زیادتی بغیر یہ حدیث صحیح بخاری کتاب الرقاق میں بھی ہے' واللہ اعلم۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

آؤ دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے۔ یہ ان کے لئے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں' یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

مغفرت کی جستجو: ☆☆ (آیت:۲۱) مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے تم میں سے ہر ایک سے جنت اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنا تمہارا جوتی کا تسمہ اور اسی طرح جہنم بھی (بخاری) پس معلوم ہوا کہ خیر وشر انسان سے بہت نزدیک ہے اور اس لئے اسے چاہئے کہ بھلائیوں کی طرف سبقت کرے اور برائیوں سے منہ پھیر کر بھاگتا رہے۔ تاکہ گناہ اور برائیاں معاف ہو جائیں اور ثواب اور درجے بلند ہو جائیں۔ اسی لئے اس کے ساتھ ہی فرمایا دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی جنس کے برابر ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف سبقت کرو جس کی کشادگی کل آسمان اور ساری زمینیں ہیں جو پارسا لوگوں کے لئے بنائی گئی ہے۔ یہاں فرمایا یہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے' یہ لوگ اللہ کے اس فضل کے لائق تھے' اسی لئے اس بڑے فضل وکرم والے نے اپنی نوازش کے لئے انہیں چن لیا اور ان پر اپنا پورا احسان اور اعلیٰ انعام کیا۔ پہلے ایک صحیح حدیث بیان ہو چکی ہے کہ مہاجرین کے فقراء نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ! مالدار لوگ تو جنت کے بلند درجوں کو اور ہمیشگی والی نعمتوں کو پا گئے۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ تو کہا

نماز روزہ تو وہ اور ہمسب کرتے ہیں لیکن مال کی وجہ سے وہ صدقہ کرتے ہیں' غلام آزاد کرتے ہیں جو مفلسی کی وجہ سے ہم سے نہیں ہو سکتا۔ تو آپ نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک ایسی چیز بتاؤں کہ اس کے کرنے سے تم ہر شخص سے آگے بڑھ جاؤ گے مگر ان سے جو تمہاری طرح خود بھی اس کو کرنے لگیں' دیکھو تم ہر فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہو اور اتنی ہی بار اللہ اکبر اور اسی طرح الحمدللہ۔ کچھ دنوں بعد یہ بزرگ پھر حاضر حضورؐ ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! ہمارے مال دار بھائیوں کو بھی اس وظیفہ کی اطلاع مل گئی اور انہوں نے بھی اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٢٢﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ﴿٢٣﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٤﴾

نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر کہ مخلوق کو ہم پیدا کریں اس سے پہلے ہی وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے' یہ کام اللہ تعالیٰ پر بالکل ہی آسان ہے ○ تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ' اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا ○ جو خود بھی بخل کریں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم دیں' سنو جو بھی منہ پھیر لے اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد وثنا ہے ○

تنگی اور آسانی اللہ کی طرف سے ہے: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) اللہ تعالیٰ اپنی اس قدرت کی خبر دے رہا ہے جو اس نے مخلوقات کے رچانے سے پہلے ہی اپنی مخلوق کی تقدیر مقرر کی تھی' تو فرمایا کہ زمین کے جس حصے میں کوئی برائی آئے یا جس کسی شخص کی جان پر کچھ آ پڑے اسے یقین رکھنا چاہئے کہ خلق کی پیدائش سے پہلے ہی یہ علم اللہ میں مقرر تھا اور اس کا ہونا یقینی تھا' بعض کہتے ہیں یہ جانوں کی پیدائش سے پہلے ہے۔ بعض کہتے ہیں مصیبت کی پیدائش سے پہلے ہے' لیکن زیادہ ٹھیک بات یہ ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہے۔ امام حسنؒ سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو فرمانے لگے سبحان اللہ ہر مصیبت جو آسمان وزمین میں ہے وہ جانوں کی پیدائش سے پہلے ہی رب کی کتاب میں موجود ہے' اس میں کیا شک ہے؟ زمین کی مصیبتوں سے مراد خشک سالی قحط وغیرہ ہے اور جانوں کی مصیبت درد دکھ اور بیماری ہے۔ جس کسی کو کوئی خراش لگتی ہے یا لغزش پا سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا کسی سخت محنت سے پسینہ آ جاتا ہے یہ سب اس کے گناہوں کی وجہ سے ہے اور ابھی تو بہت سے گناہ ہیں جنہیں وہ غفور و رحیم خدا بخش دیتا ہے' یہ آیت بہترین اور بہت اعلیٰ دلیل ہے قدریہ کی تردید میں جن کا خیال ہے کہ سابق علم کوئی چیز نہیں' اللہ انہیں ذلیل کرے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے اللہ تعالیٰ نے تقدیریں مقرر کیں' آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے۔ ایک اور روایت میں ہے اس کا عرش پانی پر تھا (ترمذی) پھر فرماتا ہے کاموں کے وجود میں آنے سے پہلے ان کا اندازہ کر لینا' ان کے ہونے کا علم حاصل کر لینا اور اسے لکھ دینا' خدا پر کچھ مشکل نہیں' وہی تو ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ جس کا محیط علم ہو چکی ہوئی' ہوتی ہوئی اور ہونے والی تمام چیزوں کو شامل
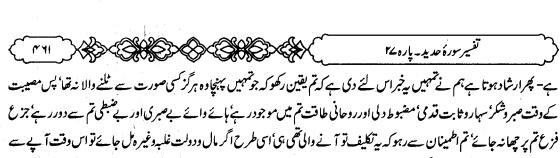
ہے- پھر ارشاد ہوتا ہے ہم نے تمہیں یہ خبر اس لئے دی ہے کہ تم یقین رکھو کہ جو تمہیں پہنچا وہ ہرگز کسی صورت سے ٹلنے والا نہ تھا' پس مصیبت کے وقت صبر و شکر' سہار و ثابت قدمی' مضبوط دلی اور روحانی طاقت تم میں موجود رہے' ہائے وائے بے صبری اور بے ضبطی تم سے دور رہے' جزع فزع تم پر چھا نہ جائے' تم اطمینان سے رہو کہ یہ تکلیف تو آنے والی تھی ہی' اسی طرح اگر مال و دولت غلبہ وغیرہ مل جائے تو اس وقت آپے سے باہر نہ ہو جاؤ' اسے عطیہ خدا مانو' تکبر اور غرور تم میں نہ آ جائے' ایسا نہ ہو کہ دولت و مال وغیرہ کے نشے میں پھول جاؤ اور خدا کو بھول جاؤ' اس لئے کہ اس وقت بھی ہماری یہ تعلیم تمہارے سامنے ہوگی کہ یہ میرے دست و بازو' کا میری عقل و ہوش کا نتیجہ نہیں بلکہ داد خدا ہے- ایک قرأت اس کی اَتٰکُمْ ہے دوسری اٰتٰکُمْ ہے اور دونوں میں تلازم ہے' اسی لئے ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے جی میں اپنے تئیں بڑا سمجھنے والے' دوسروں پر فخر کرنے والے خدا کے دشمن ہیں- حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ رنج و راحت' خوشی و غم تو ہر شخص پر آتا ہے' خوشی کو شکر میں اور غم کو صبر میں گذار دو- پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود بھی بخیل اور خلاف شرع کام کرنے والے ہیں اور دوسروں کو بھی یہی برا راستہ بتلاتے ہیں- جو شخص اللہ کی حکم برداری سے ہٹ جائے وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا کیونکہ وہ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ہر طرح سزاوار حمد ہے- جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ یعنی اگر تم اور تمام روئے زمین کے انسان کافر ہو جائیں تو بھی خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اللہ ساری مخلوق سے غنی ہے اور مستحق حمد ہے-

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ ع ۶

یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور انصاف نازل فرمایا تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت و لڑائی ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور اس لئے بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بے دیکھے کون کرتا ہے' اللہ ہے قوت والا اور زبردست ○

لوہے کے فوائد: ☆☆ (آیت: ۲۵) اللہ عز و جل فرماتا ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو معجزے دے کر اور ظاہر حجتیں عطا فرما کر اور بھرپور دلائل دے کر دنیا میں مبعوث فرمایا' پھر ساتھ ہی کتاب بھی انہیں دی جو کھری اور صاف سچی ہے اور عدل و حق دیا جس سے ہر عقل مند انسان ان کی باتوں کے قبول کر لینے پر فطرتاً مجبور ہو جاتا ہے' ہاں بیمار رائے والے اور خلاف عقل والے اس سے محروم رہ جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے اَفَمَنْ كَانَ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ''جو شخص اپنے رب کی طرف دلیل پر ہو اور ساتھ ہی اس کے شاہد بھی ہو''- ایک اور جگہ ہے ''اللہ کی یہ فطرت ہے جس پر مخلوق کو اس نے پیدا کیا ہے'' اور فرماتا ہے آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان رکھ دی پس یہاں فرمان ہے یہ اس لئے کہ لوگ حق و عدل پر قائم ہو جائیں یعنی اتباع رسول کرنے لگیں' امر رسول بجا لائیں- رسول ہی کی تمام باتوں کو حق سمجھیں' کیونکہ اس کے سوا سراسر حق کسی اور کا کلام نہیں- جیسے فرمان ہے وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ''تیرے رب کا کلمہ جو اپنی خبروں میں سچا اور اپنے احکام میں عدل والا ہے پورا ہو چکا''- یہی وجہ ہے کہ جب ایمان دار جنتوں میں پہنچ جائیں گے' خدا کی نعمتوں سے مالا مال

ہو جائیں گے تو کہیں گے خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی اگر اس کی ہدایت نہ ہوتی تو ہم اس راہ نہیں لگ سکتے تھے' ہمارے رب کے رسول' ہمارے پاس حق لائے تھے۔ پھر فرماتا ہے ہم نے منکرین حق کی سرکوبی کے لئے لوہا بنایا ہے یعنی اولاً تو کتاب' رسول اور حق سے حجت قائم کی پھر ٹیڑھے دل والوں کی کجی نکالنے کے لئے لوہے کو پیدا کر دیا کہ اس کے ہتھیار بنیں اور خدا دوست حضرات دشمنان خدا کے دل کا کانٹا نکال دیں' یہی نمونہ حضور کی زندگی میں بالکل عیاں نظر آتا ہے کہ مکہ شریف کے تیرہ سال مشرکین کو سمجھانے بجھانے' توحید و سنت کی دعوت دینے' ان کے عقائد کی اصلاح کرنے میں گذارے' خود اپنے اوپر مصیبتیں جھیلیں لیکن جب یہ حجت ختم ہو گئی تو شارع علیہ السلام نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دی' پھر حکم دیا کہ اب ان مخالفین سے جنہوں نے اسلام کی اشاعت کو روک رکھا ہے' مسلمانوں کو تنگ کر رکھا ہے' ان کی زندگی دوبھر کر دی ہے' ان سے باقاعدہ جنگ کرو' ان کی گردنیں مارو اور ان مخالفین وحی خدا سے زمین کو پاک کرو۔

مسند احمد اور ابو داؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے آگے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ہی عبادت کی جائے اور میرا رزق میرے نیزے کے سایہ تلے رکھا گیا ہے اور کمینہ پن اور ذلت ان لوگوں پر ہے جو میرے حکم کا خلاف کریں اور جو کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے۔ پس لوہے سے لڑائی کے ہتھیار بنتے ہیں جیسے تلوار' نیزے' چھریاں' تیز زرہیں وغیرہ اور لوگوں کے لئے اس کے علاوہ بھی بہت سے فائدے ہیں جیسے سکے' کدال' پھاوڑے' آرے' کھیتی کے آلات' بننے کے آلات' پکانے کے برتن' روٹی کے توے وغیرہ وغیرہ اور بھی بہت سی ایسی ہی چیزیں جو انسانی زندگی کی ضروریات سے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں تین چیزیں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت میں آئیں نہائی' سنی اور ہتھوڑا (ابن جریر) پھر فرمایا تاکہ اللہ جان لے کہ ان ہتھیاروں کے اٹھانے سے اللہ اور رسول کی مدد کرنے کا نیک ارادہ کس کا ہے؟ خدا قوت و غلبہ والا ہے' اس کے دین کی جو مدد کرے وہ اس کی مدد کرتا ہے' دراصل اپنے دین کو وہی قوی کرتا ہے اس نے جہاد تو صرف اپنے بندوں کی آزمائش کے لئے مقرر فرمایا ہے ورنہ غلبہ و نصرت تو اسی کی طرف سے ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

بیشک ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی تو ان میں سے کچھ تو راہ یافتہ ہوئے اور ان میں سے اکثر

نافرمان رہے O ان کے بعد پھر بھی ہم اپنے رسولوں کو پے در پے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ان کے ماننے والوں کے دلوں میں شفقت اور رحم پیدا کر دیا ہے' ہاں رہبانیت (ترک دنیا) تو ان لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا تھا لیکن ان کی نیت اللہ کی رضا جوئی تھی سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی' پھر بھی ہم نے ان میں سے جو ایمان لائے تھے انہیں ان کا اجر دیا' ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں O

حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی فضیلت: ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۷) حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس فضیلت کو دیکھئے کہ حضرت نوحؑ کے بعد سے لے کر حضرت ابراہیمؑ تک جتنے پیغمبر آئے سب آپ ہی کی نسل سے آئے اور پھر حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کے بعد جتنے نبی اور رسول آئے سب کے سب آپ ہی کی نسل سے ہوئے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتَابَ یہاں تک کہ بنو اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے حضور محمد ﷺ کی خوش خبری سنائی۔ پس نوح اور ابراہیم صلوات اللہ علیہما کے بعد برابر رسولوں کا سلسلہ رہا' حضرت عیسیٰؑ تک جنہیں انجیل ملی اور جن کی تابع فرمان امت رحمدل اور نرم مزاج واقع ہوئی' خشیت خدا اور رحمت خلق کے پاک اوصاف سے متصف' پھر نصرانیوں کی ایک بدعت کا ذکر ہے جو ان کی شریعت میں تو نہ تھی لیکن انہوں نے خود اپنی طرف سے اسے ایجاد کر لی تھی' اس کے بعد کے جملے کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ مقصد ان کا نیک تھا' خدا کی رضا جوئی کے لئے یہ طریقہ نکالا تھا' حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا تھا' ہاں ہم نے ان پر صرف اللہ کی رضا جوئی واجب کی تھی۔

پھر فرماتا ہے یہ اسے بھی نبھا نہ سکے' جیسا چاہئے تھا ویسا اس پر بھی نہ جمے' پس دوہری خرابی آئی ایک اپنی طرف سے ایک نئی بات دین خدا میں ایجاد کرنے کی' دوسری اس پر بھی قائم نہ رہنے کی' یعنی جسے وہ خود قرب خدا کا ذریعہ اپنے ذہن سے سمجھ بیٹھے تھے بالآخر اس پر بھی پورے نہ اترے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضورؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پکارا آپ نے لبیک کہا' آپ نے فرمایا سنو بنی اسرائیل کے بہتر گروہ ہو گئے' جن میں سے تین نے نجات پائی' پہلے فرقہ نے تو بنی اسرائیل کی گمراہی دیکھ کر ان کی ہدایت کے لئے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر ان کے بڑوں کو تبلیغ شروع کی لیکن آخر وہ لوگ جدال وقتال پر اتر آئے اور بادشاہ اور امراء نے جو اس تبلیغ سے بہت گھبراتے تھے' ان پر لشکر کشی کی اور انہیں قتل بھی کیا' قید بھی کیا' ان لوگوں نے تو نجات حاصل کر لی' پھر دوسری جماعت کھڑی ہوئی' ان میں مقابلہ کی طاقت تو نہ تھی تاہم اپنے دین کی قوت سے سرکشوں اور بادشاہوں کے دربار میں حق گوئی شروع کی اور خدا کے سچے دین اور حضرت عیسیٰؑ کے اصلی مسلک کی طرف انہیں دعوت دینے لگے' ان بدنصیبوں نے انہیں قتل بھی کرایا' آروں سے بھی چیرا اور آگ میں بھی جلایا جسے اس جماعت نے صبر وشکر کے ساتھ برداشت کیا اور نجات حاصل کی۔ پھر تیسری جماعت اٹھی' یہ ان سے بھی زیادہ کمزور تھے' ان میں طاقت نہ تھی کہ اصل دین کے احکام کی تبلیغ ان ظالموں میں کریں' اس لئے انہوں نے اپنے دین کا بچاؤ اسی میں سمجھا کہ جنگلوں میں نکل جائیں اور پہاڑوں پر چڑھ جائیں' عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دنیا کو ترک کر دیں۔ انہی کا ذکر رہبانیت والی آیت میں ہے' یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ اس میں تہتر فرقوں کا بیان ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اجر انہیں ملے گا جو مجھ پر ایمان لائیں اور میری تصدیق کریں اور ان میں سے اکثر جو فاسق ہیں وہ وہ ہیں جو مجھے جھٹلائیں اور میرا خلاف کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بعد توریت وانجیل میں تبدیلیاں کر لیں لیکن ایک جماعت ایمان پر قائم رہی اور اصلی تورات وانجیل ان کے ہاتھوں میں رہی جسے وہ تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان لوگوں نے جنہوں نے کتاب اللہ میں ردوبدل کر لیا تھا' اپنے بادشاہوں سے ان سچے مومنوں کی شکایت کی کہ یہ لوگ کتاب اللہ کہہ کر

جس کتاب کو پڑھتے ہیں اس میں تو ہمیں گالیاں لکھی ہیں' اس میں لکھا ہوا ہے جو کوئی خدا کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم نہ کرے وہ کافر ہے اور اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں' پھر یہ لوگ ہمارے اعمال پر بھی عیب گیری کرتے رہتے ہیں۔

پس آپ انہیں دربار میں بلوایئے اور انہیں مجبور کیجئے کہ یا تو وہ اسی طرح پڑھیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور ویسا ہی عقیدہ و ایمان رکھیں جیسا ہمارا ہے' ورنہ انہیں بدترین عبرت ناک سزا دیجئے چنانچہ ان سچے مسلمانوں کو دربار میں بلوایا گیا اور ان سے کہا گیا کہ یا تو ہماری اصلاح کردہ کتاب پڑھا کرو اور تمہارے اپنے ہاتھوں میں جو خدائی کتابیں ہیں' انہیں چھوڑ دو ورنہ جان سے ہاتھ دھولو اور قتل گاہ کی طرف قدم بڑھاؤ۔ اس پر ان پاک بازوں کی ایک جماعت نے تو کہا کہ تم ہمیں ستاؤ نہیں' تم اونچی عمارت بنا دو' ہمیں وہاں پہنچا دو اور ڈوری چھتری دے دو' ہمارا کھانا پینا اس میں ڈال دیا کرو' ہم اوپر سے کھینچ لیا کریں گے نیچے اتریں گے ہی نہیں اور تم میں آئیں گے ہی نہیں۔ ایک جماعت نے کہا سنو ہم یہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں' جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل جاتے ہیں' تمہاری بادشاہت کی سرزمین سے باہر ہو جاتے ہیں' چشموں' نہروں' ندیوں' نالوں اور تالابوں سے جانوروں کی طرح منہ لگا کر پانی پیا کریں گے اور جو پھول پات مل جائیں گے ان پر گذارہ کر لیں گے' اس کے بعد اگر تم ہمیں اپنے ملک میں دیکھ لو تو بیشک گردن اڑا دینا' تیسری جماعت نے کہا ہمیں اپنی آبادی کے ایک طرف کچھ زمین دے دو اور وہاں حصار کھینچ دو' وہیں ہم کنویں کھود لیں گے اور کھیتی کر لیا کریں گے' تم میں ہرگز نہ آئیں گے۔ چونکہ اس خدا پرست جماعت سے ان لوگوں کی قریبی رشتہ داریاں تھیں' اس لئے یہ درخواستیں منظور کر لی گئیں اور یہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانے پر چلے گئے لیکن ان کے ساتھ بعض اور لوگ بھی لگ گئے جنہیں دراصل علم و ایمان نہ تھا' تقلیداً ساتھ ہولئے' ان کے بارے میں یہ آیت وَرَهْبَانِيَّةَ نازل ہوئی۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو مبعوث فرمایا اس وقت ان میں کے بہت کم لوگ رہ گئے تھے' آپ کی بعثت کی خبر سنتے ہی خانقاہوں والے اپنی خانقاہوں سے اور جنگلوں والے اپنے جنگلوں سے اور حصار والے اپنے حصاروں سے نکل کھڑے ہوئے' آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ پر ایمان لائے' آپ کی تصدیق کی۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ الخ' یعنی ''ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ' تمہیں اللہ اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا (یعنی حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کا اور پھر حضرت محمدؐ پر ایمان لانے کا) اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو (یعنی قرآن و سنت) تاکہ اہل کتاب جان لیں (جو تم جیسے ہیں) کہ اللہ کے کسی فضل کا اختیار انہیں نہیں اور سارا فضل خدا کے ہاتھ ہے جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے''۔ یہ سیاق غریب ہے اور ان دونوں پچھلی آیتوں کی تفسیر اس آیت کے بعد ہی آ رہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابویعلیٰ میں ہے کہ لوگ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کے زمانہ میں آئے' آپ اس وقت امیر مدینہ تھے' جب یہ آئے اس وقت حضرت انسؓ نماز ادا کر رہے تھے اور بہت ہلکی نماز پڑھ رہے تھے' جیسے مسافرت کی نماز ہو یا اس کے قریب قریب' جب سلام پھیرا تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ نے فرض نماز پڑھی یا نفل؟ فرمایا فرض اور یہی نماز رسول اللہ ﷺ کی تھی' میں نے اپنے خیال سے اپنی یاد برابر تو اس میں کوئی خطا نہیں کی۔ ہاں اگر کچھ بھول گیا ہوں تو اس کی بابت نہیں کہہ سکتا' حضورؐ کا فرمان ہے کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ تم پر سختی کی جائے گی' ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی اور ان پر بھی سختی کی گئی' پس ان کی بقایا خانقاہوں میں اور ایسے ہی گھروں میں اب بھی دیکھ لو' یہ تھی وہ سختی کہ ترک دنیا جو اللہ نے ان پر واجب نہیں کی تھی۔ دوسرے دن ہم لوگوں نے کہا آیئے سواریوں پر چلیں اور دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

حضرت انسؓ نے فرمایا بہت اچھا' بس سب سوار ہو کر چلے اور کئی ایک بستیاں دیکھیں جو بالکل اجڑ گئی تھیں اور مکانات اوندھے پڑے ہوئے تھے' تو ہم نے کہا ان شہروں سے آپ واقف ہیں؟ فرمایا خوب اچھی طرح بلکہ ان کے باشندوں سے بھی' انہیں سرکشی اور حسد نے ہلاک کیا' حسد نیکیوں کے نور کو بجھا دیتا ہے اور سرکشی اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے' آنکھ کا بھی زنا ہے' ہاتھ اور قدم اور زبان کا بھی زنا ہے اور شرمگاہ اسے سچاتی ہے یا جھٹلاتی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں ہر نبی کے لئے رہبانیت تھی اور میری امت کی رہبانیت اللہ عزو جل کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ ایک شخص حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے مجھے کچھ وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے وہ سوال کیا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا' میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے کی' یہی تمام نیکیوں کا سر ہے اور تو جہاد کو لازم پکڑ لے یہی اسلام کی رہبانیت ہے اور ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پر مداومت کر' وہی تیری راحت وروح ہے آسمانوں میں اور تیری یاد ہے زمین میں۔ یہ روایت مسند احمد میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٨﴾ لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا' اللہ بخشنے والا اور مہربانی والا ہے ○ یہ اس لئے کہ اہل کتاب جان لیں کہ اللہ کے فضل کے کسی حصہ پر بھی انہیں اختیار نہیں اور یہ کہ سارا فضل اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہے دے' اللہ ہے ہی بڑے فضل والا ○

مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مثال: ☆☆ (آیت: ۲۸-۲۹) اس سے پہلے کی آیت میں بیان ہو چکا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جن مومنوں کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد اہل کتاب کے مومن ہیں اور انہیں دوہرا اجر ملے گا' جیسے کہ سورۂ قصص کی آیت میں ہے اور جیسے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تین شخصوں کو اللہ تعالیٰ دوہرا اجر دے گا ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر مجھ پر بھی ایمان لایا اسے دوہرا اجر ہے اور وہ غلام جو اپنے آقا کی تابعداری کرے اور خدا کا حق بھی ادا کرے اسے بھی دو دو اجر ہیں' اور وہ شخص جو اپنی لونڈی کو ادب سکھائے اور بہت اچھا ادب سکھائے' یعنی شرعی ادب پھر اسے آزاد کر دے اور نکاح کر دے وہ بھی دوہرے اجر کا مستحق ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں جب اہل کتاب اس دوہرے اجر پر فخر کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس امت کے حق میں نازل فرمائی۔ پس انہیں دوہرے اجر کے بعد نور ہدایت دینے کا بھی وعدہ کیا اور مغفرت کا بھی' پس نور اور مغفرت انہیں زیادہ ملی (ابن جریرؒ) اسی مضمون کی آیت یَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ الخ' ہے یعنی اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہارے لئے فرقان کرے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں معاف فرما دے گا' اللہ بڑے فضل والا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کے ایک بہت بڑے عالم سے دریافت فرمایا کہ تمہیں ایک نیکی پر زیادہ سے زیادہ کس قدر فضیلت ملتی ہے۔ اس نے کہا ساڑھے تین سو تک' آپ نے اللہ کا شکر کیا اور فرمایا ہمیں تم سے دوہرا ملا ہے۔ حضرت سعیدؒ نے اسے بیان فرما کر یہی آیت پڑھی اور فرمایا اسی طرح جمعہ کا دوہرا اجر ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے چند مزدور کسی کام پر لگانے چاہے اور اعلان کیا کہ کوئی ہے جو مجھ سے ایک قیراط لے اور صبح کی نماز سے لے کر آدھے دن تک کام کرے؟ پس یہود تیار ہو گئے' اس نے پھر کہا ظہر سے عصر تک' اب جو کام کرے اسے میں ایک قیراط دوں گا اس پر نصرانی تیار ہوئے کام کیا اور اجرت لی' اس نے پھر کہا اب عصر سے مغرب تک جو کام کرے میں اسے دو قیراط دوں گا پس وہ تم مسلمان ہو' اس پر یہود نصاریٰ بہت بگڑے اور کہنے لگے کام ہم نے زیادہ کیا اور دام انہیں زیادہ ملے' ہمیں کم دیا گیا تو انہیں جواب ملا کہ میں نے تمہارا کوئی حق تو نہیں مارا؟ انہوں نے کہا نہیں ایسا تو نہیں ہوا' جواب ملا کہ پھر یہ میرا فضل ہے' جسے چاہوں دوں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے چند لوگوں کو کام پر لگایا' اجرت ٹھہرالی اور انہوں نے ظہر تک کام کر کے کہہ دیا کہ اب ہمیں ضرورت نہیں' جو ہم نے کیا ہم اس کی اجرت بھی نہیں چاہتے اور اب ہم کام بھی نہیں کریں گے' اس نے انہیں سمجھایا بھی کہ ایسا نہ کرو کام پورا کرو اور مزدوری لے جاؤ' لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کام ادھورا چھوڑ کر اجرت لئے بغیر چلتے بنے۔ اس نے اور مزدور لگائے اور کہا کہ باقی کام شام تک تم پورا کرو اور پورے دن کی مزدوری میں تمہیں دوں گا' یہ کام پر لگے لیکن عصر کے وقت یہ بھی کام سے ہٹ گئے اور کہہ دیا کہ اب ہم سے نہیں ہو سکتا' ہمیں آپ کی اجرت نہیں چاہئے' اس نے انہیں بھی سمجھایا کہ دیکھو اب دن باقی ہی کیا رہ گیا ہے' تم کام پورا کرو اور اجرت لے جاؤ' لیکن یہ نہ مانے اور چلے گئے اس نے پھر اوروں کو بلایا اور کہا لو تم مغرب تک کام کرو اور دن بھر کی مزدوری لے جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے مغرب تک کام کیا اور ان دونوں جماعتوں کی اجرت بھی یہی لے گئے' پس یہ ہے ان کی مثال اور اس نور کی مثال جسے انہوں نے قبول کیا۔ پھر فرماتا ہے یہ اس لئے کہ اہل کتاب یقین کر لیں کہ خدا جسے دے' یہ اس کے لوٹانے کی اور جسے نہ دے اسے دینے کی کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے اور اس بات کو بھی وہ جان لیں کہ فضل و کرم کا مالک صرف وہی پروردگار ہے' اس کے فضل کا کوئی اندازہ اور حساب نہیں لگ سکتا۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لِئَلَّا يَعْلَمَ کا معنی لِيَعْلَمَ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں لِكَيْ يَعْلَمَ ہے۔ اسی طرح حضرت عطا بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی قرأت مروی ہے۔ غرض یہ ہے کہ کلام عرب میں لا صلہ کے لئے آتا ہے جو کلام کے اول آخر میں آ جاتا ہے اور وہاں انکار مراد نہیں ہوتا' جیسے مَا مَنَعَكَ الَّا تَسْجُدَ میں اور وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَا اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اور وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَا هَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ میں۔ الحمدللہ سورۂ حدید کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس ستائیسویں پارے کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہمیں اپنے پاک کلام کی صحیح سمجھ دے اور اس پر عمل کی توفیق دے۔ میرے مہربان خدا میرے عاجز ہاتھوں سے اس پاک تفسیر کو پوری کرا سے مکمل مطبوع مجھے دکھا دے' مقبولیت عطا فرما اور اس پر ہمیں عمل نصیب فرما۔ اے دلوں کے بھید سے آگاہ خدا میری عاجزانہ التماس ہے کہ میرے نامہ اعمال میں اسے ثابت فرما اور میرے تمام گناہوں کا کفارہ اسے کر دے اور اس کے پڑھنے والوں پر رحم فرما اور ان کے دل میں ڈال کہ وہ میرے لئے بھی رحم کی دعا کریں۔ خدایا اپنے سچے دین کی اور اپنے غلاموں کی تائید کر اور اپنے نبیؐ کے کلام کو سب کے کلاموں پر غالب رکھ۔ آمین!

تفسیر ابن کثیر
پارہ نمبر
۲۸
چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر سورۃ المجادلہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ٭ۖ وَ اللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۱﴾

سچے معبود بڑے رحم وکرم والے اللہ کے نام سے شروع

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی' اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال وجواب سن رہا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے ○

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات حمد وثنا کے لائق ہے' جس کے سننے نے تمام آوازوں کو گھیر رکھا ہے۔ یہ شکایت کرنے والی بی بی صاحبہ آ کر آنحضرت ﷺ سے اس طرح چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں کہ باوجود اسی گھر میں موجود ہونے کے میں مطلقاً نہ سن سکی کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس پوشیدہ آواز کو بھی سن لیا اور یہ آیت اتری (بخاری ومسند وغیرہ) اور روایت میں آپ کا یہ فرمان اس طرح منقول ہے کہ بابرکت ہے وہ خدا جو ہر اونچی نیچی آواز کو سنتا ہے' یہ شکایت کرنے والی بی بی صاحبہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اس طرح سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ کوئی لفظ تو کان تک پہنچ جاتا تھا ورنہ اکثر باتیں باوجود اسی گھر میں موجود ہونے کے میرے کانوں تک نہیں پہنچتی تھیں اپنے میاں کی شکایت کرتے ہوئے فرمایا کہ یا رسول اللہ! میری جوانی تو ان کے ساتھ کٹی' بچے ان سے ہوئے' اب جبکہ میں بڑھیا ہوگئی' اولاد کے قابل نہ رہی تو میرے میاں نے مجھ سے ظہار کر لیا۔ اے اللہ! میں تیرے سامنے اپنے اس دکھڑے کا رونا روتی ہوں۔ ابھی یہ بی بی صاحبہ گھر سے باہر نہیں نکلی تھیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر اترے۔ ان کے خاوند کا نام حضرت اوس بن صامت تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ابن ابی حاتم)۔

انہیں کبھی کچھ جنون سا ہو جاتا تھا۔ اس حالت میں اپنی بیوی صاحبہ سے ظہار کر لیتے' پھر جب اچھے ہو جاتے تو گویا کچھ نہ تھا۔ یہ بی بی صاحبہ حضورؐ سے فتویٰ پوچھنے اور خدا کے سامنے اپنی التجا بیان کرنے کو آئیں جس پر یہ آیت اتری۔ حضرت یزیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں اور لوگوں کے ساتھ جا رہے تھے جو ایک عورت نے آواز دے کر ٹھہرا لیا۔ حضرت عمرؓ فوراً ٹھہر گئے اور ان کے پاس جا کر توجہ اور ادب سے سر جھکائے ان کی باتیں سننے لگے' جب وہ اپنی فرمائش کی تعمیل کرا چکیں اور خود لوٹ گئیں' تب امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی واپس ہمارے پاس آئے۔ ایک شخص نے کہا امیر المومنین ایک بڑھیا کے کہنے سے آپ رک گئے اور اتنے آدمیوں کو آپ کی وجہ سے اب تک رکنا پڑا۔ آپ نے فرمایا افسوس جانتے بھی ہو یہ کون تھیں؟ اس نے کہا نہیں' فرمایا یہ وہ عورت ہیں جن کی شکایت اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر سنی' یہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ ہیں' اگر یہ آج صبح سے شام چھوڑ رات کر دیتیں اور مجھ سے کچھ فرماتی رہتیں تو بھی میں ان کی خدمت سے نہ ٹلتا' ہاں نماز کے وقت نماز ادا کر لیتا اور پھر کمربستہ خدمت کے لئے حاضر ہو جاتا (ابن ابی حاتم) اس کی سند منقطع ہے اور دوسرے طریق سے بھی مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ خولہ بنت صامت تھیں اور ان کی والدہ کا نام معاذہؓ تھا جن کے بارے میں آیت وَلَا تُکْرِھُوْا فَتَیٰتِکُمْ ہوئی تھی لیکن ٹھیک بات یہ ہے کہ حضرت خولہ اوس بن صامت کی بیوی تھیں' اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓیِٴۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ﴿۲﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۳﴾

تم میں سے جولوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یعنی انہیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں ان کی اصلی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے' یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں' بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے O جولوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کریں تو ان کے ذمہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے غلام آزاد کرنا ہے' تمہیں اس کی نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے O

خولہ اور خویلہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا اور مسئلہ ظہار: ☆☆ (آیت: ۲-۳) حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم میرے اور میرے خاوند اوس بن صامت کے بارے میں اس سورۂ مجادلہ کی شروع کی چار آیتیں اتری ہیں- میں ان کے گھر میں تھی یہ بوڑھے اور بڑی عمر کے تھے اور کچھ اخلاق کے بھی اچھے نہ تھے- ایک دن باتوں ہی باتوں میں میں نے اس کی کسی بات کا خلاف کیا اور انہیں کچھ جواب دیا جس پر وہ بڑے غضب ناک ہوئے اور غصے میں فرمانے لگے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے' پھر گھر سے چلے گئے اور قومی مجلس میں کچھ دیر بیٹھے رہے' پھر واپس آئے اور مجھ سے خاص بات چیت کرنی چاہی' میں نے کہا اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں خویلہ کی جان ہے تمہارے اس کہنے کے بعد اب یہ بات ناممکن ہے یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہمارے بارے میں نہ ہو- لیکن وہ نہ مانے اور زبردستی کرنے لگے مگر چونکہ کمزور اور ضعیف تھے' میں ان پر غالب آ گئی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے میں اپنی پڑوسن کے ہاں گئی اور اس سے کپڑا مانگ کر اوڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی- اس واقعہ کو بیان کیا اور بھی اپنی مصیبتیں اور تکلیفیں بیان کرنی شروع کر دیں- آپ یہی فرماتے جاتے تھے خویلہ اپنے خاوند کے بارے میں اللہ سے ڈرو' وہ بوڑھے بڑے ہیں' ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی' جب وحی اتر چکی تو آپؐ نے فرمایا اے خویلہؓ! تیرے اور تیرے خاوند کے بارے میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوئی ہیں- پھر آپ نے قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ سے عَذَابٌ اَلِیۡمٌ تک پڑھ سنایا۔

اور فرمایا جاؤ اپنے میاں سے کہو کہ ایک غلام آزاد کریں- میں نے کہا حضورؐ ان کے پاس غلام کہاں؟ وہ تو بہت مسکین شخص ہیں' آپ نے فرمایا اچھا تو دو مہینے کے لگاتار روزے رکھ لیں- میں نے کہا حضورؐ وہ تو بڑی عمر کے بوڑھے ناتواں کمزور ہیں' انہیں دو ماہ کے روزوں کی بھی طاقت نہیں' آپ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق (تقریباً چار من پختہ) کھجور دے دیں- میں نے کہا حضور اس مسکین کے پاس یہ بھی نہیں' آپ نے فرمایا اچھا آدھا وسق کھجوریں میں اپنے پاس سے انہیں دے دوں گا میں نے کہا بہتر آدھا وسق میں دے دوں گی- آپؐ نے

فرمایا یہ تم نے بہت اچھا کیا اور خوب کام کیا جاؤ یہ ادا کر دو اور اپنے خاوند کے ساتھ جو تمہارے چچا کے لڑکے ہیں' محبت' پیار خیر خواہی اور فرمانبرداری سے گذارا کرو (مسند احمد و ابوداؤد) - ان کا نام بعض روایتوں میں خویلہ کے بجائے خولہ بھی آیا ہے اور بنت ثعلبہ کے بدلے بنت مالک بن ثعلبہ بھی آیا ہے' ان اقوال میں کوئی ایسا اختلاف نہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہو واللہ اعلم - اس سورت کی ان شروع کی آیتوں کا صحیح شان نزول یہی ہے-

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ
اَنْ يَّتَمَاسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ
ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴﴾

ہاں جو شخص نہ پائے اس کے ذمے دو مہینوں کے لگا تار روزے ہیں اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جس شخص کو یہ طاقت بھی نہ ہو اس پر ساٹھ مسکینوں کا کھلانا ہے - یہ اس لئے ہے کہ تم اللہ کی اور اس کے رسول کی حکم برداری کرو' یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور کفار ہی کے لئے دکھ کی مار ہے ○

ظہار کے احکام: ☆☆ (آیت: ۴) حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ جواب آ رہا ہے وہ اس کے اترنے کا باعث نہیں ہوا' ہاں البتہ جو حکم ظہار ان آیتوں میں تھا' انہیں بھی دیا گیا یعنی آزادگی غلام یا روزے یا کھانا دینا - حضرت سلمہ بن صخر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ خود ان کی زبانی یہ ہے کہ مجھے جماع کی طاقت اوروں سے بہت زیادہ تھی - رمضان میں اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو دن میں روزے کے وقت میں بچ نہ سکوں' میں نے رمضان بھر کے لئے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا - ایک رات جبکہ وہ میری خدمت میں مصروف تھی' بدن کے کسی حصہ پر سے کپڑا ہٹ گیا پھر تاب کہاں تھی؟ اس سے بات چیت کر بیٹھا' صبح اپنی قوم کے پاس آ کر میں نے کہا رات ایسا واقعہ ہو گیا ہے تم مجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو اور آپ سے پوچھو کہ اس گناہ کا بدلہ کیا ہے؟ سب نے انکار کیا اور کہا کہ ہم تو تیرے ساتھ نہیں جائیں گے' ایسا نہ ہو کہ قرآن کریم میں اس کی بابت کوئی آیت اترے یا حضور کوئی ایسی بات فرما دیں کہ ہمیشہ کے لئے ہم پر عار باقی رہ جائے' تو جانے یا تیرا کام' تو نے ایسا کیوں کیا؟ ہم تیرے ساتھی نہیں - میں نے کہا اچھا پھر میں اکیلا جاتا ہوں' چنانچہ میں گیا اور حضورؐ سے تمام واقعہ بیان کیا آپ نے پھر فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے پھر یہی عرض کیا کہ ہاں حضورؐ مجھ سے یہ خطا ہو گئی آپ نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا - میں نے پھر اقرار کیا اور کہا کہ حضورؐ میں موجود ہوں' جو سزا میرے لئے تجویز کی جائے میں اسے صبر سے برداشت کروں گا' آپ حکم دیجئے - آپ نے فرمایا جاؤ ایک غلام آزاد کرو' میں نے اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا حضور میں تو صرف اس کا مالک ہوں' اللہ کی قسم مجھے غلام آزاد کرنے کی طاقت نہیں - آپ نے فرمایا پھر دو مہینے کے پے درپے روزے رکھو' میں نے کہا یا رسول اللہ! روزوں ہی کی وجہ سے تو یہ ہوا' آپ نے فرمایا پھر جاؤ صدقہ کرو' میں نے کہا اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' میرے پاس کچھ نہیں بلکہ آج کی شب سب گھر والوں نے فاقہ کیا ہے' پھر فرمایا اچھا بنو زریق کے قبیلے کے صدقے والے کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ صدقے کا مال تمہیں دے دے' تم اس میں سے ایک وسق کھجور تو ساٹھ مسکینوں کو دے دو اور باقی تم آپ اپنے اور اپنے بال بچوں کے کام میں لاؤ' میں خوش خوش واپس لوٹا اور اپنی قوم کے پاس آیا اور ان سے کہا تمہارے پاس تو میں نے تنگی اور برائی پائی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس میں نے کشادگی اور برکت پائی - حضور کا

حکم ہے کہ اپنے صدقے تم مجھے دے دو چنانچہ انہوں نے مجھے دے دیئے (مسند احمد ابوداؤد وغیرہ)۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت اوس بن صامتؓ اور ان کی بیوی صاحبہ حضرت خویلہ بنت ثعلبہؓ کے واقعہ کے بعد کا ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ ظہار کا پہلا واقعہ حضرت اوس بن صامتؓ کا ہے جو حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے ان کی بیوی صاحبہ کا نام خولہ بنت ثعلبہ بن مالک تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اس واقعہ سے حضرت خولہ کو ڈر تھا کہ شاید طلاق ہوگئی انہوں نے آ کر حضور سے کہا کہ میرے میاں نے مجھ سے ظہار کر لیا ہے اور اگر ہم علیحدہ علیحدہ ہوگئے تو دونوں برباد ہو جائیں گے میں اب اس لائق بھی نہیں رہی کہ مجھے اولاد ہو ہمارے اس تعلق کو بھی زمانہ گذر چکا اور بھی اسی طرح کی باتیں کہتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں اب تک ظہار کا کوئی حکم اسلام میں نہ تھا اس پر یہ آیتیں شروع صورت سے اَلِيْمٌ تک اتریں۔ حضور نے حضرت اوسؓ کو بلوایا اور پوچھا کہ کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ انہوں نے قسم کھا کر انکار کیا حضور نے ان کے لئے رقم جمع کی انہوں نے اس سے غلام خرید کر آزاد کیا اور اپنی بیوی صاحبہ سے رجوع کیا (ابن جریر) حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگوں کا یہی فرمان ہے کہ یہ آیتیں انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں واللہ اعلم۔

لفظ ظہار مشتق ہے ظہر سے چونکہ اہل جاہلیت اپنی بیوی سے ظہار کرتے وقت یوں کہتے تھے کہ اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ یعنی ''تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ'' شریعت میں حکم یہ ہے کہ اس طرح خواہ کسی عضو کا نام لے ظہار ہو جائے گا ظہار جاہلیت کے زمانے میں طلاق سمجھا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے اس میں کفارہ مقرر کر دیا اور اسے طلاق شمار نہیں کیا جیسے کہ جاہلیت کا دستور تھا سلف میں سے اکثر حضرات نے یہی فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ جاہلیت کے اس دستور کا ذکر کر کے فرماتے ہیں اسلام میں جب حضرت خویلہ والا واقعہ پیش آیا اور دونوں میاں بیوی پچھتانے لگے تو حضرت اوسؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ جب آئیں تو دیکھا کہ آپ کنگھی کر رہے ہیں آپ نے واقعہ سن کر فرمایا ہمارے پاس اس کا کوئی حکم نہیں۔ اتنے میں یہ آیتیں اتریں اور آپ نے حضرت خویلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کی خوشخبری دی اور پڑھ سنائیں۔ جب غلام کی آزادگی کا ذکر کیا تو عذر کیا کہ ہمارے پاس غلام نہیں پھر روزوں کا ذکر سن کر کہا کہ اگر ہر روز تین مرتبہ پانی نہ پئیں تو بوجہ اپنے بڑھاپے کے فوت ہو جائیں جب کھانا کھلانے کا ذکر سنا تو کہا چند لقموں پر تو سارا دن گذرتا ہے اوروں کو دینا تو کہاں؟ چنانچہ حضورؐ نے آدھا وسق تیس صاع منگوا کر انہیں دیئے اور فرمایا اسے صدقہ کر دو اور اپنی بیوی سے رجوع کر لو (ابن جریر) اس کی اسناد قوی اور پختہ ہے لیکن ادائیگی غربت سے خالی نہیں۔

حضرت ابوالعالیہؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے فرماتے ہیں خولہ بنت دلیج ایک انصاری کی بیوی تھیں جو کم نگاہ والے مفلس اور کج خلق تھے کسی دن کسی بات پر میاں بیوی میں جھگڑا ہو پڑا تو جاہلیت کی رسم کے مطابق ظہار کر لیا جو ان کی طلاق تھی یہ بیوی صاحبہ حضورؐ کے پاس پہنچیں اس وقت آپ عائشہؓ کے گھر میں تھے اور مائی صاحبہ آپ کا سر دھو رہی تھیں جا کر سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا اب کیا ہو سکتا ہے میرے علم میں تو تو اس پر حرام ہوگئی یہ سن کر کہنے لگیں خدایا میری عرض تجھ سے ہے اب حضرت عائشہ آپ کے سر مبارک کا ایک طرف کا حصہ دھو کر گھوم کر دوسری جانب آئیں اور ادھر کا حصہ دھونے لگیں تو حضرت خولہ بھی گھوم کر اس دوسری طرف آ بیٹھیں اور اپنا واقعہ دہرایا آپؐ نے پھر یہی جواب دیا مائی صاحبہ نے دیکھا کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ہے تو ان سے کہا کہ دور ہٹ کر بیٹھو یہ دور کھسک گئیں ادھر وحی نازل ہونی شروع ہوئی جب اتر چکی تو آپ نے فرمایا وہ عورت کہاں ہے؟ مائی صاحبہ نے انہیں آواز دے کر بلایا آپ نے فرمایا جاؤ اپنے خاوند کو لے آؤ یہ دوڑتی ہوئی گئیں اور اپنے شوہر کو بلا لائیں تو واقعی وہ ایسے ہی تھے جیسے انہوں نے کہا تھا آپ نے اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر اس سورت کی یہ آیتیں سنائیں اور فرمایا کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں کہا دو

مہینے کے لگاتار ایک پیچھے ایک روزے رکھ سکتے ہو؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اگر دو تین دفعہ دن میں نہ کھاؤں تو بینائی بالکل جاتی رہتی ہے‘ فرمایا کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں لیکن اگر آپ میری امداد فرمائیں تو اور بات ہے‘ پس حضور نے ان کی اعانت کی اور فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو اور جاہلیت کی اس رسم طلاق کو ہٹا کر اللہ تعالیٰ نے اسے ظہار مقرر فرمایا (ابن ابی حاتم وابن جریر)

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایلا اور ظہار جاہلیت کے زمانہ کی طلاقیں تھیں‘ اللہ تعالیٰ نے ایلاء میں تو چار مہینے کی مدت مقرر فرمائی اور ظہار میں کفارہ مقرر فرمایا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ مِنْکُمْ سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ یہاں خطاب مومنوں سے ہے اس لئے اس حکم میں کافر داخل نہیں‘ جمہور کا مذہب اس کے برخلاف ہے وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ باعتبار غلبہ کے کہہ دیا گیا ہے‘ اس لئے بطور قید کے اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں لے سکتے‘ لفظ مِنْ نِّسَائِهِمْ سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے ظہار نہیں نہ وہ اس خطاب میں داخل ہے۔ پھر فرماتا ہے اس کہنے سے کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے یا میرے لئے تو مثل میری ماں کے ہے یا مثل میری ماں کی پیٹھ کے ہے یا اور ایسے ہی الفاظ اپنی بیوی کو کہہ دینے سے وہ سچ مچ ماں نہیں بن جاتی‘ حقیقی ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے یہ تولد ہوا ہے‘ یہ لوگ اپنے منہ سے فحش اور باطل قول بول دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ درگذر کرنے والا اور بخش دینے والا ہے‘ اس نے جاہلیت کی اس تنگی کو تم سے دور کر دیا اسی طرح ہر وہ کلام جو ایک دم زبان سے بغیر سوچے سمجھے اور بلاقصد نکل جائے۔ چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ نے سنا کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہہ رہا ہے اے میری بہن! تو آپؐ نے فرمایا یہ تیری بہن ہے؟ غرض یہ کہنا برا لگا اسے روکا‘ مگر اس سے حرمت ثابت نہیں کی کیونکہ دراصل اس کا مقصود یہ نہ تھا‘ یونہی زبان سے بغیر قصد کے نکل گیا تھا ورنہ ضرور حرمت ثابت ہو جاتی۔ کیونکہ صحیح قول یہی ہے کہ اپنی بیوی کو جو شخص اس نام سے یاد کرے جو محرمات ابدیہ ہیں مثلاً بہن یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ تو وہ بھی حکم میں ماں کہنے کے ہیں۔ جو لوگ ظہار کریں پھر اپنے کہنے سے لوٹیں اس کا مطلب ایک تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ظہار کیا پھر مکرر اس لفظ کو کہا لیکن یہ ٹھیک نہیں۔

بقول حضرت امام شافعیؒ مطلب یہ ہے کہ ظہار کیا پھر اس عورت کو روک رکھا یہاں تک کہ اتنا زمانہ گذر گیا کہ اگر چاہتا تو اس میں باقاعدہ طلاق دے سکتا تھا لیکن طلاق نہ دی۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ پھر لوٹے جماع کی طرف یا ارادہ کرے تو یہ حلال نہیں تاوقتیکہ مذکورہ کفارہ ادا نہ کرے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے جماع کا ارادہ یا پھر بسانے کا عزم یا جماع ہے۔ امام ابوحنیفہ وغیرہ کہتے ہیں مراد ظہار کی طرف لوٹنا ہے اس کی حرمت اور جاہلیت کے حکم کے اٹھ جانے کے بعد‘ پس جو شخص اب ظہار کرے گا اس پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی جب تک کہ یہ کفارہ ادا نہ کرے۔ حضرت سعیدؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ جس چیز کو اس نے اپنی جان پر حرام کر لیا تھا اب پھر اس کام کو کرنا چاہے تو اس کا کفارہ ادا کرے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ مجامعت کرنا چاہے ورنہ اور طرح چھونے میں قبل کفارہ کے بھی ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں یہاں مس سے مراد صحبت کرنا ہے۔ زہریؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھ لگانا پیار کرنا بھی کفارہ کی ادائیگی سے پہلے جائز نہیں۔ سنن میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے میں نے اس سے مل لیا۔ آپ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحم کرے ایسا تو نے کیوں کیا؟ کہنے لگا یا رسول اللہ! چاندنی رات میں اس کے خلخال کی چمک نے مجھے بے تاب کر دیا‘ آپ نے فرمایا اب اس سے قربت نہ کرنا جب تک کہ خدا کے فرمان کے مطابق کفارہ ادا نہ کر دے۔ نسائی میں یہ حدیث مرسلاً مروی ہے اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ مرسل ہونے کو اولیٰ بتلاتے ہیں۔ پھر کفارہ بیان ہو رہا ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یہاں یہ قید نہیں کہ مومن ہی ہو جیسے قتل کے کفارے میں غلام کے مومن ہونے کی قید ہے۔ امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں یہ مطلق اس مقید پر محمول ہوگی کیونکہ آزادگی جیسی وہاں ہے ایسی ہی یہاں بھی ہے‘ اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ ایک سیاہ فام لونڈی کی بابت حضورؐ نے فرمایا تھا اسے آزاد کر دو یہ مومنہ

ہے اوپر واقعہ گذر چکا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہار کر کے پھر کفارہ سے قبل واقع ہونے والے کو آپ نے دوسرا کفارہ ادا کرنے کو نہیں فرمایا۔
پھر فرماتا ہے اس سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے یعنی دھمکایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں سے خبردار ہے اور تمہارے احوال کا عالم ہے۔ جو آزادگی غلام پر قادر نہ ہو وہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھنے کے بعد اپنی بیوی سے اس صورت میں مل سکتا ہے اور اگر اس کا بھی مقدور نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کے بعد' پہلے حدیثیں گذر چکیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدم پہلی صورت پھر دوسری پھر تیسری' جیسے کہ صحیحین کی اس حدیث میں بھی ہے جس میں آپ نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرنے والے کو فرمایا تھا۔ ہم نے یہ احکام اس لئے مقرر کئے ہیں کہ تمہارا کامل ایمان اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ہو جائے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں' اس کے محرمات ہیں' خبردار اس حرمت کو نہ توڑنا۔ جو کافر ہوں یعنی ایمان نہ لائیں' حکم برداری نہ کریں' شریعت کے احکام کی بے عزتی کریں' ان سے بے پرواہی برتیں' انہیں بلاؤں سے بچنے والا نہ سمجھو بلکہ ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ
الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ
عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا
أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٦﴾ ع
أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ
إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ
إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا
يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧﴾

بیشک جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کئے جائیں گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ ذلیل کئے گئے تھے اور بیشک ہم واضح آیتیں اتار چکے ہیں' منکروں کے لئے تو ذلت کی مار ہے ہی ○ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے کئے ہوئے اعمال سے آگاہ کرے گا جسے اللہ نے یاد رکھا اور جسے یہ بھول گئے تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے ○ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے تین آدمیوں کا مشورہ نہیں ہوتا مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کا مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کا اور نہ زیادہ کا مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں پھر قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے ○

احکامات رسول اللہ ﷺ اور ہم: ☆☆ (آیت: ۵-۷) فرمان ہے کہ خدا کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے اور احکام شرع سے سرتابی کرنے والے ذلت ادبار نحوست اور پھٹکار کے لائق ہیں جس طرح ان سے اگلے انہی اعمال کے باعث برباد اور رسوا کر دیئے گئے اسی طرح واضح' اس قدر ظاہر' اتنی صاف اور ایسی کھلی ہوئی آیتیں بیان کر دی ہیں اور نشانیاں ظاہر کر دی ہیں کہ سوائے اس کے جس کے دل

میں سرکشی ہو کوئی ان سے انکار کر نہیں سکتا اور جو ان کا انکار کرے وہ کافر ہے اور ایسے کفار کے لئے یہاں کی ذلت کے بعد وہاں کے بھی اہانت والے عذاب ہیں۔ یہاں ان کے تکبر نے خدا کی طرف جھکنے سے روکا وہاں اس کے بدلے انہیں بے انتہا ذلیل کیا جائے گا خوب روندا جائے گا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا اور جو بھلائی برائی جس کسی نے کی تھی اس سے اسے آگاہ کرے گا۔ گو یہ بھول گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تو اسے یاد رکھا تھا' اس کے فرشتوں نے اسے لکھ رکھا تھا۔ نہ تو اللہ پر کوئی چیز چھپ سکے نہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولے۔ پھر بیان فرماتا ہے کہ تم جہاں ہو جس حالت میں ہو نہ تمہاری باتیں اللہ کے سننے سے رہ سکیں نہ تمہاری حالتیں خدا کے دیکھنے سے پوشیدہ رہیں' اس کے علم نے ساری دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے' اسے ہر زبان و مکان کی اطلاع ہر وقت ہے' وہ زمین و آسمان کی تمام تر کائنات سے باعلم ہے۔

تین شخص آپس میں مل کر نہایت پوشیدگی سے راز داری کے ساتھ اپنی باتیں ظاہر کریں انہیں وہ سنتا ہے اور وہ اپنے تئیں تین ہی نہ سمجھیں بلکہ اپنا چوتھا خدا کو گنیں اور جو پانچ شخص تنہائی میں راز داریاں کر رہے ہیں وہ چھٹا خدا کو جانیں' پھر جو اس سے کم ہوں یا اس سے زیادہ ہوں وہ بھی یقین رکھیں کہ وہ جہاں کہیں بھی ہیں ان کے ساتھ ان کا اللہ ہے' یعنی ان کے حال قال سے مطلع ہے' ان کے کلام کو سن رہا ہے اور ان کی حالتوں کو دیکھ رہا ہے' پھر ساتھ ہی ساتھ اس کے فرشتے بھی لکھتے جا رہے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے اَلَمْ يَعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ''کیا لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگیوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو بخوبی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمام غیبوں پر اطلاع رکھنے والا ہے''۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ کیا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور خفیہ مشوروں کو سن نہیں رہے؟ برابر سن رہے ہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس موجود ہیں جو لکھتے جا رہے ہیں۔ اکثر بزرگوں نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس آیت سے مراد معیت علمی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا وجود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر جگہ ہے۔ ہر تین کے مجمع میں چوتھا اس کا علم ہے تبارک وتعالیٰ۔ بے شک وشبہ اس بات پر ایمان کامل اور یقین راسخ رکھنا چاہئے کہ یہاں مراد ذات سے ساتھ ہونا نہیں بلکہ علم سے ہر جگہ موجود ہونا ہے' ہاں بیشک اس کا سننا دیکھنا بھی اسی طرح اس کے علم کے ساتھ ساتھ ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر مطلع ہے' ان کا کوئی کام اس سے پوشیدہ نہیں' پھر قیامت کے دن انہیں ان کے تمام اعمال پر تنبیہ کرے گا' اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو شروع بھی اپنے علم کے بیان سے کیا تھا اور ختم بھی اللہ کے علم کے بیان پر کیا (مطلب یہ ہے کہ درمیان میں خدا کا ساتھ ہونا جو بیان کیا تھا اس سے بھی از روئے علم کے ساتھ ہونا ہے نہ کہ از روئے ذات کے۔ مترجم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۸

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کانا پھوسی سے روک دیا گیا تھا وہ پھر بھی اس روکے ہوئے کام کو دوبارہ کرتے ہیں اور آپس میں گنہگاری کی اور ظلم اور زیادتی کی اور نافرمانی پیغمبر کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے اس کئے پر سزا کیوں نہیں دیتا' ان کے لئے جہنم کافی سزا ہے' جس میں یہ جائیں گے' سو وہ برا ٹھکانا ہے ○

معاشرتی آداب کا ایک پہلو اور قیامت کا ایک منظر: ☆☆ (آیت:۸) کانا پھوسی سے یہودیوں کو روک دیا گیا تھا اس لئے کہ ان میں اور آنحضرت ﷺ میں جب صلح صفائی تھی تو یہ لوگ یہ حرکت کرنے لگے کہ جہاں کسی مسلمان کو دیکھا اور جہاں کوئی ان کے پاس گیا کہ یہ ادھر ادھر جمع ہو ہو کر چپکے چپکے اشاروں کنایوں میں اس طرح کانا پھوسی کرنے لگتے کہ اکیلا دکیلا مسلمان یہ گمان کرتا کہ شاید یہ لوگ میرے قتل کی سازشیں کر رہے ہیں یا میرے خلاف اور ایمانداروں کے خلاف کچھ مخفی ترکیبیں سوچ رہے ہیں' اسے ان کی طرف جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا۔ جب یہ شکایتیں عام ہوئیں تو حضورؐ نے یہودیوں کو اس سفلی حرکت سے روک دیا' لیکن انہوں نے پھر بھی یہی کرنا شروع کیا۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ ہم لوگ باری باری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رات کو حاضر ہوتے کہ اگر کوئی کام کاج ہو تو کریں' ایک رات کو باری والے آ گئے اور کچھ اور لوگ بھی بہ نیت ثواب آ گئے چونکہ لوگ زیادہ جمع ہو گئے تو ہم ٹولیاں ٹولیاں بن کر ادھر ادھر بیٹھ گئے اور ہر جماعت آپس میں باتیں کرنے لگی' اتنے میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا یہ سرگوشیاں کیا ہو رہی ہیں؟ کیا تمہیں اس سے روکا نہیں گیا؟ ہم نے کہا حضورؐ ہماری توبہ ہے ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے کیونکہ اس سے کھٹکا لگا رہتا ہے' آپ نے فرمایا سنو میں تمہیں اس سے بھی زیادہ خوف کی چیز بتلاؤں وہ پوشیدہ شرک ہے' اس طرح کہ ایک شخص اٹھ کھڑا ہو اور دوسروں کے دکھانے کے لئے کوئی دینی کام کرے (یعنی ریاکاری) اس کی اسناد غریب ہے اور اس میں بعض راوی ضعیف ہیں۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ ان کی خانگی سرگوشیاں یا تو گناہ کے کاموں پر ہوتی ہیں جس میں ان کا ذاتی نقصان ہے یا ظلم پر ہوتی ہیں جس میں دوسروں کے نقصان کی ترکیبیں سوچتے ہیں یا پیغمبر علیہ السلام کی مخالفت پر ایک دوسروں کو پختہ کرتے ہیں اور آپ کی نافرمانیوں کے منصوبے گانٹھتے ہیں۔ پھر ان بدکاروں کی ایک بدترین خصلت بیان ہو رہی ہے کہ سلام کے الفاظ کو بھی یہ بدل دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ یہودی حضورؐ کے پاس آئے اور کہا اَلسَّامُ عَلَیْكَ یَا اَبَاالْقَاسِمِ حضرت عائشہؓ سے نہ رہا گیا' فرمایا وَعَلَیْكُمُ السَّامُ۔ سام کے معنی موت کے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اللہ تعالیٰ برے الفاظ اور سخت کلامی کو ناپسند فرماتا ہے۔ میں نے کہا کیا حضورؐ نے نہیں سنا انہوں نے آپ کو اَلسَّلَامُ نہیں کہا بلکہ اَلسَّامُ کہا ہے آپ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا؟ میں نے کہا وَعَلَیْکُمْ۔ اسی کا بیان یہاں ہو رہا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان کے جواب میں فرمایا تھا عَلَیْکُمُ السَّامُ وَالذَّامُ وَاللَّعْنَةُ اور آپ نے صدیقہؓ کو روکتے ہوئے فرمایا کہ ہماری دعا ان کے حق میں مقبول ہے اور ان کا ہمیں کوسنا نامقبول ہے (ابن ابی حاتم وغیرہ)۔

ایک مرتبہ حضورؐ اپنے اصحاب کے مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی نے آ کر سلام کیا' صحابہؓ نے جواب دیا۔ پھر حضورؐ نے صحابہؓ سے پوچھا معلوم بھی ہے اس نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا حضرت سلام کیا تھا آپ نے فرمایا نہیں' اس نے کہا تھا سَامٌ عَلَیْکُمْ یعنی تمہارا دین مغلوب ہو مٹ جائے' پھر آپ نے حکم دیا کہ اس یہودی کو بلا لاؤ جب وہ آ گیا تو آپ نے فرمایا سچ سچ بتا کیا تو نے سَامٌ عَلَیْکُمْ نہیں کہا تھا؟ اس نے کہا ہاں حضور میں نے یہی کہا تھا' آپ نے فرمایا سنو جب کبھی کوئی اہل کتاب تم میں سے کسی کو سلام کرے تو تم صرف عَلَیْكَ کہہ دیا کرو یعنی جو تو نے کہا ہو وہ تجھ پر (ابن جریر وغیرہ) پھر یہ لوگ اپنے اس کرتوت پر خوش ہو کر اپنے دل میں کہتے کہ اگر یہ نبی برحق ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہماری اس چال بازی پر ہمیں دنیا میں ضرور عذاب کرتا' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو ہمارے باطنی حال سے بخوبی واقف

ہے۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے انہیں دار آخرت کا عذاب ہی بس ہے' جہاں یہ جہنم میں جائیں گے اور بری جگہ پہنچیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کا شان نزول یہودیوں کا اس طریقے کا سلام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ منافق اسی طرح سلام کرتے تھے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْــــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰

اے ایمان والو! تم جب چپ چپاتے باتیں کرو تو یہ سرگوشیاں گنہگاری اور ظلم وزیادتی اور نافرمانی پیغمبر کی نہ ہوں بلکہ نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں پر اس میں تبادلہ خیالات کرو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے ○ بری سرگوشیاں شیطانی کام ہے جس سے ایمانداروں کو رنج پہنچے گو اللہ تعالیٰ کی چاہت بغیر وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا' ایمان والوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ○

مومن کی سرگوشی: ☆☆ (آیت: ۹-۱۰) پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کو ادب سکھاتا ہے کہ تم ان منافقوں اور یہودیوں کے سے کام نہ کرنا' تم گناہ کے کاموں اور حد سے گذر جانے اور نبی کی نہ ماننے کے مشورے نہ کرنا بلکہ تمہیں ان کے برخلاف نیکی کے اور اپنے بچاؤ کے مشورے کرنے چاہئیں۔ تمہیں ہر وقت اس اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے جس کی طرف تمہیں جمع ہونا ہے' جو اس وقت تمہیں ہر نیکی بدی کی جزا سزا دے گا اور تمام اعمال واقوال سے متنبہ کرے گا' گو تم بھول گئے ہو لیکن اس کے پاس سب محفوظ اور موجود ہیں۔ حضرت صفوانؒ فرماتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے مومن کی جو سرگوشی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہوگی' اس کے بارے میں کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا رسالت مآب ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب بلائے گا اور اس قدر قریب کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور لوگوں سے اسے پردے میں کر لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور پوچھے گا یاد ہے؟ فلاں گناہ تم نے کیا تھا' فلاں کیا تھا' یہ اقرار کرتا جائے گا اور دل دھڑک رہا ہوگا کہ اب ہلاک ہوا۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ دنیا میں بھی میں نے تیری پردہ پوشی کی اور آج بھی میں نے بخشش کی' پھر اسے اس کی نیکیوں کا نامہ اعمال دیا جائے گا لیکن کافر ومنافق کے بارے میں تو گواہ پکار کر کہہ دیں گے کہ یہ خدا پر جھوٹ بولنے والے لوگ ہیں' خبردار ہو جاؤ ان ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔

پھر فرمان ہے کہ اس قسم کی سرگوشی جس سے مسلمان کو تکلیف پہنچے اور اسے بدگمانی ہو' شیطان کی طرف سے ہے' شیطان ان منافقوں وغیرہ سے یہ کام اس لئے کراتا ہے کہ مومنوں کو غم ورنج ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی اجازت بغیر نہ شیطان نہ کوئی اور انہیں کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں' جسے کوئی ایسی حرکت معلوم ہو اسے چاہئے کہ اَعُوْذُ پڑھے' اللہ کی پناہ لے اور اللہ پر بھروسہ رکھے' ان شاء اللہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ ایسی کانا پھوسی جو کسی مسلمان کو ناگوار گذرے' حدیث میں بھی منع آئی ہے' مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم تین آدمی ہو تو دو مل کر کان میں منہ ڈال کر باتیں کرنے نہ بیٹھ جاؤ اس سے اس تیسرے کا دل میلا ہوگا (صحیحین) اور روایت میں ہے کہ ہاں اگر اس کی

اجازت ہو تو کوئی حرج نہیں (مسلم)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۱﴾

اے مسلمانو جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں ذرا کھل کر بیٹھو تو تم جگہ کشادہ کر دو اللہ تمہیں کشادگی دے گا اور جب کہا جائے گا کہ اٹھ کھڑے ہو جاؤ تو تم اٹھ کھڑے ہو جاؤ' اللہ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کر دے گا' اللہ تعالیٰ ہر اس کام سے جو تم کر رہے ہو خوب خبردار ہے ○

آداب مجلس' باہم معاملات اور علمائے حق و باعمل کی توقیر: ☆☆ (آیت:۱۱) یہاں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ مجلسی آداب سکھاتا ہے۔ انہیں حکم دیتا ہے کہ نشست و برخاست میں بھی ایک دوسرے کا خیال و لحاظ رکھو۔ تو فرماتا ہے کہ جب مجلس جمع ہو اور کوئی آئے تو ذرا ادھر ادھر ہٹ ہٹا کر اسے بھی جگہ دو۔ مجلس میں کشادگی کرو۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں کشادگی دے گا۔ اس لئے کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنا دے' اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دے گا اور حدیث میں ہے کہ جو کسی سختی والے پر آسانی کرے اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا' جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے اللہ تعالیٰ خود اپنے اس بندے کی مدد پر رہتا ہے۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت مجلس ذکر کے بارے میں اتری ہے' مثلاً وعظ ہو رہا ہے' حضورؐ کچھ نصیحت کی باتیں بیان فرما رہے ہیں' لوگ بیٹھے سن رہے ہیں' اب جو دوسرا کوئی آیا تو کوئی اپنی جگہ سے نہیں سرکتا تاکہ اسے بھی جگہ مل جائے' تو قرآن کریم نے حکم دیا کہ ایسا نہ کرو ادھر ادھر کھل جایا کرو' تاکہ آنے والے کی جگہ ہو جائے۔

حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں جمعہ کے دن یہ آیت اتری' رسول اللہ ﷺ اس دن صفہ میں تھے یعنی مسجد کے ایک چھپر تلے' جگہ تنگ تھی اور آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جو مہاجر اور انصاری بدر کی لڑائی میں آپ کے ساتھ تھے' آپ ان کی بڑی عزت اور تکریم کیا کرتے تھے' اس دن اتفاق سے چند بدری صحابہؓ ذرا دیر سے آئے تو آنحضرت ﷺ کے آس پاس کھڑے ہو گئے' آپ سے سلام علیک ہوئی آپ نے جواب دیا پھر اور اہل مجلس کو سلام کیا انہوں نے بھی جواب دیا' اب یہ اسی امید پر کھڑے رہے کہ مجلس میں ذرا کشادگی دیکھیں تو بیٹھ جائیں' لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا جو ان کے لئے جگہ ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ دیکھا تو نہ رہا گیا' نام لے لے کر بعض لوگوں کو ان کی جگہ سے کھڑا کیا اور ان بدری صحابیوں کو بیٹھنے کو فرمایا۔ جو لوگ کھڑے کرائے گئے تھے انہیں ذرا بھاری پڑا' ادھر منافقین کے ہاتھ میں ایک مشغلہ لگ گیا' کہنے لگے لیجئے یہ عدل کرنے کے مدعی نبی ہیں کہ جو لوگ شوق سے آئے' پہلے آئے' اپنے نبی کے قریب جگہ لی' اطمینان سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے' انہیں تو ان کی جگہ سے کھڑا کر دیا اور دیر سے آنے والوں کو ان کی جگہ دلوا دی' کس قدر ناانصافی ہے' ادھر حضورؐ نے اس لئے کہ ان کے دل میلے نہ ہوں' دعا کی کہ اللہ اس پر رحم کرے جو اپنے مسلمان بھائی کے لئے مجلس میں جگہ کر دے' اس حدیث کو سنتے ہی صحابہؓ نے فوراً خود بخود اپنی جگہ سے ہٹنا اور آنے والوں کو جگہ دینا شروع کر دیا اور جمعہ ہی کے دن یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم)۔

بخاری' مسلم' مسند وغیرہ میں حدیث ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے ہٹا کر وہاں نہ بیٹھے بلکہ تمہیں چاہئے کہ ادھر

ادھر سرک کر اس کے لئے جگہ بنا دو۔ شافعی میں ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو جمعہ کے دن اس کی جگہ سے ہرگز نہ اٹھائے بلکہ کہہ دے کہ گنجائش کرو۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ کسی آنے والے کے لئے کھڑے ہو جانا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ تو اجازت دیتے ہیں اور یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ' بعض علماء منع کرتے ہیں اور یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ لوگ اس کے لئے سیدھے کھڑے ہو جایا کریں وہ جہنم میں اپنی جگہ بنا لے۔

بعض بزرگ تفصیل بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سفر سے اگر کوئی آیا ہو تو اور حاکم کے لئے اس کی حکومت کی جگہ کھڑے ہو جانا درست ہے کیونکہ حضورؐ نے جن کے لئے کھڑا ہونے کو فرمایا تھا یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' بنو قریظہ کے آپ حاکم بنائے گئے تھے' جب انہیں آتا ہوا دیکھا تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور یہ (بطور تعظیم کے نہ تھا بلکہ) صرف اس لئے تھا کہ ان کے احکام کو بخوبی جاری کرائے واللہ اعلم' ہاں اسے عادت بنا لینا کہ مجلس میں جہاں کوئی بڑا آدمی آیا اور لوگ کھڑے ہو گئے' یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب اور باعزت کوئی نہ تھا لیکن تاہم آپ کو دیکھ کر وہ کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے' جانتے تھے کہ آپ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ سنن کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ آتے ہی مجلس کے خاتمہ پر بیٹھ جایا کرتے تھے اور جہاں آپ تشریف فرما ہو جاتے وہی جگہ صدارت کی جگہ ہو جاتی اور صحابہ کرامؓ اپنے اپنے مراتب کے مطابق مجلس میں بیٹھ جاتے' حضرت الصدیق رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں جانب فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے بائیں اور عموماً حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما آپ کے سامنے بیٹھتے تھے۔ کیونکہ یہ دونوں بزرگ کاتب وحی تھے' آپ ان سے فرماتے اور یہ وحی کو لکھ لیا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور کا فرمان تھا کہ مجھ سے قریب ہو کر عقل مند صاحب فراست لوگ بیٹھیں پھر درجہ بدرجہ اور یہ انتظام اس لئے تھا کہ حضورؐ کے مبارک ارشادات یہ حضرات سنیں اور بخوبی سمجھیں' یہی وجہ تھی کہ صفہ والی مجلس میں جس کا ذکر ابھی ابھی گذرا ہے آپ نے اور لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر وہ جگہ بدری صحابہ کو دلوائی' گو اس کے ساتھ اور وجہیں بھی تھیں مثلاً ان لوگوں کو خود چاہئے تھا کہ ان بزرگ صحابہ کا خیال کرتے اور لحاظ و مروت برت کے خود ہٹ کر انہیں جگہ دیتے' جب انہوں نے از خود ایسا نہیں کیا تو پھر حکماً ان سے ایسا کرایا گیا۔ اسی طرح پہلے کے لوگ حضورؐ کے بہت سے کلمات پوری طرح سن چکے تھے اب یہ حضرات آئے تھے تو آپ نے چاہا کہ یہ بھی بہ آرام بیٹھ کر میری حدیثیں سن لیں اور خدائی تعلیم حاصل کر لیں' اسی طرح امت کو اس بات کی تعلیم بھی دینی تھی کہ وہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کو امام کے پاس بیٹھنے دیں اور انہیں اپنے سے مقدم رکھیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کی صفوں کی درستی کے وقت ہمارے مونڈھے خود پکڑ پکڑ کر ٹھیک ٹھاک کرتے اور زبانی بھی فرماتے جاتے' سیدھے رہو' ٹیڑھے ترچھے نہ کھڑے ہوا کرو' دانائی اور عقل مندی والے مجھ سے بالکل قریب رہیں پھر درجہ بہ درجہ۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو بیان فرما کر فرماتے باوجود اس حکم کے افسوس کہ تم اب بڑی ٹیڑھی صفیں کرتے ہو۔ مسلم ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ظاہر ہے کہ جب آپ کا یہ حکم نماز کے لئے تھا تو نماز کے سوا کسی اور وقتوں میں تو بطور اولیٰ یہی حکم رہے گا۔ ابوداؤد شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صفوں کو درست کرو' مونڈھے ملائے رکھو' صفوں کے درمیان خالی جگہ نہ چھوڑو' اپنے بھائیوں کے پاس صف میں نرم بن جایا کرو' صف میں شیطان کے لئے سوراخ نہ چھوڑو' صف ملانے والے کو اللہ تعالیٰ ملاتا ہے اور صف توڑنے والے کو اللہ تعالیٰ کاٹ دیتا ہے۔ اسی لئے سید القراء حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب پہنچتے تو صف اول میں سے کسی ضعیف العقل شخص کو پیچھے ہٹا دیتے اور خود پہلی صف میں مل جاتے اور اسی حدیث کو دلیل میں لاتے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے مجھ سے قریب ذی رائے اور اعلیٰ عقل مند کھڑے ہوں پھر درجہ بہ درجہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھ کر اگر کوئی شخص کھڑا ہو جاتا تو آپ اس کی جگہ پر نہ بیٹھتے اور اس حدیث کو پیش کرتے جو اوپر گذری کہ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ میں کوئی اور نہ بیٹھے۔ یہاں بطور نمونے کے یہ چند مسائل اور تھوڑی حدیثیں لکھ کر ہم آگے چلتے ہیں' بسط و تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں نہ یہ موقع ہے' ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے ایک تو مجلس کے درمیان جگہ خالی دیکھ کر وہاں آ کر بیٹھ گئے' دوسرے نے مجلس کے آخر میں جگہ بنا لی تیسرے واپس چلے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا لوگو! میں تمہیں تین شخصوں کی بابت خبر دوں ایک نے تو اللہ کی طرف جگہ لی اور اللہ تعالیٰ نے اسے جگہ دی' دوسرے نے شرم کی اللہ نے بھی اس سے حیا کی' تیسرے نے منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔ مسند احمد میں ہے کہ کسی کے لیے حلال نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان تفریق کرے ہاں ان کی خوشنودی سے ہو تو اور بات ہے (ابو داؤد و ترمذی) امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت حسن بصریؒ وغیرہ فرماتے ہیں مجلسوں کی کشادگی کا حکم جہاد کے بارے میں ہے' اسی طرح اٹھ کھڑے ہونے کا حکم بھی جہاد کے بارے میں ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی جب تمہیں بھلائی اور کار خیر کی طرف بلایا جائے تو تم فوراً آ جاؤ۔ حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں نماز کے لئے بلایا جائے تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ جب حضورؐ کے ہاں آتے تو جاتے وقت ہر ایک کی چاہت یہ ہوتی کہ سب سے آخر حضورؐ سے جدا میں ہوں' بسا اوقات آپ کو کوئی کام کاج ہوتا تو بڑا حرج ہوتا لیکن آپ مروت سے کچھ نہ فرماتے' اس پر یہ حکم ہوا کہ جب تم سے کھڑے ہونے کو کہا جائے تو کھڑے ہو جایا کرو۔ جیسے اور جگہ ہے وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو لوٹ جاؤ۔ پھر فرماتا ہے کہ مجلسوں میں جگہ دینے کو جب کہا جائے تو جگہ دینے میں اور جب چلے جانے کو کہا جائے تو چلے جانے میں اپنی ہتک نہ سمجھو بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ بلند کرنا اور اپنی توقیر کرانا ہے' اسے خدا ضائع نہ کرے گا بلکہ اس پر دنیا اور آخرت میں نیک بدلہ دے گا' جو شخص احکام خدا پر تواضع سے گردن جھکا دے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور اس کی شہرت نیکی کے ساتھ کرتا ہے' ایمان والوں اور صحیح علم والوں کا یہی کام ہوتا ہے کہ اللہ کے احکام کے سامنے گردن جھکا دیا کریں اور اس سے وہ بلند درجوں کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ بلند مرتبوں کا مستحق کون ہے اور کون نہیں۔

حضرت نافع بن عبدالحارث سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات عسفان میں ہوتی ہے' حضرت عمرؓ نے انہیں مکہ شریف کا عامل بنایا تھا تو ان سے پوچھا کہ تم مکہ شریف میں اپنی جگہ کسے چھوڑ آئے ہو؟ جواب دیا کہ ابن ابزیٰ کو۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا وہ تو ہمارے مولیٰ ہیں یعنی آزاد کردہ غلام' انہیں تم اہل مکہ کا امیر بنا کر چلے ہو؟ کہا ہاں' اس لئے کہ وہ خدا کی کتاب کا ماہر اور فرائض کا جاننے والا اور اچھا وعظ کہنے والا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس وقت فرمایا سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے ایک قوم کو عزت پر پہنچا کر بلند مرتبہ کرے گا اور بعضوں کو پست و کم مرتبہ بنا دے گا۔ (مسلم) علم اور علماء کی فضیلت جو اس آیت اور دیگر آیات و احادیث سے ظاہر ہے میں نے ان سب کو بخاری شریف کی کتاب العلم کی شرح میں جمع کر دیا ہے والحمد للہ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اے مسلمانو! جب تم رسولؐ سے سرگوشی کرنی چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو' یہ تمہارے حق میں بہتر اور پاکیزہ تر ہے' ہاں اگر نہ پاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ

بڑا بخشنے والا مہربان ہے ○

نبی کریم ﷺ سے سرگوشی کی منسوخ شرط: ☆☆ (آیت:۱۲) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ میرے نبیؐ سے جب تم کوئی راز کی بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے میری راہ میں خیرات کیا کرو' تا کہ تم پاک صاف ہو جاؤ اور اس قابل بن جاؤ کہ میرے پیغمبرؐ سے مشورہ کر سکو ہاں اگر کوئی غریب مسکین شخص ہو تو خیر اسے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کے رحم پر نظریں رکھنی چاہئیں' یعنی یہ حکم صرف انہیں ہے جو مالدار ہوں۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

کیا تم اپنی راز کی باتوں سے پہلے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے؟ پس جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں معاف فرما دیا اور اب بخوبی نمازوں کو قائم رکھو زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی تابعداری کرتے رہو' تم جو کچھ کرتے ہو اس سب سے اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے ○

(آیت:۱۳) پھر فرمایا کیا تمہیں اس حکم کے باقی رہ جانے کا اندیشہ تھا اور خوف تھا کہ یہ صدقہ کب تک واجب رہے گا۔ اچھا جب تم نے اسے نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں معاف فرمایا تو اب اور مذکورہ بالا فرائض کا پوری طرح خیال رکھو۔ کہا جاتا ہے کہ سرگوشی سے پہلے صدقہ نکالنے کا شرف صرف حضرت علیؓ کو حاصل ہوا ہے پھر یہ حکم ہٹ گیا' ایک دینار دے کر آپ نے حضورؐ سے پوشیدہ باتیں کیں' دس مسائل پوچھے۔ پھر تو یہ حکم ہی ہٹ گیا۔ حضرت علیؓ سے خود بھی یہ واقعہ بہ تفصیل مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اس آیت پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا نہ میرے بعد کوئی عمل کر سکے' میرے پاس ایک دینار تھا جسے تڑوا کر میں نے دس درہم لے لئے' ایک درہم اللہ کے نام پر کسی مسکین کو دے دیا پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے سرگوشی کی' پھر تو یہ حکم اٹھ گیا تو مجھ سے پہلے بھی کسی نے اس پر عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد کوئی اس پر عمل کر سکتا ہے۔ پھر آپؓ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ ابن جریر میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کیا صدقہ کی مقدار ایک دینار مقرر کرنی چاہئے تو آپ نے فرمایا یہ تو بہت ہوئی' فرمایا پھر آدھا دینار' کہا ہر شخص کو اس کی بھی طاقت نہیں' آپ نے فرمایا اچھا تم ہی بتلاؤ کس قدر؟ فرمایا ایک جو برابر سونا' آپ نے فرمایا واہ واہ تم تو بڑے ہی زاہد ہو۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں پس میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف کر دی' ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اسے حسن غریب کہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مسلمان برابر حضورؐ سے راز داری کرنے سے پہلے صدقہ نکالا کرتے تھے لیکن زکوٰۃ کے حکم نے اسے اٹھا دیا۔ آپ فرماتے ہیں صحابہؓ نے کثرت سے سوالات کرنے شروع کر دیئے جو حضورؐ پر گراں گذرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دے کر آپ پر تخفیف کر دی کیونکہ اب لوگوں نے سوالات چھوڑ دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کشادگی کر دی اور اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ عکرمہؒ اور حسن بصریؒ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ حضرت قتادہؒ اور حضرت مقاتلؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ صرف دن کی چند ساعتوں تک یہ حکم رہا' حضرت علیؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ صرف میں ہی عمل کر سکا تھا اور دن کا تھوڑا ہی حصہ اس حکم کو نازل ہوئے ہوا تھا جو منسوخ ہو گیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہوں نے اس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ غضبناک ہو چکا ہے نہ یہ منافق تمہارے ہی ہیں نہ ان کے یہ باوجود علم کے پھر بھی جھوٹ پر قسمیں کھا رہے ہیں ○ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، تحقیق جو کچھ یہ کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں ○ ان لوگوں نے تو اپنی قسمیں ڈھالیں بنا رکھی ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے ○ ان کے مال اور ان کی اولادیں انہیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں، ہمیشہ ہی اس میں رہنے والے ○

دوغلے لوگوں کا کردار: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۹) منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ اپنے دل میں یہود کی محبت رکھتے ہیں گو وہ اصل میں ان کے بھی حقیقی ساتھی نہیں حقیقت میں نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے ہیں، صاف جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں۔ ایمانداروں کے پاس آ کر ان کی سی کہنے لگتے ہیں، رسول کے پاس آ کر قسمیں کھا کر اپنی ایمانداری کا یقین دلاتے ہیں اور دل میں اس کے خلاف جذبات پاتے ہیں اور اپنی اس غلط گوئی کا علم رکھتے ہوئے بے دھڑک قسمیں کھا لیتے ہیں، ان کی ان بداعمالیوں کی وجہ سے انہیں سخت تر عذاب ہوں گے، اس دھوکا بازی کا برابر بدلہ انہیں دیا جائے گا۔ یہ تو اپنی قسموں کو اپنی ڈھالیں بنائے ہوئے ہیں اور اللہ کی راہ سے رک گئے ہیں، ایمان ظاہر کرتے ہیں کفر دل میں رکھتے ہیں اور قسموں سے اپنی باطنی بدی کو چھپاتے ہیں اور ناواقف لوگوں پر اپنی سچائی کا ثبوت اپنی قسموں سے پیش کر کے انہیں اپنا مداح بنا لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں۔

چونکہ انہوں نے جھوٹی قسموں سے خدائے تعالیٰ کے پر از صد ہزار تکریم نام کی بے عزتی کی تھی اس لئے انہیں ذلت واہانت والے عذاب ہوں گے، جن عذابوں کو نہ ان کے مال دفع کر سکیں نہ اس وقت ان کی اولادیں انہیں کچھ کام آئیں، یہ تو جہنمی بن چکے اور وہاں سے ان کا نکلنا بھی کبھی نہ ہو گا، قیامت والے دن جب ان کا حشر ہو گا اور ایک بھی اس میدان میں آئے بغیر نہ رہے گا، سب جمع ہو جائیں گے تو چونکہ زندگی میں ان کی عادت تھی کہ اپنی جھوٹ بات کو قسموں سے سچ بات کر دکھاتے تھے آج خدا کے سامنے بھی اپنی ہدایت واستقامت پر بڑی بڑی قسمیں کھا لیں گے اور سمجھتے ہوں گے کہ یہاں بھی یہ چالاکی چل جائے گی مگر ان جھوٹوں کی بھلا اللہ کے سامنے چال بازی کہاں چل سکتی ہے؟ وہ تو ان کا جھوٹا ہونا یہاں بھی مسلمانوں سے بیان فرما چکا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے حجرے کے سائے میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرامؓ بھی آس پاس بیٹھے تھے، سایہ دار

جگہ کم تھی' بمشکل لوگ اس میں پناہ لئے بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا دیکھو ابھی ایک شخص آئے گا جو شیطانی نگاہ سے دیکھتا ہے' وہ آئے تو اس سے بات نہ کرنا' تھوڑی دیر میں ایک کیری آنکھوں والا شخص آیا' حضورؐ نے اسے اپنے پاس بلا کر فرمایا کیوں بھئی تو اور فلاں اور فلاں مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو؟ یہ یہاں سے چلا گیا اور جن جن کا نام حضورؐ نے لیا تھا انہیں لے کر آیا اور پھر تو قسموں کا تانتا باندھ دیا کہ ہم میں سے کسی نے حضورؐ کی کوئی بے ادبی نہیں کی۔ اس پر یہ آیت اتری کہ یہ جھوٹے ہیں' یہی حال مشرکوں کا بھی دربار خدا میں ہوگا کہ قسمیں کھا جائیں گے کہ ہمیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے کہ ہم نے شرک نہیں کیا۔ پھر فرماتا ہے ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے اور ان کے دل کو اپنی مٹھی میں کر لیا ہے' اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے انہیں دور ڈال دیا ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس کسی بستی یا جنگل میں تین شخص بھی ہوں اور ان میں نماز نہ قائم کی جاتی ہو تو شیطان ان پر چھا جاتا ہے' پس تو جماعت کو لازم پکڑے رہ' بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو۔ حضرت سائبؒ فرماتے ہیں یہاں مراد جماعت سے نماز کی جماعت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا کے ذکر کو فراموش کرنے والے اور شیطان کے قبضے میں پھنس جانے والے شیطانی جماعت کے افراد ہیں' شیطان کا یہ لشکر یقیناً نامراد اور زیاں کار ہے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰۗىِٕكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو کھڑا کرے گا تو یہ جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی قسمیں کھانے لگیں گے اور کہیں گے کہ وہ بھی کچھ ہیں' یقین مانو کہ بیشک یہ جھوٹے ہیں ○ ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے' یہ شیطانی لشکر ہے کوئی شک نہیں کہ شیطانی لشکر ہی خراب خستہ ہے ○ بیشک اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسولؐ کی جو لوگ مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں ○ اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ بیشک میں اور میرے پیغمبرؑ غالب رہیں گے یقیناً اللہ تعالیٰ زور آور اور غالب ہے ○

جو حق سے پھرا وہ ذلیل وخوار ہوا: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ حق سے برگشتہ ہیں' ہدایت سے دور ہیں' اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں' احکام شرع کی اطاعت سے الگ ہیں' یہ لوگ انتہا درجے کے ذلیل' بے وقار اور خستہ حال ہیں' رحمت رب سے دور' اللہ کی مہربانی بھری نظروں سے اوجھل اور دنیا و آخرت میں برباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فیصلہ کر چکا ہے بلکہ اپنی پہلی کتاب میں ہی لکھ چکا ہے اور مقدر کر چکا ہے' جو تقدیر اور جو تحریر نہ مٹے نہ بدلے' نہ اسے ہیر پھیر کرنے کی کسی میں طاقت کہ وہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور اس کے مومن بندے دنیا اور آخرت میں غالب رہیں گے جیسے اور جگہ ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ' ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان دار بندوں کی ضرور ضرور مدد کریں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' جس دن گواہ قائم ہو جائیں گے اور جس دن گنہگاروں کو کوئی

عذر و معذرت فائدہ نہ پہنچائے گی' ان پر لعنتیں برستی ہوں گی اور ان کے لئے برا گھر ہوگا - یہ لکھنے والا خدا قوی ہے اور اس کی لکھت اٹل ہے' وہ غالب وقہار ہے' اپنے دشمنوں پر ہر وقت قابو رکھنے والا ہے' اس کا یہ اٹل فیصلہ اور طے شدہ قضا ہے کہ دونوں جہان میں انجام کے اعتبار سے غلبہ و نصرت مومنوں کا حصہ ہے-

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَاۤدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائے گا' گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں' یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں' یہ اللہ کا لشکر ہے' آگاہ رہو بیشک اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں ○

اللہ کے دشمنوں سے عداوت: ☆☆ (آیت: ۲۲) آپ پھر فرمایا کہ یہ ناممکن ہے کہ خدا کے دوست دشمنان خدا سے محبت رکھیں - ایک اور جگہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دلی دوست نہ بنائیں' ایسا کرنے والے خدا کے ہاں کسی گنتی میں نہیں' ہاں ڈر خوف کے وقت بطور دفع للوقتی کے ہو تو اور بات ہے' اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی گرامی ذات سے ڈرا رہا ہے - ایک اور جگہ ہے ''اے نبی! آپ اعلان کر دیجئے کہ اگر تمہارے باپ' دادے' بیٹے' پوتے' بچے' کنبہ' قبیلہ' مال' دولت' تجارت' حرفت' گھر بار وغیرہ تمہیں بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول کے اور اس کی راہ کے جہاد سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں تو تم خدا کے عنقریب برس پڑنے والے عذابوں کا انتظار کرو' اس قسم کے فاسقوں کی رہبری بھی اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی - حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے - جنگ بدر میں ان کے والد کفر کی حمایت میں مسلمانوں کے مقابلے پر آئے آپ نے انہیں قتل کر دیا-

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آخری وقت میں جبکہ خلافت کے لئے ایک جماعت کو مقرر کیا کہ یہ لوگ مل کر جسے چاہیں خلیفہ بنا لیں' اس وقت حضرت ابوعبیدہؓ کی نسبت فرمایا تھا کہ اگر یہ ہوتے تو میں انہی کو خلیفہ مقرر کرتا - یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ایک ایک صفت الگ الگ بزرگوں میں تھی مثلاً حضرت ابوعبیدہ ابن جراحؓ نے تو اپنے والد کو قتل کیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے قتل کا ارادہ کیا تھا اور حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا تھا اور حضرت عمر اور حضرت حمزہ اور حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ' شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا تھا واللہ اعلم-

اسی ضمن مین یہ واقعہ بھی داخل ہوسکتا ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے بدری قیدیوں کی نسبت مسلمانوں سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو فرمایا کہ ان سے فدیہ لے لیا جائے تاکہ مسلمانوں کی مالی مشکلات دور ہو جائیں مشرکوں سے جہاد کرنے کے لئے آلات حرب جمع کر لیں اور یہ چھوڑ دیئے جائیں کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل اسلام کی طرف پھیر دے آخر ہیں تو ہمارے ہی کنبے رشتے کے۔ لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے اس کے بالکل برخلاف پیش کی کہ یا رسول اللہ! جس مسلمان کا جو رشتہ دار مشرک ہے اس کے حوالے کر دیا جائے اور اسے حکم دیا جائے کہ وہ اسے قتل کر دے ہم اللہ تعالیٰ کو دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ان مشرکوں کی کوئی محبت نہیں مجھے فلاں رشتہ دار سونپ دیجئے اور حضرت علیؓ کے حوالے عقیل کو کر دیجئے اور فلاں صحابیؓ کو فلاں کافر دے دیجئے وغیرہ۔ پھر فرماتا ہے کہ جو اپنے دل کو دشمنان خدا کی محبت سے خالی کر دے اور مشرک رشتہ داروں سے بھی محبت چھوڑ دے وہ کامل الایمان شخص ہے جس کے دل میں ایمان نے جڑیں جمالی ہیں اور جن کی قسمت میں سعادت لکھی جا چکی ہے اور جن کی نگاہ میں ایمان کی زینت بچ گئی ہے اور ان کی تائید اللہ تعالیٰ نے اپنی پاس کی روح سے کی ہے یعنی انہیں قوی بنا دیا ہے اور یہی بہتی ہوئی نہروں والی جنت میں جائیں گے جہاں سے کبھی نہ نکالے جائیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی یہ اللہ سے خوش چونکہ انہوں نے خدا کے لئے رشتہ کنبہ والوں کو ناراض کر دیا تھا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ان سے راضی ہو گیا اور انہیں اس قدر دیا کہ یہ بھی خوش ہو گئے۔ خدائی لشکر یہی ہے اور کامیاب گروہ بھی یہی ہے جو شیطانی لشکر اور ناکام گروہ کے مقابل ہے۔ حضرت ابو حازم اعرجؒ نے حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ جاہ دو قسم کی ہے ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے جو حضرات عام لوگوں کی نگاہوں میں نہیں جچتے جن کی عام شہرت نہیں ہوتی جن کی صفت اللہ کے رسول ﷺ نے بھی بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو گمنام متقی نیکوکار ہیں اگر وہ نہ آئیں تو پوچھ گچھ نہ ہو اور آ جائیں تو آؤ بھگت نہ ہو ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں ہر سیاہ رنگ اندھیرے والے فتنے سے نکلتے ہیں یہ ہیں وہ اولیاء جنہیں خدا نے اپنا لشکر فرمایا ہے اور جن کی کامیابی کا اعلان کیا ہے۔ (ابن ابی حاتم)

نعیم بن حماد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں فرمایا اے اللہ! کسی فاسق فاجر کا کوئی احسان اور سلوک مجھ پر نہ رکھ کیونکہ میں نے تیری نازل کردہ وحی میں پڑھا ہے کہ ایماندار مخالفین اللہ کے دوست نہیں ہوتے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اگلوں کا خیال ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو بادشاہ سے خلط ملط رکھتے ہوں (ابو احمد عسکری) الحمدللہ سورۂ مجادلہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الحشر

صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا یہ سورۂ حشر ہے تو آپ نے فرمایا قبیلہ بنو نضیر کے بارے میں اتری ہے۔ بخاری شریف کی اور روایت میں ہے کہ آپ نے جواباً فرمایا یہ سورت سورۂ بنو نضیر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ ۚ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۖ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۲

میں اللہ تعالیٰ رحمان ورحیم کے نام سے پڑھنا شروع کرتا ہوں ○

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہ غالب ہے اور باحکمت ہے ○ وہی ہے جس نے اہل کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے نکال کر پہلے حشر کی زمین میں لا کھڑا کیا' تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور خود وہ بھی سمجھ رہے تھے کہ ان کے سنگین قلعے انہیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے پس ان پر عذاب الٰہی ایسی جگہ سے آپڑا کہ انہیں گمان بھی نہ تھا ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا' اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں برباد کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں بھی برباد ہوئے پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو ○

یہودیوں کی جلا وطنی: ☆☆ (آیت:۱-۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح' تقدیس' تمجید' تکبیر اور توحید میں مشغول ہے- جیسے اور جگہ فرمان الٰہی ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ یعنی ''ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور ثناخوانی کرتی ہے' وہ غلبہ والا اور بلند جناب والا اور عالی سرکار والا ہے اور اپنے تمام احکام اور کل فرمان میں حکمت والا ہے''- جس نے اہل کتاب کے کافروں یعنی قبیلہ بنونضیر کے یہودیوں کو ان کے گھروں سے نکالا اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ مدینہ میں آ کر حضورؐ نے ان یہودیوں سے صلح کر لی تھی کہ نہ آپ ان سے لڑیں نہ یہ آپ سے لڑیں' لیکن ان لوگوں نے اس عہد کو توڑ دیا' جس کی وجہ سے خدا کا غضب ان پر نازل ہوا' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان پر غالب کیا اور آپ نے انہیں یہاں سے نکال دیا' مسلمانوں کو کبھی اس کا خیال تک نہ تھا' خود یہ یہود بھی سمجھ رہے تھے کہ ان مضبوط قلعوں کے ہوتے کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا- لیکن جب خدا کی پکڑ آئی یہ سب چیزیں یونہی رکھی کی رکھی رہ گئیں اور اچانک اس طرح گرفت میں آ گئے کہ حیران رہ گئے اور آپ نے انہیں مدینہ سے نکلوا دیا-

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا تو یقیناً انہیں دنیا ہی میں عذاب کرتا اور آخرت میں تو ان کے لئے آگ کا عذاب ہے ہی ○ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ سے مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ بھی سخت عذاب کرنے والا ہے ○ تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ

ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا اور اس لئے بھی کہ بدکاروں کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے ○

بعض تو شام کی زراعتی زمینوں میں چلے گئے جو حشر ونشر کی جگہ ہے اور بعض خیبر کی طرف جا نکلے۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ اپنے اونٹوں پر لاد کر جو لے جا سکو اپنے ساتھ لے جاؤ' اس لئے انہوں نے اپنے گھروں کو اجاڑ دیا' توڑ پھوڑ کر جو چیزیں لے جا سکتے تھے اپنے ساتھ اٹھالیں' جو رہ گئیں وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ اس واقعہ کو بیان کر کے فرماتا ہے کہ اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے مخالفین کا انجام دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو کہ کس طرح ان پر عذاب الٰہی اچانک آ پڑا اور دنیا میں بھی تباہ و برباد کئے گئے اور آخرت میں بھی ذلیل و رسوا ہو گئے اور دردناک عذابوں میں جا پڑے۔

ابوداؤد میں ہے کہ ابن ابی اور اس کے مشرک ساتھیوں کو جو قبیلہ اوس وخزرج میں سے تھے کفار قریش نے خط لکھا' یہ خط انہیں حضور علیہ السلام کے بدر کے میدان سے واپس لوٹنے سے پہلے مل گیا تھا' اس میں تحریر تھا کہ تم نے حضورؐ کو اپنے شہر میں ٹھہرایا ہے پس یا تو تم اس سے لڑائی کرو اور اسے نکال کر باہر کرو یا ہم تمہیں نکال دیں گے اور اپنے تمام لشکروں کو لے کر تم پر حملہ کریں گے اور تمہارے تمام لڑنے والوں کو ہم تہ تیغ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں لڑکیوں کو لونڈیاں بنالیں گے' اللہ کی قسم یہ ہو کر ہی رہے گا' اب تم سوچ سمجھ لو۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے بت پرست ساتھیوں نے اس خط کو پا کر آپس میں مشورہ کیا اور خفیہ طور پر حضورؐ سے لڑائی کرنے کی تجویز بالاتفاق منظور کر لی۔ جب حضور ﷺ کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو آپ خود ان کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریشیوں کا خط کام کر گیا اور تم لوگ اپنی موت کے سامان اپنے ہاتھوں کرنے لگے ہو' تم اپنی اولادوں اور اپنے بھائیوں کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنا چاہتے ہو' میں تمہیں پھر ایک مرتبہ موقع دیتا ہوں کہ سوچ سمجھ لو اور اپنے اس بدارادے سے باز آ جاؤ۔ حضورؐ کے اس ارشاد نے ان پر اثر کیا اور وہ لوگ اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ لیکن قریش نے بدر سے فارغ ہو کر انہیں پھر ایک خط لکھا اور اسی طرح دھمکایا' انہیں ان کی قوت' ان کی تعداد اور ان کے مضبوط قلعے یاد دلائے۔ یہ پھر اکڑ میں آ گئے اور بنونضیر نے صاف طور پر بدعہدی پر کمر باندھ لی اور حضورؐ کے پاس قاصد بھیجا کہ آپ تیس آدمی لے کر آیئے ہم میں سے بھی تیس ذی علم آدمی آتے ہیں' ہمارے تمہارے درمیان کی جگہ پر یہ ساٹھ آدمی ملیں اور آپس میں بات چیت ہو۔ اگر یہ لوگ آپ کو سچا مان لیں اور ایمان لے آئیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ اس بدعہدی کی وجہ سے دوسرے دن صبح رسول اللہ ﷺ نے اپنے لشکر لے جا کر ان کا محاصرہ کر لیا اور ان سے فرمایا کہ اب اگر تم نئے سرے سے امن وامان کا عہد و پیمان کرو تو خیر ورنہ تمہیں امن نہیں انہوں نے صاف انکار کر دیا اور لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے' چنانچہ دن بھر لڑائی ہوتی رہی' دوسری صبح کو آپ بنوقریظہ کی طرف لشکر لے کر بڑھے اور بنونضیر کو یونہی چھوڑا' ان سے بھی یہی فرمایا کہ تم نئے سرے سے عہد و پیمان کرو' انہوں نے منظور کر لیا اور معاہدہ ہو گیا۔ آپ وہاں سے فارغ ہو کر پھر بنونضیر کے پاس آئے' لڑائی شروع ہوئی آخر یہ ہارے اور حضورؐ نے انہیں حکم دیا کہ تم مدینہ خالی کر دو' جو اسباب لے جانا چاہو اونٹوں پر لاد کر لے جاؤ' چنانچہ انہوں نے گھربار کا اسباب یہاں تک کہ دروازے اور لکڑیاں بھی اونٹوں پر لاد دیں اور جلاوطن ہو گئے' ان کے کھجوروں کے درخت خاصۃ رسول اللہ ﷺ کے ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے یہ آپ کو ہی دلوا دیئے' جیسے آیت وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ الخ' میں ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے اکثر حصہ مہاجرین کو دے دیا' ہاں انصاریوں میں سے صرف دو حاجت مندوں کو ہی حصہ دیا اور نہ سب کا سب مہاجرین میں تقسیم کر دیا' جو باقی رہ گیا تھا یہی وہ مال تھا جو رسول اللہ ﷺ کا صدقہ تھا اور جو بنوفاطمہ کے ہاتھ لگا۔ غزوہ بنونضیر کا مختصر قصہ اور سبب یہ ہے کہ مشرکوں نے دھوکا بازی سے صحابہ کرامؓ کو بئر معونہ میں شہید کر دیا جن کی تعداد ستر تھی' ان میں سے ایک حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچ کر بھاگ نکلے' مدینہ شریف کی طرف آئے' آتے ہی موقع پا کر انہوں نے قبیلہ بنوعامر کے دو شخصوں کو قتل کر دیا حالانکہ یہ قبیلہ رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ

کر چکا تھا اور آپ نے انہیں امن وامان دے رکھا تھا' لیکن اس کی خبر حضرت عمرو کو نہ تھی' جب یہ مدینے پہنچے اور حضورؐ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تم نے انہیں قتل کر ڈالا اب مجھے ان کے وارثوں کو دیت یعنی جرمانہ قتل ادا کرنا پڑے گا' بنونضیر اور بنو عامر میں بھی حلف وعقد اور آپس میں مصالحت تھی اس لئے حضورؐ ان کی طرف چلے تاکہ کچھ یہ دیں کچھ آپ دیں اور بنو عامر کو راضی کر لیا جائے۔ قبیلہ بنونضیر کی گڑھی مدینہ کی مشرق کی جانب کئی میل کے فاصلے پر تھی' جب آپ یہاں پہنچے تو انہوں نے کہا ہاں حضورؐ ہم موجود ہیں' ابھی ابھی جمع کر کے اپنے حصے کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر کرتے ہیں' ادھر آپ سے ہٹ کر یہ لوگ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس سے بہتر موقع کب ہاتھ لگے گا۔ اس وقت آپ قبضے میں ہیں' آؤ کام تمام کر ڈالو چنانچہ یہ مشورہ ہوا کہ جس دیوار سے آپ لگے بیٹھے ہیں اس گھر پر کوئی چڑھ جائے اور وہاں سے بڑا سا پتھر آپ پر پھینک دے کہ آپ دب جائیں۔ عمرو بن مجاش بن کعب اس کام پر مقرر ہوا' اس نے آپ کی جان لینے کا بیڑا اٹھایا اور چھت پر چڑھ گیا' چاہتا تھا کہ پتھر لڑھکا دے اتنے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حضورؐ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ آپ یہاں سے اٹھ کھڑے ہوں' چنانچہ آپ فوراً ہٹ گئے اور یہ بدباطن اپنے برے ارادے میں ناکام رہے۔ آپ کے ساتھ اس وقت چند صحابہ تھے مثلاً حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

آپ یہاں سے فوراً مدینہ شریف کی طرف چل پڑے۔ ادھر جو صحابہ آپ کے ساتھ نہ تھے اور مدینہ میں آپ کے منتظر تھے' انہیں دیر لگنے کے باعث خیال ہوا اور وہ آپ کو ڈھونڈنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے لیکن ایک شخص سے معلوم ہوا کہ آپ مدینہ شریف پہنچ گئے ہیں' چنانچہ یہ لوگ وہیں آئے پوچھا کہ حضورؐ کیا واقعہ ہے۔ آپ نے سارا قصہ کہہ سنایا اور حکم دیا کہ جہاد کی تیاری کرو' مجاہدین نے کمریں باندھ لیں اور راہ خدا میں نکل کھڑے ہوئے' یہودیوں نے لشکروں کو دیکھ کر اپنے قلعہ کے پھاٹک بند کر دیئے اور پناہ گزین ہو گئے۔ آپ نے محاصرہ کر لیا پھر حکم دیا کہ ان کے کھجور کے درخت جو آس پاس ہیں' وہ کاٹ دیئے جائیں اور جلا دیئے جائیں' اب تو یہود چیخنے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ تو زمین میں فساد کرنے سے اوروں کو روکتے تھے اور فسادیوں کو برا کہتے تھے پھر یہ کیا ہونے لگا؟ پس ادھر تو درخت کٹنے کا غم' ادھر جو کمک آنے والی تھی اس کی طرف سے مایوسی' ان دونوں چیزوں نے ان یہودیوں کی کمر توڑ دی۔ کمک کا واقعہ یہ ہے کہ بنو عوف بن خزرج کا قبیلہ جس میں عبداللہ بن ابی ابن سلول اور ودیعہ اور مالک' ابن بنوقل اور سوید اور داعس وغیرہ تھے ان لوگوں نے بنونضیر کو کہلوا بھیجا تھا کہ تم مقابلے پر جمے رہو اور قلعہ خالی نہ کرو ہم تمہاری مدد پر ہیں' تمہارا دشمن ہمارا دشمن ہے' ہم تمہارے ساتھ مل کر اس سے لڑیں گے اور اگر تم نکلے تو ہم بھی نکلیں گے۔ لیکن اب تک ان کا یہ وعدہ پورا نہ ہوا اور انہوں نے یہودیوں کی کوئی مدد نہ کی' ادھر ان کے دل مرعوب ہو گئے تو انہوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! ہماری جان بخشی کیجئے' ہم مدینہ چھوڑ جاتے ہیں لیکن ہم اپنا جو مال اونٹوں پر لاد کر لے جا سکیں وہ ہمیں دے دیا جائے' آپ نے ان پر رحم کھا کر ان کی یہ درخواست منظور فرمالی اور یہ لوگ یہاں سے چلے گئے' جاتے وقت اپنے دروازوں تک کو اکھیڑ کر لے گئے' گھروں کو گرا گئے اور شام اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ ان کے باقی کے اہل خاص رسول اللہ ﷺ کے ہو گئے کہ آپ جس طرح چاہیں انہیں خرچ کریں۔ چنانچہ آپ نے مہاجرین اولین کو یہ مال تقسیم کر دیا ہاں انصار میں سے صرف دو شخصوں کو یعنی سہل بن حنیف اور ابو دجانہ سماک بن خوشہ کو دیا' اس لئے کہ یہ دونوں حضرات مساکین تھے۔ بنونضیر میں سے صرف دو شخص مسلمان ہوئے جن کے مال انہی کے پاس رہے' ایک تو یامین بن عمیر جو عمرو بن حجاش کے چچا کے لڑکے کا لڑکا تھا' یہ عمرو وہ ہے جس نے حضورؐ پر پتھر پھینکنے کا بیڑا اٹھایا تھا' دوسرے ابوسعد بن وہب' ایک مرتبہ حضورؐ نے حضرت یامین سے فرمایا کہ اے یامین! تیرے اس چچازاد بھائی نے دیکھ تو میرے ساتھ کس قدر برا برتاؤ برتا اور مجھے نقصان پہنچانے کی کس بے باکی سے کوشش کی؟ حضرت یامینؓ نے ایک شخص کو کچھ دینا کر کے عمرو کو قتل کرا دیا۔

سورۂ حشر اسی واقعہ بنونضیر کے بیان میں اتری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جسے اس میں شک ہو کہ محشر کی زمین شام کا ملک ہے وہ اس آیت کو پڑھ لے۔ ان یہودیوں سے جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم یہاں سے نکل جاؤ تو انہوں نے کہا ہم کہاں جائیں؟ آپ نے فرمایا محشر کی زمین کی طرف۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جب حضور نے بنونضیر کو جلاوطن کیا تو فرمایا یہ اول حشر ہے اور ہم بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے ہیں۔ (ابن جریر)

بنونضیر کے ان قلعوں کا محاصرہ صرف چھ روز رہا تھا' محاصرین کو قلعہ کی مضبوطی' یہودیوں کی زیادتی' یکجہتی' منافقین کی سازشیں اور خفیہ چالیں وغیرہ دیکھ کر ہرگز یہ یقین نہ تھا کہ اس قدر جلد یہ قلعہ خالی کر دیں گے' ادھر خود یہود بھی اپنے قلعہ کی مضبوطی پر نازاں تھے اور جانتے تھے کہ وہ ہر طرح محفوظ ہیں لیکن امر اللہ ایسی جگہ سے آ گیا جو ان کے خیال میں بھی نہ تھی۔ یہی دستور خدا ہے کہ مکار اپنی مکاری میں ہی رہتے ہیں اور بے خبران پر عذاب الٰہی آ جاتا ہے' ان کے دلوں میں رعب چھا گیا اور بھلا رعب کیوں نہ چھاتا' محاصرہ کرنے والے وہ تھے جنہیں اللہ کی طرف سے رعب دیا گیا تھا کہ دشمن مہینہ بھر کی راہ پر ہوتا اور وہیں اس کا دل دہلنے لگتا تھا' صلوت اللہ و سلامہ علیہ۔ یہودی اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو برباد کرنے لگے' چھتوں کی لکڑی اور دروازے لے جانے کے لئے توڑنے پھوڑنے شروع کر دیئے۔ مقاتلؒ فرماتے ہیں مسلمانوں نے بھی ان کے گھر توڑے اس طرح کہ جوں جوں آگے بڑھتے گئے' ان کے جو مکانات وغیرہ قبضے میں آتے گئے' میدان کشادہ کرنے کے لئے انہیں ڈھاتے گئے' اسی طرح خود یہود بھی اپنے مکانوں کو آگے سے تو محفوظ کرتے جاتے تھے اور پیچھے سے نقب لگا کر نکلنے کے راستے بناتے جاتے تھے' پھر فرماتا ہے اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو اور اس خدا سے ڈرو جس کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ اگر ان یہودیوں کے مقدر میں جلاوطنی ہوتی تو انہیں اس سے بھی سخت عذاب کیا جاتا' یہ قتل ہوتے اور قید کر لئے جاتے وغیرہ وغیرہ' پھر آخرت کے بدترین عذاب بھی ان کے لئے تیار ہیں۔ بنونضیر کی یہ لڑائی جنگ بدر کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ مال جو اونٹوں پر لد جائیں انہیں لے جانے کی اجازت تھی' مگر ہتھیار لے جانے کی اجازت نہ تھی' یہ اس قبیلے کے لوگ تھے جنہیں اس سے پہلے کبھی جلاوطنی ہوئی ہی نہ تھی' بقول حضرت عروہ بن زبیرؒ شروع سورت سے فَاسِقِيْنَ تک آیتیں اسی واقعہ کے بیان میں نازل ہوئی ہیں۔ جَلَاء کے معنی قتل وفنا کے بھی کئے گئے ہیں' حضور نے انہیں جلاوطنی کے وقت تین تین میں ایک ایک اونٹ اور ایک ایک مشک دی تھی' اس فیصلہ کے بعد بھی حضورؐ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے پاس بھیجا تھا اور انہیں اجازت دی تھی کہ تین دن میں اپنا سامان ٹھیک کر کے چلے جائیں' اس دنیوی عذاب کے ساتھ ہی اخروی عذاب کا بھی بیان ہو رہا ہے کہ وہاں بھی ان کے لئے حتمی اور لازمی طور پر جہنم کی آگ ہے۔ ان کی اس درگت کی اصلی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول ﷺ کا خلاف کیا اور ایک اعتبار سے تمام نبیوں کو جھٹلایا' اس لئے کہ ہر نبی نے آپ کی بابت پیش گوئی کی تھی یہ لوگ آپ کو پوری طرح جانتے تھے بلکہ اولاد کو ان کا باپ جس قدر پہچانتا ہے اس سے بھی زیادہ یہ لوگ نبی آخر الزماں کو جانتے تھے لیکن تاہم سرکشی اور حسد کی وجہ سے مانا نہیں بلکہ مقابلے پر تل گئے اور یہ ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے مخالفوں پر سخت عذاب نازل فرماتا ہے۔ لِيْنَة کہتے ہیں اچھی کھجوروں کے درختوں کو' عجوہ اور برنی جو کھجور کی قسمیں ہیں بقول بعض وہ لینہ میں داخل نہیں اور بعض کہتے ہیں صرف عجوہ نہیں اور بعض کہتے ہیں ہر قسم کی کھجوریں اس میں داخل ہیں' جن میں بویرہ بھی داخل ہے۔ یہودیوں نے جو بطور طعنہ کے کہا تھا کہ کھجوروں کے درخت کٹوا کر اپنے قول کے خلاف فعل کر کے زمین میں فساد کیوں پھیلاتے ہیں؟ یہ اس کا جواب ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ حکم رب سے اور اجازت خدا سے دشمنان خدا کو ذلیل و نا کام کرنے اور انہیں پست و بدنصیب کرنے کے لئے ہو رہا ہے' جو درخت باقی رکھے جائیں وہ اجازت سے اور جو کاٹے جاتے ہیں وہ بھی مصلحت کے ساتھ۔

یہ بھی مروی ہے کہ بعض مہاجرین نے بعض کو ان درختوں کے کاٹنے سے منع کیا تھا کہ آخر کو تو یہ مسلمانوں کو بہ طور مال غنیمت ملنے والے ہیں پھر انہیں کیوں کاٹا جائے؟ جس پر یہ آیت اتری کہ روکنے والے بھی حق بہ جانب ہیں اور کاٹنے والے بھی برحق ہیں ان کی نیت مسلمانوں کے نفع کی ہے اور ان کی نیت کافروں کو غیظ وغضب میں لانے اور انہیں ان کی شرارت کا مزہ چکھانے کی ہے اور یہ بھی ارادہ ہے کہ اس سے جل کر وہ غصے میں بھر کر میدان میں آ جائیں تو پھر دو دو ہاتھ ہو جائیں اور اعداء دین کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔ صحابہ نے یہ فعل کر تو لیا پھر ڈرے کہ ایسا نہ ہو کاٹنے میں یا باقی چھوڑنے میں اللہ کی طرف سے کوئی مواخذہ ہو تو انہوں نے حضورؐ سے پوچھا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی دونوں باتوں پر اجر ہے کاٹنے پر بھی اور چھوڑنے پر بھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ کٹوائے بھی تھے اور جلوائے بھی تھے۔ بنو قریظہ کے یہودیوں پر اس وقت حضورؐ نے احسان کیا اور ان کو مدینہ شریف میں ہی رہنے دیا لیکن بالآخر جب یہ بھی مقابلے پر آئے اور منہ کی کھائی تو ان کے لڑنے والے مرد تو قتل کئے گئے اور عورتیں اور بچے اور مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے' ہاں جو لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ایمان لائے وہ بچ رہے' پھر مدینہ سے تمام یہودیوں کو نکال دیا۔ بنو قینقاع کو بھی جن میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور بنو حارثہ کو بھی اور کل یہودیوں کو جلاوطن کیا۔ ان تمام واقعات کو عرب شاعروں نے اپنے اشعار میں بھی نہایت خوبی سے ادا کیا ہے جو سیرۃ ابن اسحاق میں مروی ہیں۔ یہ واقعہ بقول ابن اسحاقؒ کے احد اور بئر معونہ کے بعد کا ہے اور بقول عروہؒ بدر کے چھ مہینے بعد کا ہے' واللہ اعلم۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷

ان کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا ہے جس پر نہ تو تم نے اپنے گھوڑے دوڑائے ہیں نہ اونٹ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جس پر چاہے غالب کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○ جو مال بستیوں والوں کا اللہ تعالیٰ تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ ہی کا ہے اور رسول کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تاکہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال بھی دست گرداں نہ رہ جائے' تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو' البتہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے ○

مال فے کی تعریف وضاحت اور حکم رسول ﷺ کی تعمیل ہی اصل ایمان ہے : ☆☆ (آیت:۶-۷) فے کس مال کو کہتے ہیں؟ اس کی صفت کیا ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟ یہ سب یہاں بیان ہو رہا ہے۔ پس فے اس مال کو کہتے ہیں جو ان سے لڑے بھڑے بغیر مسلمانوں کے

قبضے میں آ جائے' جیسے بنونضیر کا یہ مال تھا جس کا ذکر اوپر گذر چکا کہ مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ اس پر نہیں دوڑائے تھے یعنی ان کفار سے آمنے سامنے کوئی مقابلہ اور لڑائی نہیں ہوئی بلکہ ان کے دل اللہ نے اپنے رسول کی ہیبت سے بھر دیئے اور وہ اپنے قلعہ خالی کر کے قبضہ میں آ گئے' اسے فے کہتے ہیں اور یہ مال حضورؐ کا ہو گیا' آپ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ پس آپ نے نیکی اور صلاح کے کاموں میں اسے خرچ کیا' جس کا بیان اس کے بعد والی اور دوسری آیت میں ہے۔ پس فرماتا ہے کہ بنونضیر کا جو مال بطور فے کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دلوایا جس پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ دوڑائے نہ تھے بلکہ صرف خدا نے اپنے فضل سے اپنے رسول کو اس پر غلبہ دے دیا تھا اور خدا پر یہ کیا مشکل ہے؟ وہ تو ہر ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے' نہ اس پر کسی کا غلبہ نہ اسے کوئی روکنے والا' بلکہ سب پر غالب وہی' سب اس کے تابع فرمان۔ پھر فرمایا کہ جو شہر اس طرح فتح کئے جائیں ان کے مال کا یہی حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسے اپنے قبضہ میں کریں گے پھر انہیں دیں گے جن کا بیان اس آیت میں ہے اور اس کے بعد والی آیت میں ہے' یہ ہے فے کے مال کا مصرف اور اس کے خرچ کا حکم۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بنونضیر کے مال بطور فے کے خاص رسول اللہ ﷺ کے ہو گئے تھے آپ اس میں سے اپنے گھر والوں کو سال بھر تک کا خرچ دیتے تھے اور جو بچ رہتا اسے آلات جنگ اور سامان حرب میں خرچ کرتے (سنن ومسند وغیرہ)۔

ابوداؤد میں حضرت مالک بن اوسؓ سے مروی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھے دن چڑھے بلایا' میں گھر گیا تو دیکھا کہ آپ ایک چوکی پر جس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ تھا بیٹھے ہوئے ہیں' مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری قوم کے چند لوگ آئے ہیں میں نے انہیں کچھ دیا ہے تم اسے لے کر ان میں تقسیم کر دو' میں نے کہا اچھا ہوتا اگر جناب کسی اور کو یہ کام سونپتے' آپ نے فرمایا نہیں تم ہی کرو' میں نے کہا بہت بہتر۔ اتنے میں آپ کا داروغہ یرفا آیا اور کہا اے امیر المؤمنین! حضرت عثمان بن عفان' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم تشریف لائے ہیں' کیا انہیں اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں آنے دو۔ چنانچہ یہ حضرات تشریف لائے' یرفا پھر آیا اور کہا امیر المؤمنین حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجازت طلب کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ یہ دونوں حضرات بھی تشریف لائے۔ حضرت عباسؓ نے کہا اے امیر المؤمنین! میرا اور ان کا فیصلہ کیجئے یعنی حضرت علی کا' تو پہلے جو چاروں بزرگ آئے تھے ان میں سے بھی بعض نے کہا ہاں امیر المؤمنین ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور انہیں راحت پہنچایئے۔ حضرت مالکؓ فرماتے ہیں اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ ان چاروں بزرگوں کو ان دونوں حضرات نے ہی اپنے سے پہلے یہاں بھیجا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھہرو پھر ان چاروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تمہیں اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں' کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا' ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے' ان چاروں نے اس کا اقرار کیا پھر آپ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح قسم دے کر ان سے بھی یہی سوال کیا اور انہوں نے بھی اقرار کیا' پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے ایک خاصہ کیا تھا جو اور کسی کے لئے نہ تھا' پھر آپ نے یہی آیت وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ الخ' پڑھی اور فرمایا بنونضیر کے مال اللہ تعالیٰ نے بطور فے کے اپنے رسول کو دیئے تھے' اللہ کی قسم نہ تو میں نے تم پر اس میں کسی کو ترجیح دی اور نہ خود ہی اسے سب کا سب لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنا اور اپنے اہل کا سال بھر کا خرچ اس میں سے لے لیتے تھے اور باقی مثل بیت المال کے کر دیتے تھے' پھر ان چاروں بزرگوں کو اسی طرح قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں یہ معلوم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں' پھر ان دونوں سے قسم دے کر پوچھا اور انہوں نے ہاں کہی۔ پھر فرمایا حضورؐ کے فوت ہونے کے بعد ابو بکرؓ والی بنے اور تم دونوں خلیفۂ رسول کے پاس آئے' اے عباس! تم تو اپنی قرابت داری جتا کر اپنے چچازاد بھائی کے مال میں سے اپنا ورثہ طلب کرتے تھے اور یہ یعنی حضرت علیؓ اپنا حق جتا کر اپنی بیوی یعنی حضرت فاطمہؓ کی طرف سے ان کے والد کے مال سے ورثہ طلب کرتے تھے'

جس کے جواب میں تم دونوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا' ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر یقیناً راست گو' نیک کار' رشد و ہدایت والے اور تابع حق تھے' چنانچہ اس مال کی ولایت حضرت الصدیق نے کی' آپ کے فوت ہو جانے کے بعد آپ کا اور رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ میں بنا اور وہ مال میری ولایت میں رہا' پھر آپ دونوں کے دونوں ایک صلاح سے میرے پاس آئے اور مجھ سے اسے مانگا جس کے جواب میں میں نے کہا کہ اگر تم اس شرط سے اس مال کو اپنے قبضہ میں کرو کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اسے خرچ کرتے تھے تم بھی کرتے رہو گے تو میں تمہیں سونپ دیتا ہوں' تم نے اس بات کو قبول کیا اور اللہ کو بیچ میں دے کر تم نے اس مال کی ولایت لی' پھر تم جواب آئے ہو تو کیا اس کے سوا کوئی اور فیصلہ چاہتے ہو؟ قسم اللہ کی قیامت تک اس کے سوا اس کا کوئی فیصلہ میں نہیں کر سکتا' ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم اپنے وعدے کے مطابق اس مال کی نگرانی اور اس کا صرف نہیں کر سکتے تو تم اسے پھر لوٹا دو' تا کہ میں آپ اسے اسی طرح خرچ کروں جس طرح رسول اللہ ﷺ کرتے تھے اور جس طرح خلافت صدیق میں اور آج تک ہوتا رہا۔

مسند احمد میں ہے کہ لوگ نبی ﷺ کو اپنے کھجوروں کے درخت وغیرہ دے دیا کرتے تھے یہاں تک کہ قریظہ اور بنونضیر کے اموال آپ کے قبضہ میں آئے تو اب آپ نے ان لوگوں کو ان کے دیئے ہوئے مال واپس دینے شروع کئے' حضرت انسؓ کو بھی ان کے گھر والوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا کہ ہمارا دیا ہوا بھی سب یا جتنا چاہیں ہمیں واپس کر دیں' میں نے جا کر حضور کو یاد دلایا' آپ نے وہ سب واپس کرنے کو فرمایا لیکن یہ سب حضرت ام ایمنؓ کو اپنی طرف سے دے چکے تھے انہیں جب معلوم ہوا کہ یہ سب میرے قبضے سے نکل جائے گا تو انہوں نے آ کر میری گردن میں کپڑا ڈال دیا اور مجھ سے فرمانے لگیں اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں' حضرت تجھے یہ نہیں دیں گے' آپ تو مجھے وہ سب کچھ دے چکے۔ حضورؐ نے فرمایا ام ایمن! تم نہ گھبراؤ ہم تمہیں اس کے بدلے اتنا اتنا دیں گے لیکن وہ نہ مانیں اور یہی کہے چلی گئیں۔ آپ نے فرمایا اچھا اور اتنا اتنا ہم تمہیں دیں گے لیکن وہ اب بھی خوش نہ ہوئیں اور وہی فرماتی رہیں' آپ نے فرمایا لو ہم تمہیں اتنا اتنا اور دیں گے' یہاں تک کہ جتنا انہیں دے رکھا تھا اس سے جب تقریباً دس گنا زیادہ دینے کا وعدہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تب آپ راضی ہو کر خاموش ہو گئیں اور ہمارا مال ہمیں مل گیا' یہ فے کا مال جن پانچ جگہوں میں صرف ہو گا یہی جگہیں غنیمت کے مال کے صرف کرنے کی بھی ہیں اور سورۂ انفال میں ان کی پوری تشریح و توضیح کے ساتھ کامل تفسیر الحمدللہ گذر چکی ہے اس لئے ہم یہاں بیان نہیں کرتے۔

پھر فرماتا ہے کہ مال فے کے یہ مصارف ہم نے اس لئے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے کہ یہ مالداروں کے ہاتھ لگ کر کہیں ان کا لقمہ نہ بن جائے کہ اپنی من مانی خواہشوں کے مطابق وہ اسے اڑائیں اور مسکینوں کے ہاتھ نہ لگے۔ پھر فرماتا ہے کہ جس کام کے کرنے کو میرے پیغمبر تم سے کہیں تم اسے کرو اور جس کام سے وہ تمہیں روکیں تم اس سے رک جاؤ۔ یقین مانو کہ جس کا وہ حکم کرتے ہیں وہ بھلائی کا کام ہوتا ہے اور جس سے وہ روکتے ہیں وہ برائی کا کام ہوتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک عورت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور کہا آپ گودنے سے (یعنی چمڑے پر یا ہاتھوں پر عوتیں سوئی وغیرہ سے گدوا کر جو تلوں کی طرح نشان وغیرہ بنالیتی ہیں) اس سے اور بالوں میں بال ملا لینے سے (جو عورتیں اپنے بالوں کو لمبا ظاہر کرنے کے لئے کرتی ہیں) منع فرماتے ہیں' تو کیا یہ ممانعت کتاب اللہ میں ہے یا حدیث رسول میں؟ آپ نے فرمایا کتاب اللہ میں بھی اور حدیث رسول اللہؐ میں بھی' دونوں میں اس ممانعت کو پاتا ہوں۔ اس عورت نے عبداللہ بن مسعودؓ کہا خدا کی قسم دونوں لوحوں کے درمیان جس قدر قرآن شریف ہے میں نے سب پڑھا ہے اور خوب دیکھ بھال کی ہے' لیکن میں نے تو کہیں اس ممانعت کو نہیں پایا۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے آیت مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ

الخ، نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں یہ تو پڑھی ہے۔ فرمایا (قرآن سے ثابت ہوا کہ حکم رسول اور ممانعت رسول قابل عمل ہیں اب سنو) خود میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے گودنے سے اور بالوں میں بال ملانے سے اور پیشانی اور چہرے کے بال نوچنے سے منع فرمایا ہے (یہ بھی عورتیں اپنی خوبصورتی ظاہر کرنے کے لئے کرتی ہیں اور اس زمانے میں تو مرد بھی بکثرت کرتے ہیں) اس عورت نے کہا حضرت یہ تو آپ کی گھر والیاں بھی کرتی ہیں' آپ نے فرمایا جاؤ دیکھو' وہ گئیں اور دیکھ کر آئیں اور کہنے لگیں حضرت معاف کیجئے' غلطی ہوئی ان باتوں میں سے کوئی بات آپ کے گھرانے والیوں میں میں نے نہیں دیکھی۔ آپ نے فرمایا کیا تم بھول گئیں کہ خدا کے نیک بندے (حضرت شعیب علیہ السلام) نے کیا فرمایا تھا مَا اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَا اَنْھَاکُمْ عَنْہُ یعنی میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں جس چیز سے روکوں خود میں اس کا خلاف کروں۔

مسند احمد اور بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے اس عورت پر جو گدوائے اور جو گودے اور جو اپنی پیشانی کے بال لے اور جو خوبصورتی کے لئے اپنے سامنے کے دانتوں کی کشادگی کرے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی پیدائش کو بدلنا چاہے۔ یہ سن کر بنو اسد کی ایک عورت جن کا نام ام یعقوب تھا آپ کے پاس آئیں اور پوچھا کہ کیا آپ نے اس طرح فرمایا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ کے رسول نے لعنت کی ہے؟ اور جو قرآن میں موجود ہے۔ اس نے کہا میں نے پورا قرآن جتنا بھی دونوں پٹھوں کے درمیان ہے' اول سے آخر تک پڑھا ہے لیکن میں نے تو یہ حکم کہیں نہیں پایا' آپ نے فرمایا اگر تم سوچ سمجھ کر پڑھتیں تو ضرور پاتیں' کیا تم نے آیت مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ الخ، نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں یہ تو پڑھی ہے' پھر آپ نے وہ حدیث سنائی' اس نے آپ کے گھر والوں کی نسبت کہا پھر دیکھ کر آئیں اور عذر خواہی کی' اس وقت آپ نے فرمایا اگر میری گھر والی ایسا کرتی تو میں اس سے ملنا چھوڑ دیتا صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اسے بجا لاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو رک جاؤ۔ نسائی میں حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کدو کے برتن میں' سبز ٹھلیا میں' کھجور کی لکڑی کے کریدے ہوئے برتن میں اور رال کی رنگی ہوئی ٹھلیا میں نبیذ بنانے سے یعنی کھجور یا کشمش وغیرہ کے بھگو کر رکھنے سے منع فرمایا ہے پھر اسی آیت کی تلاوت کی (یاد رہے کہ یہ حکم اب باقی نہیں ہے۔ مترجم) پھر فرماتا ہے اللہ کے عذابوں سے بچنے کے لئے اس کے احکام کی ممنوعات سے بچتے رہو یاد رکھو کہ اس کی نافرمانی مخالفت انکار کرنے والوں کو اور اس کے منع کئے ہوئے کاموں کے کرنے والوں کو وہ سخت سزا دیتا ہے اور دکھ کی مار مارتا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۸ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ

وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۹﴾

(فے کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لئے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں' یہی راست باز لوگ ہیں ○ اور ان کے لئے جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ میں) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی دغدغہ نہیں رکھتے' بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو' بات یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس کی حرص سے بچیں وہی کامیاب اور بامراد ہیں ○

مال فے کے حقدار: ☆☆ (آیت: ۸-۹) اوپر بیان ہوا تھا کہ فے کا مال یعنی کافروں کا جو مسلمانوں کے قبضے میں میدان جنگ میں لڑے بھڑے بغیر آ گیا ہو اس کے مالک رسول اللہ ﷺ ہیں پھر آپ یہ مال کسے دیں گے؟ اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اس کے حق دار وہ غریب مہاجر ہیں جنہوں نے اللہ کو رضامند کرنے کے لئے اپنی قوم کو ناراض کر لیا یہاں تک کہ انہیں اپنا وطن عزیز اور اپنے ہاتھ کا مشکلوں سے جمع کیا ہوا مال وغیرہ سب چھوڑ چھاڑ کر چل دینا پڑا' اللہ کے دین اور اس کے رسول کی مدد میں برابر مشغول ہیں' اللہ کے فضل وخوشنودی کے متلاشی ہیں' یہی سچے لوگ ہیں جنہوں نے اپنا فعل اپنے قول کے مطابق کر دکھایا' یہ اوصاف سادات مہاجرین میں تھے رضی اللہ عنہم۔ پھر انصار کی مدح بیان ہو رہی ہے اور ان کی فضیلت' شرافت' کرم اور بزرگی کا اظہار ہو رہا ہے' ان کی کشادہ دلی' نیک نفسی' ایثار اور سخاوت کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے مہاجرین سے پہلے ہی دارالہجرت مدینہ میں اپنی بود و باش رکھی اور ایمان پر قیام رکھا مہاجروں کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ ایمان لا چکے تھے بلکہ بہت سے مہاجرین سے بھی پہلے یہ ایمان دار بن گئے تھے۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقع پر یہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اپنے بعد کے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے حق ادا کرتا رہے' ان کی خاطر مدارات میں کمی نہ کرے اور میری وصیت ہے کہ انصار کے ساتھ بھی نیکی اور بھلائی کرے جنہوں نے مدینہ میں جگہ بنائی اور ایمان میں جگہ حاصل کی' ان کے بھلے لوگوں کی بھلائیاں قبول کرے اور ان کی خطاؤں سے درگذر اور چشم پوشی کرلے۔ ان کی شرافت طبعی ملاحظہ ہو کہ جو بھی راہ خدا میں ہجرت کر کے آئے یہ اپنے دل میں اسے گھر دیتے ہیں اور اپنا جان و مال ان پر نثار کرنا اپنا فخر جانتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ مہاجرین نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ! ہم نے تو دنیا میں ان انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے' تھوڑے میں سے تھوڑا اور بہت میں سے بہت برابر ہمیں دے رہے ہیں' مدتوں سے ہمارا کل خرچ اٹھا رہے ہیں بلکہ ناز برداریاں کر رہے ہیں اور کبھی چہرے پر شکن بھی نہیں بلکہ خدمت کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں' دیتے ہیں اور احسان نہیں رکھتے' کام کاج خود کریں اور کمائی ہمیں دیں' حضور ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا سارا کا سارا اجر انہی کو نہ مل جائے آپ نے فرمایا نہیں نہیں' جب تک تم ان کی ثنا اور تعریف کرتے رہو گے۔ اور ان کے لئے دعائیں مانگتے رہو گے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصاریوں کو بلا کر فرمایا کہ میں بحرین کا علاقہ تمہارے نام لکھ دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! جب تک آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ دیں ہم اسے نہ لیں گے' آپ نے فرمایا اچھا اگر نہیں لیتے تو دیکھو آئندہ بھی صبر کرتے رہنا' میرے بعد ایسا وقت بھی آئے گا کہ اوروں کو دیا جائے گا اور تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ انصاریوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہمارے کھجوروں کے باغات ہم میں اور ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے' آپ نے فرمایا نہیں' پھر فرمایا سنو کام کاج بھی تم ہی کرو اور ہم سب کو تو پیداوار میں شریک رکھو'

انصار نے جواب دیا یا رسول اللہ! ہمیں یہ بھی بہ خوشی منظور ہے۔

پھر فرماتا ہے یہ اپنے دلوں میں کوئی حسد ان مہاجرین کی قدر ومنزلت اور ذکر و مرتبت پر نہیں کرتے' جو انہیں مل جائے انہیں اس پر رشک نہیں ہوتا۔ اسی مطلب پر اس حدیث کی دلالت بھی ہے جو مسند احمد میں حضرت انسؓ کی روایت سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا دیکھو ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں لئے ہوئے تازہ وضو کر کے آ رہے تھے' داڑھی پر سے پانی ٹپک رہا تھا دوسرے دن بھی اسی طرح ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے یہی فرمایا اور وہی شخص اسی طرح آئے' تیسرے دن بھی یہی ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ آج دیکھتے بھالتے رہے اور جب مجلس نبوی ختم ہوئی اور یہ بزرگ وہاں سے اٹھ کر چلے تو یہ بھی ان کے پیچھے ہو لئے اور انصاری سے کہنے لگے حضرت مجھ میں اور میرے والد میں کچھ بول چال ہو گئی ہے جس پر میں قسم کھا بیٹھا ہوں کہ تین دن تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا' پس اگر آپ مہربانی فرما کر مجھے اجازت دیں تو میں یہ تین دن آپ کے ہاں گذار دوں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے یہ تین راتیں ان کے گھر ان کے ساتھ گذاریں' دیکھا کہ وہ رات کو تہجد کی لمبی نماز بھی نہیں پڑھتے' صرف اتنا کرتے ہیں کہ جب آنکھ کھلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی بڑائی اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے ہیں' یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لئے اٹھیں۔ ہاں یہ ضرور بات تھی کہ میں نے ان کے منہ سے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں سنا۔ جب تین راتیں گذر گئیں تو مجھے ان کا عمل بہت ہی ہلکا سا معلوم ہونے لگا' اب میں نے ان سے کہا کہ حضرت دراصل نہ تو میرے اور میرے والد صاحب کے درمیان کوئی ایسی باتیں ہوئی تھیں نہ میں نے ناراضگی کے باعث گھر چھوڑا تھا بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ایک جنتی شخص آ رہا ہے اور تینوں مرتبہ آپ ہی آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں کچھ دن رہ کر دیکھوں تو سہی کہ آپ ایسی کون سی عبادتیں کرتے ہیں جو جیتے جی بہ زبان رسول آپ کے جنتی ہونے کی یقینی خبر ہم تک پہنچ گئی' چنانچہ میں نے یہ بہانہ کیا اور تین مرتبہ رات تک آپ کی خدمت میں رہا تا کہ آپ کے اعمال دیکھ کر میں بھی ویسے ہی عمل شروع کر دوں لیکن میں نے تو آپ کو نہ تو کوئی نیا اور اہم عمل کرتے ہوئے دیکھا نہ عبادت میں ہی اوروں سے زیادہ بڑھا ہوا دیکھا' اب جا رہا ہوں لیکن زبانی ایک سوال ہے کہ آپ ہی بتلایئے آخر وہ کون سا عمل ہے جس نے آپ کو پیغمبر اللہ ﷺ کی زبانی جنتی بنایا؟ آپ نے فرمایا بس تم میرے اعمال تو دیکھ چکے ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل تو ہے نہیں۔ چنانچہ میں ان سے رخصت ہو کر چلا' تھوڑی ہی دور نکلا تھا جو انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا ہاں میرا ایک عمل سنتے جاؤ وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان سے دھوکہ بازی' حسد اور بغض کا ارادہ بھی نہیں ہوا' میں کبھی کسی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ بس اب معلوم ہو گیا' اسی عمل نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ہر ایک کے بس کی نہیں۔ امام نسائی بھی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں اس حدیث کو لائے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ان انصار میں یہ وصف تھا کہ مہاجرین کو اگر کوئی مال وغیرہ دیا جائے اور انہیں نہ ملے تو یہ برا نہیں مانتے تھے' بنو نضیر کے مال جب مہاجرین ہی میں تقسیم ہوئے تو کسی انصاری نے اس میں کلام کیا جس پر آیت وَمَا اَفَآءَ اللّٰهُ اتری' آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے مہاجر بھائی مال و اولاد چھوڑ کر تمہاری طرف آتے ہیں' انصار نے کہا پھر حضورؐ ہمارا مال ان میں اور ہم میں برابر بانٹ دیجئے' آپ نے فرمایا اس سے بھی زیادہ ایثار کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا جو حضورؐ کا ارشاد ہو' آپ نے فرمایا مہاجر کھیت اور باغات کا کام نہیں جانتے' تم آپ اپنے مال کو قبضہ میں رکھو خود کام کرو خود باغات میں محنت کرو اور پیداوار میں انہیں شریک کر دو۔ انصار نے اسے بھی بہ کشادہ پیشانی منظور کر لیا۔

پھر فرماتا ہے کہ باوجود خود کو حاجت ہونے کے بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی حاجت کو مقدم رکھتے ہیں' اپنی ضرورت خواہ باقی رہ

جائے۔ لیکن اور مسلمان کی ضرورت جلد پوری ہو جائے یہ ان کی ہر وقت کی چاہت ہے۔ ایک صحیح حدیث میں بھی ہے کہ جس کے پاس کمی اور قلت ہو خود کو ضرورت ہو اور پھر بھی صدقہ کرے اس کا صدقہ افضل اور بہتر ہے۔ یہ درجہ ان لوگوں کے درجہ سے بھی بڑا ہوا ہے جن کا ذکر اور جگہ ہے کہ مال کی چاہت کے باوجود وہ اسے راہ للہ خرچ کرتے ہیں لیکن یہ لوگ تو خود اپنی حاجت ہوتے ہوئے صرف کرتے ہیں محبت ہوتی ہے اور حاجت نہیں ہوتی اس وقت کا خرچ اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ خود کو ضرورت ہو اور پھر بھی راہ للہ دے دینا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدقہ اسی قسم سے ہے کہ آپ نے اپنا کل مال لا کر اللہ کے رسول کے سامنے ڈھیر لگا دیا' آپ نے پوچھا بھی کہ ابو بکرؓ کچھ باقی بھی رکھ آئے ہو؟ جواب دیا اللہ اور اس کے رسول کو باقی رکھ آیا ہوں۔ اسی طرح وہ واقعہ ہے جو جنگ یرموک میں حضرت عکرمہؓ اور ان کے ساتھیوں کو پیش آیا تھا کہ میدان جہاد میں زخم خوردہ پڑے ہوئے ہیں' ریت اور مٹی زخموں میں بھر رہی ہے کہ کراہ رہے ہیں' تڑپ رہے ہیں' سخت تیز دھوپ پڑ رہی ہے' پیاس کے مارے حلق چیخ رہا ہے' اتنے میں ایک مسلمان کندھے پر مشک لٹکائے آ جاتا ہے اور ان مجروح مجاہدین کے سامنے پیش کرتا ہے لیکن ایک کہتا ہے اس دوسرے کو پلاؤ دوسرا کہتا ہے اس تیسرے کو پہلے پلاؤ' وہ ابھی تیسرے تک پہنچا بھی نہیں جو ایک شہید ہو جاتا ہے' دوسرے کو دیکھتا ہے کہ وہ بھی پیاسا ہی چل بسا' تیسرے کے پاس آتا ہے لیکن دیکھتا ہے کہ وہ بھی سوکھے ہونٹوں ہی اللہ سے جاملا۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں سے خوش ہو اور انہیں بھی اپنی ذات سے خوش رکھے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہؐ! میں سخت حاجت مند ہوں مجھے کچھ کھلوایئے' آپ نے اپنے گھروں میں آدمی بھیجا لیکن تمام گھروں سے جواب ملا کہ حضورؐ ہمارے پاس خود کچھ نہیں۔ یہ معلوم کر کے پھر آپ نے اور لوگوں سے کہا کہ کوئی ہے جو آج کی رات انہیں اپنا مہمان رکھے؟ ایک انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا حضورؐ میں انہیں اپنا مہمان رکھوں گا۔ چنانچہ یہ لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا دیکھو یہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں' آج گو ہمیں کچھ بھی کھانے کو نہ ملے لیکن یہ بھوکے نہ رہیں۔ بیوی صاحبہ نے کہا آج گھر میں بھی برکت ہے بچوں کے لئے البتہ کچھ ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں' انصاری نے فرمایا اچھا بچوں کو تو بہلا پھسلا کر بھوکا سلا دو اور ہم تم دونوں اپنے پیٹ پر کپڑا باندھ کر فاقے سے رات گذار دیں گے' کھاتے وقت چراغ بجھا دینا تاکہ مہمان یہ سمجھے کہ ہم کھا رہے ہیں اور دراصل ہم کھائیں گے نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا صبح جب یہ شخص انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے اور اس کی بیوی کے رات کے عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہوا اور ہنس دیا۔ انہی کے بارے میں آیت وَيُؤْثِرُوْنَ الخ' نازل ہوئی۔

صحیح مسلم کی روایت میں ان انصاری کا نام بھی ہے یعنی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پھر فرماتا ہے جو اپنے نفس کی بخیلی' حرص اور لالچ سے بچ گیا اس نے نجات پالی۔ مسند احمد اور مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو! ظلم سے بچو' قیامت کے دن یہ ظلم اندھیریاں بن جائے گا' لوگو! بخیلی اور حرص سے بچو' یہی وہ چیز ہے جس نے تم سے پہلے لوگوں کو برباد کر دیا' اسی کی وجہ سے انہوں نے خونریزیاں کیں اور حرام کو حلال بنا لیا اور سند سے یہ بھی مروی ہے کہ فحش سے بچو۔ اللہ تعالیٰ فحش باتوں اور بے حیائی کے کاموں کو ناپسند فرماتا ہے' حرص اور بخیلی کی مذمت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اسی کے باعث اگلوں نے ظلم کئے' فسق و فجور کئے اور قطع رحمی کی۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں کسی بندے کے پیٹ میں جمع ہو ہی نہیں سکتا' اسی طرح بخیلی اور ایمان بھی کسی بندہ کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے' یعنی راہ خدا کی گرد جس پر پڑی وہ جہنم سے آزاد ہو گیا اور جس کے دل میں بخیلی نے گھر کر لیا اس کے دل میں ایمان کی رہنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔
حضرت عبداللہؓ کے پاس آ کر ایک شخص نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! میں تو ہلاک ہو گیا' آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ کہا قرآن میں تو ہے جو اپنے نفس کی بخیلی سے بچا دیا گیا اس نے فلاح پالی اور میں تو مال کو بڑا روکنے والا ہوں' خرچ کرتے ہوئے دل رکتا ہے' آپ نے فرمایا

اسکنجوسی کا ذکر اس آیت میں نہیں' یہاں مراد بخیلی سے یہ ہے کہ تو اپنے کسی مسلمان بھائی کا مال ظلم سے کھا جائے' ہاں بخیلی بمعنی کنجوسی بھی ہے بہت بری چیز۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابوالہیاج اسدیؒ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک صاحب صرف یہی دعا پڑھ رہے ہیں اَللّٰهُمَّ قِنِیْ شُحَّ نَفْسِیْ الٰہی! مجھے میرے نفس کی حرص و آڑ سے بچالے' آخر مجھ سے نہ رہا گیا میں نے کہا آپ صرف یہی دعا کیوں مانگ رہے ہیں؟ اس نے کہا جب اس سے بچاؤ ہو گیا تو پھر نہ زنا کاری ہو سکے گی نہ چوری اور نہ کوئی برا کام۔ اب جو میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھے رضی اللہ عنہ (ابن جریر)

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠﴾

اور ان کے لئے جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمانداروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ اور دشمنی نہ ڈال۔ اے ہمارے رب! بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے ○

رافضی کو مال فے نہیں ملے گا: ☆☆ (آیت:۱۰) ایک حدیث میں ہے جس نے زکوٰۃ ادا کی اور مہمانداری کی اور اللہ کی راہ کے ضروری کاموں میں دیا' وہ اپنے نفس کی بخیلی سے دور ہو گیا۔ پھر مال فے کے مستحقین لوگوں کی تیسری قسم کا بیان ہو رہا ہے کہ انصار اور مہاجرین کے فقراء کے بعد ان کے تابع جو ان کے بعد کے لوگ ہیں ان میں کے مساکین بھی اس مال کے مستحق ہیں جو اللہ تعالیٰ سے اپنے سے اگلے باایمان لوگوں کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ سورۂ برأت میں ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ یعنی ''اول اول سبقت کرنے والے مہاجر و انصار اور ان کے بعد کے وہ لوگ جو احسان میں ان کے متبع ہیں' اللہ تعالیٰ ان سب سے خوش ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں''۔ یعنی یہ بعد کے لوگ ان اگلوں کے آثار حسنہ اور اوصاف جمیلہ کی اتباع کرنے والے اور انہیں نیک دعاؤں سے یاد رکھنے والے ہیں' گویا ظاہر باطن ان کے تابع ہیں۔ اس دعا سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کتنا پاکیزہ استدلال کیا ہے کہ رافضی کو مال فے سے امام وقت کچھ نہ دے کیونکہ وہ اصحاب رسولؐ کے لئے دعا کرنے کے بجائے انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ان لوگوں کو دیکھو کس طرح قرآن کا خلاف کرتے ہیں' قرآن حکم دیتا ہے کہ مہاجر و انصار کے لئے دعائیں کریں اور یہ گالیاں دیتے ہیں' پھر یہی آیت آپ نے تلاوت فرمائی (ابن ابی حاتم)

اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ یہ امت ختم نہ ہو گی یہاں تک کہ ان کے پچھلے ان کے پہلوں کو لعنت کریں گے (بغوی) ابو داؤد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ میں جس مال فے کا بیان ہے وہ تو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اسی طرح اس کے بعد کی آیت مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى والی نے عام کر دیا ہے تمام مسلمانوں کو اس میں شامل کر لیا ہے' اب ایک مسلمان بھی ایسا نہیں جس کا حق اس مال میں نہ ہو سوائے تمہارے غلاموں کے۔ اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے۔

ابن جریر میں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ کو حَکِیْمٌ تک پڑھ کر فرمایا مال زکوٰۃ کے مستحق تو یہ لوگ ہیں۔ پھر وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ والی پوری آیت کو پڑھ کر فرمایا مال غنیمت کے مستحق یہ لوگ ہیں' پھر یہ آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ الخ' پڑھ کر فرمایا مال فے کے مستحقین کو بیان فرماتے ہوئے اس آیت نے تمام مسلمانوں کو اس مال فے کا مستحق کر دیا ہے' سب اس کے مستحق ہیں۔ اگر میں زندہ رہا تو تم دیکھو گے کہ گاؤں گوٹھوں کے چرواہے کو بھی اس کا حصہ دوں گا جس کی پیشانی پر اس مال کے حاصل کرنے کے لئے پسینہ تک نہ آیا ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١١﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١٢﴾ لَاَانْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿١٣﴾

کیا تو نے منافقوں کو نہ دیکھا کہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم جلاوطن کئے گئے تو اللہ کی قسم ہم بھی تمہارے ساتھ وطن چھوڑ دیں گے اور تمہارے بارے ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو واللہ ہم تمہاری مدد کریں گے' لیکن اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں ○ اگر وہ جلاوطن کئے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے اور اگر ان سے جنگ چھڑ گئی تو یہ ان کی مدد بھی نہ کریں گے اور اگر بالفرض مدد پر آ بھی گئے تو بھی پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے' پھر مدد نہ کئے جائیں گے ○ مسلمانو! یقین مانو کہ تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں بہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بہت زیادہ ہے اس لئے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں ○

کفر بزدلی کی گود ہے۔ تلبیس ابلیس کا ایک انداز: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۷) عبداللہ بن ابی اور اسی جیسے منافقین کی چالبازی اور عیاری کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے یہودیان بنونضیر کو تھپک کر' جھوٹا دلاسہ دلا کر' غلط وعدہ کر کے مسلمانوں سے بھڑا دیا' ان سے وعدہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں' لڑنے میں تمہاری مدد کریں گے اور اگر تم ہار گئے اور مدینہ سے دیس نکالا ملا' تو ہم بھی تمہارے ساتھ اس شہر کو چھوڑ دیں گے لیکن بہ وقت وعدہ ہی ایفا کرنے کی نیت نہ تھی اور یہ بھی کہ ان میں اتنا حوصلہ بھی نہیں کہ ایسا کر سکیں' نہ لڑائی میں نہ ان کی مدد کر سکیں نہ برے وقت ان کا ساتھ دیں' اگر بدنامی کے خیال سے میدان میں آ بھی جائیں تو یہاں آتے ہی تیر و تلوار کی صورت دیکھتے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور نامردی کے ساتھ بھاگتے ہی بن پڑے۔ پھر مستقل طور پر پیش گوئی فرماتا ہے کہ ان کی تمہارے مقابلہ میں امداد نہ کی جائے گی' یہ اللہ سے بھی اتنا نہیں ڈرتے جتنا تم سے خوف کھاتے ہیں۔

جیسے اور جگہ بھی ہے اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً یعنی ان کا ایک فریق لوگوں سے اتنا

ڈرتا ہے جتنا اللہ سے بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ' بات یہ ہے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ اور بزدلی کی یہ حالت ہے کہ یہ میدان کی لڑائی کبھی لڑ نہیں سکتے ہاں اگر مضبوط اور محفوظ قلعوں میں بیٹھے ہوئے ہوں یا مورچوں کی آڑ میں چھپ کر کچھ کارروائی کرنے کا موقع ہو تو خیر یہ بسبب ضرورت کے کر گذریں گے لیکن میدان میں آ کر بہادری کے جوہر دکھانا یہ ان سے کوسوں دور ہے' یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں' جیسے اور جگہ ہے وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ' بعض کو بعض سے لڑائی کا مزہ چکھاتا ہے' تم انہیں مجتمع اور متفق و متحد سمجھ رہے ہو لیکن دراصل یہ متفرق و مختلف ہیں' ایک کا دل دوسرے سے نہیں ملتا' منافق اپنی جگہ اور اہل کتاب اپنی جگہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں' وجہ یہ ہے کہ بے عقل لوگ ہیں۔ پھر فرمایا ان کی مثال ان سے کچھ ہی پہلے کے کافروں جیسی ہے' جنہوں نے یہاں بھی اپنے کئے کا بدلہ بھگتا اور وہاں کا بھگتنا ابھی باقی ہے۔ اس سے مراد یا تو کفار قریش ہیں کہ بدر والے دن ان کی کمر کبڑی ہو گئی اور سخت نقصان اٹھا کر کشتوں کے پشتے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے یا بنو قینقاع کے یہود ہیں کہ وہ بھی شرارت پر اتر آئے' اللہ نے ان پر اپنے نبی کو غالب کیا اور آپ نے انہیں مدینہ سے خارج البلد کرا دیا' یہ دونوں واقعے ابھی ابھی کے ہیں اور تمہاری عبرت کا صحیح سبق ہیں' لیکن اس وقت کہ کوئی عبرت حاصل کرنے والا انجام کو سوچنے والا ہو بھی' زیادہ مناسب مقام بنو قینقاع کے یہود کا واقعہ ہی ہے واللہ اعلم۔ منافقین کے وعدوں پر ان یہودیوں کا شرارت پر آمادہ ہونا اور ان کے دھوکے میں آ کر معاہدہ توڑ ڈالنا' پھر ان منافقین کا انہیں موقع پر کام نہ آنا' نہ لڑائی کے وقت مدد پہنچانا نہ جلاوطنی میں ساتھ دینا۔ ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو شیطان بھی اسی طرح انسان کو کفر پر آمادہ کرتا ہے اور جب یہ کفر کر چکتا ہے تو خود بھی اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور اپنا اللہ والا ہونا ظاہر کرنے لگتا ہے۔

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِن وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُم بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ۖ ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥﴾

یہ سب مل کر بھی تم سے لڑ نہیں سکتے ہاں یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں ہوں' ان کی لڑائی تو ان میں آپس میں ہی بہت کچھ ہے گو تو انہیں متفق سمجھ رہا ہے لیکن ان کے دل دراصل ایک سے ایک جدا ہے' اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں ○ ان لوگوں کی طرح جو ان سے کچھ ہی پہلے گذرے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا وبال چکھ لیا اور جن کے لئے المناک عذاب تیار ہیں ○

اسی مثال کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے۔ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا' ساٹھ سال اسے عبادت خدا میں گذر چکے تھے شیطان نے اسے ورغلانا چاہا لیکن وہ قابو میں نہ آیا' اس نے ایک عورت پر اپنا اثر ڈالا اور یہ ظاہر کیا کہ گویا اسے جنات ستا رہے ہیں' ادھر اس عورت کے بھائیوں کو یہ وسوسہ ڈالا کہ اس کا علاج اسی عابد سے ہو سکتا ہے' یہ اس عورت کو اس عابد کے پاس لائے' اس نے علاج معالجہ یعنی دم کرنا شروع کیا اور یہ عورت یہیں رہنے لگی' ایک دن عابد اس کے پاس ہی تھا جو شیطان نے اس کے خیالات خراب کرنے شروع کئے' یہاں تک کہ وہ زنا کر بیٹھا اور وہ عورت حاملہ ہو گئی' اب رسوائی کے خوف سے شیطان نے چھٹکارے کی یہ صورت بتلائی کہ اس عورت کو مار ڈال ورنہ راز کھل جائے گا' چنانچہ اس نے اسے قتل کر ڈالا' ادھر اس نے جا کر عورت کے بھائیوں کو شک دلوایا' وہ دوڑے آئے' شیطان راہب کے پاس آیا اور کہا وہ لوگ

آ رہے ہیں' اب عزت بھی جائے گی اور جان بھی جائے گی' اگر مجھے خوش کر لے اور میرا کہا مان لے تو عزت اور جان دونوں بچ سکتی ہیں' اس نے کہا جس طرح تو کہہ میں تیار ہوں۔ شیطان نے کہا مجھے سجدہ کر' عابد نے اسے سجدہ کر لیا' یہ کہنے لگا تف ہے تجھ پر' کم بخت میں تو اب تجھ سے بیزار ہوں' میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے (ابن جریر)

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع۷

شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر' جب وہ کر چکا تو کہنے لگا میں تو تجھ سے بیزار ہوں' میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں ○ پس دونوں کا انجام یہ ہوا کہ آتش دوزخ میں ہمیشہ کے لئے گئے' گنہگاروں کی ہی سزا ہے ○

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ایک عورت بکریاں چرایا کرتی تھی اور ایک راہب کی خانقاہ تلے رات گذارا کرتی تھی' اس کے چار بھائی تھے' ایک دن شیطان نے راہب کو گدگدایا اور اس سے زنا کر بیٹھا' اسے حمل رہ گیا شیطان نے راہب کے دل میں ڈالی کہ اب بڑی رسوائی ہوگی' اس سے بہتر یہ ہے کہ اسے مار ڈال اور کہیں دفن کر دے' تیرے تقدس کو دیکھتے ہوئے تیری طرف تو کسی کا خیال بھی نہ جائے گا اور اگر بالفرض پھر بھی کچھ پوچھ گچھ ہو تو جھوٹ موٹ کہہ دینا بھلا کون ہے جو تیری بات کو غلط جانے؟ اس کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی' ایک روز رات کے وقت موقع پا کر اس عورت کو جان سے مار ڈالا اور کسی اجاڑ جگہ زمین میں دبا دیا۔ اب شیطان اس کے چاروں بھائیوں کے پاس پہنچا اور ہر ایک کے خواب میں اسے سارا واقعہ کہہ سنایا اور اس کے دفن کی جگہ بھی بتا دی۔ صبح جب یہ جاگے تو ایک نے کہا آج کی رات تو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے' ہمت نہیں پڑتی کہ آپ سے بیان کروں' دوسروں نے کہا نہیں کہو تو سہی' چنانچہ اس نے اپنا پورا خواب بیان کیا کہ اس طرح فلاں عابد نے اس سے بدکاری کی' پھر جب حمل ٹھہر گیا تو اسے قتل کر دیا اور فلاں جگہ اس کی لاش دبا آیا ہے۔ ان تینوں میں سے ہر ایک نے کہا مجھے بھی یہی خواب آیا ہے' اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ سچا خواب ہے۔ چنانچہ انہوں نے جا کر اطلاع دی اور بادشاہ کے حکم سے اس راہب کو اس خانقاہ سے ساتھ لیا اور اس جگہ پہنچ کر زمین کھود کر اس کی لاش برآمد کی۔ کامل ثبوت کے بعد اب اسے شاہی دربار میں لے چلے' اس وقت شیطان اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور کہتا ہے یہ سب میرے کرتوت ہیں' اب بھی اگر تو مجھے راضی کر لے تو جان بچا دوں گا۔ اس نے کہا جو تو کہے' کہا مجھے سجدہ کر لے' اس نے یہ بھی کر دیا' پس پورا بے ایمان بنا کر شیطان کہتا ہے میں تو تجھ سے بری ہوں میں تو اللہ تعالیٰ سے جو تمام جہانوں کا رب ہے' ڈرتا ہوں' چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا اور پادری صاحب کو قتل کر دیا گیا۔ مشہور ہے کہ اس پادری کا نام برصیصا تھا۔ حضرت علیؓ' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ طاؤس' مقاتل بن حیان وغیرہ سے یہ قصہ مختلف الفاظ سے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

اس کے بالکل برعکس جریج عابد کا قصہ ہے کہ ایک بدکار عورت نے اس پر تہمت لگا دی کہ اس نے میرے ساتھ زنا کیا ہے اور یہ بچہ جو مجھے ہوا ہے وہ اسی کا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت جریج کے عبادت خانے کو گھیر لیا اور انہیں نہایت بے ادبی سے زدوکوب کرتے ہوئے گالیاں دیتے ہوئے باہر لے آئے اور عبادت خانے کو ڈھا دیا۔ یہ بیچارے گھبرائے ہوئے ہر چند پوچھتے ہیں کہ آخر واقعہ کیا ہے؟ لیکن مجمع

آپے سے باہر ہے' آخر کسی نے کہا کہ دشمن خدا اولیاء اللہ کے لباس میں یہ شیطانی حرکت؟ اس عورت سے تو نے بدکاری کی۔ حضرت جریج نے فرمایا اچھا ٹھہرو صبر کرو اس بچے کو لاؤ' چنانچہ وہ دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ لایا گیا۔ حضرت جریج نے اپنی عزت کی بقا کی خدا سے دعا کی پھر اس بچے سے پوچھا اے بچے! بتلا تیرا باپ کون ہے؟ اس بچے کو اللہ نے اپنے ولی کی عزت بچانے کے لئے اپنی قدرت سے گویائی کی قوت عطا فرما دی اور اس نے اس صاف فصیح زبان میں اونچی آواز سے کہا میرا باپ ایک چرواہا ہے' یہ سنتے ہی بنی اسرائیل کے ہوش جاتے رہے' یہ اس بزرگ کے سامنے عذر معذرت کرنے لگے' معافی مانگنے لگے' انہوں نے کہا بس اب مجھے چھوڑ دو' لوگوں نے کہا ہم آپ کی عبادت گاہ سونے کی بنا دیتے ہیں' آپ نے فرمایا بس اسے جیسی وہ تھی ویسے ہی رہنے دو۔ پھر فرماتا ہے کہ آخر انجام کفر کے کرنے اور حکم دینے والے کا یہی ہوا کہ دونوں ہمیشہ کے لئے جہنم واصل ہوئے ہر ظالم ظلم کی سزا پا ہی لیتا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہر شخص کو غور کرنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیج رکھا ہے؟ اور اللہ سے ڈرو تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے یقیناً اللہ تعالیٰ خبردار ہے ○ اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو فراموش کر دیا پس اللہ نے انہیں خود ان کی جانوں سے غافل کر دیا' یہی لوگ فاسق ہیں ○ دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں' جنت والے ہی کامیاب لوگ ہیں ○

اجتماعی کار خیر کی ایک نوعیت اور انفرادی اعمال خیر : ☆☆ (آیت:۱۸-۲۰) حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دن چڑھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ کچھ لوگ آئے جو ننگے بدن اور کھلے پیر تھے' صرف چادروں یا عباؤں سے بدن چھپائے ہوئے' تلواریں گردنوں میں حمائل کئے ہوئے تھے اکثر بلکہ کل کے کل قبیلہ مضر میں سے تھے' ان کی اس فقر و فاقہ کی حالت نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی رنگت کو متغیر کر دیا' آپ گھر میں گئے' پھر باہر آئے پھر حضرت بلال ؓ کو اذان کہنے کا حکم دیا اذان ہوئی' پھر اقامت ہوئی' آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ شروع کیا اور آیت يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ تلاوت کی پھر سورۂ حشر کی آیت وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ پڑھی اور لوگوں کو خیرات دینے کی رغبت دلائی' جس پر لوگوں نے صدقہ دینا شروع کیا' بہت سے درہم دینار کپڑے لتے کھجوریں وغیرہ آ گئیں' آپ برابر تقریر کئے جاتے تھے یہاں تک کہ فرمایا اگر آدھی کھجور بھی دے سکتے ہو تو لے آؤ۔ ایک انصاری ایک تھیلی نقدی کی بھری ہوئی بہت وزنی جسے بمشکل اٹھا سکتے تھے لے آئے' پھر تو لوگوں نے تابڑ توڑ جو پایا لانا شروع کر دیا یہاں تک کہ ہر چیز کے ڈھیر لگ گئے اور حضورؐ کا اداس چہرہ بہت کھل گیا اور مثل سونے کے چمکنے لگا اور آپ نے فرمایا جو بھی کسی اسلامی کار خیر کو شروع کرے اسے اپنا بھی اور اس کے بعد جو بھی اس کام کو کریں سب کا بدلہ ملتا ہے لیکن بعد والوں کے اجر گھٹ کر نہیں' اسی طرح جو اسلام میں کسی برے اور خلاف شرع طریقے کو جاری کرے اس پر اس کا اپنا گناہ بھی ہوتا ہے اور پھر جتنے لوگ اس پر کاربند ہوں سب کو جتنا گناہ ملے گا اتنا ہی اسے بھی ملتا ہے' مگر ان کے گناہ

گھٹتے نہیں (مسلم)۔

آیت میں پہلے حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو یعنی اس کے احکام بجالا کر اور اس کی نافرمانیوں سے بچ کر' پھر فرمان ہے کہ وقت سے پہلے اپنا حساب آپ لیا کرو' دیکھتے رہو کہ قیامت کے دن جب خدا کے سامنے پیش ہو گے تب کام آنے والے نیک اعمال کا کتنا کچھ ذخیرہ تمہارے پاس ہے۔ پھر تاکیداً ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تمہارے تمام اعمال واحوال سے اللہ تعالیٰ پورا باخبر ہے' نہ کوئی چھوٹا کام اس سے پوشیدہ نہ بڑا' چھپا نہ کھلا۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کے ذکر کو نہ بھولو ورنہ وہ تمہیں نیک اعمال جو آخرت میں نفع دینے والے ہیں بھلا دے گا' اس لئے کہ ہر عمل کا بدلہ اسی کے جنس سے ہوتا ہے' اسی لئے فرمایا کہ یہی لوگ فاسق ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے والے اور قیامت کے دن نقصان پہنچانے والے اور ہلاکت میں پڑنے والے یہی لوگ ہیں۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ''مسلمانو! تمہیں تمہارے مال واولاد یاد خدا سے غافل نہ کریں جو ایسا کریں وہ سخت زیاں کار ہیں۔

طبرانی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک خطبہ کا مختصر سا حصہ یہ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ صبح شام تم اپنے مقررہ وقت کی طرف بڑھ رہے ہو پس تمہیں چاہئے کہ اپنی زندگی کے اوقات اللہ عزوجل کی فرمانبرداری میں گذارو اور اس مقصد کو بجز اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے کوئی شخص صرف اپنی طاقت وقوت سے حاصل نہیں کر سکتا' جن لوگوں نے اپنی عمر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے سوا اور کاموں میں کھپائی ان جیسے تم نہ ہونا' اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان جیسے بننے سے منع فرمایا ہے۔ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ خیال کرو کہ تمہاری جان پہچان کے تمہارے بھائی آج کہاں ہیں؟ انہوں نے اپنے گذشتہ ایام میں جو اعمال کئے تھے ان کا بدلہ لینے یا ان کی سزا بھگتنے کے لئے وہ دربار خدا میں جا پہنچے یا تو انہوں نے سعادت اور خوش نصیبی پائی یا نامرادی اور شقاوت حاصل کر لی' کہاں ہیں؟ وہ سرکش لوگ جنہوں نے بارونق شہر بسائے اور ان کے مضبوط قلعے کھڑے کئے' آج وہ قبروں کے گڑھوں میں پتھروں تلے دبے پڑے ہیں۔ یہ ہے کتاب اللہ قرآن کریم' تم اس نور سے روشنی حاصل کرو جو تمہیں قیامت کے دن کی اندھیریوں میں کام آسکے' اس کی خوبی بیان سے عبرت حاصل کرو اور بن سنور جاؤ۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ اور ان کے اہل بیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَّكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ الخ' یعنی وہ نیک کاموں میں سبقت کرتے تھے اور بڑی لالچ اور سخت خوف کے ساتھ ہم سے دعائیں کیا کرتے تھے اور ہمارے سامنے جھکے جاتے تھے' سنو وہ بات بھلائی سے خالی ہے جس سے اللہ کی رضامندی مقصود نہ ہو' وہ مال خیر وبرکت والا نہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جاتا ہو' وہ شخص نیک بختی سے دور ہے جس کی جہالت بردباری پر غالب ہو' اس طرح وہ شخص بھی نیکی سے خالی ہاتھ ہے جو اللہ کے احکام کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف کھائے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں' گو اس کے ایک راوی نعیم بن نحمہ ثقاہت یا عدم ثقاہت سے معروف نہیں' لیکن امام ابوداؤد بجستانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ کافی ہے کہ جریر بن عثمانؒ کے تمام استاد ثقہ ہیں اور یہ بھی آپ ہی کے اساتذہ میں سے ہیں اور اس خطبہ کے اور شواہد بھی مروی ہیں واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جہنمی اور جنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یکساں نہیں۔ جیسے فرمان ہے اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الخ' یعنی کیا بدکاروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں باایمان نیک کار لوگوں کے مثل کر دیں گے' ان کا جینا اور مرنا یکساں ہے ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط اور برا ہے۔ ایک اور جگہ ہے وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اندھا اور

دیکھنا' ایماندار' صالح اور بدکار برابر نہیں۔ تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کر رہے ہو۔ ایک اور فرمان ہے اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کیا ہم ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے والوں کو فسادیوں جیسا کر دیں گے یا پرہیزگاروں کو مثل فاجروں کے کر دیں گے؟ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ نیک کار لوگوں کا اکرام ہوگا اور بدکار لوگوں کو رسوا کن عذاب ہوگا۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ جنتی لوگ فائز بمرام اور مقصدور' کامیاب اور فلاح و نجات یافتہ ہیں' اللہ عزوجل کے عذابوں سے یہ بال بال بچ جائیں گے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝۲۲

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھتا کہ خوف الٰہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا' ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور و فکر کریں ○ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' چھپے کھلے کا جاننے والا' بخشنے اور رحم کرنے والا ○

بلند و عظیم مرتبہ قرآن مجید : ☆☆ (آیت:۲۱-۲۲) قرآن کریم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فی الواقع یہ پاک کتاب اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ دل اس کے سامنے جھک جائیں' رونگٹے کھڑے ہو جائیں' کلیجے کپکپائیں' اس کے سچے وعدے اور اس کی حقانی ڈانٹ ڈپٹ ہر سننے والے کو بید کی طرح تھرا دے اور دربار خدا میں سربسجود گرا دے' اگر یہ قرآن جناب باری کسی سخت بلند اور اونچے پہاڑ پر بھی نازل فرماتا اور اسے غور و فکر کی اور فہم و فراست کی حس بھی دیتا تو وہ بھی اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا' پھر انسانوں کے دلوں پر جو نسبتاً بہت نرم اور چھوٹے ہیں' جنہیں پوری سمجھ بوجھ ہے اس کا بہت بڑا اثر پڑنا چاہیے۔ ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے ان کے غور و فکر کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا۔ مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو بھی ڈر اور عاجزی چاہیے۔ متواتر حدیث میں ہے کہ منبر تیار ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ ایک کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے' جب منبر بن گیا بچھ گیا اور حضورؐ اس پر خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے اور وہ تنا دور ہو گیا تو اس میں سے رونے کی آواز آنے لگی اور اس طرح سسکیاں لے لے کر وہ رونے لگا جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر روتا ہو اور اسے چپ کرایا جا رہا ہو کیونکہ اسے اس ذکر وحی کے سننے سے کچھ دوری ہو گئی۔

امام بصریؒ اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے تھے کہ لوگو! ایک کھجور کا تنا اس قدر اللہ کے رسول کا شائق ہو' تو تمہیں چاہیے کہ اس سے بہت زیادہ شوق اور چاہت تم رکھو۔ اسی طرح کی یہ آیت ہے کہ جب ایک پہاڑ کا یہ حال ہو تو تمہیں چاہیے کہ تم تو اس حالت میں اس سے آگے رہو۔ دوسری جگہ فرمان خدا ہے وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ الخ' یعنی اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے باعث پہاڑ چلا دیئے جائیں یا زمین کاٹ دی جائے یا مردے بول پڑیں (تو اس کے قابل یہی قرآن تھا) (مگر پھر بھی ان کفار کو تو ایمان نصیب نہ ہوتا)۔ ایک اور جگہ فرمان عالی شان ہے وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ الخ' یعنی بعض پتھر ایسے ہیں جن میں سے نہریں بہ نکلتی ہیں' بعض وہ ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلتا ہے' بعض اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کوئی پالنے اور پرورش کرنے والا ہے نہ اس کے سوا کسی کی ایسی نشانیاں ہیں کہ اس کی کسی قسم کی عبادت کوئی کرے' اس کے سوا جن جن

کی لوگ پرستش اور پوجا کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ وہ تمام کائنات کا علم رکھنے والا ہے' جو چیزیں ہم پر ظاہر ہیں اور جو چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں سب اس پر عیاں ہیں' خواہ آسمان میں ہوں خواہ زمین میں ہوں' خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ہوں' یہاں تک کہ اندھیریوں کے ذرے بھی اس پر ظاہر ہیں۔ وہ اتنی بڑی وسیع رحمت والا ہے کہ اس کی رحمت تمام مخلوق پر شامل ہے' وہ دنیا اور آخرت میں رحمان بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ ہماری تفسیر کے شروع میں ان دونوں ناموں کی پوری تفسیر گذر چکی ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ میری رحمت نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے۔ ایک اور جگہ فرمان ہے كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ''تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحم ورحمت لکھ لی ہے''۔ اور فرمان ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ''کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ ہی خوش ہونا چاہئے' تمہاری جمع کردہ چیز سے بہتر یہی ہے''۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' بادشاہ نہایت پاک' سب عیبوں سے صاف امن دینے والا نگہبان غالب خود مختار بڑائی والا' پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں ○ وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا بنانے والا صورت کھینچنے والا اسی کے لئے ہیں نہایت اچھے اچھے نام' ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں ہو اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہی غالب ہے حکمت والا ○

اللہ تعالیٰ کی صفات: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) اس مالک رب معبود کے سوا اور کوئی ان اوصاف والا نہیں' تمام چیزوں کا تنہا وہی مالک و مختار ہے' ہر چیز کا ہیر پھیر کرنے والا' سب پر قبضہ اور تصرف رکھنے والا بھی وہی ہے۔ کوئی نہیں جو اس کی مزاحمت یا مدافعت کر سکے یا اسے ممانعت کر سکے' وہ قدوس ہے یعنی طاہر ہے' مبارک ہے' ذاتی اور صفاتی نقصانات سے پاک ہے' تمام بلند مرتبہ فرشتے اور سب کی سب اعلیٰ مخلوق اس کی تسبیح و تقدیس میں علی الدوام مشغول ہے۔ کل عیبوں اور نقصانوں سے مبرا اور منزہ ہے' اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں' اپنے افعال میں بھی اس کی ذات ہر طرح کے نقصان سے پاک ہے' وہ مومن ہے یعنی تمام مخلوق کو اس نے اس بات سے بے خوف رکھا ہے کہ ان پر کسی طرح کا کسی وقت اپنی طرف سے ظلم ہو' اس نے یہ فرما کر کہ وہ حق ہے سب کو امن دے رکھا ہے۔ اپنے ایماندار بندوں کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ مہیمن ہے یعنی اپنی تمام مخلوق کے اعمال کا ہر وقت یکساں طور شاہد ہے اور نگہبان ہے جیسے فرمان ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ''اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے''۔

اور فرمان ہے ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ''اللہ تعالیٰ ان کے تمام افعال پر گواہ ہے''۔ اور جگہ فرمایا اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ الخ' مطلب یہ ہے کہ ہر نفس جو کچھ کر رہا ہے اسے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے' وہ عزیز ہے' ہر چیز اس کے تابع فرمان ہے۔ کل مخلوق پر وہ غالب ہے' پس اس کی عزت عظمت جبروت کبریائی کی وجہ سے اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ جبار اور متکبر

ہے' جبریت اور کبر صرف اسی کی شایان شان ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عظمت میرا تہمد ہے اور کبریائی میری چادر ہے' جو مجھ سے ان دونوں میں سے کسی کو چھیننا چاہے گا میں اسے عذاب کروں گا اپنی مخلوق کو جس چیز پر چاہے وہ رکھ سکتا ہے' کل کاموں کی اصلاح اسی کے ہاتھ ہے' وہ ہر برائی سے نفرت اور دوری رکھنے والا ہے۔ جو لوگ اپنی کم سمجھی کی وجہ سے دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں وہ ان سب سے بیزار ہے' اس کی خدائی شرکت سے مبرا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے' یعنی مقدر مقرر کرنے والا' پھر باری ہے یعنی اسے جاری اور ظاہر کرنے والا' کوئی ایسا نہیں کہ جو تقدیر اور تنفیذ دونوں پر قادر ہو' جو چاہے اندازہ مقرر کرے اور پھر اسی کے مطابق اسے چلائے بھی' کبھی بھی اس میں فرق نہ آنے دے' بہت سے ترتیب دینے والے اور اندازہ کرنے والے ہیں جو پھر اسے جاری کرنے اور اسی کے مطابق برابر جاری رکھنے پر قادر نہیں' تقدیر کے ساتھ ایجاد اور تنفیذ پر بھی قدرت رکھنے والی اللہ کی ہی ذات ہے۔ پس خلق سے مراد تقدیر اور برأ سے مراد تنفیذ ہے' عرب میں یہ الفاظ ان معنوں میں برابر بطور مثال کے بھی مروج ہیں' اسی کی شان ہے کہ جس چیز کو جب جس طرح کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ اسی طرح اسی صورت میں ہو جاتی ہے۔ جیسے فرمان ہے فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ''جس صورت میں اس نے چاہا تجھے ترکیب دی'' اسی لئے یہاں فرماتا ہے وہ مصور بھی ہے یعنی جس کی ایجاد جس طرح کی چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔

پیارے پیارے بہترین اور بزرگ تر ناموں والا وہی ہے' سورۂ اعراف میں اس جملہ کی تفسیر گذر چکی ہے' نیز وہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے جو بخاری مسلم میں بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم ایک سو نام ہیں جو انہیں شمار کر لے یاد رکھ لے' وہ جنت میں داخل ہوگا۔ وہ وتر ہے یعنی واحد ہے اور اکائی کو دوست رکھتا ہے' ترمذی میں ان ناموں کی صراحت بھی آئی ہے جو نام یہ ہیں۔ اللہ کہ نہیں کوئی معبود مگر وہی' رحمن' رحیم' ملك' قدوس' سلام' مومن' مهيمن' عزيز' جبار' متكبر' خالق' بارى' مصور' غفار' قهار' وهاب' رزاق' فتاح' عليم' قابض' باسط' خافض' رافع' معز' مذل' سميع' بصير' حكم' عدل' لطيف' خبير' حليم' عظيم' غفور' شكور' على' كبير' حفيظ' مقيت' حسيب' جليل' كريم' رقيب' مجيب' واسع' حكيم' ودود' مجيد' باعث' شهيد' حق' وكيل' قوى' متين' ولى' حميد' محصى' مبدى' معيد' محى' مميت' حىّ' قيوم' واجد' ماجد' واحد' صمد' قادر' مقتدر' مقدم' موخر' اول' آخر' ظاهر' باطن' والى' متعال' بر' تواب' منتقم' عفو' رئوف' مالك الملك' ذوالجلال' والاكرام' مقسط' جامع' غنى' معطى' مانع' ضار' نافع' نور' هادى' بديع' باقى' وارث' رشيد' صبور۔ ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں کچھ تقدیم تاخیر کمی زیادتی بھی ہے۔ الغرض ان تمام حدیثوں وغیرہ کا بیان پوری طرح سورۂ اعراف میں گذر چکا ہے اس لئے یہاں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے باقی سب کو دوبارہ وارد کرنے کی ضرورت نہیں۔ آسمان و زمین کی کل چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِیۡهِنَّ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں' ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان میں جو مخلوق ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح حمد کے ساتھ بیان نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے' بے شک وہ بردبار اور بخشش کرنے والا ہے' وہ عزیز ہے' اس کی حکمت والی سرکار اپنے احکام اور تقدیر کے تقدر میں ایسی نہیں کہ کسی طرح کی کمی نکالی جائے یا کوئی اعتراض قائم کیا جا سکے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے جو شخص صبح کو تین مرتبہ اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ السَّمِیۡعِ الۡعَلِیۡمِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ پڑھ کر سورۂ حشر

کے آخر کی (ان) تین آیتوں کو پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے جو شام تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہادت کا مرتبہ پاتا ہے اور جو شخص ان کی تلاوت شام کے وقت کرے وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے غریب بتلاتے ہیں۔ الحمد للہ سورۂ حشر کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الممتحنه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ڰ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱﴾ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۲﴾ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳﴾

شروع ہے اللہ نہایت مہربان رحم والے کے نام سے ○

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ سمجھو تم تو محبت کی بنیاد ڈالنے کے لئے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آ چکا ہے کفر کرتے ہیں پیغمبر کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اگر تم میری راہ کے جہاد میں اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو مجھے خوب یہ معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بہک جائے گا ○ اگر انہیں تم پر کوئی دسترس کا موقع مل جائے تو وہ تمہارے کھلے دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور دل سے چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ ○ تمہاری قرابتیں رشتہ داریاں اور اولادیں تمہیں قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گی اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے ○

حاطب رضی اللہ عنہ کا قصہ: ☆☆ (آیت: ۱-۳) حضرت حاطب بن ابو بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اس سورت کی شروع کی آیتیں نازل ہوئی ہیں' واقعہ یہ ہوا کہ حضرت حاطب مہاجرین میں سے تھے' بدر کی لڑائی میں بھی آپ نے مسلمانوں کے لشکر میں شرکت کی تھی' ان کے بال بچے اور مال دولت مکہ میں ہی تھا اور یہ خود قریش سے نہ تھے' صرف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلیف تھے اس وجہ سے مکہ

میں انہیں امن حاصل تھا' اب یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ شریف میں تھے یہاں تک کہ جب اہل مکہ نے عہد توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر چڑھائی کرنی چاہی تو آپ کی خواہش یہ تھی کہ انہیں اچانک دبوچ لیں تاکہ خونریزی نہ ہونے پائے اور مکہ شریف پر قبضہ ہو جائے' اسی لئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی کہ باری تعالیٰ ہماری تیاری کی خبریں ہمارے پہنچنے تک اہل مکہ کو نہ پہنچیں' ادھر آپ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا - حضرت حاطبؓ نے اس موقع پر ایک خط اہل مکہ کے نام لکھا اور ایک قریشی عورت کے ہاتھ اسے چلتا کیا جس میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارادے اور مسلمانوں کی لشکرکشی کی خبر درج تھی' آپ کا ارادہ اس سے صرف یہ تھا کہ میرا کوئی احسان قریش پر رہ جائے جس کے باعث میرے بال بچے اور مال دولت محفوظ رہیں' چونکہ حضورؐ کی دعا قبول ہو چکی تھی' ناممکن تھا کہ قریشیوں کو کسی ذریعہ سے بھی اس ارادے کا علم ہو جائے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس پوشیدہ راز سے مطلع فرما دیا اور آپ نے اس عورت کے پیچھے اپنے سوار بھیجے' راستہ میں اسے روکا گیا اور خط اس سے حاصل کر لیا گیا - یہ مفصل واقعہ صحیح حدیثوں میں پوری طرح آ چکا ہے -

مسند احمد میں ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے بلوا کر فرمایا تم یہاں سے فوراً کوچ کرو' روضہ خاخ میں جب تم پہنچو گے تو تمہیں ایک سانڈنی سوار عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہے' تم اسے قبضہ میں کر کے یہاں لے آؤ - ہم تینوں گھوڑوں پر سوار ہو کر بہت تیز رفتاری سے روانہ ہو گئے' روضہ خاخ میں جب پہنچے تو فی الواقع ہمیں ایک سانڈنی سوار عورت دکھائی دی - ہم نے اس سے کہا کہ جو خط تیرے پاس ہے وہ ہمارے حوالے کر' اس نے صاف انکار کر دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں' ہم نے کہا غلط کہتی ہے' تیرے پاس خط یقیناً ہے' اگر تو راضی خوشی نہ دے گی تو ہم جامہ تلاشی کر کے جراً وہ خط تجھ سے چھینیں گے - اب تو وہ عورت سٹ پٹائی اور آخر اس نے اپنی چٹیا کھول کر اس میں سے وہ پرچہ نکال کر ہمارے حوالے کیا - ہم اسی وقت وہاں سے واپس روانہ ہوئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں اسے پیش کر دیا' پڑھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت حاطب نے اسے لکھا ہے اور یہاں کی خبر رسانی کی ہے' حضورؐ کے ارادوں سے کفار مکہ کو آگاہ کیا ہے آپ نے کہا حاطب یہ کیا حرکت ہے؟ حضرت حاطبؓ نے فرمایا یا رسول اللہ! جلدی نہ کیجئے' میری بھی سن لیجئے' میں قریشیوں میں ملا ہوا تھا' خود قریشیوں میں سے نہ تھا' پھر آپ پر ایمان لا کر آپ کے ساتھ ہجرت کی' جتنے اور مہاجرین ہیں ان سب کے قرابت دار مکہ میں موجود ہیں جو ان کے بال بچے وغیرہ مکہ میں رہ گئے ہیں وہ ان کی حمایت کرتے ہیں' لیکن میرا کوئی رشتہ دار نہیں جو میرے بچوں کی حفاظت کرے اس لئے میں نے چاہا کہ آؤ قریشیوں کے ساتھ کوئی سلوک واحسان کرو جس سے میرے بچوں کی حفاظت وہ کریں اور جس طرح اوروں کے نسب کی وجہ سے ان کا تعلق ہے میرے احسان کی وجہ سے میرا تعلق ہو جائے - یا رسول اللہ میں نے کوئی کفر نہیں کیا' نہ اپنے دین سے مرتد ہوا ہوں' نہ اسلام کے بعد کفر سے راضی ہوا ہوں' بس اس خط کی وجہ سے صرف اپنے بچوں کی حفاظت کا حیلہ تھا - آنحضرت ﷺ نے فرمایا لوگو تم سے جو واقعہ حاطب بیان کرتے ہیں وہ بالکل حرف بہ حرف سچا ہے کہ اپنے نفع کی خاطر ایک غلطی کر بیٹھے ہیں' نہ کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا یا کفار کی مدد کرنا ان کے پیش نظر ہو - حضرت فاروق اعظمؓ اس موقع پر موجود تھے اور یہ واقعات آپ کے سامنے ہوئے' آپ کو بہت غصہ آیا اور فرمانے لگے یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں - آپ نے فرمایا تمہیں کیا معلوم نہیں کہ یہ بدری صحابی ہیں اور بدر والوں پر خدائے تعالیٰ نے جھانکا اور فرمایا جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں بخش دیا؟ یہ روایت اور بھی بہت سی حدیث کی کتابوں میں ہے -

صحیح بخاری شریف کتاب المغازی میں اتنا اور بھی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری اور کتاب التفسیر میں ہے کہ حضرت عمروؓ نے فرمایا اسی بارے میں آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ' اتری لیکن راوی کو شک ہے کہ آیت کے اترنے کا بیان حضرت عمروؓ کا ہے یا

حدیث میں ہے - امام علی بن عبداللہ مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت سفیانؒ سے پوچھا گیا کہ یہ آیت اسی میں اتری ہے؟ تو سفیان نے فرمایا یہ لوگوں کی بات میں ہے میں نے اسے عمروؒ سے حفظ کیا ہے اور ایک حرف بھی نہیں چھوڑا اور میرا خیال ہے کہ میرے سوا کسی اور نے اسے حفظ بھی نہیں رکھا - بخاری مسلم کی ایک روایت میں حضرت مقدادؓ کے نام کے بدلے حضرت ابومرثد کا نام ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے یہ بھی بتلا دیا تھا کہ اس عورت کے پاس حضرت حاطب کا خط ہے' اس عورت کی سواری کو بٹھا کر اس کے انکار پر ہر چند ٹٹولتے ہیں لیکن کوئی پرچہ ہاتھ نہیں لگتا' آخر جب ہم عاجز آ گئے اور کہیں سے پرچہ نہ ملا تو ہم نے اس عورت سے کہا کہ اس میں تو مطلق شک نہیں کہ تیرے پاس پرچہ ہے گو ہمیں نہیں ملتا لیکن تیرے پاس ہے ضرور' یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بات غلط ہو' اب اگر تو نہیں دیتی تو ہم تیرے کپڑے اتار کر ٹٹولیں گے' جب اس نے دیکھ لیا کہ انہیں پختہ یقین ہے اور یہ بے لئے نہ ٹلیں گے' تو اس نے اپنا سر کھول کر اپنے بالوں میں سے پرچہ نکال کر ہمیں دے دیا - ہم اسے لے کر واپس خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے - حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ دیکھ سن کر فرمایا اس نے اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اور مسلمانوں کی خیانت کی مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت دیجئے - حضورؐ نے حضرت حاطبؓ سے دریافت کیا اور انہوں نے جواب دیا جو اوپر گذر چکا - آپ نے سب سے فرمادیا کہ انہیں کچھ نہ کہو اور حضرت عمرؓ سے بھی وہ فرمایا جو پہلے بیان ہوا کہ بدری صحابہ میں سے ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت واجب کر دی ہے - جسے سن کر حضرت عمر رو دیئے اور فرمانے لگے اللہ کو اور اس کے رسول کو ہی کامل علم ہے - یہ حدیث ان الفاظ سے صحیح بخاری کتاب المغازی میں غزوۂ بدر کے ذکر میں ہے -

ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے مکہ جانے کا ارادہ اپنے چند ہم راز صحابہ کبار کے سامنے تو ظاہر کیا تھا جن میں حضرت حاطب بھی تھے' باقی عام طور پر مشہور تھا کہ خیبر جا رہے ہیں - اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ہم خط کو سارے سامان میں ٹٹول چکے اور نہ ملا تو حضرت ابومرثد نے کہا شاید اس کے پاس کوئی پرچہ ہے ہی نہیں' اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا ناممکن ہے' نہ رسول اللہ ﷺ جھوٹ بول سکتے ہیں نہ ہم نے جھوٹ کہا' جب ہم نے اسے دھمکایا تو اس نے ہم سے کہا تمہیں اللہ کا خوف نہیں؟ کیا تم مسلمان نہیں؟ ایک روایت میں ہے کہ اس نے پرچہ اپنے جسم میں سے نکالا - حضرت عمرؓ کے فرمان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا یہ بدر میں موجود تو ضرور تھے لیکن عہد شکنی کی اور دشمنوں میں ہماری خبر رسانی کی - ایک اور روایت میں ہے کہ یہ عورت قبیلہ مزینہ کی عورت تھی' بعض کہتے ہیں اس کا نام سارہ تھا' اولاد عبدالمطلب کی آزاد کردہ لونڈی تھی - حضرت حاطبؓ نے اسے کچھ دینا کیا تھا اور اس نے اپنے بالوں تلے کاغذ رکھ کر اوپر سے سر گوندھ لیا تھا' آپ نے اپنے گھوڑے سواروں سے فرمادیا تھا کہ اس کے پاس حاطب کا دیا ہوا اس مضمون کا خط ہے' آسمان سے اس کی خبر حضورؐ کے پاس آئی تھی - بنو ابواحمد کے حلیفہ میں یہ عورت پکڑی گئی تھی' اس عورت نے ان سے کہا تھا کہ تم منہ پھیر لو میں نکال دیتی ہوں - انہوں نے منہ پھیر لیا پھر اس نے نکال کر حوالے کیا - اس روایت میں حضرت حاطبؓ کے جواب میں یہ بھی ہے کہ اللہ کی قسم میں اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں' کوئی تغیر تبدل میرے ایمان کا نہیں ہوا اور اسی بارے میں اس سورت کی آیتیں حضرت ابراہیم کے قصہ کے ختم تک اتریں - ایک اور روایت میں ہے کہ اس عورت کو اس کی اجرت کے دس درہم حضرت حاطبؓ نے دیئے تھے اور حضورؐ نے اس خط کے حاصل کرنے کے لئے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو بھیجا تھا اور جحفہ میں یہ ملی تھی - مطلب آیتوں کا یہ ہے کہ اے مسلمانو! مشرکین اور کفار کو جو اللہ اور اس کے رسول اور مومن بندوں سے لڑنے والے ہیں' جن کے دل تمہاری عداوت سے پر ہیں' تمہیں ہرگز لائق نہیں کہ ان سے دوستی اور محبت میل ملاپ اور اپنائیت رکھو' تمہیں اس کے خلاف حکم دیا گیا ہے - ارشاد ہے یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ الخ' اے ایماندارو! یہود و نصاریٰ سے دوستی مت گانٹھو' وہ آپس میں ہی ایک دوسروں کے دوست ہیں' تم میں سے جو بھی ان سے مودت و محبت کرے وہ

انہی میں سے شمار ہوگا - اس میں کس قدر ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے - ایک اور جگہ ہے یَآ اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَکُمۡ هُزُوًا وَّلَعِبًا الخ ''مسلمانو! ان اہل کتاب اور کفار سے دوستیاں نہ کرو جو تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے کھیل کود سمجھ رہے ہیں' اگر تم میں ایمان ہے تو ذات باری سے ڈرو'' - اور جگہ ارشاد ہے مسلمانو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں نہ کرو' کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا کھلا الزام ثابت کرلو - اور جگہ فرمایا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنوں کے علاوہ کافروں سے دوستانہ نہ کریں' جو ایسا کرے گا وہ خدا کی طرف سے کسی چیز میں نہیں' ہاں بطور دفع الوقتی اور بچاؤ کے ہو تو اور بات ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈرا رہا ہے - اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب کا عذر قبول فرمالیا کہ اپنے مال و اولاد کے بچاؤ کی خاطر یہ کام ان سے ہوگیا تھا -

مسند احمد میں ہے کہ ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ نے کئی مثالیں بیان فرمائیں ایک اور تین اور پانچ اور سات اور نو اور گیارہ پھر ان میں سے یہ تفصیل صرف ایک ہی بیان کی باقی سب چھوڑ دیں' فرمایا ایک ضعیف مسکین قوم تھی جس پر زور آور ظالم قوم چڑھائی کر کے آ گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کمزوروں کی مدد کی اور انہیں اپنے دشمن پر غالب کر دیا' غالب آ کر ان میں رعونت سما گئی اور انہوں نے ان پر مظالم شروع کر دیئے' جس پر اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ کے لئے ناراض ہوگیا - پھر مسلمانوں کو ہوشیار کرتا ہے کہ تم ان دشمنان دین سے کیوں مودت و محبت رکھتے ہو؟ حالانکہ یہ تم سے بدسلوکی کرنے میں کسی موقع پر کمی نہیں کرتے' کیا یہ تازہ واقعہ بھی تمہارے ذہن سے ہٹ گیا کہ انہوں نے تمہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی جبراً وطن سے نکال باہر کیا اور اس کی کوئی اور وجہ نہ تھی بجز اس کے کہ تمہاری توحید اور فرمانبرداریٔ رسول ان پر گراں گذرتی تھی - جیسے اور جگہ ہے وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ یعنی ''مومنوں سے صرف اس بنا پر مخاصمت اور دشمنی ہے کہ وہ اللہ برتر بزرگ پر ایمان رکھتے ہیں'' - اسی طرح اور جگہ ہے یہ لوگ محض اس وجہ سے ناحق جلاوطن کئے گئے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے - پھر فرماتا ہے اگر سچ مچ تم میری راہ کے جہاد کو نکلے ہو اور میری رضامندی کے طالب ہو تو ہرگز ان کفار سے' جو تمہارے اور میرے دشمن ہیں' میرے دین کو اور تمہارے جان و مال کو نقصان پہنچا رہے ہیں' دوستیاں نہ پیدا کرو' بھلا کس قدر غلطی ہے کہ تم ان سے پوشیدہ طور پر دوستانہ رکھو؟ کیا یہ پوشیدگی خدا سے بھی پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ جو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے' دلوں کے بھید اور نفس کے وسوسے بھی جس کے سامنے کھلے ہوئے ہیں - بس سن لو جو بھی ان کفار سے موالات و محبت رکھے وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا - تم نہیں دیکھ رہے کہ ان کافروں کا اگر بس چلے' اگر انہیں کوئی موقع مل جائے تو نہ اپنے ہاتھ پاؤں سے تمہیں نقصان پہنچانے میں دریغ کریں گے نہ برا کہنے سے اپنی زبانیں روکیں گے؟ جو ان کے امکان میں ہوگا وہ کر گذریں گے بلکہ تمام تر کوشش اس امر پر صرف کر دیں گے کہ تمہیں بھی اپنی طرح کافر بنا لیں' پس جب کہ ان کی اندرونی اور بیرونی دشمنی کا حال تمہیں بخوبی معلوم ہے پھر کیا اندھیر ہے کہ تم اپنے دشمنوں کو دوست سمجھ رہے ہو اور اپنی راہ میں آپ کانٹے بو رہے ہو؟ غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کو کافروں پر اعتماد کرنے اور ان سے ایسے گہرے تعلقات رکھنے اور دلی میل رکھنے سے روکا جا رہا ہے اور وہ باتیں یاد دلائی جا رہی ہیں جو ان سے علیحدگی پر آمادہ کر دیں - تمہاری قرابتیں اور رشتہ داریاں تمہیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی اگر تم خدا کو ناراض کر کے انہیں خوش کرو اور چاہو کہ تمہیں نفع ہو یا نقصان ہٹ جائے یہ بالکل خام خیالی ہے' نہ اللہ کی طرف کے نقصان کو کوئی ٹال سکے نہ اس کے دیئے ہوئے نفع کو کوئی روک سکے' اپنے والوں سے ان کے کفر پر جس نے موافقت کی وہ برباد ہوا گو رشتہ دار کیسا ہی ہو کچھ نفع نہیں - مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا جہنم میں' جب وہ جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا سن میرا باپ اور تیرا باپ دونوں ہی جہنمی ہیں - یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں اور سنن ابوداؤد میں بھی ہے -

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝

مسلمانو! تمہارے لئے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ اور اچھی پیروی موجود ہے۔ جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم خدا کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں ہم تمہارے عقائد کے منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت وبغض ظاہر ہو گیا لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے مجھے خدا کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں۔ اے ہمارے پروردگار! تجھ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے ○

عصبیت دین ایمان جزو لاینفک ہے: ☆☆ (آیت:۴) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کفار سے موالات اور دوستی نہ کرنے کی ہدایت فرما کر ان کے سامنے اپنے خلیل اور ان کے اصحاب کا نمونہ پیش کر رہا ہے کہ انہوں نے صاف طور پر اپنے رشتہ کنبے اور قوم کے لوگوں سے برملا فرما دیا کہ ہم تم سے اور جنہیں تم پوجتے ہو ان سے بیزار بری الذمہ اور الگ تھلگ ہیں ہم تمہارے دین اور طریقے سے متنفر ہیں جب تک تم اسی طریقے اور اسی مذہب پر ہو تم ہمیں اپنا دشمن سمجھو ناممکن ہے کہ برادری کی وجہ سے ہم تمہارے اس کفر کے باوجود تم سے بھائی چارہ اور دوستانہ تعلقات رکھیں ہاں یہ اور بات ہے کہ خدا تمہیں ہدایت دے اور تم اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لے آؤ اس کی توحید کو مان لو اور اسی ایک کی عبادت شروع کر دو اور جن جن کو تم نے اللہ کا شریک اور ساجھی ٹھہرا رکھا ہے اور جن جن کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو ان سب کو ترک کر دو اپنی اس روش کفر اور طریق شرک سے ہٹ جاؤ تو پھر بیشک ہمارے بھائی ہو ہمارے عزیز ہو ورنہ ہم میں تم میں کوئی اتحاد و اتفاق نہیں ہم تم سے اور تم ہم سے علیحدہ ہو ہاں یہ یاد رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے جو استغفار کا وعدہ کیا تھا اور پھر اسے پورا کیا۔ اس میں ان کی اقتدا نہیں اس لئے کہ یہ استغفار اس وقت تک رہا جس وقت تک کہ اپنے والد کا دشمن خدا ہونا ان پر وضاحت کے ساتھ ظاہر نہ ہوا تھا' جب انہیں یقینی طور پر اس کی خدا سے دشمنی کھل گئی تو اس سے صاف بیزاری ظاہر کر دی' بعض مومن اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعا و استغفار کرتے تھے اور سند میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے دعا مانگنا پیش کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فرمان مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ پوری دو آیتوں تک نازل فرمایا اور یہاں بھی اسوۂ ابراہیمی میں سے اس کا استثناء کر لیا کہ اس بات میں ان کی پیروی تمہارے لئے ممنوع ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے اس استغفار کی تفصیل بھی کر دی اور اس کا خاص سبب اور خاص وقت بھی بیان فرما دیا۔ حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ قتادہ' مقاتل بن حیانؒ ضحاکؒ وغیرہ نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ قوم سے برات کر کے اب دامن خدا میں چھپتے ہیں اور جناب باری میں عاجزی اور انکساری سے عرض کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ تمام کاموں میں ہمارا بھروسہ اور اعتماد تیری ہی پاک ذات پر ہے' ہم اپنے تمام کام تجھے سونپتے

ہیں' تیری طرف رجوع و رغبت کرتے ہیں' دار آخرت میں بھی ہمیں تیری ہی جانب لوٹنا ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۵ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۶

خدایا تو ہمیں کافروں کا زیردست اور تختہ مشق نہ بنا اور اے ہمارے پالنے والے! ہماری خطاؤں کو بخش دے بیشک تو ہی غالب حکمتوں والا ہے ○ یقیناً تمہارے لئے ان میں نیک نمونہ اور عمدہ پیروی ہے خاص کر ہر اس شخص کے لئے جو خدا کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کا اعتقاد رکھتا ہو اور اگر کوئی روگردانی کرے تو اللہ تعالیٰ بالکل بے پرواہ ہے اور وہ سزاوار حمد وثنا ہے ○

مومنوں کی دعا: ☆☆ (آیت: ۵-۶) پھر کہتے ہیں خدایا تو ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا یعنی ایسا نہ ہو کہ یہ ہم پر غالب آ کر ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دیں' اسی طرح یہ بھی نہ ہو کہ تیری طرف سے ہم پر کوئی عتاب و عذاب نازل ہو اور وہ ان کے اور بہکنے کا سبب بنے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو خدا انہیں عذاب کیوں کرتا؟ اگر یہ کسی میدان میں جیت گئے تو بھی ان کے لئے یہ فتنہ کا سبب ہوگا کہ ہم اس لئے غالب آئے کہ ہمیں حق پر ہیں۔ اسی طرح اگر یہ ہم پر غالب آ گئے تو ایسا نہ ہو کہ ہمیں تکلیفیں پہنچا پہنچا کر تیرے دین سے برگشتہ کر دیں۔ پھر دعا مانگتے ہیں کہ خدایا! ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے' ہماری پردہ پوشی کر اور ہمیں معاف فرما' تو عزیز ہے' تیری جناب میں پناہ لینے والا نامراد نہیں پھرتا' تیرے در کو کھٹکھٹانے والا خالی ہاتھ نہیں جاتا' تو اپنی شریعت کے تقرر میں' اپنے اقوال و افعال میں اور قضا و قدر کے مقدر کرنے میں حکمتوں والا ہے' تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ پھر بہ طور تاکید کے وہی پہلی بات دہرائی جاتی ہے کہ ان میں تمہارے لئے نیک نمونہ ہے' جو بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے آنے کی حقانیت پر ایمان رکھتا ہو اسے ان کی اقتداء میں آگے بڑھ کر قدم رکھنا چاہئے اور جو احکام خدا سے روگردانی کرے وہ جان لے کہ اللہ اس سے بے پرواہ ہے' وہ سزاوار حمد وثنا ہے' مخلوق اس خالق کی تعریف میں مشغول ہے۔ جیسے اور جگہ ہے اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ''اگر تم اور تمام روئے زمین کے لوگ کفر پر اور خدا کے نہ ماننے پر اتر آئیں تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اللہ تعالیٰ سب سے غنی' سب سے بے نیاز اور سب سے بے پرواہ ہے اور وہ تعریف کیا گیا ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں غنی اسے کہا جاتا ہے جو اپنی غنا میں کامل ہو' اللہ تعالیٰ ہی کی یہ صفت ہے کہ وہ ہر طرح سے بے نیاز اور بالکل بے پرواہ ہے' کسی اور کی ذات ایسی نہیں' اس کا کوئی ہمسر نہیں' اس کے مثل کوئی اور نہیں' وہ پاک ہے' اکیلا ہے' سب پر حاکم' سب پر غالب' سب کا بادشاہ ہے' حمید ہے یعنی مخلوق اسے سراہ رہی ہے' اپنے جمیع اقوال میں' تمام افعال میں وہ ستائشوں اور تعریفوں والا ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کے سوا کوئی پالنے والا نہیں' رب وہی ہے' معبود وہی ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ لَا يَنْهٰكُمُ

اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹

کیا عجب کہ عنقریب ہی اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے' اللہ کو سب قدرتیں ہیں' اللہ بڑا غفور رحیم ہے ○ جن لوگوں نے تم سے ذہبی لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا' بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے منع کرتا ہے جو تمسے مذہبی لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دیس نکالے دیں اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کریں' جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہ قطعاً ظالم اور بے انصاف ہیں ○

کفار سے محبت کی ممانعت کی دوبارہ تاکید : ☆☆ (آیت:۷-۹) کافروں سے محبت رکھنے کی ممانعت اور ان کی بغض و عداوت کے بیان کے بعد اب ارشاد ہوتا ہے کہ بسا اوقات ممکن ہے ابھی ابھی اللہ تعالیٰ تم میں اور ان میں میل ملاپ کرا دے' بغض نفرت اور فرقت کے بعد محبت مودت اور الفت پیدا کر دے' کون سی چیز ہے جس پر خدا قادر نہ ہو؟ وہ متبائن اور مختلف چیزوں کو جمع کر سکتا ہے' عداوت و قساوت کے بعد دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دینا اس کے ہاتھ ہے' جیسے اور جگہ انصار پر اپنی نعمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوا ہے وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ الخ' تم پر جو خدا کی نعمت ہے اسے یاد کرو کہ تمہاری دلی عداوت کو اس نے الفت قلبی سے بدل دیا اور تم ایسے ہو گئے جیسے ماں جائے بھائی ہوں' تم آگ کے کنارے پہنچ چکے تھے لیکن اس نے تمہیں وہاں سے بچا لیا' آنحضرت ﷺ نے انصاریوں سے فرمایا کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی اور تم متفرق تھے میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں جمع کر دیا۔

قرآن کریم میں ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ الخ' اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد سے مومنوں کو ساتھ کر کے اے نبی! تیری مدد کی اور ایمان داروں میں آپس میں وہ محبت اور یک جہتی پیدا کر دی کہ اگر روئے زمین کی دولت خرچ کر کے بھی وہ یگانگت پیدا کرنی چاہتے تو وہ نہ کر سکتے تھے۔ یہ الفت منجانب اللہ تھی جو عزیز و حکیم ہے۔ ایک حدیث میں ہے دوستوں کی دوستی کے وقت بھی اس بات کو پیش نظر رکھو کہ کیا عجب اس سے کسی وقت دشمنی ہو جائے اور دشمنوں کی دشمنی میں بھی حد سے تجاوز نہ کرو کیا خبر کب دوستی ہو جائے عرب شاعر کہتا ہے ۔

وَقَدْ يَجْمَعُ اللّٰهُ الشَّتِيْتَيْنِ بَعْدَ مَا يَظُنَّانِ كُلَّ الظَّنِّ اَنْ لَّا تَلَاقِيَا

''یعنی ایسے دو دشمنوں میں بھی جو ایک سے ایک جدا ہوں اور اس طرح کہ دل میں گرہ دے لی ہو کہ ابدالآباد تک اب کبھی نہ ملیں گے اللہ تعالیٰ اتفاق و اتحاد پیدا کرا دیتا ہے اور اس طرح ایک ہو جاتے ہیں کہ گویا کبھی دو نہ تھے' اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے' کافر جب توبہ کریں تو اللہ قبول فرما لے گا' جب وہ اس کی طرف جھکیں وہ انہیں اپنے سائے میں لے لے گا۔ کوئی سا گناہ ہو اور کوئی سا گنہگار ہو ادھر وہ مالک کی طرف جھکا ادھر اس کی رحمت کی آغوش کھلی۔

حضرت مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت ابوسفیان صخر بن حرب کے بارے میں نازل ہوئی ہے' ان کی صاحبزادی صاحبہ سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کر لیا تھا اور یہی مناکحت حجت کا سبب بن گئی' لیکن یہ قول کچھ جی کو نہیں لگتا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ نکاح فتح مکہ سے بہت پہلے ہوا تھا اور حضرت ابوسفیان کا اسلام بالاتفاق فتح مکہ کی رات کا ہے بلکہ اس سے بہت اچھی توجیہ تو وہ ہے جو ابن ابی حاتم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسفیان صخر بن حرب کو کسی باغ کے پھلوں کا عامل بنا رکھا تھا' حضورؐ کے انتقال کے بعد یہ آ رہے تھے کہ راستے میں ذوالخمار مرتد مل گیا' آپ نے اس سے جنگ کی اور باقاعدہ لڑے' پس مرتدین سے پہلے پہل لڑائی لڑنے والے مجاہد فی الدین آپ ہیں' حضرت ابن شہابؒ کا قول ہے کہ انہی کے بارے میں یہ آیت عَسَى اللّٰهُ الخ' اتری ہے۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یارسول اللہ! میری تین درخواستیں ہیں اگر اجازت ہو تو عرض کروں' آپ نے فرمایا کہو' تو کہا اول تو یہ کہ مجھے اجازت دیجئے کہ جس طرح میں کفر کے زمانے میں مسلمانوں سے مسلسل جنگ کرتا رہا اب اسلام کے زمانہ میں کافروں سے برابر لڑائی جاری رکھوں۔ آپ نے اسے منظور فرمایا پھر کہا میرے لڑکے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب بنا لیجئے' آپ نے اسے بھی منظور فرمایا (اس پر جو کلام ہے وہ پہلے گذر چکا ہے) اور میری بہترین عرب بچی ام حبیبہ کو آپ اپنی زوجیت میں قبول فرمائیں' آپ نے یہ بھی منظور فرما لیا (اس پر بھی کلام پہلے گذر چکا ہے) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جن کفار نے تم سے مذہبی لڑائی نہیں کی نہ تمہیں جلا وطن کیا جیسے عورتیں اور کمزور لوگ وغیرہ ان کے ساتھ سلوک و احسان اور عدل و انصاف کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ وہ تو ایسے باانصاف لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی مشرک ماں آئیں' یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جس میں آنحضرت ﷺ اور مشرکین مکہ کے درمیان صلح نامہ ہو چکا تھا۔ حضرت اسماء خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مسئلہ پوچھتی ہیں کہ میری ماں آئی ہوئی ہیں اور اب تک وہ اس دین سے الگ ہیں' کیا مجھے جائز ہے کہ میں ان کے ساتھ سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں جاؤ' ان سے صلہ رحمی کرو۔

مسند کی اس روایت میں ہے کہ ان کا نام قتیلہ تھا' یہ مکہ سے گوہ اور پنیر اور گھی بطور تحفے کے لے کر آئی تھیں لیکن حضرت اسماءؓ نے اپنی مشرکہ ماں کو نہ تو اپنے گھر میں آنے دیا نہ یہ تحفہ ہدیہ قبول کیا' پھر حضورؐ سے دریافت کیا اور آپ کی اجازت پر ہدیہ بھی لیا اور اپنے ہاں ٹھہرایا بھی۔ بزار کی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام بھی ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ حضرت عائشہ کی والدہ کا نام ام رومان تھا اور وہ اسلام لا چکی تھیں اور ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائی تھیں۔ ہاں حضرت اسماء کی والدہ ام رومان نہ تھیں چنانچہ ان کا نام قتیلہ اوپر کی حدیث میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

مُقْسِطِيْنَ کی تفسیر سورۂ حجرات میں گذر چکی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ حدیث میں ہے مُقْسِطِيْنَ وہ لوگ ہیں جو عدل کے ساتھ حکم کرتے ہیں گو اہل و عیال کا معاملہ ہو یا زیردستوں کا' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عرش کے دائیں جانب نور کے ممبروں پر ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی ممانعت تو ان لوگوں کی دوستی سے ہے جو تمہاری عداوت سے تمہارے مقابل نکل کھڑے ہوئے' تم سے صرف تمہارے مذہب کی وجہ سے لڑے جھگڑے تمہیں تمہارے شہروں سے نکال دیا' تمہارے دشمنوں کی مدد کی۔ پھر مشرکین سے اتحاد و اتفاق دوستی دیکھتی رکھنے والے کو دھمکاتا ہے اور اس کا گناہ بتلاتا ہے کہ ایسا کرنے والے ظالم گنہگار ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا یہودیوں نصرانیوں سے دوستی کرنے والا ہمارے نزدیک انہی جیسا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لے لیا کرو' دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ ہی ہے لیکن اگر وہ تمہیں ایماندار معلوم ہوں تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو' یہ ان کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں' جو خرچ ان کافروں کا ہوا ہو وہ انہیں ادا کر دو۔ ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضے میں نہ رکھو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو وہ بھی مانگ لیں' یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو وہ تمہارے درمیان کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور کامل حکمت والا ہے ○ اور اگر تمہاری کوئی بیوی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور کافروں کے پاس چلی جائے پھر تمہیں اس کے بدلے کا وقت مل جائے تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں انہیں ان کے اخراجات کے برابر ادا کر دو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ○

مہاجر خواتین کے متعلق بعض ہدایات: ☆☆ (آیت:۱۰-۱۱) سورۂ فتح کی تفسیر میں صلح حدیبیہ کا واقعہ مفصل بیان ہو چکا ہے اس صلح کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان جو شرائط ہوئی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ جو کافر مسلمان ہو کر حضورؐ کے پاس چلا جائے آپ اسے اہل مکہ کو واپس کر دیں لیکن قرآن کریم نے ان میں سے ان عورتوں کو مخصوص کر دیا کہ جو عورت ایمان قبول کر کے آئے اور فی الواقع ہو بھی وہ سچی ایماندار تو مسلمان اسے کافروں کو واپس نہ دیں۔ حدیث شریف کی تخصیص قرآن کریم سے ہونے کی یہ ایک بہترین مثال ہے اور بعض سلف کے نزدیک یہ آیت اس حدیث کی ناسخ ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابو معیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ چلی آئیں' ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید ان کے واپس لینے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا سنا' پس یہ آیت امتحان نازل ہوئی اور مومنہ عورتوں کو واپس لوٹانے سے ممانعت کر دی گئی ۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ حضورؐ ان عورتوں کا امتحان کس طرح لیتے تھے؟ فرمایا اس طرح کہ خدا کی قسم کھا کر سچ سچ کہے کہ وہ اپنے خاوند کی ناچاقی کی وجہ سے نہیں چلی آئی' صرف آب و ہوا اور زمین کی تبدیلی کرنے کے لئے بطور سیر و سیاحت نہیں آئی' کسی دنیا طلبی کے لئے نہیں آئی بلکہ صرف خدا کی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں اسلام کی خاطر ترک وطن کیا ہے اور کوئی غرض نہیں۔ قسم دے کر ان

سوالات کا کرنا اور خوب آزما لینا یہ کام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھا۔

اور روایت میں ہے کہ امتحان اس طرح ہوتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معبود برحق اور لاشریک ہونے کی گواہی دیں اور آنحضرت ﷺ کے اللہ کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول ہونے کی شہادت دیں' اگر آزمائش میں کسی غرض دنیوی کا پتہ چل جاتا تو انہیں واپس لوٹا دینے کا حکم تھا۔ مثلاً یہ معلوم ہو جائے کہ میاں بیوی کی ان بن کی وجہ سے یا کسی اور شخص کی محبت میں چلی آئی ہے وغیرہ۔ اس آیت کے اس جملہ سے کہ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ باایمان عورت ہے تو پھر اسے کافروں کی طرف مت لوٹاؤ' ثابت ہوتا ہے کہ ایمان پر بھی یقینی طور پر مطلع ہو جانا ممکن امر ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں کافروں پر اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں ہیں۔ اس آیت نے اس رشتہ کو حرام کر دیا ورنہ اس سے پہلے مومنہ عورتوں کا نکاح کافر مردوں سے جائز تھا جیسے کہ نبی ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے ہوا تھا حالانکہ یہ اس وقت کافر تھے اور بنت رسول مسلمہ تھیں۔ بدر کی لڑائی میں یہ بھی کافروں کے ساتھ تھے اور جو کافر زندہ پکڑے گئے تھے ان میں یہ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ حضرت زینب نے اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار ان کے فدیئے میں بھیجا تھا کہ یہ آزاد ہو کر آ جائیں' جسے دیکھ کر آنحضرت ﷺ پر بڑی رقت طاری ہوئی اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا اگر میری بیٹی کے قیدی کو چھوڑ دینا تم پسند کرتے ہو تو اسے رہا کر دو' مسلمانوں نے بخوشی بغیر فدیہ کے انہیں چھوڑ دینا منظور کیا' چنانچہ حضورؐ نے انہیں آزاد کر دیا اور فرما دیا کہ آپ کی صاحبزادی کو آپ کے پاس مدینہ میں بھیج دیں انہوں نے اسے منظور کر لیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھیج بھی دیا' یہ واقعہ سنہ ۲ ہجری کا ہے حضرت زینبؓ نے مدینہ میں ہی اقامت فرمائی اور یونہی بیٹھی رہیں یہاں تک کہ سنہ ۸ ہجری میں ان کے خاوند حضرت ابوالعاص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے تو حضورؐ نے پھر اسی اگلے نکاح پر بغیر نئے مہر کے اپنی صاحبزادی کو ان کے پاس رخصت کر دیا۔ اور روایت میں ہے کہ دو سال کے بعد حضرت ابوالعاص مسلمان ہو گئے تھے اور حضورؐ نے اسی پہلے نکاح پر حضرت زینب کو لوٹا دیا تھا۔ یہی صحیح ہے اس لئے کہ مسلمان عورتوں کے مشرک مردوں پر حرام ہونے کے دو سال بعد یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے اسلام کے بعد نئے سرے سے نکاح ہوا اور نیا مہر بندھا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یزید نے فرمایا ہے پہلی روایت کے راوی حضرت ابن عباس ہیں اور وہ روایت از روئے اسناد کے بہت اعلیٰ اور دوسری روایت کے راوی حضرت عمرو بن شعیب ہیں اور عمل اسی پر ہے' لیکن یہ یاد رہے کہ عمرو بن شعیب والی روایت کے ایک راوی حجاج بن ارطاۃ کو حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ضعیف بتلاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ والی حدیث کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ یہ شخصی واقعہ ہے' ممکن ہے ان کی عدت ختم ہی نہ ہوئی ہو۔ اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں جب عورت نے عدت کے دن پورے کر لئے اور اب تک اس کا کافر خاوند مسلمان نہیں ہوا تو وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے' ہاں بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ عدت پوری کر لینے کے بعد عورت کو اختیار ہے اگر چاہے اپنے اس نکاح کو باقی رکھے اگر چاہے فسخ کر کے دوسرا نکاح کر لے اور اسی پر ابن عباس والی روایت کو محمول کرتے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مہاجر عورتوں کے کافر خاوندوں کو ان کے خرچ اخراجات جو ہوئے ہیں وہ ادا کر دو جیسے کہ مہر۔ پھر فرمان ہے کہ اب انہیں ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی حرج نہیں' عدت کا گذر جانا' ولی کا مقرر کرنا وغیرہ جو امور نکاح میں ضروری ہیں ان شرائط کو پورا کر کے ان مہاجرہ عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم پر بھی اے مسلمانو! ان عورتوں کا اپنے نکاح میں باقی رکھنا حرام ہے جو کافرہ ہیں' اسی طرح کافرہ عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے' اس حکم کے نازل ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو کافر بیویوں کو فوراً طلاق دے دی جن میں سے ایک نے تو معاویہ بن سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ سے' حضورؐ نے کافروں سے صلح کی اور ابھی تو آپ حدیبیہ کے نیچے

کے حصے میں ہی تھے جو یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ جو عورت مہاجرہ آئے اس کا باایمان ہونا اور خلوص نیت سے ہجرت کرنا بھی معلوم ہو جائے تو ان کے کافر خاوندوں کو ان کے دیئے ہوئے مہر واپس کر دو' اسی طرح کافروں کو بھی یہ حکم سنا دیا گیا' اس حکم کی وجہ وہ عہد نامہ تھا جو ابھی ابھی مرتب ہوا تھا - حضرت الفاروقؓ نے اپنی جن دو کافرہ بیویوں کو طلاق دی ان میں سے پہلی کا نام قریبہ تھا یہ ابوامیہ بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن حرول خزاعی کی لڑکی تھی' حضرت عبیداللہ کی والدہ یہ ہی تھی' اس سے ابوجہم بن حذیفہ بن غانم خزاعی نے نکاح کر لیا' یہ بھی مشرک تھا - اسی طرح اس حکم کے ماتحت حضرت طلحہ بن عبیداللہ نے اپنی کافرہ بیوی اروی بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کو طلاق دے دی' اس سے خالد بن سعید بن عاص نے نکاح کر لیا - پھر ارشاد ہوتا ہے تمہاری بیویوں پر جو تم نے خرچ کیا ہے' اسے کافروں سے لے لو جبکہ وہ ان میں چلی جائیں اور کافروں کی عورتیں جو مسلمان ہو کر تم میں آ جائیں انہیں تم ان کا کیا ہوا خرچ دے دو - صلح کے بارے میں اور عورتوں کے بارے میں خدائی فیصلہ بیان ہو چکا جو اس نے اپنی مخلوق میں کر دیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام تر مصلحتوں سے باخبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا' اس لئے کہ علی الاطلاق حکیم وہی ہے - اس کے بعد کی آیت وَاِنْ فَاتَكُمْ کا مطلب حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جن کفار سے تمہارا عہد و پیان صلح و صفائی نہیں' اگر کوئی عورت کسی مسلمان کے گھر سے جا کر ان میں جا ملے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے خاوند کا کیا ہوا خرچ نہیں دیں گے تو اس کے بدلے تمہیں بھی اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر تم میں چلی آئے تو تم بھی اس کے خاوند کو کچھ نہ دو جب تک وہ نہ دیں - حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے تو خدا کے اس حکم کی تعمیل کی اور کافروں کی جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئیں ان کے لئے ہوئے مہر ان کے خاوندوں کو واپس کئے لیکن مشرکوں نے اس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا' اس پر یہ آیت اتری اور مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر تم میں سے کوئی عورت ان کے ہاں چلی گئی ہے اور انہوں نے تمہاری خرچ کی ہوئی رقم ادا نہیں کی تو جب ان میں سے کوئی عورت تمہارے ہاں آ جائے تو تم اپنا دہ خرچ نکال کر باقی اگر کچھ بچے تو دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا - حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا یہ مطلب مروی ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو مسلمان عورت کافروں میں جا ملے اور کافر اس کے خاوند کو اس کا کیا ہوا خرچ ادا نہ کریں تو مال غنیمت میں سے آپ اس مسلمان کو بقدر اس کے خرچ کے دے دیں' پس فَعَاقَبْتُمْ کے معنی یہ ہوئے پھر تمہیں قریش یا کسی اور جماعت کفار سے مال غنیمت ہاتھ لگے تو ان مردوں کو جن کی عورتیں کافروں میں چلی گئی ہیں ان کا کیا ہوا خرچ ادا کر دو یعنی مہر مثل' ان اقوال میں کوئی تضاد اور خلاف نہیں' مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت اگر ناممکن ہو تو وہ سہی ورنہ مال غنیمت میں سے اسے اس کا حق دے دیا جائے' دونوں باتوں میں اختیار ہے اور حکم میں وسعت ہے' حضرت امام ابن جریرؒ اس تطبیق کو پسند فرماتے ہیں فالحمدللہ -

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں تجھ سے ان باتوں پر بیعت کرنے کو آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی چوری نہ کریں گی زنا کاری نہ کریں گی اور اپنی اولادوں کو نہ مار ڈالیں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور کسی امر شرعی میں تیری بے حکمی نہ کریں گی تو تو ان سے بیعت کر لیا کر اور ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب کر بے شک اللہ بخشش اور معاف کرنیوالا ہے ○

خواتین کا طریقہ بیعت: ☆☆ (آیت:۱۲) صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے جو مسلمان عورتیں آنحضرت ﷺ کے پاس ہجرت کر کے آتی تھیں ان کا امتحان اسی آیت سے ہوتا تھا' جو عورت ان تمام باتوں کا اقرار کر لیتی اسے حضورؐ زبانی فرما دیتے کہ میں نے تم سے بیعت کی' یہ نہیں کہ آپ ان کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہوں' قسم اللہ کی آپ نے کبھی بیعت کرتے ہوئے کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا' صرف زبانی فرما دیتے کہ ان باتوں پر میں نے تیری بیعت لی۔

ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت امیہ بنت رقیقہؓ فرماتی ہیں کئی ایک عورتوں کے ساتھ میں بھی آنحضرت ﷺ سے بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئی تو قرآن کی اس آیت کے مطابق آپ نے ہم سے عہد و پیمان لیا اور ہم بھلی باتوں میں حضور کی نافرمانی نہ کریں گی کے اقرار کے وقت فرمایا یہ بھی کہہ لو کہ جہاں تک تمہاری طاقت ہے' ہم نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول کو ہمارا خیال ہم سے بہت زیادہ ہے اور ان کی مہربانی بھی ہم پر خود ہماری مہربانی سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ پھر ہم نے کہا حضورؐ آپ ہم سے مصافحہ نہیں کرتے؟ فرمایا نہیں میں غیر عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا' میرا ایک عورت سے کہہ دینا سو عورتوں کی بیعت کے لئے کافی ہے بس بیعت ہو چکی۔ امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں۔ مسند احمد میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ ہم میں سے کسی عورت کے ساتھ حضورؐ نے مصافحہ نہیں کیا' یہ حضرت امیہ حضرت خدیجہ کی بہن اور حضرت فاطمہ کی خالہ ہوتی ہیں۔ مسند احمد میں حضرت سلمٰی بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو رسول اللہ ﷺ کی خالہ تھیں اور دونوں قبلوں کی طرف حضور کے ساتھ نماز ادا کی تھی جو بنو عدی بن نجار کے قبیلہ میں سے تھیں' فرماتی ہیں انصار کی عورتوں کے ساتھ خدمت نبوی میں بیعت کرنے کے لئے میں بھی آئی تھی اور اس آیت میں جن باتوں کا ذکر ہے ان کا ہم نے اقرار کیا' آپ نے فرمایا ایک اس بات کا بھی اقرار کرو کہ اپنے خاوندوں کی خیانت اور ان کے ساتھ دھوکا نہ کرو گی' ہم نے اس کا بھی اقرار کیا' بیعت کی اور جانے لگیں پھر مجھے خیال آیا اور ایک عورت کو میں نے حضور کے پاس بھیجا کہ وہ دریافت کر لیں کہ خیانت و دھوکا نہ کرنے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ اس کا مال چپکے سے کسی اور کو نہ دو۔ مسند کی حدیث میں ہے حضرت عائشہ بنت قدامہؓ فرماتی ہیں میں اپنی والدہ رایطہ بنت سفیان نزاعیہ کے ساتھ حضورؐ سے بیعت کرنے والیوں میں تھی' حضور ان باتوں پر بیعت لے رہے تھے اور عورتیں ان کا اقرار کرتی تھیں' میری والدہ کے فرمان سے میں نے بھی اقرار کیا اور بیعت والیوں میں شامل ہوئی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ام عطیہؓ سے منقول ہے کہ ہم نے ان باتوں پر اور اس امر پر کہ ہم کسی مردے پر نوحہ نہ کریں گی حضور سے بیعت کی' اس اثنا میں ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور کہا میں نوحہ کرنے سے باز رہنے پر بیعت نہیں کرتی اس لئے کہ فلاں عورت نے میرے فلاں مردے پر نوحہ کرنے میں میری مدد کی ہے تو میں اس کا بدلہ ضرور اتاروں گی' آنحضرت ﷺ اسے سن کر خاموش ہو رہے اور کچھ نہ فرمایا' وہ چلی گئیں لیکن پھر تھوڑی ہی دیر میں واپس آئیں اور بیعت کر لی۔

مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے اور اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس شرط کو صرف اس عورت نے اور حضرت ام سلیم بنت ملحان نے ہی پورا کیا۔ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ پانچ عورتوں نے اس عہد کو پورا کیا' ام سلیم' ام علاء' ابو سبرہ کی بیٹی جو حضرت معاذ کی بیوی تھیں اور دو عورتیں یا ابو سبرہ کی بیٹی اور حضرت معاذؓ کی بیوی اور ایک عورت اور نبی ﷺ عید والے دن بھی عورتوں سے اس بیعت کا معاہدہ لیا کرتے تھے۔ بخاری میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رمضان کی عید کی نماز میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم

کے ساتھ پڑھی ہے' سب کے سب خطبے سے پہلے نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بعد خطبہ کہتے تھے' ایک مرتبہ نبی ﷺ خطبے سے اترے گویا وہ نقشہ میری نگاہ کے سامنے ہے کہ لوگوں کو بٹھایا جاتا تھا اور آپ ان کے درمیان سے تشریف لا رہے تھے' یہاں تک کہ عورتوں کے پاس آئے آپ کے ساتھ حضرت بلال تھے' یہاں پہنچ کر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی' پھر آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم اپنے اس اقرار پر ثابت قدم ہو۔ ایک عورت نے کھڑے ہو کر جواب دیا کہ ہاں حضورؐ اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں' کسی اور نے جواب نہیں دیا۔ راوی حدیث حضرت حسن کو یہ معلوم نہیں کہ یہ جواب دینے والی کون سی عورت تھیں' پھر آپ نے فرمایا اچھا خیرات کرو اور حضرت بلال نے اپنا کپڑا پھیلا دیا' چنانچہ عورتوں نے اس پر بے نگینہ کی اور نگینہ دار انگوٹھیاں راہ للہ ڈال دیں۔

مسند احمد کی روایت میں حضرت امیمہؓ کی بیعت کے ذکر میں آیت کے علاوہ اتنا اور بھی ہے کہ نوحہ کرنا اور جاہلیت کے زمانہ کی طرح اپنا بناؤ سنگھار غیر مردوں کو نہ دکھانا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں سے بھی ایک مجلس میں فرمایا کہ مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرو جو اس آیت میں ہیں' جو شخص اس بیعت کو نبھادے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو اس کے خلاف کر گذرے اور وہ مسلم حکومت سے پوشیدہ رہے اس کا حساب اللہ سے ہے' اگر چاہے بخش دے اور اگر چاہے عذاب کرے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عقبہ اولیٰ میں ہم بارہ شخصوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اور انہی باتوں پر جو اس آیت میں مذکور ہیں آپ نے ہم سے بیعت لی اور فرمایا اگر تم اس پر پورے اترے تو یقیناً تمہارے لئے جنت ہے' یہ واقعہ جہاد کی فرضیت سے پہلے کا ہے' ابن جریر کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ عورتوں سے کہیں کہ رسول اللہ ﷺ تم سے اس بات پر بیعت لیتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' ان بیعت کے لئے آنے والیوں میں حضرت ہندہ تھیں جو عقبہ بن ربیعہ کی بیٹی اور حضرت ابوسفیان کی بیوی تھیں' یہی تھیں جنہوں نے اپنے کفر کے زمانہ میں حضورؐ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیٹ چیر دیا تھا' اس وجہ سے یہ ان عورتوں میں ایسی حالت سے آئی تھیں کہ کوئی انہیں پہچان نہ سکے اس نے جب فرمان سنا تو کہنے لگی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں لیکن اگر بولوں گی تو حضورؐ مجھے پہچان لیں گے اور اگر پہچان لیں گے تو میرے قتل کا حکم دے دیں گے' میں اسی وجہ سے اس طرح آئی ہوں کہ پہچانی نہ جاؤں مگر اور عورتیں سب خاموش رہیں اور ان کی بات اپنی زبان سے کہنے سے انکار کر دیا آخر ان ہی کو کہنا پڑا کہ یہ ٹھیک ہے جب شرک کی ممانعت مردوں کو ہے تو عورتوں کو کیوں نہ ہو گی؟ حضورؐ نے ان کی طرف دیکھا لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا پھر حضرت عمرؓ سے کہا ان سے کہہ دو کہ دوسری بات یہ ہے کہ یہ چوری نہ کریں اس پر ہندہ نے کہا میں ابوسفیان کی معمولی سی چیز کبھی کبھی لے لیا کرتی ہوں کیا یہ بھی چوری میں داخل ہے یا نہیں اور میرے لئے یہ حلال بھی ہے یا نہیں؟ حضرت ابوسفیان بھی اسی مجلس میں موجود تھے یہ سنتے ہی کہنے لگے میرے گھر میں جو کچھ بھی تو نے لیا ہو خواہ وہ خرچ میں آ گیا ہو یا اب بھی باقی ہو وہ سب میں تیرے لئے حلال کرتا ہوں' اب تو نبی ﷺ نے صاف پہچان لیا کہ یہ میرے چچا حمزہ کی قاتلہ اور اس کے کلیجے کو چیرنے والی پھر اسے چبانے والی عورت ہندہ ہے' آپ نے انہیں پہچان کر اور ان کی یہ گفتگو سن کر اور حالت دیکھ کر مسکرا دیئے اور انہیں اپنے پاس بلایا' انہوں نے آ کر حضور کا ہاتھ تھام کر معافی مانگی آپ نے فرمایا۔ تم وہی ہندہ ہو؟ انہوں نے کہا گذشتہ گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے' حضورؐ خاموش ہو رہے اور بیعت کے سلسلہ میں پھر لگ گئے اور فرمایا تیسری بات یہ ہے کہ ان عورتوں میں سے کوئی بدکاری نہ کرے۔ اس پر حضرت ہندہ نے کہا کیا کوئی آزاد عورت بھی بدکاری کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے خدا کی قسم آزاد عورتیں اس برے کام سے ہرگز آلودہ نہیں رہتیں۔ آپ نے پھر فرمایا چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں ہندہ نے کہا آپ نے انہیں بدر کے دن قتل کیا ہے آپ جانیں اور وہ۔ آپ نے فرمایا پانچویں بات یہ ہے کہ خود اپنی ہی

طرف سے جوڑ کر بے سر پیر کا کوئی خاص بہتان نہ تراش لیں اور چھٹی بات یہ ہے کہ میری شرعی باتوں میں میری نافرمانی نہ کریں اور ساتواں عہد آپ نے ان سے یہ بھی لیا کہ وہ نوحہ نہ کریں - اہل جاہلیت اپنے کسی کے مر جانے پر کپڑے پھاڑ ڈالتے تھے' منہ نوچ لیتے تھے' بال کٹوا دیتے تھے اور ہائے وائے کیا کرتے تھے - یہ اثر غریب ہے اور اس کے بعض حصے میں نکارت بھی ہے اس لئے کہ ابوسفیان اور ان کی بیوی ہندہ کے اسلام کے وقت انہیں حضورؐ کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ تھا بلکہ اس سے بھی آپ نے صفائی اور محبت کا اظہار کر دیا تھا واللہ اعلم -

ایک اور روایت میں ہے کہ فتح مکہ والے دن بیعت والی یہ آیت نازل ہوئی' نبی ﷺ نے صفا پر مردوں سے بیعت لی اور حضرت عمرؓ نے عورتوں سے بیعت لی' اس میں اتنا اور بھی ہے کہ اولاد کے قتل کی ممانعت سن کر حضرت ہندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم نے تو انہیں چھٹپنے سے پال پوس کر بڑا کیا لیکن ان بڑوں کو تم نے قتل کیا' اس پر حضرت عمرؓ مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گئے - ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ جب ہندہ بیعت کرنے آئیں تو ان کے ہاتھ مردوں کی طرح سفید تھے آپ نے فرمایا جاؤ ان کا رنگ بدل لو' چنانچہ وہ مہندی لگا کر حاضر ہوئیں' ان کے ہاتھ میں دو سونے کے کڑے تھے' انہوں نے پوچھا کہ ان کی نسبت کیا حکم ہے؟ فرمایا جہنم کی آگ کے دو انگارے ہیں (یہ حکم اس وقت ہے جب ان کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے) اس بیعت کے لینے کے وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کپڑا تھا' جب اولادوں کے قتل کی ممانعت پر ان سے عہد لیا گیا تو ایک عورت نے کہا ان کے باپ دادوں کو تو قتل کیا اور ان کی اولاد کی وصیت ہمیں ہو رہی ہے' یہ شروع شروع میں صورت بیعت کی تھی لیکن پھر اس کے بعد تو آپ نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ جب بیعت کرنے کے لئے عورتیں جمع ہو جاتیں تو آپ یہ سب باتیں ان پر پیش فرماتے' وہ ان کا اقرار کرتیں اور واپس لوٹ جاتیں - پس فرمان الٰہی ہے کہ جو عورت ان امور پر بیعت کرنے کے لئے آئے تو اس سے بیعت لے لو کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' غیر لوگوں کے مال نہ چرانا' ہاں اس عورت کو جس کا خاوند اپنی طاقت کے مطابق کھانے پینے پہننے اوڑھنے کو نہ دیتا ہو جائز ہے کہ اپنے خاوند کے مال سے مطابق دستور اور بقدر اپنی حاجت کے لے گو خاوند کو اس کا علم نہ ہو - اس کی دلیل حضرت ہندہؓ والی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میرے خاوند ابوسفیان بخیل آدمی ہیں وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولادوں کو کافی ہو سکے تو کیا میں اگر ان کی بے خبری میں اور ان کے مال میں سے لے لوں تو مجھے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا بہ طریق معروف اس کے مال سے اتنا لے لے جو تجھے اور تیرے بال بچوں کو کفایت کرے (صحیحین)

اور زنا کاری نہ کریں - جیسے اور جگہ ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ''زنا کے قریب نہ جاؤ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے'' - حضرت سمرہ والی حدیث میں زنا کی سزا اور دردناک عذاب جہنم بیان کی گئی ہے - مسند احمد میں ہے کہ حضرت فاطمہ بنت عقبہؓ جب بیعت کے لئے آئیں اور اس آیت کی تلاوت ان کے سامنے کی گئی تو انہوں نے شرم سے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا' آپ کو ان کی یہ حیا اچھی معلوم ہوئی - حضرت عائشہؓ نے فرمایا انہی شرطوں پر ہم سب نے بیعت کی ہے' یہ سن کر انہوں نے بھی بیعت کر لی' حضورؐ کی بیعت کے طریقے اوپر بیان ہو چکے ہیں - اولاد کو قتل نہ کرنے کا حکم عام ہے' پیدا شدہ اولاد کو مار ڈالنا بھی اسی ممانعت میں ہے جیسے کہ جاہلیت کے زمانے والے اس خوف سے کرتے تھے کہ انہیں کہاں سے کھلائیں گے پلائیں گے اور حمل کا گرا دینا بھی اسی ممانعت میں ہے خواہ اس طرح ہو کہ ایسے علاج کئے جائیں جس سے حمل ٹھہرے ہی نہیں یا ٹھہرے ہوئے حمل کو کسی طرح گرا دیا جائے -

بری غرض وغیرہ سے بہتان نہ باندھنے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباسؓ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ دوسرے کی اولاد کو اپنے خاوند کے سر چپکانا - ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ملاعنہ کی آیت کے نازل ہونے کے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت کسی قوم میں اسے داخل کرے جو اس قوم کا نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی گنتی شمار میں نہیں اور جو شخص اپنی اولاد سے انکار کر جائے حالانکہ وہ اس کے سامنے

موجود ہو اللہ تعالیٰ اس سے آڑ کر لے گا اور تمام اگلوں پچھلوں کے سامنے اسے رسوا و ذلیل کرے گا - حضور کی نافرمانی نہ کریں یعنی آپ کے احکام بجالائیں اور آپ کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جایا کریں' یہ شرط یعنی معروف ہونے کی عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے لگا دی ہے - حضرت میمون فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اطاعت بھی فقط معروف میں رکھی ہے اور معروف ہی اطاعت ہے - حضرت ابن زیدؒ فرماتے ہیں دیکھ لو کہ بہترین خلق رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم بھی معروف میں ہی ہے - اس بیعت والے دن آنحضورؐ نے عورتوں سے نوحہ نہ کرنے کا اقرار بھی لیا تھا - جیسے حضرت ام عطیہ کی حدیث میں پہلے گذر چکا - حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے - اس بیعت میں یہ بھی تھا کہ عورتیں غیر محرموں سے بات چیت نہ کریں - اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا یا رسول اللہ! بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم گھر پر موجود نہیں ہوتے اور مہمان آ جاتے ہیں - آپ نے فرمایا میری مراد ان سے بات چیت کرنے کی ممانعت سے نہیں' میں ان سے کام کی بات کرنے سے نہیں روکتا (ابن جریر) ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضورؐ نے اس بیعت کے موقع پر عورتوں کو نامحرم مردوں سے باتیں کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا بعض لوگ وہ بھی ہوتے ہیں کہ پرائی عورتوں سے باتیں کرنے میں ہی مزہ لیا کرتے ہیں یہاں تک کہ مذی نکل جاتی ہے - اوپر حدیث بیان ہو چکی ہے کہ نوحہ نہ کرنے کی شرط پر ایک عورت نے کہا فلاں قبیلے کی عورتوں نے میرا ساتھ دیا ہے تو ان کے نوحے میں میں بھی ان کا ساتھ دے کر بدلہ ضرور اتاروں گی' چنانچہ وہ گئیں بدلہ اتارا پھر آ کر حضورؐ سے بیعت کی - حضرت ام سلیمؓ جن کا نام ان عورتوں میں ہے جنہوں نے نوحہ نہ کرنے کی بیعت کو پورا کیا یہ ملحان کی بیٹی اور حضرت انسؓ کی والدہ ہیں - ایک اور روایت میں ہے کہ جس عورت نے بدلے کے نوحے کی اجازت مانگی تھی خود حضورؐ نے اسے اجازت دی تھی' یہی وہ معروف ہے جس میں نافرمانی منع ہے بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ایک کا بیان ہے کہ معروف میں ہم حضورؐ کی نافرمانی نہ کریں اس سے مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت منہ نہ نوچیں' بال نہ منڈوائیں' کپڑے نہ پھاڑیں' ہائے وائے نہ کریں -

ابن جریر میں حضرت ام عطیہؓ سے مروی ہے کہ جب حضورؐ ہمارے ہاں مدینہ میں تشریف لائے تو ایک دن آپ نے حکم دیا کہ سب انصاریہ عورتیں فلاں گھر میں جمع ہوں پھر حضرت عمر بن خطابؓ کو وہاں بھیجا' آپ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور سلام کیا' ہم نے آپ کے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں' ہم نے کہا رسول اللہ کو بھی مرحبا ہو اور آپ کے قاصد کو بھی - حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں حکم کروں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کرنے پر چوری اور زناکاری سے بچنے پر بیعت کرو' ہم نے کہا ہم بحاضر ہیں اور اقرار کرتی ہیں چنانچہ آپ نے وہیں باہر کھڑے کھڑے اپنا ہاتھ اندر کی طرف بڑھا دیا اور ہم نے اپنے ہاتھ اندر سے باہر اندر ہی اندر بڑھائے پھر آپ نے فرمایا اے اللہ! گواہ رہ پھر ہمیں حکم ہوا کہ دونوں عیدوں میں ہم اپنی حائضہ عورتوں اور جوان کنواری لڑکیوں کو لے جایا کریں' ہم پر جمعہ فرض نہیں' ہمیں جنازوں کے ساتھ نہ جانا چاہئے - حضرت اسماعیل راوی حدیث فرماتے ہیں میں نے اپنی دادی صاحبہ حضرت ام عطیہؓ سے پوچھا کہ عورتیں معروف میں حضورؐ کی نافرمانی نہ کریں اس سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا یہ کہ نوحہ نہ کریں -

بخاری مسلم میں ہے کہ جو کوئی مصیبت کے وقت اپنے کلوں پر تھپڑ مارے' دامن چاک کرے اور جاہلیت کے وقت کی ہائی دہائی مچائے وہ ہم میں سے نہیں - ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سے بری ہیں جو گلا پھاڑ پھاڑ کر ہائے وائے کرے' بال نوچے یا منڈوائے اور کپڑے پھاڑے یا دامن چیرے - ابو یعلیٰ میں ہے کہ میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جنہیں وہ نہ چھوڑیں گے' حسب نسب پر فخر کرنا' انسان کو اس کے نسب کا طعنہ دینا' ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ کرنا اور فرمایا نوحہ کرنے والی عورت اگر بے توبہ کئے مر جائے تو اسے قیامت کے دن گندھک کا پیراہن پہنایا جائے گا اور کھجلی کی چادر اڑھائی جائے گی - مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے

نوحہ کرنے والیوں پر اور نوحے کو کان لگا کر سننے والیوں پر لعنت فرمائی - ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ معروف میں نافرمانی نہ کرنے سے مراد نوحہ نہ کرنا ہے- یہ حدیث ترمذی کی کتاب التفسیر میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن غریب کہتے ہیں-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ
الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

ع ۷ / ۸

اے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے جو آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے کہ مردہ اہل قبر کافر نا امید ہیں ○

کفار سے دلی دوستی کی ممانعت : ☆☆ (آیت:۱۳) اس سورت کی ابتدا میں جو حکم تھا وہی انتہا میں بیان ہو رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار سے جن پر خدا کا غضب اور اس کی لعنت اتر چکی ہے اور خدا کی رحمت اور اس کی شفقت سے دور ہو چکے ہیں تم ان سے دوستانہ اور میل ملاپ نہ رکھو وہ آخرت کے ثواب سے اور وہاں کی نعمتوں سے ایسے نا امید ہو چکے ہیں جیسے قبروں والے کافر- اس پچھلے جملے کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ جیسے زندہ کافر اپنے مردہ کافروں کے دوبارہ زندہ ہونے سے مایوس ہو چکے ہیں دوسرے یہ کہ جس طرح مردہ کافر ہر بھلائی سے نا امید ہو چکے ہیں' وہ مر کر آخرت کے احوال دیکھ چکے اور اب انہیں کسی قسم کی بھلائی کی توقع نہیں رہی۔

الحمدللہ سورۂ ممتحنہ کی تفسیر ختم ہوئی-

تفسیر سورة الصف

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ ایک دن بیٹھے بیٹھے آپس میں یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ کوئی جائے اور رسول اللہ ﷺ سے یہ دریافت کرے کہ خدا کو سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ مگر ابھی کوئی کھڑا بھی نہ ہوا تھا کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کا قاصد پہنچا اور ہم میں سے ایک ایک کو بلا کر حضورؐ کے پاس لے گیا' جب ہم سب جمع ہو گئے تو آپ نے اس پوری سورت کی تلاوت کی (مسند احمد) (اس میں ذکر ہے کہ جہاد سب سے زیادہ محبوب خدا ہے) ابن ابی حاتم کی اس حدیث میں ہے کہ ہم حضورؐ سے سوال کرتے ہوئے ڈرے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جس طرح حضورؐ نے پوری سورت پڑھ کر سنائی تھی اسی طرح اس روایت بیان کرنے والے صحابی نے تابعی کو پڑھ کر سنائی اور تابعی نے اپنے شاگرد کو اور اس نے اپنے شاگرد کو اسی طرح آخر تک- ایک اور روایت میں ہے کہ ہم نے کہا تھا اگر ہمیں ایسے عمل کی خبر ہو جائے تو ہم ضرور اس پر عامل ہو جائیں' مجھ سے میرے استاد الشیخ المسند ابو العباس احمد بن ابو طالب الحجار نے بھی اپنی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے اور اس میں بھی مسلسل ہر استاد کا اپنے شاگرد کو یہ سورت پڑھ کر سنانا مروی ہے' یہاں تک کہ میرے استاد نے بھی اپنے استاد سے اسے سنا ہے لیکن چونکہ وہ خود امی تھے اور اسے یاد کرنے کا انہیں وقت نہیں ملا اس لیے انہوں نے مجھے پڑھ کر نہیں سنائی لیکن الحمدللہ میرے دوسرے استاد حافظ کبیر ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمانؒ نے اپنی سند سے یہ حدیث مجھے پڑھاتے وقت یہ سورت بھی پوری پڑھ کر سنائی ہے-

مشفق و مہربان معبود حقیقی کے نام سے شروع ○
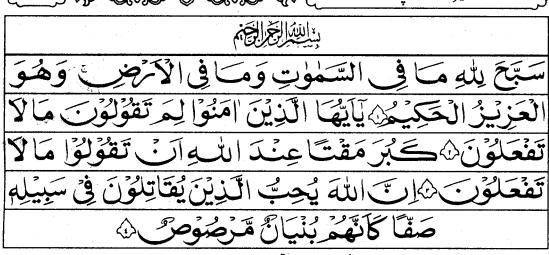
زمین و آسمان کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہی غالب حکمت والا ہے ○ اے مسلمانو! تم وہ بات کیوں کہو؟ جو نہ کرو ○ تم جو نہ کرو اس کا کہنا اللہ کو سخت ناپسند ہے ○ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں ○

ایفائے عہد ایمان کی علامت ہے اور صف اتحاد کی علامت : ☆☆ (آیت: ۱-۴) پہلی آیت کی تفسیر کئی بار گذر چکی ہے اب پھر اس کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں- پھر ان لوگوں پر انکار ہوتا ہے جو کہیں وہ نہ کریں' وعدہ کریں اور وفا نہ کریں- بعض علماء سلف نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ وعدہ کا پورا کرنا مطلقاً واجب ہے جس سے وعدہ کیا ہے خواہ وہ تاکید کرے یا نہ کرے' ان کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین عادتیں ہوتی ہیں (۱) جب وعدہ کرے خلاف کرے (۲) جب بات کرے جھوٹ بولے (۳) جب امانت دیا جائے خیانت کرے- ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے چار باتیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے ایک ہو اس میں ایک خصلت نفاق کی ہے جب تک اسے نہ چھوڑے' ان میں ایک عادت وعدہ خلافی کی ہے- شرح صحیح بخاری کی ابتدا میں ہم نے ان دونوں حدیثوں کی پوری تشریح کر دی ہے- فالحمدللہ- اسی لئے یہاں بھی اس کی تاکید میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو- مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہؓ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ آئے' میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا کھیل کود کے لئے جانے لگا تو میری والدہ نے مجھے آواز دے کر کہا ادھر آ کچھ دوں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کچھ دینا بھی چاہتی ہو؟ میری والدہ نے کہا ہاں حضورؐ! کھجوریں دوں گی- آپؐ نے فرمایا پھر تو خیر' ورنہ یاد رکھو کچھ نہ دینے کا ارادہ ہوتا اور یوں کہتیں تو تم پر ایک جھوٹ لکھا جاتا- حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وعدے کے ساتھ وعدہ پورا کرنے کی تاکید کا تعلق ہو تو اس وعدے کو وفا کرنا واجب ہو جاتا ہے' مثلاً کسی شخص نے کسی سے کہہ دیا کہ تو نکاح کر لے اور اتنا اتنا ہر روز میں تجھے دیتا رہوں گا- اس نے نکاح کر لیا تو جب نکاح باقی ہے اس شخص پر واجب ہے کہ اسے اپنے وعدے کے مطابق دیتا رہے- اس لئے کہ اس میں آدمی کے حق کا تعلق ثابت ہو گیا جس پر اس سے باز پرس سختی کے ساتھ ہو سکتی ہے-

کیا ایفائے عہد واجب ہے؟ : جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ایفائے عہد مطلق واجب ہی نہیں' اس آیت کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ جب لوگوں نے جہاد کی فرضیت کی خواہش کی اور فرض ہو گیا تو اب بعض لوگ دیکھنے لگے جس پر یہ آیت اتری- جیسے اور جگہ ہے اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ

لَهُمْ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ الخ یعنی کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جن سے کہا گیا تم اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز و زکوٰۃ کا خیال رکھو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں ایسے لوگ بھی نکل آئے جو لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگے جیسے خدا سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ کہنے لگے پروردگار! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ کیوں ہمیں ایک وقت مقرر تک پیچھے نہ چھوڑا جو قریب ہی تو ہے' تو کہہ دے کہ اسباب دنیا تو بہت ہی کم ہیں' ہاں پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہترین چیز ہے' تم پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا' تم کہیں بھی ہو تمہیں موت ڈھونڈ نکالے گی گو تم مضبوط محلوں میں ہو- دوسری جگہ ہے وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ الخ یعنی مسلمان کہتے ہیں کیوں کوئی سورت نہیں اتاری جاتی؟ پھر جب کوئی محکم سورت اتاری جاتی ہے اور اس میں لڑائی کا ذکر ہوتا ہے تو تو دیکھے گا کہ بیمار دل والے تیری طرف اس طرح دیکھیں گے جیسے وہ دیکھتا ہے جس پر موت کی بیہوشی ہو- اسی طرح کی یہ آیت بھی ہے-

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض مومنوں نے جہاد کی فرضیت سے پہلے کہا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اللہ تعالیٰ ہمیں وہ عمل بتلاتا جو اسے سب سے زیادہ پسند ہوتا تاکہ ہم اس پر عامل ہوتے' پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبر کی کہ سب سے زیادہ پسندیدہ عمل میرے نزدیک ایمان ہے جو شک و شبہ سے پاک ہو اور بے ایمانوں سے جہاد کرنا ہے تو بعض مسلمانوں پر یہ بھاری پڑا- جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ وہ باتیں زبان سے کیوں نکالتے ہو جنہیں کرتے نہیں- امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں- حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کس عمل کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتا ہے تو ہم ضرور وہ عمل بجالاتے- اس پر اللہ عزوجل نے وہ عمل بتایا کہ میری راہ میں صفیں باندھ کر مضبوطی کے ساتھ جم کر جہاد کرنے والوں کو میں بہت پسند فرماتا ہوں' پھر احد والے دن ان کی آزمائش ہوگئی اور لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے جس پر یہ فرمان عالیشان اترا کہ کیوں وہ کہتے ہو' جو کر نہیں دکھاتے؟

منافق جو کرتے نہیں وہ کہتے ہیں: ☆☆ بعض حضرات فرماتے ہیں یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہیں ہم نے جہاد کیا اور حالانکہ جہاد نہ کیا ہو کہہ دیں کہ ہم زخمی ہوئے اور ہوئے نہ ہوں' کہہ دیں کہ ہم پر مار پڑی اور پڑی نہ ہو' کہہ دیں کہ ہم قید کئے گئے اور قید نہ کئے گئے ہوں- ابن زیدؒ فرماتے ہیں اس سے مراد منافق ہیں کہ مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کرتے لیکن وقت پر پورا نہ کرتے- زید بن اسلم جہاد مراد لیتے ہیں- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ان کہنے والوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جب آیت اتری اور معلوم ہوا کہ جہاد سب سے زیادہ عمدہ عمل ہے تو آپ نے عہد کر لیا کہ میں تو اب سے لے کر مرتے دم تک اللہ کی راہ میں اپنے تئیں وقف کر چکا چنانچہ اسی پر قائم بھی رہے' یہاں تک کہ فی سبیل اللہ شہید ہو گئے- حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ کے قاریوں کو ایک مرتبہ بلوایا تو تین سو قاری ان کے پاس آئے جن میں سے ہر ایک قاری قرآن تھا پھر فرمایا تم اہل بصرہ کے قاری اور ان میں سے بہترین لوگ ہو' سنو ہم ایک سورت پڑھتے تھے جو مسبحات کی سورتوں کے مشابہ تھی' پھر ہم اسے بھلا دیئے گئے ہاں مجھے اس میں سے اتنا یاد رہ گیا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ فَتُكْتَبُ شَهَادَةً فِيْۤ اَعْنَاقِكُمْ فَتُسْاَلُوْنَ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی اے ایمان والو! وہ کیوں کہو جو نہ کرو پھر وہ لکھا جائے اور تمہاری گردنوں میں بطور گواہ کے لٹکا دیا جائے پھر قیامت کے دن اس کی بابت باز پرس ہو- پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے محبوب وہ لوگ ہیں جو صفیں باندھ کر دشمنان اللہ کے مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں تاکہ اللہ کا بول بالا ہو' اسلام کی حفاظت ہو اور دین کا غلبہ ہو- مسند میں ہے تین قسم کے لوگوں کی تین حالتیں ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تبارک و تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور ہنس دیتا ہے' رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنے والے' نماز کے لئے صفیں باندھنے والے' میدان جنگ میں صف بندی کرنے والے- ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں مجھے یہ

روایت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث پہنچی تھی میرے جی میں تھا کہ خود حضرت ابوذرؓ سے مل کر یہ حدیث آمنے سامنے سن لوں' چنانچہ ایک مرتبہ جا کر آپ سے ملاقات کی اور واقعہ بیان کیا آپ نے خوشنودی کا اظہار فرما کر کہا وہ حدیث کیا ہے؟ میں نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ تین شخصوں کو دشمن جانتا ہے اور تین کو دوست رکھتا ہے۔ فرمایا ہاں میں اپنے خلیل حضرت محمد ﷺ پر جھوٹ نہیں بول سکتا' فی الواقع آپ نے ہم سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔ میں نے پوچھا وہ تین کون ہیں؟ جنہیں اللہ تعالیٰ محبوب جانتا ہے' فرمایا ایک تو وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے' خالص اللہ کی خوشنودی کی نیت سے نکلے' دشمن سے جب مقابلہ ہو تو دلیرانہ جہاد کرے تم اس کی تصدیق خود کتاب اللہ میں بھی دیکھ سکتے ہو پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور پھر پوری حدیث بیان کی۔ ابن ابی حاتم میں یہ حدیث اسی طرح ان ہی الفاظ میں اتنی ہی آئی ہے۔ ہاں ترمذی اور نسائی میں پوری حدیث ہے اور ہم نے بھی اسے دوسری جگہ پوری وارد کیا ہے فالحمد للہ۔

صف بندی تعلیم ربانی: ☆☆ حضرت کعب احبار سے ابن ابی حاتم میں منقول ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے آپ میرے بندے' متوکل اور پسندیدہ ہیں' بدخلق' بدزبان' بازاروں میں شور وغل کرنے والے نہیں' برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے بلکہ درگذر کر کے معاف کر دیتے ہیں' جائے پیدائش آپ کی مکہ ہے' جائے ہجرت طابہ ہے' ملک آپ کا شام ہے' امت آپ کی بکثرت حمد الٰہی کرنے والی ہے' ہر حال میں اور ہر منزل میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے رہتے ہیں' صبح کے وقت ذکر اللہ میں ان کی پست آوازیں برابر سنائی دیتی ہیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھن بھناہٹ۔ اپنے ناخن اور مونچھیں کترتے ہیں اور اپنے تہبند اپنی آدھی پنڈلیوں تک باندھتے ہیں' ان کی صفیں میدان جہاد میں ایسی ہوتی ہیں جیسی نماز میں' پھر حضرت کعب نے اسی آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا سورج کی نگہبانی کرنے والے' جہاں وقت نماز آ جائے نماز ادا کر لینے والے گو سواری پر ہوں۔ حضرت سعد بن جبیرؒ فرماتے ہیں جب تک حضور ﷺ صفیں نہ بندھوا لیں' دشمن سے لڑائی شروع نہیں کرتے تھے۔ پس صف بندی کی تعلیم مسلمانوں کو اللہ کی دی ہوئی ہے' ایک دوسرے سے ملا رہے' ثابت قدم رہے اور ہلے نہیں' ایک دوسرے سے ملا ہوا کھڑا رہے' تم نہیں دیکھتے کہ عمارت کا بنانے والا نہیں چاہتا کہ اس کی عمارت میں کہیں اونچ نیچ ہو' ٹیڑھی ترچھی ہو یا سوراخ رہ جائیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کے امر میں اختلاف ہو' میدان جنگ میں اور بوقت نماز مسلمانوں کی صف بندی خود اس نے کی ہے پس تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو' جو احکام بجا لائے گا یہ اس کے لئے عصمت اور بچاؤ ثابت ہے۔ ابو بحریہ فرماتے ہیں مسلمان گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑنا پسند نہیں کرتے تھے انہیں تو یہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر پیدل صفیں بنا کر آمنے سامنے کا مقابلہ کریں' آپ فرماتے ہیں جب تم مجھے دیکھو کہ میں نے صف میں سے ادھر ادھر توجہ کی تو تم جو چاہو ملامت کرنا اور برا بھلا کہنا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

یاد کر جبکہ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں ستا رہے ہو حالانکہ تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں' پس جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا' اللہ تعالیٰ ایسی نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا ○

حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے خاتم الانبیاء کی پیشین گوئی: ☆☆ (آیت:۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ بن عمران

نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم میری رسالت کی سچائی جانتے ہو پھر کیوں میرے درپے آزار ہو رہے ہو؟ اس میں گویا ایک طرح پر آنحضور ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے چنانچہ آپ بھی جب ستائے جاتے تو فرماتے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے وہ اس سے زیادہ ستائے گئے لیکن پھر بھی صابر رہے اور ساتھ ہی اس میں مومنوں کو ادب سکھایا جارہا ہے کہ وہ اللہ کے نبی کو ایذا نہ پہنچائیں' ایسا نہ کریں جس سے آپ کا دل دکھتا ہو۔ جیسے اور جگہ ہے لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ اٰذَوْا مُوسٰى الخ ' ایمان والو! تم ایسے نہ ہونا جیسے موسیٰ کو ایذا دینے والے تھے' اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ذی عزت بندے کو اس کے بہتانوں سے پاک کیا پس جبکہ یہ لوگ باوجود علم کے اتباع حق سے ہٹ گئے اور ٹیڑھے چلنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل ہدایت سے ہٹا دیئے' شک وحیرت ان میں سما گئی' جیسے اور جگہ ہے وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ الخ ' یعنی ہم ان کے دل اور آنکھیں الٹ دیں گے جس طرح یہ ہماری آیتوں پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے جس میں وہ سرگرداں رہیں گے۔ ایک اور جگہ ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُولَ الخ ' جو رسول کی مخالفت کرے ہدایت ظاہر ہو چکنے کے بعد اور مومنوں کے راستے کے سوا کی تابعداری کرے ہم اسے ایسی طرف متوجہ کریں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے اور بالآخر اسے ہم جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا۔ پھر حضرت عیسیٰ کا خطبہ بیان ہوتا ہے جو آپ نے بنی اسرائیل میں پڑھا تھا جس میں فرمایا تھا کہ توراۃ میں میری خوش خبری دی گئی تھی اور اب میں تمہیں اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی پیش گوئی سناتا ہوں جو نبی امی' عربی' مکی' احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں پس حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور حضرت محمد کل انبیاء اور مرسلین کے خاتم ہیں' آپ کے بعد نہ تو کوئی نبی آئے نہ رسول' نبوت و رسالت سب آپ پر من کل الوجوہ ختم ہو گئی۔

وَاِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوش خبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے' پھر جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو یہ کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے ○

نبی ﷺ کے مختلف صفاتی نام: صحیح بخاری شریف میں ایک نہایت پاکیزہ حدیث وارد ہوئی ہے جس میں ہے کہ آپ نے فرمایا میرے بہت سے نام ہیں محمد' احمد' ماحی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کفر کو مٹا دیا اور میں حاشر ہوں جس کے قدموں پر لوگوں کا حشر کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں۔ یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے' ابوداؤد میں ہے کہ حضور نے ہمارے سامنے اپنے بہت سے نام بیان فرمائے جو ہمیں محفوظ رہے ان میں سے یہ چند ہیں فرمایا میں محمد ہوں' میں احمد ہوں' میں حاشر ہوں' میں مقفی ہوں' میں نبی الرحمۃ ہوں' میں نبی التوبہ ہوں' میں نبی الملحمہ ہوں۔ یہ حدیث بھی صحیح مسلم شریف میں ہے۔ قرآن کریم میں ہے اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُوْنَهٗ

مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰتِہ وَالْاِنْجِیْلِ الخ' جو پیروی کرتے ہیں اس رسول نبی امی کی جنہیں اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں تو راۃ میں بھی اور انجیل میں بھی' ایک اور جگہ فرمان ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الخ' اللہ تعالیٰ نے جب نبیوں سے عہد لیا کہ جب کبھی میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس میرا رسول آئے جو اسے سچا تا ہو جو تمہارے ساتھ ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور اس کی ضرور مدد کرو گے' کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد لیتے ہو؟ سب نے کہا ہمیں اقرار ہے۔ فرمایا بس گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

ہر نبی سے آخری نبیؐ کی پیروی کا عہد: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کوئی نبی اللہ تعالیٰ نے ایسا مبعوث نہیں فرمایا جس سے یہ اقرار نہ لیا ہو کہ ان کی زندگی میں اگر حضرت محمد ﷺ مبعوث کئے جائیں تو وہ آپ کی تابعداری کرے بلکہ ہر نبی سے یہ وعدہ بھی لیا جاتا رہا کہ وہ اپنی اپنی امت سے بھی عہد لے لیں۔ ایک مرتبہ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ حضور آپ ہمیں اپنی خبر سنایئے آپ نے فرمایا میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰؑ کی خوش خبری ہوں' میری والدہ کا جب پاؤں بھاری ہوا تو خواب میں دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے شہر بصریٰ کے محلات چمک اٹھے (ابن اسحاق) اس کی سند عمدہ ہے اور دوسری سندوں سے اس کے شواہد بھی ہیں۔ مسند احمد میں ہے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین تھا۔ درآنحالیکہ حضرت آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے' میں تمہیں اس کی ابتداء سناؤں میں اپنے والد حضرت ابراہیم کی دعا' حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں' انبیاء کی والدہ اسی طرح خواب دکھائی جاتی ہیں۔

نجاشی کا دربار: مسند احمد میں اور سند سے بھی اسی کے قریب روایت مروی ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نجاشی بادشاہ حبشہ کے ہاں بھیج دیا تھا' ہم تقریباً اسیّ (۸۰) آدمی تھے' ہم میں حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت جعفر' حضرت عبداللہ بن رواحہ' حضرت عثمان بن مظعون' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی تھے۔ ہمارے یہاں پہنچنے پر قریش نے یہ خبر پا کر ہمارے پیچھے اپنی طرف سے بادشاہ کے پاس اپنے دو سفیر بھیجے' عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید' ان کے ساتھ دربار شاہی کے لئے تحفے بھی بھیجے' جب یہ آئے تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے سجدہ کیا پھر دائیں بائیں گھوم کر بیٹھ گئے پھر اپنی درخواست پیش کی کہ ہمارے کنبے قبیلے کے چند لوگ ہمارے دین کو چھوڑ کر ہم سے بھاگ کر آپ کے ملک میں چلے آئے ہیں' ہماری قوم نے ہمیں اس لئے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے۔ نجاشی نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا یہیں اسی شہر میں ہیں' حکم دیا کہ انہیں حاضر کرو' چنانچہ یہ مسلمان صحابہ دربار میں آئے۔ ان کے خطیب اس وقت حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے باقی لوگ ان کے ماتحت تھے' یہ جب آئے تو انہوں نے سلام تو کیا لیکن سجدہ نہیں کیا۔ درباریوں نے کہا تم بادشاہ کے سامنے سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ جواب ملا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے۔ پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول ہماری طرف بھیجا اور اس رسول نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کریں اور حضورؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نمازیں پڑھتے رہیں' زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ اب عمرو بن عاص سے نہ رہا گیا کہ ایسا نہ ہو ان باتوں کا اثر بادشاہ پر پڑے' درباریوں اور خود بادشاہ کو بھڑکانے کے لئے وہ بیچ میں بول پڑا کہ حضور ان کے اعتقاد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے میں آپ لوگوں سے بالکل مخالف ہیں' اس پر بادشاہ نے پوچھا بتلاؤ تم حضرت عیسیٰؑ کے اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارا عقیدہ اس بارے میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں ہمیں تعلیم فرمایا کہ وہ کلمۃ اللہ ہیں' روح اللہ ہیں' جس روح کو اللہ تعالیٰ کنواری مریم بتول علیہا السلام کی طرف القا کیا جو کنواری تھیں' جنہیں کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا' نہ انہیں بچہ ہونے کا کوئی موقع تھا۔ بادشاہ نے یہ سن کر زمین

سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا اے حبشہ کے لوگو اور اے واعظو' عالمو اور درویشو! ان کا اور ہمارا اس کے بارے میں ایک ہی عقیدہ ہے۔ اللہ کی قسم ان کے اور ہمارے عقیدے میں اس تنکے جتنا بھی فرق نہیں۔ اے جماعت مہاجرین! تمہیں مرحبا ہو اور اس رسول کو بھی مرحبا ہو' جن کے پاس سے تم آئے ہو میری گواہی ہے کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ وہی ہیں جن کی پیش گوئی ہم نے انجیل میں پڑھی ہے اور یہ وہی ہیں جن کی بشارت ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے' میری طرف سے تمہیں عام اجازت ہے' جہاں چاہو رہو سہو' اللہ کی قسم اگر ملک کی اس جھنجٹ سے میں آزاد ہوتا تو میں قطعاً حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا' آپ کی جوتیاں اٹھاتا' آپ کی خدمت کرتا اور آپ کو وضو کراتا۔ اتنا کہہ کر حکم دیا کہ یہ دونوں قریشی جو تحفہ لے کر آئے ہیں وہ انہیں واپس کر دیا جائے۔ ان مہاجرین کرام میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو جلد ہی حضورؐ سے آملے' جنگ بدر میں بھی آپ نے شرکت کی۔ اس شاہ حبشہ کے انتقال کی خبر جب حضورؐ کو پہنچی تو آپ نے ان کے لئے بخشش کی دعا مانگی۔ یہ پورا واقعہ حضرت جعفر اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' تفسیری موضوع ہے چونکہ یہ الگ چیز ہے اس لئے ہم نے اسے یہاں مختصراً وارد کر دیا' مزید تفصیل سیرت کی کتابوں میں ملاحظہ ہو' ہمارا مقصود یہ ہے کہ عالی جناب حضور محمد مصطفی ﷺ کی بابت اگلے انبیاء کرام علیہم السلام برابر پیشگوئیاں کرتے رہے اور اپنی امت کو اپنی کتاب میں سے آپ کی صفتیں سناتے رہے اور آپ کی اتباع اور نصرت کا انہیں حکم کرتے رہے' ہاں آپ کے امر کی شہرت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کے بعد ہوئی جو تمام انبیاء کے باپ تھے' اسی طرح مزید شہرت کا باعث حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوئی' جس حدیث میں آپ نے سائل کے سوال پر اپنے امر نبوت کی نسبت دعائے خلیل اور نوید مسیح کی طرف کی ہے۔ اس سے یہی مراد ہے' ان دونوں کے ساتھ آپ کا اپنی والدہ محترمہ کے خواب کا ذکر کرنا اس لئے تھا کہ اہل مکہ میں آپ کی شروع شہرت کا باعث یہ خواب تھا' اللہ تعالیٰ آپ پر بے شمار درود و رحمت بھیجے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ باوجود اس قدر شہرت اور باوجود انبیاء کی متواتر پیش گوئیوں کے بھی جب آپ روشن دلیلیں لے کر آئے تو مخالفین نے اور کافروں نے کہہ دیا کہ یہ تو صاف صاف جادو ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹ ع

اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہے؟ جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ○ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے گو کافر برا مانیں ○ وہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے اور تمام مذاہب پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں ○

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا: ☆☆ (آیت: ۷-۹) ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا کرے اور اس کے شریک وسہیم مقرر کرے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اگر یہ شخص بے خبر ہوتا جب بھی ایک بات تھی' یہاں تو یہ حالت ہے کہ وہ توحید اور اخلاص کی

طرف برابر بلایا جارہا ہے' بھلا ایسے ظالموں کی قسمت میں ہدایت کہاں؟ ان کفار کی چاہت تو یہ ہے کہ حق کو باطل سے رد کر دیں۔ ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی سورج کی شعاع کو اپنے منہ کی پھونک سے بے نور کرنا چاہے' جس طرح یہ محال ہے کہ اس کے منہ کی پھونک سے سورج کی روشنی جاتی رہے اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ خدا کا دین ان کفار سے رد ہو جائے' اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا کر کے ہی رہے گا گو کافر برا مانیں تو مانتے رہیں۔ اس کے بعد اپنے رسول اور اپنے دین کی حقانیت کو واضح فرمایا ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر سورۂ برات میں گذر چکی ہے۔ فالحمدللہ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتلاؤں؟ جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے؟ ○ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو' یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو ○ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمہیں ان جنتوں میں پہنچائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں جو جنت عدن میں ہوں گے' یہی ہے بہت بڑی کامیابی ○ اور تمہیں ایک دوسری نعمت بھی دے گا جسے تم چاہتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلدی فتح یابی ہے' ایمانداروں کو خوشخبری دے دو ○

سو فیصد نفع بخش تجارت : ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۳) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ صحابہ نے حضورؐ سے یہ پوچھنا چاہا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ تعالیٰ کو کون سا ہے؟ اس پر اللہ عزوجل نے یہ سورت نازل فرمائی جس میں فرما رہا ہے کہ آؤ میں تمہیں ایک سراسر نفع والی تجارت بتلاؤں جس میں گھاٹے کی کوئی صورت ہی نہیں' جس سے مقصود حاصل اور ڈر زائل ہو جائے گا۔ وہ یہ ہے کہ تم اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت پر ایمان لاؤ' اپنا جان مال اس کی راہ میں قربان کرنے پر تل جاؤ' جان لو کہ یہ دنیا کی تجارت اور اس کے لئے کدوکاوش کرنے سے بہت ہی بہتر ہے' اگر اس میری بتلائی ہوئی تجارت کے تاجر تم بن گئے تو تمہاری ہر لغزش سے' ہر گناہ سے میں درگذر کر لوں گا اور جنتوں کے پاکیزہ محلات میں اور بلند و بالا درجوں میں تمہیں پہنچاؤں گا' تمہارے بالا خانوں اور ان ہمیشگی والے باغات کے درختوں تلے سے صاف شفاف نہریں پوری روانی سے جاری ہوں گی' یقین مانو کہ زبردست کامیابی اور اعلیٰ مقصدوری یہی ہے' اچھا اس سے بھی زیادہ سنو تم جو ہمیشہ دشمنوں کے مقابلہ پر میری مدد طلب کرتے رہتے ہو اور اپنی فتح چاہتے ہو میرا وعدہ ہے کہ یہ بھی تمہیں دوں گا۔ ادھر مقابلہ ہوا ادھر فتح ہوئی' ادھر سامنے آئے ادھر فتح و نصرت نے رکاب بوسی کی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ''ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں

ثابت قدمی عنایت فرمائے گا''۔ایک جگہ فرمان ہے وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ یعنی ''یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے' بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور غیر فانی عزت والا ہے''۔یہ مدد اور یہ فتح دنیا میں اور وہ جنت اور نعمت آخرت میں ان لوگوں کے حصہ میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت میں لگے رہیں اور دین ربانی کی خدمت میں جان و مال سے دریغ نہ کریں' اسی لئے فرمادیا کہ اے نبی! ان ایمان والوں کو میری طرف سے یہ خوش خبری پہنچادو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝۱۴ۧ ع

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ جس طرح حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا' ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں' پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے کفر کیا' ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ پر تائید کی' پس وہ غالب آ گئے ○

عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں کی روداد: ☆☆ (آیت:۱۴) اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر آن اور ہر لحظہ جان و مال' عزت و آبرو' قول و فعل' نقل و حرکت اور دل و زبان سے اللہ کی اور اس کے رسول ؐ کی تمام تر باتوں کی تعمیل میں رہیں' پھر مثال دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کو دیکھو کہ حضرت عیسیٰؑ کی آواز پر فوراً لبیک پکار اٹھے اور ان کے اس کہنے پر کہ کوئی ہے جو اللہ کی باتوں میں میری امداد کرے انہوں نے بلاغور علی الفور کہہ دیا کہ ہم سب آپ کے ساتھی ہیں اور دین اللہ کی امداد میں آپ کے تابع ہیں' چنانچہ روح اللہ علیہ صلوات اللہ نے اسرائیلیوں اور یونانیوں میں انہیں مبلغ بنا کر شام کے شہروں میں بھیجا۔حج کے دنوں میں سرور رسل ﷺ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے جگہ دے تا کہ میں اللہ کی رسالت کو پہنچادوں' قریش تو مجھے رب کا پیغام پہنچانے سے روک رہے ہیں' چنانچہ اہل مدینہ کے قبیلے اوس و خزرج کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت ابدی بخشی۔انہوں نے آپ سے بیعت کی' آپ کی باتیں قبول کیں اور مضبوط عہد و پیمان کئے کہ اگر آپ ہمارے ہاں آ جائیں تو پھر کسی سرخ و سیاہ کی طاقت نہیں جو آپ کو دکھ پہنچائے' ہم آپ کی طرف سے جانیں لڑا دیں گے اور آپ پر کوئی آنچ نہ آنے دیں گے' پھر جب حضورؐ اپنے ساتھیوں کو لے کر ہجرت کر کے ان کے ہاں گئے تو فی الواقع انہوں نے اپنے کہے کو پورا کر دکھایا اور اپنی زبان کی پاسداری کی۔اسی لئے انصار کے معزز لقب سے ممتاز ہوئے اور یہ لقب گویا ان کا امتیازی نام بن گیا۔اللہ ان سے خوش ہو اور انہیں بھی راضی کرے آمین! جبکہ حواریوں کو لے کر آپ دین اللہ کی تبلیغ کے لئے کھڑے ہوئے' تو بنی اسرائیل کے کچھ لوگ تو راہ راست پر آ گئے اور کچھ لوگ نہ آئے بلکہ آپ کو اور آپ کی والدہ ماجدہ طاہرہ کو بدترین برائی کی طرف منسوب کیا۔ان یہودیوں پر خدا کی پھٹکار پڑی اور ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ بن گئے' پھر ماننے والوں میں سے بھی ایک جماعت ماننے میں ہی حد سے گذر گئی اور انہیں ان کے درجہ سے بہت بڑھا دیا' پھر اس گروہ میں بھی کئی گروہ ہو گئے۔بعض تو کہنے لگے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں' بعض نے

کہا تین میں کے تیسرے ہیں، یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس اور بعضوں نے تو آپ کو اللہ ہی مان لیا۔ ان سب کا ذکر سورۂ نساء میں مفصل ملاحظہ ہو۔

سچے عیسائی: ☆☆ سچے ایمان والوں کی جناب باری نے اپنے آخر الزماں رسولؐ کی بعثت سے تائید کی، ان کے دشمن نصرانیوں پر انہیں غالب کر دیا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب خدا کا ارادہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر چڑھا لے، آپ نہا دھو کر اپنے اصحاب کے پاس آئے، سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ یہ بارہ صحابہ تھے جو ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آتے ہی فرمایا تم میں وہ بھی ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں لیکن پھر میرے ساتھ کفر کریں گے اور ایک دو دفعہ نہیں بلکہ بارہ بارہ مرتبہ۔ پھر فرمایا تم میں سے کون اس بات پر آمادہ ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈالی جائے اور وہ میرے بدلے قتل کیا جائے اور جنت میں میرے درجے میں میرا ساتھی بنے، ایک نوجوان جوان سب میں کم عمر تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے آپ کو پیش کیا، آپؑ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ، پھر وہی بات کہی، اب کی مرتبہ بھی کم عمر نوجوان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے، حضرت عیسیٰؑ نے اب کی مرتبہ بھی انہیں بٹھا دیا پھر تیسری مرتبہ یہی سوال کیا، اب کی مرتبہ بھی یہی نوجوان کھڑے ہوئے۔ آپؑ نے فرمایا، بہت بہتر، اسی وقت ان کی شکل وصورت بالکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہو گئی اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی گھر کے ایک روزن سے آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے، اب یہودیوں کی فوج آئی اور انہوں نے اس نوجوان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی پیشین گوئی کے مطابق ان باقی کے گیارہ لوگوں میں سے بعض نے بارہ بارہ مرتبہ کفر کیا، حالانکہ وہ اس سے پہلے ایماندار تھے۔

بنی اسرائیل کے تین گروہ: ☆☆ پھر بنی اسرائیل کے ماننے والے گروہ کے تین فرقے ہو گئے، ایک فرقے نے تو کہا کہ خود خدا ہمارے درمیان بصورت مسیح تھا جب تک چاہا رہا پھر آسمان پر چڑھ گیا، انہیں یعقوبیہ کہا جاتا ہے۔ ایک فرقے نے کہا ہم میں اللہ کا بیٹا تھا جب تک اللہ نے چاہا اسے ہم میں رکھا اور جب چاہا اپنی طرف چڑھا لیا، انہیں نسطوریہ کہا جاتا ہے۔ تیسری جماعت حق پر قائم رہی، ان کا عقیدہ ہے کہ خدا کے بندے اور اس کے رسول حضرت عیسیٰ ہم میں تھے جب تک خدا کی چاہت رہی آپ ہم میں موجود رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ یہ جماعت مسلمانوں کی ہے۔ پھر ان دونوں کافر جماعتوں کی طاقت بڑھ گئی اور انہوں نے ان مسلمانوں کو مار پیٹ کر قتل و غارت کرنا شروع کیا اور یہ دبے ہوئے اور مغلوب ہی رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، پس بنی اسرائیل کی وہ مسلمان جماعت آپؐ پر بھی ایمان لائی اور ان کافر جماعتوں نے آپؐ سے بھی کفر کیا۔ ان ایمان والوں کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور انہیں ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کا غالب آ جانا اور دین اسلام کا تمام ادیان کو مغلوب کر دینا ہی ان کا غالب آنا اور اپنے دشمنوں پر فتح پانا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر اور سنن نسائی۔ پس یہ امت حق پر قائم رہ کر ہمیشہ تک غالب رہے گی یہاں تک کہ امر اللہ یعنی قیامت آ جائے اور یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو کر مسیح دجال سے لڑائی کریں گے جیسے کہ صحیح حدیثوں میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سورۂ صف کی تفسیر ختم ہوئی، فالحمد للہ۔

تفسير سورة الجمعه

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھا کرتے تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِکِ
الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱﴾ ہُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی
الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ
وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ٭ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ
لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲﴾ وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ ؕ وَہُوَ
الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳﴾ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ
ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴﴾

آسمان وزمین کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے جو بادشاہ نہایت پاک ہے غالب وباحکمت ہے ○ وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ○ اور دوسروں کے لئے بھی انہی میں سے جو اب تک ان سے نہیں ملے اور وہی ہے غالب باحکمت ○ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے اپنا فضل دے اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے ○

قرآن حکیم آفاقی کتاب ہدایت ہے: ☆☆ (آیت:۱-۴) اور جگہ بھی فرمایا ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ نہ کرتی ہو۔ تمام مخلوق خواہ آسمان کی ہو' خواہ زمین کی' اس کی تعریفوں اور پاکیزگیوں کے بیان میں مصروف ومشغول ہے' وہ آسمان و زمین کا بادشاہ اور ان دونوں میں اپنا پورا تصرف اور اٹل حکم جاری کرنے والا ہے' وہ تمام نقصانات سے پاک اور بے عیب ہے' تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے' وہ عزیز وحکیم ہے' اس کی تفسیر کئی بار گذر چکی ہے۔ اُمِّیُّوۡنَ سے مراد عرب ہیں جیسے اور جگہ فرمان باری ہے وَقُلۡ لِّلَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ وَالۡاُمِّیّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ الخ' یعنی تو اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دے کہ کیا تم نے اسلام قبول کیا؟ اور وہ مسلمان ہو جائیں تو تو راہ راست پر ہیں اور اگر منہ پھیر لیں تو تجھ پر تو صرف پہنچا دینا ہے اور بندوں کی پوری دیکھ بھال کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے' یہاں عرب کا ذکر کرنا اس لئے نہیں کہ غیر عرب کی نفی ہو بلکہ صرف اس لئے کہ ان پر احسان واکرام بہ نسبت دوسروں کے بہت زیادہ ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَاِنَّہٗ لَذِکۡرٌ لَّکَ وَلِقَوۡمِکَ یعنی یہ تیرے لئے بھی نصیحت ہے اور تیری قوم کے لئے بھی' یہاں بھی قوم کی خصوصیت نہیں' کیونکہ قرآن کریم سب جہان والوں کے لئے نصیحت ہے۔ اسی طرح اور جگہ فرمان ہے وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ''اپنے قرابت دار کنبہ والوں کو ڈرا دے'' یہاں بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کی تنبیہ صرف اپنے گھر والوں کے ساتھ ہی مخصوص ہے بلکہ عام ہے۔ ارشاد

باری ہے قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں - ایک اور جگہ فرمان ہے لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ بَلَغَ یعنی ''اس کے ساتھ میں تمہیں خبردار کردوں اور ہر اس شخص کو جسے یہ پہنچے'' اسی طرح قرآن کی بابت فرمایا وَمَنْ یَّکْفُرْبِہٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُہٗ تمام گروہ میں سے جو بھی اس کا انکار کرے وہ جہنمی ہے' اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں' جن سے صاف ثابت ہے کہ حضورؐ کی بعثت روئے زمین کی طرف تھی' کل مخلوق کے آپؐ پیغمبر تھے' ہر سرخ و سیاہ کی طرف آپؐ نبی بنا کر بھیجے گئے تھے - صَلَوٰاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ - سورۂ انعام کی تفسیر میں اس کا پورا بیان ہم کر چکے ہیں اور بہت سی آیات و احادیث وہاں وارد کی ہیں فالحمدللہ۔

میں دعائے ابراہیمی بن کر آیا: ☆☆ یہاں یہ فرمانا کہ ان پڑھوں یعنی عربوں میں اپنا رسول بھیجنا اس لئے ہے کہ حضرت خلیل اللہ کی دعا کی قبولیت معلوم ہو جائے' آپ نے اہل مکہ کے لئے دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجے جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائے' انہیں پاکیزگی سکھائے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے' پس اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی یہ دعا قبول فرمائی اور جبکہ مخلوق کو نبی اللہ کی سخت حاجت تھی سوائے چند اہل کتاب کے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے دین پر قائم تھے اور افراط و تفریط سے الگ تھے باقی تمام دنیا دین حق کو بھلا بیٹھی تھی اور اللہ کی ناراضی کے کاموں میں مبتلا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو معبوث فرمایا۔ آپؐ نے ان ان پڑھوں کو اللہ کے کلام کی آیتیں پڑھ کر سنائیں' انہیں پاکیزگی سکھائی اور کتاب و حکمت کا معلم بنا دیا' حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے - سنئے عرب حضرت ابراہیمؑ کے دین کے دعویدار تھے لیکن حالت یہ تھی کہ اصل دین کو خورد برد کر چکے تھے' اس میں اس قدر تبدیلی تغیر کر دیا تھا کہ توحید شرک سے اور یقین شک سے بدل چکا تھا' ساتھ ہی بہت سی اپنی ایجاد کردہ بدعتیں دین اللہ میں شامل کر دی تھیں۔ اسی طرح اہل کتاب نے بھی اپنی کتابوں کو بدل دیا تھا' ان میں تحریف کر لی تھی اور متغیر کر دیا تھا' ساتھ ہی معانی میں بھی الٹ پھیر کر لیا تھا۔ پس اللہ پاک نے حضرت محمد ﷺ کو عظیم الشان شریعت اور کامل مکمل دین دے کر دنیا والوں کی طرف بھیجا کہ اس فساد کی آپ اصلاح کریں' اہل دنیا کو اصل احکام الٰہی پہنچائیں' اللہ کی مرضی اور نامرضی کے احکام لوگوں کو معلوم کرا دیں' جنت سے قریب کرنے والے عذاب سے نجات دلوانے والے تمام اعمال بتلائیں ساری مخلوق کے ہادی بنیں' اصول و فروع سب سکھائیں' کوئی چھوٹی بڑی بات باقی نہ چھوڑیں' تمام تر شک شبہے سب کے دور کر دیں اور ایسے دین پر لوگوں کو ڈال دیں جن میں ہر بھلائی موجود ہو۔ اس بلند و بالا خدمت کے لئے آپؐ میں وہ برتریاں اور بزرگیاں جمع کر دیں جو نہ آپ سے پہلے کسی میں تھیں نہ آپ کے بعد کسی میں ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ پر ہمیشہ ہمیشہ درود و سلام نازل فرماتا رہے آمین -

اہل فارس کی عظمت: ☆☆ دوسری آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ پر سورۂ جمعہ نازل ہوئی جب آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو لوگوں نے پوچھا کہ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ سے کیا مراد ہے' تین مرتبہ حضورؐ سے سوال ہوا' تب آپؐ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا ستارے کے پاس ہوتا تو بھی ان لوگوں میں سے ایک یا کئی ایک پا لیتے -

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مدنی ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضورؐ کی پیغمبری تمام دنیا والوں کی طرف ہے صرف عرب کے لئے مخصوص نہیں کیونکہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فارس والوں کو فرمایا - اسی عام بعثت کی بنا پر آپ نے فارس و روم کے بادشاہوں کے نام اسلام قبول کرنے کے فرامین بھیجے - حضرت مجاہدؒ وغیرہ بھی فرماتے ہیں اس سے مراد عجمی لوگ ہیں یعنی عرب کے سوا کے لوگ جو حضورؐ پر

ایمان لائیں اور آپ کی وحی کی تصدیق کریں - ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ اب سے تین تین پشتوں کے بعد آنے والے میرے امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی - وہ اللہ عزت و حکمت والا ہے' اپنی شریعت اور اپنی تقدیر میں غالب با حکمت ہے' پھر فرمان ہے یہ اللہ کا فضل ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی زبردست عظیم الشان نبوت کے ساتھ سرفراز فرمانا اور اس امت کو اس فضل عظیم سے بہرہ ور کرنا' یہ خاص اللہ کا فضل ہے' اللہ اپنا فضل جسے چاہے دے' وہ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے -

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵

جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو' اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بری مثال ہے' اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ○

کتابوں کا بوجھ لادا گدھا اور بےعمل عالم: ☆☆ (آیت:۵) ان آیتوں میں یہودیوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے کہ انہیں تورات دی گئی عمل کرنے کے لئے' انہوں نے اسے لیا پھر عمل نہ کیا' فرمایا جاتا ہے کہ ان کی مثال گدھے کی سی ہے کہ اگر اس پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے تو اسے یہ تو معلوم ہے کہ اس پر کوئی بوجھ ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے؟ اسی طرح یہود ہیں کہ ظاہری الفاظ تو خوب رٹے ہوئے ہیں لیکن نہ تو یہ معلوم ہے کہ مطلب کیا ہے؟ نہ اس پر ان کا عمل ہے بلکہ اور تبدل و تحریف کرتے رہتے ہیں - پس دراصل یہ اس بےسمجھ جانور سے بھی بدتر ہیں' کیونکہ اسے تو قدرت نے سمجھ ہی نہیں دی لیکن یہ سمجھ رکھتے ہوئے پھر بھی اس کا استعمال نہیں کرتے' اسی لئے دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے' یہ غافل لوگ ہیں - یہاں فرمایا اللہ کی آیتوں کے جھٹلانے والوں کی بری مثال ہے' ایسے ظالم اللہ کی رہنمائی سے محروم رہتے ہیں -

مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن امام کے خطبہ کی حالت میں بات کرے' وہ مثل گدھے کے ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو اور جو اسے کہے کہ چپ رہ اس کا بھی جمعہ جاتا رہا -

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ ع

کہہ دے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگ نہیں تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو ○ یہ ہرگز موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ

ان اعمال کے جو اپنے آگے اپنے ہاتھوں بھیج رکھے ہیں یہ نا انصاف اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہیں ○ کہہ دے کہ جس موت سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ تو تمہیں پہنچ کر ہی رہے گی پھر تم سب چھپے کھلے کے جاننے والے اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے کئے ہوئے تمام کام بتلا دے گا ○

یہودیوں کو دعوت مباہلہ: ☆☆ (آیت:۶-۷) پھر فرماتا ہے اے یہودیو! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم حق پر ہو اور آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے اصحاب ناحق پر ہیں تو آؤ اور دعا مانگو کہ ہم دونوں میں سے جو حق پر نہ ہو اللہ اسے موت دے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے جو اعمال آگے بھیج رکھے ہیں وہ ان کے سامنے ہیں مثلاً کفر، فسق، فجور، ظلم، نافرمانی وغیرہ اس وجہ سے ہماری پیشین گوئی ہے کہ وہ اس پر آمادگی نہیں کریں گے ان ظالموں کو اللہ بخوبی جانتا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت قُلْ اِنْ كَانَتْ کی تفسیر میں یہودیوں کے اس مباہلے کا پورا ذکر ہم کر چکے ہیں اور وہیں یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اپنے اوپر اگر خود گمراہ ہوں تو یا اپنے مقابل پر اگر وہ گمراہ ہوں موت کی بد دعا کریں' جیسے کہ نصرانیوں کے مباہلہ کا ذکر سورۂ آل عمران میں گذر چکا ہے' ملاحظہ ہو تفسیر آیت فَمَنْ حَآجَّكَ الخ' مشرکین سے بھی مباہلہ کا اعلان کیا گیا ملاحظہ ہو تفسیر سورۂ مریم آیت قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ الخ' یعنی اے نبیؐ! ان سے کہہ دے کہ جو گمراہی میں ہو رحمٰن اسے اور بڑھا دے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو کعبہ کے پاس دیکھوں گا تو اس کی گردن ناپوں گا' جب یہ خبر حضورؐ کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا اگر یہ ایسا کرتا تو سب کے سب دیکھتے فرشتے اسے پکڑ لیتے اور اگر یہود میرے مقابلہ پر آکر موت طلب کرتے تو یقیناً وہ مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے اور اگر مباہلہ کے لئے لوگ نکلتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل و مال کو ہرگز نہ پاتے۔ یہ حدیث بخاری' ترمذی اور نسائی میں بھی موجود ہے۔

موت سے مفر نہیں: ☆☆ (آیت:۸) پھر فرماتا ہے موت سے تو کوئی بچ ہی نہیں سکتا' جیسے سورۂ نساء میں ہے اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو وہاں تمہیں موت پا ہی لے گی گو مضبوط محلوں میں ہو۔ معجم طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے موت سے بھاگنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لومڑی ہو جس پر زمین کا کچھ قرض ہو وہ اس خوف سے کہ کہیں یہ مجھ سے مانگ نہ بیٹھے' بھاگے' بھاگتے بھاگتے جب تھک جائے تب اپنے بھٹ میں گھس جائے جہاں گھسی اور زمین نے پھر اس سے تقاضا کیا کہ لومڑی میرا قرض ادا کر' وہ پھر وہاں سے دم دبائے ہوئے تیزی سے بھاگی آخر یونہی بھاگتے بھاگتے ہلاک ہو گئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۹ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۱۰

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جمعہ کے دن جب نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف جلدی جایا کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دو' یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اگر تم کو سمجھ ہے ○ پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو تا کہ تم فلاح پا لو ○

جمعہ کا دن کیا ہے؟ اس کی اہمیت کیوں ہے؟ ☆☆ (آیت:۹-۱۰) جمعہ کا لفظ جمع سے مشتق ہے' وجہ اشتقاق یہ ہے کہ اس

دن مسلمان بڑی بڑی مساجد میں خدا کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور یہ بھی وجہ ہے کہ اسی دن تمام مخلوق کامل ہوئی' چھ دن میں ساری کائنات بنائی گئی ہے چھٹا دن جمعہ کا ہے' اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے' اسی دن جنت میں بسائے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے' اسی دن میں قیامت قائم ہوگی۔ اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت مومن بندہ اللہ تعالیٰ سے جو طلب کرے اللہ تعالیٰ اسے عنایت فرماتا ہے' جیسے کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمانؓ سے پوچھا جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔ آپؐ نے فرمایا ''اسی دن تیرے ماں باپ (یعنی آدم وحوا) کو اللہ تعالیٰ نے جمع کیا' یا یوں فرمایا کہ تمہارے باپ کو جمع کیا۔'' اسی طرح ایک موقوف حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فاللہ اعلم۔ پہلے اسے یوم العروبہ کہا جاتا تھا' پہلی امتوں کو بھی ہر سات دن میں ایک دن دیا گیا تھا' لیکن جمعہ کی ہدایت انہیں نہ ہوئی' یہودیوں نے ہفتہ پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش شروع بھی نہ ہوئی تھی' نصاریٰ نے اتوار اختیار کیا جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتدا ہوئی ہے اور اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو پسند فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا۔ جیسے صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب کے پیچھے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب اللہ دی گئی' پھر ان کے اس دن میں انہوں نے اختلاف کیا' اللہ تعالیٰ نے ہمیں راہ راست دکھائی پس لوگ اس میں بھی ہمارے پیچھے ہیں' یہودی کل اور نصرانی پرسوں۔ مسلم میں اتنا اور بھی ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلہ ہمارے بارے میں کیا جائے گا' یہاں اللہ تعالیٰ مومنوں کو جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لئے جمع ہونے کا حکم دے رہا ہے' سعی سے مراد یہاں دوڑنا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ یعنی نماز کے لئے قصد کرو' چل پڑو' کوشش کرو' کام کاج چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہو جاؤ' جیسے اس آیت میں سعی کوشش کے معنی میں ہے۔ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا' یعنی جو شخص آخرت کا ارادہ کرے پھر اس کے لئے کوشش بھی کرے'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں بجائے فاسعوا کے فامضوا ہے' یہ یاد رہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا منع ہے۔

بخاری اور مسلم میں ہے جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے سکینت اور وقار کے ساتھ چلو' دوڑو نہیں' جو پاؤ پڑھ لو' جو فوت ہوا ادا کر لو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نماز میں تھے جو لوگوں کے پاؤں کی آہٹ زور زور سے سنی' فارغ ہو کر فرمایا ''کیا بات ہے؟'' لوگوں نے کہا ''حضرت ہم جلدی جلدی نماز میں شامل ہوئے'' فرمایا ''ایسا نہ کرو' نماز کو اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ' جو پاؤ پڑھ لو۔'' جو چھوٹ جائے پوری کر لو۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اللہ کی قسم یہاں یہ حکم نہیں کہ دوڑ کر نماز کے لئے آؤ' یہ تو منع ہے بلکہ مراد دل اور نیت اور خشوع وخضوع ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اپنے دل اور اپنے عمل سے کوشش کرو' جیسے اور جگہ ہے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ حضرت ذبیح اللہ جب خلیل اللہ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔

غسل جمعہ اور آداب جمعہ: ☆☆ جمعہ کے لئے آنے والے کو غسل بھی کرنا چاہئے' بخاری مسلم میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کے لئے جانے کا ارادہ کرے وہ غسل کر لیا کرے ایک اور حدیث میں ہے جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے ایک اور روایت میں ہے کہ ہر بالغ پر ساتویں دن سر اور جسم کا دھونا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ دن جمعہ کا دن ہے۔ سنن اربعہ میں ہے جو شخص جمعہ کے دن اچھی طرح غسل کرے اور سویرے سے ہی مسجد کی طرف چل دے' پیدل جائے' سوار نہ ہو اور امام سے قریب ہو کر بیٹھے' خطبے کو کان لگا کر سنے' لغو نہ کرے تو اسے ہر ہر قدم کے بدلے سال بھر کے روزوں اور سال بھر کے قیام کا ثواب ہے۔

بخاری مسلم میں ہے جو شخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کرے اول ساعت میں جائے اس نے گویا ایک اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کیا۔ دوسری ساعت میں جانے والا مثل گائے کی قربانی کرنے والے کے ہے۔ تیسری ساعت میں جانے والا مرغ راہ اللہ میں تصدق کرنے والے کی طرح ہے۔ پانچویں ساعت میں جانے والا انڈا راہ للہ دینے والے جیسا ہے۔ پھر جب امام آجائے فرشتے خطبہ سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں مستحب ہے کہ جمعہ کے دن اپنی طاقت کے مطابق اچھا لباس پہنے خوشبو لگائے مسواک کرے اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لئے آئے۔ ایک حدیث میں غسل کے بیان کے ساتھ ہی مسواک کرنا اور خوشبو ملنا بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنے گھر والوں کو خوشبو ملے اگر ہو اور اچھا لباس پہنے پھر مسجد میں آئے اور کچھ نوافل پڑھے اگر جی چاہے اور کسی کو ایذا نہ دے (یعنی گردنیں پھلانگ کر نہ آئے نہ کسی بیٹھے ہوئے کو ہٹائے) پھر جب امام آجائے اور خطبہ شروع ہو خاموشی سے سنے تو اس کے گناہ جو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے ہوں سب کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ممبر پر بیان فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے اگر وہ اپنے روزمرہ کے محنتی لباس کے علاوہ دو کپڑے خرید کر جمعہ کے لئے مخصوص رکھے حضورؐ نے یہ فرمان اس وقت فرمایا جب لوگوں پر وہی معمولی چادریں دیکھیں تو فرمایا کہ اگر طاقت ہو تو ایسا کیوں نہ کرلو۔

جمعہ کی پہلی اذان: ☆☆ جس اذان کا یہاں اس آیت میں ذکر ہے اس سے مراد وہ اذان ہے جو امام کے ممبر پر بیٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے نبی ﷺ کے زمانہ میں یہی اذان تھی جب آپ گھر سے تشریف لاتے ممبر پر جاتے اور آپ کے بیٹھ جانے کے بعد آپ کے سامنے یہ اذان ہوتی تھی اس سے پہلے کی اذان حضورؐ کے زمانے میں نہ تھی اسے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف لوگوں کی کثرت کو دیکھ کر زیادہ کیا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جمعہ کی اذان صرف اسی وقت ہوتی تھی جب امام ممبر پر خطبہ کہنے کے لئے بیٹھ جاتا حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو آپ نے دوسری اذان ایک الگ مکان پر کہلوائی زیادہ کی اس مکان کا نام زوراء تھا مسجد سے قریب سب سے بلند یہی مکان تھا۔ حضرت مکحولؒ سے ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ اذان صرف ایک ہی تھی جب امام آتا تھا اس کے بعد صرف تکبیر ہوتی تھی جب نماز کھڑی ہونے لگے۔ اسی اذان کے وقت خرید و فروخت حرام ہوتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پہلے کی اذان کا حکم صرف اس لئے دیا تھا کہ لوگ جمع ہو جائیں۔ جمعہ میں آنے کا حکم آزاد مردوں کو ہے عورتوں غلاموں اور بچوں کو نہیں مسافر مریض اور تیماردار اور ایسے ہی اور عذر والے بھی معذور گنے گئے ہیں جیسے کہ کتب فروع میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

جمعہ کے وقت خرید و فروخت حرام: پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ دو یعنی ذکر اللہ کے لئے چل پڑو تجارت کو ترک کر دو جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے۔ علماء کرام کا اتفاق ہے کہ اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہے اس میں اختلاف ہے۔ کہ دینے والا اگر دے تو وہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ ظاہر آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحیح نہ ٹھہرے گا واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ کر ذکر اللہ اور نماز کی طرف تمہارا آنا ہی تمہارے حق میں دین دنیا کی بہتری کا باعث ہے اگر تم میں علم ہو۔ ہاں جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اس مجمع سے چلے جانا اور خدا کے فضل کی تلاش میں لگ جانا تمہارے لئے حلال ہے۔ عراک بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹ کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ وَصَلَّیْتُ فَرِیْضَتَكَ وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِیْ

فَارْزُقْنِیْ مِنْ فَضْلِكَ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ یعنی ''اے اللہ! میں نے تیری آواز پر حاضری دی اور تیری فرض کردہ نماز ادا کی پھر تیرے حکم کے مطابق اس مجمع سے اٹھ آیا اب تو مجھے اپنا فضل نصیب فرما تو سب سے بہتر روزی رساں ہے۔'' (ابن ابی حاتم) اس آیت کو پیش نظر رکھ کر بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد خرید فروخت کرے اسے اللہ تعالیٰ ستر حصے زیادہ برکت دے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ خرید و فروخت کی حالت میں بھی ذکر اللہ کیا کرو' دنیا کے نفع میں اس قدر مشغول نہ ہو جاؤ کہ اخروی نفع بھول بیٹھو۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی بازار جائے اور وہاں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ برائیاں معاف فرماتا ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کثیر الذکر اسی وقت کہلاتا ہے جبکہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد رہے۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَیْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱﴾ ع ۲

اور جب کوئی سودا بکتا دیکھیں یا کوئی تماشا نظر آ جائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور تجھے کھڑا ہی چھوڑ جاتے ہیں تو کہہ دے کہ اللہ کے پاس جو ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی رساں ہے ○

تجارت' عبادت اور صلوٰۃ جمعہ: ☆☆ (آیت:۱۱) مدینہ میں جمعہ والے دن تجارتی مال کے آ جانے کی وجہ سے جو حضرات خطبہ چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے' انہیں اللہ تعالیٰ عتاب کر رہا ہے کہ یہ لوگ جب کوئی تجارت یا کھیل تماشہ دیکھ لیتے ہیں تو اس کی طرف چل کھڑے ہوتے ہیں اور تجھے خطبہ میں ہی کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں یہ مال تجارت وحیہ بن خلیفہ کا تھا جمعہ والے دن آیا اور شہر میں خبر کے لئے طبل بجنے لگا۔ حضرت وحیہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے' طبل کی آواز سن کر سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے' صرف چند آدمی رہ گئے' مسند احمد میں ہے صرف بارہ آدمی رہ گئے باقی لوگ اس تجارتی قافلہ کی طرف چل دیئے جس پر یہ آیت اتری۔ مسند ابو یعلیٰ میں اتنا اور بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر یہ بھی باقی نہ رہتے اور سب اٹھ کر چلے جاتے تو تم سب پر یہ وادی آگ بن کر بھڑک اٹھتی۔ جو لوگ حضورؐ کے پاس سے نہیں گئے تھے' ان میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے' صحیح مسلم میں ہے نبی ﷺ جمعہ کے دن دو خطبے پڑھتے تھے' درمیان میں بیٹھ جاتے تھے' قرآن شریف پڑھتے تھے اور لوگوں کو تذکیر و نصیحت فرماتے تھے' یہاں یہ بات بھی معلوم رہنی چاہئے کہ یہ واقعہ بہ قول بعض کے اس وقت کا ہے جب آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ مراسیل ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے جیسے عیدین میں ہوتا ہے' یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ خطبہ سنا رہے تھے کہ ایک شخص نے آن کر کہا وحیہ بن خلیفہ مال تجارت لے کر آ گیا ہے' یہ سن کر سوائے چند لوگوں کے اور سب اٹھ کھڑے ہو گئے۔ پھر فرماتا ہے اے نبی! انہیں خبر سنا دو کہ دار آخرت کا ثواب عند اللہ ہے وہ کھیل تماشوں سے خرید و فروخت سے بہت ہی بہتر ہے' اللہ پر توکل رکھ کر' طلب رزق اوقات اجازت میں جو کرے اللہ اسے بہترین طریق پر روزیاں دے گا۔

الحمد للہ سورۂ جمعہ کی تفسیر پوری ہوئی۔

تفسیر سورۃ المنافقون

شروع کرتا ہوں مہربانی اور رحم کرنے والے اللہ کے نام سے ○

تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں' اللہ جانتا ہے کہ یقیناً تو اس کا رسول ہے' اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں ○ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پس اللہ کی راہ سے رک گئے بے شک برا ہے وہ کام جو یہ کر رہے ہیں ○ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی اب یہ نہیں سمجھتے ○

منافقین کا قسمیں کھانا: ☆☆ (آیت: ۱-۳) اللہ تعالیٰ منافقوں کے نفاق کو ظاہر کرتا ہے کہ گویہ تیرے پاس آکر قسمیں کھا کھا کر اپنے اسلام کا اظہار کرتے ہیں' تیری رسالت کا اقرار کرتے ہیں مگر دراصل دل کے کھوٹے ہیں' فی الواقع آپ رسول اللہ بھی ہیں' ان کا یہ قول بھی ہے مگر چونکہ دل میں اس کا کوئی اثر نہیں' لہٰذا یہ جھوٹے ہیں۔ اس بات میں کہ یہ تجھے رسول اللہ مانتے ہیں' یہ سچے ہونے کے لئے گو قسمیں کھائیں لیکن آپ یقین نہ کیجئے' یہ قسمیں تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے' یہ تو اپنے جھوٹ کو سچ بنانے کا ایک ذریعہ ہیں' مقصد یہ ہے کہ مسلمان ان سے ہوشیار رہیں' کہیں انہیں سچا ایماندار سمجھ کر کسی بات میں ان کی تقلید نہ کرنے لگیں کہ یہ اسلام کے رنگ میں کفر کا ارتکاب کرا دیں' یہ اللہ کی راہ سے دور اور بداعمال لوگ ہیں۔ ضحاک کی قرأت میں اِیۡمَانَھُمۡ الف کی زیر کے ساتھ ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ انہوں نے اپنی ظاہری تصدیق کو اپنے لئے تقیہ بنا لیا ہے کہ قتل سے اور حکم کفر سے دنیا میں بچ جائیں۔ یہ نفاق ان کے دلوں میں اس گناہ کی شومی کے باعث رچ گیا ہے کہ ایمان سے گھوم کر کفر کی طرف اور ہدایت سے ہٹ کر ضلالت کی جانب آ گئے ہیں' اب دلوں پر مہر خدا لگ چکی ہے اور بات کی تہ کو پہنچنے کی قابلیت سلب ہو چکی ہے' بظاہر تو خوش رو خوش گو ہیں' اس فصاحت اور بلاغت سے گفتگو کرتے ہیں کہ خواہ مخواہ دوسرے کا دل اٹکا لیں لیکن باطن میں بڑے کھوٹے' بڑے کمزور دل والے نامرد اور بدنیت ہیں' جہاں کوئی واقعہ بھی رونما ہوا اور سمجھ بیٹھے کہ ہائے مرے۔ ایک اور جگہ ہے اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ الخ' تمہارے مقابلہ میں بخل کرتے ہیں' پھر جس وقت خوف ہوتا ہے تو تمہاری طرف اس طرح آنکھیں پھیر پھیر کر دیکھتے ہیں گویا کسی شخص پر موت کی بیہوشی طاری ہے' پھر جب خوف چلا جاتا ہے تو تمہیں اپنی بدکلامی سے چھید ڈالتے ہیں اور مال غنیمت کی حرص میں نہ کہنے کی باتیں کہہ گزرتے ہیں' یہ بے ایمان ہیں' ان کے اعمال غارت ہیں۔ اللہ پر یہ امر نہایت ہی آسان ہے پس ان کی یہ آوازیں خالی پیٹ کے ڈھول کی بلند بانگ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں' یہی تمہارے دشمن ہیں' ان کی چکنی چپڑی باتوں اور ثقہ اور مسکین صورتوں کے دھوکے میں نہ آ جانا' اللہ انہیں برباد کرے' ذرا سوچیں تو کیوں ہدایت کو چھوڑ کر بے راہی پر چل رہے ہیں؟

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵

جب تو انہیں دیکھے تو ان کے جسم تجھے خوش نما معلوم ہوں' یہ جب باتیں کرنے لگیں تو تو ان کی باتوں پر اپنے کان لگائے' گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں سہارے سے لگائی ہوئیں' ہر سخت آواز کو اپنی ہی ہلاکی سمجھتے ہیں' یہی حقیقی دشمن ہیں ان سے بچتا رہ' اللہ انہیں غارت کرے O کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لئے اللہ کے رسول استغفار کریں تو اپنے سر مٹکاتے ہیں اور تو دیکھے گا کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں O

علامات منافق: ☆☆ (آیت:۴) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافقوں کی بہت سی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچان لئے جاتے ہیں' ان کا سلام لعنت ہے' ان کی خوراک لوٹ مار ہے' ان کی غنیمت حرام اور خیانت ہے' وہ مسجدوں کی نزدیکی ناپسند کرتے ہیں' وہ نمازوں کے لئے آخری وقت آتے ہیں' تکبر اور نخوت والے ہوتے ہیں' نرمی اور سلوک' تواضع اور انکساری سے محروم ہوتے ہیں' نہ خود ان کاموں کو کریں نہ دوسروں کے ان کاموں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں' رات کی لکڑیاں اور دن کے شور وغل کرنے والے۔ ایک اور روایت میں ہے دن کو خوب کھانے پینے والے اور رات کو خشک لکڑیوں کی طرح پڑ رہنے والے۔

منافقوں کی محرومی سعادت کے اسباب: ☆☆ (آیت:۵) ملعون منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں پر جب ان سے سچے مسلمان کہتے ہیں کہ آؤ رسول کریم ﷺ تمہارے لئے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا تو یہ تکبر کے ساتھ سر ہلانے لگتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں اور رک جاتے ہیں اور اس بات کو حقارت کے ساتھ رد کر دیتے ہیں' اس کا بدلہ یہی ہے کہ اب ان کے لئے بخشش کے دروازے بند ہیں' نبی کا استغفار بھی انہیں کچھ نفع نہ دے گا' بھلا ان فاسقوں کی قسمت میں ہدایت کہاں؟ سورۂ براۃ میں بھی اسی مضمون کی آیت گزر چکی ہے اور وہیں اس کی تفسیر اور ساتھ ہی اس کے متعلق کی حدیثیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ سفیان منافق نے اپنا منہ دائیں جانب پھیر لیا تھا اور غضب وتکبر کے ساتھ ترچھی آنکھ سے گھورا تھا' اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ اور سلف میں سے اکثر حضرات کا فرمان ہے کہ یہ سب کا سب بیان عبداللہ بن ابی ابن سلول کا ہے جیسے کہ عنقریب آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷ يَقُوْلُوْنَ

ان کے حق میں آپ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا' بیشک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا یہی وہ ہیں ○ جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں انہیں کچھ نہ دو یہاں تک کہ وہ ادھر ادھر چلے جائیں' آسمان و زمین کے کل خزانے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں لیکن یہ منافق بے سمجھ ہیں ○ یہ کہتے ہیں اگر اب لوٹ کر مدینہ کو جائیں گے تو ہر عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔ سنو عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور ایمانداروں کے لئے ہے لیکن یہ منافق بے علم ہیں ○

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین: ☆☆ (آیت: ۶-۸) سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول اپنی قوم کا بڑا اور شریف شخص تھا جب نبی ﷺ جمعہ کے دن خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھتے تھے تو یہ کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا لوگو! یہ ہیں اللہ کے رسول جو تم میں موجود ہیں' جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارا اکرام کیا اور تمہیں عزت دی' اب تم پر فرض ہے کہ تم آپ کی مدد کرو اور آپ کی عزت و تکریم کرو' آپ کا فرمان سنو اور جو فرمائیں بجا لاؤ' یہ کہہ کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔ احد کے میدان میں اس کا نفاق کھل گیا اور یہ وہاں سے حضور کی کھلی نافرمانی کر کے تہائی لشکر کو لے کر مدینہ کو واپس لوٹ آیا۔ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ احد سے فارغ ہوئے اور مدینہ میں مع الخیر تشریف لائے' جمعہ کا دن آیا اور آپ منبر پر چڑھے تو حسب عادت یہ آج بھی کھڑا ہوا اور کہنا چاہتا ہی تھا کہ بعض صحابہ ادھر ادھر سے کھڑے ہو گئے اور اس کے کپڑے پکڑ کر کہنے لگے دشمن خدا بیٹھ جا' تو اب یہ کہنے کا منہ نہیں رکھتا' تو نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں' اب تو اس کا اہل نہیں کہ زبان سے جو جی میں آئے بک دے' یہ ناراض ہو کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا باہر نکل گیا اور کہتا جاتا تھا کہ گویا میں کسی بدبات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا' میں تو اس کا کام اور مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا جو چند اصحاب مجھ پر اچھل کر آ گئے' مجھے گھسیٹنے لگے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے گویا کہ میں کسی بڑی بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا حالانکہ میری نیت یہ تھی کہ میں آپ کی باتوں کی تائید کروں' انہوں نے کہا خیر اب تم واپس چلو ہم رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں گے آپ تمہارے لئے اللہ سے بخشش چاہیں گے۔ اس نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں۔

حضرت قتادہؒ اور حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں اتری ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ اسی کی قوم کے ایک نوجوان مسلمان نے اس کی ایسی ہی چند بری باتیں رسول اللہ ﷺ تک پہنچائی تھیں۔ حضورؐ نے بلوایا تو یہ صاف انکار کر گیا اور قسمیں کھا گیا۔ انصاریوں نے اس صحابی کو ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کی اور اسے جھوٹا جانا۔ اس پر یہ آیتیں اتریں اور اس منافق کی جھوٹی قسموں کا اور اس نوجوان صحابی کی سچائی کا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ اب اس سے کہا گیا کہ تو چل اور رسول اللہ سے استغفار کرا تو اس نے انکار کے لہجے میں سر ہلا دیا اور نہ گیا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جس منزل میں اترتے وہاں سے کوچ نہ کرتے جب تک نماز نہ پڑھ لیں' غزوۂ تبوک میں حضور کو خبر پہنچی کہ عبداللہ بن ابی کہہ رہا ہے کہ ہم عزت والے ان ذلت والوں کو مدینہ پہنچ کر نکال دیں گے پس آپ نے آخری دن میں اترنے سے پہلے ہی کوچ کر دیا' اس سے کہا گیا کہ حضورؐ کے پاس جا کر اپنی خطا کی معافی اللہ سے طلب کر۔ اس کا بیان اس آیت میں ہے اس کی اسناد سعید بن جبیر تک صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے اس میں نظر ہے بلکہ یہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ

عبداللہ بن ابی ابن سلول تو اس غزوہ میں تھا ہی نہیں بلکہ لشکر کی ایک جماعت کو لے کر یہ تو لوٹ گیا تھا۔ کتب سیر و مغازی کے مصنفین میں تو یہ مشہور ہے کہ یہ واقعہ غزوہ مریسیع یعنی غزوہ بنوالمصطلق کا ہے چنانچہ اس قصہ میں حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان اور حضرت عبداللہ بن ابوبکر اور حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ سے مروی ہے کہ اس لڑائی کے موقع پر حضورؐ کا ایک جگہ قیام تھا وہاں حضرت جہجاہ بن سعید غفاری اور حضرت سنان بن یزید کا پانی کے اژدہام پر کچھ جھگڑا ہو گیا' جہجاہ حضرت عمر کے کارندے تھے' جھگڑے نے طول پکڑا' سنان نے انصاریوں کو اپنی مدد کے لئے آواز دی اور جہجاہ نے مہاجرین کو' اس وقت حضرت زید بن ارقم وغیرہ انصار کی ایک جماعت عبداللہ بن ابی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اس نے جب یہ فریاد سنی تو کہنے لگا ''لو ہمارے ہی شہروں میں ان لوگوں نے ہم پر حملے شروع کر دیئے' اللہ کی قسم ہماری اور ان قریشیوں کی مثال وہی ہے جو کسی نے کہا ہے کہ اپنے کتے کو موٹا تازہ کرتا کہ تجھے ہی کاٹے' اللہ کی قسم! اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو ہم ذی مقدور لوگ ان بے مقدروں کو وہاں سے نکال دیں گے۔ پھر اس کی قوم کے جو لوگ اس کے پاس بیٹھے تھے ان سے کہنے لگا یہ سب آفت تم نے خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر لی ہے' تم نے انہیں اپنے شہر میں بسایا' تم نے انہیں اپنے مال کا آدھوں آدھ حصہ دیا' اب بھی اگر تم ان کی مالی امداد نہ کرو تو یہ خود تنگ آ کر مدینہ سے نکل بھاگیں گے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تمام باتیں سنیں' آپ اس وقت بہت کم عمر تھے' سیدھے سرکار نبوت میں حاضر ہوئے اور کل واقعہ بیان فرمایا۔ اس وقت آپؐ کے پاس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے غضبناک ہو کر فرمانے لگے یا رسول اللہ! عباد بن بشیر کو حکم فرمایئے کہ اس کی گردن الگ کر دے۔ حضورؐ نے فرمایا پھر تو لوگوں میں یہ مشہور ہو جائے گا کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کی گردنیں مارتے ہیں' یہ ٹھیک نہیں' جاؤ لوگوں میں کوچ کی منادی کر دو۔ عبداللہ بن ابی کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی گفتگو کا علم آنحضرت ﷺ کو ہو گیا تو بہت سٹپٹایا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر معذرت اور حیلے حوالے' تاویل اور تحریف کرنے لگا اور قسمیں کھا گیا کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا چونکہ یہ شخص اپنی قوم میں ذی عزت اور باوقعت تھا اور لوگ بھی کہنے لگے حضورؐ شاید اس بچے نے ہی غلطی کی ہو' اسے وہم ہو گیا ہو' واقعہ ثابت تو ہوتا نہیں۔ حضورؐ یہاں سے جلدی ہی کوچ کے وقت سے پہلے ہی تشریف لے چلے' راستے میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے اور آپ کی شان نبوت کے قابل باادب سلام کیا پھر عرض کی کہ حضورؐ! آج کیا بات ہے جو وقت سے پہلے ہی جناب نے کوچ کیا۔ حضور نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں ہوا کہ تمہارے ساتھی ابن ابی نے کیا کہا؟ وہ کہتا ہے کہ مدینہ جا کر ہم عزیز ان ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ حضرت اسید نے کہا یا رسول اللہ! عزت والے آپ ہیں اور ذلیل وہ ہے۔ یا رسول اللہ! آپ اس کی ان باتوں کا خیال بھی نہ فرمایئے دراصل یہ بہت جلا ہوا ہے' سنئے اہل مدینہ نے اسے سردار بنانے پر اتفاق کر لیا تھا' تاج تیار ہو رہا تھا کہ اللہ رب العزت آپ کو لایا' اس کے ہاتھ سے ملک نکل گیا پس یہ چراغ پا ہو رہا ہے۔ حضورؐ چلتے ہی رہے دوپہر کو ہی چل دیئے تھے' شام ہوئی' رات ہوئی' صبح ہوئی یہاں تک کہ دھوپ میں تیزی آ گئی تب آپ نے پڑاؤ کیا تاکہ لوگ اس بات میں پھر نہ الجھ جائیں چونکہ تمام لوگ تھکے ہارے اور رات کے جاگے ہوئے تھے اترتے ہی سب سو گئے۔ ادھر یہ سورت نازل ہوئی۔ (سیر ابن اسحاق)

بیہقی میں ہے کہ ہم ایک غزوے میں حضورؐ کے ساتھ تھے' ایک مہاجر نے ایک انصاری کو پتھر مار دیا' اس پر بات بڑھ گئی اور دونوں نے اپنی اپنی جماعت سے فریاد کی اور انہیں پکارا۔ حضورؐ سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے یہ کیا جاہلیت کی ہانک لگانے لگے' اس فضول خراب عادت کو چھوڑو۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول کہنے لگا اب مہاجر یہ کرنے لگ گئے' اللہ کی قسم مدینہ پہنچتے ہی ہم عزت والے ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ اس وقت مدینہ شریف میں انصار کی تعداد مہاجرین سے بہت زیادہ تھی گو بعد میں مہاجرین بہت زیادہ ہو گئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب ابن ابی کے اس قول کا علم ہوا تو حضورؐ سے اس کے قتل کرنے کی اجازت چاہی مگر آپؐ نے روک دیا۔ مسند احمد میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک میں میں نے جب اس منافق کا یہ قول حضورؐ کے سامنے بیان کیا اور اس نے آ کر انکار کیا اور قسمیں کھا گیا۔ اس وقت میری قوم نے مجھے بہت کچھ برا کہا اور ہر طرح ملامت کی کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نہایت غمگین دل ہو کر وہاں سے چل دیا اور سخت رنج وغم میں تھا جو حضورؐ نے مجھے یاد فرمایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرا عذر نازل فرمایا ہے اور تیری سچائی ظاہر کی ہے اور یہ آیت اتری هُمُ الَّذِيْنَ الخ' یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا یہ بیان اس طرح ہے کہ میں اپنے چچا کے ساتھ ایک غزوے میں تھا اور میں نے عبداللہ بن ابی کی یہ دونوں باتیں سنیں' میں نے اپنے چچا سے بیان کیں اور میرے چچا نے حضور سے عرض کیں' جب آپ نے اسے بلایا اس نے انکار کیا اور قسمیں کھا گیا تو حضورؐ نے اسے سچا اور مجھے جھوٹا جانا۔ میرے چچا نے بھی مجھے برا بھلا کہا مجھے اس قدر غم اور ندامت ہوئی کہ میں نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ یہ سورت اتری اور آپ نے میری تصدیق کی اور مجھے یہ پڑھ کر سنائی۔ مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک سفر کے موقع پر جب صحابہ کو تنگی پہنچی تو اس نے انہیں کچھ دینے کی ممانعت کر دی۔ رسول اللہ نے جب انہیں اس لئے بلوایا کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں تو انہوں نے اس سے بھی منہ پھیر لیا۔

قرآن کریم نے انہیں ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں اس لئے کہا ہے کہ یہ لوگ اچھے جمیل جسم والے تھے۔ ترمذی وغیرہ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک غزوے میں حضورؐ کے ساتھ نکلے' ہمارے ساتھ کچھ اعراب لوگ بھی تھے پانی کی جگہ وہ پہلے پہنچنا چاہتے تھے' اسی طرح ہم بھی اسی کی کوشش میں رہتے تھے' ایک مرتبہ ایک اعرابی نے جا کر پانی پر قبضہ کر کے حوض پر کر لیا اور اس کے اردگرد پتھر رکھ دیئے اور اوپر سے چمڑا پھیلا دیا' ایک انصاری نے آ کر اس حوض میں سے اپنے اونٹ کو پانی پلانا چاہا' اس نے روکا' انصاری نے پلانے پر زور دیا' اس نے ایک لکڑی اٹھا کر انصاری کے سر پر ماری جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا۔ یہ چونکہ عبداللہ بن ابی کا ساتھی تھا' سیدھا اس کے پاس آیا اور تمام ماجرہ کہہ سنایا۔ عبداللہ بڑا بگڑا اور کہنے لگا ان اعرابیوں کو کچھ نہ دو' یہ خود بھوکے مرتے بھاگ جائیں گے' یہ اعرابی کھانے کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس آ جاتے تھے اور کھا لیا کرتے تھے تو عبداللہ بن ابی نے کہا تم حضور کا کھانا لے کر ایسے وقت جاؤ جب یہ لوگ نہ ہوں' آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھا لیں گے یہ رہ جائیں گے' یونہی بھوکوں مرتے بھاگ جائیں گے اور اب ہم مدینہ جا کر ان کمینوں کو نکال باہر کریں گے' میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کا ردیف تھا اور میں نے یہ سب سنا' اپنے چچا سے ذکر کیا' چچا نے حضورؐ سے ذکر کیا' آپ نے اسے بلوایا' یہ انکار کر گیا اور حلف اٹھا لیا۔ حضورؐ نے اسے سچا سمجھا اور مجھے جھوٹا قرار دیا۔ میرے چچا میرے پاس آئے اور کہا تم نے یہ کیا حرکت کی؟ حضورؐ تجھ پر ناراض ہو گئے اور تجھے جھوٹا جانا اور دیگر مسلمانوں نے بھی تجھے جھوٹا سمجھا۔ مجھ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا' سخت غمگینی کی حالت میں سر جھکائے میں حضورؐ کے ساتھ جا رہا تھا' تھوڑی ہی دیر گزری ہو گی جو آپ میرے پاس آئے میرا کان پکڑا جب میں نے سر اٹھا کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ مسکرائے اور چل دیئے۔ اللہ کی قسم مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اگر دنیا کی ابدی زندگی مجھے مل جاتی جب بھی میں اتنا خوش نہ ہو سکتا تھا پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس آئے اور پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے تم سے کیا کہا؟ میں نے کہا فرمایا تو کچھ بھی نہیں مسکراتے ہوئے تشریف لے گئے۔ آپ نے فرمایا بس پھر خوش ہو' آپ کے بعد ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے یہی سوال مجھ سے کیا اور میں نے وہی جواب دیا' صبح کو سورۂ منافقون نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں اس سورت کا مِنْهَا الْاَذَلَّ تک پڑھنا بھی مروی ہے۔ عبداللہ بن لہیعہ اور موسیٰ بن عقبہ نے بھی اسی حدیث کو مغازی میں بیان کیا ہے لیکن ان دونوں کی روایت میں خبر پہنچانے والے کا نام اوس بن اقرم ہے جو قبیلہ بنو حارث بن خزرج میں سے تھے' ممکن ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بھی خبر پہنچائی

ہواور حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے بھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ راوی سے نام میں غلطی ہوگئی ہو واللہ اعلم۔

خالدؓ بت شکن: ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ واقعہ غزوہ مریسیع کا ہے یہ وہ غزوہ ہے جس میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج کر حضورؐ نے مناۃ بت کو تڑوا دیا تھا جو قفا مشلل اور سمندر کے درمیان تھا' اسی غزوہ میں دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا' ایک مہاجر تھا دوسرا قبیلہ بہز کا تھا اور قبیلہ بہز انصاریوں کا حلیف تھا بہزی نے انصاریوں کو اور مہاجر نے مہاجرین کو آواز دی۔ کچھ لوگ دونوں طرف سے کھڑے ہو گئے اور جھگڑا ہونے لگا' جب ختم ہوا تو منافق اور بیمار دل لوگ عبداللہ بن ابی کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے ہمیں تو تم سے بہت کچھ امیدیں تھیں' تم ہمارے دشمنوں سے ہمارا بچاؤ تھے اب تو تم بیکار سے ہو گئے ہو' نفع کا خیال نہ نقصان کا' تم نے ہی ان جلالیب کو اتنا چڑھا دیا کہ بات بات پر یہ ہم پر چڑھ دوڑیں۔ نئے مہاجرین کو یہ لوگ جلالیب کہتے تھے۔ اس دشمن خدا نے جواب دیا کہ اب مدینے پہنچتے ہی ان سب کو وہاں سے دیس نکالا دیں گے۔ مالک بن دخشن جو منافق تھا اس نے کہا میں تو تمہیں پہلے ہی سے کہتا ہوں کہ ان لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چھوڑ دو' خود بخود منتشر ہو جائیں گے۔ یہ باتیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن لیں اور خدمت نبوی میں آکر عرض کرنے لگے کہ اس بانی فتنہ عبداللہ بن ابی کا قصہ پاک کرنے کی مجھے اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر اجازت دوں تو کیا تم اسے قتل کر ڈالو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہؐ! اللہ کی قسم ابھی اپنے ہاتھ سے اس کی گردن ماروں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ۔ اتنے میں حضرت اسید بن حضیرؓ بھی یہی کہتے ہوئے آئے' آپ نے ان سے بھی یہی پوچھا اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا' آپ نے انہیں بھی بٹھا لیا پھر تھوڑی دیر گزری ہو گی جو کوچ کرنے کا حکم دیا اور وقت سے پہلے ہی لشکر نے کوچ کیا' وہ دن رات دوسری صبح برابر چلتے ہی رہے جب دھوپ میں تیزی آ گئی تو اترنے کو فرمایا' پھر دوپہر ڈھلتے ہی جلدی سے کوچ کیا اور اسی طرح چلتے رہے' تیسرے دن صبح کو قفا مشلل سے مدینہ شریف پہنچ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا ان سے پوچھا کہ کیا میں اس کے قتل کا تجھے حکم دیتا تو تو اسے مار ڈالتا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یقیناً میں اس کا سر تن سے جدا کر دیتا۔ آپ نے فرمایا اگر تو اسے اس دن قتل کر ڈالتا تو بہت سے لوگوں کے ناک خاک آلود ہو جاتے کہ میں اگر انہیں کہتا تو وہ بھی اسے مار ڈالنے میں تامل نہ کرتے پھر لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع ملتا کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو بھی بے دردی کے ساتھ مار ڈالتا ہے۔ اسی واقعہ کا بیان ان آیتوں میں ہے۔ یہ سیاق بہت غریب ہے اور اس میں بہت سی ایسی عمدہ باتیں ہیں جو دوسری روایتوں میں نہیں۔

سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پکے سچے مسلمان تھے اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ یا رسول اللہؐ میں نے سنا ہے کہ میرے باپ نے جو بکواس بکی ہے اس کے بدلے آپ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں' اگر یونہی ہے تو اس کے قتل کا حکم آپ کسی اور کو نہ کیجئے میں خود جاتا ہوں اور ابھی اس کا سر آپ کے قدموں تلے ڈالتا ہوں قسم اللہ کی قبیلہ خزرج کا ایک ایک شخص جانتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے احسان و سلوک اور محبت و عزت کرنے والا نہیں (لیکن میں نے فرمان رسول پر اپنے پیارے باپ کی گردن مارنے کو تیار ہوں) اگر آپ نے کسی اور کو یہ حکم دیا اور اس نے اسے مارا تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں جوش انتقام میں میں اسے نہ مار بیٹھوں اور ظاہر ہے کہ اگر یہ حرکت مجھ سے ہو گئی تو میں ایک کافر کے بدلے ایک مسلمان کو مار کر جہنمی بن جاؤں گا' آپ میرے باپ کے قتل کا حکم دیجئے' آپ نے فرمایا نہیں نہیں میں اسے قتل کرنا نہیں چاہتا' ہم تو اس سے اور نرمی برتیں گے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے۔

مسلمان بیٹے کا منافق باپ کا راستہ روکنا: ☆ ☆ حضرت عکرمہ اور حضرت ابن زید رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب حضورؐ اپنے لشکروں سمیت مدینے پہنچے تو اس منافق عبداللہ بن ابی کے لڑکے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ شریف کے دروازے پر کھڑے ہو گئے' تلوار

کھینچ لی لوگ مدینہ میں داخل ہونے لگے یہاں تک کہ ان کا باپ آیا تو یہ فرمانے لگے پرے رہو مدینہ میں نہ جاؤ۔ اس نے کہا کیا بات ہے مجھے کیوں روک رہا ہے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو مدینہ میں نہیں جا سکتا جب تک کہ اللہ کے رسول تیرے لئے اجازت نہ دیں عزت والے آپؐ ہی ہیں اور تو ذلیل ہے۔ یہ رک کر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ تشریف لائے آپ کی عادت مبارک تھی کہ لشکر کے آخری حصہ میں ہوتے تھے آپ کو دیکھ کر اس منافق نے اپنے بیٹے کی شکایت کی۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ اسے کیوں روک رکھا ہے؟ انہوں نے کہا قسم ہے خدا کی جب تک آپؐ کی اجازت نہ ہو یہ اندر نہیں جا سکتا چنانچہ حضورؐ نے اجازت دی۔ اب حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کو شہر میں داخل ہونے دیا۔ مسند حمیدی میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے کہا جب تک تو اپنی زبان سے یہ نہ کہہ کہ رسول اللہ ﷺ عزت والے اور میں ذلیل تو مدینہ میں نہیں جا سکتا اور اس سے پہلے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! اپنے باپ کی ہیبت کی وجہ سے میں نے آج تک نگاہ اونچی کر کے ان کے چہرے کو بھی نہیں دیکھا لیکن آپ اگر اس پر ناراض ہیں تو مجھے حکم دیجئے ابھی اس کی گردن حاضر کرتا ہوں کسی اور کو اس کے قتل کا حکم نہ دیجئے ایسا نہ ہو کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو اپنی آنکھوں چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱

اے مسلمانو! تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے جو ایسا کریں وہ بڑے ہی زیاں کار ہیں ○ اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے ہماری راہ میں اس سے پہلے خرچ کرو کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے۔ تو کہنے لگے اے میرے پروردگار! مجھے تو تھوڑی سی دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا کہ میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں ○ جب کسی کی مدت عمر پوری ہو جائے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بخوبی باخبر ہے ○

مال و دولت کی خود سپردگی خرابی کی جڑ ہے: ☆☆ (آیت: ۹-۱۱) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بکثرت ذکر اللہ کیا کریں اور تنبیہ کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مال و اولاد کی محبت میں پھنس کر ذکر اللہ سے غافل ہو جاؤ۔ پھر فرماتا ہے کہ جو ذکر الٰہی سے غافل ہو جائے اور دنیا کی زینت پر ریجھ جائے اپنے رب کی اطاعت میں سست پڑ جائے وہ اپنا نقصان آپ کرنے والا ہے۔ پھر اپنی اطاعت میں مال خرچ کرنے کا حکم دے رہا ہے کہ اپنی موت سے پہلے خرچ کر لو موت کے وقت کی بے کسی دیکھ کر نادم ہونا اور امیدیں باندھنا کچھ نفع نہ دے گا۔ اس وقت چاہے گا کہ تھوڑی سی دیر کے لئے بھی اگر چھوڑ دیا جائے تو جو کچھ نیک عمل ہو سکے کر لے اور اپنا مال بھی دل کھول کر راہ اللہ دے لے لیکن آہ! اب وقت کہاں آنے والی مصیبت آن پڑی اور نہ ٹلنے والی آفت سر پر کھڑی ہو گئی۔ ایک اور جگہ فرمان ہے وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ یعنی لوگوں کو ہوشیار کر دے جس دن ان کے پاس عذاب آئے گا تو یہ ظالم کہنے لگیں گے اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی سی

سی مہلت مل جائے تا کہ ہم تیری دعوت قبول کرلیں اور تیرے رسولوں کی اتباع کریں۔

موت کے وقت خواہش اعمال: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) اس آیت میں تو کافروں کی مذمت کا ذکر ہے دوسری آیت میں نیک عمل میں کمی کرنے والوں کے افسوس کا بیان اس طرح ہوا ہے حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ یعنی جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے میرے رب! مجھے لوٹا دے تو میں نیک اعمال کرلوں۔ یہاں فرماتا ہے موت کا وقت آگے پیچھے نہیں ہوتا' اللہ خود خبر رکھنے والا ہے کہ کون اپنے قول میں صادق ہے اور اپنے سوال میں حق بجانب ہے۔ یہ لوگ تو اگر لوٹائے جائیں تو پھر ان باتوں کو بھول جائیں گے اور وہی کچھ کرنے لگ جائیں گے جو اس سے پہلے کرتے رہے۔ ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہر وہ شخص جو مالدار ہو اور اس نے حج نہ کیا ہو یا زکوٰۃ نہ دی ہو وہ موت کے وقت دنیا میں واپس لوٹنے کی آرزو کرتا ہے۔ ایک شخص نے کہا حضرت اللہ کا خوف کیجئے واپسی کی آرزو تو کافر کرتے ہیں' آپ نے فرمایا جلدی کیوں کرتے ہو؟ سنو قرآن فرماتا ہے پھر آپ نے یہ پورا رکوع تلاوت کر سنایا' اس نے پوچھا زکوٰۃ کتنے میں واجب ہے' فرمایا دوسو اور زیادہ میں۔ پوچھا حج کب فرض ہو جاتا ہے فرمایا جب راہ خرچ اور سواری خرچ کی طاقت ہو۔ ایک مرفوع روایت بھی اسی طرح مروی ہے لیکن موقوف ہی زیادہ صحیح ہے۔ ضحاک کی روایت ابن عباسؓ والی بھی منقطع ہے۔ دوسری سند میں ایک راوی ابو جناب کلبی ہے وہ بھی ضعیف ہے' واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ کے سامنے صحابہ نے زیادتی عمر کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا جب اجل آ جائے پھر مؤخر نہیں ہوتی' زیادتی عمر صرف اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نیک صالح اولاد دے جو اس کے لئے اس کے مرنے کے بعد دعا کرتی رہے اور وہ دعا اسے اس کی قبر میں پہنچتی رہے۔ اللہ کے فضل و کرم اور لطف و رحم سے سورۂ منافقون کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ۔

تفسیر سورة التغابن

(تفسیر سورۂ تغابن) ابن عساکر کی ایک بہت ہی غریب بلکہ منکر حدیث میں ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے سر کے جوڑوں میں سورۂ تغابن کی پانچ آیتیں لکھی ہوتی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾

سچے معبود رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع

آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے' اسی کی سلطنت ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر ہر چیز پر قادر ہے ○ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے سو تم میں سے بعض تو کافر ہیں اور بعض ایمان دار ہیں' جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے ○ اسی نے آسمانوں کو اور زمین کو عدل وحکمت سے پیدا کیا' اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ○ وہ آسمان وزمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو وہ سب کو جانتا ہے' اللہ تو دلوں کی باتوں تک کو جاننے والا ہے ○

(آیت:۱-۴) مسبحات کی سورتوں میں سب سے آخری سورت یہی ہے' مخلوقات کی تسبیح الٰہی کا بیان کئی دفعہ ہو چکا ہے' ملک وحمد والا اللہ ہی ہے' ہر چیز پر اس کی حکومت کام میں اور ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے میں وہ سزاوار تعریف' جس چیز کا ارادہ کرے اس کو پورا کرنے کی قدرت' نہ کوئی اس کا مزاحم بن سکے نہ اسے کوئی روک سکے' وہ اگر نہ چاہے تو کچھ بھی نہ ہو' وہی تمام مخلوق کا خالق ہے' اس کے ارادے سے بعض انسان کافر ہوئے بعض مومن۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق ضلالت کون ہے؟ وہ اپنے بندوں کے اعمال پر شاہد ہے اور ہر ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا' اس نے عدل وحکمت کے ساتھ آسمان وزمین کی پیدائش کی ہے' اسی نے تمہیں پاکیزہ اور خوبصورت شکلیں دے رکھی ہیں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یَآ اَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ الخ' اے انسان! تجھے تیرے رب کریم سے کس چیز نے غافل کر دیا' اسی نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا اور جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دی۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا الخ' اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرارگاہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں بہترین صورتیں دیں اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو عنایت فرمائیں' آخر سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے' آسمان وزمین اور ہر نفس اور کل کائنات کا علم اسے حاصل ہے یہاں تک کہ دل کے ارادوں اور پوشیدہ باتوں سے بھی وہ واقف ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

کیا تمہارے پاس اس سے پہلے کے کافروں کی خبر نہیں پہنچی؟ جنہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا اور جن کے لئے دردناک عذاب ہے ○ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے رسول معجزے لے کر آئے تو انہوں نے کہہ دیا کہ کیا انسان رہنمائی کرے گا؟ پس انکار کر دیا اور منہ پھیر لیا' اللہ نے بھی بے نیازی کی اور اللہ تو ہے ہی بہت بے پرواہ سب خوبیوں والا ○

سابقہ واقعات سے سبق لو: ☆☆ (آیت:۵-۶) یہاں اگلے کافروں کے کفر کا اور ان کی بری سزا اور بدترین بدلے کا ذکر ہو رہا ہے کہ کیا تمہیں تم سے پہلے منکروں کا حال معلوم نہیں کہ رسولوں کی مخالفت اور حق کی تکذیب کیا رنگ لائی؟ دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے' یہاں بھی اپنے بدافعال کا خمیازہ بھگتا اور وہاں کا بھگتان ابھی باقی پڑا ہے جو نہایت الم انگیز ہے۔ اس کی وجہ بجز ازیں کچھ بھی نہیں کہ دلائل وبراہین اور روشن نشان کے ساتھ جو انبیاء الٰہی ان کے پاس آئے انہوں نے انہیں نہ مانا اور اپنے نزدیک اسے محال جانا کہ انسان پیغمبر ہو اور انہی جیسے

ایک آدم زاد کے ہاتھ پر انہیں ہدایت دی جائے۔ پس انکار کر بیٹھے اور عمل چھوڑ دیا' اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے بے پرواہی برتی وہ تو غنی ہے ہی اور ساتھ ہی سزاوار حمد وثنا بھی۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ؀ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ؀ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ؀

ان کافروں کا خیال ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کئے جائیں گے' تو کہہ دے کہ ہاں اللہ کی قسم تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر دیئے جاؤ گے' اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے ○ سو تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جسے ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ' اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل پر باخبر ہے ○ جس دن تم سب کو اس جمع ہونے کے دن جمع کرے گا وہی دن ہے ہار جیت کا' جو شخص اللہ پر ایمان لا کر نیک عمل کرے اللہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دے گا اور اسے جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○

منکرین قیامت مشرکین وملحدین : ☆☆ (آیت: ۷-۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار مشرکین وملحدین کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد نہیں اٹھیں گے' تم اے نبی! ان سے کہہ دو کہ ہاں اٹھو گے' پھر تمہارے تمام چھوٹے بڑے چھپے کھلے اعمال کا اظہار تم پر کیا جائے گا' سنو تمہارا دوبارہ پیدا کرنا تمہیں بدلے دینا وغیرہ تمام کام خدا تعالیٰ پر بالکل آسان ہیں۔ یہ تیسری آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ سلم کو قسم کھا کر قیامت کی حقانیت کے بیان کرنے کو فرمایا ہے۔ پہلی آیت تو سورۂ یونس میں ہے وَيَسْتَنْۢبِــُٔـوْنَكَ اَحَقٌّ ھُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ڕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ یعنی یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ حق ہے؟ تو کہہ میرے رب کی قسم! وہ حق ہے اور تم خدا کو ہرا نہیں سکتے۔ دوسری آیت سورۂ سبا میں ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ کافر کہتے ہیں ہم پر قیامت نہ آئے گی تو کہہ دے کہ ہاں میرے رب کی قسم! یقیناً اور بالضرور آئے گی اور تیسری آیت یہ ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ پر' رسول اللہ پر' نور منزل یعنی قرآن کریم پر ایمان لاؤ' تمہارا کوئی خفیہ عمل بھی اللہ تعالیٰ پر پوشیدہ نہیں۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تم سب کو جمع کرے گا اور اسی لئے اس کا نام یوم الجمع ہے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ یہ لوگوں کے جمع کئے جانے اور ان کے حاضر باش ہونے کا دن ہے۔ ایک اور جگہ ہے قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ ڏ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ یعنی قیامت والے دن تمام اولین اور آخرین جمع کئے جائیں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یوم التغابن قیامت کا ایک نام ہے' اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اہل جنت اہل دوزخ کو نقصان میں ڈالیں گے۔

حضرت ماجدہ فرماتے ہیں اس سے زیادہ تغابن کیا ہوگا کہ ان کے سامنے انہیں جنت میں اور ان کے سامنے انہیں جہنم میں لے جائیں' گویا اسی کی تفسیر کے بعد والی آیت میں ہے کہ ایماندار نیک اعمال کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور بہتی نہروں والی ہمیشگی کی جنت میں اسے داخل کیا جائے گا اور پوری کامیابی کو پہنچ جائے گا اور کفر و تکذیب کرنے والے جہنم کی آگ میں جائیں گے' جہاں پڑے جلتے جھلستے رہیں گے' بھلا اس سے برا ٹھکانا اور کیا ہوسکتا ہے؟

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۰ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۱ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۲ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۳

اور جن لوگوں نے نہ مانا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ سب جہنمی ہیں جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے وہ بہت بری جگہ ہے ○ پھر جانے کی۔کوئی مصیبت بغیر اللہ کی اجازت کے نہیں پہنچ سکتی' جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے' اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ لوگو! اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو' پس اگر اعراض کرو تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف صرف صاف پہنچا دینا ہے ○ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہئے ○

وہی مختار مطلق ہے' ناقابل تردید سچائی : ☆☆ (آیت :۱۱-۱۳) سورۂ حدید میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی اجازت اور اس کے حکم سے ہوتا ہے' اس کی قدر و مشیت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوسکتا' اب جس شخص کو کوئی تکلیف پہنچے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے مجھے یہ تکلیف پہنچی پھر صبر و سہار کرے اور اللہ کی مرضی پر ثابت قدم رہے اور ثواب کی اور بھلائی کی امید رکھے' رضا بہ قضا کے سوا لب نہ ہلائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کی رہبری کرتا ہے اور اسے بدلے کے طور پر ہدایت قلبی عطا فرماتا ہے' یقین صادق کی چمک وہ دل میں دیکھتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس مصیبت کا بدلہ یا اس سے بھی بہتر دنیا میں ہی عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے' اسے مصائب ڈھیلا نہیں کر سکتے' وہ جانتا ہے کہ جو پہنچا وہ خطا کرنے والا نہ تھا اور جو نہ پہنچا وہ ملنے والا ہی نہ تھا۔

آسان ترین افضل عمل: حضرت علقمہؒ کے سامنے یہ آیت پڑھی جاتی ہے اور آپ سے اس کا مطلب دریافت کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جو ہر مصیبت کے وقت اس بات کا عقیدہ رکھے کہ یہ منجانب اللہ ہے پھر راضی خوشی اسے برداشت کر لے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ وہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ لے۔ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ مومن پر تعجب ہے ہر ایک بات میں اس کے لئے بہتری ہوتی ہے' ضرر و نقصان پر صبر و سہار کر کے' نفع اور بھلائی پر شکر و احسان مندی کر کے بہتری سمیٹ لیتا ہے' یہ دو طرفہ بھلائی مومن کے سوا کسی اور کے حصے میں نہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا' اس کی تصدیق کرنا' اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس نے کہا حضرت میں کوئی آسان کام چاہتا ہوں آپ نے فرمایا جو فیصلہ قسمت کا تجھ پر جاری ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کا گلہ شکوہ نہ کر' اس کی رضا پر راضی رہ' یہ اس سے ہلکا امر ہے۔ پھر اپنی اور اپنے رسولؐ کی

اطاعت کا حکم دیتا ہے کہ امور شرعی میں ان اطاعتوں سے سرمو تجاوز نہ کرو جس کا حکم ملے بجالاؤ' جس سے روکا جائے رک جاؤ' اگر تم اس کے ماننے سے اعراض کرتے تو ہمارے رسول پر کوئی بوجھ نہیں' ان کے ذمہ صرف تبلیغ تھی جو وہ کر چکے' اب عمل نہ کرنے کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی - پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد وصمد ہے' اس کے سوا کسی کی ذات کسی طرح کی عبادت کے لائق نہیں' یہ خبر معنی میں طلب کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید مانو' اخلاص کے ساتھ صرف اسی کی عبادتیں کرو' پھر فرماتا ہے چونکہ توکل اور بھروسے کے لائق بھی وہی ہے تم اسی پہ بھروسہ رکھو - جیسے اور جگہ ارشاد ہے رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا الخ' مشرق اور مغرب کا رب وہی ہے' معبود بھی وہی' اس کے سوا کوئی نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بنالے -

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾

اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمہارے دشمن ہیں خبردار ان سے ہوشیار رہنا اور اگر تم معاف کردو اور درگذر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○ تمہارے مال واولاد تو سراسر تمہاری آزمائش ہی ہے اور بہت بڑا اجر اللہ کے پاس ہے ○

اللہ کی یاد اور اولاد مال کی محبت: ☆☆ (آیت:۱۴-۱۵) ارشاد ہوتا ہے کہ بعض عورتیں اپنے مردوں کو اور بعض اولادیں اپنے ماں باپ کو یاد الٰہی اور نیک عمل سے روک دیتی ہیں جو درحقیقت دشمنی ہے' جس سے پہلے بھی تنبیہ ہو چکی ہے کہ ایسا نہ ہو تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں یاد اللہ سے غافل کردے' اگر ایسا ہو گیا تو تمہیں بڑا گھاٹا رہے گا' یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان سے ہوشیار رہو' اپنے دین کی نگہبانی ان کی ضروریات اور فرمائشات کے پورا کرنے پر مقدم رکھو' بیوی بچوں اور مال کی خاطر انسان قطع رحمی کر گزرتا ہے' اللہ کی نافرمانی پر تل جاتا ہے' ان کی محبت میں پھنس کر احکام اسلامی کو پس پشت ڈال دیتا ہے -

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں بعض اہل مکہ اسلام قبول کر چکے تھے مگر زن و فرزند کی محبت نے انہیں ہجرت سے روک دیا پھر جب اسلام کا خوب افشا ہو گیا تب یہ لوگ حاضر حضورؐ ہوئے دیکھا کہ ان سے پہلے کے مہاجرین نے بہت کچھ علم دین حاصل کرلیا ہے' اب جی میں آیا کہ اپنے بال بچوں کو سزادیں جس پر یہ فرمان ہوا کہ اِنْ تَعْفُوْا الخ یعنی اب درگذر کرو' آئندہ کے لئے ہوشیار رہو' اللہ تعالیٰ مال و اولاد دے کر انسان کو پرکھ لیتا ہے کہ معصیت میں مبتلا ہونے والے کون ہیں؟ اور اطاعت گذار کون ہیں؟ اللہ کے پاس جو اجر عظیم ہے تمہیں چاہئے اس پر نگاہیں رکھو - جیسے اور جگہ فرمان ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ الخ' یعنی بطور آزمائش کے لوگوں کے لئے دنیوی خواہشات یعنی بیویوں اور اولاد اور سونے چاندی کے بڑے بڑے لگے ہوئے ڈھیر اور شائستہ گھوڑوں اور مویشی اور کھیتی کی محبت کو زینت دی گئی ہے مگر یہ سب دنیا کی چندروزہ زندگی کا سامان ہے اور ہمیشگی والا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے -

اولاد ایک فتنہ بھی: ☆☆ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما لانبے لانبے کرتے پہنے آ گئے' دونوں بچے کرتوں میں الجھ الجھ کر گرتے پڑتے آ رہے تھے' یہ کرتے سرخ رنگ کے تھے -

حضورؐ کی نظریں جب ان پر پڑیں تو منبر سے اتر کر انہیں اٹھا کر لائے اور اپنے سامنے بٹھا لیا پھر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ سچا ہے اور اس کے رسول نے بھی سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال و اولاد فتنہ ہیں' میں ان دونوں کو گرتے پڑتے آتے دیکھ کر صبر نہ کر سکا' آخر خطبہ چھوڑ کر انہیں اٹھانا پڑا۔ مسند میں ہے حضرت اشعث بن قیسؓ فرماتے ہیں کندہ قبیلے کے وفد میں میں بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا تمہاری کچھ اولاد بھی ہے' میں نے کہا ہاں اب آتے ہوئے ایک لڑکا ہوا ہے کاش کہ اس کے بجائے کوئی درندہ ہی ہوتا۔ آپ نے فرمایا خبردار! ایسا نہ کہو ان میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور انتقال کر جائیں تو اجر ہے' پھر فرمایا ہاں ہاں یہی بزدلی اور غم کا سبب بھی بن جاتے ہیں' یہ بزدلی اور غم و رنج بھی ہیں۔ بزار میں ہے اولاد دل کا پھل ہے اور یہ بخل و نامردی اور غمگینی کا باعث بھی ہے۔ طبرانی میں ہے تیرا دشمن صرف وہی نہیں جو تیرے مقابلہ میں کفر پر جم کر لڑائی کے لئے آیا کیونکہ اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو تیرے لئے باعث نور ہے اور اگر اس نے تجھے قتل کر دیا تو تو قطعاً جنتی ہو گیا۔ پھر فرمایا شاید تیرا دشمن تیرا بچہ ہے جو تیری پیٹھ سے نکلا پھر تجھ سے دشمنی کرنے لگا' تیرا پورا دشمن تیرا مال ہے جو تیری ملکیت میں ہے پھر دشمنی کرتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

ع ۸ ۱۶

پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے اور مانتے چلے جاؤ اور اللہ کی راہ میں خیرات کرتے رہو جو تمہارے لئے بہتر ہے اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے ○ اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے (یعنی اس کی راہ میں خرچ کرو گے) تو وہ اسے تمہارے لئے بڑھاتا جائے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا' اللہ بڑا قدر دان بڑا بردبار ہے ○ وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے' زبردست حکمت والا ہے ○

اللہ سے طاقت کے مطابق ڈرنا: ☆☆ (آیت: ۱۶-۱۸) پھر فرماتا ہے اپنے مقدور بھر اللہ کا خوف رکھو' اس کے عذابوں سے بچاؤ مہیا کرو۔ صحیحین میں ہے جو حکم میں کروں اسے اپنی مقدور بھر بجا لاؤ جس سے میں روک دوں رک جاؤ۔ بعض مفسرین کا فرمان ہے کہ سورۂ آل عمران کی آیت یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ کی ناسخ یہ آیت ہے یعنی پہلے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہئے لیکن اب فرما دیا کہ اپنی طاقت کے مطابق۔ چنانچہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلی آیت لوگوں پر بڑی بھاری پڑی تھی اس قدر لمبے قیام کرتے تھے کہ پیروں پر ورم آ جاتا تھا اور اتنے لمبے سجدے کرتے تھے کہ پیشانیاں زخمی ہو جاتی تھیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ دوسری آیت اتار کر تخفیف کر دی اور بھی بعض مفسرین نے یہی فرمایا ہے اور پہلی آیت کو منسوخ اور اس دوسری آیت کو ناسخ بتلایا ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کے فرمانبردار بن جاؤ' ان کے فرمان سے ایک انچ ادھر ادھر نہ ہٹو نہ آگے بڑھو نہ پیچھے سرکو' نہ امر کو چھوڑو نہ نہی کا خلاف کرو' جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے رشتہ داروں' فقیروں' مسکینوں کو اور حاجت مندوں کو دیتے رہو' اللہ نے تم پر احسان کیا' تم دوسری مخلوق پر احسان کرو تاکہ اس جہان میں بھی خدائی احسان کے مستحق بن جاؤ اور اگر یہ نہ کیا تو دونوں

جہان کی بربادی اپنے ہاتھوں آپ مول لو گے' وَمَنْ یُّوْقَ کی تفسیر سورۂ حشر کی آیت میں گزر چکی ہے۔ جب تم کوئی چیز راہ للہ دو گے اللہ اس کا بدلہ دے گا' ہر صدقے کی جزا عطا فرمائے گا' تمہارا مسکینوں کے ساتھ سلوک کرنا گویا خدا کو قرض دینا ہے۔

بخاری مسلم کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے جو ایسے کو قرض دے جو نہ تو ظالم ہے نہ مفلس نہ نادہندہ' پس فرماتا ہے وہ تمہیں بہت کچھ بڑھا چڑھا کر پھیر دے گا۔ جیسے سورۂ بقرہ میں بھی فرمایا ہے کہ کئی کئی گنا بڑھا کر دے گا' ساتھ ہی خیرات سے تمہارے گناہ معاف کر دے گا' اللہ بڑا قدردان ہے' تھوڑی سی نیکی کا بہت بڑا اجر دیتا ہے۔ وہ بردبار ہے' درگذر کرتا ہے' بخش دیتا ہے' گناہوں سے اور لغزشوں سے چشم پوشی کر لیتا ہے' خطاؤں اور برائیوں کو معاف فرما دیتا ہے' وہ چھپے کھلے کا عالم ہے' وہ غالب اور باحکمت ہے۔ ان اسماء حسنیٰ کی تفسیر کئی کئی مرتبہ اس سے پہلے گزر چکی ہے' اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور لطف و رحم سے۔ سورۂ تغابن کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمدللہ۔

تفسیر سورۃ الطلاق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝۱

شروع اللہ تعالیٰ مہربانی اور رحم کرنے والے کے نام سے ○

اے نبی! (اپنی امت سے کہو کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت میں انہیں طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو' تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی کر بیٹھیں' یہ ہیں اللہ کی مقرر کردہ حدیں' جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنا ہی برا کیا۔ کوئی نہیں جانتا شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے ○

طلاق کے مسائل: ☆☆ (آیت:۱) اولاً تو نبی ﷺ سے شرافت و کرامت کے طور پر خطاب کیا گیا پھر تبعاً آپ کی امت سے خطاب کیا گیا اور طلاق کے مسئلہ کو سمجھایا گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دی وہ اپنے میکے آ گئیں' اس پر یہ آیت اتری اور آپ سے فرمایا گیا کہ ان سے رجوع کر لو وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والی اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والی ہیں اور وہ یہاں بھی آپ کی بیوی ہیں اور جنت میں بھی آپ کی ازواج میں داخل ہیں۔ یہی روایت مرسلاً ابن جریر میں بھی اور سندوں سے بھی آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دی پھر رجوع کر لیا۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی صاحبہ کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ آنحضور ﷺ سے بیان کیا آپ ناراض ہوئے اور فرمایا اسے چاہیے کہ رجوع کر لے' پھر حیض سے پاک ہونے تک

روکے رکھے پھر دوسرا حیض آئے اور اس سے نہالیں پھر اگر جی چاہے تو طلاق دیں یعنی اسی پاکیزگی کی حالت میں بات چیت کرنے سے پہلے یہی وہ عدت ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں کے ساتھ مذکور ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ایمن نے جو عزہ کے مولیٰ ہیں حضرت ابوالزبیرؒ کے سنتے ہوئے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو آپ نے فرمایا سنو ابن عمرؓ! نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں طلاق دی تو حضور نے حکم دیا کہ اسے لوٹا لے چنانچہ ابن عمر نے رجوع کر لیا اور یہی حضورؐ نے فرمایا تھا اس سے پاک ہو جانے کے بعد اسے اختیار ہے خواہ طلاق دے خواہ بسا لے اور آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ فِیْ قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ (مسلم) دوسری روایت میں فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ یعنی طہر کی حالت میں جماع سے پہلے بہت سے بزرگوں نے یہی فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی حالت حیض میں طلاق نہ دو نہ اس طہر میں طلاق دو جس میں جماع ہو چکا ہو بلکہ اس وقت تک چھوڑ دے جب حیض آ جائے پھر اس سے نہا لے تب ایک طلاق دے۔

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں عدت سے مراد طہر ہے قرء سے مراد حیض ہے یا حمل کی حالت میں جب حمل ظاہر ہو جس طہر میں مجامعت کر چکا ہے اس میں طلاق نہ دے نہ معلوم حاملہ ہے یا نہیں یہیں سے باسمجھ علماء نے احکام طلاق لئے ہیں اور طلاق کی دو قسمیں کی ہیں طلاق سنت اور طلاق بدعت طلاق سنت تو یہ ہے کہ طہر کی یعنی پاکیزگی کی حالت میں جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دے یا حالت حمل میں طلاق دے اور بدعی طلاق یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق دے یا طہر میں دے لیکن مجامعت کر چکا ہو اور معلوم نہ ہو کہ حمل ہے یا نہیں؟ طلاق کی تیسری قسم بھی ہے جو نہ طلاق سنت ہے نہ طلاق بدعت اور وہ نابالغہ کی طلاق ہے اور اس عورت کی جسے حیض کے آنے سے ناامیدی ہو چکی ہو اور اس عورت کی جس سے دخول نہ ہوا ہو ان سب کے احکام اور تفصیلی بحث کی جگہ کتب فروع ہیں نہ کہ تفسیر۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عدت کی حفاظت کرو: ☆☆ پھر فرمان ہے عدت کی حفاظت کرو اس کی ابتداء انتہا کی دیکھ بھال رکھو ایسا نہ ہو کہ عدت کی لمبائی عورت کو دوسرا خاوند کرنے سے روک دے اور اس بارے میں اپنے معبود حقیقی پروردگار عالم سے ڈرتے رہو عدت کے زمانہ میں مطلقہ عورت کی رہائش کا مکان خاوند کے ذمہ ہے وہ اسے نکال نہ دے اور نہ خود اسے نکلنا جائز ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کے حق میں رکی ہوئی ہے فَاحِشَةٌ مُّبَیِّنَةٌ زنا کو بھی شامل ہے اور اسے بھی کہ عورت اپنے خاوند کو تنگ کرے اس کا خلاف کرے اور ایذا پہنچائے یا بدزبانی و کج خلقی شروع کر دے اور اپنے کاموں سے اور اپنی زبان سے سسرال والوں کو تکلیف پہنچائے تو ان صورتوں میں بیشک خاوند کو جائز ہے کہ اسے اپنے گھر سے نکال باہر کرے یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اس کی شریعت اور اس کے بتلائے ہوئے احکام ہیں۔ جو شخص ان پر عمل نہ کرے انہیں بے حرمتی کے ساتھ توڑ دے ان سے آگے بڑھ جائے وہ اپنا ہی برا کرنے والا اور اپنی جان پر ظلم ڈھانے والا ہے شاید کہ اللہ کوئی نئی بات پیدا کر دے اللہ کے ارادوں کو اور ہونے والی باتوں کو کوئی نہیں جان سکتا۔

عدت کا زمانہ مطلقہ عورت کو خاوند کے گھر گزارنے کا حکم دینا اس مصلحت سے ہے کہ ممکن ہے اس مدت میں اس کے خاوند کے خیالات بدل جائیں طلاق دینے پر نادم ہو دل میں لوٹا لینے کا خیال پیدا ہو جائے اور پھر رجوع کر کے دونوں میاں بیوی امن وامان سے گزارا کرنے لگیں نیا کام پیدا کرنے سے مراد بھی رجعت ہے۔ اسی بنا پر بعض سلف اور ان کے تابعین مثلاً حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا مذہب ہے کہ مبتوتہ یعنی وہ عورت جس کی طلاق کے بعد خاوند کو رجعت کا حق باقی نہ رہا ہو اس کے لئے عدت گزارنے کے زمانے تک مکان کا دینا

خاوند کے ذمہ نہیں' اسی طرح جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اسے بھی رہائشی مکان عدت تک کے لئے دینا اس کے وارثوں پر نہیں' ان کی اعتمادی دلیل حضرت فاطمہ بنت قیس فہر یہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ جب ان کے خاوند حضرت ابو عمر بن حفصؓ نے ان کو تیسری آخری طلاق دی اور وہ اس وقت یہاں موجود نہ تھے بلکہ یمن میں تھے اور وہیں سے طلاق دی تھی تو ان کے وکیل نے ان کے پاس تھوڑے سے جو بھیج دیئے تھے کہ یہ تمہاری خوراک ہے' یہ بہت ناراض ہوئیں اس نے کہا بگڑتی کیوں ہو؟ تمہارا نفقہ کھانا پینا ہمارے ذمہ نہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں آپ نے فرمایا ٹھیک ہے تیرا نفقہ اس پر نہیں۔ مسلم میں ہے نہ تیرے رہنے سہنے کا گھر اور ان سے فرمایا کہ تم ام شریک کے گھر اپنی عدت گزارو۔ پھر فرمایا وہاں تو میرے اکثر صحابہ جایا آیا کرتے ہیں تم عبداللہ ابن ام مکتوم کے ہاں اپنی عدت کا زمانہ گزارو' وہ ایک نابینا آدمی ہیں' تم وہاں آرام سے اپنے کپڑے بھی رکھ سکتی ہو۔

مسند احمد میں ہے کہ ان کے خاوند کو حضورؐ نے کسی جہاد پر بھیجا تھا انہوں نے وہیں سے انہیں طلاق بھیج دی' ان کے بھائی نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر سے چلی جاؤ' انہوں نے کہا نہیں جب تک عدت ختم نہ ہو جائے میرا کھانا پینا اور رہنا سہنا میرے خاوند کے ذمہ ہے' اس نے انکار کیا' آخر حضورؐ کے پاس یہ معاملہ پہنچا جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ آخری تیسری طلاق ہے تب آپ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا نان نفقہ گھر بار خاوند کے ذمہ اس صورت میں ہے کہ اسے حق رجعت حاصل ہو جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں' تم یہاں سے چلی جاؤ اور فلاں عورت کے گھر اپنی عدت گزارو پھر فرمایا وہاں تو صحابہؓ کی آمد و رفت ہے' تم ابن ام مکتومؓ کے گھر عدت کا زمانہ گزارو' وہ نابینا ہیں تمہیں دیکھ نہیں سکتے۔ طبرانی میں ہے یہ حضرت فاطمہ بنت قیس ضحاک بن قیس قرشی کی بہن تھیں ان کے خاوند مخزومی قبیلہ کے تھے طلاق کی خبر کے بعد ان کے نفقہ طلب کرنے پر ان کے خاوند کے اولیاء نے کہا تھا نہ تو تمہارے میاں نے کچھ بھیجا ہے نہ ہمیں دینے کو کہا ہے اور حضورؐ کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ جب عورت کو وہ طلاق مل جائے جس کے بعد وہ اپنے اگلے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے جب تک دوسرے سے نکاح اور پھر چھوٹ چھٹاؤ نہ ہو جائے تو اس صورت میں عدت کا نان نفقہ اور رہنے کا مکان اس کے خاوند کے ذمہ نہیں۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ڛ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝

پس جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں یا تو قاعدہ کے مطابق اپنے نکاح میں رہنے دو یا دستور کے مطابق انہیں الگ کر دو اور آپس میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ کر لو اور اللہ کی رضامندی کے لئے ٹھیک ٹھیک گواہی دو' یہی ہے وہ جس کی نصیحت اسے کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے ○ اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا' اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا' اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے ○

عائلی قانون :☆☆ (آیت:۲-۳) ارشاد ہوتا ہے کہ عدت والی عورتوں کی عدت جب پوری ہونے کے قریب پہنچ جائے تو ان کے خاوندوں کو چاہئے کہ دو باتوں میں سے ایک کر لیں یا تو انہیں بھلائی اور سلوک کے ساتھ اپنے ہی نکاح میں روک رکھیں یعنی طلاق جو دی تھی اس سے رجوع کر کے باقاعدہ اس کے ساتھ بود و باش رکھیں یا انہیں اور طلاق دے دیں لیکن برا بھلا کہے بغیر' گالی گلوچ دیئے بغیر' سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ بغیر' بھلائی اچھائی اور خوبصورتی کے ساتھ۔ (یہ یاد رہے کہ رجعت کا اختیار اس وقت ہے جب ایک طلاق ہوئی ہو یا دو ہوئی ہوں) پھر فرماتا ہے اگر رجعت کا ارادہ ہو اور رجعت کرو یعنی لوٹا لو تو اس پر دو عادل مسلمان گواہ رکھ لو۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے پھر اس سے جماع کرتا ہے نہ طلاق پر گواہ رکھتا ہے نہ رجعت پر تو آپ نے فرمایا اس نے خلاف سنت طلاق دی اور خلاف سنت رجوع کیا۔ طلاق پر بھی گواہ رکھنا چاہئے اور رجعت پر بھی' اب دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نکاح طلاق رجعت بغیر دو عادل گواہوں کے جائز نہیں جیسے فرمان خدا ہے ہاں مجبوری ہو تو اور بات ہے پھر فرماتا ہے گواہ مقرر کرنے کا اور سچی شہادت دینے کا حکم انہیں ہو رہا ہے جو اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہوں' خدا کی شریعت کے پابند اور عذاب آخرت سے ڈرنے والے ہوں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رجعت پر گواہ رکھنا واجب ہے گو آپ سے ایک دوسرا قول بھی مروی ہے اسی طرح نکاح پر گواہ رکھنا بھی آپ واجب بتلاتے ہیں ایک اور جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ اس مسئلہ کو ماننے والی علماء کرام کی جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ رجعت بغیر زبانی کہے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ گواہ رکھنا ضروری ہے اور جب تک زبان سے نہ کہے گواہ کیسے مقرر کئے جائیں گے پھر فرماتا ہے کہ جو شخص احکام خدا بجالائے اس کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کرے' اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخلصی پیدا کر دیتا ہے۔ ایک اور جگہ ہے کہ اس طرح رزق پہنچاتا ہے کہ اس کے خواب و خیال میں بھی نہ ہو۔

مسند احمد میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میرے سامنے رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا اے ابوذر! اگر تمام لوگ صرف اسے ہی لے لیں تو کافی ہے پھر آپ نے بار بار اس کی تلاوت شروع کی یہاں تک کہ مجھے اونگھ آنے لگی پھر آپ نے فرمایا ابوذر! تم کیا کرو گے جب تمہیں مدینہ سے نکال دیا جائے گا؟ جواب دیا کہ میں اور کشادگی اور رحمت کی طرف چلا جاؤں گا یعنی مکہ شریف کو' وہیں کا کبوتر بن کر رہ جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا پھر کیا کرو گے جب تمہیں وہاں سے بھی نکالا جائے؟ میں نے کہا شام کی پاک زمین میں چلا جاؤں گا فرمایا جب شام سے نکالا جائے گا تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا حضور خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ پیغمبر بنا کر بھیجا ہے پھر تو اپنی تلوار اپنے کندھے پر رکھ کر مقابلہ پر اتر آؤں گا آپ نے فرمایا کیا میں تجھے اس سے بہتر ترکیب بتلاؤں؟ میں نے کہا ہاں حضور ضرور ارشاد ہو۔ فرمایا سنتا رہ اور مانتا رہ اگرچہ حبشی غلام ہو۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں بہت ہی جامع آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ہے اور سب سے زیادہ کشادگی کا وعدہ اس آیت و من یتق اللہ الخ میں ہے مسند احمد میں فرمان رسول ہے کہ جو شخص بکثرت استغفار کرتا رہے اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے فراخی دے گا اور ایسی جگہ سے رزق پہنچائے گا جہاں کا اسے خیال و گمان تک نہ ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کے ہر کرب و بے چینی سے نجات دے گا۔ ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگوں پر جو کام بھاری ہو اس پر آسان ہو جائے گا۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو اللہ کے حکم کے مطابق طلاق دے گا اللہ اسے نکاسی اور نجات دے گا ابن مسعودؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ اگر چاہے دے اگر نہ چاہے نہ دے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں تمام امور کے شبہ سے اور موت کی تکلیف سے بچالے گا اور روزی ایسی جگہ سے دے گا جہاں کا گمان بھی نہ ہو۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں اللہ سے ڈرنے

کے یہ معنی ہیں کہ سنت کے مطابق طلاق دے اور سنت کے مطابق رجوع کرے۔ آپ فرماتے ہیں حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو کفار گرفتار کر کے لے گئے اور انہیں جیل خانہ میں ڈال دیا' ان کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر آتے اور اپنے بیٹے کی حالت اور حاجت' مصیبت اور تکلیف بیان کرتے رہتے' آپ انہیں صبر کرنے کی تلقین کرتے اور فرماتے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے چھٹکارے کی سبیل بنادے گا' تھوڑے دن گزرے ہوں گے جوان کے بیٹے دشمنوں میں سے نکل بھاگے' راستہ میں دشمنوں کا بکریوں کا ریوڑ مل گیا جسے اپنے ساتھ ہنکالائے اور بکریاں لئے ہوئے اپنے والد کی خدمت میں جا پہنچے' پس یہ آیت اتری کہ متقی بندوں کو خدا نجات دے دیتا ہے اور اس کا گمان بھی نہ ہو وہاں سے اسے روزی پہنچاتا ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ گناہ کی وجہ سے انسان اپنی روزی سے محروم ہو جاتا ہے' تقدیر کو لوٹانے والی چیز صرف دعا ہے' عمر میں زیادتی کرنے والی چیز صرف نیکی اور خوش سلوکی ہے۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ حضرت مالک بن اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لڑکے حضرت عوف رضی اللہ عنہ جب کافروں کی قید میں تھے تو حضورؐ نے فرمایا ان سے کہلوا دو کہ بکثرت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھتا رہے' ایک دن اچانک بیٹھے بیٹھے ان کی قید کھل گئی اور یہ وہاں سے نکل بھاگے اور ان لوگوں کی ایک اونٹنی ہاتھ لگ گئی جس پر سوار ہو لئے' راستے میں ان کے اونٹوں کے ریوڑ ملے انہیں بھی اپنے ساتھ ہنکالائے' وہ لوگ پیچھے دوڑے لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہ لگے' سیدھے اپنے گھر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی' باپ نے آواز سن کر فرمایا اللہ کی قسم یہ تو عوف ہے۔ ماں نے کہا ہائے وہ کہاں' وہ تو قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا ہوگا۔ اب دونوں ماں باپ اور خادم دروازے کی طرف دوڑے' کھولا تو ان کے لڑکے حضرت عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور تمام انگنائی اونٹوں سے بھری پڑی ہے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسے ہیں؟ انہوں نے واقعہ بیان فرمایا کہا اچھا ٹھہرو میں حضورؐ سے ان کی بابت مسئلہ دریافت کر آؤں۔ حضرتؐ نے فرمایا وہ سب تمہارا مال ہے جو چاہو کرو اور یہ آیت اتری کہ اللہ سے ڈرنے والوں کی مشکل خدا آسان کرتا ہے اور بے گمان روزی پہنچاتا ہے۔

جو اللہ کا اللہ اس کا: ☆☆ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے جو شخص ہر طرف سے کھنچ کر اللہ کا ہو جائے اللہ اس کی ہر مشکل میں اسے کفایت کرتا ہے اور بے گمان روزیاں دیتا ہے اور جو خدا سے ہٹ کر دنیا ہی کا ہو جائے اللہ بھی اسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضورؐ کے ساتھ آپ کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے جو آپ نے فرمایا بچے میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں' سنو تم اللہ کو یاد رکھو وہ تمہیں یاد رکھے گا' اللہ کے احکام کی حفاظت کرو تو اللہ کو اپنے پاس بلکہ اپنے سامنے پاؤ گے' جب کچھ مانگنا ہو اللہ ہی سے مانگو جب مدد طلب کرنی ہو اسی سے مدد چاہو کہ تمام امت مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے اور خدا کو منظور نہ ہو تو ذرا سا بھی نفع نہیں پہنچا سکتی اور اسی طرح سارے کے سارے جمع ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو بھی نہیں پہنچا سکتے اگر تقدیر میں نہ لکھا ہو تو' قلمیں اٹھ چکیں اور صحیفے خشک ہو گئے۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے جسے کوئی حاجت ہو اور وہ لوگوں کی طرف لے جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ سختی میں پڑ جائے اور کام مشکل ہو جائے اور جو اپنی حاجت اللہ کی طرف لے جائے' اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مراد پوری کرتا ہے یا تو جلدی اسی دنیا میں ہی یا دیر کے ساتھ موت کے بعد۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قضایا اور احکام جس طرح اور جیسے چاہے اپنی مخلوق میں پورے کرنے والا اور اچھی طرح جاری کرنے والا ہے۔ ہر چیز کا اس نے اندازہ مقرر کیا ہوا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ہر چیز اس کے پاس ایک اندازے

وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝

تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہوگئی ہوں' اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو اور حاملہ عورتوں کی مدت ان کے بچے کا پیدا ہو جانا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا ○ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ دور کر دے گا اور اسے بڑا بھاری اجر دے گا ○

مسائل عدت: ☆☆ (آیت:۵) جن بڑھیا عورتوں کے بوجہ اپنی بڑی عمر کے ایام بند ہو گئے ہوں ان کی عدت یہاں بتلائی جاتی ہے کہ تین مہینے کی عدت گزاریں جیسے کہ ایام والی عورتوں کی عدت تین حیض ہے' ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ کی آیت' اسی طرح وہ لڑکیاں جو اس عمر کو نہیں پہنچیں کہ انہیں کپڑے آئیں ان کی عدت بھی یہی تین مہینے رکھی' اگر تمہیں شک ہو۔ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ خون دیکھ لیں اور تمہیں شبہ گزرے کہ آیا حیض کا خون ہے یا استحاضہ کی بیماری کا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عدت کے حکم میں تمہیں شک باقی رہ جائے اور تم اسے نہ پہچان سکو تو تین مہینے یاد رکھ لو' یہ دوسرا قول ہی زیادہ ظاہر ہے' اس کی دلیل یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا تھا یا رسول اللہ! بہت سی عورتوں کی عدت ابھی بیان نہیں ہوئی' کمسن لڑکیاں' بوڑھی بڑی عورتیں اور حمل والی عورتیں' اس کے جواب میں یہ آیت اتری پھر حاملہ کی عدت بیان فرمائی کہ وضع حمل اس کی عدت ہے گو طلاق یا خاوند کی موت کے ذرا سی دیر بعد ہی ہو جائے' جیسے کہ اس آیہ کریمہ کے الفاظ ہیں اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے اور جمہور علماء سلف و خلف کا قول ہے' ہاں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت اور اس آیت کو ملا کر ان کا فتویٰ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو زیادہ دیر میں ختم ہو وہ عدت یہ گزارے یعنی اگر بچہ تین مہینے سے پہلے پیدا ہو گیا تو تین مہینے کی عدت ہے اور تین مہینے گزر چکے اور بچہ نہیں ہوا تو بچے کے ہونے تک عدت ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے اس نے سوال کیا کہ اس عورت کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جسے اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چالیسویں دن بچہ ہو جائے آپ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے آخری عدت اسے گزارنی پڑے گی یعنی اس صورت میں تین مہینے کی عدت اس پر ہے۔ ابو سلمہ نے کہا قرآن میں جو ہے کہ حمل والیوں کی عدت بچہ کا ہو جانا ہے' حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا یعنی میرا بھی یہی فتویٰ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسی وقت اپنے غلام کریب کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے یہ مسئلہ پوچھ آؤ' انہوں نے فرمایا سبیعہ اسلمیہؓ کے شوہر قتل کئے گئے اور یہ اس وقت امید سے تھیں' چالیس راتوں کے بعد بچہ ہو گیا اسی وقت نکاح کا پیغام آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر دیا' مانگا ڈالنے والوں میں حضرت ابو السنابل بھی تھے' یہ حدیث قدرے طوالت کے ساتھ اور

کتابوں میں بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عتبہؒ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہریؒ کو لکھا کہ وہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں' یہ گئے دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ تھے یہ بدری صحابی تھے' حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے' اس وقت یہ حمل سے تھیں' تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا' جب نفاس سے پاک ہوئیں تو اچھے کپڑے پہن کر بناؤ سنگھار کر کے بیٹھ گئیں' حضرت ابوالسنابل بن بعلک جب ان کے پاس آئے تو انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو' واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں۔ میں یہ سن کر چادر اوڑھ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا بچہ پیدا ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں' اب تمہیں اختیار ہے اگر چاہو اپنا نکاح کر لو (مسلم)

صحیح بخاری میں اس آیت کے تحت میں اس حدیث کے وارد کرنے کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت محمد بن سیرینؒ ایک مجلس میں تھے جہاں حضرت عبدالرحمٰن بن ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جن کی تعظیم و تکریم ان کے ساتھی بہت ہی کیا کرتے تھے' انہوں نے حاملہ کی عدت آخری دو عدتوں کی معیاد بتلائی' اس پر میں نے حضرت سبیعہؓ والی حدیث بیان کی اس پر میرے بعض ساتھی مجھے ٹھوکے لگانے لگے۔ میں نے کہا پھر تو میں نے بڑی جرأت کی اگر عبداللہ پر میں نے بہتان باندھا حالانکہ وہ کوفہ کے کونے میں زندہ موجود ہیں۔ پس وہ ذرا شرما گئے اور کہنے لگے لیکن ان کے چچا تو یہ نہیں کہتے۔ میں حضرت ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملا انہوں نے مجھے حضرت سبیعہ والی حدیث پوری سنائی' میں نے کہا تم نے اس بابت حضرت عبداللہ سے بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا یہ حضرت عبداللہ کہتے تھے' آپ نے فرمایا کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے؟ سورۂ نساء قصریٰ یعنی سورۃ الطلاق' سورۂ نساء طولیٰ کے بعد اتری ہے اور اس میں فرمان ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو ملاعنہ کرنا چاہے میں اس سے ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں یعنی میرے فتوے کے خلاف جس کا فتویٰ ہو میں تیار ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں آئے اور جھوٹے پر خدا کی لعنت کی دعا کرے' میرا فتویٰ یہ ہے کہ حمل والی کی عدت بچہ کا پیدا ہو جانا ہے' پہلے عام حکم تھا کہ جن عورتوں کے خاوند مر جائیں وہ چار مہینے دس دن عدت گزاریں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ حمل والیوں کی عدت بچے کا پیدا ہو جانا ہے' پس یہ عورتیں ان عورتوں میں سے مخصوص ہو گئیں' اب مسئلہ یہی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ حمل سے ہو تو جب حمل سے فارغ ہو جائے عدت سے نکل گئی۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کی عدت ان دونوں عدتوں میں سے جو آخری ہو وہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ حمل والیوں کی عدت جو وضع حمل ہے یہ تین طلاق والیوں کی عدت ہے یا فوت شدہ خاوند والیوں کی' آپ نے فرمایا دونوں کی' یہ حدیث بہت غریب ہے بلکہ منکر ہے اس لئے کہ اس کی اسناد میں مثنیٰ بن صباح ہے اور وہ بالکل متروک الحدیث ہے' لیکن اس کی دوسری سندیں بھی ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ متقیوں کے لئے ہر مشکل سے آسانی اور ہر تکلیف سے راحت عنایت فرما دیتا ہے' یہ اللہ کے احکام اور اس کی پاک شریعت ہے جو اپنے رسول کے واسطے سے تمہاری طرف اتار رہا ہے' اللہ سے ڈرنے والوں کو اور چیزوں کے ڈر سے اللہ تعالیٰ بچا لیتا ہے اور ان کے تھوڑے عمل پر بڑا اجر دیتا ہے۔

تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان طلاق والی عورتوں کو بھی بساؤ اور انہیں تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر یہ حمل سے ہوں تو جب تک بچہ پیدا ہو لے انہیں خرچ دیتے رہا کرو' پھر اگر تمہارے کہنے سے وہی دودھ پلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دے دو اور باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو اور اگر تم آپس میں کشمکش کرو تو اس کے کہنے سے کوئی اور دودھ پلائے گی۔ کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہئے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہئے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے حسب حیثیت دے' کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی وفراغت بھی کردے گا ○

طلاق کے بعد بھی سلوک کی ہدایت: ☆☆ (آیت:۶-۷) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے تو عدت کے گزر جانے تک اس کے رہنے سہنے کو اپنا مکان دے' یہ جگہ اپنی طاقت کے مطابق ہے' یہاں تک کہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اگر زیادہ وسعت نہ ہو تو اپنے ہی مکان کا ایک کونہ اسے دے دے' اسے تکلیفیں پہنچا کر اس قدر تنگ نہ کرو کہ وہ مکان چھوڑ کر چلی جائے یا تم سے چھوٹنے کے لئے اپنا حق مہر چھوڑ دے یا اس طرح کہ طلاق دی' دیکھا کہ دو ایک روز عدت کے رہ گئے ہیں رجوع کا اعلان کر دیا پھر طلاق دے دی اور عدت کے ختم ہونے کے قریب رجعت کرلی تا کہ نہ وہ بیچاری سہاگن رہے نہ رانڈ۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت حمل سے ہو تو بچہ ہونے تک اس کا نان نفقہ اس کے خاوند کے ذمہ ہے۔ اکثر علماء کا فرمان ہے کہ یہ خاص ان عورتوں کے لئے بیان ہو رہا ہے جنہیں آخری طلاق دے دی گئی ہو' جس سے رجوع کرنے کا حق ان کے خاوندوں کو نہ رہا ہو اس لئے کہ جن سے رجوع ہو سکتا ہے ان کی عدت تک کا خرچ تو خاوند کے ذمہ ہے ہی' وہ حمل سے ہوں تب بھی اور بے حمل ہوں تو بھی اور دوسرے حضرات علماء فرماتے ہیں یہ حکم بھی انہیں عورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن سے رجعت کا حق حاصل ہے کیونکہ اوپر بھی انہی کا بیان تھا' اسے الگ اس لئے بیان کر دیا کہ عموماً حمل کی مدت لمبی ہوتی ہے تو کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ عدت کے زمانے جتنا نفقہ تو ہمارے ذمہ ہے پھر نہیں' اس لئے صاف طور پر فرما دیا کہ رجعیت والی طلاق کے وقت اگر عورت حمل سے ہے تو جب تک بچہ نہ ہو اس کا کھلانا پلانا خاوند کے ذمہ ہے پھر اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ خرچ اس کے لئے حمل کے واسطے سے ہے یا حمل کے لئے ہے' امام شافعی وغیرہ سے دونوں قول مروی ہیں اور اس بنا پر بہت سے فروعی مسائل میں بھی اختلاف رونما ہوا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ جب یہ مطلقہ عورتیں حمل سے فارغ ہو جائیں تو اگر تمہاری اولاد کو وہ دودھ پلائیں تو تمہیں ان کی دودھ پلائی دینی چاہئے۔ ہاں عورت کو اختیار ہے خواہ دودھ پلائے یا نہ پلائے لیکن اول دفعہ کا دودھ اسے ضرور پلانا چاہئے گو پھر دودھ نہ پلائے کیونکہ عموماً بچہ کی

زندگی اس دودھ کے ساتھ وابستہ ہے تو اگر وہ بعد میں بھی دودھ پلاتی رہے تو ماں باپ کے درمیان جو اجرت طے ہو جائے وہ ادا کرنی چاہئے' تم میں آپس میں جو کام ہوں وہ بھلائی کے ساتھ باقاعدہ دستور کے مطابق ہونے چاہئیں' نہ یہ اس کے نقصان کے درپے رہے نہ وہ اسے ایذا پہنچانے کی کوشش کرے۔ جیسے سورۂ بقرہ میں فرمایا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ یعنی بچہ کے بارے میں نہ اس کی ماں کو ضرر پہنچایا جائے نہ اس کے باپ کو۔ پھر فرماتا ہے اگر آپس میں اختلاف بڑھ جائے مثلاً لڑکے کا باپ کم دینا چاہتا ہے جو اس کی ماں کو منظور نہیں یا ماں زائد مانگتی ہے جو باپ پر گراں ہے اور موافقت نہیں ہو سکتی' دونوں کسی بات پر رضامند نہیں ہوتے تو اختیار ہے کہ کسی اور دایہ کو دے دیں۔ ہاں جو اور دایہ کو دیا جانا منظور کیا جاتا ہے اگر اسی پر اس بچہ کی ماں رضامند ہو جائے تو زیادہ مستحق یہی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ بچے کا باپ یا ولی جو ہو اسے چاہئے کہ بچے پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے' تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق دے' طاقت سے بڑھ کر تکلیف کسی کو اللہ نہیں دیتا۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ کی بابت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ موٹا کپڑا پہنتے ہیں اور ہلکی غذا کھاتے ہیں آپ نے حکم دیا کہ انہیں ایک ہزار دینار بھجوا دو اور جس کے ہاتھ بھجوائے ان سے کہہ دیا کہ دیکھنا وہ ان دیناروں کو پا کر کیا کرتے ہیں؟ جب یہ اشرفیاں انہیں مل گئیں تو انہوں نے باریک کپڑے پہننے اور نہایت نفیس غذائیں کھانی شروع کر دیں' قاصد نے واپس آ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اللہ اس پر رحم کرے اس نے اس آیت پر عمل کیا کہ کشادگی والا اپنی کشادگی کے مطابق خرچ کرے اور تنگی و ترشی والا اپنی حالت کے موافق۔ طبرانی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص کے پاس دس دینار تھے اس نے ان میں سے ایک راہ اللہ صدقہ کیا' دوسرے کے پاس دس اوقیہ تھے' اس نے اس میں سے ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم خرچ کئے' تیسرے کے پاس سو اوقیہ تھے جس میں سے اس نے اللہ کے نام پر دس اوقیہ خرچ کئے تو یہ سب اجر میں اللہ کے نزدیک برابر ہیں' اس لئے کہ ہر ایک نے اپنے مال کا دسواں حصہ فی سبیل اللہ دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سچا وعدہ دیتا ہے کہ وہ تنگی کے بعد آسانی کر دے گا' جیسے اور جگہ فرمایا فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا تحقیق سختی کے ساتھ آسانی ہے۔

اللہ پر توکل کا نتیجہ: مسند احمد کی حدیث اس جگہ وارد کرنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگلے زمانہ میں ایک میاں بیوی تھے جو فقر و فاقہ سے اپنی زندگی گزار رہے تھے' پاس کچھ بھی نہ تھا' ایک مرتبہ یہ شخص سفر سے آیا اور سخت بھوکا تھا' بھوک کے مارے بے تاب تھا' آتے ہی اپنی بیوی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا ہاں آپ خوش ہو جایئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی ہمارے ہاں آ پہنچی ہے' اس نے کہا پھر لاؤ جو کچھ ہو دے دو' میں بہت بھوکا ہوں۔ بیوی نے کہا اور ذرا سی دیر صبر کر لو اللہ کی رحمت سے ہمیں بہت کچھ امید ہے' پھر جب کچھ دیر اور ہو گئی اس نے بے تاب ہو کر کہا جو کچھ تمہارے پاس ہے دیتی کیوں نہیں؟ مجھے تو بھوک سے سخت تکلیف ہو رہی ہے' بیوی نے کہا اتنی جلدی کیوں کرتے ہو؟ اب تنور کھولتی ہوں تھوڑی دیر گزرنے کے بعد جب بیوی نے دیکھا کہ یہ اب پھر تقاضہ کرنا چاہتے ہیں تو خود بخود کہنے لگیں اب اٹھ کر تنور کو دیکھتی ہوں' اٹھ کر جو دیکھتی ہیں تو قدرت الٰہی سے ان کے توکل کے بدلے وہ بکری کے پہلو کے گوشت سے بھرا ہوا ہے اور دیکھتی ہیں کہ گھر کی دونوں چکیاں از خود چل رہی ہیں اور برابر آٹا نکل رہا ہے۔ انہوں نے تنور میں سے سب گوشت نکال لیا اور چکیوں میں سے سارا آٹا اٹھا لیا اور جھاڑ دیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر وہ صرف آٹا لے لیتیں اور چکی نہ جھاڑتیں تو وہ قیامت تک چلتی رہتیں۔ اور روایت میں ہے کہ ایک شخص اپنے گھر پہنچا دیکھا کہ بھوک کے مارے گھر والوں کا برا حال ہے' آپ جنگل کی طرف نکل کھڑے ہوئے' یہاں ان کی نیک بخت بیوی صاحبہ نے جب دیکھا کہ میاں بھی پریشان حال ہیں اور یہ منظر دیکھ نہیں سکے اور چل دیئے' تو چکی کو ٹھیک ٹھاک کیا' تنور سلگایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگیں اے اللہ!

ہمیں روزی دے- دعا کر کے اٹھیں تو دیکھا کہ ہنڈیا گوشت سے پر ہے' تنور میں روٹیاں لگ رہی ہیں اور چکی سے برابر آٹا ابلا چلا آتا ہے- اتنے میں میاں بھی تشریف لائے پوچھا کہ میرے بعد تمہیں کچھ ملا؟ بیوی صاحبہ نے کہا ہاں ہمارے رب نے ہمیں بہت کچھ عطا فرما دیا' اس نے جا کر چکی کے دوسرے پاٹ کو اٹھالیا- جب حضورؐ سے یہ واقعہ بیان ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ اسے نہ اٹھاتا تو قیامت تک یہ چکی چلتی ہی رہتی-

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ عَتَتۡ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبۡنٰهَا حِسَابًا شَدِيۡدًا ۙ وَّعَذَّبۡنٰهَا عَذَابًا نُّكۡرًا ﴿۸﴾ فَذَاقَتۡ وَبَالَ اَمۡرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمۡرِهَا خُسۡرًا ﴿۹﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۛۚ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۛۚ قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكُمۡ ذِكۡرًا ﴿۱۰﴾

بہت سی بستی والوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی' ہم نے بھی ان سے سخت حساب کیا اور ان دیکھی آفت ان پر ڈال دی ○ پس انہوں نے اپنے کرتوت کا وبال چکھ لیا اور انجام کار ان کا خسارہ ہی ہوا' ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے پس اللہ سے ڈرو اے عقل مند ایمان والو! یقیناً اللہ نے تمہاری طرف نصیحت بھیج دی ہے ○

شریعت پر چلنا ہی --- روشنی کا انتخاب ہے: ☆☆ (آیت: ۸-۱۰) جو لوگ اللہ کے امر کا خلاف کریں' اس کے رسول کو نہ مانیں' اس کی شریعت پر نہ چلیں' انہیں ڈانٹا جا رہا ہے کہ دیکھو اگلے لوگوں میں سے بھی جو اس روش پر چلے وہ تباہ و برباد ہو گئے' جنہوں نے سرتابی سرکشی اور تکبر کیا' حکم الٰہی اور اتباع رسول سے بے پرواہی برتی' آخرش انہیں سخت حساب دینا پڑا اور اپنی بدکرداری کا مزہ چکھنا پڑا- انجام کار نقصان اٹھایا' اس وقت نادم ہونے لگے لیکن اب ندامت کس کام کی؟ پھر دنیا کے ان عذابوں سے ہی اگر پلا پاک ہو جاتا تو جب بھی ایک بات تھی' نہیں پھر ان کے لئے آخرت میں بھی سخت تر عذاب اور بے پناہ مار ہے' اب اے سوچ سمجھ والو! تمہیں چاہئے کہ ان جیسے نہ بنو اور ان کے انجام سے عبرت حاصل کرو- اے عقلمند ایماندارو! اللہ نے تمہاری طرف قرآن کریم نازل فرما دیا ہے' ذکر سے مراد قرآن ہے جیسے اور جگہ فرمایا اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ الخ' ہم نے اس قرآن کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں' اور بعضوں نے کہا ہے ذکر سے مراد یہاں رسول ہے چنانچہ ساتھ ہی فرمایا ہے رَسُوۡلًا تو یہ بدل اشتمال ہے' چونکہ قرآن کے پہنچانے والے رسول اللہ ﷺ ہی ہیں تو اس مناسبت سے آپ کو لفظ ذکر سے یاد کیا گیا- حضرت امام ابن جریرؒ بھی اسی مطلب کو درست بتلاتے ہیں پھر رسول کی حالت بیان فرمائی کہ وہ خدا کی واضح اور روشن آیتیں پڑھ سناتے ہیں تاکہ مسلمان اندھیروں سے نکل آئیں اور روشنیوں میں پہنچ جائیں- جیسے اور جگہ ہے كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ الخ' اس کتاب کو ہم نے تجھے دیا ہے تاکہ تو لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی میں لائے- ایک اور جگہ ارشاد ہے اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا الخ' اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے وہ انہیں اندھیروں سے اجالے کی طرف لاتا ہے یعنی کفر و جہالت سے ایمان و علم کی طرف- چنانچہ اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ وحی کو نور فرمایا ہے کیونکہ اس سے ہدایت اور راہ راست حاصل ہوتی ہے اور اسی کا نام روح بھی رکھا ہے کیونکہ اس سے دلوں کو زندگی ملتی ہے' چنانچہ ارشاد باری ہے وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰـكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ سورۂ شوریٰ: ۵۲ یعنی ہم نے اسی طرح تیری طرف اپنے حکم سے روح کی وحی کی' تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے

نور کر دیا جس کے ساتھ ہم اپنے جس بندے کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں یقیناً تو صحیح اور سچی راہ کی رہبری کرتا ہے۔ پھر ایمانداروں اور نیک اعمال والوں کا بدلہ بہتی نہروں والی ہمیشگی کی جنت بیان ہوا ہے جس کی تفسیر بارہا گزر چکی ہے۔

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

یعنی رسول جو تمہیں اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ سناتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں وہ تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ○ بے شک اللہ نے اسے بہترین روزی دے دی ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔ اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو باعتبار علم گھیر رکھا ہے ○

حیرت افزا شان ذوالجلال: ☆☆ (آیت: ۱۲) اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور اپنی عظیم الشان سلطنت کا ذکر فرماتا ہے تاکہ مخلوق اس کی عظمت و عزت کا خیال کر کے اس کے فرمان کو قدر کی نگاہ سے دیکھے اور اس پر عامل بن کر اسے خوش کرے تو فرمایا کہ ساتوں آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ پاک نے ساتوں آسمان کو کس طرح اوپر تلے پیدا کیا ہے؟ اور جگہ ارشاد ہے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ یعنی ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے سب اس خدا کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اسی کے مثال زمینیں ہیں جیسے کہ صحیحین کی صحیح حدیث میں ہے جو شخص ظلم کر کے کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے لے گا اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ صحیح بخاری میں ہے اسے ساتویں زمین تک دھنسایا جائے گا' میں نے اس کی تمام سندیں اور کل الفاظ ابتدا اور انتہا میں زمین کی پیدائش کے ذکر میں بیان کر دیئے ہیں فالحمد للہ۔ جن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہفت اقلیم ہے انہوں نے بے فائدہ دوڑ بھاگ کی ہے اور اختلاف بے جا میں پھنس گئے ہیں اور بلا دلیل قرآن و حدیث کا صریح خلاف کیا ہے۔ سورۂ حدید میں آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ الخ' کی تفسیر میں ساتوں زمینوں کا اور ان کے درمیان کی دوری کا اور ان کی موٹائی کا جو پانچ سو سال کی ہے پورا بیان ہو چکا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں بھی ہے کہ ساتوں آسمانوں اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے کسی لمبے چوڑے بہت بڑے چٹیل میدان میں ایک چھلا پڑا ہو۔

ابن جریرؒ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر میں اس کی تفسیر تمہارے سامنے بیان کروں تو اسے نہ مانو گے اور نہ ماننا جھوٹا جاننا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی شخص نے اس آیت کا مطلب پوچھا تھا اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ میں کیسے باور کر لوں کہ جو میں تجھے بتلاؤں گا تو اس کا انکار کرے گا؟ ایک اور روایت میں مروی ہے کہ ہر زمین میں مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اور اس زمین کی مخلوق کے ہے اور ابن مثنیٰ والی اس روایت میں آیا ہے ہر آسمان میں مثل ابراہیمؑ کے ہے۔ بیہقی کی کتاب اَلْاَسْمَاءُ وَالصِّفَات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ساتوں زمینوں میں سے ہر ایک میں نبی ہے مثل تمہارے نبی کے اور آدم ہیں مثل آدم کے اور نوح ہیں مثل نوحؑ کے اور ابراہیمؑ ہیں مثل ابراہیمؑ کے اور عیسیٰؑ ہیں مثل عیسیٰؑ کے۔ پھر امام بیہقیؒ نے ایک اور روایت بھی ابن عباسؓ کی وارد کی ہے اور فرمایا ہے اس کی اسناد صحیح ہے لیکن یہ بالکل شاذ ہے ابوالضحیٰ جو اس کے ایک راوی ہیں میرے علم میں تو ان کی متابعت کوئی نہیں کرتا' واللہ اعلم۔

مخلوق خدا میں غور و خوض: ☆☆ ایک مرسل اور بہت ہی منکر روایت ابن ابی الدنیا لائے ہیں جس میں مروی ہے کہ حضورؐ ایک مرتبہ صحابہؓ کے مجمع میں تشریف لائے دیکھا کہ سب کسی غور و فکر میں چپ چاپ ہیں' پوچھا کیا بات ہے؟ جواب ملا اللہ کی مخلوق کے بارے میں سوچ رہے ہیں' فرمایا ٹھیک ہے مخلوقات پر نظریں دوڑاؤ لیکن کہیں خدا کی بابت غور و خوض میں نہ پڑ جانا' سنو اس مغرب کی طرف ایک سفید زمین ہے اس کی سفیدی اس کا نور ہے یا فرمایا اس کا نور اس کی سفیدی ہے' سورج کا راستہ چالیس دن کا ہے' وہاں اللہ کی ایک مخلوق ہے جس نے ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی کبھی اس کی نافرمانی نہیں کی' صحابہؓ نے کہا پھر شیطان ان سے کہاں ہے؟ فرمایا انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ شیطان پیدا بھی کیا گیا ہے یا نہیں؟ پوچھا کیا وہ بھی انسان ہیں؟ فرمایا انہیں حضرت آدم کی پیدائش کا بھی علم نہیں' الحمد للہ سورۂ طلاق کی تفسیر بھی پوری ہوئی۔

تفسیر سورة التحريم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱﴾ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۖ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۳﴾

بہ نام اللہ رحمٰن و رحیم

اے نبی! جس چیز کو اللہ نے تیرے لئے حلال کر دیا ہے اسے تو کیوں حرام کرتا ہے کیا تو اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے

والا ہے ○ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قسموں کو کھول ڈالنا مقرر کر دیا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی پورے علم والا اور کامل حکمت والا ہے ○ اور یاد کر جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کہی' پس جب اس نے اس بات کی خبر کر دی اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبیؐ نے تھوڑی سی بات تو بتا دی اور تھوڑی سی ٹال گئے' جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات جتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس نے کی' کہا سب کچھ جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلایا ○

خلت وحرمت اللہ کے قبضے میں: ☆☆ (آیت:۱-۳) اس سورت کی ابتدائی آیتوں کے شان نزول میں مفسرین کے اقوال یہ ہیں (۱) بعض تو کہتے ہیں یہ حضرت ماریہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے انہیں حضورؐ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھی جس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ نسائی میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے کہنے سننے سے ایسا ہوا تھا کہ ایک لونڈی کی نسبت آپ نے یہ فرمایا تھا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ابن جریر میں ہے کہ ام ابراہیمؓ کے ساتھ آپ نے اپنی کسی بیوی صاحبہ کے گھر میں بات چیت کی جس پر انہوں نے کہا یارسول اللہ! میرے گھر میں اور میرے بستر پر؟ چنانچہ آپ نے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا تو انہوں نے کہا یارسول اللہ! حلال آپ پر حرام کیسے ہو جائے گا؟ تو آپ نے قسم کھائی کہ اب ان سے اس قسم کی بات چیت نہ کروں گا' اس پر یہ آیت اتری۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کسی کا یہ کہہ دینا کہ تو مجھ پر حرام ہے لغو اور فضول ہے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تو مجھ پر حرام ہے' اللہ کی قسم میں تجھ سے صحبت داری نہ کروں گا۔ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں پس حرام کرنے کے باب میں تو آپ پر عتاب کیا گیا اور قسم کے کفارے کا حکم ہوا۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ یہ دونوں عورتیں کون تھیں؟ فرمایا عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما۔ اور ابتدائے قصہ ام ابراہیم قبطیہ کے بارے میں ہوئی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان کی باری والے دن حضورؐ ان سے ملے تھے۔ جس پر حضرت حفصہؓ کو رنج ہوا کہ میری باری کے دن میرے گھر اور میرے بستر پر؟ حضورؐ نے انہیں رضامند کرنے اور منانے کے لئے کہہ دیا کہ میں اسے اپنے اوپر حرام کرتا ہوں' اب تم اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کرنا لیکن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے واقعہ کہہ دیا۔ اللہ نے اس کی اطلاع اپنے نبی کو دے دی اور یہ کل آیتیں نازل فرمائیں۔ آپ نے کفارہ دے کر اپنی قسم توڑ دی اور اس لونڈی سے ملے جلے۔

بیوی یا لونڈی کو حرام کہنے پر کفارہ: اسی واقعہ کو دلیل بنا کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے کہ جو کہے فلاں چیز مجھ پر حرام ہے اسے قسم کا کفارہ دینا چاہئے۔ ایک شخص نے آپ سے یہی مسئلہ پوچھا کہ میں اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں تو آپ نے فرمایا وہ تجھ پر حرام نہیں' کفارہ سب سے زیادہ سخت تو راہ للہ غلام آزاد کرنا ہے۔ امام احمد اور بہت سے فقہاء کا فتویٰ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی یا لونڈی یا کسی کھانے پینے پہننے اوڑھنے کی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو اس پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں صرف بیوی اور لونڈی کے حرام کرنے پر کفارہ ہے کسی اور پر نہیں اور اگر حرام کہنے سے نیت طلاق کی رکھی تو بیشک طلاق ہو جائے گی' اسی طرح لونڈی کے بارے میں اگر آزادگی کی نیت حرام کا لفظ کہنے سے رکھی ہے تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ (۲) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت اس عورت کے باب میں نازل ہوئی ہے جس نے اپنا نفس آنحضرت ﷺ کو ہبہ کیا تھا لیکن یہ غریب ہے' بالکل صحیح بات یہ ہے کہ ان آیتوں کا اترنا آپ کے شہد حرام کر لینے پر تھا۔ (۳) صحیح بخاری میں اس آیت کے موقع پر کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر رسول اللہ ﷺ شہد پیتے تھے اور اس کی خاطر ذرا سی دیر وہاں ٹھہرتے بھی تھے' اس پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس

کے ہاں حضورؐ آئیں وہ کہے کہ یا رسول اللہ! آج تو آپ کے منہ سے گوند کی سی بدبو آتی ہے شاید آپ نے مغافیر کھایا ہوگا چنانچہ ہم نے یہی کیا' آپ نے فرمایا نہیں میں نے تو زینب کے گھر شہد پیا ہے' اب قسم کھاتا ہوں کہ نہ پیوں گا' یہ کسی سے کہنا مت۔ امام بخاری اس حدیث کو کتاب الایمان والنذور میں بھی کچھ زیادتی کے ساتھ لائے ہیں جس میں ہے کہ دونوں عورتوں سے یہاں مراد عائشہ اور حفصہ ہیں (رضی اللہ عنہما) اور چپکے سے بات کہنا یہی تھا کہ میں نے شہد پیا ہے' کتاب الطلاق میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو لائے ہیں۔ پھر فرمایا ہے مغافیر گوند کے مشابہ ایک چیز ہے جو شور گھاس میں پیدا ہوتی ہے' اس میں قدرے مٹھاس ہوتی ہے۔

نبیؐ کی بیویوں کا آپس میں خفیہ مشورہ: ☆☆ صحیح بخاری شریف کی کتاب الطلاق میں یہ حدیث حضرت عائشہ سے ان الفاظ میں مروی ہے کہ حضورؐ کو مٹھاس اور شہد بہت پسند تھا عصر کی نماز کے بعد اپنی بیویوں کے گھر آتے اور کسی سے نزدیکی کرتے' ایک مرتبہ آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گئے اور جتنا وہاں رکتے تھے اس سے زیادہ رکے' مجھے غیرت سوار ہوئی' تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان کی قوم کی ایک عورت نے ایک کپی شہد کی انہیں بطور ہدیہ کے بھیجی ہے انہوں نے حضورؐ کو شہد کا شربت پلایا اور اتنی دیر روک رکھا' میں نے کہا خیر اسے کسی حیلے سے ٹال دوں گی چنانچہ میں نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ سے کہا کہ تمہارے پاس جب حضورؐ آئیں اور قریب ہوں تو تم کہنا کہ آج کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے' آپ فرمائیں گے نہیں' تم کہنا پھر یہ بدبو کیسی آتی ہے؟ آپ فرمائیں گے مجھے حفصہؓ نے شہد پلایا تھا تو تم کہنا کہ شاید شہد کی مکھی نے عرفط نامی خاردار درخت چوسا ہوگا' میرے پاس آئیں گے میں بھی یہی کہوں گی' پھر اے صفیہ! تمہارے پاس جب آئیں تو تم بھی یہی کہنا' حضرت سودہؓ فرماتی ہیں جب حضورؐ میرے گھر آئے ابھی تو دروازے ہی پر تھے جو میں نے ارادہ کیا کہ تم نے جو مجھ سے کہا میں آپ سے کہہ دوں کیونکہ میں تم سے بہت ڈرتی تھی لیکن خیر اس وقت تو خاموش رہی جب آپ میرے پاس آئے میں نے تمہارا تمام کہنا پورا کر دیا پھر حضرت میرے پاس آئے میں نے بھی یہی کہا' پھر حضرت صفیہؓ کے پاس گئے انہوں نے بھی یہی کہا' پھر جب حضرت حفصہؓ کے پاس گئے تو حضرت حفصہؓ نے شہد کا شربت پلانا چاہا آپ نے فرمایا مجھے اس کی حاجت نہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں افسوس ہم نے اسے حرام کرا دیا' میں نے کہا خاموش رہو۔

صحیح مسلم کی اس حدیث میں اتنی زیادتی اور ہے کہ نبی ﷺ کو بدبو سے سخت نفرت تھی' اسی لئے ان بیویوں نے کہا تھا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے اس میں بھی قدرے بدبو ہوتی ہے' جب آپ نے جواب دیا کہ نہیں میں نے تو شہد پیا ہے تو انہوں نے کہہ دیا کہ پھر اس شہد کی مکھی نے عرفط درخت کو چوسا ہوگا جس کے گوند کا نام مغافیر ہے اور اس کے اثر سے اس شہد میں اس کی بو رہ گئی ہوگی۔ اس روایت میں لفظ جرست ہے۔ جس کے معنی جوہری نے کئے ہیں کھایا اور شہد کی مکھیوں کو بھی جوراس کہتے ہیں اور جرس مدہم ہلکی آواز کو کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں سَمِعْتُ جَرْسَ الطَّيْرِ جبکہ پرندہ دانہ چگ رہا ہو اور اس کی چونچ کی آواز سنائی دیتی ہو۔ ایک حدیث میں ہے پھر وہ جنتی پرندوں کی ہلکی اور میٹھی سہانی آوازیں سنیں گے یہاں بھی عربی میں لفظ جرس ہے۔ اصمعی کہتے ہیں میں حضرت شعبہؓ کی مجلس میں تھا وہاں انہوں نے اس لفظ جرس کو جرش بڑی شین کے ساتھ پڑھا' میں نے کہا چھوٹے سین سے ہے۔ حضرت شعبہؓ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا یہ ہم سے زیادہ اسے جانتے ہیں یہی ٹھیک ہے تم اصلاح کر لو۔ الغرض شہد نوشی کے واقعہ میں شہد پلانے والیوں میں دو نام مروی ہیں ایک حضرت حفصہؓ کا دوسرا حضرت زینبؓ کا بلکہ اس امر پر اتفاق کرنے والیوں میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت حفصہؓ کا نام ہے پس ممکن ہے یہ دو واقعہ ہوں' یہاں تک تو ٹھیک ہے لیکن ان دونوں کے بارے میں اس آیت کا نازل ہونا ذرا غور طلب ہے واللہ اعلم۔

طلاق کی جھوٹی افواہ بزبان عمر رضی اللہ عنہ: ☆☆ آپس میں اس قسم کا مشورہ کرنے والی حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ تھیں۔ یہ اس

حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے جو مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں مجھے مدتوں سے آرزو تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضورؐ کی ان دونوں بیوی صاحبان کا نام معلوم کروں جن کا ذکر آیت اِنْ تَتُوْبَآ الخ' میں ہے پس حج کے سفر میں جب خلیفتہ الرسول چلے تو میں بھی ہم رکاب ہولیا' ایک راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ راستہ چھوڑ جنگل کی طرف چلے' میں ڈولچی لئے ہوئے پیچھے پیچھے گیا۔ آپ حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آئے' میں نے پانی ڈلوایا اور وضو کرایا' اب موقع پا کر سوال کیا کہ اے امیر المومنینؓ! جن کے بارے میں یہ آیت ہے وہ دونوں کون ہیں؟ آپ نے فرمایا ابن عباس! افسوس۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا یہ دریافت کرنا برا معلوم ہوا لیکن چھپانا جائز نہ تھا اس لئے جواب دیا۔ اس سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ہیں رضی اللہ عنہما۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کرنا شروع کیا کہ ہم قریش تو اپنی عورتوں کو اپنے زیر فرمان رکھتے تھے لیکن مدینہ آئے تو ہماری عورتوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی ہم پر غلبہ حاصل کرنا چاہا۔ میں مدینہ شریف کے بالائی حصہ میں حضرت امیہ بن زید کے گھر میں ٹھہرا ہوا تھا' ایک مرتبہ میں اپنی بیوی پر کچھ ناراض ہوا اور کچھ کہنے سننے لگا تو پلٹ کر اس نے مجھے جواب دینے شروع کئے' مجھے نہایت برا معلوم ہوا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ یہ نئی بات کیسی؟ اس نے میرا تعجب دیکھ کر کہا کہ آپ کس خیال میں ہیں؟ اللہ کی قسم آنحضرت ﷺ کی بیویاں بھی آپ کو جواب دیتی ہیں اور بعض مرتبہ تو دن دن بھر بول چال چھوڑ دیتی ہیں' اب میں تو ایک دوسری الجھن میں پڑ گیا' سیدھا اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا اور دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم حضورؐ کو جواب دیتی ہو اور کبھی کبھی سارا سارا دن روٹھی رہتی ہو؟ جواب ملا کہ سچ ہے۔ میں نے کہا کہ برباد ہوئی اور نقصان میں پڑی جس نے ایسا کیا۔ کیا تم اس سے غافل ہو گئیں کہ رسول اللہ ﷺ کے غصہ کی وجہ سے ایسی عورت پر خدا ناراض ہو جائے اور وہ کہیں کی نہ رہے؟ خبردار آئندہ سے حضورؐ کو کوئی جواب نہ دینا' نہ آپ سے کچھ طلب کرنا' جو مانگنا ہو مجھ سے مانگ لیا کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر تم ان کی حرص نہ کرنا' وہ تم سے اچھی اور تم سے بہت زیادہ رسول اللہ ﷺ کی منظور نظر ہیں۔

اب اور سنو میرا پڑوسی ایک انصاری تھا اس نے اور میں نے باریاں مقرر کر لی تھیں' ایک دن میں حضور ﷺ کی خدمت میں گزارتا اور ایک دن وہ' میں اپنی باری والے دن کی تمام حدیثیں آیتیں وغیرہ انہیں آ کر سنا دیتا اور یہ مجھے' یہ بات ہم میں اس وقت مشہور ہو رہی تھی کہ غسانی بادشاہ اپنے فوجی گھوڑوں کے نعل لگوا رہا ہے اور اس کا ارادہ ہم پر چڑھائی کرنے کا ہے۔ ایک مرتبہ میرے ساتھی اپنی باری والے دن گئے ہوئے تھے' عشاء کے وقت آ گئے اور میرا دروازہ کھٹکھٹا کر مجھے آوازیں دینے لگے' میں گھبرا کر باہر نکلا کہ خیریت تو ہے؟ اس نے کہا آج تو بڑا بھاری کام ہو گیا' میں نے کہا کیا غسانی بادشاہ آ پہنچا؟ اس نے کہا اس سے بھی بڑھ کر' میں نے پوچھا وہ کیا؟ کہا رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی' میں نے کہا افسوس حفصہؓ برباد ہو گئی اور اس نے نقصان اٹھایا' مجھے پہلے ہی سے اس امر کا کھٹکا تھا' صبح کی نماز پڑھتے ہی کپڑے پہن کر میں چلا۔ سیدھا حفصہؓ کے پاس گیا' دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں' میں نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں طلاق دے دی؟ جواب دیا یہ تو کچھ معلوم نہیں' آپ ہم سے الگ ہو کر اپنے اس بالاخانہ میں تشریف فرما ہیں' میں وہاں گیا دیکھا کہ ایک حبشی غلام پہرے پر ہے' میں نے کہا جاؤ میرے لئے اجازت طلب کرو' وہ گیا پھر آ کر کہنے حضورؐ نے کچھ جواب نہیں دیا' میں وہاں سے واپس چلا آیا' مسجد میں گیا دیکھا کہ منبر کے پاس ایک گروہ صحابہؓ کا بیٹھا ہوا ہے اور بعض بعض کے تو آنسو نکل رہے ہیں' میں تھوڑی سی دیر بیٹھا لیکن چین کہاں؟ پھر اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں جا کر غلام سے کہا کہ میرے لئے اجازت طلب کرو' اس نے پھر آ کر یہی کہا کہ کچھ جواب نہیں ملا۔ میں دوبارہ مسجد میں چلا گیا' پھر وہاں سے گھبرا کر نکلا' یہاں آیا پھر غلام سے کہا' غلام گیا آیا اور وہی جواب دیا' میں واپس مڑا ہی تھا جو غلام نے مجھے آواز دی کہ آیئے آپ کو اجازت مل گئی' میں گیا دیکھا کہ حضور ایک بورئیے پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہیں جس کے نشان آپ کے جسم مبارک پر ظاہر ہیں' میں نے کہا یا

رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اللہ اکبر' یا رسول اللہ! بات یہ ہے کہ ہم قوم قریش تو اپنی بیویوں کو اپنے دباؤ میں رکھا کرتے تھے لیکن مدینے والوں پر ان کی بیویاں غالب ہیں' یہاں آ کر ہماری عورتوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی یہی حرکت شروع کر دی' پھر میں نے اپنی بیوی کا واقعہ اور میرا یہ خبر پا کر کہ حضور کی بیویاں بھی ایسا کرتی ہیں یہ کہنا کہ کیا انہیں ڈر نہیں کہ اللہ کے رسول کے غصہ کی وجہ سے خدا بھی ان سے ناراض ہو جائے اور وہ ہلاک ہو جائیں بیان کیا۔ اس پر حضورؐ مسکرا دیئے۔ میں نے پھر اپنا حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانا اور انہیں حضرت عائشہؓ کی ریس کرنے سے روکنا بیان کیا' اس پر دوبارہ مسکرائے' میں نے کہا اگر اجازت ہو تو ذرا سی دیر اور رک جاؤں؟ آپ نے اجازت دی میں بیٹھ گیا اب جو سر اٹھا کر چوطرف نظریں دوڑائیں تو آپ کی بیٹھک (دربار خاص) میں سوائے تین خشک کھالوں کے اور کوئی چیز نہ دیکھی' آزردہ دل ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر کشادگی کرے' دیکھئے تو فارسی اور رومی جو اللہ کی عبادت ہی نہیں کرتے انہیں کس قدر دنیا کی نعمتوں میں وسعت دی گئی ہے؟ یہ سنتے ہی آپ سنبھل بیٹھے اور فرمانے لگے اے ابن خطاب! کیا تو شک میں ہے؟ اس قوم کی اچھائیاں انہیں بہ عجلت دنیا میں ہی دے دی گئیں' میں نے کہا حضورؐ میرے لئے اللہ سے طلب بخشش کیجئے' بات یہ تھی کہ آپ نے بوجہ سخت ناراضگی قسم کھائی تھی کہ مہینہ بھر تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جاؤں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ کی۔ یہ حدیث بخاری' مسلم' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔

بخاری مسلم کی حدیث میں ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں سال بھر اسی امید میں گزر گیا کہ موقع ملے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان دونوں کے نام دریافت کروں لیکن ہیبت فاروقی سے ہمت نہیں پڑتی تھی یہاں تک کہ حج کی واپسی میں پوچھا پھر پوری حدیث بیان کی جو اوپر گزر چکی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ طلاق کی شہرت کا واقعہ پردہ کی آیتوں کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس طرح حضرت حفصہؓ کے پاس جا کر انہیں سمجھا آئے تھے اسی طرح حضرت عائشہؓ کے پاس بھی ہو آئے تھے اور یہ بھی ہے کہ اس غلام کا نام جو ڈیوڑھی پر پہرہ دے رہے تھے حضرت ریاح تھا رضی اللہ عنہ۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۞ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۞

اے نبی کی دونوں بیویو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو بہت بہتر ہے ○ یقیناً تمہارے دل کج ہو گئے ہیں اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی پس یقیناً اس کا کارساز اللہ ہے اور جبرئیل ہیں اور نیک ایمان دار اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں ○ اگر پیغمبر تمہیں طلاق دے دیں تو بہت جلد انہیں ان کا رب تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمائے گا جو اسلام والیاں' ایمان والیاں' فرمانبرداری کرنے والیاں' توبہ کرنے والیاں' عبادت بجا لانے والیاں' روزے رکھنے والیں ہوں گی' بیوہ اور کنواریاں ○

(آیت: ۴-۵) یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور سے کہا آپ عورتوں کے بارے میں اس مشقت میں کیوں پڑتے ہیں؟ اگر آپ انہیں طلاق بھی دے دیں تو آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے فرشتے ہیں اور جبرئیل اور میکائیل اور میں اور ابوبکرؓ اور جملہ مومن۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں الحمد للہ میں اس قسم کی جو بات کہتا مجھے امید لگی رہتی کہ اللہ تعالیٰ میری بات کی تصدیق نازل فرمائے

گا پس اس موقع پر بھی آیت تخییر یعنی عَسٰی رَبُّهٗ الخ' اور وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ الخ' آپ پر نازل ہوئیں مجھے جب آپ سے معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی تو میں نے مسجد میں آ کر دروازے پر کھڑا ہو کر اونچی آواز سے سب کو اطلاع دے دی کہ حضورؐ نے ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی۔ اسی کے بارے میں آیت وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ الخ' آخر تک اتری یعنی جہاں انہیں کوئی امن کی یا خوف کی خبر پہنچی کہ یہ اسے شہرت دینے لگتے ہیں اگر یہ اس خبر کو رسول یا ذی عقل وعلم مسلمانوں تک پہنچا دیتے تو بے شک ان میں سے جو لوگ محقق ہیں وہ اسے سمجھ لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہاں تک اس آیت کو پڑھ کر فرماتے پس اس امر کا استنباط کرنے والوں میں سے میں ہی ہوں۔ اور بھی بہت سے بزرگ مفسرین سے مروی ہے کہ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ بعضوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا ہے بعض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا۔ ایک ضعیف حدیث میں مرفوعاً صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ہے لیکن سند ضعیف ہے اور بالکل منکر ہے۔

عمرؓ اور موافقت قرآنی: ☆☆ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آپ کی بیویاں غیرت میں آ گئیں جس پر میں نے ان سے کہا کہ اگر حضورؐ تمہیں طلاق دے دیں گے تو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں آپ کو دے گا پس میرے لفظوں ہی میں قرآن کی یہ آیت اتری' پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بہت سی باتوں میں قرآن کی موافقت کی جیسے پردے کے بارے میں' بدری قیدیوں کے بارے میں' مقام ابراہیم کو قبلہ ٹھہرانے کے بارے میں۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ مجھے جب امہات المومنین کی اس رنجش کی خبر پہنچی تو ان کی خدمت میں میں گیا اور انہیں بھی کہنا شروع کیا یہاں تک کہ آخری ام المومنین کے پاس پہنچا تو مجھے جواب ملا کہ کیا ہمیں رسول اللہ ﷺ خود نصیحت کرنے کے لئے کم ہیں جو تم آ گئے؟ اس پر میں خاموش ہو گیا لیکن قرآن میں آیت عَسٰی رَبُّهٗ الخ' نازل ہوئی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جواب دینے والی ام المومنین حضرت ام سلمہؓ تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو بات حضورؐ نے چپکے سے اپنی بیوی صاحبہ سے کہی تھی اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آپؐ تھے' وہ تشریف لائیں اور حضرت ماریہؓ سے آپ کو مشغول پایا تو آپ نے انہیں فرمایا تم (حضرت) عائشہؓ کو خبر نہ کرنا میں تمہیں ایک بشارت سناتا ہوں' میرے انتقال کے بعد میری خلافت پر (حضرت) ابوبکرؓ کے بعد تمہارے والد آئیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کو خبر کر دی پس حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اس کی خبر آپ کو کس نے پہنچائی؟ آپ نے فرمایا مجھے علیم وخبیر اللہ نے خبر پہنچائی۔ صدیقہ نے کہا میں آپ کی طرف نہ دیکھوں گی جب تک کہ آپ ماریہ کو اپنے اوپر حرام نہ کر لیں' آپ نے کر لی اس پر آیت یَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ نازل ہوئی (طبرانی) لیکن اس کی سند مخدوش ہے' مقصد یہ ہے کہ ان تمام روایات سے ان پاک آیتوں کی تفسیر ظاہر ہو گئی۔ مُسْلِمَاتٌ مومنات قانتات ثائبات عابدات کی تفسیر تو ظاہر ہی ہے سَائِحَاتٌ کی تفسیر ایک تو یہ ہے کہ روزے رکھنے والیاں' ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی تفسیر اس لفظ کی آئی ہے' جو حدیث سورۂ برات کے اس لفظ کی تفسیر میں گزر چکی ہے کہ اس امت کی سیاحت روزے رکھنا ہے دوسری تفسیر یہ ہے کہ مراد اس سے ہجرت کرنے والیاں لیکن اول قول ہی اولیٰ ہے واللہ اعلم۔

جنت میں نبیؐ کی بیویاں: ☆☆ پھر فرمایا ان میں سے بعض بیوہ ہوں گی اور بعض کنواریاں' اس لئے کہ جی خوش رہے۔ قسموں کی تبدیلی نفس کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ معجم طبرانی میں ابن یزید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے اس آیت میں جو وعدہ فرمایا ہے اس سے مراد بیوہ سے تو حضرت آسیہؓ ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں اور کنواری سے مراد حضرت مریم علیہا السلام ہیں جو حضرت عمران کی بیٹی تھیں۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں تو حضرت جبرئیل نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہؓ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ انہیں خوشی ہو جنت کے ایک

چاندی کے گھر کی' جہاں نہ گرمی ہے نہ تکلیف ہے' نہ شوروغل' جو چھدے ہوئی موتی کا بنا ہوا ہے' جس کے دائیں بائیں مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم کے مکانات ہیں- ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے خدیجہ! اپنی سوکنوں سے میرا اسلام کہنا' حضرت خدیجہ نے کہا یارسول اللہ! کیا مجھ سے پہلے بھی کسی سے نکاح کیا تھا؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون اور کلثوم بہن موسیٰ کی ان تینوں کو میرے نکاح میں دے رکھا ہے' یہ حدیث بھی ضعیف ہے- حضرت ابوامامہؓ سے ابویعلیٰ میں مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کیا جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرا نکاح مریم بنت عمران' کلثوم اخت موسیٰ اور آسیہ زوجہ فرعون سے کر دیا ہے- میں نے کہا یارسول اللہ! آپ کو مبارک ہو- یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور ساتھ ہی مرسل بھی ہے-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٦﴾ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر' جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم کیا جائے بجالاتے ہیں ○ اے کافرو! تم آج عذر معذرت مت کرو' تمہیں صرف تمہارے کرتوت کا بدلہ دیا جا رہا ہے ○

ہمارا گھرانہ اور ہماری ذمہ داریاں: ☆☆ (آیت:۶-۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ارشاد خداوندی ہے کہ اپنے گھرانے کے لوگوں کو علم و ادب سکھاؤ- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کے فرمان بجالاؤ' اس کی نافرمانیاں مت کرو' اپنے گھرانے کے لوگوں کو ذکر اللہ کی تاکید کرو تاکہ اللہ تمہیں جہنم سے بچالے- مجاہدؒ فرماتے ہیں اللہ سے ڈرو اور اپنے گھر والوں کو بھی یہی تلقین کرو- قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت کا انہیں حکم دو اور نافرمانیوں سے روکتے رہو' ان پر اللہ کے حکم قائم رکھو اور انہیں احکام الٰہی بجالانے کی تاکید کرتے رہو' نیک کاموں میں ان کی مدد کرو اور برے کاموں پر انہیں ڈانٹو ڈپٹو- ضحاکؒ و مقاتلؒ فرماتے ہیں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے رشتے کنبے کے لوگوں کو اور اپنے لونڈی غلام کو اللہ کے فرمان بجالانے کی اور اس کی نافرمانیوں سے رکنے کی تعلیم دیتا رہے- مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب بچے سات سال کے ہو جائیں انہیں نماز پڑھنے کو کہتے سنتے رہا کرو' جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز میں سستی کریں تو انہیں مار کر دھمکا کر پڑھاؤ- یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے-

جہنم کا ایندھن: ☆☆ فقہاء کا فرمان ہے کہ اسی طرح روزے کی بھی تاکید اور تنبیہ اس عمر سے شروع کر دینی چاہئے تاکہ بالغ ہونے تک پوری طرح نماز روزے کی عادت ہو جائے' اطاعت کے بجالانے اور معصیت سے بچے رہنے اور برائی سے دور رہنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے- ان کاموں سے تم اور وہ جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے جس آگ کا ایندھن انسانوں کے جسم اور پتھر ہیں' ان چیزوں سے یہ آگ سلگائی گئی ہے پھر خیال کر لو کہ کس قدر تیز ہو گی؟ پتھر سے مراد یا تو وہ پتھر ہے جن کی دنیا میں پرستش ہوتی رہی' جیسے اور جگہ ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ تم اور تمہارے معبود جہنم کی لکڑیاں ہیں یا گندھک کے نہایت ہی بدبودار پتھر ہیں- ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی' اس وقت آپ کی خدمت میں بعض اصحاب تھے جن میں سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ

! کیا جہنم کے پتھر دنیا کے پتھروں جیسے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جہنم کا ایک پتھر ساری دنیا کے تمام پتھروں سے بڑا ہے انہیں یہ سن کر غشی آ گئی۔ حضورؐ نے ان کے دل پر ہاتھ رکھا تو وہ دل دھڑک رہا تھا آپ نے انہیں آواز دی کہ اے شیخ! کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس نے اسے پڑھا پھر آپ نے اسے جنت کی خوشخبری دی تو آپ کے اصحاب نے کہا کیا ہم سب کے درمیان صرف اسی کو یہ خوشخبری دی جا رہی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں دیکھو قرآن میں ہے ذَالِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ'' یہ اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے اور میری دھمکیوں کا ڈر رکھتا ہو' یہ حدیث غریب اور مرسل ہے۔

جہنم کے فرشتے: ☆☆ پھر ارشاد ہوتا ہے اس آگ سے عذاب کرنے والے فرشتے سخت طبیعت والے ہیں جن کے دلوں میں کافروں کے لئے اللہ نے رحم رکھا ہی نہیں اور جو بدترین ترکیبوں میں بڑی بھاری سزائیں دیتے ہیں' جن کے دیکھنے سے بھی پتے پانی اور کلیجہ چھلنی ہو جائے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں جب جہنمیوں کا پہلا جتھا جہنم کو چلا جائے گا تو دیکھے گا کہ پہلے دروازہ پر چار لاکھ فرشتے عذاب کرنے والے تیار ہیں' جن کے چہرے بڑے ہیبت ناک اور نہایت سیاہ ہیں' کچلیاں باہر کو نکلی ہوئی ہیں' سخت بے رحم ہیں' ایک ذرے کے برابر بھی اللہ نے ان کے دلوں میں رحم نہیں رکھا' اس قدر جسیم ہیں کہ اگر کوئی پرند ان کے ایک کھوے سے اڑ کر دوسرے کھوے تک پہنچنا چاہے تو کئی مہینے گزر جائیں' پھر دروازہ پر انیس فرشتے پائیں گے جن کے سینوں کی چوڑائی ستر سال کی راہ ہے پھر ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے' پانچ سو سال تک گرتے رہنے کے بعد دوسرا دروازہ آئے گا وہاں بھی اسی طرح ایسے ہی اور اتنے ہی فرشتوں کو موجود پائیں گے' اسی طرح ہر ہر دروازہ پر یہ فرشتے خدائی فرمان کے تابع ہیں۔ ادھر فرمایا گیا ادھر انہوں نے عمل شروع کر دیا۔ ان کا نام زبانیہ ہے' اللہ ہمیں اپنے عذابوں سے پناہ دے آمین۔

قیامت کے دن کوئی عذر قبول نہیں: ☆☆ قیامت کے دن کفار سے فرمایا جائے گا کہ آج تم بیکار عذر پیش نہ کرو' کوئی معذرت ہمارے سامنے نہ چل سکے گی' تمہارے کرتوت کا مزہ تمہیں چکھنا ہی پڑے گا۔ پھر ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! تم سچی اور خالص توبہ کرو جس سے تمہارے اگلے گناہ معاف ہو جائیں' میل کچیل دھل جائے' برائیوں کی عادت چھٹ جائے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ نے اپنے ایک خطبے میں بیان فرمایا کہ لوگو! میں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے سنا ہے کہ خالص توبہ یہ ہے کہ انسان گناہ کی معافی چاہے اور پھر اس گناہ کو نہ کرے۔ ایک اور روایت میں ہے پھر اس کے کرنے کا ارادہ بھی نہ کرے۔ حضرت عبداللہؓ سے بھی اسی کے قریب مروی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی آیا ہے جو ضعیف ہے اور ٹھیک یہی ہے کہ وہ بھی موقوف ہی ہے واللہ اعلم۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۸

اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو' ممکن ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں پہنچا دے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں

جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور ان ایمانداروں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوانہ کرے گا' ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا' یہ دعائیں کرتے ہوں گے اے ہمارے رب! ہمیں ہمارا نور عطا فرما اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے O

خالص توبہ: ☆☆ (آیت: ۸) علماء سلف فرماتے ہیں توبہ خالص یہ ہے کہ گناہ کو اس وقت چھوڑ دے جو ہو چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے نہ کرنے کا پختہ عزم ہو اور اگر گناہ میں کسی انسان کا حق ہے تو چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ حق باقاعدہ ادا کر دے۔ حضورؐ فرماتے ہیں نادم ہونا بھی توبہ کرنا ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں ہمیں کہا گیا تھا کہ اس امت کے آخری لوگ قیامت کے قریب کیا کیا کام کریں گے؟ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان اپنی بیوی یا لونڈی سے اس کے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے گا جو اللہ اور اس کے رسول نے مطلق حرام کر دیا ہے اور جس فعل پر اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی ہوتی ہے۔ اسی طرح مرد مرد سے بدفعلی کریں گے جو حرام اور باعث ناراضی اللہ و رسول ہے۔ ان لوگوں کی نماز بھی اللہ کے ہاں مقبول نہیں جب تک کہ یہ توبہ نصوح نہ کریں۔ حضرت ابوذرؓ نے حضرت ابی سے پوچھا توبہ نصوح کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضورؐ سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا قصور سے گناہ ہو گیا پھر اس پر نادم ہونا' اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف مائل نہ ہونا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں توبہ نصوح یہ ہے کہ جیسے گناہ کی محبت تھی ویسا ہی بغض دل میں بیٹھ جائے اور جب وہ گناہ یاد آئے اس سے استغفار ہو' جب کوئی شخص توبہ کرنے پر پختگی کر لیتا ہے اور اپنی توبہ پر جما رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام اگلی خطائیں مٹا دیتا ہے' جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کی تمام برائیاں اسلام فنا کر دیتا ہے اور توبہ سے پہلے کی تمام خطائیں توبہ سوخت کر دیتی ہے' اب رہی یہ بات کہ توبہ نصوح میں یہ شرط بھی ہے کہ توبہ کرنے والا پھر مرتے دم تک اس گناہ کو نہ کرے جیسے کہ احادیث و آثار ابھی بیان ہوئے جن میں ہے کہ پھر کبھی نہ کرے یا صرف اس کا عزم راسخ کافی ہے کہ اسے اب کبھی نہ کروں گا گو پھر بہ مقتضائے بشریت بھولے چوکے ہو جائے جیسے کہ ابھی حدیث گزری کہ توبہ اپنے سے پہلے گناہوں کو بالکل مٹا دیتی ہے' تو تنہا توبہ کے ساتھ ہی گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا پھر مرتے دم تک اس کام کا نہ ہونا گناہ کی معافی کی شرط کے طور پر ہے؟ پس پہلی بات کی دلیل تو یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص اسلام میں نیکیاں کرے وہ اپنی جاہلیت کی برائیوں پر پکڑا نہ جائے گا اور جو اسلام لا کر بھی برائیوں میں مبتلا رہے وہ اسلام کی اور جاہلیت کی دونوں برائیوں میں پکڑا جائے گا پس اسلام جو کہ گناہوں کو دور کرنے میں توبہ سے بڑھ کر ہے جب اس کے بعد بھی اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے پہلی برائیوں میں بھی پکڑ ہوئی تو توبہ کے بعد تو بطور اولیٰ ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم۔ لفظ عسی گو تمنا' امید اور امکان کے معنی دیتا ہے لیکن کلام اللہ میں اس کے معنی تحقیق کے ہوتے ہیں پس فرمان ہے کہ خالص توبہ کرنے والے قطعاً اپنے گناہوں کو معاف کروالیں گے اور سرسبز و شاداب جنتوں میں جائیں گے۔ پھر ارشاد ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو ہرگز شرمندہ نہ کرے گا انہیں خدا کی طرف سے نور عطا ہوگا جو ان کے آگے آگے اور دائیں طرف ہوگا اور سب اندھیروں میں ہوں گے اور یہ روشنی میں ہوں گے جیسے کہ پہلے سورۂ حدید کی تفسیر میں گزر چکا جب یہ دیکھیں گے کہ منافقوں کو جو روشنی ملی تھی عین ضرورت کے وقت وہ ان سے چھین لی گئی اور وہ اندھیروں میں بھٹکتے رہ گئے تو دعا کریں گے کہ خدایا ہمارے ساتھ ایسا نہ ہو' ہماری روشنی تو آخر وقت تک ہمارے ساتھ ہی رہے' ہمارا نور ایمان بجھنے نہ پائے۔

بنو کنانہ کے ایک صحابی فرماتے ہیں فتح مکہ والے دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے میں نے نماز پڑھی تو میں نے آپ کی اس دعا کو سنا اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ میرے اللہ! مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرنا''۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے سجدے کی اجازت مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کی اجازت بھی مجھی کو مرحمت ہوگی' میں اپنے سامنے اور دائیں بائیں نظریں ڈال کر اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ ایک صحابیؓ نے کہا حضور انہیں کیسے پہچانیں گے؟ وہاں تو بہت سی امتیں

مخلوط ہوں گی آپ نے فرمایا میری امت کے لوگوں کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ ان کے اعضاء وضو منور ہوں گے چمک رہے ہوں گے کسی اور امت میں یہ بات نہ ہوگی' دوسری پہچان یہ ہے کہ ان کے نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے' تیسری نشانی یہ ہوگی کہ سجدے کے نشان ان کی پیشانیوں پر ہوں گے جن سے میں پہچان لوں گا' چوتھی علامت یہ ہے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۹﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۖ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر ان کا ٹھکانا جہنم ہے' جو بہت بری جگہ ہے ○ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے نوح کی اور لوط کی بیوی کی کہاوت بیان فرمائی' یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے شائستہ اور نیک بندوں کے گھر میں تھیں پھر ان دونوں کی انہوں نے خیانت کی پس وہ دونوں نیک بندے ان سے اللہ کے کسی عذاب کو نہ روک سکے اور حکم دے دیا گیا کہ اے عورتو! دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ ○

تحفظ قانون کے لئے حکم جہاد: ☆☆ (آیت: ۱۰) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ کافروں سے جہاد کرو ہتھیاروں کے ساتھ اور منافقوں سے جہاد کرو حدود اللہ جاری کرنے کے ساتھ' ان پر دنیا میں سختی کرو' آخرت میں بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بدترین بازگشت ہے پھر مثال دے کر سمجھایا کہ کافروں کا مسلمانوں سے ملنا جلنا' خلط ملط رہنا انہیں ان کے کفر کے باوجود خدا کے ہاں کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ دیکھو! دو پیغمبروں کی عورتیں حضرت نوح علیہ السلام کی اور حضرت لوط علیہ السلام کی جو ہر وقت ان نبیوں کی صحبت میں رہنے والی اور دن رات ساتھ اٹھنے بیٹھنے والی اور ساتھ ہی کھانے پینے بلکہ سونے جاگنے والی تھیں لیکن چونکہ ایمان میں ان کی ساتھی نہ تھیں اور اپنے کفر پر قائم تھیں پس پیغمبروں کی آٹھ پہر کی صحبت انہیں کچھ کام نہ آئی' انبیاء اللہ انہیں اخروی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ اخروی نقصان سے بچا سکے بلکہ ان عورتوں کو بھی جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں جانے کو کہہ دیا گیا۔ یاد رہے کہ خیانت کرنے سے مراد بدکاری نہیں' انبیاء علیہم السلام کی حرمت و عصمت اس سے بہت اعلیٰ اور بالا ہے کہ ان کی گھر والیاں فاحشہ ہوں' ہم اس کا پورا بیان سورۂ نور کی تفسیر میں کر چکے ہیں بلکہ یہاں مراد خیانت فی الدین ہے یعنی دین میں اپنے خاوندوں کی خیانت کی' ان کا ساتھ نہ دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان کی خیانت زنا کاری نہ تھی بلکہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تو لوگوں سے کہا کرتی تھی کہ یہ مجنون ہیں اور لوط علیہ السلام کی بیوی جو مہمان حضرت لوطؑ کے ہاں آتے تو کافروں کو خبر کر دیتی تھی یہ دونوں بددین تھیں۔ نوح علیہ السلام کی رازداری اور پوشیدہ طور پر ایمان لانے والوں کے نام کافروں پر ظاہر کر دیا کرتی تھی اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اپنے خاوند اللہ کے رسول کی مخالف تھی اور جو لوگ آپ کے ہاں مہمان بن کر ٹھہرتے یہ جا کر اپنی کافر قوم سے خبر کر دیتی جنہیں بدعملی کی عادت تھی بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کسی پیغمبر کی کسی عورت نے کبھی بدکاری نہیں کی' بلکہ ان کی خیانت دین میں تھی اسی طرح حضرت عکرمہؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت ضحاکؒ وغیرہ سے بھی مروی ہے اس سے استدلال کر

کے بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ جو عام لوگوں میں مشہور ہے کہ حدیث میں ہے جو شخص کسی ایسے کے ساتھ کھائے جو بخشا ہوا ہو اسے بھی بخش دیا جاتا ہے' یہ حدیث بالکل ضعیف ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ حدیث محض بے اصل ہے' ہاں ایک بزرگ سے مروی ہے کہ انہوں نے خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی اور پوچھا کہ کیا حضورؐ نے یہ حدیث ارشاد فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں لیکن اب میں کہتا ہوں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کی کہاوت بیان فرمائی' جبکہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے لئے اپنے پاس جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچا نکال اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے O

سعادت مند آسیہ (فرعون کی بیوی): ☆☆ (آیت:۱۱) یہاں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے مثال بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ اگر یہ اپنی ضرورت پر کافروں سے خلط ملط ہوں تو انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا' جیسے اور جگہ ہے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ ایمانداروں کو چاہئے کہ مسلمانوں کے سوا اوروں سے دوستیاں نہ کریں جو ایسا کرے گا وہ خدا کی طرف سے کسی بھلائی میں نہیں' ہاں اگر بطور بچاؤ اور دفع الوقتی کے ہو تو اور بات ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں روئے زمین کے تمام تر لوگوں میں سب سے زیادہ سرکش فرعون تھا لیکن اس کے کفر نے بھی اس کی بیوی کو کچھ نقصان نہ پہنچایا اس لئے کہ وہ اپنے زبردست ایمان پر پوری طرح قائم تھیں اور رہیں۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے وہ ایک گناہ پر دوسرے کو نہیں پکڑتا۔

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں فرعون اس نیک بخت بیوی کو طرح طرح سے ستاتا تھا' سخت گرمیوں میں انہیں دھوپ میں کھڑا کر دیتا لیکن پروردگار اپنے فرشتوں کے پروں کا سایہ ان پر کر دیتا اور انہیں گرمی کی تکلیف سے بچا لیتا بلکہ ان کے جنتی مکان کو دکھا دیتا جس سے ان کی روح کی تازگی اور ایمان کی زیادتی ہو جاتی' فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت یہ دریافت کرتی رہتی تھیں کہ کون غالب رہا تو ہر وقت یہی سنتیں کہ موسیٰ غالب رہے بس یہی ان کے ایمان کا باعث بنا اور یہ پکار اٹھیں کہ میں موسیٰ اور ہارونؑ کے رب پر ایمان لائی۔ فرعون کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ جو بڑی سے بڑی پتھر کی چٹان تمہیں ملے اسے اٹھوا لاؤ' اسے چت لٹاؤ اور اسے کہو کہ اپنے اس عقیدے سے باز آئے' اگر باز آ جائے تو تو میری بیوی ہے' عزت و حرمت کے ساتھ واپس لاؤ اور اگر نہ مانے تو وہ چٹان اس پر گرا دو اور اس کا قیمہ قیمہ کر ڈالو' جب یہ لوگ پتھر لائے' انہیں لے گئے لٹایا اور پتھر ان پر گرانے کے لئے اٹھایا تو انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی پروردگار نے حجاب ہٹا دیئے اور جنت کو اور وہاں جو مکان ان کے لئے بنایا گیا تھا اسے انہوں نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا اور اسی میں ان کی روح پرواز کر گئی' جس وقت پتھر پھینکا گیا اس وقت ان میں روح تھی ہی نہیں اپنی شہادت کے وقت دعا مانگتی ہیں کہ خدایا جنت میں اپنے قریب کی جگہ مجھے عنایت فرما' اس دعا کی اس باریکی پر بھی نگاہ ڈالئے کہ پہلے خدا کا پڑوس مانگا جا رہا ہے پھر گھر کی درخواست کی جا رہی ہے۔

اس واقعہ کے بیان میں مرفوع حدیث بھی وارد ہوئی ہے پھر دعا کرتی ہیں کہ مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے' میں اس کی کفریہ حرکتوں سے بیزار ہوں' مجھے اس ظالم قوم سے عافیت میں رکھ۔ ان بیوی صاحبہ کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا رضی اللہ عنہا۔ ان کے ایمان

لانے کا واقعہ حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ فرعون کے داروغہ کی عورت کا ایمان ان کے ایمان کا باعث بنا' وہ ایک روز فرعون کی لڑکی کا سر گوندھ رہی تھی اچانک کنگھی ہاتھ سے گر گئی اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ کفار برباد ہوں۔ اس پر فرعون کی لڑکی نے پوچھا کہ کیا میرے باپ کے سوا تو کسی اور کو اپنا رب مانتی ہے؟ اس نے کہا میرا اور تیرے باپ کا اور ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے' اس نے غصہ میں آ کر انہیں خوب مارا پیٹا اور اپنے باپ کو اس کی خبر دی' فرعون نے انہیں بلا کر خود پوچھا کہ کیا تم میرے سوا کسی اور کی عبادت کرتی ہو؟ جواب دیا کہ ہاں میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ ہے' میں اسی کی عبادت کرتی ہوں' فرعون نے حکم دیا اور انہیں چت لٹا کر ان کے ہاتھ پیروں پر میخیں گڑوا دیں اور سانپ چھوڑ دیئے جو انہیں کاٹتے رہیں' پھر ایک دن آیا اور کہا اب تیرے خیالات درست ہوئے؟ وہاں سے جواب ملا کہ میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ ہی ہے۔ فرعون نے کہا اب تیرے سامنے میں تیرے لڑکے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا ورنہ اب بھی میرا کہا مان لے اور اس دین سے باز آ جا' انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ تو کر سکتا ہو کر ڈال' اس ظالم نے ان کے لڑکے کو منگوایا اور ان کے سامنے اسے مار ڈالا جب اس بچہ کی روح نکلی تو اس نے کہا اے ماں! خوش ہو جا تیرے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے ثواب تیار کر رکھے ہیں اور فلاں فلاں نعمتیں تجھے ملیں گی' انہوں نے اس روح فرسا سانحہ کو بچشم خود دیکھا لیکن صبر کیا اور راضی بہ قضا ہو کر بیٹھ رہیں۔ فرعون نے انہیں پھر اسی طرح باندھ کر ڈلوا دیا اور سانپ چھوڑ دیئے پھر ایک دن آیا اور اپنی بات دہرائی ۔ بیوی صاحبہ نے پھر نہایت صبر و استقلال سے وہی جواب دیا' اس نے پھر وہی دھمکی دی اور ان کے دوسرے بچے کو بھی ان کے سامنے ہی قتل کرا دیا۔ اس کی روح نے بھی اسی طرح اپنی والدہ کو خوشخبری دی اور صبر کی تلقین کی' فرعون کی بیوی نے بڑے بچہ کی روح کی خوش خبری سنی تھی اب اس چھوٹے بچے کی روح کی بھی خوش خبری سنی اور ایمان لے آئیں' ادھر ان بیوی صاحبہ کی روح اللہ تعالیٰ نے قبض کر لی اور ان کی منزل و مرتبہ جو خدا کے ہاں تھا وہ حجاب ہٹا کر فرعون کی بیوی کو دکھا دیا گیا۔ یہ اپنے ایمان و یقین میں بہت بڑھ گئیں یہاں تک کہ فرعون کو بھی ان کے ایمان کی خبر ہو گئی۔ اس نے ایک روز اپنے درباریوں سے کہا تمہیں کچھ میری بیوی کی خبر ہے؟ تم اسے کیا جانتے ہو؟ سب نے بڑی تعریف کی اور ان کی بھلائیاں بیان کیں' فرعون نے کہا تمہیں نہیں معلوم وہ بھی میرے سوا دوسرے کو اللہ مانتی ہے' پھر مشورہ ہوا کہ انہیں قتل کر دیا جائے' چنانچہ میخیں گاڑی گئیں اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا گیا' اس وقت حضرت آسیہ نے اپنے رب سے دعا کی کہ پروردگار میرے لئے اپنے پاس جنت میں مکان بنا' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حجاب ہٹا کر انہیں ان کا جنتی درجہ دکھا دیا' جس پر یہ ہنسنے لگیں۔ ٹھیک اسی وقت فرعون آ گیا اور انہیں ہنستا ہوا دیکھ کر کہنے لگا لوگو تمہیں تعجب نہیں معلوم ہوتا کہ اتنی سخت سزا میں یہ مبتلا ہے اور پھر ہنس رہی ہے یقیناً اس کا دماغ ٹھکانے نہیں' الغرض انہی عذابوں میں یہ بھی شہید ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾

اور مثال بیان فرمائی مریم بنت عمران کی جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں جان پھونک دی۔ مریم اپنے رب کی باتیں اور اس کی کتابوں کو مانتی تھی اور عبادت گزاروں میں سے تھی ○

حضرت مریم علیہا السلام: ☆☆ (آیت: ۱۲) پھر دوسری مثال حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کی بیان کی جاتی ہے کہ وہ نہایت پاک دامن تھیں ہم نے اپنے فرشتے جبرئیل کی معرفت ان میں روح پھونکی' حضرت جبرئیل کو انسانی صورت میں اللہ تعالیٰ نے

بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ اپنے منہ سے ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماردیں' اسی سے حمل رہ گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پس فرمان ہے کہ ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی پھر حضرت مریم کی اور تعریف ہو رہی ہے کہ وہ اپنے رب کی تقدیر اور شریعت کو سچ ماننے والی تھیں اور پوری فرمانبردار تھیں۔ مسند احمد میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور صحابہؓ سے دریافت کیا کہ جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کو پورا علم ہے۔ آپ نے فرمایا سنو تمام جنتی عورتوں میں سے افضل خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد اور مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں میں سے تو صاحب کمال بہت سارے ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں سے کامل عورتیں صرف حضرت آسیہ ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں اور حضرت مریم بنت عمران ہیں اور حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں اور حضرت عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے سالن میں چوری ہوئی روٹی کی فضیلت باقی کھانوں پر۔ ہم نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے کے بیان کے موقع پر اس حدیث کی سندیں اور الفاظ بیان کر دیئے ہیں۔ فالحمد للہ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اسی سورت کی آیت کے الفاظ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا کی تفسیر کے موقع پر وہ حدیث بھی ہم بیان کر چکے ہیں جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی جنتی بیویوں میں ایک حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہیں۔ الحمد للہ سورۂ تحریم کی تفسیر ختم ہوئی۔

اللہ کے فضل وکرم اور لطف ورحم سے اٹھائیسویں پارے قد سمع اللہ کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

پروردگار ہمیں اپنے کلام کی سچی سمجھ عطا فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔ باری تعالیٰ تو اسے قبول فرما اور میرے لئے باقیات صالحات میں کر' آمین۔

والحمدلله رب العالمين والصلوٰة علىٰ سيد المرسلين وآله واصحابه اجمعين۔

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر سورة الملك

مسند احمد میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کریم میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرتی رہے گی یہاں تک کہ اسے بخش دیا جائے' وہ سورت تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ الخ' ہے- ابوداؤد' نسائی' ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے- امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن کہتے ہیں- تاریخ ابن عساکر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے کا ایک شخص مر گیا جس کے ساتھ کتاب اللہ میں سوائے سورۂ تبارک الذی کے اور کوئی چیز نہ تھی جب اسے دفن کیا گیا اور فرشتہ اس کے پاس آیا تو یہ سورت اس کے سامنے کھڑی ہو گئی فرشتے نے کہا' تو کتاب اللہ ہے میں تجھے ناراض کرنا نہیں چاہتا' تجھے معلوم ہے کہ تیرے یا اپنے یا اس میت کے کسی نفع نقصان کا مجھے اختیار نہیں اگر تو یہی چاہتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر اس کی سفارش کر چنانچہ یہ سورت اللہ عزوجل کے پاس جائے گی اور کہے گی خدایا! تیری کتاب میں سے مجھے فلاں شخص نے سیکھا' پڑھا' اب کیا تو اسے آگ میں جلائے گا؟ کیا باوجودیکہ میں اس کے سینے میں محفوظ ہوں تو اسے عذاب کرے گا؟ اگر یہی کرنا ہے تو مجھے اپنی کتاب میں سے مٹا ڈال-

اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس وقت سخت غضبناک ہے' یہ کہے گی مجھے حق ہے کہ میں اپنی ناراضی ظاہر کروں پس جناب باری کا ارشاد ہو گا کہ جا میں نے اسے تجھے دیا اور تیری سفارش قبول کر لی- اب یہ سورت اس کے پاس آ جائے گی اور عذاب کے فرشتے کو ہٹا دے گی اور اس کے منہ سے اپنا منہ ملا کر کہے گی' اس منہ کو مرحبا ہو' یہی میری تلاوت کیا کرتا تھا' اس سینے کو صد شاباش ہے اس نے مجھے یاد کر رکھا تھا' ان دونوں قدموں کو مبارک باد ہو' یہی کھڑے ہو کر راتوں کو میری قرأت کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے اور یہ سورت قبر میں اس کی مونس اور غم خوار بن جائے گی اور کوئی ڈر و دہشت اسے نہیں پہنچنے دے گی- اس حدیث کے سنتے ہی تمام چھوٹے' بڑے' آزاد اور غلام نے اسے سیکھ لیا' اس کا نام رسول اللہ ﷺ نے منجیہ رکھا' یعنی نجات دلوانے والی سورت' لیکن یہ یاد رہے کہ یہ حدیث بہت ہی منکر ہے' اس کے راوی فرات بن سائب کو امام احمدؒ امام یحییٰ بن معینؒ' امام بخاریؒ' امام ابو حاتمؒ' امام دارقطنیؒ وغیرہ ضعیف کہتے ہیں اور دوسری سند سے مروی ہے کہ یہ قول امام زہری کا ہے مرفوع حدیث نہیں-

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''اثبات عذاب القبر'' میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مرفوع بھی بیان کی ہے اور موقوف بھی- اس میں بھی جو مضمون ہے وہ اس کی شہادت میں کام دے سکتا ہے- ہم نے اسے احکام کبریٰ کی کتاب الجنائز میں بیان کیا ہے وللہ الحمد- طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قرآن کی ایک سورت ہے جس نے اپنے پڑھنے والے کی طرف سے خدا سے لڑ جھگڑ کر اسے جنت میں داخل کرایا' وہ سورۂ تبارک ہے- ترمذی شریف میں ہے کہ کسی صحابی نے جنگل میں ایک ڈیرہ لگایا جہاں ایک قبر بھی تھی لیکن اسے علم نہ تھا- اس نے سنا کہ کوئی شخص سورۂ ملک پڑھ رہا ہے اور اس نے اسے پوری پڑھی- اس نے نبی ﷺ سے سارا واقعہ بیان کیا تو حضورؐ نے فرمایا یہ سورت روکنے والی ہے' یہ سورت نجات دلوانے والی ہے جو عذاب قبر سے نجات دلواتی ہے- یہ حدیث غریب ہے- ترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے سورۂ الٓمّٓ تَنْزِیْلُ الخ اور سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِیْ ضرور پڑھ لیا کرتے تھے- حضرت طاؤس کی روایت سے ثابت ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن کی اور سورتوں پر ستر نیکیاں فضیلت رکھتی ہیں- طبرانی میں ہے حضور فرماتے ہیں میری دلی منشا ہے کہ یہ سورت میری امت میں سے ہر ایک کے دل میں رہے یعنی سورۂ تبارک- یہ حدیث بھی غریب ہے اور اس کا راوی ابراہیم ضعیف ہے اور اسی جیسی روایت سورۂ یٰسین کی تفسیر میں گزر چکی ہے- مسند عبد بن حمید ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے کہا آ میں تجھے ایک ایسا تحفہ دوں کہ تو خوش ہو جائے تَبٰرَكَ الَّذِیْ الخ پڑھا کر اور اسے اپنے اہل وعیال کو اولاد کو گھر کے بچوں کو اور پڑوسیوں کو سکھا' یہ سورت نجات دلوانے والی اور شفاعت کرنے والی ہے- قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کی طرف سے اللہ سے سفارش کرے گی اور اسے عذاب آگ سے بچا لے گی اور عذاب قبر سے بھی- رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں تو چاہتا ہوں کہ میرے ایک ایک امتی کے دل میں یہ ہو-

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ﴿۱﴾ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ﴿۴﴾

بہ نام اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے

بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○ جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے؟ جو غالب اور بخشنے والا ہے ○ جس نے ساتوں آسمانوں کو اوپر تلے پیدا کیا تو اے دیکھنے والے! اللہ رحمٰن کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا ○ دوبارہ نظریں ڈال کر دیکھ لے کیا کوئی شگاف بھی نظر آ رہا ہے؟ پھر دہرا کر دو دو بار دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف ذلیل ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی ○

بہتر عمل کی آزمائش کا نام زندگی ہے: ☆☆ (آیت: ۱-۴) اللہ تعالیٰ اپنی تعریف بیان فرما رہا ہے اور خبر دے رہا ہے کہ تمام مخلوق پر اسی کا قبضہ ہے جو چاہے کرے' کوئی اس کے حکموں کو ٹال نہیں سکتا' اس کے غلبہ اور حکمت اور عدل کی وجہ سے اس سے کوئی باز پرس بھی نہیں کر سکتا' وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہے- پھر اپنا موت وحیات کا پیدا کرنا بیان کر رہا ہے' اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ موت ایک وجودی امر ہے کیونکہ وہ بھی پیدا شدہ ہے- آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق کو عدم سے وجود میں لایا تا کہ اچھے اعمال والوں کا امتحان ہو جائے جیسے اور جگہ ہے کَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو؟ تم تو مردہ تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کر دیا' پس پہلے حال یعنی عدم کو یہاں بھی موت کہا گیا اور اس پیدائش کو حیات کہا گیا' اسی لئے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ وہ پھر تمہیں مار ڈالے گا اور پھر زندہ کر دے گا- ابن ابی حاتم میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ بنی آدم موت کی ذلت میں تھے- دنیا کو اللہ تعالیٰ نے حیات کا گھر بنا دیا پھر موت کا اور آخرت کو جزا کا پھر بقا کا- لیکن یہی روایت اور جگہ حضرت قتادہؒ کا اپنا قول ہونا بیان کی گئی ہے-

اچھے عمل والا کون؟: ☆☆ آزمائش اس امر کی ہے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے؟ اکثر عمل والا نہیں بلکہ بہتر عمل والا' وہ باوجود

غالب اور بلند جناب ہونے کے پھر عاصیوں اور سرتاب لوگوں کے لئے جب وہ رجوع کریں اور توبہ کریں' معاف کرنے اور بخشنے والا بھی ہے۔ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے ایک پر ایک' گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک پر ایک ملا ہوا ہے' لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ درمیان میں جگہ ہے اور ایک دوسرے کے اوپر فاصلہ ہے' زیادہ صحیح یہی قول ہے اور حدیث معراج وغیرہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ پروردگار کی مخلوق میں تو کوئی نقصان نہ پائے گا بلکہ تو دیکھے گا کہ وہ برابر ہے' نہ ہیر پھیر ہے' نہ مخالفت اور بے ربطگی ہے' نہ نقصان اور عیب اور خلل ہے' اپنی نظر آسمان کی طرف ڈال اور غور سے دیکھ کہ کہیں کوئی عیب' ٹوٹ پھوٹ' جوڑ توڑ' شگاف و سوراخ دکھائی دیتا ہے؟ پھر بھی اگر شک رہے تو دو دفعہ دیکھ لے کوئی نقصان نظر نہ آئے گا' گو تو نے خوب نظریں جما کر ٹٹول کر دیکھا ہو پھر بھی ناممکن ہے کہ تجھے کوئی شکست و ریخت نظر آئے' تیری نگاہیں تھک کر اور ناکام ہو کر نیچی ہو جائیں گی۔ نقصان کی نفی کر کے اب کمال کا اثبات ہو رہا ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيٰطِينِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ﴿۵﴾

بیشک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے زینت والا بنا دیا اور انہیں شیطانوں کو رجم کرنے والا بنا دیا اور شیطانوں کے لئے ہم نے جلنے کا عذاب تیار کر دیا ○

(آیت:۵) فرمایا آسمان دنیا کو ہم نے ان قدرتی چراغوں یعنی ستاروں سے بارونق بنا رکھا ہے جن میں بعض چلنے پھرنے والے ہیں اور بعض ایک جا ٹھہرے رہنے والے ہیں پھر ان کا ایک اور فائدہ بیان ہو رہا ہے کہ ان سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے' ان میں سے شعلے نکل کر ان پر گرتے ہیں' یہ نہیں کہ خود ستارہ ان پر ٹوٹے واللہ اعلم۔ شیاطین کی دنیا میں یہ رسوائی تو دیکھتے ہی ہو آخرت میں بھی ان کے لئے جلانے بھلسانے والا عذاب ہے۔ جیسے سورۂ صافات کے شروع میں ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی ہے اور سرکش شیطانوں سے حفاظت میں انہیں رکھا ہے وہ بلند و بالا فرشتوں کی باتیں سن نہیں سکتے اور چاروں طرف سے حملہ کر کے ہانک دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ اگر کوئی ان میں سے ایک آدھ بات اچک کر لے بھاگتا ہے تو اس کے پیچھے چمکدار تیز شعلہ لپکتا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ستارے تین فائدوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں آسمان کی زینت' شیطانوں کی مار اور راہ پانے کے نشانات' جس شخص نے اس کے سوا کوئی اور بات تلاش کی اس نے رائے کی پیروی کی اور اپنا صحیح حصہ کھو دیا اور باوجود علم نہ ہونے کے تکلف کیا (ابن جریر اور ابن ابی حاتم)

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۶﴾ اِذَآ اُلْقُوْا فِيهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيقًا وَّهِيَ تَفُورُ ﴿۷﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿۸﴾ قَالُوا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ كَبِيرٍ ﴿۹﴾ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيٓ اَصْحٰبِ السَّعِيرِ ﴿۱۰﴾ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيرِ ﴿۱۱﴾

اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے جو بڑی جگہ ہے ○ جب اس میں یہ ڈالے جائیں گے تو اس کی گدھے کی سی آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی ○ قریب ہے کہ غصے کے مارے پھٹ جائے' جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جاتا ہے اس سے جہنم کے داروغے پوچھتے ہیں کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا؟ ○ وہ جواب دیتے ہیں کہ آیا تو بیشک تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور کہا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا' تم بہت بڑی گمراہی میں ہی ہو ○ اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے ○ انہوں نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا' اب یہ دوزخی دفع ہوں دور ہوں ○

جہنم کا داروغہ سوال کرے گا: ☆☆ (آیت: ۶-۱۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے وہ جہنمی ہے' اس کا انجام اور جگہ بد سے بد ہے۔ یہ بلند اور مکروہ گدھے کی سی آوازیں مارنے والی اور جوش مارنے والی جہنم ہے جو ان پر جل بھن رہی ہے اور جوش اور غضب سے اس طرح کچ کچا رہی ہے کہ گویا ابھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور دوزخیوں کو زیادہ ذلیل کرنے اور آخری حجت قائم کرنے اور اقبالی مجرم بنانے کے لئے داروغہ جہنم ان سے پوچھتے ہیں کہ بدنصیبو! کیا خدا کے رسولوں نے تمہیں اس سے ڈرایا نہ تھا؟ تو یہ ہائے وائے کرتے ہوئے اپنی جانوں کو پیٹتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ آئے تو تھے لیکن وائے بدنصیبی کہ ہم نے انہیں جھوٹا جانا اور خدا کی کتاب کو بھی نہ مانا اور پیغمبروں کو بے راہ بتایا' اب عدل خدا صاف ثابت ہو چکا ہے اور فرمان باری پورا اترتا ہے جو اس نے فرمایا مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا "ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں کرتے۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا جب جہنمی جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے اور جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور داروغہ جہنم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ تو کہیں گے ہاں آئے تو تھے اور ڈرا بھی دیا تھا لیکن کافروں پر کلمہ عذاب حق ہو گیا۔ اب اپنے تئیں ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہمارے کان ہوتے' اگر ہم میں عقل ہوتی تو دھوکے میں نہ پڑتے رہتے' اپنے خالق و مالک کے ساتھ کفر نہ کرتے' نہ رسولوں کو جھٹلاتے نہ ان کی تابعداری سے منہ موڑتے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تو انہوں نے خود اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا' ان کے لئے لعنت ہو' دوری ہو' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگ جب تک دنیا میں اپنے آپ میں غور کریں گے اور اپنی برائیوں کو آپ دیکھ لیں گے' ہلاک نہ ہوں گے (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ قیامت والے دن اس طرح حجت قائم کی جائے گی کہ خود انسان سمجھ لے گا کہ میں دوزخ میں جانے کے ہی قابل ہوں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے غائبانہ طور پر ڈرتے رہتے ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور بڑا ثواب ○ تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو' وہ تو سینوں کی پوشیدگیوں کو بھی بخوبی جانتا ہے ○ کیا وہ بھی بے علم ہو سکتا ہے جو خالق ہو؟ پھر باریک بین اور باخبر ہو ○ وہ اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کو پست و مطیع کر دیا تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کی روزیاں کھاؤ پیو' اسی کی طرف تمہیں جی کر اٹھ کھڑا ہونا ہے ○

نافرمانی سے خائف ہی مستحق ثواب ہیں: ☆☆ (آیت:۱۲-۱۵) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوشخبری دے رہا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں گو تنہائی میں ہوں جہاں کسی کی نگاہیں ان پر نہ پڑ سکیں' تاہم خوف خدا سے کسی نافرمانی کے کام کو نہیں کرتے نہ اطاعت وعبادت سے جی چراتے ہیں ان کے گناہ بھی وہ معاف فرما دیتا ہے اور زبردست ثواب اور بہترین اجر عنایت فرمائے گا جیسے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جن سات شخصوں کو جناب باری اپنے عرش کا سایہ اس دن دے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا ان میں ایک وہ ہے جسے کوئی مال و جمال والی عورت زناکاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اسے بھی جو اس طرح پوشیدگی سے صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہ لگے- مسند بزار میں ہے کہ صحابہؓ نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ! ہمارے دلوں کی جو کیفیت آپ کے سامنے ہوتی ہے آپ کے بعد وہ نہیں رہتی' آپ نے فرمایا یہ بتاؤ رب کے ساتھ تمہارا کیا خیال رہتا ہے؟ جواب دیا کہ ظاہر باطن اللہ ہی کو ہم رب مانتے ہیں- فرمایا جاؤ پھر یہ نفاق نہیں-

پھر فرماتا ہے کہ تمہاری چھپی کھلی باتوں کا مجھے علم ہے دلوں کے خطروں سے بھی آگاہ ہوں' یہ ناممکن ہے کہ جو خالق ہو وہ عالم نہ ہو' مخلوق سے خالق بے خبر ہو وہ تو بڑا باریک بین اور بے حد خبر رکھنے والا ہے- ازاں بعد اپنی نعمت کا اظہار کرتا ہے کہ زمین کو اس نے تمہارے لئے مسخر کر دیا' وہ سکون کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے' ہل جل کر تمہیں نقصان نہیں پہنچاتی' پہاڑوں کی میخیں اس میں گاڑ دی ہیں' پانی کے چشمے اس میں جاری کر دیئے ہیں' راستے اس میں مہیا کر دیئے ہیں' قسم قسم کے نفع اس میں رکھ دیئے ہیں' پھل اور اناج اس میں سے نکل رہا ہے- جس جگہ تم جانا چاہو جا سکتے ہو' طرح طرح کی لمبی چوڑی سودمند تجارتیں کر رہے ہو' تمہاری کوششیں وہ بارآور کرتا ہے اور تمہیں اپنی روزیاں ان اسباب سے دے رہا ہے- معلوم ہوا کہ اسباب کے حاصل کرنے کی کوشش توکل کے خلاف نہیں- مسند احمد کی حدیث میں ہے اگر تم خدا کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کرو تو وہ تمہیں اس طرح روزیاں دے جس طرح پرندوں کو دے رہا ہے کہ اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور آسودہ حال واپس جاتے ہیں پس ان کا صبح شام آنا جانا اور رزق کو تلاش کرنا بھی توکل میں داخل سمجھا گیا کیونکہ اسباب کا پیدا کرنے والا انہیں آسان کرنے والا وہی خدائے واحد ہے اسی کی طرف قیامت کے دن لوٹنا ہے- حضرت ابن عباسؓ وغیرہ تو مناکب سے مراد راستے کونے اور ادھر ادھر کی جگہیں لیتے ہیں اور قتادہؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ مراد پہاڑ ہیں- حضرت بشیر بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور اپنی لونڈی سے جس سے انہیں اولاد ہوئی تھی فرمایا کہ اگر مناکب کی صحیح تفسیر تم بتا دو تو تم آزاد ہو اس نے کہا مراد اس سے پہاڑ ہیں- آپ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جواب ملا کہ یہ تفسیر صحیح ہے-

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝۱۶ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ۝۱۷ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝۱۸ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰۗفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ڼ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ۝۱۹

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین جنبش کرنے لگے ○ یا کیا تمہیں اس بات کا کھٹکا نہیں کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟ پھر تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا؟ ○ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا پس ان پر میرا عذاب کیسا کچھ ہوا؟ ○ کیا یہ اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور کبھی کبھی سمیٹے ہوئے اڑنے والے پرندوں کو نہیں دیکھتے؟ انہیں اللہ رحمٰن ہی تھامے ہوئے ہے' بے شک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے ○

وہ مغفرت کا مالک بھی اور گرفت پر قادر بھی ہے : ☆☆ (آیت:۱۶-۱۹) ان آیتوں میں بھی خدائے تبارک وتعالیٰ اپنے لطف و رحمت کا بیان فرما رہا ہے کہ لوگوں کے کفر وشرک کی بنا پر وہ طرح طرح کے دنیوی عذابوں پر بھی قادر ہے لیکن اس کا علم اور عفو ہے کہ وہ عذاب نہیں کرتا' جیسے اور جگہ فرمایا وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی برائیوں پر پکڑ لیتا تو روئے زمین پر کسی کو باقی نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک انہیں مہلت دیئے ہوئے ہے' جب ان کا وہ وقت آ جائے گا تو خدا ان مجرم بندوں سے آپ سمجھ لے گا - یہاں بھی فرمایا کہ زمین ادھر ادھر ہو جاتی اور ہلنے اور کانپنے لگ جاتی اور یہ سارے کے سارے اس میں دھنسا دیئے جاتے یا ان پر ایسی آندھی بھیج دی جاتی جس میں پتھر ہوتے اور ان کے دماغ توڑ دیئے جاتے جیسے اور جگہ ہے اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ یعنی کیا تم نڈر ہو گئے ہو کہ زمین کے کسی کنارے میں تم دھنس جاؤ یا تم پر وہ پتھر برسائے اور وہ کوئی نہ ہو جو تمہاری وکالت کر سکے - یہاں بھی فرمان ہے کہ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری دھمکیوں کو اور ڈرانے کو نہ ماننے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ تم آپ دیکھ لو کہ پہلے لوگوں نے بھی نہ مانا اور انکار کر کے میری باتوں کی تکذیب کی تو ان کا کس قدر بڑا اور عبرتناک انجام ہوا - تم میری قدرتوں کا روزمرہ کا یہ مشاہدہ کیا نہیں دیکھ رہے کہ پرند تمہارے سروں پر اڑتے پھرتے ہیں - کبھی دونوں پروں سے کبھی کسی کو روک کر - پھر کیا میرے سوا کوئی اور انہیں تھامے ہوئے ہے؟ میں نے ہواؤں کو مسخر کر دیا ہے اور یہ معلق اڑتے پھرتے ہیں - یہ بھی میرا لطف و کرم اور رحمت و نعمت ہے - مخلوقات کی حاجتیں ضرورتیں ان کی اصلاح اور بہتری کا نگراں اور کفیل میں ہی ہوں - جیسے اور جگہ فرمایا اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ کیا انہوں نے ان پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان وزمین کے درمیان مسخر ہیں' جن کا تھامنے والا بجز ذات باری کے اور کوئی نہیں' یقیناً اس میں ایمانداروں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں -

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾

سوائے اللہ کے تمہارا وہ کون سا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ کافر تو سراسر دھوکے میں ہیں ○ بتاؤ تو کون ہے جو تمہیں روزیاں دے اگر اللہ اپنی روزی روک لے؟ بلکہ کافر سرکشی اور بدکنے پر اڑ گئے ہیں ○ اچھا وہ شخص زیادہ ہدایت والا ہے جو اپنے منہ کے بل اوندھا ہو کر چلے یا وہ جو سیدھا پیروں کے بل راہ راست پر چل رہا ہو؟ ○

رزاق صرف رب قدیر ہے : ☆☆ (آیت:۲۰-۲۲) اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس عقیدے کی تردید کر رہا ہے جو وہ خیال رکھتے تھے کہ جن بزرگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ ان کی امداد کر سکتے ہیں اور انہیں روزیاں پہنچا سکتے ہیں - تو فرماتا ہے کہ سوائے خدا کے نہ تو کوئی مدد دے

سکتا ہے نہ روزی پہنچا سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے' کافروں کا یہ عقیدہ محض ایک دھوکا ہے۔ اگر اب اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری روزیاں روک لے تو پھر کوئی بھی انہیں جاری نہیں کر سکتا۔ دینے لینے پر' پیدا کرنے اور فنا کرنے پر' رزق دینے اور مدد کرنے پر صرف اللہ عزوجل وحدہ لاشریک لہ کو ہی قدرت ہے۔ یہ لوگ خود اسے دل سے جانتے ہیں تاہم اعمال میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کفار اپنی گمراہی' کج روی' گناہ اور سرکشی میں بہے چلے جاتے ہیں۔ ان کی طبیعتوں میں ضد' تکبر اور حق سے انکار بلکہ حق کی عداوت بیٹھ چکی ہے' یہاں تک کہ بھلی باتوں کا سننا بھی نہیں گوارا' انہیں عمل کرنا تو کہاں؟ پھر مومن و کافر کی مثال بیان فرماتا ہے کہ کافر کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص کمر کبڑی کرکے' سر جھکائے' نظریں نیچی کئے چلا جا رہا ہے' نہ راہ دیکھتا ہے نہ اسے معلوم ہے کہ کہاں جا رہا ہے بلکہ حیران و پریشان راہ بھولا اور ہکابکا ہے اور مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سیدھی راہ پر سیدھا کھڑا ہوا چل رہا ہے' راستہ خود صاف اور بالکل سیدھا ہے' یہ شخص خود اسے بخوبی جانتا ہے اور برابر صحیح طور پر اچھی چال سے چل رہا ہے۔ یہی حال ان کا قیامت کے دن ہوگا کہ کافر تو اوندھے منہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے اور مسلمان عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔ جیسے اور جگہ ہے اُحۡشُرُوا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا الخ ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے ان معبودوں کو جو خدا کے سواتھے جمع کر کے جہنم کا راستہ دکھا دو۔

مجرموں کا منہ کے بل چلایا جانا: ☆☆ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضور لوگ منہ کے بل چلا کر کس طرح حشر کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا جس نے پیروں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ صحیحین میں بھی یہ روایت ہے۔

قُلۡ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَكُمۡ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ قُلۡ هُوَ الَّذِىۡ ذَرَاَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَاِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلۡ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۖ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوۡهُ زُلۡفَةً سِيۡٓـئَتۡ وُجُوۡهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَقِيۡلَ هٰذَا الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَدَّعُوۡنَ ﴿۲۷﴾

کہہ دے کہ وہی اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے ہیں' تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو ○ کہہ دے کہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے ○ کافر پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ کب ظاہر ہوگا اگر تم سچے ہو تو بتاؤ؟ ○ تو کہہ دے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے' میں تو صرف کھلے طور پر آگاہ کر دینے والا ہوں ○ جب یہ لوگ اس وعدے کو قریب تر پالیں گے اس وقت ان کافروں کے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے جسے تم طلب کیا کرتے تھے ○

(آیت: ۲۳-۲۷) خدا وہ ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ جب کہ تم کچھ نہ تھے پیدا کیا' تمہیں کان' آنکھ اور دل دیئے یعنی عقل و ادراک تم میں پیدا کیا لیکن تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو یعنی اپنی ان قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی حکم برداری میں اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے میں بہت ہی کم خرچ کرتے ہو۔ خدا ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا' تمہاری زبانیں جداگانہ' تمہارے رنگ روپ جداگانہ' تمہاری شکلوں صورتوں میں اختلاف اور تم زمین کے چپہ چپہ پر بسا دیئے گئے پھر اس پراگندگی اور بکھرنے کے بعد وہ وقت بھی آئے گا کہ تم سب اس

کے سامنے لا کر کھڑے کر دیئے جاؤ گے' اس نے جس طرح تمہیں ادھر ادھر پھیلا دیا ہے اسی طرح ایک طرف سمیٹ لے گا اور جس طرح اولاً اس نے تمہیں پیدا کیا دوبارہ تمہیں لوٹائے گا۔

دوبارہ بٹھایا جانا: پھر بیان ہوتا ہے کہ کافر جو مر کر دوبارہ جینے کے قائل نہیں وہ اس دوسری زندگی کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں اس کا بیان سن کر اعتراض کرتے ہیں کہ اچھا پھر وہ وقت کب آئے گا جس کی ہمیں خبر دے رہے ہو' اگر سچے ہو تو بتا دو کہ اس پرگندگی کے بعد اجتماع کب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ انہیں جواب دو کہ اس کا علم مجھے نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی اسے تو صرف وہی علام الغیوب جانتا ہے' ہاں اتنا مجھے کہا گیا ہے کہ وہ وقت آئے گا ضرور' میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں تمہیں خبردار کر دوں اور اس دن کی ہولناکیوں سے مطلع کر دوں' میرا فرض صرف تمہیں پہنچا دینا تھا جسے بحمد للہ میں ادا کر چکا۔ پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ جب قیامت قائم ہونے لگے گی اور کفار اسے اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے اور معلوم کر لیں گے کہ اب وہ قریب آ گئی کیونکہ ہر آنے والی چیز آ کر ہی رہتی ہے گو دیر سویر آئے' جب یہ اسے آ لگی ہوئی پا لیں گے جسے اب تک جھٹلاتے رہے تو انہیں بہت برا لگے گا کیونکہ اپنی غفلت کا نتیجہ سامنے دیکھنے لگیں گے اور قیامت کی ہولناکیاں بدحواس کیئے ہوئے ہوں گی' آثار سب سامنے ہوں گے' اس وقت ان سے بطور ڈانٹ کے اور بطور ذلیل کرنے کے کہا جائے گا یہی ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاۗؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَاۗءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾

ع ۱۶

تو کہہ اچھا اگر مجھے اور میرے ساتھیوں کو اللہ ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے بہر صورت یہ تو بتاؤ کہ کافروں کو دردناک عذابوں سے کون بچائے گا؟ ○ تو کہہ کہ وہی رحمٰن ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے' تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے ○ تو کہہ کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے پینے کا پانی زمین چوس جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے نتھرا ہوا جاری پانی لائے؟ ○

زمین سے پانی ابلنا بند ہو جائے تو؟ ☆☆ (آیت: ۲۸-۳۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی! ان مشرکوں سے کہو جو اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں کہ تم جو اس بات کی تمنا میں ہو کہ ہمیں نقصان پہنچے تو فرض کرو کہ ہمیں خدا کی طرف سے نقصان پہنچا یا اس نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر رحم کیا لیکن اس سے تمہیں کیا؟ صرف اس امر سے تمہارا چھٹکارا تو نہیں ہو سکتا؟ تمہاری نجات کی صورت یہ تو نہیں نجات تو موقوف ہے توبہ کرنے پر' اللہ کی طرف جھکنے پر' اس کے دین کو مان لینے پر' ہمارے بچاؤ یا ہلاکت پر تمہاری نجات نہیں۔ تم ہمارا خیال چھوڑ کر اپنی بخشش کی صورت تلاش کرو۔ پھر فرمایا ہم رب العالمین رحمٰن و رحیم پر ایمان لا چکے' اپنے تمام امور میں ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے۔ جیسے ارشاد ہے فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر' اب تم عنقریب جان لو گے کہ دنیا اور آخرت میں فلاح و بہبود کسے ملتی ہے اور نقصان و خسران میں کون پڑتا ہے؟ رب کی رحمت کس پر ہے؟ اور ہدایت پر کون ہے؟ خدا کا غضب کس پر ہے؟ اور بری راہ پر

کون ہے؟ پھر فرماتا ہے اگر اس پانی کو جس کے پینے پر انسانی زندگی کا مدار ہے زمین چوس لے یعنی زمین سے نکلے ہی نہیں گو تم کھودتے کھودتے تھک جاؤ تو سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی ہے جو بہنے والا ابلنے والا اور جاری ہونے والا پانی تمہیں دے سکے؟ یعنی اللہ کے سوا اس پر قادر کوئی نہیں' وہی ہے جو اپنے فضل وکرم سے پاک صاف نتھرے ہوئے اور صاف پانی کو زمین پر جاری کرتا ہے جو ادھر سے ادھر تک پھر جاتا ہے اور بندوں کی حاجتوں کو پوری کرتا ہے' ضرورت کے مطابق ہر جگہ بہ آسانی مہیا ہو جاتا ہے - فالحمدللہ - خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم سے سورۂ ملک کی تفسیر ختم ہوئی - فالحمدللہ رب العالمین - (حدیث میں ہے کہ اس آیت کے جواب میں اللہ رب العلمین کہنا چاہئے - مترجم)

تفسیر سورة القلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝۵ بِاَيِّيكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝۶ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷

اللہ رحیم ورحمان کے نام سے شروع

قسم ہے قلم کی اور اس کی جو لکھتے ہیں ○ تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ○ بیشک تیرے لئے بے انتہا ثواب ہے ○ اور بے شک تو بہت بڑے اخلاق پر ہے ○ پس اب تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے ○ کہ تم میں سے مجنون کون ہے؟ ○ بیشک تیرا رب اپنی راہ سے بہکنے والوں کو خوب جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں کو بھی بخوبی جانتا ہے ○

نون سے کیا مراد ہے؟: ☆☆ (آیت:۱-۷) نون وغیرہ جیسے حروف ہجا کا مفصل بیان سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے اس لئے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں' کہا گیا ہے کہ یہاں ن سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ایک محیط عالم پانی پر ہے جو ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہوئے ہے - ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ ڈال' پس اس دن سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس پر قلم جاری ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی پیدا کی اور پانی کے بخارات بلند کئے جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر رکھا' مچھلی نے حرکت کی جس سے زمین بھی ہلنے لگی پس زمین پر پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط اور ساکن کر دیا پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم) مطلب یہ ہے کہ یہاں ن سے مراد یہ مچھلی ہے -

طبرانی میں مرفوعاً مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو اور مچھلی کو پیدا کیا' قلم نے دریافت کیا میں کیا لکھوں؟ حکم ہوا ہر وہ چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے' پھر آپ نے پہلی آیت کی تلاوت کی - پس نون سے مراد یہ مچھلی ہے اور قلم سے مراد یہ قلم ہے - ابن عساکر کی حدیث میں ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر نون یعنی دوات کو پھر قلم سے فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا؟ فرمایا جو ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے - عمل' رزق' عمر' موت وغیرہ پس قلم نے سب کچھ لکھ لیا یہی مراد ہے اس آیت میں - پھر قلم پر مہر لگا دی اب وہ قیامت تک نہ چلے گا' پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم! اپنے دوستوں میں تو میں تجھے کمال تک پہنچاؤں گا اور اپنے دشمنوں میں تجھے ناقص

رکھوں گا- مجاہد فرماتے ہیں یہ مشہور تھا کہ نون سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے- بغوی وغیرہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کی پیٹھ پر ایک چٹان ہے جس کی موٹائی آسمان و زمین کے برابر ہے' اس پر ایک بیل ہے جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں' اس کی پیٹھ پر ساتوں زمینیں اور ان پر تمام مخلوق ہے واللہ اعلم-

اور تعجب تو یہ ہے کہ ان بعض مفسرین نے اس حدیث کو بھی انہی معانی پر محمول کیا ہے جو مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ آ گئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور بہت کچھ سوالات کئے- کہا کہ میں وہ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جنہیں نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا- بتلایئے قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ کبھی بچہ اپنے باپ کی طرف کھنچتا ہے کبھی ماں کی طرف؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ باتیں ابھی ابھی جبرئیل نے مجھے بتا دیں- ابن سلام کہنے لگے فرشتوں میں سے یہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا دشمن ہے' آپ نے فرمایا سنو قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ کا نکلنا ہے جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے اور اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر سابق آ جائے تو لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جائے تو وہی کھینچ لیتی ہے-

دوسری حدیث میں اتنی زیادتی ہے کہ پوچھا جنتیوں کے اس کھانے کے بعد انہیں کیا ملے گا فرمایا جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت میں چرتا چگتا رہا تھا- پوچھا انہیں پانی کون سا ملے گا؟ فرمایا سلسبیل نامی نہر کا- یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد ن سے نور کی تختی ہے- ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد نور کی تختی اور نور کا قلم ہے جو قیامت تک کے احوال پر چل چکا ہے- ابن جریج فرماتے ہیں مجھے خبر دی گئی ہے کہ یہ نورانی قلم سو سال کی طولانی رکھتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ن سے مراد دوات ہے اور قلم سے مراد قلم ہے- حسنؒ اور قتادہؒ بھی یہی فرماتے ہیں- ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ مروی ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ نے نون کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نون یعنی دوات کو پیدا کیا اور قلم کو پیدا کیا پھر فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا جو قیامت تک ہونے والا ہے اعمال خواہ نیک ہوں خواہ بد' روزی خواہ حلال ہو خواہ حرام' پھر یہ بھی کہ کون سی چیز دنیا میں کب جائے گی؟ کس قدر رہے گی؟ کیسے نکلے گی؟ پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر محافظ فرشتے مقرر کئے اور کتاب پر داروغے مقرر کئے- حافظ فرشتے ہر دن ان کے عمل خازن فرشتوں سے دریافت کر کے لکھ لیتے ہیں' جب رزق ختم ہو جاتا ہے' عمر پوری ہو جاتی ہے' اجل آ پہنچتی ہے تو حافظ فرشتے داروغہ فرشتوں کے پاس آ کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ آج کے دن کا کیا سامان ہے؟ وہ کہتے ہیں بس اس شخص کے لئے ہمارے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا- یہ سن کر یہ فرشتے نیچے اترتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ مر گیا- اس بیان کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم تو عرب ہو کیا تم نے قرآن میں حافظ فرشتوں کی بابت یہ نہیں پڑھا اِنَّا نَسْتَنْسِخُ مَاکُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے اعمال کو اصل سے نقل کر لیا کرتے تھے-

قلم سے کیا مراد ہے؟ : ☆☆ یہ تو تھا لفظ ن کے متعلق بیان اب قلم کی نسبت سنئے- بہ ظاہر مراد یہاں عام قلم ہے جس سے لکھا جاتا ہے جیسے اور جگہ فرمان عالیشان ہے اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ یعنی اس اللہ نے قلم سے لکھنا سکھایا پس اس کی قسم کھا کر اس بات پر آگاہی کی جاتی ہے کہ مخلوق پر میری ایک نعمت یہ بھی ہے کہ میں نے انہیں لکھنا سکھایا جس سے علوم تک ان کی رسائی ہو سکے- اس لئے اس کے بعد فرمایا وَمَا یَسْطُرُوْنَ یعنی اس چیز کی قسم جو لکھتے ہیں- حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر یہ بھی مروی ہے کہ اس چیز کی جو جانتے ہیں-

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد اس سے فرشتوں کا لکھنا ہے جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اور دیگر مفسرین کہتے ہیں مراد اس سے وہ قلم ہے جو قدرتی طور پر چلا اور تقدیریں لکھیں' آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اور اس قول کی دلیل میں یہ جماعت وہ حدیثیں وارد کرتی ہے جو قلم کے ذکر میں مروی ہیں- حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے ذکر لکھا گیا-

نبی دیوانہ نہیں ہوتا: ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! تو بحمد للہ دیوانہ نہیں جیسے کہ تیری قوم کے جاہل منکرین حق کہتے ہیں بلکہ تیرے لئے اجر عظیم ہے اور ثواب بے پایاں ہے جو نہ ختم ہو نہ ٹوٹے نہ کٹے کیونکہ تو نے حق رسالت ادا کر دیا ہے اور ہماری راہ میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی ہیں- ہم تجھے بے حساب بدلہ دیں گے' تو بہت بڑے خلق پر ہے یعنی دین اسلام پر اور بہترین ادب پر ہے- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اخلاق نبوی کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتی ہیں کہ آپ کا خلق قرآن تھا- سعیدؒ فرماتے ہیں یعنی جیسے کہ قرآن میں ہے ایک ورحدیث میں ہے کہ صدیقہؓ نے پوچھا کہ کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ سائل حضرت سعید بن ہشام نے کہا ہاں پڑھا ہے- آپ نے فرمایا بس تو آپ کا خلق قرآن کریم تھا- مسلم میں یہ حدیث پوری پوری ہے جسے ہم سورۂ مزمل کی تفسیر میں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ-

خلق رسولؐ: ☆☆ بنوسواد کے ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے یہی فرما کر پھر آیت وانك لعلى خلق عظيم پڑھی- اس نے کہا کوئی ایک آدھ واقعہ تو بیان کیجئے؟ مائی صاحبہ نے فرمایا سنو! ایک مرتبہ میں نے بھی آپؐ کے لئے کھانا پکایا اور حضرت حفصہؓ نے بھی' میں نے اپنی لونڈی سے کہا دیکھ اگر میرے کھانے سے پہلے حضرت حفصہؓ کے ہاں کا کھانا آ جائے تو تو گرا دینا' چنانچہ اس نے یہی کیا اور برتن بھی ٹوٹ گیا- حضور بکھرے ہوئے کھانے کو سمیٹنے لگے اور فرمایا اس برتن کے بدلے ثابت برتن تم دو- واللہ اور کچھ ڈانٹا ڈپٹا نہیں (مسند احمد)

مطلب اس حدیث کا جو کئی طریق سے مختلف الفاظ میں کئی کتابوں میں ہے یہ ہے کہ ایک تو آپ کی جبلت اور پیدائش میں ہی رب العلمین نے پسندیدہ اخلاق' بہترین خصلتیں اور پاکیزہ عادتیں رکھی تھیں اس پر آپ کا عمل قرآن کریم پر ایسا تھا کہ گویا احکام قرآن کا مجسم عملی نمونہ آپ ہیں ہر حکم کو بجالانے اور ہر نہی سے رک جانے میں آپ کی حالت یہ تھی کہ گویا قرآن میں جو کچھ ہے وہ آپ کی عادتوں اور آپ کے کریمانہ اخلاق کا بیان ہے- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی لیکن کسی دن اف تک نہیں کہا' کسی کرنے کے کام کو نہ کروں یا نہ کرنے کے کام کو کر گزروں تو بھی ڈانٹ ڈپٹ تو کجا اتنا بھی نہ فرماتے کہ ایسا کیوں ہوا؟

حضورؐ کا حلیہ مبارک: ☆☆ حضورؐ سب سے زیادہ خوش خلق تھے- حضور کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ تو ریشم ہے نہ کوئی اور چیز' حضور کے پسینہ سے زیادہ خوشبو والی چیز میں نے تو کوئی نہیں سونگھی نہ مشک اور نہ عطر (صحیحین) صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براء فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ خلیق تھے' آپ کا قد نہ تو بہت لانبا تھا نہ آپ پست قامت تھے اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں- شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے نہ تو کبھی کسی خادم یا غلام کو مارا نہ بیوی بچوں کو نہ کسی اور کو ہاں اللہ کی راہ کا جہاد الگ چیز ہے- جب کبھی دو کاموں میں آپ کو اختیار دیا جاتا تو آپ اسے پسند کرتے جو زیادہ آسان ہوتا- ہاں یہ اور بات ہے کہ اس میں کچھ گناہ ہو تو آپ اس سے بہت دور ہو جاتے' کبھی بھی حضورؐ نے اپنا بدلہ کسی سے نہیں لیا

ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی خدا کی حرمتوں کو توڑتا ہو تو آپ خدا کے احکام جاری کرنے کے لئے ضرور انتقام لیتے - مسند احمد میں ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں میں بہترین اخلاق اور پاکیزہ ترین عادتوں کو پورا کرنے کے لئے آیا ہوں- پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! آپ اور آپ کے مخالف اور منکر ابھی ابھی جان لیں گے کہ دراصل بہکا ہوا اور گمراہ کون تھا؟ جیسے اور جگہ ہے سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْکَذَّابُ الْاَشِرُ انہیں ابھی کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور شیخی باز کون تھا؟ جیسے اور جگہ ہے وَاِنَّآ اَوْاِیَّاکُمْ لَعَلٰی ھُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی پر- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی یہ حقیقت قیامت کے دن کھل جائے گی- آپ سے مروی ہے کہ مفتون مجنون کو کہتے ہیں' مجاہد وغیرہ کا بھی یہی قول ہے' قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی کون شیطان سے نزدیک تر ہے؟ مفتون کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو حق سے بہک جائے اور گمراہ ہو جائے- اَیِّکُمْ پر باء کو اس لئے داخل کیا گیا ہے کہ دلالت ہو جائے کہ فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ میں تضمین فعل ہے تو تقدیری عبارت کو ملا کر ترجمہ یوں ہو جائے گا کہ تو بھی اور وہ بھی عنقریب جان لیں گے اور تو بھی اور وہ سب بھی بہت جلدی مفتون کی خبر دے دیں گے واللہ اعلم- پھر فرمایا کہ تم میں سے بہکنے والے اور راہ راست والے سب خدا پر ظاہر ہیں اسے خوب معلوم ہے کہ راہ راست سے کس کا قدم پھسل گیا ہے-

فَلَا تُطِعِ الْمُکَذِّبِیْنَ ۝۸ وَدُّوْا لَوْ تُدْھِنُ فَیُدْھِنُوْنَ ۝۹ وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّھِیْنٍ ۝۱۰ ھَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ۝۱۲ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ ۝۱۳ اَنْ کَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِیْنَ ۝۱۴ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۵ سَنَسِمُہٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ ۝۱۶

پس تو جھٹلانے والوں کی نہ مان ○ وہ تو چاہتے ہیں کہ تو سستی کرے تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں ○ اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کہنا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا بے وقار ○ کمینہ' عیب گو' چغل خور ○ بھلائی سے روکنے والا' حد سے بڑھ جانے والا گناہ گار ○ گردن کش پھر ساتھ ہی مشہور بدنام ہو ○ اس کی سرکشی صرف اس لئے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے ○ جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے قصے ہیں ○ ہم بھی اس کی ناک پر داغ دیں گے ○

زیادہ قسمیں کھانے والے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں: ☆☆ (آیت: ۸-۱۶) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے نبی! جو نعمتیں ہم نے تجھے دیں جو صراط مستقیم اور خلق عظیم ہم نے تجھے عطا فرمایا' اب تجھے چاہئے کہ ہماری نہ ماننے والوں کو تو نہ مان' ان کی تو عین خوشی ہے کہ آپ ذرا بھی نرم پڑیں تو یہ کھل کھیلیں اور یہ بھی مطلب ہے کہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے معبودان باطل کی طرف کچھ تو رخ کریں' حق سے ذرا سا تو ادھر ادھر ہو جائیں- پھر فرماتا ہے کہ زیادہ قسمیں کھانے والے کمینے شخص کی بھی نہ مان چونکہ جھوٹے شخص کو اپنی ذلت اور کذب بیانی کے ظاہر ہو جانے کا ڈر رہتا ہے اس لئے وہ قسمیں کھا کھا کر دوسرے کو اپنا یقین دلانا چاہتا ہے' دھبا دھب قسموں پر قسمیں کھائے چلا جاتا ہے اور خدا کے ناموں کو بے موقع استعمال کرتا پھرتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مھین سے مراد کاذب ہے- مجاہدؒ کہتے ہیں ضعیف دل والا' حسن کہتے ہیں حلاف مکابرہ کرنے والا اور مھین ضعیف' ھماز غیبت کرنے والا چغل خور جو ادھر کی ادھر لگائے اور ادھر کی ادھر تا کہ فساد ہو جائے' طبیعتوں میں بل اور دل میں بیر آ جائے- رسول اللہ ﷺ کے راستے میں دو قبریں آ گئیں' آپ نے فرمایا' ان دونوں

کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے امر پر نہیں ایک تو پیشاب کرنے میں پردے کا خیال نہ رکھتا تھا' دوسرا چغل خور تھا۔'' (بخاری مسلم) فرماتے ہیں چغل خور جنت میں نہ جائے گا (مسند) دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اس وقت سنائی تھی جب آپ سے کہا گیا کہ یہ شخص خفیہ پولیس کا آدمی ہے۔

سب سے بہتر اور سب سے بدتر شخص: ☆☆ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بھلا شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور ارشاد فرمایئے فرمایا وہ کہ جب انہیں دیکھا جائے خدا یاد آ جائے اور سن لو سب سے بدتر شخص وہ ہے جو چغل خور ہو' دوستوں میں فساد ڈلوانے والا ہو' پاک صاف لوگوں کو تہمت لگانے والا ہو۔ ترمذی میں بھی یہ روایت ہے پھر ان بدلوگوں کے ناپاک خصائل بیان ہو رہے ہیں کہ بھلائیوں سے باز رہنے والا اور باز رکھنے والا ہے' حلال چیزوں اور حلال کاموں سے ہٹ کر حرام خوری اور حرام کاری میں پڑتا ہے۔ گنہگار' بدکردار' محرمات کو استعمال کرنے والا' بدخو' بدگو' جمع کرنے والا اور نہ دینے والا ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا جنتی لوگ گرے پڑے عاجز وضعیف ہیں جو خدا کے ہاں اس بلند مرتبہ پر ہیں کہ اگر وہ قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ پوری کر دے اور جہنمی لوگ سرکش متکبر اور خود بین ہوتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے جمع کرنے والے اور نہ دینے والے بدگو اور سخت خلق۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا عتل زنیم کون ہے؟ فرمایا بدخلق' خوب کھانے پینے والا' لوگوں پر ظلم کرنے والا پیٹو آدمی۔ لیکن اس روایت کو اکثر راویوں نے مرسل بیان کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے اس نالائق شخص پر آسمان روتا ہے جسے خدا نے تندرستی دی' پیٹ بھر کھانے کو دیا' مال و جاہ بھی عطا فرمایا پھر بھی لوگوں پر ظلم و ستم کر رہا ہے۔ یہ حدیث بھی دو مرسل طریقوں سے مروی ہے۔ غرض عتل کہتے ہیں جس کا بدن صحیح ہو' طاقتور ہو اور خوب کھانے پینے والا زوردار شخص ہو۔ زنیم سے مراد بدنام ہے جو برائی میں مشہور ہو۔ لغت عرب میں زنیم اسے کہتے ہیں جو کسی قوم میں سمجھا جاتا ہو لیکن دراصل اس کا نہ ہو۔ عرب شاعروں نے اسے اسی معنی میں باندھا ہے یعنی جس کا نسب صحیح نہ ہو۔ کہا گیا ہے کہ مراد اس سے اخنس بن شریق ثقفی ہے جو بنو زہرہ کا حلیف تھا اور بعض کہتے ہیں یہ اسود بن عبد یغوث زہری ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں ولد الزنا مراد ہے' یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جس طرح ایک بکری جو تمام بکریوں میں سے الگ تھلگ اپنا چرا ہوا کان اپنی گردن پر لٹکائے ہوئے ہو تو یہ یک نگاہ پہچان لی جاتی ہے اسی طرح کافر مومنوں میں پہچان لیا جاتا ہے۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن خلاصہ سب کا صرف اسی قدر ہے کہ زنیم وہ شخص ہے جو برائی سے مشہور ہو اور عموماً ایسے لوگ ادھر ادھر سے ملے ہوئے ہوتے ہیں جن کے صحیح نسب کا اور حقیقی باپ کا پتہ نہیں ہوتا' ایسوں پر شیطان کا غلبہ بہت زیادہ رہا کرتا ہے۔ جیسے حدیث میں ہے زنا کی اولاد جنت میں نہیں جائے گی اور ایک روایت میں ہے کہ زنا کی اولاد تین برے لوگوں کی برائی کا مجموعہ ہے اگر وہ بھی اپنے ماں باپ کے سے کام کرے۔

پھر فرمایا اس کی ان شرارتوں کی وجہ یہ ہے کہ یہ مالدار اور بیٹوں کا باپ بن گیا ہے' ہماری اس نعمت کا گن گانا تو کہاں ہماری آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور توہین کر کے کہتا پھرتا ہے کہ یہ تو پرانے افسانے ہیں اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ذَرۡنِیۡ وَمَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا مجھے چھوڑ دے اور اسے جسے میں نے یکتا پیدا کیا ہے اور بہت سا مال دیا ہے اور حاضر باش لڑکے دیئے ہیں اور بھی بہت کشادگی دے رکھی ہے پھر بھی اس کی طمع ہے کہ میں اسے اور دوں' ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو میری آیتوں کا مخالف ہے' میں اسے عنقریب بدترین مصیبت میں ڈالوں گا' اس نے غور و فکر کر کے اندازہ لگایا' یہ تباہ ہو' کتنی بری تجویز اس نے سوچی؟ میں پھر کہتا ہوں یہ برباد ہو اس نے کیسی بری تجویز اس نے سوچی پھر نظر ڈالی اور ترش رو ہو کر منہ بنا لیا پھر منہ پھیر کر اٹھنے لگا اور کہہ دیا کہ یہ کلام اللہ تو پرانا نقل کیا ہوا جادو ہے' صاف ظاہر ہے کہ یہ انسانی کلام ہے' اس کی اس بات پر میں بھی اسے سقر میں ڈالوں گا' تجھے کیا معلوم کہ سقر کیا ہے؟ نہ وہ باقی رکھے نہ چھوڑے' پنڈے پر لپٹ جاتی ہے' اس پر انیس

فرشتے متعین ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ اس کی ناک پر ہم داغ لگائیں گے یعنی اسے ہم اس قدر رسوا کریں گے کہ اس کی برائی کسی پر پوشیدہ نہ رہے' ہر ایک اسے جان پہچان لے جیسے نشاندار ناک والے کو بہ یک نگاہ ہزاروں میں لوگ پہچان لیتے ہیں اور جو داغ چھپائے نہ چھپ سکے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بدر والے دن اس کی ناک پر تلوار لگے گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیامت والے دن جہنم کی مہر لگے گی یعنی منہ کالا کر دیا جائے گا۔ تو ناک سے مراد پورا چہرہ ہوا۔ امام ابو جعفر ابن جریر نے ان تمام اقوال کو وارد کر کے فرمایا ہے کہ ان سب میں تطبیق اس طرح ہو جاتی ہے کہ یہ کل امور اس میں جمع ہو جائیں' یہ بھی ہو وہ بھی ہو' دنیا میں بھی رسوا ہو' سچ مچ ناک پر نشان لگے' آخرت میں بھی نشاندار مجرم بنے۔ فی الواقع یہ ہے بہت درست۔ ابن ابی حاتم میں فرمان رسول ہے کہ بندہ ہزار ہا پھر ہزار ہا برس تک خدا کے ہاں مومن لکھا رہتا ہے لیکن مرتا اس حالت میں ہے کہ خدا اس پر ناراض ہوتا ہے اور بندہ خدا کے ہاں کافر ہزار ہا سال تک لکھا رہتا ہے پھر مرتے وقت خدا اس سے خوش ہو جاتا ہے' جو شخص عیب گوئی اور چغل خوری کی حالت میں مرے' جو لوگوں کو بدنام کرنے والا ہو قیامت کے دن اس کی ناک پر دونوں ہونٹوں کی طرف سے نشان لگا دیا جائے جو اس مجرم کی علامت بن جائے گا۔

إِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ إِذْ أَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ أَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ أَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

بیشک ہم نے انہیں اسی طرح آزمالیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا' جب کہ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کا پھل اتار لیں گے ○ اور ان شاء اللہ نہ کہا ○ پس اس پر تیرے رب کی جانب سے ایک بلا چوطرف گھوم گئی اور یہ سوتے ہی رہے تھے ○ پس وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی ○ اب صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں کہ ○ اگر تمہیں پھل اتارنے ہیں تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی سویرے چلو ○ پھر یہ سب چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے ○ اس خوف سے کہ آج کے دن کوئی مسکین تمہارے پاس نہ آ جائے ○ اور لپکے ہوئے صبح ہی صبح پہنچ گئے' سمجھ رہے تھے کہ ہم قابو پا گئے ○

سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی : ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۵) یہاں ان کافروں کی جو حضورؐ کی نبوت کو جھٹلا رہے تھے مثال بیان ہو رہی ہے کہ جس طرح یہ باغ والے تھے کہ خدا کی نعمت کی ناشکری کی اور خدا کے عذابوں میں اپنے تئیں ڈال دیا' یہی حالت ان کافروں کی ہے کہ خدا کی نعمت یعنی حضورؐ کی پیغمبری کی ناشکری یعنی انکار نے انہیں بھی خدا کی ناراضگی کا مستحق کر دیا ہے' تو فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بھی آزمالیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا' جس باغ میں طرح طرح کے پھل میوے وغیرہ تھے ان لوگوں نے آپس میں قسمیں کھائیں کہ صبح سے پہلے ہی پہلے رات کے وقت پھل اتار لیں گے تا کہ فقیروں مسکینوں اور سائلوں کو پتہ نہ چلے جو وہ آ کھڑے ہوں اور ہمیں ان کو بھی دینا پڑے بلکہ کل پھل اور میوے خود ہی لے آئیں گے' اپنی اس تدبیر کی کامیابی پر انہیں غرور تھا اور اس خوشی میں پھولے ہوئے تھے یہاں تک کہ خدا کو بھی بھول گئے' ان شاء اللہ تک کسی کی زبان سے نہ نکلا اس لئے ان کی یہ قسم پوری نہ ہوئی۔ رات ہی رات میں ان کے پہنچنے سے پہلے آسمانی

آفت نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا' ایسا ہو گیا جیسے سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی - اسی لئے حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگو گناہوں سے بچو' گناہوں کی شامت کی وجہ سے انسان اس روزی سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کر دی گئی ہے پھر حضور نے ان دو آیتوں کی تلاوت کی کہ یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہ کے اپنے باغ کے پھل اور اس کی پیداوار سے بے نصیب ہو گئے (ابن ابی حاتم)

صبح کے وقت یہ آپس میں ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ اگر پھل اتارنے کا ارادہ ہے تو اب دیر نہ لگاؤ' سویرے ہی چل پڑو- حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ باغ انگور کا تھا اب یہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے تاکہ کوئی سن نہ لے اور غریب غرباء کو پتہ نہ لگ جائے چونکہ ان کی سرگوشیاں اس اللہ سے تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں جو دلی ارادوں سے بھی پوری طرح واقف رہتا ہے' وہ بیان فرماتا ہے کہ ان کی وہ خفیہ باتیں یہ تھیں کہ دیکھو ہوشیار رہو کوئی مسکین بھنک پا کر کہیں آج آ نہ جائے' ہرگز کسی فقیر کو باغ میں گھسنے ہی نہ دینا' اب قوت و شدت کے ساتھ پختہ ارادے اور غریبوں پر غصے کے ساتھ اپنے باغ کو چلے - سدیؒ فرماتے ہیں حردان کی بستی کا نام تھا لیکن یہ کچھ زیادہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا' یہ جانتے تھے کہ اب ہم پھلوں پر قابض ہیں ابھی اتار کر سب لے آئیں گے-

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

جب انہوں نے باغ کو دیکھا تو کہنے لگے یقیناً ہم راستہ بھول گئے ○ نہیں نہیں بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی ○ ان سب میں جو بہتر تھا اس نے کہا کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ کی پاکیزگی کیوں بیان نہیں کرتے؟ ○ تو سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم ظالم ہیں ○ اب ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں ملامت کرنے لگے ○ کہنے لگے ہائے افسوس یقیناً ہم سرکش تھے ○ کیا عجب کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے ہم اپنے رب سے ہی آرزو رکھتے ہیں ○ یونہی آتی ہے آفت' اور آخرت کی آفت بہت بری ہے کاش کہ انہیں سمجھ ہوتی ○

(آیت:۲۶-۳۳) لیکن جب وہاں پہنچے تو ہکے بکے ہو گئے' دیکھتے ہیں کہ لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ میوؤں سے لدے ہوئے درخت اور پکے ہوئے پھل سب غارت اور برباد ہو چکے ہیں' سارے باغ میں آندھی پھر گئی ہے اور کل باغ میووں سمیت جل کر کوئلہ ہو گیا ہے کوئی پھل آدمی کے دام کا بھی نہیں رہا ساری تروتازگی پھوست سے بدل گئی ہے' باغ سارا کا سارا جل کر راکھ ہو گیا ہے درختوں کے کالے کالے ڈراؤنے ٹھنڈ کھڑے ہوئے ہیں تو پہلے تو سمجھے کہ ہم راہ بھول گئے کسی اور باغ میں چلے آئے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا طریقہ کار غلط تھا جس کا یہ نتیجہ ہے پھر بغور دیکھنے سے جب یقین ہو گیا کہ باغ تو یہ ہمارا ہی ہے تب سمجھ گئے اور کہنے لگے ہے تو یہی لیکن ہم بدقسمت ہیں' ہمارے نصیب میں ہی اس کا پھل اور فائدہ نہیں - ان سب میں جو عدل و انصاف والا اور بھلائی اور بہتری والا تھا وہ بول پڑا کہ دیکھو میں تو پہلے ہی تم سے کہتا تھا کہ تم ان شاء اللہ کیوں نہیں کہتے - سدیؒ فرماتے ہیں ان کے زمانہ میں سبحان اللہ کہنا بھی ان شاء اللہ کہنے کے قائم مقام تھا-

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اس کے معنی ہی ان شاء اللہ کہنے کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے بہتر شخص نے ان سے کہا کہ دیکھو میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم کیوں اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور اس کی حمد وثنا نہیں کرتے؟ یہ سن کر اب وہ کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اب اطاعت بجالائے جبکہ عذاب پہنچ چکا۔ اب اپنی تقصیر کو مانا جب سزا دے دی گئی' اب تو ایک دوسروں کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے بہت ہی برا کیا کہ مسکینوں کا حق مارنا چاہا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے رک گئے۔ پھر سبھوں نے کہا کہ کوئی شک نہیں ہماری سرکشی حد سے بڑھ گئی اسی وجہ سے خدائی عذاب آیا' پھر کہتے ہیں شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے یعنی دنیا میں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آخرت کے خیال سے انہوں نے یہ کہا ہو' واللہ اعلم۔ بعض سلف کا قول ہے کہ یہ واقعہ اہل یمن کا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں یہ لوگ فروان کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اہل حبشہ تھے مذہباً اہل کتاب تھے' یہ باغ انہیں ان کے باپ کے ورثے میں ملا تھا' اس کا یہ دستور تھا کہ باغ کی پیداوار میں سے باغ کا خرچ نکال کر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے سال بھر کا خرچ رکھ کر باقی نفع اللہ تعالیٰ کے نام صدقہ کر دیتا تھا' اس کے انتقال کے بعد ان بچوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ ہمارا باپ تو بیوقوف تھا جو اتنی بڑی رقم ہر سال ادھر ادھر دے دیتا تھا' ہم ان فقیروں کو اگر نہ دیں اور اپنا مال باقاعدہ سنبھالیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں۔ یہ ارادہ انہوں نے پختہ کر لیا تو ان پر وہ عذاب آیا جس نے اصل مال بھی تباہ کر دیا اور بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔ پھر فرماتا ہے جو شخص بھی خدا کے حکموں کا خلاف کرے اور خدا کی نعمتوں میں بخل کرے اور مسکینوں محتاجوں کا حق ادا نہ کرے اور خدا کی نعمت کی ناشکری کرے اس پر اسی طرح کے عذاب نازل ہوتے ہیں اور یہ تو دنیوی عذاب ہیں' آخرت کے عذاب تو ابھی باقی ہیں جو سخت تر اور بدتر ہیں۔ بیہقی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت کھیتی کاٹنے اور باغ کے پھل اتارنے سے منع فرما دیا ہے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّٰتِ ٱلنَّعِيمِ ﴿٣٤﴾ أَفَنَجْعَلُ ٱلْمُسْلِمِينَ كَٱلْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ لَكُمْ كِتَٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَكُمْ أَيْمَٰنٌ عَلَيْنَا بَٰلِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَأْتُوا۟ بِشُرَكَآئِهِمْ إِن كَانُوا۟ صَٰدِقِينَ ﴿٤١﴾

پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں ○ کیا ہم مسلمانوں کو مثل گنہگاروں کے کر دیں؟ ○ تمہیں کیا ہو گیا کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ ○ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے؟ ○ جسے تم پڑھتے ہو؟ اور اس میں تمہاری من مانی باتیں ہوں؟ ○ یا تم سے ہم نے کوئی ایسی قسمیں کھائی ہیں جو قیامت تک باقی رہیں کہ تمہارے لئے وہ سب ہے جو تم مقرر کرو ○ ان سے پوچھو تو کہ ان میں سے کون اس بات کا ذمہ دار ہے؟ ○ کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہئے کہ لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو اگر یہ سچے ہیں ○

گنہگار اور نیکوکار دونوں کی جزا کا مختلف ہونا لازم ہے: ☆☆ (آیت: ۳۴-۴۱) اوپر چونکہ دنیوی جنت والوں کا حال بیان ہوا تھا اور خدا کی نافرمانی اور اس کے حکم کا خلاف کرنے سے ان پر جو بلا اور آفت آئی اس کا ذکر ہوا تھا اس لئے اب ان متقی پرہیزگار لوگوں کا حال ذکر کیا

گیا جنہیں آخرت میں جنتیں ملیں گی جن کی نعمتیں نہ فنا ہوں نہ گھٹیں نہ ختم ہوں نہ سڑیں نہ گلیں' پھر فرماتا ہے کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمان اور گنہگار جزا میں یکساں ہو جائیں؟ قسم ہے زمین و آسمان کے رب کی کہ یہ نہیں ہو سکتا' کیا ہو گیا ہے تم کس طرح یہ چاہتے ہو؟ کیا تمہارے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتری ہوئی کوئی ایسی کتاب ہے جو خود تمہیں بھی محفوظ ہو اور اگلوں کے ہاتھوں تم پچھلوں تک پہنچی ہو اور اس میں وہی ہو جو تمہاری چاہت ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ ہمارا کوئی مضبوط وعدہ اور عہد تم سے ہے کہ تم جو کہہ رہے ہو وہی ہو گا اور تمہاری بے جا اور غلط خواہشیں پوری ہو کر ہی رہیں گی؟ ان سے ذرا پوچھو تو کہ اس بات کا کون ضامن ہے اور کس کے ذمے یہ کفالت ہے؟ نہ سہی تمہارے جو جھوٹے معبود ہیں انہی کو اپنی سچائی کے ثبوت میں پیش کرو۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْــَٔــلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے ○ نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت و خواری چھا رہی ہو گی' یہ سجدے کے لئے اس وقت بلائے جاتے تھے جب صحیح سالم تھے ○ مجھے اور اس کلام کے جھٹلانے والے کو چھوڑ دے ہم انہیں اس طرح آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہو ○ اور میں انہیں مہلت دوں گا' میری تدبیر بڑی مضبوط ہے ○ کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے؟ جس تاوان سے یہ دبے جاتے ہیں ○ یا کیا ان کے پاس علم غیب ہے جو وہ لکھ رہے ہیں ○

سجدہ اس وقت منافقوں کے بس میں نہیں ہو گا: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۷) اوپر چونکہ بیان ہوا تھا کہ پرہیز گار لوگوں کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں اس لئے یہاں بیان ہو رہا ہے کہ یہ جنتیں انہیں کب ملیں گی؟ تو فرمایا کہ اس دن جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی یعنی قیامت کے دن جو دن بڑی ہولناکیوں والا' زلزلوں والا' امتحان والا اور آزمائش والا اور بڑے بڑے اہم امور کے ظاہر ہونے کا دن ہو گا۔ صحیح بخاری شریف میں اس جگہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے ہمارا رب اپنی پنڈلی کھول دے گا پس ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت سجدے میں گر پڑے گی' ہاں دنیا میں جو لوگ دکھاوے سناوے کے لئے سجدے کرتے تھے وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی کمر تختہ کی طرح ہو جائے گی یعنی ان سے سجدے کے لئے جھکا نہ جائے گا۔ یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہے اور دوسری کتابوں میں بھی ہے' کئی کئی سندوں سے الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث مطول اور مشہور ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ دن تکلیف' دکھ درد اور شدت کا دن ہے (ابن جریر) اور ابن جریر اسے دوسری سند سے شک کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ابن مسعودؓ یا ابن عباسؓ سے يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ کی تفسیر میں بہت بڑا عظیم الشان امر مروی ہے جیسے شاعر کا قول ہے شَالَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ یہاں بھی لڑائی کی عظمت اور بڑائی بیان کی گئی ہے' مجاہدؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس

فرماتے ہیں قیامت کے دن کی یہ گھڑی بہت سخت ہوگی' آپ فرماتے ہیں یہ امر بہت سخت' بڑی گھبراہٹ والا اور ہولناک ہے۔ آپ فرماتے ہیں جس وقت امر کھول دیا جائے گا' اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور یہ کھلنا آخرت کا آ جانا ہے اور اس سے کام کا کھل جانا ہے۔ یہ سب روایتیں ابن جریر میں ہیں اس کے بعد یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمایا مراد بہت بڑا نور ہے' لوگ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے' یہ حدیث ابویعلیٰ میں بھی ہے اور اس کی اسناد میں ایک مبہم راوی ہے واللہ اعلم۔ (یاد رہے کہ صحیح تفسیر وہی ہے جو بخاری مسلم کے حوالے سے اوپر مرفوع حدیث میں گزری کہ اللہ عزوجل اپنی پنڈلی کھولے گا دوسری حدیث بھی مطلب کے لحاظ سے ٹھیک ہے کیونکہ خدا خود نور ہے۔ اور اقوال بھی اس طرح ٹھیک ہیں کہ خدائے عالم کی پنڈلی بھی ظاہر ہوگی اور ساتھ ہی وہ ہولناکیاں اور شدتیں بھی ہوں گی واللہ اعلم۔ مترجم)

دنیا میں سجدہ نہ کرنے والے کی قیامت کو حالت: ☆☆ پھر فرمایا آج کے دن ان لوگوں کی آنکھیں اوپر کو نہ اٹھیں گی اور ذلیل و پست ہو جائیں گے کیونکہ دنیا میں بڑے سرکش اور کبر و غرور والے تھے' صحت اور سلامتی کی حالت میں دنیا میں جب انہیں سجدے کے لئے بلایا جاتا تھا تو رک جاتے تھے جس کی سزا یہ ملی کہ آج سجدہ کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے' پہلے کر سکتے تھے لیکن نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر مومن سب سجدے میں گر پڑیں گے لیکن کافر و منافق سجدہ نہ کر سکیں گے' کمر تختہ ہو جائے گی' جھکے گی ہی نہیں بلکہ پیٹھ کے بل چت گر پڑیں گے۔ یہاں بھی ان کی حالت مومنوں کے خلاف تھی وہاں بھی خلاف ہی رہے گی۔ پھر فرمایا مجھے اور میری اس حدیث یعنی قرآن کو جھٹلانے والوں کو تو چھوڑ دے۔ اس میں بڑی وعید ہے اور سخت ڈانٹ ہے کہ تو ٹھہر جا میں آپ ان سے نپٹ لوں گا' دیکھ تو سہی کہ کس طرح بتدریج انہیں پکڑتا ہوں۔ یہ اپنی سرکشی اور غرور میں پڑتے جائیں گے' میری ڈھیل کے راز کو نہ سمجھیں گے اور پھر ایک دم یہ پاپ کا گھڑا پھوٹے گا اور میں اچانک انہیں پکڑ لوں گا۔ میں انہیں بڑھاتا رہوں گا' یہ بدمست ہوتے چلے جائیں' وہ اسے کرامت سمجھیں گے حالانکہ ہوگی وہ اہانت' جیسے اور جگہ ہے اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ الخ' یعنی کیا ان کا گمان ہے کہ مال و اولاد کا بڑھنا ان کے لئے ہماری جانب سے کسی بھلائی کی بنا پر ہے؟ نہیں بلکہ یہ بے شعور ہیں اور جگہ فرمایا فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِہٖ جب یہ ہمارے وعظ و پند کو بھلا چکے تو ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ انہیں جو دیا گیا تھا اس پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں ناگہانی پکڑ لیا اور ان کی امیدیں منقطع ہو گئیں۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے میں کہ انہیں ڈھیل دوں گا' بڑھاؤں گا اور اونچا کروں گا۔ یہ میرا داؤ ہے اور میری تدبیر میرے مخالفوں اور میرے نافرمانوں کے ساتھ بہت بڑی ہے۔

بخاری مسلم میں ہے حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ یعنی اسی طرح ہے تیرے رب کی پکڑ جبکہ وہ کسی بستی والوں کو پکڑتا ہے جو ظالم ہوتے ہیں اس کی پکڑ بڑی دردناک اور بہت سخت ہے۔ پھر فرمایا تو کچھ ان سے اجرت اور بدلہ تو مانگتا ہی نہیں جو ان پر بھاری پڑتا ہو' جس تاوان سے یہ جھکے جاتے ہوں نہ ان کے پاس کوئی علم غیب ہے جسے یہ لکھ رہے ہوں۔ ان دونوں جملوں کی تفسیر سورۂ والطور میں گزر چکی ہے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! آپ انہیں اللہ عزوجل کی طرف بغیر اجرت اور بغیر مال طلبی کے اور بغیر بدلے کی چاہت کے بلا رہے ہیں' آپ کی غرض سوائے ثواب حاصل کرنے کے اور کوئی نہیں اس پر بھی یہ لوگ صرف اپنی جہالت اور کفر اور سرکشی کی وجہ سے آپ کو جھٹلا رہے ہیں۔
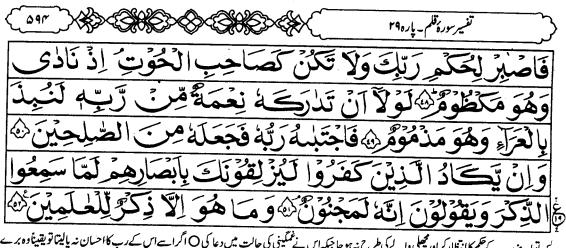
پس تو اپنے رب کے حکم کا انتظار کر اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جبکہ اس نے غمگینی کی حالت میں دعا کی ○ اگر اسے اس کے رب کا احسان نہ پالیتا تو یقیناً وہ برے حالوں بنجر زمین میں ڈال دیا جاتا ○ اسے اس کے رب نے پھر نوازا اور اسے نیک کاروں میں کر دیا ○ یقیناً ان منکروں کی چاہت ہے کہ اپنی تیز نگاہوں سے تجھے پھسلا دیں یہ جب کبھی قرآن سنتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صرف دیوانہ ہے ○ درحقیقت یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لئے سراسر نصیحت ہی ہے ○

مصائب سے نجات دلانے والی دعا - نظر' فال اور شگون: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! اپنی قوم کی ایذا پر اور ان کے جھٹلانے پر صبر و سہار کرو' عنقریب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہونے والا ہے' انجام کار آپ کا اور آپ کے ماتحتوں کا ہی غلبہ ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی - دیکھو تم مچھلی والے نبی کی طرح نہ ہونا' اس سے مراد حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں جبکہ وہ اپنی قوم پر غضب ناک ہو کر نکل کھڑے ہوئے پھر جو ہوا سو ہوا یعنی آپ کا جہاز میں سوار ہونا' مچھلی کا آپ کو نگل جانا اور سمندر کی تہ میں بیٹھ جانا اور اس تہ بہ تہ اندھیریوں میں اس قدر نیچے آپ کا سمندر کو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے سننا اور خود آپ کا بھی پکارنا اور لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ پڑھنا پھر آپ کی دعا کا قبول ہونا' اس غم سے نجات پانا وغیرہ - جس واقعہ کا مفصل بیان پہلے گزر چکا ہے - جس کے بیان کے بعد اللہ سبحان وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اسی طرح ایمانداروں کو نجات دیا کرتے ہیں اور فرماتا ہے کہ اگر وہ تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں پڑے رہتے - یہاں بھی فرمان ہے کہ جب اس نے غم اور دکھ کی حالت میں ہمیں پکارا - پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یونس علیہ السلام کی زبان سے نکلتے ہی یہ کلمہ عرش پر پہنچا' فرشتوں نے کہا خدایا! اس کمزور غیر معروف شخص کی آواز تو ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پہلے کی سنی ہوئی ہو -

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اسے پہچانا نہیں؟ فرشتوں نے عرض کیا نہیں - جناب باری نے فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے - فرشتوں نے کہا پروردگار پھر تو تیرا یہ بندہ وہ ہے جس کے اعمال صالحہ ہر روز آسمانوں پر چڑھتے رہے' جس کی دعائیں ہر وقت قبولیت کا درجہ پاتی رہیں - اللہ تعالیٰ نے فرمایا سچ ہے - فرشتوں نے کہا پھر اے ارحم الراحمین! ان کی آسانیوں کے وقت کے نیک اعمال کی بنا پر انہیں اس سختی سے نجات عطا فرما - چنانچہ ارشاد باری ہوا کہ اے مچھلی! تو انہیں اگل دے اور مچھلی نے انہیں کنارے پر آ کر اگل دیا - یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پھر برگزیدہ بنا لیا اور نیکوکاروں میں کر دیا - مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کسی کو لائق نہیں کہ وہ اپنے تئیں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے افضل بتائے - صحیحین میں بھی یہ حدیث ہے - اگلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ تیرے بغض وحسد کی وجہ سے یہ کفار تو اپنی آنکھوں سے گھور گھور کر تجھے پھسلا دینا چاہتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حمایت اور بچاؤ نہ ہوتا تو یقیناً یہ تو ایسا کر گزرتے - اس آیت میں دلیل ہے اس امر پر کہ نظر کا لگنا اور اس کی تاثیر کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہونا حق ہے جیسا کہ بہت سی

حدیثوں میں بھی ہے جو کئی کئی سندوں سے مروی ہیں۔ ابوداؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دم جھاڑ اصرف نظر کا اور زہریلے جانوروں کا اور نہ تھمنے والے خون کا ہے بعض سندوں میں نظر کا لفظ نہیں۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے اور صحیح مسلم شریف میں بھی ایک قصہ کے ساتھ موقوفاً مروی ہے اور بخاری شریف میں اور ترمذی میں بھی ہے۔ ایک غریب حدیث میں ہے کہ نظر میں کچھ بھی حق نہیں سب سے سچا شگون فال ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے غریب کہتے ہیں اور روایت میں ہے کہ کوئی ڈر خوف الو اور نظر میں نہیں اور نیک فالی سب سے زیادہ سچا فال ہے اور روایت میں ہے کہ نظر حق ہے نظر حق ہے وہ بلندی والے کو بھی اتار دیتی ہے (مسند احمد)

نظر لگنا حق ہے: صحیح مسلم میں ہے نظر حق ہے اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر کر جاتی۔ جب تم سے غسل کرایا جائے تو غسل کر لیا کرو۔ عبدالرزاق میں ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین کو ان الفاظ کے ساتھ پناہ میں دیتے اُعِیۡذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّۃِ مِنۡ کُلِّ شَیۡطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَّمِنۡ کُلِّ عَیۡنٍ لَّامَّۃٍ یعنی تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے بھرپور کلمات کی پناہ میں سونپتا ہوں ہر شیطان سے اور ہر ایک زہریلے جانور سے اور ہر ایک لگ جانے والی نظر سے اور فرماتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو انہی الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیا کرتے تھے۔ یہ حدیث سنن میں اور بخاری شریف میں بھی ہے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ سہل بن حنیف غسل کر رہے تھے عامر بن ربیعہ کہنے لگے میں نے تو آج تک ایسا پنڈا کسی پردہ نشین کا بھی نہیں دیکھا۔ بس ذرا سی دیر میں وہ بیہوش ہو کر گر پڑے لوگوں نے حضورؐ سے کہا یارسول اللہ! ان کی خبر لیجئے یہ تو بیہوش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کسی پر تمہارا شک بھی ہے لوگوں نے کہا ہاں عامر بن ربیعہ پر آپ نے فرمایا تم میں سے کیوں کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز کو دیکھے کہ اسے بہت اچھی لگے تو اسے چاہئے کہ اس کے لئے برکت کی دعا کرے پھر پانی منگوا کر عامر سے فرمایا تم وضو کرو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ اور گھٹنے اور تہمد کے اندر کا حصۂ جسم دھو ڈالو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا برتن کو اس کی پیٹھ کے پیچھے سے اوندھا دو۔ نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

نظر لگنے کا دم: حضرت ابوسعید فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ جنات کی اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے جب سورۂ معوذتین نازل ہوئیں تو آپ نے انہیں لے لیا اور سب کو چھوڑ دیا (ابن ماجہ ترمذی نسائی) مسند وغیرہ میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضورؐ کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے نبی صاحب! کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں تو جبرئیل نے کہا بِسۡمِ اللّٰہِ اَرۡقِیۡکَ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ یُّؤۡذِیۡکَ مِنۡ شَرِّ کُلِّ نَفۡسٍ وَّعَیۡنٍ وَّاللّٰہُ یَشۡفِیۡکَ بِسۡمِ اللّٰہِ اَرۡقِیۡکَ بعض روایات میں کچھ الفاظ کا ہیر پھیر بھی ہے۔ بخاری مسلم کی حدیث میں ہے کہ یقیناً نظر کا لگ جانا برحق ہے۔ مسند کی ایک حدیث میں اس کے بعد یوں بھی ہے کہ اس کا سبب شیطان ہے اور ابن آدم کا حسد ہے۔ مسند کی اور روایت میں ہے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا جاتا ہے کیا تم نے حضور سے سنا ہے کہ شگون تین چیزوں میں ہے گھر گھوڑا اور عورت؟ تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا پھر تو میں رسول اللہ ﷺ پر وہ کہوں گا جو آپ نے نہیں فرمایا' ہاں میں نے حضورؐ سے یہ تو سنا ہے کہ آپ نے فرمایا سب سے سچا شگون نیک فالی ہے اور نظر کا لگنا حق ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا یارسول اللہ حضرت جعفر کے بچوں کو نظر لگ جایا کرتی ہے تو کیا میں کچھ دم کرا لیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر جانے والی ہوتی تو وہ نظر تھی۔ حضرت عائشہؓ کو بھی حضور کا نظر بد سے دم کرنے کا حکم مروی ہے (ابن ماجہ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے کو حکم کیا جاتا تھا کہ وہ وضو کرے اور جس کو نظر لگی ہے اسے اس پانی سے غسل کرایا

جا تا تھا اور حدیث میں ہے نہیں ہے تو اور نظر حق ہے اور سب سے سچا شگون فال ہے۔ مسند احمد میں بھی حضرت سہل اور حضرت عامر والا قصہ جو اوپر بیان ہوا قدرے بسط کے ساتھ مروی ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ دونوں بزرگ غسل کے ارادے سے چلے اور حضرت عامر پانی میں غسل کے لئے اترے اور ان کا بدن دیکھ کر حضرت سہل کی نظر لگ گئی اور وہ وہیں پانی میں خرخراہٹ کرنے لگے میں نے تین مرتبہ آوازیں دیں لیکن جواب نہ ملا میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ سنایا آپ خود تشریف لائے اور تھوڑے سے پانی میں کچھ کچھ کرتے ہوئے تہبند اونچا اٹھائے ہوئے وہاں تک پہنچے اور ان کے سینے میں ہاتھ مارا اور دعا کی اللھم اصرف عنه حرها و بردها و وصبها اے اللہ تو اس سے اس کی گرمی اور سردی اور تکلیف دور کر دے۔

مسند بزار میں ہے کہ میری امت کی قضاوقدر کے بعد اکثر موت نظر سے ہوگی۔ فرماتے ہیں نظر حق ہے انسان کو قبر تک پہنچا دیتی اور اونٹ کو ہنڈیا تک میری امت کی اکثر ہلاکی اسی میں ہے۔ ایک اور صحیح سند سے بھی یہ روایت مروی ہے فرمان رسالت ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی اور نہ الو کی وجہ سے بربادی کا یقین کر لینا کوئی واقعیت رکھتا ہے اور نہ حسد کوئی چیز ہے ہاں نظر سچ ہے ابن عساکر میں ہے کہ جبرئیل حضورؐ کے پاس آئے آپ اس وقت غمزدہ تھے جب پوچھا تو فرمایا حسن اور حسین کو نظر لگ گئی ہے فرمایا یہ سچائی کے قابل چیز ہے نظر واقعی لگتی ہے آپ نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں پناہ میں کیوں نہ دیا؟ حضورؐ نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ فرمایا یوں کہو اَللّٰھُمَّ ذَا السُّلْطَانِ الْعَظِیْمِ ذَا الْمَنِّ الْقَدِیْمِ ذَالْوَجْهِ الْکَرِیْمِ وَلِیَّ الْکَلِمَاتِ التَّآمَّاتِ وَالدَّعَوَاتِ الْمُسْتَجَابَاتِ عَافِ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ مِنْ اَنْفُسِ الْجِنِّ وَاَعْیُنِ الْاِنْسِ یعنی اے اللہ اے بہت بڑی بادشاہی والے اے زبردست قدیم احسانوں والے اے بزرگ تر چہرے والے اے پورے کلموں والے اور اے دعاؤں کو قبولیت کا درجہ دینے والے تو حسن اور حسین کو تمام جنات کی ہواؤں سے اور تمام انسان کی آنکھوں سے اپنی پناہ دے۔ حضور نے یہ دعا پڑھی وہیں دونوں بچے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے سامنے کھیلنے کودنے لگے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا لوگو اپنی جانوں کو اپنی بیویوں کو اور اپنی اولاد کو اسی پناہ کے ساتھ پناہ دیا کرو اس جیسی اور کوئی پناہ کی دعا نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جہاں یہ کافر اپنی حقارت بھری نظریں آپ پر ڈالتے ہیں وہاں اپنی طعنہ آمیز زبان بھی آپ پر کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو قرآن لانے میں مجنون ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے قرآن تو خدا کی طرف سے تمام عالم کے لئے نصیحت نامہ ہے۔

الحمد للہ سورۂ نون کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الحاقة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَآقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾

اللہ تعالیٰ بخشش اور مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع

سچ مچ آنے والی ○ کیا ہے حقیقتاً قائم ہونے والی؟ ○ اور تجھے کیا معلوم کہ وہ ثابت شدہ کیا ہے؟ ○ اس کھڑکا دینے والی کو ثمودیوں اور عادیوں نے جھٹلایا تھا ○ جس کے نتیجہ میں ثمودی تو بے حد خوفناک اور اونچی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے ○

عاد وثمود کی تباہی: ☆☆ (آیت :۱-۵) حَاقَّہ قیامت کا ایک نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ وعدے وعید کی حقانیت اور حقیقت کا دن وہی ہے اسی لئے اس دن کی ہولناکی بیان کرتے ہوئے فرمایا تم اس حاقہ کی صحیح کیفیت سے بے خبر ہو۔ پھر ان لوگوں کا بیان فرمایا جن لوگوں نے اسے جھٹلایا تھا اور پھر خمیازہ اٹھایا تھا تو فرمایا ثمودیوں کو دیکھو ایک طرف سے فرشتے کے دھاڑنے کی کلیجوں کو پاش پاش کر دینے والی آواز آتی ہے دوسری جانب سے زمین میں غضبناکی کا بھونچال آتا ہے اور سب تہ و بالا ہو جاتے ہیں پس بقول حضرت قتادہؒ طَاغِیَہ کے معنی ہیں چنگھاڑ کے اور مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد گناہ ہیں یعنی وہ اپنے گناہوں کے باعث برباد کر دیئے گئے- ربیع بن انس اور ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد ان کی سرکشی ہے- ابن زید نے اس کی شہادت میں یہ آیت پڑھی کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا یعنی ثمودیوں نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا یعنی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور عادی ٹھنڈی ہواؤں کے تیز جھونکوں سے جنہوں نے ان کے دل چھید دیئے تہس نہس کر دیئے گئے۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝

اور عادی بے حد تیز و تند ہوا سے غارت کر دیئے گئے ○ جو ان پر برابر لگاتار سات رات اور آٹھ دن تک بحکم الٰہی چلتی رہی پس تو دیکھے گا کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح بچھڑ گئے ○ جیسے کہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں ○ کیا ان میں سے کوئی بھی تجھے باقی نظر آ رہا ہے؟ ○ فرعون اور اس سے پہلے کے لوگوں اور جن کی بستیاں الٹ دی گئیں انہوں نے بھی خطائیں کیں ○ اور اپنے رب کے رسولوں کی نافرمانی کی بالآخر اللہ نے انہیں بھی زبردست گرفت میں لے لیا ○ جب پانی حد سے گزر گیا اس وقت ہم نے تمہیں چلتی کشتی میں چڑھا لیا ○ تاکہ اسے تمہارے لئے نصیحت اور یادگار کر دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھ لیں ○

(آیت :۶-۱۲) یہ آندھیاں جو خیر و برکت سے خالی تھیں اور فرشتوں کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھیں برابر پے در پے لگاتار سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہیں ان دنوں میں ان کے لئے سوائے نحوست و بربادی کے اور کوئی بھلائی نہ تھی جیسے اور جگہ ہے فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ - حضرت ربیع فرماتے ہیں جمعہ کے دن سے یہ شروع ہوئی تھیں بعض کہتے ہیں بدھ سے۔ ان ہواؤں کو عرب اعجاز اس لئے بھی کہتے ہیں کہ قرآن نے فرمایا ہے ان عادیوں کی حالتیں اعجاز یعنی کھجوروں کے کھوکھلے تنوں جیسی ہو گئیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عموماً یہ ہوائیں جاڑوں کے آخر میں چلا کرتی ہیں اور عجز کہتے ہیں آخر کو اور یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ عادیوں کی ایک بڑھیا ایک غار میں گھس گئی تھی جو ان ہواؤں سے آٹھویں روز وہیں تباہ ہو گئی اور بڑھیا کو عربی میں عجوز کہتے ہیں واللہ اعلم۔

خاویہ کے معنی ہیں خراب سڑا گلا کھوکھلا مطلب یہ ہے کہ ہواؤں نے انہیں اٹھا اٹھا کر الٹا پٹخا ان کے سر پھٹ گئے سروں کا تو چورا چورا ہو گیا اور باقی جسم ایسا رہ گیا جیسے کھجور کے درخت کا سرا پتوں والا کاٹ کر صرف تنا رہنے دیا ہو- بخاری مسلم کی حدیث میں ہے رسول

اللہ ﷺ فرماتے ہیں میری مدد کی گئی صبا کے ساتھ یعنی پروا ہوا کے ساتھ اور عادی ہلاک کئے گئے دبور سے یعنی مغربی ہوا سے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں عادیوں کو ہلاک کرنے کے لئے ہواؤں کے خزانے میں سے صرف انگوٹھی کے برابر جگہ کشادہ کی گئی تھی جس سے ہوائیں نکلیں اور پہلے وہ گاؤں اور دیہات والوں پر آئیں ان تمام مردوں عورتوں کو چھوٹے بڑوں کو ان کے مالوں اور جانوروں سمیت لے کر آسمان وزمین کے درمیان معلق کر دیا' شہریوں کو بوجہ بہت بلندی اور کافی اونچائی کے یہ معلوم ہونے لگا کہ یہ سیاہ رنگ بادل چڑھا ہوا ہے۔ خوش ہونے لگے کہ گرمی کے باعث جو ہماری بری حالت ہو رہی ہے اب پانی برس جائے گا۔ اتنے میں ہواؤں کو حکم ہوا اور اس نے ان تمام کو ان شہریوں پر پھینک دیا یہ اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس ہوا کے پر اور دم تھی۔ پھر فرماتا ہے بتلاؤ کہ ان میں سے یا ان کی نسل میں سے ایک کو بھی تم دیکھ رہے ہو؟ یعنی سب کے سب تباہ و برباد کر دیئے گئے' کوئی نام لیوا پانی دینے والا بھی باقی نہ رہا۔

پھر فرمایا فرعون اور اس سے اگلے خطا کار اور رسول کے نافرمان کا یہی انجام ہوا' قَبْلَهٗ کی دوسری قرأت قِبَلَهٗ بھی ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ فرعون اور اس کے پاس اور ساتھ کے لوگ یعنی فرعونی قبطی کفار۔ مُؤْتَفِكَات سے مراد بھی پیغمبروں کی جھٹلانے والی اگلی امتیں ہیں خَاطِئَة سے مطلب معصیت اور خطائیں ہیں' پس فرمایا ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے زمانے کے رسول کی تکذیب کی' جیسے اور جگہ ہے اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ یعنی ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی اور ان پر عذاب آ پہنچے اور یہ بھی یاد رہے کہ ایک پیغمبر کا انکار گویا تمام انبیاء کا انکار ہے' جیسے قرآن نے فرمایا كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ اور فرمایا كَذَّبَتْ عَادُ نِالْمُرْسَلِيْنَ اور فرمایا كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی قوم نوح نے' عادیوں نے' ثمودیوں نے رسولوں کو جھٹلایا حالانکہ سب کے پاس یعنی ہر ہر امت کے پاس ایک ہی رسول آیا تھا۔ یہی مطلب یہاں بھی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامبر کی نافرمانی کی پس اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت ترمہلک بڑی دردناک المناک پکڑ میں پکڑ لیا۔

طوفان نوحؑ: ☆☆ ازاں بعد اپنا احسان جتاتا ہے کہ دیکھو جب نوحؑ کی دعا کی وجہ سے زمین پر طوفان آیا اور پانی حد سے گزر گیا' چوطرف ریل پیل ہو گئی' نجات کی کوئی جگہ نہ رہی' اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھا لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب قوم نوح نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور ان کی مخالفت اور ایذا رسانی شروع کی' اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے' اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے تنگ آ کر ان کی ہلاکی کی دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا اور مشہور طوفان نوح نازل فرمایا جس سے سوائے ان لوگوں کے جو حضرت نوح کی کشتی میں تھے روئے زمین پر کوئی نہ بچا۔ پس سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل اور آپ کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پانی کا ایک ایک قطرہ باجازت خدا پانی کے داروغہ فرشتے کے ناپ تول سے برسا ہے' اسی طرح ہوا کا ہلکا سا جھونکا بھی بے ناپے تولے نہیں چلتا لیکن ہاں عادیوں پر جو ہوائیں چلیں اور قوم نوح پر جو طوفان آیا وہ تو بے حد اور بے شمار اور بغیر ناپ تول کے تھا' اللہ کی اجازت سے پانی اور ہوا نے وہ زور باندھا کہ نگہبان فرشتوں کی کچھ نہ چلی۔ اسی لئے قرآن میں طَغَى الْمَآءُ اور بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ کے الفاظ ہیں۔ اسی لئے اس اہم احسان کو اللہ تعالیٰ یاد دلا رہا ہے کہ ایسے پرخطر موقع پر ہم نے تمہیں چلتی کشتی پر سوار کرا دیا تاکہ یہ کشتی تمہارے لئے نمونہ بن جائے چنانچہ آج بھی ویسی ہی کشتیوں پر سوار ہو کر سمندر کے لمبے چوڑے سفر طے کر رہے ہو۔ جیسے اور جگہ ہے وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ یعنی تمہاری سواری کے لئے کشتیاں اور چوپائے جانور بنائے تاکہ تم ان پر سواری کرو۔ ایک اور سوار ہو کر اپنے رب کی نعمت یاد کرو' اور جگہ فرمایا وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا الخ یعنی ان کے لئے ایک نشان قدرت یہ بھی ہے کہ

ہم نے ان کی نسل کو بھری کشتی میں چڑھا لیا اور بھی ہم نے اس جیسی ان کی سواریاں پیدا کر دیں۔ حضرت قتادہؒ نے اوپر کی اس آیت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ وہی کشتی نوح باقی رہی یہاں تک کہ اس امت کے اگلوں نے بھی اسے دیکھا لیکن زیادہ ظاہر مطلب پہلا ہی ہے۔ پھر فرمایا یہ اس لئے بھی کہ یاد رکھنے اور سننے والا کان اسے یاد کر لے اور محفوظ رکھ لے اور اس نعمت کو نہ بھولے یعنی صحیح سمجھ اور سچی سماعت والے عقل سلیم اور فہم مستقیم رکھنے والے جو اللہ تعالیٰ کی باتوں اور اس کی نعمتوں سے بے پرواہی اور لاابالی نہیں برتتے' ان کی پند و نصیحت کا ایک ذریعہ یہ بھی بن گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں جب یہ الفاظ اترے تو حضورؐ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی بنا دے۔ چنانچہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز سن کر پھر میں نے فراموش نہیں کی۔ یہ روایت ابن جریر میں بھی ہے لیکن مرسل ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں تجھے نزدیک کروں' دور نہ کروں اور تجھے تعلیم دوں اور تو بھی یاد رکھے اور یہی تجھے بھی چاہئے' اس پر یہ آیت اتری۔ یہ روایت دوسری سند سے بھی ابن جریر میں مروی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

پس جبکہ صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی ○ اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے اور ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ○ اس دن ہو پڑنے والی (قیامت) ہو پڑے گی ○ اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن بالکل کمزور ہو جائے گا ○ اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ○ اس دن تم سب سامنے پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا ○

آواز کا بم صور اسرافیل: ☆☆ (آیت:۱۳-۱۸) قیامت کی ہولناکیوں کا بیان ہو رہا ہے جس میں سب سے پہلے گھبراہٹ پیدا کرنے والی چیز صور کا پھونکا جانا ہوگا جس سے سب کے دل دہل جائیں گے پھر نفخہ پھونکا جائے گا جس سے تمام زمین و آسمان کی مخلوق بے ہوش ہو جائے گی مگر جسے اللہ چاہے پھر صور پھونکا جائے گا جس کی آواز سے تمام مخلوق اپنے رب کے سامنے کھڑی ہو جائے گی یہاں اسی پہلے نفخہ کا بیان ہے۔ یہاں بطور تاکید کے یہ بھی فرما دیا کہ یہ اٹھ کھڑے ہونے کا نفخہ ایک ہی ہے اس لئے کہ جب خدا کا حکم ہو گیا پھر نہ تو اس کا خلاف ہو سکتا ہے نہ وہ ٹل سکتا ہے نہ دوبارہ فرمان کی ضرورت ہے اور نہ تاکید کی۔ امام ربیع فرماتے ہیں اس سے مراد آخری نفخہ ہے لیکن ظاہر قول وہی ہے جو ہم نے کہا۔ اسی لئے یہاں اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ زمین و آسمان اٹھا لئے جائیں گے اور کھال کی طرح پھیلا دیئے جائیں گے اور زمین بدل دی جائے گی اور قیامت واقع ہو جائے گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آسمان ہر کھلنے کی جگہ سے پھٹ جائے گا جیسے سورۂ نبا میں ہے وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا یعنی آسمان کھول دیا جائے گا اور دروازے دروازے ہو جائیں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں آسمان میں سوراخ اور غار پڑ جائیں گے اور شق ہو جائے گا' عرش اس کے سامنے ہوگا' فرشتے اس کے کناروں پر

ہوں گے جو کنارے اب تک ٹوٹے نہ ہوں گے اور دروازوں پر ہوں گے' آسمان کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ہوں گے اور زمین والوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔

اللہ کا عرش اٹھانے والے فرشتے: ☆☆ پھر فرمایا قیامت والے دن آٹھ فرشتے اللہ تعالیٰ کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے پس یا تو مراد عرش عظیم کا اٹھانا ہے یا اس عرش کا اٹھانا مراد ہے جس پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے فیصلوں کے لئے ہو گا واللہ اعلم بالصواب۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی آنکھ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا ایک سو سال کا راستہ ہے۔ ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں عرش کے اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک کی نسبت خبر دوں کہ اس کی گردن اور کان کے نیچے کی لو کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ اڑنے والا پرند سات سو سال تک اڑتا چلا جائے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اسے امام ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فرمایا حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں اس سے مراد فرشتوں کی آٹھ صفیں ہیں اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہ مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اعلیٰ فرشتوں کے آٹھ حصے ہیں جن میں سے ہر ایک حصہ کی گنتی تمام انسانوں' جنوں اور سب فرشتوں کے برابر ہے۔ پھر فرمایا قیامت کے روز تم اس خدا کے سامنے کئے جاؤ گے جو پوشیدگی کو اور ظاہر کو بخوبی جانتا ہے' جس طرح کھلی سے کھلی چیز کا وہ عالم ہے' اسی طرح چھپی سے چھپی چیز کو بھی وہ جانتا ہے' اسی لئے فرمایا تمہارا کوئی بھید اس روز چھپ نہ سکے گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے لوگو! اپنی جانوں کا حساب کر لو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا آپ اندازہ کر لو اس سے پہلے کہ ان اعمال کا وزن کیا جائے تاکہ کل قیامت والے دن تم پر آسانی ہو جس دن کو تمہارا پورا پورا حساب لیا جائے گا اور بڑی پیشی میں خود اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے تم پیش کر دیئے جاؤ گے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن لوگ تین مرتبہ اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے پہلی اور دوسری بار تو عذر معذرت اور جھگڑا ٹنٹا کرتے رہیں گے لیکن تیسری پیشی جو آخری ہو گی اس وقت نامہ اعمال اڑائے جائیں گے' کسی کے دائیں ہاتھ میں آئے گا اور کسی کے بائیں ہاتھ میں۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے حضرت عبداللہ کے قول سے بھی یہی روایت ابن جریر میں مروی ہے اور حضرت قتادہؒ سے بھی اس جیسی روایت مرسل مروی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿۲۱﴾ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓئًۢا بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ﴿۲۴﴾

سو جسے اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تو کہنے لگے گا لو میرا نامہ اعمال پڑھو ○ مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنے حساب سے ملنا ہے ○ پس وہ ایک من مانی زندگی میں ہو گا ○ بلند و بالا جنت میں ○ جس کے میوے جھکے پڑتے ہوں گے ○ (ان سے کہا جائے گا) کہ کھاؤ پیو بسہتا پچتا اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گذشتہ زمانہ میں کئے ○

دائیں ہاتھ اور نامہ اعمال: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۴) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ جو خوش نصیب لوگ قیامت کے دن اپنا نامہ اعمال

اپنے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ سعادت مند حضرات بے حد خوش ہوں گے اور جوش مسرت میں بے ساختہ ہر ایک سے کہتے پھریں گے کہ میرا نامہ اعمال تو پڑھو اور یہ اس لئے کہ جو گناہ بمقتضائے بشریت ان سے ہو گئے وہ بھی ان کی توبہ سے نامہ اعمال میں سے مٹا دیئے گئے ہیں اور نہ صرف مٹا دیئے گئے ہیں بلکہ ان کے بجائے نیکیاں لکھ دی گئی ہیں۔ پس یہ سراسر نیکیوں کا نامہ اعمال ایک ایک کو پورے سرور اور سچی خوشی سے دکھاتے پھرتے ہیں۔ عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں ھا کے بعد لفظ ؤُم زیادہ ہے لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ ھَاؤُمُ معنی میں ھا کُم کے ہے۔ حضرت ابوعثان فرماتے ہیں کہ چپکے سے حجاب میں مومن کو اس کا نامہ اعمال دیا جاتا ہے جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہوتے ہیں یہ اسے پڑھتا ہے اور ہر ہر گناہ پر اس کے ہوش اڑ اڑ جاتے ہیں چہرے کی رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے۔ اتنے میں اب اس کی نگاہ اپنی نیکیوں پر پڑتی ہے جب انہیں پڑھنے لگتا ہے تب ذرا چین پڑتا ہے۔ ہوش وحواس درست ہوتے ہیں اور چہرہ کھل جاتا ہے پھر نظریں جما کر پڑھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کی برائیاں بھی بھلائیوں سے بدل دی گئی ہیں ہر برائی کی جگہ بھلائی لکھی ہوئی ہے اب تو اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور خوشی خوشی نکل کھڑا ہوتا ہے اور جو ملتا ہے اس سے کہتا ہے ذرا میرا نامہ اعمال تو پڑھنا۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں فرشتوں نے ان کی شہادت کے بعد غسل دیا تھا' ان کے لڑکے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قیامت والے دن اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس کی برائیاں اس کے نامہ اعمال کی پشت پر لکھی ہوئی ہوں گی جو اس پر ظاہر کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ بتا کیا تو نے یہ اعمال کئے ہیں؟ وہ اقرار کرے گا کہ ہاں بے شک خدایا! یہ برائیاں مجھ سے ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ میں نے دنیا میں بھی تجھے رسوا نہیں کیا' نہ فضیحت کیا' اب یہاں بھی میں تجھ سے درگزر کرتا ہوں اور تیرے تمام گناہوں کو معاف کرتا ہوں جب یہ اس سے فارغ ہو گا تب اپنا نامہ اعمال لے کر خوشی خوشی ایک ایک کو دکھاتا پھرے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی صحیح حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے کو اپنے پاس بلائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کی بابت پوچھے گا کہ فلاں گناہ کیا ہے؟ فلاں گناہ کیا ہے؟ یہ اقرار کرے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ اب ہلاک ہوا۔ اس وقت جناب باری عزاسمہ فرمائے گا اے میرے بندے! دنیا میں میں نے تیری ان برائیوں پر پردہ ڈال رکھا تھا' اب آج تجھے کیا رسوا کروں' جا میں نے تجھے بخشا۔ پھر اس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے جس میں صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں لیکن کافروں اور منافقوں کے بارے میں تو گواہ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ کہا لوگو! سنو ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ داہنے ہاتھ کے نامہ اعمال والا کہتا ہے کہ مجھے تو دنیا میں ہی یقین کامل تھا کہ یہ حساب کا دن قطعاً آنے والا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا اَلَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ یعنی انہیں یقین تھا کہ یہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ فرمایا ان کی جزا یہ ہے کہ یہ پسندیدہ اور دل خوش کن زندگی پائیں گے اور بلند و بالا بہشت میں رہیں گے جس کے محلات اونچے اونچے ہوں گے' جس میں حوریں قبول صورت اور نیک سیرت ہوں گی' جو گھر نعمتوں کے بھرپور خزانے ہوں گے اور یہ تمام نعمتیں نہ ٹلنے والی نہ ختم ہونے والی بلکہ کمی سے بھی محفوظ ہوں گی۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ! کیا اونچے نیچے مرتبے والے جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقاتیں بھی کریں گے آپ نے فرمایا ہاں بلند مرتبہ لوگ کم مرتبہ لوگوں کے پاس ملاقات کے لئے اتر آئیں گے اور خوب محبت و اخلاص سے سلام مصافحے اور آؤ بھگت ہو گی ہاں البتہ نیچے والے بہ سبب اپنے اعمال کی کمی کے اوپر نہ چڑھیں گے۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے جنت میں ایک سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں۔ پھر فرماتا ہے اس کے پھل نیچے نیچے ہوں گے۔ حضرت براء بن عازب وغیرہ فرماتے ہیں اس قدر جھکے ہوئے ہوں گے کہ جنتی اپنے چھپر کھٹ پر لیٹے ہی لیٹے ان میووں کو توڑ لیا کریں

گے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر ہر جنتی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لکھا ہوا پروانہ ملے گا جس میں لکھا ہوا ہوگا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ هٰذَا کِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ لِفُلَانِ ابۡنِ فُلَانٍ اُدۡخِلُوۡهُ جَنَّتَهٗ عَالِیَتَهٗ قُطُوۡفُهَا دَانِیَةٌ یعنی اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع یہ پروانہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں شخص کے لئے جو فلاں کا بیٹا ہے' اسے بلند و بالا جھکی ہوئی شاخوں اور لدے پھدے ہوئے خوشوں والی خوشگوار جنت میں جانے دو (طبرانی)

بعض روایتوں میں ہے یہ پروانہ پل صراط پر حوالے کر دیا جائے گا- پھر فرمایا انہیں بطور احسان اور مزید لطف و کرم کے زبانی بھی کھانے پینے کی رخصت مرحمت ہوگی اور کہا جائے گا کہ یہ تمہاری نیک اعمالیوں کا بدلہ ہے- اعمال کا بدلہ کہنا صرف بطور لطف کے ہے' ورنہ صحیح حدیث میں ہے حضور فرماتے ہیں عمل کرتے جاؤ سیدھے اور قریب قریب رہو اور جان رکھو کہ صرف اعمال جنت میں لے جانے کے لئے کافی نہیں لوگوں نے کہا حضورؐ! آپ کے اعمال بھی نہیں فرمایا نہ میرے ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت شامل حال ہو-

وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُوۡتَ کِتٰبِیَهۡ ﴿۲۵﴾ وَلَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِیَهۡ ﴿۲۶﴾ یٰلَیۡتَهَا کَانَتِ الۡقَاضِیَةَ ﴿۲۷﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَهۡ ﴿۲۸﴾ هَلَکَ عَنِّیۡ سُلۡطٰنِیَهۡ ﴿۲۹﴾ خُذُوۡهُ فَغُلُّوۡهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الۡجَحِیۡمَ صَلُّوۡهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِیۡ سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُکُوۡهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ کَانَ لَا یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۳۳﴾

لیکن جسے اس کے اعمال کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی- وہ تو کہے گا کاش کہ مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی ○ اور میں اپنے حساب کی کیفیت جانتا ہی نہیں ○ کاش کہ موت میرا کام ہی تمام کر دیتی ○ میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا ○ میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا ○ (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو پھر اسے طوق پہنا دو ○ پھر اسے دوزخ میں ڈال دو ○ پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز کی ہے جکڑ دو ○ بیشک یہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان نہ رکھتا تھا ○

بائیں ہاتھ اور نامہ اعمال: ☆☆ (آیت: ۲۵) یہاں گنہگاروں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب میدان قیامت میں انہیں ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یہ نہایت ہی پریشان اور پشیمان ہوں گے اور حسرت و افسوس سے کہیں گے کاش کہ ہمیں اعمال نامہ ملتا ہی نہیں اور کاش کہ ہم اپنے حساب کی اس کیفیت سے آگاہ ہی نہ ہوتے۔ کاش کہ موت نے ہی ہمارا کام ختم کر دیا ہوتا اور یہ دوسری زندگی سرے سے ہمیں ملتی ہی نہیں جس موت سے دنیا میں بہت ہی گھبراتے تھے آج اس کی آرزوئیں کریں گے' یہ کہیں گے کہ ہمارے مال و جاہ نے بھی آج ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور ہماری ان چیزوں نے بھی یہ عذاب ہم سے نہ ہٹائے' تنہا ہماری ذات پر یہ وبال آپڑے' نہ کوئی مددگار ہمیں نظر آتا ہے' نہ بچاؤ کی کوئی صورت دکھائی دیتی ہے- اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اسے پکڑ لو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو اور اسے جہنم میں لے جاؤ اور اس میں پھینک دو- حضرت منہال بن عمرو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سنتے ہی کہ اسے پکڑو' ستر ہزار فرشتے اس کی طرف لپکیں گے جن میں سے اگر ایک فرشتہ بھی اس طرح اشارہ کرے تو ایک چھوڑ

ستر ہزار لوگوں کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دے۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ چار لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑیں گے اور کوئی چیز باقی نہ رہے گی مگر اسے توڑ پھوڑ دیں گے' یہ کہے گا تمہیں مجھ سے تعلق؟ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ تجھ پر غضبناک ہے اور اس وجہ سے ہر چیز تجھ پر غصے میں ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے اس فرمان کے سرزد ہوتے ہی ستر ہزار فرشتے اس کی طرف غصے سے دوڑیں گے جن میں کا ہر ایک دوسرے پر سبقت کر کے چاہے گا کہ اسے میں طوق پہناؤں پھر اسے جہنم کی آگ میں غوطہ دینے کا حکم ہوگا پھر ان زنجیروں میں جکڑا جائے گا جن کا ایک ایک حلقہ بقول حضرت کعب احبار کے دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ اور ابن جریجؒ فرماتے ہیں یہ ناپ فرشتوں کے ہاتھ کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان ہے کہ یہ زنجیریں اس کے جسم میں پرو دی جائیں گی' پاخانے کے راستے سے ڈال دی جائیں گی اور منہ سے نکالی جائیں گی اور اس طرح آگ میں بھونا جائے گا جیسے سیخ میں کباب اور تیل میں ٹڈی۔ یہ بھی مروی ہے کہ پیچھے سے یہ زنجیریں ڈالی جائیں گی اور ناک کے دونوں نتھنوں سے نکالی جائیں گی۔ جس سے کہ وہ پیروں کے بل کھڑا ہی نہ ہو سکے گا۔ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر کوئی بڑا سا پتھر آسمان سے پھینکا جائے تو زمین پر وہ ایک رات میں آ جائے لیکن اگر اسی کو جہنمیوں کے باندھنے کی زنجیر کے سرے پر سے چھوڑا جائے تو دوسرے سرے تک پہنچنے میں چالیس سال لگ جائیں۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتلاتے ہیں۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿٣٥﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿٣٦﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿٣٧﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ ع ٣٧

اور مسکین کے کھلانے پر رغبت نہ دیتا تھا ○ پس آج اس کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ سوائے پیپ کے اس کی کوئی اور غذا ہے ○ جسے گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا ○ پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو ○ اور ان کی جنہیں تم نہیں دیکھتے ○

(آیت: ۳۸-۳۹) پھر فرمایا کہ یہ اللہ عظیم پر ایمان نہ رکھتا تھا' نہ مسکین کو کھلا دینے کی کسی کو رغبت دیتا تھا یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کرتا تھا نہ مخلوق خدا کے حق ادا کر کے اسے نفع پہنچاتا تھا۔ اللہ کا حق تو مخلوق پر یہ ہے کہ اس کی توحید کو مانیں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر حق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے احسان وسلوک کریں اور بھلے کاموں میں آپس میں امداد پہنچاتے رہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حقوق کو عموماً ایک ساتھ بیان فرمایا ہے جیسے نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور نبی ﷺ نے انتقال کے وقت میں ان دونوں کو ایک ساتھ بیان فرمایا کہ نماز کی حفاظت کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہاں پر آج کے دن اس کا کوئی خالص دوست ایسا نہیں نہ کوئی قریبی رشتہ دار یا سفارشی ایسا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے بچا سکے اور نہ اس کے لئے کوئی غذا ہے سوائے بدترین سڑی بھسی بیکار چیز کے جس کا نام غسلین ہے' یہ جہنم کا ایک درخت ہے اور ممکن ہے کہ اسی کا دوسرا نام زقوم ہو اور غسلین کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جہنمیوں کے بدن سے جو خون اور پانی بہتا ہے۔ وہ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی پیپ وغیرہ

ظاہر و باطن آیات الٰہی: ☆☆ (آیت: ۳۸-۳۹) اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے اپنی مخلوق میں سے اپنی ان نشانیوں کی قسم کھا رہا ہے جنہیں لوگ دیکھ رہے ہیں اور ان کی بھی جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اس بات پر کہ قرآن کریم اس کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے

بندے اور اپنے برگزیدہ رسول پر اتاری ہے۔ جسے اس نے ادائے امانت اور تبلیغ رسالت کے لئے پسند فرمالیا ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿٤٠﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٣﴾

کہ بے شک یہ قرآن بزرگ رسول کا قول ہے ○ یہ کسی شاعر کا قول نہیں (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے ○ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے افسوس بہت کم نصیحت لے رہے ہو ○ (یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے ○

(آیت: ۴۰-۴۲) رسول کریم سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اس کی اضافت حضورؐ کی طرف سے اس لئے کی گئی کہ اس کے مبلغ اور پہنچانے والے آپؐ ہی ہیں۔ اسی لیے لفظ رسول لائے کیونکہ رسول تو پیغام اپنے بھیجنے والا کا پہنچاتا ہے گو زبان اس کی ہوتی ہے لیکن کہا ہوا بھیجنے والے کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ تکویر میں اس کی نسبت اس رسول کی طرف کی گئی ہے جو فرشتوں میں سے ہیں۔ فرمان ہے اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ الخ، یعنی یہ قول اس بزرگ رسول کا ہے جو قوت والا اور مالک عرش کے پاس رہنے والا ہے۔ وہاں اس کا کہنا مانا جاتا ہے اور ہے بھی وہ امانت دار۔ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا تمہارے ساتھی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنون نہیں بلکہ آپ نے حضرت جبرئیل کو ان کی اصلی صورت میں صاف کناروں پر دیکھا بھی ہے اور وہ پوشیدہ علم پر بخیل بھی نہیں نہ یہ شیطان رجیم کا قول ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ نہ تو یہ شاعر کا کلام ہے نہ کاہن کا قول ہے البتہ تمہارے ایمان میں اور نصیحت حاصل کرنے میں کمی ہے پس کبھی تو اپنے کلام کی نسبت رسول انسی کی طرف کی اور کبھی رسول ملکی کی طرف' اس لئے کہ یہ اس کے پہنچانے والے لانے والے اور اس پر امین ہیں۔ ہاں دراصل کلام کس کا ہے؟ اسے بھی ساتھ ہی ساتھ بیان فرمادیا کہ یہ اتارا ہوا رب العالمین کا ہے۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام: ☆☆ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کے پاس گیا' دیکھا کہ آپ مسجد حرم میں پہنچ گئے ہیں' میں بھی گیا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا' آپ نے سورۂ الحاقہ شروع کی جسے سن کر مجھے اس کی پیاری نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا' آخر میں میرے دل میں خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں یہ شخص شاعر ہے ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں کہ یہ قول رسول کریم کا ہے شاعر کا نہیں تم میں ایمان ہی کم ہے تو میں نے کہا اچھا شاعر نہ سہی کاہن تو ضرور ہے۔ ادھر آپ کی تلاوت میں یہ آیت آئی کہ یہ کاہن کا قول بھی نہیں تم نے نصیحت ہی کم لی ہے۔ اب آپ پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کی' فرماتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا اور رونگٹے رونگٹے میں اسلام کی سچائی گھس گئی پس یہ بھی منجملہ ان اسباب کے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کا باعث ہوئے ایک خاص سبب ہے ہم نے آپ کے اسلام لانے کی پوری کیفیت سیرت عمر میں لکھ دی ہے۔ واللہ الحمد و المنہ۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ

حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنالیتا ہے ○ تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ○ پھر اس کی رگ دل کاٹ دیتے ○ پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ تھا ○ یقیناً یہ قرآن پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے ○ ہمیں پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اس کے جھٹلانے والے ہیں ○ بیشک یہ جھٹلانا کافروں پر حسرت ہے ○ اور بے شک وشبہ یقینی حق ہے ○ پس تو اپنے بزرگ پروردگار کی پاکی بیان کیا کر ○

ہدایت اور شفا قرآن حکیم: ☆☆ (آیت:۴۴-۵۲) یہاں فرمان باری ہے کہ جس طرح تم کہتے ہو اگر فی الواقع ہمارے یہ رسول ایسے ہی ہوتے کہ ہماری رسالت میں کچھ کمی بیشی کر ڈالتے یا ہماری نہ کہی ہوئی بات ہمارے نام سے بیان کر دیتے تو یقیناً اسی وقت ہم انہیں بدترین سزا دیتے یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے اس کا دایاں ہاتھ تھام کر اس کی وہ رگ کاٹ ڈالتے جس پر دل معلق ہے اور کوئی ہمارے اس کے درمیان بھی نہ آ سکتا کہ اسے بچانے کی کوشش کرے پس مطلب یہ ہوا کہ حضور رسالت مآب ﷺ سچے پاک باز رشد و ہدایت والے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زبردست تبلیغی خدمت آپ کو سونپ رکھی ہے اور اپنی طرف سے بہت سے زبردست معجزے اور آپ کے صدق کے سب بہترین بڑی بڑی نشانیاں آپ کو عنایت فرما رکھی ہیں - پھر فرمایا یہ قرآن متقیوں کے لئے تذکرہ ہے جیسے اور جگہ ہے کہ کہہ دو یہ قرآن ایمانداروں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان تو اندھے بہرے ہیں - پھر فرمایا باوجود اس صفائی اور کھلے حق کے ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اسے جھوٹا بتلاتے ہیں یہ تکذیب ان لوگوں کے لئے قیامت کے دن باعث حسرت و افسوس ہوگی یا یہ مطلب کہ یہ قرآن اور اس پر ایمان حقیقتاً کفار پر حسرت کا باعث ہوگا - جیسے اور جگہ ہے اسی طرح ہم اسے گنہگاروں کے دلوں میں اتارتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے - ایک اور جگہ ہے وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ ان میں اور ان کی خواہش میں حجاب ڈال دیا گیا ہے - پھر فرمایا یہ خبر بالکل سچ حق اور بے شک وشبہ ہے پھر اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اس قرآن کے نازل کرنے والے رب عظیم کے نام کی بزرگیاں اور پاکیزگیاں بیان کرتے رہو - اللہ کے فضل سے سورۂ الحاقہ کی تفسیر ختم ہوئی -

تفسیر سورة المعارج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾

اللہ تعالیٰ بخشش ورحم کرنے والے کے نام سے شروع

ایک طلب کرنے والے نے اس عذاب کی خواہش کی جو ہونے والا ہے ○ کافروں پر جسے کوئی ہٹانے والا نہیں ○ اس اللہ کی طرف سے جو سیڑھیوں والا ہے ○ جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں۔ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے ○ پس تو بھلی طرح صبر کر ○ بیشک یہ اس عذاب کو دور سمجھ رہے ہیں ○ اور ہم اسے قریب ہی دیکھتے ہیں ○

کافروں کا عذاب الٰہی کی طلب کرنا: ☆☆ (آیت:۱-۷) بِعَذَابٍ میں جو'ب' ہے وہ بتا رہی ہے کہ یہاں فعل کی تضمین ہے گویا کہ فعل مقدر ہے یعنی یہ کافر عذاب کے واقع ہونے کی طلب میں جلدی کر رہے ہیں' جیسے اور جگہ ہے وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ الخ' یعنی یہ عذاب مانگنے میں عجلت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا یعنی اس کا عذاب یقیناً اپنے وقت مقررہ پر آ کر ہی رہے گا۔ نسائی میں حضرت ابن عباسؓ سے وارد ہے کہ کافروں نے عذاب خدا مانگا جوان پر یقیناً آنے والا ہے یعنی آخرت میں' ان کی اس طلب کے الفاظ بھی دوسری جگہ قرآن میں منقول ہیں کہتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ یعنی خدایا! اگر یہ تیرے پاس سے حق ہے اور تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمارے پاس کوئی دردناک عذاب لا۔ ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عذاب کی وادی ہے جو قیامت کے دن عذابوں سے بہ نکلے گی' لیکن یہ قول ضعیف ہے اور مطلب سے بہت دور ہے۔ صحیح قول پہلا ہی ہے۔ جس پر روش کلام کی دلالت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ عذاب کافروں کے لئے تیار ہے اور ان پر آ پڑنے والا ہے' جب آ جائے گا تو اسے دور کرنے والا نہیں اور نہ کسی میں اتنی طاقت ہے کہ اسے ہٹا سکے۔

معارج سے مراد: ذی المعارج کے معنی ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق درجوں والا یعنی بلندیوں اور بزرگیوں والا' اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مراد معارج سے آسمان کی سیڑھیاں ہیں' قتادہ کہتے ہیں فضل وکرم اور نعمت ورحم والا یعنی یہ عذاب اس اللہ کی طرف سے ہے جو ان صفتوں والا ہے' اس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں۔ روح کی تفسیر میں حضرت ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک قسم کی مخلوق ہے انسان تو نہیں لیکن انسانوں سے بالکل مشابہ ہے' میں کہتا ہوں ممکن ہے اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں اور یہ عطف ہو عام پر خاص کا اور ممکن ہے کہ اس سے مراد بنی آدم کی روحیں ہوں اس لئے کہ وہ بھی قبض ہونے کے بعد آسمان کی طرف چڑھتی ہیں جیسے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ والی لمبی حدیث میں ہے کہ جب فرشتے پاک روح نکالتے ہیں تو اسے لے کر ایک آسمان سے دوسرے پر چڑھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں گو اس کے بعض راویوں میں کلام ہے لیکن یہ حدیث مشہور ہے اور اس کی شہادت میں حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث بھی ہے جیسے کہ پہلے بروایت امام احمد ترمذی اور ابن ماجہ گزر چکی ہے' جس کی سند کے راوی ایک جماعت کی شرط پر ہیں' پہلی حدیث بھی مسند احمد' ابو داؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں ہے' ہم نے اس کے الفاظ اور اس کے طرق کا بسیط بیان آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی تفسیر میں کر دیا ہے۔

روز قیامت کتنا بڑا ہے: ☆☆ پھر فرمایا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے' اس میں چار قول ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد وہ دوری ہے جو اسفل السافلین سے عرش معلیٰ تک ہے اور اسی طرح عرش کے نیچے سے اوپر تک کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے اور عرش معلیٰ سرخ یاقوت کا ہے جیسے کہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب 'صفۃ العرش' میں ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے حکم کی انتہا نیچے کی زمین سے آسمانوں کے اوپر تک کی پچاس ہزار سال کی ہے اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے یعنی آسمان سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک ایک دن میں جو ایک ہزار سال کے برابر ہے اس لئے کہ آسمان وزمین کا فاصلہ پانچ سو سال کا ہے' یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت مجاہدؒ کے قول سے مروی ہے حضرت ابن عباسؓ کے قول سے نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے ابن ابی حاتم میں

روایت ہے کہ ہر زمین کی موٹائی پانچ سو سال کے فاصلہ کی ہے اور ایک زمین سے دوسری زمین تک پانچ سو سال کی دوری ہے' تو سات ہزار یہ ہو گئے اسی طرح آسمان تو چودہ ہزار سال یہ ہوئی اور ساتویں آسمان سے عرش عظیم تک چھتیس ہزار سال کا فاصلہ ہے یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کیا ہے تب سے لے کر قیامت تک کی اس کے بقا کی آخری مدت پچاس ہزار سال کی ہے' چنانچہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کل عمر پچاس ہزار سال کی ہے اور یہی ایک دن ہے جو اس آیت میں مراد لیا گیا ہے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں دنیا کی پوری مدت یہی ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ کس قدر گزر گئی اور کتنی باقی ہے بجز اللہ تبارک وتعالیٰ کے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دن وہ ہے جو دنیا اور آخرت میں فاصلے کا ہے۔ حضرت محمد بن کعبؒ یہی فرماتے ہیں لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے' حضرت ابن عباسؓ سے یہ بسند صحیح مروی ہے' حضرت عکرمہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ کافروں پر پچاس ہزار سال کا کر دے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا یہ دن تو بہت ہی بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ مومن پر اس قدر ہلکا ہو جائے گا کہ دنیا کی ایک فرض نماز کی ادائیگی میں جتنا وقت لگتا ہے اس سے بھی کم ہو گا۔ یہ حدیث ابن جریر میں بھی ہے' اس کے دو راوی ضعیف ہیں' واللہ اعلم۔

بے زکوۃ جانور قیامت کو وبال جان: ☆☆ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص گزرا لوگوں نے کہا حضرت یہ اپنے قبیلے میں سب سے بڑا مالدار ہے۔ آپ نے اسے بلوایا اور فرمایا کیا واقعی تم سب سے زیادہ مالدار ہو؟ اس نے کہا ہاں میرے پاس رنگ برنگ سینکڑوں اونٹ' قسم قسم کے غلام' اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے گھوڑے وغیرہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دیکھو خبردار! ایسا نہ ہو کہ یہ جانور اپنے پاؤں سے تمہیں روندیں اور اپنے سینگوں سے تمہیں ماریں۔ بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ عامری کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے کہا حضرت یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا سنو! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو اپنے اونٹوں کا حق ادا نہ کرے ان کی سختی میں اور ان کی آسانی میں' اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک چٹیل لمبے چوڑے صاف میدان میں چت لٹائے گا اور ان تمام جانوروں کو خوب موٹا تازہ کر کے حکم دے گا کہ اسے روندتے ہوئے چلو چنانچہ ایک ایک کر کے اسے کچلتے ہوئے گزریں گے جب آخر والا گزر جائے گا تو اول والا لوٹ کر آ جائے گا' یہی عذاب اسے ہوتا رہے گا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فاصلہ ہو جائے پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا۔ اسی طرح گائے گھوڑے بکری وغیرہ یہی سینگ دار جانور اپنے سینگوں سے بھی اسے مارتے جائیں گے کوئی ان میں بے سینگ کا یا ٹوٹے ہوئے سینگ والا نہ ہو گا۔ عامری نے پوچھا اے حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! فرمایئے اونٹوں میں خدا کا حق کیا ہے؟ فرمایا مسکینوں کو سواری کے لئے تحفۃً دینا' غرباء کے ساتھ سلوک کرنا' دودھ پینے کے لیے جانور دینا' ان کے نروں کی ضرورت جنہیں مادہ کے لئے ہوا نہیں مانگا ہوا بے قیمت دینا۔ یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں بھی دوسری سند سے مذکور ہے۔

زکوۃ کے بغیر مال کی سزا: ☆☆ مسند کی ایک حدیث میں ہے کہ جو سونے چاندی کے خزانے والا اس کا حق ادا نہ کرے اس کا سونا چاندی تختیوں کی صورت میں بنایا جائے گا اور جہنم کی آگ میں تپا کر اس کی پیشانی' کروٹ اور پیٹھ داغی جائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے کر لے اس دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی سے پچاس ہزار سال کی ہو گی پھر وہ اپنا راستہ جنت کی طرف یا جہنم کی طرف دیکھ لے گا۔ پھر آگے بکریوں اور اونٹوں کا بیان ہے جیسے اوپر گزرا اور یہ بھی بیان ہے کہ گھوڑے تین قسم کے لوگوں کے لئے ہیں۔ ایک تو اجر دلانے والے'

دوسری قسم پردہ پوشی کرنے والے تیسری قسم کے بوجھ ڈھونے والے۔ یہ حدیث پوری پوری صحیح مسلم شریف میں بھی ہے ان روایتوں کے پورا بیان کرنے کی اور ان کی سندوں اور الفاظ کے تمام تر نقل کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتاب الزکوۃ ہے یہاں ان کے وارد کرنے سے ہماری غرض صرف ان الفاظ سے ہے کہ یہاں تک کہ اللہ اپنے بندوں کے درمیان فاصلہ کرے گا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص پوچھتا ہے کہ وہ دن کیا ہے جس کی مقدار ایک ہزار سال کی ہے؟ آپ فرماتے ہیں اور وہ دن کیا ہے جو پچاس ہزار سال کا ہے؟ اس نے کہا حضرت میں تو خود دریافت کرنے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا سنو! یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اللہ تعالیٰ ہی کو ان کی حقیقت کا بخوبی علم ہے میں تو باوجود نہ جاننے کے کتاب اللہ میں کچھ کہنا مکروہ جانتا ہوں۔ پھر فرماتا ہے اے نبی! تم اپنی قوم کو جھٹلانے پر اور عذاب کے مانگنے کی جلدی پر جسے وہ اپنے نزدیک نہ آنے والا جانتے ہیں صبر وسہار کرو۔ جیسے اور جگہ ہے یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا الخ یعنی بے ایمان تو قیامت کے دن جلد آنے کی تمنائیں کرتےہیں اور ایمان دار اس کے آنے کو حق جان کر اس سے ڈر رہے ہیں۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ یہ تو اسے دور جان رہے ہیں بلکہ محال اور واقع نہ ہونے والا مانتے ہیں لیکن ہم اسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں یعنی مومن تو اس کا آنا حق جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب آیا ہی چاہتا ہے نہ جانیں کب قیامت قائم ہو جائے اور کب عذاب آپڑیں کیونکہ اس کے صحیح وقت کو تو بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی جانتا ہی نہیں پس ہر وہ چیز جس کو آنے اور ہونے میں کوئی شک نہ ہو اس کا آنا قریب ہی سمجھا جاتا ہے اور اس کے ہو پڑنے کا ہر وقت کھٹکا ہی رہتا ہے۔

یَوْمَ تَکُوْنُ السَّمَآءُ کَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ وَلَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ﴿۱۰﴾ یُّبَصَّرُوْنَهُمْ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍۭ بِبَنِیْهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ یُنْجِیْهِ ﴿۱۴﴾ کَلَّا اِنَّهَا لَظٰی ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰی ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰی ﴿۱۸﴾

جس دن آسمان مثل تیل کی تلچھٹ کے ہو جائے گا ○ اور پہاڑ مثل رنگین اون کے ہو جائیں گے ○ اور کوئی دوست کسی کو نہ پوچھے گا ○ حالانکہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے گنہگار آج کے دن کے عذاب کے بدلے فدیئے میں اپنے بیٹوں ○ اور اپنی بیویوں کو اور اپنے بھائی کو ○ اور اپنے قبیلے کو جو اسے جگہ دیتا تھا ○ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا کہ اسے نجات مل جائے ○ مگر ہرگز یہ نہ ہوگا یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے ○ جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے ○ ہر اس شخص کو پکار رہی ہے جو پیچھے ہٹے اور منہ موڑے ○ اور جمع کر کے سنبھال رکھے ○

عذاب کے طالب عذاب دیئے جائیں گے : ☆☆ (آیت:۸-۱۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس عذاب کو یہ طلب کر رہے ہیں وہ عذاب ان طلب کرنے والے کافروں پر اس دن آئے گا جس دن آسمان مثل مہل کے ہو جائے یعنی زیتون کے تیل کی تلچھٹ جیسا ہو جائے اور پہاڑ ایسے ہو جائیں جیسے دھنی ہوئی اون یہی فرمان اور جگہ ہے وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ الخ پھر فرماتا ہے کوئی قریبی رشتہ دار کسی اپنے قریبی رشتہ دار سے پوچھ گچھ بھی نہ کرے گا حالانکہ ایک دوسرے کو بری حالت میں دیکھ رہے ہوں گے لیکن خود ایسے

مشغول ہوں گے کہ دوسرے کا حال پوچھنے کا بھی ہوش نہیں' سب آپا دھاپی میں پڑے ہیں- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک دوسرے کو دیکھے گا' پہچانے گا لیکن پھر بھاگ کھڑا ہوگا' جیسے اور جگہ ہے لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ یعنی ہر ایک ایسے مشغلے میں لگا ہوا ہوگا جو دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ہی نہ دے گا- ایک اور جگہ فرمان ہے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنی اولاد کے اور اولاد اپنے باپ کے کچھ کام نہ آئے گی- ایک اور جگہ ارشاد ہے گو قرابت دار ہوں لیکن کوئی کسی کا بوجھ نہ بٹائے گا- ایک اور جگہ فرمان ہے فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَاءَلُونَ یعنی صور پھونکتے ہی سب آپس کے رشتے ناطے اور پوچھ گچھ ختم ہو جائے گی' ایک اور جگہ فرمان ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ الخ' یعنی اس دن انسان اپنے بھائی' ماں' باپ' بیوی اور فرزند سے بھاگتا پھرے گا' ہر شخص بوجہ اپنی پریشانیوں کے دوسرے سے غافل ہوگا' یہ وہ دن ہوگا کہ اس دن ہر گنہگار یہ دل چاہے گا کہ اپنی اولاد کو اپنے فدیہ میں دے کر جہنم کے آج کے عذاب سے چھوٹ جائے اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے رشتے کنبے کو اور اپنے خاندان اور قبیلے کو بلکہ چاہے تمام روئے زمین کے لوگوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے لیکن اسے آزاد کر دیا جائے- آہ کیا ہی دلگداز منظر ہے کہ اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو اپنی شاخوں اور اپنی جڑوں کو سب کے سب کو آج فدا کرنے پر تیار ہے تاکہ خود بچ جائے۔

فَصِيلَه کے معنی ماں کے بھی کئے گئے ہیں غرض تمام تر محبوب ہستیوں کو اپنی طرف سے بھینٹ میں دیئے پر دل سے رضامند ہوگا لیکن کوئی چیز کام نہ آئے گی' کوئی بدلہ اور فدیہ نہ کھپے گا' کوئی عوض اور معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا بلکہ اس آگ کے عذابوں میں ڈالا جائے گا جو اونچے اونچے اور تیز تیز شعلے پھینکنے والی اور سخت بھڑکنے والی ہے' جو سر کی کھال تک جھلسا کر کھینچ لاتی ہے' بدن کی کھال دور کر دیتی ہے اور کھوپڑی پلپلی کر دیتی ہے' ہڈیوں سے گوشت الگ کر دیتی ہے' رگ پٹھے کھنچنے لگتے ہیں' ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگتے ہیں' پنڈلیاں کٹی جاتی ہیں' چہرہ بگڑ جاتا ہے' ہر ہر عضو بدل جاتا ہے' چیخ پکار کرتا رہتا ہے' ہڈیوں کا چورا کرتی رہتی ہے' کھالیں جلائے جاتی - یہ آگ اپنی فصیح زبان اور اونچی آواز سے اپنے والوں کو جنہوں نے دنیا میں بدکاریاں اور اللہ کی نافرمانیاں کی تھیں پکارتی ہے' پھر جس طرح پرند جانور دانہ چگتا ہے اسی میدان محشر میں سے ایسے بدلوگوں کو ایک ایک کر کے دیکھ بھال کر چن لیتی ہے' اب ان کی بداعمالیاں بیان ہو رہی ہیں کہ یہ دل سے جھٹلانے والے اور بدن سے عمل چھوڑ دینے والے تھے' یہ مال کو جمع کرنے والے اور سر بند کر کے رکھ چھوڑنے والے تھے' اللہ تعالیٰ کے ضروری احکام میں بھی مال خرچ کرنے سے بھاگتے تھے بلکہ زکوٰۃ تک ادا نہ کرتے تھے- حدیث شریف میں ہے سمیٹ سمیٹ کر سینت سینت کر نہ رکھ ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے روک لے گا- حضرت عبداللہ بن حکم رضی اللہ عنہ تو اس آیت پر عمل کرتے ہوئے کبھی تھیلی کا منہ ہی نہ باندھتے تھے- امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں اے ابن آدم! اللہ تعالیٰ کی وعید سن رہا ہے پھر مال سمیٹتا جا رہا ہے؟ حضرت قتادہؒ فرماتے مال کے جمع کرنے میں حلال حرام کا پاس نہ رکھتا تھا اور فرمان الٰہی ہوتے ہوئے بھی خرچ کی ہمت نہیں کرتا تھا-

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿٢١﴾ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٢٦﴾

بے شک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے ○ جب اسے مصیبت پہنچتی ہے ہڑ بڑا اٹھتا ہے ○ اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے ○ مگر وہ

نمازی ○ جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں ○ اور جن کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے ○ مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی ○ اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں ○

انسان بے صبرا، بخیل اور کنجوس بھی ہے: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۶) یہاں انسانی جبلت کی کمزوری بیان ہو رہی ہے کہ یہ بڑا ہی بے صبرا ہے، مصیبت کے وقت تو مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے باؤلا سا ہو جاتا ہے، گویا دل اڑ گیا اور گویا اب کوئی آس باقی نہیں رہی اور راحت کے وقت بخیل کنجوس بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا حق بھی ڈکار جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بدترین چیز انسان میں بے حد بخیلی اور اعلیٰ درجہ کی نامردی ہے (ابوداؤد) پھر فرمایا کہ ہاں اس مذموم خصلت سے وہ لوگ دور ہیں جن پر خاص فضل الٰہی ہے اور جنہیں توفیق خیر ازل سے مل چکی ہے، جن کی صفتیں یہ ہیں کہ وہ پورے نمازی ہیں، وقتوں کی نگہبانی کرنے، واجبات نماز کو اچھی طرح بجالانے، سکون، اطمینان اور خشوع و خضوع سے پابندی کے ساتھ ادا کرنے والے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بیشک ان کے رب کے عذاب سے کوئی بے خوف نہیں کیا گیا ○ اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں ○ اب جو کوئی اس کے علاوہ ڈھونڈے وہ لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں ○ اور جو اپنی امانتوں کی اور اپنے قول قرار کی رعایت کرنے والے ہیں ○ اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے اور قائم ہیں ○

(آیت:۲۷-۳۳) جیسے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ، ان ایمان داروں نے نجات پالی جو اپنی نماز خوف اللہ سے ادا کرتے ہیں، ٹھہرے ہوئے بے حرکت کے پانی کو بھی عرب مَآءٌ دَائِمٌ کہتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں اطمینان واجب ہے، جو شخص اپنے رکوع سجدے پوری طرح ٹھہر کر با اطمینان ادا نہیں کرتا وہ اپنی نماز پر دائم نہیں کیونکہ نہ وہ سکون کرتا ہے نہ اطمینان بلکہ کوے کی طرح ٹھونگیں مار لیتا ہے، اس کی نماز اسے نجات نہیں دلوائے گی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر نیک عمل پر مداومت اور ہمیشگی کرنا ہے جیسے کہ نبی علیہ صلوات اللہ کا فرمان ہے کہ اللہ کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے جس پر مداومت کی جائے گو کم ہو، خود حضور علیہ السلام کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ جس کام کو کرتے اس پر ہمیشگی کرتے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا کہ حضرت دانیال پیغمبرؑ نے امت محمد ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایسی نماز پڑھے گی کہ اگر قوم نوحؑ ایسی نماز پڑھتی تو ڈوبتی نہیں اور قوم عاد کی اگر ایسی نماز ہوتی تو ان پر بے برکتی کی ہوائیں نہ بھیجی جاتیں اور اگر قوم ثمود کی نماز ایسی ہوتی تو انہیں چیخ سے ہلاک نہ کیا جاتا۔ پس اے لوگو! نماز کو اچھی طرح پابندی سے پڑھا کرو، مومن کا یہ زیور اور اس کا بہترین خلق ہے۔ پھر فرماتا ہے ان کے مالوں میں حاجت مندوں کا بھی مقررہ حصہ ہے، سَآئِلِ اور مَحْرُوْمِ کی

پوری تفسیر سورۂ ذاریات میں گزر چکی ہے۔ یہ لوگ حساب اور جزا کے دن پر بھی یقین کامل اور پورا ایمان رکھتے ہیں' اسی وجہ سے وہ اعمال کرتے ہیں جن سے ثواب پائیں اور عذاب سے چھوٹیں۔ پھر ان کی صفت بیان ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے اور خوف کھانے والے ہیں' جس عذاب سے کوئی عقل مند انسان بے خوف نہیں رہ سکتا ہاں جسے اللہ امن دے اور یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کو حرام کاری سے روکتے ہیں' جہاں اللہ کی اجازت نہیں اس جگہ سے بچاتے ہیں' ہاں اپنی بیویوں اور اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں' سو اس میں ان پر کوئی ملامت اور الاہنا نہیں' لیکن جو شخص ان کے علاوہ اور جگہ یا اور طرح اپنی شہوت رانی کرلے وہ یقیناً حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے۔ ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں گزر چکی ہے' یہاں دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ امانت کے ادا کرنے والے' وعدوں اور وعیدوں' قول اور قرار کو پورا کرنے والے اور اچھی طرح نباہنے والے ہیں' نہ خیانت کریں نہ بدعہدی اور وعدہ شکنی کریں۔ یہ کل صفتیں مومنوں کی ہیں اور ان کا خلاف کرنے والا منافق ہے۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے منافق کی تین خصلتیں ہیں جب بھی بات کرے جھوٹ بولے' جب بھی وعدہ کرے خلاف کرے' جب امانت دیا جائے خیانت کرے۔ ایک اور روایت میں ہے جب بھی عہد کرے توڑ دے اور جب بھی جھگڑے گالیاں بولے۔ یہ اپنی شہادتوں کی بھی حفاظت کرنے والے ہیں یعنی نہ اس میں کمی کریں نہ زیادتی' نہ شہادت دینے سے بھاگیں نہ اسے چھپائیں' جو چھپالے وہ گنہگار دل والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ یہی لوگ جنتوں میں عزت و اکرام کئے جائیں گے ○

(آیت:۳۴-۳۵) پھر فرمایا وہ اپنی نماز کی پوری چوکسی کرتے ہیں یعنی وقت پر ارکان اور واجبات اور مستحبات کو پوری طرح بجالا کر نماز پڑھتے ہیں' یہاں یہ بات خاص توجہ کے لائق ہے کہ ان جنتیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شروع وصف میں بھی نماز کی ادائیگی کا بیان کیا اور ختم بھی اسی پر کیا' پس معلوم ہوا کہ نماز امر دین میں عظیم الشان کام ہے اور سب سے زیادہ شرافت اور فضیلت والی چیز بھی یہی ہے' اس کا ادا کرنا سخت ضروری اور اس کا بندوبست نہایت ہی تاکید والا ہے۔ سورۂ قد افلح المومنون میں بھی ٹھیک اسی طرح بیان ہوا ہے' اور وہاں ان اوصاف کے بعد بیان فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وارث فردوس ہیں اور یہاں فرمایا یہی لوگ جنتی ہیں اور قسم قسم کی لذتوں اور خوشبوؤں سے عزت و اقبال کے ساتھ مسرور و محظوظ ہیں۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾

پس کافروں کو کیا ہوا ہے کہ وہ تیری طرف کیوں دوڑتے آتے ہیں O دائیں اور بائیں سے گروہ کے گروہ O کیا ان میں سے ہر ایک کی توقع یہ ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا؟ O ایسا نہ ہوگا، ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں O پس مجھے قسم ہے مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم یقیناً قادر ہیں O کہ ان کے عوض ان سے اچھے لوگ لائیں ہم عاجز نہیں O

مرکز نور وہدایت سے مفرور انسان: ☆☆ (آیت: ۳۶-۴۱) اللہ تعالیٰ عزوجل ان کافروں پر انکار کر رہا ہے جو حضورؐ کے مبارک زمانہ میں تھے خود آپؐ کو وہ دیکھ رہے تھے اور آپؐ جو ہدایت لے کر آئے وہ ان کے سامنے تھی اور آپؐ کے کھلے معجزے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر باوجود ان تمام باتوں کے وہ بھاگ رہے تھے اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر دائیں بائیں کترا جاتے تھے جیسے اور جگہ ہے فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ الخ یہ نصیحت سے منہ پھیر کر ان گدھوں کی طرح جو شیر سے بھاگ رہے ہوں، کیوں بھاگ رہے ہیں، یہاں بھی اسی طرح فرمارہا ہے کہ ان کفار کو کیا ہوگیا ہے یہ نفرت کر کے کیوں تیرے پاس سے بھاگے جارہے ہیں؟ کیوں کر دائیں بائیں سرکتے جاتے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ متفرق طور اختلاف کے ساتھ ادھر ادھر ہو رہے ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے خواہش نفس پر عمل کرنے والوں کے حق میں یہی فرمایا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مخالف ہوتے ہیں اور آپس میں بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ہاں کتاب اللہ کی مخالفت میں سب متفق ہوتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ بروایت عوفی مروی ہے کہ وہ ٹولیاں ہو کر بے پرواہی کے ساتھ تیرے دائیں بائیں ہو کر تجھے مذاق سے گھورتے ہیں، حضرت حسنؒ فرماتے ہیں یعنی دائیں بائیں الگ ہو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے کیا کہا؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں دائیں بائیں ٹولیاں ٹولیاں ہو کر حضورؐ کے اردگرد پھرتے رہتے ہیں نہ کتاب اللہ کی چاہت ہے نہ رسول اللہ کی رغبت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس آئے اور وہ متفرق طور پر حلقے حلقے تھے تو فرمایا میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی صورتوں میں کیسے دیکھ رہا ہوں؟ (احمد)

ابن جریر میں اور سند سے بھی مروی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کیا ان کی چاہت ہے کہ جنت نعیم میں داخل کئے جائیں؟ ایسا نہ ہوگا یعنی جب ان کی یہ حالت ہے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہؐ کے دائیں بائیں کترا جاتے ہیں پھر ان کی یہ چاہت پوری نہیں ہوسکتی بلکہ یہ جہنمی گروہ ہے، اب جس چیز کو یہ محال جانتے تھے اس کا بہترین ثبوت ان ہی کی معلومات اور اقرار سے بیان ہو رہا ہے کہ جس نے تمہیں ضعیف پانی سے پیدا کیا ہے جیسے کہ خود تمہیں بھی معلوم ہے پھر کیا وہ تمہیں دوبارہ نہیں پیدا کر سکتا؟ جیسے اور جگہ ہے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ کیا ہم نے تمہیں ناقدرے پانی سے پیدا نہیں کیا؟ فرمان ہے فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ الخ، انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے نکلتا ہے یقیناً وہ اللہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے جس دن پوشیدگیاں کھل جائیں گی اور کوئی طاقت نہ ہوگی نہ مددگار۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے مجھے قسم ہے اس کی جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور مشرق و مغرب متعین کی اور ستاروں کے چھپنے اور ظاہر ہونے کی جگہیں مقرر کر دیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے کافرو! جیسا تمہارا گمان ہے ویسا معاملہ نہیں کہ نہ حساب کتاب ہو نہ حشر نشر ہو بلکہ یہ سب یقیناً ہونے والی چیزیں ہیں۔ اسی لئے قسم سے پہلے ان کے باطل خیال کی تکذیب کی اور اسے اس طرح ثابت کیا کہ اپنی قدرت کاملہ کے مختلف نمونے ان کے سامنے پیش کئے، مثلاً آسمان و زمین کی ابتدائی پیدائش اور حیوانات، جمادات اور مختلف قسم کی مخلوق کی موجودگی۔ جیسے اور جگہ ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی آسمان و زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے پر اللہ قادر ہے تو چھوٹی چیزوں کی پیدائش پر کیوں قادر نہ ہوگا؟ جیسے اور جگہ ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى بَلٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش میں نہ تھکا۔ کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک وہ قادر ہے اور ایک اس پر کیا ہر ایک چیز پر اسے قدرت حاصل ہے ایک دوسری جگہ ارشاد ہے اَوَلَيْسَ الَّذِىْ الخ یعنی کیا زمین وآسمان کو پیدا کرنے والا ان کے مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ ہاں ہے اور وہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے وہ جس چیز کا ارادہ کرے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ مشرق اور مغرب کے پروردگار کی قسم ہم ان کے ان جسموں کو جیسے یہ اب ہیں اس سے بھی بہتر صورت میں بدل ڈالنے پر پورے پورے قادر ہیں، کوئی چیز کوئی شخص اور کوئی کام ہمیں عاجز اور درماندہ نہیں کر سکتا۔ اور جگہ ارشاد ہے اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ الخ، کیا کسی شخص کا یہ گمان ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے؟ غلط گمان ہے بلکہ ہم تو اس کی پور پور جمع کر کے ٹھیک ٹھاک بنا دیں گے اور فرمایا نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ الخ، ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کر دی ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تم جیسوں کو بدل ڈالیں اور تمہیں اس نئی پیدائش میں پیدا کریں جسے تم جانتے بھی نہیں۔ پس ایک مطلب تو آیت مندرجہ بالا کا یہ ہے، دوسرا مطلب امام ابن جریرؒ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ہم قادر ہیں اس امر پر کہ تمہارے بدلے ایسے لوگ پیدا کر دیں جو ہمارے مطیع وفرمانبردار ہوں اور ہماری نافرمانیوں سے رکے رہنے والے ہوں، جیسے اور جگہ فرمان ہے۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا الخ، یعنی اگر تم نے منہ موڑا تو اللہ تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا اور وہ تم جیسی نہ ہو گی، لیکن پہلا مطلب دوسری آیتوں کی صاف دلالت کی وجہ سے زیادہ ظاہر ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

پس تو انہیں جھگڑتا کھیلتا چھوڑ دے یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن سے ملیں جس کا یہ وعدہ دیئے جاتے ہیں ○ جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی تھان کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں ○ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت چھا رہی ہو گی، یہ ہے وہ دن جس کا یہ وعدہ دیئے جاتے تھے ○

دنیا میں ڈھیل: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۴) پھر فرماتا ہے اے نبیؐ انہیں ان کے جھٹلانے، کفر کرنے، سرکشی میں بڑھنے ہی میں چھوڑ دو جس کا وبال ان پر اس دن آئے گا جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ انہیں بلائے گا اور یہ میدان محشر کی طرف جہاں انہیں حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا اس طرح لپکتے ہوئے جائیں گے جس طرح دنیا میں کسی بت یا علم، تھان اور چلے کو چھونے اور ڈنڈوت کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے جاتے ہیں، مارے شرم وندامت کے نگاہیں زمین گڑی ہوئی ہوں گی اور چہروں پر پھٹکار برس رہی ہو گی، یہ ہے دنیا میں اللہ کی اطاعت سے سرکشی کرنے کا نتیجہ! اور یہ ہے وہ دن جس کے ہونے کو آج محال جانتے ہیں اور ہنسی مذاق میں نبیؐ شریعت اور کلام الٰہی کی حقارت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیامت کیوں قائم نہیں ہوتی؟ ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟

الحمد للہ سورۂ معارج کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ نوح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۳﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

اللہ تعالیٰ بخشش ورحم کرنے والے کے نام سے ○

یقیناً ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرا دے اس سے پہلے کہ ان کے پاس دردناک عذاب آئے ○ نوحؑ نے کہا اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں ○ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اسی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ○ تو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایک وقت مقررہ تک چھوڑ دے گا۔ یقیناً اللہ کا وعدہ جب آ جاتا ہے تو موقوف نہیں رکھا جاتا' کاش کہ تمہیں سمجھ ہوتی ○

عذاب سے پہلے نوح علیہ السلام کا قوم سے خطاب: ☆☆ (آیت:۱-۴) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ عذاب کے آنے سے پہلے اپنی قوم کو ہوشیار کر دو اگر وہ توبہ کر لیں گے اور اللہ کی طرف جھکنے لگیں گے تو عذاب خدا ان سے اٹھ جائیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ ربانی پیغام اپنی امت کو پہنچا دیا اور صاف کہہ دیا کہ دیکھو میں کھلے لفظوں میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں' میں صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت' اس کا ڈر اور میری اطاعت لازمی چیزیں ہیں' جو کام رب نے تم پر حرام کئے ہیں ان سے بچو' گناہ کے کاموں سے الگ تھلگ رہو' جو میں کہوں بجالاؤ' جس سے روکوں رک جاؤ میری سالت کی تصدیق کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ میں لفظ من یہاں زائد ہے' اثبات کے موقع پر بھی کبھی لفظ من زائد آ جاتا ہے جیسے عرب کے مقولے قَدْ كَانَ مِنْ مَّطَرٍ میں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معنی میں عن کے ہو بلکہ ابن جریر تو اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ اور یہ قول بھی ہے کہ من تبعیض کے لئے ہے یعنی تمہارے کچھ گناہ معاف فرما دے گا یعنی وہ گناہ جن پر سزا کا وعدہ ہے اور بڑے بڑے گناہ ہیں اگر تم نے یہ تینوں کام کئے تو وہ معاف ہو جائیں گے اور جن عذابوں سے وہ تمہیں اب تمہاری ان خطاؤں اور غلط کاریوں کی وجہ سے برباد کرنے والا ہے اس عذاب کو ہٹا دے گا اور تمہاری عمریں بڑھا دے گا۔ اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ اطاعت خدا' نیک سلوک اور صلہ رحمی سے حقیقتاً عمر بڑھ جاتی ہے۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ صلہ رحمی عمر بڑھاتی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ نیک اعمال اس سے پہلے کر لو کہ اللہ کا عذاب آ جائے اس لئے کہ جب وہ آ جاتا ہے پھر نہ اسے کوئی ہٹا سکتا ہے نہ روک سکتا ہے' اس بڑے کی بڑائی نے ہر چیز کو پست کر رکھا ہے' اس کی عزت وعظمت کے سامنے تمام مخلوق پست ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ۝۵ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ۝۶ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝۷ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝۸ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝۹ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝۱۱

نوحؑ نے کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا○ مگر میرے بلانے سے یہ بھاگنے میں اور بڑھتے ہی گئے○ میں نے جب بھی انہیں تیری طرف بخشش کے لئے بلایا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور سخت سرکشی کی○ پھر میں نے انہیں با آواز بلند بلایا○ اور بیشک میں نے ان سے اعلانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ' وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے○ وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا○

نوسو سال صدا بصحرا کے بعد بھی ایک پیغمبرانہ کوشش: ☆☆ (آیت: ۵-۱۱) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ ساڑھے نوسو سال تک کی لمبی مدت میں کس کس طرح حضرت نوحؑ نبی نے اپنی قوم کو رشد و ہدایت کی طرف بلایا' قوم نے کس کس طرح اعراض کیا' کیسی کیسی اذیتیں خدا کے پیارے پیغمبر کو پہنچائیں اور کس طرح اپنی ضد پر اڑ گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام بطور شکایت کے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ خدایا! میں نے تیرے حکم کی پوری طرح سرگرمی سے تعمیل کی' تیرے فرمان عالیشان کے مطابق نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات بلکہ دھن باندھے ہر وقت انہیں راہ راست کی دعوت دیتا رہا لیکن اسے کیا کروں کہ جس دل سوزی سے میں انہیں نیکی کی طرف بلاتا رہا وہ اسی سختی سے مجھ سے بھاگتے رہے' حق سے روگردانی کرتے رہے یہاں تک ہوا کہ میں نے ان سے کہا آؤ رب کی سنو تا کہ رب بھی تمہیں بخشے لیکن انہوں نے میرے ان الفاظ کا سننا بھی گوارا نہ کیا کان بند کر لئے۔ یہی حال کفار قریش کا تھا کہ کلام اللہ کو سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ جیسے ارشاد ہے وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ یعنی کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور جب یہ پڑھا جاتا ہو تو شور و غل کرو تا کہ تم غالب رہو۔ قوم نوح نے جہاں اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالیں وہاں اپنے منہ بھی کپڑوں سے چھپا لئے تا کہ وہ پہچانے بھی نہ جائیں اور نہ کچھ سنیں' اپنے شرک و کفر پر ضد کے ساتھ اڑ گئے اور اتباع حق سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس سے بے پرواہی کی اور اسے حقیر جان کر تکبر سے پیٹھ پھیر لی۔

حضرت نوحؑ فرماتے ہیں عام لوگوں کے مجمع میں بھی میں نے انہیں کہا سنا' با آواز بلند ان کے کان کھول دیئے اور بسا اوقات ایک ایک کو چپکے چپکے بھی سمجھایا۔ غرض تمام جتن کر لئے کہ یوں نہیں یوں سمجھ جائیں اور یوں نہیں تو یوں راہ راست پر آ جائیں' میں نے ان سے کہا کہ کم از کم تم اپنی بدکاریوں سے توبہ ہی کر لو وہ خدا غفار ہے ہر جھکنے والے کی طرف توجہ فرماتا ہے اور خواہ اس سے کیسے ہی بد سے بدتر اعمال سرزد ہوئے ہوں ایک آن میں معاف فرما دیتا ہے اور یہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی وہ تمہیں تمہارے استغفار کی وجہ سے طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور درد دکھ سے بچالے گا۔ وہ تم پر خوب موسلا دھار بارش برسائے گا۔ یہ یاد رہے کہ قحط سالی کے موقع پر جب نماز استسقاء کے لئے مسلمان نکلیں تو مستحب ہے کہ اس نماز میں اس سورت کو پڑھیں۔ اس کی ایک دلیل تو یہی آیت ہے دوسرے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل بھی یہی ہے۔ آپ سے مروی ہے کہ بارش مانگنے کے لئے جب آپ نکلے تو منبر پر چڑھ کر آپ نے خوب استغفار کیا اور استغفار والی آیتوں کی تلاوت کی جن میں ایک آیت یہ بھی تھی۔ پھر فرمانے لگے کہ بارش کو میں نے بارش کی تمام راہوں سے جو آسمان میں ہیں طلب کرلیا ہے یعنی وہ احکام ادا کئے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمایا کرتا ہے۔

وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ ع

اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لئے نہریں نکال دے گا ○ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کی بزرگی کا عقیدہ نہیں رکھتے؟ ○ حالانکہ اس نے تمہیں مختلف طور سے پیدا کیا ہے ○ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر تلے کس طرح سات آسمان پیدا کر دیئے ○ اور ان میں چاند کو خوب جگمگاتا بنایا اور سورج کو روشن چراغ بنایا ○ اور تم کو زمین سے ایک خاص طریقے سے پیدا کیا ○ پھر تمہیں اسی میں لوٹا لے جائے گا اور ایک خاص طریقہ سے پھر نکالے گا ○ اور تمہارے لئے زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش بنا دیا ○ تاکہ تم اس کی کشادہ راہوں میں چلو پھرو ○

استغفار اور باران رحمت: ☆☆ (آیت:۱۱-۲۰) حضرت نوح فرماتے ہیں اے میری قوم کے لوگو! تم اگر استغفار کرو گے تو بارش کے ساتھ ہی ساتھ رزق کی برکت بھی تمہیں ملے گی' زمین و آسمان کی برکتوں سے تم مالا مال ہو جاؤ گے' کھیتیاں خوب ہوں گی' جانوروں کے تھن دودھ سے پر رہیں گے' مال و اولاد میں ترقی ہوگی' قسم قسم کے پھلوں سے لدے پھدے باغات تمہیں نصیب ہوں گے جن کے درمیان چوطرفہ صاف اور بابرکت پانی کی ریل پیل ہوگی' ہر طرف نہریں اور دریا جاری ہو جائیں گے۔ اس طرح رغبتیں دلا کر پھر ذرا خوف زدہ بھی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قائل کیوں نہیں ہوتے؟ اس کے عذابوں سے بے باک کیوں ہو گئے ہو؟ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کن کن حالات میں کس کس لوٹ پھیر کے ساتھ پیدا کیا ہے؟ پہلے پانی کی بوند پھر جامد خون پھر گوشت کا لوتھڑا پھر اور صورت پھر اور حالت وغیرہ۔ اسی طرح دیکھو تو سہی کہ اس نے ایک پر ایک اس طرح آسمان پیدا کئے خواہ وہ صرف سننے سے ہی معلوم ہوئے ہوں یا ان وجوہ سے معلوم ہوئے ہوں جو محسوس ہیں جو ستاروں کی چال اور ان کے کسوف سے سمجھی جا سکتی ہیں جیسے کہ اس علم والوں کا بیان ہے۔ گو اس میں بھی ان کا سخت تر اختلاف ہے کہ کواکب چلنے پھرنے والے بڑے بڑے سات ہیں' ایک ایک کو بے نور کر دیتا ہے' سب سے قریب آسمان دنیا میں تو چاند ہے جو دوسروں کو ماند کئے ہوئے ہے اور دوسرے آسمان پر عطارد ہے' تیسرے میں زہرہ ہے' چوتھے میں سورج ہے' پانچویں میں مریخ ہے' چھٹے میں مشتری' ساتویں میں زحل اور باقی کواکب جو ثوابت ہیں وہ آٹھویں میں ہیں جس کا نام یہ لوگ فلک ثوابت رکھتے ہیں اور ان میں سے جو شروع والے ہیں وہ اسے کرسی کہتے ہیں اور نواں فلک ان کے نزدیک اطلس اور اثیر ہے

جس کی حرکت ان کے خیال میں افلاک کی حرکت کے خلاف ہے اس لئے کہ دراصل اس کی حرکت اور حرکتوں کا مبداء ہے وہ مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتا ہے اور باقی سب آسمان مشرق سے مغرب کی طرف اور انہی کے ساتھ کواکب بھی گھومتے پھرتے رہتے ہیں لیکن سیاروں کی حرکت افلاک کی حرکت کے بالکل برعکس ہے وہ سب مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتے ہیں اور ان میں کا ہر ایک اپنے آسمان کا پھیرا اپنی مقدور کے مطابق کرتا ہے' چاند تو ہر ماہ میں ایک بار' سورج ہر سال میں ایک بار' زحل ہر تیس سال میں ایک مرتبہ۔ مدت کی یہ کمی بیشی باعتبار آسمان کی لمبائی چوڑائی کے ہے ورنہ سب کی حرکت سرعت میں بالکل مناسبت رکھتی ہے۔

یہ خلاصہ ان کی تمام تر باتوں کا جس میں ان میں آپس میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے۔ نہ ہم اسے یہاں وارد کرنا چاہتے ہیں نہ اس کی تحقیق وتفتیش سے اس وقت کوئی غرض ہے۔ مقصود صرف اس قدر ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سات آسمان بنائے ہیں اور وہ اوپر تلے ہیں پھر ان میں سورج چاند پیدا کیا ہے' دونوں کی چمک دمک اور روشنی اور اجالا الگ الگ ہے جس سے دن رات کی تمیز ہو جاتی ہے' پھر چاند کی مقررہ منزلیں اور بروج ہیں پھر اس کی روشنی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ بالکل چھپ جاتا ہے اور ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ اپنی پوری روشنی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے مہینے اور سال معلوم ہوتے ہیں - جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً الخ' اللہ وہ ہے جس نے سورج' چاند خوب روشن چمکدار بنائے اور چاند کی منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تمہیں سال اور حساب معلوم ہو جائیں ان کی پیدائش حق ہی کے ساتھ ہے۔ عالموں کے سامنے قدرت الٰہی کے یہ نمونے الگ الگ موجود ہیں۔

انسان مٹی سے پیدا ہوا: ☆☆ پھر فرمایا اللہ نے تمہیں زمین سے اگایا۔ اس مصدر نے مضمون کو بے حد لطیف کر دیا پھر تمہیں مار ڈالنے کے بعد اسی میں لوٹائے گا پھر قیامت کے دن اسی سے تمہیں نکالے گا جیسے اول دفعہ پیدا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارا فرش بنا دیا اور وہ ہلے جلے نہیں اس لئے اس پر مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے' اسی زمین کے کشادہ راستوں پر تم چلتے پھرتے ہو' اسی پر رہتے سہتے ہو' ادھر سے ادھر جاتے آتے ہو' غرض حضرت نوح علیہ السلام کی یہ ہے کہ عظمت خدا اور قدرت خدا کے نمونے اپنی قوم کے سامنے رکھ کر انہیں آمادہ کر رہے ہیں کہ زمین وآسمان کی برکتوں کے دینے والے' ہر چیز کے پیدا کرنے والے' عالی شان قدرت کے رکھنے والے رازق خالق اللہ کا کیا تم پر اتنا بھی حق نہیں کہ تم اسے پوجو' اس کا لحاظ رکھو اور اس کے کہنے سے اس کے سچے نبی کی راہ اختیار کرو۔ تمہیں ضرور چاہئے کہ صرف اسی کی عبادت کرو کسی اور کو نہ پوجو۔ اس جیسا اس کا شریک اس کا ساجھی اس کا مثل کسی کو نہ جانو' اسے جورو سے اور اسے بیٹوں پوتوں سے' اسے وزیر و مشیر سے' اسے مثل ونظیر سے پاک مانو' اسی کو بلند وبالا' اسی کو عظیم واعلیٰ جانو۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۚ۬ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

نوح نے کہا اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری تو نافرمانی کی اور ایسوں کی فرمانبرداری کی جنہیں ان کے مال واولاد نے نقصان ہی میں بڑھایا ہے ○ اور ان لوگوں نے بڑا سخت فریب کیا ○ اور کہہ دیا کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود وسواع ویغوث ویعوق ونسر کو ○ چھوڑنا اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اے اللہ! تو ان ظالموں کی گمراہی ہی بڑھا ○

نوح علیہ السلام کی بارگاہ الٰہی میں روداد غم : ☆☆ (آیت:۲۱-۲۴) حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی گذشتہ شکایتوں کے ساتھ ہی جناب باری میں اپنی قوم کے لوگوں کی اس روش کو بھی بیان کیا کہ میری پکار کو جوان کے لئے سراسر نفع بخش تھی انہوں نے کان تک نہ لگایا' ہاں اپنے مالداروں اور بے فکروں کی مان لی جو تیرے امر سے بالکل غافل تھے اور مال واولاد کے پیچھے مست تھے' گو فی الواقع وہ مال واولاد بھی ان کے لئے سراسر وبال جان تھا کیونکہ ان کی وجہ سے وہ پھولتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بھولتے تھے اور زیادہ نقصان میں اترتے جاتے تھے۔ وَلَدُہٗ کی دوسری قرأت وَلَدَہٗ بھی ہے اور ان رئیسوں نے جو مال و جاہ والے تھے ان سے بڑی مکاری کی۔ کُبَّار کِبَار دونوں معنی میں کَبِیر کے ہیں معنی بہت بڑا۔ قیامت کے دن بھی یہ لوگ یہی کہیں گے کہ تمہارا دن رات مکاری سے' ہمیں کفر وشرک کا حکم کرنا اور ان بڑوں نے ان چھوٹوں سے کہا کہ اپنے ان بتوں کو جنہیں تم پوجتے رہے ہرگز نہ چھوڑنا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قوم نوح کے بتوں کو کفار عرب نے لے لیا' دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب ود کو پوجتے تھے' ہذیل قبیلہ سواع کا پرستار تھا اور قبیلہ مراد پھر قبیلہ بنو جوصرف کے رہنے والے تھے یہ شہر سبا بستی کے پاس ہے' یغوث کی پوجا کرتا تھا' ہملان قبیلہ یعوق کا پجاری تھا آل ذی کلاں کا قبیلہ حمیر نسر بت کا ماننے والا تھا یہ سب بت دراصل قوم نوح کے صالح بزرگ اولیاء اللہ لوگ تھے' ان کے انتقال کے بعد شیطان نے اس زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں ڈالی کہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں میں ان کی کوئی یادگار قائم کریں چنانچہ انہوں نے وہاں نشان بنا دیئے اور ہر بزرگ کے نام پر انہیں مشہور کیا' جب تک یہ لوگ زندہ رہے تب تک تو اس جگہ کی پرستش نہ ہوئی لیکن ان نشانات اور یادگار قائم کرنے والے لوگوں کے مرجانے کے بعد اور علم کے اٹھ جانے کے بعد جو لوگ آئے بوجہ جہالت کے انہوں نے باقاعدہ ان جگہوں کی اور ان ناموں کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ حضرت عکرمہ' حضرت ضحاک' حضرت قتادہ' حضرت ابن اسحاق' بھی یہی فرماتے ہیں۔

قوم نوح میں مشرک کی ابتدا: ☆☆ حضرت محمد بن قیسؒ فرماتے ہیں یہ بزرگ' عابد' اللہ والے' اولیاء اللہ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے سچے تابع فرمان صالح لوگ تھے جن کی پیروی اور لوگ بھی کرتے تھے' جب یہ مر گئے تو ان کے مقتدیوں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو ہمیں عبادت میں خوب دلچسپی رہے گی اور شوق عبادت ان بزرگوں کی صورتیں دیکھ کر بڑھتا رہے گا چنانچہ ایسا ہی کیا جب یہ لوگ بھی مرکھپ گئے اور ان کی نسلیں آئیں تو شیطان نے انہیں یہ گھٹی پلائی کہ تمہارے بڑے ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے اور انہیں سے بارش وغیرہ مانگتے تھے چنانچہ انہوں نے اب باقاعدہ ان بزرگوں کی تصویروں کی پرستش شروع کر دی۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیث علیہ السلام کے قصے میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کے چالیس بچے تھے' بیس لڑکے بیس لڑکیاں' ان میں سے جن کی بڑی عمریں ہوئیں' ان میں ہابیل قابیل' صالح اور عبدالرحمٰن تھے جن کا پہلا نام عبدالحارث تھا اور ود تھا جنہیں شیث اور ہبتہ اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ تمام بھائیوں نے سرداری انہیں کو دے رکھی تھی' ان کی اولاد یہ چاروں تھے یعنی سواع یغوث یعوق اور نسر۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بیماری کے وقت ان کی اولاد ود' یغوث' یعوق' سواع اور نسر تھی۔ ود ان سب میں بڑا اور سب سے نیک سلوک تھا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ رہے تھے اور لوگوں نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا آپ نے فارغ ہو کر فرمایا سنو وہ وہاں قتل کیا گیا جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی پرستش ہوئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک دیندار ولی اللہ مسلمان جسے لوگ بہت چاہتے تھے اور بڑے معتقد تھے وہ مر گیا' یہ لوگ مجاور بن کر اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور رونا پیٹنا اور اسے یاد کرنا شروع کیا اور بڑے بے چین اور مصیبت زدہ ہو گئے' ابلیس لعین نے یہ دیکھ کر انسانی صورت میں ان کے پاس آ کر ان سے کہا کہ اس بزرگ کی یادگار کیوں قائم نہیں کر لیتے؟ جو ہر وقت تمہارے

سامنے رہے اور تم اسے نہ بھولو۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ ابلیس نے اس بزرگ کی تصویر بنا کر ان کے پاس کھڑی کر دی جسے دیکھ دیکھ کر یہ لوگ اسے یاد کرتے تھے اور اس کی عبادت کے تذکرے رہتے تھے جب وہ سب اس میں مشغول ہو گئے تو ابلیس نے کہا تم سب کو یہاں آنا پڑتا ہے اس لئے یہ بہتر ہو گا کہ میں اس کی بہت سی تصویریں بنا دوں تم انہیں اپنے اپنے گھروں میں ہی رکھ لو وہ اس پر بھی راضی ہوئے اور یہ بھی ہو گیا۔ اب تک صرف یہ تصویریں اور یہ بت بطور یادگار کے ہی تھے مگر ان کی دوسری پشت میں جا کر براہ راست ان ہی کی عبادت ہونے لگی۔ اصل واقعہ سب فراموش کر گئے اور اپنے باپ دادوں کو بھی ان کی عبادت کرنے والا سمجھ کر خود بھی بت پرستی میں مشغول ہو گئے ان کا نام ود تھا اور یہی پہلا وہ بت ہے جس کی پوجا اللہ کے سوا کی گئی۔ انہوں نے بہت مخلوق کو گمراہ کیا' اس وقت سے لے کر اب تک عرب و عجم میں اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش شروع ہو گئی اور مخلوق خدا بہک گئی۔ چنانچہ خلیل اللہ علیہ السلام اپنی دعا میں عرض کرتے ہیں میرے رب مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا خدایا انہوں نے اکثر مخلوق کو بے راہ کر دیا۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے لئے بددعا کرتے ہیں کیونکہ ان کی سرکشی' ضد اور عداوت حق خوب ملاحظہ فرما چکے تھے تو کہتے ہیں کہ خدایا! انہیں گمراہی میں اور بڑھا دے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کے لئے بددعا کی تھی کہ پروردگار ان کے مال تباہ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے' انہیں ایمان لانا نصیب نہ ہو جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں' چنانچہ دعائے نوح قبول ہوتی ہے اور قوم نوح بہ سبب اپنی تکذیب کے غرق کر دی جاتی ہے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

(ع ۸)

یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہوں کے ڈبو دیئے گئے اور جہنم میں پہنچا دیئے گئے اور اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار ○ انہوں نے نہ پایا اور حضرت نوح نے کہا اے میرے پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ ○ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو یقیناً یہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور ان کے ہاں جو بال بچے ہوں گے وہ بھی بدکار ناشکرے ہوں گے ○ اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو بھی ایماندار ہو کر میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور کل ایماندار عورتوں کو بخش دے اور کافروں کو سوا ہلاکت کے اور کچھ نہ بڑھا ○

کثرت گناہ تباہی کو دعوت دینا ہے: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۸) خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ کی دوسری قرأت خَطَايَاهُمْ بھی ہے۔ فرماتا ہے کہ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے یہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کی سرکشی' ان کی ضد اور ہٹ دھرمی ان کی مخالفت و دشمنی رسول حد سے گزر گئی تو انہیں پانی میں ڈبو دیا گیا اور یہاں سے آگ کے گڑھے میں دھکیل دیئے گئے اور کوئی نہ کھڑا ہوا جو انہیں ان عذابوں سے بچا سکتا۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ یعنی آج کے دن عذاب خدا سے کوئی نہیں بچا سکتا صرف وہی نجات یافتہ ہو گا جس پر خدا رحم کرے۔ نوح نبی علیہ السلام ان بدنصیبوں کی اپنے قادر و ذوالجلال اللہ کی ڈیوڑھی

پر اپنا ماتھا رکھ کر فریاد کرتے ہیں اور اس مالک سے ان پر آفت وعذاب نازل کرنے کی درخواست پیش کرتے ہیں کہ اب تو ان ناشکروں میں سے خدایا ایک کو بھی زمین پر چلتا پھرتا نہ چھوڑ اور یہی ہوا بھی کہ سارے کے سارے غرقاب کر دیئے گئے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا سگا بیٹا جو باپ سے الگ رہا تھا وہ بھی نہ بچ سکا' سمجھا تو یہ تھا کہ پانی میرا کیا بگاڑ لے گا میں کسی بڑے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا' لیکن وہ پانی تو نہ تھا وہ تو غضب الٰہی تھا وہ تو بد دعائے نوح تھا' اس سے بھلا کون بچا سکتا تھا؟ پانی اسے وہیں جا لیتا ہے اور اپنے باپ کے سامنے باتیں کرتے کرتے ڈوب مرتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر طوفان نوح میں خدا تعالیٰ کسی پر رحم کرتا تو اس کے لائق وہ عورت تھی جو پانی کو ابلتے اور برستے دیکھ کر اپنے بچے کو لے کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور پہاڑ پر چڑھ جاتی ہے جب پانی وہاں بھی چڑھتا ہے تو بچے کو اٹھا کر اپنے مونڈھے پر بٹھا لیتی ہے جب پانی وہاں پہنچتا ہے تو سر پر بٹھا لیتی ہے جب پانی سر تک جا چڑھتا ہے تو اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر سر سے بلند اٹھا لیتی ہے لیکن آخر پانی وہاں تک پہنچتا ہے اور ماں بیٹا ڈوب جاتے ہیں پس اگر اس دن زمین کے کافروں میں سے کوئی بھی قابل رحم ہوتا تو یہ تھی مگر یہ بھی نہ بچ سکی نہ بچا سکی۔ یہ حدیث غریب ہے لیکن راوی اس کے سب ثقہ ہیں۔

دعائے نوح: ☆☆ الغرض روئے زمین کے کافر غرق کر دیئے گئے صرف وہ باایمان ہستیاں باقی رہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں تھیں اور بحکم خدا حضرت نوحؑ نے انہیں اپنے ساتھ اپنی کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو سخت' تلخ اور دیرینہ تجربہ ہو چکا تھا اس لئے اپنی ناامیدی کو ظاہر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدایا میری چاہت ہے کہ ان تمام کفار کو برباد کر دیا جائے ان میں سے جو بھی باقی بچ رہا وہ ہی دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے گا اور جو نسل اس کی پھیلے گی وہ بھی اسی جیسی بدکار اور کافر ہو گی۔ ساتھ ہی اپنے لئے بخشش طلب کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں میرے رب مجھے بخش' میرے والدین کو بخش اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں آ جائے اور ہو بھی وہ باایمان۔ گھر سے مراد مسجد بھی لی ہے لیکن عام مراد یہی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مومن ہی کے ساتھ اٹھ بیٹھ' رہ سہہ اور صرف پرہیزگار ہی تیرا کھانا کھائیں۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف اسی اسناد سے یہ حدیث معروف ہے۔ پھر اپنی دعا کو عام کرتے ہیں اور کہتے ہیں تمام ایماندار مرد وعورت کو بھی بخش خواہ زندہ ہوں خواہ مردہ۔ اسی لئے مستحب ہے کہ ہر شخص اپنی دعا میں دوسرے مومنوں کو بھی شامل رکھے تاکہ حضرت نوح علیہ السلام کی اقتدا بھی ہو اور ان حدیثوں پر بھی عمل ہو جائے جو اس بارے میں ہیں اور وہ دعائیں بھی آ جائیں جو منقول ہیں' پھر دعا کے خاتمے پر کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ ان کافروں کو تو تباہی وبربادی' ہلاکت اور نقصان میں ہی بڑھاتا رہ' دنیا وآخرت میں برباد ہی رہیں۔ الحمد للہ سورۂ نوح کی تفسیر بھی ختم ہو گئی۔

تفسیر سورة الجن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ وَّاَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝ وَّاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝

اللہ رحمان ورحیم کے نام سے شروع ○

تو کہہ! مجھے وحی کی گئی کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا اور کہا ہم نے عجیب قرآن سنا ہے ○ جو راہ راست سمجھاتا ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے اب ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے ○ بے شک ہمارے رب کی بڑی بلند شان ہے۔ نہ اس کی بیوی ہے نہ اولاد ○ یقیناً ہم میں سے بیوقوفوں نے اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگا دیں ○

جنات پر قرآن حکیم کا اثر: ☆☆ (آیت:۱-۴) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ سے فرماتا ہے کہ اپنی قوم کو اس واقعہ کی اطلاع دو کہ جنوں نے قرآن کریم سنا' اسے سچا مانا' اس پر ایمان لائے اور اس کے مطیع بن گئے۔ تو فرماتا ہے کہ اے نبی! تم کہو میری طرف وحی کی گئی کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کریم سنا اور اپنی قوم میں جا کر خبر کی کہ آج ہم نے عجیب وغریب کتاب سنی جو سچا اور نجات کا راستہ بتلاتی ہے' ہم تو اسے مان چکے' ناممکن ہے کہ اب ہم خدا کے ساتھ کسی اور کی عبادت کریں۔ یہی مضمون ان آیتوں میں گزر چکا ہے وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ الخ یعنی جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف لوٹایا کہ وہ قرآن سنیں اور اس کی تفسیر حدیثوں سے وہیں ہم بیان کر چکے ہیں' یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ پھر یہ جنات اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ ہمارے رب کے کام قدرت اور امر بہت بلند و بالا بڑا ذیشان اور ذی عزت ہے۔ اس کی نعمتیں' قدرتیں اور مخلوق پر مہربانیاں بہت باوقعت ہیں' اس کی جلالت وعظمت بلند پایہ ہے' اس کا جلال و اکرام بڑھا چڑھا ہے' اس کا ذکر بلند رتبہ ہے' اس کی شان اعلیٰ ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جد کہتے ہیں باپ کو' اگر جنات کو یہ علم ہوتا کہ انسانوں میں جد ہوتا ہے تو وہ خدا کی نسبت یہ لفظ نہ کہتے' یہ قول گو سنداً قوی ہے لیکن کلام بنتا نہیں اور کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا' ممکن ہے اس میں کچھ کلام چھوٹ گیا ہو واللہ اعلم۔

اللہ کی یکتائی پر جنات کی گواہی: ☆☆ پھر اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ خدا اس سے پاک اور برتر ہے کہ اس کی بیوی ہو یا اس کی اولاد ہو۔ پھر کہتے ہیں کہ ہمارا بیوقوف یعنی شیطان خدا پر جھوٹی تہمت رکھتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مراد اس سے عام ہو یعنی جو شخص خدا کی اولاد اور بیوی ثابت کرتا ہے بے عقل ہی جھوٹ بکتا ہے' باطل عقیدہ رکھتا ہے اور ظالمانہ بات منہ سے نکالتا ہے۔

جنات کے بہکنے کا سبب: پھر فرماتے ہیں کہ ہم تو اسی خیال میں تھے کہ جن وانس خدا پر جھوٹ نہیں باندھ سکتے لیکن قرآن سن کر معلوم ہوا کہ یہ دونوں جماعتیں رب العالمین پر تہمت رکھتی تھیں' دراصل خدا کی ذات اس عیب سے پاک ہے۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝

اور ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ ناممکن ہے کہ انسان اور جنات اللہ پر جھوٹی باتیں لگائیں ○ بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے ○ انسانوں نے بھی تم جنوں کی طرح گمان کر لیا کہ اللہ کسی کو نہ بھیجے گا ○

(آیت:۵-۷) پھر کہتے ہیں کہ جنات کے زیادہ بہکنے کا سبب یہ ہوا کہ وہ دیکھتے تھے کہ انسان جب کبھی کسی جنگل یا ویرانے میں

جاتے ہیں تو جنات کی پناہ طلب کیا کرتے ہیں جیسے کہ جاہلیت کے زمانہ کے عرب کی عادت تھی کہ جب کبھی کسی پڑاؤ پر اترتے تو کہتے کہ اس جنگل کے بڑے جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اور سمجھتے تھے کہ ایسا کہہ لینے کے بعد تمام جنات کے شر سے ہم محفوظ ہو جاتے ہیں جس طرح کسی شہر میں جاتے تو وہاں کے بڑے رئیس کی پناہ لے لیتے تاکہ شہر کے اور دشمن لوگ انہیں ایذا نہ پہنچائیں۔ جنوں نے جب یہ دیکھا کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتے ہیں تو ان کی سرکشی اور بڑھ گئی اور انہوں نے اور بری طرح انسانوں کو ستانا شروع کیا اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جنات نے یہ حالت دیکھ کر انسانوں کو اور خوف زدہ کرنا شروع کیا اور انہیں طرح طرح سے ستانے لگے۔

پہلے جنات انسانوں سے ڈرتے تھے: ☆☆ دراصل جنات انسانوں سے ڈرا کرتے تھے جیسے کہ انسان جنوں سے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ جس جنگل بیابان میں انسان جا پہنچتا تھا وہاں سے جنات بھاگ کھڑے ہوتے تھے لیکن جب سے اہل شرک نے خود ان سے پناہ مانگنی شروع کی اور کہنے لگے کہ اس وادی کے سردار جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اس سے کہ ہمیں یا ہماری اولاد و مال کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ اب جنوں نے سمجھا کہ یہ تو خود ہم سے ڈرتے ہیں تو ان کی جرأت بڑھ گئی اور اب طرح طرح سے ڈرانا' ستانا اور چھیڑنا انہوں نے شروع کیا' وہ گناہ میں' خوف میں' طغیانی اور سرکشی میں اور بڑھ گئے۔

کردم بن ابو سائب انصاری کہتے ہیں میں اپنے والد کے ہمراہ مدینہ سے کسی کام کے لئے باہر نکلا' اس وقت حضور کی بعثت ہو چکی تھی اور مکہ شریف میں آپ بحیثیت پیغمبر ظاہر ہو چکے تھے' رات کے وقت ہم ایک چرواہے کے پاس جنگل میں ٹھہر گئے' آدھی رات کے وقت ایک بھیڑیا آیا اور بکری اٹھا کر لے بھاگا' چرواہا اس کے پیچھے دوڑا اور پکار کر کہنے لگا اے اس جنگل کے آباد رکھنے والے! تیری پناہ میں آیا ہوا شخص لٹ گیا۔ ساتھ ہی ایک آواز آئی حالانکہ کوئی شخص نظر نہ آتا تھا کہ اے بھیڑیئے! اس بکری کو چھوڑ دے' تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ وہی بکری بھاگی بھاگی آئی اور ریوڑ میں مل گئی' اسے زخم بھی نہیں لگا تھا۔ یہی بیان اس آیت میں ہے جو اللہ کے رسول پر مکہ میں اتری کہ بعض لوگ جنات کی پناہ مانگا کرتے تھے بسا ممکن ہے کہ یہ بھیڑیا بن کر آنے والا بھی جن ہی ہو اور بکری کے بچے کو پکڑ لے گیا ہو اور چرواہے کی اس دہائی پر چھوڑ دیا ہو تا کہ چرواہے کو اور پھر اس کی بات سن کر اوروں کو اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ جنات کی پناہ میں آ جانے سے نقصانات سے محفوظ رہتے ہیں اور پھر اس عقیدے کے باعث وہ اور گمراہ ہوں اور خدا کے دین سے خارج ہو جائیں واللہ اعلم۔ یہ مسلمان جن اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اے جنو! جس طرح تمہارا گمان تھا اسی طرح انسان بھی اسی خیال میں تھے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾

ہم نے آسمان ٹٹول دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں اور سخت شعلوں سے پر پایا ○ اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لئے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے' لیکن اب جو کان لگائے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے ○ ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے ○

بعثت نبوی ﷺ سے پہلے جنات: ☆☆ (آیت: ۸-۱۰) آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں پر جاتے' کسی جگہ بیٹھتے

اور کان لگا کر فرشتوں کی باتیں سنتے اور پھر آ کر کاہنوں کو خبر دیتے تھے اور کاہن ان باتوں کو بہت کچھ نمک مرچ لگا کر اپنے ماننے والوں سے کہتے' اب جب حضورؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور آپ پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو آسمانوں پر زبردست پہرے بٹھا دیئے گئے اور ان شیاطین کو پہلے کی طرح وہاں جا بیٹھنے اور باتیں اڑا لانے کا موقع نہ رہا تاکہ قرآن کریم اور کاہنوں کا کلام خلط ملط نہ ہو جائے اور حق کے متلاشی کو دقت واقع نہ ہو۔ یہ مسلمان جنات اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ پہلے تو ہم آسمان پر جا بیٹھتے تھے مگر اب تو سخت پہرے لگے ہوئے ہیں اور آگ کے شعلے تاک لگائے ہوئے ہیں۔ ایسے چھوٹ کر آتے ہیں کہ خطا ہی نہیں کرتے' جلا کر جھلسا دیتے ہیں اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے حقیقی مراد کیا ہے؟ اہل زمین کی کوئی برائی چاہی گئی ہے یا ان کے ساتھ ان کے رب کا ارادہ نیکی اور بھلائی کا ہے۔ خیال کیجئے کہ یہ مسلمان جن کس قدر ادب داں تھے کہ برائی کی اسناد کے لئے کسی فاعل کا ذکر نہیں کیا اور بھلائی کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور کہا کہ دراصل آسمان کی اس چوکیداری' اس حفاظت سے کیا مطلب ہے' اسے ہم نہیں جانتے۔

ستارے کیوں جھڑتے ہیں؟ ☆☆ اسی طرح حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ خدایا! تیری طرف سے شر اور برائی نہیں۔ ستارے اس سے پہلے بھی کبھی کبھی جھڑتے تھے لیکن اس طرح کثرت سے ان کا آگ برسانا قرآن کریم کی حفاظت و صیانت کے باعث ہوا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگہاں ایک ستارہ جھڑا اور بڑی روشنی ہو گئی تو آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ پہلے اسے جھڑتا دیکھ کر تم کیا کہا کرتے تھے؟ ہم نے کہا حضورؐ ہمارا خیال تھا کہ یا تو یہ کسی بڑے کے تولد پر جھڑتا ہے یا کسی بڑے کی موت پر' آپ نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جب کبھی کسی کام کا آسمان پر فیصلہ کرتا ہے۔ یہ حدیث پورے طور پر سباء کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ دراصل ستاروں کا بکثرت گرنا' جنات کا ان سے ہلاک ہونا' آسمان کی حفاظت کا بڑھ جانا' ان کا آسمان کی خبروں سے محروم ہو جانا ہی اس امر کا باعث بنا کہ یہ نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے چوطرف تلاش شروع کر دی کہ کیا وجہ ہوئی ہے جو ہمارا آسمانوں پر جانا موقوف ہوا؟ چنانچہ ان میں سے ایک جماعت کا گزر عرب میں ہوا اور یہاں رسول اللہ ﷺ کو صبح کی نماز میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے سنا اور سمجھ گئے کہ اس نبی کی بعثت اور اس کلام کا نزول ہی سبب ہے ہماری بندش کا پس خوش نصیب سمجھدار جن تو مسلمان ہو گئے' باقی اور جنات کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ سورۂ احقاف کی آیت وَاِذۡ صَرَفۡنَآ اِلَيۡكَ نَفَرًا مِّنَ الۡجِنِّ میں اس کا پورا بیان گزر چکا ہے' ستاروں کا جھڑنا' آسمان کا محفوظ ہو جانا جنات ہی کے مطلب نہیں بلکہ انسانوں کے لئے بھی ایک خوفناکی کی علامت تھی' وہ گھبرا رہے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے نتیجہ کیا ہو؟ اور عموماً انبیاء کی تشریف آوری اور دین اللہ کے اظہار کے وقت ایسا ہوتا بھی تھا۔

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ شیاطین اس سے پہلے آسمانی بیٹھکوں میں بیٹھ کر فرشتوں کی آپس کی باتیں اڑا لایا کرتے تھے۔ جب حضورؐ پیغمبر بنائے گئے تو ایک رات ان شیاطین پر بڑی شعلہ باری ہوئی جسے دیکھ کر اہل طائف گھبرا گئے کہ شاید آسمان والے ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ تابڑ توڑ ستارے ٹوٹ رہے ہیں' شعلے اڑ رہے ہیں اور دور دور تک تیزی کے ساتھ جا رہے ہیں' انہوں نے اپنے غلام آزاد کرنے' اپنے جانور راہ للہ چھوڑنے شروع کر دیئے آخر عبد یالیل بن عمرو بن عمیر نے ان سے کہا کہ اے طائف والو! تم کیوں اپنے مال برباد کر رہے ہو؟ تم نجوم دیکھو اگر ستاروں کو اپنی اپنی جگہ پاؤ تو سمجھ لو کہ آسمان والے تباہ نہیں ہوئے بلکہ یہ سب کچھ انتظامات صرف ابن ابی کبشہ کے لئے ہو رہے ہیں (یعنی رسول اللہ ﷺ کے لئے) اور اگر تم دیکھو کہ فی الحقیقت ستارے اپنی مقررہ جگہ پر نہیں تو بے شک اہل آسمان کو ہلاک شدہ مان لو۔ انہوں نے نجوم دیکھا تو ستارے سب اپنی مقررہ جگہ پر نظر آئے تب انہیں چین آیا۔ شیاطین میں بھی بھاگ دوڑ مچ گئی' یہ ابلیس کے پاس آئے واقعہ کہہ سنایا تو ابلیس نے کہا میرے پاس ہر ہر علاقے کی مٹی لاؤ' لائی گئی اس نے سونگھی اور سونگھ کر بتایا کہ اس کا باعث

مکہ میں ہے' سات جنات نصیبین کے رہنے والے مکہ پہنچے یہاں حضور علیہ السلام مسجد حرام میں نماز پڑھا رہے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر ان کے دل نرم ہو گئے۔ بہت ہی قریب ہو کر قرآن سنا پھر اس کے اثر سے مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم کو بھی دعوت اسلام دی۔ الحمد للہ ہم نے اس تمام واقعہ کو پورا پورا اپنی کتاب السیرت میں حضور کی نبوت کے آغاز کے بیان میں لکھا ہے واللہ اعلم۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾

اور یہ کہ بے شک بعض تو ہم میں نیک کار ہیں اور بعض اس کے سوا بھی ہیں۔ ہم مختلف ہیں ○ ہمیں یقین کامل ہو گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں ○

جنات میں بھی کافر اور مسلمان موجود ہیں: ☆☆ (آیت:۱۱-۱۲) جنات اپنی قوم کا اختلاف بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم میں نیک کار ہیں بھی اور نہیں بھی ہیں' ہم مختلف راہوں پر لگے ہوئے تھے۔ حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جن ہمارے پاس آیا کرتا تھا میں نے ایک مرتبہ اس سے پوچھا کہ تمام کھانوں میں سے تمہیں کون سا کھانا پسند ہے؟ اس نے کہا چاول۔ میں نے لا دیئے تو دیکھا کہ لقمہ برابر اٹھ رہا ہے لیکن کھانے والا کوئی نظر نہیں آتا' میں نے پوچھا جو خواہشات ہم میں ہیں کیا تم میں بھی ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے پھر پوچھا کہ رافضی تم میں کیسے گنے جاتے ہیں؟ کہا بدترین۔ حافظ ابوالحجاج مزی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ ابن عساکر میں ہے حضرت عباس بن احمد دمشقی فرماتے ہیں میں نے رات کے وقت ایک جن کو اشعار میں یہ کہتے سنا کہ دلوں کو محبت خدا نے پر کر دیا ہے یہاں تک کہ مشرق و مغرب میں اس کی جڑیں جم گئی ہیں اور وہ حیران و پریشان ادھر ادھر خدا کی محبت میں پھر رہے ہیں جوان کا رب ہے۔ انہوں نے مخلوق سے تعلقات کاٹ کر اپنے تعلقات اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر لئے ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں ہمیں معلوم ہو چکا کہ خدا کی قدرت ہم پر حاکم ہے' ہم اس سے نہ بھاگ کر بچ سکیں نہ کسی اور طرح اسے عاجز کر سکیں۔ اب فخریہ کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت نامے کو سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے۔ فی الواقع ہے بھی یہ فخر کا مقام۔ اس سے زیادہ شرف اور فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ رب کا کلام فوری اثر کرے۔

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَي الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاۗءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾

ہم تو ہدایت سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے اسے نہ کسی نقصان کا اندیشہ ہے نہ ظلم و ستم کا ○ ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض

بے انصاف ہیں پس جو مسلمان ہو گئے انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا ○ اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے ○ اور (اے نبی! یہ بھی کہہ دو) کہ اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت کچھ وافر پانی پلاتے ○ تا کہ ہم اس میں انہیں آزما لیں اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیر لے اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا ○

(آیت: ۱۳-۱۷) پھر کہتے ہیں مومن کے نہ تو عمل نیک ضائع ہوں نہ اس پر خواہ مخواہ کی برائیاں لادی جائیں- جیسے اور جگہ ہے فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا یعنی نیک کار مومن کو ظلم ونقصان کا ڈر نہیں- پھر کہتے ہیں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض حق سے ہٹے ہوئے عدل کو چھوڑے ہوئے ہیں- مسلمان نجات کے متلاشی ہیں اور ظالم جہنم کی لکڑیاں ہیں- اس کے بعد کی آیت وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا الخ' کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر تمام لوگ اسلام پر اور راہ راست پر اور اطاعت خدا پر جم جاتے تو ہم ان پر بکثرت بارشیں برساتے اور خوب وسعت سے روزیاں دیتے- جیسے اور جگہ ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰتَهَ یعنی اگر یہ توراۃ وانجیل اور آسمانی کتابوں پر سیدھے اترتے تو انہیں آسمان وزمین سے روزیاں ملتیں- اور فرمان ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ الخ' یعنی اگر بستی والے ایمان لاتے' متقی بن جاتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتیں کھول دیتے' یہ اس لئے کہ ان کی پختہ جانچ ہو جائے کہ ہدایت پر کون جما رہتا ہے اور کون پھر سے گمراہی کی طرف لوٹ جاتا ہے- حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں اتری ہے جبکہ ان پر سات سال کا قحط پڑا تھا۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر یہ سب کے سب گمراہی پر جم جاتے تو ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے تاکہ یہ خوب مست ہو جائیں اور اللہ کو بالکل بھول جائیں اور بدترین سزاؤں کے قابل ہو جائیں- جیسے فرمان باری ہے فَلَمَّا نَسُوْا الخ' یعنی جب وہ نصیحتیں بھلا بیٹھے تو ہم نے بھی ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے جس سے وہ مست بن گئے کہ ناگہاں ہم نے انہیں پکڑ لیا اور وہ مایوس ہو گئے۔ اسی طرح کی آیت اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بھی ہے- پھر فرماتا ہے جو بھی اپنے رب کے ذکر سے بے پرواہی برتے' اس کا رب اسے دردناک' سخت اور مہلک عذابوں میں مبتلا کرتا ہے- حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صعد جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں جہنم کے ایک کنویں کا نام ہے-

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کی ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو ○ اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر جھک پڑیں ○ تو کہہ دے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ○ تو کہہ دے کہ مجھے تمہارے کسی نقصان ونفع کا اختیار

نہیں ○ کہہ دے کہ مجھے ہرگز ہرگز کوئی اس سے بچا نہیں سکتا اور ہرگز بھی میں اس کے سوائے کوئی جائے پناہ پا نہیں سکتا ○ میں تو صرف اللہ کی طرف سے پہنچا دیتا اور اس کا پیغام سنا دیتا ہوں۔ اب جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نہ مانے گا اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا ○ (ان کی آنکھ نہ کھلے گی) یہاں تک کہ اسے دیکھ لیں جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں پس عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے ○

آداب سجدہ اور جنات کا اسلام لانا: ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۴) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کی عبادت کی جگہوں کو شرک سے پاک رکھیں، وہاں کسی دوسرے کا نام نہ پکاریں نہ کسی اور کو اللہ کی عبادت میں شریک کریں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اپنے گرجوں اور کلیسوں میں جا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے تھے تو اس امت کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ نبی بھی اور امت بھی سب توحید والے رہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس آیت کے نزول کے وقت صرف مسجد اقصیٰ تھی اور مسجد حرام۔ حضرت اعمش نے اس آیت کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جنات نے حضور علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ آپ کی مسجد میں اور انسانوں کے ساتھ نماز ادا کریں گویا ان سے کہا جا رہا ہے کہ نماز پڑھو لیکن انسانوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں جنوں نے حضورؐ سے کہا کہ ہم تو دور دراز رہتے ہیں نمازوں میں آپ کی مسجد میں کیسے پہنچیں گے؟ تو انہیں کہا جاتا ہے کہ مقصود نماز کا ادا کرنا اور صرف اللہ ہی کی عبادت بجالانا ہے، خواہ کہیں ہو۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں یہ آیت عام ہے شامل ہے تمام مساجد کو۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اعضاء سجدہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی جن اعضاء پر تم سجدہ کرتے ہو وہ سب اللہ ہی کے ہیں پس تم پر ان اعضاء سے دوسرے کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم کیا گیا ہے پیشانی اور ہاتھ کے اشارے سے ناک کو بھی اس میں شامل کر لیا اور دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پنجے۔ آیت لما قام کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جنات نے جب حضورؐ کی زبانی تلاوت قرآن سنی تو اس طرح آگے بڑھ بڑھ کر جھکنے لگے کہ گویا ایک دوسرے کے سروں پر چڑھے چلے جاتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنات اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ حضورؐ کے اصحاب کی اطاعت و چاہت کی حالت یہ ہے کہ جب حضورؐ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں اور اصحاب پیچھے ہوتے ہیں تو برابر اطاعت و اقتدار میں آخر تک مشغول رہتے ہیں گویا ایک حلقہ ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اللہ کی توحید کا اعلان لوگوں میں کرتے ہیں تو کافر لوگ دانت چبا چبا کر الجھ جاتے ہیں، جنات و انسان مل جاتے ہیں کہ اس امر دین کو مٹا دیں اور اس کی روشنی کو چھپا لیں مگر اللہ کا ارادہ اس کے خلاف ہو چکا ہے۔

میں تو کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں: ☆☆ یہ تیسرا قول ہی زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ میں تو صرف اپنے رب کا نام جپتا ہوں اور کسی اور کی عبادت نہیں کرتا۔ یعنی جب دعوت حق اور توحید کی آواز ان کے کان میں پڑی جو مدتوں سے غیر مانوس ہو چکی تھی تو ان کفار نے ایذا رسانی، مخالفت اور تکذیب پر کمر باندھ لی اور حق کو مٹا دینا چاہا اور رسول کی عداوت پر اجماع کر لیا، اس وقت ان سے رسول نے کہا کہ میں تو اپنے پالنے والے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت میں مشغول ہوں، میں اسی کی پناہ میں ہوں، اسی پر میرا توکل ہے، وہ ہی میرا سہارا ہے، مجھ سے یہ توقع ہرگز نہ رکھو کہ میں کسی اور کے سامنے جھکوں یا اس کی پرستش کروں، میں تم جیسا انسان ہوں، تمہارے نفع و نقصان کا مالک میں نہیں ہوں میں تو اللہ تعالیٰ کا ایک غلام ہوں، اللہ کے بندوں میں سے ایک ہوں، تمہاری ہدایت و ضلالت کا مختار و مالک میں نہیں، سب چیزیں اللہ کے قبضے میں ہیں میں تو صرف پیغام رساں ہوں اگر میں خود بھی خدا کی معصیت

کروں تو قطعاً خدا مجھے معاف کرے گا اور کسی سے نہ ہو سکے گا کہ مجھے بچا لے مجھے کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نظر ہی نہیں آتی' میری حیثیت صرف مبلغ اور رسول کی ہے۔ بعض تو کہتے ہیں اِلَّا کا استثنا لَآ اَمۡلِكُ سے ہے یعنی میں نفع و نقصان ہدایت ضلالت کا مالک نہیں میں تو صرف تبلیغ کرنے والا پیغام پہنچانے والا ہوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ لَنۡ یُّجِیۡرَنِیۡ سے یہ استثناء ہو یعنی خدا کے عذابوں سے مجھے صرف میری رسالت کی ادائیگی ہی بچا سکتی ہے۔ جیسے اور جگہ ہے یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الخ' یعنی اے رسول! تیری طرف جو تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اسے پہنچا دے اور اگر تو نے یہ نہ کیا تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا' اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچا لے گا۔ نافرمانوں کے لئے ہمیشگی والی جہنم کی آگ ہے جس میں سے نہ نکل سکیں نہ بھاگ سکیں۔ جب یہ مشرکین جن وانس قیامت والے دن ڈراؤنے عذابوں کو دیکھ لیں گے' اس وقت کھل جائے گا کہ کمزور مددگاروں والا اور بے وقعت گنتی والا کون تھا؟ یعنی مومن موحد یا یہ مشرک۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرکوں کا برائے نام بھی کوئی مدد کرنے والا اس دن نہ ہوگا اور خدائی لشکروں کے مقابلہ پر ان کی گنتی بھی گویا کچھ نہ ہوگی۔

قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَهٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی غَیۡبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّهٗ یَسۡلُكُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمۡ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیۡهِمۡ وَاَحۡصٰی كُلَّ شَیۡءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع ۱۹

کہہ دے کہ مجھے نہیں معلوم کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لئے دور کی مدت مقرر کر دے ○ وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ○ سوا اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے تو بے شک اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے ○ اس لئے کہ ان کا اپنے رب کے پیغام پہنچا دینے کا علم ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے ان کے آس پاس کی تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر چیز کی گنتی کا شمار کر رکھا ہے ○

اللہ کے سوا' قیامت کب ہوگی کسی کو معلوم نہیں: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۸) اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں سے کہہ دیں کہ قیامت کب ہوگی اس کا علم مجھے نہیں بلکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا وقت قریب ہے یا دور ہے اور لمبی مدت کے بعد آنے والی ہے اس آیہ کریمہ میں دلیل ہے۔ اس امر کی کہ اکثر جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین کے اندر کی چیزوں کا بھی علم رکھتے ہیں' وہ بالکل غلط ہے' اس روایت کی کوئی اصل نہیں محض جھوٹ ہے اور بالکل بے اصل روایت ہے' ہم نے تو اسے کسی کتاب میں نہیں پایا ہاں اس کے خلاف صاف ثابت ہے۔ حضور ﷺ سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت پوچھا جاتا تھا اور آپ اس کے معین وقت سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے تھے' اعرابی کی صورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی آ کر جب قیامت کے بارے سوال کیا تھا تو آپ نے صاف فرمایا تھا کہ اس کا علم پوچھنے والے کو ہے نہ اسے جس سے پوچھا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک دیہات کے رہنے والے نے با آواز بلند آپ سے دریافت کیا کہ حضور قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا وہ آئے گی ضرور' یہ بتا کہ تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا میرے پاس روزے نماز کی کثرت تو نہیں البتہ رسول اللہ کی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا پھر تو اس کے ساتھ ہوگا جس کی تجھے محبت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مسلمان کسی

حدیث سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے اس حدیث سے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قیامت کا ٹھیک وقت آپ کو معلوم نہ تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اے لوگو! اگر تم میں علم ہے تو اپنے تئیں مردوں میں شمار کیا کرو خدا کی قسم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ایک وقت آنے والی ہے یہاں بھی آپ کوئی مقررہ وقت نہیں بتلاتے۔ ابو داؤد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو کیا عجب کہ آدھے دن تک کی مہلت دے دے اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ حضرت سعد سے پوچھا گیا کہ آدھے دن سے کیا مراد ہے فرمایا پانچ سو سال۔

اللہ ہی عالم الغیب ہے: ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جسے چن لے جیسے اور جگہ ہے وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ یعنی اس کے علم میں سے کسی چیز کو نہیں گھیر سکتے مگر جو اللہ چاہے۔ یعنی رسول خواہ انسانوں میں سے ہوں خواہ فرشتوں میں سے ہوں جسے اللہ جتنا چاہتا ہے بتلا دیتا ہے بس وہ اتنا ہی جانتے ہیں۔ پھر اس کی مزید تخصیص یہ ہوتی ہے کہ اس کی حفاظت اور ساتھ ہی اس علم کی اشاعت کے لئے جو اللہ نے اسے دیا ہے اس کے آس پاس ہر وقت نگہبان فرشتے مقرر رہتے ہیں۔ لِيَعْلَمَ کی ضمیر بعض نے تو کہا ہے کہ نبی ﷺ کی طرف ہے یعنی حضرت جبرئیل کے آگے پیچھے چار چار فرشتے ہوتے تھے تاکہ حضورؐ کو یقین آ جائے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام صحیح طور پر مجھے پہنچایا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں مرجع ضمیر کا اہل شرک ہے یعنی باری باری آنے والے فرشتے نبی اللہ کی حفاظت کرتے ہیں شیطان سے اور اس کی ذریات سے تاکہ اہل شرک جان لیں کہ رسولوں نے رسالت خدا ادا کر دی یعنی رسولوں کو جھٹلانے والے بھی رسولوں کی رسالت کو جان لیں مگر اس میں ذرا نظر ہے۔ یعقوب کی قرأت پیش کے ساتھ ہے یعنی لوگ جان لیں کہ رسولوں نے تبلیغ کر دی اور ممکن ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ جان لے یعنی وہ اپنے رسولوں کی اپنے فرشتے بھیج کر حفاظت کرتا ہے تاکہ وہ رسالت ادا کر سکیں اور وحی الٰہی محفوظ رکھ سکیں اور اللہ تعالیٰ جان لے کہ انہوں نے رسالت ادا کر دی۔

جیسے فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا یعنی جس قبلے پر تو تھا اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم رسول کے سچے تابعداروں اور مرتدوں کو جان لیں۔ ایک اور جگہ ہے وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور منافقوں کو برابر جان لے گا اور بھی اس قسم کی آیتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی سے جانتا ہے لیکن اسے ظاہر کر کے بھی جان لیتا ہے اسی لئے یہاں اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہر چیز اور سب کی گنتی اللہ کے علم کے احاطہ میں ہے۔ الحمد للہ سورۂ جن کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

تفسیر سورة المزمل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۭ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۭ﴿۶﴾

اللہ تعالیٰ بہت بڑے بخشنے والے اور بہت زیادہ رحم کرنے والے کے نام سے شروع ○

اے جھرمٹ مار کر کپڑے اوڑھنے والے ○ رات کو تہجد پڑھا کر مگر تھوڑی رات ○ آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر لے ○ یا اس پر بڑھا دے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھا کر ○ یقیناً ہم تجھ پر بہت بھاری بات عنقریب نازل کریں گے ○ بے شک رات کا اٹھنا نفس کو خوب کچل دیتا ہے اور بات کو بہت

درست کر دیتا ہے O

''مزمل'' کا مفہوم: ☆☆ بزار میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قریش دارالندوہ میں جمع ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ آؤ مل کر آنحضرت ﷺ کا ایک ایسا نام تجویز کریں کہ سب کی زبان سے وہی نکلے تاکہ باہر کے لوگ ایک ہی آواز سن کر جائیں' تو بعضوں نے کہا ان کا نام کاہن رکھو' اس پر اوروں نے کہا درحقیقت وہ کاہن تو نہیں' کہا اچھا پھر ان کا نام مجنون رکھو' اس پر بھی اوروں نے کہا کہ وہ مجنون بھی نہیں' پھر بعضوں نے کہا ساحر نام رکھو اس پر اور لوگوں نے کہا وہ ساحر یعنی جادوگر بھی نہیں' غرض وہ کوئی ایسا نام تجویز نہ کر سکے جس پر سب کا اتفاق ہو اور یہ مجمع یوں ہی اٹھ کھڑا ہوا آنحضرت ﷺ یہ خبر سن کر منہ لپیٹ کر کپڑا اوڑھ کر لیٹ رہے۔ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور اسی طرح یعنی اے کپڑا لپیٹ کر اوڑھنے والے! کہہ کر آپ کو مخاطب کیا اس روایت کے ایک راوی معلّٰی بن عبدالرحمٰن سے گو اہل علم کی جماعت روایت لیتی ہے اور اس سے حدیثیں نقل کرتے ہیں لیکن ان کی روایتوں میں بہت سی ایسی حدیثیں بھی ہیں جن پر ان کی متابعت نہیں کی جاتی۔

رسول اللہ کو قیام اللیل اور ترتیل قرآن کا حکم: ☆☆ (آیت:۱-۶) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ راتوں کے وقت کپڑے لپیٹ کر سو رہنے کو چھوڑیں اور تہجد کی نماز کے قیام کو اختیار کر لیں۔ جیسے فرمان ہے تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ان کی کروٹیں بستروں سے الگ ہوتی ہیں اور اپنے رب کو خوف اور لالچ سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں حضورؐ پوری عمر اس حکم کی بجا آوری کرتے رہے' تہجد کی نماز صرف آپ پر واجب تھی یعنی امت پر واجب نہیں ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ الخ' راتوں کو تہجد پڑھا کر' یہ حکم صرف تجھے ہے تیرا رب تجھے مقام محمود میں پہنچانے والا ہے۔ یہاں اس حکم کے ساتھ ہی مقدار بھی بیان فرما دی کہ آدھی رات یا کچھ کم و بیش۔

مزمل کے معنی سونے والے اور کپڑا لپیٹنے والے کے ہیں' اس وقت حضورؐ اپنی چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اے قرآن کے اچھی طرح لینے والے! تو آدھی رات تک تہجد میں مشغول رہا کر یا کچھ بڑھا گھٹا دیا کر اور قرآن شریف کو آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کر تاکہ خوب سمجھتا جائے' اس حکم کے بھی حضور عامل تھے۔ حضرت صدیقہؓ کا بیان ہے کہ آپ قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے جس سے بڑی دیر میں سورت ختم ہوتی تھی گویا چھوٹی سی سورت بڑی سے بڑی ہو جاتی تھی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی قرأت کا وصف پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں خوب مد کر کے حضورؐ پڑھا کرتے تھے پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر سنائی جس میں لفظ اللہ پر لفظ رحمان پر لفظ رحیم پر مد کیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہر ہر آیت پر آپ پورا پورا وقف کرتے تھے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر وقف کرتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھ کر وقف کرتے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر وقف کرتے مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھ کر ٹھہرتے۔ یہ حدیث مسند احمد' ابوداؤد اور ترمذی میں ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ قرآن کے قاری سے قیامت والے دن کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ترتیل سے پڑھ جیسے دنیا میں ترتیل سے پڑھا کرتا تھا' تیرا درجہ وہ ہے جہاں تیری آخری آیت ختم ہو۔ یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ہم نے اس تفسیر کے شروع میں وہ احادیث وارد کر دی ہیں جو ترتیل کے مستحب ہونے اور اچھی آواز سے قرآن پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں جیسے وہ حدیث جس میں ہے کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو

اور ہم میں سے وہ نہیں جو خوش آوازی سے قرآن نہ پڑھے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت حضورؐ کا یہ فرمانا کہ اسے آل داؤد کی خوش آوازی عطا کی گئی ہے اور حضرت ابوموسیٰ کا فرمانا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں اور اچھے گلے سے زیادہ عمدگی کے ساتھ پڑھتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان کہ ریت کی طرح قرآن کو نہ پھیلاؤ اور شعروں کی طرح قرآن کو بے تہذیبی سے نہ پڑھو اس کے عجائب پر غور کرو اور دلوں میں اثر لیتے جاؤ اور اس کے پیچھے نہ پڑ جاؤ کہ جلد سورت ختم ہو (بغوی)۔

ایک شخص آ کر حضرت ابن مسعودؓ سے کہتا ہے میں نے مفصل کی تمام سورتیں آج کی رات ایک ہی رکعت میں پڑھ ڈالیں۔ آپ نے فرمایا پھر تو تو نے شعروں کی طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا مجھے وہ برابر برابر کی سورتیں خوب یاد ہیں جنہیں رسول کریم ﷺ ملا کر پڑھا کرتے تھے پھر مفصل کی سورتوں میں سے بیس سورتوں کے نام لئے کہ ان میں سے دو دو سورتیں حضورؐ ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے ہم تجھ پر عنقریب بھاری بوجھل بات اتاریں گے یعنی عمل میں ثقیل ہوگی اور اترتے وقت بوجہ اپنی عظمت کے گراں قدر ہوگی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر وحی اتری اس وقت آپ کا گھٹنا میرے گھٹنے پر تھا وحی کا اتنا بوجھ پڑا کہ میں تو ڈرنے لگا کہ میری ران کہیں ٹوٹ نہ جائے۔

مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وحی کا احساس بھی آپ کو ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا میں ایسی آواز سنتا ہوں جیسے کسی زنجیر کے بجنے کی آواز ہو میں چپکا ہو جاتا ہوں جب بھی وحی نازل ہوتی ہے مجھ پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میری جان نکل جائے گی۔ صحیح بخاری شریف کے شروع میں ہے حضرت حارث بن ہشامؓ پوچھتے ہیں یارسول اللہ! آپ کے اوپر وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی ہے جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے اور وہ گن گناہٹ کی آواز ختم ہو جاتی ہے تو اس میں جو کچھ کہا گیا وہ مجھے خوب محفوظ ہو جاتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں میں نے دیکھا ہے کہ سخت جاڑے والے دن میں بھی جب آپ پر وحی اتر چکتی تو آپ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکتے۔ مسند احمد میں ہے کہ کبھی اونٹنی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے اور اسی حالت میں وحی آتی تو اونٹنی جھک جاتی۔ ابن جریر میں یہ بھی ہے کہ پھر جب تک وحی ختم نہ ہو لے اونٹنی سے قدم نہ اٹھایا جاتا نہ اس کی گردن اونچی ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ خود وحی کا اترنا بھی اہم اور بوجھل تھا پھر احکام کا بجا لانا اور ان کا عامل ہونا بھی ایسا ہی تھا۔ یہی قول حضرت امام ابن جریرؒ کا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؒ سے منقول ہے کہ جس طرح دنیا میں یہ ثقیل کام ہے اسی طرح آخرت میں اجر بھی بڑا بھاری ملے گا۔

رات کا اٹھنا نفس کی درستگی: پھر فرماتا ہے رات کا اٹھنا نفس کو زیر کرنے کے لئے اور زبان کو درست کرنے کے لئے اکسیر ہے۔ نشاء کے معنی حبشی زبان میں قیام کرنے کے ہیں رات بھر میں جب اٹھے اسے نَاشِئَةَ الَّیْلِ کہتے ہیں۔ تہجد کی نماز کی خوبی یہ ہے کہ دل اور زبان ایک ہو جاتا ہے اور تلاوت کے جو الفاظ زبان سے نکلتے ہیں دل میں گڑ جاتے ہیں اور بہ نسبت دن کے رات کی تنہائی میں معنی خوب ذہن نشین ہوتا جاتا ہے کیونکہ دن بھیڑ بھاڑ کا شور وغل کا کمائی دھندے کا وقت ہوتا ہے۔ حضرت انس نے اَقْوَمُ قِيْلًا کو اَصْوَبُ قِيْلًا پڑھا تو لوگوں نے کہا ہم تو اقوم پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اَصْوَبُ اَقْوَمُ اَهْيَأُ اور ان جیسے سب الفاظ ہم معنی ہیں۔

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ﴿٧﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ﴿٨﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿٩﴾

یقیناً تجھے دن میں بہت شغل رہتا ہے ○ تو اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر اور تمام خلائق سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جا ○ مشرق و مغرب کا پروردگار جس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اس کو اپنا کارساز بنا لے ○

(آیت: ۷-۹) پھر فرماتا ہے دن میں تجھے بہت فراغت ہے' نیند کر سکتے ہو' سو بیٹھ سکتے ہو' راحت حاصل کر سکتے ہو' نوافل بہ کثرت ادا کر سکتے ہو' اپنے کام کاج دنیوی پورے کر سکتے ہو پھر رات کو آخرت کے کام کے لئے خاص کر لو۔ اس بنا پر یہ حکم اس وقت تھا جب رات کی نماز فرض تھی پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کیا اور بطور تخفیف کے اس میں کمی کر دی اور فرمایا تھوڑی سی رات کا قیام کرو۔ اس فرمان کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ نے اِنَّ رَبَّكَ سے فَاقْرَءُ وا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ تک پڑھا اور آیت وَمِنَ اللَّيْلِ کی بھی تلاوت کی آپ کا یہ قول ہے بھی ٹھیک۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت سعید بن ہشام نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور مدینہ کی طرف چلے تا کہ وہاں کے اپنے مکانات بیچ ڈالیں اور ان کی قیمت سے ہتھیار وغیرہ خرید کر جہاد میں جائیں اور رومیوں سے لڑتے رہیں یہاں تک کہ یا تو روم فتح ہو یا شہادت ملے' مدینہ شریف میں اپنی قوم والوں سے ملے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے کہا سنو رسول اللہ ﷺ کی حیات میں آپ ہی کی قوم میں سے چھ شخصوں نے بھی ارادہ کیا تھا کہ عورتوں کو طلاق دے دیں' مکانات وغیرہ بیچ ڈالیں اور راہ للہ کھڑے ہو جائیں۔ حضورؐ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے ان سے فرمایا کیا جس طرح میں کرتا ہوں اس طرح نہ کرنے میں تمہارے لئے اچھائی نہیں ہے؟ خبردار ایسا نہ کرنا اپنے اس ارادے سے باز آ جاؤ' یہ حدیث سن کر حضرت سعدؓ نے بھی اپنا ارادہ ترک کیا اور وہیں اسی جماعت سے کہا کہ تم گواہ رہنا میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔

اب حضرت سعد رضی اللہ عنہ چلے گئے پھر جب اس جماعت سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ یہاں سے جانے کے بعد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے آنحضرت ﷺ کے وتر پڑھنے کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے کہا اس مسئلے کو سب سے زیادہ بہتر طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتلا سکتی ہیں تم وہیں جاؤ اور مائی صاحبہ ہی سے دریافت کرو اور مائی صاحبہ سے جو سنو وہ ذرا مجھ سے کہہ جانا۔ میں حضرت حکیم بن افلح کے پاس گیا اور ان سے میں نے کہا تم مجھے ام المومنین کی خدمت میں لے چلو' انہوں نے فرمایا میں وہاں نہیں جاؤں گا اس لئے کہ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ ان دونوں آپس میں لڑنے والی جماعتوں یعنی حضرت علی اور ان کے مقابلین کے بارے میں آپ کچھ دخل نہ دیجئے لیکن انہوں نے نہ مانا اور دخل دیا۔ میں نے انہیں قسم دی اور کہا کہ نہیں آپ مجھے ضرور وہاں لے چلئے' خیر بمشکل تمام وہ راضی ہوئے اور میں ان کے ساتھ گیا' مائی صاحبہ نے حضرت حکیم کی آواز پہچان لی اور کہا کیا حکیم ہے؟ جواب دیا گیا کہ ہاں حضور! میں حکیم بن افلح ہوں۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا سعد بن ہشام۔ پوچھا ہشام کون' عامر کے لڑکے؟ کہا ہاں عامر کے لڑکے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عامر کے لئے دعائے رحمت کی اور فرمایا عامر بہت اچھا آدمی تھا خدا اس پر رحم کرے' میں نے کہا ام المومنین مجھے بتلایئے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیا تھے؟ آپ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

میں نے کہا کیوں نہیں؟ فرمایا بس حضورؐ کا خلق قرآن تھا۔ اب میں نے اجازت مانگنے کا قصد کیا لیکن فوراً ہی یاد آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کا حال بھی دریافت کرلوں۔ اس سوال کے جواب میں مائی صاحبہ نے فرمایا کیا تم نے سورۂ مزمل نہیں پڑھی؟ میں نے کہا ہاں پڑھی ہے۔

فرمایا سنو اس سورت کے اول حصے میں قیام اللیل فرض ہوا اور سال بھر تک حضورؐ اور آپ کے اصحاب تہجد کی نماز بطور فرضیت کے ادا کرتے رہے یہاں تک کہ قدموں پر ورم آ گیا' بارہ ماہ کے بعد اس سورت کے خاتمہ کی آیتیں اتریں اور اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی' فرضیت اٹھ گئی اور نفلیت باقی رہ گئی۔ میں نے پھر اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن خیال آیا کہ وتر کا مسئلہ بھی دریافت کرلوں تو میں نے کہا ام المومنین! حضور ﷺ کے وتر پڑھنے کی کیفیت سے بھی آگاہ فرمائیے۔ آپ نے فرمایا ہاں سنو ہم آپ کی مسواک وضو کا پانی وغیرہ تیار کر کے ایک طرف رکھ دیا کرتے تھے جب بھی اللہ تعالیٰ چاہتا اور آپ کی آنکھ کھلتی' اٹھتے' مسواک کرتے' وضو کرتے اور آٹھ رکعتیں پڑھتے' بیچ میں تشہد میں بالکل نہ بیٹھتے' آٹھویں رکعت پوری کر کے آپ التحیات میں بیٹھتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرتے' دعا کرتے اور بغیر سلام پھیرے نویں رکعت کے لیے کھڑے ہوتے پھر اس میں بھی التحیات میں اللہ کا ذکر اور دعا کرتے اور زور سے سلام پھیرتے کہ ہم بھی سن لیں پھر بیٹھے بیٹھے ہی دو رکعتیں اور ادا کرتے (اور ایک وتر پڑھتے) بیٹا یہ سب مل کر گیارہ رکعتیں ہوئیں اب جبکہ آپ عمر رسیدہ ہوئے اور بدن بھاری ہو گیا تو آپ نے سات وتر پڑھے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں ادا کیں بس بیٹا یہ نو رکعتیں ہوئیں اور حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی نماز کو پڑھتے تو پھر اس پر مداومت کرتے ہاں اگر کسی شغل یا نیند یا دکھ تکلیف اور بیماری کی وجہ سے رات کو نماز نہ پڑھ سکتے تو دن کو بارہ رکعت ادا فرما لیا کرتے' میں نہیں جانتی کہ کسی ایک رات میں رسول اللہ ﷺ نے پورا قرآن صبح تک پڑھا ہو اور نہ رمضان کے سوا کسی اور مہینے کے پورے روزے رکھے۔ اب میں ام المومنینؓ سے رخصت ہو کر ابن عباسؓ کے پاس آیا اور وہاں کے تمام سوال وجواب دہرائے۔ آپ نے سب کی تصدیق کی اور فرمایا اگر میری بھی آمد ورفت مائی صاحبہ کے پاس ہوتی تو جا کر خود اپنے کانوں سن آتا۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضورؐ کی نماز تہجد: ابن جریر میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نبی ﷺ کے لئے بوریا رکھ دیا کرتی جس پر آپ تہجد کی نماز پڑھتے' لوگوں نے کہیں یہ خبر سن لی اور رات کی نماز میں حضورؐ کی اقتدا کرنے کے لئے وہ بھی آ گئے' حضورؐ غضبناک ہو کر باہر نکلے چونکہ شفقت ورحمت آپ کو امت پر تھی اور ساتھ ہی ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو یہ نماز فرض ہو جائے آپ ان سے فرمانے لگے کہ لوگو! ان ہی اعمال کی تکلیف اٹھاؤ جن کی تم میں طاقت ہو' اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہ تھکے گا البتہ تم عمل کرنے سے تھک جاؤ گے' سب سے بہتر عمل وہ ہے جس پر دوام ہو سکے۔ ادھر قرآن کریم میں یہ آیتیں اتریں اور صحابہ نے قیام اللیل شروع کیا یہاں تک کہ رسیاں باندھنے لگے کہ نیند نہ آ جائے۔ آٹھ مہینے اسی طرح گزر گئے ان کی اس کوشش کو جو وہ اللہ کی رضامندی کی طلب میں کر رہے تھے دیکھ کر اللہ نے بھی ان پر رحم کیا اور اسے فرض عشا کی طرف لوٹا دیا اور قیام اللیل چھوڑ دیا۔ یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی ہے لیکن اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ زبیدی ضعیف ہے۔ اصل حدیث بغیر سورۂ مزمل کے نازل ہونے کے ذکر کے صحیح میں بھی ہے اور اس حدیث کے الفاظ کی روانگی سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی حالانکہ دراصل یہ سورت مکہ شریف میں اتری ہے۔ اسی طرح اس روایت میں ہے کہ آٹھ مہینے کے بعد اس کی آخری آیتیں نازل ہوئیں' یہ قول بھی غریب ہے' صحیح وہی ہے جو بحوالہ مسند پہلے گزر چکا کہ سال بھر کے بعد آخری آیتیں نازل ہوئیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی ابن ابی حاتم میں منقول ہے کہ سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتوں کے اترنے کے بعد صحابہ کرام مثل رمضان شریف کے قیام کرتے رہے اور اس سورت کی اول آخر کی آیتوں کے اترنے میں تقریباً سال بھر کا فاصلہ تھا۔ حضرت ابو اسامہؓ سے بھی ابن جریر میں اس طرح مروی ہے۔

صحابہ اور تہجد: ☆☆ حضرت ابوعبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ ابتدائی آیتوں کے اترنے کے بعد صحابہ کرام نے سال بھر تک قیام کیا' یہاں تک کہ ان کے قدم اور پنڈلیاں ورم کر گئیں پھر فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ نازل ہوئی اور لوگوں نے راحت پائی۔ حسن بصریؒ اور سدیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن ابی حاتم میں بہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سولہ مہینے کا فاصلہ مروی ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ایک سال یا دو سال تک قیام کرتے رہے' پنڈلیاں اور قدم سوجھ گئے پھر آخری سورت کی آیتیں اتریں اور تخفیف ہوگئی۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ دس سال کا فاصلہ بتاتے ہیں (ابن جریر)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت کے حکم کے مطابق ایمانداروں نے قیام اللیل شروع کیا لیکن بڑی مشقت پڑتی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا اور عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ سے مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ تک آیتیں نازل فرما کر وسعت کردی اور تنگی نہ رکھی فَلَهُ الْحَمْدُ۔ پھر فرمان ہے اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہ اور اس کی عبادت کے لئے فارغ ہو جا یعنی امور دنیا سے فارغ ہو کر دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ بہ کثرت اس کا ذکر کر' اس کی طرف مائل اور سراسر راغب ہو جا۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ یعنی جب اپنے شغل سے فارغ ہو تو ہماری عبادت محنت سے بجالاؤ۔ اخلاص' فارغ البالی' کوشش' محنت' دل لگی اور یکسوئی سے اللہ کی طرف جھک جاؤ۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے تبتل سے منع فرمایا یعنی بال بچے اور دنیا کو چھوڑ دینے سے' یہاں مطلب یہ ہے کہ علائق دنیوی سے کٹ کر اللہ کی عبادت میں توجہ اور انہماک کا وقت بھی ضرور نکالا کرو۔ وہ مالک ہے وہ متصرف ہے' مشرق مغرب سب اسی کے قبضہ میں ہے' اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں' تو جس طرح صرف اسی اللہ کی عبادت کرتا ہے اسی طرح صرف اسی پر بھروسہ بھی رکھ جیسے اور آیت میں ہے فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر' یہی مضمون اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں بھی ہے' اس معنی کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں کہ عبادت' اطاعت' توکل اور بھروسہ کے لائق ایک اسی کی پاک ذات ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿١١﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿١٢﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٣﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿١٤﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿١٧﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿١٨﴾

اور جو وہ کہیں تو سہتا رہ اور انہیں اچھی طرح چھوڑے رکھ ○ اور مجھے اور ان جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ دے اور انہیں ذرا سی مہلت دے ○ یقیناً ہمارے ہاں سخت بیڑیاں ہیں اور سلگتی ہوئی جہنم ہے ○ اور حلق میں اٹکنے والا کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب ہے ○ جس دن زمین اور پہاڑ تھرتھرا جائیں گے اور

پہاڑ مثل بھربھری ریت کے ٹیلوں کے ہو جائیں گے ○ ہم نے تو تمہاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا رسول بھیج دیا جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا ○ فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی جس بنا پر ہم نے اسے سخت وبال کی پکڑ میں پکڑ لیا ○ تم اگر کافر رہے تو اس دن کیسے پناہ پاؤ گے جو دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا ۔ جس دن میں آسمان بھی پھٹ جائے گا' اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہو کر ہی رہنے والا ہے ○

نبی اکرم ﷺ کی حوصلہ افزائی: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۸) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کو کفار کی طعن آمیز باتوں پر صبر کرنے کہ ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان کے حال پر بغیر ڈانٹ ڈپٹ کے ہی چھوڑ دے' میں خود ان سے نمٹ لوں گا' میرے غضب اور غصے کے وقت دیکھ لوں گا کہ جو بے فکرے ہیں اور تجھے ستانے کے لئے باتیں بنا رہے ہیں' جن پر دوہرے حقوق ہیں' مال کے اور جان کے اور یہ ان میں سے ایک بھی ادا نہیں کرتے' تو ان سے بے تعلق ہو جا پھر دیکھ کہ میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں' تھوڑی دیر دنیا میں تو چاہے یہ فائدہ اٹھا لیں مگر انجام کار عذابوں میں پھنسیں گے اور عذاب بھی کون سے؟ سخت قید و بند کے اور بدترین بھڑکتی ہوئی' نہ بجھنے والی اور نہ کم ہونے والی آگ کے اور اس کھانے کے جو حلق میں جا کر اٹک جائے' نہ نگل سکیں نہ اگل سکیں اور بھی طرح طرح کے المناک عذاب ہوں گے' پھر وہ وقت بھی وہ ہو گا جب زمینوں میں اور پہاڑوں پر زلزلہ پڑا ہوا ہو گا اور سخت اور بڑی چٹانوں والے پہاڑ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر چور چور ہو گئے ہوں گے جیسے بھربھری ریت کے بکھرے ہوئے ذرے ہوں جنہیں ہوا ادھر سے ادھر لے جائے گی اور نام ونشان تک مٹا دے گی اور زمین ایک چٹیل صاف میدان کی طرح رہ جائے گی جس میں کہیں اونچ نیچ نظر نہ آئے گی۔

اہل فرعون کی طرح نہ بنو: ☆☆ پھر فرماتا ہے اے لوگو اور خصوصاً اے کافرو! ہم نے تم پر گواہی دینے والا اپنا صادق رسول تم میں بھیج دیا ہے جیسے کہ فرعون کے پاس بھی ہم نے اپنے احکام کے پہنچا دینے کے لئے اپنے ایک رسول کو بھیجا تھا اس نے جب اس رسول کی نہ مانی تو تم جانتے ہو کہ ہم نے اسے بری طرح برباد کیا اور سختی سے پکڑ لیا۔ اسی طرح یاد رکھو اگر اسی نبی کی تم نے بھی نہ مانی تو تمہاری خیر نہیں' عذاب خدا تم پر بھی اتر آئیں گے اور تہس نہس کر دیئے جاؤ گے' کیونکہ یہ رسول رسولوں کے سردار ہیں' ان کے جھٹلانے کا وبال بھی اور وبالوں سے بڑا ہے۔ اس کے بعد کی آیت کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اگر تم نے کفر کیا تو بتاؤ تو سہی کہ اس دن کے عذابوں سے کیسے نجات حاصل کرو گے؟ جس دن کی ہیبت' خوف اور ڈر بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور دوسرے معنی یہ کہ اگر تم نے اتنے بڑے ہولناک دن کا بھی کفر کیا اور اس کے بھی منکر رہے تو تمہیں تقویٰ اور خدا کا ڈر کیسے حاصل ہو گا؟ گو یہ دونوں معنی نہایت عمدہ ہیں لیکن اول اولیٰ ہیں واللہ اعلم۔

جنتیوں اور جہنمیوں کی نسبت: ☆☆ طبرانی میں ہے رسول مقبول ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ قیامت کا دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا اٹھو اور اپنی اولاد میں سے جہنمیوں کو الگ الگ کرو' وہ پوچھیں گے خدایا! کتنی تعداد میں سے کتنے؟ حکم ہو گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے تو ہوش اڑ گئے اور گھبرا گئے حضور بھی ان کے چہرے دیکھ کر سمجھ گئے اور بطور تشفی کے فرمایا سنو! بنو آدم بہت سے ہیں' یاجوج ماجوج بھی اولاد آدم میں سے ہیں جن میں سے ایک ایک اپنے پیچھے پیچھے خاص اپنی صلبی اولاد ایک ایک ہزار چھوڑ کر جاتا ہے پس ان میں اور ان جیسوں میں مل کر جہنمیوں کی یہ تعداد ہو جائے گی اور جنت تمہارے لئے اور تم جنت کے لئے ہو جاؤ گے۔ یہ حدیث غریب ہے اور سورۂ حج کی تفسیر کے شروع میں اس جیسی احادیث کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ اس دن کی ہیبت اور دہشت کے مارے آسمان بھی پھٹ جائے گا بعضوں نے ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف کیا ہے لیکن یہ قوی نہیں اس لئے کہ یہاں ذکر ہی نہیں' اس دن کا وعدہ یقیناً سچ ہے اور ہو کر ہی رہے گا' اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿١٩﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾

بے شک یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کر لے ○ تیرا رب بخوبی جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھ کے لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتے ہیں اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ کو ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ تم اسے ہرگز نہ نبھا سکو گے پس اس نے تم پر مہربانی کی لہذا جتنا قرآن پڑھنا تم پر آسان ہو اتنا ہی پڑھو۔ وہ جانتا ہے کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی روزی بھی تلاش کریں گے اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی کریں گے سو تم با آسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیتے رہا کرو اور اللہ کو اچھا قرض دو اور جو نیکی تم اپنے لئے آگے بھیج دو گے اسے اللہ کے ہاں' بہتر اور ثواب میں بہت زیادہ پاؤ گے' اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو' یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

پیغام نصیحت وعبرت اور قیام اللیل: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۰) فرماتا ہے کہ یہ سورت عقل مندوں کے لئے سراسر نصیحت وعبرت ہے جو بھی طالب ہدایت ہو وہ مرضی' مولا سے ہدایت کا راستہ پا لے گا اور اپنے رب کی طرف پہنچ جانے کا ذریعہ حاصل کر لے گا' جیسے دوسری سورت میں فرمایا وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا تمہاری چاہت کام نہیں آتی وہی ہوتا ہے جو اللہ کا چاہا ہوا ہو۔ صحیح علم والا اور پوری حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! آپ کا اور آپ کے اصحاب کی ایک جماعت کا کبھی دو تہائی رات تک قیام میں مشغول رہنا کبھی آدھی رات اسی میں گزرنا' کبھی تہائی رات تک تہجد پڑھنا اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے گو تمہارا مقصد ٹھیک اس وقت کو پورا کرنا نہیں ہوتا اور ہے بھی وہ مشکل کام' کیونکہ رات دن کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو ہے۔ کبھی دونوں برابر ہوتے ہیں کبھی رات چھوٹی دن بڑا کبھی دن چھوٹا رات بڑی' اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کو بنانے کی طاقت تم میں نہیں۔ تو اب رات کی نماز اتنی ہی پڑھو جتنی تم با آسانی پڑھ سکو کوئی وقت مقرر نہیں کہ فرضاً اتنا وقت لگانا ہی ہو گا۔ یہاں صلوٰۃ کی تعبیر قرأت سے کی ہے جیسے سورۂ سبحان میں ہے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ یعنی اپنی قرأت نہ تو بہت بلند کر نہ بالکل پست کر۔

نماز میں سورۂ فاتحہ: ☆☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب نے اس آیت سے استدلال کر کے یہ مسئلہ کہا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ ہی کا

پڑھنا متعین نہیں اسے پڑھے خواہ اور کہیں سے پڑھ لے گو ایک ہی آیت پڑھے کافی ہے اور پھر اس مسئلہ کی مضبوطی اس حدیث سے کی ہے جس میں ہے کہ بہت جلدی جلدی نماز ادا کرنے والے کو حضور نے فرمایا تھا پھر پڑھ جو آسان ہو تیرے ساتھ قرآن سے (صحیحین)

یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے اور جمہور نے انہیں یہ جواب دیا ہے کہ صحیحین کی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی حدیث میں آ چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز نہیں ہے مگر یہ کہ تو سورۂ فاتحہ پڑھے اور صحیح مسلم شریف میں بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ بالکل ادھوری، محض ناکارہ، ناقص اور ناتمام ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں بھی ان ہی کی روایت سے ہے کہ حضور نے فرمایا کہ نماز نہیں ہوتی اس شخص کی جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے (پس ٹھیک قول جمہور کا ہی ہے کہ ہر نماز کی ہر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا لازمی اور متعین ہے)۔

مکے میں جہاد کی پیشین گوئی: ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس امت میں عذر والے لوگ بھی ہیں جو قیام لیل کے ترک پر معذور ہیں مثلاً بیمار کہ جنہیں اس کی طاقت نہیں، مسافر کہ روزی کی تلاش میں ادھر ادھر جا رہے ہیں، مجاہد جو اہم تر شغل میں مشغول ہیں۔ یہ آیت بلکہ یہ پوری سورت مکی ہے، مکہ شریف میں نازل ہوئی، اس وقت جہاد نہیں تھا بلکہ مسلمان نہایت پست حالت میں تھے پھر غیب کی یہ خبر دینا اور اسی طرح ظہور میں بھی آنا کہ مسلمانوں کو جہاد میں پوری مشغولی ہوئی یہ نبوت کی اعلیٰ اور بہترین دلیل ہے تو ان عذروں کے باعث تمہیں رخصت دی جاتی ہے کہ جتنا قیام تم سے باآسانی کیا جا سکے کر لیا کرو۔

حضرت ابو رجاء محمد نے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اے ابو سعید! اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو پورے قرآن کا حافظ ہے لیکن تہجد نہیں پڑھتا صرف فرض نماز پڑھتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس نے قرآن کو تکیہ بنا لیا، اس پر خدا کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک غلام کے لئے فرمایا کہ وہ ہمارے علم کو جاننے والا ہے اور فرمایا تم وہ سکھائے گئے ہو جسے نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادے۔ میں نے کہا ابو سعید اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے جو قرآن آسانی سے تم پڑھ سکو پڑھو، فرمایا ہاں ٹھیک تو ہے پانچ آیتیں ہی پڑھ لو پس بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حافظ قرآن کا رات کی نماز میں کچھ نہ کچھ قیام کرنا امام حسن بصری کے نزدیک حق و واجب تھا۔ ایک حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا جو صبح تک سویا رہتا ہے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کے کان میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے، اس کا تو ایک تو یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عشاء کے فرض بھی نہ پڑھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو رات کو نفلی قیام نہ کرے۔ سنن کی حدیث میں ہے اے قرآن والو! وتر پڑھا کرو۔ دوسری روایت میں ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ حسن بصری کے قول سے بھی زیادہ غریب قول ابوبکر بن عبدالعزیز حنبلی کا ہے جو کہتے ہیں کہ رمضان کے مہینے کا قیام فرض ہے واللہ اعلم۔ (یہ یاد رہے کہ صحیح مسلک یہی ہے کہ تہجد کی نماز نہ تو رمضان میں واجب ہے نہ غیر رمضان میں، رمضان کی بابت بھی حدیث شریف میں صاف آ چکا ہے وقیام لیله تطوعا یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے قیام کو نفلی قرار دیا ہے وغیرہ واللہ اعلم۔ مترجم) طبرانی کی حدیث میں اس آیت کی تفسیر میں بہت مرفوعاً مروی ہے کہ گو سو ہی آیتیں ہوں، لیکن یہ حدیث بہت غریب ہے، صرف معجم طبرانی میں ہی میں نے اسے دیکھا ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ فرض نمازوں کی حفاظت کرو اور فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کیا کرو، یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں فرضیت زکوٰۃ کا حکم مکہ شریف میں ہی نازل ہو چکا تھا ہاں کتنی نکالی جائے؟ نصاب کیا ہے؟ وغیرہ یہ سب مدینہ میں بیان ہوا۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، حسن، قتادہ رحمھم اللہ عنہم وغیرہ سلف کا فرمان ہے کہ اس آیت نے اس سے پہلے کے حکم رات کے قیام کو

منسوخ کر دیا' ان دونوں حکموں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ اس میں جو اختلاف ہے اس کا بیان اوپر گزر چکا۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص سے فرمایا پانچ نمازیں دن رات میں فرض ہیں۔ اس نے پوچھا اس کے سوا بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ آپؐ نے فرمایا باقی سب نوافل ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو یعنی راہ للہ صدقہ وخیرات کرتے رہو جس پر اللہ تعالیٰ تمہیں بہت بہتر اور اعلیٰ اور پورا بدلہ دے گا' جیسے اور جگہ ہے ایسا کون ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے اور خدا اسے بہت کچھ بڑھائے چڑھائے۔ تم جو بھی نیکیاں کر کے بھیجو گے وہ تمہارے لئے اس چیز سے جسے تم اپنے پیچھے چھوڑ کر جاؤ گے بہت ہی بہتر اور اجر وثواب میں بہت ہی زیادہ ہے۔ ابو یعلیٰ موصلی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے ایک مرتبہ پوچھا تم میں سے ایسا کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ لوگوں نے کہا حضور ہم میں سے تو ایک بھی ایسا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اور سوچ لو۔ انہوں نے کہا حضورؐ یہی بات ہے۔ فرمایا سنو تمہارا مال وہ ہے جسے تم راہ للہ دے کر اپنے لئے آگے بھیج دو اور جو چھوڑ جاؤ گے وہ تمہارا مال نہیں وہ تو تمہارے وارثوں کا مال ہے۔ یہ حدیث بخاری شریف اور نسائی میں بھی مروی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ ذکر اللہ بکثرت کیا کرو اور اپنے تمام کاموں میں استغفار کیا کرو' جو استغفار کرے وہ مغفرت۔

تفسیر سورۃ المدثر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ۝۸ فَذٰلِكَ یَوْمَىِٕذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ۝۹ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ ۝۱۰

اللہ تعالیٰ رحم ورحمت کرنے والے کے نام سے شروع

اے کپڑا اوڑھنے والے ۝ کھڑا ہو جا اور آگاہ کر دے ۝ اور اپنے رب ہی کی بڑائیاں بیان کر ۝ اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر ۝ ناپاکی کو چھوڑ دے ۝ اور احسان کر کے زیادتی کی خواہش نہ کر ۝ اور اپنے رب کی راہ میں صبر کر ۝ پس جب کہ صور پھونکا جائے گا ۝ اس دن کا یہ وقت ایک سخت دن ہوگا ۝ جو کافروں پر آسان نہ ہوگا ۝

ابتدائے وحی: ☆☆ (آیت: ۱-۱۰) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی یہی آیت یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ نازل ہوئی ہے لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ سب سے پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ کی آیتیں ہیں جیسے اسی سورت کی تفسیر کے موقع پر آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یحییٰ بن ابو کثیر فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے سوال کیا کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی کون سی آیتیں نازل ہوئیں؟ تو فرمایا یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ میں نے کہا لوگ تو اِقْرَاْ بِاسْمِ بتلاتے ہیں فرمایا میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا تھا انہوں نے وہی جواب دیا جو میں نے تمہیں دیا اور میں نے بھی وہی کہا جو تم نے مجھے کہا اس کے جواب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو تم سے وہی کہتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حراء میں یاد خدا کی' جب میں وہاں سے فارغ ہوا اور اترا تو

میں نے سنا کہ گویا مجھے کوئی آواز دے رہا ہے، میں نے اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا تو میں نے سر اٹھا کر اوپر کو دیکھا اور مجھے نظر پڑا، میں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا اور کہا مجھے چادر اڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور یَآ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کی آیتیں اتریں (بخاری)

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے وحی کے رک جانے کی حدیث بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں آسمان کی طرف سے مجھے آواز سنائی دی، میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا کہ جو فرشتہ میرے پاس غار حرا میں آیا تھا وہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے، میں مارے ڈر اور گھبراہٹ کے زمین کی طرف جھک گیا اور گھر آتے ہی کہا کہ مجھے کپڑوں سے ڈھک دو چنانچہ گھر والوں نے مجھے کپڑے اوڑھا دیئے اور سورۂ مدثر کی فَاهْجُرْ تک کی آیتیں اتریں۔ ابو سلمہ فرماتے ہیں رجز سے مراد بت ہیں۔ پھر وحی برابر تابڑ توڑ گرما گرمی سے آنے لگی۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں اور یہی سیاق محفوظ ہے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے بھی کوئی وحی آئی تھی کیونکہ آپ کا فرمان موجود ہے کہ یہ وہی تھا جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام جبکہ غار میں سورۂ اقرأ کی آیتیں مَا لَمْ يَعْلَمْ تک پڑھا گئے تھے پھر اس کے بعد وحی کچھ زمانہ تک نہ آئی پھر جو اس کی آمد شروع ہوئی تو اس میں سب سے پہلے وحی سورۂ مدثر کی ابتدائی آیتیں تھیں اور راس طرح ان دونوں حدیثوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے کہ دراصل سب سے پہلی وحی تو اقرأ کی آیتیں ہیں پھر وحی کے رک جانے کے بعد کی سب سے پہلی وحی اس سورت کی آیتیں ہیں۔ اس کی تائید مسند احمد وغیرہ کی حدیثوں سے بھی ہوتی ہے، جن میں ہے کہ وحی رک جانے کے بعد کی پہلی وحی اس کی ابتدائی آیتیں ہیں۔

طبرانی میں اس سورت کا شان نزول یہ مروی ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریشیوں کی دعوت کی، جب کھا پی چکے تو کہنے لگا بتاؤ تم اس شخص کی بابت کیا کہتے ہو؟ تو بعضوں نے کہا جادوگر ہے، بعض نے کہا جادوگر نہیں ہے۔ بعض نے کہا کاہن ہے، کسی نے کہا کاہن نہیں ہے بعض نے کہا شاعر ہے بعض نے کہا شاعر نہیں ہے، بعض نے کہا اس کا یہ کلام یعنی قرآن منقول جادو ہے، چنانچہ اس پر اجماع ہو گیا کہ اسے منقول جادو کہا جائے۔ حضور کو جب یہ اطلاع پہنچی تو غمگین ہوئے اور سر پر کپڑا ڈال لیا اور کپڑا اوڑھ بھی لیا جس پر یہ آیتیں فَاصْبِرْ تک اتریں۔

دعوت دین کے لوازمات: ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ کھڑے ہو جاؤ یعنی عزم اور قوی ارادے کے ساتھ کمر بستہ اور تیار ہو جاؤ اور لوگوں کو ہماری ذات سے، جہنم سے، ان کے بداعمال کی سزا سے ڈرا دو، ان کے کان کھڑے کر دو، ان سے غفلت کو دور کر دو۔ پہلی وحی سے نبوۃ کے ساتھ حضور کو ممتاز کیا گیا اور اس وحی سے آپ رسول بنائے گئے اور اپنے رب ہی کی تعظیم کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو یعنی معصیت، بدعہدی، وعدہ شکنی وغیرہ سے بچتے رہو جیسے کہ شاعر کے شعر میں ہے کہ بحمد اللہ میں فسق و فجور کے لباس سے اور عذر کے رومال سے عاری ہوں۔ عربی محاورے میں یہ برابر آتا ہے کہ کپڑے پاک رکھو یعنی گناہ چھوڑ دو، اعمال کی اصلاح کر لو۔ یہ بھی مطلب کہا گیا ہے کہ دراصل آپ نہ تو کاہن ہیں نہ جادوگر ہیں، یہ لوگ کچھ ہی کہا کریں آپ پرواہ بھی نہ کریں۔ عربی محاورے میں جو معصیت آلود، بدعہد ہو اسے میلے اور گندے کپڑوں والا اور جو عصمت مآب، پابند وعدہ ہو اسے پاک کپڑوں والا کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے ۔

اِذَا لَمْ رَاءُ لَمْ يَدْنَسْ مِنَ اللُّؤْمِ عِرْضَهٗ فَكُلُّ رِدَآءٍ يَّرْتَدِيْهِ جَمِيْلٌ

یعنی انسان جبکہ سیہ کاریوں سے الگ ہے تو ہر کپڑے میں وہ حسین ہے اور یہ مطلب بھی ہے کہ غیر ضروری لباس نہ پہنو، اپنے کپڑوں کو معصیت آلود نہ کرو۔ کپڑے پاک صاف رکھو، میلوں کو دھو ڈالا کرو، مشرکوں کی طرح اپنا لباس ناپاک نہ رکھو۔ دراصل یہ سب مطالب ٹھیک ہیں یہ بھی ہو وہ بھی ہو اور ساتھ ہی دل بھی پاک ہو۔ دل پر بھی کپڑے کا اطلاق کلام عرب میں پایا جاتا ہے۔ جیسے امرؤ القیس

کے شعر میں ہے اور حضرت سعید بن جبیر سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اپنے دل کو اور اپنی نیت کو صاف رکھو۔ محمد بن کعب قرظی اور حسن سے یہ بھی مروی ہے کہ اپنے اخلاق کو اچھے رکھو۔ گندگی کو چھوڑ دو یعنی بتوں کو اور نافرمانی خدا کو چھوڑ دو جیسے اور جگہ فرمان ہے یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْکَافِرِیْنَ وَالْمُنَافِقِیْنَ اے نبی! اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی نہ مانو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا اے ہارون! میرے بعد میری قوم میں تم میری جانشینی کرو اصلاح کے درپے رہو اور مفسدوں کی راہ نہ لگو۔

نیکی کر دریا میں ڈال: ☆☆ پھر فرماتا ہے عطیہ دے کر زیادتی کے خواہاں نہ رہو۔ ابن مسعود کی قرأت میں اَنْ تَسْتَکْثِرَ ہے یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اپنے نیک اعمال کا احسان اللہ تعالیٰ پر طلب کی کثرت سے تنگ نہ کرو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طلب خیر میں کمزوری نہ برتو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنی نبوت کا بار احسان لوگوں پر رکھ کر اس کے عوض دنیا طلبی نہ کرو۔ یہ چار قول ہوئے لیکن اول اولیٰ ہے واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے ان کی ایذا پر جو راہ خدا میں تجھے پہنچے تو رب کی رضامندی کی خاطر صبر و سہار کر اللہ تعالیٰ نے جو تجھے منصب دیا ہے اس پر لگا رہ اور جما رہ۔ ناقور سے مراد صور ہے۔ مسند احمد ابن ابی حاتم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کیسے راحت سے رہوں؟ حالانکہ صور والے فرشتے نے اپنے منہ میں صور لے رکھا ہے اور پیشانی جھکائے ہوئے حکم الٰہی کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے۔ اصحاب رسول ﷺ نے کہا یا رسول اللہ! پھر ہمیں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ عَلَی اللّٰهِ تَوَکَّلْنَا پس صور کے پھونکے جانے کا ذکر کر کے یہ فرما کر جب صور پھونکا جائے گا پھر فرماتا ہے کہ وہ دن اور وہ وقت کافروں پر بڑا سخت ہوگا' جو کسی طرح آسان نہ ہوگا جیسے اور جگہ خود کفار کا قول مروی ہے کہ یَقُوْلُ الْکَافِرُوْنَ ھٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ یہ آج کا دن تو بے حد گراں بار اور سخت مشکل کا دن ہے۔ حضرت زرارہ بن اوفیٰ رحمۃ اللہ علیہ جو بصرے کے قاضی تھے' وہ ایک مرتبہ اپنے مقتدیوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے' اسی سورت کی تلاوت تھی جب اس آیت پر پہنچے تو بے ساختہ زور کی ایک چیخ منہ سے نکل گئی اور گر پڑے۔ لوگوں نے دیکھا روح پرواز ہو چکی تھی' اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾

مجھے اور اسے چھوڑ دے جسے میں نے یکتا پیدا کیا ہے ○ اور اسے بہت سا مال دے رکھا ہے ○ اور حاضر باش فرزند بھی ○ اور میں نے اسے بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے ○ پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں ○

جہنم کی ایک وادی صعود اور ولید بن مغیرہ: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۵) جس خبیث شخص نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا اور قرآن کو انسانی قول کہا اس کی سزاؤں کا ذکر ہو رہا ہے پہلے جو نعمتیں اس پر انعام ہوئی ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ تن تنہا خالی ہاتھ دنیا میں آیا تھا' مال و اولاد یا اور کچھ ساتھ نہ تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے مالدار بنا دیا' ہزاروں لاکھوں دینار زر زمین وغیرہ عنایت فرمائی اور باعتبار بعض اقوال کے تیرہ اور بعض اور اقوال کے دس لڑکے دیئے جو سب کے سب اس کے پاس بیٹھے رہتے تھے' نوکر چاکر لونڈی غلام کام کاج کرتے رہتے اور یہ مزے سے اپنی زندگی اپنی اولاد کی ساتھ گزارتا۔ غرض دھن دولت لونڈی غلام بال بچے آرام آسائش ہر طرح کی مہیا تھی پھر بھی خواہش نفس پوری نہیں ہوتی تھی اور چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور بڑھا دے حالانکہ ایسا اب نہ ہوگا' یہ ہماری باتوں کے علم کے بعد کفر اور سرکشی کرتا ہے' اسے صعود پر چڑھایا جائے گا۔

كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾

نہیں نہیں وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے ○ میں تو اسے مشقت والی تکلیف پہنچاؤں گا ○ اس نے غور کر کے تجویز کی ○ اسے ہلاکت ہو کیسی سوچی ○ وہ پھر غارت ہو کس طرح اندازہ کیا ○ اس نے پھر دیکھا ○ اور ترش رو ہو کر منہ بنالیا ○ پھر پیچھے ہٹ گیا اور غرور کیا ○ اور کہنے لگا یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے ○ یہ سوائے انسانی قول کے کچھ نہیں ○ میں اسے عنقریب دوزخ میں ڈالوں گا ○ اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے ○ نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے ○ کھال کو جھلسا دیتی ہے ○ اور اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں ○

(آیت:۱۶-۳۰) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں کافر گرایا جائے گا چالیس سال تک اندر ہی اندر جاتا رہے گا لیکن پھر بھی تہ تک نہ پہنچے گا اور صعود جہنم کے ایک ناری پہاڑ کا نام ہے جس پر کافر کو چڑھایا جائے گا' ستر سال تک تو چڑھتا ہی رہے گا پھر وہاں سے نیچے گرا دیا جائے گا' ستر سال تک نیچے لڑھکتا رہے گا اور اسی ابدی سزا میں گرفتار رہے گا' یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے غریب کہتے ہیں ساتھ ہی اس میں نکارت بھی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ صعود جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو آگ کا ہے اسے مجبور کیا جائے گا اس پر چڑھے' ہاتھ رکھتے ہی راکھ ہو جائے گا اور اٹھاتے ہی بدستور ہو جائے گا اسی طرح پاؤں بھی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جہنم کی ایک چٹان کا نام ہے جس پر کافر اپنے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔ سدی کہتے ہیں یہ پتھر بڑا پھسلنا ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم اسے مشقت والا عذاب کریں گے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں ایسا عذاب جس میں اور جس سے کبھی بھی راحت نہ ہو۔ امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اس تکلیف دہ عذاب سے اس لئے قریب کر دیا کہ وہ ایمان سے بہت دور تھا' وہ سوچ سوچ کر گھڑنت گھڑ رہا تھا کہ وہ قرآن کو کیا کہے اور بات بنائے۔ پھر اس پر افسوس کیا جاتا ہے اور محاورۂ عرب کے مطابق اس کی ہلاکت کے کلمے کہے جاتے ہیں کہ یہ غارت کر دیا جائے' یہ برباد کر دیا جائے' کتنا بدکلام سوچا اور کتنی بے حیائی کی جھوٹ بات گھڑ نکالی؟ بار بار کے غور و فکر کے بعد پیشانی پر بل ڈال ڈال کر منہ بگاڑ بگاڑ کر' حق سے ہٹ کر' بھلائی سے منہ موڑ موڑ کر اطاعت الٰہی سے پھیر کر دل کڑا کر کے صاف کہہ دیا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمد (ﷺ) اپنے سے پہلے لوگوں کا جادو کا منتر نقل کر لیا کرتے ہیں اور اسی کو سنا رہے ہیں' یہ کلام ربانی نہیں بلکہ انسانی قول ہے اور جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے۔ اس ملعون کا نام ولید بن مغیرہ مخزومی تھا' قریش کا سردار تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ ولید پلید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور خواہش ظاہر کی کہ آپ کچھ قرآن سنائیں' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چند آیتیں پڑھ سنائیں جو اس کے دل میں گھر کر گئیں جب یہاں سے نکلا اور کفار قریش کے مجمع میں پہنچا تو کہنے لگا لوگو! تعجب کی بات ہے حضرت محمد ﷺ جو قرآن پڑھتے ہیں اللہ کی قسم نہ تو وہ

شعر ہے نہ جادو کا منتر ہے نہ مجنونانہ بڑ ہے بلکہ واللہ وہ تو خاص اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے اس میں کوئی شک نہیں ۔ قریشیوں نے یہ سن کر پکڑ لیا اور کہنے لگے اگر یہ مسلمان ہو گیا تو بس پھر قریش میں سے ایک بھی بے اسلام لائے باقی نہ رہے گا ۔ ابوجہل کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا گھبراؤ نہیں دیکھو میں ایک ترکیب سے اسے اسلام سے پھیر دوں گا ۔ یہ کہتے ہی اپنے ذہن میں ایک ترکیب سوچ کر یہ ولید کے گھر پہنچا اور کہنے لگا آپ کی قوم نے آپ کے لئے چندہ کر کے بہت سا مال جمع کر لیا ہے اور وہ آپ کو صدقہ میں دینے والے ہیں ۔ اس نے کہا واہ کیا مزے کی بات ہے مجھے ان کے چندوں اور صدقوں کی کیا ضرورت ہے' دنیا جانتی ہے کہ ان سب میں مجھ سے زیادہ مال واولاد والا کوئی نہیں ۔ ابوجہل نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن لوگوں میں ایسی باتیں ہو رہی ہیں کہ آپ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے جاتے ہیں وہ صرف اس لئے کہ ان سے کچھ حاصل وصول ہو ۔ ولید کہنے لگا اوہو! میرے خاندان میں میری نسبت یہ چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں' مجھے مطلق معلوم نہ تھا ۔ اچھا اب قسم اللہ کی نہ میں ابوبکر کے پاس جاؤں نہ عمر کے پاس نہ رسول کے پاس اور وہ تو جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں یعنی ذَرۡنِیۡ سے لَا تَذَرُ تک ۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اس نے کہا تھا قرآن کے بارے میں بہت کچھ غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شعر تو نہیں اس میں حلاوت ہے' اس میں چمک ہے' یہ غالب ہے مغلوب نہیں' لیکن ہے یقیناً جادو' اس پر یہ آیتیں اتریں ۔ ابن جریر میں ہے کہ ولید حضور علیہ السلام کے پاس آیا تھا اور قرآن سن کر اس کا دل نرم پڑ گیا تھا اور پورا اثر ہو چکا تھا جب ابوجہل کو یہ معلوم ہوا تو دوڑا بھاگا آیا اور اس ڈر سے کہ کہیں یہ کھلم کھلا مسلمان نہ ہو جائے' اسے بھڑکانے کے لئے جھوٹ موٹ کہنے لگا کہ چچا آپ کی قوم آپ کے لئے مال جمع کرنا چاہتی ہے ۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ آپ کو دین اور آپ کا محمد (ﷺ) کے پاس جانا چھڑوائیں کیونکہ آپ وہاں مال حاصل کرنے کی غرض سے ہی جاتے آتے ہیں ۔ اس نے غصہ میں آ کر کہا میری قوم کو معلوم نہیں کہ میں ان سب سے زیادہ مالدار ہوں؟ ابوجہل نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن اس وقت تو لوگوں کا یہ خیال پختہ ہو گیا کہ محمد (ﷺ) سے مال حاصل کرنے کی غرض سے آپ اسی کے ہو گئے ہیں ۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے تو آپ اس کے بارے میں کچھ سخت الفاظ کہیں تا کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ آپ اس کے مخالف ہیں اور آپ کو اس سے کوئی طمع نہیں ۔ اس نے کہا بھئی بات تو یہ ہے کہ اس نے جو قرآن مجھے سنایا ہے قسم ہے اللہ کی نہ وہ شعر ہے نہ قصیدہ ہے اور رجز ہے نہ جنات کا قول اور ان کے اشعار ہیں' تمہیں خوب معلوم ہے کہ جنات اور انسان کا کلام مجھے خوب یاد ہے' میں خود نامی شاعر ہوں' کلام کے حسن و قبح سے خوب واقف ہوں لیکن اللہ کی قسم! محمد کا کلام اس میں سے کچھ بھی نہیں' اللہ جانتا ہے اس میں عجب حلاوت' مٹھاس' لذت' شیفتگی اور دلیری ہے' وہ تمام کلاموں کا سردار ہے' اس کے سامنے اور کوئی کلام جچتا نہیں' وہ سب پر چھا جاتا ہے' اس میں کشش' بلندی اور جذب ہے' اب تم ہی بتلاؤ کہ میں اس کلام کی نسبت کیا کہوں؟ ابوجہل نے کہا سنو جب تک تم اسے برائی کے ساتھ یاد نہ کرو گے تمہاری قوم کے خیالات تمہاری نسبت صاف نہیں ہوں گے ۔ اس نے کہا اچھا تو مجھے مہلت دو میں سوچ کر اس کی نسبت کوئی ایسا کلمہ کہہ دوں گا ۔ چنانچہ سوچ ساچ کر قومی حمیت اور ناک رکھنے کی خاطر اس نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے جسے وہ نقل کرتا ہے ۔ اس پر ذَرۡنِیۡ سے تِسۡعَةَ عَشَرَ تک کی آیتیں اتریں ۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ دارالندوہ میں بیٹھ کر ان سب لوگوں نے مشورہ کیا کہ موسم حج پر چوطرف سے لوگ آئیں گے تو بتلاؤ انہیں محمد (ﷺ) کی نسبت کیا کہیں؟ کوئی ایسی تجویز کرو کہ سب بہ یک زبان وہی بات کہیں تا کہ عرب بھر میں اور پھر اور جگہ بھی وہی مشہور ہو جائے تو اب کسی نے شاعر کہا' کسی نے جادوگر کہا' کسی نے کاہن اور نجومی کہا' کسی نے مجنون اور دیوانہ کہا' ولید بیٹھا سوچتا رہا اور غور و فکر کر کے دیکھ بھال کر' تیوری چڑھا اور منہ بنا کر کہنے لگا جادوگروں کا قول ہے جسے یہ نقل کر رہا ہے ۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے اُنۡظُرۡ کَیۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا یعنی ذرا دیکھو تو سہی تیری کیسی کیسی مثالیں گھڑتے ہیں لیکن بہک کر رہ جاتے ہیں اور کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

ولید کے لی جہنم کی سزا: ☆☆ اب اس کی سزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ میں اسے جہنم کی آگ میں غرق کر دوں گا' جو زبردست خوفناک عذاب کی آگ ہے' جو گوشت پوست کو' رگ پٹھوں کو کھا جاتی ہے' پھر یہ سب نئے آتے ہیں اور پھر جلائے جاتے ہیں' نہ موت آئے نہ راحت والی زندگی ملے' کھال ادھیڑ دینے والی وہ آگ ہے' ایک ہی لپک میں جسم کو رات سے زیادہ سیاہ کر دیتی ہے' جسم و جلد کو بھون جھلس دیتی ہے انیس انیس داروغے اس پر مقرر ہیں جو نہ تھکیں نہ رحم کریں۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ چند یہودیوں نے صحابہؓ سے پوچھا بتلاؤ تو جہنم کے داروغوں کی تعداد کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ پھر کسی شخص نے آ کر حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا اسی وقت آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی آپ نے صحابہ کو سنا دی اور کہا ذرا انہیں میرے پاس تو لاؤ میں بھی ان سے پوچھوں کہ جنت کی مٹی کیا ہے؟ سنو وہ سفید میدہ کی طرح ہے پھر یہودی آپ کے پاس آئے اور آپ سے پوچھا کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دو دفعہ جھکائیں دوسری دفعہ میں انگوٹھا روک لیا یعنی انیس پھر فرمایا تم بتلاؤ کہ جنت کی مٹی کیا ہے؟ انہوں نے ابن سلام سے کہا آپ ہی کہئے ابن سلام نے کہا گویا وہ سفید روٹی ہے آپ نے فرمایا یاد رکھو یہ سفید روٹی وہ جو خالص میدے کی ہو۔ (ابن ابی حاتم)

مسند بزار میں ہے کہ جس شخص نے حضورؐ کو صحابہ کے لاجواب ہونے کی خبر دی تھی اس نے آن کر کہا تھا کہ آج تو آپ کے اصحاب ہار گئے پوچھا کیسے؟ اس نے کہا جواب نہ بن پڑا اور کہنا پڑا کہ ہم اپنے نبی سے پوچھ لیں۔ آپؐ نے فرمایا بھلا وہ بھی ہارے ہوئے کہے جا سکتے ہیں جن سے وہ بات پوچھی جاتی ہے جسے وہ نہیں جانتے' تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے نبی سے پوچھ کر جواب دیں گے۔ ان یہودیوں کو' دشمنان خدا کو ذرا میرے پاس تو لاؤ' وہاں انہوں نے اپنے نبی سے اللہ کو دیکھنے کا سوال کیا تھا اور ان پر عذاب بھیجا گیا تھا اب یہود بلوائے گئے' جواب دیا گیا اور حضورؐ کے سوال پر یہ بڑے چکرائے' ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

وَمَا جَعَلْنَا اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَاۗءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿٣٧﴾

ع ۱۲

ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتوں کو کیا ہے اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لئے مقرر کی ہے تا کہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایماندار ایمان میں بڑھ جائیں اور اہل کتاب اور مسلمان شک نہ کریں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کافر کہیں کہ اس بیان سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ تو کل بنی آدم کے لئے سراسر پند ونصیحت ہے ○ سچ کہتا ہوں قسم ہے چاند کی ○ اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹے ○ اور صبح کی جب کہ روشن جائے ○ کہ یقیناً جہنم بڑی چیزوں میں سے ایک ہے ○ بنی آدم کو ڈرانے والی ○ یعنی اسے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا ○

سخت دل بے رحم فرشتے اور ابوجہل: ☆☆ (آیت:۳۱-۳۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عذاب کے کرنے پر اور جہنم کی نگہبانی پر ہم نے فرشتے ہی مقرر کئے ہیں جو رحم نہ کرنے والے اور سخت کلامی کرنے والے ہیں' اس میں مشرکین قریش کی تردید ہے۔ انہیں جس وقت جہنم کے داروغوں کی گنتی بتلائی گئی تو ابوجہل نے کہا اے قریشیو! یہ اگر انیس ہیں تو زیادہ سے زیادہ ایک سو نوے ہم مل کر انہیں ہرا دیں گے اس پر کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتے ہیں انسان نہیں' انہیں نہ تم ہرا سکو نہ تھکا سکو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابوالاشدین جس کا نام کلدہ بن اسید بن خلف تھا' اس نے اس گنتی کو سن کر کہا کہ قریشیو! تم سب مل کر ان میں سے دو کو روک لینا باقی سترہ کو میں کافی ہوں۔ یہ بڑا مغرور شخص تھا اور ساتھ ہی بڑا قوی تھا' یہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا پھر دس طاقتور شخص مل کر اسے اس کے پیروں تلے سے نکالنا چاہتے' کھال کے ٹکڑے اڑ جاتے لیکن اس کے قدم جنبش بھی نہ کھاتے۔ یہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر کہا تھا کہ آپ مجھ سے کشتی لڑیں' اگر آپ نے مجھے گرا دیا تو میں آپؐ کی نبوت کو مان لوں گا۔ چنانچہ حضورؐ نے اس سے کشتی کی اور کئی بار گرایا لیکن اسے ایمان لانا نصیب نہ ہوا۔ امام ابن اسحاقؒ نے کشتی والا واقعہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب کا بتایا ہے میں کہتا ہوں ان دونوں میں کچھ تفاوت نہیں (ممکن ہے اس سے اور اس سے دونوں سے کشتی ہوئی ہوئی) واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ اس گنتی کا ذکر تھا ہی امتحان کے لئے' ایک طرف کافروں کا کفر کھل پڑا دوسری جانب اہل کتاب کا یقین کامل ہو گیا کہ اس رسول کی رسالت حق ہے کیونکہ خود ان کی کتاب میں بھی یہی گنتی ہے' تیسری طرف ایماندار اپنے ایمان میں توانا ہو گئے' حضورؐ کی بات کی تصدیق کی اور ایمان بڑھایا' اہل کتاب اور مسلمانوں کو کوئی شک شبہ نہ رہا' بیمار دل منافق چیخ اٹھے کہ بھلا بتاؤ کہ اسے یہاں ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی ہی باتیں بہت سے لوگوں کے ایمان کی مضبوطی کا سبب بن جاتی ہیں اور بہت سے لوگوں کے شبہ والے دل اور ڈانوا ڈول ہو جاتے ہیں' خدا کے یہ سب کام حکمت سے اور اسرار سے رہیں تیرے رب کے لشکروں کی گنتی اور ان کی صحیح تعداد اور ان کی کثرت کا کسی کو علم نہیں' وہی خوب جانتا ہے' یہ نہ سمجھو کہ بس انیس ہی ہیں جیسے یونانی فلسفیوں اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اپنی جہالت و ضلالت کی وجہ سے سمجھ لیا کہ اس سے مراد عقول عشرہ اور نفوس تسعہ ہیں حالانکہ یہ مجرد ان کا دعویٰ ہے جس پر دلیل قائم کرنے سے وہ بالکل عاجز ہیں' افسوس کہ آیت کے اول پر تو ان کی نظریں ہیں لیکن آخری حصہ کے ساتھ وہ کفر کر رہے ہیں جہاں صاف الفاظ موجود ہیں کہ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا' پھر انیس صرف کے کیا معنی؟ صحیحین کی معراج والی حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضور ﷺ نے بیت المعمور کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں اسی طرح دوسرے روز دوسرے ستر ہزار فرشتے اسی طرح ہمیشہ تک لیکن فرشتوں کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ جو آج گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آنے کی۔

مسند احمد میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے' آسمان چرچرا رہے ہیں اور انہیں چرچرانے کا حق ہے' ایک انگلی ٹکانے کی جگہ ایسی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہو' اگر تم وہ جان لیتے جو

میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے بہت زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ لذت نہ پا سکتے بلکہ فریادوزاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہوتے' اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل جاتا کاش کہ میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا' یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور حضرت ابوذرؓ سے موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے۔ طبرانی میں ہے ساتوں آسمانوں میں قدم رکھنے کی بالشت بھر یا ہتھیلی جتنی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام کی یا رکوع کی یا سجدے کی حالت میں نہ ہو' پھر بھی یہ سب کل قیامت کے دن کہیں گے کہ خدایا تو پاک ہے' ہمیں جس قدر تیری عبادت کرنی چاہئے تھی اس قدر ہم سے ادا نہیں ہو سکی البتہ ہم نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ امام محمد بن نصر مروزیؒ کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے سوال کیا کہ کیا جو میں سن رہا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا یا رسول اللہ ہمیں تو کچھ سنائی نہیں دیتا آپ نے فرمایا آسمانوں کا چر چر بولنا میں سن رہا ہوں اور وہ اس چرچراہٹ پر ملامت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس پر اس قدر فرشتے ہیں کہ ایک بالشت بھر جگہ خالی نہیں' کہیں کوئی رکوع میں ہے اور کہیں کوئی سجدے میں۔

دوسری روایت میں ہے آسمان دنیا میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں سجدے میں یا قیام میں کوئی فرشتہ نہ ہو' اسی لئے فرشتوں کا یہ قول قران کریم میں موجود ہے وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ یعنی ہم میں سے ہر ایک کے لئے مقرر جگہ ہے اور ہم صفیں باندھنے والے اور خدا کی تسبیح بیان کرنے والے ہیں' اس حدیث کا مرفوع ہونا بہت ہی غریب ہے' دوسری روایت میں یہ قول حضرت ابن مسعود کا بیان کیا گیا ہے' ایک اور سند سے یہ روایت حضرت ابن علاء بن سعد سے بھی مرفوعاً مروی ہے' یہ صحابی فتح مکہ میں اور اس کے بعد کے جہادوں میں حضورؐ کے ساتھ تھے رضی اللہ تعالٰی عنہ' لیکن سنداً یہ بھی غریب ہے۔ ایک اور بہت ہی غریب بلکہ سخت منکر حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ آئے نماز کھڑی ہوئی تھی اور تین شخص بیٹھے ہوئے تھے جن میں کا ایک ابوجحش لیثی تھا آپ نے فرمایا اٹھو' حضور کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاؤ تو دو شخص تو کھڑے ہو گئے لیکن ابوجحش کہنے لگا اگر کوئی ایسا شخص آئے جو طاقت وقوت میں مجھ سے زیادہ ہو اور مجھ سے کشتی لڑے اور مجھے گرا دے پھر میرا منہ مٹی میں ملا دے تو تو میں اٹھوں گا ورنہ بس اٹھ چکا' حضرت عمرؓ نے فرمایا اور کون آئے گا آ جا میں تیار ہوں' چنانچہ کشتی ہونے لگی اور میں نے اسے پچھاڑا پھر اس کے منہ کو مٹی میں مل دیا اور اتنے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ آ گئے اور اسے میرے ہاتھ سے چھڑا دیا میں بڑا بگڑا اور اسی غصہ کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا ابوحفص آج کیا بات ہے؟ میں نے کل واقعہ کہہ سنایا آپ نے فرمایا اگر عمر اس سے خوش ہوتا تو اس پر رحم کرتا' خدا کی قسم میرے نزدیک تو اس خبیث کا سر تو اتار لیتا تو اچھا تھا' یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ یونہی وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی طرف لپکے' خاصی دور نکل چکے تھے جو حضورؐ نے انہیں آواز دی اور فرمایا بیٹھو سن تو لو کہ خدا ابوجحش کی نماز سے بالکل بے نیاز ہے' آسمان دنیا میں خشوع وخضوع والے بے شمار فرشتے خدا کے سامنے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں جو قیامت کو سجدے سے سر اٹھائیں گے اور یہ کہتے ہوئے حاضر ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا' اسی طرح دوسرے آسمان میں بھی یہی حال ہے' حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ حضور ان کی تسبیح کیا ہے؟ فرمایا آسمان دنیا کے فرشتے تو کہتے ہیں سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ اور دوسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ اور تیسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ عمر تم بھی اپنی نماز میں اسے کہا کرو' حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ اس سے پہلے جو

پڑھنا آپ نے سکھایا ہے اور جس کے پڑھنے کو فرمایا ہے اس کا کیا ہوگا کہا' کبھی یہ کہو کبھی وہ پڑھو پہلے جو پڑھنے کو آپ نے فرمایا تھا' وہ یہ تھا اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ جَلَّ وَجْهُكَ یعنی خدایا تیرے عذابوں سے میں تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ پکڑتا ہوں اور تیرا چہرہ جلال والا ہے۔ اور اسحٰق مروزی جو راوی حدیث ہے اس سے حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں اور امام ابن حبان رحمتہ اللہ علیہ بھی انہیں ثقہ راویوں میں گنتے ہیں لیکن حضرت امام ابوداؤد' امام نسائی' امام عقیلی اور امام دار قطنی رحمہم اللہ انہیں ضعیف کہتے ہیں' امام ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں تھے تو یہ سچے مگر نابینا ہو گئے تھے اور کبھی کبھی تلقین قبول کرلیا کرتے تھے ہاں ان کی کتابوں کی مرویات صحیح ہیں' ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ مضطرب ہیں اور ان کے استاد عبدالملک بن قدامہ ابوقتادہ جمحی میں بھی کلام ہے' تعجب ہے کہ امام محمد بن نصر رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی اس حدیث کو کیسے روایت کر دیا؟ اور نہ تو اس پر کلام کیا نہ اس کے خال کو معلوم کرایا نہ اس کے بعض راویوں کے ضعف کو بیان کیا' ہاں اتنا تو کیا ہے کہ اسے دوسری سند سے مرسلاً روایت کر دیا ہے اور مرسل کی دو سندیں لائے ہیں ایک حضرت سعید بن جبیرؓ' دوسری حضرت حسن بصریؒ سے۔

پھر ایک اور روایت لائے ہیں کہ حضرت عدی بن ارطاۃؒ نے مدائن کی جامع مسجد میں اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں نے ایک صحابی سے سنا ہے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے فرشتے ہیں جو ہر وقت خوف خدا سے کپکپاتے رہتے ہیں' ان کے آنسو گرتے رہتے ہیں اور وہ ان فرشتوں پر ٹپکتے ہیں جو نماز میں مشغول ہیں اور ان میں ایسے فرشتے بھی ہیں جو ابتداء دنیا سے رکوع میں ہی ہیں اور بعض سجدے میں ہی ہیں قیامت کے دن اپنی پیٹھ اور اپنا سر اٹھائیں گے اور نہایت عاجزی سے جناب باری میں عرض کریں گے کہ خدایا تو پاک ہے ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا۔ اس حدیث کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فرماتا ہے یہ آگ جس کا وصف تم سن چکے یہ لوگوں کے لئے سراسر باعث عبرت و نصیحت ہے۔ پھر چاند کی رات کے جانے کی صبح کے روشن ہونے کی قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ وہ آگ ایک زبردست اور بہت بڑی چیز ہے جو اس ڈراوے کو قبول کر کے حق کی راہ لگنا چاہے لگ جائے' جو چاہے باوجود اس کے بھی حق کو پیٹھ ہی دیتا رہے اور اس سے دور بھاگتا رہے اور اسے رد کرتا رہے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾

ہر ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس اور مبتلا ہے ○ مگر دائیں ہاتھ والے ○ کہ وہ بہشتوں میں بیٹھے سوال کرتے ہوں گے ○ گنہگاروں سے ○ کہ تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا؟ ○ وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے ○ نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے ○ اور ہم بحث کرنے والے انکاریوں کا ساتھ دے کر بحث مباحثہ میں مشغول رہا کرتے تھے ○ اور جزا سزا کے دن کو بھی ہم سچا نہیں جانتے تھے ○

جنتیوں اور دوزخیوں میں گفتگو ہوگی: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۶) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال میں قیامت کے دن

جکڑا بندھا ہو گا لیکن جن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ آیا ہے وہ جنت کے بالا خانوں میں چین سے بیٹھے ہوئے جہنمیوں کو بدترین عذابوں میں دیکھ کر ان سے پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے نہ تو رب کی عبادت کی' نہ مخلوق کے ساتھ احسان کیا' بغیر علم کے جو زبان پر چڑھا بکتے رہے' جہاں کسی کو اعتراض کرتے سنا ہم بھی ساتھ ہو گئے اور باتیں بنانے لگ گئے اور قیامت کے دن کی تکذیب ہی کرتے رہے یہاں تک کہ موت آ گئی۔ یقین کے معنی موت کے اس آیت میں بھی ہیں وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ یعنی موت کے وقت تک خدا کی عبادت میں لگا رہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی نسبت حدیث میں بھی یقین کا لفظ آیا ہے۔

حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی ○ پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی ○ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں ○ گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں ○ جو شیر سے بھاگے ہوں ○ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے کھلی ہوئی کتابیں دکھائیں ○ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ دراصل یہ قیامت سے بے خوف ہیں ○ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن ایک نصیحت ہے ○ اب جو چاہے اسے یاد کر لے ○ اور وہ جبھی یاد کریں گے جب اللہ تعالیٰ چاہے' وہ ہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈریں اور اس لائق بھی کہ وہ بخشے ○

(آیت: ۴۷-۵۶) اب خدائے عالم فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کو کسی کی سفارش اور شفاعت نفع نہ دے گی اس لئے کہ شفاعت وہاں نافع ہوتی ہے جہاں محل شفاعت ہو لیکن جن کا دم بھی کفر پر نکلا ہو ان کے لئے شفاعت کہاں؟ وہ ہمیشہ کے لئے ہاویہ میں گئے۔ پھر فرمایا کیا بات ہے؟ کون سی وجہ ہے کہ یہ کافر تیری نصیحت اور دعوت سے منہ پھیر رہے ہیں اور قرآن حدیث سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شکاری شیر سے' فارسی زبان میں جسے شیر کہتے ہیں اسے عربی میں اسد کہتے ہیں اور حبشی زبان میں قسورہ کہتے ہیں اور نبطی زبان میں آیا۔ پھر فرماتا ہے یہ مشرکین تو چاہتے ہیں کہ ان میں کے ہر شخص پر علیحدہ علیحدہ کتاب اترے جیسے اور جگہ ان کا مقولہ ہے حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ یعنی جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ وہ نہ دیئے جائیں جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ رسالت کے قابل کون ہے؟ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم بغیر عمل کے چھٹکارا دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دراصل وجہ یہ ہے کہ انہیں آخرت کا خوف ہی نہیں کیونکہ انہیں اس کا یقین نہیں' اس پر ایمان نہیں' بلکہ اسے جھٹلاتے ہیں تو ڈرتے کیوں؟ پھر فرمایا سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن محض نصیحت و موعظت ہے جو چاہے عبرت حاصل کر لے اور نصیحت پکڑ لے جیسے فرمان ہے وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ الخ' یعنی تمہاری چاہتیں خدا کی چاہت کی تابع ہیں۔ پھر فرمایا اسی کی ذات اس

قابل ہے کہ اس سے خوف کھایا جائے اور وہی ایسا ہے کہ ہر رجوع کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے۔

مسند احمد میں ہے رسول کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے میں اس کا حقدار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے اور میرے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے' جو میرے ساتھ شریک بنانے سے بچ گیا تو وہ میری بخشش کا مستحق ہو گیا۔ ابن ماجہ اور نسائی اور ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن غریب کہتے ہیں سہیل اس کا راوی قوی نہیں' اللہ تعالیٰ کے احسان سے سورۂ مدثر کی تفسیر بھی ختم ہوئی فالحمدللہ۔

تفسیر سورة القيامة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝

معبود برحق رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی ○ اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہو ○ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع کریں گے ہی نہیں؟ ○ ہاں ضرور کریں گے ہم تو قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پور پور تک درست کر دیں ○ بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ آگے آگے نافرمانیاں کرتا جائے ○ پوچھتا رہتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟ ○

ہم سب اپنے اعمال کا خود آئینہ ہیں: ☆☆ (آیت:۱-۶) یہ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ جس چیز پر قسم کھائی جائے اگر وہ رد کرنے کی چیز ہو تو قسم سے پہلے لا کا کلمہ نفی کی تائید کے لئے لانا جائز ہوتا ہے یہاں قیامت کے ہونے پر اور جاہلوں کے اس قول کی تردید پر کہ قیامت نہ ہو گی قسم کھائی جا رہی ہے تو فرماتا ہے قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے ملامت کرنے والی جان کی' حضرت حسنؒ تو فرماتے ہیں قیامت کی قسم ہے اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں ہے' حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں دونوں کی قسم ہے' حسن اور اعرج کی قرات لَأُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ہے اس سے بھی حضرت حسنؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک پہلے کی قسم ہے اور دوسرے کی نہیں لیکن صحیح قول یہی ہے کہ دونوں کی قسم کھائی ہے جیسے کہ حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے' ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے اور امام ابن جریرؒ کا مختار قول بھی یہی ہے۔ یوم قیامت کو تو ہر شخص جانتا ہی ہے۔

نفس لوامہ کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مومن کا نفس ہے وہ ہر وقت اپنے تئیں ملامت ہی کرتا رہتا ہے کہ یوں کیوں کہہ دیا؟ یہ کیوں کھا لیا؟ یہ خیال دل میں کیوں آیا؟ ہاں فاسق فاجر غافل ہوتا ہے اسے کیا پڑی جو اپنے نفس کو روکے' یہ بھی مروی ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق قیامت کے دن اپنے تئیں ملامت کرے گی' خیر والے خیر کی کمی پر اور شر والے شر کے سرزد ہونے پر' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مذموم نفس ہے جو نافرمان ہو' فوت شدہ پر نادم ہونے والا اور اس پر ملامت کرنے والا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہ سب اقوال قریب قریب ہیں' مطلب یہ ہے کہ یہ وہ نفس والا ہے جو نیکی کی کمی پر' برائی کے ہو جانے پر اپنے نفس کو ملامت کرتا

ہے اور فوت شدہ پر ندامت کرتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کیا انسان یہ سوچے ہوئے ہے کہ ہم قیامت کے دن اس کی ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر نہ ہوں گے؟ یہ تو نہایت غلط خیال ہے ہم اسے متفرق جگہ سے جمع کر کے دوبارہ کھڑا کریں گے اور اس کی بالشت بالشت بنادیں گے۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی ہم قادر ہیں کہ اسے اونٹ یا گھوڑے کے تلوے کی طرح بنادیں امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یعنی دنیا میں بھی اگر ہم چاہتے اسے ایسا کر دیتے' آیت کے لفظوں سے تو بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قَادِرِیْنَ حال ہے نَجْمَعُ سے یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے؟ ہاں ہاں ہم عنقریب جمع کریں گے درآنحالیکہ ہمیں ان کے جمع کرنے کی قدرت ہے بلکہ اگر ہم چاہیں تو جتنا یہ تھا اس سے بھی کچھ زیادہ بنا کر اسے اٹھائیں اس کی انگلیوں کے سرے برابر کے کر کے۔ ابن قتیبہ اور زجاج کے قول کے یہی معنی ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ انسان اپنے آگے فسق و فجور کرنا چاہتا ہے یعنی قدم بہ قدم بڑھ رہا ہے امیدیں باندھے ہوئے ہے' کہتا جاتا ہے کہ گناہ کرتو لوں تو بہ بھی ہو جائے گی' قیامت کے دن سے جو اس کے آگے ہے کفر کرتا ہے وہ گویا اپنے سر پر سوار ہو کر آگے بڑھ رہا ہے' ہر وقت یہی پایا جاتا ہے کہ ایک ایک قدم اپنے نفس کو خدا کی معصیت کی طرف بڑھاتا جاتا ہے مگر جن پر رب کا رحم ہے۔ اکثر سلف کا قول اس آیت کی تفسیر میں یہی ہے کہ گناہوں میں جلدی کرتا ہے اور توبہ میں تاخیر کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یوم حساب سے انکاری ہے ابن زید بھی یہی کہتے ہیں اور یہی زیادہ ظاہر مراد ہے کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ وہ پوچھتا ہے قیامت کب ہوگی' اس کا یہ سوال بھی بطور انکار کے ہے' یہ تو جانتا ہے کہ قیامت کا آنا محال ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتادو کہ قیامت کب آئے گی؟ ان سے کہہ دے کہ اس کا ایک دن مقرر ہے جس سے نہ تم ایک ساعت آگے بڑھ سکو گے نہ پیچھے ہٹ سکو گے۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

پس جس وقت کہ نگاہ پتھرا جائے ○ اور چاند بے نور ہو جائے ○ اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں ○ اس دن انسان کہے گا کہ آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ○ نہیں نہیں کوئی پناہ نہیں ○ آج تو تیرے پروردگار کی طرف ہی قرار گاہ ہے ○ آج انسان کو اس کے آگے بھیجے اور پیچھے چھوڑے ہوئے سے آگاہ کیا جائے گا ○ بلکہ انسان خود اپنے اوپر آپ حجت ہے ○ گو اپنے تمام عذر سامنے ڈال دے ○

(آیت:۹-۱۵) یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب آنکھیں پتھرا جائیں گی' جیسے اور جگہ ہے لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ الخ یعنی پلکیں جھکیں گی نہیں بلکہ رعب و دہشت خوف و وحشت کے مارے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتے رہیں گے۔ بَرِقَ کی دوسری قرات بَرَقَ بھی ہے' معنی قریب قریب ہیں اور چاند کی روشنی بالکل جاتی رہے گی اور سورج' چاند جمع کر دیئے جائیں گے یعنی دونوں کو بے نور کر کے لپیٹ لیا جائے گا' جیسے فرمایا اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ حضرت ابن مسعود کی قرات میں وَجُمِعَ بَيْنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ ہے انسان جب یہ پریشانی شدت ہول گھبراہٹ اور انتظام عالم کی یہ خطرناک حالت دیکھے گا تو بھاگا جائے گا اور کہے گا کہ جائے پناہ بھاگنے کی جگہ کہاں

ہے؟ اللہ تعالیٰ کیطرف سے جواب ملے گا کہ کوئی پناہ نہیں رب کے سامنے اور اس کے پاس ٹھہرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے مَالَكُمْ مِّنْ مَّلْجَإٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ یعنی آج نہ تو کوئی جائے پناہ ہے نہ ایسی جگہ کہ وہاں جا کر تم انجان اور بے پہچان بن جاؤ' آج ہر شخص کو اس کے اگلے پچھلے' نئے پرانے' چھوٹے بڑے اعمال سے مطلع کیا جائے گا۔ جیسے فرمان ہے وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا الخ جو کیا تھا موجود پالیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ انسان اپنے آپ کو بخوبی جانتا ہے' اپنے اعمال کا خود آئینہ ہے گو انکار کرے اور عذر معذرت پیش کرتا پھرے۔ جیسے فرمان ہے اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے اور اپنے تئیں آپ ہی جانچ لے' ان کے کان' آنکھ' ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء ہی اس پر شہادت دینے کو کافی ہیں لیکن افسوس کہ یہ دوسروں کے عیبوں اور نقصانوں کو دیکھتا ہے اور اپنے کیڑے چننے سے غافل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے اے ابن آدم تو دوسروں کی آنکھوں کا تو تنکا دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی تجھے دکھائی نہیں دیتا؟ قیامت کے دن گو انسان فضول بہانے بنائے اور جھوٹی دلیلیں دے اور بے کار عذر پیش کرے ایک بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ اس آیت کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ پردے ڈالے۔ اہل یمن پردے کو عذر کہتے ہیں لیکن صحیح معنی اوپر والے ہیں' جیسے اور جگہ ہے کہ کوئی معقول عذر نہ پا کر اپنے شرک کا سرے سے انکار ہی کر دیں گے کہ خدا کی قسم ہم مشرک تھے ہی نہیں' اور جگہ ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے بھی قسمیں کھا کھا کر سچا ہونا چاہیں گے جیسے دنیا میں تمہارے سامنے ان کی حالت ہے لیکن خدا پر تو ان کا جھوٹ ظاہر ہے گو وہ اپنے تئیں کچھ بھی سمجھتے رہیں' غرض عذر معذرت انہیں قیامت کے دن کچھ کارآمد نہ ہوگی' جیسے اور جگہ فرماتا ہے لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ ظالموں کو ان کی معذرت کچھ کارآمد نہ ہوگی' یہ تو اپنے شرک کے ساتھ ہی اپنی تمام بداعمالیوں کا انکار کر دیں گے لیکن بے سود ہوگا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾

اے نبی تم قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دو ○ اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے ○

حفظ قرآن' تلاوت و تفسیر کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ: ☆☆ (آیت: ۱۶-۱۷) یہاں اللہ عزوجل اپنے نبی ﷺ کو تعلیم دیتا ہے کہ فرشتے سے وحی کس طرح حاصل کریں آنحضور اس کے لینے میں بہت جلدی کرتے تھے اور قرات میں فرشتے کے بالکل ساتھ ساتھ رہتے تھے' پس اللہ عزوجل حکم فرماتا ہے کہ جب فرشتہ وحی لے کر آئے آپ سنتے رہیں' پھر جس ڈر سے آپ ایسا کرتے تھے اس کی بابت تسلی دیتا ہے کہ آپ کے سینے میں اسے جمع کر دینا اور بروقت آپ کی زبان سے اس کا پڑھا دینا یہ ہمارے ذمہ ہے' اسی طرح اس کا واضح کرانا اور تفسیر اور بیان آپ سے کرانے کے ذمہ دار بھی ہم ہی ہیں' پس پہلی حالت تو یاد کرانا' دوسری تلاوت کرانا' تیسری تفسیر مضمون اور توضیح مطلب کرانا' تینوں کی کفالت خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی۔ جیسے اور جگہ ہے وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا یعنی جب تک تیرے پاس وحی پوری نہ آئے تو پڑھنے میں جلدی نہ کیا کر' ہم سے دعا مانگ کہ میرے رب میرے علم کو زیادہ کرتا رہ۔ پھر فرماتا ہے اسے تیرے سینے میں جمع کرنا اور اسے تجھ سے پڑھوانا ہمارے اوپر ہے' جب ہم اسے پڑھیں یعنی ہمارا نازل کردہ فرشتہ جب اسے تلاوت کرے تو تو سن لے جب وہ پڑھ چکے تب تو پڑھ' ہماری مہربانی سے تجھے پورا یاد نکلے گا' اتنا ہی نہیں بلکہ حفظ کرانے' تلاوت کرانے کے بعد ہم تجھے اس کے معنی مطالب' تبیین و توضیح کے ساتھ سمجھا دیں گے تاکہ ہماری اصلی مراد اور صاف شریعت سے تو پوری طرح آگاہ ہو جائے۔

مسند میں ہے حضورؐ کو اس سے پہلے وحی لینے میں سخت تکلیف ہوتی تھی' اس ڈر کے مارے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں فرشتے کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے اور آپ کے ہونٹ ہلتے جاتے تھے' چنانچہ حضرت ابن عباسؓ راوی حدیث نے اپنے ہونٹ ہلا کر دکھایا کہ اس طرح اور ان کے شاگرد سعید نے بھی اپنے استاد کی طرح ہلا کر اپنے شاگرد کو دکھائے اس پر یہ آیت اتری کہ اتنی جلدی نہ کرو اور ہونٹ نہ ہلاؤ' اسے آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اس کی تلاوت کرانا ہمارے سپرد ہے۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾

ہم جب اسے پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کے درپے رہ ○ پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے ○ نہیں نہیں تم تو دنیا کی محبت رکھتے ہو ○ اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو ○ اس روز بہت سے چہرے تر و تازہ اور بارونق ہوں گے ○ اور اپنے رب کی طرف دیکھتے ○ اور کتنے ایک چہرے اس دن بدرونق اور اداس ہوں گے ○ سمجھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا ○

(آیت: ۱۸-۲۵) جب ہم اسے پڑھیں تو آپ سنئے اور چپ رہئے' جبرئیل علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد انہی کی طرح ان کا پڑھایا ہوا پڑھنا بھی ہمارے سپرد ہے۔ بخاری مسلم میں بھی یہ روایت ہے' بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ پھر جب وحی اترتی آپ نظریں نیچی کر لیتے اور جب وحی چلی جاتی آپ پڑھتے۔ ابن ابی حاتم میں بھی یہ روایت ابن عباس یہ حدیث مروی ہے اور بہت سے مفسرین سلف صالحین نے یہی فرمایا ہے یہ بھی مروی ہے کہ حضورؐ ہر وقت تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو میں بھول جاؤں اس پر یہ آیتیں اتریں۔

حضرت ابن عباسؓ اور عطیہ عوفی فرماتے ہیں اس کا بیان ہم پر ہے یعنی حلال و حرام کا واضح کرنا' حضرت قتادہؒ کا قول بھی یہی ہے۔

پھر فرمان ہوتا ہے کہ ان کافروں کو قیامت کے انکار اور خدا کی پاک کتاب کو نہ ماننے اور خدا کے عظیم الشان رسول کی اطاعت نہ کرنے پر آمادہ کرنے والی چیز حب دنیا اور ترک آخرت ہے' حالانکہ آخرت کا دن بڑی اہمیت والا دن ہے' اس دن بہت سے لوگ تو وہ ہوں گے جن کے چہرے ہشاش بشاش تر و تازہ خوش و خرم ہوں گے اور اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہوں گے' جیسے کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عنقریب تم اپنے رب کو صاف صاف کھلم کھلا اپنے سامنے دیکھو گے۔ بہت سی صحیح حدیثوں سے متواتر سندوں سے جو ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں وارد کی ہیں ثابت ہو چکا ہے کہ ایمان والے اپنے رب کے دیدار سے قیامت کے دن مشرف ہوں گے' ان حدیثوں کو نہ تو کوئی ہٹا سکے نہ ان کا کوئی انکار کر سکے۔ صحیح بخاری' صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا سورج اور چاند کو جبکہ آسمان صاف بے ابر ہو دیکھنے میں تمہیں کوئی مزاحمت اور بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے صحیحین میں ہے حضرت جریر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو ایسے دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے کی نماز (یعنی صبح کی نماز) اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز (یعنی عصر کی نماز) میں کسی طرح کی سستی نہ کرو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے انہی دونوں متبرک کتابوں میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو جنتیں سونے کی ہیں وہاں کے برتن بھانڈے

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿٣١﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٣٢﴾ ع

نہیں نہیں جب روح ہنسلی تک پہنچے گی ○ اور کہا جائے گا کہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ ○ اور یقین ہو جائے گا کہ یہ وقت جدائی ہے ○ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی ○ آج تیرے پروردگار کی طرف ہی چلنا ہے ○ اس نے نہ تو تصدیق کی نہ نماز ادا کی ○ بلکہ جھٹلایا اور روگردانی کی ○

جب ہماری روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے بعد کیا ہوتا ہے: ☆☆ (آیت: ۲۶-۳۲) یہاں پر موت کا اور سکرات کے عالم کا بیان ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس وقت حق پر ثابت قدم رکھے۔ کَلَّا کو اگر یہاں ڈانٹ کے معنی میں لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ اے ابن آدم تو جو میری خبروں کو جھٹلاتا ہے وہ درست نہیں بلکہ ان کے مقدمات تو تو روز مرہ کھلم کھلا دیکھ رہا ہے اور اگر اس لفظ کو حَقًّا کے معنی میں لیں تو مطلب اور زیادہ ظاہر ہے یعنی یہ بات یقینی ہے کہ جب تیری روح تیرے جسم سے نکلنے لگے اور تیرے نرخرے تک پہنچ جائے۔ تَرَاقِي جمع ہے تَرْقُوَةٌ کی ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو سینے پر اور مونڈھوں کے درمیان میں ہیں جسے ہانس کی ہڈی کہتے ہیں جیسے اور جگہ ہے فَلَوْ لَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ سے صٰدِقِيْنَ تک فرمایا ہے یعنی جبکہ روح حلق تک پہنچ جائے اور تم دیکھ رہے ہو اور ہم تم سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے‘ پس اگر تم حکم الٰہی کے ماتحت نہیں ہو اور اپنے اس قول میں سچے ہو تو اس روح کو کیوں نہیں لوٹا لاتے؟ اس مقام پر اس حدیث پر بھی نظر ڈال لی جائے جو بشر بن مجاج کی روایت سے سورۂ یٰسین کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ تَرَاقِي جو جمع ہے تَرْقُوَةٌ کی ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو حلقوم کے قریب ہیں‘ اس وقت ہائی دہائی ہوتی ہے کہ کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کرے یعنی کسی طبیب وغیرہ کے ذریعہ شفا ہو سکتی ہے؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہے یعنی اس روح کو لے کر کون چڑھے گا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اور پنڈلی سے رگڑا کھانے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ دنیا اور آخرت اس پر جمع ہو جاتی ہے دنیا کا آخری دن ہوتا ہے اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے۔ جس سے سختی پر سخت ہو جاتی ہے مگر جس پر رب رحیم کا رحم و کرم ہو‘ دوسرا مطلب حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ ایک بہت بڑا امیر دوسرے بہت بڑے امیر سے مل جاتا ہے بلا پر بلا آ جاتی ہے‘ تیسرا مطلب حضرت حسن بصریؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ خود مرنے والے کی بیقراری اور شدت اور اسی پاؤں پر پاؤں کا چڑھ جانا مراد ہے پہلے تو یہ ان پاؤں پر چلتا پھرتا تھا لیکن اب ان میں جان کہاں؟ اور یہ بھی مروی ہے کہ کفن کے وقت پنڈلی سے پنڈلی کا مل جانا مراد ہے۔

چوتھا مطلب حضرت ضحاکؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ دو کام دو طرف جمع ہو جاتے ہیں ادھر تو لوگ اس کے جسم کو نہلا دھلا کر سپرد خاک کرنے کو تیار ہیں ادھر فرشتے اس کی روح لے جانے میں مشغول ہیں‘ اگر نیک ہے تو عمدہ تیاری اور دھوم کے ساتھ اگر بد ہے تو نہایت ہی برائی اور بدتر حالت کے ساتھ۔ اب لوٹنے اور قرار پانے کی‘ رہنے سہنے اور پہنچ جانے کی جگہ‘ کھچ کر جانے اور چل کر پہنچنے کی جگہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ روح آسمان کی طرف چڑھائی جاتی ہے پھر وہاں سے حکم ہوتا ہے کہ اسے زمین کی طرف پھر لے جاؤ میں نے ان سب کو اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹا کر لے جاؤں گا اور پھر اسی سے انہیں دوبارہ نکالوں گا۔ جیسے کہ حضرت براء کی مطول حدیث میں آیا ہے یہی مضمون جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وہی اپنے بندوں پر غالب ہے وہی تمہاری حفاظت کے لئے

تمہارے پاس فرشتے بھیجتا ہے یہاں تک کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اسے فوت کر لیتے ہیں اور وہ کوئی قصور نہیں کرتے پھر سب کے سب اپنے سچے مولا کی طرف لوٹائے جاتے ہیں' یقین مانو کہ حکم اسی کا چلتا ہے اور وہ سب سے بعد حساب لینے والا ہے۔ پھر اس کافر انسان کا حال بیان ہو رہا ہے جو اپنے دل اور اپنے عقیدے سے حق کا جھٹلانے والا اور اپنے بدن اور اپنے عمل سے حق سے روگردانی کرنے والا تھا جس کا ظاہر باطن برباد ہو چکا تھا اور کوئی بھلائی اس میں باقی نہیں رہی تھی نہ وہ خدا کی باتوں کی دل سے تصدیق کرتا تھا نہ جسم سے عبادت خدا بجا لاتا تھا' یہاں تک کہ نماز کا بھی چور تھا۔

ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ ﴿٣٣﴾ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿٣٥﴾ أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿٣٩﴾ أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ﴿٤٠﴾

ع ۱۰ ۱۸

پھر اپنے گھر والوں کے پاس اتراتا ہوا گیا ○ افسوس ہے تجھ پر حسرت ہے تجھ پر ○ وائے اور خرابی ہے تیرے لئے ○ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے گا ○ کیا وہ ایک گاڑھے پانی کا قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا جاتا ہے ○ پھر وہ لہو کی پھٹکی ہو گیا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست بنا دیا ○ پھر اس سے جوڑے یعنی نر و مادہ بنائے ○ کیا یہ اللہ اس امر پر قادر نہیں؟ کہ مردے کو زندہ کر دے ○

(آیت:۳۳-۴۰) ہاں جھٹلانے اور منہ موڑنے میں بے باک تھا اور اپنے اس ناکارہ عمل پر اتراتا اور پھولتا ہوا بے ہمتی اور بد عملی کے ساتھ اپنے والوں میں جا ملتا تھا۔ جیسے اور جگہ ہے وَإِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انقَلَبُوا فَكِهِينَ یعنی جب اپنے والوں کی طرف لوٹتے ہیں تو خوب باتیں بناتے ہوئے مزے کرتے ہوئے خوش خوش جاتے ہیں اور جگہ ہے إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا یعنی یہ اپنی گھرانے والوں میں شادمان تھا اور سمجھ رہا تھا کہ خدا کی طرف اسے لوٹنا ہی نہیں۔ اس کا یہ خیال محض غلط تھا' اس کے رب کی نگاہیں اس پر تھیں پھر اسے اللہ تبارک وتعالی دھمکاتا ہے اور ڈرساتا ہے اور فرماتا ہے خرابی ہو تجھے خدا کے ساتھ کفر کر کے پھر اتراتا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ یعنی قیامت کے دن کافر سے بطور ڈانٹ کے اور حقارت کے کہا جائے گا کہ لے اب مزہ چکھ تو تو بڑی عزت اور بزرگی والا تھا۔ اور فرمان ہے كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجْرِمُونَ کچھ کھا پی لو آخر تو بدکار گنہگار ہو۔ اور جگہ ہے فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُم مِّن دُونِهِ جاؤ خدا کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو وغیرہ وغیرہ غرض یہ ہے کہ ان تمام جگہوں میں یہ احکام بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر سے جب یہ آیت أَوْلَىٰ لَكَ کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا رسول مقبول ﷺ نے یہ ابو جہل کو فرمایا تھا پھر قرآن میں بھی یہی الفاظ نازل ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی کے قریب قریب نسائی میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت قتادہؒ کی روایت ہے کہ حضورؐ کے اس فرمان پر اس دشمن خدا نے کہا کہ کیا تو مجھے دھمکاتا ہے؟ خدا کی قسم تو اور تیرا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان چلنے والوں میں سب سے زیادہ ذی عزت میں ہوں۔ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ اسے کوئی حکم اور کسی چیز کی ممانعت نہ کی جائے گی؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ دنیا میں اسے حکم و ممانعت اور آخرت میں اپنے اپنے اعمال کے بموجب جزاء و سزا ضرور ملے

گی۔مقصود یہاں پر قیامت کا اثبات اور منکرین قیامت کا رد ہے اسی لئے دلیل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ انسان دراصل نطفہ کی شکل میں بے جان و بے بنیاد تھا' پانی کا ذلیل قطرہ تھا جو پیٹھ سے رحم میں آیا' پھر خون کی پھٹکی بنی' پھر گوشت کا لوتھڑا ہوا' پھر خدائے تعالیٰ نے شکل وصورت دے کر روح پھونکی اور سالم اعضاء والا انسان بنا کر مرد یا عورت کی صورت میں پیدا کیا۔ کیا اور وہ خدا جس نے نطفہ ضعیف کو ایسا صحیح القامت قوی انسان بنا دیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اسے فنا کر کے پھر دوبارہ پیدا کر دے؟ یقیناً پہلی مرتبہ کا پیدا کرنے والا دوبارہ بنانے پر بہت زیادہ اور بطور اولیٰ قادر ہے یا کم از کم اتنا ہی جتنا پہلی مرتبہ تھا' جیسے فرمایا وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ اس نے ابتدا پیدا کیا وہی پھر لوٹ لائے گا اور وہ اس پر بہت زیادہ آسان ہے اس آیت کے مطلب میں بھی دو قول ہیں لیکن پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے جیسے کہ سورۂ روم کی تفسیر میں اس کا بیان اور تقریر گذر چکی واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی چھت پر بہ آواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے تھے جب اس سورت کی آخری آیت کی تلاوت کی تو فرمایا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ قَبَلٰی یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور بیشک قادر ہے لوگوں نے اس کہنے کا باعث پوچھا تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کا یہی جواب دیتے ہوئے سنا ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث ہے لیکن دونوں کتابوں میں اس صحابی کا نام نہیں گو یہ نام نہ ہونا مضر نہیں۔ ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص تم میں سے سورۂ والتین کی آخری آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ پڑھے وہ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذَالِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ کہے یعنی ہاں اور میں بھی اس پر گواہ ہوں اور جو شخص سورۂ قیامت کی آخری آیت اَلَيْسَ ذَالِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى پڑھے تو وہ کہے بَلٰى اور جو سورۂ والمرسلات کی آخری آیت فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ پڑھے وہ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہے۔ یہ حدیث مسند احمد اور ترمذی میں بھی ہے۔ ابن جریر میں حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اس آخری آیت کے بعد فرماتے سُبْحَانَكَ وَبَلٰى۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے جواب میں یہ کہنا ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔ سورۂ قیامہ کی تفسیر الحمدللہ ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الدھر

صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں آنحضرت ﷺ سورۂ الٓمٓ تَنْزِيْل اور سورۂ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت اتری اور حضورؐ نے اس کی تلاوت کی اس وقت آپ کے پاس ایک سانولے رنگ کے صحابی بیٹھے ہوئے تھے جب جنت کی صفتوں کا ذکر آیا تو ان کے منہ سے بے ساختہ ایک چیخ نکل گئی اور ساتھ ہی روح پرواز کر گئی' جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا تمہارے ساتھی اور تمہارے بھائی کی جان جنت کے شوق میں نکل گئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾

بہت بڑی بخششوں اور بہت بڑے رحم والے اللہ کے نام سے شروع

یقیناً انسان پر زمانہ کا وہ وقت بھی گذر چکا ہے جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا○ بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لئے پیدا کیا اور اسے سنتا دیکھتا بنایا○ ہم نے اسے راہ دکھا دی اب خواہ وہ شکر گذار بنے خواہ ناشکرا○

اے انسان اپنے فرائض پہچان: ☆☆ (آیت: ۱-۳) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا حالانکہ اس سے پہلے وہ اپنی حقارت اور اپنے ضعف کی وجہ سے ایسی چیز نہ تھا کہ اس کا ذکر کیا جائے' اسے مرد و عورت کے ملے جلے پانی سے پیدا کیا اور عجب عجب پلٹیوں کے بعد یہ موجودہ شکل و صورت اور ہیبت پر آیا' اسے ہم آزما رہے ہیں- جیسے اور جگہ ہے لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟ پس اس نے تمہیں کان اور آنکھ عطا فرمائیں تاکہ اطاعت اور معصیت میں تمیز کر سکو- ہم نے اسے راہ دکھا دی خوب واضح اور صاف کر کے اپنا سیدھا راستہ اس پر کھول دیا' جیسے اور جگہ ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى یعنی ثمودیوں کو ہم نے ہدایت کی لیکن انہوں نے اندھاپے کو ہدایت پر ترجیح دی-

اور جگہ ہے وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ہم نے انسان کو دونوں راہیں دکھا دیں یعنی بھلائی برائی کی' اس آیت کی تفسیر میں مجاہدؒ' ابو صالحؒ' ضحاکؒ اور سدیؒ سے مروی ہے کہ اسے ہم نے راہ دکھائی یعنی ماں کے پیٹ سے باہر آنے کی لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے اور جمہور سے یہی منقول ہے- شَاكِرًا اور كَفُوْرًا کا نصب حال کی وجہ سے ذوالحال لا کی ضمیر ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ میں ہے' یعنی وہ اس حالت میں یا تو شقی ہے یا سعید ہے' جیسے صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر شخص صبح کے وقت اپنے نفس کی خرید فروخت کرتا ہے یا تو اسے ہلاک کر دیتا ہے یا آزاد کرا لیتا ہے-

مسند احمد میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ نے فرمایا خدا تجھے بیوقوفوں کی سرداری سے بچائے' حضرت کعب نے کہا یا رسول اللہ وہ کیا ہے؟ فرمایا وہ میرے بعد کے سردار ہوں گے جو میری سنتوں پر نہ عمل کریں گے نہ میرے طریقوں پر چلیں گے پس جو لوگ ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں اور ان کے ظلم کی امداد کریں وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں' یاد رکھو وہ میرے حوض کوثر پر بھی نہیں آ سکتے اور جو ان کے جھوٹ کو سچا نہ کرے اور ان کے ظلموں میں ان کا مددگار نہ بنے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں یہ لوگ میرے حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے' اے کعب روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے اور نماز قرب خدا کا سبب ہے یا فرمایا کہ دلیل نجات ہے' اے کعب وہ گوشت پوست جنت میں نہیں جا سکتا جو حرام سے پلا ہو وہ تو جہنم میں ہی جانے کے قابل ہے' اے کعب لوگ ہر صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتے ہیں کوئی تو اسے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر گذرتا ہے-

سورۂ روم کی آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا کی تفسیر میں حضرت جابرؓ کی روایت سے حضورؐ کا یہ فرمان بھی گذر چکا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ زبان چلنے لگتی ہے پھر یا تو شکر گذار بنتا ہے یا ناشکرا' مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ جو نکلنے والا نکلتا ہے اس کے دروازے پر دو جھنڈے ہوتے ہیں ایک فرشتے کے ہاتھ میں دوسرا شیطان کے ہاتھ میں پس اگر وہ اس کام کے لئے نکلا جو خدا کی مرضی کا کام ہے تو فرشتہ اپنا جھنڈا لئے ہوئے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور یہ واپسی تک فرشتے کے جھنڈے تلے ہی رہتا ہے اور اگر خدا کی ناراضگی کے کام کے لئے نکلا ہے تو شیطان اپنا جھنڈا لگائے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور واپسی تک یہ شیطانی جھنڈے تلے رہتا ہے-

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ﴿٤﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴿٥﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ﴿٦﴾ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴿٧﴾ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿١٠﴾ فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿١١﴾ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ﴿١٢﴾

یقیناً ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور شعلوں والی آگ تیار کر رکھی ہے ○ بیشک نیک لوگ وہ جام پئیں گے جس کی ملونی کافور کی ہے ○ جو ایک چشمہ ہے۔ جس سے اللہ کے بندے پئیں گے اس کی نہریں نکال لی جائیں گی (جدھر چاہیں) ○ جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چوطرف پھیل جانے والی ہے ○ اور اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین یتیم اور قیدیوں کو ○ ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گذاری ○ بے شک ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے ہیں جو تنگی ترشی اور سختی والا ہوگا ○ پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برائی سے بچالیا اور انہیں تازگی اور خوشی پہنچائی ○ اور انہیں اپنے صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے ○

زنجیریں طوق اور شعلے: ☆☆ (آیت: ۴-۱۲) یہاں اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے جو بھی اس سے کفر کرے اس کے لئے زنجیریں طوق اور شعلوں والی بھڑکتی ہوئی تیز آگ تیار ہے۔ جیسے اور جگہ ہے اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ جبکہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور بیڑیاں ان کے پاؤں میں ہوں گی اور یہ حمیم میں گھسیٹے جائیں گے پھر جہنم میں جلائے جائیں گے' ان بدنصیبوں کی سزا کا ذکر کر کے اب نیک لوگوں کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی ملونی کافور نامی نہر کے پانی کی ہوگی' ذائقہ بھی اعلیٰ' خوشبو بھی عمدہ اور فائدہ بھی بہتر' کافور کی سی ٹھنڈک اور سونٹھ کی سی خوشبو۔ کافور ایک نہر کا نام ہے جس سے خدا کے خاص بندے پانی پیتے ہیں اور صرف اسی سے آسودگی حاصل کرتے ہیں اسی لئے یہاں اسے ب سے متعدی کیا اور تمیز کی بنا پر عینا پر نصب دیا۔ یہ پانی اپنی خوشبو میں مثل کافور کے ہے یا یہ ٹھیک کافور ہی ہے اور عَیْنًا کا زیر یَشْرَبُ کی وجہ سے ہے پھر اس نہر تک انہیں آنے کی ضرورت نہیں' یہ اپنے باغات میں مکانات میں مجلسوں میں بیٹھکوں میں جہاں بھی جائیں گے اسے لے جائیں گے اور وہیں وہ پہنچ جائے گی۔ تفجیر کے معنی روانی اور اجرائے ہیں جیسے آیت حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا میں اور فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا میں۔

پھر ان لوگوں کی نیکیاں بیان ہو رہی ہیں کہ جو عبادتیں خدا کی طرف سے ان کے ذمہ تھیں وہ بجا ہی لاتے تھے بلکہ جو چیز یہ اپنے اوپر کر لیتے اسے بھی بجالاتے یعنی نذر بھی پوری کرتے' حدیث میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے وہ پوری کرے اور جو نافرمانی کی نذر مانے اسے پوری نہ کرے۔ امام بخاری نے اسے امام مالک کی روایت سے بیان کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بھاگتے رہتے ہیں کیونکہ قیامت کے دن کا ڈر ہے جس کی گھبراہٹ عام طور پر سب کو گھیر لے گی اور ہر ایک ایک الجھن میں پڑ جائے گا مگر جس پر خدا کا رحم و کرم

ہو زمین وآسمان تک ہول رہے ہوں گے اِستِطَار کے معنی ہی ہیں پھیل جانے والی اور اطراف کو گھیر لینے والی' کہ یہ نیک وکار اللہ کی محبت میں مستحق لوگوں پر اپنی طاقت کے مطابق خرچ بھی کرتے رہتے تھے اور لا کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے طعام کو بھی کہا ہے لفظاً زیادہ ظاہر بھی یہی ہے یعنی باوجود طعام کی محبت اور خواہش وضرورت کے راہ اللہ غرباء اور حاجت مندوں کو دے دیتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ یعنی مال کی چاہت کے باوجود اسے راہ اللہ دیتے رہتے ہیں۔ اور فرمان ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ یعنی تم ہرگز بھلائی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی چاہت کی چیزیں راہ اللہ خرچ نہ کرو۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار پڑے آپ کی بیماری میں انگور کا موسم آیا جب انگور بکنے لگے تو آپ کا دل بھی چاہا کہ میں انگور کھاؤں تو آپ کی بیوی صاحبہ حضرت صفیہؓ نے ایک درہم کے انگور منگائے' آدمی لے کر آیا اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک سائل بھی آ گیا اور اس نے آواز دی کہ میں سائل ہوں' حضرت عبداللہؓ نے فرمایا یہ سب اسی کو دے دو چنانچہ دے دیئے گئے پھر دوبارہ آدمی گیا اور انگور خرید لایا اب کی مرتبہ بھی سائل آ گیا اور اس کے سوال پر اسی کو سب کے سب انگور دے دیئے گئے لیکن اب کی مرتبہ حضرت صفیہؓ نے سائل کو کہلوا بھیجا کہ اگر اب آئے تو تمہیں کچھ نہ ملے گا چنانچہ تیسری مرتبہ ایک درہم کے انگور منگوائے گے (بیہقی)۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو تو اپنی صحت کی حالت میں باوجود مال کی محبت کے باوجود امیری کی چاہت اور افلاس کے خوف کے راہ اللہ دے یعنی مال کی حرص بھی ہو حب بھی ہو اور چاہت وضرورت بھی ہو پھر بھی راہ اللہ اسے قربان کر دے۔ یتیم اور مسکین کسے کہتے ہیں؟ وغیرہ اس کا مفصل بیان پہلے گذر چکا ہے۔ قیدی کی نسبت حضرت سعید وغیرہ تو فرماتے ہیں مسلمان اہل قبلہ قیدی مراد ہے' لیکن ابن عباسؓ وغیرہ کا فرمان ہے اس وقت قیدیوں میں سوائے مشرکین کے اور کوئی مسلم نہ تھا۔ اور اسی کی تائید اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے بدری قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحاب کو فرمایا تھا کہ ان کا اکرام کرو چنانچہ کھانے پینے میں صحابہ خود اپنی جانوں سے بھی زیادہ ان کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد غلام ہیں۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ بہ سبب آیت کے عام ہونے کے اسی کو پسند کرتے ہیں اور مسلم مشرک سب کو شامل کرتے ہیں غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کی تاکید بہت سی حدیثوں میں آئی ہے بلکہ رسول اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کی آخری وصیت اپنی امت کو یہی ہے کہ نمازوں کی نگہبانی کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کا پورا خیال رکھو۔ یہ اس نیک سلوک کا نہ تو ان لوگوں سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ بلکہ اپنے حال سے گویا اعلان کر دیتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف راہ اللہ دیتے ہیں اس میں ہماری ہی بہتری ہے کہ اس سے رضائے رب اور مرضی مولا ہمیں حاصل ہو جائے ہم ثواب اور اجر کے مستحق ہو جائیں۔

حضرت سعید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں خدا کی قسم یہ بات وہ لوگ منہ سے نہیں نکالتے یہ دلی ارادہ ہوتا ہے جس کا علم خدا کو ہے تو خدا نے اسے ظاہر فرما دیا کہ اور لوگوں کی رغبت کا باعث بنے' یہ پاک باز جماعت خیرات وصدقات کر کے اس دن کے عذابوں اور ہولناکیوں سے بچنا چاہتی ہے جو ترش رو تنگ وتاریک اور طول طویل ہے ان کا عقیدہ ہے کہ اس بنا پر خدا پر رحم کرے گا اور اس محتاجی اور بے کسی والے دن ہمیں ہماری یہ نیکیاں کام آئیں گی۔ حضرت ابن عباسؓ سے عَبُوْس کے معنی تنگی والا اور قَمْطَرِيْر کے معنی طول طویل مروی ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کافر کا منہ اس دن بگڑ جائے گا اس کی تیوری چڑھ جائے گی اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے عرق بہنے لگے گا جو مثل روغن گندھک کے ہوگا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں ہونٹ چڑھ جائیں گے اور چہرہ سمٹ جائے گا۔ حضرت سعیدؒ اور حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ بوجہ

گھبراہٹ اور ہولنا کیوں کے صورت بگڑ جائے گی پیشانی تنگ ہو جائے گی۔

ابن زیدؒ فرماتے ہیں برائی اور سختی والا دن ہو گا لیکن سب سے واضح بہتر نہایت مناسب بالکل ٹھیک قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قمطریر کے لغوی معنی امام ابن جریرؒ نے شدید کے کئے ہیں یعنی بہت سختی والا۔ ان کی اس نیک نیتی اور پاک عمل کی وجہ سے خدا نے انہیں اس دن کی برائی سے بال بال بچالیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں بجائے ترش روئی کے خندہ پیشانی اور بجائے دل کی ہولنا کی سے اطمینان و سرور قلب عطا فرمایا۔ خیال کیجئے کہ یہاں عبارت میں کس قدر بلیغ تجانس کا استعمال کیا گیا ہے اور جگہ ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ اس دن بہت سے چہرے چمکیلے ہوں گے جو ہنستے ہوئے اور خوشیاں مناتے ہوئے ہوں گے' یہ ظاہر ہے کہ جب دل مسرور ہو گا تو چہرہ کھلا ہوا ہو گا۔ حضرت کعب بن مالکؓ کی لمبی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ کو جب کبھی کوئی خوشی ہوتی تو آپ کا چہرہ چمکنے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی لمبی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ میرے پاس آئے چہرہ خوشی سے منور ہو رہا تھا اور مکھڑے مبارک کی رگیں چمک رہی تھیں۔ پھر فرماتا ہے ان کے صبر کے اجر میں انہیں رہنے سہنے کو وسیع جنت پاک زندگی اور پہننے اوڑھنے کو ریشمی لباس ملا۔ ابن عساکر میں ہے کہ ابوسلیمان درانی کے سامنے اس سورت کی تلاوت ہوئی جب قاری نے اس آیت کو پڑھا تو آپ نے فرمایا انہوں نے دنیاوی خواہشوں کو چھوڑ کر کہا تھا پھر یہ اشعار پڑھے۔

كَمْ قَتِيْلٍ لَّشَهْوَةٍ وَّاَسِيْرٍ　　اُفٍّ مِّنْ مُّشْتَهِى خِلَافَ الْجَمِيْلِ

شَهَوَاتُ الْاِنْسَانِ تُوْرِثُهُ الذُّلَّ　　وَتُلْقِيْهِ فِي الْبَلَاءِ الطَّوِيْلِ

افسوس شہوت نفس نے اور بھلائیوں کے خلاف برائیوں کی چاہت نے بہت سوں کا گلا گھونٹ دیا اور کئی ایک کو پابجولاں کر دیا نفسانی خواہشیں ہی ہیں جو انسان کو بدترین ذلت و رسوائی اور بلا و مصیبت میں ڈال دیتی ہیں۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿۱۵﴾

یہ وہاں تختوں پر تکئے لگائے ہوئے بیٹھیں گے' نہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں نہ جاڑے کی سختی ○ ان جنتوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے میوے دار گچھے نیچے لٹکائے ہوئے ہوں گے ○ اور ان پر چاندی کے برتنوں اور ان جاموں کا دور کرایا جائے گا جو شیشے کے ہوں گے ○

دائمی خوشگوار موسم اور مسرتوں سے بھرپور زندگی: ☆☆ (آیت: ۱۳-۱۶) اہل جنت کی نعمت' راحت' ان کے ملک و مال اور جاہ و منال کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ بہ آرام تمام پورے اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ جنت کے مرصع اور مزین جڑاؤ تختوں پر بے فکری سے تکئے لگائے سرور اور راحت سے بیٹھے مزے لوٹ رہے ہوں گے' سورۂ والصافات کی تفسیر میں اس کی پوری شرح گذر چکی ہے وہیں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اتکا سے مراد لیٹنا ہے یا کہنیاں ٹکانا ہے یا چار زانو بیٹھنا ہے یا کمر لگا کر ٹیک لگانا ہے اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اَرَائِك چھپر کھٹوں کو کہتے ہیں پھر ایک اور نعمت بیان ہو رہی ہے کہ وہاں نہ تو سورج کی تیز شعاؤں سے انہیں کوئی تکلیف پہنچے نہ جاڑے کی بہت سرد ہوائیں انہیں ناگوار گذریں بلکہ بہار کا سا موسم ہر وقت اور ہمیشہ رہتا ہے' گرمی سردی کے جھمیلوں سے الگ ہیں' جنتی درختوں کی شاخیں جھوم جھوم کر ان پر

سایہ کئے ہوئے ہوں گی اور میوے ان سے بالکل قریب ہوں گے' چاہے لیٹے لیٹے توڑ کھالیں چاہے بیٹھے بیٹھے لے لیں' چاہے کھڑے ہو کر لے لیں' درختوں پر چڑھنے کی اور تکلیف کی کوئی حاجت نہیں سروں پر میوے دار گچھے اور لدے ہوئے لچھے لٹک رہے ہیں توڑا اور کھالیا اگر کھڑے ہیں تو میوے اتنے اونچے ہیں بیٹھے تو قدرے جھک گئے لیٹے تو اور قریب آ گئے نہ تو کانٹوں کی رکاوٹ نہ دوری کی سر دردی ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جنت کی زمین چاندی کی ہے اور اس کی مٹی مشک خالص ہے اس کے درختوں کے تنے سونے چاندی کے ہیں' ڈالیاں لولوز برجد اور یاقوت کی ہیں ان کے درمیان پتے اور پھل ہیں جن کے توڑنے میں کوئی دقت اور مشکل نہیں' چاہو بیٹھے بیٹھے توڑ لو چاہو کھڑے کھڑے بلکہ اگر چاہیں لیٹے لیٹے - ایک طرف خوش خرام خوش دل خوبصورت باادب سلیقہ شعار فرمانبردار خادم قسم قسم کے کھانے چاندی کی کشتیوں میں لگائے لئے کھڑے ہیں دوسری جانب شراب طہور سے چھلکتے ہوئے بلورین جام لئے ساقیان مہ وش اشارے کے منتظر ہیں' یہ گلاس صفائی میں شیشے جیسے اور سفیدی میں چاندی جیسے ہوں گے دراصل ہوں گے چاندی کے لیکن شیشے کی طرح شفاف ہوں گے کہ اندر کی چیز باہر سے نظر آئے' جنت کی تمام چیزوں کی یونہی سی برائے نام مشابہت دنیا کی چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن ان چاندی کے بلورین گلاسوں کی کوئی نظیر نہیں ملتی' ہاں یہ یاد رہے کہ پہلے کے لفظ قَوَارِیْرَ پر زبر تو اس لئے ہے کہ وہ کان کی خبر ہے اور دوسرے پر زبر یا تو بدلیت کی بنا پر ہے یا تمیز کی بنا پر - پھر یہ جام اپنے تلے ہوئے ہیں ساقی کے ہاتھ میں بھی زیب دیں اور ان کی ہتھیلیوں پر بھلے معلوم ہوں اور پینے والوں کی حسب خواہش شراب طہور اس میں سما جائے جو نہ بچے نہ گھٹے - ان نایاب گلاسوں میں جو پاک خوش ذائقہ اور سرور والی بے نشے کی شراب انہیں ملے گی وہ جنت کی نہر سَلْسَبِیْل کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی' اوپر گذر چکا ہے کہ نہر کافور کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی تو مطلب یہ ہے کبھی اس ٹھنڈک والے سرد مزاج پانی سے کبھی اس نفیس گرم مزاج پانی سے تاکہ اعتدال قائم رہے' یہ ابرار لوگوں کا ذکر ہے اور خاص مقربین خالص اس نہر کا شربت پئیں گے -

قَوَارِيْرَاْ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿١٨﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿١٩﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿٢٠﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿٢١﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿٢٢﴾ ع

شیشے بھی چاندی کے جن کو ساقی نے اندازے سے ناپ رکھا ہے ○ اور انہیں وہاں جام پلائے جائیں گے جن کی ملونی زنجبیلکی ہوگی ○ جو جنت کی ایک نہر ہے جس کا نام سلسبیل ہے ○ اور ان کے اردگرد گھومتے پھرتے ہیں وہ کم سن بچے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں' جب تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ وہ بکھرے ہوئے سچے موتی ہیں ○ تو وہاں یہاں کہیں بھی نظر ڈال سراسر نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی دیکھے گا ○ ان کے جسموں پر سبز مہین اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے' اور انہیں چاندی کے کنگن کا زیور پہنایا جائے گا' اور انہیں ان کا رب پاک صاف شراب پلائے گا ○ یہ ہے تمہارے اعمال کا بدلہ اور تمہاری کوششوں کی قدردانی ○

(آیت: ۱۷-۲۲) سلسبیل بقول عکرمہؓ جنت کے ایک چشمے کا نام ہے کیونکہ وہ تیزی کے ساتھ مسلسل روانگی سے لہریا چال بہ رہا ہے اس کا پانی بڑا ہلکا نہایت شیریں خوش ذائقہ اور خوش بو ہے جو آسانی سے پیا جائے اور سہتا پچتا رہے۔ ان نعمتوں کے ساتھ ہی خوبصورت حسین نوخیز کم عمر لڑکے ان کی خدمت کے لئے کمربستہ ہوں گے' یہ غلمان جنتی جس سن و سال میں ہوں گے اسی میں رہیں گے یہ نہیں کہ سن بڑھ کر صورت بگڑ جائے' یہ نفیس پوشاکیں اور بیش قیمت جڑاؤ زیور پہنے بہ تعداد کثیر ادھر ادھر مختلف کاموں پر جٹے ہوئے ہوں گے جنہیں دوڑے بھاگے مستعدی اور چالاکی سے انجام دے رہے ہوں گے ایسا معلوم ہوگا گویا سفید آب دار موتی ادھر ادھر جنت میں بکھرے پڑے ہیں۔ حقیقت میں اس سے زیادہ سچی تشبیہ ان کے لئے کوئی اور نہ تھی کہ یہ صاحب جمال خوش خصال بوٹے سے قد والے سفید نورانی چہروں والے پاک صاف سجی ہوئی پوشاکیں پہنے زیور میں لدے اپنے مالک کی فرمانبرداری میں دوڑتے بھاگتے ادھر ادھر پھرتے ایسے بھلے معلوم ہوں گے جیسے سجائے پرتکلف فرش پر سفید چمکیلے سچے موتی ادھر ادھر لڑھک رہے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر ہر جنتی کے ایک ہزار خادم ہوں گے جو مختلف کام کاج میں لگ رہے ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے اے نبیؐ تم جنت کی جس جگہ نظر ڈالو تمہیں نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی سلطنت نظر آئے گی' تم دیکھو گے کہ راحت و سرور نعمت و نور سے چپہ چپہ معمور ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے آخر میں جو جہنم میں سے نکالا جائے گا اور جنت میں بھیجا جائے گا اس سے جناب باری تبارک وتعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھے جنت میں وہ دیا جو مثل دنیا کے ہے بلکہ اس سے بھی دس حصے زیادہ دیا' اور حضرت ابن عمر کی روایت سے وہ حدیث بھی پہلے گذر چکی ہے جس میں ہے کہ ادنیٰ جنتی کی ملکیت و ملک دو ہزار سال تک ہوگا ہر قریب و بعید کی چیز پر اس کی بہ یک نظر یکساں نگاہیں ہوں گی' یہ حال تو ہے ادنیٰ جنتی کا پھر سمجھ لو کہ اعلیٰ جنتی کا درجہ کیا ہوگا؟ اور اس کی نعمتیں کیسی ہوں گی (اے خدا اے بغیر ہماری دعا اور عمل کے ہمیں شیر مادر کے چشمے عنایت کرنے والے ہم بہ عاجزی والحاح تیری پاک جناب میں عرض گذار ہیں کہ تو ہماری للچائی ہوئی طبیعت کے ارمانوں کو پورا کر اور ہمیں بھی جنت الفردوس نصیب فرما۔ گو ایسے اعمال نہ ہوں لیکن ایمان ہے کہ تیری رحمت اعمال پر ہی موقوف نہیں آمین۔ مترجم)

طبرانی کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں وارد ہے کہ ایک حبشی دربار رسالت میں حاضر ہوا آپؐ نے اسے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو جس بات کو سمجھ ہو پوچھ لو' اس نے کہا یا رسول اللہ صورت شکل میں رنگ روپ میں نبوۃ و رسالت میں آپ کو ہم پر فضیلت دی گئی ہے اب یہ تو فرمایئے کہ اگر میں بھی ان چیزوں پر ایمان لاؤں جن پر آپ ایمان لائے ہیں اور جن پر آپ عمل کرتے ہیں اگر میں بھی اسی پر عمل کروں تو کیا جنت میں آپ کے ساتھ ہو سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سیاہ رنگ لوگوں کو جنت میں وہ سفید رنگ دیا جائے گا کہ ایک ہزار سال کے فاصلے سے دکھائی دے گا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے اس کے لئے خدا کے پاس عہد مقرر ہو جاتا ہے اور جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہے اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں تو ایک شخص نے کہا پھر یا رسول اللہ ہم کیسے ہلاک ہو جائیں گے؟ آپ نے فرمایا سنو ایک شخص اتنی نیکیاں لائے گا کہ اگر کسی بڑے پہاڑ پر رکھی جائیں تو اس پر بوجھل پڑیں لیکن پھر جو خدا کی نعمتیں اس کے مقابل آئیں گی تو قریب ہوگا کہ سب فنا ہو جائیں مگر یہ اور بات ہے کہ رحمت رب توجہ فرمائے' اس وقت یہ سورت مُلْكًا كَبِيْرًا تک اتری تو اسی حبشی نے کہا کہ اے حضورؐ جو کچھ آپ کی آنکھیں جنت میں دیکھیں گی کیا میری آنکھیں بھی دیکھیں گی؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں' بس وہ رونے لگا یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اسے دفن کیا رضی اللہ عنہ۔ پھر اہل جنت کے لباس کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ سبز ہرے رنگ کا مہین اور چمکدار ریشم ہوگا' سندس اعلیٰ درجہ کا خالص نرم ریشم جو بدن سے لگا ہوا ہوگا اور استبرق عمدہ بیش بہا گراں قدر ریشم جس میں چمک دمک ہوگی جو اوپر پہنایا جائے گا ساتھ ہی چاندی کے کنگن ہاتھوں میں ہوں گے یہ لباس ابرار کا ہے۔ اور مقربین خاص کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَّلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ انہیں سونے کے کنگن ہیرے جڑے پہنائے جائیں گے اور خالص نرم صاف ریشمی لباس ہوگا۔ ان ظاہری جسمانی استعمالی نعمتوں کے ساتھ ہی انہیں پر کیف بالذت سرور والی پاک اور پاک کرنے والی شراب پلائے جائے گی جو تمام ظاہری باطنی برائی دور کر دے' حسد' کینہ بدخلقی' غصہ وغیرہ سب دور کر دے۔ جیسے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اہل جنت جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو انہیں دو نہریں نظر آئیں گی اور انہیں از خود خیال پیدا ہوگا ایک کا وہ پانی پئیں گے تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا سب دور ہو جائے گا دوسری میں غسل کریں گے جس سے چہرے تروتازہ ہشاش بشاش ہو جائیں گے' ظاہری اور باطنی خوبی دونوں انہیں بدرجہ کمال حاصل ہوں گی جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے۔ پھر ان سے ان کے دل خوش کرنے اور ان کی خوشی دوبالا کرنے کو بار بار کہا جائے گا کہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ اور تمہاری بھلی کوشش کی قدردانی ہے' جیسے اور جگہ ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ دنیا میں جو اعمال تم نے کئے ان کی نیک جزا میں آج تم خوب سہتا پچتا بہ آرام و اطمینان کھاتے پیتے رہو اور فرمان ہے وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی منادی کئے جائیں گے کہ ان جنتوں کا وارث تمہیں تمہاری نیک کرداریوں کی بنا پر بنایا گیا ہے' یہاں بھی فرمایا ہے تمہاری سعی مشکور ہے تھوڑے عمل پر بہت اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے کرے آمین۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِیْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۳۰﴾ یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۳۱﴾

تحقیق ہم نے تجھ پر بتدریج قرآن نازل کیا ○ پس تو اپنے رب کے حکم پر قائم رہ اور ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کا کہنا نہ مان ○ اور اپنے رب کے نام کا صبح شام ذکر کیا کر ○ اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کر اور بہت رات تک اس کی تسبیح کیا کر ○ بیشک یہ لوگ دنیا کو چاہتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑے دیتے ہیں ○ ہم نے انہیں پیدا کیا اور ہمیں نے ان کے بندھن مضبوط کئے اور ہم جب چاہیں ان کے عوض ان جیسے اوروں کو بدل لائیں ○

یقیناً یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی راہ لے لے O اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ چاہے بیشک اللہ تعالیٰ دانا اور با حکمت ہے O جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے اور دردناک عذاب کی تیاری تو صرف گنہگاروں کے لئے ہے O

اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کا باہم عہد و معاملات : ☆☆ (آیت: ۲۳-۳۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر اپنا خاص کرم جو کیا ہے اسے یاد دلاتا ہے کہ ہم نے تجھ پر بہ تدریج تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قران کریم نازل فرمایا اب اس اکرام کے مقابلہ میں تمہیں بھی چاہئے کہ میری راہ میں صبر سہار سے کام لو میری قضا و قدر پر صابر شاکر رہو' دیکھو تو سہی کہ میں اپنی حسن تدبیر سے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچاتا ہوں- ان کافروں منافقوں کی باتوں میں نہ آنا گو یہ تبلیغ سے روکیں لیکن تم نہ رکنا' بلا رو و رعایت بغیر مایوسی اور تکان کے ہروقت وعظ نصیحت ارشاد و تلقین سے غرض رکھو میری ذات پر بھروسہ رکھو میں تمہیں لوگوں کی ایذا سے بچاؤں گا' تمہاری عصمت کا ذمہ دار میں ہوں- فاجر کہتے ہیں بداعمال عاصی کو اور کفور کہتے ہیں دل کے منکر کو دن کے اول آخر کے حصے میں رب کا نام جپا کرو' راتوں کو تہجد کی نماز پڑھو اور دیر تک خدا کی تسبیح کرو جیسے اور جگہ فرمایا وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ رات کو تہجد پڑھو عنقریب تمہیں تمہارا رب مقام محمود میں پہنچائے گا- سورۂ مزمل کے شروع میں فرمایا اے لحاف اوڑھنے والے رات کا قیام کیا کر مگر تھوڑی رات آدھی یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ترتیل سے پڑھ- پھر کفار کو روکتا ہے کہ حب دنیا میں پھنس کر آخرت کو ترک نہ کرو' وہ بڑا بھاری دن ہے' اس فانی دنیا کے پیچھے پڑ کر اس خوفناک دن کی دشواریوں سے غافل ہو جانا عقلمندی کا کام نہیں-

پھر فرماتا ہے سب کے خالق ہم ہیں اور سب کی مضبوط پیدائش اور قوی قویٰ ہم نے ہی بنائے ہیں اور ہم بالکل ہی قادر ہیں کہ قیامت کے دن انہیں بدل کر نئی پیدائش میں پیدا کر دیں' یہاں ابتداء آفرینش کو اعادہ کی دلیل بنایا ہے- اور اس آیت کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر ہم چاہیں اور جب چاہیں ہمیں قدرت حاصل ہے کہ انہیں فنا کر دیں مٹا دیں اور ان جیسے دوسرے انسانوں کو ان کے قائم مقام کر دیں- جیسے اور جگہ ہے اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ اَیُّھَا النَّاسُ اگر خدا چاہے تو اے لوگو تم سب کو برباد کر دے اور دوسرے لائے اللہ تعالیٰ اس پر ہر آن قادر ہے' اور جگہ فرمایا اگر چاہے تمہیں فنا کر دے اور نئی مخلوق لائے خدا پر یہ گراں نہیں-

پھر فرماتا ہے یہ سورت سراسر عبرت و نصیحت ہے جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کر کے خدا سے ملنے کی راہ پر چلنے لگ جائے' جیسے اور جگہ فرمان ہے وَمَاذَا عَلَیْھِمْ ان پر کیا بوجھ پڑ جاتا اگر یہ خدا کو' قیامت کو مان لیتے - پھر فرمایا بات یہ ہے کہ جب تک خدا نہ چاہے تمہیں ہدایت کی چاہت ہی نہ ہو گی' اللہ علیم و حکیم ہے مستحقین ہدایت کو وہ ہدایت کی راہیں آسان کر دیتا ہے اور ہدایت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور جو اپنے تئیں مستحق ضلالت بنا لیتا ہے اسے وہ ہدایت سے ہٹا دیتا ہے' ہر کام میں اس کی حکمت بالغہ اور حجت نامہ ہے- جسے چاہے اپنی رحمت تلے لے لے اور راہ راست پر کھڑا کر دے اور جسے چاہے بے راہ چلنے دے اور راہ راست نہ سمجھائے' اس کی ہدایت نہ تو کوئی کھو سکے نہ اس کی گمراہی کو کوئی راستی سے بدل سکے' اس کے عذاب ظالموں اور ناانصافیوں سے ہی مخصوص ہیں-

الحمد للہ سورۂ انسان کی تفسیر بھی ختم ہوئی' اللہ کا شکر ہے-

تفسیر سورۃ والمرسلات

(تفسیر سورۂ والمرسلات) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ کے غار میں تھے جب یہ سورت اتری حضورؐ اس کی تلاوت کر رہے تھے اور میں آپ سے سن کر یاد کر رہا تھا کہ ناگہاں ایک سانپ ہم پر کودا' حضورؐ نے فرمایا اسے مارو ہم گو جھپٹے لیکن وہ نکل گیا تو آپ نے فرمایا تمہاری سزا سے وہ بچ گیا جیسے تم اس کی برائی سے محفوظ رہے (بخاری مسلم) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ صاحبہ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو مغرب کی نماز میں اس سورت کی

قرات کرتے ہوئے سنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سورت کو پڑھتے ہوئے سن کر مائی صاحبہ نے فرمایا پیارے بچے آج تو تم نے یاد دلا دیا میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس سورت کو مغرب کی نماز میں پڑھتے ہوئے آخری مرتبہ سنا ہے (بخاری و مسلم و مسند احمد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۵﴾

معافی دینے والے رحم کرنے والے اللہ کے نام سے شروع

دل خوش کن ہلکی ہواؤں کی قسم ○ پھر زور سے جھونکا دینے والیوں کی قسم ○ پھر ابر کو ابھار کر پراگندہ کرنے والیوں کی قسم ○ پھر حق و باطل کو جدا جدا کر دینے والے ○ اور وحی لانے والے فرشتوں کی قسم ○ جو الزام اتارتے یا آگاہ کر دینے کو ہوتی ہے ○ کہ تم جس چیز کا وعدہ دیئے جاتے ہو وہ یقیناً ہونے والی ہے ○ پس جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں ○ اور جب آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے ○ اور جب پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اڑائے جائیں ○ اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر لایا جائے گا ○ اس دن کے لئے (انہیں) ٹھہرایا گیا ہے؟ ○ فیصلے کے دن کے لئے اور تجھے کیا معلوم؟ ○ فیصلے کا دن کیا ہے؟ ○ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے ○

فرشتوں اور ہواؤں کی اقسام: ☆☆ (آیت: ۱-۱۵) بعض بزرگ صحابہ تابعین وغیرہ سے تو مروی ہے کہ مذکورہ بالا قسمیں ان اوصاف والے فرشتوں کی کھائی ہیں بعض کہتے ہیں پہلے کی چار قسمیں تو ہواؤں کی ہیں اور پانچویں قسم فرشتوں کی ہے' بعض نے توقف کیا ہے کہ وَالْمُرْسَلَات سے مراد یا تو فرشتے ہیں یا ہوائیں ہیں ہاں وَالْعَاصِفَاتِ میں کہا ہے کہ اس سے مراد تو ہوائیں ہی ہیں' بعض عاصفات میں یہ فرماتے ہیں اور ناشرات میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے' یہ بھی مروی ہے کہ ناشرات سے مراد بارش ہے بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرسلات سے مراد ہوائیں ہے۔ جیسے اور جگہ فرمان باری ہے وَاَرْسَلْنَا الرِّیَاحَ لَوَاقِحَ یعنی ہم نے ہوائیں چلائیں جو ابر کو بوجھل کرنے والیاں ہیں' اور جگہ ہے یُرْسِلُ الرِّیَاحَ بُشْرًا اپنی رحمت سے پیشتر اس کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں وہ چلاتا ہے۔ عاصفات سے بھی مراد ہوائیں ہیں وہ نرم ہلکی اور بھینی بھینی ہوائیں تھیں یہ ذرا تیز جھونکوں والی اور آواز والی ہوائیں ہیں نَاشِرَات سے مراد بھی ہوائیں ہیں جو بادلوں کو آسمان میں ہر چار سو پھیلا دیتی ہیں اور جدھر خدا کا حکم ہوتا ہے انہیں لے جاتی ہیں فَارِقَات اور مُلْقِیٰت سے مراد البتہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسولوں پر وحی لے کر آتے ہیں جس سے حق و باطل حلال و حرام میں ضلالت و ہدایت میں امتیاز اور فرق ہو جاتا ہے تاکہ لوگوں کے عذر ختم ہو جائیں اور منکرین کو تنبیہ ہو جائے۔

ان قسموں کے بعد فرمان ہے کہ جس قیامت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے جس دن تم سب کے سب اول آخر والے اپنی اپنی قبروں سے

دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور اپنے کرتوت کا پھل پاؤ گے نیکی کی جزا اور بدی کی سزا' صور پھونک دیا جائے گا اور ایک چٹیل میدان میں تم سب جمع کر دیئے جاؤ گے یہ وعدہ یقیناً حق ہے اور ہو کر رہنے والا اور لازمی طور پر آنے والا ہے' اس دن ستاروں کا نور اور ان کی چمک دمک ماند پڑ جائے گی۔ جیسے فرمایا وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ اور فرمایا وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے یہاں تک کہ نام نشان بھی باقی نہ رہے گا' جیسے اور جگہ ہے وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ اور فرمایا وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ یعنی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے اور اس دن وہ چلنے لگیں گے بالکل نام و نشان مٹ جائے گا اور زمین ہموار بغیر اونچ نیچ کی رہ جائے گی اور رسولوں کو جمع کیا جائے گا اس وقت مقررہ پر انہیں لایا جائے گا۔ جیسے اور جگہ ہے يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ اس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کرے گا اور ان سے شہادتیں لے گا۔ جیسے اور جگہ ہے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی' نامہ اعمال دے دیئے جائیں گے' نبیوں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا اور حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کئے جائیں گے اور کسی پر ظلم نہ ہو گا۔ پھر فرماتا ہے کہ ان رسولوں کو ٹھہرایا گیا تھا اس لئے کہ قیامت کے دن فیصلے ہوں گے' جیسے فرمایا فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ الخ یہ خیال نہ کر کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ بڑے غلبہ والا اور انتقام والا ہے جس دن یہ زمین بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب کے سب اللہ وحدہ قہار کے سامنے پیش ہو جائیں گے اسی کو یہاں فیصلے کا دن کہا گیا پھر اس دن کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا میرے معلوم کرائے بغیر اے نبی تم بھی اس دن کی حقیقت سے باخبر نہیں ہو سکتے' اس دن ان جھٹلانے والوں کی سخت خرابی ہے۔ ایک غیر صحیح حدیث میں یہ بھی گذر چکا ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾

کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا؟ ○ پھر ہم ان کے بعد پچھلوں کو لائے ○ ہم گنہگاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں ○ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ویل ہے ○ کیا ہم نے تمہیں ذلیل پانی سے پیدا نہیں کیا؟ ○ پھر ہم نے اسے مضبوط و محفوظ جگہ میں رکھا ○ ایک مقررہ وقت تک ○ پھر ہم نے اندازہ کیا اور ہم کتنا اچھا اندازہ کرنے والے ہیں ○ اس دن تکذیب کرنے والوں کی خرابی ہے ○ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنائی؟ ○ زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی ○ اور ہم نے اس میں بلند و بھاری پہاڑ بنا دیئے اور تمہیں سیراب کرنے والا میٹھا پانی پلایا ○ اس روز جھوٹ جاننے والو پروائے اور افسوس ہے ○

حسرت وافسوس کا وقت آنے سے پہلے: ☆☆ (آیت: ۱۶-۲۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم سے پہلے بھی جن لوگوں نے میرے رسولوں کی رسالت کو جھٹلایا میں نے انہیں تہس نہس کر دیا پھر ان کے بعد اور آئے انہوں نے بھی ایسا ہی کیا اور ہم نے بھی انہیں اسی طرح غارت کر دیا' ہم مجرموں کی غفلت کا یہی بدلہ دیتے چلے آئے ہیں۔ اس دن ان جھٹلانے والوں کی درگت ہو گی' پھر اپنی مخلوق کو اپنا احسان یاد دلاتا ہے

اور منکرین قیامت کے سامنے دلیل پیش کرتا ہے کہ ہم نے اسے حقیر اور ذلیل قطرے سے پیدا کیا جو خالق کائنات کی قدرت کے سامنے ناچیز محض تھا' جیسے سورۂ یٰس کی تفسیر میں گذر چکا کہ اے ابن آدم بھلا تو مجھے کیا عاجز کر سکے گا میں نے تو تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے پھر اس قطرے کو ہم نے رحم میں جمع کیا جو اس پانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے اسے بڑھاتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے مدت مقررہ تک وہیں رہا یعنی چھ مہینے یا نو مہینے' ہمارے اس اندازے کو دیکھو کہ کس قدر صحیح اور بہترین ہے پھر بھی اگر تم اس آنے والے دن کو نہ مانو تو یقین جانو کہ تمہیں قیامت کے دن بڑی حسرت اور سخت افسوس ہوگا۔ پھر فرمایا کیا ہم نے زمین کو یہ خدمت سپرد نہیں کی؟ کہ وہ تمہیں زندگی میں بھی اپنی پیٹھ پر چلاتی رہے اور موت کے بعد بھی تمہیں اپنے پیٹ میں چھپا رکھے' پھر زمین کے نہ ہلنے جلنے کے لئے ہم نے مضبوط وزنی بلند پہاڑ اس میں گاڑ دیئے اور بادلوں سے برستا ہوا اور چشموں سے رستا ہوا ہلکا زود ہضم خوش گوار پانی ہم نے تمہیں پلایا' ان نعمتوں کے باوجود بھی اگر تم میری باتوں کو جھٹلاتے ہی رہے تو یاد رکھو وہ وقت آ رہا ہے جب حسرت و افسوس کرو اور کچھ کام نہ آئے۔

اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۹﴾ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِىۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيۡلٍ وَّلَا يُغۡنِىۡ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرۡمِىۡ بِشَرَرٍ كَالۡقَصۡرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ ﴿۳۳﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوۡمُ لَا يَنۡطِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤۡذَنُ لَهُمۡ فَيَعۡتَذِرُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ‌ۚ جَمَعۡنٰكُمۡ وَالۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ كَيۡدٌ فَكِيۡدُوۡنِ ﴿۳۹﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۰﴾ ع

اس دوزخ کی طرف جاؤ جسے تم جھٹلاتے رہے تھے ○ چلو تین شاخوں والے سائے کی طرف ○ جو در اصل نہ سایہ دینے والا ہے اور نہ شعلے سے بچا سکتا ہے ○ یقیناً دوزخ چنگاریاں پھینکتی ہے جو مثل قلعہ کے ہیں ○ گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں ○ آج ان جھوٹ جاننے والوں کو درگت ہے ○ آج کا دن وہ دن ہے کہ یہ بول بھی نہ سکیں گے ○ نہ انہیں عذر معذرت کی اجازت دی جائے گی ○ آج جھوٹا جاننے والوں کو خرابی ہے ○ یہ ہے فیصلے کا دن ہم نے تمہیں اور اگلوں کو سب کو جمع کر لیا ہے ○ پس اگر تم مجھ سے کوئی چال چل سکتے ہو تو چل لو ○ وائے ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ○

جہنم کے شعلے سیاہ اونٹوں اور دہکتے تانبے کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۲۹-۴۰) جو کفار قیامت کے دن کو اور جزا سزا کو جنت دوزخ کو جھٹلاتے تھے ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ لو جسے سچا نہ مانتے تھے وہ سزا اور وہ دوزخ یہ موجود ہے' اس میں جاؤ' اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اونچے ہو ہو کر ان میں تین پھانکیں کھل جاتی ہیں تین حصے ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی دھواں بھی اوپر کو چڑھتا ہے جس سے نیچے کی طرف چھاؤں پڑتی ہے اور سایہ معلوم ہوتا ہے لیکن فی الواقع نہ تو وہ سایہ ہے نہ آگ کی حرارت کو کم کرتا ہے۔ یہ جہنم اتنی تیز تند سخت اور بہ کثرت آگ والی ہے کہ اس کی چنگاریاں جو اڑتی ہیں وہ بھی مثل قلعہ کے اور تناور درخت کے مضبوط لمبے چوڑے تنے کے ہیں دیکھنے والے کو یہ جچتا ہے کہ گویا وہ سیاہ رنگ اونٹ ہیں یا کشتیوں کے رسے ہیں یا تانبے کے ٹکڑے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم جاڑے کے موسم میں تین تین ہاتھ کی یا کچھ زیادہ لمبی لکڑیاں لے کر انہیں بلند کر لیتے اسے ہم قصر کہا کرتے تھے۔ کشتی کی رسیاں جب اکٹھی ہو جاتی ہیں تو خاصی اونچی قد آدم کے برابر ہو جاتی ہیں اسی کو یہاں مراد لیا گیا ہے۔ ان جھٹلانے والوں پر حسرت و افسوس

ہے آج نہ یہ بول سکیں گے اور نہ انہیں عذر ومعذرت کرنے کی اجازت ملے گی کیونکہ ان پر حجت قائم ہو چکی اور ظالموں پر خدا کی بات ثابت ہو گئی اب انہیں بولنے کی اجازت نہیں' یہ یاد رہے کہ قرآن کریم میں ان کا بولنا مکرنا چھپانا عذر کرنا بھی بیان ہوا ہے تو مطلب یہ ہے کہ حجت قائم ہونے سے پہلے عذر معذرت وغیرہ پیش کریں گے جب سب توڑ دیا جائے گا اور دلیلیں پیش ہو جائیں گی تو اب بول چال عذر معذرت ختم ہو جائے گی غرض میدان حشر کے مختلف مواقع اور لوگوں کی مختلف حالتیں ہیں' کسی وقت یہ کسی وقت وہ' اسی لئے یہاں ہر کلام کے خاتمہ پر جھٹلانے والوں کی خرابی کی خبر دے دی جاتی ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ فیصلے کا دن ہے اگلے پچھلے سب یہاں جمع ہیں اگر تم کسی چالاکی اور مکاری سے ہوشیاری اور فریب دہی سے میرے قبضے سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ پوری کوشش کر لو۔ خیال فرمایئے کہ کس قدر دل ہلا دینے والا فقرہ ہے' پروردگار عالم خود قیامت کے دن ان منکروں سے فرمائے گا کہ اب خاموش کیوں ہو؟ وہ چلت پھرت چالاکی اور بے باکی کیا ہوئی؟ دیکھو میں نے تم سب کو ایک میدان میں حسب وعدہ جمع کر دیا آج اگر کسی حکمت سے مجھ سے چھوٹ سکتے ہو تو کمی نہ کرو۔ جیسے اور جگہ ہے یَا مَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ یعنی اے جن وانس کے گروہ اگر تم آسمان وزمین کے کناروں سے باہر چلے جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ مگر اتنا سمجھ لو کہ بغیر قوت کے تم باہر نہیں جا سکتے اور وہ تم میں نہیں۔

اور جگہ ہے وَلَا تَضُرُّوۡنَهٗ شَیۡئًا یعنی تم خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو نہ تو تمہیں مجھے نفع پہنچانے کا اختیار ہے نہ نقصان پہنچانے کا نہ تم مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہو نہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو۔ حضرت ابو عبداللہ جدلیؒ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس گیا دیکھا کہ وہاں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں میں بھی بیٹھ گیا تو میں نے سنا کہ حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک چٹیل صاف میدان میں جمع کرے گا' آواز دینے والا آواز دے کر سب کو ہوشیار کر دے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج کا دن فیصلوں کا دن ہے' تم سب اگلے پچھلوں کو میں نے جمع کر دیا ہے اب میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ کوئی دغا فریب مکر حیلہ کر سکتے ہو تو کر لو' سنو متکبر سرکش منکر اور جھٹلانے والا آج میری پکڑ سے بچ نہیں سکتا اور نہ کوئی نافرمان شیطان میرے عذابوں سے نجات پا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لو ایک حدیث میں بھی سنا دوں اس دن جہنم اپنی گردن دراز کر کے لوگوں کے بیچوں بیچ پہنچا کر بہ آواز بلند کہے گی اے لوگو تین قسم کے لوگوں کو ابھی ہی پکڑ لینے کا مجھے حکم مل چکا ہے میں انہیں خوب پہچانتی ہوں کوئی باپ اپنی اولاد کو اور کوئی بھائی اپنے بھائی کو اتنا نہ جانتا ہو گا جتنا میں انہیں پہچانتی ہوں' آج نہ تو وہ مجھ سے کہیں چھپ سکتے ہیں نہ کوئی انہیں چھپا سکتا ہے۔ ایک تو وہ جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک کیا ہو دوسرے وہ جو منکر اور متکبر ہو اور تیسرے وہ جو نافرمان شیطان ہو پھر وہ مڑ مڑ کر چن چن کر ان اوصاف کے لوگوں کو میدان حشر میں چھانٹ لے گی اور ایک ایک کو پکڑ کر نکل جائے گی اور حساب سے چالیس سال پہلے ہی یہ جہنم واصل ہو جائیں گے۔ (اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے)۔

اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ ظِلٰلٍ وَّعُیُوۡنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاکِهَ مِمَّا یَشۡتَهُوۡنَ ﴿۴۲﴾ کُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِیۡٓـًٔا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا کَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۴۴﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۵﴾ کُلُوۡا وَتَمَتَّعُوۡا قَلِیۡلًا اِنَّکُمۡ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمُ ارۡکَعُوۡا لَا یَرۡکَعُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ

لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع۱۰

بے شک پرہیز گار لوگ سایوں میں ہیں اور بہتے چشموں میں ○ اور ان میووں میں جن کی وہ خواہش کریں ○ کھاؤ پیو سہتا پچتا اپنے کیئے ہوئے اعمال کے بدلے ○ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ○ اس دن سچا نہ جاننے والوں کے لئے ویل ہے ○ (اے جھٹلانے والو تم دنیا میں) تھوڑا سا کھالو برت لو بیشک تم گنہگار ہو ○ قیامت کے دن جھٹلانے والوں کے لئے سخت ہلاکت ہے ○ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ رکوع کر لو تو نہیں کرتے ○ اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے ○ اب اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے ○

دنیا اور آخرت کے فائدوں کا موازنہ: ☆☆ (آیت: ۴۱-۵۰) اوپر چونکہ بدکاروں کی سزاؤں کا بیان ہوا تھا یہاں نیک کاروں کی جزا کا بیان ہو رہا ہے کہ جو لوگ متقی پرہیز گار تھے خدا کے عبادت گزار تھے فرائض اور واجبات کے پابند تھے۔ خدا کی نافرمانیوں سے حرام کاریوں سے بچتے تھے وہ قیامت کے دن جنتوں میں ہوں گے جہاں قسم قسم کی نہریں چل رہی ہیں۔ گنہگار سیاہ بدبودار دھوئیں میں گھرے ہوئے ہوں گے۔ اور یہ نیک کردار جنتوں کے گھنے ٹھنڈے اور پر کیف سایوں میں بہ آرام تمام لیٹے بیٹھے ہوں گے۔ سامنے صاف شفاف چشمے اپنی پوری پوری روانی سے جاری ہیں۔ قسم قسم کے پھل میوے اور ترکاریاں موجود ہیں جسے جب جی چاہے کھائیں نہ روک ٹوک ہے نہ کمی اور نقصان کا اندیشہ ہے نہ فنا ہونے اور ختم ہونے کا خطرہ ہے پھر حوصلہ بڑھانے اور دل میں خوشی کو دوبالا کرنے کے لئے خدائے تعالیٰ کی طرف سے بار بار فرمایا جاتا ہے کہ اے میرے پیارے بندو تم یہ خوشی اور بافراغت سہتا پچتا خوب کھاؤ پیو ہم ہر نیک کار پرہیز گار مخلص انسان کو اسی طرح بھلا بدلہ اور نیک جزا دیتے ہیں۔ ہاں جھٹلانے والوں کی تو آج بڑی خرابی ہے''۔ ان جھٹلانے والوں کو دھمکایا جاتا ہے کہ اچھا دنیا میں تو تم کچھ کھا پی لو برت لو فائدے اٹھالو عنقریب یہ نعمتیں بھی فنا ہو جائیں گی اور تم بھی موت کے گھاٹ اترو گے۔ پھر تمہارا نتیجہ جہنم ہی ہے جس کا ذکر اوپر گذر چکا۔ تمہاری بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں کی سزا ہمارے پاس تیار ہے' کوئی مجرم ہماری نگاہ سے باہر نہیں' قیامت کو' ہمارے نبی کو' ہماری وحی کو نہ ماننے والا' اسے جھوٹا جاننے والا قیامت کے دن سخت نقصان میں اور پورے خسارے میں ہوگا۔ اس کی سخت خرابی ہوگی۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ دنیا میں ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچا دیں گے پھر تو ہم انہیں سخت عذاب کی طرف بے بس کر دیں گے اور جگہ فرمان ہے قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ یعنی خدائے تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ دنیا میں یونہی سا فائدہ اٹھالیں پھر ان کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے ہم انہیں ان کے کفر کی سزا میں سخت تر عذاب چکھائیں گے۔

پھر فرمایا کہ ان نادان منکروں کو جب کہا جاتا ہے کہ آؤ خدا کے سامنے جھک تو لو جماعت کے ساتھ نماز تو ادا کر لو تو ان سے یہ بھی نہیں ہو سکتا اس سے بھی جی چراتے ہیں بلکہ اسے حقارت سے دیکھتے ہیں اور تکبر کے ساتھ انکار کر دیتے ہیں۔ ان کے لئے جو جھٹلانے میں عمریں گذار دیتے ہیں قیامت کے دن بڑی مصیبت ہوگی۔ پھر فرمایا جب یہ لوگ اس پاک کلام مجید پر بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر کس کلام کو مانیں گے؟ جیسے اور جگہ ہے فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ یعنی اللہ تعالیٰ پر اور اس کی آیتوں پر جب یہ ایمان نہ لائے تو اب کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے اسے اس کے جواب میں اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِمَا أُنْزِلَ کہنا چاہیے۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا۔ یہ حدیث سورۂ قیامہ کی تفسیر میں بھی گذر چکی ہے سورۂ والمرسلات کی تفسیر ختم ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ انتیسویں پارے کی تفسیر بھی پوری ہوئی۔ یہ محض اسی کا فضل و کرم اور لطف و رحم ہے۔ فالحمد للہ۔

۳۰
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر سورة النبا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ﴿۲﴾ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ﴿۳﴾ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿۴﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿۵﴾ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ﴿۶﴾ وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ﴿۷﴾ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ﴿۸﴾

میں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں

یہ لوگ کس چیز کی پوچھ گچھ کرتے ہیں ○ اس بڑی خبر کی ○ جس میں یہ مختلف ہیں ○ یقیناً یہ ابھی جان لیں گے ○ اور بالیقین انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا ○ کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا ○ اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ ○ اور ہم نے تمہیں جوڑ جوڑ پیدا کیا ○

پہاڑوں کی تنصیب، زمین کی سختی اور نرمی دعوت فکر ہے: ☆☆ (آیت :۱-۸) جو کفار قیامت کے آنے کے منکر تھے اور بطور انکار کے آپس میں سوالات کیا کرتے تھے اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر تعجب کرتے تھے ان کے جواب میں اور قیامت کے قائم ہونے کی خبر میں اور اس کے دلائل میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ یہ لوگ آپس میں کس چیز کے بارے میں سوالات کر رہے ہیں؟

پھر خود فرماتا ہے کہ یہ قیامت کے قائم ہونے کی بابت سوالات کرتے ہیں جو بڑا بھاری دن ہے اور نہایت دل ہلا دینے والا امر ہے، گو حضرت مجاہدؒ سے یہ مروی ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے لیکن بہ ظاہر ٹھیک بات یہی ہے کہ اس سے مراد مرنے کے بعد جینا ہے، جیسے کہ حضرت قتادہؒ اور حضرت ابن زیدؒ کا قول ہے، پھر اس الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ (جس میں یہ لوگ آپ میں اختلاف رکھتے ہیں) ان کا اختلاف یہ تھا کہ مومن تو مانتے تھے کہ قیامت ہو گی لیکن کفار اس کے منکر تھے۔ پھر ان منکروں کو خدا تعالیٰ دھمکاتا ہے کہ تمہیں عنقریب اس کا علم حاصل ہو جائے گا اور تم ابھی ابھی معلوم کر لو گے، اس میں سخت ڈانٹ ڈپٹ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی عجیب وغریب نشانیاں بیان فرما رہا ہے جن سے قیامت کے قائم کرنے پر اس کی قدرت کا ہونا صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ جب وہ اس تمام موجودات کو اول مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو فنا کے بعد دوبارہ ان کا پیدا کرنا اس پر کیا مشکل ہو گا؟ تو فرماتا ہے دیکھو کیا ہم نے زمین کو لوگوں کے لئے فرش نہیں بنایا کہ وہ بچھی ہوئی ہے، ٹھہری ہوئی ہے، حرکت نہیں کرتی، تمہاری فرمانبردار ہے اور مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہے اور پہاڑوں کو میخیں بنا کر زمین میں ہم نے گاڑ دیئے ہیں تاکہ نہ وہ ہل سکے نہ اپنے اوپر کی چیزوں کو ہلا سکے، زمین اور پہاڑوں کی پیدائش پر ایک نظر ڈال کر پھر تم اپنے آپ کو دیکھو کہ ہم نے تمہیں جوڑ جوڑ پیدا کیا یعنی مرد وعورت کہ آپس میں ایک دوسرے سے نفع اٹھاتے ہو اور توالد تناسل ہوتا ہے بال بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا الخ، خدا کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے خود تمہیں میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اس نے اپنی مہربانی سے تم میں آپس میں محبت اور رحم ڈال دیا۔

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۹﴾ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا

شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾

اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا سبب بنایا○ اور رات کو ہم نے پردہ بنایا○ اور دن کو ہم نے وقت روزگار بنایا○ اور تمہارے اوپر ہم نے سات مضبوط آسمان بنائے ○ اور ایک روشن چراغ پیدا کیا○ اور برسنے والے بادلوں سے ہم نے بکثرت بہتا ہوا پانی برسایا○ تا کہ اس سے ہم اناج اور سبزہ اگائیں' اور گھنے باغ بھی ○

(آیت:۹-۱۶) پھر فرماتا ہے ہم نے تمہاری نیند کو حرکت کے کٹ جانے کا سبب بنایا تا کہ آرام اور اطمینان حاصل کرلو اور دن بھر کی تکان کسل اور ماندگی دور ہو جائے۔ اسی معنی کی اور آیت سورۂ فرقان میں بھی گذر چکی ہے رات کو ہم نے لباس بنایا کہ اس کا اندھیرا اور سیاہی سب لوگوں پر چھا جاتی ہے' جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا قسم ہے رات کی جبکہ وہ ڈھک لے' عرب شاعر بھی اپنے شعروں میں رات کو لباس کہتے ہیں- حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رات سکون کا باعث بن جاتی ہے اور برخلاف رات کے دن کو ہم نے روشن اجالے والا اور اندھیرے بغیر کا بنایا ہے تا کہ تم اپنا کام دھندا اس میں کرسکو' جا آسکو' بیوپار تجارت لین دین کرسکو اور اپنی روزیاں حاصل کرسکو' ہم نے جہاں تمہیں رہنے سہنے کو زمین بنادی وہاں ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے' جو بڑے لمبے چوڑے مضبوط پختہ عمدہ اور زینت والے ہیں' تم دیکھتے ہو کہ اس میں ہیروں کی طرح چمکتے ہوئے ستارے لگ رہے ہیں بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں اور بعض ایک جگہ قائم ہیں۔

پھر فرمایا ہم نے سورج کو چمکتا چراغ بنایا جو تمام جہان کو روشن کر دیتا ہے ہر چیز کو جگمگا دیتا ہے اور دنیا کو منور کر دیتا ہے اور دیکھو کہ ہم نے پانی کی بھری بدلیوں سے بکثرت پانی برسایا- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہوائیں چلتی ہیں' ادھر سے ادھر بادلوں کو لے جاتی ہیں اور پھر ان بادلوں سے خوب بارش برستی ہے اور زمین کو سیراب کرتی ہے اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے-مُعْصِرَات سے مراد بعضوں نے تو ہوا لی ہے اور بعضوں نے بادل جو ایک ایک قطرہ برابر برساتے رہتے ہیں- مَرْأَةٌ مُعْصِرَةٌ عرب میں اس عورت کو کہتے ہیں جس کے حیض کا زمانہ بالکل قریب آ گیا ہو لیکن اب تک حیض جاری نہ ہوا ہو- حضرت حسنؒ اور قتادہؒ نے فرمایا مُعْصِرَات سے مراد آسمان ہے لیکن یہ قول غریب ہے' سب سے زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ مراد اس سے بادل ہیں' جیسے اور جگہ ہے اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادلوں کو ابھارتی ہیں اور انہیں پروردگار کی منشاء کے مطابق آسمان میں پھیلا دیتی ہیں اور انہیں وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ انکے درمیان سے پانی نکلتا ہے- ثَجَّاجًا کے معنی خوب لگا تار بہنے کے ہیں جو بکثرت بہہ رہا ہو اور خوب برس رہا ہو-ایک حدیث میں ہے افضل حج وہ ہے جس میں لَبَّيْكَ خوب پکاری جائے اور خون بکثرت بہایا جائے یعنی قربانیاں زیادہ کی جائیں' اس حدیث میں بھی لفظ ثَجٌّ ہے' ایک اور حدیث میں ہے کہ استحاضہ کا مسئلہ پوچھنے والی ایک صحابیہ عورت سے حضورؐ نے فرمایا کہ تم روئی کا پھایا رکھ لو' اس نے کہا کہ حضورؐ وہ تو بہت زیادہ ہے میں تو ہر وقت خون بکثرت بہاتی رہتی ہوں' اس روایت میں بھی لفظ اَثُجُّ ثَجًّا ہے یعنی بے روک برابر خون آتا رہتا ہے' تو یہاں اس آیت میں بھی مراد یہی ہے کہ پانی ابر سے بہ کثرت برابر بے روک برستا ہی رہتا ہے واللہ اعلم۔

پھر ہم اس پانی سے جو پاک صاف بابرکت نفع بخش ہے' اناج اور دانے پیدا کرتے ہیں جو انسان حیوان سب کے کھانے میں

آتے ہیں اور سبزیاں اگاتے ہیں جو تر و تازہ کھائی جاتی ہیں اور اناج کھلیان میں رکھا جاتا ہے پھر کھایا جاتا ہے اور باغات اس پانی سے پھلتے پھولتے ہیں اور قسم قسم کے ذائقوں رنگوں خوشبوؤں والے میوے اور پھل پھول ان سے پیدا ہوتے ہیں گو کہ زمین کے ایک ہی ٹکڑے پر وہ ملے جلے ہیں۔ اَلْفَافًا کے معنی جمع کے ہیں اور جگہ ہے وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ زمین میں مختلف ٹکڑے ہیں جو آپس میں ملے جلے ہیں اور انگور کے درخت ہیں کھیتیاں ہیں کھجور کے درخت ہیں بعض شاخ دار بعض بغیر زیادہ شاخوں کے اور وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں اور ہم ایک سے ایک کو میوہ میں زیادہ کرتے ہیں یقیناً عقل مندوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾

بیشک فیصلہ کا دن ہے وقت مقرر کردہ ○ جس دن صور پھونکا جائے گا پھر تم سب جماعت جماعت بن کر آؤ گے ○ اور آسمان کھول دیا جائے گا اور دروازے دروازے ہو جائیں گے ○ اور پہاڑ چلائے جائیں گے پس وہ سفید بادل ہو جائیں گے ○

جماعت در جماعت حاضری: ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۰) یعنی قیامت کا دن ہمارے علم میں مقرر دن ہے نہ وہ آگے ہو نہ پیچھے ٹھیک وقت پر آ جائے گا کب آئے گا اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں جیسے اور جگہ ہے وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ نہیں ڈھیل دیتے ہم انہیں لیکن وقت مقرر کے لئے اس دن صور میں پھونک ماری جائے گی اور لوگ جماعتیں جماعتیں بن کر آئیں گے ہر ہر امت اپنے اپنے نبی کے ساتھ الگ الگ ہو گی؟ جیسے فرمایا يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے اماموں سمیت بلائیں گے۔

صحیح بخاری شریف میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دونوں صور کے درمیان چالیس ہوں گے لوگوں نے پوچھا چالیس دن کہا میں نہیں کہہ سکتا پوچھا چالیس مہینے کہا مجھے خبر نہیں پوچھا چالیس سال کہا میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا اور جس طرح درخت اُگتے ہیں لوگ زمین سے اگیں گے انسان سارا کا سارا گل سڑ جاتا ہے لیکن ایک ہڈی اور وہ کمر کی ریڑھ کی ہڈی ہے اسی سے قیامت کے دن مخلوق مرکب کی جائے گی آسمان کھول دیئے جائیں گے اور اس میں فرشتوں کے اترنے کے راستے اور دروازے بن جائیں گے پہاڑ چلائے جائیں گے اور بالکل ریت کے ذرے بن جائیں گے جیسے اور جگہ ہے وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً یعنی تم پہاڑوں کو دیکھ رہے ہو وہ جان رہے ہو وہ پختہ مضبوط اور جامد ہیں لیکن یہ بادلوں کی طرح چلنے پھرنے لگیں گے اور جگہ ہے وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ پہاڑ مثل دھنی ہوئی اون کے ہو جائیں گے یہاں فرمایا پہاڑ سراب ہو جائیں گے یعنی دیکھنے والا کہتا ہے کہ وہ کچھ ہے حالانکہ دراصل کچھ نہیں آخر میں بالکل برباد ہو جائیں گے نام ونشان تک نہ رہے گا۔

جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا الخ لوگ تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو کہہ انہیں میرا رب پراگندہ کر دے گا اور زمین بالکل ہموار میدان رہ جائے گی جس میں نہ کوئی موڑ ہو گا نہ ٹیلا اور جگہ ہے وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تو دیکھے گا کہ زمین بالکل کھل گئی ہے۔
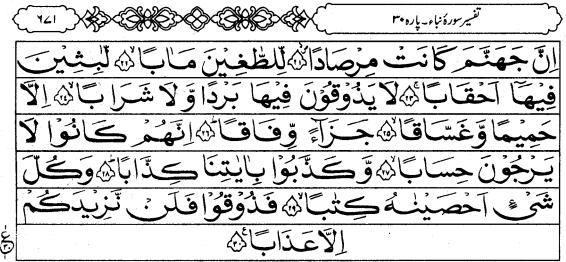
بیشک دوزخ تاک میں ہے ○ شریروں کا ٹھکانا ○ وہی ہے اس میں وہ قرنوں تک پڑے رہیں گے ○ نہ کبھی اس میں خنکی کا ذائقہ پائیں نہ پانی کا ○ سوائے گرم پانی اور بہتی پیپ کے ○ بدلہ دیئے جائیں گے پورا پورا ○ انہیں تو حساب کی توقع ہی نہ تھی ○ اور بکرا بکرا کر ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے ○ ہم نے ہر ایک چیز کا لکھ کر احاطہ کر رکھا ہے ○ اب تم مزہ اٹھاؤ ہم تمہارے عذاب ہی بڑھاتے رہیں گے ○

(آیت:۲۱-۳۰) پھر فرماتا ہے سرکش نافرمان مخالفین رسول کے تاک میں جہنم لگی ہوئی ہے' یہی ان کے لوٹنے کی اور رہنے سہنے کی جگہ ہے' اس کے معنی حضرت حسن اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ نے یہ بھی کئے ہیں کہ کوئی شخص جنت میں بھی نہیں جا سکتا جب تک جہنم پر سے نہ گذرے' اگر اعمال ٹھیک ہیں تو تو نجات پالی اور اگر اعمال بد ہیں تو روک لیا گیا اور جہنم میں جھونک دیا گیا - حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں اس پر تین تین پل ہیں' پھر فرمایا وہ اس میں مدتوں اور قرنوں پڑے رہیں گے - اَحۡقَابٌ جمع ہے حَقۡبٌ کی' ایک لمبے زمانے کو حقب کہتے ہیں' بعض کہتے ہیں حقب اسی سال کا ہوتا ہے' سال بارہ ماہ کا' مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا' بہت سے صحابہ اور تابعین سے یہ مروی ہے بعض کہتے ہیں' ستر سال کا حقب ہوتا ہے' کوئی کہتا ہے چالس سال کا ہے جس میں ہر دن ایک ہزار سال کا' بشیر بن کعب تو کہتے ہیں ایک ایک دن اتنا بڑا اور ایسے تین سو ساٹھ سال کا ایک حقب' ایک مرفوع حدیث میں ہے حقب مہینہ مہینہ تیس دن کا' سال بارہ مہینوں کا' سال کے دن تین سو ساٹھ ہر دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا (ابن ابی حاتم) لیکن یہ حدیث سخت منکر ہے اس کے راوی قاسم جو جابر بن زبیر کے لڑکے ہیں یہ دونوں متروک ہیں' ایک اور روایت میں ہے کہ ابو مسلم بن علاء نے سلیمان تیمی سے پوچھا کہ کیا جہنم میں سے کوئی نکلے گا بھی؟ تو جواب دیا کہ میں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم جہنم میں سے کوئی بھی بغیر مدت دراز رہے نہ نکلے گا پھر کہا اسی سے اوپر کچھ سال کا ہوتا ہے اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا جو تم گنتے ہو۔

سدی کہتے ہیں سات سو حقب رہیں گے ہر حقب ستر سال کا' ہر سال تین سو ساٹھ دن کا اور ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر کا حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں یہ آیت فَذُوۡقُوۡا کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے' خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ یہ آیت اور آیت اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّکَ یعنی جہنمی جب تک اللہ چاہے جہنم میں رہیں گے یہ دونوں آیتیں توحید والوں کے بارے میں ہیں' امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ احقاب تک رہنا متعلق ہو آیت حَمِیۡمًا وَّ غَسَّاقًا کے ساتھ یعنی وہ ایک ہی عذاب گرم پانی اور بہتی پیپ کا مدتوں رہے گا پھر دوسری قسم کا عذاب شروع ہوگا لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کا خاتمہ ہی نہیں۔ حضرت حسنؒ سے جب یہ سوال ہوا تو کہا کہ احقاب سے مراد ہمیشہ

جہنم میں رہنا ہے' لیکن حقب کہتے ہیں ستر سال کو جس کا ہر دن کے ایک ہزار برس کے برابر ہوتا ہے' حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ احقاب کبھی ختم نہیں ہوتے ایک حقب ختم ہوا دوسرا شروع ہو گیا ہاں ہم نے یہ سنا ہے کہ حقب اسی سال کا ہوتا ہے۔ ان احقاب کی صحیح مدت کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' ہاں یہ ہم نے سنا ہے کہ ایک حقب اسی سال کا' ایک سال تین سو ساٹھ دن کا' ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کا' ان جہنمیوں کو نہ تو کلیجے کی ٹھنڈک ہو گی نہ کوئی اچھا پانی پینے کا ملے گا' ہاں ٹھنڈک کے بدلے گرم کھولتا ہوا پانی ملے گا اور کھانے پینے کی چیز بہتی ہوئی پیپ ملے گی' حمیم اس سخت گرم کو کہتے ہیں جس کے بعد حرارت کا کوئی درجہ نہ ہو اور غساق کہتے ہیں جہنمی لوگوں کے لہو پیپ پسینہ آنسو اور زخموں سے بہے ہوئے خون پیپ وغیرہ کو' اس گرم چیز کے مقابلہ میں یہ اس قدر سرد ہو گی جو بجائے خود عذاب ہے اور بے حد بدبودار ہے۔

سورۂ ص میں غساق کی پوری تفسیر بیان ہو چکی ہے اب یہاں دوبارہ اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں' اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنے کل عذابوں سے بچائے۔ بعض نے کہا ہے برد سے مراد نیند ہے عرب شاعروں کے شعروں میں بھی برد نیند کے معنی میں پایا جاتا ہے' پھر فرمایا یہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ہے' ان کی بداعمالیاں بھی تو دیکھو کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حساب کا کوئی دن آنے ہی کا نہیں' ہم نے جو دلیلیں اپنے نبی پر نازل فرمائی تھیں یہ ان سب کو جھٹلاتے تھے۔ كِذَّابًا مصدر ہے اس وزن پر اور مصدر بھی آتے ہیں' پھر فرمایا کہ ہم نے اپنے بندوں کے تمام اعمال و افعال کو گن رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے' وہ سب ہمارے پاس لکھے ہوئے ہیں اور سب کا بدلہ بھی ہمارے پاس تیار ہے' ان جہنمیوں سے کہا جائے گا کہ اب ان عذابوں کا مزہ اٹھاؤ' ایسے ہی اور اس سے بھی بدترین عذاب تمہیں زیادتی کے ساتھ ہوتے رہیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جہنمیوں کے لئے اس سے زیادہ سخت اور مایوس کن اور کوئی آیت نہیں' ان کے عذاب ہر وقت بڑھتے ہی رہیں گے۔ حضرت ابو برزہ اسلمی سے سوال ہوا کہ جہنمیوں کے لئے سب سے زیادہ سخت آیت کون سی ہے تو فرمایا حضور علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا ان لوگوں کو خدا کی نافرمانیوں نے تباہ کر دیا' لیکن اس حدیث کے راوی جسر بن فرقد بالکل ضعیف ہیں۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ﴿٣٥﴾ جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾

یقیناً پرہیزگار لوگوں کے لئے کامیابی ہے ○ باغات ہیں اور انگور ○ اور نوجوان کنواری ہم عمر عورتیں ہیں ○ اور جام شراب میں چھلکتے ہوئے ○ وہاں نہ تو بیہودہ باتیں سنیں گے اور نہ جھٹلانا بدلہ ہے ○ تیرے رب کی طرف سے انعام بھرپور ○

فضول اور گناہوں سے پاک دنیا: ☆☆ (آیت: ۳۱-۳۶) نیک لوگوں کے لئے خدا کے ہاں جو نعمتیں و رحمتیں ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ کامیاب مقصد ور اور نصیب دار ہیں کہ جہنم سے نجات پائی اور جنت میں پہنچ گئے' حَدَائِقَ کہتے ہیں کھجور وغیرہ کے باغات کو۔ انہیں نوجوان کنواری حوریں بھی ملیں گی جو ابھرے ہوئے سینے والیاں اور ہم عمر ہوں گی' جیسے کہ سورۂ واقعہ کی تفسیر میں اس کا پورا بیان گذر چکا' اس حدیث میں ہے کہ جنتیوں کے لباس ہی خدا کی رضامندی کے ہوں گے بادل ان پر آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ بتلاؤ ہم تم پر کیا برسائیں؟ پھر جو وہ فرمائیں گے بادل ان پر برسائیں گے یہاں تک کہ نوجوان کنواری لڑکیاں بھی ان پر برسیں گی (ابن ابی حاتم)۔

انہیں شراب طہور کے چھلکتے ہوئے پاک صاف بھرپور جام پر جام ملیں گے جس میں نشہ نہ ہو گا کہ بیہودہ گوئی اور لغو باتیں منہ سے نکلیں اور کان میں پڑیں' جیسے اور جگہ ہے لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ اس میں نہ لغو ہو گا نہ برائی اور گناہ کی باتیں کوئی بات جھوٹ اور

فضول نہ ہوگی۔ وہ دارالسلام ہے جس میں کوئی عیب کی اور برائی کی بات ہی نہیں' یہ جو کچھ بدلے ان پارسا بزرگوں کو ملے ہیں یہ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے جو اللہ کے فضل و کرم سے اور اس کے احسان و انعام کی بناء پر ملے ہیں جو بے حد کافی ہیں جو بکثرت اور بھرپور ہیں عرب کہتے ہیں اَعْطَانِیْ فَاَحْسَبَنِیْ انعام دیا اور بھرپور دیا' اسی طرح کہتے ہیں حَسْبِیَ اللّٰہُ یعنی اللہ مجھے ہر طرح کافی وافی ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۗ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا ۚۖ یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ وَیَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع ۱۰

پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بڑی بخشش کرنے والا کسی کو اس سے بات چیت کرنے کا اختیار نہیں O جس دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے کوئی کلام نہیں کر سکے گا مگر جسے رحمٰن اجازت دے اور وہ ٹھیک بات زبان سے نکالے O یہ دن حق ہے اب جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا لے ہم نے تمہیں پاس کے عذاب سے ڈرا دیا جس دن انسان ہاتھوں کی آگے بھیجی ہوئی کمائی کو دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کاش کہ میں مٹی بن جاتا O

روح الامین علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۳۷-۴۰) اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و جلال کی خبر دے رہا ہے کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام مخلوق کا پالنے پوسنے والا ہے' وہ رحمان ہے جس کے رحم نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے' جب تک اس کی اجازت نہ ہو کوئی اس کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا' جیسے اور جگہ ہے مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یعنی کون ہے جو اس کی اجازت بغیر اس کے سامنے سفارش لے جا سکے' اور جگہ ہے یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ جس دن وہ وقت آ جائے گا کوئی بھی بلا اجازت اس سے بات نہ کر سکے گا' روح سے مراد یا تو کل انسانوں کی روحیں ہیں یا کل انسان ہیں یا ایک قسم کی خاص مخلوق ہے جو انسانوں کی سی صورتوں والے ہیں کھاتے پیتے ہیں نہ وہ فرشتے ہیں نہ انسان یا مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں' حضرت جبرئیل کو اور جگہ بھی روح کہا گیا ہے' ارشاد ہے نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ اسے امانت دار روح نے تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ تو ڈرانے والا بن جائے' یہاں مراد روح سے یقیناً حضرت جبرئیل ہیں۔

حضرت مقاتل فرماتے ہیں تمام فرشتوں سے بزرگ اور خدا سے بہت ہی نزدیک اور وحی لے کر آنے والے بھی ہیں یا مراد روح سے قرآن ہے۔ اس کی دلیل میں یہ آیت پیش کی جا سکتی ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا یعنی ہم نے اپنے حکم سے تیری طرف روح اتاری' یہاں روح سے مراد قرآن ہے' چھٹا قول یہ ہے کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو تمام مخلوق کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ فرشتہ تمام فرشتوں سے بہت بڑا ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ روح نامی فرشتہ چوتھے آسمان میں ہے' تمام آسمانوں کل پہاڑوں اور سب فرشتوں سے بڑا ہے' ہر دن بارہ ہزار تسبیحیں پڑھتا ہے' ہر ہر تسبیح سے ایک ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے' قیامت کے دن اکیلا وہی ایک صف بن کر آئے گا لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔ طبرانی میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتوں میں ایک فرشتہ وہ بھی ہے کہ اگر اسے حکم ہو کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو لقمہ بنا لے تو وہ ایک لقمہ میں سب کو لے لے' اس کی تسبیح یہ ہے

سُبۡحَانَكَ حَيۡثُ كُنۡتَ خدایا تو جہاں کہیں بھی ہے پاک ہے' یہ حدیث بھی بہت غریب ہے بلکہ اس کے فرمان رسول ہونے میں بھی کلام ہے' ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہوا اور وہ بھی بنی اسرائیل سے لیا ہوا واللہ اعلم۔

امام ابن جریرؒ نے یہ سب اقوال وارد کئے ہیں لیکن کوئی فیصلہ نہیں کیا' میرے نزدیک تو ان تمام اقوال میں سے بہتر قول یہ ہے کہ یہاں روح سے مراد کل انسان ہیں واللہ اعلم' پھر فرمایا صرف وہی اس دن بات کر سکے گا جسے وہ رحمٰن اجازت دے' جیسے فرمایا يَوۡمَ يَاۡتِ لَا تُكَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ یعنی جس دن وہ وقت آئے گا کوئی نفس بغیر اس کی اجازت کے کلام بھی نہیں کر سکے گا' صحیح حدیث میں بھی ہے کہ اس دن سوائے رسولوں کے کوئی اور بات نہ کر سکے گا' پھر فرمایا کہ اس کی بات بھی ٹھیک ٹھاک ہو' سب سے زیادہ حق بات لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے' پھر فرمایا کہ یہ دن حق ہے یقیناً آنے والا ہے' جو چاہے اپنے رب کے پاس اپنے لوٹنے کی جگہ اور وہ راستہ بنا لے جس پر چل کر وہ اس کے پاس سیدھا جا پہنچے' ہم نے تمہیں بالکل قریب آ گئی ہوئی آفت سے آگاہ کر دیا ہے' آنے والی چیز کو تو آ گئی ہوئی سمجھنی چاہئے' اس دن نئے پرانے چھوٹے بڑے اچھے برے کل اعمال انسان کے سامنے ہوں گے' جیسے فرمایا وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا جو کیا اسے سامنے پالیں گے۔ اور جگہ ہے يُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ہر انسان کو اس کے اگلے پچھلے اعمال سے متنبہ کیا جائے گا' اس دن کافر آرزو کرے گا کہ کاش کہ وہ مٹی ہوتا' پیدا ہی نہ کیا جاتا' وجود میں ہی نہ آتا' اللہ کے عذابوں کو آنکھ سے دیکھ لے گا' اپنی بدکاریاں سامنے ہوں گی جو پاک فرشتوں کے منصب ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہیں' پس ایک معنی تو یہ ہوئے کہ دنیا میں ہی مٹی ہونے کی یعنی پیدا نہ ہونے کی آرزو کرے گا' دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب جانوروں کا فیصلہ ہوگا اور ان کے قصاص دلوائے جائیں گے یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگ والی بکری نے مارا ہوگا تو اس سے بھی بدلہ دلوایا جائے گا پھر ان سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے اس وقت یہ کافر انسان بھی کہے گا کہ ہائے ہائے کاش کہ میں بھی حیوان ہوتا اور اب مٹی بن جاتا' حضور کی لمبی حدیث میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی یہی مروی ہے۔ سورۂ نباء کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمدلله و المنه ربه التوفيق و العصمه۔

تفسیر سورۃ النازعات

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۘ﴿۵﴾ يَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ﴿۶﴾ تَتۡبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ﴿۷﴾ قُلُوۡبٌ يَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ﴿۸﴾ اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ﴿۹﴾ يَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِى الۡحَافِرَةِ ؕ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ﴿۱۱﴾ قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا هِىَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَةِ ؕ﴿۱۴﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سختی سے کھینچنے والوں کی قسم ○ کھول کر بند چھڑا دینے والوں کی قسم ○ تیرتے پھرنے والوں کی قسم ○ پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی قسم ○ پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم ○ جس دن کانپنے والی کانپے گی ○ اس کے پیچھے ہوگی پیچھے آنے والی ○ بہت سے دل اس دن دھڑ کنے والے ہوں گے ○ جن کی نگاہیں نیچی ہوں گی ○ کہتے ہیں کہ کیا ہم اگلی سی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے؟ ○ کیا جس وقت بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے ○ کہتے ہیں پھر تو یہ لوٹنا نقصان دہ ہے ○ وہ تو صرف ایک خوف ناک آواز ہے ○ کہ ایک دم میدان میں جمع ہو جائیں گے ○

فرشتے' موت اور ستارے: ☆☆ (آیت:۱-۱۴) اس سے مراد فرشتے ہیں جو بعض لوگوں کی روحوں کو سختی سے گھسیٹتے ہیں اور بعض روحوں کو بہت آسانی سے نکالتے ہیں جیسے کسی کے بند کھول دیئے جائیں' کفار کی روحیں کھینچی جاتی ہیں پھر بند کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم میں ڈبو دیئے جاتے ہیں' یہ ذکر موت کے وقت کا ہے' بعض کہتے ہیں وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا سے مراد موت ہے' بعض کہتے ہیں دونوں پہلی آیتوں سے مطلب ستارے ہیں' بعض کہتے ہیں مراد سخت لڑائی کرنے والے ہیں لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے یعنی روح نکالنے والے فرشتے' اسی طرح تیسری آیت کی نسبت بھی یہ تینوں تفسیریں مروی ہیں یعنی فرشتے موت اور ستارے۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں مراد کشتیاں ہیں' اسی طرح سابقات کی تفسیر میں بھی تینوں قول ہیں' معنی یہ ہیں کہ ایمان اور تصدیق کی طرف آگے بڑھنے والے۔ عطاؒ فرماتے ہیں مجاہدین کے گھوڑے مراد ہیں۔ پھر حکم خدا کی تعمیل تدبیر سے کرنے والے اس سے مراد بھی فرشتے ہیں جیسے حضرت علیؓ وغیرہ کا قول ہے آسمان سے زمین کی طرف اللہ عزوجل کے حکم سے تدبیر کرتے ہیں' امام ابن جریرؒ نے ان اقوال میں کوئی فیصلہ نہیں کیا' کانپنے والی کے کانپنے اور اس کے پیچھے آنے والی کے پیچھے آنے سے مراد دونوں نفخے ہیں' پہلے نفخہ کا بیان اس آیت میں بھی ہے یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ جس دن زمین اور پہاڑ کپکپا جائیں گے' دوسرے نفخہ کا بیان اس آیت میں ہے وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے پھر دونوں ایک ہی دفعہ چور چور کر دیئے جائیں گے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کانپنے والی آئے گی اس کے پیچھے ہی پیچھے آنے والی ہوگی یعنی موت اپنے ساتھ کی کل آفتوں کو لئے ہوئے آئے گی۔ ایک شخص نے کہا حضورؐ اگر میں اپنے وظیفہ کا کل وقت آپ پر درود پڑھنے میں گذاروں تو؟ آپ نے فرمایا پھر تو اللہ تعالیٰ تجھے دنیا اور آخرت کے تمام غم ورنج سے بچا لے گا۔ ترمذی میں ہے کہ دو تہائی رات گذرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے اور فرماتے لوگو اللہ کو یاد کرو' کپکپانے والی آرہی ہے پھر اس کے پیچھے ہی اور آرہی ہے' موت اپنے ساتھ کی تمام آفات کو لئے ہوئے چلی آرہی ہے' اس دن بہت سے دل ڈر رہے ہوں گے' ایسے لوگوں کی نگاہیں ذلت وحقارت کے ساتھ پست ہوں گی کیونکہ وہ اپنے گناہوں اور خدا کے عذابوں کا معائنہ کر چکے ہیں' مشرکین جو روز قیامت کے منکر تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا قبروں میں جانے کے بعد بھی ہم زندہ کئے جائیں گے؟ وہ آج اپنی اس زندگی کو رسوائی اور برائی کے ساتھ آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

حَافِرَةٌ کہتے ہیں قبروں کو بھی' یعنی قبروں میں چلے جانے کے بعد جسم کے ریزے ریزے ہو جانے کے بعد ہڈیوں کے سڑ گل جانے اور کھوکھلی ہو جانے کے بعد بھی کیا ہم زندہ کئے جائیں گے؟ پھر تو یہ دوبارہ کی زندگی خسارے اور گھاٹے والی ہوگی۔ کفار قریش کا یہ مقولہ تھا حَافِرَةٌ کے معنی موت کے بعد کی زندگی کے بھی مروی ہیں اور جہنم کا نام بھی ہے' اس کے نام بہت سے ہیں جیسے جحیم' سقر' جہنم' ہاویہ حاضرة لفظی حطمہ وغیرہ۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس چیز کو یہ بڑی بھاری اور ان ہونی اور ناممکن سمجھے ہوئے ہیں وہ ہماری قدرت کاملہ کے ماتحت ایک ادنی سی بات ہے' ادھر ایک آواز دی ادھر سب زندہ ہو کر ایک میدان میں جمع ہو گئے یعنی اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل کو حکم دے گا وہ صور پھونک دیں گے' بس ان کے صور پھونکتے ہی تمام اگلے پچھلے جی اٹھیں گے اور خدا کے سامنے ایک ہی میدان میں کھڑے ہو

جائیں گے' جیسے اور جگہ ہے یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ جس دن وہ تمہیں پکارے گا اور تم اس کی تعریفیں کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور جان لو گے کہ بہت ہی کم ٹھہرے' اور جگہ فرمایا وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ہمارا حکم بس ایسا ایک بارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ اور جگہ ہے وَمَآ اَمْرُ السَّاعَۃِ اِلَّا کَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ ھُوَ اَقْرَبُ امر قیامت مثل آنکھ جھپکنے کے ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب' یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ صرف ایک آواز ہی کی دیر ہے' اس دن پروردگار سخت غضبناک ہو گا' یہ آواز بھی غصہ کے ساتھ ہو گی' یہ آخری نفخہ ہے جس کے پھونکے جانے کے بعد ہی تمام لوگ زمین کے اوپر آ جائیں گے حالانکہ اس سے پہلے نیچے تھے' سَاھِرَۃٌ روئے زمین کو کہتے ہیں اور سیدھے صاف میدان کو بھی کہتے ہیں۔ ثوریؒ کہتے ہیں مراد اس سے شام کی زمین ہے' عثمان بن ابو العالیہؒ کا قول ہے مراد بیت المقدس کی زمین ہے۔ وہب بن منبہؒ کہتے ہیں بیت المقدس کے ایک طرف یہ ایک پہاڑ ہے' قتادہؒ کہتے ہیں جہنم کو بھی سَاھِرَۃٌ کہتے ہیں۔ لیکن یہ اقوال سب کے سب غریب ہیں ٹھیک قول پہلا ہی ہے یعنی روئے زمین سب لوگ زمین پر جمع ہو جائیں گے جو سفید ہو گی اور بالکل صاف اور خالی ہو گی جیسے میدے کی روٹی ہوتی ہے' اور جگہ ہے یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ یعنی جس دن یہ زمین بدل کر دوسری زمین ہو گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب مخلوق اللہ تعالیٰ واحد و قہار کے روبرو ہو جائے گی اور جگہ ہے لوگ تجھ سے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں تو کہہ انہیں میرا رب ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور زمین بالکل میدان ہموار بن جائے گی جس میں کوئی موڑ توڑ ہو گا نہ اونچی نیچی جگہ' اور جگہ ہے ہم پہاڑوں کو چلتا کریں گے اور زمین صاف ظاہر ہو جائے گی' غرض ایک بالکل نئی زمین ہو گی جس پر نہ کبھی کوئی خطا ہوئی نہ قتل و گناہ۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ ع ۲۶

کیا حضرت موسیٰؑ کا قصہ بھی تجھے پہنچا ہے؟ ○ جبکہ انہیں ان کے رب نے پاک میدان طویٰ میں پکارا ○ کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی اختیار کر لی ہے ○ اس سے کہو کہ کیا تو درستگی چاہتا ہے ○ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں اور تو ڈرنے لگے ○ پس اسے بڑی نشانی دکھائی ○ پھر بھی وہ جھٹلاتا اور نافرمانی کرتا رہا ○ اور الگ ہٹ کر کوشش کرنے لگا ○ پھر سب کو جمع کر کے با آواز بلند کہنے لگا ○ تم سب کا رب میں ہی ہوں سب سے بلند و بالا ○ اللہ نے بھی اسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا ○ بیشک اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو ڈرے ○

معرفت دل حق کا مطیع و فرماں بردار ہوتا ہے: ☆☆ (آیت: ۱۵-۲۶) اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خبر دیتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا اور معجزات سے ان کی تائید کی لیکن باوجود اس کے فرعون اپنی سرکشی اور اپنے کفر سے باز نہ آیا' بالآخر خدا کا عذاب اترا اور برباد ہو گیا' اسی طرح اے پیغمبر آخر الزماں آپ کے مخالفین کا بھی حشر ہو گا۔

اسی لئے اس واقعہ کے خاتمہ پر فرمایا ڈر والوں کے لئے اس میں عبرت ہے' پس فرماتا ہے کہ تجھے خبر بھی ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کو اس کے رب نے آواز دی جبکہ وہ ایک مقدس میدان میں تھے جن کا نام طوی ہے' اس کا تفصیلی بیان سورۂ طہٰ میں گذر چکا ہے آواز دے کر فرمایا کہ فرعون نے سرکشی تکبر' تجبر اور تمرد اختیار کر رکھا ہے' تم اس کے پاس پہنچو اور اسے میرا یہ پیغام دو کہ کیا تو چاہتا ہے کہ میری بات مان کر اس راہ پر چلے جو پاکیزگی کی راہ ہے؟ میری سن میری مان سلامتی کے ساتھ پاکیزگی حاصل کر لے گا' میں تجھے خدا کی عبادت کے وہ طریقے بتلاؤں گا جس سے تیرا دل نرم اور روشن ہو جائے' اس میں خشوع وخضوع پیدا ہو اور دل کی سختی اور بدبختی دور ہو۔ حضرت موسیٰ فرعون کے پاس پہنچے خدائی فرمان پہنچایا' حجت ختم کی' دلائل بیان کئے یہاں تک کہ اپنی سچائی کے ثبوت میں معجزات بھی دکھائے لیکن وہ برابر حق کی تکذیب کرتا رہا اور حضرت موسیٰ کی باتوں کی نافرمانی پر جما رہا' چونکہ دل میں کفر جاگزیں ہو چکا تھا اس سے طبیعت نہ ہٹی اور باوجود حق واضح ہو جانے کے ایمان وتسلیم نصیب نہ ہوئی' یہ اور بات ہے کہ دل سے جانتا تھا کہ یہ حق برحق نبی ہیں اور ان کی تعلیم بھی برحق ہے۔

لیکن دل کی معرفت اور چیز ہے اور ایمان اور چیز ہے' دل کی معرفت پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے کہ حق کا تابع فرمان بن جائے اور خدا رسول کی باتوں پر عمل کرنے کے لئے جھک جائے پھر اس نے حق سے منہ موڑ لیا اور خلاف حق کوشش کرنے لگا' جادوگروں کو جمع کر کے اس کے ہاتھوں حضرت موسیٰ کو نیچا دکھانا چاہا۔ اپنی قوم کو جمع کیا اور اس میں منادی کی کہ تم سب کا بلند وبالا رب میں ہی ہوں' اس سے چالیس سال پہلے وہ کہہ چکا تھا کہ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ یعنی میں نہیں جانتا کہ تمہارا معبود میرے سوا کوئی اور بھی ہو' اب تو اس کی طغیانی حد سے بڑھ گئی اور صاف کہہ دیا کہ میں ہی رب ہوں بلندیوں والا اور سب پر غالب میں ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے بھی اس سے وہ انتقام لیا جو اس جیسے تمام سرکشوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ سبب عبرت بن جائے' دنیا میں بھی اور آخرت کے بدترین عذاب تو ابھی باقی ہیں' جیسے فرمایا وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ یعنی ہم نے انہیں جہنم کی طرف بلانے والے پیش رو بنائے قیامت کے دن یہ مدد نہ کئے جائیں گے' پس صحیح تر معنی آیت کے یہی ہیں کہ آخرت اور اولیٰ سے مراد دنیا اور آخرت ہے بعض نے کہا ہے اول آخر سے مراد اس کے دونوں قول ہیں یعنی پہلے یہ کہنا کہ میرے علم میں میرے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں پھر یہ کہنا کہ تمہارا سب کا بلند رب میں ہوں' بعض کہتے ہیں مراد کفر ونافرمانی ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں' اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت ونصیحت ہے جو نصیحت حاصل کریں اور باز آ جائیں۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾

کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا؟ اللہ نے اسے بنایا ○ اس کی بلندی اونچی کی پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر دیا ○ اس کی رات کو تاریک اور اس کے دن کو روشن بنایا ○ اور اس کے بعد زمین کو ہموار بچھا دیا ○ اور اس میں سے پانی اور چارہ پیدا کیا ○ اور پہاڑوں کو مضبوط گاڑ دیا ○ تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے ○

موت وحیات کی سرگزشت: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۳) جو لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے منکر تھے انہیں پروردگار دلیلیں دیتا ہے کہ

تمہاری پیدائش سے تو بہت زیادہ مشکل پیدائش آسمانوں کی ہے' جیسے اور جگہ ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ یعنی زمین وآسمان کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے زیادہ بھاری ہے' اور جگہ ہے اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَادِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ کیا جس نے زمین وآسمان پیدا کر دیا وہ ان جیسے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟ ضرور وہ قادر ہے اور وہ ہی بڑا پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے' آسمان کو اس نے بنایا یعنی بلند و بالا خوب چوڑا اور کشادہ اور بالکل برابر بنایا پھر اندھیری راتوں میں خوب چمکنے والے ستارے اس میں جڑ دیئے' رات کو سیاہ اور اندھیرے والی بنائی اور دن کو روشن اور نور والا بنایا اور زمین کو اس کے بعد بچھا دیا یعنی پانی اور چارہ نکالا۔ سورۂ حم سجدہ میں یہ بیان گذر چکا ہے کہ زمین کی پیدائش تو آسمان سے پہلے ہے ہاں اس کی برکات کا اظہار آسمانوں کی پیدائش کے بعد ہوا جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے' ابن عباسؓ اور بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے' امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اس کا تفصیلی بیان گذر چکا ہے' اور پہاڑوں کو اس نے خوب مضبوط گاڑ دیا ہے' وہ حکمتوں والا صحیح علم والا ہے اور ساتھ ہی اپنی مخلوق پر بے حد مہربان ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا وہ ہلنے لگی' پروردگار نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین پر گاڑ دیا جس سے وہ ٹھہر گئی' فرشتوں کو اس سے سخت تر تعجب ہوا اور پوچھنے لگے خدایا تیری مخلوق میں ان پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت چیز کوئی اور ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا' پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا آگ' پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ہاں پانی' پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ہوا' پوچھا پروردگار کیا تیری مخلوق میں اس سے بھاری کوئی اور چیز ہے؟ فرمایا ہاں ابن آدم ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ سے جو خرچ کرتا ہے اس کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہیں ہوتی۔ ابن جریر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو وہ کانپنے لگی اور کہنے لگی تو آدم اور اس کی اولاد کو پیدا کرنے والا ہے جو اپنی گندگی مجھ پر ڈالیں گے اور میری پیٹھ پر تیری نافرمانیاں کریں گے اللہ تعالیٰ نے پہاڑ گاڑ کر زمین کو ٹھہرا دیا' بہت سے پہاڑ تم دیکھ رہے ہو اور بہت سے تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہیں' زمین کا پہاڑوں کے بعد سکون حاصل کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسے اونٹ کو ذبح کرتے ہی اس کا گوشت تھرکتا رہتا ہے پھر کچھ دیر بعد ٹھہر جاتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے ہے یعنی زمین سے چشموں اور نہروں کا جاری کرنا' زمین کے پوشیدہ خزانوں کو ظاہر کرنا' کھیتیاں اور درخت اگانا' پہاڑوں کا گاڑنا تاکہ زمین سے پورا پورا فائدہ تم اٹھا سکو یہ سب باتیں انسانوں کے فائدے کے لئے ہیں اور ان کے جانوروں کے فائدے کے لئے' پھر وہ جانور بھی انہی کے فائدے کے لئے ہیں کہ بعض کا گوشت کھاتے ہیں' بعض پر سواریاں لیتے ہیں اور اپنی عمر اس دنیا میں سکھ سے بسر کر رہے ہیں۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾

پس جبکہ وہ بہت بڑے ہنگامے کا دن آ جائے گا ○ جس دن انسان اپنے کئے ہوئے کاموں کو یاد کرے گا ○ اور ہر دیکھنے والے کے سامنے جہنم ظاہر کی جائے گی ○ جس شخص نے سرکشی کی ہو گی ○

انتہائی ہولناک لرزہ خیز لمحات: ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۷) طَآمَّةُ الْكُبْرٰى سے مراد قیامت کا دن ہے اس لئے کہ وہ ہولناک اور

بڑے ہنگامے والا دن ہوگا' جیسے اور جگہ ہے وَالسَّاعَتُه اَدْھٰی وَاَمَرُّ یعنی قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے اس دن ابن آدم اپنے بھلے برے اعمال کو یاد کرے گا اور کافی نصیحت حاصل کر لے گا' جیسے اور جگہ ہے یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَهُ الذِّکْرٰی یعنی اس دن آدمی نصیحت حاصل کر لے گا لیکن آج کی نصیحت اسے کچھ فائدہ نہ دے گی' لوگوں کے سامنے جہنم لائی جائے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیں گے۔

وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی ﴿۳۹﴾ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی ﴿۴۱﴾ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾

ع ۲

اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی ○ اور اس کا ہی ٹھکانا جہنم ہے ○ ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہوگا ○ اس ہی کا ٹھکانہ جنت ہے ○ لوگ تجھ سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت دریافت کر رہے ہیں ○ تجھے اس کے بیان کرنے سے کیا تعلق ○ اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے ○ تو تو صرف اس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے والا ہے ○ جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ صرف ان کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی دنیا میں رہے ○

(آیت: ۳۸-۴۶) اس دن سرکشی کرنے والے اور دنیا کو دین پر ترجیح دینے والوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا' ان کی خوراک زقوم ہوگا اور ان کا پانی حمیم ہوگا' ہاں ہمارے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہنے والوں اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشوں سے بچاتے رہنے والوں' خوف خدا دل میں رکھنے والوں اور برائیوں سے باز رہنے والوں کا ٹھکانا جنت ہے اور وہاں کی کل نعمتوں کے حصہ دار صرف یہی ہیں۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے بارے میں تم سے سوال ہو رہے ہیں تم کہہ دو کہ نہ مجھے اس کا علم ہے نہ مخلوق میں سے کسی اور کو' صرف خدا ہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کا صحیح وقت کسی کو معلوم نہیں' وہ زمین و آسمان پر بھاری پڑ رہی ہے حالانکہ دراصل اس کا علم سوائے خدائے تبارک وتعالیٰ کے اور کسی کو نہیں' حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی جس وقت انسانی صورت میں آپ کے پاس آئے اور کچھ سوالات کئے جن کے جوابات آپ نے دیئے پھر یہی قیامت کے دن کی تعیین کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا جس سے پوچھتے ہو نہ وہ اسے جانے نہ خود پوچھنے والے کو اس کا علم۔ پھر فرمایا کہ اے نبی تم تو صرف لوگوں کے ڈرانے والے ہو اور اس سے نفع انہیں کو پہنچے گا جو اس خوفناک دن کا ڈر رکھتے ہیں' وہ تیاری کر لیں گے اور اس دن کے خطرے سے بچ جائیں گے' باقی لوگ جو ہیں وہ آپ کے فرمان سے عبرت حاصل نہیں کریں گے بلکہ مخالفت کریں گے اور اس دن بدترین نقصان اور مہلک عذابوں میں گرفتار ہوں گے' لوگ جب اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر محشر کے میدان میں جمع ہوں گے اس وقت اپنی دنیا کی زندگی انہیں بہت ہی کم نظر آئے گی اور ایسا معلوم ہوگا کہ صرف صبح کا یا صرف شام کا کچھ حصہ دنیا میں گذارا ہے۔ ظہر سے لے کر آفتاب کے غروب ہونے کے وقت کو عشیہ کہتے ہیں اور سورج نکلنے سے لے کر آدھے دن تک کے وقت کو ضحیٰ کہتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ آخرت کو دیکھ کر دنیا کی لمبی عمر بھی اتنی کم محسوس ہونے لگی۔ سورۂ نازعات کی تفسیر ختم ہوئی' فالحمدللہ رب العالمین۔

تفسیر سورة العبس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝۱ اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰى ۝۲ وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّهٗ
يَزَّكّٰىٓ ۝۳ اَوۡ يَذَّكَّرُ فَتَنۡفَعَهُ الذِّكۡرٰى ۝۴ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰى ۝۵
فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶ وَمَا عَلَيۡكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنۡ
جَآءَكَ يَسۡعٰى ۝۸ وَهُوَ يَخۡشٰى ۝۹ فَاَنۡتَ عَنۡهُ تَلَهّٰى ۝۱۰ كَلَّاۤ اِنَّهَا
تَذۡكِرَةٌ ۝۱۱ فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝۱۲ فِىۡ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۳
مَّرۡفُوۡعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۝۱۴ بِاَيۡدِىۡ سَفَرَةٍ ۝۱۵ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝۱۶

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑا رحمان ورحیم ہے۔

ترش رو ہو کر منہ موڑ لیا ○ اس سے کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا ○ تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا ○ یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی ○ جو بے پرواہی کرتا ہے ○ اس کی طرف تو تو پوری توجہ کرتا ہے ○ حالانکہ اس کے نہ سنورنے سے تیرا کوئی نقصان نہیں ○ اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے ○ اور ڈر بھی رہا ہو ○ تو اس سے بے رخی برتتا ہے ○ یہ ٹھیک نہیں قرآن تو نصیحت کی چیز ہے ○ جو چاہے اسے یاد کرلے ○ یہ تو پر عظمت صحیفوں میں ہے ○ جو بلند و بالا اور پاک صاف ہیں ○ جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے ○ جو بزرگ اور پاک باز ہیں ○

تبلیغ دین میں فقیر وغنی سب برابر : ☆☆ (آیت:۱-۱۶) بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ قریش کے سرداروں کو اسلامی تعلیم سمجھا رہے تھے اور مشغولیت کے ساتھ ان کی طرف متوجہ تھے دل میں خیال تھا کہ کیا عجب خدا انہیں اسلام نصیب کر دے' ناگہاں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس آئے' پرانے مسلمان تھے' عموماً حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور دین اسلام کی تعلیم سیکھتے رہتے تھے اور مسائل دریافت کیا کرتے تھے' آج بھی حسب عادت آتے ہی سوالات شروع کئے اور آگے بڑھ بڑھ کر حضورؐ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا آپ چونکہ اس وقت ایک اہم امر دینی میں پوری طرح مشغول تھے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ ذرا گراں خاطر گرا اور پیشانی پر بل پڑ گئے' اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آپ کی بلند شان اور اعلیٰ اخلاق کے لائق یہ بات نہ تھی کہ اس نابینا سے جو ہمارے خوف سے دوڑتا بھاگتا آپ کی خدمت میں علم دین سیکھنے کے لئے آئے اور آپ اس سے منہ پھیر لیں اور ان کی طرف متوجہ ہیں جو سرکش ہیں اور مغرور و متکبر ہیں' بہت ممکن ہے کہ یہی پاک ہو جائے اور خدا کی باتیں سن کر برائیوں سے بچ جائے اور احکام کی تعمیل میں تیار ہو جائے' یہ کیا کہ آپ ان بے پرواہ لوگوں کی جانب تمام تر توجہ فرمالیں؟ آپ پر کوئی ان کو راہ راست پر لا کھڑا کرنا ضروری تھوڑے ہی ہے؟ وہ اگر آپ کی باتیں نہ مانیں تو آپ پر ان کے اعمال کی پکڑ ہرگز نہیں' مطلب یہ ہے کہ تبلیغ دین میں شریف وضعیف' فقیر وغنی' آزاد و غلام' مرد و عورت' چھوٹے بڑے سب برابر ہیں' آپ سب کو یکساں نصیحت کیا کریں' ہدایت خدا کے ہاتھ ہے' وہ اگر کسی کو راہ راست سے دور رکھے تو اس کی حکمت وہی جانتا ہے' جسے اپنی راہ لگا لے اسے بھی وہی خوب جانتا ہے۔ حضرت ابن ام مکتوم کے آنے کے وقت حضورؐ کا مخاطب

ابی بن خلف تھا اس کے بعد حضور ابن ام مکتوم کی بڑی تکریم اور آ و بھگت کیا کرتے تھے ۔ (مسند ابو یعلی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ابن ام مکتوم کو قادسیہ کی لڑائی میں دیکھا ہے زرہ پہنے ہوئے تھے اور سیاہ جھنڈا لئے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب یہ آئے اور کہنے لگے کہ حضرت مجھے بھلائی کی باتیں سکھائیں' اس وقت رؤساء قریش آپ کی مجلس میں تھے آپ نے ان کی طرف پوری توجہ نہ فرمائی' انہیں سمجھاتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہو میری بات ٹھیک ہے' وہ کہتے جاتے تھے ہاں حضرت درست ہے۔ ان لوگوں میں عتبہ بن ربیعہ' ابو جہل بن ہشام عباس بن عبدالمطلب تھے آپ کی بڑی کوشش تھی اور پوری حرص تھی کہ کسی طرح یہ لوگ دین حق کو قبول کر لیں' ادھر یہ آ گئے اور کہنے لگے حضورؐ قرآن پاک کی کوئی آیت مجھے سنائیے اور خدا کی باتیں سکھلائیے' آپ کو اس وقت ان کی بات ذرا بے موقع لگی اور منہ پھیر لیا اور ادھر ہی متوجہ رہے' جب ان سے باتیں پوری کر کے آپ گھر جانے لگے تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور سر نیچا ہو گیا اور یہ آیتیں اتریں' پھر تو آپ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور پوری توجہ سے کان لگا کر ان کی باتیں سنا کرتے تھے' آتے جاتے ہر وقت پوچھتے کہ کچھ کام ہے' کچھ حاجت ہے' کچھ کہتے ہو' کچھ مانگتے ہو؟ (ابن جریر وغیرہ)

اس روایت میں غرابت ہے نکارت ہے اور اس کی سند میں بھی کلام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ بلال رات رہتے ہوئے اذان دیا کرتے ہیں' تو تم سحری کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم کی اذان سنو' یہ وہ نابینا ہیں جن کے بارے میں عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی اتری تھی' یہ بھی موذن تھے' بینائی میں نقصان تھا' جب لوگ صبح صادق دیکھ لیتے اور اطلاع کرتے کہ صبح ہوئی تب یہ اذان کہا کرتے تھے (ابن ابی حاتم) ابن ام مکتوم کا مشہور نام تو عبداللہ ہے بعض نے کہا ہے ان کا نام عمرو ہے' واللہ اعلم۔

اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ یعنی یہ نصیحت ہے اس سے مراد یا تو یہ سورت ہے یا یہ مساوات کہ تبلیغ دین میں سب یکساں ہیں مراد ہے' سدی کہتے ہیں مراد اس سے قرآن ہے جو شخص چاہے اسے یاد کر لے یعنی اللہ کو یاد کرے اور اپنے تمام کاموں میں اس کے فرمان کو مقدم رکھے یا یہ مطلب ہے کہ وحی خدا کو یاد کر لے' یہ سورت اور یہ وعظ و نصیحت بلکہ سارا کا سارا قرآن موقر معزز اور معتبر صحیفوں میں ہے جو بلند قدر اور اعلیٰ مرتبہ والے ہیں' جو میل کچیل سے اور کمی زیادتی سے محفوظ اور پاک صاف ہیں' جو فرشتوں کے پاک ہاتھوں میں ہیں اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اصحاب رسول کے پاکیزہ ہاتھوں میں ہے' حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ اس سے مراد قاری ہیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ نبطی زبان کا لفظ ہے معنی ہیں قاری' امام ابن جریر فرماتے ہیں صحیح بات یہی ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ میں اور مخلوق میں سفیر ہیں' سفیر اسے کہتے ہیں جو صلح اور بھلائی کے لئے لوگوں میں کوشش کرتا پھرے' عرب شاعر کے شعر میں بھی یہ معنی پائے جاتے ہیں۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد فرشتے ہیں جو فرشتے خدا کی جانب سے وحی وغیرہ لے کر آتے ہیں وہ ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں میں صلح کرانے والے سفیر ہوتے ہیں' وہ ظاہر باطن میں پاک ہیں' وجیہ' خوش رو' شریف اور بزرگ ظاہر میں' اخلاق و افعال کے پاکیزہ باطن میں' یہاں سے یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ قرآن کے پڑھنے والوں کو اعمال و اخلاق اچھے رکھنے چاہئیں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو قرآن کو پڑھے اور اس کی مہارت حاصل کرے وہ بزرگ لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو باوجود مشقت کے بھی پڑھے اسے دوہرا اجر ملے گا۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَاۗءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاۗءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَاۗئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

اللہ کی مار انسان بھی کیسا ناشکرا ہے ○ اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا؟ ○ اسے نطفہ سے پیدا کیا' پھر اس کی تقدیر مقرر کی ○ پھر اسے راستہ آسان کر دیا ○ پھر اسے مار ڈالا اور قبر کی جگہ دی ○ پھر جب چاہے گا اسے زندہ کر دے گا ○ ہرگز نہیں اس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری نہیں کی ○ انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھ لے ○ کہ ہم نے بارش برسائی ○ پھر زمین کو شق کیا ○ پھر اس میں اناج اگائے ○ اور انگور اور ترکاری ○ اور زیتون اور کھجور ○ اور گنجان باغات ○ اور میوہ اور چارہ ○ فائدہ ہے تمہارے لئے اور تمہارے چوپاؤں کے لئے ○

ریڑھ کی ہڈی اور تخلیق ثانی: ☆☆ (آیت: ۱۷-۳۲) جو لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے انکاری تھے ان کی یہاں مذمت بیان ہو رہی ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی انسان پر لعنت ہو یہ کتنا بڑا ناشکر گذار ہے اور یہ بھی معنی بیان کئے گئے ہیں کہ عموماً کل انسان جھٹلانے والے ہیں بلا دلیل محض اپنے خیال سے ایک چیز کو ناممکن جان کر باوجود علمی سرمایہ کی کمی کے جھٹ سے خدائی باتوں کی تکذیب کر دیتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے اس جھٹلانے پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟ اس کے بعد اس کی اصلیت جتائی جاتی ہے کہ وہ خیال کرے کہ کس قدر حقیر اور ذلیل چیز سے خدا نے اسے بنایا ہے' کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟ اس نے انسان کو منی کے قطرے سے پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقدر کی یعنی عمر روزی عمل اور نیک و بد ہونا' پھر اس کے لئے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا اور یہ بھی معنی ہیں کہ ہم نے اپنے دین کا راستہ آسان کر دیا یعنی واضح اور ظاہر کر دیا' جیسے اور جگہ ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا یعنی ہم نے اسے راہ دکھائی پھر یا تو وہ شکر گذار بنے یا ناشکرا۔ حسن اور ابن زید اسی کو راجح بتلاتے ہیں واللہ اعلم۔

اس کی پیدائش کے بعد پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں لے گیا' عرب کا محاورہ ہے کہ وہ جب کسی کو دفن کریں تو کہتے ہیں قَبَرْتُ الرَّجُلَ اور کہتے ہیں اَقْبَرَهُ اللّٰهُ اسی طرح کے اور بھی محاورے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اب خدا نے اسے قبر والا بنا دیا' پھر جب خدا چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا' اسی زندگی کو بعث بھی کہتے ہیں اور نشور بھی' جیسے اور جگہ ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم انسان بن کر اٹھ بیٹھے' اور جگہ ہے كَيْفَ نُنْشِزُهَا ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم کس طرح انہیں اٹھا بٹھاتے ہیں' پھر کس طرح انہیں گوشت چڑھاتے ہیں۔

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان کے تمام اعضا وغیرہ کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی

کو لوگوں نے کہا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا رائی کے دانے کے برابر' اسی سے پھر تمہاری پیدائش ہوگی' یہ حدیث بغیر سوال جواب کی زیادتی کے بخاری مسلم میں بھی ہے کہ ابن آدم گل سڑ جاتا ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کہ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے پھر ترکیب دیا جائے گا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح یہ ناشکرا اور بے قدر انسان کہتا ہے کہ اس نے اپنی جان و مال میں خدا کا جو حق تھا وہ ادا کر دیا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ابھی تو اس نے فرائض خدا سے بھی سبکدوشی حاصل نہیں کی۔ حضرت مجاہدؒ کا فرمان ہے کہ کسی شخص سے اللہ تعالیٰ کے فرائض کی پوری ادائیگی نہیں ہو سکتی' حسن بصری سے بھی ایسے ہی معنی مروی ہیں' متقدمین سے میں نے تو اس کے سوا کوئی اور کلام نہیں پایا' ہاں مجھے اس کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ فرمان باری کا یہ مطلب ہے کہ پھر جب چاہے دوبارہ پیدا کرے گا اب تک اس کے فیصلے کے مطابق وقت نہیں آیا یعنی ابھی ابھی وہ ایسا نہیں کرے گا یہاں تک کہ مدت مقررہ ختم ہو اور نبی آدم کی تقدیر پوری ہو۔

ان کی قسمت میں اس دنیا میں آنا اور یہاں برا بھلا کرنا وغیرہ جو مقدر ہو چکا ہے وہ سب خدا کے اندازے کے مطابق پورا ہو چکے' اس وقت وہ خلاق کل دوبارہ زندہ کر دے گا اور جیسے کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اب دوسری دفعہ پیدا کر دے گا۔ ابن ابی حاتم میں حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ قبریں زمین کا پیٹ ہیں اور زمین مخلوق کی ماں ہے جب کہ کل مخلوق پیدا ہو چکے گی پھر قبروں میں پہنچ جائے گی اور قبریں سب بھر جائیں گی' اس وقت دنیا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور جو بھی زمین پر ہوں گے سب مر جائیں گے اور زمین میں جو کچھ ہے اسے زمین اگل دے گی اور قبروں میں جو مردے ہیں سب باہر نکال دیئے جائیں گے' یہ قول ہم اپنی اس تفسیر کی دلیل میں پیش کر سکتے ہیں' واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میرے اس احسان کو دیکھیں کہ میں نے انہیں کھانا دیا' اس میں بھی دلیل ہے موت کے بعد جی اٹھنے کی کہ جس طرح خشک غیر آباد زمین سے ہم نے تروتازہ درخت اگائے اور ان سے اناج وغیرہ پیدا کر کے تمہارے لئے کھانا مہیا کیا' اسی طرح گلی سڑی کھوکھلی اور چونا ہو گئی ہوئی ہڈیوں کو بھی ہم ایک روز زندہ کر دیں گے اور انہیں گوشت پوست پہنا کر دوبارہ تمہیں زندہ کر دیں گے' تم دیکھو لو کہ ہم نے آسمان سے برابر پانی برسایا' پھر اسے ہم نے زمین میں پہنچا کر ٹھہرا دیا' وہ بیج میں پہنچا اور زمین میں پڑے ہوئے دانوں میں سرایت کی جس سے وہ دانے اگے درخت پھوٹا' اونچا ہوا اور کھیتیاں لہلہانے لگیں' کہیں اناج پیدا ہوا' کہیں انگور اور کہیں ترکاریاں۔ حب تو کہتے ہیں ہر دانے کو' عنب کہتے ہیں انگور کو اور قضب کہتے ہیں اس سبز چارے کو جسے جانور کھاتے ہیں اور زیتون پیدا کیا جو روٹی کے ساتھ سالن کا کام دیتا ہے' جلایا جاتا ہے تیل نکالا جاتا ہے اور کھجوروں کے درخت پیدا کئے جو گدرائی ہوئی بھی کھائی جاتی ہیں' تر بھی کھائی جاتی ہیں اور خشک بھی کھائی جاتی ہیں اور پکی بھی اور اس کا شیرہ بھی بنایا جاتا ہے اور سرکہ بھی اور باغات پیدا کئے۔ غلبا کے معنی کھجوروں کے بڑے بڑے میوہ دار درخت ہیں حدائق کہتے ہیں ہر اس باغ کو جو گھنا اور خوب بھرا ہوا اور گہرے سائے والا اور بڑے درختوں والا ہو۔ موٹی گردن والے آدمی کو بھی عرب اغلب کہتے ہیں' اور میوے پیدا کئے اور اب کہتے ہیں زمین کی اس سبزی کو جسے جانور کھاتے ہیں اور انسان اسے نہیں کھاتے جیسے گھانس پات وغیرہ' اب جانور کے لئے ایسا ہی ہے جیسا انسان کے لئے فَاکِهَه یعنی میوہ۔

عطاءؒ کا قول ہے کہ زمین پر جو کچھ اگتا ہے اسے اب کہتے ہیں' ضحاکؒ فرماتے ہیں سوائے میووں کے باقی سب اب ہے۔ ابو السائبؒ فرماتے ہیں اب آدمی کے کھانے میں بھی آتا ہے اور جانور کے کھانے میں بھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بابت سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کون سا آسمان مجھے اپنے تلے سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اپنی پیٹھ پر اٹھائے گی اگر میں کتاب اللہ میں

وہ کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو' لیکن یہ اثر منقطع ہے ابراہیم تیمی نے حضرت صدیقؓ کو نہیں پایا ہاں البتہ صحیح سند سے ابن جریر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ممبر پر سورۂ عبس پڑھی اور یہاں تک پہنچ کر کہا کہ فاکھہ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ اب کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمایا اس تکلیف کو چھوڑ' اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی شکل وصورت اور اس کی تعیین معلوم نہیں ورنہ اتنا تو صرف آیت کے پڑھنے سے ہی صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ زمین سے اگنے والی ایک چیز ہے کیونکہ پہلے یہ لفظ موجود ہے فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا پھر فرماتا ہے یہ تمہاری زندگی کے قائم رکھنے اور تمہیں فائدہ پہنچانے کے لئے اور تمہارے جانوروں کے لئے ہے کہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا اور تم اس سے فیض یاب ہوتے رہو گے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوۡمَ يَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِيۡهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيۡهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيۡهِ ﴿۳۶﴾

پس جبکہ کان بہرے کر دینے والی قیامت آجائے ○ اس دن آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ○ ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا ○

ننگے پاؤں' ننگے بدن --- پسینے کا لباس: ☆☆ (آیت:۳۳-۳۶) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صاخۃ قیامت کا نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نفخہ کی آواز اور ان کا شور وغل کانوں کے پردے پھاڑ دے گا' اس دن انسان اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو دیکھے گا لیکن بھاگتا پھرے گا' کوئی کسی کے کام نہ آئے گا' میاں بیوی کو دیکھ کر کہے گا کہ بتلا تیرے ساتھ میں نے دنیا میں کیسا کچھ سلوک کیا' وہ کہے گی کہ بیشک آپ نے میرے ساتھ بہت ہی خوش سلوکی' کی بہت پیار محبت سے رکھا' یہ کہے گا کہ آج مجھے ضرورت ہے صرف ایک نیکی دے دو تا کہ اس آفت سے چھوٹ جاؤں تو وہ جواب دے گی کہ آپ کا سوال تھوڑی سی چیز کا ہی ہے مگر کیا کروں' یہی ضرورت مجھے درپیش ہے اور اسی کا خوف مجھے لگ رہا ہے میں تو نیکی نہیں دے سکتی' بیٹا باپ سے ملے گا یہی کہے گا اور یہی جواب پائے گا۔

لِكُلِّ امۡرِیٴٍ مِّنۡهُمۡ يَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ يُّغۡنِيۡهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع

ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک ایسا مشغلہ ہوگا جو اسے کافی ہوگا ○ اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ○ جو ہنستے ہوئے اور ہشاش بشاش ہوں گے ○ اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ○ جن پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی ○ یہی ہیں کافر بدکردار ○

(آیت:۳۷-۴۲) صحیح حدیث میں شفاعت کا بیان فرماتے ہوئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں سے لوگ شفاعت کی طلب کریں گے اور ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ نفسی نفسی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ صلوات اللہ بھی یہی فرمائیں گے کہ آج میں خدا کے سوائے اپنی جان کے اور کسی کے لئے کچھ نہ کہوں گا میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے بھی کچھ نہ کہوں گا جن کے بطن سے میں پیدا ہوا ہوں' الغرض دوست دوست سے' رشتہ دار رشتہ دار سے منہ چھپاتا پھرے گا۔ ہر ایک آپا دھاپی میں لگا ہو گا' کسی کو دوسرے کا ہوش نہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم ننگے پیروں' ننگے بدن اور بے ختنہ خدا کے ہاں جمع کئے جاؤ گے' آپ کی بیوی
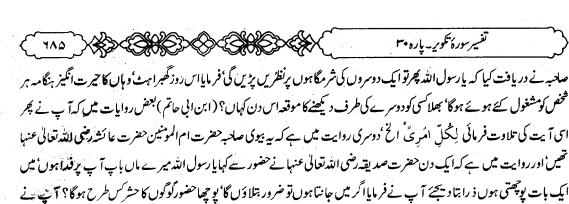
صاحبہ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ پھر تو ایک دوسروں کی شرمگاہوں پر نظریں پڑیں گی‘ فرمایا اس روز گھبراہٹ‘ وہاں کا حیرت انگیز ہنگامہ ہر شخص کو مشغول کیئے ہوئے ہوگا‘ بھلا کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا موقعہ اس دن کہاں؟ (ابن ابی حاتم) بعض روایات میں کہ آپ نے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی لِكُلِّ امْرِئٍ الخ‘ دوسری روایت میں ہے کہ یہ بیوی صاحبہ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں‘ اور روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سے کہا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں‘ میں ایک بات پوچھتی ہوں ذرا بتا دیجئے آپ نے فرمایا اگر میں جانتا ہوں تو ضرور بتلاؤں گا‘ پوچھا حضور لوگوں کا حشر کس طرح ہوگا؟ آپ نے فرمایا ننگے پیروں اور ننگے بدن‘ تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کیا عورتیں بھی اسی حالت میں ہوں گی؟ فرمایا ہاں‘ یہ سن کر مائی صاحبہ افسوس کرنے لگیں۔ آپ نے فرمایا عائشہ اس آیت کو سن لو پھر تمہیں اس کا کوئی رنج وغم نہ رہے گا کہ کپڑے پہنے ہیں یا نہیں؟ پوچھا حضور وہ آیت کون سی ہے فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ الخ‘ ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت سودہؓ نے پوچھا یہ سن کر کہ لوگ اس طرح ننگے بدن ننگے پاؤں بے ختنہ جمع کیئے جائیں گے‘ پسینے میں غرق ہوں گے‘ کسی کے منہ تک پسینہ پہنچ جائے گا اور کسی کے کانوں تک‘ تو آپ نے یہ آیت پڑھ سنائی‘ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہاں لوگوں کے دو گروہ ہوں گے بعض تو وہ ہوں گے جن کے چہرے خوشی سے چمک رہے ہوں گے‘ دل خوشی سے مطمئن ہوں گے‘ منہ خوبصورت اور نورانی ہوں گے‘ یہ تو جنتی جماعت ہے دوسرا گروہ جہنمیوں کا ہوگا‘ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے‘ گرد آلود ہوں گے۔ حدیث میں ہے کہ ان کا پسینہ مثل لگام کے ہورہا ہوگا‘ پھر گرد وغبار پڑا ہوا ہوگا‘ جن کے دلوں میں کفر تھا اور اعمال میں بدکاری تھی‘ جیسے اور جگہ ہے وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا یعنی ان کفار کی اولاد بھی بدکار کافر ہی ہوگی۔ سورۂ عبس کی تفسیر ختم ہوئی‘ فالحمدللہ!

تفسیر سورة التکویر

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہے وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھ لے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳
وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶
وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹
وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲
وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝۱۴

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں

جب سورج لپیٹ لیا جائے ○ اور جب ستارے بے نور ہوجائیں ○ اور جب پہاڑ چلائے جائیں ○ اور جب گابھن اونٹنیاں بیکار کردی جائیں ○ اور جب وحشی جانور اکھٹے کیئے جائیں ○ اور جب دریا بھڑ کائے جائیں ○ اور جب ہر قسم کے لوگ ملا دیے جائیں‘ اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے ○ کہ کس

گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی اور جب نامہ اعمال کھول دیئے جائیں ○ اور جب آسمان کی کھال اتار لی جائے ○ اور جب جہنم بھڑکائی جائے ○ اور جب جنت نزدیک کر دی جائے ○ اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر آیا ○

یعنی سورج بے نور ہو گا: ☆☆ (آیت :۱-۱۴) اوندھا کر کے لپیٹ کر زمین پر پھینک دیا جائے گا' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سورج' کو چاند کو اور ستاروں کو لپیٹ کر بے نور کر کے سمندروں میں ڈال دیا جائے گا اور پھر پچھوا ہوائیں چلیں گی اور آگ لگ جائے گی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اس کو تہہ کر کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا (ابن ابی حاتم) اور ایک حدیث میں سورج کے ساتھ چاند کا ذکر بھی ہے لیکن وہ ضعیف ہے' صحیح بخاری میں یہ حدیث الفاظ کے ہیر پھیر سے مروی ہے۔ اس میں ہے کہ سورج اور چاند قیامت کے دن لپیٹ لئے جائیں گے' امام بخاری اسے کتاب بدأ الخلق میں لائے ہیں لیکن یہاں لانا زیادہ مناسب تھا یا مطابق عادت وہاں اور یہاں دونوں جگہ لاتے جیسے کہ امام صاحب کی عادت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ قیامت کے دن یہ ہو گا تو حضرت حسن کہنے لگے ان کا کیا گناہ ہے؟ فرمایا میں نے حدیث کہی اور تم اس پر باتیں بناتے ہو' سورج کی قیامت والے دن یہ حالت ہو گی ستارے سارے کے سارے متغیر ہو کر جھڑ جائیں گے' جیسے اور جگہ ہے وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ یہ بھی گدلے اور بے نور ہو کر بجھ جائیں گے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قیامت سے پہلے چھ نشانیاں ہوں گی' لوگ اپنے بازاروں میں ہوں گے کہ اچانک سورج کی روشنی جاتی رہے گی اور پھر ناگہاں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں گے' پھر اچانک پہاڑ زمین پر گر پڑیں گے اور زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگے گی اور بے طرح ہلنے لگے گی' بس پھر کیا انسان کیا' جنات' کیا جانور اور کیا جنگلی جانور سب آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے' جانور بھی جو انسانوں سے بھاگے پھرتے ہیں انسانوں کے پاس آ جائیں گے' لوگوں کو اس قدر بدحواسی اور گھبراہٹ ہو گی کہ بہتر سے بہتر مال اونٹنیاں جو بیانے والیاں ہوں گی ان کی بھی خیر خبر نہ لیں گے' جنات کہیں گے کہ ہم جاتے ہیں کہ تحقیق کریں کیا ہو رہا ہے' لیکن وہ آئیں گے تو دیکھیں گے کہ سمندروں میں بھی آگ لگ رہی ہے' اسی حال میں ایک دم زمین پھٹنے لگے گی اور آسمان بھی ٹوٹنے لگیں گے' ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمانوں کا یہی حال ہو گا' ادھر سے ایک تند ہوا چلے گی جس سے تمام جاندار مر جائیں گے (ابن ابی حاتم وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سارے ستارے اور جن جن کی خدا کے سوا عبادت کی گئی ہے سب جہنم میں گرا دیئے جائیں گے' صرف حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم بچ رہیں گے' اگر یہ بھی اپنی عبادت سے خوش ہوتے تو یہ بھی جہنم میں داخل کر دیئے جاتے (ابن ابی حاتم) اور پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے اور بے نام و نشان ہو جائیں گے' زمین چٹیل اور ہموار میدان رہ جائیں گے' اونٹنیاں بیکار چھوڑ دی جائیں گی' نہ ان کی کوئی نگرانی کرے گا' نہ چرائے چگائے گا' نہ دودھ نکالے گا' نہ سواری لے گا۔ عِشَارٌ جمع ہے عشرا کی' جو گیابھن اونٹنی دسویں مہینہ میں لگ جائے اسے عشراء کہتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ گھبراہٹ اور بدحواسی بے چینی اور پریشانی اس قدر ہو گی کہ بہتر سے بہتر مال کی بھی پرواہ نہ رہے گی' قیامت کی ان بلاؤں نے دل اڑا دیا ہو گا' کلیجے اونچے کر دیئے ہوں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قیامت کے دن ہو گا اور لوگوں کو اس سے کچھ سروکار نہ ہو گا' ہاں ان کے دیکھتے یہ ہو گا' اس قول کے قائل عشار کے کئی معنی بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہ کہتے ہیں اس سے مراد بادل ہیں جو دنیا کی بربادی کی وجہ سے آسمان و زمین کے درمیان پھرتے پھریں گے' بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ زمین ہے جس کا عشر دیا جاتا ہے' بعض کہتے ہیں اس سے مراد گھر ہیں جو پہلے آباد تھے اب

ویران ہیں' امام قرطبی ان اقوال کو بیان کر کے ترجیح پہلے ہی کو دیتے ہیں کہ مراد اس سے اونٹنیاں ہیں اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے اور میں تو یہی کہتا ہوں کہ سلف سے اور ائمہ سے اس کے سوا کچھ وارد ہی نہیں ہوا واللہ اعلم۔

اور وحشی جانور جمع کئے جائیں گے جیسے فرمان ہے وَمَآ مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا طٰٓئِرٍ الخ' یعنی زمین پر چلنے والے کل جانور اور ہوا میں اڑنے والے کل پرند بھی تمہاری طرح گروہ ہیں' ہم نے اپنی کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی' پھر یہ سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے' سب جانداروں کا حشر اسی کے پاس ہوگا' یہاں تک کہ مکھیاں بھی' ان سب میں خدائے تعالیٰ انصاف کے ساتھ فیصلے کرے گا' ان جانوروں کا حشر ان کی موت ہی ہے البتہ جن وانس خدا کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور ان سے حساب کتاب ہوگا۔ ربیع بن خثیم نے کہا مراد وحشیوں کے حشر سے ان پر امر خدا آنا ہے' لیکن ابن عباسؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس سے مراد موت ہے' یہ تمام جانور بھی ایک دوسرے کے ساتھ اور انسانوں کے ساتھ ہو جائیں گے' خود قرآن میں اور جگہ ہے وَالطَّیۡرَ مَحۡشُوۡرَةً پرند جمع کئے ہوئے' پس ٹھیک مطلب اس آیت کا بھی یہی ہے کہ وحشی جانور جمع کئے جائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی سے پوچھا جہنم کہاں ہے؟ اس نے کہا سمندر میں' آپ نے فرمایا میرے خیال میں یہ سچا ہے' قرآن کہتا ہے وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ اور فرماتا ہے وَاِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ۔

ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پچھوا ہوائیں بھیجے گا وہ اسے بھڑکا دیں گی اور شعلے مارتی ہوئی آگ بن جائے گا' آیت وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ کی تفسیر میں اس کا مفصل بیان گذر چکا۔

حضرت معاویہ بن سعید فرماتے ہیں بحر روم برکت ہے' یہ بیچ زمین کے ہے سب نہریں اس میں آتی ہیں اور بحر کبیر بھی اس میں پڑتا ہے' اس کے نیچے کنویں ہیں جس کے منہ تانبا سے بند کئے ہوئے ہیں' قیامت کے دن وہ سلگ اٹھیں گے یہ اثر عجیب ہے اور ساتھ ہی غریب بھی ہے' ہاں ابوداؤد میں ایک حدیث ہے کہ سمندر کا سفر صرف حاجی کریں اور عمرہ کرنے والے یا جہاد کرنے والے غازی' اس لئے کہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے پانی ہے۔ اس کا بیان بھی سورۂ فاطر کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ سجرت کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ سوکھا دیا جائے گا۔ ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا' یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ بہا دیا جائے گا اور ادھر ادھر بہہ نکلے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ ہر قسم کے لوگ یکجا جمع کر دیئے جائیں گے' جیسے اور جگہ ہے اُحۡشُرُوا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا وَاَزۡوَاجَهُمۡ ظالموں کو اور ان کے جوڑوں یعنی ان جیسوں کو جمع کرو۔ حدیث میں ہے ہر شخص کا اس کی قوم کے ساتھ حشر کیا جائے گا جو اس جیسے اعمال کرتی ہو' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَکُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً تم تین طرح کے گروہ ہو جاؤ گے' کچھ وہ جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال ہوں گے' کچھ بائیں ہاتھ والے' کچھ سبقت کرنے والے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ پڑھتے ہوئے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا ہر جماعت اپنے جیسوں سے مل جائے گی' دوسری روایت میں ہے کہ وہ دو شخص جن کے عمل ایک جیسے ہوں وہ یا تو جنت میں ساتھ رہیں گے یا جہنم میں ساتھ جلیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا نیک نیکوں کے ساتھ مل جائیں گے اور بد بدوں کے ساتھ آگ میں' حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو سب خاموش رہے' آپ نے فرمایا لو میں بتاؤں آدمی کا جوڑا جنت میں اسی جیسا ہوگا اسی طرح جہنم میں بھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب اس سے یہی ہے کہ تین قسم کے لوگ ہو جائیں گے یعنی اصحاب الیمین' اصحاب الشمال اور سابقین۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں ہر قسم کے لوگ ایک ساتھ ہوں گے' یہی قول امام ابن جریرؒ بھی پسند کرتے ہیں اور یہی ٹھیک بھی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عرش کے پاس سے پانی کا ایک دریا جاری ہوگا جو چالیس سال تک بہتا رہے گا اور بڑی نمایاں چوڑان میں ہوگا' اس سے تمام مرے سڑے گلے اگنے لگیں گے' اس طرح کے ہو جائیں گے کہ جو انہیں پہچانتا ہو وہ اگر انہیں اب دیکھ لے تو بہ یک نگاہ پہچان لے پھر روحیں چھوڑ جائیں گی اور ہر روح اپنے جسم میں آ جائے گی' یہی معنی ہیں وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ یعنی روحیں جسموں میں ملا دی جائیں گی' اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ مومنوں کا جوڑا اور حوروں سے لگایا جائے گا اور کافروں کا شیطانوں سے' تذکرہ قرطبی' پھر ارشاد ہوتا ہے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ جمہور کی قرأۃ یہی ہے۔ اہل جاہلیت لڑکیوں کو ناپسند کرتے تھے اور انہیں زندہ درگور کر دیا کرتے تھے' ان سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ یہ کیوں قتل کی گئیں؟ تا کہ ان کے قاتلوں کو زیادہ ڈانٹ ڈپٹ اور شرمندگی ہو اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب مظلوم سے سوال ہوا تو ظالم کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ خود پوچھیں گی کہ انہیں کس بنا پر زندہ درگور کیا گیا؟ اس کے متعلق احادیث سنئے۔ مسند احمد میں ہے حضور فرماتے ہیں میں نے قصد کیا کہ لوگوں کو حالت حمل کی مجامعت سے روک دوں لیکن میں نے دیکھا کہ رومی اور فارسی یہ کام کرتے ہیں اور ان کی اولادوں کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا' لوگوں نے آپ سے عزل کے بارے میں سوال کیا یعنی بروقت نطفہ کو باہر ڈال دینے کے بارے میں' تو آپ نے فرمایا کہ یہ پوشیدگی سے زندہ گاڑ دینا ہے اور اسی کا بیان ہے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ الخ' میں ہے۔ سلمہ بن یزیدؓ اور ان کے بھائی سرکار نبوت میں حاضر ہو کر سوال کرتے ہیں کہ ہماری ماں امیر زادی تھیں' وہ صلہ رحمی کرتی تھیں' مہمان نوازی کرتی تھیں اور بھی نیک کام بہت کچھ کرتی تھیں لیکن جاہلیت میں ہی مر گئی ہیں' تو کیا اسے اس کے یہ نیک کام کچھ نفع دیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں' انہوں نے کہا کہ اس نے ہماری ایک بہن کو زندہ دفن کر دیا ہے' کیا وہ بھی اسے کچھ نفع دے گی آپ نے فرمایا زندہ گاڑی ہوئی اور زندہ گاڑنے والی جہنم میں ہیں' ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ اسلام کو قبول کر لے (مسند احمد)

ابن ابی حاتم میں ہے زندہ دفن کرنے والی اور جسے دفن کیا ہے دونوں جہنم میں ہیں' ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوال پر کہ جنت میں کون جائے گا آپ نے فرمایا نبی اور شہید اور بچے اور زندہ درگور کی ہوئی' یہ حدیث مرسل ہے حضرت حسن سے جسے بعض محدثین نے قبولیت کا مرتبہ دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مشرکوں کے چھوٹی عمر میں مرے ہوئے بچے جنتی ہیں جو انہیں جہنمی کہے وہ جھوٹا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ (ابن ابی حاتم) قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوال کرتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے جاہلیت کے زمانے میں اپنی بچیوں کو زندہ دبا دیا ہے میں کیا کروں' آپ نے فرمایا ہر ایک کے بدلے ایک غلام آزاد کرو۔ انہوں نے کہا حضور غلام والا تو میں ہوں نہیں البتہ میرے پاس اونٹ ہیں' فرمایا ہر ایک کے بدلے ایک اونٹ خدا کے نام پر قربان کرو (عبدالرزاق)۔

دوسری روایت میں ہے کہ میں نے اپنی آٹھ لڑکیاں اس طرح زندہ دبا دی ہیں' آپ کے فرمان میں ہے اگر چاہ تو یوں کر' اور روایت میں ہے کہ میں نے بارہ تیرہ لڑکیاں زندہ دفن کر دی ہیں' آپ نے فرمایا ان کی گنتی کے مطابق غلام آزاد کرو انہوں نے کہا بہت بہتر میں یہی کروں گا' دوسرے سال وہ ایک سو اونٹ لے کر آئے اور کہنے لگے حضورؐ یہ میری قوم کا صدقہ ہے جو اس کے بدلے ہے جو میں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ہم ان اونٹوں کو لے جاتے تھے اور ان کا قیسیہ رکھ چھوڑا تھا' پھر ارشاد ہے کہ نامہ اعمال بانٹے جائیں گے کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں' ابن آدم تو لکھوا رہا ہے جو لپیٹ کر پھیلا کر تجھے دیا جائے گا' دیکھ لے کہ کیا لکھوا رہا ہے' آسمان گھسیٹ لیا جائے گا اور کھینچ لیا جائے گا اور سمیٹ لیا جائے گا اور برباد ہو جائے گا' جہنم بھڑکائی جائے گی' اللہ کے غضب اور بنی آدم کے گناہوں سے اس کی آگ تیز ہو جائے گی' جنت جنتیوں کے پاس آ جائے گی۔ جب یہ تمام کام ہو چکیں گے اس وقت

ہر شخص جان لے گا کہ اس نے اپنی دنیا کی زندگی میں کیا کچھ اعمال کئے تھے' وہ سب عمل اس کے سامنے موجود ہوں گے جیسے اور جگہ ہے یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ جس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال پالے گا نیک ہیں تو سامنے دیکھ لے گا اور بد ہیں تو اس دن وہ آرزو کرے گا کہ کاش کہ اس کے اور اس کے درمیان بہت دوری ہوتی' اور جگہ ہے یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے پچھلے اعمال سے تنبیہ کی جائے گی' حضرت عمر اس سورت کو سنتے رہے اور اس کو سنتے ہی فرمایا اگلی تمام باتیں اسی لئے بیان ہوئی تھیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾

میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ○ چلنے پھرنے والے چھپنے والے ○ چھپنے والے ستاروں کی' اور رات کی جب جانے لگے ○ اور صبح کی جب چمکنے لگے ○ یقیناً یہ ایک بزرگ پیغامبر کا کلام ہے ○ جو قوت والا ہے عرش والے اللہ کے نزدیک ذی عزت ہے ○

ستارے' نیل گائے اور ہرن: ☆☆ (آیت: ۱۵-۲۰) حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کو اس سورۂ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا' اس نماز میں میں بھی مقتدیوں میں شامل تھا (مسلم) یہ قسمیں ستاروں کی کھائی ہیں جو دن کے وقت پیچھے ہٹ جاتے ہیں یعنی چھپ جاتے ہیں اور رات کو ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی فرماتے ہیں اور بھی صحابہ تابعین وغیرہ سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے' بعض ائمہ نے فرمایا ہے طلوع کے وقت ستاروں کو خنس کہا جاتا ہے اور اپنی اپنی جگہ پر انہیں جوار کہا جاتا ہے اور چھپ جانے کے وقت انہیں کنس کہا جاتا ہے بعض نے کہا ہے مراد اس سے جنگلی گائے ہے' یہ بھی مروی ہے کہ مراد ہرن ہے۔ ابراہیم نے حضرت مجاہدؒ سے اس کے معنی پوچھے تو حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ ہم نے اس بارے میں کچھ نہیں سنا البتہ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں۔ انہوں نے پھر سوال کیا کہ جو تم نے سنا ہو وہ کہو تو فرمایا ہم سنتے ہیں کہ اس سے مراد نیل گائے ہے جبکہ وہ اپنی جگہ چھپ جائے' حضرت ابراہیم نے فرمایا وہ مجھ پر جھوٹ باندھتے ہیں' جیسے حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اسفل کو اعلیٰ کا اور اعلیٰ کو اسفل کا ضامن بنایا۔

امام ابن جریرؒ نے اس میں سے کسی کی تعیین نہیں کی اور فرمایا ہے ممکن ہے تینوں چیزیں مراد ہوں یعنی ستارے' نیل گائے اور ہرن۔ عَسْعَسَ کے معنی ہیں اندھیری والی ہوئی اور اٹھ کھڑی ہوئی اور لوگوں کو ڈھانپ لیا اور جانے لگی۔ صبح کی نماز کے وقت حضرت علیؓ ایک مرتبہ نکلے اور فرمانے لگے کہ وتر کے پوچھنے والے کہاں ہیں؟ پھر یہ آیت پڑھی' امام ابن جریر اسی کو پسند فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ رات جب جانے لگے کیونکہ اس کے مقابلہ میں ہے کہ جب صبح چمکنے لگے' شاعروں نے عَسْعَسَ کو اَدْبَرَ کے معنی میں باندھا ہے میرے نزدیک ٹھیک معنی یہ ہیں کہ قسم ہے رات کی جب وہ آئے اور اندھیرا پھیلائے اور قسم ہے دن کی جب وہ آئے اور روشنی پھیلائے' جیسے اور جگہ ہے وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى اور جگہ ہے وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى اور جگہ ہے فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا اور بھی اس قسم کی آیتیں بہت سی ہیں' مطلب سب کا یکساں ہے ہاں بیشک اس لفظ کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہی ہیں۔ علماء اصول نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ آگے آنے اور پیچھے جانے کے دونوں معنی میں آتا ہے اس بنا پر یہ دونوں معنی ٹھیک ہو سکتے ہیں واللہ اعلم۔

اور قسم ہے صبح کی جبکہ وہ طلوع ہو اور روشنی کے ساتھ آئے پھر ان قسموں کے بعد فرماتا ہے کہ یہ قرآن ایک بزرگ شریف پاکیزہ رو خوش منظر فرشتے کا کلام ہے یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا وہ قوت والے ہیں جیسے کہ اور جگہ ہے عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ یعنی سخت مضبوط اور سخت پکڑ اور فعل فرشتہ وہ اللہ عزوجل کے پاس وعرش والا ہے بلند پایہ اور ذی مرتبہ ہے وہ نور کے ستر پردوں میں جا سکتے ہیں اور انہیں عام اجازت ہے ان کی بات وہاں سنی جاتی ہے برتر فرشتے ان کے فرمانبردار ہیں آسمانوں میں ان کی سرداری ہے کہ اور فرشتے ان کے تابع فرمان ہیں وہ اس پیغام رسانی پر مقرر ہیں کہ خدا کا کلام اس کے رسول تک پہنچائیں یہ فرشتے خدا کے امین ہیں۔

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿٢١﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿٢٥﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٩﴾

جس کی آسمانوں میں اطاعت کی جاتی ہے ○ تمہارا رفیق دیوانہ نہیں ○ اس نے فرشتے کو آسمان کے کھلے کناروں پر دیکھا بھی ہے ○ اور یہ پوشیدہ باتوں کے بتلانے پر بخیل بھی نہیں ○ اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں ○ پھر تم کہاں جا رہے ہو؟ ○ یہ تو تمام دنیا جہان والوں کے لئے نصیحت نامہ ہے ○ بالخصوص اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے ○ اور تم بغیر اللہ پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ○

(آیت: ۲۱-۲۹) مطلب یہ ہے کہ فرشتوں میں سے جو اس رسالت پر مقرر ہیں وہ بھی پاک صاف ہیں اور انسانوں میں جو رسول مقرر ہیں وہ بھی پاک اور برتر ہیں اس لئے اس کے بعد فرمایا تمہارے ساتھی یعنی حضرت محمد ﷺ دیوانے نہیں یہ پیغمبر اس فرشتے کو اس کی اصلی صورت پر بھی دیکھ چکے ہیں جبکہ وہ اپنے چھ سو پروں سمیت ظاہر ہوئے تھے یہ واقعہ بطحا کا ہے اور یہ پہلی مرتبہ کا دیکھنا تھا آسمان کے کھلے کناروں پر یہ دیدار جبرئیل ہوا تھا۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ○ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ○ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ○ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى یعنی انہیں ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے قوی ہے۔ جو اصلی صورت پر آسمان کے بلند و بالا کناروں پر ظاہر ہوا تھا پھر وہ نزدیک آیا اور بہت قریب آ گیا صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم پھر جو وحی خدا نے اپنے بندے پر نازل کرنی چاہی نازل فرمائی اس آیت کی تفسیر سورۂ والنجم میں گذر چکی ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت معراج سے پہلے اتری ہے اس لئے کہ اس میں صرف پہلی مرتبہ کا دیکھنا ذکر ہوا ہے اور دوبارہ کا دیکھنا اس آیت میں مذکور ہے وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى الخ یعنی انہوں نے اس کو ایک مرتبہ اور بھی سدرۃ المنتہٰی کے پاس دیکھا ہے جس کے قریب جنت الماوی ہے جبکہ اس درخت سدرہ کو ایک عجیب و غریب چیز چھپائے ہوئے تھی اس آیت میں دوسری مرتبہ کے دیکھنے کا ذکر ہے۔ یہ سورت واقعہ معراج کے بعد نازل ہوئی تھی بِضَنِيْنٍ کی دوسری قرات بِظَنِيْنٍ بھی مروی ہے یعنی ان پر کوئی تہمت نہیں اور ضاد سے جب پڑھو تو معنی ہوں گے یہ بخیل نہیں ہیں بلکہ ہر شخص کو جو غیب کی باتیں آپ کو اللہ کی طرف سے معلوم کرائی جاتی ہیں یہ سکھا دیا کرتے ہیں یہ دونوں قراتیں مشہور ہیں اور صحیح ہیں پس آپ نے نہ تو تبلیغ احکام میں کمی کی نہ تہمت لگی یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں نہ

شیطان اسے لے سکے نہ اس کے مطلب کی یہ چیز' نہ اس کے قابل' جیسے اور جگہ ہے وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَا يَنْبَغِىْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ نہ اسے لے کر شیطان اترے نہ انہیں یہ لائق ہے نہ اس کی انہیں طاقت ہے وہ تو اس کے سننے سے بھی محروم اور دور ہیں' پھر فرمایا تم کہاں جا رہے ہو؟ یعنی قرآن کی حقانیت' اس کی صداقت ظاہر ہو چکنے کے بعد بھی تم کیوں اسے جھٹلا رہے ہو؟ تمہاری عقلیں کہاں جاتی رہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب بنو حنیفہ قبیلے کے لوگ مسلمان ہو کر حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا مسیلمہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر رکھا ہے' جسے تم آج تک مانتے رہے اس نے جو کلام گھڑ رکھا ہے ذرا اسے تو سناؤ' جب انہوں نے سنایا تو دیکھا کہ نہایت رکیک الفاظ ہیں بلکہ بکواس محض ہے تو آپ نے فرمایا تمہاری عقلیں کہاں جاتی رہیں؟ ذرا تو سوچو کہ ایک فضول بکواس کو تم کلام خدا جانتے رہے' ناممکن ہے کہ ایسا بے معنی اور بے نور کلام خدائی کلام ہو۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ تم کتاب اللہ سے اور اطاعت خدا سے کہاں بھاگ رہے ہو؟ پھر فرمایا یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے پند و نصیحت ہے۔

ہر ایک ہدایت کے طالب کو چاہئے کہ اس قرآن پر عامل بن جائے' یہی نجات کا اور ہدایت کا کفیل ہے' اس کے سوا دوسرے کلام میں ہدایت نہیں' تمہاری چاہیں کام نہیں آتیں کہ جو چاہے ہدایت پالے اور جو چاہے گمراہ ہو جائے بلکہ یہ سب کچھ منجانب اللہ ہے' وہ رب العالمین جو چاہے کرتا ہے' اسی کی چاہت چلتی ہے۔ اس سے اگلی آیت کو سن کر ابوجہل نے کہا تھا کہ پھر تو ہدایت و ضلالت ہمارے بس کی بات ہے اس کے جواب میں یہ آیت اتری۔ سورۂ تکویر کی تفسیر ختم ہوئی فالحمدللہ۔

تفسیر سورۃ انفطار

نسائی میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں لمبی قرات پڑھی تو نبی ﷺ نے فرمایا معاذ کیا یہ سورتیں نہ تھیں؟ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور وَالضُّحٰى اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اس حدیث کی اصل بخاری مسلم میں بھی ہے ہاں اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ کا ذکر صرف نسائی کی روایت میں ہے اور وہ حدیث پہلے گذر چکی ہے جس میں بیان ہے کہ جو شخص قیامت کے دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہے وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھ لے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿۶﴾ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾ فِىْۤ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿۸﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿۹﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں

جب آسمان پھٹ جائے ○ اور جب ستارے جھڑ جائیں ○ اور جب دریا بہ چلیں ○ اور جب قبریں شق کر دی جائیں ○ اس وقت ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے کو معلوم کر لے گا ○ اے انسان تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا ○ جس رب نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر درست اور برابر بنایا ○ جس صورت میں چاہا تیری ترکیب کی ○ نہیں نہیں بلکہ تم تو جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے ہو ○ یقیناً تم پر نگہبان ○ بزرگ لکھنے والے مقرر ہیں ○ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں ○

اور قبریں پھٹ پڑیں گی: ☆☆ (آیت:۱-۱۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے' جیسے فرمایا ہے اَلسَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِہٖ اور ستارے سب کے سب گر پڑیں گے اور کھاری اور میٹھے سمندر آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے اور پانی سوکھ جائے گا' قبریں پھٹ جائیں گی' ان کے شق ہونے کے بعد مردے جی اٹھیں گے' پھر ہر شخص اپنے اگلے پچھلے اعمال کو بخوبی جان لے گا پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دھمکاتا ہے کہ تم کیوں مغرور ہو گئے ہو؟ یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ اس کا جواب طلب کرتا ہو یا سکھاتا ہو بعض نے یہ بھی کہا ہے بلکہ انہوں نے جواب دیا ہے کہ کرم خدا نے غافل کر رکھا ہے یہ معنی بیان کرنے غلط ہیں' صحیح مطلب یہی ہے کہ اے ابن آدم تیرے باعظمت خدا سے تو نے کیوں بے پرواہی برت رکھی ہے' کس چیز نے تجھے اس کی نافرمانی پر اکسا رکھا ہے؟ اور کیوں تو اس کے مقابلہ پر آمادہ ہو گیا ہے؟ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم تجھے میری جانب سے کس چیز نے مغرور کر رکھا تھا؟ ابن آدم بتا تو نے میرے نبیوں کو کیا جواب دیا؟ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ انسانی جہالت نے اسے غافل بنا رکھا ہے' ابن عمرؓ' ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے' قتادہ فرماتے ہیں اسے بہکانے والا شیطان ہے۔ حضرت فضیل ابن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر مجھ سے یہ سوال ہو تو میں جواب دوں کہ تیرے لٹکائے ہوئے پردوں نے' حضرت ابوبکر وراق فرماتے ہیں میں تو کہوں گا کہ کریم کے کرم نے بے فکر کر دیا' بعض سخن شناس فرماتے ہیں کہ یہاں پر کریم کا لفظ لانا گویا جواب کی طرف اشارہ سکھانا ہے لیکن یہ قول کچھ فائدہ مند نہیں بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ کرم والے خدا کے کرم کے مقابلہ میں بدافعال اور برے اعمال نہ کرنے چاہئیں۔ کلبی اور مقاتل فرماتے ہیں کہ اسود بن شریق کے بارے میں یہ نازل ہوئی ہے اس خبیث نے حضور ﷺ کو مارا تھا اور اسی وقت چونکہ اس پر کچھ عذاب نہ آیا تو وہ پھول گیا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی - پھر فرماتا ہے وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا تجھے پھر درست بنایا تجھے پھر درمیانہ قد و قامت تجھے بخشا خوش شکل اور خوبصورت بنایا۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا پھر اس پر اپنی انگلی رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم کیا تو مجھے عاجز کر سکتا ہے؟ حالانکہ میں نے تو تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے' پھر ٹھیک ٹھاک کیا' پھر صحیح قامت بنایا' پھر تجھے پہنا اوڑھا کر چلنا پھرنا سکھایا آخرش تیرا ٹھکانا زمین کے اندر ہے' تو نے خوب جمع جتھا کی اور میری راہ میں دینے سے رکتا رہا یہاں تک کہ جب دم حلق میں آ گیا تو کہنے لگا میں صدقہ کرتا ہوں' بھلا اب صدقے کا وقت کہاں؟ جس صورت میں چاہا' ترکیب دی یعنی باپ کی ماں کی' ماموں کی' چچا کی صورت میں پیدا کیا۔ ایک شخص سے حضور ﷺ نے فرمایا تیرے ہاں کیا بچہ ہوگا' اس نے کہا لڑکا یا لڑکی' فرمایا کس کے مشابہ ہوگا کہا یا میرے یا اس کی ماں کے' فرمایا خاموش ایسا نہ کہہ نطفہ جب رحم میں ٹھہرتا ہے تو حضرت آدم تک کا نسب اس کے سامنے ہوتا ہے' پھر آپ نے آیت فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ پڑھی اور فرمایا جس صورت میں اس نے چاہا تجھے بنایا - یہ حدیث اگر صحیح ہوتی تو آیت کے معنی ظاہر کرنے کے لئے کافی تھی لیکن اس کی اسناد ثابت نہیں ہے' مطہر بن ہشیم جو اس کے راوی ہیں یہ متروک الحدیث ہیں' ان پر اور جرح بھی ہے۔

صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت کے پاس آ کر کہا میری بیوی کو جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ سیاہ فام ہے' آپ نے فرمایا تیرے پاس اونٹ بھی ہیں؟ کہا ہاں' فرمایا کس رنگ کے ہیں؟ کہا سرخ رنگ کے فرمایا کیا ان میں کوئی چت کبرا بھی ہے؟ کہا ہاں فرمایا اس رنگ کا بچہ سرخ نر و مادہ کے درمیان کیسے پیدا ہو گیا؟ کہنے لگا شاید اوپر کی نسل کی طرف کوئی رگ کھینچ لے گئی ہو' آپ نے فرمایا اسی طرح تیرے بچے کے سیاہ رنگ ہونے کی وجہ بھی شاید یہی ہو۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں اگر چاہے بندر کی صورت بنا دے اگر چاہے سور کی۔ ابو صالح فرماتے ہیں اگر چاہے کتے کی صورت میں بنا دے' اگر چاہے گدھے کی' اگر چاہے سور کی۔

قتادہؒ فرماتے ہیں یہ سب سچ ہے اور خدا سب چیز پر قادر ہے لیکن وہ مالک ہمیں بہترین عمدہ اور خوش شکل اور دل لبھانے والی پاکیزہ پاکیزہ شکلیں صورتیں فرماتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس کریم خدا کی نافرمانیوں پر تمہیں آمادہ کرنے والی چیز صرف یہی ہے کہ تمہارے دلوں میں قیامت کی تکذیب ہے' تم اس کا آنا ہی برحق نہیں جانتے اس لئے اس سے بے پرواہی برت رہے ہو' تم یقین مانو کہ تم پر بزرگ محافظ اور کاتب فرشتے مقرر ہیں' تمہیں چاہے کہ ان کا لحاظ رکھو' وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں' تمہیں برائی کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں خدا کے یہ بزرگ فرشتے تم سے جنابت اور پاخانہ کی حالت کے سوا کسی وقت الگ نہیں ہوتے' تم ان کا احترام کرو غسل کے وقت بھی پردہ کر لیا کرو' دیوار سے یا اونٹ سے ہی سہی' یہ بھی نہ ہو تو اپنے کسی ساتھی کو کھڑا کر لیا کرو تا کہ وہی پردہ ہو جائے (ابن ابی حاتم) بزار کی اس حدیث کے الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ننگا ہونے سے منع کرتا ہے' اللہ کے ان فرشتوں سے شرماؤ' اس میں یہ بھی ہے کہ غسل کے وقت بھی یہ فرشتے دور ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ کراما کاتبین بندے کا روزانہ اعمال خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں تو اگر شروع اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے درمیان کی سب خطائیں میں نے اپنے غلام کی بخش دیں (بزار)۔ بزار کی ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے انسانوں کو اور ان کے اعمال کو جانتے پہچانتے ہیں' جب کسی بندے کو نیکی میں مشغول پاتے ہیں تو آپس میں کہتے ہیں کہ آج کی رات فلاں شخص نجات پا گیا' فلاں حاصل کر گیا اور اس کے خلاف دیکھتے ہیں تو آپس میں ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں آج کی رات فلاں ہلاک ہوا۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿۱۳﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿۱۴﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿۱۶﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ﴿۱۹﴾

یقیناً نیک لوگ نعمتوں میں ہیں ○ اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہیں ○ بدلے والے دن اسی میں جائیں گے ○ یہ لوگ اس سے چھپ نہ سکیں گے ○ تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ بدلے کا دن کیا ہے؟ ○ میں پھر کہتا ہوں کہ تجھے کیا معلوم کہ جزا اور سزا کا دن کیا ہے ○ اس دن کوئی شخص کسی شخص کے لئے کسی چیز کا مختار نہ ہوگا اور تمام تر احکام و فرمان اس روز اللہ تعالیٰ کے ہی ہوں گے ○

ابرار کا کردار: ☆☆ (آیت: ۱۳-۱۹) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گذار فرمانبردار ہیں' گناہوں سے دور رہتے ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ

جنت کی خوش خبری دیتا ہے۔ حدیث میں ہے انہیں ابرار اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے ماں باپ کے فرمانبردار تھے اور اپنی اولادوں کے ساتھ نیک سلوک تھے' بدکار لوگ ہمیشگی والے عذاب میں پڑیں گے' قیامت والے دن جو حساب کا اور بدلے کا دن ہے ان کا داخلہ اس میں ہو گا' ایک ساعت بھی ان پر عذاب ہلکا نہ ہوگا نہ موت آئے گی نہ راحت ملے گی نہ ایک ذرا سی دیر اس سے الگ ہوں گے۔ پھر قیامت کی بڑائی اور اس دن کی ہولناکی ظاہر کرنے کے لئے دو دو بار فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے معلوم کرایا کہ وہ دن کیسا ہے؟ پھر خود ہی بتلایا کہ اس دن کوئی کسی کو کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے گا نہ عذابوں سے نجات دلوا سکے گا' ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی کی سفارش کی اجازت خود خدائے تبارک وتعالیٰ عطا فرمائے۔ اس موقعہ پر یہ حدیث وارد کرنی بالکل مناسب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بنو ہاشم اپنی جانوں کو جہنم سے بچانے کے لئے نیک اعمال کی تیاریاں کر لو میں تمہیں اس دن خدا کے عذابوں سے بچانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ حدیث سورۂ شعراء کی تفسیر کے آخر میں گذر چکی ہے یہاں بھی فرمایا کہ اس دن امر محض اللہ کا ہی ہوگا۔ جیسے اور جگہ ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ اور جگہ ارشاد ہے اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ اور فرمایا مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ مطلب سب کا یہی ہے کہ ملک وملکیت اس دن صرف خدائے واحد قہار ورحمٰن کی ہی ہوگی' گو آج بھی اسی کی ملکیت ہے' وہ ہی تنہا مالک ہے' اسی کا حکم چلتا ہے' مگر وہاں تو کوئی ظاہرداری حکومت اور ملکیت اور امر وہ بھی نہ ہوگا۔ سورۂ انفطار کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ۔

تفسیر سورۃ المطففین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿۲﴾ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی ○ کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیں تو تو پورا پورا کر لیں ○ اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں ○ کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا یقین نہیں ○ اس بڑے بھاری دن ○ جس دن سب لوگ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ○

ناپ تول میں کمی کے نتائج: ☆☆ (آیت:۱-۶) نسائی اور ابن ماجہ میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اس وقت اہل مدینہ ناپ تول کے اعتبار سے بہت برے تھے جب یہ آیت اتری پھر انہوں نے ناپ تول بہت درست کر لی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ہلال بن طلق نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ مکے مدینے والے بہت ہی عمدہ ناپ تول رکھتے ہیں' آپ نے فرمایا وہ کیوں نہ رکھتے؟ جب کہ خدا تعالیٰ کا فرمان وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الخ' ہے' پس 'تطفیف' سے مراد ناپ تول کی کمی ہے خواہ اس صورت میں کہ اوروں سے لیتے وقت زیادہ لے لیا اور دیتے وقت کم دیا' اسی لئے انہیں دھمکایا

کہ یہ نقصان اٹھانے والے اور ہلاک ہونے والے ہیں کہ جب اپنا حق لیں تو تو پورا لیں بلکہ زیادہ لے لیں اور دوسروں کو دینے بیٹھیں تو کم دیں، ٹھیک یہ ہے کہ کَالُوْ اور وَزَنُوْا کو متعدی مانیں اور ھم کو محلاً منصوب کہیں، گو بعض نے اسے ضمیر موکد مانا ہے جو کَالُوْا اور وَزَنُوْا کی پوشیدہ ضمیر کی تاکید کے لئے ہے اور مفعول محذوف مانا ہے جس پر دلالت کلام موجود ہے دونوں طرح مطلب قریب قریب ایک ہی ہے- قرآن کریم نے ناپ تول درست کرنے کا حکم اس آیت میں بھی دیا ہے اَوْفُو الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ یعنی جب ناپو تو ناپ پورا کرو اور وزن سیدھے ترازو سے تول کر دیا کرو، اور جگہ حکم ہے اَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ الخ، ناپ تول انصاف کے ساتھ برابر کر دیا کرو، ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے- اور جگہ فرمایا وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُ وا الْمِیْزَانَ یعنی تول کو قائم رکھو اور میزان کو گھٹاؤ نہیں، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو اسی بدعلت کی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے غارت و برباد کر دیا، یہاں بھی اللہ تعالیٰ ڈرا رہا ہے کہ لوگوں کے حق مارنے والے کیا قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے جس دن یہ اس ذات پاک کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، جس پر نہ تو کوئی پوشیدہ بات پوشیدہ ہے نہ ظاہر، وہ دن بھی نہایت ہولناک خطرناک ہوگا، بڑی گھبراہٹ اور پریشانی والا دن ہوگا، اس دن یہ نقصان رساں لوگ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے، جس دن لوگ خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے اس حالت میں کہ ننگے پیر ہوں گے اور ننگے بدن ہوں گے اور بے ختنہ ہوں گے، وہ جگہ بھی نہایت تنگ و تاریک ہوگی اور میدان آفات بلیات سے پر ہوگا اور وہ وہ مصائب نازل ہو رہے ہوں گے کہ دل پریشان ہوں گے، حواس بگڑے ہوئے ہوں گے، ہوش جاتا رہا ہوگا- صحیح حدیث میں ہے کہ آدھے آدھے کانوں تک پسینہ پہنچ گیا ہوگا (موطا مالکؒ)

مسند احمد کی حدیث میں ہے اس دن رحمان عزوجل کی عظمت کے سامنے سب کھڑے کپکپا رہے ہوں گے، اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے سورج اس قدر قریب ہو جائے گا کہ ایک یا دو نیزے کے برابر اونچا ہوگا اور سخت تیز ہوگا، ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے مطابق اپنے پسینے میں غرق ہوگا، بعض کی ایڑیوں تک پسینہ ہوگا، بعض کے گھٹنوں تک، بعض کی کمر تک، بعض کو تو ان کا پسینہ لگام بنا ہوا ہوگا، اور حدیث میں ہے دھوپ اس قدر تیز ہوگی کہ کھوپڑی بھنا اٹھے گی اور اس طرح اس میں جوش اٹھنے لگے گا جس طرح ہنڈیا میں کھدبدیاں آتی ہیں- اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے منہ پر اپنی انگلیاں رکھ کر بتایا کہ اس طرح پسینہ کی لگام چڑھی ہوئی ہوگی پھر آپ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ بعض بالکل ڈوبے ہوئے ہوں گے- اور حدیث میں ہے ستر سال تک بغیر بولے چالے کھڑے رہیں گے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ تین سو سال تک کھڑے رہیں گے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چالیس ہزار سال تک کھڑے رہیں گے اور دس ہزار سال میں فیصلہ کیا جائے گا-

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً ہے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی، ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بشیر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو کیا کرے گا جس دن لوگ خدائے رب العالمین کے سامنے تین سو سال تک کھڑے رہیں گے، نہ تو کوئی خبر آسمان سے آئے گی نہ کوئی حکم کیا جائے گا، حضرت بشیر کہنے لگے اللہ ہی مددگار ہے، آپ نے فرمایا سنو جب بستر پر جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن تکلیفوں سے اور حساب کی برائی سے پناہ مانگ لیا کرو- سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن کے کھڑے ہونے کی جگہ کی تنگی سے پناہ مانگا کرتے تھے، حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ چالیس سال تک لوگ اونچا سر کئے کھڑے رہیں گے، کوئی بولے گا نہیں، نیک بد کو پسینے کی لگام میں چڑھی ہوئی ہوں گی- ابن عمرؓ فرماتے ہیں سو سال
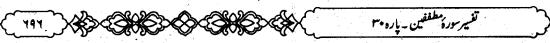
تک کھڑے رہیں گے (ابن جریر) ابوداؤد نسائی ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ جب رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز کو شروع کرتے تو دس مرتبہ اللہ اکبر کہتے' دس مرتبہ الحمد للہ کہتے' دس مرتبہ سبحان اللہ کہتے' دس مرتبہ استغفر اللہ کہتے' پھر کہتے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَعَافِنِیْ خدایا مجھے بخش مجھے ہدایت دے مجھے روزیاں دے اور عافیت عنایت فرما' پھر اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن کے مقام کی تنگی سے پناہ مانگتے۔

كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلْفُجَّارِ لَفِى سِجِّينٍ ۝٧ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا سِجِّينٌ ۝٨ كِتَٰبٌ مَّرْقُومٌ ۝٩ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝١٠ ٱلَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ ٱلدِّينِ ۝١١ وَمَا يُكَذِّبُ بِهِۦٓ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝١٢ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ۝١٣ كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ ۝١٤ كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ۝١٥ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا۟ ٱلْجَحِيمِ ۝١٦ ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا ٱلَّذِى كُنتُم بِهِۦ تُكَذِّبُونَ ۝١٧

یقیناً بدکاروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے ○ تجھے کس نے بتایا کہ سجین کیا ہے؟ ○ یہ تو کتاب میں لکھا جا چکا ہے ○ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے ○ جو جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے رہے ○ اسے صرف وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے آگے نکل جانے والا اور گنہگار ہو ○ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو کہہ دے کہ یہ اگلوں کے افسانے ہیں ○ یوں نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے ○ یہی نہیں یہ لوگ آج کے دن دیدار باری سے محروم ہیں ○ پھر یہ لوگ بالیقین جہنم میں پہنچنے والے ہیں ○ پھر کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے رہے ○

انتہائی المناک اور دکھ درد کی جگہ: ☆☆ (آیت: ۷-۱۷) مطلب یہ ہے کہ برے لوگوں کا ٹھکانا سجین ہے یہ لفظ فِعِّیْلٌ کے وزن پر سِجْنٌ سے ماخوذ ہے' سجن کہتے ہیں لغتاً تنگی کو' ضِیِّیْقٌ شِرِّیْبٌ خِمِّیْرٌ سِکِّیْرٌ وغیرہ کی طرح یہ لفظ بھی سِجِّیْنٌ ہے۔ پھر اس کی مزید برائیاں بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ تمہیں اس کی حقیقت معلوم نہیں' وہ المناک اور ہمیشہ کے درد دکھ کی جگہ ہے' مروی ہے کہ یہ جگہ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے' حضرت براء بن عازب کی ایک مطول حدیث میں یہ گذر چکا ہے کہ کافر کی روح کے بارے میں جناب باری کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کو کتاب سجین میں لکھ لو اور سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے' کہا گیا ہے کہ یہ ساتویں زمین کے نیچے سبز رنگ کی ایک چٹان ہے اور کہا گیا ہے کہ جہنم میں ایک گڑھا ہے۔

ابن جریر کی ایک غریب منکر اور غیر صحیح حدیث میں ہے کہ فلق جہنم کا ایک منہ بند کردہ کنواں ہے اور سجین کھلے منہ والا گڑھا ہے' صحیح بات یہ ہے کہ اسکے معنی ہیں تنگ جگہ جیل خانہ کے نیچے کی مخلوق میں تنگی ہے اور اوپر کی مخلوق میں کشادگی' آسمانوں میں ہر اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان سے کشادہ ہے اور زمینوں میں ہر نیچے کی زمین اوپر کی زمین سے تنگ ہے یہاں تک کہ بالکل نیچے کی تہہ بہت تنگ ہے اور سب سے زیادہ تنگ جگہ ساتویں زمین کا وسطی مرکز ہے چونکہ کافروں کے لوٹنے کی جگہ جہنم ہے اور وہ سب سے نیچے ہے' اور جگہ ہے ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ یعنی ہم نے اسے پھر نیچوں کا نیچ کر دیا ہاں جو ایمان والے اور نیک اعمال والے ہیں۔ غرض سجین ایک تنگ اور تہہ کی جگہ ہے' جیسے قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا ہے اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا

ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا جب وہ جہنم کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔ کِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ یہ سجین کی تفسیر ہیں بلکہ یہ تفسیر ہے اس کی جو ان کے لئے لکھا جا چکا ہے کہ آخرش جہنم میں پہنچیں گے ان کا یہ نتیجہ لکھا جا چکا ہے اور اس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے نہ اس میں اب کچھ زیادتی ہو نہ کمی تو فرمایا ان کا انجام سجین ہونا ہماری کتاب میں پہلے سے ہی لکھا جا چکا ہے ان جھٹلانے والوں کی اس دن خرابی ہو گی انہیں جہنم کا قید خانہ اور رسوائی والے المناک عذاب ہوں گے۔ وَیْلٌ کی مکمل تفسیر اس سے پہلے گذر چکی ہے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ان کی ہلاکی بربادی اور خرابی ہے جیسے کہا جاتا ہے وَیْلٌ لِّفُلَانٍ۔ مسند اور سنن کی حدیث میں ہے ویل ہے اس شخص کے لئے جو کوئی جھوٹی بات کہہ کر لوگوں کو ہنسانا چاہے اور اسے ویل ہے اسے ویل ہے۔ پھر ان جھٹلانے والوں بدکار کافروں کی مزید تشریح کی اور فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو روز جزا کو نہیں مانتے اسے خلاف عقل کہہ کر اس کے واقع ہونے کو محال جانتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ قیامت کا جھٹلانا انہی لوگوں کا کام ہے جو اپنے کاموں میں حد سے بڑھ جائیں اسی طرح اپنے اقوال میں گنہگار رہوں جھوٹ بولیں وعدہ خلافی کریں گالیاں بکیں وغیرہ۔

یہ لوگ ہیں کہ ہماری آیتوں کو سن کر انہیں جھٹلاتے ہیں بدگمانی کرتے ہیں اور کہہ گذرتے ہیں کہ پہلی کتابوں سے کچھ جمع جتھا کر لی ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کچھ نازل فرمایا تو کہتے ہیں اگلوں کے افسانے ہیں۔ اور جگہ ہے وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّعَشِیًّا یعنی یہ کہتے ہیں کہ اگلوں کے قصے ہیں جو اسے صبح شام لکھوائے جا رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جواب میں فرماتا ہے کہ واقعہ ان کے قول اور ان کے خیال کے مطابق نہیں بلکہ دراصل یہ قرآن کلام الٰہی ہے اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے بندے پر نازل کی ہے ہاں ان کے دلوں پر ان کے بداعمال نے پردے ڈال دیئے ہیں گناہوں اور خطاؤں کی کثرت نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے کافروں کے دلوں پر رین ہوتا ہے اور نیک کار لوگوں کے دلوں پر غیم ہوتا ہے۔

ترمذی نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس کی صفائی ہو جاتی ہے اور اگر وہ گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی پھیلتی جاتی ہے اسی کا بیان كَلَّا بَلْ رَانَ میں ہے نسائی کے الفاظ میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کا فرمان ہے کہ گناہوں پر گناہ کرنے سے دل اندھا ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ ان عذابوں میں مبتلا ہو کر دیدار باری سے بھی محروم اور محجوب کر دیئے جائیں گے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ مومن قیامت کے دن دیدار باری تعالیٰ سے مشرف ہوں گے۔ امام صاحب کا یہ فرمان بالکل درست ہے اور آیت کا صاف مفہوم یہی ہے اور دوسری جگہ کھلے الفاظ میں بھی یہ بیان موجود ہے فرمان ہے وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ یعنی اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے صحیح اور متواتر حدیثوں سے بھی یہ ثابت ہے کہ ایمان دار قیامت والے دن اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھوں سے قیامت کے میدان میں اور جنت کے نفیس باغیچوں میں دیکھیں گے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ حجاب ہٹ جائیں گے اور مومن اپنے رب کو دیکھیں گے اور پھر کافروں کو پردوں کے پیچھے کر دیا جائے گا البتہ مومن ہر صبح شام پروردگار عالم کا دیدار حاصل کریں گے یا اسی جیسا اور کلام ہے پھر فرماتا ہے کہ نہ صرف دیدار خدا سے ہی یہ محروم رہیں گے بلکہ یہ لوگ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اور انہیں حقارت ذلت اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر غصہ کے ساتھ کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے رہے۔

یقیناً یقیناً نیک کاروں کا نامہ اعمال علیین میں ہے ○ تجھے کس نے بتایا کہ علیین کیا ہے؟ ○ کتاب میں لکھا جا چکا ہے ○ اس کے پاس مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں ○ نیک لوگ بڑی نعمتوں میں ہیں ○ مسہریوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں ○ تو ان کے چہروں سے ہی نعمت کی تروتازگی پہچان لے گا ○ یہ لوگ سر بمہر خالص شراب پلائے جائیں گے ○ جس پر مشک کی مہر ہوگی رغبت کرنے والوں کو اسی کی رغبت کرنی چاہئے ○ اس کی آمیزش تسنیم کی ہوگی ○ یعنی وہ چشمہ جس کا پانی مقرب لوگ پییں گے ○

نعمتوں، راحتوں اور عزت و جاہ کی جگہ: ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۸) بدکاروں کا حشر بیان کرنے کے بعد اب نیک لوگوں کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کا ٹھکانا علیین ہے جو کہ سجین کے بالکل برعکس ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعب سے سجین کا سوال کیا تو فرمایا کہ وہ ساتویں زمین ہے اور اس میں کافروں کی روحیں ہیں اور علیین کے سوال کے جواب میں فرمایا یہ ساتواں آسمان ہے اور اس میں مومنوں کی روحیں ہیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے جنت ہے' عوفی آپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ کے نزدیک آسمان میں ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں یہ عرش کا داہنا پایہ ہے اور لوگ کہتے ہیں یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے' ظاہر یہ ہے کہ لفظ علو یعنی بلندی سے ماخوذ ہے جس قدر کوئی چیز اونچی اور بلند ہوگی اسی قدر بڑی اور کشادہ ہوگی' اس لئے اس کی عظمت و بزرگی کے اظہار کے لئے فرمایا تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہی نہیں' پھر اس کی تاکید کی کہ یہ یقینی چیز ہے' کتاب میں لکھی جا چکی ہے کہ یہ لوگ علیین میں جائیں گے جس کے پاس ہر آسمان کے مقرب فرشتے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ قیامت کے دن یہ نیک کار ہمیشگی والی نعمتوں اور باغات میں ہوں گے' یہ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے' اپنے ملک و مال کو اور نعمتوں اور راحتوں کو عزت و جاہ کو مال و متاع کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے' یہ خیر و فضل یہ نعمت و رحمت نہ کبھی کم ہو نہ گم ہو نہ گھٹے نہ مٹے۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ اپنی آرام گاہوں میں تخت سلطنت پر بیٹھے دیدار باری سے مشرف ہوتے رہیں گے تو گویا کہ فاجروں کے بالکل برعکس ہوں گے' ان پر دیدار باری حرام تھا' ان کے لئے ہر وقت اجازت ہے' جیسے کہ ابن عمر کی حدیث میں ہے جو پہلے بیان ہو چکی کہ سب سے نیچے درجے کا جنتی اپنے ملک اور ملکیت کے دو ہزار سال کی راہ تک دیکھے گا اور سب سے آخر کی چیزیں اس طرح کی نظروں کے سامنے ہوں گی جس طرح سب سے اول چیز اور اعلیٰ درجہ کے جنتی تو دن بھر میں دو دو مرتبہ دیدار باری کی نعمت سے اپنے دل کو مسرور اور اپنی آنکھوں کو پرنور کریں گے' ان کے چہرے پر نظر ڈالے تو بیک نگاہ آسودگی اور خوش حالی' جاہ و حشمت' شوکت و سطوت' خوشی و سرور' بہجت و نور دیکھ کر ان کا مرتبہ تاڑ لے اور سمجھ لے کہ راحت و آرام میں خوش و خرم ہیں' جنتی شراب کا دور چلتا رہتا ہے۔ رحیق جنت کی ایک قسم کی شراب ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے اسے اللہ تعالیٰ رحیق مختوم پلائے گا' یعنی جنت کی مہر والی شراب اور جو کسی

بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے اسے اللہ تعالیٰ جنت کے میوے کھلائے گا اور جو کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے اللہ تعالیٰ اسے جنتی سبز ریشم کے جوڑے پہنائے گا (مسند احمد)

ختام کے معنی ملونی اور آمیزش کے ہیں اسے اسے خدا نے پاک صاف کر دیا ہے اور مشک کی مہر لگا دی ہے یہ بھی معنی ہیں کہ انجام اس کا مشک ہے یعنی کوئی بدبو نہیں بلکہ مشک کی سی خوشبو ہے' چاندی کی طرح سفید رنگ شراب ہے' جس کی مہر لگے گی یا ملونی ہوگی اس قدر خوشبو والی ہے کہ اگر کسی اہل دنیا کی انگلی اس پر لگ جائے پھر گو اسی وقت وہ نکال لے لیکن تمام دنیا اس کی خوشبو سے مہک جائے اور ختام کے معنی خوشبو کے بھی کئے گئے ہیں- پھر فرماتا ہے کہ حرص کرنے والے فخر و مباہات کرنے والے کثرت اور سبقت کرنے والوں کو چاہئے کہ اسکی طرف تمام تر توجہ کریں' جیسے اور جگہ ہے لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ ایسی چیزوں کیلئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے- تسنیم جنت کی بہترین شراب کا نام ہے یہ ایک نہر ہے جس سے سابقین لوگ تو برابر پیا کرتے ہیں اور داہنے ہاتھ والے اپنی شراب رحیق میں ملا کر پیتے ہیں-

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَضَاۗلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَاۗىِٕكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

گنہگار لوگ ایمان داروں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے ○ ان کے پاس سے گذرتے ہوئے اشاروں کنایوں سے ان کی حقارت کرتے تھے ○ اور جب اپنے والوں کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے تھے ○ اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ بے راہ ہیں ○ یہ ان پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ○ پس آج ایمان داران کافروں پر ہنسیں گے ○ تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے ○ کہ اب ان منکروں نے جیسا یہ کرتے تھے بھر پایا ○

گناہ گار روز قیامت رسوا ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۲۹-۳۶) یعنی دنیا میں تو ان کافروں کی خوب بن آئی تھی' ایمان داروں کو مذاق میں اڑاتے رہے' چلتے پھرتے آوازے کستے رہے اور حقارت و تذلیل کرتے رہے اور اپنے والوں میں جا کر خوب باتیں بناتے تھے' جو چاہتے تھے پاتے تھے' لیکن شکر تو کہاں اور کفر پر آمادہ ہو کر مسلمانوں کی ایذا رسانی کے درپے ہو جاتے تھے اور چونکہ مسلمان ان کی مانتے نہ تھے تو یہ انہیں گمراہ کہا کرتے تھے- اللہ فرماتا ہے کچھ یہ لوگ محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے' انہیں مومنوں کی کیا پڑی' کیوں ہر وقت ان کے پیچھے پڑے ہیں اور ان کے اعمال افعال کی دیکھ بھال رکھتے ہیں اور طعنہ آمیز باتیں بناتے رہتے ہیں؟ جیسے اور جگہ ہے اِخْسَئُوْا فِيْهَا الخ ① یعنی اس جہنم میں پڑے بھلستے رہو' مجھ سے بات نہ کرو' میرے بعض خاص بندے کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم کر' تو سب سے بڑا رحم و کرم کرنے والا ہے' تو تم نے انہیں مذاق میں اڑایا اور اس قدر غافل ہوئے کہ میری یاد بھلا بیٹھے اور ان سے ہنسی مذاق کرنے لگے' دیکھو آج میں نے انہیں ان کے صبر کا یہ بدلا دیا ہے کہ وہ ہر طرح کامیاب ہیں' یہاں بھی اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ آج قیامت کے دن ایماندار ان بدکاروں پر ہنس رہے ہیں اور تختوں پر بیٹھے اپنے خدا کو دیکھ رہے ہیں' جو صاف ثبوت ہے اس

بات کا کہ یہ گمراہ نہ تھے گو تم انہیں راہ گم کردہ کہا کرتے تھے بلکہ یہ دراصل اولیاء اللہ تھے' مقربین خدا تھے' اسی لئے آج خدا کا دیدار ان کی نگاہوں کے سامنے ہے' یہ خدا کے مہمان ہیں اور ان کے بزرگی والے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ جیسا کچھ ان کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ دنیا میں کیا تھا اس کا پورا بدلہ کیا انہیں آخرت میں مل گیا یا نہیں؟ ان کے مذاق کے بدلے آج ان پر ہنسی اڑی' یہ انہیں گھٹاتے تھے خدا نے انہیں بڑھایا غرض پورا پورا اتمام و کمال بدلہ دے دیا گیا۔ الحمدللہ سورۂ مطففین کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ انشقاق

موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتُ کی سورت پڑھی اور سجدہ کیا اور فارغ ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے پڑھتے ہوئے سجدہ کیا تھا' یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے' بخاری میں ہے حضرت ابو رافع فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی آپ نے اس میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتُ کی تلاوت کی اور سجدہ کیا' میں نے پوچھا تو جواب دیا کہ میں نے ابو القاسم ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا ہے (یعنی حضور نے بھی اس سورت کو نماز میں پڑھا اور آیت سجدہ پر سجدہ کیا اور مقتدیوں نے بھی سجدہ کیا) پس میں تو جب تک آپ سے ملوں گا (اس موقعہ پر) سجدہ کرتا رہوں گا (یعنی مرتے دم تک) اس حدیث کی سندیں اور بھی ہیں اور صحیح مسلم شریف اور سنن میں مروی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سورۂ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتُ میں اور سورۂ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ میں سجدہ کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ ﴿۶﴾

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے کے نام سے شروع

جب آسمان پھٹ جائے ○ اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے اور اسی کے لائق وہ ہے ○ اور جب زمین کھینچ کر پھیلا دی جائے ○ اور اس میں جو ہے اسے وہ اگل دے اور خالی ہو جائے ○ اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے اور اس کے لائق یہی ہے ○ اے انسان تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش اور تمام کام کر کے اس سے ملاقات کرنے والا ہے ○

زمین مردے اگل دے گی: ☆☆ (آیت:۱-۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا وہ اپنے رب کے حکم پر کاربند ہونے کے لئے اپنے کان لگائے ہوئے ہوگا' پھٹنے کا حکم پاتے ہی پھٹ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا' اسے بھی چاہئے ہے کہ امر خدا بجا لائے' اس لئے کہ یہ اس خدا کا حکم ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا' جس سے بڑا اور نہیں' جو سب پر غالب ہے' اس پر غالب کوئی نہیں' ہر چیز اس کے سامنے پست و لاچار ہے' بے بس و مجبور ہے اور زمین پھیلا دی جائے گی' بچھا دی جائے گی اور کشادہ کر دی جائے گی۔ حدیث میں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ لے گا یہاں تک کہ ہر انسان کو صرف دو قدم ٹکانے کی جگہ ملے گی' سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا' حضرت جبرئیل علیہ السلام خدائے تعالیٰ کی دائیں جانب ہوں گے' خدا کی قسم اس سے پہلے اس نے کبھی اسے نہیں دیکھا تو میں

کہوں گا خدایا جبرئیل نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ تیرے بھیجے ہوئے میرے پاس آتے ہیں' اللہ فرمائے گا سچ کہا' تو میں کہوں گا خدایا پھر مجھے شفاعت کی اجازت ہو' چنانچہ مقام محمود میں کھڑا ہو کر میں شاعت کروں گا اور کہوں گا کہ خدایا تیرے ان بندوں نے زمین کے گوشے گوشے پر تیری عبادت کی ہے (ابن جریر)۔ پھر فرماتا ہے کہ زمین اپنے اندر کے کل مردے اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی' یہ بھی رب کی فرمان کے منتظر ہوگی اور اسے بھی یہی لائق ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے انسان تو کوشش کرتا رہے گا اور اپنے رب کی طرف آگے بڑھتا رہے گا اعمال کرتا رہے گا یہاں تک کہ ایک دن اس سے مل جائے گا اور اس کے سامنے کھڑا ہوگا اور اپنے اعمال اور اپنی سعی و کوشش کو اپنے آگے دیکھ لے گا۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اے محمد (ﷺ) جی لے جب تک چاہے بالآخر موت آنے والی ہے جس سے چاہ دلبستگی پیدا کر لے' ایک دن اس سے جدائی ہونی ہے جو چاہ عمل کر لے ایک دن اس کی ملاقات ہونے والی ہے۔ مُلَاقِیۡهِ کی ضمیر کا مرجع بعض نے لفظ رب کو بھی بتلایا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ خدا سے تیری ملاقات ہونے والی ہے' وہ تجھے تیرے کل اعمال کا بدلہ دے گا اور تیری تمام کوشش و سعی کا پھل تجھے عطا فرمائے گا' دونوں ہی باتیں آپس میں ایک دوسری کو لازم و ملزوم ہیں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم تو کوشش کرنے والا ہے لیکن اپنی کوشش میں کمزور ہے' جس سے یہ ہو سکے کہ اپنی تمام تر سعی و کوشش نیکیوں کی کرے تو وہ کر لے' دراصل نیکی کی قدرت اور برائیوں سے بچنے کی طاقت بجز امداد خداوندی حاصل نہیں ہو سکتی۔

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیۡنِهٖ ﴿۷﴾ فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا ﴿۸﴾ وَّ یَنۡقَلِبُ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ﴿۹﴾ وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهۡرِهٖ ﴿۱۰﴾ فَسَوۡفَ یَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا ﴿۱۱﴾ وَّ یَصۡلٰی سَعِیۡرًا ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ کَانَ فِیۡۤ اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنۡ لَّنۡ یَّحُوۡرَ ﴿۱۴﴾ بَلٰۤی ۚۛ اِنَّ رَبَّهٗ کَانَ بِهٖ بَصِیۡرًا ﴿۱۵﴾

جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے ○ اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا ○ اور وہ اپنے والوں کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا ○ ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا ○ تو وہ موت بلانے لگے گا ○ اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہوگا ○ یہ شخص اپنے متعلقین میں خوش تھا ○ اس کا خیال تھا کہ اللہ کی طرف لوٹ کر نہ جائے گا ○ ہاں ہاں اس کا رب اسے بخوبی دیکھ رہا ہے ○

(آیت: ۷-۵) پھر فرمایا جس کے داہنے ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ مل جائے گا اس کا حساب سختی بغیر نہایت آسانی سے ہوگا' اس کے چھوٹے اعمال معاف بھی ہو جائیں گے اور جس سے اس کے تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا وہ ہلاکت سے نہ بچے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس سے حساب کا مناقشہ ہوگا وہ تباہ ہوگا' تو حضرت عائشہ نے فرمایا قرآن میں تو ہے کہ نیک لوگوں کا بھی حساب ہوگا فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا آپ نے فرمایا دراصل یہ وہ حساب نہیں یہ تو صرف پیشی ہے' جس سے حساب میں پوچھ گچھ ہوگی وہ برباد ہوگا (مسند احمد)

دوسری روایت میں ہے کہ یہ بیان فرماتے ہوئے آپ نے اپنی انگلی اپنے ہاتھ پر رکھ کر جس طرح کوئی چیز کریدتے ہیں اس طرح اسے ہلا جلا کر بتلایا' مطلب یہ ہے کہ جس سے باز پرس اور کرید ہوگی وہ عذاب سے بچ نہیں سکتا' خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا سے مروی ہے کہ جس سے با قاعدہ حساب ہو گا وہ تو بے عذاب نہیں رہ سکتا اور حساب یسیر سے مراد صرف پیشی ہے- حالانکہ خدا خوب دیکھتا رہا ہے' حضرت صدیقہؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضورؐ سے سنا کہ آپ نماز میں یہ دعا مانگ رہے تھے اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے پوچھا حضورؐ یہ آسان حساب کیا ہے؟ فرمایا صرف نامہ اعمال پر نظر ڈال لی جائے گی اور کہہ دیا جائے گا کہ جاؤ ہم نے درگذر کیا' لیکن اے عائشہ جس سے خدا حساب لینے پر آئے گا وہ ہلاک ہوگا (مسند احمد) غرض جس کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال آئے گا وہ خدا کے سامنے پیش ہوتے ہی چھٹی پا جائے گا اور اپنے والوں کی طرف خوش خوش جنت میں واپس آئے گا-

طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم لوگ اعمال کر رہے ہو اور حقیقت کا علم کسی کو نہیں' عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تم اپنے اعمال کو پہچان لو گے' بعض وہ لوگ ہوں گے جو ہنسی خوشی اپنوں سے آملیں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ رنجیدہ افسردہ اور ناخوش واپس آئیں گے اور جسے پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ہاتھ موڑ کر نامہ اعمال دیا جائے گا وہ نقصان اور گھاٹے کی پکار پکارے گا' ہلاکت اور موت کو بلائے گا اور جہنم میں جائے گا' دنیا میں خوب ہشاش بشاش تھا بے فکری سے مزے کر رہا تھا' آخرت کا خوف عاقبت کا اندیشہ مطلق نہ تھا' اب اس کو غم و رنج یا اس حرمان رنجیدگی اور افسردگی نے ہر طرف سے گھیر لیا' یہ سمجھ رہا تھا کہ موت کے بعد زندگی نہیں' اسے یقین نہ تھا کہ لوٹ کر خدا کے پاس بھی جانا ہے- پھر فرماتا ہے کہ ہاں ہاں اسے خدا ضرور دوبارہ زندہ کر دے گا جیسے کہ پہلی مرتبہ اس نے اسے پیدا کیا' پھر اس کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا دے گا' بندوں کے اعمال و احوال کی اسے اطلاع ہے اور وہ انہیں دیکھ رہا ہے-

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰﴾

مجھے شفق کی قسم ○ اور رات کی اور اس کی جمع کردہ چیزوں کی قسم ○ اور پورے چاند کی قسم ○ یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے ○ انہیں کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے ○

پیشین گوئی: ☆☆ (آیت:۱۶-۲۰) شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد آسمان کے مغربی کناروں پر ظاہر ہوتی ہے' حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ' حضرت عبادہ بن صامتؓ' حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت شداد بن اوسؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ' محمد بن علی' رحمۃ اللہ علیہ بن حسین مکحول بکر بن عبداللہ' مزنی بکیر بن الشیخ مالک بن ابی ذئبؒ' عبدالعزیز بن ابوسلمہ جشون یہی فرماتے ہیں کہ شفق اس سرخی کو کہتے ہیں- حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد سفیدی ہے' پس شفق کناروں کی سرخی کو کہتے ہیں وہ طلوع سے پہلے ہو یا غروب کے بعد اور اہل سنت کے نزدیک مشہور یہی ہے- خلیل کہتے ہیں عشاء کے وقت تک یہ شفق باقی رہتی ہے' جوہری کہتے ہیں سورج کے غروب ہونے کے بعد جو سرخی اور روشنی باقی رہتی ہے اسے شفق کہتے ہیں یہ اول رات سے عشاء کے وقت تک رہتی ہے' عکرمہؒ فرماتے ہیں مغرب سے لے کر عشاء تک- صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک ہے' مجاہدؒ سے البتہ یہ مروی ہے کہ اس سے مراد سارا دن ہے' اور ایک روایت میں ہے کہ مراد سورج ہے' غالباً اس مطلب کی وجہ اس کے جد کا جملہ ہے تو گویا روشنی اور اندھیرے کی قسم کھائی-

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں دن کے جانے اور رات کے آنے کی قسم ہے' اوروں نے کہا ہے سفیدی اور سرخی کا نام شفق ہے- اور قول ہے کہ یہ لفظ ان دونوں مختلف معنوں میں دیا جاتا ہے- وسق کے معنی ہیں جمع کیا یعنی رات کے ستاروں اور رات کے جانوروں کی قسم'

اسی طرح رات کے اندھیرے میں تمام چیزوں کا اپنی اپنی جگہ چلے جانا اور چاند کی قسم جبکہ وہ پورا ہو جائے بھرپور ہو جائے اور پوری روشنی والا بن جائے - لَتَرۡکَبُنَّ کی تفسیر بخاری میں مرفوع حدیث سے مروی ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف چڑھتے چلے جاؤ گے' حضرت انسؓ فرماتے ہیں جو سال آئے گا وہ اپنے پہلے سے زیادہ برا ہوگا' میں نے اسی طرح تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے' اس حدیث سے اور اوپر والی حدیث کے الفاظ بالکل یکساں ہیں' بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث ہے (واللہ اعلم) اور یہ مطلب بھی اس حدیث کا بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد ذات نبی ﷺ ہے' اور اس کی تائید حضرت عمر ابن مسعود' ابن عباس اور عام اہل مکہ اور اہل کوفہ کی قرات سے بھی ہوتی ہے' ان کی قرات ہے ترکبن - شعبی کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے نبی تم ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان پر چڑھو گے' مراد اس سے معراج ہے یعنی منزل بمنزل چڑھتے چلے جاؤ گے -

سدیؒ کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق منزلیں طے کرو گے' جیسے حدیث میں ہے کہ تم اپنے سے اگلے لوگوں کے طریقوں پر چڑھو گے بالکل برابر برابر' یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہو تو تم بھی یہی کرو گے - لوگوں نے کہا اگلوں سے مراد آپ کی کیا یہود و نصرانی ہیں؟ آپ نے فرمایا پھر اور کون؟ حضرت مکحول فرماتے ہیں ہر بیس سال کے بعد تم کسی نہ کسی ایسے کام کی ایجاد کرو گے جو اس سے پہلے نہ تھا' عبداللہ فرماتے ہیں آسمان پھٹے گا پھر سرخ رنگ ہو جائے گا پھر بھی رنگ بدلتے چلے جائیں گے - ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کبھی تو آسمان دھواں بن جائے گا پھر پھٹ جائے گا - حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں یعنی بہت سے لوگ جو دنیا میں پست و ذلیل تھے آخرت میں بلند و ذی عزت بن جائیں گے اور بہت سے لوگ دنیا میں مرتبے اور عزت والے تھے وہ آخرت میں ذلیل و نامراد ہو جائیں گے' عکرمہ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ پہلے دودھ پیتے تھے پھر غذا کھاتے ہوئے پہلے جوان تھے' پھر بڈھے ہوئے - حسن بصری فرماتے ہیں نرمی کے بعد سختی سختی کے بعد نرمی' امیری کے بعد فقیری کے بعد امیری' صحت کے بعد بیماری بیماری کے بعد تندرستی ایک مرفوع حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ابن آدم غفلت میں ہے وہ پروا نہیں کرتا کہ کس لئے پیدا کیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ جب کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو فرشتے سے کہتا ہے اس کی روزی اس کی اجل اس کی زندگی اس کا بد یا نیک ہونا لکھ لے' پھر وہ فارغ ہو کر چلا جاتا ہے اور دوسرا فرشتہ آتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ اسے سمجھ آ جائے' پھر وہ فرشتہ اٹھ جاتا ہے' پھر دو فرشتے اس کا نامہ اعمال لکھنے والے آ جاتے ہیں' موت کے وقت وہ بھی چلے جاتے ہیں' اور ملک الموت آ جاتے ہیں' اس کی روح قبض کرتے ہیں' پھر قبر میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے' ملک الموت چلے جاتے ہیں - قیامت کے دن نیکی بدی کے فرشتے آ جائیں گے اور ان کی گردن سے اس کا نامہ اعمال کھول لیں گے پھر اس کے ساتھ ہی رہیں گے ایک سائق ہے دوسرا شہید ہے -

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا لَقَدۡ كُنۡتَ فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا تو اس سے غافل تھا پھر رسول اللہ ﷺ نے آیت لَتَرۡكَبُنَّ پڑھی یعنی ایک حال سے دوسرا حال' پھر فرمایا لوگو تمہارے آگے بڑے بڑے اہم امور آ رہے ہیں جن کی تمہیں طاقت ہی نہیں' اللہ تعالیٰ بلند و برتر سے مدد چاہو - یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے منکر حدیث ہے اور اس کی سند میں ضعیف ضعیف راوی ہیں لیکن اس کا مطلب بالکل صحیح اور درست ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم - امام ابن جریر نے ان تمام اقوال کو بیان کر کے فرمایا ہے کہ صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ اے محمد ﷺ سخت سخت کاموں میں ایک کے بعد ایک میں پڑنے والے ہیں اور گو خطاب حضورؐ سے ہی ہے لیکن مراد سب لوگ ہیں کہ وہ قیامت کی ایک کے بعد ایک ہولناکی دیکھیں گے' پھر فرمایا کہ انہیں کیا ہو گیا یہ کیوں نہیں ایمان لاتے ؟

وَاِذَا قُرِئَ عَلَيۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا يَسۡجُدُوۡنَ ۩ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يُوۡعُوۡنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۲۵﴾
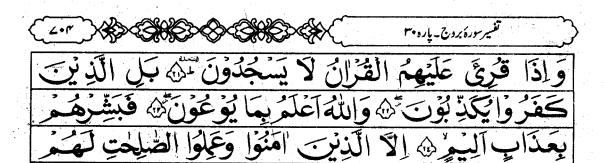
اور جب ان کے پاس قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے ○ بلکہ یہ کفار تو جھوٹا سمجھتے ہیں ○ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ دلوں میں رکھتے ہیں ○ انہیں الم ناک عذابوں کی خبر پہنچا دو ○ ہاں ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو بیشمار اور نہ ختم ہونے والا نیک بدلہ ہے ○

(آیت:۲۱-۲۵) اور انہیں قرآن سن کر سجدے میں گر پڑنے سے کون سی چیز روکتی ہے بلکہ یہ کفار تو الٹا جھٹلاتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں اور سرکشی میں اور برائی میں پھنسے ہوئے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں کو جنہیں یہ چھپا رہے ہیں' بخوبی جانتا ہے تم اے نبی انہیں خبر پہنچا دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ذردناک عذاب تیار کر رکھے ہیں' پھر فرمایا کہ ان عذابوں سے محفوظ ہو کر بہترین اجر کے مستحق ایماندار نیک کردار لوگ ہیں انہیں پورا پورا بے کتاب بے حساب اجر ملے گا۔ جیسے اور جگہ ہے عَطَآءً غَيۡرَ مَجۡذُوۡذٍ بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ بلا احسان' لیکن یہ معنی ٹھیک نہیں' ہر آن ہر لحظہ اور ہر وقت خدائے تعالیٰ عزوجل کے اہل جنت پر احسان وانعام ہوں گے بلکہ صرف اس کے احسان اور اس کے فضل وکرم کی بنا پر انہیں جنت نصیب ہوئی نہ کہ ان کے اعمال کی وجہ سے' پس اس مالک کا تو ہمیشگی اور مدام والا احسان اپنی مخلوق پر ہے ہی' اس کی ذات پاک ہر طرح کی ہر وقت کی تعریفوں کے لائق ہمیشہ ہمیشہ ہے' اسی لئے اہل جنت پر خدا کی تسبیح اور اس کی حمد کا الہام اسی طرح کیا جائے گا جس طرح سانس بلا تکلیف اور بے تکلف بلکہ بے ارادہ چلتا رہتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے وَاٰخِرُ دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ یعنی ان کا آخری قول یہی ہوگا کہ سب تعریف جہانوں کے پالنے والے خدا کے لئے ہی ہے۔ الحمدللہ سورہ انشقاق کی تفسیر ختم ہوئی۔ خدا ہمیں توفیق خیر دے اور ہمیں برائی سے بچائے۔ آمین۔

تفسیر سورة البروج

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز میں سورۂ بروج اور سورۂ طارق پڑھتے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے سماوات کی ان سورتوں کا عشاء کی نماز میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ﴿۱﴾ وَالۡيَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشۡهُوۡدٍ ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ﴿۵﴾ اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمۡ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ شُهُوۡدٌ ﴿۷﴾

اللہ کے نام سے شروع ہے جو بہت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے

برجوں والے آسمان کی قسم ○ وعدہ کئے ہوئے دن کی قسم ○ حاضر ہونے والے اور حاضر کئے گئے کی قسم ○ کہ خندقوں والے ہلاک کئے گئے ○ وہ ایک آگ تھی ایندھن والی ○ یہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے ○ مسلمانوں کے ساتھ جو کر رہے تھے اپنے سامنے دیکھ رہے تھے ○

سب سے افضل اور اعلیٰ دن اور ذکر ایک موحد کا: ☆☆ (آیت:۱-۷) بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں کہ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا کی تفسیر میں گزر چکا' حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ بروج وہ ہیں جن میں حفاظت کرنے والے رہتے ہیں' یحییٰ فرماتے ہیں یہ آسمان محل ہے' منہال بن عمروؒ کہتے ہیں مراد اچھی بناوٹ والے آسمان ہیں- ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد سورج چاند کی منزلیں ہیں جو بارہ ہیں کہ سورج ان میں سے ہر ایک میں ایک مہینہ چلتا رہتا ہے اور چاند ان میں سے ہر ایک میں دو دن اور ایک تہائی دن چلتا ہے تو یہ اٹھائیس دن ہوئے اور دو راتوں تک وہ پوشیدہ رہتا ہے' نہیں نکلتا' ابن ابی حاتم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یَوْمَ مَوْعُوْد سے مراد قیامت کا دن ہے اور شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے- سورج جن جن دنوں پر نکلتا اور ڈوبتا ہے ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل دن جمعہ کا دن ہے' اس میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس میں بندہ جو بھلائی طلب کرے مل جاتی ہے اور جس برائی سے پناہ چاہے ٹل جاتی ہے اور مشہور سے مراد عرفے کا دن ہے-

ابن خزیمہ میں بھی یہ حدیث ہے' موسیٰ بن عبید زیدی اس کے راوی ہیں اور یہ ضعیف ہیں' یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خود ان کے قول سے مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے- مسند میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرات سے بھی یہ تفسیر مروی ہے اور ان میں اختلاف نہیں فالحمدللہ- اور روایت میں مرفوعاً مروی ہے کہ جمعے کے دن کو جسے یہاں شاہد کہا گیا ہے یہ خاص ہمارے لئے بطور خزانے کے چھپا رکھا گیا تھا- اور حدیث میں ہے کہ تمام دنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے- ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ شاہد سے مراد خود ذات محمد ﷺ- اور مشہور سے مراد قیامت کا دن ہے' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ذَالِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَالِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ یعنی اس دن کے لئے لوگ جمع کئے گئے ہیں اور یہ دن مشہود یعنی حاضر کیا گیا ہے- ایک شخص نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ شاہد اور مشہود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم نے کسی اور سے بھی پوچھا؟ اس نے کہا ہاں ابن عمرؓ اور ابن زبیر سے' فرمایا انہوں نے کیا جواب دیا' کہا قربانی کا دن اور جمعہ کا دن' کہا نہیں بلکہ مراد شاہد سے محمد ﷺ ہیں' جیسے قرآن میں اور جگہ ہے فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا یعنی کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے اور تجھے ان پر گواہ بنائیں گے اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے' قرآن کہتا ہے وَذَالِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ یہ بھی مروی ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ اور مشہود سے مراد قیامت کا دن اور مشہود سے مراد جمع بھی مروی ہے اور شاہد سے مراد خود خدا بھی ہے اور عرفہ کا دن بھی ہے-

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو' وہ مشہود دن ہے جس پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں- حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں شاہد اللہ ہے' قرآن کہتا ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اور مشہود ہم ہیں قیامت کے دن ہم سب خدا کے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے' اکثر حضرات کا یہ فرمان ہے کہ شاہد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفے کا دن ہے- ان قسموں کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ خندقوں والوں پر لعنت ہو' یہ کفار کی ایک قوم تھی جنہوں نے ایمانداروں کو مغلوب کر کے انہیں دین سے ہٹانا چاہا اور ان کے انکار پر زمین میں گڑھے کھود کر ان میں لکڑیاں بھر کر آگ بھڑکائی پھر ان سے کہا کہ اب بھی دین سے پلٹ جاؤ' ان باخدا لوگوں نے انکار کیا اور ان ناخدا ترس کفار نے ان مسلمانوں کو اس بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا' اسی کو بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ہلاک ہوئے' یہ ایندھن بھری بھڑکتی ہوئی آگ کی خندقوں کے کناروں پر بیٹھے-

ان مسلمانوں کے کسی اور گناہ کا یہ بدلہ نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ غالب سزاوار حمد کی ذات پر ایمان لائے تھے ○ جس کے لئے آسمان وزمین کا ملک ہے اور جو اللہ ہر چیز پر حاضر اور خوب واقف ہے ○ بے شک جن لوگوں نے مسلمان مرد وعورتوں کو ستایا پھر توبہ بھی نہ کی ان کے لئے جہنم کے عذاب ہیں اور جلنے کے عذاب ہیں ○
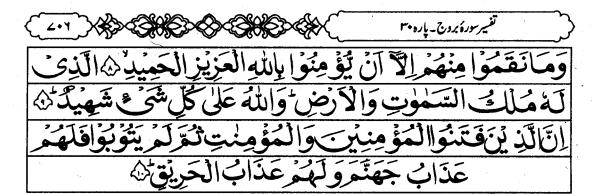
(آیت: ۸-۱۰) ان مومنوں کا کوئی قصور نہ تھا' انہیں تو صرف ان کی ایمانداری پر غضب وغصہ تھا- دراصل غلبہ رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' اس کی پناہ میں آ جانے والا کبھی برباد نہیں ہوتا' وہ اپنے تمام اقوال افعال شریعت اور تقدیر میں قابل تعریف ہے' وہ اگر اپنے خاص بندوں کو کسی وقت کافروں کے ہاتھ سے تکلیف بھی پہنچا دے اور اس کا راز کسی کو معلوم نہ ہو سکے تو نہ ہو لیکن دراصل وہ مصلحت وحکمت کی بنا پر ہی ہوتا ہے- اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ زمینوں آسمانوں اور کل مخلوقات کا مالک ہے اور وہ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے' کوئی چیز اس سے مخفی نہیں- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اہل فارس کا ہے' ان کے بادشاہ نے یہ قانون جاری کرنا چاہا کہ محرمات ابدیہ یعنی ماں' بہن بیٹی وغیرہ سب حلال ہیں اس وقت کے علما کرام نے اس کا انکار کیا اور روکا' اس پر اس نے خندقیں کھدوا کر اس میں آگ جلا کر ان حضرات کو اس میں ڈال دیا' چنانچہ یہ اہل فارس آج تک ان عورتوں کو حلال ہی جانتے ہیں- یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ یمنی تھے' مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی ہوئی مسلمان غالب آ گئے' پھر دوسری لڑائی میں کافر غالب آ گئے تو انہوں نے گڑھے کھدوا کر ایمان والوں کو جلا دیا- یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ اہل حبش کا ہے' یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے- انہوں نے ذنیال اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا- اور اقوال بھی ہیں-

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا' اس کے ہاں ایک جادوگر تھا- جب جادوگر بوڑھا ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا وقت آ رہا ہے' مجھے کسی بچے کو سونپ دو تو میں اسے جادو سکھا دوں' چنانچہ ایک ذہین لڑکے کو وہ تعلیم دینے لگا' لڑکا اس کے پاس جاتا تو راستہ میں ایک راہب کا گھر پڑتا جہاں وہ عبادت میں اور کبھی وعظ میں مشغول ہوتا' یہ بھی کھڑا ہو جاتا اور اس کے طریق عبادت کو دیکھتا اور وعظ سنتا آتے جاتے یہاں رک جایا کرتا تھا جادوگر بھی مارتا اور ماں باپ بھی کیونکہ وہاں بھی دیر میں پہنچتا اور یہاں بھی دیر میں آتا- ایک دن اس بچے نے راہب کے سامنے اپنی یہ شکایت بیان کی' راہب نے کہا کہ جب جادوگر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر لگی تو کہہ دینا گھر والوں نے روک لیا تھا اور گھر والے بگڑیں تو کہہ دینا کہ آج جادوگر نے روک لیا تھا- یونہی ایک زمانہ گذر گیا کہ ایک طرف تو وہ جادو سیکھتا تھا' دوسری جانب کلام اللہ اور دین اللہ سیکھتا تھا- ایک دن وہ دیکھتا ہے کہ راستے میں ایک زبردست ہیبت ناک جانور پڑا ہوا ہے' لوگوں کی آمد ورفت بند کر رکھی ہے' ادھر والے ادھر اور ادھر والے ادھر نہیں آ سکتے اور سب لوگ ادھر ادھر حیران وپریشان کھڑے ہیں' اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج موقعہ ہے کہ میں امتحان کر لوں کہ راہب کا دین خدا کو پسند ہے یا جادوگر کا؟ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اس پر پھینکا کہ خدایا اگر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کر دے تا کہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے' پتھر کے لگتے ہی وہ جانور مر گیا اور لوگوں کا آنا جانا

شروع ہو گیا۔ پھر جا کر راہب کو خبر دی اس نے کہا پیارے بچے تو مجھ سے افضل ہے اب خدا کی طرف سے تیری آزمائش ہو گی اگر ایسا ہو تو تو کسی کو میری خبر نہ کرنا' اب اس بچے کے پاس حاجت مند لوگوں کا تانتا لگ گیا اور اس کی دعا سے مادرزاد اندھے' کوڑھی جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کے کان میں بھی یہ آواز پڑی' وہ بڑے تحائف لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفا دے دے تو یہ سب تجھے دے دوں گا' اس نے کہا کہ شفا میرے ہاتھ نہیں' میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا' شفا دینے والا تو اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے' اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں۔ اس نے اقرار کیا' بچے نے اس کے لئے دعا کی' اللہ نے اسے شفا دے دی اور بادشاہ کے دربار میں آیا اور جس طرح اندھا ہونے سے پہلے کام کرتا تھا کرنے لگا اور آنکھیں بالکل روشن تھیں۔ بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ تجھے آنکھیں کس نے دیں؟ اس نے کہا میرے رب نے' بادشاہ نے کہا ہاں یعنی میں نے' وزیر نے کہا نہیں نہیں میرا اور تیرا رب اللہ ہے' بادشاہ نے کہا اچھا تو کیا میرے سوا تیرا کوئی اور بھی رب ہے' وزیر نے کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ عزوجل ہے۔ اب اس نے اسے مار پیٹ شروع کر دی اور طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں پہنچانے لگا اور پوچھنے لگا کہ تجھے یہ تعلیم کس نے دی؟ آخر اس نے بتا دیا کہ اس بچے کے ہاتھ پر میں نے اسلام قبول کیا' اس نے اسے بلوایا اور کہا اب تو تم جادو میں خوب کامل ہو گئے کہ اندھوں کو دیکھتا اور بیماروں کو تندرست کرنے لگ گئے' اس نے کہا غلط ہے نہ میں کسی کو شفا دے سکتا ہوں نہ جادو' شفا اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے۔ کہنے لگا ہاں یعنی میرے ہاتھ میں ہے کیونکہ اللہ تو میں ہی ہوں' اس نے کہا ہرگز نہیں' کہا پھر کیا تو میرے سوا کسی اور کو رب مانتا ہے تو وہ کہنے لگا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے' اس نے اب اسے بھی طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کیں یہاں تک کہ راہب کا پتہ لگا لیا راہب کو بلا کر اس نے کہا کہ تو اسلام کو چھوڑ دے اور اس دین سے پلٹ جا' اس نے انکار کیا تو اس بادشاہ نے آرے سے اسے چیر دیا اور ٹھیک دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا پھر اس نوجوان سے کہا کہ تو بھی دین سے پھر جا' اس نے بھی انکار کیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ہمارے سپاہی اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جائیں اور اس کی بلند چوٹی پر پہنچ کر پھر اسے اس کے دین چھوڑ دینے کو کہیں' اگر مان لے تو اچھا ورنہ وہیں سے اسے لڑھکا دیں' چنانچہ یہ لوگ اسے لے گئے جب وہاں سے دھکا دینا چاہا تو اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْھُمْ بِمَا شِئْتَ خدایا جس طرح چاہ مجھے ان سے نجات دے' اس دعا کے ساتھ ہی پہاڑ ہلا اور وہ سب سپاہی لڑھک گئے' صرف وہ بچہ بچا رہا' وہاں سے وہ اترا اور ہنسی خوشی پھر اس ظالم بادشاہ کے پاس آ گیا' بادشاہ نے کہا یہ کیا ہوا۔ میرے سپاہی کہاں ہیں؟ فرمایا میرے خدا نے مجھے ان سے بچا لیا۔ اس نے کچھ اور سپاہی بلوائے اور ان سے کہا کہ اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ اور بیچوں بیچ سمندر میں ڈبو کر چلے آؤ' یہ اسے لے کر چلے اور بیچ میں پہنچ کر جب سمندر میں پھینکنا چاہا تو اس نے پھر وہی دعا کی کہ بار الٰہی جس طرح چاہ مجھے ان سے بچا' موج اٹھی اور وہ سپاہی سارے کے سارے سمندر میں ڈوب گئے' صرف وہ بچہ ہی باقی رہ گیا۔ یہ پھر بادشاہ کے پاس آیا اور کہا میرے رب نے مجھے ان سے بھی بچا لیا' اے بادشاہ تو چاہے تمام تر تدبیریں کر ڈال لیکن مجھے ہلاک نہیں کر سکتا' ہاں جس طرح میں کہوں اس طرح اگر کرے تو البتہ میری جان نکل جائے گی' اس نے کہا کیا کروں' فرمایا تم لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر' پھر کھجور کے تنے پر سولی چڑھا اور میرے ترکش میں سے ایک تیر نکال' میری کمان پر چڑھا اور بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ ھٰذَا الْغُلَامِ یعنی اس اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے کہہ کر وہ تیر میری طرف پھینک' وہ مجھے لگے گا اور اس سے میں مروں گا' چنانچہ بادشاہ نے یہی کیا' تیر بچے کی کنپٹی میں لگا' اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور شہید ہو گیا۔ اس کے اس طرح شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین آ گیا' چوطرف سے یہ آوازیں اٹھنے لگیں کہ ہم سب اس بچے کے رب پر ایمان لا چکے' یہ حال دیکھ بادشاہ کے ساتھی بڑے گھبرائے اور بادشاہ سے کہنے لگے اس لڑکے کی ترکیب ہم تو سمجھے ہی نہیں' دیکھئے اس کا یہ اثر پڑا کہ یہ تمام لوگ اس کے مذہب پر ہو گئے' ہم نے تو اسی لئے قتل کیا تھا کہ کہیں یہ

مذہب پھیل نہ پڑے لیکن وہ ڈر تو سامنے ہی آ گیا اور سب مسلمان ہو گئے' بادشاہ نے کہا اچھا یہ کرو کہ تمام محلوں اور راستوں میں خندقیں کھدواؤ' ان میں لکڑیاں بھرواور اس میں آگ لگا دؤ جو اس دین سے پھر جائے اسے چھوڑ دو اور جو نہ مانے اسے اس آگ میں ڈال دو۔ ان مسلمانوں نے صبر و سہار کے ساتھ آگ میں جلنا منظور کر لیا اور اس میں کود کود کر گرنے لگے' البتہ ایک عورت جس کی گود میں دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ تھا وہ ذرا جھجکی تو اس بچہ کو خدا نے بولنے کی طاقت دی اس نے کہا اماں کیا کر رہی ہو تم تو حق پر ہو' صبر کرو اور اس میں کود پڑو۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور صحیح مسلم کے آخر میں بھی ہے اور نسائی میں بھی قدرے اختصار کے ساتھ ہے۔

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ عصر کی نماز کے بعد عموماً زیر لب کچھ فرمایا کرتے تھے تو آپ سے پوچھا گیا کہ حضورؐ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا نبیوں میں سے ایک نبی تھے جو اپنی امت پر فخر کرتے تھے' کہنے لگے ان کی دیکھ بھال کون کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ انہیں اختیار ہے خواہ اس بات کو پسند کریں کہ میں خود ان سے انتقام لوں خواہ اس بات کو پسند کریں کہ میں ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دوں' انہوں نے انتقام کو پسند کیا' چنانچہ ایک ہی دن میں ان میں سے ستر ہزار مر گئے' اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ حدیث بھی بیان کی جو اوپر گذری' پھر خبر میں آپ نے قُتِلَ سے مَجِیۡدٌ تک کی آیتوں کی تلاوت فرمائی یہ نوجوان شہید دفن کر دیئے گئے تھے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ان کی قبر سے انہیں نکالا گیا تھا' ان کی انگلی اسی طرح ان کی کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی جس طرح بوقت شہادت تھی۔ امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں لیکن اس روایت میں یہ صراحت نہیں کہ یہ واقعہ نبی ﷺ نے بیان فرمایا' تو ممکن ہے کہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ نے ہی اس واقعہ کو بیان فرمایا ہو' ان کے پاس نصرانیوں کی ایسی حکایتیں بہت ساری تھیں واللہ اعلم۔

امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس قصہ کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا ہے جو اس کے خلاف نہ ہے' وہ کہتے ہیں کہ بخرانی لوگ بت پرست مشرک تھے اور بخران کے پاس ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں ایک جادوگر تھا بخرانیوں کو جادو سکھایا کرتا تھا' فیمون نامی ایک بزرگ عالم یہاں آئے اور بخران اور اس گاؤں کے درمیان انہوں نے اپنا پڑاؤ ڈالا' شہر کے لڑکے جو جادوگر سے جادو سیکھنے جایا کرتے تھے ان میں تاجر کا ایک لڑکا عبداللہ نامی بھی تھا' اسے آتے جاتے راہب کی عبادت اور اس کی نماز وغیرہ کے دیکھنے کا موقعہ ملتا' اس پر غور خوض کرتا اور دل میں اس کے مذہب کی سچائی جگہ کرتی جاتی' پھر تو اس نے یہاں کا آنا جانا شروع کر دیا اور مذہبی تعلیم بھی اس راہب سے لینے لگا۔ کچھ دنوں بعد اس مذہب میں داخل ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا' توحید کا پابند ہو گیا اور ایک اللہ کی عبادت کرنے لگا اور علم دین اچھی طرح حاصل کر لیا وہ راہب اسم اعظم بھی جانتا تھا اس نے ہر چند خواہش کی کہ اسے بتا دے لیکن اس نے نہ بتایا اور کہہ دیا کہ ابھی تم میں اس کی صلاحیت نہیں آئی تم ابھی کمزور دل والے ہو' اس کی طاقت میں تم نہیں پاتا عبداللہ کے باپ تامر کو اپنے بیٹے کے مسلمان ہو جانے کی مطلق خبر نہ تھی' وہ اپنے نزدیک یہی سمجھ رہا تھا کہ میرا بیٹا جادو سیکھ رہا ہے اور وہیں جاتا آتا رہتا ہے۔ عبداللہ نے جب دیکھا کہ راہب مجھے اسم اعظم نہیں سکھاتے اور انہیں میری کمزوری کا خوف ہے تو ایک دن انہوں نے تیر لئے اور جتنے نام اللہ تبارک وتعالیٰ کے انہیں یاد تھے ہر ہر تیر پر ایک ایک نام لکھا پھر آگ جلا کر بیٹھ گئے اور ایک ایک تیر کو اس میں ڈالنا شروع کیا جب وہ تیر آیا جس پر اسم اعظم تھا تو وہ آگ میں پڑتے ہی اچھل کر باہر نکل آیا اور اس پر آگ نے بالکل اثر نہ کیا سمجھ لیا کہ یہی اسم اعظم ہے' اپنے استاد کے پاس آئے اور کہا حضرت اسم اعظم کا علم مجھے ہو گیا' استاد نے پوچھا بتاؤ کیا ہے؟ اس نے بتایا راہب نے پوچھا کیسے معلوم ہوا تو اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا' تو فرمایا کہ بھئی تم نے خوب ڈھونڈ معلوم کر لیا' واقعی یہی اسم اعظم ہے' اسے اپنے ہی تک رکھو لیکن مجھے تو ڈر ہے کہ تم کھل جاؤ گے' ان کی یہ حالت ہوئی کہ یہ بخران میں آئے یہاں جس بیمار پر جس

دکھی پر جس ستم رسیدہ پر نظر پڑی اس سے کہا کہ اگر تم موحد بن جاؤ اور دین اسلام قبول کرلو تو میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں وہ تمہیں شفا اور نجات دے دے گا اور دکھ بلا کو ٹال دے گا' وہ اسے قبول کر لیتا' یہ اسم اعظم کے ساتھ دعا کرتے' اللہ اسے بھلا چنگا کر دیتا اب تو نجرانیوں کے ٹھٹھ لگنے لگے اور جماعت کی جماعت روزانہ مشرف با اسلام اور فائز المرام ہونے لگی' آخر بادشاہ کو اس کا علم ہوا اس نے اسے بلا کر دھمکایا کہ تو نے میری رعیت کو بگاڑ دیا اور میرے اور میرے باپ دادوں کے مذہب پر حملہ کیا' میں اس کی سزا میں تیرے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تجھے چورنگ کرا دوں گا' عبداللہ بن تامر نے جواب دیا کہ تو ایسا نہیں کر سکتا' اب بادشاہ نے اسے پہاڑ پر سے گرا دیا لیکن وہ نیچے آ کر صحیح سلامت رہا' جسم پر کہیں چوٹ بھی نہ آئی' نجران کے ان طوفان خیز دریاؤں میں گرداب کی جگہ انہیں ڈالا' جہاں سے کوئی بچ نہیں سکتا لیکن یہ وہاں سے بھی صحت و سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے' غرض ہر طرح عاجز آ گیا تو پھر حضرت عبداللہ بن تامرؓ نے فرمایا سن اے بادشاہ تو میرے قتل پر کبھی قادر نہ ہو گا یہاں تک کہ تو اس دین کو مان لے جسے میں مانتا ہوں اور ایک خدا کی عبادت کرنے لگے' اگر تو یہ کر لے گا تو پھر تو مجھے قتل کر سکتا ہے بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ اس نے حضرت عبداللہ کا بتلایا ہوا کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو کر جو لکڑی اس کے ہاتھ میں تھی اس سے حضرت عبداللہ کو مارا جس سے کچھ یونہی سی کھرچ آئی اور اسی سے وہ شہید ہو گئے' اللہ ان سے خوش ہوا اور اپنی خاص رحمتیں انہیں عنایت فرمائے' ان کے ساتھ ہی بادشاہ بھی مر گیا۔ اس واقعہ نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات پیوست کر دی کہ دین ان کا ہی سچا ہے' چنانچہ نجران کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے اور حضرت عیسیٰ کے سچے دین پر قائم ہو گئے اور وہی مذہب اس وقت برحق بھی تھا۔ ابھی تک حضور ﷺ نبی بن کر دنیا میں آئے نہ تھے لیکن پھر اک زمانہ کے بعد ان میں بدعتیں پیدا ہونے لگیں اور پھیل گئیں اور دین حق کا نور چھن گیا' غرض نجران میں عیسائیت کے پھیلنے کا اصلی سبب یہ تھا۔ اب زمانہ کے بعد ذونواس یہودی نے اپنے لشکر لے کر ان نصرانیوں پر چڑھائی کی اور غالب آ گیا' پھر ان سے کہا یا تو یہودیت قبول کرلو یا موت' انہوں نے قتل ہونا منظور کیا' اس نے خندقیں کھدوا کر آگ سے پر کر کے ان کو جلا دیا' بعض کو قتل بھی کیا بعض کے ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ دیئے وغیرہ۔

تقریباً بیس ہزار مسلمانوں کو اس سرکش نے قتل کیا۔ اس کا ذکر آیت قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ میں ہے۔ ذونواس کا نام زرعہ تھا' اس کی بادشاہت کے زمانہ میں اسے یوسف کہا جاتا تھا' اس کے باپ کا نام فنا اسعد بن کرب تھا' جو تبع ہے جس نے مدینہ میں غزوہ کیا اور کعبہ کر پردہ چڑھایا' اس کے ساتھ دو یہودی عالم تھے' یمن والے ان ہی کے ہاتھ پر یہودی مذہب میں داخل ہوئے' ذونواس نے ایک ہی دن میں صرف صبح کے وقت ان کھائیوں میں بیس ہزار ایمان والوں کو قتل کیا' ان میں سے صرف ایک ہی شخص بچ نکلا جس کا نام دوس ذی ثعلبان تھا' یہ گھوڑے پر بھاگ کھڑا ہوا گو اس کے پیچھے بھی گھڑ سوار دوڑے لیکن یہ ہاتھ نہ لگا' یہ سیدھا شاہ روم قیصر کے پاس گیا' اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا چنانچہ دوس وہاں سے حبشہ کے نصرانیوں کا لشکر لے کر یمن آیا' اس کے سردار ارباط اور ابرہہ تھے' یہودی مغلوب ہوئے یمن یہودیوں کے ہاتھ سے نکل گیا' ذونواس بھاگ نکلا لیکن وہ پانی میں غرق ہو گیا' پھر ستر سال تک یہاں حبشہ کے نصرانیوں کا قبضہ رہا بالآخر سیف بن ذی یزن حمیری نے فارس کے بادشاہ سے امدادی فوجیں اپنے ساتھ لیں جو سات سو قیدی لوگوں سے اس پر چڑھائی کر کے فتح حاصل کی اور پھر سلطنت حمیری قائم کی' اس کا کچھ بیان سورۂ فیل میں بھی آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ ایک نجرانی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں نجران کی ایک بنجر غیر آباد زمین اپنے کسی کام کے لئے کھودی تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن تامر رحمتہ اللہ کا جسم اس میں ہے' آپ بیٹھے ہوئے ہیں سر پر جس جگہ چوٹ آئی تھی وہیں ہاتھ ہے' ہاتھ اگر ہٹاتے ہیں تو خون بہنے لگتا ہے' پھر ہاتھ کو چھوڑ دیتے ہیں تو ہاتھ اپنی جگہ چلا جاتا ہے اور خون تھم جاتا ہے' ہاتھ کی انگلی

میں انگوٹھی ہے جس پر ربی اللہ لکھا ہوا ہے - یعنی میرا رب اللہ ہے چنانچہ اس واقعہ کی اطلاع قصر خلافت میں دی گئی' یہاں سے حضرت فاروق اعظمؓ کا فرمان گیا کہ اسے یونہی رہنے دو اور اوپر سے مٹی وغیرہ جو ہٹائی ہے وہ ڈال کر' جس طرح تھا اسی طرح بے نشان کر دو' چنانچہ یہی کیا گیا - ابن ابی الدنیا نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصفہان فتح کیا تو ایک دیوار دیکھی کہ وہ گر پڑی ہے' حکم پر وہ بنا دی گئی لیکن پھر گر پڑی' پھر بنوائی' پھر گر پڑی' آخر معلوم ہوا کہ اس کے نیچے کوئی نیک بخت شخص مدفون ہیں' جب زمین کھودی تو دیکھا کہ ایک شخص کا جسم کھڑا ہوا ہے' ساتھ ہی ایک تلوار ہے' جس پر لکھا ہے میں حارث بن مضاض ہوں جس نے کھائیوں والوں پر غفلت کی ۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لاش کو نکال لیا اور وہاں دیوار کھڑی کرا دی جو برابر رہی' میں کہتا ہوں یہ حارث بن مضاض بن عمرو جرہمی ہے جو کعبتہ اللہ کے متولی ہوئے تھے - ثابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم کی اولاد کے بعد اس کا لڑکا عمرو بن حارث بن مضاض تھا جو مکہ میں جرہم خاندان کا آخری بادشاہ تھا جس وقت کہ خزاعہ قبیلے نے انہیں یہاں سے نکالا اور یمن کی طرف جلاوطن کیا' یہی وہ شخص ہے جس نے پہلے پہلے عرب میں شعر کہا' جس شعر میں اوجڑ مکہ کو اپنا آباد کرنا اور زمانہ کے ہیر پھیر سے پھر وہاں سے نکالا جانا اس نے بیان کیا اس واقعہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ حضرت اسمٰعیلؑ کے کچھ زمانہ بعد کا اور بہت پرانا ہے جو کہ حضرت اسماعیلؑ کے تقریباً پانچ سو سال کے بعد کا معلوم ہوتا ہے لیکن ابن اسحاق کی اس مطول روایت سے جو پہلے گذری یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا اور حضرت محمد ﷺ سے پہلے کا ہے' زیادہ ٹھیک بھی یہی معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم -

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دنیا میں کئی بار ہوا ہو جیسے کہ ابن ابی حاتم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ تبع کے زمانہ میں یمن میں خندقیں کھدوائی گئی تھیں اور قسطنطین کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں بھی مسلمانوں کو یہی عذاب کیا گیا تھا جبکہ نصرانیوں نے اپنا قبلہ بدل دیا' دین مسیح میں بدعتیں ایجاد کر لیں' توحید کو چھوڑ بیٹھے تو اس وقت جو سچے دیندار تھے انہوں نے ان کا ساتھ نہ دیا اور اصلی دین پر قائم رہے تو ان ظالموں نے خندقیں آگ سے پر کرا کر انہیں جلا دیا - اور یہی واقعہ بابل کی زمین پر عراق میں بخت نصر کے زمانہ میں ہوا' جس نے ایک بت بنا لیا تھا اور لوگوں سے اسے سجدہ کراتا تھا' حضرت دانیال اور ان کے دونوں ساتھی عزریا اور مسابل نے اس سے انکار کیا تو اس نے انہیں اس آگ کی خندق میں ڈال دیا' اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان پر ٹھنڈا کر دیا' انہیں سلامتی عطا فرمائی' صاف نجات دی اور ان سرکش کافروں کو ان خندقوں میں ڈال دیا' یہ نو قبیلے تھے سب جل کر خاک ہو گئے - سدیؒ فرماتے ہیں تین جگہ یہ معاملہ ہوا - عراق میں' شام میں اور یمن میں -

مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ خندقیں تین جگہ تھیں' ایک تو یمن کے شہر نجران میں' دوسری شام میں' تیسری فارس میں' شام میں اس کا بانی انطنا لوس رومی تھا اور فارس میں بخت نصر اور یمن میں عرب پر یوسف ذونواس - فارس اور شام کی خندقوں کا ذکر قرآن میں نہیں یہ ذکر نجران کا ہے' حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے فترت کے زمانہ میں یعنی حضرت عیسیٰ اور پیغمبر آخر الزماں کے درمیان کے زمانہ میں ایک قوم تھی انہوں نے جب دیکھا کہ لوگ فتنے اور شر میں گرفتار ہو گئے ہیں اور گروہ گروہ بن گئے ہیں اور ہر گروہ اپنے خیالات میں خوش ہے تو ان لوگوں نے انہیں چھوڑ دیا اور یہاں سے ہجرت کر کے الگ ایک جگہ بنا کر وہیں رہنا سہنا شروع کیا اور خدا کی مخلصانہ عبادت یکسوئی کے ساتھ مشغول ہو گئے' نمازوں کی پابندی زکوٰۃ کی ادائیگی میں لگ گئے اور ان سے الگ تھلگ رہنے لگے' یہاں تک کہ ایک سرکش بادشاہ کو اس باخدا جماعت کا پتہ لگ گیا' اس نے ان کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور انہیں سمجھایا کہ تم بھی ہمارے ساتھ مل جاؤ اور بت پرستی شروع کر دو' ان سب نے بالکل انکار کیا کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کسی اور کی بندگی کریں' بادشاہ نے کہلوایا کہ اگر یہ تمہیں منظور نہیں تو میں تمہیں قتل

کرادوں گا' جواب ملا کہ جو چاہو کرو لیکن ہم سے دین نہیں چھوڑا جائے گا' اس ظالم نے خندقیں کھدوائیں' آگ جلوائی اور ان سب مردوں عورتوں بچوں کو جمع کیا اور ان خندقوں کے کنارے کھڑا کر کے کہا بولو یہ آخری سوال جواب ہے' آیا بت پرستی قبول کرتے ہو یا آگ میں گرنا قبول کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہمیں جل مرنا منظور ہے' لیکن چھوٹے چھوٹے بچوں نے چیخ پکار شروع کر دی' بڑوں نے انہیں سمجھایا کہ بس آج کے بعد آگ نہیں' نہ گھبراؤ اور خدا کا نام لے کر کود پڑو' چنانچہ سب کے سب کود پڑے' انہیں آنچ بھی نہیں لگنے پائی تھی کہ خدا نے ان کی روحیں قبض کر لیں اور آگ خندقوں سے باہر نکل پڑی اور ان بدکردار سرکشوں کو گھیر لیا اور جتنے بھی تھے سارے کے سارے جلا دیئے گئے' ان کی خبر ان آیتوں قتل میں ہے' تو اس بنا پر فتنوا کے معنی ہوئے کہ جلایا' تو فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے مسلمان مردوں عورتوں کو جلا دیا ہے اگر انہوں نے توبہ نہ کی یعنی اپنے اس فعل سے باز نہ آئے نہ اپنے اس کیئے پر نادم ہوئے تو ان کے لئے جہنم ہے اور جلنے کا عذاب ہے تا کہ بدلہ بھی ان کے عمل جیسا ہو۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ فرماتے ہیں خدائے تعالیٰ بزرگ و برتر کے کرم و رحم اس کی مہربانی اور عنایت کو دیکھو کہ جن بدکاروں نے اس کے پیارے بندوں کو ایسے بدترین عذابوں سے مارا انہیں بھی وہ توبہ کرنے کو کہتا ہے اور ان سے بھی مغفرت اور بخشش کا وعدہ کرتا ہے۔ خدایا ہمیں بھی اپنی وسیع رحمتوں سے بھرپور حصہ عطا فرما آمین۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

ع ۱۰

بیشک ایمان قبول کرنے والوں اور مطابق سنت کام کرنے والوں کے لئے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں یہی بڑی کامیابی ہے ○ یقیناً تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے ○ وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا ○ وہ بڑا بخشش کرنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے ○ عرش کا مالک عظمت والا ہے ○ جو چاہے اسے کر گذرنے والا ہے ○ تجھے لشکروں کی خبر بھی پہنچی؟ ○ یعنی فرعون اور ثمود کی ○ کچھ نہیں بلکہ کافر تو جھٹلانے میں پڑے ہوئے ہیں ○ اللہ تعالیٰ بھی انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے ○ بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان والا ○ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ○

عرش کا مالک اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے: ☆☆ (آیت: ۱۱-۲۲) اپنے دشمنوں کا انجام بیان کر کے اپنے دوستوں کا نتیجہ بیان فرما رہا ہے کہ ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں' ان جیسی کامیابی اور کسی ملے گی؟ پھر فرماتا ہے کہ تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے' وہ اپنے ان دشمنوں کو جو اس کے رسولوں کو جھٹلاتے رہے اور اس کی نافرمانیوں میں لگے ہے' سخت تر قوت کے ساتھ اس طرح پکڑے گا کہ کوئی راہ نجات ان کے لئے باقی نہ رہے۔ وہ بڑی قوتوں والا ہے' جو چاہا کیا جو کچھ چاہتا ہے وہ ایک لمحہ میں ہو جاتا ہے' اس کی قدرتوں اور طاقتوں کو دیکھو کہ اس نے تمہیں پہلے بھی پیدا کیا اور پھر بھی مار ڈالنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دے گا' نہ اسے کوئی روکے نہ آگے

آئے نہ سامنے پڑے۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ وہ اس کی طرف جھکیں اور توبہ کریں اور اس کے سامنے ناک رگڑیں پھر چاہے کیسی ہی خطائیں ہوں ایک دم میں سب معاف ہو جاتی ہیں' اپنے بندوں سے وہ پیار و محبت رکھتا ہے۔ وہ عرش والا ہے جو عرش تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے اور تمام خلائق کے اوپر ہے۔ مجید کی دو قرائتیں ہیں دال کا پیش بھی اور دال کا زیر بھی پیش کے ساتھ وہ خدا کی صفت بن جائے گا اور زیر کے ساتھ عرش کی صفت ہے' معنی دونوں کے بالکل صحیح اور بند بیٹھتے ہیں۔ وہ جس کام کا جب ارادہ کرے کرنے پر قدرت رکھتا ہے' اس کی عظمت عدالت حکمت کی بنا پر نہ کوئی اسے روک سکے نہ اس سے پوچھ سکے۔ حضرت صدیق اکبرؓ سے ان کی اس بیماری میں جس میں آپ کا انتقال ہوتا ہے لوگ سوال کرتے ہیں کہ کسی طبیب نے بھی آپ کو دیکھا؟ فرمایا ہاں پوچھا پھر کیا جواب دیا؟ فرمایا کہ جواب دیا اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ پھر فرماتا ہے کہ کیا تجھے خبر بھی ہے کہ فرعونیوں اور ثمودیوں پر کیا کیا عذاب آئے؟ اور کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کی کسی طرح کی مدد کر سکتا نہ کوئی اور اس عذاب کو ہٹا سکا' مطلب یہ ہے کہ اس کی پکڑ سخت ہے' جب وہ کسی ظالم کو پکڑتا ہے تو دردناک اور سختی سے بڑی زبردست پکڑ پکڑتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ چلے جا رہے تھے کہ آپ نے سنا کوئی بیوی صاحبہ قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ رہی ہیں هَلْ اَتَاكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ آپ کھڑے رہ گئے اور کان لگا کر سنتے رہ گئے اور فرمایا نَعَمْ قَدْ جَآءَنِیْ یعنی ہاں میرے پاس وہ خبریں آ گئیں یعنی قرآن کی اس آیت کا جواب دیا کہ کیا تجھے فرعونیوں اور ثمودیوں کی خبر پہنچی ہے؟ پھر فرمایا کہ بلکہ کافر شک وشبہ میں' کفر و سرکشی میں ہیں اور اللہ ان پر قادر اور غالب ہے' نہ یہ اس سے گم ہو سکیں نہ اسے عاجز کر سکیں' بلکہ یہ قرآن عزت اور کرامت والا ہے وہ لوح محفوظ کا نوشتہ ہے' بلند مرتبہ فرشتوں میں ہے زیادتی کمی سے پاک اور سرتاپا محفوظ ہے' نہ اس میں تبدیلی ہو نہ تحریف۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوح محفوظ حضرت اسرافیل کی پیشانی پر ہے۔ عبدالرحمٰن بن سلمان فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہوا ہو رہا ہے اور ہوگا وہ سب لوح محفوظ میں موجود ہے اور لوح محفوظ حضرت اسرافیل کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہے لیکن جب تک انہیں اجازت نہ ملے وہ اسے دیکھ نہیں سکتے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لوح محفوظ کی پیشانی پر یہ عبارت ہے کوئی معبود نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے' وہ اکیلا ہے' اس کا دین اسلام ہے' محمد اس کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں (ﷺ) جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے' اس کے وعدے کو سچا جانے اس کے رسولوں کی تابعداری کرے' خدائے عالم اسے جنت میں داخل کرے گا۔ فرماتے ہیں یہ لوح سفید موتی کی ہے' اس کا طول آسمان و زمین کے درمیان کے برابر ہے اور اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے برابر ہے' اس کے دونوں کنارے موتی اور یاقوت کے ہیں' اس کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے ہیں' اس کا قلم نور ہے' اس کا کلام عرش کے ساتھ وابستہ ہے' اس کی اصل فرشتہ کی گود میں ہے۔ مقاتلؒ فرماتے ہیں یہ خدا کے عرش کے دائیں طرف ہے۔

طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا' اس کے صفحے سرخ یاقوت کے ہیں' اس کا قلم نور کا ہے' اس کی کتابت نور کی ہے' اللہ تعالیٰ ہر دن تین سو ساٹھ مرتبہ اسے دیکھتا ہے' وہ پیدا کرتا ہے' روزی دیتا ہے' مارتا ہے' جلاتا ہے' عزت دیتا ہے' ذلت دیتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے۔

الحمدللہ سورۂ بروج کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الطارق

مسند احمد میں ہے کہ خالد بن ابوجبل عدوانی نے ثقیف قبیلے کی مشرق جانب رسول اللہ ﷺ کو لکڑی پر یا کمان پر ٹیک لگائے ہوئے اس پوری سورت کو پڑھتے سنا جبکہ آپ ان لوگوں سے مدد طلب کرنے کے لئے یہاں آئے تھے حضرت خالد نے اسے یاد کر لیا جب یہ ثقیف کے پاس واپس آئے تو ثقیف نے ان سے پوچھا یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ بھی اس وقت مشرک تھے انہوں نے بیان کیا تو جو قریش وہاں تھے جلدی سے بول پڑے کہ اگر یہ حق ہوتا تو کیا اب تک ہم نہ مان لیتے؟ نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مغرب کی نماز میں سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء پڑھی تو حضور ﷺ نے فرمایا اے معاذ کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے؟ کیا تجھے یہ کافی نہ تھا کہ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ اور وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور ایسی ہی اور سورتیں پڑھ لیتا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ
الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ
الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْ
بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾
يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾

بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع

قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں روشن ہونے والے کی ○ تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے ○ وہ روشن ستارہ ہے ○ کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو ○ انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ○ وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ○ جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے ○ بیشک وہ اسی پھیر لانے پر یقیناً قدرت رکھنے والا ہے ○ جس دن پوشیدہ بھید کھل پڑیں گے ○ تو نہ کوئی زور چلے نہ کوئی مددگار ہو ○

تخلیق انسان: ☆☆ (آیت: ۱-۱۰) اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور ان کے روشن ستاروں کی قسم کھاتا ہے۔ طارق کی تفسیر چمکتے ستارے سے کی ہے وجہ یہ ہے کہ دن کو چھپے رہتے ہیں اور رات کو ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی اپنے گھر رات کے وقت بے خبر آ جائے یہاں بھی لفظ طارق ہے آپ کی ایک دعا میں بھی طارق کا لفظ آیا ہے ثاقب کہتے ہیں چمکیلے اور روشنی والے کو جو شیطان پر گرتا ہے اور اسے جلا دیتا ہے۔ ہر شخص پر خدا کی طرف سے ایک محافظ مقرر ہے جو اسے آفات سے بچاتا ہے جیسے اور جگہ ہے کہ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ آگے پیچھے سے باری باری آنے والے فرشتے مقرر ہیں جو خدا کے حکم سے بندے کی حفاظت کرتے ہیں۔ پھر انسان کی ضعیفی کا بیان ہو رہا ہے کہ دیکھو تو اس کی اصل کیا ہے؟ اور گویا اس میں نہایت باریکی کے ساتھ قیامت کا یقین دلایا گیا ہے کہ جو ابتدائی پیدائش پر قادر ہے وہ لوٹانے پر قادر کیوں نہ ہوگا؟

جیسے فرمایا هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ یعنی جس نے پہلے پیدا کیا وہ ہی دوبارہ لوٹائے گا اور یہ اس

پر بہت ہی آسان ہے انسان اچھلنے والے پانی یعنی عورت مرد کی منی سے پیدا کیا گیا ہے' جو مرد کی پیٹھ سے اور عورت کی چھاتی سے نکلتی ہے' عورت کا یہ پانی زرد رنگ کا اور پتلا ہوتا ہے اور دونوں سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ ترائب کہتے ہیں ہار کی جگہ کو' مونڈھوں سے لے کر سینے تک کو بھی کہا گیا ہے اور نرخرے سے نیچے کو بھی کہا گیا ہے اور چھاتیوں سے اوپر کے حصہ کو بھی کہا گیا ہے اور نیچے کی طرف چار پسلیوں کو بھی کہا گیا ہے اور دونوں چھاتیوں اور دونوں پیروں اور دونوں آنکھوں کے درمیان کو بھی کہا گیا ہے' دل کے نچوڑ کو بھی کہا گیا ہے' سینہ اور پیٹھ کے درمیان کو بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے یعنی نکلے ہوئے پانی کو اس کی جگہ واپس پہنچا دینے پر' اور یہ مطلب کہ اسے دوبارہ پیدا کر کے آخرت کی طرف لوٹانے پر بھی' پچھلا قول ہی اچھا ہے اور یہ دلیل کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے۔ پھر فرمایا کہ قیامت کے دن پوشیدگیاں کھل جائیں گی' راز ظاہر ہو جائیں گے' بھید آشکارا ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر غدار کی رانوں کے درمیان اس کے غدر کا جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان ہو جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے' اس دن نہ تو خود انسان کو کوئی قوت حاصل ہوگی نہ اس کا مددگار کوئی اور کھڑا ہوگا یعنی نہ تو خود اپنے تئیں عذابوں سے بچا سکے گا نہ کوئی اور ہوگا جو اسے خدا کے عذابوں سے بچا سکے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ﴿۱۱﴾ وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيۡدُ كَيۡدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الۡكٰفِرِيۡنَ اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا ﴿۱۷﴾

بارش والے آسمان کی قسم ○ اور پھٹنے والی زمین کی قسم ○ بیشک یہ قرآن البتہ دوٹوک فیصلہ کرنے والا کلام ہے ○ یہ ہنسی کی اور بے فائدہ بات نہیں ○ البتہ کافر داؤ گھات میں ہیں ○ اور میں بھی داؤ کر رہا ہوں ○ تو کافروں کو مہلت دے انہیں تھوڑے دنوں چھوڑ دے ○

صداقت قرآن کا ذکر: ☆☆ (آیت:۱۱-۱۷) رجع کے معنی بارش کے بادل' بارش والے کے' برسنے کے' ہر سال بندوں کی روزی لوٹانے کے جس بغیر یہ اور ان کے جانور ہلاک ہو جائیں' سورج چاند اور ستاروں کے ادھر ادھر لوٹنے کے مروی ہیں' زمین پھٹتی ہے' دانے گھاس چارہ نکلتا ہے۔ یہ قرآن حق ہے' عدل کا حکم ہے' یہ کوئی عذر قصہ باتیں نہیں' کافر اسے جھٹلاتے ہیں' اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں طرح طرح کے مکروفریب سے لوگوں کو خلاف قرآن پر اکساتے ہیں' تو اے نبی انہیں ذرا سی ڈھیل دے' پھر عنقریب دیکھ لے گا کہ کیسے کیسے بدترین عذابوں میں یہ پکڑے جاتے ہیں' جیسے اور جگہ ہے نُمَتِّعُهُمۡ قَلِيۡلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيۡظٍ یعنی ہم انہیں کچھ یونہی سا فائدہ دیں گے پھر نہایت سخت عذاب کی طرف انہیں بے بس کر دیں گے۔ الحمدللہ سورۂ طارق کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ الاعلیٰ

اس سورت کے مکی ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے جو صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول ﷺ میں سے سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت معصب بن عمیرؓ اور حضرت ابن مکتومؓ آئے' ہمیں قرآن پڑھانا شروع کیا پھر حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ، حضرت سعدؓ، آئے پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھ بیس صحابیوں کو لے کر آئے' میں نے نہیں دیکھا کہ اہل مدینہ کسی چیز پر اس قدر خوش ہوئے ہوں جیسے اس پر خوش ہوئے یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور نابالغ لڑکے بھی پکار اٹھے کہ یہ ہیں رسول اللہ ﷺ آپ تشریف لائے آپ کے آنے سے پہلے ہی میں نے یہ سورت سَبِّحِ اسۡمَ اسی جیسی اور سورتوں کے

ساتھ یاد کر لی تھی۔ مسند احمد میں ہے کہ یہ سورت حضورؐ کو بہت محبوب تھی۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تو نے سورۂ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی اور وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھائی؟ مسند احمد میں مروی ہے کہ حضور رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ دونوں عید کی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے اور جمعہ والے دن اگر عید ہوتی تو عید میں اور جمعہ میں دونوں میں انہی دونوں سورتوں کو پڑھتے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے' ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی میں بھی ہے' ابن ماجہ وغیرہ میں بھی مروی ہے۔ مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وتر نماز میں رسول اللہ ﷺ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے۔ ایک روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ سورۂ معوذ تین یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ بھی پڑھتے تھے' یہ حدیث بھی بہت سے صحابیوں سے بہت سے طریق کے ساتھ مروی ہے' ہمیں اگر کتاب کے مطول ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو ان سندوں کو اور ان تمام روایتوں کے الفاظ کو جہاں تک میسر ہوتے وارد کرتے لیکن جتنا کچھ اختصار کے ساتھ بیان کر دیا یہ بھی کافی ہے' واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿۱﴾ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۲﴾ وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿۳﴾ وَالَّذِىْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ﴿۵﴾

بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع

اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر ○ جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا ○ اور جس نے تقدیر مقرر کی پھر راہ دکھائی ○ اور جس نے تازہ گھاس پیدا کی پھر اس نے سکھا کر سیاہ کوڑا کر دیا ○

(آیت: ۱-۵) مسند احمد میں ہے عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے تم اپنے رکوع میں کر لو' جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اتری تو آپ نے فرمایا اسے اپنے سجدے میں کر لو۔ ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھتے تو کہتے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔ حضرت علیؓ سے بھی یہ مروی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ مروی ہے اور آپ جب لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ پڑھتے اور آخری آیت اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى پر پہنچتے تو فرماتے سُبْحَانَكَ وَبَلٰى اللہ تعالیٰ یہاں ارشاد فرماتا ہے اپنے بلندیوں والے پرورش کرنے والے خدا کے پاک نام کی پاکیزگی اور تسبیح بیان کرو جس نے تمام مخلوق رچائی اور سب کو اچھی ہیئت بخشی' انسان کو سعادت شقاوت کی رونمائی کی' جانور کو چرنے چگنے وغیرہ کی' جیسے اور جگہ ہے رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا فرمائی پھر رہبری کی۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ زمین آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے خدائے تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر لکھی' اس کا عرش پانی پر تھا' جس نے ہر قسم کے نباتات اور کھیت نکالے پھر ان سرسبز چاروں کو خشک اور سیاہ رنگ کر دیا۔ بعض عارفان کلام عرب نے کہا ہے کہ یہاں بعض الفاظ جو ذکر میں موخر ہیں معنی کے لحاظ سے مقدم ہیں' یعنی مطلب یہ ہے کہ جس نے گھانس چارہ سبز رنگ سیاہی

مائل پیدا کیا پھر اسے خشک کر دیا' گو یہ معنی بھی بن سکتے ہیں لیکن کچھ زیادہ ٹھیک نظر نہیں آتے کیونکہ مفسرین کے اقوال کے خلاف ہیں۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ﴿۷﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿۸﴾ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿۹﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿۱۰﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿۱۱﴾ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۱۳﴾

ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا ○ مگر جو کچھ اللہ چاہے وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے ○ ہم تجھے سہج سہج آسانی تک پہنچا دیں گے ○ تو تو نصیحت کرتا رہ اگر نصیحت کچھ فائدہ دے ○ ڈرانے والے تو عبرت حاصل کر لیں گے ○ ہاں یہ بدبخت لوگ اس سے دور رہ جائیں گے ○ جو بڑی آگ میں جائیں گے ○ جہاں پھر نہ وہ مریں گے نہ جئیں گے ○

(آیت:۶-۱۳) پھر فرماتا ہے کہ تجھے ہم اے محمد ﷺ ایسا پڑھائیں گے جسے تو بھولے نہیں' ہاں اگر خود خدا کوئی آیت بھلا دینی چاہے تو اور بات ہے۔ امام ابن جریر تو اسی مطلب کو پسند کرتے ہیں اور مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو قرآن ہم تجھے پڑھاتے ہیں اسے نہ بھول' ہاں جسے ہم خود منسوخ کر دیں اس کی اور بات ہے۔ خدا پر بندوں کے چھپے کھلے اعمال احوال عقائد سب ظاہر ہیں' ہم تجھ پر بھلائی کے کام' اچھی باتیں' شرعی امور آسان کر دیں گے' نہ ان میں کجی ہو گی نہ سختی نہ جرم ہو گا۔ تو نصیحت کرتا رہ اگر نصیحت فائدے دے اس سے معلوم ہوا کہ نالائقوں کو نہ سکھانا چاہئے جیسے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر تم دوسروں کے ساتھ وہ باتیں کرو گے جو ان کی عقل میں نہ آسکیں تو نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ تمہاری بھلی باتیں ان کے لئے بری بن جائیں گی اور باعث فتنہ ہو جائیں گی' بلکہ لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات چیت کرو تا کہ لوگ اللہ رسول کو نہ جھٹلائیں۔

پھر فرمایا کہ اس سے نصیحت وہ حاصل کرے گا جس کے دل میں خدا کا خوف ہے' جو اس کی ملاقات پر یقین رکھتا ہے اور اس سے وہ عبرت و نصیحت حاصل نہیں کر سکتا جو بدبخت ہو جو جہنم میں جانے والا ہو' جہاں نہ تو راحت کی زندگی ہے نہ بھلی موت ہے بلکہ وہ دائمی عذاب اور ہیشگی کی برائی ہے' اس میں طرح طرح کے عذاب اور بدترین سزائیں ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ جو اصلی جہنمی ہیں انہیں تو نہ تو موت آئے نہ کارآمد زندگی ملے' ہاں جن کے ساتھ خدا کا ارادہ رحمت کا ہے وہ آگ میں گرتے ہی جل کر مر جائیں گے' پھر سفارشی لوگ جائیں گے اور ان کے ڈھیر چھڑا لائیں گے پھر نہر حیاۃ میں ڈال دیئے جائیں گے' جنتی نہروں کا پانی ان پر ڈالا جائے گا اور اس طرح جی اٹھیں گے جس طرح دانہ نالی کے کنارے کوڑے پر اگ آتا ہے کہ پہلے سبز ہوتا ہے پھر زرد پھر ہرا۔ لوگ کہنے لگے حضورؐ تو اس طرح بیان فرماتے ہیں جیسے آپ جنگل سے واقف ہوں۔ یہ حدیث مختلف الفاظ سے بہت سی کتب میں مروی ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ وارد ہے وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ یعنی جہنمی لوگ پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک داروغہ جہنم خدا سے کہہ وہ ہمیں موت دے دے' جواب ملے گا تم تو اب اسی میں پڑے رہنے والے ہو' اور جگہ ہے لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا الخ' [3] یعنی نہ تو ان کو موت آئے گی نہ عذاب کم ہوں گے' اور بھی اس معنی کی آیتیں ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾ ع ۱۹ ۱۲

بیشک ان لوگوں نے فلاح پالی جو پاک ہو گئے ○ اور جنہوں نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتے رہے ○ لیکن تم تو دنیا کا جینا سامنے رکھتے ہو ○ اور آخرت بہت بہتر اور بہت بقا والی ہے ○ یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں ○ ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں بھی ○

جس نے صلوٰۃ کو بروقت ادا کیا: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے رذیل اخلاق سے اپنے تئیں پاک کر لیا، احکام اسلام کی تابعداری کی، نماز کو ٹھیک وقت پر قائم رکھا، صرف خدائے تعالیٰ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی کے طلب کرنے کے لئے اس نے نجات اور فلاح پالی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے کی گواہی دے، اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور میری رسالت کو مان لے اور پانچوں وقت کی نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرے وہ نجات پا گیا (بزار)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد پانچ وقت کی نماز ہے۔ حضرت ابوالعالیہؒ نے ایک مرتبہ ابوخلدہ سے فرمایا کہ کل جب عید گاہ جاؤ تو مجھ سے ملتے جانا، جب میں گیا تو مجھ سے کہا کچھ کھا لیا ہے؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا نہا چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا زکوٰۃ فطر ادا کر چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا بس یہی کہنا تھا کہ اس آیت میں یہی مراد ہے۔ اہل مدینہ فطرے سے اور پانی پلانے سے افضل اور کوئی صدقہ نہیں جانتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ بھی لوگوں کو فطرہ ادا کرنے کا حکم کرتے، پھر اسی آیت کی تلاوت کرتے۔ حضرت ابوالاحوصؒ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کرے اور کوئی سائل آ جائے تو اسے خیرات دے دے، پھر یہی آیت پڑھی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اس نے اپنے مال کو پاک کر لیا اور اپنے رب کو راضی کر لیا۔ پھر ارشاد ہے کہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو اور دراصل تمہاری مصلحت تمہارا نفع اخروی زندگی کو دنیوی زندگی پر ترجیح دینے میں ہے، دنیا ذلیل ہے فانی ہے، آخرت شریف ہے، باقی ہے۔ ایک عاقل ایسا نہیں کر سکتا کہ فانی کو باقی پر اختیار کر لے اور اس کے انتظام میں پڑ کر اس کے اہتمام کو چھوڑ دے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر آخرت میں نہ ہو، دنیا اس کا مال ہے جس کا مال وہاں نہ ہو، اس کے جمع کرنے کے پیچھے وہ لگتے ہیں جو بیوقوف ہوں۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عرفجہ ثقفی اس سورت کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے تو تلاوت چھوڑ کر اپنے ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ سچ ہے ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی، لوگ خاموش رہے تو آپ نے فرمایا کہ اس لئے ہم دنیا کے گرویدہ ہو گئے کہ یہاں کی زینت کو یہاں کی عورتوں کو یہاں کے کھانے پینے کو ہم نے دیکھ لیا، آخرت نظروں سے اوجھل ہے تو ہم نے اس سامنے والی کی طرف توجہ کی اور اس دور والی سے آنکھیں پھیر لیں۔ یا تو یہ فرمان حضرت عبداللہ کا بطور تواضع کے ہے یا جنس انسان کی بابت فرماتے ہیں واللہ اعلم۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس نے دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت رکھی اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا، تم اے لوگو باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو (مسند احمد)۔

پھر فرماتا ہے کہ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں بھی یہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہ سب بیان ان صحیفوں میں بھی تھا (بزار) نسائی میں حضرت عباسؓ سے یہ مروی ہے اور جب آیت وَاِبْرَاهِيمَ الَّذِىْ وَفّٰى نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس سے مراد ایک کا بوجھ دوسرے کو نہ اٹھانا ہے۔ سورۂ نجم میں ہے اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى آخری مضمون تک کی تمام آیتیں یعنی یہ سب احکام اگلی کتابوں میں بھی تھے اسی طرح یہاں بھی مراد سَبِّحِ اسْمَ کی یہ آیتیں ہیں بعض نے پوری سورت کہی ہے بعض نے قَدْ اَفْلَحَ سے اَبْقٰى تک کہا ہے زیادہ قوی بھی یہی قول معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ سورۂ سبح کی تفسیر ختم ہوئی' و لله الحمد و المنه و به التوفيق و العصمه۔

تفسير سورة الغاشيه

یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سبح اسم اور غاشیہ کو نماز عیدین اور جمعہ میں پڑھتے تھے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ جمعہ کے دن پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے (ابوداؤد) صحیح مسلم' ابن ماجہ اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿۲﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿۳﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿۴﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ﴿۵﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿۶﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِىْ مِنْ جُوْعٍ ﴿۷﴾

اللہ تعالیٰ رحمان و رحیم کے نام سے شروع

کیا تجھے بھی چھپا لینے والی قیامت کی خبر پہنچی ہے؟ ○ اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے ○ جو عمل کرنے والے محنتیں اٹھانے والے تھے ○ جو دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے ○ جو نہایت گرم چشمے کا پانی پلائے جائیں گے ○ ان کے لئے سوائے کانٹوں دار درخت کے اور کچھ کھانا نہ ہوگا ○ جو نہ بدن بڑھائے نہ بھوک مٹائے ○

سب کو ڈھانپنے والی حقیقت: ☆☆ (آیت:۱-۷) غاشیہ قیامت کا نام ہے' اس لئے کہ وہ سب پر آئے گی' سب کو گھیرے ہوئے ہو گی اور ہر ایک کو ڈھانپ لے گی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہیں جا رہے تھے کہ ایک عورت کے قرآن پڑھنے کی آواز آئی آپ کھڑے ہو کر سننے لگے اس نے یہی آیت هَلْ اَتٰكَ پڑھی یعنی کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی قیامت کی بات پہنچی ہے؟ تو آپ نے جوا فرمایا نَعَمْ قَدْ جَآءَنِىْ یعنی ہاں میرے پاس پہنچ چکی ہے۔ اس دن بہت سے لوگ ذلیل چہروں والے ہوں گے' پستی ان پر برس رہی ہوگی' ان کے اعمال غارت ہو گئے ہوں گے' بڑے بڑے اعمال کئے تھے' سخت تکلیفیں اٹھائی تھیں' وہ آج بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گئے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ ایک خانقاہ کے پاس سے گذرے' وہاں کے راہب کو آواز دی' وہ حاضر ہوا آپ اسے دیکھ کر رو دئے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت کیا بات ہے؟ تو فرمایا اسے دیکھ کر یہ آیت یاد آ گئی کہ عبادت ریاضت کرتے ہیں لیکن آخر جہنم میں جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد نصرانی ہیں' عکرمہؒ اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں گناہوں کے کام کرتے رہے اور آخرت میں

عذاب کی اور مار کی تکلیفیں برداشت کریں گے‘ یہ سخت بھڑکنے والی جلتی تپتی آگ میں جائیں گے جہاں سوائے ضریع کے اور کچھ کھانے کو نہ ملے گا‘ یہ آگ کا درخت ہے‘ جہنم کا پتھر ہے‘ یہ عضو کی بیل ہے‘ اس میں زہریلے کانٹوں دار پھل لگتے ہیں‘ یہ بدترین کھانا ہے اور نہایت ہی برا‘ نہ بدن بڑھائے نہ بھوک مٹائے‘ یعنی نہ نفع پہنچے نہ نقصان دور ہو۔

وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَۃٌ ﴿۸﴾ لِّسَعۡیِہَا رَاضِیَۃٌ ﴿۹﴾ فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ﴿۱۰﴾ لَّا تَسۡمَعُ فِیۡہَا لَاغِیَۃً ﴿۱۱﴾ فِیۡہَا عَیۡنٌ جَارِیَۃٌ ﴿۱۲﴾ فِیۡہَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَۃٌ ﴿۱۳﴾ وَّ اَکۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَۃٌ ﴿۱۴﴾ وَّ نَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَۃٌ ﴿۱۵﴾ وَّ زَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَۃٌ ﴿۱۶﴾

بہت چہرے اس دن تر و تازہ اور آسودہ حال ہوں گے ○ اپنے اعمال سے خوش ہوں گے ○ بلند و بالا جنتوں میں ہوں گے ○ جہاں کوئی بیہودہ بات کان میں نہ پڑے گی ○ جہاں چشمے جاری ہوں گے ○ جہاں اونچے اونچے تخت ہوں گے ○ اور آبخورے رکھے ہوئے ہوں گے ○ اور تکیے ہوں گے ایک قطار میں لگے ہوئے ○ اور مخملی مسندیں پھیلی پڑی ہوں گی ○

ہر طرف سلام ہی سلام: ☆☆ (آیت: ۸-۱۶) اوپر چونکہ بدکاروں کا بیان اور ان کے عذابوں کا ذکر ہوا تھا تو یہاں نیک کاروں اور ان کے ثوابوں کا بیان ہو رہا ہے‘ تو فرمایا کہ اس دن بہت سے چہرے ایسے بھی ہوں گے جن پر خوشی کے اور آسودگی کے آثار ظاہر ہوں گے‘ یہ اپنے اعمال سے خوش ہوں گے‘ جنتوں کے بلند بالا خانوں میں ہوں گے جس میں کوئی لغو بات کان میں نہ پڑے گی‘ جیسے فرمایا لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡہَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا اس میں سوائے سلامتی اور سلام کے کوئی بری بات نہ سنیں گے‘ اور فرمایا لَّا لَغۡوٌ فِیۡہَا وَ لَا تَاۡثِیۡمٌ نہ اس میں بیہودگی ہے نہ گناہ کی باتیں۔ اور فرمایا ہے لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡہَا لَغۡوًا وَّ لَا تَاۡثِیۡمًا اِلَّا قِیۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا نہ اس میں فضول گوئی سنیں گے نہ بد باتیں سوائے سلام ہی سلام کے اور کچھ نہ ہوگا‘ اس میں بہتی ہوئی نہریں ہوں گے‘ یہاں نکرہ اثبات کے سیاق میں ہے‘ ایک ہی نہر مراد نہیں بلکہ جنس نہر مراد ہے یعنی نہریں بہتی ہوں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت کی نہریں مشک کے پہاڑوں اور مشک کے ٹیلوں سے نکلتی ہیں‘ اس میں اونچے اونچے بلند و بالا تخت ہیں‘ جن پر بہترین فرش ہیں اور ان کے پاس حوریں بیٹھی ہوئی ہیں‘ گو یہ تخت بہت اونچے اور ضخامت والے ہیں لیکن جب یہ اللہ کے دوست ان پر بیٹھنا چاہیں گے تو وہ جھک جائیں گے‘ شراب کے بھرپور جام ادھر ادھر قرینے سے چنے ہوئے ہیں‘ جو چاہے جس قسم کا چاہے جس مقدار میں چاہے لے لے اور پی لے اور تکیے میں ایک قطار میں لگے ہوئے اور ادھر ادھر بہترین بسترے اور فرش باقاعدہ بچھے ہوئے ہیں۔

ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کوئی ہے جو تہہ چڑھائے جنت کی تیاری کرے‘ اس جنت کی جس کی لمبائی چوڑائی بے حساب ہے‘ رب کعبہ کی قسم وہ ایک چمکتا ہوا نور ہے وہ ایک لہلہاتا ہوا سبزہ ہے وہ بلند و بالا محلات ہیں‘ وہ بہتی ہوئی نہریں ہیں‘ وہ بکثرت ریشمی حلے ہیں‘ وہ پکے پکائے تیار عمدہ پھل ہیں‘ وہ ہمیشگی والی جگہ ہے‘ وہ سراسر میوے جات سبزہ راحت اور نعمت ہے‘ وہ تر و تازہ بلند و بالا جگہ ہے۔ سب لوگ بول اٹھے کہ ہم سب اس کے خواہش مند ہیں اور اس کے لئے تیاری کریں گے‘ فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ کہو‘ صحابہ کرام نے انشاء اللہ تعالیٰ کہا۔

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ﴿٢٦﴾

ع ۲۶ ۱۲

کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیئے گئے ہیں ○ اور آسمان کو کس طرح اونچا کیا گیا ہے ○ اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیئے گئے ○ اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے ○ پس تو تو نصیحت کر دیا کر کہ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے ○ تو کچھ ان پر داروغہ نہیں ہے ○ ہاں جو شخص روگردانی کرے اور کفر کرے ○ اسے اللہ تعالیٰ بہت بڑا عذاب کرے گا ○ بیشک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے ○ پھر بیشک ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا ○

کائنات پر غور وتدبر کی دعوت : ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی مخلوقات پر تدبر کے ساتھ نظریں ڈالیں اور دیکھیں کہ اس کی بے انتہا قدرت ان میں سے ہر ہر چیز سے کس طرح ظاہر ہوتی ہے' اس کی پاک ذات پر ہر ہر چیز کس طرح دلالت کر رہی ہے' اونٹ کو ہی دیکھو کہ کس عجیب وغریب ترکیب اور ہیئت کا ہے' کتنا مضبوط اور قوی ہے اور باوجود اس کے کس طرح نرمی اور آسانی سے بوجھ لاد لیتا ہے اور ایک بچے کے ساتھ کس طرح اطاعت گذار بن کر چلتا ہے۔ اس کا گوشت بھی تمہارے کھانے میں آئے اس کے بال بھی تمہارے کام آئیں' اس کا دودھ تم پیو اور طرح طرح کے فائدے اٹھاؤ۔ سب سے پہلے اسے اس لئے بیان کیا گیا کہ عموماً عرب کے ملک میں اور عربوں کے پاس یہی جانور تھا۔ حضرت شریح قاضی فرمایا کرتے تھے آؤ چلو چل کر دیکھیں کہ اونٹ کی پیدائش کس طرح ہے اور آسمان کی بلندی زمین سے کس طرح ہے وغیرہ۔ اور جگہ ارشاد ہے أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا کیسے مزین کیا اور ایک سوراخ نہیں چھوڑا' پھر پہاڑوں کو دیکھو کہ کیسے گاڑ دیئے گئے تاکہ زمین ہل نہ سکے اور پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ چھوڑ سکیں' پھر اس میں جو بھلائی اور نفع کی چیزیں پیدا کی ہیں ان پر بھی نظر ڈالو زمین کو دیکھو کہ کس طرح پھیلا کر بچھادی گئی ہے' غرض یہاں ان چیزوں کا ذکر کیا جو قرآن کے مخاطب عربوں کے ہر وقت پیش نظر رہا کرتی ہیں' ایک بدوی جو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر نکلتا ہے' زمین اس کے نیچے ہوتی ہے' آسمان اس کے اوپر ہوتا ہے' پہاڑ اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں اور اونٹ پر خود سوار ہے' ان باتوں سے خالق کی قدرت کاملہ اور صنعت ظاہرہ بالکل ہویدا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خالق' صانع' رب' عظمت عزت والا مالک اور متصرف معبود برحق اور خدائے حقیقی صرف وہی ہے' اس کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کے سامنے اپنی عاجزی اور پستی کا اظہار کریں' جسے ہم حاجتوں کے وقت پکاریں' جس کا نام جپیں اور جس کے سامنے سرخم ہوں۔

حضرت ضمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو سوالات آنحضرت ﷺ سے کئے تھے وہ اس طرح کی قسمیں دے کر کئے تھے۔ بخاری' مسلم' ترمذی' نسائی' مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں بار بار سوالات کرنے سے روک دیا گیا تھا تو ہماری یہ خواہش رہتی تھی کہ باہر کا کوئی عقل مند شخص آئے وہ سوالات کرے ہم بھی موجود ہوں اور پھر حضور کی زبانی جوابات سنیں چنانچہ ایک دن بادیہ نشین آئے اور کہنے لگے اے محمد (ﷺ) آپ کے قاصد ہمارے پاس آئے اور ہم سے کہا آپ فرماتے ہیں کہ خدا نے آپ کو اپنا

رسول بنایا ہے' آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا' وہ کہنے لگا بتلایئے کس نے آسمان کو پیدا کیا؟ آپ نے فرمایا اللہ نے' کہا زمین کس نے پیدا کی؟ آپ نے فرمایا اللہ نے' کہا ان پہاڑوں کو کس نے گاڑ دیا؟ ان میں فائدے کی چیزیں کس نے پیدا کیں؟ آپ نے فرمایا اللہ نے' کہا پس آپ کو قسم ہے اس اللہ کی جس نے آسمان وزمین پیدا کئے اور ان پہاڑوں کو گاڑا کیا اللہ نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں' کہا آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں' فرمایا اس نے سچ کہا۔ کہا اس اللہ کی آپ کو قسم ہے جس نے آپ کو بھیجا کہ کیا یہ خدا کا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں' کہا آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا کہ ہمارے مالوں میں ہم پر زکوۃ فرض ہے فرمایا سچ ہے کہا آپ کو اپنے بھیجنے والے اللہ کی قسم کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں' کہا اور آپ کے قاصد نے ہم میں سے طاقت رکھنے والے لوگوں کو حج کا حکم بھی دیا ہے' آپ نے فرمایا ہاں' اس نے کہا سچ کہا' وہ یہ سن کر یہ کہتا ہوا چل دیا کہ اس خدائے واحد کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے نہ میں ان پر کچھ زیادتی کروں نہ ان میں کوئی کمی کروں' نبی ﷺ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ جنت میں داخل ہوگا۔

بعض روایات میں ہے کہ اس نے کہا میں ضحام بن ثعلبہ ہوں' بنو سعد بن بکر کا بھائی۔ ابویعلی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اکثر یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک عورت پہاڑ پر تھی' اس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا' یہ عورت بکریاں چرایا کرتی تھی' اس کے لڑکے نے اس سے پوچھا کہ اماں جان تمہیں کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا اللہ نے' پوچھا میرے ابا جی کو کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا اللہ نے' پوچھا مجھے؟ کہا اللہ نے پوچھا آسمان کو؟ کہا اللہ نے' پوچھا زمین کو؟ کہا اللہ نے' پوچھا پہاڑوں کو؟ بتلایا کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ بچے نے پھر سوال کیا کہ اچھا ان بکریوں کو کس نے پیدا کیا؟ ماں نے کہا انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ بچے کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ خدائے تعالیٰ بڑی شان والا ہے' اس کا دل عظمت خدا سے بھر گیا' وہ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا اور پہاڑ پر سے گر پڑا ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ ابن دینار فرماتے ہیں حضرت ابن عمرؓ بھی یہ حدیث ہم سے اکثر بیان فرمایا کرتے تھے' اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن جعفر مدنی ضعیف ہیں۔

عمام الی بن مدینی جوان کے صاحبزادے اور جرح وتعدیل کے امام ہیں وہ انہیں یعنی اپنے والد کو ضعیف بتلاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی تم تو اللہ کی رسالت کی تبلیغ کیا کرو' تم پر صرف بلاغ ہے' حساب ہمارے ذمہ ہے' آپ ان پر مسلط نہیں ہیں' جبر کرنے والے نہیں ہیں' ان کے دلوں میں آپ ایمان پیدا نہیں کر سکتے' آپ انہیں ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں' جب وہ اسے کہہ لیں تو انہوں نے اپنے جان ومال مجھ سے بچا لئے مگر حق اسلام کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ مسلم ترمذی مسند وغیرہ۔ پھر فرماتا ہے مگر وہ جو منہ موڑے اور کفر کرے یعنی نہ عمل کرے نہ ایمان لائے نہ اقرار کرے' جیسے فرمان ہے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى نہ تو سچا یا نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا اسی لئے اسے بہت بڑا عذاب ہوگا۔ ابوامامہ باہلی حضرت خالد بن یزید بن معاویہؓ کے پاس گئے تو کہا کہ تم نے نبی ﷺ سے جو آسانی سے آسانی والی حدیث سنی ہو اسے مجھے سناؤ آپ نے فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ تم میں سے ہر ایک جنت میں جائے گا مگر وہ جو اس طرح کی سرکشی کرے جیسے شریر اونٹ اپنے مالک پر کرتا ہے (مسند احمد)

ان سب کا لوٹنا ہماری ہی جانب ہے اور پھر ہم ہی ان سے حساب لیں گے اور انہیں بدلہ دیں گے' نیکی کا نیک' بدی کا بد۔

سورۂ غاشیہ کی تفسیر ختم ہوئی وللہ الحمد والمنہ۔

تفسیر سورۃ الفجر

(تفسیر سورۃ الفجر) نسائی شریف میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی ایک شخص آیا اور جماعت میں شامل ہو گیا' حضرت معاذ نے نماز میں قرات لمبی کی' اس نے مسجد کے ایک گوشے میں اپنی نماز پڑھ لی پھر فارغ ہو کر چلا گیا۔ حضرت معاذ کو بھی یہ واقعہ معلوم ہوا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر بطور شکایت یہ واقعہ بیان کیا آپ نے اس جوان کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا حضورؐ میں کیا کرتا میں ان کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا انہوں نے لمبی قرات شروع کی تو میں نے گھوم کر مسجد کے کونے میں اپنی نماز پڑھ لی پھر اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالا آپ نے فرمایا اے معاذ کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے تو ان سورتوں سے کہاں ہے؟ سبح اسم ربك الاعلى والشمس وضحاها' والفجر' والليل اذا يغشى۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالْفَجْرِ ۝١ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝٢ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝٣ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝٤ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝٥ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝٦ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝٧ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝٨ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝٩ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝١٠ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝١١ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝١٢ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝١٣ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝١٤

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے!

قسم ہے فجر کی ۝ اور دس راتوں کی ۝ اور جفت اور طاق کی ۝ اور رات کی جب وہ چلنے لگے ۝ کہ ان میں عقل مند کے واسطے کافی قسم ہے؟ ۝ کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا ۝ ارم والے عادی جو بلند قامت تھے ۝ جن جیسے لوگ دوسرے شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے ۝ اور ثمودیوں کے ساتھ جنہوں نے وادی میں بڑے بڑے پتھر تراشے تھے ۝ اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا ۝ ان سبھوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا ۝ اور بہت فساد مچا رکھا تھا ۝ آخر تیرے رب نے ان سب پر عذاب کا کوڑا برسایا ۝ یقیناً تیرا رب گھات میں ہے ۝

شفع اور وتر سے کیا مراد ہے اور قوم عاد کا قصہ: ☆☆ (آیت: ۱-۱۴) فجر تو ہر شخص جانتا ہے یعنی صبح اور یہ مطلب یہی ہے کہ بقرہ عید کے دن کی صبح اور یہ مراد بھی ہے کہ صبح کے وقت کی نماز اور پورا دن اور دس راتوں سے مراد ذی الحجہ مہینے کی پہلی دس راتیں' چنانچہ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ کوئی عبادت ان دس دنوں کی عبادت سے افضل نہیں' لوگوں نے پوچھا اللہ کی راہ کا جہاد بھی نہیں؟ فرمایا یہ بھی نہیں' مگر وہ شخص جو جان مال لے کر نکلا اور پھر کچھ بھی ساتھ لے کر نہ پلٹا بعض نے کہا ہے محرم کے پہلے دس دن مراد ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں رمضان شریف کے پہلے کے دس دن' لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے یعنی ذی الحجہ کی شروع کی دس راتیں مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ عشر سے مراد عید الاضحیٰ کے دس دن ہیں اور وتر سے مراد عرفے کا دن ہے اور شفع سے

مراد قربانی کا دن ہے' اس کی اسناد میں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن متن میں نکارت ہے واللہ اعلم - وتر سے مراد عرفے کا دن یہ نویں تاریخ ہوتی ہے تو شفع سے مراد دسویں تاریخ یعنی بقرہ عید کا دن ہے' وہ طاق ہے یہ جفت ہے - حضرت واصل بن سائب نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا کہ کیا وتر سے مراد یہی وتر نماز ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں' شفع عرفہ کا دن ہے اور وتر عید الاضحیٰ کی رات ہے - حضرت عبداللہ بن زبیرؓ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ شفع کیا ہے اور وتر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيُ يَوُمَيُنِ میں جو دو دن کا ذکر ہے وہ شفع ہے اور مَنُ تَاَخَّرَ میں جو ایک دن ہے وہ وتر ہے' آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایام تشریف کا درمیانی دن شفع ہے اور آخری دن وتر ہے -

صحیحین کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کے ایک کم ایک سو نام ہیں جو انہیں یاد کر لے جنتی ہے' وہ وتر ہے وتر کو دوست رکھتا ہے - زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں اس سے مراد تمام مخلوق ہے' اس میں شفع بھی ہے اور وتر بھی - یہ بھی کہا گیا ہے کہ مخلوق شفع اور اللہ وتر ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ شفع صبح کی نماز ہے اور وتر مغرب کی نماز ہے - یہ بھی کہا گیا ہے کہ شفع سے مراد جوڑ جوڑ اور وتر سے مراد اللہ عزوجل' جیسے آسمان زمین' تری خشکی' جن انس' سورج چاند وغیرہ - قرآن میں ہے وَمِنُ كُلِّ شَيُءٍ خَلَقُنَا زَوُجَيُنِ لَعَلَّكُمُ تَذَكَّرُوُنَ ہم نے ہر چیز کو جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے تاکہ تم عبرت حاصل کر لو یعنی جان لو کہ ان تمام چیزوں کا خالق اللہ واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد گنتی ہے جس میں جفت بھی ہے اور طاق بھی ہے - ایک حدیث میں ہے شفع سے مراد دو دن ہیں اور وتر سے مراد تیسرا دن - یہ حدیث اس حدیث کے مخالف ہے جو اس سے پہلے گذر چکی ہے - ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد نماز ہے کہ اس میں شفع ہے جیسے صبح کی دو ظہر' عصر اور عشاء کی چار اور وتر ہے جیسے مغرب کی تین رکعتیں جو دن کے وتر ہیں اور اسی طرح آخری رات کا وتر' ایک مرفوع حدیث میں مطلق نماز کے لفظ کے ساتھ مروی ہے' بعض صحابہ سے فرض نماز مروی ہے لیکن یہ مرفوع حدیث زیادہ ٹھیک یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمران بن حصین پر موقوف ہے واللہ اعلم -

امام ابن جریر نے ان آٹھ نو اقوال میں سے کسی کو فیصل قرار نہیں دیا - پھر فرماتا ہے رات کی قسم جب جانے لگے اور یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ جب آنے لگے بلکہ یہی معنی زیادہ مناسب اور والفجر سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں فجر کہتے رات کے جانے کو اور دن کے آنے کو تو یہاں رات کا آنا اور دن کا جانا مراد ہوگا جیسے وَاللَّيُلِ اِذَا عَسُعَسَ وَالصُّبُحِ اِذَا تَنَفَّسَ میں عکرمہ فرماتے ہیں مراد مزدلفہ کی رات ہے - حجر سے مراد عقل ہے' حجر کہتے ہیں روک کو چونکہ عقل بھی غلط کاریوں اور جھوٹی باتوں سے روک دیتی ہے اس لئے اسے عقل کہتے ہیں' حطیم کو بھی حجر البیت اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ طواف کرنے والے کو کعبۃ اللہ کی شامی دیوار سے روک دیتا ہے' اسی سے ماخوذ ہے حجر یمامہ اور اسی لئے عرب کہتے ہیں حَجَرَ الْحَاكِمُ عَلٰى فُلَانٍ جبکہ کسی شخص کو بادشاہ تصرف سے روک دے اور کہتے ہیں کہ حِجُرًا مَّحُجُوُرًا تو فرماتا ہے کہ ان میں عقل مندوں کے لئے قابل عبرت قسم ہے' کہیں تو قسمیں ہیں عبادتوں کی' کہیں عبادت کے وقتوں کی جیسے حج نماز وغیرہ کہ جن سے اس کے نیک بندے اس کا قرب اور اس کی نزدیکی حاصل کرتے ہیں اور اس کے سامنے اپنی پستی اور خود فراموشی ظاہر کرتے ہیں' جب ان پرہیزگار نیک کار لوگوں کا اور ان کی عاجزی اور تواضع کا خشوع خضوع کا ذکر کیا تو اب ان کے ساتھ ہی ان کے خلاف جو سرکش اور بدکار لوگ ہیں ان کا ذکر ہو رہا ہے' تو فرماتا ہے کہ کیا تم نے نہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے عادیوں کو غارت کر دیا جو کہ سرکش اور متکبر تھے' اللہ کی نافرمانی' رسول کی تکذیب اور بدیوں پر جھک پڑے تھے - ان میں خدا کے رسول حضرت ہود علیہ السلام آئے تھے' یہ عاد اعالی ہیں جو عاد بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں تھے' اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایماندار کو تو نجات دے دی اور باقی بے ایمانوں کو تیز و تند خوفناک اور ہلاک آفریں ہواؤں سے ہلاک کیا' سات راتیں اور آٹھ دن تک یہ غضبناک آندھی چلتی رہی اور یہ سارے کے سارے اس طرح

غارت ہو گئے کہ ان کے سر الگ تھے اور دھڑ الگ تھے‘ ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہا‘ جس کا مفصل بیان قرآن کریم میں کئی جگہ ہے۔

سورۂ الحاقہ میں بھی بیان ہے اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ یہ عاد کی تفسیر بطور عطف بیان کے لئے تاکہ بخوبی وضاحت ہو جائے یہ لوگ مضبوط اور بلند ستونوں والے گھروں میں رہتے تھے اور اپنے زمانے کے اور لوگوں سے بہت بڑے تن و توش والے قوت و طاقت والے تھے اسی لئے حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا وَاذْكُرُوا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ یعنی یاد کرو کہ خدائے تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین پر خلیفہ بنایا ہے اور تمہیں جسمانی کشادگی پوری دی ہے‘ تمہیں چاہئے کہ خدا کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فسادی بن کر نہ رہو۔ اور جگہ ہے کہ عادیوں نے ناحق زمین میں سرکشی کی اور بول اٹھے کہ ہم سے زیادہ قوت والا اور کون ہے؟ کیا وہ بھول گئے کہ ان کا پیدا کرنے والا ان سے بہت ہی زبردست طاقت و قوت والا ہے۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اس قبیلے جیسے طاقتور اور شہروں میں نہ تھے‘ بڑی طویل القامت قوی الجسہ ارم ان کا دارالسلطنت تھا انہیں ستونوں والے کہا جاتا تھا اس لئے بھی کہ یہ لوگ بہت دراز قد تھے بلکہ صحیح وجہ یہی ہے مِثْلُهَا کی ضمیر کا مرجع عِمَاد بتلایا گیا ہے‘ ان جیسے اور شہروں میں نہ تھے‘ یہ احقاف میں بنے ہوئے لمبے لمبے ستون تھے اور بعض نے ضمیر کا مرجع قبیلہ بتلایا ہے یعنی اس قبیلے جیسے لوگ اور شہروں میں نہ تھے اور یہی قول ٹھیک ہے اور اگلا قول ضعیف ہے اسی لئے بھی کہ یہی مراد ہوتی تو لَمْ يَجْعَلْ کہا جاتا نہ کہ لَمْ يُخْلَقْ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ان میں اس قدر زور و طاقت تھی کہ ان میں کا کوئی اٹھتا اور ایک بڑی ساری چٹان لے کر کسی قبیلے پر پھینک دیتا تو بیچارے سب کے سب دب کر مر جاتے۔ حضرت ثور بن زید دیلیؒ فرماتے ہیں میں نے ایک ورق پر یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ میں شداد بن عاد ہوں‘ میں نے ستون بلند کئے ہیں‘ میں نے ہاتھ مضبوط کئے ہیں‘ میں نے سات ذراع کے خزانے جمع کئے ہیں جو امت محمد ﷺ نکالے گی‘ غرض خواہ یوں کہو کہ وہ عمدہ اونچے اور مضبوط مکانوں والے تھے خواہ یوں کہو کہ وہ بلند و بالا ستونوں والے تھے یا یوں کہو کہ وہ بہترین ہتھیاروں والے تھے یا یوں کہو لمبے لمبے قد والے تھے‘ مطلب یہ ہے کہ ایک قوم تھی جن کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہ ثمودیوں کے ساتھ آ چکا ہے‘ یہاں بھی اسی طرح عادیوں اور ثمودیوں کا دونوں کا ذکر ہے واللہ اعلم۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ایک شہر ہے یا تو دمشق یا اسکندریہ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ عبارت کا ٹھیک مطلب نہیں بنتا کیونکہ یا تو یہ بدل ہو سکتا ہے یا عطف بیان‘ دوسرے اس لئے بھی کہ یہاں یہ بیان مقصود ہے کہ ہر ایک سرکش قبیلے کو خدا نے برباد کیا جن کا نام عادی تھا نہ کہ کسی شہر کو‘ میں نے اس بات کو یہاں اس لئے بیان کر دیا ہے تاکہ جن مفسرین کی جماعت نے یہاں یہ تفسیر کی ہے ان سے کوئی شخص دھوکے میں نہ پڑ جائے‘ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ایک شہر کا نام ہے جس کی ایک اینٹ سونے کی ہے دوسری چاندی کی‘ اس کے مکانات باغات محلے وغیرہ سب چاندی سونے کے ہیں‘ کنکر لولو اور جواہر ہیں‘ مٹی مشک ہے‘ نہریں بہہ رہی ہیں‘ پھل تیار ہیں‘ کوئی رہنے سہنے والا نہیں‘ در و دیوار خالی ہیں‘ کوئی ہاں ہوں کرنے والا بھی نہیں‘ یہ شہر منتقل ہوتا رہتا ہے‘ کبھی شام میں کبھی یمن میں کبھی عراق میں کبھی کہیں کبھی کہیں وغیرہ۔ یہ سب خرافات بنو اسرائیل کی ہیں‘ ان کے بددینوں نے یہ گھڑنت گھڑی ہے تاکہ جاہلوں میں باتیں بنائیں۔ ثعلبی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اپنے گم شدہ اونٹوں کو ڈھونڈ رہا تھا کہ جنگل بیابان میں اس نے اسی صفت کا ایک شہر دیکھا اور اس میں گیا گھوما پھرا‘ پھر لوگوں سے آ کر ذکر کیا‘ لوگ بھی وہاں گئے لیکن پھر کچھ نظر نہ آیا۔

ابن ابی حاتم نے یہاں ایسے قصے بہت سے لمبے چوڑے نقل کئے ہیں‘ یہ حکایت بھی صحیح نہیں اور اگر یہ اعرابی والا قصہ سنداً صحیح مان لیں تو ممکن ہے کہ اسے ہوس اور خیال ہوا اور اپنے خیال میں اس نے یہ نقشہ جما لیا ہو اور خیالات کی پختگی اور عقل کی کمی نے اسے یقین دلا دیا ہو

کہ وہ صحیح طور پر یہی دیکھ رہا ہے اور فی الواقع یوں بھی ہو۔ ٹھیک اسی طرح جو جاہل حریص اور خیالات کے کچے ہوں سمجھتے ہیں کہ کسی خاص زمین تلے سونے چاندی کے پل ہیں اور قسم قسم کے جواہر یاقوت لئولئو اور موتی ہیں اکسیر کبیر ہے لیکن ایسے چند مواقع ہیں کہ وہاں لوگ پہنچ نہیں سکتے مثلاً خزانے کے منہ پر کوئی اژدھا بیٹھا ہے کسی جن کا پہرہ ہے وغیرہ' یہ سب فضول قصے اور بناوٹی باتیں ہیں' انہیں گھڑ گھڑا کر بے وقوفوں اور مال کے حریصوں کو اپنے دام میں پھانس کر ان سے کچھ وصول کرنے کے لئے مکاروں نے مشہور کر رکھے ہیں' پھر کبھی چلے کھینچنے کے بہانے سے' کبھی بخور کے بہانے سے' کبھی کسی اور طرح سے ان کے یہ مکار روپے وصول کر لیتے ہیں اور اپنا پیٹ پالتے ہیں' ہاں یہ ممکن ہے کہ زمین سے جاہلیت کے زمانے کا یا مسلمانوں کے زمانے کا کسی کا گاڑا ہوا مال نکل آئے تو اس کا پتہ جسے چل جائے وہ اس کے ہاتھ لگ جاتا ہے نہ وہاں کوئی مار گنج ہوتا ہے نہ کوئی دیو بھوت جن پری جس طرح ان لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے' یہ بالکل غیر صحیح ہے' یہ ایسے ہی لوگوں کی گھڑنت ہے یا ان جیسے ہی لوگوں سے سنی سنائی ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نیک سمجھ دے۔

امام ابن جریرؒ نے بھی فرمایا ہے کہ ممکن ہے اس سے قبیلہ مراد ہو اور ممکن ہے شہر مراد ہو لیکن ٹھیک نہیں یہاں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک قوم کا شہر ہے نہ کہ ذکر کا اسی لئے اس کے بعد ہی ثمودیوں کا ذکر کیا کہ وہ ثمودی جو پتھروں کو تراش لیا کرتے تھے' جیسے اور جگہ ہے و تنحتون من الجبال بیوتا فارھین یعنی تم پہاڑوں میں اپنے کشادہ آرام دہ مکانات اپنے ہاتھوں پتھروں میں تراش لیا کرتے ہو' اس کے ثبوت میں کہ اس کے معنی تراش لینے کے ہیں عربی شعر بھی ہیں۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں ثمودی عرب تھے' وادی القریٰ میں رہتے تھے' عادیوں کا قصہ پورا پورا سورۂ اعراف میں ہم بیان کر چکے ہیں اب اعادہ کی ضرورت نہیں پھر فرمایا میخوں والا فرعون' اوتار کے معنی ابن عباس نے لشکروں کے کئے ہیں جو کہ اس کے کاموں کو مضبوط کرتے رہتے تھے' یہ بھی مروی ہے کہ فرعون غصے کے وقت لوگوں کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گڑوا کر مروا ڈالتا تھا' چورنگ کر کے اوپر سے بڑا پتھر پھینکتا تھا جس سے اس کا کچومر نکل جاتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسیوں اور میخوں وغیرہ سے اس کے سامنے کھیل کئے جاتے تھے' اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس نے اپنی بیوی صاحبہ کو جو مسلمان ہو گئی تھیں لٹا کر دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں گاڑیں' پھر بڑا سا چکی کا پتھر ان کی پیٹھ پر مار کر جان لے لی' اللہ ان پر رحم کرے۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں نے سرکشی پر کمر باندھ لی تھی اور فسادی لوگ تھے لوگوں کو حقیر و ذلیل جانتے تھے اور ہر ایک کو ایذا پہنچاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے عذاب کا کوڑا برس پڑا' وبال آیا جو ٹالے نہ ٹلا' ہلاک و برباد اور تہس نہس ہو گئے۔ تیرا رب گھات میں ہے' دیکھ رہا ہے' سن رہا ہے' سمجھ رہا ہے' وقت مقررہ پر ہر برے بھلے کو نیکی بدی کی جزا سزا دے گا' یہ سب لوگ اس کے پاس جانے والے تن تنہا اس کے سامنے کھڑے ہونے والے ہیں اور وہ عدل و انصاف کے ساتھ ان میں فیصلے کرے گا اور ہر شخص کو پورا پورا دے گا جس کا وہ مستحق تھا' وہ ظلم و جور سے پاک ہے۔

یہاں پر ابن ابی حاتم نے ایک حدیث وارد کی ہے جو بہت غریب ہے جس کی سند میں کلام ہے اور صحت میں بھی نظر ہے' اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے معاذ مومن حق کا قیدی ہے' اے معاذ مومن تو دغدغے میں ہی رہتا ہے جب تک کہ پل صراط سے پار نہ ہو جائے۔ اے معاذ مومن کو قرآن نے بہت سی دلی خواہشوں سے روک رکھا ہے تا کہ وہ ہلاکت سے بچ جائے' قرآن اس کی دلیل ہے' خوف اس کی حجت ہے' شوق اس کی سواری ہے' نماز اس کی پناہ ہے' روزہ اس کی ڈھال ہے' صدقہ اس کا چھٹکارا ہے' سچائی اس کا امیر ہے' شرم اس کا وزیر ہے اور اس کا رب ان سب کے بعد اس پر واقف و آگاہ ہے وہ تیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہا ہے۔ اس کے راوی یونس خداء اور ابو حمزہ مجہول ہیں' پھر اس میں ارسال بھی ہے' ممکن ہے یہ ابو حمزہ ہی کا کلام ہو۔ اسی ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابن عبدالکلاعی نے اپنے ایک وعظ

میں کہالوگو جہنم کے سات پل ہیں' ان سب پر پل صراط ہے پہلے ہی پل پر لوگ روکے جائیں گے' یہاں نماز کا حساب کتاب ہوگا' یہاں سے نجات مل گئی تو دوسرے پل پر روک ہوگی یہاں امانتداری کا سوال ہوگا جو امانت دار ہوگا اس نے نجات پائی اور جو خیانت والا نکلا ہلاک ہوا۔

تیسرے پل پر صلہ رحمی کی پرسش ہوگی اس کے کاٹنے والے یہاں سے نجات نہ پاسکیں گے اور ہلاک ہوں گے' رشتہ داری یعنی صلہ رحمی وہیں موجود ہوگی اور یہ کہہ رہی ہوگی کہ خدایا جس نے مجھے جوڑا تو اسے جوڑ اور جس نے مجھے توڑا تو اسے توڑ' یہی معنی ہیں اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ یہ اثر اتنا ہی ہے پورا نہیں۔

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۱۸﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا ﴿۱۹﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

انسان کا یہ حال ہے کہ جب اسے اس کا رب آزمائے اور عزت و نعمت دے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا ○ اور جب اس کا امتحان لیتے ہوئے اس کی روزی تنگ کر دے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی ○ ایسا ہرگز نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ تم یتیموں کی عزت نہیں کرتے ○ اور مسکینوں کے کھلانے کی ایک دوسروں کو رغبت نہیں دیتے ○ اور مردوں کی میراث سمیٹ سمیٹ کر کھاتے ہو ○ اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو ○

وسعت رزق کو اکرام نہ سمجھو بلکہ امتحان سمجھو: ☆☆ (آیت: ۱۵-۲۰) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ وسعت اور کشادگی پا کر یوں سمجھ بیٹھتے ہیں کہ خدا نے ان کا اکرام کیا یہ غلط ہے بلکہ دراصل یہ امتحان ہے' جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ یعنی مال و اولاد کے بڑھ جانے کو یہ لوگ نیکیوں کی بڑھوتری سمجھتے ہیں دراصل یہ ان کی بے سمجھی ہے' اسی طرح اس کے برعکس بھی یعنی تنگی ترشی کو انسان اپنی اہانت سمجھ بیٹھتا ہے حالانکہ دراصل یہ بھی خدا کی طرف سے آزمائش ہے اسی لئے یہاں كَلَّا کہہ کر ان دونوں خیالات کی تردید کی کہ یہ واقعہ نہیں جسے خدا مال کی وسعت دے اس سے وہ خوش ہے اور جس پر تنگی کرے اس سے ناخوش ہے بلکہ مدار خوشی اور ناخوشی کا ان دونوں حالتوں میں عمل پر ہے' غنی ہو کر شکر گذاری کرے تو خدا کا محبوب اور فقیر ہو کر صبر کرے تو اللہ کا محبوب۔ خدائے تعالیٰ اس طرح اور اس طرح آزماتا ہے پھر یتیم کی عزت کرنے کا حکم دیا۔ حدیث میں ہے کہ سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کی اچھی پرورش ہو رہی ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے بدسلوکی کی جاتی ہو' پھر آپ نے انگلی اٹھا کر فرمایا میں اور یتیم کا پالنے والا جنت میں اسی طرح ہوں گے یعنی قریب قریب۔

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی ملا کر انہیں دکھا کر آپ نے فرمایا میں اور یتیم کا پالنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ فقیروں مسکینوں کے ساتھ سلوک احسان کرنے انہیں کھانا پینا دینے کی ایک دوسرے کو رغبت و لالچ نہیں دلاتے اور یہ عیب بھی ان میں ہے کہ میراث کا مال حلال ہو یا حرام ہضم کر جاتے ہیں اور مال کی محبت بھی ان میں بے طرح ہے۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ﴿۳۰﴾

یقیناً ایک وقت زمین بالکل برابر پست کر کے بچھادی جائے گی ○ اور تیرا رب خود آ جائے گا اور فرشتے صفیں باندھ کر آ جائیں گے ○ اور جس دن جہنم بھی لائی جائے گی اس دن انسان عبرت حاصل کر لے گا لیکن آج عبرت کا فائدہ کہاں؟ ○ وہ کہے گا کہ کاش کہ میں اپنی اس زندگی کے لئے کچھ نیک اعمال بھیج دیتا ○ پس آج اللہ کے عذابوں جیسا عذاب کسی کا نہ ہوگا ○ نہ اس کی قید و بند جیسی کسی کی قید و بند ہوگی ○ اے اطمینان والی روح ○ لوٹ چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش ○ پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا ○ اور میری جنت میں چلی جا ○

سجدوں کی برکتیں: ☆☆ (آیت:۲۱-۳۰) قیامت کے ہولناک حالات کا بیان ہو رہا ہے کہ بالیقین اس دن زمین پست کر دی جائے گی، اونچی نیچی زمین برابر کر دی جائے گی اور بالکل صاف ہموار ہو جائے گی، پہاڑ زمین کے برابر کر دیئے جائیں گے، تمام مخلوق قبر سے نکل آئے گی، خود خدائے تعالیٰ مخلوق کے فیصلے کرنے کے لئے آ جائے گا، یہ اس عام شفاعت کے بعد جو تمام اولاد آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہوگی اور یہ شفاعت اس وقت ہوگی جبکہ تمام مخلوق ایک ایک بڑے بڑے پیغمبر کے پاس ہو آئے گی اور ہر نبی کہہ دے گا کہ میں اس قابل نہیں، پھر سب کے سب حضورؐ کے پاس آئیں گے اور آپ فرمائیں گے کہ ہاں ہاں میں اس کے لئے تیار ہوں، پھر آپ جائیں گے اور خدا کے سامنے سفارش کریں گے کہ وہ پروردگار لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لئے تشریف لائے، یہی پہلی شفاعت ہے اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کا مفصل بیان سورۂ سبحان میں گذر چکا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ رب العالمین فیصلے کے لئے تشریف لائے گا، اس کے آنے کی کیفیت وہی جانتا ہے، فرشتے بھی اس کے آگے آگے صف بستہ حاضر ہوں گے، جہنم بھی لائی جائے گی۔

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جہنم کی اس روز ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے گھسیٹ رہے ہوں گے، یہی روایت خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔ اس دن انسان اپنے نئے پرانے تمام اعمال کو یاد کرنے لگے گا، برائیوں پر پچھتائے گا، نیکیوں کے نہ کرنے یا کم کرنے پر افسوس کرے گا، گناہوں پر نادم ہوگا۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر کوئی بندہ اپنے پیدا ہونے سے لے کر مرتے دم تک سجدے میں پڑا رہے اور خدا کا پورا اطاعت گذار رہے پھر بھی اپنی اس عبادت کو قیامت کے دن حقیر اور ناچیز سمجھے گا اور چاہے گا کہ میں دنیا کی طرف اگر لوٹایا جاؤں تو اجر و ثواب کے کام اور زیادہ کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دن خدا کے عذابوں جیسا عذاب کسی اور کا نہ ہوگا جو وہ اپنے نافرمان اور نافرجام بندوں کو کرے گا نہ اس جیسی زبردست پکڑ دکڑ قید و بند کسی کی ہو سکتی ہے، زبانیہ فرشتے بدترین بیڑیاں اور ہتھکڑیاں انہیں پہنائے ہوئے ہوں گے، یہ تو بدبختوں کا انجام اب نیک بختوں کا حال سنئے جو روحیں سکون اور اطمینان والی ہیں، پاک اور ثابت ہیں، حق کی ساتھی ہیں ان سے موت کے

وقت اور قبر سے اٹھنے کے وقت کہا جائے گا کہ تو اپنے رب کی طرف اس کے پڑوس کی طرف اس کے ثواب اور اجر کی طرف اس کی جنت اور رضا مندی کی طرف لوٹ چل یہ خدا سے خوش ہے اور خدا اس سے راضی ہے اور اتنا دے گا کہ یہ بھی خوش ہو جائے گا تو میرے خاص بندوں میں آ جا اور میری جنت میں داخل ہو جا- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے- بریدہؓ فرماتے ہیں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے-

حضرت عبداللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ قیامت کے دن اطمینان والی روحوں سے کہا جائے گا کہ تو اپنے رب یعنی اپنے جسم کی طرف لوٹ جا جسے تو دنیا میں آباد کئے ہوئے تھی تم دونوں آپس میں ایک دوسرے سے راضی رضا مند ہو یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عبداللہ اس آیت کو فَادْخُلِیْ فِیْ عَبْدِیْ پڑھتے تھے یعنی اے روح میرے بندے میں یعنی اس کے جسم میں چلی جا لیکن یہ غریب ہے اور ظاہر قول پہلا ہی ہے جیسے اور جگہ ہے ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ یعنی پھر سب کے سب اپنے سچے مولا کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جگہ ہے وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ یعنی ہمارا لوٹنا خدا کی طرف یعنی اس کے حکم کی طرف اور اس کے سامنے ہے- ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ آیتیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں اتریں تو آپ نے کہا کتنا اچھا قول ہے حضورؐ نے فرمایا تمہیں بھی یہی کہا جائے گا- دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ کے سامنے حضرت سعید بن جبیرؓ نے یہ آیتیں پڑھیں تو حضرت صدیقؓ نے یہ فرمایا جس پر آپ نے یہ خوش خبری سنائی کہ تجھے فرشتہ موت کے وقت یہی کہے گا-

ابن ابی حاتم میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ مفسر القرآن خیر الامت پیغمبر اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی کا طائف میں انتقال ہوا تو ایک پرند آیا جس جیسا پرند کبھی زمین پر دیکھا نہیں گیا وہ نعش میں چلا گیا پھر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو قبر کے کونے سے اسی آیت کی تلاوت کی آواز آئی اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کون پڑھ رہا ہے یہ روایت طبرانی میں بھی ہے ابو ہاشم قباث بن رزین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنگ روم میں ہم دشمنوں کے ہاتھ قید ہو گئے شاہ روم نے ہمیں اپنے سامنے بلایا اور کہا یا تو تم اس دین کو چھوڑ دو یا قتل ہونا منظور کر لو ایک ایک کو وہ یہ کہتا کہ ہمارا دین قبول کر و ورنہ جلاد کو حکم دیتا ہوں کہ تمہاری گردن مارے تین شخص تو مرتد ہو گئے جب چوتھا آیا تو اس نے صاف انکار کیا بادشاہ کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی گئی اور سر کو نہر میں ڈال دیا گیا وہ نیچے ڈوب گیا اور ذرا سی دیر میں پانی پر آ گیا اور ان تینوں کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ اے فلاں اور اے فلاں اور اے فلاں ان کے نام لے کر انہیں آواز دی جب یہ متوجہ ہوئے سب درباری لوگ بھی دیکھ رہے تھے اور خود بادشاہ بھی تعجب کے ساتھ سن رہا تھا اس مسلمان شہید کے سر نے کہا سنو خدا تعالیٰ فرماتا ہے يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ اتنا کہہ کر وہ سر پھر پانی میں غوطہ لگا گیا اس واقعہ کا اتنا اچھا اثر ہوا کہ قریب تھا کہ نصرانی اسی وقت مسلمان ہو جاتے بادشاہ نے اسی وقت دربار برخاست کرا دیا اور وہ تینوں پھر مسلمان ہو گئے اور ہم سب یونہی قید میں رہے آخر خلیفہ ابو جعفر منصور کی طرف سے ہمارا فدیہ آ گیا اور ہم نے نجات پائی-

ابن عساکر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے کہا یہ دعا پڑھا کر اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَآئِكَ وَتَرْضٰى بِقَضَآئِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَآئِكَ خدایا میں تجھ سے ایسا نفس طلب کرتا ہوں جو تیری ذات پر اطمینان اور بھروسہ رکھتا ہو تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو تیری قضا پر راضی ہو تیرے دیئے ہوئے پر قناعت کرنے والا ہو-

سورۂ والفجر کی تفسیر ختم ہوئی فالحمدللہ-

تفسیر سورة البلد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴿۴﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ﴿۵﴾ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾

میں اللہ تعالیٰ رحمن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں ○ مجھے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے ○ اور قسم ہے انسانی باپ اور اولاد کی ○ یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے ○ کیا یہ گمان ہے کہ یہ کسی کے بس میں ہی نہیں؟ ○ کہتا پھرتا ہے کہ میں نے تو بہت کچھ مال خرچ کر ڈالا ○ کیا یوں سمجھتا ہے کہ کسی نے اسے دیکھا ہی نہیں؟ ○ کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟ ○ اور زبان اور ہونٹ ○ اور دونوں راہیں دکھا دیں ○

مکہ مکرمہ کی قسم: ☆☆ (آیت:۱-۱۰) اللہ تبارک وتعالیٰ مکہ مکرمہ کی قسم کھاتا ہے درآں حالیکہ وہ آباد ہے اس میں لوگ بستے ہیں اور وہ بھی امن چین میں ہیں' لا سے ان پر رد کیا' پھر قسم کھائی اور فرمایا کہ اے نبی تیرے لئے یہاں ایک مرتبہ لڑائی حلال ہونے والی ہے جس میں کوئی گناہ اور حرج نہ ہوگا اور اس میں جو ملے وہ حلال ہوگا صرف اسی وقت کے لئے یہ حکم ہے۔ صحیح حدیث میں بھی ہے کہ اس بابرکت شہر مکہ کو پروردگار عالم نے اول دن سے ہی حرمت والا بنایا ہے اور قیامت تک یہ حرمت وعزت اس کی باقی رہنے والی ہے' اس کا درخت نہ کاٹا جائے' اس کے کانٹے نہ اکھیڑے جائیں' میرے لئے بھی صرف ایک دن ہی کی ایک ساعت کے لئے حلال کیا گیا آج پھر اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی جیسے کل تھی' ہر حاضر کو چاہئے کہ غیر حاضر کو پہنچا دے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر یہاں کے جنگ وجدال کے جواز کی دلیل میں کوئی میری لڑائی پیش کرے تو کہہ دینا کہ خدا نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تمہیں نہیں دی۔ پھر قسم کھاتا ہے باپ کی اور اولاد کی' بعض نے تو کہا ہے کہ ماولد میں ما نافیہ ہے یعنی قسم ہے اس کی جو اولاد والا ہے اور قسم ہے اس کی جو بے اولاد ہے یعنی عیالدار اور بانجھ' اور ما کو موصولہ مانا جائے تو معنی یہ ہوئے کہ باپ کی اور اولاد کی قسم' باپ سے مراد حضرت آدمؑ اور اولاد سے مراد کل انسان' زیادہ قوی اور بہتر بات یہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلے قسم ہے مکہ کی جو تمام زمین اور کل بستیوں کی ماں ہے تو اس کے بعد اس کے رہنے والوں کی قسم کھائی اور رہنے والوں یعنی انسان کے اصل اور اس کی جڑ یعنی حضرت آدم کی پھر ان کی اولاد کی قسم کھائی ابو عمرانؒ فرماتے ہیں مراد حضرت ابراہیم اور آپ کی اولاد ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں عام ہے یعنی ہر باپ اور ہر اولاد۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو بالکل درست قامت جچے تلے اعضاء والا ٹھیک ٹھاک پیدا کیا ہے' اس کی ماں کے پیٹ میں ہی اسے یہ پاکیزہ ترتیب اور عمدہ ترکیب دے دی جاتی ہے' جیسے فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ یعنی اس خدا نے تجھے پیدا کیا درست کیا ٹھیک ٹھاک بنایا اور پھر جس صورت میں چاہا ترکیب دی' اور جگہ ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ہم نے انسان کو بہترین صورت پر بنایا ہے۔ ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ قوت طاقت والا پیدا کیا ہے' خود اسے دیکھو

اس کی پیدائش کی طرف غور کرو اس کے دانتوں کا نکلنا دیکھو وغیرہ۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں پہلے نطفہ پھر خون بستہ پھر لوتھڑا گوشت کا' غرض اپنی پیدائش میں خوب مشقتیں اٹھاتا ہے' جیسے اور جگہ ہے حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا وَّوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا یعنی اس کی ماں نے حمل میں تکلیف اٹھائی پھر وضع حمل میں مشقت برداشت کی بلکہ دودھ پلانے میں بھی مشقت اور معیشت میں بھی تکلیف۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں سختی اور طلب کسب میں پیدا کیا گیا ہے' عکرمہؒ فرماتے ہیں شدت اور طول میں پیدا ہوا ہے۔

قتادہؒ فرماتے ہیں مشقت میں یہ بھی مروی ہے اعتدال اور قیام میں دنیا اور آخرت میں سختیاں سہنی پڑتی ہیں' حضرت آدم چونکہ آسمان میں پیدا ہوئے تھے اس لئے یہ کہا گیا کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے مال کے لئے لینے پر کوئی قادر نہیں اس پر کسی کا بس نہیں' کیا وہ نہ پوچھا جائے گا کہ کہاں سے مال لایا اور کہاں خرچ کیا؟ یقیناً اس پر خدا کا بس ہے اور وہ پوری طرح اس پر قادر ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ میں نے بڑے وارے نیارے کئے' ہزاروں لاکھوں خرچ کر ڈالے' کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اسے کوئی دیکھ نہیں رہا؟ یعنی خدا کی نظروں سے کیا وہ اپنے تئیں غائب سمجھتا ہے؟ کیا ہم نے اس انسان کو دیکھنے والی وہ آنکھیں نہیں دیں؟ اور دل کی باتوں کے اظہار کے لئے زبان عطا نہیں فرمائی؟ اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ جن سے کلام کرنے میں مدد ملے' کھانا کھانے میں مدد ملے اور چہرے کی خوبصورتی بھی ہو اور منہ کی بھی۔

ابن عساکر میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم میں نے بڑی بڑی بے حد نعمتیں تجھ پر انعام کیں جنہیں تو گن بھی نہیں سکتا نہ اس کے شکر کی تجھ میں طاقت ہے' میری ہی یہ نعمت بھی ہے کہ میں نے تجھے دیکھنے کو دو آنکھیں دیں' پھر میں نے ان پر پلکوں کا غلاف بنا دیا ہے پس ان آنکھوں سے میری حلال کردہ چیزیں دیکھ اگر حرام چیزیں تیرے سامنے آئیں تو ان دونوں کو بند کر لے میں نے تجھے زبان دی ہے اور اس کا غلاف بھی عنایت فرمایا ہے' میری مرضی کی باتیں زبان سے نکال اور میری منع کی ہوئی باتوں سے زبان بند کر لے میں' نے تجھے شرمگاہ دی ہے اور اس کا پردہ بھی عطا فرمایا ہے' حلال جگہ تو بیشک استعمال کر لیکن حرام جگہ پردہ ڈال لے اے ابن آدم تو میری ناراضگی نہیں اٹھا سکتا اور میرے عذابوں کے سہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر فرمایا کہ ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے بھلائی کا اور برائی کا' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو راستے ہیں پھر تمہیں برائی کا راستہ بھلائی کے راستے سے زیادہ اچھا کیوں لگتا ہے؟ یہ حدیث بہت ضعیف ہے' یہ حدیث مرسل طریقے سے بھی مروی ہے' ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے دونوں دودھ ہیں اور مفسرین نے بھی یہی کہا ہے' امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ٹھیک قول پہلا ہی ہے جیسے اور جگہ ہے اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ یعنی ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا' پھر ہم نے اسے سنتا دیکھتا کیا ہم نے اس کی رہبری کی اور راستہ دکھا دیا پس یا تو شکر گذار ہے یا ناشکرا۔

فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِىۡ يَوۡمٍ ذِىۡ مَسۡغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰۤئِكَ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا هُمۡ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيۡهِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

ع ۱ / ۱۵

سواس سے نہ ہوسکا کہ گھاٹی میں داخل ہوتا○ اور تو کیا سمجھا کہ گھاٹی ہے کیا؟○ کسی گردن کو آزاد کرنا○ یا بھوک والے دن کھانا کھلانا○ کسی رشتہ دار یتیم کو○ یا خاکسار مسکین کو○ پھر ان لوگوں میں سے ہوجاتا جو ایمان لاکے اور ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں○ یہی لوگ ہیں جو دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جاتے ہیں○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا یہ بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جانے والے ہیں○ انہی پر آگ ہے چاروں طرف سے گھیری ہوئی○

صدقات اور اعمال صالحہ جہنم سے نجات کے ضامن ہیں: ☆☆ (آیت:۱۱-۲۰) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں عقبہ جہنم کے ایک پھسلنے پہاڑ کا نام ہے' حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں اس کے ستر درجے ہیں جہنم میں' قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ سخت گھاٹی داخلے کی ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے داخل ہوجاؤ پھر اس کا داخلہ بتلایا یہ کہہ کر کہ تمہیں کس نے بتلایا کہ یہ گھاٹی کیا ہے؟ تو فرمایا غلام آزاد کرنا اور اللہ کے نام کھانا دینا۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ نجات اور خیر کی راہوں میں کیوں نہ چلا؟ پھر ہمیں تنبیہ کی اور فرمایا تم کیا جانو عقبہ کیا ہے؟ آزادگی گردن یا صدقہ' طعام فکُّ رَقَبَةٍ جو اضافت کے ساتھ ہے اسے فَكَّ رَقَبَةً بھی پڑھا گیا ہے یعنی فعل فاعل دونوں قراتوں کا مطلب قریباً ایک ہی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو کسی مسلمان کی گردن چھڑوائے اللہ تعالیٰ اس کے ہر ہر عضو کے بدلے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے یہاں تک کہ ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤں کے بدلے پاؤں اور شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ' حضرت علی بن حسین یعنی امام زید العابدین نے جب یہ حدیث سنی تو سعید بن مرجانہ راوی حدیث سے پوچھا کہ کیا تم نے خود حضرت ابو ہریرہؓ کی زبانی یہ حدیث سنی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں' تو آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ مطرف کو بلالو جب وہ سامنے آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ تم خدا کے نام پر آزاد ہو۔

بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے' صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ یہ غلام دس ہزار درہم کا خریدا ہوا تھا۔ اور حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس کی ایک ایک ہڈی کے بدلے اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد کرتا ہے اور جو مسلمان عورت کسی مسلمان لونڈی کو آزاد کرے اس کی بھی ایک ایک ہڈی کے بدلے اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد ہو جاتی ہے۔ (ابن جریر)

مسند میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے اور جو مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے اور اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے' جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا سے قیامت کے دن نور ملے گا' اور روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں تیر چلائے خواہ وہ لگے یا نہ لگے اسے اولاد اسمعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملے گا' اور حدیث میں ہے جس مسلمان کے تین بچے بلوغت سے پہلے مرجائیں اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کرے گا اور جو شخص راہ خدا میں جوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا جس سے چاہے چلا جائے' ان تمام حدیثوں کی سندیں نہایت عمدہ ہیں۔ ابو داؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے حضرت واثلہ بن اسقع سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنایئے جس میں کوئی کمی زیادتی نہ ہو تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے تم میں سے کوئی پڑھے اور اس کا قرآن شریف اس کے گھر میں ہو تو کیا وہ کمی زیادتی کرتا ہے؟ ہم نے کہا حضرت ہمارا مطلب یہ نہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی حدیث ہمیں سناؤ' آپ نے فرمایا ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے بارے میں حاضر ہوئے جس نے قتل کی وجہ سے اپنے اوپر جہنم واجب کر لی تھی تو آپ نے فرمایا اس کی طرف سے غلام آزاد کرو اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے

گا' یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے' اور حدیث میں ہے جو شخص کسی کی گردن آزاد کرائے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے' ایسی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا حضور کوئی ایسا کام بتا دیجئے جس سے میں جنت میں جا سکوں آپ نے فرمایا تھوڑے سے الفاظ میں بہت ساری باتیں تو پوچھ بیٹھا' نسمہ آزاد کر رقبہ چھڑا' اس نے کہا حضرت کیا یہ دونوں ایک چیز نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں نسمہ کی آزادگی کے معنی تو ہیں اکیلا ایک غلام آزاد کرے اور فَكُّ رَقَبَةٍ کے معنی ہیں کہ تھوڑی بہت مدد کرے' دودھ والا جانور دودھ پینے کے لئے کسی مسکین کو دینا' ظالم رشتہ دار سے نیک سلوک کرنا' یہ ہیں جنت کے کام اگر اس کی تجھے طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھلا' پیاسے کو پلا' نیکیوں کو حکم کر' برائیوں سے روک' اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو سوائے بھلائی کے اور نیک بات کے اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال۔ ذِیْ مَسْغَبَةٍ کے معنی ہیں بھوک والا جبکہ کھانے کی اشتہا ہو غرض بھوک کے وقت کا کھلانا اور وہ بھی اسے جو نادان بچہ ہے سر سے باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے اور ہے بھی اس کا رشتہ دار۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسکین کو صدقہ دینا اکہرا ثواب رکھتا ہے اور رشتے دار کو دینا دوہرا اجر دلواتا ہے (مسند احمد) یا ایسے مسکین کو دینا جو خاک آلود ہو راستے میں پڑا ہوا ہو گھر در نہ ہو بربستر نہ ہو بھوک کی وجہ سے پیٹھ زمین دوز ہو رہی ہو' اپنے گھر سے دور ہو' مسافرت میں ہو' فقیر مسکین محتاج مقروض مفلس ہو' کوئی پرسان حال بھی نہ ہو اہل وعیال والا ہو' یہ سب معنی قریب قریب ایک ہی ہیں' پھر یہ شخص باوجود ان نیک کاموں کے دل میں ایمان رکھتا ہو ان نیکیوں پر اللہ سے اجر کا طالب ہو' جیسے اور جگہ ہے مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ جو شخص آخرت کا ارادہ رکھے اور اسی کے لئے کوشش کرے اور ہو بھی وہ باایمان تو ان کی کوشش خدا کے ہاں مشکور ہے' اور جگہ ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى الخ' ایمان والوں میں سے جو مرد وعورت مطابق سنت عمل کرے یہ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے حساب روزیاں پائیں گے' پھر ان کا اور وصف بیان ہو رہا ہے کہ لوگوں کے صدمات سہنے اور ان پر رحم وکرم کرنے کی یہ آپس میں ایک دوسروں کو وصیت کرتے ہیں' جیسے کہ حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے' تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں والا تم پر رحم کرے گا۔ اور حدیث میں ہے جو رحم نہ کرے اس پر رحم نہیں کیا جاتا' ابوداؤد میں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کے حق نہ سمجھے وہ ہم میں سے نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے داہنے ہاتھ میں عمل نامہ ملے گا اور سرین تہ بہ تہہ آگ میں ہو جائیں گے جس سے نہ کبھی چھٹکارا ملے گا نہ نجات نہ راحت نہ آرام' اس آگ کے دروازے ان پر بند رہیں گے۔

مزید بیان اس کا سورۂ وَيْلٌ لِّكُلِّ الخ' میں آئے گا' انشاء اللہ۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں روشنی ہوگی نہ سوراخ ہوگا نہ کبھی وہاں سے نکلنا ملے گا۔ حضرت ابو عمران جونیؒ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن آئے گا اللہ حکم دے گا اور ہر سرکش کو ہر ایک شیطان کو اور ہر اس شخص کو جس کی شرارت سے لوگ دنیا میں ڈرتے رہتے تھے لوہے کی زنجیروں سے مضبوط باندھ دیا جائے گا' پھر جہنم میں جھونک دیا جائے گا' پھر جہنم بند کر دی جائے گی' اللہ کی قسم کبھی ان کے قدم نکیں گے ہی نہیں' اللہ کی قسم انہیں کبھی آسمان کی صورت ہی دکھائی نہ دے گی' اللہ کی قسم کبھی آرام سے ان کی آنکھ لگے گی ہی نہیں' اللہ کی قسم انہیں کبھی کوئی مزے کی چیز کھانے پینے کو ملے گی ہی نہیں (ابن ابی حاتم)

سورۂ بلد کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ والمنہ۔

تفسیر سورة الشمس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰىهَا ۝۱ وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝۳ وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰىهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝۵ وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝۶ وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا ۝۸ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ۝۱۰

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان بڑا رحیم ہے

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی O قسم ہے چاند کی جب اس کے پیچھے آئے O قسم ہے دن کی جب سورج کو نمایاں کرے O قسم ہے رات کی جب اسے ڈھانپ لے قسم ہے O آسمان کی اور اس کے بنانے کی O قسم ہے زمین کی اور اسے ہموار کرنے کی O قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی O پھر قسم ہے اس کے دل میں بدی اور نیکی ڈالنے کی O جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہو O اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا O

کامیابی کے لیے ضروری ہے؟: ☆☆ (آیت:۱-۱۰) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ضحا سے مراد روشنی ہے' قتادہؒ فرماتے ہیں پورا دن مراد ہے- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ ٹھیک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کی اور دن کی قسم کھائی ہے اور چاند جبکہ اس کے پیچھے آئے یعنی سورج چھپ جائے اور چاند چمکنے لگے- ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ مہینہ کے پہلے پندرہ دن میں تو چاند سورج کے پیچھے رہتا ہے اور پچھلے پندرہ دنوں میں یہ آگے ہوتا ہے- زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں مراد اس سے لیلتہ القدر ہے' پھر دن کی قسم کھائی جبکہ وہ منور ہو جائے یعنی سورج دن کو گھیر لے' بعض عربی دانوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دن جبکہ اندھیرے کو روشن کر دے لیکن اگر یوں کہا جاتا کہ پھیلاوٹ کو وہ جب چمکا دے تو اور اچھا ہوتا ہے تاکہ یَغۡشٰهَا میں بھی یہ معنی ٹھیک بیٹھتے' اسی لئے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں دن کی قسم جبکہ وہ اسے روشن کر دے' امام ابن جریرؒ اس قول کو پسند فرماتے ہیں کہ ان سب میں ضمیر ھا کا مرجع شمس ہے کیونکہ اسی کا ذکر چل رہا ہے' رات جبکہ اسے ڈھانپ لے یعنی سورج کو ڈھانپ لے اور چوطرف اندھیرا پھیل جائے' یزید بن ذی حمایہ کہتے ہیں کہ جب رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے میرے بندوں کو میری ایک بہت بڑی خلق نے چھپا لیا پس مخلوق رات سے ہیبت کرتی ہے' اس کے پیدا کرنے والی سے زیادہ ہیبت کرنی چاہئے (ابن ابی حاتم)

پھر آسمان کی قسم کھاتا ہے' یہاں جو ما ہے یہ مصدر یہ بھی ہوسکتا ہے یعنی آسمان اور اس کی بناوٹ کی قسم' حضرت قتادہؒ کا قول یہی ہے اور یہ ما معنی میں من کے بھی ہوسکتا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آسمان کی قسم اور اس کے بنانے والے کی قسم یعنی خود اللہ کی' مجاہدؒ یہی فرماتے ہیں' یہ دونوں معنی ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں- بنا کے معنی بلندی کے ہیں' جیسے اور جگہ ہے وَالسَّمَآءَ بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡدٍ یعنی آسمان کو ہم نے قوت کے ساتھ بنایا اور ہم کشادگی والے ہیں' ہم نے زمین کو بچھایا اور کیا ہی اچھا ہم بچھانے والے ہیں؟ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ زمین کی اور اس کی ہمواری کی' اسے بچھانے' اسے پھیلانے کی' اس کی تقسیم کی' اس کی مخلوق کی قسم' زیادہ مشہور قول اس کی تفسیر میں پھیلانے کا ہے- اہل لغت کے نزدیک بھی یہی معروف ہے' جوہری فرماتے ہیں طَحَوۡتُهٗ مثل دَحَوۡتُهٗ کے ہے اور اس کے معنی پھیلانے کے ہیں' اکثر مفسرین کا یہی قول ہے- پھر فرمایا نفس کی اور اسے ٹھیک ٹھاک بنانے کی قسم یعنی اسے پیدا کیا اور درآنحالیکہ یہ ٹھیک ٹھاک اور فطرت پر قائم تھا' جیسے اور

جگہ ہے فَاَقِمْ وَجْھَكَ الخ' اپنے چہرے کو قائم رکھ دین حنیف کے لئے فطرت ہے اللہ کی جس پر لوگوں کو بنایا اللہ کی خلق کی تبدیل نہیں۔ حدیث میں ہے ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے چوپائے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کوئی ان میں تم کن کٹا نہ پاؤ گے (بخاری مسلم)

صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے پیدا کئے' ان کے پاس شیطان پہنچا اور دین سے ورغلا لیا۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا نے اسے بدکاری و پرہیز گاری کو بیان کر دیا اور جو چیز اس کی قسمت میں تھی اس کی طرف اس کی رہبری ہوئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی خیر و غز ظاہر کر دیا۔ ابن جریرؒ میں ہے حضرت ابوالاسودؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا ذرا بتلاؤ تو لوگ جو کچھ اعمال کرتے ہیں اور تکلیفیں اٹھا رہے ہیں یہ کیا ان کے لئے خدا کی جانب سے مقرر ہو چکی ہے اور ان کی تقدیر میں لکھی جا چکی ہے یا یہ خود آئندہ کے لئے اپنے طور پر کر رہے ہیں اس بنا پر کہ انبیاء ان کے پاس آ چکے اور خدا کی حجت ان پر پوری ہوئی' میں نے جواب میں کہا نہیں نہیں بلکہ یہ چیز پہلے سے فیصل شدہ ہے اور مقدر ہو چکی ہے۔ حضرت عمران نے کہا پھر یہ ظلم تو نہ ہوگا' میں تو اسے سن کر کانپ اٹھا اور گھبرا کر کہا کہ ہر چیز کا خالق مالک وہی خدا ہے' تمام ملک اسی کے ہاتھ میں ہے' اس کے افعال کی باز پرس کوئی نہیں کر سکتا' وہ سب سے سوال کر سکتا ہے' میرا یہ جواب سن کر حضرت عمران بہت خوش ہوئے اور کہا خدا تجھے درستگی عنایت فرمائے میں نے تو یہ سوالات اسی لئے کئے تھے کہ امتحان ہو جائے' سنو ایک شخص مزینہ یا جھینہ قبیلے کا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہی سوال کیا جو میں نے پہلے تم سے کیا اور حضورؐ نے بھی وہی جواب دیا جو تم نے دیا تو اس نے کہا پھر ہمارے اعمال سے کیا؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس منزل کے لئے پیدا کیا ہے اس سے ویسے ہی کام ہو کر رہیں گے' اگر جنتی ہے تو اعمال جنت اور دوزخی لکھا گیا ہے تو ویسے ہی اعمال اس پر آسان ہوں گے' سنو قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے۔

مسند احمد میں بھی ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بامراد ہوا یعنی اطاعت رب میں لگا رہا' نکمے اعمال رذیل اخلاق چھوڑ دیئے' جیسے اور جگہ ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى جس نے پاکیزگی کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی اس نے کامیابی پالی' اور جس نے اپنے ضمیر کا ستیاناس کیا اور ہدایت سے ہٹا کر اسے برباد کیا' نافرمانیوں میں پڑ گیا' اطاعت خدا کو چھوڑ بیٹھا یہ ناکام اور نامراد ہوا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا وہ بامراد ہوا اور جس کے نفس کو خدا نے نیچے گرا دیا وہ برباد اور خائب اور خاسر رہا' عوفی اور علی بن ابوطلحہ حضرت ابن عباسؓ سے یہی روایت کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور نے آیت قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا پڑھ کر فرمایا کہ جس نفس کو خدا نے پاک کیا اس نے چھٹکارا پالیا' لیکن اس حدیث میں ایک علت تو یہ ہے کہ جویبر بن سعید متروک الحدیث ہے' دوسری علت یہ ہے کہ ضحاک جو حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا پڑھ کر آپ نے یہ دعا پڑھی اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِىْ تَقْوٰىهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا وَخَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا' ابن ابی حاتم کی حدیث میں یہ دعا یوں وارد ہوئی ہے اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِىْ تَقْوٰىهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا' مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رات کو ایک مرتبہ میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ اپنے بستر پر نہیں' اندھیرے کی وجہ سے میں گھر میں اپنے ہاتھوں سے ٹٹولنے لگی تو

میرے ہاتھ آپ پر پڑے' آپ اس وقت سجدے میں تھے اور یہ دعا پڑھ رہے تھے رَبِّ اَعْطِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَآ اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا' یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہی ہے۔

مسلم شریف اور مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْھَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَآ اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ نَّفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَعِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَدَعْوَۃٍ لَّا یُسْتَجَابُ لَھَا یا اللہ میں عاجز اور بے چارہ ہو جانے سے سستی سے اور ہار جانے سے بڑھاپے سے اور نامردی سے اور بخیلی سے اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اے اللہ میرے دل کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور اسے پاک کر دے تو ہی اسے بہتر پاک کرنے والا ہے تو ہی اس کا والی اور مولی ہے اے اللہ مجھے ایسے دل سے بچا جس میں تیرا ڈر نہ ہو اور ایسے نفس سے بچا جو آسودہ نہ ہو اور ایسے علم سے بچا جو نفع نہ دے اور ایسی دعا سے بچا جو قبول نہ کی جائے' راوی حدیث حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں یہ دعا سکھائی اور ہم تمہیں سکھاتے ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿١١﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿١٢﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿١٣﴾

ثمودیوں نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا ○ جب ان میں کا بڑا بد بخت اٹھ کھڑا ہوا ○ انہیں اللہ کے رسول نے فرما دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری کی حفاظت کرو ○

آل ثمود کی تباہی کے اسباب: ☆☆ (آیت:۱۱-۱۳) اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ ثمودیوں نے اپنی سرکشی اور تکبر و تجبر کی بنا پر اپنے رسولوں کی تصدیق نہ کی۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں بِطَغْوٰھَا کا مطلب یہ ہے کہ ان سب نے تکذیب کی لیکن پہلی بات ہی زیادہ اولیٰ ہے۔ حضرت مجاہدؒ اور حضرت قتادہؒ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۖ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿١٥﴾

ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کو جھوٹا سمجھ کر اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں پس ہلاکت ڈالی ان پر ان کے رب نے ان کے گناہوں کے باعث پھر عام کر دیا ہلاکت کو ○ وہ اس سزا کے انجام سے بے خوف ہے ○

(آیت:۱۴-۱۵) اس سرکشی کی وجہ سے اور اس تکذیب کی شامت سے یہ اس قدر بد بخت ہو گئے کہ ان میں سے جو زیادہ بد شخص تھا وہ تیار ہو گیا' اس کا نام قدار بن سالف تھا' اسی نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں' اسی کے بارے میں فرمان ہے فَنَادَوْا صَاحِبَھُمْ فَتَعَاطٰی فَعَقَرَ ثمودیوں کی آواز پر یہ آ گیا اور اس نے اونٹنی کو مار ڈالا' یہ شخص اس قوم میں ذی عزت تھا' شریف تھا' ذی نسب تھا' قوم کا رئیس اور سردار تھا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے خطبے میں اس اونٹنی کا اور اس کے مار ڈالنے والے کا ذکر کیا اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ جیسے ابو زمعہ اسی جیسا یہ شخص بھی اپنی قوم میں شریف عزیز اور بڑا آدمی تھا' امام بخاری بھی اسے تفسیر میں اور امام مسلم جہنم کی صفت میں لائے ہیں اور سنن ترمذی سنن نسائی میں بھی یہ روایت تفسیر میں ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں تجھے دنیا بھر کے بدبخت ترین دو شخص بتلاتا ہوں ایک تو احمیر ثمود جس نے اونٹنی کو مار ڈالا دوسرا وہ شخص جو تیری پیشانی پر زخم لگائے گا یہاں تک کہ داڑھی خون سے تر بتر ہو جائے گی۔ اللہ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرما دیا تھا کہ اے قوم خدا کی اونٹنی کو برائی پہنچانے سے ڈرو اس کے پانی پینے کے مقرر دن میں ظلم کر کے اسے پانی سے نہ روکو تمہاری اور اس کی باریاں بندھی ہوئی ہیں لیکن ان بدبختوں نے پیغمبر کی نہ مانی' جس گناہ کے باعث ان کے دل سخت ہو گئے اور پھر یہ صاف طور پر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں' جسے خدائے تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے پتھر کی ایک چٹان سے پیدا کیا تھا جو حضرت صالح کا معجزہ اور اللہ کی قدرت کی کامل نشانی تھی۔ اللہ بھی ان پر غضبناک ہو گیا اور ہلاکت ڈال دی اور سب پر برابر سے عذاب اترا' یہ اس لئے کہ احمیر ثمود کے ہاتھ پر اس کی قوم کے چھوٹے بڑوں نے مرد عورت نے بیعت کر لی تھی اور سب کے مشورے سے اس نے اس اونٹنی کو کاٹا تھا' اس لئے عذاب میں بھی سب پکڑے گئے وَلَا یَخَافُ کو فَلَایَخَافُ بھی پڑھا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کسی کو سزا کرے تو اسے یہ خوف نہیں ہوتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ کہیں یہ بگڑ نہ بیٹھیں' یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس بدکار احیمر نے اونٹنی کو مار تو ڈالا لیکن انجام سے نہ ڈرا مگر پہلا قول ہی اولیٰ ہے واللہ اعلم۔

سورۂ والشمس وضحاھا کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ۔

تفسیر سورة اللیل

آنحضرت ﷺ کا حضرت معاذ سے یہ فرمانا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تو نے سبح اسم اور والشمس اور واللیل سے امامت کیوں نہ کرائی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ﴿۱﴾ وَالنَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ﴿۸﴾ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ﴿۹﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ﴿۱۰﴾ وَمَا یُغْنِیْ عَنْہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ﴿۱۱﴾

اللہ تعالیٰ رحمان ورحیم کے نام سے شروع

قسم ہے رات کی جب چھا جائے ○ اور قسم ہے دن کی جب روشن ہو ○ اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نر مادہ کو پیدا کیا ○ یقیناً تمہاری کوشش مختلف قسم کی ہے ○ ہاں جو شخص دیتا رہا اور ڈرتا رہا ہے ○ اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہا ہے ○ تو ہم بھی سہج سہج اسے آسانی میں پہنچا دیں گے ○ لیکن جو بخیلی کرے اور بے پرواہی برتے ○ اور نیک بات کی تکذیب کرے ○ تو ہم بھی اسے سہج سہج سختی میں پہنچا دیں گے ○ اس کا مال اسے اوندھا گرنے کے وقت کچھ کام نہ آئے گا ○

نیکی کے لیے قصد ضروری ہے: ☆☆ (آیت: ۱-۱۱) مسند احمد میں ہے حضرت علقمہ شام میں آئے اور دمشق کی مسجد میں جا کر دو

رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خدایا مجھے نیک ساتھی عطا فرما' پھر چلے تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی پوچھا کہ تم کہاں کے ہو؟ تو حضرت علقمہ نے کہا میں کوفے والا ہوں' پوچھا ام عبد اس سورت کو کس طرح پڑھتے تھے؟ میں نے کہا وَالذَّكَرِ وَالْأُنثَىٰ پڑھتے تھے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمانے لگے میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یونہی سنا ہے اور یہ لوگ مجھے شک وشبہ میں ڈال رہے ہیں پھر فرمایا کیا تم میں تکئے والے یعنی جن کے پاس سفر میں حضور ﷺ کا بستر ہ رہتا تھا اور راز دان ایسے بھیدوں سے واقف جن کا علم اور کسی کو نہیں وہ جو شیطان سے بہ زبان رسول ﷺ بچا لئے گئے تھے وہ نہیں؟ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ حدیث بخاری میں بھی ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور ساتھی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آئے' آپ بھی انہیں ڈھونڈتے ہوئے پہنچے پھر پوچھا کہ تم میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قرات پر قرآن پڑھنے والا کون ہے؟ تو کہا کہ ہم سب ہیں' پھر پوچھا کہ تم سب میں حضرت عبداللہ کی قرات کو زیادہ یاد رکھنے والا کون ہے؟ لوگوں نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا تو ان سے سوال کیا کہ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے تم نے کس طرح سنا؟ تو کہا وہ وَالذَّكَرِ وَالْأُنثَىٰ پڑھتے تھے' کہا میں نے بھی حضور علیہ السلام سے اسی طرح سنا ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ پڑھوں' اللہ کی قسم میں تو ان کی مانوں گا نہیں الغرض حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرات یہی ہے اور حضرت ابوالدرداءؓ نے تو اسے مرفوع بھی کہا ہے' باقی جمہور کی قرات وہی ہے جو موجودہ قرآنوں میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ رات کی قسم کھاتا ہے جبکہ اس کا اندھیرا تمام مخلوق پر چھا جائے اور دن کی قسم کھاتا ہے جبکہ وہ تمام چیزوں کو اپنی روشنی سے منور کر دے اور اپنی ذات کی قسم کھاتا ہے جو نر و مادہ کا پیدا کرنے والا ہے' جیسے فرمایا وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ہم نے تمہیں جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے' اور فرمایا وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ہر چیز کے جوڑے ہم نے پیدا کئے ہیں' ان متضاد اور ایک دوسری کے خلاف قسمیں کھا کر اب فرماتا ہے کہ تمہاری کوششیں اور تمہارے اعمال بھی متضاد اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں' بھلائی کرنے والی بھی ہیں اور برائیوں میں مبتلا رہنے والے بھی ہیں' پھر فرماتا ہے کہ جس نے دیا یعنی اپنے مال کو خدا کے حکم کے ماتحت خرچ کیا اور پھونک پھونک قدم رکھا' ہر ہر امر میں خوف خدا کرتا رہا اور اس کے بدلے کو سچا جانتا رہا' اس کے ثواب پر یقین رکھا' حسنی کے معنی لا الہ الا اللہ کے بھی کئے گئے ہیں' اللہ کی نعمتوں کے بھی کئے گئے ہیں' نماز روزہ زکوٰۃ صدقہ فطر جنت کے بھی مروی ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم اسے آسانی کی راہ آسان کر دیں گے یعنی بھلائی کی اور جنت کی اور نیک بدلے کی' اور جس نے اپنے مال کو راہ خدا میں نہ دیا اور اللہ تعالیٰ سے بے نیازی برتی اور حسنی کی یعنی قیامت کے بدلے کی تکذیب کی تو اس پر ہم برائی کا راستہ آسان کر دیں گے' جیسے فرمایا وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ یعنی ہم ان کے دل اور ان کی آنکھیں الٹ دیں گے جس طرح وہ پہلی بار قرآن پر ایمان نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں ہی بھٹکتے رہنے دیں گے۔ اس مطلب کی آیتیں قرآن کریم میں جا بجا موجود ہیں کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے' خیر کا قصد کرنے والے کو توفیق خیر ملتی ہے اور شر کا قصد رکھنے والوں کو اسی کی توفیق ہوتی ہے' اس معنی کی تائید میں یہ حدیثیں بھی ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہمارے اعمال فارغ شدہ تقدیر کے ماتحت ہیں یا نو پید ہماری طرف سے ہیں؟ آپ نے فرمایا بلکہ تقدیر کے لکھے ہوئے کے مطابق' کہنے لگے پھر عمل کی کیا ضرورت' فرمایا ہر شخص پر وہ عمل آسان ہوں گے جس چیز کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے (مسند احمد)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بقیع غرقد میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں تھے تو آپ نے فرمایا

سنو تم میں سے ہر ایک کی جگہ جنت دوزخ میں مقرر کردہ ہے اور لکھی ہوئی ہے' لوگوں نے کہا پھر ہم اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ کیوں نہ رہیں؟ تو آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو' ہر شخص کو وہی اعمال آئیں گے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے' پھر آپ نے یہی آیتیں تلاوت فرمائیں (صحیح بخاری شریف)

اسی روایت کے اور طریق میں ہے کہ اس بیان کے وقت آپ کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا اور سر نیچا کئے ہوئے زمین پر اسے پھیر رہے تھے الفاظ میں کچھ کمی بیشی بھی ہے- مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بھی ایک ایسا ہی سوال جیسا اوپر کی حدیث میں حضرت صدیق کا گذرا مروی ہے اور آپ کا جواب بھی انہیں تقریباً ایسا ہی مروی ہے- ابن جریر میں حضرت جابرؓ سے بھی ایسی ہی روایت مروی ہے- ابن جریر کی ایک حدیث میں دونو جوانوں کا ایسا ہی سوال اور حضورؐ کا ایسا ہی جواب مروی ہے اور پھر ان دونوں حضرات کا یہ قول بھی ہے کہ یا رسول اللہ ہم بہ کوشش نیک اعمال کرتے رہیں گے- حضرت ابوالدرداء سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر دن غروب کے وقت سورج کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں اور وہ باآواز بلند دعا کرتے ہیں جسے تمام چیزیں سنتی ہیں سوائے جنات اور انسان کے کہ اے اللہ سخی کو نیک بدلہ دے اور بخیل کا مال تلف کر' یہی معنی ہیں قرآن کی ان چاروں آیتوں کے ابن ابی حاتم کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں اس پوری سورت کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا کھجوروں کا باغ تھا' ان میں سے ایک درخت کی شاخیں ایک مسکین شخص کے گھر میں پڑتی تھیں وہ بیچارہ غریب نیک بخت اور بال بچوں دار تھا' باغ والا جب اس درخت کی کھجوریں اتارنے آتا تو اس مسکین کے گھر میں جا کر وہاں کی کھجوریں اتارتا' اس میں جو کھجوریں نیچے گرتیں انہیں اس غریب شخص کے بچے چن لیتے تو یہ آ کر ان سے چھین لیتا بلکہ اگر کسی بچے نے منہ میں ڈال لی ہے تو انگلی ڈال کر اس کے منہ سے نکلوا لیتا' اس مسکین نے اس کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی' آپ نے اس سے فرما دیا کہ اچھا تم جاؤ اور آپ اس باغ والے سے ملے اور فرمایا کہ تو اپنا وہ درخت جس کی شاخیں فلاں مسکین کے گھر میں ہیں مجھے دے دے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تجھے جنت کا ایک درخت دے گا وہ کہنے لگا اچھا حضرت میں نے دیا مگر مجھے اس کی کھجوریں بہت اچھی لگتی ہیں' میرے تمام باغ میں ایسی کھجوریں کسی اور درخت کی نہیں آنحضرت ﷺ یہ سن کر خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے چلے ایک شخص جو یہ بات چیت سن رہا تھا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا حضرت اگر یہ درخت میرا ہو جائے اور میں آپ کا کر دوں تو کیا مجھے اس کے بدلے جنتی درخت مل سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں- یہ شخص اس باغ والے کے پاس آئے' ان کا بھی ایک باغ کھجوروں کا تھا یہ پہلا شخص ان سے وہ ذکر کرنے لگا کہ حضرت مجھے فلاں درخت کھجور کے بدلے جنت کا ایک درخت دینے کو کہہ رہے تھے میں نے یہ جواب دیا یہ سن کر خاموش ہو رہے پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ کیا تم اسے بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ جو قیمت اس کی مانگوں وہ کوئی مجھے دے دے لیکن کون دے سکتا ہے؟ پوچھا کیا قیمت لینا چاہتے ہو؟ کیا چالیس درخت خرما کے' اس نے کہا یہ تو بڑی زبردست قیمت لگا رہے ہو' ایک کے چالیس؟ پھر اور باتوں میں لگ گئے پھر کہنے لگے اچھا میں اسے اتنے ہی میں خریدتا ہوں اس نے کہا اچھا اگر سچ مچ خریدنا ہے تو گواہ کر لو- اس نے چند لوگوں کو بلا لیا اور معاملہ طے ہو گیا' گواہ مقرر ہو گئے' پھر اسے کچھ سوجھی تو کہنے لگا کہ دیکھئے صاحب جب تک ہم تم الگ نہیں ہوئے' یہ معاملہ طے نہیں ہوا اس نے بھی کہا بہت اچھا میں بھی ایسا احمق نہیں ہوں کہ تیرے ایک درخت کے بدلے جو خم کھایا ہوا ہے اپنے چالیس درخت دے دوں تو یہ کہنے لگا کہ اچھا اچھا مجھے منظور ہے لیکن درخت جو میں لوں گا وہ تنے والے بہت عمدہ لوں گا اس نے کہا اچھا منظور' چنانچہ گواہوں کے روبرو یہ سودا فیصل ہوا اور مجلس برخاست ہوئی- یہ شخص خوشی خوشی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ اب وہ درخت میرا ہو گیا اور میں نے اسے آپ کو دے دیا' رسول اللہ ﷺ اس مسکین کے پاس گئے اور فرمانے لگے یہ درخت تمہارا ہے اور تمہارے بال بچوں کا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

ابن جریر میں مروی ہے کہ یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں آپ مکہ شریف میں ابتداء اسلام کے زمانے میں بڑھیا عورتوں کا اور ضعیف لوگوں کو جو مسلمان ہو جاتے تھے آزاد کر دیا کرتے تھے' اس پر ایک مرتبہ آپ کے والد حضرت ابوقحافہ نے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہا کہ بیٹا تم جوان کمزور ہستیوں کو آزاد کرتے پھرتے ہو' اس سے تو یہ اچھا ہو کہ نوجوان طاقت والوں کو آزاد کراؤ تاکہ وقت پر وہ تمہیں کام آئیں' تمہاری مدد کریں اور دشمنوں سے لڑیں تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ابا جی میرا ارادہ دنیوی فائدے کا نہیں' میں تو صرف رضائے رب مرضی مولا چاہتا ہوں' اس بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ تردی کے معنی مرنے کے بھی مروی ہیں اور آگ میں گرنے کے بھی۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٢﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿١٣﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿١٤﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿٢١﴾

راہ دکھا دینا ہمارا ذمہ ہے ○ اور ہمارے ہی ہاتھ ہے آخرت اور دنیا ○ میں نے تو تمہیں شعلے مارتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا ○ جس میں صرف وہ بدبخت تر لوگ داخل ہوں گے ○ جنہوں نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا ○ اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو پرہیزگار ہو ○ جو پاکی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال دیتا ہے ○ کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جاتا ہو ○ صرف اپنے پروردگار بزرگ و بلند کا دیدار مطلوب ہے ○ یقیناً وہ بھی عنقریب رضامند ہو جائے گا ○

مومن کی منزل اللہ تعالیٰ کی رضا: ☆☆ (آیت: ۱۲-۲۱) یعنی حلال و حرام کا ظاہر کر دینا ہمارے ذمے ہے' یہ بھی معنی ہیں کہ جو ہدایت پر چلا وہ یقیناً ہم تک پہنچ جائے گا' جیسے فرمایا وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ آخرت اور دنیا کی ملکیت ہماری ہی ہے' میں نے بھڑکتی ہوئی آگ سے تمہیں ہوشیار کر دیا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے خطبہ کی حالت میں سنا ہے آپ بہت بلند آواز سے فرما رہے تھے یہاں تک کہ میری اس جگہ سے بازار تک آواز پہنچے اور بار بار فرماتے جاتے تھے لوگو میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا چکا' لوگو میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا رہا ہوں' بار بار یہ فرما رہے تھے یہاں تک کہ چادر مبارک کندھوں سے سرک کر پیروں میں گر پڑی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی قیامت کے دن وہ ہوگا جس کے دونوں قدموں تلے دو انگارے رکھ دیئے جائیں گے جس سے اس کا دماغ ابل رہا ہوگا۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے ہلکے عذاب والا وہ جہنمی ہوگا جس کی دونوں جوتیاں اور دونوں تسمے آگ کے ہوں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح ابل رہا ہوگا جس طرح ہنڈیا جوش کھا رہی ہو' باوجودیکہ سب سے ہلکے عذاب والا یہی ہے لیکن اس کے خیال میں اس سے زیادہ عذاب والا اور کوئی نہ ہوگا' اس جہنم میں صرف وہی لوگ گھیر گھار کر بدترین عذاب کئے جائیں گے جو بدبخت تر ہوں' جن کے دل میں

تکذیب ہو اور اسلام پر عمل نہ ہو۔ مسند احمد کی حدیث میں بھی ہے کہ جہنم میں صرف شقی لوگ جائیں گے لوگوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا جو اطاعت گذار نہ ہو اور نہ خدا کے خوف سے کوئی بدی چھوڑتا ہو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جو انکار کریں' لوگوں نے پوچھا انکاری کون ہے؟ فرمایا جو میری اطاعت کرے وہ جنت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کر دیا' اور فرمایا جہنم سے دوری اسے ہوگی جو تقویٰ شعار' پرہیز گار' اللہ کے ڈر والا ہو' جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں دے تاکہ خود بھی پاک ہو جائے اور اپنی چیزوں کو بھی پاک کرے اور دین و دنیا میں پاکیزگی حاصل کر لے' یہ اس لئے کسی کے ساتھ سلوک نہیں کرتا کہ اس کا بھی کوئی احسان اس پر ہے بلکہ اس لئے کہ آخرت میں جنت ملے اور وہاں اللہ کا دیدار نصیب ہو۔ پھر فرماتا ہے کہ بہت جلد بالیقین ایسی پاک صفتوں والا شخص راضی ہو جائے گا۔

اکثر مفسرین کہتے ہیں یہ آیتیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہیں یہاں تک کہ بعض مفسرین نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے بیشک صدیق اکبرؓ اس میں داخل ہیں اور اس کی عمومیت میں ساری امت سے پہلے ہیں' گو الفاظ آیت کے عام ہیں لیکن آپ سب سے اول اس کے مصداق ہیں ان تمام اوصاف میں اور کل کی کل نیکیوں میں سب سے پہلے اور سب سے آگے اور سب سے بڑھے چڑھے آپ ہی تھے' آپ صدیق تھے پرہیز گار تھے' بزرگ تھے' سخی تھے' آپ اپنے مالوں کو اپنے مولا کی اطاعت میں اور رسول اللہ ﷺ کی امداد میں دل کھول کر خرچ کرتے رہتے تھے' ہر ایک کے ساتھ احسان و سلوک کرتے اور کسی دنیوی فائدے کی چاہت پر نہیں' کسی کے احسان کے بدلے نہیں بلکہ صرف اللہ کی مرضی کے لئے' رسولؐ کی فرمانبرداری کے لئے' جتنے لوگ تھے خواہ بڑے ہوں خواہ چھوٹے سب کے سب پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسانات کے بار تھے یہاں تک کہ عروہ بن مسعود جو قبیلہ ثقیف کا سردار تھا صلح حدیبیہ کے والے موقعہ پر جبکہ حضرت صدیقؓ نے اسے ڈانٹا ڈپٹا اور دو باتیں سنائیں تو اس نے کہا کہ اگر آپ کے احسان مجھ پر نہ ہوتے جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا تو میں آپ کو ضرور جواب دیتا پس جبکہ عرب کے سرداروں اور قبائل عرب کے بادشاہ کے اوپر آپ کے اس قدر احسان تھے کہ وہ سر نہیں اٹھا سکتا تھا تو بھلا اور تو کہاں؟ اسی لئے یہاں بھی فرمایا گیا کہ کسی کے احسان کا بدلہ انہیں دینا نہیں بلکہ صرف دیدار اللہ کی خواہش ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے جو شخص جوڑا اللہ کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے داروغے پکاریں گے کہ اے اللہ کے بندے ادھر سے آ' یہ سب سے اچھا ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کو کوئی ضرورت تو ایسی نہیں لیکن فرمائیے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ہے اور مجھے اللہ سے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو۔

الحمدللہ سورۃ اللیل کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ کا احسان ہے اور اس کا شکر ہے۔

تفسیر سورۃ الضحیٰ

ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر کہو: ☆☆ اسمٰعیل بن قسطنطین اور شبل بن عباد کے سامنے حضرت عکرمہؒ تلاوت قرآن کر رہے تھے جب اس سورت تک پہنچے تو دونوں نے فرمایا کہ اب سے آخر تک ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر کہا کرو۔ ہم نے ابن کثیر کے سامنے پڑھا تو انہوں نے ہمیں یہی فرمایا اور انہوں نے فرمایا کہ ہم سے مجاہدؒ نے یہ فرمایا ہے اور مجاہدؒ کو حضرت ابن عباسؓ کی یہی تعلیم تھی اور ابن عباسؓ کو حضرت ابی بن کعبؓ نے یہی فرمایا تھا اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا تھا۔ امام القرأت حضرت ابوالحسنؒ بھی اس سنت کے راوی ہیں' حضرت ابو حاتم رازی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں' اس لئے کہ ابوالحسن ضعیف ہیں' ابو حاتم تو ان سے حدیث ہی نہیں لیتے' اسی

طرح ابوجعفر عقیلی بھی انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں لیکن شیخ شہاب الدین ابوشامہ شرح شاطبیہ میں حضرت امام شافعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ نماز میں اس تکبیر کو کہتے تھے تو آپ نے فرمایا تو نے اچھا کیا اور سنت کو پہنچ گیا' یہ واقعہ تو اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہو- پھر قاریوں میں اس بات کا بھی اختلاف ہے کہ کس جگہ یہ تکبیر پڑھے اور کس طرح پڑھے' بعض تو کہتے ہیں و اللَّیلِ اِذَا یَغشٰی کے خاتمہ سے اور بعض کہتے ہیں والضحٰی کے آخر سے- پھر بعض تو کہتے ہیں صرف اللہ اکبر کہے' بعض کہتے ہیں اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے' بعض قاریوں نے سورۂ والضحٰی سے ان تکبیروں کے کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ جب وحی آنے میں دیر لگی اور کچھ مدت حضورؐ پر وحی نہ اتری پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہی سورت لائے تو خوشی اور فرحت کے باعث آپ نے تکبیر کہی' لیکن یہ کسی ایسی اسناد کے ساتھ مروی نہیں جس سے صحت وضعف کا پتہ چل سکے- واللہ اعلم-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالضُّحٰی ﴿۱﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ﴿۳﴾

وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ﴿۴﴾ وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ﴿۵﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا بخشش کرنے والا نہایت مہربان ہے

قسم ہے چاشت کے وقت کی ○ اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے ○ نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا نہ بیزار ہو گیا ○ یقیناً تیرے لئے انجام آغاز سے بہتر ہے ○ تجھے تیرا رب بہت جلد انعام دے گا اور تو راضی خوش ہو جائے گا ○

(آیت: ۱-۵) مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ بیمار ہو گئے اور ایک یا دو راتوں تک آپ تہجد کی نماز کے لئے نہ اٹھ سکے تو ایک عورت کہنے لگی کہ تجھے تیرے شیطان نے چھوڑ دیا اس پر یہ اگلی آیتیں نازل ہوئیں (بخاری ومسلم وغیرہ) حضرت جندبؓ فرماتے ہیں کہ جبرئیل کے آنے میں کچھ دیر ہوئی تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ تو چھوڑ دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے والضحٰی سے قلٰی تک کی آیتیں اتاریں اور روایت میں ہے کہ حضورؐ کی انگلی پر پتھر مارا گیا تھا جس میں سے خون نکلا اور جس پر آپ نے فرمایا:

هل انت الا اصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت

یعنی تو صرف ایک انگلی ہے اور راہ اللہ میں تجھے یہ زخم لگا ہے-

طبیعت کچھ ناساز ہو جانے کی وجہ سے دو تین رات آپ بیدار نہ ہوئے جس پر اس عورت نے وہ ناشائستہ الفاظ نکالے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں- کہا گیا ہے کہ یہ عورت ابولہب کی جورو ام جمیل تھی' اس پر اللہ کی مار' آپ کی انگلی کا زخمی ہونا اور اس موزوں کلام کا بے ساختہ زبان مبارک سے ادا ہونا تو صحیحین میں بھی ثابت ہے لیکن ترک قیام کا سبب اسے بتانا اور اس پر ان آیتوں کا نازل ہونا یہ غریب ہے- ابن جریر میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا کہ آپ کا رب آپ سے کہیں ناراض نہ ہو گیا ہو؟ اس پر یہ آیتیں اتریں اور روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں دیر ہوئی حضورؐ بہت گھبرائے' اس پر حضرت خدیجہؓ نے یہ سبب بیان کیا اور اس پر یہ آیتیں اتریں' یہ دونوں روایتیں مرسل ہیں اور حضرت خدیجہ کا نام تو اس میں محفوظ نہیں معلوم ہوتا' ہاں یہ ممکن ہے کہ مائی صاحبہ نے افسوس اور رنج کے ساتھ یہ فرمایا ہو- واللہ اعلم- ابن اسحاق اور بعض سلف نے فرمایا ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئے تھے اور بہت ہی قریب ہو گئے تھے اس وقت اسی سورت کی وحی نازل فرمائی تھی- ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ وحی کے رک جانے کی بنا پر مشرکین کے اس ناپاک قول کے

رد میں یہ آیتیں اتریں' یہاں اللہ تعالیٰ نے دھوپ چڑھنے کے وقت کی' دن کی روشنی اور رات کے سکون اور اندھیرے کی قسم کھائی جو قدرت اور خلق خالق کی صاف دلیل ہے' جیسے اور جگہ ہے وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى اور جگہ ہے فَالِقُ الْاِصْبَاحِ مطلب یہ ہے کہ اپنی اس قدرت کا یہاں بھی بیان کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ تیرے رب نے نہ تو تجھے چھوڑا نہ تجھ سے دشمنی کی' تیرے لئے آخرت اس دنیا سے بہت بہتر ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ دنیا میں سب سے زیادہ زاہد تھے اور سب سے زیادہ تارک دنیا تھے' آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات ہرگز مخفی نہیں رہ سکتی۔

مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور بوریئے پر سوئے' جسم مبارک پر بوریئے کے نشان پڑ گئے' جب بیدار ہوئے تو میں آپ کی کروٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا اور کہا حضورؐ ہمیں کیوں اجازت نہیں دیتے کہ ایک بوریئے پر کچھ بچھا دیا کریں۔ حضورؐ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا واسطہ؟ میں کہاں دنیا کہاں؟ میری اور دنیا کی مثال تو اس راہرو سوار کی طرح ہے جو کسی درخت تلے ذرا سی دیر ٹھہر جائے پھر اسے چھوڑ کر چل دے' یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے۔ پھر فرمایا تیرا رب تجھے آخرت میں تیری امت کے بارے میں اس قدر نعمتیں دے گا کہ تو خوش ہو جائے' ان کی بڑی تکریم ہوگی اور آپ کو خاص کر کے حوض کوثر عطا فرمایا جائے گا جس کے کنارے کھوکھلے موتیوں کے خیمے ہوں گے' جس کی مٹی خالص مشک ہوگی' یہ حدیثیں عنقریب آ رہی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔

ایک روایت میں ہے کہ جو خزانے آپ کی امت کو ملنے والے تھے وہ ایک ایک کر کے آپ پر ظاہر کئے گئے آپ بہت خوش ہوئے' اس پر یہ آیت اتری جب ایک ہزار محل آپ کو دے گئے ہر ہر محل میں پاک بیویاں اور بہترین خادم ہیں' ابن عباسؓ تک اس کی سند صحیح ہے اور بہ ظاہر ایسی بات بغیر حضورؐ سے روایت نہیں ہو سکتی' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضورؐ کی رضامندی میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے۔ حسنؒ فرماتے ہیں اس سے مراد شفاعت ہے۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

کیا اس نے تجھے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ ○ اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی ○ اور تجھے تنگ دست پا کر تونگر نہیں بنا دیا؟ ○ پس یتیم کو تو بھی نہ دبا ○ اور سوال کرنے والے کو نہ ڈانٹ ڈپٹ اور اپنے رب کے احسانوں کو بیان کرتا رہ ○

(آیت:۶-۱۱) ابن ابی شیبہ میں ہے حضورؐ نے فرمایا ہم وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت دنیا پر پسند کر لی ہے' پھر آپ نے آیت وَلَسَوْفَ کی تلاوت فرمائی کہ آپ کی یتیمی کی حالت میں خدائے تبارک وتعالیٰ نے آپ کا بچاؤ کیا اور آپ کی حفاظت کی اور پرورش کی اور جگہ عنایت فرمائی۔ آپ کے والد کا انتقال تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا' بعض کہتے ہیں ولادت کے بعد ہوا' چھ سال کی عمر میں والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا' اب آپ دادا کی کفالت میں تھے لیکن جب آٹھ سال کی آپ کی عمر ہوئی تو دادا کا سایہ بھی اٹھ گیا' اب آپ اپنے چچا ابوطالب کی پرورش میں آئے۔ ابوطالب دل و جان سے آپ کی نگرانی اور امداد میں رہے' آپ کی پوری عزت وتوقیر کرتے اور قوم کی مخالفت کے چڑھتے طوفان کو روکتے رہتے تھے اور اپنے نفس کو بطور ڈھال کے پیش کر دیا کرتے تھے کیونکہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت مل چکی تھی اور قریش سخت ترمخالف بلکہ دشمن جان ہو گئے تھے' ابوطالب باوجود بت پرست مشرک ہونے کے آپ کا ساتھ دیتا

تھا اور مخالفین سے لڑتا جھگڑتا رہتا تھا' یہ تھی منجانب اللہ حسن تدبیر کہ آپ کی یتیمی کے ایام اسی طرح گذرے اور مخالفین سے آپ کی خدمت اس طرح لی' یہاں تک کہ ہجرت سے کچھ پہلے ابو طالب بھی فوت ہو گئے' اب سفہاء و جہلاء قریش اٹھ کھڑے ہوئے تو پروردگار عالم نے آپ کو مدینہ شریف کی طرف ہجرت کرنے کی رخصت عطا فرمائی اور اوس وخزرج جیسی قوموں کو آپ کا انصار بنا دیا' ان بزرگوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جگہ دی' مدد کی' حفاظت کی اور مخالفین سے سینہ سپر ہو کر مردانہ وار لڑائیاں کیں' اللہ ان سب سے خوش رہے۔ یہ سب کا سب اللہ کی حفاظت اور اس کی عنایت' احسان اور اکرام سے تھا۔ پھر فرمایا کہ راہ بھولا پا کر صحیح راستہ دکھا دیا' جیسے اور جگہ ہے مَا كُنتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَ لَا الْاِيْمَانُ یعنی اسی طرح ہم نے اپنی حکم سے تمہاری طرف روح کی وحی کی' تم یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے نہ کتاب کی خبر تھی بلکہ ہم نے اسے نور بنا کر جسے چاہا ہدایت کر دی۔ بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ حضور بچپن میں مکہ کی گلیوں میں گم ہو گئے تھے اس وقت اللہ نے لوٹا لایا' بعض کہتے ہیں شام کی طرف اپنے چچا کے ساتھ جاتے ہوئے رات کو شیطان نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر راہ سے ہٹا کر جنگل میں ڈال دیا' پس جبرائیل علیہ السلام آئے اور پھونک مار کر شیطان کو تو حبشہ میں ڈال دیا اور سواری کو راہ لگا دیا۔ بغوی نے یہ دونوں قول نقل کئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ بال بچوں والے ہوتے ہوئے تنگ دست پا کر ہم نے آپ کو غنی کر دیا' پس فقیر صابر اور غنی شاکر ہونے کے درجات آپ کو مل گئے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یہ سب حال نبوت سے پہلے کے ہیں' صحیحین وغیرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تونگری مال واسباب کی زیادتی سے نہیں بلکہ حقیقی تونگر وہ ہے جس کا دل بے پرواہ ہو۔ صحیح مسلم شریف میں ہے اس نے فلاح پالی جسے اسلام نصیب ہوا اور کافی ہو اتنا رزق بھی ملا اور اللہ کے دیئے ہوئے پر قناعت کی توفیق ملی۔ پھر فرماتا ہے کہ یتیم کو حقیر جان کر نہ ڈانٹ ڈپٹ کر بلکہ اس کے ساتھ احسان وسلوک کر اور اپنی یتیمی کو نہ بھول۔ قتادہؒ فرماتے ہیں یتیم کے لئے ایسا ہو جانا چاہئے جیسے سگا باپ اپنی اولاد پر مہربان ہوتا ہے' سائل کو نہ جھڑک' جس طرح تم بے راہ تھے اور اللہ نے ہدایت دی تو اب جو تم سے علمی باتیں پوچھے' صحیح راستہ دریافت کرے تو تم اسے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو غریب مسکین ضعیف بندوں پر تکبر تجبر نہ کرو' انہیں ڈانٹو ڈپٹو نہیں' برا بھلا نہ کہو' سخت سست نہ بولو' اگر مسکین کو کچھ نہ دے سکے تو بھی بھلا اور اچھا جواب دے' نرمی اور رحم کے ساتھ لوٹا دے۔ پھر فرمایا کہ اپنے رب کی نعمتیں بیان کرتے رہو۔ یعنی جس طرح تمہاری فقیری کو ہم نے تونگری سے بدل دیا تم بھی ہماری ان نعمتوں کو بیان کرتے رہو' اسی لئے حضور کی دعاؤں میں یہ بھی تھا وَ اجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا وَ اَتِمَّهَا عَلَيْنَا یعنی خدایا ہمیں اپنی نعمتوں کی شکر گزاری کرنے والا' ان کی وجہ سے تیری ثنا بیان کرنے والا ان کا اقرار کرنے والا کر دے اور ان نعمتوں کو ہم پر پورا کر دے ابونضرہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ نعمتوں کی شکر گزاری میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کا بیان ہو۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے جس نے تھوڑے پر شکر نہ کیا اس نے زیادہ پر بھی شکر نہیں کیا جس نے لوگوں کی شکر گزاری جس نہ کی اس نے اللہ کی بھی نہیں کی' نعمتوں کا بیان بھی شکر ہے اور ان کا بیان نہ کرنا ناشکری ہے' جماعت کے ساتھ رہنا رحمت کا سبب ہے اور تفرقہ عذاب کا باعث ہے' اس کی اسناد ضعیف ہے۔ صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ مہاجرین نے کہا یا رسول اللہ انصار سارا کا سارا اجر لے گئے' فرمایا نہیں جب تک کہ تم ان کے لئے دعا کیا کرو اور ان کی تعریف کرتے رہو۔ ابوداؤد میں ہے اس نے اللہ کی شکر گزاری نہیں کی جس نے لوگوں کی شکر گذاری نہ کی' ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے جسے کوئی نعمت ملی اور اس نے اسے بیان کیا تو وہ شکر گذار رہے اور جس نے اسے چھپایا اس نے ناشکری کی' اور روایت میں ہے کہ جسے کوئی عطیہ دیا جائے اسے چاہئے کہ اگر ہو سکے تو بدلہ اتار دے اگر نہ ہو سکے تو اس کی ثنا

بیان کرے، جس نے ثنا کی وہ شکر گذار ہوا اور جس نے اس نعمت کا اظہار نہ کیا اس نے ناشکری کی (ابوداؤد)۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں یہاں نعمت سے مراد نبوت ہے' ایک روایت میں ہے قرآن مراد ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں طلب یہ ہے کہ جو بھلائی کی باتیں آپ کو معلوم ہیں وہ اپنے بھائیوں سے بھی بیان کرو۔ محمد بن اسحاقؒ کہتے ہیں جو نعمت و کرامت نبوت کی تمہیں ملی ہے اسے بیان کرو' اس کا ذکر کرو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو۔ چنانچہ حضور نے اپنے رشتہ والوں میں سے جن پر آپ کو اطمینان ہوتا پوشیدگی سے پہلے پہل دعوت دینی شروع کی اور آپؐ پر نماز فرض ہوئی جو آپ نے ادا کی۔ سورۃ الضحیٰ کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ کے احسان پر اس کا شکر ہے۔

تفسیر سورۃ الم نشرح

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۙ﴿۳﴾ وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ؕ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۙ﴿۷﴾ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ٪﴿۸﴾
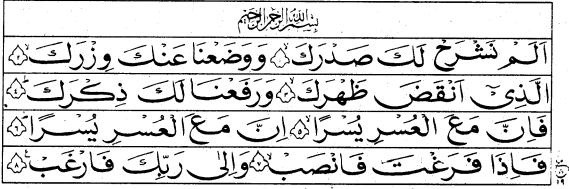
بنام بخشنے والے مہربان اللہ کے

کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا؟ ○ اور تجھ پر سے تیرا بوجھ ہم نے اتار دیا ○ جس نے تیری پیٹھ بوجھل کر دی تھی ○ اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا ○ پس والبتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے ○ یقیناً دشواری کے ساتھ سہولت ہے ○ پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر ○ اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا ○

(آیت: ۱-۸) یعنی ہم نے تیرے سینے کو منور کر دیا' چوڑا کشادہ اور رحمت و کرم والا کر دیا' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ الخ' یعنی جسے اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے' جس طرح آپ کا سینہ کشادہ کر دیا گیا تھا اسی طرح آپ کی شریعت بھی کشادگی والی نرمی اور آسانی والی بنا دی' جس میں نہ تو کوئی حرج ہے نہ تنگی نہ ترشی نہ تکلیف اور سختی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد معراج والی رات سینے کا شق کیا جانا ہے جیسے کہ مالک بن صعصعہ کی روایت سے پہلے گذر چکا' امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو یہیں وارد کیا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں واقعات مراد ہو سکتے ہیں یعنی معراج کی رات سینے کا شق کیا جانا اور سینہ کو راز اللہ کا گنجینہ۔ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی دلیری سے رسول اللہ ﷺ سے وہ باتیں پوچھ لیا کرتے تھے جسے دوسرے نہ پوچھ سکتے تھے' ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ امر نبوت میں سب سے پہلے آپ نے کیا دیکھا؟ آپ سنبھل بیٹھے اور فرمانے لگے ابوہریرہؓ میں دس سال کچھ ماہ کا تھا' جنگل میں کھڑا تھا کہ میں نے اوپر آسمان کی طرف سے کچھ آوازیں کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کیا یہ وہی ہیں؟ اب دو شخص میرے سامنے آئے جن کے منہ ایسے منور تھے کہ میں نے ایسے کبھی نہیں دیکھے اور ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ میرے دماغ نے ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی اور ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ میں نے کبھی کسی پر ایسے کپڑے نہیں دیکھے اور آ کر انہوں نے میرے دونوں بازو تھام لئے لیکن مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی میرے بازو تھامے ہوئے ہے' پھر ایک نے

دوسرے سے کہا کہ انہیں لٹا دو چنانچہ اس نے لٹا دیا لیکن اس میں بھی نہ مجھے تکلیف ہوئی نہ محسوس ہوا پھر ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ شق کرو۔ چنانچہ میرا سینہ چیر دیا لیکن نہ تو مجھے اس میں کچھ دکھ ہوا نہ میں نے خون دیکھا' پھر کہا اس میں سے غل وغش' حسد وبغض سب نکال دو' چنانچہ اس نے ایک خون بستہ جیسی کوئی چیز نکالی اور اسے پھینک دیا' پھر اس نے کہا اس میں رافت ورحمت' رحم وکرم بھر دو' پھر ایک چاندی جیسی چیز جتنی نکالی تھی اتنی ڈال دی' پھر میرے دائیں پاؤں کا انگوٹھا ہلا کر کہا جایئے اور سلامتی سے زندگی گزاریئے' اب جو میں چلا تو میں نے دیکھا کہ ہر چھوٹے پر میرے دل میں شفقت ہے اور ہر بڑے پر رحمت ہے (مسند احمد)۔

پھر فرمان ہے کہ ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا' یہ اسی معنی میں ہے کہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے جس نے تیری کمر سے آواز نکلوادی تھی یعنی جس نے تیری کمر کو بوجھل کر دیا تھا' ہم نے تیرا ذکر بلند کیا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں تیرا ذکر کیا جائے گا جیسے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کر دیا' کوئی خطیب' کوئی واعظ' کوئی کلمہ گو' کوئی نمازی ایسا نہیں جو اللہ کی وحدانیت کا اور آپ کی رسالت کا کلمہ نہ پڑھتا ہو۔ ابن جریر میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ میں آپ کا ذکر کس طرح بلند کروں؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی کو پورا علم ہے' فرمایا جب میں ذکر کیا جاؤں تو آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے ایک سوال کیا لیکن نہ کرتا تو اچھا ہوتا میں نے کہا خدایا مجھ سے پہلے نبیوں میں سے کسی کے لئے تو نے ہوا کو تابعدار کر دیا تھا کسی کے ہاتھوں مردوں کو زندہ کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کیا تجھے میں نے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ میں نے کہا بیشک' فرمایا راہ گم کردہ پا کر میں نے تجھے ہدایت نہیں کی؟ میں نے کہا بیشک' فرمایا کیا فقیر پا کر غنی نہیں بنا دیا؟ میں نے کہا بیشک فرمایا کیا میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ کیا میں نے تیرا ذکر بلند نہیں کیا؟ میں نے کہا بیشک کیا ہے۔

ابونعیم دلائل نبوت میں لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں فارغ ہوا اس چیز سے جس کا حکم مجھے میرے رب عزوجل نے کیا تھا آسمان اور زمین کے کام سے تو میں نے کہا خدایا مجھ سے پہلے جتنے انبیاء ہوئے ان سب کی تو نے تکریم کی' ابراہیم کو خلیل بنایا' موسیٰ کو کلیم بنایا' داؤد کے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا' سلیمان کے لئے ہواؤں کو تابعدار بنایا اور شیاطین کو بھی تابعدار بنایا اور عیسیٰ کے ہاتھ پر مردے زندہ کرائے' پس میرے لئے کیا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تجھے ان سب سے افضل چیز نہیں دی؟ کہ میرے ذکر کے ساتھ ہی تیرا ذکر بھی کیا جاتا ہے اور میں نے تیری امت کے سینوں کو ایسا کر دیا کہ وہ قرآن کو قراءت پڑھتے ہیں' یہ میں نے کسی اگلی امت کو نہیں دیا اور میں نے تجھے اپنے عرش کے خزانوں میں سے خزانہ دیا جو لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ہے۔ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اذان ہے یعنی اذان میں آپ کا ذکر ہے' جس طرح حضرت حسان کے شعروں میں ہے۔

اَغَرَّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ مِنَ اللّٰهِ مِنْ نُّوْرٍ يَّلُوْحُ وَيَشْهَدُ
وَضَمَّ الْاِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ اِلٰى اسْمِهٖ اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ
وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

یعنی اللہ تعالیٰ نے مہر نبوت کو اپنے پاس کا ایک نور بنا کر آپ پر چمکا دی جو آپ کی رسالت کی گواہ ہے' اپنے نام کے ساتھ اپنے نبی کا نام ملا لیا جبکہ پانچوں وقت موذن اشھد کہتا ہے' آپ کی عزت وجلال کے اظہار کے لئے اپنے نام میں سے آپ کا نام نکالا' دیکھو وہ عرش والا محمود ہے اور آپ محمد ہیں (ﷺ) اور لوگ کہتے ہیں کہ اگلوں پچھلوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کیا اور تمام انبیاء علیہم السلام سے

روز میثاق میں عہد لیا گیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی آپ پر ایمان لانے کا حکم کریں، پھر آپ کی امت میں آپ کے ذکر کو مشہور کیا کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جائے۔

صرصریؒ نے کتنی اچھی بات بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ فرضوں کی اذان صحیح نہیں ہوتی مگر آپ کے پیارے اور میٹھے نام سے جو پسندیدہ اور اچھے منہ سے ادا ہو اور فرماتے ہیں کہ تم نہیں دیکھتے کہ ہماری اذان اور ہمارا فرض صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ آپ کا ذکر بار بار اس میں نہ آئے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ تکرار اور تاکید کے ساتھ دو دو دفعہ فرماتا ہے کہ سختی کے ساتھ آسانی، دشواری کے ساتھ سہولت ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے سامنے ایک پتھر تھا پس لوگوں نے کہا اگر سختی آئے اور اس پتھر میں گھس جائے تو آسانی بھی آئے گی اور اسی میں جائے گی اور اسے نکال لائے گی، اس پر یہ آیت اتری۔ مسند بزار میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں کہ اگر دشواری اس پتھر میں داخل ہو جائے تو آسانی آ کر اسے نکالے گی، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی، یہ حدیث صرف عائذ بن شریح حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ابوحاتم رازی کا فیصلہ ہے کہ ان کی حدیث میں ضعف ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ موقوف مروی ہے حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے کہ ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی، حضرت حسن سے ابن جریرؒ میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دن شاداں وفرحاں آئے اور ہنستے ہوئے فرمانے لگے ہرگز ایک دشواری دو نرمیوں پر غالب نہیں آ سکتی، پھر اس آیت کی آپ نے تلاوت کی، یہ حدیث مرسل ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو خوشخبری سنائی کہ دو آسانیوں پر ایک سختی غالب نہیں آ سکتی، مطلب یہ ہے کہ عسرہ کے لفظ کو تو دونوں جگہ معرفہ لائے ہیں تو وہ مفرد ہوا اور یسر کے لفظ کو نکرہ لائے ہیں تو وہ متعدد ہو گیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ معونۃ یعنی امداد اللہ بقدر مونۃ یعنی تکلیف کے آسمان سے نازل ہوتی ہے اور صبر مصیبت کے مقدار پر نازل ہوتا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

صَبْرًا جَمِيْلًا مَا اَقْرَبَ الْفَرَجَا   مَنْ رَّاقَبَ اللّٰهَ فِي الْاُمُوْرِ نَجَا

مَنْ صَدَّقَ اللّٰهَ لَمْ يَنَلْهُ اَذًى   وَمَنْ رَجَاهُ يَكُوْنُ حَيْثُ رَجَا

یعنی اچھا صبر آسانیوں سے کیا ہی قریب ہے؟ اپنے کاموں میں اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھنے والا نجات یافتہ ہے، اللہ تعالیٰ کی باتوں کی تصدیق کرنے والے کو کوئی ایذا نہیں پہنچتی، اس سے بھلائی کی امید رکھنے والا اسے اپنی امید کے ساتھ ہی پاتا ہے۔ حضرت ابوحاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ہیں کہ جب مایوسی دل پر قبضہ کر لیتی ہے اور سینہ باوجود کشادگی کے تنگ ہو جاتا ہے، تکلیفیں گھیر لیتی ہیں اور مصیبتیں ڈیرہ جما لیتی ہیں، کوئی چارہ سجھائی نہیں دیتا اور کوئی تدبیر نجات کارگر نہیں ہوتی، اس وقت اچانک اللہ کی مدد آ پہنچتی ہے اور وہ دعاؤں کا سننے والا باریک بین اللہ اس سختی کو آسانی سے اور اس تکلیف کو راحت سے بدل دیتا ہے، تنگیاں جب کہ بھرپور آ پڑتی ہیں پروردگار معاً کشادگیاں نازل فرما کر نقصان کو فائدہ سے بدل دیتا ہے۔ کسی اور شاعر نے کہا ہے۔

وَلَرُبَّ نَازِلٍ يَّضِيْقُ بِهِ الْفَتٰى   ذَرْعًا وَّعِنْدَ اللّٰهِ مِنْهَا الْمَخْرَجُ

كَمُلَتْ فَلَمَّا اسْتَحْلَمَتْ حَلْقَاتُهَا   فَرَجَتْ وَكَانَ يَظُنُّهَا لَا تُفْرَجُ

یعنی بہت سی ایسی مصیبتیں انسان پر نازل ہوتی ہیں جن سے وہ تنگدل ہو جاتا ہے حالانکہ اللہ کے پاس ان سے چھٹکارا بھی ہے۔ جب یہ مصیبتیں کامل ہو جاتی ہیں اور اس زنجیر کے حلقے مضبوط ہو جاتے ہیں اور انسان گمان کرنے لگتا ہے کہ بھلا یہ کیا ہٹیں گی؟ کہ اچانک اس رحیم وکریم اللہ کی شفقت بھری نظریں پڑتی ہیں اور اس مصیبت کو اس طرح دور کر دیتا ہے کہ گویا آئی ہی نہ تھی۔ اس کے بعد ارشاد باری ہوتا

ہے کہ جب تو دنیوی کاموں سے اور یہاں کے اشغال سے فرصت پائے تو ہماری عبادتوں میں لگ جا اور فارغ البال ہو کر دلی توجہ کر کے ہمارے سامنے عاجزی میں لگ جا' اپنی نیت خالص کر لے' اپنی پوری رغبت کے ساتھ ہماری جناب کی طرف متوجہ ہو جا۔

اسی معنی کی وہ حدیث ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے جس میں ہے کہ کھانا سامنے موجود ہونے کے وقت نماز نہیں اور اس حالت میں بھی کہ انسان کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو- اور حدیث میں ہے جب نماز کھڑی کی جائے اور شام کا کھانا سامنے موجود ہو تو پہلے کھانے سے فراغت حاصل کر لو- حضرت مجاہدؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں جب امر دنیا سے فارغ ہو کر نماز کے لئے کھڑا ہوا تو محنت کے ساتھ عبادت کر اور مشغولیت کے ساتھ رب کی طرف توجہ کر- حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب فرض نماز سے فارغ ہو تو تہجد کی نماز میں کھڑا ہو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہوئے اپنے رب کی طرف توجہ کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یعنی دعا کر- زید بن اسلم اور ضحاک فرماتے ہیں جہاد سے فارغ ہو کر اللہ کی عبادت میں لگ جا- ثوریؒ فرماتے ہیں اپنی نیت اور اپنی رغبت اللہ ہی کی طرف رکھ-

سورۂ الم نشرح کی تفسیر اللہ کے فضل و کرم سے ختم ہوئی فالحمدللہ-

تفسیر سورۃ والتین

(تفسیر سورۃ التین) حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اپنے سفر میں دو رکعتوں میں سے کسی ایک میں یہ سورت پڑھ رہے تھے' میں نے آپ سے زیادہ اچھی آواز اور اچھی قرات کسی کی نہیں سنی-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝۷ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے' مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی ○ اور طور سینین کی ○ اور اس امن والے شہر کی ○ یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ○ پھر اسے نیچوں سے نیچ کر دیا ○ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور مطابق سنت عمل کئے تو ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی نہ ختم ہو ○ پس تجھے اب روز جزا کے جھٹلانے پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟ ○ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں کا حاکم نہیں؟ ○

(آیت: ۱-۸) تین سے مراد کسی کے نزدیک تو مسجد دمشق ہے' کوئی کہتا ہے خود دمشق مراد ہے' کسی کے نزدیک دمشق کا ایک پہاڑ مراد ہے' بعض کہتے ہیں اصحاب کہف کی مسجد مراد ہے' کوئی کہتا ہے جودی پہاڑ پر مسجد نوح جو ہے وہ مراد ہے' بعض کہتے ہیں انجیر مراد ہے زیتون سے کوئی کہتا ہے مسجد بیت المقدس مراد ہے' کسی نے کہا ہے وہ زیتون جسے نچوڑتے ہو' طور سینین وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا- بَلَدُ الْاَمِيْنَ سے مراد مکہ شریف ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں' بعض کا قول یہ ہے کہ یہ تینوں

وہ جگہیں ہیں جہاں تین اولوالعزم صاحب شریعت پیغمبر بھیجے گئے ہیں۔

تین سے مراد تو بیت المقدس ہے جہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا اور طور سینین سے مراد طور سینا ہے جہاں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ بھیجے گئے' تورات کے آخر میں بھی ان تینوں جگہوں کا نام ہے' اس میں ہے کہ طور سینا سے اللہ تعالیٰ آیا یعنی وہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدائے تعالیٰ نے کلام کیا اور ساعیر یعنی بیت المقدس کے پہاڑ سے اس نے اپنا نور چمکایا یعنی حضرت عیسیٰؑ کو وہاں بھیجا اور فاران کی چوٹیوں پر وہ بلند ہوا یعنی مکہ کے پہاڑوں سے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا پھر ان تینوں زبردست بڑے مرتبے والے پیغمبروں کی زمانی اور وجودی ترتیب بیان کر دی' اسی طرح یہاں بھی پہلے جس کا نام لیا اس سے زیادہ شریف چیز کا نام پھر لیا پھر ان دونوں سے بزرگ تر چیز کا نام آخر میں لیا' پھر ان قسموں کے بعد بیان فرمایا کہ انسان کو اچھی شکل وصورت میں صحیح قد قامت والا' درست اور سڈول اعضاء والا' خوبصورت اور سہانے چہرے والا پیدا کیا' پھر اسے نیچوں کا نیچ کر دیا یعنی جہنمی ہو گیا' اگر اللہ کی اطاعت اور رسول کی اتباع نہ کی' تو اسی لئے ایمان والوں کو اس سے الگ کر لیا۔ بعض کہتے ہیں مراد انتہائی بڑھاپے کی طرف لوٹا دینا ہے۔

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں جس نے قرآن جمع کیا وہ رذیل عمر کو نہ پہنچے گا۔ امام ابن جریر اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن اگر یہی بڑھاپا مراد ہوتا تو مومنوں کا استثناء کیوں ہوتا' بڑھاپا تو بعض مومنوں پر بھی آتا ہے پس ٹھیک بات وہی ہے جو اوپر ہم نے ذکر کی' جیسے اور جگہ سورۂ والعصر میں ہے کہ تمام انسان نقصان میں ہیں سوائے ایمان اور اعمال صالح والوں کے کہ انہیں جزا وہ ملے گی جس کی انتہا نہ ہو' جیسے پہلے بیان ہو چکا۔ پھر فرماتا ہے اے انسان جبکہ تو اپنی پہلی اور اول مرتبہ کی پیدائش کو جانتا ہے تو پھر جزا وسزا کے دن کے آنے پر اور تیرے دوبارہ زندہ ہونے پر تجھے کیوں یقین نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ تو اسے نہیں مانتا؟ حالانکہ ظاہر ہے کہ جس نے پہلی دفعہ پیدا کر دیا اس پر دوسری دفعہ کا پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ حضرت مجاہدؒ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھ بیٹھے کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں؟ آپ نے فرمایا معاذ اللہ اس سے مراد مطلق انسان ہے' عکرمہؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کیا خدا احکم الحاکمین نہیں ہے؟ وہ نہ ظلم کرے نہ بے عدلی کرے' اسی لئے وہ قیامت قائم کرے گا اور ہر ایک ظالم سے مظلوم کا انتقام لے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع حدیث میں یہ گذر چکا ہے کہ جو شخص وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ پڑھے اور اس کے آخر کی آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ پڑھے تو کہہ دے بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ یعنی ہاں میں اس پر گواہ ہوں' اللہ کے فضل وکرم سے سورۂ والتین کی تفسیر ختم ہوئی فالحمد للہ۔

تفسیر سورة العلق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾
اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑی بخشش کرنے والا بہت زیادہ مہربان ہے O
اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے پیدا کیا O جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا O تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے O جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا O جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا O

(آیت:۱-۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وحی کی ابتدأ سچے خوابوں سے ہوئی' جو خواب آپ دیکھتے وہ صبح کے ظہور کی طرح ظاہر ہو جاتا' پھر آپ نے گوشہ نشینی اور خلوت اختیار کی- ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے توشہ لے کر غار حرا میں چلے جاتے اور کئی کئی راتیں وہیں عبادت میں گذارا کرتے' پھر آتے اور توشہ لے کر چلے جاتے یہاں تک کہ ایک مرتبہ اچانک وہیں شروع شروع میں وحی آئی' فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا اقرا یعنی پڑھئے' آپ فرماتے ہیں' میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں' فرشتے نے مجھے پکڑا اور دبوچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا اور فرمایا پڑھ' میں نے کہا میں پڑھنا نہیں جانتا' فرشتے نے مجھے دوبارہ دبوچا جس سے مجھے تکلیف بھی ہوئی پھر چھوڑ دیا اور فرمایا پڑھو' میں نے پھر یہی کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں' اس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑ کر دبایا اور تکلیف پہنچائی پھر چھوڑ دیا اور اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ سے مَا لَمْ يَعْلَمْ تک پڑھا' آپ ان آیتوں کو لئے ہوئے کانپتے ہوئے حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا مجھے کپڑا اڑھادو' چنانچہ کپڑا اوڑھادیا' یہاں تک کہ ڈر خوف جاتا رہا تو آپ نے حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کیا اور فرمایا مجھے اپنی جان جانے کا خوف ہے-

حضرت خدیجہؓ نے کہا حضورؐ آپ خوش ہو جائیے' اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا' آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' سچی باتیں کرتے ہیں' دوسروں کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق پر دوسروں کی مدد کرتے ہیں- پھر حضرت خدیجہؓ آپؐ کو لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے پاس آئیں' جاہلیت کے زمانہ میں یہ نصرانی ہو گئے تھے' عربی کتاب لکھتے تھے اور عبرانی میں انجیل لکھتے تھے' بہت بڑی عمر کے انتہائی بوڑھے تھے' آنکھیں جا چکی تھیں' حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا کہ اپنے بھتیجے کا واقعہ سنئے' ورقہ نے پوچھا بھتیجے آپ نے کیا دیکھا؟ رسول اللہ ﷺ نے سارا واقعہ کہہ سنایا' ورقہ نے سنتے ہی کہا کہ یہی وہ راز داں فرشتہ ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے پاس بھی اللہ کا بھیجا ہوا آیا کرتا تھا' کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا' کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جبکہ آپ کو آپ کی قوم نکال دے گی- رسول اللہ ﷺ نے تعجب سے سوال کیا کہ کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں ایک آپ کیا؟ جتنے بھی لوگ آپ کی طرح نبوت سے سرفراز ہو کر آئے ان سب سے دشمنیاں کی گئیں' اگر وہ وقت میری زندگی میں آ گیا تو میں آپ کی پوری پوری مدد کروں گا- لیکن اس واقعہ کے بعد ورقہ بہت کم زندہ رہے' ادھر وحی بھی رک گئی اور اس کے رکنے کا حضورؐ کو بڑا قلق تھا' کئی مرتبہ آپ نے پہاڑ کی چوٹی پر سے اپنے تئیں گرا دینا چاہا لیکن ہر وقت حضرت جبرئیلؑ آ جاتے اور فرما دیتے کہ اے محمد آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں (ﷺ) اس سے آپ کا قلق اور رنج وغم جاتا رہتا اور دل میں قدرے اطمینان پیدا ہو جاتا اور آرام سے گھر واپس آ جاتے (مسند احمد)

یہ حدیث صحیح بخاری شریف' صحیح مسلم شریف میں بھی بروایت زہری مروی ہے' اس کی سند میں' اس کے متن میں' اس کے معانی میں جو کچھ بیان کرنا چاہئے تھا وہ ہم نے ہماری شرح بخاری میں پورے طور پر بیان کر دیا ہے' اگر جی چاہے وہیں دیکھ لیا جائے والحمدللہ- پس قرآن کریم کی باعتبار نزول کے سب سے پہلی آیتیں یہی ہیں' یہی پہلی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام کی اور یہی وہ پہلی رحمت ہے جو اس ارحم الراحمین نے اپنے رحم وکرم سے ہمیں دی- اس میں تنبیہ ہے انسان کی اول پیدائش پر کہ وہ ایک جمے ہوئے خون کی شکل میں تھا'

اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ احسان کیا اسے اچھی صورت میں پیدا کیا اس پر علم جیسی اپنی خاص نعمت اسے مرحمت فرمائی اور وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا' علم ہی کی برکت تھی کہ کل انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں میں بھی ممتاز نظر آئے ۔علم کبھی تو ذہن میں ہی ہوتا ہے اور کبھی زبان پر ہوتا ہے اور کبھی کتابی صورت میں لکھا ہوا ہوتا ہے پس علم کی تین قسمیں ہوئیں' ذہنی' لفظی اور رسمی' اور رسمی علم ذہنی اور لفظی کو مستلزم ہے لیکن وہ دونوں اسے مستلزم نہیں' اسی لئے فرمایا کہ پڑھ تیرا رب تو بڑے اکرام والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور آدمی کو جو وہ نہیں جانتا تھا معلوم کرا دیا ایک اثر میں وارد ہے کہ علم کو لکھ لیا کرو' اور اسی اثر میں ہے جو شخص اپنے علم پر عمل کرے اسے اللہ تعالیٰ اس علم کا بھی وارث کر دیتا ہے جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ﴿٦﴾ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰٓ ﴿٧﴾ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰٓ ﴿٨﴾ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ﴿٩﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰٓ ﴿١٠﴾ أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰٓ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰٓ ﴿١٢﴾

سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے ○ اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو بے پرواہ سمجھتا ہے ○ یقیناً تیرا لوٹنا اللہ کی طرف ہے ○ بھلا اسے بھی تو نے دیکھا؟ جو روکتا ہے ○ بندے کو جب وہ نماز ادا کرے ○ بھلا بتلا تو اگر وہ ہدایت پر ہے ○ یا تقویٰ کی تعلیم دیتا ہو ○

طالب علم اور طالب دنیا: ☆☆ (آیت:۶-۱۲) فرماتا ہے کہ انسان کے پاس جہاں دو پیسے ہوئے' ذرا فارغ البال ہوا کہ اس کے دل میں کبر و غرور' عجب و خود پسندی آئی' اسے ڈرتے رہنا چاہئے اور خیال رکھنا چاہئے کہ اسے ایک دن اللہ کی طرف لوٹنا ہے' وہاں جہاں اور حساب ہوں گے' مال کی بابت بھی سوال ہوگا کہ لایا کہاں سے اور خرچ کہاں کیا؟ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں دو لالچی ایسے ہیں جن کا پیٹ ہی نہیں بھرتا' ایک طالب علم' دوسرا طالب دنیا۔ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔علم کا طالب تو اللہ کی رضامندی کے حاصل کرنے میں بڑھتا رہتا ہے اور دنیا کا لالچی سرکشی اور خود پسندی میں بڑھتا رہتا ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی جس میں دنیا داروں کا ذکر ہے' پھر طالب علموں کی فضیلت کے بیان کی یہ آیت تلاوت کی اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا یہ حدیث مرفوعاً یعنی نبی ﷺ کے فرمان سے بھی مروی ہے کہ دو لالچی ہیں جو شکم پر نہیں ہوتے طالب علم اور طالب دنیا' اس کے بعد کی آیتیں ابو جہل ملعون کے بارے میں نازل ہوئی ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روکتا تھا پس پہلے تو اسے بہترین طریقہ سے سمجھایا گیا کہ جنہیں تو روکتا ہے یہی اگر سیدھی راہ پر ہوں' انہی کی باتیں تقوے کا حکم کرتی ہوں پھر تو انہیں اگر ڈانٹ ڈپٹ کرے اور خانہ اللہ سے روکے تو تیری بدقسمتی کی انتہا ہے یا نہیں؟ کیا یہ روکنے والا جو نہ صرف خود حق کی راہنمائی سے محروم ہے بلکہ راہ حق سے روکنے کے درپے ہے اتنا بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اس کا کلام سن رہا ہے اور اس کے کلام اور کام پر اسے سزا دے گا' اس طرح سمجھا چکنے کے بعد اب ڈرا رہا ہے کہ اگر اس نے اپنی مخالفت' سرکشی اور ایذا دہی نہ چھوڑی تو ہم بھی اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے' جو اقوال میں کاذب اور افعال میں خطا کار ہے' یہ اپنے مددگاروں کو' ہمنشینوں کو' قرابت داروں کو' کنبہ قبیلے کو بلا لے دیکھیں تو کون اس کی مدافعت کر سکتا ہے' ہم بھی اپنے عذاب کے فرشتوں کو بلا لیتے ہیں۔ پھر ہر ایک کو کھل جائے گا کہ کون جیتا اور کون ہارا؟ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں گا تو گردن دبوچوں گا'

حضورؐ کو بھی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر یہ ایسا کرے گا تو اللہ کے فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام مقام ابراہیم کے پاس بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یہ ملعون آیا اور کہنے لگا کہ میں نے تجھے منع کر دیا پھر بھی تو باز نہیں آتا اگر اب میں نے تجھے کعبے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو سخت سزا دوں گا وغیرہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے جواب دیا' اس کی بات کو ٹھکرا دیا اور اچھی طرح ڈانٹ دیا' اس پر وہ کہنے لگا کہ تو مجھے ڈانٹتا ہے اللہ کی قسم میری ایک آواز پر یہ ساری وادی آدمیوں سے بھر جائے گی' اس پر یہ آیت اتری کہ اچھا تو اپنے حامیوں کو بلا' ہم بھی اپنے فرشتوں کو بلا لیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں اگر وہ اپنے کنبے والوں کو پکارتا تو اسی وقت عذاب کے فرشتے اسے لپک لیتے (ملاحظہ ہو ترمذی وغیرہ)

مسند احمد میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابوجہل نے کہا اگر میں رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں نماز پڑھتے دیکھوں گا تو اس کی گردن توڑ دوں گا' آپ نے فرمایا اگر وہ ایسا کرتا تو اسی وقت لوگوں کے دیکھتے ہوئے عذاب کے فرشتے اسے پکڑ لیتے اور اسی طرح جبکہ یہودیوں سے قرآن نے کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو موت مانگو اگر وہ اسے قبول کر لیتے اور موت طلب کرتے تو سارے کے سارے مر جاتے اور جہنم میں اپنی جگہ دیکھ لیتے۔ اور جن نصرانیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اگر یہ مباہلہ کے لئے نکلتے تو لوٹ کر نہ اپنا مال پاتے نہ اپنے بال بچوں کو پاتے' ابن جریر میں ہے کہ ابوجہل نے کہا اگر میں آپ کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتا ہوا دیکھ لوں گا تو جان سے مار ڈالوں گا۔ اس پر یہ سورت اتری۔ حضور علیہ السلام تشریف لے گئے' ابوجہل موجود تھا اور آپ نے وہیں نماز ادا کی تو لوگوں نے اس بدبخت سے کہا کہ کیوں بیٹھا رہا؟ اس نے کہا کیا بتاؤں کون میرے اور اس کے درمیان حائل ہو گئے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر ذرا بھی ہلتا جلتا تو لوگوں کے دیکھتے ہوئے فرشتے اسے ہلاک کر ڈالتے۔ ابن جریر کی اور روایت میں ہے کہ ابوجہل نے پوچھا کہ کیا محمد (ﷺ) تمہارے سامنے سجدہ کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں تو کہنے لگا اللہ کی قسم اگر میرے سامنے اس نے یہ کیا تو اس کی گردن روند دوں گا اور اس کے چہرے کو مٹی میں ملا دوں گا' ادھر اس نے یہ کہا ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بارک علیہ نے نماز شروع کی جب آپ سجدے میں گئے تو یہ آگے بڑھا لیکن ساتھ ہی اپنے ہاتھ سے اپنے تئیں بچاتا ہوا پچھلے پیروں نہایت بدحواسی سے پیچھے ہٹا' لوگوں نے کہا کیا ہے؟ کہنے لگا کہ میرے اور حضور کے درمیان آگ کی خندق ہے اور گھبراہٹ کی خوفناک چیزیں ہیں اور فرشتوں کے پر ہیں وغیرہ' اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اور ذرا قریب آ جاتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو الگ الگ کر دیتے' پس یہ آیتیں كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى سے آخر سورت تک نازل ہوئیں' اللہ ہی کو علم ہے کہ یہ کلام حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے یا نہیں؟

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾

اچھا یہ بھی بتا کہ اگر یہ جھٹلاتا ہو اور منہ پھیرتا ہو ○ کیا یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھ رہا ہے ○ یقیناً اگر یہ باز نہ رہا تو ہم اس کی چوٹی پکڑ کر گھسیٹیں گے چوٹی جو جھوٹی خطا کار ہے ○ یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے ○ ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلا لیں گے ○ خبردار اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا اور سجدے میں اور

قرب الٰہی کی طلب میں لگے رہنا ○

(آیت:۱۳-۱۹) یہ حدیث مسند مسلم نسائی ابن ابی حاتم میں بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اے نبی تم اس مردود کی بات نہ ماننا عبادت پر مداومت کرنا اور بکثرت عبادت کرتے رہنا اور جہاں جی چاہے نماز پڑھتے رہنا اور اس کی مطلق پرواہ نہ کرنا اللہ تعالیٰ خود تیرا حافظ و ناصر ہے وہ تجھے دشمنوں سے محفوظ رکھے گا تو سجدے میں اور قرب اللہ کی طلب میں مشغول رہ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے بہت ہی قریب ہوتا ہے پس تم بہ کثرت سجدوں میں دعائیں کرتے رہو۔ پہلے یہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ حضور ﷺ سورۂ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ میں اور اس سورت میں سجدہ کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سورۂ اقراء کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ کا شکر و احسان ہے۔

تفسیر سورة القدر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾ لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۛ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع

یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا ○ تو کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے؟ ○ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے ○ اس میں ہر کام کے سرانجام دینے کو اللہ کے حکم سے فرشتے اور روح اترتے ہیں ○ یہ رات سراسر سلامتی کی ہے فجر کے طلوع ہونے تک ○

غیر متعلقہ روایات اور بحث: ☆☆ (آیت:۱-۵) مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے اسی کا نام لیلۃ المبارکہ بھی ہے اور جگہ ارشاد ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ یہ رات رمضان المبارک کے مہینے میں ہے جیسے فرمایا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔ ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ پورا قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان اول پر بیت العزت میں اس رات اترا پھر تفصیل وار واقعات کے مطابق بہ تدریج تیئس سال میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر کی شان و شوکت کا اظہار فرماتا ہے کہ اس رات کی ایک زبردست برکت تو یہ ہے کہ قرآن کریم جیسی اعلیٰ نعمت اسی رات اتری تو فرماتا ہے کہ تمہیں کیا خبر لیلۃ القدر کیا ہے؟ پھر خود بتاتا ہے کہ یہ ایک رات ایک ہزار مہینہ سے افضل ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمتہ اللہ علیہ ترمذی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت لائے ہیں کہ یوسف بن سعد نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے جبکہ آپ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی کہا کہ تم نے ایمان والوں کے منہ کالے کر دیئے یا یوں کہا کہ اے مومنوں کے منہ سیاہ کرنے والے تو آپ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحم کرے مجھ پر خفا نہ ہو نبی ﷺ کو دکھلایا گیا کہ گویا آپ کے ممبر پر بنوامیہ ہیں آپ کو یہ برا معلوم ہوا تو اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ نازل ہوئی یعنی جنت کی نہر کوثر آپ کو عطا کئے جانے کی خوش خبری ملی اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ اتری پس ہزار مہینے وہ مراد ہیں جن میں آپ کے بعد بنوامیہ

کی مملکت رہے گی' قاسم کہتے ہیں ہم نے حساب لگایا تو وہ پورے ایک ہزار دن ہوئے نہ ایک دن زیادہ نہ ایک دن کم' امام ترمذی اس روایت کو غریب بتلاتے ہیں اور اس کی سند میں یوسف بن سعد ہیں جو مجہول ہیں اور صرف اسی ایک سند سے یہ مروی ہے۔

مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے' امام ترمذی کا یہ فرمانا کہ یہ یوسف مجہول ہیں اس میں ذرا تذبذب ہے' ان کے بہت سے شاگرد ہیں یحییٰ بن معین کہتے ہیں یہ مشہور ہیں اور ثقہ ہیں اور اس کی سند میں کچھ اضطراب جیسا بھی ہے واللہ اعلم بہرصورت ہے یہ روایت بہت ہی منکر ہمارے شیخ حافظ حجت ابوالحجاج منیری بھی اس روایت کو منکر بتلاتے ہیں (یہ یاد رہے کہ قاسم کا قول جو ترمذی کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم نے حساب لگایا تو بنوامیہ کی سلطنت ٹھیک ایک ہزار دن تک رہی یہ نسخے کی غلطی ہے۔ ایک ہزار مہینے لکھنا چاہیے تھا' میں نے ترمذی شریف میں دیکھا تو وہاں بھی ایک ہزار مہینے ہیں اور آگے بھی یہی آتا ہے مترجم) قاسم بن فضل حدائی کا یہ قول کہ بنوامیہ کی سلطنت کی ٹھیک مدت ایک ہزار مہینے تھی یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مستقل سلطنت سنہ ۴۰ ہجری میں قائم ہوئی جبکہ حضرت امام حسنؓ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور امر خلافت آپ کو سونپ دیا اور سب لوگ بھی حضرت معاویہؓ کی بیعت پر جمع ہو گئے اور اس سال کا نام ہی عام الجماعہ مشہور ہوا۔ پھر شام وغیرہ میں برابر بنوامیہ کی سلطنت قائم رہی' ہاں تقریباً نو سال تک حرمین شریفین اور اہواز اور بعض شہروں پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سلطنت ہو گئی تھی لیکن تاہم اس مدت میں بھی کلیتہً ان کے ہاتھ سے حکومت نہیں گئی۔ البتہ بعض شہروں پر سے حکومت ہٹ گئی تھی ہاں سنہ ۱۳۲ھ میں بنوالعباس نے اس سے خلافت اپنے قبضہ میں کر لی' پس ان کی سلطنت کی مدت بانوے برس ہوئی اور یہ ایک ہزار ماہ سے بہت زیادہ ہے' ایک ہزار مہینے کے تراسی سال چار ماہ ہوتے ہیں' ہاں قاسم بن فضل کا یہ حساب اس طرح تو تقریباً ٹھیک ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن زبیر کی مدت خلافت اس گنتی میں سے نکال دی جائے واللہ اعلم۔

اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک یہ وجہ بھی ہے کہ بنوامیہ کی سلطنت کے زمانہ کی تو برائی اور مذمت بیان کرنی مقصود ہے اور لیلتہ القدر کی اس زمانہ پر فضیلت کا ثابت ہونا کچھ ان کے زمانہ کی مذمت کی دلیل نہیں' لیلتہ القدر تو ہر طرح بندگی والی ہے ہی اور یہ پوری سورت اس مبارک رات کی مدح و ستائش بیان کر رہی ہے' پس بنوامیہ کے زمانہ کے دنوں کی مذمت سے لیلتہ القدر کی کون سی فضیلت ثابت ہو جائے گی یہ تو بالکل وہی مثل اصل ہو جائے گی کہ کوئی شخص تلوار کی تعریف کرتے ہوئے کہے کہ لکڑی سے بہت تیز ہے' کسی بہترین فضیلت والے شخص کو کسی کم درجہ کے ذلیل شخص پر فضیلت دینا تو اس شریف بزرگ کی توہین کرنا ہے' اور وجہ سنئے اس روایت کی بنا پر یہ ایک ہزار مہینے وہ ہوئے جن میں بنوامیہ کی سلطنت رہے گی اور یہ سورت اتری ہے' مکہ شریف میں تو اس میں ان مہینوں کا حوالہ کیسے دیا جا سکتا ہے جو بنوامیہ کے زمانہ کے ہیں' اس پر نہ تو کوئی لفظ دلالت کرتا ہے نہ معنی کے طور پر یہ سمجھا جا سکتا ہے' ممبر تو مدینہ میں قائم ہوتا ہے اور ہجرت کی ایک مدت بعد ممبر بنایا جاتا ہے اور رکھا جاتا ہے پس ان تمام وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ضعیف اور منکر ہے واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا جو ایک ہزار ماہ تک اللہ کی راہ میں یعنی جہاد میں ہتھیار بند رہا' مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب معلوم ہوا تو اللہ عزوجل نے یہ سورت اتاری کہ ایک لیلتہ القدر کی عبادت اس شخص کی ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو رات کو قیام کرتا تھا' صبح تک اور دن میں دشمنان دین سے جہاد کرتا تھا شام تک' ایک ہزار مہینے تک یہی کرتا رہا' پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی کہ اس امت کے کسی شخص کا صرف لیلتہ القدر کا قیام اس عابد کی ایک ہزار مہینے کی اس عبادت سے افضل ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے چار عابدوں کا

ذکر کیا جنہوں نے اسی سال تک خدا تعالیٰ کی عبادت کی تھی ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی خدا کی نافرمانی نہیں کی تھی' حضرت ایوب' حضرت ذکریا' حضرت خرقیل بن عجوز' حضرت یوشع بن نون علیہم السلام- اصحاب رسول ﷺ کو سخت تر تعجب ہوا' آپ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اے محمد ﷺ آپ کی امت نے اس جماعت کی اس عبادت پر تعجب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی افضل چیز آپ پر نازل فرمائی اور فرمایا کہ یہ افضل ہے اس سے جن پر آپ اور آپ کی امت نے تعجب ظاہر کیا تھا- پس آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ بے حد خوش ہوئے- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس رات کا نیک عمل' اس کا روزہ' اس کی نماز ایک ہزار مہینوں کے روزے بے نماز سے افضل ہے جن میں لیلۃ القدر نہ ہو' اور مفسرین کا بھی یہ قول ہے-

امام ابن جریرؒ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے کہ وہ ایک ہزار مہینے جن میں لیلۃ القدر نہ ہو' یہی ٹھیک ہے اس کے سوا اور کوئی قول ٹھیک نہیں' جیسے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک رات کی جہاد کی تیاری اس کے سوا کی ایک ہزار راتوں سے افضل ہے (مسند احمد) اسی طرح اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اچھی نیت اور اچھی حالت سے جمعہ کی نماز کے لئے جائے اس کے لئے ایک سال کے اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے سال بھر کے روزوں کا اور سال بھر کی نمازوں کا' اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں' پس مطلب یہ ہے کہ مراد ایک ہزار مہینے سے وہ مہینے ہیں جن میں لیلۃ القدر نہ آئے جیسے ایک ہزار راتوں سے مراد راتیں ہیں جن میں کوئی رات اس عبادت کی نہ ہو اور جیسے جمعہ کی طرف جانے والے کو ایک سال کی نیکیاں یعنی وہ سال جس میں جمعہ نہ ہو-

مسند احمد میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رمضان آ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو تم پر رمضان کا مہینہ آ گیا' یہ بابرکت مہینہ آ لگا' اس کے روزے اللہ نے تم پر فرض کئے ہیں' اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں' شیاطین قید کر لئے جاتے ہیں' اس میں ایک رات ہے جو ایک ہزار مہینے سے افضل ہے' اس کی بھلائی سے محروم رہنے والا حقیقی بدقسمت ہے- نسائی شریف میں بھی یہ روایت ہے چونکہ اس رات کی عبادت ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے' اس لئے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لیلۃ القدر کا قیام ایمانداری اور نیک نیتی سے کرے اس کے تمام اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں- پھر فرماتا ہے کہ اس رات کی برکت کی زیادتی کی وجہ سے بکثرت فرشتے اس میں نازل ہوتے ہیں' فرشتے تو ہر برکت اور رحمت کے ساتھ نازل ہوتے رہتے ہیں جیسے تلاوت قرآن کے وقت اترتے ہیں اور ذکر کی مجلسوں کو گھیر لیتے ہیں اور علم دین کے سیکھنے والوں کے لئے راضی خوشی اپنے پر بچھا دیا کرتے ہیں اور اس کی عزت و تکریم کرتے ہیں- روح سے مراد یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں' یہ خاص عطف ہے عام پر' بعض کہتے ہیں روح کے نام کے ایک خاص قسم کے فرشتے ہیں' جیسے کہ سورۂ عَمَّ يَتَسَآءَ لُوْنَ کی تفسیر میں تفصیل سے گذر چکا واللہ اعلم- پھر فرمایا وہ سراسر سلامتی والی رات ہے جس میں شیطان نہ تو برائی کر سکتا ہے نہ ایذا پہنچا سکتا ہے- حضرت قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں اس میں تمام کاموں کا فیصلہ کیا جاتا ہے' عمر اور رزق مقدر کیا جاتا ہے' جیسے اور جگہ ہے فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيمٍ یعنی اسی رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے- حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ اس رات میں فرشتے مسجد والوں پر صبح تک سلام بھیجتے رہتے ہیں- امام بیہقی نے اپنی کتاب فضائل اوقات میں حضرت علی کا ایک غریب اثر فرشتوں کے نازل ہونے میں نمازیوں پر ان کے گذرنے میں اور انہیں برکت حاصل ہونے میں وارد کیا ہے- ابن ابی حاتم میں حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک عجیب و غریب بہت طول طویل اثر وارد کیا ہے جس میں فرشتوں کا سدرۃ المنتہیٰ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ زمین پر آنا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعائیں کرنا وارد ہے- ابوداؤد طیالسیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لیلۃ القدر ستائیسویں ہے یا انتیسویں' اس رات میں فرشتے

زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے بھی زیادہ ہوتے ہیں- عبدالرحمٰن بن ابو یعلیٰ فرماتے ہیں اس رات میں ہر امر سے سلامتی ہے یعنی کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوتی-

حضرت قتادہؒ اور حضرت ابن زیدؒ کا قول ہے کہ یہ رات سراسر سلامتی والی ہے' کوئی برائی صبح ہونے تک نہیں ہوتی- مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لیلتہ القدر س باقی کی راتوں میں ہے جو ان کا قیام طلب ثواب کی نیت سے کرے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے' یہ رات اکائی کی ہے یعنی اکیسویں یا تئیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا آخری رات' آپ فرماتے ہیں یہ رات بالکل صاف اور ایسی روشن ہوتی ہے کہ گویا چاند چڑھا ہوا ہے' اس میں سکون اور دلجمعی ہوتی ہے' نہ سردی زیادہ ہوتی ہے نہ گرمی' صبح تک ستارے نہیں جھڑتے' ایک نشانی اس کی یہ بھی ہے کہ اس کی صبح کو سورج تیز شعاروں سے نہیں نکلتا بلکہ وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح صاف نکلتا ہے' اس دن اس کے ساتھ شیطان بھی نہیں نکلتا' یہ اسناد تو صحیح ہے لیکن متن میں غرابت ہے اور بعض الفاظ میں نکارت بھی ہے- ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لیلتہ القدر صاف' پرسکون' سردی گرمی سے خالی رات ہے' اس کی صبح کو سورج مدھم روشنی والا سرخ رنگ نکلتا ہے- حضرت ابو عاصم نبیل اپنی اسناد سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا لیلتہ القدر دکھلایا گیا پھر بھلا دیا گیا' یہ آخری دس راتوں میں ہے یہ صاف شفاف سکون و وقار والی رات ہے نہ زیادہ سردی ہوتی ہے نہ زیادہ گرمی' اس قدر روشن رات ہوتی ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے گویا چاند چڑھا ہوا ہے سورج کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا یہاں تک کہ دھوپ چڑھ جائے-

فصل: ☆☆ اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ لیلتہ القدر اگلی امتوں میں بھی تھی یا صرف اسی امت کو خصوصیت کے ساتھ عطا کی گئی ہے' پس ایک حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب نظریں ڈالیں اور یہ معلوم کیا کہ اگلے لوگوں کی عمریں بہت زیادہ ہوتی تھیں تو آپ کو خیال گذرا کہ میری امت کی عمریں ان کے مقابلہ میں کم ہیں تو نیکیاں بھی کم رہیں گی اور پھر درجات اور ثواب میں بھی کمی رہے گی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ رات عنایت فرمائی اور اس کا ثواب ایک ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ دینے کا وعدہ فرمایا' اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف اسی امت کو یہ رات دی گئی ہے بلکہ صاحب عدق نے جو شافعیہ میں سے ایک امام ہیں جمہور علماء کا یہی قول نقل کیا ہے- واللہ اعلم-

اور خطابی نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے لیکن ایک حدیث اور ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات جس طرح اس امت میں ہے اگلی امتوں میں بھی تھی- چنانچہ حضرت مرثد فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے لیلتہ القدر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کیا سوال کیا تھا؟ آپ نے فرمایا سنو میں حضورؐ سے اکثر باتیں دریافت کرتا رہتا تھا' ایک مرتبہ میں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو فرمایئے کہ لیلتہ القدر رمضان میں ہی ہے یا اور مہینوں میں؟ آپ نے فرمایا رمضان میں- میں نے کہا اچھا یا رسول اللہ یہ انبیاء کے ساتھ ہی ہے کہ جب تک وہ ہیں یہ بھی ہے جب انبیاء قبض کئے جاتے ہیں تو یہ بھی اٹھ جاتی ہیں یا یہ قیامت تک باقی رہے گی؟ حضور نے جواب دیا کہ نہیں وہ قیامت تک باقی رہے گی' میں نے کہا اچھا رمضان کے کس حصہ میں ہے؟ آپ نے فرمایا اسے رمضان کے اول دہے میں اور آخری دہے میں ڈھونڈ- پھر میں خاموش ہو گیا آپ بھی اور باتوں میں مشغول ہو گئے میں نے پھر موقعہ پا کر سوال کیا کہ حضورؐ ان دونوں عشروں میں سے کس عشرے میں اس رات کو تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا آخری عشرے میں' بس اب کچھ نہ پوچھنا' میں پھر چپکا ہو گیا لیکن پھر موقعہ پا کر میں نے سوال کیا کہ حضورؐ آپ کو قسم ہے میرا بھی کچھ حق آپ پر ہے فرما دیجئے کہ وہ کون سی رات ہے؟ آپ سخت غصے ہوئے' میں نے تو کبھی آپ کو اپنے اوپر اتنا غصہ ہوتے ہوئے دیکھا ہی نہیں اور فرمایا آخری ہفتہ میں تلاش کر اب کچھ نہ پوچھ- یہ روایت نسائی میں بھی مروی ہے'

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رات اگلی امتوں میں بھی تھی اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ رات نبی ﷺ کے بعد بھی قیامت تک ہر سال آتی رہے گی' بعض شیعہ کا قول ہے کہ یہ رات بالکل اٹھ گئی یہ قول غلط ہے' ان کو غلط فہمی اس حدیث سے ہوئی ہے جس میں ہے کہ وہ اٹھا لی گئی اور ممکن ہے کہ تمہارے لئے اسی میں بہتری ہو' یہ حدیث پوری بھی آئے گی۔

مطلب حضور کے اس فرمان سے یہ ہے کہ اس رات کی تعیین اور اس کا تقرر اٹھ گیا نہ یہ کہ سرے سے لیلتہ القدر ہی اٹھ گئی مندرجہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رات رمضان شریف میں آتی ہے کسی اور مہینہ میں نہیں۔ حضرت ابن مسعود اور علماء کوفہ کا قول ہے کہ سارے سال میں ایک رات ہے اور ڈ ہر مہینہ میں اس کا ہو جانا ممکن ہے' یہ حدیث اس کے خلاف ہے۔ سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ اس شخص کی دلیل جو کہتا ہے لیلتہ القدر سارے رمضان میں ہے' پھر حدیث لائے ہیں کہ حضورؐ سے لیلتہ القدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سارے رمضان میں ہے' اس کی سند کے کل راوی ثقہ ہیں' یہ موقوف بھی مروی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے کہ رمضان المبارک کے سارے مہینہ میں اس رات کا ہونا ممکن ہے' غزالی نے اس کو نقل کیا ہے لیکن رافعی اسے بالکل غریب بتلاتے ہیں۔

فصل: ☆☆ ابوزرین تو فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی رات ہی لیلتہ القدر ہے۔ امام شافعی محمد بن ادریسؒ کا فرمان ہے کہ یہ سترھویں شب ہے' ابوداؤد میں اس مضمون کی ایک حدیث مرفوع مروی ہے اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ اور حضرت عثمان بن العاص سے موقوف بھی مروی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کا مذہب بھی یہی نقل کیا گیا ہے' اس کی ایک دلیل یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ رمضان المبارک کی یہی سترھویں رات شب جمعہ تھی اور یہی رات بدر کی رات تھی اور سترھویں تاریخ کو جنگ بدر واقع ہوئی تھی جس دن کو قرآن نے یوم الفرقان کہا ہے' حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ انیسویں رات لیلتہ القدر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اکیسویں رات ہے۔

حضرت ابوسعید خدری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان شریف کے دس پہلے دن کا اعتکاف کیا' ہم بھی آپ کے ساتھ ہی اعتکاف بیٹھے پھر آپ کے پاس حضرت جبرئیل آئے اور فرمایا کہ جسے آپ ڈھونڈتے ہیں وہ تو آپ کے آگے ہے' پھر آپ نے دس سے بیس تک کا اعتکاف کیا اور ہم نے بھی' پھر جبرئیلؑ آئے اور یہی فرمایا کہ جسے آپ ڈھونڈتے ہیں وہ تو ابھی بھی آگے ہے' یعنی لیلتہ القدر پس رمضان کی بیسویں تاریخ کی صبح کو نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا اور فرمایا کہ میرے ساتھ اعتکاف کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ پھر اعتکاف میں بیٹھ جائیں میں نے لیلتہ القدر دیکھ لی لیکن میں بھول گیا۔ لیلتہ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے' میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت صرف کھجور کے پتوں کی تھی' آسمان پر اس وقت ابر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہ تھا' پھر ابر اٹھا اور بارش ہوئی اور نبی ﷺ کا خواب سچا ہوا اور میں نے خود دیکھا کہ نماز کے بعد آپ کی پیشانی پر تر مٹی لگی ہوئی تھی۔ اسی روایت کے ایک طریق میں ہے کہ یہ اکیسویں رات کا واقعہ ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری' صحیح مسلم دونوں میں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں تمام روایتوں میں سب سے زیادہ صحیح یہی حدیث ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ لیلتہ القدر رمضان شریف کی تیئیسویں رات ہے' اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن انیسؓ کی صحیح مسلم والی ایسی ہی ایک روایت ہے واللہ اعلم۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ چوبیسویں رات ہے' ابوداؤد طیالسی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لیلتہ القدر چوبیسویں شب ہے' اس کی سند بھی صحیح ہے' مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں جو ضعیف ہیں۔ بخاری میں حضرت بلال کہ یہ پہلی ساتویں ہے آخری دس میں سے' یہ موقوف روایت ہی صحیح ہے واللہ اعلم۔ حضرت ابن مسعود' ابن عباس' جابر' حسن' قتادہ' عبداللہ بن وہب

رحمہم اللہ عنہم بھی فرماتے ہیں کہ چوبیسویں رات لیلتہ القدر ہے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت کی ہوئی مرفوع حدیث بیان ہو چکی ہے کہ قرآن کریم رمضان شریف کی چوبیسویں رات کو اترا' بعض کہتے ہیں پچیسویں رات لیلتہ القدر ہے' ان کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اسے رمضان کے آخری عشرے میں ڈھونڈو نو باقی رہیں تب' سات باقی رہیں تب' پانچ باقی رہیں تب اکثر محدثین نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے مراد طاق راتیں ہیں' یہی زیادہ ظاہر ہے اور زیادہ مشہور ہے' گو بعض اوروں نے اسے جفت راتوں پر بھی محمول کیا ہے جیسے کہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ابوسعیدؓ نے اسے جفت پر محمول کیا ہے واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ستائیسویں رات ہے' اس کی دلیل صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہ ستائیسویں رات ہے۔

مسند احمد میں ہے حضرت زرؓ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو فرماتے ہیں جو شخص سال بھر راتوں کو قیام کرے گا وہ لیلتہ القدر کو پائے گا' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے وہ جانتے ہیں کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے' یہ ستائیسویں رات رمضان کی ہے پھر اس بات پر حضرت ابی نے قسم کھائی۔ میں نے پوچھا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیا کہ ان نشانیوں کو دیکھنے سے جو ہم بتائے گئے ہیں کہ اس دن سورج شعاؤں بغیر نکلتا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے' آپ نے اس پر انشاء اللہ بھی نہیں فرمایا اور پختہ قسم کھائی' پھر فرمایا مجھے خوب معلوم ہے کہ وہ کون سی رات ہے جس میں قیام کرنے کا رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے' یہ ستائیسویں رات ہے' اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی صبح کو سورج سفید رنگ نکلتا ہے اور تیزی زیادہ نہیں ہوتی حضرت معاویہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ رات ستائیسویں رات ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا مختار مسلک بھی یہی ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت اسی قول کی ہے۔

بعض سلف نے قرآن کریم کے الفاظ سے بھی اس کے ثبوت کا حوالہ دیا ہے اس طرح کہ ھی اس سورت میں ستائیسواں کلمہ ہے اور اس کے معنی ہیں یہ فاللہ اعلم' طبرانی میں ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصحاب رسول ﷺ کو جمع کیا اور ان سے لیلتہ القدر کی بابت سوال کیا تو سب کا اجماع اس امر پر ہوا کہ یہ رمضان کے آخری دہے میں ہے' ابن عباسؓ نے اس وقت فرمایا کہ میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کون سی رات ہے' حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر کہو وہ کون سی رات ہے؟ فرمایا اس آخری عشرے میں سات گزرنے پر یا سات باقی رہنے پر' حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کیسے معلوم ہوا تو جواب دیا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے آسمان بھی سات پیدا کئے اور زمینیں بھی سات بنائیں' مہینہ بھی ہفتوں پر ہے' انسان کی پیدائش بھی سات پر ہے' کھانا بھی سات ہے سجدہ بھی سات پر ہے' طواف بیت اللہ کی تعداد بھی سات کی ہے' رمی جمار کی کنکریاں بھی سات ہیں اور اسی طرح کی سات کی گنتی کی بہت سی چیزیں اور بھی گنوادیں' حضرت فاروق اعظم نے فرمایا تمہاری سمجھ وہاں پہنچی جہاں تک ہمارے خیالات کو رسائی نہ ہو سکی' یہ جو فرمایا سات ہی کھاتا ہے اس سے قرآن کریم کی آیتیں فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا حَبًّا وَّعِنَبًا مراد ہیں جن میں سات چیزوں کا ذکر ہے جو کھائی جاتی ہیں' اس کی اسناد بھی جید اور قوی ہے کہ انتیسویں رات ہی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اسے آخری عشرے میں ڈھونڈو' طاق راتوں میں اکیس' تیئس' پچیس' ستائیس اور انتیس یا آخری رات۔ مسند میں ہے کہ لیلتہ القدر ستائیسویں رات ہے یا انتیسویں۔ اس رات فرشتے زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے بھی زیادہ

ہوتے ہیں' اس کی اسناد بھی اچھی ہے' ایک قول یہ بھی ہے کہ آخری رات لیلتہ القدر ہے کیونکہ ابھی جو حدیث گذری اس میں ہے اور ترمذی اور نسائی میں بھی ہے کہ جب نو باقی رہ جائیں یا سات یا پانچ یا تین یا آخری رات یعنی ان راتوں میں لیلتہ القدر کی تلاش کرو' امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں- مسند میں ہے یہ آخری رات ہے-

فصل: ☆☆ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان مختلف حدیثوں میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ یہ سوالوں کا جواب ہے کسی نے کہا حضرت ہم اسے فلاں رات میں تلاش کریں' تو آپ نے فرمادیا ہاں حقیقت یہ ہے کہ لیلتہ القدر مقرر ہے اور اس میں تبدیلی نہیں ہوتی' امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کا اسی معنی کا قول نقل کیا ہے- ابو قلابہؒ فرماتے ہیں کہ آخری عشرے کی راتوں میں یہ پھیر بدل ہوا کرتی ہے امام مالکؒ امام ثوریؒ امام احمد بن حنبلؒ امام اسحاق بن راہویہؒ ابوثور مزنیؒ' ابوبکر بن خزیمہ وغیرہ نے بھی یہی فرمایا ہے' امام شافعی سے بھی قاضی نے یہی نقل کیا ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے واللہ اعلم- اس قول کی تھوڑی بہت تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ چند اصحاب رسول ﷺ خواب میں لیلتہ القدر رمضان کی سات پچھلی راتوں میں دکھائے گئے آپ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب اس بارے میں موافق ہیں' ہر طلب کرنے والے کو چاہئے کہ لیلتہ القدر کو ان سات آخری راتوں میں تلاش کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی بخاری مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کی جستجو کرو- امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے اس فرمان پر کہ لیلتہ القدر ہر رمضان میں ایک معین رات ہے اور اس کا ہیر پھیر نہیں ہوتا' یہ حدیث دلیل بن سکتی ہے جو صحیح بخاری میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں لیلتہ القدر کی خبر دینے کے لئے کہ فلاں رات لیلتہ القدر ہے نکلے' دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں لیلتہ القدر کی خبر دینے کے لئے آیا تھا لیکن فلاں فلاں کی لڑائی کی وجہ سے وہ اٹھالی گئی اور ممکن ہے کہ اسی میں تمہاری بہتری ہو' اب اسے نویں ساتویں اور پانچویں میں ڈھونڈو' وجہ دلالت یہ ہے کہ اگر اس کا تعین ہمیشہ کے لئے نہ ہوتا تو ہر سال کی لیلتہ القدر کا علم حاصل نہ ہوتا' اگر لیلتہ القدر کا ہیر پھیر ہوتا رہتا تو صرف اس سال کے لئے تو معلوم ہو جاتا۔

کہ فلاں رات ہے لیکن اور برسوں کے لئے تعین نہ ہوتی - ہاں یہ ایک جواب اس کا ہوسکتا ہے کہ آپ صرف اسی سال کی اس مبارک رات کی خبر دینے کے لئے تشریف لائے تھے- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑائی جھگڑا خیر و برکت اور نفع دینے والے علم کو غارت کر دیتا ہے- ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ بندہ اپنے گناہ کے باعث خدا کی روزی سے محروم رکھ دیا جاتا ہے' یہ یاد رہے کہ اس حدیث میں جو آپ نے فرمایا کہ وہ اٹھالی گئی اس سے مراد اس کی تعیین کے علم کا اٹھا لیا جانا ہے نہ یہ کہ بالکل لیلتہ القدر ہی دنیا سے اٹھالی گئی' جیسے کہ جاہل شیعہ کا قول ہے' اس پر بڑی دلیل یہ ہے کہ اس لفظ کے بعد ہی یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اسے نویں ساتویں اور پانچویں میں ڈھونڈو' آپ کا یہ فرمان کہ ممکن ہے اسی میں تمہاری بہتری ہو یعنی اس کی مقرر تعیین کا علم نہ ہونے میں' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ مبہم ہے تو اس کا ڈھونڈنے والا جن جن راتوں میں اس کا ہونا ممکن دیکھے گا ان تمام راتوں میں کوشش و خلوص کے ساتھ عبادت میں لگا رہے گا بخلاف اس کے کہ معلوم ہو جائے کہ فلاں رات ہی ہے تو وہ صرف اسی ایک رات کی عبادت کرے گا' کیونکہ ہمتیں پست ہیں' اس لئے حکمت حکیم کا تقاضا یہی ہوا کہ اس رات کی تعیین کی خبر نہ دی جائے تا کہ اس رات کے پالینے کے شوق میں اس مبارک مہینہ میں جی لگا کر اور دل کھول کر بندے اپنے معبود برحق کی بندگی کریں اور آخری عشرے میں تو پوری کوشش اور خلوص کے ساتھ عبادتوں میں مشغول رہیں- اسی لئے خود پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی اپنے انتقال تک رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے رہے اور آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا-

یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا کرتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آخری دس راتیں رمضان شریف کی رہ جاتیں تو اللہ کے رسول ﷺ ساری رات جاگتے اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور کمر کس لیتے (صحیحین)

مسلم شریف میں ہے کہ حضورؐ ان دنوں میں جس محنت کے ساتھ عبادت کرتے اتنی محنت سے عبادت آپ کی اور وقت نہیں ہوتی تھی' یہی معنی ہیں اوپر والی حدیث کے اس جملے کے کہ آپ تہبند مضبوط باندھ لیا کرتے یعنی کمر کس لیا کرتے' یعنی عبادت میں پوری کوشش کرتے' گو اس کے یہ معنی کئے گئے ہیں کہ آپ بیویوں سے نہ ملتے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی باتیں مراد ہوں یعنی بیویوں سے ملنا بھی ترک کر دیتے تھے اور عبادت کی مشغولی میں بھی کمر باندھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ مسند احمد کی حدیث کے یہ لفظ ہیں کہ جب رمضان کا آخری دہا باقی رہ جاتا تو آپ تہبند مضبوط باندھ لیتے اور عورتوں سے الگ رہتے' امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رمضان کی آخری دسوں راتوں میں لیلتہ القدر کی یکساں جستجو کرے' کسی ایک رات کو دوسری رات پر ترجیح نہ دے (شرح رافعیؒ)۔ یہ بھی یاد رہے کہ یوں تو ہر وقت دعا کی کثرت مستحب ہے لیکن رمضان میں اور زیادتی کرے اور خصوصاً آخری عشرے میں اور بالخصوص طاق راتوں میں اس دعا کو بہ کثرت پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ خدا تو درگذر کرنے والا اور درگذر کو پسند فرمانے والا ہے مجھ سے بھی درگذر فرما۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضورؐ سے پوچھا کہ اگر مجھے لیلتہ القدر سے موافقت ہو تو میں کیا دعا پڑھوں؟ آپ نے یہی دعا بتلائی۔ یہ حدیث ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے' امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ مستدرک حاکم میں بھی یہ مروی ہے اور امام حاکم اسے شرط صحیحین پر صحیح بتلاتے ہیں' ایک عجیب وغریب اثر جس کا تعلق لیلتہ القدر سے ہے۔

امام ابو محمد بن ابو حاتم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس سورت کی تفسیر میں حضرت کعب سے یہ روایت وارد کی ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جو ساتویں آسمان کی حد پر جنت سے متصل ہے جو دنیا اور آخرت کے فاصلہ پر ہے' اس کی بلندی جنت میں ہے' اس کی شاخیں اور ڈالیاں کرسی تلے ہیں' اس میں اس قدر فرشتے ہیں جن کی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا' اس کی ہر ہر شاخ پر بیشمار فرشتے ہیں' ایک بال برابر بھی جگہ ایسی نہیں جو فرشتوں سے خالی ہو' اس درخت کے بیچوں بیچ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مقام ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل کو آواز دی جاتی ہے کہ اے جبرئیل لیلتہ القدر میں اس درخت کے تمام فرشتوں کو لے کر زمین پر جاؤ' یہ کل کے کل فرشتے رافت ورحمت والے ہیں' جن کے دلوں میں ہر ہر مومن کے لئے رحم کے جذبات موج زن ہیں' سورج غروب ہوتے ہی یہ کل کے کل فرشتے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ لیلتہ القدر میں اترتے ہیں' تمام روئے زمین پر پھیل جاتے ہیں' ہر ہر جگہ سجدے میں قیام میں مشغول ہو جاتے ہیں اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں' ہاں گرجا گھر میں' مندر میں' آتش کدے میں' بت خانے میں غرض خدا کے سوا اوروں کی جہاں پرستش ہوتی ہے وہاں تو یہ فرشتے نہیں جاتے اور ان جگہوں میں بھی جن میں تم گندی چیزیں ڈالتے ہو اور اس گھر میں بھی جہاں نشے والا شخص ہو یا نشہ والی چیز ہو یا جس گھر میں کوئی بت گڑا ہوا ہو یا جس گھر میں باجے گاجے گھنٹیاں ہوں یا ہیولے ہو یا کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ ہو وہاں تو یہ رحمت کے فرشتے جاتے نہیں' باقی چپے چپے پر گھوم جاتے ہیں اور ساری رات مومن مردوں عورتوں کے لئے دعائیں مانگنے میں گذارتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام مومنوں سے مصافحہ کرتے ہیں' اس کی نشانی یہ ہے کہ رونگھٹے جسم پر کھڑے ہو جائیں' دل نرم پڑ جائے' آنکھیں بہہ نکلیں اس وقت آدمی کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت میرا ہاتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں جو شخص اس رات میں تین مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھے اس کی پہلی مرتبہ کے پڑھنے پر گناہوں کی بخشش ہو جاتی

ہے' دوسری مرتبہ کے کہنے پر آگ سے نجات مل جاتی ہے' تیسری مرتبہ کے کہنے پر جنت میں داخل ہو جاتا ہے- راوی نے پوچھا کہ اے ابواسحاق جو اس کلمہ کو سچائی سے کہے اس کے؟ فرمایا یہ تو نکلے گا ہی اس کے منہ سے جو سچائی سے اس کا کہنے والا ہو' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ لیلتہ القدر کافر و منافق پر تو اتنی بھاری پڑتی ہے کہ گویا اس کی پیٹھ پر پہاڑ آ پڑا- غرض فجر ہونے تک فرشتے اسی طرح رہتے ہیں' پھر سب سے پہلے حضرت جبرئیلؑ چڑھتے ہیں اور بہت اونچے چڑھ کر اپنے پروں کو پھیلا دیتے ہیں بالخصوص ان دو سبز پروں کو جنہیں اس رات کے سوا وہ کبھی نہیں پھیلاتے' یہی وجہ ہے کہ سورج کی تیزی ماند پڑ جاتی ہے اور شعائیں جاتی رہتی ہیں' پھر ایک ایک فرشتے کو پکارتے ہیں اور سب کے سب اوپر چڑھتے ہیں' پس فرشتوں کا نور اور جبرئیل علیہ السلام کے پروں کا نور مل کر سورج کو ماند کر دیتا ہے' اس دن سورج متحیر رہ جاتا ہے' حضرت جبرئیل اور یہ سارے کے سارے بیشمار فرشتے یہ دن آسمان و زمین کے درمیان مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے رحمت کی دعائیں مانگنے میں اور ان کے گناہوں کی بخشش طلب کرنے میں گذار دیتے ہیں نیک نیتی کے ساتھ روزے رکھنے والوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے بھی جن کا یہ خیال رہا کہ اگلے سال بھی اگر خدا نے زندگی رکھی تو رمضان کے روزے عمدگی کے ساتھ پورے کریں گے' یہی دعائیں مانگتے رہتے ہیں' شام کو آسمان دنیا پر چڑھ جاتے ہیں وہاں کے تمام فرشتے حلقے باندھ باندھ کر ان کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور ایک ایک مرد اور ایک ایک عورت کے بارے میں ان سے سوال کرتے ہیں اور یہ جواب دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کو امسال تم نے کس حالت میں پایا' تو یہ کہتے ہیں کہ گذشتہ سال تو ہم نے اسے عبادتوں میں پایا تھا لیکن اس سال تو وہ بدعتوں میں مبتلا تھا اور فلاں شخص گذشتہ سال بدعتوں میں مبتلا تھا لیکن اس سال ہم نے اسے سنت کے مطابق عبادتوں میں پایا' پس یہ فرشتے اس سے پہلے شخص کے لئے بخشش کی دعائیں مانگنی موقوف کر دیتے ہیں اور اس دوسرے شخص کے لئے شروع کر دیتے ہیں اور یہ فرشتے انہیں سناتے ہیں کہ فلاں فلاں کو ہم نے ذکر اللہ میں پایا اور فلاں کو رکوع میں اور فلاں کو سجدے میں اور فلاں کو کتاب اللہ کی تلاوت میں' غرض ایک رات دن یہاں گذار کر دوسرے آسمان پر جاتے ہیں' یہاں بھی یہی ہوتا ہے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہی میں اپنی اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں- اس وقت سدرۃ المنتہی ان سے پوچھتا ہے کہ مجھ میں بسنے والو میرا بھی تم پر حق ہے' میں بھی ان سے محبت رکھتا ہوں جو خدا سے محبت رکھیں ذرا مجھے بھی تو لوگوں کی حالت کی خبر دو اور ان کے نام بتاؤ-

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اب فرشتے اس کے سامنے گنتی کر کے اور ایک ایک مرد و عورت کا مع ولدیت کے نام بتلاتے ہیں پھر جنت سدرۃ المنتہی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتی ہے کہ تجھ میں رہنے والے فرشتوں نے جو خبریں تجھے دی ہیں مجھ سے بھی تو بیان کر' چنانچہ سدرہ اس سے ذکر کرتا ہے یہ سن کر وہ کہتی ہے خدا کی رحمت ہو فلاں مرد پر اور فلاں عورت پر' خدایا تمہیں جلدی مجھ سے ملا- جبرئیل علیہ السلام سب سے پہلے اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں انہیں الہام ہوتا ہے اور یہ عرض کرتے ہیں پروردگار میں نے تیرے فلاں فلاں بندوں کو سجدے میں پایا تو انہیں بخش' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے انہیں بخشا' حضرت جبرئیل علیہ السلام اسے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کو سناتے ہیں' پھر سب کہتے ہیں فلاں فلاں مرد و عورت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوئی اور مغفرت ہوئی' پھر حضرت جبرئیل خبر دیتے ہیں کہ باری تعالیٰ فلاں شخص کو گذشتہ سال تو عامل سنت اور عابد چھوڑا تھا لیکن امسال تو بدعتوں میں پڑ گیا ہے اور تیرے احکام سے روگردانی کر لی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے جبرئیل اگر یہ مرنے سے تین ساعت پہلے بھی توبہ کر لے گا تو میں اسے بخش دوں گا اس وقت حضرت جبرئیل بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں خدایا تیرے ہی لئے سب تعریفیں سزاوار ہیں' الٰہی تو اپنی مخلوق پر سب سے زیادہ مہربان ہے' بندوں پر تیری مہربانی خود ان کی مہربانی سے بھی بڑھی ہوئی ہے' اس وقت عرش اور اس کے آس پاس کی چیزیں اور پردے اور تمام آسمان جنبش میں آ جاتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں اَلْحَمْدُ

لِلّٰہِ الرَّحِیۡم - اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ الرَّحِیۡم حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان شریف کے روزے پورے کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ رمضان کے بعد بھی میں گناہوں سے بچتا رہوں گا وہ بغیر سوال جواب کے اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو گا' سورۂ لیلتہ القدر کی تفسیر الحمدللہ ختم ہوئی۔

تفسیر سورة البینة

سات قراءت اور قرآن حکیم: ☆☆ جب یہ سورت اتری تو حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اللہ کا آپ کو حکم ہوا ہے کہ یہ سورت حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو سناؤ حضورؐ نے حضرت ابی سے یہ ذکر کیا تو حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ کیا وہاں میرا ذکر کیا گیا' آپ نے فرمایا ہاں ہاں تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ مسند احمد ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا؟ یہ حدیث بخاری' مسلم' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔

مسند کی اور روایت میں ہے کہ جس وقت حضرت ابیؓ نے یہ واقعہ بیان کیا اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن ابزائے نے کہا کہ پھر تو تم اے ابو منذر بہت ہی خوش ہوئے ہو گے' کہا ہاں خوش کیوں نہ ہوتا؟ خدا خود فرماتا ہے قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَبِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا ھُوَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ یعنی کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ لوگ خوش ہوا کریں یہ ان کے جمع کئے ہوئے سے بہت ہی بہتر ہے اور حدیث میں ہے کہ حضور نے یہ سورت حضرت ابیؓ کے سامنے پڑھی اس میں یہ آیت بھی تھی لَوۡ اَنَّ ابۡنَ اٰدَمَ سَاَلَ وَادِیًا مِنۡ مَّالٍ فَاُعۡطِیَہٗ لَسَئَالَ ثَانِیاً وَّلَوۡ سَئَالَ ثَانِیًا فَاُعۡطِیَہٗ لَسَئَالَ ثَالِثًا وَلَا یَمۡلَاُ جَوۡفَ ابۡنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوۡبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنۡ تَابَ وَاِنَّ ذَاتَ الدِّیۡنِ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡحَنِیۡفَةُ غَیۡرَ الۡمُشۡرِکَةِ وَلَا الۡیَھُوۡدِیَّةِ وَلَا النَّصۡرَانِیَّةِ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ خَیۡرًا فَلَنۡ یُّکۡفَرَہٗ یعنی اگر انسان مجھ سے ایک جنگل بھر کر سونا مانگے اور میں اسے دے دوں تو پھر دوسرا مانگے گا اور دوسرے کو بھی دے دوں تو یقیناً تیسرے کی طلب کرے گا' انسان کے پیٹ کو سوا مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول فرماتا ہے' اللہ کے نزدیک دیندار وہ ہے جو یکطرفہ ہو کر صرف اس کی عبادت کرے' نہ وہ مشرک ہو نہ یہودی ہو نہ نصرانی ہو' جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے اللہ کے ہاں اس کی ناقدری نہ کی جائے گی (مسند احمد)

ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اسے امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ جب حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں تو حضرت ابیؓ نے فرمایا کہ حضرت میں اللہ پر ایمان لایا' آپ کے ہاتھ پر اسلام لایا' آپ ہی سے علم دین حاصل کیا' آپ نے پھر یہی فرمایا۔ اس پر حضرت ابی نے فرمایا یا رسول اللہ کیا میرا وہاں ذکر کیا گیا' آپ نے فرمایا تیرے نام سب کے ساتھ مَلَاءُ الۡاَعۡلٰی میں تیرا ذکر ہوا حضرت ابی نے فرمایا اچھا پھر پڑھئے' یہ روایت اس طریقہ سے غریب ہے اور ثابت وہ ہے جو پہلے بیان ہوا۔

یہ یاد رہے کہ حضور کا اس سورت کو حضرت ابی کے سامنے پڑھنا یہ ان کی ثابت قدمی اور ان کے ایمان کی زیادتی کے لئے تھا۔ مسند احمد نسائی ابوداؤد اور مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات سن کر حضرت ابیؓ بگڑ بیٹھے تھے کیونکہ انہوں نے جس طرح اس سورت کو آنحضرت ﷺ سے سیکھا تھا حضرت عبداللہ نے اسی طرح نہیں پڑھا تھا تو غصے میں آ کر انہیں لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے حضورؐ نے ان دونوں سے قرآن سنا' اس نے اپنے طریقے پر' اس نے اپنے طور پر پڑھا' آپ نے فرمایا دونوں نے درست پڑھا۔ حضرت ابیؓ فرماتے ہیں میں تو اس قدر شک وشبہ میں پڑ گیا کہ جاہلیت کے زمانہ کا شک سامنے آ گیا آپ نے یہ حالت دیکھ کر میرے

سینے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا جس سے میں پسینوں پسینوں ہو گیا اور اس قدر مجھ پر خوف طاری ہوا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے فرمایا سن جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور فرمایا خدا کا حکم ہے کہ قرآن ایک ہی قرات پر اپنی امت کو پڑھاؤ' میں نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے عفو و درگذر اور بخشش و مغفرت چاہتا ہوں' پھر مجھے دو طرح کی قراتوں کی اجازت ہوئی لیکن میں پھر بھی زیادہ طلب کرتا رہا یہاں تک کہ سات قراتوں کی اجازت ملی۔ یہ حدیث بہت سی سندوں اور مختلف الفاظ سے تفسیر کے شروع میں پوری طرح بیان ہو چکی ہے اب جبکہ یہ مبارک سورت نازل ہوئی اور اس میں آیت رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ بھی نازل ہوئی تھی اس لئے حضور کو حکم ہوا کہ بطور پہنچا دینے کے اور ثابت قدمی عطا فرمانے کے اور آگاہی کرنے کے پڑھ کر حضرت ابی کو سنا دیں' کسی کو یہ خیال نہ رہے کہ بطور سیکھنے کے اور یاد رہنے کے آپ نے یہ سورت ان کے پاس تلاوت کی تھی واللہ اعلم۔ پس جس طرح آپ نے حضرت ابیؓ کے اس دن کے شک وشبہ کے دفع کرنے کے لئے جو انہیں مختلف قراتوں کو حضورؐ کے جائز رکھنے پر پیدا ہوا تھا ان کے سامنے یہ سورت تلاوت کر کے سنائی' ٹھیک اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے بھی حدیبیہ والے سال صلح کے معاملہ پر اپنی ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے بہت سے سوالات حضورؐ سے کئے تھے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا آپ نے ہمیں یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ شریف جائیں گے اور طواف کریں گے' آپ نے فرمایا ہاں یہ تو ضرور کہا تھا لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال یہ ہوگا' یقیناً وہ وقت آرہا ہے کہ تو وہاں پہنچے گا اور طواف کرے گا' اب حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے سورۂ فتح نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر کو بلوایا اور یہ سورت پڑھ کر سنائی جس میں یہ آیت بھی ہے لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا یقیناً تمہارا داخلہ مسجد حرام میں امن وامان کے ساتھ ہوگا جیسے کہ پہلے اس کا بیان بھی گذر چکا۔ حافظ ابونعیم اپنی کتاب اسماء صحابہ میں حدیث لائے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب سورۂ لَمْ يَكُنِ کی قرات سنتا ہے تو فرماتا ہے میرے بندے خوش ہو جا مجھے اپنی عزت کی قسم میں تجھے جنت میں ایسا ٹھکانا دوں گا کہ تو خوش ہو جائے گا' یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ میں تجھے دنیا اور آخرت کے احوال میں سے کسی حال میں نہ بھولوں گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿١﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿٢﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿٣﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿٤﴾ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴿٥﴾

اللہ تعالیٰ رحم وکرم کرنے والے کے نام سے شروع

اہل کتاب کے کافر اور مشرک لوگ جب تک کہ ان کے پاس ظاہر دلیل نہ آجائے باز رہنے والے نہ تھے ○ ایک اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھے ○ جن میں صحیح اور

درست احکام ہیں ○ اہل کتاب اپنے پاس ظاہر دلیل آ جانے کے بعد ہی اختلاف میں پڑ کر متفرق ہو گئے ○ انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی دین درست اور مضبوط ہے ○

پاک وشفاعت اوراق کی زینت قرآن حکیم: ☆☆ (آیت:۱-۵) اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور مشرکین سے مراد بت پرست عرب اور آتش پرست عجمی ہیں' فرماتا ہے کہ یہ لوگ بغیر دلیل کے آ جانے کے باز رہنے والے نہ تھے۔ پھر بتلایا کہ وہ دلیل اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ ہیں جو پاک صحیفے یعنی قرآن کریم پڑھ سناتے ہیں' جو اعلیٰ فرشتوں میں پاک ورقوں میں لکھا ہوا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ کہ وہ نامی گرامی بلند و بالا پاک صاف ورقوں میں پاک باز نیکوکار بزرگ فرشتوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ان پاک صحیفوں میں خدا کی لکھی ہوئی باتیں عدل و استقامت والی موجود ہیں' جن کے خدا کی جانب سے ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں' نہ ان میں کوئی خطا اور غلطی ہوئی ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ وہ رسول عمدگی کے ساتھ قرآنی وعظ کہتے ہیں اور اس کی اچھی تعریفیں بیان کرتے ہیں۔ ابن زید فرماتے ہیں ان صحیفوں میں کتابیں ہیں' استقامت اور عدل و انصاف والی۔

پھر فرمایا کہ اگلی کتابوں والے خدا کی حجتیں قائم ہو چکنے اور دلیلیں آ جانے کے بعد خدائی کلام کی مراد میں اختلاف کرنے لگے اور جدا جدا راہوں میں بٹ گئے' جیسے کہ اس حدیث میں ہے جو مختلف طریقوں سے مروی ہے کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے ہو گئے اور نصرانیوں کے بہتر اور اس امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے' سوا ایک کے سب جہنم میں جائیں گے' لوگوں نے پوچھا وہ ایک کون ہے؟ فرمایا وہ جو اس پر ہو جس پر میں اور میرے اصحابؓ ہیں پھر فرمایا کہ انہیں صرف اتنا ہی حکم تھا کہ خلوص اور اخلاص کے ساتھ صرف اپنے سچے معبود کی عبادت میں لگے رہیں' جیسے اور جگہ فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو' اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ یکسو ہو کر یعنی شرک سے دور اور توحید میں مشغول ہو کر' جیسے اور جگہ ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور خدا کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو۔ حنیف کی پوری تفسیر سورۂ انعام میں گذر چکی ہے جسے لوٹانے کی اب ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا نمازوں کو قائم کریں جو کہ بدن کی تمام عبادتوں میں سب سے اعلیٰ عبادت ہے اور زکوٰۃ دیتے رہیں یعنی فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ سلوک کرتے رہیں' یہی دین مضبوط' سیدھا' درست' عدل والا اور عمدگی والا ہے۔ بہت سے ائمہ کرام نے جیسے امام زہریؒ' امام شافعیؒ وغیرہ نے اس آیت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں کیونکہ ان آیتوں میں خدائے تعالیٰ کی خلوص اور یکسوئی کے ساتھ کی عبادت اور نماز و زکوٰۃ کو دین فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ۞ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۞ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۞

بے شک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے یہ لوگ بدترین خلائق ہیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور سنت کے مطابق نیک عمل کئے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں O ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہیشگی والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور یہ اس سے یہ ہے اس کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرے O

ساری مخلوق سے بہتر اور بدتر کون ہے؟: ☆☆ (آیت: ۶-۸) اللہ تعالیٰ کافروں کا انجام بیان فرماتا ہے وہ کافر خواہ یہود و نصاری ہوں یا مشرکین عرب و عجم ہوں جو بھی انبیاء اللہ کے مخالف ہوں اور کتاب خدا کے جھٹلانے والے ہوں وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ڈل دیئے جائیں گے اور اسی میں پڑے رہیں گے نہ وہاں سے نکلیں گے نہ چھوٹیں یہ لوگ تمام مخلوق سے بدتر اور کمتر ہیں۔ پھر اپنے نیک بندوں کے انجام کی خبر دیتا ہے جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جو اپنے جسموں سے سنت کی بجا آوری میں رہا کرتے ہیں کہ یہ ساری مخلوق سے بہتر اور بزرگ ہیں۔ اس آیت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ ایمان والے انسان فرشتوں سے بھی افضل ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا نیک بدلہ ان کے رب کے پاس ان ہیشگی والی جنتوں کی صورت میں ہے جن کے چپے چپے پر پاک صاف پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں جن میں دوام اور ہیشگی کی زندگی کے ساتھ رہیں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں نہ وہ نعمتیں ان سے جدا ہوں نہ کم ہوں نہ اور کوئی کھٹکا ہے نہ غم پھر ان سب سے بڑھ چڑھ کر نعمت و رحمت یہ ہے کہ رضائے رب مرضی مولا انہیں حاصل ہوگئی ہے اور انہیں اس قدر نعمتیں جناب باری نے عطا فرمائی ہیں کہ یہ بھی بہ دل راضی ہوگئے ہیں۔ پھر ارشاد فرماتا ہے کہ یہ بہترین بدلہ یہ جزائے جزیل یہ اجر عظیم دنیا میں خدا سے ڈرتے رہنے کا عوض ہے۔ ہر وہ شخص جس کے دل میں ڈر ہو جس کی عبادت میں اخلاص ہو جو جانتا ہو کہ خدا کی اس پر نظریں ہیں بلکہ عبادت کے وقت اس مشغولی اور دلچسپی سے عبادت کر رہا ہو کہ گویا خود وہ اپنی آنکھوں سے اپنے خالق مالک سچے رب اور حقیقی اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بہتر شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور فرمایا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے کہ کب جہاد کی آواز اٹھے اور کب میں کود کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤں اور کڑ کڑاتا ہوا دشمن کی فوج میں گھسوں اور داد شجاعت دوں لو میں تمہیں ایک اور بہترین مخلوق کی خبر دوں وہ شخص جو اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہے نہ نماز کو چھوڑتا ہے نہ زکوٰۃ سے جی چراتا ہے۔ آؤ سب میں بدترین مخلوق بتاؤں وہ شخص کہ اللہ کے نام سے سوال کرے اور پھر نہ دیا جائے[1] سورۂ لم یکن کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے۔

تفسیر سورة الزلزال

جامع سورت اور عید قربان کے احکام: ☆☆ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا حضور مجھے پڑھایئے آپ نے فرمایا الروالی تین سورتیں پڑھو تو اس نے کہا بوڑھا بڑا ہو گیا حافظہ کمزور ہو گیا زبان موٹی ہوگئی تو آپ نے فرمایا اچھا حم والی سورتیں پڑھا کرو اس نے پھر وہی عذر بیان کیا آپ نے فرمایا یسبح والی تین سورتیں پڑھ لیا کرو اس نے پھر وہی عذر بیان کیا اور درخواست کی کہ حضور مجھے تو کوئی جامع سورت کا سبق دے دیجئے تو آپ نے اسے یہ سوت پڑھائی جب پڑھا چکے تو وہ کہنے لگا اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں کبھی اس پر زیادتی نہ کروں گا پھر وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو آپ نے فرمایا اس مرد نے فلاح پالی یہ نجات کو پہنچ گیا پھر فرمایا ذرا سے بلا لانا وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے بقر عید کا حکم کیا گیا ہے اس دن کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کی عید کا دن

بنایا ہے تو اس شخص نے کہا کہ اگر میرے پاس قربانی کا جانور نہ ہوا اور کسی شخص نے مجھے دودھ پینے کے لئے کوئی جانور تحفتہً دے رکھا ہو تو کیا میں اس کو ذبح کر ڈالوں فرمایا نہیں نہیں، پھر تو تو اپنے بال کتروا لے ناخن پست کرا، زیر ناف کے بال لے اللہ تعالیٰ عزوجل کے نزدیک تیری پوری قربانی یہی ہے، یہ حدیث مسند احمد، ابوداؤد و نسائی میں بھی ہے۔ ترمذی شریف کی اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس سورت کو پڑھے اسے نصف قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، یہ حدیث غریب ہے اور روایت میں ہے اِذَا زُلْزِلَتْ آدھے قرآن کے برابر ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ تہائی قرآن کے برابر ہے اور قل یا چوتھائی قرآن کے برابر، یہ حدیث بھی غریب ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابیوں میں سے ایک سے فرمایا کیا تم نے نکاح کر لیا؟ اس نے کہا نہیں حضور میرے پاس اتنا ہے ہی نہیں جو میں اپنا نکاح کر سکوں، آپ نے فرمایا قل ہو اللہ تیرے ساتھ نہیں؟ اس نے کہا ہاں یہ تو ہے فرمایا تہائی قرآن یہ ہوا، اِذَا جَآءَ نہیں؟ کہا وہ بھی ہے، فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا فرمایا کیا قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ یاد نہیں؟ کہا ہاں۔ فرمایا چوتھائی قرآن کے برابر یہ ہے جا اب نکاح کر لے یہ حدیث حسن ہے یہ تینوں حدیثیں صرف ترمذی میں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۬ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸

ع ۸ / ۲۴

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بخشش کرنے والا مہربان ہے

جب زمین پوری طرح جھنجوڑ دی جائے گی ○ اور اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی ○ انسان کہنے لگے گا اسے کیا ہو گیا؟ ○ اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کر دے گی ○ اس لئے کہ تیرے رب نے اسے یہ حکم دیا ہے ○ اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر واپس لوٹیں گے تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں ○ پس جس نے ذرے برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا ○ اور جس نے ذرے برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا ○

مرحلہ اور قیامت: ☆☆ (آیت: ۱-۸) زمین نیچے سے اوپر تک کپکپانے لگے گی اور جتنے مردے اس میں ہیں سب نکال پھینکے گی، جیسے اور جگہ ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ لوگو اپنے رب سے ڈرو، یقین مانو کہ قیامت کا زلزلہ اس دن کی بھونچال بڑی چیز ہے، اور جگہ ارشاد ہے وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ جبکہ زمین کھینچ کھانچ کر برابر ہموار کر دی جائے گی اور اس میں جو کچھ ہے وہ اسے باہر ڈال دے گی اور بالکل خالی ہو جائے گی۔ صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں زمین اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو اگل دے گی، سونا چاندی مثل ستونوں کے باہر نکل پڑے گا، قاتل اسے دیکھ کر افسوس کرتا ہوا کہے گا کہ ہائے اسی مال کے لئے میں نے فلاں کو قتل کیا تھا، آج یہ یوں ادھر ادھر رل رہا ہے، کوئی آنکھ بھر کر دیکھتا بھی نہیں، اسی طرح صلہ رحمی توڑنے والا بھی کہے گا کہ اسی کی محبت میں آ کر رشتے داروں سے میں سلوک نہیں کرتا تھا، چور بھی کہے گا کہ اسی کی محبت میں میں نے ہاتھ کٹوا دیئے تھے غرض وہ

مال یونہی رلتا پھرے گا' کوئی نہیں لے گا۔ انسان اس وقت ہکا بکا رہ جائے گا اور کہے گا یہ تو ہلنے جلنے والی نہ تھی' بالکل ٹھہری ہوئی بوجھل اور جمی ہوئی تھی' اسے کیا ہو گیا کہ یوں بید کی طرح تھرانے لگی؟ اور ساتھ ہی جب دیکھے گا کہ تمام پہلی پچھلی لاشیں بھی زمین نے اگل دیں تو اور حیران و پریشان ہو جائے گا کہ آخر اسے کیا ہو گیا ہے؟

پس زمین بالکل بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب لوگ اس قہار خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے' زمین کھلے طور پر صاف صاف گواہی دے گی کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں نافرمانی اس پر کی ہے۔ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا جانتے بھی ہو کہ زمین کی بیان کردہ خبریں کیا ہوں گی؟ لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کو علم ہے تو آپ نے فرمایا جو جو اعمال بنی آدم نے زمین پر کئے ہیں وہ تمام وہ ظاہر کر دے گی کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں نیکی یا بدی فلاں جگہ فلاں وقت کی ہے' امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح غریب بتلاتے ہیں۔ معجم طبرانی میں ہے کہ آپ نے فرمایا زمین سے بچو' یہ تمہاری ماں ہے جو شخص جو نیکی بدی اس پر کرتا ہے یہ اور سب کھول کھول کر بیان کر دے گی۔ یہاں وحی سے مراد حکم دینا ہے' اوحی اور اس کے ہم معنی افعال کا صلہ حرف لام بھی آتا ہے الی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ خدا اسے فرمائے گا کہ بتا اور وہ بتاتی جائے گی۔ اس دن لوگ حساب کی جگہ سے مختلف قسموں کی جماعتیں بن بن کر لوٹیں گے' کوئی بد ہو گا' کوئی نیک' کوئی جنتی بنا ہو گا کوئی جہنمی۔ یہ معنی بھی ہیں کہ یہاں سے جو الگ الگ ہوں گے تو پھر اجتماع نہ ہو گا' یہ اس لئے کہ وہ اپنے اعمال کو جان لیں اور بھلائی برائی کا بدلہ پا لیں' اسی لئے آخر میں بھی بیان فرما دیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ گھوڑوں والے تین قسم کے ہیں اور ایک اجر پانے والا' ایک پردہ پوشی والا' ایک بوجھ اور گناہ والا' اجر والا تو وہ ہے جو گھوڑا پالتا ہے جہاد کی نیت سے' اگر اس کے گھوڑے کی اگاڑی پچھاڑی ڈھیلی ہو گئی اور یہ ادھر ادھر سے چرتا رہا تو یہ بھی گھوڑے والے کے لئے اجر کا باعث ہے اور اگر یہ رسی کی ٹوٹ گئی اور یہ ادھر ادھر چڑھ گیا تو اس کے نشان قدم اور لید کا بھی اسے ثواب ملتا ہے' اگر یہ کسی نہر پر جا کر پانی پی لے گو ارادہ و ثواب ہے' دوسرا وہ شخص جس نے اس لئے پال رکھا ہے کہ دوسروں سے بے پرواہ رہے اور کسی سے سوال کی ضرورت نہ ہو لیکن خدا کا حق نہ تو خود اس میں بھولتا ہے نہ اس کی سواری میں' پس یہ اس کے لئے پردہ ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جس نے فخر و ریاکاری اور ظلم و ستم کے لئے پال رکھا ہے پس یہ اس کے ذمہ بوجھ اور اس پر گناہ کا بار ہے۔ پھر حضورؐ سے سوال ہوا کہ گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے آپ نے فرمایا مجھ پر خدا تعالیٰ کی جانب سے سوائے اس تنہا اور جامع آیت کے اور کچھ نازل نہیں ہوا کہ ذرے برابر نیکی اور اتنی ہی بدی ہر شخص دیکھ لے گا (مسلم)۔

حضرت صعصعہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو حضور کی زبانی یہ آیت سن کر کہہ دیا تھا کہ صرف یہی آیت کافی ہے اور زیادہ اگر نہ بھی سنوں تو کوئی ضرورت نہیں (مسند احمد و نسائی) صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ آگ سے بچو' اگرچہ آدھی کھجور کا صدقہ ہی ہو اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ نیکی کے کام کو ہلکا نہ سمجھو' گو اتنا ہی کام ہو کہ تو اپنے ڈول میں سے ذرا سا پانی کسی پیاسے کو پلوا دے یا اپنے کسی مسلمان بھائی سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کر لے۔ دوسری ایک صحیح حدیث میں ہے اے ایمان والی عورتو! تم اپنی پڑوسن کے بھیجے ہوئے تحفے ہدیئے کو حقیر نہ سمجھو گو ایک کھر ہی آیا ہو۔ اور حدیث میں ہے کہ سائل کو کچھ نہ کچھ دے دو گو جلا ہوا کھر ہی ہو۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے اے عائشہ! گناہوں کو حقیر نہ سمجھو' یاد رکھو کہ ان کا بھی حساب لینے والا ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ یہ آیت اتری تو حضرت صدیق نے کھانے سے ہاتھ اٹھا لیا اور پوچھنے لگے کہ یا رسول اللہ کیا میں ایک ایک ذرے برابر کا بدلہ دیا جاؤں گا تو آپ نے فرمایا اے صدیق دنیا میں جو جو تکلیفیں تمہیں پہنچی ہیں یہ تو اس میں آ گئیں اور نیکیاں تمہارے لئے خدا کے ہاں ذخیرہ بنی ہوئی ہیں اور ان سب کا پورا

پورا بدلہ قیامت کے دن تمہیں دیا جائے گا - ابن جریر کی ایک اور روایت میں ہے کہ یہ سورت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں نازل ہوئی تھی آپ اسے سن کر بہت روئے' حضور نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا مجھے یہ سورت رلا رہی ہے' آپ نے فرمایا اگر تم خطا اور گناہ نہ کرتے کہ تمہیں بخشا جائے اور معاف کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کسی اور امت کو پیدا کرتا جو خطا اور گناہ کرتے اور خدا انہیں بخشتا -

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ سے یہ آیت سن کر پوچھا کہ حضورؐ کیا مجھے اپنے سب اعمال دیکھنے پڑیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں پوچھا' بڑے بڑے' فرمایا ہاں پوچھا اور چھوٹے چھوٹے بھی' فرمایا ہاں' میں نے کہا ہائے افسوس' آپ نے فرمایا ابو سعید خوش ہو جاؤ' نیکی تو دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بلکہ اس سے بھی زیادہ تک خدا جسے چاہے دے گا ہاں گناہ اسی کے مثل ہوں گے یا اللہ تعالیٰ اسے بھی بخش دے گا' سنو کسی شخص کو صرف اس کے اعمال نجات نہ دے سکیں گے - میں نے کہا حضور کیا آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا نہ مجھے ہی مگر یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے - اس کے راویوں میں ایک ابن لہیعہ ہیں' یہ روایت صرف انہی سے مروی ہے - حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب آیت وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ الخ' نازل ہوئی یعنی مال کی محبت کے باوجود مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں تو لوگ یہ سمجھ گئے کہ اگر ہم تھوڑی سی چیز راہ للہ دیں گے تو کوئی ثواب نہ ملے گا' مسکین ان کے دروازے پر آتا لیکن ایک آدھ کھجور یا روٹی کا ٹکڑا وغیرہ دینے کو حقارت خیال کر کے یونہی لوٹا دیتے تھے کہ اگر دیں تو کوئی اچھی محبوب و مرغوب چیز دیں' ادھر تو اس خیال کی ایک جماعت تھی دوسری جماعت وہ تھی جنہیں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں پر ہماری پکڑ نہ ہو گی مثلاً کبھی کوئی جھوٹ بات کہہ دی کبھی ادھر ادھر نظریں ڈال لیں کبھی غیبت کر لی وغیرہ' جہنم کی وعید تو کبیرہ گناہوں پر ہے تو یہ آیت فَمَنْ يَّعْمَلْ نازل ہوئی اور انہیں بتلایا گیا کہ چھوٹی سی نیکی کو حقیر نہ سمجھو یہ بڑی ہو کر ملے گی اور تھوڑے سے گناہ کو بھی بے جان نہ سمجھو کہیں تھوڑا تھوڑا مل کر بہت نہ بن جائے' ذرہ کے معنی چھوٹی چیونٹی کے ہیں یعنی نیکیوں کو اور برائیوں کو' چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اپنے نامہ اعمال میں دیکھ لے گا' بدی تو ایک ہی لکھی جاتی ہے' نیکی ایک کے بدلے دس بلکہ جس کے لئے خدا چاہے اس سے بھی بہت زیادہ بلکہ ان نیکیوں کے بدلے برائیاں بھی معاف ہو جاتی ہیں' ایک ایک کے بدلے دس دس بدیاں معاف ہو جاتی ہیں' پھر یہ بھی ہے کہ جس کی نیکی برائی سے ایک ذرے کے برابر بڑھ گئی وہ جنتی ہو گیا - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں گناہوں کو ہلکا نہ سمجھا کرو یہ سب جمع ہو کر آدمی کو ہلاک کر ڈالتے ہیں - رسول اللہ ﷺ نے ان برائیوں کی مثال بیان کی کہ جیسے کچھ لوگ کسی جگہ اترے اور چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کریں پھر اگر انہیں سلگائی جائیں تو اس وقت آگ میں جو چاہیں پکا سکتے ہیں (اسی طرح تھوڑے تھوڑے گناہ بہت زیادہ ہو کر آگ کا کام کرتے ہیں اور انسان کو جلا دیتے ہیں) سورۃ اذا زلزلت کی تفسیر ختم ہوئی' فالحمد للہ -

تفسیر سورة العاديات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ

لَشَدِیۡدٌ ۝۸ اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۝۹ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ۝۱۰ اِنَّ رَبَّهُمۡ بِهِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ۝۱۱

ع ۲۵

شروع اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے

ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم ○ پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑنے والوں کی ○ پھر صبح کے وقت دھاوا بولنے والوں کی ○ پس اس وقت غبار اڑاتے ہیں ○ پھر فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں ○ یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے ○ اور یقیناً وہ خود بھی اس سے باخبر ہے ○ یہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے ○ کیا اسے وہ وقت معلوم نہیں؟ جب قبروں کے مردے اٹھا کھڑے کر دیئے جائیں گے ○ اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی ○ بیشک ان کا رب اس دن ان کے حال سے پورا باخبر ہے ○

انسان کا نفسیاتی تجزیہ: ☆☆ (آیت:۱-۱۱) مجاہدین کے گھوڑے جبکہ خدا کی راہ کے جہاد کے لئے ہانپتے اور ہنہناتے ہوئے دوڑتے ہیں ان کی اللہ تبارک وتعالیٰ قسم کھاتا ہے' پھر اس تیزی میں دوڑتے ہوئے پتھروں کے ساتھ ان کے نعل کا ٹکرانا اور اس رگڑ سے آگ کی چنگاریاں اڑنا' پھر صبح کے وقت دشمن پر ان کا چھاپہ مارنا اور دشمنان خدا کو تہہ و بالا کرنا - آنحضرت ﷺ کی یہی عادت مبارک تھی کہ دشمن کی کسی بستی پر آپ جاتے تو وہاں رات کو ٹھہر کر کان لگا کر سنتے اگر اذان کی آواز آ گئی تو تو آپ رک جاتے' نہ آتی تو لشکر کو حکم دیتے کہ بزن بول دیں' پھر ان گھوڑوں کا گرد و غبار اڑانا اور ان سب کا دشمنوں کے درمیان گھس جانا' ان سب چیزوں کی قسم کھا کر پھر مضمون شروع ہوتا ہے-
حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ وَالۡعٰدِیٰتِ سے مراد اونٹ ہیں - حضرت علیؓ بھی یہی فرماتے ہیں-

حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد گھوڑے ہیں جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا گھوڑے ہمارے بدر والے دن تھے ہی کب' یہ تو اس چھوٹے لشکر میں تھا جو بھیجا گیا تھا - حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے جو ایک شخص نے آ کر اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا اس سے مراد مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو بوقت جہاد دشمنوں پر دھاوا بولتے ہیں پھر رات کے وقت یہ گھوڑے سوار مجاہد اپنے کیمپ میں آ کر کھانے پکانے کے لئے آگ جلاتے ہیں' وہ یہ پوچھ کر حضرت علیؓ کے پاس گیا آپ اس وقت زمزم کا پانی لوگوں کو پلا رہے تھے - اس نے آپ سے بھی یہی سوال کیا' آپ نے فرمایا مجھ سے پہلے کسی اور سے بھی تم نے پوچھا ہے؟ کہا ہاں حضرت ابن عباس سے پوچھا ہے تو انہوں نے فرمایا مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو خدا کی راہ میں دھاوا کریں حضرت علیؓ نے فرمایا جانا ذرا انہیں میرے پاس بلانا' جب وہ آ گئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں اور تم لوگوں کو فتوے دے رہے ہو' اللہ کی قسم پہلا غزوہ اسلام میں بدر کا ہوا' اس لڑائی میں ہمارے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے' ایک شخص حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا' دوسرا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا' تو عٰدِیٰتِ ضَبۡحًا یہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس سے مراد تو عرفات سے مزدلفہ کی طرف جانے والے اور پھر مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جانے والے ہیں - حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں یہ سن کر میں نے اپنے اگلے قول سے رجوع کر لیا اور حضرت علیؓ نے جو فرمایا تھا وہی کہنے لگا - مزدلفہ میں پہنچ کر حاجی بھی اپنی ہنڈیا روٹی کے لئے آگ سلگاتے ہیں غرض حضرت علیؓ کا فرمان یہ ہوا کہ اس سے مراد اونٹ ہیں اور یہی قول ایک جماعت کا ہے جن میں ابراہیم عبید بن عمیر وغیرہ ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے گھوڑے مروی ہیں-

مجاہدؒ، عکرمہؒ، عطاءؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ بھی یہی کہتے ہیں اور امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں بلکہ حضرت ابن عباس اور حضرت عطاؒ سے مروی ہے کہ ضَبۡحٌ یعنی ہانپنا کسی جانور کے لئے نہیں ہوتا سوائے گھوڑے اور کتے کے' ابن عباسؓ فرماتے ہیں ان کے منہ سے ہانپتے ہوئے جو آواز اح اح کی نکلتی ہے یہی ضبح ہے اور دوسرے جملے کے ایک تو معنی یہ کئے گئے ہیں کہ ان گھوڑوں کی ٹاپوں کا پتھر سے ٹکرا کر آگ

پیدا کرنا' اور دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ ان کے سواروں کا لڑائی کی آگ کو بھڑکانا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لڑائی میں مکر ودھوکہ کرنا' اور یہ بھی مروی ہے کہ راتوں کو اپنی قیام گاہ پہنچ کر آگ روشن کرنا اور مزدلفہ میں حاجیوں کا بعد از مغرب پہنچ کر آگ جلانا۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں میرے نزدیک سب سے زیادہ ٹھیک قول یہی ہے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں اور سموں کا پتھر سے رگڑ کھا کر آگ پیدا کرنا' پھر صبح کے وقت مجاہدین کا دشمنوں پر اچانک ٹوٹ پڑنا۔ اور جن صاحبان نے اس سے مراد اونٹ لئے ہیں وہ فرماتے ہیں اس سے مراد مزدلفہ سے منیٰ کی طرف صبح کو جانا ہے' پھر یہ سب کہتے ہیں کہ پھر ان کا جس مکان میں یہ اترے ہیں خواہ جہاد میں ہوں خواہ حج میں غبار اڑانا' پھر ان مجاہدین کا کفار کی فوجوں میں درانہ گھس جانا اور چیرتے پھاڑتے مارتے پچھاڑتے ان کے بیچ لشکر میں پہنچ جانا' اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ سب جمع ہو کر اس جگہ درمیان میں آ جاتے ہیں تو اس صورت میں جمعاً حال موکد ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ ابوبکر بزار میں اس جگہ ایک غریب حدیث ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لشکر بھیجا تھا ایک مہینہ گذر گیا لیکن اس کی کوئی خبر نہ آئی اس پر یہ آیتیں اتریں اور اس لشکر کی خدا تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کے گھوڑے ہانپتے ہوئے تیز چال سے گئے' ان کے سموں کی ٹکر سے چنگاریاں اڑ رہی تھیں' انہوں نے صبح ہی صبح دشمنوں پر پوری یلغار کے ساتھ حملہ کر دیا' ان کی ٹاپوں سے گرد اڑ رہا تھا' پھر غالب آ کر سب جمع ہو کر بیٹھ گئے' ان قسموں کے بعد اب وہ مضمون بیان ہو رہا ہے جس پر قسمیں کھائی گئی تھیں کہ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا قدر دان نہیں' اگر کوئی دکھ درد کسی وقت آ گیا ہے تو وہ تو بخوبی یاد ہے لیکن خدائے تعالیٰ کی ہزار ہا نعمتیں جو ہیں سب کو بھلائے ہوئے ہے۔

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ کنود وہ ہے جو تنہا کھائے' غلاموں کو مارے اور احسان سلوک نہ کرے' اس کی اسناد ضعیف ہے۔ پھر فرمایا اللہ اس پر شاہد ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خود اس بات پر اپنا گواہ آپ ہے' اس کی ناشکری اس کے افعال واقوال سے صاف ظاہر ہے۔ جیسے اور جگہ ہے شَاهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ یعنی مشرکین سے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کی آبادی نہیں ہو سکتی جبکہ یہ اپنے کفر کے آپ گواہ ہیں۔ پھر فرمایا یہ مال کی چاہت میں بڑا سخت ہے یعنی اسے مال کی بے حد محبت ہے' اور یہ بھی معنی ہیں کہ اس محبت میں پھنس کر ہماری راہ میں دینے سے جی چراتا اور بخل کرتا ہے۔ پھر پروردگار عالم اسے دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرما رہا ہے کہ کیا انسان کو یہ معلوم نہیں کہ ایک وقت وہ آ رہا ہے کہ جب تمام مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور جو کچھ باتیں چھپی لگی ہوئی تھیں سب ظاہر ہو جائیں گی' سن لو ان کا رب ان کے تمام کاموں سے باخبر ہے اور ہر ایک عمل کا بدلہ پورا پورا دینے والا ہے' ایک ذرے کے برابر ظلم وہ روا نہیں رکھتا اور نہ رکھے۔ سورۂ عادیات کی تفسیر اللہ کے فضل واحسان سے ختم ہوئی' فالحمدللہ۔

تفسیر سورة القارعة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾

ع ۱۱

اللہ تعالیٰ بہت مہربان بڑے رحم والے کے نام سے

کھڑکھڑا دینے والی ○ کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی ○ تجھے کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے ○ جس دن انسان پراگندہ پروانوں کی طرح ہو جائیں گے ○ اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے ○ ہاں جس کا پلہ بھاری ہو گیا ○ وہ تو من مانتی آرام کی زندگی میں ہو گا ○ اور جس کی تول ہلکی ہو گی ○ اس کی ماں ہاویہ ہے ○ تجھے کس نے بتایا کہ وہ کیا ہے؟ ○ وہ تیز تند آگ ہے ○

اعمال کا ترازو: ☆☆ (آیت:۱-۱۱) قارعہ بھی قیامت کا ایک نام ہے جیسے حَآقَّۃٌ طَآمَّہٗ' صَآخَّہ' غَاشِیَہ' وغیرہ اس کی بڑائی اور ہولناکی کے بیان کے لئے سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟ اس کا علم بغیر میرے بتائے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا' پھر خود بتلاتا ہے کہ اس دن لوگ منتشر اور پراگندہ حیران و پریشان ادھر ادھر گھوم رہے ہوں گے جس طرح پروانے ہوتے ہیں' اور جگہ فرمایا ہے کَاَنَّھُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئیں۔ پھر فرمایا پہاڑوں کا یہ حال ہو گا کہ وہ دھنی ہوئی اون کی طرح ادھر ادھر اڑتے نظر آئیں گے۔ پھر فرماتا ہے اس دن ہر نیک و بد کا انجام ظاہر ہو جائے گا' نیکوں کی بزرگی اور بروں کی اہانت کھل جائے گی' جس کی نیکیاں وزن میں برائیوں سے بڑھ گئیں وہ عیش و آرام کی جنت میں بسر کرے گا اور جس کی بدیاں نیکیوں پر چھا گئیں بھلائیوں کا پلڑا جھکا ہو گا وہ جہنمی ہو جائے گا' وہ منہ کے بل اوندھا جہنم میں گرا دیا جائے گا' ام سے مراد دماغ ہے یعنی سر کے بل ہاویہ میں جائے گا' اور یہ بھی معنی ہیں کہ فرشتے جہنم میں اس کے سر پر عذابوں کی بارش برسائیں گے' اور یہ بھی مطلب ہے کہ اس کا اصلی ٹھکانا وہ جگہ جہاں اس کے لئے قرارگاہ مقرر کیا گیا ہے وہ جہنم ہے' ھَاوِیَہ جہنم کا نام ہے اسی لئے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ اب میں بتاتا ہوں کہ وہ شعلے مارتی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

حضرت اشعث بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ مومن کی موت کے بعد اس کی روح کو ایمانداروں کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں اور فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کی دلجوئی اور تسکین کرو' یہ دنیا کے رنج و غم میں مبتلا تھا' اب وہ نیک روحیں اس سے پوچھتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ تو مر چکا تمہارے پاس نہیں آیا تو یہ سمجھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں پھونکو اسے' وہ تو اپنی ماں ہاویہ میں پہنچا۔ ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں یہ بیان خوب بسط سے ہے اور ہم نے بھی اسے کتاب صفۃ النار میں وارد کیا ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اس آگ جہنم سے نجات دے' آمین۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ سخت تیز حرارت والی آگ ہے' بڑے شعلے مارنے والی بھلسا دینے والی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہاری یہ آگ تو اس کا سترھواں حصہ ہے لوگوں نے کہا حضرت ہلاکت کو تو یہی کافی ہے' آپ نے فرمایا ہاں لیکن آتش دوزخ یتو اس سے انہتر حصے تیز ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ہر ہر حصہ اس آگ جیسا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے' مسند کی ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ آگ باوجود اس آگ کا سترھواں حصہ ہونے کے بھی دو مرتبہ سمندر کے پانی میں بجھا کر بھیجی گئی ہے' اگر یہ نہ ہوتا تو اس سے بھی نفع نہ اٹھا سکتے' اور حدیث میں ہے یہ آگ سوواں حصہ ہے۔ طبرانی میں ہے جانتے ہو کہ تمہاری اس آگ اور آگ جہنم کے درمیان کیا نسبت ہے؟ تمہاری اس آگ کے دھوئیں سے بھی ستر حصہ زیادہ سیاہ خود وہ آگ ہے' ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ جہنم کی آگ ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سرخ ہوئی' پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سفید ہو گئی' پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سیاہ ہو گئی' پس اب وہ سخت سیاہ اور بالکل اندھیرے والی ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہے' جس کے پیروں میں آگ کی دو جوتیاں ہوں گی جس سے اس کا دماغ کھدبدیاں لے رہا ہو گا۔ صحیحین میں ہے کہ آگ نے اپنے رب کی طرف شکایت کی کہ خدایا میرا ایک حصہ دوسرے کو کھائے جا رہا ہے تو

پروردگار نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی' ایک گرمی میں' ایک جاڑے میں' پس سخت جاڑا جو تم پاتے ہو یہ اس کا سرد سانس ہے اور سخت گرمی جو پڑتی ہے یہ اس کے گرم سانس کا اثر ہے' اور حدیث میں ہے کہ جب گرمی شدت کی پڑے تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو' گرمی کی سختی جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔ الحمدللہ سورۂ قارعہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة التکاثر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡہٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ ؕ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّہَا عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ ٪﴿۸﴾

ع ۸ / ۲۷

بہت بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے اللہ کے نام سے شروع

زیادتی چاہت نے تمہیں غافل کر دیا ○ یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے ○ نہیں نہیں تم معلوم کر لو گے ○ اور ابھی ابھی تمہیں علم ہو جائے گا ○ یوں نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لیتے ○ بیشک تم جہنم کو دیکھ لو گے ○ اور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے ○ پھر اس دن تم سے ضرور ضرور نعمتوں کا سوال ہو گا ○

مال و دولت اور اعمال: ☆☆ (آیت:۱-۸) ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا کی محبت' اس کے پا لینے کی کوشش نے تمہیں آخرت کی طلب اور نیک کاموں سے بے پرواہ کر دیا' تم اسی دنیا کی ادھیڑ بن میں رہے کہ اچانک موت آ گئی اور تم قبروں میں پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اطاعت پروردگار سے' تم نے دنیا کی جستجو میں پھنس کر بے رغبتی کر لی اور مرتے دم تک غفلت برتی (ابن ابی حاتم) حسن بصریؒ فرماتے ہیں مال اور اولاد کی زیادتی کی ہوس میں موت کا خیال پرے پھینک دیا۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم لَوۡ کَانَ لِابۡنِ اٰدَمَ وَادٍ مِّنۡ ذَہَبٍ یعنی اگر ابن آدم کے پاس ایک جنگل بھر کر سونا ہو اسے قرآن کی آیت ہی سمجھتے رہے یہاں تک کہ اَلۡہٰکُمُ التَّکَاثُرُ نازل ہوئی۔

مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب آیا تو آپ اس آیت کو پڑھ رہے تھے' آپ نے فرمایا ابن آدم کہتا رہتا ہے کہ میرا مال میرا مال' حالانکہ تیرا مال صرف وہ ہے جسے تو نے کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر پھاڑ دیا یا صدقہ دے کر باقی رکھ لیا' صحیح مسلم شریف میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اس کے سوا جو کچھ ہے اسے تو تو لوگوں کے لئے چھوڑ چھاڑ کر چل دے گا۔ بخاری کی حدیث میں ہے میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں جن میں سے دو تو پلٹ آتی ہیں صرف ایک ساتھ رہ جاتی ہے' گھر والے مال اور اعمال' اہل و مال لوٹ آئے' عمل ساتھ رہ گئے' مسند احمد کی حدیث میں ہے ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو چیزیں اس کے ساتھ باقی رہ جاتی ہیں' لالچ اور امنگ۔ حضرت ضحاکؒ نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھ کر پوچھا یہ درہم کس کا ہے؟ اس نے کہا میرا' فرمایا تیرا تو اس وقت ہو گا کہ کسی نیک کام میں تو خرچ کر دے یا بطور شکر اللہ کے خرچ کرے۔ حضرت احنف نے اس واقعہ کو بیان کر کے پھر یہ شعر پڑھا۔

اَنۡتَ لِلۡمَالِ اِذَا اَمۡسَکۡتَہٗ ۔۔۔ فَاِذَا اَنۡفَقۡتَہٗ فَالۡمَالُ لَکَ

یعنی جبکہ تو مال کو لے بیٹھا ہے تو تو مال کی ملکیت ہے ہاں جب اسے خرچ کر دے گا اس وقت مال تیری ملکیت میں ہو جائے گا۔

ابن بریدہؓ فرماتے ہیں بنو حارثہ اور بنو حارث انصار کے قبائل کے آپس میں فخر وغرور کرنے لگے ایک کہتا دیکھو ہم میں فلاں شخص ایسا بہادر ایسا جیوٹ یا اتنا بڑا مالدار وغیرہ ہے' دوسرے قبیلے والے اپنے میں سے ایسوں کو پیش کرتے تھے جب زندوں کے ساتھ یہ فخر ومباہات کر چکے تو کہنے لگے آؤ قبرستان میں چلیں' وہاں جا کر اپنے اپنے مردوں کی قبروں کی طرف اشارے کر کے کہنے لگے بتلاؤ اس جیسا بھی تم میں کوئی گذرا ہے' وہ انہیں اپنے مردوں کے ساتھ الزام دینے لگے اس پر یہ دونوں ابتدائی آیتیں اتریں کہ تم فخر ومباہات کرتے ہوئے قبرستان میں پہنچ گئے اور اپنے اپنے مردوں پر بھی فخر وغرور کرنے لگے' چاہئے تھا کہ یہاں آ کر عبرت حاصل کرتے' اپنا مرنا اور سڑ نا گلنا یاد کرتے۔

حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی زیادتی اور اپنی کثرت پر گھمنڈ کرتے تھے یہاں تک کہ ایک ایک ہو کر قبروں میں ٹھس گئے۔ مطلب یہ ہے کہ بہتات کی چاہت نے غفلت میں ہی رکھا یہاں تک کہ مر گئے اور قبروں میں دفن ہو گئے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک اعرابی کی بیمار پرسی کو گئے اور حسب عادت فرمایا کوئی ڈر خوف نہیں' انشاء اللہ گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہو گی' تو اس نے کہا آپ اسے خوب پاکی بتلا رہے ہیں' یہ تو وہ بخار ہے جو بوڑھے بڑوں پر جوش مارتا ہے اور قبر تک پہنچا کر رہتا ہے آپ نے فرمایا اچھا پھر یوں ہی سہی' اس حدیث میں بھی لفظ تُزِيْرُهُ الْقُبُوْرَ ہے اور یہاں قرآن میں بھی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مر کر قبر میں دفن ہونا ہی ہے۔ ترمذی میں ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب تک یہ آیت نہ اتری ہم عذاب قبر کے بارے میں شک میں ہی رہے' یہ حدیث غریب ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر کچھ دیر سوچ کر فرمانے لگے میمون قبروں کا دیکھنا تو صرف بطور زیارت ہے اور ہر زیارت کرنے والا اپنی جگہ لوٹ جاتا ہے یعنی خواہ جنت کی طرف خواہ دوزخ کی طرف' ایک اعرابی نے بھی ایک شخص کی زبانی ان دونوں آیتوں کی تلاوت سن کر یہی فرمایا تھا کہ اصل مقام اور ہی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ دھمکاتے ہوئے دو دو مرتبہ فرماتا ہے کہ حقیقت حال کا علم تمہیں ابھی ہو جائے گا' یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے مراد کفار ہیں دوبارہ مومن مراد ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تم علم یقینی کے ساتھ اسے معلوم کر لیتے یعنی اگر ایسا ہوتا تو تم غفلت میں نہ پڑتے اور مرتے دم تک اپنی آخری منزل آخرت سے غافل نہ رہتے' پھر جس چیز سے پہلے دھمکایا تھا اسی کا بیان کر رہا ہے کہ تم جہنم کو انہی ان آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ اس کی ایک ہی جنبش کے ساتھ اور تو اور انبیاء علیہم السلام بھی ہیبت وخوف کے مارے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے' اس کی عظمت اور دہشت ہر دل پر چھائی ہوئی ہو گی' جیسے کہ بہت سی حدیثوں میں یہ تفصیل مروی ہے۔

پھر فرمایا کہ اس دن تم سے نعمتوں کی باز پرس ہو گی' صحت' امن' رزق وغیرہ تمام نعمتوں کی نسبت سوال ہو گا کہ ان کا شکر کہاں تک ادا کیا۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ ٹھیک دوپہر کو رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے چلے' دیکھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مسجد میں آ رہے ہیں پوچھا کہ اس وقت کیسے نکلے ہو؟ کہا حضور جس چیز نے آپ کو نکالا ہے اسی نے مجھے بھی نکالا ہے' اتنے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آ گئے ان سے بھی حضور نے یہی سوال کیا اور آپ نے بھی یہی جواب دیا' پھر حضورؐ نے ان دونوں بزرگوں سے باتیں کرنی شروع کیں پھر فرمایا کہ اگر ہمت ہو تو اس باغ تک چلے چلو' کھانا پینا مل ہی جائے گا اور سائے دار جگہ بھی۔ ہم نے کہا بہت اچھا' پس آپ ہمیں لے کر ابوالہیثم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ کے دروازہ پر آئے آپ نے سلام کیا اور اجازت چاہی' ام ہیثم انصاریہ دروازے کے پیچھے ہی کھڑی تھیں سن رہی تھیں لیکن اونچی آواز سے جواب نہیں دیا اس لالچ سے کہ خدا کے رسول اور زیادہ سلامی کی

دعا کریں اور کئی کئی مرتبہ آپ کا سلام سنیں' جب تین مرتبہ حضورؐ سلام کر چکے اور کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس چل دیئے اب تو حضرت ابو الہیثم کی بیوی صاحبہ دوڑیں اور کہا حضور میں آپ کی آواز سن رہی تھی لیکن میرا ارادہ تھا کہ خدا کرے آپ کئی کئی مرتبہ سلام کریں اس لئے میں نے اپنی آواز آپ کو نہ سنائی' آپ آیئے' تشریف لے چلئے' آپ نے ان کے اس فعل کو اچھی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا کہ خود ابو الہیثم کہاں ہیں؟ مائی صاحبہ نے فرمایا حضورؐ وہ بھی یہیں قریب ہی پانی لینے گئے ہیں' آپ تشریف لایئے' انشاء اللہ آتے ہی ہوں گے' حضور باغ میں رونق افروز ہوئے۔ اتنے میں ہی حضرت ابو الہیثم بھی آ گئے بے حد خوش ہوئے' آنکھوں ٹھنڈک اور دل سکون نصیب ہوا اور جلدی جلدی ایک کھجور کے درخت پر چڑھ گئے اور اچھے اچھے خوشے اتار اتار کر دینے لگے یہاں تک کہ خود آپ نے روک دیا۔ صحابی نے کہا یا رسول اللہ گدلی اور تر اور بالکل پکی اور جس طرح کی چاہیں تناول فرمائیں' جب کھجوریں کھا چکے تو میٹھا پانی لائے' جسے پیا پھر حضور فرمانے لگے یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں خدا کے ہاں پوچھے جاؤ گے۔

ابن جریر کی اسی حدیث میں ہے کہ ابو بکرؓ عمر بیٹھے ہوئے تھے جو ان کے پاس حضورؐ آئے اور پوچھا کہ یہاں کیسے بیٹھے ہو؟ دونوں نے کہا حضورؐ بھوک کے مارے گھر سے نکل کھڑے ہوئے ہیں' فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے میں بھی اسی وجہ سے اس وقت نکلا ہوں' اب آپ انہیں لے کر چلے اور ایک انصاری کے گھر آئے' ان کی بیوی صاحبہ مل گئیں' پوچھا کہ تمہارے میاں کہاں گئے ہیں؟ کہا گھر کے لئے میٹھا پانی لانے گئے ہیں' اتنے میں تو وہ مشک اٹھائے ہوئے آ ہی گئے' خوش خوش ہو گئے اور کہنے لگے مجھ جیسا خوش قسمت آج کوئی بھی نہیں جس کے گھر اللہ کے نبی تشریف لائے ہیں' مشک تو لٹکا دی اور خود جا کر کھجوروں کے تازہ تازہ خوشے لے آئے۔ آپ نے فرمایا چن کر الگ کر کے لاتے تو جواب دیا کہ حضورؐ میں نے چاہا کہ آپ اپنی طبیعت کے مطابق اپنی پسند سے چن لیں اور نوش فرمالیں' پھر چھری ہاتھ میں اٹھائی کہ کوئی جانور ذبح کر کے گوشت پکائیں تو آپ نے فرمایا دیکھو دودھ دینے والے جانور ذبح نہ کرنا چنانچہ اس نے ذبیحہ کیا' آپ نے وہیں کھانا کھایا پھر فرمانے لگے دیکھو بھوکے گھر سے نکلے اور پیٹ بھرے جا رہے ہیں' یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد غلام حضرت ابو عسیب کا بیان ہے کہ رات کو رسول اللہ ﷺ نے مجھے آواز دی' میں نکلا' پھر حضرت ابو بکرؓ کو بلایا' پھر حضرت عمرؓ کو بلایا' پھر کسی انصاری کے باغ میں گئے اور اس سے فرمایا لاؤ بھائی کھانے کو دو' وہ انگور کے خوشے اٹھا لائے اور آپ کے سامنے رکھ دیئے آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کھائے' پھر فرمایا ٹھنڈا پانی پلاؤ' وہ لائے آپ نے پیا پھر فرمانے لگے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی' حضرت عمر نے وہ خوشہ اٹھا کر زمین پر دے مارا اور کہنے لگے اس کے بارے میں بھی خدا کے ہاں پرسش ہوگی' آپ نے فرمایا ہاں صرف تین چیزوں کی تو پرسش نہیں۔ پردہ پوشی کے لائق کپڑا۔ بھوک روکنے کے قابل ٹکڑا اور سردی گرمی میں سر چھپانے کے لئے مکان (مسند احمد)۔

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور حضورؐ نے پڑھ کر سنائی تو صحابہ کہنے لگے ہم سے کس نعمت پر سوال ہو گا؟ کھجوریں کھا رہے ہیں اور پانی پی رہے ہیں' تلواریں گردنوں میں لٹک رہی ہیں اور دشمن سر پر کھڑا ہے؟ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں' عنقریب نعمتیں آ جائیں گی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم بیٹھے ہوئے تھے جو حضور ﷺ آئے اور نہائے ہوئے معلوم ہوتے تھے' ہم نے کہا حضورؐ اس وقت تو آپ خوش و خرم نظر آتے ہیں' آپ نے فرمایا ہاں' پھر لوگ تونگری کا ذکر کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے دل میں خوف خدا ہو اس کے لئے تونگری کوئی بری چیز نہیں اور یاد رکھو متقی شخص کے لئے صحت تونگری سے بھی اچھی ہے اور خوش نفسی بھی خدا کی نعمت ہے (مسند احمد)۔

ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے' ترمذی شریف میں ہے نعمتوں کے سوال میں قیامت والے دن سب سے پہلے یہ کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے صحت نہیں دی تھی اور ٹھنڈے پانی سے تجھے آسودہ نہیں کیا کرتے تھے؟ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ اس آیت ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ کو سنا کر صحابہ کہنے لگے کہ حضور ہم تو جو کی روٹی اور وہ بھی آدھا پیٹ کھا رہے ہیں' تو اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ کیا تم پیر بچانے کے لئے جوتیاں نہیں پہنچے اور کیا تم ٹھنڈے پانی نہیں پیتے؟ یہی قابل پرستش نعمتیں ہیں- اور روایت میں ہے کہ امن اور صحت سے سوال ہوگا' پیٹ بھر کھانے سے' ٹھنڈے پانی سے سائے دار گھروں سے' میٹھی نیند سے بھی سوال ہوگا' شہد پینے سے' لذتیں حاصل کرنے سے' صبح شام کے کھانے سے' گھی شہد اور میدے کی روٹی وغیرہ غرض ان تمام نعمتوں کے بارے میں خدا کے ہاں سوال ہوگا- حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بدن کی صحت کانوں اور آنکھوں کی صحت کے بارے میں بھی سوال ہوگا کہ ان طاقتوں سے کیا کیا کام کئے۔

جیسے قرآن کریم میں ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ہر شخص سے اس کے کان اس کی آنکھ اور اس کے دل کے بارے میں سوال ہوگا لوگ بہت ہی غفلت برت رہے ہیں' صحت اور فراغت یعنی نہ تو ان کا پورا شکر ادا کرتے ہیں نہ ان کی عظمت کو جانتے ہیں نہ انہیں اللہ کی مرضی کے مطابق صرف کرتے ہیں- بزار میں ہے تہ بند کے سوا اور سائے دار دیواروں کے سوا اور روٹی کے ٹکڑے کے سوا ہر چیز کا قیامت کے دن حساب دینا پڑے گا- مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن کہے گا اے ابن آدم میں نے تجھے گھوڑوں پر اور اونٹوں پر سوار کرایا' عورتیں تیرے نکاح میں دیں' تجھے مہلت دی کہ تو ہنسی خوشی آرام و راحت سے زندگی گذارے اب بتا کہ اس کا شکریہ کہاں ہے؟ اللہ کے فضل و کرم سے سورۂ تکاثر کی تفسیر ختم ہوئی- فالحمدللہ-

تفسیر سورة العصر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

ع ۲۸

اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش والے بہت بڑے رحم والے کے نام سے شروع

زمانے کی قسم! ○ بے شک و بالیقین انسان نقصان میں ہے ○ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور جنہوں نے آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی ○

مسیلمہ کذاب اور عمرو بن عاص میں مکالمہ : ☆☆ (آیت: ۱-۳) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب سے ملے- اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر رکھا تھا' عمرو کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہو اس مدت میں تمہارے نبی پر بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہے- حضرت عمرو نے جواب دیا ایک مختصر سی نہایت فصاحت والی سورت اتری ہے' پوچھا وہ کیا ہے؟ حضرت عمرو نے سورۂ والعصر پڑھ کر سنا دی- مسیلمہ ذرا دیر تو سوچتا رہا پھر کہنے لگا- عمرو دیکھو مجھ پر بھی اسی جیسی سورت اتری ہے عمرو نے کہا وہ کیا؟ کہا یہ یَا وَبْرُ یَا وَبْرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَصَدْرٌ وَسَائِرُ حَصْرٍ نَقْرٍ پھر کہنے لگا عمرو کہو تمہارا کیا خیال ہے؟ عمرو نے کہا میرا خیال تو تو خود ہی جانتا ہے کہ مجھے تیرے جھوٹا ہونے کا علم ہے- وبر بلی جیسا ایک جانور ہے اس کے دونوں کان ذرا بڑے ہوتے ہیں اور سینہ بھی باقی جسم بالکل حقیر اور واہیات ہوتا ہے' اس کذاب نے ایسی فضول گوئی اور بکواس کے ساتھ اللہ کے کلام کا معارضہ کرنا چاہا جسے سن کر عرب کے بت پرست لوگوں

نے بھی اس کا کاذب اور مفتری ہونا سمجھ لیا- طبرانی میں ہے کہ دو صحابیوں کا یہ دستور تھا کہ جب ملتے ایک اس سورت کو پڑھتا دوسرا سنتا پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے' حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اس سورت کو غور و تدبر سے پڑھیں اور سمجھیں تو صرف یہی ایک سورت کافی ہے-

مختصر نقصان اور اصحاب فلاح و نجات: ☆☆ عصر سے مراد زمانہ ہے جس میں انسان نیکی بدی کے کام کرتا ہے' حضرت زید بن اسلم نے اس سے مراد عصر کی نماز یا عصر کی نماز کا وقت بیان کیا ہے لیکن مشہور پہلا قول ہی ہے' اس قسم کے بعد بیان فرماتا ہے کہ انسان نقصان میں' ٹوٹے میں اور ہلاکت میں ہے' ہاں اس نقصان سے بچنے والے وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان ہو' اعمال میں نیکیاں ہوں حق کی وصیتیں کرنے والے ہوں' یعنی نیکی کے کام کرنے کی' حرام کاموں سے رکنے کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہوں' قسمت کے لکھے پر' مصیبتوں کی برداشت پر صبر کرتے ہوں اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے ہوں' ساتھ ہی بھلی باتوں کا حکم کرنے اور بری باتوں سے روکنے میں لوگوں کی طرف سے جو بلائیں اور تکلیفیں پہنچیں ان کی بھی سہار کرتے ہوں اور اسی کی تلقین اپنے ساتھیوں کو بھی کرتے ہوں' یہ ہیں جو اس صریح نقصان سے مستثنیٰ ہیں- سورۂ والعصر کی تفسیر بحمد اللہ ختم ہوئی-

---

تفسیر سورة الهمزة

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾ الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنۡۢبَذَنَّ فِى الۡحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا الۡحُطَمَةُ ؕ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِىۡ تَطَّلِعُ عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾ فِىۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

ع ۹ ۲۹

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بخشش کرنے والا نہایت مہربان ہے ○

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہو ○ جو مال کو جمع کرتا جائے اور گنتا جائے ○ سمجھے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ کی زندگی دے دے گا ○ نہیں نہیں یہ تو توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا ○ تجھے کیا معلوم کہ ایسی آگ کیا ہے؟ ○ یہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے ○ جو دلوں پر چڑھے چلی جاتی ہے ○ جو ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہے ○ بڑے بڑے لمبے ستونوں میں ○

وزنی بیڑیاں اور قید و بند کو یاد رکھو: ☆☆ (آیت:۱-۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے زبان سے لوگوں کی عیب گیری کرنے والا' اپنے کاموں سے دوسروں کی حقارت کرنے والا خرابی والا شخص ہے هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيۡمٍ کی تفسیر بیان ہو چکی ہے- حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس سے مراد طعنہ دینے والا غیبت کرنے والا ہے' ربیع بن انس کہتے ہیں سامنے برا کہنا تو ھمز ہے اور پیٹھ پیچھے عیب بیان کرنا لم ہے- قتادہؒ کہتے ہیں زبان سے اور آنکھ کے اشاروں سے بندگان خدا کو ستانا اور چڑانا مراد ہے کہ کبھی تو ان کا گوشت کھائے یعنی غیبت کرے اور کبھی ان پر طعنہ زنی کرے- مجاہدؒ فرماتے ہیں ہمز ہاتھ اور آنکھ سے ہوتا ہے اور لمز زبان سے- بعض کہتے ہیں اس سے مراد اخنس بن شریق کافر ہے مجاہدؒ فرماتے ہیں آیت عام ہے- پھر فرمایا جو جمع کرتا جاتا ہے اور گن گن کر رکھتا جاتا ہے- جیسے اور جگہ ہے جَمَعَ فَاَوۡعٰى -

حضرت کعب فرماتے ہیں دن بھر تو مال کمانے کی ہائے وائے میں لگا رہا اور رات کو سڑی بھسی لاش کی طرح پڑ رہا' اس کا خیال یہ ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ دنیا میں رکھے گا حالانکہ واقعہ یوں نہیں بلکہ یہ بخیل اور لالچی انسان جہنم کے اس طبقے میں گرے گا جو ہر اس چیز کو جو اس میں گرے چور چور کر دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ توڑ پھوڑ کرنے والی کیا چیز ہے؟ اس کا حال اے نبی تمہیں معلوم نہیں' یہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جاتی ہے جلا کر بھسم کر دیتی ہے لیکن مرتے نہیں۔ حضرت ثابت بنانی جب اس آیت کی تلاوت کر کے اس کا یہ معنی بیان کرتے تو رو دیتے اور کہتے انہیں عذاب نے بڑا ستایا۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں آگ جلاتی ہوئی حلق تک پہنچ جاتی ہے پھر لوٹتی پھر پہنچتی ہے' یہ آگ ان پر چوطرف سے بند کر دی گئی ہے' جیسے کہ سورۂ بلد کی تفسیر میں گذرا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے اور دوسرا طریق اس کا موقوف ہے لوہا جو مثل آگ کے ہے اس کے ستونوں میں یہ لمبے لمبے دروازے ہیں' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں بعد مروی ہے ان جہنمیوں کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی' یہ لمبے لمبے ستونوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور اوپر سے دروازے بند کر دیئے جائیں گے' ان آگ کے ستونوں میں انہیں بدترین عذاب کئے جائیں گے۔ ابو صالحؒ فرماتے ہیں یعنی وزنی بیڑیاں اور قید و بند ان کے لئے ہوں گی' اس سورت کی تفسیر بھی اللہ کے فضل و کرم سے پوری ہوئی' فالحمدللہ۔

تفسیر سورة الفیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ﴿۱﴾ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ﴿۲﴾ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ﴿۳﴾ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ﴿۵﴾

ع
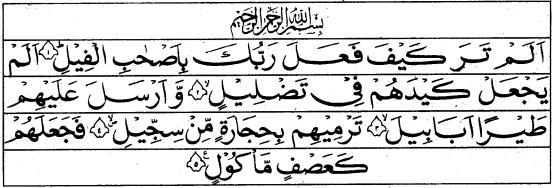
اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع ○

کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ ○ کیا ان کے مکر کو بیکار نہیں کر دیا ○ اور ان پر پرندوں کے جھرمٹ بھیج دیئے ○ جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے ○ پس انہیں کھائی ہوئی بھوسی کی طرح کر دیا ○

ابرہہ اور اس کا حشر: ☆☆ (آیت:۱-۵) اللہ رب العزت نے قریش پر جو اپنی خاص نعمت انعام فرمائی تھی اس کا ذکر کر رہا ہے کہ جس لشکر نے ہاتھیوں کو ساتھ لے کر کعبے کو ڈھانے کے لئے چڑھائی کی تھی' خدائے تعالیٰ نے اس سے پہلے کہ وہ کعبے کے وجود کو مٹائیں ان کا نام و نشان مٹا دیا' ان کی تمام فریب کاریاں' ان کی تمام قوتیں سلب کر لیں' برباد و غارت کر دیا' یہ لوگ مذہباً نصرانی تھے لیکن دین مسیح کو مسخ کر دیا تھا' قریب بت پرست ہو گئے تھے' انہیں اس طرح نامراد کرنا یہ گویا پیش خیمہ تھا آنحضرت ﷺ کی بعثت کا اور اطلاع تھی آپ کی آمد آمد کی۔ حضور علیہ السلام اسی سال تولد ہوئے' اکثر تاریخ داں حضرات کا یہی قول ہے تو گویا خدائے عالم فرما رہا ہے کہ اے قریشیو حبشہ کے اس لشکر پر تمہیں فتح تمہاری بھلائی کی وجہ سے نہیں دی گئی تھی بلکہ اس میں ہمارے دین کا بچاؤ تھا جسے ہم شرف بزرگی عظمت و عزت میں اپنے آخرالزماں پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت سے بڑھانے والے تھے۔

غرض اصحاب فیل کا مختصر واقعہ تو یہ ہے جو بیان ہوا اور مطول واقعہ اصحاب الاخدود کے بیان میں گذر چکا ہے کہ قبیلہ حمیر کا آخری بادشاہ ذونواس جو مشرک تھا' جس نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو کھائیوں میں قتل کیا تھا جو سچے نصرانی تھے اور تعداد میں تقریباً بیس ہزار تھے سارے کے سارے ہی شہید کر دیئے گئے تھے' صرف دوس ذوثعلبان ایک بچ گیا تھا جو ملک شام جا پہنچا اور قیصر روم سے فریادرسی چاہی۔ یہ بادشاہ نصرانی مذہب پر تھا' اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا کہ اس کے ساتھ اپنی پوری فوج کر دو اس لئے کہ یہاں سے دشمن کا ملک قریب تھا' اس بادشاہ نے ارباط اور ابویکسوم ابرہہ بن صباح کو امیر لشکر بنا کر بہت بڑا لشکر دے کر دونوں کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا' یہ لشکر یمن پہنچا اور یمن کو اور یمنیوں کو تاخت وتاراج کر دیا' ذونواس بھاگ کھڑا ہوا اور دریا میں ڈوب کر مر گیا اور ان لوگوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور سارے یمن پر شاہ حبشہ کا قبضہ ہو گیا اور یہ دونوں سردار یہاں رہنے سہنے لگے لیکن کچھ تھوڑی ہی مدت کے بعد ان میں ناچاقی ہو گئی' آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں نے آمنے سامنے صفیں باندھ لیں اور لڑنے کے لئے نکل آئے' عام حملہ ہو اس سے پیشتر ان دونوں سرداروں نے آپس میں کہا کہ فوجوں کو لڑانے اور لوگوں کو قتل کرانے کی کیا ضرورت' آؤ ہم تم دونوں میدان میں نکلیں اور ایک دوسرے سے لڑ کر فیصلہ کر لیں' جو زندہ بچ جائے ملک وفوج اسی کی' چنانچہ یہ بات طے ہو گئی اور دونوں میدان میں نکل آئے' ارباط نے ابرہہ پر حملہ کیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے چہرہ خونا خون کر دیا' ناک ہونٹ اور منہ کٹ گیا' ابرہہ کے غلام عتودہ نے اس موقعہ پر ارباط پر ایک بے پناہ حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ ابرہہ زخمی ہو کر میدان سے زندہ واپس گیا' علاج معالجہ سے زخم اچھے ہو گئے اور یمن کا یہ مستقل بادشاہ بن بیٹھا۔ نجاشی حبشہ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ سخت غصہ ہوا اور ایک خط ابرہہ کو لکھا' اسے بڑی لعنت ملامت کی اور کہا کہ قسم اللہ کی میں تیرے شہروں کو پامال کروں گا۔ اور تیری چوٹی کاٹ لاؤں گا' ابرہہ نے اس کا جواب نہایت عاجزی سے لکھا اور قاصد کو بہت سارے ہدیئے دے اور ایک تھیلی میں یمن کی مٹی بھر دی اور اپنی پیشانی کے بال کاٹ کر اس میں رکھ دے اور اپنے خط میں اپنے قصوروں کی معافی طلب کی اور لکھا کہ یہ یمن کی مٹی حاضر ہے اور مٹی چوٹی کے بال بھی' آپ اپنی قسم پوری کیجئے اور ناراضی معاف فرمایئے' اس سے شاہ حبشہ خوش ہو گیا اور یہاں کی سرداری اسی کے نام کر دی۔ اب ابرہہ نے نجاشی کو لکھا کہ میں یہاں یمن میں آپ کے لئے ایک ایسا گرجا تعمیر کر رہا ہوں کہ اب تک دنیا میں ایسا نہ بنا ہو اور اس گرجا گھر کا بنانا شروع کیا۔

بڑے اہتمام اور کروفر سے بہت اونچا بہت مضبوط بے حد خوبصورت اور منقش ومزین گرجا بنایا' اس قدر بلند تھا کہ چوٹی تک نظر ڈالنے والے کی ٹوپی گر پڑتی تھی' اسی لئے عرب اسے قلیس کہتے تھے یعنی ٹوپی پھینک دینے والا' اب ابرہہ اشرم کو یہ سوجھی کہ لوگ بجائے کعبۃ اللہ کے حج کے اس کا حج کریں' اپنی ساری مملکت میں اس کی منادی کرا دی۔ عدنانیہ اور قحطانیہ عرب کو یہ بہت برا لگا' ادھر سے قریش بھی بھڑک اٹھے' تھوڑے دن میں کوئی شخص رات کے وقت اس کے اندر گھس گیا اور وہاں پاخانہ کر کے چلا آیا' چوکیدار نے جب یہ دیکھا تو بادشاہ کو خبر پہنچائی اور کہا کہ یہ کام قریشیوں کا ہے چونکہ آپ نے ان کا کعبہ روک دیا ہے لہٰذا انہوں نے جوش اور غضب میں آ کر یہ حرکت کی ہے' ابرہہ نے اسی وقت قسم کھالی کہ میں مکہ سے پہنچوں گا اور بیت اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ چند من چلے نوجوان قریشیوں نے اس گرجا میں آگ لگا دی تھی اور اس وقت ہوا بھی بہت تیز تھی' سارا گرجا جل گیا اور منہ کے بل زمین پر گر گیا' اس پر ابرہہ نے بہت بڑا لشکر ساتھ لے کر مکہ پر چڑھائی کی تاکہ کوئی روک نہ سکے اور اپنے ساتھ ایک بڑا اونچا اور موٹا ہاتھی لیا جسے محمود کہا جاتا تھا جس جیسا ہاتھی اور کوئی نہ تھا۔ شاہ حبشہ نے یہ ہاتھی اس کے پاس اسی غرض سے بھیجا تھا' آٹھ یا بارہ ہاتھی اور بھی ساتھ تھے' یہ کعبے کے ڈھانے کی نیت سے چلا' یہ سوچ کر کہ کعبہ کی دیواروں میں مضبوط زنجیریں ڈال دوں گا اور ہاتھیوں کی گردنوں میں ان زنجیروں کو باندھ دوں گا۔ ہاتھی

ایک ہی جھٹکے میں چاروں دیواریں بیت اللہ کی جڑ سے گرا دیں گے' جب عرب کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو ان پر بڑا بھاری اثر پڑا اور انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہی ہو' ہم ضرور اس سے مقابلہ کریں گے اور اسے اس کی اس بدکرداری سے روکیں گے۔ ایک یمنی شریف سردار جو وہاں کے بادشاہوں کی اولاد میں سے تھا جسے ذونفر کہا جاتا تھا یہ کھڑا ہو گیا' اپنی قوم کو اور کل آس پاس کے عرب کو جمع کیا اور اس بدنیت بادشاہ سے مقابلہ کیا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا' عربوں کو شکست ہوئی اور ذونفر اس خبیث کے ہاتھ میں قید ہو گیا' اس نے اسے بھی ساتھ لیا اور مکہ شریف کی طرف بڑھا' خثعم قبیلے کی زمین پر جب یہ پہنچا تو یہاں نفیل بن حبیب خثعمی نے اپنے لشکروں سے اس کا مقابلہ کیا لیکن ابرہہ نے انہیں بھی مغلوب کر لیا اور نفیل بھی قید ہو گیا' پہلے تو اس ظالم نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن پھر قتل نہ کیا اور قید کر کے ساتھ لے لیا کہ راستہ بتائے' جب طائف کے قریب پہنچا تو قبیلہ ثقیف نے اس سے صلح کر لی کہ ایسا نہ ہو ان کے بت خانوں کو جس میں لات نامی بت تھا یہ توڑ دے' اس نے بھی ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ انہوں نے ابورغال کو اس کے ساتھ کر دیا کہ یہ تمہیں وہاں کا راستہ بتائے گا' ابرہہ جب مکے کے بالکل قریب مغمس کے پہنچا تو اس نے یہاں پڑاؤ کیا' اس کے لشکر نے آس پاس مکہ والوں کے جو جانور اونٹ وغیرہ چر چگ رہے تھے سب کو اپنے قبضہ میں کیا' ان جانوروں میں دو سو اونٹ تو صرف عبدالمطلب کے تھے' اسود بن معضود جو اس کے لشکر کے ہراول کا سردار تھا اس نے ابرہہ کے حکم سے ان جانوروں کو لوٹا تھا' جس پر عرب شاعروں نے اس کی ہجو میں اشعار تصنیف کئے ہوئے ہیں جو سیرۃ ابن اسحاق میں موجود ہیں۔ اب ابرہہ نے اپنا قاصد حناطہ حمیری مکہ والوں کے پاس بھیجا کہ مکہ کے سب سے بڑے سردار کو میرے پاس لاؤ اور یہ بھی اعلان کر دو کہ میں مکہ والوں سے لڑنے کو نہیں آیا' میرا ارادہ صرف بیت اللہ کو گرانے کا ہے' ہاں اگر مکہ والے اس کے بچانے کے درپے ہوئے تو لامحالہ مجھے ان سے لڑائی کرنی پڑے گی حناطہ جب مکہ میں آیا اور لوگوں سے ملا جلا تو معلوم ہوا کہ یہاں کا بڑا سردار عبدالمطلب بن ہاشم ہے' یہ عبدالمطلب سے ملا اور شاہی پیغام پہنچایا جس کے جواب میں عبدالمطلب نے کہا واللہ نہ ہمارا ارادہ اس سے لڑنے کا ہے نہ ہم میں اتنی طاقت ہے' یہ اللہ کا حرمت والا گھر ہے' اس کے خلیل حضرت ابراہیم کی زندہ یادگار ہے' اللہ اگر چاہے گا تو اپنے گھر کی آپ حفاظت کرے گا' ورنہ ہم میں تو ہمت و قوت نہیں۔ حناطہ نے کہا اچھا تو آپ میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلے چلئے' عبدالمطلب ساتھ ہوئے' بادشاہ نے جب انہیں دیکھا تو ہیبت میں آ گیا' عبدالمطلب گورے چٹے سڈول اور مضبوط قوی والے حسین جمیل انسان تھے' دیکھتے ہی ابرہہ تخت سے نیچے اتر آیا اور فرش پر عبدالمطلب کے ساتھ بیٹھ گیا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھ کہ کیا چاہتا ہے؟ عبدالمطلب نے کہا میرے دو سو اونٹ جو بادشاہ نے لے لئے ہیں انہیں واپس کر دیا جائے' بادشاہ نے کہا ان سے کہہ دے کہ پہلی نظر میں تیرا رعب مجھ پر پڑا تھا اور میرے دل میں تیری دہشت بیٹھ گئی تھی لیکن پہلے ہی کلام میں تو نے سب کچھ کھو دی' اپنے دو سو اونٹ کی تو تجھے فکر ہے اور اپنے اور اپنی قوم کے دین کی تجھے فکر نہیں' میں تو تم لوگوں کا عبادت خانہ توڑنے اور اسے خاک میں ملانے کے لئے آیا ہوں' عبدالمطلب نے جواب دیا کہ سن بادشاہ اونٹ تو میرے ہیں اس لئے انہیں بچانے کی کوشش میں میں ہوں اور خانہ کعبہ خدا کا ہے وہ خود اسے بچا لے گا' اس پر یہ سرکش کہنے لگا کہ خدا بھی آج اسے میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا' عبدالمطلب نے کہا بہتر ہے وہ جانے اور تو جان۔ یہ بھی مروی ہے کہ اہل مکہ نے تمام حجاز کا تہائی مال ابرہہ کو دینا چاہا کہ وہ اپنے اس بد ارادہ سے باز آئے لیکن اس نے قبول نہ کیا' خیر عبدالمطلب تو اپنے اونٹ لے کر چل دیئے اور آ کر قریش کو حکم دیا کہ مکہ بالکل خالی کر دو' پہاڑوں میں چلے جاؤ' اب عبدالمطلب اپنے ساتھ قریش کے چیدہ چیدہ لوگوں کو لے کر بیت اللہ میں آیا اور بیت اللہ کے دروازہ کا کنڈا تھام کر رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگنی شروع کیں کہ باری تعالیٰ ابرہہ اور اس کے خونخوار لشکر سے اپنے پاک اور ذی عزت گھر کو بچا لے' عبدالمطلب نے اس وقت یہ دعائیہ اشعار پڑھے۔

لَا هَمَّ اِنَّ الْمَرْاَيَمْ نَعُ رَحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكَ
لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ وَمَحَالُهُمْ اَبَدًا مَحَالَكَ

یعنی ہم بے فکر ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہر گھر والا اپنے گھر کا بچاؤ آپ کرتا ہے خدایا تو بھی اپنے گھر کو اپنے دشمنوں سے بچا' یہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ان کی صلیب اور ان کی ڈولیں تیری ڈولوں پر غالب آجائیں۔

اب عبدالمطلب نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گیا' یہ بھی مذکور ہے کہ جاتے ہوئے قربانی کے سو اونٹ بیت اللہ کے اردگرد نشان لگا کر چھوڑ دیئے تھے اس نیت سے کہ اگر یہ بددین آئے اور انہوں نے خدا کے نام کی قربانی کے ان جانوروں کو چھیڑا تو عذاب خدا ان پر اترے گا' دوسری صبح ابرہہ کے لشکر میں مکہ میں جانے کی تیاریاں ہونے لگیں' اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود تھا اسے تیار کیا' لشکر میں کمر بندی ہو چکی اور مکہ شریف کی طرف منہ اٹھا کر چلنے کی تیاری کی۔ اس وقت نفیل بن حبیب جو اس سے راستے میں لڑا تھا اور اب بطور قیدی کے اس کے ساتھ تھا وہ آگے بڑھا اور شاہی ہاتھی کا کان پکڑ لیا اور کہا محمود بیٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے وہیں خیریت کے ساتھ چلا جا' تو خدائے تعالیٰ کے محترم شہر میں ہے' یہ کہہ کر کان چھوڑ دیا اور بھاگ کر قریب کی پہاڑ میں جا چھپا' محمود ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا' اب ہزار جتن فیل بان کر رہے ہیں' لشکری بھی کوششیں کرتے کرتے تھک گئے لیکن ہاتھی اپنی جگہ سے ہمتا ہی نہیں سر پر آنکس مار رہے ہیں ادھر ادھر سے بھالے اور برچھے مار رہے ہیں آنکھوں میں آنکس ڈال رہے ہیں' غرض تمام جتن کر لئے لیکن ہاتھی جنبش بھی نہیں کرتا پھر بطور امتحان کے اس کا منہ یمن کی طرف کر کے چلانا چاہا تو جھٹ سے کھڑا ہو کر دوڑتا ہوا چل دیا' شام کی طرف چلانا چاہا تو بھی پوری طاقت سے آگے بڑھ گیا' مشرق کی طرف لے جانا چاہا تو بھی بھاگا بھاگا گیا' پھر مکہ شریف کی طرف منہ کر کے آگے بڑھانا چاہا وہیں بیٹھ گیا۔ انہوں نے پھر اسے مارنا پیٹنا شروع کیا کہ دیکھا کہ ایک گھٹا ٹوپ پرندوں کا جھرمٹ بادل کی طرح سمندر کے کنارے کی طرف سے امڈا چلا آ رہا ہے' ابھی پوری طرح دیکھنا بھی نہیں پائے تھے کہ وہ جانور سر پر آ گئے' چوطرف سے سارے لشکر کو گھیر لیا۔ ان میں سے ہر ایک کی چونچ میں ایک مسور یا ماش کے دانے برابر کنکری تھی اور دونوں پنجوں میں دو دو کنکریاں تھیں' یہ ان پر پھینکنے لگے' جس جس پر کنکری آن پڑی وہ وہیں ہلاک ہو گیا' اب تو اس لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی ہر ایک نفیل نفیل کرنے لگا کیونکہ اسے ان لوگوں نے اپنا رہبر اور راستہ بتانے والا سمجھ رکھا تھا' نفیل تو ہاتھی کو کہہ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور دیگر اہل مکہ ان لوگوں کی یہ درگت اپنی آنکھوں دیکھ رہے تھے اور نفیل وہیں کھڑا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

اَيْنَ الْمَفَرُّ وَالْاِلٰهُ الطَّالِبُ وَالْاَ شْرَمُ الْمَغْلُوْبُ لَيْسَ الْغَالِبُ

اب جائے پناہ کہاں ہے؟ جبکہ خدا خود تاک میں لگ گیا ہے۔ سنو اشرم بدبخت مغلوب ہو گیا اب یہ پنپنے کا نہیں اور بھی نفیل نے اس واقعہ کے متعلق بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں اس قصہ کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کاش کہ تو اس وقت موجود ہوتا جبکہ ان ہاتھی والوں کی شامت آئی ہے اور وادی محصب میں ان پر عذاب کے سنگریزے برسے ہیں تو اس وقت تو اس خدائی لشکر یعنی پرندوں کو دیکھ کر قطعاً سجدے میں گر پڑتا' ہم تو وہاں کھڑے حمد خدا کی راگنیاں الاپ رہے تھے' گو کلیجے ہمارے بھی اونچے ہو گئے تھے کہ کہیں کوئی کنکری ہمارا کام بھی تمام نہ کر دے' نصرانی منہ موڑے بھاگ رہے تھے اور نفیل نفیل پکار رہے تھے گویا کہ نفیل پر ان کے باپ دادوں کا کوئی قرض تھا۔ واقدی فرماتے ہیں یہ پرند زرد رنگ تھے' کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے' ان کے پاؤں سرخ تھے۔ اور روایت میں ہے کہ جب محمود ہاتھی بیٹھ گیا اور پوری کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھا تو انہوں نے دوسرے ہاتھی کو آگے کیا اس نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کی کمر پر کنکری پڑی اور بلبلا کر پیچھے ہٹا اور پھر اور ہاتھی بھی بھاگ کھڑے

ہوئے اور ادھر برابر کنکریاں آنے لگیں' اکثر تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور بعض جو ادھر ادھر بھاگ نکلے تھے ان میں سے بھی کوئی جاں بر نہ ہوا' بھاگتے بھاگتے ان کے اعضاء کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے اور بالاخر جان سے جاتے تھے' ابرہہ بادشاہ بھی بھاگا لیکن ایک ایک عضو بدن جھڑنا شروع ہوا یہاں تک کہ خثعم کے شہروں میں سے صنعا میں جب وہ پہنچا تو بالکل گوشت کا لوتھڑا بنا ہوا تھا' وہیں بلک بلک کر دم توڑا اور کتے کی موت مرا' دل تک پھٹ گیا تھا' قریشیوں کو بڑا مال ہاتھ لگا۔ عبدالمطلب نے تو سونے سے ایک کنواں پر کر لیا تھا' زمین عرب میں آبلہ اور چیچک اسی سال پیدا ہوتے ہوئے دیکھے گئے اور اسی طرح سپند اور حنظل وغیرہ کے کڑوے درخت بھی اسی سال زمین عرب میں دیکھے گئے' پس اللہ تعالٰی بزبان رسول معصوم ﷺ اپنی یہ نعمت یاد دلاتا ہے اور گویا فرمایا جا رہا ہے کہ گر تم میرے گھر کی اسی طرح عزت و حرمت کرتے رہتے اور میرے رسول کو مانتے تو میں بھی اسی طرح تمہاری حفاظت کرتا اور تمہیں دشمنوں سے نجات دیتا۔

ابابیل جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد لغت عرب میں پایا نہیں گیا۔ سجیل کے معنی ہیں بہت ہی سخت' اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دو فارسی لفظوں سے مرکب ہے یعنی سنگ اور گل سے یعنی پتھر اور مٹی' غرض سجیل وہ ہے جس میں پتھر مع مٹی کے ہو۔ عَصف جمع ہے عَصفَةٌ کی' کھیتی کے ان پتوں کو کہتے ہیں جو پک نہ گئے ہوں۔ ابابیل کے معنی ہیں گروہ گروہ' جھنڈ' بہت سارے' پے در پے جمع شدہ' ادھر ادھر سے آنے والے' بعض نحوی کہتے ہیں اس کا واحد ابیل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں ان پرندوں کی چونچ تھی اور پرندوں جیسے اور پنجے تھے کتوں جیسے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں یہ سبز رنگ کے پرند تھے جو سمندر سے نکلے تھے' ان کے سر درندوں جیسے تھے' اور اور اقوال بھی ہیں۔ یہ پرند باقاعدہ ان لشکریوں کے سروں پر پرے باندھ کر کھڑے ہو گئے اور پھر چیخنے لگے' پھر پتھر جس کے سر میں لگا اس کے نیچے سے نکل گیا اور دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا' جس کے جس عضو پر گرا وہ عضو ساقط ہو گیا' ساتھ ہی تیز آندھی آئی جس سے اور آس پاس کے کنکر بھی ان کی آنکھوں میں گھس گئے اور سب تہہ و بالا ہو گئے۔ عصف کہتے ہیں چارے کو اور کٹی کو اور گیہوں کے درخت کے پتوں کو اور مَاکُوْل سے مراد ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عصف کہتے ہیں بھوسی کو جو اناج کے دانوں کے اوپر ہوتی ہے۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں مراد کھیتوں کے وہ پتے ہیں جنہیں جانور چر چکے ہوں' مطلب یہ ہے کہ خدا نے ان کا تہس نہس کر دیا اور عام خاص کو ہلاک کر دیا ان کی ساری تدبیریں پٹ پڑ گئیں' کوئی بھلائی انہیں نصیب نہ ہوئی اور ان کی خبر پہنچائے ایسا بھی کوئی ان میں صحیح سالم نہ رہا جو بھی بچا' وہ زخمی ہو کر اور اس زخم سے پھر جاں بر نہ ہو سکا' خود بادشاہ بھی گو وہ ایک گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہو گیا تھا' جوں توں صنعا میں پہنچا لیکن وہاں جاتے ہی اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور واقعہ بیان کر ہی چکا تھا جو مر گیا' اس کے بعد اس کا لڑکا یکسوم یمن کا بادشاہ بنا' پھر اس کے دوسرے بھائی مسروق بن ابرہہ کو سلطنت ملی' اب سیف بن ذویزن حمیری کسریٰ کے دربار میں پہنچا اور اس سے مدد طلب کی تاکہ وہ اہل حبشہ سے لڑے اور یمن ان سے خالی کرائے' کسریٰ نے اس کے ساتھ ایک لشکر جرار کر دیا' اس لشکر نے اہل حبشہ کو شکست دی اور ابرہہ کے خاندان سے سلطنت نکل گئی اور پھر قبیلہ حمیر یہاں کا بادشاہ بن گیا' عربوں نے اس پر بڑی خوشی منائی اور چوطرف سے مبارکبادیاں وصول ہوئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا بیان ہے کہ ابرہہ کے لشکر کے فیل بان اور چرکٹے کو میں نے مکہ شریف میں دیکھا' دونوں اندھے ہو گئے تھے چل پھر نہیں سکتے تھے اور بھیک مانگا کرتے تھے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں اساف اور نائلہ بتوں کے پاس یہ بیٹھے رہتے تھے جہاں مشرکین اپنی قربانیاں کرتے تھے اور لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے تھے اس فیل بان کا نام انیسا تھا۔ بعض تاریخوں میں یہ بھی ہے کہ ابرہہ خود اس چڑھائی میں نہ تھا بلکہ اس نے اپنے لشکر کو بہ ماتحتی شمس بن معصود کے بھیجا تھا' یہ لشکر بیس ہزار کا تھا اور یہ پرند ان کے اوپر رات کے وقت آئے تھے اور صبح تک

ان سب کا ستیاناس ہو چکا تھا' لیکن یہ روایت بہت غریب ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ خود ابرہہ اشرم حبشی ہی اپنے ساتھ لشکر لے کر آیا تھا' یہ ممکن ہے کہ اس کے ہراول کے دستہ پر یہ شخص سردار ہو۔ اس واقعہ کو بہت سے عرب شاعروں نے اپنے اپنے شعروں میں بھی بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سورۂ فتح کی تفسیر میں ہم اس واقعہ کو مفصل بیان کر آئے ہیں جس میں ہے کہ جب حدیبیہ والے دن رسول اللہ ﷺ اس ٹیلے پر چڑھے جہاں سے آپ قریشیوں پر جانے والے تھے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگوں نے اسے ڈانٹا ڈپٹا لیکن وہ نہ اٹھی لوگ کہنے لگے قصواء تھک گئی آپ نے فرمایا نہ یہ تھکی نہ اس میں اڑنے کی عادت' اسے اس خدا نے روک لیا ہے جس نے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔

پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مکے والے جن شرائط پر مجھ سے صلح چاہیں گے میں سب مان لوں گا بشرطیکہ خدا کی حرمتوں کی ہتک اس میں نہ ہو' پھر آپ نے اسے ڈانٹا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوگئی۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے' بخاری مسلم کی اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ پر سے ہاتھیوں کو روک لیا اور اپنے نبی کو وہاں کا قبضہ دیا اور اپنے ایماندار بندوں کو' سنو آج اس کی حرمت ویسی ہی لوٹ کر آ گئی ہے جیسے کل تھی' خبردار ہر حاضر کو چاہیے کہ غیر حاضر کو پہنچا دے' اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ فیل کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة القریش

(تفسیر سورۃ قریش) سات فضیلتیں: ☆☆ اس کی فضیلت میں ایک غریب حدیث بیہقی کی کتاب خلافیات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قریشیوں کو سات فضیلتیں دی ہیں ایک تو یہ کہ میں ان میں سے ہوں' دوسرے یہ کہ نبوت ان میں ہے' تیسرے یہ کہ بیت اللہ کے پاسبان یہ ہیں' چوتھے یہ کہ چاہ زمزم کے ساقی یہ ہیں' پانچویں یہ کہ خدا نے انہیں ہاتھی والوں پر غالب کیا' چھٹے یہ کہ دس سال تک انہوں نے خدا کی عبادت کی جبکہ اور کوئی عبادت خدا نہ کرتا تھا' ساتویں یہ کہ ان کے بارے میں قرآن کریم کی یہ سورت نازل ہوئی' پھر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر یہ سورت تلاوت کی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍۙ ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِۚ ﴿۲﴾ فَلۡيَعۡبُدُوۡا رَبَّ هٰذَا الۡبَيۡتِۙ ﴿۳﴾ الَّذِىۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ﴿۴﴾

ع ۲۱

شروع ہے اللہ تعالیٰ نہایت مہربان رحم والے کے نام سے ○

قریش کو الفت دلانے کے واسطے ○ انہیں الفت دلائی جاڑے اور گرمی کے سفر میں ○ انہیں چاہیے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے رہیں ○ جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور ڈر خوف میں امن وامان دیا ○

امن وامان کی ضمانت: ☆☆ (آیت: ۱-۴) موجودہ عثمانی قرآن کی ترتیب میں یہ سورت سورۂ فیل سے علیحدہ ہے اور دونوں کے درمیان بسم اللہ کی آیت کا فاصلہ موجود ہے' مضمون کے اعتبار سے یہ سورت پہلی کے سورت کے متعلق ہی ہے جیسے کہ محمد بن اسحاقؒ عبدالرحمن بن زید بن اسلمؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے' اس بنا پر معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے مکہ سے ہاتھیوں کو روکا اور ہاتھی والوں کو ہلاک کیا' یہ قریشیوں کو الفت دلانے اور انہیں اجتماع کے ساتھ باامن اس شہر میں رہنے سہنے کے لیے تھا اور یہ مراد بھی کی گئی ہے کہ یہ قریشی جاڑوں میں

کیا اور گرمیوں میں کیا دور دراز کا سفر امن وامان سے طے کر سکتے تھے کیونکہ مکے جیسے محترم شہر میں رہنے کی وجہ سے ہر جگہ ان کی عزت ہوتی تھی بلکہ ان کے ساتھ بھی جو ہوتا تھا امن وامان سے سفر طے کر لیتا تھا' اسی طرح وطن سے ہر طرح کا امن انہیں حاصل ہوتا تھا جیسے کہ اور جگہ قرآن کریم میں موجود ہے کہ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والی جگہ بنا دیا ہے' اس کے آس پاس تو لوگ اچک لئے جاتے ہیں لیکن یہاں کے رہنے والے نڈر ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں لِاِیْلٰفِ میں پہلا لام تعجب کا لام ہے اور دونوں سورتیں بالکل جداگانہ ہیں جیسا کہ مسلمانوں کا اجماع ہے' تو گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ تم قریشیوں کے اس اجتماع اور الفت پر تعجب کرو کہ میں نے انہیں کیسی بھاری نعمت عطا فرما رکھی ہے' انہیں چاہئے کہ میری اس نعمت کا شکر اس طرح ادا کریں کہ صرف میری ہی عبادت کرتے رہیں۔ جیسے اور جگہ ہے قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا یعنی اے نبی تم کہہ دو کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی ہی عبادت کروں جس نے اسے حرم بنایا جو ہر چیز کا مالک ہے' مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کا مطیع اور فرمانبردار رہوں۔

پھر فرماتا ہے وہ رب بیت جس نے انہیں بھوک میں کھلایا اور خوف میں نڈر رکھا انہیں چاہئے اس کی عبادت میں کسی چھوٹے بڑے کو شریک نہ ٹھہرائیں' جو خدا کے اس حکم کی بجا آوری کرے گا وہ تو دنیا کے اس امن کے ساتھ آخرت کے دن بھی امن وامان سے رہے گا اور اس کی نافرمانی کرنے سے یہ امن بھی بے امنی سے اور آخرت کا امن بھی ڈر خوف سے انتہائی مایوسی سے بدل جائے گا۔ جیسے اور جگہ فرمایا ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْیَةً كَانَتْ اٰمِنَةً اللہ تعالیٰ ان بستی والوں کی مثال بیان فرماتا ہے جو امن واطمینان کے ساتھ تھے' ہر جگہ سے بافراغت روزیاں کھچی چلی آتی تھیں لیکن انہیں خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرنے کی سوجھی چنانچہ خدائے تعالیٰ نے بھی انہیں بھوک اور خوف کا لباس چکھا دیا' یہی ان کے کرتوت کا بدلہ تھا' ان کے پاس ان ہی میں سے خدا کے بھیجے ہوئے آئے لیکن انہوں نے اسے جھٹلایا اس ظلم پر خدا کے عذابوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریشیو تمہیں تو خدا یوں راحت و آرام پہنچائے' گھر بیٹھے کھلائے پلائے' چوطرف بدامنی کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور تمہیں امن وامان سے میٹھی نیند سلائے' پھر تم پر کیا مصیبت ہے جو تم اپنے اس پروردگار کی توحید سے جی چراؤ اور اس کی عبادت میں دل نہ لگاؤ بلکہ اس کے سوا دوسروں کے آگے سر جھکاؤ؟ الحمد للہ سورۂ لایلاف کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الماعون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ﴿۲﴾ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ﴿۳﴾ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ﴿۴﴾ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۵﴾ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ﴿۶﴾ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے ○

کیا تو نے اسے بھی دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے ○ یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ○ اور مسکین کو کھلانے کی رغبت نہیں دیتا ○ ان نمازیوں کے لئے ویل نامی جہنم کی جگہ ہے ○ جو اپنی نماز سے غافل ہیں ○ جو ریاکاری ہیں ○ اور برتنے کی چیز روکتے ہیں ○

نماز میں غفلت اور یتیموں سے نفرت: ☆☆ (آیت:۱-۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد ﷺ تم نے اس شخص کو دیکھا؟ جو قیامت کے دن کو جو جزا و سزا کا دن ہے جھٹلاتا ہے' یتیم پر ظلم وستم کرتا ہے' اس کا حق مار کھاتا ہے' اس کے ساتھ سلوک واحسان نہیں کرتا مسکینوں کو خود تو کیا دیتا دوسروں کو بھی اس کار خیر پر آمادہ نہیں کرتا۔ جیسے اور جگہ ہے کَلَّا بَلْ لَا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ یعنی جو برائی تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے کہ نہ تم یتیموں کی عزت کرتے ہو نہ مسکینوں کو کھانا دینے کی رغبت دلاتے ہو یعنی اس فقیر کو جو اتنا نہیں پاتا کہ اسے کافی ہو۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ غفلت برتنے والے نمازیوں کی لئے ویل ہے یعنی ان منافقوں کے لئے جو لوگوں کے سامنے نماز ادا کریں ورنہ ہضم کر جائیں' یہی معنی حضرت ابن عباسؓ نے کئے ہیں' اور یہ بھی معنی ہیں کہ مقرر کردہ وقت ٹال دیتے ہیں جیسے کہ مسروق اور ابوالضحیٰ کہتے ہیں۔

حضرت عطاء بن دینار فرماتے ہیں خدا کا شکر ہے کہ فرمان باری میں عَنْ صَلٰوتِھِمْ ہے فِیْ صَلٰوتِھِمْ نہیں یعنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں فرمایا نمازوں میں غفلت برتتے ہیں نہیں فرمایا۔ اسی طرح یہ لفظ شامل ہے ایسے نمازی کو بھی جو ہمیشہ نماز کو آخری وقت ادا کرے یا عموماً آخری وقت پڑھے یا ارکان وشروط کی پوری رعایت نہ کرے یا خشوع وخضوع اور تدبر وغور وفکر نہ کرے۔ لفظ قرآن ان میں سے ہر ایک کو شامل ہے' یہ سب باتیں جس میں ہوں وہ تو پورا پورا بدنصیب ہے اور جس میں جتنی ہوں اتنا ہی وہ ویل ہے اور نفاق عملی کا حصہ دار ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے' یہ نماز منافق کی ہے' کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے جب وہ غروب ہونے کے قریب پہنچے اور شیطان اپنے سینگ اس میں ملا لے تو کھڑا ہو اور مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مار لے' جس میں خدا کا ذکر بہت ہی کم کرے' یہاں مراد عصر کی نماز ہے جو صلوٰۃ الوسطی ہے جیسے کہ حدیث کے لفظوں سے ثابت ہے یہ شخص مکروہ وقت میں کھڑا ہوتا ہے اور کوے کی طرح چونچیں مار لیتا ہے' جس میں اطمینان ارکان بھی نہیں ہوتا' نہ خشوع وخضوع ہوتا ہے بلکہ ذکر اللہ بھی بہت ہی کم ہوتا ہے اور کیا عجب کہ یہ نماز محض دکھاوے کی نماز ہو' تو پڑھی نہ پڑھی یکساں ہے۔ انہی منافقین کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا یعنی منافق خدا کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں' یہ جب بھی نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو تھکے ہارے بادل ناخواستہ صرف لوگوں کے دکھاوے کے لئے نماز گذارتے ہیں' خدا کی یاد بہت ہی کم کرتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا یہ ریاکاری کرتے ہیں' لوگوں میں نمازی بنتے ہیں۔

طبرانی کی حدیث میں ہے ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کی آگ اس قدر تیز ہے کہ اور آگ جہنم کی ہر دن اس سے چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے' یہ ویل اس امت کے ریاکار علماء کے لئے ہے اور ریاکاری کے طور پر صدقہ خیرات کرنے والوں کے لئے ہے اور ریاکاری کے طور پر حج کرنے والوں کے لئے ہے اور ریاکاری کے طور پر جہاد کرنے والوں کے لئے ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص دوسروں کو سنانے کے لئے کوئی نیک کام کرے اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو سنا کر عذاب کرے گا اور اسے ذلیل وحقیر کرے گا' ہاں اس موقعہ پر یہ یاد رہے کہ اگر کسی شخص نے بالکل نیک نیتی سے کوئی اچھا کام کیا اور لوگوں کو اس کی خبر ہوگئی اس پر اسے بھی خوشی ہوئی تو یہ ریاکاری نہیں' اس کی دلیل مسند ابویعلی موصلی کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار نبوی میں ذکر کیا کہ حضور میں تو تنہا نوافل پڑھتا ہوں لیکن اچانک کوئی آ جاتا ہے تو ذرا مجھے بھی یہ اچھا معلوم ہونے لگتا ہے آپ نے فرمایا تجھے دو اجر ملیں گے ایک اجر پوشیدگی کا اور دوسرا ظاہر کرنے کا۔ حضرت ابن المبارکؒ فرمایا کرتے تھے یہ حدیث ریاکاروں کے لئے بھی اچھی چیز ہے' یہ حدیث بروئے اسناد غریب ہے لیکن اس معنی کی حدیث اور سند سے بھی مروی ہے ابن جریر کی ایک بہت ہی ضعیف مسند والی حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو

حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ اکبر یہ تمہارے لئے بہتر ہے اس سے کہ تم میں سے ہر شخص کو مثل تمام دنیا کے دیا جائے' اس سے مراد وہ شخص ہے کہ نماز پڑھے تو اس کی بھلائی سے اسے کچھ سروکار نہ ہو اور نہ پڑھے تو خدا کا خوف اسے نہ ہو۔ اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے موخر کرتے ہیں' اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ سرے سے پڑھتے ہی نہیں' دوسرے معنی یہ ہیں کہ شرعی وقت نکال دیتے ہیں پھر پڑھتے ہیں' یہ معنی بھی ہیں کہ اول وقت میں ادا نہیں کرتے۔

ایک موقوف روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تنگ وقت کر ڈالتے ہیں' زیادہ صحیح موقوف روایت ہی ہے۔ امام بیہقی بھی فرماتے ہیں کہ مرفوع تو ضعیف ہے ہاں موقوف صحیح ہے۔ امام حاکم کا قول بھی یہی ہے پس جس طرح یہ لوگ عبادت رب میں سست ہیں اسی طرح لوگوں کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے' یہاں تک کہ برتنے کی کم قیمت چیزیں لوگوں کو اس لئے بھی نہیں دیتے کہ وہ اپنا کام نکال لیں اور پھر وہ چیز جوں کی توں واپس کر دیں' پس ان خسیس لوگوں سے یہ کہاں بن آئے کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں یا اور نیکی کے کام کریں۔ حضرت علیؓ سے ماعون کا مطلب ادائیگی زکوٰۃ بھی مروی ہے اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی اور دیگر حضرات مفسرین معتبرین سے بھی۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی نماز میں ریاکاری ہے اور اس کے مال کے صدقہ میں روک ہے۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں یہ منافق لوگ ہیں نماز تو چونکہ ظاہر ہے پڑھنی پڑتی ہے اور زکو چونکہ پوشیدہ ہے تو ادا نہیں کرتے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ماعون ہر وہ چیز ہے جو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مانگ لیا کرتے ہیں جیسے کدال پھاوڑا دیگچی ڈول وغیرہ۔ دوسری روایت میں ہے کہ اصحاب رسولؐ اس کا یہی مطلب بیان کرتے تھے اور روایت میں ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور ہم اس کی تفسیر یہی کرتے تھے۔ نسائی کی حدیث میں ہے ہر نیک چیز صدقہ ہے' ڈول اور ہنڈیا یا پتیلی مانگنے پر دینے کو ہم آنحضرت کے زمانہ میں ماعون سے تعبیر کرتے تھے غرض اس کے معنی زکوٰۃ نہ دینے کے' اطاعت نہ کرنے کے' مانگی چیز نہ دینے کے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بے جان چیزیں کوئی دو گھڑی کے لئے مانگنے آئے اس سے انکار کر دینا مثلاً چھلنی ڈول سوئی سل بٹا کدال پھاوڑا پتیلی دیگچی وغیرہ۔

ایک غریب حدیث میں ہے کہ قبیلہ نمیر کے وفد نے حضورؐ سے کہا کہ ہمیں خاص حکم کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ماعون سے منع کرنا' انہوں نے پوچھا ماعون کیا؟ فرمایا پتھر لوہا پانی' انہوں نے پوچھا لوہے سے مراد کون سا لوہا ہے؟ فرمایا یہی تمہاری تانبے کی پتیلیاں اور کدال وغیرہ' پوچھا پتھر سے کیا مراد؟ فرمایا یہی دیگچی وغیرہ۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے بلکہ مرفوع ہونا منکر ہے اور اس کی اسناد میں وہ راوی ہیں جو مشہور نہیں۔ علی نمیری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے آپ نے فرمایا مسلمان کا مسلمان بھائی ہے' جب ملے سلام کرے جب سلام کرے تو بہتر جواب دے اور ماعون کا انکار نہ کرے' میں نے پوچھا حضورؐ ماعون کیا؟ فرمایا پتھر لوہا اور اسی جیسی اور چیزیں۔ واللہ اعلم۔ الحمدللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کے احسان اور رحم سے اس سورت کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الكوثر

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ○
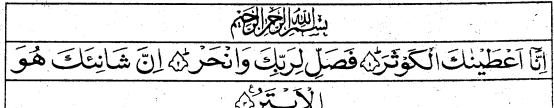
یقیناً ہم نے تجھے کوثر دی ○ پس تو اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر ○ یقیناً تیرا دشمن ہی بے نام نشان ہے ○

شہد سے زیادہ میٹھی اور دودھ سے زیادہ سفید نہر: ☆☆ (آیت:۱-۳) مسند احمد میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ پر غنودگی سی طاری ہو گئی اور دفعتہ سر اٹھا کر مسکرائے پھر یا تو خود آپ نے فرمایا یا لوگوں کے اس سوال پر فرمایا کہ حضورؐ کیسے مسکرائے؟ تو آپ نے فرمایا مجھ پر اس وقت ایک سورت اتری پھر آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اس پوری سورت کی تلاوت کی اور فرمایا جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا وہ ایک جنتی نہر ہے جس پر بہت بھلائی ہے' جو میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے' جس پر میری امت قیامت والے دن آئے گی' اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں' بعض لوگ اس سے ہٹائے جائیں گے تو میں کہوں گا اے میرے رب یہ بھی میرے امتی ہیں' تو کہا جائے گا آپ کو نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں؟ اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اس میں دو پرنالے آسمان سے گرتے ہوں گے۔ نسائی کی حدیث میں ہے یہ واقعہ مسجد میں گذرا' اسی سے اکثر قاریوں کا استدلال ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ اور اکثر فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورت میں اس کے ساتھ ہی نازل ہوئی تھی اور ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ مجھے کوثر عنایت کی گئی ہے' جو ایک جاری نہر ہے لیکن گڑھا نہیں ہے' اس کے دونوں جانب موتی کے خیمے ہیں' اس کی مٹی خالص مشک ہے' اس کے کنکر بھی سچے موتی ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ معراج والی رات آپ نے آسمان پر جنت میں اس نہر کو دیکھا اور جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون سی نہر ہے تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ یہ کوثر ہے جو خدا نے آپ کو دے رکھی ہے۔ اور اس قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں اور بہت سی ہم نے سورۂ اسراء کی تفسیر میں بیان بھی کر دی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے جس کے کنارے دراز گردن پرند بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت صدیقؓ نے سن کر فرمایا وہ پرند تو بہت ہی خوبصورت ہوں گے' آپ نے فرمایا کھانے میں بھی وہ بہت ہی لذیذ ہیں (ابن جریر) اور روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا کہ کوثر کیا ہے؟ اس پر آپ نے یہ حدیث بیان کی تو حضرت عمرؓ نے ان پرندوں کی نسبت یہ فرمایا (مسند احمد) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یہ نہر بیچوں بیچ جنت کے ہے۔ ایک منقطع سند سے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ کوثر کے پانی کے گرنے کی آواز جو سننا چاہے وہ اپنے دونوں کانوں میں اپنی دونوں انگلیاں ڈال لے اولاً تو اس کی سند ٹھیک نہیں دوسرے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس جیسی آواز آتی ہے نہ کہ خاص اسی کی آواز ہو۔ واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کوثر سے مراد وہ بھلائی اور خیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ ابوبشرؒ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ سے یہ سن کر کہا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ جنت کی ایک نہر ہے' تو حضرت سعید نے فرمایا وہ بھی ان بھلائیوں اور خیر میں سے ہے جو آپ کو خدا کی طرف سے عنایت ہوئی ہیں اور بھی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد بہت سی خیر ہے تو یہ تفسیر شامل ہے حوض کوثر وغیرہ سب کو' کوثر ماخوذ ہے کثرت سے جس سے مراد خیر کثیر ہے اور اسی خیر کثیر میں حوض جنت بھی ہے جیسے کہ بہت سے مفسرین سے مروی ہے۔ حضرت مجاہدؒ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں دنیا اور آخرت کی بہت بہت بھلائیاں مراد ہیں۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں نبوت' قرآن' ثواب آخرت کوثر ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوثر کی تفسیر نہر کوثر سے بھی مروی ہے جیسے کہ ابن جریر میں سنداً مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں

کنارے سونا چاندی ہے جو یاقوت اور موتیوں پر بہہ رہی ہے جس کا پانی برف سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ تفسیر مروی ہے (ابن جریر) ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں یہ روایت مرفوع بھی آئی ہے امام ترمذی اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے آپ اس وقت گھر پر نہ تھے آپ کی بیوی صاحبہ جو قبیلہ بنونجار سے تھیں انہوں نے کہا کہ یا نبی اللہ وہ تو ابھی ابھی آپ ہی کی طرف گئے ہیں شاید بنونجار میں رک گئے ہوں آپ تشریف لائیں۔ حضورؐ گھر میں گئے تو مائی صاحبہ نے آپ کے سامنے مالیدہ رکھا جو آپ نے تناول فرمایا مائی صاحبہ خوش ہو کر فرمانے لگیں اچھا ہوا خود تشریف لے آئے میں تو حاضر دربار ہونے کا ارادہ کر چکی تھی کہ آپ کو حوض کوثر ملنے کی مبارک باد دوں مجھ سے ابھی ابھی حضرت ابو عمارہؓ نے کہا تھا آپ نے فرمایا ہاں اس حوض کی زمین یاقوت اور مرجان اور زبرجد اور موتیوں کی ہے اس کے ایک راوی خرام بن عثمان ضعیف ہیں لیکن واقعہ حسن ہے اور اصل تو تواتر سے ثابت ہو چکی ہے۔ بہت سے صحابہ اور تابعین وغیرہ سے ثابت ہے کہ کوثر نہر کا نام ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ جیسے ہم نے تمہیں خیر کثیر عنایت فرمائی اور ایسی پر شوکت نہر دی تو تم بھی صرف میری ہی عبادت کرو خصوصاً نفل فرض نماز اور قربانی اسی وحدہ لاشریک لہ کے نام کی کرتے رہو جیسے فرمایا قُلْ اِنَّ صَلوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ مراد قربانی سے اونٹوں کا نحر کرنا وغیرہ ہے۔ مشرکین سجدے اور قربانیاں اللہ کے سوا اوروں کے نام کی کرتے تھے تو یہاں حکم ہوا کہ تم صرف اللہ ہی کے نام کی مخلصانہ عبادتیں کیا کرو اور جگہ ہے لَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاِنَّہٗ لَفِسْقٌ جس جانور پر خدا کا نام نہ لیا جائے اسے نہ کھاؤ یہ تو فسق ہے اور کہا گیا ہے کہ مراد وانحر سے دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر نماز میں سینے پر رکھنا ہے یہی حضرت علیؓ سے غیر صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ اس لفظ کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ حضرت ابو جعفر باقر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز کے شروع کے وقت رفع الیدین کرنا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اپنے سینے سے قبلہ کی طرف متوجہ ہو۔ یہ تینوں قول ابن جریر میں منقول ہیں۔

ابن ابی حاتم میں اس جگہ ایک بہت منکر حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ جب یہ سورت نبی صلی اللہ صلوۃ اللہ پر اتری تو آپ نے فرمایا اے جبرئیل وانحر سے مراد کیا ہے؟ جو مجھے میرے پروردگار کا حکم ہو رہا ہے تو حضرت جبرئیل نے فرمایا اس سے مراد قربانی نہیں بلکہ خدا کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرو اور رکوع کے وقت بھی اور جب رکوع سے سر اٹھاؤ تب اور جب سجدہ کرو یہی ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو ساتوں آسمانوں میں ہیں ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کرنا ہے یہ حدیث اسی طرح مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ حضرت عطا خراسانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں وانحر سے مراد یہ ہے کہ اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاؤ تو اعتدال کرو اور سینے کو ظاہر کرو یعنی اطمینان حاصل کرو۔ (ابن ابی حاتم) یہ سب اقوال غریب ہیں اور صحیح پہلا قول ہے کہ مراد نحر سے قربانیوں کا ذبح کرنا ہے۔ اسی لئے رسول مقبول ﷺ نماز عید سے فارغ ہو کر اپنی قربانی ذبح کرتے تھے اور فرماتے تھے جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہم جیسی قربانی کرے اس نے شرعی قربانی کی اور جس نے نماز سے پہلے ہی جانور ذبح کر لیا اس کی قربانی نہیں ہوئی۔ ابو ہریرہ بن نیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ میں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لی یہ سمجھ کر کہ آج کے دن گوشت کی چاہت ہوگی آپ نے فرمایا بس وہ تو کھانے کا گوشت ہو گیا صحابی نے کہا اچھا یا رسول اللہ اب میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے جو مجھے دو بکریوں سے بھی زیادہ محبوب ہے کیا یہ کافی ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں تجھے تو کافی ہے لیکن تیرے بعد چھ مہینے کا بکری کا بچہ کوئی اور قربانی نہیں دے سکتا امام ابو جعفر بن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ٹھیک قول اس کا ہے جو کہتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی تمام نمازیں خالص اللہ ہی کے

ادا کر اس کے سوا کسی اور کے لئے نہ کر اسی طرح اسی کی راہ میں خون بہا کسی اور کے نام پر قربانی نہ کر اس کا شکر بجالا جس نے تجھے یہ بزرگی دی اور وہ نعمت دی جس جیسی کوئی اور نعمت نہیں تجھی کو اس کے ساتھ خاص کیا' یہی قول بہت اچھا ہے-

محمد بن کعب قرظی اور عطا کا بھی یہی فرمان ہے- پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی تجھ سے اور تیری طرف اتری ہوئی وحی سے دشمنی رکھنے والا ہی قلت و ذلت والا بے برکتا اور دم بریدہ ہے' یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں اتری ہے' یہ پاجی جہاں حضورؐ کا ذکر سنتا تو کہتا اسے چھوڑو وہ دم کٹا ہے اس کے پیچھے اس کی نرینہ اولاد نہیں' اس کے انتقال کرتے ہی اس کا نام دنیا سے اٹھ جائے گا' اس پر یہ مبارک سورت نازل ہوئی ہے شمر بن علیہ فرماتے ہیں کہ عقبہ بن ابومعیط کے حق میں یہ آیت اتری ہے- ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں کعب بن اشرف اور جماعت قریش کے بارے میں یہ نازل ہوئی ہے- بزار میں ہے کہ جب کعب بن اشرف مکے میں آیا تو قریشیوں نے اس سے کہا کہ آپ تو ان کے سردار ہیں' آپ اس بچہ کی طرف نہیں دیکھتے؟ جو اپنی ساری قوم سے الگ تھلگ ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ افضل ہے حالانکہ ہم حاجیوں کے اہل ہیں' بیت اللہ ہمارے ہاتھوں میں ہے' زمزم پر ہمارا قبضہ ہے تو یہ خبیث کہنے لگا بیشک تم اس سے بہتر ہو' اس پر یہ آیت اتری' اس کی سند صحیح ہے- حضرت عطاؒ فرماتے ہیں ابولہب کے بارے میں یہ آیت اتری ہے جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو یہ بدنصیب مشرکین سے کہنے لگا کہ آج کی رات محمد کی نسل کٹ گئی (صلی اللہ علیہ وسلم وبارک) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری' ابن عباسؓ سے بھی یہ منقول ہے آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضورؐ کا ہر دشمن ہے جن جن کے نام لئے گئے وہ بھی اور جن کا ذکر نہیں ہوا وہ بھی- ابتر کے معنی ہیں تنہا' عرب کا یہ بھی محاورہ ہے کہ جب کسی کی نرینہ اولاد مر جائے تو کہتے ہیں ابتر- حضور علیہ السلام کے صاحبزادوں کے انتقال پر بھی انہوں نے دشمنی کی وجہ سے یہی کہا جس پر یہ آیت اتری' تو مطلب یہ ہوا کہ ابتر وہ ہے جس کے مرنے کے بعد اس کا ذکر مٹ جائے' ان مشرکین نے حضورؐ کی نسبت بھی یہی خیال کیا تھا کہ ان کے لڑکے تو انتقال کر گئے وہ نہ رہے جن کی وجہ سے ان کے انتقال کے بعد بھی ان کا نام رہتا' حاشا وکلا اللہ تعالیٰ کا آپ کا نام رہتی دنیا تک رکھے گا' آپ کی شریعت ابدالاباد تک باقی رہے گی' آپ کی اطاعت ہر کہ ومہ پر فرض کر دی گئی ہے آپ کا پیارا اور پاک نام ہر ہر مسلم کے دل وزبان پر ہے اور قیامت تک فضائے آسمانی میں عروج واقبال کے ساتھ گونجتا رہے گا' بحر وبر میں ہر وقت اسکی منادی ہوتی رہے گی' اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی آل واولاد پر اور ازواج واصحاب پر قیامت تک درود وسلام بے حد وبکثرت بھیجتا رہے' آمین- الحمدللہ خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کے احسان ورحم سے سورۂ کوثر کی تفسیر بھی ختم ہوئی- وللہ الحمد والمنہ-

تفسیر سورة الكافرون

مشرک سے براۃ اور بیزاری : ☆☆ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کو اور سورۂ قل ھو اللہ کو طواف کے بعد کی دو رکعت نماز میں تلاوت فرمایا- صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صبح کی دوسنتوں میں بھی آنحضرت ﷺ انہی دونوں سورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے- مسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کے فرضوں سے پہلے کی دو رکعتوں میں اور مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں بیس اوپر کچھ دفعہ یا دس اوپر کچھ مرتبہ سورۂ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور سورۂ قُلْ ھُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی (یعنی اتنی مرتبہ میں نے آپ کو یہ سورتیں ان نمازوں میں پڑھتے ہوئے سنا) مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کو میں نے چوبیس یا پچیس مرتبہ صبح کی دوسنتوں میں ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے بخوبی دیکھا-

مسند ہی کی دوسری روایت میں آپ سے مروی ہے کہ مہینہ بھر تک میں نے آپ کو ان دونوں رکعتوں میں یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے پایا۔ یہ روایت ترمذی ابن ماجہ اور نسائی میں بھی ہے' امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں- وہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ یہ سورت چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور سورۂ اِذَا زُلْزِلَتِ بھی- مسند احمد میں روایت ہے حضرت نوفل بن معاویہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ہماری ربیبہ کی زینب کی پرورش تم اپنے ہاں کرو' میرے خیال سے یہ حضرت زینب تھیں یہ ایک مرتبہ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہو بچی کیا کر رہی ہے؟ کہا میں اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑ آیا ہوں' فرمایا اچھا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا اس لئے کہ آپ سے کوئی وظیفہ سیکھ جاؤں جو سوتے وقت پڑھ لوں- آپ نے فرمایا قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھ کر سو جایا کرو اس میں شرک سے براۃ اور بیزاری ہے- طبرانی کی روایت میں ہے کہ جبلہ بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی آپ نے یہی فرمایا تھا- طبرانی کی اور روایت میں ہے کہ خود حضور بھی اپنے بستر پر لیٹ کر اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے- مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت حارث بن جبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے کہ میں سونے کے وقت اسے کہہ لیا کروں آپ نے فرمایا جب تو رات کو اپنے بستر پر جا تو قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھ لیا کر' یہ شرک سے بیزاری ہے- واللہ اعلم-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ﴿۱﴾ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۳﴾ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴿۴﴾ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۵﴾ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ﴿۶﴾

میں پڑھتا ہوں اللہ کے نام کی برکت سے جو رحمان اور رحیم ہے ○

کہہ دے کہ اے کافرو! ○ نہ میں تمہارے معبودوں کو پوجوں ○ نہ تم میرے معبود کو پوجتے ہو ○ اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا ○ نہ تم اس کی پرستش کرو گے جس کی عبادت میں کر رہا ہوں ○ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے ○

مشرکین الگ اور موحدین الگ : ☆☆ (آیت:۱-۶) اس سورۂ مبارکہ میں مشرکین کے عمل سے بیزاری کا اعلان ہے اور خدا کی عبادت کے اخلاص کا حکم ہے' گو یہاں خطاب مکہ کے کفار قریش سے ہے لیکن دراصل روئے زمین کے تمام کافر مراد ہیں- اس کی شان نزول یہ ہے کہ ان کافروں نے حضورؐ سے کہا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں تو اگلے سال ہم بھی خدا کی عبادت کریں گے اس پر یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق ﷺ کو حکم دیا کہ ان کے دین سے اپنی پوری بیزاری کا اعلان فرما دیں کہ میں تمہارے ان بتوں کو اور جن جن کو تم خدا کا شریک مان رہے ہو ہرگز نہ پوجوں گا گو تم بھی میرے معبود برحق خدا وحدہٗ لاشریک لہ کو نہ پوجو' پس ما یہاں پر معنی میں من کے ہے' پھر دوبارہ یہی فرمایا کہ میں تم جیسی عبادت نہ کروں گا' تمہارے مذہب پر میں کاربند نہیں ہو سکتا نہ میں تمہارے پیچھے لگ سکتا ہوں بلکہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کروں گا اور وہ بھی اس طریقے پر جو اسے پسند ہو اور جیسے وہ چاہے' اسی لئے فرمایا کہ نہ تم میرے رب کے احکام کے آگے سر جھکاؤ گے نہ اس کی عبادت اس کے فرمان کے مطابق بجا لاؤ گے بلکہ تم نے تو اپنی طرف سے طریقے مقرر کر لئے ہیں- جیسے اور جگہ ہے اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ الخ' یہ لوگ صرف اٹکل اور گمان کے اور خواہش نفسانی کے پیچھے

پڑے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت پہنچ چکی ہے' پس جناب نبی خدا احمد مجتبیٰ محمد ﷺ نے ہر طرح اپنا دامن ان سے چھڑا لیا اور صاف طور پر ان کے معبودوں سے اور ان کی عبادت کے طریقوں سے علیحدگی اور ناپسندیدگی کا اعلان فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ ہر عابد کا معبود ہو گا اور طریقہ عبادت ہو گا پس رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور طریقہ عبادت ان کا وہ ہے جو سرور رسل ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے۔

اسی لئے کلمہ اخلاص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا راستہ وہی ہے جس کے بتانے والے محمد ہیں جو خدا کے پیغمبر ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور مشرکین کے معبود بھی خدا کے سوا غیر ہیں اور طریقہ عبادت بھی خدا کا بتلایا ہوا نہیں' اسی لئے فرمایا کہ تمہارا دین تمہارے لئے' میرا میرے لئے' جیسے اور جگہ ہے وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ یعنی اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے' تم میرے اعمال سے الگ ہو اور میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں' اور جگہ فرمایا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ہمارے عمل ہمارے ساتھ اور تمہارے تمہارے ساتھ۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے تمہارے لئے تمہارا دین ہے یعنی کفر اور میرے لئے میرا دین ہے یعنی اسلام' یہ لفظ اصل میں دینی تھا لیکن چونکہ اور آیتوں کا وقف نون پر ہے اس لئے اس میں بھی یا کو حذف کر دیا' جیسے فَهُوَ يَهْدِيْنِ میں اور يَسْقِيْنِ میں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے مطلب یہ ہے کہ میں اب تو تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا نہیں اور آگے کے لئے بھی تمہیں ناامید کر دیتا ہوں کہ عمر بھر میں کبھی بھی یہ کفر مجھ سے نہ ہو سکے گا' اسی طرح نہ تم اب میرے خدا کو پوجتے ہو نہ آئندہ اس کی عبادت کرو گے' اس سے مراد وہ کفار ہیں جن کا ایمان نہ لانا خدا کو معلوم تھا' جیسے قرآن میں اور جگہ ہے وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا یعنی تیری طرف جو اترتا ہے اس سے ان میں کے اکثر تو سرکشی اور کفر میں بڑھ جاتے ہیں۔ ابن جریرؒ نے بعض عربی دان حضرات سے نقل کیا ہے کہ دو مرتبہ اس جملے کا لانا صرف تاکید کے لئے ہے جیسے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا میں اور جیسے لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ پس ان دونوں جملوں کو دو مرتبہ لانے کی حکمت میں یہ تین قول ہوئے' ایک تو یہ کہ پہلے جملے سے مراد معبود دوسرے سے مراد طریق عبادت' دوسرے یہ کہ پہلے جملے سے مراد حال دوسرے سے مراد استقبال یعنی آئندہ' تیسرے یہ کہ پہلے جملے کی تاکید دوسرے دونوں جملوں سے ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں ایک چوتھی توجیہ بھی ہے جسے حضرت امام ابن تیمیہؒ اپنی بعض تصنیفات میں قوت دیتے ہیں وہ یہ کہ پہلے تو جملہ فعلیہ ہے دوبارہ جملہ اسمیہ ہے' تو مراد یہ ہوئی کہ نہ تو میں غیر اللہ کی عبادت کرتا ہوں نہ مجھ سے کبھی بھی کوئی امید رکھ سکتا ہے یعنی واقعہ کی بھی نفی ہے اور شرعی طور پر ممکن ہونے کا بھی انکار ہے' یہ قول بھی بہت اچھا ہے واللہ اعلم۔

حضرت امام ابو عبداللہ شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی ملت ہے' اس لئے یہود نصرانی کا اور نصرانی یہود کا وارث ہو سکتا ہے جبکہ ان دونوں میں نسب یا سبب ورثے کا پایا جائے اس لئے کہ اسلام کے سوا کفر کی جتنی راہیں ہیں وہ سب باطل ہونے میں ایک ہی ہیں۔ حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کا مذہب اس کے برخلاف ہے کہ نہ یہودی نصرانی کا وارث ہو سکتا ہے نہ نصرانی یہود کا کیونکہ حدیث ہے دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ سورۂ قل یا ایھا الکافرون کی تفسیر ختم ہوئی' فالحمدللہ احسانہ۔

تفسیر سورة النصر

قرآن کا چوتھائی حصہ : ☆☆ پہلے وہ حدیث بیان ہو چکی ہے کہ یہ سورت چوتھائی قران کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباس نے عبیداللہ بن عبداللہؓ سے پوچھا جانتے ہو سب سے آخر کون سی سورت اتری؟ جواب دیا کہ ہاں یہی سورت اِذَا جَآءَ تو آپ نے فرمایا تم سچے ہو (نسائی) حافظ ابوبکر بزار اور حافظ بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت وارد کی ہے کہ یہ سورت ایام تشریق کے درمیان کے دن اتری تو آپ سمجھ گئے کہ یہ رخصت کی سورت ہے' اسی وقت حکم دیا اور آپ کی اونٹنی قصویٰ کسی گئی آپ اس پر سوار ہوئے اور اپنا وہ پرزور خطبہ پڑھا جو مشہور ہے۔ بیہقی میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور فرمایا مجھے میرے انتقال کی خبر آ گئی ہے' حضرت زہرا رضی اللہ عنہ رونے لگیں پھر یکا یک ہنس دیں۔ جب اور لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا خبر انتقال نے تو رلا دیا لیکن روتے ہوئے حضورؐ نے تسلی دی اور فرمایا بیٹی صبر کرو' میری اہل میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی تو مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ۝۱ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۝۳

شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ رحم کرنے والے مہربان کے ○

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے ○ اور تو لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق آتا دیکھ لے ○ تو اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرنے لگ اور اس سے مغفرت کی دعا مانگ' بیشک وہ معاف کرنے والا ہے ○

گناہوں کی بخشش مانگو اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرو : ☆☆ (آیت:۱-۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بڑی عمر والے بدری مجاہدین کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے بھی شامل کر لیا کرتے تھے تو شاید کسی کے دل میں اس سے کچھ ناراضگی پیدا ہوئی ہو گی' اس نے کہا کہ یہ ہمارے ساتھ نہ آیا کریں ان جتنے تو ہمارے بچے ہیں' خلیفۃ المسلمین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم انہیں خوب جانتے ہو۔ ایک دن سب کو بلایا اور مجھے بھی یاد فرمایا میں سمجھ گیا کہ آج انہیں کچھ دکھانا چاہتے ہیں جب ہم سب جا پہنچے تو امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم سے پوچھا کہ سورۂ اِذَا جَآءَ کی نسبت تمہیں کیا علم ہے؟ بعض نے کہا اس میں ہمیں خدا کی حمد وثنا بیان کرنے اور گناہوں کی بخشش چاہنے کا حکم کیا گیا ہے کہ جب مدد خدا آ جائے اور ہماری فتح ہو تو ہم یہ کریں اور بعض بالکل خاموش رہے تو آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور کہا کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں' فرمایا پھر اور کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کا پیغام ہے' آپ کو معلوم کرایا جا رہا ہے کہ اب آپ کی دنیوی زندگی ختم ہونے کو ہے' آپ تسبیح اور حمد میں اور استغفار میں مشغول ہو جائیے' حضرت فاروقؓ نے فرمایا یہی میں بھی جانتا ہوں (بخاری)

جب یہ سورت اتری تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اب اسی سال میرا انتقال ہو جائے گا' مجھے میرے انتقال کی خبر دی گئی ہے (مسند احمد) مجاہد ابوالعالیہ ضحاک رحمہم اللہ عنہم وغیرہ بھی یہی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ مدینہ شریف میں تھے فرمانے لگے اللہ

اکبراللہ اکبر خدائی مدد آ گئی اور فتح بھی' یمن والے آ گئے' پوچھا گیا' حضور یمن والے کیسے ہیں؟ فرمایا وہ نرم دل لوگ ہیں' سلجھی ہوئی طبیعت والے ہیں' ایمان تو یمنیوں کا ہے اور سمجھ بھی یمنیوں کی ہے اور حکمت بھی یمن والوں کی ہے (ابن جریر) ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب یہ سورت اتری چونکہ اس میں آپ کے انتقال کی خبر تھی تو آپ نے اپنے کاموں میں اور کمر کس لی اور تقریباً وہی فرمایا جو اوپر گزرا (طبرانی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ سورتوں میں پوری سورت نازل ہونے کے اعتبار سے سب سے آخری سورت یہی ہے (طبرانی) اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت اتری آپ نے اس کی تلاوت کی اور فرمایا لوگ ایک کنارہ ہیں اور میں اور میرے اصحاب ایک کنارہ میں ہیں' سنو فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں البتہ جہاد اور نیت ہے' مروان کو جب یہ حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ نے سنائی تو یہ کہنے لگا جھوٹ کہتا ہے' اس وقت مروان کے ساتھ اس کے تخت پر حضرت رافع بن خدیج اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی بیٹھے تھے تو حضرت ابوسعیدؓ فرمانے لگے ان دونوں کو بھی اس حدیث کی خبر ہے' یہ بھی اس حدیث کو بیان کر سکتے ہیں لیکن ایک کو تو اپنی سرداری چھن جانے کا خوف ہے اور دوسرے کو زکوٰۃ کی وصولی کے عہدے سے سبکدوش ہو جانے کا ڈر ہے۔ مروان نے یہ سن کر کوڑا اٹھا کر حضرت ابوسعید کو مارنا چاہا ان دونوں بزرگوں نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگے مروان' سن حضرت ابوسعیدؓ نے سچ بیان فرمایا ہے (مسند احمد) یہ حدیث ثابت ہے۔

حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے دن فرمایا ہجرت نہیں رہی ہاں جہاد اور نیت ہے' جب تمہیں چلنے کو کہا جائے اٹھ کھڑے ہو جایا کرو۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف میں یہ حدیث موجود ہے' ہاں یہ بھی یاد رہے کہ جن بعض صحابہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس سورت کا یہ مطلب بیان کیا کہ جب ہم پر اللہ تعالیٰ شہر اور قلعے فتح کر دے اور ہماری مدد فرمائے تو ہمیں حکم مل رہا ہے کہ ہم اس کی تعریفیں بیان کریں' اس کا شکر کریں' اس کی پاکیزگی بیان کریں' نماز ادا کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں' یہ مطلب بھی بالکل صحیح ہے اور یہ تفسیر بھی نہایت پیاری ہے' دیکھو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن ضحیٰ کی نماز پڑھی تھی' لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ ضحیٰ کی نماز آپ ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے پھر اس دن جبکہ شغل اور کام بہت زیادہ تھا' مسافرت تھی اسے کیسے پڑھی؟ آپ کی اقامت فتح کے موقعہ پر مکہ شریف میں رمضان شریف کے آخر تک انیس دن رہی' آپ فرض نماز کو بھی قصر کرتے رہے' روزہ بھی نہیں رکھا اور تمام لشکر جو تقریباً دس ہزار تھا اسی طرح کرتا رہا' ان حقائق سے یہ بات صاف ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ نماز فتح کے شکریہ کی نماز تھی' اسی لئے سردار لشکر امام وقت مستحب ہے کہ جب کوئی شہر فتح ہو تو داخل ہوتے ہی دو رکعت نماز ادا کرے' حضرت سعد بن ابی وقاص نے فتح مدائج والے دن ایسا ہی کیا تھا' ان آٹھ رکعتوں کو دو دو رکعتیں کر کے ادا کرے' گو بعض کا یہ قول بھی ہے کہ آٹھوں ایک ہی سلام سے پڑھ لے لیکن ابوداؤد کی حدیث میں صراحتاً مروی ہے کہ حضورؐ نے اس نماز میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا ہے۔ دوسری تفسیر بھی صحیح ہے جو ابن عباسؓ وغیرہ نے کی ہے کہ اس میں آپ کو آپ کے وصال کی خبر دی گئی کہ جب آپ اپنی بستی مکہ فتح کر لیں جہاں سے ان کفار نے آپ کو نکل جانے پر مجبور کیا تھا اور آپ اپنی آنکھوں اپنی محنت کا پھل دیکھ لیں کہ فوجوں کی فوجیں آپ کے جھنڈے تلے آ جائیں' جوق در جوق لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں تو ہماری طرف آنے کی اور ہم سے ملاقات کی تیاریوں میں لگ جاؤ' سمجھ لو کہ جو کام ہمیں تم سے لینا تھا پورا ہو چکا' اب آخرت کی طرف نگاہیں ڈالو جہاں آپ کے لئے بہت بہتری ہے اور اس دنیا سے بہت زیادہ بھلائی آپ کے لئے وہاں ہے' وہیں آپ کی مہمانی تیار ہے اور مجھ جیسا میزبان ہے' تم ان نشانات کو دیکھ کر بکثرت میری حمد و ثنا کرو اور توبہ استغفار میں لگ جاؤ۔

صحیح بخاری شریف کی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے رکوع سجدے میں بکثرت سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ پڑھا کرتے تھے' آپ قرآن کی اس آیت فسبح پر عمل کرتے تھے۔ اور

روایت میں ہے کہ حضورؐ اپنی آخری عمر میں ان کلمات کا اکثر ورد کرتے تھے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ خدا کی ذات پاک ہے اسی کے لئے سب تعریفیں سزاوار ہیں میں خدا سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف جھکتا ہوں اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے رب نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ جب میں یہ علامت دیکھ لوں کہ مکہ فتح ہو گیا اور دین اسلام میں فوجیں کی فوجیں داخل ہونے لگیں تو میں ان کلمات کو بہ کثرت کہوں چنانچہ بحمد للہ میں اسے دیکھ چکا لہذا اب اس وظیفے میں مشغول ہوں (مسند احمد) ابن جریر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضورؐ اپنی آخری عمر میں بیٹھتے اٹھتے چلتے پھرتے آتے جاتے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھا کرتے میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ حضورؐ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے اس سورت کی تلاوت کی اور فرمایا مجھے حکم خدا ہے کسی مجلس میں بیٹھیں پھر وہ مجلس برخاست ہو تو کیا پڑھنا چاہئے اسے ہم اپنی ایک مستقل تصنیف میں لکھ چکے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ جب یہ سورت اتری تو حضورؐ اسے اکثر اپنی نماز میں تلاوت کرتے اور رکوع میں تین مرتبہ یہ پڑھتے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ فتح سے مراد یہاں فتح مکہ ہے اس پر اتفاق ہے عموماً عرب قبائل اسی کے منتظر تھے کہ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آ جائیں اور مکہ ان کے زیر نگیں آ جائے تو پھر ان کے نبی ہونے میں ذرا سا بھی شبہ نہیں اب جبکہ خدا نے اپنے حبیب کے ہاتھوں مکہ فتح کرا دیا تو یہ سب اسلام میں آ گئے اس کے بعد دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ سارا عرب مسلمان ہو گیا اور ہر ہر قبیلے میں اسلام اپنا راج کرنے لگا فالحمد للہ۔

صحیح بخاری شریف میں بھی حضرت عمرو بن سلمہ کا یہ مقولہ موجود ہے کہ مکہ فتح ہوتے ہی ہر قبیلے نے اسلام کی طرف سبقت کی ان سب کو اسی بات کا انتظار تھا اور کہتے تھے کہ انہیں اور ان کی قوم کو چھوڑو دیکھو اگر یہ نبی برحق ہیں تو اپنی قوم پر غالب آ جائیں گے اور مکہ پر ان کا جھنڈا نصب ہو جائے گا ہم نے غزوہ فتح مکہ کا پورا پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے جو صاحب تفصیلات دیکھنا چاہیں وہ اس کتاب کو دیکھ لیں فالحمد للہ۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑوسی جب اپنے کسی سفر سے واپس آئے تو حضرت جابرؓ ان سے ملاقات کرنے کے لئے گئے انہوں نے لوگوں کی پھوٹ اور ان کے اختلاف کا حال بیان کیا اور ان کی نو ایجاد بدعتوں کا تذکرہ کیا تو صحابی رسول ﷺ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں نے حبیب خدا شافع روز جزا حضرت محمد مصطفیٰ فداہ ابی وامی ﷺ سے سنا ہے کہ لوگوں کی فوجیں کی فوجیں خدا کے دین میں داخل ہوئیں لیکن عنقریب جماعتیں کی جماعتیں ان میں سے نکلنے بھی لگ جائیں گی۔ اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ علی احسانہ۔

تفسیر سورۃ تبت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿۱﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ﴿۲﴾ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿۳﴾ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿۴﴾ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿۵﴾

میں اللہ کے نام سے پڑھتا ہوں جو بڑا رحمان نہایت رحیم ہے

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں وہ خود ہلاک ہو گیا ○ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی ○ بھڑکنے والی آگ میں وہ جائے گا ○ اور اس کی بیوی بھی جو

لکڑیاں ڈھونے والی ہے O اس کی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہوگی O

بدترین اور بدنصیب میاں بیوی: ☆☆ (آیت:۱-۵) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بطحا میں جا کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور اونچے اونچی آواز سے یَا صَبَاحَاہُ یَا صَبَاحَاہُ کہنے لگے قریش سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کہوں کہ صبح یا شام دشمن تم پر چھاپہ مارنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے جواب دیا جی ہاں' آپ نے فرمایا سنو میں تمہیں خدائی سخت عذابوں کے آنے کی خبر دے رہا ہوں' تو ابولہب کہنے لگا تجھے حلال کی ہو' کیا اسی لئے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟ اس پر یہ سورت اتری (بخاری) دوسری روایت میں ہے کہ یہ ہاتھ جھاڑتا ہوا یوں کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ تَبَّتْ بددعا ہے اور تَبَّ خبر ہے' یہ ابولہب یہ آنحضرت ﷺ کا چچا تھا اس کا نام عبدالعزی بن عبدالمطلب تھا' اس کی کنیت ابوعتبہ تھی' اس کے چہرے کی خوبصورتی اور چمک دمک کی وجہ سے اسے ابولہب یعنی شعلے کہا جاتا تھا' یہ حضور کا بدترین دشمن تھا' ہر وقت ایذا دہی تکلیف رسائی اور نقصان پہنچانے کے درپے رہا کرتا تھا۔ ربیعہ بن عباد دیلی اپنے اسلام لانے کے بعد اپنا جاہلیت کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود کو ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں لوگو لا الہ الا اللہ کہو تو فلاح پاؤ گے' لوگوں کا مجمع آپ کے آس پاس لگا ہوا تھا' میں نے دیکھا کہ آپ کے پیچھے ہی ایک گورے چٹے چمکتے چہرے والا بھینگی آنکھ والا جس کی سر کے بڑے بالوں کے دو مینڈھیاں تھیں آیا اور کہنے لگا لوگو یہ بے دین ہے جھوٹا ہے' غرض آپ لوگوں کے مجمع میں جا کر خدا کی توحید کی دعوت دیتے تھے اور یہ دشمن پیچھے پیچھے یہ کہتا ہوا چلا جا رہا تھا' میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آپ کا چچا ابولہب ہے (لعنہ اللہ) (مسند احمد)۔

ابوالزناد نے راوی حدیث حضرت ربیعہؓ سے کہا کہ آپ تو اس وقت بچہ سے ہوں گے' فرمایا نہیں میں اس وقت خاصی عمر کا تھا' مشک لاد کر پانی بھر لایا کرتا تھا دوسری روایت میں ہے اپنے باپ کے ساتھ تھا' میری جوان عمر تھی اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے اور فرماتے لوگو! میں تمہاری طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں میں تم سے کہتا ہوں کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' مجھے سچا جانو' مجھے میرے دشمنوں سے بچاؤ تا کہ میں اس کا کام بجا لاؤں جس کا حکم مجھے دے کر خدائے تعالیٰ نے بھیجا ہے' آپ جہاں یہ پیغام پہنچا کر فارغ ہوتے کہ آپ کا چچا ابولہب پیچھے سے پہنچتا اور کہتا اے فلاں قبیلے کے لوگو یہ شخص تو تمہیں لات و عزیٰ سے ہٹانا چاہتا ہے اور بنو مالک بن اقیش کے تمہارے حلیف جنوں سے تمہیں دور کر رہا ہوں اور اپنی نئی لائی ہوئی گمراہی کی طرف تمہیں بھی گھسیٹ رہا ہے' خبردار نہ اس کی سننا نہ ماننا (احمد و طبرانی)

اللہ تعالیٰ اس سورت میں فرماتا ہے کہ ابولہب برباد ہوا' اس کی کوشش غارت ہوئی' اس کے اعمال ہلاک ہوئے' بالیقین اس کی بربادی ہو چکی' اس کی اولادیں اس کے کام نہ آئیں۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو خدا کی طرف بلایا تو ابولہب کہنے لگا اگر میرے بھتیجے کی باتیں حق ہیں تو میں قیامت کے دن اپنا مال و اولاد خدا کو فدیے میں دے کر اس کے عذاب سے چھوٹ جاؤں گا اس پر آیت مَآ اَغْنٰی اتری۔ پھر فرمایا کہ یہ شعلے مارنے والی آگ میں جو سخت جلانے والی اور بہت تیز ہے داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی جو قریش عورتوں کی سردار تھی' اس کی کنیت ام جمیل تھی' نام اروی تھا' حرب بن امیہ کی لڑکی تھی' ابوسفیان کی بہن تھی اور اپنے خاوند کے کفر و عناد اور سرکشی و دشمنی میں یہ بھی اس کے ساتھ تھی اسی لئے قیامت کے دن عذابوں میں بھی اسی کے ساتھ ہوگی لکڑیاں اٹھا اٹھا کر لائے گی اور جس آگ میں اس کا خاوند جل رہا ہوگا ڈالتی جائے گی' اس کے گلے میں آگ کی رسی ہوگی اور جہنم کا ایندھن سمیٹتی رہے گی۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ

حَمَّالَتَهُ الْحَطَبِ سے مراد اس کا غیبت گو ہونا ہے- امام ابن جریرؒ اسی کو پسند کرتے ہیں- ابن عباس وغیرہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ جنگل سے خاردار لکڑیاں چن لاتی تھی اور حضورؐ کی راہ میں بچھا دیا کرتی تھی' یہ بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ یہ عورت نبی ﷺ کو فقیری کا طعنہ دیا کرتی تھی تو اسے اس کا لکڑیاں چننا یاد دلایا گیا' لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے واللہ اعلم-

سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے پاس ایک نفیس ہار تھا کہتی تھی کہ اسے میں فروخت کر کے محمد (ﷺ) کی مخالفت میں خرچ کروں گی' تو یہاں فرمایا گیا کہ اس کے بدلے اس کے گلے میں آگ کا طوق ڈالا جائے گا- مسد کے معنی کھجور کی رسی کے ہیں- حضرت عروہ فرماتے ہیں یہ جہنم کی زنجیر ہے جس کی ایک ایک کڑی ستر ستر گز کی ہے' ثوریؒ فرماتے ہیں یہ جہنم کا طوق ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے' جوہری فرماتے ہیں یہ اونٹ کی کھال کی اور اونٹ کے بالوں کی بنائی جاتی ہے- مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی لوہے کا طوق- حضرت مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جب یہ سورت اتری تو یہ بھینگی عورت ام جمیل بنت حرب اپنے ہاتھ میں نوکدار پتھر لئے یوں کہتی ہوئی حضور کے پاس آئی۔

مُذَمَّمًا اَبَیْنَا وَدِیْنَهٗ قَلَیْنَا وَاَمْرَهٗ عَصَیْنَا

یعنی ہم مذمم کے منکر ہیں اس کے دین کے دشمن ہیں اور اس کے نافرمان ہیں-

اس وقت رسول اللہ ﷺ کعبتہ اللہ میں بیٹھے ہوئے تھے' آپ کے ساتھ میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے' صدیق اکبر نے اسے اس حالت میں دیکھ کر حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ آ رہی ہے ایسا نہ ہو آپ کو دیکھ لے آپ نے فرمایا صدیق بے غم رہو یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی' پھر آپ نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی تا کہ اس سے بچ جائیں' خود قرآن فرماتا ہے وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا یعنی جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ایمان نہ لانے والوں کے درمیان پوشیدہ پردے ڈال دیتے ہیں' یہ ڈائن آن کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس کھڑی ہو گئی گو حضور بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس ہی بالکل ظاہر بیٹھے ہوئے تھے لیکن قدرتی حجابوں نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا' وہ حضور کو نہ دیکھ سکی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگی مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے یعنی شعروں میں میری مذمت کی ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں نہیں رب البیت کی قسم حضورؐ نے تیری کوئی ہجو نہیں کی' تو یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی کہ قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں (ابن ابی حاتم)

ایک مرتبہ یہ اپنی لمبی چادر اوڑھے طواف کر رہی تھی' پیر چادر میں الجھ گیا اور پھسل پڑی تو کہنے لگی مذمم غارت ہو- ام حکیم بنت عبدالمطلب نے کہا میں تو پاک دامن عورت ہوں' اپنی زبان نہیں بگاڑوں گی اور درست کرنے والی ہوں پس داغ نہ لگاؤں گی اور ہم سارے ایک ہی دادا کی اولاد میں ہیں اور قریش بھی پھر تو زیادہ جاننے والے ہیں- بزار میں ہے کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے تو حضرت صدیقؓ نے قسم کھا کر جواب دیا کہ نہ تو آپ شعر گوئی جانتے ہیں نہ کبھی آپ نے شعر کہے' اس کے جانے کے بعد حضرت صدیقؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں؟ آپ نے فرمایا فرشتہ آڑ بن کر کھڑا ہوا تھا جب تک وہ واپس چلی نہ گئی- بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اس کے گلے میں جہنم کی آگ کی رسی ہوگی' جس سے اسے کھینچ کر جہنم کے اوپر لایا جائے گا پھر ڈھیلی چھوڑ کر جہنم کی تہہ میں پہنچایا جائے گا' یہی عذاب اسے ہوتا رہے گا- ڈول کی رسی کو عرب مسد کہہ دیا

کرتے ہیں۔ عربی شعروں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں لایا گیا ہے‘ ہاں یہ یاد رہے کہ یہ بابرکت سورت ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کی ایک اعلیٰ دلیل ہے کیونکہ جس طرح ان کی بدبختی کی خبر اس سورت میں دی گئی تھی اسی طرح واقعہ بھی ہوا‘ ان دونوں کو ایمان لانا آخر تک نصیب ہی نہ ہوا نہ تو وہ ظاہر میں مسلمان ہوئے نہ باطن میں نہ چھپے نہ کھلے‘ پس یہ سورت زبردست بہت صاف اور روشن دلیل ہے حضور ﷺ کی نبوت کی‘ اس سورت کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں اور اسی کے فضل وکرم اور اسی کے احسان وانعام کی یہ برکت ہے۔

تفسیر سورۃ الاخلاص

شان نزول اور فضیلت کا بیان: ☆☆ مسند احمد میں ہے کہ مشرکین نے حضور ﷺ سے کہا اپنے رب کے اوصاف بیان کرو‘ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ صمد کے معنی ہیں جو نہ تو پیدا ہوا ہو نہ اس کی اولاد ہو‘ اس لئے کہ جو پیدا ہوا ہے وہ ایک وقت مرے گا بھی اور دوسرے اس کے وارث ہوں گے‘ اللہ عزوجل نہ مرے نہ اس کا کوئی وارث ہو‘ اس جیسا اور اس کی جنس کا کوئی نہیں‘ نہ اس کے مثل کوئی چیز ہے۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔ ابو یعلی موصلی میں بھی ہے کہ ایک اعرابی نے یہ سوال کیا تھا اور روایت میں ہے کہ مشرکین کے اس سوال کے جواب میں یہ سورت اتری۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر چیز کی نسبت ہے اور خدا کی نسبت یہ سورت ہے۔ صمد اسے کہتے ہیں جو کھوکھلا نہ ہو۔ بخاری شریف کتاب التوحید میں ہے کہ حضورؐ نے ایک چھوٹا سا لشکر کہیں بھیجا جس وقت وہ پلٹے تو انہوں نے کہا حضور نے ہم پر جسے سردار بنایا تھا وہ ہر نماز کی قرات کے خاتمہ پر سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھا کرتے تھے‘ آپ نے فرمایا ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ پوچھنے پر انہوں نے کہا کہ یہ سورت رحمان کی صفت ہے‘ مجھے اس کا پڑھنا بہت ہی پسند ہے‘ حضورؐ نے فرمایا انہیں خبر دو کہ خدا بھی اس سے محبت رکھتا ہے۔

بخاری شریف کتاب الصلوۃ میں ہے کہ ایک انصاری مسجد قبا کے امام تھے‘ ان کی عادت تھی کہ الحمد ختم کر کے پھر اس سورت کو پڑھتے‘ پھر جونسی سورت پڑھنی ہوتی یا جہاں سے چاہتے قرآن پڑھتے۔ ایک دن مقتدیوں نے کہا کہ آپ اس سورت کو پڑھتے پھر دوسری سورت ملاتے ہیں یا کیا؟ یا تو آپ صرف اسی کو پڑھئے یا چھوڑ دیجئے دوسری سورت ہی پڑھا کیجئے‘ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو جس طرح کرتا ہوں کرتا رہوں گا تم چاہو تو مجھے امام رکھو‘ کہو تو میں تمہاری امامت چھوڑ دوں‘ اب انہیں یہ بات بھاری پڑی‘ جانتے تھے کہ ان سب میں یہ زیادہ افضل ہیں‘ ان کی موجودگی میں دوسرے کا نماز پڑھانا بھی انہیں گوارا نہ ہوسکا‘ ایک دن جبکہ حضورؐ ان کے پاس تشریف لائے تو ان لوگوں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے امام صاحب سے کہا تم کیوں اپنے ساتھیوں کی بات نہیں مانتے اور ہر رکعت میں اس سورت کو کیوں پڑھتے ہو؟ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ مجھے اس سورت سے بڑی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا۔ ترمذی اور مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کہا میں اس سورت سے بہت محبت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا۔ ایک شخص نے کسی کو اس سورت کو پڑھتے ہوئے رات کے وقت سنا کہ وہ بار بار اسی کو دوہرا رہا ہے۔ صبح کے وقت آ کر اس نے حضورؐ سے ذکر کیا گویا کہ وہ اسے ہلکے ثواب کا کام جانتا تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ سورت مثل تہائی قرآن سے ہے (بخاری)

صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک رات میں

ایک تہائی قرآن پڑھ لوتو یہ صحابہ پر بھاری پڑا اور کہنے لگے بھلا اتنی طاقت تو ہر ایک میں نہیں آپ نے فرمایا سنو سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساری رات اسی سورت کو پڑھتے رہے حضورؐ سے جب ذکر کیا گیا تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ آدھے قرآن یا تہائی قرآن کے برابر ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی کو اس کی طاقت ہے کہ وہ ہر رات تیسرا حصہ قرآن کا پڑھ لیا کرے' صحابہ کہنے لگے یہ کس سے ہو سکے گا؟ آپ نے فرمایا سنو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے اتنے میں رسول اللہ ﷺ بھی آ گئے آپ نے سن لیا اور فرمایا ابوایوب سچ کہتے ہیں (مسند احمد)

ترمذی میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے صحابہ سے فرمایا جمع ہو جاؤ' میں تمہیں آج تہائی قران سناؤں گا' لوگ جمع ہو کر بیٹھ گئے' آپ گھر سے آئے' سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی اور پھر گھر چلے گئے' اب صحابہ میں باتیں ہونے لگیں کہ وعدہ تو حضورؐ کا یہ تھا کہ تہائی قرآن سنائیں گے شاید آسمان سے کوئی وحی آ گئی ہو اتنے میں آپ پھر واپس آئے اور فرمایا میں نے تم سے تہائی قرآن سنانے کا وعدہ کیا تھا' سنو یہ سورت تہائی قران کے برابر ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہر دن تہائی قرآن شریف پڑھ لیا کرو' لوگوں نے کہا حضور ہم اس سے بہت عاجز اور بہت ضعیف ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے تین حصے کئے ہیں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تیسرا حصہ ہے (مسلم نسائی وغیرہ) ایسی ہی روایتیں صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت سے مروی ہیں آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ کہیں سے آ رہے تھے آپ کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو آپ نے ایک شخص کو اس سورت کی تلاوت کرتے ہوئے سن کر فرمایا واجب ہوگئی' حضرت ابوہریرہ نے پوچھا کیا واجب ہوگئی؟ فرمایا جنت (ترمذی ونسائی) ابویعلی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کیا تم میں سے کوئی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ کو رات میں تین مرتبہ پڑھ لے؟ یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔ مسند احمد میں ہے عبداللہ بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پیاسے تھے' رات اندھیری تھی' حضورؐ کا انتظار تھا کہ آپ تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں' آپ آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے پڑھ' میں چپکا رہا' آپ نے پھر فرمایا پڑھ' میں نے کہا کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا ہر صبح شام تین تین مرتبہ سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ لیا کر' یہ کافی ہو جائے گی۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے ہر چیز سے تجھے یہ کفایت کرے گی۔ مسند کی ایک اور ضعیف حدیث میں ہے جس نے ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھ لیا اسے چالیس لاکھ نیکیاں ملتی ہیں وہ کلمات یہ ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاحِدًا اَحَدًا صَمَدًا لَّمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ان کے راوی خلیل بن مرہ ہیں' جنہیں حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ وغیرہ بہت ضعیف بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس پوری سورت کو دس مرتبہ پڑھ لے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر کرے گا۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ پھر تو ہم بہت سے محل بنوالیں گے آپ نے فرمایا خدا اس سے بھی زیادہ اور اس سے بھی اچھے دینے والا ہے۔ دارمی میں ہے کہ دس مرتبہ پر ایک محل' بیس پر دو' تیس پر تین' یہ حدیث مرسل ہے۔ ابویعلی موصلی کی ایک ضعیف حدیث ہے کہ جو شخص اس سورت کو پچاس مرتبہ پڑھ لے اس کے پچاس سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں' اسی کی ایک اور ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورت کو ایک دن میں دو سو مرتبہ پڑھ لے اس کے لئے ایک ہزار پانچ سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو۔ ترمذی کی اس حدیث میں ہے کہ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں مگر یہ کہ اس پر قرض ہو۔ ترمذی کی ایک غریب حدیث میں ہے جو شخص

سونے کے لئے اپنے بستر پر جائے پھر داہنی کروٹ لیٹ کر سو دفعہ اس سورت کو پڑھ لے تو قیامت کے دن رب عزوجل فرمائے گا اے میرے بندے اپنی داہنی طرف سے جنت میں چلا جا۔ بزار کی ایک ضعیف سند والی حدیث میں ہے جو شخص اس سورت کو دو سو مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے دو سو سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ نسائی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ نبی ﷺ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے دعا مانگ رہا ہے اپنی دعا میں کہتا ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کی گواہی دے کر کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے بے نیاز ہے نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد نہ ہمسر اور ساتھی کوئی اور۔ آپ یہ سن کر فرمانے لگے اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے خدا کے اس بڑے نام کے ساتھ کہ جب کبھی اس نام کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا ہو اور جب کبھی اس نام کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول ہو۔

ابو یعلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین کام ہیں جو انہیں ایمان کے ساتھ کر لے وہ جنت کے تمام دروازوں میں سے جس سے چاہے جنت میں چلا جائے اور جس کسی حور جنت سے چاہے نکاح کرا دیا جائے جو اپنے قاتل کو معاف کر دے اور پوشیدہ قرض ادا کر دے اور ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورۂ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کو پڑھ لے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ جو ان تینوں کاموں میں سے ایک کر لے آپ نے فرمایا ایک پر بھی یہی درجہ ہے۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس سورت کو گھر میں جاتے وقت پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس گھر والوں سے اور اس کے پڑوسیوں سے فقیری دور کر دے گا اس کی اسناد ضعیف ہے۔

مسند ابو یعلی میں ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان تبوک میں تھے سورج ایسی روشنی نور اور شعاروں کے ساتھ نکلا کہ ہم نے اس سے پہلے ایسا صاف شفاف اور روشن و منور نہیں دیکھا تھا حضور کے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ آج سورج کی اس تیز روشنی اور زیادہ نور اور چمکیلی شعاروں کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا آج مدینہ میں حضرت معاویہ بن معاویہ لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے جن کے جنازے کی نماز کے لئے اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے آسمان سے بھیجے ہیں پوچھا ان کے کس عمل کے باعث؟ فرمایا وہ سورۂ قل ھو اللہ احد کو دن رات چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے پڑھا کرتے تھے اگر آپ کا ارادہ ہو تو زمین سمیٹ لوں اور آپ ان کے جنازے کی نماز ادا کر لیں؟ آپ نے فرمایا بہت اچھا پس آپ نے ان کے جنازے کی نماز ادا کی۔ اس حدیث کو حافظ ابوبکر بیہقی رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں یزید بن ہارون کی روایت سے لائے ہیں۔ وہ علاء بن محمد سے روایت کرتے ہیں ان پر موضوع حدیثیں بیان کرنے کی تہمت ہے واللہ اعلم۔ مسند ابو یعلی میں اس کی دوسری سند بھی ہے جس میں یہ راوی نہیں اس میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول مقبول ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ معاویہ بن معاویہ لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے کہ کیا آپ ان کے جنازے کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں حضرت جبرئیل نے اپنا پر زمین پر مارا تمام درخت اور سب ٹیلے وغیرہ پست ہو گئے ان کا جنازہ حضورؐ کو نظر آنے لگا آپ نے نماز شروع کی اور آپ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے آپ نے دریافت کیا کہ آخر اس مرتبہ کی کیا وجہ ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ان کی سورت سے محبت اور ہر وقت آتے جاتے بیٹھتے اٹھتے اس کی تلاوت اسے بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور بیہقی کی سند میں محبوب بن بلال ہیں۔

ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں یہ مشہور نہیں ابو یعلی میں یہ راوی نہیں وہاں ان کی جگہ ابو عبداللہ محمود ہیں لیکن ٹھیک بات محبوب کا ہونا ہے

اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں اور سب ضعیف ہیں- ہم نے اختصار کے لئے انہیں یہاں نقل نہیں کیا- مسند احمد میں ہے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی میں نے جلدی سے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا یا رسول اللہ مومن کی نجات کس عمل پر ہے؟ آپ نے فرمایا اے عقبہ زبان تھامے رکھ اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہا کر اور اپنی خطاؤں پر روتا رہ پھر دوبارہ جب حضورؐ سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے خود میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا عقبہ کیا میں تمہیں توراۃ اور انجیل اور زبور اور قرآن میں اتری ہوئی تمام سورتوں سے بہترین سورتیں بتاؤں؟ میں نے کہا ہاں حضورؐ ضرور ارشاد فرمایئے اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے پس آپ نے مجھے سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھائیں پھر فرمایا دیکھو عقبہ انہیں نہ بھولنا اور ہر رات انہیں پڑھ لیا کرنا' فرماتے ہیں پھر نہ میں انہیں بھولا اور نہ کوئی رات ان کے پڑھے بغیر گذاری' میں نے پھر آپ سے ملاقات کی اور جلدی کر کے آپ کے دست مبارک کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے بہترین اعمال کا ارشاد فرمایئے' آپ نے فرمایا سن جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ' جو تجھے محروم رکھے تو اسے دے' جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے درگذر کر اور معاف کر دے' اس کا بعض حصہ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی زہد کے باب میں وارد کیا ہے اور فرمایا ہے یہ حدیث حسن ہے- مسند احمد میں بھی اس کی ایک اور سند ہے- صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ رات کے وقت جب بستر پر جاتے تو ہر رات ان تینوں سورتوں کو پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیاں ملا کر ان پر دم کر کے اپنے جسم مبارک پر پھیر لیا کرتے جہاں تک ہاتھ پہنچتے پہنچاتے' پہلے سر پر' پھر منہ پر' پھر اپنے سامنے کے جسم پر' تین مرتبہ اسی طرح کرتے - یہ حدیث سنن میں بھی ہے-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞

میں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں ○

کہہ دے کہ وہ اللہ ایک ہے ○ اللہ بے نیاز ہے ○ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ○ اور نہ کوئی اس کا ہم جنس ہے ○

اپنی حکمت وتدبر میں وحدہ لاشریک : ☆☆ (آیت:۱-۴) اس کے نازل ہونے کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے- حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہود کہتے تھے ہم حضرت عزیر کو پوجتے ہیں جو خدا کے بیٹے ہیں اور نصرانی کہتے تھے ہم حضرت مسیح کو پوجتے ہیں جو خدا کے بیٹے ہیں اور مجوسی کہتے تھے ہم سورج چاند کی پرستش کرتے ہیں اور مشرک کہتے تھے ہم بت پرست ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری کہ اے نبی تم کہہ دو کہ ہمارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جو واحد اور احد ہے' جس جیسا کوئی نہیں' جس کا کوئی وزیر نہیں' جس کا کوئی شریک نہیں' جس کا کوئی ہمسر نہیں' جس کا کوئی ہم جنس نہیں' جس کا برابر اور کوئی نہیں' جس کے سوا کسی میں الوہیت نہیں- اس لفظ کا اطلاق صرف اسی کی ذات پاک پر ہوتا ہے وہ اپنی صفتوں میں اور اپنے حکمت بھرے کاموں میں یکتا اور بے نظیر ہے وہ صمد ہے' یعنی ساری مخلوق اس کی محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صمد وہ ہے جو اپنی سرداری میں اپنی شرافت میں' اپنی بندگی اور عظمت میں' اپنے علم وحلم میں' اپنی حکمت وتدبر میں سب سے بڑھا ہوا ہے' یہ صفتیں صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ میں ہی پائی جاتی ہیں-

اس کا ہمسر اور اس جیسا کوئی اور نہیں' وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سب پر غالب ہے اور اپنی ذات وصفات میں یکتا اور بے نظیر ہے' صمد کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جو تمام مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے' جو ہمیشہ کی بقا والا' سب کی حفاظت کرنے والا ہو' جس کی ذات لازوال اور غیر فانی ہو- حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں صمد وہ ہے جو نہ کچھ کھائے نہ اس میں سے کچھ نکلے- یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ صمد کی تفسیر اس کے بعد ہے یعنی نہ اس میں سے کچھ نکلے نہ وہ کسی میں سے نکلے یعنی نہ اس کی اولاد ہو نہ ماں باپ' یہ تفسیر بہت اچھی اور عمدہ ہے اور ابن جریر کی روایت سے حضرت ابی بن کعبؓ سے صراحتاً یہ مروی ہے جیسے کہ پہلے گذرا اور بہت سے صحابہ اور تابعین سے مروی ہے کہ صمد کہتے ہیں ٹھوس چیز کو جو کھوکھلی نہ ہو جس کا پیٹ نہ ہو- شعبی کہتے ہیں جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو- عبداللہ بن بریدہؓ فرماتے ہیں صمد وہ نور ہے جو روشن ہو اور چمک دمک والا ہو- ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ صمد وہ ہے جس کا پیٹ نہ ہو لیکن اس کا مرفوع ہونا ٹھیک نہیں' صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے-

حافظ ابوالقاسم طبرانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب السنہ میں لفظ صمد کی تفسیر میں ان تمام اقوال وغیرہ کو وارد کر کے لکھتے ہیں کہ دراصل یہ سب سچے ہیں اور صحیح ہیں- کل صفتیں ہمارے رب عزوجل میں ہیں' اس کی طرف سب محتاج بھی ہیں' وہ سب سے بڑھ کر سردار اور سب سے بڑا ہے' اسے نہ پیٹ ہے نہ وہ کھوکھلا ہے نہ وہ کھائے نہ پیئے' سب فانی ہیں اور وہ باقی ہے وغیرہ- پھر فرمایا اس کی اولاد نہیں نہ اس کے ماں باپ ہیں نہ بیوی- جیسے اور جگہ ہے بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَّخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ یعنی وہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اسے اولاد کیسے ہوگی؟ اس کی بیوی نہیں ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے یعنی وہی ہر چیز کا خالق مالک ہے پھر اس کی مخلوق اور ملکیت میں سے اس کی برابری اور ہمسری کرنے والا کون ہوگا؟ وہ ان تمام عیوب اور نقصان سے پاک ہے- جیسے اور جگہ فرمایا وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا یعنی یہ کفار کہتے ہیں کہ خدا کی اولاد ہے تم تو ایک بڑی بری چیز لائے' قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں اس بنا پر کہ انہوں نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے حالانکہ خدا کو یہ لائق ہی نہیں کہ اس کی اولاد ہو' تمام زمین و آسمان میں کے کل کے کل خدا کے غلام ہی بن کر آنے والے ہیں' خدا کے پاس تمام کا شمار ہے اور انہیں ایک ایک کر کے گن رکھا ہے اور یہ سب کے سب تنہا تنہا اس کے پاس قیامت کے دن حاضر ہونے والے ہیں' اور جگہ ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ بَلْ یعنی ان کافروں نے کہا کہ رحمان کی اولاد ہے خدا اس سے پاک ہے بلکہ وہ تو خدا کے باعزت بندے ہیں بات میں بھی اس سے سبقت نہیں کرتے' اسی کے فرمان پر عامل ہیں' اور جگہ ہے وَجَعَلُوا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا الخ' یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان نسب قائم کر رکھا ہے حالانکہ جنات تو خود اس کی فرمانبرداری میں حاضر ہیں' اللہ تعالیٰ ان کے بیان کردہ عیوب سے پاک و برتر ہے-

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایذا دینے والی باتوں کو سنتے ہوئے صبر کرنے میں خدا سے زیادہ صابر کوئی نہیں' لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں اور پھر بھی وہ انہیں روزیاں دیتا ہے اور عافیت وتنگدستی عطا فرماتا ہے- بخاری کی اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اسے ایسا نہ چاہئے' مجھے گالیاں دیتا ہے اور اسے یہ بھی لائق نہ تھا' اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اول خدا نے مجھے پیدا کیا ایسے ہی پھر نہیں لوٹائے گا حالانکہ پہلی مرتبہ کی پیدائش دوسری مرتبہ کی پیدائش سے کچھ آسان تو نہ تھی جب میں اس پر قادر ہوں تو اس پر کیوں نہیں؟ اور اس کا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اللہ کی اولاد ہے حالانکہ میں تنہا ہوں' میں ایک ہی ہوں میں صمد ہوں نہ میری اولاد نہ میرے باپ نہ مجھ جیسا کوئی اور- الحمدللہ سورۂ اخلاص کی تفسیر خدا کے فضل وکرم اور اس کے لطف ورحم سے ختم ہوئی-

تفسیر سورۃ الفلق

مضبوط پناہ گاہیں' ناقابل تسخیر مدافعت اور شافی علاج: ☆☆ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سورت کو اور اس کے بعد کی سورت کو قرآن شریف میں نہیں لکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میری گواہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے فرمایا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ تو میں نے بھی یہی کہا پھر کہا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تو میں نے یہی کہا' تو ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے کہا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان دونوں سورتوں کے بارے میں پوچھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آپ کے بھائی حضرت ابن مسعودؓ تو ان دونوں کو قرآن شریف میں سے کاٹ دیا کرتے تھے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا مجھ سے کہا گیا کہو' میں نے کہا پس ہم بھی کہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے کہا (ابو بکر حمیدی) مسند میں بھی یہ روایت الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مروی ہے اور بخاری شریف میں بھی۔ مسند ابو یعلی وغیرہ میں ہے کہ ابن مسعودؓ ان دونوں سورتوں کو قرآن میں نہیں لکھتے تھے اور نہ قرآن میں انہیں شمار کرتے تھے' بلکہ قاریوں اور فقہیوں کے نزدیک مشہور بات یہی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں سورتوں کو قرآن میں نہیں لکھتے تھے شاید انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نہ سنا ہو اور تواتر کے ساتھ ان تک نہ پہنچا ہو۔ پھر یہ اپنے اس قول سے رجوع کر کے جماعت کے قول کی طرف پلٹ آتے ہیں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان سورتوں کو ائمہ کے قرآن میں داخل کیا جس کے نسخے چوطرف پھیلے وللہ الحمد و المنہ۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا چند آیتیں مجھ پر اس رات ایسی نازل ہوئی ہیں جن جیسی کبھی دیکھی نہیں گئیں' پھر آپ نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث مسند احمد میں' ترمذی میں اور نسائی میں بھی ہے امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں میں حضورؐ کے ساتھ مدینہ کی گلیوں میں آپ کی سواری کی نکیل تھامے چلا جا رہا تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا اب آؤ تم سوار ہو جاؤ' میں نے اس خیال سے آپ کی بات نہ مانوں گا تو نافرمانی ہوگی' سوار ہونا منظور کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اتر گیا اور حضورؐ سوار ہو گئے پھر آپ نے فرمایا عقبہ میں تجھے دو بہترین سورتیں کیا نہ سکھاؤں؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ ضرور سکھایئے' پس آپ نے مجھے سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھائیں' پھر نماز کھڑی ہوئی آپ نے نماز پڑھائی اور اور ان ہی دونوں سورتوں کی تلاوت کی' پھر مجھ سے فرمایا تو نے دیکھ لیا؟ سن جب تو سوئے اور جب کھڑا ہو انہیں پڑھ لے' ترمذی' ابو داؤد اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ہر نماز کے بعد ان سورتوں کی تلاوت کا حکم دیا۔ یہ حدیث بھی ابو داؤد' ترمذی اور نسائی میں ہے' امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ ان جیسی سورتیں تو نے پڑھی ہی نہیں۔ حضرت عقبہ والی حدیث جس میں حضورؐ کی سواری کے ساتھ آپ کا ہونا مذکور ہے' اس کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ جب حضور نے مجھے یہ سورتیں بتلائیں تو مجھے کچھ زیادہ خوش ہوتے نہ دیکھ کر فرمایا کہ شاید تو انہیں چھوٹی سی سورتیں سمجھتا ہے' سن نماز کے قیام میں ان جیسی سورتوں کی قرات اور ہے ہی نہیں۔ نسائی شریف کی حدیث میں ہے کہ ان جیسی سورتیں کسی پناہ پکڑنے والے کے لئے اور نہیں' ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عقبہ سے یہ سورتیں حضور نے پڑھائیں پھر فرمایا نہ تو دعا کی ان جیسی اور سورتیں ہیں نہ تعویذ کی ایک روایت میں ہے صبح کی فرض نماز حضورؐ نے ان ہی دونوں سورتوں سے پڑھائی۔ اور حدیث میں ہے حضرت عقبہؓ حضورؐ کی سواری کے پیچھے جاتے ہیں اور آپ کے قدم پر ہاتھ رکھ کر عرض کرتے ہیں حضورؐ مجھے سورۂ ہود یا سورۂ یوسف پڑھائیے آپ نے فرمایا خدا کے پاس نفع دینے والی کوئی سورت قُلْ اَعُوْذُ

بِرَبِّ الْفَلَقِ سے زیادہ نہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ پناہ حاصل کرنے والوں کے لئے ان دونوں سورتوں سے افضل سورت اور کوئی نہیں۔ پس بہت سی حدیثیں اپنے تواتر کی وجہ سے اکثر علماء کے نزدیک قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں اور وہ حدیث بھی بیان ہو چکی کہ آپ نے ان دونوں سورتوں اور سورۂ اخلاص کی نسبت فرمایا کہ چاروں کتابوں میں ان جیسی سورتیں نہیں اتریں۔ نسائی وغیرہ میں ہے کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے' سواریاں کم تھیں' باری باری سوار ہوتے تھے' حضرت نے ایک شخص کے مونڈھوں کے پر ہاتھ رکھ کر یہ دونوں سورتیں پڑھائیں اور فرمایا جب نماز پڑھ تو انہیں پڑھا کر۔ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص حضرت عقبہ بن عامرؓ ہوں گے' واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ بن سلام کے سینے پر ہاتھ رکھ کر آپ نے فرمایا کہ وہ نہ سمجھے کہ کیا کہیں' پھر فرمایا کہ تو انہوں نے سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی آپ نے فرمایا اسی طرح پناہ مانگا کر اس جیسی پناہ مانگنے کی اور سورت نہیں (نسائی) نسائی کی اور حدیث میں ہے کہ حضرت جابرؓ سے یہ دونوں سورتیں آپ نے پڑھوائیں پھر فرمایا انہیں پڑھتا رہ ان جیسی سورتیں تو اور پڑھے گا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی وہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ حضور انہیں پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک کر اپنے سر چہرے اور سامنے کے جسم پر پھیر لیتے تھے۔ موطا مالک میں ہے کہ جب نبی ﷺ بیمار پڑتے تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ کر کر اپنے اوپر پھونک لیا کرتے تھے' جب آپ کی بیماری سخت ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معوذات پڑھ کر خود آپ کے ہاتھوں کو آپ کے جسم مبارک پر پھیرتی تھیں اور اس سے قصد آپ کا آپ کے ہاتھوں کی برکت کا ہوتا تھا سورۂ ن کی تفسیر کے آخر میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنات کی اور انسانوں کی آنکھوں سے پناہ مانگا کرتے تھے' جب یہ دونوں سورتیں اتریں تو آپ نے انہیں لے لیا اور باقی سب چھوڑ دیں۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مہربانی اور رحم کرنے والے کے نام سے شروع کرتا ہوں ○
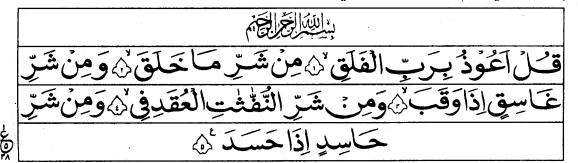
تو کہہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں ○ ہر اس چیز کی برائی سے جسے اس نے پیدا کیا ہے ○ اور اندھیری رات کی برائی سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے ○ اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کی برائی سے ○ اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرے ○

بیماری' وبا' جادو اور ان دیکھی بلاؤں سے بچاؤ کی دعا: ☆☆ (آیت: ۱-۵) حضرت جابرؓ وغیرہ فرماتے ہیں فلق کہتے ہیں صبح کو خود قرآن میں اور جگہ ہے فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ابن عباسؓ سے مروی ہے فلق سے مراد مخلوق ہے۔ حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں فلق جہنم میں ایک جگہ ہے جب اس کا دروازہ کھلتا ہے تو اس کی آگ گرمی اور سختی کی وجہ سے تمام جہنمی چیخنے لگتے ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے لیکن وہ حدیث منکر ہے' یہ بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جہنم کا نام ہے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ ٹھیک قول پہلا ہی ہے یعنی مراد اس سے صبح ہے۔ امام بخاریؒ بھی یہی فرماتے ہیں اور یہی

صحیح ہے۔ تمام مخلوق کی برائی سے جس میں جہنم بھی داخل ہے اور ابلیس اور اولاد ابلیس بھی۔ غَاسِق سے مراد رات ہے۔ اِذَا وَقَبَ سے مراد سورج کا غروب ہو جانا ہے یعنی رات جب اندھیرا لئے ہوئے آ جائے۔ ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ عرب ثریا ستارے کے غروب ہونے کو غاسق کہتے ہیں' بیماریاں اور وبائیں اس کے واقع ہونے کے وقت بڑھ جاتی تھیں اور اس کے طلوع ہونے کے وقت اٹھ جاتی تھیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ستارہ غاسق ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں مراد اس سے چاند ہے۔

ان کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہاتھ تھامے ہوئے چاند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس غاسق کی برائی سے پناہ مانگ۔ اور روایت میں ہے غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ سے یہی مراد ہے دونوں قولوں میں باآسانی یہ تطبیق ہو سکتی ہے کہ چاند کا چڑھنا اور ستاروں کا ظاہر ہونا وغیرہ یہ سب رات ہی کے وقت ہوتا ہے جب رات آ جائے واللہ اعلم۔ گرہ لگا کر پھونکنے والیوں سے مراد جادوگر عورتیں ہیں۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں شرک کے بالکل قریب وہ منتر ہیں جنہیں پڑھ کر سانپ کے کاٹے پر دم کیا جاتا ہے اور آسیب زدہ پر۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں' تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ دَآءٍ يُّؤْذِيْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ وَّعَيْنٍ اللّٰهُ يُشْفِيْكَ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے میں دم کرتا ہوں ہر اس بیماری سے جو تجھے دکھ پہنچائے اور ہر حاسد کی برائی اور بدی سے اللہ تجھے شفا دے۔ اس بیماری سے مراد شاید وہ بیماری ہے جبکہ آپ پر جادو کیا گیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عافیت اور شفا بخشی اور حاسد یہودیوں کے جادوگر کے مکر کو رد کر دیا اور ان کی تدبیروں بے اثر کر دیں اور انہیں رسوا اور فضیحت کیا لیکن باوجود اس کے رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے اوپر جادو کرنے والے کو ڈانٹا ڈپٹا تک نہیں' خدائے تعالیٰ نے آپ کی کفایت کی اور آپ کو عافیت اور شفا عطا فرمائی۔ مسند احمد میں ہے نبی ﷺ پر ایک یہودی نے جادو کیا' جس سے کئی دن تک آپ بیمار رہے' پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر بتایا کہ فلاں یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے اور فلاں فلاں کنویں میں گرہیں لگا کر رکھا ہے' آپ کسی کو بھیج کر اسے نکلوا لیجئے' آنحضرت ﷺ نے آدمی بھیجا اور اس کنویں سے وہ جادو نکلوا کر گرہیں کھول دیں سارا اثر جاتا رہا' پھر نہ تو آپ نے اس یہودی سے کبھی اس کا ذکر کیا اور نہ کبھی اس کے سامنے منہ میلا کیا۔ صحیح بخاری شریف کتاب الطب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا' آپ سمجھتے تھے کہ آپ ازواج مطہرات کے پاس آئے حالانکہ نہ آئے تھے۔

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں یہی سب سے بڑا جادو کا اثر ہے جب یہ حالت آپ کی ہو گئی' ایک دن آپ فرمانے لگے عائشہ میں نے اپنے رب سے پوچھا اور میرے پروردگار نے بتلا دیا' دو شخص آئے' ایک میرے سرہانے ایک میرے پاؤں کی طرف' سرہانے والے نے اس دوسرے سے پوچھا ان کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے' پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ کہا عبید بن اعصم نے جو بنو زریق کے قبیلے کا ہے جو یہودی کا حلیف ہے اور منافق شخص ہے' کہا کس چیز میں؟ کہا تر کھجور کے درخت کی چھال میں' پتھر کی چٹان تلے ذروان کے کنویں میں' پھر حضور علیہ السلام اس کنویں کے پاس آئے اور اس میں سے وہ نکلوایا' اس کا پانی ایسا تھا گویا مہندی کا گدلا پانی' اس کے پاس کے کھجوروں کے درخت شیطانوں کے سر جیسے تھے' میں نے کہا بھی کہ یا رسول اللہ ان سے بدلہ لینا چاہئے۔ آپ نے فرمایا الحمد اللہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تو شفا دے دی اور میں لوگوں میں برائی پھیلانا پسند نہیں کرتا۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک کام کرتے نہ تھے اور اس کے اثر سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کر چکا ہوں' اور یہ بھی ہے کہ اس

کنویں کو آپ کے حکم سے بند کر دیا گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ چھ مہینے تک آپ کی یہی حالت رہی' تفسیر ثعلبی میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ یہود کا ایک بچہ نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا' اسے یہودیوں نے بہکا سکھا کر آپ کے چند بال اور آپ کی کنگھی کے چند دندانے منگوا لئے اور ان میں جادو کیا' اس کام میں زیادہ تر کوشش کرنے والا لبید بن اعصم تھا' پھر ذروان نامی کنویں میں جو بنو زریق کا تھا اسے ڈال دیا' پس حضورؐ بیمار ہو گئے سر کے بال جھڑنے لگے' خیال آتا تھا کہ میں عورتوں کے پاس ہو آیا حالانکہ آتے نہ تھے' گو آپ اسے دور کرنے کی کوشش میں تھے لیکن وجہ معلوم نہ ہوتی تھی' چھ ماہ تک یہی حال رہا' پھر وہ واقعہ ہوا جو اوپر بیان کیا کہ فرشتوں کے ذریعے آپ کو اس تمام حال کا علم ہو گیا اور آپ نے حضرت علی کو حضرت زبیر کو اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو بھیج کر کنویں میں سے وہ سب چیزیں نکلوائیں' ان میں ایک تانت تھی جس میں بارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ہر گرہ پر ایک سوئی چبھی ہوئی تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں اتاریں۔ حضور ﷺ ایک ایک آیت ان کی پڑھتے جاتے تھے اور ایک ایک گرہ اس کی خود بخود کھلی جاتی تھی' جب یہ دونوں سورتیں پوری ہوئیں وہ سب گرہیں کھل گئیں اور آپ بالکل شفایاب ہو گئے۔

ادھر جبرئیل علیہ السلام نے وہ دعا پڑھی جو اوپر گزر چکی ہے۔ لوگوں نے کہا حضورؐ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اس خبیث کو پکڑ کر قتل کر دیں' آپ نے فرمایا نہیں خدا نے مجھے تو تندرستی دے دی اور میں لوگوں میں شر و فساد پھیلانا نہیں چاہتا۔ یہ روایت تفسیر ثعلبی میں بلا سند مروی ہے' اس میں غرابت بھی ہے اور اس کے بعض حصے میں سخت نکارت ہے اور بعض کے شواہد بھی ہیں جو پہلے بیان ہو چکے واللہ اعلم۔

تفسیر سورۃ الناس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ بخشش اور مہربانی کرنے والے کے نام سے ○

تو کہہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں ○ لوگوں کے مالک کی ○ لوگوں کے معبود کی ○ وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کی برائی سے ○ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے ○ خواہ وہ جن ہو یا انسان ○

خالق' پرورش کنندہ' مالک' حکمران' معبود حقیقی اور پناہ دہندہ: ☆☆ (آیت: ۱-۶) اس میں اللہ تعالیٰ نے عزوجل کی تین صفتیں بیان ہوئی ہیں' پالنے اور پرورش کرنے کی' مالک اور شہنشاہ ہونے کی' معبود اور لائق عبادت ہونے کی۔ تمام چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں' اسی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں مشغول ہیں' پس وہ حکم دیتا ہے کہ ان پاک اور برتر صفات والے خدا کی پناہ میں آ جائے جو بھی پناہ اور بچاؤ کا طلب ہو۔ شیطان جو انسان پر مقرر ہے' اس کے وسوسوں سے وہی بچانے والا ہے' ہر انسان کے ساتھ یہ ہے' برائیوں اور بدکاریوں کو خوب زینت دار کر کر کے لوگوں کے سامنے وہ پیش کرتا رہتا ہے اور بہکانے میں' راہ راست سے ہٹانے میں کوئی کمی نہیں کرتا'

اس کے شر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جسے خدا بچا لے۔ صحیح حدیث شریف میں ہے تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان ہے۔ لوگوں نے کہا کیا آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے' پس میں سلامت رہتا ہوں وہ مجھے صرف نیکی اور اچھائی کی بات ہی کہتا ہے۔

بخاری مسلم کی اور حدیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ایک واقعہ منقول ہے جس میں بیان ہے کہ حضرت ﷺ جب اعتکاف میں تھے تو ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے پاس رات کے وقت آئیں جب واپس جانے لگیں تو حضور بھی پہنچانے کے لئے ساتھ چلے' راستے میں دو انصاری صحابی مل گئے جو آپ کو بیوی صاحبہ کے ساتھ دیکھ کر جلدی چل دیئے' حضور نے انہیں آواز دے کر ٹھہرایا اور فرمایا سنو میرے ساتھ میری بیوی صفیہ بنت حیی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہیں انہوں نے کہا سبحان اللہ یا رسول اللہ اس فرمان کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آپ نے فرمایا انسان کے خون کے جاری ہونے کی جگہ شیطان گھومتا پھرتا رہتا ہے' مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دلوں میں وہ کوئی بدگمانی نہ ڈال دے۔ حافظ ابو یعلی موصلی رحمہ اللہ نے ایک حدیث وارد کی ہے جس میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ شیطان اپنا ہاتھ انسان کے دل پر رکھے ہوئے ہے' اگر یہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تب تو اس کا ہاتھ ہٹ جاتا ہے اور اگر یہ ذکر اللہ بھول جاتا ہے تو وہ اس کے دل پر پورا قبضہ کر لیتا ہے' یہی وسواس الخناس ہے' یہ حدیث غریب ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گدھے پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے' ایک صحابی آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' گدھے نے ٹھوکر کھائی تو ان کے منہ سے نکلا شیطان برباد ہو' آنحضرت ﷺ نے فرمایا یوں نہ کہو اس سے شیطان بڑھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی قوت سے گرا دیا اور جب تم بسم اللہ کہو تو وہ گھٹ جاتا ہے یہاں تک کہ مکھی کے برابر ہو جاتا ہے' اس سے ثابت ہوا کہ ذکر اللہ سے شیطان پست اور مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کے چھوڑ دینے سے وہ بڑا ہو جاتا ہے اور غالب آ جاتا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہوتا ہے اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے تھپکتا اور بہلاتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے جانور کو بہلاتا ہو' پھر اگر وہ خاموش رہا تو وہ ناک میں نکیل یا منہ میں لگام چڑھا دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان فرما کر فرمایا تم خود اسے دیکھتے ہو نکیل والا تو وہ ہے جو ایک طرف جھکا کھڑا ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو اور لگام والا وہ ہے جو منہ کھولے ہوئے ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں شیطان ابن آدم کے دل پر جنگل مارے ہوئے ہے' جہاں یہ بھولا اور غفلت کی کہ اس نے وسوسے ڈالنے شروع کئے اور جہاں اس نے ذکر اللہ کیا اور یہ پیچھے ہٹا۔ سلیمانؒ فرماتے ہیں مجھ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ شیطان راحت و رنج کے وقت انسان کے دل میں سوراخ کرنا چاہتا ہے یعنی اسے بہکانا چاہتا ہے' اگر یہ خدا کا ذکر کرے تو یہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی احللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ شیطان برائی سکھاتا ہے جہاں انسان نے اس کی مان لی پھر ہٹ جاتا ہے' پھر فرمایا جو وسوسے ڈالتا لوگوں کے سینے میں' لفظ ناس جو انسان کے معنی میں ہے اس کا اطلاق جنوں پر بھی بطور غلبہ کے آ جاتا ہے۔ قرآن میں اور جگہ ہے بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ کہا گیا ہے تو جنات کو لفظ ناس میں داخل کر لینے میں کوئی قباحت نہیں' غرض یہ ہے کہ شیطان جنات کے اور انسان کے سینے میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔

اس کے بعد کے جملے مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن کے سینوں میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے وہ جن بھی ہیں اور انسان بھی' اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ وسواس ڈالنے والا خواہ کوئی جن ہو خواہ کوئی انسان جیسے اور جگہ ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن

انسانی اور جناتی شیطان بنائے ہیں' ایک دوسرے کے کان میں دھوکے کی باتیں بنا سنور کر ڈالتے رہتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد میں آیا اور بیٹھ گیا آپ نے فرمایا نماز بھی پڑھی؟ میں نے کہا نہیں' فرمایا کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعتیں ادا کر لو' میں اٹھا اور دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا اے ابوذر! اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو انسان شیطانوں اور جن شیطانوں سے' میں نے کہا یا رسول اللہ کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں' میں نے کہا یا رسول اللہ نماز کیسی چیز ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا بہترین چیز ہے' جو چاہے کم کرے جو چاہے زیادتی کرے میں نے پوچھا روزہ؟ فرمایا کافی ہونے والا فرض ہے اور خدا کے پاس زیادتی ہے' اس نے پھر پوچھا صدقہ؟ حضورؐ نے فرمایا بہت ہی بڑھا چڑھا کر کئی گنا کر کے بدلہ دیا جائے گا' میں نے پھر عرض کی حضور کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا باوجود مال کی کمی کے صدقہ کرنا یا چپکے سے چھپا کر کسی مسکین فقیر کے ساتھ سلوک کرنا' میں نے سوال کیا حضور سب سے پہلے نبی کون تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں نبی اور وہ بھی وہ جن سے خدائے تعالیٰ نے بات چیت کی' میں نے کیا یا رسول اللہ رسول کتنے ہوئے؟ فرمایا تین سو کچھ اوپر دس بہت بڑی جماعت' اور کبھی فرمایا تین سو پندرہ' میں نے کہا یا رسول اللہ جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ان سب سے بڑی عظمت والی آیت کون سی ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا آیت الکرسی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الخ' یہ حدیث نسائی میں بھی ہے اور ابو حاتم بن حبان کی صحیح ابن حبان میں تو دوسری سند سے دوسرے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بہت بڑی ہے فاللہ اعلم۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میرے دل میں تو ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ ان کا زبان سے نکالنا مجھ پر آسمان پر سے گر پڑنے سے بھی زیادہ برا ہے' نبی ﷺ نے فرمایا اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اللہ ہی کے لئے حمد و ثنا ہے جس نے شیطان کے مکر و فریب کو وسوسے میں ہی لوٹا دیا' یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ کے احسان سے یہ تفسیر ختم ہوئی۔

والحمد للہ رب العالمین

اللہ کے فضل و کرم سے تیسویں پارے کی تفسیر بھی ختم ہوئی اور تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ تفسیر محمدی بالکل کامل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پاک کلام کی صحیح سمجھ دے اور اس پر عمل نصیب فرمائے اور پھر قبول کرے۔ آمین اله الحق امین والحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی جمیع المرسلین۔